كشف الباري
عما في صحيح البخاري
كتاب الجهاد والسير
جلد اوّل
شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی
مکتبہ فاروقیہ
شاہ فیصل کالونی ۴ کراچی

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث، جامعہ دارالعلوم، کراچی

''کشف الباری عما فی صحیح البخاری'' اردو زبان میں صحیح بخاری شریف کی عظیم الشان اردو شرح ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی نصف صدی کے تدریسی افادات اور مطالعہ کا نچوڑ وثمرہ ہے، یہ شرح ابھی تدوین کے مرحلے میں ہے۔ ''کشف الباری'' عوام وخواص، علما وطلبہ ہر طبقے میں الحمدللہ یکساں مقبول ہورہی ہے، ملک کی ممتاز دینی درس گاہ دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہم نے ''کشف الباری'' سے والہانہ انداز میں اپنے استفادے کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے متعلق اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں، ذیل میں ان دونوں علماء کے یہ تاثرات شائع کیے جارہے ہیں۔

کشف الباری

صحیح بخاری کی اردو میں ایک عظیم الشان شرح

احقر کو بفضلہ تعالیٰ اپنے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (أطال الله بقاء ه بالعافية) سے تلمذ کا شرف پچھلے 43 سال سے حاصل ہے، ان میں سے ابتدائی تین سال تو باقاعدہ اور باضابطہ تلمذ کا موقع ملا، جس میں احقر نے درس نظامی کی متعدد اہم ترین کتابیں حضرت سے پڑھیں، جن میں ہدایہ آخرین، میبذی اور دورۂ حدیث کے سال جامع ترمذی شامل ہیں، پھر اس کے بعد بھی الحمدللہ استفادہ کا سلسلہ کسی نہ کسی جہت سے قائم رہا۔ حضرت کا دلنشین اندازِ تدریس ہم سب ساتھیوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول اور محبوب تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مباحث حضرت کی سلجھی ہوئی تقریر کے ذریعے پانی ہوجاتے تھے، خاص طور سے جامع ترمذی کے درس میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آئی کہ شروح حدیث کے وہ مباحث جو مختلف کتابوں میں غیر مرتب انداز میں پھیلے ہوئے ہوتے، وہ حضرت کے درس میں نہایت انضباط کے ساتھ اس طرح مرتب ہوجاتے کہ ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ہم جیسے طالب علموں کے لیے نہایت آسان ہوتا۔ دراس طرح حضرت نے ایک کتاب اور اس کے موضوعات ہی نہیں پڑھائے، بلکہ اس بات کی تعلیم بھی دی کہ بکھرے ہوئے مباحث کو کس طرح سمیٹا جائے اور انہیں فہم سے قریب کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے۔ حضرت کے اس اندازِ تدریس کا یہ احسان میرے علاوہ ان تمام طلبہ کے لیے ناقابل فراموش ہے جنہیں حضرت سے پڑھنے کے بعد کسی علمی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت نے اپنے علمی مقام اور اپنے وسیع افادات کو ہمیشہ اپنی اس متواضع، سادہ اور بے تکلف زندگی کے پردے میں چھپائے رکھا جس کا مشاہدہ ہر شخص آج بھی ان سے ملاقات کرکے کرسکتا ہے۔

لیکن پچھلے دنوں حضرت کے بعض تلامذہ نے آپ کی تقریر بخاری کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے مرتب کر کے شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اب بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہیں۔

جب پہلی بار ''کشف الباری'' کا ایک نسخہ میرے سامنے آیا تو حضرت سے پڑھنے کے زمانے کی جو خوشگوار یادیں ذہن پر مرتسم تھیں، انہوں نے طبعی طور پر کتاب کی طرف اشتیاق پیدا کیا۔ لیکن آج کل مجھ ناکارہ کو گوناگوں مصروفیات اور اسفار کے جس غیر متناہی سلسلے نے جکڑا ہوا ہے اس میں مجھے اپنے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میں ان ضخیم جلدوں سے پورا پورا استفادہ کر سکوں گا، یوں بھی اردو زبان میں اکابر سے لے کر اصاغر تک بہت سے حضرات اساتذہ کی تقاریر بخاری معروف ومتداول ہیں اور ان سب کو بیک وقت مطالعے میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن جب میں نے ''کشف الباری'' کی پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا۔ اپنے درس بخاری کے دوران جب میں ''فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد ''کشف الباری'' کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہو گئے ہیں جیسے ان کتابوں کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہو۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں۔ اس طرح مجھے بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کی ابتدائی دو جلدوں کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا اور کتاب المغازی والی جلد کے بیشتر حصے سے استفادہ نصیب ہوا اور اگر میں یہ کہوں تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ **تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے**۔ اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں صحیح بخاری کے طالب علم اور استاذ کے لیے تقریباً تمام ضروری مسائل کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ پہلی دو جلدیں تقریباً 14 سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں صرف کتاب الایمان مکمل ہوئی ہے۔ جب کہ شروع میں علم حدیث اور صحیح بخاری کے بارے میں نہایت مفید مقدمہ بھی شامل ہے دوسری دو جلدیں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر پر مشتمل ہیں۔ اور ان کی ضخامت بھی قریب قریب اتنی ہی ہے۔

اس تقریر کی ترتیب اور تدوین میں مولانا نورالبشر اور مولانا ابن الحسن عباسی صاحبان (فاضلین دارالعلوم کراچی) نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں، وفقهما الله تعالیٰ لأمثال أمثاله، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور تقریر کے باقی ماندہ حصے بھی اسی معیار کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہوں۔ انشاء اللہ یہ کتاب اپنی تکمیل کے بعد اردو میں صحیح بخاری کی جامع ترین شرح ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحبِ تقریر کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر بعافیتِ تامہ قائم رکھیں، ہمیں اور پوری امت کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

احقر اس لائق نہیں تھا کہ حضرتِ والا کی تقریر کے بارے میں کچھ لکھتا، لیکن تعمیلِ حکم میں یہ چند بے ربط اور بے ساختہ تاثرات قلمبند ہو گئے۔ حضرت صاحبِ تقریر اور اس عظیم الشان کتاب کا مرتبہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

☆☆☆☆

تاثرات

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی صاحب
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

حدیثِ رسول قرآن کریم کی شرح ہے

﴿لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ﴾۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری قرآن کریم کی آیات صرف پڑھ کرسنانا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم، قولی اور عملی طریقے سے دینا بھی آپ کے فرائض میں داخل تھا اور یہ ان مقاصد میں سے تھا جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا کیونکہ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کریم کے علاوہ شریعت کے وہ احکام ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی تھی، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں لکھا ہے۔

"سمعت من أرضى من أهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة سنة رسول اللّٰه ﷺ" (ص:۳۲)

''میں نے قرآن کے ان اہل علم کو جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حکمت سے مراد نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے''۔

امام شاطبی نے اپنی کتاب ''الموافقات'' (ج ۴ص:۱۰) پر لکھا ہے "فكانت السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب" یعنی سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے شرح کا درجہ رکھتی ہے''۔

اور امام محمد بن جریر طبری سورۂ بقرہ کی آیت "ربنا وابعث فیھم رسولا ......" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الصواب من القول عندنا فى الحكمة أن العلم بأحكام اللّٰه التى لا يدرك علمها إلا ببيان الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم، والمعرفة بها ومادل عليه فى نظائره، وهو عندى مأخوذ من الحكم الذى بمعنى الفصل بين الباطل والحق۔

''ہمارے نزدیک صحیح تر بات یہ ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کے احکام کے علم کا نام ہے جو صرف نبی کریم ﷺ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے.....''

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه" یعنی مجھے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے مثل مزید، جس سے مراد قرآن کریم کی شرح یعنی نبی اکرم ﷺ کی قولی وفعلی احادیث مبارکہ ہی ہیں اور اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو قرآن حکیم میں خطاب کرکے دین کے اس حصے کی حفاظت کا حکم فرمایا تھا..... ﴿ واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللّٰہ والحکمۃ..... ﴾ کہ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

علمائے امت کے ہاں اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے مجملات ومشکلات کی تفسیر وتشریح اور اعمالِ دینیہ کی عملی صورت نبی کریم ﷺ کے اقوال واعمال اور آپ کے احوال جانے بغیر نہیں ہوسکتی، کیونکہ آپ مرادِ الٰہی کے بیان وتفسیر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: "أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (سورۃ النحل) ''آپ پر ہم نے یہ ذکر یعنی یادداشت نازل کی تاکہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے، آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کردیں''۔ چنانچہ قرآن کریم میں جتنے احکام نازل فرمائے گئے تھے، مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکر الٰہی، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، اخلاق ومعاشرت ...... یہ سب احکام قرآن کریم میں مجملاً تھے، ان

احکام کی تفسیر وتشریح نبی اکرم ﷺ نے فرمائی، اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ ....."

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث قرآن کریم سے الگ عجمی دین نہیں پیش کرتی ہیں اور نہ ہی یہ عجمی سازش ہے، بلکہ یہ قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل ہے اور دینِ اسلام کا حصہ ہے۔

حفاظتِ حدیث، امت مسلمہ کی خصوصیت

اسی اہمیت وخصوصیت کی بناء پر اس کی حفاظت وتدوین اور تشریح کے لئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی کوششیں صرف ہوئی ہیں، حافظ ابن حزم ظاہریؒ نے اپنی کتاب ''الفصل'' میں لکھا ہے کہ پچھلی امتوں میں کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ملی کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح اور ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمے کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق ملی، مسلمانوں کے اس عظیم کارنامے کا اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔

''خطبات مدراس'' میں مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈاکٹر اسپنگر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لئے اسمائے رجال کا فن ایجاد کیا، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ سے زیادہ انسانوں کے حالات محفوظ ہو گئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے جمع ونقل کا تعلق ہے، اس کے علاوہ علم حدیث کے سوفنون ہیں جن کی تفصیل مصطلح الحدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تدوینِ حدیث کی ابتداء

حدیث کی جمع وترتیب اور تدوین کی تفصیل ان کتب میں دیکھی جائے جو منکرینِ حدیث اور مستشرقینِ یورپ کے جواب میں علمائے امت نے لکھی ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں البتہ مختصراً اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ احادیث مبارکہ کے لکھنے کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی تھا اور بعض صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی اجازت سے آپ ﷺ کی احادیث کو محفوظ وقلمبند کیا، اس کے بعد پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں احادیث کی ترتیب وتدوین کے کام میں مزید ترقی ہوئی اور پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں خلیفۂ راشد وعادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں سرکاری طور پر اس کے لئے اہتمام شروع ہوا اور پھر ان کے انتقال کے بعد اگر چہ اس کام کا سرکاری اہتمام تو باقی نہیں رہا لیکن علمائے امت نے اس کا بیڑا سنبھالا اور الحمدللہ آج احادیث مرتب اور منقح صورت میں جو ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ محدثین، فقہاء اور علمائے امت کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ واقعۃً تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صحیح بخاری شریف کا مقام

اس سلسلۂ ترتیب وتدوین کی ایک زریں کڑی امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب ''الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول ﷺ وسننہ وایامہ'' ہے، اس کتاب میں امام بخاریؒ نے وہ آٹھ اقسام جمع کر دیے ہیں جو کسی کتاب کے جامع ہونے کے لئے ضروری ہیں امام بخاری نے نہ معلوم کس قدر عظیم اخلاص کے ساتھ یہ کتاب لکھی تھی جس کی بناء پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے وہ عظیم مقبولیت عطا فرمائی کہ مخلوق کی کتابوں میں جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، چنانچہ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سب سے صحیح ترین کتابیں ہیں اور...... ''إن كتاب البخاري أصح الكتابين صحيحا، وأكثرهما فوائد'' اور امام نسائی فرماتے ہیں " أجود هذه الكتب كتاب البخاري" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب " حجة الله البالغه"(ص:۲۹۷) میں ارشاد فرماتے ہیں: ''جو شخص اس کتاب کی عظمت کا

قائل نہ ہو، وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا ہے" پھر قسم اٹھا کر فرماتے ہیں: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کو جو شہرت عطا فرمائی، اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا"۔

اس کتاب میں جو خصوصیات اور امتیازات ہیں ان کی تفصیل کو زیر نظر کتاب کے مقدمہ میں دیکھا جائے۔

شروح بخاری

ان ہی خصوصیات وامتیازات اور اہمیت ومقبولیت کی بناء پر صحیح بخاری کی تدوین وتصنیف کے بعد ہر دور کے علماء نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں، شیخ الحدیث حضرت اقدس حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے "لامع الدراری" کے مقدمہ میں ایک سو سے زیادہ شروح وحواشی کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ابھی "ابن بطال" کی شرح بخاری چھپی ہے اس کے مقدمہ میں کتاب کے محقق ابو تمیم یاسر بن ابراہیم فرماتے ہیں:

"فأضحى هذا الكتاب أصح كتاب بعد القرآن، واحتل من بين الكتب الصدارة والاهتمام، فقضى العلماء أمامه الليالي والأيام، فمنهم الشارح لما في ألفاظ متونه من المعاني والأحكام، ومنهم الشارح لمناسبات تراجم أبوابه، ومنهم المترجم لرجال اسانيده، ومنهم الباحث في شرط البخاري فيه، ومنهم المستدرك عليه أشياء لم يخرجها، ومنهم المتتبع أشياء انتقدها عليه، إلى غير ذلك من أنواع العلوم المتعلقة بالجامع الصحيح (ص:۷ ج۱)"

یعنی ان کتب حدیث میں جب صحیح بخاری نے صدارت کا مقام حاصل کیا تو علماء امت نے اپنی زندگیاں اور دن رات اس کتاب کی خدمت میں صرف کر دیے۔ بعض لوگوں نے اس کتاب کے متون حدیث میں جو معانی واحکام ہیں ان پر کتابیں لکھیں، بعض علماء نے ابواب بخاری کی مناسبت یا اس کی اسانید کے رجال کے حالات پر اور بعض نے بخاری کی شرائط پر اور بعض نے کتاب پر استدراک وانتقاد کے سلسلے میں کتابیں لکھیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی شرح حافظ ابو سلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۶ھ کی "أعلام الحدیث" ہے، اس شرح میں صرف غریب الفاظ کی تشریح ہے۔

اس کے بعد پھر حافظ داؤدی المتوفی ۴۰۲ھ کی شرح ہے، ابن التین نے اپنی شرح بخاری میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں، ان کے بعد پھر علامہ "مھلب بن احمد بن ابی صفرہ" المتوفی ۴۳۵ھ کی شرح ہے، اسی شرح کی تلخیص شارح کے شاگرد "ابو عبداللہ محمد بن خلف بن المرابط الاندلسی المصری المتوفی ۴۸۵ھ نے کی ہے، ان کے بعد پھر ابوالحسن علی بن خلف بن بطال القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ کی شرح ہے، یہ مہلب کے شاگرد تھے اور انھوں نے ان کی شرح سے استفادہ کیا ہے، ابن بطال کی شرح سے پہلے صرف "خطابی" کی شرح مطبوع ہے، اور اب "ابن بطال" کی شرح چھوٹے سائز کی دس جلدوں میں چھپ چکی ہے، امام نووی المتوفی ۶۷۹ھ نے بھی صرف کتاب الایمان کی شرح لکھی، اسی طرح امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ کی شرح "الکواکب الدراری" شیخ جمال الدین الشافعی المتوفی ۶۷۲ھ کی "شواھد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح" حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی "فتح الباری" امام بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ کی "عمدۃ القاری" علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی "التوشیح" امام قسطلانی کی "ارشاد الساری" علامہ نور الحق بن مولانا الشیخ عبدالحق محدث دھلوی المتوفی ۱۰۷۳ھ کی "تیسیر القاری" شیخ الاسلام بن محب اللہ البخاری کی شرح جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر ہے، حافظ دراز پشاوری کا حاشیہ بھی "تیسیر القاری" کے حاشیہ پر چھپا ہے، علامہ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالھادی سندھی کا حاشیہ ...... یہ تمام صحیح بخاری کے مشہور اور مطبوع شروح وحواشی ہیں۔

ہندوستان میں علم حدیث کی خدمات کا مختصر جائزہ

ہندوستان میں جب علم حدیث کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے بعد حدیث کی خدمت کے سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اوران کے گھرانے کی گراں قدر خدمات ہیں، حضرت شیخ نے خود مشکوۃ المصابیح پر عربی اور فارسی میں شروح لکھیں اوران کے صاحبزادے نے صحیح بخاری پر شرح لکھی پھران کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اوران کے خاندان کی خدمات بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

صحیح بخاری کے ابواب وتراجم پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ صحیح بخاری کی ابتدا میں مطبوع اور متداول ہے پھران کے بعد حدیث کی تدریس وتشریح کے سلسلے میں علماء دیوبند کا دور آتا ہے جن میں نمایاں خدمت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری ہے، جس کی تکمیل حضرت قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کی، نیز حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحاح کی اکثر کتب پر حواشی لکھے اوراحادیث کی کتب اہتمام صحت کے ساتھ چھپوائیں۔

پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی خدمات تدریس حدیث اوران کے لائق تلامذہ کی وہ تقاریر بھی خدمت حدیث کی سنہری کڑیاں ہیں جن میں صحیح بخاری پر "لامع الدراری" اور سنن ترمذی پر "الکوکب الدری" جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے قیمتی حواشی کے ساتھ چھپ چکی ہیں، سنن ابن ماجہ پر حضرت شیخ الہند کے استاذ ملا محمودؒ کا حاشیہ اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا فخرالحسن گنگوہی کے حواشی، سنن ترمذی اور سنن النسائی پر حضرت مولانا اشفاق الرحمان کاندھلویؒ کے حواشی اور ابوداؤد پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بے مثال شرح "بذل المجہود" سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند کی تقاریر، صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد پر حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیری کی تقاریر، سنن ترمذی پر علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کی تقاریر، صحیح مسلم پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی لاجواب شرح، اسی طرح سنن ترمذی پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر نکات، صحیح بخاری پر حضرت عثمانی کی تقریر اور حضرت شیخ الحدیث کی تقریر اور "الابواب والتراجم" موطا امام مالکؒ پر ان کی شرح "اوجز المسالک" موجودہ زمانے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی "تکملة فتح الملهم" اور درس ترمذی، حضرت مولانا فخرالدینؒ کی "ایضاح البخاری" اور "الابواب والتراجم" پر ان کی کتاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی "التعلیق الصبیح" اور صحیح بخاری پر "الابواب والتراجم" مولانا عبدالجبار اعظمی کی "امداد الباری" شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین غور غشتوی کا "حاشیہ مشکوۃ" حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) کی تقریر ترمذی، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی ترمذی پر شرح، مولانا نذیر احمد صاحب فیصل آبادی کی مشکوۃ پر تقریر، حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری کی "معارف ترمذی" اوراس طرح کی دیگر لاتعداد کتب، علم حدیث کی وہ گرانقدر خدمات ہیں جن سے زمانہ صرف نظر نہیں کرسکتا اور نہ علوم کی تاریخ لکھنے والا ان خدمات کو نظرانداز کرسکتا ہے۔

کشف الباری
صحیح بخاری کی شروح میں ایک گرانقدر اضافہ

موجودہ دور میں علم حدیث اور خصوصاً صحیح بخاری کی خدمت وتشریح کے سلسلے میں ایک گراں قدر، قیمتی اور بے مثال اضافہ سیدی وسندی، مسند العصر، استاذ العلماء، شیخ الحدیث وصدر وفاق المدارس پاکستان حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہ وفیوضہ وادام اللہ علینا ظلہ کی صحیح بخاری پر تقریر "کشف الباری عما فی صحیح البخاری" ہے یہ کتاب حضرت کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری پڑھاتے وقت حضرت نے فرمائیں۔

جامعہ فاروقیہ میں احقر کے دورۂ حدیث پڑھنے کا پس منظر

بندہ نے خود بھی حضرت دام ظلہ سے صحیح بخاری پڑھی تھی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ بندہ صوبہ سرحد، ضلع سوات، تحصیل مٹہ، گاؤں فاضل بیگ گھڑی، کے دیہات سے رمضان المبارک کے آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلے کے ارادے سے روانہ ہوا، راولپنڈی آ کر اگلی منزل پر روانگی کے لئے دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی میں ٹھہر گیا، یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے اس زمانے میں جامعہ اشرفیہ میں علم کے آفتاب و ماہتاب حضرت مولانا رسول خان صاحب اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے، بندہ بھی شیخین سے استفادہ کی خاطر گھر سے نکلا تھا، راولپنڈی میں قیام کے دوران طالب علمی کے دور کے شفیق و بزرگ ساتھی حضرت مولانا محمد اکبر صاحب چلکیسری سے ملاقات ہوئی، وہ اس سال جامعہ فاروقیہ میں حضرت دام مجدہ سے دورۂ حدیث پڑھ چکے تھے، انھوں نے بندہ کے ارادے پر مطلع ہونے کے بعد کچھ اس والہانہ اور محبت کے انداز میں حضرت کی طرز تدریس اور قدرت علی التدریس کا تذکرہ کیا کہ بندہ کے لاہور جانے کے ارادے میں کچھ تزلزل پیدا ہوا اور پھر انھوں نے مجھ پر اصرار کیا کہ میں بھی دورۂ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی میں حضرت سے پڑھ لوں، چنانچہ بندہ نے ان کی معیت میں کراچی کا سفر کیا، انھوں نے حضرت سے سفارش کر کے بندہ کا داخلہ دورہ حدیث میں کرایا ''مشکوۃ المصابیح'' میں حضرت نے خود بندہ کا امتحان لیا، مجھے اب تک مقام امتحان کی وہ حدیث یاد ہے۔

اس وقت جامعہ فاروقیہ ایک نوزائیدہ مدرسہ تھا اور اکثر عمارات کچی تھیں، اسباق شروع ہونے سے پہلے بندہ کو کچھ بے چینی اور شکوک وشبہات نے گھیرا، چنانچہ بندہ نے چپکے سے کراچی کے ایک اور بڑے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں اسباق شروع تھے، صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے سبق میں ایک دن شریک ہوا لیکن پھر واپس جامعہ فاروقیہ آیا، دوسرے دن وہاں اسباق شروع ہوئے، حضرت دام مجدہ کے پاس صحیح بخاری کا سبق تھا، پہلے دن کا سبق سن کر اور ابتدائی ابحاث پر حضرت کا خوبصورت اور دل موہ لینے والا مرتب اور واضح انداز تدریس کا مشاہدہ کر کے دل کو اطمینان ہوا اور اپنے رفیق حضرت مولانا محمد اکبر مدظلہ کے لئے دل سے دعا نکلی، بندہ نے خود بھی حضرت کی بخاری شریف کی تقریر لکھی تھی جو بعد میں میری غفلت کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔

میں نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب جیسا استاذ و مدرس نہیں دیکھا

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ بندہ نے ایک طویل عرصے تک حضرت کے زیر سایہ جامعہ فاروقیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے اور اب تقریباً دس بارہ سال سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں درس دے رہا ہے، اس وقت حضرت دام ظلہ سے میرا کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے، یہ تمہید میں نے اس لئے لکھی، کہ آئندہ جو بات میں لکھنا چاہتا ہوں، شاید کچھ حضرات اس کو مبالغہ اور تملق پر محمول کریں گے وہ بات یہ کہ بندہ نے اپنی مختصری طالب علمی کی زندگی میں اور اس کے بعد تقریباً ستائیس اٹھائیس سالہ تدریسی زندگی میں حضرت جیسا مدرس اور استاذ نہیں دیکھا جس کی تقریر ایسی مرتب جامع اور واضح ہو کہ اعلیٰ، متوسط اور ادنی درجے کا ہر طالب علم اس سے استفادہ کر سکتا ہو، اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جو تحقیقی ذوق عطا فرمایا، اس کے ساتھ مرتب اور جامع طرز تدریس عموماً بہت کم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی میں یہ تمام صفات جمع فرمائی ہیں۔

کشف الباری مستغنی کر دینے والی شرح

بندہ تقریباً تین سال سے جامعہ علوم اسلامیہ میں صحیح بخاری پڑھاتا ہے اور الحمدللہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کہتا ہوں کہ مجھے مطالعہ کرنے کا ذوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے، صحیح بخاری کی مطبوعہ و متداول شروح، حواشی اور تقاریر اکابر میں سے شاید کوئی

شرح، حاشیہ، یا تقریر ایسی ہوگی، جو بندہ کی نظر سے نہیں گذری لیکن میں نے ''کشف الباری'' جیسی ہر لحاظ سے جامع، مرتب اور تحقیقی شرح نہیں دیکھی، اگرچہ علماء کا مشہور مقولہ ہے ...... " لایغنی کتاب عن کتاب" لیکن ...... " مامن عام إلا وقد خص عنه البعض " کے قاعدے کے مطابق ''کشف الباری'' اس قاعدے سے مستثنی ہے، بلا مبالغہ حقیقتہً و واقعۃً یہ ایسی شرح ہے کہ انسان کو دوسری شروح سے مستغنی کر دیتی ہے۔

میں ان لوگوں کی بات تو نہیں کرتا جو کسی خاص تقریر کا مطالعہ کر کے سبق پڑھاتے ہیں البتہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے تحقیقی ذوق دیا ہے، اور متقدمین شارحین جیسے خطابی، ابن بطال، کرمانی، عینی، ابن حجر قسطلانی، سندھی وغیرھم کی شروح کا مطالعہ کرتے ہیں اور متاخرین میں تیسیر القاری، لامع الدراری، کوثر المعانی، اور فیض الباری کو دیکھتے ہیں، وہ اس بات کی گواہی دیں گے۔

کشف الباری کی خصوصیات

''کشف الباری عما فی صحیح البخاری'' کی خصوصیات اور امتیازات تو بہت ہیں اور ان شاء اللہ بندہ کا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر دوسری شروح کے ساتھ ایک تقابلی جائزہ آئندہ پیش کرے گا یہاں ارتجالاً چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ مشکل الفاظ کے لغوی معانی کا اور یہ کہ یہ لفظ کس باب سے آتا ہے بیان ہوتا ہے۔

۲۔ اگر نحوی ترکیب کی ضرورت ہو تو جملے کی نحوی ترکیب کو ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ حدیث کے الفاظ کا مختلف جملوں کی صورت میں سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ ترجمۃ الباب کے مقصد کا تحقیقی طریقے سے مفصل بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۵۔ باب کا ماقبل سے ربط و تعلق کے سلسلے میں بھی پوری تحقیق و تنقید کے ساتھ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ مختلف فیہا مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور دوسرے مسالک کی تنقیح و تحقیق کے بعد ہر ایک کے مستدلات کا استقصاء اور پھر دلائل پر تحقیقی طریقے سے ردوقدح اور احناف کے دلائل کی وضاحت اور ترجیح بیان کی گئی ہے۔

۷۔ اگر حدیث میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور ہو تو اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔

۸۔ جن احادیث کو تقریر کے ضمن میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

۹۔ تعلیقات بخاری کی تخریج کی گئی ہے۔

۱۰۔ اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اقوال کے نقل کرنے میں حضرت صرف ناقل نہیں ہیں بلکہ ہر قول پر محققانہ اور تنقیدی کلام بھی بوقت ضرورت کیا گیا ہے۔ تلک عشرۃ کاملہ۔

حضرت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تدریس کا طویل موقعہ عنایت فرمایا، اس کتاب میں آپ کی پوری زندگی کی تدریس کا نچوڑ موجود ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ اس دور میں صحیح بخاری پڑھانے والا کوئی بھی استاذ اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کا سایہ تادیر ہم پر قائم رہے، اس تقریر کے مرتب کرنے والے حضرات کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، دینی طبقہ پر عموماً اور حضرت کے طبقۂ تلامذہ پر خصوصاً جن میں بندہ بھی شامل ہے، یہ ان حضرات کا عظیم احسان ہے۔

☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحیم

کتاب ایک نظر میں

فہرست مضامین

کتاب الجہاد والسیر

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

باب هل يُرشد المسلمُ أهلَ الكتاب أو يُعَلِّمُهم الكتاب

بابُ الدُّعاء للمشركين بالهُدَى ليتألَّفَهُم

بابُ دعوةِ اليهود والنصارىٰ، وعلى مايُقاتلون عليه
وما كتب النبي إلى كسرىٰ، وقيصر، والدعوة قبل القتال

بابُ الخُروج بعد الظُّهر

باب الخُروج آخِرَ الشَّهْرِ

باب الخُروج في رمضان

باب التَّودِيع

باب السَّمْعِ والطاعة للإمام

باب: يُقَاتَلُ مِن وَرَاء الإمام ويُتَّقىٰ به

باب البَيعَةِ في الحرب أن لايَفِرُّوا

بابُ عَزْمِ الإمامِ عَلى النّاسِ فيما يُطِيقُون

باب: كان النبي إذا لم يُقاتِل أوّل النهار أخَّر القتالَ حتى تزولَ الشمسُ

باب استئذان الرَّجُلِ الإمامَ

باب من غزَا وهو حديثُ عَهْد بِعُرسِه

باب من اختار الغَزْوَ بعد البناء

باب مُبادَرةِ الإمام عند الفَزْع

باب السُّرعةِ والرَّكْضِ في الفَزْع

باب الخروج في الفزْع وحده

باب الجَعَائلِ والحُمْلانِ في السبيل

باب ماقِيلَ في لِواءِ النبي صلى الله عليه وسلم

باب الأجير

باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: نُصِرتُ بالرُّعْبِ مَسِيرةَ شَهْرٍ

باب حَمْلِ الزَّادِ في الغَزْوِ

باب حَمل الزّاد على الرِّقَاب

بابُ إردافِ المرء ة خَلْفَ أخِيها

باب الارتدافِ في الغَزْوِ والحَج

باب الرِّدفِ على الحِمار

بابُ مَن أخذ بالرِّكابِ وَنَحوِهِ

باب كَراهِيَّةِ السفر بالمصَاحفِ إلى أرض العَدُوِّ

باب التكبير عِند الحَرْبِ

باب مايُكره من رَفْعِ الصوت في التكبير

باب التسبيح إذا هَبَطَ وادِياً

باب التكبير إذا عَلَا شَرَفاً

باب مايُكتب للمسافر مِثلُ ماكان يَعْملُ في الإقامة

باب السَّيْرِ وَحْدَهُ

باب السُّرْعَةِ في السَّيْرِ

باب إذا حَمَلَ على فَرَسٍ فَرَآها تُباعُ

بابُ الجهادِ بإذنِ الأبَوَيْنِ ۲۵۳

باب ماقِيلَ في الجَرَسِ وَنحوهِ في أعناقِ الإبلِ

باب من اكتُتِبَ في جَيْش فَخَرجَتْ امْرَأَتُهُ حاجَّةً، و كان له عُذرٌ، هل يُؤْذَنُ له

بابُ الجاسُوس

باب الكِسْوَة لِلأُسَارَى

بابُ فَضلِ من أسْلَمَ على يَدَيْه رَجلٌ

بابُ الأُسارى في السَّلاسِل

بابُ فَضلِ مَن أسْلَمَ من أهلِ الكتابَين

بابُ أهْلِ الدارِ يُبَيَّتُون، فيُصاب الوِلْدانُ والذَّرارِي

باب قتل الصّبيان في الحَرْب

بابُ قتلِ النِساء في الحَرْبِ

باب لايُعذب بعذاب الله

باب ((فإما منًّا بعد وإما فداء))

باب هَلْ للأسير أن يَقْتُلَ ويخدع الذين أسَرُوه حتى ينجُوَ من الكَفَرَة

باب إذا حرّق المشركُ المسلم هَلْ يُحرَّق

باب -بلا ترجمہ-

بابُ حَرْقِ الدورو النخیل

بابُ قتلِ النائمِ المشرکِ

بابُ: لا تَمَنّوا لِقاءَ العَدُوِّ

بابٌ : الحربُ خَدْعَةٌ

باب الكذب في الحرب

باب الفَتْک بأهْلِ الحَرْب

باب مايجوز من الاحتيال والحذَرِ، مع من تُخْشٰى مَعَرَّتُهُ

باب الرَّجَزِ في الحَرب ورَفعِ الصَوتِ في حَفْرِ الخندق

بابُ من لا يَثْبُتُ على الخَيل

بابُ دَواء الجُرح بإحْراقِ الحَصِير وغَسْلِ المرأة عن أبيها الدَّمَ عن وَجْهِه، وحمل الماء في التُّرس

باب مایُکره من التنازُعِ والاختلافِ في الحَرْبِ، وعُقُوبَةِ من عَصَى إمامَهُ

باب:إذا فزِعوا بالليل

باب: من رأى العَدُوَّ فنادىٰ بأعلى صَوتِهٖ: یاصباحاه، حتى يُسْمِعَ الناس

بابُ مَن قال: خُذْها وأنا ابنُ فُلان

باب إذا نَزَلَ العَدُوّ على حُكمِ رَجُلٍ

بابُ قتلِ الأسير، وقَتْلِ الصَّبر

بابُ هل يَسْتَأسِرُ الرَّجُلُ ومن لم يستأسِر، ومن ركع ركعتين عِند القتل

بابُ فَكاكِ الأسِير

بابُ فداءِ المشركين

بابُ الحَرْبي إذا دَخَلَ دَارَالإسلامِ بغَيرِ أمانٍ

باب: يُقاتَلُ عَنْ أهلِ الذِّمّةِ وَلا يُسْتَرقُّونَ

بابُ جَوَائزِ الوَفْد. هل يُستَشْفَعُ إلى أهلِ الذِّمَّة ومُعامَلَتِهم

بابُ التجمُّلِ لِلوُفُوْد

باب: کیف یُعْرَضُ الإسلامُ عَلَی الصَّبِيْ

بابُ قَوْلِ النبي صلی اللہ علیہ وسلم: أَسْلِمُوْا تَسْلَمُوا

باب إذا أَسْلَمَ قَومٌ في دارِ الحرب، ولَهُمْ مالٌ وأرضُون، فهِي لَهُمْ

بابُ كِتابة الإمامِ الناسَ

باب إنّ اللهَ يُؤيِّدُ الدين بالرَّجُلِ الفاجِر

بابُ من تأمَّرَ في الحَرْبِ من غَيْرِ إمْرَةٍ إذا خافَ العَدُوَّ

بابُ العَوْنِ بالمَدَدْ

بابُ مَنْ غَلَبَ العَدُوّ فأقام على عَرَصَتِهِمْ ثَلاثاً

بابُ مَنْ قَسَمَ الغَنِيمةَ في غَزْوِهِ وسَفَرِهِ

باب: إذا غَنِمَ المشركون مالَ المسلِم ثُمَّ وَجَدَهُ المسلمُ

بابُ من تكلَّمَ بالفارسِيَّة والرَّطانةِ

بابُ الغُلُولِ

باب القَليلِ مِنَ الغُلُول

بابُ مايُكره من ذَبحِ الإبل وَالغَنَمِ في المغانِم

باب البِشارَة في الفُتُوح

بابُ ما يُعطى البَشير

بابٌ لا هِجْرةَ بَعْدَ الفَتْح

باب: إذا اضطُرَّ الرَّجُلُ إلى النَّظَرِ في شُعُورِ أهلِ الذمة والمؤمنات إذا عَصَيْنَ الله وتجرِيدِ هِنَّ

بابُ استقبالِ الغُزاة

بابُ ما يقُولُ إذا رَجَعَ من الغَزْو

باب الصّلاة إذا قَدِمَ من سَفَرٍ

بابُ الطّعامِ عند القُدُوم من السّفر

ایک وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر اختیار کیا ہے، اُس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا نے تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشاندہی کا بھی التزام کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبروں سے اُس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر حدیث آ رہی ہے، اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگا دیتے ہیں، یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

فهرست مضامين

باب الغنيمة لمن شهد الوقعة　۲۶۱

باب من قاتل للمغنم هل ينقص من أجره؟　۲۶۸

ایک وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا نے تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگا دیتے ہیں۔ یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

فهرس أسماء المترجم لهم على ترتيب حروف الهجاء

فهرست اجمالی

☆☆......☆☆

أسماء المترجم لهم على ترتيب حروف الهجاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

اللہ جل شانہ وعم نوالہ کا بے پایاں کرم اور احسان ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رئیس المحدثین مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت معالیہم کے درس صحیح بخاری کی ایک اور جلد ترتیب، تحقیق اور تعلیق کے ساتھ آپ حضرات کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج سے دو سال قبل بندہ کو کشف الباری کا کام تفویض کیا گیا تھا، اس وقت یہ خیال وگمان بھی نہیں تھا کہ اس قلیل عرصہ میں یہ جلد آپ کے سامنے زیور طبع سے آراستہ ہوکر آجائے گی۔ فللّٰہ الحمد ولہ الشکر۔

یہ جلد صحیح بخاری کی کتاب الجہاد سے متعلق ہے، جس میں کل اٹھانوے (۹۸) ابواب کی تشریح، تعلیق، تحقیق اور ترتیب کے ساتھ آ گئی ہے، اس جلد میں بھی ان تمام امور کا التزام کیا گیا ہے، جن کا اہتمام کتاب الایمان وکتاب العلم کی جلدوں میں کیا گیا اور دوران ترتیب وتعلیق اسی نہج کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا اہتمام مذکورہ بالا جلدوں میں کیا گیا، البتہ اس جلد میں دو امر ایسے ہیں جن کی نشاندہی ضروری ہے۔

احادیث کی تشریح میں کہیں کہیں عربی عبارتیں نقل کی جاتی ہیں، بحمد اللہ اس جلد میں ایسی تمام عبارتوں کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے، تاکہ عربی میں کمزور استعداد کے حاملین قاری بھی ان سے آسانی سے استفادہ کرسکیں۔

تراجم رجال کے تحت رُواۃ سند کے احوال وتذکرہ بیان کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، چونکہ کتاب الجہاد صحیح بخاری جلد اول کے تقریباً آخر میں ہے اور کتاب الوضوء سے کتاب الجہاد تک کشف الباری کا کام ابھی تک نہیں ہوا، اس لئے ہم نے جہاں بھی حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ مثلاً ''ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب ......'' یا ''ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الزکوۃ، باب ......'' تو اس سے مراد صحیح بخاری کی مذکورہ کتاب اور باب ہے اور اگر کسی راوی یا شخصیت کا نام پہلی بار کتاب الجہاد کے کسی باب میں آیا ہے تو وہیں ان کا تذکرہ بھی لکھ دیا گیا ہے اور اگر کشف الباری کی ابتدائی تین جلدوں میں ان کا تذکرہ ہے تو بقید صفحہ نشاندہی کر دی گئی ہے۔

....

احقر کو اپنی علمی بے بضاعتی اور میدان تحقیق میں اپنی ناتجربہ کاری ونو واردگی کا نہ صرف احساس ہے، بلکہ اس کا مکمل اعتراف بھی ہے۔ تاہم محض توکلاً علی اللہ، حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے حکم اور آپ کی توجہات و

عنایات اور دعاؤں سے اس عظیم خدمت کا بیڑہ اٹھالیا ہے، عین ممکن ہے کہ اس میں بلا قصد وارادہ غلطیوں کا صدور ہوگیا ہو، لہذا حضرات اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی فروگذاشت پر نظر پڑے تو احقر کو اس سے مطلع فرمائیں۔

....

اس کتاب کی ابتداء سے انتہاء تک ترتیب وتحقیق کے دوران احقر کو جن حضرات کی راہ نمائی حاصل رہی ان میں سب سے بلند نام حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے بعد حضرت استاذ مکرم مولانا نور البشر صاحب دامت معالیہم (نگران شعبہ تخصص فی الحدیث، رفیق شعبہ تصنیف واستاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی) کا ہے کہ ان کی راہ نمائی بندہ کو قدم قدم پر حاصل رہی، بصورت دیگر کتاب کا اس قدر جلد قارئین کے سامنے آنے کا امکان ہی نہیں تھا۔

کتاب کی مکمل پروف ریڈنگ احقر نے خود ہی کی ہے، البتہ بعض احادیث کی تخریج، فہرست وغیرہ کی تیاری اور بعض حوالہ جات کی تخریج میں برادر محترم مولانا خرم سعید صاحب، استاذ جامعہ فاروقیہ، عزیزم کفایت اللہ زکریا اور عزیزی محمد اسماعیل عاطف وغیرہ نے تعاون کیا، اللہ تعالی ان تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علمی وعملی ترقیوں سے نوازے۔ نیز بندہ ان تمام حضرات اساتذہ ومخلصین ومحبین کا بھی نہایت شکر گذار ہے جن کی حوصلہ افزائی اور دعائیں احقر کو حاصل رہیں۔

....

آخر میں تمام قارئین سے حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت معالیہم کے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالی حضرت کے سایۂ عاطفت کو ہمارے سروں پر تادیر بعافیت قائم ودائم رکھے اور ملک وبیرون ملک جو علمی افادات کا سلسلہ (بالخصوص جامعہ فاروقیہ کراچی کی صورت میں) تقریبا نصف صدی سے جاری ہے اس کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

نیز احقر مرتب کے لئے بھی خصوصی دعا فرمائیں کہ بقیہ کام کو اللہ تعالی آسان فرمائے، جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق بخشے اور اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازے اور ہمارے لئے، ہمارے اساتذہ ومشائخ اور والدین ومتعلقین کے واسطے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔

حبیب اللہ زکریا

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم اور اس کی بے انتہا نوازش ومہربانی ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں یہ توفیق بخشی کہ آج ہم آپ کے ہاتھوں میں بخاری شریف کی عظیم الشان شرح ''کشف الباری'' کی ایک اور جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

یہ جلد صحیح بخاری کی کتاب الخمس والجزیۃ سے متعلق ہے۔ جس میں کل 42 ابواب کی تشریح، تعلیق، تحقیق اور ترتیب کے ساتھ آگئی ہے، جن میں 20 ابواب کتاب الخمس کے اور 22 ابواب کتاب الجزیہ کے ہیں۔

اس جلد میں بھی الحمدللہ ان تمام امور کا التزام کیا گیا ہے جن کا اہتمام کتاب الایمان وکتاب العلم اور کتاب الجہاد کی جلدوں میں کیا گیا ہے اور دورانِ ترتیب وتعلیق اسی نہج کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کا اہتمام مذکورہ بالا جلدوں میں کیا گیا۔

احادیث کی تشریح میں جہاں کہیں عربی عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان کا بھی ترجمہ کردیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں تراجم رجال کے تحت رواۃ سند کے احوال وتذکرہ بیان کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، چوں کہ خمس وجزیہ صحیح بخاری جلد اول کے تقریباً آخر میں ہے اور کتاب الوضوء سے کتاب الجہاد تک کشف الباری کا کام ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا، اس لیے ہم نے جہاں بھی حاشیہ میں یہ لکھا کہ مثلاً ''ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب......'' یا ''ان کے حالات کے لیے دیکھیے کتاب الزکوۃ، باب......'' تو اس سے مراد صحیح بخاری کی مذکورہ کتاب اور باب ہے اور اگر کسی راوی یا شخصیت کا نام پہلی بار خمس وجزیہ کے کسی باب میں آیا ہے تو وہیں ان کا تذکرہ بھی لکھ دیا گیا ہے اور اگر کشف الباری کی ابتدائی چار جلدوں یا کتاب الجہاد کی دو جلدوں میں ان کا تذکرہ ہے تو بقید صفحہ نشان دہی کردی گئی ہے۔

احقر کو اپنی علمی بے بضاعتی اور میدانِ تحقیق میں اپنی ناتجربہ کاری ونو واردگی کا نہ صرف احساس ہے، بلکہ اس کا مکمل اعتراف بھی ہے۔ تاہم محض توکلاً علی اللہ، حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے حکم اور آپ کی توجہات وعنایات اور دعاؤں سے اس عظیم خدمت کا بیڑہ اٹھالیا ہے، عین ممکن ہے کہ اس میں بلاقصد وارادہ غلطیوں کا صدور ہو گیا ہو، لہٰذا حضرات اہلِ علم کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی فروگذاشت پر نظر پڑے تو احقر کو اس سے مطلع فرمائیں۔

اس کتاب کی ابتدا سے انتہا تک ترتیب وتحقیق کے دوران احقر کو جن حضرات کی راہ نمائی حاصل رہی ان میں سب سے بلند نام حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے بعد حضرت استاذ مکرم مولانا نورالبشر صاحب دامت معالیہم (رفیق شعبہ تصنیف واستاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی) کا ہے کہ ان کی راہ نمائی بندہ کو قدم قدم پر حاصل رہی۔

کتاب کی مکمل پروف ریڈنگ احقر نے خود ہی کی ہے، البتہ بعض احادیث کی تخریج، فہرست وغیرہ کی تیاری اور بعض حوالہ جات کی تخریج میں کچھ دوستوں کا تعاون حاصل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علمی وعملی ترقیوں سے نوازے، نیز بندہ ان تمام اساتذہ ومخلصین ومحبین کا بھی نہایت شکر گزار ہے جن کی حوصلہ افزائی اور دعائیں احقر کو حاصل رہیں۔

آخر میں تمام قارئین سے حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایۂ عاطفت کو ہمارے سروں پر تادیر بعافیت قائم ودائم رکھے اور ملک وبیرون ملک جو علمی افادات کا سلسلہ (بالخصوص جامعہ فاروقیہ کراچی کی صورت میں) تقریباً نصف صدی سے جاری ہے اس کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

نیز احقر مرتب کے لیے بھی خصوصی دعا فرمائیں کہ بقیہ کام کو اللہ تعالیٰ آسان فرمائے، جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق بخشے اور اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازے اور ہمارے لیے، ہمارے اساتذہ ومشایخ اور والدین ومتعلقین کے واسطے ذخیرۂ آخرت اور ذریعہ نجات بنائے۔

حبیب اللہ زکریا

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

... المبارک ۱۴۳۱ھ

حرفِ آغاز

کشف الباری، کتاب الجہاد کا پہلا حصہ ۱۴۲۶ھ میں منظرِ عام پر آیا، تین سال کے بعد اب اس کا دوسرا حصہ حلیۂ طباعت سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عرصہ میں اہلِ ذوق چشم براہ تھے اور سراپا اشتیاق بن کر اسے جلد از جلد منظرِ عام پر لانے کا تقاضا کرتے رہے۔ خصوصاً جو احباب فنِ تحقیق کے مزاج شناس نہیں، وہ اس راہ کی مشکلات اور نزاکتوں کا ادراک نہ رکھنے کی وجہ سے اپنی اس آرزو کا بے تابی سے اظہار کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمی اور تحقیقی کام کی تالیف وتسوید کے لئے جس جانکاہی، ناقابلِ شکست استقامت اور تلاش وجستجو کی ضرورت ہوتی ہے، اس کا اندازہ شناورانِ فن ہی کو ہوسکتا ہے۔ بسا اوقات ایک نکتہ، ایک جزئیہ کی تلاش وجستجو کے لئے ہزاروں صفحات کھنگالنے پڑتے ہیں، کئی ضخیم جلدوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ یوں ایک طویل دورانیے کی جانکاہی کے بعد گوہرِ مراد تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ کشف الباری کی جو جلدیں منظرِ عام پر آئی ہیں، ان میں سے ہر جلد پر تقریباً چار سال کے طویل دورانیے کی عرق ریزی ہوئی ہے۔ راقم الحروف نے اپنی بساط کے مطابق زیرِ نظر جلد کی تسوید وتدوین کا کام جس قدر شتابی سے لیا، اگر امراض سدِّ راہ نہ بنتے تو یہ جلد دو سال کے اندر منصۂ شہود پر آجاتی اور قارئین کو اس سے زیادہ انتظار کی کوفت نہ اٹھانی پڑتی۔

حدیث پر کام کے اس روح آگیں سفر میں علالت کے باعث آٹھ ماہ کا طویل وقفہ ہوا، بظاہر اُمید نہیں تھی کہ بقیہ کام کی تکمیل کا مجھے موقع میسر ہوسکے گا، مگر ایسے حالات میں بھی اپنے ذہن میں آرزو کی قندیل کو روشن رکھا اور فرہاد کا جگر نہ رکھتے ہوئے بھی اس سفر کے حوصلہ شکن مراحل عبور کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سیہ کار سے کام لینے کا فیصلہ کیا تھا، سو یہ توفیق کی ارزانی اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی شفقتوں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ علمی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود راقم نے یہ جلد محض ڈھائی سال کے عرصے میں مرتب کی۔

زیرِ نظر جلد کا ابتدائی حصہ مولانا سلیم زکریا سے متعلق تھا، اس میں بیشتر مقامات پر اصلاح، ترمیم اور اضافہ وتنسیخ کی ضرورت تھی۔ کشف الباری کے مقررہ اسلوب میں ڈھالنے نیز ان کے اور اپنے حصے میں یکسانیت وانسجام پیدا کرنے کے لئے اصلاح وترمیم کا یہ عمل ناگزیر تھا۔ "باب إذا حمل علی فرس فرآها تباع" سے انتہائے کتاب تک ۱۰۳/ ابواب پر تحقیق وتدوین اور تبویب، تحریر کا کام راقم نے کیا

جلدوں میں جن خطوط پر کام ہوا ہے، راقم نے اس جلد کی ترتیب وتدوین بھی انہی خطوط پر اُستوار رکھی۔ چنانچہ تراجم ابواب میں امام بخاری رحمہ اللہ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی، فقہی مسائل میں ائمہ اربعہ کی آراء کو تفصیلی دلائل کے ساتھ منقح کیا۔ مآخذ کے حوالوں کا بھرپور اہتمام کیا کہ جہاں ایک حوالہ بھی کافی ہوسکتا تھا، وہاں دیگر مراجع کی بھی نشاندہی کی گئی۔ حدیث کی شرح میں عربی عبارتیں بکثرت آتی ہیں، ان کا اُردو ترجمہ کیا گیا، تاکہ اُردو خواں طبقہ بھی استفادہ کرسکے۔ یوں اپنی بساط کے مطابق حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے درسی افادات (جو کیسٹوں سے کاپیوں میں منتقل کئے گئے) کی ترتیب وتدوین اور تحقیق ومراجعت میں کوئی دقیقۂ سعی نہیں اُٹھا رکھا۔ بہرکیف غور وفکر کی بنیاد تحقیق وتفحص پر رکھی جاتی ہے، جس میں غلطی کا امکان بے پناہ حزم واحتیاط کے باوجود مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ قارئین سے درخواست ہے کہ جہاں جہاں لغزش وکوتاہی، خامی وافتادگی نظر آئے، اسے مرتب کی کم فہمی پر محمول فرمائیں۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے عدیم الفرصتی کے باوجود مسوّدے پر نظرِ ثانی فرمائی، حضرت کے کلماتِ تشجیع نے میرے حوصلے اور ہمت کے لئے مہمیز کا کام دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر قدم قدم پر ان کی سرپرستی اور رہنمائی نہ ہوتی تو اس کام کی تکمیل کبھی شرمندۂ عمل نہ ہوتی۔ حضرت مولانا عبید اللہ خالد زید مجدہ دل پذیر شخصیت کے مالک ہیں اور سراپا لطف وکرم ہیں، انہوں نے مسؤل کی حیثیت سے وہ سارے لوازمات جو شعبۂ تصنیف وتالیف میں یکسوئی کی فضا قائم کرنے کے لئے ضروری تھے، فراہم کئے۔ ان کے ذوقِ عمل اور عالمانہ رکھ رکھاؤ نے اس شعبے کو چار چاند لگادیئے۔ والدِ گرامی زید مجدہ نے خانگی ذمہ داریوں سے بے نیاز کرکے، اس وقیع علمی کام میں میری بھرپور مساعدت کی، اس کے لئے وہ رسمی الفاظِ تشکر سے بالاتر ہیں۔ برادرم عرفان انور مغل کا ممنون ہوں، انہوں نے بڑی محنت اور ہنرکاری سے کتاب کی کمپوزنگ کی۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه صفوة البرية، سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه وأتباعه أجمعين.

(رفیق شعبۂ تصنیف وتالیف واستاد جامعہ فاروقیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٦٠ - کتاب الجهاد والسیر

نسخوں کا اختلاف

بخاری شریف کے اکثر نسخوں میں عنوان میں ''کتاب'' مذکور نہیں ہے، صرف ابن شبویہ اور نسفی نے عنوان اسی طرح ذکر کیا ہے۔(۱)

پھر بسملہ تمام نسخوں میں مذکورہ بالا عنوان سے موخر ہے۔ البتہ نسفی کے نسخہ میں بسملہ عنوان سے مقدم ہے۔(۲)

جہاد کے لغوی معنی

یہ باب ''مفاعلہ'' کا مصدر ہے۔ اس کے معنی محنت، مشقت اور کوشش کے آتے ہیں۔ اس معنی میں بکسر الجیم مستعمل ہے۔ بفتح الجیم بروزن سَحاب سخت بنجر زمین کو کہا جاتا ہے۔(۳)

---

(١) عمدة القاري (ج ١٤ ص ٧٨)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) تاج العروس (۲/مادة جهد، ص ۳۲۹)، وعمدة القاري (ج ١٤ ص ٧٨)، جہاد کی مشروعیت کے مقصد اور اس کی ضرورت کو جاننے کے لئے کشف الباری، کتاب المغازی (ص ۱۲-۳٦) دیکھئے۔

اصطلاحی تعریف

جہاد کی اصطلاحی تعریف ہے: "قتال الكفار لتقوية الدين" (۱) یعنی دین کی مضبوطی اور استحکام کے لئے کفار سے لڑنا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وشرعا: بذل الجهد في قتال الكفار"۔ (۲) اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے "لإعلاء كلمة الله تعالى" کا اضافہ فرمایا ہے۔ (۳) یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کافروں سے لڑنے میں کوشش کرنا۔

جہاد کی صورتیں

علماء نے جہاد کی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں:۔

۱۔ جہاد مع الکفار، ۲۔ جہاد مع الفساق، ۳۔ جہاد مع الشیطان اور ۴۔ جہاد مع النفس۔

تفصیل ان کی یہ ہے کہ جہاد مع الکفار ہاتھ، مال، زبان اور دل سے ہوتا ہے۔

اور جہاد مع الفساق ہاتھ، پھر زبان، پھر دل سے ہوتا ہے۔

اور جہاد مع الشیطان کا مطلب یہ ہے کہ وہ دل میں جو شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے، یا برے اعمال کو مزیّن بنا کر پیش کرتا ہے ان سے گریز کیا جائے۔

جہاد مع النفس یہ ہے کہ دینی امور کے سیکھنے، ان پر عمل کرنے میں آدمی اپنے آپ کو مشغول رکھے، پھر اسے سکھانے میں لگا رہے۔ (۴)

اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ ایک جہاد ظاہری ہوتا ہے دوسرا باطنی۔ جہاد ظاہری تو وہی ہے جو کفار وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے اور جہاد باطنی اپنے نفس کی ناجائز امور میں مخالفت اور شریعت کی اتباع کا نام ہے۔

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۹۲)۔

(۲) فتح الباري (ج۶ ص۳)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ ص۷۸)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٣)۔

اس کے بعد آپ یہ سمجھئے کہ بعض روایات میں اس جہاد کو جو نفس اور باطن کے ساتھ ہوتا ہے "جہاد اکبر" قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جہاد مع الکفار تو کبھی کبھی ہوتا ہے، جب کہ نفس کے ساتھ آدمی کا مقابلہ ہر وقت اور ہر آن رہتا ہے، اس لئے یہ اہم اور اکبر ہے۔(۱) چنانچہ بیہقی نے کتاب الزہد (۲) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے اور فرمایا: "رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر"۔(۳)

جہاد فرض کفایہ ہے یا فرض عین؟

اس کے بعد یہ بات سمجھئے کہ علمائے امت کا جہاد کے حکم میں اختلاف ہے، چنانچہ جمہور علماء جہاد کو فرض کفایہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ جہاد جو مع الکفار ہوتا ہے وہ فرض کفایہ ہے کہ کچھ لوگوں کی ادائیگی سے تمام امت سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی جہاد مع الکفار کے لئے نہ نکلے تو پوری امت گنہگار ہوگی۔

لیکن اگر خدانخواستہ کفار دار الاسلام پر حملہ کردیں تو اس صورت میں اس علاقے کے لوگوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، حتی کہ اگر ان کا حملہ بڑھتا چلا جائے تو پھر جہاں جہاں ان کا رخ ہوگا وہاں کے لوگوں کے لئے جہاد فرض عین ہو جائے گا۔(۴) اور ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ جہاد سارے مسلمانوں پر فرض عین ہو جائے۔

---

(۱) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۰۷و ۲۰۸)۔

(۲) إتحاف السادة المتقين (ج۸ص۶۵۷)، وتعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۰۸)۔

(۳) انظر كشف الخفاء للعجلوني (ج۱ص۴۲۴)۔ علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے: "قال الحافظ ابن حجر في تسديد القوس: هو مشهور على الألسنة، وهو من كلام إبراهيم بن أبي عبلة"۔ چنانچہ محمد بن زیاد المقدسی فرماتے ہیں: "سمعت ابن أبي عبلة وهو يقول لمن جاء من الغزو: قد رجعتم من الجهاد الأصغر، فما فعلتم بالجهاد الأكبر جهاد القلب؟" (سير أعلام النبلاء، ج۶ص۳۲۵)۔ اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا أصل له، ولم يروه أحد من أهل المعرفة بأقوال النبي صلى الله عليه وسلم"۔مقدمة مشارق الأشواق إلى مصارع العشاق (ج۱ص۳۱)۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب نمبر ۱۰۵ میں لکھتے ہیں:

"صوفیاء کی کتابوں میں "رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر" کو صحیح حدیث کہا گیا ہے، لیکن عسقلانی (کشف الخفاء ج۱ص۴۲۴) کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن عبلہ کا کلام بتایا ہے الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہوسکتا اور نہ ہی حدیث کی متداول کتابوں میں شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر محدث نے دیکھا ہے......"۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج۱ص۳۰۷و۳۰۸)

(۴) بدائع الصنائع (ج۲ص۹۸) فصل: وأما بيان كيفية فرض الجهاد ......، والهداية (ج۲ص۵۵۸)۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے "بنایہ" میں عمرو بن دینار، عطاء بن ابی رباح، ابن شبرمۃ اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالی سے نقل کیا ہے کہ جہاد مطلقا واجب ہی نہیں ہے۔(۱) جب کہ ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے جہاد ہر حال میں فرض عین ہے۔(۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاد کا کیا حکم تھا اس سے متعلق تفصیل "باب وجوب النفير" میں آرہی ہے۔ انشاء اللہ اس پر وہیں گفتگو ہوگی۔

مشروعیت جہاد

جہاد کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔ ابتداءً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ آپ پر جو احکام نازل ہوتے ہیں آپ ان کو علی الاعلان بیان کر دیا کریں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشركين﴾ (۳) "سو سنا دیجئے کھول کر جو آپ کو حکم ہوا اور مشرکین کی پروانہ کیجئے"۔

اس کے بعد پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجادلۂ حسنہ کی اجازت دی گئی اور فرمایا گیا: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن﴾ (۴) یعنی "بلایئے اپنے رب کی راہ پر، پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دیجئے ان کو جس طرح بہتر ہو"۔

پھر اس کے بعد جب ہجرت الی المدینہ ہوئی تو ابتداءً مدافعانہ جہاد کی اجازت دی گئی۔ یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یا مسلمانوں پر حملہ کیا جائے تو اس حملہ کو روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير﴾ (۵) کہ "حکم ہوا ہے ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں، اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ تعالی ان کی مدد کرنے پر قادر ہے"۔

پھر اس کے بعد ارشاد ہوا: ﴿فإذا انسلخ الأشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم

---

(۱) البناية (ج۲ ص۷۸۹)۔

(۲) أوجز المسالك (ج۸ ص۱۹۹)، وتنظيم الأشتات في حل عويصات المشكوة (ج۳ ص۹۰)۔

(۳) الحجر/ ۹۴۔

(۴) النحل/ ۱۲۵۔

(۵) الحج/ ۳۹۔

وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد ......إلخ﴾ (۱) کہ "پھر جب گذر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو، جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر ہر جگہ ان کی تاک میں"۔ چنانچہ یہاں مطلقا جہاد اقدامی اور جہاد دفاعی کا حکم نازل ہوگیا۔(۲)

۱ – باب : فَضْلِ ٱلْجِهَادِ وَالسِّيَرِ.

سیر کے لغوی معنی

سیر – بکسر السين المهملة وفتح الياء – سيرة کی جمع ہے، اس کے معنی طریقہ کے آتے ہیں اور باب اس کا "ضرب" ہے۔(۳)

سیر کے اصطلاحی معنی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مختلف غزوات اور معرکوں میں جو حکمت عملی اور طریقہ رہا ہے وہ سیر کہلاتا ہے۔(۴)

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس ترجمۃ الباب سے مقصد جہاد کی فضیلت، اس کی اہمیت اور اس پر مرتب اجر و ثواب کو بیان کرنا ہے۔(۵)

---

(۱) التوبة /۵۔

(۲) انظر البناية للعينى (ج۲ ص۷۸۹)؛ وزاد المعاد في هدي خير العباد (ج۳ ص۶۹–۷۲)۔

(۳) انظر تاج العروس (ج۳ ص۲۸٦ و ۲۸۷)، مادة "سار"، وعمدة القاري (ج۱٤ ص۷۸)، والكرماني (ج۱۲ ص۹۲)۔

(٤) انظر عمدة القاري (ج۱٤ ص۷۸)، والمغرب (ج۱ ص٤۲۷)، حيث قال الإمام المطرزي: "و...... إلا أنها غلبت في لسان الشرع على أمور المغازي؛ كالمناسك على أمور الحج۔"

(۵) عمدة القاري (ج۱٤ ص۷۸)۔

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : «إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ - إِلَى قَوْلِهِ - وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ» /التوبة: ۱۱۱ ، ۱۱۲/.
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : الحُدُودُ الطَّاعَةُ .

اختلاف نسخ

ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کردہ مذکورہ بالا آیات میں صحیح بخاری کے مختلف نسخوں کا اختلاف ہے، چنانچہ نسفی اور ابن شبویہ کی روایت اسی طرح ہے، اصیلی اور کریمہ کے نسخوں میں دونوں آیتیں مکمل مذکور ہیں۔ جبکہ ابوذر کی روایت میں پہلی آیت ﴿وعدا عليه حقاً﴾ تک ہے، پھر "إلى قوله: ﴿والحافظون لحدود الله وبشر المؤمنين﴾" ہے۔(۱)

آیات کا شان نزول

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ آیات بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر نازل ہوئیں۔ ہوا یوں کہ جب مدینہ منورہ سے ستر افراد پر مشتمل جماعت عقبہ کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئی تو اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا تھا: "اشترط لربك ولنفسك ماشئت" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے لئے اور اپنی ذات کے لئے جو شرط ہم سے منوانا چاہتے ہیں منوا لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے لئے تو شرط یہ ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور اپنے لئے شرط یہ ہے کہ جس چیز سے تم اپنے مال و جان کی حفاظت کرتے ہو میری بھی حفاظت کرو۔ اس پر انصار نے عرض کیا کہ اگر یہ شرطیں ہم نے پوری کردیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الجنة" اس وقت انصار کے دل خوشی سے باغ باغ ہو گئے اور کہنے لگے یہ سودا تو بڑا نفع بخش ہے۔ اب اس سودے کو نہ خود ضائع کریں گے اور نہ آپ سے اس کو ضائع کرنے کی خواہش کریں گے۔(۲)

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) بيان القرآن (ج۱ ص۱۴۳) مع تغيير يسير۔

آیات کا ترجمہ

بلاشبہ اللہ تعالی نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے؟ تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے اور ایسے مومنین کو خوش خبری سنا دیجئے۔

ان آیات کو ذکر کرنے کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جیسا کہ معروف عادت ہے کہ اپنی طرف سے ترجمہ قائم کرنے کے بعد آیات ذکر کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ آیات ترجمۃ الباب کے لئے دلیل ہیں۔(۱) چنانچہ یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ان آیات کے ذکر کرنے سے جہاد کی فضیلت پر دلیل پیش کرنا ہے۔

قال ابن عباس: الحدود الطاعة۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن ابی حاتم نے علی بن ابی طلحہ کے طریق سے موصولا نقل کیا ہے۔(۲)

مذکورہ تعلیق کا مقصد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا تعلیق کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ آیت میں جو ''حدود'' کا

---

(۱) دیکھئے کشف الباري (ج۱ص۱۷)، ومقدمۃ لامع (ص۳۲۹و ۳۳۰)۔

(۲) انظر فتح الباري (ج٦ص٤)، وتغليق التعليق (ج۳ص۴۳۰)۔

لفظ ﴿والحافظون لحدود الله﴾ میں ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اطاعت الٰہی ہے کیونکہ جو اللہ تعالی کا مطیع وفرماں بردار ہوتا ہے وہ اس کے ہر حکم کو بجالانے والا اور جن چیزوں سے اللہ تعالی نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرنے والا ہوتا ہے۔تو گویا یہ تفسیر باللازم کی قبیل سے ہے(۱)، چونکہ مقررہ حدود کی حفاظت اطاعت الٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتی اس لئے حفاظت حدود کے لئے اطاعت لازم ہوگی۔

٢٦٣٠ : حدّثنا الحسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ : حَدَّثَنَا مالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ قالَ : سَمِعْتُ الْوَلِيدَ بْنَ الْعَيْزَارِ : ذَكَرَ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ قالَ : قالَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(٢) : سَأَلْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ . قُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ ؟ قالَ : (الصَّلَاةُ عَلَى مِيقَاتِهَا) . قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قالَ : (ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ) . قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قالَ : (الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ ٱللهِ) . فَسَكَتُّ عَنْ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، وَلَوِ ٱسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي . [ر : ٥٠٤]

تراجم رجال

۱۔حسن بن صباح

یہ ابوعلی الحسن بن صباح بن محمد بزار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان و نقصانه" کے تحت آچکا ہے۔(۳)

۲۔محمد بن سابق تمیمی

یہ ابوجعفر محمد بن سابق تمیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

(١) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٧٩)۔

(٢) قوله: "عبد الله بن مسعود رضي الله عنه": الحديث، تقدم تخريجه في باب مواقيت الصلاة۔

(٣) كشف الباري (ج٢ ص٤٦٧)۔

(۴)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوصايا، باب قضاء الوصي ديون الميت ......۔

۳۔ مالک بن مغول

یہ مالک بن مغول کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۴۔ الولید بن عیزار

یہ ولید بن عیزار بن حریث عبدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۵۔ ابوعمرو الشیبانی

یہ ابوعمرو سعد بن ایاس بن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۶۔ عبداللہ بن مسعود

یہ مشہور صحابی، حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مندرجہ بالا حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ حدیث کے الفاظ میں سے "الجهاد فی سبیل اللّٰه" بھی ہے جسے نماز اور برالوالدین کے بعد افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔(۵)

اور حدیث کی باقی تشریح کتاب الصلاۃ میں "باب مواقیت الصلاۃ" کے تحت گذر چکی ہے۔

۲٦۳۱ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قالَ : حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، عَنْ طَاوُسٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (٦) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ ، وَإِذَا ٱسْتُنْفِرْتُمْ فَٱنْفِرُوا) . [ر : ١٥١٠]

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوصایا، باب الوصایا، و قول النبي ﷺ ......۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ لوقتها۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) كشف الباري (ج۲ ص۲۵۷)۔

(٥) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٧٩)۔

(٦) قوله: "عن ابن عباس رضي الله عنهما": مر تخريجه في الحج، باب لايحل القتال بمكة۔

تراجم رجال

۱۔علی بن عبداللہ

یہ مشہور محدث، امام علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب العلم، باب الفهم في العلم" کے ذیل میں گذر چکا ہے۔(۱)

۲۔یحیی بن سعید

یہ یحیی بن سعید بن فروخ القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۳۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث، حضرت سفیان بن سعید الثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت آچکا۔(۳)

۴۔منصور

یہ مشہور محدث، ابوعتاب منصور بن معتمر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أیاما معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

۵۔مجاہد

یہ ابوالحجاج مجاہد بن جبر مکی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب العلم، باب الفهم في العلم" کے تحت آچکے۔(۵)

---

(۱) کشف الباري (ج۳ص)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۲)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص۲۷۸)۔

(٤) کشف الباري (ج۳ص۲۷۰)۔

(٥) کشف الباري (ج۳ص۳۰۷)۔

٦۔ طاوس

یہ مشہور تابعی، حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۷۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے تحت نقل کیا جاچکا۔(۲)

لاهجرة بعد الفتح ۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ وہ ہجرت جو مکے سے مدینہ منورہ کی طرف لازمی اور ضروری تھی وہ اب فتح مکہ کے بعد فرض اور ضروری نہیں رہی۔(۳)

یہ مطلب نہیں ہے کہ ہجرت بالکل منقطع ہوگئی ہے، چنانچہ سنن ابی داود میں حضرت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لاتنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة، ولاتنقطع التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها"۔ (٤)

"کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہجرت موقوف نہ ہوگی تاوقتیکہ توبہ موقوف نہ ہو اور توبہ اس وقت تک موقوف نہیں ہوگی جب تک کہ آفتاب مغرب کی طرف سے نہ نکلے"۔

اس لئے حدیث باب میں اس ہجرت خاص کے ختم ہونے کا ذکر مراد ہے جو مکے سے ہوا کرتی تھی۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......۔

(۲) كشف الباري (ج۱ ص٤٣٥)۔

(۳) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٠)۔

(٤) سنن أبي داود (ج۱ ص٣٣٦)، كتاب الجهاد، باب في الهجرة هل انقطعت؟ رقم (٢٤٧٩)۔

پہلے یہ حکم تھا کہ جو شخص بھی، جہاں بھی مسلمان ہوجاتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت کے لئے مدینہ منورہ میں اس کا قیام کرنا ضروری اور لازمی تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ شروع اسلام میں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد اور قوت وشوکت کم ہونے کی بناء پر ہر اسلام قبول کرنے والے پر مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی۔ تاکہ مسلمانوں کی قوت اور تعداد یکجا ہوجائے لیکن جب اللہ تبارک وتعالی کے فضل سے مکہ مکرمہ فتح ہوچکا اور لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے لگے اور سارا حجاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملداری اور فرمانروائی میں آ گیا تو ہجرت من مكة الى المدينة کی فرضیت ساقط ہوگئی اور یہ حکم منقطع ہوگیا۔(۱)

یا یوں کہا جائے کہ جو شہر فتح ہوجاتا تھا وہاں سے ہجرت کا حکم اٹھ جایا کرتا تھا کیونکہ وہ شہر فتح کے بعد دارالاسلام میں شامل ہوجاتا تھا۔ وہاں سے پھر ہجرت کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔

یا یوں کہا جائے کہ جس ہجرت کی نفی کی جارہی ہے وہ ہجرت مندوبہ ہے اور وہ ہجرت جس کو ثابت کیا جارہا ہے وہ ہجرت مفروضہ ہے، چنانچہ ہجرت مفروضہ من دار الكفر الى دار الاسلام اب بھی باقی ہے جب دار الكفر میں احکام اسلام پر عمل ممکن نہ ہو۔(۲)

ولكن جهاد ونية۔

اور لیکن جہاد اور نیت خالصہ باقی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ ہجرت جو جہاد کے لئے یا کسی اچھی نیت سے ہو مثلاً دار الكفر سے دار الاسلام منتقل ہوجانا جبکہ دار الكفر میں احکام پر عمل میں رکاوٹ نہ ہو، طلب علم کے لئے نکلنا وغیرہ اس کا ثواب اور حکم باقی ہے۔(۳)

وإذا استنفرتم فانفروا۔

اور جب تمہیں قتال کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل پڑو۔

اس جملہ کی تشریح انشاءاللہ آگے "باب وجوب الغزو" کے تحت آئے گی۔

---

(۱) انظر أعلام الحديث (ج۲ ص ۱۳۵٤ و ۱۳۵۵)، وأيضاً فتح الباري (ج۱ ص ۳۸ و ۳۹)۔

(۲) بذل المجهود (ج۱۱ ص ۳۷۳)۔

(۳) انظر فتح الباري (ج٦ ص ۳۹)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ بالا حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے بالکل واضح ہے جو "ولكن جهاد ونية، وإذا استنفرتم فانفروا" سے ظاہر ہے۔(۱)

۲٦۳۲ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا خالِدٌ : حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ ، عَنْ عائِشَةَ (۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، نُرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْعَمَلِ ، أَفَلَا نُجَاهِدُ ؟ قالَ : (لَكِنَّ أَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ) . [ر : ١٤٤٨]

تراجم رجال

۱۔مسدد

یہ مشہور امام حدیث مسدد بن مسرہد بن مسربل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات مختصراً "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ......" کے تحت گذر چکے۔(۳)

۲۔خالد

یہ خالد بن عبد اللہ الطحان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۳۔حبیب بن ابی عمرہ

یہ حبیب بن ابی عمرہ اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

---

(۱) انظر عمدة القاري (ج ١٤ ص ٧٩)۔

(۲) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها": تقدم تخريجه في كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور۔

(۳) كشف الباري (ج ۲ ص ۲)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من مضمض و استنشق ......۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور۔

۴۔ عائشہ بنت طلحہ

یہ عائشہ بنت طلحہ تیمیہ قرشیہ رحمۃ اللہ علیہا ہیں۔(۱)

۵۔ عائشہ بنت ابی بکر

یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ بالا حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "نری الجهاد أفضل العمل" میں ہے۔(۳)

اور حدیث کی مکمل تشریح "کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور" کے تحت گزر چکی ہے۔

٢٦٣٣ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ : أَخْبَرَنَا عَفَّانُ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو حَصِينٍ : أَنَّ ذَكْوَانَ حَدَّثَهُ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ(٤) حَدَّثَهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ ، قَالَ : (لَا أَجِدُهُ) . قَالَ : (هَلْ تَسْتَطِيعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ ، فَتَقُومَ وَلَا تَفْتُرَ ، وَتَصُومَ وَلَا تُفْطِرَ) . قَالَ : وَمَنْ يَسْتَطِيعُ ذٰلِكَ . قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : إِنَّ فَرَسَ الْمُجَاهِدِ لَيَسْتَنُّ فِي طِوَلِهِ ، فَيُكْتَبُ لَهُ حَسَنَاتٍ .

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) كشف الباري (ج١ص٢٩١)۔

(۳) انظر فتح الباري (ج٦ص٤و٥)۔

(٤) قوله: "أن أبا هريرة رضي الله عنه": الحديث أخرجه مسلم في صحيحه (ج٢ص١٣٤)، كتاب الإمارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله تعالى، رقم (١٨٧٨)، والترمذي (ج١ص٢٩١) في فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضائل الجهاد، رقم (١٦١٩)، والنسائي في كتاب الجهاد، باب مايعدل الجهاد في سبيل الله عزوجل (ج٢ص٥٦)، رقم (٣١٣٠)۔

تراجم رجال

ا۔اسحاق بن منصور

یہ ابویعقوب اسحاق بن منصور کوسج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ ”كتاب الإيمان، باب حسن إسلام المرء“ کے تحت آچکا۔(۱)

۲۔عفان بن مسلم

یہ عفان بن مسلم الصفار انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔ہمام

یہ ہمام بن یحیی بن دینار عوذی شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔محمد بن جحادۃ

یہ محمد بن جحادہ ایامی ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔ابوحصین

یہ ابوحصین بن عاصم اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۶۔ذکوان

یہ ابوصالح ذکوان الزیات رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۷۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات ”كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان“ کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ ص ٤٢٠)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب دفع السواك إلى الأكبر۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب ترك النبي ﷺ والناس الأعرابي حتى ......۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الإجارة، باب كسب البغي والإماء۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ۔

(٦) كشف الباري (ج۱ ص٦٥٨و٦٥٩)۔

أن أبا هريرة رضي الله عنه حدثه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: دلني على عمل يعدل الجهاد۔

ذکوان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک آدمی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے عرض کیا کہ آپ میری کسی ایسے عمل کی طرف راہ نمائی کیجئے جو جہاد کے مماثل اور مساوی ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہو سکا "لم أقف على اسمه"۔(۱)

قال: لا أجده۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو نہیں پاتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ جہاد کے مساوی اور کوئی عمل نہیں ہے۔(۲)

قال: هل تستطيع إذا خرج المجاهد أن تدخل مسجدك فتقوم ولا تفتر، وتصوم ولا تفطر؟

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے استفسار کیا کہ جب مجاہد (جہاد کے لئے) نکل پڑے تو تم یہ کر سکتے ہو کہ اپنی مسجد میں داخل ہو جاؤ اور مسلسل نماز میں کھڑے رہو اور نہ تھکو، مسلسل روزے رکھتے رہو اور افطار نہ کرو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کا مساوی عمل یہ ہے کہ ایک آدمی مسلسل نماز پڑھتا رہے اور درمیان میں آرام بھی نہ کرے اور اس پر تھکاوٹ بھی ظاہر نہ ہو، اسی طرح مسلسل روزے رکھتا رہے اور افطار بھی نہ کرے، تب اس آدمی کا عمل مجاہد کے جہاد کے برابر اور مساوی ہو سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

قال. ومن يستطيع ذلك؟

تو اس آدمی نے کہا کہ اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟

یعنی مسلسل نماز کا پڑھنا اور نہ تھکنا، مسلسل روزے رکھنا اور افطار نہ کرنا یہ کون کر سکتا ہے؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی دوسروں پر یہ بالکل واضح

(۱) انظر فتح الباري (ج٦ ص٥)۔

(۲) انظر عمدة القاري (ج٦ ص٨٢)۔

فضیلت اور برتری ہے اور یہ فضیلت اس بات کی متقاضی ہے کہ جہاد کے مساوی اور کوئی عمل نہیں ہے۔(۱)

قال: أبوهريرة: إن فرس المجاهد ليستن(٢) في طِوَله (٣) فيكتب له حسنات۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجاہد کا گھوڑا جو رسے میں اچھل کود کرتا ہے اس پر بھی مجاہد کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ کے اس قول کو یہاں موقوفاً نقل کیا ہے اور یہی روایت آگے "باب الخيل ثلاثة" کے تحت "زيد بن اسلم عن أبي صالح" کے طریق سے مرفوعاً ذکر کی گئی ہے۔(۴)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ بالا حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے بالکل واضح ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جہاد کے مساوی اور مماثل اور کوئی عمل نہیں ہے۔(۵)

٢ - باب : أَفْضَلُ النَّاسِ مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .

نسخ کا اختلاف

تمام نسخوں میں مومن کی صفت میں مجاہد اسم فاعل کے وزن پر ہے اور کشمیہنی کی روایت میں یہ لفظ صیغہ مضارع کے ساتھ یجاهد ہے۔(۶)

---

(١) انظر فتح الباري (ج٦ص٥)۔

(٢) قال العلامة الفتني: "استن استنانا: أي عدا لمرحه ونشاطه شوطا أو شوطين ولا راكب عليه .... فاستن بتشديد نون: وهو أن يرفع يديه ويطرحهما معا ......"۔ انظر مجمع بحار الأنوار (ج٣ص١٣٢و ١٣٣)، باب السين مع النون۔

(٣) الطِّوَل والطِّيَل بالكسر: الحبل الطويل يشد أحد طرفيه في وتد أو غيره والطرف الآخر في يد الفرس؛ ليدور فيه، ويرعى، ولا يذهب بوجهه۔ انظر مجمع بحار الأنوار (ج٣ص٤٧) مادة "طول"۔

(٤) انظر شرح القسطلاني (ج٥ص٣٢)، وعمدة القاري (ج١٤ص٨٣)۔

(٥) انظر عمدة القاري (ج١٤ص٨٢)۔

(٦) انظر فتح الباري (ج٦ص٦)۔

مقصد ترجمۃ الباب

اس ترجمۃ الباب کا مقصد مجاہد کی فضیلت کو بیان کرنا ہے کہ جو شخص اللہ کے رستے میں اپنی جان اور مال کے ساتھ صحیح نیت لے کر نکلتا ہے وہی سب سے افضل آدمی ہے۔

ماقبل کے باب سے ربط ومناسبت

گذشتہ باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتایا تھا کہ سب سے افضل عمل جہاد اور قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سب سے افضل آدمی وہ ہے جو جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے فریضے سے وابستہ رہے اور اسے انجام دیتا رہے اور اس میں اپنی جان ومال لگا دے۔

وَقَوْلُهُ تَعَالَى : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ . تُؤْمِنُونَ بِٱللهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ ٱللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ . يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ» /الصف : ١٠-١٢/ .

مذکورہ آیات کا ترجمہ

''اے ایمان والو! کیا تم کو ایسی سوداگری نہ بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے (وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو (جب ایسا کرو گے تو) اللہ تعالی تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں (بنے) ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے''۔(۱)

(۱) بیان القرآن (ج۱۲ص٤)۔

مذکورہ آیات کے ذکر کرنے کا مقصد

ترجمۃ الباب کے اثبات پر مذکورہ آیات سے استدلال مقصود ہے، یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان کے بعد سب سے بہترین تجارت "جهاد في سبيل الله بالمال والنفس" ہے۔ جیسا کہ آیات سے واضح ہے۔ لہذا جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنے والا سب سے افضل ہوگا۔

٢٦٣٤ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ : أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ[1] حَدَّثَهُ قَالَ : قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ) . قَالُوا : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : (مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ ، يَتَّقِي اللَّهَ ، وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ) . [٦١٢٩]

تراجم رجال

۱۔ ابوالیمان

یہ ابوالیمان الحکم بن نافع حمصی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔ شعیب

یہ ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی چھٹی

---

(٢) قوله: "أبا سعيد الخدري رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج٢ ص٩٦١) في كتاب الرقاق، باب العزلة راحة من خلاط السوء، رقم (٦٤٩٤)، ومسلم في صحيحه (ج٢ ص١٣٦) كتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والرباط، رقم (٤٨٨٧-٤٨٨٨)، والنسائي (ج١ ص٣٥٨) كتاب الزكاة، باب من يسأل الله عزوجل ولايعطى به، رقم (٢٥٧٠)، و(ج٢ ص٥٤) كتاب الجهاد، باب فضل من يجاهد في سبيل الله بنفسه وماله، رقم (٣١٠٧)، والترمذي (ج١ ص٢٩٥) في فضائل الجهاد، باب ماجاء أي الناس أفضل؟، رقم (١٦٦٠)، وأبو داود (ج١ ص٣٣٦) كتاب الجهاد، باب في ثواب الجهاد، رقم (٢٤٨٥)، وابن ماجه (ص٢٨٦) في أبواب الفتن، باب العزلة، رقم (٣٩٧٨)۔

حدیث کے تحت آ چکا۔(۱)

۳۔الزہری

یہ مشہور امام حدیث، محمد بن مسلم بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۲)

۴۔عطاء بن یزید اللیثی

یہ عطاء بن یزید لیثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۵۔ابوسعید الخدری

یہ مشہور صحابی حضرت ابوسعید سعد بن مالک خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکا ہے۔(۴)

قیل: یا رسول اللّٰہ

کسی کہنے والے نے کہا اے اللہ کے رسول۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس قائل کا نام معلوم نہیں ہوسکا، البتہ اتنی بات ہے کہ اسی طرح کا سوال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔(۵)

أي الناس أفضل؟

کونسا آدمی سب سے افضل ہے؟

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "مؤمن یجاهد في سبیل اللّٰہ بنفسه وماله"۔

تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل آدمی وہ مومن ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی

---

(۱) کشف الباري (ج۱ ص۴۷۹و ۴۸۰)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ ص۳۲۶)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب لا تستقبل القبلة بغائط ......۔

(٤) کشف الباري (ج۲ ص۸۲)۔

(٥) انظر فتح الباري (ج٦ ص٦)۔

جان و مال کے ساتھ جہاد کرے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید مومن سے یہ مراد ہے کہ جو پہلے واجبات عینیہ کو ادا کرے پھر اسے جہاد کی فضیلت جان و مال کے ساتھ حاصل ہو۔ یہ بالکل مراد نہیں کہ جہاد تو کرے لیکن دیگر واجبات و فرائض کر ترک کردے، چنانچہ اس صورت میں مجاہد کی فضیلت ظاہر ہوگی کیونکہ اس میں مجاہد کا اللہ تبارک و تعالی کی رضا کے لئے اپنی جان اور مال کو لگانا ہے اور اس کا نفع بھی متعدی ہے۔(۱)

قالوا: ثم من؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا کہ پھر کون افضل ہے؟

یعنی اس مجاہد (جو اپنی جان و مال اللہ کے رستہ میں لگادے) کے بعد سب سے افضل آدمی کون ہے؟

قال: مؤمن في شعب من الشعاب يتقي اللّٰه، فيدع الناس من شره۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر وہ آدمی افضل ہے جو کسی گھاٹی میں جا بیٹھا ہو، اللہ تعالی سے ڈرتا ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ و مامون ہوں۔

"شعب" -بكسر الشين المعجمة وسكون العين المهملة- گھاٹی کو کہتے ہیں، اس کی جمع شِعاب ہے۔(۲)

لوگوں کے ساتھ اختلاط افضل ہے یا خلوت نشینی؟

حدیث باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد کے بعد سب سے افضل اس آدمی کو قرار دیا ہے جو کسی گھاٹی میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر جا بیٹھے اور وہاں اللہ کی عبادت کرتا رہے اور اس سے ڈرتا رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلوت نشینی جلوت سے افضل ہے۔

لیکن یہ افضلیت علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت ہے جبکہ فتن کا دور دورہ ہو، آدمی کے لئے اپنا ایمان بچانا مشکل ہو جائے تو خلوت نشینی ہی افضل ہے۔ البتہ اگر کوئی آدمی جلوت اور لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کرسکتا ہو، اسے فتنوں میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو، ایمان کی حفاظت کے لئے بھی معاون ثابت ہو رہا ہو تو اس کے

---

(۱) انظر فتح الباري (ج٦ ص٦)۔

(۲) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٣)، وأيضا انظر مجمع بحار الأنوار، (ج٣ ص٢٢٣) حيث قال: "هو ما انفرج بين جبلين"۔

لئے پھر یہ خلوت نشینی صحیح اور درست نہیں ہوگی۔

چنانچہ حافظ ابن حجر اور علامہ نووی رحمہم اللہ نے جمہور علمائے امت کا مذہب یہی نقل کیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے بشرطیکہ فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ نہیں۔

اس کے برخلاف ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ خلوت نشینی ہی افضل ہے اور وہ حدیث باب اور ان احادیث، جن میں یہی مضمون وارد ہوا ہے، سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مجاہد کے بعد سب سے افضل خلوت نشین کو قرار دیا ہے۔(۱)

جمہور کی طرف سے جواب

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے جمہور کی طرف سے دو جواب دیئے ہیں:

ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ یہ حدیث شدید فتنوں اور جنگوں کے زمانہ پر محمول ہے جب آدمی کا اپنا ایمان بھی محفوظ نہ رہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل وہ شخص ہے جس کی اذیتوں سے لوگ محفوظ نہ رہتے ہوں اور وہ لوگوں کی ایذاء رسانی سے صبر نہ کرسکتا ہو۔(۲)

اس کی وجہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ ذکر فرماتے ہیں کہ تمام انبیائے کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم، جمہور صحابہ و تابعین، علماء اور زہاد لوگوں کے ساتھ جلوت ہی میں رہتے تھے۔ اور اختلاط وجلوت کے منافع حاصل کرتے تھے جیسے نماز جمعہ کی حاضری، باجماعت نماز، نماز جنازہ، عیادت مریض اور ذکر اللہ کے حلقے وغیرہ۔(۳)

اور جمہور کے قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: "المؤمن الذی یخالط الناس، ویصبر علی أذاهم، أعظم أجرا من المؤمن الذي لايخالط الناس، ولايصبر علی أذاهم"۔(۴)

---

(۱) انظر فتح الباري (ج۱۳ص۴۳)، وشرح النووي على مسلم (ج۲ص۱۳٦)۔

(۲) انظر شرح النووي على مسلم (ج۲ص۱۳٦)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) أخرجه الترمذي في سننه (ج۲ص۷۷) في كتاب صفة القيامة، باب، رقم (۲٥۰۷) وابن ماجه في سننه (ص۲۹۲) في أبواب الفتن، باب الصبر على الأذى، رقم (٤۰۳۲)۔

یعنی ''وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھتا ہو اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہو اس کا اجر اس مومن سے بہت زیادہ ہے جو لوگوں کے ساتھ اختلاط نہ رکھتا ہو اور ان کی اذیتوں پر صبر نہ کرتا ہو۔''(۱)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ سارا اختلاف اس وقت ہے جب کہ فتنہ عام نہ ہو۔ اور اگر فتنہ عام ہو تو خلوت ہی افضل ہے کیونکہ عام فتنے میں محظورات میں جا پڑنے کا قوی اندیشہ ہے۔ چنانچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عذاب الٰہی اصحاب فتن پر آتا ہے لیکن اس کے اثرات غیر اصحاب فتن پر بھی واقع ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة﴾ ۔(۲) یعنی ''ڈرتے رہو اس فتنے سے جو تم میں سے صرف ظالم لوگوں کو نہیں پہنچے گا، بلکہ غیر ظالمین پر بھی وہ عذاب آئے گا۔''(۳)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث بالا کی مطابقت ترجمۃ الباب سے بالکل ظاہر ہے جس میں مجاہد کو افضل الناس قرار دیا گیا ہے۔(۴)

٢٦٣٥ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ(٥) قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ : (مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ ، كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ ، وَتَوَكَّلَ اللهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ بِأَنْ يَتَوَفَّاهُ : أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، أَوْ يَرْجِعَهُ سَالِمًا مَعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ) . [ر : ٣٦]

---

(١) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٤)۔

(٢) الأنفال /٢٥۔

(٣) انظر فتح الباري (ج١٣ ص٤٣)، نیز دیکھئے، كشف الباري (ج٢ ص٨٥-٨٨)۔

(٤) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٣)۔

(٥) قوله : "أباهريرة رضي الله عنه": الحديث تقدم تخريجه في كتاب الإيمان، باب الجهاد، من الإيمان، انظر كشف الباري (ج٢ ص٣٠٥)۔

تراجم رجال

ا۔ابوالیمان،۲۔شعیب،۳۔زہری

ان تینوں کے لئے سابقہ سند کے پہلے تین افراد دیکھئے۔(۱)

۴۔سعید بن المسیب

یہ امام التابعین، حضرت سعید بن المسیب قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من قال: إن الإیمان ھو العمل" کے تحت گذر چکے۔(۲)

۵۔ابو ہریرہ

یہ مشہور مکثر صحابی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت آچکا۔(۳)

سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: "مثل المجاهد فی سبیل اللّٰه– واللّٰه أعلم بمن یجاهد في سبیله– کمثل...... إلخ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والے کی مثال (اور اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں کہ کون اللہ کے لئے جہاد کرتا ہے) روزہ دار اور رات کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے کی طرح ہے۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ "واللّٰه أعلم بمن یجاهد في سبیله" جملہ معترضہ واقع ہوا ہے، جس سے مقصود اخلاص نیت کی طرف اشارہ کرنا ہے، یعنی اس کی نیت کا حال اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں چنانچہ اگر اس کی نیت خالص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھی تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔لیکن اگر اس کی نیت دنیا، مال اور شہرت کا حصول ہو تو اس

---

(۱) کشف الباري (ج۱ ص۳۲٦)و(ج۱ ص٤٧٩ و ٤٨٠)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ ص۱٥٩)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ ص٦٥٩)۔

نے اللہ کے رستے کے ساتھ دنیا کو بھی شریک کیا اور اس کا یہ جہاد نافع بھی نہیں ہوگا۔(۱)

حدیث بالا کی مکمل تشریح "كتاب الإيمان، باب الجهاد من الإيمان" کے تحت گذر چکی ہے۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث بالا کا ترجمۃ الباب کے ساتھ انطباق واضح ہے جس میں مجاہد فی سبیل اللہ کو روزے دار، عبادت گذار کے مثل قرار دیا گیا ہے اور اس پر مرتب اجر وفضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔(۳)

۳ – باب : اَلدُّعاءِ بِالْجِهَادِ وَالشَّهَادَةِ لِلرِّجالِ وَالنِّسَاءِ .

ماقبل کے باب سے ربط ومناسبت

سابقہ ابواب میں یہ بیان ہوا تھا کہ جہاد سب سے افضل عمل اور مجاہد سب سے افضل آدمی ہے۔ چنانچہ جب مجاہد اور جہاد کا یہ رتبہ اور فضیلت ہے تو اس فضیلت ورتبے کو حاصل کرنے کے لئے دعاء بھی کرنی چاہئے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر تابعین وغیرہ سے جہاد وشہادت کی دعاء منقول ہے۔

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ جس طرح مرد جہاد اور شہادت کی دعاء کر سکتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی جہاد اور شہادت کی دعاء کر سکتی ہیں۔ اس دعائے شہادت میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں، اور کوئی فرق نہیں۔(۴)

---

(١) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٤)۔

(٢) انظر كشف الباري (ج٢ ص٣٠٥–٣١٠)۔

(٣) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٤)۔

(٤) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٥)۔

اور علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امر پر خاص طور سے اس لئے تنبیہ فرمائی ہے کہ شہادت کی دعاء کرنے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ کافروں کا غلبہ ہوجائے اور مسلمان مغلوب ہوجائیں۔ لیکن چونکہ یہ صورت مقصود نہیں ہوتی اس لئے اگر کوئی آدمی اپنے لئے شہادت کی دعا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ مقصد عظیم کو حاصل کرنے کے لئے غیر مقصود کو برداشت کیا جاسکتا ہے اور کفار کا غلبہ مطلوب اور مقصود نہیں، بلکہ غیر مقصود و غیر مطلوب ہے، چنانچہ مقصد عظیم کے لئے اس غیر مقصود کو گوارا کرلیا جاتا ہے۔(۱)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شہادت کی دعاء کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ کفار کا غلبہ بھی ہوجائے، ہمارا مقصود تو شہادت ہے، بس ہمیں شہادت مل جائے۔ رہے کفار تو ان کے علاج کے لئے ہمارے دوسرے بھائی موجود ہیں جو ان کو روکنے کے لئے کافی ہیں۔ اس لئے شہادت کی دعاء سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار کے غلبے کا اس میں احتمال پیدا ہو اور ان کا تسلط لازم آئے۔

وَقالَ عُمَرُ : اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي بَلَدِ رَسُولِكَ .

اور حضرت عمرؓ نے (بطور دعاء یہ) فرمایا تھا کہ اے اللہ! مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر میں شہادت عطا فرمائیے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "زيد بن أسلم عن أبيه عن عمر" کے طریق سے موصولاً "کتاب فضائل المدينة، باب كراهية النبي ﷺ أن تعرى المدينة" کے تحت نقل کیا ہے اور اس پر وہیں کلام بھی گذر چکا ہے۔(۲)

مذکورہ تعلیق کو ذکر کرنے کا مقصد

چونکہ اس تعلیق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعائے شہادت کا ذکر ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے موافق اس تعلیق کو بطور استدلال علی الترجمۃ ذکر فرمایا ہے۔(۳)

---

(۱) انظر فتح الباري (ج٦ ص ١٠)۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاري (ج١ ص٢٥٣ و ٢٥٤) كتاب فضائل المدينة، باب كراهية النبي ﷺ أن تعرى المدينة، رقم (١٨٩٠)۔

(۳) كشف الباري (ج١ ص١٧٧)، ومقدمة لامع (ص٣٢٩، ٣٣٠)۔

٢٦٣٦ : حدّثنا عبدُ الله بنُ يوسف ، عن مالكٍ ، عن إسحٰق بن عبد الله بن أبي طلحة ، عن أنسِ بن مالكٍ رضي الله عنه[(١)] أنّه سمعه يقول : كان رسول الله ﷺ يدخل على أُمِّ حرامٍ بنتِ مِلحان فتُطعِمُه ، وكانت أُمُّ حرامٍ تحت عُبادة بن الصّامت ، فدخل عليها رسول الله ﷺ فأطعمته ، وجعلت تفلي رأسه ، فنام رسول الله ﷺ ثمّ استيقظ وهو يضحك ، قالت : فقلتُ : وما يُضحكك يا رسول الله ؟ قال : (ناسٌ من أُمّتي ، عُرضوا عليَّ غُزاةً في سبيل الله ، يركبون ثَبَجَ هذا البحر مُلوكًا على الأسرّة ، أو : مثلَ الملوك على الأسرّة) . شكّ إسحٰق ، قالت : فقلتُ : يا رسول الله ، ادعُ الله أن يجعلني منهم ، فدعا لها رسول الله ﷺ ، ثمّ وضع رأسه ثمّ استيقظ وهو يضحك ، فقلتُ : وما يُضحكك يا رسول الله ؟ قال : (ناسٌ من أُمّتي ، عُرضوا عليَّ غُزاةً في سبيل الله) . كما قال في الأوّل . قالت : فقلتُ : يا رسول الله ، ادعُ الله أن يجعلني منهم ، قال : (أنتِ من الأوّلين) . فركبتِ البحرَ في زمان معاوية بن أبي سفيان ، فصُرعت عن دابّتها حين خرجت من البحر ، فهلكت .

[٢٦٤٦ ، ٢٧٢٢ ، ٢٧٣٧ ، ٢٧٦٦ ، ٥٩٢٦ ، ٦٦٠٠]

تراجم رجال

ا۔ عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔ مالک

یہ امام دارالہجرۃ، حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی

---

(١) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً (ج١ص٣٩٢)، في كتاب الجهاد والسير، باب فضل من يصرع في سبيل الله فمات فهو منهم، رقم (٢٧٩٩، ٢٨٠٠)، و(ج١ص٤٠٣)، باب غزوة المرأة في البحر، رقم (٢٨٧٨، ٢٨٨٧)، و(ج١ص٤٠٥)، باب ركوب البحر، رقم (٢٨٩٤، ٢٨٩٥)، وفي كتاب التعبير (ج٢ص١٠٣٦)، باب الرؤيا بالنهار، رقم (٧٠٠١، ٧٠٠٢)، ومسلم في صحيحه (ج٢ص١٤١) في كتاب الإمارة، باب فضل الغزو في البحر، رقم (٤٩٣٤)، وأبوداود (ج١ص٣٣٥)، في الجهاد، باب فضل الغزو في البحر، رقم (٢٤٩٠)، والترمذي (ج١ص٢٩٤) في فضائل الجهاد، باب ماجاء في غزو البحر، رقم (١٦٤٥)، والنسائي (ج٢ص٦٢) في الجهاد، باب فضل الجهاد في البحر، رقم (٣١٧٣)، وابن ماجه (ص١٩٩) في أبواب الجهاد، باب فضل غزو البحر، رقم (٢٧٧٦)۔

دوسری حدیث کے تحت آچکا ہے۔(۱)

۳۔اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ

یہ ابو یحیی اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب العلم، باب من قعد حیث ینتھي به المجلس، ......" کے تحت گذر چکے۔(۲)

انس بن مالک

یہ مشہور صحابی، خادم رسول، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ......" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

أنه سمع یقول: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یدخل علی أم حرام بنت ملحان، فتطعمه۔

اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے تو ام حرام رضی اللہ عنہا ان کو کھانا کھلاتی تھیں۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا

یہ مشہور صحابیہ ام حرام بنت ملحان مالک بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی رضی اللہ عنہا ہیں۔ان کا تعلق مدینہ منورہ میں انصار کے معروف قبیلے بنوالنجار سے ہے۔

آپ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں(۴) اور ام سُلیم رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔(۵)

---

(۱) کشف الباري (ج۱ ص۲۸۹و۲۹۰) اور امام مالک کے مزید حالات کے لئے دیکھئے، کشف الباري (ج۲ ص۸۰)۔

(۲) کشف الباري (ج۳ ص۲۱۳)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(٤) انظر تهذیب الکمال (ج۳۵ ص۳۳۸)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج۲ ص۳۱٦)۔

یہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ اور ان کے نام میں اختلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا أقف لها على اسم صحیح" (۱) اور بعض حضرات نے ان کا نام "الرمیصاء" اور بعض نے "الغمیصاء" بیان کیا ہے۔ (۲) لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے اوصاف ہیں نہ کہ ام حرام کے نام۔ (۳)

صحیح قول کے مطابق ان کا پہلا نکاح حضرت عمرو بن قیس بن زید بن سواد انصاری رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ (۴) اور عمرو بن قیس کو واقدی نے بدریین میں شمار کیا ہے اور ابو اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ شہدائے احد میں سے تھے۔ (۵) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اہل مغازی کا اتفاق نقل کیا ہے۔ (۶)

ان سے ام حرام رضی اللہ عنہا کے دو بیٹے ہوئے، قیس اور عبداللہ۔ (۷)

حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور ان سے ان کے ایک بیٹے محمد پیدا ہوئے۔ (۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت اکرام کیا کرتے، ان کے پاس تشریف لے جاتے اور وہاں کبھی کبھار قیلولہ فرماتے تھے۔ (۹)

اور یہ ان صحابیات میں سے تھیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ (۱۰) ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی دعاء بھی فرمائی۔ (۱۱)

---

(۱) الاستیعاب بهامش الإصابة (ج٤ ص٤٤٣)۔

(۲) كذا أخرجه أبو نعيم، كما في الإصابة (ج٤ ص٤٤١)۔

(۳) الإصابة (ج٤ ص٤٤١)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٣٥ ص٣٣٩)۔

(٥) الإصابة (ج٣ ص١١)، والمغازي للعلامة الواقدي (ج١ ص١٦٢)، باب تسمية من شهد بدراً من قريش والأنصار۔

(٦) فتح الباري (ج١١ ص٧٣)۔

(٧) الطبقات لابن سعد (ج٨ ص٤٣٥)۔

(٨) انظر الطبقات لابن سعد (ج٨ ص٤٣٥)۔

(٩) تهذيب الكمال (ج٣٥ ص٣٣٩)۔

(١٠) الطبقات لابن سعد (ج٨ ص٤٣٥)۔

(١١) تهذيب الكمال (ج٣٥ ص٣٣٩)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ۲۷ یا ۲۸ ھجری کو یہ اپنے شوہر عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام کی طرف جہاد کے لئے نکلیں۔(۱)

اور یہ مسلمانوں کا پہلا لشکر تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں رومیوں کی سرکوبی کے لئے نکلا تھا، اس طرح یہ پہلی بحری جنگ بھی تھی جس کی پیشین گوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر چکے تھے اور اس جنگ میں مسلمانوں نے قبرص کو فتح کیا، واپسی میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی سواری کے لئے خچر آگے بڑھایا گیا اور اس پر سوار ہوتے ہوئے آپ گر گئیں اور شہید ہوگئیں اور وہیں دفن بھی ہوئیں۔(۲) ان کی قبر زیارت گاہ عام اور مرجع خلائق ہے اور اسے "قبر المرأة الصالحة" سے موسوم کرتے ہیں۔(۳) علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انگریز اور دوسرے غیر مسلم بھی ان کی قبر مبارک پر حاضری دیتے ہیں۔(۴)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کرتی ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بھانجے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عطاء بن یسار، عمیر بن الاسود العنسی اور یعلی بن شداد بن اوس رحمہم اللہ شامل ہیں(۵)۔ اور ان کے شوہر حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔(۶)

ان سے کئی احادیث مروی ہیں اور ان میں سے ایک حدیث متفق علیہ ہے۔(۷) رضي الله عنها وأرضاها۔

ایک اشکال

حدیث باب میں ابھی یہ ذکر ہوا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور وہ آپ علیہ السلام کو کھانا کھلاتی تھیں۔ اور وہ آپ کے سر میں جوئیں تلاش کرتی تھیں۔

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) انظر عمدة القاري (ج۱٤ ص۸٦و۸۷)۔

(۳) حلية الأولياء (ج۲ ص٦۲)۔

(٤) سير أعلام النبلاء (ج۲ ص۳۱۷)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج۳٥ ص۳۳۹)۔

(٦) الإصابة (ج٤ ص٤٤۲)۔

(۷) خلاصة الخزرجي (ص٤۹۷)۔

اب یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ تو اجنبیہ تھیں، خلوت بالاجنبیہ تو جائز نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں کیسے تشریف لے جاتے تھے؟

جوابات

علماء نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں، چنانچہ ابن وھب، ابوالقاسم جوہری، داودی اور ابن عبدالبر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔ (۱) یہی قول مہلب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ (۲)

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد یا دادا کی خالہ تھیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی والدہ بنوالنجار سے تھیں۔ (۳)

لیکن حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ساری تاویلات غلط ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ قرار دینا خواہ نسبی ہو یا رضاعی کسی بھی طرح درست نہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالائیں جو رضاعی ہیں یا نسبی ہیں وہ مشہور ومعروف ہیں۔ ام حرام رضی اللہ عنہا ان میں سے نہیں ہیں۔ ہاں عبدالمطلب کی والدہ سلمی بنت عمرو بن زید، بنوعدی بن النجار کی خاتون ضرور ہیں اور ام حرام رضی اللہ عنہا بھی نجاریہ ہیں۔ یہ ایک رشتہ ایسا ہے کہ اس پر مجازی خالہ کا اطلاق ہوسکتا ہے اور مجازی خالہ ہونے سے ان کا ذورحم ہونا لازم نہیں آتا۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرح ہے جس میں آپ نے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: "هـذا خـالي" کہ یہ میرے ماموں ہیں۔ کیونکہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوزہرہ سے تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ کے اقارب میں سے تھے۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نہ تو حضرت آمنہ کے نسبی بھائی تھے نہ رضاعی۔ (۴)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) فتح الباري (ج۱۱ ص۸۷)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ ص۱۰)۔

(۳) شرح النووي على مسلم (ج۲ ص۱٤۱)، وعمدة القاري (ج۱٤ ص۸٦)۔

(٤) فتح الباري (ج۱۱ ص۸۷)۔

ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔(۱)

لیکن اس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے قریب قریب کا ہے اور اس وقت حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا۔(۲)

اور حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ان کے کسی محرم کی موجودگی میں تشریف فرما ہوا کرتے ہوں۔ کیونکہ عادۃً مخدوم کے آنے پر خادم اور اس کے اہل خانہ موجود ہوتے ہیں۔(۳)

لیکن اس جواب پر بھی اشکال ہے وہ یہ کہ آگے حدیث میں ہے "وجعلت تفلي رأسه" کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے جوئیں نکالتی تھیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر وہ غیر محرم تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو کیسے چھوتی تھیں؟(۴)

اس اشکال کا قاضی ابوبکر ابن العربی نے بعض علماء کے حوالے سے یہ جواب دیا ہے کہ یہ نبی علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنہ وفساد میں واقع ہونے سے مامون ہونے کی وجہ سے اس بات کی اجازت تھی کہ اجنبیات کے ساتھ خلوت کریں۔(۵)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ خصوصیت کے لئے دعوی کافی نہیں۔ دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔(۶)

دلیل کیا ہے؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کو احسن الأجوبۃ قرار دیتے ہوئے

---

(۱) الخصائص الکبری (ج۲ ص۲٤۷) باب اختصاصه صلی الله علیه وسلم بإباحة النظر إلى الأجنبيات والخلوة بهن۔

(۲) فتح الباري (ج۱۱ ص۷۸)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص٨٦)۔

(٤) فتح الباري (ج۱۱ ص۷۹)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص٨٦)۔

(٦) فتح الباري (ج۱۱ ص۷۸)۔

فرماتے ہیں کہ دلائل واضح ہیں(۱)۔ چنانچہ غیر محرم سے جو خلوت کی ممانعت کی گئی ہے وہ خوف فتنہ کی وجہ سے کی گئی اور اس لئے کی گئی کہ شیطان نفس کے اندر کوئی برا وسوسہ معصیت کا نہ ڈال دے اور آپ علیہ السلام معصوم تھے، آپ کے حق میں خلوت بالاجنبیہ جائز تھی، وہاں کوئی کھٹکا نہ معصیت کے اندر مبتلا ہونے کا ہے اور نہ کوئی اندیشہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے یا اغراء اور بہکانے کا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''الخصائص الکبریٰ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقال ابن حجر: الذي وضح لنا بالأدلة القوية أن من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم جواز الخلوة بالأجنبية والنظر إليها، وهو الجواب الصحيح عن قصة أم حرام بنت ملحان في دخوله عليها، ونومه عندها، وتفليتها رأسه، ولم يكن بينهما محرمية، ولا زوجية"۔(۲)

سراج الدین ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ نے جو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، اپنے بعض مشائخ سے یہی نقل کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الخصائص الکبریٰ'' میں بھی یہی نقل فرمایا ہے اور یہی جواب مستند معلوم ہوتا ہے۔(۳)

وكانت أم حرام تحت عبادة بن الصامت۔

اور ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

حدیث کے مختلف طرق میں تعارض

حدیث کے مذکورہ بالا ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پہلے سے تھیں۔ لیکن آئندہ جو روایات آرہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں بعد میں آئی ہیں۔ چنانچہ "باب غزوة ركوب البحر" میں "محمد بن يحيى بن حبان بن أنس" کے طریق میں ہے "فتزوج بها عبادة، فخرج بها إلى الغزو۔" (۴) اسی طرح "باب غزوة

(۱) حوالہ بالا (ج۱۱ص۸۹)۔

(۲) الخصائص الكبرى (ج۲ص۲٤۷و ۲٤۸)، باب اختصاصه صلى الله عليه وسلم بإباحة النظر إلى الأجنبيات والخلوة بهن۔

(۳) حوالۂ سابقہ (ص۲٤۸)۔

(٤) انظر صحيح البخاري (ج۱ص٤۰٥)، باب ركوب البحر، رقم (۲۹٤، ۲۸۹٥)۔

المرأة فی البحر" میں "أبو طوالة عن أنس" کی روایت میں "فتزوجت عبادة بن الصامت" ہے(۱) اور مسلم کی روایت میں صراحت کے ساتھ "محمد بن یحیی بن حبان عن انس" ہی کے طریق میں "فتزوجت بها عبادة بعدُ" ہے۔(۲)

مذکورہ تعارض کا حل

شارحین حدیث نے اس تعارض کے تین جوابات ارشاد فرمائے ہیں:-

۱۔علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے پہلے ان سے نکاح کیا ہو، بعد میں طلاق واقع ہوگئی ہو، پھر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا ہو اور ان کی غزوۂ احد میں شہادت کے بعد دوبارہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا ہو۔(۳)

۲۔علامہ نووی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ تعالی نے اس تعارض کا جواب یہ دیا ہے کہ جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پہلے آئیں ان میں اخبار عمایؤول ہے یعنی جو واقعہ بعد میں ہوا اس کی خبر دی گئی ہے۔(۴)

۳۔علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ام حرام رضی اللہ عنہا اولاً عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ان کے بعد پھر عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔(۵)

اسی آخری جواب کی تایید حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے، چنانچہ حافظ صاحب فرماتے ہیں:

"والذي يظهر لي أن الأمر بعكس ما وقع في الطبقات وأن عمرو بن قيس تزوجها أولا، فولدت له، ثم استشهد هو وولده قيس منها، وتزوجت بعده بعبادة"۔(۶)

---

(۱) انظر صحيح البخاري (ج۱ص۴۰۳)، كتاب الجهاد، باب غزوة المرأة في البحر، رقم (۲۸۷۷، ۲۸۷۸)۔

(۲) انظر الصحيح لمسلم (ج۲ص۱۴۲)، كتاب الإمارة، باب فضل الغزو في البحر، رقم (۴۹۳۵)۔

(۳) فتح الباري (ج۶ص۷۶)۔

(۴) انظر شرح مسلم للنووي (ج۲ص۱۴۲)، وفتح الباري (ج۱۱ص۷۳)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۳۵ص۳۳۹)۔

(۶) انظر فتح الباري (ج۱۱ص۷۳)، وكذا انظر الطبقات لابن سعد (ج۸ص۴۳۴)۔

وجعلت تفلي رأسه

اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں جوئیں تلاش کرنے لگیں۔

تفلي: یہ باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے "فلیا" اس کا مصدر ہے اور "فلی" سر سے جوئیں وغیرہ نکالنے اور اس کو تلاش کرنے کو کہا جاتا ہے۔(۱)

اشکال

حدیث کے مذکورہ بالا ٹکڑے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے جوئیں نکالتی تھیں۔ تو اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جوئیں تو پسینہ وغیرہ کی بدبو اور میل کچیل سے پیدا ہوا کرتی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ تو بہت خوشبودار تھا۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں جوؤں کی موجودگی کا کیا مطلب؟

مذکورہ اشکال کے جوابات

۱۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں گرد و غبار کی وجہ سے جوئیں پیدا ہوگئیں ہوں اور وہ آپ کو اذیت نہ پہنچاتی ہوں۔(۲)

۲۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسروں کے کپڑوں سے چڑھ گئی ہوں۔(۳)

۳۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سر میں جوئیں وغیرہ تو نہ ہوں، ویسے ہی حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں کو راحت پہنچانے کے لئے اِدھر سے اُدھر کرتی ہوں۔(۴)

---

(۱) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٦)، ومجمع بحار الأنوار (ج٤ ص١٧٧)، مادة "فلی"۔

(۲) قال محمد طاهر الفتني: "...... ولم يكن القمل يؤذيه تكريماً له"۔ مجمع بحار الأنوار (ج٤ ص١٧٧)۔

(۳) الكوكب الدري (ج ٢ ص ٤٣١)، وتعليقات بذل المجهود (ج١١ ص٣٩٤)۔

(٤) حوالۂ بالا، و بذل المجهود (ج١١ ص٣٩٤)، وأيضاً انظر أوجز المسالك (ج٨ ص٣٧٤)، وشرح المناوي على الشمائل المحمدية (ج٢ ص١٨٦)۔

فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم استيقظ وهو يضحك، قالت: فقلتُ: وما يضحكك يا رسول الله؟ قال: "ناس من أمتي عرضوا عليّ غزاة في سبيل الله، يركبون ثبج (۱) هذا البحر ملوكا على الأسرة، أو مثل الملوك على الأسرة"۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور کچھ دیر بعد ہنستے ہوئے جاگے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو ہنسایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے جو اللہ کے رستے میں جہاد کرتے ہوئے اس سمندر کی پشت پر بادشاہوں کی طرح تخت پر سوار ہوں گے۔

مذکورہ عبارت کا مطلب

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں ان مجاہدین کی، جو سمندری جہاد کریں گے، صورت مثالی دکھلائی گئی تھی کہ وہ جنت میں تختوں پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے اہل جنت کی صفت میں بیان کیا ہے ﴿على سرر متقابلين﴾ (۲) کہ "وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے" اور فرمایا ہے: ﴿على الأرائك متكئون﴾ (۳) کہ "پلنگوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے" اور یہی قول ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔(۴)

قاضی عیاض (۵) اور علامہ قرطبی (۶) رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ان مجاہدین کی دنیوی صلاح و فلاح، وسعت و فراخی رزق کی طرف اشارہ ہے۔

---

(۱) قوله: "ثبج"۔ بفتح الثاء والباء الموحدة بعدها جيم۔ قال الخطابي في أعلام الحديث (ج۲ص۱۳۵٦): "ثبج البحر: متنه ومعظمه، وثبج كل شيء: وسطه"۔ وانظر عمدة القاري (ج۱٤ص۸٦)۔

(۲) الصافات /٤٤۔

(۳) المطففين/۲۳۔

(٤) التمهيد (ج۱ص۲۳۲)، وفتح الباري (ج۱۱ص۷٤)، وشرح ابن بطال (ج٥ص۱۰)۔

(٥) دیکھئے فتح الباري (ج۱۱ص۸٤)۔

(٦) انظر عمدة القاري (ج۱٤ص۸٦)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تایید اور قاضی عیاض پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قلت: وفي هذا الاحتمال بعد، والأول أظهر"۔(۱)

''ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کی بات ظاہر کے خلاف ہے، ابن عبدالبر کی بات زیادہ بہتر ہے۔''

شك اسحاق

شک اسحاق کی طرف سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حدیث میں "ملوكا على الأسرة، أو مثل الملوك على الأسرة" جو شک کے ساتھ بیان ہوا ہے تو یہ شک حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اسحاق بن عبداللہ کو ہوا ہے۔

لیکن یہی روایت "أبو طوالة عن أنس" کے طریق سے بھی مروی ہے، اس میں بغیر شک کے "مثل الملوك على الأسرة" ہے۔(۲)

قالت: فقلت: يارسول الله، ادع الله أن يجعلني منهم، فدعا لها رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالی سے میرے لئے دعاء کیجئے کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء فرمائی۔

ثم وضع رأسه ثم استيقظ وهويضحك، فقلت: وما يضحكك يا رسول الله؟ قال: ناس من أمتي عرضوا علي غزاةً في سبيل الله -كما قال في الأول-

پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر رکھا (یعنی سو گئے) پھر ہنستے ہوئے جاگے تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کیوں ہنسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے والے قول کی طرح فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوں گے۔

---

(۱) دیکھئے فتح الباري (ج۱۱ ص۷٤)۔

(۲) انظر فتح الباري (ج۱۱ ص۷٤)، وأيضاً الصحيح للبخاري (ج۱ ص۴۰۳)، كتاب الجهاد، باب غزو المرأة في البحر، رقم (۲۸۷۷، ۲۸۷۸)۔

قالت: فقلت: یا رسول الله، ادع الله أن یجعلني منهم۔ قال: "أنت من الأولین"۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالی سے آپ میرے لئے دعاء کیجئے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں، تم پہلے فریق کے ساتھ ہوگی۔

فرکبت البحر في زمن معاویة بن أبي سفیان، فصرعت عن دابتها حین خرجت من البحر فهلکت۔

چنانچہ وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ان کے ساتھ سمندری سفر پر نکلیں اور سمندر سے واپس ہوتے ہوئے اپنے جانور سے گر پڑیں اور شہید ہو گئیں۔

مذکورہ بالا عبارت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب وہ شام کے گورنر تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت تھا، اس وقت حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے بحری سفر کا واقعہ پیش آیا اور ان کو اللہ تبارک وتعالی نے شہادت نصیب فرمائی۔

حدیث کے ظاہر سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کا ہے، لیکن عام اہل سیر کی رائے یہی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر تھے۔(۱)

قاضی عیاض اور بعض دوسرے حضرات کا میلان اس طرف ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں یہ واقعہ ہوا۔(۲)

لیکن تاریخی حیثیت سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے کہ اہل تاریخ نے اس واقعے کے متعلق تین تاریخیں لکھی ہیں:

۱۔ ابن الکلبی، خلیفہ بن خیاط اور ابن ابی حاتم وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ۲۸ھ کا ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباري (ج۱۱ ص۷۵)، وعمدة القاري (ج۱۴ ص۷۵)۔

(۲) فتح الباري (ج۱۱ ص۷۵)۔

(۳) حوالہ بالا، وشرح ابن بطال (ج۵ ص۱۱)۔

۲۔ یعقوب بن سفیان اور ابن زید وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ ۲۷ھ کا ہے۔(۱)

۳۔ ابن جریر طبری نے واقدی، ابن لہیعہ اور ابو معشر المدنی السندھی سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت اور ۳۳ھ کا ہے۔(۲)

بہر حال جس زمانہ کا بھی یہ واقعہ ہو، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں پیش آیا ہے کیونکہ آپ کی شہادت ۳۵ھ ذی الحجہ میں ہوئی ہے۔

اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ وہ تینوں تاریخوں کو تحریر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں: "والأول أصح، وكلها في خلافة عثمان أيضاً؛ لأنه قتل في آخر سنة خمس وثلاثين"۔(۳) والله أعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کا انطباق

علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب کے ترجمہ پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حدیث اور ترجمۃ الباب کے درمیان مناسبت نہیں ہے، کیونکہ ترجمہ میں تمنائے شہادت کا اور حدیث میں تمنائے غزو کا ذکر ہے۔(۴)

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تمنائے غزو کا ثمرۂ عظمی شہادت ہی ہے کیونکہ جہاد میں شرکت کا اصل مقصد شہادت فی سبیل اللہ کا حصول ہے۔(۵)

---

(۱) فتح الباري (ج۱۱ ص۷۵)، وعمدة القاري (ج۱٤ ص۸۷)۔

(۲) فتح الباري (ج۱۱ ص۷٦)۔

(۳) حوالہ بالا۔ وإليه مال العلامة الأبي المالكي، انظر إكمال إكمال المعلم (ج٥ ص۲٦۰)، وأيضا انظر هذا البحث في الكامل لابن الأثير (ج۳ ص٤۸)، ذكر فتح "قبرس"۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص۱۱)۔

(٥) انظر عمدة القاري (ج۱٤ ص۸٥)، وفتح الباري (ج٦ ص۱۱)۔

٤ - باب : دَرَجاتِ الْمُجَاهِدِينَ في سَبِيلِ ٱللهِ . يُقَالُ : هٰذِهِ سَبِيلِي وَهٰذا سَبِيلِي .

ماقبل کے باب سے ربط ومناسبت

ماقبل باب میں دعائے شہادت کا ذکر تھا، اب اس باب میں شہادت کے نتیجے میں مجاہد کو جو درجات اور انعامات حاصل ہوتے ہیں ان کا ذکر ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ مجاہد جو اللہ ہی کے لئے خالص جہاد اور قتال کرتا ہو اور دنیا کی شہرت وغیرہ کی طرف اس کی نظر نہ ہو اس کے لئے اللہ تبارک وتعالی نے جنت میں اعلی درجات تیار کر رکھے ہیں۔(۱)

یقال: هذه سبیلی، و هذا سبیلی۔

کہا جاتا ہے هذه سبيلي (تانیث کے ساتھ) اور هذا سبيلي (تذکیر کے ساتھ)۔

اس عبارت کے ذکر کرنے کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس عبارت سے یہ ہے کہ لفظ "سبیل" کو مذکر ومؤنث دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے اور یہی امام فراء کا مذہب ہے، چنانچہ فراء نے قرآن کریم کی آیت ﴿ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا﴾ (۲) کے بارے میں فرمایا ہے کہ "يتخذها" کی ضمیر آیاتِ قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے اور آپ چاہیں تو اسے سبیل کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں کیونکہ وہ کبھی کبھار مونث ہوتا ہے۔(۳)

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص٨٨)۔

(۲) لقمان/٦۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص٨٩)، وفتح الباري (ج٦ ص١١)، وانظر النهاية لابن الأثير (ج٢ ص٣٣٨)، قال ابن الأثير رحمه الله: "فالسبيل في الأصل: الطريق ويذكر ويؤنث، والتانيث فيها أغلب"۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : «غُزًّى» /آل عمران: ١٥٦/ : وَاحِدُهَا غَازٍ . «هُمْ دَرَجَاتٌ» /آل عمران: ١٦٣/ : لَهُمْ دَرَجَاتٌ .

ابوعبداللہ البخاری فرماتے ہیں کہ "غزا" جمع ہے اور اس کا واحد "غاز" ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت ﴿یا أیها الذین امنوا لاتکونوا کالذین کفروا وقالوا لاخوانهم إذا ضربوا فی الأرض أو کانوا غزی ......إلخ﴾ (۱) میں "غزی" کا جو لفظ ہے وہ غاز کی جمع ہے۔

هم درجات، لهم درجات۔

چونکہ "درجات" کا حمل "هم" پر درست نہیں اس لئے امام ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تقدیر "لهم درجات" بیان کی ہے، جب کہ بعض دوسرے حضرات نے "هم ذوو درجات" کی تقدیر نکالی ہے۔ (۲)

٢٦٣٧ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ : حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (٣) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (مَنْ آمَنَ بِٱللهِ وَبِرَسُولِهِ ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ ، وَصَامَ رَمَضَانَ ، كَانَ حَقًّا عَلَى ٱللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، جاهَدَ في سَبِيلِ ٱللهِ ، أَوْ جَلَسَ في أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا) . فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ ؟ قالَ : (إِنَّ في الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ ، أَعَدَّهَا ٱللهُ لِلْمُجَاهِدِينَ في سَبِيلِ ٱللهِ ، ما بَيْنَ ٱلدَّرَجَتَيْنِ كما بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ ٱللهَ فَٱسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ – أُرَاهُ – فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ) .

قالَ مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ ، عَنْ أَبِيهِ : (وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ) . [٦٩٨٧]

(۱) آل عمران/۱۵٦۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص١١)۔

(۳) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً (ج٢ ص١١٠٣) كتاب التوحيد، باب ﴿وكان عرشه على الماء﴾، رقم (٧٤٢٣) والحديث من إفراده۔

تراجم رجال

۱۔ یحیی بن صالح

یہ یحیی بن صالح وحاظی شامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۲۔ فلیح

یہ ابویحیی فلیح عبدالملک بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳۔ ھلال بن علی

یہ ہلال بن علی بن اسامہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دوحضرات کا مفصل تذکرہ "کتاب العلم، باب من سئل علماً وهو مشتغل في حديثه ......" کے تحت آچکا ہے۔(۲)

۴۔ عطاء بن یسار

یہ ابومحمد عطاء بن یسار ہلالی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإيمان، باب كفران العشير وكفر دون كفر" کے تحت گذر چکے۔(۳)

۵۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے تفصیلی حالات "کتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۴)

قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من آمن بالله ورسوله، وأقام الصلاة، وصام رمضان كان حقا على الله أن يدخله الجنة"۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقا۔

(۲) كشف الباري (ج۳ص و۶۳)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۲۰٤)۔

(٤) كشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز ادا کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالی پر واجب ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

یہاں حدیث باب میں صلاۃ وصوم کا تو ذکر ہے، لیکن حج اور زکوۃ کا ذکر نہیں۔ حالانکہ جس طرح نماز اور روزے اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہیں اسی طرح زکوۃ اور حج بھی بنیادی رکن ہیں۔

علامہ کرمانی اور ابن بطال رحمہما اللہ نے یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ حدیثِ باب میں زکوۃ اور حج کے مذکور نہ ہونے کی وجہ ان دونوں کا اس وقت تک فرض نہ ہونا ہے۔(۱)

حافظ صاحب نے جواب یہ دیا ہے کہ یہاں حج اور زکوۃ کا ذکر کسی راوی سے حذف ہوگیا ہے کیونکہ ترمذی کی روایت جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں حج کا ذکر موجود ہے(۲) اور اسی میں حضرت معاذ فرماتے ہیں: "لا أدري أذكر الزكاة أم لا؟"۔(۳)

اور حافظ صاحب نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حدیث کا مقصد ارکان اسلام کا استیعاب نہیں ہے، اسی لئے نماز اور روزے کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔(۳)

"كان حقا على الله أن يدخله الجنة" میں حق بطریق فضل وکرم ہے، یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالی پر اس شخص کو جنت میں داخل کرنا واجب ہے، بلکہ مطلب یہ ہے اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔(۴)

جاهد في سبيل الله أو جلس في أرضه التي فيها۔

خواہ اللہ کے راستے میں جہاد کرے یا اس جگہ بیٹھا رہے جہاں وہ پیدا ہوا ہے۔

---

(۱) انظر شرح الكرماني (ج۱۲ص۹۸، ۹۹)، وشرح ابن بطال (ج۵ص۱۳)۔

(۲) انظر الجامع للترمذي (ج۲ص۷۹)، أبواب صفة الجنة، باب ما جاء في صفة درجات الجنة، رقم (۲۵۳۰)۔

(۳) انظر فتح الباري (ج۶ص۱۲)۔

(۴) حوالہ بالا۔

اس عبارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو جو جہاد نہ کرسکتا ہو تسلی دے رہے ہیں کہ وہ بھی اجر سے محروم نہیں ہے کیونکہ ایمان پر استقامت اور دیگر فرائض کی ادائیگی کا التزام اسے جنت میں پہنچادے گا، اگرچہ اس کا درجہ مجاہدین کے درجہ سے کم ہو۔(۱)

فی سبیل اللہ کا مطلب

اب یہ سمجھئے کہ ''سبیل اللہ'' کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔ایک معنی اس کے عام ہیں، ہر وہ عمل خیر جس کا مقصد رضائے الٰہی اور تقرب الی اللہ ہو اس پر سبیل اللہ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے فرائض کی ادائیگی، نوافل دیگر عبادات وطاعات کا اہتمام وغیرہ، یہ اطلاق فی سبیل اللہ کا عام ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کتاب الجمعہ میں "عباية بن رفاعة" کے طریق سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے، اس میں ہے:

"أدركني أبو عبس وأنا أذهب إلى الجمعة، فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من اغبرت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار"۔ (۲)

''حضرت عبایہ بن رفاعۃ فرماتے ہیں کہ میں جمعے کی ادائیگی کے لئے مسجد جا رہا تھا، مجھے حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ ملے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں اللہ اس پر جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتا ہے'' یعنی جہنم کی آگ اسے نہ چھوئے گی۔

یہاں ذہاب الی الجمعۃ پر حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی اور انہوں نے ذہاب الی الجمعۃ کو سبیل اللہ سے تعبیر کیا۔ یہ اطلاق عام ہے۔

۲۔دوسرے معنی فی سبیل اللہ کے خاص ہیں، وہ جہاد اور قتال ہے، چنانچہ جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد قتال ہوا کرتا ہے۔(۳)

(۱) انظر فتح الباري (ج٦ص١٢)، وشرح ابن بطال (ج٥ص١٣)۔

(۲) انظر صحيح البخاري (ج١ص١٢٤)، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، رقم (٩٠٧)۔

(۳) انظر النهاية لابن الأثير الجزري (ج٢ص٣٣٨، ٣٣٩)، مادة "سبل" وشرح القسطلاني (ج٥ص٤٩)۔

فقالوا: یا رسول اللّٰہ، أفلا نبشر الناس؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی بشارت نہ دیدیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے والے صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے: "قال معاذ: ألا أخبر بھذا الناس؟" (۱)، یا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے۔(۲)

قال: "إن في الجنة مائة درجة أعدھا اللّٰہ للمجاھدین في سبیل اللّٰہ، ما بین الدرجتین کما بین السماء والأرض"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سو منازل ہیں، جنہیں اللہ تبارک وتعالی نے اس کے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے۔ دو منزلوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کا درمیانی فاصلہ۔

جنت کے درجات کتنے ہیں؟

جنت کے درجات کتنے ہیں اس میں اختلاف ہے، حدیث باب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے کل درجات سو ہیں، حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا گیا ہے: "یقال یعنی لصاحب القرآن: اقرأ وارق ورتل کما کنت ترتل في الدنیا، فإن منزلتك عند آخر آیة تقرؤبھا"۔(۳)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے درجات قرآن کریم کی آیات کی تعداد کے برابر ہیں، نیز حدیثِ مذکورہ بالا سے بھی اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ جنت کے درجات قرآن مجید کی آیات کی تعداد کے مطابق ہیں اور قرآن مجید کی آیات (٦٦٦٦) تو معروف ہی ہیں۔ اس لئے صرف سو درجات کا جنت میں ہونا کیسے قابل قبول ہوگا؟

---

(۱) انظر الجامع للترمذي (ج۲ص۷۹)، أبواب صفة الجنة، باب ماجاء في صفة درجات الجنة، رقم (۲۵۳۰)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص۱۲)۔

(۳) انظر الجامع للترمذي (ج۲ص۱۱۹)، أبواب فضائل القرآن، باب (إن الذی لیس في جوفه من القرآن کالبیت الخرب)، رقم (۲۹۱٤)، وسنن أبي داود (ج۱ص۲۰٦)، کتاب الصلاة، باب استحباب الترتیل في القراءة، رقم (۱٤٦٤)۔

اس اشکال کا جواب حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ "إن في الجنة مائة درجة" والی روایت سے درجات کبار مراد ہیں اور درجات صغار کا تذکرہ یہاں نہیں کیا گیا۔ اور جنت کے تمام منازل قرآن کی آیات کے برابر ہیں۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے سیاق سے یہ معنی لازم نہیں آتے کہ درجات جنت سو ہی ہیں بلکہ اور بھی ہیں، لیکن چونکہ ذکر مجاہدین کا ہو رہا ہے اس لئے صرف ان ہی کے درجات کی تعیین کی گئی ہے۔(۲)

جنت کے دو درجوں کا درمیانی فاصلہ کتنا ہے؟

یہاں حدیث باب میں آیا ہے: "مابین الدرجتين كما بين السماء والأرض" کہ جنت کے دو درجوں کے درمیان فاصلے کی مقدار اتنی ہوگی جتنی کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہوتی ہے۔

اب آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ روایات اس سلسلے میں مختلف ہیں۔

چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے:

"...... ثم قال: "هل تدرون كم بينكم و بينها؟" قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: "بينكم و بينها (مسير) خمسمائة سنة"۔(۳)

ابن ماجہ، سنن ابی داود اور ترمذی ہی کی ایک اور روایت جو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں آتا ہے: قال: "فإن بعد مابينهما إما واحدة وإما اثنتان أو ثلاث وسبعون سنة......" (۴) کہ زمین اور آسمان کے درمیان اکہتر، بہتر یا تہتر سال کا فاصلہ ہے"۔

---

(۱) تعليقات الشيخ الكاندهلوي على الكوكب الدري (ج۳ص ۳۱۰)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص ۱۲)۔

(۳) انظر الجامع للترمذي (ج٦ص ١٦٥)، أبواب تفسير القرآن، (باب ومن) سورة الحديد، رقم (۳۲۹۸)۔

(٤) انظر سنن ابن ماجه (ص۱۷و۱۸)، كتاب السنة، باب فيما أنكرت الجهمية، رقم (۱۹۳) وسنن أبي داود (ج۲ص ۲۹۳)، أول كتاب السنة، باب في الجهمية، رقم (٤٧٢٣)، والجامع للترمذي (ج۲ص ۱٦۹)، أبواب تفسير القرآن، (باب) ومن سورة الحاقة، رقم (۳۳۲۰)۔

تعارض کے جوابات

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت وہم ہے، کہ کسی راوی نے روایت سے چار سو بیس سے زائد سالوں کو ساقط کر دیا۔ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال ہے۔ (۱)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں روایتوں میں جمع وتطبیق کی راہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس روایت میں اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کا ذکر آیا ہے وہاں سرعت سیر مراد ہے اور جہاں پانچ سو سال کا ذکر آیا ہے وہاں بطوء سیر مراد ہے، یعنی سرعت سیر کے اعتبار سے اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کا فاصلہ بنے گا اور بطوء سیر کے اعتبار سے پانچ سو سال کا فاصلہ بنے گا۔ (۲)

علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ روایتوں کے درمیان یہ تفاوت سائر (چلنے والے) کے اعتبار سے ہے، کیونکہ انسان کی چال اور گھوڑے کی چال میں ظاہر ہے کہ فرق ہوتا ہے۔ (۳)

پھر ترمذی کی ایک اور روایت، جو "محمد بن جحادة عن عطاء عن ابی ھریرة" کے طریق سے مروی ہے، میں وارد ہوا ہے کہ جنت کے اندر ہر دو درجے کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: في الجنة مائة درجة، مابين كل درجة مائة عام"۔ (۴) اور طبرانی کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ (۵)

یہ پانچ سو سال والی روایت اس روایت کی تائید کرتی ہے جس میں آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن سو سال والی روایت مشکل بن جاتی ہے۔ اب یا تو اسے تکثیر پر حمل کیا جائے یعنی یہ کہا جائے سو سال تحدید کے لئے نہیں ہیں، بلکہ کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے تو اشکال ختم ہوگا، یا پھر وہی حافظ صاحب والا جواب اختیار کیا جائے جس کو ابھی ہم اوپر ذکر کر چکے۔

---

(۱) انظر فيض الباري (ج۳ ص ۴۲۰)۔

(۲) انظر فتح الباري (ج۱۳ ص ۴۱۳ و ۴۱۴)۔

(۳) بذل المجهود (ج۱۸ ص ۲۵۷)۔

(۴) انظر الجامع للترمذي (ج۲ ص) أبواب صفة الجنة، باب ما جاء في صفة درجات الجنة، رقم (۲۵۲۹)۔

(۵) انظر مجمع الزوائد للهيثمي (ج۱۰ ص ۴۱۹)، كتاب أهل الجنة، باب في درجات الجنة۔

فإذا سألتم الله فاسألوه الفردوس۔

اور جب تم اللہ تعالی سے طلب کرو تو فردوس طلب کرو۔

"فـردوس" وہ باغ کہلاتا ہے جس میں ہر چیز ہوتی ہے، پھول پھلواری بھی اس میں ہوتی ہیں، کھانے پینے کا سامان بھی اس میں ہوتا ہے اور نہریں بھی اس میں ہوتی ہیں۔(۱)

اس کی جمع "فَرادِیس" آتی ہے۔(۲)

فإنه أوسط الجنة وأعلى الجنة۔

بے شک فردوس جنت کا افضل اور اعلی حصہ ہے۔

"أوسط" سے مراد یہاں افضل ہے۔(۳)

اور علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اوسط سے مراد متوسط ہو یعنی فردوس جنت کے درمیان واقع ہے اور جنت نے اسے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔(۴)

أراه قال: "وفوقه عرش الرحمن"۔

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ یحیی بن صالح کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس میں شک ہے کہ میرے استاذ فلیح نے شاید یہ کہا ہے: "وفوقه عرش الرحمن" ۔لیکن اس روایت کو یحیی بن صالح کے علاوہ فلیح کے دیگر شاگردوں نے بغیر شک کے نقل کیا ہے، جیسا کہ اسماعیلی کے نسخے میں یونس بن محمد وغیرہ کی روایت ہے۔(۵)

ومنه تفجر أنهار الجنة۔

اور فردوس ہی سے جنت کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔

بعض حضرات نے "منه" کی ضمیر عرش کی طرف لوٹائی ہے۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عرش سے جنت

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۹۰)۔

(۲) مجمع بحار الأنوار (ج٤ص۱۱۵) مادة "فردس"۔

(۳) انظر عمدة القاري (ج۱٤ص۹۰)۔

(٤) انظر شرح ابن بطال (ج٥ص۱۲)۔

(٥) انظر عمدة القاري (ج۱٤ص۹۱)۔

کی نہریں پھوٹتی ہیں۔(۱)

لیکن ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "منه" کی ضمیر کو عرش کی طرف لوٹانا وہم ہے، بلکہ یہ ضمیر "فردوس" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور معنی اس صورت میں ہوں گے کہ فردوس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔(۲)

"تفجر" اصل میں تتفجر تھا، اس سے ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے اور "التفجر" کے معنی پھوٹنے کے ہیں۔(۳)

قال محمد بن فليح عن أبيه: "وفوقه عرش الرحمن"۔

محمد بن فلیح نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ فردوس کے اوپر اللہ تبارک وتعالی کا عرش ہے۔

تعلیق کے ذکر کرنے کا مقصد اور تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس تعلیق سے یہ بیان کرنا ہے کہ اس روایت کو جب فلیح کے بیٹے نے روایت کیا تو انہوں نے بغیر شک کے جزم کے ساتھ "وفوقه عرش الرحمن" فرمایا۔ اور یحیی بن صالح کی طرح شک کے ساتھ بیان نہیں کیا۔(۴)

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں "عن إبراهيم عن محمد بن فليح عن أبيه" کے طریق سے موصولاً نقل فرمایا ہے، اس کے علاوہ امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو "يونس بن محمد، عن فليح" کے طریق سے بلا شک کے روایت کیا ہے۔(۵)

وفوقه عرش الرحمن۔

اکثر راویوں کی روایت میں "فوقه" ظرفیت کی بناء پر نصب کے ساتھ ہے۔(۶) البتہ مشارق میں ہے کہ

---

(۱) انظر فتح الباري (ج٦ص١٣)۔

(۲) انظر فتح الباري (ج٦ص١٣)۔

(۳) انظر عمدة القاري (ج١٤ص٩١)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) تغليق التعليق (ج٣ص٤٣١)، وأخرجه البخاري (ج٢ص١١٠٤) في كتاب التوحيد، باب ﴿وكان عرشه على الماء﴾، رقم (٧٤٢٣)۔

(٦) انظر فتح الباري (ج١٣ص٤١٤)۔

ابو محمد اصیلی رحمہ اللہ علیہ نے اس لفظ کو مرفوع نقل کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مرجوح قرار دیا ہے۔(۱)

اگر نصب کے ساتھ ہے تو مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ فردوس کے اوپر اللہ کا عرش ہے۔ اور اگر رفع کے ساتھ ہے تو اس وقت یہ معنی ہوں گے کہ فردوس کی چھت عرش الرحمٰن ہے۔ اس صورت میں "فوقه" کے معنی چھت کے ہوں گے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "إن في الجنة مائة درجة" سے لے کر "مابين الدرجتين كما بين السماء والأرض" تک میں ہے۔ اور مناسبت بالکل واضح ہے۔(۲)

٢٦٣٨ : حدّثنا مُوسَى : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ : حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ ، عَنْ سَمُرَةَ (۳) ، قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي ، فَصَعِدَا بِي الشَّجَرَةَ ، فَأَدْخَلَانِي دَارًا هِيَ أَحْسَنُ وَأَفْضَلُ ، لَمْ أَرَ قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهَا ، قالَا : أَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ) . [ر : ٨٠٩]

تراجم رجال

۱۔ موسی

یہ موسی بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے تحت نقل کیے جا چکے۔(۴)

---

(١) انظر فتح الباري (ج١٣ ص٤١٤)۔

(٢) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٨٩)۔

(٣) قوله: "عن سمرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الأذان، باب يستقبل الإمام الناسَ إذا سلم، رقم (٨٤٥)۔

(٤) كشف الباري (ج١ ص٤٣٣)۔

۲۔ جریر

یہ جریر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۱)

۳۔ ابورجاء

یہ ابورجاء عمران بن ملحان عطاردی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۲)

۴۔ سمرۃ

یہ مشہور صحابی، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۳)

أما هذه الدار فدار الشهداء: یہ جملہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے شہداء کی منزلیں جنت کی ارفع واعلی منازل ہیں۔ (۴)

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ کتاب الجنائز میں گذر چکی ہے اور اس کی دیگر تشریحات بھی۔ (۵)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی مناسبت ترجمے کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "هي أحسن و أفضل إلخ" سے ہے۔ (۶)

٥ – باب : الْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، وَقابِ قَوْسِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ .

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الصلاۃ، باب الخوخة والممر في المسجد۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم ،......۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الحیض، باب الصلاة علی النفساء وسنتها۔

(٤) شرح القسطلاني (ج٥ص٣٨)۔

(٥) کتاب الجنائز، باب بلا ترجمة، بعد باب ما قیل في أولاد المشرکین، رقم (١٣٨٦)۔

(٦) عمدة القاري (ج١٤ ص٩١)۔

سابق باب کے ساتھ مناسبت

سابق باب میں مجاہدین کے لئے اللہ تعالی نے جو درجات اور منازل تیار کر رکھے ہیں ان کا بیان تھا۔اب اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجاہدین ان درجات کو صرف صبح یا صرف شام کا وقت بھی اللہ کے رستے میں دے کر حاصل کر سکتے ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صبح اور شام کے اوقات میں اللہ تعالی کے راستے میں نکلنے کی فضیلت بیان کر رہے ہیں۔(۱)اور یہ کہ جنت میں ایک ذراع برابر جگہ کی کیا فضیلت ہے؟(۲)

۲۶۳۹ ۔ حدّثنا مُعَلًّى بْنُ أَسَد : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ ، عَنْ أَنَس بْن مالِكٍ[۳] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ ٱللهِ أَوْ رَوْحَةٌ ، خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا) .
[۲٦٤۳]

تراجم رجال

ا۔معلّٰی بن اسد

یہ معلّٰی بن اسد البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص٩١)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص١٤)۔

(۳) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً (ج١ص٣٩٢)، كتاب الجهاد والسير، باب الحور العين وصفتهن، رقم (٢٧٩٦)، وكتاب الرقاق (ج٢ص٩٧٢)، باب صفة الجنة والنار، رقم (٦٥٦٨)، ومسلم (ج٢ص١٣٤)، كتاب الإمارة، باب فضل الغدوة والروحة في سبيل الله، رقم (٤٨٧٣)، والترمذي (ج١ص٢٩٤) أبواب فضائل الجهاد، باب ماجاء في الغدو والرواح في سبيل الله، رقم (١٦٥١)۔

(٤) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الحيض، باب المرأة تحيض بعد الإفاضة۔

۲۔ وھیب

یہ وھیب بن خالد بن عجلان باھلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے۔(۱)

۳۔ حمید

یہ ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل خزاعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله ......" کے ذیل میں آچکا۔(۲)

۴۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

عن النبي ﷺ قال: لغدوة في سبيل الله أو روحة، خير من الدنيا و ما فيها۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالی کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام لگانا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بہتر ہے۔

حدیث کی لغوی تشریح

"غدوة" – بالفتح– کے معنی ہیں صبح کے وقت ایک مرتبہ نکلنا اور "غدو" کا لفظ صبح سے زوال کے وقت تک کو شامل ہے۔(۴)

"روحة" – بالفتح – کے معنی ہیں ایک مرتبہ شام کو نکلنا اور "رواح" کا لفظ زوال کے بعد سے رات تک کے وقت کو شامل ہے۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۱۱۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۵۷۱)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص٤)۔

(٤) مجمع بحار الأنوار (ج۲ص۳۸۸) مادة "روح" وعمدة القاري (ج١٤ص٩١)۔

(٥) مجمع بحار الأنوار (ج٤ص۱۳) مادة "غدا" وعمدة القاري (ج١٤ص٩١)۔

حدیث کا مطلب

ابن المہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "خیر من الدنیا" کا مطلب یہ ہے کہ اس تھوڑے سے زمانے کا ثواب اور بدلہ جنت میں دنیا کے تمام زمانوں سے بہتر ہے۔(۱)

ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "غدوۃ" اور "روحۃ" کے ذریعے جو ثواب حاصل ہوگا وہ بہتر ہے اس ثواب سے جو دنیا و مافیہا کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کر کے حاصل کیا جائے۔(۲)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس قول کی تایید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً نقل کیا ہے:

"قال: بعث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم جیشاً فیهم عبد اللہ بن رواحة، فتأخر لیشهد الصلاة مع النبي صلی اللہ علیه وسلم، فقال له النبي صلی اللہ علیه وسلم: والذي نفسي بیده لو أنفقت مافي الأرض ماأدرکت فضل غدوتهم"۔ (۳)

کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا، اس میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، وہ پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہونے کے لئے رک گئے، (جب آپ کو معلوم ہوا) تو فرمایا، خدا کی قسم! تم اگر جو کچھ زمین میں ہے اس کو خرچ کر ڈالو تب بھی ان کے غدوہ کی فضیلت کو حاصل نہیں کر سکتے۔"

صبح وشام کی تخصیص کی وجہ

یہاں صبح شام کا ذکر غالباً صرف اس لئے کر دیا گیا ہے کہ صبح یا شام ہی کو سفر پر روانہ ہونے کا دستور تھا، ورنہ اگر کوئی شخص دن کے درمیانی حصے میں خدمتِ دین کے کسی سلسلے میں جائے تو یقیناً اس کے اس جانے کی بھی وہی فضیلت ہے۔(۴)

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ ص۱٤)۔

(۲) انظر فتح الباري (ج٦ ص١٤)۔

(۳) انظر فتح الباري (ج٦ ص١٤)۔

(٤) معارف الحدیث (ج١ ص١٦١)

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح اور ظاہر ہے۔(۱)

٢٦٤٠ : حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي . عَنْ هِلَالِ ابْنِ عَلِيٍّ . عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (۲) . عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (لَقَابُ قَوْسٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ . وَقَالَ : لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِمَّا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ) .

تراجم رجال

ا۔ابراہیم بن المنذر

یہ ابواسحاق ابراہیم بن المنذر بن عبداللہ قرشی اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔محمد بن فلیح

یہ ابوعبداللہ محمد بن فلیح بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳۔ أبی

"أب" سے فلیح عبدالملک بن سلیمان خزاعی اسلمی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

۴۔ہلال بن علی

یہ ہلال بن علی بن اسامہ قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان چاروں حضرات کا تذکرہ "کتاب العلم، باب من

---

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص٩١)۔

(۳) قوله: "عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا(ج١ ص٣٦١)، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة، رقم (٣٢٥٣)، و(ج٢ ص٩٧٢) كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، رقم (٦٥٦٨)، والترمذي في جامعه (ج١ ص٢٩٤)، أبواب فضائل الجهاد، باب ما جاء في الغدوة والروحة في سبيل اللّٰه، رقم (١٦٤٩)۔

سئل علما وهو مشتغل فی حدیثه، ......" کے تحت گذر چکا ہے۔(۱)

۵۔عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ

یہ عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ عمرو بن محصن انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۶۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے ذیل میں آچکے۔(۳)

قال: لقابُ قوسٍ في الجنة خير مما تطلع عليه الشمس وتغرب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جنت میں ایک کمان برابر جگہ بھی اس پوری کائنات سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔

"قاب" — بتخفیف القاف وآخره موحدة— مقدار کو کہتے ہیں۔(۴)

اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"قاب القوس: مابین السیة والمقبض" (۵)"یعنی کمان کے قبضے اور گوشے کے درمیان کا فاصلہ "قاب" کہلاتا ہے"۔

اور امام مجاہد سے اس کے معنی "قدر ذراع" مروی ہیں۔اس صورت میں "قوس" کے معنی ذراع کے ہوں گے، قبیلہ ازد شنوءۃ کی لغت میں "قوس" ذراع کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ ناپا جائے۔(۶) اگلے باب کی روایت میں ایک لفظ قید —بکسر القاف وبعدها تحتانية۔ بھی آیا ہے، اس کے معنی بھی مقدار کے ہیں۔(۷)

اور حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جنت اتنی بہترین اور پاکیزہ جگہ ہے کہ وہاں کی ایک ہاتھ برابر یا

---

(۱) کشف الباري (ج۳ص-۶۲)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب المساقاة، باب حلب الإبل علی الماء۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

(٤) انظر فتح الباري (ج٦ص١٤)۔

(٥) أعلام الحدیث (ج٢ص١٣٥٧)۔

(٦) انظر عمدة القاري (ج١٤ص٩١)۔

(٧) فتح الباري (ج٦ص١٤)۔

ایک کمان برابر جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(۱)

اور "خير مما تطلع الشمس وتغرب" سے مراد "خير من الدنيا ومافيها" ہی ہے۔(۲)

وقال: لغدوة أو روحة في سبيل الله خير مما تطلع عليه الشمس وتغرب۔

اور فرمایا، اللہ کے راستے میں ایک صبح یا شام کے لیے نکلنا بہتر ہے اس ساری کائنات سے جس پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔

اس جملہ کی تشریح ابھی ماقبل میں باب کی پہلی حدیث کے تحت گذر چکی۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ کے پہلے جزء کے ساتھ مطابقت "لغدوة أو روحة في سبيل الله" میں ہے۔ اور جزء ثانی کے ساتھ مناسبت "لقاب قوس في الجنة ...... إلخ" میں ہے۔(۳)

۲٦٤۱ : حدّثنا قَبِيصَةُ : حَدَّثَنَا سُفْيانُ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ(٤) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (الرَّوْحَةُ وَالْغَدْوَةُ فِي سَبِيلِ ٱللهِ أَفْضَلُ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا) .
[۲۷۳۵ ، ۳۰۷۸ ، ٦۰٥۲]

---

(١) الأبواب والتراجم للكاندهلوي (ج١ص١٩٤)۔

(٢) انظر عمدة القاري (ج١٤ص٩١)۔

(٣) حوالۂ سابقہ۔

(٤) قوله: "عن سهل بن سعد رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا (ج١ص٤٠٥)، كتاب الجهاد والسير، باب فضل رباط يوم في سبيل الله، رقم (٢٨٩٢)، و(ج٢ص٩٤٩)، كتاب الرقاق، باب مثل الدنيا في الآخرة، رقم (٦٤١٥)، ومسلم في صحيحه (ج٢ص١٣٤)، كتاب الإمارة، باب فضل الغدوة والروحة في سبيل الله، رقم (٤٨٧٤و ٤٨٧٥)، والترمذي في جامعه (ج١ص٢٩٤) في فضائل الجهاد، باب ماجاء في الغدو والرواح في سبيل الله، رقم (١٦٤٨)، وباب ماجاء في فضل المرابط، رقم (١٦٦٤)، والنسائي في الصغرى(ج٢ص٥٥) في كتاب الجهاد، باب فضل غدوة في سبيل الله، رقم (٣١٢٠)۔

تراجم رجال

۱۔قبیصۃ

یہ ابو عامر قبیصہ بن عقبہ بن محمد کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔سفیان

یہ مشہور امام محدث حضرت سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت آ چکے ہیں۔(۱)

۳۔ابوحازم

یہ ابوحازم سلمۃ بن دینار مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴۔سہل بن سعد

یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں۔(۲)

حدیث کی تشریح ماقبل میں گذر چکی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کا انطباق

حدیث کی مطابقت ترجمۃ کے ساتھ بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی غدوۃ اور روحۃ کا ذکر اور ان دونوں اوقات میں اللہ کے راستے میں نکلنے کی فضیلت کا بیان ہے۔(۳)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۲۷۵—۲۸۰)۔

(۲) ان دونوں کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۹۲)۔

٦ - باب : الحُورِ الْعِينِ . وَصِفَتُهُنَّ يُحَارُ فِيهَا الطَّرْفُ . شَدِيدَةُ سَوَادِ العَيْنِ . شَدِيدَةُ بياضِ العينِ .

ماقبل سے ربط ومناسبت

باب سابق میں ''درجات المجاہدین'' کا ذکر تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالی نے مجاہدین کے لئے خصوصی طور پر سو درجات اور منازل تیار کرر کھے ہیں۔

اب اس باب میں ضمناً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان منازل میں حوریں بھی ہوں گی اور ان کی صفت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی اگر دنیا میں جھانک لے تو ساری دنیا روشن ہو جائے اور کائنات خوشبو سے بھر جائے......(۱)۔

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالی نے شہداء کے لئے قسم قسم کے انعامات تیار کرر کھے ہیں ان میں حوریں بھی شامل ہیں پھر ان حوروں کی مختلف صفات کو بیان کیا گیا ہے۔

يحار فيها الطرف۔

نظریں (ان کو دیکھ کر) حیرت زدہ ہو جائیں گی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حور کی وجہ تسمیہ بیان فرمارہے ہیں کہ حور کو حور اس لئے کہا جاتا ہے کہ نظریں ان کے حسن کو دیکھ کر حیران ہو جائیں گی۔(۲) گویا حور "حیرۃ" سے مشتق ہے۔

لیکن اس پر علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ "حیرۃ" تو اجوف یائی ہے اور حور اجوف واوی ہے، چنانچہ اجوف واوی کو اجوف یائی سے مشتق قرار دینا کیسے درست ہوگا؟(۳)

---

(۱) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٩٣)۔

(۲) إرشاد الساري (ج٥ ص٣٩)۔

(۳) انظر فتح الباري (ج٦ ص١٥)۔

اس اعتراض کا جواب حافظ صاحب نے یہ دیا ہے کہ یہاں اشتقاق اکبر مراد ہے اور اس میں اکثر حروف میں مشتق اور مشتق منہ کا اتحاد کافی ہوتا ہے اور تمام حروف کے اندر اتحاد ضروری نہیں ہوتا۔ اور اشتقاق صغیر مراد نہیں۔(۱)

شديدة سواد العين، شديدة بياض العين۔

آنکھوں کی شدید سیاہی والیاں، شدید سفیدی والیاں۔

یہ عین کی تفسیر ہے۔ اور یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔(۲)

الحور العین کی لغوی تحقیق

لفظ "حور" حوراء کی جمع ہے، امام ابن سیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حوراء وہ ہے جس کی آنکھوں کی سفیدی بہت زیادہ ہو، اس کی آنکھوں کی سیاہی بھی بہت شدید ہو، آنکھ کی پتلی گول ہو، پلکیں باریک ہوں اور پلکوں کے اردگرد سفیدی ہو۔(۳)

اور حوراء کے معنی "بیضاء" کے بھی کئے گئے ہیں یعنی وہ عورت جو سفید ہو۔(۴)

عِین - بكسر العين المعجمة وسكون الياء - عیناء کی جمع ہے اور عیناء کے معنی ہیں وہ عورت جس کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں اور جو حصہ آنکھوں کا سفید ہوتا ہے اس کی بیاض میں شدت ہو اور جو حصہ سیاہ ہوتا ہے اس میں سیاہی کی شدت ہو۔(۵)

«وَزَوَّجْنَاهُمْ» /الدخان: ٥٤/ : أَنْكَحْنَاهُمْ.

اور ہم ان کا نکاح (حوروں) سے کریں گے۔

---

(١) حوالہ سابقہ وانظر لتفصيل أنواع الاشتقاق مراح الأرواح (ص ٤-٥)۔

(٢) فتح الباري (ج٦ ص١٥)۔

(٣) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٩٣)۔

(٤) المعجم الوسيط (ج١ ص٢٠٦)۔

(٥) انظر فتح الباري (ج٦ ص١٥)، وانظر النهاية لابن الأثير (ج٣ ص٣٣٣) مادة "عين"۔

عبارت مذکورہ کا مقصد

اس جملہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الدخان کی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے ﴿وزوجناهم بحور عين﴾ اور اس کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ بالکل واضح ہے، کیونکہ اس میں بھی "حور عين" کا تذکرہ ہے۔(۱)

اور "زوجناهم" کی تفسیر جو "أنكحناهم" سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے یہ ان کے استاذ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جبکہ اس کی ایک دوسری تفسیر "زوجناهم": جعلناهم أزواجاً أزواجاً" یعنی ہم نے انہیں جوڑے جوڑے بنایا۔ بھی کی گئی ہے۔(۲)

٢٦٤٢ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ حُمَيْدٍ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۳) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (ما مِنْ عَبْدٍ يَمُوتُ ، لَهُ عِنْدَ ٱللهِ خَيْرٌ ، يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى ٱلدُّنْيَا ، وَأَنَّ لَهُ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا ، إِلَّا الشَّهِيدُ . لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ ، فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى ٱلدُّنْيَا ، فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرَى) . [٢٦٦٢]

تراجم رجال

ا۔ عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان"

---

(۱) انظر عمدة القاري (ج١٤ ص٩٣)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا (ج١ ص٣٩٥)، كتاب الجهاد، باب تمني المجاهد أن يرجع إلى الدنيا، رقم (٢٨١٧)، ومسلم (ج٢ ص١٣٤) كتاب الإمارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله، رقم (٤٨٦٨)، والترمذي (ج١ ص٢٩٣) أبواب فضائل الجهاد، باب ما جاء في ثواب الشهداء، رقم (١٦٤٣)، والنسائي (ج٢ ص٦٠)، كتاب الجهاد، باب مايتمنى أهل الجنة، رقم (٣١٦٢)۔

کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔معاویۃ بن عمرو

یہ معاویۃ بن عمرو ازدی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق ابراہیم بن محمد الفزاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔حمید

یہ ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب خوف المومن من أن يحبط عمله ......" کے ذیل میں آچکا۔(۴)

۵۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات "كتاب الإيمان ، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بھی اللہ کا بندہ جسے مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ سے خیر وثواب ملا ہے، دنیا و مافیہا کو پاکر بھی دوبارہ یہاں آنا پسند نہیں کرے گا۔جب کہ اس کے لئے دنیا و مافیہا کی ساری چیزیں ہوجائیں۔

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جنتی جب جنت میں داخل ہوجائے گا، اللہ تعالی کی نعمتوں کا مشاہدہ کرے گا اور ان سے لطف وحظ اٹھائے گا تو وہ اس پر راضی نہ ہوگا کہ دوبارہ دنیا میں لوٹ آئے، اگر چہ اس کو دنیا کی ساری چیزیں دے دی جائیں۔

---

(۱) كشف الباري (ج۱ ص۶۵۷)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الاذان، باب إقبال الإمام على الناس ......۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة۔

(۴) كشف الباري (ج۲ ص۵۷۱)۔

(۵) كشف الباري (ج۲ ص۴)۔

إلا الشهيد لما يرى من فضل الشهادة، فإنه يسره أن يرجع إلى الدنيا، فيقتل مرة أخرى"۔

سوائے شہید کے، چونکہ وہ شہادت کی فضیلت ومرتبے کو دیکھے گا تو اس کے لئے یہ بات خوش کن ہوگی کہ دوبارہ دنیا میں لوٹ جائے اور پھر سے شہید ہو جائے۔

شہید اور غیر شہید کے مراتب کا فرق

حدیث بالا میں شہید اور غیر شہید کے فرق مراتب کا ذکر ہے کہ عام جنتی سے ایک شہید کی فضیلت ومرتبت بہت زیادہ ہوگی، اسی وجہ سے شہید جب اللہ تعالی کے انعامات واحسانات کا مشاہدہ کرے گا تو اس کی تمنا یہ ہوگی کہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ جائے اور پھر شہید ہو جائے۔

یہاں حدیث باب میں "فیقتل مرة أخرى" وارد ہوا ہے، جب کہ بخاری ہی کی ایک روایت میں "فيقتل عشر مرات" آیا ہے۔(۱) دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، دونوں سے مراد بار بار اور کثرت سے شہید ہونا ہے۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ترجمہ کے تحت اس لئے داخل فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اس سبب کا ذکر ہے جس کی وجہ سے شہید دوبارہ دنیا کی طرف لوٹنے کی اور شہادت کی تمنا کرے گا کیونکہ شہید کے مشاہدے میں اس پر اللہ تعالی کی نعمتیں آئیں گی اور اللہ تعالی اس کی حوروں سے نکاح کروائے گا، جن میں سے ہر ایک حور کی صفت یہ ہوگی کہ اگر وہ دنیا میں جھانک لے تو وہ پوری کی پوری روشن ہو جائے، انہی نعمتوں اور حوروں کو دیکھ کر وہ دنیا میں آنے اور شہادت کی تمنا کرے گا، تاکہ اللہ تعالی کے اکرام، اس کی نعمتوں اور فضل کو مزید حاصل کرے۔(۳)

---

(۱) انظر الصحيح للبخاري (ج۱ص۳۹۵)، كتاب الجهاد والسير، باب تمني المجاهد أن يرجع إلى الدنيا، رقم (۲۸۱۷)۔

(۲) مرقاة (ج۷ص۲۷۶)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج۵ص۱۵)۔

٢٦٤٣ : قالَ : وَسَمِعْتُ أنسَ بْنَ مالِكٍ(١) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (لَرَوْحَةٌ في سَبِيلِ ٱللهِ ، أَوْ غَدْوَةٌ ، خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا ، وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ ، أَوْ مَوْضِعُ قِيدٍ - يَعْني سَوْطَهُ - خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا ، وَلَوْ أَنَّ ٱمْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ٱطَّلَعَتْ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ ما بَيْنَهُمَا ، وَلَمَلَأَتْهُ رِيحًا ، وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا وَما فِيهَا) . [ر : ٢٦٣٩]

بعض حضرات نے ''قید'' کے لفظ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ تصحیف ہے، حقیقت میں یہ لفظ ''قد'' ہے اور ''قد'' اس کوڑے کو کہا جاتا ہے جو غیر مدبوغ کھال سے بنایا گیا ہو۔(۲)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دعوائے تصحیف کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ معنیً کلام صحیح ہے۔(۳)

اور یہ بات گذشتہ باب میں گذر چکی کہ ''قاب'' اور ''قید'' کے معنی مقدار کے بھی آتے ہیں۔(۴)

قاب اور سوط کی تخصیص کی وجہ اور مراد

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عرب کا یہ رواج تھا کہ جب چند سواروں کا قافلہ چلتا تو جو سوار منزل پر اترتے وقت جہاں قیام کرنا چاہتا، وہاں اپنا کوڑا ڈال دیتا، پھر وہ جگہ اسی کی سمجھی جاتی اور کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہ کرتا۔ تو اس حدیث میں کوڑے کی جگہ سے مراد دراصل اتنی مختصر سی جگہ ہے، جو کوڑا ڈال دینے سے کوڑے والے سوار کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے، جس میں وہ بستر لگا لے، یا خیمہ ڈال لے......۔

اسی طرح کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی پیدل آدمی کسی جگہ منزل کرنا چاہتا تھا تو وہ اپنی

---

(١) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه": مرّ تخريج هذا الحديث في الباب السابق۔

(٢) شرح الكرماني (ج١٢ص١٠١)۔

(٣) حوالۂ بالا۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص١٤)۔

کمان وہاں ڈال دیتا تھا اور اس طرح وہ جگہ اس کے لئے مخصوص ہو جاتی تھی، پس اس حدیث میں کمان کی جگہ سے مراد گویا ایک آدمی کی منزل ہے..........‘‘۔(۱)

ولو أن امرأة من أهل الجنة اطلعت إلى أهل الأرض لأضاء ت ما بينهما ولملأته ريحا، ولنصيفها على رأسها خير من الدنيا ومافيها۔

اور اگر اہل جنت کی ایک عورت بھی دنیا والوں کی طرف جھانک لے تو اس کے درمیان کے تمام حصوں کو روشن کردے اور اس کو خوشبو سے بھر دے۔ اور اس کے سر کی صرف اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

یہاں حوروں کی صفت بتائی گئی ہے کہ ایک حور بھی اگر دنیا میں جھانک لے تو آسمان اور زمین کے درمیان کو روشن کردے۔(۲) یہ اس کے حسن کا بیان ہے۔

دوسری صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ دنیا کو خوشبو سے بھر دے۔ یعنی وہ جو خوشبو استعمال کرتی ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ پوری دنیا کو خوشبو سے بھر سکتی ہے۔

”نصيف“ – بفتح النون و كسر الصاد المهملة– خمار یعنی اوڑھنی کو کہتے ہیں۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کا انطباق

ترجمۃ کے ساتھ حدیث کا انطباق ”ولو أن امرأة......“ میں ہے کیونکہ ترجمے میں ”الحور العين وصفتهن“ آیا ہے اور یہاں ”امرأة“ سے مراد حور ہی ہے۔ پھر حور کی بعض صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک صفت تو ”ولو أن امرأة من أهل الجنة اطلعت إلى أهل الأرض لأضاء ت“ ہے اور دوسری صفت کا بیان ”ولنصيفها على رأسها خير من الدنيا ومافيها“ میں ہے۔(۳)

---

(۱) معارف الحديث (ج۱ص۱٦۱و۱٦۲)، كتاب الإيمان۔

(۲) إرشاد الساري (ج۵ص۴۰)۔

(۳) انظر عمدة القاري (ج۱٤ص۹۵)۔

(٤) حوالۂ بالا (ج۱٤ص۹٤)۔

۷ – باب : تَمَنِّي الشَّهَادَةِ.

سابق باب سے ربط

سابقہ ابواب میں قتال فی سبیل اللہ کی فضیلت، اہمیت اور مرتبے کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا اور شہید کے درجات وغیرہ کا ذکر کیا گیا تھا۔ اب اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمار ہے ہیں کہ قتال میں شرکت اور شہادت کی تمنا کرنی چاہئے جب کہ اس کی تمنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہو۔

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمے کو قائم کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شہادت کی تمنا کرنا جائز ہے۔(۱)

دراصل اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ تمنائے شہادت تو مستلزم ہے تمنائے موت کو اور تمنائے موت منہی عنہ ہے تو پھر شہادت کی تمنا کرنا کیسے درست ہوگا؟

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمے کو قائم کر کے یہ بتلایا کہ تمنائے شہادت کی تو ترغیب دی گئی ہے، اس لئے اس کی تمنا کرنا جائز اور درست ہے اور مذکورہ بالا توہم اور اشکال کو دور فرمایا ہے، چنانچہ موت کی تمنا تب ممنوع ہوتی ہے جب دنیاوی مصائب سے تنگ ہو کر آدمی موت کی تمنا کرتا ہے۔(۲)

مذکورہ بالا اشکال کے جواب میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اصل میں کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو قصداً و بالذات تو درست نہیں ہوتیں، لیکن تبعاً و ضمناً اگر پائی جائیں تو درست ہو جاتی ہیں، جیسا کہ جہاد کے وقت کافروں کے بچوں کو اور ان کی عورتوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، لیکن اگر آپ شب خون مارتے ہیں اور پتہ نہیں چلتا اور ضمناً عورتیں بھی قتل ہو جاتی ہیں اور بچے بھی مارے جاتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ اسی طرح تمنائے شہادت کے ضمن میں اگر تمنائے موت آجائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۱) انظر عمدة القاري (ج۱٤ ص۹٥)۔

(۲) لامع الدراري (ج۷ ص۳۱۲)۔

٢٦٤٤ : حدّثنا أبو اليمان : أخبرنا شعيب ، عن الزّهري قال : أخبرني سعيد بن المسيّب : أنّ أبا هريرة(١) رضي الله عنه قال : سمعت النّبيّ ﷺ يقول : (والّذي نفسي بيده ، لولا أنّ رجالاً من المؤمنين ، لا تطيب أنفسهم أن يتخلّفوا عنّي ، ولا أجد ما أحملهم عليه ، ما تخلّفت عن سريّة تغزو في سبيل الله ، والّذي نفسي بيده ، لوددت أنّي أقتل في سبيل الله ثمّ أحيا ، ثمّ أقتل ثمّ أحيا ، ثمّ أقتل ثمّ أحيا ، ثمّ أقتل) . [٢٨١٠ ، ٦٧٩٩ ، ٦٨٠٠ ، وانظر : ٣٦]

تراجم رجال

١۔ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع حمصی بھری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢۔شعیب بن ابی حمزہ

یہ ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی چھٹی حدیث کے تحت گذر چکا۔(٢)

٣۔الزہری

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(٣)

٤۔سعید بن المسیب

یہ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب قرشی مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب

---

(١) قوله: "أن أبا هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الإيمان، باب الجهاد من الإيمان، انظر كشف الباري (ج٢ص٣٠٥)۔

(٢) كشف الباري (ج١ص٤٧٩ و٤٨٠)۔

(٣) كشف الباري (ج١ص٣٢٦)۔

من قال: إن الإيمان هو العمل" کے تحت گذر چکے۔(۱)

۵۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت آچکے ہیں۔(۲)

قال: سمعت النبي ﷺ يقول: والذي نفسي بيده، لو لا أن رجالا من المؤمنين ...... فی سبیل اللّٰہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرمار ہے تھے کہ اس خدا کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کے دل مجھ سے پیچھے رہ جانے پر خوش نہیں ہوتے اور میرے پاس بھی ان لوگوں کو سوار کرانے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تو میں کسی بھی ایسے سریہ سے جو اللہ کے راہ میں نکل رہا ہو، پیچھے نہ رہتا۔

مطلب حدیث پاک کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کے دل جہاد سے رہ جانے پر خوش نہیں اور وہ لوگ تیاری جہاد پر بھی قدرت نہیں رکھتے یا تو سواری وغیرہ کے نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ کی بناء پر اور سواری وغیرہ کا انتظام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی نہیں تھا۔(۳) اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تطییب قلوب کے لئے کبھی کبھار پیچھے رہ جاتے تھے، تاکہ ان کے دل آزردہ نہ ہوں۔

یہاں حدیث میں "لاتطيب أنفسهم" وارد ہوا ہے، اس حدیث کو جہاں ابوزرعہ (۴) اور ابوصالح (۵) نے نقل کیا ہے تو اس میں "ولولا أن أشق على أمتي" آیا ہے۔

چنانچہ روایت باب ان دیگر دو طرق کی تفسیر ہے، یعنی مشقت سے مراد یہ ہے کہ ان مسلمانوں کے دل ناخوش

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۱۵۹)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص١٦)۔

(٤) صحيح البخاري (ج١ص١٠)، كتاب الإيمان، باب الجهاد من الإيمان، رقم (٣٦)۔

(٥) صحيح البخاري (ج١ص٤١٧)، كتاب الجهاد، باب الجعائل والحملان فی السبيل، رقم (٢٩٧٢)۔

ہوں گے۔ کیونکہ وہ آلات سفر کی عدم موجودگی کی وجہ سے جہاد کی تیاری کی استطاعت نہیں رکھتے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اس کا انتظام دشوار تھا۔(۱)

اس مضمون کی مزید تائید اس طریق سے بھی ہوتی ہے جس کو ہمام بن منبہ نے روایت کیا ہے، چنانچہ اس میں ہے: "لكن لاأجد سعة فأحملهم، ولايجدون سعة فيتبعوني، ولاتطيب أنفسهم أن يقعدوا بعدي" (۲) یعنی "میرے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ میں ان کو سوار کرواؤں، نہ ہی ان کے پاس اتنی گنجائش ہے کہ وہ میرے ساتھ چلیں اوران کے قلوب بھی اس بات پر خوش نہیں کہ میرے بعد وہ بیٹھے رہیں۔"

والذي نفسي بيده، لوددت أني أقتل في سبيل الله، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل۔

اور قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

اشکال

اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بالیقین معلوم تھا کہ آپ قتل نہیں ہوں گے تو پھر آپ نے یہ تمنا کیوں کی؟

شراح نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ کسی فضل اور خیر کی تمنا کرنا اس کے وقوع کو مستلزم نہیں ہوتا۔(۳)

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں جہاد کی فضیلت اور اس میں شہادت میں مبالغہ مقصود ہے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کی فضیلت کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو اس پر ابھارنا چاہتے ہیں۔(۴)

---

(۱) انظر فتح الباري (ج٦ص١٦)۔

(۲) انظر الصحيح لمسلم (ج۲ص۱۳۳)، كتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، رقم (٤٨٦٣)۔

(۳) انظر فتح الباري (ج٦ص١٧)۔

(٤) حوالۂ بالا۔ وعمدة القاري (ج١٤ص٩٦)۔ حدیث کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کشف الباري (ج٢ص٣٠١-٣١٤)۔

کیا "والذي نفسي بيده، لوددت" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ شیخ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ کلام "لوددت أن أقتل ...... إلخ" مدرج فی الخبر ہے اور یہ کلام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ پھر شیخ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وهو بعيد" یعنی یہ دعوی بعید از قیاس ہے۔(۱)

اور حافظ صاحب نے بھی اپنے استاذ کی موافقت فرمائی ہے۔(۲)

ہمارے اسلاف میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تنبیہ بھی فرمائی ہے۔(۳)

لیکن یہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح ہے، کیونکہ ترمذی شریف میں کہیں بھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس پر کوئی تنبیہ موجود نہیں ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔(۴)

ہاں، البتہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں "عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ......" کی صراحت کے بعد اس روایت کو نقل فرمایا ہے۔(۵)

اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ مدرج فی الخبر نہیں ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور "كتاب الإيمان، باب الجهاد من الإيمان" میں بھی یہ روایت گذری ہے۔(۶)

---

(۱) فتح الباري (ج۶ص۱۷)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) فيض الباري (ج۳ص۴۲۳)۔

(۴) بلکہ معلوم ہونا چاہئے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سرے سے اس روایت کو اپنی سنن میں لیا ہی نہیں ہے، چہ جائیکہ اس پر تنبیہ موجود ہو، دیکھئے المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي (ج۷ص۱۶۶)، وتحفة الأشراف (ج۱۰ص۲۰)، وکشف الباری (ج۲ص۳۰۵)۔

(۵) عن الموطأ للإمام مالك بن أنس (۲/ ۴۶۲، ۴۶۳)، كتاب الجهاد، باب الترغيب في الجهاد، الحديث الثاني من الباب۔

(۶) دیکھئے کشف الباری (ج۲ص۲۹۹)۔

بہر حال فیض الباری میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کرکے جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ کلام مدرج فی الخبر ہے، درست معلوم نہیں ہوتا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ "والذي نفسي بيده لوددت اني أقتل في سبيل الله ثم أحيى ثم أقتل الخ" سے ظاہر ہے۔

٢٦٤٥ : حدَّثنا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ الصَّفَّارُ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ(١) رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قالَ : خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ . ثُمَّ أَخَذَهَا خالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ فَفُتِحَ لَهُ ، وَقالَ : ما يَسُرُّنا أَنَّهُمْ عِنْدَنَا) . قَالَ أَيُّوبُ : أَوْ قالَ : (ما يَسُرُّهُمْ أَنَّهُمْ عِنْدَنا) . وَعَيْنَاهُ تَذْرِفانِ . [ر : ١١٨٩]

تراجم رجال

۱۔ یوسف بن یعقوب الصفار

یہ یوسف بن یعقوب الصفار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲) ان کی کنیت ابو یعقوب ہے(۳) کوفہ کے رہنے والے تھے، اسی لئے کوفی سے مشہور ہیں اور یہ بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلام تھے۔(۴)

یہ اسحاق بن سلیمان الرازی، اسماعیل بن علیہ، بکر بن سلیم الصواف، حماد بن اسامہ، عاصم بن علی، عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی، محمد بن اسماعیل الجبلی، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن سعید الاموی اور ابوبکر بن عیاش رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے

---

(١) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت۔

(٢) تهذيب الكمال (ج٣٢ص٤٨٤)۔

(٣) طبقات ابن سعد (ج٦ ص٤١٤)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٣٢ص٤٨٥)۔

روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں شیخین، ابراہیم بن ابی داود البُرُلُّسِیُّ، عبداللہ بن احمد بن حنبل، عبد اللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، ابن ابی الدنیا، ابو زرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی، عثمان بن سعید الدارمی، ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی اور یعقوب بن شیبۃ رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۲)

ابوبکر بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان ثقة من أهل الخير"۔(۳)

آجری فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے بارے میں ابوداود سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: "ما سمعت إلا خيرا"۔(۴)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صالح، وليس له في البخاري سوى موضع واحد في الجهاد"۔(۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر فرمایا ہے اور کہا: "يُغرِب"۔ (۶)

سبط ابن العجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی توثیق فرمائی ہے۔(۸)

شیخین نے ان سے روایتیں لی ہیں۔(۹)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۳۲ص ۴۸۵و ۴۸۶)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۳۲ص۴۸۶)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تهذيب التهذيب (ج۱۱ص ۴۳۲)۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج۹ص۲۸۱)۔

(۷) حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج۲ص۴۰۲)۔

(۸) تقريب التهذيب (ص۶۱۲)، رقم الترجمة (۷۸۹۷)۔

(۹) الكاشف (ج۲ص۴۰۲)، رقم الترجمة(۶۴۶۱)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جیسا کہ ابھی ابن قانع کے حوالے سے گذرا ان سے کتاب الجہاد میں صرف یہی ایک روایت لی ہے۔(۱)

ابوالعباس الاحول اور حافظ موسی بن ہارون رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ (۲) واللہ أعلم رحمه الله تعالى رحمة واسعة۔

۲۔اسماعیل بن علیہ

یہ اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم ابن علیہ بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإيمان، باب حب الرسول ﷺ من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۳۔ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان" کے تحت آچکا۔(۴)

۴۔حمید

یہ حمید بن ہلال بن ہبیرہ عدوی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۵۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ

خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

---

(۱) مزید دیکھئے خلاصة الخزرجي (ص ٤٤٠)، وعمدة القاري (ج ١٤ ص ٩٦)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج ٣٢ ص ٤٨٦)، والكاشف (ج ٢ ص ٤٠٢)۔

(۳) كشف الباري (ج ٢ ص ١٢)۔

(٤) كشف الباري (ج ٢ ص ٢٦)۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب يرد المصلي من مرَّ بين يديه۔

(٦) كشف الباري (ج ٢ ص ٤)۔

قال: خطب النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: "أخذ الراية زيد فأصيب، ثم أخذها جعفر فأصيب، ثم أخذها عبدالله بن رواحة فأصيب، ثم أخذهاخالد بن الوليد عن غير إمرة، ففتح له"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: جھنڈا زید بن حارثہ نے لے لیا ہے پھر وہ شہید ہوگئے۔ پھر جھنڈا جعفر بن ابی طالب نے لیا، وہ بھی شہید ہوگئے، پھر اسے عبداللہ بن رواحہ نے ہاتھ میں لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے، پھر اسے خالد بن ولید نے ہاتھ میں بغیر کسی کے ان کو امیر بنائے لے لیا اور ان کو فتح دی گئی۔

یہ واقعہ غزوۂ موتہ کا ہے جس کی مکمل تشریح اور وضاحت انشاء اللہ کتاب المغازی میں آئے گی۔(۱)

وقال: "مايسرنا أنهم عندنا" قال أيوب: أو قال: "مايسرهم أنهم عندنا" وعيناه تذرفان۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لئے یہ بات خوش کن نہیں کہ وہ ہمارے پاس ہوتے۔ ایوب فرماتے ہیں کہ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ان کے لئے یہ بات خوشی کی نہیں کہ وہ ہمارے ہاں ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

یہاں حدیث میں ایوب سے سختیانی مراد ہیں، ان کو شک ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا تھا؟ آیا یہ ارشاد فرمایا: "مايسرنا أنهم عندنا" یا "مايسرهم أنهم عندنا" ارشاد فرمایا۔(۲)

دونوں صورتوں میں حدیث کا جو مفہوم نکلے گا اسے ہم نے ترجمہ کے تحت واضح کر دیا ہے۔ والله أعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ "مايسرهم أنهم عندنا" میں ہے، وہ اس طرح کہ جب وہ لوگ شہادت کی کرامت اور فضیلت کا مشاہدہ کریں گے تو ان کو یہ بات پسند نہ ہوگی کہ دوبارہ دنیا کو لوٹ جائیں مگر یہ کہ دوبارہ شہید ہو جائیں۔(۳)

---

(۱) دیکھئے کشف الباري، کتاب المغازي (ص ۴۷۷)۔

(۲) عمدة القاري (ج ۱۴ ص ۹۶)۔

(۳) حوالہ بالا، وفتح الباري (ج ۶ ص ۱۷)، ولامع الدراري (ج ۷ ص ۲۱۳)۔

۸ – باب : فَضْلِ مَنْ يُصْرَعُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَمَاتَ فَهُوَ مِنْهُمْ .

باب سابق سے ربط

سابقہ ابواب میں بار بار مجاہدین اور شہداء فی سبیل اللہ کی فضیلتوں کا ذکر آیا ہے، اس باب میں اس شخص کی فضیلت و مرتبت کا بیان ہے جو اللہ کے راستے میں کسی سواری وغیرہ سے گر کر مر جائے کہ وہ بھی شہید ہے اور اس کو بھی شہداء کا اجر ملے گا۔

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمۃ الباب کا مقصد بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا اور وہ سواری سے گر کر فوت ہو گیا تو اس کو شہید جیسی فضیلت حاصل ہوگی۔(۱)

اس سے قطع نظر کہ جہاد کے لئے جاتے ہوئے فوت ہو گیا ہو اور جہاد کی نوبت بھی نہ آئی ہو اور یا یہ کہ واپسی میں اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

اس تفصیل سے معلوم یہ ہوا کہ شہید صرف مقتول ہی نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جو اللہ کے راستے میں نکلے اور اس کو موت آجائے خواہ کسی بھی طریقے سے ہو، اس کا اجر پکا ہے۔(۲)

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللهِ» /النساء: ١٠٠/ . وَقَعَ : وَجَبَ .

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص٩٦)۔

(۲) فيض الباري (ج٣ ص٤٢٣)۔

اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ''اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کروں گا، پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ کے ذمے۔''(۱)

آیت کے ذکر کرنے کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت سے ترجمۃ الباب کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے راستے میں نکل کھڑا ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کروں گا اور ان کے دین کی مدد اور اس کے لئے لڑوں گا، لیکن درمیان میں اس کو موت آ گئی تب بھی اس کو ہجرت اور شہادت کی فضیلت حاصل ہوگی۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت کی مناسبت

آیت کی مناسبت ترجمے کے ساتھ "ثم یدرکه الموت" میں ہے کہ موت عام ہے اس سے کہ قتل ہو جائے یا کسی سواری سے گر جائے یا اور کوئی سبب ہو۔(۳)

وقع: وجب۔

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے، انہوں نے آیت بالا میں وارد لفظ "وقع" کی تفسیر "وجب" سے کی ہے، یعنی اللہ عز وجل پر اس کا ثواب واجب ہے۔(۴)

فائدہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مصداق اللہ عز وجل کے قول: "ومن یخرج من بیته مهاجرا......" میں ہے کہ اسی طرح کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ جو اللہ کے راستے میں مر جائے وہ شہید ہے۔

---

(۱) بیان القرآن (ج۱ جزء ۲ ص ۱۵۰)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص١٨)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص٩٧)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص١٨)۔

چنانچہ انہوں نے ابن وہب .... عن عقبۃ بن عامر الجہنی سے مرفوعا (۱) نقل فرمایا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من صرع عن دابته (في سبيل الله) فمات فهو شهيد"۔(۲)

چونکہ یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر پوری نہیں اترتی تھی اس لئے اس کی طرف ترجمہ میں اشارہ فرمایا ہے۔(۳)

٢٦٤٦ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قالَ : حَدَّثَني اللَّيْثُ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيىٰ بْنِ حَبَّانَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ ، عَنْ خالَتِهِ أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ قالَتْ : نَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا قَرِيبًا مِنِّي ، ثُمَّ ٱسْتَيْقَظَ يَتَبَسَّمُ ، فَقُلْتُ : ما أَضْحَكَكَ ؟ قالَ : (أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ . يَرْكَبُونَ هٰذَا الْبَحْرَ الْأَخْضَرَ . كالْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ) . قالَتْ : فَادْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَدَعَا لَهَا ، ثُمَّ نَامَ الثَّانِيَةَ ، فَفَعَلَ مِثْلَهَا . فَقالَتْ مِثْلَ قَوْلِهَا . فَأَجَابَهَا مِثْلَهَا ، فَقالَتْ : ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَقالَ : (أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ) . فَخَرَجَتْ مَعَ زَوْجِهَا عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ غازِيًا ، أَوَّلَ ما رَكِبَ الْمُسْلِمُونَ الْبَحْرَ مَعَ مُعَاوِيَةَ ، فَلَمَّا ٱنْصَرَفُوا مِنْ غَزْوِهِمْ قافِلِينَ فَنَزَلُوا الشَّأْمَ ، فَقُرِّبَتْ إِلَيْهَا دَابَّةٌ لِتَرْكَبَهَا فَصَرَعَتْهَا فَمَاتَتْ . [ر : ٢٦٣٦]

تراجم رجال

۱۔عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت نقل

---

(۱) مجمع الزوائد (ج۵ص۲۸۳و۳۰۱)۔

(۲)شرح ابن بطال (ج۵ص۱۷، ۱۸)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص١٨)۔

(٤) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه": الحديث، قد مر تخريجه آنفا في باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء۔

کیا جاچکا ہے۔(۱)

۲۔اللیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمن فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے۔(۲)

۳۔یحیی

یہ یحیی بن سعید بن قیس انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان ، باب صوم رمضان احتسابا من الإیمان" کے تحت آ چکے۔(۳)

۴۔محمد بن یحیی بن حبان

یہ محمد بن یحیی بن حبان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا تذکرہ" کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب ....." کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۵)

٦۔ام حرام بنت ملحان

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کا مفصل تذکرہ پیچھے "باب الدعاء بالجهاد والشهادة ....." کے تحت ہم نقل کر چکے ہیں۔

اس حدیث کی مکمل تشریح ماقبل میں گذر چکی۔

---

(۱) کشف الباري (ج۱ص۲۸۹)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص۳۲٤)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص۳۲۱)، نیز دیکھئے، کشف الباري (ج۱ص۲۳۸)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب من تبرز علی لبنتین۔

(۵) کشف الباري (ج۲ص٤)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت "فصرعتها فماتت" میں ہے، کیونکہ ام حرام رضی اللہ عنہا اللہ کے راستے ہی میں گری تھیں۔(۱)

۹ - باب : مَنْ يُنْكَبُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

سابق باب میں اس شخص کی فضیلت کا بیان تھا جو اللہ کے راستے میں سواری وغیرہ سے گر کر فوت ہو جائے اور اس باب میں اللہ کے راستے میں جس شخص کا کوئی عضو زخمی اور خون آلود ہو، یا اس کو نیزہ لگ جائے اس کی فضیلت کا ذکر ہے۔

مقصد ترجمہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں اس شخص کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا کوئی عضو جہاد میں خون آلود ہو جائے یا اس کو نیزہ لگ جائے۔(۲)

ترجمۃ الباب کی لغوی تشریح

یہاں ترجمہ میں دو لفظ آئے ہیں: ۱۔ ینکب، ۲۔ یطعن۔

یُنکَبُ نَکْبَة سے مشتق ہے اور نکبہ یہ ہے کہ عضو کسی چیز کے لگ جانے کی وجہ سے زخمی ہو جائے اور خون آلود ہو جائے۔(۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۹۷)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص۱۹)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص۱۹)۔ وقال ابن الأثير الجزري رحمه الله في النهاية (ج٥ص۱۱۳): "النَّكبة: وهي مايصيب الإنسان من الحوادث"۔ فتكون أعم۔

یُطعَن طعن سے مشتق ہے اور طعن کہتے ہیں القتل بالرماح کو، یعنی کسی کو نیزے سے مارنا۔(۱)

٢٦٤٧ : حدّثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ الحَوْضِيُّ : حَدَّثَنا هَمَّامٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ ، عَنْ أَنَسٍ(۲) رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْوامًا مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ إِلَى بَنِي عامِرٍ فِي سَبْعِينَ . فَلَمَّا قَدِمُوا : قالَ لَهُمْ خالِي : أَتَقَدَّمُكُمْ ، فَإِنْ أَمَّنُونِي حَتَّى أُبَلِّغَهُمْ عَنْ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ ، وَإِلَّا كُنْتُمْ مِنِّي قَرِيبًا ، فَتَقَدَّمَ فَأَمَّنُوهُ ، فَبَيْنَما يُحَدِّثُهُم عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَوْمَؤُوا إِلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَطَعَنَهُ فَأَنْفَذَهُ . فَقالَ : ٱللّٰهُ أَكْبَرُ . فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ، ثُمَّ مالُوا عَلَى بَقِيَّةِ أَصْحابِهِ فَقَتَلُوهُمْ إِلَّا رَجُلًا أَعْرَجَ صَعِدَ الْجَبَلَ -- قالَ هَمَّامٌ : فَأُراهُ آخَرَ مَعَهُ -- فَأَخْبَرَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلامُ النَّبِيَّ ﷺ : أَنَّهُمْ قَدْ لَقُوا رَبَّهُمْ ، فَرَضِيَ عَنْهُمْ وَأَرْضاهُمْ . فَكُنَّا نَقْرَأُ : أَنْ بَلِّغُوا قَوْمَنا ، أَنْ قَدْ لَقِينا رَبَّنا ، فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضانا . ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ ، فَدَعا عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ صَباحًا ، عَلَى رِعْلٍ ، وَذَكْوانَ ، وَبَنِي لِحْيانَ ، وَبَنِي عُصَيَّةَ ، الَّذِينَ عَصَوُا ٱللّٰهَ تعالى وَرَسُولَهُ ﷺ .

[٢٦٥٩ ، ٢٨٩٩ ، ٣٨٦٠-٣٨٦٥ ، **٣٨٦٨-٣٨٧٠** ، وانظر : ٩٥٧]

تراجم رجال

۱۔ حفص بن عمر

یہ حفص بن عمر حوضی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۲۔ ہمام

یہ ہمام بن یحیی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

(۱) النهاية لابن الأثير (ج۳ص۱۲۷)۔

(۲) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الوتر، باب القنوت قبل الركوع وبعده۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب ترك النبي ﷺ والناس الأعرابي ......۔

۳۔اسحاق

یہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب العلم، باب من قعد حیث ینتھي به المجلس ......" کے تحت آچکے ہیں۔(۱)

۴۔انس رضی اللہ عنہ

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ......" کے تحت گذر چکا۔(۲)

قال: بعث النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أقواما من بني سلیم إلی بني عامر في سبعین۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی سُلیم کے ستر لوگوں کو قبیلہ بنو عامر کی طرف بھیجا۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ

حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ وہم ہے کیونکہ جن کی طرف بھیجا گیا تھا وہ بنوسُلیم ہیں اور جنہیں بھیجا گیا وہ قراء ہیں جو انصار سے تعلق رکھتے تھے۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ جن کی طرف ستر قراء کی جماعت کو روانہ کیا گیا تھا وہ بنو عامر ہیں، رہے بنوسُلیم تو انہوں نے ان قراء کے ساتھ غدر کیا تھا اور انہیں شہید کرڈالا تھا۔اور یہاں وہم جو ہوا ہے وہ امام بخاری کے شیخ حفص بن عمر کو ہوا ہے کیونکہ یہی روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی میں "موسی بن إسماعیل عن همام" کے طریق سے نقل فرمائی ہے اور اس میں ہے: "أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم بعث خاله أخٌ لأم سُلیم في سبعین راکبا، وکان رئیس المشرکین عامر بن الطفیل ......"(٤)۔شاید اصل عبارت

---

(١) کشف الباري (ج٣ص٢١٣)۔

(٢) کشف الباري (ج٢ص٤)۔

(٣) فتح الباري (ج٦ص١٩)۔

(٤) الحدیث أخرجه البخاري في کتاب المغازي، باب غزوة الرجیع، ورعل، ......، رقم (٤٠٩١)۔

یوں تھی: "بعث أقواما معهم أخو أم سليم إلى بني عامر" لیکن عبارت یوں بن گئی من بني سليم۔ (۱)

اس لئے یہ کہنا کہ "بعث النبي صلى الله عليه وسلم أقواماً من بني سليم إلى بني عامر" صحیح نہیں ہے۔ (۲)

فلما قدموا قال لهم خالي:

جب وہ آ گئے تو میرے ماموں نے کہا۔

"خال" سے مراد حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۳) جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماموں اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔

حضرت حرام بن ملحان

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابی حضرت حرام بن ملحان مالک بن خالد بن زید بن حرام نجاری انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۴)

یہ بدری صحابی ہیں، چنانچہ اپنے بھائی سلیم بن ملحان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور غزوۂ احد میں بھی ان کو شرکت کا شرف حاصل ہے۔ (۵)

غزوہ بئر معونہ میں یہ اپنے دیگر ساتھیوں حضرت منذر بن عمرو اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ شہادت سے سرفراز ہوئے اور عامر بن طفیل نے ان کو قتل کیا تھا۔ (۶)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بئر معونہ کے واقعے میں صرف زخمی ہوئے تھے، چنانچہ ایک صحابی ضحاک بن سفیان کلابی ...... جو اپنے اسلام کو چھپاتے تھے ...... نے ان کے علاج ومعالجے کے لئے

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص١٩)۔

(۲) اس واقعے کی تفصیل کے لئے دیکھئے کشف الباري، كتاب المغازي (ص٢٦١)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص٩٨)۔

(٤) الاستيعاب بهامش الإصابة (ج١ص٣٥٢)، و معرفة الصحابة (ج٢ص١٥٧)۔

(٥) الاستيعاب بهامش الإصابة (ج١ص٣٥٢)۔

(٦) حوالہ بالا اور غزوہ بئر معونہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، كشف الباري، كتاب المغازي (ص٢٦١)۔

اپنی قوم کی ایک عورت کے حوالے کیا، جہاں انہوں نے کچھ اشعار کہے، جس سے ان کی حقیقت ان پر منکشف ہوگئی تو انہوں نے ان کو قتل کرڈالا، لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔(۱)

فقتلوهم إلا رجل أعرج صعد الجبل۔

پس انہوں نے سب کو قتل کردیا سوائے ایک لنگڑے آدمی کے جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ ان غداروں نے ان تمام قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کردیا ایک لنگڑے صحابی کے علاوہ، کہ وہ چونکہ پہاڑ پر چڑھ گئے تھے، اس لئے بچ گئے۔

"رجل أعرج" سے مراد حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ ہیں اور بنو دینار بن نجار سے ان کا تعلق تھا۔(۲)

"رجل أعرج" کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے، یعنی "رجلاً أعرج"۔ یہاں جو مرفوع نقل ہوا ہے اس بارے میں علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عرب کے قبیلے ربعی کی لغت ہے کہ وہ مستثنیٰ کو مرفوع پڑھتے ہیں۔(۳)

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمے کے ساتھ مطابقت "فطعنه فأنفذه" میں ہے کہ ان غداروں میں سے ایک آدمی نے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا جو ان کے جسم سے آر پار ہوگیا۔

---

(۱) "وقيل: إن حرام بن ملحان ارتث يوم بئر معونة، فقال الضحاك بن سفيان الكلابي وكان مسلما يكتم إسلامه لامرأة من قومه: هل لك في رجل إن صح كان نعم الراعي؟ فضمته إليها، فعالجته، فسمعته يقول:

أتت عامر ترجو الهوادة بيننا ... وهل عامر إلا عدو مداجن

إذا ما رجعنا ثم لم تك وقعة ... بأسيافنا في عامر أو نطاعن

فلا ترجونا أن يقاتل بعدنا ... عشائرنا والمقربات الصوافن

فوثبوا عليه، فقتلوه۔" انظر الاستيعاب بهامش الإصابة (ج۱ ص۳۵۳) والإصابة (ج۱ ص۳۱۹)۔

(۲) فتح الباري (ج۷ ص۳۸۷)۔

(۳) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۰۵)۔ حدیث باب کی مزید تفصیل اور اس میں مذکور واقعے کے لئے دیکھئے کشف الباري، کتاب المغازي (ص۲۶۱-۲۶۸)۔

٢٦٤٨ : حَدَّثنا مُوسى بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ ، عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ (١) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كانَ في بَعْضِ المَشاهِدِ ، وَقَدْ دَمِيَتْ إِصْبَعُهُ ، فَقَالَ : (هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ ، وَفِي سَبِيلِ ٱللهِ ما لَقِيتِ) . [٥٧٩٤]

تراجم رجال

ا۔موسی بن اسماعیل

یہ ابوسلمہ موسی بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔ابوعوانہ

یہ ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

۳۔اسود بن قیس

یہ مشہور تابعی حضرت اسود بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔جندب بن سفیان

یہ صحابی رسول، حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

---

(١) قوله: "عن جندب بن سفيان رضى الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً (ج٢ص٩٠٨)، كتاب الأدب، باب مايجوز من الشعر والرجز والحداء ومايكره منه، رقم (٦١٤٦)، و مسلم (ج٢ص١٠٩)، كتاب الجهاد والسير، باب مالقي النبي صلى الله عليه وسلم من أذى المشركين والمنافقين، رقم (٤٦٥٤)، والترمذي في جامعه (ج٢ص١٧٢)، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة والضحى، رقم (٣٣٤٥)۔

(٢) كشف الباري (ج١ص٤٣٣و٤٣٤)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العيدين، باب كلام الإمام والناس في خطبة النعيد ......۔

(۴) حوالہ بالا۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان في بعض المشاهد وقد دميت إصبعه۔

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے میں شریک تھے کہ آپ کی ایک انگلی خون آلود ہوگئی۔

"مشاهد" سے مراد مغازی ہے اور اس کو مشاہد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ شہادت کی جگہ ہے۔(۱)

اور حدیث پاک میں بیان کیا گیا واقعہ غزوہ احد کا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگلی زخمی ہوگئی تھی۔(۲)

فقال:

هل أنتِ إلا إصبع دَميت وفي سبيل الله ما لقيت

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو تو صرف ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی اور جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ اللہ کے راستے میں پہنچی۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شعر پڑھا ہے، جب کہ قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں یہ آیا ہے: ﴿وما علمناه الشعر وماينبغي له﴾ (۳) کہ "ہم نے ان کو شعر کی تعلیم دی ہے نہ شعر کہنا آپ کے لئے مناسب ہے"؟

اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

۱۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ رجز ہے اور رجز شعر نہیں ہے، جیسا کہ امام اخفش رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ کیونکہ رجز کہنے والے کو "راجز" تو کہا جاتا ہے شاعر نہیں، اس لئے کہ شعر میں یہ ضروری ہے کہ وہ بیت تام

---

(۱) عمدة القاري (ج ١٤ ص ٩٩)۔

(۲) حوالہ بالا وشرح الكرماني (ج ١٢ ص ١٠٦)۔

(۳) يس / ٦٩۔

ہواورعروض کے مسلمہ اوزان کے مطابق مقفّی ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ شعر کہنے کا قصد بھی کیا گیا ہو۔ اتفاقی طور پر زبان سے کسی مقفّی عبارت کا نکلنا شعر نہیں کہلاتا۔(۱)

۲۔ بعض حضرات نے آیت کریمہ ﴿وماعلمناه الشعر﴾ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اس میں مشرکین مکہ کے اس قول کا رد ہے جس میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر قرار دیا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ معروف معنی میں شاعر تھے اور نہ شعر گوئی آپ کا معمول تھا۔

۳۔ اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا کلام کو شعر قرار بھی دیا جائے تو کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں انشاء شعر ممنوع ہے، انشاد شعر نہیں۔ اور انشاء شعر اور انشاد شعر علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہیں۔ چنانچہ شاعر وہ ہوتا ہے جو شعر کی تخلیق کرتا ہو، تشبیب کے اشعار کہتا ہو، مدح و ذم کرتا ہو اور فن کے مختلف روپ دکھاتا ہو، جبکہ اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بری رکھا اور ان کے مرتبے کی حفاظت کی ہے۔(۳)

اس بارے میں مزید تفصیل انشاء اللہ "كتاب الأدب، باب مايجوز من الشعر" میں آئے گی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت "وقد دميت إصبعه" میں ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلی پتھر کے لگنے سے خون آلود ہوگئی تھی۔(۴)

١٠ – باب : مَنْ يُجْرَحُ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ .

مقصد ترجمۃ الباب

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے راستے میں زخمی ہوجانے والے شخص کی فضیلت بتلا رہے ہیں۔(۵)

(۱) شرح الكرماني (ج١٢ ص١٠٦)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔ مزید دیکھئے شرح ابن بطال (ج٥ ص١٩، ٢٠)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص٩٩)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٠)۔

اللہ تبارک وتعالی کی راہ میں زخم کا آنا بڑی فضیلت کی بات ہے، اللہ کے ہاں اس زخم کی عمدہ خوشبو ہوگی اور اس میں سے جو خون نکلے گا اس کی بھی بڑی عظمت ہوگی، لیکن شرط یہ ہے کہ فی سبیل اللہ وہ زخم لگا ہو، چنانچہ کوئی آدمی اگر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے خلوص کے ساتھ جاتا ہے تو اس کی یہ فضیلت ہے اور اگر ریاء ونمود کے لئے جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اس میں شامل نہیں۔

٢٦٤٩ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ (١) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (وَٱلَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، وَٱللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ ، إِلَّا جاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَاللَّوْنُ لَوْنُ ٱلدَّمِ ، وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ) . [ر : ٢٣٥]

تراجم رجال

۱۔ عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف دمشقی تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔ مالک

یہ امام مالک بن انس اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت آچکا۔ (۲)

۳۔ ابی الزناد

یہ ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(١) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الطهارة باب مايقع من النجاسات في السمن والماء۔

(٢) كشف الباري (ج١ ص٢٨٩ و٢٩٠) امام مالک کے لئے مزید دیکھئے، كشف الباري (ج٢ ص٨٠)۔

۴۔اعرج

یہ عبدالرحمٰن بن ھرمز الاعرج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان، باب حب الرسول ﷺ من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۵۔ابو ہریرہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت خوب تفصیل سے گذر چکے۔(۲)

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کوئی بھی شخص اللہ تعالی کے راستے میں زخمی نہیں ہوتا اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اس کے لئے کون زخم کھاتا ہے مگر یہ کہ وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ رنگ تو خون ہی کا ہوگا مگر اس سے پھوٹنے والی خوشبو مشک کی ہوگی۔

حدیث پاک میں اللہ تبارک وتعالی کے راستے میں زخمی ہونے والے شخص کی فضیلت بیان کی جارہی ہے کہ اللہ کے راستے میں زخمی ہونے والا قیامت کے دن اس حال میں اللہ کے دربار میں حاضر ہوگا کہ اللہ کے لئے دی گئی قربانی کی نشانی اس کے جسم پر ہوگی اور وہ خون آلود جسم لے کر دربار الٰہی میں حاضر ہوگا اور اس خون سے بو خون کی نہیں بلکہ خوشبو مشک کی پھوٹ رہی ہوگی۔

حدیث میں کونسا زخم مراد ہے؟

"في سبیل اللہ" سے مراد تو جہاد ہی ہے کہ زخمی جہاد میں ہوا ہو، لیکن لفظ ہر اس زخم کو شامل ہے جو اللہ کے لئے لگا ہو اور اس کو بھی جس میں آدمی اپنے حق کا دفاع کرتے ہوئے زخمی ہو جائے۔(۳)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۱۰و۱۱)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۰۰)، وشرح ابن بطال (ج۵ص۲۰)۔

اوراس بات کا بھی احتمال ہے کہ زخم سے مراد وہ زخم ہو جس کی وجہ سے زخم بھرنے سے پہلے آدمی کی موت واقع ہو جائے، نہ کہ وہ زخم جو دنیا میں مندمل ہو گیا ہو کیونکہ زخم کے بھرنے سے زخم اور سیلان دم کا اثر آخر میں ختم ہو جاتا ہے، لیکن یہ اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ زخم کے بھر جانے کی صورت میں اس کو کوئی بھی فضیلت حاصل نہ ہوگی، لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہاں وہ شخص مراد ہے جو قیامت کے دن ایسی حالت میں حاضر ہو کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ دنیا سے رخصتی کے وقت زخم اپنی حالت پر برقرار رہے۔ (۱) چنانچہ اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس میں ہے: "علیه طابع الشهداء" (۲) کہ "اس پر شہداء کی مہر ہوگی" اور مہر یہ زخم ہے جس سے خون بہہ رہا ہے۔

والله أعلم بمن يكلم في سبيله۔

اور اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کون اس کے راستے میں زخمی ہوتا ہے۔

یہ حدیث میں جملہ معترضہ ہے، مقصود اس سے یہ ہے کہ اخلاص نیت بھی ہو، زخمی ہونا صرف اللہ کے لئے ہو، ریاکاری کے لئے نہ ہو تو اس کو یہ ثواب حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔ (۳)

علماء نے لکھا ہے کہ شہید کو اسی حالت میں جس میں وہ شہید ہوا ہے اٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی فضیلت کی گواہی اور سند بھی ہو کہ اس نے اپنی جان اللہ کی طاعت میں قربان کر دی تھی۔ (۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت "لايكلم أحد في سبيل الله إلخ" میں ہے، کیونکہ کلم کے معنی جرح ہی کے ہیں۔ (۵)

چنانچہ حدیث باب میں صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں زخمی ہونے کی فضیلت، مرتبہ اور ثواب کو بیان کیا گیا ہے۔

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص ٢٠)۔

(۲) مجمع الزوائد للهيثمي (ج٥ص٢٩٧)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص ١٠٠)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص ٢٠)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص ١٠٠)۔

۱۱ – باب : قَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الحُسْنَيَيْنِ» /التوبة : ٥٢/. وَالحَرْبُ سِجَالٌ .

ماقبل کے ساتھ ربط

سابقہ ابواب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مختلف طریقوں سے مجاہد اور شہید کی فضیلت اور اہمیت کو بیان کرتے آرہے تھے، اس باب میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مجاہد بہر حال کامیاب ہے کہ وہ میدان جہاد سے غازی بن کر لوٹ آئے یا اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے۔

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمے کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں جاتے ہیں ان کو دو خوبیوں میں سے ایک خوبی ضرور ملتی ہے، چنانچہ اگر وہ ظفرمند ہوتے ہیں اور جہاد میں کامیاب رہتے ہیں تو ان کو اللہ تعالی اجر عطا فرماتا ہے، غنیمت بھی بعض اوقات ملتی ہے اور ثواب تو بہر حال ملتا ہی ہے اور اگر وہ شہید ہو جاتے ہیں تو شہادت کا عالی اور عظیم منصب ان کو ملتا ہے۔(۱)

والحرب سجال۔

اور لڑائی ڈولوں کی کھنچائی جیسی ہے۔

اس جملے کی مکمل تشریح تو گذر چکی ہے۔(۲) البتہ یہاں اس کے ذکر کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ لڑائی ڈولوں کی کھنچائی جیسی ہے کہ جس طرح کنویں پر ڈول ہوتا ہے، ایک فریق کے ہاتھ میں ہو تو دوسرا انتظار کرتا ہے، اسی طرح بالعکس۔ اسی طرح جنگ کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی ایک فریق غالب آجاتا ہے تو کبھی دوسرا، چنانچہ اگر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے تو ان کو فتح حاصل ہوتی ہے اور اگر مشرکین اور کفار غالب رہیں تو مسلمانوں کو شہادت کا رتبہ ملتا ہے، مسلمان بہر حال کامیاب ہے۔(۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٠)، وشرح ابن بطال (ج٥ ص٢١)۔

(۲) دیکھئے کشف الباري (ج١ ص٥٠٠)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٢١)، وكشف الباري (ج١ ص٥٠٠)۔

مذکورہ جملے کا آیت سے ربط

آیت کریمہ سے "الحرب سجال" کی مناسبت واضح ہے، اس لئے کہ "حسنیین" سے مراد ظفر اور شہادت ہے اور مذکورہ جملہ دونوں معنوں کو متضمن ہے۔(۱)

٢٦٥٠ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي يُونُسُ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَبَّاسٍ(٢) أَخْبَرَهُ : أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ أَخْبَرَهُ : أَنَّ هِرَقْلَ قالَ لَهُ : سَأَلْتُكَ كَيْفَ كانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ ، فَزَعَمْتَ أَنَّ الحَرْبَ سِجَالٌ وَدُوَلٌ ، فَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلَى ، ثُمَّ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ . [ر : ٧]

تراجم رجال

ا۔یحیی بن بکیر

یہ یحیی بن عبداللہ بن بکیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔اللیث

یہ ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت آچکے۔(۳)

۳۔یونس

یہ ابویزید یونس بن یزید ایلی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب العلم، باب من یرد اللّٰہ به خیرا یفقهه في الدین" کے تحت گذر چکا۔(۴)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠١)۔

(٢) قوله: "أن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما": تقدم تخريجه في أول الكتاب(بدء الوحي)، انظر كشف الباري (ج١ ص٤٧٧) الحديث السادس۔

(٣) كشف الباري (ج١ ص٣٢٣و ٣٢٤)۔

(٤) كشف الباري (ج٣ص) نیز دیکھئے كشف الباري (ج١ ص٤٦٣)۔

۴۔ابن شہاب

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات مختصراً "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۱)

۵۔عبید اللہ بن عبد اللہ

یہ ابو عبد اللہ عبید اللہ بن عبد اللہ ہذلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب العلم، باب متی یصح سماع الصغیر؟" کے تحت نقل کئے جاچکے۔(۲)

۶۔عبد اللہ بن عباس

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث اور "کتاب الإیمان، باب کفران العشیر......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۷۔ابوسفیان

یہ مشہور صحابی ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" کی چھٹی حدیث کے تحت آچکے ہیں۔(۴)

اس حدیث کی مکمل تشریح "بدء الوحي" کی چھٹی حدیث کے تحت گذر چکی ہے۔(۵)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت ومناسبت بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ "فزعمت أن الحرب

---

(۱) کشف الباري (ج۱ص۳۲٦)۔

(۲) کشف الباري (ج۳ص)، نیز دیکھئے، کشف الباریه(ج۱ص٤٦٦)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص٤۳٥)، و(ج۲ص۲۰٥)۔

(٤) کشف الباري (ج۱ص٤۸۰)۔

(٥) انظر کشف الباري (ج۱ص٤۷۷)، الحدیث السادس۔

بینکم سجال" میں ہے اور یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حسنیین میں الحرب سجال کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی کو متضمن ہیں۔(۱)

علامہ ابن المنیر کا ارشاد

اور علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں "وكذلك الرسل تبتلى ثم تكون لهم العاقبة" کی وجہ سے ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اسی صورت میں إحدى الحسنيين کے معنی متحقق اور حاصل ہوں گے، اس لئے کہ اگر رسولوں نے فتح پائی اور غلبہ حاصل کیا تو دنیا و آخرت انہی کی ہوگی اور اگر ان کے دشمنوں کو نصرت اور فتح حاصل ہوئی تو رسولوں کے لئے آخرت ہوگی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے۔(۲)

حافظ صاحب کی توجیہ

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پہلے قول کی نفی کرتا ہے نہ اس کے معارض ہے، بلکہ ظاہر یہی ہے کہ پہلا قول زیادہ مناسب اور اولی ہے کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کی نقل ابوسفیان رضی اللہ عنہ فرمار ہے ہیں، جب کہ ہرقل کا قول تو مختلف قدیم کتب سے اخذ کردہ ہے اور انہی کتب کے اعتماد پر مبنی ہے۔(۳)

فائدہ

علامہ قزاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "دول" کی دال مثلثہ ہے، چنانچہ عرب اسے دُوَل، دَوَل اور دِوَل پڑھتے ہیں۔ "العرب تقول: الأيام دُول و دَول و دِول: ثلاث لغات"۔(۴)

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۰۱)، و فتح الباري (ج٦ص۲۱)۔

(۲) المتواري (ص۱۵۰)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص۲۱)۔

(٤) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۰۱)۔

۱۲ – باب : قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : «مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجالٌ صَدَقُوا ما عاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَما بَدَّلُوا تَبْدِيلاً» /الأحزاب : ۲۳/ .

ماقبل سے مناسبت

گذشتہ ابواب میں جہاد میں شرکت اور اس کی فضیلت وغیرہ کا بیان تھا، اس باب میں میدان جنگ میں ثابت قدمی اختیار کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ جہاد کی فضیلت ثابت قدمی وثبات قلبی کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتی ہے، ورنہ یہ شرکت وبال کی صورت بھی اختیار کرسکتی ہے کہ فرار ہوجائے، پھر دنیا وآخرت کے خسارے کا موجب بن جائے۔

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں باب میں یہ بتلایا ہے کہ جو آدمی اللہ سے اس بات کا عہد کرے کہ میں جہاد کے لئے جاؤں گا اور اللہ کی راہ میں قتال کروں گا تو اس کو اس پر ثابت قدم بھی رہنا چاہئے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالی نے ایسے لوگوں کی تعریف وتوصیف اور مدح فرمائی ہے۔

۲٦٥١ : حَدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدٍ الخُزَاعِيُّ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى ، عَنْ حُمَيْدٍ قالَ : سَأَلْتُ أَنَسًا . حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ : حَدَّثَنَا زِيَادٌ قالَ : حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ ، عَنْ أَنَسٍ[1] رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : غابَ عَمِّي أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَنْ قِتَالِ بَدْرٍ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، غِبْتُ عَنْ أَوَّلِ قِتَالٍ قاتَلْتَ الْمُشْرِكِينَ ، لَئِنِ اللّٰهُ أَشْهَدَنِي قِتَالَ الْمُشْرِكِينَ لَيَرَيَنَّ اللّٰهُ ما أَصْنَعُ . فَلَمَّا كانَ

---

(۱) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضا (ج۲ص۵۷۹)، كتاب المغازي، باب غزوة أحد، رقم (۴۰۴۸)، وفي (ج۲ص۷۰۵) كتاب التفسير، باب ﴿فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر، ومابدلوا تبديلا﴾، رقم (۴۷۸۳)؛ ومسلم (ج۲ص۱۳۹)، كتاب الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، رقم (۴۹۱۸)، والترمذي (ج۲ص۱۵۵)، أبواب تفسير القرآن، باب "ومن سورة الأحزاب"، رقم (۳۲۰۰)۔

يَوْمَ أُحُدٍ ، وَانْكَشَفَ الْمُسْلِمُونَ ، قالَ : اللَّهُمَّ إِنِّي أَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ ، يَعْنِي أَصْحَابَهُ ، وَأَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ ، يَعْنِي الْمُشْرِكِينَ . ثُمَّ تَقَدَّمَ فَاسْتَقْبَلَهُ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ ، فَقَالَ : يَا سَعْدُ ابْنَ مُعَاذٍ الْجَنَّةَ وَرَبِّ النَّضْرِ ، إِنِّي أَجِدُ رِيحَهَا مِنْ دُونِ أُحُدٍ ، قالَ سَعْدٌ : فَمَا اسْتَطَعْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ما صَنَعَ . قالَ أَنَسٌ : فَوَجَدْنَا بِهِ بِضْعًا وَثَمَانِينَ : ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ أَوْ طَعْنَةً بِرُمْحٍ أَوْ رَمْيَةً بِسَهْمٍ ، وَوَجَدْنَاهُ قَدْ قُتِلَ وَقَدْ مَثَّلَ بِهِ الْمُشْرِكُونَ ، فَمَا عَرَفَهُ أَحَدٌ إِلَّا أُخْتُهُ بِبَنَانِهِ . قالَ أَنَسٌ : كُنَّا نُرَى ، أَوْ نَظُنُّ : أَنَّ هٰذِهِ الآيَةَ نَزَلَتْ فِيهِ وَفِي أَشْبَاهِهِ : «مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا ما عاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ» . إِلَى آخِرِ الآيَةِ .

تراجم رجال

۱۔محمد بن سعید الخزاعی

یہ محمد بن سعید بن الولید خزاعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کی کنیت ابوعمرو یا ابوبکر ہے، بصرہ کے رہنے والے تھے۔(۱)اور''مردویہ''ان کا لقب ہے(۲)۔

یہ عبدالاعلی بن عبدالاعلی، زیادہ بن الربیع، خالد بن الحارث، زکریا بن یحیی بن عمارة، عون بن عمرو القیسی، ہشام بن محمد بن کلبی اور ابوتمیلہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام ابوزرعہ، ابوحاتم، حرب بن اسماعیل، یعقوب بن سفیان، محمد بن ابراہیم بن سعید البوشنجی، محمد بن غالب تمتام، محمد بن یوسف بن الترکی اور احمد بن محمد الاصبہانی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۳)

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''كان ثقة صدوقا''۔(۴)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۲۷۷و ۲۷۸)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص۲۲)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۵ص۲۷۸)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۲۷۹)۔

سبط ابن العجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۱)

دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۳)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۴)

اصحاب اصول ستہ میں سے صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ (۵) اور وہ بھی صرف دو مواقع پر، ایک یہاں اور دوسری کتاب المغازی میں۔ (۶)

ان کا انتقال ۲۳۰ھ میں ہوا۔ (۷) رحمه الله رحمة واسعة۔

۲۔ عبدالاعلی

یہ عبدالاعلی بن عبدالاعلی السامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۸)

۳۔ عمرو بن زرارة

یہ عمرو بن زرارة بن واقد ہلالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۹)

۴۔ زیاد بن عبداللہ العامری البکائی

یہ زیاد بن عبداللہ بن الطفیل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۱۰) ابو محمد ان کی کنیت ہے۔ (۱۱) یہ بنو عامر بن صعصعہ کی

---

(۱) حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج۲ ص۱۷۵)۔

(۲) حاشية تهذيب الكمال (ج۲۵ ص۲۷۹)۔

(۳) تقريب التهذيب (ص ٤٨٠)۔

(٤) الثقات لابن حبان (ج۹ ص٦٤)۔

(٥) تهذيب التهذيب (ج۹ ص ۱۹۰)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ ص ۲۲)۔

(۷) تهذيب التهذيب (ج۹ ص ۱۹۰)۔

(۸) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الغسل، باب إذا ذكر في المسجد أنه جنب، ......۔

(۹) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، أبواب سترة المصلي، باب قدر كم ينبغي أن يكون......۔

(۱۰) تهذيب الكمال (ج۹ ص ٤٨٥)۔

(۱۱) طبقات ابن سعد (ج٦ ص ٣٩٦)۔

شاخ بنوالبکاء سے تعلق رکھتے تھے اسی لئے ان کو العامری اور البکائی کہا جاتا ہے۔(۱) کوفہ کے رہنے والے تھے اس بنا پر کوفی کہلاتے ہیں۔(۲)

یہ عبدالملک بن عمیر، حمید الطویل، عاصم الاحول، اعمش، منصور، حصین، محمد بن اسحاق، یزید بن ابی زیاد اور حجاج بن ارطاۃ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل، احمد بن عبدۃ الضبی، ابوغسان النہدی، اسماعیل بن توبہ، سہل بن عثمان، یوسف بن حماد، عمرو بن زرارۃ، عبدالملک بن ہشام السدوسی النحوی، عبداللہ بن سعید بن ابان الاموی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۳)

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هو أشرف من أن يكذب في الحديث"۔(۴)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس، حديثه حديث أهل الصدق"۔(۵)

اسی طرح امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بارے میں نقل فرمایا ہے:
"ما أرى كان به بأس، كان ابن إدريس حسن الرأي فيه...... كان صدوقا"۔(۶)

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صدوق"۔(۷)

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولزياد بن عبدالله ...... أحاديث صالحة، وقد روى عنه الثقات من الناس، وما أرى برواياته بأسا"۔(۸)

جب کہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان فاحش الخطأ كثير الوهم، لايجوز الاحتجاج

---

(۱) الأنساب للسمعاني (ج۱ ص۳۸۲)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۹ ص۵)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۹ ص۴۸۶ و ۴۸۷)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۹ ص۴۸۷)، وحاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج۱ ص۴۱۱)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج۹ ص۴۸۷)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) سير أعلام النبلاء (ج۹ ص۶۱)۔

(۸) الكامل لابن عدی (ج۳ ص۱۹۳)۔

بخبره إذا انفرد، وأما فيما وافق الثقات في الروايات فان اعتبر بها معتبر فلا ضير ......، وكان يحيى بن معين سيء الرأي فيه"۔(۱)

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یکتب حدیثه، ولایحتج به"۔(۲)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"ضعیف" اسی طرح ایک اور جگہ پر فرمایا: "لیس بالقوي"۔(۳)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "...... وکان عندهم ضعیفا، وقد حدثوا عنه"۔(۴)

عبداللہ بن علی ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سألت أبي عنه، فضعفه"۔(۵)

اسی طرح علی ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"کتبت عنه شیئا کثیرا، وترکته"۔(۶)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کثیر المناکیر"۔(۷)

امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "الضعفاء الکبیر" میں ذکر کیا ہے۔(۸)

آپ نے زیاد بن عبداللہ سے متعلق اقوال جرح وتعدیل ملاحظہ کئے کہ بعض محدثین نے ان کو توثیق وتعدیل کی ہے تو بعض نے تضعیف وتجریح، یہاں تک ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے تساہل میں معروف ہیں انہوں نے بھی ان کے بارے میں "فاحش الخطأ" اور "کثیر الوہم" جیسے الفاظ استعمال کئے، لیکن سمجھنے کی بات یہاں پر یہ ہے کہ

اولا- تو زیاد بن عبداللہ مطلقا ضعیف نہیں ہیں، بعض حضرات نے ان کی توثیق بھی فرمائی ہے۔

ثانیا- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی یہ حدیث مغازی اور جہاد کے باب میں ذکر فرمائی ہے اور زیاد بن عبداللہ مغازی میں ثقہ ہیں، چنانچہ حافظ صالح بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لیس کتاب المغازي عند أحدٍ أصح منه عند زیاد البکائي، وزیاد في نفسه

---

(۱) تعلیقات تهذیب الکمال (ج۹ ص۴۸۹)۔

(۲) تهذیب الکمال (ج۹ ص۴۸۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) طبقات ابن سعد (ج٦ ص٣٩٦)۔

(٥) تهذیب الکمال (ج۹ ص۴۸۸)۔

(٦) حوالہ سابقہ۔

(۷) سیر أعلام النبلاء (ج۹ ص٦)۔

(۸) الضعفاء الکبیر (ج۲ ص۷۹، ۸۰)۔

ضعيف، ولكن هو من أثبت الناس في هذا الكتاب، و ذلك أنه باع داره وخرج يدور مع ابن إسحاق حتى سمع منه الكتاب"۔(۱)

"یعنی زیاد بکائی سے زیادہ صحیح کتاب المغازی کسی اور کے پاس نہیں ہے، یہ اگرچہ فی نفسہ ضعیف ہیں، لیکن اس کتاب (المغازی) میں وہ سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنا گھر بیچا اور محمد بن اسحاق کے ساتھ ساتھ رہنے لگے، یہاںتک کہ ان سے پوری کتاب سنی"۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سمعت يحيى بن معين يقول: زياد البكائي في ابن إسحاق ثقة، كأنه يضعّفه في غيره"۔(۲)

اسی طرح عثمان بن سعید الدارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سألته عن البكائي؟ فقال: لابأس به في المغازي، وأما في غيره فلا"۔(۳)

مزید فرماتے ہیں: "سألت يحيى، قلت: عمن أكتب المغازي ممن يروي عن يونس أو غيره؟ قال: اكتبه عن أصحاب البكائي"۔(۴)

اور یحیی بن آدم رحمۃ اللہ علیہ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "ما أحد أثبت في ابن إسحاق منه؛ لأنه أملى عليه إملاءً مرتين"۔(۵)

اور صالح جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هو على ضعفه أثبتهم في المغازي"۔(٦)

ان تمام اقوال سے معلوم یہ ہوا کہ زیاد بن عبداللہ البکائی اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن "مغازی" میں ثقہ ہیں۔

ثالثاً۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ ان کی روایت ذکر کی ہے، لیکن متابعۃً اور عبدالاعلی بن عبدالاعلی کی روایت کے ساتھ مقروناً ذکر کی ہے اور پھر بخاری میں ان کی یہی ایک روایت ہے۔(۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۹ص٤٨٩)۔

(۲) حوالہ سابقہ (ج۹ص٤٨٧)۔

(۳) تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي (ص١١٤)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(٥) تهذيب التهذيب (ج٣ص٣٧٦)۔

(٦) الكاشف (ج١ص٤١١)۔

(۷) هدى الساري (ص٤٠٤)۔

یہ بخاری کے علاوہ مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کے بھی راوی ہیں۔(۱)

ہارون الرشید کے زمانے میں ۱۸۳ھ کو ان کا انتقال ہوا۔(۲) رحمه الله رحمة واسعة

۵۔حمید الطّویل

یہ ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید خزاعی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۶۔انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه......" کے ذیل میں آ چکے۔(۴)

قال: غاب عمي أنس بن النضر عن قتال بدر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن النضر بدر کے میدان سے غائب رہے تھے۔

یہاں غیبوبت سے مراد تخلف ہے یعنی پیچھے رہ گئے تھے، یہ مطلب نہیں کہ وہ بدر میں شریک ہوکر غائب ہوگئے تھے۔(۵)

حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن النضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۶)

ان سے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما روایت حدیث کرتے ہیں۔(۷)

---

(۱) الکاشف (ج۱ ص۴۱۱)۔

(۲) طبقات ابن سعد (ج٦ ص٣٩٦)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ ص٥٧١)۔

(٤) کشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(٥) فیض الباري (ج۳ ص٤٢٤)۔

(٦) الإصابة (ج۱ ص٧٤)، والاستیعاب بهامش الإصابة (ج۱ ص٧١)، ومعرفة النصحابة (ج۱ ص٢٢٤)۔

(۳) معرفة الصحابة (ج۱ ص٢٢٤)۔

یہ غزوہ احد میں شہید ہوئے اور شہادت کے وقت ان کے جسم پر اسی سے زائد زخم تھے اور مشرکین نے ان کا مثلہ بھی بنایا تھا۔ کما فی حدیث الباب۔

فقال: یارسول الله، غبت عن أول قتالٍ قاتلت المشركين، لئن الله أشهدني قتال المشركين ليرين الله ماأصنع۔

چنانچہ ابن النضر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ! میں اس پہلی لڑائی سے جس میں آپ نے مشرکین سے قتال کیا غائب رہا تھا، اب اگر اللہ تعالی نے مشرکین کے خلاف قتال میں مجھے حاضری عطا فرمایا تو اللہ تعالی دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں؟

"أول قتال" سے مراد غزوۂ بدر ہے کیونکہ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔(١)

فلما كان يوم أحد وانكشف المسلمون، قال: اللهم إني اعتذر إليك مما صنع هؤلاء - يعني أصحابه - وأبرأ إليك مما صنع هؤلاء - يعني المشركين - ثم تقدم، فاستقبله سعد بن معاذ۔

پس جب جنگ احد ہوئی، مسلمان ہٹ گئے تو انہوں نے فرمایا اے اللہ! میں میرے ساتھیوں کی طرف سے انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس پر آپ کے سامنے معذرت کرتا ہوں اور میں برأت کا اظہار کرتا ہوں ان مشرکین کی حرکات سے، پھر وہ آگے بڑھے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ان کا سامنا ہوا۔

"انكشف المسلمون" میں عبارت کا حسن ملاحظہ کیجئے کہ انکشف فرمایا یعنی ہٹ گئے اور انہزم نہیں کہا کہ مسلمان شکست کھا گئے۔(٢)

فقال: يا سعد بن معاذ، الجنة ورب النضر، إني أجد ريحها من دون أحد۔

فرمایا اے سعد بن معاذ! کہاں؟ نضر کے رب کی قسم! جنت تو میرا مطلوب ہے، میں تو احد کے پاس سے جنت

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٣)۔

(٢) شرح الكرماني (ج١٢ ص١٠٨)۔

کی خوشبو پارہا ہوں۔

"الجنة" یا تو منصوب ہے اور تقدیر عبارت یوں ہوگی "أرید الجنة" یا مرفوع اور مرفوع ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت "مطلوبي في الجنة" ہوگی۔(۱)

"نضر" سے مراد یا تو ان کے والد ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نضر ان کے بیٹے ہوں۔ چنانچہ ان کے ایک بیٹے بھی تھے جن کا نام نضر تھا۔(۲)

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کے قول "إني أجد ریحها من دون أحد" میں دو احتمال ہیں:

۱۔ ان کا یہ قول حقیقت پر محمول ہو کہ جنت کی خوشبو واقعی ان کو آرہی ہو کیونکہ جنت کی خوشبو تو پانچ سو سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔

۲۔ ان کا یہ قول مجاز پر محمول ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ جنت اسی جگہ پر ہے جہاں قتال ہو رہا ہے، کیونکہ جنت کا حصول ان ہی جگہوں پر ہوتا ہے۔(۳)

قال سعد: فما استطعت یا رسول الله ما صنع۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یا رسول اللہ! انہوں نے جو کیا وہ میں نہ کرسکا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے جس طرح اقدام کیا، اس اقدام میں ان کو جن ہولناک سختیوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان کو اسی سے زائد جو زخم پیش آئے اس طرح کا اقدام مجھ سے نہ ہوسکا اور انہوں نے جس طرح میدان جنگ میں ثابت قدمی دکھائی وہ میں نہ دکھا سکا۔(۴)

قال أنس: فوجدنا به بضعا و ثمانین ضربة بالسیف أو طعنة برمح أو رمیة بسهم، ووجدناه قد قتل وقد مثل به المشرکون، فما عرفه أحد إلا أخته ببنانه۔

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٢٣)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ ص٢٣)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٢٣)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیر کے اسی سے زیادہ زخم پائے اور ہم نے انہیں اس حالت میں پایا کہ مشرکین نے ان کا مثلہ کیا تھا، چنانچہ انہیں ان کی بہن (ربیّع بنت النضر رضی اللہ عنہا) کے سوا کوئی بھی پہچان نہ سکا، انہوں نے بھی ان کو انگلی کے پورے سے پہچانا۔

"بنان" انگلی کے پورے کو کہتے ہیں۔(۱)

یہاں روایت میں "بنان" کا لفظ آیا ہے، جب کہ کتاب المغازی کی روایت میں شک کے ساتھ "بشامة أو ببنانه" وارد ہوا ہے۔(۲)

علامہ عینی اور حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر رواۃ نے بنان ہی روایت کیا ہے۔(۳)

قال أنس: كنا نُرى -أو نظن- أن هذه الآية نزلت فيه وفي أشباهه ﴿من المؤمنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه﴾ إلى آخر الآية.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سمجھتے تھے ان کے اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿من المؤمنين...... ﴾ کہ اہل ایمان میں ایسے جوان مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا وہ وعدہ جو انہوں نے اللہ تعالی سے کیا تھا، ان جوان مردوں میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض اس (ساعت سعید) کا انتظار کر رہے ہیں۔ (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویے میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔

"قطی نحبه" علامہ زمخشری نحب کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"...... عبارة عن الموت؛ لأن كل حي لابد له من أن يموت، فكأنه نذر لازم في رقبته، فإذا مات فقد قضى نحبه أي: نذره"۔(۴)

یعنی "قضاء النحب" موت سے کنایہ ہے، کیونکہ ہر زندہ چیز کو بہرحال مرنا ہے، گویا کہ یہ اس کی گردن پر نذر لازم ہے اور جب وہ مر گیا تو اس نے اپنی نذر پوری کر دی۔

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۰۹)۔

(۲) انظر الصحيح للبخاري (ج۲ص۵۷۹)، كتاب المغازي، باب غزوة أحد، رقم (۳۸۲۲)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص۱۰۳)، فتح الباري (ج٦ص۲۳)۔

(٤) الكشاف (ج۳ص۵۳۲)۔

وَقالَ:(١) إِنَّ أُخْتَهُ ، وَهْيَ تُسَمَّى الرُّبَيِّعَ ، كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ ٱمْرَأَةٍ ، فَأَمَرَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ بِالْقِصَاصِ ، فَقَالَ أَنَسٌ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ ، لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا ، فَرَضُوا بِالْأَرْشِ وَتَرَكُوا الْقِصَاصَ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنَّ مِنْ عِبَادِ ٱللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى ٱللهِ لَأَبَرَّهُ) .
[٣٨٢٢ ، ٤٥٠٥ ، وانظر : ٢٥٥٦]

ترجمۂ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان (انس بن النضر) کی بہن نے کسی عورت کا دانت توڑ ڈالا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا (کہ قصاصا ان کی بہن کا بھی ایک دانت توڑا جائے) تو حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا، چنانچہ اس عورت کے اہل خانہ دیت پر راضی ہوگئے اور قصاص چھوڑ دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرمادیتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث کی تشریح مکمل تفصیلات کے ساتھ "كتاب الصلح، باب الصلح في الدية" کے تحت گذر چکی ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت آیت مذکورہ بالا میں ہے، اس لئے کہ آیت مذکورہ انہیں حضرات کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے عہد پورا کیا تھا اور ثبات قدمی وقلبی کا مظاہرہ کیا تھا اور جو عہد کو پورا کرنے کے منتظر تھے۔(٢)

---

(١) الحديث مرّ تخريجه في كتاب الصلح، باب الصلح في الدية.

(٢) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٢).

٢٦٥٢ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ قَالَ : حَدَّثَنِي أَخِي ، عَنْ سُلَيْمانَ – أُرَاهُ – عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ خارِجَةَ بْنِ زَيْدٍ : أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ[1] : نَسَخْتُ الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ ، فَفَقَدْتُ آيَةً مِنْ سُورَةِ الْأَحْزَابِ ، كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا ، فَلَمْ أَجِدْهَا إِلَّا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ ، الَّذِي جَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَهَادَتَهُ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ ، وَهْوَ قَوْلُهُ : «مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا ما عاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ» . [٣٨٢٣ ، ٤٥٠٦ ، وانظر : ٤٤٠٢ ، ٤٧٠٢]

تراجم رجال

۱۔ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع حمصی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔شعیب

یہ ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں کے حالات "بدء الوحي" کی چھٹی حدیث کے تحت گذر چکے۔(۲)

۳۔اسماعیل

یہ اسماعیل بن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان ، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۳)

---

(۱) قوله: "زيد بن ثابت رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا(ج۲ص۵۸۰)، كتاب المغازي، باب غزوة أحد، رقم (٤٠٤٩)، و(ج۲ص۷۰۵)، كتاب التفسير، باب ﴿فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر......﴾، رقم (٤٧٨٤)، و(ج۲ص۷٤٦) كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم (٤٩٨٨)، والترمذي في جامعه (ج۲ص۱٤۲)، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، رقم (٣١٠٤)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ص۴۸۹و۴۸۰)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۱۱۳)۔

۴۔ أخي

"أخ" سے مراد ابوبکر عبدالحمید بن عبداللہ ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۵۔ سليمان

یہ ابومحمد سلیمان بن بلال قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

٦۔ محمد بن ابی عتیق

یہ محمد بن عبداللہ بن ابی عتیق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۷۔ ابن شہاب

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکا۔(۴)

۸۔ خارجہ بن زید

یہ مشہور تابعی حضرت خارجہ بن زید بن ثابت انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۹۔ زید بن ثابت

یہ مشہور صحابی، کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔(٦)

قال: نسختُ الصحف في المصاحف، ففقدتُ آية من سورة الأحزاب كنتُ أسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ بها۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب حفظ العلم۔

(۲) كشف الباري (ج۱ ص٦٥٨)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الأذان، باب مكث الإمام في مصلاه بعد السلام۔

(٤) كشف الباري (ج۱ ص٣٢٦)۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت......۔

(٦) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب مايذكر في الفخذ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحیفوں کو میں نے مصاحف میں لکھا تو سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کو جس کی تلاوت کرتے ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا تھا نہیں پایا۔

یہاں "جمع قرآن" سے متعلق مشہور واقعے کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔(۱)

فلم أجدها إلامع خزيمة بن ثابت الأنصاري۔

چنانچہ وہ آیت مجھے خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں مل گئی۔

حضرت خزیمۃ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت خزیمہ بن ثابت بن الفاکہ بن ثعلبہ بن ساعدۃ الخطمی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۲)

ابوعمارہ ان کی کنیت ہے۔(۳) اور "ذوالشہادتین" سے معروف ہیں۔(۴)

ان کی والدہ کبشۃ بنت اوس الساعدیۃ ہیں۔(۵)

ان کی ایک بیوی جمیلہ بنت زید بن خالد ہیں، جن سے حضرت خزیمہ کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ جبکہ دوسری اہلیہ صفیہ بنت عامر بن طعمہ ہیں، جن سے حضرت خزیمہ کے بیٹے عمارہ ہیں۔(۶)

یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔(۷) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے (۸) لیکن ان کے بدری ہونے میں اختلاف ہے۔

چنانچہ امام ترمذی، ابن عبدالبر اور لالکائی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بدری ہیں۔(۹) جب کہ اصحاب المغازی

(۱) دیکھئے كشف الباري كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن (ص ٤١)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۸ص۲٤۳)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج۳ص۱۰۸)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٠٤)۔

(٥) الإصابة (ج١ص٤٢٥)۔

(٦) الطبقات لابن سعد (ج٤ص٣٧٨)۔

(٧) الإصابة (ج١ص٤٢٥)۔

(٨) تهذيب الأسماء واللغات (ج١ص١٧٥)۔

(٩) تهذيب التهذيب (ج٣ص١٤١)۔

نے ان کو بدریین میں شمار نہیں فرمایا ہے، ابن البرقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو غیر بدریین میں شمار فرمایا ہے اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "قيل: إنه بدري، والصواب: أنه شهد أحدا ومابعدها"۔(۱) اور عسکری وغیرہ نے تو ان کو اہل احد میں بھی شمار نہیں فرمایا ہے۔(۲)

ذوالشہادتین سے ملقب ہونے کی وجہ

ان کو "ذوالشہادتین" کہنے کی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لئے اعرابی کو ساتھ چلنے کے لئے فرمایا، اس دوران کچھ دوسرے لوگوں نے اس اعرابی سے وہ گھوڑا زیادہ قیمت پر خریدنے کے لئے کہا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قیمت ادا کرنے لگے تو اس نے گھوڑے کی بیع پر گواہ طلب کئے، حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گھوڑا خریدا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم تو بیع کے وقت موجود نہیں تھے، تم نے کیسے گواہی دی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آسمان کی خبریں آپ کے پاس آتی ہیں ان میں ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں، یہ واقعہ تو زمین کا ہے، اس میں ہم آپ کی تصدیق کیوں نہ کریں، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا۔(۳) اور یہ ان کی خصوصیت ہے۔

فتح مکہ کے دن بنی خطمہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ اور جنگ جمل وصفین میں یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے، لیکن قتال میں شریک نہیں ہوئے اور جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما شہید ہوگئے تو یہ قتال میں شریک ہوئے۔(۴)

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے واقدی کے طریق سے روایت نقل کی ہے کہ عمارہ بن خزیمہ بن ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں شریک تو ہوئے لیکن انہوں نے نیام سے تلوار نہیں نکالی

---

(۱) سير أعلام النبلاء (ج۲ص۴۸۵)، وتهذيب التهذيب (ج۳ص۱٤۱)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۳ص۱٤۱)۔

(۳) انظر سنن أبي داود (ج۲ص۱۵۲) كتاب القضاء، باب إذا علم الحاكم صدق الشاهد الواحد يجوز له أن يحكم به، رقم (۳٦۰۷)، وسنن النسائي (ج۲ص۲۲۸) كتاب البيوع، باب التسهيل في ترك الإشهاد على البيع، رقم (٤٦۵۱)۔

(٤) تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ص۱۷٦)۔

اور جنگ صفین میں بھی حاضر ہوئے اور فرمایا کہ میں عمار (ابن یاسر) کے قتل ہونے تک تلوار نہیں اٹھاؤں گا تا کہ دیکھوں کہ اسے کون قتل کرتا ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، وہ فرمارہے تھے "تقتله الفئة الباغية" چنانچہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو انہوں نے فرمایا: "قد بانت لي الضلالة" کہ کس کی غلطی ہے یہ بات مجھ پر واضح ہوگئی، پھر میدان جنگ میں داخل ہوئے اور قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ (۱)

ان کی شہادت کا یہ واقعہ ۳۷ھ کا ہے۔ (۲)

مسند احمد کی روایت ہے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر سجدہ کرر ہے ہیں۔ اور اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور فرمایا: "صدق بذلك رؤياك" کہ اپنے خواب کو سچا کرو۔ تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پیشانی پر سجدہ کیا۔ (۳) یعنی اپنی پیشانی آپ کی پیشانی پر رکھ دی۔ جیسا کہ "طبقات" کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ (۴)

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے عمارہ، حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ، عمارہ بن عثمان بن حنیف، عمرو بن میمون الاودی، ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص، ابوعبداللہ الجدلی، عبداللہ بن یزید الخطمی، عبدالرحمن بن ابی لیلی اور عطاء بن یسار رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ (۵)

علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ (۶)

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۸ احادیث روایت کی ہیں۔ (۷)

اور اصحاب اصول ستہ میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی حضرات ائمہ نے ان کی روایات لی ہیں۔ (۸) رضي الله عنه وأرضاه۔

---

(۱) الإصابة (ج۱ ص٤٢٦) ـ وأيضا انظر مسند الإمام أحمد (ج٥ ص٢١٤)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۲ ص٤٨٥)۔

(۳) مسند أحمد (ج٥ ص٢١٥)، وكذا أخرجه ابن سعد بسنده، انظر الطبقات (ج٤ ص٣٨٠)۔

(٤) طبقات ابن سعد (ج٤ ص٣٨١)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج٨ ص٢٤٤)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ ص١٧٦)۔

(۸) تهذيب الكمال (ج٨ ص٢٤٥)۔

الـذي جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم شهادته شهادة رجلين، وهو قوله: ﴿من المؤمنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه﴾۔

جن کی شہادت (گواہی) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا اور (وہ آیت جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مصاحف میں نہیں ملی تھی لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو انہوں نے سنا تھا) اللہ تعالی کا قول: ﴿من المؤمنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه﴾ ہے۔

گواہی کے جس واقعے کا حوالہ حدیث باب میں دیا گیا ہے وہ ابھی ماقبل میں گذر چکا ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت بالکل واضح وظاہر ہے کہ اس حدیث میں اسی آیت کا ذکر ہے جس پر ترجمہ قائم کیا گیا ہے۔(۱)

١٣ - باب : عَمَلٌ صَالِحٌ قَبْلَ الْقِتَالِ .

ماقبل سے مناسبت

گذشتہ ابواب میں مختلف عنوانات کے ساتھ جہاد وقتال کی اہمیت، فضیلت اور اس پر مرتب اجر کا ذکر ہے، اب اس باب میں اس عمل قتال کی قبولیت کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ قتال سے پہلے کچھ نیک کام بھی کرنے چاہئیں تاکہ برکت ہو۔

مقصد ترجمہ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد اس ترجمے سے یہ ہے کہ صالح اور دیندار شخص کو اس کے اعمال پر جو اجر دیا جاتا ہے وہ فاسق کو نہیں دیا جاتا، اس لئے عمل صالح کو مقدم کرنا چاہئے تاکہ دوسرے سے زائد اجر کا حامل ہو، چنانچہ حدیث باب کی دلالت اس پر بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اسلام عمل صالح ہے

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٤)۔

اور حدیث میں اس کی تقدیم کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

وَقَالَ أَبُو ٱلدَّرْدَاءِ : إِنَّمَا تُقَاتِلُونَ بِأَعْمَالِكُمْ .

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم اپنے اعمال کی بدولت ہی قتال کرتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی تمہیں نیک اور اچھے اعمال کی توفیق دیتا ہے اور اس کی وجہ سے قتال میں کامیابی ہوتی ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے، بخلاف اس کے کہ اگر قتال کرنے والوں کے اعمال برے ہوں تو پھر وہ ناکام ہوجایا کرتے ہیں۔(۲)

اس تعلیق کو امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے "سعيد بن عبد العزيز عن ربيعة بن يزيد عن ابن حَلبس عن أبي الدرداء" کے طریق سے کتاب الجہاد میں موصولاً نقل فرمایا ہے۔(۳)

دراصل حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے دو حصے ہیں، ایک حصہ تو وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الجہاد میں نقل فرمایا ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ بنایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "تغلیق التعلیق" میں اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے...... عن سعيد بن عبدالعزيز عن ربيعة بن يزيد، أن أبا الدرداء قال: "أيها الناس، عمل صالح قبل الغزو، فإنما تقاتلون بأعمالكم"۔(۴)

اب اثر مذکور کے پہلے حصے کو تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ بنایا اور دوسرے حصے کو تعلیق کی صورت میں نقل فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "عن سعيد بن عبدالعزيز عن ربيعة بن يزيد عن أبي الدرداء" کے طریق میں انقطاع ہے، کیونکہ ربیعۃ بن یزید کا سماع حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے طریق میں ربیعۃ بن یزید اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان "ابن حلبس" کا واسطہ ہے اور اس میں صرف "إنما تقاتلون بأعمالكم" کا ذکر ہے۔

---

(۱) لامع الدراري (ج۷ص۲۱۷)۔

(۲) فيض الباري (ج۳ص٤۲٤)۔

(۳) تغليق التعليق (ج۳ص٤۳۱)۔

(٤) حوالہ بالا۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حصے کو جو متصل ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردیا اور جو حصہ سند منقطع کے ساتھ تھا اس کو ترجمہ میں ذکر فرمایا، اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ وہ اس سے غافل نہیں تھے۔(۱)

وَقَوْلُهُ : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ ما لَا تَفعَلُونَ . كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقولُوا ما لَا تَفعَلُونَ . إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ» /الصف : ٢-٤/ .

اور اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں، اللہ تعالی تو ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا کہ وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔(۲)

آیت کریمہ کا تعلق دعوے سے ہے، نہ کہ دعوت سے

اکثر لوگوں کو بے عمل عالم کے وعظ ونصیحت کرنے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب یہ خود عمل نہیں کرتے تو ان کو نصیحت نہیں کرنی چاہئے، یہ تو ﴿لم تقولون ما لا تفعلون﴾ کے خلاف ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا تعلق دعوے سے ہے، دعوت سے نہیں لہذا کسی ایسی بات کا دعویٰ تو جائز نہیں جس پر عمل نہ ہو، لیکن دعوت دینا اور وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے، وہ اس میں داخل نہیں۔ فافهم ولا تغفل۔

آیات کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیات اور ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے پہلی دو آیتوں میں اس شخص پر عتاب فرمایا ہے جو یہ کہے کہ میں اچھا کام کروں گا پھر نہ کرے۔ اور اس کے بعد آیت ﴿إن الله يحب الذين ......﴾ میں اس شخص کی تعریف فرمائی ہے جو میدان جنگ میں ثابت قدمی

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٢٤)۔

(۲) ترجمہ از بیان القرآن (ج۲ سورۃ الصف)۔

دکھائے اور پھر قتال کرے۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں اس آدمی کی مدح ہے جو کہے بھی اور کر کے بھی دکھائے اور اس کا قول جہاد کی تیاری کے سلسلے میں قتال سے قبل عمل صالح ہے جس کو اس نے قتال پر مقدم کیا ہے۔(۱)

اور علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصود آیات میں "صفا" کا لفظ ہے کہ وہ صف بناتے ہیں اور ان کا قتال سے قبل صف بندی کرنا عمل صالح قبل القتال ہے۔(۲)

۲۶۵۳ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ : حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ الْفَزَارِيُّ : حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ : سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ(۳) يَقُولُ : أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِيدِ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، أُقَاتِلُ وَأُسْلِمُ ؟ قَالَ : (أَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ) . فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (عَمِلَ قَلِيلاً وَأُجِرَ كَثِيرًا) .

تراجم رجال

ا۔محمد بن عبدالرحیم

یہ ابو یحیی محمد بن عبدالرحیم بن ابی زہیر العدوی البزاز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۲۔شبابۃ بن سوار الفزاری

یہ ابو عمرو شبابۃ بن سوار الفزاری المدائنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۳۔اسرائیل

یہ ابو یوسف اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۶)

---

(۱) المتواري (ص۱۵۱)۔

(۲) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۱۰)۔

(۳) قوله: "البراء": الحديث أخرجه مسلم (ج۲ص۱۳۸) كتاب الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، رقم (٤٩١٤)۔

(٤) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة۔

(٥) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الحيض، باب الصلاة على النفساء وسنتها۔

(٦) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب من ترك بعض الاختيار ......۔

۴۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔البراء

یہ مشہور صحابی حضرت براء بن عازب انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات ”کتاب الإیمان، باب الصلاۃ من الإیمان“ کے تحت گذر چکے۔(۱)

يقول: أتى النبيّ صلى الله عليه وسلم رجلٌ مقنعٌ بالحديد۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوہے کا خود پہن کر ایک آدمی آئے۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کا نام اصرم عمرو بن ثابت الاشہلی بتلایا ہے۔(۲)

حضرت عمرو بن ثابت اشہلی رضی اللہ عنہ

یہ عمرو بن ثابت بن وقیش بن زغبۃ بن زعوراء بن عبد الاشہل رضی اللہ عنہ ہیں، کبھی کبھار دادا کی طرف منسوب ہوکر عمرو بن وقیش بھی کہلاتے ہیں۔حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ان کی والدہ ہیں۔اصرم یا اصیرم ان کا لقب ہے۔(۳)

ابن اسحاق نے مغازی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمرو بن ثابت کا واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”أخبرني عن رجل دخل الجنة، ولم يصل صلاة؟“ کہ مجھے ایسے آدمی کے بارے میں بتلاؤ جو جنت میں داخل ہوگئے اور انہوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی پھر خود ہی فرماتے: ”هو عمرو بن ثابت“۔(۴)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص ۳۷۰-۳۷۶)۔

(۲) شرح الکرماني (ج۱۲ص ۱۱۱)۔

(۳) الإصابة (ج۲ص ۵۲۶)۔

(۴) حوالہ بالا، و فتح الباري (ج۶ص ۲۵)۔

اسی طرح ابن اسحاق نے حصین بن محمد سے اور وہ محمود بن لبید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ اسلام کے منکر تھے، جنگ احد والے دن اسلام کی حقانیت ان پر ظاہر ہوگئی تو انہوں نے اپنی تلوار اٹھائی اور قوم میں آئے اور لوگوں کے درمیان داخل ہو گئے اور خوب قتال کیا یہاں تک کہ زخمی ہو کر گر پڑے، ان کی قوم نے جب ان کو زخمی حالت میں معرکہ میں پایا تو پوچھا تم یہاں کیسے؟ آیا اپنی قوم پر شفقت کھا کر آئے ہو یا اسلام میں رغبت کی بناء پر؟ تو حضرت عمرو بن ثابت نے فرمایا: بلکہ اسلام میں رغبت کی وجہ سے آیا ہوں اور میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑائی لڑی اور جو کچھ زخم وغیرہ کا لگنا تھا وہ لگا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمام احوال سن کر) فرمایا: "إنه من أهل الجنة"۔(۱)

"مقنع بالحديد" کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے خود پہن رکھا تھا، (۲) یہ قناع سے ہے اور قناع اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جس کے ذریعے عورت اپنا سر ڈھانپتی ہے۔ (۳) چونکہ خود کے ذریعے سر کو ڈھانپا جاتا ہے اس لئے جو خود پہنے اسے "مقنع" کہتے ہیں۔ (۴)

اور اس کے معنی "المتغطي بالسلاح" کے بھی ہیں، یعنی جس نے اپنے کو اسلحے کے ذریعے ڈھانپ رکھا ہو۔ (۵)

اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اس نے اپنے چہرے کو آلات حرب سے ڈھانپ رکھا تھا۔ (٦)

فقال: يا رسول الله، أقاتل أو أسلم؟

تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! قتال کروں یا اسلام قبول کروں؟

قال: "أسلم ثم قاتل"۔ فأسلم ثم قاتل فقتل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول کرو پھر قتال کرو۔ چنانچہ اس آدمی نے اسلام قبول کیا، پھر قتال کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو پہلے اسلام قبول کرنے کو کہا کیونکہ اعمال کی قبولیت کا دار و مدار ایمان پر

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) النهاية لابن الأثير (ج٤ص١١٤)، مادة "قنع"۔

(۳) مختار الصحاح (ص٥٥٣) مادة "قنع"۔

(٤) النهاية (ج٤: ١١٤)، مادة قنعَ۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) فتح الباري (ج٦ص٢٥)۔

ہے، چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور جہاد میں شریک ہوئے۔ یہاں تک شہید ہوگئے، ماقبل میں ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات آچکی کہ یہ غزوہ احد کا واقعہ ہے۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "عمل قليلا وأجر كثيرا"۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے عمل تو تھوڑا کیا اور اس پر اجر اس کو بہت زیادہ ملا۔

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک وتعالی تھوڑے سے عمل پر بھی بہت زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں، اور یہ بندوں پر اللہ تعالی کا احسان وکرم ہوتا ہے۔(۱)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت "أسلم، ثم قاتل، فأسلم ثم قاتل" میں ہے، کہ انہوں نے غزوے میں شرکت سے قبل عمل صالح بلکہ افضل الاعمال یعنی اسلام کو اختیار کیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد قتال کیا۔(۲)

تنبیہ

علامہ عینی (۳) اور علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہما اللہ (۴) نے حدیث باب کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے افراد میں شمار کیا ہے، چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "والحديث من إفراده" کہ اس روایت کی تخریج میں امام بخاری متفرد ہیں، لیکن جیسا کہ تخریج میں گزرا یہ حدیث صحیح مسلم کتاب الامارة، باب ثبوت الجنة میں بھی موجود ہے۔(۵)

اسی طرح علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ریاض الصالحین میں حدیث باب کو ذکر کیا ہے اور فرمایا: "متفق عليه، وهذا لفظ البخاري"۔(٦)

اس لئے حدیث باب کے متعلق یہ کہنا کہ یہ افراد بخاری میں سے ہے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٦)۔

(٢) شرح ابن بطال (ج٥ ص٢٤)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٦)۔

(٤) ذخائر المواريث في الدلالة على مواضع الحديث (ج١ ص١٢٢)۔

(٥) صحيح مسلم (ج٢ ص١٣٨)، رقم (٤٩١٣ و ٤٩١٤)۔

(٦) رياض الصالحين (ص٣٩٤)، كتاب الجهاد، رقم (١٣١٠)۔

١٤ – بَاب : مَنْ أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ .

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمۃ الباب کا مقصد اس وہم کو دور کرنا ہے کہ اگر کوئی میدان جنگ میں دورانِ قتال مارا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس کے تیر سے مارا گیا، مسلمان کے تیر سے یا کافر کے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ ترجمے اور حدیث باب کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ معرکہ کا مقتول شہید ہے، اگرچہ قاتل نامعلوم ہو۔(۱)

٢٦٥٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو أَحْمَدَ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ، عَنْ قَتَادَةَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مالِكٍ(٢): أَنَّ أُمَّ الرُّبَيِّعِ بِنْتَ الْبَرَاءِ ، وَهْيَ أُمُّ حارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ ، أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ : يَا نَبِيَّ ٱللهِ ، أَلَا تُحَدِّثُنِي عَنْ حارِثَةَ – وَكانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ ، أَصابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ – فَإِنْ كانَ فِي الجَنَّةِ صَبَرْتُ ، وَإِنْ كانَ غَيْرَ ذٰلِكَ ، اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي الْبُكاءِ ؟ قالَ : (يَا أُمَّ حارِثَةَ ، إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الجَنَّةِ ، وَإِنَّ ٱبْنَكِ أَصابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلَى) .

[٣٧٦١ ، ٦١٨٤ ، ٦١٩٩]

تراجم رجال

۱۔محمد بن عبد اللہ

اس میں شراح بخاری کا اختلاف ہے کہ یہاں سند میں محمد بن عبد اللہ سے کون مراد ہیں۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ فرمایا کہ یہ محمد بن یحیی بن عبد اللہ الذہلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ان کو دادا کی طرف منسوب کر دیا ہے، یعنی محمد بن عبد اللہ، جب کہ وہ محمد بن یحیی بن

(١) الأبواب والتراجم للكاندهلوي (ص١٩٥)۔

(٢) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضا (ج٢ص٥٦٧)، كتاب المغازي، باب فضل من شهد بدرا، رقم (٣٩٨٢)، و(ج٢ص ٩٧٠و٩٧٢)، كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، رقم (٦٥٥٠)، و(٦٥٦٧)، والترمذي (ج٢ص١٥١) أبواب تفسير القران، باب ومن سورة المؤمنون، رقم (٣١٧٤)۔

عبداللہ ہیں۔(۱) اور کلاباذی نے بھی اسی پر جزم کیا ہے۔(۲)

اور ابوعلی بن السکن کی روایت میں ہے: "حدثنا محمد بن عبد الله بن المبارك المخرمي" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور کوئی راوی ہیں، اب اگر ابن السکن نے اپنی طرف سے یہ نسبت بیان کی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، ورنہ معتبر ہے۔ نیز اسی روایت کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں کتاب التوحید میں "محمد بن يحيى الذهلي عن حسين بن محمد وهو المروزي" کے طریق سے نقل فرمایا ہے۔(۳)

چنانچہ مراد اگر محمد بن یحیی بن عبداللہ الذہلی ہیں تو ان کے حالات "كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى وإذا غدا إلى عرفة" کے تحت آچکے ہیں۔

اور اگر مراد محمد بن عبداللہ بن المبارک المخرمی ہیں تو ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ نقل کیا جاتا ہے۔

یہ حافظ محمد بن عبداللہ بن المبارک القرشی المخرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوجعفر ان کی کنیت ہے اور حلوان کے قاضی تھے۔(۴) ۱۷۰ھ کے بعد ان کی ولادت ہوئی۔(۵)

یہ ابومعاویہ الضریری، یحیی القطان، ابن مہدی، ابوعامر العقدی، ابواسامہ، اسحاق بن یوسف الازرق، حسن بن موسی الاشیب، شبابۃ بن سوار، اسود بن عامر شاذان، زکریا بن عدی، صفوان بن عیسی، معلی بن منصور الرازی، حجین بن المثنی، ابونوح عبدالرحمن بن غزوان، یحیی بن یوسف، یزید بن ہارون، حسین بن محمد بن بہرام اور یعقوب بن ابراہیم بن سعد رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں امام بخاری، ابوداود، نسائی، ابوحاتم، ابراہیم الحربی، یعقوب بن سفیان، ابن خزیمہ، ابن بجیر، ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد الفرھیانی، محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، یحیی بن محمد صاعد اور حسین بن اسماعیل محاملی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۶)

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۱۱)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۰٦)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص۲٦)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۲٥ص٥۳٤)۔

(٥) سير أعلام النبلاء (ج۱۲ص۲٦٥)۔

(٦) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲٥ص٥۳٤-٥۳٦)۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا، کیا تم نے عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث "كنا نغسل الميت منا يغتسل، ومنا من لايغتسل" (کہ ہم میت کو غسل دیتے تھے، تو ہم میں سے کچھ بعد میں غسل کرتے اور کچھ غسل نہیں کرتے تھے) لکھی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ مخرم کی جانب ایک نوجوان ہے جس کو محمد بن عبداللہ کہا جاتا ہے، وہ اس حدیث کو ابوهشام المخزومی عن وهیب کے طریق سے نقل کرتا ہے، اس سے وہ حدیث لکھ لو۔(۱)

ابوبکر الباغندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان حافظاً متقنا"۔(۲)

نصر بن احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان محمد بن عبد الله المخرمي من الحفاظ المتقنين المأمونين"۔(۳)

عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كتب أبي عنه، وهو صدوق ثقة، سئل أبي عنه، فقال: ثقة ثقة"۔(۴)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة كان حافظا"۔(۵)

ایک مرتبہ امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لائے تو لوگ ان کے اردگرد جمع ہوگئے، پھر جب سب چلے گئے تو علی بن المدینی سے پوچھا گیا: "من وجدت أكيس القوم؟ فقال: "هذا الغلام المخرمي"۔(۶)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۷)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۸)

نیز فرماتے ہیں: "كان أحد الثقات، ما رأينا بالعراق مثله"۔(۹)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۵ ص۵۳٦)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج۹ ص۲۷۳)۔

(۵) حوالہ بالا۔ وقال أيضا: "ثقة مأمون"۔ تعليقات تهذيب الكمال (ج۲۵ ص۵۳۷)۔

(٦) سير أعلام النبلاء (ج۱۲ ص۲٦۷)۔

(۷) الثقات لابن حبان (ج۹ ص۱۲۱)۔

(۸) تهذيب الكمال (ج۲۵ ص۵۳۷)۔

(۹) تهذيب التهذيب (ج۹ ص۲۷۳)۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کان حافظا"۔(۱)

مسلمہ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کان أحد الثقات، جلیل القدر"۔(۲)

ابن ماکولا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کان ثبتاعالما"۔(۳)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "من أئمة الأثر"۔(۴)

یہ صحیح بخاری، ابوداود اور نسائی کے راوی ہیں۔(۵)

۲۵۴ھ کو ان کا انتقال ہوا۔(٦) رحمه الله رحمة واسعة۔

۲۔ حسین بن محمد بن بہرام تمیمی

یہ حسین بن محمد بن بہرام تمیمی مروزی مؤدب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۷) ابو احمد ان کی کنیت ہے۔(۸) جیسا کہ سند میں بھی مذکور ہے۔ بغداد کے رہائشی تھے۔(۹)

یہ اسرائیل، جریر بن حازم، ابوغسان محمد بن مطرف، شیبان النحوی، ابن ابی ذئب، مبارک بن فضالۃ، ایوب بن عتبہ، خلف بن خلیفہ، شریک النخعی اور ابواویس المدنی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل، احمد بن منیع، ابراہیم بن سعید الجوہری، عبدالرحمٰن بن مہدی، جو ان سے بہت پہلے وفات پا گئے تھے، ابوخیثمہ، محمد بن رافع، یحیی، ابن ابی شیبۃ، ذہلی، ابراہیم حربی، اسحاق حربی، محمد بن عبداللہ بن مبارک اور عباس الدوری رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۱۰)

---

(۱) تهذيب التهذيب (ج۹ ص۲۷۳)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۹ ص۲۷۳)۔

(۳) حوالہ بالا (۹: ۲۷۴)۔

(٤) الكاشف (ج۲ ص۱۸۹)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) حوالہ بالا۔ وسير أعلام النبلاء (ج۱۲ ص۲٦۷)۔

(۷) تهذيب الكمال (ج٦ ص٤۷۱)۔

(۸) طبقات ابن سعد (ج۷ ص۳۳۸)۔

(۹) تهذيب الكمال (ج٦ ص٤۷۱)۔

(۱۰) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج٦ ص٤۷۱ و ٤۷۲)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان ثقة"۔(۱)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس"۔(۲)

معاویہ بن صالح الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "قال لي أحمد بن حنبل: اكتبوا عنه، وجاء معي إليه، وسأله أن يحدثني"۔(۳)

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وكان يحفظ"۔(۴)

سبط بن العجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۵)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وهو ثقة"۔(٦)

ابن وضاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سمعت محمد بن مسعود يقول: "حسين بن محمد ثقة"، وسمعت ابن نمير يقول: "حسين بن محمد بن بهرام صدوق"۔(۷)

البتہ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تقلید میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حسین بن محمد بن بہرام کو مجہول قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''میزان الاعتدال'' میں نقل فرمایا ہے: "مجهول، كذا قاله أبو حاتم"۔(۸)

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' میں جہاں حسین بن محمد کو ذکر کیا وہاں حسین بن محمد المروزی البغدادی التمیمی المعلم اور حسین بن محمد بن بہرام کے درمیان تفریق کی اور اول کے بارے میں لکھا: سمعت أبي يقول: "أتيته مراراً بعد فراغه من تفسير شيبان، و سألته أن يعيد عليَّ بعض المجلس، فقال: بكر، بكر، ولم أسمع منه شيئا" یعنی ''میرے والد کو میں نے کہتے سنا کہ میں کئی مرتبہ ان کے تفسیر شیبان سے فارغ ہونے کے بعد ان کے پاس گیا ان سے درخواست کی کہ مجالس تفسیر میں سے بعض کا مجھے اعادہ کروادیں تو انہوں نے

(۱) طبقات ابن سعد (ج۷ص۳۳۸)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج٦ص٤٧٣)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) الكاشف (ج١ص٣٣٥)۔

(۵) حوالہ بالا، (حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف)۔

(٦) تهذيب التهذيب (ج٢ص٣٦٧)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) ميزان الاعتدال (ج١ص٥٤٧)، وتعليقات تهذيب الكمال (ج٦ص٤٧٤)۔

(ہر مرتبہ یہی) کہا کہ صبح آ ؤ اور ان سے میں نے کچھ بھی نہیں سنا"۔ اور دوسرے کے بارے میں لکھا ہے: وسمعته يقول: "هو مجهول"۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات ایک ہی ہیں، لیکن ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ ان کو پہچان نہ سکے اس لئے مجہول قرار دے دیا۔(۱)

یہ اصول ستہ کے راوی ہیں۔(۲)

۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ کو ان کا انتقال ہوا۔(۳) رحمه الله رحمة واسعة۔

۳۔ شیبان

یہ ابومعاویہ شیبان بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۴۔ قتادة

یہ قتادۃ بن دعامہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب ......" کے تحت آ چکے۔(۵)

أن أم الربيّع بنت البراء وهي أم حارثة بن سراقة أتت النبيّ صلى الله عليه وسلم۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ام الربیّع بنت البراء جو حارثہ بن سراقہ کی والدہ ہیں تشریف لائیں۔

---

(۱) تعليقات تهذيب الكمال (ج٦ص٤٧٣و ٤٧٤)، وتهذيب التهذيب (ج٢ص٣٦٧)۔

(۲) الكاشف (ج١ص٣٣٥)۔

(۳) حوالہ بالا، والكامل لابن الأثير (ج٥ص٢١٩)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب كتابة العلم۔

(۵) كشف الباري (ج٢ص٣و٤)۔

ایک اہم تنبیہ

بخاری کے تمام نسخوں میں "ام الربیّع بنت البراء" آیا ہے، لیکن یہ وہم ہے، اس پر حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تنبیہ کی ہے اور فرمایا کہ صحیح "ام حارثة بن سراقة بن الحارث بن عدی ......" ہے۔ اور ام حارثہ ربیع بنت النضر ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں، اس لئے ربیع سے پہلے ام کا لفظ درست نہیں۔ (۱)

دوسرا وہم روایت میں ربیّع کو بنت البراء کہنا ہے۔ جبکہ صحیح بنت النضر ہے، کیونکہ ربیع بنت النضر رضی اللہ عنہا کے نسب میں کوئی بھی براء نامی شخص نہیں ہے شاید یہ لفظ "ربیّع عمة البراء" ہے اور براء بن مالک حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور یہ دونوں حضرت ربیّع بنت النضر رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں۔ (۲)

چنانچہ یہی روایت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ کے طریق سے نقل فرمائی ہے، اس میں ہے: عن أنس أن الربیع بنت النضر أتت النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، وکان ابنها حارثة بن سراقة أصیب یوم بدر......۔ (۳)

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ صحیح ربیع بنت النضر ہے، نہ کہ ام الربیع بنت البراء۔

نیز ابن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ انساب، مغازی اور اسماء الصحابۃ کی کتابیں بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ام حارثہ ربیع بنت النضر عمۃ انس رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ (۴)

حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

یہ حارثہ بن سراقہ بن الحارث بن عدی الانصاری النجاری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی والدہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع بنت النضر رضی اللہ عنہا ہیں۔ (۵)

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٧)، وفتح الباري (ج٦ ص٢٦)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٢٦)۔

(۳) الجامع للترمذي (ج٢ ص١٥١)، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة المؤمنون، رقم (٣١٧٤)۔

(٤) أسد الغابة (ج٧ ص١٠٩)، اور ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الصلح، باب الصلح في الدية۔

(٥) الإصابة (ج١ ص٢٩٧)۔

یہ بدر کے دن شہید ہوئے، چنانچہ امام احمد، طبرانی، بخاری، نسائی، ترمذی رحمہم اللہ تعالی سب کا اتفاق اس پر ہے کہ یہ بدر میں شہید ہوئے۔ اور ابن اسحاق، موسی بن عقبہ اور ابوالاسود نے بھی ان کو ان صحابہ میں شمار کیا ہے جو بدر میں شریک ہوئے اور وہیں شہید بھی ہوئے، چنانچہ اہل مغازی کا اس میں اختلاف نہیں۔(۱)

لیکن ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ یہ احد میں شہید ہوئے ہیں۔(۲) اور ان کے اس قول پر ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے موافق شدید رد کیا ہے۔(۳)

بہر حال پہلا قول ہی صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: "والمعتمد الأول"۔(۴)

فقالت: يا نبي الله، ألا تحدثني عن حارثة – وكان قتل يوم بدر أصابه سهم غرب– فإن كان في الجنة صبرت۔

تو حضرت ربیع بنت النضر رضی اللہ عنہا نے کہا، اے اللہ کے نبی! کیا آپ مجھے حارثہ کے بارے میں نہیں بتلائیں گے؟ اور حارثہ بدر والے دن شہید ہوئے تھے کہ ان کو کسی نامعلوم شخص کا تیر لگا تھا، اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی۔

"سهم غرب" میں غرب یا تو سہم کی صفت ہے یا اس کا مضاف الیہ ہے۔(۵)

اور اس کے معنی ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبیدہ سے یہ نقل کئے ہیں یقال: سهم غرب: إذا كان لا يعلم من رماه۔ کہ جب تیر مارنے والے کا علم نہ ہو کہ کس نے مارا ہے تو کہا جاتا ہے سهم غرب۔(٦)

اور ابوزید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، قال: سهمُ غرْب – ساكنة الراء– إذا أتاه من حيث لايدرى، وسهم غرَب – بفتح الراء– إذا رماه فأصاب غيرَه۔(۷)

(۱) الإصابة (ج۱ ص۲۹۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) الإصابة (ج۱ ص۲۹۷)۔

(٥) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۱۱)۔

(٦) شرح ابن بطال (ج٥ ص۲٥)۔

(۷) شرح ابن بطال (ج٥ ص۲٥)۔

یعنی "غـرب" راء کے سکون کے ساتھ ہوتو معنی یہ ہوں گے جب کسی کو نامعلوم جانب سے تیر لگے اور اگر راء کے فتحہ کے ساتھ ہوتو معنی یہ ہوں گے کہ تیر مارا تو کسی کو لیکن کسی دوسرے اور کو لگ جائے۔

وإن كان غير ذلك اجتهدت عليه في البكاء.

اور اگر اس کے علاوہ اور کوئی بات ہوئی تو میں اس پر خوب روؤں گی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت نقل کی ہے اور اس میں "اجتهدت عليه في الدعاء" (١) واقع ہوا ہے، لیکن یہ غلط ہے اور صحیح روایت باب ہی ہے یعنی "في البكاء"۔ (٢)

حدیث باب سے علامہ خطابی کا نوحے کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب سے نوحہ کے جواز پر استدلال کیا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"وفيه أنه لم يعنفها على قولها: اجتهدت عليه في البكاء"۔ (٣)

اور حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے ان پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تحریم نوحہ سے پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ نوحہ کی حرمت غزوہ احد کے بعد ہوئی ہے اور یہ غزوہ بدر کا واقعہ ہے، اس لئے مذکورہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ (٥)

لیکن علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حضرات کے اعتراض اور جواب کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی اس بات میں نظر ہے، جو مخفی نہیں کیونکہ ام حارثہ رضی اللہ عنہا نے اجتهدت عليه في النوح نہیں کہا، بلکہ "اجتهدت عليه في البكاء" کہا ہے اور اجتہاد فی البکاء سے نوحہ لازم نہیں آتا، نوحہ اور بکاء میں تو بڑا فرق ہے، نوحے کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ بین کر کے رویا جائے، جب کہ بکاء کی وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی غمگین ہوتا ہے تو اس کے منہ سے آواز نکل جاتی ہے، چیخ بھی نکل جاتی ہے اور یہ ناجائز نہیں ہے۔ اور یہ بکاء ہے نوحہ نہیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول سے ان دو حضرات

---

(١) الجامع للترمذي (ج٢ ص١٥١)، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة المؤمنون، رقم (٣١٧٤)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٧)۔

(٣) أعلام الحديث (ج٢ ص١٣٦٢)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٢٧)۔

نے جو استدلال کیا اور اس کا جو مفہوم بیان کیا ہے، وہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ انہوں نے "لم یعنفها علی قولها" کے ذریعے حدیث میں مذکور بکاء کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میت پر دفن سے قبل اور اس کے بعد دونوں وقت رونا بالاتفاق جائز ہے۔(۱)

قال: "يا أم حارثة، إنها جنان في الجنة، وإن ابنكِ أصاب الفردوس الأعلى"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ام حارثہ! جنت میں بہت سے باغات ہیں اور تمہارا بیٹا تو فردوس اعلی میں پہنچ گیا ہے۔

إنها کی ضمیر میں احتمالات

"إنها" کی جو ضمیر ہے وہ ضمیر مبہم ہے اور اس کی تفسیر مابعد کے قول میں ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: "هي العرب تقول ماتشاء"۔ (۲) چنانچہ اس مثال میں "هي" ضمیر مبہم ہے، اس کی تفسیر مابعد والا کلمہ یعنی "العرب" کر رہا ہے کہ "هي" سے مراد "العرب" ہیں، اسی طرح "إنها" کی جو ضمیر ہے اس کی تفسیر مابعد والا کلمہ یعنی "جنان" کر رہا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ضمیر شان ہو اور جنان مبتدا ہو اور اس کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔(۳)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حارثہ رضی اللہ عنہا کو مذکورہ بالا خوش خبری سنائی تو حضرت ام حارثہ رضی اللہ عنہا اس حالت میں وہاں سے لوٹیں کہ ہنس رہی تھیں اور فرما رہی تھیں: "بخ بخ لك يا حارثة"۔(۴)

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل واضح ہے کہ ترجمے میں "سهم غرب" کا ذکر ہے اور حدیث باب میں بھی "سهم غرب" کا ذکر موجود ہے۔(۵)

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۱۲)، وأيضاً انظر موسوعة النحو والصرف والإعراب، (ص۴۲۹)؛ بحث الضمير۔

(۲) شرح القسطلاني (ج۵ص۴۸)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۰۷)۔

(۴) حوالہ بالا (ص۱۰۶)۔

١٥ – باب : مَنْ قاتَلَ لِتكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيا .

اختلاف نسخ

یہاں صحیح بخاری شریف کے تمام نسخوں میں باب سے پہلے بسملہ بھی مذکور ہے جبکہ ابو ذر کے نسخے میں بسملہ ساقط ہے۔(۱)

ماقبل سے مناسبت

گذشتہ ابواب میں مختلف طریقوں کے ذریعے شہید کی فضیلت اور مراتب کو بیان کیا گیا ہے اور اس باب میں حقیقی شہید کی علامات بیان کی جارہی ہیں کہ حقیقی شہید وہ ہے جس کا قتال کلمۃ اللہ کے اعلاء کے لئے ہو، تب ہی ان مراتب اور فضائل کو حاصل کیا جاسکتا ہے جن کا شہید سے وعدہ کیا گیا ہے، ورنہ نہیں۔

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمۃ الباب کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتال کرنے والے کی فضیلت کو بیان کرنا ہے اور شرط کی جزاء محذوف ہے یعنی فهو المعتبر کہ اگر قتال اللہ کے کلمہ کے اعلاء کے لئے ہوگا تو معتبر ہوگا۔(۲)

٢٦٥٥ : حدّثنا سُلَيمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ[٣] قالَ : جاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقالَ : الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانُهُ ، فَمَنْ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ؟ قالَ : (مَنْ قاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ ٱللهِ هِيَ الْعُلْيَا ، فَهُوَ فِي سَبِيلِ ٱللهِ) . [ر : ١٢٣]

---

(١) شرح القسطلانی (ج٥ص٤٨)۔

(٢) فتح الباري (ج٦ص٢٨)۔

(٣) قوله: "عن أبي موسى رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، باب من سأل وهو قائم عالما جالسا۔

تراجم رجال

ا۔سلیمان بن حرب

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب من کرہ أن یعود في الکفر ......" کے تحت آچکا۔(۱)

۲۔شعبہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون ...." کے تحت گذر چکے۔(۲)

۳۔عمرو

یہ عمرو بن مرہ بن عبداللہ بن طارق ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔ابووائل

یہ ابووائل شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط ......" کے ذیل میں آچکے۔(۴)

۵۔ابوموسی

یہ مشہور صحابی حضرت ابوموسی عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب أي الإسلام أفضل؟" کے تحت گذر چکا۔(۵)

قال: جاء رجل إلی النبي صلی اللہ علیه وسلم، فقال: الرجل یقاتل للمغنم، والرجل

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۱۰۵)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص۶۷۸)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الأذان، باب تسویة الصفوف عند الإقامة وبعدها۔

(٤) کشف الباري (ج۲ص۵۵۹)۔

(٥) کشف الباري (ج۱ص۶۹۰)۔

يقاتل للذكر، والرجل يقاتل ليرى مكانه، فمن في سبيل الله؟

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پس کہا، آدمی غنیمت کے لئے قتال کرتا ہے اور آدمی شہرت کے لئے قتال کرتا ہے اور آدمی دکھاوے کے لئے لڑتا ہے تو ان سے فی سبیل اللہ کون ہے؟

رجل سے کون مراد ہے؟

یہاں روایت باب میں رجل آیا ہے جبکہ یہی روایت "غندر عن شعبة" کے طریق سے بھی امام بخاری نے نقل فرمائی ہے، اس میں "قال أعرابي" ہے۔(۱)

اور اس اعرابی کو لاحق بن ضمیرہ سے موسوم کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ان کی حدیث ابوموسی المدینی نے "الصحابة" میں عفیر بن معدان کے طریق سے نقل کی ہے اور اس میں ہے: سمعت لاحق بن ضميرة الباهلي قال: وفدت على النبي صلى الله عليه وسلم، فسألته عن الرجل يلتمس الأجر والذكر، فقال: "لاشيء له" وفي إسناده ضعف۔(۲)

اسی طرح کی روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے: "عن معاذ بن جبل أنه قال: يا رسول الله، كل بني سلمة يقاتل؛ فمنهم من يقاتل رياء......" اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بھی وہی سوال کیا ہو جو اس اعرابی نے کیا، کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا سوال خاص ہے، یعنی اس میں سوال کا تعلق بنوسلمہ سے ہے، جب کہ اعرابی کا سوال عام ہے۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اعرابی کہا جائے، اس لئے روایات مذکورہ کو تعدد قصہ پر محمول کیا جائے گا۔(۳)

---

(۱) انظر الصحيح للبخاري (ج۱ص۴۴۰)، كتاب فرض الخمس، باب من قاتل للمغنم، هل ينقص من أجره؟ رقم (۳۱۲٦)۔

(۲) فتح الباري ج٦ص۲۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

ریاء اور سمعہ دونوں مذموم ہیں

روایت باب میں "والرجل یقاتل لیری مکانه" وارد ہوا ہے، جبکہ اعمش عن ابی وائل کے طریق میں "ویقاتل ریاء" آیا ہے۔(۱)

چنانچہ روایت باب کا مفہوم تو سمعہ (شہرت) ہے اور دوسری روایت ریاء سے متعلق ہے، لیکن بہر حال دونوں مذموم ہیں۔(۲)

قال: "من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله".

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اس لئے قتال کیا کہ اللہ تعالی کا کلمہ بلند ہو وہ فی سبیل اللہ ہے۔

"كلمة الله" سے مراد کلمۂ توحید ہے، چنانچہ جو شخص کلمۂ توحید کی سربلندی کے لئے قتال کرے گا وہ مقاتل فی سبیل اللہ ہے، نہ کہ طالب غنیمت و شہرت اور شجاعت و بہادری کا اظہار کرنے والا۔(۳)

حدیث باب کے طرق مختلفہ کا حاصل

حدیث باب کے مختلف طرق کو سامنے رکھنے سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ قتال کے پانچ اسباب ہو سکتے ہیں: ۱۔ طلب غنیمت، ۲۔ اظہار شجاعت، ۳۔ دکھاوا، ۴۔ حمیت اور ۵۔ غضب۔ اور ان میں سے ہر سبب مدح و ذم کا پہلو رکھتا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے سوال کا جواب اثبات اور نفی میں نہیں دیا۔ بلکہ یہ فرمایا: "من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله" (۴) کہ جس کا قتال اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے ہوگا وہی قتال فی سبیل اللہ ہے۔

آپ ﷺ کا جواب جوامع الکلم میں سے ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا جواب بلاغت اور ایجاز کے اعلی پیمانے کا حامل ہے اور یہ جملہ جوامع الکلم

---

(۱) انظر الصحيح للبخاري (ج۲ ص۱۱۱۱)، كتاب التوحيد، باب قوله تعالى: ﴿ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين﴾، رقم (۷٤۵۸)۔
(۲) فتح الباري (ج٦ ص۲۸)۔
(۳) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۱۳)۔
(٤) فتح الباري (ج٦ ص۲۸)۔

میں سے ہے، اس لئے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کے ذکر کردہ امور کا جواب دیتے کہ وہ فی سبیل اللہ میں داخل نہیں ہیں تو اس بات کا احتمال تھا کہ ان کے علاوہ قتال اگر کسی اور سبب سے ہو تو وہ فی سبیل اللہ ہے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جامع و مانع جملہ اختیار فرمایا اور جواب میں ماہیت قتال سے مقاتل کے حال کی طرف عدول کیا۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

ترجمۃ کے ساتھ حدیث باب کی مناسبت بالکل واضح اور ظاہر ہے اور مناسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا" میں ہے۔(۲)

۱۶ - باب : مَنْ اَغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .

ماقبل سے مناسبت

باب سابق میں اس شخص کی فضیلت کا ذکر تھا جو خالص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرے اور اس باب میں اللہ کے راستے میں قدمین کے غبار آلود ہونے کی فضیلت کا ذکر ہے۔

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمۃ الباب کا مقصد واضح ہے کہ اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قتال فی سبیل اللہ میں قدمین کے غبار آلود ہونے کی فضیلت بیان کر رہے ہیں۔

اور قدمین کے غبار آلود ہونے کا مطلب کفار کے ساتھ لڑائی میں اندھا دھند گھس جانا ہے اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ لوگوں کے آپس میں ٹکرانے ہی سے غبار اڑتا ہے اور یہ غبار اگرچہ سارے اعضاء کو شامل ہوتا ہے

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٢٩)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٠٨)۔

لیکن قدمین کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام حرکات میں قدم ہی اصل اور عمدہ ہوتے ہیں۔(١)

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: «ما كانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللهِ – إِلَى قَوْلِهِ – إِنَّ اللهَ لا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ» /التوبة: ١٢/.

آیت کا ترجمہ

اور اللہ تعالی کا قول ہے: مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گردو پیش رہتے ہیں ان کو یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ زیبا تھا کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں، اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ یعنی جہاد میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی، ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا، یقیناً اللہ تعالی محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔(٢)

آیت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت آیت کے اس جزء میں ہے:
﴿ولا يطئون موطئا يغيظ الكفار ولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح﴾ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل صالح کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ جس شخص کے قدمین اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں گے اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کا وعدہ پکا ہے۔(٣)

اور ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کی مطابقت ترجمہ کے ساتھ اس طرح ہے کہ اللہ تعالی نے اس کے راستے میں اٹھنے والے قدموں پر بھی ثواب کا وعدہ کیا ہے اگرچہ وہ قتال نہ کریں۔(٤)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ص١٠٨) و شرح القسطلاني (ج٥ص٤٨)۔
(٢) بيان القرآن (ج١ سورة التوبة، الأية /١٢٠)۔
(٣) شرح ابن بطال ج٥ص٢٦)۔
(٤) المتواري (ص١٥٢)۔

٢٦٥٦ : حدّثنا إسحٰق : أخبرنا محمّد بن المبارك : حدّثنا يحيى بن حمزة قال : حدّثني يزيد بن أبي مريم : أخبرنا عباية بن رافع بن خديج قال : أخبرني أبو عبس(١)، هو عبد الرّحمن بن جبر : أنّ رسول الله ﷺ قال : (ما اغبرّت قدما عبد في سبيل الله فتمسّه النّار) .
[ر : ٨٦٥]

تراجم رجال

۱۔اسحاق

یہ اسحاق بن منصور بن بہرام کوسج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب حسن اسلام المرء" کے تحت گذر چکا۔(۲)

۲۔محمد بن المبارک

یہ ابوعبداللہ محمد بن المبارک بن یعلی قرشی صوری قلانسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔دمشق کے رہنے والے تھے۔(۳)
۱۵۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔(۴)

یہ معاویہ بن سلام، عطاء بن مسلم الخصاف، صدقۃ بن خالد، یحیی بن حمزۃ الحضرمی، ہیثم بن حمید الغسانی، اسمعیل بن عیاش، مالک، دراوردی، مغیرہ بن عبدالرحمن الحزامی، عمرو بن واقد، عیسی بن یونس اور ابن عیینہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے محمد، اسحاق بن منصور کوسج، عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی، عبدالسلام بن عتیق، عمران بن بکار، محمد بن یحیی الذہلی، عبیداللہ بن فضالہ، محمد بن عوف، محمد بن محمد بن مصعب الصوری، وحشی، محمد بن مصفی، علی بن عثمان نفیلی، احمد بن یوسف سلمی، عباس بن محمد ترقفی، ابوزرعہ دمشقی، موسی بن عیسی بن

---

(١) قوله: "أبو عبس رضي الله عنه": الحديث مر تخريجه في كتاب صلاة الجمعة، باب المشي إلى الجمعة۔
(٢) كشف الباري (ج٢ص٤٢٠)۔
(٣) تهذيب الكمال (ج٢٦ص٣٥٢)۔
(٤) الثقات لابن حبان (ج٩ص٧١)۔

المنذر رحمہم اللہ اور دوسرے حضرات شامل ہیں۔(۱)

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن عقبہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:"سمعت مروان بن محمد يقول: ليس فينا مثله، يعني محمد بن المبارك"۔(۲)

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"شهدت جنازته في شوال سنة خمس عشرة ومئتين، وصلى عليه أبو مسهر بباب الجباية، فلما فرغ أثنى عليه، وقال: يرحمه الله، فإنه ...... فذكر جميلا"۔(۳)

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "محمدبن المبارك شيخ الشام بعد أبي مسهر"۔(۴)

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هذا رجل الشام بعد أبي مُسهر"۔(۵)

عجلی اور ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"ثقة"۔ (۶)

دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔(۷)

ابن شاھین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۸)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے اور فرمایا: "وكان من العباد"۔(۹)

ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ذو العقل الوافي، والورع الصافي، والبيان الشافي"۔(۱۰)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۶ص۳۵۲-۳۵۴)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲٦ص٣٥٤)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) سنن الدار قطني (ج۱ص۳۲۰ وج۲ص۱۸٤)۔

(۸) تهذيب التهذيب (ج۹ص٤٢٤)۔

(۹) الثقات لابن حبان (ج۹ص۷۱)۔

(۱۰) حلية الأولياء (ج۹ص۲۹۸)۔

علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ان جلیل القدر الفاظ سے یاد فرمایا ہے: "الإمام، العابد، الحافظ، الحجة، الفقيه، مفتي دمشق"۔(۱)

خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۲)

ذھلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان أفضل من رأيت بالشام"۔(۳)

حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: "وثّقه جماعة"۔(۴)

یہ اصول ستہ کے راوی ہیں۔(۵) جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی صرف ایک ہی روایت لی ہے۔(۶) جیسا کہ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابھی گذرا ہے، ان کی وفات ۲۱۵ھ میں ہوئی۔

رحمه الله تعالى رحمة واسعة۔

تنبیہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "وأحاديثه تستنكر"۔(۷)

لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ حافظ ذھبی نے ان کا ترجمہ ''میزان الاعتدال'' میں اصلاً نقل ہی نہیں کیا اور دراصل ان کا مذکورہ بالا قول محمد بن المتوکل العسقلانی کے بارے میں ہے اور حافظ صاحب کو یہاں تسامح ہوا ہے۔(۸)

فائدہ

عبداللہ بن محمد الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سمعت محمد بن المبارك يقول: "ما آمن بالله من

---

(۱) سير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۳۹۰)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۹ص۴۲۴)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تذكرة الحفاظ (ج۱ص۳۸۷)۔

(۵) الكاشف (ج۲ص۲۱۴)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۳۹۱)۔

(۷) تهذيب التهذيب (ج۹ص۴۲۴)۔

(۸) تعليقات تهذيب الكمال (ج۲۶ص۳۵۵)۔

رجا مخلوقا فیما ضمن اللّٰه له"۔(۱)

یعنی جس چیز کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس پر جس نے مخلوق سے امید رکھی وہ اللہ پر ایمان نہیں لایا۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کی جملہ ضروریات و حاجات کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے، اب اگر کوئی آدمی مخلوق سے ضروریات کے حصول کا خواہش مند ہے تو اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اگر اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہوتا تو مخلوق سے اپنی امیدیں وابستہ نہ کرتا۔

۳۔ یحیی بن حمزہ

یہ ابوعبدالرحمٰن یحیی بن حمزہ بن واقد حضرمی بلتہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔ یزید بن ابی مریم

یہ ابوعبدالرحمٰن یزید بن ابی مریم انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔ عبایۃ بن رافع بن خدیج

یہ عبایۃ بن رفاعۃ بن رافع بن خدیج انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۶۔ ابوعبس

یہ ابوعبس عبدالرحمٰن بن جبر بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔(۳)

أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "مااغبرتا قدما عبد في سبیل اللّٰه فتمسه النار"۔

حضرت ابوعبس عبدالرحمٰن بن جبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی بھی آدمی کے قدمین اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوتے ہیں تو جہنم کی آگ اس کو نہیں چھوتی۔

حموی اور مستملی کی روایت میں "اغبرتا" تثنیہ کے ساتھ ہے، یہ ایک لغت ہے، جبکہ باقی کے ہاں "اغبرت" ہے اور یہی فصیح ہے۔(۴)

---

(۱) حلیة الأولیاء (ج۹ص۲۹۹)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الجنایز، باب ماینهی من الحلق عند المصیبة۔

(۳) ان تینوں حضرات کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الجمعة، باب المشي إلی الجمعة۔

(٤) فتح الباري (٦ص ٣٠)، وشرح القسطلاني (ج٥ص٤٩)۔

اللہ کے راستے میں حرکات وتصرفات کی عظمت

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ غبار کے ہوتے ہوئے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی اور اس میں اللہ عزوجل کے راستے میں تصرفات وحرکات کی عظمت کی طرف اشارہ ہے ذرا اندازہ لگائیے کہ اگر صرف قدمین پر غبار کے لگنے سے جہنم کی آگ حرام ہوتی ہے تو اس شخص کا کیا مرتبہ وفضیلت ہوگی جس نے اپنی پوری طاقت، قوت اور کوشش اللہ کے راستے میں لگادی ہو۔(۱)

حدیث باب کی ہم معنی دیگر احادیث

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت باب کے ہم معنی روایت نقل کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک غزوے میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من اغبرت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تو وہ اپنی اپنی سواریوں سے کود پڑے اور اس دن سے زیادہ لوگوں کو ہم نے پیدا چلتے نہیں دیکھا۔(۲)

اسی طرح علامہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من اغبرت قدمه في سبيل الله باعد الله منه النار مسيرة ألف عامٍ للراكب المستعجل"۔(۳)

"یعنی جس کا قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوا تو اللہ تعالی اس سے جہنم کی آگ کو اتنا دور کردیں گے جتنا ایک تیز سوار کی ایک ہزار سال کی مسافت ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک تیز رفتار سوار ایک ہزار سال میں جتنی مسافت طے کرے گا اس کے بقدر اللہ عزوجل اس شخص سے جہنم کی آگ کو دور فرمادیں گے جس کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوئے ہوں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے اور وہ "ما اغبرتا قدما عبد ......" میں ہے۔(۴)

(۱) فتح الباري (ج٦ص ٣٠)۔

(۲) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (ج٨ص٦٢)۔

(۳) مجمع الزوائد للهيثمي (ج٥ص٢٨٥)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٠٩)۔

۱۷ - باب : مَسْحِ الْغُبَارِ عَنِ الرَّأْسِ فِي السَّبِيلِ .

ماقبل سے ربط

باب سابق میں اللہ تعالی کے راستے میں قدموں کے غبار آلود ہونے کی فضیلت کا ذکر تھا۔اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ قدمین جوغبار سے آلودہ ہوئے ہیں، اگرچہ ہے تو فضیلت کی چیز، لیکن اس کا صاف کرنا جائز اور مباح ہے۔

مقصد ترجمۃ الباب

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمہ سے سر سے غبار جہاد کے مسح کی عدم کراہیت کا بیان ہے، یعنی اللہ کے راستے میں سر وغیرہ کو لگے ہوئے غبار کو صاف کرنے کی عدم کراہیت کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۱)

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں بعض حضرات وضوء کے بعد مسح بالمندیل کو مکروہ و ناپسندیدہ سمجھتے تھے، اس لئے متبادر الی الذہن یہ ہوتا ہے کہ آثار جہاد یعنی غبار وغیرہ کا مسح بھی ناپسندیدہ اور مکروہ ہوگا تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔(۲)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آثار جہاد اور آثار وضوء کے درمیان فرق اس اعتبار سے ہے کہ نظافت مطلوب شرعی ہے، غبار آثار جہاد میں سے ہے، چنانچہ جب جہاد ختم ہوگیا تو اس کے آثار کے باقی رکھنے کے کوئی معنی نہیں، جب کہ وضوء سے مقصود نماز ہے تو یہ مستحب ٹھہرا کہ مقصود کے حاصل ہونے تک آثار کو بھی باقی رکھا جائے۔اس طرح دونوں مسحوں میں واضح فرق ہے۔(۳)

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۰۹)۔

(۲) المتواري (ص۱۵۳)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص۳۰)۔

٢٦٥٧ : حدّثنا إبْراهِيمُ بْنُ مُوسَى : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا خالِدٌ ، عَنْ عِكْرِمَةَ (١) : أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قالَ لَهُ وَلِعَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ : ٱئْتِيَا أَبَا سَعِيدٍ فَٱسْمَعَا مِنْ حَدِيثِهِ . فَأَتَيْنَاهُ وَهُوَ وَأَخُوهُ فِي حائِطٍ لَهُمَا يَسْقِيَانِهِ ، فَلَمَّا رَآنَا جاءَ فَٱحْتَبَى وَجَلَسَ ، فَقَالَ : كُنَّا نَنْقُلُ لَبِنَ الْمَسْجِدِ لَبِنَةً لَبِنَةً ، وَكانَ عَمَّارٌ يَنْقُلُ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ ، فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ وَمَسَحَ عَنْ رَأْسِهِ الْغُبَارَ ، وَقالَ : (وَيْحَ عَمَّارٍ ، تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ ، عَمَّارٌ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ) . [ر : ٤٣٦]

تراجم رجال

ا۔ابراہیم بن موسی

یہ ابواسحاق ابراہیم بن موسی بن یزید الفراء رازی تمیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۲۔عبدالوہاب

یہ عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان" کے تحت آچکا۔(۳)

۳۔خالد

یہ خالد بن مہران حذاء رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴۔عکرمہ

یہ مشہور مفسر، حضرت عکرمہ مولی ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ "كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم ......" کے تحت گذر چکا۔(۴)

---

(۱) قوله: "عن عكرمة رحمه الله": الحديث مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب التعاون في بناء المسجد۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الحيض، باب غسل الحائض رأس زوجها......۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۲٦)۔

(٤) كشف الباري (ج۳ص۳٦١- ۳۷۰)۔

۵۔ابن عباس

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث اور "كتاب الإيمان، باب كفران العشير......" کے تحت آ چکے۔(۱)

حدیث کا ترجمہ

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اور علی بن عبداللہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے ان کی حدیث سنو۔تو ہم ان کے پاس آئے، وہ اور ان کے بھائی اپنے ایک باغ میں تھے اور وہ اسے پانی دے رہے تھے، جب انہوں نے ہمیں دیکھا تو بصورت احتباء بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے اور عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گذرے اور ان کے سر سے غبار صاف کیا اور فرمایا: عمار کی بے کسی قابل افسوس ہے، ان کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، یہ ان کو اللہ کی طرف بلاتے ہوں گے اور وہ ان کو دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے۔

روایت باب کے بعض اجزاء کی توضیح

روایت میں علی بن عبداللہ سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے علی ہیں۔(۲)

"فاحتبى" یہ باب افتعال سے ہے اور احتباء کے معنی یہ ہیں کہ سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد سہارا لینے کے لئے دونوں ہاتھ باندھ لینا، یا کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھنا۔(۳)

"ویح" کلمۂ ترحم ہے، اور فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔(۴)

---

(۱) كشف الباري (ج۱ص ٤٣٥ و ٢٠٥)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص ٥٤١) اور علی بن عبداللہ کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب التعاون في بناء المسجد۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٠٩)، والقاموس الوحيد (ص٣٠٩) مادة "حبي"۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٠٩)، وموسوعة النحو والصرف والإعراب (ص٧١٧)۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ کے یہ بھائی کون ہیں؟

حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب کے الفاظ پر اشکال کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث کے یہ الفاظ درست نہیں "وهو وأخوه" کیونکہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے صرف ایک ہی نسبی بھائی قتادہ بن النعمان الظفری رضی اللہ عنہ تھے، جوان کے ماں شریک بھائی تھے، لیکن ان کا انتقال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوگیا تھا، اس وقت علی بن عبداللہ بن عباس کے ولادت ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری ایام میں پیدا ہوئے تھے، چنانچہ علی بن عبداللہ کی ملاقات قتادہ بن النعمان الظفری رضی اللہ عنہ سے کس طرح درست ہوسکتی ہے؟(۱)

اسی طرح حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات بھی حضرت قتادہ بن النعمان الظفری رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں کیونکہ وہ بھی عہد فاروقی کے بعد ہی پیدا ہوئے ہیں۔(۲)

اس اشکال کا جواب علامہ کرمانی نے ایک تو یہ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی ان کے رضائی بھائی ہوں، اسی جواب کو حافظ صاحب نے بھی اختیار کیا ہے۔(۳)

اور دوسرا جواب علامہ کرمانی نے یہ دیا کہ مراد أخ في الإسلام بھی ہوسکتا ہے۔(۴) اللہ تعالی کا ارشاد ہے:
﴿إنما المؤمنون إخوة﴾۔(۵)

"الفئة الباغية" سے کونسی جماعت مراد ہے؟

حدیث باب میں آیا ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی جماعت قتل کرے گی کہ یہ ان کو اللہ کی طرف بلائیں گے اور وہ ان کو جہنم کی آگ کی طرف۔ اب سوال یہ ہے کہ "الفئة الباغية" سے کونسی باغی جماعت مراد ہے؟

۱۔ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "الفئة الباغية" سے اہل مکہ مراد ہیں، جنہوں نے حضرت عمار

---

(۱) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج۱٤ ص۱۰۹)، وإرشاد الساري (ج۵ ص٤۹)۔

(۲) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۱٤)۔

(۳) حوالہ بالا، و فتح الباري (ج۱۱ ص٤٥)۔

(٤) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۱٤)۔

(٥) الحجرات/۱۰۔

بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مکہ سے باہر نکال دیا اور شدید اذیت سے دوچار کیا تھا۔

رہا یہ سوال کہ حدیث میں فعل تو مضارع کے استعمال کئے گئے ہیں، یعنی تقتلہ، یدعوهم اور یدعونه جو مستقبل میں ان تمام حالات کے وقوع پر دلالت کررہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل مضارع یہاں ماضی کے معنی میں مستعمل ہے اور یہ استعمال اہل عرب کے ہاں شائع وذائع ہے۔(۱)

۲۔ جب کہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ وہ واقعہ جنگ صفین میں پیش آیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، اس جنگ میں ایک طرف چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے تو دوسری جانب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی، اس لئے "الفئة الباغية" کے معنی الجماعة المخطئة کے ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی صادر ہوئی تھی، اسی جنگ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔(۲)

۳۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "الفئة الباغية" سے خوارج مراد ہیں، لیکن یہ توجیہ ہر اعتبار سے بدیہی البطلان ہے، کیونکہ خوارج کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج بالاتفاق حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوا ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولايصح أن يقال أن مراده "الخوارج" الذين بعث علي عمارا يدعوهم إلى الجماعة؛ لأن الخوارج إنما خرجوا على علي بعد قتل عمار بلا خلاف، فإن ابتداء أمر الخوارج كان عقب التحكيم، وكان التحكيم عقب انتهاء القتال بصفين، وكان قتل عمار قبل ذلك قطعا"۔(۳)

پھر علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں راجح جواب علامہ کرمانی کا ہے، کیونکہ حدیث کا ظاہر سیاق ان کی موافقت کررہا ہے، جب کہ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبنی بر ادب ہے کہ انہوں نے بطور ادب اہل صفین کی طرف بغاوت کی نسبت سے احتراز کیا ہے۔(۴)

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ص۲۷)۔

(۲) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۱٤)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٠٩ و۱۱۰)۔

(۳) إرشاد الساري (ج۵ص۵۰)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١١٠)، و شرح القسطلاني (ج۵ص۵۰)۔

حدیث کی بقیہ تشریحات "کتاب الصلاۃ، باب التعاون فی بناء المسجد" کے تحت گذر چکی ہیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ اس جملے میں ہے: "ومسح عن رأسه الغبار"۔(۱)

۱۸ - باب : الْغَسْلِ بَعْدَ الحَرْبِ وَالْغُبَارِ .

ماقبل سے مناسبت

باب سابق میں غبار وغیرہ کے مسح کی عدم کراہیت کا بیان تھا اور اس باب میں اس غبار کے غسل اور دھونے کی عدم کراہیت کا بیان ہے۔

مقصد ترجمہ

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جنگ کے بعد غبار کے دھونے کے جواز کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۲)

بلکہ یہ فعل نظافت کے نقطۂ نگاہ سے بھی بہتر اور اولی ہے، جیسا کہ باب سابق میں گذرا۔

جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ بالا دو چیزوں پر مشتمل ہے، ایک غسل، دوسرے غبار، چنانچہ ایک امر تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے فراغت کے بعد غسل فرمایا تھا، دوسرے اس امر کا بیان ہے کہ جبریل امین کا سر اس جنگ میں غبار آلود تھا۔(۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٠٩)۔

(۲) شرح السطلاني (ج٥ص٥٠)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١١٠)۔

(١)
٢٦٥٨ : حدّثنا مُحَمَّدٌ : أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا رَجَعَ يَوْمَ الخَنْدَقِ ، وَوَضَعَ السِّلَاحَ وَاغْتَسَلَ . فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ وَقَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ الْغُبَارُ ، فَقَالَ : وَضَعْتَ السِّلَاحَ . فَوَاللّٰهِ ما وَضَعْتُهُ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (فَأَيْنَ) . قالَ : هَا هُنَا . وَأَوْمَأَ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ . قالَتْ : فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ . [٣٨٩١]

تراجم رجال

ا۔محمد

یہ ابوعبداللہ محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔عبدہ

یہ عبدہ بن سلیمان بن حاجب کلابی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ ”كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: أنا أعلمكم بالله ......“ کے تحت آچکا۔(۲)

۳۔ہشام

یہ ابوالمنذر ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴۔عروہ

یہ حضرت عروہ بن زبیر بن عوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔عائشہ

یہ ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ان تینوں کے حالات ”بدء الوحي“ کی دوسری حدیث کے تحت آچکے۔(۳)

---

(۳) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب الخيمة في المسجد للمرضى وغيرهم۔

(١) كشف الباري (ج٢ص٩٣ و٩٤)۔

(٢) كشف الباري (ج١ص٢٩)۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما رجع يوم الخندق ووضع السلاح واغتسل. فأتاه جبريل وقد عصب رأسه الغبارُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس آئے تو آپ نے اسلحہ رکھا اور غسل فرمایا کہ اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور ان کے سر پر غبار جما ہوا تھا۔

"قد عصب رأسه" یہ جملہ حالیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح سر پر پٹی بندھی ہوتی ہے اور اس پٹی نے سارے سر کا احاطہ کیا ہوتا ہے اسی طرح غبار نے بھی حضرت جبریل علیہ السلام کے سر کا احاطہ کیا ہوا تھا۔(۱)

اور حدیث باب سے متعلقہ دیگر تفصیلات مغازی میں آئیں گی۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کی مناسبت ان الفاظ میں ہے: "واغتسل، فأتاه جبريل وقد عصب رأسه الغبار"۔(۳)

۱۹ - باب : فَضْلِ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى :

«وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ . فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَنْ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ . يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ» /آل عمران: ۱۶۹-۱۷۱/.

ماقبل سے مناسبت

سابقہ ابواب میں اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کی مختلف فضیلتوں کا ذکر تھا، اس باب میں بھی شہید فی

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۱۰)، وقال العلامة الخطابي رحمه الله في أعلام الحديث (ج۲ص۱۳٦٤) "قوله: عصب رأسه الغبار، معناه: ركب رأسه الغبار وعَلِقَ به۔ يقال: عصب الريق بفمي: إذا جف، فبقيت منه لزوجة تمسك الفم"۔

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي (ص۲۹۹و۳۰٦-۳۰۹)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۱۰)۔

سبیل اللہ کی ایک خاص فضیلت کا ذکر ہے، وہ یہ کہ شہید مردہ نہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں اور یہ کہ ان کے رب کی طرف سے ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں ان حضرات کی فضیلت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کے بارے میں آیات ﴿ولا تحسبن الذین قتلوا......﴾ (۱) نازل ہوئی ہے۔

اور ترجمۃ الباب کی تقدیری عبارت یوں ہے "باب فضل من ورد فیه قول الله تعالی ....." کیونکہ ترجمۃ الباب کے ظاہری الفاظ یہاں مراد نہیں ہیں، اسی لیے اسماعیلی نے ترجمہ سے فضل کا لفظ حذف کیا ہے۔ (۲)

ترجمۃ الباب میں مذکور آیات کا خلاصہ

مذکورہ بالا آیات میں اس امر کا ذکر ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں شہادت کا بلند رتبہ پاتے ہیں ان کو اموات کہنا چاہئے اور نہ ہی سمجھنا چاہئے، کیونکہ وہ احیاء ہیں، زندہ ہیں اور ان کو ان کے رب کے پاس رزق بھی عطا کیا جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالی نے جو فضل وکرم ان کے ساتھ فرمایا ہے اس پر وہ خوش اور راضی ہیں اور یہ کہ اللہ تبارک و تعالی محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

حیات الشہداء کی حقیقت

ترجمۃ الباب میں ذکر کردہ آیات میں عام مسلمانوں سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے مردہ مت سمجھو، یہی ممانعت سورۃ البقرۃ میں بھی آئی ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ أموات بل أحیاء ولکن لا تشعرون﴾۔ (۳)

چنانچہ شہید کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے

---

(۱) آل عمران/ ۷۹-۸۱۔

(۲) عمدۃ القاری (ج۱٤ص۱۱۰)۔

(۳) البقرۃ/ ۱٥٤۔

کی ممانعت کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزاو سزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں دیگر اور مردوں سے ایک قسم کا امتیاز حاصل ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے، جس طرح انملہ میں: کاءحس جو آثار حیات میں سے ہے بہ نسبت ایڑی (عقب) کے طباوحسا قوی ہے، حتی کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح وسالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث ومشاہدات شاہد ہیں، چنانچہ اسی امتیاز وخصوصیت کی وجہ سے شہداء کو 'احیاء' کہا گیا اور ان کو 'اموات' کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی وہ حیات ہے جس میں انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کے ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا، پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء ہیں اور پھر دیگر مردے۔(۱)

شہداء کو رزق ملنے کا مطلب

شہداء کو رزق ملنے کی کیفیت احادیث صحیحہ میں یہ آئی ہے کہ ان کی ارواح قنادیل عرش میں رہتی ہیں اور جنت کے انہار سے پانی پیتی ہیں اور اس کے اثمار سے کھاتی ہیں۔ چنانچہ مسند احمد، صحیح مسلم، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما أصيب إخوانكم بأحد جعل الله عزوجل أرواحهم في أجواف طير خضر، ترد أنهار الجنة، تأكل من أثمارها، و تأوي إلى قناديل من ذهب في ظل العرش......"۔ (۲)

---

(۱) بيان القرآن (ج۱ ص۸۷و ۸۸)۔

(۲) مسند الإمام أحمد (ج۱ص۲٦٦)، ومسلم (ج۲ص ۱۳۵) كتاب الإمارة، باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة، وأنهم أحياء عند ربهم يرزقون، رقم (٤٨٨٥)، وسنن أبي داود (ج۱ ص۳٤۱)، كتاب الجهاد، باب في فضل الشهادة، رقم (۲٥۲۰)، والجامع للترمذي (ج۲ص ۱۳۰)، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، رقم (۳۰۱۱)، وابن ماجه (ص۲۰۱) أبواب الجهاد، باب فضل الشهادة في سبيل الله، رقم (۲۸۰۱)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اور یہ اشکال کہ جب وہ جنت میں ہوں گے تو حشر کے وقت کیسے نکالے جاویں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جنت میں نہیں ہوں گے بلکہ اپنی قبروں میں ہی ہوں گے، لیکن یہ حصہ انہار واثمار کا کسی ایسے مقام سے مل جاتا ہوگا جو جنت کے متعلق ہوگا۔ جس طرح کہ کفار بھی قبر ہی میں ہوں گے لیکن ان کو عذاب جہنم کا دیا جائے گا۔(۱)

٢٦٥٩ : حدّثنا إِسْماعِيلُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۲) قالَ : دَعا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَلَى الَّذِينَ قَتَلوا أَصْحَابَ بِئْرِ مَعُونَةَ ثَلاثِينَ غَدَاةً ، عَلَى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ ، عَصَتِ ٱللهَ وَرَسُولَهُ .

قالَ أَنَسٌ : أُنْزِلَ فِي الَّذِينَ قُتِلُوا بِبِئْرِ مَعُونَةَ قُرْآنٌ قَرَأْنَاهُ ، ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ : بَلِّغُوا قَوْمَنَا : أَنْ قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا ، فَرَضِيَ عَنَّا وَرَضِينَا عَنْهُ . [ر : ٢٦٤٧]

تراجم رجال

۱۔ اسماعیل بن عبداللہ

یہ ابو عبداللہ اسماعیل بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر اصحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔
ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۲۔ مالک

یہ امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الاصحی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۴)

---

(۱) بیان القرآن (ج۱ سورة آل عمران)، والجامع لأحكام القرآن للقرطبي (ج٤ ص٢٦٩)۔

(۲) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث مر تخريجه في كتاب الوتر، باب القنوت قبل الركوع وبعده، رقم (١٠٠١)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص۱۱۳)۔

(٤) كشف الباري (ج۱ ص۲۹۰)، نیز دیکھئے، كشف الباري (ج۲ ص۸۰)۔

۳۔اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ

یہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب العلم، باب من قعد حيث ينتهي به المجلس ......" کے تحت آچکے ہیں۔(۱)

۴۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی، خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں،ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت آچکے ہیں۔(۲)

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے تیس دن تک (ایک مہینہ) بددعاء فرمائی جنہوں نے اصحاب بئر معونہ کوقتل کیا تھا قبیلۂ رعل، ذکوان اور عصیہ پر، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو اصحاب بئر معونہ میں قتل ہوئے تھے ان کے بارے میں قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی تھی، جس کو ہم نے بھی پڑھا تھا مگر کچھ دنوں بعد منسوخ ہوگئی، وہ آیت یہ تھی "بلغوا قومنا أن قد لقينا ربنا، فرضي عنا ورضينا عنه"۔

حدیث میں مذکور واقعے کی تفصیل كتاب المغازی میں غزوۂ بئر معونہ کے تحت آچکی ہے۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ ترجمۃ الباب میں مذکور آیات ان ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں نازل ہوئیں جو بئر معونہ میں شہید ہوئے تھے۔(۴)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ ص۲۱۳)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(۳) كشف الباري، كتاب المغازي (ص ۲٦۱)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١١١)۔

فائدہ

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں مذکور آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ جو شخص دھوکے سے قتل ہوجائے وہ شہید ہے، کیونکہ اصحاب بئر معونہ بھی دھوکے سے قتل کئے گئے تھے۔(۱)

٢٦٦٠ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ . عَنْ عَمْرٍو : سَمِعَ جابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(٢) يَقُولُ : اَصْطَبَحَ نَاسٌ الخَمْرَ يَوْمَ أُحُدٍ . ثُمَّ قُتِلُوا شُهَدَاءَ . فَقِيلَ لِسُفْيَانَ : مِنْ آخِرِ ذٰلِكَ ٱلْيَوْمِ ؟ قالَ : لَيْسَ هٰذَا فِيهِ . [٣٨١٨ ، ٤٣٤٢]

تراجم رجال

۱۔علی بن عبداللہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث، امام علی بن عبداللہ، ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب العلم، باب الفهم في العلم" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

۲۔سفیان

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن أبی عمران کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے کچھ حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت (۴) اور مفصل حالات "کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبانا" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۵)

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ص۲۹)۔

(۲) قوله: "جابر بن عبد الله رضي الله عنهما": الحديث أخرجه البخاري أيضا (ج۲ص۵۷۹)، كتاب المغازي، باب غزوة أحد، رقم (٤٠٤٤)، و(ج۲ص٦٦٦) كتاب التفسير، تفسير سورة المائدة، باب ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾، رقم (٤٦١٨)۔ والحديث من إفراده۔

(۳) كشف الباري (ج۳ص۲۹۷)۔

(٤) كشف الباري (ج۱ص۲۳۸)۔

(٥) كشف الباري (ج۳ص۱۰۲)۔

۳۔ عمرو بن دینار المکی

یہ عمرو بن دینار جمحی ابو محمد المکی الاثرم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۴۔ حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی، حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما ہیں۔(۲)

يقول: اصطبح ناس الخمر يوم أحد، ثم قتلوا شهداء۔

عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے فرمایا، احد کے دن بہت سے مسلمانوں نے شراب پی تھی، پھر اسی روز وہ شہید ہوئے۔

اصطبح أي شرب الخمر صبوحا یعنی انہوں نے صبح کے وقت شراب پی۔(۳)

"صبوح" کہتے ہیں صبح کے وقت شراب پینے کو اور "غبوق" شام کو شراب پینا۔(۴)

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ احد کے روز جو مسلمان شہید ہوئے ان میں بہت سے حضرات نے صبح شراب پی تھی اور اسی روز وہ شہید بھی ہوئے، کیونکہ اس وقت شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، چنانچہ اس کی تصریح کتاب التفسیر کی روایت میں موجود ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "صبّح أناس غداة أحد الخمر، فقتلوا من يومهم جميعا شهداء، وذلك قبل تحريمها"۔(۵)

نیز حدیث باب اس بات کی بھی دلیل ہے کہ شراب غزوۂ احد کے بعد ہی حرام ہوئی ہے۔(۶)

فقيل لسفيان: "من آخر ذلك اليوم؟" قال: ليس هذا فيه۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ حدیث میں "من آخر ذلك اليوم" کے الفاظ بھی ہیں؟ تو

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب العلم والعظة بالليل۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوء ه على المغمى عليه۔

(۳) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۱٦)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١١٣)۔

(٥) صحيح البخاري (ج٢ص٦٦٦)، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾، رقم (٤٦١٨)، وشرح ابن بطال (ج٥ص٢٩)۔

(٦) فتح الباري (ج٧ص٣٥٣)۔

انہوں نے کہا روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

دراصل یہاں حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو سہو ہو گیا ہے، ورنہ اسماعیلی نے "قواریري عن سفیان" کے طریق سے یہی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ موجود ہیں: "وقتلوا آخر النهار شهداء" ۔(۱)

اسی طرح کتاب التفسیر کی روایت میں بھی یہی الفاظ موجود ہیں۔(۲)

گویا کہ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو اولاً تو سہو ہو گیا پھر یاد آ گیا۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

علامہ ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اتباع میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت لفظ "شہداء" میں ہے، کیونکہ وہ شراب جو اس دن صبح انہوں نے پی رکھی تھی اس نے ان کو کچھ ضرر نہ پہنچایا کہ اس شراب کے پینے کے باوجود وہ شہداء کہلائے، کیونکہ اس وقت مباح تھی، اسی لئے اللہ تعالی نے ان کی شہادت کے بعد بھی ان کی مدح وثناء فرمائی، خوف و پریشانی کو ان سے دور کر دیا۔(۴)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ان آیات کے اسباب نزول میں سے ایک کی طرف اشارہ کے لئے ذکر کیا ہو، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (۵) نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

قال: "ما كلّم الله أحدا قط إلا من وراء حجابه، وأحيى أباك فكلمه كفاحا، فقال: ياعبدي، تمنّ عليَّ أعطيك، قال: يا رب، تحييني فأقتل فيك ثانية، قال الرب: إنه قد سبق مني ﴿أنهم لا يرجعون﴾، وأنزلت هذه الآية: ﴿ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا﴾ ۔(٦)

---

(١) فتح الباري (ج٦ص ٣١، ٣٢)، وعمدة القاري (ج١٤ص ١١٣)۔

(٢) صحيح البخاري (ج٢ص٦٦٦) كتاب التفسير، باب قوله: ﴿إنما الخمر والميسر ...... ﴾، رقم (٤٦١٨)۔

(٣) فتح الباري (ج٦ص ٣٢)۔

(٤) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج١٤ص١١٣)۔

(٥) الجامع للترمذي (ج٢ص ١٣٠)، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، رقم (٣٠١٠)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ص ٣١)۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عز وجل نے جس کے ساتھ بھی گفتگو فرمائی پردے کے پیچھے سے فرمائی، لیکن اللہ نے میرے والد کو زندہ کیا اور ان سے بالمشافہ کلام کیا، چنانچہ فرمایا: اے میرے بندے! تمنا کرو میں تمہیں (جو مانگو گے) دوں گا۔ عبد اللہ نے کہا: اے رب! آپ مجھے زندہ کر دیجئے (اور دنیا میں بھیج دیجئے) تا کہ میں آپ کے راستے میں دوبارہ شہید ہو جاؤں۔ اللہ عز وجل نے فرمایا (یہ تو نہیں ہو سکتا) کیونکہ مجھ سے یہ بات پہلے ہی صادر ہو چکی ہے کہ (جو دنیا سے واپس آ گئے) وہ نہیں لوٹیں گے اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا﴾۔

اور وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان شہداء کے نام بھی گنوائے تھے اور ان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبد اللہ بھی شامل تھے، جنہوں نے غزوۂ احد کے دن شراب پی رکھی تھی۔ (۱)

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث جابر اور ترجمۃ الباب میں مذکور آیت ﴿وأن الله لا يضيع أجر المؤمنين﴾ کے درمیان مناسبت ظاہر ہے، وہ اس طرح کہ اگر ان حضرات کے شراب پینے پر پکڑ ہوتی تو مومنین کے فعل کی اضاعت ہوتی کیونکہ انہوں نے کسی حرام چیز کا ارتکاب نہیں کیا تھا کہ اس پر پکڑ ہو۔ (۲)

۲۰ - باب: ظِلِّ المَلَائِكَةِ عَلَى الشَّهِيدِ.

ماقبل سے مناسبت

گذشتہ باب میں اس بات کا ذکر تھا کہ شہداء احیاء ہوتے ہیں اور ان کو ان کے رب کے ہاں رزق بھی دیا جاتا ہے اور اس باب میں اس بات کا ذکر ہے کہ شہید کی تعظیم وتکریم کے لئے فرشتے ان کے اوپر اپنے پروں کے ذریعے سایہ کرتے ہیں۔

---

(۱) فتح الباري (ج۷ص۳۵۳)۔

(۲) لامع الدراري (ج۷ص۲۱۹)۔

مقصد ترجمۃ الباب

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہے کہ شہداء کا مقام اتنا بلند ہے کہ ملائکہ بھی ان کے خادم بن جاتے ہیں اور وہ ان کے اوپر سایہ کرتے ہیں، چنانچہ اس سایہ کرنے میں شہید کا اجلال اور تعظیم ہے۔(۱)

٢٦٦١ : حدّثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ قالَ : أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ قالَ : سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ : أَنَّهُ سَمِعَ جابِرًا(٢) يَقُولُ : جِيءَ بِأَبِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ مُثِّلَ بِهِ ، وَوُضِعَ بَيْنَ يَدَيْهِ ، فَذَهَبْتُ أَكْشِفُ عَنْ وَجْهِهِ ، فَنَهَانِي قَوْمِي ، فَسَمِعَ صَوْتَ صَائِحَةٍ ، فَقِيلَ : ابْنَةُ عَمْرٍو ، أَوْ أُخْتُ عَمْرٍو ، فَقَالَ : (لِمَ تَبْكِي - أَوْ : لَا تَبْكِي - ما زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا) . قُلْتُ لِصَدَقَةَ : أَفِيهِ : (حَتَّى رُفِعَ) . قالَ : رُبَّمَا قالَهُ . [ر : ١١٨٧]

تراجم رجال

۱۔ صدقۃ بن الفضل

یہ حافظ حدیث ابوالفضل، صدقۃ بن الفضل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۲۔ ابن عیینہ

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے کچھ حالات "بدء الوحی" کی پہلی حدیث کے تحت (۴) اور مفصل حالات "کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۵)

---

(١) فيض الباري (ج٣ص٤٢٦)۔

(٢) قوله: "جابرا رضي الله عنه": الحديث مر تخريجه في كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب العلم والعظة بالليل۔

(٤) كشف الباري (ج١ص٢٣٨)۔

(٥) كشف الباري (ج٣ص١٠٢)۔

۳۔محمد بن المنکدر

یہ محدث شہیر محمد بن المنکدر بن عبداللہ المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۴۔جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی، حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما ہیں۔(۲)

قلت لصدقة: أ فيه حتى رفع؟ قال: ربما قاله۔

میں نے صدقہ سے کہا کیا حدیث میں "حتی رفع" بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا، ہاں، کبھی کبھی سفیان یہ بھی کہتے تھے۔

یہاں قائل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ اپنے استاذ صدقۃ بن الفضل سے دریافت فرمارہے ہیں کیا حدیث میں "حتی رفع" کے الفاظ بھی ہیں؟ تو جواباً صدقۃ بن الفضل نے کہا ہاں، سفیان یہ بھی کہتے تھے۔(۳)

لیکن یہی روایت کتاب الجنائز میں "علي بن عبد الله وهو ابن المديني عن سفيان" کے طریق سے بھی مروی ہے اور اس کے آخر میں "حتى رفعتموه" کے الفاظ موجود ہیں (۴)، اسی طرح حمیدی اور دیگر حضرات نے بھی سفیان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔(۵) چنانچہ کتاب المغازی کی روایت میں بھی "أبو الوليد عن شعبة عن ابن المنكدر" کے طریق سے "حتی رفع" کے الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔(۶)

لہذا معلوم یہ ہوا کہ عدم جزم کے ساتھ یہ روایت صرف صدقۃ بن الفضل نے روایت کی ہے۔(۷)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوء ه على المغمى عليه۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٣)۔

(٤) الصحيح للبخاري (ج١ ص١٦٦)، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت اذا أدرج في أكفانه، رقم (١٢٤٤)۔

(٥) فتح الباري (ج١٤: ١١٣)۔

(٦) صحيح البخاري (ج٢ ص٥٨٤)، كتاب المغازي، باب من قتل من المسلمين يوم أحد، رقم (٤٠٨٠)۔

(۷) حدیث باب کی جملہ تشریحات کے لئے دیکھئے، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في اكفانه، كشف الباري، كتاب المغازي (ص٢٥٠ و٢٥١)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث کے جملے "ما زالت الملائكة تظله بأجنحتها" میں ہے۔(۱)

۲۱ – باب : تَمَنِّي الْمُجَاهِدِ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى ٱلدُّنْيَا .

ماقبل سے ربط ومناسبت

سابقہ الباب میں یہ بیان ہوا تھا کہ مجاہد کو اس کی شہادت کے بعد اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے، نیز یہ کہ ملائکہ اس کی تکریم وتعظیم کے لئے اس پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں، چنانچہ ان تمام انعامات وفضائل کو دیکھ کر مجاہد کی تمنا یہ ہوگی کہ وہ دوبارہ سہ بارہ شہید ہو اور مزید فضائل وکرامات حاصل کرے، جیسا کہ حدیث باب سے واضح ہے۔

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ جب شہید اپنے اوپر اللہ تبارک وتعالی کی نعمتیں اور مہربانیاں دیکھے گا تو اس کی تمنا یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں لوٹ جائے، جہاد کرے اور دوبارہ شہید ہو جائے تاکہ اسے مزید نعمتیں حاصل ہوں۔(۲)

٢٦٦٢ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قالَ : سَمِعْتُ قَتَادَةَ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۳) : عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (ما أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ، يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى ٱلدُّنْيَا ، وَلَهُ ما عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ ، يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى ٱلدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ ، لِمَا يَرَى مِنَ الْكَرَامَةِ) . [ر : ٢٦٤٢]

---

(۱) عمدة القاري (ج ١٤ ص ١١٣)۔

(۲) عمدة القاري (ج ١٤ ص ١١٣)۔

(۳) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه آنفا في باب الحور العين وصفتهن۔

تراجم رجال

ا۔محمد بن بشار

یہ مشہور امام حدیث ابوبکر محمد بن بشار عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بُندار ان کا لقب ہے۔ ان کے حالات "كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم ...." کے تحت آ چکے ہیں۔(۱)

۲۔غندر

یہ ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔غندر کے لقب سے مشہور ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ظلم دون ظلم" کے تحت آ چکے ہیں۔(۲)

۳۔شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج بن الورد عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" کے تحت آ چکے ہیں۔(۳)

۴۔قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔انس

یہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے ذیل میں آ چکے ہیں۔(۵)

تنبیہ

حدیث باب کی تشریحات "باب الحور العين وصفتهن" کے تحت گذر چکی ہیں۔

(۱) كشف الباري (ج۳ص۲۲۱)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۲۵۰)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص۶۷۸)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص۳)۔

(۵) حوالہ بالا (ص۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت میں اشکال یہ ہے کہ ترجمۃ تو تمنی المجاہد کا ہے لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت جو نقل کی ہے اس میں "حب" کا لفظ وارد ہوا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی روایت امام نسائی اور امام حاکم رحمہما اللہ نے بھی روایت کی ہے اور وہاں تمنی کا لفظ وارد ہوا ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قال رسول صلى الله عليه وسلم: "يؤتى بالرجل من أهل الجنة فيقول الله عزوجل: يا ابن آدم، كيف وجدت منزلك؟ فيقول: أي رب خير منزل، فيقول: سل وتمنَّ، فيقول: أسألك أن تردني إلى الدنيا فأقتل في سبيلك عشر مرات؛ لما يرى من فضلٍ بالشهادة"۔(۱)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اہل جنت میں سے ایک آدمی کو لایا جائے گا، اللہ عز وجل اس سے فرمائیں گے: اے آدم کے بیٹے! تو نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا؟ وہ کہے گا: اے رب! بہترین ٹھکانہ۔ اللہ عز وجل فرمائیں گے: سوال کرو اور تمنا کرو۔ تو وہ شخص کہے گا: میری تو آپ سے یہی درخواست ہے کہ آپ مجھے دنیا میں واپس بھیج دیجئے، تاکہ آپ کے راستے میں دس مرتبہ قتل کیا جاؤں۔(وہ یہ درخواست اس لئے کرے گا) کیونکہ وہ قتل فی سبیل اللہ کی فضیلت دیکھ چکا ہے"۔

اب نسائی شریف اور مستدرک کی روایت سے معلوم یہ ہوا کہ حب سے مراد تمنا ہی ہے۔(۲)

۲۲ – باب : الْجَنَّةُ تَحْتَ بَارِقَةِ السُّيُوفِ .

ماقبل سے مناسبت

سابقہ ابواب میں جنت اور وہاں کی مختلف نعمتوں اور منازل وغیرہ کا بیان ہوا ہے اور اس باب میں امام بخاری

(۱) سنن النسائي (ج۲ص ٦٠) كتاب الجهاد، باب مايتمنى أهل الجنة، رقم (٣١٦٢)، والحاكم في مستدركه (ج۲ص ٧٥) كتاب الجهاد، باب مقام الشهداء۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص ٣٢)۔

رحمۃ اللہ علیہ جنت اور وہاں کے نعمتوں کے حصول کا طریقہ بتا رہے ہیں کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمۃ الباب کا مقصد واضح ہے، وہ یہ کہ جنت جو ملتی ہے تلواروں کے سائے تلے ہی ملتی ہے۔

ترجمۃ الباب کی لغوی تحلیل

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے "باب الجنة تحت بارقة السيوف" چنانچہ بارقہ کی اضافت سیوف کی طرف إضافة الصفة إلى الموصوف کے قبیل سے ہے اور یہ السيوف البارقة کے معنی میں ہے۔(۱)

اور بارقة "بروق" سے مشتق ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے برق السيف بروقا إذا تلألأ، اب معنی بارقہ کے چمکدار کے ہوئے۔(۲)

اور کبھی کبھار بارقہ بولا جاتا ہے اور اس سے تلوار ہی مراد ہوتی ہے تو اس صورت میں اضافت، بیانیہ ہوگی جیسا کہ "شجر الإراك" کہا جاتا ہے۔(۳)

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ "بریق" سے ماخوذ ہے اور بریق کے معنی بجلی کی کڑک کے ہیں۔(۴)

جبکہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ "إبريق" سے ہے، کہا جاتا ہے: "أبرق الرجل بسيفه إذا لمع به" اور تلوار کو بھی ابریق کہتے ہیں۔(۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید امام بخاری کا یہ ترجمہ اس روایت سے ماخوذ ہے جس کو طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے دن فرمایا: "الجنة تحت الأبارقة" اور علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ الأبارقة یہ "الإبريق" کی جمع ہے۔(۶)

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۱۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔ ومختار الصحاح مادة "برق"۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) شرح ابن بطال (ج٥ص۳۱)۔

(٥) ابن بطال (ج٥ص۳۱)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ص۳۳)۔

وَقالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ : أَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ ، عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا : (مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ) .
[ر : ۲۹۸۹]

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے رب کے ذریعے خبر دی کہ ہم میں سے جو قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔

"عن رسالة ربنا" کے الفاظ صرف کشمیہنی کی روایت میں پائے جاتے ہیں، جب کہ دیگر رواۃ صحیح بخاری نے اس کو حذف کیا ہے، شاید مقصود اختصار ہو، کیونکہ موصول طریق میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔

طریق میں بھی

مذکورہ بالا تعلیق کی تخریج

مذکورہ بالا تعلیق ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً "کتاب الجزیة والموادعة" میں (۱) اور "کتاب التوحید" (۲) میں نقل کیا ہے۔

تعلیق مذکور کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ بالا تعلیق کی مناسبت ترجمۃ الباب سے اس طرح ہے کہ مسلمانوں میں سے جو بھی شخص شہید و مقتول ہو کر جنت میں داخل ہوگا ظاہری بات ہے کہ وہ تلوار کی چمک تلے آئے گا۔ (۳)

وَقالَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ ﷺ : أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ ؟ قالَ : (بَلَى) . [ر : ۳۰۱۱]

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے

(۱) صحيح البخاري (ج۱ص۴۴۷)، كتاب الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة، رقم (۳۱۵۹)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۲ص۱۱۲۳)، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿يا أيها الرسل بلغ ما أنزل إليك من ربك ......إلخ﴾، رقم (۷۵۳۰)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۱۴)۔

مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیوں نہیں۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں مختلف مقامات پر موصولاً نقل فرمایا ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب سے مناسبت تعلیق

مذکورہ بالا تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت گذشتہ تعلیق کے تحت آ چکی ہے۔(۲)

٢٦٦٣ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ مُوسٰى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ ٱللهِ ، وَكَانَ كَاتِبَهُ ، قَالَ : كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ[۳] : (وَٱعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ) .

تَابَعَهُ الْأُوَيْسِيُّ ، عَنِ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنْ مُوسٰى بْنِ عُقْبَةَ .

[٢٦٧٨ ، ٢٨٠٤ ، ٢٨٦١ ، ٢٨٦٢ ، ٦٨١٠ ، وانظر : ٢٧٧٥]

---

(١) صحيح البخاري (ج١ ص٤٥١)، كتاب الجزية والموادعة، بابٌ، رقم (٣١٨١، ٣١٨٢)، و(ج٢ ص٦٠٢)، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، رقم (٤١٨٩)، و(ج٢ ص٧١٧)، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿إذ يبايعونك تحت الشجرة﴾، رقم (٤٨٤٤)، و(ج٢ ص١٠٨٧)، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايذكر من ذم الرأي وتكلف القياس، رقم (٧٣٠٨)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٤)۔

(٣) قوله: "عبدالله بن أوفى رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضا (ج١ ص٣٩٧)، كتاب الجهاد، باب الصبر عند القتال، رقم (٢٨٣٣)، و(ص٤١٦)، باب كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا لم يقاتل أول النهار أخر القتال حتى تزول الشمس، رقم (٢٩٦٦)، و(ص٤٢٤)، باب لاتتمنوا لقاء العدو، رقم (٣٠٢٤)، و(ج٢ ص١٠٧٥)، كتاب التمني، باب كراهية تمني لقاء العدو، رقم (٧٢٣٧)، ومسلم في صحيحه (ج٢ ص٨٤)، كتاب الجهاد، باب كراهة تمني لقاء العدو والأمر بالصبر عند اللقاء، رقم (٤٥٤٢)، وأبو داود في سننه (ج١ ص٣٥٤)، كتاب الجهاد، باب كراهية تمني لقاء العدو، رقم (٢٦٣١)۔

تراجم رجال

۱۔عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ جعفی بخاری مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت نقل کئے جاچکے ہیں۔(۱)

۲۔معاویہ بن عمرو

یہ معاویہ بن عمرو بن المہلب الازدی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲) ان سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بلا واسطہ بھی روایت نقل کی ہے۔(۳)

۳۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن حارث الفزاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۴۔موسی بن عقبہ

یہ موسی بن عقبہ الاسدی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۵۔سالم ابوالنضر ابن ابی امیہ

یہ سالم بن ابی امیہ ابوالنضر المدنی القرشی مولی عمر بن عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۶)

---

(۱) کشف الباري (ج۱ص۶۵۷)۔

(۲)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الأذان، باب إقبال الإمام علی الناس عند تسویة الصفوف۔

(۳) شرح الکرماني (ج۱۲ص۱۱۸)، وکتاب الجمعة، باب إذا نفر الناس عن صلاة الجمعة۔

(۴)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة۔

(۵)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء۔

(۶)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین۔

٦۔ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن ابی اوفی علقمہ الاسلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۱)

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف"۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اے لوگو!) جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہیں۔

حدیث کا مطلب

"ظلال" یہ ظل کی جمع ہے اور سائے کے معنی میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد کنایہ اور استعارہ کے قبیل سے ہے اور اس میں ترغیب الی الجہاد ہے، کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ راحت وسکون کے حصول کے لئے سایہ کی تلاش کرتا ہے اور ابدی سایہ جنت کا سایہ ہے، چنانچہ اگر اس کی طلب ہو تو جہاد کرنا چاہئے۔(۲)

اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ دخول جنت کا ذریعہ اور سبب جہاد ہے۔ چنانچہ جب میدان جنگ میں ایک شخص دوسرے کے بالمقابل آتا ہے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تلوار کے سائے تلے آجاتا ہے، اسی حالت میں اگر قتل ہو گیا تو اس کو جنت ملتی ہے۔(۳)

اور علامہ ابن المہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑنے والا خواہ قاتل ہو یا مقتول جنتی ہے۔(۴)

تابعه الأويسي عن ابن أبي الزناد عن موسى بن عقبة۔

اویسی نے معاویہ بن عمرو کی اس روایت میں متابعت کی ہے "ابن أبي الزناد عن موسى بن عقبه" کے طریق سے۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......۔

(۲) جامع الأصول (ج۲ ص٥٦٨)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٥)۔

(٤) شرح ابن بطال (ج٥ ص٣١)۔

اویسی سے مراد امام بخاری کے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ العامری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱) اور مراد یہ ہے کہ حدیث باب کے راوی معاویۃ بن عمرو بن مہلب کی متابعت اس روایت میں اویسی نے کی ہے۔

مذکورہ متابعت کی تخریج

اور اس متابعت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے علاوہ کہیں اور موصولا ذکر کیا ہے اور ابن ابی عاصم نے اس کو کتاب الجہاد میں نقل کیا ہے۔(۲)

اسی طرح عمر بن شبہ نے بھی اس متابعت کو اویسی سے اپنی ''کتاب اخبار المدینۃ'' میں روایت کیا ہے۔ جس میں اس امر کا اضافہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بتلائی گئی بات غزوہ خندق کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی۔(۳)

مسلمانوں کے سارے مقتولین جنتی ہیں

ابن المہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "أليس قتلانا في الجنة وقتلاهم في النار" سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کے سارے مقتولین جنتی ہیں، لیکن یہ اجمالی طور پر ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی تعیین کی جائے اور کہا جائے کہ فلاں جنتی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "والله أعلم بمن يجاهد في سبيله"، چنانچہ ہم اجمالی طور پر تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے سارے مقتولین جنتی ہیں البتہ تفصیل وتعیین اور نیات کا حال اللہ تعالی کے سپرد کردیں گے۔(۴)

اس مسئلے کی مزید تفصیل "باب لا يقول فلان شهيد" کے تحت انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب الحرص على الحديث۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٣٤)، وهدى الساري (ص٣٦)۔

(۳) فتح (ج٦ص٣٤)، وتعليق التعليق (ج٣ص٤٣٢)۔

(٤) شرح ابن بطال (ج٥ص٣١)۔

تنبیہ

حدیث باب کی سند میں یہ الفاظ آئے ہیں "وکان کاتبه" اس میں "کان" کی ضمیر سالم ابوالنضر کی طرف لوٹ رہی ہے اور "کاتبه" کی ضمیر عمر بن عبیداللہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ سالم ابوالنضر، عمر بن عبیداللہ کے کاتب تھے،(۱) چنانچہ کتاب الجہاد ہی اس بات کی تصریح موجود ہے، موسی بن عقبہ فرماتے ہیں: "حدثني سالم أبوالنضر مولى عمر بن عبد الله، كنتُ كاتبا له"۔(۲)

یہاں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ (۳) نے یہ لکھ دیا ہے کہ سالم، عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کے کاتب تھے، یہ وہم ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب حدیث کے الفاظ سے اخذ نہیں کیا، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ تلوار کی جب چمک اور شعاعیں ہوں گی اسی طرح اس کے حساب سے اس کا سایہ بھی ہوگا۔ اس طرح مطابقت حاصل ہو جائے گی۔

یا یہ کہا جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ کسی اور حدیث سے اخذ فرمایا ہے لیکن چونکہ وہ حدیث ان کے شرط کے موافق نہیں تھی اس لئے اس پر ترجمہ میں تنبیہ کردی اور ترجمہ کے تحت نقل نہیں کی۔(۴)

۲۳ - باب : مَنْ طَلَبَ الْوَلَدَ لِلْجِهَادِ .

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۱۸)، وشرح القسطلاني (ج۵ ص۵۳)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۱ ص٤٢٤)، كتاب الجهاد، باب لاتتمنوا لقاء العدو، رقم (۳۰۲٤)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص۳۲)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١١٤)۔

(٤) المتواري (ص۱۵۳)، قال الحافظ ابن حجر رحمه الله: "كأنه أشار بالترجمة إلى حديث عمار بن ياسر، فأخرج الطبراني بإسناد صحيح عن عمار بن ياسر أنه قال يوم صفين: الجنة تحت الأبارقة"۔ (فتح الباري (ج٦ ص۳۳)، ومجمع الزوائد للهيثمي (ج۷ ص۲٤۱)۔

مقصد ترجمة الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کو قائم کر کے یہ بات بتلائی کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے ہم بستری کے وقت جہاد کے لئے اولاد کی خواہش اور تمنا کرے تو اس کو بھی ثواب ملے گا خواہ اولاد پیدا ہو یا نہ ہو اور اولاد پیدا ہونے کے بعد خواہ جہاد کرے یا نہ کرے، بہر حال نیت کا ثواب ضرور ملے گا۔(۱)

٢٦٦٤ : وَقَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (٢) ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : (قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ : لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى مِائَةِ امْرَأَةٍ ، أَوْ تِسْعٍ وَتِسْعِينَ . كُلُّهُنَّ يَأْتِي بِفَارِسٍ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ : قُلْ : إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، فَلَمْ يَقُلْ : إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، فَلَمْ يَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ . جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ . لَوْ قَالَ : إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُونَ) . [ر : ٣٢٤٢]

تراجم رجال

(۱) لیث

یہ امام ابو الحارث لیث بن سعد بن عبد الرحمٰن فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٥)۔

(٢) قوله: "أبا هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا (ج١ ص٤٨٧) كتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿ووهبنا لداود سليمن نعم العبد إنه أواب﴾، رقم (٣٤٢٤)، و(ج٢ ص٧٨٨) كتاب النكاح، باب قول الرجل: لأطوفن الليلة على نسائي، رقم (٥٢٤٢)، و(ج٢ ص٩٨٢) كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كان يمين النبي صلى الله عليه وسلم؟ رقم (٦٦٣٩)، و(ج٢ ص٩٩٤) كتاب كفارات الأيمان، باب الاستثناء في الأيمان، رقم (٦٧٢٠)، و(ج٢ ص١١١٣) كتاب التوحيد، باب في المشيئة والإرادة، رقم (٧٤٦٩)، ومسلم (ج٢ ص٤٩) كتاب الأيمان، باب الاستثناء في اليمين وغيرها، رقم (٤٢٨٥)، والترمذي (ج١ ص١٨٥) أبواب النذور والأيمان، باب ما جاء في الاستثناء في اليمين، رقم (١٥٣٢)، والنسائي (ج٢ ص١٤٨) كتاب الأيمان والنذور، باب إذا حلف، فقال له رجل: إن شاء الله، هل له استثناء؟ رقم (٣٨٦٢)، والاستثناء، رقم (٣٨٨٧)۔

حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۱)

(۲) جعفر بن ربیعہ

یہ امام جعفر بن ربیعۃ بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

(۳) عبدالرحمٰن بن ہرمز

یہ ابوداود عبدالرحمٰن بن ہرمز مدنی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "کتاب الإیمان، باب حب الرسول من الإیمان" کے تحت گذر چکے۔(۳)

(۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: قال سلیمان بن داود علیہما السلام لأطوفن اللیلة علی مائة امرأة أو تسع وتسعین کلهن یأتي بفارس یجاهد في سبیل اللّٰہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داود علیہما السلام نے (ایک مرتبہ) فرمایا، خدا کی قسم! میں رات کو ایک سو یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا، ان میں سے ہر ایک، ایک گھڑسوار جنے گی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے گا۔

"لأطوفن" میں لام جواب قسم کا ہے اور قسم محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے: "واللّٰہ لأطوفن۔" اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جو کتاب النکاح کی روایت میں آیا ہے: "لم یحنث" (۵) کیونکہ آدمی حانث قسم ہی سے

---

(۱) کشف الباري (ج۱ ص۳۲٤)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب التیمم، باب التیمم فی الحضر إذا لم یجد الماء ......۔

(۳) کشف الباري (ج۲ ص۱۱)۔

(٤) کشف الباري (ج۱ ص٦٥٩)۔

(٥) انظر الصحیح للبخاري، کتاب النکاح، باب قول الرجل: لأطوفن اللیلة علی نسائي، رقم (٥٢٤٢)۔

ہوتا ہے اور قسم کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مقسم بہ بھی ہو۔(۱)

اور أطوفن مشتق طواف سے ہے جس کے معنی "الدوران حول الشيء" کے ہیں اور یہاں جماع سے کنایہ ہے۔(۲)

مائة امرأة أو تسع وتسعين

سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد میں اختلاف روایات

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد میں روایات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، یہاں روایت باب میں سو یا ننانوے شک کے ساتھ آیا ہے، جب کہ ایک روایت میں "ستین"(۳) اور ایک میں "سبعین" (٤) اور ایک میں "تسعين" (٥) اور دوسری ایک روایت میں بغیر شک کے "مائة"(٦) ہے۔

اب ان تمام روایات میں جمع کی ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان عورتوں میں ساٹھ تو آزاد عورتیں تھیں دیگر باندیاں، أو بالعکس۔ اور سبعین کو مبالغہ پر محمول کیا جائے، رہا "مائة" اور "تسعون" تو چونکہ وہ سو سے کم اور نوے سے زیادہ تھیں، چنانچہ جس نے کسور کا اعتبار نہیں کیا اس نے تو تسعون کہہ دیا اور جس نے اعتبار کیا اس نے کسور کو پورا کر کے سو کہہ دیا ھذا ما قاله الحافظ رحمه الله في "الفتح"۔(۸)

لیکن حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب تکلف سے خالی نہیں اور اس میں اس اعتبار سے بھی بعد ہے کہ حدیث ایک ہی ہے، روایت کے تمام طرق کے راوی بھی ایک یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ روایات کے درمیان جمع وتطبیق کی صورت اسی وقت اختیار کی جاتی ہے جب کہ یہ معلوم ہو کہ ان تمام اعداد کو نبی علیہ السلام نے مختلف

(۱) فتح الباري (ج٦ص ٤٦٠)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص ١١٥)۔

(۳) مثلاً دیکھئے، صحیح البخاري (ج٢ص ١١١٣)، کتاب التوحيد، باب في المشيئة والإرادة، رقم (٧٤٦٩)۔

(٤) انظر صحيح البخاري (ج١ص ٤٨٧)، کتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿ووهبنا لداود سليمن نعم العبد، إنه أواب﴾، رقم (٣٤٢٤)۔

(٥) انظر صحيح البخاري (ج٢ص ٩٨٢)، کتاب الأيمان والنذور، باب كيف كان يمين النبي ﷺ؟، رقم (٦٦٣٩)۔

(٦) انظر صحيح البخاري (ج٢ص ٧٨٨)، کتاب النكاح، باب قول الرجل: لأطوفن الليلة على نسائي، رقم (٥٢٤٢)۔

(٧) فتح الباري (ج٦ص ٤٦٠)۔

(٨) حوالہ بالا۔

مواقع میں ارشاد فرمایا ہو اور ایسی کوئی بات نہیں۔

اس لئے راجح جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایات کے درمیان یہ اعداد کا جو اختلاف واقع ہوا ہے رواۃ کے اپنے تصرف کا نتیجہ ہے، شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا عدد ذکر کیا تھا جو کثرت پر دال ہو، چنانچہ بعض رواۃ نے اس کی تعبیر ستون سے کردی اور دیگر نے سبعون یا تسعون سے اور بہت سے رواۃ حدیث کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ اصل حدیث اور اس کے مغز کے یاد کرنے کا اہتمام تو کرتے ہیں، لیکن اس کے حواشی اور ان تفاصیل میں نہیں گھستے جن کا اصلِ حدیث میں کوئی اثر نہ ہو، چنانچہ یہاں بھی یہی ہوا کہ رواۃ نے اصل قصہ کو تو یاد کرلیا، لیکن تعداد نسوہ کے معاملے کو انہوں نے وہ حیثیت نہ دی، جو اصل قصہ کو دی، یہیں سے ان میں اختلاف پیدا ہوا اور یہ اختلاف اصل حدیث کی صحت کے لئے مضر نہیں، کیونکہ محدثین کے ہاں یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ حدیث کے کسی حصے میں راوی کا وہم اصل حدیث کے ضعف کو مستلزم نہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قاعدے کو خود بھی فتح الباری میں مختلف مواقع میں استعمال کیا ہے۔(۱)

ایک اور صورت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ قلیل کے ذکر سے کثیر کی نفی لازم نہیں آتی اور یہ مفہوم عدد کے قبیل سے ہے، جو جمہور کے نزدیک حجت نہیں۔(۲)

فقال له صاحبه: قل: إن شاء الله۔

تو ان سے ان کے صاحب نے کہا، إن شاء الله کہیے۔

صاحب سے کون مراد ہے؟

علامہ عینی، حافظ ابن حجر اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ صاحب سے مراد فرشتہ ہے، جیسا کہ اس پر کتاب النکاح کی روایت بھی دلالت کرتی ہے: "فقال له الملك" (۳) اور اسی قول کو ان حضرات نے درست قرار دیا ہے۔(۴)

---

(۱) فتح الباري (ج۹ ص۲۸٦)، وتكملة فتح الملهم (ج۲ ص۲۰۷)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۱۵)۔

(۳) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب قول الرجل: لأطوفن الليلة على نسائي، رقم (۵۲٤۲)۔

(٤) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۱۵)، و فتح الباري (ج٦ ص٤٦۱)، وشرح مسلم للنووي (ج۲ ص٤۹)۔

جب کہ دیگر بعض حضرات کا کہنا یہ ہے یہاں صاحب سے مراد آصف بن برخیا ہیں جن کے پاس کتاب کا علم تھا، لیکن حافظ صاحب نے اس قول کو مردود قرار دیا ہے۔(۱)

اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاحب سے مراد یا تو سلیمان علیہ السلام کے وزیر ہیں، خواہ انسان ہوں یا جن اور اگر مراد فرشتہ ہے تو یہ وہی فرشتہ ہے جو ان کے پاس وحی لے کر آتا تھا اور جس نے صاحب سے مراد خاطر قلب قرار دیا ہے اس کا قول بعید از حقیقت ہے۔(۲)

بہر حال قول صحیح یہی ہے کہ صاحب سے یہاں ملک (فرشتہ) مراد ہے، کما مر الآن۔

فلم يقل: إن شاء الله۔

پس انہوں نے إن شاء اللّٰہ نہیں کہا۔

مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ان شاء اللہ زبان سے نہیں کہا، یہ مطلب بالکل نہیں کہ آپ علیہ السلام دل سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض سے غافل ہو گئے تھے کیونکہ یہ منصب نبوت کے خلاف ہے، ممکن ہے کوئی دوسرا امر پیش آ گیا ہو۔(۳)

اسی طرح کا معاملہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ جب مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح، خضر اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ میں کل تم کو جواب دوں گا۔ کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بناء پر یقین تھا کہ جیسا آپ فرمائیں گے اسی طرح ہوگا، لیکن آپ علیہ السلام کی زبان سے انشاء اللہ کا ذہول ہو گیا، یہ مطلب نہیں کہ دل سے بھی غافل وذاہل ہو گئے تھے۔(۴)

فلم يحمل منهن إلا امرأة واحدة جاءت بشق رجل۔

چنانچہ ان عورتوں میں سے صرف ایک ہی عورت حاملہ ہوئی اور اس نے ایک نامکمل بچہ جنا۔

مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے ان شاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے صرف ایک ہی عورت کو حمل ٹھہرا اور وہ

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٤٦١)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١١٥)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٤٦١)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١١٥)۔

حمل بھی ناقص تھا۔

والذي نفس محمد بيده، لو قال: إن شاء الله لجاهدوا في سبيل الله فرسانا أجمعون۔

اور اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے! اگر وہ (سلیمان علیہ السلام) ان شاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب کے سب اللہ کے راستے میں جہاد کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر سلیمان علیہ السلام زبان مبارک سے ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی مراد برآتی اور وہ سب عورتیں ایک ایک فارس جنتیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے۔(۱)

اس مطلب کی تائید صحیح بخاری، کتاب النکاح کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں: "وكان أرجى لحاجته" کے الفاظ آتے ہیں۔(۲)

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کی تمنا پوری ہو اگرچہ وہ انشاء اللہ کہے، بلکہ استثناء کا حاصل تو یہ ہے کہ اس نے جس طرح کی تمنا کی ہے اس کے وقوع پذیر ہونے کی توقع اور امید ہوتی ہے اور ترک استثناء میں وقوع پذیر ہونے کی امید نہیں ہوتی۔(۳)

فائدہ

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں جہاد کی نیت سے طلب ولد کی ترغیب ہے، کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ بچہ امید کے برخلاف مجاہد نہیں ہوتا اور کافر ہوتا ہے لیکن اس کو اپنی نیت اور عمل کا ثواب بہرحال ملے گا۔(۴)

بچہ ناقص ہونے کی وجہ

علامہ رشید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث باب کے الفاظ "إلا امرأة واحدة جاءت بشق......" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شاید اس عورت کے ناقص بچہ جننے کی وجہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عزم پر مبنی ہو کہ آپ علیہ

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٤٦١)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب قول الرجل: لأطوفن الليلة على نسائي، رقم (٥٢٤٢)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٤٦١)۔

(٤) شرح ابن بطال (ج٥ ص٣٢)۔

السلام نے عزم تو کیا تھا ان شاء اللہ کہنے کا، لیکن یہ کہ ان سے عزم کا پورا کرنا ممکن نہ ہوا تو یہ عزم ناقص ہوا، چنانچہ اسی طرح ان کا بچہ بھی ناقص اور ناتمام رہا، پورا نہیں ہوا۔ (۵)

مودودی صاحب......اور حدیث باب

جناب مودودی صاحب نے اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں ﴿ولقد فتنا سلیمان وألقینا علی کرسیه جسداً ثم أناب ...... إنك أنت الوهاب﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب کو خلاف عقل قرار دیا اور اس کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، لکھتے ہیں:

''تیسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا، مگر یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور ان سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا، جسے دائی نے لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے۔ خود بخاری میں مختلف مقامات پر یہ روایت جن طریقوں سے نقل کی گئی ہے ان میں سے کسی میں بیویوں کی تعداد (۶۰) بیان کی گئی ہے، کسی میں (۷۰)، کسی میں (۹۰)، کسی میں (۹۹) اور کسی میں (۱۰۰)۔ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے، ان میں اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے۔ بلکہ آپ نے غالباً یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا اور سامع کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے۔ ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ

(۵) لامع الدراري (ج۷ص ۲۲۰)۔

سکتا ہے کہ جاڑے کی طویل ترین رات میں بھی عشاء اور فجر کے درمیان دس گیارہ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر بیویوں کی کم سے کم تعداد (۶۰) ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس رات بغیر دم لئے فی گھنٹہ (۶) بیوی کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا گیارہ گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے۔ کیا یہ عملاً ممکن بھی ہے؟ اور کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واقع کے طور پر بیان کی ہوگی۔" (۱)

اس حدیث پر ان کا کلام اور احادیث صحیحہ پر غیر اصولی تنقید کا جو دروازہ انہوں نے کھول دیا ہے، اسے دیکھ کر بخدا ہمارے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور جسم کانپنے لگا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ احادیث پر ماضی میں سلیمانہ علمی نقد و بحث ہوتی رہتی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی، لیکن اس بحث وتمحیص کے کچھ اصول اور قواعد بھی ہیں، جن کی تفصیل حضرات محدثین نے کتب اصول میں کردی ہے۔

اگر ہر شخص کو اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ احادیث صحیحہ کو سند کی صحت اور رجال کی ثقاہت کے باوصف وہ رد کردے، صرف اس لئے کہ ان کے معانی اس کی عقل کے موافق نہیں ہیں تو دین کی بنیاد ہی ڈگمگا جائے گی اور ہر ایرے غیرے، چھوٹے بڑے کے لئے تحریف کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔ لاحول ولا قوة الا باللّٰه العظیم۔

اور جو مودودی صاحب نے رات کے اوقات کا حساب ذکر کیا ہے اور یہ کہ اس تھوڑے وقت میں ساٹھ عورتوں سے جماع ممکن نہیں تو یہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر مدفوع ہے:۔

پہلی وجہ

پیچھے یہ بات آچکی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کا کوئی عدد معین حدیث سے ثابت نہیں ہے، ظاہر یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا عدد ذکر کیا تھا جو کثرت پر دال ہو، چنانچہ رواۃ میں سے بعض نے اس کی تعبیر ساٹھ سے کردی اور کچھ نے نوے یا اس سے زائد سے کردی، کیونکہ رواۃ تو اصل حدیث کو یاد کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور حدیث کے ان اجزاء اور تفاصیل سے زیادہ سروکار نہیں رکھتے جن کا اصل حدیث میں کوئی اثر نہ ہو، تو ہمیں یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ کوئی عدد معین کریں، پھر اس کے حساب سے رات کے اوقات کو مقرر و متعین کریں؟

(۱) تفهیم القرآن (ج٤ ص٣٣٧)۔

دوسری وجہ

ساٹھ کے عدد کو اگر ہم بالفرض صحیح بھی کہیں تو چھ عورتوں سے ایک گھنٹے میں جماع کیونکر محال ہے؟ اور اگر رات بارہ گھنٹوں پر بھی مشتمل ہو تو صحیح حساب ایک گھنٹے میں پانچ عورتیں ہیں تو یہ عقلا محال کیسے ہوگیا کہ اس کی وجہ سے صحیح حدیث کو رد کر دیا جائے؟ اگر انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کی حکایات میں ہم اس طرح کے قیاسات کرنے لگیں تو کسی نبی کا معجزہ ثابت ہوگا نہ ان کے علاوہ کسی کی کرامت، انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض اولیاء تک کے لئے کتنے ہی امور ایسے ثابت ہیں کہ انہوں نے انتہائی تھوڑے وقت میں بہت سے کام انجام دیئے کہ دوسرے لوگ اس سے دوگنے وقت میں بھی وہ کام انجام نہیں دے سکتے، بعض فلاسفہ...... جن کے سرخیل حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں...... نے ثابت کیا ہے کہ وقت کے لئے طول وعرض دونوں ہوتے ہیں، چنانچہ جن چیزوں کا ہم عمومی احوال میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ طول وقت ہے اور بہت سے امور کا تھوڑے سے وقت میں انجام دیئے جانے کا جو ذکر کیا جاتا ہے وہ اوقات کے عرض میں واقع ہوتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

حاصل یہ ہے کہ صرف عقل کا بعض امور کے وقوع کو مستبعد سمجھنا صحیح احادیث کے رد کے لئے کافی نہیں، چنانچہ معجزات اور کرامات ایسے امور ہیں جن کو عقل مستبعد سمجھتی ہے، لیکن یہ بلا شک وشبہ ثابت ہیں۔

اور جہاں تک بعض اصولیین کی اس بات کا تعلق ہے کہ "حدیث کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خلاف عقل نہ ہو" تو اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عقل کے مخالف بایں معنی ہو کہ اس سے محال عقلی لازم آئے، یہ مطلب نہیں کہ اس کو صرف عقل مستبعد سمجھے، ان دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے جو معجزات کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "تدریب الراوی" میں فرماتے ہیں:

"إن من جملة دلائل الوضع أن يكون مخالفا للعقل بحيث لايقبل التأويل، ويلتحق به ما يدفعه الحس والمشاهدة، أو يكون منافيا لدلالة الكتاب القطعية أو السنة المتواترة أوالإجماع القطعي، أما المعارضة مع إمكان الجمع فلا"۔ (۱)

---

(۱) انظر تدريب الراوی (ج۱ ص۲۷۶)۔

”یعنی وضع حدیث کے ادلہ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عقل کے مخالف ہو، اس حیثیت سے کہ تاویل بالکل قبول نہ کرے، اس کے ساتھ وہ بھی شامل ہے جس کو حس یا مشاہدہ رد کرے، یا یہ کہ وہ کتاب اللہ کی قطعی دلالت یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے منافی ہو رہا وہ تعارض جس میں جمع بین الروایات کا امکان ہو تو وہ وضع حدیث کے ادلہ میں سے نہیں ہے“۔

اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ”فتح المغیث“ میں لکھتے ہیں:

”وکأن یکون مخالفا للعقل ضرورة أو استدلالا، ولایقبل تأویلا بحال، نحو: الإخبار عن الجمع بین الضدین، و عن نفي الصانع، وقدم الأجسام، وما أشبه ذلك؛ لأنه لایجوز أن یرد الشرع بما ینافي مقتضی العقل“۔ (۱)

”جیسے ضرورۃ اور استدلالاً عقل کے مخالف ہو اور کسی طور پر تاویل قبول نہ کرتا ہو، جیسے جمع بین الضدین اور نفی صانع اور قدم اجسام اور ان کے مشابہ کسی چیز کی خبر دی گئی ہو، کیونکہ یہ بات درست ہی نہیں کہ حکم شرعی کسی ایسی چیز میں آئے جو عقل کے مقتضی کے منافی ہو“۔ (۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ اس میں سلیمان علیہ السلام کا جہاد کے لئے بچہ طلب کرنے کا ذکر ہے۔ (۳)

٢٤ - باب : الشَّجَاعَةِ في الحَرْبِ وَالجُبْنِ .

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں جنگ میں شجاعت اختیار کرنے کی مدح اور اس میں بزدلی کی مذمت

---

(۱) فتح المغیث شرح ألفیة الحدیث (ج۱ص۲۹٤)، والناقد الحدیث في علوم الحدیث (ص٤٨)۔

(۲) تکملة فتح الملهم (ج۲ص۲۱۲و۲۱۳)، وأیضاً انظر الاستاذ المودودي و شيء من حیاته وأفکاره للبنوري (ص)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١١٥)۔

بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۱)

٢٦٦٥ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ المَلِكِ بْنِ وَاقِدٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ(٢) رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ ، وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ المَدِينَةِ . فَكانَ النَّبِيُّ ﷺ سَبَقَهُمْ عَلَى فَرَسٍ ، وَقالَ : (وَجَدْنَاهُ بَحْرًا) . [ر : ٢٤٨٤]

تراجم رجال

(۱) احمد بن عبد الملک بن واقد

یہ مشہور محدث احمد بن عبد الملک بن واقد الاسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

(۲) حماد بن زید

یہ ابو اسماعیل حماد بن زید بن درہم بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين ......﴾" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

(۴) ثابت بُنانی

یہ مشہور تابعی بزرگ ابو محمد ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب القراءة والعرض على المحدث" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

(۵) انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٧)۔

(٢) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس۔

(٣) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الصلاة، باب الخدم للمسجد۔

(٤) كشف الباري (ج٢ ص٢١٩)۔

(٥) كشف الباري (ج٣ ص١٨٣)۔

مایحب لنفسہ" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

كان النبي صلى الله عليه وسلم أحسن الناس وأشجع الناس وأجود الناس۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔

نبی علیہ السلام کی تین صفتیں

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات ذکر کی گئی ہیں ۱۔احسن،۲۔اشجع،۳۔اجود۔(۲)

حکمائے اسلام کا کہنا ہے کہ انسان کے تین قویٰ ہیں۔عقلیہ، غضبیہ اور شہویہ۔ چنانچہ قوت غضبیہ کے کمال کا مظہر شجاعت ہے، قوت شہویہ کے کمال کا مظہر جود وسخاوت ہے اور قوت عقلیہ کے کمال کا مظہر حکمت ہے اور لفظ ''احسن'' میں اسی قوت عقلیہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ حسن صورت تابع ہے مزاج کے اعتدال کا اور اعتدال مزاج، نفس کی صفائی و پاکیزگی اور جودت طبع سے ماخوذ ہے اور یہی تینوں صفات امہات الاخلاق میں سے ہیں۔(۳)

ولقد فزع أهل المدينة فكان النبي صلى الله عليه وسلم سبقهم على فرس۔

اوراہل مدینہ گھبرا اٹھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہو کر سب سے پہلے پہنچ گئے۔

"فَزِعَ" بکسر الزاء "الفَزَعُ" سے مشتق ہے اور اس کے معنی خوفزدہ ہونے کے ہیں۔(۴)

وقال: وجدناه بحرا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح پایا۔

کتاب الہبۃ کی روایت میں آیا ہے کہ مذکورہ بالا گھوڑا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا جس کو آپ صلی اللہ علیہ

(۱) كشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٧)۔

(۳) شرح الكرماني (ج١٢ ص١١٩)۔

(٤) مختار الصحاح (ص٥٠٢)، مادة "فزع"۔

وسلم نے ان سے بطور عاریت کے لیا تھا اور اسی روایت میں ہے کہ اس گھوڑے کا نام ''مندوب'' تھا۔(۱)

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھوڑے کو سرعت سیر میں بحر سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ ہم نے اس گھوڑے کو سرعت سیر میں سمندر کی طرح پایا، چنانچہ سمندر کا پانی جس طرح مسلسل تیزی سے جاری رہتا ہے اسی طرح یہ گھوڑا بھی مسلسل چلتا اور دوڑتا رہا، تھکا بالکل نہیں۔(۲)

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے گھوڑے کو سمندر سے تشبیہ رسول ﷺ نے دی۔(۳)

ترجمۃ الباب سے مطابقتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں ہے: "وأشجع الناس"۔(۴)

٢٦٦٦ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ : أَنَّ مُحمَّدَ بْنَ جُبَيْرٍ قالَ : أَخْبَرَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ (٥) : أَنَّهُ بَيْنَما يَسِيرُ هُوَ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَمَعَهُ النَّاسُ ، مَقْفَلَهُ مِنْ حُنَيْنٍ ، فَعَلِقَهُ النَّاسُ يَسْأَلُونَهُ ، حَتَّى ٱضْطَرُّوهُ إِلَى سَمُرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَاءَهُ ، فَوَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (أَعْطُونِي رِدَائِي ، لَوْ كانَ لِي عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمًا لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ، ثُمَّ لَا تَجِدُونِي بَخِيلاً ، وَلَا كَذُوبًا ، وَلَا جَبَانًا) . [٢٩٧٩]

تراجم رجال

(۱) ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحديث السادس"

(١) صحيح بخاری (ج١ ص٣٥٨) كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس، رقم (٢٦٢٧)۔

(٢) شرح ابن بطال (ج٥ ص٣٤)۔

(٣) شرح ابن بطال (ج٥ ص٣٤)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٧)۔

(٥) قوله: "جبير بن مطعم": الحديث، أخرجه البخاري (ج١ ص٤٤٦) كتاب فرض الخمس، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من الخمس ونحوه، رقم (٣١٤٨)۔ والحديث من إفراده۔

کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) شعیب

یہ ابو بشر شعیب بن ابی حمزہ القرشی الاموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی "بدء الوحي" کی چھٹی حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۲)

(۳) زہری

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۳)

(۴) عمر بن محمد بن جبیر

یہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم،حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے پوتے عمر بن محمد بن جبیر بن مطعم بن عدی القرشی النوفلی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

یہ اپنے والد محمد بن جبیر سے روایت کرتے ہیں۔

اوران سے روایت حدیث کرنے والے صرف امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۶)

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۷)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۸)

---

(۱) کشف الباري (ج۱ص۴۷۹)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص۴۸۰)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۳۲۶)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۲۱ص٤٩٥)۔ وقال الذهبي في الميزان (ج۳ص۲۲۰): "ماروى عنه في علمي سوى الزهري"۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) تقريب التهذيب (ص٤١٦)، رقم (٤٩٦٣)۔

(۸) الثقات لابن حبان (ج۷ص۱٦٦)۔

یہ امہات ستہ میں سے صرف صحیح بخاری کے راوی ہیں اور امام بخاری نے بھی ان سے صرف ایک حدیث (مذکور فی الباب) لی ہے۔(۱)

(۵) محمد بن جبیر

یہ ابوسعید محمد بن جبیر بن مطعم المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

(۶) جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۳)

أنه بينما هو يسير مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه الناس مقفله من حنين

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے غزوۂ حنین سے واپسی کے وقت۔

یہاں حدیث باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جو غزوۂ حنین سے واپسی کے وقت پیش آیا۔

ہوا یوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین میں فتح ونصرت کے بعد اہل حنین کے قیدیوں کو ان کے گھر والوں پر لوٹا کر فارغ ہوئے تو آپ سوار ہوئے اور چل پڑے، دوسرے لوگ بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور آپ سے اموال غنیمت کا مطالبہ کرنے لگے، چنانچہ اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا "أعطوني ردائي......"۔(۴)

"مقفله" مصدر میمی ہے یا ظرف زمان اور "قفول" کے معنی "رجوع" کے ہیں۔(۵) جب کہ بخاری ہی کی ایک روایت میں "مقبلا من حنين" (۶) کے الفاظ آئے ہیں یعنی درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے لوٹ

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۱ص۴۹٦)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الأذان، باب الجهر في المغرب۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثا۔

(٤) سيرة ابن هشام (ج۳-٤ص٤٩٢)۔

(٥) شرح الطيبي (ج۱۱ص۳۱)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۱۸)، وجامع الأصول (ج٥ص۱۰)۔

(٦) صحيح بخارى (ج۱ص٤٤٦) كتاب فرض الخمس، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من الخمس ونحوه، رقم (۳۱٤۸)۔

رہے تھے، اس روایت میں یہ حال واقع ہوا ہے۔(۱)

فعلقه الناس يسألونه حتى اضطروه إلى سمرة، فخطفت ردائه۔

چنانچہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے کہ وہ آپ سے مانگ رہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیکر کے درخت کے پاس پناہ لینے پر مجبور کردیا تو کیکر نے آپ کی چادر مبارک اچک لی۔

"عَلِقَ" یہ باب "سمع" سے ہے اور "تعلّق" کے معنی میں ہے یعنی چمٹ جانا اور لازم پکڑنا۔(۲)

اور "الناس" سے مراد "الأعراب" یعنی دیہاتی ہیں، جیسا کہ کتاب فرض الخمس کی روایت میں "الأعراب" آیا ہے۔(۳) اور "یسألونه" الناس سے حال واقع ہورہا ہے۔(۴)

اور "خطف" کے معنی اچانک اُچک لینے کے ہیں(۵) اور یہاں مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کیکر کے کانٹوں میں الجھ گئی اور ان کانٹوں میں پھنس گئی۔(۶)

فوقف النبي صلى الله عليه وسلم فقال: أعطوني ردائي، لو كان لي عدد هذه العضاه نعما لقسمته بينكم۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف فرمایا اور کہا، میری چادر مجھے دو، اگر میرے ان کانٹے دار درختوں کے برابر بھی چوپائے ہوتے تو سب کو میں تم لوگوں میں تقسیم کردیتا۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملے کا مطلب یہ فرمایا کہ میں اپنا مال تم لوگوں کو بخش دینے کو تیار ہوں تو تم لوگوں نے جو غنیمت حاصل کی ہے وہ تو میں بطریق اولی تمہیں دوں گا۔(۷)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٢٥٤)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١١٨)۔

(٣) صحيح بخارى (ج١ص٤٤٦) كتاب فرض الخمس، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من الخمس ونحوه، رقم (٣١٤٨)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١١٨)۔

(٥) مختار الصحاح (١٨١) مادة "خطف"۔

(٦) شرح الطيبي (ج١١ص٣١)۔

(٧) شرح القسطلاني (ج٥ص٥٤)۔

"عضاہ" یہ عضاهة وعضهة وعضة کی جمع ہے۔(۱) اور عضاہ ہر اس درخت کو کہتے ہیں جو کانٹے دار ہو جیسے ببول اور کیکر کا درخت۔(۲)

ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ حالت وصل اور وقف دونوں میں ہاء کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔(۳)

کلمہ "نعم" کی لغوی تحقیق

"نعم" کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابوجعفر النحاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعم کا اطلاق ابل، بقر اور غنم پر ہوتا ہے، چنانچہ صرف اونٹ کو نعم نہیں کہا جاتا، اسی طرح صرف گائے، بکری پر بھی اس کا استعمال شائع نہیں۔(۴)

اور علامہ فراء نحوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هو ذكر لايؤنث، يقولون: هذا نعم وارد، وجمعه نعمان كحمل وحملان"۔(۵)

نعم کا اعراب

یہاں "نعما" منصوب واقع ہوا ہے، جب کہ ابوذر کی روایت میں یہ لفظ مرفوع ہے۔(۶)

چنانچہ اگر یہ کلمہ مرفوع ہے تو یہ کان کا اسم مؤخر ہے اور "عدد هذه العضاة" خبر مقدم اور اگر منصوب ہے تو نعما بنا بر تمیز منصوب ہے اور کان تامہ ہے۔

یا یہ کہ کان ناقصہ ہے اور نعما خبر کان اور عددُ اسم کان ہے۔(۷)

ثم لا تجدوني بخيلاً ولا كذوباً ولا جباناً۔

پھر تم مجھے بخیل پاؤ گے اور نہ جھوٹا اور نہ بزدل۔

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۱۸)۔

(۲) جامع الأصول (ج٥ص۱۰)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۱۸)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(٥) مختار الصحاح (ص٦٦٩)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ص۳٥)۔

(۷) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۱۸)۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم مجھے مشکل اور کٹھن حالات میں بھی آزماؤں تو صفات رذیلہ مثلاً بخل، کذب اور بزدلی وغیرہ کے ساتھ متصف نہ پاؤگے۔(۱)

نفی مطلق وصف کی ہے مبالغے کی نہیں

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین صفات رذیلہ کی اپنی ذات سے نفی فرمائی ہے اور الفاظ جو استعمال فرمائے ان میں سے کذوب مبالغہ کا، جبان صفت مشبہہ کا صیغہ ہے، جب کہ بخیل دونوں کا احتمال رکھتا ہے، لیکن یہاں مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مطلقاً وصف کی نفی ہے۔ ورنہ مشہور اشکال پیش آئے گا کہ کذوب میں نفی مطلقاً کذب کی نہیں بلکہ زیادہ کذب کی ہے، اسی طرح دیگر الفاظ میں بھی یہی اشکال ہے اور مطلب یوں ہو جائے گا کہ کاذب تو ہیں لیکن کذوب نہیں وھلم جرا۔

اس لئے یہاں مطلقاً نفی اوصاف ثلاثہ کی ہے نہ کہ مبالغہ کی، یہ اسی طرح ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے قول میں ہے ﴿وما ربك بظلام للعبيد﴾ (۲) کہ اس آیت میں بھی نفی مطلق ظلم کی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا نعوذ باللہ ظالم ہونا لازم آئے گا! اور یہ بدیہی البطلان ہے۔(۳)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں کلمہ "ثم" تراخی فی الرتبہ کے لئے ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں اس عطاء میں مجبور نہیں ہوں بلکہ پورے شوق و رغبت کے ساتھ تمہیں دوں گا اور میں جھوٹا بھی نہیں کہ ابھی تو تم سے وعدہ کر کے تم کو چلتا کردوں پھر بعد میں مکر جاؤں اور تمہیں مال نہ دوں اور نہ ہی میں بزدل ہوں کہ کسی سے ڈروں۔ تو گویا یہ دونوں جملے "ولا كذوبا ولا جبانا" کلام سابق کا تتمہ ہیں۔(۴)

اور علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم کذب سے قوتِ عقلیہ کے کمال یعنی حکمت کی طرف، عدم جبن سے قوت غضبیہ کے کمال یعنی شجاعت کی طرف اور عدم بخل سے قوت شہویہ کے کمال یعنی سخاوت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوت عقلیہ، قوت غضبیہ اور قوت شہویہ میں کامل تھے اور یہی

---

(۱) شرح الطيبي (ج۱۱ ص۳۲)۔

(۲) فصلت/٤٦۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٨)، وشرح القسطلاني (ج٥ ص٥٤)۔

(٤) شرح الطيبي (ج۱۱ ص٣٢٥)۔

تینوں قوی اخلاق فاضلہ کی اصل ہیں، چنانچہ پہلا صدیقین، دوسرا شہداء اور تیسرا صلحاء کا مرتبہ ہے۔ اللهم اجعلنا منهم۔(۱)

فوائد حدیث جبیر بن مطعم

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث جبیر میں کئی فوائد ہیں، مثلاً:

۱...... جہلاء اگر کسی صاحب علم وفضل آدمی کے بارے میں سوء ظن اور بدگمانی کا شکار ہوں تو اس آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی عادات شریفہ اور خصائل حمیدہ کا سر عام ذکر کرے، تاکہ بدگمانی دور ہو۔

۲...... حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص جس میں بخل، کذب اور بزدلی جیسے صفات رذیلہ ہوں وہ لوگوں کا مقتدا و پیشوا نہیں بن سکتا۔ اور لوگوں کو بھی چاہئے کہ جس میں ان میں سے کوئی بھی صفت ہو اسے امام اور خلیفہ نہ بنائیں۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں ہے: "ثم لا تجدوني بخيلا، ولا كذوبا، ولا جبانا"۔(۳)

۲۵ - باب : ما يُتَعَوَّذُ مِنَ الجُبْنِ .

ماقبل سے ربط ومناسبت

باب سابق میں بزدلی کے مذموم وقبیح ہونے کا بیان تھا اور اس باب میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب بزدلی مذموم وقبیح ہے تو اس سے پناہ مانگنی چاہئے۔

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۲۰)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ص۳٤)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١١٧)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں بزدلی سے پناہ مانگنی چاہئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی ہے۔(۱)

٢٦٦٧ : حدّثنا مُوسٰى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ : سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيَّ قالَ : كانَ سَعْدٌ(۲) يُعَلِّمُ بَنِيهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ ، كما يُعَلِّمُ الْمُعَلِّمُ الْغِلْمَانَ الْكِتَابَةَ ، وَيَقُولُ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كانَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ : (اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ) . فَحَدَّثْتُ بِهِ مُصْعَبًا فَصَدَّقَهُ . [٦٠٠٤ ، ٦٠٠٩ ، ٦٠١٣ ، ٦٠٢٧]

تراجم رجال

(۱) موسی بن اسمعیل

یہ ابوسلمہ موسی بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۳)

(۲) ابوعوانہ

ان کا نام وضاح بن عبداللہ یشکری رحمۃ اللہ علیہ ہے، ان کے حالات بھی "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ص١١٩)۔

(٢) قوله: "سعد": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً (ج٢ص٩٤٢) كتاب الدعوات، باب التعوذ من عذاب القبر، رقم (٦٣٦٥)، و(ص٩٤٢) باب التعوذ من البخل، رقم (٦٣٧٠)، و(ص٩٤٢) باب الاستعاذة من أرذل العمر، ومن فتنة الدنيا، ومن فتنة النار، رقم (٦٣٧٤)، و(ص٩٤٥) باب التعوذ من فتنة الدنيا، رقم (٦٣٩٠)، والترمذي في سننه (ج٢ص١٩٦) أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله عليه وسلم وتعوذه في دبر كل صلوة، رقم (٣٥٦٧)، والنسائي (ج٢ص٣١٥) كتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من فتنة الدنيا، رقم (٥٤٨٠) و(٥٤٨١)، وباب الاستعاذة من البخل، رقم (٥٤٤٩)۔

(٣) كشف الباري (ج١ص٤٣٣)۔

تحت آ چکے ہیں۔(۱)

(۳) عبد الملک بن عمیر

یہ ابوعمر عبد الملک بن عمیر بن سوید الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

(۴) عمرو بن میمون الاودی

یہ ابو یحیی عمرو بن میمون الاودی الحضرمی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

(۵) سعد

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سعد بن ابی وقاص اللیثی المدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب إذا لم يكن الإسلام على الحقيقة ......" کے تحت آ چکے ہیں۔(۴)

قال: كان سعد يعلم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلم المعلم الغلمان الكتابة

عمرو بن میمون الاودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں کو یہ کلمات اس طرح سکھاتے جس طرح کے معلم لڑکوں کو کتابت سکھاتا ہے۔

یہاں بطور تمہید آنے والے کلمات دعائیہ کی اہمیت بتانے کے لئے یہ بیان کیا گیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کلمات کو اپنے بچوں کو سکھانے کے لئے بے حد اہتمام فرماتے تھے اور راوی عمرو بن میمون نے اس کو بچوں کو تحریر سکھانے سے تشبیہ دی کہ جس طرح بچوں کو تحریر و کتابت سکھلانا محنت و اہمیت کا متقاضی ہے، اسی طرح ان کلمات کو بھی سکھلانے میں محنت و اہتمام کرنا چاہئے۔

ويقول: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يدعو منهنّ دبر الصلاة

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے کہ رسول ﷺ ان کلمات کے ساتھ ہر نماز کے بعد دعاء فرماتے تھے۔

اور وہ کلمات یہ ہیں:

---

(۱) حوالہ بالا (ص۴۳۴)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الأذان، باب اهل العلم والفضل أحق بالإمامة۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أو جيفة لم تفسد عليه صلاته۔

(٤) كشف الباري (ج۲ ص ۱۷۳)۔

اللهم إني أعوذ بك من الجبن، و أعوذ بك أن أرد إلى أرذل العمر، وأعوذ بك من فتنة الدنيا، وأعوذ بك من عذاب القبر۔

اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ لوٹا دیا جاؤں نکمی عمر تک اور پناہ چاہتا ہوں میں دنیا کے فتنے سے اور پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے۔

"أرذل العمر" سے زندگی کا وہ دور مراد ہے جب بڑھاپے کی وجہ سے عقل وفہم کی قوتیں بے کار ہو جائیں، غور وفکر کی صلاحیتیں سلب ہو جائیں اور آدمی خفت عقل اور قلت فہم کی وجہ سے بچوں کی طرح حرکات کرنے لگے۔(۱)

نتیجتاً اس سے ادائیگی فرائض میں کوتاہی ہونے لگے اور اپنے جسم تک کی صفائی و نظافت سے عاجز ہو جائے اور اپنے اہل خانہ اور خاندان کے لئے مصیبت اور بوجھ بن جائے، وہ اس کی موت کی تمنا کرنے لگیں اور اگر خاندان وغیرہ نہ ہو تب تو مصیبت در مصیبت ہے، تو آدمی کو ایسے وقت سے پناہ مانگنی چاہئے۔(۲)

"فتنة الدنيا" سے مراد یہ ہے کہ دنیا کے بدلے میں آخرت کو بیچ دے، دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی پر فوقیت دے۔(۳)

جب کہ کتاب الدعوات کی روایت میں "فتنة الدنيا" کی تفسیر راوی حدیث عبدالملک بن عمیر نے "فتنة الدجال" سے کی ہے۔(۴)

اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ دجال کا فتنہ دنیا کے تمام دیگر فتنوں سے ہولناک ہوگا۔(۵)

فحدثت به مصعباً فصدقه۔

تو میں نے یہ حدیث مصعب کو سنائی، چنانچہ انہوں نے حدیث کی تصدیق کی۔

مذکورہ بالا قول کے قائل راوی حدیث عبدالملک بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور مصعب سے مراد مصعب بن سعد بن ابی وقاص رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۲۱)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۱۹)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) صحيح البخاري (ج۲ ص۹٤۲) كتاب الدعوات، باب التعوذ من عذاب القبر، رقم (٦٣٦٥)۔

(٥) شرح القسطلاني (ج٥ ص٥٥)۔

اب مطلب یہ ہوا کہ راوی حدیث عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو بغرض تصدیق حضرت مصعب کو سنائی تو انہوں نے حدیث کی صحت کی تصدیق کی۔(۱)

فائدہ

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبقات'' میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اولاد کی تعداد ۳۱ بتائی ہے، جن میں سے ۱۴ صاحبزادے اور ۱۷ صاحبزادیاں تھیں۔(۲)

اوران میں سے پانچ محدث تھے اور اپنے والد محترم سے روایت حدیث کرتے تھے، ان کے نام یہ ہیں: عمر، عامر، محمد، مصعب اور عائشہ۔(۳)

تنبیہ

حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے اطراف میں فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی روایت میں مصعب بن سعد بن ابی وقاص کو ذکر نہیں کیا اور نسائی نے ذکر کیا ہے۔(۴)

لیکن حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں تسامح ہوگیا ہے کیونکہ بخاری کی تمام روایات میں مصعب کا تذکرہ موجود ہے۔(۵)

(٦)
٢٦٦٨ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قالَ : سَمِعْتُ أَبِي قالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ ، وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ) .

[٤٤٣٠ ، ٦٠٠٦ ، ٦٠٠٨ ، ٦٠١٠]

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٩)۔

(٢) طبقات ابن سعد (ج٣ ص١٣٧)۔

(٣) فتح الباري (ج٦ ص٣٦)۔

(٤) تحفة الأشراف (ج٣ ص٣٠٧)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ ص٣٦)۔ =

تراجم رجال

(۱) مسدد

یہ مسدد بن مسرہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) معتمر

یہ معتمر بن سلیمان تیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

(۳) أبي

"أب" سے مراد ابوالمعتمر سلیمان بن طرحان تیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

(۴) انس بن مالک رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

=(٦) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً (ج٢ص٦٨٣) كتاب التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ومنكم من يرد إلى أرذل العمر﴾، رقم (٤٧٠٧)، و(ج٢ص٩٤٢) كتاب الدعوات، باب التعوذ من فتنة المحيا والممات، رقم (٦٣٦٧)، وباب الاستعاذة من الجبن والكسل، رقم (٦٣٦٩)، و باب التعوذ من أرذل العمر، رقم (٦٣٧١)، ومسلم (ج٢ص٣٤٧) كتاب الذكر والدعاء، باب التعوذ من العجز والكسل وغيره، رقم (٦٧٧٣)، وأبو داود (ج١ص٢١٥)، كتاب الصلاة، باب في الاستعاذة، رقم (١٥٤٠)، و(ج٢ص١٩٧) كتاب الحروف والقراءات، باب (بلا ترجمة)، رقم (٣٩٧٢)، والترمذي (ج٢ص١٨٧)، أبواب الدعوات، باب الاستعاذة من الهم والدّين، رقم (٣٤٨٠) و(٣٤٨١)، والنسائي (ج٢ص٣١٣)، كتاب الاستعاذة، أبواب الاستعاذة من البخل ومن الهم ومن الحزن، رقم (٥٤٥٠—٥٤٥٥)۔

(١) كشف الباري (ج٢ص٢)۔

(٢) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لايفهموا۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) كشف الباري (ج٢ص٤)۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول: اللهم إني أعوذ بك من العجز والكسل والجبن والهرم، وأعوذ بك من فتنة المحيا والممات، وأعوذ بك من عذاب القبر۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، اے اللہ! میں آپ کی پناہ کا خواستگار ہوں درماندگی اور سستی اور بزدلی اور بڑھاپے کی انتہاء سے اور میں آپ کی پناہ کا خواستگار ہوں زندگی اور موت کے فتنے سے اور میں آپ کی پناہ کا خواستگار ہوں عذاب قبر سے۔

حدیث شریف کے
مختلف مشکل الفاظ کی توضیح

"عجز" قدرت کی ضد ہے، کسی کام پر قدرت وطاقت نہ رکھنے والے کو عاجز کہا جاتا ہے۔(۱)

اور"کسل" کہتے ہیں ضعیف الہمتی اور سستی کو۔اس سے پناہ مانگنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صفت اعمال صالحہ سے دور کر دیتی ہے۔(۲)

اب عجز اور کسل کے درمیان فرق یہ ہوا کہ کسل کسی کام پر قدرت ہوتے ہوئے اسے ترک کر دینا ہے، جب کہ عجز میں قدرت ہی مفقود ہے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے پناہ چاہی ہے۔(۳)

"ہرم" کے بارے میں علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ضد الشباب"(۴) کہ جوانی کی ضد ہے۔

اور امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ھَرَمٌ" اس بوڑھے کو کہا جاتا ہے جس کی عمر بہت ہو چکی ہو، جس کی وجہ سے اس کے اعضاء کمزوری اور قوی ضعف کا شکار ہو جائیں۔(۵)

اور ہرم سے پناہ مانگنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اُن امراض میں سے ہے جن کی کوئی دواء نہیں۔(۶)

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۲۱)۔

(۲) عمدة القاري (۱٤ص۱۱۹)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص۳٦)۔

(٤) شرح الكرماني(ج۱۲ ص۱۲۱)۔

(٥) المغرب (ج۲ ص۳۸۳)، و عمدة القاري (ج۱٤ص۱۱۹)۔

(٦) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۱۹)۔

"محیا وممات" دونوں مصدر میمی ہیں اور حیات وموت کے معنی میں ہیں، "فتنة المحيا" یہ ہے کہ آدمی دنیا کے فتنے میں مبتلا ہوجائے اور اس میں منہمک ومشغول ہوجائے کہ آخرت کو پس پشت ڈال دے۔

اور "فتنة الممات" یہ ہے کہ موت کے وقت سوء خاتمہ کا ڈر ہو۔(۱)

حدیث کی ترجمۃ الباب کے مناسبت

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے لفظ "والجبن" میں ہے۔(۲)

٢٦ - باب : مَنْ حَدَّثَ بِمَشَاهِدِهِ فِي الحَرْبِ .

ماقبل سے مناسبت

پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا تھا "باب الشجاعة في الحرب والجبن" کا اور اس میں شجاعت وبسالت فی الحرب کی مدح تھی اور اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بہادری وجانبازی کے واقعات لوگوں کو سناتا ہے تو جائز ہے بشرطیکہ ریاء ونمود نہ ہو۔

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اگر کسی نے تکلیف اٹھائی اور مشقت برداشت کی تو اس کا لوگوں سے بیان کرنا جائز ہے، تاکہ لوگوں کو اس سے ترغیب ہو اور وہ اس کی اقتداء میں فخر محسوس کریں، لیکن اگر مقصود اظہار شجاعت اور ریاء کاری ہو تو ناجائز ہے۔(۳)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٩-١٢٠)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ ص١١٩)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٠)۔

قالَهُ أَبُو عُثْمانَ ، عَنْ سَعْدٍ . [ر : ٣٥١٧ ، ٤٠٧١]

اس (بات) کوابوعثمان نے سعد سے نقل کیا ہے۔

یہاں ابوعثمان سے النہدی مراد ہیں، جب کہ سعد سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔(۱)

اوراس تعلیق کوامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب فضائل أصحاب النبي صلی اللہ علیه وسلم اور کتاب المغازی(۲) میں نقل کیا ہے۔(۳)

اورمقصداس تعلیق کا یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی بہادری کے واقعات بیان کرتے تھے۔(۴)

٢٦٦٩ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا حاتِمٌ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ ، عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدَ (٥) قالَ : صَحِبْتُ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ ٱللهِ ، وَسَعْدًا ، وَالْمِقْدادَ بْنَ الْأَسْوَدِ ، وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمْ ، فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، إِلَّا أَنِّي سَمِعْتُ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ يَوْمِ أُحُدٍ . [٣٨٣٥]

تراجم رجال

(۱) قتیبہ بن سعید

یہ شیخ الاسلام، راویۃ الاسلام، ابورجاء قتیبہ بن سعید بن ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب افشاء السلام من الإسلام" کے تحت آچکے۔(۶)

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) صحیح البخاري (ج۱ص۵۲۷) کتاب فضائل أصحاب النبي صلی اللہ علیه وسلم، باب ذر طلحة بن عبید اللہ،رقم (۳۷۲۲، ۳۷۲۳)، و(ج۲ص۵۸۱)، کتاب المغازي، باب ﴿إذ همت طائفتان منکم أن تفشلا﴾ ، رقم (۴۰۶۰، ۴۰۱)۔

(۳) تغلیق التعلیق (ج۳ص۴۳۳)۔

(۴) فتح الباري (ج۶ص۳۶)۔

(۵) قوله: "عن السائب بن یزید": الحدیث أخرجه البخاري أیضاً (ج۲ص۵۸۱)، کتاب المغازي، باب ﴿إذ همت طائفتان منکم أن تفشلا﴾ ، رقم (۴۰۶۰)۔ والحدیث أخرجه البخاري فقط کما فی جامع الأصول (ج۸ص۲۵۳)۔

(۶) کشف الباري (ج۲ص۱۸۹)۔

(۲) حاتم

یہ ابواسمعیل حاتم بن اسماعیل المدنی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

(۳) محمد بن یوسف

یہ محمد بن یوسف بن عبداللہ الکندی ابن اخت النمر المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

(۴) السائب بن یزید

یہ سائب بن یزید بن سعید الکندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ اصاغر صحابہ میں سے تھے۔(۳)

قال: صحبت طلحة بن عبيد الله وسعدا والمقداد بن الأسود وعبدالرحمن بن عوف رضي الله عنهم، فما سمعت أحداً منهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مقداد بن الاسود اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کی صحبت میں رہا، لیکن ان میں سے کسی کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کرتے نہیں سنا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
کی روایت حدیث میں احتیاط کی وجہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث اس لئے نہیں کرتے تھے کہ کہیں ان سے حدیث میں کمی یا زیادتی نہ ہو جائے پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کے تحت داخل ہو جائیں "من يقل علي مالم أقل فليتبوأ مقعده من النار" (۴) چنانچہ یہ حضرات حدیث کی روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد "فأقلوا الرواية عن الرسول، ثم أنا شريككم" (۵) یعنی

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب (بلاترجمة)، بعد باب استعمال فضل وضوء الناس۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب جزاء الصيد، باب حج الصبيان۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب (بلاترجمة)، بعد باب استعمال فضل وضوء الناس۔

(٤) الحديث أخرجه البخاري (ج۱ ص۲۱) كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۱۰۹)۔

(٥) سنن ابن ماجه (ص٤) المقدمة، باب التوقي في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۸)۔

''پس تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو، پھر میں بھی اس معاملے میں تمہارے ساتھ شریک ہوں۔'' کی وجہ سے محتاط رہا کرتے تھے۔(۱)

راوی حدیث حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ ہی کی ابن ماجہ میں روایت ہے: "صحبت سعد بن مالك من المدينة إلى مكة، فما سمعته يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم بحديث واحد." (۲) کہ ''میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک ہم سفر رہا، مگر ان کو ایک حدیث بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے نہیں سنا۔''

چنانچہ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث میں احتیاط کرتے تھے۔(۳)

إلا أني سمعت طلحة يحدث عن يوم أحد

مگر یہ کہ میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو احد کے دن کے واقعات بیان کرتے سنا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اگر کچھ بیان بھی کرتے تو غزوۂ احد کے موقع پر انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے وہ بیان کرتے کیونکہ وہ جنگ احد کے دن افراتفری کے وقت ان صحابہ میں سے تھے جو ثابت قدم رہے اور ان کے قدم نہ ڈگمگائے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں کرتے تھے خشية الزيادة والنقصان۔(۴)

چنانچہ امام بخاری ہی نے کتاب المغازی میں قیس سے روایت نقل کی ہے: "رأيت يد طلحة شلاءً وقى بها الرسول صلى الله عليه وسلم يوم أحد" کہ ''میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو مفلوج دیکھا جس کے ذریعے انہوں احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی''۔(۵)

اسی طرح ایک اور روایت جو ابوعثمان النہدی سے مروی ہے اس میں ہے: "لم يبق مع النبي صلى الله

(۱) شرح ابن بطال (ج٥ ص٣٦)۔

(۲) ابن ماجه (ص٤) المقدمة، باب التوقي في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٢٩)۔

(۳) مر هذا البحث مفصلا في كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، فراجعه إن شئت۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٠)۔

(٥) صحيح بخارى كتاب المغازي، باب ﴿إذ همّت طائفتان منكم أن تفشلا، والله وليهما﴾، رقم (٤٠٦٣)۔

عليه وسلم في تلك الأيام الذي يقاتل فيهن غير طلحة وسعد"۔ (۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث کے اس جملے میں ہے: "سمعت طلحة يحدث عن يوم أحد" کہ میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے جنگی کارناموں کو بیان کرتے سنا جو انہوں نے جنگ احد میں سرانجام دیئے تھے۔ (۲)

۲۷ - باب: وُجُوبِ النَّفِيرِ، وَما يَجِبُ مِنَ ٱلْجِهَادِ وَالنِّيَّةِ.

ماقبل سے ربط ومناسبت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ماقبل میں مختلف عنوانات کے تحت جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے فضائل نقل کئے تھے اور کچھ احکامات جہاد کا ذکر بھی کیا تھا، اب جہاد کے وجوب سے متعلق مزید احکامات بیان کرنا چاہتے ہیں۔

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب سے نفیر عام کے وقت جہاد کے لئے نکلنے کے وجوب، جہاد کی مقدار مشروع اور نیت کی مشروعیت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۳)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد یہ ہو کہ جہاد ہر حال میں فرض عین ہے اور یہی قول حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا بھی ہے (۴) جیسا کہ ہم کتاب الجہاد کے شروع میں بیان کرچکے ہیں۔

---

(۱) حوالۂ بالا، رقم (٤٠٦٠ و٤٠٦١)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٠)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٠)، وفتح الباري (ج٦ ص٣٧)۔

(۴) الأبواب والتراجم للكاندهلوي (ج١ ص١٩٥)۔

اور اس بات کی تفصیل بھی کہ جہاد نفیر عام کے وقت فرض عین ورنہ فرض کفایہ ہے اور یہ کہ نیت جہاد کی مشروعیت اب بھی باقی ہے، اس کو ہم کتاب الجہاد کے ابتداء میں بیان کر چکے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاد کا حکم کیا تھا؟

باقی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جہاد کا کیا حکم تھا اس میں اختلاف ہے۔

چنانچہ اس میں تو جمہور کا اتفاق ہے کہ جہاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الی المدینۃ المنورۃ کے بعد ہی مشروع ہوا، لیکن اس کے بعد کیا یہ فرض عین تھا یا فرض کفایہ؟

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ تو کہتے ہیں کہ مہاجرین کے حق میں فرض عین تھا اور انصار کے ذمے فرض کفایہ تھا۔

اس پر دلیل فتح مکہ سے قبل ہر نو مسلم پر ہجرت الی المدینۃ کا واجب ہونا ہے تا کہ اسلام کی نصرت و معاونت کر سکے۔(۱)

جبکہ علامہ سہیلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انصار پر تو فرض عین تھا اور مہاجرین پر فرض کفایہ۔

اس قول کی تائید لیلۃ العقبہ کی بیعت سے ہوتی ہے کہ اس موقع پر انصار سے اس بات کی بیعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لی تھی کہ وہ آپ کو پناہ دیں گے اور آپ کی نصرت کریں گے۔(۲)

اب دونوں کے اقوال کا حاصل یہ نکلا کہ انصار و مہاجرین دونوں پر فرض عین بھی تھا اور فرض کفایہ بھی، لیکن اس کے باوصف یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ یہاں دو صورتیں ہیں:

۱۔ مدینہ سے باہر نکل کر قتال کیا جائے۔

۲۔ مدینہ ہی میں رہ کر قتال کیا جائے۔

چنانچہ دونوں اقوال میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ اگر مدینہ منورہ سے باہر نکل کر قتال کی صورت ہو تو مہاجرین پر فرض عین تھا، انصار پر فرض کفایہ۔

اور اگر لڑائی مدینہ منورہ کے اندر ہی ہوتی ہو تو انصار پر فرض عین اور مہاجرین پر فرض کفایہ۔(۳)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص ٣٧)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص ٣٧)۔

غالبًا اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر روئے سخن انصار کی طرف رکھا تھا، کیونکہ ان سے معاہدہ یہ ہوا تھا کہ وہ مدینے میں رہ کر دفاع اور معاونت کریں گے۔(۱)

بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ جس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بنفس نفیس شریک ہوتے اس میں سب کی شرکت بطور فرض عین تھی ورنہ فرض کفایہ۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو معین فرما دیتے اس کے حق میں فرض عین تھا، اگرچہ وہ نہ نکلے۔(۳)

وَقَوْلِهِ : «اَنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالاً وَجاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ . لَوْ كانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللهِ» . الآيَةَ /التوبة: ٤١ ، ٤٢/ .

وَقَوْلِهِ : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ما لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا في سَبِيلِ اللهِ اثّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الآخِرَةِ - إِلَى قَوْلِهِ - عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ» /التوبة: ٣٨ ، ٣٩/ .

پہلی آیت کا ترجمہ وتشریح

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: جہاد کے لئے نکل پڑو، خواہ تھوڑے سامان سے ہو اور خواہ زیادہ سامان سے ہو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو اور اگر کچھ لگے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی سا ہوتا تو یہ منافقین ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے، لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی (اسی لئے رک گئے ہیں اور جب تم واپس جہاد سے آؤ گے) تو خدا کی قسمیں کھائیں گے۔(۴)

---

(۱) سيرة ابن هشام مع الروض الأنف للسهيلي (ج٢ص٦٤) قال ابن إسحق: "......... ثم قال رسول الله ﷺ: أشيروا علي يا أيها الناس — وإنما يريد الأنصار، و ذلك أنهم عدد الناس، وأنهم حين بايعوه بالعقبة قالوا: يا رسول الله، إنا براء من ذمامك حتى تصل إلى دورنا، فإذا وصلت إلينا فأنت في ذمتنا؛ نمنعك مما نمنع منه أبناء نا و نساء نا"۔ ولمزيد من التفصيل انظر كشف الباري، كتاب المغازي(ص٥٣)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٣٧)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٣٧)۔

(٤) بيان القرآن، سورة التوبة(ج١ص١١٣)۔

"خفافا وثقالا" کے معنی یا تو "متأهبين أو غير متأهبين" کے ہیں یعنی تیاری کی حالت ہو یا تیاری نہ ہو، یا "نشاط أو غير نشاط" کے ہیں کہ دل کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو یا "رجالا أو ركبانا" کے ہیں یعنی پیادہ ہو یا سوار ہر حالت میں نکلو۔(۱)

اور یہ دونوں کلمے "انفروا" کی ضمیر جمع سے حال واقع ہوئے ہیں، اس لئے منصوب ہیں۔(۲)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت "انفروا خفافا وثقالا" سورۃ التوبہ کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت ہے۔ نیز ابو مالک الغفاری اور ابن الضحاک کا بھی یہی قول ہے اور یہ کہ دیگر آیات بعد میں نازل ہوئیں۔(۳)

بعض صحابۂ کرام جیسے حضرت ابو ایوب انصاری اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد کسی بھی غزوہ سے تخلف نہیں کرتے پیچھے رہ جانے کو ناپسند فرماتے اور مذکورہ بالا آیت کو عموم پر محمول فرماتے تھے یہانتک کہ ان حضرات کا انتقال بھی میدان جہاد ہی میں ہوا۔(۴)

وقوله: يا أيها الذين مالكم إذا قيل لكم انفروا في سبيل الله اثاقلتم إلى الأرض؟ أرضيتم بالحياة الدنيا من الآخرة ...... قدير۔

دوسری آیت کا ترجمہ وتشریح

اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر قناعت کر لی، سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے، اگر تم جہاد کیلئے نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا (اور ان سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔(۵)

ان آیات میں ان لوگوں پر عتاب نازل کیا گیا ہے جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔(۶)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٣٨)، وانظر لمزيد من التفصيل في معنى ﴿خفافا وثقالا﴾ تفسير الطبري (ج٦ جزء ١ ص ٩٧-٩٨)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢١)۔ وتفسير الطبرى (ج٦ جزء ١ ص٩٨)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٠)۔ وتفسير الطبرى (ج٦ جزء ١ ص٩٨)۔

(۴) فتح الباري (ج٦ ص٣٨)۔

(۵) بيان القرآن، سورة التوبة (ج١ ص١١٢)۔

(٦) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢١)۔

ایک سوال اور اس کے جوابات

اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی ترتیب کے برعکس ﴿انفروا خفافا و ثقالا﴾ کو مقدم اور ﴿یاأیھاالذین آمنوا إذا قیل ......﴾ کو مؤخر کیوں کیا ہے، جبکہ قرآن میں تو اس کا عکس ہے؟

اس اشکال کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں:-

۱۔ ایک جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اصل ترتیب نزول کا اعتبار کیا ہے اور یہ بات ابھی طبری کے حوالے سے گذر چکی ہے کہ سورۃ البراءۃ کی آیات میں سب سے پہلے، آیت ﴿انفروا خفافا وثقالا﴾ نازل ہوئی۔(۱)

۲۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا کہ شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان دو حالتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جن کو حافظ صاحب نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے (یعنی نبی علیہ السلام کے عہد مبارک میں جہاد کا حکم اور آپ کے بعد جہاد کا حکم) (۲)، چنانچہ امام بخاری نے پہلی آیت کو مقدم اس لئے کیا کہ اس میں مطلقا دلالت علی فرض الخروج پائی جاتی ہے، اس سے یہ اشارہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاد مطلقا فرض عین تھا، جبکہ دوسری آیت کو مقدم ہونے کے باوجود مؤخر اس لئے کیا کہ وہ مقید بـإذا قیل لکم انفروا ہے، چنانچہ دوسری صورت میں جہاد کی فرضیت نفیر عام کے ساتھ مقید ہے، فتأمل۔ (۳)

يُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : «انْفِرُوا ثُبَاتٍ» /النساء: ۷۱/ : سَرَايَا مُتَفَرِّقِينَ . يُقَالُ : أَحَدُ الثُّبَاتِ ثُبَةٌ .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ﴿انفروا ثباتٍ﴾ میں "ثبات" کے معنی "سرایا متفرقین" کے بیان کئے۔

(۱) جامع البيان في تفسير القرآن (ج٦ جزء ١٠ ص٩٨)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٣٧)۔

(۳) الأبواب والتراجم (ج١ ص١٩٥)۔

تعلیقِ مذکورہ بالا کی تخریج

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق کو امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولا اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔(۱)

تعلیق مذکور کا مطلب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت ﴿یا أیها الذین آمنوا خذوا حِذرکم فانفروا ثباتٍ أو انفروا جمیعا﴾ (۲) میں جو ثبات کا لفظ وارد ہوا ہے اس کے معنی "سرایا متفرقین" کے ہیں۔ اب آیت کے معنی یہ ہوئے کہ مختلف ومتفرق ٹولیوں میں جہاد کے لئے نکلو یا سب کے سب ایک ہی جماعت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلو، لیکن اسلحہ ضرور اپنے ساتھ لینا تاکہ تم اپنا بچاؤ کرسکو۔(۳)

بعض حضرات نے یہ دعوی کیا کہ سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت، سورۃ البراءۃ کی آیت ﴿انفروا خفافا وثقالا﴾ کے لئے ناسخ ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ یہاں نسخ نہیں ہے، بلکہ معاملہ یہاں امامِ وقت کے سپرد ہے کہ جونسی صورت اختیار کرے اجازت ہے اور حالات پر موقوف ہے، چنانچہ حالات کا جو تقاضا ہوگا اسی پر عمل بھی ہوگا۔(۴)

یقال واحد الثبات: ثبة۔

اور کہا جاتا ہے کہ ثبات کا مفرد ثبة ہے۔

مذکورہ بالا قول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس میں انہوں نے ثبات کی لغوی تحقیق بیان کی ہے کہ یہ ثبة – بضم المثلثة وتخفیف الباء المؤحدة بعدها هاء تانیث – کی جمع ہے اور ثبة کی

---

(۱) قال الإمام ابن جریر الطبري: "حدثني المثنی قال: ثنا عبد اللّٰه بن صالح قال: حدثني معاویة عن علي بن أبي طلحة عن ابن عباس قوله: ﴿خذوا حذرکم فانفروا ثباتٍ﴾ یقول: عصبا یعني: سرایا متفرقین ......" جامع البیان (ج٤ جزء ٥ ص١٠٤-١٠٥)۔

(۲) النساء /۷۱۔

(۳) جامع البیان (ج٤ جزء ٥ ص١٠٤)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٣٨)۔

جمع ثبین بھی آتی ہے اور اس کے معنی جماعت کے ہیں۔(۱)

اور ثبۃ کا یہ کلمہ ثبا یثبو ثبوا سے مشتق ہے اور کہا جاتا ہے "ثبیت الرجل: إذا أثنیت علیه في حیاته" جب آپ کسی کی تعریف اس کی زندگی ہی میں کریں۔ گویا کہ آپ نے اس کے تمام محاسن کو جمع کر دیا ہے۔(۲)

امام نحاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثبۃ کے ایک اور معنی بھی آتے ہیں چنانچہ "ثبة الحوض" کے معنی حوض کے وسط کے ہیں اور یہ ثاب یثوب سے آتا ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں چونکہ حوض کا سارا پانی اس کے وسط میں لوٹتا اور جمع ہوتا ہے اس لئے اس کو ثبۃ کہتے ہیں اور اس کی تصغیر "ثويبة" ہے جبکہ ثبۃ بمعنی الجماعۃ کی تصغیر "ثبية" آتی ہے۔(۳) واللہ اعلم

٢٦٧٠ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ : حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، عَنْ طَاوُسٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا (٤) : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ : (لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا) . [ر : ١٥١٠]

تراجم رجال

(۱) عمرو بن علی

یہ ابوحفص عمرو بن علی بن بحر بن کثیر الباہلی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

(۲) یحیی

یہ ابوسعید یحیی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٢)، و فتح الباري (ج٦ ص٣٨)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٣٨)۔

(٤) قوله: "عن ابن عباس رضي الله عنهما": الحديث، مر تخريجه في كتاب الحج، باب لا يحل القتال بمكة۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء، باب الرجل یوضئ صاحبه۔

(٦) كشف الباري (ج٢ ص٢)۔

(۳) سفیان

یہ مشہور امامِ حدیث ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ظلم دون ظلم" کے تحت بیان کئے جاچکے ہیں۔(۱)

(۴) منصور

یہ مشہور محدث ابوعتاب منصور بن المعتمر السلمی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۵) مجاہد

یہ شیخ القراء والمفسرین ابوالحجاج مجاہد بن جبر مکی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب الفهم في العلم" کے تحت بیان کئے جاچکے ہیں۔(۳)

(۶) طاؤس

یہ طاؤس بن کیسان الیمانی الجُندي الحميري رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

(۷) ابن عباس

یہ مشہور صحابیٔ رسول، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۵)

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال يوم الفتح: "لاهجرة بعد الفتح، ولكن جهاد ونية"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا کہ ہجرت فتح مکہ کے بعد فرض نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت کا حکم باقی ہے۔

---

(۱) كشف الباري (ج۲ ص۲۷۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۳ ص۲۷۰)۔

(۳) كشف الباري (ج۳ ص۳۰۷)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الوضوء، باب (بلاترجمة)، رقم الحديث (۲۱۸)۔

(۵) كشف الباري (ج۱ ص۴۳۵)۔

حدیث کے مذکورہ بالا ٹکڑے کی تشریحات کتاب الجھاد کے اوائل میں "باب فضل الجهاد والسير" کے ذیل میں بیان کی جاچکی ہیں۔

وإذا استنفرتم فانفروا

اور جب تمہیں خروج کا حکم دیا جائے تو نکل پڑو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس جملے کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر امام وقت تمہیں جہاد اور دیگر اعمال صالحہ کے حصول کے لئے نکلنے کا حکم دے تو تم اس کی بات مانو اور نکل پڑو۔(۱)

"لا هجرة بعد الفتح، ولكن جهاد و نية" کی ترکیبی حیثیت سے تقدیر عبارت یوں بن رہی ہے: لا هجرة باقية بعد الفتح، ولكن جهاد و نية باقيان، یعنی وطن سے ہجرت یا تو کفار کے تسلط سے بچنے کے لئے ہوتی ہے یا جہاد کے لئے یا طلب علم وغیرہ کے لئے۔ چنانچہ پہلی صورت تو منقطع ہوگئی ہے جبکہ دیگر دو صورتیں اب بھی باقی ہیں تو ان کو غنیمت سمجھو اور گھر میں بیٹھے نہ رہو، بلکہ جب تمہیں جہاد وغیرہ کے لئے بلایا جائے تو امام کی آواز پر لبیک کہو۔(۲)

اور حدیث کے مذکورہ بالا جملے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام وقت جس آدمی کو معین کردے کہ وہ جہاد کے لئے نکلے تو اس کے لئے نکلنا واجب اور ضروری ہے، اب پیچھے رہنے کی اجازت نہیں۔(۳)

فائدہ

حدیث میں اس بات کی بشارت ہے کہ مکہ مکرمہ (زادها الله شرفا و كرامة) ہمیشہ دارالاسلام ہی رہے گا۔(۴)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "ولكن جهاد ونية وإذا استنفرتم فانفروا" کے جملے میں ہے۔(۵)

(۱) شرح النووي على مسلم (ج۲ ص ۱۳۰)۔

(۲) قاله العلامة الطيبي، انظر شرح الطيبي على مشكوة المصابيح (ج۷ ص ۲۸۷)، وفتح الباري (ج٦ ص ۳۹)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص ۳۹)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص ۳۹)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص ۱۲۲)۔

۲۸ - باب : الْكَافِرِ يَقْتُلُ الْمُسْلِمَ ، ثُمَّ يُسْلِمُ ، فَيُسَدِّدُ بَعْدُ وَيُقْتَلُ .

ماقبل سے ربط ومناسبت

سابق باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نفیر عام کے وقت جہاد کے واجب وفرض ہونے کا حکم بیان کیا تھا اوراس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کافر کا حکم بیان فرمارہے ہیں جس نے کسی مسلمان کوقتل کیا ہو پھر اللہ نے اس کوایمان کی توفیق ونعمت سے سرفراز کیا پھر وہ خود بھی اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہوئے شہید ہوگیا تو وہ بھی جنت میں جائے گا۔

مقصد ترجمۃ الباب

ترجمۃ الباب کا مقصد اس کافر شخص کا حکم بیان کرنا ہے جو کسی مسلمان کوقتل کردے پھر اسلام قبول کرلے اوراس کے بعد وہ خود بھی شہید ہوجائے، چونکہ اس کافر کا حکم ظاہر ہے کہ وہ جنتی ہے جو حدیث باب سے مفہوم ہورہا ہے اس لئے امام بخاری نے اس کے جواب کوذکر نہیں کیا۔(۱)

اختلاف نسخ

صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں ترجمۃ الباب اسی طرح ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، لیکن علامہ کرمانی کی روایت میں اس طرح ہے "باب الكافر يقتل المسلم، فيسلّم، فيسدد دينه بعد القتل أو ثم يصير مقتولاً۔"(۲)

اسی طرح نسفی کی روایت میں "بعد" کے بعد واو نہیں بلکہ "أو" ہے اوراسی پر علامہ ابن بطال(۳) اور اسماعیلی رحمہما اللہ نے جزم کیا ہے۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٢) وشرح القسطلاني (ج٥ ص٥٧)۔

(۲) شرح الكرماني (ج١٢ ص١٢٢)۔

(۳) ابن بطال (ج٥ ص٣٨)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٢)۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی روایتِ نسفی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔(۱)

٢٦٧١ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(٤) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (يَضْحَكُ ٱللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ ، يَقْتُلُ أَحَدُهُما الآخَرَ ، يَدْخُلَانِ الجَنَّةَ : يُقَاتِلُ هٰذَا في سَبِيلِ ٱللهِ فَيُقْتَلُ ، ثُمَّ يَتُوبُ ٱللهُ عَلَى الْقَاتِلِ ، فَيُسْتَشْهَدُ) .

تراجم رجال

(۱) عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

(۲) مالک

یہ مشہور امام، مالک بن انس بن مالک الأصبحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں (۴)

(۳) ابوالزناد

یہ ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب حب الرسول

---

(١) فتح الباري (ج٦ ص٤٠)۔

(٢) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث أخرجه مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، رقم (٤٨٩٤)، والنسائي في سننه، كتاب الجهاد، باب اجتماع القاتل والمقتول في سبيل الله في الجنة، و تفسير ذلك، رقم (٣١٦٧) و(٣١٦٨)، وابن ماجه في سننه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، رقم (١٩١)۔

(٣) كشف الباري (ج١ ص٢٨٩)۔

(٤) كشف الباري (ج١ ص٢٩٠)، نیز دیکھئے كشف الباري (ج٢ ص٨٠)۔

صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۴)الاعرج

یہ ابوداود عبدالرحمٰن بن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ باب کے تحت گذر چکے۔(۲)

(۵)ابو ہریرۃ

یہ مشہور صحابی رسول، حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: یضحك اللّٰه إلی رجلین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دو آدمیوں سے راضی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف ضحک کی نسبت کی توضیح

یہاں پر حدیث باب میں اللہ تعالیٰ کی طرف ضحک کی نسبت کی گئی ہے جب کہ ضحک مخلوق کی صفت ہے، چنانچہ اس سے خالق کی مخلوق سے تشبیہ لازم آتی ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضحک اور اسی قسم کی دوسری امثال کا اطلاق اگر اللہ تعالیٰ پر ہو تو اس سے مجازاً اس کے لوازم مراد ہوتے ہیں اور لازم الضحک رضائے خداوندی ہے، یعنی مراد یہاں ضحک سے رضائے خداوندی ہوگی۔(۴)

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ضحک جو صفات انسانیہ میں سے ہے اور آدمی کی کسی خوشی وفرحت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے ناجائز ہے، اس کے ذکر کرنے کی وجہ یہاں یہ ہے کہ یہ بشر کے تعجب پر دلالت کرتا ہے کسی تعجب وغیرہ کی وجہ سے اور اللہ کی صفت میں اگر یہ لفظ بولا جائے تو یہ پہلے شخص کے حق میں

(۱) کشف الباري (ج۲ ص۱۰)

(۲) حوالۂ بالا (ص۱۱)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ ص۶۵۹)۔

(۴) شرح الکرماني (ج۱۲: ۱۲۳)۔

اخبارعن الرضا جبکہ دوسرے کے حق میں اخبارعن القبول ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پہلے کے فعل پر راضی ہوئے اور دوسرے کے فعل کو قبول فرمایا اور ان دونوں حضرات کا بدلہ جنت ہے اگر چہ دونوں کی حالتیں مختلف اور مقاصد الگ الگ ہیں۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کتاب التفسیر (۲) کی روایت میں ضحک کی تفسیر "الرحمة" سے کی ہے، چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر قریب ہے لیکن ضحک کو رضا کے معنی پر محمول کرنا اقرب وأشبہ ہے۔(۳)

امام خطابی مزید فرماتے ہیں کہ اس جملے کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ان دونوں حضرات کے فعل پر تعجب میں ڈالتے اور انہیں ہنساتے ہیں۔(۴)

اور ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کا اظہار فرماتے ہیں، چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں: "ضحك الأرض من النبات" جب زمین اپنی نباتات کو ظاہر کردے۔(۵)

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے جملوں میں اکثر سلف صالحین کا عمل یہ رہا کہ ان کو اپنے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے اور اعتقاد بہر حال اس بات کا رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ صفات مخلوق سے بری ہیں اور ظاہر پر چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ صفات خلق سے منزہ ہیں۔(۶)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضحک سے مراد یہاں رضا ہے اور اس پر ضحک کا متعدی بـإلى ہونا دلالت کررہا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: "ضحك فلان إلى فلان" جب آدمی کسی کی طرف ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ متوجہ ہو، ظاہری بات ہے کہ اس طرح متوجہ ہونا رضا اور قبولیت پر دلالت کرتا ہے۔(۷)

یقتل أحدهما الآخر یدخلان الجنة

---

(۱) أعلام الحديث للخطابي (ج۲ص۱۳٦٥)، وأيضاً انظر شرح ابن بطال (ج٥ص۳۸)۔

(۲) هـذا كـما قاله العلامة الخطابی في أعلام الحديث (ج۲ص۱۳٦۷) في رواية الفربري، و ليس عن ابن معقل، قال الحافظ في الفتح: "لم أر ذلك في النسخ التي وقعت لنا من البخاري" انظر فتح الباري (ج۸ص٦۳۲)۔

(۳) أعلام الحديث للخطابی (ج۲ص۱۳٦۷)۔

(٤) أعلام الحديث للخطابی (ج۲ص۱۳٦۸)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص۱۲۳)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ص٤٠)۔

(۷) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج١٤ص۱۲۳)۔

ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے، دونوں جنت میں داخل ہوں گے۔

جملہ "یدخلان الجنة" محل جر میں ہے، کیونکہ یہ رجلین کی صفت واقع ہو رہی ہے۔(۱)

يقاتل هذا في سبيل الله فيقتل

یہ پہلا اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں اس سے پہلے یہ بھی مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے از راہ تعجب سوال کیا "قالوا : كيف يا رسول الله ؟!" (۲) کہ یارسول اللہ! یہ کس طرح ہوگا کہ مقتول بھی جنت میں جائے اور ساتھ ساتھ قاتل بھی۔

قاتل سے مراد مسلمان ہے یا کافر؟

علامہ ابن عبدالبر اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ پہلا قاتل کافر تھا۔ یعنی مسلمان، کافر کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں بیان کیا ہے، لیکن اس سے بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ قاتل اول سے مراد مسلمان ہو کیونکہ حدیث میں قاتل کا لفظ عام ہے "ثم يتوب الله على القاتل" چنانچہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو عمداً بلاشبہہ قتل کر دے پھر توبہ کرے اور اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو ظاہر ہے کہ یہ بھی قاتل ہے لیکن جنت میں جائے گا۔

لیکن یہ دوسرا مطلب ان حضرات کے نزدیک صحیح و درست ہو سکتا ہے جو قاتل کی توبہ کے قبول ہونے کے قائل ہیں، جیسے حضرت ابن عباس، زید بن ثابت، ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ البتہ جو حضرات قاتل کی توبہ کی قبولیت کے قائل نہیں ان کے نزدیک پہلا معنی ہی درست ہے۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٣)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، رقم (٤٨٩٤)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٣)، و شرح ابن بطال (ج٢ ص٣٨)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٤٠)، وانظر لمزيد من التفصيل في قبولية توبة القاتل عمدا وعدمها كشف الباري، كتاب التفسير (ص١٥٨)۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی تائید صحیح مسلم اور مسند احمد کی روایت سے بھی ہوتی ہے، صحیح مسلم میں صراحت کے ساتھ یہ الفاظ مذکور ہیں "ثم يتوب الله على الآخر؛ فيهديه إلى الإسلام" (۱) اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قاتل سے مراد یہاں کافر ہے۔

اور مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "قيل: كيف يا رسول الله؟ قال: يكون أحدهما كافرا، فيقتل الآخر، ثم يسلم، فيغزو؛ فيقتل۔" (۲) اس حدیث میں تو صراحت کے ساتھ کافر کا لفظ مذکور ہے۔ (۳)

ثم يتوب الله على القاتل فيستشهد

پھر اللہ تعالیٰ اس دوسرے کی توبہ قبول فرماتے ہیں، پس وہ شہادت کے رتبے سے سرفراز ہو جاتا ہے۔

"ثاب الله على" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دیتے اور قبول فرماتے ہیں۔ (۴)

علامہ ابن بطال اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ توبہ سے مراد یہاں اسلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشتے ہیں۔ (۵)

اس کی دلیل مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: "فيهديه إلى الإسلام۔" (٦)

فائدہ

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے یہ بات مستفاد ہوئی کہ ہر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ (۷)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، رقم (٤٨٩٤)۔

(۲) مسند أحمد بن حنبل (ج۲ص ٢٤٤و ٥١١)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص ٤٠)۔

(٤) مختار الصحاح مادة "توب"۔

(٥) شرح ابن بطال (ج٥ص ٣٨)، وعمدة القاري (ج١٤ص ١٢٣)۔

(٦) صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، رقم (٤٨٩٤)۔

(٧) فتح الباري (ج٦ص ٤١)، وعمدة القاري (ج١٤ص ١٢٣)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث

علامہ ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں "فیسدد" ہے، جب کہ حدیث میں "فیستشهد" آیا ہے، گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ شہادت علی وجہ التسدید ہو، صحیح طریقہ سے اخلاص کے ساتھ ہو تو یہ بھی جنت میں جائے گا اور ہر وہ عمل جو علی وجہ التسدید ہو اس کا یہی حکم ہے اگرچہ شہادت افضل ہے، لیکن دخول جنت شہید کے ساتھ خاص نہیں، چنانچہ مصنف علیہ الرحمۃ نے ترجمۃ الباب کو حدیث کی شرح قرار دیا ہے۔(۱)

۲۶۷۲ : حدّثنا الحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قالَ : أَخْبَرَنِي عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ(۲) قالَ : أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ بِخَيْبَرَ بَعْدَ ما افْتَتَحُوهَا ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَسْهِمْ لِي . فَقَالَ بَعْضُ بَنِي سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ : لَا تُسْهِمْ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : هٰذَا قَاتِلُ ابْنِ قَوْقَلٍ ، فَقَالَ ابْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ : وَاعَجَبًا لِوَبْرٍ ، تَدَلَّى عَلَيْنَا مِنْ قَدُومِ ضَأْنٍ ، يَنْعَى عَلَيَّ قَتْلَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ ، أَكْرَمَهُ اللَّهُ عَلَى يَدَيَّ ، وَلَمْ يُهِنِّي عَلَى يَدَيْهِ . قَالَ : فَلَا أَدْرِي أَسْهَمَ لَهُ أَمْ لَمْ يُسْهِمْ لَهُ .

قَالَ سُفْيَانُ : وَحَدَّثَنِيهِ السَّعِيدِيُّ ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : السَّعِيدِيُّ عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ : [۳۹۹۶ ، ۳۹۹۷]

تراجم رجال

(۱) حمیدی

یہ مشہور امام حدیث ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر بن عیسی القرشی الحمیدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر

---

(۱) فتح الباري (ج۶ ص ۴۰) والمتواري (ص)۔

(۲) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً (ج۲ ص۶۰۸) كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۳۷)، وأبوداود في سننه، كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة لاسهم له، رقم (۲۷۲۳و ۲۷۲۴)۔

حالات "بدء الوحی" کی پہلی حدیث کے تحت اور مفصل حالات "کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا و أنبأنا" کے تحت آچکے ہیں۔(۱)

(۲) سفیان

یہ ابو محمد سفیان بن عیینہ بن میمون الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحی" کی پہلی حدیث کے تحت اور مفصل حالات "کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے تحت آچکے۔(۲)

(۳) الزہری

یہ ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

(۴) عنبسۃ بن سعید

یہ عنبسۃ بن سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیۃ القرشی الأموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوایوب اور ابوخالد ان کی کنیت ہے۔(۴)

ان کی والدہ ام ولد تھیں۔(۵)

یہ حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور آپ سے روایتِ حدیث کرنے والوں میں اسماء بن عبید الضبُعِي، حبیب بن ضمرۃ، محمد بن عمرو بن علقمہ، امام زہری اور ابوقلابہ الجرمی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۶)

---

(۱) کشف الباري (ج۱ ص۲۳۷)، و کشف الباري (ج۳ص۹۹)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ ص۱۳۸)، و کشف الباري (ج۳ص۱۰۲)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ ص۳۲٦)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۲۲ ص٤٠٨)، الثقات لابن حبان (ج٥ ص۲٦٨)۔

(٥) طبقات ابن سعد (ج٥ ص۲۳۹)۔

(٦) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۲ ص٤٠٩)۔

امام یحیی بن معین، امام ابوداود اور امام نسائی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۱)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ثقة، و هو جليس للحجاج بن يوسف"۔(۲)

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لابأس به"۔(۳)

یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی توثیق فرمائی ہے۔(۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة، تابعي، كان أحد الأشراف"۔(۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (٦)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔(۷)

یہ صحیحین اور سنن ابوداود کے راوی ہیں۔(۸) ۱۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۹) رحمه الله رحمةً واسعةً۔

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبدالرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱۰)

قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وَهُوَ بخيبر بعد ما افتتحوها، فقلت: يا رسول الله، أسهم لي۔

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) حوالۂ بالا، والجرح والتعديل (ج٥ص٥٢٤)، رقم (١١٧٩، ٢٢٢٩)۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج٨ص١٥٦)۔

(٥) ميزان الاعتدال (ج٣ص٣٠١)۔

(٦) تقريب التهذيب (ص٤٣٢)۔

(٧) الثقات لابن حبان (ج٥ص٢٦٨)۔

(٨) الكاشف للذهبي (ج٢ص٩٩)۔

(٩) تقريب التهذيب (ص٤٣٢)۔

(١٠) كشف الباري (ج٢ص٦٥٩)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فتح خیبر کے بعد جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر ہی میں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، چنانچہ میں نے گذارش کی کہ مال غنیمت سے مجھے بھی حصہ عنایت کیجئے۔

ایک تعارض اوراس کے جوابات

یہاں حدیث باب میں یہ آیا ہے کہ سائل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے اور روکنے والے حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ تھے، جب کہ بخاری کتاب المغازی (۱) ابوداود (۲) میں یہ مذکور ہے کہ سائل ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ تھے اور مانع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ اس میں ہے: "فقال أبان: اقسم لنا یا رسول اللّٰہ، قال أبوهریرة: فقلت: لاتقسم له یا رسول اللّٰہ۔"

چنانچہ دفع تعارض کے لئے محمد بن یحیی ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ جواب دیا کہ راجح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مانع ہونا ہے اور سائل ابان بن سعید تھے۔ (۳)

جب کہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بخاری کی حدیث باب ہی راجح ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سائل ہونا مذکور ہے۔ (۴)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر سنن ابی داود کی روایت کو صحیح اور بخاری کی روایت کے برابر بھی قرار دیا جائے تو اس بات کا احتمال ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کے لئے منع کیا ہو، چنانچہ حضرت ابان رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل دے کر منع کیا کہ یہ ابن قوقل کا قاتل ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل پیش کی کہ یہ جنگ و جہاد کے لائق نہیں کہ اس کو حصہ دیا جائے۔ (۵)

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٣٨)۔

(۲) سنن أبی داود، کتاب الجهاد، باب فیمن جاء بعد الغنیمة لاسهم له، رقم (۲۷۲۳)۔

(۳) فتح الباري (ج۷ص٤٩٢)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٢٤)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص١٢٤)، وفتح الباري (ج۷ص٤٩٢)۔

لہذا دونوں روایات میں اب کوئی تعارض نہیں رہا۔

اب ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ(۱) نے جو روایت نقل کی اس میں "أبـــان" کی بجائے سعید بن العاص مذکور ہے، حالانکہ درست ابن سعید ہے، چنانچہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وإنـمـا هـو ابن سعيد، واسمه أبان"۔(۲)

فقال بعض بني سعيد بن العاص: لا تسهم له يا رسول الله۔

تو سعید بن العاص کے کسی بیٹے نے کہا، یا رسول اللہ! مال غنیمت سے ان کو حصہ نہ دیجئے۔

"بعض بنى سعيد بن العاص" سے مراد حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ ہیں۔(۳)

ابان بن سعید

یہ ابوالولید ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف الاموی القرشی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

ان کی والدہ صفیہ یا ہند بنت المغیرۃ ہیں جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔(۵)

ان کا سلسلہ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھٹی پشت میں جاملتا ہے۔(۶)

ان کے والد ابوأحیحہ سعید بن العاص جاہلیت کے سرداروں میں سے تھے اور بڑی شان وشوکت کے مالک، ان کی آٹھ نرینہ اولاد تھیں جن میں سے پانچ مشرف باسلام ہوئے، حضرت ابان رضی اللہ عنہ سے قبل ان کے دو بھائی خالد اور عمر اسلام لاچکے تھے۔(۷)

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ حدیبیہ اور خیبر کی جنگ کے درمیان ایمان لائے۔(۸)

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة لا سهم له، رقم (٢٧٢٤)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١٢٤)۔

(٣) حوالہ بالا (ص ١٢٣)۔

(٤) سير أعلام النبلاء (ج١ص٢٦١)، وتهذيب تاريخ دمشق الكبير لابن عساكر (ج٢ص١٢٧)۔

(٥) أسد الغابة في معرفة الصحابة (ج١ص١٤٨)۔

(٦) حوالہ بالا۔

(٧) الاستيعاب في أسماء الأصحاب (ج١ص٤٦)۔

(٨) سير أعلام النبلاء (ج١ص٢٦٠) الاستيعاب في أسماء الأصحاب (ج١ص٤٦)۔

جب کہ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خیبر سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا، چنانچہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول ثانی کو ترجیح دی ہے۔(۲)

اسلام قبول کرنے کا سبب

ان کے اسلام لانے کا سبب یہ بنا کہ یہ تجارت کی غرض سے شام کی طرف نکلے، وہاں ان کی ملاقات ایک راھب سے ہوئی، راھب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت دریافت کیا اور کہا کہ میں قریش کا ایک فرد ہوں اور ہم میں سے ایک آدمی نکلا ہے جس کا زعم اور گمان یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تھا۔ تو اس راھب نے پوچھا کہ تمہارے اس آدمی کا نام کیا ہے؟ کہا محمد۔ راھب نے کہا میں ان کے اوصاف بیان کرتا ہوں، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوصاف حمیدہ، ان کی عمر اور نسب وغیرہ بیان کیے۔ تو حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے ان پر صاد کیا اور کہا کہ وہ اسی طرح ہیں جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ راھب نے کہا: "واللّٰه، لیظهرنَّ علی العرب، ثم لیظهرنَّ علی الأرض۔" کہ "بخدا! وہ عرب پر غالب آئیں گے، پھر پوری دنیا پر غالب آئیں گے"، پھر حضرت ابان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رجل صالح یعنی نبی کریم ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دینا۔

چنانچہ حضرت ابان رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ واپس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں سے خیر و عافیت دریافت کی اور پہلے جیسی ان کی عادت تھی کہ رسول اللہ اور صحابہ کرام کی ہجو کرتے تھے اس کو ترک فرما دیا، یہ حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔

پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی طرف چلے اور واپس لوٹے تو حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی اتباع کی اور اسلام قبول کیا۔(۲)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حدیبیہ کے دن قریش مکہ کی طرف بھیجا تھا تو حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے ہی ان کو پناہ دی تھی، چنانچہ حضرت ابان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھوڑے پر سوار کیا یہاں تک کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے اور عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

---

(۱) أسد الغابة (ج۱ ص۱۴۸)۔

(۲) أسد الغابة (ج۱ ص۱۴۹) وتهذيب تاريخ دمشق الكبير (ج۲ ص۱۲۸)۔

أسبـل وأقبـل ولاتـخف أحـداً   بـنـو سـعيد أعـزة الـحـرم

''یعنی بہادری دکھاؤ اور آگے بڑھو اور کسی سے نہ ڈرو کیونکہ بنو سعید حرم کے معززین میں سے ہیں۔''(۱)

ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سرایا میں امیر لشکر بھی مقرر فرمایا تھا، چنانچہ ان میں سے ایک نجد کی طرف بھیجا گیا سریہ بھی شامل ہے۔(۲)

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے جو کہ ''بحرین'' کے والی تھے حضرت ابان رضی اللہ عنہ کو ۹ھ میں والی مقرر فرمایا اور وہ اس منصب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک متمکن رہے۔ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ مدینہ منورہ واپس آگئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ ان کو دوبارہ بحرین بھیج دیں تو انہوں نے فرمایا: "لا أعمل لأحد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔" کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد میں کسی کے لئے بطور عامل فرائض انجام نہیں دوں گا۔'' اور یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے یمن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی مقرر ہونا قبول فرمایا تھا۔(۳)

ان کے وقت وفات میں مختلف اقوال ہیں:-

چنانچہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "قتل أبان وعمرو ابنا سعيد يوم اليرموك۔" لیکن ابن اسحاق کے اس قول کی کسی نے متابعت نہیں کی۔ اور غزوہ یرموک ۱۵ھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا تھا۔(۴)

اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ ''مرج الصفر'' کے دن شہید ہوئے اور مرج الصفر کا واقعہ ۱۴ھ، دور خلافت عمری میں پیش آیا۔(۵)

تیسرا اور صحیح قول موسی بن عقبہ کا ہے جس کی تائید مصعب، زبیر اور اکثر اہل نسب نے بھی کی ہے کہ حضرت

---

(۱) الاصابة (ج۱ ص۱۳) والاستيعاب (ج۱ ص۴۶)۔

(۲) الاستيعاب (ج۱ ص۴۷)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج۱ ص۲۶۱)۔ أسد الغابة (ج۱ ص۱۴۹)۔

(۴) أسد الغابة (ج۱ ص۱۵)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

ابان رضی اللہ عنہ اپنے بھائی خالد بن سعید کے ساتھ ''جنگ اجنادین'' میں شہید ہوئے۔(۱) اسی قول کو امام ذہبی نے بھی صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ثم إنه استشهد هو وأخوه يوم أجنادين على الصحيح." (۲) کہ ''صحیح قول کے مطابق وہ اوران کے بھائی جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔''

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے: "وضع الله عزوجل كل دم في الجاهلية، أو قال: كل دم كان في الجاهلية، فهو موضوع." (۳) یعنی ''ہر وہ خون جو جاہلیت میں بہا گیا ہے اس کو اللہ نے معاف کردیا ہے یا یہ فرمایا کہ ہر وہ خون ناحق جو جاہلیت میں بہایا گیا وہ معاف ہے''۔

فقال أبو هريرة: هذا قاتل ابن قوقل

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ (یعنی ابان) ابن قوقل کا قاتل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ ابان رضی اللہ عنہ نے حالت کفر میں ابن

---

(۱) أسد الغابة (ج۱ ص ۱۵۰) الاستيعاب (ج۱ ص۴۷)۔

''جنگ اجنادین'' کا مختصر تعارف

''اجنادین'' فلسطین کے علاقوں ''رملہ'' اور ''بیت جبرون'' کے درمیان ایک معروف جگہ کا نام ہے۔ (معجم البلدان: ۱/۱۰۳) اس مقام پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری ایام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ایک خونریز معرکہ لڑا گیا، رومیوں کی فوج کا سپہ سالار ہرقل کا بھائی تھیوڈورس تھا اور اس کے ماتحت ایک لاکھ رومی فوج تھی، مسلمانوں کا لشکر ان تین الگ الگ دستوں پر مشتمل تھا جو فلسطین اور اردن کے آس پاس جنگی کاروائیوں میں مصروف تھے، ان تینوں دستوں کی قیادت بالترتیب حضرت عمرو بن العاص، شرحبیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کررہے تھے، رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان کئی سرحدی جھڑپیں ہوچکی تھیں جن میں کئی بار رومی غالب رہے، آخر کار یہ تینوں دستے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جمع ہوگئے اور فریقین کے درمیان جمادی الأولی ۱۳ ہجری کو فیصلہ کن معرکہ لڑا گیا، جس میں مسلمانوں کی متحدہ فوج نے ''اجنادین'' کے مقام پر دشمن کو شکست فاش سے دوچار کیا اور اجنادین ہمیشہ کے لئے اسلام کا زیرنگین ہوگیا۔ (دائرہ معارف اسلامیہ تحت ابی بکر: ۱/۷۵۵ وتحت اجنادین: ۱/۱۰۱۲)

اس جنگ میں مسلمانوں کی بھی ایک معتدبہ تعداد شہید ہوئی، جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب، عکرمہ بن ابی جہل اور حارث بن ھشام رضی اللہ عنہم ایسے صحابہ شامل تھے۔ (معجم البلدان: ۱/۱۰۳)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۱ ص ۲۶۱)۔

(۳) الاستيعاب (ج۱ ص۴۸) والإصابة (ج۱ ص ۱۴)۔

قوقل رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اس لئے اسے غنیمت سے حصہ نہیں ملنا چاہئے۔

اور ابن قوقل سے مراد حضرت نعمان بن مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔(۱)

حضرت نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ

یہ نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن اصرم بن فہد بن ثعلبہ بن قوقل رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ یہ اپنے جدامجد کی طرف منسوب ہوکر ابن قوقل بھی کہلاتے ہیں۔(۲)

اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ قوقل ثعلبہ یا مالک کا لقب ہے، کسی کا نام نہیں۔(۳)

یہ بدریین میں سے ہیں۔(۴)

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کرتے ہیں اور ان سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت کرتے ہیں، ابوصالح نے بھی ان سے روایت حدیث کی ہے، لیکن ان کا سماع حضرت نعمان سے ثابت نہیں، اس لئے روایت مرسل ہوگی۔(۵)

مسلم شریف کی ایک روایت میں ان کا ذکر آیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "أتى النبيَّ صلى الله عليه وسلم النعمانُ بنُ قوقل، فقال: يا رسول الله، أرأيت إذا صليتُ المكتوبة ...... إلخ"۔(۶)

یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور قاتل حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ حدیث باب میں مذکور ہے۔ جب کہ بعض اہل مغازی نے قاتل صفوان بن امیہ کو قرار دیا ہے لیکن یہ قول مرجوح ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو شہید کرنے میں دونوں شریک رہے ہوں۔(۷)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٣)۔

(۲) أسد الغابة (ج٥ ص٣٢)، وفتح الباري (ج٦ ص٤١)۔

(۳) الإصابة (ج٣ ص٥٦٤)۔

(۴) أسد الغابة (ج٥ ص٣٢٠)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) صحيح مسلم (ج١ ص٣٢)، كتاب الإيمان، باب بيان الإيمان الذي يدخل به الجنة......" رقم (١٦-١٧)۔

(۷) فتح الباري (ج٦ ص٤١)، وأسد الغابة (ج٥ ص٣٢٠)۔

فقال ابن سعيد بن العاص: واعجبا لوبرٍ تدلى علينا من قدوم ضأن؛ ينعى عليَّ قتل رجل مسلم، أكرمه الله على يديَّ ولم يهني على يديه۔

تو حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: تعجب ہے اس بجو پر! جو ضان پہاڑی کی چوٹی سے اتر کر آیا ہے، یہ مجھ پر ایک ایسے شخص کے متعلق عیب لگاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ عزت یعنی شہادت سے سرفراز کیا اور اس کو روک دیا کہ وہ مجھے اپنے ہاتھ سے ذلیل کرتا۔

حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کا مقصد اس قول سے یہ ہے کہ میں نے اگر نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانۂ کفر میں شہید کیا تو وہ اس کی وجہ سے شہادت کے بلند و ارفع مرتبے پر فائز ہوئے اور ساتھ ہی اللہ کا مجھ پر یہ احسان وفضل ہوا کہ اللہ نے مجھے ان کے ہاتھوں مرنے سے بچایا۔ اگر وہ مجھے اس وقت قتل کر دیتے تو آخرت میں، میں ذلیل وخوار ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ذلت سے بچالیا۔ چنانچہ اس میں طعنہ دینے کی کیا بات ہے؟!(۱)

قال: فلا أدري أسهم له أم لم يسهم له۔

فرمایا: مجھے معلوم نہیں آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (غنیمت سے) حصہ دیا یا نہیں۔

علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس قول کے قائل ابن عیینہ یا ان سے نیچے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی شیخ ہیں۔(۲)

حدیث باب کے تحت ایک مسئلہ ذکر کیا جاتا ہے کہ آیا غنیمت میں جہاد کے بعد آنے والے کا حصہ ہے یا نہیں؟ لیکن اس کی تفصیل ہم چونکہ مغازی میں ذکر کر چکے ہیں اس لئے وہاں دیکھ لیا جائے۔(۳)

قال سفيان: وحدثنيه السعيدي عن جده عن أبي هريرة۔

اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ حدیث باب حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو سندوں کے ساتھ مروی ہے، ایک تو سند وہی ہے جو ماقبل میں گذر چکی یعنی "حدثنا الحميدي، حدثنا سفيان، حدثنا الزهري قال: أخبرنا عنبسة بن سعيد عن أبي هريرة" ۔ اور دوسری سند میں الزہری اور عنبسہ بن سعید کی جگہ "السعيدي عن

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٢٥)، وانظر لمزيد من التفصيل: كشف الباري، كتاب المغازي (ص٤٥٢-٤٥٤)۔

(۲) عمدةالقاري (ج١٤ص١٢٥)۔

(۳) كشف الباري، كتاب المغازى (ص٤٤٧)۔

جده" ہےاوراس ثانی طریق کوامام حمیدی نے اپنی سند میں ذکر کیا ہے۔(۱)

قال أبو عبد الله: السعيدي: عمرو بن يحيى ......

ابوعبداللہ سے مرادامام بخاری ہیں اور یہاں آپ نے السعیدی کا نام ونسب بتایا ہے کہ سعیدی کا نام عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص ہے۔(۲)

ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کے اس قول میں ہے "اکرمه الله بيدي" یعنی نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ حضرت ابان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اللہ تعالی نے ان کو شہادت کے رتبۂ بلند سے سرفراز فرمایا، جب کہ حضرت ابان رضی اللہ عنہ حالت کفر میں مارے نہیں گئے بلکہ وہ غزوہ احد کے بعد بھی زندہ رہے اور ان کو توبہ کی توفیق ہوئی اور اسلام قبول کیا اور یہی مقصود ترجمہ بھی ہے۔(۳)

۲۹ - باب : مَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ عَلَى الصَّوْمِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جہاد کو روزے پر ترجیح دے تا کہ روزے کی وجہ سے اس کا بدن ضعف وتھکاوٹ کا شکار نہ ہو تو اس کا یہ فعل صحیح ہے اور سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجاہد خواہ روزے سے نہ ہو تب بھی اس کے لئے روزے دار اور رات کے قیام کرنے کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد کو ایسے روزے دار سے تشبیہ دی ہے جو صائم الدہر ہو اور ایسے عبادت گذار سے تشبیہ دی ہے جو تھکاوٹ کا شکار نہ ہوتا ہو۔(۴)

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٥)، وفتح الباري (ج٦ ص٤١)۔

(۲) السعيدي اوران کے دادا کے حالات "كتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارة" کے تحت بیان کئے جا چکے ہیں۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٣)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٥)، وشرح ابن بطال (ج٥ ص٤٢)۔

۲۶۷۳ : حدّثنا آدمُ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا ثابتٌ الْبُنَانِيُّ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : (۱) كانَ أَبُو طَلْحَةَ لَا يَصُومُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَجْلِ الْغَزْوِ ، فَلَمَّا قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ لَمْ أَرَهُ مُفْطِرًا إِلَّا يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى .

تراجم رجال

(۱) آدم

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" کے تحت آ چکے ہیں۔ (۲)

(۲) شعبہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ بالا باب کے تحت آ چکے ہیں۔ (۳)

(۳) ثابت البنانی

یہ مشہور تابعی بزرگ ابومحمد ثابت بن اسلم بنانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب القراءة والعرض على المحدث" کے ذیل میں آ چکے ہیں۔ (۴)

(۴) انس بن مالک

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۵)

---

(۱) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه" الحديث أخرجه البخاري فقط في هذا الباب، قال العلامة العيني: "والحديث من أفراده۔" عمدة القاري (ج۱٤ص۱۲٦)۔ وجامع الأصول (ج٦ص۳٤٥)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ص٦۷۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) كشف الباري (ج۳ص۱۸۳)۔

(٥) كشف الباري (ج۲ص٤)۔

قال کان أبو طلحة لا یصوم علی عهد النبي صلی اللّٰه علیه وسلم من أجل الغزو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جہاد میں شرکت کی غرض سے روزے نہیں رکھتے تھے۔

یہاں "أبو طلحة" سے مراد حضرت زید بن سہل الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد تھے۔(۱)

اور حدیث باب میں ان کا عمل یہ بتلایا گیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں روزے رکھنے پر جہاد کو ترجیح دیتے تھے تاکہ قوی ضعف کا شکار نہ ہو جائیں اور روزے نہ رکھتے۔

لیکن روزے رکھنے کی جونفی کی گئی وہ علی الاطلاق نہیں کہ بالکل روزے نہ رکھتے تھے، بلکہ یہ اکثر اوقات پر محمول ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی روایت اسماعیلی نے ابوالولید اور عاصم بن علی عن شعبہ کے طریق سے نقل کی ہے، چنانچہ ایک میں "لایکاد یصوم" ہے اور دوسری میں "کان قلّما یصوم" تو معلوم ہوا کہ نفی الصوم علی الاطلاق نہیں بلکہ فی اکثر الاوقات ہے۔(۲)

فلما قبض النبي صلی اللّٰه علیه وسلم لم أره مفطراً إلا یوم فطرٍ أو أضحیٰ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے تو میں نے انہیں بغیر روزے کے نہیں دیکھا مگر یہ کہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ روزے سے رہتے، مگر یہ کہ عید الفطر کا دن ہو یا عید الاضحیٰ کا، کیونکہ ان ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے اس لئے ان ایام میں وہ روزے سے نہیں ہوتے تھے اور حدیث میں مذکورہ یوم اضحیٰ سے مراد وہ ایام ہیں جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے تاکہ ایام تشریق کو لفظ اُضحیٰ شامل ہو جائے اور کوئی اشکال در پیش نہ ہو۔(۳)

حدیث بالا میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۲٦)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٤۲)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٤۲) وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۲٦)۔

وفات کے بعد غزوات میں شرکت نہیں کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں انہوں نے نفلی روزے اس لئے چھوڑے کہ میدان جہاد میں مبادا کمزوری ظاہر ہو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی انہوں نے غزوات میں شرکت کی ہے، چنانچہ حاکم (۱) اور ابن سعد (۲) وغیرہ نے "حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس" کے طریق سے نقل کیا ہے:

"أن أبا طلحة قرأ هذه الآية: ﴿انفروا خفافا وثقالا﴾، فقال: استنفرنا الله وأمرنا الله، واستنفرنا شيوخا وشبانا، جهزوني، فقال بنوه: يرحمك الله، إنك قد غزوت على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر و عمر، ونحن نغزو عنك الآن فغزا البحر، فمات، فطلبوا جزيرة يدفنونه فيها، فلم يقدروا عليه إلا بعد سبعة أيام وما تغير۔"

"یعنی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿انفروا خفافا وثقالا﴾ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنگ کے لئے نکلنے کو کہا اور حکم دیا ہے اور ہمیں خواہ بوڑھے ہوں یا جوان، نکلنے کا حکم دیا ہے، لہذا میرے لئے سامان سفر تیار کرو، ان کے بیٹوں نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، تحقیق آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں غزوات میں شرکت کی ہے (اس لئے آپ تو زحمت نہ فرمائیں) ہم آپ کی طرف سے غزوات میں شریک ہوں گے۔ (لیکن وہ نہ مانے) چنانچہ بحری جنگ میں شریک ہوئے، وہاں وہ انتقال کر گئے، تو شرکائے سفر نے کوئی جزیرہ تلاش کیا، جس میں انہیں دفن کر دیں، لیکن سات دن تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے (اس کے بعد ہی ان کو دفن کیا) اور ان کی لاش بالکل تبدیل نہیں ہوئی تھی۔"

حضرت ابوطلحہ کے مذکورہ عمل کی وجہ

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد کو "الصائم القائم" سے تشبیہ دی ہے۔کما

---

(۱) المستدرك للحاكم (ج۳ص ۳۵۳)۔

(۲) الطبقات الكبرى (ج۳ص ۵۰۷)۔

مر في أوائل الجهاد - اسی لئے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جہاد کو صوم پر مقدم کیا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اسلام پھلنے پھولنے لگا، اس کی جڑیں مضبوط ہوگئیں اور انہوں نے دیکھا کہ اب ان کی خاص ضرورت نہیں رہی ہے تو چاہا کہ روزوں کا بھی ان کے پاس ذخیرہ ہو، تاکہ روز قیامت جنت میں "باب الریان" سے داخل ہوسکیں۔(۱)

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے۔(۲) جیسا کہ "كان أبو طلحة لا يصوم على عهد النبي صلى الله عليه وسلم من أجل الغزو" سے ظاہر ہو رہا ہے۔

۳۰ - باب : الشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ .

مقصد ترجمة الباب

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصود امام بخاری کا اس ترجمة الباب سے یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ کے علاوہ بھی کئی شہداء ہیں جن کا ذکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ احادیث باب مین کریں گے۔(۳)

۲٦٧٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ سُمَيٍّ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(٤) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ : المَطْعُونُ ، وَالمَبْطُونُ ، وَالْغَرِقُ ، وَصَاحِبُ الْهَدْمِ ، وَالشَّهِيدُ في سَبِيلِ ٱللهِ) . [ر : ٦٢٤]

---

(١) شرح ابن بطال (ج٥ص٤٢)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١٢٦)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ص١٢٦)۔

(٤) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الأذان، باب فضل التجهيز إلى الظهر۔

تراجم رجال

(۱) عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۱)

(۲) مالک

یہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الأصبحي المدني رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ حدیث کے تحت آچکے ہیں۔(۲)

(۳) سمی

یہ ابوعبداللہ سمی مولی ابوبکر بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

(۴) ابوصالح

یہ ابوصالح ذکوان زیات رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۴)

(۵) ابوہریرہ

یہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبدالرحمن بن صخر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت آچکے۔(۵)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "الشهداء خمسة: المطعون، والمبطون،

---

(۱) كشف الباري (ج۱ ص۲۸۹)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ ص۲۹۰)، نیز دیکھئے كشف الباري (ج۲ ص۸۰)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الأذان، باب الاستهام في الأذان۔

(٤) كشف الباري (ج۱ ص٦٥٨)۔

(٥) كشف الباري (ج۱ ص٦٥٩)۔

والغرق، وصاحب الهرم، والشهيد في سبيل الله"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید پانچ ہیں: ایک وہ آدمی جو طاعون کی وباء سے ہلاک ہو، دوسرا جو پیٹ کی بیماری سے مرے، تیسرا جو ڈوب کر ہلاک ہو، چوتھا جو دیوار کے گرنے سے مرجائے اور پانچواں شہید فی سبیل اللہ۔

شہداء کی تعداد میں اختلاف روایات

یہاں حدیث باب میں "الشهداء خمسة" آیا ہے، جب کہ موطا میں حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کی روایت میں "الشهداء سبعة سوى القتل" ہے(۱) اور ترمذی میں حضرت فضالہ بن عبید کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "الشهداء أربعة......" (۲) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں "الشهداء ثلاثة" کا ذکر ہے(۳)۔

ان احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سے صحیح احادیث مبارکہ ہیں (۴) جن میں مقتول فی سبیل اللہ کے علاوہ مختلف افراد و اشخاص کو شہید قرار دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تعداد ستائیس (۵)، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس (۶)، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "أبواب السعادة في أسباب الشهادة" میں تیس (۷) اور شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ساٹھ ذکر کی ہے(۸) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بیس کا عدد ذکر کیا ہے۔(۹)

---

(۱) الموطأ للإمام مالك (ص ۲۱۵) كتاب الجنائز، باب النهي عن البكاء على الميت، رقم (۳٦)، و أيضاً أخرجه أبو داود في سننه، كتاب الجنائز، باب فضل من مات في الطاعون، رقم (۳۱۱۱)، والنسائي في الصغرى، كتاب الجنائز، باب النهي عن البكاء على الميت، رقم (۱۸٤۷)۔

(۲) جامع الترمذي، أبواب فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الشهداء عند الله، رقم (۱٦٤٤)۔

(۳) مجمع الزوائد (ج۵ ص ۲۹۱)، وكنز العمال (ج٤ ص۵۹۳) رقم (۱۱۷۳٤)۔

(٤) انظر لتفصيل تلك الأحاديث: عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٦-١٢٧) والأوجز (ج٤ ص٢٦٧-٢٦٩)۔

(۵) شرح الزرقاني على الموطأ (ج٢ ص٧٣)، كتاب الجنائز، باب النهي عن البكاء......۔

(٦) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٤)۔

(٧) أوجز المسالك (ج٤ ص٢٦٧)۔

(٨) أوجز المسالك (ج٤ ص٢٦٩)۔

(٩) فتح الباري (ج٦ ص٤٣)۔

تطبیق بین الروایات

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مختلف روایات کے درمیان جب کہ بعض میں تعداد بھی صراحۃً مذکور ہے تطبیق کی کیا صورت ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ تخصیص بالعدد اس سے زائد کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ (۱)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مختلف اعداد کا ذکر علی وجہ التحدید والحصر نہیں ہے بلکہ یہ مختلف احوال اور سوالات کی بنا پر ہے یعنی بعض حالات مخصوصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے احوال کو مدنظر رکھ کر جواب دیا اور اس نے اس کو روایت کر دیا۔

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً تین کا علم دیا گیا تھا پھر علم کی زیادتی کے ساتھ ساتھ شہداء کی بھی تعداد بڑھتی گئی۔ (۲)

شہید کی تعریف اور حدیثِ باب

اب یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہید تو اصطلاحِ فقہاء میں وہ ہے جو کسی معرکے میں مارا جائے اور اس پر نشانات بھی ہوں، یا اسے اہلِ حرب یا اہل البغی یا ڈاکوؤں نے قتل کیا ہو، یا مسلمانوں نے جسے ظلماً مار ڈالا ہو اور یہ تعریف مبطون، مطعون وغیرہ پر تو صادق نہیں آتی تو یہ شہید کیسے ہو گئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قتیل فی سبیل اللہ کے علاوہ جن حضرات کے بارے میں احادیث میں یہ وارد ہوا کہ وہ شہید ہیں تو ان کی شہادت باعتبار اجر ہے یعنی ان حضرات کو بھی شہید حقیقی کے برابر اجر سے نوازا جائے گا۔ (۳)

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ شہید کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ شہید فی الدنیا والآخرۃ اور وہ یہ ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے، جہاد کے لئے آدمی جائے اور شہید ہو جائے۔

---

(۱) شرح الكرماني (ج٥ ص٤٢)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٧) وفتح الباري (ج٦ ص٤٣)۔

(۳) شرح الكرماني (ج٥ ص٤٢) وعمدة القاري (ج١٤ ص١٢٧)۔

۲۔شہید فی الدنیا فقط اور وہ یہ ہے کہ آدمی میدان جنگ میں تو مارا گیا،لیکن وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نہیں گیا تھا، نام ونمود وغیرہ کے لئے گیا تھا اور وہاں قتل ہوگیا، یا یہ کہ پشت پھیر کر بھاگ رہا تھا اور مارا گیا یا غنیمت کے مال میں خیانت وغیرہ کی تھی اور مارا گیا۔

۳۔شہید فی الآخرۃ کہ کوئی آدمی دیوار کے گرنے سے مرجائے، یا جل جائے یا پیٹ کی بیماری کا شکار ہوکر انتقال کرجائے وغیرہ وغیرہ، جوصورتیں حدیث باب میں بیان کی گئی ہیں۔

اس تیسری قسم پر دنیا میں تو شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے یعنی شہید حقیقی کے برخلاف ان کو کفن بھی دیا جائے گا اور غسل بھی،لیکن آخرت میں ان سے شہید والا معاملہ کیا جائے گا اور ان کو شہید کی طرح اجر دیا جائے گا۔(۱)

اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا امت محمدیہ-علی صاحبہا الصلوۃ والسلام- پر خاص فضل وکرم ہے کہ قتیل فی سبیل اللہ کے علاوہ جن افراد کو شہادت کے مرتبے کا حامل قرار دیا گیا ہے اس میں ان کی تکالیف اور ان تکالیف پر صبر کو مدنظر رکھا گیا اور اس کی وجہ سے ان کے گناہ معاف کردیئے گئے اور ان کے اجر وثواب میں زیادتی کی گئی ہے۔(۲)

ترجمۃ الباب سے مناسبتِ حدیث

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث باب سے یہ ترجمہ سرے سے مستنبط ہی نہیں ہوتا، کیونکہ ترجمہ سات کا ہے اور حدیث میں سوی القتل شہداء چار ہیں، چنانچہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ اپنی اس کتاب کی تہذیب وتنقیح کرسکیں۔(۳)

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا قول ظاہراً اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب کے تحت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو داخل کرنا چاہتے تھے،لیکن قضا نے ان کو مہلت ہی نہیں دی لیکن ابن بطال کا یہ کہنا نظر سے خالی نہیں۔

ہاں اس بات کا احتمال ہے کہ امام بخاری اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہوں کہ شہادت قتل ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اسباب شہادت اور بھی ہیں، چونکہ ان اسباب میں احادیث میں عدد کے اعتبار سے اختلاف ہے کہ بعض میں پانچ

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۲۷)، وشرح الكرماني (ج٥ ص٤٢)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۲۸)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ ص٤٣)۔

ہیں اور بعض میں سات، چنانچہ جو حدیث ان کے شرائط پر پوری اترتی تھی اسے تو باب کے تحت ذکر کر دیا اور ترجمہ میں سات کا عدد ذکر فرما کر اس بات پر تنبیہ کی کہ احادیث میں مذکور اعداد علی معنی التحدید نہیں ہیں۔(۱)

جب کہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں کسی راوی سے حدیث باب میں عدد کو بیان کرنے میں بھول ہوگئی ہے کہ اصل عدد تو سات کا تھا لیکن نسیان کی وجہ سے پانچ کو ذکر کر دیا۔(۲)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کو احتمال بعید قرار دیا ہے۔(۳) لیکن علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کی تائید صحیح مسلم اور مسند احمد کی روایت سے ہوتی ہے کہ ان روایات میں دیگر کچھ خصال و عادات کا بھی ذکر آیا ہے، چنانچہ صحیح مسلم (۴) میں حضرت ابوہریرہ ہی کی روایت میں "ومن مات في سبيل الله فهو شهيد" کے زیادتی وارد ہوئی ہے، جب کہ مسند احمد کی روایت میں ان الفاظ کا مزید اضافہ بھی ہے: "والخار عن دابته في سبيل الله شهيد' والمجنوب في سبيل الله شهيد" (۵) یعنی "اللہ کے راستے میں اپنی سواری سے گرنے والا شہید ہے اور اللہ کے راستے میں ذات الجنب کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے۔"

اور حافظ صاحب نے مذکورہ بالا اشکال کا جواب یہ دیا کہ یہ ترجمہ موطا (۶) کی ایک روایت سے اخذ کردہ ہے جو حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں شہداء کی سوی القتیل فی سبیل اللہ سات ہی اقسام بیان کی گئی ہیں۔(۷)

اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ میرے نزدیک بات یہ ہے لفظ "سبع" کو

(۱) المتواري (ص۱۵٤)، ورجحه العيني، انظر العمدة (ج۱٤ ص۱۲۸)۔

(۲) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۲۵)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٤۳) وعمدة القاري (ج۱٤ ص۱۲۸)۔

(٤) الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الشهداء، رقم (٤۹٤۱)۔

(٥) مسند الإمام أحمد (ج۲ ص٤٤۱)۔

(٦) روى الإمام مالك بسنده أن أخبر جابر بن عتيك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... قال: "وما تعدون الشهيد؟" قالوا: القتل في سبيل الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الشهداء سبعة سوى القتل في سبيل الله؛ المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، والحرق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجُمع شهيدة"۔ انظر الموطأ للإمام مالك بن أنس، كتاب الجنائز، باب النهي عن البكاء على الميت(ص۲۱۵-۲۱٦)، رقم (۳٦)۔

(۷) فتح الباري (ج٦ ص٤۳)۔

جب مطلقا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد کثرت ہوتی ہے۔ چنانچہ ترجمۃ الباب کا مطلب اب یہ ہو جائے گا کہ "قتل فی سبیل اللہ" کے علاوہ بھی شہادت کے اسباب کثیر ہیں اور "سبع" کا لفظ اپنے حقیقی معنی پر نہیں رہے گا، بلکہ معنی مجازی (کثرت) پر محمول ہوگا۔(۱)

٢٦٧٥ : حدّثنا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا عاصِمٌ ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ (۲)، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (الطَّاعُونُ شَهَادَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ) . [٥٤٠٠]

تراجم رجال

(۱) بشر بن محمد

یہ ابو محمد بشر بن محمد السختیانی المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحی" کی الحدیث الخامس کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۳)

(۲) عبد اللہ

یہ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ بالا حدیث کے تحت گذر چکے۔(۴)

(۳) عاصم

یہ ابو عبد الرحمٰن عاصم بن سلیمان التیمی الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

---

(۱) الأبواب والتراجم للشيخ الكاندهلوي (ج۱ ص۱۹۵)۔

(۲) قولها: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضا (ج۲ ص۸۵۳)، كتاب الطب، باب مايذكر في الطاعون، رقم (۵۷۳۲)، ومسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الشهداء، رقم (٤٩٤٤)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ ص٤٦٥)۔

(۴) حوالہ بالا (ص۴۶۲)۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان۔

(۴) حفصہ بنت سیرین

یہ ام الہذیل حفصہ بنت سیرین الانصاریہ البصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ ہیں۔(۱)

(۵) انس بن مالک

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: "الطاعون شهادة لکل مسلم"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی مسلمان طاعون کی وجہ سے مرے گا وہ شہادت کے رتبۂ بلند کو پہنچے گا اور اس کی یہ موت شہادت کی موت کہلائے گی۔

''طاعون'' یہ ایک مشہور بیماری ہے جو وبائی صورت میں پھیلتی ہے اور لاکھوں افراد کو ہلاک کر ڈالتی ہے۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بایں معنی ہیں کہ یہاں طاعون کا ذکر ہے اور ترجمہ میں سات کا ذکر ہے اور ان سات میں سے ایک طاعون بھی ہے۔(۴)

---

(۱) ان کے حالات کے دیکھئے کتاب الوضوء، باب التیمّن في الوضوء والغسل۔

(۲) کشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(۳) انظر التفصیل في کشف الباري، کتاب الطب (ص٠٦)۔

"قال جماعة من الأطباء منهم أبو علي بن سينا: الطاعون مادة سميّة تحدث ورما قتالا يحدث في المواضع الرخوة والمغابن من البدن، وأغلب ماتكون تحت الإبط، أو خلف الأذن، أو عند الأرنبة، قال: وسببه دم رديّ مائل إلى العفونة والفساد، يستحيل إلى جوهر سمي يفسد العضو ويغير مايليه ويؤدي إلى القلب كيفية رديئة، فيحدث القيّ والخفقان ......" قاله الحافظ في الفتح: (١٠/ ١٨٠)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٨)۔

٣١ – باب : قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى :

«لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ – إِلَى قَوْلِهِ – غَفُورًا رَحِيمًا» /النساء: ٩٥ ، ٩٦/ .

مقصد ترجمة الباب

علامہ عینی اور شیخ الحدیث صاحب رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں ترجمۃ الباب میں مذکورہ آیات کا سبب نزول بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۱)

٢٦٧٦ : حدَّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ : سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ(٢) : لَمَّا نَزَلَتْ : «لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ» . دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَيْدًا ، فَجَاءَ بِكَتِفٍ فَكَتَبَهَا ، وَشَكَا ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ ضَرَارَتَهُ ، فَنَزَلَتْ : «لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ» . [٤٣١٧ ، ٤٣١٨ ، ٤٧٠٤]

تراجم رجال

(۱) ابوالولید

یہ ابوالولید ھشام بن عبدالملک طیالسی باھلی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٢٩) والأبواب والتراجم (ج١ ص١٩٥)۔

(٢) قوله: "البراء رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا (ج٢ ص٦٦٠) كتاب التفسير، باب ﴿لايستوي القاعدون من المؤمنين﴾، رقم (٤٥٩٣ و ٤٥٩٤)، و(ج٢ ص٧٤٦) كتاب فضائل القرآن، باب كاتب النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (٤٩٩٠) ومسلم، كتاب الإمارة، باب سقوط فرض الجهاد عن المعذورين، رقم (٤٩١١)، والترمذي، أبواب الجهاد، باب ما جاء في أهل العذر في القعود، رقم (١٦٧٠)، وأبواب التفسير، باب ومن سورة النساء، رقم (٣٠٣١)، والنسائي، كتاب الجهاد، باب فضل المجاهدين على القاعدين، رقم (٣١٠٣)۔

علامة الإيمان حب الأنصار" کے تحت آ چکے ہیں۔(۱)

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے ذیل میں گذر چکے۔(۲)

(۳) ابواسحاق

یہ ابواسحق عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی "كتاب الإيمان، باب الصلاة من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۴) البراء

یہ مشہور صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ بالا باب کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

يقول: لما نزلت: ﴿لا يستوي القاعدون من المؤمنين﴾ دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم زيدا.

ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب آیت ﴿لايستوى القاعدون من المؤمنين﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو بلایا۔

یہاں زید سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مراد ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔(۵)

فجاء بكتف فكتبها

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ شانے کی ایک ہڈی اپنے ساتھ لے کر آئے اور اس آیت کو لکھ لیا۔

---

(١) كشف الباري (ج٢ص٣٨)۔

(٢) كشف الباري (ج١ص٦٧٨)۔

(٣) كشف الباري (ج٢ص٣٧٠)۔

(٤) حواله بالا (ص٣٧٥)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص١٢٩)۔

چونکہ اس زمانے میں کاغذ کی قلت تھی اس لئے لوگ اپنی ضروری لکھنے کی چیزوں کو جانوروں کی بڑی بڑی ہڈیوں پرلکھ لیا کرتے تھے۔

كتف - بفتح الكاف و كسر التاء - شانے کی وہ ہڈی جو عریض اور پھیلی ہوتی ہے خواہ انسان کی ہو یا جانوروں کی۔(۱)

وشكا ابن أم مكتوم ضرارته، فنزلت: ﴿لايستوي القاعدون من المؤمنين غير أولي الضرر﴾

اورابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے اپنے نابینا ہونے کا شکوہ کیا تو ﴿لايستوى القاعدون من المؤمنين غير أولي الضرر﴾ نازل ہوئی۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جن کا نام عمرو بن قیس ہے نابینا صحابی تھے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ آیت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو املاء کرانے لگے تو یہ موقع پر پہنچ گئے اور عرض کیا کہ اگر میں استطاعت رکھتا تو ضرور جہاد میں شریک ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ استثناء نازل فرمایا ﴿غير أولي الضرر﴾۔

٢٦٧٧ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ الزُّهْرِيُّ قالَ : حَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ قالَ : رَأَيْتُ مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ جالِسًا في المَسْجِدِ ، فَأَقْبَلْتُ حَتَّى جَلَسْتُ إِلَى جَنْبِهِ ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ (٢) أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمْلَى عَلَيْهِ : «لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ» . قالَ : فَجَاءَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، لَوْ أَسْتَطِيعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُ ، وَكانَ رَجُلاً أَعْمَى ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى رَسُولِهِ ﷺ ، وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي ، فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تُرَضَّ فَخِذِي ، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : «غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ» . [٤٣١٦]

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(٢) قوله: "أن زيد بن ثابت رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً (ج٢ص٦٦٠)، كتاب التفسير، باب ﴿لايستوي القاعدون من المؤمنين﴾، رقم (٤٥٩٢)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب الرخصة في القعود من العذر، رقم (٢٥٠٧)، والترمذي، أبواب التفسير، باب ومن سورة النساء، رقم (٣٠٣٣)، والنسائي، كتاب الجهاد، باب فضل المجاهدين على القاعدين، رقم (٣١٠١)۔

تراجم رجال

(۱) عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحیی بن عمرو بن الاویس اویسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

(۲) ابراہیم بن سعد بن الزہری

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن الزہری القرشی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ مختصرا "کتاب الإیمان، باب تفاضل أهل الإیمان في الاعمال" کے تحت (۲) اور مفصل تذکرہ "کتاب العلم، باب ما ذکر فی ذهاب موسی ......" کے تحت گذر چکا ہے۔(۳)

(۳) صالح بن کیسان

یہ ابومحمد یا ابوالحارث صالح بن کیسان مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب تفاضل أهل الإیمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

(۴) ابن شہاب

یہ ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحی" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۵)

(۵) سہل بن سعد الساعدی

یہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سہل بن سعد بن مالک ابوالعباس الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں۔(٦)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۱۲۰)۔

(۳) کشف الباري (ج۳ص۳۳۳)۔

(٤) کشف الباري (ج۲ص۱۲۱)۔

(٥) کشف الباري (ج۱ص۳۲٦)۔

(٦) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدمَ عن وجهه۔

(٦) مروان بن الحکم

یہ مشہور اموی خلیفہ ابو عبد الملک مروان بن الحکم الاموی ہیں۔(۱)

(۷) زید بن ثابت

یہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔(۲)

أنه قال: رأيت مروان بن الحكم جالسا في المسجد، فأقبلت حتى جلست إلى جنبه، فأخبرنا أن زيد بن ثابت أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أملى عليَّ ﴿لايستوي القاعدون من المؤمنين والمجاهدون في سبيل الله﴾

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے مروان بن حکم کو مسجد میں بیٹھے دیکھا، میں آگے بڑھا اور ان کے پہلو میں بیٹھ گیا تو انہوں نے ہمیں بتایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ آیت املاء کروائی ﴿لايستوي القاعدون من المؤمنين والمجاهدون في سبيل الله﴾۔

یہاں سند میں ایک لطیفہ یہ ہے کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور مروان تابعی اور صحابی یہاں تابعی سے حدیث روایت کر رہے ہیں، چنانچہ یہ "رواية الصحابي من التابعي" ہے۔(۳)

اور دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ ابن شہاب شیخ ہیں اور صالح بن کیسان تلمیذ اور تلمیذ شیخ سے عمر میں بڑے ہیں، چنانچہ یہ "رواية الأكابر عن الأصاغر" ہے۔(۴)

قال: فجاءه ابن أم مكتوم وهو يملها عليَّ، فقال: يارسول الله، لو استطعتُ الجهاد لجاهدت۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مذکورہ آیت

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الوضوء، باب البُصاق والمخاط ونحوه في الثوب۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الصلاة، باب مايذكر في الفخذ۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۳۰)۔

(٤) عمدة القاري (ج۱۸ص۱۸٦)۔

املاء کروار ہے تھے، ان کے پاس ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: ''یا رسول اللہ! اگر میں جہاد کرسکتا تو ضرور کرتا''۔

''یملها'' دراصل ''یملیها'' تھا، ظاہر یہی ہے کہ اس کی دوسری یاء لام سے تبدیل ہوگئی ہے، پھر دونوں لاموں کو مدغم کردیا گیا۔(۱)

وكان رجلا أعمى، فأنزل الله تعالى على رسوله صلى الله عليه وسلم وفخذه على فخذي، فثقلت عليَّ، حتى خفت أن ترضَّ فخذي، ثم سري عنه، فأنزل الله عزوجل ﴿غير أولي الضرر﴾۔

اور ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی بھیجی، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک میری ران پر تھی، تو آپ کی ران مجھ پر بھاری ہوگئی، یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میری ران چور چور نہ ہوجائے، پھر وحی کے آثار آپ سے زائل ہونے لگے، پس اللہ عزوجل نے یہ وحی نازل کی ﴿غير أولي الضرر﴾۔

حدیث باب سے معلوم یہ ہوا کہ اولاً مذکورہ بالا آیت میں کسی قسم کا استثناء نہیں تھا، دو ہی فریق تھے ایک مجاہدین، دوسرے قاعدین عن الجہاد، لیکن حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے شکوے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے استثناء نازل کیا گیا کہ اس تفریق سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو معذور ہوں۔

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فيه دليل على أن من حبسه العذر عن الجهاد وغيره من أعمال البر مع نيته فيه فله أجر المجاهد والعامل؛ لأن نص الآية على المفاضلة بين المجاهد والقاعد، ثم استثنى من المفضولين أولي الضرر، وإذا استثناهم من المفضولين فقد ألحقهم بالفاضلين۔ (۲)

یعنی حدیث باب اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی شخص عذر شرعی کی وجہ سے جہاد یا دوسرے نیک اعمال کو بجالانے سے رہ جائے تو اس کو مجاہد اور خیر کا عمل کرنے والے کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ کیونکہ مذکورہ آیت میں تصریح ہے کہ مجاہد کو قاعد پر فضیلت وترجیح حاصل ہے، پھر مفضولین میں سے اولی الضرر کا استثناء کیا گیا، تو جب ان کو مفضولین سے مستثنیٰ اور الگ قرار دے دیا گیا لہٰذا وہ فاضلین میں شامل ہوگئے۔

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ص٤٤)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٠)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح اور ظاہر ہے محتاج تشریح نہیں۔(۱) کہ آیت کے نزول کا سبب بیان کرنا تھا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے قصے سے وہ بیان کر دیا گیا۔

حل کلمات مشکلہ

"ترض" یہ رض سے مشتق ہے جس کے معنی چور چور ہونے کے ہیں۔(۲)

"سری" راء کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ، اس کو دونوں طرح پڑھا گیا ہے، اس کے معنی زائل ہونے اور ہٹنے کے ہیں۔(۳)

۳۲ – باب : الصَّبْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ .

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں کفار کے ساتھ قتال و جہاد کے وقت صبر کی فضیلت بیان فرمارہے ہیں۔(۴)

۲۶۷۸ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ مُوسٰى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى(۵) كَتَبَ ، فَقَرَأْتُهُ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَٱصْبِرُوا) . [ر : ۲۶۶۳]

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٠)۔

(٢) مختار الصحاح مادة: "ر،ض،ض"۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٠) ومختار الصحاح مادة: "س،ر،ي" احادیث باب کی مزید تشریح کے لئے دیکھئے، کشف الباري، کتاب التفسير (ص١٦٠)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٠)۔

(٥) قوله: "أن عبدالله بن أبي أوفى رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه آنفا۔

تراجم رجال

(۱) عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ جُعفی بخاری مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) معاویہ بن عمرو

یہ معاویہ بن عمرو بن مہلب الازدی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

(۳) ابواسحاق

یہ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

(۴) موسی بن عقبہ

یہ موسی بن عقبہ اسدی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

(۵) سالم ابوالنضر

یہ ابوالنضر سالم بن ابی امیہ مولی عمر بن عبیداللہ قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

(۶) عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی علقمہ الاسلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۶)

أن عبد الله بن أبي أوفي كتب فقرأته: إن رسول الله ﷺ قال: "إذا لقيتموهم فاصبروا"۔

---

(۱) كشف الباري (ج۱ ص۶۵۷)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الأذان، باب إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الوضوء، باب المسح على الخفين۔

(۶) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الزكوة، باب صلاة الإمام، ودعائه لصاحب الصدقة......۔

حضرت سالم ابوالنضر فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے خط لکھا تو میں نے اسے پڑھا (تو اس میں تھا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا دشمن سے سامنا ہو تو ثابت قدم رہو۔

"فاصبروا" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

۱۔ جب قتال و جہاد کا ارادہ کیا جائے تو اس کے شروع کرتے وقت صبر کیا جائے کہ پیچھے نہ ہٹنے کا عزم مصمم کریں اور استقامت کا مظاہرہ کریں۔

۲۔ قتال شروع ہونے کے بعد جبکہ میدان کارزار گرم ہو ثابت قدم رہیں اور نہ بھاگیں۔ (۱)

صبر برکاتِ خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر تمام امور خیر کے لئے سبب اور ذریعہ ہے، چنانچہ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو بہت سے مواضع میں بیان کیا ہے اور اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بات کا حکم دیا کہ جب دشمن سے سامنا ہو تو صبر کے دامن کو نہ چھوڑیں تا کہ برکاتِ خداوندی حاصل ہوں اور لوگ سستی اور ہزیمت کے عادی وخوگر نہ ہو جائیں، کیونکہ یہ دونوں صفات دنیا وآخرت میں حرمان وخسارے کا سبب ہیں اور صبر کا اختیار کرنا دنیا وآخرت کے مطلوب امور کے حصول کا ضامن ہے۔ (۲)

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے: "فاصبروا" کہ کفار سے جب آمنا سامنا ہو تو صبر واستقامت کو اختیار کرو۔ (۳)

۳۳ – باب: التَّحْرِيضِ عَلَى الْقِتَالِ.

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: «حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ» /الأنفال: ٦٥/.

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٠)، وشرح الكرماني (ج١٢ ص١٢٧)۔

(٢) شرح ابن بطال (ج٥ ص٤٥)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٠)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں یہ بتلا رہے ہیں کہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینی چاہئے، ابھارنا چاہئے اوراس کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنا چاہئے۔(۱)

آیت کریمہ کے ذکر کی وجہ

مذکورہ آیت کے ذریعے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جیسا کہ ان کی عادت ہے ترجمۃ الباب پر استشہاد پیش کیا ہے کہ یہ تحریض وترغیب علی القتال قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی! مسلمانوں کو جہاد وقتال کی ترغیب دیجئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو جہاد پر اور دشمن کا سامنا پامردی واستقامت سے کرنے پر ابھارتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں جب مشرکین مکہ اپنا لاؤلشکر ساتھ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مقابلہ کرنے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "قوموا إلى جنة عرضها السموات والأرض"۔(۲)

۲۶۷۹ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ حُمَيْدٍ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا(۳) رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ : خَرَجَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ إِلَى الْخَنْدَقِ ، فَإِذَا الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يَحْفِرُونَ فِي غَدَاةٍ بَارِدَةٍ ، فَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ عَبِيدٌ يَعْمَلُونَ ذٰلِكَ لَهُمْ ، فَلَمَّا رَأَى ما بِهِمْ مِنَ النَّصَبِ وَالجوعِ ، قالَ : (اللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الآخِرَهْ . فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ) . فَقَالُوا مُجِيبِينَ لَهُ :

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا ٭ عَلَى الْجِهَادِ ما بَقِينَا أَبَدَا

[۲۶۸۰ ، ۲۸۰۱ ، ۳۵۸٤ ، ۳۵۸۵ ، ۳۸۷۳ ، ۳۸۷٤ ، ٦۰۵۰ ، ٦۷۷۵]

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٠)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) قوله: "سمعت أنسا رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً (ج۱ ص۳۹۸)، كتاب الجهاد، باب حفر الخندق، رقم (۲۸۳۵) و (ج۱ ص۴۱۵) باب البيعة في الحرب على أن لايفروا، رقم (۲۹۶۱)، و(ج۱ ص۵۳۵) كتاب مناقب الأنصار، =

تراجم رجال

(۱) عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ جعفی بخاری مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) معاویہ بن عمرو

یہ معاویہ بن عمرو بن مہلب الازدی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

(۳) ابواسحاق

یہ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

(۴) حمید

یہ ابوعبیدہ حُمید بن ابی حمید الطّویل الخزاعی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لايشعر" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

(۵) انس بن مالک

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتـــــاب

= بـاب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم: "أصلح الأنصار والمهاجرة" رقم (٣٧٩٥-٣٧٩٦)، و(ج١ ص٥٨٨) كتاب المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، رقم (٤٠٩٩-٤١٠٠)، و(ج٢ ص٩٤٩) كتاب الرقاق، باب الصحة والفراغ ولا عيش إلا عيش الآخرة، رقم (٦٤١٣)، و(ج٢ ص١٠٦٩) كتاب الأحكام، باب كيف يبايع الإمام الناس؟، (٧٢٠١)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة الأحزاب وهي الخندق، رقم (٤٦٧٣-٤٦٧٤)، والترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب جابر بن عبد الله رضي الله عنه، رقم (٣٨٥٧)۔

(١) كشف الباري (ج١ ص٦٥٧)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الأذان، باب اقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة۔

(٤) كشف الباري (ج٢ ص٥٧١)۔

الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

یقول: خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلی الخندق

حضرت حمید الطّویل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف نکلے۔

حدیث میں بیان کردہ واقعہ غزوۂ احزاب (خندق) کا ہے، اس غزوے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا تھا تاکہ مدینہ منورہ کا دفاع کیا جاسکے۔ امام طبری اور علامہ سہیلی رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جنگ کے لئے خندق کھودنے والا منوجہر بن ایرج بن افریدون ہے، جو فارسی النسل تھا اور یہ موسی علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے۔(۲)

فإذا المهاجرون والأنصار یحفرون في غداة باردة، فلم یکن لهم عبید یعملون ذلك لهم

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صحابۂ کرام سخت سردی کی صبح میں خندق کھود رہے ہیں، کیونکہ ان کے پاس ایسے غلام نہیں تھے جو ان کے لئے یہ کام کرتے۔

کلمہ "إذا" یہاں مفاجاتیہ ہے۔

فلما رأی ما بهم من النصب والجوع، قال:

اللهم إن العیش عیش الآخرة

فاغفر الأنصار والمهاجرة

فقالوا مجیبین له:

نحن الذین بایعوا محمدا على الجهاد ما بقینا أبداً

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشقت اور بھوک کو دیکھا تو فرمایا: "اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، آپ انصار و مہاجرین کی مغفرت فرمادیجئے۔"

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص٤)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٣١)، مذکورہ غزوے کی تفصیل کے لئے دیکھئے کشف الباري کتاب المغازي (ص۲۷۵)۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے جواب میں کہتے تھے:

''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے کہ جب تک ہم باقی اور زندہ رہیں گے، ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے۔''

مذکورہ بالا اشعار کو رجزیہ انداز میں پڑھنے کی حکمت

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خندق کھودنے کے دوران مذکورہ بالاشعر نحن الذین ...... رجز کے انداز میں پڑھا کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم میں سے جب کوئی آدمی کوئی عمل کرتا ہے تو منہ ہی منہ گنگناتا ہے، تاکہ تھکاوٹ و بیزاری طاری نہ ہو، کیونکہ انسان جب کوئی مشقت والا عمل کرتا ہے تو اس اثناء میں گنگناتا رہتا ہے، اس کا یہ گنگنانا اس کام کی مشقت کو غیر محسوس بنا دیتا ہے۔(۱)

فائدہ

حدیث باب سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ لوگوں کی پوشیدہ صلاحیتوں اور جنگی جذبات کو برانگیختہ واجاگر کرنے کے لیے اشعار اور رجز وغیرہ استعمال کرنے چاہئیں۔(۲)

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت "اللهم إن العيش عيش الآخرة" میں ہے کہ اس کے ذریعے صحابہ کو وہ جس کام میں مشغول تھے (یعنی حفر خندق) اس پر مزید ابھارا گیا ہے، کیونکہ وہ بھی جہاد ہی کا ایک حصہ ہے۔(۳)

٣٤ - باب : حَفْرِ الخَنْدَقِ .

---

(۱) فيض الباري (ج٣ص ٤٢٧)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج٥ص ٤٦)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص ١٣١)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب کے تحت یہ بیان کررہے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کے اردگرد خندق کھودی تھی تاکہ اس کا دفاع کیا جاسکے۔(۱)

چنانچہ ظاہری بات ہے کہ یہ اہل فارس کا طریقہ تھا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کا مشورہ دیا تھا، اس لئے اگر ضرورت پیش آجائے تو خندق کھودی جاسکتی ہے اور دوسری اقوام کے طریقۂ حرب سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲۶۸۰ : حدّثنا أَبُو مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَنَسٍ(۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : جَعَلَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصارُ يَحْفِرُونَ الخَنْدَقَ حَوْلَ المَدِينَةِ ، وَيَنْقُلُونَ التُّرَابَ عَلَى مُتُونِهِمْ ، وَيَقُولُونَ :

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا * عَلَى الْإِسْلَامِ ما بَقِينَا أَبَدَا

وَالنَّبِيُّ ﷺ يُجِيبُهُمْ ، وَيَقُولُ : (اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الآخِرَهْ . فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ) . [ر : ۲۶۷۹]

تراجم رجال

(۱) ابو معمر

یہ عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج منقری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ''مقعد'' کے لقب سے معروف ہیں، ان کے حالات "کتاب العلم، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم: اللهم علمه الكتاب" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۳۲)۔

(۲) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الباب السابق۔

(۳) كشف الباري (ج۳ص۳۵٦)۔

(۲) عبدالوارث

یہ عبدالوارث بن سعید بن ذکوان تمیمی عنبری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم کے مذکورہ باب کے تحت گذر چکے۔(۱)

(۳) عبدالعزیز

یہ عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "کتاب الإیمان، باب حب الرسول من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۴) انس

یہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

جعل المهاجرون والأنصار یحفرون الخندق حول المدینة، وینقلون التراب علی متونهم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مہاجرین اور انصار مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی پشت کے ذریعے مٹی ڈھو رہے تھے۔

"حول المدینة" سے کیا مراد ہے؟

یہاں باب کی روایت میں "حول المدینة" کے الفاظ سے بظاہر متبادر یہ ہو رہا ہے کہ خندق مدینہ منورہ کے چاروں جوانب سے کھودی گئی تھی حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، چنانچہ علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حول المدینة" سے اس کا ایک حصہ مراد ہے، کیونکہ خندق مدینہ منورہ کے اردگرد تیار نہیں کی گئی بلکہ لشکر اسلام کے اردگرد تیار کی گئی تھی، جب کہ لشکر مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا، لیکن چونکہ یہ فاصلہ کم ہے اس لئے راوی حدیث نے قرب کو مدنظر رکھ کر اس کو "حول المدینة" سے تعبیر کر دیا ہے۔(۴)

---

(۱) کشف الباري (ج۳ص۳۵۸)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۹)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص٤)۔

(٤) لامع الدراري (ج۷ص۲۲۲)۔

اور شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی کے ارشاد کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی کا قول واضح اور ظاہر ہے، کیونکہ خندق لشکر اسلام اور لشکر کفار کے درمیان تیار کرائی گئی تھی، چنانچہ صاحب الخمیس نے خلاصۃ الوفاء کے حوالے سے لکھا ہے:

"كان أحد جانبي المدينة عورة، وسائر جوانبها مشتبكة بالبنيان والنخيل، لا يتمكن العدو منها، فاختار ذلك الجانب المكشوف للخندق، وجعل معسكره تحت جبل سلع، والخندق بينه وبين المشركين۔"

"یعنی مدینہ منورہ کا ایک حصہ خالی اور کھلا ہوا تھا، اس کے علاوہ باقی تمام اطراف سے آبادیاں اور کھجور کے باغات تھے، وہاں سے دشمن کا حملہ کرنا اور غلبہ حاصل کرنا ممکن ہی نہیں تھا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی تیاری کے لئے کھلے حصے کا انتخاب فرمایا اور اپنے لشکر کو جبل سلع کے دامن میں ٹھہرایا اور خندق آپ کے اور مشرکین کے درمیان تھی"۔(۱)

"على متونهم" یہ متن کی جمع ہے، اس کے معنی پشت کے ہیں اور زمین کے سخت اور بلند حصے کو بھی "متن" کہتے ہیں۔(۲)

ویقولون:

نحن الذين بايعوا محمداً على الإسلام ما بقينا أبداً

اور وہ کہہ رہے تھے:

"ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے کہ جب تک ہم زندہ اور باقی رہیں گے، ہمیشہ اسلام پر برقرار رہیں گے۔"

یہاں باب کی روایت "على الإسلام" وارد ہوا ہے، جبکہ گذشتہ باب کی روایت میں "على الجهاد" تھا، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موزون "على الجهاد" ہے اور "على الإسلام" سے وزن شعری میں خرابی آتی ہے۔(۳)

---

(۲) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۲۲)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٢)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٢)۔

والنبي صلى الله عليه وسلم يجيبهم ويقول:

اللهم إنه لا خير إلا خيرُ الآخره فبارك في الأنصار والمهاجره

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب دیتے ہوئے فرماتے:

''اے اللہ! اچھائی تو آخرت ہی کی اچھائی ہے، آپ انصار ومہاجرین میں برکت دیجئے۔''

ایک اشکال اوراس کا جواب

یہاں چھوٹا سا ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ باب سابق میں تو یہ تھا کہ جواب دینے والے صحابہ کرام تھے اور یہاں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب دے رہے تھے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف اوقات پر محمول ہے، یعنی کبھی تو ابتداء صحابہ کرام کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے اور کبھی ابتداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اور صحابہ جواب دیتے۔(۱)

۲۶۸۱/۲۶۸۲ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، سَمِعْتُ الْبَرَاءَ[۲] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يقول : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْقُلُ وَيَقُولُ : (لَوْلَا أَنْتَ ما ٱهْتَدَيْنَا) .

تراجم رجال

(۱) ابوالولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی باہلی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ''کتاب الإیمان، باب

(۱) حوالہ بالا، وشرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۲۸)۔

(۲) قوله: "سمعت البراء رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً (ج۱ ص۳۹۸)، كتاب الجهاد، باب حفر الخندق، رقم (۲۸۳۷)، و(ج۱ ص۴۲۵) باب الرجز في الحرب ورفع الصوت في حفر الخندق، رقم (۳۰۳۴)، و(ج۲ ص۵۸۹) كتاب المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، رقم (۴۱۰۴-۴۱۰۶)، و(ج۲ ص۹۷۹) كتاب القدر، باب ﴿وما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله﴾، رقم (۶۶۲۰)، و(ج۲ ص۱۰۷۴) كتاب التمني، باب قول الرجل: لولا الله ما اهتدينا، رقم (۷۲۳۶)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة الأحزاب وهي الخندق، رقم (۴۶۷۰)۔

علامة الإيمان حب الأنصار" کے تحت نقل کئے جا چکے۔(۱)

(۲) شعبہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت نقل کئے جا چکے ہیں۔(۲)

(۳) ابواسحاق

یہ ابواسحق عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی "کتاب الإیمان، باب الصلاۃ من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۴) البراء

یہ مشہور صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ بالا باب کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

کان النبي صلی اللہ علیه وسلم ینقل ویقول: "لولا أنت ما اهتدینا"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مٹی ڈھو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: "(اے اللہ!) اگر آپ کی رحمت نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔"

(۲٦۸۲) : حدّثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ الْبَرَاءِ (۵) رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْأَحْزَابِ يَنْقُلُ التُّرَابَ ، وَقَدْ وَارَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهِ ، وَهُوَ يَقُولُ : (لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ، وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا ، فَأَنْزِلِ السَّكِينَةَ عَلَيْنَا ، وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا ، إِنَّ الْأُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ، إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا) .

[۲۸۷۰ ، ۳۸۷۸ ، ۳۸۸۰ ، ٦۲٤٦ ، ٦۸۰۹]

---

(۱) كشف الباري (ج۲ ص۳۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ ص٦۷۸)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص۲۷۰)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ ص۲۷٥)۔

(٥) قوله: "عن البراء رضي اللہ عنه": الحدیث، مر تخریجه آنفا في الحدیث السابق۔

تراجم رجال

(۱) حفص بن عمر

یہ حفص بن عمر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

ان کے علاوہ سند کے دیگر رجال کے حوالے ابھی گذشتہ حدیث میں نقل کئے جاچکے۔

قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الأحزاب ينقل التراب، وقد وارى التراب بياض بطنه

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ احزاب میں دیکھا کہ آپ مٹی ڈھو رہے تھے، یہاں تک کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک کی سفیدی کو چھپا دیا تھا۔

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام المسلمین کو مسلمانوں کی حفاظت کے لئے اپنی حرمت و وقار بھی مٹانا پڑے تو پروانہیں کرنی چاہئے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عامۃ المسلمین بھی اس کی اقتداء کریں گے۔(۲)

وهو يقول:

لولا أنت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

فأنزل السكينة علينا وثبت الأقدام إن لاقينا

إن الألى قد بغوا علينا إذا أرادوا فتنة أبينا

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

۱۔ اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

۲۔ اے اللہ! ہم پر سکینہ نازل فرما اور جنگ کے وقت ہم کو ثابت قدمی عطا فرما۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ ص۴۷)۔

۳۔ ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، جب یہ لوگ ہم کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تم ہم انکار کریں گے۔
مذکورہ بالا اشعار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہیں جیسا کہ کتاب المغازی کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔(۱)

احادیث باب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ باب کی تینوں احادیث کی مناسبت ومطابقت واضح ہے کہ پہلی اور تیسری میں حفر خندق اوراس کی مٹی ڈھونے کا ذکر ہے اور دوسری حدیث تیسری کا اختصار ہے اوراس میں بھی مٹی کے منتقل کرنے کا ذکر ہے جو خندق کی کھدائی کا لازمی نتیجہ ہے۔

۳۵ - باب : مَنْ حَبَسَهُ الْعُذْرُ عَنِ الْغَزْوِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب کے تحت یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی معذور ہے اورنیت بھی اس کی صادق اور صحیح ہے، لیکن وہ اس عذر کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہیں کرسکتا تو اس پر ملامت نہیں کی جائے گی اوراس کو نیت صادقہ کی وجہ سے غازی کا اجروثواب ملے گا۔(۲)

عذر کی تعریف

شراح بخاری نے ”عذر“ کی تعریف یہ لکھی ہے:

هو الوصف الطارئ على المكلف المناسب للتسهيل عليه۔ (۳)

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، رقم (٤١٠٦)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٣)۔

(۳) حوالۂ بالا۔ و شرح الكرماني (ج١٢ص١٢٩)۔

''یعنی عذر مکلّف کو پیش آنے والا وہ وصف ہے جس کی وجہ سے شرعی احکام میں اس کے، ساتھ آسانی کا معاملہ کیا جاتا ہے''۔

۲۶۸۳/۲۶۸٤ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ : حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ : أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ (۱) قالَ : رَجَعْنَا مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ .

تراجم رجال

(۱) احمد بن یونس

یہ احمد بن عبداللہ بن یونس تمیمی یربوعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ''کتاب الإیمان، باب من قال: إن الإیمان هوالعمل'' کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۲۔ زہیر

یہ زہیر بن معاویہ بن حُدیج بن رُحیل بن زہیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ''کتاب الإیمان، باب الصلاۃ من الإیمان'' کے ذیل میں بیان کئے جاچکے ہیں۔(۳)

۳۔ حمید

یہ ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل الخزاعی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی ''کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهولایشعر'' کے تحت گذر چکے۔(۴)

---

(۱) قوله: "أن أنساً حدثهم": الحديث، أخرجه البخاري أيضا(ج۱ ص۳۹۸) كتاب الجهاد، باب من حبسه العذر عن الغزو، رقم (۲۸۳۹)، و(ج۲ ص۶۳۷) كتاب المغازي، باب بعد باب نزول النبي صلى الله عليه وسلم الحجر، رقم (٤٤۲۳)، وأبو داود، كتاب الجهاد، باب الرخصة في القعود من العذر، رقم (۲۵۰۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص۱۵۹)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص۳۶۷)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ ص۵۷۱)۔

۴۔انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے ذیل میں آچکے۔(۱)

قال: رجعنا من غزوة تبوك مع النبي صلى الله عليه وسلم۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس آئے۔

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہاں سند کی تحویل ہے جب کہ دیگر نسخوں میں تحویل سند نہیں ہے۔(۲)

(٢٦٨٤) : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، هُوَ ابْنُ زَيْدٍ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۳): أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ في غَزَاةٍ ، فَقَالَ : (إِنَّ أَقْوَامًا بِالْمَدِينَةِ خَلْفَنَا ، ما سَلَكْنَا شِعْبًا وَلَا وَادِيًا إِلَّا وَهُمْ مَعَنَا فِيهِ ، حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ) .

وَقالَ مُوسَى : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ ، عَنْ أَبِيهِ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ .

قالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : الْأَوَّلُ أَصَحُّ . [٤١٦١]

تراجم رجال

۱۔سلیمان بن حرب

یہ ابو ایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من كره أن يعود في الكفر ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

۲۔حماد

یہ ابو اسماعیل حماد بن زید بن درہم ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی "كتاب الإيمان، باب

(١) كشف الباري (ج٢ص٤)۔

(٢) شرح القسطلاني (ج٥ص٦٣) وعمدة القاري (ج١٤ص١٣٣)۔

(٣) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الحديث السابق من الباب۔

(٤) كشف الباري (ج٢ص١٠٥)۔

﴿وإن طائفتان من المؤمنين﴾'' کے ذیل میں گذر چکے۔(۱)

۳۔حمید و۴۔انس

ان دونوں حضرات کے لئے سند سابق دیکھئے۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم كان في غزاة، فقال: "إن أقواما بالمدينة خلفنا؛ ما سلكنا شعبا ولاواديا إلا وهم معنا فيه"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے میں تھے، تو آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مدینہ منورہ میں ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ جس دَرّے میں یا جس میدان میں ہم جائیں وہ ضرور اس میں ہمارے ساتھ ہوں گے۔

"غزاة" سے مراد غزوہ تبوک ہے جیسا کہ روایت زہیر میں ہے۔(۲)

"خلفنا" کو دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے، لام کے سکون یا لام کی تشدید اور سکون فاء کے ساتھ۔

پہلی صورت مین اس کے معنی "وراء نا" کے ہوں گے یعنی ہمارے پیچھے۔

دوسری صورت میں یہ باب ''تفعیل'' سے جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہوگا۔ اور اس کے معنی ''ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں'' کے ہوں گے۔(۳)

"إلا وهم معنا فيه" جملے کے بھی دو مطلب ہیں:-

ا۔جس کو ہم نے ترجمۂ حدیث میں اختیار کیا ہے کہ ہم لوگ جہاد کے لئے کہیں بھی جائیں یہ پیچھے رہ جانے والے ضرور ہمارے ساتھ شریک جہاد ہوتے اگر ان کو کوئی عذر یا مجبوری مانع نہ ہوتی۔

۲۔یہ ہمارے ساتھ ثواب جہاد میں شریک ہیں، یعنی اگر چہ یہ لوگ مجبوری اور عذر کی وجہ سے جہاد میں تو شریک نہیں ہو سکے، لیکن ہم کسی بھی درے یا میدان میں جائیں ان کو ثواب ضرور ملے گا، کیونکہ یہ حضرات بھی جہاد میں شرکت

---

(۱) حوالہ بالا (ص۲۱۹)۔

(۲) شرح القسطلاني (ج٥ ص٦٣)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٣) وفتح الباري (ج٦ ص٤٧)۔

کی نیت رکھتے تھے، اس معنی کی تایید اسماعیلی کے طریق سے ہوتی ہے جس کے الفاظ میں نیت کی صراحت ہے "إلا وهم معكم فيه بالنية" اسی طرح ابن حبان (۱)، ابوعوانہ اورامام مسلم (۲) رحمہم اللہ کی روایت میں "إلا كانوا معكم" کی بجائے "إلا شركوكم في الأجر" ہے، اس سے بھی معنی ثانی کی تایید ہورہی ہے کہ معیت اورشرکت فی الاجر مراد ہے، نہ کہ معیت فی الجہاد والقتال۔ (۳)

حبسهم العذر

عذر نے انہیں روکے رکھا ہے۔

''عذر'' سے مراد یہاں مرض اور سفر پر عدم قدرت وغیرہ کا ہونا ہے، مسلم شریف (۴) کی روایت میں ''عذر'' کی بجائے جو "حبسهم المرض" آیا ہے تو وہ غالب اوراکثر حالات پر محمول ہے، یہ مطلب نہیں کہ ''عذر'' صرف مرض ہی میں منحصر ہے۔ (۵)

وقال موسى: حدثنا حماد عن حميد عن موسى بن أنس عن أبيه قال النبي صلى الله عليه وسلم۔

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کوامام ابوداود (۶) نے اسی سند کے ساتھ اپنی سنن میں موصولاً نقل کیا ہے اوراسماعیلی نے بھی اس کی تخریج "أخبرنا أبويعلى حدثنا أبو خيثمة حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة أخبرنا حميد عن موسى بن انس عن أبيه" کے طریق سے کی ہے۔ (۷)

---

(۱) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (ج۸ص۱۱۲)، كتاب السير، ذكر تفضل الله على القاعد المعذور ......، رقم (۴۷۱۱)۔

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب ثواب من حبسه العذر عن الغزو، رقم (۴۹۳۲)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۳۳)، وفتح الباري (ج۶ص۴۷)۔

(۴) الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب ثواب من حبسه العذر عن الغزو، رقم (۴۹۳۲)۔

(۵) شرح القسطلاني (ج۵ص۶۳)۔

(۶) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب الرخصة في القعود من العذر، رقم (۲۵۰۸)۔

(۷) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۳۳)، وتغليق التعليق (ج۳ص۴۳۴)۔

قال أبو عبدالله: "الأول أصح۔"

امام بخاری فرماتے ہیں کہ پہلی سند میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

تعلیق مذکور کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو سندیں ذکر کی ہیں اب یہ فرما رہے ہیں پہلی سند میرے نزدیک صحیح ہے بنسبت دوسری کے، پہلی سے مراد وہ سند ہے جس میں موسی بن انس نہیں ہیں۔

اور وجہ صحت یہ ہے کہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ موسی بن انس کی جو روایت ہے وہ معنعن ہے جب کہ پہلی سند تحدیث کے الفاظ کے ساتھ ہے جیسا کہ زہیر کی روایت میں ہے۔

اس معاملے میں اسماعیلی نے حضرت امام کی مخالفت کی اور فرمایا کہ حماد حمید کی احادیث کے عالم ہیں اور اس سلسلے میں ان کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہے۔

نیز یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ حمید نے یہ روایت دو مرتبہ سنی ہو، ایک مرتبہ حضرت انس سے، دوسری مرتبہ ان کے صاحبزادے موسی سے، اس لئے یہاں ایسی کوئی بات نہیں کہ پہلی کو دوسری پر ترجیح دی جائے۔(۱)

فائدہ

یہاں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں امام صاحب نے حدیث باب کو دو طرق سے نقل فرمایا ہے پہلا طریق احمد بن یونس کا ہے، دوسرا سلیمان بن حرب کا۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت زہیر کو حماد بن زید کی روایت کے ساتھ مقرون کیا ہے اور غرض اس سے امام صاحب کی دو فائدوں کی طرف اشارہ کرنا ہے، وہ یہ کہ روایت زہیر میں غزوے کی تصریح ہے جب کہ حماد کی روایت میں غزوہ کی تصریح نہیں۔

دوسرے یہ کہ زہیر کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے تحدیث کی صراحت ہے جبکہ روایت حماد میں عنعنہ ہے۔(۲)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٤٧)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٣٣)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

ایک اور فائدہ

حدیث باب سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عمل صالح کی نیت رکھنے کے باوجود کسی عذر شرعی کی وجہ سے اس کو بجالانے سے رہ جائے تب بھی اس کو عامل کا اجر دیا جائے گا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اگر کوئی رات کی نماز یعنی تہجد سے رہ جائے کہ نیند کا اس پر غلبہ ہوگیا تھا تو بھی اس کو تہجد کا ثواب ملے گا اور اس کی نیند اس کے لئے صدقہ شمار ہوگی۔(۱)

ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "حبسهم العذر" میں ہے۔(۲)

٣٦ – باب : فَضْلِ الصَّوْمِ فِي سَبِيلِ ٱللهِ .

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمے کے تحت جہاد میں روزے رکھنے کی فضیلت بیان فرمانا چاہتے ہیں۔(۳)

ایک تعارض اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہو رہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سابق میں باب قائم کیا تھا "باب من اختار الغزو علی الصوم" اور وہاں روزہ نہ رکھنے کی اولویت بیان کی تھی کیونکہ روزے سے دشمن کا سامنا کرتے وقت کمزوری لاحق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٣)، وشرح ابن بطال (ج٥ ص٤٨)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٣)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٣)۔

جب کہ اس ترجمۃ الباب کے تحت مصنف علیہ الرحمۃ جہاد میں روزے کی فضیلت بیان فرمارہے ہیں؟

لیکن اس تعارض کا جواب واضح ہے وہ یہ ہے کہ سابق میں جو باب قائم کیا تھا وہ اس آدمی کے حق میں ہے جس کو ضعف اور کمزوری کے لاحق ہونے کا خطرہ ہو تو پھر اس صورت میں روزے نہیں رکھنے چاہئے، لیکن اگر کوئی آدمی جہاد میں ہے اور روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میرے روزہ رکھنے سے مشاغل جہاد میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، کمزوری لاحق نہیں ہوگی تو پھر یقیناً اس کے لئے بڑا اجر ہے، کیونکہ اس میں اجتماع الفضیلتین ہے کہ وہ دو فضیلتوں کو جمع کر رہا ہے، فضیلۃ الصوم والجہاد۔(۱)

٢٦٨٥ : حدّثنا إسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قالَ : أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَسُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ : أَنَّهُمَا سَمِعَا النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ(۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، بَعَّدَ ٱللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا) .

تراجم رجال

۱۔ اسحاق بن نصر

یہ اسحاق بن ابراہیم بن نصر السعدی النجدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۲۔ عبدالرزاق

یہ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی یمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب

(۱) فتح الباري (ج٦ص٤٨)۔ اس مضمون کی مفصل تشریح کتاب الصیام، باب الصوم في السفر کے تحت گذر چکی ہے۔ فلیراجع ثمہ۔

(۲) قوله: "عن أبي سعید الخدري رضي الله عنه": الحدیث، أخرجه مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام في سبیل الله لمن یطیقه، رقم (٢٧١١)، والترمذي في فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الصوم في سبیل الله، قم (١٦٢٣)، والنسائي في کتاب الصیام، باب ثواب من صام یوماً في سبیل الله عزوجل ......، رقم (٢٢٣٧)، وابن ماجه، أبواب الصیام، باب في صیام یوم في سبیل الله، رقم (١٧١٧)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانا وحده في الخلوة۔

حسن إسلام المرء" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۳۔ابن جریج

یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔یحیی بن سعید

یہ مشہور تابعی محدث یحیی بن سعید بن قیس انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب صوم رمضان احتسابا" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۵۔سہیل بن ابی صالح

یہ ابو یزید سہیل بن ذکوان السمان ابی صالح مولی جویریۃ بنت الاحمس المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے تین دیگر بھائی بھی محدث تھے۔(۴)

یہ اپنے والد ذکوان، سعید بن المسیب، حارث بن مخلد انصاری، ابوالحباب سعید بن یسار، عبداللہ بن دینار، عطاء بن یزید اللیثی، نعمان بن عیاش، ابن المنکدر، ابوعبید صاحب سلیمان، عبیداللہ بن مقسم، قعقاع بن حکیم، سُمی مولی ابی بکر، اعمش اور ربیعۃ الرائے رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ربیعۃ الرائے، اعمش، یحیی بن سعید الانصاری، موسی بن عقبہ، یزید بن الہاد، امام مالک، امام شعبہ، اسحاق الفزاری، ابن جریج، سفیانان (ثوری وابن عیینہ)، ابن ابی حازم، فلیح بن سلیمان، روح بن القاسم، زهیر بن معاویہ، زہیر بن محمد، سعید بن عبدالرحمن الجُمَحِي، وھیب، سلیمان بن بلال، عبداللہ بن ادریس، دراوردی، علاء بن المسیب، ابوعوانہ، یعقوب بن عبدالرحمن اسکندرانی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ شامل ہیں۔(۵)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عن سفیان بن عیینة، قال: "کنا نعد سهل بن أبي صالح ثبتا

(۱) کشف الباري (ج۲ ص۳۲۱)۔

(۲)ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الحیض، باب غُسل الحائض رأس زوجها وترجيله۔

(۳) کشف الباري (ج۲ ص۳۲۱)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۲۲۳)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۲۲۳-۲۲۵)۔

في الحديث"۔(۱)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ما أصلح حديثه۔" (۲)

ابوطالب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سألت أحمد بن حنبل عن سهيل بن أبي صالح، ومحمد بن عمرو، فقال: قال يحيى بن سعيد: "محمد أحبهما إلينا، وماصنع شيئا سهيل أثبت عندهم"۔(۳)
کہ "میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سہیل بن ابی صالح اور محمد بن عمرو کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یحیی بن سعید فرماتے تھے کہ ان دونوں میں ہمیں زیادہ پسند محمد ہیں۔ اور یحیی بن سعید نے کچھ نہیں کہا، سہیل ان کے نزدیک اثبت ہیں۔"

احمد بن عبداللہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سهيل ثقة"۔(۴)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس"۔(۵)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان ثقة، كثير الحديث"۔(۶)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا: كان يخطىء"۔(۷)

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کا ذکر اپنی کتاب "الثقات" میں کیا اور فرمایا: "من المتقنين، إنما توقي في غلط حديثه ممن يأخذ عنه" یعنی "یہ اصحاب ضبط واتقان میں سے ہیں، ان کی غلط حدیثوں سے جو پرہیز کیا گیا ہے اس کی وجہ وہ لوگ ہیں جن سے یہ اخذ روایت کرتے ہیں۔"(۸)

یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۹)

---

(۱) الجامع للترمذي أبواب الجمعة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة و بعدها، رقم (۵۲۳)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۲۲۶)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۲۲۷)۔

(۵) سير أعلام النبلاء (ج۵ ص٤۵۹)۔

(٦) طبقات ابن سعد (ج٦ ص۲۲۷)۔

(۷) تعليقات تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۲۲۷)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) سير أعلام النبلاء (ج۵ ص٤۵۹)۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع فرمایا ہے:

"الإمام المحدث الکبیر الصادق ......" (۱) نیز فرماتے ہیں: "سهیل بن أبي صالح فی عداد الحفاظ"۔(۲)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا سہیل بن ابی صالح کو بہت سے محدثین ونقاد نے ثقہ اور معتبر قرار دیا ہے، لیکن ایسے بھی بہت سے محدثین ہیں جنہوں نے ان کو ضعیف اور غیر معتبر قرار دیا اور ان پر کلام کیا ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "کان لسهیل أخ، فمات فوجد علیه فنسي کثیرا من الحدیث" ۔(۳) کہ "سہیل کے ایک بھائی تھے تو ان کا انتقال ہوگیا، اس پر سہیل کو شدید غم لاحق ہوا، جس کی وجہ سے وہ بہت ساری حدیثیں بھول گئے"۔

اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یکتب حدیثه ولا یحتج به"۔(۴)

یحیی بن معین سے بھی ایک قول تضعیف کا مروی ہے۔(۵)

اسی طرح امام عقیلی (۶) ابوزرعہ (۷) اور ازدی (۸) رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی ان پر کلام کیا ہے۔

اب دونوں طرف کے اقوال جرح وتعدیل کو سامنے رکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ راوی معتبر ہیں اور ان پر ائمہ جرح وتعدیل کا کلام اس درجے کا نہیں کہ اس کی وجہ سے ان کو مجروح، متکلم فیہ اور غیر معتبر قرار دیا جائے۔

چنانچہ امام بخاری کے علاوہ دیگر اصحاب خمسہ نے ان سے اصالۃ روایات نقل کی ہیں جو اس بات پر دال ہے کہ یہ معتبر راوی ہیں۔

---

(۱) حوالۂ بالا (ص۴۵۸)۔

(۲) تذکرة الحفاظ (ج۱ص۱۳۷)۔

(۳) تعلیقات تهذیب الکمال (ج۱۲ص۲۲۸)، وهدي الساري (ص۴۰۸)۔

(۴) الجرح والتعدیل (ج۴ص۲۳۰)، رقم (۶۱۸۲)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۴۵۹)۔

(۶) الضعفاء للعقیلي (ج۲ص۱۵۵)، الجرح والتعدیل (ج۴ص۲۳۰)، رقم (۶۱۸۲)۔

(۷) تهذیب الکمال (ج۱۲ص۲۲۷)۔

(۸) تعلیقات تهذیب الکمال (ج۱۲ص۲۲۸)۔

(۹) تهذیب الکمال (ج۱۲ص۲۲۸)۔

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ولسهيل أحاديث كثيرة ...... وله نسخ، وروى عنه الأئمة مثل الثوري وشعبة ومالك وغيرهم من الأئمة“وحدث سهيل عن جماعة عن أبيه، وهذا يدل على ثقة الرجل، حدث سهيل عن سمي، عن أبي صالح، و حدث سهيل عن الأعمش عن أبي صالح...... وهذا يدلك على تمييز الرجل وتمييز بين ما سمع من أبيه، ليس بينه وبين أبيه أحد، وبين ما سمع من سمي والأعمش وغيرهما من الأئمة، وسهيل عندي مقبول الأخبار، ثبت، لابأس به ......“۔ (۱)

یعنی ”اور سہیل کی مروی احادیث زیادہ ہیں......ان کے کئی نسخے بھی ہیں، امام ثوری، شعبہ اور مالک ایسے ائمہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔اور سہیل نے ایک جماعت سے اپنے والد کے واسطہ سے روایت بیان کی ہے اور یہ فعل اس آدمی (یعنی سہیل) کی ثقاہت پر دال ہے، چنانچہ سہیل نے عن سمي عن أبي صالح کے طریق سے تحدیث کی ہے اورانہوں نے عن الأعمش عن أبي صالح کے طریق سے بھی تحدیث کی ہے اور یہ چیز آپ کی اس بات کی طرف راہنمائی کررہی ہے کہ یہ شخص روایات کے درمیان خوب تمیز سے کام لیتا ہے، چنانچہ وہ ان روایات کو جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں مستقل نقل کرتے ہیں اور جو روایات وہ ”سمي عن الأعمش“ کے طریق سے یا دیگر ائمہ سے نقل کرتے ہیں ان کو بھی واضح نقل کرتے ہیں، سہیل میرے نزدیک ثبت ہیں ان کی احادیث مقبول ہیں اور لا بأس به ہیں۔“

پھر سمجھنے کی بات یہاں یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے جو روایت لی ہے وہ مقرونا بالغیر لی ہے کہ اس میں ان کے ساتھ یحیی بن سعید انصاری بھی شامل ہیں اس لئے امام صاحب پر تو سرے سے کوئی اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا کہ آپ نے ایک متکلم فیہ راوی کی روایت کیسے نقل فرمادی؟ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجهاد کے علاوہ کتاب الدعوات میں بھی ان سے دو روایتیں لی ہیں

---

(۱) الکامل لابن عدی (ج۳ص۴۴۹)۔

(۲) هدي الساري (ص۴۰۸)۔

مقرزنا و تبعا للغیر۔(۱)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ۱۳۸ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔(۲) رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

۶۔نعمان بن ابی عیاش

یہ ابوسلمہ نعمان بن ابی عیاش زرقی انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے والد مشہور صحابی حضرت زید بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں۔(۳) ان کی والدہ ام ولد تھیں۔(۴)

یہ حضرت جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر بن خطاب، حضرت ابوسعید الخدری اور حضرت خولہ بنت عامر رضي اللہ عنہم سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں یحیی بن سعید انصاری، سہیل بن ابی صالح، ابوحازم سلمۃ بن دینار، ابوالاسود، محمد بن عبدالرحمن بن نوفل، محمد بن عجلان، سمی مولی ابی بکر اور عبداللہ بن سلمۃ لمراجشون وغیرہ شامل ہیں۔(۵)

امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۶)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة، من أبناء كبار الصحابة"۔(۷)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۸)

امام بخاری اور ابوبکر بن منجویہ رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں: "كان سخيا، كبيرا، من افاضل أبناء أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وكان أبوه فارس النبي صلی اللہ علیہ وسلم"۔(۹)

---

(۱) حوالہ بالا و عمدۃ القاري (ج۱۴ص۱۳۴)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۴ص۲۶۴)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۹ص۴۵۴و ۴۵۵)۔

(۴) طبقات ابن سعد (ج۵ص۲۷۷)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۹ص۴۵۵)۔

(۶) تهذيب الكمال (ج۲۹ص۴۵۵)۔

(۷) الكاشف للذهبي (ج۲ص۳۲۳)۔

(۸) الثقات لابن حبان (ج۵ص۴۷۲)۔

(۹) التاريخ الكبير (ج۸ص۷۷)، رقم (۲۲۲۹)، وتهذيب الكمال (ج۲۹ص۴۵۶)۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی اصحاب اصول ستہ نے ان سے روایات لی ہیں۔(۱)

رحمه الله رحمةً واسعةً

۷۔ابوسعید الخدری

یہ مشہور صحابی حضرت ابوسعید سعد بن مالک بن سنان رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

قال: سمعت النبي صلی الله علیه وسلم یقول: "من صام یوما في سبیل الله بعَّد الله وجهه عن النار سبعین خریفا۔"

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ جس نے اللہ کے راستے میں ایک دن روزہ رکھا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال دور فرمادیتے ہیں۔

مباعدہ سے مراد کیا ہے؟

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب میں تاویل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مباعدہ سے مراد یہاں معافات ہے یعنی جہنم سے اسے خلاصی اور معافی دے دی جائے گی۔(۳)

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ حقیقۃً ستر سال کی مسافت مراد لی جائے اور یہ کہا جائے کہ اس شخص کا چہرہ واقعۃً جہنم سے ستر سال دور کردیا جائے گا۔(۴)

---

(۱) الکاشف للذهبي (ج۲ص۳۲۳)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۸۲)۔

(۳) شرح النووي علی مسلم (ج۱ص۳٦٤)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٤)۔

جہنم سے روزے دار کو دور کیا جائے گا یا اس کے چہرے کو؟

پھر حدیث میں یہ آیا ہے کہ روزہ دار کے چہرے کو جہنم سے ستر سال کی مسافت کے برابر دور کردیا جائے گا، جب کہ بعض دیگر طرق (۱) میں روزے دار کو جہنم سے دور کردینے کا ذکر ہے؟

اس تعارض ظاہری کے دو جواب ہیں:۔

ا۔"وجه" سے مراد ذات ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے ﴿كل شيء هالك إلا وجهه﴾ (۲) اور یہاں بالاتفاق وجہ سے ذات مراد ہے، اس صورت میں معنی ایک ہی ہوجائیں گے۔

۲۔"وجہ" سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ صرف چہرے ہی کو جہنم سے دور کیا جائے گا، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کے جسم کو جہنم کی آگ چھوئے گی بلکہ "وجه" کے تخصیص بالذکر کی وجہ یہ ہے کہ روزے کی وجہ سے آدمی کو پیاس لگتی ہے اور پیاس کی جگہ منہ ہے، کیونکہ پیاس سے سیرابی منہ ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ (۳)

"خریف" اردو میں موسم خزاں کہلاتا ہے، لیکن مراد یہاں سال ہے، کیونکہ سال بغیر خزاں کے نہیں ہوتا، چنانچہ یہ کنایہ کے قبیل سے ہے۔ (۴)

اور خریف کے تخصیص بالذکر کی وجہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی کہ چونکہ اس موسم میں پھلوں کی چنائی کی جاتی ہے اور وہ درختوں سے اتارے جاتے ہیں اس لئے یہ سال کا سب سے بہترین موسم ہے۔ (۵)

روایات کا اختلاف اور ان میں تطبیق وترجیح

روایات میں جہنم سے دوری اور ابعاد کی مدت میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ روایت باب میں ستر سال کا ذکر ہے، جب کہ نسائی شریف (۶) میں حضرت عقبہ بن عامر اور طبرانی میں حضرت عمرو بن عبسہ (۷) اور عبداللہ بن سفیان (۸)

---

(۱) سنن النسائي، كتاب الصيام، باب ثواب من صام يوما في سبيل الله عزوجل ......، رقم (۲۲۴۷ و ۲۲۵۱)۔

(۲) القصص /۸۸۔

(۳) عمدة القاري (ج۱۴ ص۱۳۴)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) فتح الباري (ج۶ ص۴۸)۔

(۶) سنن النسائي، كتاب الصيام، باب ثواب من صام يوما في سبيل الله عزوجل، وذكر الاختلاف فيه على سفيان الثوري، رقم (۲۲۵۶)۔

(۷) مجمع الزوائد للهيثمي (ج۳ ص۱۹۴)۔

(۸) حوالہ بالا۔

رضی اللہ عنہم کی روایات میں سوسال کا ذکر ہے، نیز ابن عدی نے "الکامل" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی، اس میں پانچ سوسال کا عدد ہے۔(۱) اسی طرح طبرانی نے "المعجم الصغیر" میں حضرت ابوالدرداء (۲) اور حضرت جابر (۳) سے اور امام ترمذی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے ایک حدیث روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہے: "جعل اللّٰه بينه وبين النار خندقاً كما بين السماء والأرض"۔ (۴)

اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس میں ساٹھ سوسال کا ذکر ہے۔ (۵) اور ابن عساکر ہی نے حضرت ابوالدرداء سے "ألف سنة" کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ (۶)

اب جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا ان روایات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور شراح نے اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے مختلف قسم کے جوابات ارشاد فرمائے ہیں:۔

۱۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اصل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کس کا طریق سب سے زیادہ صحیح ہے تو ان میں اصح روایت ستر سال والی ہے جو امام بخاری نے حدیث باب میں ذکر فرمائی کیونکہ یہ متفق علیہ حدیث ہے۔

۲۔ یہ جواب بھی دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اقل المسافاۃ کا علم دیا پھر تدریجا اس علم میں زیادتی کرتے گئے۔

۳۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس اختلاف کی بناء صائمین کے اختلاف پر مبنی ہو، روزے کے کمال صحت اور نقصان کے اعتبار سے کہ کچھ کا روزہ ہر اعتبار سے کامل ہوتا ہے اور بعض کا ناقص۔ (۷)

۴۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث باب میں سبعین کا لفظ تکثیر کے لئے آیا ہے، یعنی عدد

---

(۱) الكامل لابن عدي (ج۲ص)۔

(۲) مجمع الزوائد للهيثمي (ج۳ص۱۹٤)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) الجامع للترمذي، أبواب الجهاد، باب ما جاء في فضل الصوم في سبيل اللّٰه، رقم (۱٦۲٤)۔

(۵) عمدة القاري (ج۳ص۱۳٤)۔

(٦) تهذيب تاريخ دمشق الكبير لابن عساكر (ج۲ص٤۵۰)۔

(۷) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٥)۔

کوئی سا بھی ہو مراد کثرت ہے، اسی کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی راجح قرار دیا ہے۔(۱)

تنبیہ

حدیث باب کو سہیل بن ابی صالح سے نقل کرنے میں ان کے تلامذہ کا اختلاف ہے، چنانچہ اکثر رواۃ نے حدیث باب کو سهيل بن أبي صالح، نعمان بن أبي عياش عن أبي سعيد الخدري کے طریق سے نقل کیا ہے جیسا کہ ہمارے پیش نظر حدیث میں ہے، لیکن امام شعبہ اسے "سهيل بن أبي صالح عن صفوان بن يزيد عن أبي سعيد" کے طریق سے نقل کرتے ہیں، جیسا کہ نسائی شریف (۲) میں آیا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ سہیل بن ابی صالح کے اس حدیث میں دو شیخ ہوں، نعمان بن ابی عیاش اور صفوان بن یزید۔(۳)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت بالکل واضح ہے۔(۴) ترجمہ میں صوم فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

۳۷ – باب : فَضْلِ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ ٱللهِ.

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب کے تحت اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرما رہے ہیں۔ اور "سبيل الله" سے مراد جہاد ہے، لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مناسب یہی ہے کہ اسے عام قرار دیا جائے، خواہ جہاد ہو یا کوئی اور عبادت، کیونکہ لفظ "سبيل الله" عام ہے۔(۵)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٤٨)۔

(۲) سنن النسائي، كتاب الصيام، باب ثواب من صام يوما في سبيل الله عزوجل، رقم (٢٢٤٩)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٤٨)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٣٤)۔

(۴) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٤)۔

(۵) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٥)۔

٢٦٨٦ : حدّثني سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ، عَنْ يَحْيَى ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ[(١)] ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، دَعاهُ خَزَنَةُ الجَنَّةِ ، كُلُّ خَزَنَةِ بَابٍ : أَيْ فُلُ هَلُمَّ) . قالَ أَبو بَكْرٍ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ذَاكَ الَّذِي لَا تَوَى عَلَيْهِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ) . [٣٠٤٤]

تراجم رجال

۱۔سعد بن حفص

یہ ابومحمد سعد بن حفص الطلحی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۲۔شیبان

یہ ابومعاویہ شیبان بن عبدالرحمٰن النحوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳۔یحیی

یہ ابوالنضر یحیی بن ابی کثیر الطائی الیمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔ابوسلمۃ

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، ابوسلمہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

۵۔ابوہریرہ

یہ جلیل القدر حافظ وفقیہ ومکثر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات بھی "کتاب الإیمان،

(١) قوله: "أبا هريرة رضي الله عنه": الحديث مر تخريجه في كتاب الصوم، باب الريان للصائمين۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین ......۔

(۳) شیبان اور یحیی کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب العلم، باب کتابة العلم۔

(٤) کشف الباري (ج۲ص۳۲۳)۔

باب أمور الإیمان" کے ذیل میں بیان کئے جاچکے ہیں۔(۱)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من أنفق زوجين في سبيل الله دعاه خزنة الجنة، كل خزنة باب: أي فل، هلمّ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "جو آدمی دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اس کو جنت کے ہر دروازے کا دربان بلائے گا کہ اے فلاں! آؤ"

"زوج" کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور دو پر بھی، لیکن یہاں متعین طور پر ایک ہی مراد ہے۔(۲)

اور یہاں یہ بتلایا ہے کہ کوئی شخص کسی بھی نوع کی دو چیزیں یا دو مختلف انواع کی دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو جنت کے دروازوں کا ہر ایک دربان اسے بلائے گا کہ آؤ۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انفاق زوجین سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کے پاس کسی نوع کی ایک چیز ہے اس کے ساتھ دوسری بھی ملائے اور اسے جوڑی بنائے، چنانچہ اگر اس کے پاس ایک درہم ہے تو ایک اور ملا کر دو کا انفاق کرے، اسی طرح ایک اسلحہ ہے تو جوڑی بنا کر انفاق کرے۔(۳)

"کل خزنة باب" میں قلب ہوا ہے یہ دراصل "خزنة کل باب" ہے۔(۴)

أی فل کی تحقیق نحوی

"أي فل" میں "أي" حرف نداء ہے اور فل کی اصل فلان ہے، بغیر ترخیم کے اس سے الف اور نون کو حذف کردیا گیا ہے، چنانچہ منادی ہونے کی صورت میں اسے "یا فل" پڑھا جاتا ہے۔(۵)

اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "فل" فلان سے مرخم ہے، جیسے کہ حارث سے یا حارِ ہے۔(۶)

---

(۱) کشف الباري (ج۱ ص۶۵۹)۔

(۲) فتح الباري (ج۶ ص۴۹)۔

(۳) أعلام الحديث (ج۲ ص۱۳۷۳)۔

(۴) فتح الباري (ج۶ ص۴۹)۔

(۵) عمدة القاري (ج۱۴ ص۱۳۵)۔

(۶) أعلام الحديث (ج۲ ص۱۳۷۲)۔

لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ان پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مرخم نہیں ہے بلکہ ایک اور لغت ہے جس میں فلان کو نداء کے وقت فل کہتے ہیں، ورنہ اگر ترخیم کا قاعدہ اس میں جاری ہوا ہوتا تو یہ "یا فُلاَ" ہوتا ہے، والأمر بعکس ذلك۔ (۱)

قال أبو بكر: يارسول الله، ذاك الذي لا توى عليه۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو وہ ہے جس کو کوئی خسارہ اور ضیاع نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس کو تو کسی قسم کے خسارے اور ہلاکت کا اندیشہ ہی نہیں ہوگا جس کو ہر دروازے سے بلایا جائے گا۔ ایک سے داخل نہ بھی ہوا تو دوسرے دروازے سے داخل ہو جائے گا۔ (۲)

توى يتوي توىً کے معنی ہلاک اور ضائع ہونے کے ہیں اور باب اس کا ''ضرب'' ہے چنانچہ اگر مال ضائع ہو جائے تو کہا جاتا ہے "توی المال"۔ (۳)

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "إني لأرجو أن تكون منهم۔"

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ تم ان ہی میں سے ہوگے (جنہیں جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائے گا)۔

اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک فضیلت کا ذکر ہے اور اس کی تفصیل کتاب المناقب میں آئے گی۔

روایات کے درمیان تعارض اور اس کا حل

یہ حدیث کتاب الصوم میں بھی گذر چکی ہے، وہاں یہ ہے کہ ہر عمل والے کو اس کے اپنے اپنے دروازے سے بلایا جائے گا، چنانچہ اصحاب الصلاۃ کو صلاۃ والے دروازے سے، اصحاب الجہاد کو جہاد والے دروازے سے، اصحاب الصوم کو صوم والے دروازے (باب الریان) سے اور اصحاب النفقات کو صدقہ والے دروازے سے بلایا جائے گا۔ (۴)

لیکن باب کی روایت میں یہ آیا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے کو جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائے گا۔ چنانچہ دونوں روایتوں میں صریح تعارض ہے۔

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٥)۔

(۲) أعلام الحديث (ج٢ ص١٣٧٢)۔

(۳) أعلام الحديث (ج٢ ص١٣٧٣)۔

(٤) صحيح البخاري (ج١ ص٢٥٤) كتاب الصوم، باب الريان للصائمين، رقم (١٨٩٧)۔

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعارض کے تین حل بیان فرمائے ہیں:

۱۔ باب کی روایت وہم ہے، چنانچہ کسی راوی حدیث سے سہو ہوگیا ہے اور اس طرح کی روایات میں یہی ظاہر ہے۔

۲۔ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والا جنت میں داخل تو "بـاب الـصـدقة" سے ہی ہوگا کیونکہ وہ اسی کے اہل سے ہے، کمافی روایۃ کتاب الصوم، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے اعزاز اور تکریم کے لئے جنت کے ہر دروازے کا دربان بھی اسے بلائے گا اور ان کی خواہش یہی ہوگی کہ یہ شخص اس کے دروازے سے جنت میں داخل ہو۔ کما في رواية الباب۔

۳۔ دونوں حدیثیں دو مختلف اوقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں، چنانچہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصوم والی حدیث بیان کی، لیکن اس کے بعد آپ کو وحی کے ذریعے دوسری حدیث کے سلسلے میں بتایا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو بھی بیان کیا، اس لئے اب کوئی تعارض نہیں رہا۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح ہے محتاج بیان نہیں۔(۲) انفاق فی سبیل اللہ کا ترجمہ ہے اور حدیث باب میں اسی کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

۲۶۸۷ : حدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ : حَدَّثَنَا هِلَالٌ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ(۳) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قامَ عَلَى المِنْبَرِ ، فَقَالَ : (إِنَّمَا أَخْشَى عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي ما يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ) . ثُمَّ ذَكَرَ زَهْرَةَ ٱلدُّنْيَا ، فَبَدَأَ بِإِحْدَاهُما وَثَنَّى بِالْأُخْرَى ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَوَ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ ؟ فَسَكَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ ، قُلْنَا : يُوحَى إِلَيْهِ ، وَسَكَتَ النَّاسُ كَأَنَّ عَلَى رُؤُوسِهِمُ الطَّيْرَ ، ثُمَّ إِنَّهُ مَسَحَ عَنْ وَجْهِهِ الرُّحَضَاءَ ، فَقَالَ : (أَيْنَ السَّائِلُ آنِفًا ، أَوَ خَيْرٌ هُوَ – ثَلَاثًا – إِنَّ الْخَيْرَ لَا يَأْتِي إِلَّا بِالْخَيْرِ ، وَإِنَّهُ كُلُّ مَا يُنْبِتُ الرَّبِيعُ ما يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ ، إلا آكِلَةَ الخَضِرِ كُلَّما أَكَلَتْ ، حَتَّى إِذَا امْتَلَأَتْ خاصِرَتَاهَا ، اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ ، فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ رَتَعَتْ ، وَإِنَّ هٰذَا المالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ ، وَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ لِمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ فَجَعَلَهُ فِي سَبِيلِ ٱللهِ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ ، وَمَنْ لَمْ يَأْخُذْهُ بِحَقِّهِ فَهُوَ كَالْآكِلِ الَّذِي لَا يَشْبَعُ ، وَيَكُونُ عَلَيْهِ شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ) . [ر : ۸۷۹]

---

(۱) صحيح البخاري بحاشية السندي (ج۲ ص ۱٤٤)، دارالمعرفة، بيروت۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٥)۔

(۳) قوله: "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الجمعة، باب استقبال الناس الإمام، إذا خطب۔

تراجم رجال

۱۔ محمد بن سنان

یہ ابوبکر محمد بن سنان باہلی بصری عوقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب العلم، باب من سئل علما وهو مشتغل في ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔ فلیح

یہ فلیح بن سلیمان بن ابی المغیرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳۔ ہلال

یہ ہلال بن علی بن اسامہ قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں کے حالات بھی کتاب العلم کے مذکورہ بالا باب کے تحت بالترتیب گذر چکے ہیں۔(۲)

۴۔ عطاء بن یسار

یہ ابومحمد عطاء بن یسار ہلالی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب كفران العشير وكفر دون كفر" کے تحت بیان کئے جاچکے ہیں۔(۳)

۵۔ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت ابوسعید سعد بن مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے۔(۴)

تنبیہ

حدیث کی مکمل تشریح كتاب الزكاة، باب الصدقة على اليتامى کے تحت گذر چکی ہے۔

---

(۱) كشف الباري (ج۳ص۵۳)۔

(۲) كشف الباري (ج۳ص۵۵ و ۶۲)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۲۰۴)۔

(۴) كشف الباري (ج۲ص۸۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث کے اس جملے میں ہے: "فجعله في سبيل الله۔"(۱)

۳۸ – باب : فَضْلِ مَنْ جَهَّزَ غازِيًا أَوْ خَلَفَهُ بِخَيْرٍ .

مقصد ترجمۃ الباب

یہاں ترجمۃ الباب کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو اجزاء ذکر فرمائے ہیں: ا۔من جهز غازيا، ۲۔ خلفه بخير۔

پہلے جزء کی وضاحت یہ ہے کہ آدمی کسی آدمی کو سامان جہاد فراہم کرتا ہے، اسلحہ کا انتظام کرتا ہے اور زادِ راہ وغیرہ مہیا کرتا ہے۔

اور دوسرے جزء کی وضاحت یہ ہے کہ یا مجاہد کے پیچھے اس کے گھر والوں کی خیریت دریافت کرتا ہے، ان کی خیر وخبر لیتا ہے، ان کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے، تو ان دو آدمیوں کو بھی مجاہد اور مقاتل فی سبیل اللہ جیسا ثواب ملتا ہے، یہی ترجمہ کا مقصد ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں افراد کی فضیلت بیان فرما رہے ہیں۔(۲)

۲٦٨٨ : حدّثنا أَبو مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ : حَدَّثَنَا الحُسَيْنُ قالَ : حَدَّثَنِي يَحْيى قالَ : حَدَّثَنِي أَبو سَلَمَةَ قالَ : حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ سَعِيدٍ قالَ : حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ خالِدٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۳) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (مَنْ جَهَّزَ غازِيًا في سَبِيلِ ٱللهِ فَقَدْ غَزَا ، وَمَنْ خَلَفَ غازِيًا في سَبِيلِ ٱللهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا) .

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٦)، وفتح الباري (ج٦ص٤٩)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٦)۔

(۳) قوله: "زيد بن خالد رضي الله عنه": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل إعانة الغازي في سبيل الله بمركوب وغيره، وخلافته في أهله بخير، رقم (٤٩٠٢)، وأبوداؤد، كتاب الجهاد، باب ما يجزئ من الغزو، رقم (٢٥٠٩)، والترمذي، فضائل الجهاد، باب ما جاء فيمن جهز غازياً، رقم (١٦٢٨-١٦٣١)، والنسائي، كتاب الجهاد، باب فضل من جهز (٣١٨٢) و (٣١٨٣)، وابن ماجه، أبواب الجهاد، باب من جهز غازيا، رقم(٢٧٥٩)۔

تراجم رجال

۱۔ابومعمر

یہ عبداللہ بن عمر بن ابی الحجاج منقری رحمۃ اللہ علیہ ہیں ''مقعد'' کے لقب سے معروف ہیں، ان کے حالات ''كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: اللهم علمه الكتاب'' کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔عبدالوارث

یہ عبدالوارث بن سعید بن ذکوان تمیمی عنبری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ باب کے تحت بیان ہو چکے۔(۲)

۳۔حسین

یہ حسین بن ذکوان المعلم بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات ''كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه'' کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۴۔یحییٰ

یہ ابوالنضر یحییٰ بن ابی کثیر الطائی الیمامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔ابوسلمہ

یہ ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ''كتاب الإيمان، باب صوم رمضان إيمانا واحتسابا من الإيمان'' کے تحت نقل کئے جا چکے ہیں۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۳ص۳۵٦)۔

(۲) كشف الباري (ج۳ص۳۵۸)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص٤)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب العلم، باب كتابة العلم۔

(۵) كشف الباري (ج۲ص۳۲۳)۔

٦۔ بسر بن سعید

یہ بسر بن سعید المدنی مولی ابن الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(١)

۷۔ زید بن خالد

یہ مشہور صحابی حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم، إذا رأى مايكره" کے تحت گذر چکے۔(٢)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا، ومن خلف غازيا في سبيل الله فقد غزا"۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجاہد فی سبیل اللہ کو اسباب جہاد مہیا کرے تو گویا اس نے خود جہاد کیا اور جو شخص مجاہد فی سبیل اللہ کے پیچھے اس کے گھر کی عمدہ طور پر خبر گیری کرے تو گویا اس نے خود جہاد کیا ہے۔

تجہیز سے کیا مراد ہے؟

تجہیز کے معنی کسی کو اسباب وسامان سفر مہیا کرنے کے ہیں، خواہ زیادہ ہو یا کم، حتی کہ کسی کو دھاگہ اور سوئی فراہم کرنا بھی اس میں داخل ہے، چنانچہ طبرانی (٣) نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما من أهل بيت لايغزو منهم غاز أو يجهز غازيا بسِلك أو إبرة أو ما يعدلها من الوَرِق أو يخلفه في أهله بخير إلا أصابهم الله بقارعة قبل يوم القيامة۔" (٤) کہ "کوئی بھی گھرانہ جس کا کوئی بھی فرد غزوے میں شرکت نہ کرے یا کسی غازی کی دھاگے، سوئی یا اس کے مساوی چاندی سے تیاری نہ کروائے یا اس کے اہل وعیال کی خبر گیری نہ کرے تو قیامت سے پہلے پہلے ہی اللہ تعالی اس کو کسی مصیبت میں مبتلا فرمادیں گے۔"

---

(١) ان کے حالات کتاب الصلوة، باب الخوخة والممر في المسجد" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(٢) كشف الباري (ج٣ص٥٤٤)۔

(٣) مجمع الزوائد (ج٥ص٢٨٤)، وقال العيني (ج١٤ص١٣٧): "وإسناده ضعيف"۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٧)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ امام ابن ماجہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من جهز غازيا حتى يستقِلَّ كان له مثل أجره حتى يموت أو يرجع" ۔(۱) کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کسی نے کسی غازی کو مکمل سامان واسباب سفر فراہم کیا، اس کے لئے اسی غازی کے مثل اجر ہوگا، یہاں تک کہ وہ غازی یا تو شہید ہو جائے یا لوٹ آئے"۔

حدیث بالا میں "يستقل" کے الفاظ ہیں اور استقلال کے معنی تو پوری تیاری کرانے کے ہیں، اس لئے یہ کہنا کہ صرف سوئی دھاگہ دے دینا بھی تجہیز ہے، درست نہیں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو جواب ارشاد فرمائے ہیں:-

۱۔حدیث واثلہ بن الاسقع ضعیف ہے، اس لئے قابل احتجاج نہیں۔

۲۔اور اگر اس کی صحت تسلیم کرلی جائے تب یہ اس شخص کے حق میں وعید ہے جو سرے سے کسی بھی قسم کے سامان سے مجاہد کی مدد نہ کرے، اس لئے کوئی تعارض نہیں۔(۲)

فقد غزا

تحقیق اس نے بھی جہاد کیا۔

ابو حاتم ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس کو بھی غازی کا اجر دیا جائے گا، اگرچہ حقیقۃً اس نے جہاد میں شرکت نہیں کی۔(۳) پھر ایک دوسرے طریق سے بسر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کی: "...... كتب له مثل أجره، غير أنه لاينقص من أجره شيء ......"۔(۴)

---

(۱) أخرجه الإمام ابن ماجه، أبواب الجهاد، باب من جهز غازيا، رقم (۱۸۵۸)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۳۷)۔ وقد وردت أحاديث كثيرة في تجهيز الغازي وخلفه بخير، فمن أراد الاطلاع عليها فلينظر عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۳۷)۔

(۳) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (ج۸ ص۷۱)۔

(۴) حوالہ سابقہ (ج۸ ص۷۲)، كتاب السير، ذكر البيان بأن المجهز إنما يأخذ كحسنات الغازي ......، رقم (٤٦۱٤)۔

علامہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی فعل کو یا تو ایک ہی آدمی انجام دیتا ہے یا اس کے انجام دہی کے لئے ایک پوری جماعت کی ضرورت پڑتی ہے، چنانچہ اگر وہ فعل ایک جماعت کے انجام دینے سے پورا ہوتا ہو تو ان میں سے ہر شخص کو فاعل کا اجر حاصل ہوگا، خواہ وہ اس فعل میں خود شریک ہوا ہو یا کسی بھی طریقے سے اس میں معاونت کی ہو، جیسا کہ جہاد ہے، چنانچہ جہاد ایک ایسا امر ہے جس کے لئے مجاہدین کی ایک جماعت کی بھی ضرورت ہے جو کہ لڑے گی، اسی طرح ان کے لئے ایسے افراد کی بھی ضرورت ہوگی جو ان مجاہدین کی معاونت کریں اور ان کے پیچھے ان کی غیر موجودگی میں ان کے گھر بار کی خبر گیری اور دیکھ بھال کریں، اس لئے معاونت کرنے والا اور مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر بار کی خبر گیری کرنے والا بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جس نے قتال میں خود حصہ لیا اور جس نے کسی بھی طریقے سے اس مجاہد کی معاونت کی، یہ سب جہاد میں مشترک ہیں، اگرچہ اخلاص، سخاوت نفس، مال کے خرچ اور جان کی قربانی کے فرق سے ان کے اجر میں کمی یا زیادتی کے اعتبار سے اختلاف ہو۔(۱)

فائدہ

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وفيه من الفقه أن كل من أعان مؤمناً على عمل بر فللمُعين عليه أجر مثل العامل، وإذا أخبر الرسول أن من جهز غزيا فقد غاز، فكذلك من فطَّر صائما أو قوّاه على صومه، وكذلك من أعان حاجّا(۲) أو معتمرا بما يتقوّى به على حجه أو عمرته حتى يأتي ذلك على تمامه فله مثل أجره“۔ (۳)

”یعنی حدیث مذکور سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ جو آدمی کسی مؤمن کی نیک کام میں مدد کرے گا تو اس معاون و ناصر کو اسی کے مثل اجر حاصل ہوگا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی

(۱) فیض الباري (ج۳ص۴۲۷)۔

(۲) إشارة إلى مارواه الرافعي، انظر تلخيص الحبير (ج٤ص١٠١)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ص٥١)۔

خبر دی کہ جس نے مجاہد کو سامان جہاد فراہم کیا تو گویا اس نے خود بھی جہاد کیا، اسی طرح جس نے کسی روزے دار کو افطار کرایا، یا روزے کے سلسلے میں اسے تقویت دی، اسی طرح جس نے حاجی یا معتمر کی اس چیز کے ساتھ مدد کی جس کے ذریعے وہ حج یا عمرے کو بتمامہ پورا کرنے پر قادر ہوا تو اس معین کو غزوے، صوم، حج یا عمرے کا اس کے برابر اجر دیا جائے گا"۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے، چنانچہ "من جهز غازيا" ترجمۃ الباب کے جزء اول کے مطابق اور "ومن خلف غازيا" اس کے جزء ثانی کے مطابق ہے۔(۱)

۲٦٨٩ : حدّثنا مُوسٰى : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَنَسٍ(۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ بَيْتًا بِالْمَدِينَةِ غَيْرَ بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِ ، فَقِيلَ لَهُ ، فَقَالَ : (إِنِّي أَرْحَمُهَا ، قُتِلَ أَخُوهَا مَعِي) .

تراجم رجال

۱۔ موسی بن اسماعیل

یہ ابوسلمہ موسی بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

۲۔ ہمام

یہ ہمام بن یحیی الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۳٦)۔

(۲) قوله: "أن أنس رضي الله عنه": الحديث أخرجه مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أم سُليم رضي الله عنها ......، رقم (٦۳۱۹)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ ص٤۳۳)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے كتاب الوضوء، باب ترك النبي صلى الله عليه وسلم والناس الأعرابي ...... ۔

۳۔اسحاق بن عبداللہ

یہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری نجاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب من قعد حيث ينتهي به المجلس، ومن رأى فرجة في الحلقة فجلس فيها" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۴۔انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۲)

أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن يدخل بيتاً بالمدينة غير بيت أم سليم إلا على أزواجه۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کے علاوہ اور اپنی ازواج کے علاوہ کسی گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ اگر کسی کے گھر جاتے بھی تو صرف ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں جاتے اور کسی گھر نہیں جاتے تھے۔

دخول سے کیا مراد ہے؟

ابن التین اور امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں دخول سے مراد علی الدوام دخول ہے یعنی اکثر ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں جایا کرتے تھے، ورنہ پیچھے یہ بات آچکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام رضی اللہ عنہا کے ہاں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔(۳)

کثرت دخول کی علت اور وجہ

ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کثرت دخول کی وجہ یا تو یہ ہے کہ شہید ان کا سگا بھائی تھا یا یہ کہ ام

(۱) كشف الباري (ج۳ص)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص٤)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٨)، وفتح الباري (ج٦ص٥١)۔

حرام رضی اللہ عنہا کی بنسبت ان کو غم زیادہ لاحق ہوا تھا۔(۱)

لیکن حافظ صاحب فرماتے ہیں اس تاویل کی ضرورت ہی نہیں کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ام حرام رضی اللہ عنہا کے مقابلے میں بھائی کی شہادت کا غم زیادہ تھا کیونکہ یہ دونوں ایک ہی گھر میں رہتی تھیں۔ اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ دو بہنیں ایک گھر میں رہیں جب کہ گھر بڑا ہو، چنانچہ دخول کی نسبت کبھی ام سلیم رضی اللہ عنہا کی طرف کر دی گئی اور کبھی ام حرام رضی اللہ عنہا کی طرف۔(۲)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلیم -بضم السين وفتح اللام- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں، چنانچہ سہلة، رمیلة، رمیثة، ملیکہ، غمیصاء اور رمیصاء آپ کے نام گنوائے گئے ہیں۔(۳)

فقيل له

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لم أقف على اسم القائل"۔ (٤)

کہ "مجھے اس قائل کا نام معلوم نہ ہو سکا"

اور مطلب یہ ہے کہ آپ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے یہاں کثرت سے کیوں تشریف لے جاتے ہیں؟(۵)

فقال: "إني أرحمها قتل أخوها معي"۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اس پر ترس کھاتا ہوں، اس کا بھائی میرے ہمراہ مقتول ہوا ہے"۔

یہ سائل کے سوال کا جواب اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں کثرت سے جانے کی علت ہے، کہ میں ام سلیم کے ہاں اس لئے بکثرت جایا کرتا ہوں کہ اس کا بھائی میرے ساتھ قتل ہوا ہے اور میں اس پر ترس کھاتے ہوئے اس کے غم کو

(۱) حوالۂ بالا۔

(٢) فتح الباري (ج٦ص ٥١)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٨)۔ ان کے مزید حالات کے لئے دیکھئے كتاب العلم، باب الحياء في العلم۔

(٤) فتح الملهم (ج٦ ص ٥١)۔

(٥) شرح القسطلاني (ج٥ ص٦٦)۔

کم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک اشکال پیش کیا ہے کہ کسی اجنبیہ کے پاس جانے کے لئے قتل اُخ کیونکر سبب وعلت بن سکتا ہے؟

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے علامہ کرمانی نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ اجنبیہ نہیں تھیں، بلکہ ان کی رضاعی یا نسبی خالہ تھیں، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مناسب یہی ہے کہ حدیث میں مذکور علت کو راجح قرار دیا جائے کہ میں اس پر ترس کھاتا ہوں۔(۲) اور رہی اجنبیہ کے پاس جانے کی بات تو "باب الدعاء بالجهاد والشهادة......" کے ذیل میں وہ گذر چکی ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، آپ کے لئے خلوہ بالاجنبیہ جائز تھی۔(۳)

اور "أخ" سے مراد حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ہیں، یہ بئر معونہ میں شہید ہوئے تھے۔(۴)

ایک سوال اور اس کا جواب

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ تو بئر معونہ میں شہید ہوئے ہیں اور بئر معونہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں تھے تو پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا: "قتل أخوها معي"؟

اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے جو سریہ بھیجا تھا بئر معونہ کی طرف، اس میں وہ شریک تھے اور اسی دوران وہ شہید ہوئے ہیں، لہذا معی: "أي مع عسكري أو على أمري وفي طاعتي" کے معنی میں ہے کما قال الحافظ ابن حجر، والعيني، والكرماني رحمة الله عليهم۔(۵)

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۳۳)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٥١)۔

(۳) شرح القسطلاني (ج٥ص٦٦) وانظر أيضاً باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء...... من هذا الكتاب۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٨)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٥١)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٣٨)، وشرح الكرماني (ج١٢ص١٣٣)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا ایک تسامح

یہاں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تسامح ہوا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں "قتل أخوها معه في بعض حروبه، وأظنه يوم أحد" یعنی "حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں مقتول ہوئے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ وہ غزوہ "غزوہ احد" تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ولم يصب في ظنه" یعنی قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ گمان درست نہیں۔(۱)

اور ان کی شہادت کا واقعہ ان شاء اللہ کتاب المغازی میں "غزوۂ بئر معونۃ" کے تحت آئے گا۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس قول میں ہے "أو خلفه في أهله" وہ اس طرح کہ مجاہد کے گھر کی دیکھ بھال کی فضیلت یہاں عام ہے، خواہ اس کی حیات میں ہو، خواہ اس کی شہادت کے بعد، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُم سلیم رضی اللہ عنہا کی زیارت وخبر گیری ان کے دل کو تسلی دینے کے لئے فرماتے تھے اور اس تسلی کی علت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان کی کہ اس کا بھائی میرے ہمراہ قتل ہوا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل میں مجاہد کی شہادت کے بعد اس کے اہل وعیال اور گھر بار کی دیکھ بھال ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق میں سے ہے"۔(۳)

لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ اسکندرانی کے اس قول کو "قیل" سے تعبیر کیا اور فرمایا: "لا يخلو هذا عن بعض التكلف، ولكن له وجه أقرب من هذا ......"۔(۴)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٥١)۔

(۲) كشف الباري كتاب المغازي (ص٢٦٥)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٨)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٨)۔

اور انہوں نے جس کو اقرب قرار دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی غازی کو اسباب جہاد مہیا کرنے اور اس کے پیچھے اس کے گھر بار کی دیکھ بھال کرنے میں غازی کا غایت اکرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب بھی دی۔

توام سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی کی شہادت پر ان کی تسلی کے لئے بکثرت ان کے یہاں جانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب غازی میت کے اہل خانہ کا اکرام اچھی اور اجر والی بات ہے، تو غازی حی (زندہ) کے اہل خانہ کا اکرام بطریق اولی زیادہ اچھی اور اجر والی بات ہوگی۔(۱)

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لطیف توجیہ

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کو ترجمۃ الباب کے ساتھ منطبق کرنے کے لئے ایک بالکل ہی الگ توجیہ ذکر فرمائی ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ان کے بھائی کی عدم موجودگی میں جب کہ وہ جہاد کے لئے نکلتے ہوں ان کی اہل وعیال کی خبر گیری کرتی ہوں اور ان کی خلیفہ ہوں، اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یہاں ذکر فرمائی ہے۔(۲)

۳۹ - بَاب : التَّحَنُّطِ عِنْدَ الْقِتَالِ

"تحنط" کے معنی

"تحنط" باب تفعل سے مصدر ہے، اس کے معنی حنوط کرنے کے ہیں اور "حنوط" ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو میت کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔(۱)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۳۸)۔

(۲) لامع الدراري (ج۷ص۲۲۲)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۳۸)۔

پھر ازہری فرماتے ہیں: "یدخل فیه الکافور وذریرة القصب والصندل والأحمر والأبیض۔" کہ ''اس میں کافور، خوشبودار پاؤڈر اور سرخ وسفید صندل بھی داخل ہے''۔(۱)

جب کہ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے حنوط مُردوں کے ساتھ خاص ہے، زندوں کے استعمال میں آنے والی خوشبو کو "حنوط" نہیں کہا جاتا۔(۲)

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ آدمی میدان جنگ میں جائے تو حنوط وغیرہ استعمال کرکے جائے۔(۳)

حنوط کے استعمال میں حکمتیں

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی جب میدان جہاد کا رخ کرے تو خوشبو وغیرہ استعمال کرے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شہادت کے مرتبہ بلند سے سرفراز فرمائیں تو اس کو خوشبو کے ساتھ دفن کیا جائے گا اور جب اس کی اللہ جل جلالہ سے ملاقات ہوگی تو یہ پاک صاف اور خوشبودار ہوگا۔(۴)

اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سلف صالحین کی عادت اور طریقہ یہ تھا کہ جب وہ قتال کے لئے تیاری کرتے تو حنوط بھی استعمال فرماتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں قتل کے بعد ان کے جسم متغیر نہ ہوجائیں، کیونکہ وقت جنگ کا ہے اور جنگوں میں بسا اوقات دفن میں تاخیر بھی ہوجاتی ہے۔

چنانچہ قدیم زمانے میں اہل مصر اپنے مردوں کے اجسام پر مختلف قسم کی ادویہ ملا کرتے تھے، تاکہ ان کے جسم خراب نہ ہوں .... پھر یہ ادویہ ناپید ہوگئیں اور حنوط کا استعمال لوگوں میں باقی رہ گیا''۔(۵)

---

(۱) شرح القسطلاني (ج۲ص۳۸۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٣٨)، والفتح (ج٦ص٥١)۔

(٤) لامع الدراري (ج٧ص٢٢٤)۔

(٥) فيض الباري (ج٣ص٤٢٩)۔

اور یہ بھی کہ یہ مسرت اور خوشی کا موقع ہے اور خوشی کے مواقع میں خوشبو استعمال کی جاتی ہے، اس لئے قتال کے موقع پر خوشبو استعمال کرنی چاہیے۔

نیز اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی اگر تیل وغیرہ بدن میں لگا کر جائے گا تو سستی نہیں ہوگی، بدن چاق و چوبند رہے گا، کافر اگر پکڑیں گے بھی تو ان کی گرفت اور پکڑ آسانی سے مضبوط نہیں ہوگی۔

۲۶۹۰ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا خالِدُ بْنُ الحَارِثِ : حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ ، عَنْ مُوسٰی بْنِ أَنَسٍ قالَ : وَذَكَرَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ قالَ : أَتَى أَنَسٌ(۱) ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ ، وَقَدْ حَسَرَ عَنْ فَخِذَيْهِ وَهْوَ يَتَحَنَّطُ ، فَقَالَ : يَا عَمِّ ، ما يَحْبِسُكَ أَنْ لَا تَجِيءَ ؟ قالَ : الآنَ يَا ٱبْنَ أَخِي ، وَجَعَلَ يَتَحَنَّطُ ، يَعْنِي مِنَ الحَنُوطِ ، ثُمَّ جاءَ فَجَلَسَ ، فَذَكَرَ فِي الحَدِيثِ ٱنْكِشَافًا مِنَ النَّاسِ ، فَقَالَ : هٰكَذَا عَنْ وُجُوهِنَا حَتَّى نُضَارِبَ الْقَوْمَ ، ما هٰكَذَا كُنَّا نَفْعَلُ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، بِئْسَ ما عَوَّدْتُمْ أَقْرَانَكُمْ . رَوَاهُ حَمَّادٌ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ .

تراجم رجال

ا۔عبداللہ بن عبدالوہاب

یہ ابو محمد عبداللہ بن عبدالوہاب حجبی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۲۔خالد بن حارث

یہ ابو عثمان خالد بن حارث بن سلیم بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۳۔ابن عون

یہ عبداللہ بن عون بن ارطبان مزنی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

(۱) قوله: "أنس": الحديث، انفرد به البخاري، انظر تحفة الأشراف (ج۱ص۱۲۲)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب ليبلغ العلم الشاهد الغائب۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة۔

(۴) كشف الباري (ج۳ص۲۲٤)۔

۴۔موسی بن انس

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، بصرہ کے قاضی موسی بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۵۔انس

یہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۶۔ثابت بن قیس

یہ خطیب الانصار، حضرت ثابت بن قیس بن شماس بن مالک بن امریء القیس المدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ابومحمد اورابوعبدالرحمٰن ان کی کنیت ہے۔(۳)

ان کی والدہ محترمہ کا نام ہند الطائیہ ہے۔(۴) اور عبداللہ بن رواحہ اور عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہما ان کے ماں شریک بہن بھائی ہیں۔(۵)

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اوران سے ان کے صاحبزادگان محمد، قیس اور اسماعیل، حضرت انس بن مالک اور ابن ابی لیلی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایتِ حدیث کرتے ہیں۔(۶)

فضائل ومناقب

ان کے بے شمار فضائل ومناقب ہیں، چنانچہ ان کو "خطیب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" سے یاد کیا جاتا

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب المکاتب، باب المکاتب ونجومه، وفي کل سنة نجم ......۔

(۲) کشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(۳) تهذیب الکمال (ج٤ ص٣٦٨)، والثقات لابن حبان (ج٣ ص٤٣)۔

(٤) سیر أعلام النبلاء (ج١ ص٣٠٩)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذیب الکمال (ج٤ ص٣٦٩)۔

ہے، جس طرح کے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو "شاعر الرسول صلی اللہ علیه وسلم" کہا جاتا ہے۔(۱)

چنانچہ امام زہری (۲) سے مروی ہے کہ بنوتمیم کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اوران کا خطیب کھڑا ہوا اوراس نے اپنی قوم کی بعض چیزوں کوفخریہ انداز میں پیش کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے کہا "قم فأجب خطيبهم" یہ کھڑے ہوئے اور انتہائی بلاغت وفصاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مسلمان بہت ہی خوش ہوئے۔

یہ غزوہ احد سمیت اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔(۳)

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں وہم ہوا کہ پہلے تو حافظ صاحب نے تہذیب التہذیب میں یہ فرمایا :"شهد بدرا والمشاهد كلها" (۴) لیکن اصابہ میں اس کی تردید کردی، لکھتے ہیں:"لم يذكره أصحاب المغازي في البدريين، وقالوا: أول مشاهده أحد، وشهد مابعدها"۔(۵)

اورراجح یہی ہے کہ یہ بدری صحابی نہیں۔(۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قال كان ثابت بن قيس بن شماس خطيب الأنصار، فلما نزلت هذه الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي﴾، قال: أنا الذي كنت أرفع صوتي فوق صوت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنا من أهل النار، فذُكِر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: بل هو من أهل الجنة"۔(۷)

---

(۱) أسد الغابة (ج۱ص۴۵۱)۔

(۲) السيرة النبوية لابن هشام (ج۲ص۵۶۲)، وسير أعلام النبلاء (ج۱ص۳۱۲)، والطبقات الكبرى (ج۱ص۲۹۴)۔

(۳) أسد الغابة (ج۱ص۴۵۱)، والإستيعاب (ج۱ص۱۲۵)۔

(۴) تهذيب التهذيب (ج۲ص۱۲)۔

(۵) الإصابة (ج۱ص۱۹۵)۔

(۶) تهذيب الكمال(ج۴ص۳۷۱)۔

(۷) رواه البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (۳۶۱۳)، وكتاب التفسير، باب ﴿يا أيها الذين آمنوا لاترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي﴾، رقم (۴۸۴۶)، ورواه مسلم، كتاب الإيمان، باب مخافة المؤمن أن يحبط عمله، رقم (۳۱۴-۳۱۷)۔

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصار کے خطیب تھے، جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النبي﴾، تو کہنے لگے میں ہی وہ ہوں جو اپنی آواز کو نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند کرتا ہے، تو میں اہل جہنم میں سے ہوں، اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو فرمایا: بلکہ وہ اہل جنت میں سے ہیں‘‘۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"نعم الرجل أبوبکر، نعم الرجل عمر، نعم الرجل أبو عبیدة بن الجراح، نعم الرجل أسید بن حُضیر، نعم الرجل ثابت بن قیس بن شماس، نعم الرجل معاذ بن جبل، نعم الرجل معاذ بن عمرو بن الجموح"۔ (۱)

’’بہترین آدمی ابوبکر ہیں، بہترین آدمی عمر ہیں، بہترین آدمی ابوعبیدہ بن جراح ہیں، بہترین آدمی اسید بن حضیر ہیں، بہترین آدمی ثابت بن قیس بن شماس ہیں، بہترین آدمی معاذ بن جبل ہیں، بہترین آدمی معاذ بن عمرو بن جموح ہیں‘‘۔ (رضي الله عنه أجمعین)

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مرتبہ فرمایا:

"یا ثابت، أما ترضی أن تعیش حمیداً، وتقتل شهیدا، وتدخل الجنة"۔ (۲)

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو تین چیزوں کی بشارت دی: ۱۔ان کی زندگی اچھی گذرے گی۔۲۔وہ شہادت کے مرتبہ بلند سے سرفراز ہوں گے۔۳۔اور جنت میں داخل ہوں گے۔اور ہوا بھی اسی طرح جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، راوی کہتے ہیں: "فعاش حمیدا، وقتل شهیدا یوم مسیلمة الکذاب"۔ (۳)

---

(۱) رواه الترمذي عن أبي هريرة رضي الله عنه، أبواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل ......، وحسّنه، رقم (۳۷۹۵)، والحاكم في المستدرك (ج۳ص۲۳۳و۳٦۸)، والتاريخ الكبير للبخاري (ج۱ص۱٦۷)۔

(۲) رواه الحاكم في مستدركه وصححه الذهبي في تلخيصه (ج۳ص۲۳٤)، وإسناده قوي، لكنه مرسل كما قاله الحافظ في الفتح (ج٦ص٦۲۱)۔

(۳) المستدرك للحاكم (ج۳ص۲۳٤)۔

شہادت

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق شہادت سے سرفراز ہوئے، چنانچہ جنگ یمامہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی تھی اس میں آپ انصار کے امیر تھے اور اسی میں یہ خوب بہادری سے لڑنے کے بعد شہید ہوئے۔ (۱) اور اسی واقعہ کو حدیث باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

ایک عجیب واقعہ

امام حاکم نے مستدرک (۲) میں، امام طبرانی نے المعجم الکبیر (۳) میں، علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۴) میں اور علامہ ابن الاثیر الجزری نے اسد الغابہ (۵) میں ان سے متعلق ایک عجیب واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب اور بنوحنیفہ کے خلاف جو لشکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ترتیب دیا تھا اس میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، جب دونوں لشکروں کا آپس میں ٹکراؤ ہوا تو اس میں مسلمانوں کو پسپائی ہوئی، اس طرح تین مرتبہ ہوا، چنانچہ حضرت ثابت اور حضرت سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما نے یہ صورت حال دیکھی تو ان سے برداشت نہ ہوا اور فرمانے لگے: "ما هكذا كنا نقاتل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم" اور ان حضرات نے ایک گڑھا زمین میں کھودا اور اس میں اپنے کو مقید کر کے لڑنے لگے یہاں تک کہ دونوں حضرات شہید ہو گئے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ (۶) نے انہیں خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ جب میں گذشتہ کل شہید ہوا تھا تو مسلمانوں کا ایک آدمی میرے پاس سے گذرا اور میری زرہ نکال کر

---

(۱) أسد الغابة (ج۱ ص۴۵۱)، والإستيعاب (ج۱ ص۱۲۵)، والمستدرك (ج۳ ص۲۳۳)۔

(۲) المستدرك للحاكم (ج۳ ص۲۳۵)۔

(۳) المعجم الكبير للطبراني (ج۲ ص۷۰)، رقم (۱۳۲۰)۔

(۴) الإستيعاب (ج۱ ص۱۲۵)۔

(۵) أسد الغابة (ج۱ ص۴۵۲)۔

(۶) وأفاد الواقدي أن رائي المنام هو: بلال المؤذن۔ فتح الباري (ج۶ ص۵۲)۔

لے گیا، وہ لشکر کے آخر میں ہے اور وہاں اس آدمی کا گھوڑا رسی میں بندھا ہوا چر رہا ہے، اس نے زرہ کے اوپر اسے چھپانے کے لئے کچھ پتھر ڈال دیئے ہیں اور ان پتھروں پر کجاوہ ڈال رکھا ہے۔ پھر خواب ہی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ امیر لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میری زرہ برآمد کروائیں۔

پھر فرمایا کہ جب مدینہ منورہ تمہاری واپسی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جانا، انہیں بتانا کہ فلاں کا میرے اوپر اتنا قرض ہے اور فلاں پر میرے اتنے پیسے ہیں اور میرا فلاں غلام آزاد ہے۔(۱) فرمایا کہ تم اسے جھوٹا خواب مت سمجھنا کہ پھر میری یہ ساری باتیں ضائع ہو جائیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے فوراً بعد جاگ گئے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے آکر خواب بیان کیا۔ چنانچہ انہوں نے زرہ کے متعلق جہاں کا بتایا تھا وہیں وہ پائی گئی اور صورتحال بعینہ وہی تھی جو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے خواب میں ذکر کی۔ اور پھر جب مدینہ واپسی ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے متعلقہ امور کا ذکر فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت نافذ فرمائی۔

اور یہ ان کی خصوصیت ہے، چنانچہ راوی فرماتے ہیں: "فلا نعلم أحداً بعد ما مات أنفذ وصيته غير ثابت بن قيس بن شماس رضي الله عنه"۔(۲)

حرہ کی جنگ میں ان کے تین بیٹے شہید ہوئے۔(۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام ابوداود اور امام نسائی رحمہما اللہ نے "اليوم والليلة" میں ان سے احادیث لی ہیں۔(۴)

اور بخاری میں ان کی صرف ایک ہی روایت ہے۔(۵)

قال: وذكر يوم اليمامة۔

فرماتے ہیں: یمامہ کی جنگ کے دن کا ذکر کیا۔

---

(۱) قال الحافظ: "وسمى الواقدي في كتاب الردة من وجه آخر من أوصي بعتقه وهم: سعد وسالم۔ حوالہ بالا۔

(۲) وانظر أيضا لهذه القصة مجمع الزوائد (ج۹ص۳۲۲)، والإصابة (ج۱ص۱۹۵)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج۱ص۳۱۳)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٤ص۳۷۱)۔

(٥) خلاصة الخزرجي (ص۵۷)۔

بخاری شریف کے اکثر نسخوں میں واو کے ساتھ "وذکر" ہے اور واو حالیہ ہے، جب کہ حموی کے نسخے میں بغیر واو کے "ذکر" ہے۔(۱)

یمامہ

یمامہ یمن کا ایک شہر ہے جو طائف سے دو مراحل کے فاصلے پر واقع ہے، اس مقام پر تاریخ اسلام کی مشہور جنگ "حرب الیمامۃ" لڑی گئی، یہ ربیع الاول بارہ ہجری کا واقعہ ہے، ایک طرف مسلمان تھے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا دفاع کرنے آئے تھے، دوسری طرف مسیلمہ کذاب اور بنو حنفیہ کے وہ لوگ تھے جو مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت پر ایمان لائے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو سرکوبی کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا، یمامہ کے مقام پر ان دونوں لشکروں کا ٹکراؤ ہوا، سخت لڑائی کے بعد حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ اور ابودجانۃ سماک بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مسیلمہ جہنم رسید ہوا اور اس کے اکیس ہزار آدمی تہہ تیغ ہوئے اور مسلمانوں کی طرف سے تقریباً پانچ سو افراد شہید ہوئے۔(۲) جن میں ستر انصاری صحابی تھے۔(۳)

قال: أتی أنس ثابت بن قیس، وقد حسر عن فخذیه۔

حضرت موسی بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ہاں آئے درآنحالیکہ وہ اپنی دونوں رانیں کھولے ہوئے تھے۔

انس فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع اور ثابت مفعولیت کی بناء پر منصوب ہے۔(۴)

اور "وقد حسر ......" جملہ حالیہ ہے، واو حال کے لئے ہے۔(۵) اور حسر کے معنی کشف کے ہیں اور یہ باب ضرب سے ہے۔(۶)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٩)، وفتح الباري (ج٦ ص٥١)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٩)، وانظر أيضاً البداية والنهاية (ج٦ ص٣٢٣-٣٢٧)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤١)۔

(۴) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٩)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

ران ستر ہے یا نہیں؟

حدیث کے جملے "وقد حسر عن فخذیه" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فخذ ستر نہیں ہے، ورنہ اگر فخذ ستر میں داخل ہوتا تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اس سے کپڑا نہ ہٹاتے۔

چنانچہ ظاہریہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو فخذ کے ستر ہونے کے قائل نہیں انہوں نے حدیث باب سے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے۔(۱)

اب اگر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا مسلک وہی ہے جو ظاہریہ کا ہے یعنی فخذ (ران) ستر میں داخل نہیں تو حدیث باب کی توجیہ کی ضرورت ہی نہیں۔(۲)

اور اگر ان کا مذہب وہ نہیں جو ظاہریہ کا ہے تو علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب کی توجیہ یہ فرمائی "وقد علم ذلك بإخباره، لا أنه رآه حاسرا فخذیه" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کشف فخذ کا علم ان کے بتانے سے حاصل ہوا، نہ کہ انہوں نے انہیں ستر کھولے ہوئے دیکھا۔(۳)

اور مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث باب کی توجیہ یہ نقل فرمائی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دروازے پر کھڑے ہوکر کہا "یاعم، مایحبسك أن لا تجيء؟" پھر حضرت ثابت دروازے پر آئے اور انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے پھر جہاد کے لئے چل دیئے۔(۴)

مطلب یہ ہوگا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اندر داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ دروازے پر ہی کھڑے ہوکر انہوں نے بات کی، اب یہ لازم ہی نہیں آتا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو رانوں کو کھولے ہوئے دیکھا ہو۔

اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں فخذ کے عورت اور ستر نہ ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٥٢)، ولامع الدراري (ج٧ص٢٢٤)۔

(۲) تعليقات لامع الدراري (ج٧ص٢٢٤)۔

(۳) لامع الدراري (ج٧ص٢٢٤)۔

(٤) تقرير الجنجوهي على الصحيحين (ص٧١)۔

ہے، کیونکہ فعل صحابی مختلف فیہ مسئلے میں حجت نہیں۔(۱)

وهو يتحنط، فقال: يا عم، ما يحسبك أن لاتجيء؟

درآنحالیکہ وہ حنوط لگانے میں مشغول تھے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا اے چچا! آپ کو کیا چیز روک رہی ہے کہ آپ نہیں آ رہے؟

"هو يتحنط" کا جملہ بھی حالیہ ہے۔ اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے، اسی طرح ان کا تعلق قبیلۂ خزرج سے تھا اس لئے انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چچا کہہ کر مخاطب کیا۔(۲)

علامہ ابن الاثیر مبارک الجزری رحمۃ اللہ علیہ "وهو يتحنط" کی تشریح میں فرماتے ہیں :"أي يستعمل الحنوط في ثيابه عند خروجه إلى القتال؛ كأنه أراد بذلك الاستعداد للموت، وتوطين النفس عليه بالصبر على القتال"۔(۳) یعنی "وہ قتال کے لئے نکلتے ہوئے اپنے کپڑوں میں حنوط (خوشبو) لگارہے تھے، گویا ان کا مقصد اس سے موت کی تیاری اور قتال کے وقت نفس کو صبر پر ثابت قدم رکھنا تھا۔"

"أن لاتجيء" کے اعراب کی تحقیق

اس میں دو اعراب ہیں ایک نصب، دوسرا رفع۔

نصب کی صورت میں "ألا" مشددہ ہے اور لا زائدہ ہے، اس لئے "تجيء" منصوب ہوگا۔

رفع کی صورت میں "ألا" میں لام مخففہ ہے اس لئے مرفوع ہوگا۔(۴)

قال: الآن يا ابن أخي، وجعل يتحنط۔ يعني من الحنوط۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھتیجے! ابھی نکلتا ہوں اور دوبارہ حنوط لگانے میں مشغول ہوگئے۔

"يعني من الحنوط" کے الفاظ تفسیر یہ ہیں کہ حدیث میں جو "يتحنط" وارد ہوا ہے وہ حنوط سے مشتق ہے۔ اور اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ یہ "حنطة" سے مشتق ہے۔(۵)

---

(۱) فيض الباري (ج۳ص۴۲۹)، وانظر أيضاً التعليقات على فيض الباري المسمى البدر الساري۔

(۲) فتح الباري (ج۶ص۵۱)، وعمدة القاري (ج۱۴ص۱۳۹)۔

(۳) النهاية في غريب الحديث و الأثر (ج۱ص۴۵۰)۔

(۴) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۲۴)، وعمدة القاري (ج۱۴ص۱۳۹)۔

(۵) فتح الباري (ج۶ص۵۲)۔

اور علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اس تفسیری جملے کی وجہ یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ کوئی اس لفظ میں تصحیف کر کے اسے حناطۃ سے نہ مشتق قرار دیدے۔(۱) جس کے معنی گندم فروشی کے ہیں۔(۲)

ثم جاء فجلس، فذكر في الحديث انكشافا من الناس۔

پھر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ آئے، پس بیٹھ گئے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو میں لوگوں کے بھاگنے کا ذکر کیا۔

یعنی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بیٹھ گئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان سے لوگوں کے اپنی جگہوں کے چھوڑ دینے کا ذکر کیا اور یہ کہ مسلمانوں میں شکست کے آثار پیدا ہور ہے ہیں۔(۳)

فقال: هكذا عن وجوهنا حتى نضارب القوم۔

تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے سامنے سے ہٹو، تاکہ ہم دشمن پر حملہ کرسکیں۔

"هكذا عن وجوهنا" کے معنی ہیں "افسحوا لي" یعنی مجھے راستہ دو اور میرے سامنے سے ہٹو۔(۴)

جب کہ علامہ کرمانی اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اس جملے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے اور معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ہمارے اور دشمن کے لوگ آپس میں مل گئے ہیں اور ہم دشمن کو بلا حائل مارنے کے قابل ہو گئے ہیں۔(۵)

ما هكذا كنا نفعل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جب ہوتے اس طرح نہیں کرتے تھے۔

مقصد یہ ہے کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں ہوتے تھے تو صف اول اپنی جگہ نہیں

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۳٤)۔

(۲) القاموس الوحيد (ص۳۸۳)، مادة "حنط"۔

(۳) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۳٤)، وشرح القسطلاني (ج٥ص٦٧)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٥۲)۔

(٥) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۳٤)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٠)۔

چھوڑتی تھی بلکہ اپنی جگہ ڈٹی رہتی تھی اور صف ثانی اس کی مدد کرتی۔(۱)

بئسما عودتم أقرانکم۔

تم نے اپنے حریف کو بری عادت ڈال دی ہے۔

اکثر کی روایت میں اسی طرح ہے، جب کہ مستملی کی روایت میں "عودکم أقرانکم" آیا ہے، پہلی صورت میں "أقرانکم" منصوب ہوگا اور مستملی کی روایت کے مطابق مرفوع ہوگا۔(۲)

"أقران" قرن کی جمع ہے اور قِرن -بکسر القاف و سکون الراء- کے معنی مقابل یا شجاعت میں نظیر کے ہیں اور بفتح القاف وسکون الراء ہو تو معنی ہم عمر کے ہیں۔(۳)

اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا مقصد اس قول سے شکست کھانے والوں کو توبیخ کرنا ہے، کہ تم نے اپنے مقابل کو بری عادت ڈالی دی، تم فرار ہونے لگے، جس کی وجہ سے دشمن تم میں دلچسپی لینے لگا۔(۴)

یا تمہارے ساتھیوں نے تم کو پیچھے ہٹ جانے کی بری عادت ڈال دی، جو تمہارے لئے مضر اور تمہارے دشمن کے لئے مفید ہے۔

فقہ الحدیث

حدیث باب سے کئی فوائد مستنبط ہوتے ہیں:-

۱۔اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا درست اور جائز ہے اور اس معاملے میں شدت بھی اختیار کی جاسکتی ہے اور اگر رخصت پر قادر ہو تو اس پر عمل نہ کرنا بھی صحیح ہے۔(۵)

۲۔میت کے لئے خوشبو لگانا سنت ہے، کیونکہ موت کے بعد میت کا واسطہ فرشتوں سے پڑے گا۔(۶)

---

(۱) شرح الکرماني (ج١٢ص١٣٤)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٥٢)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٠)، و شرح الکرماني (ج١٢ص١٣٤)۔

(۳) حوالہ بالا، ومختار الصحاح (ص٥٣٢) مادة "قرب"۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٥٢)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٠)۔

(٥) شرح ابن بطال (ج٥ص٥٢)۔

(٦) حوالہ بالا (ص۵۳)۔

۳۔ نیز حدیث باب میں جنگ سے فرار ہونے والوں کے لئے سخت توبیخ بیان کی گئی ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت "وهو يتحنط" اور "وجعل يتحنط يعني من الحنوط" میں ہے۔(۲)

رواه حماد عن ثابت عن أنس۔

حماد نے اس حدیث کو "عن ثابت عن أنس" کے طریق سے روایت کیا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو تعلیق ذکر کی ہے اس کو ابن سعد (۳)، طبرانی (۴)، حاکم (۵)، اور برقانی رحمہم اللہ تعالی نے اپنی مستخرج میں موصولاً ذکر کیا ہے۔(۶)

مذکورہ تعلیق کا مقصد

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس تعلیق کے ذریعے اصل حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، اگرچہ حماد کی روایت موسی بن انس کی روایت سے اتم واکمل ہے، لیکن انہوں نے موسی بن انس کی مختصر حدیث ذکر کی اور اصل حدیث کی طرف تعلیقاً اشارہ کردیا۔(۷)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٩)۔

(٣) كذا قاله الحافظ في الفتح (ج٦ ص٥١)، ولكن لم أجده مع تتبعي الشديد عند ابن سعد۔

(٤) المعجم الكبير للطبراني (ج٢ ص ٦٥)، رقم (١٣٠٧)۔

(٥) المستدرك للحاكم (ج٣ ص ٢٣٥)، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب ثابت بن قيس ......۔

(٦) عمدة القاري (ج١٤ ص١٣٩)، وفتح الباري (ج٦ ص٥٢)، وتغليق التعليق (ج٣ ص٤٣٦)۔

(٧) فتح الباري (ج٦ ص٥٢)۔

٤٠ – باب : فَضْلِ الطَّلِيعَةِ .

طليعة کا مطلب

"طـليعة" لشکر کا وہ حصہ کہلاتا ہے جو انتظامات اور تحقیق احوال کے لئے لشکر کے آگے بھیجا جاتا ہے، یہ اسم جنس ہے، چنانچہ یہ حصہ مختصر بھی ہوسکتا ہے اور بڑا بھی، ایک آدمی پر بھی مشتمل ہوسکتا ہے اور دو پر بھی ۔(۱)

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں طـلیعة کی فضیلت بیان فرمارہے ہیں کہ اس عمل کی بڑی فضیلت ہے، اس لئے اگر کسی کو یہ ذمے داری دی جائے تو اسے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے ۔(۲)

٢٦٩١ : حدَّثنا أَبو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ ، عَنْ جابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ) . يَوْمَ الْأَحْزَابِ . قالَ الزُّبَيْرُ : أَنَا ، ثُمَّ قالَ : (مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ) . قالَ الزُّبَيْرُ : أَنَا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا ، وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ) . [٢٦٩٢ ، ٢٨٣٥ ، ٣٥١٤ ، ٣٨٨٧ ، ٦٨٣٣](۳)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٥٢)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٤١)، والنهاية في غريب الحديث (ج٣ ص١٣٣)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤١)۔

(۳) قوله: "عن جابر رضي الله عنه" : الحديث، أخرجه البخاري أيضاً (ج١ ص٣٩٩)، كتاب الجهاد والسير، باب هل يبعث الطليعة وحده؟ رقم (٢٨٤٧)، و(ج١ ص٤٢٠)، باب السير وحده، رقم (٢٩٩٧)، و(ج١ ص٥٢٧)، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب الزبير بن العوّام رضي الله عنه، رقم (٣٧١٩)، و(ج٢ ص٥٩٠)، كتاب المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، رقم (٤١١٣)، و(ج٢ ص١٠٧٨)، كتاب أخبار الآحاد، باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (٧٢٦١)، ومسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير رضي الله عنهما، رقم (٦٢٤٢)، والترمذي، كتاب المناقب، باب ما جاء في مناقب الزبيرؓ بن العوّام رضي الله عنه، باب قوله صلى الله عليه وسلم كالذى قبله مع قصة فيه، رقم (٣٧٤٥)، وابن ماجه، كتاب السنة، باب فضل الزبير رضي الله عنه، رقم (١٢٢)۔

تراجم رجال

۱۔ابونعیم

یہ مشہور محدث ابونعیم الفضل بن دُکین کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔سفیان

یہ امام حدیث، تبع تابعی،ابوعبداللہ سفیان بن سعید الثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب علامة المنافق" کے تحت آ چکے ہیں۔(۲)

۳۔محمد بن منکدر

یہ محمد بن منکدر بن عبداللہ المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔جابر

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من يأتيني بخبر القوم؟" يوم الأحزاب۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب کے دن فرمایا کہ میرے پاس قوم کی خبر کون لائے گا؟

قوم سے مراد یہاں بنوقریظہ کے یہودی ہیں اور یوم الاحزاب سے غزوۂ خندق مراد ہے،اس غزوے میں قریش کے علاوہ دیگر قبائل عرب بھی مسلمانوں سے جنگ کے لئے آئے تھے اور مدینہ منورہ کے یہودیوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا تھا جو ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا تھا اور قریش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مل گئے تھے۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۶۶۹)۔

(۲) حوالہ بالا (ص۲۷۸)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوءه على المغمى عليه۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين ......۔

(۵) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۴۱)۔

قال الزبير: أنا، ثم قال: "من يأتيني بخبر القوم؟" قال الزبير: أنا۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ قوم کی خبر میرے پاس کون لائے گا؟ تو حضرت زبیر نے کہا میں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی مرتبہ ترغیب دی؟

حدیث باب کے ظاہر سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان سوال و جواب دو مرتبہ ہوا اور دونوں بار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا نام پیش کیا۔

لیکن امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ:

• "قال وهب بن كيسان: أشهد لسمعت جابر بن عبد الله رضي الله عنه يقول: لما اشتد الأمر يوم بني قريظة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من يأتينا بخبرهم؟" فلم يذهب أحد، فذهب الزبير، فجاء بخبرهم، ثم اشتد الأمر أيضاً، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "من يأتينا بخبرهم؟" فلم يذهب أحدٌ فذهب الزبير، ثم اشتد الأمر أيضا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "من يأتينا بخبرهم؟" فلم يذهب أحد، فذهب الزبير، فجاء بخبرهم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن لكل نبي حواريا، وإن الزبير حواريَّ"۔ (۱)

''حضرت وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ بنو قریظہ کی جنگ میں جب معاملہ سخت ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے پاس ان کی خبر کون لائے گا؟'' لیکن کوئی بھی نہیں گیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گئے، ان کی خبر لے کر آئے۔ پھر معاملے نے دوبارہ شدت اختیار کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہمارے پاس ان کی خبر کون لائے گا؟'' لیکن کوئی بھی نہیں گیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی گئے، پھر معاملے نے سہ بارہ شدت اختیار کی تو نبی کریم ﷺ

(۱) سنن النسائي الكبرى (ج۵ ص۲۶٤) كتاب السير، باب ذهاب الطليعة وحده، رقم (ج۳ ص۸۸٤۳)۔

نے ارشاد فرمایا: ''ہمارے پاس ان کی خبر کون لائے گا؟'' تو کوئی بھی نہیں گیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی گئے، ان کی خبر لے کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تحقیق ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر (رضی اللہ عنہ) ہیں''۔

چنانچہ اس روایت میں یہ مذکور ہوا کہ سوال وجواب تین مرتبہ ہوا ہے اور بخاری کی روایت میں اختصار ہے، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وفيه أن الزبير توجه إليهم ثلاث مرات"۔(۱)

ترغیب ایک ہی جگہ دی گئی یا مختلف جگہوں پر؟

اسی طرح حدیث باب کے ظاہر سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دینے کا عمل ایک ہی مقام پر ہوا ہے، کہ آپ کسی مقام پر تشریف فرما تھے اور صحابہ سے پوچھ رہے تھے کہ ''من يأتيني بخبر القوم؟''

لیکن یہ درست نہیں بلکہ یہ تین مقامات میں ہوا ہے کہ آپ نے تین مختلف مقامات پر سوال کیا اور تینوں مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی آگے بڑھے اور اپنے کو پیش کیا، چنانچہ سنن نسائی ہی کی وہ روایت جو ہم نے ابھی ذکر کی، اس پر دلالت کر رہی ہے۔(۲)

بنو قریظہ کی خبر لانے کے لئے کونسے صحابی گئے تھے؟

علامہ سراج الدین بن الملقن رحمۃ اللہ علیہ نے التوضیح میں اپنے استاذ حافظ فتح الدین یعمری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اشکال یہاں نقل کیا ہے کہ اہل مغازی کے ہاں تو یہ مشہور ہے کہ خبر لینے کے لئے جس آدمی کو بھیجا گیا تھا وہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ تھے اور یہاں بخاری کی روایت میں ذکر ہے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا؟

۱۔ دونوں روایات میں تطبیق کے لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ واقعہ ایک وقت کا ہو اور دوسرا واقعہ دوسرے وقت کا، اس لئے کوئی تعارض نہیں۔

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب ارشاد فرمایا ہے کہ اصل میں یہ علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں،

---

(۱) شرح القسطلاني (ج۵ص۶۷)۔

(۲) لامع الدراري (ج۷ص۲۲۷)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو بھی، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تو اس بات کی تحقیق کے لئے روانہ فرمایا تھا کہ آیا بنو قریظہ نے نقض عہد کیا ہے یا نہیں؟ اور قریش کے ساتھ انہوں نے ساز باز کرلی ہے یا نہیں؟ اور وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ یہ کام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو سپرد کیا گیا تھا۔

جہاں تک حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے واقعے کا تعلق ہے تو اس کا قصہ یہ ہے کہ جب کفار کا محاصرہ غزوہ خندق میں مسلمانوں پر تنگ ہوگیا اور مختلف قومیں ان پر جھپٹ پڑیں، پھر بعد میں ان جماعتوں اور اقوام میں پھوٹ پڑ گئی اور ہر قوم دوسری قوم سے ڈرنے لگی اور اللہ تعالی نے بھی ان پر شدید آندھی بھیجی اور صورت حال دگرگوں ہوگئی، اس وقت آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ مشرکین کی حالت معلوم کرکے آؤ۔

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ''سخت آندھی اور سردی تھی اور رات کا وقت تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم صحابہ سے فرمایا: "ألا رجل يأتيني بخبر القوم، جعله الله معي يوم القيامة؟" یہ آپ علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا، لیکن کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "قم، ياحذيفة، فائتنا بخبر القوم"۔ ساتھ ہی آپ نے فرمادیا تھا کہ کسی کو مارنا نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اتنی سخت سردی تھی کہ جانا مشکل تھا، لیکن آپ کے حکم سے جب میں چلا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے میں گرم حمام میں ہوں اور سردی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اس کے بعد پھر میں مذکورہ مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) اپنی کمر سینک رہے ہیں، مجھے خیال آیا کہ بہترین موقع ہے، میں ان کو ختم کردوں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد آ گئی کہ کسی کو نہ مارنا تو میں نے ان کو چھوڑ دیا۔ جب میں وہاں سے واپس آیا اور وہ کام پورا ہوگیا جو مجھے سونپا گیا تھا تو اتنی سردی لگی کہ اس کی انتہاء نہیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر میرے اوپر ڈال دی اور میں سو گیا اور پھر جب نماز صبح کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا "قم يا نومان" اے بہت سونے والے! اٹھو''(۱)

جب یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں تو تعارض کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔(۲)

---

(۱) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة الأحزاب، رقم (٤٦٤٠)۔

(۲) فتح الباري (ج۷ص۴۰۷)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب اور دیگر صحابہ کا سکوت

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "من يأتيني بخبر القوم؟" فرمایا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر اصحاب نے لبیک کیوں نہیں کہا اور خاموش کیوں رہے حالانکہ وہ تو آپ کے لئے جان تک قربان کر دیتے تھے؟

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں:-

۱۔ اگر چہ طلیعہ کی فضیلت اپنی جگہ ہے، لیکن صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو چھوڑنا گوارا نہ کیا، ممکن ہے حالات کی نزاکت کے پیش نظر آپ سے جدا ہونا پسند نہ کیا ہو۔

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حاضرین صحابہ میں سے ہر ایک نے جواب اور لبیک کہنا چاہا ہو، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جواب میں پہل کر گئے ہیں تو وہ حضرات چپ رہے۔

۳۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ان مواقع ثلاثہ میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر نہ تھے، بلکہ کچھ تھوڑے ہی تھے، اس لئے ممکن ہے اس خطاب کے مخاطب کچھ ہی لوگ ہوں، سارے نہ ہو۔ (۱)

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن لكل نبي حوارياً، و حواري الزبير"۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر نبی کے لئے ایک (خاص) حواری (مددگار) ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے"۔

حواری کے معنی

حواری کے معنی خاص مددگار اور ناصر کے ہیں، حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھیوں کو قرآن کریم میں "الحواريون" (۲) سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے خاص بندے اور مددگار ساتھی تھے۔ اس کی اصل "تحوير" ہے، جس کے معنی تبييض کے ہیں، چنانچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے یہ دوست

(۱) لامع الدراري (ج۷ص۲۲۸، ۲۳۰)۔

(۲) الصف/۱۴۔

یا شاگرد دھوبی تھے اس لئے انہیں "حواریون" کہا گیا۔(۱)

علامہ ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "التحویر: التبییض، و الحواریون: القصارون؛ لأنهم کانوا قصارین، ثم غلب حتی صار کل ناصر و کل حمیم حواریا"۔(۲)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حواری کہنے کی وجہ

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث باب سے معلوم ہوا جو شخص دشمن کے احوال معلوم کرنے جائے اسے ناصر سے موسوم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو "حواری" کہا ہے، اس تسمیہ کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام نے یہ فرمایا ﴿من أنصاري إلی اللّٰہ قال الحواریون نحن أنصار اللّٰہ﴾ تو سوائے حواریین کے کسی اور نے لبیک نہیں کہا، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ دریافت فرمایا "من یأتیني بخبرھم؟" تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی نے لبیک نہیں کہا، اسی لئے آپ علیہ السلام نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت عیسی علیہ السلام کے حواریین سے تشبیہ دی اور ان کے نام سے موسوم کیا۔(۳)

پھر جب یہ بات ثابت اور واضح ہوگئی کہ طلیعہ کو ناصر کہا جا سکتا ہے تو اس کا ثواب بھی وہی ہے جو مقاتل مدافع کا ہے۔(۴)

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے۔(۵) کہ باب میں طلیعہ کی فضیلت کا ذکر ہے اور حدیث میں اسی کا بیان ہے۔

---

(۱) عمدۃ القاري (ج۱۴ص۱۴۱)۔

(۲) لسان العرب (ج۴ص۲۱۹ – ۲۲۰)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج۵ص۵۳)۔

(۴) حوالہ بالا (ص۵۴)۔

(۵) عمدۃ القاري (ج۱۴ص۱۴۱)۔

٤١ – باب : هَلْ يُبْعَثُ الطَّلِيعَةُ وَحْدَهُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتایا ہے کہ طلیعہ کے طور پر ایک آدمی کو بھیجنا بھی صحیح ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور جواب استفہام محذوف ہے یعنی "یجوز بعثه وحده"۔(۱)

٢٦٩٢ : حدّثنا صَدَقَةُ : أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ : حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ : سَمِعَ جابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(٢) قالَ : نَدَبَ النَّبِيُّ ﷺ النَّاسَ – قالَ صَدَقَةُ : أَظُنُّهُ – يَوْمَ الخَنْدَقِ . فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ، ثُمَّ نَدَبَ النَّاسَ ، فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ، ثُمَّ نَدَبَ النَّاسَ . فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ . فَقالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا . وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ) . [ر : ٢٦٩١]

تراجم رجال

۱۔صدقہ

یہ ابوالفضل صدقۃ بن الفضل المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۲۔ابن عیینہ

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت(۴) اور مفصل حالات "كتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٢)۔

(٢) قوله: "جابر بن عبد الله رضي الله عنهما": الحديث، مر تخريجه في الباب السابق۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب العلم والعظة بالليل۔

(٤) كشف الباري (ج١ ص٢٣٨)۔

(٥) كشف الباري (ج٣ ص١٠٢)۔

۳۔ابن المنکدر

یہ محمد بن منکدر بن عبداللہ المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۴۔ جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں۔(۲)

قال: ندب النبي صلی اللہ علیه وسلم الناس۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو آواز دی۔

ندب باب نصر سے ہے، اس کا مصدر ندبا ہے، اس کے معنی کسی کو بلانے اور برانگیختہ کرنے ہیں۔(۳)

قال صدقة: أظنه یوم الخندق۔

صدقہ راوی کہتے ہیں مجھے خیال ہوتا ہے کہ جنگ خندق کا دن تھا۔

یعنی صدقہ بن الفضل جو اس حدیث میں بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں وہ فرمارہے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ بلانا جنگ خندق کے دن تھا، ان کو یہاں شک ہورہا ہے، لیکن یہی روایت امام حمیدی نے اپنی مسند میں ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے، اس میں بغیر شک کے "یوم الخندق" ہے۔(۴)

فانتدب الزبیر۔

تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے لوگوں کو آواز دی اور برانگیختہ کیا تو اس آواز کا جواب صرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے دیا۔

"انتدبه الأمر" کے معنی کسی کے بلاوے پر جواب دینے کے ہیں۔(۵)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب صب النبي صلی اللہ علیه وسلم وضوء ه علی المغمی علیه۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے "کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر۔

(۳) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۴۲) ومصباح اللغات (ص۸۶۳) مادة "ندب"۔

(۴) المسند للحمیدي (ج۲ص۵۱۶)۔

(۵) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۴۲)، ومصباح اللغات (ص۸۶۳) مادة "ندب"۔

حدیث باب سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ آدمی کے لئے اکیلے سفر کرنا جائز ہے اور اس بارے میں جونہی وارد ہوئی ہے وہ کسی ضروری حاجت کے نہ ہونے کی صورت میں ہے۔(۱)

اس سلسلہ کی مزید تفصیلات انشاء اللہ "باب السیر وحدہ" کے تحت آئیں گی۔

اور حدیث باب سے متعلقہ دیگر ابحاث گذشتہ باب کے تحت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تنہا دشمن کی جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ طلیعہ میں ایک آدمی کو بھیجنا بھی جائز ہے۔

٤٢ - باب : سَفَرِ الِاثْنَيْنِ

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتلا رہے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک ساتھ سفر کرنا جائز اور درست ہے۔(۲)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں جس کو امام ابوداود (۳)، ترمذی (۴) اور دیگر حضرات (۵) نے روایت کیا ہے، چنانچہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرفوعا منقول ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الراکب شیطان، و الراکبان شیطانان، والثلاثۃ رکب"۔ کہ اس روایت میں دو آدمیوں کے یا اکیلے آدمی کے تنہا سفر کی ممانعت آئی ہے۔ لیکن یہ روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قابل استدلال نہیں، اس لئے وہ بتاتے ہیں کہ دو

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٥٣)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٢)، وفتح الباري (ج٦ص٥٣)۔

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الرجل يسافر وحده، رقم (٢٦٠٧)۔

(٤) سنن الترمذي، أبواب الجهاد، باب ما جاء في كراهية أن يسافر الرجل وحده، رقم (١٦٧٤)۔

(٥) رواه الإمام مالك بن أنس أيضا في الموطأ (ج٢ص٩٧٨)، في الاستئذان، باب ما جاء في الوحدة في السفر، رقم (٣٥)۔

آدمی بھی سفر کریں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں اور دلیل میں ترجمۃ الباب کے تحت حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے۔(۱)

رہی وہ سنن کی حدیث تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ حدیث بھی صحیح الاسناد ہے، ابن خزیمہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہما (۲) نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔(۳)

اس لئے اس روایت کو سرے سے رد تو نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اس کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہ خاص حالات پر محمول ہے، امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "الراکب شیطان والراکبان شیطانان......" میں اکیلے یا دو آدمیوں کے ایک ساتھ سفر کی جو نہی اور زجر وارد ہوا ہے وہ بطور ادب ہے، کیونکہ اکیلا آدمی وحشت اور تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے، اس لئے یہ نہی تحریمی نہیں ہے کہ یہ سفر حرام ہو، چنانچہ اکیلا آدمی جب جنگل سے گزرے گا یا اسی طرح جو تن تنہا خالی گھر میں رات گذارے گا وہ وحشت سے مامون نہیں ہو سکتا، خصوصاً جب کہ اس کا دل کمزور اور خیالات پراگندے ہوں۔

اور اس بارے میں سب سے بہتر بات یہ ہے کہ لوگ اس بارے میں مختلف ہیں، کوئی گھبرا جاتا ہے اور کوئی بالکل نہیں ڈرتا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ جو نہی وارد ہوئی ہے وہ حسما للمادۃ ہے اور یہ نہی اس صورت کو شامل نہیں جب واقعی کوئی حاجت یا ضرورت پیش آ جائے۔(۴)

اس مسئلہ میں مزید تفصیل انشاء اللہ "باب السیر وحدہ" کے تحت آئے گی۔

۲۶۹۳ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا أَبو شِهَابٍ ، عَنْ خالِدٍ الحَذَّاءِ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ، عَنْ مالِكِ بْنِ الحُوَيْرِثِ[۵] قالَ : انْصَرَفْتُ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ . فَقَالَ لَنَا ، أَنَا وَصَاحِبٌ لِي : (أَذِّنَا وَأَقِيمَا . وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا) . [ر : ۶۰۲]

(۱) فتح الباري (ج٦ص٥٣)۔

(۲) المستدرك للحاكم (ج٢ص١٠٢)، كتاب الجهاد، باب التشديد في السفر بدون الثلاث ۔

(۳) الحديث أخرجه الحاكم وصححه (ج٢ص١٠٢)، كتاب الجهاد، باب التشديد في السفر بدون الثلاث۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٥٣-٥٤)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٢)۔

(٥) قوله: "عن مالك بن الحويرث": الحديث، مر تخريجه في كتاب الأذان، باب من قال: ليؤذن في السفر مؤذن واحد۔

تراجم رجال

۱۔احمد بن یونس

یہ احمد بن عبداللہ بن یونس تمیمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، لیکن دادا کی نسبت سے یعنی ''احمد بن یونس'' سے مشہور ہے، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من قال: إن الإيمان هو العمل" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔ابوشہاب

یہ ابوشہاب موسی بن نافع الحناط رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔خالد الحذاء

یہ مشہور محدث ابوالمنازِل خالد بن مہران حذاء بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: اللهم علمه الكتاب" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۴۔ابوقلابہ

یہ مشہور تابعی عبداللہ بن زید جرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۴)

۵۔مالک بن الحویرث

یہ صحابی رسول حضرت مالک بن الحویرث ابوسلیمان رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب تحريض النبي صلى الله عليه وسلم وفد عبد القيس على أن يحفظوا الإيمان......" کے تحت گذر چکے۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۱۵۹)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الحج، باب التمتع والقران.....

(۳) كشف الباري (ج۳ص۳٦۱)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص۲٦)۔

(٥) كشف الباري (ج۳ص٥۰۸)۔

تنبیہ

یہ حدیث بمع تشریحات "کتاب الأذان" میں گذر چکی ہے۔

اس حدیث کو ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کرنے کا مقصد

ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ذکر فرما کر یہ اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان سے اور ان کے ساتھی سے مذکورہ بالا ارشاد اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب ان حضرات نے اپنی قوم کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ تو آپ کی اس جازت سے دو آدمیوں کے سفر کے جواز پر استدلال کیا جائے گا۔(۱)

امام داودی کی غلط فہمی اور اس کی وضاحت

ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام داودی نے ترجمۃ الباب کے الفاظ سے یہ سمجھا ہے کہ امام بخاری یہاں سفر یوم الإثنین (یعنی پیر کے دوسفر) کو بیان کررہے ہیں۔ پھر امام بخاری پر اعتراض کردیا کہ یہاں تو حدیث میں یوم الإثنین کے سفر کا کوئی تذکرہ ہی نہیں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهذا ليس بشيء؛ لأنه لم يرد به إلا سفر الرجلين؛ لأنه تقدم ذكر سفر الرجل وحده، ثم أتبعه ببيان سفر الرجلين، ولو نظر متن الحديث لوضح له بخلاف قوله، وسفر يوم الإثنين إنما هو مذكور في حديث الثلاثة الذين تخلفوا عن تبوك، قال كعب: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب أن يسافر يوم الإثنين ويوم الخميس"۔ (۲)

"یعنی ان کا یہ اعتراض کچھ بھی قابل توجہ نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٥٣)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٢)۔

سے صرف دو آدمیوں کے سفر کا بیان ہے، اس لئے کہ اس سے پہلے اکیلے شخص کے سفر کا بیان ہو چکا، پھر اس کے بعد دو کے سفر کو ذکر فرمایا۔ اگر داودی متن حدیث کو دیکھتے تو ان کو اپنے اعتراض کے برخلاف معلوم ہوتا۔

رہا سفر یوم الاثنین تو وہ ان تین صحابہ کی حدیث میں مذکور ہے جو غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کو سفر کرنا پسند فرماتے تھے"۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح ہے۔(۱) کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کو آپ نے سفر کی اجازت دی تھی جس سے دو آدمیوں کے سفر کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

٤٣ – باب : الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتلا رہے ہیں کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر و برکت قائم رہے گی۔ اور یہاں انہوں نے اپنی عادت کے موافق حدیث کے الفاظ کو ترجمۃ بنایا ہے۔(۲)

اور اس ترجمے کے تحت انہوں نے تین حدیثیں ذکر فرمائی جن میں پہلی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٦٩٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْن مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا[۳] قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (الْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) . [٣٤٤٤]

---

(۱) حوالہ بالا (ص۱۴۳)۔

(٢) فتح الباري (ج٦ ص ٥٤)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٤٣)، وكشف الباري (ج١ ص ١٦٨)۔

(٣) قوله: "عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضا(ج١ ص ٥١٤)، كتاب المناقب، باب بعد=

تراجم رجال

۱۔عبداللہ بن مسلمۃ

یہ عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب قعنبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔مالک

یہ امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس الاصبحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۳۔نافع

یہ ابوسہیل نافع بن مالک بن ابی عامر اصبحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے چچا ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکے۔(۲)

۴۔عبداللہ بن عمر

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۳)

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة".

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گھوڑوں کی پیشانی سے قیامت تک کے لئے خیر وابستہ ہے"۔

=باب سؤال المشركين أن يريهم ......، رقم (٣٦٤٤)، ومسلم، كتاب الإمارة، باب الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم (٤٨٤٥)، والنسائي، كتاب الخيل، باب فتل ناصية الفرس، رقم (٣٦٠٣)، وابن ماجه، أبواب الجهاد، باب ارتباط الخيل في سبيل الله، رقم (٢٧٨٧)۔

(١) كشف الباري (ج٢ ص٨٠)۔ وأيضا انظر لترجمة مالك بن أنس: كشف الباري (ج١ ص٢٩٠)۔

(٢) كشف الباري (ج٢ ص٢٧١)۔

(٣) كشف الباري (ج١ ص٦٣٧)۔

خیل سے کیا مراد ہے؟

یہاں خیل سے وہ گھوڑے مراد ہیں جو جہاد کے لئے رکھے جائیں اوران سے قتال کیا جائے۔اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو چار ابواب بعد آرہی ہے کہ "الخیل لثلاثة"۔(۱)

چنانچہ مسند احمد میں حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث ہے:

"الخيل في نواصيها الخير معقود إلى يوم القيامة، فمن ربطها عُدّة في سبيل الله، وأنفق عليه احتسابا كان شبعها وجوعها وريها وظمؤها وأرواثها وأبوالها فلاحٌ في موازينه يوم القيامة"۔(۲)

''یعنی گھوڑوں کی پیشانی کے ساتھ قیامت تک کے لئے خیر و برکت وابستہ ہے، چنانچہ جس نے ان کو اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے تیار کیا ہواور ثواب کی نیت رکھتے ہوئے ان پر خرچہ کیا ہوتو ان کا سیر ہونا، بھوکا رہنا، ان کا سیراب ہونا، پیاسا رہنا، ان کی لید اوران کا پیشاب قیامت کے دن اس کے ترازو میں کامیابی ہوگا''۔

اور خیل کو اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ آلہ جہاد ہے اور تخصیص بالذکر کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اس سے بڑا آلۂ جہاد اور کوئی نہیں تھا، ورنہ مقصود خیل کی تعیین نہیں ہے، بلکہ جہاد کی فضیلت کو بیان کرنا ہے کہ جہاد میں امت مسلمہ کے لئے خیر ہی خیر ہے۔(۳)

نواصی کا مطلب اوراس کی مراد

نواصي ناصية کی جمع ہے،اس کے معنی پیشانی کے ہیں،لیکن یہاں حدیث میں ناصية سے وہ بال مراد ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔(۴)

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ناصیہ گھوڑے کی پوری ذات سے کنایہ ہے، چنانچہ عرب کے لوگ کہتے ہیں

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص ٥٥)، وعمدة القاري (ج١٤ص ٢٧٣)۔

(۲) مسند أحمد (ج٦ص ٤٥٥)۔

(۳) فيض الباري (ج٣ص ٤٣٠)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص ٥٥)، وعمدة القاري (ج١٤ص ١٤٣)۔

"فلان مبارك الناصية" اوراس سے مراد پورا انسان یا ذات لیتے ہیں۔(۱)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بعید قرار دیا ہے کہ ناصیہ سے پوری ذات مراد لی جائے کیونکہ باب کی تیسری حدیث میں یہ معنی صحیح نہیں قرار پاتے، نیز فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے، اس میں ہے:"قال: رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یلوي ناصیة فرسه بإصبعه ویقول......"(۲) اور پوری حدیث ذکر کی اس لئے عین ناصیہ ہی مراد ہے۔

اوراس کی تخصیص بالذکر کی وجہ یہ ہے کہ ناصیۃ گھوڑے کا اگلا حصہ ہے اوراس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حدیث میں بیان کردہ فضیلت جب ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ گھوڑے کے ذریعے اقدام علی العدو کیا جائے، بخلاف پچھلے حصے کے کیونکہ اس میں ادبار کا اشارہ پایا جاتا ہے۔(۳)

الخیر سے کیا مراد ہے؟

الخیر سے مراد اجر اور غنیمت ہے، جیسا کہ اگلے باب کی حدیث میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجر اور غنیمت کو خیر قرار دیا ہے، فرماتے ہیں "الخیل معقود في نواصیها الخیر إلی یوم القیامة: الأجر والمغنم" ۔(۴) اور "الأجر والمغنم" کے الفاظ یا تو خیر سے بدل ہیں یا مبتدا محذوف کی خبر ہیں "أي هو الأجر والمغنم"۔ (۵)

اور مسلم شریف کی روایت سے بھی اس کی تایید ہوتی ہے کہ وہاں جریر عن حصین کی روایت میں ہے قالوا: بم ذاك یا رسول الله؟ قال: "الأجر والمغنم"۔ (٦)

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں "خیر" سے مراد مال ہے، چنانچہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ جو مال گھوڑوں کو تیز دوڑانے سے حاصل ہو وہ سب سے بہترین اور طیب مال ہے، کیونکہ عرب مال کو خیر کہتے ہیں، اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے ﴿کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت إن

(۱) حواله بالا۔ وشرح الکرماني (ج۱۲ص۱۳٦)، وابن بطال (ج٥ص٥٧)۔

(۲) صحیح مسلم (ج۲ص۱۳۲)، کتاب الإمارة، باب فضیلة الخیل وأن الخیر معقود بنواصیها، رقم (٤٨٤٧)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٥٥-٥٦)۔

(٤) صحیح البخاري (ج۱ص۳۹۹) کتاب الجهاد، باب الجهاد ماض مع البر والفاجر، رقم (۲۸٥۲)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٥٥)۔

(٦) صحیح مسلم (ج۲ص۱۳۲)، کتاب الإمارة، باب فضیلة الخیل وأن الخیر معقود بنواصیها، رقم (٤٨٥٠)۔

ترك خيراً﴾ (۱) أي: "مالاً" ۔ (۲)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ ''التمہید'' میں فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں گھوڑوں کے حاصل کرنے کی ترغیب ہے اور یہ کہ گھوڑے تمام جانوروں سے افضل ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا ارشاد اور کسی جانور کے لئے سوائے گھوڑے کے نقل نہیں ہوا، چنانچہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گھوڑے کی تعظیم ہے، اس کے حصول پر ترغیب ہے اور اس بات کی تحریض ہے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے ان کو تیار کر کے باندھ کر رکھا جائے، کیونکہ یہ جہاد کے قوی آلات میں سے ہے، چنانچہ یہ گھوڑا جس کو جہاد کے لئے تیار کیا جائے وہی ہے جس کی پیشانی میں خیر ہے''۔ (۳)

نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے بعد سب سے زیادہ گھوڑے پسند تھے۔ (۴)

تنبیہ

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ذکر کی ہے اس میں ''معقود'' کا لفظ نہیں ہے، موطا کی روایت میں بھی اسی طرح ہے۔ (۵) کہ اس میں "معقود" کا لفظ نہیں ہے، لیکن اسماعیلی نے یہی روایت عبداللہ بن نافع عن مالک کے طریق سے نقل کی، اس میں یہ لفظ موجود ہے، اسی طرح بخاری ہی میں علامات النبوۃ کے تحت یہ حدیث "عن عبیداللہ أخبرني نافع عن ابن عمر رضي الله عنه" (۶) کے طریق سے مروی ہے، اس میں بھی ''معقود'' کا لفظ موجود ہے لیکن یہ صرف کشمیہنی کی روایت میں ہے۔ (۷)

(۱) البقرة/ ۱۸۰۔

(۲) أعلام الحديث للخطابي (ج۲ ص۳۷٤)۔

(۳) التمهيد (ج۱٤ ص۹٦)۔

(٤) سنن النسائي (ج۲ ص۱۲۲) كتاب الخيل، باب حب الخيل، رقم (۳۵۹٤)۔

(۵) الموطا للإمام مالك بن أنس، كتاب الجهاد، باب ما جاء في الخيل ......، رقم (٤٤)۔

(٦) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب بعد باب سؤال المشركين أن يريهم ......، رقم (۳٦٤٤)۔

(۷) فتح الباري (ج٦ ص٥٤)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت بالکل واضح ہے۔(۱) اور وہ خیر کا گھوڑوں کی پیشانی سے وابستہ ہونا ہے، اسی کا ترجمہ میں ذکر ہے اور یہی حدیث کا مضمون ہے۔

باب کی دوسری حدیث حضرت عروۃ بن الجعد رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۶۹۵ : حدّثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ حُصَيْنٍ وَابْنِ أَبِي السَّفَرِ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الجَعْدِ (۲) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (الخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) .

قالَ سُلَيْمانُ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الجَعْدِ . تَابَعَهُ مُسَدَّدٌ ، عَنْ هُشَيْمٍ ، عَنْ حُصَيْنٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الجَعْدِ . [۲۶۹۷ ، ۲۹۵۱]

تراجم رجال

۱۔حفص بن عمر

یہ حفص بن عمر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۲۔شعبہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث ابو بسطام شعبہ بن الحجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "کتاب

(۱) عمدة القاري (ج ١٤ ص ١٤٣)۔

(۲) قوله: "عن عروة بن الجعد": الحديث، أخرجه البخاري أيضا(ج١ ص٣٩٩)، كتاب الجهاد، باب الجهاد ماض مع البر والفاجر، رقم (٢٨٥٢)، و(ج١ ص ٤٤٠) كتاب فرض الخمس، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: أحلت لكم الغنائم، رقم (٣١١٩)، و(ج١ ص ٥١٤) كتاب المناقب، باب بعد باب سؤال المشركين أن يريهم ......، رقم (٣٦٤٣)، ومسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الخيل ......، رقم (٤٨٤٩، ٤٨٥٠)، والترمذي، أبواب الجهاد، باب ماجاء في فضل الخيل، رقم (١٦٩٤)، والنسائي، كتاب الخيل، باب فتل ناصية الفرس، رقم (٣٦٠٤-٣٦٠٧)، وابن ماجه، أبواب التجارات، باب اتخاذ الماشية، رقم (٢٣٠٥)، و أبواب الجهاد، باب ارتباط الخيل في سبيل الله، رقم (٢٧٨٦)۔

(۳) ان کے حالات کے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل۔

الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۳۔حصین

یہ حصین بن عبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔ابن ابی السفر

یہ عبداللہ بن ابی السفر سعید ثوری کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی "کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے ذیل میں آ چکے۔(۳)

۵۔الشعبی

یہ ابوعمرو عامر بن شراحیل شعبی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ باب کے تحت آ چکے ہیں۔(۴)

۶۔عروۃ بن الجعد

یہ عروۃ بن ابی الجعد البارقی الأزدی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے، کوفہ کے رہنے والے تھے۔(۵)

جبکہ علامہ شاطبی اور علامہ ابن عبدالبر رحمہما اللہ کا خیال یہ ہے کہ یہ عروہ بن عیاض بن ابی الجعد ہیں اور اپنے دادا کی طرف ان کا نسب مشہور ہے۔(۶)

اور بارق قبیلۂ ازد کی ایک شاخ ہے اور بارق حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ کے جد اعلی کا لقب ہے اور ان کا نام سعد بن عدی بن حارثہ ہے اور بارق ایک پہاڑ کا نام ہے، اس کے قریب حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے جد اعلی نے اقامت اختیار کی تھی، چنانچہ اس کی طرف نسبت کی بناء پر وہ بارق کہلانے لگے۔(۷)

---

(۱) کشف الباري (ج۱ص۶۷۸)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الأذان بعد ذهاب الوقت۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۶۷۸)۔

(٤) کشف الباري (ج۱ص۶۷۹)۔

(٥) تهذیب الکمال (ج۲۰ص٥)، تهذیب الأسماء واللغات للنووي (ج۱ص۳۳۱)۔

(٦) الإصابة (ج۲ص٤٧٦)، والإستیعاب (ج۲ص۲۸)۔

(٧) طبقات ابن سعد (ج٦ص٣٤)، وتهذیب الکمال (ج۲۰ص٥)، وتهذیب الأسماء (ج۱ص۳۳۱)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے شبیب بن غرقدہ، امام شعبی، عیزار بن حریث، ابولبید لُمازہ بن زبار جہضمی، قیس بن ابی حازم، ابواسحاق سبیعی، سماک بن حرب، نعیم بن ابی ہند اور دیگر بہت سے محدثین روایت حدیث کرتے ہیں۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور ان کے ساتھ سلیمان بن ربیعہ کو بھی کر دیا تھا، یہ واقعہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی مقرر کیے جانے سے پہلے کا ہے۔(۲)

شام وغیرہ کی فتوحات میں یہ بھی شامل تھے، پھر وہیں رہنے لگے، بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ روانہ ہونے کی ہدایت فرمائی۔(۳) چنانچہ ان کا شمار محدثین کے ہاں اہل کوفہ میں ہوتا ہے۔(۴)

گھوڑوں سے ان کو بڑی محبت تھی، شبیب بن غرقدہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس میں نے ستر گھوڑے دیکھے، جو سب کے سب جہاد کے لئے تیار رکھے گئے تھے۔(۵)

ایک مرتبہ انہوں نے ایک گھوڑا خریدا، جس کی قیمت دس ہزار درہم تھی۔(۶)

ان سے کل تیرہ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے ایک متفق علیہ ہے۔(۷)

تنبیہ

حدیث عروہ بن الجعد رضی اللہ عنہ کی تشریح گذشتہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے تحت گذر چکی ہے۔

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۰ ص۵و۶)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲۰ ص۶)، وتهذيب التهذيب (ج۷ ص۱۷۸)۔

(۳) الإصابة (ج۲ ص۴۷۶)۔

(۴) الإستيعاب (ج۲ ص۲۸)۔

(۵) طبقات ابن سعد (ج۶ ص۳۴)، وتهذيب الأسماء للنووي (ج۱ ص۳۳۱)، وصحيح البخاري (ج۱ ص۵۱۴) كتاب المناقب، باب بعد باب سؤال المشركين أن يريهم......، رقم (۳۶۴۳)۔

(۶) أسد الغابة (ج۴ ص۲۶)۔

(۷) تهذيب الأسماء للنووي (ج۱ ص۳۳۱)۔

قال سليمان: عن شعبة عن عروة بن أبي الجعد۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستخرج" میں، امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "المعجم الکبیر" (۱) میں اور امام نسائی نے اپنی "سنن" میں (۲) موصولاً نقل کیا ہے۔(۳)

مذکورہ تعلیق کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ سلیمان بن حرب نے اس سند میں عروہ کے والد کے نام میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ حفص بن عمر تو عروہ کے والد کا نام جعد قرار دیتے ہیں، جبکہ سلیمان بن حرب ان کے والد کا نام ابی الجعد کہتے ہیں۔(۴)

اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبہ سے روایت کرنے والے اکثر حضرات نے ان کے والد کا نام "الجعد" بتلایا ہے، سوائے سلیمان بن حرب اور ابن عدی کے۔(۵)

صحیح کیا ہے؟

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال علي بن المديني: من قال فيه: عروة بن الجعد فقد أخطأ، وإنما هو عروة بن أبي الجعد قال: وكان غندر يهم فيه، فيقول: عروة بن الجعد"۔(٦)

"علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے ان کو عروہ بن الجعد کہا اس نے غلطی کی،

---

(١) المجعم الكبير (ج١٧ ص١٥٥)، رقم (٣٩٧)۔

(٢) سنن النسائي، كتاب الخيل، باب فتل ناصية الفرس، رقم (٣٦٠٥ و ٣٦٠٧)۔

(٣) فتح الباري (ج٦ ص٥٤)۔

(۴) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٤٤)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ ص٥٤)۔

(٦) الإستيعاب (ج٢ ص٢٨)، وتعليقات تهذيب الكمال (ج٢٠ ص٦)۔

وہ تو عروہ بن ابی الجعد ہیں۔فرماتے ہیں: اور غندر کوان کے بارے میں وہم ہوا کرتا تھا، چنانچہ وہ ان کو عروہ بن الجعد کہتے تھے"۔

اور علامہ ابن عبدالبر (۱)، حافظ ابن حجر (۲)، حافظ جمال الدین المزی (۳)، امام طبرانی (۴) اور خود امام بخاری (۵) رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے صنیع سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ درست اور صحیح "عروة بن أبي الجعد" ہے، نہ کہ "عروة بن الجعد"۔

ایک تنبیہ

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت "قال سليمان: عن شعبة عن عروة بن أبي الجعد" سے یہ مغالطہ اور شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ امام شعبہ حضرت عروہ سے روایت کررہے ہیں، حالانکہ شعبہ نے حضرت عروہ کا زمانہ نہیں پایا، لہذا اس عبارت کے معنی یہ ہوں گے کہ شعبہ نے اپنی روایت میں عروۃ بن ابی الجعد لفظ "اب" کے اضافے کے ساتھ (۶) ذکر کیا ہے، عروۃ بن الجعد نہیں کہا۔

تابعه مسدد عن هشيم عن حصين عن عروة بن أبي الجعد۔

مسدد نے "هشيم عن حصين عن عروة بن أبي الجعد" کے طریق سے سلیمان کی متابعت کی ہے۔

مذکورہ عبارت کا مقصد

اس عبارت کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ امام بخاری کے شیخ مسدد بن مسرہد نے بھی لفظ "أب" کی زیادتی میں سلیمان کی متابعت وہمنوائی کی ہے۔(۷)

---

(۱) الإستيعاب (ج۲ص۲۸)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٥٥)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۰ص٥)۔

(٤) المعجم الكبير (ج۱۷ص١٥٤)۔

(٥) التاريخ الكبير (ج۷ص۳۱)، رقم (۱۳۷)، وانظر أيضا للمزيد فتح الباري (ج٦ص٥٥)۔

(٦) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٤)۔

(۷) حوالہ بالا۔

باب کی تیسری حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٦٩٦ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ(١) رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (الْبَرَكَةُ في نَوَاصِي الخَيْلِ) . [٣٤٤٥]

تراجم رجال

ا۔مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔یحیی

یہ یحیی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه" کے تحت آ چکے۔(۲)

۳۔شعبہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

۴۔ابوالتیاح

یہ ابوالتیاح یزید بن حمید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب العلم، باب ما کان النبي صلی اللہ علیه وسلم یتخولهم بالموعظة والعلم کي لاینفروا" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

---

(١) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً (ج١ص٥١٤) كتاب المناقب، باب بعد باب سؤال المشركين أن يريهم النبي صلى الله عليه وسلم آية ......، رقم (٣٦٤٥)، ومسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الخيل، وأن الخير معقود بنواصيها، رقم (٤٨٥٤)، والنسائي، كتاب الخيل، باب بركة الخيل، رقم (٣٦٠١)۔

(٢) كشف الباري (ج٢ص٢)۔

(٣) كشف الباري (ج١ص٦٧٨)۔

(٤) كشف الباري (ج٣ص٢٦١)۔

۵۔انس بن مالک

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" کے تحت آچکے۔(۱)

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "البركة في نواصي الخيل"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت رکھی ہوئی ہے"۔

"في نواصي الخيل" کس سے متعلق ہے؟

یہاں جو "في نواصي الخيل" جار ومجرور ہے اس کا متعلق حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالیٰ نے نازلة یا تنزیل کو قرار دیا ہے، چنانچہ اسماعیلی نے "عاصم بن علي عن شعبة" کے طریق سے یہ روایت نقل کی اور اس کے الفاظ یہ ہیں "البركة تنزل في نواصي الخيل"۔(۲)

ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت "البركة" میں ہے کیونکہ برکت عین خیر ہی ہے۔(۳)

فائدہ

باب کے تحت ذکر کردہ حدیث مبارک تقریباً بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔(۴)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص٤)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٥٥) وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٩)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٤)۔

(٤) لامع الدراري (ج٧ص٢٢٩)، وهم: "ابن عمر، وعروة، وأنس، وجرير، وسلمة بن نفيل، وأبو هريرة، وعتبة بن عبد، وجابر، وأسماء بنت يزيد، وأبو ذر، والمغيرة، وابن مسعود، وأبو كبشة، وحذيفة، وسوادة بن الربيع، وأبو أمامة، وغريب المليكي، والنعمان بن بشير، وسهل بن الحنظلية، وعلي رضي الله عنهم"۔ ذكرهم الحافظ مع تخريج رواياتهم (ج٦ص٥٦)۔

٤٤ - باب : الْجِهَادُ ماضٍ مَعَ الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ.

مقصد ترجمۃ الباب

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بات بتلانا چاہ رہے ہیں کہ جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔(۱)

اور علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصد ترجمہ یہ ہے کہ جہاد ہر شخص پر قیامت تک کے لئے واجب اور ضروری ہے، خواہ نیک ہو یا فاجر۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالحسن قابسی کی روایت میں ترجمۃ الباب کے الفاظ یوں ہیں: "الجهاد ماض على البر والفاجر"۔(۲)

مگر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إلا أنه لم يقع في شيء من النسخ التي وقفنا عليها، وقد وجدته في نسخة قديمة من رواية القابسي كالجماعة، والذي يليق بلفظ الحديث ما وقع في سائر الأصول بلفظ "مع" بدل "على"۔(۳)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہماری جن نسخوں تک رسائی ہوسکی ہے ان میں سے کسی بھی نسخے میں یہ بات نہیں ہے، قابسی کا روایت کردہ ایک قدیم نسخہ مجھے ملا تھا تو اس میں اکثر ہی کی طرح "مع" ہے نہ کہ "علی" اور حدیث کے الفاظ کے مناسب بھی وہی ہے جو تمام اصول (نسخوں) میں ہے کہ "مع" کے ساتھ ہو، نہ کہ "علی" کے ساتھ۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اخذ کردہ ہے، جس کو امام ابوداود اور ابویعلی رحمہما اللہ تعالی نے مرفوعا وموقوفا نقل کیا ہے اور اس کے رواۃ بھی مناسب ہیں، مگر یہ کہ سند حدیث میں مکحول بھی ہیں، جن کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٥)۔

(۲) حوالہ بالا و فتح الباري (ج٦ص٥٦)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٥٦)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٥٦)۔

چنانچہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ یہ ہے: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير؛ برا كان أو فاجراً......،......،وإن عمل الكبائر"۔(۱)

لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (الخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)(۲).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں سے قیامت کے لئے خیر وابستہ ہے۔

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ماقبل میں ذکر کردہ دعوی کی دلیل ہے کہ انہوں نے ترجمۃ الباب میں یہ کہا تھا کہ جہاد قیامت تک باقی رہے گا، پھر اس دعوی کو ثابت کرنے کے لئے مذکورہ بالا حدیث بطور دلیل ذکر فرمائی۔

وجہ استدلال

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ قیامت تک کے لئے گھوڑوں کی پیشانیوں سے خیر وابستہ ہے، آپ علیہ السلام کو یہ بات معلوم تھی کہ ان کی امت میں عادل وظالم دونوں قسم کے حکمران ہوں گے، چنانچہ اس حدیث کی رو سے ان کے ساتھ جہاد واجب ہوا اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تفریق نہیں کی کہ جہاد اگر امام عادل کے ساتھ ہو تب وہ خیر ہے، ورنہ نہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ فضل ومرتبہ ہر صورت میں حاصل ہوسکتا ہے، خواہ امام عادل ہو یا جائر۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ استدلال سب سے پہلے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا۔(۴) چنانچہ ترمذی کی روایت میں ہے:

قال أحمد بن حنبل: "وفقه هذا الحديث أن الجهاد مع كل إمام إلى يوم القيامة"۔(۵)

---

(۱) الحديث، أخرجه الإمام أبوداود في سننه، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، رقم (۲۵۳۳)۔

(۲) الحديث، مر تخريجه في الباب السابق۔

(۳) شرح ابن بطال (ج۵ص۵۷)، وفتح الباري (ج٦ص٥٦)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٥٦)۔

(٥) الجامع للترمذي، أبواب الجهاد، بابـما جاء في فضل الخيل، رقم (١٦٩٤)۔

اس لئے جہاد چونکہ قیامت تک کے لئے مشروع ہے، لہذا اگر امام عادل و نیک ہو تو بھی اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا ہے اور اگر فاجر و فاسق ہے تو بھی اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا ہے، کیونکہ امام عادل ہو یا فاجر، بہر حال وہ جہاد کے لئے ہی نکلا ہے، چنانچہ ان کے بر اور فاجر ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کفار کے مقابلے میں جو جہاد مطلوب ہے وہ بہر حال ہر صورت میں ہونا چاہئے۔

٢٦٩٧ : حدّثنا أبو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ ، عَنْ عامِرٍ : حَدَّثَنَا عُرْوَةُ الْبَارِقِيُّ[1] : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ : (الخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ : الْأَجْرُ وَالمَغْنَمُ) . [ر : ٢٦٩٥]

تراجم رجال

۱۔ابونعیم

یہ مشہور محدث ابونعیم فضل بن دکین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔زکریا

یہ زکریا بن زائدہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں کے حالات "کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۳۔عامر

یہ مشہور تابعی محدث ابوعمرو عامر بن شراحیل شعبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۴۔عروۃ البارقی

یہ حضرت عروۃ بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات گذشتہ باب کے تحت آ چکے ہیں۔

---

(۱) قوله: "عروة البارقي": الحديث، مر تخريجه في الباب السابق۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص ۶۶۹ و ۶۷۳)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص)۔

اور "البارقي" بارق کی طرف نسبت ہے جو یمن کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔(۱)

تنبیہ

حدیث باب کی تشریح گذشتہ باب کے تحت گذر چکی ہے۔

فائدہ

حدیثِ باب میں اس بات کی بشارت اور خوشخبری ہے کہ اسلام اور مسلمان قیامت تک باقی رہیں گے، کیونکہ جہاد کی بقاء مجاہدین کی بقاء کو مستلزم ہے اور مجاہدین ظاہر ہے کہ مسلمان ہی ہیں۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت "في نواصيها الخير إلى ......" میں ہے۔(۳)

کسی بھی جماعت کے تمام افراد کا صالح اور نیک ہونا ضروری نہیں

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باب کی حدیث میں ایک اصل عظیم کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ جن امور کا مدار جماعت پر ہوتا ہے، ان میں افراد کو نہیں دیکھا جاتا، کیونکہ ہر جماعت میں نیک و بد ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور ایسی جماعت کا ہونا بھی متعذر ہے جس کے تمام افراد نیک ہوں، چنانچہ اگر یہ شرط لگادی گئی کہ جماعت کے سارے لوگ نیک ہوں تو بہت سے اعمال خیر معطل ہو جائیں گے، یہ مثال تو مشہور ہی ہے "مالا يدرك كله، لا يترك كله"۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ جب جہاد قیامت تک باقی رہے گا اور وہ جماعت کا کام ہے (کسی تنہا آدمی کے بس کی بات نہیں) اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہمیشہ ائمہ خیر میسر نہیں ہوں گے۔ تو اب یا تو جہاد معطل ہو جائے کہ نیک امیر میسر نہیں، یا ہر نیک یا فاجر کے ساتھ باقی رہے۔

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٥)، وفتح الباري (ج٦ ص٥٥)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٥٦)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٥)۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث باب میں اس بات کی طرف تنبیہ فرمائی کہ امراء کے فسق و فجور کو دیکھ کر جہاد سے رک نہ جانا، کیونکہ کبھی کبھار اللہ عز وجل فاجر کے ذریعے بھی دین کا کام لے لیتا ہے، اس لئے کہ لوگوں کے حالات کے درپے ہونا اور فاجر کے فجور کی وجہ سے پیچھے رہ جانے میں تأخر عن الخیر المحض ہے اور خیر محض جہاد ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہاد سے امیر کے فسق و فجور کی بناء پر پیچھے رہ جانے سے جہاد ہی ختم ہوجائے، اس لئے فاجر کی اطاعت خیر کے ختم کرنے اور ہمیشہ کے لئے طوق ذلالت کو گلے لگانے سے اولی ہے"۔(۱)

٤٥ – باب : مَنِ اَحْتَبَسَ فَرَسًا .

مقصدِ ترجمۃ الباب

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گھوڑا باندھنے اور تیار رکھنے کی فضیلت بیان کررہے ہیں۔(۲)

لِقَوْلِهِ تَعَالَى : «وَمِنْ رِبَاطِ الخَيْلِ» /الأنفال : ٦٠/ .

اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے "اور بندھے ہوئے گھوڑے"۔

یہ سورۃ الانفال کی ایک آیت کا حصہ ہے، جس کے ابتدائی کلمات یہ ہیں ﴿وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل﴾۔(۳)

رباط مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے، یعنی وہ گھوڑے جو جہاد کی نیت سے بندھے ہوئے ہوں۔(۴)

اور "خیل" کا لفظ جمہور کے نزدیک مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے، جب کہ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اس جانب ہے کہ یہاں "إناث الخیل" ہی مراد ہیں۔(۵)

---

(۱) فيض الباري (ج۳ ص ٤٣٠)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص ٤٥)، وفتح الباري (ج٦ ص٥٧)۔

(۳) الأنفال/٦٠۔

(٤) روح المعاني (ج٦ ص ٢٥)، تفسير قوله تعالى: ﴿ومن رباط الخيل﴾۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٦)۔

اورآیت مذکورہ بالا میں اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے کے لئے مناسب سامان حرب کی تیاری کا حکم دیا ہے اور گھوڑوں کے باندھنے کا بھی، کیونکہ گھوڑے بھی آلات حرب میں سے ہیں۔ اس سے بھی گھوڑوں کے باندھنے کی فضیلت واہمیت ثابت ہوتی ہے۔(۱)

٢٦٩٨ : حدثنا عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ : أَخْبَرَنَا طَلْحَةُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ قالَ : سَمِعْتُ سَعِيدًا الْمَقْبُرِيَّ يُحَدِّثُ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ(۲) يَقُولُ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا في سَبِيلِ اللّٰهِ ، إِيمَانًا بِاللّٰهِ ، وَتَصْدِيقًا بِوَعْدِهِ ، فَإِنَّ شِبَعَهُ وَرِيَّهُ وَرَوْثَهُ وَبَوْلَهُ في مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) .

تراجم رجال

ا۔علی بن حفص

یہ ابوالحسن علی بن حفص المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

یہ عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت حدیث کرتے ہیں اوران سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے اور فرمایا: "لقيته بعسقلان سنة سبع عشرة ومئتين"۔(۴)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس بشيء"۔(۵)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مقبول"۔ (۶)

اور ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے اوران سے روایات لی ہیں۔(۷)

---

(۱) حوالہ بالا (ص۱۴۵)۔

(۲) قوله: "أبا هريرة رضي اللّٰه عنه": الحديث، أخرجه النسائي، كتاب الخيل ......، علف الخيل، رقم(٣٦١٢)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۰ص٤١١)

(۴) حوالہ بالا، وتاريخ البخاري الكبير (ج٦ص٢٧٠)۔

(۵) تعليقات تهذيب الكمال (ج٢٠ص٤١١)۔

(٦) التقريب (ص٤٠٠)، رقم (٤٧٢٠)۔

(۷) تعليقات تهذيب الكمال (ج٢٠ص٤١٢)۔

اور علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۱)

اصحاب ستہ میں صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایات لی ہیں اور انہوں نے بھی ان سے صرف تین احادیث نقل کی ہیں۔(۲)

۲۔ابن المبارک

یہ عبداللہ بن المبارک بن واضح حنظلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی پانچویں حدیث کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

۳۔طلحہ بن ابی سعید

یہ طلحہ بن ابی سعید مدنی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوعبدالملک ان کی کنیت ہے، قریش کے مولی ہیں۔(۴)

یہ سعید مقبری، بکیر بن اشج، صخر بن عیلہ، خالد بن ابی عمران رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے حیوۃ بن شریح، لیث، ابن المبارک اور ابن وہب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت حدیث کرتے ہیں۔(۵)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ما أرى به بأسا"۔(۶)

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "معروف"۔(۷)

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۸)

اور ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صالح"۔(۹)

---

(۱) کتاب الثقات (ج۸ص۴۶۹)۔

(۲) حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج۲ص۳۸)، وفتح الباري (ج۶ص۵۷)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۴۶۲)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۱۳ص۳۹۸)، خلاصة الخزرجي (ص۱۷۹)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۳ص۳۹۸)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا، وخلاصة الخزرجي (ص۱۷۹)۔

(۹) تهذيب الكمال (ج۱۳ص۳۹۹)۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "روى عنه الليث بن سعد، وقال فيه خيرا"۔(۱)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر "کتاب الثقات" میں کیا ہے اور فرمایا: "من أهل المدينة، جاء إلى مصر مراراً"۔(۲)

سبط ابن العجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۳)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وُثّق"۔(۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے صرف ایک ہی روایت لی ہے جو باب میں مذکور ہے، بلکہ ابوسعید بن یونس کا کہنا تو یہ ہے کہ ان سے صرف ایک ہی مسند حدیث مروی ہے، "قال أبوسعيد بن يونس: "......لم يُسنِد غير هذا الحديث"۔(۵)

۱۵۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۶) رحمه الله رحمة واسعة

۴۔ سعید المقبری

یہ ابوسعد سعید بن ابوسعید کیسان مقبری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب الدين يسر" کے تحت آچکے ہیں۔(۷)

۵۔ ابوہریرہ

صحابی رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حالات "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۸)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) الثقات لابن حبان (ج٦ ص٤٨٩)۔

(۳) حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج١ ص٥١٤)۔

(٤) الكاشف (ج١ ص٥١٤)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج١٣ ص٣٩٩)۔

(٦) خلاصة الخزرجي (ص١٧٩) وحوالہ بالا۔

(٧) كشف الباري (ج٢ ص٣٣٦)۔

(٨) كشف الباري (ج١ ص٦٥٩)۔

يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من احتبس فرساً في سبيل الله......۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں گھوڑا باندھ کر رکھا تو اس گھوڑے کا کھانا، پینا، اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن اس کے میزان عمل میں ہوگا۔

مطلب حدیث پاک کا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جہاد کے لئے گھوڑا باندھتا ہے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور اس کے کھانے، پینے، ارواث وابوال کے عوض بھی اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے، غرض یہ کہ اس کی ہر چیز ثواب بن جائے گی اور قیامت کے دن اس جہاد کرنے والے اور گھوڑا باندھنے والے کے اعمال میں اس کو وزن کیا جائے گا اور یہ وزن بڑا بھاری ہوگا۔

احتبس کی صرفی ولغوی تحقیق

احتبس باب افتعال سے فعل ماضی مذکر غائب کا صیغہ ہے، جس کے معنی باندھنے اور روکنے کے ہیں اور اس کے مجرد کے بھی یہی معنی ہیں، کبھی یہ خود متعدی ہوتا ہے اور کبھی لازم۔

اب معنی یہ ہوئے کہ وہ آدمی اس گھوڑے کو اپنے لیے روک کر اور باندھ کر رکھتا ہے کہ کل کلاں اگر سرحدوں میں کوئی شورش برپا ہو تو اس کے کام آئے۔ (۱)

إيماناً بالله

"إيماناً" ترکیب میں مفعول لہ واقع ہو رہا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ گھوڑا باندھنے کا جو عمل اختیار کیا ہے وہ خالص اللہ کے لئے اور اس کے حکم کے امتثال اور بجا آوری کے لئے ہو۔ (۲)

تصديقاً بوعده۔

یہ احتباس پر جو ثواب مرتب ہوگا اس سے عبارت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس شخص کا عمل احتباس اللہ کے حکم کی بجا آوری اور ثواب کی نیت کے ساتھ ہوا ہے، وہ اس طرح کہ اللہ عز وجل نے عمل احتباس پر ثواب اور جزاء کا وعدہ فرمایا

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱٤٥)، وشرح الطيبي (ج۷ ص۳۱۷)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱٤٦)، وشرح الطيبي (ج۷ ص۳۱۷)۔

ہے تو جو شخص گھوڑے کو روک کر رکھ رہا ہے، گویا کہ یہ کہہ رہا ہے "صدقت فيما وعدتني" یعنی (اے رب!) آپ نے جو وعدہ ثواب کا کیا ہے اس میں آپ سچے ہیں۔(۱)

پھر ان کلمات میں اشارہ معاد کی طرف ہے، جیسا کہ ایمان میں مبدأ کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مختصر کلمات "إيمانا بالله وتصديقا بوعده" میں انسان کے مبدأ اور معاد دونوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔(۲)

"شبعه" شین کے کسرہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی ہیں جس سے پیٹ بھرا جاتا ہو، خواہ گھانس پھونس ہو یا اور کوئی چیز۔(۳)

"ريه" راء کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ، یعنی وہ پانی جس سے گھوڑے کو سیراب کیا جائے۔(۴)

"روثة" گھوڑے کی لید کو روث کہا جاتا ہے، اس کی جمع أرواث ہے۔(۵)

اور مقصد یہاں ثواب ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ گھوڑے کی لید اور پیشاب کو ترازو اعمال میں رکھ کر تولا جائے گا۔(۶)

گھوڑے کو کھلانے پلانے کے فضائل

حدیث باب کی طرح دیگر اور بھی بہت سی احادیث میں گھوڑوں کو کھلانے پلانے اور ان پر خرچ کرنے کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

چنانچہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبقات'' میں حضرت عریب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل فرمائی کہ گھوڑوں پر خرچ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنے ہاتھ کو صدقات کے لئے کھول دیا ہو کہ اسے بند نہیں کرتا

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) شرح الكرماني (ج١٢ (١٣٨)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٦)، وشرح القسطلاني (ج٥ ص٧٠)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) مختار الصحاح مادة "روث"۔

(۶) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٦)، وفتح الباري (ج٦ ص٥٧)۔

ہے۔اوراس گھوڑے کا پیشاب پاخانہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں مشک کی خوشبو کے مثل ہوگا۔(۱)

ابن ماجہ میں حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے اللہ کے راستے میں ایک گھوڑا باندھ کر رکھا پھراس کے گھانس کو خود اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تو اس کو ہر دانے کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔(۲)

فوائد حدیث

حدیث باب سے چند فوائد مستنبط ہوئے ہیں:

۱۔ضرورت اور حاجت کے وقت کسی مستقذر اور گندی چیز کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بول اور روث کا ذکر فرمایا ہے۔(۳)

۲۔صرف نیت اور قصد پر بھی اجر مرتبہ ہوتا ہے۔(۴)

۳۔ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس میں ذکر کیے گئے حسنات بہر حال مقبول ہوں گے، کیونکہ اس میں نص شارع موجود ہے، بخلاف دیگر حسنات کے کہ وہ کبھی قبول بھی نہیں ہوتے تو میزان میں بھی بطور ثواب نہیں آئیں گے۔(۵)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ومناسبت ظاہر ہے۔(۶) گھوڑے کو باندھ کر رکھنے کی فضیلت کا باب میں ذکر ہے اور حدیث میں اس کو کھلانے، پلانے اور اس کے فضلات پر ثواب بیان کیا گیا ہے۔

---

(۱) عزاه القسطلاني إلى ابن سعد (ج٥ص٧٠)، وأخرجه المنذري في الترغيب(ج٢ص٢٦٧)۔

(۲) سنن ابن ماجه، أبواب الجهاد، باب ارتباط الخيل في سبيل الله، رقم (٢٧٩١)، وانظر أيضًا إرشاد الساري للقسطلاني (ج٥ص٧٠و٧١)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ص٥٩)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٦)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) فتح الباري (ج٦ص٥٧)۔

(٦) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٦)

٤٦ – باب : اَسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ .

مقصدِ ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں یہ بتلا رہے ہیں گھوڑے اور گدھے کا نام رکھنا جائز ہے اور مشروع ہے، اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔(۱)

نام رکھنے کی حکمت

گھوڑے اور گدھے کا نام رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ فرس اور حمار اسم جنس ہے، اس لئے ان کا نام رکھنا چاہئے، تاکہ یہ اپنے دوسرے ہم جنسوں سے ممتاز اور الگ ہوں، پہچاننے میں دشواری نہ ہو، جس طرح انسانوں میں افراد جنس سے ممتاز کرنے کے لئے نام رکھا جاتا ہے۔(۲)

پھر یہ جواز اور مشروعیت صرف فرس اور حمار کے لئے نہیں، بلکہ دوسرے جانوروں کو بھی شامل ہے۔(۳)

٢٦٩٩ : حدّثنا محمدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ : حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمانَ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِيهِ[٤] : أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَتَخَلَّفَ أَبو قَتَادَةَ مَعَ بَعْضِ أَصْحَابِهِ ، وَهُمْ مُحْرِمُونَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ ، فَرَأَوْا حِمَارًا وَحْشِيًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ ، فَلَمَّا رَأَوْهُ تَرَكُوهُ حَتَّى رَآهُ أَبو قَتَادَةَ ، فَرَكِبَ فَرَسًا لَهُ يُقَالُ لَهُ الجَرَادَةُ ، فَسَأَلَهُمْ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا ، فَتَنَاوَلَهُ فَحَمَلَ فَعَقَرَهُ ، ثُمَّ أَكَلَ فَأَكَلُوا ، فَقَدِمُوا ، فَلَمَّا أَدْرَكُوهُ قَالَ : (هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ) . قَالَ : مَعَنَا رِجْلُهُ ، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَأَكَلَهَا . [ر : ١٧٢٥]

---

(١) فتح الباري (ج٦ ص٥٨)۔

(٢) حوالہ بالا، و عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٦)۔

(٣) حوالہ بالا۔

(٤) قوله: "عن أبيه": الحديث مر تخريجه في كتاب جزاء الصيد، باب إذا صاد الحلال فأهدى للمحرم الصيد أكله۔

تراجم رجال

۱۔محمد بن ابی بکر

یہ محمد بن ابوبکر بن علی بن عطاء المقدمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱) اور یہی صحیح ہے، ابوعلی جیانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ابوزید کے نسخے میں محمد بن بکر ہے اور غلط ہے، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں محمد بن بکر نام کا کوئی شیخ نہیں ہے۔(۲)

۲۔فضیل بن سلیمان

یہ ابوسلیمان فضیل بن سلیمان نمیری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۳۔ابوحازم

یہ مشہور زاہد ابوحازم سلمۃ بن دینار مولی الاسود المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۴۔عبداللہ

یہ عبداللہ بن ابی قتادہ السلمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔ابوقتادہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول، حضرت ابوقتادہ حارث بن ربعی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۵)

تنبیہ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اپنی مکمل تشریحات کے ساتھ "کتاب جزاء الصید" کے اوائل میں گذر چکی ہے۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الصلاة، باب المساجد التي علی طرق المدينة......

(۲) فتح الباري (ج٦ص٥٩)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٧)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الصلاة، باب المساجد التي علی طرق المدينة......

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه۔

(۵) حضرت ابوقتادہ اوران کے صاحبزادے کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب النهي عن الاستنجاء باليمين۔

اور باب ہذا میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث صرف اس لئے ذکر فرمائی ہے کہ اس میں حضرت ابو قتادہ کے گھوڑے کا نام مذکور ہے۔(۱)

فركبَ فرساً يقال لها: الجرادة۔

تو وہ ایک گھوڑے پر سوار ہوئے، اس گھوڑے کو "جرادہ" کہا جاتا ہے۔

اس گھوڑے کا نام کیا تھا؟

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا گھوڑے کا نام کیا تھا اس میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ یہاں تو اس کا نام "الجرادة" مذکور ہے، جبکہ سیرت ابن ہشام (۲) میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابوقتادہ کے گھوڑے کا نام "الحزوة" تھا۔

اب یا تو یہ کہا جائے کہ اس گھوڑے کے دو نام تھے، جرادہ اور حزوہ۔ یا یہ کہا جائے کہ ان میں سے کوئی ایک غلط اور تصحیف ہے، چنانچہ بخاری کی روایت میں جو نام مذکور ہے وہی معتمد اور صحیح ہے۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت و مطابقت حدیث کے اس جملے میں ہے: "فركب فرسا له، يقال لها الجرادة"۔(۴)

٢٧٠٠ : حَدَّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ جَعْفَرٍ : حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى : حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ عَبَّاسِ ٱبْنِ سَهْلٍ . عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ (٥) قَالَ : كانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فِي حائِطِنَا فَرَسٌ يُقَالُ لَهُ ٱللُّحَيْفُ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : وَقَالَ بَعْضُهُمْ : ٱللُّخَيْفُ.

(١) فتح الباري (ج٦ص٥٨)۔

(٢) سيرة ابن هشام (ج٣ص٢٩٦)، غزوة ذي قرد۔

(٣) فتح الباري (ج٦ص٥٩)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٧)۔

(٥) قوله: "أبي بن عباس بن سهل عن أبيه عن جده": الحديث، وهذا من إفراده، عمدة القاري (ج١٤ص١٤٧)۔

تراجم رجال

۱۔علی بن عبداللہ بن جعفر

یہ مشہور امام حدیث، امام جرح وتعدیل حضرت علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب العلم، باب الفهم في العلم" کے تحت آچکے۔(۱)

۲۔معن بن عیسی

یہ ابویحیی معن بن عیسی بن یحیی القزاز المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔اُبی بن عباس

یہ أُبي –بضم الهمزة وفتح الباء– ابن عباس بن سہل بن سعد الانصاری الساعدی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، عبدالمہیمن بن عباس کے بھائی ہیں۔(۳)

یہ اپنے والد عباس اور ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہما اللہ تعالی سے روایت کرتے ہیں۔

اوران سے زید بن حُباب، عتیق بن یعقوب الزبیری اور معن بن عیسی قزاز رحمہم اللہ وغیرہ روایت حدیث کرتے ہیں۔(۴)

امام بخاری اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: "ليس بالقوي"۔(۵)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "منكر الحديث"۔ (۶)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ضعيف"۔ (۷)

امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "له أحاديث لايتابع على شيء منها"۔(۸)

---

(۱) كشف الباري (ج۳ص۲۹۷)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب ما يقع من النجاسات في السمن والماء۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲ ص۲۵۹)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۲ ص۲۵۹)۔

(۶) حوالہ بالا (ص۲۶۰)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) كتاب الضعفاء الكبير (ج۱ ص۱۶)۔

اور حافظ ساجی اور ابوالعرب قیروانی نے بھی "أبي" کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱)

البتہ بعض حضراتِ ائمہ مثلاً امام دارقطنی، ابن حبان اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہم نے ان کو ثقہ اور قوی کہا ہے۔(۲)

بہر حال ابی بن عباس مضبوط درجے کے راوی نہیں ہے، جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے ان پر جرح کی ہے۔

لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے باب کی صرف ایک ہی حدیث لی ہے اور وہ بھی احکام سے متعلق نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان سے امام بخاری کے علاوہ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ بھی روایت نقل کرتے ہیں اور یہ بھی ایک قسم کی توثیق وتعدیل ہے۔(۳)

اس لئے یہ اگر ثقہ یا ثبت نہ بھی ہوں، لیکن حسن الحدیث ضرور ہیں اور قابل احتجاج ہیں، چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أبَي، وإن لم یکن بالثبت، فهو حسن الحدیث"۔(۴)

اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وهو یکتب حدیثه، وهو فرد المتون والأسانید"۔(۵)

۴۔عباس بن سہل

یہ عباس بن سہل بن سعد الساعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۶)

۵۔سہل بن سعد

یہ مشہور صحابی حضرت سہل بن سعد مالک الساعدی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔(۷)

---

(۱) تعلیقات تهذیب الکمال (ج۲ص ۲٦٠)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) هدي الساري (ص۳۸۹)۔

(٤) میزان الاعتدال (ج۱ص۷۸)۔

(٥) الکامل لابن عدي (ج۱ص٤۲۱)۔

(٦) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الزکوة، باب خرص التمر۔

(۷) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه۔

قال: كان للنبي صلى الله عليه وسلم في حائطنا فرس يقال له: اللحيف۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے باغ میں ایک گھوڑا تھا، جسے "اللحیف" کہا جاتا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گھوڑے کی تربیت و پرورش اور باندھنے کی جگہ ہمارا باغ تھا۔(۱)

"حائط" کھجور کے باغ کو کہتے ہیں، جب کہ اس کی دیواریں بھی ہوں، اس کی جمع حوائط ہے۔ پھر مطلق دیوار اور جدار کو بھی حائط کہا جاتا ہے۔(۲)

لحیف کا ضبط اور معنی

یہاں باب کی روایت میں لحیف حاء مہملہ اور تصغیر کے ساتھ ہے۔

ابن قرقول رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن سراج رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کلمہ رَغیف کے وزن پر نقل کیا گیا ہے یعنی "لَحِیف"، حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے اور علامہ ھروی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس گھوڑے کی دم طویل تھی تو "كأنه يلحف الأرض بذنبه" گویا کہ وہ اپنی دم کو زمین پر گھسیٹ کر چلتا تھا اور اپنی دم کے ذریعے زمین کو ڈھانپ دیتا تھا۔(۳) اسی لئے اس کو "لحیف" کہا گیا ہے۔(۴)

قال أبو عبدالله: وقال بعضهم: اللخيف۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ بعض نے "لخیف" کہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات نے اس لفظ کو خاء معجمہ کے ساتھ لخیف نقل کیا ہے، اس میں بھی وہی دو صورتیں بیان کی گئیں ہیں جو لحیف میں گذریں کہ یا تو مصغر ہے یا بروزن رغیف ہو کر مکبر۔(۵)

---

(۱) فيض الباري (ج۳ص۴۳۱)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٤۷)۔

(۳) النهاية لابن الأثير الجزري (ج٤ص۲۳۸)، ولسان العرب (ج۹ص۳۱۵)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٥۹)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱٤۷)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٥۹)۔

اور یہ عبدالمہیمن بن عباس بن سہل کی روایت ہے جو ابی بن عباس کے بھائی ہیں، ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم عند سعد بن سعد والد سهل ثلاثة أفراس، فسمعت النبي صلى الله عليه وسلم يسمّيهن لِزاز، وظَرِب، واللخيف"۔(۱)

اور سبط ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تصغیر اور خاء معجمہ کے ساتھ مقید کیا ہے اور اسی طرح ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی واقدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔(۲)

لیکن جیسا کہ اوپر گذرا کہ اکثر حضرات نے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ رغیف کے وزن پر مکبر اور حاء مہملہ کے ساتھ ہے اور یہی معروف ہے، چنانچہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "والمعروف بالحاء المهملة"۔(۳) اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وبالأول ضبطنا عن عامة شيوخنا"۔(۴)

اس لفظ کے ضبط کی تیسری صورت ابن الاثیر (۵) اور صاحب "المغیث" نے یہ بیان کی ہے کہ یہ جیم کے ساتھ لجیف ہے، صاحب "المغیث" نے پھر فرمایا ہے کہ اگر جیم کے ساتھ یہ لفظ درست ہو تو اس کے معنی اس تیر کے ہیں جس کی دھار پھیلی ہوئی ہو، گویا اس گھوڑے کو لجیف کے ساتھ اس کی سرعت سیر کی وجہ سے موسوم کیا گیا۔(۶)

اور یہ گھوڑا امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیعہ بن ابی البراء مالک بن عامر العامری نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔(۷)

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے، کیونکہ راوی کا یہ قول: "فرس يقال له: اللحيف" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول "اسم الفرس" کے مطابق ہے۔(۸)

---

(۱) حوالہ بالا۔ واللخف: الضرب الشديد، لسان العرب (ج۹ ص ۳۱۵)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) النهاية (ج٤ ص٢٣٨)۔

(٤) شرح القسطلاني (ج٥ ص٧٧)۔

(٥) النهاية (ج٤ ص٢٤٤)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ ص٥٩)۔

(٧) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج١ ص٤٩٠)۔

(٨) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٧)۔

٢٧٠١ : حدّثني إسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : سَمِعَ يَحْيَى بْنَ آدَمَ : حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ ، عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (١) قَالَ : كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ عُفَيْرٌ . فَقَالَ : (يَا مُعَاذُ ، هَلْ تَدْرِي حَقَّ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ ، وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ) . قُلْتُ : اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ، قَالَ : (فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ ، وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ، وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا) . فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ ؟ قَالَ : (لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا) . [٥٦٢٢ ، ٥٩١٢ ، ٦١٣٥ ، ٦٩٣٨]

تراجم رجال

ا۔اسحاق بن ابراہیم

یہ مشہور امام فقہ وحدیث اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب فضل من علم وعلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۲۔یحیی بن آدم

یہ مشہور امام حدیث یحیی بن آدم بن سلیمان مخزومی قریشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۳۔ابوالأحوص

یہاں سند میں یحیی بن آدم کے شیخ کی کنیت ذکر کی گئی ہے، نام ذکر نہیں کیا گیا، اب شراح میں اس بابت اختلاف ہوا کہ ابوالاحوص سے کون مراد ہے؟

---

(١) قوله: "عن معاذ رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً كتاب اللباس، باب إرداف الرجل خلف الرجل، رقم (٥٩٦٧)، و كتاب الاستئذان، باب من أجاب بلبيك وسعديك، رقم (٦٢٦٧)، وكتاب الرقاق، باب من جاهد نفسه في طاعة الله، رقم (٦٥٠٠)، وكتاب التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي صلى الله عليه وسلم أمته إلى توحيد الله تبارك وتعالى، رقم (٧٣٧٣)، ومسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً، رقم (١٤٤)، والترمذي، أبواب الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة، رقم (٢٦٤٣)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب في الرّجل يسمّي دابته، رقم (٢٥٥٩)۔

(٢) كشف الباري (ج٣ص٤٢٨)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه۔

چنانچہ علامہ کرمانی (۱)، علامہ عینی (۲)، حافظ قسطلانی (۳) اور حافظ جمال الدین مزی (۴) رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ ابوالاحوص سے مراد سلام بن سلیم کوفی ضبعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور یہی جمہور کی رائے ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوالاحوص عمار بن رزیق کی کنیت ہے، مزید فرماتے ہیں کہ میں یحیی بن آدم کے شیخ ابوالاحوص کو سلام بن سلیم سمجھتا تھا اور اسی پر مزی (۵) کا کلام بھی دال ہے، لیکن یہی حدیث امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (۶) نے "عن محمد بن عبداللہ بن المبارك المخزومي عن يحيى بن آدم" کے طریق سے نقل فرمائی ہے، اس میں یحیی بن آدم کے شیخ عمار بن رزیق ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت "يحيى بن آدم عن أبي الأحوص عن أبي إسحاق" کے طریق سے نقل فرمائی اور عمار بن رزیق کی کنیت ابوالاً حوص ہی ہے۔

"ولم أر من نبه على ذلك"۔(۷)

یہ تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہوئی، مگر یہی روایت امام مسلم (۸) اور امام ابوداود (۹) رحمہما اللہ نے بھی نقل فرمائی ہے، امام مسلم کے شیخ ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام ابوداود کے ہناد بن السری ہیں اور یہ دونوں "عن أبي الأحوص عن أبي إسحاق" کے طریق سے روایت کرتے ہیں، لیکن یہاں مسلم اور ابوداود کی روایت میں عمار بن رزیق کی بجائے سلام بن سلیم متعین ہیں۔

کیونکہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور ہناد بن السّری کی ملاقات سلام بن سلیم سے تو ثابت ہے، البتہ عمار بن رزیق سے نہیں۔(۱۰)

مگر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ صاحب کی تردید کی ہے، آپ فرماتے ہیں:

"أبوالأحوص: اسمه سلام بن سُليم الحنفي الكوفي، قيل: أبو الأحوص هذا عمار

(۱) شرح الكرماني (ج۲ص۳۹)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٨)۔

(۳) شرح القسطلاني (ج۵ص۷۲)۔

(٤) تحفة الأشراف (ج۸ص٤١١)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) سنن النسائي الكبرى (ج۳ص٤٤٣)، كتاب العلم، باب الاختصاص بالعلم قوما......، رقم (۵۸۷۷)۔

(۷) فتح الباري (ج٦ص٥٩)۔

(۸) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد، رقم(١٤٤)۔

(۹) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الرجل يسمى دابته، رقم (۲۵۵۹)۔

(۱۰) فتح الباري (ج٦ص٥٩)۔

بن رزيق الضبي الكوفي، قلت: لايصح هذا؛ لأن عمارا هذا مما انفرد به مسلم، ولم يخرج له البخاري"۔ (۱)

علمائے رجال رحمۃ اللہ علیہم کے صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سلام بن سلیم مراد ہیں نہ کہ عمار بن رزیق، کیونکہ ان میں سے اکثر نے عمار بن رزیق کو افراد بخاری میں شمار نہیں کیا۔ (۲) اس لئے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ بخاری کے افراد میں سے نہیں ہیں۔

بہرحال مراد اگر ابوالاحوص سے سلام بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو ان کے حالات تو گذر چکے (۳) اور اگر مراد عمار بن رزیق ہیں جیسا کہ حافظ صاحب کا خیال ہے تو ہم ان کا یہاں مختصر تذکرہ نقل کرتے ہیں۔

عمار بن رزیق

یہ عمار بن رزیق — بضم الراء وفتح الزاي مصغرا—الضبي الكوفي التميمي رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابوالأحوص ہے۔ (۴)

یہ ابواسحاق السبیعی، اعمش، منصور، عبداللہ بن عیسی بن عبدالرحمن بن ابی لیلی، محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی، عطاء بن السائب، مغیرہ بن مقسم، فطر بن خلیفہ اور دیگر محدثین رحمہم اللہ تعالی سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں ابوالجواب احوص بن جواب، ابوالاحوص سلام بن سلیم الکوفی، ابواحمد الزبیری، زید بن الحباب، عبثر بن قاسم، یحیی بن آدم، معاویہ بن ہشام اور دیگر حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالی شامل ہیں۔ (۵)

امام یحیی بن معین اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۶)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٨)۔

(۲) انظر تهذيب الكمال (ج٢١ ص١٨٩)، وميزان الاعتدال (ج٣ص١٦٤)، والكاشف (ج٢ص٥٠)، وتهذيب التهذيب (ج٧ص٤٠٠)، والتقريب (ج١ص)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الأذان، باب الالتفات في الصلاة۔

(٤) تهذيب الكمال (ج١ص١٨٩)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج٢١ص١٨٩، ١٩٠)۔

(٦) تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي (ص١٥٩)۔

لوین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابواحمد الزبیری نے کہا: "لواختلفتَ إليه لكفاك أهل الدنيا"۔ (۱) کہ" اگر تم ان کے پاس آتے جاتے رہے تو وہ (عمار بن رزیق) تمہارے لئے اہل دنیا کی طرف سے کافی ہو جائیں"، یعنی اور کسی کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان من الأثبات"۔ (۲)

امام ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۳)

ابوبکر البزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس"۔ (۴)

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا بأس به"۔ (۵)

اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس"۔ (۶)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔ (۷)

سبط ابن العجمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (۸)

نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔ (۹)

۱۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۱۰) رحمه الله رحمة واسعة

۴۔ ابی اسحٰق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب الصلاة

(۱) الكاشف (ج۲ص۵۰)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۷ص۴۰۱)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۲۱ص۱۹۰)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) الثقات لابن حبان (ج۷ص۲۸۶)۔

(۸) حاشية الكاشف لابن العجمي (ج۲ص۵۰)۔

(۹) ميزان الاعتدال (ج۳ص۱۶۴)۔

(۱۰) الكاشف (ج۲ص۵۰)۔

من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۵۔عمرو بن میمون

یہ مشہور تابعی عمرو بن میمون الاودی ابو یحیی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۶۔معاذ

یہ ممتاز انصاری صحابی حضرت معاذ بن جبل بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے مختصر حالات "کتاب الإیمان، باب الإیمان، وقول النبي صلی اللہ علیه وسلم: بنی الإسلام علی خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

قال: کنت ردف النبي صلی اللہ علیه وسلم علی حمار یقال له: عفیر۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک گدھے پر جسے "عفیر" کہا جاتا تھا سوار تھا۔

"ردف" راء کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے، جوہری فرماتے ہیں کہ "ردف" مرتدف کے معنی میں ہے یعنی وہ شخص جو سوار کے پیچھے سوار ہو اور اس کی جمع "أرداف" ہے۔(۴)

"عفیر" عین کے ضمہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ "أعفر" کی تصغیر ہے، جیسا کہ اسود کی تصغیر سوید ہے۔(۵)

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو عین کی بجائے غین کے ساتھ ضبط کیا ہے جو کہ وہم ہے، کیونکہ اکثر حضرات نے اسے عین کے ساتھ ہی نقل کیا ہے۔(۶)

اور "عفیر" عفرۃ سے مشتق اور ماخوذ ہے، جس کے معنی سرخی مائل بہ سفیدی کے ہیں، یعنی مٹی کے رنگ کے مشابہ، چنانچہ اس گدھے کا نام عفیر اس لئے رکھا گیا تھا کہ اس کا رنگ سرخ مائل بہ سفیدی تھا۔(۷)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۳۷۰)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب إذا ألقي علی ظهر المصلي قذر أو جیفة....

(۳) کشف الباري (ج۱ص۶۲۸)۔

(۴) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۴۸)، ولسان العرب (ج۹ص۱۱۶)۔

(۵) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۴۸)۔

(۶) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۴۸)، وشرح النووي علی مسلم (ج۱ص۴۴)۔

(۷) فتح الباري (ج۶ص۵۹)، وشرح ابن بطال (ج۵ص۶۰)۔

پھر یہ بات سمجھئے کہ یہاں باب کی روایت میں اس گدھے کا نام ''عفیر'' آیا ہے، اسی طرح مسلم شریف کتاب الإیمان (۱) اور ابوداود، کتاب الجہاد (۲) کی روایت میں بھی اس کا نام ''عفیر'' ہی مذکور ہے، لیکن علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ (۳) سے، علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ (۴) اور شیخ ابومحمد لونی رحمۃ اللہ علیہ (۵) نے اس گدھے کا نام ''یعفور'' نقل کیا ہے۔

اب اختلاف یہ ہوا کہ آیا یہ ایک ہی حمار ہے یا دو الگ الگ حمار ہیں، چنانچہ ابن عبدوس رحمۃ اللہ علیہ اور ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ یہ ایک ہی حمار کے دو نام ہیں، جب کہ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ الگ الگ دو حمار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''عفیر'' شاہ مقوقس نے ہدیتاً دیا تھا، دوسرا یعنی ''یعفور'' فروہ بن عمرو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا أو بالعکس۔ (۶)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ دو حمار تھے، چنانچہ فرماتے ہیں: "وهو غير الحمار الذي يقال له: يعفور"۔ (۷)

اور ''یعفور'' دراصل ھرن کے بچے کا نام ہے اور اس دوسرے گدھے کو ''یعفور'' اس کے سرعت سیر کی وجہ سے کہا گیا ہے، جیسا کہ ہرن کا بچہ دوڑنے میں تیز ہوتا ہے۔ (۸)

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ ''یعفور'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ہلاک ہوگیا تھا اور اسی کو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن الصلاح کے حوالے سے راجح قرار دیا ہے۔ (۹)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا، رقم (١٤٤)۔

(٢) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الرجل يسمي دابته، رقم (٢٥٥٩)۔

(٣) قاله ابن بطال (ج٥ص٦٠)، وهو في معالم السنن للخطابي (ج٣ص٣٩٠)، وليس فيه ذكر الواقدي۔ وصنيع الخطابي دال على أنه قائل بكونهما واحداً۔

(٤) شرح ابن بطال (ج٥ص٦٠)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٨)۔

(٦) حواله بالا، وفتح الباري (ج٦ص٥٩)۔

(٧) فتح الباري (ج٦ص٥٩)۔

(٨) حواله بالا۔ وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٨)۔

(٩) حواله بالا، وشرح النووي على مسلم (ج١ص٤٤)۔

البتہ سہیلی کا کہنا یہ ہے کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اسی دن "یعفور" نے اپنے کو ایک کنویں میں گرا کر ہلاک کر ڈالا تھا۔(۱)

اور حدیث باب کی دیگر جملہ تشریحات "كتاب العلم، باب من خصّ بالعلم قوما دون قوم" کے تحت گذر چکی ہیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے، جو حدیث کے اس جملے میں ہے: "يقال له: عفير"۔(۲)

۲۷۰۲ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : سَمِعْتُ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (۳) قالَ : كانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ ، فَاسْتَعارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لَنَا يُقَالُ لَهُ مَنْدُوبٌ ، فَقَالَ : (ما رَأَيْنا مِنْ فَزَعٍ ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا) . [ر : ۲٤٨٤]

تراجم رجال

۱۔ محمد بن بشار

یہ مشہور امام حدیث محمد بن بشار عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بندار کے لقب سے معروف ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب ماكان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

۲۔ غندر

یہ ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، غندر کے لقب سے مشہور ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ظلم دون ظلم" کے تحت آ چکے۔(۵)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٤٨)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس۔

(٤) كشف الباري (ج۳ص۲٥٨)۔

(٥) كشف الباري (ج۲ص۲٥٠)۔

۳۔شعبہ

یہ امام شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مختصراً "كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۱)

۴۔قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ بن قتادہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مختصراً "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت آچکے۔(۲)

۵۔انس بن مالک

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات بھی "كتاب الإيمان" کے مذکورہ باب کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

قال: كان فزع بالمدينة، فاستعار النبي صلى الله عليه وسلم فرسا لنا يقال له: المندوب۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کے اندر ایک مرتبہ خوف کے حالات پیدا ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا گھوڑا لیا، جس کا نام "مندوب" تھا۔

یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی نسبت اپنے طرف کی کہ "فرسا لنا"، جب کہ یہی روایت ماقبل میں بھی آئی ہے، اس میں "فرسا من أبي طلحة" (۴) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یعنی وہ گھوڑا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا، لیکن ان دونوں روایات میں کوئی تعارض ومنافاۃ نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد اور ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے دوسرے شوہر تھے، تو گھوڑا تو در اصل حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا مگر اس حیثیت سے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے زیر تربیت تھے اپنی طرف گھوڑے کی نسبت کر دی۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۱ ص۶۷۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص۳)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(٤) صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس، رقم(٢٦٢٧)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص١٤٨)، وشرح القسطلاني (ج٥ ص٧٢)۔

فقال: "ما رأينا من فزع، وإن وجدناه لبحرا"۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (واپس آکر) فرمایا ہم نے کوئی خوف کی بات نہیں دیکھی اور ہم نے اس کو سمندر (کی طرح) پایا۔

"مندوب" نامی یہ گھوڑا پہلے بطیء السیر تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہونے کی برکت سے اس کی رفتار تیز ہوگئی اور سریع السیر ہوگیا۔(۱)

اور علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات پہلے آچکی ہے کہ سب سے پہلے تیز گھوڑے کو سمندر سے تشبیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس جملے میں ہے: "فرسا لنا يقال له: مندوب"۔(۳)

٤٧ – باب: ما يُذْكَرُ مِنْ شُؤْمِ الفَرَسِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں جو گھوڑے کے بارے میں یہ آیا ہے کہ اس میں شوم اور نحوست ہے، آیا وہ اپنے عموم پر ہے یا بعض گھوڑوں کے ساتھ مخصوص ہے، نیز وہ اپنے ظاہر پر ہے یا مؤول ہے؟(۴)

---

(۱) شرح القسطلاني (ج۵ص۷۲)، ويدل عليه قوله: "فرسا لأبي طلحة بطيئا" في باب السرعة والركض في الفزع، رقم (۲۹۶۹)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ص۳٤۵)۔

(۳) عمدةالقاري (ج١٤ص١٤٨)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٦٠) وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٩)۔

پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حدیث سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ۔

چنانچہ حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کو حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بعد ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں جو حصر وارد ہوا ہے وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے، نیز اس باب کے بعد والے باب کے ترجمے "الخيل لثلاثة ......" میں بھی اس بات کا اشارہ فرمایا ہے کہ شوم بعض گھوڑوں کے ساتھ خاص ہے، ہر گھوڑے کا حکم یہ نہیں اور یہ سب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی لطافت نظر اور دقت فکر کا نتیجہ ہے۔(۱)

۲۷۰۳ : حدّثنا أبو اليمانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ(۲) : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ : فِي الْفَرَسِ ، وَالْمَرْأَةِ ، وَٱلدَّارِ) . [ر : ۱۹۹۳]

تراجم رجال

۱۔ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔شعیب

یہ ابو بشر شعیب بن ابی حمزۃ قرشی اموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی چھٹی حدیث کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

۳۔الزہری

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی "بدء الوحي" کی تیسری حدیث

---

(۱) فتح الباري (ج۶ ص ۶۰)۔

(۲) قوله: "أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما": الحديث، مر تخريجه في كتاب البيوع، باب شراء الإبل الهيم أو الأجرب۔

(۳) كشف الباري (ج۱ ص ۴۷۹ و ۴۸۰)۔

کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۱)

۴۔سالم بن عبداللہ

یہ ابوعمر سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے بھی مختصر حالات "كتاب الإيمان، باب الحياء من الإيمان" کے تحت آچکے۔(۲)

۵۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس" میں گذر چکے۔(۳)

أخبرني سالم۔

اسی طرح شعیب نے امام زھری سے نقل کیا ہے کہ سالم نے زھری سے یہ حدیث بیان کی اور ابن ابی ذئب نے شاذ امر کا ارتکاب کیا کہ امام زہری اور سالم کے درمیان سند میں محمد بن زبید بن قنفذ کو داخل کر دیا ہے۔ یعنی درست اور صحیح یہی ہے کہ اس سند میں امام زھری اور سالم کے درمیان دوسرے کوئی راوی نہیں ہیں۔(۴)

قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إنما الشؤم في ثلاثة: في الفرس، والمرأة، والدار"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ نحوست گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں ہوتی ہے۔

"شؤم" کا لفظ شین معجمہ اور ہمزہ کے ساتھ ہے اور کبھی اس میں تسہیل کی جاتی ہے تو بجائے ہمزہ کے واو ہو جاتا ہے۔(۵) اور اس کے معنی نحوست اور بدفالی کے ہیں۔(۶)

---

(۱) كشف الباري (ج۱ص۳۲٦)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۱۲۸)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص٦۳۷)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٦٠)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٤٩)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٦٠)۔

(٦) التمهيد (ج٩ص٢٧٨)۔

٢٧٠٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ أَبِي حازِمِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(١) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (إِنْ كانَ في شَيْءٍ : فَفِي المَرْأَةِ ، وَالْفَرَسِ ، وَالمَسْكَنِ) . [٤٨٠٧]

تراجم رجال

۱۔عبداللہ بن مسلمة

یہ عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب قعنبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔مالک

یہ امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس اصبحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۲)

۳۔ابوحازم

یہ مشہور زاہد، ابوحازم بن دینار مولی الاسود مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔سہل بن سعد الساعدی

صحابیٔ رسول حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کے حالات بھی گذر چکے ہیں۔(۴)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن كان في شيء ففي المرأة

---

(١) قوله: "عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضا (ج٢ص٧٦٣) كتاب النكاح، باب مايتقى من شؤم المرأة ......، رقم (٥٠٩٥)، ومسلم، كتاب السلام، باب الطيرة والفأل ومايكون فيه الشؤم، رقم (٥٨١٠)، والترمذي، أبواب الأدب، باب ما جاء في الشؤم، رقم (٢٨٢٤)، وابن ماجه، أبواب النكاح، باب مايكون فيه اليمن والشؤم، رقم (١٦٦٤)۔

(٢) كشف الباري (ج٢ص٨٠) وأيضا انظر لترجمة الإمام مالك بن أنس كشف الباري (ج١ص٢٩٠)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه۔

(۴) حوالہ بالا۔

والفرس والمسکن"۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نحوست) اگر کسی چیز میں ہوتی تو عورت میں، گھوڑے میں اور رہنے کی جگہ (مسکن) میں ہوتی۔

ایک سوال اور اس کے جوابات

باب کے تحت یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، ان احادیث پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے: "لاعدوی، ولاطیرۃ" ۔(۱) اور اس حدیث میں بدشگونی سے منع کیا گیا ہے، عورت، گھر اور گھوڑے کے اندر شوم کا یہ تصور بدفالی اور بدشگونی نہیں تو اور کیا ہے؟ بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے۔

اس تعارض کے دفعیہ کے لئے مختلف حضرات محدثین نے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں:

۱۔امام مالک اور ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہما نے احادیث باب کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیثیں اس دوسری حدیث میں بیان کردہ عام قانون سے مستثنیٰ ہیں۔(۲)

۲۔علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیثیں قرآن کریم کی آیت: ﴿ما أصاب من مصيبة في الأرض ولا في أنفسكم إلا في كتاب﴾ (۳) سے منسوخ ہیں (۴) لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب پر رد کیا ہے اور فرمایا: "والنسخ لایثبت بالاحتمال"۔(۵)

۳۔ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ یہ کلام حرف شرط کے ساتھ ہے، جیسا کہ یہاں باب کی دوسری

---

(۱) الحديث، أخرجه البخاري كتاب الطب، باب الفأل، رقم (٥٧٥٦)، وباب لاعدوى، رقم (٥٧٧٦)، ومسلم، كتاب السلام، باب الطيرة والفأل، رقم (٥٨٠٠ و٥٨٠١)، وأبوداود، أبواب الطب، باب في الطيرة، رقم (٣٩١٦) والترمذي، أبواب السير، باب ماجاء في الطيرة، رقم (١٦١٥)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٦١)۔

(۳) الحديد /٢٢۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٠)، التمهيد (ج٩ص٢٨٥)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٦٢)۔

روایت سہل بن سعد میں "إن کان الشؤم ......" حرف شرط کے ساتھ ہے اور معنی یہ ہیں کہ شؤم ونحوست اگر کسی چیز میں ہوسکتی ہے تو وہ عورت، گھر اور گھوڑے میں ہوسکتی ہے۔(۱) (لیکن شوم کسی چیز میں نہیں ہوتی، اس لئے ان تین چیزوں میں بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا)۔

۴۔بعض علماء نے فرمایا کہ درحقیقت شؤم کی دوقسمیں ہیں، ایک شؤم بمعنی عدم موافقت، دوم شوم بمعنی نحوست۔

چنانچہ شوم حدیث باب میں بمعنی عدم موافقت ہے اور "لا عدوی ولا طیرة" میں بمعنی نحوست ہے۔اس صورت میں شوم دار کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تنگ ہو، یا وہاں پڑوسی اچھے نہ ہوں یا وہاں کی آب وہوا خراب ہو، اسی طرح شؤم مرأة کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو، زبان دراز ہو، عفت اور پاک دامنی کا خیال نہ رکھتی ہو اور شؤم فرس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہاد میں کام نہ آئے یا سرکش ہو یا اس کی قیمت زیادہ ہو۔(۲)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد فسر معمر في روايته لهذا الحديث الشؤم تفسيرا حسنا:

قال معمر: سمعت من يفسر هذا الحديث يقول: شؤم المرأة إذا كانت غير ولود، و شؤم الفرس إذا لم يغز عليه في سبيل الله، وشؤم الدار جار السوء"۔ (۳)

"اور معمر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی روایت میں شوم کی اچھی تفسیر بیان کی ہے...... چنانچہ معمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے سنا ہے جو اس حدیث کی تفسیر وتوضیح بیان کررہے تھے کہ فرمارہے تھے کہ عورت کا شوم تو یہ ہے کہ وہ بچے جننے والی نہ ہو، گھوڑے کا شوم یہ ہے کہ اس پر اللہ کے لئے لڑا نہ جائے اور گھر کا شؤم یہ ہے کہ اس کا پڑوسی برا ہو"۔

چنانچہ اس آخری جواب کی تائید حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، اس میں ہے: "من سعادة المرء: المرأة الصالحة، والمسكن

---

(۱) حوالہ بالا، وتكملة فتح الملهم (ج٤ ص٣٨١)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٥١) قال العيني: "وهنا اسم كان مقدر، إن كان الشؤم في شيء حاصلا، فيكون في المرأة، والفرس، والمسكن، فقوله: "إن كان في شيء إلى آخره" إخبار أنه ليس فيهن، فإذا لم يكن في هذه الثلاثة، فلا يكون في شيء۔"

(۲) لامع الدراري (ج٩ ص٢٦٧)، ورجح هذا الجواب الشيخ الكاندهلوي، انظر تعليقات لامع الدراري ۔

(۳) التمهيد لابن عبد البر (ج٩ ص٢٧٨ و٢٧٩)، والمصنف لعبدالرزاق (ج١ ص٤١١)، رقم (١٩٥٢٧)۔

الصالح، والمركب الهنيء، ومن شقاوة المرء: المرأة السوء، والمسكن السوء، والمركب السوء"۔(۱)

''یعنی آدمی کی خوش بختی میں سے یہ ہے کہ اس کی بیوی صالحہ ہو، اس کے رہنے کی جگہ اچھی ہو اور اس کی سواری اچھی ہو اور آدمی کی بدبختی میں سے ہے کہ اس کی بیوی بدخلق ہو، اس کے رہنے کی جگہ بری ہو اور اس کی سواری بری ہو''۔

اور یہ چیز ہر جنس کی بعض انواع کے ساتھ مختص ہے۔(۲) واللہ أعلم بالصواب

ان اشیائے ثلاثہ کو مخصوص بالذکر کرنے کی وجہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب اداۃ حصر کے ساتھ وارد ہوئی ہے کہ شوم تین چیزوں میں ہی ہوتی ہے، عورت، فرس اور دار۔(۳)

بعض حضرات مثلاً ابوالعباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ان اشیائے ثلاثہ کو مخصوص بالذکر کرنے کی وجہ طول ملازمت ہے، یعنی انسان کو اکثر ان ہی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے، کیونکہ انسان غالب احوال میں گھر سے جس میں وہ رہتا ہو، بیوی سے جس سے اس کی معاشرتی زندگی کا تعلق ہو اور بندھے ہوئے گھوڑے سے جس کو اس نے جہاد کے لئے تیار کر رکھا ہو مستغنی نہیں رہ سکتا۔(۴)

کیا شؤم مذکوران تین اشیاء میں محصور ہے؟

پھر یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ حدیث باب کے تمام طرق ان تین چیزوں پر متفق ہیں یعنی تمام طرق میں فرس، مرأۃ اور دار ہی کا ذکر ہے، البتہ مصنف عبدالرزاق (۵) میں "معمر عن أم سلمة" کے طریق میں "السیف" کا اضافہ بھی موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلوار میں بھی شؤم اور نحوست ہوتی ہے اور علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رواه جويرية عن مالك عن الزهري أن بعض أهل أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أخبره أن أم سلمة كانت تزيد السيف"۔(۶)

(۱) المسند للإمام أحمد بن حنبل (ج۱ص۱٦۸)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٦۲)، وانظر أيضا كشف الباري، كتاب النكاح (ص۱۸۱)۔

(۳) حوالہ بالا وعمدة القاري (ج۱٤ص۱٤۹)، وطرح التثريب في شرح التقريب (ج۷ص۲۱٥۳)۔

(٤) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٤۹)، وطرح التثريب في شرح التقريب (ج۷ص۲۱٥۳)۔

(٥) المصنف لعبد الرزاق (ج۱۰ص٤۱۱)، رقم (۱۹٥۲۷)۔

(٦) التمهيد لابن عبد البر (ج۹ص۲۷۹)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس زیادت کے متعلق جو کلام ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں ہم ذکر کرتے ہیں:

''اس حدیث کو مع زیادت کے امام دارقطنی نے ''غرائب مالک'' میں نقل کیا ہے اور اس کی سند زهری تک صحیح ہے، پھر جویریہ اس حدیث میں منفرد بھی نہیں، بلکہ سعید بن داود نے ان کی متابعت کی ہے، اس متابعت کو بھی امام دارقطنی نے نقل کیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ روایت جویریہ میں جو مبہم راوی ہیں وہ ابوعبیدہ عبداللہ بن زمعہ ہیں۔ چنانچہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت ''سیف'' کی زیادتی کے ساتھ اپنی سنن میں موصولا ذکر کی ہے، اس کی سند میں ابوعبیدہ عبداللہ بن زمعہ کی صراحت ہے اور اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن زينب بنت أم سلمة عن أم سلمة أنها حدثت بهذه الثلاثة، وزادت فيهن: والسيف"۔ (۱)

زینب بنت ام سلمہ یہ ابوعبیدہ عبداللہ بن زمعہ کی والدہ ہیں، نیز حدیث باب کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (۲) نے بھی سند کے کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اس میں بھی ''سیف'' کی زیادتی موجود ہے۔ (۳)

چنانچہ علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ حصر بنسبت عادت کے ہے یعنی لوگ عادۃً ان چیزوں میں نحوست سمجھتے ہیں یہ کوئی خِلقی یا فطری معاملہ نہیں ہے کہ ان چیزوں میں ضرور نحوست ہو، یہ مطلب حصر کا نہیں کہ یہ اشیاء ثلاثہ خلقۃً مشئوم اور منحوس ہوتی ہیں، چنانچہ کبھی نحوست دو لوگوں کے ساتھ رہنے سے ہوتی ہے، کبھی سفر میں ہوتی ہے اور کبھی اس کپڑے میں ہوتی ہے، جس کو بندہ نیا نیا لیتا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "إذا لبس أحدكم ثوبا جديدا فليقل: اللهم إني أسألك من خيره وخير ما صنع له، وأعوذبك من شره وشر ما صنع له"۔ (۴)

---

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب ما يكون فيه اليمن والشؤم، رقم (۱۹۹۵)۔

(۲) سنن النسائي الكبرى (ج۵ص۴۰۳)، كتاب عشرة النساء، أبواب حقوق الزوج، شؤم المرأة، رقم (ج۵ص۹۲۸۰)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٦٣)۔

(٤) الحديث رواه أبوداود في كتاب اللباس، باب ما يقول إذا لبس ثوبا جديا، رقم (۴۰۲۰)، والترمذي في كتاب اللباس، باب ما يقول إذا لبس ثوبا جديدا، رقم (۱۷٦۷)، وطرح التثريب في شرح التقريب (ج۷ص۲۱۵۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت احادیث

باب کی پہلی حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کے جملے: "فی الفرس" کے جملے میں ہےاور دوسری حدیث کی مناسبت بھی ترجمہ کے ساتھ بالکل واضح اور ظاہر ہے۔(۱)

تنبیہ

یہ شؤم کا مسئلہ "کتاب النکاح" (۲) میں بھی گذر چکا ہےاور یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایات نقل کی ہیں، ترجمہ بھی قائم کیا ہے اور جہاد کی مناسبت سے شؤم فرس کو بیان کیا ہے، جس کی تفصیل ماقبل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

٤٨ – باب : الخَيْلُ لِثَلاثَةٍ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ فرمایا کہ گھوڑے تین ہوتے ہیں، یعنی گھوڑوں کی پالنے والے افراد کی نوعیت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔(۳)

چنانچہ ایک خیل تو وہ ہے جو اجر وثواب کا سبب بنتا ہے اور یہ وہی خیل ہے جو جہاد کے لئے پالا جائے۔ دوسرے وہ ہے جو ستر، پردہ پوشی اور جہنم کی آگ سے حجاب کا سبب بنتا ہےاور وہ یہ ہے کہ آدمی گھوڑے کو پالے اور اس کے جو حقوق اللہ تعالی کی طرف سے مقرر ہیں ان کو اداء کرے، اس کی خوب نگہداشت کرے اور تیسرا گھوڑا وہ ہے جو اسلام سے عداوت کی بنیاد پر پالا جائے۔

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٤٩و ١٥١)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۲ص٧٦٣)، كتاب النكاح، باب مايتقى من شؤم المرأة، وكشف الباري، كتاب النكاح، (ص١٨٠-١٨٢)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٥١)۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حدیث باب کے ابتدائی حصہ کو ترجمۃ الباب کا جزء بنایا ہے۔(۱) جیسا کہ ان کی معروف عادت ہے۔(۲)

اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ کی غرض یہ بتائی ہے:

"ویحتمل عندي في وجه الغرض من الترجمة: أنه الإشارة إلى ما سبق من شؤم الفرس من حيث الحصر الوارد في الحديث، فإنه لم يتعرض فيه إلى الشؤم"۔ (۳)

"یعنی میرے نزدیک ترجمۃ الباب کی غرض میں یہ احتمال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمے سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ماسبق میں جو اشیائے ثلاثہ میں حصر وارد ہوا تھا کہ ان ہی میں نحوست ہوتی ہے۔ان میں گھوڑا بھی شامل تھا تو آپ نے سابق میں بیان کردہ شؤم سے یہاں تعرض نہیں کیا"۔

جس سے معلوم یہ ہوا کہ ہر گھوڑے میں نحوست نہیں ہوتی۔ کما سبق منا ذکرہ في الباب السابق۔

کیا گھوڑے ان تین اقسام ہی میں منحصر ہیں؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث باب میں خیل کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں تو کیا خیل کی یہی صرف تین اقسام ہیں یا اور بھی ہیں؟

اس کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے بعض شراح نے حصر مراد لیا ہے کہ گھوڑوں کی تین ہی قسمیں ہیں۔وہ اس طرح کہ گھوڑے کو پالنا اور اُسے رکھنا یا تو مطلوب ہوگا۔ یا مباح ہوگا یا ممنوع، چنانچہ مطلوب میں واجب اور مندوب دونوں داخل ہیں اور ممنوع کے تحت حرام اور مکروہ دونوں داخل ہیں۔(۴)

---

(۱) حوالہ بالا۔ وفتح الباري (ج٦ص٦٤)۔

(۲) كشف الباري (ج١ص)۔

(۳) الأبواب والتراجم للشيخ الكاندهلوي (ج١ص١٩٦)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٦٤)۔

پھر بعض حضرات نے اس پر اعتراض کیا کہ حدیث میں تو مباح کا ذکر ہی نہیں، کیونکہ قسم ثانی جو گھوڑوں کی ہے وہ اس قید کے ساتھ مقید ہے: "ولم ینس حق اللّٰہ فیہ" چنانچہ یہ تو مندوب سے ملحق ہوا تو یہاں مباح والی قسم کہاں سے آ گئی؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غالب عادت یہ تھی کہ آپ انہی اشیاء کے ذکر کا اہتمام فرماتے ہیں جن میں کسی چیز کی ترغیب ہو یا کسی امر سے منع کیا گیا ہو۔ جہاں تک تعلق ہے خالص مباحات کا تو ان کے بیان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکوت فرماتے ہیں، کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ ان مباحات سے سکوت عفو و معافی کی دلیل ہے۔(۱)

اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ قسم ثانی خالص مباح کی ہو، مگر یہ کہ نیت کے خلوص کی وجہ سے وہ کبھی کبھی ندب کے درجے تک جا پہنچے برخلاف قسم اول کے، کیونکہ وہ ابتداء ہی سے مطلوب ہے۔(۲) یعنی قسم اول میں تو گھوڑا باندھنے کی نیت ہی جہاد کے واسطے تھی تو وہ تو شروع ہی سے مطلوب و مقصود ہے۔ واللہ اعلم

وقولہ تعالیٰ: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النحل: ۸].

اور اللہ عز وجل کا قول: اور (اس نے) گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے طور پر۔

"الخیل......" کا عطف چونکہ ماقبل کے "والانعام" پر ہے اس لئے مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے۔(۳)
اور قرآن کریم کی آیت مذکورہ بالا ترجمۃ الباب کا جزء ثانی ہے اور یہ آیت بھی حدیث باب میں مذکورہ تقسیم پر دلالت کر رہی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ چیزیں یعنی گھوڑے، گدھے اور خچر اللہ عز وجل نے سواری اور زینت کے لئے پیدا فرمائے ہیں۔ اب اگر کوئی آدمی ان کو کسی کام میں استعمال کرتا ہے تو اس کے لئے یہ مباح ہے، اس کے بعد

---

(۱) فتح الباري (ج۶ص۶۴)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۵۱)۔

اگر اس فعل کے ساتھ عبادت کی نیت بھی شامل ہو جائے تو وہ مباح سے ترقی کر کے امر مندوب میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اگر نیت معصیت کی یعنی فخر ومباہات کی ہو تو یہ گناہ میں شامل ہو جاتا ہے۔(۱)

فائدہ

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ عزوجل کے قول مذکورہ بالا میں معطوف اور معطوف علیہ ایک طریقے پر نہیں ہے کہ معطوف علیہ تو "لتركبوها" ہے اور معطوف "زينة" کا کلمہ ہے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ رکوب مخاطبین کا فعل ہے، جبکہ زینت، زینت عطا کرنے والے خالق کا فعل ہے۔(۲)

٢٧٠٥ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ (۳) ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (الخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ : لِرَجُلٍ أَجْرٌ ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ ، وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ . فَأَمَّا ٱلَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، فَأَطَالَ فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ المَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٍ ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا ، فَٱسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ ، كَانَتْ أَرْوَاثُهَا وَآثَارُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَهَا كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ . وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِئَاءً وَنِوَاءً لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَهِيَ وِزْرٌ عَلَى ذٰلِكَ) . وَسُئِلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَنِ الحُمُرِ ، فَقَالَ : (مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هٰذِهِ الآيَةُ الجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ : «فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ . وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ») . [ر : ٢٢٤٢]

تراجم رجال

ا۔عبداللہ بن مسلمہ

یہ عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب قعنبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(١) فتح الباري (ج٦ص٦٤)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١٥١)۔

(٣) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث مر تخريجه في كتاب المساقاة، باب شرب الناس وسقي الدواب من الأنهار۔

۲۔ مالک

یہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الدين الفرار من الفتن" کے تحت آچکے ہیں۔(۱)

۳۔ زید بن اسلم

یہ مولی عمر زید بن اسلم العدوی ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ بالا باب کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۴۔ ابوصالح السمان

یہ ابوصالح ذکوان السمان الزیات رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔ ابوہریرہ

یہ مکثر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" میں گذر چکے ہیں۔(۳)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الخيل لثلاثة۔

بخاری شریف کے تمام نسخوں میں لام کے ساتھ "لثلاثة" ہے، جب کہ کشمیہنی کی روایت میں "الخيل ثلاثة" ہے، بغیر لام کے۔(۴)

گھوڑے کی تین قسموں کے درمیان وجہ حصر

ان تینوں اقسام کے درمیان وجہ حصر یہ ہے کہ گھوڑا سواری کے لئے پالا جائے گا یا تجارت کے لئے، پھر ان دو میں سے ہر قسم کے ساتھ کوئی عبادت مقترن ہوگی تو یہ قسم اول ہے، یا کوئی معصیت یا گناہ مقترن ہوگا تو یہ قسم ثالث ہے۔ یا ہر دو قسم کسی بھی قسم کی نیت سے خالی ہوتو یہ قسم ثانی ہے اور قسم ثانی سے مراد وہ صورت ہے جب کہ وہ ستر بنے۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ ص ۸۰) وانظر أيضا لترجمة الإمام مالك بن أنس كشف الباري (ج۱ ص ۲۹۰)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص۲۰۳)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ ص۶۵۸ و ۶۵۹)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١٥٢)، وفتح الباري (ج٦ ص ٦٤)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ ص٦٤)۔

حدیث باب کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ گھوڑا تین قسم کے آدمیوں کے پاس ہوسکتا ہے۔ایک شخص کے لئے باعث اجر ہے اور ایک شخص کے لئے باعث ستر ہے اور ایک شخص کے لئے جرم کا سبب ہے۔ چنانچہ وہ شخص جس کے لئے باعث اجر وثواب ہے وہ شخص ہے جو اس کو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے پالے اور کسی چراگاہ یا باغ میں اس کو لمبی رسی میں باندھ دے تو وہ اس چراگاہ یا باغ کا جو جو حصہ اس رسی کے اندر آجائے گا اتنے ہی تنکوں کے برابر نیکیاں اس کو ملیں گی۔ اور اگر اتفاق سے وہ اپنی رسی توڑ کر ایک ٹیلہ یا دو ٹیلے پھاند جائے تو اس کی لید کے وزن اور قدم کے نشانوں کے برابر اس کو نیکیاں ملیں گی اور اگر اس کا گذر کسی نہر پر ہو جائے جس کا وہ پانی پی لے اگرچہ مالک نے پانی پلانے کا ارادہ نہ کیا ہو تب بھی اسے نیکیاں ملیں گی اور جو شخص دکھلاوے اور فخر کی غرض سے باندھے اور اہل اسلام کی دشمنی کے لئے رکھے تو وہ گھوڑا اس کے لئے جرم کا سبب ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کی بابت پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے بارے میں مجھ کوئی حکم نازل نہیں ہوا مگر یہ آیت ﴿فمن یعمل مثقال ......﴾ یعنی جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا یہ آیت جامع ومنفرد ہے۔

چند ضروری فوائد

حدیث باب چونکہ "كتاب المساقاة" میں گذر چکی ہے اس لئے ہم نے یہاں صرف ترجمۂ حدیث پر اکتفا کیا ہے، البتہ چند ضروری فوائد کا ذکر فائدے سے خالی نہیں ہوگا وہ حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ جیسا کہ ہم نے ابھی بتایا کہ یہ روایت ''کتاب المساقاۃ'' میں گذر چکی ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب کو یہاں اختصار کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور قسم ثانی کو اختصاراً حذف کر دیا ہے، چنانچہ قسم ثانی کا ذکر کتاب المساقاۃ کی روایت میں یوں ہے: "ورجل ربطها تغنيا وتعففا، ثم لم ينس حق الله في رقابها ولا ظهورها، فهي لذلك ستر"۔(۱)

''اور ایک شخص وہ ہے جو لوگوں سے بے نیاز رہنے اور ان کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچنے کے لئے گھوڑا پالتا ہے، پھر اس کی گردن اور اس کی پشت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو بھی فراموش نہیں کرتا تو یہ گھوڑا اپنے مالک کے لئے پردہ ہے''۔

(۱) صحيح البخاري، كتاب المساقاة، باب شرب الناس، وسقي الدواب من الأنهار، رقم (۲۳۷۱)، وعمدة القاري (ج۱۴ ص۱۵۲)، والكرماني (ج۱۲ ص۱۴۱)۔

۲۔حدیث باب کے جملے "وثم یرد أن یسقیها" سے معلوم یہ ہوا کہ بندے کو ان جزئیات کا بھی ثواب اور اجر ملتا ہے جو کسی فعل طاعت وعبادت کے درمیان واقع ہوں، بشرطیکہ اصل یعنی عبادت کا قصد ونیت موجود ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مؤمن بندوں پر احسان اور فضل ہے۔(۱) چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفيه أن الإنسان يؤجر على التفاصيل التي تقع في فعل الطاعة إذا قصد أصلها، وإن لم يقصد تلك التفاصيل"۔ (۲)

۳۔گھوڑوں کی پیشانیوں سے خیر وبرکت وابستہ ہوتی ہے، جب کہ ان کا رکھنا عبادت کے لئے یا کسی امر مباح کے لئے ہو، ورنہ ان کا رکھنا مذموم اور گناہ کا باعث ہے۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي هذا الحديث بيان أن الخيل إنما تكون في نواصيها الخير والبركة إذا كان اتخاذها في الطاعة أو في الأمور المباحة، وإلا فهي مذمومة"۔ (۳)

فقال: ماأنزل علي فيها إلا هذه الآية الجامعة الفاذة۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی بابت مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا مگر یہ آیت: ﴿فمن يعمل مثقال ......﴾، یہ آیت جامع ومنفرد ہے۔

۴۔ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ جو شخص گدھوں کو عبادت وطاعت کے لئے پالے تو اس کا ثواب وہ دیکھ لے گا اور اگر ان گدھوں کے ذریعے کسی معصیت اور گناہ کا ارتکاب کرے تب بھی اس کی سزا اور عقاب کو وہ دیکھ لے گا۔ (۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ومطابقت بالکل واضح ہے اور وہ "الخيل لثلاثة" میں ہے۔ (۵)

---

(۱) التمهيد (ج ٤ ص ٢٠٣)، و شرح ابن بطال (ج ٥ ص ٦٣)۔

(۲) فتح الباري (ج ٦ ص ٦٤)۔

(۳) حوالہ بالا (ص ٦٥)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) عمدة القاري (ج ١٤ ص ٢٥٥)۔

۴۹ - باب : مَنْ ضَرَبَ دابَّةَ غَيْرِهِ في الْغَزْوِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ دوران سفر قافلے میں اگر کسی کی سواری کمزوری اور لاغری کی وجہ سے رک جائے تو سواری کے مالک کی مدد اور اعانت کرنے کے لئے اسے مارنا چاہئے، تاکہ وہ سواری چل پڑے۔(۱)

۲۷۰۶ : حدَّثنا مُسْلِمٌ : حدَّثنا أبو عَقِيلٍ : حدَّثنا أبو المُتَوَكِّلِ النَّاجِيُّ قالَ : أَتَيْتُ جابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللهِ الأَنْصارِيَّ(۲) فَقُلْتُ لَهُ : حَدِّثْنِي بِمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ . قالَ : سافَرْتُ مَعَهُ في بَعْضِ أَسْفارِهِ . قالَ أبو عَقِيلٍ : لا أَدْرِي غَزْوَةً أَوْ عُمْرَةً . فَلَمَّا أَنْ أَقْبَلْنا . قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَعَجَّلَ إِلَى أَهْلِهِ فَلْيُعَجِّلْ) . قالَ جابِرٌ : فَأَقْبَلْنا وَأَنا عَلَى جَمَلٍ لِي أَرْمَكَ . لَيْسَ فِيهِ شِيَةٌ . وَالنَّاسُ خَلْفِي . فَبَيْنا أَنا كَذٰلِكَ . إِذْ قامَ عَلَيَّ . فَقالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ : (يا جابِرُ . اسْتَمْسِكْ) . فَضَرَبَهُ بِسَوْطِهِ ضَرْبَةً فَوَثَبَ الْبَعِيرُ مَكانَهُ . فَقالَ : (أَتَبِيعُ الجَمَلَ) . قُلْتُ : نَعَمْ . فَلَمَّا قَدِمْنا المَدِينَةَ وَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ المَسْجِدَ في طَوائِفِ أَصْحابِهِ . فَدَخَلْتُ إِلَيْهِ . وَعَقَلْتُ الجَمَلَ في ناحِيَةِ الْبَلاطِ . فَقُلْتُ لَهُ : هٰذا جَمَلُكَ . فَخَرَجَ فَجَعَلَ يُطِيفُ بِالجَمَلِ وَيَقُولُ : (الجَمَلُ جَمَلُنا) . فَبَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ أَواقٍ مِنْ ذَهَبٍ . فَقالَ : (أَعْطُوها جابِرًا) . ثُمَّ قالَ : (اسْتَوْفَيْتَ الثَّمَنَ) . قُلْتُ : نَعَمْ . قالَ : (الثَّمَنُ وَالجَمَلُ لَكَ) . [ر : ۴۳۲]

تراجم رجال

۱- مسلم

یہ مسلم بن ابراہیم القصاب فراہیدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب زیادۃ

---

(۱) عمدة القاري (ج۱۴ ص۱۵۲)۔ و فتح الباري (ج۶ ص۶۶)۔

(۲) قوله: "جابر بن عبد الله": الحديث، مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب الصلاة إذا قدم من سفر۔

الإیمان ونقصانه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔ابوعقیل

یہ ابوعقیل بشیر بن عقبہ السامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔ابوالمتوکل الناجی

یہ ابوالمتوکل علی بن داؤد الناجی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

قال: سافرت معه في بعض أسفاره – قال أبو عقيل: لاأدري غزوة أم عمرة–.

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اسفار میں ان کے ساتھ سفر کیا۔ راوی حدیث ابوعقیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ مذکورہ سفر کسی غزوے کا تھا یا عمرے کا۔

مذکورہ بالا سفر غزوے کا تھا یا عمرے کا؟

یہاں راوی ابوعقیل کو شک ہوا ہے کہ سفر کس چیز کے لئے تھا، غزوے کے لئے یا عمرے کے لئے۔ لیکن روایات کے تتبع سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ سفر غزوے کا تھا، چنانچہ یہی حدیث امام بخاری نے کتاب البیوع میں بھی نقل کی ہے، اس میں "غزاة" کا لفظ صریح موجود ہے۔(۵) نیز سفر غزوے کا ہونے کی تایید ابوعوانہ عن مغیرہ کے طریق کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس کے آخر میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: "فأعطاني ثمن الجمل والجمل

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص ۴۵۵)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب المظالم، باب من عقل بعيره على البلاط أو باب المسجد۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الإجارة، باب ما يعطى في الرقبة على أحياء العرب......۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر۔

(۵) صحیح البخاري كتاب البيوع، باب شراء الدواب والحمير، رقم (۲۰۹۷)۔

وسهمي مع القوم"(۱) ظاہری بات ہے کہ سہم غزوے ہی میں ہوتا ہے۔

یہ کونسا غزوہ تھا؟

البتہ غزوے کی تعیین میں شراح کا اختلاف ہے کہ یہ کونسا غزوہ ہے؟ کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث صحیح بخاری میں موصولاً تقریباً چھبیس (۲۶) مرتبہ ذکر کی ہے، جن میں سے بعض میں سفر کے غزوے کا ہونے کی تصریح تو ہے جیسا کہ اکثر روایات میں ابہام ہے، البتہ صرف ایک تعلیق میں غزوے کی تعیین ہے کہ غزوہ تبوک کا تھا، چنانچہ کتاب الشروط میں داود بن قیس عن عبیداللہ بن مقسم عن جابر کے طریق میں ہے: "اشتراه بطريق تبوك" (۲) اور داود بن قیس کی موافقت علی بن زید بن جدعان نے کی ہے، چنانچہ ان کی روایت میں ہے: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بجابر في غزوة تبوك"۔(۳)

لیکن ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جزم کیا ہے کہ مذکورہ واقعہ "غزوہ ذات الرقاع" کا ہے (۴) اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خیال یہی ہے کہ یہ "غزوۃ ذات الرقاع" کا واقعہ ہے۔(۵) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، حافظ فرماتے ہیں: "وهي الراجحة في نظري؛ لأن أهل المغازي أضبط لذلك من غيرهم"۔(۶)

اور علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن اسحاق کے قول پر جزم کیا ہے۔(۷)

غزوۃ ذات الرقاع کے راجح ہونے پر دلائل

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب میں غزوہ سے مراد "غزوۃ ذات الرقاع" ہے اس پر مختلف دلائل دیئے ہیں:-

(۱) صحيح البخاري، كتاب الاستقراض ......، باب الشفاعة في وضع الدين، رقم (۲٤۰٦)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب إذا اشترط البائع ظهر الدابة، رقم (۲۷۱۸)۔

(۳) فتح الباري (ج۵ص ۳۲۰)۔

(٤) السيرة النبوية لابن هشام (ج۳ص۲۱٦)۔

(۵) فتح الباري (ج۵ص ۳۲۰)۔

(٦) حوالہ بالا۔

(۷) دلائل النبوة للبيهقي (ج۳ص۳۸۲)، وقد صرح فيه: "في غزوة ذات الرقاع من نخل"۔

۱۔امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مذکورہ واقعہ مکہ اور مدینہ کے راستے میں پیش آیا۔ اور تبوک کا راستہ مکے کے راستے سے نہیں ملتا ہے، برخلاف غزوہ ذات الرقاع کے راستے کے۔ لہذا معلوم یہی ہوتا ہے کہ مذکورہ واقعہ ''غزوۂ ذات الرقاع'' کا ہے۔(۱)

۲۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بہت سے طرق میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مذکور فی الحدیث واقعہ میں یہ سوال بھی کیا: "هل تزوجت ؟" قال: نعم۔ قال: "أتزوجت بكرا أم ثيبا؟" (۲) پھر اسی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ اعتذار بھی مذکور ہے کہ میں نے ثیب سے نکاح اس لئے کیا کہ میرے والد محترم غزوہ احد میں شہید ہوئے اور اپنے پیچھے میری چھوٹی چھوٹی بہنوں کو چھوڑ گئے، لہذا میں نے ثیب سے نکاح کیا تاکہ وہ میری بہنوں کی دیکھ بھال کریں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، حدیث باب میں مذکور واقعہ ان کے والد عبداللہ کی شہادت کے قریب قریب کا ہے، تو اس سفر کا ''غزوۂ ذات الرقاع'' کے موقعے پر ہونا زیادہ ظاہر ہے، نہ کہ غزوہ تبوک کے موقع پر ہونا، کیونکہ صحیح قول کے مطابق ''غزوۂ ذات الرقاع'' کا وقوع غزوۂ احد کے ایک سال بعد کا ہے، جب کہ غزوہ تبوک اور غزوہ احد کے درمیان سات سال کا فاصلہ ہے۔(۳) واللہ أعلم

قال جابر: فأقبلنا وأنا على جمل لي أرمك، ليس فيه شية، والناس خلفي۔

حضرت جابر فرماتے ہیں تو ہم آئے درآنحالیکہ میں اپنے ایک اونٹ پر جو خاکستری رنگ کا تھا سوار تھا، اس میں کوئی عیب نہیں تھا اور دوسرے لوگ میرے پیچھے تھے۔

ارمک کے معنی

"أرمك" احمر کے وزن پر ہے، امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ارمک اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی سرخی میں سیاہی ملی ہوئی ہو۔(۴)

---

(۱) فتح الباري (ج۵ص۳۲۱)۔

(۲) انظر مثلاً الصحيح للبخاري كتاب الجهاد، باب استئذان الرجل الامام، رقم (۲۹۹۷)، و كتاب المغازي، باب ﴿إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا﴾، رقم (۴۰۵۲)۔

(۳) فتح الباري (ج۵ص۳۲۱)۔

(۴) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۵۳)، وشرح ابن بطال (ج۵ص۶۵)، وكتاب الأمالي (ج۲ص۲۵۶)۔

اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی اردو میں ''خاکستر اونٹ'' کے کیے ہیں۔(۱)

شیۃ کے معنی

''شیة'' کے معنی علامت کے ہیں اور مراد یہ ہے کہ اس اونٹ پر اس کے حقیقی رنگ کے علاوہ اور کوئی دھبہ وغیرہ نہیں تھا۔(۲)

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس اونٹ میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں تھا اور اس احتمال کی تقویت وتایید مابعد کے جملے سے بھی ہوتی ہے:"والناس خلفي، فبينا أنا كذلك إذ قام علي" کہ لوگ میرے پیچھے رہ گئے تھے، چنانچہ میں اسی حال میں تھا کہ اچانک اونٹ رک گیا۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اونٹ تیز رفتار اور رفتار کے حوالے سے اس میں کوئی عیب نہیں تھا، یہاں تک کہ وہ دوسرے لوگوں سے آگے نکل گیا اور پھر وہ تھکاوٹ کی وجہ سے رک گیا۔(۳)

نیز امام المفسرین حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی قرآن کریم میں وارد ﴿لا شية فيها﴾ (۴) کے معنی ''لا عيب فيها'' منقول ہیں۔(۵)

تنبیہ

حدیث باب کی دیگر جملہ تشریحات ماقبل میں مختلف ابواب میں گذر چکی ہیں۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے اس جملے میں ہے: "فضربه بسوطه ضربة" چنانچہ مارنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اونٹ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تھا اور مارنے کی وجہ اونٹ کا رک جانا تھا۔(۶)

---

(۱) فيض الباري (ج۳ص۴۳۱)۔

(۲) حوالہ بالا، و فتح الباري (ج٦ص٦٦)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٦٦)۔

(٤) البقرة/۷۱۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٣)۔

(٦) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٢)۔

فائدہ

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے معلوم یہ ہوا کہ جہاد میں جانور کے ہنکانے میں اپنے ساتھی کی مدد کرنی چاہئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک کمزور آدمی کی سواری کو دوسرا آدمی دھکا دے رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذهب هذا بالأجر" - يعني المعين -- اسی طرح جو جانور کے ہنکانے میں معین ہوگا اس پر اس کو اجر وثواب ملے گا۔(۱)

٥٠ - باب : الرُّكُوبِ عَلَى الدَّابَّةِ الصَّعْبَةِ وَالْفُحُولَةِ مِنَ الخَيْلِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں ترجمۃ الباب کے مقصد میں شراح بخاری کا اختلاف ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمے سے کیا ہے؟

چنانچہ حافظ ابن حجر اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہما کی رائے یہ ہے کہ یہاں نر گھوڑے اور اڑیل جانور کی سواری کو افضل بتایا جارہا ہے۔(۲)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمے میں کئے گئے اپنے دعوی کو دو طریقوں سے ثابت کیا ہے، ایک راشد بن سعد کے اثر سے، کہ اس میں یہ آیا کہ سلف نر گھوڑوں کو پسند کرتے تھے تو اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سرکش جانور کی سواری پر استدلال فرمایا۔ دوسرے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور فی الباب سے کہ چونکہ حدیث میں گھوڑے کے لئے ضمیر مذکر کی استعمال کی گئی ہے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا مذکورہ گھوڑا فحل (نر) تھا۔(۳)

اور علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ مدینہ منورہ مادہ گھوڑوں سے خالی نہیں

---

(۱) شرح ابن بطال (ج٥ ص٦٤)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٦٦)، وشرح ابن بطال (ج٥ ص٦٦)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٦٦)۔

تھا لیکن اس کے باوصف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے نرگھوڑے کے علاوہ کسی اور پر سواری کی ہو، سوائے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے۔ یہ اسی وجہ سے تھا کہ نرگھوڑے مادہ گھوڑوں سے افضل ہوتے ہیں۔(۱)

مگر علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات نظر سے خالی نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نرگھوڑوں کے علاوہ مادہ پر کبھی سواری نہیں کی، کیونکہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی بارے میں دارقطنی کی روایت یہ ہے: "غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم يوم بدر على فرس لي أنثى"۔(۲)

اسی طرح علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ اناث الخیل کو پسند کرتے تھے، خاص طور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ چنانچہ ان کے بارے میں آتا ہے: "أنه كان لا يقاتل إلا على أنثى؛ لأنهما تدفع البول، وهي أقل صهيلاً، والفحل يحبسه في جريه حتى ينتفق، ويؤذي بصهيله" کہ "وہ صرف گھوڑی پر ہی قتال کرتے تھے، کیونکہ وہ پیشاب نہیں روکتی، وہ ہنہناتی بھی کم ہے، بر خلاف نرگھوڑے کے کہ وہ دوڑتے وقت پیشاب روکے رکھتا ہے، یہاں تک کہ (پیشاب کی تھیلی) پھٹ جاتی ہے اور وہ اپنی ہنہناہٹ سے تکلیف بھی پہنچاتا ہے"۔(۳)

علامہ عینی اور علامہ گنگوہی رحمہما اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں سخت سواری پر سواری کی مشروعیت اور جواز کو بیان کرنا چاہتے ہیں، اگر سوار اس کا اہل ہو، ورنہ نہیں۔(۴)

اور علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی غالبا اسی کے قائل معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ص٦٦)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٣)۔

(۳) انظر تفصيل ذلك في عمدة القاري (ج١٤ص١٥٣)، وفتح الباري (ج٦ص٦٦)، وقال العلامة القرطبي رحمه الله في تفسيره "الجامع لأحكام القرآن" (ج٨ص٣٦): "والمستحب منها الإناث، قاله عكرمة وجماعة"۔

(۴) حوالہ بالا۔

”ظاهر كلام الشيخ قدس سره العزيز أنه حمل ترجمة البخاري على بيان جواز الركوب على الصعبة“۔ (۱)

حضرت شیخ الحدیث صاحب کی رائے

جب کہ حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مجاہد کو ایسے گھوڑے پر سواری کی عادت ڈالنی چاہئے جو سخت ہو اور نر، تا کہ اس کے اندر جرأت و بہادری پیدا ہو اور ایسا گھوڑا میدان جہاد میں زیادہ مفید اور کارآمد ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

”والأوجه عند هذا العبد الضعيف: أن غرض الإمام البخاري ترغيب الركوب على الدابة الصعبة والفحولة؛ كما يدل عليه أثر راشد بن سعد ......“۔(۲)

اور یہاں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہی بہتر و مناسب معلوم ہوتی ہے۔

وَقَالَ رَاشِدُ بْنُ سَعْدٍ : كَانَ السَّلَفُ يَسْتَحِبُّونَ الْفُحُولَةَ ، لِأَنَّهَا أَجْرَى وَأَجْسَرُ .

اور راشد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”سلف نر گھوڑوں کو پسند کرتے تھے کیونکہ وہ زیادہ جرات اور جسارت والے ہوتے ہیں“۔

راشد بن سعد

یہ راشد بن سعد مقرائی - بفتح الميم وسكون القاف -(۳) حبرانی - بضم الحاء -(۴) حمصی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

---

(۱) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۳۲)، والأبواب والتراجم (ج۱ص۱۹٦)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) وقيل: بضم الميم، والأول قول الأكثر، انظر تعليقات تهذيب الكمال (ج۹ص۸)۔

(٤) تعليقات تهذيب الكمال (ج۹ص۹)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۹ص۸)۔

یہ حضرت ثوبان، حضرت سعد بن ابی وقاص، ابوالدرداء، عمرو بن العاص، ذی مخبر حبشی، عتبہ بن عبد، عوف بن مالک، معاویہ، یعلی بن مرۃ، مقدام بن معدی کرب، عبداللہ بن بسر، ابوامامۃ، ابن عامر عبداللہ بن لحی ہوزنی اور عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اوران سے روایت حدیث کرنے والوں میں حریز بن عثمان، صفوان بن عمرو، معاویہ بن صالح حضرمی، علی بن ابی طلحہ، ثور بن یزید اور ابوبکر بن ابی مریم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

امام یحیی بن معین، (۲) ابو حاتم، احمد بن عبداللہ عجلی، یعقوب بن شیبۃ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا بأس به، إذا لم يحدث عنه متروك"۔(۴)

نیز علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ میں نے یحیی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا "تروي عن راشد بن سعد؟ قال: ماشأنه، هو أحب إليّ من مكحول"۔(۵)

مفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "راشد بن سعد المقرائي من حمير، من أثبت أهل الشام"۔(۶)

اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وكان ثقة"۔(۷)

البتہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هو ضعيف"۔(۸)

لیکن علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ابن حزم پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فهذا من أقواله المردودة"۔(۹)

صفین کی جنگ میں راشد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔(۱۰) اور اس

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۹ص۹،۱۰)۔

(۲) تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي (ص۱۱۰)، رقم (۳۲۸)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۹ص۱۰)۔

(۴) حوالہ بالا وتهذيب تاريخ دمشق لابن عساكر (ج۵ص۲۹۳)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۹ص۱۰)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) الطبقات لابن سعد (ج۷ص۴۵۶)۔

(۸) سير أعلام النبلاء (ج۴ص۴۹۰)۔

(۹) حوالہ بالا۔

(۱۰) حوالہ بالا، وشرح الكرماني (ج۱۲ص۲۷۳)۔

جنگ میں ان کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوئی تھی۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے صرف باب میں مذکور اثر نقل کیا ہے اور کوئی روایت نہیں لی، البتہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی حضرات نے ان کی روایتیں لی ہیں۔(۲)

اکثر ائمہ جرح وتعدیل کا خیال یہ ہے کہ ان کی وفات خلیفہ ھشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں ۱۰۸ھ کو ہوئی۔(۳) اور تقریباً نوے سال وفات کے وقت ان کی عمر تھی۔(۴) رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

أجرأ و أجسر کے معنی

"أجرأ" ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح مروی ہے، اگر ہمزہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی بہادر کے ہوں گے اور یہ مشتق جراءة سے ہوگا۔

اور اگر بغیر ہمزہ کے ہو تو اس کے معنی زیادہ تیز دوڑنے والے کے ہوں گے اور یہ مشتق جري سے ہوگا۔(۵)

اور "أجسر" جسارة سے مشتق ہے، اس کے معنی بھی بہادر کے ہیں۔(۶)

مفضل علیہ کے حذف کی وجہ

اور یہاں مفضل علیہ کو سیاق پر اکتفاء کرتے ہوئے حذف کردیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ نر گھوڑے مادہ اور خصی گھوڑوں سے زیادہ بہادر اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔(۷)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فحولة فحل کی جمع ہے اور اس میں جو تاء ہے وہ جمعیت کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے، جیسے ملك کی جمع ملائكة ہے۔(۸)

---

(۱) تاريخ البخاري الكبير (ج۳ص۲۹۲)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۹ص۱۱)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۵۳)، وميزان الاعتدال (ج۲ص۳۵)، وتهذيب الكمال وتعليقاته (ج۹ص۱۱)۔

(٤) سير أعلام النبلاء (ج٤ص۴۹۰)۔

(۵) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱٤۳)، وفتح الباري (ج٦ص٦٦)۔

(٦) حوالہ بالا۔

(۷) فتح الباري (ج٦ص٦٦)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۵۳)۔

(۸) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱٤۳)۔

٢٧٠٧ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ(١) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كانَ بِالْمَدِينَةِ فَزَعٌ ، فَٱسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ مَنْدُوبٌ ، فَرَكِبَهُ ، وَقالَ : (ما رَأَيْنَا مِنْ فَزَعٍ ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا) . [ر : ٢٤٨٤]

تراجم رجال

۱۔احمد بن محمد

یہ احمد بن محمد بن موسیٰ ابوالعباس السمسار المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا لقب مردویہ ہے۔(۲)

اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ یہ احمد بن محمد بن ثابت بن عصمان خزاعی شبویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، درست نہیں، کیونکہ یہ رجال بخاری میں سے نہیں ہیں، بلکہ مروزی رجالِ بخاری میں سے ہیں۔(۳)

۲۔عبداللہ

یہ عبداللہ بن مبارک حنظلی مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی پانچویں حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

۳۔شعبہ

یہ ابو بسطام شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے بھی مختصر حالات "کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت آچکے ہیں۔(۵)

۴۔قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ بن قتادہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(١) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس۔

(٢) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب مايقع من النجاسات في السمن والماء۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٤)، وفتح الباري (ج٦ص٦٧)۔

(٤) كشف الباري (ج١ص٤٦٢)۔

(٥) كشف الباري (ج١ص٦٧٨)۔

۵۔ انس بن مالک

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان؛ باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گذر چکے۔(۱)

تنبیہ

حدیث باب کی تشریحات ماقبل میں مختلف ابواب کے تحت بیان کی جاچکی ہیں۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

ماقبل میں ہم ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت شراح کا اختلاف ترجمے کے مقصد میں نقل کرچکے ہیں، یہی اختلاف ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث میں بھی ہے کہ حدیث کا کونسا جزء ترجمے پر منطبق ہے؟

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ ترجمے کے ساتھ حدیث کی مناسبت "فرسا" کے لفظ میں ہے اور وہ اس طرح کہ فرس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمیر جو استعمال کی وہ مذکر کی استعمال کی، یعنی "وإن وجدناہ لبحرا" کہ ہم نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح تیز رفتار پایا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ مذکورہ گھوڑا مذکر تھا، چنانچہ حافظ صاحب لکھتے ہیں: "وأخذ کونه کان فحلا من ذکرہ بضمیر المذکر"۔(۳)

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت کی ترجمۃ الباب پر دلالت وانطباق اس طور پر ہے کہ جس طرح سخت (اوراڑیل) جانور چلنے اور قطع مسافت میں خلل کا سبب بنتا ہے، اسی طرح سست رفتار جانور بھی قطع مسافت میں خلل کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سست جانور پر سواری جائز ہے تو سخت جانور پر بھی جائز ہوگی۔(۴)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ ص۳و٤)۔

(۲) انظر باب الشجاعة في الحرب والجبن، وباب اسم الفرس والحمار من هذا الکتاب۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٦٦)۔

(۵) لامع الدراري (ج۷ ص۲۳۲)۔

شیخ الحدیث صاحب کی رائے

حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ودلالة الرواية عليه بما صار حال فرس أبي طلحة بعد ركوبه صلى الله عليه وسلم حتى قال: "وجدناه لبحراً"۔ (۱)

"یعنی روایت کی باب کے ساتھ دلالت اس حال میں ہے جو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر سواری کے بعد ہوا حتی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہم نے تو اسے سمندر کی طرح پایا"۔

چنانچہ اس سے سخت وتیز رفتار جانور پر سواری کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

٥١ – باب: سِهَامِ الفَرَسِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غازی کے گھوڑے کو مال غنیمت سے جو حصہ ملے گا اس کی مقدار اور کیت بتلانا چاہتے ہیں؟ (۲)

اور سہام کی اضافت فرس کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ گھوڑے کی وجہ سے اس کا مالک اضافی حصے کا مستحق ہوتا ہے۔ (۳)

٢٧٠٨ : حدّثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، عَنْ أَبِي أُسَامَةَ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا (٤) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ جَعَلَ لِلفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِصَاحِبِهِ سَهْمًا . [٣٩٨٨]

وَقَالَ مالِكٌ : يُسْهَمُ لِلْخَيْلِ ، وَالْبَرَاذِينَ مِنْهَا ، لِقَوْلِهِ : «وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالحَمِيرَ لِتَرْكَبُوها» /النحل : ٨/ .

وَلَا يُسْهَمُ لِأَكْثَرَ مِنْ فَرَسٍ .

---

(١) تعليقات لامع الدراري (ج٧ص٢٣٢)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٤)۔

(٣) حوالہ بالا وفتح الباري (ج٦ص٦٧)۔

(٤) قوله: "ابن عمر رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٢٨)، ومسلم،=

تراجم رجال

۱۔عبید بن اسماعیل

یہ ابو محمد عبید بن اسماعیل ھباری، قری، کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۲۔ابواسامہ

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ بن زید قرشی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات "کتاب العلم، باب فضل من علم وعلّم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۳۔عبیداللہ

یہ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔نافع

یہ ابوعبداللہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں،مشہور تابعی ہیں۔(۴)

۵۔ابن عمر

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں،ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب قول النبي ﷺ: بني الإسلام علی خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم جعل للفرس سهمين ولصاحبه سهما۔

کتاب الجهاد، باب کیفیة قسمة الغنیمة بین الحاضرین، رقم (٤٥٨٦)، وأبو داود، کتاب الجهاد، باب سهمان الخیل، رقم (٢٧٣٣)، والترمذي، أبواب السیر، باب في سهم الخیل، رقم (١٥٥٤)، وابن ماجه، أبواب الجهاد، باب قسمة الغنائم، رقم (٢٨٥٤)۔

(۱)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الحیض، باب نقض المرأة شعرها عند غسل المحیض۔

(۲) کشف الباري (ج٣ص٤١٤)۔

(۳)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب التبرز فی البیوت۔

(۴)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب من أجاب السائل بأکثر مما سأله۔

(۵) کشف الباري (ج١ص٦٣٧)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مال غنیمت میں مقرر فرمایا تھا۔

مال غنیمت میں گھوڑے

کے کتنے حصے ہوں گے ایک یا دو؟

یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے، جس کی کچھ تفصیل "کتاب المغازي" میں آچکی ہے۔(۱) لیکن یہاں ہم مذکورہ مسئلے کی مزید تفصیل اور وضاحت کریں گے۔

امام مالک (۲)، شافعی (۳)، احمد، عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، ابن سیرین، حسین بن ثابت، ثوری، لیث بن سعد، اسحاق، ابوثور (۴)، اوزاعی (۵)، ابن حزم ظاہری (۶) اور صاحبین (۷) رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ سوار کے تین حصے ہوں گے، ایک سوار کا، دو اس کے گھوڑے کے۔

جبکہ صحابہ میں سے حضرت عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم (۸)، نیز حضرت امام اعظم اور زفر رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ سوار کے دو حصے ہوں گے، ایک اس کا، ایک گھوڑے کا۔(۹)

البتہ یہ بات واضح رہے کہ راجل (پیادے) کے سہم میں کوئی اختلاف نہیں، جمیع ائمہ کے نزدیک اسے ایک ہی حصہ ملے گا۔(۱۰)

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي (ص٤٤٣)۔

(۲) بداية المجتهد (ج١ص٣٩٤) والمدونة الكبرى (ج٢ص٣٢)۔

(۳) كتاب الأم للشافعي، باب كيف تفريق القسم؟ (ج٤ص١٤٤)، و(ج٧ص٣٣٧)۔

(٤) المغني لابن قدامة (ج٩ص٢٠٠)، رقم (٧٤٩٣)۔

(٥) تكملة فتح الملهم (ج٣ص١٤١)

(٦) المحلى بالآثار (ج٥ص٣٩٢)۔

(٧) الهداية مع فتح القدير (ج٥ص٢٣٥)، كتاب السير، باب الغنائم و قسمتها۔

(٨) أوجز المسالك (ج٨ص٣١٢)، وروح المعاني (ج٦ص٥)۔

(٩) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٥)۔

(١٠) أوجز المسالك (ج٨ص٣١١)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

اس باب میں جمہور کی مستدل وہ حدیثیں ہیں جن میں "للفرس سهمان، وللفارس سهم" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، مثلاً باب کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، نیز یہی روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی میں ذکر کی ہے اور اس حدیث کے تحت حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر بھی ہے: "فقال: إذا كان مع الرجل فرس فله ثلاثة أسهم، فإن لم يكن له فرس فله سهم"۔ (۱)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکور فی الباب حدیث جمہور کی صحیح ترین دلیل ہے۔

نیز ان کی ایک اور دلیل وہ روایت ہے، جس کو علامہ طبرانی اور امام دارقطنی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابورھم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: "شهدت أنا وأخي خيبر، ومعنا فرسان، فأسهم لنا ستة أسهم"۔ (۲)

مستدلات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بھی اس مسئلے میں کئی دلیلیں ہیں، جن میں احادیث ہیں اور آثار بھی، نیز قیاس بھی ان کا مؤید ہے۔

پہلی دلیل

چنانچہ ان کی سب سے مشہور دلیل حضرت مجمع بن جاریۃ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے، جس کو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں نقل کیا ہے، حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"شهدنا الحديبية مع رسول الله صلى الله عليه وسلّم، فلما انصرفنا عنها إذا الناس يهزون الأباعر ...... فقسمت خيبر على أهل الحديبية، فقسمها رسول الله صلى الله عليه وسلم على ثمانية عشر سهما، وكان الجيش ألفا وخمس مائة، فيهم ثلاثمائة فارس، فأعطى الفارس سهمين، وللراجل سهماً"۔ (۳)

---

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۲۸)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۵۴)، ومجمع الزوائد (ج۵ص۲۴۲)، مزید دلائل کے لئے فتح الباري (ج۶ص۶۸) دیکھئے۔

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في من أسهم له سهم، رقم (۲۷۳۶)۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم حدیبیہ میں شریک ہوئے، جب ہم وہاں سے واپس ہوئے تو (دیکھا) کہ لوگ اونٹوں کو دوڑا رہے ہیں...... پس اہل حدیبیہ پر غزوہ خیبر کی غنیمت تقسیم کی گئی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے اٹھارہ حصے بنائے اور لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی، جن میں تین سو فارس تھے، تو آپ علیہ السلام نے فارس کو دو حصے اور پیادے کو ایک حصہ دیا''۔

دوسری دلیل

حافظ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مصنف'' میں مندرجہ ذیل سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے:

"حدثنا أبو أسامة وابن نمير، قالا: حدثنا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل للفارس سهمين، و للراجل سهما"۔ (۱)

مذکورہ بالا روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی باب کی روایات کے صریح معارض ہے اور اس کے رواۃ بھی ثقہ ہیں، جس پر کلام ہم انشاء اللہ عنقریب کریں گے۔

تیسری دلیل

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے ایک عامل منذر بن ابی حمصہ نے حضرت امام اعظم کے قول کے موافق مجاہدین میں حصے تقسیم کئے، جس پر حضرت عمر راضی ہوئے اور کسی قسم کی نکیر نہیں فرمائی، چنانچہ امام جصاص لکھتے ہیں: "روي مثل قول أبي حنيفة عن المنذر بن أبي حمصة -عامل عمر رضي الله عنه- أنه جعل للفارس سهمين وللراجل سهماً، فرضيه عمر"۔ (۲)

چوتھی دلیل

قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ فرس کو ایک ہی حصہ دیا جائے، نہ کہ دو، کیونکہ دوسری صورت میں فرس کی مسلم پر

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة (ج٦ ص٤٩٢)، كتاب السير، في الفارس كم يقسم له؟ ......، رقم (٣٣١٥٩)۔

(۲) أحكام القرآن للجصاص (ج٣ ص٥٨)۔

برتری ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ مسلمان سب سے افضل ہوتا ہے! چنانچہ امام صاحب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "لایسهم للفارس إلا سهم واحد، وقال: أكره أن أفضل بهيمة على مسلم" (۱) کہ "فارس کو (اس کے گھوڑے کا) ایک حصہ ملے گا اور فرمایا: میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ ایک جانور کو مسلمان پر فضیلت و برتری دوں"۔

ایک اہم تنبیہ

غزوۂ خیبر سے قبل غنائم کی تقسیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صواب دید پر ہوا کرتی تھی کہ نبی علیہ السلام اپنی رائے کے مطابق جس کو جتنا چاہتے عطا فرماتے تھے، سب سے پہلے غنائم کی تقسیم مجاہدین کے استحقاق کے رو سے غزوہ خیبر میں ہوئی، جس میں یہ طے پایا تھا کہ فارس کو اتنے حصے ملیں گے اور راجل کو اتنے۔(۲)

اختلاف کا سبب

ائمہ کے درمیان فارس کو ملنے والے حصے میں جو اختلاف ہوا اس کا بنیادی سبب شرکائے غزوہ خیبر کی تعداد میں اختلاف کا ہونا ہے۔ اس سلسلے میں روایات میں شدید تعارض پایا جاتا ہے کہ شرکائے خیبر کی تعداد کیا تھی؟ چنانچہ شرکائے خیبر کی تعداد میں تقریباً دس قسم کے اقوال ہیں، جن میں تین زیادہ مشہور ہیں:-

۱۔ حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی روایت (جو کچھ پہلے گذری) سے معلوم ہوتا ہے کہ شرکائے خیبر کی تعداد پندرہ سو تھی، جن میں تین سو سوار اور دیگر بارہ سو پیادے تھے۔(۳)

۲۔ حضرت براء بن عازب (۴) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم (۵) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ سو تعداد تھی، جن میں دو سو سوار اور دیگر پیادے تھے۔

۳۔ امام مغازی موسی بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ سو تعداد بتلائی ہے۔(۶)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٥٥)۔

(۲) بذل المجهود (ج۱۲ص۳۳٤)، وتنظيم الأشتات (ج٤ص۱۲۰)۔

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في من أسهم له سهم، رقم (۲۷۳٦)۔

(٤) صحيح البخاري، كتاب المغازي باب غزوة الحديبية......، رقم (٤۱٥۰)۔

(٥) حوالہ بالا، رقم (٤۱٥۳)۔

(٦) فتح الباري (ج۷ص٤٤۰)، وإعلاء السنن (ج۱۲ص۱٥۷)۔

راجح عدد کیا ہے؟

شوافع وغیرہ رحمہم اللہ نے چودہ سو کی تعداد کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس، صالح بن کیسان، بشیر بن یسار اور اہل مغازی کے قول سے استدلال کرتے ہوئے چودہ سو کے عدد کو راجح کہا ہے۔ (۱)

اور علمائے احناف حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو راجح قرار دیتے ہیں۔

وجوہ ترجیح

احناف کے مذہب کے راجح ہونے پر مندرجہ ذیل وجوہ دلالت کرتی ہیں:-

۱۔ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جس طرح یہ مروی ہے کہ شرکائے خیبر کی تعداد چودہ سو تھی، اسی طرح یہ بھی مروی ہے کہ ان کی تعداد پندرہ سو تھی، حضرت سالم بن ابی الجعد (۲) اور حضرت سعید بن المسیب (۳) رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: "أنهم كانوا خمس عشرة مائة"۔ (۴)

۲۔ زیادت کا اثبات کرنے والا، اس کی نفی کرنے والے کے مقابلے میں راجح ہوتا ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں چودہ سو اور دوسری میں پندرہ سو کا عدد ہے، ظاہر ہے کہ پندرہ سو والی روایت زیادت کا اثبات کررہی ہے، اس لئے وہی راجح ہوگی۔ (۵)

۳۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی مستفاد یہی ہوتا ہے کہ وہ بھی پندرہ سو کی تعداد کے راجح ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ انہوں نے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ شرکائے خیبر کی تعداد پندرہ سو پچیس تھی۔ (۶)

---

(۱) عون المعبود شرح سنن أبي داود (ج۷ص۳۲۵)، رقم (۲۷۳۳)، وإعلاء السنن (ج۱۲ص۱۵۶)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، رقم (٤١٥٢)۔

(۳) حوالہ بالا، رقم (٤١٥٣)۔

(٤) إعلاء السنن (ج۱۲ص۱٥٦)۔

(٥) حوالہ بالا۔

(٦) فتح الباري (ج۷ص٤٤١)۔

حافظ علیہ الرحمۃ نے خود ''مقدمہ'' میں ذکر کیا ہے کہ وہ فتح الباری میں انہی احادیث کو لیں گے جو صحیح یا حسن ہوں گی اور ضعیف پر سکوت نہیں کریں گے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا روایت ان کے نزدیک صحیح یا حسن ضرور ہے، ورنہ وہ اس پر ضرور کلام کرتے۔(۱)

ان وجوہات کی بناء پر معلوم ہوا کہ غزوہ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لشکریوں کو سہم عطا فرمایا تھا ان کی تعداد پندرہ سو تھی، ان کے علاوہ جو زائد افراد تھے وہ عورتیں، خدام اور بچے تھے، جن کو سہم عطا نہیں فرمایا تھا (۲)، اس سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ موسی بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو سولہ سو کی تعداد بتلائی ہے، غالبا اس میں بچوں، عورتوں اور خدام وغیرہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ غنائم خیبر کے اولاً چھتیس حصے کئے گئے تھے، جن میں اٹھارہ حصے مسلمانوں کی عام ضروریات کے لئے مختص کر دیئے گئے اور باقی اٹھارہ حصے مجاہدین میں تقسیم کئے گئے۔(۳)

چنانچہ سنن ابی داود کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم خیبر کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا تھا، ہر حصے میں سو حصے تھے، سو یہ اٹھارہ سو حصے ہوئے۔(۴)

اب غنائم خیبر کی تقسیم میں اختیار کی گئی صورتیں مندرجہ ذیل ہوسکتی ہیں:-

۱۔لشکر اسلام چودہ سو افراد پر مشتمل ہو، جس میں دو سو فارس ہوں، چنانچہ فارس کے تین حصے ہوئے اور راجل کا ایک ہی حصہ، یعنی ۲۰۰×۳=۶۰۰+۱۲۰۰=۱۸۰۰۔

۲۔لشکر کی تعداد پندرہ سو ہو، جس میں تین سو فارس ہوں، چنانچہ فارس کے دو حصے اور راجل کا ایک حصہ ہوا، یعنی ۳۰۰×۲=۶۰۰+۱۲۰۰=۱۸۰۰۔

۳۔لشکر سولہ سو پر مشتمل ہو، جس میں دو سو فارس ہوں، اس طرح بھی فارس کے دو حصے اور راجل کا ایک حصہ ہوا، یعنی ۲۰۰×۲=۴۰۰+۱۴۰۰=۱۸۰۰۔

---

(۱) هدي الساري (ص٤)، وإعلاء السنن (ج١٢ ص١٥٧)۔

(۲) إعلاء السنن (ج١٢ ص١٥٧)۔

(۳) زاد المعاد (ج٣ ص٣٢٨)۔

(٤) سنن أبي داود، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب ما جاء في حكم أرض خيبر، رقم (٣٠١٠-٣٠١٤)۔

اور یہ بات اوپر معلوم ہو چکی کہ لشکر کی تعداد میں راجح قول پندرہ سو کا ہے تو فارس کے دو حصے ہی ہوئے، نہ کہ تین حصے، کما قاله مُجَمّع بن جارية رضي الله عنه۔(۱)

دلائل جمہور کے جوابات

جمہور کی سب سے صحیح اور قوی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تھی، لیکن یہ حدیث بوجوہ جمہور کا مستدل نہیں بن سکتی، وضاحت حسب ذیل ہے:-

۱۔ اس میں جو تقسیم غنائم کا بیان ہے، اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ تقسیم غزوہ خیبر سے قبل ہوئی تھی یا بعد میں، ممکن ہے کہ غزوہ خیبر سے قبل کا واقعہ ہو کر وہ منسوخ ہو۔(۲)

۲۔ عام قانون وضابطہ تو یہی ہے کہ فارس کو بھی فرس کی طرح ایک حصہ ملنا چاہئے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجاہدین کو بطور نفل استحقاق سے زائد حصے دینا بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کو نبی علیہ السلام نے ''غزوہ ذی قرد'' میں دو حصے عطا فرمائے تھے، ایک فارس کا، ایک راجل کا، جب کہ وہ راجل تھے۔ نیز حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو غنیمت سے چار حصے دیئے جاتے تھے اور یہ زیادتی جو بطور نفل عطا کی جاتی تھی اس کا مقصد مجاہدین کو قتال وجہاد پر ابھارنا تھا۔(۳)

۳۔ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح کی روایات مروی ہیں کہ کچھ میں فارس کے لئے تین حصوں کا ذکر ہے، کچھ میں دو کا، جب ان کی دونوں قسم کی روایتوں میں تعارض ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث (۴) راجح ہوگی، جس میں فارس کو دو حصے دیئے جانے کا ذکر ہے، سهم له وسهم لفرسه۔(۵)

---

(۱) إعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۵۷)۔

(۲) بذل المجهود (ج۱۲ ص۳۳٤) و تنظيم الأشتات (ج٤ ص۱۲۰)۔

(۳) حوالہ بالا، وأحكام القرآن للجصاص الرازي (ج۳ ص٥۹)، وإعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۷۱)۔

(٤) إعلاء السنن (ج۱۲ ص۱٦۷)، وتنظيم الأشتات (ج٤ ص۱۲۱)۔

(٥) الهداية (ج ۲ ص٥۷۳)۔

۴۔ مولانا خلیل احمد سہارنفوری رحمۃ اللہ علیہ "بذل" میں فرماتے ہیں کہ بسا اوقات عربی کتابت میں الف کو حذف کردیا جاتا ہے، چنانچہ للفرس سهمين دراصل للفارس سهمين تھا، الف کو حذف کردیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں راجل کے مقابلے میں لفظ فرس کو ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ صحیح لفظ دراصل فارس تھا نہ کہ فرس، لیکن راوی نے فارس کو فرس ہی سمجھا، اس لئے للفارس کی بجائے للفرس سهمين روایت کرنے لگے اور ظاہر بات ہے کہ راوی کا فہم حجت نہیں۔

اور ہمارے اس دعوی کی تائید کہ فرس دراصل فارس تھا، مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ہم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کے تحت ذکر کر آئے ہیں کہ "عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جعلَ للفارس سهمين، وللراجل سهما" چنانچہ یہ وہی روایت ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرس کے لفظ سے روایت کیا ہے، نیز دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ "أن النبي صلى الله عليه وسلم قسّم للفارس سهمين و للراجل سهما" (۱) اور ان تمام روایات کا مطلب یہی ہے کہ فارس کو اس کے فرس کے حصے سمیت دو حصے ہی ملیں گے، نہ کہ تین حصے۔ (۲)

۵۔ پھر اس بات کو سمجھئے کہ اس باب میں باعتبار مجموع دو قسم کی متعارض احادیث ہیں، ایک تو وہ ہیں جن میں للفارس سهمين آیا ہے، جب کہ دوسری قسم کی روایات میں للفارس ثلثة أسهم مروی ہے، لیکن پہلی قسم کی روایات قیاس کے موافق ہیں، اس لئے کہ جہاد کے معاملے میں رجل ہی اصل ہے اور فرس آلۂ جہاد ہو کر اس کا تابع ہے، کیونکہ فرس کے بغیر تنہا رجل سے جہاد کا کام چل جاتا ہے، لیکن تنہا فرس سے نہیں چلتا، اس لئے فرس تابع ہوا اور تابع کو اصل پر فضیلت دینا عقل وقیاس کے خلاف ہے، چنانچہ جب احادیث میں تعارض ہے تو وہ حدیث راجح ہوگی جو قیاس کے موافق ہو، کما تقرر في الأصول۔ (۳)

حضرت ابورہم کی حدیث کا جواب

اور جہاں تک حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے، اس سے بھی جمہور کا استدلال بوجوہ درست

---

(۱) سنن الدارقطني (ج ٤ ص ٦١)، كتاب السير، رقم (٤١٣٨)۔

(۲) بذل المجهود (ج ١٢ ص ٣٣٤ و ٣٣٥)، وتنظيم الأشتات (ج ٤ ص ١٢١)۔

(۳) حوالہ بالا۔

نہیں، تفصیل مندرجہ ذیل ہے:۔

۱۔اس حدیث کی سند میں ایک راوی قیس بن ربیع ہیں، دوسرے اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں، اول مختلف فیہ راوی ہیں، جب کہ دوسرا ضعیف ہے۔

۲۔پھر حضرت ابورھم رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ صحابی ہیں یا نہیں؟(۱)

۳۔اس حدیث شریف میں بھی وہی نفل والا احتمال موجود ہے کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور ان کے بھائی کو جو دو حصے زائد دیئے تھی وہ بطور نفل ہوں، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں ہوسکتا۔(۲)

وقال مالك: يسهم للخيل، والبراذين منها، لقوله: ﴿والخيل والبغال والحمير لتركبوها﴾۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غنیمت میں سے خیل اور براذین کو حصہ دیا جائے گا اللہ تعالی کے اس قول کی بناء پر"اور (اللہ تعالی نے پیدا کیا تمہارے لئے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو، تا کہ تم ان پر سواری کرو"۔

اختلاف نسخ

بعض نسخوں میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پہلے ہے، جب کہ ابوذر کے نسخے میں حدیث مقدم ہے، كما في نسختنا۔(۳)

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو موصولا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی موطا میں نقل کیا گیا ہے۔(۴)

---

(۱) إعلاء السنن (ج۱۲ص۱٦٥)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٥)، وشرح القسطلاني (ج٥ص٧٧)۔

(٤) الموطأ للإمام مالك بن أنس (ج٢ص٤٥٧)، كتاب الجهاد، (باب) القسم للخيل في الغزو، رقم (٢١)۔

براذین اور ہجین کے معنی

براذین برذون کی جمع ہے، علامہ مطرزی رحمۃ اللہ علیہ "المغرب" میں فرماتے ہیں کہ برذون ترکی گھوڑوں کو کہا جاتا ہے، اس کی ضد عراب —بكسر العين المهملة— ہے اور مونث کو برذونۃ کہتے ہیں۔(۱)

بعض نے یہ کہا ہے کہ براذین وہ گھوڑے ہیں جو روم سے لائے جاتے تھے، یہ گھوڑے گھاٹیوں، پہاڑوں اور مشکل راستوں پر دوڑنے میں مضبوط ہوتے ہیں، برخلاف عربی گھوڑوں کے۔(۲)

پھر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اسی تعلیق میں ایک اور لفظ کی زیادتی بھی مروی ہے، وہ ہے "الهجين" (۳) اور ہجین وہ گھوڑا کہلاتا ہے جس کے والدین میں ایک عربی ہو، دوسرا غیر عربی۔ اور بعض نے یہ کہا کہ جس گھوڑا کا باپ عربی ہو وہ "هجين" اور جس کی ماں عربی ہو وہ "مقرف" کہلاتا ہے۔(۴)

البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ ہجین اور برذون ایک ہی چیز ہے۔(۵)

آیت کریمہ کا مقصد

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے آیت کریمہ ﴿والخيل والبغال والحمير لتركبوها﴾ سے استدلال کیا ہے اور وجہ استدلال بقول علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر یہ احسان جتلایا ہے کہ اس نے بندوں کی سواری کے لئے گھوڑوں کو پیدا کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو غنیمت سے حصہ دیا ہے، چونکہ گھوڑے کا اطلاق برذون اور ہجین پر بھی ہوتا ہے، اس لئے انہیں بھی حصہ دیا جائے گا۔(۶)

---

(۱) المغرب (ج۱ ص۷۱)، وعمدة القاري (ج۱۴ ص۱۵۵)۔

(۲) حوالہ بالا، وفتح الباري (ج۶ ص۶۷)۔

(۳) الموطأ للإمام مالك بن أنس (ج۲ ص۴۵۷)، كتاب الجهاد، (باب) القسم للخيل في الغزو، رقم (۲۱)۔

(۴) عمدة القاري (ج۱۴ ص۱۵۵)، وإعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۷۶)۔

(۵) عمدة القاري (ج۱۴ ص۱۵۵)، والمغني لابن قدامة (ج۹ ص۲۰۱)، رقم (۷۴۹۴)۔

(۶) شرح ابن بطال (ج۵ ص۶۷)، وعمدة القاري (ج۱۴ ص۱۵۵)، وفتح الباري (ج۶ ص۶۷)۔

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار پوچھا گیا کہ کیا براذین پر زکوۃ واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کیا گھوڑوں پر زکوۃ ہے؟ مقصد یہی تھا کہ چونکہ خیل پر زکوۃ نہیں، اس لئے براذین پر بھی زکوۃ نہیں، (یہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے) کیونکہ براذین بھی خیل ہی میں سے ہیں۔(۱)

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعلیق کے ذریعے اور ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ برذون گھوڑے میں داخل ہے یا نہیں؟ اور اس کو غنیمت سے حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟ اور کتنا دیا جائے گا؟

ائمہ ثلاثہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، مالک، ثوری، ابوثور، خلال، عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالی کا مسلک یہ ہے کہ ہجین، برذون اور عراب سہم میں برابر ہیں، سب کو یکساں حصہ دیا جائے گا۔(۲)

جب کہ امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ عراب کی تفضیل کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہجین اور برذون کو عراب کے مساوی حصہ نہیں بلکہ کمتر دیا جائے گا۔(۳)

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے میں چار اقوال مروی ہیں:-

۱۔صرف ایک حصہ دیا جائے گا، نہ کہ دو حصے، جیسا کہ فرس میں دو حصوں کے وہ قائل ہیں۔

۲۔جمہور کے قول کے موافق کہ اس کو بھی فرس عربی کے مثل دیا جائے گا۔

۳۔اگر براذین عراب کی طرح جنگ میں حصہ لیں، تیزی دکھائیں تو ان کے لئے بھی عراب کی طرح مکمل سہم ہوگا، ورنہ کمتر حصہ ہوگا۔

۴۔براذین کو غنیمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔راجح قول پہلا ہے۔(۴)

---

(۱) الموطأ للإمام مالك (ج۲ ص۴٥۷)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱٥٥)، وفتح الباري (ج٦ ص٦۷)، والمغني (ج۹ ص۲۰۱) وإعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۷۷)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱٥٥)، وفتح الباري (ج٦ ص٦۷)، وإعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۷۷)۔

(٤) المغني (ج۹ ص۲۰۱)، رقم (۷٤۹٤)، وإعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۷۷)۔

جمہور کے دلائل

جمہور کی ایک دلیل تو وہ آیت کریمہ ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے دوسری وہ احادیث ہیں جن میں سہام فرس کا ذکر آیا ہے، چنانچہ ان تمام احادیث میں یہی بات ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرس کو حصے دیئے اور یہ احادیث مطلق ہیں کہ ان میں یہ تصریح کہیں بھی مذکور نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کی جنس ونسل کو مدنظر رکھتے ہوئے سہام میں کمی یا زیادتی کی ہو۔(۱)

اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ براذین اور عراب میں کسی قسم کی تفریق نہ برتی جائے، کیونکہ براذین بھی حیوان ذوسہم ہیں، جس طرح کہ آدمی ہے، چنانچہ جیسے آدمیوں میں نسل کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اسی طرح گھوڑوں میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور سب کو مساوی حصہ دیا جائے گا۔(۲)

امام احمد ولیث کے دلائل اور ان کے جوابات

ان کی پہلی دلیل وہ روایت ہے جس کو سعید بن منصور اور ابو داود رحمہما اللہ نے مکحول سے روایت کیا ہے "أن النبي صلى الله عليه وسلم هجَّن الهجين يوم خيبر وعرَّب العراب، فجعل للعربي سهمين و للهجين سهما"۔ (۳) یعنی "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں ہجین گھوڑے کی تحقیر کی اور عراب کی تعظیم، چنانچہ عراب کو تو دو حصے دیئے اور ہجین کو ایک حصہ"۔

اس دلیل کا جواب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے، اس لئے یہ قابل استدلال نہیں۔(۴)

ان کی دوسری دلیل وہ اثر وحکایت ہے، جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الام" میں اور سعید بن منصور نے اپنی "سنن" میں علی بن الاقمر کے طریق سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ گھوڑے حملہ آور ہوئے، چنانچہ

---

(۱) المغني (ج۹ص۲۰۱)، وإعلاء السنن (ج۱۲ص۱۷۸)، وأحكام القرآن للجصاص (ج۳ص۶۰)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٥٦)، وفتح الباري (ج٦ص٦٧)، وإعلاء السنن (ج۱۲ص۱۷٦)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٦٧)۔

عربی گھوڑے تو اپنے ہدف تک پہنچ گئے، لیکن براذین پیچھے رہ گئے، تو منذر بن ابی حمصہ وادعی کھڑا ہوا اور کہا کہ جو اپنے ہدف کو پہنچ گئے ان کے ساتھ میں ان کو شمار نہیں کروں گا جو ہدف کو نہیں پا سکے، یعنی اس نے عربی گھوڑوں کو فضیلت دی۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا ''وادعی کو اس کی ماں گم کرے'' (یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے منذر کے مذکورہ فعل کی تصویب وتعریف فرمائی) مزید فرمایا ''اس کی ماں نے اس کو نر جنا ہے، اس نے جو فیصلہ کیا ہے اس کو نافذ و جاری کردو، چنانچہ یہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے براذین کو عراب کے مقابلے میں کم حصہ دیا۔ (۱)

لیکن اس دلیل کو بھی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے منقطع قرار دیا ہے۔ (۲)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ اثر کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منذر بن ابی حمصہ وادعی کے مذکورہ فعل پر تعجب اس بات کا مقتضی ہے کہ اس واقعے سے قبل براذین کو بھی عراب کی طرح مکمل سہم دیا جاتا تھا، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عادت مستمرہ براذین اور عراب میں برابری کی ابتداء ہی سے چلی آرہی تھی۔ (۳)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ منذر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عامل تھا، اس نے جو فیصلہ کیا مجتہد فیہ میں کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مذکورہ فیصلہ کو برقرار رکھا، لیکن یہ اس لئے نہیں تھا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ وہ بھی منذر کے ہم خیال تھے، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر حاکم کسی مجتہد فیہ شی میں کوئی فیصلہ کرے تو دیگر بعد کے حکام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ پہلے حاکم کے فیصلہ کو ختم کردے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے فیصلہ کو برقرار رکھا اور اسے باطل قرار نہیں دیا تھا۔ (۴)

ولا يسهم لأكثر من فرس۔

ایک سے زائد گھوڑے کو سہم نہیں دیا جائے گا۔

یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے گذشتہ کلام کا بقیہ حصہ ہے۔ (۵)

---

(۱) حوالہ بالا، والمغني (ج۹ ص۲۰۲)، وإعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۷۶)، وكتاب الأم للشافعي (ج٤ ص۳۳۷)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٦٧)۔

(۳) إعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۷۷)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج۱٤ ص۱۵٦)، وفتح الباري (ج٦ ص٦٧)۔

یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے، چنانچہ طرفین، امام شافعی، مالک اور ظاہر یہ رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مجاہد کو اس کے کئی گھوڑوں میں سے صرف اس گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا جس پر اس نے قتال کیا ہے، اگر چہ میدان جنگ میں وہ کئی گھوڑے لایا ہو۔

جب کہ امام ابو یوسف، احمد، اسحاق، لیث بن سعد، ثوری، اوزاعی، مالکیہ میں سے ابن وہب اور ابن جہم رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ دو کو سہم دیا جائے گا۔(۱)

جمہور کے دلائل

۱۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بلغني أن الزبير بن العوام شهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بفرسين يوم خيبر، فلم يسهم له إلا بسهم فرس واحد"۔(۲)

۲۔مبسوط میں "إبراهيم التيمي عن أبيه" کے طریق سے یہ روایت علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہے "أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يسهم لصاحب الأفراس إلا لفرس واحد يوم حنين"۔کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں کئی گھوڑے والوں کو بھی صرف ایک سہم عطا فرمایا تھا"۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے اور مجتہد کا کسی روایت سے استدلال اس کی تصحیح ہے، نیز اس کی تائید امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی (اوپر) ذکر کردہ بلاغ سے بھی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، لیکن اس قسم کی مرسل روایات ہمارے اور اکثر کے نزدیک حجت ہیں، کیونکہ ابراہیم کے والد یزید بن شریک مخضرم تابعی ہیں۔(۳)

۳۔امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فریقین کا مسلک تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

(۱) حوالہ بالا، المغني (ج۹ص۲۰۲)، والأم للشافعي (ج٤ص۳٤۳)، وأحكام القرآن للجصاص (ج۳ص٦۰)۔

(۲) المدونة الكبرى (ج۲ص۳۲)، والموطأ للإمام مالك بن أنس (ج۲ص٤٥٧)۔

(۳) المبسوط (ج۱۰ص٤٦)، كتاب السير، باب معاملة الجيش مع الكفار، و إعلاء السنن (ج۱۲ص۱۸۱)، و قواعد في علوم الحديث (ص٥٧)، الفصل الثاني في بيان ما يتعلق بالتصحيح......

"والذي يدل على صحة القول الأول أنه معلوم أن الجيش قد كانوا يغزون مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ما ظهر الإسلام بفتح خيبر ومكة وحنين وغيرها من المغازي، ولم يكن يخلو الجماعة منهم من يكون معه فرسان أو أكثر، و لم ينقل أن النبي صلى الله عليه وسلم ضرب لأكثر من فرس واحد وأيضا فإن الفرس آلة، وكان القياس أن لا يضرب له بسهم كسائر الآلات؛ فلما ثبت بالسنة والاتفاق سهم الفرس الواحد أثبتناه، و لم نثبت الزيادة إذ كان القياس يمنعه ......". (۱)

"اور جو چیز پہلے قول (یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ودیگر کے قول) کی صحت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ اسلامی لشکر فتح خیبر، مکہ وحنین کے ذریعے اسلام کو غلبہ حاصل ہونے کے بعد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں شرکت کرتا رہا ہے، اس لشکر میں ایسے افراد اور جماعت کی بھی کمی نہیں تھی جن کے پاس دو یا اس سے زائد گھوڑے ہوں اور نہ ہی نبی علیہ السلام سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے ایک گھوڑے سے زائد کسی کو حصہ دیا ہو۔ نیز گھوڑا ایک آلہ ہے اور قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ جس طرح دیگر آلات جہاد کو سہم نہیں دیا جاتا اسی طرح اسے بھی نہ دیا جائے۔ جب سنت اور اجماع سے صرف ایک گھوڑے کا سہم ثابت ہوگیا تو ہم نے اس حکم کو برقرار رکھا اور زیادتی کو برقرار نہیں رکھا، کیونکہ قیاس اس سے مانع ہے"۔

فریق ثانی کے دلائل اور ان کے جوابات

۱۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں اپنے قول کے لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے استدلال فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ غنیمت میں سے دو سے زائد گھوڑوں کو سہم نہیں دیا جائے گا۔ (۲)

(۱) إعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۸۱)، وأحكام القرآن للجصاص (ج۳ص۶۰)، وقال الشافعي في "الأم" له : "ولكننا ذهبنا إلى أهل المغازي فقلنا: إنهم لم يرووا أنه عليه السلام أسهم لفرسين، و لم يختلفوا أنه حضر خيبر بثلاثة أفراس لنفسه: السكب، والضرب والمرتجز، و لم يأخذ إلا لفرس واحد"۔ انظر الأم (ج۷ص۳۴۳)۔

(۲) كتاب الخراج للإمام أبي يوسف (ص۲۰)، و إعلاء السنن (ج۱۲ ص۱۸۱)۔

۲۔ نیز وہ امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ :"لا یقسم لأکثر من فرسين"۔(۱)

لیکن ظاہر بات ہے کہ تابعی کا قول حجت نہیں، خصوصا جب کہ یہ ثابت بھی ہو چکا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں ایک سے زائد گھوڑے کو سہم نہیں دیا تھا۔(۲)

البتہ بعض احادیث بھی فریق ثانی کی تائید کرتی ہیں مثلا:

۳۔ امام سعید بن منصور نے "فرج بن فضالة، حدثنا محمد بن الوليد الزبيدي عن الزهري" کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تھا کہ "ایک گھوڑے کو دو، دو گھوڑوں کو چار اور ان کے مالک کو ایک حصہ دینا" چنانچہ یہ کل پانچ حصے ہوئے ......۔(۳)

لیکن اس سے استدلال بوجوہ درست نہیں:-

۱۔ یہ روایت مرسل ہے اور امام زہری کی مرسل روایات محدثین کے ہاں ضعیف ہیں۔

۲۔ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا حدیث ایک خاص معرکے پر محمول ہے، جس میں مسلمانوں نے کئی راتیں اور دن مسلسل لڑائی میں شرکت کی تھی، جیسے غزوہ یرموک وغیرہ۔

چنانچہ مسلمانوں کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ وہ دو یا زائد گھوڑوں پر سواری کریں، ظاہر ہے کہ جب معرکہ کئی دن تک جاری رہے گا تو یقیناً ایک گھوڑا کافی نہ ہوگا۔ اب اگر معاملہ اسی طرح ہو اور دو گھوڑوں کی ضرورت پڑے تو امامِ وقت کو اختیار ہے کہ وہ بطور نفل دو گھوڑوں کو سہم دے، جس طرح کہ اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ نفلا ایک گھوڑے کو دو سہم دے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس اثر میں ارشاد فرمایا ہے، جب کہ ان کا مذہب خود یہی ہے کہ فارس کے دو سہم ہوں گے، ایک اس کا، ایک گھوڑے کا، كما تقدم قبل۔(۴)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) إعلاء السنن (ج ۱۲ ص ۱۸۱)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) إعلاء السنن (ج ۱۲ ص ۱۸۲) مزید دلائل اور ان کے جوابات کے لئے دیکھئے حوالہ سابقہ (ص ۱۸۲ ۱۸۳)۔

٥٢ – باب : مَنْ قادَ دَابَّةَ غَيْرِهِ فِي الحَرْبِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں غازی کی سواری کو اس کی مدد کی غرض سے کھینچنے کی فضیلت بیان فرمارہے ہیں کہ چونکہ اس فعل میں غازی کی مدد ہوتی ہے، اس لئے یہ بھی باعث ثواب عمل ہے۔(۱)

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بتلایا ہو کہ دابہ کو کھینچ کر لے جانا، یہ اس جلب منہی عنہ میں داخل نہیں، جس کا ذکر ابوداود کی روایت "لا جلب ولا جنب" (۲) میں آیا ہے، چنانچہ شیخ الحدیث محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولك أن تقول: إنه أشار بذلك إلى أن النهي عن الجلب لايتناول هذا"۔(۳)

٢٧٠٩ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ : قالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ بْنِ عازِبٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا (٤) : أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ يَوْمَ حُنَيْنٍ ؟ قالَ : لٰكِنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ لَمْ يَفِرَّ . إِنَّ هَوَازِنَ كانُوا قَوْمًا رُمَاةً . وَإِنَّا لَمَّا لَقِينَاهُمْ حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ فَانْهَزَمُوا . فَأَقْبَلَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى الْغَنَائِمِ وَاسْتَقْبَلُونَا بِالسِّهَامِ . فَأَمَّا رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَفِرَّ . فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ وَإِنَّهُ لَعَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ ، وَإِنَّ أَبَا سُفْيَانَ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ : (أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ) . [٢٧١٩ ، ٢٧٧٢ ، ٢٨٧٧ ، ٤٠٦١–٤٠٦٣]

---

(١) الأبواب والتراجم للكاندهلوي (ج١ ص١٩٦)۔

(٢) سنن أبي داود، أبواب الزكاة، باب أين تصدق الأموال، رقم (١٥٩١ و ١٥٩٢)۔

(٣) الأبواب والتراجم للكاندهلوي (ج١ ص١٩٦)۔

(٤) قوله: "البراء بن عازب رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً كتاب الجهاد والسير، باب بغلة النبي صلى الله عليه وسلم البيضاء، رقم (٢٨٧٤)، وباب من صف أصحابه عند الهزيمة، و نزل عن دابته واستنصر، رقم (٢٩٣٠)، وباب من قال: خذها وأنا ابن فلان، رقم (٣٠٤٢)، وكتاب المغازي، باب قول الله تعالى: ﴿ويوم حنين إذ أعجبتكم كثرتكم ...... إلى قوله...... غفور رحيم﴾، رقم (٤٣١٥–٤٣١٧) ومسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة حنين، رقم (٤٦١٥–٤٦١٧)، والترمذي، أبواب الجهاد، باب ما جاء في الثبات عند القتال، رقم (١٦٨٨)۔

تراجم رجال

۱۔ قتیبہ

یہ شیخ الاسلام ابورجاء قتیبہ بن سعید الثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب إفشاء السلام من الإسلام" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔ سہل بن یوسف

یہ ابوعبدالرحمٰن سہل بن یوسف انماطی (۲) بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

یہ ابن عون، عبید اللہ بن عمر، عوف الاعرابی، حمید الطّویل، سعید بن ابی عروبہ، سلیمان التیمی، عوام بن حوشب، شعبہ اورثنی بن سعید الطائی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطین علم حدیث سے روایت کرتے ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین، بندار، ابوموسی، ابوبکر بن ابی شیبہ، قتیبہ بن سعید، نصر بن علی جہضمی، عباس بن یزید البحرانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ جیسے محدثین شامل ہیں۔(۴)

عباس الدوری، امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: "ثقة، قد سمعت منه"۔(۵)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا بأس به"۔(۶)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۷)

علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے۔(۸)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ ص۱۸۹)۔

(۲) الأنماطي منسوب إلى النمط، هو "ثوب من صوف يطرح على الهودج" (المنجد في اللغة: مادة "نمط")، وكان سهل يبيع الأنماط فنسب إليها، تعليقات تهذيب التهذيب (ج٤ ص٢٥٩)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج١٢ ص٢١٣)

(۴) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج١٢ ص٢١٣)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج١٢ ص٢١٤)۔

(٦) الجرح والتعديل (ج٤ ص١٩٣)، رقم (٨٨٥-٦٠٠٥)

(۷) تهذيب الكمال (ج١٢ ص٢١٤)۔

(۸) حوالہ بالا۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۱)

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن ابی داود سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: "بصري ثقة"۔(۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وثّقوه"۔(۳)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر اصحاب صحاح نے ان سے روایات لی ہیں۔(۴)

۱۹۴ھ کو ان کی وفات ہوئی۔(۵) چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سمعت منه سنة تسعين، ولم أسمع بعد منه شيئا، أراه كان قد مات"۔ (٦) رحمه الله رحمة واسعة۔

۳۔شعبہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۷)

۴۔ابی اسحاق

یہ ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ السبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔البراء بن عازب رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں، ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان، باب الصلاة من الإیمان" کے تحت آچکے ہیں۔(۸)

قال رجل للبراء بن عازب رضي الله عنه:

---

(۱) تهذيب التهذيب (ج٤ ص٢٦٠)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الكاشف (ج١ ص٤٧١)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج١٢ ص٢١٤)۔

(٥) تعليقات تهذيب الكمال (ج١٢ ص٢١٤)۔

(٦) تهذيب الكمال (ج١٢ ص٢١٤)۔

(٧) كشف الباري (ج١ ص٦٧٨)۔

(٨) كشف الباري (ج٢ ص٣٧٠-٣٧٦)۔

ایک آدمی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کہا۔

''مغازی'' کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی قبیلہ قیس کا کوئی فرد تھا، چنانچہ مغازی کی روایت میں یوں آیا ہے:"وسأله رجل من قيس"۔(۱)

أفررتم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين؟

کیا آپ لوگ غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟

حدیث باب میں مذکور سوال وجواب غزوہ حنین سے متعلق ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مقابل ہوازن اور ثقیف قبائل کے ۲۰ ہزار نوجوان تھے اور یہ غزوہ وادی حنین میں لڑا گیا تھا۔ اس غزوے میں اول وہلہ میں مسلمان مخالف قبائل کی تیراندازی سے گھبرا کر تتر بتر ہو گئے تھے اور صرف چند صحابہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے تھے، اس غزوے کی مکمل تفصیل "کتاب المغازی" میں آچکی ہے۔(۲)

قال: لكن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يفرّ۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرار نہیں ہوئے۔

کلمہ "لکن" استدراک کے لئے ہے اور تقدیری عبارت یہاں اس طرح ہے "نحن فررنا، ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يفر" کہ ہم تو فرار ہو گئے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرار نہیں ہوئے۔(۳)

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کا مقصود اس حذف عبارت سے صحابہ کرام کے فرار ہونے کی تصریح نہ کرنا تھا۔(۴)

انبیائے کرام علیہم السلام کا میدان جنگ سے فرار ہونا ممکن نہیں

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے راہِ فرار اختیار نہیں کی تھی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کی پوری زندگی اس پر دلیل ہے، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی یہی شان تھی کہ وہ میدان

---

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب المغازي، باب قول الله تعالى ﴿ويوم حنين إذ أعجبتكم كثرتكم ......﴾، رقم (٤٣١٧)۔

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي (ص ٥٣٢)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٥٧)۔

(۴) حوالہ بالا۔

جنگ سے کبھی فرار نہیں ہوئے، کیونکہ وہ اقدام میں بے نظیر، شجاعت میں بے مثال ہوتے ہیں، اللہ کی وعدہ نصرت پر انہیں کامل یقین ہوتا ہے اور یہ حضرات شہادت کے اور اللہ کے ساتھ ملاقات کے متمنی ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی کے حق میں میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنا ثابت نہیں۔ اور جو شخص اس بات کا قائل ہو اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کا یہ قول ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ آپ علیہ السلام کالے اور عجمی تھے جب کہ آپ علیہ السلام کا کالا اور عجمی نہ ہونا دلالت قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور یہ قول کفر ہے، چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وحكي عن بعض أصحابنا الإجماع على قتل من أضاف إليه صلى الله عليه وسلم نقصا أو عيبا، وقيل: يستتاب فإن تاب وإلا قتل"۔ (۱)

"یعنی ہمارے بعض اصحاب سے یہ اجماع نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی نقص یا عیب کو منسوب کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر توبہ کرتا ہے تو اچھی بات ہے، ورنہ اسے قتل کیا جائے گا"۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص (جو حضور ﷺ کے منہزم ہونے کا قائل ہو، اس) کے قتل کئے جانے کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لأنه كافر، إن لم يتأول، ويعذر بتأويله"۔ (۲)

"یعنی اس لئے کہ وہ شخص کافر ہے، اگر وہ اپنے قول کی تاویل نہ کرے اور اگر وہ اس بات کا قائل کسی نص کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی تاویل کرتے ہوئے ہوا ہو تو ایسی تاویل کرنے پر اس کو معذور سمجھا جائے گا اور کافر قرار نہیں دیا جائے گا"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور ہی کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ آپ میدان چھوڑ جائیں گے، چنانچہ مسلم کی روایت میں حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی کے الفاظ ہیں: "قال البراء: كنا والله، إذا احمر البأس نتقي به، وإن الشجاع منا للذي يحاذي به" يعني النبي صلى الله عليه وسلم۔ (۳) "حضرت براء بن عازب رضی

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ ص۶۹)، وأيضاً انظر لتفصيل هذه المسألة نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض (ج۱ ص۱۶۵)، القسم الرابع في تصريف وجوه الأحكام ...... فصل في الحجة في إيجاب قتل من سبه أو عابه صلى الله عليه وسلم۔

(۳) الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة حنين، رقم (۴۶۱۶)، والجامع لأحكام القرآن (ج۸ ص۱۰۱)۔

اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا! ہم لوگ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی تو آپ ہی کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے تھے اور ہم میں بہادر وہی سمجھا جاتا جو آپ کے نقش قدم پر چلتا یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے"۔

إن هوازن كانوا قوما رماة، وإنما لما لقيناهم حملنا عليهم فانهزموا، فأقبل المسلمون على الغنائم، واستقبلونا بالسهام۔

تحقیق قبیلہ ہوازن کے لوگ بڑے تیر انداز تھے، ہمارا جب ان سے سامنا ہوا تو ہم نے ان پر حملہ کردیا تو وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے، پھر مسلمان غنائم کی طرف متوجہ ہوگئے، چنانچہ کفار نے تیروں کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔

یہاں مذکورہ بالا عبارت میں حضرت براء رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے میدان جنگ کو چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے کی علت بتلائی کہ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ہوازن کے لوگ تیراندازی کے ماہر تھے، اس کے باوجود جب ہمارا ان سے آمنا سامنا ہوا اور خوب لڑائی ہوئی تو وہ لوگ بھاگ نکلے، مسلمان یہ سمجھے کہ فتح ہوگئی ہے، دشمن کے لوٹ کر آنے کا اب امکان نہیں، اس لئے وہ غنائم کے جمع کرنے میں مشغول ہوگئے، کفار نے موقع غنیمت جانا، دوبارہ حملہ کردیا اور خوب تیر برسائے، جس سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، چنانچہ وہ بھاگ نکلے اور اپنی جگہوں کو چھوڑ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ۱۰ ہزار کا لشکر ساتھ تھا، فتح مکہ کے بعد جب حنین تشریف لے گئے تو بہت سے افراد جو فتح کے بعد مسلمان ہوگئے تھے وہ بھی غزوہ حنین میں شامل ہوگئے، ہوازن نے جب دوبارہ حملہ کیا اور تیروں کی بارش کردی تو اس اچانک افتاد سے طلقائے فتح مکہ میں بھگدڑ مچ گئی، یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے، اس کے نتیجے میں صحابہ میں بھی فرار کی کیفیت پیدا ہوئی، بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب واپس بلایا تو حضرات صحابہ واپس آگئے اور اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔(۱)

فأما رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يفر۔

رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ فرار نہیں ہوئے۔

یہاں بھی عبارت مقدر ہے: "أما نحن فقد فررنا، وأما رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يفر"۔(۲)

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي (ص۵۳۲)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱۴ ص۱۵۷)۔

فلقد رأيته، وإنه لعلى بغلته البيضاء.

تحقیق میں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا اور آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر سواری کی حالت میں آگے بڑھنا اور پھر مشرکین کے مجمع کی طرف جانا شجاعت و بہادری کی حیرت انگیز مثال ہے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں سواری سے اتر آئے تو شجاعت کی اور بھی اعلی وارفع مثال قائم ہوئی۔(۱)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اللہ کے راستے میں اپنے نفس کو ہلاکت اورشدت (سختی) میں ڈالنا جائز ہے، کیونکہ غزوہ حنین کے موقع پر تمام صحابہ سوائے بارہ (۲) سب کے سب بھاگ گئے تھے اور مشرکین کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی، لیکن اس کے باوجود یہ حضرات اپنی اپنی جگہوں اور صفوں پر جمے رہے اور ضرورت کے وقت فرار کی جو رخصت ہے اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔(۳)

وإن أبا سفيان أخذ بلجامها.

اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا۔

"أبو سفيان" سے مراد ابوسفیان الحارث رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس بات کی تصریح کتاب المغازی کی روایت میں موجود ہے: "وإن أبا سفيان بن الحارث آخذ بزمامها"۔(۴)

حضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی اور چچا زاد بھائی حضرت ابوسفیان مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ھاشم ھاشمی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۵)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٧)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ص٦٩)۔

(٤) الصحيح للبخاري، كتاب المغازي باب قول الله تعالىٰ: ﴿ويوم حنين إذ أعجبتكم كثرتكم، فلم تغن......﴾، رقم (٤٣١٥و٤٣١٧)۔

(٥) سير أعلام النبلاء (ج١ص٢٠٢) والإصابة (٤ص٩٠)۔

انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہ کا دودھ پیا تھا۔(۱)

اور بعض حضرات نے مغیرہ ان کے بھائی کا نام قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا اسم گرامی ہے۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن مبارک اور ابراہیم بن المنذر، علامہ کلبی اور زبیر رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ مغیرہ ان ہی کا نام ہے۔(۲)

ان کی والدہ غزیۃ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزی ہیں۔(۳)

یہ شاعر تھے، صحابہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے، اسلام اور اہل اسلام کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے، مسلسل بیس سال تک اپنی اس روش پر قائم رہے اور مسلمانوں کے خلاف قریش نے جتنی جنگیں لڑیں، ان سب میں قریش کے ساتھ اور مسلمانوں کے خلاف شریک ہوئے، ان کی مسلسل اسلام دشمن سرگرمیوں کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خون ھدر قرار دیا تھا۔

جب اسلام کا بول بالا ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے لئے مکہ مکرمہ کا رخ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔(۴)

اسلام لانے کا واقعہ

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''طبقات'' میں ذکر کیا ہے، خود حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی سنئے:

''چنانچہ میں اپنی اہلیہ اور بیٹے کے پاس آیا، ان سے کہا کہ نکلنے کی تیاری کرو، کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لانے ہی والے ہیں تو انہوں نے کہا ہم آپ پر فدا ہوں! آپ کو چاہئے کہ دیکھیں کہ عرب وعجم کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے، درآنحالیکہ آپ ان کی دشمنی میں ایک حد کو پہنچ چکے تھے، جب کہ ان کی نصرت کے لئے آپ کو سب سے پہلے جانا چاہئے

(۱) طبقات ابن سعد (ج٤ص٤٩)، والإصابة (ج٤ص٩٠)۔

(۲) الإصابة (ج٤ص٩٠)، وسير أعلام النبلاء (ج١ص٢٠٣)۔

(۳) طبقات ابن سعد (ج٤ص٤٩)۔

(۴) حوالہ بالا۔

تھا۔ (یعنی ان کی اہلیہ اور بیٹے نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی۔)

پھر میں نے اپنے بیٹے سے کہا میرے اونٹوں اور گھوڑے کو جلدی سے میرے پاس لاؤ۔ پھر ہم مکہ سے نکلے، منزل ہماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، تو ہم چلے، جب ابواء مقام پر پہنچے تو وہاں پڑاؤ اختیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیش کا مقدمہ بھی ابواء میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، جس کی منزل مکہ مکرمہ تھی۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے گھبرایا، کیونکہ آپ نے میرے خون کی نذر مان رکھی تھی، چنانچہ میں نے اپنا حلیہ بدلا اور اپنے بیٹے جعفر کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلا، تقریباً ایک میل تک پیدل چلا، یہ اس صبح کی بات ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواء میں اقامت اختیار کی تھی، چنانچہ میں آپ کے سامنے گیا تو آپ علیہ السلام نے رخ مبارک دوسری طرف پھیرلیا، میں اس طرف سے گیا تو پھر آپ نے رخ پھیرلیا، آپ علیہ السلام نے مجھ سے کئی بار اعراض کیا، تو مجھے قریب اور دور کے خیالات نے آ گھیرا اور اپنے سے کہنے لگا کہ میں آپ علیہ السلام تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل ہو جاؤں گا۔ اور میں نے ان کی نیکی، صلہ رحمی اور ان کے ساتھ میری قرابت کو یاد کیا، پس آپ نے میری اس کوشش اور معذرت کو قبول کیا۔

مجھے یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اسلام قبول کرنے سے خوش ہوں گے تو میں نے اسلام قبول کرلیا اور اسی حال میں ان کے ساتھ نکل پڑا اور ان کے ساتھ فتح مکہ اور حنین میں شریک ہوا۔ غزوہ حنین میں جب ہمارا دشمن سے سامنا ہوا تو میں گھوڑے سمیت اندھا دھند لشکر میں جا گھسا اور میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری ہی طرف دیکھ رہے تھے، مگر آپ کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ ان کے لئے میں اپنی جان قربان کرنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام سے کہا: "یا رسول اللہ، هذا أخوك، وابن عمك أبوسفیان ابن الحارث، فارض عنه" کہ "یارسول اللہ! یہ آپ کے بھائی اور آپ کے چچا کے بیٹے ابوسفیان بن حارث ہیں، ان سے راضی ہوجایئے۔" آپ علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے انہیں معاف کردیا، اللہ تعالیٰ بھی ان کی وہ عداوتیں جوانہوں نے مجھ سے روا رکھی معاف کرے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "میرے بھائی"۔ بخدا! میں نے رکاب

میں ان کے پاؤں کو بوسہ دیا''۔(۱)

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صورۃً مشابہ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت عزیز رکھتے تھے، آپ علیہ السلام نے ان کو جنت کی خوش خبری بھی دی، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:"أبو سفيان بن الحارث سيد فتيان أهل الجنة"۔(۲) اور فرمایا:"أبو سفيان أخي، وخير أهلي، و قد أعقبني الله من حمزة أبا سفيان بن الحارث" کہ''ابوسفیان میرے بھائی اور بہتر گھر والوں میں سے ہیں اور تحقیق اللہ عز وجل نے حضرت حمزہ کے بعد مجھے ابوسفیان بن حارث کو بطور بدل کے دیا''۔چنانچہ اس کے بعد ان کو"أسد الله"اور"أسد الرسول" کے وقیع الفاظ سے پکارا جاتا تھا۔(۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر انہوں نے ایک انتہائی پراثر اور دردناک مرثیہ بھی کہا تھا۔(۴)

یہ حج کو گئے اور وہاں حلاق نے ان کا سر مونڈھا، ان کے سر میں ایک مسہ تھا، جس کو حلاق نے کاٹ ڈالا اور اس

---

(۱) طبقات ابن سعد (ج٤ص٥٠)۔

(۲) الإصابة (ج٤ص٩٠)، والمستدرك للحاكم (ج٣ص٢٥٥)، وسير أعلام النبلاء (ج١ص٢٠٥)۔

(۳) الاستيعاب بهامش الإصابة (ج٤ص٨٤)، وطبقات ابن سعد (ج٤ص٥٢)۔

(٤) قال ابن إسحاق: ولأبي سفيان يرثي النبيّ ﷺ:

أَرِقْتُ فَبَاتَ لَيلي لا يَزُولُ ... ولَيلُ أخِي المُصِيبَةِ فِيهِ طُولُ
وأَسْعَدني البُكَاءُ وذَاكَ فِيمَا ... أُصِيبَ المُسْلِمونَ بِه قَلِيلُ
فَقَدْ عَظُمَتْ مُصِيبَتُنا وجَلَّتْ ... عَشِيَّةَ قِيلَ قَد قُبِضَ الرَّسُولُ
فَقَدْنا الوَحْيَ والتَّنزِيلَ فِينَا ... يَرُوحُ بِهِ ويَغْدُو جِبْرَئِيلُ
وَذَاكَ أحَقُّ مَا سَالَتْ عَلَيْه ... نُفُوسُ الخَلْقِ أَوْ كَادَتْ تَسِيلُ
نَبِيٌّ كَانَ يَجْلُو الشَّكَّ عَنَّا ... بِمَا يُوحَىٰ إلَيْهِ وَمَا يَقُولُ
وَيَهْدِينَا فَلَا نَخْشَىٰ ضَلَالاً ... عَلَيْنا، والرَّسُولُ لَنَا دَلِيلُ
فَلَمْ نَرَ مِثْلَهُ في النَّاسِ حَيّاً ... وَلَيْسَ لَهُ مِنَ المَوْتَىٰ عَدِيلُ
أَفَاطِمُ إنْ جَزِعْتِ فَذَاكَ عُذْرٌ ... وإنْ لَمْ تَجْزَعِي فَهُو السَّبِيلُ
فَعُودِي بِالعَزَاءِ فَإِنَّ فِيهِ ... ثَوَابَ الله والفَضْلُ الجَزِيلُ
وَقُولي في أبِيكِ وَلَا تَمَلِّي ... وَهَلْ يَجْزي بِفَضْلِ أبِيكِ قِيلُ
فَقَبْرُ أبِيكِ سَيِّدُ كُلِّ قَبْرٍ ... وَفِيهِ سَيِّدُ النَّاسِ الرَّسُولُ

سير أعلام النبلاء (ج١ص٢٠٤)۔

کی وجہ سے آپ کی موت واقع ہوگئی، چنانچہ لوگ ان کو شہید سمجھتے تھے۔(۱)

۲۰ ھجری کو مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی۔(۲) رضي الله عنه وأرضاه۔

والنبي صلى الله عليه وسلم يقول:

أنا النبي لا كذب أنا ابن عبدالمطلب

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ ''میں نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب جیسے سردار کا بیٹا ہوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا قول "أنا النبي لا كذب" میں نبوت محمدی کا اثبات ہے، مطلب یہ ہے کہ میں اپنے قول میں کاذب نہیں ہو کہ مجھے شکست ہو، کیونکہ شکست اسی کو ہوسکتی ہے جس کو اللہ کی مدد ونصرت پر یقین نہ ہو اور موت کا خوف لاحق ہو۔(۳)

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یقین کامل نبی اور رسول ہی کو ہوتا ہے اور جسے اس درجے کا یقین حاصل ہو اسے شکست نہیں ہوسکتی۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس جملے میں ہے: "وإن أبا سفيان بن الحارث آخذ بلجامها"۔(۴)

۵۳ - باب : الرِّكابِ وَالْغَرْزِ لِلدَّابَّةِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا ہے کہ رکاب اور غرز کو اگر جانوروں کے لئے استعمال کیا جائے تو

(۱) حوالہ بالا، والمستدرك (ج۳ص۲۵۵)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۱ص۲۰۵)، وطبقات ابن سعد (ج٤ص٥٣)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ص٦٩)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٦)۔ حدیث باب کی مزید تشریح کے لئے دیکھئے کشف الباري، كتاب المغازي (ص٥٣٥)۔

اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے: "اقطعوا الرکب، وثبوا علی الخیل وثبا"۔ (۱) کہ "رکاب کو کاٹ ڈالو اور گھوڑے پر اچھل کر سوار ہو۔" اس سے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ جانور پر سواری کے لئے رکاب استعمال کرنا ممنوع ہے۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ موجودہ ترجمۃ الباب کے ذریعے یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رکاب کے استعمال کو سرے سے ممنوع قرار نہیں دیتے تھے، بلکہ ان کا مقصود اس ممانعت سے لوگوں کو گھوڑے پر خود سے بغیر کسی سہارے کے سوار ہونے کی تمرین اور مشق کی ترغیب دینا ہے، کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاب کا استعمال کیا ہے اور جانور پر سوار ہونے کے لئے اس سے مدد لی ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیسے اس سے منع فرما سکتے ہیں؟! (۲)

رکاب اور غرز کے معنی

"رکاب" زین کے اس لٹکے ہوئے حصے کو کہتے ہیں جس میں سوار اپنا پیر ڈالتا ہے۔ اور غرز کے معنی بھی رکاب ہی کے ہیں۔ (۳) اس اعتبار سے یہ دونوں مترادف ہیں۔

پھر بعض حضرات نے دونوں میں فرق یہ بیان کیا ہے کہ "رکاب" تو لوہے یا لکڑی کا ہوتا ہے اور "غرز" صرف چمڑے ہی کا ہوتا ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک "غرز" اونٹ کے لئے اور "رکاب" فرس کے لئے ہوتا ہے۔ (۴)

۲۷۱۰ : حدّثني عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ : عَنْ أَبِي أُسَامَةَ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا (۵) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الغَرْزِ ، وَٱسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً ، أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الحُلَيْفَةِ . [ر : ١٤٤٣]

---

(۱) كذا عزاه ابن بطال رحمه الله إلى عمر رضي الله عنه، إلا إني لم أجده في المصادر التي بين يدي۔

(۲) شرح ابن بطال (ج٥ ص ٧٠)۔

(۳) المعجم الوسيط (ج١ ص٣٦٨) مادة "ركب"۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٦٩) وعمدة القاري (ج١٤ ص١٥٨)۔

(٥) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث مر تخريجه في كتاب الوضوء، باب غسل الرجلين في النعلين، ولا يمسح على النعلين۔

تراجم رجال

یہ بعینہ وہی سند ہے جو ابھی "باب سہام الفرس" میں گذری ہے۔

تنبیہ

اور حدیث باب کی مکمل تشریح کتاب الحج میں آچکی ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث کے اس جملے میں ہے: "إذا أدخل رجله في الغرز"۔

اور چونکہ رکاب غرز ہی کے معنی کو شامل ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "غرز" کے ساتھ "رکاب" کو بھی ملحق کردیا ہے یا اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں۔(۲)

٥٤ – باب : رُكُوبِ الْفَرَسِ الْعُرْيِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمے سے یہ ہے کہ اگر گھوڑے پر زین نہ ہو، اس کی پیٹھ ننگی ہو اور زین کے بغیر ہی آدمی اس پر سوار ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ ضروری نہیں کہ زین کے ساتھ ہی سوار ہوا جائے، بلکہ ننگی پیٹھ پر سواری تو گھڑسوار کی مہارت پر دلالت کرتی ہے۔

لفظ "عري" کی تحقیق

"عــــــري" عین مہملہ کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ ہے، اس کے معنی ننگی پیٹھ اور بلا زین کے ہیں، چنانچہ "فرس عري" کے معنی ننگی پیٹھ اور بلا زین گھوڑے کے ہوئے۔

---

(۱) انظر كتاب الحج، باب قول الله تعالى: ﴿يأتوك رجالا......﴾۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٨)، وفتح الباري (ج٦ص٦٩)۔

اور "عري" کا لفظ جانوروں کے ساتھ ہی خاص ہے، چنانچہ آدمی کو "عري" نہیں کہا جاتا، بلکہ "عریان" کہا جاتا ہے۔(۱)

اس کلمے کے ضبط میں دوسرا احتمال ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا کہ حدیث میں یہ لفظ راء کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی "عُرِي"۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وليس في كتب اللغة مايساعده"۔(۲) "لیکن لغت کی کتابیں ان کے قول کی موافقت نہیں کرتیں۔"

۲۷۱۱ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ(۳) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : ٱسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى فَرَسٍ عُرْيٍ ، ما عَلَيْهِ سَرْجٌ ، في عُنُقِهِ سَيْفٌ . [ر : ۲٤٨٤]

تراجم رجال

۱۔عمرو بن عون

یہ عمرو بن عون بن اوس سلمی واسطی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۲۔حماد

یہ حماد بن زید بن درہم ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا ......﴾" کے تحت آ چکے ہیں۔(۵)

۳۔ثابت

یہ مشہور تابعی حضرت ابو محمد ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب العلم، باب القراءة

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٨)، وفتح الباري (ج٦ص٧٠)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٧٠)۔

(۳) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب من استعار من الناس من الفرس۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب ماجاء في القبلة، ......۔

(۵) كشف الباري (ج٢ص٢١٩)۔

وللمعرض علی المحدث" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۱)

۴۔انس

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

قال: استقبلهم النبي صلی الله علیه وسلم علی فرس عري، ما علیه سرج، وفي عنقه سیف۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے ایک ننگی پیٹھ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے، اس پر زین نہ تھی اور آپ کی گردن میں تلوار حمائل تھی۔

تنبیہ

حدیث باب ماقبل میں کئی مرتبہ گذر چکی ہے اور وہیں اس سے متعلقہ ابحاث بھی ذکر کردی گئی ہیں، اس لئے ہم مزید تشریحات نہیں کریں گے، البتہ بعض فوائد کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

حدیث باب سے مستنبط فوائد

۱۔حدیث سے ایک فائدہ یہ مستنبط ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حد درجے کے متواضع تھے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہر گھڑ سوار تھے، کیونکہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری وہی شخص کرسکتا ہے جو ہمیشہ گھڑ سواری کرتا ہو اور اس میں مہارت رکھتا ہو۔(۳)

۲۔دوسرا فائدہ یہ مستنبط ہوا کہ فارس کے لئے یہ مناسب اور ضروری ہے کہ گھڑ سواری کی مشق اور تمرین کرتا رہے، تاکہ کوئی اچانک مصیبت آئے تو اس کا سامنا کرنے کے لئے پہلے سے تیار ہو۔(۴)

---

(۱) کشف الباري (ج۳ص۱۸۳)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص٤)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص۷۰)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٥٨)۔

(٤) حوالہ بالا، وشرح ابن بطال (ج٥ص۷۰)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے اور وہ حدیث کے اس جملے میں ہے: "استقبلهم النبي صلى الله عليه وسلم على فرس عري"۔(۱)

۵۵ – باب : الْفَرَسِ الْقَطُوفِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ آہستہ چلنے والے گھوڑے پر سواری جائز اور مشروع ہے۔

کلمہ "قطوف" کی تحقیق

"قطوف" باب ضرب ونصر سے ہے، اس کے معنی آہستہ چلنے والا کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: "قطفت الدابة يقطِف قِطَافا: إذا أبطأت"۔(۲)

٢٧١٢ : حدّثنا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ(۳) : أَنَّ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَزِعُوا مَرَّةً ، فَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ كانَ يَقْطِفُ ، أَوْ كانَ فِيهِ قِطَافٌ ، فَلَمَّا رَجَعَ قالَ : (وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هٰذَا بَحْرًا) . فَكانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يُجَارَى . [ر : ٢٤٨٤]

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٨)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٧٠)، والمعجم الوسيط (ج٢ص٧٤٦)، مادة "قطف"۔

(۳) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس۔

تراجم رجال

۱۔عبدالاعلی بن حماد

یہ عبدالاعلی بن حماد بن نصر باہلی ذھلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۲۔یزید بن زریع

یہ ابومعاویہ یزید بن زریع تیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔سعید

یہ سعید بن ابی عروبہ ابوالنضر یشکری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ بن قتادہ سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان دونوں حضرات کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب ......" کے تحت آچکے ہیں۔(۴)

اور حدیث باب کی تشریحات ماقبل میں کئی جگہ آچکی ہیں۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت اس جملے میں ہے: "کان یقطف، أو کان فیه قطاف"۔(۵)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الغسل، باب الجنب یخرج ویمشي في الأسواق وغیره۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب غسل المني وفرکه۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الغسل، باب: إذا جامع ثم عاد، و من دار علی ......۔

(٤) کشف الباري (ج۲ ص۳و٤)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص١٥٩)۔

اور کلمہ "أو" یہاں شک کے لئے ہے کہ راوی کو شک ہو رہا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے "یقطف" فرمایا ہے یا "قطاف"۔ (۱)

فائدہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ حدیث سے یہ بات مستنبط ہوئی کہ سلطان اگر کمتر جانور پر سواری کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تاکہ اس کو مشق کروائے، سدھائے اور اس کی تادیب کرے اور یہ تواضع کے قبیل سے ہے۔ (۲)

٥٦ – باب : السَّبْقِ بَيْنَ الخَيْلِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے مقصود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ اگر جہاد کی تیاری کے لئے گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس فعل کی مشروعیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت و منصوص ہے۔ (۳)

کلمۂ "سبق" کی وضاحت

"سبق" سین مہملہ کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ سبَق یسبِق سے مصدر ہے، جس کے معنی مقابلے کے ہیں۔ اور یہی معنی یہاں مراد ہے۔

---

(۱) حوالہ بالا وفتح الباري (ج٦ ص ٧٠)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج٥ ص ٧١)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٥٩)، وفتح الباري (ج٦ ص ٧١)۔

اور اگر یہ کلمہ باء کے فتحہ کے ساتھ ہو، یعنی "سبَــــق" تو اس کے معنی اس شرط کے ہے جو آگے بڑھنے پر رکھی جاتی ہے۔(۱)

۲۷۱۳ : حدّثنا قَبِيصَةُ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ[۲] رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قالَ : أَجْرَى النَّبِيُّ ﷺ ما ضُمِّرَ مِنَ الخَيْلِ مِنَ الحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ ، وَأَجْرَى ما لَمْ يُضَمَّرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ ، قالَ ابْنُ عُمَرَ : وَكُنْتُ فِيمَنْ أَجْرَى .

قالَ عَبْدُ اللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَان قالَ : حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ قالَ سُفْيَانُ : بَيْنَ الحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ خَمْسَةُ أَمْيَالٍ أَوْ سِتَّةٌ ، وَبَيْنَ ثَنِيَّةَ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ مِيلٌ . [ر : ٤١٠]

تراجم رجال

ا۔قبیصہ

یہ ابو عامر قبیصہ بن عقبہ بن محمد کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۲۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث حضرت سفیان بن سعید ثوری کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی "كتاب الإيمان" کے مذکورہ باب کے تحت آچکے ہیں۔(۴)

۳۔عبیداللہ

یہ عبیداللہ بن عمر العمری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

(۱) حوالہ بالا ومختار الصحاح مادة "سبق"۔

(۲) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب هل يقال: مسجد بني فلان؟

(۳) كشف الباري (ج۲ ص۲۷۵)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ ص۲۷۸)۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت۔

۴۔نافع

یہ ابوعبداللہ نافع مولی ابن عمر العدوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۵۔ابن عمر

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں،ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب الإيمان، وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس" کے تحت آچکے ہیں۔(۲)

تنبیہ

حدیث باب کی بعض تشریحات "کتاب الصلاة" کے تحت آ چکی ہیں۔(۳) اور بعض فوائد کا ذکر انشاءاللہ کچھ صفحات کے بعد ہم ذکر کریں گے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت حدیث کے ان دو جملوں میں ہے:"أجرى النبي صلى الله عليه وسلم ما ضمر ......"۔اور:"وأجرى ما لم يضمر" کیونکہ "اجراء" مسابقت کے معنی کو شامل ہے۔(۴)

قال عبد الله: حدثنا سفيان قال: حدثني عبيد الله۔

عبداللہ سے مراد کون ہیں؟

یہاں عبداللہ سے مراد ابن الولید عدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور بعض نسخوں میں جو یہاں "ابوعبداللہ" آیا ہے وہ سہو اور غلط ہے۔(۵)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب من أجاب السائل بأكثر مما سأله۔

(۲) كشف الباري (ج۱ ص۶۳۶)۔

(۳) انظر كتاب الصلاة، باب هل يقال: مسجد بني فلان؟ رقم (۴۲۰)۔

(۴) عمدة القاري (ج۱۴ ص۱۵۹)۔

(۵) شرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۴۷)۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"فعبد الله هو: ابن الوليد العدني، كذا رويناه في جامع سفيان الثوري من روايته عنه"۔ (۱)

''یعنی یہاں عبداللہ سے ابن الولید عدنی مراد ہیں، اسی طرح ہمیں روایت کی گئی ہے ''جامع سفیان'' میں سفیان سے عبداللہ کی روایت میں''۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ ''عبداللہ'' کی بجائے اگر ''ابوعبداللہ'' کہا جائے تو یہ ممکن ہی نہیں، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ناممکن ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری کی ولادت ۱۹۴ھ کی ہے اور سفیان ثوری ان سے بہت پہلے ۱۶۱ھ کو وفات پا گئے تھے۔

تعلیق مذکور کا مقصد

مذکورہ بالا تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت میں اپنے شیخ عبیداللہ سے ''تحدیث'' کی تصریح کی ہے، بخلاف پہلی روایت کے کہ وہ عنعنہ کے ساتھ مروی ہے، چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"وأراد البخاري بهذا تصريح الثوري عن شيخه بالتحديث بخلاف الرواية الأولى، فإنها بالعنعنة"۔ (۲)

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ''جامع'' میں موصولاً نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ ابھی حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں گذرا۔ (۳)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٧٢)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٥٩)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٧٢)۔

قال سفیان: بین الحفیاء إلى ثنیة الوداع خمسة أمیال......

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول سابقہ سند کے ساتھ موصول ہے، یعنی "سفیان عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ"۔(۱)

۵۷ – باب : إِضْمَارِ الخَيْلِ لِلسَّبْقِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سنت تو یہ ہے کہ مقابلہ میں وہ گھوڑے مقدم کئے جائیں جن کو دبلا کیا گیا ہے، لیکن اگر ان گھوڑوں کا مقابلہ کروایا جائے جن کا اضمار نہیں کیا گیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"إشارة إلى أن السنة في المسابقة أن يتقدم إضمار الخيل، وإن كانت التي لا تضمر لا تمتنع المسابقة عليها"۔ (۲)

جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کا مقصد یوں بیان فرمایا ہے:

"أي هذا باب في بيان إضمار الخيل لأجل السبق، هل هو شرط أم لا؟"۔ (۳)

"یعنی یہ باب مقابلہ کی غرض سے گھوڑے کے اضمار کے بیان میں ہے (مقابلے میں شریک) گھوڑے کا اضمار کرنا شرط ہے یا نہیں"۔

اور اس کا جواب حدیث باب میں مذکور ہے کہ مقابلے کے گھوڑوں کے لئے اضمار شرط نہیں، اس کے بغیر بھی مقابلے کروائے جاسکتے ہیں۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱٥۹)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص۷۱)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱٥۹)۔

(٤) المتواري (ص۱٥٥)۔

اضمار کا مطلب ومعنی

اضمار خواہ باب افعال سے ہو یا تفعیل سے، اس کے معنی گھوڑے کو دبلا بنانے اور چھریرا بنانے کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: "أضمر الفرس وضمره"۔(۱)

اضمار کا طریقہ

اضمار میں ہوتا یہ ہے کہ جانور کو پہلے خوب کھلا پلا کر موٹا کرتے ہیں، اس کے بعد اس کو بند کمرے میں رکھتے ہیں اور اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو پسینہ خوب آتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا پانی اور گھاس کم کردیا جاتا ہے، چنانچہ جب خوب پسینہ آتا ہے تو اس کے جسم کا فالتو گوشت ختم ہوجاتا ہے اور وہ نہایت چاق و چوبند، مضبوط اور پھرتیلا ہوجاتا ہے اور اس اضمار کی مدت اہل عرب کے ہاں چالیس دن ہوتی ہے۔(۲)

بظاہر یہ فعل تعذیب نظر آتا ہے، لیکن اس کو مسابقت میں استعمال کرنے کے لئے اور جہاد کے لئے تیار کرنے کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔(۳)

٢٧١٤ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ[٤] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ الخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ ، وَكانَ أَمَدُهَا مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ ، وَأَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عُمَرَ كانَ سَابَقَ بِهَا .

قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : أَمَدًا : غَايَةً . «فَطَالَ عَلَيْهِمُ الأَمَدُ» /الحديد ١٦/ . [ر : ٤١٠]

تراجم رجال

۱۔ احمد بن یونس

یہ احمد بن عبداللہ بن یونس تمیمی یربوعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، دادا کی نسبت سے مشہور ہیں، ان کے حالات "کتاب

---

(۱) مصباح اللغات (ص٤٩٩) مادة "ضمر" والمعجم الوسيط (ج١ص٥٤٣) مادة "ضمر"۔

(۲) شرح ابن بطال (ج٥ص٧١)، المعجم الوسيط (ج١ص٥٤٣)، مادة "ضمر"۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ص٧١)، وشرح الكرماني (ج١٢ص١٤٧)۔

(٤) قوله: "عن عبد الله رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب هل يقال: مسجد بني فلان؟

الإیمان، باب من قال: إن الإیمان......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔لیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۲)

۳۔نافع

یہ ابوعبداللہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔عبداللہ

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب الإیمان، وقول النبي صلی اللہ علیه وسلم: بني الإسلام علی خمس" کے تحت آچکے ہیں۔(۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ ترجمہ تو انہوں نے اضمار الخیل کا قائم کیا ہے اور حدیث جو ذکر کی اس میں خیول مضمرۃ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ خیول غیر مضمرہ کا ذکر ہے۔(۵)

تو اس اعتراض کے شراح نے مختلف جوابات دیئے ہیں:-

۱۔علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ تو اضمار کا قائم کیا ہے اور روایت یہ ذکر کی "سابق بین الخیل التي لم تضمر" تاکہ مکمل حدیث کی طرف اشارہ ہو جائے۔کیونکہ پوری حدیث یوں ہے: "أن

(۱) کشف الباري (ج۲ص۱۵۹)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص۳۲٤)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب من أجاب السائل بأکثر مما سأله۔

(٤) کشف الباري (ج۱ص٦۳۷)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص١٥٩)، وشرح ابن بطال (ج٥ص٧١)۔

الرسول صلى الله عليه وسلم سابق بين الخيل التي ضمرت، و بين الخيل التي لم تضمر"۔(۱)

چونکہ حدیث میں دونوں قسم کے مقابلوں کا ذکر ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حصہ ذکر فرمادیا کیونکہ اس سے باقی حصے کی طرف بھی اشارہ ہوجاتا ہے۔(۲)

۲۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب ارشاد فرمایا ہے کہ خیول مضمرة کا مقابلہ تو عادۃً معروف ہی ہے، رہے خیول غیر مضمرة تو ان میں یہ احتمال واعتقاد ہوسکتا ہے کہ ان کا مقابلہ جائز نہ ہو، کیونکہ ان کے دوڑانے میں مشقت اور خطرہ ہے، چنانچہ حدیث سے اس کا جواز واضح ہوگیا کہ اس میں بھی کوئی جرح ومضائقہ نہیں ہے۔(۳)

قال أبو عبد الله: أمدا غاية: ﴿فطال عليهم الأمد﴾ ۔

''ابوعبداللہ'' سے مراد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور یہ عبارت صرف ''مستملی'' کے نسخے ہی میں موجود ہے۔(۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حدیث کے لفظ ''الأمد'' کی تفسیر فرمائی ہے کہ ''أمد'' کے معنی غایت اور انتہاء کے ہیں۔

اورانہوں نے جو تفسیر یہاں ذکر فرمائی ہے وہ ابوعبیدہ کی کتاب ''المجاز'' میں ذکر کردہ تفسیر ہے۔(۵)

گھوڑ دوڑ کے مقابلے کی شرعی حیثیت اور اس کی مختلف صورتیں

حدیث باب میں اس بات کی صراحت ہے کہ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ جائز ہے، پھر اس میں تفصیل یوں ہے کہ یہ مقابلے یا تو عوض کے ساتھ ہوں گے یعنی اس میں کوئی انعام وغیرہ بھی ہوگا یا بلاعوض، چنانچہ فقہائے امت کا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر یہ مقابلے بلاعوض وانعام کے ہوں تو جائز ہیں۔عوض کے ساتھ مقابلے کی تفصیل آگے آرہی

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ص۷۱)۔

(۲) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۴۷)، وعمدة القاري (ج۱۴ص۱۶۰)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۶۰)، وفتح الباري (ج۶ص۷۲)۔

(۵) حوالہ بالا۔

ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ مقابلہ کن امور اور جانوروں میں جائز ہے؟

چنانچہ امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب تو یہ ہے کہ یہ مقابلے صرف "خف، حافر ونصل" میں ہو سکتے ہیں(۱) "خف" سے مراد اونٹ اور ہاتھی "حافر" سے مراد گھوڑا، گدھا اور خچر اور "نصل" سے مراد تیر اندازی ہے، یعنی مقابلے ان تین چیزوں میں منحصر ہیں، دیگر کسی بھی چیز میں مقابلے جائز نہیں۔(۲)

جب کہ بعض علماء نے اس مقابلے کو صرف گھوڑوں کے ساتھ خاص کیا ہے، یعنی مقابلہ صرف گھوڑوں کا ہی جائز ہے اور کسی چیز کا مقابلہ جائز نہیں۔(۳)

اور امام عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ تمام چیزوں میں مقابلے جائز ہیں۔(۴)

حضرت سعید بن میسّب رحمۃ اللہ علیہ سے پتھر پھینکنے کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔(۵)

اور اگر مسابقہ عوض کے ساتھ ہے، جسے "مراهنة" بھی کہا جاتا ہے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ جو عوض ہو وہ انعام کے طور پر ہو اور مقابلہ کرنے والوں کے علاوہ اور کسی کی طرف سے ہو، جیسے سلطان یا اور کوئی بھی دوسرا شخص، یہ صورت بالاجماع جائز ہے، چاہے انعام صرف جیتنے والے کے لئے ہو یا تمام شرکائے مقابلہ کے لئے، یا بعض کے لئے ہو۔(۶)

چنانچہ علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إنه صلى الله عليه وسلم سابق بين الخيل على حُلَل أتته من اليمن، فأعطى السابق

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٧٢)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٠)، واستدلوا في ذلك بما روي عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا سبق إلا في نصل أو خف أو حافر۔" رواه الترمذي، رقم (١٧٠٠)، وأبوداود، (رقم ٢٥٧٤)، والنسائي، رقم (٣٦١٥) وأيضاً انظر: الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، كتاب السير، باب السبق، رقم (٤٦٧١)۔

(۲) المرقاة (ج٧ص٣١٩)۔

(۳) حوالہ بالا

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) المرقاة لعلي القاري (ج٧ص٣٢٠)۔

(٦) تكملة فتح الملهم (ج٣ص٣٨٩)۔

ثلاث حُلَل، وأعطى الثاني حلتين، والثالث حلة، والرابع ديناراً، والخامس درهما، والسادس فضة، وقال: "بارك الله فيك، وفي كلكم، وفي السابق والفسكل". (۱)

''یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کپڑے کے جوڑوں پر جو یمن سے آپ کے لئے آئے تھے، گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کروایا، چنانچہ اول آنے والے کو تین جوڑے، دوم کو دو جوڑے، سوم کو ایک جوڑا، چہارم کو ایک دینار، پنجم کو ایک درہم، ششم کو چاندی بطور انعام عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اللہ تم کو اور سب میں برکت دے، اول آنے والے گھوڑے میں بھی اور آخر میں رہنے والے گھوڑے میں بھی''۔

البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے "المغني" میں یہ نقل کیا ہے کہ مقابلہ صرف سلطان کی طرف سے ہو اور کسی کی طرف سے یہ مقابلے کروائے جائیں تو جائز نہیں (۲)، لیکن مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ہر متبرع شخص یہ مقابلے کروا سکتا ہے۔ (۳)

۲۔ اگر مال صرف ایک ہی جانب سے ہو، مثلاً فریقین یوں کہیں کہ اگر تم مجھ سے آگے نکل گئے تو تمہیں اتنا مال بطور انعام دوں گا اور اگر میں تم سے آگے نکل گیا تو میرے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا أو بالعکس۔

یہ صورت بھی اوروں کے نزدیک جائز ہے، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت کو بھی قمار شمار کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔ (۴)

لیکن مالکیہ کی کتب میں اس صورت کو بھی جائز کہا گیا ہے۔ (۵) چنانچہ صحیح بات یہی ہے کہ ائمہ اربعہ اس دوسری صورت کے جواز پر بھی متفق ہیں۔ (۶)

۳۔ اگر مال دونوں جانب سے ہو، مثلاً فریقین یوں کہیں: "إن سبقتني فلك علي كذا، وإن سبقتك فلي عليك كذا" کہ اگر تم مجھ سے آگے نکل گئے تو تمہارے مجھ پر اتنے ہوں گے اور اگر میں تم سے

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱٥٩)۔

(۲) المغني لابن قدامة (ج۹ ص۳٦۹)۔

(۳) تكملة فتح الملهم (ج۳ ص۳۹۰)، وأوجز المسالك (ج۸ ص۳۹٥)۔

(٤) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱٦۱)، وفتح الباري (ج٦ ص۷۳)۔

(٥) رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع (ج٥ ص۲۸٥)، ومسائل شتى (ج٥ ص٥۳)۔

(٦) تكملة فتح الملهم (ج۳ ص۳۹۰)۔

آ گے نکل گیا تو تم پر میرے اتنے ہوں گے۔ یہ صورت بالا جماع حرام ہے، کیونکہ یہ وہی قمار ہے، جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے۔(۱)

۴۔فریقین مقابلے میں کسی تیسرے آدمی کو داخل کریں، یہی تیسرا آدمی ''محلل'' کہلاتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ یہ دو جو اصل فریقین ہیں وہ مال کی ایک مقدار نکالیں اور تیسرا کچھ بھی مال نہ دے اور وہ دونوں اس تیسرے آدمی سے کہیں کہ اگر تم ہم دونوں سے آگے نکل گئے تو ہم دونوں کا سارا مال تمہارا اور اگر ہم دونوں تم سے سبقت کر جائیں تو تم پر ہمارے لئے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

اب اگر وہ تیسرا شخص ان دونوں سے جو اصل فریق ہیں آگے نکل گیا تو پورے مال کا مستحق وہی ہوگا اور وہ دونوں اس محلل سے سبقت کر گئے تو دو صورتیں ہیں:-

اگر وہ دونوں ایک ساتھ اس محلل سے آگے نکلے ہیں تو کسی کو دوسرے سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

اور اگر یہ دونوں اس محلل سے یکے بعد دیگرے آگے نکل جائیں تو ان دونوں میں سے جو اپنے ساتھی پر سبقت کر گیا ہے وہ اُس کے مال کا مستحق ہوگا اور یہ دوسرا پہلے کے مال کا مستحق نہ ہوگا۔(۲)

اس چوتھی صورت کا حکم حنفیہ کے نزدیک وہ ہے جو کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے:

"إدخال الثالث إنما يكون حيلةً للجواز، إذا كان الثالث يتوهم منه أن يكون سابقا ومسبوقا، فأما إذا كان يتيقن أنه يسبقهما لامحالة، أو يتيقن أنه يصير مسبوقا فلا يجوز"۔(۳)

''یعنی فریقین کا اپنے ساتھ تیسرے آدمی کو ملانا جواز کے لئے حیلہ اس صورت میں بن سکتا ہے جب کہ تیسرے کے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ سب سے آگے نکل جائے گا یا پیچھے رہ جائے گا، ہاں! اگر اس تیسرے کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ ان دونوں سے لازمی طور پر آگے نکل جائے گا، یا یہ اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ ان دونوں سے پیچھے رہ جائے گا تو جائز نہیں''۔

(۱) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٦١)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٦١)، وتكملة فتح الملهم (ج٣ص ٣٩٠)۔

(۳) الفتاوى الهندية (ج٥ص ٣٢٤)۔

جواز کی یہ صورت اس شرط کے ساتھ کہ تیسرے آدمی کے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ ان دونوں سے آگے نکل جائے گا، یا پیچھے رہ جائے گا امام ابوحنیفہ، احمد، شافعی، اوزاعی، اسحاق، سعید بن میسّب اور زهری رحمهم اللہ تعالی کا مذہب ہے۔(۱)

جب کہ امام مالک (۲) اور جابر بن زید (۳) رحمہما اللہ تعالی کا قول یہ ہے کہ محلل کے ساتھ بھی یہ صورت جائز نہیں۔ (۴)

جمہور کا مستدل اس چوتھی صورت کے جواز پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو امام ابوداود (۵) اور امام احمد (۶) نے نقل کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

قال: من أدخل فرسا بين فرسين، يعني هو لا يأمن أن يسبق فليس بقمار، ومن أدخل فرسا بين فرسين، وقد أمن أن يسبق فهو قمار"۔ (۷)

کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے، یعنی جس کے بارے یہ یقین نہیں ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار نہیں ہے اور اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا ایسا گھوڑا شامل کرے، جس کے بارے یہ یقین ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار ہے"۔

چنانچہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر محلل کے آگے نکلنے کا گمان نہ ہو تو یہ صورت جوا اور قمار کی نہیں۔ البتہ اگر محلل کے سبقت کرنے کا یقین ہو تو یہ یقیناً قمار ہے اور جمہور اس کے جواز کے قائل بھی نہیں۔ واللہ أعلم

---

(۱) المغني لابن قدامة (ج۹ص۳۷۲)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٦۱)، والمدونة الكبرى (ج ص)۔

(۳) المغني لابن قدامة (ج۹ص۳۷۲)۔

(٤) تكملة فتح الملهم (ج۳ص۳۹۰)۔

(٥) سنن أبي داود، أبواب الجهاد، باب في المحلل، رقم (۲۵۷۹)۔

(٦) مسند الإمام أحمد (ج۲ص۵۰۵)۔

(۷) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٦۱)، ومشكوة المصابيح (ج۲ص۱۱۳۸)، رقم (۳۸۷۵)۔

٥٨ – باب : غَايَةِ السَّبْقِ لِلْخَيْلِ الْمُضَمَّرَةِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس ترجمہ سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ خیل مضمرہ کی غایت اور انتہاء دوڑ اور مقابلے کے لئے زیادہ ہوگی اور غیر مضمرہ کے درمیان جب مقابلہ کروایا جائے گا تو ان کے لئے جو غایت مقرر ہوگی وہ کم ہوگی۔ (۱)

اور اس کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ مضمرہ زیادہ دیر تک دوڑنے پر قادر ہوتے ہیں، بخلاف غیر مضمرہ کے کہ وہ جلد تھک جاتے ہیں، اس لئے اگر ان کو ان کی طاقت سے زیادہ دوڑایا گیا تو اس میں ان کے ضرر اور ہلاکت کا قوی اندیشہ ہے۔

چنانچہ حدیث باب میں یہ آیا ہے کہ خیول مضمرہ کی غایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران مسابقہ تقریباً چھ میل رکھی تھی، جب کہ غیر مضمرہ کی غایت تقریباً ایک میل رکھی۔ اس میں حکمت وہی ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی۔ (۲)

٢٧١٥ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعاوِيَةُ : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ مُوسٰى ابْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا[۳] قالَ : سَابَقَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ بَيْنَ الخَيْلِ الَّتِي قَدْ أُضْمِرَتْ ، فَأَرْسَلَهَا مِنَ الحَفْيَاءِ ، وَكَانَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ – فَقُلْتُ لِمُوسٰى : فَكَمْ كانَ بَيْنَ ذٰلِكَ ؟ قالَ : سِتَّةُ أَمْيَالٍ أَوْ سَبْعَةٌ – وَسَابَقَ بَيْنَ الخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ ، فَأَرْسَلَهَا مِنْ ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ ، وَكانَ أَمَدُهَا مَسْجِدَ بَنِي زُرَيْقٍ – قُلْتُ : فَكَمْ بَيْنَ ذٰلِكَ ؟ قالَ : مِيلٌ أَوْ نَحْوُهُ – وَكانَ ابْنُ عُمَرَ مِمَّنْ سَابَقَ فِيهَا . [ر : ٤١٠]

تراجم رجال

۱۔ عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مختصر حالات "کتاب الإیمان، باب أمور

(۱) فتح الباري (ج ٦ ص ٧١)۔

(۲) عمدة القاري (ج ١٤ ص ١٦٠)، و شرح ابن بطال (ج ٥ ص ٧٢)۔

(۳) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب هل يقال: مسجد بني فلان؟

الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔معاویہ

یہ ابوعمرو معاویۃ بن عمرو الازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔موسی بن عقبہ

یہ موسی بن عقبہ بن ابی عیاش اسدی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔نافع

یہ ابوعبداللہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۶۔ابن عمر

یہ مشہور صحابی رسول، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب الإیمان، وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس" کے تحت آچکے ہیں۔(۶)

تنبیہ

حدیث باب کی تشریح گذشتہ ابواب کے تحت آچکی ہے۔

فائدہ

حدیث باب سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ جب گھوڑوں کے درمیان مقابلہ کروایا جائے تو مقابلے کی انتہاء وغایت

(۱) کشف الباري (ج۱ ص۶۵۷)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الأذان، باب إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب من أجاب السائل بأكثر مما سأله۔

(۶) کشف الباري (ج۱ ص۶۳۶)۔

معلوم ہو۔ نیز یہ کہ گھوڑے رفتار اور قوت وغیرہ میں مساوی ہوں اور یہ کہ خیول مضمرہ کے ساتھ غیر مضمرہ کا مقابلہ نہ کروایا جائے۔ اس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔(۱)

٥٩ - باب : نَاقَةِ النَّبِيِّ ﷺ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔(۲)

قَالَ ابْنُ عُمَرَ : أَرْدَفَ النَّبِيُّ ﷺ أُسَامَةَ عَلَى الْقَصْوَاءِ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کو قصواء اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار کیا۔

وَقَالَ الْمِسْوَرُ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ما خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ) . [ر : ٢٥٨١]

اور حضرت مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصواء خود نہیں بیٹھی۔

مذکورہ بالا دونوں تعلیقات کی تخریج

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولا کتاب المغازی میں نقل کیا ہے۔(۳)

جب کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ

(١) شرح ابن بطال (ج٥ص٧٢)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١٦١)۔

(٣) انظر الصحيح للبخاري، كتاب المغازي، باب حجة الوداع، رقم (٤٤٠٠)۔

نے بھی موصولاً ذکر کیا ہے۔(۱)

مذکورہ بالا تعلیقات کے ذکر کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں باب کے تحت دو تعلیقات ذکر کی ہیں، ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی، اور دونوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ ''قصواء'' کا ذکر آیا ہے، مقصد یہ ہے کہ آپ کی ایک ناقہ تھی، جس کا نام ''قصواء'' تھا۔

باب سے مناسبت

نیز ان تعلیقات کی مناسبت بھی ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح ہے کہ باب "ناقة النبي صلى الله عليه وسلم" کا قائم کیا گیا ہے اور دونوں تعلیقات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ "قصواء" کا ذکر ہے۔

٢٧١٦/٢٧١٧ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ محمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعاوِيَةُ : حَدَّثَنَا أَبو إِسْحٰقَ ، عَنْ حُمَيْدٍ قالَ : سَمِعْتُ أَنسًا(۲) رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ : كانَتْ ناقَةُ النَّبِيِّ ﷺ يُقالُ لَها الْعَضْباءُ .

تراجم رجال

۱۔عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

---

(١) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب، رقم (٢٧٣١، ٢٧٣٢)، وأبو داود في سننه، أبواب الجهاد، باب في صلح العدو، رقم (٢٧٦٥، ٢٧٦٦)، وأبواب السنة، باب في الخلفاء، رقم (٤٦٥٥)۔

(٢) قوله: "أنسا رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الجهاد، باب ناقة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (٢٨٧٢)، وكتاب الرقاق، باب التواضع، رقم (٦٥٠١)، وأبو داود في سننه، أبواب الأدب، باب في كراهية الرفعة في الأمور، رقم (٤٨٠٢و ٤٨٠٣) والنسائي في سننه، كتاب الخيل والسبق والرمي، باب السبق، رقم (٣٦١٨)۔

(٣) كشف الباري (ج١ ص٦٥٧)۔

۲۔معاویۃ

یہ ابوعمرو معاویہ بن عمرو الازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن الحارث فزاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

حُمید

یہ ابوعبیدہ بن ابی حمید الطّویل رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لایشعر" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۵۔انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت آ چکے ہیں۔(۴)

(۲۷۱۷) : حدّثنا مالِكُ بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ (۵) عَنْهُ قالَ : كانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ ناقَةٌ تُسَمَّى الْعَضْباءَ ، لَا تُسْبَقُ . قالَ حُمَيْدٌ : أَوْ لَا تَكادُ تُسْبَقُ ، فَجاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى قَعُودٍ فَسَبَقَها ، فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حَتَّى عَرَفَهُ ، فَقَالَ : (حَقٌّ عَلَى ٱللهِ أَنْ لَا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِنَ ٱلدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ) . طَوَّلَهُ مُوسَى . عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [٦١٣٦]

---

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الأذان، باب إقبال الإمام علی الناس عند تسویة الصفوف۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة۔

(۱) کشف الباري (ج۲ص۵۷۱)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۴)۔

(۳) قوله: "عن أنس رضي الله عنه" الحدیث، مرتخریجه آنفا في الحدیث السابق۔

تراجم رجال

۱۔ مالک بن اسماعیل

یہ ابوغسان مالک بن اسماعیل بن زیاد النہدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۲۔ زہیر

یہ زہیر بن معاویہ بن حدیج جعفی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مفصل حالات "كتاب الإيمان، باب الصلاة من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں اور سند کے باقی رجال گذشتہ سند میں آ چکے ہیں۔(۲)

قال: كان للنبي صلى الله عليه وسلم ناقة تسمى العضباء لاتسبق۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی، جسے "عضباء" کہا جاتا تھا، اس کے ساتھ مقابلہ میں کوئی اونٹنی آگے نہیں بڑھتی تھی۔

یعنی "عضباء" نامی جو اونٹنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی وہ ہمیشہ دوڑ کے مقابلوں میں آگے ہی رہتی، دوسری اونٹنیاں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں۔

قال حميد: أولا تكاد تسبق۔

حمید راوی کہتے ہیں کہ یا یہ کہا کہ کوئی اس سے آگے نہیں جاسکتی تھی۔

کلمہ "أو" شک کے لئے ہے، یعنی حمید الطّویل کو شک ہوا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے "لا تسبق" فرمایا تھا یا "لا تكاد تسبق" اور دوسری روایات میں بغیر شک کے "لا تسبق" ہی ہے۔(۳)

فجاء أعرابي على قعود، فسبقها۔

تو ایک اعرابی ایک نوجوان اونٹ پر سوار ہوکر آیا، چنانچہ اس کا اونٹ عضباء سے سبقت لے گیا۔

یعنی اس اعرابی کے اونٹ کے ساتھ جو "عضباء" کا مقابلہ ہوا تو اعرابی کا اونٹ جیت گیا اور عضباء سے آگے نکل گیا۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص۳٦۷)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص ٧٤)۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے تلاش بسیار وتتبع کے باوجود اس اعرابی کا نام معلوم نہ ہوسکا، لکھتے ہیں: "ولم أقف علی اسم هذا الأعرابي بعد التتبع الشديد"۔(۱)

"قعود" کے معنی

قعود -- بالفتح علی القاف-- اس جوان اونٹ کو کہتے ہیں جس پر سواری کی جاسکتی ہو، یعنی وہ سوار کو اپنے پر قابو دیتا ہو، اس کی کم از کم مدت دو سال ہے اور جب چھ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ ''جمل'' کہلاتا ہے اور ''قعود'' مذکر اونٹ ہی کو کہا جاتا ہے اور مؤنث کو'' قلوص'' کہتے ہیں۔(۲)

جب کہ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اونٹوں میں ''قعود'' اس کو کہتے ہیں جو اپنے چرواہے کی ہر حاجت میں کام آتا ہو۔(۳)

فشق ذلك علی المسلمين، حتی عرفه۔

تو وہ مسلمانوں پر شاق گذرا، جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہچان گئے۔

یعنی اعرابی کا اونٹ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سے سبقت لے گیا تو یہ سبقت لے جانا مسلمانوں پر بہت شاق گذرا کہ آپ کی اونٹنی کیونکر پیچھے رہ گئی اور ان کی اس چیز کو آپ نے بھی محسوس کیا کہ میری اونٹنی کا مقابلے میں پیچھے رہ جانا ان مسلمانوں پر بہت گراں ہوا ہے(۴) اور آپ نے یہ ان مسلمانوں کے چہروں کے آثار سے معلوم کیا، چنانچہ کتاب الرقاق کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: "فلما رأی مافي وجوههم"۔(۵)

فقال: حق علی الله أن لا يرتفع شيء من الدنيا إلا وضعه۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر یہ حق ہے کہ دنیا کی جو چیز بلند ہو، اس کو پست کردے۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں کمال کے بعد زوال ہے، وہ اللہ ہی کی ذات اقدس ہے جس کو زوال نہیں،

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) مختار الصحاح، مادة "قعد"۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) إرشاد الساري (ج٥ص ٨٠)۔

(٥) صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع (٦٥٠١)۔

ورنہ عادۃ اللہ تمام اشیاء میں یہی ہے کہ ان کو کامل ہونے کے بعد زوال ہونا ہے، کوئی بھی چیز ہمیشہ کامل ومکمل نہیں رہتی، بالآخر کمزور اور نقصان پذیر ہوجاتی ہے، اس کی واضح مثال حضرت انسان ہے کہ ابتداءً چھوٹا سا ہوتا ہے، آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے، جوانی میں اپنے کمال کو پہنچتا ہے، پھر جب بڑھاپے کی طرف اس کا سفر شروع ہوتا ہے تو کمال میں نقصان آتا جاتا ہے، بالآخر ایک دن وہ جسم جس پر وہ نازاں وفرحاں رہتا تھا فناء ہوجاتا ہے۔ ﴿کل من علیها فان، ویبقی وجه ربك ذو الجلال والإکرام﴾۔ (۱)

قصواء اور عضباء ایک اونٹنی کے دو نام ہیں یا یہ علیحدہ علیحدہ ہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کے نام بیان کئے گئے ہیں، یہ علیحدہ علیحدہ تھیں یا ایک ہی ناقہ کے مختلف نام ہیں۔

چنانچہ علامہ حربی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک ہی ناقہ کے مختلف نام ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ قصواء، عضباء اور جدعاء کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو موسوم کیا جاتا ہے۔ (۲)

جب کہ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ الگ الگ اونٹنیوں کے نام ہیں، عضباء الگ ہے اور قصواء الگ۔ (۳)

سبب اختلاف

دراصل یہاں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ سیرت کی کتب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں میں سے ایک کا نام ''عضباء'' دوسری کا ''جدعاء'' تیسری کا ''صلماء'' اور چوتھی کا ''مخضرمہ'' آیا ہے (۴) اور یہ سب کی سب کان کی صفات ہیں، چنانچہ ''عضباء'' اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس کے کان پھٹے ہوئے ہوں، ''جدعاء'' کے معنی کن کٹی کے ہیں، جبکہ ''صلماء'' کے معنی ہیں وہ اونٹنی جس کے دونوں کان کٹے ہوئے ہوں اور ''ناقہ مخضرمہ'' کے معنی اس اونٹنی کے ہیں جس کے کان کا کنارہ کٹا ہوا ہو۔

---

(۱) الرحمن /۲٦، ۲۷۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٧٤)، وشرح القسطلاني (ج٥ ص٨١)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٧٤)۔

(٤) زاد المعاد في هدي خير العباد (ج١ ص١٣٤)، وشرح القسطلاني (ج٥ ص٨١)۔

اب یہاں دو احتمال ہیں:-

ا۔ان میں سے ہر صفت الگ الگ اونٹنی کی صفت ہے،یعنی ایک اونٹنی ایسی تھی جس کے کان پھٹے ہوئے تھے، اس لئے اسے''عضباء'' کہا گیا،دوسری کے کان کٹے ہوئے تھے اس لئے اسے''جدعاء'' کہا گیا،تیسری کے دونوں کاٹ ہوئے تھے لہذا اسے''صلماء'' سے موسوم کیا گیا اور چوتھی کے کان کا کنارہ کٹا ہوا تھا،لہذا اسے''مخضر مہ'' کہا گیا۔(۱)

۲۔یہ سب صفات ایک ہی اونٹنی کی ہوں،اب جس کو جیسا اچھا لگا اور خیال آیا اسی نام سے اس اونٹنی کو موسوم کر دیا۔یہی رائے علامہ حربی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔(۲)

علامہ حربی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی تایید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے،فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک کام کے لئے بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی''قصواء'' پر سوار ہوئے "أنه ركب (أي علي) ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم القصواء" یہی روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے،اس میں بجائے''قصواء'' کے''عضباء'' مروی ہے،جب کہ بعض دیگر حضرات نے اسی روایت میں''جدعاء'' کی صفت ذکر کی ہے، لہذا یہ اس بات کی تصریح ہے کہ یہ تینوں صفات ایک ہی اونٹنی کی ہیں،کیونکہ قصہ ایک ہی ہے۔چنانچہ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں: "فهذا يصرح أن الثلاثة صفة ناقة واحدة؛ لأن القصة واحدة"۔(۳)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ سب کی سب صفات ایک ہی ناقہ کی ہے،کیونکہ ترجمۃ الباب میں انہوں نے ناقہ کو لفظ مفرد کے ساتھ ذکر کیا ہے،چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أفرد الناقة في الترجمة إشارة إلى أن العضباء والقصواء واحد"۔(۴)

تنبیہ

قصواء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کٹے ہوئے ہوں،لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ اونٹنی کن کٹی نہیں تھی،بلکہ اس کا یہ نام ہے۔(۵)

---

(۱) إرشاد الساري (ج٥ ص٨١)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٧٣)۔

(٥) شرح الكرماني (ج١٢ ص١٤٨)۔

طوله موسى عن حماد عن ثابت عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم۔

نسخوں کا اختلاف

یہ تعلیق "مستملی" کے نسخے میں عبداللہ بن محمد مسندی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کے بعد آئی ہے، یعنی باب کی پہلی حدیث جو مسندی سے مروی ہے، جب کہ ابوذر کی روایت کے علاوہ دیگر نسخوں میں عبداللہ بن محمد مسندی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے بعد ہے۔(۱)

راجح نسخہ کونسا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تعلیق مستملی کے نسخے میں عبداللہ بن محمد مسندی کی روایت کے بعد مذکور ہے اور دیگر نسخوں میں سوائے ابوذر کے زہیر کی روایت کے بعد مذکور ہے تو راجح نسخہ کونسا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں راجح مستملی کا نسخہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ موسی بن اسماعیل کا طریق ابوداود میں موجود ہے اس کا سیاق زہیر بن معاویہ عن حمید سے طویل نہیں، ہاں ابواسحاق فزاری کے طریق سے بہرحال طویل ہے۔(۲)

مذکورہ تعلیق کی تخریج

موسی بن اسماعیل تبوذکی کی اس تعلیق کو موصولا امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں "أبــواب الأدب" میں ذکر کیا ہے۔(۳)

مذکورہ تعلیق کے ذکر کرنے کا مقصد

معلوم یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً تو ابواسحٰق فزاری کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے اسے نقل کردیا، کیونکہ اس میں حمید الطویل نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح کی ہے، پھر موسی بن اسماعیل کی

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٧٣)، وإرشاد الساري (ج٥ ص٨٠)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الحديث أخرجه أبو داود، أبواب الأدب، باب في كراهية الرفعة في الأمور، رقم (٤٨٠٢)۔

تعلیق کو ذکر کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہی حدیث ثابت البنانی کے طریق سے مطولا بھی مروی ہے، پھران کو جب حمید ہی کے طریق سے یہ روایت مطولا مل گئی تو اسے بھی ذکر کردیا۔(۱) واللہ أعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ احادیث باب کی مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ احادیث باب کی مناسبت بایں طور ہے کہ باب "ناقة النبي صلى الله عليه وسلم" کا قائم کیا گیا ہے، جو عضباء وغیرہ کو بھی شامل ہے، جس کا ذکر باب کے تحت نقل کی گئیں احادیث میں ہے۔(۲)

باب الغزو على الحمير

اختلاف نسخ

یہ باب ہمارے پاکستانی نسخوں میں نہیں ہے۔(۳) صرف مستملی ہی نے اس باب کو، وہ بھی بغیر حدیث کے اپنے نسخے میں ذکر کیا ہے۔(۴)

جب کہ نسفی نے اپنی روایت میں اس باب کو اگلے باب کے ساتھ ملا کر یوں ذکر کیا ہے: "باب الغزو على الحمير، وباب بغلة النبي صلى الله عليه وسلم"۔ اور شراح بخاری میں سے بھی کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، بہرحال یہ باب دونوں صورتوں میں اشکال سے خالی نہیں۔(۵)

البتہ مستملی کے نسخے کے اعتبار سے بات یوں بن سکتی ہے کہ ترجمہ تو امام صاحب نے قائم کردیا اور کسی مناسب حدیث کو اس کے تحت لانے کے لئے بیاض چھوڑ دی، شاید ان کا ارادہ یہی تھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو "باب اسم الفرس والحمار" کے تحت گذری، اس کو ترجمے کے تحت داخل کرتے یعنی: "كنت ردف النبي صلى

(۱) فتح الباري (ج٦ص٧٣)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص٦٢)۔

(۳) انظر الصحيح للبخاري (ج١ص٤٠٢)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٧٤) وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٢)۔

(۵) حوالہ بالا۔

اللہ علیہ وسلم علی حمار یقال لہ: عفیر"۔(۱)

چنانچہ اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گدھے پر سواری حالت حضر میں کی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حالت سفر میں اس پر سواری کی ہو اس طرح ان حضرات کے ہاں جو مطلق اور عام کے درمیان فرق نہیں کرتے، ترجمہ کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔(۲)

اور اگر نسفی کے نسخے کو دیکھا جائے تو اس میں بھی صرف بغلہ کا ذکر ہے، گدھے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں، اس لئے یہ صورت بھی اشکال سے خالی نہیں۔

اب اس اشکال ثانی کا ایک جواب تو یہی دیا جاسکتا ہے کہ امام صاحب نے باب تو حمیر اور بغلہ کا ذکر کیا اور بغلہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد حمیر کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ یا یہ کہا جائے کہ گدھے کا حکم خچر سے لیا جائے گا۔(۳)

٦٠ - باب : بَغْلَةِ النَّبِيِّ ﷺ الْبَيْضَاءِ .

قَالَهُ أَنَسٌ [ر : ٤٠٨٢] . وَقَالَ أَبو حُمَيْدٍ : أَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ [ر : ١٤١١]

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔(۴)

قاله أنس۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس عبارت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ

(۱) انظر الصحیح للبخاری، کتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار، رقم (٢٨٥٦)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٧٤)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٧٤)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٢)۔

فرمایا ہے، جو غزوہ حنین سے متعلق ہے، اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی موصولا نقل کیا ہے۔(۱)

وقال أبو حميد: أهدى ملك أيلة للنبي صلى الله عليه وسلم بغلة بيضاء۔

اور حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایلہ کے بادشاہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر ہدیہ میں دیا تھا۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم وابوداود رحمۃ اللہ علیہم نے بھی موصولا نقل کیا ہے۔(۲)

مذکورہ تعلیقات کا مقصد

ان تعلیقات کا مقصد بالکل واضح ہے، کہ باب جو قائم کیا اس میں بغلة النبي صلى الله عليه وسلم کا ذکر ہے اور اسی امر کا اثبات ان دونوں تعلیقات میں بھی ہے۔

۲۷۱۸ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا يَحْيَى : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحٰقَ قالَ : سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الحَارِثِ(۳) قالَ : ما تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ ، وَسِلَاحَهُ ، وَأَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً . [ر : ۲۵۸۸]

---

(۱) انظر الصحيح للبخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم (۴۳۳۷)، والصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام، وتصبر من قوي إيمانه، رقم (۲۴۴۱)۔

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب الزكاة، باب خرص التمر، رقم (۱۴۸۱)، وكتاب الجزية والموادعة، باب إذا وادع الإمام ملك القرية، رقم (۳۱۶۱) ومسلم، كتاب الفضائل، باب معجزات النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۵۹۴۸) وأبو داود، أبواب الخراج، باب إحياء الموات، رقم (۳۰۷۹)۔

(۳) قوله: "عمرو بن الحارث رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الوصايا، باب الوصايا۔

تراجم رجال

۱۔عمرو بن علی

یہ ابوحفص عمرو بن علی بن بحر باهلی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۲۔یحیی

یہ امام یحیی بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۳۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

۴۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب الصلاة من الإیمان" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۴)

۵۔عمرو بن الحارث

یہ ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ ہیں۔(۵)

تنبیہ

حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی مکمل تشریح "کتاب الوصایا" میں گذر چکی ہے۔

---

(۱)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب الرجل یؤضیء صاحبه۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۲)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص۲۷۸)۔

(٤) کشف الباري (ج۲ص۳۷۰)۔

(۵)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الزکاة، باب الزکاة علی الزوج والأیتام في الحجر۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث کے اس جملے میں ہے: "ماترك النبي صلى الله عليه وسلم إلا بغلته البيضاء......"۔

۲۷۱۹ : حدّثنا محمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ سُفْيَانَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ[1] ، قالَ لَهُ رَجُلٌ : يَا أَبَا عُمَارَةَ وَلَّيْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ ؟ قالَ : لَا وَٱللهِ ما وَلَّى النَّبِيُّ ﷺ ، وَلٰكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ ، فَلَقِيَهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ ، وَالنَّبِيُّ ﷺ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ ، وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الحَارِثِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا ، وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ : (أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ) . [ر : ۲۷۰۹]

تراجم رجال

۱۔محمد بن المثنی

یہ ابوموسی محمد بن المثنی بن عبید عنزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں اور سند کے دیگر رجال یعنی یحیی بن سعید، سفیان اور ابواسحاق کے تذکرے کا حوالہ گذشتہ سند میں ابھی گذر چکا ہے۔(۲)

۵۔البراء

یہ مشہور صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب الصلاة من الإيمان" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۳)

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس خچر پر غزوہ حنین کے موقع پر سوار تھے، کیا یہ

(۱) قوله: "عن البراء رضي الله عنه": الحديث مر تخريجه في باب من قاد دابة غيره في الحرب۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص۲۵)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص۳۷۵)۔

وہی خچر ہے جو ایلہ کے بادشاہ نے آپ کو ہدیہ میں پیش کیا تھا یا کوئی اور؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس خچر پر حنین میں سوار تھے یہ وہ خچر نہیں جو ملک ایلہ نے پیش کیا تھا۔ کیونکہ ملک ایلہ نے جو خچر بطور ہدیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا وہ غزوہ تبوک کے موقع پر تھا جب کہ حنین کا واقعہ اس سے بہت پہلے کا ہے۔(۱)

اور جس خچر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین میں سوار تھے، وہ آپ کو فروہ بن نفاثہ -بضم النون، بعدها فاء خفيفة، ثم مثلثة- (۲) نے ہدیہ میں پیش کیا تھا۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ورسول الله صلى الله عليه وسلم على بغلة له بيضاء، أهداها له فروة بن نفاثة الجذامي۔" (۳) یعنی "اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے، جو آپ کو فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ دیا تھا"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین میں بغلہ بیضاء پر سوار تھے یا شہباء پر؟

اب یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین کے دن جس خچر پر سوار تھے اس کا رنگ کیا تھا؟ کیونکہ بخاری شریف کی روایات میں بیضاء کا ذکر ہے اور مسلم شریف کی اکثر روایات میں بھی بغلة بيضاء (۴) کا ذکر ہے، البتہ ایک روایت جو حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں "البغلة الشهباء" مروی ہے۔(۵)

اسی طرح علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے "طبقات" میں ایک جگہ تو یہ ذکر کیا کہ نبی علیہ السلام اپنے سفید خچر

(۱) فتح الباري (ج٦ص ٧٥)۔

(۲) شرح النووی علی مسلم (ج٢ص٩٩)۔

(۳) انظر الصحيح لمسلم (ج٢ص ١٠٠)، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة حنين، رقم (٤٦١٢)۔

(٤) انظر الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة حنين، رقم (٤٦١٢)، وأيضا انظر شرح معاني الآثار للطحاوي (١٧٧/٢)۔

(٥) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة حنين، رقم (٤٦١٩)۔

دلدل پر سوار ہوئے "ورکب بغلته البیضاء دُلدل" (۱) جب کہ اسی باب میں کچھ صفحات کے بعد یہ لکھا کہ آپ علیہ السلام اپنی بغلۃ شہباء پر سوار تھے "وهو علی بغلة له شهباء"۔(۲)

اس تعارض کے تین جوابات ہو سکتے ہیں:۔

۱۔علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام پہلے ایک خچر پر سوار ہوئے، اس سے اتر کر پھر دوسرے پر سوار ہوئے۔(۳)

۲۔ جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح روایت مسلم کی ہے، یعنی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو ابھی گذری۔(۴)

غالباً حافظ صاحب کی نظر اس روایت پر نہیں گئی جو ہم نے ابھی حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی، کیونکہ وہ بھی مسلم ہی کی روایت ہے، اس لئے مسلم ہی کی ایک روایت کو راجح اور صحیح، دوسری کو مرجوح قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا جب کہ اس کا شاہد اور متابع بھی موجود ہو، کیونکہ ابن سعد کی وہ روایت جس میں "علی بغلة له شهباء" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا مدار اس بات پر ہے کہ یہاں دو خچر مراد لئے جائیں ایک بیضاء، دوسری شہباء اور مطلب یہ ہو کہ آپ علیہ السلام غزوہ حنین میں دو خچروں پر باری باری سوار ہوئے۔

۳۔ یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ شہباء اور بیضاء سے مراد ایک ہی خچر ہو، کیونکہ لغت کے اعتبار سے ان الفاظ میں کوئی خاص فرق نہیں، اس لئے کہ بیاض تو ظاہر ہے کہ سفیدی کو کہتے ہیں، لیکن شہب کے معنی بھی یہ ہیں کہ بیاض کے ساتھ تھوڑی سی سیاہی بھی ہو، امام محمد رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الشهبة في الألوان: البياض الغالب على السواد"۔(۵) اس لئے ممکن ہے کہ اکثر رواۃ نے غالب اکثریت کا اعتبار کر کے بیضاء کہہ دیا ہو اور حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے خچر کی ہلکی سی سیاہی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے شہباء سے تعبیر کر دیا ہو۔

---

(۱) طبقات ابن سعد (ج۱ص ۱۵۰)۔

(۲) حوالہ بالا (ص ۱۵۵)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٥٧)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص ٧٥)۔

(٥) مختار الصحاح مادة "شهب"۔

بہرحال یہاں راجح جواب علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ والا معلوم ہوتا ہے۔

تنبیہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی تشریح ماقبل میں "باب من قاد دابة غيره في الحرب" کے تحت گذر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث کے اس جملے میں ہے: "والنبي صلى الله عليه وسلم على بغلته البيضاء"۔ (۱)

٦١ - باب : جِهَادِ النِّسَاءِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کے دو مقصد بیان کئے ہیں:

۱۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ عورتوں کا جہاد کیا ہے؟ اور ان کے جہاد کی نوعیت بتائی کہ ان کا جہاد حج کرنا ہے۔

۲۔ عورتوں کے جہاد میں شرکت کے جواز کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عورتیں جہاد میں شریک ہوسکتی ہیں۔

پہلی صورت میں تو مطلب واضح ہے، دوسری صورت کی وضاحت یوں ہے کہ جب سائلہ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب فرمائی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں کی تو آپ علیہ السلام کا نکیر نہ کرنا اس بات کی تقریر ہوئی کہ عورتیں جہاد میں شریک ہوسکتی ہیں اور ان کی شرکت فی الجہاد جائز ہے۔

مگر یہ واضح رہے کہ یہ اجازت مشروط ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو بالکل جائز نہیں اور اگر فتنے وفساد کا اندیشہ نہ ہو تو عورتیں جہاد میں شریک ہوسکتی ہیں۔ (۲)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٣)۔

(۲) لامع الدراري (ج٧ص٢٣٤)۔

٢٧٢١/٢٧٢٠ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ إِسْحٰقَ ، عَنْ عائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ ، عَنْ عائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ ٱللهِ عَنهَا[١] قَالَتْ : اَسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ ﷺ في الجِهَادِ ، فَقَالَ : (جِهادُكُنَّ الحَجُّ) .

وَقالَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُعَاوِيَةَ : بِهٰذَا .

تراجم رجال

۱۔محمد بن کثیر

یہ ابوعبداللہ محمد بن کثیر عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۲۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

۳۔معاویہ بن اسحاق

یہ ابوالازہر معاویہ بن اسحاق بن طلحہ بن عبید اللہ القرشی التیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

یہ اپنے والد اسحاق، عمران، موسی (یہ دونوں ان کے چچا ہیں) اپنی پھوپھی عائشہ، ام الدرداء، عروۃ بن الزبیر، سعید بن جبیر، ابو بردہ بن ابوموسی اور ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے ان کے دو عم زاد اسحاق، طلحہ، ان کے بھتیجے صالح بن موسی، ان کے آزاد کردہ غلام یزید بن عطاء، الاعمش، اسرائیل، سفیان ثوری، شریک، شعبہ، حسن بن عمرو فقیمی اور ابوعوانہ رحمہم اللہ تعالی وغیرہ روایت

(١) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، مر تخريجه في كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور۔

(٢) كشف الباري (ج٣ص٥٣٦)۔

(٣) كشف الباري (ج٢ص٢٧٨)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٢٨ص١٦٠)۔

حدیث کرتے ہیں۔(۱)

امام احمد اور امام نسائی رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں:"ثقة"۔ (۲)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وکان ثقة"۔ (۳)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کان ثقة"۔(۴)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۵)

امام ابوحاتم اور یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لابأس به"۔(۶)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"هو ثقة"۔(۷)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔(۸)

آپ نے معاویہ بن اسحاق کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال ملاحظہ کیے کہ ان کو سب حضرات نے ثقہ اور معتمد قرار دیا ہے، لیکن امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کی رائے سے ہٹ کر انہیں ضعیف کہا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:"شیخ واہٍ"۔(۹)

مگر ان سب اقوال توثیق کے بعد امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ ان کا تفرد ہے۔

پھر معاویہ بن اسحاق صرف بخاری ہی کے راوی نہیں، بلکہ ان سے امام نسائی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہما نے بھی روایت لی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی توثیق وتعدیل ہے۔

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۲۸ ص ۱٦۰-۱٦۱)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲۸ ص۱٦۱)۔

(۳) طبقاته (ج٦ ص۳۳۹)۔

(٤) تعليقات تهذيب الكمال (ج۲۸ ص ۱٦۱)، وتهذيب التهذيب (ج۱۰ ص۲۰۲)۔

(٥) الثقات لابن حبان (ج۷ ص٤٦۷)۔

(٦) تهذيب الكمال وتعليقاته (ج۲۸ ص ۱٦۱)، وتهذيب التهذيب (ج۱۰ ص۲۰۲)۔

(۷) تاريخ الدارمي (ص۱۷۱)، رقم (٦۱۳)۔

(۸) الكاشف (ج۲ ص۲۷٤)۔

(۹) تهذيب الكمال (ج۲۸ ص۱٦۱)۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاری نے بھی ان سے باب کی صرف یہی روایت لی ہے اور اس کی متابعت حبیب بن ابی عمرہ کے ذریعے ذکر کی ہے۔اس لئے امام بخاری پر سرے سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ان کا ترجمہ ''میزان الاعتدال'' میں ذکر کیا وہیں ''صح'' کی علامت بھی لگائی ہے۔(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بارے میں معتمد قول توثیق کا ہے۔(۳)

۴۔ عائشہ بنت طلحہ

یہ ام عمران عائشہ بنت طلحہ التیمیہ رحمہا اللہ ہیں۔(۴)

۵۔ عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات '' بدء الوحي'' کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۵)

قالت: استأذنت النبي صلى الله عليه وسلم في الجهاد، فقال: جهادكنَّ الحج۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شریک ہونے کے لئے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: تم عورتوں کا جہاد حج ہے۔

عورتوں کے لئے جہاد واجب نہیں

باب کی حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ جہاد عورتوں پر واجب نہیں اور نہ وہ آیت کریمہ ﴿انفروا خفافا وثقالا﴾ کے عموم کے تحت داخل ہیں۔اس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔(۶)

---

(۱) هدي الساري (ص٤٤٤)۔

(۲) ميزان الاعتدال (ج٤ص١٣٤)۔

(۳) حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج٢ص٢٧٥)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور۔

(۵) كشف الباري (ج١ص٢٩١)۔

(۶) شرح ابن بطال (ج٥ص٧٥)۔

عورتوں کے لئے حج، جہاد سے افضل کیوں ہے؟

نیز حدیث باب میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ عورتیں جہاد کو ذریعہ عبادت بنا سکتی ہیں اور اس میں شریک ہوسکتی ہیں جیسا کہ جہاد کی شرکت کے سوال پر نکیر نہ کرنے سے معلوم ہوا، لیکن افضل عورتوں کے لئے حج بیت اللہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں اہل قتال میں سے نہیں، نہ ہی ان کو جہاد پر قدرت حاصل ہے، نیز عورت کے لئے اس سے افضل چیز بھی اور کوئی نہیں کہ وہ ستر میں رہے اور مردوں کے ساتھ اختلاط واجتماع سے پرہیز کرے، یہی ان کے حق میں افضل ہے۔

چنانچہ جب بات یہی ہے کہ عورت کے لئے افضل عام حالات میں بھی ستر اور مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچنا ہے تو جہاد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، کیونکہ وہاں پردے اور ستر عورت کا اہتمام کیا جا سکتا، نہ ہی نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچا جا سکتا ہے، برخلاف حج کہ دوران حج عورتوں کے لئے مردوں سے احتراز اور اجتناب کرنا ممکن اور آسان ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کے حق میں حج، جہاد سے افضل ہے۔(۱)

وقال عبد اللّٰه بن الوليد: حدثنا سفيان عن معاوية بهذا۔

اس تعلیق کو امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ''جامع'' میں موصولا نقل کیا گیا۔(۲)

(۲۷۲۱) : حدّثنا قَبِيصَةُ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُعاوِيَةَ بِهٰذَا . وَعَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ ، عَنْ عائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ ، عَنْ عائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ[۳] ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : سَأَلَهُ نِسَاؤُهُ عَنِ الْجِهَادِ ، فَقَالَ : (نِعْمَ الْجِهَادُ الْحَجُّ) . [ر : ١٤٤٨]

حدثنا قبيصة حدثنا سفيان عن معاوية بهذا۔

یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور سند ہے، جس میں امام بخاری کے شیخ قبیصہ ہیں۔(۴)

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ص۷۵-۷۶)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص١٦٤) وفتح الباري (ج٦ص٧٦)۔

(۳) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، مر تخريجه في كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٤)۔

تراجم رجال

۱۔قبیصہ

یہ ابو عامر قبیصہ بن محمد سوائی کوفی رحمۃ اللہ علی ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی "کتاب الإیمان" ہی کے مذکورہ باب کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۳۔معاویہ

یہ معاویہ بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات گذشتہ حدیث میں گذر چکے۔

۴۔حبیب بن ابی عمرۃ

یہ حبیب بن ابی عمرۃ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۵۔عائشہ بنت طلحہ

سابقہ سند دیکھئے۔(۴)

۶۔عائشہ

سابقہ سند دیکھئے۔(۵)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ ص۲۷۵)۔

(۲) کشف الباري (ج ص۲۷۸)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) کشف الباري (ج۱ ص۲۹۱)۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

حبیب بن ابی عمرہ کی یہ تعلیق قبیصہ کے طریق کے ساتھ موصول ہے۔(۱)

اور حبیب بن ابی عمرہ کی اس تعلیق کو ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستخرج" میں اور اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے موصولا نقل کیا ہے۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ باب کی احادیث کی مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ احادیث باب کی مناسبت بایں معنی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حج کو عورتوں کا جہاد قرار دیا ہے۔(۳)

٦٢ – باب : غَزْوِ المَرْأَةِ فِي الْبَحْرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمے سے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا ہے، جو جمہور اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ہے۔(۴)

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عورتوں کے سمندری غزوے میں شرکت کو ناپسند فرماتے اور ممنوع قرار دیتے تھے، جب کہ جمہور کے نزدیک عورتیں جس طرح زمینی جنگ میں حصہ لے سکتی ہیں، اسی طرح سمندری جنگ میں بھی شریک ہوسکتی ہیں۔(۵)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٤)۔

(٢) تغليق التعليق (ج٣ص٤٤١)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٤)۔

(٤) تعليقات لامع الدراري (ج٧ص٢٣٥)۔

(٥) حوالہ بالا، والتمهيد (ج١ص٢٣٣)۔

٢٧٢٢ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنا معاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْصارِيِّ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا(١) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يَقُولُ : دَخَلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَلَى ٱبْنَةِ مِلْحَانَ فَٱتَّكَأَ عِنْدَها ، ثُمَّ ضَحِكَ . فَقالَتْ : لِمَ تَضْحَكُ يَا رَسُولَ ٱللهِ ، فَقالَ : (ناسٌ مِنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ الْبَحْرَ الْأَخْضَرَ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، مَثَلُهُمْ مَثَلُ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ) . فَقالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ . قالَ : (اللَّهُمَّ ٱجْعَلْها مِنْهُمْ) . ثُمَّ عادَ فَضَحِكَ . فَقالَتْ لَهُ مِثْلَ . أَوْ مِمَّ ذٰلِكَ ؟ فَقالَ لَها مِثْلَ ذٰلِكَ . فَقالَتْ : ٱدْعُ ٱللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ . قالَ : (أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ ، وَلَسْتِ مِنَ الآخِرِينَ) . قالَ : قالَ أَنَسٌ : فَتَزَوَّجَتْ عُبادَةَ ٱبْنَ الصَّامِتِ ، فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ مَعَ بِنْتِ قَرَظَةَ . فَلَمَّا قَفَلَتْ . رَكِبَتْ دَابَّتَها ، فَوَقَصَتْ بِها ، فَسَقَطَتْ عَنْها فَماتَتْ . [ر : ٢٦٣٦]

تراجم رجال

ا۔عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۲۔معاویہ بن عمرو

یہ ابوعمرو معاویۃ بن عمرو الازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۳۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن الحارث فزاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

(١) قوله: "أنسارضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في أوائل كتاب الجهاد، باب الدعاء بالجهاد......۔

(٢) كشف الباري (ج١ص٦٥٧)۔

(۳)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الأذان، باب إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف۔

(۴)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة۔

۴۔عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الانصاری

یہ ابوطوالہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن معمر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۵۔انس

یہ مشہور صحابی، خادم نبی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت آچکے ہیں۔(۲)

قال: قال أنس: فتزوجت عبادة بن الصامت، فرکبت البحر مع بنت قرظة۔

ابوطوالہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا، پھر وہ بنت قرضہ کے ہمراہ سمندر میں سوار ہوئیں۔

تنبیہ

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے حالات کتاب الجہاد کے اوائل اور ان کے شوہر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب الإیمان، باب بلا ترجمة" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

بنت قرظہ

یہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی اہلیہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ رضی اللہ عنہا ہیں، بعض حضرات نے ان کا نام کنود بتایا ہے۔(۴)

ان کے والد قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف ہیں۔جیسا کہ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں اس کی تصریح کی ہے۔

جب کہ بعض حضرات کو یہ وہم ہوا کہ انہوں نے حضرت فاختہ کو حضرت قرظہ بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی قرار دیا ہے۔(۵)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الهبة، باب من استسقی۔

(۲) کشف الباري (ج۲ ص۲)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ ص٤٨)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١٦٥)، وفتح الباري (ج٦ ص٧٦)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص١٦٥) وفتح الباري (ج٦ ص٧٧)۔

اور بلاذری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ قرظہ بن عبد عمرو حالت کفر میں مرا، جب کہ ان کی بیٹی (فاختہ) کی رویت ثابت ہے، نیز ان کے بھائی مسلم بن قرظہ رضی اللہ عنہ کی بھی، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگ جمل میں شہید ہوئے۔(۱)

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام کی پہلی بحری جنگ میں شریک تھیں۔ كما في حديث الباب۔

تنبیہ

حدیث باب کی جملہ تشریحات کتاب الجہاد کے اوائل میں "باب الدعاء بالجهاد والشهادة......" کے تحت آ چکی ہیں، البتہ یہاں حدیث باب کی سند سے متعلقہ دو ابحاث ہم ذکر کریں گے۔

بحث اول

اس حدیث کی سند میں ہے: "حدثنا أبو إسحاق هو الفزاري عن عبد الله بن عبد الرحمن الأنصاري" تمام روایات کے سند اسی طرح ہے کہ ابو اسحاق اور عبد اللہ کے درمیان اور کوئی راوی نہیں ہے۔(۲)

جب کہ ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے ''اطراف'' میں یہ دعوی کیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک راوی ''زائدہ بن قدامہ'' ساقط ہو گئے ہیں، حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے اس قول کو برقرار رکھا اور ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تایید کے لئے یہ فرمایا کہ میتب بن واضح رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "عن أبي إسحاق الفزاري، عن زائدة، عن قُدامة" کے طریق سے نقل کیا ہے۔(۳)

لیکن علامہ ابو مسعود اور حافظ مزی رحمہما اللہ تعالی کا یہ دعوی بعض وجوہات کی بنا پر درست نہیں:-

۱۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حافظ مزی کا ابو مسعود رحمہما اللہ کے قول کو برقرار رکھنا اور اس کی تایید میتب بن واضح کی روایت سے کرنا درست نہیں، بخاری کی روایت ہی صحیح ہے۔(۴) اس کی وجہ یہ ہے میتب بن واضح

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتح الباري (ج ص۷۷)۔

(۳) تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف (ج۱۳ ص۷۳)۔

(٤) النكت الظراف (ج۱۳ ص۷۳)۔

ضعیف ہے اور ایک ضعیف راوی کی روایت کی بناء پر صحیح بخاری کی روایت کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا۔(۱)

۲۔ نیز یہی روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں "معاوية بن عمرو عن أبي إسحاق" کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں بھی ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، زائدہ کا نہ ہی کسی اور کا۔(۲)

۳۔ ابوعلی جیانی رحمۃ اللہ علیہ ابومسعود رحمۃ اللہ علیہ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "تتبعت طرق هذا الحديث عن أبي إسحاق الفزاري فلم أجد فيها زائدة" ۔ یعنی ''ابواسحاق سے مروی اس حدیث کے تمام طرق کا تتبع میں نے کیا تو ان میں کسی میں بھی زائدہ کو موجود نہ پایا''۔(۳)

۴۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابواسحاق فزاری کی کتاب ''السیر'' میں اس حدیث کو دیکھا تو اس میں بھی زائدہ نہیں تھے۔(۴)

۵۔ نیز یہی روایت حافظ ابونعیم نے "المستخرج" میں اس سند کے ساتھ نقل کی ہے: "حدثنا ابن المقرئ، ثنا أبو عروبة، ثنا المسيب بن واضح، عن أبي إسحاق، عن أبي طوالة، عن أنس رضي الله عنه" اس میں بھی زائدہ نہیں ہیں۔(۵)

اس پوری تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ ابومسعود کا یہ دعوی کہ صحیح بخاری کی روایت میں ابواسحاق اور عبداللہ الانصاری کے درمیان ایک راوی زائدہ بن قدامہ ساقط ہوگئے ہیں، درست نہیں۔ اور صحیح بخاری کی روایت ہی درست ہے۔

ابومسعود کو یہ وہم کیوں ہوا؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ابومسعود دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وہم اس لئے ہوا کہ معاویہ بن عمرو نے جس طرح یہ حدیث ابواسحاق سے لی، اسی طرح زائدہ عن ابی طوالہ کے طریق سے بھی حاصل کی ہے۔

چنانچہ ابومسعود دمشقی رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھے کہ یہ روایت معاویہ کے ہاں "عن أبي إسحاق عن زائدة" کے

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٧٧)۔

(۲) مسند الإمام أحمد (ج٣ ص٢٦٥)۔

(۳) النکت الظراف (ج١٣ ص٧٣)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

طریق سے ہے۔ حالانکہ بات یہ نہیں، بلکہ معاویہ کے پاس یہ روایت ابواسحاق اور زائدہ دونوں سے ہے، چنانچہ معاویہ بن عمرو اس روایت کو بیان کرتے ہوئے کبھی تو دونوں کو ذکر کر دیتے ہیں اور کبھی علیحدہ علیحدہ ہر ایک سے الگ روایت بیان کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں معاویۃ بن عمرو کی اس حدیث کی تخریج کی اور وہاں زائدہ کی روایت پر ابواسحق کی روایت کو معطوف کیا ہے، چنانچہ معاویہ بن عمرو کی اس روایت کو پہلے "ثنا معاوية بن عمرو ثنا زائدة ثنا عبد الله بن عبدالرحمن بن معمر الأنصاري" کی سند کے ساتھ بیان کیا(۱)، پھر اس کے بعد یہی روایت "ثنا معاوية بن عمرو ثنا أبوإسحق عن عبدالله بن عبد الرحمن بن معمر" کے سند سے ذکر کی۔(۲)

اور اسماعیلی نے اس حدیث کو "أبي خيثمة عن معاوية بن عمرو عن زائدة" کے طریق کے ساتھ نقل کیا اور صرف زائدہ کو ذکر کیا ہے۔

نیز ابوعوانہ نے بھی اس روایت کو اپنی "صحیح" میں "عن جعفر الصائغ عن معاوية" کے طریق سے نقل کیا ہے۔

بہر حال اس پوری تفصیل سے آپ پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ صحیح بخاری کی روایت میں جو آیا ہے، وہی درست ہے۔(۳) واللہ اعلم

بحث ثانی

حدیث باب کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تین افراد روایت کرتے ہیں:- اسحق بن ابی طلحہ، محمد بن یحیی بن حبان اور ابوطوالہ عبداللہ بن عبدالرحمن الانصاری۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث مسند انس رضی اللہ عنہ میں سے ہے، یا مسند ام حرام رضی اللہ عنہا میں سے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت کو جب ابواسحاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا تو اس کے الفاظ یہ

(۱) مسند أحمد (ج۳ص ٢٦٤)۔

(۲) مسند أحمد (ج۳ص ٢٦٥)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص ٧٧)۔

ہیں "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل على أم حرام" (۱) اور ابوطوالہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں: "دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم على ابنة ملحان"۔ (۲)

ان دونوں یعنی ابواسحاق اور ابوطوالہ کے کلام سے ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث مسند انس میں سے ہے۔

جب کہ محمد بن یحییٰ نے اپنی روایت یوں بیان کی ہے: "عن أنس عن خالته أم حرام" (۳) ان کا کلام اس بات پر واضح دلالت کر رہا ہے کہ یہ حدیث مسند ام حرام میں سے ہے۔ یہی معتمد بات ہے۔ شاید حضرت انس رضی اللہ عنہ اس موقع پر حاضر نہیں تھے تو انہوں نے حدیث میں بیان کردہ واقعہ اپنی خالہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے سنا، چنانچہ یہی حدیث حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے عمیر بن الاسود نے بھی روایت کی ہے، جس میں واضح طور پر یہ مذکور ہے کہ یہ حدیث مسانید ام حرام میں سے ہے، عمیر بن اسود فرماتے ہیں: "فحدثتنا أم حرام أنها سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: أول جيش من أمتي......"۔ (۴)

اس بحث ثانی کا خلاصہ اب یہ ہوا کہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ مسند انس میں سے ہے اور خواب کا جو واقعہ ہے وہ مسند ام حرام میں سے ہے، چونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس موقع پر موجود نہیں تھے، اس لئے انہوں نے مذکورہ بالا واقعہ اپنی خالہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے لیا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے، وہ اس طرح کہ غزو المرأة في البحر کا باب قائم کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی حضرت ام حرام اور فاختہ بنت قرظہ کے غزوۃ البحر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی امارت میں شرکت کا ذکر ہے۔ (۵)

---

(۱) الحديث أخرجه البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء، رقم (۲۷۸۸، ۲۷۸۹)۔

(۲) صحيح البخاري كتاب الجهاد والسير، باب غزو المرأة في البحر، رقم (۲۸۷۷، ۲۸۷۸)

(۳) صحيح البخاري كتاب الجهاد والسير، باب فضل من يصرع في سبيل الله، رقم (۲۷۹۹، ۲۸۰۰)۔

(٤) صحيح البخاري كتاب الجهاد والسير، باب ماقيل في قتال الروم، رقم (۲۹۲٤)، وانظر لهذا البحث كله فتح الباري (ج٦ص٧٧)، والنكت الظراف على الأطراف (ج١ص٢٦٢) و(ج١٣ص ٧٣)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٤)۔

٦٣ - باب : حَمْلِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ فِي الْغَزْوِ دُونَ بَعْضِ نِسَائِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بتلایا ہے کہ اگر آدمی اپنی بیویوں میں سے بعض کو اپنے ساتھ جہاد میں خدمت وغیرہ کی غرض سے لے جائے اور بقیہ کو نہ لے جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(۱)

لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک قید کا اضافہ کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ ان بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی بھی کرے، جیسا کہ باب کی حدیث میں ذکر ہے۔(۲)

٢٧٢٣ : حدّثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ : حَدَّثَنَا يُونُسُ قالَ : سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قالَ : سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ ، وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ ، وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ ، وَعُبَيْدَ ٱللهِ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ حَدِيثِ عائِشَةَ[۳] ، كُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الحَدِيثِ ، قالَتْ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ ، فَأَيَّتُهُنَّ يَخْرُجُ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ ، فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا ، فَخَرَجَ فِيهَا سَهْمِي ، فَخَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ ما أُنْزِلَ الْحِجَابُ .
[ر : ٢٤٥٣] .

تراجم رجال

۱۔ حجاج بن منہال

یہ ابو محمد حجاج بن منہال انماطی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ماجاء أن الأعمال بالنية والحسبة ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٦٥)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قوله: "عن حديث عائشة رضي الله عنها": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب هبة المرأة لغير زوجها ......۔

(٤) كشف الباري (ج٢ ص٧٤٤)۔

۲۔عبداللہ بن عمر

یہ عبداللہ بن عمر نمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۔یونس

یہ یونس بن یزید بن ابی النجاد ایلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی پانچویں حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۲)

۴۔الزہری

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۵۔عروۃ بن الزبیر

یہ جلیل القدر تابعی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے بھی مختصر حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت آچکے ہیں۔(۴)

۶۔سعید بن المسیب

یہ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من قال: إن الأعمال هو العمل" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

۷۔علقمہ بن وقاص

یہ علقمہ بن وقاص بن محصن لیثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب ماجاء أن

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الشهادات، باب إذا عدل رجل رجلا ......۔

(۲) کشف الباري (ج۱ ص۴٦۳)، نیز دیکھئے، کشف الباري (ج۳ ص۲۸۲)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ ص۳۲٦)۔

(٤) کشف الباري (ج۱ ص۲۹۱)۔

(٥) کشف الباري (ج۲ ص۱٥۹)۔

الأعمال بالنية أو الحسبة" کے تحت آچکے ہیں۔(۱)

۸۔عبید اللہ بن عبد اللہ

یہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے کچھ حالات "بدء الوحي" کی پانچویں حدیث کے تحت اور مفصل حالات "کتاب العلم، باب متی یصح سماع الصغیر؟" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۹۔عائشہ

یہ حضرت ام المؤمنین عائشہ بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں باب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشہور حدیث "حدیث الإفك" ہے،اس حدیث کی مکمل تشریح "کتاب المغازي" میں آچکی ہے۔(۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس میں تصریح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ لے گئے تھے، وہ قرعہ اندازی کے بعد لے گئے تھے۔(۵)

٦٤ – باب : غَزْوِ النِّسَاءِ وَقِتَالِهِنَّ مَعَ الرِّجالِ .

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۷٤۱)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص٤٦٦)، و(ج۳ص۳۷۹)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۲۹۱)۔

(٤) کشف الباري، کتاب المغازي، باب حدیث الإفك (ص۳۳۲)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص۷۸)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ترجمۃ الباب سے یہ بیان کرنی ہو کہ عورتیں اگرچہ غزوے کے لیے نکلیں، لیکن وہ قتال نہیں کریں گی، چنانچہ تقدیر عبارت یوں ہوگی "وقتالهن مع الرجال، أي هل هو سائغ، أو إذا خرجن مع الرجال في الغزو يقتصرن على ما ذكر من مداواة الجرحى ونحو ذلك؟" یعنی اور عورتوں کا مردوں کے ساتھ قتال کرنا کیا یہ شائع ہے، یا اگر عورتیں مردوں کے ساتھ غزوے کے لیے نکلیں تو زخمیوں کی مرہم پٹی یا اسی طرح کسی خدمت پر ہی اقتصار کریں گی؟(۱)

٢٧٢٤ : حدّثنا أَبو مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَنَسٍ(٢) رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : لَمَّا كانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْهَزَمَ النَّاسُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ، قالَ : وَلَقَدْ رَأَيْتُ عائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ وَأُمَّ سُلَيْمٍ ، وَإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ ، أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا ، تَنْقُزَانِ الْقِرَبَ . وَقالَ غَيْرُهُ : تَنْقُلَانِ الْقِرَبَ عَلَى مُتُونِهِمَا ، ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ ، ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآنِهَا ، ثُمَّ تَجِيئَانِ فَتُفْرِغَانِهَا فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ . [٢٧٤٦ ، ٣٦٠٠ ، ٣٨٣٧]

تراجم رجال

۱۔ابو معمر

یہ ابو معمر عبد اللہ بن عمرو بن ابی الحجاج منقری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔عبد الوارث

یہ عبد الوارث بن سعید بن ذکوان تمیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کے حالات "کتـــــاب

(١) فتح الباري (ج٦ ص٧٨)۔

(٢) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً كتاب الجهاد والسير، باب المجن ومن يترس بترس صاحبه، رقم (٢٩٠٢)، وكتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب أبي طلحة رضي الله عنه، رقم (٣٨١١)، وكتاب المغازي، باب ﴿إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا ......﴾، رقم (٤٠٦٤)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة النساء مع الرجال، رقم (٤٦٨٣)۔

العلم، باب قول النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: اللهم علمه الکتاب" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۳۔عبدالعزیز

یہ عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "کتاب الإیمان، باب حب الرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم من الإیمان" کے تحت آ چکے ہیں۔(۲)

۴۔انس

یہ مشہور صحابی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

قال: لما کان یوم أحد انهزم الناس عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے دن جب لوگ شکست کھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منتشر ہو گئے۔

یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں جو مسلمانوں کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا تھا، اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، کتاب المغازی کی روایت میں مزید تفصیل مذکور ہے، جس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بغرض اختصار حذف کر دیا ہے۔(۴)

قال: ولقد رأیت عائشة بنت أبي بکر وأم سلیم، وإنهما لمشمرتان۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور میں نے حضرت عائشہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اپنے پائنچے اٹھائے ہوئے تھیں۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا یہ مشہور انصاری صحابیہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔(۵)

---

(۱) کشف الباري (ج۳ص۳۵٦-۳٦۱)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۲)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص٤)۔

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے، کشف الباري، کتاب المغازي (ص۲۳۰)۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب الحیاء في العلم۔

"مشمرتان" باب تفعیل سے اسم فاعل، تثنیہ مؤنث کا صیغہ ہے، کہا جاتا ہے: "شمر الثوب عن ساقیه" یعنی "اس نے کپڑے کو پنڈلیوں سے اوپر اٹھایا"۔ (۱)

أری خَدَمَ سُوقهما۔

میں ان کی پنڈلیوں کی پازیب کو دیکھ رہا تھا۔

"خَدَم"- بفتح الخاء المعجمة والدال المهملة- خَدَمَة کی جمع ہے اور اس کے معنی خلخال یعنی پازیب کے ہیں۔ (۲)

اور "سوق" جمع ہے ساق کی۔ جس کے معنی پنڈلی کے ہیں۔ (۳)

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے نامحرم تھیں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی پنڈلیوں کی طرف دیکھنا جائز کیسے ہوگیا؟

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے دو جوابات ارشاد فرمائے ہیں:-

۱۔ یہ نہی عن النظر إلی الاجنبیات سے پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کا قصہ بیان فرما رہے ہیں اور اس وقت تک اجنبیات کی طرف دیکھنے کی نہی وممانعت نازل نہیں ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ تو حدیث میں نہیں فرمایا کہ میں نے ان کی پنڈلی کی طرف جان بوجھ کر دیکھا تھا، چنانچہ ان کی یہ بات اس پر محمول ہے کہ یہ نظر جو پڑی وہ اچانک اور غیر اختیاری طور پر پڑی۔ (۴)

تنقزان القرب

وہ مشکیزوں کو چھلکاتی ہوئی لے جاتی تھیں۔

مطلب یہ ہے کہ مشکیزے پانی سے اتنے لبریز ہوتے کہ ان سے پانی چھلکتا تھا۔

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۲٦)، ومصباح اللغات مادة "شمر"۔

(۲) جامع الأصول (ج۸ص۲٤۰)، وفتح الباري (ج٦ص۷۸)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱٦٦)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٦٦)۔

(٤) شرح النووي على مسلم (ج۲ص۱۱٦)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱٦۷)۔

اوپر جو ترجمہ ہم نے نقل کیا، یہ حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔(۱)

"تنقزان" کے معنی اور ضبط

"تنقزان" تثنیہ مؤنثہ غائبہ کا صیغہ ہے اور اس کلمے کو شراح نے دو طرح سے ضبط کیا ہے:-

۱۔ یہ تاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا باب "نصر" ہوگا اس کے معنی کودنے اور اچھلنے کے ہوں گے۔(۲)

لیکن اس صورت میں "القرب" کا نصب مشکل ہے، کیونکہ "النقز" فعل لازم ہے اور وہ "القرب" میں نصب کا عمل نہیں کرسکتا۔

اس اشکال کا جواب صاحب "تلویح" نے یہ دیا ہے کہ "القرب" منصوب علی نزع الخافض ہے، یعنی تنقزان بالقرب۔(۳)

۲۔ یہ تاء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا باب "افعال" ہوگا اور اس صورت میں "القرب" کا نصب صحیح اور درست ہے، مطلب یہ ہوگا کہ وہ شدت سیر کی وجہ سے مشکیزوں کو ہلاتی تھیں۔(۴)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اصول میں ضمۂ تاء کی صراحت ہے۔(۵)

البتہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض شیوخ "القرب" کو مرفوع پڑھا کرتے تھے، بایں طور پر کہ "القرب علی متونهما" جملہ حالیہ اسمیہ بلا واو ہو۔(۶)

جب کہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ درست لفظ "تزفران" ہے اور "زَفَر" کہتے ہیں بھاری مشکیزوں کے اٹھانے کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگلے باب کی روایت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "تزفر" کا

---

(۱) فیض الباري (ج۳ص۴۳۴)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٦٦)، وفتح الباري (ج٦ص۷۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٦٦)، وقد جاء هذا اللفظ بضم التاء في رواية باب مناقب أبي طلحة رضي الله عنه، من كتاب مناقب الأنصار، رقم (۳۸۸)، وباب ﴿إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا......﴾، من كتاب المغازي، رقم (٤٠٦٤)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ص۷۸)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱٦۷)، والنهاية (ج٥ص۱۰٦)۔

لفظ نقل کیا ہے۔(۱)

البتہ یہ بات طے ہے کہ یہ کلمہ خواہ فتحۂ تاء کے ساتھ یا ضمہ کے، یہ سرعت سیر سے کنایہ ہے۔(۲)

وقال غيره: تنقلان القرب على متونهما۔

اورابومعمر کے علاوہ کسی دوسرے نے یہ کہا ہے کہ وہ دونوں اپنی پشت پر رکھ کر مشکیزوں کو منتقل کرتی تھیں۔

مذکورہ تعلیق کا مطلب ومقصد

ابوذر، کشمیہنی اور حموی کے نسخوں میں اسی طرح ہے، اس حدیث کو بعینہ اسی سند اور متن کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی میں غزوہ احد(۳) کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس میں رواۃ نے کوئی اختلاف نہیں کیا، بلکہ سبھی نے "تنقزان" نقل کیا ہے۔(۴)

اور "غیرہ" میں ضمیر مجرور ابو معمر کی طرف راجع ہے اور غیر سے مراد جعفر بن مہران ہیں۔(۵)

اب مذکورہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ عبدالوارث سے حدیث باب کو روایت کرنے والے سبھی حضرات نے "تنقزان" ہی کہا ہے، البتہ جعفر بن مہران نے اپنی روایت میں "تنقلان" نقل کیا ہے، اور یہ بات تو کسی پر مخفی نہ ہوگی کہ "تنقزان" کی صورت میں جو اشکالات پیش آرہے تھے وہ "تنقلان" کی صورت میں نہیں آتے کیونکہ یہ فعل متعدی ہے اور معنی بھی اس کے واضح ہیں۔(۶)

مذکورہ تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" (۷) میں عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی کے واسطے سے،

---

(٦) أعلام الحديث للخطابي (ج٢ص١٣٨٥)۔

(١) فتح الباري (ج٦ص٧٨)۔

(٢) تغليق التعليق (ج٣ص٤٤٢)۔

(٣) الصحيح للبخاري (ج ص) كتاب المغازي، باب ﴿إذ همت طائفتان ......﴾، رقم (٤٠٦٤)۔

(٤) تغلنة التعليق (ج٣ص٤٤٢)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، رقم (٤٦٨٣)۔

ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں اور اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر بن مہران کے واسطے سے بعینہ حدیث باب کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۱)

ثم تفرغانه في أفواه القوم، ثم ترجعان، فتملآنها، ثم يجيئان فتفرغانه في أفواه القوم......۔

پھر وہ دونوں پانی کو قوم کے منہ میں انڈیلتیں، پھر لوٹ جاتیں اور مشکیزوں کو بھر کر لاتیں، پھر آتیں، پس پانی کو قوم کے منہ میں انڈیلتیں۔

"تفرغانه" باب افعال سے ہے، اس کے معنی گرانے اور انڈیلنے کے ہیں اور ضمیر منصوب ماء کی طرف راجع ہے جو قرب کے لفظ سے مفہوم ہو رہا ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ وہ دونوں اس پانی کو جو مشکیزوں میں تھا لوگوں کے منہ میں گراتی اور انڈیلتی تھیں۔(۲)

اور ''ابوذر'' کے نسخے میں "تفرغانها" ہے، اس صورت میں ضمیر منصوب "القرب" کی طرف راجع ہوگی۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کا انطباق

علامہ ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے الفاظ پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ تو قائم کیا ہے "غزو النساء، وقتالهن مع الرجال" کا اور باب کے درمیان جو حدیث ذکر کی اس میں سرے سے غزوے یا قتال کا ذکر ہی نہیں ہے، اس لئے ترجمہ اور حدیث کے تحت مناسبت موجود نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: "بوّب على غزوهن وقتالهن، و ليس في الحديث أنهن قاتلن"۔(۴)

پھر انہوں نے خود ہی اعتراض مذکورہ بالا کا جواب دیتے ہوئے دو مناسبتیں ذکر فرمائی ہیں:-

۱۔ یہ کہا جائے کہ عورتیں مجاہدین اور غازیوں کی جو اعانت و مدد وغیرہ کرتی تھیں وہی ان کا غزوہ و جہاد تھا۔(۵)

---

(۱) تغليق التعليق (ج۳ص۴۴۲)، وفتح الباري (ج۶ص۷۸)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۶۷)، وشرح القسطلاني (ج۵ص۸۴)۔

(۳) إرشاد الساري (ج۵ص۸۴)۔

(۴) المتواري (ص۱۵۶)، وعمدة القاري (ج۱۴ص۱۶۶)، وفتح الباري (ج۶ص۷۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

اس جواب کی تایید مختلف احادیث سے ہوتی ہے، چنانچہ ابوداود شریف کی روایت ہے، حشرج بن زیاد اپنی دادی ام زیاد رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:۔

"أنها خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة خيبر سادس ست نسوة، فبلغ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، فبعث إلينا، فجئنا، فرأينا فيه الغضب، فقال: مع مَنْ خرجتن، وبإذن منْ خرجتن؟ فقلنا: يارسول الله، خرجنا نغزل الشعر، ونعين به في سبيل الله، ومعنا دواء للجرحى، ونناول السهام، ونسقي السويق......"۔ (۱)

"یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں نکلیں وہ چھے خواتین میں سے چھٹی خاتون تھیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچی تو انہوں نے ہمیں بلانے کے لیے آدمی بھیجا تو ہم حاضر خدمت ہوئیں، ہم نے ان کے چہرے پر غصہ دیکھا، فرمایا تم عورتیں کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے نکلی ہو؟ ہم نے کہا یارسول اللہ! ہم اس لیے نکلی ہیں کہ سوت کاتیں گی اور اس کے ذریعے اللہ کے راستے میں مدد دیں گی اور ہمارے پاس زخمیوں کے لیے دوا ہے اور ہم تیر پکڑائیں گی اور ستو پلائیں گی۔"

اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ ہم تیراندازوں کو تیر پکڑائیں گی اور یہ بات طے ہے کہ غازی کو کچھ دینے والے کو اس کے مثل اجر وثواب ملے گا۔(۲)

نیز اس جواب کی تایید حضرت ربیع بن معوذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو اگلے باب کے بعد والے باب میں آرہی ہے کہ: "كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم نسقي، ونداوي الجرحى ......"۔(۳)

اسی طرح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:"وقد كان يغزو بهن، فيداوين الجرحى......" (۴) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں عورتوں کو بھی ساتھ لے جاتے تھے، جو زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی وغیرہ کرتی تھیں۔(۵)

---

(۱) سنن أبي داود، أبواب الجهاد، باب في المرأة والعبد يحذيان من الغنيمة، رقم (۲۷۲۹)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص١٦٦)۔

(۳) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب مداواة النساء الجرحى في الغزو، رقم (۲۸۸۲)۔

(٤) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب النساء الغازيات يرضخ لهن ......، رقم (٤٦٨٤)۔

(۵) فتح الباري (ج٦ص٧٨)۔

۲۔ یا یہ کہا جائے کہ یہ صحابیات رضی اللہ عنہن جب زخمیوں کی دیکھ بھال کا فریضہ انجام دیتیں اور انہیں پانی وغیرہ پلاتیں تو بعض اوقات ان امور کی ادائیگی کے دوران اپنی حفاظت اور بچاؤ کی بھی ضرورت پڑ جاتی تھی اور یہی احتمال غالب ہے، اسی لئے ان کی طرف بھی قتال کی نسبت کردی گئی۔ (۱)

اس احتمال کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے:

"أن أم سليم اتخذت يوم حنين خنجراً، فكان معها، فرآها أبو طلحة، فقال: يارسول الله، هذه أم سُليم معها خنجر۔ فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما هذا الخنجر؟ قالت: اتخذتُه إن دنا مني أحد من المشركين بقرتُ به بطنه"۔ (۲)

"کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا غزوہ حنین کے موقعے پر ایک خنجر سنبھالے ہوئے تھیں، جو ان کے پاس ہی تھا، حضرت ابوطلحہ (ام سلیم کے شوہر) رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ ام سلیم ہیں، جن کے پاس خنجر ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ خنجر تم نے کیوں لیا ہوا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس خنجر کے ذریعے میں اس کا پیٹ چاک کردوں گی"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لڑی گئی مشہور جنگ، جنگ یرموک میں عورتوں نے لڑائی لڑی ہے، جب رومیوں نے مسلمانوں پر شدید حملہ کیا اور وہ مسلم لشکر میں گھس آئے تو رومی عورتوں کو تلوار سے مارنے لگے، اس موقع پر قریش کی عورتوں نے رومیوں کا بڑی پامردی سے سامنا کیا اور آخر کار انہیں مار بھگایا۔ (۳)

٦٥ – باب: حَمْلِ النِّسَاءِ الْقِرَبَ إِلَى النَّاسِ فِي الْغَزْوِ.

---

(۱) حوالہ بالا۔ المتواري (ص١٥٦)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٦)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، رقم (٤٦٨٠)۔

(۳) إرشاد الساري (ج٥ص٨٤)، وشرح ابن بطال (ج٥ص٧٧)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے اس امر کا جواز ومشروعیت بتلانا ہے کہ عورتیں غزوے میں لوگوں کو پانی پلاسکتی ہیں۔اس میں حرج کی کوئی بات نہیں ہے۔(۱)

۲۷۲۵ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ : قالَ ثَعْلَبَةُ ابْنُ أَبِي مالِكٍ (۲) : إِنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قَسَمَ مُرُوطًا بَيْنَ نِسَاءٍ مِنْ نِسَاءِ المَدِينَةِ ، فَبَقِيَ مِرْطٌ جَيِّدٌ ، فَقَالَ لَهُ بَعْضُ مَنْ عِنْدَهُ : يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ ، أَعْطِ هٰذَا ٱبْنَةَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ الَّتِي عِنْدَكَ ، يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ ، فَقَالَ عُمَرُ : أُمُّ سَلِيطٍ أَحَقُّ . وَأُمُّ سَلِيطٍ مِنْ نِسَاءِ الأَنْصَارِ ، مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ . قالَ عُمَرُ : فَإِنَّهَا كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا القِرَبَ يَوْمَ أُحُدٍ . قالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : تَزْفِرُ تَخِيطُ . [۳۸۴۳]

تراجم رجال

ا۔عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔عبداللہ

یہ عبداللہ بن مبارک بن واضح حنظلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "بدء الوحي" کی پانچویں حدیث کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

۳۔یونس

یہ ابویزید یونس بن یزید بن ابی النجاد ایلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی پانچویں

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱٦۹)، و فتح الباري (ج٦ص۷۹)۔

(۲) قوله: "ثعلبة": الحديث، أخرجه البخاري أيضا كتاب المغازي، باب ذكر أم سليط، رقم (٤۰۷۱)، والحديث من إفراده، عمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۰)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص۳٦۱-۳٦۲)۔

حدیث (۱) اور مفصل حالات "كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۴۔ابن شہاب

یہ ابوبکر محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے بھی حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث میں آچکے ہیں۔(۳)

۵۔ثعلبہ بن ابی مالک

یہ ابو یحیی یا ابو مالک ثعلبہ بن ابی مالک عبداللہ بن سام القرظی المدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

یہ بنوقریظہ کی مسجد کے امام تھے اور آخر عمر تک اس منصب پر فائز رہے اور انصار کے حلیف تھے۔(۵)

ان کے والد عبداللہ بن سام ابو مالک اصلا یمنی ہیں، قبیلہ "کندہ" سے ان کا تعلق تھا اور مذہبا یہودی تھے، یمن سے ترک وطن کر کے مدینہ منورہ آبسے اور بنوقریظہ کے ایک شخص ابن سعید کی بیٹی سے نکاح کیا اور ابو مالک بنوقریظہ کے حلیف بنے، اسی لئے ان کو قرظی کہا جاتا ہے۔(۶)

اوران کے والد عبداللہ بن سام غالباً غزوہ بنی قریظہ میں حالت کفر میں مارے گئے۔(۷)

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں یا نہیں؟

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے، چنانچہ ابن سعد، امام ابوحاتم، ابن حبان، عجلی اور دیگر بعض حضرات نے ان کو تابعی قرار دیا ہے، ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: "سألت أبي عن ثعلبة بن أبي مالك؟ فقال: هو من التابعين"۔(۸)

---

(۱) كشف الباري (ج۱ص۴٦٣)۔

(۲) كشف الباري (ج۳ص۲۸۲)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص۳۲٦)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٤ص۳۹۷)، وطبقات ابن سعد (ج٥ص۷۹)۔

(۵) حوالہ بالا، الجرح والتعدیل (ج۲ص۳۹۰)، رقم (۱۸۷۵)۔

(٦) طبقات ابن سعد (ج٥ص۷۹)۔

(۷) فتح الباري (ج٦ص۷۹)، والإصابة (ج۱ص۲۰۱)۔

(۸) تهذيب التهذيب (ج۲ص۲۵)، وحاشية سبط ابن العجمي (ج۱ص۲۸٤)، وطبقات ابن سعد (ج٥ص۷۹)، وتعليقات معجم الصحابة (ج۳ص۹۲٤)۔

جب کہ امام یحیی بن معین، حافظ جمال الدین مزی، امام بخاری، ابن عبدالبر، ابن قانع، ذھبی اور مصعب بن عبداللہ زبیری رحمہم اللہ تعالی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں۔(۱)

آپ نے فریقین کے اقوال ملاحظہ کیے، لیکن راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت ثعلبہ قرظی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلام قبول کر چکے تھے۔(۲)

خود حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے، سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "كنت غلاما على عهد النبي صلى الله عليه وسلم"۔(۳)

اس لئے راجح یہی ہے کہ یہ صحابی تھے اور انہوں نے حالت اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ابن ماجہ میں ان کی مرفوع روایت بھی موجود ہے۔(۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کے صحابی ہونے کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وحديثه عن عمر في صحيح البخاري، ومن يقتل أبوه بقريظة، ويكون هو بصدد من يقتل لولا الإنبات لايمتنع أن يصح سماعه؛ فلهذا الاحتمال ذكرته هنا"۔(۵)

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں ان کی حدیث موجود ہے اور جن کے والد بنو قریظہ میں قتل ہوئے ہوں اور وہ خود بھی قتل ہونے کے قریب ہوں اگر انبات کا معاملہ نہیں ہوتا۔ تو ان کے سماع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح ہونا ممتنع نہیں، اسی لئے حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ میں نے (قسم اول) میں نقل کیا ہے"۔

---

(۱) تهذيب الكمال (ج٤ص٣٩٧)، والاستيعاب (ج١ص١٣٢)، وتاريخ البخاري الكبير (ج١ص١٧٤)، ومعجم الصحابة (ج٣ص٩٢٤)، والكاشف للذهبي (ج١ص٢٨٤)۔

(۲) الاستيعاب (ج١ص١٣٢)۔

(۳) حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج١ص٢٨٤)۔

(٤) أخرج ابن ماجة لثعلبة بن أبي مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم، كان يخطب قائما خطبتين، يفصل بينهما بجلوس، وأبو بكر وعمر رضي الله عنهما كذلك۔ سنن ابن ماجه: كتاب الرهن، باب الشرب من الأودية، رقم (٢٤٨١)۔

(٥) الإصابة (ج١ص٢٠١)۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "الإصابة" کے قسم اول میں ان صحابہ کا ترجمہ وتذکرہ لکھا ہے جن کی رویت و صحبت ثابت ہو، خواہ ثبوت کسی بھی طریقہ سے ہو۔ (۱)

اور مصعب بن عبداللہ زبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سِنُّه سن عطية وقصتُه كقصته" (۲) یعنی حضرت ثعلبہ حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ کے ہم عمر ہیں اور حضرت ثعلبہ کا قصہ بھی حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ کے قصے کی طرح ہے۔ (۳)

یہ واضح رہے کہ حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ بالاتفاق صحابی ہیں تو حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی شمار ہوں گے۔

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عثمان، حضرت عمر، حضرت جابر اور حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے ابو مالک، منظور، زھری، مسور بن رفاعۃ، محمد بن عقبہ اور صفوان بن سلیم وغیرہ شامل ہیں۔ (۴)

یہ صحیح بخاری، ابوداود اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ (۵) اور ان کی صحاح ستہ میں صرف ایک ہی مرفوع حدیث ہے۔ (۶) رضي الله عنه وأرضاه۔

۶۔ عمر بن الخطاب

یہ خلیفہ ثانی، امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب العدوی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے مختصر حالات "بدء الوحي"

---

(۱) الإصابة (ج۱ ص۴)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج٤ ص٣٩٧)۔

(۳) وقصة عطية رواها الأئمة الأربعة، وهي: "عن عطية القرظي قال: كنت فيمن حكم عليهم سعد بن معاذ، فشكوا فيَّ، أمن الذرية أنا أو من المقاتلة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "انظروا، فإن كان أنبت الشعر فاقتلوه، وإلا فلاتقتلوه"۔ قال: فإذا عانتي لم تنبت، فألقوني في الذرية، فلم أقتل"۔ انظر سنن أبي داود، أبواب الحدود، باب في الغلام يصيب الحد، رقم (٤٤٠٤)، و(٤٤٠٥)، والترمذي، أبواب السير، باب ما جاء في النزول على الحكم، رقم (١٥٨٤)، والنسائي، كتاب قطع السارق، باب حد البلوغ وذكر السن ......، رقم (٤٩٨٤)، وابن ماجه، أبواب الحدود، باب من لايجب عليه الحد، رقم (٢٥٤١)۔

(۴) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج٤ ص٣٩٧ و ٣٩٨)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج٤ ص٣٩٨)۔

(۶) تعليقات معجم الصحابة (ج٣ ص٩٢٤)، وخلاصة الخزرجي (ص٥٧)، حرف الثاء، من اسمه "ثعلبة"۔

کی پہلی حدیث اور مفصل حالات "كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

إن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قسم مروطاً بين نساء من نساء المدينة، فبقي مرط جيد۔

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم کیں، تو ایک اچھی چادر بچ گئی۔

مُرُوط — بضم الميم والراء — مرط کی جمع ہے، سوت یا ریشم کی چادر کو کہتے ہیں۔(۲)

فقال له بعض من عنده: يا أمير المؤمنين، أعط هذا ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم التي عندك — يريدون: أم كلثوم بنت علي —

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے کہا: امیر المؤمنین! یہ چادر بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیجئے، جو آپ کے نکاح میں ہیں۔ ان کی مراد ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لم أقف على اسمه"۔ اس قائل کا نام مجھے معلوم نہ ہوسکا۔(۳)

ام کلثوم رضی اللہ عنہا

یہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی سب سے چھوٹی اولاد اور صاحبزادی ہیں اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سگی بہن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ہیں۔ اسی لیے حدیث میں ان کو "بنت رسول اللہ" کہا گیا ہے۔(۴)

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت

---

(۱) كشف الباري (ج۱ ص۲۳۹)، و(ج۲ ص٤٧٤)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٦٨)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٧٩)۔

(۴) حوالہ بالا۔

میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا رشتہ اپنے لیے طلب کیا، اس وقت یہ کم سن تھیں (۱)، ان کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ۱۷ھ میں ہوا۔ (۲) اوران کے بطن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی رقیہ اورایک صاحبزادے زید پیدا ہوئے۔ (۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح عوف بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا، عوف کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر نے ان سے نکاح کیا، محمد کے بعد عبداللہ بن جعفر سے ان کا نکاح ہوا۔ (۴)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اوران کے بیٹے زید بن عمر کا ایک ہی دن انتقال ہوا اور حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، جو ان دنوں مدینہ منورہ کے امیر تھے، نے ان دونوں کی نماز جنازہ پڑھائی، یہ سانحہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلافت کے ابتدائی ایام میں ہوا۔ (۵)

فقال عمر: أم سليط أحق، وأم سليط من نساء الأنصار ممن بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ام سلیط زیادہ حق دار ہیں۔ اورام سلیط انصار کی ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا

یہ حضرت ام قیس بنت عبید بن زیاد بن ثعلبہ النجاریہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا ہیں (۶) اور یہ اپنی کنیت ہی سے معروف تھیں۔ (۷)

(۱) حوالہ بالا۔ والاصابة (ج٤ص٤٩٢)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٨)۔

(۲) شیعیت کا اصلی روپ (ص۲۷۵)۔

(۳) تهذيب الأسماء واللغات (ج٢ص٣٦٥)، وسير أعلام النبلاء (ج٣ص٥٠١)۔

(٤) الإصابة (ج٤ص٤٩٢)۔

(٥) حوالہ بالا۔ وطبقات ابن سعد (ج٨ص٤٦٥) نیز دیکھئے کشف الباري، كتاب المغازي (ص٢٤٠)۔

(٦) طبقات ابن سعد (ج٨ص٤١٩)۔

(٧) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٨)۔

ان سے پہلا نکاح ابوسلیط بن ابی حارثہ بن قیس نجاری نے کیا اور ابوسلیط سے ان کا ایک بیٹا سلیط اور ایک بیٹی فاطمہ پیدا ہوئی، اسی لئے انہیں ام سلیط کہا جاتا ہے۔(۱)

ابوسلیط کی وفات کے بعد یہ مالک بن سنان کے نکاح میں آئیں اور ان سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔(۲)

ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت اور غزوہ احد، خیبر اور حنین میں ہمراہی کا شرف حاصل ہے۔(۳)

قال عمر: فإنها كانت تزفر لنا القرب يوم أحد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ام سلیط ہمارے لیے جنگ احد میں مشکیزے اٹھا کر لایا کرتی تھیں۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چادر کے معاملے میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے مقابلے میں حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا کو ترجیح دینے کی علت بتلائی ہے کہ حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا چونکہ غزوہ احد میں ہمارے لیے مشکیزے اٹھا کر لایا کرتی تھیں اس لئے مذکورہ چادر کی وہ زیادہ حق دار ہیں۔

قال أبوعبدالله: تزفر: تخيط۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) فرماتے ہیں کہ تزفر کے معنی ہیں: وہ سیتی تھیں۔

یہ جملہ صرف مستملی کی روایت میں ہے، باقی نسخ صحیح بخاری میں یہ توضیحی جملہ نہیں پایا جاتا۔(۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زفر کے معنی یہاں سینے کے جو بیان کیے ہیں، اس پر شراح بخاری نے اعتراض کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ذلك لايعرف في اللغة، وإنما الزفر: الحمل"۔(۵) کہ "یہ لغت میں غیر معروف ہے اور زفر تو درحقیقت اٹھانے کے معنی میں ہے"۔ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٨)۔

(۲) فتح الباري (ج٧ص٣٦٧)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٧٩)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٩)۔ وطبقات ابن سعد (ج٨ ص٤١٩)۔

(۴) فتح الباري (ج٦ص٧٩)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٩)۔

(۵) انظر فتح الباري (ج٦ص٧٩)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٩)، وقال ابن بطال: "قوله: "تزفر لنا القرب" يعني: تحمل، قال صاحب العين والأفعال (أي الخليل النحوي): زفر الحمل زفرا: نهض به، والزفر: القربة، والروافر: الإماء يحملن القرب"۔ (ج٥ص٧٩)۔

علیہ فرماتے ہیں: "غير معروف في اللغة"۔ (۱) اور حضرت شیخ الحدیث صاحب نے بھی علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ''مقدمہ لامع'' میں اس تفسیری جملے کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اوہام میں سے قرار دیا ہے۔ (۲)

پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی اس کی توجیہ ذکر کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا تفسیر کی وجہ یہ ہو کہ ''تـزفـر'' کے معنی ان کے نزدیک یہ ہوں کہ حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا ان مشکیزوں کو اس حال میں کہ وہ خالی اور پھٹے ہوئے ہوں سینے کے لیے اٹھاتی تھیں، یہ اٹھانا مشکیزوں سے پانی پلانے کے لئے نہ ہو۔ (۳)

اور اس توجیہ کی صورت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا تفسیری جملہ درست قرار پاتا ہے۔

اور دیگر حضرات شراح نے مذکورہ بالا اعتراض کا جواب یہ ارشاد فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غالبًا یہاں ابوصالح کاتب اللیث کی اتباع کی ہے، چنانچہ ابوصالح سے "تـزفـر" کے معنی "تـخـرز" مروی ہے اور خرز کے معنی سینے کے ہیں۔ (۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث باب کے اس جملے میں ہے: "فـانـهـا كـانـت تزفر لنا القرب يوم أحد"۔ (۵)

٦٦ - باب : مُدَاوَاةِ النِّسَاءِ الجَرْحَى فِي الْغَزْوِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں میدان جنگ

---

(۱) شرح القسطلاني (ج۵ص۸۵)۔

(۲) مقدمة اللامع (ج۱ص۲٤۳)، وأيضا انظر لامع الدراري (ج۷ص۲۳٦)۔

(۳) لامع الدراري (ج۷ص۲۳۵)۔

(٤) إرشاد الساري (ج۵ص۸۵)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٨)، فتح الباري (ج٦ص٧٩)۔

(۵) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٧)۔

میں عورتیں مجاہدین اسلام کی مرہم پٹی اور علاج معالجہ وغیرہ کرتی تھیں اور یہ ثابت ہے۔(۱)

چنانچہ سابقہ باب میں تو عورتوں سے متعلق ایک خدمت یعنی مشکیزوں کو اٹھا کر لانے کا ذکر تھا اور باب ہذا میں ان سے متعلق ایک دوسری خدمت یعنی زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کا ذکر ہے۔

۲۷۲۶ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ : حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ(۲) قَالَتْ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَسْقِي وَنُدَاوِي الْجَرْحَى ، وَنَرُدُّ الْقَتْلَى إِلَى الْمَدِينَةِ . [۲۷۲۷ ، ۵۳۵۵]

تراجم رجال

۱۔علی بن عبداللہ

یہ امام ابوالحسن علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب العلم، باب الفهم في العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۲۔بشر بن المفضل

یہ ابو اسماعیل بشر بن المفضل بن لاحق رقاشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع" کے تحت آچکا ہے۔(۴)

۳۔خالد بن ذکوان

یہ ابوالحسن خالد بن ذکوان المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٨)۔

(۲) قوله: "عن الربيع......": الحديث أخرجه البخاري أيضا كتاب الجهاد، باب رد النساء الجرحى والقتلى، رقم (٢٨٨٣)، وكتاب الطب، باب هل يداوي الرجل المرأة والمرأة الرجل؟ رقم (٥٦٧٩) ولم يخرجه غيره من الأئمة الستة۔

(۳) كشف الباري (ج٣ص٢٩٧)۔

(٤) كشف الباري (ج٣ص٢٢٢)۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصوم، باب صوم الصبيان۔

۴۔الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا

یہ انصاری صحابیہ حضرت الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا ہیں۔(۱)

قالت: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم نسقي، ونداوي الجرحى، ونرد القتلى إلى المدينة.

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (کسی غزوے میں شریک) تھے، زخمیوں کو پانی پلاتے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے اور جو لوگ شہید ہو جاتے ان کو مدینہ منورہ اٹھا کر لاتے تھے۔

حدیث باب میں یہ آیا ہے کہ عورتیں نامحرم مردوں کی مرہم پٹی اور اسی کے مثل دوسری چیزیں مثلاً مریض کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور موتیٰ (شہداء) کو میدان جنگ سے مدینہ منورہ منتقل کرتی تھیں۔

ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیونکر جائز ہو گیا کہ عورتیں نامحرم مردوں کی مرہم پٹی کریں، کیونکہ اس میں تو اجنبی مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم آتا ہے؟(۲)

شراح نے اس اعتراض کے دو جوابات ارشاد فرمائے ہیں:-

۱۔ یہ احتمال ہے کہ مذکورہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہو، لہذا کوئی حرج نہیں۔(۳)

۲۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ صحابیات دوران علاج مردوں کو چھوئے بغیر ان کا علاج کرتی ہوں، وہ اس طرح کہ دواء تو صحابیات تیار کریں اور متاثرہ حصے پر اس دواء کا استعمال اور کوئی شخص یا محرم عورت کرے۔ اس صورت میں بھی لمس نہیں پایا جائے گا۔(۴)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٨)۔

(۳) فتح الباري (ج١٠ص١٣٦)۔

(٤) إرشاد الساري (ج٥ص٨٥)۔

حدیث باب سے مستنبط ایک فائدہ

باب کی حدیث سے معلوم یہ ہوا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت اجنبی مرد یا اجنبی عورت ایک دوسرے کا علاج معالجہ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ دوران علاج متاثرہ حصے سے نظر یا لمس وغیرہ میں تجاوز نہ کیا جائے۔ صرف متاثرہ حصے ہی کو دیکھے یا چھوئے۔(۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ علاج ضرورت ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات"۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے ساتھ بالکل واضح ہے اور وہ حدیث کے اس جملے میں ہے: "ونداوي الجرحى" کہ ہم زخمیوں کا علاج معالجہ کرتی تھیں۔(۳)

٦٧ – باب : رَدِّ النِّسَاءِ الجَرْحَى وَالقَتْلَى.

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت میدان جنگ میں عورتوں سے متعلق ایک اور خدمت یعنی میدان جنگ سے زخمیوں اور شہداء کو منتقل کرنے کو بیان فرما رہے ہیں۔(۴)

چنانچہ حدیث باب میں ہے کہ عورتیں زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر لاتی تھیں، نیز جو مقتولین وشہداء تھے ان کو مدینہ منورہ پہنچا رہی تھیں۔

---

(۱) فتح الباري (ج۱۰ص۱۳٦)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٨)، وشرح ابن بطال (ج٥ص٧٩)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٨٠)۔

(۳) وعمدة القاري (ج١٤ص١٦٨)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٩)۔

٢٧٢٧ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ . عَنْ خالِدِ بْنِ ذَكْوَانَ ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ (١) قالَتْ : كُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَنَسْقِي الْقَوْمَ ، وَنَخْدُمُهُمْ ، وَنَرُدُّ الجَرْحٰى وَالْقَتْلَى إِلَى المَدِينَةِ . [ر : ٢٧٢٦]

تراجم رجال

۱۔مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کا مختصر تذکرہ "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت آچکا ہے۔(۲)

اور سند کے دیگر رجال کا حوالہ گذشتہ باب کی سند میں گذر چکا ہے۔

قالت: كنانغزو مع النبي صلى الله عليه وسلم، فنسقي القوم، ونرد الجرحى والقتلى إلى المدينة۔

نرد الجرحى والقتلى
کے معنی اور اس میں احتمالات

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ونرد الجرحى والقتلى" میں دو احتمال ہیں:۔

۱۔قتلی سے مراد حقیقی مقتولین وشہداء ہوں اور لفظ "قتلی" کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو ان کو لوٹانے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کی تدفین وغیرہ میں مشغولیت چونکہ قتال میں خلل پیدا کرنے کا سبب ہے۔اس لئے ان شہداء ومقتولین کو عورتیں میدان جنگ سے مدینہ منورہ منتقل کررہی تھیں۔(۳)

لیکن اس معنی واحتمال پر اس روایت کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے جس کو امام احمد،ابوداود،ترمذی،نسائی اور دارمی

(١) قوله:"عن الربيع بنت معوذ رضي الله عنها": الحديث، مر تخريجه آنفا في الباب السابق۔

(٢) كشف الباري (ج٢ص٢)۔

(٣) لامع الدراري (ج٧ص٢٣٦)۔

رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"لما كان يوم أحد، جاء ت عمتي بأبي لتدفنه في مقابرنا، فنادى منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ردوا القتلى إلى مضاجعهم"۔ (اللفظ للترمذي) (١)

اس روایت سے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کرنے سے منع فرمایا تھا اور انہیں ان کی جائے شہادت کی طرف لوٹانے کا حکم دیا تھا، جب کہ باب کی حدیث میں مذکورہ روایت کے برخلاف شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کرنے کا ذکر ہے؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ رد القتلی سے ان کو معرکے سے ان کی قبروں کی طرف منتقل کرنا مراد لیا جائے۔ اور اس کی تائید شرح القسطلانی کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

"قال السفاقسي: كانوا يوم أحد يجعلون الرجلين والثلاثة من الشهداء على دابة، وتردهم النسائي إلى موضع قبورهم"۔ (٢)

کہ "سفاقسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر صحابہ کرام دو یا تین شہداء کو کسی جانور پر رکھتے اور عورتیں ان کو ان کی قبروں کی طرف منتقل کرتیں"۔ (۳)

اور رہے "إلى المدينة" کے الفاظ تو علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ الفاظ ابوذر کے نسخے میں نہیں ہیں۔ (۴)

---

(١) الحديث أخرجه الإمام أحمد في مسنده (ج٣ ص٢٩٧) وأبو داود في سننه، أبواب الجنائز، باب في الميت يحمل من أرض إلى أرض، رقم (٣١٦٥)، والترمذي في جامعه، أبواب الجهاد، باب (في ماجاء في دفن القتيل في مقتله)، رقم (١٧١٧)، والنسائي في سننه، أبواب الجنائز، باب أين يدفن الشهيد؟ رقم (٢٠٠٦، ٢٠٠٧)، والدارمي في سننه (ج١ ص٣٦)، المقدمة، باب ما أكرم به النبي صلى الله عليه وسلم في بركة طعامه، رقم (٤٣)، والخطيب التبريزي في مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، رقم (١٧٠٤)۔

(٢) إرشاد الساري (ج٥ ص٨٥)، وعزا العلامة العيني هذا القول إلى ابن التين (ج١٤ ص١٦٩)۔

(٣) تعليقات لامع الدراري (ج٧ ص٢٣٦)۔

(٤) إرشاد الساري (ج٥ ص٨٥)۔

اور اس کے جواب میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ "إلى المدينة" کے الفاظ کا تعلق جرحی سے ہے، نہ کہ قتلی سے اور اس توجیہ کی صورت میں معنی بالکل درست ہیں، یعنی عورتیں زخمیوں کو مدینہ منورہ منتقل کر رہی تھیں، نہ کہ شہداء کو۔ (۱)

یا یہ کہا جائے گا کہ حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور فی الباب کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت سے پہلے ہے، یعنی آپ علیہ السلام کے منع کرنے سے قبل یہ عورتیں شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کر رہی تھیں، لیکن بعد میں آپ نے فرمادیا کہ شہداء کو ان کی جائے شہادت ہی میں دفن کیا جائے۔ اس طرح سنن اور بخاری کی روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ (۲)

۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ "قتلى" سے وہ زخمی مراد ہوں جو قریب الموت ہوں، رہے وہ زخمی حضرات صحابہ جن کے زخم مندمل ہونے کا مستقبل قریب میں احتمال ہو، ان کو میدان جنگ ہی میں باقی رہنے دیا گیا تھا، تاکہ وہ صحت کے بعد دوبارہ قتال میں شریک ہو سکیں۔ (۳)

لیکن اس احتمال پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر "قتلى" سے مراد زخمی ہیں تو پھر الگ سے "جرحى" کے ذکر کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اس اشکال کے جواب میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ حدیث میں "جرحى" سے مراد وہ افراد ہیں جو قریب الموت نہ ہوں اور ان کے لوٹانے سے مراد ان کو خیموں میں منتقل کرنا ہو۔ (۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح ہے، جو حدیث کے اس جملے میں ہے: "ونرد الجرحى والقتلى إلى المدينة"۔ (۵)

---

(۱) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۳۶)۔

(۲) حوالہ بالا (ص۲۳۷)۔

(۳) لامع الدراري (ج۷ص۲۳۷)۔

(٤) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۳۷)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص١٦٩)۔

٦٨ – باب : نَزْعِ السَّهْمِ مِنَ الْبَدَنِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تو ہم کا ازالہ کرنے کے لئے یہ باب قائم کیا ہے، چنانچہ کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ شہید کو اگر تیر لگا ہے تو اسے شہید کے جسم سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ تیر کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے گا، جیسا کہ اس کو خون آلودہ جسم کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ قیامت کے دن اسی حالت میں وہ دربار خداوندی میں حاضر ہو۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس وہم کا ازالہ فرمایا کہ ایسی کوئی بات نہیں، جب کہ حکم بھی یہی ہے کہ جب آپ شہید کو دفن کریں تو اس کی زرہ وغیرہ اتارلیں اور ہتھیار جو اس کے بدن پر ہیں ان کو علیحدہ کریں تو تیر کو بھی نکالا جائے گا۔(۱)

جب کہ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف دوسرا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں بدن انسانی سے تیر نکالنے کا جواز بیان کررہے ہیں، اگرچہ اس کے نکالنے سے اندیشۂ ہلاکت وموت ہو اور یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف نہیں ہے، جب کہ اس فعل سے نفع وصحت کی بھی امید ہو، اسی کے مثل زخم کو چیرنا اور اس میں شگاف ڈالنا اور لوہے وغیرہ سے داغ لگوانا ہے، یعنی وہ تمام امور جن کے ذریعے علاج کیا جاتا ہے۔

مقصد یہ ہوا کہ جس طرح زخم کا چیرنا اور جسم پر بطور علاج داغ لگوانا جائز ہے، اسی طرح جسم سے تیر نکالنا بھی جائز ہے۔(۲)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے یعنی علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ حدیث باب اس شخص سے متعلق ہے جس کے جسم سے تیر زندہ ہونے کی حالت میں نکالا گیا، جب کہ علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نزع السہم بعد الموت سے متعلق ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص ٨١)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج٥ص ٨١)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص ٨١)، وعمدة القاري (ج١٤ص ١٦٩)۔

۲۷۲۸ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبو أُسَامَةَ ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى[1] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : رُمِيَ أَبُو عامِرٍ فِي رُكْبَتِهِ ، فَٱنْتَهَيْتُ إِلَيْهِ ، قالَ : ٱنْزِعْ هٰذَا السَّهْمَ ، فَنَزَعْتُهُ ، فَنَزَا مِنْهُ الْمَاءُ ، فَدَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : (اللّٰهُمَّ ٱغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عامِرٍ) . [٤٠٦٨ ، ٦٠٢٠]

تراجم رجال

۱۔محمد بن العلاء

یہ ابوکریب محمد بن العلاء بن کریب ہمدانی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔ابواسامہ

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ بن زید قرشی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳۔ برید بن عبداللہ

یہ ابوبردہ برید بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسی الاشعری کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان تینوں حضرات کا تذکرہ "كتاب العلم، باب فضل من علم وعلم" کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

۴۔ابوبردہ

یہ حضرت ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں،ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب أي الإسلام أفضل؟" کے تحت آ چکا ہے۔(۳)

---

(۱) قوله: "عن أبي موسى رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا كتاب المغازي، باب غزوة أوطاس، رقم (٤٣٢٣)، وكتاب الدعوات، باب الدعاء عند الوضوء، رقم (٦٣٨٣)، ومسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي موسى وأبي عامر الأشعريين، رقم (٦٤٠٦)۔

(۲) كشف الباري (ج٣ص٤١٧)۔

(۳) كشف الباري (ج١ص٦٩٠)۔

۵۔ ابوموسی

یہ مشہور صحابی رسول، حضرت ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ باب کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۱)

قال: رمي أبوعامر في ركبته فانتهيتُ إليه، فقال: انزع هذا السهم، فنزعته۔

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھٹنے میں تیر لگا تو میں ان کے پاس گیا، انہوں نے مجھ سے کہا اس تیر کو نکالو۔ تو میں نے اسے نکال دیا۔

حدیث باب میں ذکر کردہ واقعہ غزوہ اوطاس سے متعلق ہے، یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابی موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، یہی حدیث انہوں نے کتاب المغازی میں تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے، وہیں اس کی تشریح بھی آچکی ہے۔ (۲)

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابی، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے عم محترم رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام عبید بن سُلیم بن حضار بن حرب ہے، قبیلہ اشعر بن ادد بن زید سے ان کا تعلق ہے۔ (۳)

جب کہ علی ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نام عبید بن وھب اور ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نام عبداللہ بن وھب لکھا ہے، جو کہ درست نہیں۔ (۴)

ان کا شمار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کبار صحابہ میں ہے، ابن قتیبہ نے ان کا ذکر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں کیا ہے۔ گویا کہ یہ قدیم الاسلام صحابی تھے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ یہ ابتداءً نابینا تھے، پھر بینا ہوگئے۔ (۵)

غزوہ حنین میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو ان میں سے بہت سے افراد بھاگ کر اوطاس میں آگئے تھے،

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) دیکھئے کشف الباري، كتاب المغازي (ص ٥٤٣)۔

(۳) الاستيعاب بهامش الإصابة (ج٤ص ١٣٥)، والإصابة (ج٤ص ١٢٣)، وأسد الغابة (ج٦ص ١٨٣)۔

(٤) الاستيعاب بهامش الإصابة (ج٤ص ١٣٥)، وأسد الغابة (ج٦ص ١٨٣)، ومعرفة الصحابة (ج٤ص ٥١٧)۔

(٥) الإصابة (ج٤ص ١٢٣)، والاستيعاب بهامش الإصابة (ج٤ص ١٣٥)، وأسد الغابة (ج٦ص ١٨٣)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لئے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک جماعت روانہ کی، اسی غزوہ اوطاس میں وہ شہید ہوئے۔ اور ان کی شہادت کا سبب وہ تیر بنا تھا جو مشہور مشرک درید بن صمہ کے بیٹے سلمہ بن درید نے پھینکا تھا، جو ان کے گھٹنے پر لگا، جیسا کہ حدیث باب میں بھی مذکور ہے پھر بعد میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کے قاتل کا کام تمام کیا۔ (۱)

جب کہ بعض حضرات نے درید بن صمہ کو تیر پھینکنے والا قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ درید اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا کہ اس کی عمر سو سال سے متجاوز ہو چکی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے اس نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی، چنانچہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقيل : إن دريداً هو الذي قتل أبا عامر، و قتله أبو موسى، وذلك غلط؛ فإن دريداً إنما حضر الحرب شيخا كبيرا، ولم يباشر الحرب لكبره"۔ (۲)

فنزا منه الماء، فدخلت على النبي ﷺ فأخبرته، فقال: اللهم اغفر لعبيد أبي عامر۔

تو زخم سے پانی نکلا، چنانچہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ ان سے عرض کیا، تو آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی اے اللہ! عبید ابو عامر کی مغفرت فرما دیجئے۔

"نزا" باب "نصر" سے ہے، اس کا مصدر نزوا ونزوانا ہے اور اس کے معنی اچھلنے کے ہیں، لیکن بقول علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ یہاں مرادی معنی پانی نکلنے کے ہیں۔ (۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور وہ اس جملے میں ہے: "انزع هذا السهم، فنزعته"۔ (۴)

---

(۱) حوالہ بالا، وکشف الباري، کتاب المغازي (ص ۵٤۲)۔

(۲) أسد الغابة (ج٦ ص ١٨٣)۔

تنبیہ: ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ نام کے ایک اور صحابی بھی ہیں، لیکن وہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور ان کا نام ھانی یا عبدالرحمن یا عبید یا عباد بن قیس ہے۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص١٦٩)، وشرح ابن بطال (ج٥ ص٨١)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص١٦٩)۔

٦٩ - باب : الْحِرَاسَةِ فِي الْغَزْوِ فِي سَبِيلِ اللهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالی کے بقول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں لشکر اسلام کی حفاظت اور اللہ کی راہ میں چوکیداری کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۱)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو غافل نہیں رہنا چاہئے اور اپنی حفاظت کا بہرحال انتظام کرنا چاہئے، معلوم نہیں کہ دشمن کدھر سے کب حملہ کردے؟ اس لئے ان کو حراست اور حفاظت کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

٢٧٢٩ : حدّثنا إسْماعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ : أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قالَ : سَمِعْتُ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا (٢) تَقُولُ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ سَهِرَ. فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ، قالَ : (لَيْتَ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِي صَالِحًا يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ). إِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ ، فَقَالَ : (مَنْ هٰذَا). فَقَالَ : أَنا سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ جِئْتُ لِأَحْرُسَكَ ، وَنامَ النَّبِيُّ ﷺ . [٦٨٠٤]

تراجم رجال

۱۔ اسماعیل بن خلیل

یہ ابوعبداللہ اسماعیل بن خلیل کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

---

(١) فتح الباري (ج٦ ص٨١)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧٠)۔

(٢) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، أخرجه البخاري أيضا كتاب التمني، باب قوله صلى الله عليه وسلم: ليت كذا وكذا، رقم (٧٢٣١)، ومسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، رقم (٦٢٣٠ - ٦٢٣٢)، والترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، رقم (٣٧٥٦)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الحیض، باب مباشرة الحائض۔

۲۔علی بن مسہر

یہ ابوالحسن علی بن مسہر القرشی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۔یحیی بن سعید

یہ مشہور تابعی محدث، یحیی بن سعید الانصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۴۔عبداللہ بن عامر بن ربیعہ

یہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہما ہیں۔(۳)

۵۔عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت آ چکے ہیں۔(۴)

تقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم سهر، فلما قدم المدينة قال: ليت رجلا من أصحابي صالحا يحرسني الليلة۔

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ بیان کرتی تھیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک رات) بیداری میں گذاری، مدینہ پہنچنے کے بعد آپ نے فرمایا: کاش میرے اصحاب میں سے کوئی صالح ایسا آتا جو رات میں ہمارا پہرہ دیتا۔

روایات کے درمیان تعارض اور اس کا حل

باب کی روایت میں یہی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات بیداری کی حالت میں گذاری، اس

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۳۲۱)، وأيضا انظر كشف الباري (ج۱ص۲۳۸)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب تقصير الصلاة، باب صلاة التطوع على الدواب......۔

(٤) كشف الباري (ج۱ص ۲۹۱)۔

میں بیداری کے زمانے کو نہیں بیان کیا گیا، چنانچہ ظاہری مفہوم حدیث کا تو یہی ہے کہ بیداری کا واقعہ مدینہ منورہ میں آنے سے پہلے کا اور آپ علیہ السلام کا قول "لیت رجلا من أصحابي صالحا......" بعد کا ہے۔

لیکن یہی روایت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی "صحیح" میں ذکر کی ہے، اس میں لیث عن یحیی بن سعید کے طریق سے یوں مروی ہے:

"سهر رسول الله صلى الله عليه وسلم مقدمه المدينة ليلة، فقال: ليت رجلا صالحا من أصحابي يحرسني الليلة"۔ (۱)

چنانچہ صحیح مسلم کی روایت اس باب میں صریح ہے کہ بیداری اور قول دونوں کا زمانہ مدینہ منورہ آنے کے بعد کا ہے۔ (۲) اس لئے مسلم کی روایت بخاری کی روایت کے مقابلے میں راجح ہوگی، کیونکہ صریح غیر صریح پر راجح ہوتا ہے۔

نیز صحیح مسلم کی جو روایت ہے اس کی تائید امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے ابواسحاق الفزاری عن یحیی بن سعید کے طریق سے نقل فرمائی ہے، اس میں ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في أول ما قدم المدينة يسهر من الليل"۔ (۳)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث باب کے متن کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے، متن دراصل یوں ہے: "سمعت عائشة رضي الله عنها تقول: لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة سهر ليلة"۔ (۴)

اس طرح تمام روایات کے درمیان تطبیق ہو جائے گی، کیونکہ حدیث ایک اور راوی بھی ایک ہی یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ (۵)

قدوم مدینہ سے کیا مراد ہے؟

پھر یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث باب میں قدوم مدینہ سے نبی علیہ السلام کی مدینہ میں پہلی تشریف

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، رقم (۶۲۳۱)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۷۰)، وفتح الباري (ج۶ص۸۲)، وإرشاد الساري (ج۵ص۸۶)۔

(۳) سنن النسائي الكبرى (ج۵ص۶۱)، كتاب المناقب، سعد بن مالك رضي الله عنه، رقم (۸۲۱۷/۳)۔

(۴) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۷۰)، وشرح القسطلاني (ج۵ص۸۶)۔

(۵) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۷۰)۔

آوری جو ہجرت کے بعد ہوئی ہے، مراد نہیں ہے، کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نہیں تھیں، نہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، بلکہ کسی سفر وغیرہ سے تشریف آوری مراد ہے(۱)، اس کی دلیل وہ روایت ہے، جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں "يزيد بن هارون عن يحيى بن سعيد" کے طریق سے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم سهر ذات ليلة وهي إلى جنبه، قالت: فقلت: ما شأنك يا رسول الله؟......"۔ (۲)

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بیدار رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کے پہلو میں تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو کیا پریشانی ہے؟''

چنانچہ معلوم ہوا کہ حدیث میں قدوم مدینہ سے ہجرت کے بعد کا پہلا قدوم مراد نہیں ہے، بلکہ یہ اور کسی موقع کا واقعہ ہے۔

إذ سمعنا صوت سلاح، فقال: من هذا؟ فقال: أنا سعد بن أبي وقاص؛ جئت لأحرسك فنام النبي صلى الله عليه وسلم۔

اسی اثناء میں ہم نے اسلحے کی آواز سنی تو نبی علیہ السلام نے استفسار فرمایا: یہ کون ہے؟ تو جواب دیا: میں سعد بن ابی وقاص ہوں، آپ کی حفاظت کے لئے آیا ہوں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔

صحیح مسلم میں لیث کے طریق میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا: "وقع في نفسي خوف على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجئت أحرسه، فدعا له رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔(۳)

کہ'' میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اندیشہ پیدا ہوا تو میں ان کی حفاظت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعاؤں سے نوازا۔''

---

(۱) فتح الباري (ج۱ص۸۲)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۰)، وشرح القسطلاني (ج۵ص۸٦)۔

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل (ج٦ص۱٤۱)۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، رقم (٦۲۳۱)۔

ایک سوال اور اس کے جوابات

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں تو اللہ عزوجل نے یہ فرمایا ہے: ﴿واللہ یعصمك من الناس﴾ کہ ''اللہ تعالی لوگوں کے شر سے آپ کی حفاظت کریں گے''۔ تو اللہ عزوجل کی خصوصی حفاظت ونگرانی میں ہونے کے باوجود حراست وحفاظت کی مزید کیا ضرورت ہے؟(۱)

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا سوال کا جواب تو یہ دیا ہے کہ حدیث میں مذکور واقعہ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت کے نزول سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ حدیث (۲) میں آیا ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو رات کو اپنی حفاظت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کردی تھی۔ (۳)

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث باب اور اس طرح کی دیگر احادیث جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ونگرانی کا ذکر ہے وہ مذکورہ بالا آیت سے منسوخ ہیں۔ (۴)

جب کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ میں ایسی کوئی بات نہیں جو حراست وحفاظت کی نفی کرتی ہو، جیسا کہ اللہ عزوجل کا اپنے دین کا دوسرے ادیان پر غالب وظاہر کرنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ قتال کیا جائے اور اس کے لئے لشکر وغیرہ تیار کیا جائے۔ (۵)

تو اس صورت میں ''عصمۃ'' سے مراد فتن، گمراہی اور جان کے ضائع ہونے وغیرہ سے حفاظت ہے۔ (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظین صحابہ کرام

روایات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد تقریبا بیس تک مروی ہے،

---

(۱) عمدۃالقاري (ج۱٤ص۱۷۰)۔

(۲) وقد روى الترمذي من طريق عبد الله بن شقيق عن عائشة رضي الله عنها قالت: "كان النبي صلى الله عليه وسلم يُحرَس حتى نزلت هذه الآية: ﴿والله يعصمك من الناس﴾ فأخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه من القُبة، فقال لهم: أيها الناس، انصرفوا، فقد عصمني الله"۔ الجامع للترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب: ومن سورة المائدة، رقم (۳۰٤٦)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج۵ص۸۲)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص۸۲)۔

(۵) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۰)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ص۸۲)۔

جن میں سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام یہ ہیں:

حضرت سعد بن معاذ، محمد بن مسلمہ، زبیر، ابو ایوب الانصاری، ذکوان بن عبد قیس، ادرع السلمی، محجن بن ادرع، عباد بن بشر، عباس بن عبد المطلب اور ابو ریحانہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔(۱)

حدیث باب سے مستنبط فوائد

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بات مستفاد ہوئی کہ سلطان کو دشمن سے حفاظت اور اپنے بچاؤ کے لئے حفاظت و چوکیداری کا انتظام کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپ فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ باوجودیکہ آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ اللہ عزوجل ان کے ذریعے اپنے دین کو کامل و مکمل کریں گے اور ان کے ذریعے اللہ کا کلمہ بلند ہوگا، (اور ظاہر سی بات ہے کہ جب تک فریضہ رسالت کی ادائیگی کا کام مکمل نہیں ہوتا آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا) لیکن آپ علیہ السلام نے اپنی حفاظت کا اہتمام کیا، تاکہ دشمن کے اچانک کئے گئے حملے سے اور اس کی تکالیف سے بچاؤ ممکن ہوسکے۔(۲)

نیز یہ بات بھی مستفاد ہوئی کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ خود بھی اپنے سلطان کی حفاظت کا اہتمام وانتظام کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں دشمن کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کا موقع مل جائے۔(۳)

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت اس جملے میں ہے: "من یحرسني اللیلة....."۔

لیکن اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں تو "الغزو في سبیل اللّٰہ" کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں، اس میں مذکور واقعہ تو حضر کا ہے، نہ کہ غزوے کا، جب کہ ترجمۃ غزوۃ فی سبیل اللہ کا ہے؟

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفر ہو یا حضر، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اللہ کے راستے ہی میں ہوتے تھے۔ اس لئے اس اعتراض کے کوئی معنی نہیں۔(۴)

---

(۱) شرح القسطلاني (ج۵ ص۸٦)، وحاشیة السهارنفوري علی صحیح البخاري (ج۲ ص۱۰۷٤)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ ص۸۲)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۷۰)۔

۲۷۳۰ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ (۱)، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ ، وَالدِّرْهَمِ ، وَالْقَطِيفَةِ ، وَالخَمِيصَةِ ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ) .

قالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : لَمْ يَرْفَعْهُ إِسْرَائِيلُ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ .

تراجم رجال

۱۔ یحیی بن یوسف

یہ ابو یوسف یا ابو زکریا یحیی بن یوسف بن ابی کریمۃ الزّمّی الرقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

ان کا تعلق خراسان کے ایک گاؤں "زم" سے تھا، لیکن بعد میں انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کی۔(۳)

یہ عبد اللہ بن ادریس، عبید اللہ بن عمرو الرقی، عیسی بن یونس، ابو معشر المدنی، ابو بکر بن عیاش، خلف بن خلیفہ، ابو الاحوص اور امام وکیع رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں امام بخاری، ابن ماجہ، ابو زرعہ دمشقی، ابو حاتم رازی، محمد بن اسحاق صنعانی، عثمان بن خرزاذ، عباس الدوری، حنبل بن اسحاق، عبد اللہ بن حماد آملی، ابو بکر بن ابی الدنیا، محمد بن غالب تمتام، ابو بکر بن ابی خیثمہ اور احمد بن حسن بن عبد الجبار صوفی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ شامل ہیں۔(۴)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سألت أبي عنه، فقال: كتبنا عنه بالري قديما، ثم كتبنا عنه ببغداد، وسألت أحمد بن حنبل عنه، فأثنى عليه، قلت لأبي: ما قولك فيه؟ قال: هو عندي صدوق"۔(۵)

(۱) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا (ج۱ ص۴۰۴)، كتاب الجهاد، نفس الباب الذي نحن فيه، رقم (۲۸۸۷)، و(ج۲ ص۹۵۲)، كتاب الرقاق، باب مايتقى من فتنة المال، رقم (٦٤٣٥)، وابن ماجه، أبواب الزهد، باب في المكثرين، رقم (٤١٣٥-٤١٣٦)۔

(۲) تهذيب الكمال (۳۲ص۶۰)، وطبقات ابن سعد (ج۷ص۳٤۸)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۳۲ص۶۰و۶۱)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۱)۔

(۴) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج۳۲ص۶۰-۶۱)

(۵) تہذیب الکمال (ج۳۲ص۶۱)، والجرح والتعدیل (ج۹ص۲۴۷) رقم (۱۲۴۸۷ ۸۳۲)۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ان سے ری اور بغداد دونوں جگہ حدیث سنی ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی تعریف کی۔ میں نے اپنے والد ابو حاتم سے ان کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ میرے نزدیک صدوق ہیں۔

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هو ثقة"۔(۱)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے: "الإمام الحافظ الحجة ...... وكان من كبار المحدثين الرحالة"۔(۲)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وكان ثقة"۔(۳)

اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۴)

اصحاب اصول ستہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے روایات لی ہیں۔(۵)

اور صحیح بخاری میں ان سے صرف چار احادیث مروی ہیں۔(۶)

عباسی خلیفہ ''واثق باللہ'' کے دور خلافت میں بغداد میں ۲۲۵ھ کو ان کا انتقال ہوا(۷)۔ ایک قول ۲۲۹ھ کا بھی ہے۔(۸) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

۲۔ ابوبکر

یہ ابوبکر بن عیاش الخیاط المقرئ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۹)

(۱) تهذيب الكمال (ج۳۲ ص۶۱)، وسير أعلام النبلاء (ج۱۱ ص۳۸)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۱۱ ص۳۸)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۱۱ ص۳۰۸)۔

(٤) الثقات لابن حبان (ج۹ ص۲۶۲)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج۳۲ ص۶۲)، اعلم أن العلامة العينى رحمة الله عليه عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۷۱) عده من أفراد البخاري فحسب، ولكن كما ترى أن المزي عده من رجال ابن ماجه أيضا، وهو الصحيح۔

(٦) تهذيب التهذيب (ج۱۱ ص۳۰۸)۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۳۲ ص۶۱)۔

(۸) حوالہ بالا و سیر اعلام النبلاء (ج۱۱ ص۳۹)۔

(۹) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم۔

۳۔ابو حصین

یہ ابو حصین عثمان بن عاصم الاسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۴۔ابو صالح

یہ ابو صالح ذکوان السمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ مختصراً "كتاب الإيمان باب أمور الإيمان" کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

۵۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی رسول، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا مفصل تذکرہ بھی "كتاب الإيمان" ہی کے مذکورہ باب کے تحت آچکا ہے۔(۳)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تعس عبدالدينار والدرهم والقطيفة والخميصة، إن أعطي رضي، وإن لم يعط لم يرض۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ دینار کا غلام، درہم کا غلام، جھالردار چادر کا غلام اور خمیصہ کا غلام ہلاک ہوا، کہ اگر اسے کچھ دے دیا جاتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور اگر نہیں دیا جاتا تو ناراض ہوتا ہے۔

قال أبو عبدالله: لم يرفعه إسرائيل ومحمدبن جحادة عن أبي حصين۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسرائیل (۴) اور محمد بن جحادہ (۵) نے ابو حصین کے واسطے سے یہ روایت مرفوعاً بیان نہیں کی ہے۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم۔

(۲) كشف الباري (ج۱ ص۶۵۸)۔

(۳) حوالہ بالا (ص۶۵۹)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب من ترك بعض الاختيار مخافة أن يقصر......۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الإجارة، باب كسب البغي۔

مذکورہ بالا عبارت کا مطلب

اس عبارت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی باب کی جو روایت ہے اس کو اسرائیل بن یونس اور محمد بن جحادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے موقوفاً نقل کیا ہے۔

دراصل اس حدیث کو ابو حصین سے اسرائیل بن یونس، قاضی شریک، قیس بن الربیع، مہر بن جحادہ اور ابوبکر بن عیاش رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

جن میں سے اسرائیل بن یونس اور محمد بن جحادہ نے روایت کو موقوف علی ابی ہریرہ قرار دیا ہے، یعنی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے، جب کہ ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کو مرفوع کہا ہے اور قاضی شریک اور قیس بن الربیع نے بھی ابوبکر بن عیاش کی اس بات میں ہم نوائی کی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔(۱)

راجح موقوف ہے یا مرفوع؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تو اس حدیث کا حکم کیا ہے، یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہیں:

"إسرائيل أثبت منهم، ولكن اجتماع الجماعة يقاوم ذلك، وحينئذٍ تتم المعارضة بين الرفع والوقف، فيكون الحكم للرفع......"۔(۲)

کہ "اسرائیل ان کے مقابلہ میں اثبت ہیں، البتہ ان کے مقابلہ میں چونکہ ایک جماعت ہے اس لئے یہ جماعت ان کا مقابلہ کر سکتی ہے، ایسی صورت میں رفع اور وقف کا معارضہ ہوگا اور رفع کو ترجیح دی جائے گی"۔

وَزَادَنَا عَمْرٌو قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ(۳) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (تَعِسَ عَبْدُ ٱلدِّينَارِ ، وَعَبْدُ ٱلدِّرْهَمِ ، وَعَبْدُ الْخَمِيصَةِ ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ ، تَعِسَ وَٱنْتَكَسَ ، وَإِذَا شِيكَ فَلَا ٱنْتَقَشَ ، طُوبَىٰ لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، أَشْعَثَ رَأْسُهُ ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ ، إِنْ كَانَ فِي ٱلْحِرَاسَةِ كَانَ فِي

---

(۱) فتح الباري (ج ۱۱ ص ۲۵٤)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الحديث السابق آنفا۔

الْحِرَاسَةِ ، وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ ، إِنْ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ ، وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ ».

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : لَمْ يَرْفَعْهُ إِسْرَائِيلُ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ .

وَقَالَ : «تَعْسًا» كَأَنَّهُ يَقُولُ : فَأَتْعَسَهُمُ اللّٰهُ . «طُوبَى» فُعْلَى مِنْ كُلِّ شَيْءٍ طَيِّبٍ ، وَهْيَ يَاءٌ حُوِّلَتْ إِلَى الْوَاوِ ، وَهْيَ مِنْ يَطِيبُ . [٦٠٧١]

تراجم رجال

ا۔عمرو

یہ عمرو بن مرزوق بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۲۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار

یہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار العدوی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔ أبیه

"ابیہ" سے مراد ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن دینار قرشی عدوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

۴۔ابوصالح

سابقہ سند دیکھئے۔(۴)

۵۔ابوہریرہ

سابقہ سند دیکھئے۔(۵)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الغسل، باب إذا التقی الختانان۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب إذا شرب الکلب فی إناء أحدکم......۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۶۵۸) و(ج۳ص۱۲۵)۔

(٤) کشف الباري (ج۱ص۶۵۸)۔

(۵) حوالہ بالا (ص۶۵۹)۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تعس عبدالدينار وعبدالدرهم وعبد الخميصة۔

ان چیزوں کی غلامی کا مطلب

حدیث پاک میں یہ آیا ہے کہ دینار، درہم اور خمیصہ کا غلام ہلاک ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی اگر ان چیزوں کے حصول اور طلب کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہے، اللہ کو اور اس کے احکامات کو بھول جائے اور اس کی تمام کوششیں مال کی زیادتی ہی میں صرف ہوجائے تو گویا کہ وہ مال کا، دینار کا اور درہم کا غلام ہے اور انہی چیزوں کے حصول میں اس طرح مصروف ہے کہ گویا وہ بندہ اور یہ اشیاء اس کا رب ہیں اور دونوں کے درمیان آقا وغلام کا تعلق ہے۔(۱)

پھر یہاں حدیث باب میں جو دینار یا درہم، خمیصہ اور قطیفہ کا ذکر آیا ہے تو ان اشیاء کی تخصیص مراد نہیں ہے، بلکہ مطلقا مال مراد ہے۔

"الخميصة": اس چادر کو کہتے ہیں جو سیاہ ہو، مربع ہو اور اس پر مختلف قسم کی دھاریاں بنی ہوئی ہوں۔(۲)

القطيفة: مخملی چادر کو کہا جاتا ہے اور اس کی جمع قطائف ہے۔(۳)

إن أعطي رضي، وإن لم يعط سخط۔

اگر اسے دیا جائے تو راضی ہوتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر خالق حقیقی کی جانب سے ایسے شخص کو نوازا جائے، اسے خوب مال و دولت دیا جائے تو راضی وخوش رہتا ہے اور اگر اسی خالق کی طرف سے کبھی کبھار اس کے رزق وغیرہ میں تنگی پیدا ہوجائے تو اپنے خالق سے ناراض ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کے متعلق یہ کہنا کہ یہ دینار و درہم کا غلام ہے، بالکل صحیح و درست ہے، اور اس صورت میں ایسے شخص کی ہلاکت کے لیے دعا کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اسنے اپنے تمام اعمال کو فانی دنیا کے حصول پر موقوف کر رکھا ہے اور آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی نعمتوں کے حصول کی کوشش چھوڑ دی ہے اور اس کے لیے عمل کرنا ترک کر دیا ہے۔(۴)

---

(۱) شرح ابن بطال (ج٥ ص٨٣)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ ص١٧٢)۔

(۳) حوالہ بالا (ص١٧١)۔

(٤) شرح ابن بطال (ج٥ ص٨٣)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧٢)۔

اگر غور کے ساتھ دیکھا جائے تو ہمارے اس زمانے میں بھی ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو اللہ تبارک و تعالی کی طرف سے تھوڑی سی تکلیف اور مشقت پر سیخ پا ہو جاتے ہیں، تقدیر کو کوسنے لگتے ہیں، کفار سے تو شکوہ ہی بے جا ہے، ہمارے اکثر مسلمانوں کی یہی حالت ہے، جب کہ اس میں ہمارا اپنا ہی قصور ہے، اعمال ہی ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر شرم آتی ہے، پھر اللہ کی نصرت اور اس کی طرف سے رزق کی فراوانی کے بھی امیدوار ہیں! فـإلـى اللہ المشتکی۔

تعس وانتکس

ایسا شخص ہلاک اور برباد ہوا۔

اس جملے میں ایسے شخص کے لیے بددعا ہے جو مال و دولت کا غلام بن کر اسی کا ہو رہا اور اپنے خالق و مالک کو بھول گیا کہ ایسا شخص ہلاک ہے، برباد ہے۔

تعس کی صرفی ومعنوی تحقیق

کلمہ "تعس" تُعسا وتعساً سے فعل ماضی مذکر غائب کا صیغہ ہے، اس کا اکثر استعمال باب "سمع" سے ہوتا ہے۔ اور باب "فتح" سے بھی مستعمل ہے۔ (۱)

مختلف ائمہ لغت نے اس کلمہ کے مختلف معنی بیان کیے ہیں لیکن ان سب کا مرجع وحاصل چونکہ ایک ہی ہے اس لیے ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ترجمے میں ان سب معانی کے جامع لفظ "ہلاکت" کو لیا ہے۔ (۲)

انتکس کی صرفی ولغوی تحقیق

اور "انتکس" باب "افتعال" سے فعل ماضی مذکر غائب کا صیغہ ہے، اس کا مجرد نکس ہے۔ اور نکس کے

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٨٢)۔

(۲) فقال العلامة ابن بطال رحمة الله عليه: "التعس: ألا ينتعش، ولايفيق من عثرته ...... هذا قول الخليل، وقال ابن الأنباري: التعس: الشر، هذا قول المبرد، وقال غيره: التعس: البعد، وقال الرستمي: التعس أن يخر على وجهه، قال: والتعس أيضا: الهلاك"۔ شرح ابن بطال (ج٥ ص٨٣)۔

معنی بقول رستمی ''سر کے بل گرنے'' کے ہیں۔ مراد یہاں بھی ''ہلاکت'' ہی ہے۔(۱)

وإذا شيك فلا انتقش۔

اور اسے جو کانٹا چبھ گیا وہ نہیں نکلا۔

پھر یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تاکید اس شخص کے لیے یہ جملہ بھی بددعا کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اگر اسے کوئی کانٹا چبھ گیا تو وہ اسے نوچنے (کانٹا نکالنے کا آلہ) کے ذریعہ نکالنے کی توفیق نہ ہو، تاکہ وہ دنانیر، دراہم کی طلب وسعی سے رک جائے۔(۲)

اور کبھی انتقاش بطور استعارہ توبہ کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے، اس صورت میں مذکورہ جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسے شخص کو توبہ کی توفیق نہ ہو۔(۳)

طوبى لعبدٍ آخذٍ بعنان فرسه في سبيل الله أشعث رأسه مغبرةٍ قدماه۔

ایسے شخص کے لیے بشارت وخوش خبری ہو، جو اللہ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے، اس کے سر کے بال پراگندہ اور اس کے قدم گرد وغبار سے اٹے ہوئے ہیں۔

اس جملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی اور ایسے اعمال کی جو دنیا وآخرت میں فائدہ دیں ترغیب دی ہے۔(۴)

"أشعث رأسه" کا اعراب

"أشعث" مجرور بالفتحہ ہے، کیونکہ یہ غیر منصرف ہے اور یہ لفظ عبد کی چونکہ صفت ہے اس لئے مجرور ہے۔(۵)

جب کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے "أشعث" کو منصوب بنا بر حال کہا ہے۔(۶)

---

(۱) قال الرستمي: "النكس: أن يخر على رأسه" شرح ابن بطال (ج۵ص۸۳)۔

(۲) حوالۂ بالا، وأعلام الحديث للخطابي (ج۲ص۱۳۸۸)، وتاج العروس (ج۴ص۳۵۹)، مادة "نقش"۔

(۳) مصباح اللغات (ص۹۰۲)، مادة: "نقش"۔

(۴) فتح الباري (ج۶ص۸۳)، وشرح ابن بطال (ج۵ص۸۳)۔

(۵) شرح القسطلاني (ج۵ص۸۷)۔

(۶) حوالہ بالا، وشرح الطيبي (ج۵ص۲۸۸)۔

اور "رأسه" اشعث کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔(۱)

لیکن ابوذر کے نسخے میں "أشعث" مرفوع آیا ہے، تو علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ "أشعث" چونکہ "رأسه" کی صفت ہے اس لئے مرفوع ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: رأسُه أشعثُ۔(۲)

مگر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کرمانی اور بعض کی اس توجیہ پر رد کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کرمانی اور بعض نے جو کہا ہے وہ نحاۃ کے نزدیک درست نہیں ہے اور "رأس" أشعث کا فاعل ہے اور وہ صفت کیونکر واقع ہوسکتا ہے، حالانکہ موصوف اپنے صفت پر متقدم نہیں ہوتا اور بعض نے جو عبارت کی تقدیر بیان کی ہے، اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ "أشعث" کے بعد جو "رأسه" ہے اسے ملغیٰ قرار دیا جائے۔(۳)

اور "مغبرة قدماه" کے اعراب میں بھی وہی تفصیل ہے جو "أشعث رأسه" میں ہے۔(۴)

إن كان في الحراسة كان في الحراسة، وإن كان في الساقة كان في الساقة۔

اگر وہ پاسبانی اور پہرے میں ہو تو پاسبانی میں ہی ہو اور اگر وہ لشکر کے آخری حصے میں ہو تو لشکر کے آخری حصے میں ہی ہو۔

یہ جگہ ان مواضع میں سے ہے کہ جہاں شرط اور جزاء متحد ہیں لیکن معنی ہر ایک کا دوسرے سے مختلف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے:

"إن كان المهم في الحراسة كان فيها، وإن كان المهم في الساقة كان فيها"۔(۵)

"یعنی لشکر کی پاسبانی اور پہرہ داری وقت کا تقاضا اور مہم ہو تو اسی میں ہوتا ہے اور اگر مہم اور ضروری لشکر کے آخری حصے میں موجودگی ہو تو وہیں ہوتا ہے"۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو جس کام کا حکم دیا جاتا ہے اسے بجالاتا

---

(۱) إرشاد الساري (ج۵ ص۸۷)۔

(۲) فتح الباري (ج۶ ص۸۳)، وشرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۵۶)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۷۲)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص۸۳)۔

(۵) حوالہ بالا۔

ہے اور جہاں بھی اسے کھڑا کردیا جائے، اپنی جگہ سے وہ نہیں ہلتا، جم کر کھڑا رہتا ہے، چنانچہ اگر مقدمۃ الجیش کی حفاظت اسے سونپی جائے تو وہیں ہوتا ہے اور اگر لشکر کے پچھلے حصے کی نگہبانی کا کہا جائے تو اس سے بھی انکار نہیں کرتا۔(۱)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں جزاء کی تعظیم وفخامت پر دلالت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ پاسبانی اور نگہبانی میں ہو تو ایک عظیم کام میں مشغول ہے اور مراد اس سے اس کا لازم ہے یعنی ایسے شخص کو چاہئے کہ حراست ونگہبانی کے لوازم کو پورا کرے اور اپنے کام وفرض کی انجام دہی میں پوری تندہی کے ساتھ مشغول رہے۔(۲)

اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ شہرت سے بچتا ہے، رفعت وبلندی کا طالب نہیں ہوتا، اپنے کام سے کام رکھتا ہے، گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ نگہبانی میں ہو تو اسی میں مشغول رہتا اور اگر لشکر کے پچھلے حصے میں اسے متعین کردیا جائے تو وہیں رہتا ہے، یعنی ہر حال میں خوش رہتا ہے اور جو بھی ذمہ داری اسے سونپ دی جائے اسے پورا کرتا ہے۔(۳)

مقدمۃ الجیش اور
مؤخر الجیش کی تخصیص بالذکر کی وجہ

حدیث میں شراح کی تصریح کے مطابق حراست سے مراد مقدمۃ الجیش یعنی لشکر کے اگلے حصہ کی نگہبانی و پاسبانی ہے اور ساقہ سے لشکر کا آخری اور پچھلا حصہ مراد ہے۔(۴)

چنانچہ یہاں لشکر کے صرف دو حصوں پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے اور ان دونوں کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے تو اس تخصیص کی وجہ علامہ طیبی وعلامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے یہ ذکر فرمائی ہے کہ ان دونوں حصوں کی نگہبانی میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہے، پہلا تو اس وقت ہوتا ہے جب کہ مسلمان دار الحرب سے نکل رہے ہوں، ظاہر ہے کہ ان اوقات ہی میں لشکر کو زیادہ خطرات لاحق ہوتے ہیں۔(۵)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۲)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص۸۳)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۲)، وشرح الطيبي (ج۹ص۲۸۸)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص۸۳)۔

(٤) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱٥٦)۔

(٥) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۲)، وشرح الطيبي (ج۹ص۲۸۸)۔

إن استأذن لم يؤذن له، وإن شفع لم يشفع له۔

اگر وہ اجازت طلب کرتا ہے (کسی سے ملاقات وغیرہ کے لیے) تو اس کو اجازت بھی نہ ملے اور اگر وہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش بھی قبول نہ کی جائے۔

اس جملے میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ شخص دنیا اور اہل دنیا کی طرف کوئی التفات وتوجہ نہیں دیتا، اس نے اپنے نفس کو بالکل فنا کردیا ہے، اس کو مال کی طلب ہے، نہ ہی لوگوں کے نزدیک شان وشوکت کا خواہاں ہے، بلکہ اس کی شان وشوکت تو اللہ ہی کے ہاں ہے، لوگ تو اس کی کسی کے بارے میں سفارش تک قبول نہیں کرتے، لیکن اللہ تعالی کے نزدیک اس کی اتنی حیثیت ہوتی ہے کہ اس کی شفاعت بھی قبول کی جاتی ہے اور اس کے بارے میں بھی سفارش قبول کی جاتی ہے۔(۱)

وقال: تعسا، كأنه يقول: فأتعسهم الله۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ (قرآن مجید میں) تعسا، "فأتعسهم الله" اللہ انہیں ہلاک کرے، کے معنی میں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا قول صرف مستملی کے نسخہ میں ہی پایا جاتا ہے۔(۲)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ معروف عادت ہے کہ حدیث میں کوئی لفظ آیا ہو اور وہی لفظ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہو تو اس کی تفسیر وتوضیح فرماتے ہیں۔(۳)

چنانچہ اسی عادت کے موافق یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿والذين كفروا فتعسا لهم وأضل أعمالهم﴾ (۴) میں وارد لفظ "فتعسا" کی تفسیر فرمائی ہے کہ یہ "فأتعسهم الله" کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالی انہیں ہلاک کرے۔ یہی تفسیر دیگر مفسرین کرام سے بھی منقول ہے۔(۵)

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٧٢)۔

(۲) حوالۂ بالا، و فتح الباري (ج٦ ص٨٣)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) محمد /٨۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص١٧٢)، و فتح الباري (ج٦ ص٨٣)۔

طوبى فعلى من كل شيء طيب، وهي ياء حولت إلى الواو، وهي من يطيب۔

طوبی فعلی کے وزن پر ہے، ہر اچھی چیز کے لئے، واو اصل میں یاء تھا پھر یاء کو واو سے بدل دیا گیا اور یہ یطیب سے مشتق ہے۔

لفظ "طوبی" کی صرفی ولغوی تحقیق

یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طوبی کی صرفی ولغوی تحقیق فرمائی ہے کہ یہ فعلی کے وزن پر ہے اور یطیب سے مشتق ہے، اس صورت میں طیبی ہونا چاہئے تھا تو اس کی وجہ امام صاحب نے یہ بتائی کہ یاء کو واو سے تبدیل کیا گیا ہے، کیونکہ یاء کا ماقبل مضموم ہے، جو کہ اور کا متقاضی ہے، اس لئے یاء کو واو سے تبدیل کر دیا گیا۔(۱)

طوبی کے ایک معنی تو جنت کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جنت کے ایک درخت کا نام ہے۔(۲) لیکن غالبا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں "من كل شيء طيب" لا کر یہ اشارہ فرمایا کہ لفظ کے عام معنی مراد لیے جائیں تو زیادہ بہتر ہے، اس طرح جنت ہو یا اس کے ایک درخت کا نام یا اور کوئی بھی اچھی چیز اس عموم کے تحت داخل ہو جائے گی۔

یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے موافق قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿الذين آمنوا وعملوا الصالحات طوبى لهم وحسن مآب﴾ (۳) میں وارد لفظ "طوبی" کی تفسیر وتوضیح فرمائی ہے۔(۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث کے اس جملے میں ہے: "طوبى لعبد آخذ بعنان فرسه في سبيل الله" اور "إن كان في الحراسة كان في الحراسة" کہ ان دونوں جملوں میں اللہ کے راستے میں نگہبانی و پاسبانی پر خوشخبری دی گئی ہے۔(۵)

---

(۱) إرشاد الساري (ج۵ ص۸۷)۔

(۲) وفتح الباري (ج٦ ص۸۳)۔

(۳) الرعد ۲۹۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص۸۳)۔

(٥) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧١)۔

حراست فی سبیل اللہ کی

فضیلت کے بارے میں دیگر چند احادیث

اللہ کے راستے میں نگہبانی و پاسبانی کی فضیلت دیگر اور احادیث میں بھی وارد ہوئی ہے، جو امام بخاری کی شرط پر تو نہیں، البتہ صحیح ضرور ہیں، جن میں سے چند کو ذیل میں ہم نقل کرتے ہیں:-

۱۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے: "حرس ليلة في سبيل الله تعالى أفضل من ألف ليلة، يقام ليلها ويصام نهارها"۔ (۱) کہ "اللہ تعالی کے راستہ میں ایک رات کی نگہبانی ان ایک ہزار راتوں سے بہتر و افضل ہے، جن کی راتوں میں نفلیں پڑھی جائیں اور ان کے دنوں میں روزہ رکھا جائے"۔

۲۔حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے: "حرمت النار على عين سهرت في سبيل الله" (۲) یعنی "جہنم کی آگ اس آنکھ پر حرام ہے جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو"۔

۳۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: "عينان لا تمسهما النار: عين بكت من خشية الله، وعين باتت تحرس في سبيل الله"۔ (۳) یعنی "جہنم کی آگ دو آنکھوں کو نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کی خشیت وخوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں نگہبانی و پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے رات گذاردی ہو"۔

۴۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ألا أنبئكم بليلة أفضل من ليلة القدر حارس حرس في أرض خوف لعله أن لا يرجع إلى أهله"۔(۴)

"کیا میں تمہیں ایسی رات کی بابت نہ بتلاؤں جو لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے، وہ اس نگہبانی کرنے والے (کی رات ہے) جو دہشت زدہ سرزمین پر سرحدوں کی نگہبانی کا فریضہ انجام دیتا ہے، شاید کہ وہ اپنے اہل وعیال کی طرف دوبارہ واپس نہ آئے"۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد (ج۱ ص٦١ و ٦٥)، الترغيب للمنذري (ج۲ ص ٢٥٠)۔

(۲) مسند الإمام أحمد (ج٤ ص١٣٤)، والمستدرك (ج۲ ص۸۳)، وقال الذهبي في تلخيصه للمستدرك: "صحيح"۔

(۳) الجامع للترمذي، أبواب فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الحرس في سبيل الله، رقم (١٦٣٩)۔

(٤) المستدرك للحاكم (ج۲ ص٨٠) كتاب الجهاد، باب من رابط يوما و ليلة، وكنز العمال (ج٤ ص٣٢٣)، ومن أراد الاستزادة فليراجع الترغيب والترهيب للمنذري (ج۲ ص٢٤٨)، كتاب الجهاد، باب الترغيب في الحراسة في سبيل الله تعالى۔

۷۰ – باب : فَضْلِ ٱلْخِدْمَةِ فِي ٱلْغَزْوِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت غازی کی خدمت کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں، چاہے یہ خدمت کا فعل چھوٹے کا بڑے کے لیے ہو، یا بڑے کی طرف سے چھوٹے کے لیے انجام دیا جائے، یا دو ہم رتبہ و ہم عمر افراد ایک دوسرے کی خدمت کریں۔(۱)

اور اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جو سب کی سب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، چنانچہ پہلی حدیث میں تو بڑے کی چھوٹے کی خدمت کرنا مذکور ہے، دوسری حدیث میں اس کے برعکس ہے اور تیسری حدیث میں مساوی اشخاص کی خدمت کا ذکر پایا جاتا ہے، جیسا کہ ہم آگے تشریح احادیث کے تحت انشاء اللہ بیان کریں گے۔(۲)

۲۷۳۱ : حَدَّثَنا(۳) مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ . عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ . عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ . عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قَالَ : صَحِبْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ . فَكَانَ يَخْدُمُنِي وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْ أَنَسٍ ، قَالَ جَرِيرٌ : إِنِّي رَأَيْتُ الْأَنْصَارَ يَصْنَعُونَ شَيْئًا . لَا أَجِدُ أَحَدًا مِنْهُمْ إِلَّا أَكْرَمْتُهُ .

تراجم رجال

ا۔ محمد بن عرعرہ

یہ ابوعبداللہ محمد بن عرعرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "کتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لايشعر" کے تحت گذر چلے ہیں۔(۴)

(۱) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۷۳)، فتح الباري (ج۶ص۸۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قوله "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب حسن صحبة الأنصار رضي الله [illegible] (۶۴۲۸)۔

(۴) [illegible] الباري (ج۲ص [illegible])۔

۲۔ شعبہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا مختصر تذکرہ "کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون ......" کے تحت آچکا ہے۔(۱)

۳۔ یونس بن عبید

یہ ابوعبید یونس بن عبید بن دینار بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا مختصر تذکرہ "کتاب الإیمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا ......﴾" کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

۴۔ ثابت البنانی

یہ مشہور تابعی بزرگ ابومحمد ثابت بن بنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مفصل حالات "کتاب العلم، باب القراءة والعرض على المحدث" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۵۔ انس بن مالک

یہ مشہور صحابی، خادم رسول، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ "کتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ......" کے تحت آچکا۔(۴)

قال: صحبت جرير بن عبد الله، فكان يخدمني، وهو أكبر من أنس۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تو وہ میری خدمت کرتے تھے، حالانکہ وہ انس رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے۔

یہ سفر کا واقعہ ہے یہی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے، وہاں سفر کی تصریح موجود ہے۔ "خرجت مع جرير بن عبد الله في سفر ......"۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۱ ص۶۷۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص۲۰۲)۔

(۳) كشف الباري (ج۳ ص۱۸۳)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(٥) الصحيح لمسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب حسن صحبة الأنصار، رقم (٦٤٢٨)۔

اور حدیث کے جملے "وهو أكبر من أنس "میں دو احتمالات ہیں:-

ا۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کا قول ہو، اس صورت میں یہاں التفات ہے، یعنی التفات المتکلم الی الغیبة، کیونکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ "وهو أكبر مني "کہتے، لیکن التفات کرتے ہوئے "أكبر من أنس "فرمایا، اس صورت میں یہ جملہ حالیہ ہوگا۔(۱)

۲۔ مسلم شریف (۲) کی روایت "محمد بن المثنى عن ابن عرعرة" کے طریق میں یہ الفاظ آئے ہیں "وكان جرير أكبر من أنس "تو شاید یہ الفاظ ثابت بنانی کے ہوں تو اس صورت میں یہ جملہ معترضہ ہوگا۔(۳)

قال جرير: إني رأيت الأنصار يصنعون شيئا لا أجد أحداً منهم إلا أكرمته۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے انصار کو ایک ایسا کام کرتے دیکھا کہ جب بھی ان میں سے کوئی مجھے ملتا ہے تو میں اس کی تعظیم واکرام کرتا ہوں۔

مسلم شریف کی روایت میں "إني قد رأيت الأنصار تصنع برسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا " (۴) ہے، چنانچہ اب مطلب یہ ہوگا کہ میں نے انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تعظیم کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس لئے اب جب کبھی میں کسی انصاری صحابی سے ملتا ہوں تو اس کا اکرام کرتا ہوں۔ گویا یہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو خدمت کی تھی اس کی علت بیان کی ہے کہ چونکہ یہ حضرات انصار، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے، ان کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے، اس لئے ہمیں ان انصار کی خدمت وتعظیم کرنی چاہئے۔

اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے "شيئا "کو جو مبہم رکھا اس سے مقصود مبالغہ ہے۔(۵)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ باب کی یہ حدیث

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۳)، وفتح الباري (ج٦ص٨٤)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب حسن صحبة الأنصار، رقم (٦٤٢٨)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص٨٤)، وإرشاد الساري (ج٥ص٨٧)۔

(٤) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب حسن صحبة الأنصار، رقم (٦٤٢٨)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٨٤)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٧٣)۔

ان احادیث میں سے ہے، جن کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے غیر مناسب موقع پر ذکر کیا ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس حدیث کو مناقب میں ذکر کرتے، نہ کہ جہاد میں، لیکن انہوں نے اس کے عکس کیا کہ اس حدیث کو جہاد میں ذکر کردیا۔(۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کی ہے اور اس میں "في سفر" کا اضافہ بھی مروی ہے۔(۲)

تو اب معلوم ہوا کہ یہ واقعۂ خدمت واکرام سفر کا ہے اور سفر عام ہے، خواہ غزوے کا ہو یا غیر غزوے کا، تو اس طرح حدیث اپنے باب میں واقع ہوگی اور مطابقت بھی حاصل ہوجائے گی۔(۳)

۲۷۳۲ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حدّثنا محمّدُ بْنُ جعفرٍ، عنْ عمْرِو بْنِ أبي عَمْرٍو، مَوْلَى الْمطَّلِبِ بْنِ حَنْطَبٍ : أنّه سمِعَ أنسَ بنَ مالكٍ رضي الله عنه(۴) يقولُ: خرجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إلَى خَيْبَرَ أَخْدُمُهُ . فلمّا قدم النّبيّ ﷺ راجعًا وبدا له أُحُدٌ، قال : (هذا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ) . ثُمَّ أَشَارَ بِيَدِهِ إلَى الْمدِينَةِ . قال (اللّهمّ إنّي أُحرّمُ ما بين لابتيها . كتحريمِ إبْرَاهِيمَ مَكَّةَ . اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَمُدِّنَا) .

[۳۱۸۷ ، ۳۸۵۵ ، ۳۸۵٦ ، ۵۱۰۹ ، ٦۰۰۲ ، ٦۹۰۲ . وانظر : ۳٦٤ ، ۲۰۲۳]

تراجم رجال

ا۔عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ القرشی الاویسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٨٤)۔

(۲) مسلم شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب حسن صحبة الأنصار، رقم (٦٤٢٨)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ ص ١٧٣)۔

(٤) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه" الحديث، مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب ما يذكر من الفخذ۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب الحرص على الحديث۔

۲۔محمد بن جعفر

یہ محمد بن جعفر بن ابی کثیر انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۔عمرو بن ابی عمرو

یہ عمرو بن میسرہ ابی عمرو رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔انس بن مالک

سابقہ سند دیکھئے۔(۳)

حدیث کا ترجمہ

عمرو بن ابی عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا، میں آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اور احد پہاڑ دکھائی دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ پہاڑ ہے، جس سے ہم محبت کرتے ہیں اور وہ ہم سے محبت کرتا ہے''۔

بعد ازیں آپ علیہ السلام نے مدینہ منورہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''اے اللہ! میں اس کے دونوں پتھریلے میدانوں کے درمیانی خطے کو حرمت والا قرار دیتا ہوں، جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرمت والا شہر قرار دیا تھا، اے اللہ! ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت عطا فرمائیے''۔

باب کی یہ حدیث چونکہ ماقبل میں کئی مرتبہ گذر چکی ہے اور کتاب المغازی میں بھی اس کی کچھ تشریح آچکی ہے، اس لیے ہم نے یہاں صرف ترجمۂ حدیث پر اکتفاء کیا ہے۔(۴)

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھئے، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب الحرص على الحديث ۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي (ص۲٥۲و۳۱۹)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ اس جملے میں ہے: "خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى خيبر أخدمه"۔(۱)

اور ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت تین حدیثیں ذکر کی ہیں اور ان میں سے دوسری میں چھوٹے کا بڑے کی خدمت کرنا مذکور ہے تو دیکھئے یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ بحیثیت خادم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ صغیر (چھوٹے) ہیں اور نبی علیہ السلام کبیر (بڑے)۔

۲۷۳۳ : حدَّثنا سُلَيْمانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ زَكَرِيَّاءَ : حَدَّثَنَا عاصِمٌ ، عَنْ مُوَرِّقٍ العِجْلِيِّ ، عَنْ أَنَسٍ(۲) رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ . أَكْثَرُنَا ظِلاًّ الَّذِي يَسْتَظِلُّ بِكِسَائِهِ ، وَأَمَّا الَّذِينَ صَامُوا فَلَمْ يَعْمَلُوا شَيْئًا ، وَأَمَّا الَّذِينَ أَفْطَرُوا فَبَعَثُوا الرِّكَابَ وَامْتَهَنُوا وَعالَجُوا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالأَجْرِ) .

تراجم رجال

۱۔ سلیمان بن داود

یہ ابوالربیع سلیمان بن داود عتکی زہرانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب علامة المنافق" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۳)۔

(۲) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الصيام، باب أجر المفطر في السفر إذا تولى العمل، رقم (۲٦۲۲)، والنسائي، كتاب الصيام، باب فضل الإفطار في السفر على الصوم، رقم (۲۲۸۵)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۲۷۰)۔

۲۔اسماعیل بن زکریا

یہ ابوزیاد اسماعیل بن زکریا الخلقانی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۔ عاصم

یہ عاصم بن سلیمان الأحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔مورق العجلی

یہ مورق بن شمرخ عجلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۵۔انس

سابقہ سند دیکھئے۔(۴)

قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی سفر کا واقعہ ہے، چنانچہ اس میں ہے: "كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر؛ فمنا الصائم، و منا المفطر، قال: فنزلنا منزلا في يوم حار"۔(۵) یعنی "ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم میں روزے دار بھی تھے اور بغیر روزے والے بھی، فرماتے ہیں کہ تو ہم نے ایک منزل پر سخت گرمی کے دن پڑاؤ ڈالا۔"

أكثرنا ظلا من يستظل بكسائه۔

ہم میں سائے کے لحاظ سے بہتر وہ شخص تھا جس نے اپنی چادر سے سایہ کر رکھا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ شدت کی گرمی تھی، اس لئے سایہ کا کوئی انتظام نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ جو ہو سکا وہ یہ تھا

---

(۱)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب البيوع، باب ماذكر في الأسواق۔

(۲)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان۔

(۳)ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب التهجد، باب صلاة الضحى في السفر۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص٤)۔

(٥) صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب أجر المفطر في السفر ......، رقم (٢٦٢٢)۔

کہ جن صحابہ کے پاس چادر وغیرہ تھی وہ اس کے ذریعے سایہ کا انتظام کررہے تھے، رہے وہ حضرات جن کے پاس چادر وغیرہ بھی نہیں تھی تو انہوں نے گرمی سے بچنے کے لیے ہاتھوں کا استعمال کیا، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے: "ومنا من یتقي الشمس بیده"۔(۱)

وأما الذین صاموا فلم یصنعوا شیئاً۔

اور جو حضرات روزے سے تھے تو انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

یعنی گرمی چونکہ بہت زیادہ تھی، معاملہ بھی نہایت اہم یعنی غزوے کا تھا، اس لئے وہ حضرات جو روزے سے تھے، برداشت نہ کرسکے، کام وغیرہ کرنے سے عاجز ہوگئے۔(۲)

وأما الذین أفطروا فبعثوا الرکاب، وامتهنوا، وعالجوا۔

اور جن حضرات نے روزہ رکھا نہیں تھا تو وہ اپنے اونٹ پانی پر لے گئے اور خوب خدمت بھی کی اور دیگر کام بھی کئے۔

مطلب یہ ہے کہ روزے دار حضرات چونکہ ضعف تھکن کا شکار ہوگئے اور کام وغیرہ سے عاجز ہوگئے تھے. اس لئے اونٹوں کو پانی، گھاس وغیرہ چرنے کے لئے بے روزہ حضرات لے گئے، نیز انہوں نے روزے دار حضرات کی بھی خوب خدمت کی اور دوسرے تمام کام بھی کئے۔

فقال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: ذهب المفطرون الیوم بالأجر۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج اجر وثواب تو روزہ رکھنے والے لے گئے۔

اجر سے مراد اجر وافر ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب یہ نہیں کہ صائمین کے روزے کا اجر کم ہوگیا تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے والوں کو ان کے اعمال کا اجر بھی ملے گا اور روزے داروں کا اجر بھی، کیونکہ انہوں نے اپنے کام بھی انجام دیئے اور روزے داروں کی ذمے داریاں بھی پوری کیں۔(۳)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٨٤)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٨٤)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کا سبب

حضرت مولانا ظہور الباری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''روزہ اگرچہ خیر محض ہے اور مخصوص ومقبول عبادت ہے، پھر بھی سفر وغیرہ میں ایسے مواقع پر جب کہ اس کی وجہ سے دوسرے اہم کام رک جانے کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے، جو واقعہ حدیث میں ہے اس میں بھی یہی صورت پیش آئی تھی کہ جو لوگ روزے سے تھے، وہ کوئی کام تھکن کی وجہ سے نہ کر سکے، لیکن بے روزہ داروں نے پوری تندہی سے تمام خدمات انجام دیں، اس لئے ان کا ثواب بڑھ گیا۔

اسلام میں عبادت کا نظام انسان کی فطرت کے مطابق اور نہایت معقول طریقے پر قائم ہے۔ دین نے فرائض و واجبات میں مدارج قائم کئے ہیں اور مدارج کا جو پوری طرح لحاظ رکھے گا، اللہ کے نزدیک اس کی عبادت اسی درجے مقبول ہوگی۔ حدیث میں اسی لئے کہا گیا ہے کہ روزہ نہ رکھنے والے آج اجر وثواب لے گئے، حالانکہ انہوں نے ایک اہم عبادت چھوڑی تھی، لیکن اس سے زیادہ اہم عبادت کی خاطر! اس لیے ثواب کے بھی زیادہ مستحق ہوئے''۔(۱)

مذکورہ بالا حدیث سے مستنبط فوائد

ا۔ امام ابو عبداللہ بن ابی صفرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غزوے میں خدمت کا اجر روزے کے اجر وثواب سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ روزے نہ رکھنے والا جہاد، طلب علم، دیگر اعمال صالحہ و فاضلہ مثلاً کمزور کی مدد و اعانت یا مسلمانوں کو جس چیز کی حاجت وضرورت درپیش ہو، اس کے انجام دہی میں زیادہ قوی و طاقت ور ہوتا ہے۔(۲)

۲۔ نیز یہ فائدہ بھی مستنبط ہوا کہ جہاد میں کہیں اترنا ہو، یا سفر کرنا ہو تو مجاہدین پر واجب ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔(۳)

---

(۱) تفهيم البخاري (ج۲ ص۹٦)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج٥ ص٨٤)۔

(۳) حوالہ بالا۔

۳۔ حدیث سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ مساوی اشخاص ایک دوسرے کی خدمت کرسکتے ہیں اور یہ جائز ہے، اس میں کسی قسم کے عار کی کوئی بات نہیں۔(۱)

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث کے اس جملے میں ہے: "فبعثوا الرکاب، وامتهنوا وعالجوا" کیونکہ یہ تمام امور خدمت سے عبارت ہیں، چنانچہ بعث الرکاب کا مطلب تو یہ ہے کہ اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے لے گئے، جب کہ "امتهنوا" کے معنی "خدموا" کے اور "عالجوا" کے معنی کھانا وغیرہ پکانے اور تیار کرنے کے ہیں۔(۲)

۷۱ – باب: فَضْلِ مَنْ حَمَلَ مَتَاعَ صَاحِبِهِ فِي السَّفَرِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سفر میں اپنے ساتھی کے سامان وغیرہ کو بطور معاونت کے اٹھانے کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۳)

٢٧٣٤ : حدَّثني إِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنْ هَمَّامٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(٤) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (كُلُّ سُلَامٰى عَلَيْهِ صَدَقَةٌ ، كُلَّ يَوْمٍ ، يُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ ، يُحَامِلُهُ عَلَيْهَا ، أَوْ يَرْفَعُ مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ ، وَدَلُّ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ) . [ر: ٢٥٦٠]

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ص١٧٤)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ص١٧٤)۔

(٤) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، قد مر تخريجه في كتاب الصلح، باب فضل الإصلاح بين الناس ......۔

تراجم رجال

۱۔اسحاق بن نصر

یہ اسحاق بن ابراہیم بن نصر بخاری سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اکثر اپنے دادا کی طرف منسوب ہوکر اسحاق بن نصر کہلاتے ہیں۔(۱)

۲۔عبدالرزاق

یہ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب حسن إسلام المرء" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۳۔معمر

یہ معمر بن راشد ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی چھٹی حدیث کے ذیل میں آچکا ہے۔(۳)

۴۔ہمام

یہ ہمام بن منبہ بن کامل یمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات بھی "کتاب الإیمان، باب حسن إسلام المرء" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

۵۔ابوہریرہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں،ان کے تفصیلی حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت آچکے ہیں۔(۵)

---

(۱)ان کے حالات کے لئے دیکھئے،کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانا وحده في الخلوة۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۴۲۱)۔

(۳) کشف الباري (ج ۱ ص۴٦٥)۔

(٤) کشف الباري (ج۲ص۴۲۸)۔

(٥) کشف الباري (ج۱ص٦٥٩)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزانہ انسان کے ایک ایک جوڑ پر صدقہ واجب ہے، اگر کوئی شخص کسی کی سواری میں اعانت کرتا ہے کہ اس کو سواری پر سوار کرادے یا اس کا سامان اس پر اٹھا کر رکھ دے تو یہ بھی صدقہ ہے، اچھا اور پاک کلمہ بھی صدقہ ہے، ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور راستہ بتادینا بھی صدقہ ہے۔

تنبیہ

حدیث باب کی کچھ تشریحات "كتاب الصلح"(۱) میں گذر چکی ہیں اور کتاب الجہاد ہی کے "باب من أخذ بالركاب ونحوه" کے تحت دیگر تشریحات آئیں گی۔

حدیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کی مناسبت حدیث کے اس ٹکڑے میں ہے: "يعين الرجل في دابته، يحامله عليها أو يرفع عليها متاعه صدقة"۔

البتہ اشکال یہاں پر یہ ہے کہ ترجمہ تو سفر کا ہے اور اس کے تحت جو حدیث لائی گئی ہے، اس میں تو سرے سے سفر کا ذکر ہی نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مطلق ہے اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ جب حضر میں اور عام حالات میں کسی کا سامان اٹھانے کی یہ فضیلت ہو تو ظاہری بات ہے کہ حالت سفر میں کسی کا سامان اٹھانے کی فضیلت بطریق اولی اور زیادہ ہوگی۔ اس طرح ترجمے اور حدیث میں مطابقت حاصل ہو جائے گی۔ (۲)

---

(۱) كتاب الصلح، باب فضل الإصلاح بين الناس ......، رقم (۲۷۰۷)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۷۵)، وفتح الباري (ج٦ ص۸۵)۔

۷۲ - باب : فَضْلِ رِبَاطِ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

اسلامی سلطنت و خلافت کی سرحدوں پر پہرہ دینا اور نگہبانی کرنا، یہ اہل اسلام کی حفاظت کا بڑا عمدہ، محفوظ اور مضبوط طریقہ ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس فعل کی فضیلت بیان کی ہے۔(۱)

رباط کے معنی

الرباط – بكسر الراء وبالموحدة الخفيفة– کے معنی یہ ہیں کہ کفار کے شر و فساد سے مسلمانوں کی حفاظت و صیانت کی غرض سے اس جگہ اور مقام کو لازم پکڑنا جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہو۔(۲) جس کو عرف عام میں ''سرحد'' کہتے ہیں۔

البتہ علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ جس جگہ کی حفاظت مرابط کر رہا ہو، وہ اس کا وطن نہ ہو، یہی شرط ابن حبیب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نقل کی ہے۔(۳) یعنی بقول ابن حبیب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ابن التین کی بیان کردہ مذکورہ شرط کے قائل ہیں۔

لیکن حافظ صاحب اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالی نے ابن التین کی اس شرط کو رد کیا ہے، ان دونوں کا فرمانا یہ ہے کہ اس اطلاق میں اشکال ہے، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کا اپنا ہی وطن ہوتا ہے اور وہ وہاں دشمن کو دفع کرنے کی نیت سے اقامت کئے ہوتا ہے۔(۴)

چنانچہ اسی وجہ سے سلف صالحین میں سے بہت سے حضرات نے سرحدوں میں رہائش اختیار کی۔(۵) تاکہ رباط کا اجر و ثواب حاصل ہو۔

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٧٥)۔

(۲) حوالہ بالا، وفتح الباري (ج٦ ص٨٥)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا، وقد ذكر العلامة العيني تعريفات أخرى للرباط، ولكن اخترنا أشهرها۔

(۵) فتح الباري (ج٦ ص٨٥)۔

وَقَوْلِ ٱللّٰهِ تَعَالَى : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا» إِلَى آخِرِ الآيَةِ /آل عمران: ٢٠٠/ .

اور اللہ عزوجل کا قول: اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدم رہو اور کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ ترجمۃ الباب کے اثبات کے لئے بعض اوقات آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی اسی عادت کے موافق انہوں نے مذکورہ آیت بالا پیش کی ہے اور اس میں اشارہ اس بات کی طرف کیا ہے کہ مرابطہ جو آیت قرآنی میں مذکور ہے اس سے یہی سرحد کی پہرے داری اور نگہبانی مراد ہے۔

چنانچہ اس آیت کی کئی تفسیریں مفسرین کرام سے منقول ہیں (۱)، لیکن مصنف علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کو اس مقام میں ذکر کر کے آیت کی مشہور ترین تفسیر کو اختیار فرمایا ہے، جو حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ سے مروی ہے، چنانچہ یہ دونوں حضرات مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "(اصبروا) على طاعة الله (وصابروا) أعداء الله في الجهاد (ورابطوا) في سبيل الله"۔ (۲)

٢٧٣٥ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ مُنِيرٍ : سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ (۳) : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ قالَ : (رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ ٱللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيا وَما عَلَيْهَا ، وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ مِنَ الجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيا وَما عَلَيْهَا ، وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ ٱللّٰهِ ، أَوِ الْغَدْوَةُ ، خَيْرٌ مِنَ ٱلدُّنْيا وَما عَلَيْهَا) .
[ر : ٢٦٤١]

تراجم رجال

ا۔ عبداللہ بن منیر

یہ ابوعبدالرحمن عبداللہ بن منیر المروزی الزاہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۴)

---

(١) راجع لتلك الأقوال للمفسرين: الفتح (ج٦ص٨٥) والعمدة (ج١٤ص١٧٥)، وتفسير القرطبي (ج٤ص٣٢٢)۔

(٢) فتح الباري (ج٦ص٨٥)۔

(٣) قوله: "عن سهل بن سعد رضي الله عنه": الحديث، قد مر تخريجه في أوائل الجهاد، باب الغدوة والروحة ......۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب الغسل والوضوء في المخضب......۔

۲۔ابوالنضر

یہ ابوالنضر ھاشم بن قاسم لیثی خراسانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار

یہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار مزنی عدوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔ابوحازم

یہ مشہور زاہد، ابوحازم سلمۃ بن دینار مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۵۔سہل بن سعد الساعدی

یہ مشہور صحابی رسول، حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

سمع أبا النضر

اس عبارت میں حذف ہے، عبارت کی تقدیر دراصل یوں ہے: "أنہ سمع ....." مگر لکھنے میں "أنہ" کو اکثر حذف کردیا جاتا ہے۔(۵)

أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: رباط یومٍ في سبیل اللّٰہ خیر من الدنیا وماعلیھا۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستے میں ایک دن پہرہ دینا، دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سے بہتر ہے۔

وموضع سوط أحدکم من الجنة خیر من الدنیا وماعلیھا۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب إذا شرب الکلب في إناء أحدکم ۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب غسل المرأۃ أباھا الدم عن وجھہ ۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب غسل المرأۃ أباھا الدم عن وجھہ ۔

(۵) فتح الباري (ج: ص۸۶)۔

اور جنت میں تم میں سے کسی کے لئے ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا و ماعلیہا سے بڑھ کر ہے۔

خیر من الدنیا ومافیھا سے عدول کرنے کی وجہ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی باب کی یہ حدیث کتاب الجہاد کے اوائل میں بھی گذری ہے۔ (۱) وہاں حدیث کے الفاظ میں "خیر من الدنیا وماعلیھا" کی بجائے "خیر من الدنیا ومافیھا" آیا ہے۔ تو "فیھا" سے "علیھا" کی طرف عدول کرنے کی وجہ کیا ہے؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عدول میں فائدہ یہ ہے کہ "فیھا" میں معنیٰ ظرفیت اور "علیھا" کے اندر استعلاء کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ استعلاء میں ظرفیت کے مقابلے میں عموم زیادہ ہے اور وہ ظرفیت سے قوی بھی ہے، چنانچہ مبالغہ میں زیادتی کے لیے "فیھا" سے "علیھا" کی طرف عدول کیا گیا۔ (۲)

جنت کی کوڑے (سوط)

برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کی وجہ

حدیث باب میں یہ مذکور ہے کہ جنت کی ایک کوڑے جتنی جگہ بھی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سے بہتر ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وصار موضع سوط في الجنة خير من الدنيا وما فيها، من أجل أن الدنيا فانية، وكل شيء في الجنة وإن صغر في التمثيل لنا– وليس فيها صغير – فهو أدوم وأبقى من الدنيا الفانية المنقطعة، فكان الدائم خيراً من المنقطع"۔ (۳)

یعنی "جنت کی ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے اس لئے بہتر ہے کہ دنیا فانی ہے اور جنت کی ہر چیز اگرچہ تمثیل کے طور پر ہمارے لئے چھوٹی ہو۔ جب کہ وہاں کی کوئی چیز حقیر و چھوٹی نہیں۔ دائمی ہے اور ختم و منقطع ہونے والی دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی ہے، چنانچہ دائمی اور باقی رہنے والی شیء منقطع سے بہتر ہوئی۔"

---

(۱) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الجهاد والسير، باب الغدوة والروحة في سبيل الله ...۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۲٦)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ص)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۷٦)۔

اسلامی سرحدوں کی نگہبانی کی فضیلت میں دیگر چند احادیث

اسلامی سرحدوں کی نگہبانی وحفاظت (یعنی رباط) کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں (۱) استیعاب چونکہ مقصود نہیں ہے، اس لئے چند احادیث ہم تحریر کریں گے۔

۱۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رباط يوم وليلة خير من صيام شهرٍ وقيامه، وإن مات جرى عليه عمله الذي كان يعمله، وأجري عليه رزقه، وأمن الفتّان"۔ (اللفظ لمسلم) (۲)

یعنی "ایک دن ورات کا پہرہ دینا ایک مہینے کے صیام اور قیام سے بہتر ہے اور اگر (اس دوران) وہ مرگیا تو اس کے وہ اعمال جو وہ کیا کرتا تھا، اس کے لیے جاری ہو جائیں گے اور اس پر اس کا رزق جاری کردیا جائے گا اور وہ شیطان سے محفوظ ہوگا۔"

۲۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

"رباط يومٍ في سبيل الله خير من ألف يوم فيما سواه من المنازل"۔ (۳)

"اللہ کے راستے میں ایک دن کی چوکیداری دوسرے مقامات پر گذارے گئے ایک ہزار سال سے بہتر ہیں۔"

۳۔حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كل الميت يختم على عمله، إلا المرابط، فإنه ينمو له عمله إلى يوم القيامة، ويؤمَّن من فتّان القبر"۔(اللفظ لأبي داود)۔ (٤)

"یعنی ہر میت کے اعمال پر مہر لگادی جاتی ہے (بند کردیا جاتا ہے) سوائے مرابط کے، چنانچہ اس کا

---

(١) راجع لتلك الأحاديث الواردة في فضل الرباط في سبيل الله: الجامع لأحكام القرآن (ج٤ص٣٢٤)۔

(٢) الحديث، أخرجه مسلم في كتاب الإمارة، باب فضل الرباط في سبيل الله عزوجل، رقم (٤٩٣٨)، والترمذي في فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل المرابط، رقم (١٦٦٥)، والنسائي في كتاب الجهاد، فضل الرباط، رقم (٣١٦٩، ٣١٧٠)۔

(٣) الحديث أخرجه الترمذي، أبواب فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل المرابطة، رقم (١٦٦٧)، والنسائي في سننه الصغرى، كتاب الجهاد، فضل الرباط، رقم (٣١٧١، ٣١٧٢)، وابن ماجه، أبواب الجهاد، باب فضل الرباط في سبيل الله، رقم (٢٧٦٦)۔

(٤) الحديث، رواه أبو داود، أبواب الجهاد في فضل الرباط، رقم (٢٥٠٠)، والترمذي، أبواب فضائل الجهاد، باب ما جاء في فضل من مات مرابطا، رقم (١٦٢١)۔

عمل اس کے لئے قیامت تک بڑھتا ہی رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنے سے مامون ومحفوظ ہوجاتا ہے"۔

اور حدیث کی دیگر تشریحات کتاب الجہاد ہی کے اوائل میں "باب الغدوة والروحة في سبيل الله" اور "باب الحور العين وصفتهن......" کے تحت گذر چکی ہیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے اور وہ حدیث کے ابتدائی جملے "رباط يوم في سبيل الله ......" میں ہے۔

٧٣ – باب : مَنْ غَزَا بِصَبِيٍّ لِلْخِدْمَةِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمے سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بچہ جہاد کا مخاطب نہیں، لیکن اس کے باوجود اسے تبعاً وضمناً لے کر نکلنا جائز ہے۔(۱)

جب کہ شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بہتر توجیہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بچے کو خدمت کی غرض سے لے جانے کے جواز کا اثبات کر رہے ہیں، اس تو ہم کو دفع کرتے ہوئے جو بعض صغار صحابہ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ جب وہ غزوے میں شرکت کی غرض سے پیش ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا، مثلاً: ابن عمر، زید بن ثابت اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم اور اس تو ہم کو رد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ قتال کے لئے حاضر ہوئے تھے، نہ کہ خدمت کی غرض سے۔ چنانچہ ان کو خدمت کی غرض سے لے جانے کی تو اجازت ہے، لیکن قتال کی غرض سے لے جانا جائز نہیں۔(۲)

٢٧٣٦ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ (۳) :

---

(١) فتح الباري (ج٦ ص٨٧)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧٦)۔

(٢) الأبواب والتراجم للكاندهلوي (ج١ ص١٩٧)۔

(٣) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب مايذكر من الفخذ۔

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ لِأَبِي طَلْحَةَ : (اَلْتَمِسْ غُلامًا مِنْ غِلْمانِكُمْ يَخْدُمُنِي حَتَّى أَخْرُجَ إِلَى خَيْبَرَ) فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ مُرْدِفِي ، وَأَنَا غُلامٌ راهَقْتُ الْحُلُمَ ، فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ إِذا نَزَلَ ، فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ كَثِيرًا يَقُولُ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالحَزَنِ ، وَالعَجْزِ وَالْكَسَلِ ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ ، وَضَلَعِ ٱلدَّيْنِ ، وَغَلَبَةِ الرِّجالِ) . ثُمَّ قَدِمْنَا خَيْبَرَ . فَلَمَّا فَتَحَ ٱللهُ عَلَيْهِ ٱلْحِصْنَ ذُكِرَ لَهُ جَمالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ ، وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُها ، وَكَانَتْ عَرُوسًا فَاصْطَفاها رَسُولُ ٱللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ ، فَخَرَجَ بِها حَتَّى بَلَغْنا سَدَّ الصَّهْباءِ حَلَّتْ فَبَنَى بِها ، ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ صَغِيرٍ ، ثُمَّ قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (آذِنْ مَنْ حَوْلَكَ). فَكانَتْ تِلْكَ وَلِيمَةَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ عَلَى صَفِيَّةَ . ثُمَّ خَرَجْنا إِلَى المَدِينَةِ ، قالَ : فَرَأَيْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ يُحَوِّي لَها وَراءَهُ بِعَباءَةٍ ، ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرِهِ ، فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ ، فَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَها عَلَى رُكْبَتِهِ حَتَّى تَرْكَبَ ، فَسِرْنا حَتَّى إِذا أَشْرَفْنا عَلَى المَدِينَةِ نَظَرَ إِلَى أُحُدٍ ، فَقالَ : (هٰذا جَبَلٌ يُحِبُّنا وَنُحِبُّهُ) . ثُمَّ نَظَرَ إِلَى المَدِينَةِ فَقالَ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ ما بَيْنَ لابَتَيْها بِمِثْلِ ما حَرَّمَ إِبْراهِيمُ مَكَّةَ . اللَّهُمَّ بارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ وَصاعِهِمْ) . [ر : ٣٦٤]

تراجم رجال

۱۔ قتیبہ

یہ شیخ الاسلام ابو رجاء قتیبہ بن سعید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب إفشاء السلام من الإسلام" کے تحت گذر چکا ہے۔(۱)

۲۔ یعقوب

یہ یعقوب بن عبدالرحمن بن محمد اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

(۱) کشف الباري (ج۲ ص۱۸۹)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے کتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر۔

۳۔عمرو

یہ عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب بن حنطب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۴۔انس

یہ مشہور صحابی، ابوحمزہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لأبي طلحة: "التمس لي غلاما من غلمانكم يخدمني حتى أخرج إلى خيبر"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے بچوں میں سے کوئی بچہ میرے لئے تلاش کرو، جو میری خدمت کرے، یہاں تک کہ میں غزوۂ خیبر کے لئے نکل پڑوں۔

کلمہ "حتی" نبی علیہ السلام کے کلام میں تعلیل کے لئے ہے، بیان غایت کے لیے نہیں اور وہ "التمس" کے ساتھ متعلق ہے، نہ کہ "یخدمني" کے ساتھ۔ اور مقصود کلام یہ ہے کہ میرے لئے سفر میں خدمت کے لیے کوئی لڑکا ڈھونڈو یہاں تک کہ میں مدینہ منورہ لوٹ آؤں۔(۳)

ایک اشکال اور اس کا جواب

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حدیث کے اس ابتدائی ٹکڑے پر اعتراض کیا ہے اور وہ یہ کہ ظاہر یہی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت آپ علیہ السلام کے پہلی بار ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آنے کے بعد شروع کی، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خود احادیث صحیحہ میں مروی ہے کہ: "خدمت النبي صلى الله عليه وسلم تسع سنين"۔(۴) اور ایک روایت میں "عشر سنین" (۵) کا ذکر

---

(۱) ان کے حالات کے لے دیکھئے کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص٤)۔

(۳) حاشية السندي على البخاري (ج۲ ص۱٥۲)۔

(٤) الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خلقا، رقم (٦٠١٤)۔

(٥) الصحيح للبخاري، كتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، رقم (٦٠٣٨)۔

ہے اور خیبر کا واقعہ ۷ ہجری کا ہے، اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صرف چار سال نبی علیہ السلام کی خدمت کی ہو۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ "التمس لي غلاما من غلمانكم" کا مطلب ومعنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں کون جائے گا اس کی تعیین کردی جائے، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو متعین فرمادیا کہ یہی خدمت کے لیے جائیں گے۔ تو التماس کا مطلب استئذان کا ہوگا کہ سفر میں ہمراہی کے لیے کسی کو اجازت دے دو، یہ مطلب نہیں کہ نئے سرے سے کسی کو خدمت کے لیے تلاش کرو، کیونکہ وہ تو پہلے سے موجود ہے، اس طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق ہوجائے گی۔(۱)

کیا بچے کو غنیمت میں سے حصہ ملے گا؟

یہاں ضمناً یہ مسئلہ بھی سمجھ لیجئے کہ اگر بچہ غزوے میں شریک ہو، خواہ خدمت کی نیت سے، خواہ قتال کی نیت لے کر، ائمہ ثلاثہ، امام ثوری، لیث بن سعد، ابوثور وغیرہ رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک اس کو سہم نہیں دیا جائے گا، بلکہ امام اپنی مرضی کے موافق کچھ مال وغیرہ دے دیگا۔(۲)

جب کہ امام مالک اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالی کا مسلک یہ ہے کہ بچہ کو بھی مال غنیمت میں سے بالغ افراد کی طرح حصہ ملے گا۔(۳)

البتہ ان دونوں حضرات کے اقوال میں فرق یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سہم کو اس شرط کے ساتھ مشروط فرماتے ہیں کہ وہ بچہ قتال بھی کرتا ہو، اس کی طاقت رکھتا ہو، چونکہ اس شرط کے پائے جانے کی صورت میں یہ بچہ آزاد ہے، مذکر ہے اور مقاتل بھی ہے، اس لیے اس کو بھی عام آدمیوں کی سہم دیا جائے گا۔(۴)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٨٧)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٧٧)۔

(٢) المغني لابن قدامة (ج٩ص٢٠٦)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) هذا مانقله عن الإمام مالك بن أنس ابن قُدامة، وأما في المدوَّنة (ج٢ص٣٣) فقوله كقول الأئمة الثلاثة۔

اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ مطلقاً بچے کے لئے غنیمت میں سے حصے کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں بچوں کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا تھا۔ پھر بعد کے مسلمان خلفاء بھی دارالحرب میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو حصہ دیتے رہے ہیں۔ (۱)

دلائل جمہور

اس مسئلے میں ہماری ایک دلیل تو حضرت سعید بن المسیب کا یہ اثر ہے: "كان الصبيان والعبيد يُحذَون من الغنيمة إذا حضروا الغزو في صدر هذه الأمة"۔ (۲) کہ "اس امت کی ابتداء میں بچے اور غلام اگر غزوے میں حاضر ہوتے تو انہیں غنیمت میں سے کچھ نہ کچھ دیا جاتا تھا"۔

اور جوزجانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ تمیم بن قرع المہدی اس لشکر میں تھے، جس نے آخری مرتبہ اسکندریہ کو فتح کیا تھا۔ چنانچہ تمیم کہتے ہیں: "فلم يقسم لي عمرو من الفيء شيئا" کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (جو اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے) نے مجھے غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں دیا اور فرمایا کہ نابالغ لڑکا ہے۔ اس کی وجہ سے میری قوم اور قریش کے کچھ لوگوں کے درمیان جھڑپ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ تو قوم میں سے کسی نے کہا کہ تم لوگوں میں نبی علیہ السلام کے صحابہ میں سے کچھ حضرات موجود ہیں، انہیں سے پوچھ لو۔ تو انہوں نے حضرت ابونضر اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو ان دو حضرات نے فرمایا کہ دیکھ لو، اگر اس کے زیر ناف بال اُگ آئے ہیں تو اسے بھی غنیمت میں سے حصہ دو۔ تو قوم میں سے کسی نے میرا معائنہ کیا تو دیکھا کہ بال اُگ آئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مجھے بھی غنیمت میں سے حصہ دیا۔ (۴)

اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد امام جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هذا من مشاهير حديث مصر وجيده، ولأنه ليس من أهل القتال، فلم يسهم له كالعبد، ولم يثبت أن النبي صلى الله عليه وسلم قسم لصبي، بل كان لا يجيزهم في

(۱) المغني لابن قدامة (ج۹ص۲۰۶)، وإعلاء السنن (ج۱۲ ص۲۰۷)۔

(۲) المغني (ج۹ص۲۰۶)

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

القتال؛ فإن ابن عمر رضی الله عنه(۱) قال: عرضت علی النبي صلی الله علیه وسلم وأنا ابن أربع عشرة سنة، فلم یجزني في القتال، وعرضت علیه وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني"۔ (۲)

"یعنی یہ حدیث مصر کی مشہور اور اچھی احادیث میں سے ہے اور چونکہ تمیم بن قرع جنگ جوؤں میں سے نہیں تھے، اس لیے انہیں غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا گیا، جیسا کہ غلام کو نہیں دیا جاتا اور یہ بات کسی طرح ثابت نہیں کہ نبی علیہ السلام نے کسی بچے کو غنیمت میں سے دیا ہو، بلکہ آپ علیہ السلام تو بچوں کو قتال کے لیے ہی نہیں چھوڑتے تھے (تو غنیمت میں سے حصہ دینے کے کیا معنیٰ!) چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چودہ سال کی عمر میں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قتال میں شریک ہونے کی غرض سے پیش کیا گیا تو آپ نے مجھے قتال میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی اور پندرہ سال کی عمر میں مجھے دوبارہ پیش کیا گیا تو آپ نے شرکت کی اجازت دے دی"۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب

جہاں تک امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ راوی نے "رضخ" (۳) کو "سہم" سے تعبیر کر دیا ہو اور "رضخ" کے قائل جمہور بھی ہیں، اس لئے یہ امام اوزاعی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ (۴)

---

(۱) حدیث عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أخرجه البخاري، کتاب الشهادات، باب بلوغ الصبیان وشهاداتهم، رقم (۲٦٦٤)، وکتاب المغازي، باب غزوة الخندق، رقم (٤٠٩٧)، ومسلم، کتاب الإمارة، باب بیان سن البلوغ، رقم (٤٨٣٧)، والترمذي، أبواب الجهاد، باب ماجاء في حد بلوغ الرجل، رقم (١٧١١)، وأبو داود، أبواب الحدود، باب في الغلام یصیب الحد، رقم (٤٤٠٦)، والنسائي، أبواب الطلاق، باب متی یقع طلاق الصبي؟ رقم (٣٤٦١)۔

(۲) المغني لابن قدامة (ج۹ص۲٠٦)۔

(۳) "الرضخ" معناه: "أنهم (أي المرأة والعبد والصبي) یُعطَون شیئا من الغنیمة دون السهم، ولا یسهم لهم سهم کامل، ولا تقدیر لما یعطونه، بل ذلك إلی اجتهاد الإمام، فإن رأی التسویة بینهم سوّی بینهم، وإن رأی التفضیل فضّل"۔ (المغني ج۹ص۲٠٤)۔

(٤) المغني (ج۹ص۲٠٦)، وإعلاء السنن (ج۱۲ص۲٠۷)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس حصے میں ہے: "التمس لي غلاما من غلمانكم يخدمني حتى أخرج إلى خيبر"۔ جس سے بچے کو غزوے میں بطور خادم لے جانے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔(۱)

٧٤ - باب : رُكُوبِ الْبَحْرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمندری سفر کی مشروعیت و جواز کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۲)

اور یہ جواز ومشروعیت عام ہے، خواہ مردوں کے لئے ہو یا عورتوں کے لیے، جہاد کی غرض سے سمندری سفر ہو یا حج اور تجارت کی نیت سے۔(۳)

رکوب بحر میں اسلاف کا اختلاف

اسلاف میں سے بعض حضرات رکوب بحر کو ناپسند کرتے اور اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو رکوب بحر سے منع کرتے تھے۔ اسی لئے ان کی زندگی اور عہد خلافت میں کسی نے بھی سمندری سفر نہیں کیا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رکوب بحر کی اجازت طلب کی۔ تو انہوں نے اجازت دے دی۔ معاملہ اسی پر استوار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے لوگوں کو پھر سے رکوب بحر سے منع کر دیا۔ لیکن یہ

---

(۱) عمدة القاري (١٤ ص ١٧٧)، وفتح الباري (ج٦ ص ٨٧)۔

(۲) إرشاد الساري (ج٥ ص ٩١)۔

(۳) حوالہ بالا۔

ممانعت صرف ان کے حیات تک باقی رہی، بعد میں رکوب بحر کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔(۱)

چنانچہ بعد کے بعض علماء بھی رکوب بحر سے منع کرتے تھے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عورتوں کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں کہ وہ حج یا جہاد کی نیت سے بھی سمندری سفر میں شریک نہیں ہوسکتیں۔(۲)

اور جمہور کا مسلک یہی ہے کہ سمندری سفر مردوں کے لیے ہو یا عورتوں کے لیے، نیت جہاد کی ہو حج کی یا تجارت کی، بہرصورت جائز ہے۔(۳)

اور باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے، جس میں مطلقا رکوب بحر کی اجازت واباحت موجود ہے۔(۴)

ایک اہم تنبیہ

لیکن یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ جمہور نے جو سمندری سفر کی اجازت دی ہے وہ ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے، وہ یہ کہ سمندر پرسکون ہو اور ہلاکت کا خطرہ نہ ہو، ورنہ جمہور کے نزدیک بھی اس کی اجازت نہیں۔(۵)

چنانچہ علامہ ابوعبید ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے "غریب الحدیث" میں ذکر کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے سمندری سفر سے اس کی طغیانی اور مشکلات پیش آنے کی صورت میں منع فرمایا ہے، زہیر بن عبداللہ سے مرفوعا مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من ركب البحر إذا التج -أو قال: ارتج- فقد برئت منه الذمة -أو قال: فلا يلومن إلا نفسه-" یعنی جس نے سمندر کے تلاطم (یا فرمایا کہ موج مارنے) کے وقت اس میں سفر کیا، اس سے اللہ کا ذمہ بری ہے (یا یہ فرمایا کہ وہ اپنے نفس ہی کو ملامت کرے)۔(٦)

اور اللہ تعالی کا اس کے ذمہ سے بری ہونا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے وہ وعدہ ختم ہوجائے گا، کیونکہ اس نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا، یہ مطلب نہیں کہ اسلام کا ذمہ اس سے بری ہے، کیونکہ اسلام سے بری کوئی شخص اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ وہ کفر اختیار کرے۔(۷)

(١) التمهيد لابن عبد البر (ج١ص٢٣٣)، وفتح الباري (ج٦ص٨٨)۔

(٢) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج١٤ص١٧٨)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ص١٧٨)، وفتح الباري (ج٦ص٨٨)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٨٨)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٧٨)۔

(٥) التمهيد (ج١ص٢٣٤)۔

(٦) حوالہ بالا، وشرح ابن بطال (ج٥ص٨٩)، والأدب المفرد (ج٢ص٦٠٢)، باب من بات على سطح ليس له سترة، رقم (١٩٤)۔

(٧) شرح ابن بطال (ج٥ص٨٩)، ومسند الإمام أحمد (ج٥ص٧٩)۔

چنانچہ زہیر بن عبداللہ کی روایت میں سمندری سفر سے ممانعت تلاطم وطغیانی کے ساتھ مقید ہے، اس کا مفہوم مخالف یہی ہے کہ تلاطم وطغیانی کے نہ ہونے کی صورت میں سمندری سفر جائز ہے اور یہی قول علماء سے مشہور ہے، چنانچہ اگر سلامتی کا غلبہ ہو تو خشکی اور تری برابر ہیں، حافظ ابن حجر وعلامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں:

"وفيه (أي في حديث زهير) تقييد المنع بالارتجاج، و مفهومه الجواز عند عدمه، وهو المشهور عن أقوال العلماء، فإذا غلبت السلامة فالبر والبحر سواء"۔ (۱)

ایک اور تنبیہ

ہم نے اوپر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کیا تھا کہ وہ عورتوں کے لئے سمندری سفر کو جائز نہیں کہتے، خواہ حج کے لیے ہو یا جہاد کے لئے، لیکن بعد میں ائمہ مالکیہ رحمہم اللہ تعالی نے بھی جمہور علماء کا قول اختیار کیا ہے۔ (۲)

۲۷۳۷ : حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ يَحْيَى ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى ابْنِ حَبَّانَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (۳) رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : حَدَّثَتْنِي أُمُّ حَرَامٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمًا فِي بَيْتِهَا ، فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ ، قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ ما يُضْحِكُكَ ، قَالَ : (عَجِبْتُ مِنْ قَوْمٍ مِنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ الْبَحْرَ كَالْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ) . فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَقَالَ : (أَنْتِ مَعَهُمْ) . ثُمَّ نَامَ فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ ، فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَيَقُولُ : (أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ) . فَتَزَوَّجَ بِهَا عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ ، فَخَرَجَ بِهَا إِلَى الْغَزْوِ ، فَلَمَّا رَجَعَتْ قُرِّبَتْ دَابَّةٌ لِتَرْكَبَهَا ، فَوَقَعَتْ فَانْدَقَّتْ عُنُقُهَا . [ر : ۲۶۳۶]

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٨٨)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧٨)۔

(۲) التمهيد (ج١ ص٢٣٣)۔

(۳) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في أوائل الجهاد، باب الدعاء بالجهاد ......۔

تراجم رجال

۱۔ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن الفضل سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة لله ورسوله......" کے تحت آ چکے۔(۱)

۲۔حماد بن زید

یہ ابواسماعیل حماد بن زید بن درہم ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا......﴾" کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

۳۔یحیی

یہ مشہور تابعی یحیی بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت اور مفصل تذکرہ "كتاب الإيمان، باب صوم رمضان احتساباً من الإيمان" کے تحت آ چکا ہے۔(۳)

۴۔محمد بن یحیی بن حبان

یہ محمد بن یحیی بن حبان بن منقذ انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی، ابوحمزہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ......" کے ذیل میں آ چکا ہے۔(۵)

قال: حدثتني أم حرام أن النبي صلى الله عليه وسلم قال يوما في بيتها۔

---

(۱) كشف الباري (ج۲ ص۷۲۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص۲۱۹)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ ص۲۳۸)، و(ج۲ ص۳۲۱)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من تبرّز على لبنتين۔

(۵) كشف الباري (ج۲ ص٤)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے مجھے بتلایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن (دوپہر) کو میرے گھر میں قیلولہ فرمایا۔

مذکورہ بالا عبارت میں جو "قال یوما" میں "قال" آیا ہے۔ یہ قیلولۃ سے ہے نہ کہ قول سے اور قیلولہ کے معنی دوپہر کو آرام کرنے کے ہیں۔(۱)

تنبیہ

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔ان کے مفصل حالات کتاب الجہاد ہی میں "باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء" میں بیان کئے جاچکے ہیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے، جو اس جملے میں ہے: "عجبت من قوم من أمتي يركبون البحر كالملوك على الأسرة"۔ (۲)

۷۵ – باب : مَنِ اسْتَعَانَ بِالضُّعَفَاءِ وَالصَّالِحِينَ فِي الحَرْبِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بتلایا ہے کہ مقاتلین ومجاہدین کو ضعفاء اور صلحاء کی دعائیں حاصل کرنی چاہئیں، تاکہ ان کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تبارک وتعالی جہاد میں غلبہ وفتح عطا فرمائیں۔(۳)

یا تو یہ مطلب ومقصد ہے کہ ضعفاء وصلحاء کو بھی ساتھ لے لیا جائے، تاکہ ان کی کمزوری، پرہیزگاری اور تقویٰ کی وجہ سے استقامت حاصل ہو اور اللہ تبارک وتعالی فتح ونصرت سے سرفراز فرمائیں۔

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٧٨)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٨٨)، وعمدة القاري (ج١٤ (١٧٨)۔

بہرحال اگر ان سے دعاؤں کی درخواست کی جائے تو اس کے لئے بھی سنت میں اصل موجود ہے اور اگر ان کو ساتھ لے لیا جائے تو یہ بھی ثابت ہے۔

۲۷۳۸ : وَقَالَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ : أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ : قَالَ لِي قَيْصَرُ : سَأَلْتُكَ : أَشْرَافُ النَّاسِ ٱتَّبَعُوهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ ، فَزَعَمْتَ ضُعَفَاءَهُمْ ، وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ . [ر : ۷]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مجھے بتلایا کہ قیصر نے مجھ سے کہا: ''میں نے تم سے پوچھا تھا کہ بڑے لوگ ان کی اتباع کررہے ہیں یا ضعیف اور کمزور لوگ؟ تو تمہارا گمان یہی ہے کہ کمزور لوگ اور یہی لوگ رسولوں کے متبعین ہوتے ہیں''۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس مشہور روایت سے یہ جملہ تعلیقاً نقل فرمایا ہے، جو حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور قیصر روم کے درمیان مکالمہ پر مشتمل ہے۔ اور یہ روایت موصولاً "بدء الوحي" میں آچکی ہے اور وہیں اس کی تخریج بھی گذر چکی ہے۔(۱)

مذکورہ تعلیق کا مقصد
اور ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

ترجمۃ الباب میں ضعفاء اور صالحین سے استعانت کا مسئلہ مذکور ہے، مذکورہ تعلیق کا مقصد اسی کی دلیل فراہم کرنا ہے کہ ہرقل نے ''ضعفاء'' کو اصل ''اتباع الرسل'' قرار دیا، لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ استدلال ہرقل کا قول ہونے کی بنیاد پر نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حکایت اور تقریر کی بنیاد پر ہے، اس سے مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی خوب واضح ہوگئی۔ واللہ أعلم۔(۲)

---

(۲) کشف الباري (ج۱ ص ۴۷۷)۔

(۱) فتح الباري (ج۶ ص۸۸)۔

۲۷۳۹ : حدّثنا سُلَيمانُ بْنُ حَرْبٍ : حدَّثَنا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ ، عَنْ طَلْحَةَ ، عَنْ مُصْعَبِ ابْنِ سَعْدٍ[1] قالَ : رَأَى سَعْدٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ لَهُ فَضْلاً عَلَى مَنْ دُونَهُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ) .

تراجم رجال

۱۔سلیمان بن حرب

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "كتاب الإيمان، باب من كره أن يعود في الكفر ......" کے تحت آچکا ہے۔(۲)

۲۔محمد بن طلحہ

یہ ابومصرف محمد بن طلحہ بن مصرف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۳۔طلحہ

یہ ابومحمد طلحہ بن مصرف الیامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۴۔مصعب بن سعد

یہ مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے مصعب ہیں۔(۵)

قال: رأى سعد رضي الله عنه أن له فضلا على من دونه۔

حضرت مصعب بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ گمان ہوا کہ انہیں دوسروں پر ایک قسم کی فضیلت حاصل ہے۔

---

(۲) قوله: "عن مصعب بن سعد": الحديث، أخرجه النسائي في سننه الصغرى، في الجهاد، باب الاستنصار بالضعيف، رقم (۳۱۸۰)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص۱۰۵)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العيدين، باب استقبال الإمام الناس في خطبة العيد۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب البيوع، باب مايتنزه من الشبهات۔

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الأذان، باب وضع الأكف على الركب في الركوع۔

"سعد" سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو مصعب کے والد ہیں۔(۱)

اور یہ یہاں "رأی" جو رؤیۃ سے مشتق ہے "ظـــن" کے معنی میں ہے، یعنی گمان کیا، چنانچہ نسائی شریف کی روایت میں "ظن" ہی آیا ہے۔(۲)

اور "من دونہ" سے دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔(۳) چنانچہ نسائی شریف کی روایت میں اس کے بعد یہ زیادتی بھی مروی ہے: "من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔(۴)

اب خلاصہ مذکورہ بالا عبارت کا یہ ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چونکہ بہت بہادر تھے، مالدار تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بہت محبت فرماتے تھے تو ان کو یہ خیال گذرا کہ دیگر بہت سے صحابہ پر انہیں ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔(۵)

یہ روایت مرسل ہے یا متصل؟

باب کی یہ پہلی حدیث جو حضرت مصعب بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، صورۃ اگرچہ مرسل نظر آرہی ہے، کیونکہ حضرت مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "هل تنصرون إلا بضعفائكم؟" کا زمانہ نہیں پایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے حضرت مصعب تابعی ہیں، نہ کہ صحابی اور ان کی ولادت عہد نبوی کے بہت بعد کی ہے، پھر انہوں نے یہاں اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سماع کی بھی تصریح نہیں کی۔ لیکن اس کے باوصف یہ روایت مرسل نہیں بلکہ متصل ہے، کیونکہ یہی روایت دیگر مختلف حضرات محدثین نے نقل کی ہے اور وہاں ان کے والد سے ان کی روایت کی تصریح موجود ہے۔(۶)

چنانچہ یہی روایت اسماعیل نے معاذ بن ھانیء کے طریق سے نقل کی ہے اور اس میں ہے: "حدثنا محمد

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٨٨)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧٩)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٨٩)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧٩)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) انظر سنن النسائي، كتاب الجهاد، باب الاستنصار بالضعيف، رقم (٣١٨٠)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ ص٨٩)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧٩) اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے، کشف الباري (ج٢ ص١٧٣)۔

(٦) فتح الباري (ج٦ ص٨٨)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٧٩)۔

بن طلحة ...... عن مصعب بن سعد عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔ البتہ اس میں رسول علیہ السلام کا قول مرفوع ہی ہے، اس کا ابتدائی حصہ یعنی: "رأى سعد رضي الله عنه أن له فضلا على من دونه" موجود نہیں ہے۔(۱)

نیز اسماعیلی اور امام نسائی رحمہما اللہ (۲) نے اس روایت کو "مسعر عن طلحة بن مصرف عن مصعب عن أبيه" کے طریق سے نقل کیا ہے، چنانچہ اس طریق میں بھی عن أبيه کی تصریح موجود ہے، لہذا یہ روایت متصل ہے، نہ کہ مرسل۔(۳)

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم"۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں مدد اور روزی انہیں کمزوروں کی وجہ سے دی جاتی ہے۔

نسائی شریف کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: "إنما نصر الله هذه الأمة بضعفتهم؛ بدعواتهم وصلاتهم و إخلاصهم"۔(۴) کہ "اللہ تعالی نے اس امت کی نصرت اس کے کمزور لوگوں کی وجہ سے کی ہے، ان کی دعاؤں، نمازوں اور اخلاص کی بناپر"۔

ضعفاء نصرت خداوندی کا سبب ہیں

اب دونوں طرق کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالی کی طرف سے جو نصرت وغیرہ نازل ہوتی ہے، اس کا سبب یہی کمزور لوگ ہوتے ہیں، جن کی دعاؤں، نمازوں اور اخلاص میں یہ برکت ہوتی ہے کہ وہ نصرت الہی کے اس کے بندوں کی جانب متوجہ ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل دنیا کی چکاچوند اور اس کی زینت سے خالی ہوتے ہیں اور ان کے ضمیر ان چیزوں سے صاف ہوتے ہیں جو انہیں اللہ تعالی سے دور کردیں، چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ہی مقصد سامنے رکھا ہوتا ہے کہ کسی طرح اللہ تعالی کو راضی کیا جائے اور اس کی خوشنودی حاصل کی جائے، اسی لئے ان کے دل پاکیزہ اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مذکورہ

(۱) فتح الباري (ج٦ص٨٨)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٧٩)۔

(۳) سنن النسائي، كتاب الجهاد، باب الاستنصار بالضعيف، رقم (٣١٨)۔

(۴)فتح الباري (ج٦ص٨٨)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٧٩)۔

(۵) سنن النسائي، كتاب الجهاد، باب الاستنصار بالضعيف، رقم (٣١٨)۔

جملے کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وتأويل ذلك؛ أن عبادة الضعفاء ودعاءَ هم أشد إخلاصا وأكثر خشوعا؛ لخلاء قلوبهم من التعلق بزخرف الدنيا وزينتها، وصفاء ضمائرهم مايقطعهم عن الله، فجعلوا همَّهم واحداً، وزكت أعمالهم، وأجيب دعاؤهم"۔(۱)

حدیث میں تواضع اور کبر سے بچنے کی ترغیب ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ "هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم؟" اس میں ان کے لئے تواضع اختیار کرنے کی ترغیب ہے اور نبی علیہ السلام کا مقصود یہ بھی تھا کہ عام مسلمانوں کے دلوں سے تکبر کو ختم فرمادیں، اسی لئے آپ علیہ السلام نے خطاب عام رکھا، تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس قول رسول کا مخاطب کوئی خاص شخص ہے، علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إنما أراد عليه السلام بهذا القول لسعد الحضَّ على التواضع، و نفي الكبر والزهد عن قلوب المؤمنين"۔ (۲)

حدیث باب میں فضل سے کیا مراد ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے جو یہ فرمایا: "هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم؟" کہ ان کمزوروں ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے تو اس کا سبب کیا تھا؟ کیونکہ ماقبل میں ہم نے فضل کی توضیح شجاعت و مالداری سے کی ہے، لیکن امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف (۳) میں مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلا ایک روایت نقل کی ہے، جس میں یہ زیادتی بھی مروی ہے: "قال سعد: يا رسول الله، أرأيت رجلا يكون حامية القوم ويدفع عن أصحابه، أيكون نصيبه كنصيب غيره؟ ......" کہ "حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے، ایک آدمی اپنی قوم کا محافظ ہوتا ہے اور اپنے

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ ص۹۰)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) مصنف عبد الرزاق (ج۵ ص۳۰۳)، رقم (۹۶۹۱)۔

اصحاب کا دفاع کرتا ہے تو کیا اس کا حصہ بھی (غنیمت میں) دوسروں کی طرح ہوگا؟" تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: "ثكلتك أمك يا ابن أم سعد، وهل ترزقون وتنصرون إلا بضعفائكم؟" کہ "اے ام سعد کے بیٹے! تیری ماں تجھ کو روئے، ان کمزوروں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔"

تو اس صورت میں فضل سے مراد غنیمت میں زیادتی ہوگی اور حدیث باب کے جملے: "رأى سعد رضي الله عنه أن له فضلاً على من دونه"۔ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ خیال لاحق ہوا کہ چونکہ وہ اپنی قوم کے محافظ اور اس کی طرف سے دفاع کرنے والے ہیں اس لیے انہیں غنیمت میں حصہ زیادہ ملنا چاہئے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا کہ مقاتلین کے حصے برابر ہی ہوتے ہیں کیونکہ قوی اور طاقت ور کو اگر اس کی قوت وشجاعت کی بنا پر برتری حاصل ہے تو کمزور کو بھی اس کی دعاؤں اور اخلاص کی بنا پر ایک قسم کی ترجیح حاصل ہوگی۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ ہر معاملے میں تمہاری نصرت ضعفاء اور صلحاء ہی کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسا کہ کلام کے اطلاق سے سمجھ میں آ رہا ہے، لیکن اس کا سب سے اہم موقع میدان جنگ ہے کہ وہاں ضعفاء وصلحاء کی دعاؤں کے ذریعے مدد اور برکت حاصل کی جائے، اس لئے اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔(۲)

۲۷۴۰ : حدّثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرٍو : سَمِعَ جابِرًا ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (۳)، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (يَأْتِي زَمانٌ يَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ ، فَيُقَالُ : فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ ؟ فَيُقَالُ : نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ ، ثُمَّ يَأْتِي زَمانٌ ، فَيُقَالُ : فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ ؟ فَيُقَالُ : نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ ، ثُمَّ يَأْتِي زَمانٌ ، فَيُقَالُ : فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ صَاحِبَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ ؟ فَيُقَالُ : نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ) . [۳۳۹۹ ، ۳٤٤۹]

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ص۹۱)، وفتح الباري (ج٦ص ۸۹)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص١٧٩)۔

(۳) قوله: "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنهم": الحديث، أخرجه البخاري أيضا كتاب المناقب، باب علامات النبوة في=

تراجم رجال

ا۔عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ جعفی مسندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے ذیل میں آچکا ہے۔(۱)

۲۔سفیان

یہ ابومحمد سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت (۲) اور مفصل حالات "كتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے تحت گذر چکے۔(۳)

۳۔عمرو

یہ ابومحمد عمرو بن دینار جمحی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۴۔جابر

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔(۵)

۵۔ابوسعید الخدری

یہ مشہور صحابی، حضرت سعد بن مالک بن سنان، ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب

= الإسلام، رقم (٣٥٩٤)، وكتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، و من صحب ......، رقم (٣٦٤٩)، ومسلم في صحيحه، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، رقم (٦٤٦٧)۔

(١) كشف الباري (ج١ ص٦٥٧)۔

(٢) كشف الباري (ج١ ص٢٣٨)۔

(٣) كشف الباري (ج٣ ص١٠٢)۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھئے، كتاب العلم، باب العلم والعظة بالليل۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر۔

الإيمان، باب من المدين الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکا ہے۔(۱)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ياتي زمان يغزو فئام من الناس، فيقال: فيكم من صحب النبي صلى الله عليه وسلم؟ فيقال: نعم......"۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت غزوے پر ہوگی، پوچھا جائے گا کہ کیا لشکر میں کوئی بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہو؟ کہا جائے گا کہ ہاں! تو انہیں فتح وکامرانی سے نوازا جائے گا۔

"فئام" کے معنی

فئام - بکسر الفاء و يجوز الفتح أيضاً- کے معنی جماعت کے ہیں اس لفظ کا کوئی واحد نہیں ہے اور اس کا اطلاق ہمیشہ جماعت پر ہوتا ہے، جیسا کہ لفظ قوم ہے۔(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ میں ایسے تین طبقات اور جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جن کی موجودگی کسی بھی لشکر کے لیے فتح ونصرت کی ضمانت ہے کہ ان کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ فتح وکامرانی سے نوازیں گے، تو اوپر ذکر کردہ عبارت میں پہلی جماعت یا پہلے طبقے کا بیان ہے، وہ طبقہ یا جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے، نبی علیہ السلام کے یہ الفاظ مبارکہ ان تینوں طبقات کی فضیلت پر دال ہیں اور اس حدیث کی تایید ایک دوسری حدیث (۳) سے بھی ہوتی ہے کہ: "خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم"۔(۴)

ثم يأتي زمان، فيقال: فيكم منْ صحب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم؟ فيقال: نعم، فيفتح۔

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۸۲)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ص۹۱)، وفتح الباري (ج٦ص۸۹) وعمدة القاري (ج١ص١٧٩)۔

(۳) هذا الحديث رواه غير واحد من الصحابة، والذي ذكرنا ألفاظه رواه عمران بن حصين رضي الله عنه، أخرجه البخاري في كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ......، رقم (٣٦٥٠)۔

(٤) شرح ابن بطال (ج٥ص٩١)۔

پھر ایک زمانہ آئے گا تو پوچھا جائے گا کہ کیا لشکریوں میں کوئی ایسا ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت اٹھائی ہو؟ کہا جائے گا کہ ہاں! تو فتح ہوگی۔

اور اس عبارت میں جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے وہ تابعین کی جماعت ہے، جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبت میں رہے، ان حضرات تابعین کی شرکت اور برکت سے بھی اہل اسلام کو فتح نصیب ہوگی۔

ثم يأتي زمان، فيقال: فيكم من صحب صاحب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم؟ فيقال: نعم، فيفتح۔

پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا فرد بھی ہے جس نے نبی علیہ السلام کے اصحاب کے کسی ساتھی کی صحبت اٹھائی ہو؟ تو کہا جائے گا کہ جی ہاں! تو ان کو بھی فتح نصیب ہوگی۔

اس عبارت میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے ان سے تبع تابعین مراد ہیں۔ کہ ان کی برکت سے بھی فتح و کامرانی اہل اسلام کا مقدر ہوگی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت بایں معنی ہیں کہ ہر وہ شخص جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی، یا نبی علیہ السلام کے صحابہ کی صحبت اٹھائی، یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے اصحاب کی صحبت اختیار کی اور یہ تین قسم کے حضرات ہیں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ، تو ان ہی حضرات کے واسطے نصرت و کامرانی حاصل ہوئی ہے، کیونکہ یہ حضرات امور دنیا میں کمزور اور امور آخرت میں قوی ہیں۔

چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مطابقته للترجمة من حيث إن من صحب النبي صلى الله عليه وسلم، ومن صحب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ومن صحب صاحب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، وهم ثلاثة: الصحابة، والتابعون، وأتباع التابعين، حصلت بهم النصرة؛ لكونهم ضعفاء فيما يتعلق بأمر الدنيا، أقوياء فيما يتعلق بأمر الآخرة"۔(۱)

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۷۹)۔

٧٦ - باب : لَا يَقُولُ فُلَانٌ شَهِيدٌ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ کسی بھی آدمی کے متعلق یقینی طور پر یہ نہ کہا جائے کہ یہ شہید ہے۔ کیونکہ قطعی ویقینی علم کا راستہ وحی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ راستہ اب بند ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"تقولون في مغازيكم: فلان شهيد، ومات فلان شهيداً، ولعله قد يكون قد أوقر راحلته، ألا لاتقولوا ذلكم، ولكن قولوا كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مات في سبيل الله أو قتل فهو شهيد"۔ (٢)

"یعنی تم لوگ اپنی جنگوں میں کہتے ہو کہ فلاں شہید ہے اور فلاں شہید ہو کر مرا ہے، تو شاید کہ اس نے اپنی سواری پر بہت بوجھ لاد دیا ہو۔ تو سنو! یہ نہ کہو، بلکہ اس طرح کہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اللہ کے راستے میں مرا یا قتل ہوا تو وہی شہید ہے۔"

٢٧٤١ : قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ) . [ر : ٢٦٣٥ ، ٢٦٤٩]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی کو بہتر طور پر معلوم ہے کہ اس کے راستے میں کون جہاد کرتا ہے اور اللہ ہی کو زیادہ علم ہے کہ اس کے راستے میں کون زخمی ہو رہا ہے۔

---

(١) فتح الباري (ج٦ ص ٩٠)، وعمدة القاري (ج١٤ ص ١٨٠)۔

(٢) مسند الإمام أحمد (ج١ ص ٤١)، و فتح الباري (ج٦ ص ٩٠)، والإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (ج٨ ص٦٨)، كتاب السير، ذكر ايجاب الجنة لمن مات في سبيل اق ......، رقم (٤٦٠١)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

مذکورہ بالا تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں جو دعوی کیا کہ کسی کی بابت یہ نہ کہا جائے کہ فلاں یقینی طور پر شہید ہے، اس کے اثبات کے لئے نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تعلیق میں یہ آیا ہے کہ اللہ کے راستے میں کون جہاد کررہا ہے یا کون زخمی صرف اللہ کے راستے میں ہورہا ہے، یہ اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں، کیونکہ اس کی معرفت کا تعلق قلب ونیت سے ہے اور نیتوں کا حال اللہ تعالی کے علاوہ اور کس کو معلوم ہوسکتا ہے؟ لہذا کسی بھی شخص کے متعلق یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ شہید ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا تعلیق دراصل ان کی دو مختلف حدیثوں پر مشتمل ہے، جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک ہی تعلیق میں یکجا کردیا ہے، چنانچہ تعلیق کا پہلا جملہ یعنی "اللہ أعلم بمن یجاھد في سبیله" موصولا کتاب الجہاد (۱) کے اوائل میں حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے گذر چکا ہے، جب کہ تعلیق کا دوسرا جملہ یعنی "واللہ أعلم بمن یکلم في سبیله" بھی کتاب الجہاد (۲) کے اوائل میں اعرج رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے موصولا گذر چکا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت اس صورت میں ظاہر ہوگی جب کہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث "من قاتل لتکون کلمة اللہ ھي العلیا فھو في سبیل اللہ" (۳) کو بھی مدنظر رکھا جائے اور اس بات کا علم کہ کون اللہ کے کلمے کی بلندی کے لئے جہاد کررہا ہے وحی سماوی کے بغیر نہیں ہوسکتا، چنانچہ جس کے بارے میں بھی ثابت ہوجائے کہ وہ واقعتاً اللہ کے راستے میں ہے اس پر شہادت کا حکم

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الجھاد، باب أفضل الناس مؤمن معاھد بنفسه ......، رقم (۲۷۸۷)۔

(۲) صحیح البخاري، کتاب الجھاد، باب من یخرج في سبیل اللہ عزوجل، رقم (۲۸۰۳)۔

(۳) صحیح البخاري، کتاب الجھاد، باب من قاتل لتکون کلمة اللہ ھي العلیا، رقم (۲۸۱۰)۔

لگایا جائے گا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول "والله أعلم بمن يكلم في سبيله" کا مطلب یہ ہے کہ اس کا علم بجز اس کے کسی کو نہیں ہوسکتا، جس کو خود اللہ نے اطلاع اور خبر دی ہو، اس لئے ہر مقتول فی الجہاد کے متعلق یہ اطلاقی حکم مناسب نہیں کہ وہ اللہ کے راستے میں ہے۔(۱)

۲۷۴۲ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ(۲): أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اَلْتَقَى هُوَ وَالْمُشْرِكُونَ فَاقْتَتَلُوا ، فَلَمَّا مالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى عَسْكَرِهِ ، وَمالَ الْآخَرُونَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ ، وَفِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلٌ ، لَا يَدَعُ لَهُمْ شَاذَّةً وَلَا فَاذَّةً إِلَّا اتَّبَعَهَا يَضْرِبُهَا بِسَيْفِهِ ، فَقَالُوا : ما أَجْزَأَ مِنَّا الْيَوْمَ أَحَدٌ كما أَجْزَأَ فُلَانٌ . فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ) . فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : أَنَا صَاحِبُهُ ، قالَ : فخرجَ معَهُ كلما وقفَ وقفَ معَه ، وَإِذا أَسرعَ أَسرعَ معَه . قالَ : فجرحَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِيدًا ، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ ، فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ ، وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ ، قالَ : (وَما ذاكَ) . قالَ : الرَّجُلُ الَّذِي ذَكَرْتَ آنِفًا أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، فَأَعْظَمَ النَّاسُ ذٰلِكَ ، فَقُلْتُ : أَنَا لَكُمْ بِهِ ، فَخَرَجْتُ فِي طَلَبِهِ ، ثُمَّ جُرِحَ جُرْحًا شَدِيدًا ، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ ، فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ فِي الْأَرْضِ ، وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ : (إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ ، فِيما يَبْدُو لِلنَّاسِ ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ ، فِيما يَبْدُو لِلنَّاسِ ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ) .

[۳۹۶۶ ، ۳۹۷۰ ، ۶۱۲۸ ، ۶۲۳۳]

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص ٩٠)۔

(۲) قوله: "عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٠٣ و٤٢٠٧)، وكتاب الرقاق، باب الأعمال بالخواتيم وما يخاف منها، رقم (٦٤٩٣)، وكتاب القدر، باب العمل بالخواتيم، رقم (٦٦٠٧)، ومسلم، كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه، رقم (٣٠٦)، وكتاب القدر، باب كيفية خلق الأدمي، في بطن أمه، وكتابة رزقه وعمله، و شقاوته وسعادته، رقم(٦٧٤١)۔

تراجم رجال

ا۔قتیبہ

یہ شیخ الاسلام ابورجاء قتیبہ بن سعید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب إفشاء السلام من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔یعقوب بن عبدالرحمٰن

یہ یعقوب بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ الاسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔ابوحازم

یہ مشہور زاہد، ابوحازم سلمہ بن دینار مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی رسول، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم التقى هو والمشركون فاقتتلوا، فلما مال رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عسكره، ومال الآخرون إلى عسكرهم۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (ساتھیوں سمیت) مشرکین سے سامنا ہوا تو انہوں نے آپس میں خوب قتال کیا، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پڑاؤ کی طرف واپس ہوئے اور مشرکین اپنے ٹھکانے کی طرف۔

حدیث کے مضمون کا تعلق کس غزوے سے ہے؟

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا حدیث میں ذکر کردہ واقعہ کسی غزوے سے متعلق ہے، لیکن یہ کونسا غزوہ تھا

---

(۱) كشف الباري (ج۲ ص۱۸۹)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه۔

(٤) حوالہ بالا۔

اس میں محدثین کا اختلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اس جانب ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ احد کا ہے، جب کہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی اور دیگر بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر سے متعلق ہے۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو کتاب الجہاد کے علاوہ، کتاب المغازی میں ''باب غزوۃ خیبر'' (۲) کے تحت بھی ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان بھی یہی ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کا ہے۔(۳)

وفي أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل لايدع لهم شاذة ولا فاذة إلا اتبعها، يضربها بسيفه۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ایک ایسا شخص تھا، جو مشرکین کا کوئی بھی آدمی بھاگتا ہوا نہیں چھوڑتا تھا، مگر یہ کہ اس کا تعاقب کرتا اور اسے اپنی تلوار سے مار ڈالتا۔

یہاں ''رجل'' سے مراد قُزمان ظفری ہے اور اس کی کنیت ابوالغیداق تھی۔(۴)

اور مذکورہ بالا عبارت میں اس شخص کی شجاعت و بسالت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ میدان جنگ میں جہاں بھی جاتا اپنی بہادری کے نشانات ثبت کرتا جاتا، کوئی بھی بھاگتا ہوا آدمی اس سے بچ نہیں پاتا تھا۔

شاذه اور فاذة کے معنی

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''شاذة'' تو اس کو کہتے ہیں کہ جو پہلے سے قوم میں شامل تھا پھر اس سے الگ ہوگیا اور ''فاذة'' اس کو کہتے ہیں جو سرے سے قوم میں شامل ہی نہیں رہا ہو، چنانچہ یہ بتلایا گیا ہے کہ قزمان ظفری جس کے بھی درپے ہوتا اسے ختم کرکے دم لیتا۔(۵)

اور علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ''شاذة'' سے بڑی چیزیں اور ''فاذة'' سے چھوٹی چیزیں مراد ہیں اور

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے، كشف الباري، كتاب المغازي، (ص۲۱)، و(٤٢٢)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨٠)۔

(٢) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٠٣ و٤٢٠٧)۔

(٣) كشف الباري، كتاب المغازي (ص٤٢٢)۔

(٤) فتح الباري (ج٧ص٤٧٢)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨١)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨١)۔

مطلب یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی سختی ونرمی کی پروانہیں کرتا تھا۔(۱)

پھر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شاذۃ اور فاذۃ میں جو تاء ہے وہ مبالغہ کی ہے، جیسا کہ علامۃ اور نسابۃ کی تاء ہے۔(۲)

جب کہ بعض دیگر حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ موصوف محذوف یعنی نسمۃ کی صفت ہیں اور تقدیر عبارت یوں ہے: "لا یدع لھم نسمۃ شاذۃ ولا فاذۃ۔" (۳)

فقالوا: ماأجزأ منا اليوم أحد كما أجزأ فلان۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ آج ہماری طرف سے کوئی شخص ایسا نہیں لڑا جیسا کہ فلاں شخص لڑا۔

باب کی روایت میں تو "فقالوا" آیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی ضمیر مستتر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف راجع ہے، لیکن کشمیہنی کے نسخے میں کتاب المغازی کی روایت میں "قلت" مذکور ہے، اگر یہ روایت صحیح اور محفوظ ہے تو قائل حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہوں گے۔(۴)

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أما إنه من أهل النار"۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! وہ اہل جہنم میں سے ہے۔

یعنی جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلسل اس شخص کی تعریفیں کئے جا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعۂ وحی اس کے جہنمی ہونے کا فرمایا کیونکہ وہ شخص باطنا منافق تھا اور اپنا نفاق چھپائے ہوئے تھا۔(۵)

کلمہ "أما" میم کے تخفیف کے ساتھ استفتاحیہ ہے، اسی لئے اس کے بعد جو "إنہ" کا ہمزہ ہے وہ مکسور ہے۔(۶)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا، وفتح الباري (ج۷ص۴۷۲)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) إرشاد الساري (ج٥ص٩٢)، مزید دیکھئے، كشف الباري، كتاب المغازي (ص٤٢٣)۔

(٥) إرشاد الساري (ج٥ص٩٢)۔

(٦) حوالہ بالا۔

فقال رجل من القوم: أنا صاحبه۔

تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں اس کے ساتھ رہوں گا۔

"رجل" سے مراد حضرت اکثم بن ابی الجون الخزاعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ طبرانی میں ان کی روایت ہے کہ:

"قال: قلنا: یا رسول اللّٰہ، فلان یجزیء في القتال، قال: هو في النار، قلنا: یارسول اللّٰہ، إذا کان فلان في عبادته واجتهاده ولین جانبه في النار، فأین نحن؟ قال: ذلك إخبات الساق، وهو في النار، قال: فکنا نتحفظ علیه في القتال"۔ (۱)

یعنی "حضرت اکثم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا یا رسول اللہ! فلانے نے لڑائی میں کمال کا اظہار کیا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ تو ہم نے (از راہ تعجب) کہا یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی عبادت، محنت اور نرم طبیعت کے باوجود جہنمی ہے تو ہم کہاں ہوں گے؟! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب نفاق کی خباثت و برائی ہے اور وہ جہنمی ہے۔ حضرت اکثم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تو ہم سب لڑائی میں اس پر نظر رکھنے لگے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ حضرت اکثم رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ "أنا صاحبه" کہ میں اس کے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ کیونکہ اس کا فعل ظاہراً اچھا تھا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلا رہے تھے کہ وہ جہنمی ہے تو لازمی طور پر اس کا عجیب سبب ہوگا جس کی وجہ سے اس کا اہل جہنم میں شمار ہوا۔ (۲)

قال: فخرج معه، کلما وقف وقف معه، وإذا أسرع أسرع معه، قال: فجرح الرجل جرحا شدیداً، فاستعجل الموت، فوضع نصل سیفه في الأرض وذبابه بین ثدییه، ثم تحامل علی سیفه فقتل نفسه۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تو وہ (اکثم) اس کے ساتھ نکل پڑے، جہاں کہیں وہ کھڑا ہوا وہیں یہ بھی کھڑے ہوئے اور جب وہ دوڑتا تو یہ بھی اس کے ساتھ دوڑتے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر وہ شخص شدید زخمی ہوگیا تو اس نے مرنے میں جلدی کی، چنانچہ اپنی تلوار کا قبضہ زمین پر اور اس کی نوک اپنے دونوں پستانوں کے

(۱) فتح الباري (ج۷ص۴۷۳)، والطبراني في الکبیر (ج۱ص۲۹۶)، ومجمع الزوائد (ج۷ص۲۱۴)۔

(۲) إرشاد الساري (ج۵ص۹۲)، وشرح النووي علی مسلم (ج۱ص۷۳)۔

درمیان میں رکھ کر تلوار پر جھک پڑا اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت اکثم بن ابی الجون رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ ساتھ ہو لئے، چنانچہ جہاں وہ رکتا وہیں یہ بھی رک جاتے اور جہاں وہ جلدی کرتا، دوڑتا وہیں حضرت اکثم رضی اللہ عنہ بھی دوڑتے، مقصود اس کے احوال کا مشاہدہ تھا، آخر کار وہ منافق شخص لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا اور زخموں کی تاب نہ لا سکا اس لئے مرنے میں جلدی کی اور خودکشی کر لی۔

"نصل سیفه" میں نصل سے کیا مراد ہے؟

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے نصل کے دو معنیٔ مرادی بیان کئے ہیں:-

۱۔ نصل سے مجازاً تلوار کا مقبض (یعنی دستہ) مراد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل نصل مطلقاً تلوار کے لوہے کو کہتے ہیں۔(۱) چنانچہ علامہ طاہر پٹنی ہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "النصال: وهو حديدة السيف"۔(۲)

۲۔ نصل سيفه سے پوری تلوار مراد ہے۔(۳) حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی تائید کتاب المغازی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں "فوضع سيفه بالأرض......" آیا ہے۔(۴)

اور "ذباب" تلوار کی دھار کو کہتے ہیں یا اس حصے کو جس طرف سے وار کیا جاتا ہے۔(۵)

فخرج الرجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أشهد أنك رسول الله، قال: "وماذاك؟" قال: الرجل الذي ذكرت آنفا أنه من أهل النار، فأعظم الناس ذلك، فقلت: أنا لكم به، فخرجت في طلبه ......فقتل نفسه۔

چنانچہ وہ آدمی (یعنی حضرت اکثم رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ نے جس آدمی کے

---

(۱) لامع الدراري (ج۷ص۲۳۷)۔

(۲) مجمع بحار الأنوار (ج٤ص۷۱٦)۔

(۳) لامع الدراري (ج۷ص۲۳۷)۔

(٤) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۳۷)۔

(٥) إرشاد الساري (ج٥ص٩٣)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٨١)۔

بارے ابھی کہا تھا کہ وہ جہنمی ہے تو لوگوں نے اس بات کو سخت سمجھا تو میں نے کہا کہ میں تمہیں اطمینان کرائے دیتا ہوں، چنانچہ میں اس کے نگرانی کے لئے چلا، پھر وہ سخت زخمی ہوگیا اور اس نے موت کے لئے جلدی کر کے اپنی تلوار کا قبضہ زمین پر اور اس کی دھار اپنے دونوں پستانوں کے درمیان رکھ دیا پھر وہ اپنی تلوار پر جھک پڑا اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالا۔

مذکورہ بالا عبارت میں حضرت اکثم بن ابی الجون رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کو اس منافق کے خودکشی کرنے کی اطلاع دی ہے کہ جب آپ نے اس کو جہنمی قرار دیا تو آپ کا قول دیگر مسلمانوں پر بڑا بھاری گذرا کہ اتنا بہادر آدمی کیسے جہنمی ہوسکتا ہے؟ تو میں نے انہیں مطمئن کرنے کے لئے کہا میں تم لوگوں کو ابھی اس کی بابت خبر لائے دیتا ہوں...... پھر انہوں جو کچھ دیکھا تھا اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گذار کیا اور آپ علیہ السلام کے نبی برحق ہونے کی شہادت دی۔

ثم تحامل...... تحامل کے معنی مائل ہونے اور جھکنے کے ہیں۔(۱)

ایک اعتراض اور اس کے جوابات

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک اعتراض نقل کیا ہے، اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ خودکشی کرنا تو معصیت ہے اور اہل سنت کا مشہور و مسلمہ قاعدہ ہے کہ العبد لایکفر بالمعصیة، پھر تو وہ خودکشی کرنے والا جنتی ہے، کیونکہ وہ مؤمن ہے تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے فرمادیا کہ وہ جہنمی ہے؟(۲)

اس اعتراض کو ذکر کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں:-

۱۔ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی اس بات کا علم ہوگیا تھا کہ وہ مومن نہیں ہے۔ اسی لئے اس کے جہنمی ہونے کا فرمایا۔

۲۔ یا یہ کہ وہ عنقریب مرتد ہوجائے گا کہ نفس کو قتل کرنا حلال قرار دے گا اور ظاہر ہے کہ استحالة المعصية کفر۔

۳۔ یا اس کے جہنمی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان گناہ گاروں میں سے ہے جو جہنم میں داخل ہوں گے پھر وہاں سے نکل آئیں گے۔(۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨١)۔

(۲) شرح الكرماني (ج١٢ ص١٦٣)۔

(۳) شرح الكرماني (ج١٢ ص١٦٤)۔

لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کرمانی کے اس اعتراض وجوابات کوتکلف قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"لو اطلع الكرماني على أنه كان معدودا في المنافقين أو على قوله: ماقاتلت على دين، لما تكلف بهذه الترديدات"۔ (۱)

"یعنی اگر علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا علم ہوتا کہ اس کا شمار منافقین میں تھا، یا ان کو اس کے اس قول کی اطلاع ہوتی کہ میں کسی دین کا دفاع کرتے ہوئے نہیں لڑ رہا ہوں تو ان کو ان تردیدات کی ضرورت ہی نہ پڑتی"۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عند ذلك: "إن الرجل ليعمل عمل أهل الجنة فيما يبدو للناس، وهو من أهل النار، وإن الرجل ليعمل عمل أهل النار فيما يبدو للناس، وهو من أهل الجنة"۔

تو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی لوگوں کے خیال میں بظاہر اہل جنت کے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ مآلاً دوزخ والوں میں سے ہوتا ہے اور ایک آدمی لوگوں کے خیال میں بظاہر دوزخ والوں کے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ مآلاً جنت والوں میں سے ہوتا ہے۔

نبی علیہ السلام کے مذکورہ ارشاد کا مطلب

یعنی ایک آدمی وہ ہوتا ہے کہ اس کے اعمال دیکھ کر لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ شخص جنتی ہے، لیکن انجام اس کا برا ہوتا ہے اور جہنم اس کا ٹھکانہ ہوتا ہے اور ایک آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے اعمال ظاہراً برے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، لیکن انجام اس کا اچھا ہوتا ہے اور جنت اس کا مستقر۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اپنے اعمال صالحہ سے دھوکا نہ کھائے، اسی طرح گناہ گار اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فيه: التحذير من الاغترار بالأعمال، وأنه ينبغي للعبد أن لا يتّكل عليها، ولايركن إليها؛ مخافة من انقلاب الحال للقدر السابق، وكذا ينبغي للعاصي أن لايقنط، ولغيره

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۸۱)۔

أن لایُقنطه من رحمة اللّٰه تعالی"۔ (۱)

''یعنی حدیث میں اعمال کی وجہ سے دھوکا کھانے سے بچنے کا ذکر ہے اور یہ کہ بندے کو چاہئے کہ صرف اعمال صالحہ پر تکیہ نہ کرے اور نہ بھروسہ، مبادا تقدیر سابق کی وجہ سے اس کی یہ اچھی حالت بُرے حال سے نہ بدل جائے، اسی طرح گناہ گار بندے کو بھی چاہئے کہ مایوس نہ ہو اور دوسروں کے لئے بھی یہ مناسب ہے کہ اسے اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس نہ کریں''۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب کی حدیث کے ساتھ مناسبت نہیں ہے کیونکہ ترجمہ تو اس بات پر قائم کیا گیا ہے کہ کسی کو بلاتحقیق یقینی طور پر شہید نہ کہا جائے، اس بات کا تو حدیث میں سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

تو حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بقول علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ بایں معنی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص (قزمان) کے لئے جہاد کی طرف رجحان ومیلان کی گواہی دی تھی، اب اگر وہ قتل ہو جاتا تو لازمی بات تھی کہ صحابہ اس کی شہادت کی بھی گواہی دیتے اور اسے شہید قرار دیتے، چنانچہ جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس کا قتال وجہاد اللہ کے لئے نہیں تھا، بلکہ وہ قومی حمیت کی وجہ سے لڑ رہا تھا تو معلوم ہوا کہ ہر مقتول فی الجہاد کو شہید نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ وہ بھی اس شخص (یعنی قزمان) کی طرح ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کو احکام ظاہرہ میں شہید کا حکم دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف نے بدر واحد وغیرہ کے مقتولین کو شہداء سے موسوم کیا ہے اور مراد اس سے حکم ظاہری ہے، جو ظن غالب پر مبنی ہو۔ (۲)

۷۷ – باب : التَّحْرِيضِ عَلَى الرَّمْيِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تیر اندازی کی ترغیب دے رہے ہیں، کیونکہ یہ جہاد میں کام آنے والی چیز ہے

---

(۱) شرح النووي (ج۱ ص۷۳)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٩٠)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨٠)۔

اوراس سے دشمن کے مقابلے میں قوت حاصل ہوتی ہے، اس لئے تیراندازی سیکھنی چاہئے۔(۱)

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «وَأَعِدُّوا لَهُمْ ما اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِباطِ الخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ» /الأنفال : ٦٠/ .

اور اللہ عزوجل کا قول: ان (کفار) کے لئے جس قدر قوت اور گھوڑے تمہارے لئے ممکن ہوں تیار کرو، اس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے۔

آیت کریمہ میں "قوة" سے کیا مراد ہے؟

حافظ صاحب اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت مذکورہ آیت کریمہ کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قوۃ سے مراد رمی ہے، کیونکہ ایک حدیث میں قوۃ کی تفسیر رمی سے کی گئی ہے، چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ (۲) سے مروی ہے: "سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر يقول: ﴿وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة﴾ ألا إن القوة الرمي –ثلاثا–"(۳)۔ (اللفظ لمسلم)

رمی کے تخصیص بالذکر کی وجہ

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ میں قوۃ کی تفسیر رمی سے کرنے اور رمی کو مخصوص بالذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"و إنما فسر القوة بالرمي، وإن كانت القوة تظهر بإعداد غيره من آلات الحرب؛

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨١)۔

(۲) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الرمي والحث عليه، رقم (٤٩٤٦)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب في الرمي، رقم (٢٥١٤)، والترمذي، أبواب التفسير، باب: ومن سورة الأنفال، رقم (٣٠٨٣)، وابن ماجه، أبواب الجهاد، باب الرمي في سبيل الله، رقم (٢٨١٣)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٩١)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨١)۔

لكون الرمي أشد نكاية في العدو وأسهل مؤنة؛ لأنه قد يرمي رأس الكتيبة، فيصاب فينهزم من خلفه"۔ (۱)

"یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوۃ کی تفسیر رمی سے کی ہے، اگرچہ قوت کا اظہار دوسرے آلات حرب کی تیاری سے بھی ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تیر اندازی کا اثر دشمن پر شدید اور تیر کا بوجھ اپنے پر ہلکا ہوتا ہے کیونکہ کبھی کبھار لشکر کے اگلے حصے پر تیر اندازی کی جاتی ہے تو وہ تیروں کا شکار ہو جاتا ہے اور شکست کھا کر پیچھے بھاگ جاتا ہے، راہ فرار اختیار کرتا ہے"۔

اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا آیت کی نحوی تعلیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مااستطعتم" میں "ما" موصولہ ہے اور اس کا عائد یعنی ضمیر محذوف ہے اور "من قوة" اس کے لئے بیان ہے اور مراد نفس قوت ہے۔ (۲)

مزید فرماتے ہیں کہ اس بیان اور مبین میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ تیر اندازی کی تیاری بغیر ممارست اور طویل مشق اور پابندی کے درست نہیں ہوسکتی ہے اور آلات حرب میں کمان اور تیر کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں جس میں اس قدر ممارست اور پابندی کی ضرورت پیش آتی ہو، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار "قوة" کی تفسیر رمی سے فرمائی ہے۔ (۳)

اور آیت کریمہ سے متعلقہ بعض دیگر تفصیلات "باب من احتبس فرساً فی سبیل اللّٰه" کے تحت ماقبل میں آچکی ہیں۔

۲۷۴۳ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا حاتِمُ بْنُ إِسْماعِيلَ ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قالَ : سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ (٤) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى نَفَرٍ مِنْ أَسْلَمَ يَنْتَضِلُونَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ٱرْمُوا بَنِي إِسْماعِيلَ ، فَإِنَّ أَبَاكُمْ كانَ رَامِيًا ، ٱرْمُوا وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلَانٍ) . قالَ : فَأَمْسَكَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ بِأَيْدِيهِمْ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (ما لَكُمْ لَا تَرْمُونَ) . قالُوا : كَيْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (ٱرْمُوا فَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ) . [۳۱۹۳ ، ۳۳۱۶]

---

(١) الجامع لأحكام القرآن (ج٨ص٣٧)۔

(٢) شرح الطيبي (ج٧ص٣١٤)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) قوله: "سلمة بن الأكوع رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضا في كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى:=

تراجم رجال

۱۔عبداللہ بن مسلمہ

یہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکا ہے۔(۱)

۲۔حاتم بن اسماعیل

یہ ابواسماعیل حاتم بن اسماعیل کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔یزید بن ابی عبید

یہ یزید بن ابی عبید مولی سلمۃ بن الاکوع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔سلمۃ بن الأکوع

یہ مشہور صحابی حضرت سلمۃ بن الأکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم على نفر من أسلم ينتضلون۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے درآنحالیکہ وہ تیراندازی کررہے تھے۔

"أسلم" سے مراد بنواسلم ہیں۔جوعرب کا مشہور قبیلہ ہے۔(۵)

"ينتضلون" انتضال سے مشتق ہے اوراس کے معنی تیراندازی کرنے کے ہیں۔(۶) اور یہ جملہ فعلیہ ماقبل

= ﴿واذكر في الكتاب إسمعيل، إنه كان صادق الوعد﴾، رقم (۳۳۷۳)، وكتاب المناقب، باب نسب اليمن إلى إسمعيل، منهم: أسلم بن أفصى بن حارثة بن عمرو من خزاعة، رقم (۳۵۰۷)۔

(۱) كشف الباري (ج۲ص۸۰)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب بلا ترجمة بعد باب استعمال فضل وضوء الناس۔

(۳،۴) ان دونوں کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم۔

(۵) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۸۲)، وفتح الباري (ج٦ص۹۱)۔

(٦) حوالہ بالا۔

کے لئے حال واقع ہورہا ہے۔(۱)

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ارموا بني إسماعيل؛ فإن أباكم كان راميا، ارموا وأنا مع بني فلان۔

چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اے بنو اسماعیل! تیر اندازی کرو، کیونکہ تمہارے والد بھی تیر انداز تھے، تیر اندازی کرواور میں فلاں قبیلے کے ساتھ ہوں۔

بنی فلان سے کون مراد ہے؟

حدیث میں "وأنا مع بني فلان" آیا ہےاور مراداس سے "ابن الأدرع" ہیں اورابن الأدرع کا نام محجن ہے، چنانچہ صحیح ابن حبان (۲) اور مسند بزار (۳) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں "وأنا مع ابن الأدرع" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اس سے زیادہ صریح روایت طبرانی کی ہے، جوحمزہ بن عمرو الاسلمی سے مروی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: "وأنا مع محجن بن الأدرع"۔(۴)

جب کہ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ ابن الأدرع کا نام سلمہ ہے، مزید فرماتے ہیں کہ ادرع تو لقب ہےاوراصل نام ان کے والد کا ذکوان ہے۔(۵)

لیکن راجح قول پہلا ہی ہے، چنانچہ علامہ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "محجن بن الأدرع ...... وهو الذي قال فيه النبي صلى الله عليه وسلم: ارموا وأنا مع ابن الأدرع"(٦)۔

---

(١) إرشاد الساري (ج٥ص٩٤)۔

(٢) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (ج٨ص٩٩)، كتاب السير؛ ذكر اسم الرواة الذين قال لهم النبي صلى الله عليه وسلم هذا القول، رقم (٤٦٧٥)۔

(٣) فتح الباري (ج٦ص٩١)۔

(٤) مجمع الزوائد للهيثمي (ج٥ص٢٦٨)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٩١)۔

(٦) خلاصة الخزرجي (ص٣٧٠)۔

حضرت محجن بن الادرع

یہ حضرت محجن بن الادرع الأسلمی رضی اللہ عنہ ہیں، قدیم الاسلام صحابی ہیں۔(۱)

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اوران سے حنظلہ بن علی الاسلمی، رجاء بن ابی رجاء الباہلی اورعبداللہ بن شقیق رحمہم اللہ تعالی وغیرہ روایت حدیث کرتے ہیں۔(۲)

آخرعمر میں بصرہ میں رہائش اختیار کی، انہوں نے ہی مسجد بصرہ کی حد بندی وغیرہ کی تھی۔(۳)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ انتقال سے قبل مدینہ منورہ لوٹ آئے تھے، وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں ان کا انتقال ہوا۔(۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الادب المفرد'' میں، امام ابوداود اورنسائی رحمہما اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں ان سے روایات لی ہیں۔(۵)

اورانہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کل پانچ حدیثیں روایت کی ہیں اوراصحاب اصول ستہ نے ان میں سے دوروایتیں لی ہیں۔(٦)

قال: فأمسك أحد الفريقين بأيديهم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما لكم لاترمون؟ قالوا: كيف نرمي وأنت معهم؟

راوی کہتے ہیں تو دوسرے فریق نے اپنے ہاتھ روک لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہوا کہ تم تیراندازی کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم تیراندازی کیسے کریں جب کہ آپ دوسرے فریق کے ساتھ ہیں۔

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۷ص۲٦۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) طبقات ابن سعد (ج۷ص۱۲)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج۲۷ص۱٦۷)، وفتح الباري (ج٦ص۹۱)۔

(٦) خلاصة الخزرجي (ص۳۷۰)۔

مطلب یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں تو فلاں یعنی محجن بن ادرع کے ساتھ ہوں تو دوسرے فریق نے تیراندازی سے اپنے ہاتھ روک لئے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ہاتھ روکنے کی بابت پوچھا کہ کیا بات ہے تم لوگ تیراندازی کیوں نہیں کررہے؟ تو ہاتھ روکنے والے فریق نے جواب دیا کہ یہ ہمارے لئے کیسے ممکن ہے کہ ہم تیراندازی کریں جب کہ آپ دوسرے فریق کے ساتھ ہیں؟ ظاہری بات ہے کہ اس صورت میں شکست کا منہ ہمیں ہی دیکھنا پڑے گا۔

جواب دینے والے کون تھے؟

حدیث کے جملے "قالوا: كيف نرمي وأنت معهم؟" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کا جواب ہے تو یہ جواب دینے والے کون صحابی تھے؟ تو حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے بقول یہ حضرت نضلہ الاسلمی رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ ابن اسحاق نے "مغازی" میں سفیان بن فروۃ الاسلمی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ:

"بينا محجن بن الأدرع يناضل رجلا من أسلم يقال له: نضلة ......فقال نضلة وألقى قوسه من يده: والله، لاأرمي معه وأنت معه......فقال نضلة: لايُغلب من كنت معه"۔ (۱)

"یعنی اس دوران کہ حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ قبیلہ اسلم کے ایک آدمی کے ساتھ تیر اندازی کررہے تھے، جنہیں نضلہ کہا جاتا ہے......تو حضرت نضلہ رضی اللہ عنہ نے کمان اپنے ہاتھ سے پھینکتے ہوئے کہا: واللہ! میں اس کے ساتھ تیراندازی نہیں کروں گا کہ آپ اس کے ساتھ ہوں ......حضرت نضلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (یارسول اللہ) آپ جس کے ساتھ ہوں اسے شکست نہیں ہوسکتی"۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "ارموا فأنا معكم كلّكم"۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیراندازی کرو، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٩٢)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٨٢)، وإرشاد الساري (ج٥ص٩٤)، و قال الحافظ في مقدمة الفتح "هدي الساري": "ويحتمل أن يكون هو أبا برزة؛ فإن اسمه نضلة بن عبيد" (ص٢٩٠)۔

"کلکم" کا جولام ہے وہ مجرور ہے، کیونکہ وہ "معکم" کی جو ضمیر ہے، اس کے لئے تاکید ہے۔(۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں فریقوں کے ساتھ شامل کیونکر ہو گئے، جب کہ یہ بات طے تھی کہ ایک فریق غالب ہوگا، دوسرا مغلوب؟(۲)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں معیت سے مراد خیر کا قصد وارادہ، نیت کی اصلاح اور تیراندازی میں قتال کی غرض سے تمرین ہے، یہاں کسی ایک فریق کے غالب ومغلوب ہونے کا سلسلہ مقصود نہیں اور نہ ہی آپ نے غالبیت ومغلوبیت کے نقطۂ نظر سے اپنی "معیت" بیان فرمائی ہے۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت "ارموا بني إسماعيل" میں ہے اور جہاں جہاں "ارموا" کا لفظ آیا ہے، اس سے تیراندازی کی ترغیب وتحریض مراد ہے۔(۴)

حدیث سے مستنبط فوائد

حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد مستفاد ہوتے ہیں:۔

۱۔علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان یا خلیفہ کو چاہئے کہ اپنے لوگوں کو تیراندازی، نیز دیگر فنون حرب کی تعلیم کا حکم دے اور ان کے سیکھنے پر ابھارے۔(۵)

۲۔مزید فرماتے ہیں کہ آدمی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آباء کی اچھی خصلتوں کو تلاش کرے، ان کی

---

(۱) شرح القسطلاني (ج٥ص٩٤)۔

(۲) شرح الكرماني (ج١٢ص١٦٤)۔

(۳) شرح الكرماني (ج١٢ص١٦٥)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٨٢)۔

(٥) شرح ابن بطال (ج٥ص٩٤)۔

اتباع کرے اور انہی کی طرح عمل کرے، اس لئے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "ارموا فإن أباكم كان راميا"۔ (۱)

۳۔ سلطان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی بھی فن کے ماہرین پر یہ جتلا دے کہ وہ ان کے ساتھ ہے، یعنی ان کی جماعت میں شامل ہے اور ان سے محبت رکھتا ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازی کے ماہرین کے ساتھ کیا تھا کہ فرمایا: "وأنا مع بني فلان"۔ (۲)

۴۔ نیز سلطان کو چاہئے کہ لوگوں کو امور قتال وحرب کی خود نشان دہی کرے کہ فلاں چیز سیکھو، اس میں مہارت اختیار کرو، جیسا کہ نبی علیہ السلام نے کیا۔ (۳)

۵۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گھڑ سواری اور اسلحے کا استعمال سیکھنا فرض کفایہ ہے اور کبھی کبھی وہ فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ (۴)

۲۷۴٤ : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْغَسِيلِ ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ ، عَنْ أَبِيهِ(۵) قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ بَدْرٍ ، حِينَ صَفَفْنَا لِقُرَيْشٍ وَصَفُّوا لَنَا : (إِذَا أَكْثَبُوكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِالنَّبْلِ) . [۳۷٦۳]

تراجم رجال

۱۔ ابونعیم

یہ مشہور محدث ابونعیم فضل بن دُکین کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "کتاب الإيمان، باب (بلا ترجمة)" کے تحت آچکا ہے۔ (٦)

---

(۱) شرح ابن بطال (ج۵ص۱۹٤)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) تفسير القرطبي (ج۸ص۳۹)۔

(۵) قوله: "عن أبيه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب فضل من شهد بدرا، رقم (۸٤و۳۹۸۵)، وأبوداود، أبواب الجهاد، باب في الصفوف، رقم (۲٦٦۳)، وباب سل السيوف عند اللقاء، رقم (۲٦٦٤)۔

(٦) كشف الباري (ج۲ص۲٦۹)۔

۲۔عبدالرحمٰن بن الغسیل

یہ عبدالرحمٰن بن سلیمان بن عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۔حمزہ بن ابی اسید

یہ حمزہ بن ابی اسید مالک بن ربیعہ الانصاری الساعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ابو مالک ان کی کنیت ہے اور یہ منذر بن ابی اسید کے بھائی ہیں۔(۲)

یہ اپنے والد ابواسید الساعدی اور حارث بن زیاد الانصاری رضی اللہ عنہما سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے ان کے دونوں صاحبزادے مالک و یحیی، نیز سعد بن المنذر، عبدالرحمٰن بن سلیمان بن الغسیل، محمد بن عمرو بن علقمہ، امام زہری اور ابوعمرو بن حماس رحمہم اللہ تعالی وغیرہ روایت کرتے ہیں۔(۳)

حافظ ابن حجر، خطیب بغدادی اور اسماعیلی رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ حمزہ بن ابی اسید صحابی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں پیدا ہوئے ہیں۔(۴)

جب کہ بعض دیگر حضرات محدثین مثلا ابوحاتم ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب ''الثقات'' میں تابعین میں ذکر کیا ہے۔(۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام ابوداود وامام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی ان سے روایت لی ہے۔(۶)

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔(۷)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أما بعد۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۷ص ۳۱۱)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۷ص ۳۱۱و۳۱۲)۔

(٤) الإصابة (ج۱ ص ۳۵۳، ۳٦۸)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج۷ ص ۳۱۲)۔

(٦) تهذيب الكمال (ج۷ص ۳۱۲)۔

(۷) طبقات ابن سعد (ج۵ص ۲۷۲)۔

۴۔ أبيه

"أب" سے مراد حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ الساعدی الخزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۱)

قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم يوم بدر حين صففنا لقريش، وصفوا لنا: "إذا أكثبوكم فعليكم بالنبل"۔

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی کے موقع پر، جب ہم قریش کے مقابلے میں صف بستہ کھڑے ہوگئے تھے اور وہ بھی ہمارے مقابلے کے لئے صف بستہ ہوگئے تھے، فرمایا کہ اگر دشمن (قریش) تمہارے قریب آجائے تو تم لوگ تیراندازی شروع کر دینا۔

حضرت ابواسید الساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث غزوہ بدر سے متعلق ہے، چنانچہ اس کی تشریح بھی کتاب المغازی میں آچکی ہے۔ (۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث ابی اسید رضی اللہ عنہ کی مطابقت ترجمۃ الباب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں ہے: "فعليكم بالنبل" کیونکہ اس میں رمی بالسہام کی ترغیب وتحریض ہے۔ (۳)

رمی سے کیا مراد ہے؟

ہم پیچھے باب کے شروع میں نقل کر آئے ہیں کہ آیت کریمہ: ﴿وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة......﴾ (۴) میں "قوة" کی تفسیر رمی سے کی گئی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشا بھی آیت کو ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کرنے کا یہی تھا کہ "قوة" سے مراد رمی ہے۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الأذان، باب من شكا إمامه إذا طول۔

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي (ص۱۳۷)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱۴ ص۸۳)۔

(۴) الانفال / ۶۰۔

اب گفتگو اس میں ہے کہ رمی سے کیا مراد ہے؟ آیا وہی جو معروف ہے، یعنی تیر اندازی یا رمی عام ہے؟ تو بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ رمی سے اس کے خاص معنی یعنی تیر اندازی ہی مراد ہے۔

لیکن راجح یہ ہے کہ رمی اس قوت کا ایک فرد ہے، باقی جس طریقے سے بھی دشمن کے مقابلے میں قوت حاصل کی جاسکتی ہے، اس کا اختیار کرنا ضروری وواجب ہے۔

ہم یہاں حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس درج کئے دیتے ہیں جس سے راجح قول کو سمجھنے میں مزید مدد ملے گی، فرماتے ہیں:

''احادیث میں اگرچہ قوت کی تفسیر تیر اندازی سے کی گئی ہے، گویا باعتبار عموم الفاظ اس سے مراد ہر قسم کا سامان حرب ہے اور یہ مطلب نہیں کہ قوت صرف تیر اندازی میں منحصر ہے، بلکہ تلوار، نیزہ، سپر (ڈھال)، زرہ، خود، قلعے، سامان رسد اور سامان حرب سب قوت میں داخل ہیں، اس لئے کہ مقصود اصلی تو آیت کا یہ ہے کہ وہ ساز وسامان اور آلات حرب مہیا کرو، جس کے ذریعے تم دشمن کی مدافعت کرسکو اور اس پر غالب آسکو.......... بہرحال اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو یہ حکم دینا ہے کہ تم دشمنوں کے مقابلے کے لئے سامانِ جنگ تیار کرو، جس قدر طاقت اور قوت فراہم کرسکتے ہو، اس میں کسر نہ چھوڑو اور ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں سامان جنگ بدلتا رہتا ہے، پہلے زمانے میں نیزے وتلوار تھے اور اس زمانے میں توپ اور بندوق (وغیرہ) ہیں، یہ سب سامان جہاد ہے اور یہ سب، اسی طرح آئندہ جو اسلحہ اور آلات حرب وضرب تیار ہوں گے، انشاء اللہ وہ سب اس آیت کے عموم اور مفہوم میں داخل ہوں گے اور عین منشائے قرآنی ہوں گے......''(۱)

---

(۱) معارف القرآن للكاندهلوي (ج۳ص۲۵۵)۔

قال محدث العصر الشاه أنور الكاشميري رحمه الله: "والتحريض على الرمي كان في الزمان الماضي، وأما اليوم فينبغي أن يكون على تعلم استعمال الآلات التي شاعت في زماننا؛ كالبندقة، والغاز، ومن الغباوة: الجمود على ظاهر الحديث؛ فإن التحريض عليه ليس إلا للجهاد، وليس فيه معنى وراءه، ولما لم يبق الجهاد بالأقواس لم يبق فيها معنى مقصود، فلا تحريض فيها ....، فالحاصل: أن التحريض في كل زمان بحسبه، و في النص إشارة إليه أيضا، فقال تعالى: ﴿ترهبون به عدو الله وعدوكم﴾، والمقصود هو الإرهاب، وذلك لايحصل اليوم بتعلم الرمي"۔ فيض الباري (ج۳ص۴۳۵)، وأيضاً انظر روح المعاني للعلامة الألوسي (ج۶ص۲۵)۔

جدید اسلحے کی تیاری فرض ہے

حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

''اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحے کی تیاری اور ان کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا، اس لئے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لئے ہر مکان و زمان کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے، جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کئے ہیں، ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا، تا کہ کفر و شرک کا مقابلہ کرسکیں''۔(۱)

گھڑسواری افضل ہے یا تیراندازی؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ گھڑسواری ہو یا تیراندازی، دونوں جہاد وقتال کے اہم ذریعے ہیں اور اسباب حرب میں سے ہیں، لیکن ان دونوں میں افضل کیا ہے تو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وقد ذهب أكثر العلماء إلى أن الرمي أفضل من ركوب الخيل، وذهب الإمام مالك إلى أن الركوب أفضل من الرمي، وقول الجمهور أقوى للحديث“۔ (۲)

اور اکثر علماء اس جانب گئے ہیں کہ رمی، رکوب الخیل سے افضل ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ رکوب، رمی سے افضل ہے اور جمہور کا قول حدیث کی وجہ سے قوی ہے''۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ارموا واركبوا، وأن ترموا خير من أن تركبوا“۔(۳) یعنی ''تیراندازی کرو اور گھڑسواری کرو اور یہ کہ تم تیراندازی کرو اس سے بہتر یہ ہے کہ تم گھڑسواری کرو''۔

چنانچہ مذکورہ بالا حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازی کو گھڑسواری سے بہتر و افضل فرمایا ہے۔

(۱) معارف القرآن (ج۴ص۲۵۵)۔

(۲) تفسير القرآن العظيم لابن كثير الدمشقي (ج۲ ص۳۲۱)۔

(۳) الحديث رواه أبوداود في الجهاد، باب في الرمي، رقم (۲۵۱۳)، والترمذي في فضائل الجهاد، باب ما جاء في فضل الرمي في سبيل الله تعالى، رقم (۱۶۳۷)، وقال: هذا حديث حسن صحيح، والنسائي في كتاب الخيل والسبق، باب تأديب الرجل فرسه، رقم (۳۶۰۸)، وابن ماجه، في أبواب الجهاد، باب فضل الرمي في سبيل الله، رقم (۲۸۱۱)۔

۷۸ – باب : اللَّهْوِ بِالْحِرَابِ وَنَحْوِهَا .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا ہے کہ یہ لہو بالحراب اس لہو (کھیل) میں داخل نہیں ہے جو منہی عنہ ہے، شریعت نے لہو بالحراب کو مشروع و جائز قرار دیا اور اس کو مستثنیات میں داخل کیا ہے، چنانچہ یہ فعل اگر بغرض تعلیم ہو تو جائز ہے، بلکہ قوت علی الجہاد حاصل کرنے کے لئے مندوب و مسنون ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "......وليس اللهو إلا في ثلاثة: تأديب الرجل فرسه، وملاعبته امرأته، ورميه بقوسه ونبله"۔ (۲) (اللفظ للنسائي)

کہ "لہو تین مواقع کے علاوہ کہیں اور جائز نہیں ہے، ایک یہ کہ آدمی کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، دوسرے آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا اور تیسرے کمان اور تیر کے ساتھ اس کا تیر اندازی کرنا"۔(۳)

حراب – بكسر الحاء وفتح الراء – حَربة – بفتح الحاء وسكون الراء – کی جمع ہے اور اس کے معنی برچھے کے ہیں۔(۴)

اور "نحوها" کے ذریعے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشارہ فرمایا کہ یہ لہو کا جواز حراب کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دیگر آلات حرب مثلاً تیر، کمان اور تلوار وغیرہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔(۵)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨٣)، وفيض الباري (ج٣ ص٤٣٦)۔

(۲) الحديث رواه أبوداود في الجهاد، باب في الرمي، رقم (٢٥١٣)، والترمذي في فضائل الجهاد، باب ما جاء في فضل الرمي في سبيل الله تعالى، رقم (١٦٣٧)، وقال: هذا حديث حسن صحيح، والنسائي في كتاب الخيل والسبق، باب تأديب الرجل فرسه، رقم (٣٦٠٨)، وابن ماجه، في أبواب الجهاد، باب فضل الرمي في سبيل الله، رقم (٢٨١١)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٩٣)۔

(۴) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨٣)، ومعجم الوسيط (ج١ ص١٦٤)، مادة "حرب"۔

(۵) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨٣)۔

٢٧٤٥ : حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى : أَخْبَرَنَا هِشَامٌ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ[1] قَالَ : بَيْنَا الْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِحِرَابِهِمْ دَخَلَ عُمَرُ ، فَأَهْوَى إِلَى الْحَصَى فَحَصَبَهُمْ بِهَا . فَقَالَ : (دَعْهُمْ يَا عُمَرُ) . وَزَادَ عَلِيٌّ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ : فِي الْمَسْجِدِ .

تراجم رجال

۱۔ابراہیم بن موسیٰ

یہ ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن یزید الفراء رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۲۔هشام

یہ ابوعبدالرحمٰن هشام بن یوسف صنعانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔معمر

یہ ابوعروہ محمد معمر بن راشد ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی الحديث الخامس کے تحت آچکا ہے۔(۴)

۵۔زہری

یہ ابوبکر محمد بن مسلم زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا بھی مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے۔(۵)

---

(۱) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، رواه مسلم، كتاب العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لامعصية فيه في أيام العيد، رقم (۲۰٦۹)، والنسائي، كتاب العيدين، باب اللعب في المسجد يوم العيد، ونظر النساء إلى ذلك، رقم (۱۵۹۷)۔

(۳،۲) ان دونوں حضرات کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الحيض، باب غسل الحائض رأس زوجها وترجيله۔

(٤) كشف الباري (ج۱ ص٤٦٥)۔

(۵) حوالہ بالا (ص۳۲٦)۔

۶۔ابن المسیب

یہ امام التابعین، حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب من قال: إن الإیمان هو العمل" کے تحت آ چکے ہیں۔(۱)

۷۔ابو ہریرہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا مفصل تذکرہ "کتاب الإیمان" کے ذیل میں گذر چکا ہے۔(۲)

قال: بینا الحبشة یلعبون عند النبي صلی اللّٰه علیه وسلم بحرابهم دخل عمر، فأهوی إلی الحصیٰ، فحصبهم بها۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ حبشی اپنی برچھیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، کنکریوں کی طرف متوجہ ہوئے، پھر ان کنکریوں سے حبشیوں کو نشانہ بنایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہاں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ حبشی مدینہ منورہ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مختلف قسم کے حربی مظاہرے پیش کئے تو یہی لوگ ایک مرتبہ اپنی برچھیوں اور چھوٹے نیزوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور جب یہ منظر دیکھا تو کنکریاں تلاش کرنے لگے اور ان کنکریوں کے ساتھ حبشیوں کو نشانہ بنانے لگے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس فعل کی حکمت معلوم نہ تھی اور وہ اسے بھی لہو باطل میں شمار کر بیٹھے تھے۔علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لعدم علمه بالحکمة، وظنه أنه من اللهو الباطل"۔(۳)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۱۵۹)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

(۳) إرشاد الساري (ج۵ص۹۵)۔

اورنسائی شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حبشی لوگ بنوارفدہ سے تعلق رکھتے تھے۔(۱)

فقال: "دعهم یاعمر۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو۔

یعنی ان کے کام میں دخل مت دو اور انہیں کھیلتا چھوڑ دو، کیونکہ ان کا یہ فعل جنگ کی تمرین ومشق اور دشمن کا مقابلہ کرنے کی تیاری کے لئے ہے۔(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے اجتہادی خطا اور غلطی ہو جائے تو اس کو ملامت کرنا درست نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی قسم کی زجر وتوبیخ نہیں فرمائی، کیونکہ وہ اس معاملے میں متاول تھے۔(۳)

ایک اشکال اور اس کے جوابات

اب اشکال یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حبشیوں کو جو نبی علیہ السلام کے قریب کھیل رہے تھے کنکریاں کیوں ماریں، جب کہ ان کو نظر آ رہا تھا کہ نبی علیہ السلام بھی وہاں موجود ہیں، یہ تو ایک طرح کی خدانخواستہ بے ادبی ہوئی؟

علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کے دو جوابات دیئے ہیں:-

۱۔ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہو اور انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان حبشیوں کو دیکھ رہے ہیں۔(۴)

۲۔ یا وہ یہ سمجھے کہ نبی علیہ السلام نے ان لوگوں کو دیکھا تو ہے، مگر حیاء ان کو روکنے اور منع کرنے سے مانع ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اقدام کیا اور ان کو روکا۔اور ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسرے

---

(۱) سنن النسائي، كتاب العيدين، باب اللعب في المسجد يوم العيد……، رقم (۱۵۹۷)۔

(۲) شرح القسطلاني (ج ۵ص ۹۵)، وشرح ابن بطال (ج۵ص ۹۵)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج۵ص ۹۵)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٨٣)۔

جواب کوراجح قرار دیا ہے، کیونکہ حدیث میں صراحت ہے کہ "یلعبون عند النبي صلی اللہ علیه وسلم ....." تو نہ دیکھنے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔(۱)

زاد علي: حدثنا عبد الرزاق أخبرنا معمر: "في المسجد"۔

مطلب مذکورہ عبارت کا یہ ہے کہ یہ جو واقعہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ مسجد کا تھا کہ وہ لوگ مسجد میں برچھیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔(۲)

نیز علی سے مراد ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہاں کی روایت میں تو "زاد علي" ہے، لیکن مستملی کی روایت میں "زادنا علي، ......" آیا ہے، اس لئے اس کو کوئی شخص غیر دال علی الاتصال نہ سمجھے۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت واضح ہے اور وہ حدیث کے ابتدائی جملے میں ہے، یعنی "بینا الحبشة یلعبون عند النبي صلی اللہ علیه وسلم"۔

علامہ عینی اور حافظ صاحب کا تسامح

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ کا خیال ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت حدیث باب میں نہیں ہے، کیونکہ اس میں "حراب" کا ذکر نہیں ہے تو شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث باب کو یہاں ذکر فرما کر اس کے بعض دیگر طرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مراد اس سے ان حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث لی ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلاۃ (۴) میں ذکر فرمایا ہے، فرماتی ہیں: "رأیت النبي صلی اللہ علیه وسلم والحبشة یلعبون بحرابهم"۔ اس طرح حدیث کی مطابقت ترجمہ سے ہو جاتی ہے۔(۵)

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) شرح القسطلاني (ج۵ص۹۵)۔

(۳) تغليق التعليق (ج۳ص٤٤٤)۔

(٤) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب أصحاب الحراب في المسجد، رقم (٤٥٥)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٩٣)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٨٣)۔

غالبًا ان حضرات کو یہاں تسامح ہوگیا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر جو نسخہ تھا شاید اس میں ''حراب'' کے الفاظ موجود نہ ہوں، چنانچہ بخاری کے محشی حضرت احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قوله: بحرابهم، هذا موضع الترجمة، وكأنه لعدم وجوده في بعض النسخ لم يطلع عليه بعض المهرة، فتحير في مطابقة الحديث للترجمة"۔ (۱)

تنبیہ

حدیث باب کی دیگر تشریحات کتاب الصلاۃ میں گذر چکی ہیں۔ (۲)

۷۹ — باب : الْمِجَنِّ وَمَنْ يَتَتَرَّسُ بِتُرْسِ صَاحِبِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈھال (سپر) اور اس کے استعمال کا ذکر فرمایا ہے۔ (۳)

اور مقصد اس ترجمے سے ان کا یہ ہے کہ ان چیزوں کا استعمال توکل کے خلاف نہیں ہے اور یہ نبوت کی تعلیم اور منصب نبوت کے خلاف بھی نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وجه هذه التراجم دفع من يتخيل أن هذه الآلات ينافي التوكل، والحق أن الحذر لا يرد القدر، ولكن يضيق مسالك الوسوسة لما طبع عليه البشر"۔ (٤)

''یعنی ان تراجم کا مقصود اس شخص کے خیال کو رد کرنا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ان آلات کا استعمال توکل کے منافی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ احتیاط تقدیر کو نہیں ہٹاتی، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ انسانوں کی جو وسوسے کی جبلت و عادت ہے احتیاط کو اختیار کرنے سے اس وسوسے کا خاتمہ ہو جاتا ہے''۔

(۱) حاشية السهارنفوري على صحيح البخاري (ج۱ص٤٠٦)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب أصحاب الحراب في المسجد، رقم (٤٥٤)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٨٤)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٩٤)۔

مجن کے معنی

المجن: میم کے کسرہ، جیم کے فتحہ کے ساتھ، ڈھال (سپر) کو کہتے ہیں۔(۱)

اور یہ جَنَّ یَجِنُّ سے مشتق ہے، جس کے معنی ڈھانپنے کے ہیں اور مجن کو مجن اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دشمن کے حملے کو روکتی اور آدمی اور دشمن کے درمیان حجاب بن جاتی ہے۔ اور ترس کے معنی بھی ڈھال کے ہیں۔(۲)

٢٧٤٦ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللَّهِ : أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ . عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ . عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (۳) رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ أَبُو طَلْحَةَ يَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِتُرْسٍ وَاحِدٍ . وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ . فَكَانَ إِذَا رَمَى تَشَرَّفَ النَّبِيُّ ﷺ فَيَنْظُرُ إِلَى مَوْضِعِ نَبْلِهِ . [ر : ٢٧٢٤]

تراجم رجال

۱۔ احمد بن محمد

یہ ابو العباس احمد بن محمد بن موسی مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۲۔ عبد اللہ

یہ امام عبد اللہ بن مبارک حنظلی مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پانچویں حدیث کے تحت آچکا۔(۵)

۳۔ الاوزاعی

یہ مشہور فقیہ، عبد الرحمن بن عمرو بن ابی عمرو اوزاعی شامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "کتاب العلم،

---

(۱) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨٤)۔

(۲) النهاية للجزري (ج١ ص٣٠٨)، باب الجيم مع النون۔

(۳) قوله: "عن أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الجهاد، باب غزو النساء وقتالهن مع الرجال۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب مايقع من النجاسات في السمن والماء۔

(۵) كشف الباري (ج١ ص٤٦٢)۔

باب الخروج في طلب العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۴۔اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ

یہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب العلم، باب من قعد حیث ینتھي به المجلس، ......" کے تحت آچکے ہیں۔(۲)

۵۔انس بن مالک

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب ......" کے تحت گذر چکے۔(۳)

قال: کان أبو طلحة یتترس مع النبي صلی اللّٰه علیه وسلم بترس واحد، وکان أبو طلحة حسن الرمي، فکان إذا رمی یشرف النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، فینظر إلی موضع نبله.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی ڈھال سے کام لیتے تھے۔اور ابوطلحہ بہت اچھے تیر انداز تھے، چنانچہ جب وہ تیر پھینکتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک اٹھا کر ان کے تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھتے تھے۔

پہلے جملے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بتلایا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی ڈھال سے کام لیتے تھے۔مطلب یہ ہے کہ ڈھال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑی ہوئی تھی اور حضرت ابوطلحہ تیر اندازی کر رہے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص تیر اندازی کر رہا ہوتا ہے اس کے دونوں ہاتھ مشغول ہوتے ہیں، اسی لئے نبی علیہ السلام نے ڈھال پکڑی ہوئی تھی اور اس سے ابوطلحہ کا بچاؤ کر رہے تھے۔(۴)

اور حدیث سے متعلقہ دیگر تشریحات کتاب المغازی میں آئیں گی۔(۵)

---

(۱) کشف الباري (ج۳ص۴۰۸)۔

(۲) کشف الباري (ج۳ص۲۱۳)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص٤)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٩٤)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٨٤)۔

(٥) کشف الباري، کتاب المغازي (ص٢١٢و ٢٣١)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی مناسبت ترجمے کے ساتھ بالکل واضح ہےاور وہ حدیث کے ابتدائی جملے "كـان أبـو طـلـحة يتترس مع النبي صلى الله عليه وسلم بترس واحد" میں ہے۔(۱)

٢٧٤٧ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ سَهْلٍ(۲) قالَ : لَمَّا كُسِرَتْ بَيْضَةُ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى رَأْسِهِ ، وَأُدْمِيَ وَجْهُهُ ، وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ ، وَكانَ عَلِيٌّ يَخْتَلِفُ بِالمَاءِ فِي المِجَنِّ ، وَكانَتْ فاطِمَةُ تَغْسِلُهُ ، فَلَمَّا رَأَتِ الدَّمَ يَزِيدُ عَلَى المَاءِ كَثْرَةً ، عَمَدَتْ إِلَى حَصِيرٍ فَأَحْرَقَتْهَا ، وَأَلْصَقَتْهَا عَلَى جُرْحِهِ ، فَرَقَأَ الدَّمُ . [ر : ٢٤٠]

تراجم رجال

۱۔سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اکثر اپنے دادا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ان کے حالات "كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقهه ......" کےتحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۲۔یعقوب بن عبدالرحمٰن

یہ یعقوب بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۳۔ابوحازم

یہ مشہور زاہد، ابوحازم سلمۃ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٨٤)۔

(۲) قوله: "عن سهل" : الحديث، مر تخريجه في كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه۔

(۳) كشف الباري (ج٣ص٢٧٤)۔

(۴)ان کےحالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر۔

(۵)ان کےحالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه۔

۴۔ سہل

یہ مشہور صحابی، حضرت سہل بن سعد ساعدی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔(۱)

قال: لما كسرت بيضة النبي صلى الله عليه وسلم......

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود سر مبارک پر ٹوٹ گیا اور چہرۂ انور خون آلود ہوگیا اور آپ کے آگے کے دو دانت شہید ہوگئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں بھر بھر کر پانی لا رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زخم کو دھو رہی تھیں، جب انہوں نے دیکھا کہ خون، پانی سے بھی زیادہ ہوگیا ہے تو انہوں نے ایک چٹائی جلائی اور اس کی راکھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں پر لگا دیا، جس سے خون آنا بند ہوگیا۔

اس حدیث کی کچھ تفصیل چونکہ ''کتاب الوضوء'' (۲) میں اور کچھ تشریحات ''کتاب المغازی'' (۳) میں آچکی ہیں، اس لئے ہم نے یہاں فقط ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا عذاب

جیسا کہ آپ نے ابھی ملاحظہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دو دانت شہید ہوگئے تھے اور یہ غزوۂ احد کا واقعہ ہے، ان دانتوں کی شہادت یوں ہوئی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکا جس سے آپ کے دانت مبارک شہید اور ہونٹ زخمی ہوئے۔(۴)

چنانچہ اللہ عزوجل نے عتبہ کو اس کی گستاخی کی سزا یہ دی کہ اس واقعے کے بعد اس کی نسل میں جو بچہ بھی پیدا ہوا، اس کے نیچے کے دانت جڑ سے ٹوٹے ہوئے ہوتے اور یہ چیز اس کی نسل میں معروف ومشہور ہے۔(۵)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) كشف الباري، كتاب المغازي (ص۲٤۷)۔

(٤) إرشاد الساري (ج٥ص٩٥)۔

(٥) حوالہ بالا۔

اور عبداللہ بن قمیئہ نے حضور علیہ السلام پر حملہ کیا، جس سے خود کے دو آہنی حلقے رخِ مبارک میں گھس گئے۔ پھر اس نے متکبرانہ وگستاخانہ طور پر یہ الفاظ بھی کہے: "خذها وأنا ابن قميئة" کہ یہ لو اور میں قمیئہ کا بیٹا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: "أقمأك الله" کہ "اللہ تجھے ذلیل وخوار کردے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بددعا کا نتیجہ یوں ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] پر ایک پہاڑی بکرے کو مسلط فرمادیا، وہ بکرا اس کو مسلسل سینگ مارتا رہا، یہاں تک کہ اس نے ابن قمیئہ کے [illegible] ٹکڑے کردیئے۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت حدیث کے اس جملے میں ہے: "وكان علي يختلف بالماء في المجن"(۲) کہ اس میں مجن کا ذکر موجود ہے، جو ترجمہ کا پہلا جز ہے۔

۲۷۴۸ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ مالِكِ ٱبْنِ أَوْسِ بْنِ الحَدَثَانِ ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۳) قالَ : كانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفاءَ ٱللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ ، مِمَّا لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكابٍ ، فَكانَتْ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ خاصَّةً ، وَكانَ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِ ، ثُمَّ يَجْعَلُ ما بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ ، عُدَّةً فِي سَبِيلِ ٱللهِ . [۲۹۲۷ ، ۳۸۰۹ ، ٤٦۰۳ ، ٥۰٤۲ ، ٥۰٤۳ ، ٦۳٤۷ ، ٦۸۷٥]

تراجم رجال

ا۔ علی بن عبداللہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث، ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ "کتاب

---

(۱) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۸٤)، وسيرة ابن هشام (ج۳ص۸۷)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص۹٤)، وعمدة القاري (ج٤ص۱۸٤)۔

(۳) قوله: "عن عمر رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، رقم (۳۰۹٤)، وفي المغازي، باب حديث بني النضير....." رقم (٤۰۳۳)، وكتاب التفسير، سورة الحشر، باب قوله تعالى: ﴿ماأفاء =

العلم، باب الفهم في العلم" کے تحت گذر چکا ہے۔(١)

ایک اہم تنبیہ

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں رواۃ سند کا مختصر تعارف لکھا ہے وہاں علی بن عبداللہ کو مسندی قرار دیا ہے۔
(٢) حالانکہ علی بن عبداللہ سے مراد یہاں ابن المدینی ہیں، کیونکہ رجال بخاری میں علی بن عبداللہ نام کے کوئی راوی نہیں ہیں، جن کی نسبت المسندی ہو۔

٢۔سفیان

یہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" (٣) کی پہلی حدیث کے ضمن میں مختصراً اور "کتاب العلم، باب قول المحدث: أخبرنا ......" کے تحت تفصیلا گذر چکے ہیں۔(٤)

٣۔عمرو

یہ ابومحمد عمرو بن دینار مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(٥)

٤۔زہری

یہ امام ابوبکر محمد بن مسلم زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے۔(٦)

= الله على رسوله ﷺ، رقم (٤٨٨٥)، وكتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنة على أهله، ......، رقم (٥٣٥٧ و ٥٣٥٨)، وكتاب الفرائض، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لانورث ......، رقم (٦٧٢٨)، وكتاب الأعتصام، باب مايكره من التعمق والتنازع في العلم، والغلو في الدين والبدع، رقم (٧٣٠٥)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٥)، وأبو داود، أبواب الخراج والإمارة، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم من الأموال، رقم (٢٩٦٣- ٢٩٦٥)، والترمذي، أبواب السير، باب ماجاء في تركة رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (١٦١٠)، وأبواب الجهاد، باب ما جاء في الفيء، رقم (١٧١٩)، والنسائي، أول كتاب قسم الفيء، رقم (٤١٤٥) و(٤١٥٣)۔

(١) كشف الباري (ج٣ص٢٩٧)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١٨٥)۔

(٣) كشف الباري (ج١ص٢٣٨)۔

(٤) كشف الباري (ج٣ص١٠٢)۔

(٥) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب العلم والعظة بالليل۔

(٦) كشف الباري (ج١ص٣٢٦)۔

۵۔ مالک بن اوس بن الحدثان

یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مالک بن اوس بن الحدثان رضی اللہ عنہ ہیں۔(۱)

۶۔ عمر رضی اللہ عنہ

یہ ثانی الخلفاء، ابوحفص عمر بن الخطاب بن نفیل عدوی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب زیادة الإیمان ونقصانه" کے تحت آچکا ہے۔(۲)

قال: كانت أموال بني النضير ......

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنونضیر کے اموال کی حیثیت ایسی تھی جو اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں بغیر کسی جنگ کے دے دی تھی، اس کے حصول کے لئے مسلمانوں نے کوئی گھوڑا دوڑایا، نہ اس پر سواری کی، چنانچہ یہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نگرانی میں تھے، جن میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو سالانہ خرچہ دیتے اور جو باقی بچ رہتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں کی فراہمی کے لئے اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کے لئے بھی خرچ فرماتے۔

تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا ہے۔یہی حدیث مکمل تفصیل کے ساتھ کتاب المغازی میں آچکی ہے۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "ثم يجعل ما بقي في السلاح

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب البيوع، باب مايذكر في بيع الطعام والحكرة۔

(۲) كشف الباري (ج۲ ص۴۷٤)۔

(۳) كشف الباري، كتاب المغازي (ص۱۸٦ – ۱۹۱)۔

والکراع عدة في سبیل الله"(۱) کیونکہ مجن بھی اسلحے میں سے ہے۔

چنانچہ سعید بن منصور نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان کے پاس ایک ڈھال تھی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لو لا أن عمر قال لي: احبس سلاحك لأعطيت هذه الدرقة لبعض أولادي"۔ (۲) کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگر مجھ سے یہ نہ کہا ہوتا کہ اسلحہ اپنے پاس رکھو تو میں ضرور یہ ڈھال اپنی کسی اولاد کو دے دیتا۔" معلوم ہوا کہ مجن اسلحے میں داخل ہے۔

٢٧٤٩ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ سُفْيَانَ قالَ : حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ شَدَّادٍ ، عَنْ عَلِيٍّ .

حدّثنا قَبِيصَةُ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ ٱللهِ بْنُ شَدَّادٍ قالَ : سَمِعْتُ عَلِيًّا (۳) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يَقُولُ : ما رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُفَدِّي رَجُلاً بَعْدَ سَعْدٍ ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ : (ٱرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي) . [٣٨٣٢ ، ٣٨٣٣ ، ٥٨٣٠]

تراجم رجال

۱۔ قبیصہ

یہ ابو عامر قبیصہ بن عقبہ بن محمد السوائی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۴)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨٥)۔

(٢) فتح الباري (ج٦ ص٩٤)۔

(٣) قوله: "سمعت عليا رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب ﴿إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا ......﴾، رقم (٤٠٥٨، ٤٠٥٩)، وكتاب الأدب، باب قول الرجل: أبي وأمي، رقم (٦١٨٤)، ومسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، رقم (٦٢٣٣)، والترمذي، أبواب المناقب، باب: ارم فداك أبي وأمي، رقم (٣٧٥٣، ٣٧٥٥)، وأبواب الأدب، باب ما جاء في فداك أبي وأمي، رقم (٢٨٢٨، ٢٨٢٩)، وابن ماجه، كتاب السنة، باب في فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (١٢٩)۔

(٤) كشف الباري (ج٢ ص٢٧٥)۔

۲۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث، تبع تابعی ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب علامة المنافق" کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۱)

۳۔سعد بن ابراہیم

یہ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔عبداللہ بن شداد

یہ ابوالولید عبداللہ بن شداد بن ہاد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۵۔علی رضی اللہ عنہ

یہ رابع الخلفاء، ابوالحسن حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

حدثنا قبيصة حدثنا سفيان

حافظ ابونعیم اور مذکورہ سند

اس سند میں قبیصہ سے مراد ابن عقبہ اور سفیان سے ابن سعید الثوری رحمہما اللہ ہیں۔لیکن ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستخرج" میں یہ کہا ہے کہ یہاں قبیصہ کا لفظ مدونین بخاری کی طرف سے تصحیف ہے اور صحیح الفاظ "حدثنا قتيبة" ہیں۔

چنانچہ اس صورت میں سفیان سے ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ مراد ہوں گے، کیونکہ قتیبہ نے سفیان ثوری سے حدیث کا سماع نہیں کیا ہے۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۲۷۸)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب الرجل يوضيء صاحبه۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم۔

(۵) فتح الباري (ج٦ص٩٤)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٨٦)۔

گویا ابونعیم حدیث میں یہ علت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سفیان سے ثوری مراد ہیں اور قتیبہ کا سماع چونکہ ثوری سے ثابت نہیں، اس لئے یہ روایت معلل ہے۔(۱)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ابونعیم کے اس انکار کے کوئی معنی معلوم نہیں، کیونکہ اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ یہ حدیث سفیانین (ابن عیینہ وثوری رحمہما اللہ) سے مروی ہو۔ چناں چہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو "کتاب الأدب" (۲) میں "يحيى القطان عن سفيان الثوري" کے طریق سے نقل کیا ہے، پھر نسفی کے نسخے میں بھی یہی روایت ہمارے پیش نظر باب (۳) میں "عن مسدد عن يحيى عن سفيان" کے طریق سے مروی ہے۔(۴)

اب خلاصۂ بحث یہ ہوا چونکہ یہ حدیث حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے، اس لئے اس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ قبیصہ کی جگہ قتیبہ اور سفیان سے ابن عیینہ مراد لیا جائے، نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے کہ مدونین بخاری کی طرف غلطی کی نسبت کی جائے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی تشریح کتاب المغازي (۵) اور کتاب الأدب (۶) میں آچکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہاں باب کے تحت لانا غیر ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں نہ تو مجن کا ذکر ہے، نہ ہی مجن اور ترس کے ذریعے دشمن کے تیروں سے بچنے کا؟

پھر حافظ صاحب نے خود اس اشکال کا جواب بھی دیا کہ ابن شبویہ کے نسخے میں اس روایت سے پہلے

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۸٦)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول الرجل: أبي وأمي، رقم (٦١٨٤)۔

(۳) النكت الظراف على الأطراف (ج۷ص٤٠٩)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص٩٤)۔

(٥) كشف الباري، كتاب المغازي (ص٢٣٠)۔

(٦) كشف الباري، كتاب الأدب (ص٦٠٣-٦٠٥)۔

''باب''بغیر ترجمہ کا ذکر ہے، (ہمارے ہندوستانی نسخوں میں اسی طرح ہے) اور اس باب بلا ترجمہ کی مناسبت ماقبل کے باب سے بایں معنی ہے کہ تیرانداز اس امر سے مستغنی نہیں رہ سکتا کہ وہ دشمن کے تیروں سے بچنے کے لئے کسی چیز کا استعمال نہ کرے، اس لئے وہ کسی ایسی چیز کا استعمال کرتا ہے جو دشمن کے تیروں کو روک سکے۔(۱)

لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حافظ کا یہ قول تکلف وتعسف سے خالی نہیں، بہتر یہ ہے یوں کہا جائے کہ اس حدیث میں رمی کا ذکر ہے، اسی طرح گذشتہ باب کی پہلی حدیث میں بھی رمی کا ذکر تھا اور مناسبت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔(۲)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ گذشتہ باب کی پہلی حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تیراندازی کررہے تھے اور نبی علیہ السلام نے ڈھال پکڑ رکھی تھی تاکہ دونوں مخالفین کے تیروں سے محفوظ رہیں۔ اسی طرح یہاں بھی یہ آیا ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیراندازی کررہے تھے اور نبی علیہ السلام ان کو تیر اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے۔ (۳) ظاہری بات ہے یہ اسی لئے تھا کہ وہ دونوں دشمن کے تیروں سے محفوظ رہیں، کیونکہ جب اس طرف سے مسلسل تیراندازی ہوگی تو دوسری طرف والوں کو تیراندازی کا موقع نہیں ملے گا۔

۸۰ – باب : اَلدَّرَقِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈھال کے بارے میں بتلایا ہے کہ اس کا استعمال مشروع اور جائز ہے۔(۴)

لیکن اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ تو تکرار فی الترجمہ ہوا، کیونکہ باب سابق جو مجن اور ترس کے بارے میں تھا اس میں بھی مجن اور ترس کے معنی ڈھال ہی کے ہیں؟

---

(۱) فتح الباري (ج۶ص۹۴)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۸۶)۔

(۳) دیکھئے صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب ﴿إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا......﴾، رقم (۴۰۵۵)۔

(۴) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۸۶)، وفتح الباري (ج۶ص۹۵)۔

اس اعتراض کا ایک جواب تو یہ دیا جاسکتا ہے کہ مجن اور ترس کے معنی مطلقاً ڈھال کے ہیں، جب کہ درق اس ڈھال کو کہتے ہیں جو چمڑے کی بنی ہوئی ہو، اس میں لکڑی اور پٹھا نہ ہو۔ اب چونکہ معنوی فرق ہوگیا ہے اس لئے کوئی اعتراض نہیں رہا۔(۱)

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سابق باب میں ترجمۃ الباب سے مقصود "ومن يتترس بترس صاحبه" کا جملہ ہے، مجن کا ذکر مقصود نہیں، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب ہذا میں ڈھال کا بھی ذکر کردیا۔(۲)

لیکن جواب ثانی دل کو نہیں لگتا، کیونکہ یہ دعوی کہ مقصود ترجمے کا جزء ثانی ہے درست نہیں، اس لئے کہ سابق باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو احادیث ذکر کیں، ان میں سے بعض ترجمے کے جزء اول اور بعض جزء ثانی کے ساتھ منطبق تھیں، جیسا کہ ماقبل میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

پھر اگر اس دعوی کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ باب سابق میں ترجمے کا جزء ثانی مراد ہے تو اس میں بھی ترس یعنی ڈھال کا ذکر ہے، چنانچہ وہی تکرار فی الترجمہ کا اعتراض دوبارہ لوٹ آتا ہے۔

٢٧٥٠ : حدّثنا إسماعيلُ قالَ : حَدَّثَني ابْنُ وَهْبٍ : قالَ عَمْرٌو : حَدَّثَني أَبُو الْأَسْوَدِ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهَا(۳): دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ وَعِنْدِي جارِيَتانِ تُغَنِّيانِ بِغِناءِ بُعاثَ ، فَٱضْطَجَعَ عَلَى الْفِراشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ ، فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَٱنْتَهَرَنِي وَقالَ : مِزْمارَةُ الشَّيْطانِ عِنْدَ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ . فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ فَقالَ : (دَعْهُما) . فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُما فَخَرَجَتا . قالَتْ : وَكانَ يَوْمَ عِيدٍ ، يَلْعَبُ السُّودانُ بِٱلدَّرَقِ وَٱلْحِرابِ ، فَإِمَّا سَأَلْتُ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ ، وَإِمَّا قالَ : (تَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ) . فَقالَتْ : نَعَمْ ، فَأَقامَنِي وَراءَهُ ، خَدِّي عَلَى خَدِّهِ ، وَيَقُولُ : (دُونَكُمْ بَنِي أَرْفِدَةَ) . حَتَّى إِذا مَلِلْتُ ، قالَ : (حَسْبُكِ) . قُلْتُ : نَعَمْ ، قالَ : (فَٱذْهَبِي) . قالَ أَحْمَدُ ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ : فَلَمَّا غَفَلَ . [ر : ٤٤٣]

---

(۱) الأبواب والتراجم للكاندهلوي (ج١ص١٩٨)، قال العلامة طاهر الفتني رحمه الله: "وفي الدستور: الدرقة – بفتحتين-وقاف: الحجفة، وأراد بها الترس من جلود ليس فيه خشب ولا عصب"۔ (ج٢ص١٦٧)، مادة "درق"۔

(۲) الأبواب والتراجم (ج١٤ص١٩٨)۔

(۳) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، مر تخريجه في كتاب الصلاة، باب الحراب في المسجد، وكتاب العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد۔

تراجم رجال

۱۔اسماعیل

یہ اسماعیل بن ابی اویس بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱) ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۲۔ابن وھب

یہ مشہور امام حدیث ابو محمد عبداللہ بن وھب بن مسلم قرشی فہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين" کے تحت آچکا ہے۔(۳)

۳۔عمرو

یہ عمرو بن الحارث مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۴۔ابوالاسود

یہ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۵۔عروہ

یہ مشہور تابعی، حضرت ابوعبداللہ عروہ بن الزبیر قرشی اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب أحب الدين إلى الله أدومه" کے تحت آچکا ہے۔(۶)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٩٥)۔

(۲) كشف الباري (ج٢ص١١٣)۔

(۳) كشف الباري (ج٣ص٢٧٧)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام۔

(٦) كشف الباري (ج٢ص٤٣٦)۔

۶۔ عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحدیث الثاني" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

قالت: دخل عليَّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے تو دو لڑکیاں میرے پاس جنگ بعاث کے اشعار گا رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹ گئے اور چہرہ انور دوسری جانب کرلیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے مجھے جھڑکا کہ یہ شیطانی گانا، وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں! چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ انہیں گانے دو۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی توجہ ہٹ گئی تو میں نے دونوں لڑکیوں کو اشارہ کیا تو وہ چلی گئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں کہ عید کے دن حبشی لوگ ڈھال اور حراب کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یا خود آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا، میرا رخسار آپ کے رخسار کے قریب تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے اے بنی ارفدہ! خوب، بہت اچھا۔ یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس۔ میں نے کہا جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب جاؤ۔

تنبیہ

حدیث باب کی مکمل تشریح انشاء اللہ "کتاب الصلاة" (۲) و"کتاب العیدین" (۳) میں آئے گی۔

قال أحمد: "فلما غفل"۔

احمد سے مراد ابن صالح ہیں۔(۴)

(۱) كشف الباري (ج۱ ص۲۹۱)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الحراب في المسجد، رقم (٤٥٤)۔

(۳) صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد، رقم (٩٤٩)۔

(٤) فتح الباري (ج۲ ص٤٤٠)، حيث قال الحافظ رحمه اللّٰه: "وهو مقتضى إطلاق أبي علي بن السكن حيث قال: كل ما في البخاري: "حدثنا أحمد" غير منسوب، فهو ابن صالح"۔

تعلیق کا مقصد

اور مقصود اس تعلیق کا یہ ہے کہ احمد بن صالح کی روایت میں "فلما عمل" (جیسا کہ ہمارے ہندوستانی نسخوں میں ہے) کی بجائے "فلما غفل" ہے، دونوں صورتوں میں فاعل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔اور معنی بھی تقریبا قریب قریب ہے، چنانچہ "فلما عمل" کا مطلب تو یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی دوسری جانب مشغول ہوگئے اور "فلما غفل" کا مطلب ہے جب وہ غافل ہوئے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

امام بخاری نے اپنے شیخ احمد بن صالح کی اس تعلیق کو موصولا "کتاب العیدین" میں نقل فرمایا ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملے میں ہے: "وكان يوم عيد، يلعب السودان بالدرق والحراب ......"۔(۲)

فائدہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے معلوم ہوا کہ درق ان آلات حرب میں سے ہے، جن کا استعمال مجاہدین کو کرنا چاہئے اور اس کے ذریعہ دشمن کے اسلحے وغیرہ سے بچنا چاہئے اور نبی علیہ السلام کے اصحاب نے بھی ان آلات کو استعمال کیا ہے۔(۳)

ہمارے زمانے میں ڈھال وغیرہ کی جگہ بلٹ پروف جیکٹیں استعمال کی جاتی ہیں، جن پر گولی کا اثر نہیں ہوتا، چنانچہ سابقہ عہد میں ڈھال کا جو حکم تھا وہی آج کے زمانے میں بلٹ پروف جیکٹوں کا ہے۔

(۱) تغليق التعليق (ج۳: ٤٤٥)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨٧)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج٥ ص٩٨)۔

۸۱ – باب : الحَمَائِلِ وَتَعْلِيقِ السَّيْفِ بِالْعُنُقِ .

حمائل کے معنی

حمائل – بفتح الحاء والمیم– حِمالة اور حَميلة کی جمع ہے، جب کہ امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حمائل کا اس کے لفظ سے کوئی واحد (مفرد) نہیں ہے، بلکہ اس کا واحد محمل ہے۔(۱)

بہر حال اس کا مفرد حمالہ ہو حمیلہ، یا محمل، اس کے معنی پر تلے کے ہیں، اسے پیٹی بھی کہتے ہیں، جس میں تلوار لٹکاتے ہیں۔(۲)

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کا مقصد و فائدہ یہ ہے کہ تلواروں کو گلے میں لٹکانا چاہئے، برخلاف اس شخص کے جو اس بات کا قائل ہے کہ تلوار کو پر گلے میں لٹکایا نہ جائے، بلکہ سینہ پر باندھا جائے، لیکن ظاہر سی بات ہے کہ خواہ تلوار گلے میں لٹکائی جائے یا سینے پر باندھی جائے ایک ہی بات ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔(۳)

اور علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصود ان تراجم سے سلف صالحین کے طریقۂ کار کو بتلانا ہے، جو وہ ہتھیاروں کے سلسلے میں اختیار کرتے تھے۔ اور یہ بتلانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں میں کن کن ہتھیاروں کا استعمال ہوتا تھا، تاکہ وہ طیب نفس کا سبب بنے اور بدعت سے دوری کا باعث ہو۔(۴)

۲۷۵۱ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ (۵) قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ ، وَأَشْجَعَ النَّاسِ . وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ المَدِينَةِ لَيْلَةً . فَخَرَجُوا نَحْوَ الصَّوْتِ ، فَٱسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدِ ٱسْتَبْرَأَ الْخَبَرَ ، وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ ، وَفِي عُنُقِهِ السَّيْفُ ، وَهُوَ يَقُولُ : (لَمْ تُرَاعُوا ، لَمْ تُرَاعُوا) . ثُمَّ قالَ : (وَجَدْنَاهُ بَحْرًا) . أَوْ قالَ : (إِنَّهُ لَبَحْرٌ) . [ر : ۲٤۸٤]

---

(۲) حوالہ بالا، فتح الباري (ج٦ص٩٥)، ولسان العرب (ج١١ص١٧٨)، (مادة ح، م، ل)۔

(۳) القاموس الوحید (ص٣٧٨) مادة "حمل"۔

(۱) شرح ابن بطال (ج٥ص٩٩)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٩٥)۔

(۳) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس۔

تراجم رجال

ا۔سلیمان بن حرب

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب من كره أن يعود في الكفر......" کے تحت آچکا ہے۔(۱)

۲۔حماد بن زید

یہ حماد بن زید بن درہم ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی "كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا ......﴾" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۲)

۳۔ثابت

یہ مشہور تابعی، حضرت ابومحمد ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب العلم، باب القراءة والعرض على المحدث" کے تحت گذر چکا ہے۔(۳)

۴۔انس

یہ مشہور صحابی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت آچکے ہیں۔(۴)

تنبیہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث باب کی تشریح پیچھے کتاب الجہاد ہی میں مختلف مقامات میں گذر چکی ہے، البتہ بعض پہلی مرتبہ آنے والے جملوں کی تشریح وتوضیح یہاں ذکر کی جاتی ہے۔

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۱۰۵)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۲۱۹)۔

(۳) كشف الباري (ج۳ص۱۸۳)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص٤)۔

وقد استبرأ الخبر ……

درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خبر کی تحقیق کرآئے تھے۔

استبرأ کے معنی یہاں تحقیق وتفتیش کے ہیں۔(۱)

وهو يقول: لم تراعوا، لم تراعوا۔

اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے تم لوگ نہیں ڈرے، تم لوگ نہیں ڈرے۔

علامہ خطابی اوران کی اتباع کرتے ہوئے علامہ کرمانی اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ کلمہ "لم" یہاں "لا" ناہیہ کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ مت ڈرو۔ چنانچہ عرب کے لوگ کلمہ "لم" کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں کہ "لم" کو "لا" کی جگہ بولتے ہیں۔(۲)

لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لم تراعوا" میں سرے سے خوف کی نفی ہے اور اس جملے میں وہ مبالغہ پایا جاتا ہے جو "لا تراعوا" میں نہیں پایا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہی اور نفی میں فرق ہے، چنانچہ نہی اپنے موجب کے وجود کا متقاضی ہوتا ہے، برخلاف نفی کے کہ نفی میں اس کے موجب کے وجود کا ہونا ضروری نہیں۔(۳)

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملے "لم تراعوا" کا مطلب یہ ہوا کہ اے صحابہ کرام! تم خوف زدہ نہیں ہوئے۔ چنانچہ سرے سے خوف کی نفی ہوگئی۔

اور جو یہ کہا گیا ہے کہ اہل عرب کلمہ "لم" کو کلمہ "لا" ناہیہ کی جگہ بھی استعمال کرتے ہیں یہ اپنے موضع میں واقع نہیں ہے(۴)۔ یعنی یہ استعمال کہیں اور ہوتا ہو تو ہو، لیکن یہاں کلمہ "لم" کلمہ "لا" کی جگہ استعمال نہیں ہوا ہے، جیسا

---

(۱) شرح الكرماني (ج١٢ ص١٦٨)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨٧)۔

(۲) أعلام الحديث (ج٢ ص١٣٩٩)، وشرح الكرماني (ج١٢ ص١٦٩)، وعمدة القاري (ج١٤ ص٧٧)۔ قال العلامة الخطابي رحمه الله: "وقوله: "لم تراعوا" يريد: لا تخافوا، والعرب تتكلم بهذة الكلمة هكذا؛ تضع كلمة "لم" موضع "لا"۔ وقال (أبو عراش) الهذلي:

رفوني وقالوا: يا خالد لم ترعْ

وانظر لسان العرب مادة "ر، ف، أ" (ج١ ص٨٧)۔

(۳) نور الأنوار مبحث النهي (ص٦٣)۔

(۴) لامع الدراري (ج٧ ص٢٣٨)۔

کہ علامہ خطابی وغیرہ نے دعوی کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کو پسند فرمایا اور اسے راجح قرار دیا ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "وفي عنقه السيف" چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ تلوار کو گلے میں لٹکانا جائز ہے۔(۲)

لیکن اشکال یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں تو حمائل کا ذکر ہی نہیں ہے اور ترجمہ میں تو حمائل کا بھی ذکر ہے۔

تو جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ حمائل تلوار کا حصہ ہے اور تلوار کا ذکر کرنا حمائل کے موجود ہونے پر خود بخود دلالت کررہا ہے، اس لئے الگ سے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔(۳)

۸۲ - باب : حِلْيَةِ السُّيُوفِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

حِلية زیور کو کہتے ہیں خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمے سے یہ بتلانا ہے کہ تلوار میں سونا یا چاندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟(۴) لیکن اس مسئلے میں چونکہ اختلاف ہے، اس لئے تفصیل ہم آگے حدیث کی تشریح کے تحت ذکر کریں گے۔

---

(۱) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۳۸)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۸۷)، وفتح الباري (ج٦ص۹۵)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۸۷)۔

(٤) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۸۸)۔

٢٧٥٢ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ : أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قالَ : سَمِعْتُ سُلَيْمانَ بْنَ حَبِيبٍ قالَ : سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ[1] يَقُولُ : لَقَدْ فَتَحَ الْفُتُوحَ قَوْمٌ ، ما كانَتْ حِلْيَةُ سُيُوفِهِمِ الذَّهَبَ وَلَا الْفِضَّةَ ، إِنَّمَا كانَتْ حِلْيَتُهُمُ الْعَلَابِيَّ وَالآنُكَ وَالحَدِيدَ .

تراجم رجال

ا۔احمد بن محمد

یہ ابو العباس احمد بن محمد بن موسی المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۲۔عبداللہ

یہ امام عبداللہ بن مبارک الحنظلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" میں گذر چکا۔(۳)

۳۔الاوزاعی

یہ ابو عمرو عبدالرحمن بن عمرو بن ابی عمرو یحمد اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب العلم، باب الخروج في طلب العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

۴۔سلیمان بن حبیب

یہ امام قاضی سلیمان بن حبیب الحاربی الدارانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ابو ایوب،ابو بکر یا ابو ثابت ان کی کنیت ہے۔(۵)

یہ تیس سال تک مختلف خلفاء مثلاً عمر بن عبدالعزیز، یزید، ولید، ہشام بن عبدالملک بن مروان، ولید بن یزید بن عبدالملک وغیرہ کی طرف سے دمشق کے قاضی کے مرتبہ پر فائز رہے۔(٦)

---

(١) قوله: "سمعت أبا أمامة رضي الله عنه": الحديث أخرجه الإمام ابن ماجة غير الإمام البخاري في كتاب الجهاد، باب السلاح، رقم (٢٨٠٧)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب مايقع من النجاسات في السمن والماء۔

(٣) كشف الباري (ج١ص٤٦٢)۔

(٤) كشف الباري (ج٣ص٤٠٨)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج١١ص٣٨٢)، وسير أعلام النبلاء (ج٥ص٣٠٩)۔

(٦) حوالہ بالا۔

قاضی سلیمان بن حبیب حضرت ابوامامہ الباہلی، حضرت ابوہریرہ، حضرت معاویہ، حضرت انس رضی اللہ عنہم، عامر بن لُدین اشعری اور ولید بن عبادہ بن الصامت رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں امام زہری، عمر بن عبدالعزیز (یہ دونوں) ان کے اقران میں سے ہیں، عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی، عثمان بن ابی العاتکہ، ابوکعب، ایوب بن موسی السعدی، عبدالوہاب بن بخت وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۲)

امام عجلی اور امام نسائی رحمہما اللہ تعالی سے بھی ان کی توثیق مروی ہے۔(۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس، تابعي مستقيم"۔(۴)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام ابوداود اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالی نے بھی ان سے روایت لی ہے۔(۸) اور بخاری شریف میں ان سے مروی ایک ہی حدیث یعنی حدیث باب ہے۔(٦)

علامہ واقدی، ابن سعد، ابن حبان اور علی بن عبداللہ تمیمی رحمہم اللہ تعالی کے بقول ان کا انتقال ۱۲٦ھ میں ہوا۔ یہی صحیح بھی ہے۔(۷)

۵۔ابوامامہ

یہ مشہور صحابی حضرت ابوامامہ صُدَیّ–بضم المهملة الأولى وفتح الثانية وتشديد الياء–(۸) ابن عجلان الباہلی ہیں۔(۹)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۱۱ ص۳۸۳)۔

(۲) تاريخ عثمان الدارمي (ص۱۲۹)، رقم (٤٠٨)۔

(۳) تهذيب تاريخ ابن عساكر (ج٦ ص٢٤٨)۔

(٤) الكاشف (ج۱ ص٤٥٨)، رقم (٢٠٧٨)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج۱۱ ص٣٨٤)، وحوالہ بالا۔

(٦) فتح الباري (ج٦ ص٩٥)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨٨)۔

(٧) طبقات ابن سعد (ج٧ ص٤٥٦)، وتهذيب الكمال (ج١١ ص٣٨٤)۔

(٨) عمدة القاري (ج١٤ ص١٨٨)۔

(٩) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الحرث والمزارعة، باب مايحذر من عواقب الاشتغال بآلة الزرع ......۔

......يقول: لقد فتح الفتوح قوم ما كانت حلية سيوفهم الذهب والفضة۔

قاضی سلیمان بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ بے شک یہ تمام فتوحات ان لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے کیے ہیں، جن کی تلواروں کی زینت وآرائش سونے سے ہوئی تھی نہ چاندی سے۔

حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے ہاتھوں یہ بے شمار فتوحات انجام پائیں، ان کی تلواروں پر سونے کا کام ہوا تھا نہ چاندی کا، اس فرمان اور قول کا سبب ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے کہ اس روایت میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے:

"قال (أي سليمان بن حبيب): دخلنا على أبي أمامة: فرأى في سيوفنا شيئا من حلية فضة، فغضب، وقال: لقد فتح ......"۔(۱)

"قاضی سلیمان بن حبیب فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے ہاں داخل ہوئے تو انہوں نے ہماری تلواروں پر کچھ چاندی دیکھی، چنانچہ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا......"۔

امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو امامہ کے ہاں داخل ہونے کا یہ واقعہ حمص کا ہے۔(۲) طبرانی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی سلیمان بن حبیب کے ساتھ ان کے دیگر ہمراہیوں میں عبداللہ بن ابی زکریا اور مکحول رحمہما اللہ بھی تھے۔(۳)

إنما كانت حليتهم العلابي والآنك والحديث۔

بلکہ اونٹ کی گردن کا لمبا پٹھا، سیسہ (رانگ) اور لوہا ان کی تلواروں کے زیور تھے۔

مذکورہ جملے کا مطلب

مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے ہاتھوں یہ بڑی بڑی اور عظیم الشان

---

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب السلاح، رقم (۲۸۰۷)۔

(۲) فتح الباري (ج۱٤ص۹٥)۔

(۳) المعجم الكبير للطبراني (ج۸ص۱۰۰)، رقم (۷٤۹۳)۔

فتوحات انجام پائیں، اس عیش وعشرت میں نہیں تھے، جس میں آج تم لوگ مبتلا ہو، چنانچہ تمہاری تلواروں کی زینت اور زیور سونا اور چاندی ہے، جب کہ ان کی تلواروں کا زیور یہ معمولی چیزیں ہوا کرتی تھیں۔(۱)

لفظ "علابی" کی تحقیق

العلابی -بفتح العین المهملة وتخفیف اللام و کسر الباء الموحدة- (۲) عِلباء کی جمع ہے، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق گردن کے پٹھے کو کہتے ہیں اور ہر گردن میں دو علباء ہوتے ہیں اور اونٹ کے تمام پٹھوں میں یہ مضبوط تر ہوتا ہے۔(۳)

اب علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق العلابی سے یہاں اونٹ کی گردن کے پٹھے مراد ہیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوتا یہ تھا کہ اونٹ کی گردن کے پٹھے کو پہلے چیرا جاتا، پھر تلوار کی نیام کے نچلے اور اوپری حصے میں اسے باندھا اور لپیٹا جاتا اور اسے بطور زینت یا زیور کے اختیار کیا جاتا تھا۔(۴)

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی "المستخرج" میں جو روایت ہے، اس میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے علابی کی تفسیر ان الفاظ سے کی ہے "الجلود الخام التي لیست بمدبوغة" یعنی "وہ خام کھالیں جن کی دباغت نہیں کی گئی"۔(۵)

اور علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ علابی رصاص (سیسے) ہی کی ایک قسم ہے۔ لیکن حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ قزاز کی "شرح غریب الجامع" کے حوالہ سے یہ بتایا ہے کہ داؤدی کا یہ خیال غلط ہے۔(۶)

بہرحال اکثر اہل لغت نے اونٹ کی گردن کے پٹھے کو علابی قرار دیا ہے اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔(۷)

---

(۱) فیض الباري (ج۳ص۴۳۶)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱۴ص۱۸۸)، وفتح الباري (ج۶ص۹۶)۔

(۳) أعلام الحدیث (ج۲ص۱۴۰۰)، والقاموس الوحید (ص۱۱۱۳) مادة "علب"۔

(۴) شرح القسطلاني (ج۵ص۹۸)، وتعلیقات اللامع (ج۷ص۲۳۹)۔

(۵) حوالہ بالا، وفتح الباري (ج۶ص۹۶)، وعمدة القاري (ج۱۴ص۱۸۸)۔

(۶) فتح الباري (ج۶ص۹۶)۔

(۷) تاج العروس (ج۱ص۳۹۸) مادة "علب"۔

الآنك کی تحقیق

الآنك - بالمد وضم النون بعدها کاف - سیسے کو کہتے ہیں، یہ ایسا واحد (مفرد) لفظ ہے، جس کی کوئی جمع نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنك اسم جنس ہے اور اس کے ایک ٹکڑے کو آنکة کہتے ہیں۔ (۱)

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آنك خالص سیسے کو کہتے ہیں۔ (۲)

جب کہ علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آنک رانگ کو کہتے ہیں۔ (۳) اور رانگ ایک معدنی چیز ہے جس سے جڑائی اور قلعی کا کام لیا جاتا ہے۔ (۴)

اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ آنک قلعی سیسے کو کہتے ہیں اور القلَعة - بفتح اللام - ایک کان کا نام ہے، جس کی طرف عمدہ رانگ کو اہل عرب منسوب کرتے تھے۔ (۵)

تلوار پر سونا چاندی لگانے کا حکم

حضرات احناف وشوافع رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک تلوار پر سونا چاندی لگانے کا حکم یہ ہے کہ سونے کی تو قطعا اجازت نہیں ہے، البتہ چاندی بطور زینت استعمال کی جاسکتی ہے۔ (۶)

ان حضرات کی دلیل ابوداود ترمذی اور نسائی کی یہ روایت ہے: "كانت قبيعة سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم من فضة"۔ (۷) (اللفظ للنسائي)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص٩٦)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٨٨)، وشرح القسطلاني (ج٥ص٩٨)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٩٦)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٨٨)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) مصباح اللغات (ص ٦٨٤) مادة "قصد"۔

(۵) حوالہ بالا (ص٧٠٣) مادة "قلع"۔

(٦) المجموع شرح المهذب للنووي (ج٤ص٤٤٤)، وإعلاء السنن (ج١٧ص٣٢١)، كتاب الحظر والإباحة، وبذل المجهود (ج١٢ص٨٣)۔

(٧) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في السيف يحلّى، رقم (٢٥٨٣)، وسنن النسائي، كتاب الزينة، باب حلية السيف، رقم (٥٣٧٥)، والجامع للترمذي، أبواب الجهاد، باب ماجاء في السيوف وحليتها، رقم (١٦٩١)، والشمائل المحمدية للترمذي مع شرحه جمع الوسائل (ج١ص١٩٤)، باب ماجاء في صفة سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں قسم کی روایتیں مروی ہیں، ایک قول تو وہی صرف چاندی کے جواز کا ہے۔(۱) دوسرا قول یہ ہے کہ سونا بھی تلوار میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔(۲)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے دلائل اور ان کے جوابات

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سونے (ذہب) کے جواز پر مندرجہ ذیل احادیث وآثار سے استدلال کیا ہے۔

۱۔حضرت عثمان بن حنیف کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی تلوار کی کیل (میخ) سونے کی تھی۔(۳)

۲۔اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے پاس ایک تلوار تھی، جس کے ڈلے یا ٹکڑے سونے کے تھے۔(۴)

۳۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ مزیدۃ العصری سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے تو آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی لگی ہوئی تھی۔حدیث کے ایک راوی طالب بن جحیر کہتے ہیں: "فسألته عن الفضة، فقال: كانت قبيعة السيف فضة"۔کہ میں نے ان سے پھر چاندی کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تلوار کے قبضے کی گرہ چاندی کی تھی۔(۵)

لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حدیث مختلف وجوہ کی وجہ سے معلول ہے:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔اور ظاہر بات ہے کہ حدیث غریب ان صحیح احادیث مبارکہ کا معارضہ کیونکر کرسکتی ہے جن میں صراحت کے ساتھ ذہب کے استعمال کی مردوں کے لئے ممانعت وارد ہوئی ہے؟!

---

(۱) المغني لابن قدامة (ج۲ ص ۳۲۵)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) المغنی لابن قدامة (ج۲ ص ۳۲۵)، وإعلاء السنن (ج۱۷ ص ۳۲٤)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) الجامع للترمذي، أبواب الجهاد، باب ما جاء في السيوف وحليتها، رقم (١٦٩٠)، وقال الترمذي: "وهذا حديث حسن غريب" والشمائل المحمدية له مع جمع الوسائل (ج۱ ص ۱۹٤)، باب ماجاء في صفة سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جمع الوسائل شرح الشمائل میں لکھتے ہیں:

"لا يعارض هذا ما تقرر من حرمته بالذهب؛ لأن هذا الحديث ضعيف، ولا يصح الجواب بأن هذا قبل ورود النهي عن تحريم الذهب؛ لأن تحريمه كان قبل الفتح على ما نقل، ولعله على تقدير صحته أنه كانت فضته مموهة بالذهب،......، ويشير إليه حيث ما سأل الراوي عن الذهب. (لأنه كان عالما بحرمته وأنه لم يكن إلا تمويها)۔ (۱)

یعنی "یہ حدیث ذہب کے حرمت کی جو بات مقرر ہوگئی ہے اس کا معارضہ نہیں کرسکتی، اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور یہ جواب بھی درست نہیں ہوسکتا کہ یہ حدیث ذہب کی حرمت کی نہی وارد ہونے سے پہلے کی ہے، اس لئے کہ ذہب کی حرمت فتح مکہ سے پہلے کی ہے، جیسا کہ منقول ہے۔ اور اگر حدیث کی صحت تسلیم کر بھی لی جائے تو شاید تلوار کی چاندی پر سونا کا پانی چڑھا ہوا تھا، اس بات کی طرف راوی کا فعل بھی اشارہ کر رہا ہے کہ انہوں نے ذہب (سونا) کی بابت سوال نہیں کیا (بلکہ چاندی کے بارے سوال کیا اس لئے کہ راوی کو خود بھی حرمت ذہب کا علم تھا اور یہ کہ اس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا)"۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہود بن عبد اللہ ہیں، جن کو ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول قرار دیا ہے۔(۲)

اسی طرح علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هذا الحديث لا تقوم به حجة؛ إذ ليس له سند يعتد به"۔ (۳)

"یعنی اس حدیث سے حجت تام نہیں ہوسکتی، اس لئے اس حدیث کی سند اس درجے کی نہیں ہے کہ اس پر اعتبار و بھروسہ کیا جاسکے"۔

نیز دیگر بعض حضرات محدثین وائمہ رجال نے بھی اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس إسناده بالقوي"۔ (۴) اور ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هو عندي

---

(۱) المواهب اللدنية للبيجوري (ص۹٦)، وجمع الوسائل في شرح الشمائل (ج۱ص۱۹٤)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۱۱ص۷٤)۔

(۳) انظر كتاب الميسر في شرح مصابيح السنة (ج۳ص۸۹۰)، وجمع الوسائل (ج۱ص۱۹٤)۔

(٤) حواله بالا، والاستيعاب بهامش الإصابة (ج۳ص۵۲٦)۔

ضعیف لا حسن" اور ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هذا منكر" اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صدق ابن القطان"۔(۱)

حضرت عثمان بن حنیف کے بارے جو مروی ہے کہ ان کی تلوار کی میخ سونے کی تھی تو اس سے احناف کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولا بأس بمسامير الذهب والفضة"۔(۲)

جہاں تک تعلق ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کا کہ اس میں سونے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے تو اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس تلوار کو استعمال کرتے تھے تو یہ اثر تمویہ پر محمول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس تلوار کے مذکورہ ٹکڑوں پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔(۳)

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تلوار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس غنیمت میں آئی ہو اور انہوں نے اپنے پاس رکھ لی ہو اور اسے استعمال نہ کیا ہو اور یہ تو واضح ہے کہ مردوں کے لئے سونے چاندی کا استعمال منع ہے اس کا رکھنا منع نہیں۔ اور اس لئے اپنے پاس رکھ لی ہو کہ اللہ تعالی نے ان کو جن نعمتوں سے نوازا کہ ان کو مشرکین پر، ان کے اموال واسلحے پر غلبہ عطا فرمایا اس کا شکریہ ادا کیا جا سکے۔(۴)

تلوار میں زیور کا استعمال اور حدیث باب

حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے حدیث باب کے مضمون کے مطابق تلوار میں سونے چاندی کے زیورات استعمال کرنے پر تنقید فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے چاندی کے زیورات کا استعمال تلوار میں جائز نہیں ہے۔ جب کہ احناف وشوافع چاندی کو بطور زینت اختیار کرنے کو جائز کہتے ہیں؟

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے چاندی کو زیور کے طور پر استعمال کرنے کی نفی ہوتی ہو، چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اسی میں منہمک ہو گئے ہیں تو انہوں نے تنقید فرمائی، تا کہ لوگ اس قسم کے افعال سے اجتناب

---

(۱) انظر جمع الوسائل في شرح الشمائل وبهامشه شرح المناوي (ج۱ ص۱۹۴)۔

(۲) فتاوى قاضي خان بهامش الفتاوى العالمكيرية (الهندية) (ج۳ ص۴۱۳)۔

(۳) اعلاء السنن (ج۱۷ ص۳۲۴)۔

(۴) حوالہ بالا۔

برتیں۔ ورنہ خود بخاری شریف میں یہ روایت آئی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار چاندی سے مزین تھی (۱)، اسی طرح حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی آیا ہے کہ ان کی تلوار میں چاندی لگی ہوئی تھی۔ (۲)، یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ صحابہ کرام کی تلواریں سونا چاندی سے مزین نہیں ہوتی تھیں اغلب پر مبنی ہے اور اس میں جواز کی نفی نہیں ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا منشا یہی تھا کہ لوگ تلواروں کو مزین کرنے میں منہمک نہ ہوں اور اس بات کی تنبیہ کرنی تھی کہ فتح وکامرانی کا مدار اس پر نہیں کہ تلوار کو بہر حال مزین کیا جائے۔ (۳)

٨٣ – باب : مَنْ عَلَّقَ سَيْفَهُ بِالشَّجَرِ فِي السَّفَرِ عِنْدَ الْقَائِلَةِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا ہے کہ اگر فرصت اور فراغت کا وقت ہو، آدمی آرام اور قیلولہ کر رہا ہو، اس دوران اپنی تلوار کسی درخت یا کھونٹی وغیرہ پر لٹکا دے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ اس کی اصل سنت میں موجود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح درخت پر تلوار لٹکائی تھی۔

اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس ترجمے کا فائدہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت، اللہ پر ان کے توکل، صدق یقین کو بیان کیا جائے۔ (۴)

٢٧٥٣ : حدّثنا أَبُو الْيَمانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : حَدَّثَنِي سِنَانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيُّ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ جابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما أَخْبَرَ : أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ ، فَلَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَفَلَ مَعَهُ ، فَأَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيرِ الْعِضَاهِ ، فَنَزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ . فَنَزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تَحْتَ سَمُرَةٍ وَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ ، وَنِمْنَا نَوْمَةً ، فَإِذَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُونَا ، وَإِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ ، فَقَالَ : (إِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِي وَأَنَا نَائِمٌ ، فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلْتًا ، فَقَالَ : مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي ؟ فَقُلْتُ : اللّٰهُ – ثَلَاثًا) . وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ .

[٢٧٥٦ ، ٣٨٩٨ ، ٣٩٠٥ ، ٣٩٠٦ ، ٣٩٠٨]

(١) الصحيح للبخاري (ج٢ ص٥٦٦)، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل، رقم (٣٩٧٤)۔=

تراجم رجال

ا۔ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔شعیب

یہ ابو بشر شعیب بن ابی حمزۃ قرشی اموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "بدء الوحي" کی چھٹی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۱)

۳۔الزہری

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی اجمالا "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت آ چکے ہیں۔(۲)

۴۔سنان بن ابی سنان الدؤلی

یہ سنان بن ابوسنان یزید بن امیہ الدؤلی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

یہ حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت حسین بن علی بن ابی طالب، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور ابو واقد اللیثی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

= (۲) حوالہ بالا۔

(۳) إعلاء السنن (ج۱۷ ص۳۲۱)۔

(٤) الأبواب والتراجم (ج۱ ص۱۹۸)، وعمدة القاري (ج١٤ ص۱۸۹)۔

(٥) قوله: "جابر بن عبد الله رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الجهاد، باب تفرق الناس عن الإمام عند القائلة، والاستظلال بالشجر، رقم (۲۹۱۳)، وكتاب المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، رقم (٣٤، ٣٥، ٤١٣٦)، ومسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، رقم (١٩٤٩)، والنسائي في سننه، كتاب صلاة الخوف، رقم (١٥٥٣ و١٥٥٥)۔

(۱) كشف الباري (ج۱ ص٤٧٩، ٤٨٠)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ ص٣٢٦)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۲ ص١٥١)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨٩)۔

اوران سے زید بن اسلم اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔(۱)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مدني تابعي ثقة"۔(۲)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"۔(۳)

امام ابوحاتم ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے۔(۴)

امام بخاری کے علاوہ امام مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالی نے بھی ان سے روایات لی ہیں۔(۵)

یحیی بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیاسی سال کی عمر میں ۱۰۵ھ کو ان کا انتقال ہوا۔(۶)

رحمه الله رحمة واسعة

۵۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن

یہ مشہور تابعی محدث حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب صوم رمضان احتساباً من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۷)

۶۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں۔(۸)

أخبر أنه غزا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل نجد، فلما قفل ......

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو خبر دی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوے میں شریک تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپ کے ساتھ یہ بھی

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۱۵۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الكاشف للذهبي (ج۱ ص۴۶۸)، رقم (۲۱۵۶)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۱۵۲)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا، وطبقات ابن سعد (ج۵ ص۲۴۹)، والكاشف (ج۱ ص۴۶۸)۔

(۷) كشف الباري (ج۲ ص۳۲۳)۔

(۸) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين، من القبل والدبر۔

لوٹے۔تو قیلولہ کے وقت نے ان کو ایسی وادی میں پایا جس میں بڑے بڑے کانٹے دار درخت تھے،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں اترے اور لوگ بھی ان درختوں کے نیچے سایہ حاصل کرنے کی غرض سے پھیل گئے،خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور اپنی تلوار اس درخت سے لٹکا دی۔ہم سب سوئے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پکارا،ہم آئے تو دیکھا کہ ایک بدو آپ کے پاس تھا۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے میری ہی تلوار مجھ پر سونت لی تھی اور میں سویا ہوا تھا،جب بیدار ہوا تو ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی، اس نے کہا: مجھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ میں نے تین مرتبہ اللہ کہا تو تلوار بدو کے ہاتھ سے گر گئی اور آپ نے اس کو اٹھا لیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو کوئی سزا نہیں دی۔

تنبیہ

حدیث باب کی مکمل تشریح چونکہ کتاب المغازی (۱) میں آچکی ہے،اس لئے ہم نے یہاں صرف ترجمے پر اکتفا کیا ہے،البتہ بعض فوائد، جو حدیث باب سے مستنبط ہوتے ہیں،کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

حدیث باب سے مستنبط فوائد

۱۔درخت وغیرہ پر تلوار یا اسلحہ حفاظت کی غرض سے لٹکانا درست ہے اور یہ امر معمول بہ ہے۔چنانچہ سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔(۲)

۲۔رات کو اور قیلولے کے وقت امام اور سلطان کی حفاظت لوگوں پر واجب وضروری ہے اور اس بات کا خیال نہ رکھنا غلطی اور امر قبیح ہے۔(۳)

۳۔حدیث باب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و برداشت کا پتا چلتا ہے کہ باوصف اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعرابی سے فوراً بدلہ لینے کی قوت حاصل تھی،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا۔یہی طریقہ جہال کے ساتھ اختیار کیا جانا چاہئے۔(۴)

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي (ص۳۲۲-۳۲۶)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ص۱۰۰)۔

(۳) شرح ابن بطال (ج۵ص۱۰۱)۔

(۴) حوالہ بالا۔

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث باب کا واقعہ آیت کریمہ ﴿والله يعصمك من الناس﴾ (۱) کے نزول کا سبب بنا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كنا إذا نزلنا طلبنا للنبي صلى الله عليه وسلم أعظم شجرة وظلها، قال: فنزلنا تحت شجرة، فجاء رجل، وأخذ سيفه، فقال: يا محمد، من يمنعك مني؟ قال: الله، فأنزل الله: ﴿والله يعصمك من الناس﴾"۔ (۲)

"یعنی جب ہم کسی جگہ اترتے تو نبی علیہ السلام کے لئے کوئی بڑا درخت اور اس کا سایہ تلاش کرتے۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) ہم ایک درخت کے نیچے فروکش ہوئے تو ایک آدمی آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اٹھالی اور کہا اے محمد! مجھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ! چنانچہ اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿والله يعصمك من الناس﴾۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حراست وحفاظت کے سلسلے میں مفصل بحث پیچھے گذر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "فنزل تحت شجرة، وعلق بها سيفه" (۳) کہ اس سے معلوم ہوا کہ درخت پر تلوار لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

٨٤ – باب : لُبْسِ الْبَيْضَةِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

البیضۃ خود کو کہتے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سر پر خود پہننے کی مشروعیت اور جواز کو بتلایا ہے کہ

---

(۱) المائدة /٦٧۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۵ ص ۱۰۰)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص٦)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٨٩)۔

اس کا استعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ توکل علی اللہ کے خلاف نہیں ہے۔(۱)

٢٧٥٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ (۲): أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ جُرْحِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ ، فَقَالَ : جُرِحَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ ، وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ ، وَهُشِمَتِ الْبَيْضَةُ عَلَى رَأْسِهِ ، فَكَانَتْ فاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَغْسِلُ ٱلدَّمَ وَعَلِيٌّ يُمْسِكُ ، فَلَمَّا رَأَتْ أَنَّ ٱلدَّمَ لَا يَزِيدُ إِلَّا كَثْرَةً ، أَخَذَتْ حَصِيرًا فَأَحْرَقَتْهُ حَتَّى صَارَ رَمادًا ، ثُمَّ أَلْزَقَتْهُ ، فَاسْتَمْسَكَ ٱلدَّمُ . [ر : ٢٤٠]

تراجم رجال

۱۔عبداللہ بن مسلمہ

یہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن سلمہ بن قعنب قعنبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ اجمالاً "كتاب الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکا ہے۔(۳)

۲۔عبدالعزیز

یہ عبدالعزیز بن ابی حازم سلمۃ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۳۔ أبيه

"أب" سے مراد ابوحازم سلمہ بن دینار الاعرج المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۴۔سہل

یہ مشہور صحابی، حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۶)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٠)، ولامع الدراري (ج٧ص٢٤٠)۔

(۲) قوله: "عن سهل رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم ......

(۳) كشف الباري (ج٢ص٨٠)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد۔

(۵) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أبا الدم عن وجهه۔

(۶) حوالہ بالا۔

تنبیہ

حدیث باب کی تشریح پیچھے کتاب الوضوء (۱) میں اور کتاب المغازی (۲) اور کتاب الطب (۳) میں بھی آ چکی ہے۔ اور یہی حدیث ابھی ماقبل میں کچھ ابواب پہلے بھی گذری ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "وهشمت البيضة على رأسه" (۴) کہ وہ خود جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر تھا وہ ٹوٹ گیا۔ اس سے لبس بیضہ ثابت ہو گیا ہے جو کہ مدعا تھا۔

٨٥ - باب : مَنْ لَمْ يَرَ كَسْرَ السِّلَاحِ عِنْدَ المَوْتِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اہل جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں سے کوئی بہادر مر جاتا تو اس کے ہتھیاروں کو لوگ توڑ دیا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اب ان کو استعمال کرنے والا ہی باقی نہیں رہا تو یہ کیا رہیں گے اور کبھی کبھار مرنے والا خود وعدہ لے کر جاتا تھا کہ اس کا اسلحہ توڑ دیا جائے۔

تو اس کی تردید یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے کہ یہ اہل جاہلیت کا عمل و فعل ہے، اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں۔ (۵)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالباً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جعفر

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه۔

(٢) كشف الباري، كتاب المغازي (ص ٢٤٧)۔

(٣) كشف الباري، كتاب الطب (ص ٣٤)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٩٧)، وعمدة القاري (ج١٤ ص ١٩٠)۔

(٥) فيض الباري (ج٣ ص٤٣٦)، وفتح الباري (ج٦ ص٩٧)، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٩١)، وإرشاد الساري (ج٥ ص ١٠٠)۔

طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے واقعے کی طرف اشارہ کیا ہو، چنانچہ غزوہ موتہ میں جب وہ شہید ہونے لگے تو انہوں نے اپنے ہتھیاروں (نیزے وتلوار) کو توڑ دیا تھا اور اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں، تاکہ دشمن ان کو مال غنیمت کے طور پر ہتھیا نہ سکے۔

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ یہ حضرت جعفر کا ذاتی فعل اور ان کا اجتہاد تھا، باقی اس طرح ہتھیار نہیں توڑنے چاہئیں، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مال کا اتلاف جائز نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"ولعل المصنف لمح بذلك إلى ما نقل عنه أنه كسر رمحه عند الاصطدام حتى لا يغنمه العدو؛ أن لو قتل، وكسر جفن سيفه وضرب بسيفه حتى قتل؛ كما جاء نحو ذلك عن جعفر بن أبي طالب في غزوة مؤتة (١)، فأشار إلى أن هذا شيء فعله جعفر وغيره عن اجتهاد، والأصل عدم جواز إتلاف المال؛ لأنه يفعل شيئا محققا في أمرٍ غير محقق"۔ (٢)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

اوپر آپ نے دیگر شراح مثلاً حضرت کشمیری، حافظ صاحب، علامہ عینی وعلامہ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی رائے ترجمۃ الباب کے مقصد کے بارے میں ملاحظہ کی ہے۔

اور حضرت فقیہ النفس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری بات ترجمۃ الباب کے مقصد کے طور پر ارشاد فرمائی ہے، وہ یہ کہ اگر اسلحے وغیرہ توڑنے کا کوئی فائدہ ہو تو اسلحہ توڑنا جائز ہے، ورنہ وہ اسرافِ منہی عنہ میں داخل ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات حسرت آیات کے وقت اپنے اسلحے کو تلف اور ضائع نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ اس میں کوئی فائدہ نہیں تھا، ہاں! اگر اسلحے وغیرہ کو توڑنے میں کوئی متعدی منفعت ہو، مثلاً اسلحے کے دشمن کے ہاتھ لگنے کا اندیشہ ہو، یا اس کی وجہ سے اپنے آپ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، یا کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، مثلاً کوئی بچہ ہو یا مجنون کہ اس کے ہاتھ وہ اسلحہ لگ جائے تو اپنے کو ضرر پہنچائے گا، یا اسلحے کو اپنے پاس

(١) انظر سنن أبي داود، أبواب الجهاد، باب في الدابة تعرقب في الحرب، رقم (٢٥٧٣)، وقال أبوداود: "هذا الحديث ليس بالقوي"۔ والسيرة الحلبية (ج٣ص٦٧)۔

(٢) فتح الباري (ج٦ ص٩٧)، وانظر لتفصيل مباحث غزوة مؤتة: كشف الباري، كتاب المغازي (ص٧٧)۔

رکھنے سے تہمت یا برائی کا اندیشہ ہو، جیسا کہ ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہوا کہ جس کے ہاں سے بھی اسلحہ برآمد ہوتا اس کو حکومت ہند نقصان پہنچاتی تھی تو ان سب صورتوں میں اسلحہ توڑنا جائز ہے، کیونکہ یہ ساری صورتیں کسی نہ کسی فائدے کو متضمن ہیں۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔(۲)

٢٧٥٥ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الحَارِثِ (۳) قالَ : ما تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا سِلَاحَهُ ، وَبَغْلَةً بَيْضَاءَ ، وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً . [ر : ٢٥٨٨]

تراجم رجال

۱۔عمرو بن عباس

یہ ابوعثمان عمرو بن عباس البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۲۔عبدالرحمٰن

یہ عبدالرحمٰن بن حسان عنبری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

۳۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث، تبع تابعی ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

---

(۱) لامع الدراري (ج۷ص۲٤۱)۔

(۲) الأبواب والتراجم (ج۱ص۱۹۸)۔

(۳) قوله: "عن عمرو بن الحارث رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الوصايا، باب الوصايا۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) كشف الباري (ج۲ص۲۷۸)۔

۴۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب الصلاة من الإيمان" میں گذر چکا ہے۔(۱)

۵۔عمرو بن الحارث

یہ مشہور صحابی، ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عمرو بن الحارث ہیں۔(۲)

قال: ماترك النبي صلى الله عليه وسلم إلا سلاحه و بغلة بيضاء وعرضا۔

حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت اپنے اسلحے، ایک سفید خچر اور خیبر میں ایک زمین جس کو آپ نے صدقہ کر دیا تھا کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔

یہ حدیث "كتاب الوصايا" کے اوائل میں آچکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ اہل جاہلیت مرنے والے کے جو اسلحہ توڑ ڈالتے اور جانوروں کی کونچیں کاٹ ڈالتے تھے، اس فعل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کی اور جو کچھ آپ نے ترکے میں چھوڑا، اس کے متعلق کسی قسم کی کوئی وصیت نہ فرمائی، سوائے خیبر کی زمین کے، اس کو اللہ کے راستے میں صدقہ کردیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فعل سے ثابت ہوا کہ اگر واقعی اسلحہ توڑنے کی رسم درست ہوتی تو نبی علیہ السلام ضرور اس کی وصیت فرماتے۔

چنانچہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وخالف صلى الله عليه وسلم أهل الجاهلية فيما كانوا يوصون به من كسر السلاح، وعقر الدواب، وحرق المتاع، من ترك بغلته وسلاحه وأرضه من غير إيصاء في ذلك بشيء إلا صدقة في سبيل الله"۔(۳)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ ص۳۷۰)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الزكاة على الزوج والأيتام في الحجر۔

(۳) شرح القسطلاني (ج۵ ص۱۰۰)، وانظر أيضا شرح ابن بطال (ج۵ ص۱۰۲)، وعمدة القاري (ج۱٤ ص۱۹۱)۔

کسر سلاح سے ممانعت کی حکمت

شریعت اسلامیہ نے جو اسلحے وغیرہ کو تلف نہ کرنے اور نہ توڑنے کی بابت فرمایا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ اسلحہ وغیرہ مسلمانوں کے ذکر خیر کی بقا کا ذریعہ اور جن اعمال صالحہ کی بنیاد اس نے ڈالی اور جن خصال حمیدہ پر اس نے لوگوں کو ابھارا ہے ان کی زیادتی ونمو کا سبب ہے۔ برخلاف اہل جاہلیت کے، چنانچہ ان کے کسر سلاح کے فعل میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان کے اعمال منقطع اور ان کے آثار خیر ضائع ونا پید ہوں گے۔

چنانچہ علامہ ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي إبقاء السلاح عنوان للمسلم على إبقاء ذكره، واستمناء أعماله الحسنة التي سنها للناس، وعادته الجميلة التي حمل عليها العباد، بخلاف أهل الجاهلية؛ ففي فعلهم ذلك إشارة إلى انقطاع أعمالهم وذهاب آثارهم"۔ (۲)

٨٦ – باب: تَفَرُّقِ النَّاسِ عَنِ الْإِمامِ عِنْدَ الْقَائِلَةِ وَالِاسْتِظْلَالِ بِالشَّجَرِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بتلایا ہے کہ مجاہدین اسلام اگر جہاد کا وقت نہ ہو اور وقت فارغ ہو تو وہ اِدھر اُدھر ستانے کے لئے منتشر ہو جائیں، جب کہ اچانک حملہ وغیرہ کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شراح میں سے کسی نے بھی اس ترجمے کے مقصد وغرض کی طرف توجہ نہیں دی ہے اور میرے نزدیک سب سے بہتر توجیہ یہاں یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعے اس وہم کے دفعیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو سنن ابو داود کی روایت سے پیدا ہوتا ہے۔ (۲)

چنانچہ ابو داود میں حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

---

(١) شرح القسطلاني (ج٥ص ١٠٠)، وتعليقات لامع الدراري (ج٧ص٢٤٢)۔

(٢) الأبواب والتراجم (ج١ ص١٩٨)۔

"كان الناس إذا نزلوا منزلا - وقال عمرو: وكان الناس إذا نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم منزلا - تفرقوا في الشعاب والأودية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن تفرقكم في هذه الشعاب والأودية إنما ذلكم من الشيطان" ولم ينزل بعد ذلك منزلا إلا انضم بعضهم إلى بعض حتى يقال: لو يبسط عليهم ثوب لعمّهم"۔ (١)

"یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی منزل پر اترتے اور امام ابوداود کے شیخ عمرو فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی منزل پر اترتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھاٹیوں اور وادیوں میں پھیل جاتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کا ان گھاٹیوں اور وادیوں میں پھیل جانا بے شک شیطان کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی منزل پر پڑاؤ ڈالتے تو سب لوگ آپس میں مل جاتے، یہاں تک کہ کہا جاتا کہ اگر ایک کپڑا ان سب پر پھیلا دیا جائے تو وہ کپڑا ان سب کو ڈھانپ لے"۔

چنانچہ اس روایت سے تو معلوم یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کا فراغت کے وقت ادھر ادھر منتشر ہونا اور پھیل جانا جائز نہیں ہے۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں روایت باب کو ذکر کر کے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔

ایک تعارض اور اس کا حل

آپ نے ابھی ملاحظہ کیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو اس کے قائل ہیں کہ لشکر کا فرصت کے وقت آرام کی غرض سے ادھر ادھر منتشر ہونا جائز ہے اور امام ابوداود اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ اب صحیح بخاری اور سنن ابی داود کے تراجم باب میں تعارض واقع ہو رہا ہے، حتی کہ دونوں کی روایتیں بھی باہم متعارض ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جواز کی طرف اشارہ کر رہی ہے تو سنن ابی داود کی روایت میں ممانعت ہے۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا محمل الگ الگ ہے، ابوداود شریف کی روایت، جس میں ادھر ادھر منتشر ہونے کی ممانعت ہے، کا تعلق کسی جگہ اترنے کے ابتدائی اوقات سے ہے، مطلب یہ ہے کہ کہیں جب لشکری پڑاؤ ڈالیں تو فوراً ادھر ادھر نہ ہونا چاہئے، بلکہ قریب ہی رہنا چاہئے کہ سلطان یا قائد کو نگرانی اور مشورے

---

(١) سنن أبي داود، أبواب الجهاد، باب ما يؤمر من انضمام العسكر وسعته، رقم (٢٦٢٨)۔

میں دشواری پیش نہ ہو۔

جہاں تک پھیل جانے اور منتشر ہوجانے کی اجازت کا تعلق ہے جیسا کہ روایت باب اس پر واضح دلالت کر رہی ہے تو اس کا تعلق پڑاؤ ڈالنے کے بعد کے اوقات سے ہے، مثلاً قیلولہ یا دیگر حاجات کے لئے ایک ہی وقت تمام لوگ مشغول ہوجائیں۔ غالبًا اسی کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اشارہ فرمایا ہے کہ ترجمے میں یہ الفاظ بھی ہیں: عند القائلة والاستظلال بالشجر۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ تعارض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فيمكن أن يجاب عنه بأن المنع عن التفرق إنما هو عند ابتداء النزول لمصالح تقضيه؛ كأن يكون جميع العسكر بمرأى من الإمام؛ ليراقبهم ويشاورهم ونحو ذلك من الفوائد، وأما جواز التفرق؛ فالمراد به التفرق بعد النزول مجتمعا في وقت آخر للقيلولة وغيرها من الحاجات، ولعل الإمام البخاري إليه أشار بقوله في الترجمة: عندالقائلة والاستظلال بالشجر"۔ (۱)

جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ سنن ابوداود کی روایت کا تعلق کسی جگہ پر اترنے کے فورا بعد سے ہے اور روایت باب میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ بعد کے اوقات کا ہے۔

۲۷۵٦ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : حَدَّثَنَا سِنَانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ وَأَبُو سَلَمَةَ : أَنَّ جابِرًا أَخْبَرَهُ .

حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ : أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ ، عَنْ سِنَانِ بْنِ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيِّ : أَنَّ جابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ (۲) : أَنَّهُ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَأَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيرِ الْعِضَاهِ ، فَتَفَرَّقَ النَّاسُ فِي الْعِضَاهِ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ ، ثُمَّ نَامَ ، فَاسْتَيْقَظَ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ بِهِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ سَيْفِي ، فَقَالَ : مَنْ يَمْنَعُكَ ؟ قُلْتُ : اللهُ ، فَشَامَ السَّيْفَ ، فَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ) . ثُمَّ لَمْ يُعَاقِبْهُ . [ر : ۲۷۵۳]

(۱) الأبواب والتراجم (ج۱ ص۱۹۸)۔

(۲) قوله: "أن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما": الحديث، مر تخريجه آنفا قبل بابين۔

تنبیہ

حدیث باب کو یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، ایک تو بعینہ وہی سند ہے جو ابھی "باب من علق سیفه بالشجر ......" کے تحت گذری۔ دوسری سند میں بھی صرف دو ایسے افراد ہیں جو پہلی سند میں نہیں ہیں ایک موسی بن اسماعیل، دوسرے ابراہیم بن سعد۔

موسی بن اسماعیل سے مراد تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث میں گذر چکے ہیں۔(۱)

اور ابراہیم بن سعد سے مراد ابواسحاق ابن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب تفاضل أهل الإیمان فی الأعمال" میں گذر چکا ہے۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے جو اس جملے میں ہے: "فتفرق الناس في العضاه یستظلون بالشجر"۔(۳)

۸۷ – باب : ما قِيلَ في الرِّماحِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں رماح کے استعمال اور اسے اپنے ساتھ رکھنے کی فضیلت بیان کر رہے ہیں۔(۴)

اور حضرت فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا

(۱) کشف الباري (ج۱ص۴۳۳)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۱۰۷)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۱)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص۹۸)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۱)، وشرح ابن بطال (ج٥ص۱۰۳)۔

مقصد یہ بیان کرنا ہو کہ نیزے کا استعمال اور اسے رکھنا جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے کما مر قوله في لبس البيضة۔ (۱)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں، ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی، دوسری حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا موقف حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے تو درست ہوسکتا ہے، لیکن حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہیں، کیونکہ اس میں فضیلت وغیرہ کا سرے سے کوئی ذکر ہے، نہ اس پر کوئی دلالت ہے۔ اس لئے بہتر توجیہ یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ مقصود بیان جواز ہے، نہ کہ بیان فضیلت۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"قال الحافظ: ((باب ما قيل في الرماح)) أي في اتخاذها واستعمالها من الفضل، وهكذا قال العيني وغيره، فحملوا الترجمة على الفضل، لكنه لايظهر إلا من حديث واحد......"۔ (۲)

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (جُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي ، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي) .

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا رزق میرے نیزے کے سایے کے نیچے مقرر کیا گیا ہے اور جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اس پر ذلت ورسوائی مقرر کی گئی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ تعلیق کی تخریج

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں (۳) اور حافظ ابوبکر

(۱) لامع الدراري (ج۷ص۲٤۲)۔

(۲) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲٤۲)، والأبواب والتراجم (ج۱ص۱۹۸)۔

(۳) مسند الإمام أحمد (ج۲ص۵۰)۔

بن ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' (۱) میں موصولاً نقل فرمایا ہے۔ (۲)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ایک حصے کو تعلیقاً نقل کیا ہے، جب کہ پوری حدیث اس طرح ہے:

"قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: بعثت بين يدي الساعة بالسيف حتى يعبد اللّٰه وحده لا شريك له، وجعل رزقي تحت ظل رمحي، وجعل الذلة والصغار على من خالف أمري، ومن تشبه بقوم فهو منهم"۔ (۳)

اور امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کے صرف آخری حصے یعنی "ومن تشبه بقوم فهو منهم" کو موصولاً نقل کیا ہے۔ (۴)

مذکورہ تعلیق کی تشریح ومطلب

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تعلیق دو جملوں پر مشتمل ہے: ۱۔ جعل رزقي تحت ظل رمحي۔ ۲۔ وجعل الذلة والصغار على من خالف أمري۔

پہلے جملے میں مختلف امور کی طرف اشارہ ہے مثلاً اس میں نیزے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بتلایا گیا ہے کہ غنائم کی حلت اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ مسلم شریف وجامع ترمذی (۵) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وأحلت لي الغنائم ......"۔

نیز یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رزق نیزے سے وابستہ کیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے افضل ترین کمائی غنیمت کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ''شرح المواہب'' میں ہے:

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة (ج٤ص٢٢٢)، كتاب الجهاد، باب ماذكر في فضل الجهاد، رقم (١٩٤٣٠)۔

(۲) تغليق التعليق (ج٣ص٤٤٥)۔

(۳) مسند الإمام أحمد (ج٢ص٥٠)۔

(٤) سنن أبي داود، أبواب اللباس، باب في لبس الشهرة، رقم (٤٠٣١)۔

(٥) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم (١١٦٧)، والترمذي في جامعه، أبواب السير، باب ما جاء في الغنيمة، رقم (١٥٥٣)۔

"أفضله (أي الكسب) الجهاد، ثم التجارة، ثم الحراثة، ثم الصناعة"۔(۱)

صرف نیزے کوذکر کرنے میں حکمت

پھر آپ یہاں دیکھ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نیزے کا ذکر فرمایا ہے کہ اس کے نیچے میرا رزق مقرر کا کیا گیا ہے، دیگر آلات حرب مثلاً تلوار وغیرہ کے متعلق نہیں فرمایا کہ میرا رزق اس کے نیچے مقرر کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی معروف عادت تھی کہ وہ نیزے کی انی میں جنگی جھنڈے لگایا کرتے تھے۔ چونکہ نیزے پر جھنڈا لگانے سے اس کا سایہ پھیل جاتا ہے تو اس لئے رزق کی نسبت اس کی طرف کرنا زیادہ مناسب ہوا۔ کیونکہ جہاد کی وجہ سے حاصل کردہ مال (غنیمت) بھی زیادہ ہوتا ہے۔(۲)

البتہ ایک حدیث جو حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں تلوار کے سائے کا بھی ذکر ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "الجنة تحت ظلال السيوف"۔(۳) چنانچہ رزق کی نسبت تو نیزے کے سائے کی طرف کی گئی، جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ نیزے سے مراد جھنڈا ہے، جب کہ جنت کی نسبت تلوار کے سائے کی طرف کی گئی ہے۔ کیونکہ شہادت کا سبب اکثر تلوار ہی بنتی ہے۔(۴)

تعلیق کے دوسرے جملے کی تشریح

تعلیق ابن عمر رضی اللہ عنہما کا دوسرا جملہ "وجعل الذلة والصغار على من خالف أمري" ہے، صغار کے معنی جزیہ کی ادائیگی کے ہیں۔(۵)

اور مطلب یہ ہے کہ جو میرے لائے ہوئے احکامات کو نہیں مانے گا، ان سے اعراض اور روگردانی کرے گا، اس پر ذلت مسلط کردی جائے گی اور اس پر جزیے کی ادائیگی لازم ہوجائے گی۔

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص٩٨)، والدر المختار (ج٥ ص٣٢٨)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص٩٨)۔

(۳) الحديث أخرجه البخاري، كتاب الجهاد، باب الجنة تحت بارقة السيوف، رقم (٢٨١٨)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ ص٩٨)۔

(۵) حوالہ بالا، وعمدة القاري (ج١٤ ص١٩٢)، وشرح القسطلاني (ج٥ ص١٠٠)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا تعلیق کی مناسبت ترجمۃ کے ساتھ اس جملے میں ہے "جعل رزقي تحت ظل رمحي" خواہ فضیلت رماح کی مراد لی جائے یا جواز کما مر الآن في غرض ترجمة الباب۔

٢٧٥٧ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(١) : أَنَّهُ كانَ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، حَتَّى إِذَا كانَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ ، تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِينَ ، وَهْوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ ، فَرَأَى حِمَارًا وَحْشِيًّا ، فَٱسْتَوَى عَلَى فَرَسِهِ . فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا . فَسَأَلَهُمْ رُمْحَهُ فَأَبَوْا . فَأَخَذَهُ ثُمَّ شَدَّ عَلَى ٱلْحِمَارِ فَقَتَلَهُ ، فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبَى بَعْضٌ ، فَلَمَّا أَدْرَكُوا رَسُولَ ٱللهِ ﷺ سَأَلُوهُ عَنْ ذٰلِكَ ، قالَ : (إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا ٱللهُ) .

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ : فِي ٱلْحِمَارِ الْوَحْشِيِّ ، مِثْلُ حَدِيثِ أَبِي النَّضْرِ ، قالَ : (هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ) . [ر : ١٧٢٥]

تراجم رجال

۱۔ عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔ مالک

یہ امام مالک بن انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث میں آچکا ہے۔ (۲)

---

(١) قوله: "عن أبي قتادة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب جزاء الصيد، باب إذا صاد الحلال فأهدى......۔

(٢) كشف الباري (ج١ ص ٢٨٩، ٢٩٠) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مزید حالات کے لئے دیکھئے، كشف الباري (ج٢ ص ٨٠)۔

٣۔ ابوالنضر

یہ ابوالنضر سالم بن ابی امیہ مولی عمر بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(١)

۴۔ نافع

یہ ابومحمد نافع بن عباس مولی ابی قتادہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(٢)

۵۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت ابوقتادہ حارث بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔(٣)

اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث باب کی تشریح کتاب جزاء الصید (۴)، نیز کتاب الذبائح والصید (۵) میں گذر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما نے تو یہ فرمایا ہے کہ حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت "فسألهم رمحه فأبوا" میں ہے(٦)۔ لیکن جیسا کہ ہم ابتدائے باب میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بیان کر آئے ہیں کہ ان دو حضرات نے ترجمۃ الباب کا جو مقصد بیان کیا ہے، اس کے اعتبار سے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت صحیح نہیں بیٹھتی۔

البتہ اگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو مدنظر رکھا جائے تو ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت بالکل واضح ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نیزے کے استعمال کے جواز کو بتلایا ہے، جو حدیث سے واضح ہے۔

---

(١) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین۔

(٢) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب جزاء الصید، باب: لا یعین المحرم الحلال في قتل الصید۔

(٣) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب النهي عن الاستنجاء بالیمین۔

(٤) صحیح البخاري، کتاب جزاء الصید، باب إذا صاد الحلال فأهدی للمحرم الصید أکله۔

(٥) کشف الباري، کتاب الذبائح والصید (ص٢٤٢)۔

[illegible] (ج٦ص٩٩)، وعمدة القاري (ج ١٣ ص١٩٢)۔

وعن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار عن أبي قتادة في الحمار الوحشي مثل حديث أبي النضر قال: "هل معكم من لحمه شيء"۔

مذکوہ بالا تعلیق کی تخریج

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق کو موصولا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الذبائح" (۱) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحج (۲) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں کتاب الحج (۳) میں ذکر فرمایا ہے۔(۴)

۸۸ - باب: ما قِيلَ في دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْقَمِيصِ فِي الحَرْبِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمۃ الباب دو اجزاء پر مشتمل ہے، ایک تو ماقيل في درع النبي صلى الله عليه وسلم ہے اور دوسرا والقميص في الحرب ہے۔

حافظ صاحب، علامہ عینی اور ان کی اتباع میں علامہ قسطلانی اور محشی بخاری حضرت سہارنپوری رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ پہلے جزء کا مقصد تو یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ کی جوزرہ تھی وہ کس چیز کی بنی ہوئی تھی۔(۵)

اور دوسرے جزء کا مقصد جنگ میں قمیص اور اس کے پہننے کا حکم بیان کرنا ہے، ظاہری بات ہے کہ یہ جائز ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الذبائح والصيد، باب ماجاء في الصيد، رقم(٥٤٩١)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب تحريم الصيد......، رقم (٢٨٥٣)۔

(۳) مؤطا الإمام مالك، كتاب الحج، باب مايجوز للمحرم أكله من الصيد، رقم (٧٨)۔

(٤) تغليق التعليق (ج٢ص٤٤٦)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٩٢)۔

(٥) فتح الباري (ج٦ص٩٩)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٩٢)، وإرشاد الساري (ج٥ص١٠١)، وحاشية السهارنفوري على البخاري (ج١ص٤٠٨)۔

لیکن ان حضراتِ علماء کا بیان کردہ مقصدِ ترجمہ بقول حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ اشکال سے خالی نہیں، کیونکہ اس بات کا ذکر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کس چیز کی تھی اس کا پہلی روایت میں سرے سے کوئی ذکر نہیں ہے، اس لئے ان کے اس قول کی وجہ نہیں معلوم۔ البتہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ زرہ لوہے کی تھی تو دوسری روایات کو اس پر محمول کیا جائے گا، اور یہ کہا جائے گا، کہ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں نبی علیہ السلام کی زرہ کا لوہے سے بنا ہونا مذکور ہے تو دیگر روایات باب جن میں درع کا لفظ آیا ہے وہاں بھی لوہے کی زرہ مراد ہوگی۔

اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ذکر کرنا ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس زرہ تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الظاهر أن المراد بذلك إثبات أن النبي صلى الله عليه وسلم كان له درع، وبذلك تنطبق الروايات، و ما قال المحشي: إن المقصود بيان أن درعه مم كانت؟ فلا يدرى وجهه؛ إذ لا يناسبه الرواية الأولى، إلا أن يقال: إثبات أنها كانت من حديث يكفي ولو في رواية، ثم تحمل بقية الروايات عليه، وإن لم تذكر فيها مم كانت؟۔" (۱)

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ باب کی تمام روایات کو دیکھنے کے بعد یہی بات متعین معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زرہیں تھیں اور ان کا استعمال خلافِ توکل نہیں ہے۔ (۲)

اور آپ ترجمۃ الباب کے مقصد میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو زرہ اپنے پاس رکھنی چاہیئے، تاکہ میدان جنگ میں وہ کام آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کمال توکل کے باوصف زرہ کو استعمال کیا ہے تو ہمیں بھی آپ کی سنت کی اتباع کرنی چاہیئے۔

وَقالَ النَّبِيُّ ﷺ: (أَمَّا خالِدٌ فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ في سَبِيلِ اللهِ). [ر: ۱۳۹۹]

(۱) لامع الدراري (ج۷ص۲٤۲)۔

(۲) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲٤۲)۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رہے خالد تو انہوں نے اپنی زرہیں اللہ کے راستے میں وقف کر رکھی ہیں۔

مذکورہ بالا تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جو تعلیق ذکر کی ہے، یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً ''کتاب الزکاۃ'' میں ذکر فرمایا ہے۔

ان کے علاوہ اصحاب ستہ میں سے امام مسلم، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ تعالی نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق کو کتاب الزکاۃ ہی میں موصولاً نقل فرمایا ہے۔(۱)

تعلیق مذکور کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد

مصنف علیہ الرحمۃ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا تعلیق یہاں ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جیسے زرہ زیب تن فرمائی ہے، اسی طرح زرہ کا ذکر بھی اپنی زبان مبارک سے کیا ہے اور اس کی نسبت اپنے بعض بہادر صحابہ کرام کی طرف کی ہے مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ زرہ کا پہننا مشروع ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔(۲)

٢٧٥٨ : حدَّثني محمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حدَّثنا عَبْدُ الْوَهَّابِ : حدَّثنا خالِدٌ ، عَنْ عِكْرِمَةَ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ[۳] رَضِيَ اللهُ عَنْهُما قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ وهُوَ في قُبَّةٍ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ . اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ) . فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ فَقالَ : حَسْبُكَ يا رَسُولَ اللهِ . فَقَدْ أَلْحَحْتَ عَلَى رَبِّكَ . وَهُوَ فِي الدِّرْعِ . فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ : «سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ

---

(۱) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى: ﴿وفي الرقاب والغارمين﴾، رقم (١٤٦٨)، وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب في تقديم الزكاة ومنعها، رقم (٢٢٧٧)، وسنن أبي داود، أبواب الزكاة، باب في تعجيل الزكاة، رقم (١٦٢٣)، وسنن النسائي، كتاب الزكاة، باب إعطاء السيد المال بغير اختيار المصدق، رقم (٢٤٦٦)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص٩٩)۔

(۳) قوله: "عن ابن عباس رضي الله عنهما": الحديث أخرجه البخاري أيضا، كتاب المغازي، باب قول الله تعالى: ﴿إذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم أني ممدكم بألف من الملائكة......﴾، رقم (٣٩٥٣)، وكتاب التفسير، باب قوله: ﴿سيهزم الجمع﴾، رقم (٤٨٧٥)، وباب قوله: ﴿بل الساعة موعدهم والساعة أدهى وأمر﴾، رقم (٤٨٧٧)۔

اَلدُّبُرَ . بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ » . وَقَالَ وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا خَالِدٌ : يَوْمَ بَدْرٍ .
[٣٧٣٧ ، ٤٥٩٤ ، ٤٥٩٦]

تراجم رجال

۱۔محمد بن المثنی

یہ ابوموسی محمد بن المثنی بن عبید عنزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔عبدالوہاب

یہ ابومحمد عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دوحضرات کا تذکرۂ اجمالی "كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان" میں آچکا ہے۔(۱)

۳۔خالد

یہ مشہور محدث ابوالمنازل خالد بن مہران حذاء بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴۔عکرمہ

یہ مشہور امام حدیث وتفسیر ابوعبداللہ عکرمہ مولی ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "اللهم علمه الكتاب" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

۵۔ابن عباس

یہ مشہور صحابی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں اور "كتاب الإيمان، باب كفران العشير......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۲۵ و ۲۶)۔

(۲) كشف الباري (ج۳ص۳۶۱- ۳۷۰)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص۴۳۵)، و(ج۲ص۲۰۵)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ ایک قبے کے اندر تھے فرمایا: اے اللہ! آپ نے جو وعدہ اور عہد کیا ہے میں آپ سے اس کے پورا ہونے کی درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ! اگر آپ چاہیں کہ زمین میں آج کے بعد آپ کی عبادت نہ ہو (تو پھر ٹھیک ہے کہ یہ تھوڑے سے مسلمان بھی ختم ہو جائیں)۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ! اسی قدر دعا آپ کو کافی ہے۔ بے شک آپ نے اپنے پروردگار سے بہت آہ وزاری کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زرہ میں تھے، چنانچہ آپ یہ کہتے ہوئے قبے سے نکلے: عنقریب یہ جماعت بھگادی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیرلیں گے، بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے اور قیامت بہت سخت اور تلخ چیز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر کردہ واقعہ ''غزوۂ بدر'' سے متعلق ہے، اس کی تشریح بھی ''غزوہ بدر'' کے تحت آچکی ہے۔ (۱)

حدیث سے مستنبط فوائد

البتہ چند فوائد جو حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:-

۱۔ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث سے زرہ کے رکھنے اور اس میں قتال کرنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔ (۲)

۲۔ حدیث میں اس بات کی دلالت ہے کہ نفوس بشریہ سے بیک وقت اور دفعۃً خوف دور نہیں ہوتا، دیکھئے! یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کا وعدہ ہے اور اسی وعدے کو پورا کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم درخواست بھی کر رہے ہیں، چنانچہ جب آپ علیہ السلام نے کفار کی تعداد اور لاؤلشکر کو دیکھا تو آپ کو طبعی خوف لاحق ہوا اور یہ منافی نبوت نہیں ہے۔ اسی طرح کا واقعہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی مذکور ہے کہ جادوگروں نے جب اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں تو انہوں نے خوف محسوس کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا کہ وہ

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي (ص٦٤)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج٥ ص١٠٣)۔

آپ کے مددگار ہیں اور انہیں کے ساتھ سن اور دیکھ رہے ہیں، ارشاد ربانی ہے: ﴿فأوجس في نفسه خيفة موسى﴾ (١) دراصل یہ شیطان کی طرف سے وساوس ہوتے ہیں، جو بندوں پر وہ ڈالتا ہے، خاص طور پر اللہ تعالی کے خاص بندوں پر، لیکن اللہ عزوجل ان کو دنیا و آخرت میں کلمے کی برکت سے ثابت قدم رکھتے ہیں اور ان کے قدم شیطانی وساوس سے نہیں ڈگمگاتے۔ (٢)

وقال وهيب: حدثنا خالد يوم بدر.

تعلیق مذکور کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہیب بن خالد کی اس تعلیق کو کتاب التفسیر میں موصولا نقل فرمایا ہے۔ (٣)

مذکورہ بالا تعلیق کا مقصد

وهیب بن خالد کی اس تعلیق میں خالد سے مراد ابن مہران الحذاء ہیں۔ خالد الحذاء سے اس روایت فی الباب کو دوحضرات عبدالوہاب بن عبدالمجید الثقفی اور وهیب روایت کرتے ہیں۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس تعلیق سے یہ ہے کہ وهیب کی روایت میں "وهو في قبة" کے بعد "يوم بدر" کا اضافہ بھی ہے۔ (٤)

غالبًا حدیث باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ محمد بن المثنی سے ذهول ہوگیا ہے، کیونکہ محمد بن المثنی کے شیخ عبدالوہاب سے اس روایت کو اور بھی دو حضرات محمد بن عبداللہ بن حوشب (٥) اور اسحاق بن راھویہ (٦) نے روایت کیا ہے، ان دو حضرات کی روایت میں بھی "يوم بدر" کا اضافہ مروی ہے۔ (٧)

---

(١) طه /٦٧.

(٢) شرح ابن بطال (ج٥ ص١٠٤)، وكشف الباري (ج١ ص٣٩١).

(٣) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿سيهزم الجمع﴾، رقم (٤٨٧٥).

(٤) فتح الباري (ج٦ ص١٠٠).

(٥) دیکھئے صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قول الله تعالى: ﴿إذ تستغيثون ربكم ......﴾، رقم (٣٩٥٣).

(٦) دیکھئے صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿بل الساعة موعدهم ......﴾، رقم (٤٨٧٧).

(٧) فتح الباري (ج٦ ص١٠٠).

یہ حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے، کیونکہ اس موقع (غزوۂ بدر) پر وہ حاضر نہیں تھے، اس وقت ان کی عمر یہی چار پانچ برس ہوگی، اس لئے خود سننے کا تو کوئی احتمال ہی نہیں۔ غالبًا انہوں نے یہ روایت حضرت عمر یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنی ہوگی، چنانچہ مسلم شریف میں ابوزمیل عن ابن عباس کے طریق سے روایت ہے، (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حدثني عمر: لما كان يوم بدر نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المشركين وهم ألف، وأصحابه ثلثمائة وتسعة عشرة رجلاً، فاستقبل القبلة، ثم مد يديه، فلم يزل يهتف بربه حتى سقط رداؤه عن منكبيه......"۔ (۲)

"یعنی مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ بدر والے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا کہ وہ ایک ہزار ہیں اور آپ کے ساتھ صرف تین سو انیس (۳۱۹) ہیں تو آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا، پھر اپنے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں پھیلا دیئے اور مسلسل اپنے رب کو پکارتے اور بلاتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی چادر دوش مبارک سے گرگئی"۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عادت یہی ہے کہ وہ اکثر واسطے کو درمیان سے حذف کر دیتے ہیں اور ان کی اکثر روایات مرسل ہیں۔ (۳)

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے:

"وهو في الدرع"۔ (۴)

---

(۱) فتح الباري (ج۷ص۲۸۸)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۳)۔

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر، وإباحة الغنائم، رقم (٤٥٨٨)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۳)۔

(٤) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۳)۔

۲۷۵۹ : حدّثنا محمّد بن كثير (۱) : أخبرنا سفيان ، عن الأعمش ، عن إبراهيم ، عن الأسود ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : توفّي رسول الله ﷺ ودرعه مرهونة عند يهودي ، بثلاثين صاعًا من شعير .

تراجم رجال

ا۔محمد بن کثیر

یہ ابوعبداللہ محمد بن کثیر عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب العلم، باب الغضب والموعظة في التعليم إذا رأى......" میں گذر چکا ہے۔(۲)

۲۔سفیان

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" اور "کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۳۔الأعمش

یہ ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اعمش سے معروف ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم" کے ذیل میں آچکا ہے۔(۴)

۴۔ابراہیم

یہ ابوعمران ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ بھی "کتاب الإیمان" کے مذکورہ باب میں آچکا۔(۵)

---

(۱) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها" : الحديث، مر تخريجه في كتاب البيوع، باب شراء النبي صلى الله عليه وسلم بالنسيئة۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص۲۳۸) و(ج۳ص۵۳٦)۔

(۳) کشف الباري (ج۳ص۱۰۲)۔

(٤) کشف الباري (ج۲ص۲۵۱)۔

(۵) کشف الباري (ج۲ص۲۵۳)۔

۵۔الاسود

یہ مشہور فقیہ اسود بن یزید بن قیس نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

٦۔عائشہ

یہ ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی تشریح کتاب البیوع (۳) میں اور کتاب المغازی (۴) میں آ چکی ہے۔

وَقالَ يَعْلَى : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ : دِرْعٌ مِنْ حَدِيدٍ . وَقالَ مُعَلَّى : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ وَقالَ : رَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ . [ر : ١٩٦٢]

یعلی سے مراد ابن عبید بن ابی عبید ابو یوسف الطنافسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اور معلّی سے ابن اسد مراد ہیں۔(۵)

مذکورہ دونوں تعلیقات کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر دو تعلیقات ذکر کی ہیں ایک یعلی کی، دوسری معلّی کی۔پہلی تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب العلم (٦) میں اور دوسری کو کتاب الاستقراض (۷) میں ذکر فرمایا ہے۔(۸)

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب من ترك بعض الإختيار مخافة أن يقصر......۔

(٢) كشف الباري (ج١ ص٢٩١)۔

(٣) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب شراء النبي صلى الله عليه وسلم بالنسيئة۔

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي (ص٦٩٠)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ ص١٩٤)۔

(٦) صحيح البخاري، كتاب السلم، باب الكفيل في السلم، رقم (٢٢٥١)۔

(٧) صحيح البخاري، كتاب الاستقراض......، باب من اشترى بالدين وليس عنده ثمنه، رقم (٢٣٨٦)۔

(٨) تغليق التعليق (ج٣ ص٤٤٧)۔

دونوں تعلیقات کے ذکر کا مقصد

ان دونوں تعلیقات کے ذکر کرنے کا مقصد واضح ہے کہ اوپر جو مسند روایت گذری ہے اس میں درع کا ذکر تھا اور ان تعلیقات کو ذکر کرکے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا ہے کہ وہ زرہ جو یہودی کے پاس رہن رکھوائی گئی تھی لوہے کی تھی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت "ودرعه مرهونة......" میں ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زرہ تھی اور وہ لوہے کی تھی۔(۱)

٢٧٦٠ : حدَّثنا مُوسَى بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ(٢)، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالمُتَصَدِّقِ مَثَلُ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ ، قَدِ اضْطَرَّتْ أَيْدِيَهُمَا إِلَى تَرَاقِيهِمَا ، فَكُلَّمَا هَمَّ الْمُتَصَدِّقُ بِصَدَقَتِهِ اتَّسَعَتْ عَلَيْهِ حَتَّى تُعَفِّيَ أَثَرَهُ ، وَكُلَّمَا هَمَّ الْبَخِيلُ بِالصَّدَقَةِ انْقَبَضَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ إِلَى صَاحِبَتِهَا وَتَقَلَّصَتْ عَلَيْهِ ، وَانْضَمَّتْ يَدَاهُ إِلَى تَرَاقِيهِ - فَسَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ - فَيَجْتَهِدُ أَنْ يُوَسِّعَهَا فَلَا تَتَّسِعُ) . [ر : ١٣٧٥]

تراجم رجال

۱۔ موسی بن اسماعیل

یہ موسی بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا اجمالی تذکرہ "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے تحت آچکا ہے۔(۳)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٤)۔

(٢) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الزكاة، باب مثل البخيل والمتصدق۔

(٣) كشف الباري (ج١ص٤٣٣)۔

۲۔ وھیب

یہ وھیب بن خالد بن عجلان باہلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے اجمالی حالات "کتاب الإیمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۳۔ابن طاوس

یہ عبداللہ بن طاوس بن کیسان الیمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔ أبیه

أبیه سے مراد طاوس بن کیسان یمانی جندی حمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۵۔ابو ہریرہ

یہ مشہور صحابی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب الطلاق (۵) اور کتاب اللباس میں آچکی ہے۔(۶)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت "علیهما جبتان من حدید" میں ہے۔

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۱۱۸)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الحیض، باب المرأة تحیض بعد الإفاضة۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر۔

(٤) کشف الباري (ج۱ص٦٥٩)۔

(٥) کشف الباري، کتاب الطلاق (ص٥١٩)۔

(٦) کشف الباري، کتاب اللباس (ص١٥٨-١٦١)۔

وہ اس طرح کہ "جبتان" میں دو روایتیں ہیں، ایک تو باء کے ساتھ یعنی "جبتان" تو یہ "جبة" کی تثنیہ ہے اور اس کی مناسبت ترجمۃ کے جزء ثانی یعنی القمیص فی الحرب کے ساتھ ہے۔

اور یہ لفظ نون کے ساتھ جنتان بھی مروی ہے، جو جنۃ کی تثنیہ ہے، اس کے معنی ڈھال کے ہیں اور ڈھال (سپر) جس طرح انسان کو دشمن کے داؤ سے بچاتی ہے اسی طرح زرہ بھی بچاتی ہے تو مناسبت ترجمہ کے جزء اول کے ساتھ بایں معنی حاصل ہے۔(۱)

۸۹ - باب : الجُبَّةِ فِي السَّفَرِ وَالحَرْبِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ اس ترجمۃ الباب کے تحت یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ سفر اور جنگ کے موقع پر جبہ پہننا جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۷٦۱ : حدَّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ ، عَنْ أَبِي الضُّحَى مُسْلِمٍ ، هُوَ ابْنُ صُبَيْحٍ ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ : حَدَّثَنِي الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ(۲) قَالَ : انْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِحَاجَتِهِ ، ثُمَّ أَقْبَلَ ، فَلَقِيتُهُ بِمَاءٍ ، وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ ، فَذَهَبَ يُخْرِجُ يَدَيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ ، فَكَانَا ضَيِّقَيْنِ ، فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتُ فَغَسَلَهُمَا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ، وَعَلَى خُفَّيْهِ . [ر : ۱۸۰]

تراجم رجال

۱۔ موسی بن اسماعیل

یہ موسی بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث

(۱) فتح الباري (ج ٦ ص ١٠)۔

(۲) قوله: "المغيرة بن شعبة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الوضوء، باب الرجل يوضيء صاحبه۔

کے تحت بیان کئے جا چکے ہیں۔(۱)

۲۔عبدالواحد

یہ ابو بشر عبدالواحد بن زیاد بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مفصل تذکرہ "کتاب الإیمان، باب الجهاد من الإیمان" کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

۳۔الأعمش

یہ ابو محمد سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم" میں آ چکے ہیں۔(۳)

۴۔ابوالضحی مسلم بن صبیح

یہ ابوالضحی مسلم بن صبیح العطار الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔مسروق

یہ امام ابو عائشہ مسروق بن اجدع بن مالک ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکا ہے۔(۵)

۶۔المغیرة بن شعبہ

یہ مشہور صحابی، حضرت مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ ہیں۔(۶)

حدیث باب کی تشریح پیچھے مختلف مقامات پر گذر چکی ہے اور اس کی کچھ تشریح "کتاب اللباس" میں بھی آئی ہے۔(۷)

---

(۱) کشف الباري (ج۱ص۴۳۳)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۳۰۱)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص۲۵۱)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الصلاة، باب الصلاة في الجبة الشامية۔

(۵) کشف الباري (ج۲ص۲۸۱)۔

(۶) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب الرجل یوضئ صاحبه۔

(۷) کشف الباري کتاب اللباس (ص۱۶۲و۱۶۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے "وعليه جبة شامية" ظاہر ہے کہ یہ واقعہ سفر کا ہے اور غزوے کا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ زیب تن فرمایا ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ سفر میں اور غزوے میں جبہ پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

٩٠ – باب : الحَرِيرِ في الحَرْبِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بتلایا ہے کہ ریشمی لباس کا استعمال جنگ کی حالت میں درست ہے۔(۲)

٢٧٦٢/٢٧٦٤ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ : حَدَّثَنَا خالِدٌ : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ : أَنَّ أَنَسًا(٣) حَدَّثَهُمْ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ فِي قَمِيصٍ مِنْ حَرِيرٍ ، مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا .

تراجم رجال

ا۔احمد بن المقدام

یہ احمد بن المقدام بن سلیمان بن اشعث بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٥)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(٣) قوله: "أنس رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الجهاد، باب الحرير في الحرب، رقم (٢٩٢٠، ٢٩٢١، ٢٩٢٢)، وكتاب اللباس، باب ما يرخص للرجال من الحرير للحكة، رقم (٥٨٣٩)، ومسلم، كتاب اللباس، باب إباحة لبس الحرير للرجل إذا كانت به حكة أونحوها، رقم (٥٤٢٩)، وأبوداود، أبواب اللباس، باب في لبس الحرير لغذر، رقم (١٧٢٢)، والنسائي، كتاب الزينة، باب الرخصة في لبس الحرير، رقم (٥٣١٢)، وابن ماجه، كتاب اللباس، باب من رخص له في لبس الحرير، رقم (٣٥٩٢)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب البيوع، باب من لم ير الوساوس ونحوها من المشبهات۔

۲۔خالد

یہ خالد بن حارث بن سلیم ہجیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۔سعید

یہ ابوالنصر سعید بن ابی عروبہ یشکری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵۔انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان دو حضرات کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه......" کے تحت آچکا۔(۳)

أن النبي صلى الله عليه وسلم رخص لعبدالرحمن والزبير في قميص من حرير من حكة كانت بهما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو خارش کی وجہ سے ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دی تھی۔

تنبیہ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب اس مقصد کے لئے قائم کیا تھا کہ جنگ میں ریشمی لباس کا استعمال جائز ہے اور اس کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث بطور دلیل پیش کی تھی۔ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ بیماری، جنگ اور سفر وغیرہ میں خالص ریشم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جمہور ائمہ بشمول صاحبین اس کے جواز کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عدم جواز کے۔

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ......۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص۴۰۳)۔

اس مسئلے کی تفصیل کتاب اللباس میں آچکی ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت حدیث کے اس حصے میں ہے "في قميص من حرير من حكة" اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو حضرات صحابہ کو ریشم پہننے کی اجازت دی تھی جو جواز کی دلیل ہے۔اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہاں حرب وغیرہ کا تو کوئی ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ باب کی اگلی روایت میں اس بات کی تصریح آرہی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خود فرمارہے ہیں کہ ایک غزوے میں ان دونوں حضرات کو میں نے دیکھا کہ وہ قمیص ان کے جسم پر تھی "فرأيته عليهما في غزاة"۔

(۲۷۶۳) : حدّثنا أبو الوليد : حدّثنا همّام ، عن قتادة ، عن أنس[۲]
حدّثنا محمّد بن سنان : حدّثنا همّام ، عن قتادة ، عن أنس رضي الله عنه : أنّ عبد الرّحمن ابن عوف والزّبير : شكوا إلى النّبيّ ﷺ - يعني القمل - فأرخص لهما في الحرير ، فرأيته عليهما في غزاة .

تراجم رجال

۱۔ابوالولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب علامة الإيمان حب الأنصار" کے تحت گذر چکا ہے۔(۳)

۲۔ہمام

یہ ابوعبداللہ ہمام بن یحیی بن دینار بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

---

(۱) مسئلہ کی تفصیل اور فریقین کے دلائل کے لئے دیکھئے، کشف الباري، كتاب اللباس (ص۱۹۱)۔

(۲) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الحديث السابق۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۳۸)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة، فليصل إذا ذكر، ......

۳۔محمد بن سنان

یہ محمد بن سنان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب العلم، باب من سئل علما وهو مشتغل في حديثه ......" میں آچکا ہے۔(۱)

حضرت قتادہ اور انس رضی اللہ عنہما کے لئے سابقہ سند دیکھئے۔

أن عبد الرحمن بن عوف والزبير شكوا إلى النبي صلى الله عليه وسلم – يعني القمل –

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوؤں کی شکایت کی۔

کلمہ "شکوا" میں نسخوں کا اختلاف

اوپر حدیث میں "شکوا" کا لفظ مروی ہے، جب کہ ابوذر اور اصیلی کے نسخوں میں "شکیا" صیغۂ تثنیہ کے ساتھ ہے، علامہ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے اول کو درست قرار دیا ہے کیونکہ اس فعل کا لام کلمہ واو ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس قول ﴿دَعَوَا الله رَبَّهمَا﴾(۲) میں ہے۔(۳)

لیکن یہاں ایک نسخے کو درست اور دیگر کو غلط قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ کلمہ واو اور یاء دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے "شکیتُ وشکوتُ"۔(۴)

يعني القمل: یہ کسی راوی کا تفسیری جملہ ہے اور بتانا یہ ہے کہ ان دو حضرات صحابہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کیا تھا اس کا سبب جوئیں تھیں۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۳ص۵۳)۔

(۲) الأعراف /۱۸۹۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹٦)، وشرح القسطلاني (ج۵ص۱۰۳)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹٦)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "فرأيته عليهما في غزاة" کہ اس قمیص کو میں نے ایک غزوے میں ان کے جسم پر دیکھا۔(۱)

(٢٧٦٤) : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ : أَخْبَرَنِي قَتَادَةُ : أَنَّ أَنَسًا(۲) حَدَّثَهُمْ قالَ : رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ فِي حَرِيرٍ .

تراجم رجال

ا۔مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔یحیی

یہ ابوسعید یحیی بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا اجمالی تذکرہ "كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ......" کے تحت آچکا ہے۔(۳)

۳۔شعبہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت آچکا ہے۔(۴)

حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : سَمِعْتُ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ(۵) : رَخَّصَ ، أَوْ رُخِّصَ لِحِكَّةٍ بِهِمَا . [٥٥٠١]

---

(۱) حوالہ بالا۔

(٢) قوله: "أن أنسا": الحديث، مر تخريجه آنفا في أول الباب۔

(٣) كشف الباري (ج٢ ص٣٠٢)۔

(٤) كشف الباري (ج١ ص٦٧٨)۔

(٥) قوله: "عن أنس رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه آنفا۔

تراجم رجال

۱۔محمد بن بشار

یہ مشہور امام حدیث، محمد بن بشار بن عثمان عبدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة ......" کے تحت آچکا ہے۔(۱)

۲۔غندر

یہ ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی غندر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

رخَّص أو رُخِّص لهما لحكة بهما۔

کلمہ "أو" شک کے لئے ہے اور یہاں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ رخص صیغہ معلوم کے ساتھ ہے یا مجہول کے ساتھ۔(۳)

البتہ یہی روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غندر سے روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔(۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شک محمد بن بشار کو ہوا ہے اور صحیح لفظ رخص صیغہ معلوم کے ساتھ ہے۔

نیز یہی روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "كتاب اللباس" میں بھی "عن وكيع عن شعبة" کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں بھی صیغہ معلوم کا ہے۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۳ص۲۵۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۲۵۰)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۷)، وفتح الباري (ج٦ص۱۰۱)۔

(٤) مسند الإمام أحمد (ج۳ص۲۵۵)، رقم (۱۳۷۱۷)۔

(٥) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ما يرخص للرجال من الحرير للحكة، رقم (٥۸۳۹)۔

ریشمی لباس کی اجازت کا سبب کیا تھا؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث باب کو پانچ مختلف طرق سے نقل کیا ہے، ان سب کا مجموعی مضمون اور حاصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس اجازت کا سبب کیا تھا۔ آیا خارش اس اجازت کے لئے سبب بنی تھی، جیسا کہ باب کے پہلے اور آخری طریق میں آیا ہے۔ (حکۃ خارش کو کہتے ہیں) یا اس کا سبب جوئیں تھیں، جیسا کہ باب کے تیسرے طریق میں ہے۔(۱)

اس سوال کا مختلف حضراتِ محدثین نے جواب دیا ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے حکہ یعنی خارش والی روایت کو راجح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ شاید کسی راوی نے اس کی تفسیر کی ہوگی، یوں ان سے غلطی ہوگئی۔ (۲)

۲۔ علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قسم کی روایات کے درمیان یوں تطبیق دی ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ ایک صاحب کے ساتھ ایک علت ہو، دوسرے کے ساتھ دوسری۔ (۳)

۳۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لامنافاة بینهما ولا منع لجمعهما"۔ (۴)

یعنی دونوں علتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اور نہ ہی دونوں کے ایک ہی شخص میں جمع ہونے میں کوئی ممانعت ہے۔

۴۔ کبھی کبھار خارش کا سبب جوئیں بھی ہوتی ہیں، جیسا کہ تجربہ اس پر شاہد ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کی روایات میں تطبیق یوں بھی ممکن ہے کہ خارش کا سبب جوئیں تھی، چنانچہ کبھی تو سبب کی

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص١٠١)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٩٦)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا، وشرح القسطلاني (ج٥ص١٠٣)، ومثله عن ابن العربي حيث قال: "قد ورد أنه أرخص لكل منهما، فالإفراد يقتضي أن لكل حكمة"۔

(٤) شرح الكرماني (ج٥ص١٧٦)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٩٦)۔

طرف علت کی نسبت کردی گئی اور کبھی مسبب کی طرف۔ فرماتے ہیں:

"قلت: ویمکن بأن الحکة حصلت من القمل؛ فنسبت العلة تارة إلی السبب، وتارة إلی سبب السبب"۔ (١)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ کرمانی کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ (٢)

٩١ – باب : ما يُذْكَرُ في السِّكِّينِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ اگر جہاد وقتال کے موقع پر چاقو ساتھ رکھا جائے تو جائز ہے۔ (٣)

ظاہر ہے کہ چاقو فائدے کی چیز ہے اور وقت پر کام آتا ہے، میدان جہاد میں بہت سے مراحل ایسے بھی پیش آتے ہیں جب دیگر اسلحوں کا استعمال ممکن نہیں رہتا، اس وقت چاقو کام دیتا ہے۔

٢٧٦٥ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قالَ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ ، عَنْ أَبِيهِ (٤) قالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَأْكُلُ مِنْ كَتِفٍ يَحْتَزُّ مِنْهَا ، ثُمَّ دُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، وَزَادَ : فَأَلْقَى السِّكِّينَ . [ر : ٢٠٥]

---

(١) فتح الباري (ج٦ص١٠١)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٩٦)، وإرشاد الساري (ج٥ص١٠٣)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٦)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٧)، وشرح القسطلاني (ج٥ص١٠٤)۔

(٤) قوله: "عن أبيه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الوضوء، باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق۔

تراجم رجال

ا۔عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحیی قرشی اویسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۲۔ابراہیم بن سعد

یہ ابواسحاق ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمن بن عوف زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

۳۔ابن شہاب

یہ محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے اجمالی حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

۴۔جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری

یہ جعفر بن عمرو بن امیہ بن خویلد المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔أبيه

"أب" سے مراد حضرت عمرو بن امیہ بن خویلد الضمری المدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۵)

اس سند کے تمام رجال کا تعلق مدینہ منورہ میں سے ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هذا الإسناد

---

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب الحرص على الحديث۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۱۲۰)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص۳۲۶)۔

(٤) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الوضوء، باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق۔

(٥) حوالہ بالا۔

كله مدنيون"۔(۲)

قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يأكل من كتف يحتز منها، ثم دعي إلى الصلاة فصلى ولم يتوضأ۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ شانے کا گوشت کھا رہے تھے کہ اسے کاٹتے جاتے تھے، پھر آپ کو نماز کے لئے بلایا گیا تو آپ نے نماز پڑھی اور (نئے سرے سے) وضو نہیں فرمایا۔

تنبیہ

حدیث باب سے دو مشہور مسائل متعلق ہیں ایک الوضوء مما مست النار اور اس کی تفصیل کا مقام کتاب الوضوء ہے۔

دوسرا مسئلہ چھری کانٹے سے کھانے کا حکم ہے، اس کی تفصیل کتاب الأطعمة میں ہے۔(۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث کے معنی میں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانے کو کاٹ کاٹ کر کھانا، ظاہر ہے چھری کے ساتھ ہی تھا اور اس پر آنے والا طریق دلالت کر رہا ہے جس میں "فألقى السكين" آیا ہے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کو جہاد کے ابواب میں اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ چاقو بھی اسلحے کی قسم ہے۔

چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مطابقته للترجمة تؤخذ من معنى الحديث؛ لأن احتزازه صلى الله عليه وسلم

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ ص۱۹۷)۔

(٤) كشف الباري، كتاب الأطعمة (ص ۱۱۱)۔

من كتف الشاة كان بالسكين، و يشهد له الطريق الآخر الذي يأتي، وفيه: فألقى السكين، ووجه إدخال هذا الباب بين أبواب الجهاد من حيث إن السكين أيضا من أنواع السلاح"۔ (۱)

حدثنا أبو اليمان أخبرنا شعيب عن الزهري وزاد: فألقى السكين۔

یہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک دوسرا طریق ہے اور اس طریق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس لئے ذکر کیا ہے کہ ترجمہ اور حدیث میں مطابقت ہو جائے کہ اس میں صراحت کے ساتھ سکین کا لفظ موجود ہے، جب کہ سابقہ روایت میں اس کی صراحت نہیں تھی۔ (۲)

اور زاد کا جو فعل ہے اس میں یہ تینوں احتمالات ہیں کہ اس کا فاعل زہری ہوں، جعفر بن عمرو ہوں یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ابوالیمان۔ (۳)

۹۲ – باب: ما قِيلَ في قِتَالِ الرُّومِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب کے تحت اہل روم کے خلاف جہاد کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۴)

اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمے سے ان اقوام کو

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۷)۔

(۲) حوالہ بالا، وإرشاد الساري (ج۵ص۱۰٤)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۷)۔

(٤) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۷)، وفتح الباري (ج٦ص۱۰۲)۔

بیان کرنا ہے کہ جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (یا آپ کی امت) نے قتال کیا ہے۔(۱)

رومیوں کی نسل کی تحقیق

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل روم، روم بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔(۲)
اور علامہ رقاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابن لیطا بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔(۳)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل روم اپنے جد اعلی رومی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اسے روماس سے بھی پکارا جاتا تھا اور یہی شخص مشہور شہر روم کا بانی ہے۔(۴)

جب کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا یہ ہے کہ روم دراصل مشہور ملک اٹلی کا لقب تھا، جب ان میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ اختلافات کا شکار ہو گئے تو کچھ لوگ اٹلی سے ترک وطن کر کے قسطنطنیہ جا بسے، تو رومی نصاری ہی ہیں۔(۵)

٢٧٦٦ : حَدَّثَنِي إِسْحٰقُ بْنُ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيُّ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ : حَدَّثَنِي ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ : أَنَّ عُمَيْرَ بْنَ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِيَّ حَدَّثَهُ : أَنَّهُ أَتَى عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ ، وَهُوَ نَازِلٌ فِي سَاحَةِ حِمْصَ ، وَهُوَ فِي بِنَاءٍ لَهُ ، وَمَعَهُ أُمُّ حَرَامٍ ، قَالَ عُمَيْرٌ : فَحَدَّثَتْنَا أُمُّ حَرَامٍ(٦) : أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا) . قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَا فِيهِمْ ؟ قَالَ : (أَنْتِ فِيهِمْ) . ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ) . فَقُلْتُ : أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : (لَا) . [ر : ٢٦٣٦]

(۱) فيض الباري (ج٣ص٤٣٧)۔

(۲) حوالہ بالا۔ وحاشية الجمل على الجلالين (ج٦ص٨٦)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٧)، وفتح الباري (ج٦ص١٠٢)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) فيض الباري (ج٣ص٤٣٧)۔

(٦) قوله: "أم حرام": الحديث، مر تخريجه في أوائل الجهاد، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء۔

تراجم رجال

ا۔اسحاق بن یزید الدمشقی

یہ ابوالنصر اسحاق بن ابراہیم بن یزید فرادیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اکثر دادا کی طرف منسوب ہوکر اسحاق بن یزید کہلاتے ہیں۔(۱)

۲۔یحیی بن حمزۃ

یہ ابوعبدالرحمٰن یحیی بن حمزہ بن واقد حضرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔ثور بن یزید

یہ ابوخالد ثور بن یزید کلاعی حمصی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۴۔خالد بن معدان

یہ ابوعبداللہ خالد بن معدان حمصی کلاعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

۵۔عمیر بن الاسود العنسي

یہ شام کے مشہور عابد وزاہد، مخضرم تابعی حضرت عمیر بن الاسود، شامی، دمشقی، حمصی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور ابوعیاض ہے۔ اور یہی عمرو بن الاسود رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔(۵)

یہ حضرت عمر، ابن مسعود، معاذ بن جبل، عبادۃ بن صامت، عرباض بن ساریہ، معاویہ، عبداللہ بن عمرو بن عاص، جنادہ بن امیہ، ابوہریرہ، ام المومنین عائشہ اور ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے ان کے صاحبزادے حکیم بن عمیر، مجاہد، خالد بن معدان، شریح بن عبید، کثیر بن ابی کثیر، نصر بن

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الزکاۃ، باب ما أدي زکاته فلیس بکنز۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الجنائز، باب ماینھی من الحلق عند المصیبة۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعمله بیده۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تهذیب الکمال (ج۲۱ ص۵٤۳)، وسیر أعلام النبلاء (ج٤ ص۷۹)۔

علقمہ، ابراہیم بن مسلم ہجری اور زیاد بن فیاض رحمہم اللہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔(۱)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان قليل الحديث، ثقة"۔(۲)

عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "شامي تابعي ثقة"۔(۳)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور فرمایا "من عباد أهل الشام وزُهّادهم"۔(۴)

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أجمعوا على أنه كان من العلماء الثقات"۔(۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة عابد"۔(۶)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا: "من سرّه أن ينظر إلى هدي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلينظر إلى هدي عمرو بن الأسود"۔(۷)

''یعنی جو اس بات میں خوشی محسوس کرتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو دیکھے تو وہ عمرو بن الاسود کے اخلاق اور سیرت دیکھے۔'' یعنی ان کے اخلاق کریمہ اور سیرت بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وسیرت کے مطابق تھے۔ وہ رسول اللہ کے اخلاق کا پرتو تھے۔

عبدالرحمٰن بن جبیر فرماتے ہیں کہ عمرو بن الاسود حج کے بعد، جب مدینہ منورہ پہنچے تو نماز پڑھتے ہوئے ان پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نظر پڑی، دریافت فرمایا کہ کون ہیں؟ بتلایا گیا کہ شام کے رہنے والے ہیں، عمرو بن الاسود نام ہے۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ما رأيت أحداً أشبه صلاةً، ولا هدياً، ولا خشوعاً، ولا لبسةً برسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا الرجل"۔ (۸)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۲۱ص٥٤٤)۔

(۲) طبقات ابن سعد (ج۷ص٤٤٢)۔

(۳) تعليقات تهذيب الكمال (ج۲۱ص٥٤٥)۔

(٤) الثقات لابن حبان (ج٥ص۱۷۱)۔

(٥) تهذيب التهذيب (ج۸ص٥)۔

(٦) التقريب (ص٤١٨)، رقم (٤٩٨٩)۔

(۷) مسند الإمام أحمد (ج۱ص۱۸)، حلية الأولياء (ج٥ص١٥٦)، والكاشف (ج۲ص۷۲)۔

(۸) سير أعلام النبلاء (ج٤ص۷۹)۔

یعنی ''نماز، اخلاق وسیرت، خشوع اور لباس میں اس آدمی سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا''۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی اصحاب اصول ستہ نے ان سے روایات لی ہیں۔(۱) اور بخاری شریف میں ان سے صرف ایک ہی حدیث یعنی حدیث باب مروی ہے۔(۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔(۳)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

تنبیہ

ابوموسی المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی عاصم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمیر بن الاسود صحابی تھے، لیکن یہ صحابی نہیں ہے، بلکہ صحابہ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ ابوموسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وليس بصحابي، إنما يروي عن الصحابة"۔ (۴)

أنه أتى عبادة بن الصامت، وهو نازل في ساحة حمص، وهو في بناء، ومعه أم حرام۔

عمیر بن الاسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جب کہ وہ ساحل حمص میں اپنے ایک محل میں تھے اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان میں (۵) اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کتاب الجہاد کے اوائل میں آچکا ہے۔(۶)

ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم۔ فقلت: أنا فيهم يا رسول الله؟ قال: لا۔

---

(۱) الكاشف (ج۲ ص۷۲)، وتهذيب الكمال (ج۲۱ ص٥٤٥)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص١٩٨)، وفتح الباري (ج٦ ص١٠٢)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۱ ص٥٤٥)، وسير أعلام النبلاء (ج٤ ص٨١)۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج٨ ص٥)۔

(٥) كشف الباري (ج۲ ص٤٨)۔

(٦) كتاب الجهاد، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ قیصر کے پایۂ تخت میں جہاد کریں گے، ان کی مغفرت کردی گئی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں ان میں شامل ہوں؟ آپ نے فرمایا! نہیں۔

حدیث باب میں مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے، جو قیصر کا دارالخلافہ اور پایۂ تخت تھا۔(۱)

اور حدیث میں امت محمدیہ کے اس لشکر کے لئے مغفرت کا وعدہ اور بشارت دی گئی ہے جو اس پر پہلی بار حملہ آور ہوگا اور وہاں جنگ کرے گا۔

کونسا غزوہ مراد ہے؟

جمہور شراح کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں قسطنطنیہ کا پہلا غزوہ مراد ہے اور اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ پہلا غزوہ جو قیصر کے خلاف لڑا گیا، اس کی قیادت یزید بن معاویہ نے کی تھی اور یہ باون ہجری کا واقعہ ہے۔(۲) اور اس غزوے میں اجلاء صحابہ مثلاً حضرت ابوایوب انصاری، ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔(۳)

حدیث باب سے یزید کی فضیلت پر استدلال

اس سے علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن معاویہ کی فضیلت ونجات پر استدلال کیا ہے، اس لئے کہ وہ اس لشکر کے امیر تھے، جس نے قیصر کے پایۂ تخت پر قبضے کے لئے پہلی لڑائی لڑی۔(۴)

لیکن مؤرخین کے اس قول کو بہت سے علماء نے رد کیا ہے، جس کی مختلف وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ قیصر کے خلاف جنگ کرنے والے لشکر کی تعیین میں روایات مختلف ہیں۔ کیونکہ قسطنطنیہ پر قبضے کی لڑائی

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص١٠٢)۔

(۲) قاله العيني وعزاه إلى صاحب المرأة، انظر عمدة القاري (ج١٤ص١٩٨)، وقال ابن الأثير: في سنة تسع وأربعين (٤٩) وقيل: سنة خمسين۔ انظر الكامل (ج٣ص٢٢٧)۔

(۳) الكامل (ج٣ص٢٢٧)، وتكملة فتح الملهم (ج٣ص٤٥٦)۔

(٤) شرح ابن بطال (ج٥ص١٠٧)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کئی مرتبہ لڑی گئی ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ بعض لڑائیوں میں یزید بن معاویہ امیر تھے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ پہلے لشکر کے بھی امیر ہوں۔ چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر سفیان بن عوف کی قیادت میں قیصر کے پایۂ تخت کی طرف بھیجا تھا، جو رومیوں کے شہروں میں اندر تک گھس گیا تھا اور اس لشکر میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم ایسے صحابہ بھی تھے۔ (۱)

مزید فرماتے ہیں کہ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ تمام حضرات صحابہ سفیان کے ساتھ تھے، نہ کہ یزید بن معاویہ کے ہمراہ، اس لئے کہ یزید بن معاویہ اس قابل نہیں تھا کہ ان جیسے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یزید کی ماتحتی میں ہوتے۔ (۲)

۲۔ بعض روایات سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عوف کو بھیجا تھا، پھر پیچھے پیچھے یزید کو بھی روانہ کر دیا، جیسا کہ ابن الأثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تاریخ ''الکامل'' میں ذکر کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٩٨)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قال ابن الأثير الجزري رحمه الله: "في هذه السنة(٤٩) سيَّر معاوية جيشا كثيفاً إلى بلاد الروم للغزاة، وجعل عليهم سفيان بن عوف، وأمر ابنه يزيد بالغزاة معهم، فتثاقل واعتل، فأمسك عنه أبوه، فأصاب الناسَ في غزاتهم جوعٌ ومرض شديد، فأنشا يزيد يقول:

ما إن أبالي بما لاقت جموعُهم ... بالغذ قدونة من حمى ومن موم

إذا اتكأتُ على الأنماط مرتفقا ... بدير مرَّان عندي أم كلثوم

وأم كلثوم امرأته ...... فبلغ معاويةَ شعرُه، فأقسم عليه ليلحقنَّ بسفيان في أرض الروم ليصيبه ما أصاب الناسَ، فسار ومعه جمع كثير، أضافهم إليه أبوه، وكان في هذا الجيش ابن عباس، وابن عمر، وابن الزبير، وأبو أيوب الأنصاري، وغيرهم ...... فأوغلوا في بلاد الروم حتى بلغوا القسطنطينية، فاقتتل المسلمون والروم ......إلخ"۔ الكامل (ج٣ ص٢٢٧) وانظر أيضاً معجم البلدان للحموي (ج٢ ص٥٣٤)، كلمة 'دير مران" و (ج٤ ص١٨٨)، كلمة غذ قدونة"۔

علامہ ابن الأثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی سال یعنی انچاس ہجری کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے غزوے کے لئے ایک بڑا لشکر بلاد روم کی طرف روانہ کیا اور سفیان بن عوف کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا اور اپنے بیٹے یزید کو ان لوگوں کے ساتھ غزوے میں شریک ہونے کا حکم دیا، لیکن یزید نے سستی اختیار کی اور حیلے بہانے تلاش کئے، چنانچہ یزید کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اس غزوے میں لوگوں کو بھوک اور شدید مرض لاحق ہوا تو یزید یہ اشعار کہنے لگا۔

مقام غذقدونہ پر ان کے لشکر کو بخار وغیرہ سے جو پریشانی لاحق ہوئی ہے اس کی مجھے کوئی پروا نہیں۔

کیونکہ دیر مران مقام پر میں مزے سے قالین پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں، میرے پاس ام کلثوم ہے۔ =

اگر یہ روایت صحیح اور درست ہے تو یہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ پہلا آدمی جو قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا وہ سفیان بن عوف ہے، پھر بعد میں یزید بن معاویہ ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ تو اب یہ کہا جائے گا کہ یزید کی اولیت و تقدم ثابت نہیں ہوا، بلکہ سفیان بن عوف اور ان کے ہمراہیوں کو اولیت کا مرتبہ حاصل ہوا۔ (۱)

۳۔ علامہ ابن التین اور ابن المنیر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی خاص دلیل کی بنا پر اس عموم سے باہر بھی نہ ہوسکیں۔ کیونکہ اس باب میں تو اہل علم میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "مغفور لھم" ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ لوگ مغفرت کے اہل و قابل بھی ہوں، چنانچہ اگر کوئی آدمی اس غزوے میں شریک ہونے کے بعد مرتد ہوجائے تو سب کے نزدیک اس پر اتفاق ہے کہ وہ اس عموم کے تحت داخل نہیں ہوگا، لہذا معلوم ہوا کہ مغفور سے مراد یہ ہے کہ اس میں مغفرت کی شرط بھی پائی جاتی ہو۔ (۲)

یہ تین وجوہات ہوئیں جن کی بنا پر اکثر علماء نے علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو رد کیا ہے۔

لیکن روایات اگرچہ اس بارے میں مختلف ہیں کہ قسطنطنیہ پر پہلا لشکر کونسا حملہ آور ہوا تھا اور ان میں بہت سے احتمالات کی گنجائش بھی ہے، مگر ان میں سے اکثر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پہلے لشکر کی قیادت یزید کے ہاتھ میں تھی، جس کی تائید مسند احمد (۳) طبقات ابن سعد (۴) اور البدایۃ والنہایۃ (۵) کی روایات سے ہوتی ہے۔

= اور ام کلثوم یزید کی بیوی کا نام ہے۔

......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک جب یزید کے یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے یزید سے قسم لی کہ وہ روم کی سرزمین میں سفیان بن عوف سے جاملیں گے۔ تو وہ ایک لشکر جرار اپنے ساتھ لے کر چلے جس کو ان کے والد نے کمک کے طور پر ان کے ساتھ کردیا تھا اور اس لشکر میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی شامل تھے...... چنانچہ یہ لوگ بلاد روم میں اندر تک گھستے چلے گئے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ پہنچ گئے تو مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان لڑائی ہوئی......

(۱) تکملة فتح الملهم (ج۳ص۴۵۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔ فتح الباري (ج۶ص۱۰۲)، وعمدة القاري (ج۱۴ص۱۹۹)، وأوجز المسالك (ج۸ص۳۸۲)، وتعليقات لامع الدراري (ج۷ص۲۴۴)۔

(۳) أخرج الإمام أحمد في مسنده (ج۵ص۴۲۳) بسنده عن أبي ظبيان قال: "غزا أبو أيوب مع يزيد بن معاوية ......"۔

(۴) أخرج ابن سعد في طبقاته (ج۳ص۴۸۵) بسنده عن محمد قال: "شهد أبوأيوب بدراً ......، ...... قال: فمرض، وعلى الجيش يزيد بن معاوية، فأتاه يعوده ......"۔

اس روایت میں مرض سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مرض الموت ہے اور یہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات غزوہ قسطنطنیہ کے موقع پر ہوئی ہے۔

(۵) البداية والنهاية (ج۸ص۵۸، ۵۹)۔

یزید بن معاویہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "مغفور لهم" کے عموم کے تحت داخل ہونے یا نہ ہونے پر سب سے بہترین اور معتدل قول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، فرماتے ہیں:

"قوله: "مغفور لهم" تمسك بعض الناس بهذا الحديث في نجاة يزيد؛ لأنه كان من جملة هذا الجيش الثاني، بل كان رأسهم ورئيسهم على مايشهد به التواريخ، والصحيح أنه لايثبت بهذا الحديث إلا كونه مغفورا له ما تقدم من ذنبه على هذه الغزوة؛ لأن الجهاد من الكفارات، وشأن الكفارات إزالة آثار الذنوب السابقة عليها، لا الواقعة بعدها، نعم، لو كان مع هذا الكلام أنه مغفور له إلى يوم القيامة يدل على نجاته، وإذ ليس فليس، بل أمره مفوّض إلى الله تعالى فيما ارتكبه من القبائح بعد هذه الغزوة؛ من قتل الحسين رضي الله عنه، وتخريب المدينة، والإصرار على شرب الخمر، إن شاء عفا عنه، وإن شاء عذبه، كما هو مطرد في حق سائر العصاة....."۔(۱)

یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "مغفور لهم" سے بعض لوگوں نے یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ بھی اس دوسرے لشکر کا ایک حصہ تھے، بلکہ لشکر کے سرکردہ شخص اور قائد تھے، جیسا کہ کتب تاریخ اس پر شاہد و گواہ ہیں۔ مگر درست بات یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ اس غزوے میں شریک ہونے سے قبل کے جو ان کے گناہ تھے ان کی مغفرت کردی گئی ہے، کیونکہ جہاد از قبیل کفارات ہے اور کفارات کی شان یہ ہوتی ہے کہ ان سے پہلے جو گناہ ہوئے ان کو مٹادیں، نہ کہ بعد میں واقع ہونے والے گناہوں کو زائل کریں۔ ہاں! اگر اس کلام کے ساتھ یہ بھی ہوتا کہ قیامت تک کے لئے ان کی مغفرت کردی گئی ہے تو یہ حدیث یزید کی نجات پر دلالت کرتی، اگر یہ نہیں تو وہ بھی نہیں (یعنی جب قیامت تک کے لئے مغفرت کا ذکر نہیں ہے تو یزید کی نجات بھی ثابت نہیں ہے) بلکہ یزید نے اس غزوے کے بعد جن قبائح کا ارتکاب کیا ہے، ان کا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد ہے جیسے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت، مدینہ منورہ میں تخریب کاری اور توڑ پھوڑ اور شراب پینے پر اصرار وغیرہ، اگر خدا نے چاہا ان کو معاف کردے گا یا سزا دے گا، جیسا کہ دیگر تمام گناہگاروں کے بارے میں حکم ہے"۔

(۱) رسالة شرح تراجم أبواب البخاري المطبوع مع صحيح البخاري (ص ۳۱)۔

خلیفہ یزید بن معاویہ پرلعنت کرنے کا حکم

خلیفہ یزید بن معاویہ پرلعنت کرنا جائز ہے یانہیں، مشہور اختلافی مسئلہ ہے، جس میں امت کے افراد اکثر افراط وتفریط کا شکار رہے ہیں، ایک طبقہ تو وہ ہے جو یزید کو لعنت کا مستحق گردانتا ہے، جب کہ ایک دوسرا طبقہ ان کے بعض فضائل ومناقب کا قائل ہے اوران پرلعنت کرنے کو جائز قرار نہیں دیتا۔

ہم یہاں اس مسئلے کو واضح کرنے کے لئے حضرت فقیہ النفس رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی کے مجموعے ''فتاوی رشیدیہ'' سے ایک طویل اقتباس نقل کئے دیتے ہیں جو سوال و جواب کی صورت میں ہے جس سے اس مسئلے کی حقیقت اور حکم کو سمجھنے میں مدد ملے گی:

سوال: یزید کہ جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا، وہ قابل لعن ہے یانہیں؟ گو کہ لعن میں احتیاط کرے۔ بہت اکابردین درباب لعن یزید تحریر فرما چکے ہیں، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ شب شہادت کو میں نے ایک آواز غیب سنی کہ کوئی کہتا تھا، شعر

أيها القاتلون جهلا حسينا بشروا بالعذاب والتذليل

قد لُعنتم على لسان ابن داود وموسى وحامل الإنجيل

كذا في تحرير الشهادتين (۱) (وصواعق محرقة) اورامام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''تاریخ الخلفاء'' میں تحریر فرماتے ہیں: "قال صلى الله عليه وسلم: "من أخاف أهل المدينة أخافه الله، وعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين"۔ (رواه مسلم)(۲)

وكان سبب خلع أهل المدينة له أن يزيد أسرف في المعاصي"۔(۳).

اوردوسری جگہ فرماتے ہیں: "فقتل وجيء برأسه في طست حتى وضع بين يدي ابن زياد، لعن الله قاتله وابن زياد، ومعه يزيد ......"۔ (۴) اوربعض محققین مثل امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (۵) اورملا سعد

---

(۱) دلائل النبوة للأصبهاني (ج۲ص۵۵۳)، رقم (۴۹۲)، الصواعق المحرقة(ص۲۱۸)۔

(۲) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الحج، باب من أراد أهل المدينة بسوء ......، رقم (۱۳۸۷-۱۳۸۸)۔

(۳) تاريخ الخلفاء للإمام السيوطي (ص۲۰۹)۔

(۴) حوالہ بالا (ص۲۰۷)۔

(۵) النبراس شرح شرح العقائد (ص۳۳۱)۔

الدین تفتازانی (۱) وغیرہ رحمہم اللہ بھی لعن کے قائل ہیں، چنانچہ مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

''وجہ قول جواز لعن آنست کہ ابن جوزی روایت کردہ کہ قاضی ابویعلی در کتاب خود ''معتمد الأصول'' بسند خود از صالح بن احمد بن حنبل روایت کردہ کہ گفتم پدر خود را کہ اے پدر! مردم گمان می برند کہ ما مردم یزید را دوست می داریم۔ احمد گفت کہ اے پسر! کسے کہ ایمان بخدا و رسول داشتہ باشد او را دوستی یزید چگونہ روا باشد؟ و چرا لعنت نہ کردہ شود بر کسیکہ خدا بروئے در کتاب خود لعنت کردہ؟ گفتم در قرآن کجا بر یزید لعنت کردہ است؟ احمد گفت ﴿فهل عسيتم إن توليتم إلخ﴾۔'' (۲) اور نیز مکتوب...... میں ہے:

غرض کہ کفر بر یزید از روایت معتبرہ ثابت می شود، پس او مستحق لعن است، اگرچہ در لعن گفتن فائدہ نیست، لیکن الحب فی اللہ والبغض (۳) مقتضی آنست۔ واللہ أعلم۔

ان عبارات مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات کفر کے بھی قائل تھے اور بعض حضرات اکابر دین لعن کو جائز نہیں فرماتے ہیں۔ اس واسطے کہ یزید کے کفر کا حال محقق نہیں۔ پس وہ قابل لعن نہیں، لہذا یزید کو کافر کہنا اور لعن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ارقام فرمائیں۔

---

(۱) قال العلامة سعد الدين التفتازاني في شرح العقائد (ص۱۱٦): "وانما اختلفوا في يزيد بن معاوية حتى ذكر في الخلاصة وغيره أنه لاينبغي اللعن عليه ولا على الحجاج؛ لأن النبي عليه السلام نهى عن لعن المصلين، ومن كان من أهل القبلة، ومانقل من النبي عليه السلام من اللعن لبعض من أهل القبلة فلما أنه يعلم من أحوال الناس مالايعلمه غيره، وبعضهم أطلق اللعن عليه؛ لما أنه كفر حين أمر بقتل الحسين، واتفقوا على جواز اللعن على من قتله أو أمر به، أو أجازه، ورضي به، والحق أن رضا يزيد بقتل الحسين واستشاره بذلك وإهانة أهل بيت النبي عليه السلام مما تواتر معناه، وإن كان تفاصيله أحاداً، فنحن لانتوقف في شأنه بل في إيمانه لعنة الله عليه وعلى أنصاره وأعوانه"۔

یہ تو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ٹھہرا، لیکن علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اتحاف میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف پر رد فرمایا ہے، چنانچہ وہ تفتازانی کی عبارت مذکورہ بالا نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"انظر هذا الكلام من هذا المحقق، مع أنه من كبار أئمة الشافعية، وقواعد مذهبه تقتضي عدم اللعن۔"

إتحاف السادة المتقين (ج۹ ص۲۰٦)، كتاب آفات اللسان، الآفة الثامنة: اللعن۔

(۲) الصواعق المحرقة (ص۲۲۰)۔

(۳) أخرج الإمام أبو داود في سننه عن أبي ذر رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: "أفضل الأعمال الحب في الله والبغض في الله"۔ كتاب السنة، باب مجانبة أهل الأهواء، وبغضهم، رقم (٤٥٩٩)۔

جواب: حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے۔ اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعن اس پر پڑتی ہے، ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع ہوتی ہے۔(۱)

پس جب تک کسی کا کفر پر ہونا محقق نہ ہو جائے اس پر لعنت نہیں کرنا چاہئے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے، لہذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں، مگر جس کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی وخوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا، اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحق تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز وعدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں (بھی) کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب، محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔ فقط واللہ اعلم (۲)

خلاصۂ بحث

یزید کے بارے میں اس سوال وجواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس مسئلے میں علمائے امت کے تین موقف ہیں:

۱۔لعنت بر یزید، ۲۔عدم لعنت، ۳۔توقف وسکوت۔

چنانچہ بعض علماء تو یزید پر لعنت کے قائل ہیں، جیسے امام احمد، علامہ ابن الجوزی، علامہ تفتازانی، قاضی ابو یعلی موصلی، کیا الہراسی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ۔(۳)

اور بعض حضرات علماء کا کہنا ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، جیسے امام غزالی (۴)، علامہ ابن تیمیہ، حافظ

(۱) عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "إن العبد إذا لعن شيئا صعدت اللعنة إلى السماء، ......، ......، فإذا لم تجد مساغا رجعت إلى الذي لُعِن، فإن كان لذلك، وإلا رجعت إلى أهلها"۔ انظر سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في اللعن، رقم (٤٩٠٥)۔

(۲) فتاوی رشیدیه مبوب (ص٧٦–٧٨) وتالیفات رشیدیه (ص٨٣–٨٤)۔

(۳) حوالہ بالا، البداية والنهاية (ج٨ص ٢٢٣)، شہید کربلا اور یزید (ص١٤١)، والنبراس (ص٣٣١)، وحياة الحيوان (ج٢ص١٥٧)، باب الفاء، كلمة "الفهد"۔

(٤) إحياء علوم الدين (ج٣ص ١٢٥)۔

ابن حجر ہیثمی اور حافظ ابن الصلاح رحمہم اللہ وغیرہ۔ (۱) بلکہ بعض لوگ تو ان کے بعض فضائل ومناقب کے بھی قائل ہیں، جیسا کہ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ابھی کچھ پہلے گذرا۔

جب کہ جمہور محققین نے تیسرے موقف کو ترجیح دی ہے کہ اس مسئلے میں سکوت اختیار کیا جائے، چنانچہ متقدمین میں علامہ مصطفیٰ بن ابراہیم تونسی حنفی، امام قاسم بن قطلو بغا (۲)، علامہ زبیدی (۳) رحمہم اللہ متاخرین میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی، حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا، (۴) حکیم الاسلام مولانا محمد طیب (۵)، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۶) رحمہم اللہ اور دیگر علمائے دیوبند کا مسلک بھی یہی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملے "أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم" میں ہے کہ یہاں رومیوں کے ساتھ جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور "مدینہ قیصر" سے قسطنطنیہ مراد ہے جو آج کل استنبول کے نام سے معروف ہے۔

۹۵ – باب : قِتَالِ الَّذِينَ يَنْتَعِلُونَ الشَّعَرَ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہود سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی کو بیان

(۱) إتحاف السادة المتقين (ج۹ص۲۰۵)۔

(۲) حوالہ بالا (ص۲۰۷)۔

(۳) قال الإمام الزبيدي رحمه الله: "وهناك قول ثالث، و هو : التوقف، وتفويض أمره إلى الله، ......"۔ حوالہ بالا (ص۲۰۶)۔

(٤) تعليقات لامع الدراري (ج۷ص۳٤٦)، وذكر الشيخ عبد الحي في فتاواه (مجموعة الفتاوى (ج۱ص٦١) عن المسامرة وشرحه "أن الطريقة الثابتة القديمة في شأن يزيد التوقف، ورجع أمره إلى الله"۔

(۵) شہید کربلا اور یزید (ص۱۴۶)۔

(٦) إمداد الفتاوى (ج۱ص٤٢٦)، وأيضاً انظر لهذه المسألة الصواعق المحرقة (ص۲۱۸–۲۲۱)۔

کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان یہود سے جنگ کریں گے اور یہ بھی نبی علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، جس کا ظہور انشاء اللہ آئندہ زمانے میں ہوگا۔(۱)

٢٧٦٧ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ : حَدَّثَنَا مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا(٢) : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ : (تُقَاتِلُونَ الْيَهُودَ ، حَتَّى يَخْتَبِيءَ أَحَدُهُمْ وَرَاءَ الحَجَرِ ، فَيَقُولُ : يَا عَبْدَ اللهِ ، هٰذَا يَهُودِيٌّ وَرَائِي فَاقْتُلْهُ) . [٣٣٩٨]

تراجم رجال

۱۔اسحاق بن محمد الفروی

یہ ابو یعقوب اسحاق بن محمد بن اسماعیل بن ابی فروہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ اپنے پردادا ابو فروہ کی طرف منسوب ہو کر فروی کہلاتے ہیں۔(۳)

ان سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے واسطے کے ساتھ بھی روایت کی ہے۔(۴)

انہی سے ملتے جلتے نام کے ایک اور راوی بھی ہیں اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ، جو ضعیف ہیں اور یہ (ابن عبد اللہ) اسحاق بن محمد کے والد کے چچا ہیں۔(۵) اس لئے اشتباہ سے بچنا چاہئے۔(٦)

---

(١) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٩)۔

(٢) قوله: "عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضا، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (٣٥٩٣)، ومسلم، كتاب الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل، فيتمنى أن يكون مكان الميت من البلاء، رقم (٧٣٣٥)، والترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في علامة الدجال، رقم (٢٢٣٦)۔

(٣) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٩)، وفتح الباري (ج٦ص١٠٣)۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص١٠٣)۔

(٥) حوالہ بالا۔

(٦) اسحاق بن محمد الفروی ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابه:......۔

۲۔ مالک

یہ مشہور امام، فقیہ مدینہ حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکا ہے۔(۱)

۳۔ نافع

یہ مشہور تابعی، حضرت نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۴۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب الإيمان، وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تقاتلون اليهود

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہود کے ساتھ قتال و جہاد کرو گے۔

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ سامنے بیٹھے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب فرمایا ہے، لیکن مراد دیگر امتی ہیں۔ کیونکہ حدیث میں مذکور واقعہ حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام کے آسمان سے تشریف آوری کے بعد رونما ہوگا اور مسلمان ان کے ہمراہ ہوں گے، جب کہ یہودی (لعنۃ اللہ علیہم) دجال (أعاذنا الله الجميع من فتنته) کا ساتھ دیں گے۔(۴)

حتى يختبىء أحدهم وراء الحجر فيقول: يا عبد الله، هذا يهودي ورائي فاقتله۔

حتی کہ ان یہود میں سے کوئی پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر کہے گا اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے، اسے قتل کردو۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمان یہودیوں کو چن چن کر قتل کریں گے تو یہود چھپنے کے لئے پتھروں کا سہارا لیں گے،

---

(۱) كشف الباري (ج۱ص ۲۹۰)، نیز دیکھئے، كشف الباري (ج۲ص ۸۰)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب العلم، باب ذكر العلم والفتيا في المسجد۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص ۶۳۷)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص٩٩)، وفتح الباري (ج٦ص١٠٣)، وإرشاد الساري (ج٥ص١٠٥)۔

لیکن وہاں بھی بچ نہ پائیں گے، کیونکہ وہی پتھر جن کے پیچھے انہوں نے پناہ لی ہوگی وہ مسلمانوں کو بلا کر نشان دہی کریں گے کہ یہاں میرے پیچھے ایک یہودی چھپا بیٹھا ہے اس کو قتل کردو اور یہ صورتحال اس وقت پیش آئے گی جب حضرت عیسی علیہ السلام دجال ملعون کو قتل کر چکے ہوں گے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں یہ تفصیل بھی مروی ہے:

”......قال عيسى عليه السلام: افتحوا الباب، فيفتح، ووراء ه الدجال، معه سبعون ألف يهودي، كلهم ذو سيف محلى وساج، فإذا نظر إليه الدجال ذاب كما يذوب الملح في الماء، وينطلق هاربا، ويقول عيسى عليه السلام: إن لي فيك ضربة لن تسبقني بها، فيدركه عند باب اللد الشرقي فيقتله، فيهزم الله اليهود، فلا يبقى شيء مما خلق الله عزوجل يتوارى به يهودي إلا أنطق الله ذلك الشيء، لاحجر، ولا شجر، ولاحائط، ولا دابة إلا الغرقدة، فإنها من شجرهم، لاتنطق، إلا قال: يا عبد الله المسلم، هذا يهودي، فتعال، اقتله“۔ (۱)

”......حضرت عیسی علیہ السلام فرمائیں گے کہ دروازہ کھولو! تو دروازہ کھول دیا جائے گا اور اس کے پیچھے دجال ہوگا، جس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے، سب کے پاس مزین تلواریں اور سبز چادریں ہوں گی۔ جب دجال انہیں دیکھے گا تو یوں پگھل جائے گا، جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے اور بھاگنے لگے گا اور حضرت عیسی علیہ السلام فرمائیں گے میں تم پر ایک ایسا وار کروں گا جس میں تم مجھ سے پہل نہیں کرسکو گے، چنانچہ آپ علیہ السلام دجال کو مقام لد کے مشرقی دروازے کے پاس جالیں گے، اسے قتل کردیں گے، اللہ تعالی یہود کو شکست دے دیں گے، چنانچہ مخلوقات خداوندی میں سے ایسی کوئی بھی چیز نہ ہوگی کہ جس کے پیچھے کوئی یہودی چھپ رہا ہوالا یہ کہ اللہ عزوجل اس چیز کو قوت گویائی عطا فرمائیں گے، نہ پتھر، نہ درخت، نہ کوئی جانور، نہ کوئی دیوار، سوائے غرقدہ کے کیونکہ وہ یہود کے درختوں میں سے ہے جونہیں بولے گا، البتہ ہر چیز یہ کہے گی اے اللہ کے مسلمان بندے! یہ یہودی ہے تو آؤ! اسے قتل کرو“۔

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب الفتن باب فتنة الدجال وخروج عيسى بن مريم وخروج يأجوج ......، رقم (٤٠٧٧)۔

سنن ابن ماجہ کی مذکورہ روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہود کو کوئی بھی چیز پناہ نہیں دے گی، سوائے غرقد (۱) درخت کے، شنید ہے کہ مقبوضہ فلسطین (اسرائیل) میں مقیم غاصب یہودیوں نے غرقد کی کاشت میں بے پناہ اضافہ کردیا ہے، تاکہ اس موقع پر جب انہیں کوئی بھی شیء پناہ دینے کو تیار نہ ہوگی اس کی کثرت کام آئے۔

پتھر کی نشاندہی کا مطلب

جیسا کہ ابھی گذرا کہ پتھر اپنے پیچھے چھپے ہوئے یہودیوں کی نشاندہی کریں گے اور کہیں گے: "یا عبد اللہ، هذا يهودي ورائي، فاقتله"۔ تو اس میں دو احتمالات ہیں:

۱۔ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ اللہ تعالی ان میں قوت گویائی ودیعت فرمادیں اور پتھر بولنے لگیں "وهو على كل شيء قدير"۔ (۲)

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلام مجاز پر محمول ہو اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ یہود کی جڑ کاٹ دی جائے گی اور وہ بالکل ختم کردیئے جائیں گے۔ (۳)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ تو واضح ہے کہ اللہ جل شانہ کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں کہ وہ جمادات کو قوت گویائی عطا فرمادے۔ (۴)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "تقاتلون اليهود"۔ (۵) کہ اس میں مستقبل سے متعلق ایک خبر دی گئی ہے کہ مسلمانو! تم یہود سے جہاد وقتال کروگے، جس میں آخر کار فتح تمہارا مقدر ٹھہرے گی۔

---

(۱) غرقد یہ قسم کا کانٹے دار درخت ہے، علامہ طیبی فرماتے ہیں: "هو ضرب من شجر العضاه وشجر الشوك، والغرقدة واحدة"۔ انظر الكاشف عن حقائق السنن (ج۱۰ص۷۵)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص۱۹۹)، وشرح الأبي على مسلم (ج۷ص۲۵۷)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٩)۔

(۵) حوالہ بالا۔

حدیث باب کی ایک خصوصیت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرویات امام مالک میں سے ہے، لیکن موطا میں نہیں پائی جاتی، چنانچہ یہ ان احادیث میں سے ہے، جن کی تحدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا سے باہر کی ہے۔

اور اسحاق بن محمد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کی روایت میں متفرد بھی نہیں ہیں، بلکہ ان کی متابعت ابن وہب، معن بن عیسی، سعید بن داود اور ولید بن مسلم نے کی ہے، ان تمام متابعات کی تخریج امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ”غرائب مالک“ میں کی ہے، جب کہ اسماعیلی نے صرف ابن وھب کے طریق کو ذکر کیا ہے۔(۱)

٢٧٦٨ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ(٢) ، عَنْ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ قالَ : (لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا الْيَهُودَ ، حَتَّى يَقُولَ الحَجَرُ وَرَاءَهُ الْيَهُودِيُّ : يَا مُسْلِمُ ، هٰذَا يَهُودِيٌّ وَرَائِي فَاقْتُلْهُ) .

تراجم رجال

١۔ اسحٰق بن ابراہیم

یہ اسحٰق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ابن راھویہ سے معروف ہیں، ان کا تذکرہ ”کتاب العلم، باب فضل من علم وعلم“ کے تحت گذر چکا ہے۔(۳)

٢۔ جریر

یہ ابوعبداللہ جریر بن عبدالحمید بن قرط رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة“ کے ذیل میں آچکا۔(۴)

---

(١) فتح الباري (ج٦ص١٠٣)۔

(٢) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل فيتمنى أن يكون مكان الميت، من البلاء، رقم (٧٣٣٩)۔

(٣) كشف الباري (ج٣ص٤٢٨)۔

(٤) كشف الباري (ج٣ص٢٦٨)۔

۴۔عمارة بن القعقاع

یہ عمارة بن القعقاع بن شُبرمہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب الجهاد من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۵۔ابوزرعہ

یہ مشہور محدث حضرت ابوزرعہ عمرو بن جریر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی "کتاب الإیمان" کے مذکورہ بالا باب کے تحت آ چکے۔(۲)

۶۔ابوہریرہ

یہ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں،ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکا ہے۔(۳)

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتقوم الساعة ......

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم یہود سے قتال نہ کرو، یہاں تک کہ وہ پتھر جس کے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہوگا کہے گا: اے مسلمان! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے،اس کو قتل کردو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مفہوم ومضمون وہی ہے جو گذشتہ حدیث کا تھا۔البتہ یہاں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ دونوں حدیثوں میں یہود کے ساتھ قتال کا جو ذکر ہے وہ قرب قیامت کے وقت ہوگا اور قیامت کے وقوع کے لئے بطور علامت ہوگا۔

اسلام نزول عیسی علیہ السلام تک باقی رہے گا

احادیث باب میں اس جانب اشارہ ہے کہ دین اسلام حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول تک باقی رہے گا،

(۱) کشف الباري (ج۲ ص۳۰۳)۔

(۲) حوالہ بالا (ص۳۰۴)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ ص۶۵۹)۔

کیونکہ وہی دجال سے قتال کریں گے اور یہود جو کہ دجال کے متبعین ہوں گے ان کی وہ جڑ کاٹیں گے۔(۱)

اس سلسلے میں مزید تفصیل انشاءاللہ کتاب المناقب میں "باب علامة النبوة" کے تحت آئے گی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور وہ حدیث کے اس جملے میں ہے: "لاتقوم الساعة حتى تقاتلوا اليهود ......"۔(۲)

٩٤ - باب : قِتَالِ التُّرْكِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں آتا ہے: "اتركوا الترك ماتركوكم" یا "اتركوا الترك ماودَعوكم"۔ (۳) یعنی "جب تک ترک تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی ان سے تعرض نہ کرو۔"

اس روایت سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کے ساتھ قتال نہیں کرنا چاہئے۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتلا رہے ہیں کہ نہیں! اگر موقع آجائے تو ان کے ساتھ بھی قتال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ

---

(١) شرح ابن بطال (ج٥ص١٠٧)، وفتح الباري (ج٦ص١٠٣)، وعمدة القاري (ج١٤ص١٩٩)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص١٩٩)۔

(٣) الحديث أخرجه أبو داود في سننه، أبواب الملاحم، باب في النهي عن تهييج الترك والحبشة، رقم (٤٣٠٢)، والنسائي في الصغرى، أبواب الجهاد، باب غزوة الترك والحبشة، رقم (٣١٧٨)، والبيهقي في سننه الكبرى (ج٩ص١٧٦)، كتاب السير، باب ماجاء في النهي عن تهييج الترك والحبشة، والسيوطي في اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة (ج١ص٨) بقية المناقب، وقال: "موضوع" والكناني في تنزيه الشريعة المرفوعة (ج٢ص٣٢)، باب في مناقب ومثالب متفرقة، و(ج٢ص٢١٣)، كتاب النكاح، الفصل الثالث، وابن الجوزي في الموضوعات (ج٢ص٢٣٥)، كتاب الجهاد، باب في السبي، والطبراني في الكبير (ج١٩ص٣٧٥)، رقم (٨٨٢)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود علامات قیامت میں اس کا ذکر کیا ہے کہ آئندہ زمانے میں قیامت کے قریب ترکوں کے ساتھ بھی جہاد وقتال ہوگا۔

ترکوں کی نسل کے بارے میں تحقیق

ترکوں کے اصل میں اختلاف ہے کہ یہ کس کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک باندی "قنطوراء" کی نسل سے ہیں، اس باندی کی بہت سی اولاد ہوئی، انہی کے نسل سے ترک بھی ہیں۔ (۱)

اور علامہ کراع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترک وہی لوگ ہیں جنہیں "دیلم" کہا جاتا ہے لیکن اس قول پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ دیلم ترکوں کی ایک قسم ہے۔ (۲)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترک یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی بہت سی قسمیں ہیں۔ چنانچہ ان میں شہر والے بھی ہیں اور قلعوں کے رہائشی بھی، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سکونت اختیار کرنے والے بھی ہیں اور صحراؤں کے بادیہ نشین بھی۔ (۳)

اور حافظ وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ ترک یاجوج ماجوج کے چچیرے بھائی ہیں۔ ہوا یوں کہ جب حضرت ذوالقرنین نے سد سکندری بنوائی تو یاجوج ماجوج کے کچھ افراد غائب تھے، چنانچہ وہ باہر ہی چھوڑ دیئے گئے، اسی لئے وہ ترک سے موسوم ہیں۔ (۴)

۲۷٦۹ : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حازِمٍ قالَ : سَمِعْتُ الحَسَنَ يَقُولُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ[۵] قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُقَاتِلُوا قَوْمًا يَنْتَعِلُونَ نِعَالَ الشَّعَرِ ، وَإِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُقَاتِلُوا قَوْمًا عِرَاضَ الْوُجُوهِ ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ) . [۳۳۹۷]

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص١٩٩)، وفتح الباري (ج٦ ص١٠٤)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠٠)، وفتح الباري (ج٦ ص١٠٤)۔

(٥) قوله: "عن عمرو بن تغلب رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري أيضا في المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (٣٥٩٢)، وابن ماجه، أبواب الفتن، باب الترك، رقم (٤٠٩٨)۔

تراجم رجال

ا۔ ابو النعمان

یہ ابو النعمان محمد بن الفضل سدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة ......" کے تحت آچکا ہے۔(۱)

۲۔ جریر بن حازم

یہ ابو النضر جریر بن حازم بن زید ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۳۔ حسن

یہ مشہور تابعی، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا......﴾" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

۴۔ عمرو بن تغلب

یہ عمرو بن تغلب عبدی ضمری رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن من أشراط الساعة أن تقاتلوا قوما ينتعلون نعال الشعر۔

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ تم ایسی قوم کے ساتھ قتال کرو جو بال کے جوتے پہنتے ہوں گے۔

بال کے جوتے پہننے کا مطلب

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے جملے "ينتعلون نعال الشعر" کے دو مطالب بیان کئے ہیں:

(۱) كشف الباري (ج۲ ص۷٦۸)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص۲۲۰)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أمابعد۔

ا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بالوں سے رسیاں پھر ان رسیوں سے جوتے بناتے ہوں گے۔

۲۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے سر کے بال بہت گھنے اور لمبے ہوتے ہیں، چنانچہ جب وہ بالوں کو لٹکا دیتے ہیں تو وہ لباس کی طرح ہوتے ہیں، جو ان کے پاؤں تک پہنچتے ہیں جوتوں کی طرح۔(۱)

بالوں کے یا ایسی کھالیں جن پر بال لگے ہوئے ہوں کہ جوتے وہ اس لئے استعمال کرتے ہوں گے کہ ان کے علاقوں میں ایسی شدید برف باری ہوتی ہے جو دوسرے علاقوں میں نہیں ہوتی، تاکہ پاؤں کو برف باری کی شدت اور نقصان سے بچایا جاسکے۔

وإن من أشراط الساعة أن تقاتلوا قوما عراض الوجوه، كأن وجوههم المجان المطرقة۔

اور بے شک علامات قیامت میں سے (یہ بھی ہے کہ) تم ایک ایسی قوم کے ساتھ قتال کرو گے جن کے چہرے چوڑے ہوں گے، گویا کہ وہ چوڑی ڈھالیں ہیں۔

"المجان المطرقة" کے معنی

المجان جمع مجن کی ہے، معنی اس کے ڈھال کے ہیں۔

اور "المطرقة" کی راء میں دو احتمالات ہیں، تخفیف کے ساتھ مُطرَقة ہے یا تشدید کے ساتھ مطرَّقة ہے۔(۲)

اگر تشدید کے ساتھ ہو تو المجان المطرقة کے معنی ہیں وہ ڈھالیں جو ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی اور تہہ بہ تہہ ہوں۔ ابن قرقول نے اس قول کو بعض لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے۔(۳)

اور اگر مطرقة بدون تشدید ہے تو علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ بیان کئے کہ وہ ڈھال جن پر لوہا چڑھایا گیا ہو۔(۴) ہوتا یہ ہے کہ لوہے کو چوڑا کر کے اس کو ڈھال وغیرہ پر منڈھ دیتے ہیں۔ تاکہ تیر وغیرہ ان پر اثر نہ کریں۔

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠٠)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠٠)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) أعلام الحديث (ج٢ ص٤٠٥)، وحوالہ بالا۔

یہی معنی زیادہ واضح ہیں۔ چنانچہ اکثر حضرات شراح نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

تشبیہ کس چیز میں ہے؟

حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک قوم کے چہروں کی چوڑائی کو اس ڈھال سے تشبیہ دی ہے، جس پر لوہا منڈھ دیا گیا ہو۔ تو علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ڈھال ابھری ہوئی ہوتی ہے، اسی طرح ان کے چہرے چوڑے اور گال ابھرے ہوئے ہوں گے۔(۱)

اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ان کے چہروں کو ڈھال سے تشبیہ دی ہے جو پھیلی ہوئی اور گول ہوتی ہے اور یہ تشبیہ چہروں کی مضبوطی اور گوشت کی کثرت میں ہے۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت معنی حدیث میں ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "عراض الوجوه، كأن وجوههم المجان المطرقة" ترکوں کی صفت ہے(۳) جیسا کہ باب کی اگلی حدیث میں صراحت کے ساتھ آ رہا ہے۔

۲۷۷۰ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ : حَدَّثَنَا أَبِي ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ : قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ(۴) : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ ، صِغَارَ الْأَعْيُنِ ، حُمْرَ الْوُجُوهِ ، ذُلْفَ الْأُنُوفِ ، كَأَنَّ وُجُوهَهُم الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ) . [۲۷۷۱ ، ۳۳۹٤-۳۳۹٦]

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٠)، وفتح الباري (ج٦ص١٠٤)، وشرح الكرماني (ج١٢ص١٨٠)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٠)۔

(٤) قوله: "أبو هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا، كتاب الجهاد، باب قتال الذين ينتعلون الشعر، رقم (٢٩٢٩)، وكتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (٣٥٨٧، ٣٥٩٠، ٣٥٩١)، ومسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر ......، رقم (٧٣١٠)، وأبو داود، أبواب الملاحم، باب في قتال الترك، رقم (٤٣٠٣)، والترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء في قتال الترك، رقم (٢٢١٦)، والنسائي، كتاب الجهاد، باب غزوة الترك والحبشة، رقم (٣١٧٩)، وابن ماجه، أبواب الفتن، باب الترك، رقم (٤٠٩٦، ٤٠٩٧)۔

تراجم رجال

ا۔سعید بن محمد

یہ امام سعید بن محمد بن سعید جرمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ابو محمد یا ابو عبید اللہ ان کی کنیت ہے۔(۱)

یہ عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن ابجر، ابوتمیلہ یحیی بن واضح، یعقوب بن ابراہیم بن سعد، ابواسامۃ، مطلب بن زیاد، ابوعبیدہ الحداد، حاتم بن اسماعیل، یحیی بن سعید الاموی اور امام ابو یوسف القاضی رحمۃ اللہ علیہم سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے امام بخاری، امام مسلم، ذہلی، ابوزرعہ، عبداللہ بن احمد، عبدالاعلی بن واصل، ابن ابی الدنیا، عباس دوری رحمہم اللہ اور ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہیں۔(۲)

امام ابوداود اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالی نے ان سے بواسطہ امام ذہلی روایت لی ہے۔(۳)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”صدوق“۔(۴)

امام ابوزرعہ دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”سألت ابن نمير وابن أبي شيبة عنه، فأثنيا عليه، وذاكرت أحمد بن حنبل عنه بأحاديث، فعرفه، وأثنى عليه، وقال: صدوق، كان يطلب معنا الحديث“۔(۵) یعنی ”ابن نمیر اور ابن ابی شیبہ سے میں نے ان کی بابت پوچھا تو ان دونوں نے سعید بن محمد کی تعریف کی۔اور ان سے مروی بعض احادیث کے بارے، میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مذاکرہ کیا تو وہ ان کو پہچان گئے، ان کی تعریف کی اور فرمایا کہ وہ صدوق ہیں، وہ ہمارے ساتھ ساتھ حدیث طلب کیا کرتے تھے“۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة“۔(۶)

---

(۱) سير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۶۳۷)، وتهذيب الكمال (ج۱۱ص۴۵)، تاريخ بغداد (ج۹ص۸۷)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۱۱ص۴۵-۴۶)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۴ص۷۶)۔

(۴) تاريخ بغداد (ج۹ص۸۸)، وتهذيب الكمال (ج۱۱ص۴۶)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۱۱ص۴۶)، وسير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۶۳۸)۔

(۶) تاريخ بغداد (ج۹ص۸۸)، وحوالہ بالا۔

علاوہ ازیں ابوحاتم (۱)، علامہ ذہبی (۲) اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (۳)
لیکن ان پر کچھ کچھ تشیع کا بھی غلبہ تھا (۴)، مگر چونکہ بہت سے ائمہ رجال حدیث نے ان کی توثیق کی ہے، اس لئے یہ چنداں مضر نہیں۔ (۵)

امام بخاری کے علاوہ امام مسلم، ابوداود اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالی نے بھی ان سے روایات لی ہیں۔ (۶)

۲۳۰ھ کو ان کا انتقال ہوا۔ (۷) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

۲۔ یعقوب

یہ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "کتاب العلم، باب ماذكر في ذهاب موسى صلى الله عليه وسلم ......" کے تحت گذر چکا ہے۔ (۸)

۳۔ أبي

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان ......" (۹) کے تحت اور مفصل تذکرہ "کتاب العلم" کے مذکورہ باب کے تحت آچکا۔ (۱۰)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۱ ص٤٦)، وتهذيب التهذيب (ج٤ ص٧٧)۔

(۲) الكاشف (ج۱ ص٤٤٣)، وميزان الاعتدال (ج۲ ص١٥٧)، وسير أعلام النبلاء (ج١٠ ص٦٣٧)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱۱ ص٤٦)، وتهذيب التهذيب (ج٤ ص٧٧)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۱۱ ص٤٦)، وتهذيب التهذيب (ج٤ ص٧٧)، وتعليقات تهذيب الكمال (ج۱۱ ص٤٧)۔

(٥) قال إبراهيم بن عبدالله بن إبراهيم المخزومي: "كان سعيد الجرمي إذا قدم بغداد نزل على أبي، وكان أبو زرعة الرازي يجيء كل يوم ينتقي عليه ومعه نصف رغيف، وكان إذا حدث فجاء ذكر النبي صلى الله عليه وسلم سكت، وإذا جاء ذكر علي بن أبي طالب، قال: صلى الله عليه وسلم"۔ انظر تاريخ بغداد (ج٩ ص٨٨)، وتهذيب الكمال (ج۱۱ ص٤٦)، وكشف الباري، كتاب العلم (ج٣ ص١٣٧)۔

(٦) تهذيب الكمال (ج۱۱ ص٤٥)، والكاشف (ج۱ ص٤٤٣)۔

(٧) سير أعلام النبلاء (ج١٠ ص٦٣٨)۔

(٨) كشف الباري (ج٣ ص٣٣١)۔

(٩) كشف الباري (ج٢ ص١٢٠)۔

(١٠) كشف الباري (ج٣ ص٣٣٣)۔

۴۔صالح

یہ ابومحمد صالح بن کیسان مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۵۔الاعرج

یہ ابوداود عبدالرحمٰن بن ھرمز مدنی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "كتاب الإيمان، باب حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان" میں آچکا ہے۔(۲)

۶۔ابوہریرہ

یہ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

قال أبو هريرة رضي الله عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقوم الساعة حتى تقاتلوا الترك صغار الأعين، حمر الوجوه، ذلف الأنوف، كأن وجوههم المجان المطرقة۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک کہ تم چھوٹی آنکھوں، سرخ چہروں اور ہموار ناکوں والے ترکوں کے ساتھ قتال نہ کرو، گویا کہ ان کے چہرے چوڑی چوڑی ڈھالیں ہیں۔

یہاں اس حدیث میں اس بات کی تصریح آگئی ہے کہ گذشتہ حدیث میں جو قوماً آیا تھا اس سے مراد ترک ہیں۔
پھر ترکوں کی مزید کچھ صفات کا ذکر ہے کہ وہ چھوٹی آنکھوں والے ہوں گے۔سرخ چہرے والے ہوں گے اور ان کی ناکیں ہموار ہوں گی۔

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۱۲۱)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۱۱)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

ذلف الأنوف کی تحقیق

ذلف ذال معجمہ کے ضمہ کے ساتھ أذلف کی جمع ہے اور الأذلف کے معنی چھوٹی اور ہموار ناک والے کے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں چپٹی ناک والا بھی کہہ سکتے ہیں۔(۱)

اور أنوف جمع أنف کی ہے، جیسے فلس کی جمع فلوس ہے، اس کے معنی ناک کے ہیں۔ ناک کو انف اس لئے کہتے ہیں کہ چہرے پر سب سے نمایاں اور آگے بڑھی ہوئی چیز ناک ہی ہوتی ہے کیونکہ ہر اول اور آگے کو بڑھی ہوئی چیز انف کہلاتی ہے۔(۲)

ولا تقوم الساعة حتى تقاتلوا قوماً نعالهم الشعر۔

اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم کے ساتھ قتال نہ کرو جن کے جوتے بال کے ہوں گے۔

اس جملے کی تشریح ماقبل کی حدیث میں آچکی ہے۔

حدیث میں مذکور صفات کا تعلق کس قوم سے ہے؟

حضرت عمرو بن تغلب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم جن کے چہرے چوڑی ڈھالوں کی طرح ہوں گے اور جس قوم کے جوتے بال کے ہوں گے میں فرق ہے اور دونوں کا مصداق الگ الگ قومیں ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قوموں کو الگ الگ مستقلا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ حدیث کے دو جزء ہیں "إن من أشراف الساعة أن تقاتلوا قوما ينتعلون نعال الشعر" اور "وإن من أشراط الساعة أن تقاتلوا قوما عراض الوجوه؛ كأن وجوههم المجان المطرقة"۔ كما في حديث عمرو بن تغلب رضي الله عنه۔

چنانچہ حافظ ابن حجر اور بعض دیگر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ دو مختلف جماعتوں یا قوموں کی طرف اشارہ ہے، حدیث کا پہلا جملہ تو ترکوں سے متعلق ہے، جس کی تصریح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود بھی ہے، جب کہ دوسرے جملے کا تعلق بابک خرمی کے فرقے سے ہے۔(۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠١)، وفتح الباري (ج٦ ص١٠٥)، وشرح الأبي والسنوسي على مسلم (ج٧ ص٢٥٢)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠١)، قال الخليل: "أنف اللحية طرفها، وأنف كل شيء أونه، ......، وأنف الجبل أوله وما بدا لك منه"۔ انظر معجم مقاييس اللغة، مادة "أنف" (ج١ ص١٤٧)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ ص١٠٤)، وعمدة القاري (ج١٤ ص٢٠٠)۔

بابک الخرمی اور اس کا فرقہ

خلیفہ مامون الرشید کے عہد حکومت میں ایک آدمی گذرا ہے، جس کا نام بابک تھا اور خرمی- بضم أوله وتشديد ثانيه- (۱) سے معروف تھا، یہ ایک زندیق قسم کے فرقے کا بانی تھا، جس میں محرمات حلال تھیں، مامون کے دور میں اس فرقے نے خوب غلبہ وقوت حاصل کی اور بہت سے بلاد عجم مثلاً طبرستان اور ری وغیرہ پر قابض ہوگیا، آخرکار ۲۲۲ھ کو خلیفہ معتصم کے زمانے میں یہ جہنم رسید ہوا۔ (۲)

امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عباد کے طریق سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بابک کے ساتھیوں کے جوتے بال کے تھے۔ (۳)

اسماعیلی کے اس طریق سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا قول پیش کیا ہے۔

جب کہ علامہ عینی اور حافظ قسطلانی رحمہما اللہ کا میلان اس جانب ہے کہ ان دونوں جملوں کا مصداق ایک ہی قوم یعنی ترک ہیں۔ (۴)

مسلم شریف کی بعض روایات سے بھی علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے رائے کی تائید ہوتی ہے، خصوصاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت جو سهيل عن أبيه کے طریق سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"لا تقوم الساعة حتى يقاتل المسلمون الترك؛ قوما وجوههم كالمجان المطرقة، يلبسون الشعر، ويمشون في الشعر"۔ (۵)

دیکھیے! اس روایت میں ترکوں کی صفت یہی بیان کی گئی ہے کہ وہ بال پہنتے ہیں اور بالوں میں وہ چلتے ہیں۔ یعنی ان کے جسموں پر بال کے لباس اور پاؤں میں بال کے جوتے ہوں گے۔

البتہ دونوں قسم کی روایات کے درمیان تطبیق یوں دی جاسکتی ہے کہ بالوں کا پہننا ترک اور غیر ترک کے درمیان

---

(۱) قال الإمام ياقوت الحموي: "خُرَّم ...... وهو رستاق بأردبيل؛ قال نصر: وأظن الخرَّمية الذين كان منهم بابك الخرَّمي نسبوا إليه، وقيل: الخرمية فارسي، معناه: الذين يتبعون الشهوات ويستبيحونها۔" معجم البلدان (ج٢ ص٣٦٢)۔

(٢) فتح الباري (ج٦ص١٠٤)، وعمدة القاري (ج١٤ ص٢٠١)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠٠)، وإرشاد الساري (ج٥ ص١٠٦)۔

(٥) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر أخيه......، رقم (٧٣١٣)۔

مشترکہ چیز ہے، چنانچہ کبھی ترکوں کی علامت کے طور پر ذکر کردیا گیا اور کبھی دوسرے اقوام کی علامت کے طور پر لبس شعر کو ذکر کردیا گیا۔(۱)

اس لئے روایات کے درمیان کوئی منافات نہیں اور نہ ہی کسی کو راجح، دوسرے کو مرجوح قرار دینے کی ضرورت ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت باب کی حدیث سابق کے مقابلے میں زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ وہاں ''ترک'' کی تصریح نہیں تھی، جب کہ یہاں ''ترک'' کی تصریح بھی موجود ہے۔(۲)

باب کی دونوں روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکوں کے ساتھ قتال کرنے کا ذکر فرمایا ہے، لہذا اگر موقع آجائے تو ان کے ساتھ قتال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ترکوں سے متعلقہ احادیث کے بارے میں ایک وضاحت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں ترکوں کی واضح الفاظ میں مذمت فرمائی اور ان کے ساتھ قتال کی فضیلت بتلائی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس وقت کفر وشرک کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے، لیکن آج معاملہ اور کچھ ہے کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو چکے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ان سے اس بدنامی کی علامت کو دور کیا جائے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی قوم کے متعلق یہ علم نہیں کہ وہ پوری کی پوری مسلمان ہوگئی ہو، سوائے عربوں، ترکوں اور افغانیوں کے، چنانچہ ان میں سے جس نے بھی کفر اختیار کیا اسلام قبول کرنے کے بعد ہی کیا، یعنی ابتداءً وہ مسلمان ہی تھا۔ فیض الباری میں ہے:

"وإنما وردت الأحاديث في ذمهم لكونهم كفاراً إذ ذاك، أما اليوم فإنهم أسلموا جميعاً، فينبغي أن يرتفع عنهم ميسم السوء، ولا أعرف قوما أسلموا كلهم إلا العرب والترك والأفغان، فإنه لم يكفر من كفر منهم إلا بعد إسلامه"۔(۳)

(۱) تكملة فتح الملهم (ج٦ ص٢٢٧)۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠١)۔

(۳) فيض الباري (ج٣ ص٤٣٨)۔

۹۵ - باب : قِتَالِ الَّذِينَ يَنْتَعِلُونَ الشَّعَرَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

ابھی گذشتہ باب میں یہ بات آچکی ہے کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس امر کے قائل ہیں کہ وہ لوگ جو بالوں کے جوتے پہنتے ہیں علاوہ ترک کے اور کوئی قوم ہے۔

اس صورت میں ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہوگا کہ گذشتہ باب تو ترکوں کے ساتھ قتال کے بارے میں تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تم ترکوں کے ساتھ قتال کروگے اور یہ اشراط الساعۃ (علامات قیامت) میں سے ہوگا۔

اب یہاں یہ ترجمہ قائم کرکے اس بات کو ذکر فرمایا ہے کہ علامات قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان بالوں کے جوتے پہننے والوں کے ساتھ قتال کریں گے۔

علامہ عینی اور حافظ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہما کی رائے چونکہ یہ تھی کہ گذشتہ باب میں ذکر کی گئیں صفات ایک ہی قوم یعنی ترکوں کی ہیں تو موجودہ باب اشکال سے خالی نہیں، کیونکہ اس طرح ترجمہ مکرر ہوجائے گا۔ ظاہری بات ہے جب ترک اور بال کے جوتے پہننے والے ایک ہی قوم کے لوگ ہیں تو نئے سرے سے ترجمہ قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟(۱)

اس اشکال (تکرار ترجمہ) کو ختم کرنے کی کوشش تو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کی ہے لیکن فائدہ اس کا کچھ بھی نہیں، مثلاً فرماتے ہیں:

"أي هذا باب في بيان قتال القوم الذين ينتعلون الشعر، وهم أيضا من الترك كما ذكرناه، ولكن لما روى الحديث المذكور في الباب السابق عن أبي هريرة رضي الله عنه من وجه آخر عقد له هذه الترجمة؛ لأن لفظ أبي هريرة في الحديث الماضي "لا تقوم الساعة حتى تقاتلوا قوماً نعالهم الشعر" وقع في آخر الحديث، وهو في هذا الحديث وقع في صدره"۔ (۲)

---

(۱) الأبواب والتراجم (ج۱ص۱۹۹)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص۲۰۲)۔

یعنی ''یہ باب ان لوگوں کے ساتھ قتال کرنے بارے میں ہے جو بال کے جوتے پہنتے ہوں گے اور وہ بھی ترکوں میں سے ہیں، جیسے ہم نے ذکر کیا ہے، لیکن جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی باب سابق میں ذکر کردہ حدیث کو یہاں ذکر فرمایا ہے تو اس کے لئے الگ سے یہ ترجمہ قائم فرمایا، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ الفاظ ”لا تقوم الساعة حتى تقاتلوا قوماً نعالهم الشعر“ گذشتہ باب کی حدیث کے آخر میں آئے تھے اور یہی الفاظ حدیثِ باب کی ابتدا میں آئے ہیں۔''

دیکھئے! اس بات کا کوئی فائدہ بظاہر تو نظر نہیں آتا کہ کسی حدیث کے ایک طریق میں کوئی جملہ ابتدائے حدیث میں ہو اور وہی جملہ دوسرے طریق میں آخر میں آیا ہو تو اس کے لئے الگ سے باب قائم کرنے کی ضرورت پڑے، اسی لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وهذا كما ترى لايجدي شيئا“۔(۱)

حضرت کاندھلوی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک زیادہ بہتر یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مستقل ترجمہ اس بات کی طرف اشارہ کے لئے قائم فرمایا ہے کہ بال کے جوتے پہننے والوں کے مصداق میں اختلاف ہے۔ جیسے گذشتہ باب میں اس کی تھوڑی بہت تفصیل آچکی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ خوارج سے تعلق رکھنے والی ایک قوم ہے۔(۲)

یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جو ترجمہ قائم کیا ہے، یہ ترک کے ترجمے سے عام ہے، یعنی ایک تو ترک بھی اس طرح کے جوتے پہنتے ہیں جن کے اوپر بال ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی اگر ایسے ہوں تو ان کے ساتھ بھی قتال کیا جائے گا۔

۲۷۷۱ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : قالَ الزُّهْرِيُّ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ[۳] ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ) .

---

(۱) الأبواب والتراجم (ج۱ ص۱۹۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه آنفا في الباب السابق۔

تراجم رجال

ا۔علی بن عبداللہ

یہ امام علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "كتاب العلم، باب الفهم في العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔سفیان

یہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کے حالات "بدء الوحي" میں پہلی حدیث کے ضمن میں مختصرا (۲)اور"كتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا ......" کے ذیل میں تفصیلا آچکے ہیں۔(۳)

۳۔زہری

یہ مشہور امام حدیث،ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ"بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں اجمالا آچکا ہے۔(۴)

۴۔سعید بن المسیب

یہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیب قرشی مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب من قال: إن الإيمان هو العمل" کے تحت گذر چکا ہے۔(۵)

۵۔ابی ہریرۃ

سابقہ سند دیکھئے۔(٦)

حدیث کی مکمل تشریح ابھی گذشتہ باب میں بیان کی جاچکی ہے۔

---

(۱) كشف الباري (ج۳ص۲۹۷)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ص۲۳۸)۔

(۳) كشف الباري (ج۳ص۱۰۲)۔

(٤) كشف الباري (ج۱ص۳۲٦)۔

(٥) كشف الباري (ج۲ص۱۵۹)۔

(٦) كشف الباري (ج۱ص٦۵۹)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

حدیث کی ترجمے کے ساتھ مطابقت واضح ہے جو اس جملے میں ہے "لا تقوم الساعة حتی تقاتلوا قوما نعالهم الشعر"۔

قالَ سُفْيَانُ : وَزَادَ فِيهِ أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً : (صِغَارَ الْأَعْيُنِ ، ذُلْفَ الْأُنُوفِ ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ) . [ر : ۲۷۷۰]

مذکورہ عبارت کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس عبارت سے یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو دو طرق سے نقل کیا ہے۔ ایک طریق تو وہ ہے جو باب کے شروع میں گذرا اور دوسرا طریق ابو الزناد عن الاعرج کا ہے اور اس دوسرے طریق میں ابو الزناد سے یہ اضافہ بھی مروی ہے "صغار الأعين، ذلف الأنوف، كأن وجوههم المجان المطرقة" کہ "ان کی آنکھیں چھوٹی اور ناک چپٹی ہوگی، گویا کہ ان کے چہرے چوڑی چوڑی ڈھالیں ہیں"۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ تعلیق نہیں ہے جیسا کہ صاحب التلویح علامہ علاء الدین مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مغالطہ لگا ہے، بلکہ سند سابق کے ساتھ موصول ہے۔(۱)

روایةً کا مطلب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول "روایة" "عن النبي صلى الله عليه وسلم" کے عوض میں ہے، چنانچہ اسماعیلی نے اس روایت کو "محمد بن عبادة عن سفيان" کے طریق سے بایں الفاظ نقل کیا ہے: "عن النبي صلى الله عليه وسلم" اسی طرح گذشتہ باب کی دوسری حدیث جو کہ الاعرج سے مروی ہے، اس میں بھی "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔(۲)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ ص ١٠٥)، وتغليق التعليق (ج٣ ص ٤٤٧)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص ١٠٥) نیز دیکھئے فتح المغيث بشرح ألفية الحديث (ج١ ص ١٤٤)، النوع الرابع من الفروع السبعة۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو ان الفاظ "صغار الأعين، ذلف الأنوف، كأن وجوههم المجان المطرقة" کا اضافہ فرمایا ہے، یہ اضافہ اپنی طرف سے نہیں فرمایا اور یہ ان کا اپنا قول نہیں ہے، بلکہ یہ الفاظ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور آپ سے مرفوعاً نقل کر رہے ہیں، حاصل یہ ہے کہ "روایۃ" کا لفظ حدیث کے مرفوع ہونے کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

اور علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کی تشریح دوسرے انداز میں ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قوله: "رواية" بالنصب، أي زاد على سبيل الرواية، لا على طريق المذاكرة، أي قاله عند النقل والتحمل، لا عند القال والقيل"۔ (۱)

"یعنی "روایۃ" کا لفظ منصوب ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ زیادتی باقاعدہ روایت کرتے ہوئے نقل کی ہے، صرف مذاکرۂ حدیث کے طور پر نہیں، یعنی انہوں نے یہ اضافہ نقل واداءِ حدیث کے وقت ارشاد فرمایا۔"

البتہ گذشتہ باب کی اور ہمارے پیش نظر باب کی روایت میں فرق یہ ہے کہ اس میں "حمر الوجوه" کی زیادتی مروی ہے، جب کہ "صغار الأعين" کے الفاظ اس میں نہیں ہیں، جس کا اضافہ ہمارے پیش نظر باب میں موجود ہے۔ (۲)

٩٦ – باب: مَنْ صَفَّ أَصْحَابَهُ عِنْدَ الْهَزِيمَةِ، وَنَزَلَ عَنْ دَابَّتِهِ وَاسْتَنْصَرَ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا ہے کہ اگر آدمی ہزیمت وشکست کے وقت اپنے ان

(۱) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠٢)، وشرح الكرماني (ج١٢ ص١٧٩)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ ص١٠٥)۔

اصحاب کی جو پسپا نہیں ہوئے، نئی سرے سے صف بندی کرے، سواری سے اتر آئے اور اللہ تبارک وتعالی سے دشمن کے مقابلے میں مدد مانگے تو اس کی اصل سنت میں موجود ہے۔ اور باب کے تحت مصنف علیہ الرحمۃ نے غزوۂ حنین کا مشہور واقعہ بیان کیا ہے۔(۱)

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو صورت یہاں بیان کی ہے، یہ کوئی قانون نہیں ہے کہ بہر حال ایسا ہی کیا جائے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں کیا تھا۔ بلکہ مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس طرح ہزیمت کے بعد اگر دوبارہ حملہ کرنے کا اہتمام ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کی اصل سنت میں چونکہ موجود ہے، اس لئے اس کی بھی گنجائش ہے۔

۲۷۷۲ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ خالِدٍ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ قالَ : سَمِعْتُ الْبَرَاءَ(۲)، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ : أَكُنْتُمْ فَرَرْتُمْ يَا أَبَا عُمَارَةَ يَوْمَ حُنَيْنٍ ؟ قالَ : لَا وَٱللهِ ، ما وَلَّى رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، وَلٰكِنَّهُ خَرَجَ شُبَّانُ أَصْحَابِهِ وَأَخِفَّاؤُهُمْ حُسَّرًا لَيْسَ بِسِلَاحٍ ، فَأَتَوْا قَوْمًا رُمَاةً ، جَمْعَ هَوَازِنَ وَبَنِي نَصْرٍ ، ما يَكادُ يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ . فَرَشَقُوهُمْ رَشْقًا ما يَكادُونَ يُخْطِئُونَ . فَأَقْبَلُوا هُنَالِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهْوَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ ، وَٱبْنُ عَمِّهِ أَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَقُودُ بِهِ ، فَنَزَلَ وَٱسْتَنْصَرَ ، ثُمَّ قالَ : (أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ، أَنَا ٱبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ) . ثُمَّ صَفَّ أَصْحَابَهُ .
[ر : ۲۷۰۹]

تراجم رجال

حدیث باب کی یہ سند بعینہ ان افراد پر مشتمل "كتاب الإيمان، باب الصلاة من الإيمان" میں بھی گذر چکی ہے، وہیں تمام رجال سند کے حالات بھی آ چکے ہیں۔(۳)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص١٠٥)، وعمدة القاري (ج١٤ص٢٠٢)۔

(۲) قوله: "البراء رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الجهاد، باب من قاد دابة غيره في الحرب۔

(۳) كشف الباري (ج٢ص٣٢٦-٣٧٦)۔

تنبیہ

حدیث باب میں ذکر کردہ واقعے کی تفصیل کتاب المغازی میں ''غزوۂ حنین'' (۱) کے تحت آچکی ہے، اسی طرح حدیث کے بعض جمل اور اجزاء کی تشریحات پیچھے کتاب الجہاد ہی میں "باب من قاد دابة غيره في الحرب" کے تحت ذکر کی جاچکی ہیں، البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے، اس میں کچھ اور جملوں کا بھی اضافہ ہے، جن کی تشریح ہم ذیل میں بیان کئے دیتے ہیں۔

قال: لا، والله، ما ولى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولكنه خرج شبان أصحابه وخفافهم حسرا، ليس بسلاح۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری، لیکن آپ کے نوعمر اصحاب جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے وہ ساتھ چلے آئے تھے۔ وہ چلے گئے۔

"خفافهم" کی تحقیق

ہمارے ہندی نسخوں میں "ولكنه خرج شبان أصحابه" کے بعد "وأخفافهم" کا لفظ وارد ہوا ہے اور اخفاف جمع ہے "خفيف" کی۔ (۲)

پھر جو دیگر نسخے ہیں ان میں دو لفظ وارد ہوئے ہیں اخفاء اور خِفاف چنانچہ اکثر نسخوں میں تو اُخفاء ہے، جو جمع ہے "خِفٌّ" کی اور یہ خفیف کے معنی میں ہے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو خالی ہاتھ تھے اور ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا، یعنی "حسرا ليس معهم سلاح"۔ (۳)

جب کہ ابوذر، مستملی اور حموی کے نسخوں میں خفافہم وارد ہوا ہے۔ (۴) اور جو خفیف کی جمع ہے اور مراد وہی ہے جو ابھی اوپر ذکر ہوا کہ وہ لوگ جن کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ تین طرح کے نسخوں میں تین قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جن میں سے ایک ''أخفافهم'' ہے۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي (ص۵۳۳-۵۳۵)۔

(۲) دیکھئے صحیح بخاری (ج۱ص۴۱۰) طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٣)، وشرح القسطلاني (ج٥ص١٠٦)۔

(٤) حوالہ بالا، أعلام الحديث (ج٢ص١٤٠٧)، النهاية في غريب الحديث (ج٢ص٥٤) و تاج العروس (ج٦ص٩٢،٩٣)، فصل الخاء من باب الفاء۔

كما في النسخ الهندية- جب کہ اکثر نسخوں میں دو الفاظ یعنی "أخفاؤهم" ہے اور بعض میں اور "خفافهم" آیا ہے۔

حسرا کی تحقیق

"حسّر"، جمع "حاسر" کی ہے اور "حاسر"، مشتق "حسر" سے ہے، جس کے معنی کھلنے اور کھولنے کے ہیں(۱)، لیکن مراد یہاں پر "حسرا" سے خالی ہاتھ ہونا ہے، یعنی ان کے پاس اسلحہ وغیرہ نہیں تھا۔(۲)

نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ حاسر کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جس کے پاس زرہ اور خود نہ ہو۔(۳)

اور یہ لفظ حالیت کی بناء پر منصوب ہے اور اس کا ذوالحال "شبان أصحابه" ہے۔(۴)

ليس بسلاح جملے کی نحوی تحقیق

حدیث کے جملے "ليس بسلاح" میں دو روایتیں ہیں اور دونوں روایتوں کے اعتبار سے ترکیب نحوی بھی مختلف ہو جاتی ہے:-

۱۔ اکثر نسخوں اور روایات میں "ليس بسلاح" باء کے ساتھ ہے، تو اس صورت میں لیس کا اسم محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: "ليس أحدهم متلبسا بسلاح"۔(۵)

۲۔ بعض روایات میں "ليس سلاح" مروی ہے یعنی بغیر باء کے اور سلاح کے رفع کے ساتھ، تو یہ لیس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی "ليس سلاح لهم"۔(۶)

فأتوا قوما رماة جمع هوازن وبني نصر مايكاد يسقط لهم سهم۔

چنانچہ وہ قبیلہ ہوازن اور بنو نصر کے سامنے آ گئے (وہ ایسے مشاق تیر انداز تھے کہ) ان کا کوئی تیر خالی نہ جاتا تھا۔

---

(۱) مصباح اللغات مادة "حسر"۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۲۰۳)، وشرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۸۰)، وأعلام الحديث للخطابي (ج۲ ص۱٤۰۷)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا، وشرح القسطلاني (ج۵ ص۱۰٦)۔

(۵) حوالہ بالا، وشرح الكرماني (ج۲ ص۱۸۰)۔

(٦) عمدة القاري (ج۱٤ ص۲۰۳)، وشرح الكرماني (ج۱۲ ص۱۸۰)۔

مذکورہ بالا عبارت میں "رماۃ" کا جو لفظ وارد ہوا ہے وہ "رام" کی جمع ہے، جس کے معنی پھینکنے والے کے ہیں اور یہ لفظ چونکہ "قوما" کی صفت واقع ہورہی ہے، اس لیے منصوب ہے اور قوما کے نصب کی وجہ مفعولیت ہے۔(۱)

اور جمع ھوازن و بنی نصر میں دو احتمال ہیں:-

۱۔ یہ دونوں علی سبیل البدلیۃ منصوب ہوں اور قوما مبدل منہ ہو۔

۲۔ یہ دونوں لفظ مرفوع ہوں اور مبتدائے محذوف کی خبر واقع ہوں یعنی "ھم جمع ھوازن وجمع بني نصر" بہرحال دونوں صورتیں جائز ہیں۔(۲)

فرشقوھم رشقا مایکادون یخطئون۔

رشق باب نصر سے ہے، اس کے معنی تیر مارنے اور پھینکنے کے ہیں اور علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب حدیث کے اس جملے کا یہ ہے کہ وہ سب یکبارگی مسلمانوں پر تیر پھینکنے لگے اور تیروں کا مینہ برسانے لگے۔(۳)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے فنزل واستنصر (۴) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری (سفید خچری) سے اترے اور اللہ تعالی سے فتح ونصرت طلب فرمائی۔ جب کہ ابتدائے حرب میں ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مقصود تھا۔

۹۷ - باب : اَلدُّعاءِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ بِالْهَزِيمَةِ وَالزَّلْزَلَةِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ امام وقت اگر جنگ کے موقع پر مشرکین کی ہزیمت اور

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٣)، وإرشاد الساري (ج٥ص١٠٦)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٣)، وأعلام الحديث للخطابي (ج٢ص١٤٠٧)۔

(٤) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٣)، وفتح الباري (ج٦ص١٠٥)۔

ان کے متزلزل ہو جانے کی دعا کرے اور ان کے خلاف بد دعا کرے تو یہ فعل جائز ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔(۱)

اور اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جیسا کہ ابھی آپ کے سامنے آئیں گی۔

۲۷۷۳ : حدّثنا إبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى : أَخْبَرَنَا عِيسٰى : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ عَبِيدَةَ ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ(۲) قالَ : لَمَّا كانَ يَوْمُ الْأَحْزَابِ ، قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (مَلَأَ ٱللّٰهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا ، شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غابَتِ الشَّمْسُ) .

[۳۸۸۵ ، ٤۲٥۹ ، ٦۰۳۳]

تراجم رجال

۱۔ابراہیم بن موسی

یہ ابو اسحاق الفراء ابراہیم بن موسی بن یزید التمیمی الرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۲۔عیسی

یہ ابو عمرو عیسی بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٣)، وشرح القسطلاني (ج٥ص١٠٧)۔

(٢) قوله: "عن علي رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب المغازي، باب غزوة الخندق، رقم (٤١١١)، وكتاب التفسير، سورة البقرة، باب حافظوا على الصلوات ......، رقم (٤٥٣٣)، وكتاب الدعوات، باب الدعاء على المشركين، رقم (٦٣٩٦)، ومسلم، كتاب الصلاة، باب الدليل لمن قال: الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، رقم (١٤٢٠)، والترمذي، أبواب التفسير، باب ومن سورة البقرة، رقم (٢٩٨٧)، وأبوداود، أبواب الصلاة، باب وقت صلاة العصر، رقم (٤٠٩)، والنسائي، كتاب الصلاة، باب المحافظة على صلاة العصر، رقم (٤٧٤)، وابن ماجه، أبواب الصلاة، باب المحافظة على صلاة العصر، رقم (٦٨٤)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الحيض، باب غسل الحائض رأس زوجها وترجيله۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، كتاب الأذان، باب من صلى بالناس فذكر حاجة فتخطاهم۔

۳۔ھشام

یہاں ھشام سے کون مراد ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں یہ وہم ہوا کہ انہوں نے یہ فرمادیا کہ ہشام سے دستوائی مراد ہیں اور پھر امام اصیلی رحمۃ اللہ علیہ پر رد کیا ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہشام سے ابن حسان مراد ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

"وزعم الأصيلي أنه ابن حسان، ورام بذلك تضعيف الحديث فأخطأ من وجهين ......" (۱)

یعنی "اصیلی کا گمان یہ ہے کہ وہ ابن حسان ہیں اور اصیلی کا مقصود اس سے حدیث کو ضعیف ثابت کرنا ہے تو انہوں نے دو طرح سے غلطی کی"۔

مطلب یہ ہوا بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہ ایک غلطی تو اصیلی سے یہ ہوئی کہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہشام سے ابن حسان مراد ہیں، دوسری غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اس طرح حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرمانی نے یہ جسارت کی کہ یہ کہہ دیا کہ ہشام سے ابن عروہ مراد ہیں۔ (۲)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تنقید دونوں حضرات محدثین (یعنی اصیلی اور کرمانی) کے بارے میں درست نہیں، یہاں وہم اور مغالطہ خود انہیں کو ہوا ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ صاحب کو یہاں آڑے ہاتھوں لیا ہے اور فرمایا ہے کہ جسارت تو خود حافظ نے کی ہے کہ ہشام کو یہاں دستوائی قرار دے دیا ہے، جب کہ وہ دستوائی نہیں، بلکہ ابن حسان ہیں جیسا کہ اصیلی نے کہا تھا، چنانچہ حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفۃ الاشراف" (۳) میں دو مرتبہ (۴) اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہشام سے مراد ابن حسان ہیں۔ (۵)

---

(۱) فتح الباري (ج٦ص١٠٦)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) انظر تحفة الأشراف (ج٧ص٤٢٩)۔

(٤) قال العيني رحمه الله في العمدة (ج١٤ص٢٠٣): "وكذا نص عليه الحافظ المزي في الأطراف في موضعين كما نذكره عن قريب"۔ إلا أن المزي رحمه الله صرح بـ "ابن حسان" في ثلاثة مواضع۔ انظر تحفة الأشراف (ج٧ص٤٢٩و٤٣٠)۔

(٥) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٣)، وشرح القسطلاني (ج٥ص١٠٧)۔

نیز علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جزم کے ساتھ یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہشام سے ابن عروہ ہی مراد ہیں، بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں:

"الظاهر أنه ابن حسان، لكن المناسب لما مر في باب شهادة الأعمى هشام بن عروة"۔(۱)

بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ دراصل علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مغالطہ اور دھوکا اس لئے ہوا کہ کتاب الشہادات میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت "عيسى بن يونس عن هشام عن أبيه عروة" (۲) کے طریق سے نقل کی ہے، چنانچہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ یہی سمجھے کہ یہاں بھی ہشام سے ابن عروہ ہی مراد ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور اس سے بقول علامہ عینی علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جسارت ظاہر نہیں ہوتی، چنانچہ فرماتے ہیں:

"ولم يظهر منه تجاسر؛ لأنه لم يجزم أنه هشام بن عروة؛ وإنما غرّته رواية عيسى بن يونس عن هشام عن أبيه عروة في الباب المذكور، فظن أنه ههنا أيضا كذلك"۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا تنبہ

ہم نے اوپر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ ان کو ہشام بن حسان کے متعلق وہم پیش آیا ہے کہ انہوں نے ہشام کو دستوائی قرار دے دیا، یہ معاملہ تو کتاب الجہاد سے متعلق ہے، لیکن جب وہ کتاب المغازی میں پہنچے تب ان کو تنبہ ہوا، یہ تسلیم کیا اور اس بات کی تصریح کی کہ یہ ہشام بن حسان ہی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"هشام: كنت ذكرت في الجهاد أنه الدستوائي، لكن جزم المزي في الأطراف بأنه ابن حسان، ثم وجدته مصرحا به في عدة طرق، فهذا المعتمد"۔(٤)

اسی طرح کتاب الدعوات میں بھی انہوں نے یہاں ذکر کردہ موقف سے اپنا رجوع بیان کیا ہے۔(۵)

---

(۱) شرح الكرماني (ج۱۲ص۱۸۱)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب شهادة الأعمى ......، رقم (۲٦٥٥)۔

(۳) عمدة القاري (ج١٤ص۲۰۳)۔

(٤) فتح الباري (ج۷ص٤۰٥)۔

(٥) فتح الباري (ج۱۱ص۱۹٥)۔

کیا ہشام بن حسان ضعیف راوی ہیں؟

اوپر ہم نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے امام اصیلی رحمۃ اللہ علیہ کا جو موقف نقل کیا تھا کہ انہوں نے حدیث باب کو ہشام بن حسان کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے تو امام اصیلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف کا جواب حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے خود دیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہشام بن حسان کے حفظ کے بارے اگرچہ بعض حضرات نے کلام فرمایا ہے، لیکن کسی نے بھی صرف حفظ کی وجہ سے ان کو مطلقاً ضعیف قرار نہیں دیا، بلکہ ان کے بعض شیوخ میں ان کو ضعیف کہا ہے، پھر ان سب ائمہ رجال ومحدثین کا اس بات میں اتفاق ہے کہ حدیث باب میں ان کے جو شیخ ہیں یعنی محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے یہ ثبت ہیں، چنانچہ سعید بن ابی عروبہ (۱) فرماتے ہیں کہ ابن سیرین سے روایت میں ان کے تلامذہ میں ہشام سے زیادہ کوئی احفظ نہیں تھے۔ اور یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہشام بن حسان محمد بن سیرین کے بارے ثقہ تھے۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ وہ ابن سیرین کے بارے میرے نزدیک عاصم الاحول اور خالد الحذاء سے بہتر و پسندیدہ ہیں۔ (۲) اور امام علی ابن المدینی (۳) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام یحیی القطان ہشام بن حسان کی امام عطاء سے روایت کردہ احادیث کو ضعیف قرار دیتے تھے، لیکن ہمارے اصحاب ان کو ثبت کہتے تھے۔ مزید فرماتے ہیں کہ رہی وہ احادیث جو وہ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں تو وہ صحیح ہیں اور یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہشام بن حسان کی ان احادیث کا انکار کیا جاتا تھا جو وہ عطاء، عکرمہ اور حسن بصری سے روایت کرتے ہیں۔ (۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام احمد تو یہ فرماتے ہیں کہ آپ ان کی کسی بھی چیز (روایت) کا انکار کریں تو یہ پائیں گے کہ یا تو ایوب نے اسے روایت کیا ہوگا یا عوف نے (۵)، یعنی ان کی متابعت کسی نہ کسی نے ضرور کی ہوگی۔ اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی احادیث مستقیم ہیں، میں نے ان میں کوئی منکر شی نہیں دیکھی۔ (۶)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۱۸٤)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۱۸٦)، وفتح الباري (ج۱۱ص۱۹۵)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۱۸۷)، والضعفاء الكبير للعقيلي (ج٤ص۳۳۵)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۱۸۹)۔

(۵) فتح الباري (ج۱۱ص۱۹۵)۔

(٦) الكامل لابن عدي (ج۷ص۱۱٤)۔

اور رہے حضرت عطاء تو صحیحین میں عطاء سے ان کی کوئی روایت نہیں ہے، البتہ عکرمہ سے صحیح بخاری میں ان کی روایات ہیں، لیکن وہ بہت کم ہیں اور ان پر متابعت بھی کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔(۱)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس طویل جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو ہشام بن حسان مطلقا سیء الحفظ اور ضعیف راوی نہیں اور ثانیا صرف اس بنیاد پر ان کی روایات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصا جب کہ وہ محمد بن سیرین سے روایت میں ثقہ اور ثبت ہوں۔ کما صرح بہ ائمۃ الرجال وحفاظ الحدیث۔

۴۔ محمد

یہ امام، شیخ الاسلام، ابوبکر محمد بن سیرین انصاری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب اتباع الجنائز من الإیمان" کے تحت گذر چکا ہے۔(۲)

۴۔ عبیدہ

یہ ابومسلم عبیدۃ - بفتح العین المهملة و کسر الباء الموحدة- بن عمرو کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

۶۔ علی

یہ مشہور صحابی، داماد رسول، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

قال: لما كان يوم الأحزاب قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ملأ الله بيوتهم......۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب کے دن فرمایا: اللہ تعالی ان مشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلاۃ الوسطی سے مشغول اور محروم کر دیا ہے۔ جب کہ سورج غروب ہو گیا۔

---

(۱) فتح الباري (ج ۱۱ ص ۱۹۵)، حافظ علیہ الرحمۃ نے فتح الباری (ج ۷ ص ۴۰۵)، کتاب المغازی میں تو یہ فرمایا تھا کہ اصیلی کا حدیث باب کے متعلق جو خیال ہے، اس کے بارے میں، میں کتاب التفسیر میں کلام کروں گا، لیکن معلوم نہیں ان سے کیسے ذہول ہو گیا کہ فتح الباری کی کتاب التفسیر میں اس بابت انہوں نے کوئی بحث نہیں چھیڑی، بلکہ ہمیں تو یہ بحث بہت تلاش کے بعد کتاب الدعوات میں ملی۔

(۲) كشف الباري (ج ۲ ص ۵۲۴)۔

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم۔

تنبیہ

حدیث باب میں ذکر کردہ واقعے کی تفصیل کتاب المغازی (۱) میں اور صلاۃ الوسطی سے متعلق مکمل بحث کتاب التفسیر (۲) میں آ چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث میں اس بات کی بد دعاء تو بہرحال ہے کہ اللہ تعالی ان مشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے، لیکن شکست کی بد دعا نہیں ہے، جب کہ ترجمہ اسی کا تھا۔

تو حافظ صاحب اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ حدیث کی مناسبت ترجمے کے ساتھ زلزلہ کے لفظ میں ہے، وہ اس طرح کہ ان کے گھروں کو جلانا ان کے نفوس کو زبردست متزلزل کرنے اور ہلانے کا سبب ہے، جو شکست کے مرادف ہے۔ اس طرح ترجمے اور حدیث میں مطابقت ہو جائے گی۔ (۳)

۲۷۷٤ : حدّثنا قَبِيصَةُ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ . عَنِ ٱبْنِ ذَكْوَانَ . عَنِ الْأَعْرَجِ . عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ (٤) قَالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو فِي الْقُنُوتِ : (اللّٰهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ . اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ . اللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ ، اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ، اللّٰهُمَّ ٱشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ . اللّٰهُمَّ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ) . [ر : ۹٦۱]

تراجم رجال

۱۔ قبیصہ

یہ ابوعامر قبیصہ بن عقبہ بن محمد بن سفیان کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۱) کشف الباري، كتاب المغازي (ص۲۷۷)۔

(۲) كشف الباري، كتاب التفسير (ص)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص۱۰٦)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۲۰۳)۔

(٤) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الأذان، باب بلا ترجمة، بعد باب فضل اللهم ربنا لك۔

۲۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث، ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت آچکا ہے۔(۱)

علامہ عینی اور قسطلانی کا تسامح

یہاں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۲) اور ان کی اتباع میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (۳) سے یہ تسامح ہوگیا ہے کہ ان دو حضرات نے سند میں مذکور سفیان کو ابن عیینہ قرار دیا ہے، جب کہ یہ سفیان بن سعید ثوری ہیں۔ کیونکہ قبیصہ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے تو روایت کرتے ہیں، لیکن ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں، چنانچہ ائمہ رجال مثلا حافظ مزی (۴)، علامہ ذہبی (۵) اور حافظ ابن حجر (۶) رحمہم اللہ وغیرہ نے ان کے شیوخ میں ابن عیینہ کو کہیں بھی ذکر نہیں کیا اور ہر جگہ ثوری کی تصریح کی ہے۔جس سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہاں بھی سفیان سے ثوری ہی مراد ہیں، نہ کہ ابن عیینہ۔

۳۔ابن ذکوان

یہ ابوعبدالرحمن عبداللہ بن ذکوان مدنی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان" کے تحت گذر چکا ہے۔(۷)

۴۔الاعرج

یہ ابوداود عبدالرحمن بن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ بھی اختصار کے ساتھ "کتاب الإیمان" کے مذکورہ بالا باب کے تحت گذر چکا ہے۔(۸)

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص ۲۷۵ — ۲۸۰)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ص ۲۰٤)۔

(۳) إرشاد الساري (ج۵ص ۱۰۷)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۲۳ص ٤۸۲)۔

(۵) سير أعلام النبلاء (ج۱۰ص ۱۳۱)۔

(٦) تهذيب التهذيب (ج۸ص ۳٤۷)۔

(۷) كشف الباري (ج۲ص ۱۰)۔

(۸) كشف الباري (ج۲ص ۱۱)۔

۵۔ابو ہریرہ

یہ مشہور صحابی رسول، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت آچکا ہے۔(۱)

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ! سلمہ بن ہشام کونجات دے، اے اللہ! ولید بن ولید کونجات دے، اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کونجات دے، اے اللہ! کمزور مسلمانوں کونجات دے، اے اللہ! قبیلۂ مضر کے کفار پرسختی کر، اے اللہ! اسی طرح کے قحط میں مبتلا کر جس طرح تو نے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالیوں میں لوگوں کو مبتلا کیا تھا۔

ہم نے یہاں صرف ترجمۂ حدیث پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ اس حدیث کی تشریح اور اس میں مذکور اعلام کے حالات "كتاب الأذان" میں مذکور ہیں۔(۲)

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے "اللهم اشدد وطأتك على......" کیونکہ شدت وطأت (پکڑ) اس بات سے اعم ہے کہ وہ ہزیمت یا زلزلے کے ساتھ متصف ہو یا اس کے علاوہ دیگر مشکلات وتکالیف پر بھی مشتمل ہو، مثلاً سخت گرانی یا ذلت کی موت وغیرہ۔(۳)

۲۷۷۵ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خالِدٍ : أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(۴) يَقُولُ : دَعا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَوْمَ الْأَحْزَابِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ ، فَقَالَ : (اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ، سَرِيعَ الْحِسَابِ ، اللَّهُمَّ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ ، اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ) . [۳۸۸۹ ، ۶۰۲۹ ، ۷۰۵۱ . وانظر : ۲۶۶۳]

---

(۱) كشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب يهوي بالتكبير حين يسجد، رقم (۸۰۴)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱۴ص۲۰۴)، ومثله للحافظ في الفتح (ج۶ص۱۰۶)۔

(۴) قوله: "عبد الله بن أبي أوفى رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا في كتاب الجهاد، باب كان النبي صلى الله =

تراجم رجال

۱۔احمد بن محمد

یہ ابوالعباس احمد بن محمد بن موسی المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۲۔عبداللہ

یہ مشہور امام، حضرت عبداللہ بن مبارک حنظلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ ''بدء الوحي'' میں گذر چکا ہے۔(۲)

۳۔اسماعیل بن ابی خالد

یہ اسماعیل بن ابی خالد احمسی بجلی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا اجمالی تذکرہ ''کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده'' کے تحت آچکا ہے۔(۳)

۴۔عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی رسول، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اسلمی رضی اللہ عنہما ہیں۔(۴)

علیه وسلم إذا لم یقاتل أول النهار ......، رقم (۲۹۶۵ و ۲۹۶٦)، وباب لاتتمنوا لقاء العدو، رقم (۳۰۲٤و۳۰۲۵)، وکتاب المغازي، باب غزوة الخندق ......، رقم (٤۱۱۵)، وکتاب الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین، رقم (٦۳۹۲)، وکتاب التوحید، باب قول الله تعالی: ﴿أنزله بعلمه والملائکة یشهدون﴾، رقم (۷٤۸۹)، ومسلم، کتاب الجهاد، باب کراهیة تمني لقاء العدو، والأمر بالصبر عند اللقاء، رقم (٤۵٤۲)، وباب استحباب الدعاء بالنصر عند لقاء العدو، رقم (٤۵٤۳)، والترمذي، أبواب الجهاد، باب ماجاء في الدعاء عند القتال، رقم (۱٦۷۸)، وابن ماجه، کتاب الجهاد، باب القتال في سبیل الله سبحانه تعالی، رقم (۲۷۹٦)۔

(۱) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب مایقع من النجات في السمن۔

(۲) کشف الباري (ج۱ ص٤٦۲)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ ص٦۷۹)۔

(۴) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین: من القبل والدبر۔

يقول: دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الأحزاب على المشركين۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب (خندق) کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے خلاف بددعا فرمائی۔

یہاں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکین کے خلاف ایک بددعا کو ذکر فرمایا ہے، جس کے الفاظ آگے حدیث میں آرہے ہیں۔

فقال: اللهم منزل الكتاب، سريع الحساب۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے۔

کتاب سے مراد تو قرآن کریم ہی ہے اور سریع الحساب کے علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:-

۱۔ یہ مطلب ہے کہ "أنه سريعٌ حسابه ومجيء وقته" کہ اللہ تعالی کا حساب اور اس کا وقت جلد آنے والا ہے۔

۲۔ "أو أنه سريع في الحساب" یا یہ کہ وہ حساب و کتاب میں تیز ہیں اور جلد ہی گرفت کرتے ہیں۔(۱)

پہلی صورت میں "سریع" حساب کی صفت ہوگی اور دوسری صورت میں حق تعالی جل شانہ کی صفت ہوگی۔

اللهم اهزم الأحزاب، اللهم اهزمهم وزلزلهم۔

اے اللہ! جماعتوں کو شکست سے دوچار کیجئے، یا اللہ! انہیں شکست دیجئے اور ہلا دیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ انہیں پارہ پارہ کر دیجئے اور ان کی جمعیت کو تتر بتر اور متفرق کر دیجئے، تاکہ انہیں کہیں بھی قرار و سکون میسر نہ ہو اور وہ کہیں بھی جم نہ سکیں۔(۲)

اور علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود و مطلوب یہ تھا کہ ان کی عقلیں زائل ہو جائیں اور جنگ کے دوران ان کے قدم ڈگمگا جائیں۔(۳)

---

(۱) الكواكب الدراري (ج۱۲ص۱۸۲)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۲۰٤)، وشرح القسطلاني (ج٥ص۱۰۸)۔

(۲) فتح الباري (ج٦ص۱۰٦)، وعمدة القاري (ج۱٤ص۲۰٤)، وشرح القسطلاني (ج٥ص۱۰۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بددعا کا نتیجہ بھی جلد ہی ظاہر ہوا اور اللہ جل شانہ نے ایک تیز آندھی بھیجی، جس نے لشکرِ کفار کے تمام خیمے اکھاڑ دیئے، ان کی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں اور دیگر ساز و سامان بکھر گیا، جس کی وجہ سے کفار بدحواس ہوئے، گھبرا گئے اور بالآخر سب فرار ہو گئے۔ (۱)

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمے کی ساتھ مناسبت "اللهم اهزم الأحزاب، اللهم اهزمهم و زلزلهم" میں ہے۔ (۲) کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین پر بددعا فرمائی ہے اور یہی مقصود ترجمہ بھی تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء میں ایک حکمت

یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کے خلاف بددعا تو فرمائی ہے کہ انہیں شکست سے دوچار کیا جائے، لیکن ان کی ہلاکت اور بیخ کنی کی بددعا نہیں فرمائی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہزیمت اور شکست کی صورت میں ان کی جانوں کا اتلاف نہیں ہے، بلکہ سلامتی ہے اور یہی سلامتی و عدم اتلاف اس امر کی امید بن سکتی ہے کہ وہ آئندہ جا کر شرک و کفر سے توبہ کریں اور دل و جان سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور مقصد صحیح کو ہلاکت نفوس کی بددعا ختم کر دیتا ہے، یعنی اگر ہلاکت کی بددعا کی جاتی تو یہ عظیم اور صحیح مقصد حاصل نہ ہو پاتا، چنانچہ اس کے بعد کی تاریخ بھی یہی گواہی دیتی ہے کہ اس غزوۂ احزاب کے موقع پر بچ نکلنے والے بہت سے مشرکین مشرف باسلام ہوئے اور انہیں صحابیت کا عظیم شرف حاصل ہوا، جیسے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی حکمت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وإنما خص الدعاء عليهم بالهزيمة والزلزلة دون أن يدعو عليهم بالهلاك؛ لأن الهزيمة فيها سلامة نفوسهم، وقد يكون ذلك رجاء أن يتوبوا من الشرك، ويدخلوا في الإسلام، والإهلاك الماحق لهم مفوّت لهذا المقصد الصحيح"۔ (۳)

---

(۱) مذکورہ بالا غزوے کی تفصیل کے لئے دیکھئے، كشف الباري، كتاب المغازي (ص ۲۷۵)۔

(۲) عمدة القاري (ج ۱٤ ص ٢٠٤)۔

(۳) شرح القسطلاني (ج ٥ ص ١٠٨)۔

۲۷۷٦ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ . عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ . عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ . عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (۱) قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ . فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَنَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ . وَنُحِرَتْ جَزُورٌ بِناحِيَةِ مَكَّةَ . فَأَرْسَلُوا فَجَاؤُوا مِنْ سَلاهَا وَطَرَحُوهُ عَلَيْهِ . فَجاءَتْ فاطِمَةُ فَأَلْقَتْهُ عَنْهُ . فَقالَ : (اللهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْش . اللهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ . اللّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ) . لِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ . وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ . وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ . وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ . وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ . قالَ عَبْدُ اللهِ : فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ فِي قَلِيبِ بَدْرٍ قَتْلَى . قالَ أَبُو إِسْحٰقَ : وَنَسِيتُ السَّابِعَ . وَقالَ يُوسُفُ بْنُ إِسْحٰقَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ : أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ . وَقالَ شُعْبَةُ : أُمَيَّةُ أَوْ أُبَيٌّ . وَالصَّحِيحُ أُمَيَّةُ . [ر : ۲۳۷]

تراجم رجال

۱۔عبداللہ بن ابی شیبہ

یہ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عیسی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۲۔جعفر بن عون

یہ ابوعون جعفر بن عون بن جعفر بن عمرو بن حریث قرشی مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب زیادة الإیمان ونقصانه" میں تفصیل سے آچکا ہے۔(۳)

۳۔سفیان

یہ مشہور امام حدیث، ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "کتاب الإیمان، باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکا ہے۔(۴)

---

(۱) قوله: "عن عبد الله رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر...... ۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب العمل في الصلاة، باب لا يرد السلام في الصلاة۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۴٦۹)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص۲۷۸)۔

۴۔ابواسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب الصلاۃ من الإیمان" کے تحت آچکے ہیں۔(۱)

۵۔عمرو بن میمون

یہ مخضرمی تابعی، حضرت ابویحیٰ عمرو بن میمون ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

۶۔عبداللہ

یہ مشہور صحابی، حضرت عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے مفصل حالات "کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

قال: کان النبي صلی اللہ علیه وسلم یصلي في ظل الکعبة۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے سایے میں نماز پڑھ رہے تھے۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سرداران قریش مکہ کی طرف سے روا رکھے جانے والے مظالم، زیادتیوں اور شرارتوں میں سے ایک کا بیان ہے، واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل اور اس کے ہمراہیوں اور چیلوں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو ابوجہل نے کہا کہ مکہ مکرمہ کے فلاں گھرانے میں اونٹ نحر کئے گئے ہیں، ان کی اوجھڑی کون لے کر آئے گا کہ اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن پر ڈال دے؟ چنانچہ قوم کا ایک بدبخت اٹھا اور جا کر اوجھڑی لے آیا اور وہ آپ کی گردن مبارک پر ڈال دی، جب کہ آپ سجدہ میں تھے۔کتاب الوضوء کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سارا معاملہ میں دیکھ رہا تھا، مگر کچھ نہ کر سکتا تھا، کاش کہ میرے پاس اتنی قوت ہوتی۔(۴) اور مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء اور

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۳۷۰)۔

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب إذا ألقي علی ظهر المصلي قذر ......۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص۲۵۷)۔

(٤) الصحیح للبخاري، کتاب الوضوء، باب إذا ألقي علی ظهر المصلي قذر أو جیفة ......، رقم (۲٤۰)۔

ٹھٹھا کرنے لگے، یہاں تک کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا آئیں اور وہ اوجھڑی آپ کی گردن سے ہٹائی تو اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین مکہ کے خلاف بددعا فرمائی، جس کے الفاظ حدیث باب میں مذکور ہیں۔

فقال: أبوجهل وناس من قريش، ونحرت جزور بناحية مكة۔

چنانچہ ابوجہل اور قریش کے کچھ لوگوں نے کہا، درآنحالیکہ مکہ مکرمہ کے کسی کونے میں اونٹ نحر کئے گئے تھے۔

یہاں باب کی روایت میں یہ تو مذکور ہے کہ ابوجہل اور کچھ قریشیوں نے کہا، لیکن کیا کہا (یعنی مقولہ) محذوف ہے اور وہ محذوف مقولہ یہ ہے: "هاتوا من سلا الجزور التي نحرت" (۱) اور اس حذف پر دلیل کتاب الوضوء وغیرہ کی روایت ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "إذ قال بعضهم لبعض: أيكم يجيء بسلى جزور بني فلان ......؟" (۲)

اور "ونحرت جزور بناحية مكة" کا جملہ، جملہ معترضہ حالیہ ہے۔ (۳)

فأرسلوا فجاؤا من سلاها۔

تو انہوں نے آدمی بھیجا تو وہ اس کی اوجھڑی لے آئے۔

مطلب یہ ہے کہ ابوجہل اور اس کے ہمراہیوں و روساء نے مکہ مکرمہ کے کسی کنارے پر ذبح کئے گئے اونٹوں کی اوجھڑی لانے کے لئے آدمی بھیجا، جو اوجھڑی جا کر لے آیا۔

اوجھڑی لانے کے لئے جانے والا اور اسے لانے والا آدمی ایک ہی تھا، لیکن چونکہ سب اس عمل میں شریک اور راضی تھے اس لئے سب کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔ چنانچہ کتاب الوضوء کی روایت میں الفاظ حدیث یہ وارد ہوئے ہیں: "فانبعث أشقى القوم، فجاء به ......" (۴) کہ قوم کا بدبخت ترین فرد گیا اور اوجھڑی لے آیا۔

"السلى" اس جھلی کو کہتے ہیں جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور اگر یہ جھلی پیٹ میں ٹوٹ جاتی ہے تو بچہ اور ماں دونوں مرجاتے ہیں۔ (۵)

قال عبد الله: فلقد رأيتهم في قليب بدرٍ قتلى۔

---

(۱) عمدة القاري (ج۱٤ ص۲۰۵)۔

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أو جيفة ......، رقم (۲٤۰)۔

(۳) عمدة القاري (ج۱٤ ص۲۰۵)۔

(٤) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أو جيفة......، رقم (۲٤۰)۔

(٥) عمدة القاري (ج۱٤ ص۲۰۵)، وإرشاد الساري (ج٥ ص۱۰۸)، وجامع الأصول (ج۱۱ ص۳٦٦)، ومصباح اللغات مادة "سلي"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ان کو بدر کے کنویں میں مقتول دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن روسائے قریش کے خلاف مکہ مکرمہ میں بددعا فرمائی تھی، اس کا نتیجہ غزوۂ بدر میں ظاہر ہوا، چنانچہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان ساتوں افراد کو دیکھا کہ وہ سب کے سب بدر کے کنویں میں مرے پڑے تھے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی لاج رکھ لی۔

"قلیب" — بکسر اللام — اس کنویں کو کہتے ہیں جس کا من (منڈیر) نہ ہو، یہ مذکر ومؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کی جمع قُلب، قُلُب اور أقلبة آتی ہے۔(۱)

اور "قتلی" قتیل کی جمع ہے اور بمعنی مقتول کے ہے اور ترکیب میں یہ رأیت کا مفعول ثانی واقع ہو رہا ہے۔(۲)

قال أبو إسحاق: ونسيت السابع۔

ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور میں ساتویں کو بھول گیا۔

مذکورہ بالا عبارت کا مقصد

حدیث باب میں آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن افراد کے خلاف بددعا فرمائی تھی ان میں سے چھ کے نام مذکور ہیں جب کہ ساتواں نام نہیں ہے، چنانچہ ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ ساتواں نام میں بھول گیا ہوں۔ گویا کہ جب ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث حضرت سفیان ثوری کو سنائی تو انہوں نے ساتویں کا نام ذکر نہیں کیا اور نسیان کی تصریح کر دی۔(۳)

اب سوال یہ ہے کہ یہ ساتواں شخص کون ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص عمارۃ بن ولید ہے اور اس کی تصریح کتاب الصلاۃ (۴) میں اسرائیل سے مروی روایت میں موجود ہے اور اسرائیل کا سماع ابواسحاق سے نہایت اعلیٰ درجے پر ہے، کیونکہ ابواسحاق اسرائیل کے دادا ہیں اور یہ ہر وقت انہیں کے ساتھ رہتے تھے، اسرائیل خود فرماتے ہیں: "کنت

---

(۱) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٥)، وإرشاد الساري (ج٥ص١٠٨)، وجامع الأصول (ج١١ص٣٦٦)، ومصباح اللغات مادة "قلب"۔

(۲) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٥)، وشرح القسطلاني (ج٥ص١٠٨)۔

(۳) فتح الباري (ج٦ص١٠٧)، وعمدة القاري (ج١٤ص٢٠٥)، وشرح القسطلاني (ج٥ص١٠٨)۔

(٤) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب المرأة تطرح عن المصلي شيئا من الأذى، رقم (٥٢٠)۔

أحفظ حديث أبي إسحاق كما أحفظ سورة الحمد"۔(۱)

قال: أبو عبدالله: قال يوسف بن إسحاق عن أبي إسحاق: أمية بن خلف...... وقال شعبة: أمية أو أبي، والصحيح: أمية۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس تعلیق سے یہ ہے کہ ابواسحاق سبیعی سے اس روایت کو یوسف بن اسحاق نے بھی روایت کیا ہے، جس میں امیہ بن خلف ہے اور شعبہ نے بھی روایت کیا ہے، جس میں امیہ یا ابی ہے، یعنی شعبہ کو اس میں شک ہوا ہے، جب کہ باب کی روایت جو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، اس میں ابی ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں کہ صحیح امیہ ہے، نہ کہ ابی، کیونکہ ابی بن خلف کو تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد میں اپنے ہاتھوں سے جہنم رسید کیا تھا، وہ اگر بدر میں مرچکا ہوتا تو غزوہ احد میں مارے جانے کا کیا مطلب نکلے گا؟!(۲)

دونوں تعلیقات کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو تعلیقات ذکر کی ہیں، ایک یوسف بن اسحاق کی، دوسری شعبہ کی۔

چنانچہ یوسف بن اسحاق کی تعلیق تو موصولا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوضوء میں ذکر کی ہے۔(۳)

جب کہ شعبہ کی تعلیق کو موصولا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجزیۃ والموادعۃ اور کتاب مناقب الأنصار میں روایت کیا ہے(۴)۔ اس کے علاوہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شعبہ کی روایت کو موصولا نقل کیا ہے۔(۵)

اور حدیث کی بقیہ تشریحات ان شاء اللہ کتاب الوضوء میں آئیں گی۔(۶)

---

(۱) فتح الباري (ج۱ ص۳۵۱)۔

(۲) عمدة القاري (ج۱٤ ص۲۰۵)، وإرشاد الساري (ج٥ ص۱۰۸)۔

(۳) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أو جيفة ......۔

(٤) صحيح البخاري، كتاب الجزية والموادعة، باب طرح جيف المشركين في البئر، ......، رقم (۳۱۸٥)، وكتاب مناقب الأنصار، باب ما لقي النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه من المشركين بمكة، رقم (۳۸٥٤)۔

تنبیہ: حافظ صاحب نے فتح الباري (ج٦ ص۱۰۷) اور تعليق التعليق (ج۳ ص٤٤۸)، علامہ عینی نے عمدة القاري

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے "اللهم عليك بقريش" اور اس میں وہی تقریر ہے جو باب کی دوسری حدیث میں آچکی ہے کہ اللہ کی پکڑ عام ہے، خواہ شکست کے ذریعے ہو، زلزلے کے ذریعے، یا اور قسم کی تکالیف ومشکلات کے ذریعے۔ (۱) چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بھی کفار قریش کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا قبول ہوئی اور من جانب اللہ ان کی سخت گرفت کی گئی۔

فائدہ

اس حدیث کی سند کے تمام رجال کوفی ہیں۔ پھر اس میں تابعی کی تابعی سے روایت ہے، چنانچہ ابو اسحاق سبیعی تابعی ہیں اور عمرو بن میمون بھی مخضرم تابعی ہیں جو صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

٢٧٧٧ : حدّثنا سُلَيمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا (۳) : أَنَّ الْيَهُودَ دَخَلُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا : السَّامُ عَلَيْكَ ، فَلَعَنْتُهُمْ ، فَقَالَ : (ما لَكِ) . قُلْتُ : أَوَ لَمْ تَسْمَعْ ما قالُوا ؟ قالَ : (فَلَمْ تَسْمَعِي ما قُلْتُ : وَعَلَيْكُمْ) .

[٥٦٧٨ ، ٥٦٨٣ ، ٥٩٠١ ، ٦٠٣٢ ، ٦٠٣٨ ، ٦٥٢٨]

= (ج١٤ ص٢٠٥) اور ان دو حضرات کی اتباع کرتے ہوئے علامہ قسطلانی نے إرشاد الساري (ج٥ ص١٠٨) میں یہ کہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ کی تعلیق کو موصولاً "كتاب المبعث" میں نقل کیا ہے، لیکن ان تمام حضرات سے یہاں غالباً تسامح ہوا ہے، کیونکہ اولاً تو صحیح بخاری میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جس کا نام "كتاب المبعث" ہو کہ اس کی طرف تعلیق کی نسبت کی جائے۔ اور ثانیاً جیسا کہ ہم نے تخریج میں ذکر کیا اس تعلیق کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دو مقامات پر موصولاً ذکر کیا ہے اور ان دونوں مقامات میں شعبہ کے شک کی تصریح موجود ہے۔

(٣) صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب ما لقي النبي صلى الله عليه وسلم من أذى المشركين والمنافقين، رقم (٤٦٥٠)۔

(١) عمدة القاري (ج١٤ ص٢٠٥)، وفتح الباري (ج٦ ص١٠٦)۔

(٢) شرح القسطلاني (ج٥ ص١٠٨)۔

(٣) قوله: "عن عائشة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الأدب، باب الرفق في الأمر كله، رقم (٦٠٢٤)، وباب لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم فاحشا و لا متفحشا، رقم (٦٠٣٠)، وكتاب الاستئذان، باب كيف يرد على أهل الذمة والسلام، رقم (٦٢٥٦)، وكتاب الدعوات، باب الدعاء على المشركين، رقم (٦٣٩٥)، وباب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يستجاب لنا في اليهود، ولا يستجاب لهم فينا"، رقم (٦٤٠١)، وكتاب استتابة المرتدين، باب إذا عرض الذمي وغيره بسب النبي صلى الله عليه وسلم، ولم يصرح، ......، رقم (٦٩٢٧)، ومسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، وكيف يرد عليهم؟ رقم (٥٦٥٦)، والترمذي، أبواب الاستئذان، باب ما جاء في التسليم على أهل الذمة، رقم (٢٧٠١)۔

تراجم رجال

ا۔ سلیمان بن حرب

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً "كتاب الإيمان، باب من كره أن يعود في الكفر ......" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

۲۔ حماد

یہ ابواسماعیل حماد بن زید بن درہم ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا ......﴾" کے تحت آچکا ہے۔(۲)

۳۔ ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان" میں آچکے ہیں۔(۳)

۴۔ ابن ابی ملیکہ

یہ ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ تیمی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله ......" کے ذیل میں گذر چکا ہے۔(۴)

۵۔ عائشہ رضی اللہ عنہا

یہ ام المؤمنین، حبیبۃ الرسول، حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص۱۰۵)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۲۱۹)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۲٦)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص٥٤٨)۔

(٥) كشف الباري (ج۱ص۲۹۱)۔

أن اليهود دخلوا ......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہود ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ تم پر موت آئے تو میں نے ان پر لعنت ملامت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے عائشہ!) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا آپ نے نہیں سنا جو ان لوگوں نے کہا؟ فرمایا تم نہیں سنا کہ میں نے کہہ دیا وعلیکم یعنی تم پر موت ہو۔

وعلیکم کے واو کے متعلق ایک بحث

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عامۃ المحدثین کی روایت تو یہی ہے کہ واو باقی رہے، لیکن ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اس "علیکم" کے کلمے کو بدون واو کے روایت کرتے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر واو کو حذف کر دیا جائے تو ان کا مذکورہ بالا قول بعینہ ان پر لوٹے گا اور واو کو داخل کرنے کی صورت میں موت کی صفت اور بددعا میں اشتراک ثابت ہوگا، یعنی جس طرح ان یہود کے لئے بددعا ہوگی اسی طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ہوگی (العیاذ باللہ) کیونکہ واو حرف عطف ہے اور دو چیزوں کے اجتماع و اشتراک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۱)

اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واو یہاں زائدہ ہے، زئداہ ہونے کی صورت میں کوئی اشکال نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ استئنافیہ ہے اور واو استئنافیہ کا چونکہ ماقبل سے ربط و تعلق نہیں ہوتا تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ موت تم ہی پر ہو۔ اور اس صورت میں اشتراک بین الأمرین نہیں۔ ان کی بھی رائے یہی ہے کہ واو کا حذف معنوی اعتبار سے احسن ہے جب کہ اس کا اثبات اصح اور مشہور روایت ہے۔ (۲)

جب کہ علامہ ابو محمد المنذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سام کی دو تفسیریں کی گئی ہیں موت اور تھکاوٹ، چنانچہ جن حضرات نے سام کی تفسیر موت سے کی ہے ان کے نزدیک واو کے اثبات میں کوئی حرج نہیں ہے اور جن حضرات نے اس کی تفسیر سآمہ (ملال اور تھکاوٹ) سے کی ہے تو ان کے نزدیک واو کا حذف ہی بہتر ہے۔ (۳)

---

(۱) عمدة القاري (ج ١٤ ص ٢٠٦)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

حدیث باب کی مزید تشریح انشاء اللہ کتاب الادب (۱) اور کتاب الاستئذان میں آئے گی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت "وعلیکم" سے حاصل ہوگی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم پر بھی موت ہو اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان یہودیوں کے خلاف بددعا تھی۔ (۲)

اور اس حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی آیا ہے "یستجاب لنا فیهم، ولا یستجاب لهم فینا" (۳) کہ "ہماری دعائیں تو ان کے خلاف قبول کی جاتی ہیں لیکن ان کی دعائیں ہمارے خلاف قبول نہیں کی جاتیں"۔ چنانچہ اس طریق سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکین کے خلاف بددعا کرنی جائز ہے، اگرچہ بددعا کرنے والے (داعی) کو یہ خوف ہو کہ وہ بھی اس کے خلاف بددعا کریں گے۔ (۴)

وهذا آخر ما أردنا إيراده هنا من شرح أحاديث كتاب الجهاد والسير من صحيح البخاري، رحمه الله تعالى، للشيخ المحدث الجليل سليم الله خان حفظه الله ورعاه ومتعنا الله بطول حياته بصحةٍ وعافيةٍ، وقد وقع الفراغ من تسويده، وإعادته النظر فيه، ثم تصحيح ملازم الطبع بيوم الثلثاء ٢٠ جمادى الأولى ١٤٢٦هـ الموافق ٢٨ يونيو ٢٠٠٥م، والحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات، وصلى الله على النبى الأمي وآله وصحبه وتابعيهم وسلم عليه مادامت الأرض والسموات، رتبه وراجع نصوصه وعلق عليه حبيب الله محمد زكريا عضو قسم التحقيق والتصنيف والأستاذ بالجامعة الفاروقية، ووفقه الله تعالى لاتمام باقى الكتب كما يحبه ويرضاه و هو على كل شيء قدير، ولاحول ولا قوة إلا بالله العلى العظيم، ويليه إن شاء الله "**باب هل يرشد المسلم أهل الكتاب أو يعلمهم الكتاب!**"۔

---

(١) كشف الباري، كتاب الأدب (ص٣٩٣ و ٣٩٩)۔

(٢) عمدة القاري (ج١٤ص٢٠٦)۔

(٣) صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم:يستجاب لنا في اليهود، ......، رقم (٦٤٠١)، ومسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام ......، رقم (٥٦٦٠)، غير أنه من رواية جابر بن عبد الله رضي الله عنهما۔

(٤) فتح الباري (ج٦ص١٠٧)۔

بسم الله الرحمن الرحيم

۹۸ – باب : هَلْ يُرْشِدُ الْمُسْلِمُ أَهْلَ الْكِتَابِ أَوْ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ .

۲۷۷۸ : حدّثنا إسْحٰقُ : أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَمِّهِ قالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كَتَبَ إِلَى قَيْصَرَ وَقالَ : (فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ) . [ر : ۷]

باب سابق سے مناسبت

باب سابق میں کافروں کے لئے دعائے بد کا ذکر تھا، یہاں دعائے خیر یعنی اسلام کی طرف رہنمائی اور تعلیم قرآن، جو کہ رُشد وہدایت کا اصل اور منبع ہے، اس کا تذکرہ ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمہ کے دواجزاء ہیں: ۱...... إرشاد المسلم أهلَ الكتاب. ۲...... تعليم القرآن لأهل الكتاب.

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر بتلانا چاہتے ہیں کہ کیا مسلمان اہلِ کتاب کی حق کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے یانہیں؟ اوران کو قرآن کریم کی تعلیم دے سکتا ہے یانہیں؟

پہلے جزء کے بارے میں ابن بطال رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی رہنمائی اور انہیں دینِ اسلام کی دعوت دینا، مسلمان حاکموں پر واجب ہے اور یہ ان کی ذمہ داریوں میں شامل ہے (۱)۔

(۲۷۷۸) قد مرّ تخريجه في بدء الوحي، انظر كشف الباري: ۱/۴۷۷.

(۱) شرح ابن بطال: ۵/۱۱۲، وعمدة القاري: ۱۴/۲۰۷

کافروں کو قرآن کی تعلیم دینے کا حکم

البتہ دوسرے جزء میں اختلاف ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک کافر چاہے حربی ہو یا ذمی، اسے قرآن، فقہ اور عام علوم سکھانے میں کوئی حرج نہیں، ممکن ہے وہ اس علم کی بدولت اسلام کی طرف راغب ہو جائے (۲)۔

امام مالک رحمہ اللہ اسے مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں (۳)۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں (۴)۔

امام احمد رحمہ اللہ اسلام قبول کرنے کی شرط پر جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر اسلام قبول کرنے کی امید نہ ہو تو کفار کو قرآن کی تعلیم دینا جائز نہیں (۵)۔

حنفیہ کے دلائل

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حنفیہ کی جانب سے مختلف دلائل دیئے ہیں:

❶ ہرقل کو جو نامہ مبارک بھیجا گیا تھا، اس میں قرآن کریم کی پوری ایک آیت موجود ہے، جو یقیناً قرآن کی تعلیم ہے، بلکہ انہیں ایک طرح سے سیکھنے پر مجبور کیا گیا کہ وہ قرآن کی آیت کو سمجھنے کی کوشش کریں، کیونکہ رومی عربی سے ناواقف تھے، آیت بغیر ترجمے کے نہیں سمجھ سکتے تھے، معنی سمجھنے کے لئے قرآن کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے (٦)۔

❷ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وإن أحد من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام

(٢) ردالمحتار: ١/١٠٢.

(٣) إكمال إكمال المعلم وشرحه على صحيح مسلم: ./ ٢١ .

(٤) حواله بالا

(٥) المغني لابن قدامة: ٩/٢٨٩.

(٦) فتح الباري: ٦/١٠٧، وعمدة القارى: ١٤/٧ ١٠، وشرح ابن بطال: ٥/١٣١

الله......﴾(٧).

وقال ابن أبي بخيح عن مجاهد في تفسير هذه الآية قال: إنسان يأتيك يسمع ماتقول وما أنزل عليك فهو آمن حتى يأتيك فتسمعه كلام الله.......... إلى آخرما قال(٨)۔

یعنی اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ اور امان طلب کرے تو آپ اسے پناہ دیں تا کہ وہ اللہ کا کلام سنے، یہ قرآن کی تعلیم ہی ہے۔

❸ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشرکین اور یہود کی مجلسوں پر گزرنے اور انہیں قرآن پڑھ کر سنانے کا ذکر ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”مرَّ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عبدالله ابن أبي قبل أن يُسلم، وفي المجلس أخلاط من المسلمين والمشركين واليهود؛ فقرأ عليهم القرآن“(٩)۔

”رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی کے قریب سے گزرے، جب وہ اسلام نہیں لائے تھے، مجلس میں مسلمان، مشرک اور یہودی، مختلف لوگ شریک تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی“۔

❹ حماد بن سلمۃ، حبیب المعلم سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے دریافت کیا: ”کیا میں ذمیوں کو قرآن پڑھاؤں؟“ انہوں نے فرمایا: ”کیا وہ تورات اور انجیل نہیں پڑھتے، وہ بھی تو اللہ کی کتابیں ہیں“(١٠)۔

مالکیہ کے دلائل

❶ ان کی پہلی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: ﴿إنما المشركون نجس......﴾(١١) یعنی مشرکین تو

(٧) سورة التوبة: ٦

(٨) تفسير ابن كثير: ٣٣٧/٢

(٩) عمدة القاري: ٢٠٧/١٤، وشرح ابن بطال: ١١٣/٥

(١٠) شرح ابن بطال: ١١٣/٥

(١١) سورة التوبة: ٢٨

نجس ہی ہیں۔

❷ مالکیہ کا استدلال ان احادیث سے بھی ہے، جن میں قرآن کریم کے ساتھ کفار کے ملکوں کی طرف سفر کرنے سے نہی وممانعت وارد ہوئی ہے کہ کہیں قرآن مجید کفار کے ہاتھ نہ لگ جائے، ظاہر ہے کہ اس میں بے حرمتی کا اندیشہ ہے۔

چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے: "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يُسافر بالقرآن إلىٰ أرض العدو"(١٢) "رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشمنوں کے ملک کی طرف قرآن مجید ساتھ لے کر سفر کرنے سے منع فرمایا"۔

اسی طرح صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے: "مخافة أن يناله العدو". یعنی قرآن کو ساتھ لے کر سفر کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کہیں قرآن دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

البتہ بعض مالکیہ جن میں علامہ اُبی نمایاں ہیں، دعوتِ اسلام کے لئے بطورِ وعظ ایک دو آیت کے جواز کے قائل ہیں(۱۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا محاکمہ

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ صاف ستھری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے:

جس شخص کے بارے میں یہ امید ہو کہ وہ اسلام قبول کرلے گا یا کم از کم نقصان کا خطرہ اس سے نہ ہو، تو ایسے شخص کو قرآن کی تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن ایسا شخص جس کے بارے میں یہ بات معلوم ہو چکی ہو کہ قرآن کا سیکھنا اس کے لئے مفید نہیں بلکہ وہ قرآن کو سیکھ کر دین کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنائے گا تو اسے قرآن کی تعلیم دینا جائز نہیں(۱۴)۔

---

(١٢) صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب النهي أن يسافر بالمصحف إلى أرض الكفار إذا خيف وقوعه بأيديهم، (رقم الحديث: ٤٨٤)

(١٣) إكمال إكمال المعلم: ٢١٦/٥

(١٤) فتح الباری: ١٠٧/٦

امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی طرف مائل ہیں کہ کافروں کی رہنمائی کی جاسکتی ہے اور انہیں قرآن کریم کی تعلیم بھی دی جاسکتی ہے، سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیصرِ روم کو جو خط ارسال فرمایا، اس میں یہ دونوں باتیں پیشِ نظر ہیں۔

حدیثِ باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیصرِ روم کو جو خط لکھا ہے، اس میں قرآن کریم کی ایک پوری آیت بھی موجود تھی:

﴿قل یاأهل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواءٍ بیننا وبینکم......﴾ (۱۵)۔

ترجمہ کے دو جز ہیں، پہلے جزء سے مناسبت تو "فإن تولیت" سے معلوم ہورہی ہے، کیونکہ اس جملے کے اندر راہِ ہدایت اور حق کی طرف رہنمائی ہورہی ہے۔ "أسلم تسلم یؤتك الله أجرك مرتین" میں ترغیب ہے، فإن تولیت میں زجر اور فإن علیك إثم الیریسیین میں وعید ہے۔

دوسرے جزء سے انطباق نامۂ مبارک بھیجنے سے ماخوذ ہے(۱۶) اور یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں قرآن کریم کی آیت مذکورہ موجود تھی، یقیناً یہ تعلیمِ قرآن ہی ہے۔

تنبیه: اس روایت کی تشریح پہلے تفصیل سے گذر چکی ہے(۱۷)۔

۹۹ – باب : اَلدُّعاءِ لِلْمُشْرِكِینَ بِالْهُدَی لِیَتَأَلَّفَهُمْ .

۲۷۷۹ : حدّثنا أَبُو الْیَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ : أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ قالَ :

---

(۱۵) سورة آل عمران: ٦٤

(۱٦) عمدة القاري: ۱٤/۲۰۷

(۱۷) کشف الباري: ۱/٥٥٦-٥٥٦

(۲۷۷۹) أخرجه البخاري في کتاب المغازي: ۲/٦۳۰، باب قصة دوس والطفیل بن عمرو الدوسي (رقم. ٤۳۹۲)،=

قالَ أَبو هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : قَدِمَ طُفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو ٱلدَّوْسِيُّ وَأَصْحَابُهُ ، عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنَّ دَوْسًا عَصَتْ وَأَبَتْ ، فَٱدْعُ ٱللهَ عَلَيْهَا ، فَقِيلَ : هَلَكَتْ دَوْسٌ ، قَالَ : (اللّٰهُمَّ ٱهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ) . [٤١٣١ ، ٦٠٣٤]

ماقبل سے ربط

باب سابق سے پہلے باب ذکر ہوا: "باب الدعاء علی المشرکین بالهزيمة والزلزلة" اور یہاں "باب الدعاء للمشرکین بالهدی لیتألفهم" گویا یہاں مناسبت تضاد ہے، چنانچہ ماقبل میں مشرکین کے لئے بددعا کا ذکر ہوا، اب یہاں اُن کے لئے دعاءِ ہدایت کا ذکر ہو رہا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو قائم کرکے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مشرکین کے لئے ہدایت کی دعا کرنا جائز ہے، جب کہ ان سے قبولِ اسلام کی توقع ہو(۱)۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بعض اوقات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین پر بددعا فرمائی اور بعض دفعہ ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی ہے، یہ حالات کی تبدیلی اور تغیر کا نتیجہ ہے، جب مشرکین کی طاقت میں اضافہ ہوتا، ان کی طرف سے مسلمانوں کی ایذاء رسانی کا سلسلہ دراز ہوجاتا اور مسلمان ان کے شر سے غیر محفوظ ہوجاتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکین پر بددعا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سردارانِ قریش کے لئے بددعا فرمائی تھی، جس کے نتیجے میں ان کے اکثر افراد غزوۂ بدر میں مارے گئے۔

اور جب جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے شر سے اطمینان محسوس فرماتے اور اسلام کی طرف ان کی توجہ کو دیکھتے، تو ان کی ہدایت کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگوں کے مسلمان ہونے اور ان کے ایمان لانے کی زیادہ تڑپ تھی، چنانچہ بددعا کرنے میں آپ جلد بازی سے کام

= وفي كتاب الدعوات: ٩٤٦/٢، باب الدعاء للمشركين، (رقم الحديث: ٦٣٩٧)، ومسلم: ٣٠٦/٢، في فضائل الصحابة، باب من فضائل غفار وجهينة، (رقم الحديث: ٢٥٢٤).

(١) فتح الباري: ١٠٨/٦، وعمدة القاري: ٢٠٧/١٤

نہیں لیتے تھے، بلکہ حد درجہ احتیاط فرماتے تھے(۲)۔

ذرا دیکھئے! حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بددعا کی درخواست کررہے ہیں اور آپ ان کے لئے ہدایت اور خیر کی دعا فرمارہے ہیں۔ یقیناً یہ آپ کے عظیم اخلاق کا پرتو اور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ''رحمۃ للعالمین'' ہونے کی بڑی نشانی ہے(۳)۔

حدیث باب کی مختصر تشریح

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے پہلے مکہ میں آکر اسلام قبول کیا، پھر آپ اپنے قبیلے میں تبلیغ کی غرض سے واپس لوٹے، لیکن ان کے والد اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے اسلام قبول نہیں کیا(۴)۔

چنانچہ آپ نے واپس آکر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبیلۂ دوس کی نافرمانی اور سرکشی کی شکایت کی اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ قبیلۂ دوس کے لئے بددعا فرمادیجئے، تو حاضرین نے کہا: ''دوس برباد ہو''۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت طفیل نے ''دوس'' میں سود اور زنا جیسی خبیث وبا اور اخلاقی بیماریوں کے پھیل جانے کی شکایت کی(۵) لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور انہیں ہمارے پاس لے آ''۔

طفیل رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق نے مغازی میں صالح بن کیسان کے طریق سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو قبیلۂ دوس کے بت ''ذوالکفین'' کو توڑنے کی مہم پر روانہ فرمایا تھا۔

(۲) فتح الباري: ۱۰۸/٦، وعمدة القاري: ۲۰۷/۱٤، والقسطلاني: ۱۱۰/٥، وشرح ابن بطال: ۱۱٤/٥.

(۳) شرح الكرماني: ۱۸٤/۱۲، والقسطلاني: ۱۱۰/٥

(٤) الإصابة: ۲۰۲/٤-۲۱۰

(٥) عمدة القاري: ۲۰۸/۱٤

آپ نے اس بت کو آگ سے جلا کر راکھ کر ڈالا، اس وقت آپ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

يـــاذا الـكـفـيـن لسـنـا مـن عـبـاد كـا

مـيـلاد نـــا أكـبــر مـن مـيـلاد كـــا

وقـد حشـوتُ الـنـار فـي فـؤاد كـا(٦)

”اے ذوالکفین! ہم تیرے بندے نہیں ہیں، ہماری تخلیق کا مقصد تمہارے مقصد تخلیق سے اعلیٰ اور افضل ہے، اور میں نے تمہارے دل میں آگ بھر دی ہے“۔

حضرت طفیل بن عمرو کا لقب ”ذوالنور“ تھا، اس کی تفصیل آگے کتاب المغازی کے تحت آرہی ہے(۷)۔

ترجمة الباب سے مطابقت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات ”اللهم اهدِ دوسا وائت بهم“ سے ترجمة الباب کا انطباق بالکل واضح ہے(۸)۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلۂ دوس کی دلجوئی کی خاطر اُن کی ہدایت کی دعا فرمائی ہے۔

١٠٠ – باب : دَعْوَةِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى ، وَعَلَى ما يُقَاتِلُونَ عَلَيْهِ ، وَما كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ ، وَالدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ .

٢٧٨٠ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ : لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الرُّومِ ، قِيلَ لَهُ : إِنَّهُمْ لَا يَقْرَؤُونَ كِتَابًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَخْتُومًا ، فَاتَّخَذَ خاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ ، فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ ، وَنَقَشَ فِيهِ : مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ . [ر : ٦٥]

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جو ترجمہ قائم کیا ہے، اس کے چار اجزاء ہیں:

---

(٦) السيرة النبوية لابن هشام: ١/٣٨٥، والإصابة: ٢/٢٢٥

(٧) دیکھئے: كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٦١٣-٦١٤.

(٨) عمدة القاري: ١٤/٢٠٨، وفتح الباري: ٦/١٠٨

(٢٧٨٠) قد مر تخريجه في كتاب العلم، انظر كشف الباري: ٣/١٧٦

❶ دعوة اليهود والنصارىٰ یعنی اہل کتاب کو دعوت دی جائے یا نہیں؟

❷ علی مایقاتلون علیه یعنی کس بنیاد پر اُن سے قتال کیا جائے گا، جب کہ وہ توحید کے منکر نہیں؟

❸ وماكتب الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم إلی کسریٰ وقیصر یعنی ان دونوں کو لکھے گئے خطوط کا مضمون کیا تھا؟

❹ الدعوة قبل القتال یعنی قتال سے پہلے دعوت دینے کا حکم کیا ہے(۹)؟

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں ان موضوعات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

کافروں کو جہاد سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اور تین مذاہب ہیں:

❶ دعوت مطلقاً واجب نہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے(۱۰)۔ جب کہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس مذہب کو کسی کی طرف منسوب کئے بغیر انتہائی ضعیف یا باطل قرار دیا ہے(۱۱)۔

❷ دعوت مطلقاً واجب ہے، اور اس وقت تک کافروں سے قتال جائز نہیں ہے جب تک کہ انہیں اسلام کی دعوت نہ دی جائے، چاہے ان کو اس سے قبل اسلام کی دعوت پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو(۱۲)۔

البتہ جو یہود و نصاریٰ اور غیر مسلم لوگ دارالاسلام کے قریب رہتے ہیں، ان کے لئے یہ حکم نہیں ہے، بلکہ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے ان پر حملہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ یہ پڑوس میں رہتے ہیں اور اسلام کے بارے میں علم رکھتے ہیں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کی آگ لگی ہوئی ہے، اور وہ مسلسل

---

(۹) عمدة القاري: ۲۰۸/۱٤، وإرشاد الساري: ۱۱۰/٥

(۱۰) فتح الباري: ٤۷۸/۷

(۱۱) شرح النووي علی صحيح مسلم: ۸۱/۲، كتاب الجهاد، باب جواز الإغارة علی الكفار الذين بلغتهم دعوة الإسلام من غير تقدم إعلام بالإغارة.

(۱۲) المدونة الكبرى: ۳/۲، وفيه "قلت: أكان مالك يرى أن يُدعوا قبل القتال ولا يرى الدعوة قد بلغتهم؟ قال: نعم".

مسلمانوں پر حملے کرتے ہیں اور شرانگیزی پھیلاتے ہیں، ایسے لوگوں کو غفلت کی حالت میں جالینا چاہیے۔

لیکن وہ لوگ جو کہ دارالاسلام سے دور ہیں، انہیں دعوت دی جائے گی اور ان کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی، پھر بھی اگر وہ نہیں مانتے تو ان سے جنگ کی جائے گی۔ یہ مالکیہ کا مذہب ہے (۱۳)۔

۳ اگر کسی قوم کو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو تو ایسی صورت میں دعوت واجب ہے، اور بغیر دعوت ان سے قتال ناجائز ہے، اور اگر اس قوم کو دعوت پہنچ چکی ہو، تو ایسی صورت میں قتال سے پہلے دعوت دینا مستحب ہے۔ یہی راجح اور جمہور ائمہ کا مذہب ہے۔

وهذا قول الحسن البصري والنخعي وربيعة والليث وأبي حنيفة والثوري والشافعي وأحمد وإسحاق وأبي ثور (١٤)۔

دلائل مالکیہ

پہلی دلیل: ابن المنذر، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ وہ امراءِ لشکر کو قتال سے قبل دعوت دینے کا حکم دیا کرتے تھے (۱۵)۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت حملہ نہیں کیا کرتے تھے، جب تک کہ وہ دشمن کو تین دفعہ دعوتِ اسلام نہ دے چکے ہوتے (۱۶)۔

تیسری دلیل: حدیثِ باب جو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ واضح طور پر دعوت قبل القتال کے مطلقاً واجب ہونے پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ خیبر کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت پہلے پہنچ چکی تھی، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(١٣) المدونة: ٢/٢

(١٤) الهداية: ٢/٥٥٨-٥٥٩، كتاب الجهاد، وشرح النووي على صحيح مسلم: ٢/٨١، كتاب الجهاد: باب جواز الإغارة على الكفار الذين بلغتهم دعوة الإسلام من غير تقدم إعلام بالإغارة، والمغني: ٩/١٧٢، مسألة (٧٤٣٦)، وشرح ابن بطال: ٥/١١٧، والشامي: ٣/٢٤٣

(١٥) المدونة الكبرى: ٢/٣، وشرح ابن بطال: ٥/١١٧

(١٦) المدونة الكبرى: ٢/٣

"علی رسلك! حتی تنزل بساحتهم، ثم ادعهم إلی الإسلام......".

''ابھی ٹھہرو، یہاں تک کہ تم مشرکین کے علاقہ میں داخل ہو جاؤ۔ پھر انہیں اسلام کی دعوت دو''۔

جمہور کے دلائل

پہلی دلیل: ابورافع ابن ابی الحقیق اور کعب بن اشرف کا قتل جو کہ دھوکے سے کیا گیا (۱۷)۔

دوسری دلیل: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی المطلق پر اچانک حملہ کیا تھا، جب کہ ان کے جانور پانی پی رہے تھے، وہ لوگ آپ کے اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے اور یوں انہوں نے شکست کھائی، آپ نے لڑنے والوں کو قتل کیا اور جو زندہ بچے، انہیں قید کر دیا (۱۸)۔

تیسری دلیل: سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ "اُبنیٰ" (۱۹) پر صبح کے وقت حملہ کرو اور بستی کو آگ لگا دو (۲۰)۔

چوتھی دلیل: صعب بن جثامۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ''شب خون'' مارنے کے نتیجہ میں ہلاک ہونے والے بچوں اور عورتوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "هم منهم" یعنی ان کے اس وقت مارے جانے میں کوئی حرج نہیں، وہ بھی مشرکین کے حکم میں ہیں (۲۱)۔

چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شب خون اچانک بے خبری میں مارا جاتا ہے، اس وقت دعوت دی جا سکتی ہے نہ ہی انہیں خبردار کیا جا سکتا ہے، ورنہ حملہ بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔

ان تمام روایتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس قوم کو دعوت پہنچ چکی ہو، اسے قتال سے پہلے

---

(۱۷) صحيح البخاري: ۵۷۶/۲-۵۷۷، كتاب المغازي، باب قتل كعب بن الأشرف، (رقم: ٤٠٣٧)، وباب قتل أبي رافع عبدالله بن أبي الحقيق، رقم: ٤٠٣٨-٤٠٤٠

(۱۸) صحيح البخاري: ۵۹۳/۲، كتاب المغازي، باب غزوة بني المصطلق من خزاعة رقم: ٤٠٣٨، ٤٠٣٩

(۱۹) "أبنیٰ: بضم الهمزة وسكون الموحدة وبعدها نون وآخرها ألف مقصورة، موضع من بلاد فلسطين بين عسقلان والرملة و "يبنی" أيضا كما في الحديث الآتي بعده، (رقم: ٢٦١٧)

(۲۰) أبوداود، كتاب الجهاد، باب في الحرق في بلاد العدو (رقم: ٢٦١٦)

(۲۱) البخاري: ۴۲۳/۱، كتاب الجهاد، باب أهل الدار يبيتون فيصاب الولدان والذراري، (رقم: ٣٠١٢)

دعوت دینا واجب یا ضروری نہیں۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن میں دعوت دینے کا ذکر ہے، سوان کا محمل جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کسی ایسی قوم کے ساتھ قتال کیا جارہا ہو جس کو دعوت پہلے پہنچ چکی ہو تو دوبارہ اس کو دعوت دینا مستحب ہے(۲۲)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیثِ صعب بن جثامۃ سے بے خبری میں حملہ کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، جب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث باب میں صبح تک انتظار کرنے اور پھر اذان کی آواز پر فیصلہ کرنے کا ذکر ہے، یعنی اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی علاقہ میں اذان سنتے یا اسلام کی کسی ظاہری علامت کو دیکھ لیتے تو حملہ نہیں کیا کرتے تھے، بصورتِ دیگر حملہ کردیا کرتے تھے۔

گویا حدیثِ صعب بن جثامۃ سے ثابت ہوتا ہے کہ حالتِ غفلت میں شب خون کو مباح قرار دیا جارہا ہے۔ جب کہ حدیثِ انس اس کے برعکس ہے۔

جواب

ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ صعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہیں دعوت پہلے پہنچ چکی ہو۔ ایسے لوگوں پر غفلت کی حالت میں حملہ کیا جاسکتا ہے۔

اور حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کا تعلق ایسے لوگوں سے ہے جن تک دعوت ابھی تک نہ پہنچی ہو، یا ان کے حالات سے مسلمانوں کو پوری واقفیت نہ ہو(۲۳)۔

دورِ حاضر کے کفار کا حکم

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے کے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے، واجب نہیں۔

---

(۲۲) المغني: ۹/۱۷۲، مسألة (۷٤۳٦) وشرح ابن بطال: ٥/۱۱۸

(۲۳) شرح ابن بطال: ٥/۱۱۹، ۱۲۰

دعوت کے بغیر بھی ان سے قتال کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ وہ اسلام کی سچائی اور پیغام سے بخوبی واقف ہیں۔

چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لا أعلم أحداً من المشركين لم تبلغهم الدعوة اليوم“ (٢٤)۔

امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی قول منقول ہے (۲۵)۔

حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے، کیونکہ دعوتِ اسلام شرقاً غرباً پھیل چکی ہے اور آج کے جدید دور میں جب کہ ذرائع ابلاغ نے خوب ترقی کی ہے، یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ کسی قوم یا فرد کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔

تاہم یہ ہوسکتا ہے کہ دنیا کے کسی کونے میں ایسی قومیں آباد ہوں جن تک تاہنوز دعوت نہ پہنچی ہو، ایسی صورت میں ان کو دعوت دینا واجب ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ ایسی قومیں جن کو دعوت تو پہنچی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ مسلمان جزیہ بھی قبول کرتے ہیں، اس صورت میں ان سے اس وقت تک لڑنا جائز نہیں جب تک انہیں جزیہ کے بارے میں آگاہ نہ کیا جائے (۲۶)۔ واللہ اعلم واُتم واُحکم۔

لفظِ ”قیصر“ کے معنی

”قیصر“ رومی زبان میں اسے کہا جاتا ہے جس کا پیٹ کاٹا گیا ہو۔ ہرقل کی ماں کا حالتِ حمل میں انتقال ہوگیا تھا، تو ہرقل کو والدہ کا پیٹ چیر کر نکالا گیا تھا، چنانچہ وہ اس بات پر فخر کیا کرتا تھا کہ وہ شرم گاہ کے راستے سے نہیں آیا (۲۷)۔

خطوط پر مہر لگانے کی حیثیت

قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے نامۂ مبارک کو ”کتاب کریم“ کہا گیا ہے، حافظ سیوطی

---

(٢٤) شرح ابن بطال: ١١٧/٥!

(٢٥) المغني: ١٧٢/٩، مسألة (٧٤٣٦)

(٢٦) البحر الرائق: ٧٥/٥، وفتح القدير: ١٩٦/٥، وردالمحتار: ٢٤٤/٣، والفتاوى التتارخانية: ٢٢٦/٥-٢٢٧، كتاب السير، الفصل الثاني في بيان شرائط جواز قتال الكفرة

(٢٧) عمدة القاري: ٢٠٨/١٤، وإرشاد الساري: ١١٠/٥

رحمہ اللہ نے درمنثور (۲۸) اور امام طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس کے معنی ''مہر لگے ہوئے'' کے کئے ہیں (۲۹)۔

نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک روایت منقول ہے: "كرامة الكتاب ختمه". یعنی خط کی عزت تو اس کی مہر ہے (۳۰)۔

یہ حدیث ''کتاب العلم'' میں تفصیلات کے ساتھ گزر چکی ہے (۳۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ترجمۃ الباب کے چار اجزاء ہیں، جزء اول سے مطابقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خط میں ہرقل کو اسلام کی دعوت دی ہے وہ نصرانی تھا، چنانچہ یہود بھی اسی حکم میں داخل ہیں، کیونکہ وہ بھی اہلِ کتاب ہی تھے۔

معلوم ہوا کہ اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دی جائے گی (۳۲)۔

جزء ثانی سے انطباق اس طرح ہے کہ اس والا نامہ کا مقصد جہاں واضح طور پر ہرقل اور رومیوں کو دعوتِ اسلام پیش کرنا ہے وہاں اس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ اگر تم اس دعوت کو ٹھکرا کر اسلام قبول نہیں کرو گے تو تمہارے ساتھ قتال کیا جائے گا۔

اس بات کی تصریح اگلے باب کی حضرت علیؓ کی روایت میں آ رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام قبول نہ کرنے کی بنیاد پر ان سے قتال کیا جائے گا۔

جزء ثالث سے مطابقت بالکل ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام پر مشتمل مضمون

---

(۲۸) درمنثور: ١٠٦/٥

(۲۹) تفسير الطبري، النمل، ص: ٩٥، نیز دیکھئے: شرح ابن بطال: ١١٥/٥

(۳۰) الجامع الصغير: ٨٩/٢، وشرحه فيض القدير: ٥٥٠/٤

(۳۱) كشف الباري: ١٧١/٣ – ١٧٥

(۳۲) عمدة القاري: ٢٠٩/١٤

نامۂ مبارک میں لکھوایا۔

جزء رابع سے مطابقت اس طرح ہے کہ آپ نے رومیوں کو توحید اور نبوتِ محمدی (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کی تصدیق کی دعوت دی، یہ دعوت قبل القتال ہے کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی (۳۳)۔

٢٧٨١ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُتْبَةَ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَى كِسْرَى ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ ، يَدْفَعُهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى ، فَلَمَّا قَرَأَهُ كِسْرَى حرَّقَهُ ، فَحَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قالَ : فَدَعَا عَلَيْهِمِ النَّبِيُّ ﷺ : (أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ) . [ر : ٦٤]

بددعا کرنے کی وجہ

کسریٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو پھاڑ ڈالا تھا، یہ شانِ نبوت کی توہین ہے، لہٰذا نبی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اللہ رب العزت اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کردے۔

واضح رہے کہ دین کا مذاق اڑانا اور اس کی توہین کرنا کفر ہے، اور دین کے معاملات میں بے جا مداخلت اور گستاخی کرنے والے کو سیاستاً قتل بھی کیا جاسکتا ہے، اللہ جل شانہ نے اس کبیرہ گناہ کو کفر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ولئن سألتهم ليقولن إنما كنا نخوض ونلعب، قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزؤن لاتعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم﴾(٣٤)۔

''اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ فوراً کہہ دیں گے کہ ہم تو یوں ہی گپ شپ اور دل لگی کررہے تھے، آپ (ان سے) کہہ دیجئے، کیا تمہیں اللہ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول ہی سے دل لگی کرنی تھی؟ عذر مت بناؤ، بے

---

(٣٣) عمدة القاري: ١٤/٢٠٩

(٢٧٨١) قد مرّ تخريجه في كتاب العلم، ديكهئيے: كشف الباري: ٣/١٧١

(٣٤) التوبة: ٦٥

شک تم لوگ کفر کا ارتکاب کر چکے ہو، اپنے ایمان کے بعد"۔

معلوم ہوا کہ خط کا پھاڑنا دین کی توہین اور شانِ رسالت کی گستاخی تھی، جس کی وجہ سے کسری بددعا کا موجب ہوا (۳۵)۔

تنبیہ: یہاں دوسری روایتوں میں بجائے "خَرَّقَه" کے "مَزَّقَهُ" وارد ہوا ہے (۳۶) دونوں کے معنی "ریزہ ریزہ کرنا، چاک کرنا، پھاڑنا" ہیں (۳۷)۔

بددعا کا اثر

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس بددعا کا اثر تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں ایرانیوں میں چودہ بادشاہ تخت نشین ہوئے اور مارے گئے یا مر گئے، یہاں تک بوران نامی ایک عورت کو زمامِ حکومت سونپ دی گئی، اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة" (۳۸) یعنی ایسی قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے امورِ حکومت کسی عورت کے حوالے کر دیا ہو۔

اس کے بعد مجوسیوں کی حکومت دوبارہ قائم نہ ہوسکی (۳۹)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ روایت کی مطابقت

اس روایت میں آیا ہے: "بعث بکتابه إلى کسریٰ" مطابقت اس جملے کے اندر ہے (۴۰)۔

---

(۳۵) شرح ابن بطال: ۱۱۵/۵

(۳٦) البخاري، کتاب العلم، باب مایذکر في المناولة وکتاب أهل العلم بالعلم إلى البلدان، (رقم ٦٤)، وکتاب المغازي، باب کتاب النبي صلى الله تعالىٰ علیه وسلم إلى کسریٰ وقیصر رقم (٤٤٢٤)، وکتاب أخبار الآحاد، باب ماکان یبعث النبي صلى الله تعالىٰ علیه وسلم من الأمراء والرسل واحداً بعد واحد، رقم (٧٢٦٤)

(۳۷) المعجم الوسیط، مادة: خرق/مزق

(۳۸) تقدم تخریجه، کشف الباري، کتاب العلم، ص: ١٧٥

(۳۹) حواله بالا، نیز دیکھئے: عمدة القاري: ٢١٠/١٤

(٤٠) حوالۂ بالا

اس حدیث سے متعلق مزید تفصیل کتاب العلم کے تحت پہلے گذر چکی ہے(۴۱)۔

۱۰۱ - باب : دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْإِسْلَامِ وَالنُّبُوَّةِ ، وَأَنْ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ .

وَقَوْلِهِ تَعَالَى : «ما كانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ» . إِلَى آخِرِ الآيَةِ /آل عمران : ۷۹/ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ گذشتہ ابواب جو کہ دعوت سے متعلق ہیں، ان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوتِ اسلام کے ساتھ ساتھ نبوت کا اقرار اور شرک سے براءت کی دعوت بھی دیا کرتے تھے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ یہود و نصاریٰ باوجود اہل کتاب ہونے کے، حضرت عُزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوۃ والسلام کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارىٰ المسيح ابن الله﴾(۱) ''یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں''۔ حالانکہ یہ دونوں بشر ہیں اور بشر خدائی کا اہل نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے تحت وہ روایات نقل کی ہیں جن میں اہل روم جو کہ نصرانی تھے اور اہل خیبر جو کہ یہود تھے، ان کو توحید، نبوتِ محمدی اور شرک سے براءت کی دعوت دیئے جانے کا ذکر ہے۔

آیت ذکر کرنے کا مقصد

اس آیت مبارکہ کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو لوگوں کو اللہ کے بجائے اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں، جیسا کہ اہل کتاب کی روش کا ذکر کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿کونوا

(٤١) كشف الباري، كتاب العلم، ص: ١٧٦

(١) توبة: ٣٠

عبادالّي من دون الله﴾(٣) ''تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ''۔اور فرمایا:﴿یا عیسی بن مریم أأنت قلت للناس اتخذوني وأمي إلهين من دون الله﴾(٤) ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ، اللہ تعالیٰ کے سوا؟'' اور فرمایا:﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله﴾(٥) ''انہوں نے اپنے عالموں اور اپنے پیروں کو اپنا رب بنادیا اللہ کے سوا''۔یعنی کسی ایسے شخص کو جسے اللہ جل شانہ نے کتاب، حکمت اور نبوت کی دولت سے نوازا ہو، اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ کرنے کے بجائے اپنی ذات کی طرف توجہ دلائے۔

چنانچہ جب کسی رسول یا نبی کو یہ بات زیبا نہیں جب کہ وہ خدا تعالیٰ کے مقرب ترین اور برگزیدہ بندے ہیں تو دوسروں کے لئے چاہے وہ ولی یا عالم کیوں نہ ہو، غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگی، لیکن اہل کتاب اپنے علماء اور راہبوں کی خدا جیسی عبادت کیا کرتے تھے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله والمسيح ابن مريم، وما أمروا إلا ليعبدوا إلها واحدا﴾(٦)۔

''انہوں نے اپنے عالموں اور اپنے پیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنادیا، اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو صرف اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی خدا کی بندگی کریں''۔

٢٧٨٢ : حدّثنا إبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُتْبَةَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كَتَبَ إِلَى قَيْصَرَ يَدْعُوهُ إِلَى الْإِسْلَامِ ، وَبَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَيْهِ مَعَ دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ ، وَأَمَرَهُ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى لِيَدْفَعَهُ إِلَى قَيْصَرَ ، وَكَانَ قَيْصَرُ لَمَّا كَشَفَ ٱللهُ عَنْهُ جُنُودَ فَارِسَ ، مَشَى مِنْ حِمْصَ إِلَى إِيلِيَاءَ شُكْرًا لِمَا أَبْلَاهُ ٱللهُ ، فَلَمَّا جَاءَ قَيْصَرَ كِتَابُ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، قَالَ حِينَ قَرَأَهُ : ٱلْتَمِسُوا لِي هَا هُنَا أَحَدًا مِنْ قَوْمِهِ ، لِأَسْأَلَهُمْ عَنْ

(٣) آل عمران: ٧٩

(٤) المائدة: ١١٦

(٥) التوبة: ٣١

(٦) التوبة: ٣١

(٢٧٨٢) أخرج البخاري طرفه في كتاب الجهاد، باب هل يرشد المسلم أهل الكتاب أو يعلمهم الكتاب؟ رقم(٢٩٣٦)

رَسُولِ اللهِ ﷺ .

قالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : فَأَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ : أَنَّهُ كانَ بِالشَّأْمِ فِي رِجالٍ مِنْ قُرَيْشٍ قَدِمُوا تِجارًا ، فِي المُدَّةِ الَّتِي كانَتْ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبَيْنَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ ، قالَ أَبُو سُفْيَانَ : فَوَجَدَنَا رَسُولُ قَيْصَرَ بِبَعْضِ الشَّأْمِ ، فَانْطَلَقَ بِي وَبِأَصْحَابِي ، حَتَّى قَدِمْنَا إِيلِيَاءَ فَأُدْخِلْنَا عَلَيْهِ ، فَإِذَا هُوَ جالِسٌ فِي مَجْلِسِ مُلْكِهِ ، وَعَلَيْهِ التَّاجُ ، وَإِذَا حَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّومِ ، فَقَالَ لِتَرْجُمَانِهِ : سَلْهُمْ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ ، قالَ أَبُو سُفْيَانَ : فَقُلْتُ : أَنَا أَقْرَبُهُمْ إِلَيْهِ نَسَبًا ، قالَ : ما قَرَابَةُ ما بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ ؟ فَقُلْتُ : هُوَ ابْنُ عَمِّي ، وَلَيْسَ فِي الرَّكْبِ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ غَيْرِي ، فَقَالَ قَيْصَرُ : أَدْنُوهُ ، وَأَمَرَ بِأَصْحَابِي فَجُعِلُوا خَلْفَ ظَهْرِي عِنْدَ كَتِفِي ، ثُمَّ قالَ لِتَرْجُمَانِهِ : قُلْ لِأَصْحَابِهِ : إِنِّي سَائِلٌ هٰذَا الرَّجُلَ عَنِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ ، فَإِنْ كَذَبَ فَكَذِّبُوهُ ، قالَ أَبُو سُفْيَانَ : وَاللهِ لَوْلَا الحَيَاءُ يَوْمَئِذٍ ، مِنْ أَنْ يَأْثُرَ أَصْحَابِي عَنِّي الْكَذِبَ ، لَكَذَبْتُهُ حِينَ سَأَلَنِي عَنْهُ ، وَلٰكِنِّي اسْتَحْيَيْتُ أَنْ يَأْثُرُوا الْكَذِبَ عَنِّي فَصَدَقْتُهُ ، ثُمَّ قالَ لِتَرْجُمَانِهِ : قُلْ لَهُ كَيْفَ نَسَبُ هٰذَا الرَّجُلِ فِيكُمْ ؟ قُلْتُ : هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ ، قالَ : فَهَلْ قالَ هٰذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ مِنْكُمْ قَبْلَهُ ؟ قُلْتُ : لَا ، فَقَالَ : كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ عَلَى الْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ ما قالَ ؟ قُلْتُ : لَا ، قالَ : فَهَلْ كانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ ؟ قُلْتُ : لَا ، قالَ : فَأَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ ؟ قُلْتُ : بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ ، قالَ : فَيَزِيدُونَ أَوْ يَنْقُصُونَ ؟ قُلْتُ : بَلْ يَزِيدُونَ ، قالَ : فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ ؟ قُلْتُ : لَا ، قالَ : فَهَلْ يَغْدِرُ ؟ قُلْتُ : لَا ، وَنَحْنُ الآنَ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ نَحْنُ نَخَافُ أَنْ يَغْدِرَ – قالَ أَبُو سُفْيَانَ : وَلَمْ يُمْكِنِّي كَلِمَةٌ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا أَنْتَقِصُهُ بِهِ لَا أَخَافُ أَنْ تُؤْثَرَ عَنِّي غَيْرُهَا – قالَ : فَهَلْ قاتَلْتُمُوهُ أَوْ قاتَلَكُمْ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ ، قالَ : فَكَيْفَ كانَتْ حَرْبُهُ وَحَرْبُكُمْ ؟ قُلْتُ : كانَتْ دُوَلًا وَسِجَالًا ، يُدَالُ عَلَيْنَا المَرَّةَ وَنُدَالُ عَلَيْهِ الأُخْرَى ، قالَ : فَمَاذَا يَأْمُرُكُمْ ؟ قالَ : يَأْمُرُنَا أَنْ نَعْبُدَ اللهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ، وَيَنْهَانَا عَمَّا كانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ ، وَالصَّدَقَةِ ، وَالْعَفَافِ ، وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ ، وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ . فَقَالَ لِتَرْجُمَانِهِ حِينَ قُلْتُ ذٰلِكَ لَهُ : قُلْ لَهُ : إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ فِيكُمْ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ ذُو نَسَبٍ ، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا ، وَسَأَلْتُكَ : هَلْ قالَ أَحَدٌ مِنْكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ ، فَزَعَمْتَ أَنْ لَا ، فَقُلْتُ : لَوْ كانَ أَحَدٌ مِنْكُمْ قالَ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ ، قُلْتُ رَجُلٌ يَأْتَمُّ بِقَوْلٍ قَدْ قِيلَ قَبْلَهُ ، وَسَأَلْتُكَ : هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ

وَسَأَلْتُكَ : هَلْ كانَ مِنْ آبائِهِ مِنْ مَلِكٍ ، فَزَعَمْتَ أَنْ لَا ، فَقُلْتُ لَوْ كانَ مِنْ آبائِهِ مَلِكٌ ، قُلْتُ يَطْلُبُ مُلْكَ آبائِهِ ، وَسَأَلْتُكَ : أَشْرافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ ، فَزَعَمْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ ، وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ ، وَسَأَلْتُكَ : هَلْ يَزِيدُونَ أَوْ يَنْقُصُونَ ، فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ ، وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ حَتَّى يَتِمَّ ، وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ ، فَزَعَمْتَ أَنْ لَا ، فَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تَخْلِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ لَا يَسْخَطُهُ أَحَدٌ ، وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ ، فَزَعَمْتَ أَنْ لَا ، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا يَغْدِرُونَ ، وَسَأَلْتُكَ : هَلْ قَاتَلْتُمُوهُ وَقَاتَلَكُمْ ، فَزَعَمْتَ أَنْ قَدْ فَعَلَ ، وَأَنَّ حَرْبَكُمْ وَحَرْبَهُ تَكُونُ دُوَلًا ، وَيُدَالُ عَلَيْكُمُ الْمَرَّةَ وَتُدَالُونَ عَلَيْهِ الْأُخْرَى ، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلَى وَتَكُونُ لَهَا الْعَاقِبَةُ ، وَسَأَلْتُكَ : بِمَاذَا يَأْمُرُكُمْ ، فَزَعَمْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ، وَيَنْهَاكُمْ عَمَّا كانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ ، وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ ، وَالصِّدْقِ ، وَالْعَفَافِ ، وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ ، وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ ، قالَ : وَهٰذِهِ صِفَةُ النَّبِيِّ ، قَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خارِجٌ ، وَلٰكِنْ لَمْ أَظُنَّ أَنَّهُ مِنْكُمْ ، وَإِنْ يَكُ ما قُلْتَ حَقًّا ، فَيُوشِكُ أَنْ يَمْلِكَ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ ، وَلَوْ أَرْجُو أَنْ أَخْلُصَ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ ، وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ قَدَمَيْهِ . قالَ أَبُو سُفْيَانَ : ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقُرِئَ فَإِذَا فِيهِ : (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ، إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ ، سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى ، أَمَّا بَعْدُ : فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ ، وَ : «يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ»). قالَ أَبُو سُفْيَانَ : فَلَمَّا أَنْ قَضَى مَقَالَتَهُ عَلَتْ أَصْوَاتُ الَّذِينَ حَوْلَهُ مِنْ عُظَمَاءِ الرُّومِ ، وَكَثُرَ لَغَطُهُمْ ، فَلَا أَدْرِي مَاذَا قَالُوا ، وَأُمِرَ بِنَا فَأُخْرِجْنَا ، فَلَمَّا أَنْ خَرَجْتُ مَعَ أَصْحَابِي وَخَلَوْتُ بِهِمْ ، قُلْتُ لَهُمْ : لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ ، هٰذَا مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ يَخَافُهُ ، قالَ أَبُو سُفْيَانَ : وَاللّٰهِ ما زِلْتُ ذَلِيلًا مُسْتَيْقِنًا بِأَنَّ أَمْرَهُ سَيَظْهَرُ ، حَتَّى أَدْخَلَ اللّٰهُ قَلْبِي الْإِسْلَامَ وَأَنَا كَارِهٌ . [ر : ٧]

اس حدیث کی تخریج وتشریح مفصلاً گذر چکی ہے(۷)۔

تاہم چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

(۷) كشف الباري: ۱/۴۷۷-۴۵۷

❶ یہ روایت بدء الوحي میں گذر چکی ہے، ہرقل نے گیارہ سوالات کئے ہیں اور ترتیب کے ساتھ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے ان گیارہ سوالات کے جوابات دیئے ہیں، پھر ہرقل نے ترتیب کے ساتھ ان جوابات پر تبصرہ کیا ہے، لیکن بدء الوحی کی ترتیب میں کچھ اختلال واقع ہوا ہے۔

البتہ کتاب الجهاد کی ترتیب اولیٰ ہے (۸)۔

❷ **لمّا أبلاه الله:** أبليته، أبليه، إبلاء باب افعال سے ہو تو اس کے معنی ''خیر'' کے ہوتے ہیں اور بلوته بلاء از باب نصر کے معنی ''شر'' کے ہوتے ہیں۔قال الله تعالیٰ: ﴿ونبلوكم بالشر والخير فتنة﴾(۹)۔ نیز حدیث میں آتا ہے:"من أُبلِيَ فذكر فقد شكر"(۱۰) یعنی جسے کوئی نعمت دی گئی اور اس نے اللہ کو یاد کیا تو اس نے شکر ادا کر دیا اور حدیث کعب بن مالک میں ہے:"ما علمت أحدا أبلاه الله أحسن مما أبلاني"(۱۱) یعنی میں کسی مسلمان کو نہیں جانتا جسے (سچ کی بدولت سے) اللہ نے اتنا نوازا ہو جتنا اچھا مجھے نوازا ہے۔

اور ابتلاء خیر وشر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس کے اصل معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔

اب اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ جل شانہ نے قیصر کو ایرانیوں پر فتح کی نعمت عطا فرمائی تو وہ شکرانے کے طور پر ''حمص'' شام سے ''ایلیاء'' بیت المقدس گیا تھا (۱۲)۔

❸ **ببعض الشام:** اس سے مراد مشہور شہر ''غزّۃ'' ہے (۱۳) جو اَب فلسطین میں واقع ہے۔

---

(۸) تفصیل کے لئے دیکھئے: کشف الباري: ۱/۵۱۵

(۹) الأنبياء: ۳۵

(۱۰) أبوداود: ۲/۳۰۷، كتاب الأدب، باب شكر المعروف، رقم (٤٨١٤)، وفيه "فذكره"

(۱۱) البخاري: ۱/۳۸٦، كتاب الوصايا، باب إذا تصدق أو وقف بعض ماله أو رقيقه أو دوابه، فهو جائز، رقم(۲۷۵۷)؛ والإبلاء بمعنى الإحسان والإنعام كما في قوله تعالىٰ: ﴿وما رميت إذ رميت ولكن الله رمى وليبلي المؤمنين منه بلاء حسنا﴾ الأنفال: ۱۷

(۱۲) النهاية لابن الأثير: ۱/۱۵۵، وعمدة القاري: ۱٤/۲۱۳.

(۱۳) عمدة القاري: ۱٤/۲۱۳

❹ فتكون لها العاقبة: صحیح بخاری کے بعض طرق میں بجائے "لها" کے "لهم" آیا ہے(۱۴) دونوں صورتوں میں ضمیر "الرسل" کی طرف راجع ہے۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے، جو کہ الفاظِ حدیث سے سمجھ میں آرہی ہے(۱۵)۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کے الفاظ ہیں: "من محمد عبدالله ورسوله" یہ نبوت کی طرف دعوت ہے، پھر آگے ہے: "فإني أدعوك بدعاية الإسلام" یہ اسلام کی دعوت ہے۔

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

۲۷۸۳ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ القَعْنَبِيُّ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حازِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَوْمَ خَيْبَرَ : (لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلاً يَفْتَحُ ٱللهُ عَلَى يَدَيْهِ) . فَقَامُوا يَرْجُونَ لِذٰلِكَ أَيُّهُمْ يُعْطَى ، فَغَدَوْا وَكُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَى ، فَقَالَ : (أَيْنَ عَلِيٌّ) . فَقِيلَ : يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ ، فَأَمَرَ فَدُعِيَ لَهُ ، فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ ، فَبَرَأَ مَكَانَهُ حَتَّى كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ شَيْءٌ ، فَقَالَ : نُقَاتِلُهُمْ حَتَّى يَكُونُوا مِثْلَنَا ؟ فَقَالَ : (عَلَى رِسْلِكَ ، حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ ، فَوَٱللهِ لَأَنْ يُهْدَى بِكَ رَجُلٌ وَاحِدٌ خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ) . [۲۸٤۷ ، ۳٤۹۸ ، ۳۹۷۳]

---

(١٤) انظر صحيح البخاري: ١/٣٩٣، كتاب الجهاد، باب قول الله عزوجل: ﴿قل هل تربصون بنا إلا إحدى الحسنيين﴾، رقم (٢٨٠٤)، والحرب سجال وكتاب التفسير، باب: "قل ياأهل الكتاب تعالوا إلى كلمة": ٢/٦٥٣، (رقم: ٤٥٥٣)

(١٥) عمدة القاري: ١/٢١٢

(٢٧٨٣) أخرجه البخاري: ١/٤٢٢، في كتاب الجهاد، باب فضل من أسلم علي يديه رجل رقم (٣٠٠٩)، وفي: ١/٥٦٥، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم (٣٧٠١)، وفي المغازي: ٢/٦٠٣، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٠٩/٤٢١٠)، ومسلم: ٢/٢٧٨، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم (٢٤٠٦) والترمذي: ٢/٢١٣، كتاب المناقب، باب ماجاء في مناقب علي رضي الله عنه، (رقم: ٣٧٢٤)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر والے دن فرمایا: بخدا کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کے حوالے کردوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا فرمائیں گے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سعادت کو حاصل کرنے کے منتظر تھے۔

صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پوچھا، بتایا گیا کہ ان کو آشوبِ چشم ہے، ان کو طلب فرمایا اور ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا تو ان کی تکلیف ایسے ختم ہوگئی، جیسے تھی ہی نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہم ان سے اس وقت تک لڑیں گے، جب تک وہ ہماری طرح نہ ہوجائیں، یعنی مسلمان ہوجائیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذرا ٹھہرو! جب تم ان کے علاقے میں اترو تو انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں بتاؤ، واللہ اگر ایک آدمی کو بھی اللہ تمہاری وجہ سے ہدایت عطا فرمادے تو یہ تمہارے لئے بہت سارے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے''۔

فائدہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب یعنی تھوک سے وہ ٹھیک ہوگئیں، یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

يشتكي عينيه: ایک دوسری روایت میں "وكان به رمد" کے الفاظ وارد ہیں، اس میں آشوبِ چشم کی تصریح ہے (۱۶)۔

حُمُرُ النَّعَمِ: سرخ اونٹ جو عرب کے یہاں اعلیٰ اور بہترین خیال کیے جاتے ہیں (۱۷)۔

على رسلك: رسل بكسر الراء وسكون السين: نرمی اور توقف کو کہا جاتا ہے، یہاں محاورتاً استعمال ہوا ہے، یعنی ذرا ٹھہر، آہستہ اور باوقار رہ (۱۸)۔

---

(۱۶) صحيح البخاري: ۱/۲۲۵، كتاب فضائل أصحاب النبي، باب مناقب علي بن أبي طالب رقم(۳۷۰۲)

(۱۷) القسطلاني: ۵/۱۱٤

(۱۸) مختار الصحاح للرازي: على رسلك بالكسر أي اتئد فيه كما يقال على هِينَتِكَ.

ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہاں ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے میں ہے: "ثم ادعهم إلى الإسلام" (١٩)۔ چونکہ یہاں یہود کے لئے دعوتِ اسلام کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت میں اقرارِ نبوت کا ذکر لازمی ہوگا۔

٢٧٨٥/٢٧٨٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ حُمَيْدٍ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يَقُولُ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ إِذَا غَزَا قَوْمًا لَمْ يُغِرْ حَتَّى يُصْبِحَ ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغارَ بَعْدَ ما يُصْبِحُ ، فَنَزَلْنَا خَيْبَرَ لَيْلاً .

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو صبح ہونے تک حملہ نہیں کیا کرتے تھے، صبح کے وقت اگر اذان کی آواز سن لیتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کردیا کرتے۔

حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ إِذَا غَزَا بِنَا .

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں حدیثِ انس کے دوسرے طریق کو ذکر فرمارہے ہیں (٢٠)۔

یہاں روایت میں اختصار ہے، مکمل روایت کتاب الصلوة، باب مايحصن بالأذان من الدماء میں گزر چکی ہے (٢١)۔

(٢٧٨٥) : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى خَيْبَرَ ، فَجَاءَهَا لَيْلاً ، وَكانَ إِذَا جَاءَ قَوْمًا بِلَيْلٍ لَا يُغِيرُ عَلَيْهِمْ

(١٩) عمدة القاري: ٢١٣/١٤

(٢٢٨٤-٢٢٨٥) قد مر تخريجه في كتاب الصلوة، باب مايذكر في الفخذ، رقم (٣٧١)

(٢٠) عمدة القاري: ٢١٤/١٤

(٢١) صحيح البخاري: ٨٦/١، رقم (٦١٠)

(٢٧٨٥) مر تخريجه في كتاب الصلوة، باب مايذكر في الفخذ، رقم (٣٧١)

حَتَّى يُصْبِحَ ، فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتْ يَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ ، فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا : مُحَمَّدٌ وَاللهِ، مُحَمَّدٌ وَالخَمِيسُ . فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللهُ أَكْبَرُ ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ) . [ر : ٣٦٤]

یہ حدیثِ انس کا تیسرا طریق ہے۔

"لَمْ يُغِرْ" از باب افعال إغارة: حملہ کرنا۔

"بمساحيهم" مَسَاحي، مِسْحَاةٌ کی جمع ہے، کدال کو کہا جاتا ہے، سحوت الطين عن وجه الأرض وسحيته: زمین سے مٹی نکالنا۔

"مَكاتِلُ" مِكْتَلٌ کی جمع ہے، ٹوکری کو کہتے ہیں (۲۲)۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توقف وانتظار کا سبب

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتظار کرنے کا مقصد حقیقتِ حال کو جاننا ہوتا تھا، کہ اس قوم کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہے یا نہیں؟ چنانچہ آپ صبح تک انتظار فرمایا کرتے تھے، تا کہ اذان یا کسی اور شعارِ اسلام سے ان کی صحیح حالت کا علم ہو سکے (۲۳)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

پھر یہاں "حتى يصبح" کے الفاظ ہیں اور اس سے طلوعِ فجر مراد ہے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی اس روایت میں خیبر میں آنے کا وقت طلوعِ فجر بتایا جا رہا ہے، جب کہ صحیح مسلم کی روایت جو "حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس" کے طریق سے نقل ہوئی ہے، اس میں ہے: "فأتيناهم حين بزغت الشمس" (٢٤)۔ یعنی وقتِ آمد طلوعِ شمس تھا۔

---

(٢٢) عمدة القاري: ١٤/٢١٥، وفتح الباري: ٦/١١٢

(٢٣) عمدة القاري: ١٤/٢١٤

(٢٤) صحيح مسلم: ٢/١١١، كتاب الجهاد، باب غزوة خيبر

درحقیقت دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ آپ لشکر سمیت شہر کے مضافات میں جس وقت داخل ہوئے ہیں، وہ طلوعِ فجر کا وقت تھا، وہاں آپ نے "غلس" یعنی تاریکی میں نمازِ فجر ادا کی اور دوبارہ آگے کو چل پڑے اور جس وقت لشکر آبادی کے اندر داخل ہوا وہ طلوعِ شمس کا وقت تھا، اس وقت خیبر کی گلیوں میں آپ نے گھوڑا دوڑایا (۲۵)۔

الله أكبر، خربت خيبر: یہاں کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ مقفّی عبارت آپ نے کیسے کہی، یہ تو عموماً شعر کی خصوصیت ہوتی ہے اور قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وما علّمنه الشعر وما ينبغي له﴾۔ یہ اشکال اس لئے درست نہیں کہ یہ عبارت شعر نہیں ہے، بلکہ محض ایک مقفّی عبارت ہے۔ اور اگر شعر یا موزوں عبارت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بلا تکلف صادر ہو، تو بھی اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں (۲۶)۔

یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ خیبر پر تو ابھی تک قبضہ نہیں ہوا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "خربت" ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کیا؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

❶ ہوسکتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے آپ کے غالب آنے اور خیبر کے تباہ ہونے کی خبر پہلے سے دے دی ہو، آپ کی پیشین گوئیاں اسی قبیل سے ہیں۔

❷ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نیک شگونی کے طور پر فرمائی ہو، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ہاتھوں میں کھدائی اور توڑ پھوڑ کے آلات کدال پھاوڑے وغیرہ دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا۔

نیز یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ عربوں کی عام عادت ہے کہ جس واقعے کا پیش آنا مستقبل میں یقینی ہو، وہ ماضی کے صیغے سے بیان کرتے ہیں (۲۷)، جیسا کہ قرآن کریم میں قیامت کے واقعات کو ماضی کے

(٢٥) عمدة القاري: ١٤/٢١٥، وفتح الباري: ٦/١١٢

(٢٦) حوالۂ بالا

(٢٧) عمدة القاري: ١٤/٢١٥

صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے (۲۸)۔

قاعدۂ فقہیہ

حکم ظاہر کے مطابق لگایا جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ فقہی قاعدہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حکم ظاہر پر لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف اذان کی آواز سننے پر قتال سے رُک جایا کرتے تھے اور اذان تو محض ایک ظاہری علامت ہے، معلوم نہیں وہ حقیقتاً مسلمان ہوئے ہیں یا جان بچانے کی خاطر اذان دے رہے ہیں (۲۹)۔

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت زیادہ واضح نہیں ہے، البتہ علامہ عینی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی مطابقت "إن سمع أذانا أمسك" سے سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ ترجمہ دعوتِ اسلام کا ہے اور اذان سے ان کے اسلام پر دلالت ہوجاتی ہے (۳۰)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ سے مطابقت اسی جملہ "فإن سمع أذانا أمسك" سے ہے، ظاہر ہے کہ اذان دعوت ہی کی ایک صورت ہے، یہ اور بات ہے کہ داعی خود ان میں سے ہے جن کے ساتھ قتال مقصود ہے۔ لہٰذا فی الجملہ اس روایت کو یہاں ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں (۳۱)۔

لیکن شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس روایت کا یہاں ذکر کرنا تکلف سے خالی نہیں (۳۲)۔

---

(۲۸) كقوله تعالىٰ: ﴿أتى أمر الله فلا تستعجلوه﴾

(۲۹) فتح الباري: ٦/١١٢، وعمدة القاري: ١٤/٢١٥

(۳۰) عمدة القاري: ١٤/٢١٤

(۳۱) لامع الدراري: ٧/٢٤٨

(۳۲) حاشية لامع الدراري: ٧/٢٤٩

٢٧٨٦ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ، فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي نَفْسَهُ وَمَالَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ) .
رَوَاهُ عُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٢٥ ، ١٣٣٥]

یہ حدیث مختلف طُرق کے ساتھ مروی ہے۔ ان میں سے بعض طرق میں اضافہ ہے اور بعض میں اختصار ہے۔

یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف اقرارِ توحید کو جان و مال کی حفاظت کے لئے کافی قرار دیا گیا ہے۔

جب کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں توحید کے ساتھ ساتھ رسالت کا اقرار بھی شرائطِ حفظ جان و مال میں شامل ہے، روایت کے الفاظ ہیں:

"حتی یشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمد رسول الله"(٣٣)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کتاب الإیمان میں گزری ہے، اس میں "اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ" کا اضافہ ہے، روایت کے الفاظ ہیں: "أمرتُ أن أقاتل الناس حتی یقولوا لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله ویقیموا الصلوة ویؤتوا الزکوة؛ فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماء هم وأموالهم إلا بحق الإسلام، وحسابهم علی الله"(٣٤)۔

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کرتا رہوں تا آنکہ وہ اس بات

(٢٧٨٦) أخرجه البخاري: (١٨٧/١)، في كتاب الزكوة، باب وجوب الزكوة، (رقم: ١٣٩٩)، و: (١٠٢٣/٢) في كتاب استتابة المرتدين، باب قتل من أبیٰ قبول الفرائض، رقم(٦٩٢٤)، ومسلم (٣٧/١) في كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، رقم (٢١). والترمذي (٨٨/٢)، في كتاب الإيمان، الباب الأول، رقم (٢٦٠٦)، والنسائي (٣٣٥/١) في كتاب الزكوة، باب مانع الزكوة، (رقم: ٢٤٤٥) وفي أبي داود: (٣٥٥/١) كتاب الجهاد، باب على مايقاتل المشركون، رقم (٢٦٤٠).

(٣٣) صحيح مسلم: ٣٧/١، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس .... رقم (٢١)

(٣٤) البخاري: ٥/١، كتاب الإيمان، باب "فإن تابوا وأقاموا الصلوة وآتوا الزكوة فخلوا سبيلهم". (رقم: ٢٥)

کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، جب یہ تینوں کام کرلیں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال کو محفوظ کریں گے مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب اللہ پر رہے گا''۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں، ''استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ'' کا اضافہ ہے، روایت کے الفاظ ہیں: ''أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله ، فإذا قالوها وصلّوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا وأكلوا ذبيحتنا؛ فقد حرمت علينا دماؤهم وأموالهم إلا بحقها، وحسابهم على الله''(۳۵)۔

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کرتا رہوں تا آنکہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جب یہ کہہ دیں اور ہماری طرح نماز قائم کریں، ہمارے قبلہ کی طرف (نماز میں) منہ پھیریں اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھالیں، تو ہم پر ان کے جان و مال حرام ہو گئے، مگر کسی حق کے بدلہ (یعنی خون کا قصاص) اور ان کا حساب اللہ پر ہے''۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ روایت کے الفاظ میں کافی فرق ہے، ان مختلف الفاظ میں تطبیق دیتے ہوئے علامہ طبری رحمہ اللہ نے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ جن روایتوں میں صرف ''اقرارِ توحید'' کا ذکر ہے ان کا تعلق بت پرست اور منکرینِ توحید سے ہے، جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إنهم كانوا إذا قيل لهم لا إله إلا الله يستكبرون﴾(۳۶)۔ اور جن روایتوں میں ''تصدیقِ رسالت'' کا اضافہ ہے، اس کا ذکر آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب اہل کتاب سے قتال ہو رہا تھا کیونکہ وہ توحید کے قائل تھے، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے کلی یا جزئی طور پر منکر تھے، چنانچہ جب تک اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے، ان سے قتال ہوگا اور وہ محقون الدم والمال تصور نہیں کئے جائیں گے (۳۷)۔

---

(۳۵) صحيح البخاري: ۵٦/۱، كتاب الصلوة، باب فضل استقبال القبلة: رقم (۳۹۱-۹۳)

(۳٦) الصافات: ۳۵

(۳۷) عمدة القاري: ۲۱۵/۱٤، وفتح الباري: ۱۱۲/٦، وشرح ابن بطال: ۱۲۲/۵.

اور جن روایتوں میں مزید عبادات ومعاملات کا اضافہ ہے، ان میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص مسلمان ہو، توحید ونبوت کا معترف ہو، لیکن طاعات بجانہیں لاتا ہو، اس سے بھی قتال کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ وہ شریعت پر عمل پیرا ہو(۳۸)۔

یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس روایت میں توحید کے ساتھ ساتھ اہم شعائرِ اسلامیہ، نماز، استقبال قبلہ اور ذبح ذبیحہ کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ توحید ونبوت کی تصدیق کے ساتھ شعائرِ اسلامیہ کی اقامت بھی ضروری ہے، اگر کوئی ان شعائر کو قائم نہیں کرتا تو اس کے ساتھ قتال کیا جائے گا۔

أُمِرتُ أن أقاتل الناس

نبی اگر "أمرت" بصیغۂ مجہول کہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے اور اگر صحابی کا یہ مقولہ ہو تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ نبی نے مجھے حکم دیا ہے(۳۹)۔

الناس: یہ پر ذکر العام وارادة الخاص کے قبیل سے ہے، اس سے مراد تمام لوگ نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں، جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا، اہل کتاب مراد نہیں، اس کی تائید سنن نسائی کی اس روایت سے ہوتی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "أمرت أن أقاتل المشركين" (٤٠)۔ گویا "الناس" کا الف لام عہد خارجی کا ہے، استغراق کا نہیں۔

حتى يقولوا: لا إله إلا الله

یہ تسمیہ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے، اس سے مراد مکمل دین ہے، کیونکہ "لا إلــه إلا الله" دینِ اسلام کا عنوان ہے، جیسا کہ کوئی کہے: میں نے "یٰس" پڑھی، یہ عنوان ہے، مراد پوری سورت ہے(۴۱)۔

إلا بحقه

حق اسلام تین ہیں:

---

(٣٨) فتح الباري: ١١٢/٦

(٣٩) عمدة القاري: ٢١٥/١٤

(٤٠) إرشاد الساري: ١١٥/٥

(٤١) شرح الكرماني: ١٩٣/٢

1. وہ قتل جو موجب قصاص ہو۔
2. زنا بعد الإحصان۔
3. ارتداد، یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جانا۔

اگر کوئی ان میں سے کسی ایک کی رعایت نہیں کرے گا تو اس کی جان و مال غیر محفوظ تصور کئے جائیں گے (۴۲)۔

وحسابه علی اللّٰه

یعنی اگر کوئی شخص باوجود کلمہ پڑھ لینے کے دل میں نفاق چھپائے ہوئے ہو تو اس کے اس عمل کے ہم ذمہ دار نہیں، ہم تو ظاہر پر حکم لگائیں گے، دل کا بھید خدا جانے، اس کا حساب اللہ کے حوالے ہے، مخلصین کے لئے ثواب اور منافقین کے لئے عذاب مقرر ہوگا، گناہ گاروں کو سزا دی جائے گی، یا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت معاف کر دیئے جائیں گے (۴۳)۔

اس حدیث کی مفصل تشریح کتاب الایمان میں گزر چکی ہے (۴۴)۔

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بایں طور ہے کہ یہاں مذکور ہے کہ اُس وقت تک قتال ہوگا جب تک کہ لوگ "لا اله إلا اللّٰه" نہ پڑھ لیں گویا انہیں "لا إله إلا اللّٰه" کی دعوت دی جا رہی ہے، قبول نہ کرنے کی صورت میں ان کے ساتھ قتال کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قوله: "رواه عمر وابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم"

---

(٤٢) عمدة القاري: ٢١٥/١٤

(٤٣) عمدة القاري: ٢١٥/١٤

(٤٤) كشف الباري: ٣٣١/٢، ٣٥١

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کتاب الزکوۃ میں موصولاً ذکر کی ہے (۴۵)۔

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی کتاب الإیمان میں موصولاً نقل کی ہے (۴۶)۔

١٠٢ – باب : مَن أَرَادَ غَزْوَةً فَوَرَّى بِغَيْرِهَا ، وَمَنْ أَحَبَّ الخُرُوجَ يَوْمَ الخَمِيسِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں ترجمۃ الباب کے دو جز ہیں: ١– من أراد غزوة فورّى بغيرها. ٢– ومن أحب الخروج يوم الخميس.

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر مشرق کی طرف سفر کرتے تو مغرب کے احوال دریافت کرتے اور مغرب کی طرف تشریف لے جاتے تو مشرق کے احوال معلوم کرتے، یہ توریہ کہلاتا ہے (۱)۔

منشأ یہ ہوا کرتا تھا کہ دشمن کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارادے اور عزم کا علم نہ ہو اور وہ دفاع کے لئے اپنی تیاری مکمل نہ کرلیں، لیکن یہ کوئی قانون نہیں تھا کہ ہمیشہ ایسا کردیا، جیسے غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھرپور تیاریوں کا حکم دیا، کیونکہ سفر طویل اور پرمشقت تھا اور آپ لوگوں سے صحیح صورت حال چھپانا نہیں چاہتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر توریہ سے کام لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اور یہ جھوٹ نہیں ہے اور اگر حالات اور ظروف کا تقاضا یہ ہو کہ صاف صاف بتادیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں، اس کی بھی گنجائش ہے (۲)۔

---

(٤٥) كتاب الزكوة، باب وجود الزكوة: ١٨٨/١، رقم (١٣٩٩)

(٤٦) صحيح البخاري: ٥/١، كتاب الإيمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلوة...... رقم (٢٥)

(١) التورية ويسمى الإيهام أيضا وهو أن يطلق لفظ له معنيان: قريب و بعيد، ويراد به البعيد یعنی دو معنوں والا کوئی لفظ بولا جائے، ان میں سے ایک معنی قریب ہو اور ایک بعید، اور بعید معنی مراد ہو تو یہ "توریہ" کہلاتا ہے، جیسے "الرحمن على العرش" (سورة طه) "استواء" کا معنی قریب سیدھے کھڑے ہونے کے ہیں اور معنی بعید: غالب آنے کے ہیں اور یہی اس آیت میں مراد ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تلخيص المفتاح مع شرح مختصر المعاني، ص: ٤٦٥، وانظر شرح الخطابي: ١٤١١/٢

(٢) عمدة القاري: ٢١٦/١٤، وشرح ابن بطال: ١٢٣/٥، وفيض الباري: ٤٣٨/٣

اس کے بعد دوسرا جزء ہے، اس کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ جمعرات کے دن سفر کرنا زیادہ پسندیدہ ہے، البتہ ضروری نہیں (۳)۔ جس کی تائید طبرانی کی ایک ضعیف حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں: "بورك لأمتي في بكورها يوم الخميس" (٤)۔ لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعرات کے روز سفر کی حکمت کسی ضعیف حدیث سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حدیثِ باب میں تصریح بھی وارد ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعرات کے دن کے سفر کو پسند فرماتے تھے اور آپ کی پسندیدگی کسی حکمت سے خالی نہیں ہوسکتی (۵)۔

چنانچہ جمعرات کے دن سفر کرنا باعثِ خیر و برکت ہے، اور جمعرات کے دن سفر کرنا زیادہ مناسب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے نمونہ اور مشعلِ راہ ہے (٦)۔

آپ کے بعض اسفار ہفتے کے دن بھی ہوئے ہیں، شاید آپ اس دن کو بھی سفر کے لئے بہتر سمجھتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے "بارك الله لأمتي في سبتها وخميسها" (۷)۔ "اللہ میری امت کے لئے اس کے ہفتہ اور جمعرات کے دنوں میں برکت عطا فرمائے"۔

لیکن چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں "یوم الخمیس" ہی کی روایت ثابت ہے اس لئے انہوں نے اسی روایت کو ذکر کیا ہے (۸)۔

۲۷۹۰/۲۷۸۷ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مالِكٍ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، وَكانَ قائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ ، قالَ : سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مالِكٍ : حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُرِيدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا .

(۳) فتح الباري: ٦/١١٣، وإرشاد الساري: ٥/١١٦

(٤) فتح الباري: ٦/١٤٠، قديمی

(٥) عمدة القاري: ١٤/٢١٦

(٦) شرح ابن بطال: ٥/١٢٣

(٧) عمدة القاري: ١٤/٣٠١، دار الكتب العلمية بيروت

(٨) عمدة القاري: ١٤/٢١٦

(۲۷۸۸) : وَحدَّثني أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مالِكٍ قالَ : سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يَقُولُ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ قَلَّما يُرِيدُ غَزْوَةً يَغْزُوهَا إِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا ، حَتَّى كانَتْ غَزْوَةُ تَبُوكَ ، فَغَزَاهَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ في حَرٍّ شَدِيدٍ ، وَٱسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيدًا وَمَفَازًا ، وَٱسْتَقْبَلَ غَزْوَ عَدُوٍّ كَثِيرٍ ، فَجَلَّى لِلْمُسْلِمِينَ أَمْرَهُمْ ، لِيَتَأَهَّبُوا أُهْبَةَ عَدُوِّهِمْ ، وَأَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِي يُرِيدُ .

(۲۷۸۹) : وَعَنْ يُونُسَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مالِكٍ : أَنَّ كَعْبَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ كانَ يَقُولُ : لَقَلَّما كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَخْرُجُ ، إِذَا خَرَجَ في سَفَرٍ ، إِلَّا يَوْمَ الخَمِيسِ .

(۲۷۹۰) : حدَّثني عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مالِكٍ ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الخَمِيسِ في غَزْوَةِ تَبُوكَ ، وَكانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الخَمِيسِ . [ر : ۲۶۰۶]

فَـورَّى: اس کی اصل "وَرَيٌ" ہے، جو چیز پیٹھ پیچھے رکھی جائے اور بات اگر صاف صاف بیان نہ کی جائے تو گویا اسے پیٹھ پیچھے رکھ دیا گیا ہے، اہلِ لغت اسے وراء یعنی مہموز پڑھتے ہیں اور محدثین بغیر ہمزہ کے تسہیل کر کے "وري" پڑھتے ہیں۔

مـفـازا: اس کے معنی ہیں: کامیابی کی جگہ، اور یہ صحراء کے لئے مستعمل ہے، جو کہ ہلاکت و بربادی کی جگہ ہے، یہ تفاؤل یعنی نیک شگونی کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ وہ خطرناک صحراء کامیابی اور سلامتی کی جگہ ثابت ہو، جیسے: "لدیغ" یعنی سانپ کے ڈسے ہوئے کو "سلیم" کہا جاتا ہے (۹)۔

اور ابن الأعرابی کی رائے یہ ہے کہ یہ "فوّز تفويزا" سے مأخوذ ہے، جس کے معنی ہلاکت کے ہیں، یہ از قبیل اضداد ہے، یعنی [illegible] کے معنی کامیابی اور نجات کے ہیں ایسے ہی اس کے معنی ہلاکت کے بھی ہیں (۱۰)۔

---

(۲۷۹) من تخريج أحاديث الباب في كتاب الوصايا، باب إذا تصدق أو وقف بعض ماله أو بعض رقيقه أو [illegible] فهو جائز، رقم الحديث (۲۷۵۷)

(۹) شرح ابن بطال: ۱۲۷/۵، وعمدة القارى: ۲۱۷/۱۴

(۱۰) الصحاح للجوهري، مادة فوز

صحراء سے مراد مدینہ منورہ اور شام کی درمیانی مسافت میں پڑنے والے صحرا ہیں (۱۱)۔

لقلّما: یعنی بہت ہی کم، لام تاکید کے لئے ہے، جیسے "قلّ رجل یفعل کذا إلا زید" بہت ہی کم کوئی اس طرح کرتا ہے مگر زید، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکثر اسفار جمعرات کو ہوتے تھے۔

فجلى للمسلمين أمرهم ليتأهبو أهبة عدوهم فأهب للحرب:

"یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر سفر کی سمت ظاہر کر دی۔ تاکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دشمن سے مقابلے کی تیار کر لیں"۔

مِنْ بَنِيهِ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے تین صاحبزادے تھے، عبداللہ، عبیداللہ اور عبدالرحمٰن۔ آخر میں جب کعب رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی تو ان کے بیٹے عبداللہ ان کی رہنمائی کیا کرتے تھے۔

۱۰۳ - باب: الخُرُوجِ بَعْدَ الظُّهْرِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں خروج بعد الظہر کا ذکر کیا ہے، اس میں صخر غامدی رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، جس میں صبح کے وقت کو بابرکت قرار دیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "اللهم بارك لأمتي في بكورها"۔ حضرت صخر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا سریہ کو بھیجتے تو دن کے شروع میں بھیجتے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت صخر ایک تاجر آدمی تھے، وہ سویرے سویرے ہی اپنے کاروبار کو شروع کر دیتے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اتنے مالدار ہو گئے تھے کہ انہیں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اپنے مال کو کہاں کہاں رکھیں۔

بعض حفاظ نے اس روایت کے طُرق کو جمع کیا تو معلوم ہوا، یہ روایت بیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے (۱)۔

---

(۱۱) شرح الكرماني: ۱۹۳/۱۲

(۱) فتح الباري: ۱۱٤/٦

امام احمد اور اصحاب سنن نے اس حدیث کی تخریج کی ہے(۲)۔ اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے(۳)۔

اس روایت سے یہ معلوم ہورہا تھا کہ دن کے آغاز میں سفر کرنا زیادہ مناسب اور بہتر ہے اور دوسرے اوقات میں سفر کرنا مناسب نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں بتلانا چاہتے ہیں کہ اوقات سب ایک جیسے ہوتے ہیں اور کوئی وقت منحوس یا بے برکت نہیں ہوتا۔ صبح کے وقت کے بابرکت فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے اوقات برکت سے خالی ہیں۔ لیکن چونکہ صبح کا وقت چستی کا ہوتا ہے اور اس میں آدمی چاق وچوبند ہوتا ہے، اس وقت جو کام کیا جاتا ہے وہ بہتر اور اچھا ہوتا ہے، اور اس وقت لوگ اپنے اپنے کاموں کا آغاز کرتے ہیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر اس وقت کے لئے برکت کی دعا فرمائی ہے تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سب کو حاصل ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حج کا سفر کیا ہے تو ظہر کی نماز مدینے میں پڑھی ہے اور پھر آپ روانہ ہوئے ہیں اور عصر کی نماز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ادا کی ہے، اس لئے سفر اول نہار میں ہو، تو بھی بڑی اچھی بات ہے اور دن کے آخر میں سفر ہو تو وہ بھی ٹھیک ہے(۴)۔

۲۷۹۱ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ، عَنْ

(۲) أبوداود: ۲/۳۵۱، كتاب الجهاد، باب في الابتكار في السفر، (رقم: ۲۶۰۶)، والترمذي: ۱/۲۲۰، كتاب البيوع، باب في التكبير في التجارة، (رقم: ۱۲۱۲)، وابن ماجة، كتاب التجارات، باب مايرجى من البركة في البكور، (رقم: ۲۲۳۶)، وسنن الدارمي: ۲/۲۸۳، كتاب السير، باب بارك لأمتي بكورها، (رقم: ۲۴۳۵)، وأحمد: ۳/۴۱۶، ۴۱۷، ۴۳۲، و۴/۳۸۴، ۳۹۰، ۳۹۱

(۳) انظر: الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان: ۸/۱۲۲-۱۲۳، ذكر مايستحب للمرء أن يكون إنشاءه الحرب وابتداءه الأمور في الأسباب بالغدوات تبركا بدعاء المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم فيه. (رقم: ۴۷۳۵).

(۴) شرح ابن بطال: ۵/۱۲۴

(۲۷۹۱) مرّ تخريجه في كتاب تقصير الصلوة، باب يقصر إذا خرج من موضعه، (رقم: ۱۰۸۹)

أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا ، وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ ، وَسَمِعْتُهُمْ يَصْرُخُونَ بِهِمَا جَمِيعًا . [ر : ١٠٣٩]

يصرخون: بفتح الراء وضمها یعنی زورزور سے لبیک لبیک کہہ رہے تھے۔ **بهما**: أي بالحج والعمرة(٥).

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے، روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار رکعت ظہر کی نماز مدینے میں پڑھی ہے، اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز میں قصر کیا ہے، ظاہر ہے جب ظہر کی نماز مدینے میں پڑھی ہے تو سفر ظہر کے بعد ہی شروع ہوا ہے(٦)۔

١٠٤ – باب : الْخُرُوجِ آخِرَ الشَّهْرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہاں عقیدۂ جاہلیت کی تردید کرنا ہے، اہل جاہلیت کا دراصل یہ خیال ہوا کرتا تھا کہ اگر مہینے کے آخر میں آدمی سفر کے لئے روانہ ہوتا ہے تو چونکہ مہینے کا اختتام قریب ہوتا ہے، اس لئے وہ اس سے بدفالی لیتے تھے کہ جس طرح مہینے کے ختم ہوتے ہی عمر گھٹتی جارہی ہے اسی طرح ہمارا کام بھی گھاٹے میں رہے گا اور ہمارا مقصد فوت ہوجائے گا اور ہمیں اس مدعیٰ کے اندر کامیابی حاصل نہیں ہوگی لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان رسومِ بد اور غلط نظریات کو مٹانے آئے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفرِ حج کے نئے مہینے کے آخر میں روانہ ہوئے (١)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا مقصد یہاں ان لوگوں کی تردید ہے جو نجومیوں کے

---

(٥) عمدة القاري: ٢١٨/١٤

(٦) حوالۂ بالا

(١) شرح ابن بطال: ١٢٥/٥، وفتح الباري: ١١٤/٦، وعمدة القاري: ٢١٨/١٤

زائچوں کے مطابق مہینے کے آخر میں سفر کرنے کو منحوس سمجھتے اور ناپسند کرتے ہیں (۲)۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا مقصد یہاں اس روایت کے ضُعف کی طرف اشارہ کرنا ہے، جس میں اَواخر شہر کو منحوس قرار دیا گیا ہے (۳)۔ نیز بعض لوگوں نے "في يوم مستمر" کی تفسیر مہینے کے آخری بدھ سے کی ہے (۴)۔ تو امام صاحب نے تنبیہ فرمادی کہ یہ بے کار باتیں ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہینے کے آخر میں سفر کیا ہے (۵)۔

۲۷۹۲ : وَقَالَ كُرَيْبٌ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : انْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ لِخَمْسٍ بَقِينَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ ، وَقَدِمَ مَكَّةَ لِأَرْبَعِ لَيَالٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ . [ر : ١٤٧٠]

یہاں روایت معلق ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے کتاب الحج میں موصولاً ذکر کیا ہے (۶)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

روایت میں ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر پر نکلے اس وقت ذیقعدہ کے پانچ دن رہتے تھے، پچیسویں تاریخ کو مدینے سے نکلے اور ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ پہنچے۔

اب یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفرِ حج کے لئے ہفتہ کے دن نکلتے تھے تو ذیقعدہ کے چار دن باقی بچتے تھے اس لئے کہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ جمعرات کے دن تھی اور وقوفِ عرفہ جمعہ کے دن تھا، اور اگر سفر کی ابتداء جمعرات کو ہوئی ہے تو ذیقعدہ کے چھ دن باقی بچتے تھے، سفر کی ابتداء کے لئے

(۲) شرح الكرماني: ١٢/١٩٤، وعمدة القاري: ١٤/٢١٨

(۳) انظر: كنز العمال: ٢/١١، (رقم: ٢٩٣١)

(٤) الدر المنثور: ٦/٣١٥، وفيه: "وأخرج وكيع عن الغرر وابن مردويه والخطيب بسند ضعيف عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "آخر أربعاء في الشهر يوم نحس مستمر" وانظر اللآلي المصنوعة للسيوطي: ١/٤٩١، وتنزيه الشريعة: ٢/٥٥

(٥) فيض الباري: ٣/٤٣٨.

(٦) البخاري: ١/٢٠٩، كتاب الحج، باب مايلبس المحرم من الثياب والأردية والأزر، (رقم: ١٥٤٥)

جمعہ کا دن تو قطعاً نہیں بنتا، اسلئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ابھی گزری ہے: "صلى الظهر بالمدينة أربعاً" اور ظاہر ہے ظہر کی نماز جمعہ کے دن نہیں پڑھی جاتی تو "لخمس بقين" کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سفر کی ابتداء تو ہفتہ کے دن ہی ہوئی ہے، لیکن ذیقعدہ کا مہینہ بجائے تیس دن کے انتیس دن کا تھا تو راوی نے اس خیال سے کہ مہینہ کے مکمل ہوگا کیونکہ یہی اصل ہے، "لخمس بقين" کہا (۷)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے یہی جواب دیا ہے اور ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ یوم الخروج یعنی ہفتہ کے دن کو بھی سفر کے ایام میں شمار کیا جائے تو بھی معنی ٹھیک ہوسکتے ہیں، اگر چہ نکلتے نکلتے دوپہر ہوگئی تھی لیکن تیاری تو یقیناً پہلے ہی مکمل ہوچکی تھی، گویا جب انہوں نے تیاری کرلی تو ہفتہ کی شب کو انہوں نے ایامِ سفر میں شمار کیا تو یہ پانچ دن ہوگئے (۸)۔

فائدہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "لخمس بقين" اور "لأربع ليال خلون" یہ تاریخ لکھنے کا فصیح طریقہ ہے کہ مہینے کے نصفِ اوّل کے کسی دن کی تاریخ بیان کرنے کے لئے لفظ "خلا" اور نصفِ آخر کی تاریخ ذکر کرنے کے لئے لفظ "بقي" استعمال کیا جائے (۹)۔ مثلاً مہینہ تیس دن کا ہو تو شروع کے پندرہ دن نصفِ اوّل اور آخر کے پندرہ دن نصفِ آخر کہلائیں گے۔ اگر نصفِ اوّل کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا جائے "زید نے ۵ شوال کو سفر کیا" اس کی فصیح عربی تعبیر ہوگی "سافر زيد لخمس خلون من شوال" جب کہ "سافر زيد في الخامس من شوال" غیر فصیح تعبیر ہوگی۔ اگر زید کا سفر نصف آخر کی ۲۵ تاریخ میں ہوا ہو تو اس کی فصیح تعبیر ہوگی "سافر زيد لخمس بقين من شوال" جب کہ في الخامس والعشرين غیر فصیح تعبیر ہوگی۔

خَلَوْنَ، بَقِيْنَ : یہ دونوں جمع مؤنث کے صیغے ہیں، خلا يخلو خلوا وخلاء از باب نصر: اليومُ: دن گذر گیا ہے اور بقي، يبقي بقاء از باب سمع : اليومُ : دن باقی ہے۔

(۷) شرح الكرماني: ۱۲/۱۹۴-۱۹۵، وفتح الباري: ٦/١١٤

(۸) فتح الباري: ٦/١١٥

(۹) فتح الباري: ٦/١١٤

٢٧٩٣ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّهَا سَمِعَتْ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهَا تَقُولُ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ لِخَمْسِ لَيَالٍ بَقِينَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ ، وَلَا نَرَى إِلَّا الحَجَّ ، فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْ مَكَّةَ ، أَمَرَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ ، إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ، أَنْ يَحِلَّ ، قالَتْ عائِشَةُ : فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ ، فَقُلْتُ : ما هٰذَا ؟ فَقَالَ : نَحَرَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ .

قالَ يَحْيَى : فَذَكَرْتُ هٰذَا الحَدِيثَ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، فَقَالَ : أَتَتْكَ وَٱللهِ بِالحَدِيثِ عَلَى وَجْهِهِ . [ر : ٢٩٠]

ذي القعدة: بفتح القاف وكسرها، بیٹھنے والا مہینہ، کیونکہ عرب اس مہینے میں جنگ چھوڑ کر بیٹھ جایا کرتے تھے(۱۰)۔

لا نُرَى إلا الحج: بصیغۂ مجہول أي لا نظن یعنی ہمارا حج کے سوا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

فَدُخِلَ علينا يوم النحر بلحم بقر: یعنی قربانی والے دن ہمارے پاس گائے کا گوشت لایا گیا(۱۱)۔

قال يحيىٰ: فذكرتُ.....

یعنی یحیٰ بن سعید انصاری جن کا ذکر سندِ حدیث میں ہوا ہے، انہوں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے کہا بخدا! عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے آپ کو بالکل صحیح حدیث بتائی ہے(۱۲)۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

مطابقت اس جملے کے اندر ہے "خرجنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم لخمس

(٢٧٩٣) مرّ تخريجه في كتاب الحيض، باب الأمر بالنفساء، إذا أنفس، (رقم: ٢٩٤)

(١٠) إرشاد الساري: ٥/١٧.

(١١) عمدة القاري: ١٤/٢١٨

(١٢) عمدة القاري: ١٤/٢١٩

لیال بقین من ذي القعدة" پچیسویں تاریخ مہینے کا آخر ہے، اس تاریخ کو نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سفرِ حج کے لئے نکلے (۱۳)۔

۱۰۵ - باب : الخُرُوجِ فِي رَمَضَانَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں رمضان المبارک کے مہینہ میں سفر کے جواز کو بیان فرمارہے ہیں، اور اس کے ساتھ ان لوگوں پر رد بھی مقصود ہے جو ماہِ رمضان کے سفر کو مکروہ سمجھتے ہیں (۱)۔

اصل میں یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ رمضان کا مہینہ تو عبادت کا ہے، اس میں عبادت میں مشغول ہونا زیادہ مناسب ہے، کہیں سفر اس میں ناپسندیدہ تو نہیں ہوگا، تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بتادیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ماہِ رمضان میں خود سفر کیا ہے۔ اور مکے کی فتح کا واقعہ رمضان ہی میں پیش آیا ہے، اس لئے رمضان میں سفر کو ناپسندیدہ قرار نہیں دیا جائے گا۔

٢٧٩٤ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قالَ : حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي رَمَضَانَ ، فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ الكَدِيدَ أَفْطَرَ .

قالَ سُفْيَانُ : قالَ الزُّهْرِيُّ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : وَسَاقَ الحَدِيثَ .

[ر : ١٨٤٢]

الــكـديـد: بروزن "رغیف" ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ سے دو کوس کے فاصلے پر "قــديـد" اور "عسفان" کے درمیان واقع ہے (۲)۔

---

(۱۳) عمدة القاري: ١٤/٢١٨

(۱) عمدة القاري: ١٤/٢١٩، وفتح الباري: ٦/١١٥

(٢٧٩٤) انظر صحيح البخاري: ١/٢٦١، كتاب الصيام، باب إذا صام أياما من رمضان ثم سافر، (رقم: ١٩٤٤)

(٢) إرشاد الساري: ٥/١١٨

قال سفيان: قال الزهري......

اس تعلیق کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حدیثِ مذکور کی سند میں سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: "حدثني الزهري عن عبيد الله"، یعنی سفیان نے یہ روایت امام زہری سے تحدیث کے ساتھ نقل کی ہے اور امام زہری نے حضرت عبید اللہ سے "عنعنة" کے ساتھ نقل کی ہے۔

اب یہاں سفیان فرما رہے ہیں: "قال الزهري أخبرني عبيدالله".

یعنی یہاں "تحدیث" ہے نہ "عنعنہ" اور امام زہری رحمہ اللہ مذکورہ روایت عبید اللہ سے "عنعنہ" کے ساتھ نقل کر رہے تھے اور یہاں "إخبار" کے ساتھ نقل کرتے ہیں (۳)۔

مستملی کی روایت میں یہاں یہ اضافہ بھی ہے۔

"قال أبو عبدالله: هذا قول الزهري: وإنما يؤخذ بالآخر من فعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(٤).

اس عبارت کو ذکر کرنے کا مقصد

اس تعلیق کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ اس حدیث کے راوی سفیان بن عیینہ کو یہ تأمل پیش آیا تھا کہ یہ قول کس کا ہے؟

چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: قال سفيان: لا أدري مِن قول مَنْ هو؟ يعني: وإنما يؤخذ بالآخر من قول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (٥) یعنی سفیان رحمہ اللہ کو یہ شک تھا کہ "إنما يؤخذ بالآخر من فعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" کس کا مقولہ ہے، تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بتا دیا کہ یہ امام زہری کا قول ہے۔

---

(٣) عمدة القاري: ١٤/٢١٩

(٤) إرشاد الساري: ٥/١١٨

(٥) صحيح مسلم: ١/٣٥٦، كتاب الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر، (رقم:

یہی روایت آگے کتاب المغازی میں آرہی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے وہاں بھی تصریح کی ہے "قال الزهري: وإنما يؤخذ من أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الآخِر فالآخِر" (٦)۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کو اس عبارت کا مطلب سمجھنے میں وہم ہوا ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ ابن شہاب زہری کا مذہب یہ ہے کہ اگر رمضان میں سفر شروع ہوجائے تو افطار مباح نہیں اس لئے کہ یہ شخص شاہدِ شہرِ رمضان ہے اور جو شخص شاہدِ شہرِ رمضان ہوتا ہے اس کے لئے ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (٧) کے قاعدے کے مطابق روزہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ امام زہری کے اس نقطۂ نظر پر رد فرما رہے ہیں کہ "وإنما يؤخذ......الخ" یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخر عمل ماقبل کے احکام کے لئے ناسخ ہوتا ہے تو سفر میں افطار مباح ہوگا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سفر میں روزہ افطار کرلیا تھا (٨)۔

لیکن علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے جو مطلب اس عبارت کا بیان کیا ہے وہ غلط ہے، عجیب بات یہ ہے کہ علامہ عینی، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری نے بھی ان کی اتباع کی ہے (٩)۔

اس عبارت کا صحیح مطلب وہی ہے جو پہلے لکھا گیا کہ سفیان کو شک تھا کہ وإنما يوخذ بالآخر من فعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم کس کا قول ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بتادیا کہ یہ زہری کا قول ہے (١٠)۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کتاب الصوم میں اس کی تصریح کی ہے (١١)۔

---

(٦) صحيح البخاري: ٢/٦١٣، كتاب المغازي، باب غزوة الفتح في رمضان، (رقم: ٤٢٨٦)

(٧) سورة البقرة: ١٨٥

(٨) شرح الكرماني: ١٢/١٩٥-١٩٦؛

(٩) عمدة القاري للعيني: ١٤/٢١٩، وإرشاد الساري للقسطلاني: ٥/١٨؛

(١٠) نیز دیکھئے حاشية لامع الداري: ٧/٢٥٣

(١١) فتح الباري: ٤/١٨١

۱۰٦ – باب : التَّوْدِيعِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ سفر کے وقت مہمانوں یا اپنے ہی کسی آدمی کو رخصت کرنے کے لئے جو اہتمام کیا جاتا ہے، یہ درست ہے اور سنت میں اس کی اصل موجود ہے(۱)۔

۲۷۹۵ : وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ : أَخْبَرَنِي عَمْرٌو ، عَنْ بُكَيْرٍ ، عَنْ سُلَيْمانَ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي بَعْثٍ ، وَقَالَ لَنَا : (إِنْ لَقِيتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا – لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ سَمَّاهُمَا – فَحَرِّقُوهُمَا بِالنَّارِ) . قَالَ : ثُمَّ أَتَيْنَاهُ نُوَدِّعُهُ حِينَ أَرَدْنَا الْخُرُوجَ ، فَقَالَ : (إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحَرِّقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ ، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللّٰهُ ، فَإِنْ أَخَذْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا) . [۲۸۵۳]

روایت یہاں معلق ہے، جب کہ آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب قائم کیا ہے، باب لایعذب بعذاب اللّٰه، وہاں دوسرے طریق سے اسی روایت کو موصولاً ذکر کیا ہے(۲) البتہ اسماعیلی نے "مستخرج" میں اور امام نسائی نے کتاب السیر میں ابن وہب ہی کے طریق سے یہ روایت موصولاً ذکر کی ہے(۳)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ روانہ فرماتے ہوئے حکم دیا کہ اگر فلاں اور فلاں قریشی تم لوگوں کو مل جائیں (اور دونوں کا نام بھی لیا) تو ان

---

(۱) عمدة القاري: ۲۱۹/۱٤

(۲۷۹۵) أخرجه البخاري: ٤۲۳/۱، كتاب الجهاد والسير، باب لايعذب بعذاب الله، (رقم: ۳۰۱٦)، والترمذي: ۲۸٦/۱، كتاب السير، باب الإحراق بالنار، (رقم: ۱۵۷۱)، والدارمي: ۲۹۳/۲، كتاب السير، باب في النهي عن التعذيب بعذاب الله، (رقم: ۲٤٦۱)، وأحمد ۳۰۷/۲، ۳۳۸، ٥۳ : ٤.

(۲) فتح الباري: ۱۱٥/٦، وصحيح البخاري، (رقم: ۳۰۱٦)

(۳) هدي الساري، ص: ٤۷، وتغليق التعليق: ٥۰/۳،

دونوں کو آگ سے جلا دینا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم نے سفر کے لئے جب ارادہ کرلیا تو رخصت لینے کے لئے آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں فلاں اور فلاں کو آگ میں جلانے کا حکم دیا تھا اب ایسا نہ کرنا، کیونکہ آگ سے عذاب دینا خدا کے سوا کسی اور کو زیبا نہیں، ہاں اگر وہ دونوں تمہارے قابو میں آجائیں تو ان کو قتل کر دینا۔

واقعہ کی تفصیلات

ابوالعاص بن الربیع حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام المؤمنین کی درخواست پر اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا تھا، بعدازاں جب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تو قریش نے آپ پر دباؤ ڈالنے کے لئے آپ کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔

ابوالعاص نے قریش کے [illegible] اصرار پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور سعید بن العاص کی بیٹی سے نکاح کرلیا (۴)۔

ابوالعاص جنگِ بدر میں گرفتار ہوئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو ابھی تک مکہ میں تھیں، انہوں نے بطورِ فدیہ قیدی کی رہائی کے لئے اپنے زیورات بھجوا دیئے، انہی زیورات میں ایک ہار بھی تھا، جو حضرت ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی صاحبزادی کو ابوالعاص سے نکاح کے موقع پر دیا تھا، یہ منظر دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل بھر آیا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اگر تم چاہو تو اپنے قیدی کو چھوڑ دو، رہا کردو اور یہ مال بھی واپس کردو (یہ درخواست تھی حکم نہیں تھا) تو صحابہ نے عرض کیا، بسر و چشم! ہم تو آپ کے غلام ہیں، تو ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا اور مال بھی واپس کر دیا گیا۔

ابوالعاص کو گرفتار اور بلا فدیہ رہا کرنے والے صحابی کا نام خراش بن الصمہ رضی اللہ عنہ ہے (۵)۔ اور

---

(٤) سيرة ابن هشام: ٢/٢٩٤، دار الكتاب العربي، بيروت

(٥) سيرة ابن هشام: ٢/٦٥٤

بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے (٦)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابوالعاص نے یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھجوا دیں گے، آپ نے زینب کو بحفاظت لانے کے لئے زید بن حارثہؓ اور ایک انصاری صحابی کو مکہ کی طرف روانہ فرمایا تھا۔

ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کے ذریعے حضرت زینب کو مدینے پہنچانے کا بندوبست کیا، قریش کو خبر ہوگئی تو انہوں نے پیچھا کیا اور وادی ذی طوی میں حضرت زینب کی اونٹنی کو جالیا، ھبار بن الأسود اور نافع بن عبدقیس نے ہودج میں بیٹھی حضرت زینب کو خوفزدہ کیا، ھبار نے اپنے نیزے سے ہودج کو دھکیلا تو حضرت زینب ایک چٹان پر گر پڑی جس سے ان کا حمل ساقط ہوگیا (۷)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اس دردناک واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس لشکر کو بھیجا، جس کا ذکر روایت میں آیا ہے، لشکر کے امیر حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔

لیکن ھبار بن اسود اور نافع بن عبدقیس دونوں بچ نکلے، ھبار بن أسود بعد میں مسلمان ہوگئے تھے، جب وہ مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو صحابہ ان پر طنز کیا کرتے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس برتاؤ سے منع فرمایا (۸)۔ ھبار رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے (۹)۔

نافع بن عبدقیس: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے صحابہ میں ان کا ذکر کہیں نہیں ملا، شاید انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا ہو (۱۰)۔

مسند بزار میں ان کا نام خالد بن عبدقیس آیا ہے، یہ تصحیف ہے (۱۱)۔

---

(٦) سيرة ابن هشام: ٢/٦٥١

(۷) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، سیرت ابن هشام: ٢/٦٥١-٦٥٩

(٨) عمدة القاري: ١٤/٢٢٠

(٩) فتح الباري: ٦/١٥٠

(١٠) فتح الباري: ٦/١٥٠

(١١) فتح الباري: ٦/١٥٠

ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ

حضرت ابوالعاص تجارت کیا کرتے تھے، فتح مکہ سے چند ماہ پہلے وہ شام سے سامانِ تجارت لے کر واپس آرہے تھے کہ مسلمانوں نے انہیں گرفتار کرلیا، مال واسباب بھی ان سے چھین لیا، ابوالعاص رضی اللہ عنہ رات کی تاریکی میں حضرت زینب کے گھر میں داخل ہوگئے، انہوں نے حضرت زینب سے امان طلب کی، چنانچہ حضرت زینب نے امان دے دی۔

صبح جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی آواز آئی کہ میں نے ابوالعاص کو امان دے دی ہے، سلام پھیرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس آواز کے بارے میں دریافت فرمایا تو صحابہ نے تصدیق کی کہ ہم نے بھی یہ آواز سنی ہے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے ادنیٰ شخص کی پناہ بھی معتبر ہے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا بیٹی! اس کا اکرام کرو، لیکن یاد رکھو یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

اس کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لشکر کو پیغام بھیجا جس نے ابوالعاص کا مال و اسباب اپنے قبضہ میں لے لیا تھا، کہ اس شخص کا میرے ساتھ کیا رشتہ ہے تم جانتے ہو، جو مال تم لوگوں نے اس سے چھینا ہے، اگر تم لوگ وہ واپس کردو تو مجھے یہ پسند ہے اور اگر چاہو تو تم اپنے پاس رکھ بھی سکتے ہو، اس لئے کہ یہ مال اللہ نے تمہیں دیا ہے، تم اس کے زیادہ حق دار ہو۔

جاں نثار صحابہ کرام نے عرض کیا، ہم یہ مال لوٹا دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے سوئی برابر چیز بھی اپنے پاس نہ رہنے دی، حضرت ابوالعاص یہ سب سامان لے کر مکہ واپس آئے اور انہوں نے حق داروں کو ان کا حق ادا کیا اور امانتیں مالکوں کے حوالے کیں، پھر انہوں نے قریش سے مخاطب ہوکر کہا: اے قریش! تمہاری کوئی چیز میرے پاس رہی تو نہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں، اللہ تمہیں بہترین بدلہ دے تم ایک وفادار اور امانت دار شخص ہو۔

یہ سنتے ہی ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت کہا اور مسلمان ہوگئے، پھر کہنے لگے میں مدینے میں ہی مسلمان ہوجاتا لیکن مجھے یہ ڈر تھا کہ تم کہیں یہ نہ کہو کہ ابوالعاص نے ہمارا مال دبالیا، اب میں تمہاری امانتوں سے فارغ ہوچکا ہوں، اس کے بعد آپ مدینہ آگئے، یہاں آپ کی رفیقۂ حیات حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کو

نئے نکاح کے ساتھ لوٹا دی گئی۔

الفاظِ روایات میں تعارض اوراس کا حل

ابوداوٗد کی راویت میں "فلانا وفلانا" دومرتبہ کے بجائے ایک مرتبہ "فلانا" آیا ہے، روایت کے الفاظ ہیں "إن وجدتم فلانا فأحرقوه بالنار، فولّيتُ؛ فناداني، فرجعت إليه فقال: إن وجدتم فلانا فاقتلوه ولاتحرقوه، فإنه لايعذب بالنار إلا ربُّ النار(۱۲).

''اگر فلاں (مشرک) ملے تو اس کو آگ سے جلا دینا (راوی کہتے ہیں) جب میں پشت پھیر کر چل دیا تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نداء دی، میں واپس ہوا، آپ نے فرمایا، اگر تم فلاں شخص کو پاؤ تو اس کو قتل کردو، البتہ آگ میں نہ جلانا، کیونکہ آگ کا عذاب وہی دیتا ہے جو آگ کا خالق ہے''۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "فلانا" ایک بار ذکر کرنے کا مقصد صرف ھبار بن اسود کو ذکر کرنا ہے کیونکہ اصل تو وہی تھے، باقی نافع عبد قیس تو ان کے تابع تھے (۱۳)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے کے اندر ہے "ثم أتيناه نودّعه" یہاں حدیث میں مقیم سے مسافر کی رخصت لینے کا ذکر ہے تو مقیم کا مسافر کو رخصت کرنا تو بطریق اولی ثابت ہوگا، بلکہ یہی دوسری صورت زیادہ وقوع پذیر ہے (۱۴)۔

فائدہ

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسافر کو سفر پر جاتے وقت اپنے شہر کے اکابر صلحاء اور

(۱۲) سنن أبي داود: ۲/۶، كتاب الجهاد، باب كراهية تحريق العدوّبالنار، (رقم: ۲۶۷۳)

(۱۳) عمدة القاري: ۱۴/۲۲۰

(۱۴) عمدة القاري: ۱۴/۱۱۹، وفتح الباري. ۶/۱۱۵

علماء سے ملاقات کرلینی چاہیے، نیز اکابر کے لئے بھی مناسب ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو سفر پر جاتے وقت رخصت کریں(۱۵)۔

۱۰۷ – باب : السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمامِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو قائم کر کے اطاعتِ امیر کے وجوب کو بیان کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس وقت تک امیر کی اطاعت واجب ہے جب تک کہ وہ گناہ اور غیر شرعی امور کا حکم نہ دے(۱)۔

۲۷۹۶ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ قالَ : حَدَّثَنِي نَافِعٌ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ صَبَّاحٍ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ ما لَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَةِ ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ) . [٦٧٢٥]

یہ حدیث دو طرق سے یہاں نقل کی گئی ہے، البتہ الفاظ اس باب میں دوسرے طریق کے ہیں، آگے کتاب الأحکام میں پہلے یعنی مسدد کے طریق کے الفاظ یوں ہیں: "السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره مالم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولاطاعة"(۲)۔

---

(١٥) عمدة القاري: ٢٢١/١٤

(١) عمدة القاري: ٢٢١/١٤

(٢٧٩٦) أخرجه البخاري: ١٠٥٧/٢، في كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، (رقم: ٧١٤٤)، ومسلم: ٤٧٦٣/٢، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية وأبوداود: ٣٥٩/١، كتاب الجهاد، باب في الطاعة، (رقم: ٢٦٢٦)، والترمذي: ٣٠٠/١، أبواب الجهاد، باب ماجاء في لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق، (رقم: ١٧٠٧)، والنسائي: ١٨٤/٢، كتاب البيعة، باب جزاء من أمر بمعصية فأطاع، (رقم: ٤٢١١)، وابن ماجة، كتاب الجهاد، باب لاطاعة في معصية الله، (رقم: ٢٧٦٤)

(٢) البخاري: ١٠٥٧/٢، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، (رقم: ٧١٤٤)

السمع والطاعة حق

یعنی امیر کی بات کوسننا اوراس کے احکامات کی تعمیل کرنا یہ مامورین اور ماتحتوں پر واجب ہے، بشرطیکہ وہ گناہ کا حکم نہ دے، اگر وہ ناجائز امور کا حکم دے تو "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" کے مطابق ایسے امیر کی اطاعت جائز نہیں، چنانچہ کوئی بھی ایسا کام جس میں مخلوق کی فرمابرداری سے خالق کی نافرمانی لازم آئے، شریعت میں اس کی گنجائش نہیں (۳)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کتاب المغازی میں آرہی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابی عبداللہ بن حذافہ سہمی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، ایک موقع پر وہ غضبناک ہو گئے اور انہوں نے لکڑیاں جمع کر کے آگ جلانے کا حکم دیا، جب آگ بھڑک اٹھی تو وہ کہنے لگے کیا تمہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ کود پڑو اس آگ میں......

صحابہ جذبۂ اطاعت سے مغلوب ہو کر آگ میں کودنے کو تھے لیکن ایک دوسرے کو پکڑ کر روکتے اور کہتے: ہم نے آگ ہی سے بچنے کے لئے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہے، اور اسلام قبول کیا ہے، اسی کشمکس میں آگ اور امیر صاحب کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

جب یہ بات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: اگر وہ آگ میں کود پڑتے تو اس سے قیامت تک نہ نکلتے، اطاعت تو نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے (۴)۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوارج اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنا واجب ہے۔

جمہور امت کا موقف یہ ہے کہ صرف ظلم کی بناء پر بغاوت کی اجازت نہیں دی جاسکتی اگر وہ احکام شرعیہ کا نفاذ بھی کرتے ہوں اور حکومت بھی ان کی مستحکم ہو، کیونکہ ایسے حکمرانوں کا وجود کم از کم جان و مال اور عصمتوں

---

(۳) عمدة القاري: ١٤/٢٢١

(٤) صحيح البخاري: ٢/٦٢٢، كتاب المغازي، باب سرية عبدالله بن حذافة السهمي رضى الله عنه، وعلقمة بن مجزز المدلجي ويقال: إنها سرية الأنصاري، (رقم: ٤٣٤٠)

کے تحفظ کا ضامن تو ہے ان کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوں تو ہر طرف بدامنی پھیل جائے گی اور انتشار پیدا ہو جائے گا۔

چنانچہ ایسے حکمرانوں کے خلاف بغاوت جائز نہیں، جو ظلم تو کرتے ہیں لیکن امورِ دین جیسے نماز وغیرہ کا اہتمام کرتے ہوں اور دین کا مذاق نہ اڑاتے ہوں ایسے ہی ان کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا ساتھ دینا بھی جائز نہیں۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں، تم ان کے لئے دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے دعا کرتے ہوں۔ اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہوں، تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں۔

دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا: ”نہیں! جب تک وہ تم میں نمازوں کو قائم کرتے رہیں، نہیں، جب تک وہ تم میں نمازوں کو قائم کرتے رہیں، ان کے گناہوں سے تم نفرت ضرور کیا کرو لیکن ان کی اطاعت مت چھوڑو“ (۵)۔

لیکن اگر حکمران ظلم کے ساتھ ساتھ نماز بھی قائم نہ کرتے ہوں، شریعت کی برسرِ عام توہین بھی کرتے ہوں یا حاکم مرتد ہو گیا ہو تو ایسی صورتوں میں حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنا اور انہیں معزول کرنا واجب ہے، اور یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے (٦)۔

کیا ملکی قوانین میں امام کی اطاعت واجب ہے؟

شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ ”طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة“ یعنی امام کی اطاعت ان کاموں میں واجب ہے جو گناہ نہ ہو، البتہ جو ملکی قوانین شریعت سے متصادم ہوں ان میں امام کی اطاعت جائز نہیں، چاہے امام عادل ہو یا ظالم (۷)۔

---

(٥) صحيح مسلم: ٢/١٢٩، كتاب الإمارة، باب خيار الأئمة وشرارهم، (رقم: ٤٨٠٤-٤٨٠٦)

(٦) شرح ابن بطال: ٥/١٢٦-١٢٧، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: الدر المختار مع شرحه ردالمحتار: ٣/٣٤٠

(٧) الدر المختار مع شرحه ردالمحتار: ٣/٣٤٠

چانچہ ٹریفک کے قوانین اور دیگر انتظامی امور میں ملکی قوانین پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے کیونکہ ان قوانین کا تعلق ادارت اور انتظام سے ہوتا ہے۔ اس لئے حکام، شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے نظم وغیرہ کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں جو جرمانے، چالان اور سزائیں مقرر کرتے ہیں، ان میں حکام کی اتباع واجب ہے(۸)۔

واضح رہے کہ جدید دور کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا ہوگا جس کے بنیادی قواعد واصول، فقہاء نے واضح نہ کئے ہوں، چنانچہ شرعی اصولوں کو مدنظر رکھ کر اسلامی ملک کے قوانین وضع کئے جانے چاہئیں، تاکہ مسلمانوں کو اپنے خالق کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کرنے کا موقع مل سکے۔

بصورتِ دیگر ایسے حکمران جو کہ خدائی قانون کے مقابلے میں وضعی قوانین کی بالادستی چاہتے ہوں، ان کی اطاعت جائز نہیں، بلکہ انہیں معزول اور برطرف کر کے حکمرانی کی باگ دوڑ ایسے افراد کے حوالے کی جائے جو قرآن وسنت کا قانون ملک پر نافذ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون﴾(۹) آگے فرمایا: ﴿ومن لم يحكم بما أنزل اللهفأولئك هم الظالمون﴾(۱۰)۔ پھر ایک آیت کے بعد فرمایا: ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الفاسقون﴾(۱۱).

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے احکامات کے مطابق آئین سازی ضروری ہے، اور جو حاکم، قاضی یا امیر وقت اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق عناد اور سرکشی کی وجہ سے فیصلہ نہیں کرے گا، از روئے قرآن درجہ بدرجہ کافر، ظالم اور فاسق ہے(۱۲)۔

چنانچہ کافروں، ظالموں اور فاسقوں کو زمامِ اقتدار بخوشی کیسے سپرد کیا جاسکتا ہے اور ان کی اطاعت کا جواز کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟

---

(۸) ٹریفک کے قوانین کے لئے دیکھئے: بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۲۷۶-۳۱۰، للأستاذ تقي العثماني

(۹) المائدة: ٤٤

(۱۰) المائدة: ٤٥

(۱۱) المائده: ٤٧

(۱۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن، جلد دوم، ص: ٤٤٣-٤٥٢، وجلد سوم، ص: ١٥٤-١٦٥، وتفسير القرطبي: ٦/١٦٣-١٦٧

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے، یعنی باب قائم کیا گیا ہے "باب السمع والطاعة للإمام" اور حدیث کے الفاظ ہیں: "السمع والطاعة حق﴾"(١٣).

١٠٨ – باب : يُقَاتَلُ مِنْ وَرَاءِ الْإِمَامِ وَيُتَّقَى بِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام المسلمین ایک ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے، وہ اپنی رعیت کی دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے اور دین کی نگہبانی کرتا ہے اور نظریاتی سرحدوں کی پاسبانی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے دفاع میں قتال کیا جائے گا اور دشمنوں کے شر، فساد اور ظلم سے بچنے کے لئے امام کی پناہ لی جائے گی، کیونکہ اگر امام عادل کی تائید اور حمایت میں جنگ نہیں کی جائے گی تو فتنے پھوٹ پڑیں گے، ہر سو انارکی پھیل جائے گی اور بدامنی کا دور دورہ ہوگا۔ فتنوں سے بچنے کے لئے امام کی حمایت میں لڑنا ضروری ہے (١)۔

ورائه: لفظ وراء اضداد میں سے ہے، اس کے معنی "آگے" اور "پیچھے" دونوں کے آتے ہیں، قرآن کریم میں ہے: ﴿وكان وراء هم ملك﴾(٢) أي أمامهم. اگر اس کو "آگے" کے معنی میں لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جہاد کے وقت امام کو آگے نہیں کرنا چاہیے بلکہ مجاہدین کو آگے ہو کر قتال کرنا چاہیے (٣)۔ اور اگر اس کے معنی "پیچھے" کے لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ امام کی ماتحتی میں جنگ کرنی چاہیے یعنی جس طرح امام منصوبہ اور ترتیب بنائے اور جس طرح وہ حکم دے، وہ طریقۂ قتال زیادہ مناسب اور بہتر بلکہ ضروری ہے (٤)۔

---

(١٣) عمدة القاري: ٢٢١/١٤

(١) عمدة القاري: ٢٢٢/١

(٢) سوره کهف: ٧٩

(٣) ارشاد الساري: ١١٩/٥

(٤) فيض الباري: ٤٤٠/٣، وحاشية السندي على البخاري: ٤٢٢/١

٢٧٩٧ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ : أَنَّ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ : أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ ٱللَّهِ ﷺ يَقُولُ : (نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ) .
وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ : (مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ، وَمَنْ عصَانِي فَقَدْ عَصَى ٱللَّهَ ، وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي ، وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي ، وَإِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ ، يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى ٱللَّهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذٰلِكَ أَجْرًا ، وَإِنْ قَالَ بِغَيْرِهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ) .
[٦٧١٨ ، وانظر : ٢٣٦]

نحن الآخرون السابقون

اس حدیث سے متعلقہ مباحث کتاب الوضوء، باب البول في الماء الدائم کے تحت گذر چکے ہیں۔

من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني(٥)۔

روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا میری اطاعت کرتا ہے اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے گویا وہ میری نافرمانی کرتا ہے"۔

امیر تو ایک ڈھال کی مانند ہے، اس کے دفاع کے لئے لڑا جاتا ہے، اور امیر ہی کے ذریعہ (دشمنوں کے شر سے) بچا جاتا ہے۔ اگر وہ پرہیزگاری کا حکم کرے اور انصاف کرے تو اسے اس کے بدلے میں نیکی ملے گی اور اگر انصاف وتقویٰ کے بجائے دوسری باتوں کا حکم دے گا تو اس پر اس کا وبال ہوگا۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سرداران قبائل عرب امارت کے نظام سے واقف نہیں تھے، وہ اپنے قبیلوں کے سرداروں کے علاوہ کسی کی بات نہیں مانتے تھے، پھر جب اسلام کے آنے کے بعد ان پر امراء مقرر

(٢٧٩٧) قد مر في كتاب الوضوء، باب البول في الماء الدائم، رقم: ٢٣٨

(٥) الحديث أخرجه البخاري أيضاً: ١٠٥٧/٢، في كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى: ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم﴾ رقم: ٧١٣٧

کیے جانے لگے تو وہ اس سے دل برداشتہ ہو گئے اور بعض نے امراء کی اتباع اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا کہ ان امراء کی اطاعت میری اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی میری نافرمانی ہے، مقصد یہ تھا کہ عرب قبائل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حاکموں کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں اور بغاوت وسرکشی نہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امراء کی اطاعت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں تو ان میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق حکم نہیں دیتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتے ان کی اطاعت واجب نہیں (٦)۔

من أطاعني فقد أطاع الله

یہ جملہ قولِ باری تعالیٰ: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾(٧)۔ کی تفسیر ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دے رہے ہیں، اس لئے کہ آپ تو مبلغ ہیں حکم تو اللہ ہی کا ہے (٨)۔

إنما الإمام جُنَّةٌ

جُنَّةٌ: (بضم الجيم وتشديد النون) ڈھال کو کہا جاتا ہے (٩)۔

یعنی امام مسلمانوں کے لئے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے، جیسے ڈھال سے جنگجو اپنی حفاظت کرتا ہے ایسے ہی مسلمان بھی امام کے ذریعہ دشمنوں اور بدخواہوں کے شر اور سازشوں سے اپنی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے دامن میں پناہ لیتے ہیں (١٠)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ڈھال سے تشبیہ امام کے ساتھ مل کر لڑنے میں ہے، خواہ آگے ہو یا پیچھے، یہ نہیں کہ جیسے لڑنے والا ڈھال کے پیچھے رہتا ہے، ایسے مجاہدین بھی امام کے پیچھے ہی رہیں گے (١١)۔

(٦) أعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٢٠، ١٤٢١

(٧) سورة النساء: ٨٠

(٨) إرشاد الساري: ٥/١١٩

(٩) إرشاد الساري: ٥/١١٩

(١٠) عمدة القاري: ١٤/٢٢٢

(١١) لامع الدراري: ٧/٢٥٤

ایک فقہی قاعدے کا استنباط

حنفیہ کا مذہب ہے کہ اگر کسی شخص نے حاکم کے حکم کو مان کر کوئی کام کیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ یہ کام خلافِ شرع تھا تو مرتکب معذور سمجھا جائے گا اور گناہ حکم دینے والے کو ہوگا۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إنما الإمام جُنَّةٌ" کو حنفیہ کے اس قاعدے کے لئے بطورِ دلیل پیش کیا جاسکتا ہے(۱۲)۔ یعنی امام کے ڈھال ہونے کی وجہ سے وہ اس گناہ کے شر سے محفوظ ہو جائے گا، کیونکہ حکم امام ہی نے دیا تھا اور دوسرا اطاعت پر مجبور تھا۔

ويُتَّقَى به

یہ مجہول کا صیغہ ہے، اس ٹکڑے کے ایک معنی تو وہ ہے جو علامہ کرمانی نے ذکر کئے ہیں کہ: "امام کے ذریعہ دشمن کے شر، فساد اور ظلم سے بچا جاتا ہے اس لئے کہ وہی مسلمانوں کی حفاظت اور دین کی نگہبانی کرتا ہے"(۱۳)۔ ایک اور معنی علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے بیان کیے ہیں، فرماتے ہیں:

قوله "يتقى به" أي: يرجع إليه في الرأي والفعل وغير ذلك مما لايجب أن يقضى فيه إلا برأي الإمام وحكمه، ويتقى به الخطأ في الدين والعمل من الشبهات وغيرها(١٤)۔

یعنی جو کام امیر کی رائے اور حکم کے بغیر نہ کیا جانا چاہیے اس میں امیر کی رائے کی طرف رجوع کیا جائے، نیز دین کے معاملات میں غلطی اور شبہات وغیرہ سے بچنے کے لئے بھی امیر کی پناہ لی جاتی ہے۔

فإن قال بغيره

یعنی اگر حاکم اس (تقویٰ) کے علاوہ اور کسی بات کا حکم دے۔

---

(١٢) أعلام الحديث للخطابي: ١٤٢١/٢

(١٣) شرح الكرماني: ١٩٧/١٢

(١٤) شرح ابن بطال: ١٢٨/٥

قال أمَرَ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، بعض حضرات قال کو بمعنی فعل بھی کہتے ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ قال یہاں بمعنی أمَـرَ ہو اس لئے کہ اس سے پہلے "أمـر" کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ روایت کے الفاظ ہیں: "فإن أمر بتقویٰ الله وعدل......"(۱۵)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قال کے معنی یہاں فیصلہ کرنے کے ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ "القیل" سے مشتق ہے، قبیلۂ حمیر کی لغت زبان میں "قیل" ایسے بادشاہوں کو کہا جاتا ہے جن کا حکم مانا جاتا ہو(۱٦)۔

فإنَّ عَليه مِنه

یہاں "وزراً" محذوف ہے، مکمل عبارت یوں ہے: "فإن علیه منه وزرا" جیسا کہ سنن نسائی کی روایت میں ہے(۱۷)۔

اب عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اگر حاکم غیر شرعی امور کا حکم دے تو اس کا گناہ اور وبال اسی پر ہے، لیکن ظاہر ہے حکم کی تعمیل کرنے والے بھی وبال سے نہیں بچ سکیں گے(۱۸)۔

ایک سبق آموز واقعہ

جب عمر بن ہبیرہ، یزید بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا عامل مقرر ہوا تو اس نے بصرہ اور کوفہ کے فقہاء کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، ان فقہاء میں امام شعبی اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ بھی

---

(١٥) فتح الباري: ٦/١١٦، وعمدة القاري: ١٤/٢٢٢

(١٦) أعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٢١، والنهاية في غريب الحدث: ٤/١٢٢، وقال أو عبيدة: "الأقيال ملوك باليمن دون الملك الأعظم وأحدهم قَيْلٌ" انظر لسان العرب: ق/و/ل

(١٧) النسائي: ٢/١٨٤، كتاب البيعة، باب مايجب للإمام ومايجب عليه

(١٨) عمدة القاري: ١٤/٢٢٢

تھے۔ عمر بن ہبیرہ نے کہا ”امیر المؤمنین یزید بن عبدالملک مجھے بعض غیر شرعی امور کا حکم دیتے ہیں، کیا میرے لئے ان کی تعمیل کرنا جائز ہے؟ امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ تو مامور ہیں، آپ ویسے ہی کریں جیسے کہ آپ کو حکم دیا جاتا ہے، گناہ تو حکم دینے والے پر ہے۔ جب امام شعبی رحمہ اللہ اپنی بات مکمل کر چکے تو حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

”إتق الله يا عمر! فكأنك بملَكٍ قد أتاك فاستنزلك، فأخرجك من سعة قصرك إلى ضيق قبرك إن الله ينجيك من يزيد وإن يزيد لا ينجيك من الله؛ فإياك أن تعرض لله بالمعاصي؛ فإنه لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق(۱۹).

”اے عمر! اللہ سے ڈر! موت کا فرشتہ گویا کہ آچکا ہے اور وہ تجھے تیرے محل کی وسعت سے اتار کر قبر کی تنگی تک پہنچا چکا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ تجھے یزید سے بچا سکتے ہیں لیکن یزید تجھے اللہ عزوجل سے نہیں بچا سکتا، خبردار! گناہوں سے اللہ کا مقابلہ مت کرو، اس لئے کہ مخلوق کی اطاعت کرتے ہوئے خالق کی نافرمانی کرنا جائز نہیں“۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت ”وإنما الإمام جنة يقاتل من ورائه ويتقى به“ میں ہے(۲۰)۔

علامہ ابن منیرؒ کی رائے اور حافظ ابن حجرؒ کا رد

ابن منیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کی ”نحن الآخرون السابقون“ سے مطابقت

(۱۹) أعلام الحديث للخطابي: ۲/۱۴۱۶-۱۴۱۷

(۲۰) عمدة القاري: ۱۴/۲۲۲

اس طرح ہے کہ ”یقاتل من ورائه“ کے معنی ”من أمامه“ ہیں، یعنی ”وراء“، ”أمام“ کے معنی میں مستعمل ہے کیونکہ فوج جو بظاہر امام سے آگے ہوکر لڑتی ہے، درحقیقت وہ امام کے پیچھے ہوتی ہے۔ یونہی نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمانے کے اعتبار سے سب سے آخر میں تشریف لائے لیکن انبیاء متقدمین علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ اگر ان کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ مل جائے تو وہ ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی پشت پناہی کریں گے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام جب دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کی حیثیت ایک اُمّتی کی ہوگی۔ گویا کہ انبیاء سابقین علیہم الصلوۃ والسلام جو بظاہر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہوئے ہیں درحقیقت وہ سب، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔ تو اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بظاہر آخری نبی ہیں۔ لیکن پہلے والوں کے امام ہیں (۲۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تکلّف ہے، کیونکہ ”نحن الآخرون السابقون“ حدیثِ باب کا ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ یہ جملہ اس سند ”شعیب عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة“ کے لئے بطورِ علامت کے لایا جاتا ہے اور ”وبهذا الإسناد“ کہہ کر حدیث بیان کی جاتی ہے اور اس التزام کی وجہ یہ ہے کہ راوی نے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے، جیسے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ وہ ”معمر عن همام بن منبه عن أبي هريره“ والی سند سے نقل ہونے والی ہر حدیث کے شروع میں فرماتے ہیں: ”فذكر أحاديث منها وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كيت وكيت......“ (۲۲).

واللہ أعلم بالصواب۔

---

(۲۱) المتواري، ص: ۱۵۷–۱۵۹

(۲۲) فتح الباري: ٦/١١٦

۱۰۹ – باب : الْبَيْعَةِ فِي الحَرْبِ أَنْ لَا يَفِرُّوا ، وَقالَ بَعْضُهُمْ : عَلَى المَوْتِ .
لِقَوْلِ ٱللهِ تَعَالَى : «لَقَدْ رَضِيَ ٱللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ»

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جہاد کے دوران جو بیعت ہوتی ہے وہ بیعت علی عدم الفرار یعنی نہ بھاگنے اور ثابت قدم رہنے پر ہوتی ہے، جیسا کہ امام صاحب نے یہاں آیت ذکر فرمائی ہے:﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة﴾ آگے ہے: ﴿فعلم مافي قلوبهم فأنزل السكينة عليهم﴾ اور سکینہ حالتِ قتال میں سکون واطمینان کو کہا جاتا ہے، تو یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ بیعت کرتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نیت عدم فرار اور ثابت قدمی کی تھی، نہ کہ موت کی (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ بیعت علی الموت ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام صاحب نے یہاں جو آیت کا ٹکڑا نقل کیا ہے اس میں مطلق بیعت کا ذکر ہوا ہے آگے روایت میں اس پر تفصیل آرہی ہے۔ چنانچہ حضرت سلمہ بن الأکوع رضی اللہ عنہ (جو کہ بیعت رضوان کے شرکاء میں سے ہیں) خود فرما رہے ہیں کہ یہ بیعت علی الموت تھی (۲)۔

لیکن واضح رہے کہ یہ ایک لفظی اختلاف ہے، معنوی اعتبار سے بیعت علی عدم الفرار اور بیعت علی الموت میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کہ جو شخص اس بات پر بیعت کرتا ہے کہ وہ دورانِ جنگ نہیں بھاگے گا، اس کے پیش نظر یہی ہوتا ہے کہ وہ مرتے دم تک لڑے گا اور لہو کے آخری قطرے تک وہ اپنے عہد کو نبھائے گا۔ اور یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ ''بیعت علی الموت'' کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ ضرور اس جنگ میں مرے، بلکہ مقصود وہی ثابت قدمی ہے (۳)۔

---

(۱) المتواري، ص: ۱٦۱

(۲) فتح الباري: ٦/۱۱۸

(۳) فتح الباري: ٦/۱۱۸، وعمدة القاري: ۱٤/۲۲۳

اسی وجہ سے حضرت نافع فرما رہے ہیں: "بل بایعهم علی الصبر" کیونکہ صبر کے معنی ثابت رہنے کے ہیں اور یہ مطلب عدمِ فرار اور موت دونوں کو جامع ہے (۴)۔

الشجرة

یہ کس چیز کا درخت تھا؟ ایک قول تو یہ ہے کہ وہ کیکر کا درخت تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بیری کا درخت تھا (۵)۔

٢٧٩٨ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ : قَالَ ٱبْنُ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ ، فَمَا ٱجْتَمَعَ مِنَّا ٱثْنَانِ عَلَى الشَّجَرَةِ الَّتِي بَايَعْنَا تَحْتَهَا ، كَانَتْ رَحْمَةً مِنَ ٱللهِ . فَسَأَلْتُ نَافِعًا : عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعَهُمْ ، عَلَى الْمَوْتِ ؟ قَالَ : لَا ، بَلْ بَايَعَهُمْ عَلَى الصَّبْرِ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اگلے سال بیعت رضوان والی جگہ پر آئے تو ایسے دو شخص نہیں ملے جو اس درخت کو پہچان سکیں جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی اور یہ درخت کا چھپ جانا رحمتِ خداوندی ثابت ہوئی (ورنہ لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے)۔

راوی یعنی جویریہ کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے پوچھا کس چیز پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لی تھی، کیا وہ موت پر بیعت تھی؟ تو نافع نے کہا، نہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے استقامت اور ثابت قدمی پر بیعت لی تھی۔

فما اجتمع منا اثنان على الشجرة

یعنی ایسے دو آدمی بھی نہیں ملتے تھے جو اس درخت کو متعین کر سکتے ہوں۔

اب یہاں پر سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ درخت کہاں گیا؟

---

(٤) فتح الباري: ٦/١١٨، وشرح ابن بطال: ٥/١٣٠

(٥) إرشاد الساري: ٥/١٢٠، وعمدة القاري: ١٤/٢٢٣

(٢٧٨٩) "تفرد به البخارى".

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک قول تو ہے کہ درخت تو وہیں تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اس درخت کی تعیین دشوار ہوگئی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سیلاب اسے بہالے گیا۔

كانت رحمة من الله

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس جملے کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

❶ اس درخت کا چھپ جانا اللہ کی رحمت تھی۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس درخت کے باعث لوگوں کے فتنے میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ تھا، کیونکہ اس درخت کے نیچے خیر، اللہ کی رضا اور سکینہ صحابہ پر نازل ہوا، اگر وہ درخت متعین ہو جاتا تو دیہاتی اور جاہل لوگ اس کی تعظیم میں لگ جاتے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اس درخت کی پوجا پاٹ کی جاتی۔ چنانچہ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے اس درخت کو چھپالیا (٦)۔

❷ دوسرا مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ یہ درخت اللہ کی رحمت کے نزول کا مقام اور رضاء خداوندی کے حصول کی جگہ تھی (٧)۔

فسألتُ

''میں نے پوچھا'' پوچھنے والے جویریہ بن اسماء ہیں، جو اس روایت کو نافع سے نقل کر رہے ہیں۔

عَلَى الموت؟

''کیا بیعت موت پر ہوئی تھی''؟

دراصل یہاں ہمزہ استفہام مقدر ہے، عبارت یوں ہے: "أعَلَى الموت؟" یا یوں "أبـايعهم على الموت؟" (٨).

---

(٦) حاشية صحيح مسلم: ١٢٩/٢، كتاب الجهاد، باب استحباب مبايعة الجيش عند إرادة القتال، الخ، ص: ١٣٠.

(٧) شرح الكرماني: ١٢ يا ١٩٨/٢، وفتح الباري: ١١٨/٦

(٨) عمدة القاري ٢٢٣/١٤، والقسطلاني: ١٢٠/٥

ایک اشکال کا جواب

یہاں اسماعیلی نے یہ اشکال کیا ہے کہ "لا، بل بایعهم علی الصبر" مسند نہیں ہے، یعنی یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نہیں ہے بلکہ حضرت نافع رحمہ اللہ کا قول ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قول مسند ہی ہے، کیونکہ حضرت نافع رحمہ اللہ نے یہ بات یقیناً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنی ہوگی۔ تبھی انہوں نے جواب دیتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی (۹)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "بل بایعهم علی الصبر" سے مستنبط ہے، کیونکہ بیعت علی الصبر کا مطلب یہی ہے کہ بیعت، جنگ سے نہ بھاگنے اور ڈٹے رہنے پر لی گئی ہے (۱۰)۔

۲۷۹۹ : حدّثنا مُوسى بْنُ إسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى ، عَنْ عَبَّادِ ابْنِ تَمِيمٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : لَمَّا كانَ زَمَنُ الحَرَّةِ أَتاهُ آتٍ فَقَالَ لَهُ : إِنَّ ٱبْنَ حَنْظَلَةَ يُبَايِعُ النَّاسَ عَلَى المَوْتِ ، فَقَالَ : لا أُبَايِعُ عَلَى هٰذَا أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ . [۳۹۳٤]

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ واقعۂ حَرَّہ کے زمانے میں ایک شخص ان کے پاس آکر کہنے لگا: عبداللہ بن حنظلہ لوگوں سے موت پر بیعت لے رہے ہیں تو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد میں کسی اور کے ہاتھ پر موت پر بیعت نہیں کروں گا۔

---

(۹) فتح الباري: ٦/١١٨

(١٠) عمدة القاري: ١٤/٢٢٣

(٢٧٩٩) أخرجه البخاري في كتاب المغازي، باب غزوة الهدسة، (رقم: ٤١٦٧)، ومسلم في كتاب الإمارة، باب استحباب مبايعة الامام لجيش عند إرادة القتال وبيان بيعة الوضو تحت الشجرة، (رقم: ٤٨٢٤)

لما كان زمن الحَرَّة

حرة: بفتح الحاء المهملة وتشديد الراء ایسی پتھریلی زمین کو کہا جاتا ہے جس کے پتھر دیکھنے میں جلے ہوئے محسوس ہوتے ہوں۔ حرۃ کی جمع: حَـرَّات، أَحَـرُّونَ حِـرَارٌ اور حِـرُّون ہیں۔ ایسی زمینیں سرزمین عرب میں بکثرت پائی جاتی ہیں، مدینہ کے اطراف سے شام تک حرار کا ایک طویل سلسلہ ہے، علامہ یاقوت حموی نے ان کی تفصیل اپنی کتاب میں ذکر کی ہے(۱۱)۔

یہاں جس حَرّہ کا ذکر ہو رہا ہے وہ "حرۃ واقم" کہلاتا ہے(۱۲)۔

واقعۂ حرۃ کی تفصیلات

یہاں روایت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، اس کا تعلق ۶۳ھ سے ہے، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور یزید بن معاویہ کے لئے بیعت لی جانے لگی تو مدینے والوں کا ایک وفد یزید کی ملاقات کے لئے گیا، انہوں نے بعض نامناسب باتیں یزید میں دیکھیں اور مدینے واپس آکر انہوں نے یزید کی اطاعت سے انکار کر دیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔

اس بات کی اطلاع جب یزید کو ملی تو اس نے ایک لشکر مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں مدینے کی طرف روانہ کر دیا، مسلم کو حد سے زیادہ ظلم ڈھانے کی وجہ سے لوگ مُسْرِف بن عقبہ کے نام سے یاد کیا کرتے تھے، اس نے حرۂ واقم میں پڑاؤ ڈالا جو مدینے کے مشرقی جانب واقع ہے۔

اُدھر سے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما میدان میں آئے، لیکن ریاست وحکومت کے سامنے ان کی پیش نہ کی گئی اور وہ اپنے سات بیٹوں کے ہمراہ شہید ہوئے۔

مسلم بن عقبہ کے لشکریوں نے خوب قتل وغارت کا بازار گرم کیا اور بہت اودھم مچائی، تقریباً سترہ سو انصاری، تیرہ سو قریشی اور عام لوگوں میں بچوں اور عورتوں کے سوا دس ہزار افراد کو تہہ تیغ کر دیا گیا، مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی گئی، مال واسباب لوٹا گیا، پاکباز آزاد عورتوں کی عصمت دری کی گئی، آٹھ سو عورتوں

---

(۱۱) معجم البلدان: ۲/۲۴۵-۲۵۰۔

(۱۲) معجم البلدان: ۲/۲۴۹۔

کو اس زیادتی سے حمل ٹھہرا، ان بچوں کو جو اس حمل سے پیدا ہوئے تھے، اولاد الحرۃ سے پکارا جاتا تھا (۱۳)۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما

یہ حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کے صاحبزادے ہیں، اپنے والد کی شہادت کے نو ماہ بعد ان کی ولادت ہوئی، ان کی والدہ کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی ابن سلول تھا۔

حضرت عبداللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونٹنی پر سوار طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔

انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف ایک روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أُمِرَ بالوضوء لِکل صلوۃ، طاهرا أو غیر طاهر" (۱٤)۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا گیا تھا، خواہ آپ اس وقت تک باوضو ہوتے یا بے وضو۔

نیز انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت عمر اور کعب احبار رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں صالح بن حسان مدنی، ضمضم بن جَوش ھِفَانی، عباس بن سہل بن سعد ساعدی، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن یزید خطمی انصاری، قیس بن سعد بن عبادۃ انصاري، اور اسماء بنت زید بن الخطاب رحمہم اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت عبداللہ حرہ کے واقعہ میں انصار کے قائد تھے اور قریش نے عبداللہ بن مطیع بن اسود کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حضرت عبداللہ نے حرہ والے دن بہت جرأت و بہادری سے جنگ لڑی، آخر دم تک وہ لڑتے رہے اور اپنے بیٹوں کو آگے بھیجتے رہے، یہاں تک سات وں کے ساتوں بیٹے اس معرکے میں کام آگئے۔ آپ کے اکثر ساتھی شہید ہو چکے تھے، جب مسلم بن عقبہ کی فوج مدینے میں داخل ہوگئی، آپ نے علم اسی طرح تھاما ہوا تھا، اس

---

(۱۳) راجع للتفصیل: معجم البلدان: ۲/۲٤۹، وعمدۃ القاري: ۱٤/۲۲٤

(۱٤) سنن أبي داود: ۱/۸، کتاب الطهارۃ، باب السواك، (رقم: ٤۸)

وقت آپ کے اردگرد پانچ آدمی بھی نہیں تھے، آپ نے جب یہ دردناک منظر دیکھا تو اپنی زرہ اتار پھینکی اور میدان میں کود پڑے، یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

مروان کا گزر آپ رضی اللہ عنہ کی لاش پر ہوا، آپ کی انگشت شہادت اس وقت بھی اوپر کو اٹھی ہوئی تھی یہ دیکھ کر مروان کہنے لگا، بخدا اگر تم اس انگلی کو مرنے کے بعد اٹھائے ہوئے ہو تو تعجب کی بات نہیں، تم تو زندگی میں بھی اس انگلی کو ہماری طرف اٹھائے رہے یعنی ہم پر تنقید کرتے رہے۔

طبقات میں ابن سعد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا گیا، آپ بہت حسین وجمیل دکھائی دے رہے تھے، آپ کا علم آپ کے ساتھ تھا۔ خواب دیکھنے والے نے دریافت کیا، اے ابوعبدالرحمٰن! کیا تم مارے نہیں گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا، کیوں نہیں۔ میری اپنے رب سے ملاقات ہوئی تو میرے رب نے مجھے جنت میں داخل کر دیا۔ اب میں جنت کے باغات میں جہاں چاہوں، گھومتا پھرتا ہوں۔ میں نے کہا آپ کے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ وہ فرمانے لگے، وہ میرے ساتھ ہی ہیں، میرے جھنڈے کے اردگرد جس کی گرہیں ابھی تک نہیں کھلیں.....(۱۵)۔

''ابن حنظلہ'' کی تعیین میں کرمانیؒ کا وہم

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کو ''ابن حنظلہ'' کی تعیین میں دو وہم پیش آئے ہیں:

❶ ایک تو یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ ''ابن حنظلہ'' وہ آدمی ہے جو یزید بن معاویہ کی جانب سے بیعت لینے پر مامور تھا۔

❷ یا پھر ابن حنظلہ سے مراد خود یزید ہے، گویا کہ یہ نسبت یزید کے دادا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف ہے، کیونکہ ان کی ایک کنیت ابوحنظلہ بھی تھی، تو تقدیری عبارت یوں ہوگی: ''ابن أبي حنظلة'' یعنی ''أبي'' بطور تخفیف حذف ہوا ہے، یا یہ نسبت یزید کے چچا حنظلہ بن ابی سفیان کی طرف ہے، چونکہ حنظل کے معنی اندرائن

---

(۱۵) ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: تهذيب الكمال: ١٤/٤٣٦، وسير أعلام النبلاء: ٣/٣٢١، وطبقات ابن سعد: ٥/٦٥، والتاريخ الكبير للبخاري: ٥/٦٧، رقم الترجمة: ١٦٨

کے ہیں، جو کہ ایک انتہائی کڑوا پھل ہوتا ہے، اس لئے یزید کے لئے ابن حنظلہ کی نسبت اس کے کڑوے پن اور بے انتہا ظلم وستم کی وجہ سے استعمال ہونے لگی (۱٦)۔

حافظ ابن حجر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں احتمالات غلط ہیں۔

پہلا احتمال تو اس لئے کہ تمام مؤرخین نے یزید کی بیعت لینے پر مامور شخص کا نام مسلم بن عقبہ لکھا ہے جسے لوگ اس کے ظلم وستم کی بناء پر مُسْرِف پکارنے لگے تھے اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما تو انصار کے امیر تھے، جیسے عبداللہ بن مطیع قریش اور مہاجرین کے امیر تھے اور یہ دونوں اس معرکہ میں شہید ہو چکے تھے۔

اب آتے ہیں دوسرے احتمال کی طرف کہ اس سے خود یزید مراد ہے۔ یہ احتمال اس لئے غلط ہے کہ بخاری ہی میں کتاب المغازی میں یہی روایت آرہی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "لَمَّا كان يوم الحرة والناس يبا يعون لعبد الله بن حنظلة، فقال ابن زيد على مايُبايع ابن حنظلة الناس؟" (۱۷)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ "ابن حنظلہ" سے مراد حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ ہی تھے، جو واقعۂ حرہ میں انصار کی قیادت کرتے ہوئے شہادت کے مرتبۂ بلند پر فائز ہوئے (۱۸)۔

لا أبايع على هذا أحدا بعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

حضرت عبداللہ بن زید کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک پر موت کی بیعت کی تھی، لیکن اس بات کی صراحت انہوں نے نہیں کی، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کے فوراً بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ جس میں بیعت علی الموت کی تصریح ہے (۱۹)۔

---

(۱٦) شرح الكرماني: ۱۹۹/۱۲

(۱۷) صحيح البخاري: ۵۹۹/۲ كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، (رقم: ٤۱٦۷)

(۱۸) فتح الباري: ۱۱۸/٦، وعمدة القاري: ۲۲٤/۱٤

(۱۹) فتح الباري: ۱۱۸/٦، وعمدة القاري: ۲۲٤/۱٤

بیعت علی الموت سے انکار کی وجوہ

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن زید کے بیعت نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ فتنوں میں گھروں میں بیٹھے رہتے اور کسی گروہ کی تائید وحمایت نہ کرنے کو زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: "ستکون فتن: القاعد فیھا خیر من القائم(۲۰)۔ عنقریب فتنے برپا ہوں گے، جن میں بیٹھا ہوا کھڑے سے بہتر ہوگا، بعض سلف کا بھی یہی مذہب ہے(۲۱)۔

علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم تھا کہ وہ اپنی جان قربان کر کے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کرے، اور صحابہ کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر میدان سے بھاگ نہ جائیں، بلکہ آخری دم تک لڑتے رہیں، تو یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، دوسروں کا یہ حکم نہیں کہ اپنی جان دے کے ان کی حفاظت کی جائے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن زید نے موت پر بیعت کرنے سے انکار کیا(۲۲)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث شریف کی مطابقت ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء "وقال بعضھم علی الموت" سے ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے قول کہ "آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد میں کسی اور کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہیں کروں گا" سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے جناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی(۲۳)۔

۲۸۰۰ : حَدَّثنا المَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ ، عَنْ سَلَمَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ

---

(۲۰) صحیح البخاري: ۱۰٤۸/۲ كتاب الفتن، باب تكون فتنة القاعد فيها خير من القائم، (رقم: ۷۰۸۱-۷۰۸۲)

(۲۱) شرح ابن بطال: ۱۳۲/٥

(۲۲) فتح الباري: ۱۱۹/٦

(۲۳) عمدة القاري: ۲۲٤/۱٤

قالَ : بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ ثُمَّ عَدَلْتُ إِلَى ظِلِّ الشَّجَرَةِ ، فَلَمَّا خَفَّ النَّاسُ قالَ : (يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ أَلَا تُبَايِعُ) . قالَ : قُلْتُ : قَدْ بَايَعْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ، قالَ : (وَأَيْضًا) . فَبَايَعْتُهُ الثَّانِيَةَ . فَقُلْتُ لَهُ : يَا أَبَا مُسْلِمٍ ، عَلَى أَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تُبَايِعُونَ يَوْمَئِذٍ ؟ قالَ : عَلَى المَوْتِ .

[۳۹۳٦ ، ٦٧٨٠ ، ٦٧٨٢]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی، پھر میں ایک درخت کے سایہ تلے جا بیٹھا جب لوگوں کا مجمع چھٹ گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُکوع کے بیٹے، کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: حضرت! میں نے تو کر لی ہے بیعت، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مرتبہ اور'' تو میں نے دوبارہ بیعت کی۔

راوی یزید بن اُبی عبید کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے ابومسلم! (حضرت سلمہ کی کنیت ہے) آپ حضرات کس چیز کی بیعت کیا کرتے تھے؟ حضرت سلمہ نے فرمایا: ہم لوگ موت کی بیعت کیا کرتے تھے۔

گیارہویں ثلاثی حدیث

ثلاثی حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان اس روایت میں صرف تین واسطے ہوں (۲۴)، جیسا کہ سند سے واضح ہے۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے دو مرتبہ بیعت لینے کی وجہ

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکرارِ بیعت کا مقصد بیعت کی تاکید اور پختگی ہے کیونکہ حضرت

(۲۸۰۰) أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (۲/۵۹۹)، في كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية (رقم: ٤١٦٩)، وفي الأحكام (۲/۱۰۶۹، ۱۰۷۰) باب كيف يبايع الإمام الناس، وباب من بايع مرتين (رقم: ۷۲۰٦، ۷۲۰۸)، ومسلم في صحيحه (۲/۱۳۰) في كتاب الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش عند إرادة القتال (رقم: ۱۸٦۰)، والترمذي في جامعه (۱/۲۸۸) في السير، باب ماجاء في بيعة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (رقم: ۱۹۵۲)

(۲٤) راجع للتفصيل، كشف الباري: ۱/۲۵

سلمہ رضی اللہ عنہ بہادری، مال داری اور ثابت قدمی میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے ان سے دو بار بیعت لی گئی (۲۵)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمہ بڑے جانباز اور مجاہد تھے، سوار ہوکر بھی لڑتے اور پاپیادہ بھی لڑتے، گویا دو مجاہدین کے قائم مقام تھے چنانچہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے دو مرتبہ بیعت لی (۲٦)۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے دو مرتبہ بیعت لینے میں حکمت یہ ہے کہ بہادروں اور جانبازوں کی بیعت میں شدتِ اہتمام دشمنوں کے لئے خوف و ہراس کا باعث ہوتا ہے، اس لئے کہ بہادر شخص جب اس بات کا عہد کر لیتا ہے کہ وہ مرتے دم لڑتا رہے گا تو وہ آزمائشوں کی پرواہ نہیں کرتا، بلکہ میدان میں ڈٹا رہتا ہے اور اپنی جان داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے بہادروں کی ثابت قدمی اور بے خوفی سے دشمن کا کافی نقصان ہوتا ہے (۲۷)۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ مختلف اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے (۲۸)۔

۲۸۰۱ : حدّثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ حُمَيْدٍ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يَقُولُ : كانَتِ الْأَنْصارُ يَوْمَ الخَنْدَقِ تَقُولُ :

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدا　　عَلَى الجِهَادِ ما حَيِينَا أَبَدَا

فَأَجابَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَه . فَأَكْرِمِ الْأَنْصارَ وَالْمُهَاجِرَهْ) . [ر : ٢٦٧٩]

---

(٢٥) شرح ابن بطال: ١٣٠/٥

(٢٦) فتح الباري: ١١٩/٦

(٢٧) لامع الدراري: ٢٥٦/٧

(٢٨) حاشية اللامع: ٢٥٦/٧

(٢٨٠١) تقدم تخريجه في كتاب الجهاد، باب التحريض على القتال وقول الله عزوجل: (حرّض المؤمنين=

کتاب الجہاد باب حفر الخندق کے تحت یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قول "على الجهاد ما حيينا أبدا" سے مأخوذ ہے، اس لئے کہ تاحیات جہاد کرتے رہنے کے یہی معنی ہیں کہ وہ جنگ سے ہرگز فرار نہیں ہوں گے (۲۹)۔

۲۸۰۲ : حدَّثنا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ فُضَيْلٍ ، عَنْ عاصِمٍ ، عَنْ أَبِي عُثْمانَ ، عَنْ مُجَاشِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَا وَأَخِي فَقُلْتُ : بَايِعْنَا عَلَى الْهِجْرَةِ ، فَقَالَ : (مَضَتِ الْهِجْرَةُ لِأَهْلِهَا) . فَقُلْتُ : عَلَامَ تُبَايِعُنَا ؟ قالَ : (عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ) . [۲۹۱۳ ، ٤٠٥٤ ، ٤٠٥٥]

مُجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ

یہ مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ بن وہب اسلمی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا نسب مضر بن نزار کے واسطے سے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے، ان کے بھائی کا نام مجالد بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے، ان کی والدہ کا نام مُلَیکۃ بنت سفیان ہے۔

انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو حدیثیں روایت کی ہیں، امام بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی رحمہم اللہ نے ان کی روایات نقل کی ہے۔

= على القتال) (الأنفال. ٦٥)، (رقم: ٢٨٣٤)

(٢٩) عمدة القاري: ٢٢٥/١٤

(٢٨٠٢) أخرجه البخاري في كتاب الجهاد، باب لاهجرة بعد الفتح، (رقم: ٣٠٧٨)، وفي كتاب المغازي، باب بلا ترجمة بعد باب مُقام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمكة زمن الفتح، (رقم: ٤٣٠٥ -٤٣٠٨)، ومسلم في كتاب الإمارة، باب المبايعة بعد فتح مكة على الإسلام والجهاد والخير وبيان معنى "لاهجرة بعد الفتح" (رقم: ١٨٦٣)، ومسند أحمد : ٤٦٨/٣-٤٦٩

ان سے روایات کرنے والوں میں ابوساسان حصین بن منذر رقاشی، عبدالملک بن عمیر، کلاب بن شہاب جَرمی، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے بھتیجے یحییٰ بن اسحاق اور ابوعثمان نہدی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں (۳۰)۔

حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کا گھوڑا

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ گھڑ سواری کے مقابلوں میں شریک ہوا کرتے تھے، ایک باران کے گھوڑے نے پچاس ہزار دینار کی رقم انعام میں حاصل کی (۳۱)۔

حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ واقعۂ جَمل میں شہید ہوئے (۳۲)۔

حدیث کی تشریح

حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضرت! ہمیں ہجرت کرنے پر بیعت کر لیجئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہجرت تو مہاجرین کے ساتھ ختم ہوگئی''، تو میں نے عرض کیا پھر آپ ہم سے کس چیز کی بیعت لیں گے؟

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام اور جہاد کی بیعت......''

وأخي: حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کے بھائی کا نام مُجالد رضی اللہ عنہ اور اُبومعبد کنیت ہے (۳۳)، فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے (۳۴)۔

انہوں نے صرف ایک روایت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کی ہے، جو ابوعثمان نہدی اُن سے روایت کرتے ہیں (۳۵)۔

(۳۰) تهذيب الكمال في اسماء الرجال: ۲۱٤/۲۷

(۳۱) شرح الكرماني: ۲۰۰/۱۲

(۳۲) تقريب التهذيب، ص: ۵۲۰

(۳۳) تهذيب الكمال: ۲۲۷/۲۷

(۳٤) عمدة القاري: ۲۲۵/۱٤

(۳۵) خلاصة الخزرجي، ص: ۳٦۹

عمرو بن علی فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی کسی مستقل روایت کا علم نہیں، البتہ جو روایت ان سے مروی ہے وہ دراصل اپنے بھائی مجاشع کی روایت کی تصدیق ہے (۳۶)۔

ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ کے مطابق حضرت مجالد، حضرت مجاشع سے عمر میں بڑے تھے (۳۷)۔

قصہ گوئی کی مذمت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جب بصرہ میں اسود بن زریع نے قصہ گوئی کی ابتداء کی تو ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا، چنانچہ حضرت مجالد بن مسعود ایک بار قصہ گوئی کی مجلس میں تشریف لائے تو لوگوں نے احتراماً انہیں جگہ دے دی۔

پھر حضرت مجالد نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا، بخدا میں یہاں تمہارے پاس بیٹھنے کے لئے نہیں آیا، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں نے ایک ایسا کام شروع کیا ہے، جسے مسلمان ناپسند کرتے ہیں، میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ ایسے کام سے بچو جس سے مسلمان نفرت کرتے ہوں (۳۸)۔

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ۳۶ھ میں واقعۂ جمل میں شہید ہوئے (۳۹)۔

جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقعہ جمل میں شہید ہونے والے ان کے بھائی مجاشع ہیں، اور مجالد ۴۰ھ تک زندہ رہے (۴۰)۔

عَلامَ

یہ دراصل "علی ما؟" تھا، ما استفہامیہ اور ما خبریہ (موصولہ، تامہ وغیرہ) میں فرق واضح کرنے کے لئے یہاں تخفیف کر کے "علامَ، فیمَ، إلامَ" کہا جاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ما استفہامیہ مجرور ہو تو اس میں تخفیف

(۳۶) تهذيب التهذيب: ۱۰/ ٤٠، ٤١

(۳۷) تهذيب التهذيب: ۱/ ٤١

(۳۸) الإصابة: ۳/ ٣٦٣

(۳۹) الثقات لابن حبان: ٥/ ٤٤٨

(٤٠) تهذيب التهذيب: ١٠/ ٤١، وتقريب التهذيب، ص: ٥٢٠

ضروری ہے جیسے ﴿عَمَّ يتساء لون﴾(٤١)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول "والجهاد" میں ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام کی جہاد کی بیعت اسی مقصد کے لئے ہوتی تھی کہ وہ میدان سے راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے، بلکہ مرتے دم تک لڑتے رہیں گے (۴۲)۔

واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم

١١٠ - باب : عَزْمِ الْإِمامِ عَلَى النَّاسِ فِيما يُطِيقُونَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کے ذریعے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ امام کی اطاعت بقدرِ استطاعت واجب ہے۔ چنانچہ امام کو چاہیے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو حکم دیتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ لوگوں کے لئے وہ حکم قابلِ عمل بھی ہو اور ان کی طاقت سے باہر نہ ہو (۱)۔

٢٨٠٣ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قالَ : قالَ عَبْدُ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : لَقَدْ أَتانِي الْيَوْمَ رَجُلٌ ، فَسَأَلَنِي عَنْ أَمْرٍ ما دَرَيْتُ ما أَرُدُّ عَلَيْهِ ، فَقَالَ : أَرَأَيْتَ رَجُلاً مُؤْدِيًا نَشِيطًا ، يَخْرُجُ مَعَ أُمَرَائِنَا فِي الْمَغَازِي ، فَيَعْزِمُ عَلَيْنَا فِي أَشْيَاءَ لَا نُحْصِيهَا ؟ فَقُلْتُ لَهُ : وَٱللهِ ما أَدْرِي ما أَقُولُ لَكَ ، إِلَّا أَنَّا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَعَسَى أَنْ لَا يَعْزِمَ عَلَيْنَا فِي أَمْرٍ إِلَّا مَرَّةً حَتَّى نَفْعَلَهُ ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَنْ يَزَالَ بِخَيْرٍ ما ٱتَّقَى ٱللهَ ، وَإِذَا شَكَّ فِي نَفْسِهِ شَيْءٌ سَأَلَ رَجُلاً فَشَفَاهُ مِنْهُ ، وَأَوْشَكَ أَنْ لَا تَجِدُوهُ ، وَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ، ما أَذْكُرُ ما غَبَرَ مِنَ ٱلدُّنْيَا إِلَّا كَالثَّغْبِ ، شُرِبَ صَفْوُهُ وَبَقِيَ كَدَرُهُ .

---

(٤١) عمدة القاري: ١٤/٢٢٥

(٤٢) عمدة القاري: ١٤/٢٢٥

(١) عمدة القاري: ١٤/٢٢٦

تراجمِ رجال

۱-عثمان بن ابی شیبہ

یہ عثمان بن محمد بن قاضی ابوشیبۃ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی رحمہ اللہ علیہ ہیں۔

۲-جریر

یہ جریر بن عبدالحمید بن قُرط ضبی رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳-منصور

یہ منصور بن معتمر ابوعتاب سُلمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، مذکورہ بالا تینوں حضرات کے حالات "کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۴-ابووائل

یہ ابووائل شقیق بن سلمۃ اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۵-عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی ہیں، ان کا تذکرہ "كتاب الإيمان، باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکا ہے (۴)۔

حدیث کا مفہوم

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آج میرے پاس ایک شخص آیا، اس نے مجھ سے ایک بات پوچھی، مجھے نہیں معلوم کہ میں اسے کیا جواب دوں؟

---

(۲) كشف الباري: ۳/۲۲۹-۲۳٤

(۳) كشف الباري: ۲/۵۵۹

(٤) دیکھئے: كشف الباري: ۲/۲۵۷

اس نے کہا: اگر کوئی چاق و چوبند اور مسلح شخص ان امراء کے ساتھ جنگوں میں نکلتا ہے اور وہ اسے ایسے کاموں کا حکم دیتے ہوں جو وہ نہ کرسکتا ہو، آپ مجھے بتایئے کیا اس شخص پر ایسے احکامات کی تعمیل ضروری ہے؟ تو میں نے اسے کہا خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں تمہیں کیا جواب دوں...... ہم تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا کرتے تھے، بہت ہی کم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کسی چیز کا حکم دیا کرتے تھے، کبھی کبھار فرماتے تو بھی ایک ہی بار فرماتے اور ہم فوراً اسے بجالاتے تھے۔ یاد رکھو تم لوگوں میں اس وقت تک خیر رہے گی، جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے۔ اور جب تمہارے دل میں کسی چیز کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے (کہ کرنا چاہیے یا نہیں) تو کسی ایسے شخص سے پوچھو جس سے اطمینان ہو جائے، وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ کوئی ایسا آدمی بھی (جو صحیح صحیح مسئلے بتادے) تمہیں نہیں ملے گا، اس ذات کی قسم! جس کے سواء اور کوئی معبود نہیں، جتنی دنیا باقی رہ گئی ہے، وہ وادی کے اس پانی کی طرح ہے جس کا اچھا اور صاف حصہ تو پیا جا چکا ہے اور گدلا پانی رہ گیا ہے۔

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف امام اور اس کے مقرر کردہ والیوں کی اطاعت پر دلالت کرتی ہے اور اس کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔

یہاں سائل کا یہ پوچھنا کہ کیا کوئی ایسی صورت نکل سکتی ہے جس میں گنجائش ہو کہ وہ امیر کی اطاعت نہ کرے جب کہ امراء کی یہ حالت ہو کہ وہ اپنے ماتحتوں کو تکلیف مالا یطاق پر مجبور کرتے ہوں۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ دینے میں احتیاط کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام کی اطاعت بہت اہم ہے۔

ناجائز امور میں امام کی اطاعت کا حکم

ان حالات میں جب کہ مامور حکم بجالانے پر قادر نہ ہو تو اس کا حکم کیا ہے؟ اسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب المغازی میں حدیث آرہی ہے جس میں عبداللہ بن حذافہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے مامورین کو آگ میں کودنے کا حکم دیا تھا (۵)۔

(۵) صحيح البخاري: ٦٢٢/٢، كتاب المغازي، باب سرية عبدالله بن حذافة السهمي (رقم الحديث: ٤٣٤٠)

جب یہ حضرات واپس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے یہ واقعہ سنا تو اس پر نکیر فرمائی اور فرمایا: ﴿لو دخلتموها ماخرجتم منها أبدا، إنما الطاعة في المعروف﴾. ”اگر تم لوگ اس آگ میں کودتے تو کبھی اس سے نہ نکلتے، اطاعت کا حکم تو صرف نیک کاموں میں ہے“۔

نیز فرمان باری تعالیٰ: ﴿لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها﴾(٦) بھی اس بارے میں واضح ہے کہ انسان صرف انہی باتوں کا مکلف ہے جس کی وہ قدرت وطاقت رکھتا ہے(٧)۔

حضرت عبداللہ کے توقف کی وجہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دینے میں اشارے سے کام لیا ہے، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں، ہمیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھار ہی حکم دینے کی ضرورت محسوس فرمایا کرتے تھے، تب ہم فوراً حکم کی تعمیل کرتے اور پہلوتہی نہیں کیا کرتے تھے۔

اس بات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ امیر کی اطاعت کرنی چاہیے لیکن صورت مسئولہ میں کیا کرنا چاہیے؟ اس کی صراحت نہیں ملتی۔ تو آخر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ جواب کیوں نہیں دیا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب امیر ایک لشکر جہاد یا کسی مہم کے لئے تشکیل دے دیتا ہے تو وہ لشکر والے اس مہم کے لئے متعین ہو جاتے ہیں اور وہ ذمہ داری ان کے لئے فرض عین کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ اب اگر سپاہیوں میں سے کوئی یہ شکوہ کرتا ہے کہ امیر ہمیں بے جا احکامات کی تعمیل پر مجبور کرتا ہے تو مفتی کے لئے کوئی ایک رائے اختیار کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اگر مفتی وجوب طاعت کا فتویٰ دیتا ہے تو فسادِ زمانہ کی وجہ سے مسئلہ بن جاتا ہے، کیونکہ اکثر حکمران واقعی ظالم ہی ہوتے ہیں اور اگر عدم وجوب طاعت کا فتویٰ دیا جائے تو یہ بھی باعثِ فتنہ ہے جس کا دل نہ چاہے گا مشکل مہمات میں جانے سے فوراً بہانہ کر دے گا کہ میں اس کا متحمل نہیں ہوں اور یہ مہم میری قدرت سے باہر ہے اور تکلیف مالا یطاق میں امیر کی اطاعت واجب نہیں یوں بہت سارے معاملات خواہشات کے تابع ہو کر کھٹائی میں پڑ جائیں گے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے

(٦) سورة البقرة: ٢٨٦

(٧) شرح ابن بطال: ١٣٢/٥-١٣٣

جواب دینے میں توقف سے کام لیا اور خاص صورتِ مسئولہ کے جواب کے بجائے عمومی جواب دیا کہ اگر امیر کا حکم تقویٰ کے موافق ہو تو اطاعت ضروری ہے (۸)۔

ایک فقہی قاعدہ

اس حدیث شریف سے ایک فقہی قاعدہ بھی مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر کسی مسئلے کے مختلف پہلو ہوں اور کسی ایک پہلو کی ترجیح مشکل ہو تو مفتی کو چاہیے کہ وہ اس مسئلے میں توقف کرے، جیسا کہ یہاں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے توقف سے کام لیا (۹)۔

حدیث کے بعض جملوں کی تشریح

أتاني اليوم رجلٌ

یہ شخص کون تھا؟ اس کی تعین نہیں ہو سکی۔

مادَرَيْتُ ما أَرُدُّ عليه

"میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اسے کیا جواب دوں؟"

دَرَى: دِرايةً ودُرْيَةً: جاننا، از باب رمی کہا جاتا ہے، "لا أدري" میں نہیں جانتا۔

ما أرد عليه: یہ موصولہ ہے، پورا جملہ محل نصب میں مفعول بہ واقع ہو رہا ہے، "دريت" فعل کے لئے (۱۰)۔

رجلا مؤديا: أي ذا أداة للحرب یعنی اسلحہ سے لیس تھا۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے "قويا متمكنا" یعنی طاقت ور اور دشمن پر قابو پانے والے کے بیان کیے ہیں (۱۱)، پہلا مطلب زیادہ واضح ہے اور

(۸) فتح الباري: ۵/۱۲۰، ملخصا، وإرشاد الساري: ۵/۱۲۲

(۹) فتح الباري: ۵/۱۲۰، ملخصا، وإرشاد الساري: ۵/۱۲۲

(۱۰) عمدة القاري: ۱۴/۲۲۶، وفتح الباري: ۶/۱۱۹

(۱۱) شرح الكرماني: ۱۲/۲۰۰

دوسرا تفسیر باللازم ہے، چنانچہ جو اسلحہ سے لیس ہوگا وہ طاقت ور اور قابو پانے والا بھی ہوگا (۱۲)۔ یہ مہموز ہے، اس کا ہمزہ حذف کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ پھر "مُودِیا" سے التباس لازم آتا ہے، جس کے معنی ہلاک ہونے والے کے ہیں (۱۳)۔

يخرج مع أمرائنا

یعنی وہ جنگوں میں ہمارے حاکموں کے ساتھ نکلتا ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ "يخرج مع أمرائه" ہو کیونکہ اس سے قبل فعل "رجلا" مذکور ہے، تو "أمرائه" کی ضمیر "رجلا" کی طرف راجع ہوگی۔

لیکن یہاں "التفات" سے کام لیا گیا ہے، چنانچہ "رجلا" کے معنی "أحدنا" ہے یا "رجلا" کی صفت محذوف ہے، تقدیری عبارت یوں ہے "رجلا منا يخرج مع أمرائنا" (١٤)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں "يخرج مع أمرائنا" وارد ہوا ہے، اس صورت میں یہ التفات عن الغائب إلى المتكلم ہوگا (۱۵)۔

التفات کا مطلب

تین صیغے ہیں، متکلم، مخاطب اور غائب۔

اب بات کرنے والا ان تینوں صیغوں میں سے کسی ایک سے تعبیر کرتے ہوئے، دوسرے صیغے کی طرف خلافِ ظاہر اپنی بات کا رُخ پھیر دے تو اسے "التفات" کہا جائے گا، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وما لي لا أعبد الذي فطرني وإليه ترجعون﴾ (١٦) تو یہاں ماقبل کی مناسبت سے "وإليه أرجع" ہونا چاہیے لیکن خلافِ ظاہر صیغۂ متکلم سے صیغۂ خطاب کی طرف "التفات" کیا گیا ہے، "التفات" علم

(۱۲، ۱۳) فتح الباري: ٦/١١٩

(١٤) شرح الكرماني: ١٢/٢٢٠

(١٥) فتح الباري: ٦/١١٩

(١٦) سورة يس: ٢٢

بدیع کی ایک قسم ہے، جس کا مقصد سامع کو بیدار کرنا ہوتا ہے اور اس میں نشاط پیدا کرنا ہوتا ہے، کیونکہ ایک ہی اسلوب میں بات کرنے سے سامع اُکتا جاتا ہے(۱۷)۔

لانحصیها

اس جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

❶ "لا نطیقها" یعنی ہم اس کی قدرت وطاقت نہیں رکھتے، اس معنی کی تائید فرمانِ باری تعالیٰ "علم أن لن تحصوه"(۱۸) سے بھی ہوتی ہے۔

❷ دوسرے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ ہم یہ تعیین نہیں کر پاتے کہ ایسے امور میں حکمرانوں کی بات ماننا نیکی ہے یا بدی، اس میں ثواب ہے یا گناہ؟

دونوں مطالب کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا مطلب امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب کے مطابق ہے، جس کے الفاظ ہیں "فیما یطیقون". چنانچہ "لانحصیها" کے معنی "لانطیقها" ہوئے۔

اور دوسرا مطلب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول "إذا شك في نفسه شيئ سأل رجلا فشفاه منه" کے موافق ہے، یعنی یہ تقوی کی نشانی ہے کہ جو بات دل کو نہ لگتی ہو اور شک پیدا ہوتا ہو تو اس بات پر اس وقت تک عمل پیرا نہ ہوا جائے جب تک کہ کسی عالم سے پوچھ کر اپنی تسلی نہ کرلے(۱۹)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا مطلب زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے "لا نحصیها" ہی میں ہے(۲۰)۔

إذا شك في نفسه شيئٌ

"شکّ" کے معنی میں یہاں دو احتمال ہیں:

---

(۱۷) تفصیل کے لئے دیکھئے: مختصر المعاني، بحث الالتفات، ص: ۱۵٤، قدیمی

(۱۸) سورة المزمل: ۲۰

(۱۹) فتح الباري: ٦/۱۱۹

(۲۰) عمدة القاري: ۱٤/۲۲٦

❶ شک بمعنی لحقَ ولزِمَ: چپک جانا، چمٹ جانا، لگ جانا کسی چیز کا کسی چیز کے ساتھ (۲۱)۔
اب عبارت کا مطلب ہوگا کہ اگر کوئی چیز اس کے دل کو لگ جائے اور اس کے خیالات سے چمٹ جائے۔

❷ شک یعنی شبہ پیدا ہونا۔ اس احتمال کی صورت میں عبارت میں ''قلب''، یعنی تقدیم وتاخیر ہوئی ہے، چنانچہ اصل عبارت یوں ہے: "إذا شك نفسهُ في شيءٍ" یعنی اگر اس کا دل کسی بات میں شک وشبہ محسوس کرے......'' (۲۲)۔

فشفاه منه

یہ جزاءِ شرط ہے، یعنی اگر دل میں کسی کام کے بارے میں شک پیدا ہوجائے کہ یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں؟ تو اسے چاہیے کہ کسی عالم سے دریافت کرلے جو اس کے شک وتردّد کو دور کرکے اسے مطمئن کردے (۲۳)۔

غَبَرَ

یہ اضداد میں سے ہے۔ الزمان الغابر یعنی وہ زمانہ جو گذر گیا، یا وہ زمانہ جو باقی ہے، دونوں معنوں میں مستعمل ہے (۲۴)۔

اس عبارت میں بھی دونوں معنوں کا احتمال ہے، یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ زمانہ ماضی کی تشبیہ ''ثغب'' سے دے رہے ہیں یا زمانہ باقی کی تشبیہ بیان کررہے ہیں۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ماضی کے معنی کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے "ما أذكر" آیا ہے جس کے معنی ہیں: ''مجھے یاد نہیں پڑتا جو زمانہ گذر گیا ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ پانی جس کا صاف حصہ پیا جاچکا ہے اور گدلا حصہ باقی رہ گیا ہے'' (۲۵)۔

چنانچہ زمانہ سابق کی تشبیہ صاف پانی سے دی گئی ہے اور زمانہ موجودہ کی تشبیہ گدلے پانی سے دی گئی ہے۔

---

(۲۱) تحقیق کے لئے دیکھئے: لسان العرب: ۴۵۲/۱۰، فصل الشين المعجمة

(۲۲) عمدة القاري: ۲۲۶/۱۴

(۲۳) عمدة القاري: ۲۲۶/۱۴

(۲۴) شرح الكرماني: ۲۰۱/۱۲

(۲۵) عمدة القاري: ۲۲۷/۱۴

کالثَغَب: بفتح الثاء المثلثة وسكون الغين المعجمة ويجوز فتحها یعنی غین کو مفتوح پڑھنا بھی جائز ہے، اس کی جمع ثغاب بروزن "کتاب" اور أثغاب بروزن أصحاب آتی ہے اور غین مفتوح ہو تو اس کی جمع ثِغبان وثُغبان بکسر الثاء وضمها دونوں طرح آتی ہے۔

ثَـغَـب: اس تالاب کو کہا جاتا ہے جو پہاڑ کے سایہ میں ہو اور دھوپ کا وہاں گزر نہ ہو اور اس وجہ سے اس کا پانی ٹھنڈا اور صاف وشفاف ہو (۲۶)۔

ذهب صفوه وبقي كدره

یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے باقی ماندہ دنیا کی زندگی کو اس تالاب سے تشبیہ دی ہے جس کا صاف پانی ختم ہو چکا ہے اور گدلا پانی باقی رہ گیا ہے۔

قابلِ غور بات

اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر حضرت عبداللہ کا اندازہ اپنے دور کے بارے میں ایسا تھا جب کہ ان کا انتقال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، اور عظیم فتنوں کے واقع ہونے سے پہلے ہوا ہے تو ہمارے ان زمانوں اور حالات کے بارے میں ان کا کیا اندازہ ہوتا اور ان کی کیا رائے ہوتی......؟؟ (۲۷)۔

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث میں علماء حق کی قلت اور لوگوں کے اس طریقے سے جس پر انہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے، انحراف کا شکوہ کر رہے ہیں (۲۸)۔ اللہ رب العزت ہمارے ساتھ عافیت اور اپنے خصوصی فضل وکرم کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے سے مأخوذ

---

(۲٦) مصباح اللغات، ص: ۹۳، وعمدة القاري: ۱٤/۲۲۷

(۲۷) عمدة القاري: ۱٤/۲۲۷، وفتح الباري: ٦/۱۲۰

(۲۸) شرح ابن بطال: ٥/۱۳۳.

ہے "فیعزم علینا في أشياء لا نحصيها" (۲۹) اور پیچھے ہم بیان کر چکے ہیں کہ "لا نحصيها" کا مطلب یہاں "لا نطيقها" ہے، جیسا کہ ترجمۃ الباب میں بھی "فيما لا يطيقون" استعمال ہوا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

۱۱۱ - باب : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ أَخَّرَ الْقِتَالَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دن کے شروع میں قتال کا آغاز نہیں کر پاتے تھے تو آپ قتال مؤخر کر دیتے تھے، پھر زوالِ آفتاب کے بعد آپ قتال کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں اوقات ٹھیک ہیں، موقع کے مطابق جیسے بھی ہو، چاہے اول نہار ہو، پھر اول نہار میں طلوع صبح صادق کا وقت زیادہ اولیٰ اور افضل ہوتا ہے، کیونکہ یہ دشمن کی غفلت کا وقت ہوتا ہے اور یہ وقت ٹھنڈی ہواؤں کا ہوتا ہے۔ اور اگر کسی عارض کی وجہ سے صبح کے وقت قتال کا آغاز نہ کیا جا سکے، تو زوال کے بعد ابتداء ہونی چاہیے۔ بہر حال! اس معاملے میں وسعت ہے، دونوں وقتوں میں جو مناسب ہو، اس میں قتال شروع کیا جا سکتا ہے۔

زوالِ آفتاب تک قتال کو مؤخر کرنے کی حکمتیں

❶ چونکہ اکثر ہوائیں زوالِ آفتاب کے بعد چلتی ہیں تو لڑنے والا زیادہ تھکن محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی اسے زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے، کیونکہ اس وقت میدان اور اسلحہ کی گرمی سے وہ بچا رہتا ہے اور اس کا بدن چست اور ہلکا ہوتا ہے، یہ صورت حال جنگ میں مفید ہوتی ہے (۱)۔

❷ علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل، آپ کے اس قول کی

(۲۹) عمدة القاري: ۱٤/۲۲٦

(۱) عمدة القاري: ۱٤/۲۲۷، وفتح الباري: ٦/۱۲۰

تفسیر ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امتیازی صفات بیان فرمائی ہیں، ارشادِ نبوی ہے "نُصرتُ بالصبا وأهلكت عاد بالدبور"(۲) یعنی اللہ نے بادِ صبا کے ذریعے میری مدد فرمائی ہے، جب کہ قوم عاد دَبور کی وجہ سے تباہ ہوئی۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک شگونی کے طور پر ان اوقات میں جنگ شروع کرنا پسند فرماتے تھے تاکہ حدیث کے مطابق ہواؤں کے ذریعے ان کی مدد ہو اور دشمن کو شکست ہو(۳)۔ اس بات کی تائید حضرت نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "فقال النعمان: ربما أشهدك مثلها مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم يندّمك ولم يخزِك، ولكني شهدتُ القتال مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، كان إذا لم يقاتل في أول النهار انتظر حتى تهب الأرواح وتحضر الصلوات"(٤).

"نعمان نے کہا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی جنگوں میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی توفیق دی ہے، جس نے تمہیں شرمندہ کیا نہ ذلیل۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قتال میں شریک رہا، (طریقہ یہ تھا) کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر صبح سویرے قتال کا آغاز نہ کرتے، تو (زوالِ شمس تک) انتظار فرماتے، یہاں تک کہ ہوائیں چلنے لگتیں اور نمازوں (ظہر وعصر) کا وقت آپہنچتا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازوں کے اوقات کا بھی انتظار فرمایا کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ اوقاتِ نماز افضل اوقات ہیں جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ لوگ نماز پڑھیں گے تو لشکر کی فتح ونصرت کے لئے بھی دعا کریں گے۔

---

(۲) صحيح البخاري: ١٤١/١، أبواب الاستسقاء، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "نصرت بالصبا"، (رقم الحديث: ١٠٣٥)

(۳) شرح ابن بطال: ١٢٤/٥

(٤) صحيح البخاري: ٤٤٦/١، كتاب الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، (رقم: ٣١٦٠)

٢٨٠٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنْ مُوسٰى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ ٱللهِ ، وَكَانَ كَاتِبًا لَهُ ، قَالَ : كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا فَقَرَأْتُهُ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِي لَقِيَ فِيهَا ، ٱنْتَظَرَ حَتَّى مَالَتِ الشَّمْسُ ، ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ خَطِيبًا قَالَ : (أَيُّهَا النَّاسُ ، لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ ، وَسَلُوا ٱللهَ الْعَافِيَةَ ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَٱصْبِرُوا ، وَٱعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ. ثُمَّ قَالَ : اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ ، وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ ، ٱهْزِمْهُمْ وَٱنْصُرْنَا عَلَيْهِمْ) . [ر : ٢٦٦٣]

تراجمِ رجال

۱-عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن یمان بن اخنس جُعفی بخاری مسندی ہیں، ان کے حالات، کتاب الایمان، باب امورالایمان میں گزر چکے ہیں (۵)۔

۲-معاویہ بن عمرو

یہ ابو عمرو معاویہ بن عمرو بن مہلب ازدی کوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات میں گزر چکے ہیں (٦)۔

۳-ابواسحاق

یہ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن حارث بن اسماء بن خارجہ فزاری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات ذکر ہو چکے ہیں (۷)۔

(٢٨٠٤) قد مرَّ تخريجه في كتاب الجهاد، باب الجنة تحت بارقة السيوف ، (رقم: ٢٨١٨)

(٥) كشف الباري: ١/ ٦٥٧

(٦) دیکھئے: صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف، (رقم: ٧١٩)

(٧) دیکھئے: صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة، (رقم: ٩٤)

۴-موسیٰ بن عقبہ

یہ موسی بن عقبہ اسدی مدنی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۸)۔

۵-سالم

یہ ابوالنصر سالم مدنی تیمی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۹)۔

۶-عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن أبی أوفی علقمہ أسلمي رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے حالات پیچھے بیان ہو چکے ہیں(۱۰)۔

اس روایت سے متعلق تفصیلی بحثیں باب الجنة تحت بارقة السيوف اورباب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة کے تحت گزر چکی ہیں۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے میں ہے: "انتظر حتى مالت الشمس".

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زوالِ شمس کا انتظار فرمایا کرتے تھے(۱۱)۔

واضح رہے کہ یہاں حدیث میں "إذا لم يقاتل أول النهار" کی تصریح نہیں ہے، جب کہ یہ ترجمۃ الباب کا ایک حصہ ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس جملے سے کتاب الجزیہ والی روایت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، جو حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "كان

---

(۸) دیکھئے: صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء، (رقم: ۱۳۹)

(۹) دیکھئے: صحيح البخاري، كتاب الوضوء

(۱۰) كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر.

(۱۱) عمدة القاري: ۱۴/۲۲۷

إذا لم يقاتل أول النهار انتظر حتى تهب الأرواح وتحضر الصلواتُ(۱۲)۔

۱۱۲ - باب اَسْتِئْذَانِ الرَّجُلِ الْإِمامَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو قائم کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ضرورت کے تحت یا کسی مجبوری کی بناء پر امام سے اجازت لے کر جنگ میں شریک نہ ہو یا شرکت کے بعد جلدی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جانا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں (۱)۔

لِقَوْلِهِ : «إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ » . إِلَى آخِرِ الآيَةِ /النور : ٦٢/ .

آگے ہے: ﴿أولئك الذين يؤمنون بالله ورسوله فإذا استأذنوك لبعض شأنهم فأذن لمن شئت منهم واستغفرلهم الله إن الله غفور الرحيم﴾(۲)۔

آیت کا مطلب

''ایمان والے تو وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں تو وہ چلے نہیں جاتے، جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لیں، جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں، وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کی تو دے اجازت جس کو ان میں تو چاہے اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے، اللہ بخشنے والا ہے مہربان''۔

---

(۱۲) فتح الباري: ٦/١٢٠، والرواية في صحيح البخاري في كتاب الجزية، باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، (رقم: ٣١٦٠)

(۱) عمدة القاري: ١٤/٢٢٨

(۲) سوره النور: ٦٢

سببِ نزول

امام مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، جب غزوۂ تبوک سے واپسی کے لئے انہوں نے اجازت طلب کی۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دیتے ہوئے فرمایا: "انطلق، فواللہ ما أنت بمنافق". یعنی جاؤ، بخدا تم منافق نہیں ہو۔ مقصد منافقین کو سنانا تھا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت طلب کی تھی، اجازت دیتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "یا أبا حفص، لا تنسنا في صالح دعائك". یعنی: "اے ابوحفص اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں مت بھولنا" (۳)۔

"أمر جامع" کا مطلب

"أمر جامع" سے مراد وہ کام ہے، جس میں حاکم کو لوگوں کے جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہو، چاہے وہ کوئی عمومی فائدے کا معاملہ ہو یا کوئی دینی مسئلہ ہو یا دشمن کے مقابلے یا ڈرانے کے لئے لوگوں کا اکھٹا کرنا ہو۔ یہ سب صورتیں "أمر جامع" کے معنی کو شامل ہے، اور اس اجتماع کی ضرورت کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ رب العزت کے فرمان میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے: "وشاورهم في الأمر" (٤) یعنی معاملات میں لوگوں سے مشورہ کیجئے۔

چنانچہ جب کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو، جس کا نفع یا نقصان سب لوگوں سے متعلق ہو تو سب کو جمع کر کے مشورہ کرنا چاہیے، اور کسی کو مجلس مشاورت سے بغیر اجازت عذر کے اٹھنا مناسب نہیں، نیز اجازت لے کر جانے سے بدگمانی بھی پیدا نہیں ہوتی۔

---

(۳) تفسیر القرطبي: ۳۲۱/۱۲

(٤) سورة آل عمران: ۱۵۹

امام مکحول اور علامہ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جمعہ اُمر جامع سے ہے(۵)۔

نیز جنگ بھی امر جامع ہے اور ہر وہ کام جو لوگوں کے مل جل کر کرنے کا ہو(٦)۔

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بارے میں قاعدے اور قانون کی حیثیت رکھتی ہے کہ جب حاکم لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات میں مشورے اور دشمن کے دفاع کے لئے جمع کرے تو کوئی شخص حاکم کی اجازت کے بغیر نہ جائے اس لئے کہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

"فإذا استأذ نوك لبعض شأنهم فأذن لمن شئت منهم"(۷)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم اجازت دینے یا منع کر دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ اجازت طلب کرنے والے کے معاملے میں غور کر کے یا تو اجازت دے گا یا منع کر دے گا، اسے دونوں صورتوں کا اختیار ہے۔ کیونکہ اگر لوگوں کو کھلی چھوٹ دے دی جاتی، تو لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے جاتے، جس کی بناء پر امت میں کمزوری پیدا ہوتی، مجمع چھٹ جاتا اور دشمن کو موقع مل جاتا، تو وہ مسلمانوں پر جھپٹ پڑتے اور مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہونچاتے(۸)۔

۲۸۰۵ : حدّثنا إسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ ، عَنِ الْمُغِيرَةِ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قالَ : غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، قالَ : فَتَلَاحَقَ بِيَ النَّبِيُّ ﷺ ، وَأَنَا عَلَى نَاضِحٍ لَنَا قَدْ أَعْيَا ، فَلَا يَكادُ يَسِيرُ ، فَقَالَ لِي : (ما لِبَعِيرِكَ) . قالَ : قُلْتُ : عَيِيَ ، قالَ : فَتَخَلَّفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَزَجَرَهُ وَدَعا لَهُ ، فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْإِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيرُ ، فَقَالَ لِي : (كَيْفَ تَرَى بَعِيرَكَ) . قالَ : قُلْتُ : بِخَيْرٍ ، قَدْ أَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ ، قالَ : (أَفَتَبِيعُنِيهِ) . قالَ : فَاسْتَحْيَيْتُ ، وَلَمْ يَكُنْ لَنَا نَاضِحٌ غَيْرُهُ ، قالَ : فَقُلْتُ : نَعَمْ ، قالَ : (فَبِعْنِيهِ) فَبِعْتُهُ إِيَّاهُ عَلَى أَنَّ لِي فَقَارَ ظَهْرِهِ حَتَّى أَبْلُغَ الْمَدِينَةَ ، قالَ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِنِّي عَرُوسٌ ،

---

(٥) تفسير القرطبي: ٣٢١/١٢

(٦) تفسير الطبري: ١٣٣/١٩

(٧) سورة النور: ٦٢

(٨) شرح ابن بطال: ١٣٥/٥

(٢٨٠٥) قوله: عن جابر ...... "قد مر تخريجه في كتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر، (رقم: ١٨٠١)

فَاسْتَأْذَنْتُهُ فَأَذِنَ لِي ، فَتَقَدَّمْتُ النَّاسَ إِلَى المَدِينَةِ حَتَّى أَتَيْتُ المَدِينَةَ ، فَلَقِيَنِي خالِي ، فَسَأَلَنِي عَنِ الْبَعِيرِ ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعْتُ فِيهِ ، فَلَامَنِي ، قالَ : وَقَدْ كانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قالَ لِي حِينَ اسْتَأْذَنْتُهُ : (هَلْ تَزَوَّجْتَ بكْرًا أَمْ ثَيِّبًا) . فَقُلْتُ : تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا ، فَقَالَ : (هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ) . قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، تُوُفِّيَ وَالِدِي ، أَوِ اسْتُشْهِدَ ، وَلِي أَخَوَاتٌ صِغَارٌ ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ مِثْلَهُنَّ فَلَا تُؤَدِّبُهُنَّ وَلَا تَقُومُ عَلَيْهِنَّ ، فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا لِتَقُومَ عَلَيْهِنَّ وَتُؤَدِّبَهُنَّ ، قالَ : فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ المَدِينَةَ ، غَدَوْتُ عَلَيْهِ بِالْبَعِيرِ ، فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ .

قالَ الْمُغِيرَةُ : هٰذَا فِي قَضَائِنَا حَسَنٌ لَا نَرَى بِهِ بَأْسًا . [ر : ٤٣٢]

تراجمِ رجال

۱-اسحاق بن ابراہیم

یہ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی ہیں، ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم کے تحت گزر چکا ہے(۹)۔

۲-جریر

یہ جریر بن عبدالحمید قرطضی رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی کتاب العلم کے تحت گزر چکے ہیں(۱۰)۔

۳-مغیرہ

یہ مغیرہ بن مِقْسَم اَبوھشام ضبی کوفی رحمہ اللہ ہیں،ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۱۱)۔

۴-شعبی

یہ ابوعمرو عامر بن شراحیل شعبی کوفی رحمہ اللہ ہیں،ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، باب المسلم من

---

(۹) دیکھئے كشف الباري، كتاب العلم:۳/: ۳۷

(۱۰) دیکھئے:كشف الباري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة: ۳/ ۲۳

(۱۱) دیکھئے:كتاب الصوم، باب صوم يوم وإفطار يوم، (رقم: ۱۹۷۸)

سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکا ہے(۱۲)۔

۵-جابر بن عبداللہ

یہ جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے مفصل حالات پیچھے گزر چکے ہیں(۱۳)۔

الفاظِ حدیث کی تشریح

ناضح: وہ اونٹ جو پانی لانے لے جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے(۱۴)۔

فِقَار ظهره: فاء کے زیر کے ساتھ، پیٹھ پشت کے مہروں کو کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدینے تک اس فروخت کردہ اونٹ پر سفر کرنے کی اجازت طلب کی (۱۵)۔

عَيِيَ: ابوذر اور کشمیہنی کے نسخہ میں "أعيي" ہے(۱۶)۔ دونوں کے معنی تھکاوٹ، درماندگی اور عاجزی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے وہ اونٹ چلنے سے عاجز تھا اور تھک چکا تھا(۱۷)۔

عَرُوس: شادی شدہ، یہ لفظ مرد اور عورت دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے رجل عَروس وامرأة عَروس، البتہ مذکر کی جمع "عُرُسٌ" ہے اور مؤنث کی جمع "عَرَائِسُ" ہے(۱۸)۔

فلامني: یعنی میرے ماموں نے اونٹ کو فروخت کردینے پر مجھے ملامت کی۔

---

(۱۲) دیکھئے: كشف الباري: ۱/۶۷۹

(۱۳) دیکھئے: كتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم الوضوء على المغمى عليه

(۱٤) مختار الصحاح مادة: نضح

(۱٥) عمدة القاري: ۱٤/۲۲۹

(۱٦) إرشاد الساري: ٥/۱۲٤

(۱۷) عمدة القاري: ۱٤/۲۲۹

(۱۸) مختار الصحاح، مادة ع ر س

اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس یہی ایک اونٹ تھا۔اس توجیہ کی تائید حضرت جابر کے قول سے بھی ہوتی ہے:"فاستحیت، ولم یکن لنا ناضح غیره"(۱۹)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دو ماموں تھے:۱-ثعلبہ بن عنمہ بن عدی۔۲-عمرو بن عنمہ رضی اللہ عنہما۔

ملامت کرنے والے ثعلبہ تھے(۲۰)۔

حدیث سے مستنبط فائدہ

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی نئی نئی شادی ہوئی ہو، یا اس کا دل گھر اور اپنے بال بچوں میں اٹکا ہوا ہو، تو اس کے لئے جلدی واپسی کی اجازت لینے میں کوئی حرج نہیں(۲۱)۔

ایک نحوی مسئلہ

علامہ ابن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہمزۂ استفہام کے بعد "أم متصلة" لانا جائز ہے، ویسے ہی "هل" کے بعد بھی "أم متصلہ" لانا جائز ہے، وہ الفاظِ حدیث "هل تزوجت بكرا أم ثيبا" سے استدلال واستشہاد کرتے ہیں۔

اس لئے کہ شادی کے بارے میں تو آپ کو معلوم تھا لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باکرہ یا ثیبہ کی تعیین کے بارے میں دریافت فرمارہے تھے اور یہی مقصد ہمزہ استفہام کے بعد أم لانے کا ہوتا ہے جو کہ "أم متصلہ" کہلاتا ہے۔

چنانچہ "هل" کے بعد بھی "أم متصله" لانا ٹھیک ہے، اس لئے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی کلامِ عرب میں استشہاد کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱۹) إرشاد الساري: ۱۲٤/٥

(۲۰) راجع للتفصيل إرشاد الساري: ۱۲٤/٥

(۲۱) شرح ابن بطال: ۱۳٥/٥

لیکن یہ ابن مالک رحمہ اللہ کا تفرد ہے، جمہور اس رائے میں ان کے مخالف ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ یہ "أم منقطعة" بھی ہوسکتی ہے، "متصلة" ہونا کوئی ضروری نہیں اور جب کسی مسئلے میں تاویل کی گنجائش ہو تو جمہور کے مذہب کو چھوڑ کر تفرد اختیار کرنا مناسب نہیں۔

اب تقدیر عبارت یوں ہوگی: "هل تزوجت بكرا أم أتزوجت ثيبا". گویا یہاں "أم" کے بعد دوبارہ استفہام ہے تو "ثيبا" فعل محذوف "تزوجت" کا مفعول بہ ہے۔ تو اب ہر جملہ مستقل ہوگا اور "أم" منقطعہ ہوگا (۲۲)۔

قال المغيرة: "هذا في قضائنا حسن، لانرى به بأسا".

یہ عبارت مذکورہ سند کے ساتھ مغیرہ سے موصول ہے، یہ مغیرہ بن مِقسم کوفی ہیں، کوفہ کے اہم فقہاء میں ان کا شمار ہوتا تھا (۲۳)۔

عبارت کا مقصد

اس عبارت سے حضرت مغیرہ رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ بیع میں ایسی معلوم شرط لگانا جو جھگڑے کا باعث نہ ہو، اور اس میں دھوکہ نہ ہو، درست ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں، جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ بیچنے کے لئے مدینے تک اس اونٹ پر سفر کرنے کی شرط لگائی تھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے قبول بھی فرمالیا تھا (۲۴)۔

اس حدیث کی مفصل تشریح اور مسئلہ "اشتراط في البيع" کی تحقیق کتاب الشروط میں گذر چکی ہے (۲۵)۔

---

(۲۲) إرشاد الساري: ٥/١٢٤-١٢٥، نیز دیکھئے: مغني اللبيب: ١/٨٩-١٠٠

(۲۳) فتح الباري: ٦/١٢٢

(۲٤) عمدة القاري: ١٤/٢٢٩، وفتح الباري: ٦/١٢٢

(۲٥) صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب إذا اشترط البائع ظهر الدابة إلى مكان مسمى جاز، (رقم: ٢٧١٨)

١١٣ – باب : مَنْ غَزَا وَهُوَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسِهِ .

فِيهِ جابِرٌ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٢٨٠٥]

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں ایک حکم بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ جس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

❶ ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک آدمی کی رخصتی ہونے والی ہے اور وہ جہاد میں جانا چاہتا ہے، اگر وہ اس رخصتی کے لئے ٹھہر جائے اور دو چار روز اپنی بیوی کے پاس رہ کر پھر جہاد میں جائے تو اس کے نفس میں ایک اطمینان ہوگا اور اگر وہ رخصتی چھوڑ کر چلا جائے تو طبیعت میں ہیجان اور انتشار ہوگا۔ اس لئے رخصتی سے پہلے جب کہ شادی بالکل قریب ہو، جہاد میں نہیں جانا چاہیے، مناسب یہی ہے، لیکن اگر چلا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کی نئی نئی شادی ہوئی ہے اور وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ چند دن گزار چکا ہے اور مزید رہنے کی خواہش ہے۔ لیکن جہاد کی اہمیت کے پیش نظر وہ اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر معرکہ کی طرف چلا جاتا ہے، یہ بہت اچھا ہے(۱)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی نئی نویلی شادی ہوئی تھی اور آپ کچھ وقت گھر میں گزار کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں چلے گئے تھے۔

بعرسه

اس کو دو طرح پڑھا گیا ہے: ۱-بضم العین یعنی شادی کا زمانہ قریب ہو اور رخصتی ہونے والی ہو۔ ۲-بکسر العین یعنی بیوی کے ساتھ کچھ وقت گزار چکا ہو۔ کشمیہنی کے نسخہ میں "بعرس" بغیر اضافت کے آیا ہے، اس سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے، یعنی رخصتی کا زمانہ قریب ہو(۲)۔

فيه جابر عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

اس سے مراد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت ہے، جو ابھی باب سابق میں گزری ہے، روایت

---

(۱) فتح الباري: ٦/١٢٢؛ وعمدة القاري: ١٤/٢٢٩

(۲) حوالۂ بالا

میں ہے:"يا رسول الله، إني عَروس"(۳)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت باب سابق کی روایت کے اس جملے میں ہے:"يا رسول الله، إني عروس" مزید توضیح کتاب النکاح کی روایت (۴) سے ہوتی ہے، جس کے الفاظ ہیں:"فقال مايعجلك؟ قلت: كنت حديث عهد بعرس"(۵)۔ یعنی ''رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جابر تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟ میں نے کہا میری نئی شادی ہوئی ہے''۔

۱۱٤ – باب : مَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ بَعْدَ الْبِنَاءِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر کوئی شخص جہاد میں جانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے دل کو مکمل طور پر جہاد کے لئے فارغ کرلے پھر پوری تندہی اور نشاط کے ساتھ اپنے کام کی طرف توجہ کرے اور اسی میں لگا رہے۔

چنانچہ اگر کسی کی نئی نئی شادی ہوئی ہے تو وہ چند دن اپنی بیوی کے ساتھ گزارے اور پھر جہاد کا سفر کرے کیونکہ جب کسی کا نکاح ہوجاتا ہے تو اس کا دل اپنی منکوحہ کے ساتھ لگا رہتا ہے لیکن اگر بیوی کے ساتھ کچھ وقت گزار کر جائے تو ذہنی انتشار بھی نہیں ہوگا اور غم بھی ہلکا ہوجائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے نماز کے وقت کھانا سامنے موجود ہو اور بھوک بھی خوب لگی ہو تو پہلے کھانا کھانا زیادہ مناسب ہے، ورنہ اگر نماز پڑھنا شروع کردی تو پوری نماز کھانے کے خیالات کی نذر ہوجائے گی، اور یکسوئی حاصل نہیں ہوگی (۱)۔

فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ۲۹٥٦]

---

(۳) تغليق التعليق: ۳/ ٤٥٠، وفتح الباري: ٦/ ۱۲۲

(٤) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب تزويج الثياب، (رقم: ٥٠٧٩)

(٥) فتح الباري: ٦/ ۱۲۲

(۱) فتح الباري: ٦/ ۱۲۲

اس عبارت سے امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الخمس میں آنے والی روایت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، جس کے الفاظ ہیں:"غزا نبي من الأنبياء، فقال لقومه لا يتبعني رجل مَلَكَ بُضعَ امرأة، وهو يريد أن يبني بها ولمّا يبْنِ بها"(۲) یعنی ایک نبی علیہ السلام جب جنگ کے لئے جا رہے تھے تو انہوں نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ جس کی نئی شادی ہوئی ہو اور اس نے سہاگ رات نہ گزاری ہو اور اس کا دل چاہتا ہو کہ وہ چند دن اپنی بیوی کے ساتھ گزارے تو ایسا آدمی میرے ساتھ نہ آئے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت پر اشکال اور اس کا جواب

پہلی بات: علامہ داؤدی رحمہ اللہ کو یہاں ایک اشکال پیش آیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں تو "اختيار بناء بالزوجة قبل الغزو" کا ذکر ہے اور ترجمہ قائم کیا گیا "اختار الغزو قبل البناء" کا۔ چنانچہ حدیث اور ترجمۃ الباب میں انطباق نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ اس اعتراض کا منشأ ترجمۃ الباب میں تحریف ہے، جو علامہ داؤدی کے نسخے میں موجود ہے کیونکہ ترجمۃ الباب باب من اختار الغزو بعد البناء ہے اور علامہ داؤدی کے نسخے میں باب من اختار الغزو قبل البناء ہے جو کہ محرَّف ہے۔

دوسرا جواب تسلیمی ہے، یعنی اگر علامہ داؤدی کے اعتراض کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں استفہام مقدر ہے، تقدیری عبارت یوں ہوگی: ماحُکم من اختار الغزو قبل البناء؟ آیا مذکورہ حدیث شریف کے مطابق نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے جہاد میں جانا جائز ہے یا ناجائز؟

چنانچہ ابھی باب سابق میں گذرا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، دونوں صورتوں میں جائز ہیں، البتہ مناسب یہ ہے کہ رخصتی کرا کے چند روز گزار کے جائے تا کہ جہاد میں دلجمعی اور یکسوئی حاصل ہو۔ حدیث باب کا

(۲) صحيح البخاري، كتاب فرض الخمس، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "أحلت لكم الغنائم" (رقم: ۳۱۲٤) وكذا في كتاب النكاح، باب من أحب البناء بعد الغزو، (رقم: ٥١٥٧)

تنبيه: وما في تغليق التعليق تحت هذا الباب (۳/٤٥١) وفي هدي الساري (ص:٤٧) أن الحديث أسندهُ المؤلف في كتاب الأنبياء فليس بصواب، فإن هذا الحديث المشار إليه لايوجد في كتاب الأنبياء. والله اعلم.

بھی، یہی محمل اور مطلب ہے کہ افضل اور اولیٰ صورت یہی ہے کہ رخصتی کرا کے جائے (۳)۔

روایت ذکر نہ کرنے کی وجہ

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے "فیہ أبوهريرة" فرما کر روایت کی طرف اشارہ تو کر دیا ہے لیکن روایت ذکر نہیں کی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ روایت ان کی شرائط پر پوری نہ اُترتی ہو(۴)۔

واضح رہے کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی یہ بات ٹھیک نہیں ہے، اس لئے کہ یہ روایت موصولاً آگے کتاب الخمس میں آرہی ہے اور یہ بات طے ہے کہ اگر یہ روایت ان کی شرط کے موافق نہیں ہے تو وہ اس روایت کو اپنی "صحیح" میں نقل نہ فرماتے کیونکہ شرائط کی رعایت پوری کتاب میں ضروری ہوتی ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ امام صاحب کی غالب عادت یہی ہے کہ اگر ایک حدیث کی سند دونوں جگہوں میں مشترک ہو تو اکثر تکرار سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اختصار یا اشارہ وغیرہ سے کام لیتے ہوئے کسی ایک جگہ ذکر کرتے ہیں (۵)۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ یہ سوال وجواب گزشتہ باب میں بھی ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ روایت تو وہاں بھی ذکر نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں ابواب میں ایک واضح فرق ہے وہ یہ کہ گزشتہ باب میں گزری ہوئی روایت کی طرف اشارہ ہو رہا تھا جب کہ اس باب میں آنے والی روایت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے، روایت میں ہے: "لا يتبعني رجل مَلَكَ بضعَ امرأة، وهو يريد أن يبني بها ولما يبن بها". اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ غزوہ میں "بناء" کے بعد جانا چاہیے۔

---

(۳) فتح الباري: ٦/١٢٢، وعمدة القاري: ١٤/٢٢٩

(٤) شرح الكرماني: ١٢/٢٠٤

(٥) فتح الباري: ٦/١٢٣

تنبیہ

اس حدیث شریف کی مزید وضاحت آگے کتاب الخمس، باب قول النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم : "أحلت لکم الغنائم" کے تحت آرہی ہے۔

۱۱۵ – باب : مُبَادَرَةِ الْإِمامِ عِنْدَ الْفَزَعِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ خوف کی حالت میں نہایت تیزی کے ساتھ جا کر حالات کا جائزہ لینا امام کے لئے مناسب ہوگا اور حالات سے باخبر ہونا ضروری ہوگا تا کہ خطرات کے مقابلے کے لئے قبل از وقت منصوبہ بندی کی جاسکے(۱)۔

۲۸۰٦ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ شُعْبَةَ : حَدَّثَنِي قَتَادَةُ ، عَنْ أَنَس بْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : كانَ بِالْمَدِينَةِ فَزَعٌ ، فَرَكِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ ، فَقَالَ : (ما رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا) . [ر : ۲٤٨٤]

تراجم رجال

۱-مسدد

یہ مسدد بن مسرهد اسدی ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۲)۔

۲-یحییٰ

یہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں، ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۲۲۹/۱٤

(۲۸۰٦) قد مرّ تخريجه في كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس

(۲) كشف الباري : ۲/۲

(۳) كشف الباري : ۲/۲

۳-شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج عتکی ازدی ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۴)۔

۴-قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ بن قتادہ سدوسی بصری ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۵)۔

۵-انس رضی اللہ عنہ

یہ حضرت انس بن مالک خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات "باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت گزر چکے ہیں(٦)۔

یہ حدیث متعدد مرتبہ گزر چکی ہے، یہاں بعض اُمور کا ذکر ہوگا۔

فزع: فزع کے اصل معنی خوف کے ہیں اور یہاں لازمِ معنی مراد ہیں یعنی مدد و نصرت جب کوئی خوفزدہ اور دہشت حادثہ ہو جائے (٧)۔

فرسا لأبي طلحة: اس گھوڑے کا نام "مَندوب" تھا، جیسا کہ روایت میں اس کی تصریح آئی ہے: "يقال له: المندوب"(٨). اور ابوطلحہ حضرت انس کے سوتیلے باپ ہیں ان کا نام زید بن سہل انصاری ہے(۹)۔

وإن وجدناه لبحرا: یہ "إن" مخففہ ہے اور "بحر" میں لام تاکید کے لئے ہے(۱۰)۔

---

(٤) كشف الباري: ٦٧٨/١

(٥) كشف الباري: ٣/٢

(٦) حوالۂ بالا، ص: ٤

(٧) النهاية لابن الاثير: ٤٤٣/٣

(٨) صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرق (رقم: ٢٦٢٧)

(٩) عمدة القاري: ٢٣٠/١٤

(١٠) عمدة القاري: ٢٣٠/١٤

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت معنیٰ حدیث سے مأخوذ ہے کہ جس وقت خوف ودہشت محسوس ہوئی تو امام الانبیاء جناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوراً حالات کا جائزہ لینے باہر نکل پڑے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مبادرت اور سبقت سے کام لیا(۱۱)۔

۱۱۶ – باب : السُّرْعَةِ وَالرَّكْضِ فِي الْفَزَعِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب کا مقصد پچھلے باب سے ملتا جلتا ہے، البتہ اس ترجمہ میں اس بات کی وضاحت ہورہی ہے کہ امام کو سواری کا بندوبست کرکے جلد از جلد گھوڑے کو ایڑ لگا کر یا گاڑی کی رفتار بڑھا کر، جائے حادثہ پر پہنچ کر حالات کا تجزیہ کرکے مناسب اقدامات کرنے چاہیئے (۱)۔

۲۸۰۷ : حدّثنا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ : حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : فَزِعَ النَّاسُ ، فَرَكِبَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ بَطِيئًا ، ثُمَّ خَرَجَ يَرْكُضُ وَحْدَهُ ، فَرَكِبَ النَّاسُ يَرْكُضُونَ خَلْفَهُ ، فَقَالَ : (لَمْ تُرَاعُوا ، إِنَّهُ لَبَحْرٌ) . فَمَا سُبِقَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ . [ر : ۲٤٨٤]

تراجم رجال

۱۔ فضل بن سہل

یہ حافظ فضل بن سہل الأعرج أبو العباس بغدادی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں (۲)۔

---

(۱۱) عمدة القاري: ۱٤/۲۳۰

(۱) عمدة القاري: ۱٤/۲۳۰

(۲۸۰۷) قد مرّ تخريجه في كتاب الهبة، باب من استعار من الناس الفرس، (رقم: ۲٦۲۷)

(۲) دیکھئے: كتاب الأذان، باب إذا لم يتم الإمام وأتم من خلفه، (رقم: ٦٩٤)

۲- حسین بن محمد المعلم

یہ حسین بن محمد بہرام تمیمی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الجہاد ہی میں پیچھے گزر چکا ہے(۳)۔

۳- جریر بن حازم

یہ ابوالنضر جریر بن حازم بن زید بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۴)۔

۴- محمد بن سیرین

یہ مشہور تابعی، تعبیر رؤیا کے امام شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن سیرین انصاری بصری ہیں۔ ان کے مفصل حالات كتاب الإيمان، باب اتباع الجنائز من الإيمان کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

۵- انس بن مالک

حضرت انس خادم رسول انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان میں گزر چکے ہیں(٦)۔

يَرْكُضُ وَحْدَهُ

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تن تنہا گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

ركض ركضا کے معنی ہیں: دوڑنا، پاؤں سے مارنا(۷)، جیسے قرآن کریم میں ہے: ﴿اركض برجلك﴾(۸) ركض الفرس: گھوڑے کو ایڑ لگانا۔

لم تراعوا

"لم" یہاں "ناهية" کے معنی میں ہے، یعنی تم ڈرائے نہ جاؤ۔

---

(٣) كتاب الجهاد والسير، باب من أتاه سهم غرب فقتله، (رقم: ٢٨٠٩)

(٤) كتاب الصلوة، باب الخوخة والممرّ في المسجد، (رقم: ٤٦٦)

(٥) كشف الباري: ٢/٥٢٤

(٦) كشف الباري: ٢/٤

(٧) النهاية: ٢/٢٥٩

(٨) سورة صٓ: ٤٢

ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب سے حدیث شریف کی مطابقت "ثم خرج یرکض وحدہ" میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوراً گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے، تیزی کے ساتھ جائے خوف کی طرف نکل پڑے، اور جلدی کا یہ عالم تھا کہ تن تنہا روانہ ہوگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے آئے۔

باب الخروج في الفزع وحده

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ ضرورت پڑے تو امام وحاکم کو تن تنہا بھی دہشت وخوف کے حالات میں باہر آکر حالات وواقعات کی چھان بین کرنی چاہیے، جیسا کہ جناب امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

باب کے تحت حدیث ذکر نہ کرنے کی وجہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت کوئی روایت یا اثر نقل نہیں کیا۔ چنانچہ اس کی مختلف توجیہات علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہیں۔

1. شاید کوئی روایت ان کو اپنی شرط کے موافق نہ ملی ہو۔
2. یا ہوسکتا ہے کہ ترجمہ قائم کرکے کوئی حدیث ذکر کرنا چاہتے تھے، لیکن موقع نہیں ملا۔
3. یا ماقبل کی حدیث کو کافی خیال کیا ہو، کیونکہ اس کے الفاظ "ثم خرج یرکض وحدہ" سے ترجمۃ الباب کا اثبات واضح ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دوسری توجیہ کو راجح قرار دیا ہے(۲)۔

نیز علامہ قسطلانی رحمہ اللہ، حافظ رحمہ اللہ کی متابعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری

(۱) شرح الكرماني: ۱۲/ ۱۵۲

(۲) فتح الباري: ۶/ ۱۲۳

رحمہ اللہ حدیثِ انس کے کسی اور طریق کو یہاں ذکر فرمانا چاہتے تھے، لیکن انہیں موقع نہ ملا (۳)۔

حدیث سے مستنبط فوائد

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاصل ان احادیث کا یہ ہے کہ امام اپنے آپ کو بلاوجہ خطرات میں نہ ڈالے، بلکہ اپنی جان کو قیمتی سمجھے، اس لئے کہ اسی کے دم سے نظامِ حکومت قائم وموجود ہے اور مسلمان ایک پرچم تلے جمع ہیں، ہاں یہ کہ حاکم بہت طاقت ور اور بے نیاز طبیعت کا مالک ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقینی طور پر جانتے تھے کہ اللہ رب العزت ان کی حفاظت اور تائید فرمائیں گے اور ان کو اپنی نصرت سے محروم نہیں فرمائیں گے (۴)، تو ایسے نڈر، بہادر اور مردِ میدان کے لئے ایسے خطرات میں تن تنہا کود پڑنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ دوسرے لوگ بھی امام کی اتباع کرتے ہوئے اپنی جانوں کی بازی لگادیں (۵)۔

لیکن ہر کوئی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی مردانہ صفات کا حامل کیسے ہوسکتا ہے، اس لئے امیر کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو خطرات میں نہ ڈالے، کیونکہ اس سے امیر کو نقصان ہوسکتا ہے جس کی بناء پر امت کا شیرازہ بکھرنے کا خدشہ اور اندیشہ ہے۔

۱۱۷ – باب : الْجَعَائِلِ وَالْحُمْلَانِ فِي السَّبِيلِ .

وَقَالَ مُجَاهِدٌ : قُلْتُ لِٱبْنِ عُمَرَ : الْغَزْوَ ، قَالَ : إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُعِينَكَ بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِي ، قُلْتُ : أَوْسَعَ ٱللّٰهُ عَلَيَّ ، قَالَ : إِنَّ غِنَاكَ لَكَ ، وَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَكُونَ مِنْ مَالِي فِي هٰذَا الْوَجْهِ .

[ر : ٤٠٥٦]

جعائل اور حملان کے معنی

جعائل: یہ جعيلة یا جِعـالة (بالحركات الثلث) کی جمع ہے، جَعْلٌ بفتح الجیم مصدر اور بالضم اسم ہے، کہا جاتا ہے وذلك جَعلا وجُعلا یعنی میں نے تمہاری کسی بات یا کام کی یہ اجرت اور مزدوری دی۔

---

(۳) إرشاد الساري: ١٢٦/٥

(٤) كما في قوله تعالىٰ: ﴿والله يعصمك من الناس﴾ (سورة المائدة: ٦٧)

(٥) شرح ابن بطال: ١٣٦/٥

اور شرعاً اس مال کو کہا جاتا ہے، جو مجاہد فی سبیل اللہ کو بطور زادِراہ کے دیا جائے تاکہ وہ اپنے کام کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکے(٦)۔

حُملان: یہ مصدر ہے۔ حَملٌ کی طرح، گویا حَمَل یحمل کے دو مصادر ہیں: الحمل والحُملان(٧)۔

السبیل: اس سے مراد جہاد ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں اپنا مال تطوعاً بنیت ثواب خرچ کرنا چاہتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا، یا جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ دیگر اسباب وآلاتِ جہاد کے ذریعے مجاہد کی مدد کرنا چاہتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑا دے کر مجاہد کو سواری مہیا فرمائی، تو یہ بہت ہی مستحسن عمل ہے اور قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ اور یہ وہ جعل نہیں جو مختلف فیہ ہے(٨)۔

جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ترجمۃ الباب کا ایک اور مقصد بیان فرماتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ امام صاحب دراصل یہاں ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ غازی جو زادراہ اور خرچ لیتا ہے، کیا وہ اس سفرِ خرچ کا جہاد کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے حتی کہ وہ جہاد کے سوا کہیں اور اس مال کو خرچ نہیں کر سکے، یا وہ اس مال کا مالک ہو جاتا ہے اور جہاں جی چاہے وہ اس مال کو خرچ کر سکتا ہے(٩)۔

دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجاہد کو جو پیسے زادِراہ کے طور پر دیئے جاتے ہیں یہ بصورت اباحت ہے، یا بصورت تملیک؟ اس مسئلے کی تفصیل آگے "باب إذا حمل علی فرس فرآھا تباع" کے

(٦) المغرب: ١/١٤٨ (جعل) وعمدة القاري: ١٤/٢٣٠

(٧) النهاية: ١/٤٤٢ (حمل)

(٨) شرح ابن بطال: ٥/١٣٧

(٩) فتح الباري: ٦/١٢٤

تحت آرہی ہے۔

مسئلہ جُعل کی تفصیل

جعل کی دوصورتیں ہیں:

❶ کوئی شخص خودتو جہاد میں نہیں جارہالیکن جانے والے مجاہد کے ساتھ تعاون کررہاہے، اسے سفرخرچ دے رہاہےاورسواری مہیا کررہاہے، تو یہ عمل اورصورت مستحسن ہے۔

❷ نام توتشکیل میں اس کا آیاہےلیکن وہ اپنی جان جی چراتے ہوئے کسی اورکو اپنے بدلے بھیج دیتاہےاور اپنی طرف سے مزدوری اورسواری بھی دیتاہے، تواس مسئلے میں اختلاف ہے۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے نزدیک اگررضاکارہوتووہ جہادکسی اورکے بدلے میں جعل یعنی مزدوری لےکرکرےتو یہ مکروہ ہےاوراگرتنخواہ دارہواوروہ اپنے بدلےکسی اورکوجعل دےکربھیج دےتواس میں کوئی قباحت نہیں، اس لئے کہ مقصدتوسرحدات کی نگرانی اورحفاظت ہےاوروہ اس صورت میں بھی پوری ہورہی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل تعاملِ اہلِ مدینہ ہے(۱۰)۔

حنفیہ کا مذہب

اگربیت المال میں مجاہدین کے لئے زادِراہ کی گنجائش ہوتولوگوں سے جعل لینامکروہ ہے، اس لئے کہ بیت المال کا مقصد ناگہانی آفات اورمسلمانوں پرپڑنے والی مشکلات کا سدباب کرناہےاورمجاہدین اس عظیم مقصدکوبخوبی انجام دیتے ہیں اس لئے وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں لیکن اگربیت المال میں گنجائش نہ ہوتو مسلمانوں کوچاہیے کہ وہ مجاہدین کوزادِراہ اورسواریاں فراہم کریں، واضح رہے کہ یہ تعاون کی ایک شکل ہے، نہ کہ

(۱۰) شرح صحيح البخاري لابن بطال: ۱۳۷/۵، والمدونة الكبرىٰ: ۲/ ٤۲

بدلے کی (۱۱)۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "لأنہ یشبہ الأجر......" یعنی جہاد کے لئے جعل لینا یہ اجر کے مشابہ ہے (۱۲)، اور طاعات پر حقیقتاً اجرت لینا حرام ہے اور جو اجرت کے مشابہ ہو، مکروہ ہے۔ مکروہ سے یہاں مکروہ تحریمی مراد ہے (۱۳)۔

شافعیہ کا مذہب

امام شافعی جہاد کے لئے جعل لینے کو بالکل ناجائز قرار دیتے ہیں، البتہ حاکم وقت سے اگر مجاہد جعل لیتا ہو تو اس کی گنجائش ہے، اس لئے کہ وہ حاکم کے ساتھ تعاون کررہا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے، جو کرتا ہے وہ خود اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے تو کسی اور سے اس کی مزدوری اور معاوضہ کا وہ مستحق نہ ہوگا نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "کان القاعد یمنح الغازي، فأما أن یبیع الرجل غزوہ، فلا أدري ماھو؟" (١٤) "قاعد غازی کو ہدیہ دیا کرتا تھا، تاہم ایک شخص اگر اپنے غزوہ کو (شریک نہ ہونے کی بناء پر) فروخت کرتا ہے، تو اس کا حکم مجھے معلوم نہیں"۔

وقال مجاهد: قلتُ لا بن عمر: الغزو

الغزو یہاں منصوب ہے تقدیری عبارت ہے "أرید الغزوَ".

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک دوسرا احتمال بھی ذکر کیا ہے، یعنی یہ منصوب علی الإغراء ہے (۱۵)۔ اور تقدیری عبارت ہے: "علیك الغزو" (١٦)۔

---

(١١) شرح ابن بطال: ١٣٧/٥، وفتح القدیر: ١٩٤/٥

(١٢) الهدایة: ٥٥٩/٢

(١٣) ردالمحتار: ٢٤٣/٣

(١٤) شرح ابن بطال: ١٣٧/٥

(١٥) الإغراء: هو تنبیه المخاطب علی أمر محبوب لیفعله، مثل: "الزکاةَ الزکاةَ" وانظر للبسط موسوعة النحو والصرف: مادة: "الاغراء"، ص: ١٢١، وجمع الجوامع للسیوطی، ص: ١٧٠

(١٦) فتح الباري: ١٢٤/٦

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال غلط ہے، اس سے معنی میں فساد لازم آتا ہے کیونکہ مجاہد رحمہ اللہ خود اپنے بارے میں اطلاع دے رہے ہیں کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں نہ کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ترغیب دے رہے ہیں کہ وہ جہاد میں جائیں، اس کی تائید ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول سے ہوتی ہے "إني أحب أن أعينك بطائفة من مالي" یعنی میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اپنے مال کے ذریعے (۱۷)۔ اور "اغراء" تو دوسرے کو ترغیب دینے کو کہتے ہیں۔

کشمیہنی کے نسخہ میں "أنغزو" بالنون استفہام کے ساتھ آیا ہے (۱۸)۔

إن غناك لك، وإني أحبّ أن يكون من مالي في هذا الوجه

مطلب یہ ہے کہ مالدار ہے تو اپنے لئے ہے، میری خواہش ہے کہ میرا کچھ مال جہاد کی راہ میں خرچ ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر کوئی آدمی بنیت ثواب کسی مجاہد کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہے یا سواری فراہم کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (۱۹) اور یہ اس جعل اور مزدوری کے زمرے میں نہیں آتا جو مختلف فیہ ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

یہ اثر یہاں تعلیقاً نقل ہوئی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثر کے معنی کو كتاب المغازي، باب غزوة الفتح میں موصولاً نقل کیا ہے (۲۰)۔

وَقَالَ عُمَرُ : إِنَّ نَاسًا يَأْخُذُونَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ لِيُجَاهِدُوا ، ثُمَّ لَا يُجَاهِدُونَ ، فَمَنْ فَعَلَهُ فَنَحْنُ أَحَقُّ بِمَالِهِ حَتَّى نَأْخُذَ مِنْهُ ما أَخَذَ .

---

(۱۷) عمدة القاري: ۲۳۱/۱٤

(۱۸) عمدة القاري: ۲۳۱/۱٤

(۱۹) عمدة القاري: ۲۳۱/۱٤

(۲۰) فتح الباري: ٦/١٥٤، قديمي

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہؒ نے "مصنف" (۲۱) اور امام بخاری رحمہ اللہ نے "التاریخ الکبیر" میں موصولاً ذکر کیا ہے (۲۲)۔

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وهو إسناد صحيح" (۲۳).

عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے مستنبط فوائد

❶ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بیت المال سے کسی کام کے لئے پیسے لئے ہیں اور وہ اس کام کو پورا نہیں کرتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ بیت المال کے پیسے واپس کرے۔

❷ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیت المال سے کسی ذمہ داری کی تنخواہ لیتا ہے حالانکہ وہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے قابل ہی نہیں تو اس سے وہ تنخواہ لے لی جائے گی اور وہ اس مال کا مستحق نہ ہوگا (۲۴)۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ بیت المال کے مال کا اصل حکم تو مسلمانوں کے لئے اباحت ہے، تو یہ مذکورہ دونوں صورتوں میں لئے ہوئے مال کو واپس کرنے کا کیا مطلب؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بیت المال سے مال حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں:

❶ ایک یہ کہ وہ مسلمان ہے اور اسی حیثیت سے وہ مال کا مطالبہ کرتا ہے۔ تو ضابطے کے مطابق اسے اس کا حصہ ضرور ملے گا۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کی اجرت وہ لے رہا ہے، تو اس صورت میں اپنا کام اور ذمہ

---

(۲۱) انظر: المصنف: ٦/٤٥١، كتاب السير، باب ماقالوا في الرجل يأخذ المال للجهاد ولايخرج، (رقم: ٣٢٨١٦)

(۲۲) التاريخ الكبير: ٦/٣٦٤، ترجمة (رقم: ٢٦٥١)، وتغليق التعليق: ٣/٣٥٢

(۲۳) فتح الباري: ٦/١٤؛

(۲٤) عمدة القاري: ١٤/٢٣١ نقلاً عن ابن المنير

داری پوری کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ بیت المال کے مال کا مستحق نہیں ہوگا (۲۵)۔

وَقَالَ طَاوُسٌ وَمُجَاهِدٌ : إِذَا دُفِعَ إِلَيْكَ شَيْءٌ تَخْرُجُ بِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، فَاصْنَعْ بِهِ ما شِئْتَ ، وَضَعْهُ عِنْدَ أَهْلِكَ .

حضرت طاؤس اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں جہاد کے لئے کوئی چیز دی جائے تو اس کے ساتھ جو چاہو، کرو (یہاں تک کہ) اپنے گھر والوں کے پاس بھی اسے رکھ سکتے ہو۔

حضرت طاؤس اور مجاہد کا قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جہاد کے لئے کچھ لینے کو ناپسند نہیں کرتے۔ چنانچہ اگر کسی مجاہد کو مال دیا جائے تو وہ اسے ضروریات اور متعلقاتِ جہاد میں جیسے چاہے خرچ کر سکتا ہے، خواہ وہ گھر والوں کے لئے نان ونفقہ پر خرچ کرتا ہو، کیونکہ ان کی ضروریات کا خیال رکھنا بھی مجاہد کے جہاد سے متعلق ہے، تاکہ وہ اپنے بال بچوں کی طرف سے مطمئن ہو" (۲۶)۔

حضرت سعید بن مسیب، امام لیث اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے (۲۷)، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اثر مؤطا مالک میں نقل کیا گیا ہے: "إذا بلغت وادي القرى، فشأنك به" یعنی جب وادی قری پہنچ جاؤ (چاہے جنگ ہو یا نہ ہو) اس مال میں جیسا تصرف چاہو کرو (۲۸)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو مال مجاہد کو دیا جاتا ہے اگر وہ مقامِ معرکہ تک چلا جائے، چاہے معرکہ ہوا ہو یا اس کی نوبت نہ آئی ہو، دونوں صورتوں میں وہ مال مجاہد کا ہے وہ ہر طرح کا تصرف اس میں کر سکتا ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول حضرت طاؤس اور مجاہد رحمہما اللہ کے خلاف منقول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "أنفقها في الكراع والسلاح" کہ مال کو سواری اور اسلحہ کے مد میں خرچ کرو اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "أنفقها في سبيل الله" نیز امام ابراہیم نخعی

---

(۲۵) المتواري لابن المنير، ص: ۱٦۲

(۲٦) عمدة القاري: ۱٤/۱۳۱

(۲۷) فتح الباري: /٤-۱۲٥

(۲۸) المؤطأ للإمام مالك

رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ جہاد میں مال لینے سے دینا زیادہ پسند کرتے تھے (۲۹)۔

اس مسئلے کی باعتبارِ مذاہب تفصیل اور جزئیات "باب إذا حمل علی فرس، فرآسا ها تباع" کے تحت آرہی ہے۔

۲۸۰۸ : حدَّثنا الحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قالَ : سَمِعْتُ مالِكَ بْنَ أَنَسٍ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ ، فَقَالَ زَيْدٌ : سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ : قالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ ، فَرَأَيْتُهُ يُبَاعُ ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ : آشْتَرِيهِ ؟ فَقَالَ : (لَا تَشْتَرِهِ ، وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ) . [ر : ١٤١٩]

تراجم رجال

۱-الحمیدی

یہ ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۳۰)۔

۲-سفیان

یہ سفیان بن عیینہ بن میمون ابومحمد کوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۳۱)۔

۳-مالک

یہ مشہور امام مالک بن انس بن مالک مدنی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ بھی گزر چکا ہے (۳۲)۔

۴-زید بن اسلم

یہ ابواسامہ زید بن اسلم قرشی مدنی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے (۳۳)۔

---

(۲۹) شرح ابن بطال: ۱۳۸/۵

(۲۸۰۸) تقدم تخريجه في كتاب الزكوة، باب هل يشتري صدقته؟ (رقم: ۱٤۹۰)

(۳۰) كشف الباري: ۲۳۷/۱

(۳۱) كشف الباري: ۲۳۸/۱

(۳۲) كشف الباري: ۲۹۰/۱

(۳۳) كشف الباري: ۲۰۳/۲

۵-اسلم رضی اللہ عنہ

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خادم خاص اور مولی اسلم عدوی مخضرمی رضی اللہ عنہ ہیں (۳۴)۔

۶-عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

یہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات ''بدء الوحی'' میں آچکے ہیں (۳۵)۔

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو گھوڑا اس مجاہد کو دیا تھا وہ از قبیل حملان تھا، وہ وقف نہیں تھا اس لئے کہ اگر وہ گھوڑا وقف کا ہوتا تو اسے فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، اس بات کی تائید جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے: "لا تعد في صدقتك".

یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ گھوڑا ''حُملان'' یعنی بطور صدقہ دیا گیا تھا۔ وہ وقف یا سرکاری گھوڑا نہ تھا (۳۶)۔

۲۸۰۹ : حدّثنا إسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، فَوَجَدَهُ يُبَاعُ ، فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ ، فَسَأَلَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : (لَا تَبْتَعْهُ ، وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ) . [ر : ۱٤۱۸]

تراجم رجال

۱-اسماعیل

یہ ابو عبداللہ اسماعیل بن ابی اویس مدنی ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کے بھانجے ہیں ان کے حالات کتاب

---

(٣٤) ان کے تذکرہ کے لئے دیکھئے کتاب الزکوة، باب هل يشتري صدقة، (رقم: ١٤٩٠)

(٣٥) كشف الباري: ٢٣٩/١

(٣٦) شرح ابن بطال: ١٣٨/٥، وعمدة القاري: ٢٣٢/١٤

(٢٨٠٩) تقدم تخريجه في كتاب الزكوة، باب هل يشتري صدقته، (رقم: ١٤٩٠)

الایمان میں گزر چکے ہیں (۳۷)۔

۲-مالک

یہ امام دارالہجرۃ حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ ہیں (۳۸)۔

۳-نافع

یہ ابوسہیل حضرت نافع بن مالک مدنی رحمہ اللہ ہیں، کتاب الایمان میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۳۹)۔

۴-عبداللہ بن عمر

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۴۰)۔

۵-عمر بن الخطاب

یہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں (۴۱)۔

پہلی والی روایت اور اس روایت میں صرف رواۃ کا معمولی سا فرق ہے۔

يُباح: یہ ترکیب میں وجد کے لئے مفعول ثانی واقع ہو رہا ہے۔

أن يبتاعه، لا تبتعه: باب افتعال سے اس کے معنی لفظ "شراء" کے آتے ہیں (۴۲)۔

٢٨١٠ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ يَحْيَىٰ بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي ما تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ ، وَلٰكِنْ لَا أَجِدُ حَمُولَةً ، وَلَا أَجِدُ ما أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ ، وَيَشُقُّ عَلَيَّ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي ، وَلَوَدِدْتُ أَنِّي قَاتَلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقُتِلْتُ ، ثُمَّ أُحْيِيتُ ثُمَّ قُتِلْتُ ، ثُمَّ أُحْيِيتُ) . [ر : ٢٦٤٤]

---

(٣٧) كشف الباري: ١١٣/٢

(٣٨) كشف الباري: ٢٩٠/١

(٣٩) كشف الباري: ٢٧١/٢

(٤٠) كشف الباري: ٦٣٧/١

(٤١) كشف الباري: ٢٣٩/١

(٤٢) عمدة القاري: ٢٣٢/١٤

(٢٨١٠) تقدم تخريجه في كشف الباري: ٣٠٥/٢

ولكن لا أجد حمولة ولا أجد ما أحملهم عليه

علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں جملوں کے علیحدہ علیحدہ مراد متعین کرنا ضروری ہے تا کہ تکرار لازم نہ آئے۔

انہوں نے دو احتمالات ذکر کیے ہیں:

١ ایک تو یہ ہے کہ پہلے جملے "ولكن لا أجد حمولة" سے وہ سواری مراد ہے جو ذاتی ملکیت میں ہو تو مطلب یہ ہوگا "میرے پاس اپنی کوئی ذاتی سواری (زائد) نہیں ہوتی ورنہ مجاہد کو وہی دے دیتا"۔

دوسرے جملے "ما أحملهم" سے وہ سواری مراد ہے جو ملکیت اور سبب مثلاً عاریت وغیرہ میں حاصل کی جائے یعنی "عاریت میں بھی کسی سے سواری نہیں مل پائی ورنہ وہی دے دیتا"۔

٢ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلے جملے سے مراد نفسِ حمولہ یعنی سواری کا حصول ہے دوسرے جملے سے مراد وہ وسائل ہیں جن کے ذریعے سواری خریدی جاسکتی ہو، جیسے سونا، روپیہ پیسہ وغیرہ۔ یعنی نہ ہی سواری موجود ہے اور نہ ہی وسائل دستیاب ہیں (۴۴)۔

نکتہ

یہی روایت کتاب الایمان کے اوائل میں بھی آئی ہے جس میں یہ تمنائے شہادت "قتلت" پر ختم ہوتی ہے، اور یہاں اس روایت میں "أحييت" پر ختم ہوتی ہے۔ علامہ کرمانیؒ نے یہاں ایک نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس روایت کے آخر میں "أقتل" وارد ہوا ہے، اس میں اصل حقیقی سعادت کے سبق کو ذکر کیا گیا ہے کہ حقیقتاً سعادت حاصل ہونے کا ذریعہ شہادت ہے، اور جس روایت میں "أُحيا" یا "أحييتُ" کا لفظ وارد ہوا ہے، اس میں واقع اور حقیقت کا ذکر ہے کہ دنیا کی حیات اور موت کے بعد آخر میں آنے والی چیز حیات ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو آخر میں زندہ کریں گے اور وہ زندگانی ابدی ہوگی۔ اب حاصل یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے بار بار شہادت اور پھر حیات کے حصول کی تمنا کی، گویا کہ آپ یہ آرزو فرمارہے ہیں کہ مجھے شہادت ملے، پھر زندگی ملے، دوبارہ شہادت ملے اور پھر زندگی حاصل ہو، حتی کہ آخرت میں جو حیات مجھے حاصل ہو، وہ شہادت کے بعد ہی حاصل ہو۔ واللہ اعلم (۴۵)۔

---

(٤٤) لامع الدراري: ٧/٢٦٠

(٤٥) شرح الكرماني: ١٢/٢٠٧ .

۱۱۸ - باب : ما قِيلَ في لِوَاءِ النَّبِيِّ ﷺ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے لواء کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ مذکورہ روایات میں "لواء" اور "رایہ" دونوں کا ذکر آیا ہے، غالباً امام صاحب لواء، رایة اور عَلَم میں فرق نہیں کرتے اور لغوی حضرات بھی ان کلمات کو مترادفات میں شمار کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "اللواء: بكسر اللام والمدهي الراية ويسمى أيضا العلم"(۱)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ "لواء" اور "راية" میں فرق کے قائل ہیں، چنانچہ انہوں نے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ باب قائم کیا ہے۔ باب الألوية کا ترجمہ قائم کر کے انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی۔ "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دخل مكة ولواء ه أبيض"(۲)۔ اور پھر باب فی الرايات کا ترجمہ قائم کر کے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی کہ "أن راية رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كانت سوداء مُربَّعة من نمرة"(۳)۔

اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مزید فرق واضح کیا کہ "كانت رايته سوداء ولواء ه أبيض"(٤)۔ قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں کہ "لواء" اس جھنڈے کو کہا جاتا ہے جو نیزے پر باندھ کر لپیٹ لیا جاتا ہے اور "رایہ" وہ جھنڈا کہلاتا ہے جو باندھ کر بلند کیا جاتا ہے اور وہ ہوا میں لہراتا رہتا ہے(۵)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رایہ بڑا جھنڈا ہے اور لواء چھوٹا جھنڈا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ رایہ وہ ہے جو سپہ سالار کے ساتھ ہوتا ہے اور لواء وہ ہے جو فوجی دستوں کے ساتھ رہتا ہے اور بعض نے اس کا عکس کہا ہے(٦)۔

بہر حال اگر دونوں کو علیحدہ مانا جائے تو کہا جائے گا کہ باوجود الگ الگ ہونے کے جھنڈے تو دونوں ہی

---

(١) فتح الباري: ١٢٦/٦

(٢) الجامع للترمذي: ١/٢٩٧، أبواب الجهاد، باب ماجاء فى الألوية، (رقم: ١٦٧٩)

(٣) الجامع للترمذي: ١/٢٩٧، أبواب الجهاد، باب فى الرايات، (رقم: ١٦٨٠)

(٤) حوالۂ بالا (رقم: ١٦٨١)

(٥) فتح الباري: ١٢٦/٦

(٦) فتح الباري: ١٢٦/٦

ہیں اور دونوں بطورِ علامت اور شعار ہی کے استعمال ہوتے ہیں، ہاں چھوٹے بڑے کا فرق ہوسکتا ہے اور مواقعِ استعمال کے اعتبار سے بھی فرق ہوسکتا ہے (۷)۔

اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے لواء کا ترجمہ قائم کرکے اگر رایہ اور لواء دونوں کی راویتیں ذکر کردیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۸۱۱ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قالَ : أَخْبَرَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي ثَعْلَبَةُ بْنُ أَبِي مالِكٍ الْقُرَظِيُّ : أَنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ الْأَنْصارِيَّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، وَكانَ صَاحِبَ لِوَاءِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، أَرادَ الحَجَّ فَرَجَّلَ .

تراجمِ رجال

۱-سعید بن ابی مریم

سعید بن حکم بن محمد ابو محمد ابن ابی مریم مصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم میں گزر چکے ہیں (۸)۔

۲-لیث بن سعد

یہ لیث بن سعد رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۹)۔

۳-عقیل

یہ عقیل بن خالد بن عقیل رحمہ اللہ ہیں، کتاب العلم میں انکے حالات آچکے ہیں (۱۰)۔

۴-ابن شہاب

یہ مشہور محدث ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات گزر چکے ہیں (۱۱)۔

---

(۷) عمدة القاري: ۱٤/۲۳۲

(۲۸۱۱) أخرجه الإسماعيلي نقلا عن فتح الباري: ٦/۱۲۷، وعمدة القاري: ۱٤/۱۳۳

(۸) كتاب العلم: ٤/ باب من سمع شيئاً فراجع حتى يعرفه

(۹) كشف الباري: ۱/۳۲٤

(۱۰) كشف الباري: ۳/

(۱۱) كشف الباري: ۱/۳۲٦

۵-ثعلبۃ بن ابی مالک قرظی

ان کے حالات کتاب الجہاد میں گزر چکے ہیں (۱۲)۔

۶-قیس بن سعد بن عبادہ

یہ صحابیٔ رسول حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات کتاب الجنائز میں گزر چکے ہیں (۱۳)۔

مقصدِ حدیث

اس روایت کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد صرف اس جملے کو ذکر کرنا ہے کہ حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم بردار اور جھنڈا تھامنے والے ہوا کرتے تھے، اور یہاں "لواء" کا ذکر آیا ہے۔

أن قيس بن سعد......

یہ اسم "أنّ" ہے، اور "أراد الحج فرجّل" جملہ خبر "أنّ" ہے اور "وكان صاحب لواء......" جملہ معترضہ ہے (۱۴)۔

مکمل روایت یوں ہے: "فرجّل أحد شقي رأسه فقام غلام له فقلّد هديه فنظر قيس فإذا هديه قد قُلّد، فأهلّ بالحج ولم يرجّل شق رأسه الآخر" (۱۵)۔

یعنی "قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کے ایک حصہ کا کنگھا کیا، ان کا ایک غلام تھا اور ان کی ھدی کو قلادہ باندھا گیا۔ جب قیس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی ھدی کو قلادہ باندھا گیا ہے فوراً حج کا تلبیہ پڑھا، اپنے سر کے دوسرے حصے کا کنگھا نہیں کیا"۔

---

(۱۲) باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزو.

(۱۳) باب من قام لجنازة يهودي

(۱٤) عمدة القاري: ۱٤/۲۳۳

(۱٥) ارشاد الساري: ٥/۱۲۸

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا پورا اثر نقل کرنے کے بجائے اس کے ایک تھوڑے سے حصہ پر اکتفا کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اثر صحابی پر موقوف ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ علیہ عام طور پر اپنی کتاب میں مرفوع احادیث لاتے ہیں۔

البتہ یہاں "کان صاحب لواء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم" کے اس حصہ کو مرفوع کہیں گے، کیونکہ "لواء" کا عطا کرنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی جانب سے ہوگا (١٦)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس اثر کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے کیونکہ یہاں "لواء" کا ذکر صراحۃً موجود ہے (١٧)۔

٢٨١٢ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا حاتِمُ بْنُ إِسْماعِيلَ ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ ، عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : كانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ في خَيْبَرَ ، وَكانَ بِهِ رَمَدٌ ، فَقالَ : أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمَّا كانَ مَساءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا في صَبَاحِهَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ - أَوْ قالَ : لَيَأْخُذَنَّ - غَدًا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ ، أَوْ قالَ : يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ ، يَفْتَحُ اللهُ عَلَيْهِ) . فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَما نَرْجُوهُ ، فَقَالُوا : هٰذَا عَلِيٌّ ، فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ ، فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ .

[٣٤٩٩ ، ٣٩٧٢]

تراجم رجال

١- قتیبہ

یہ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ ہیں۔ کتاب الایمان میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (١٨)۔

---

(١٦) شرح القسطلاني: ١٢٨/٥

(١٧) عمدة القاري: ٢٣٣/١٤

(٢٨١٢) الحديث أخرجه البخاري في كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومسلم في باب من فضائل علي أبي طالب رضى الله عنه، (رقم: ٦٢٢٤)

(١٨) كشف الباري: ١٨٩/٢

۲-حاتم بن اسماعیل

یہ حاتم بن اسماعیل کوفی مدنی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۱۹)۔

۳-یزید بن أبی عبید

ان کے حالات کتاب العلم میں گزر چکے ہیں(۲۰)۔

۴-سلمہ بن اکوع

یہ معروف صحابی رسول حضرت سلمہ بن أکوع رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم میں پہلے گزر چکے ہیں(۲۱)۔

۵-علی بن ابی طالب

یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم کے تحت مفصلاً گزر چکے ہیں(۲۲)۔

اس حدیث کی تشریح کتاب الجہاد میں باب دعاء النبي عليه السلام الإسلام والنبوة میں گزر چکی ہے(۲۳)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "لأعطين الراية......" سے مستفاد ہے(۲۴)، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ "راية" اور "لــــواء" میں فرق نہیں کرتے، جیسا کہ واضح ہے کہ امام صاحب نے

---

(۱۹) كتاب الوضوء، باب بلا ترجمه قبل باب مَن مضمض واستنشق من غرفة واحدة

(۲۰) كشف الباري: ٤/١٨٢

(۲۱) كشف الباري: ٤/١٨٣

(۲۲) كشف الباري: ٤/٤٠٩

(۲۳) رقم الحديث: ٢٩٤٢

(٢٤) عمدة القاري: ١٤/٢٣٣، والقسطلاني: ٥/١٢٨

باب تو "لــــواء" کے عنوان سے قائم کیا ہے لیکن روایت "رایة" والی نقل فرمائی ہے۔ گویا کہ وہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی طرح دونوں میں امتیاز نہیں کرتے، یہی بات اگلی روایت کے بارے میں کہی جائے گی۔ نیز یہی روایت مسند احمد میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل ہوئی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "إني دافع اللواء إلى رجل يحبه الله ورسوله" (٢٥)، یہ روایت بھی اس پر دلالت کررہی ہے کہ "لواء" اور "رایہ" دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے (٢٦)۔

فائدہ

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ امام کو چاہیے کہ لشکر پر ایسے شخص کو امیر بنائے، جس کی طاقت وقوت، بصیرت و دانشمندی اور سمجھداری پر اعتماد کیا جاسکتا ہو (٢٧)۔

٢٨١٣ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ : سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ يَقُولُ لِلزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : هَا هُنَا أَمَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تَرْكُزَ الرَّايَةَ . [٤٠٣٠]

تراجم رجال

۱۔ محمد بن علاء

یہ محمد بن علاء ابوکریب ہمدانی کوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم میں گزر چکے ہیں (٢٨)۔

---

(٢٥) فتح الباري: ١٥٧/٦، قديمي

(٢٦) فتح الباري: ١٢٧/٦

(٢٧) حوالۂ بالا

(٢٨١٣) أخرجه ابخاري في كتاب المغازي، باب أين ركز النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الراية يوم الفتح

(٢٨) كشف الباري: ٣٥٧/٣

۲-ابواسامة

یہ ابواسامہ حماد بن اُسامہ بن زید قرشی کوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۲۹)۔

۳-هشام بن عروه

یہ عروہ بن زبیر بن عوام رحمہ اللہ کے صاحبزادے ہیں۔

۴-عن أبيه

یہ حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ ہیں، ان دونوں حضرات کا ذکر ''بدء الوحی'' میں گزر چکا ہے(۳۰)۔

۵-نافع بن جبیر

یہ نافع بن جبیر مطعم رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ ''کتاب الوضوء'' میں گزر چکا ہے(۳۱)۔

حدیث کا مفہوم

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مقام حجون میں پوچھتے ہوئے سنا کہ ''کیا یہی ہے وہ جگہ جہاں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہیں جھنڈا گاڑنے کا حکم دیا تھا؟'' تو حضرت زبیر نے فرمایا: ''جی ہاں''۔

کتاب المغازی میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ آ رہی ہے(۳۲)۔

فائدہ

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ زبیر اس بات پر دلالت ہے کہ جھنڈا امام کی اجازت اور حکم

(۲۹) كشف الباري: ۳/٤١٤

(۳۰) كشف الباري. ۱/۱۱

(۳۱) باب الرجل يوضّئ صاحبه، (رقم ۱۸۲)

(۳۲) كشف الباري ، ص: ۸۰۵ ؛ كتاب المغازي

کے بغیر نہیں گاڑا جاسکتا اس لئے کہ وہ جھنڈا امام اور اس کے حکم کی نشاندہی کرتا ہے، تو ایسے اہم معاملے میں امام کی اجازت اور حکم کے بغیر جھنڈا لگانا مناسب نہ ہوگا۔

اس بات کی دلیل کہ جھنڈا گاڑنے میں بھی امام کی اجازت ضروری ہے، وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد جھنڈا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور وہ شہید ہوگئے پھر حضرت خالد بن ولید نے ''بغیر اجازت اور حکم'' کے جھنڈا تھام لیا، اللہ نے ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

"أخذ الراية زيد فأصيب، ثم أخذها خالد من غير إمرة ففتح له"(۳۳)۔

تو یہ روایت اس بات پر نص صریح کا درجہ رکھتی ہے کہ علم اور جھنڈا تھامنے کی ذمہ داری خود امام کی ہے اور اسے مکمل اختیار ہے، جھنڈا جسے چاہے تھمائے اور وہ علم برداری کی جسے چاہے اجازت دے سکتا ہے (۳۴)۔

نیز ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگوں میں جھنڈوں کا استعمال نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے، جس کی اتباع کرنی چاہیے (۳۵)۔

۱۱۹ – باب : الْأَجِيرِ .

وَقَالَ الحَسَنُ وَٱبْنُ سِيرِينَ : يُقْسَمُ لِلْأَجِيرِ مِنَ الْمَغْنَمِ . وَأَخَذَ عَطِيَّةُ بْنُ قَيْسٍ فَرَسًا عَلَى النِّصْفِ ، فَبَلَغَ سَهْمُ الْفَرَسِ أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ ، فَأَخَذَ مِائَتَيْنِ ، وَأَعْطَى صَاحِبَهُ مِائَتَيْنِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہ باب قائم کرکے امام بخاری رحمہ اللہ ایک حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ "أجير في الغزو" کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ (۱)

"أجير في الغزو" کی دو حالتیں ہیں:

---

(۳۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: كشف الباري، ص: ٤٨١، كتاب المغازي، باب غزوة مؤته من أرض الشام .

(٣٤) شرح ابن بطال: ١٤١/٥

(٣٥) شرح ابن بطال: ١٤٠/٥

(١) عمدة القاري: ٢٣٤/١٤

❶ یاتوأجیر للخدمة ہوگا۔ ❷ یاأجیر للقتال ہوگا۔

اجیرِ خدمت کاحکم

اجیرِ خدمت وہ ہوتا ہے جوکسی مجاہد کی ذاتی خدمت کے لئے یا اس کے گھوڑے وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے ساتھ لے لیا جاتا ہے، یہ بالاتفاق جائز ہے لیکن مالِ غنیمت میں سے اسے حصہ ملے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اجیر خدمت کو سہم نہیں ملے گا، صرف اجرت ملے گی کیونکہ وہ قتال کے ارادہ سے نہیں گیا۔ البتہ اگر اس نے خدمت چھوڑ کر قتال میں شرکت کی تو وہ بھی لشکر میں سے شمار ہوگا اور اسے سہمِ غنیمت ملے گا بصورتِ دیگر وہ مالِ غنیمت کا ہرگز مستحق نہیں ہوگا کیونکہ اس کے قتال میں شریک نہ ہونے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ قتال کے ارادہ سے نہیں آیا (۲)۔

امام مالک (۳)، ابن المنذر، لیث بن سعد، سفیان ثوری رحمہم اللہ سے حنفیہ کے موافق قول منقول ہے (۴)۔

امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں:

ایک روایت تو حنفیہ کے موافق ہے جب کہ دوسری روایت کے مطابق اجیرِ خدمت کو سہمِ غنیمت مطلقاً نہیں ملے گا۔ امام اوزاعی اور اسحاق رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ ذاتی خدمت کے لئے مقرر اجیر کو غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا (۵)۔

اجیر قتال کاحکم

حنفیہ کے نزدیک اجیر قتال کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا، مزدوری نہیں ملے گی۔

---

(۲) بدائع الصنائع: ۱۲۶/۷، کتاب السیر، مطلب في بیان من ینتفع بالغنائم

(۳) المدونة الکبری: ۲۳/۲، باب سهمان النساء والتجار والعبید

(٤) المغني: ۲٤٤/۹، الفصل (رقم: ۷٦۰۰)، کتاب الجهاد، حکم ما لو استأجر الأمیر قوما یغزون مع المسلمین وحکم الأجیر للخدمة.

(٥) حوالة بالا

امام محمد رحمہ اللہ نے ''سیر کبیر'' میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بدلے میں قتال کے لئے جائے تو اسے مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ یہ طاعات میں سے ہے جس کا اجر اللہ دے گا اور جو شخص طاعات پر عمل کرتا ہے تو وہ جناب باری تعالیٰ میں تقرب حاصل کرتا ہے اور اپنے نفع وفائدہ کے لئے عمل کرتا ہے تو اس کی مزدوری دوسرے انسان پر کیسے ہوگی؟

اسی طرح مالِ غنیمت حاصل ہونے کی صورت میں اسی شخص کو حصہ ملے گا جو کہ قتال میں شریک ہوا ہو نہ کہ اس شخص کو جو اسے مزدوری اور اجرت پر قتال کے لئے لے کر آیا......(٦)۔

حنفیہ کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت "الغنيمة لمن شهد الوقعة" ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میدانِ جنگ میں موجود ہو اور قتال میں بھی شریک ہوا ہو تو اسے مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا(۷)۔

شوافع کا بھی یہی مذہب ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان، آزاد، بالغ اگر صفِ قتال میں موجود ہو تو اسے سہمِ غنیمت ملے گا کیونکہ اس پر جہاد فرض ہے جس کی اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا ہاں اگر وہ غلام ہو، نابالغ ہو، یا کافر ہو تو مزدوری اور اجرت کا استحقاق ہوگا(۸)۔

نقل مذہب میں حافظ ابن حجر کا تسامح

یہاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے حنفیہ کا مذہب نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے، حنفیہ کا مذہب اس مسئلے میں شوافع کے موافق ہے(۹)۔

مالکیہ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ اجیر للقتال کو صرف اس کی اجرت ملے گی۔ ان حضرات کا استدلال حدیثِ باب سے ہے جس میں حضرت یعلی بن امیر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص کو تین دینار پر اجیر بنانے کا ذکر موجود

(٦) السير الكبير: ٢/١٦٦، نقلا عن إعلاء السنن: ١٢/٢٢٣

(٧) راجع للتفصيل: اعلاء السنن: ١٢/١٣٨، ٢٢٥

(٨) فتح الباري: ٦/١٢٥

(٩) تفصیل کے لئے: اعلاء السنن: ١٢/٢٢٣

ہے اور یہ کہ اس شخص کو تین دینار ہی دیئے گئے (۱۰)۔

حنفیہ ایسی روایات جن میں اُجرت دیئے جانے کا ذکر ہے، اسے "اجیر للخدمۃ" پر محمول کرتے ہیں (۱۱)۔

قال الحسن وابن سيرين: يقسم للأجير من المغنم

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو مصنف عبدالرزاق میں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں موصولاً ذکر کیا گیا ہے (۱۲)۔

وأخذ عطية بن قيس فرسا على النصف، فبلغ سهم الفرس أربعمأة دينار، فأخذ مائتين، وأعطى صاحبه مائتين.

عطیہ بن قیس

یہ جلیل القدر تابعی اور مجاہد عطیہ بن قیس کلاعی یا کلابی ابو یحیی حمصی دمشقی ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں ۷ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علومِ قرآن میں دسترس ام درداء رضی اللہ عنہا سے حاصل کی، ام دردا رضی اللہ عنہا قرآن کی عالمہ تھیں، انہوں نے قرآن کریم کی تعلیم اپنے شوہر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے حاصل کی۔ عطیہ بن قیس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی فوج کے قاری تھے، وہ لوگوں کو علومِ قرآن سکھاتے اور لوگ اپنے پاس لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخوں کی اصلاح ان سے کرواتے تھے، وہ تلاوت کرتے اور لوگ اصلاح کرتے، انہوں نے قسطنطنیہ کے جہاد میں بھی شرکت فرمائی، جس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ عطیہ رحمہ اللہ کی مجلس میں دنیا کی باتوں کا کوئی گزر نہیں تھا اور نہ ہی ہم اس

(۱۰) المغني: ۹/۲٤٤، مسألة (رقم: ۷۵۹۹)، حكم مال استأجر الإمام قوما يغزون مع المسلمين.

(۱۱) انظر اعلاء السنن: ۱۲/۲۲٤

(۱۲) مصنف عبدالرزاق: ۵/۲۲۹، كتاب الجهاد، باب هل يسهم للأجير (رقم: ۹٤۵٦)، وتغليق التعليق: ۳/٤۵٦

کی امید رکھتے تھے کہ دنیاوی باتوں کا تذکرہ ان کی محفل میں چھیڑا جائے۔

انہوں نے حضرت ابی بن کعب، عبداللہ بن عمرو، ابن عمر، نعمان بن بشیر معاویہ بن سفیان اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کی ہے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے سعد، ابوبکر بن ابی مریم، عبداللہ بن علاء بن زبیر، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر وغیرہ ہیں۔

حضرت عطیہ کی وفات ایک سو چار سال کی عمر ۱۰۴ھ میں ہوئی، ایک قول ۱۲۱ھ کا بھی منقول ہے (۱۳)۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اثر عطیہ کا مفہوم

حضرت عطیہ رحمہ اللہ نے ایک گھوڑا جہاد کے لئے اجرت پر لیا تھا، طے یہ ہوا تھا کہ مالِ غنیمت کا آدھا حصہ گھوڑے کی اجرت ہوگی۔ چنانچہ چار سو دینار انہیں ملے، دو سو دینار اپنے پاس رکھے اور دو سو انہوں نے گھوڑے والے کو دیئے۔

اب عطیہ بن قیس کے اس عمل کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اس قسم کے اجارہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ "اجارہ مجہولہ" ہے: اس لئے کہ مالِ غنیمت کا حصول کوئی یقینی یا طے شدہ بات نہیں ہے۔

البتہ امام اوزاعی اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ اسے جائز قرار دیتے ہیں (۱۴)۔ اگر ایسا اجارہ منعقد ہو جائے تو صاحب فرس کو اجرت مثل ملے گی اور غنیمت سب کی سب مجاہد کی ہوگی۔

٢٨١٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قَالَ : غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ غَزْوَةَ تَبُوكَ ،

(١٣) راجع: تهذيب الكمال: ٢٠/١٥٣، وسير أعلام النبلاء: ٥/٣٢٤

(١٤) فتح الباري: ٦/١٢٥، وشرح ابن بطال: ٥/١٤٠

فَحَمَلْتُ عَلَى بَكْرٍ ، فَهُوَ أَوْثَقُ أَعْمَالِي فِي نَفْسِي ، فَاسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا ، فَقَاتَلَ رَجُلًا ، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ فِيهِ وَنَزَعَ ثَنِيَّتَهُ ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَهْدَرَهَا ، فَقَالَ : (أَيَدْفَعُ يَدَهُ إِلَيْكَ فَتَقْضَمُهَا كما يَقْضَمُ الْفَحْلُ) . [ر : ٢١٤٦]

تراجمِ رجال

۱-عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن جعفی بخاری مسندی ہیں، ان کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۱۵)۔

۲-سفیان

یہ مشہور محدث ابومحمد سفیان بن عیینہ بن میمون کوفی ہیں، ان کے مفصل حالات کتاب العلم میں آ چکے ہیں (۱٦)۔

۳-ابن جریج

یہ عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج ہیں، کتاب الحیض میں ان کے حالات گزر چکے ہیں (۱۷)۔

۴-عطاء

یہ عطاء بن ابی رباح قرشی ابومحمد جندی یمانی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم میں آ چکے ہیں (۱۸)۔

(٢٨١٤) مر تخريجه في كتاب جزاء الصيد، باب إذا أحرم جاهلاً وعليه قميص (رقم: ٤٨٤٧)

(١٥) كشف الباري: ١/٦٥٧

(١٦) كشف الباري: ١/٢٣٨

(١٧) كتاب الحيض، باب غسل الحائض رأس زوجها وترجيله.

(١٨) كتاب العلم، باب عظة الإمام النساء وتعليمهن.

۵-صفوان بن یعلی

یہ صفوان بن یعلی بن امیہ تیمی رحمہ اللہ ہیں۔

۶-یعلی بن امیہ

حضرت یعلی بن امیہ صحابی رسول ہیں، صفوان کے والد ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

ان دونوں کے حالات کتاب الحج میں گزر چکے ہیں (۱۹)۔

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ یعلی میں اس بات کا ثبوت تو نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجیر کو سہم دیا ہو، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سہم اجیر کے لئے بطورِ دلیل پیش کیا ہے، کیونکہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے لئے آزاد آدمی کو اجیر بنایا جاسکتا ہے اور اللہ جل شانہ نے آزاد مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: "واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه" (۲۰).

چنانچہ اجیر بھی اس خطاب اور حکم میں داخل ہے تو اسے بھی ایک مجاہد کی طرح مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا۔ اجرت نہیں ملے گی (۲۱)۔

واضح رہے کہ یہاں اجیر سے مراد اجیرِ قتال ہے، اجیرِ خدمت جو کسی کی ذاتی خدمت کے لئے میدانِ جنگ میں آیا ہو اور جنگ میں شریک نہ ہوا ہو، اسے مالِ غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا، اجرت ملے گی۔ حنفیہ کا جو مشہور مذہب کتابوں میں منقول ہے کہ: "لا یسهم للأجیر" اس کا یہی مطلب ہے، علی الاطلاق سہم اجیر کی نفی مقصود نہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب "السیر الکبیر" کے حوالے سے بیان ہو چکی ہے (۲۲)۔

---

(۱۹) کتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب

(۲۰) الأنفال: ٤١

(۲۱) شرح ابن بطال: ٥/١٣٩

(۲۲) راجع للتفصیل: إعلاء السنن: ١٢/٢٢٣-٢٢٤، باب لایسهم للأجیر [illegible] یقاتلا.

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔البتہ چند الفاظ کے مطالب یہاں بیان کئے جارہے ہیں۔

بَکر: نوجوان اونٹ کو کہا جاتا ہے اور اونٹنی کو بَکرۃ کہتے ہیں۔

أوثق أعمالي

میرے عمل میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد عمل غزوۂ تبوک کی شرکت ہے۔حموی کے نسخہ میں "أوفق أحمالی" ہے یعنی وہ اونٹ سواری اور بوجھ وغیرہ ڈھونے کے اعتبار سے میرے اونٹوں میں سب سے زیادہ مناسب تھا اور مستملی کے نسخہ میں "أوثق أجمالی" آیا ہے یعنی قابل اعتماد اونٹ، أجمال: جَمل کی جمع ہے۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ نے پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے (۲۳)۔

"فقاتل رجلا" اس قاتل کے مصداق خود حضرت یعلی رضی اللہ عنہ ہیں یعنی وہ اپنے اجیر سے لڑ پڑے......(۲۴)۔

فتقضمها: قضم، قضما: کسی چیز کو چبانا۔

یعنی کیا وہ بھی اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں ڈال دے، پھر تم اسے چباؤ، جیسے اونٹ چباتا ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "فاستأجرت أجيرا" میں ہے۔

واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

---

(۲۳) شرح القسطلاني: ۵/۱۲۷

(۲۴) صحيح مسلم، كتاب القسامة والمحاربين، باب الصائل على نفس الإنسان وعضوه، (رقم: ۱۶۷۳)

١٢٠ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : «نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ» .
وَقَوْلِهِ جَلَّ وَعَزَّ : «سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ» /آل عمران: ١٥١/.
قَالَهُ جَابِرٌ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٣٢٨]

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب کا مقصد تو بالکل ظاہر ہے کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منجملہ خصائص میں سے رعب اور دبدبہ کی خصوصیت کا ذکر ہو رہا ہے کہ دشمنوں کے دل دور دور تک آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے خوف سے لرزاں اور ہراساں رہتے ہیں۔

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس خصوصی رعب کا خود مشاہدہ کیا ہے، ابو محمد اصیلی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابن ابی عامر کی قیادت میں ''برشلونہ'' (۱)، فتح کیا، پھر ہمیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ جب اہل قسطنطنیہ کو ہمارے ''برشلونہ'' فتح کرنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے شہر کے دروازے بند کردیئے اور دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئے۔ جب کہ برشلونہ اور قسطنطنیہ کے درمیان دو مہینے کی مسافت ہے (۲)۔

روایات میں تعارض اور اس کا حل

طبرانی میں حضرات ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''شهرا أو شهرين'' (۳) کے الفاظ آئے ہیں، نیز طبرانی ہی میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی راویت میں ''شهرا أمامي وشهرا خلفي'' (٤) منقول ہے۔ بظاہر حدیثِ باب اور ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے کیونکہ مقصود دوری اور مسافت بیان کرنا ہے، اور یہ کہ تمام اطراف دنیا میں میرا رعب قائم رہے، جیسا کہ حدیث سائب بن یزید کے الفاظ ''أمامي وخلفي'' اس پر دلیل ہے، چاہے وہ شہر کی مسافت ہو یا شہرین کی (۵)، معلوم ہوا کہ

(۱) معجم البلدان: ۱/۳۸٤
(۲) شرح ابن بطال: ٥/١٤٢
(۳) مجمع الزوائد: ٨/٢٠٩
(٤) مجمع الزوائد: ٨/٢٥٦
(٥) فتح الباري: ٦/١٢٨

''شہر'' کی قید احترازی نہیں ہے۔

نکتہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''مسیرة شہر'' کہنے میں یہ نکتہ ہے کہ اس زمانے میں جو بڑی طاقتیں اور بڑے ممالک تھے، مدینے سے ان کی مسافت ایک مہینے یا اس سے کم کی بنتی تھی، جیسے مصر، شام، عراق، یمن وغیرہ (٦)۔ یہی لوگ تھے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے خوفزدہ تھے، حضرت ابوسفیان کا مقولہ آگے آرہا ہے: "إنه يخافه ملك بني الأصفر".

وقول الله عزوجل: "سنلقي في قلوب الذين كفروا الرعب بما أشركوا بالله(٧)".

یہ آیت امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی تائید کے لئے پیش کی ہے، آیت کا حاصل یہ ہے کہ کافروں کے دلوں میں جو خوف اور اضطرابی کیفیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد پیدا ہوئی ہے وہ شرک کی وجہ سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شرک بزدلی کا اور ایمان وعقیدۂ توحید قوت کا سبب ہے (٨)۔

ایک فقہی مسئلہ

اب یہاں یہ مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ جو مال جہاد میں بغیر لڑے حاصل ہوتا ہے وہ "فيء" کہلاتا ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں جو مال دشمن کے تسلیم ہونے سے حاصل ہوتا تھا وہ آپ علیہ السلام کے رعب کی وجہ سے حاصل ہوتا تھا اس لئے اس مال میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکمل اختیار رہتا تھا کہ جہاں چاہے اسے استعمال فرمائیں (٩)۔

---

(٦) فتح الباري: ١٢٨/٦

(٧) آل عمران: ١٥١

(٨) عمدة القاري: ٢٣٥/١٤

(٩) عمدة القاري: ٢٣٥/١٤

قاله جابر عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے یزید الفقیر رحمہ اللہ کے واسطے سے ''کتاب الطہارۃ'' اور ''کتاب الصلاۃ'' اور ''کتاب الخمس'' میں موصولاً نقل کیا ہے(۱۰)۔

۲۸۱۵ : حدّثنا يَحْيىٰ بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ، فَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي) . قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : وَقَدْ ذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنْتُمْ تَنْتَثِلُونَهَا . [٦٥٩٧ ، ٦٦١١ ، ٦٨٤٥]

تراجم رجال

۱-یحییٰ بن بکیر

یہ ابوزکریا یحییٰ بن بکیر قرشی مخزومی مصری رحمہ اللہ ہیں۔

۲-لیث بن سعد

یہ ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی رحمہ اللہ ہیں۔

۳-عقیل

یہ عُقَیل بن خالد بن عَقیل ہیں۔ رحمہ اللہ۔

---

(١٠) تغليق التعليق: ٤٥٢/٢

(٢٨١٥) أخرجه البخاري في كتاب التعبير، باب رؤيا الليل، (رقم: ٦٩٩٨)، وباب المفاتيح في اليد، (رقم ٧٠١٣)، وكتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بعثت بجوامع الكلم، (رقم: ٧٢٧٣)، ومسلم، في كتاب المساجد ومواضع الصلوة، (رقم: ١١٦٧)، والترمذي في كتاب السير، باب ماجاء في الغنيمة، (رقم: ١٥٥٣)، والنسائي في كتاب الجهاد، باب وجوب الجهاد، (رقم: ٣٠٨٩)

۴-ابن شہاب

یہ ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں۔

مذکورہ بالا چاروں حضرات کا تذکرہ ''بدء الوحی'' میں آچکا ہے (۱۱)۔

۵-سعید بن میبّب

یہ سعید بن مسیّب بن حزن رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ ''کتاب الایمان'' میں گزر چکا ہے (۱۲)۔

۶-أبو ہریرہ

یہ سید المحدثین حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے مفصل حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۱۳)۔

جوامع الکلم: یہ اضافة الصفة إلى الموصوف کے قبیل سے ہے، یعنی "الکلم الجوامع" ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "معناه: إيجاز الكلام في إشباع للمعاني، يقول الكلمة القليلة الحروف، فتنتظم الكثير من المعنى، وتتضمن أنواعا من الأحكام".

یعنی مختصر اور جامع باتیں جن کے الفاظ کم ہوں اور مطالب اور فوائد زیادہ ہوں، کو آشکار کیا جائے (۱۴)۔

جوامع الکلم کا مصداق

ابن شہاب زہری، ابن التین اور اکثر محدثین اس کے مصداق میں عموم کے قائل ہیں، جس میں قرآن اور حدیث دونوں شامل ہیں۔ یعنی جیسے قرآن کریم کی مختصر مختصر آیتیں اپنے اندر بہت سارے معانی کو لئے ہوئے ہوتی ہیں بالکل اسی طرح احادیث نبویہ کا بہت بڑا ذخیرہ جوامع الکلام کا مصداق بن سکتا ہے (۱۵)۔

البتہ علامہ مہلب رحمہ اللہ اس کا مصداق صرف قرآن کریم کو قرار دیتے ہیں، اس لئے قرآن کریم کی

---

(۱۱) كشف الباري: ۱/۲۲۳-۲۲۶، نیز "عقیل" کے حالات کے لئے كشف الباري: ۳/۳۹۳

(۱۲) كشف الباري: ۲/۱۰۹

(۱۳) كشف الباري: ۱/٦٦٩

(١٤) أعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٢٢

(١٥) عمدة القاري: ١٤/٢٣٥

ایک ایک آیت کے مختلف معانی اور تاویلات ہوتی ہیں، وہ قول باری تعالیٰ: ﴿ما فرطنا في الكتاب من شيء﴾(١٦) سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے اندر کوئی چیز زائد بیان نہیں ہوئی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "جوامع الکلم" کا مصداق قرآن ہے۔

نیز قرآن کریم کی صرف ایک آیت ﴿خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين﴾(١٧) میں اتنی جامعیت ہے کہ دنیا وآخرت کے تمام امور کے لئے کافی ہے(۱۸)۔

لیکن قرآن کریم کی ان صفات کے حامل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ احادیث نبویہ کو جوامع الکلم کہنا غلط ہے یا نامناسب ہے، کتنی ہی مثالیں حدیث نبوی کی ایسی ہیں جن کے الفاظ انتہائی مختصر اور معانی بحر بیکراں کی مانند ہیں(۱۹)۔

چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهذا شامل للقرآن والسنة فقد كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتكلم بالمعاني الكثيرة في الألفاظ القليلة"(٢٠)۔

ونصرتُ بالرعب

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت محض رعب اور دبدبہ نہیں ہے، بلکہ رعب کے ساتھ ساتھ دشمنوں پر غلبہ اور فتح بھی مراد ہے، ورنہ صرف رعب یہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت نہیں کیونکہ خوف تو عام بادشاہوں کا بھی دور دور تک لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے(۲۱)۔

---

(١٦) الانعام: ٣٨

(١٧) الأعراف: ١٩٩

(١٨) شرح ابن بطال: ٥/[illegible]

(١٩) دیکھئے دلائل النبوة للبيهقي رواية عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه.

(٢٠) إرشاد الساري: ١٢٩/٥

(٢١) شرح الكرماني: ٤/١٠٣

فبينا أنا نائم

یہ دراصل ''بین'' ہے، اخیر میں الف اشباع ہے، یہ جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے (۲۲)۔ یعنی ''در یں اثناء کہ میں سو رہا تھا......''۔

أوتيت بمفاتيح خزائن الأرض فوضعت في يدي،

خزائن سے کیا مراد ہے؟

''خزائن الأرض'' کے مراد کی تعیین میں دو اقوال ذکر کیے گئے ہیں:

❶ اس سے مراد کسری و قیصر اور مفتوح اقوام کے خزانے ہیں جو کہ عرب جیسی فقیر اور تنگ دست قوم کو جناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بدولت ہاتھ لگے اور انہیں ایسے ایسے خزانے حاصل ہوئے کہ آنکھیں خیرہ رہ جائیں۔ یہاں تک کہ کسریٰ و قیصر کے تخت و تاج تک اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے قدموں میں ڈال دیے (۲۳)۔

❷ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد زمین کی معدنیات: سونا، چاندی اور دھات وغیرہ ہو اور یہ صرف معدنیات ہی میں منحصر نہیں بلکہ رزق اور خوراک کے تمام ذرائع اس سے مراد ہو سکتے ہیں، چنانچہ جتنے وسائل نظر آرہے ہیں یہ سب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی برکت سے عطا ہو رہے ہیں کیونکہ خزانوں کی کنجیاں آپ علیہ السلام کو دی گئی ہیں (۲۴)۔

نکتہ

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ رب العزت اور حبیب خدا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے درمیان ایک مناسبت کی طرف اشارہ ملتا ہے، وہ یہ کہ جیسے "مفاتيح الغيب" کا اختصاص اللہ نے اپنے لئے

(۲۲) عمدة القاري: ١٤/ ٢٣

(۲۳) شرح ابن بطال: ٥/١٤٢-١٤٣، وأعلام الحديث: ٢/١٤٢٢

(۲٤) أعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٢٣، وإرشاد الساري: ٥/١٢٩

کیا ہے(٢٥) ویسے ہی "مفاتیح خزائن الأرض" کا اختصاص اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیا ہے(٢٦)۔ وقال حسان بن ثابت: وشق له من اسمه ليجله فذوا العرش محمود وهذا محمد

"اور اللہ نے ان کے اکرام کے واسطے اپنے نام سے ان کے نام کو مشتق کیا

چنانچہ عرش والے محمود ہیں اور آپ محمد ہیں"۔

فوضعت في يدي

یہ وعدۂ خداوندی سے کنایہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی امت کو یہ سب کچھ عطا ہوگا۔ اور اللہ رب العزت کا یہ وعدہ پورا ہوا، مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں اور خزانوں کے انبار لگ گئے(٢٧)، اس کے باوصف کہ مسلمان پہلے کی طرح جہاد سے دلچسپی نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق بلادِ اسلامیہ کو ہر طرح کے وسائل سے مالا مال کیا۔

قال أبوهريرة رضي الله عنه: وقد ذهب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وأنتم تنتثلونها

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور تم لوگ ان خزانوں کو نکال رہے ہو جب کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا کے معاملے میں اتنے زاہد اور بے نیاز تھے کہ انہوں نے اپنی ذات کے لئے اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا جب کہ جو کچھ ملا اسے تقسیم کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کہ وہ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ پورا کفن بھی نہیں تھا، ایک چھوٹی سی چادر تھی، سر کو ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں کو چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا(٢٨)۔

راویٔ حدیث حضرت خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تو اس حال میں دنیا سے

---

(٢٥) قال الله تعالی: ﴿وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾

(٢٦) شرح القسطلاني: ١٢٩/٥

(٢٧) إرشاد الساري: ١٢٩/٥

(٢٨) كتاب الجنائز، باب إذا لم يجد كفنا، إلا مايواري رأسه أو قدميه، غطّی رأسه

چلے گئے اور اب ہم میں سے کچھ لوگ وہ ہیں کہ ان کا پھل ان کے لئے دنیا میں پک گیا ہے اور وہ ان پھلوں کو چن رہے ہیں (۲۹)۔

تنتثلونها

نثل (ن ض): نثلت البئر وانتثلتُها: کنویں سے مٹی نکالنا (۳۰)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "نصرتُ بالرعب" سے مستفاد ہے (۳۱)۔

۲۸۱٦ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : أَنَّ ٱبْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ : أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ أَخْبَرَهُ : أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ وَهُمْ بِإِيلِيَاءَ ، ثُمَّ دَعا بِكِتَابِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ ، فَٱرْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَأُخْرِجْنَا ، فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ أُخْرِجْنَا : لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ٱبْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ . [ر : ٧]

مذکورہ سند کے ساتھ اس حدیث کی مفصل تشریح گزر چکی ہے (۳۲)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہاں اس روایت کو لانے کا مقصد یہ ٹکڑا ہے "إنه يخافه ملك بني الأصفر" یعنی رومیوں کا بادشاہ قیصر بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رعب اور خوف سے لرزہ براندام ہے۔ تو مطابقت اس طرح ہو رہی

(۲۹) شرح ابن بطال: ١٤٣/٥

(۳۰) أعلام الحديث: ١٤٢٣/٢

(۳۱) عمدة القاري: ٢٣٥/١٤

(٢٨١٦) قد مر تخريجه في بدء الوحي كشف الباري: ٤٧٧/١، بهذا الإسناد

(۳۲) كشف الباري: ٤٧٨/١

ہے کہ یہ تمام باتیں قیصر کی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملک شام میں ہوئی ہیں اور شام اور حجاز کے درمیان ایک ماہ یا اس سے زائد مسافت ہے (۳۳) اور قیصر اتنی دور بیٹھ کر مارے خوف کے کہہ رہا ہے "فـإن كـان مـاتـقول حقا، فسيملك موضع قدميَّ هاتين". یعنی اے ابوسفیان! اگر تمہارا بیان سچا ہے تو وہ (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بہت جلد میرے تخت پر قبضہ کریں گے۔

واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

۱۲۱ - باب : حَمْلِ الزَّادِ فِي الْغَزْوِ.

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى» /البقرة: ۱۹۷/ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے یا تو یہ بتانا ہے کہ اگر جہاد میں جاتے ہوئے توشہ کا انتظام کیا جائے تو یہ توکل کے منافی نہیں (۱)۔

یا یہ بتانا چاہتے ہیں کہ توشہ کا اہتمام کرنا چاہیے اس لئے کہ اس سے قوت علی الجہاد میں اضافہ ہوتا ہے (۲)۔

وقول الله تعالىٰ: ﴿وتزودوا فإن خير الزاد التقوى﴾.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل یمن جب حج کرنے آیا کرتے تھے تو توشہ ساتھ نہیں لاتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "ہم متوکلین ہیں" تو یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر کا توشہ تیار کرو اور بہترین توشہ تو پرہیزگاری ہے (۴)۔

پھر جب سفرِ دنیا کے لئے توشہ تیار کرنے کا حکم دیا ہے، تو اسی مناسبت سے سفرِ آخرت کے لئے بھی

(۳۳) عمدة القاري: ۲۳٦/۱٤

(۱) عمدة القاري. ۲۳٦/۱٤

(۲) لامع الدراري: ۲٦٤/۷

(٤) روح المعاني: ۸٦/۲

توشہ تیار رکھنے کا حکم دیا گیا اور بتایا گیا کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے (۵)۔

۲۸۱۷ : حدّثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ هِشَامٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، وَحَدَّثَتْنِي أَيْضًا فاطِمَةُ ، عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا قالَتْ : صَنَعْتُ سُفْرَةَ رَسُولِ ٱللَّهِ ﷺ في بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ ، حِينَ أَرَادَ أَنْ يُهَاجِرَ إِلَى الْمَدِينَةِ ، قالَتْ : فَلَمْ نَجِدْ لِسُفْرَتِهِ ، وَلَا لِسِقَائِهِ ما نَرْبِطُهُمَا بِهِ ، فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ : وَٱللهِ ما أَجِدُ شَيْئًا أَرْبِطُ بِهِ إِلَّا نِطَاقِي ، قالَ : فَشُقِّيهِ بِاثْنَيْنِ فَارْبِطِيهِ : بِوَاحِدٍ السِّقَاءَ وَبِالآخَرِ السُّفْرَةَ ، فَفَعَلْتُ ، فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتْ : ذَاتَ النِّطَاقَيْنِ .
[۳٦٩٥ ، ۵۰۷۳]

تراجمِ رجال

۱-عبید بن اسماعیل

ان کا اصل نام عبداللہ ابو محمد ہباری قرشی کوفی ہے، ان کا تذکرہ ''کتاب الحیض'' میں گزر چکا ہے (۶)۔

۲-ابواسامہ

یہ حماد بن اُسامہ بن زید قرشی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ ''کتاب العلم'' میں گزر چکا ہے (۷)۔

۳-ھشام

یہ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ ہیں، ''بدء الوحی'' میں ان کے حالات گزر چکے ہیں (۸)۔

---

(۵) عمدة القاري: ۲۳٦/۱٤

(۲۸۱۷) أخرجه البخاري في كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة، (رقم: ۳۹۰۷) وكتاب الأطعمة، باب الخبز المرقق والأكل على الخوان والسفرة، (رقم: ۵۱۰۸)

(٦) باب نقض المرأة شعرها عند غسل المحيض.

(۷) كشف الباري : ۳۵۸/۳

(۸) كشف الباري: ۲۹۱/۱

۴-ابی:

یہ ہشام کے والد حضرت عروہ بن زبیر بن عوام رحمہ اللہ ہیں، ''بدء الوحی'' میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے(۹)۔

فاطمة: یہ ہشام کی اہلیہ فاطمہ بنت المنذر رہیں۔

اسماء: یہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان دونوں کے حالات کتاب العلم میں گزر چکے ہیں(۱۰)۔

حدیث کا مفہوم

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینے کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے جا رہے تھے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سامانِ سفر تیار کیا تھا۔ مشکیزہ اور دستر خوان باندھنے کے لئے کوئی چیز نہیں مل رہی تھی تو انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا، سوائے میرے کمر بند کے، کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے اس سامان کو باندھا جا سکے۔ تو انہوں نے فرمایا، کمر بند کو دو ٹکڑے کر لو، ایک ٹکڑے سے مشکیزہ اور دوسرے سے دستر خوان کو باندھ لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اس خدمت کی وجہ سے ''ذات النطاقین'' کہا جانے لگا۔

سُفرة: بضم السین مسافر جو کھانا اپنے ساتھ سفر میں لے جاتا ہے۔ پھر مطلقاً دستر خوان کے لئے استعمال ہونے لگا، اس کی جمع سُفَرٌ ہے۔

سقاء: بکسر السین مشکیزے کو کہا جاتا ہے، اس کی جمع أسقية ہے۔ اور سِقَاية بتاء التأنيث پانی پینے کے پیالے کو کہتے ہیں۔

---

(۹) کشف الباري: ۱/۲۹۱

(۱۰) کشف الباري: ۳/۴۲۱، ۴۲۲

نِطاق: بکسر النون کمر بند اور پٹی کو کہا جاتا ہے۔ یہ کپڑے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے، جسے عورتیں کمر پر باندھتی ہیں اور اس کا بالائی حصہ نچلے حصہ پر اور نچلا حصہ زمین تک لٹکا رہتا ہے، گھر کے کام کاج کرتے وقت اس کو کس لیا جاتا ہے تا کہ پاؤں دامن میں نہ پھنس جائیں، اس کی جمع نُطُق (بضم النون والطاء) ہے(۱۱)۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین کہنے کی وجہ

اب یہاں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ حضرت اسماء کو ''دو کمر بند والی'' کیوں کہا جاتا ہے؟ اس میں محدثین نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں:

❶ ایک وجہ تو خود حدیثِ باب میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنا کمر بند دو ٹکڑوں میں چاک کر کے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سامانِ سفر باندھا تھا اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے(۱۲)۔

❷ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کی عادت تھی کہ آپ ''دو کمر بند'' باندھا کرتی تھیں، اور اس میں آپ کی عفت و پاکدامنی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے(۱۳)۔

❸ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت اسماء کے دو ''کمر بند'' تھے، ایک کو پہنا کرتی تھیں اور دوسرے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے کھانا لے کر جایا کرتی تھیں جب کہ وہ دونوں غارِ ثور میں روپوش تھے(۱۴)۔

فقہ الحدیث

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دور دراز کے سفر میں جاتے وقت زادِ راہ ساتھ لے لینا چاہیے اور اسے بوجھ نہ سمجھا جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو خلقِ خدا میں سب سے زیادہ اچھے اور اللہ اور اس کے بندوں میں سب سے زیادہ معزز اور قیامت کے روز شفیع الامم

(۱۱) عمدة القاري: ۱٤/۲۳۷

(۱۲) إرشاد الساري: ٥/ ۱۳

(۱۳) لامع الدراري: ۷/۲٦۲

(۱٤) حاشيه لامع الدراري: ۷/٦۱–۲٦٤، وانظر كتاب المغازي في كشف الباري، ص ۹۲

ہوں گے، وہ ان باتوں سے بے نیاز نہیں رہتے تھے، تو آج کل کے خشک جاہل صوفیوں کا کیا ٹھکانہ ہے جو زادِ راہ ساتھ لینے کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں اور لوگوں سے مانگتے پھرتے ہیں (۱۵)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں تو حمل الزاد في الغزو کا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہاں تو سفرِ ہجرت کے زادِ راہ کا ذکر ہو رہا ہے تو ترجمۃ الباب سے مطابقت کیسے ہوگی؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفرِ ہجرت پر سفرِ غزوہ کو قیاس کیا گیا ہے یعنی جیسے سفرِ ہجرت میں زادِ راہ کی ضرورت پڑتی تھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا اہتمام فرماتے تھے، ویسے ہی سفرِ جہاد میں بھی ہوتا تھا (۱۶)۔

۲۸۱۸ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرٍو قالَ : أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ : سَمِعَ جابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قالَ : كُنَّا نَتَزَوَّدُ لُحُومَ الْأَضَاحِيِّ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْمَدِينَةِ . [ر : ١٦٣٢]

تراجمِ رجال

۱- علی بن عبداللہ

یہ ابوالحسن علی ابن المدینی رحمہ اللہ ہیں، کتاب العلم میں ان کے مفصل حالات گزر چکے ہیں (۱۷)۔

۲- سفیان

یہ ابو محمد ابن عیینہ کوفی رحمہ اللہ ہیں، "بدء الوحی" میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۱۸)۔

---

(١٥) شرح ابن بطال: ١٤٤/٥

(١٦) شرح الكرماني: ٥/١٣

(٢٨١٨) قوله: "جابر بن عبدالله" مر تخريجه في كتاب الحج، باب ما يأكل من البدن وما يتصدق (١٧١٩)

(١٧) كشف الباري: ٢٥٦/٣

(١٨) كشف الباري: ٢٣٨/١

۳- عمرو:

یہ ابومحمد عمرو بن دینار مکی رحمہ اللہ ہیں، کتاب العلم میں ان کا ذکر ہو چکا ہے(۱۹)۔

٤- عطاء:

یہ عطاء بن اَبی رباح یمانی رحمہ اللہ ہیں، کتاب العلم ان کے حالات گزر چکے ہیں(۲۰)۔

٥- جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الوضوء میں گزر چکا ہے(۲۱)۔

حدیث سے مستنبط فوائد

اس حدیث شریف سے چند فوائد مستنبط ہوتے ہیں:

❶ ایک یہ کہ سفر چاہے کسی بھی قسم کا ہو سامانِ سفر ساتھ لینا مشروع ہے اور توکّل کے نام پر زادِ راہ ساتھ نہ لینا جیسا کہ خشک اور جاہل صوفیوں کا وطیرہ ہے، یہ غلط ہے۔

❷ دوسرے یہ کہ قربانی کا گوشت سفر میں ساتھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء میں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرماتے تھے، پھر آپ نے فرمایا "كلوا وتزوّدوا وادّخروا" کھاؤ اور سفر میں ساتھ لے جاؤ اور بچا کے رکھو(۲۲)۔

❸ قربانی کا گوشت سب کھا سکتے ہیں، چاہے قربانی کرنے والا مالدار کیوں نہ ہو۔ اور جب سفر میں ساتھ لے جائیں گے تو اس سے کھانا بھی ثابت ہوتا ہے(۲۳)۔

---

(۱۹) كشف الباري: ٣٠٩/٤

(۲۰) باب عظة الإمام النساء وتعليمهن

(۲۱) كتاب الوضوء، باب صبّ النبي صلى الله عليه وسلم الوضوء على المغمى عليه.

(۲۲) صحيح مسلم، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أوّل الإسلام وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء (٥١٠٤)

(۲۳) عمدة القاري: ٢٣٧/١٤

ترجمة الباب سے مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "کنا نتزوّد لحوم الأضاحي" میں ہے۔ مطابقت میں جواشکال پیدا ہوتا ہے اس کا جواب پچھلی حدیث کے تحت گزر چکا ہے (۲۴)۔

۲۸۱۹ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قالَ : سَمِعْتُ يَحْيىٰ قالَ : أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ : أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عامَ خَيْبَرَ ، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ ، وَهْيَ مِنْ خَيْبَرَ ، وَهْيَ أَدْنَى خَيْبَرَ ، فَصَلَّوُا الْعَصْرَ ، فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِالْأَطْعِمَةِ ، فَلَمْ يُؤْتَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا بِسَوِيقٍ ، فَلُكْنَا فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا ، ثُمَّ قامَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا وَصَلَّيْنَا . [ر : ٢٠٦]

تراجم الرجال

۱۔محمد بن المثنی

یہ ابوموسیٰ محمد بن مثنی بصری عنزی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے (۲۵)۔

۲۔عبدالوہاب

یہ ابو محمد عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی رحمہ اللہ ہیں، پیچھے ان کے حالات گزر چکے ہیں (۲۶)۔

۳۔یحییٰ

یہ یحییٰ بن سعید مدنی رحمہ اللہ ہیں، کتاب الایمان میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے (۲۷)۔

---

(٢٤) عمدة القاري: ١٤/٢٣٧

(٢٨١٩) قد مرّ تخريجه في كتاب الوضوء، باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ.

(٢٥) كشف الباري: ٢/٢٥

(٢٦) كشف الباري: ٢/٢٦

(٢٧) كشف الباري: ٢/٣٢١

۴-بشیر بن یسار/سوید بن نعمان

اول الذکر ابو کیسان انصاری رحمہ اللہ ہیں، دوسرے حضرت سوید بن نعمان انصاری رحمہ اللہ ہیں، ان دونوں حضرات کا تذکرہ گزر چکا ہے(۲۸)۔

فَلُکْنا: لاك يلوك لوكاً السويق: ستو پھانکنا اور پانی میں گھول کر پینا۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت دو جگہوں میں ہے:

❶ "فدعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالأطعمة".

❷ "فلم يُؤتَ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا بسَويق".

یہ دونوں جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہاد میں زادِ راہ ساتھ رکھا کرتے تھے، مختلف کھانے کی چیزیں ہوا کرتی تھیں، یہاں سَتُّو کا ذکر ہے(۲۹)، بقیہ مباحثِ متعلقہ کتاب الوضوء میں گزر چکے ہیں(۳۰)۔

۲۸۲۰ : حدّثنا بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ : حَدَّثَنَا حاتِمُ بْنُ إِسْماعِيلَ ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ ، عَنْ سَلَمَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : خَفَّتْ أَزْوَادُ النَّاسِ وَأَمْلَقُوا ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ في نَحْرِ إِبِلِهِمْ فَأَذِنَ لَهُمْ ، فَلَقِيَهُمْ عُمَرُ فَأَخْبَرُوهُ ، فَقالَ : ما بَقاؤُكُمْ بَعْدَ إِبِلِكُمْ ، فَدَخَلَ عُمَرُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ما بَقاؤُهُمْ بَعْدَ إِبِلِهِمْ ؟ قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (نَادِ في النَّاسِ يَأْتُونَ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ) . فَدَعَا وَبَرَّكَ عَلَيْهِ ، ثُمَّ دَعاهُمْ بِأَوْعِيَتِهِمْ ، فَاحْتَثَى النَّاسُ حَتَّى فَرَغُوا ، ثُمَّ قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، وَأَنِّي رَسُولُ ٱللهِ) . [ر : ۲۳۵۲]

---

(۲۸) كتاب الوضوء، باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ.

(۲۹) عمدة القاري: ۱۴/۲۳۷

(۳۰) باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ

(۲۸۲۰) مَرَّ تخريجه في كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض (۲۴۸۴)

تراجم الرجال

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ پیچھے گزر چکی ہے، رجال کے مفصل حالات کے لئے حوالہ جات وہاں دیئے جا چکے ہیں (۳۱)۔

مفہوم حدیث

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دورانِ جنگ کھانے کی مشکلات پیش آئیں تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند اونٹوں کو ذبح کرنے کی درخواست کی جو منظور ہو گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو وہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اونٹ ذبح کردیئے جائیں گے تو ان کا گزارہ کیسے ہوگا؟ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول کیا اور فرمایا ''لوگوں میں اعلان کردو جس کے پاس جو کچھ باقی بچا ہے وہ لے کر آجائے'' چنانچہ جو کچھ جمع ہوا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر برکت کی دعا مانگی، پھر لوگوں کو اپنے اپنے برتن لانے کا حکم ہوا، وہ مٹھی بھر بھر کے برتنوں کو بھرنے لگے، یہاں تک وہ فارغ ہوگئے (چونکہ یہ ایک معجزہ تھا اس لئے) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أشهد أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله''.

بعض الفاظ حدیث کی تحقیق

خَفَّت أزواد الناس وأَمْلَقُوا

''لوگوں کے ہاں کھانے کی کمی ہوگئی اور وہ محتاج ہوگئے''۔

یہاں حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ زرکشی، علامہ برماوی رحمہم اللہ نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ زادِ راہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ جب کہ صاحب مصابیح کا کہنا ہے کہ حقیقت یہ نہیں ہے جیسا کہ ''خَفَّتْ'' سے معلوم ہو رہا

---

(۳۱) مَرَّ تخريجه في كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض (۲٤۸٤)

ہے کہ خوراک کم پڑگئی تھی، بالکل ختم نہیں ہوئی تھی اور واقعتاً بھی ایسا ہی تھا کیونکہ جو خوراک باقی بچ گئی تھی، وہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ڈھیر کردی تھی جس پر آپ علیہ السلام نے برکت کی دعا کی (۳۲)۔

ما بقاء كم بعد إبلكم

یعنی اونٹوں کو ذبح کرنے کے بعد تم لوگوں کا گزارہ کیسے ہوگا؟

حدیث سے مستنبط فوائد

❶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ فائدہ مستنبط ہوتا ہے کہ وزیر یا نائب کو چاہیے کہ وہ اپنے امیر کو صحیح وصائب مشورے دے، خواہ امیر اس سے اس معاملے میں مشورہ طلب کرے یا نہ کرے، کیونکہ اس کا منصب اس سے خیر خواہی کا تقاضا کرتا ہے اور اسے مداخلت کا اختیار دیتا ہے۔

❷ دوسری بات یہ معلوم ہورہی ہے کہ مسافر کے لئے اہم ترین چیز اس کی سواری ہے، خصوصاً حجاز کے گرم اور ریتیلے علاقوں میں جہاں سواری میسر نہ ہو تو بظاہر موت ہی اس کا مقدر ہے، وہاں کے صحراؤں میں پیدل چلنا کوئی آسان کام نہیں (۳۳)۔ اس لئے سواری کی حفاظت اور دیکھ بھال کا اہتمام ہونا چاہیے۔

❸ یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منقبت وفضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت کا یقین تھا (۳۴)۔

❹ نیز اس قول سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں کے لئے شفقت وہمدردی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے (۳۵)۔

---

(۳۲) ارشاد الساري: ۱۳۱/۵

(۳۳) شرح ابن بطال: ۱٤٥/۵

(۳٤) شرح ابن بطال: ٤٥/۵

(۳۵) عمدة القاري: ۲۳۸/۱٤

ناد في الناس يأتون

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "یأتون" سے قبل "فَهُمْ" مقدر مانتے ہیں (۳۶)، اس صورت میں جملہ مستأنفہ ہے اور علامہ عینی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہیں اور اسے حال قرار دیتے ہیں "النـاس" سے (۳۷)، اس صورت میں یہ ایک ہی جملہ ہوگا۔

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بعض فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر قحط اور خوراک کی قلت پیدا ہو جائے تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ ضرورت سے زائد خوراک جس کے پاس ہو اسے غلہ بیچنے پر مجبور کرے اس لئے کہ عامۃ الناس کی بہتری اسی میں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ اس کی اجازت نہیں دیتے کہ کسی کو اس کی مملوکہ چیز فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے (۳۸)۔

فاحتثى الناس

''لوگوں نے مٹھی بھر بھر کر لیا''۔ یعنی وہ جمع شدہ خوراک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اتنی زیادہ بڑھ گئی تھی کہ لوگ مٹھی بھر بھر کر لینے لگے۔

یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ تھوڑا سا کھانا تمام لوگوں کے لئے بالکل کافی ہو گیا (۳۹)۔

ثم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : أشهد أن......

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ کے ظہور کے فوری بعد شہادتین کا پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ

---

(۳٦) فتح الباري: ٦/١٣٠

(٣٧) عمدة القاري: ١٤/٢٣٨

(٣٨) شرح ابن بطال: ٥/٤٤

(٣٩) إرشاد الساری: ٥/١٣١

معجزات سے رسالت کی تائید ہوتی ہے (۴۰)۔

فائدہ

اس حدیث مبارک سے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا حسنِ اخلاق بہت خوب واضح ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام اپنے ہمراہیوں کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب انہوں نے خوراک کے لئے اونٹوں کو ذبح کرنے کی درخواست کی تو آپ علیہ السلام نے ان کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے یہ درخواست قبول فرمائی۔

اور پھر آپ علیہ السلام نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے میں مسلمانوں کی بہترین دیکھی تو فوراً ان کے مشورے کو قبول فرمایا (۴۱)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "خفت أزواد الناس" اور "بفضل أزوادهم" میں ہے (۴۲)۔

واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

۱۲۲ – باب : حَمْلِ الزَّادِ عَلَى الرِّقَابِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ بتا رہے ہیں کہ اگر آدمی کے پاس سواری نہ ہو تو اس کو اپنا سامان اپنے کندھے پر اٹھالینا چاہیے ( )۔

(٤٠) إرشاد الساري: ٥/ ١٢١، وعمدة القاري: ١٤/ ٢٣٨

(٤١) إرشاد الساري: ٥/ ١٣١، وعمدة القاري: ١٤/ ٢٣٨

(٤٢) إرشاد الساري: ٥/ ١٣١، وعمدة القاري: ١٤/ ٢٣٨

(١) فتح الباري: ٦/ ١٣

حضرت شیخ الحدیث زکریا رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا مقصد یہ بتانا ہے زیادہ سامان سافر کو ساتھ نہیں لینا چاہیے۔ بس اتنا سامان ہو کہ اگر ضرورت پیش آجائے تو آدمی خود بھی اس کو اٹھا سکے(۲)۔

۲۸۲۱ : حدّثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ : أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ ، عَنْ جابِرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : خَرَجْنَا وَنَحْنُ ثَلَاثُمِائَةٍ نَحْمِلُ زَادَنَا عَلَى رِقابِنَا ، فَفَنِيَ زَادُنَا ، حَتَّى كانَ الرَّجُلُ مِنَّا يَأْكُلُ فِي كُلِّ يَوْمٍ تَمْرَةً ، قالَ رَجُلٌ : يَا أَبَا عَبْدِ ٱللهِ ، وَأَيْنَ كانَتِ التَّمْرَةُ تَقَعُ مِنَ الرَّجُلِ ؟ قالَ : لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِينَ فَقَدْنَاهَا ، حَتَّى أَتَيْنَا الْبَحْرَ ، فَإِذَا حُوتٌ قَدْ قَذَفَهُ الْبَحْرُ ، فَأَكَلْنَا مِنْهُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَوْمًا ما أَحْبَبْنَا . [ر : ۲۳۵۱]

تراجم رجال

۱-صدقہ بن الفضل

یہ ابوالفضل صدقہ بن فضل مروزی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الصلوۃ میں گزر چکا ہے(۴)۔

۲-عَبدہ

یہ عبدہ بن سلیمان کلابی کوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان میں گزر چکے ہیں(۵)۔

۳-ہشام

یہ ابوالمنذر یا ابوعبداللہ ھشام بن عروہ ہیں، بدءالوحی میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(٦)۔

---

(۲) الأبواب والتراجم للشيخ زكريا، ص: ۱۰

(۲۸۲۱) مرَّ تخريجه في كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض الخ

(٤) باب الصلوة في مواضع الإبل

(٥) كشف الباري: ۹٤/۲

(٦) كشف الباري: ۲۹۱/۱

۴-وھب بن کیسان

یہ ابوالزبیر اسدی رحمہ اللہ ہیں، کتاب البیوع میں ان کے حالات گزر چکے ہیں (۷)۔

۵-جابر بن عبداللہ

مشہور حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۸)۔

بعض الفاظِ حدیث کی تحقیق

قال رجل: اس سے مراد راوی حدیث وھب بن کیسان رحمہ اللہ ہیں۔ جنہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تھا (۹)۔

وأين كانت التمرة تقع من الرجل؟: یعنی ایک کھجور کے دانے سے ایک آدمی کا کیا بنتا ہوگا؟

لقد وجدنا فقدها حين فقدنا: یعنی اس ایک کھجور کے نہ ملنے کی پریشانی کو اس وقت محسوس کیا جب اس کا ملنا بھی بند ہوگیا۔

وجدنا: وجد يجد وَجْداً ومَوجِدة: پریشان ہونا، غمگین ہونا۔

یہ حدیث غزوہ سیف البحر سے متعلق ہے، جس کی تفصیل کتاب المغازی میں آرہی ہے (۱۰)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے جو اس جملے کے اندر ہے: "ونحن ثلاث مأة نحمل زادنا على رقابنا" "ہم تین سو افراد تھے اور ہم نے زادِ راہ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا" (۱۱)۔

---

(۷) باب شراء الدواب والحمير، باب من لم ير الوضوء الا من المخرجين: من القبل والذكر والدبر

(۸) دیکھئے كتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم الوضوء على المغمى عليه

(۹) كتاب المغازي، باب غزة سيف البحر، (رقم: ٤٣٦٠)

(۱۰) كتاب المغازي، باب غزة سيف البحر، (رقم: ٤٣٦٠)

(۱۱) عمدة القاري: ١٤/٢٣٨

فائدہ

ان دونوں ابواب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیر لشکر مجاہدین کو سختی اور تکالیف جھیلنے پر مجبور کرسکتا ہے اور بھوک اور زادِراہ کے نہ ہونے کے باوجود، انہیں میدان نہ چھوڑنے پر پابند کرسکتا ہے(۱۲)۔

تنبیہ

یہاں ترجمۃ الباب کے اثبات کے لئے علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کرام نے زادِراہ اپنے ساتھ لے لیا تھا، لیکن جب وہ ختم ہوگیا، تو وہ کھجور کے ایک ایک دانے پر گزارہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔ پھر جب کھجور بھی ختم ہوگئیں، تو فاقہ کشی کی نوبت آگئی، حالانکہ اللہ جل شانہ اس پر قادر ہیں کہ پتھر میں سے روئی اور چٹانوں میں پھل پیدا فرمادے لیکن ایسی کوئی بات خلافِ عادت پیش نہیں آئی۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ زادِراہ کا انتظام کرلینا چاہیے اور کرامات کا انتظار نہیں کرنا چاہیے(۱۳)۔

۱۲۳ – باب : إِرْدَافِ الْمَرْأَةِ خَلْفَ أَخِيهَا .

ربط ومناسبت

چونکہ جہاد میں عام طور پر سفر ہوتا ہی ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ اگلے ابواب میں مسائلِ سفر بیان کررہے ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہن کو بھائی کے پیچھے سواری پر بٹھانا ایسا معاملہ ہے جس کی ضرورت سفر میں پڑتی ہی رہتی ہے، خصوصاً جہاد کے پرمشقت اسفار میں جس میں ہر سُو مشکلات اور خطرات ہوتے ہیں، ایسی ضرورتیں زیادہ پیش آسکتی ہیں۔ اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس صورت کے جواز کو یہاں بیان کردیا کہ اگر بہن کو بھائی کی سواری کے پیچھے بٹھایا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں(۱)۔ البتہ

(۱۲) شرح ابن بطال: ۱٤٥/٥

(۱۳) حوالۂ بالا، ص: ۱٤٦

(۱) لامع الدراری: ۲٦٥/۷

احتیاط بہر حال ملحوظ رہنی چاہیے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں سے بیان کرنا چاہیے ہیں کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے، "جهاد کن الحج" (۲)، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد ہی میں اس روایت کو نقل کیا ہے (۳)۔

لیکن ظاہر ہے حضرت گنگوہی کی توجیہ زیادہ جامع ہے، کیونکہ اس سے ترجمۃ الباب کا مقصد اور کتاب الجہاد سے ان روایتوں کی مناسبت بھی واضح ہوجاتی ہے جب کہ حافظ رحمہ اللہ کی توجیہ سے کتاب الجہاد سے مناسبت تو سمجھ میں آرہی ہے لیکن ترجمۃ الباب کا مقصد اس سے واضح نہیں ہوتا (۴)۔

۲۸۲۳/۲۸۲۲ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا أَبُو عاصِمٍ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْأَسْوَدِ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ ، يَرْجِعُ أَصْحَابُكَ بِأَجْرِ حَجٍّ وَعُمْرَةٍ ، وَلَمْ أَزِدْ عَلَى الحَجِّ ؟ فَقَالَ لَهَا : (اذْهَبِي ، وَلْيُرْدِفْكِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ) . فَأَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَنْ يُعْمِرَهَا مِنَ التَّنْعِيمِ ، فَانْتَظَرَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِأَعْلَى مَكَّةَ حَتَّى جاءَتْ .

تراجم رجال

۱-ابو حفص عمرو بن علی

یہ عمرو بن علی بن بحر باہلی بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الوضوء میں گزر چکے ہیں (۵)۔

۲-ابو عاصم

ان کا نام ضحاک بن مخلد بن ضحاک بن مسلم شیبانی رحمہ اللہ ہیں، کتاب العلم میں ان کا تذکرہ

---

(۲) فتح الباري: ۱۳۱/٦

(۳) باب جها النساء، (رقم: ۲۸۷۵)

(٤) وفي حاشية اللامع: "ماأفاده الشيخ قدس سره أجود مما قاله الحافظ. (۲٦٥/۷)

(۲۸۲۳/۲۸۲۲) قوله: "عن عائشة......" مرّ تخريجه في كتاب الحيض، باب الأمر بالنفساء إذا نُفسن (۲۹٤)

(٥) دیکھئے باب الرجل يوضئ صاحبه

ہو چکا ہے (٦)۔

۳-عثمان بن اسود

عثمان بن اَسود جمحی رحمہ اللہ کے حالات گزر چکے ہیں (٧)۔

۴-ابن ابی ملیکہ

یہ ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن ملیکہ زہیر رحمہ اللہ ہیں، کتاب الایمان میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(٨)۔

۵-عائشہ

یہ سیدہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، بدء الوحی میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(٩)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے کے اندر ہے،"إذهبي وليُردِفك عبدالرحمن" جو بالکل واضح ہے(١٠)۔

(٢٨٢٣) : حدَّثني عَبْدُ ٱللهِ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : أَمَرَنِي ٱلنَّبِيُّ ﷺ أَنْ أُرْدِفَ عائِشَةَ ، وَأُعْمِرَهَا مِنَ ٱلتَّنْعِيمِ . [ر : ١٦٩٢]

---

(٦) كتاب العلم: ٣/٢٠٢؛

(٧) كتاب الشركة، باب الاشتراك في الذهب والفضة وما يكون فيه الصرف.

(٨) كشف الباري: ٢/٥٤٨

(٩) كشف الباري: ١/٢٩١

(١٠) عمدة القاري. ١٤/٢٣٩

(٢٨٢٣) مر تخريجه في كتاب العمرة، باب عمرة النعيم.

تراجم رجال

۱-عبداللہ

یہ عبداللہ بن محمد ابوجعفر مسندی رحمہ اللہ ہیں۔ کتاب الایمان میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۱۱)۔

۲-ابن عیینہ

یہ ابومحمد سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ہیں۔ بدءالوحی میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۱۲)۔

۳-عمرو بن دینار

یہ عمرو بن دینار جرمی رحمہ اللہ ہیں، کتاب العلم میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۱۳)۔

۴-عمرو بن اوس

یہ عمرو بن اوس ثقفی رحمہ اللہ ہیں، کتاب التہجد میں ان کے حالات گزر چکے ہیں(۱۴)۔

۵-عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق

یہ صحابی رسول حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات گزر چکے ہیں(۱۵)۔
متعلقہ مباحث مختلف ابواب کے تحت گزر چکے ہیں۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "أمرني النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن

(۱۱) کشف الباري: ۱/۶۵۷

(۱۲) کشف الباري: ۱/۲۳۸

(۱۳) کتاب العلم، باب العلم والعظة باللیل

(۱٤) دیکھئے کتاب التهجد، باب من نام عندالسَحَر.

(۱٥) دیکھئے کتاب الحیض، باب نقض المرأة شعرها عند غسل المحیض.

أردف عائشة وأعمرها من التنعيم" سے واضح ہے(١٦)۔

واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

فقہ الحدیث

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سواری پر (چاہے جانور ہو یا کار اور موٹر سائیکل وغیرہ ہو) دو آدمی سوار ہو سکتے ہیں، ہاں سواری کی طاقت و برداشت کا خیال رکھنا ضروری ہے، خصوصاً جب کہ وہ بے زبان جانور ہو۔

اور عورتوں کو سواری پر مردوں کے سامنے نہیں بٹھانا چاہیے، چاہے وہ محرم کیوں نہ ہوں۔ سنت یہی ہے کہ ان کو پیچھے بٹھایا جائے اور یہی ادب و وقار کا تقاضا بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کو جو اُن کی رہنمائی کرتے ہوئے آگے آگے چل رہی تھی، اور ہوا سے ان کے کپڑے اڑ رہے تھے۔ اپنے پیچھے چلنے اور اشارہ سے راستہ بتانے کا کہا۔

چنانچہ دختر شعیب علیہ السلام نے واپسی میں اپنے والد کو کہا "إن خير من استأجرت القوي الأمين"(١٧) یعنی انہوں نے اپنے والد کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور عفت و امانت کے بارے میں آگاہ کیا(١٨)۔

١٢٤ - باب : الإرْتِدَافِ في الْغَزْوِ وَالحَجِّ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

مناسبت تو بیان ہو چکی کہ مسائل سفر کی جہاد میں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ پچھلے باب میں یہ بتایا تھا کہ بہن کو بھائی کے پیچھے سواری پر بٹھانا جائز ہے۔ اب یہ بتا دیا کہ غزوے میں جا رہے ہوں یا حج میں، وہاں بھی دوسرے آدمی کو اپنا ردیف بنانے میں کوئی حرج نہیں (١)۔

---

(١٦) عمدة القاري: ٢٣٩/١٤

(١٧) القصص: ٢٦

(١٨) شرح ابن بطال: ١٤٧/٥

(١) عمدة القاري: ٢٣٩/١٤

٢٨٢٤ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : كُنْتُ رَدِيفَ أَبِي طَلْحَةَ ، وَإِنَّهُمْ لَيَصْرُخُونَ بِهِمَا جَمِيعًا : الحَجِّ وَالْعُمْرَةِ . [ر : ١٠٣٩]

تراجم رجال

۱-قتیبہ

یہ قتیبہ بن سعید ثقفی رحمہ اللہ ہیں، کتاب الایمان میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۳)۔

۲-عبدالوہاب

یہ ابومحمد عبدالوہاب ثقفی رحمہ اللہ ہیں۔

۳-ایوب

یہ ابوبکر ایوب سختیانی رحمہ اللہ ہیں۔

۴-ابوقلابہ

یہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی رحمہ اللہ ہیں۔

ان تینوں حضرات کے حالات کتاب الإیمان میں گزر چکے ہیں(۴)۔

۵-انس

یہ خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ بھی کتاب الایمان میں گزر چکا ہے(۵)۔

(٢٤٢٨) مرّ تخريجه في كتاب تقصير الصلوة، باب يقصر إذا خرج من موضعه (١٠٨٩)

(٣) كشف الباري: ٢/١٨٩

(٤) كشف الباري: ٢/٦٦

(٥) كشف الباري: ٢/٤

كنتُ رديف أبي طلحة، وإنهم ليَصْرُخُون بهما جميعا: الحجّ والعمرة

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سفرِ حج میں ابوطلحہ کے ساتھ ایک ہی جانور پر سوار تھا اور لوگ (تلبیہ میں) حج وعمرہ دونوں کو پکار رہے تھے۔

یہ واقعہ سفرِ حج سے متعلق ہے، لیکن جہاد بھی چونکہ حج کی طرح عبادت ہے اس لئے اس روایت کو جہاد کے ابواب میں ذکر کر دیا گیا۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے چند فوائد مستنبط ہوتے ہیں:

❶ حج اور جہاد میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔

❷ ارداف سنت ہے اور سلف صالحین کا طریقہ ہے، اس سے تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیثِ مذکور کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "كنت رديف أبي طلحة" میں ہے۔ اور سفرِ جہاد کو سفرِ حج پر قیاس کیا گیا ہے(٦)۔

١٢٥ – باب: الرِّدْفِ عَلَى الْحِمَارِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

چونکہ گدھا گھوڑے کے مقابلے میں ایک چھوٹا جانور ہوتا ہے اس لئے شبہ ہوتا تھا کہ شاید اس پر دو آدمیوں کا سوار ہونا جائز نہ ہو، تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بتلا دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

باقی یہ شرط تو ہر جانور میں ہے کہ وہ سواروں کا بوجھ اٹھا سکے، ورنہ جانور کو بے جا تکلیف دینا جائز نہیں، جتنے سواروں کا بوجھ جانور سہار سکے، اتنا ہی بوجھ اس پر ڈالنا چاہیے، چاہے اونٹ ہو یا گھوڑا یا اور کوئی جانور ہو(١)۔

---

(٦) عمدة القاري: ١٤/٢٣٩

(١) لامع الدراري: ٧/٢٦٥، وعمدة القاري: ١٤/٢٣٩

۲۸۲٥ : حدّثنا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ ، عَلَى إِكافٍ عَلَيْهِ قَطِيفَةٌ ، وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ وَرَاءَهُ . [٤٢٩٠ ، ٥٣٣٩ ، ٥٦١٩ ، ٥٨٥٤ ، ٥٨٩٩]

تراجمِ رجال

۱-قتیبہ

یہ قتیبہ بن سعید ثقفی رحمہ اللہ ہیں، کتاب الایمان میں ان کے حالات گزر چکے ہیں (۳)۔

۲-ابوصفوان

ان کا نام عبداللہ بن سعید رحمہ اللہ ہے، کتاب الأذان میں ان کے حالات گزر چکے ہیں (۴)۔

۳-یونس بن یزید

یہ ابوالنجار ایلی رحمہ اللہ ہیں، بدء الوحی میں ان کا ذکر آ چکا ہے (۵)۔

۴-ابن شہاب

یہ ابوبکر محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بدء الوحی میں گزر چکے ہیں (٦)۔

(۲۸۲٥) الحديث أخرجه البخاري في كتاب التفسير، باب ولتسمعن من الذين أوتوا الكتاب (رقم: ٤٥٦٦) وكتاب المرضى، باب عيادة المريض راكبا وماشيا وردفا على الحمار (رقم: ٥٦٦٣) وكتاب اللباس، باب الارتداف على الدابة (٥٨٦٤) وكتاب الأدب باب كُنية المشرك، (رقم: ٦٢٠٧) وكتاب الاستيذان، باب التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين (رقم: ٦٢٥٤) ومسلم، كتاب الجهاد، باب دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وصبره على أذى المنافقين (٦٤٥٩)

(٣) كشف الباري: ١٨٩/٢

(٤) باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال

(٥) كشف الباري: ٤٦٣/١

(٦) كشف الباري: ٣٣٠/١

تحقیق کلماتِ حدیث

إکـــاف: بکسرالہمزۃ وکاف بالواوبھی مستعمل ہے، اس کی جمع اُکُف اور آکفۃ ہے، گدھے کے بالان کو کہا جاتا ہے۔

قطیفة: اس کی جمع قطائف ہے۔ روئی دار چادر کو کہا جاتا ہے۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گدھے پر سوار تھے اور بالان پر چادر بچھی ہوئی تھی، اور حضرت اسامہ آپ کے پیچھے بیٹھے تھے۔

فقہ الحدیث

اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتہائی متواضع ہونا ثابت ہورہا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گدھے جیسے جانور پر بھی سواری فرمایا کرتے تھے اور اپنے پیچھے کسی کو سوار کر لینے میں بھی عار محسوس نہیں فرماتے تھے (۷)۔

علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جلالتِ شان اور عظمت کے باوجود اپنی امت کو تعلیم دینے کے لئے یہ سب کیا کرتے تھے تاکہ لوگ گدھے کی سواری کو معیوب نہ سمجھیں اور اپنے پیچھے کسی کو سوار کر لینے کو باعثِ ذلت نہ سمجھیں، جیسا کہ متکبرین کا شیوہ اور عادت ہوتی ہے (۸)۔

نیز حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور تعلق کا اندازہ بھی اس واقعہ سے اور اگلی روایت سے بخوبی ہوتا ہے (۹)۔

یہاں روایت کا صرف وہ حصہ ذکر کیا گیا ہے جس کا ترجمۃ الباب سے تعلق ہے۔ مفصل واقعہ آگے ''کتاب التفسیر'' میں آرہا ہے (۱۰)۔

---

(۷) شرح ابن بطال: ٥/١٤٨

(٨) شرح ابن بطال: ٥/١٤٨

(٩) عمدة القاري: ١٤/٢٤٠

(١٠) دیکھئے كشف الباري، كتاب التفسير، ص: ١٢٦

ترجمة الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم رکب علی حمار ...... وأردف أسامة وراءه" سے واضح ہے۔

۲۸۲٦ : حدّثنا يَحْيَىٰ بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ : قالَ يُونُسُ : أَخْبَرَنِي نَافِعٌ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَقْبَلَ يَوْمَ الفَتْحِ مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ عَلَى رَاحِلَتِهِ ، مُرْدِفًا أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ ، وَمَعَهُ بِلَالٌ ، وَمَعَهُ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ مِنَ الحَجَبَةِ ، حَتَّى أَنَاخَ فِي المَسْجِدِ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْتِيَ بِمِفْتَاحِ البَيْتِ فَفَتَحَ ، وَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ أُسَامَةُ وَبِلَالٌ وَعُثْمَانُ ، فَمَكَثَ فِيهَا نَهَارًا طَوِيلاً ، ثُمَّ خَرَجَ ، فَاسْتَبَقَ النَّاسُ ، وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَوَّلَ مَنْ دَخَلَ ، فَوَجَدَ بِلَالاً وَرَاءَ البَابِ قائِمًا ، فَسَأَلَهُ أَيْنَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ ؟ فَأَشَارَ لَهُ إِلَى المَكانِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ . قالَ عَبْدُ اللهِ : فَنَسِيتُ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى مِنْ سَجْدَةٍ . [ر : ۳۸۸]

تراجم رجال

۱-یحییٰ بن بکیر

ابوزکریا ان کی کنیت ہے۔

۲-لیث

یہ ابوالحارث لیث بن سعد فہمی رحمہ اللہ ہیں۔ بدء الوحی میں دونوں حضرات کا تذکرہ گزر چکا ہے (۱۲)۔

۳-یونس

یہ یونس بن یزید ایلی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بدء الوحی میں گزر چکے ہیں (۱۳)۔

(۲۸۲٦) قدمرّ تخريجه في كتاب الصلوة، باب قوله تعالىٰ: ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ (رقم: ۳۹۷)

(۱۲) كشف الباري: ۱/۳۲۳-۳۲٤

(۱۳) كشف الباري: ۱/٤٦٣

۴-نافع

یہ ابوسہیل نافع بن مالک اصحی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات گزر چکے ہیں (۱۴)۔

۵-عبداللہ

یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، کتاب الایمان میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۱۵)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہاں مطابقت کے سلسلے میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ باب تو "ردف علی الحمار" کا قائم کیا گیا، جب کہ حدیث مذکور میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار ہونے کا ذکر ہے اور یہ واضح ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "فتح مکہ" والے دن گدھے پر سواری نہیں فرمائی (۱۶)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ارتداف" تو دونوں صورتیں میں ایک ہی جیسا ہوتا ہے، ہاں جانور میں فرق ہے، اس سے حدیث شریف کے ترجمۃ الباب سے انطباق پر کوئی اثر نہیں پڑتا (۱۷)۔

الحجبة: یہ حاجب کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: دربان، چوکیدار۔ یہاں اس سے مراد بیت اللہ شریف کے چابی بردار ہیں۔

قال عبداللّٰه: فنسيتُ أن أسأله كم صَلّٰى مِنْ سَجْدَةٍ

یہاں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمارہے ہیں کہ وہ یہ بات بھول گئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔ جب کہ کتاب الصلوۃ والی روایت (۱۸) میں تصریح موجود ہے کہ

---

(١٤) كشف الباري: ٢٧١/٢

(١٥) كشف الباري: ٦٣٧/١

(١٦) فتح الباري: ١٣٢/٦

(١٧) عمدة القاري: ٢٤٠/١٤

(١٨) باب قوله تعالى: ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کے اندر دو رکعتیں پڑھیں تو ان دونوں روایتوں کے اندر بظاہر تعارض نظر آرہا ہے؟

اس اشکال کے جوابات کتاب المغازی کے اندر ہم تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے(۱۹)۔ یہاں ان کا خلاصہ بیان کر دیا جاتا ہے:

❶ ایک جواب تو یہ دیا گیا کہ "صلی رکعتین" والی روایت وہم ہے، لیکن یہ جواب ضعیف ہے۔

❷ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صراحۃً یہ بات نہیں پوچھی تھی، البتہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اشارۃً بتلا دیا تھا کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں، جیسا کہ اس روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے جو کتاب الصلوۃ میں مذکور ہے۔

❸ "صلی رکعتین" اَقل متیقّن پر محمول ہے، یعنی یقینی طور پر کم از کم نماز دو رکعتیں ہی ہوتی ہیں۔

واللہ أعلم وعلمه أتم وأحكم۔

١٢٦ – باب : مَنْ أَخَذَ بِالرِّكابِ وَنَحْوِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلا رہے ہیں کہ سوار کے رکاب کو تھامنا اور سوار ہونے میں اس کی مدد کرنا یہ ایک نیک اور باعثِ فضیلت عمل ہے خصوصاً جب کہ سوار جہاد کے لئے باپہ رکاب ہو تو اس کی فضیلت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے(۱)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے رکاب کو تھام لیا تو انہوں نے کہا۔ اے نبی کے چچا زاد بھائی! ایسا مت کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہمیں اپنے علماء کے ساتھ اسی طرح احترام کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا۔

یہ سن کر حضرت زید نے ابن عباس کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا تو انہوں نے کہا: "ایسا مت کرو" تو حضرت

---

(۱۹) دیکھئے کشف الباري، کتاب المغازي، ص: ٥١٥

(١) شرح ابن بطال: ٥/٤٨، وعمدة القاري: ١٤/ ٢٤٠

زید نے کہا: ہمیں آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اسی طرح محبت کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے(۲)۔

ہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ اس میں رکاب تھامنے والے کی تذلیل ہوتی ہے نہ ہی سوار کے لئے یہ کوئی قابل فخر بات ہے، سفر میں ایسا ہوجایا کرتا ہے اوراس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے کہ کسی کو اتار دیا جائے اور کسی کو سوار کرایا جائے۔

۲۸۲۷ : حدّثني إسْحٰقُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اَللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ اَللّٰهِ ﷺ : (كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ ، يَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ ، وَيُعِينُ الرَّجُلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا ، أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ ، وَيُمِيطُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ) . [ر : ۲۵٦۰]

تراجمِ رجال

۱-اِسحاق

یہاں اسحاق بلانسبت ذکر ہوا ہے، اور "باب فضل من حمل متاع صاحبه فی السفر"(٤)، میں یہ روایت اسحٰق بن نصر سے اور "کتاب الصلح"(٥) میں اسحٰق بن منصور سے مروی ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ابن نصر اور ابن منصور میں سے کون سے راوی مراد ہیں جب کہ دونوں ہی عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابو یعقوب اسحٰق بن منصور بن بہرام کوسَج مروزی رحمہ اللہ ہیں، اس لئے کہ ابوذر کے نسخہ میں اسحاق بن منصور ہی آیا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ "کتاب الصلح" والی روایت (جو ابن منصور سے مروی ہے) اور روایتِ باب کے الفاظ بالکل یکساں ہیں۔ جب کہ ابن نصر کی

(۲) شرح ابن بطال: ٥/٤٨، وعمدة القاري: ١٤/٢٤٠

(٢٨٢٧) مرَّ تخريجه في كتاب الصلح، باب فضل الإصلاح بين الناس والعدل بينهم: (٢٧٠٧)

(٤) كتاب الجهاد، (رقم الحديث: ٢٨٩١)

(٥) انظر حاشية الثالثة

روایت کا سیاق کچھ مختلف ہے، جو کتاب الجہاد میں گزری ہے(٦)۔ اسحق بن منصور کے مفصل حالات کتاب الایمان میں آچکے ہیں(۷)۔

۲-عبدالرزاق

یہ ابوبکر عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بدء الوحی کے تحت گزر چکے ہیں(۸)۔

۳-معمر

یہ ابوعروہ معمر بن راشد بصری رحمہ اللہ ہیں، بدءالوحی میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے(۹)۔

۴-ہمام

یہ ابوعقبہ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں۔

۵-ابوہریرہ

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان کے تحت گزر چکے ہیں(۱۰)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ "انسان کے بدن کے ہر جوڑ پر طلوعِ آفتاب کے ساتھ ایک صدقہ واجب ہو جاتا ہے، دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے، کسی آدمی کو سوار ہونے میں مدد دینا یا اس کی سواری پر اس کا مال واسباب لاد دینا صدقہ ہے، کسی سے اچھی بات کہنا صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جو نماز کے لئے اٹھے صدقہ ہے، اور تکلیف دینے والی چیز کو راستہ سے ہٹا دینا صدقہ ہے"۔

---

(٦) فتح الباري: ٥/٣٠٩، و: ٦/١٣٢، وعمدة القاري: ١٣/٢٨٦، : ١٤/١٤١

(٧) كشف الباري: ٢/٤٢٠، : ٢/٤٢١

(٨) كشف الباري: ١/٤٦٥

(٩) كشف الباري: ٢/٤٢٨

(١٠) كشف الباري: ١/٦٥٩

سُلامیٰ کے معنی

اس کی مفرد سُلامية ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ "جنس" ہے۔ یعنی اس کا واحد و جمع برابر ہے اور اس کی جمع سُلاميّات ہے۔ چھوٹی ہڈیوں میں سے ہر جوڑ دار ہڈی، جیسے انگلیوں کی ہڈیاں، پھر توسعاً ہر ہڈی اور ہڈی کے جوڑوں پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

علامہ ابوعبید فرماتے ہیں کہ سُلامیٰ اس ہڈی کو کہتے ہیں جو اونٹ کے کھر کے کنارے پر ہوتا ہے (۱۱)۔

بہرحال حاصل یہ ہے کہ انسان کی ہر ہڈی پر ایک صدقہ روزانہ لازم ہوتا ہے، اللہ جل شانہ کی تمام نعمتیں ہی ایسی ہیں کہ جن کا شکر ادا کرنا انسان کے بس میں نہیں، لیکن ہڈیوں کو خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے انسان کی حرکت وسکون اور ہلنے جلنے کا مدار اکثر ہڈیوں پر ہی ہوتا ہے (۱۲)۔

صحیح مسلم میں ہے: "سلامی انسانی جسم کے جوڑوں کو کہا جاتا ہے جن کی تعداد تین سو ساٹھ بنتی ہے" (۱۳)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدقہ ادا کرنا واجب ہے، لیکن خدا کی شانِ کریمی دیکھئے کہ معمولی معمولی مستحب اعمال سے بھی یہ ذمہ داری ادا ہو جاتی ہے (۱۴)۔

عليه صدقة

چونکہ سلامیٰ مؤنث ہے اس لئے اعتراض ہوتا ہے کہ "عليه" کے بجائے "عليها" ہونا چاہیے۔

صاحبِ الفیہ ابن مالک رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ "كل" جب مضاف ہوتا ہے کسی نکرہ کی طرف، تو مضاف الیہ کا اعتبار ہوتا ہے جیسے آیت "كل نفس ذائقة الموت" میں "نفس" مضاف الیہ کا اعتبار ہوا ہے اس

(۱۱) النهاية: ۲/۳۹٦

(۱۲) فتح الباري: ٦/۱۳۲

(۱۳) صحيح مسلم: ۱/۲۳۵، كتاب الزكوة- باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف.

(۱٤) عمدة القاري: ۱۳/۲۸۷

لئے "ذائقة" خبر مؤنث لائی گئی کیونکہ "نفس" بھی مؤنث ہے۔لیکن یہاں ایسانہیں ہے بلکہ یہاں مضاف "کل" کا اعتبار کیا گیا ہے اوراس کی طرف "علیه" کی ضمیر مذکر راجع ہے۔

قاعدہ تو وہی ہے جوابن مالک رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اوراس کا تقاضا یہی ہے کہ "علیها" ہو کیونکہ "سلامی" مؤنث ہے۔لیکن حدیث نبوی میں چونکہ اس قاعدہ کے خلاف آیا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ یہ صورت بھی جائز ہے۔یا "سلامی" کے ضمن میں موجود معنی "عظم" یا "مفصل" کے طرف ضمیر مذکر راجع ہے(۱۵)۔

يعدل بين الإثنين صدقة

یہاں "أن" مقدر ہے، پھر یہ بتاویل مصدر مبتدأ بنے گا،ومثله: "وتسمع بالمعيدي خير من أن تراه"(١٦)۔

كل خطوة يخطوها إلى الصلوة

یعنی "ہر قدم جو مسجد اور نماز کے لئے اٹھاتا ہے، وہ صدقہ ہے"۔اس میں اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ جتنے قدم زیادہ ہوں گے، اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا۔نیز اس میں اس بات کی تنبیہ بھی ہے کہ مسجد کی طرف جاتے ہوئے دوڑنا اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنا اچھی بات نہیں بلکہ وقار اور اطمینان ملحوظ رکھنا چاہیے(۱۷)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "ويعين الرجل على دابته فيحمل عليها" سے مستنبط ہے، کیونکہ سوار کی اعانت اور مدد عموماً رکاب تھام کر اور سامان وغیرہ لدوا کر ہی کی جاتی ہے(۱۸)۔

---

(١٥) فتح الباري: ١٣٢/١

(١٦) عمدة القاري: ٢٤١/١٤

(١٧) عمدة القاري: ٢٤١/١٤

(١٨) شرح ابن بطال: ١٤٨/٥

١٢٧ – باب : كَرَاهِيَةِ السَّفَرِ بِالْمَصَاحِفِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ .

وَكَذٰلِكَ يُرْوَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ بِشْرٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . وَتَابَعَهُ ابْنُ إِسْحٰقَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

وَقَدْ سَافَرَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ ، وَهُمْ يَعْلَمُونَ الْقُرْآنَ .

نسخوں کا اختلاف

ترجمۃ الباب میں لفظ "كــراهية" کا اضافہ صرف مستملی کے نسخہ میں ہے، جس کی وجہ نے ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "وكذلك يروى ......" یہاں غلط ہے، اس لئے کہ اس سے پہلے کوئی چیز ماقبل میں مذکور نہیں ہے جس کی طرف "وكذلك" سے اشارہ کیا جائے چنانچہ ترتیب یہ ہونی چاہیے تھی کہ پہلے روایتِ مالک کو ذکر کرتے پھر وكذلك سے اس کی طرف اشارہ کرتے (۱)۔

لیکن حافظ ابن حجر نے ان کی اس گرفت کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا ہے یہ "بـاب السفر ......" نہیں بلکہ "باب كراهية السفر ......" ہے جیسا کہ مستملی کے نسخہ میں ہے، چنانچہ اب "وكذلك......" کا مشار الیہ وہ "كراهية السفر" ہے جو محمد بن بسر کی روایت میں آیا ہے: "كره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ......" (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر بتلانا چاہتے ہیں کہ دشمن کی سرزمین کی طرف جاتے ہوئے قرآن کریم کو ساتھ لے جانا مکروہ ہے اگر حفاظت نہ ہو سکے اور اگر حفاظت واطمینان ہو تو جائز ہے (۳)۔

دشمن کی سرزمین میں مصحف لے جانے کا حکم

اس مسئلہ میں علماء کے تین اقوال ہیں:

---

(۱) شرح ابن بطال: ١٤٩/٥

(۲) فتح الباري: ١٣٣/٦

(۳) عمدة القاري: ٢٤١/١٤، لامع الدراري: ٢٦٥/٧

❶ مطلقاً نا جائز ہے، یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

❷ مطلقاً جائز ہے، علامہ ابن المنذر رکہتے ہیں کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے (۴)۔

❸ قرآن مجید کی اہانت کا خطرہ ہو تو تب نا جائز ہے، اور اگر ایسا کوئی خطرہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، قرآن کریم کو ساتھ لے جایا جا سکتا ہے۔ یہ امام شافعی، امام احمد، اکثر احناف اور بعض مالکیہ کا مذہب ہے، اس لئے کہ اس حکم کا مدار اس علت پر ہے: "مخافة أن يناله العدو".

چنانچہ جہاں قرآن کریم کا دشمن کے ہاتھ لگنے یا اس کی اہانت کا اندیشہ ہو تو وہاں مصاحف ساتھ لے کر نہیں جانا چاہیے، جیسے چھاپہ مار لشکر ہوتے ہیں جو اکثر قلیل تعداد میں ہوتے ہیں، وہاں یہ خطرہ بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هذا هو الصحيح وبه قال أبو حنيفة والبخاري وآخرون......" (٥).

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر واجبِ احترام چیز اور جس کی اہانت اور بے ادبی حرام ہو، ایسی اشیاء کا کافروں کے ملکوں میں لے جانا ممنوع ہے۔ جیسے قرآن کریم اور فقہ وحدیث کی کتابیں وغیرہ۔

حاصل یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ "سفر بالمصحف" کو مطلقاً نا جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ حدیث میں ایسی کوئی قید نہیں ہے کہ لشکر چھوٹا ہو یا بڑا ہو، بہر حال غفلت میں مصحف دشمن کے ہاتھ لگنے کا اندیشہ تو ہوتا ہی ہے (٦)۔

اور جمہور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، جب کہ لشکر بڑا ہو، مأمون ہو، کیونکہ مدار دشمن کے ہاتھ لگنے کا خوف ہے اور جب خوف نہ ہو تو جائز ہے (٧)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف بڑے لشکر کی صورت میں ہے سرایا اور چھاپہ مار دستوں کے لئے باتفاقِ ائمہ، مصحف ساتھ لے جانا جائز نہیں ہے (٨)۔

---

(٤) شرح النووي على صحيح مسلم: ١٣٢/٢، طبع قديمي كتب خانه

(٥) حوالہ بالا نیز دیکھئے: أوجز المسالك: ٢١٨/٨، وإعلاء السنن: ٢٦/١٢

(٦) المنتقى نقلا عن أوجز المسالك: ٢١٨/٨

(٧) راجع للتفصيل أوجز المسالك: ٢١٨/٨

(٨) التمهيد لابن عبدالبر: ٢٥٤/١٥

مالکیہ کا استدلال

مالکیہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں جس کے الفاظ ہیں "أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم نهى أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو" اس روایت میں مطلقاً ممانعت وارد ہے، چاہے لشکر چھوٹا ہو یا بڑا(۹)۔

جمہور کا استدلال

جمہور جو کہ تفصیل کے قائل ہیں، وہ صحیح مسلم کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کے ایک طریق میں "مخافة أن يناله العدو" کا اور دوسرے طریق میں "فإني لا آمن أن يناله العدو" کا اضافہ ہے، اور ظاہر ہے خوف بڑے لشکروں میں نہیں ہوتا، بلکہ چھوٹے دستوں میں ہوتا ہے(۱۰)۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے جو متابعت ذکر فرمائی ہے اس سے بھی جمہور کی تائید ہو رہی ہے، کیونکہ تعلیم قرآن اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ اپنے ساتھ لکھا ہوا قرآن لے جایا کرتے تھے، اس لئے کہ تمام صحابہ تو قرآن کریم کے حافظ نہیں ہوتے تھے(۱۱)۔

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی تحریم نہیں، بلکہ نہی استحباب ہے۔ یعنی قرآن کریم کا اکرام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی ایسے لوگوں اور جگہوں سے حفاظت کی جائے جہاں توہین اور بے ادبی کا اندیشہ ہو، کیونکہ خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو نامۂ مبارک ارسال فرمایا تھا اس میں پوری ایک آیت موجود تھی اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب جانتے تھے، یہ کفار ناپاک ہیں اور وہ اس آیت مبارکہ کو پڑھیں گے، ہاتھ لگائیں گے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ نہی مطلق نہیں اور نہ ہی محفوظ و مامون لشکروں سے اس کا تعلق ہے(۱۲)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس بات پر فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے کہ کفار کو دعوتی مقاصد کے لئے ایسے

---

(۹) التمهيد لابن عبدالبر: ۲۵٤/۱۵

(۱۰) الصحيح لمسلم: ۱۳۱/۲، قديمي

(۱۱) شرح ابن بطال: ۱۵۰/۵

(۱۲) شرح ابن بطال: ۱۵۰/۵

خطوط بھیجے جاسکتے ہیں جن میں ایک یا ایک سے زائد آیتیں درج ہوں، جناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہرقل قیصرِ روم کو خط لکھنا اس کی دلیل ہے(۱۳)۔

مخافة أن يناله العدو کا اضافہ ثابت ہے یا نہیں؟

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مدارِ اختلاف وہ یہ مذکور الصدر جملہ ہے۔ اب یہاں مالکیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ اضافہ ثابت نہیں بلکہ یہ مدرج ہے۔ چنانچہ علامہ ابن بطال مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ولم تصح هذه الزيادة عند مالك ولا عند البخاري، وإنما هي من قول مالك"(١٤)۔

مالکیہ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، کیونکہ صحیح مسلم(۱۵)، سنن نسائی(۱۶) اور سنن ابن ماجہ(۱۷) نے یہ روایت لیث عن نافع کے طریق سے نقل کی ہے اس میں یہ اضافہ موجود ہے، نیز امام مسلم(۱۸) نے ایوب کے طریق سے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت مرفوع ہے، مدرج نہیں ہے، اور اس سے جمہور کا استدلال درست ہے۔

ایک اشکال اور جواب

اب یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خود امام مالک رحمہ اللہ سے ابن وہب نے جو روایت نقل کی ہے، اس میں تو "خشية أن يناله العدو" کو بطور حدیث کے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے التمہید میں اسے ذکر کیا ہے(۱۹)۔ جب کہ "موطا" میں اس اضافہ کو بطورِ حدیث نہیں ذکر کیا گیا بلکہ امام مالک رحمہ اللہ

(١٣) شرح النووي على صحيح مسلم: ١٣٢/٢، قديمي

(١٤) شرح ابن بطال: ١٥١/٥؛

(١٥) صحيح مسلم: ١٣١/٢، كتاب الإمارة، باب النهي أن يسافر بالمصحف إلى أرض الكفار إذا خيف وقوعه بأيديهم.

(١٦) سنن النسائي الكبرىٰ: ٢٤٣/٥

(١٧) كتاب الجهاد، باب النهي أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو، (رقم: ٢٨٧٩، ٢٨٨٠)

(١٨) كتاب الإمارة، باب النهي أن يسافر بالمصحف إلى أرض الكفار إذا خيف وقوعه بأيديهم

(١٩) التمهيد لابن عبدالبر: ٢٥٣/١٥

کا قول بنا کر نقل کیا گیا ہے(۲۰)، اسی طرح ابوداؤد میں بھی ہے(۲۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "لعل مالكا كان يجزم به ثم صار يشك في رفعه فجعله من تفسير نفسه" (۲۲)۔ یعنی "پہلے تو امام صاحب شاید اسے مرفوع خیال کرتے تھے، بعد میں انہیں مرفوع ہونے پر شک ہوا تو انہوں نے اس اضافہ کو اپنا قول بنالیا"۔

اور رہی یہ بات کہ یہ تو ابن وہب کا تفرد ہے تو اس کی تفصیل ہم نے اوپر بیان کردی ہے کہ امام مسلم، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے عن نافع کے طریق سے اس اضافہ کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔

نیز سنن ابن ماجہ میں عبدالرحمٰن بن مہدی عن مالک کے طریق میں بھی اس اضافہ کو مرفوعاً نقل کیا گیا ہے(۲۳)۔

نیز محمد بن بشر کی جس روایت کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے اس میں بھی یہ اضافہ ثابت ہے، مسند اسحٰق بن راھویہ میں اس روایت کو موصولاً ذکر کیا گیا ہے جس کے الفاظ ہیں: "كره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو، مخافة أن يناله العدو" (٢٤).

قوله: "وكذلك يروى عن محمد بن بشر......" (٢٥).

قوله: "وتابعه ابن اسحاق عن نافع عن ابن عمر......" (٢٦).

متابعت کی تخریج

مسند احمد میں اس روایت کی یزید بن ہارون عن ابن اسحاق کے طریق سے تخریج کی گئی ہے(۲۷)۔

(٢٠) الموطأ للإمام مالك: ٤٤٦/٢، كتاب الجهاد، باب النهي عن أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو. بيروت

(٢١) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في المصحف يسافر به إلى أرض العدو، (٢٦١٠)

(٢٢) فتح الباري: ١٣٤/٦

(٢٣) ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب النهي أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو (٢٨٧٩)

(٢٤) فتح الباري: ١٣٣/٦

(٢٥) انظر الرواية في المصدر السابق وتغليق التعليق: ٤٥٣/٣

(٢٦) انظر الرواية في المصدر السابق وتغليق التعليق: ٤٥٣/٣

(٢٧) المسند للإمام أحمد: ٧٦/٢

اس متابعت کوذکر کرنے کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس متابعت کوذکر کرنے کا مقصد محمد بن بشر کی روایت میں وارد کراهیتِ سفر بالمصحف کی تائید کرنا ہے، واضح رہے کہ یہ متابعت لفظی نہیں ہے بلکہ متابعت معنوی ہے، کیونکہ ابن اسحاق کی روایت میں "کرہ" کالفظ نہیں آیا ہے بلکہ "نهى أن يسافر بالمصحف إلى أرض العدو" آیا ہے(۲۸)۔ اور کسی چیز سے نہی وممانعت، کراہت کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ نہی کراہت تنزیہی یاتحریمی سے خالی نہیں ہوتی (۲۹)۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے متابعت کے مقصد کو یوں بیان کیا ہے کہ امام صاحب دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ "مخافة أن يناله العدو" کا جواضافہ بعض حضرات نے کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔جیسا کہ محمد ابن اسحاق کی روایت میں یہ اضافہ موجود نہیں ہے(۳۰)۔اس مسئلے کی تفصیل ماقبل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حافظ رحمہ اللہ متابعت کا مقصد "كراهة السفر" کی تائید کوقرار دے رہے ہیں اور یہ بات واضح ہے کیونکہ محمد بن بشر کی روایت میں "کرہ......" آیا اور محمد بن اسحاق کی روایت میں "نهى......" اور نہی میں کراہت تو ہوتی ہی ہے۔

اور ابن بطال رحمہ اللہ اس متابعت کا مقصد اس اضافہ کی عدم صحت کی تائید قرار دے رہے ہیں، جب کہ محمد بن بشر کی روایت میں یہ اضافہ موجود ہے اور محمد ابن اسحاق کی روایت میں یہ اضافہ موجود نہیں۔

وقد سافر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه في أرض العدو وهم يعلمون القرآن

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مقصد اس پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ نہی عمومی نہیں ہے بلکہ اس ممانعت کا تعلق ان چھوٹے لشکروں اور دستوں سے ہے جن کی حفاظت غیر یقینی ہوتی ہے، اور اگر لشکر بڑے

---

(۲۸) المسند للإمام أحمد: ۷۶/۲

(۲۹) فتح الباري: ۱۳۳/۶

(۳۰) شرح ابن بطال: ۱۴۹/۵

ہوں تو اس میں قرآن کو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دشمن کے ملکوں میں بھی قرآن کریم کے سیکھنے سکھانے میں مشغول رہتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سب تو حافظ قرآن نہیں ہوتے تھے، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی طرف معلوم ہوتا ہے (۳۱)۔

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ یہ نہی قرآن کریم سے متعلق ہے، حاملِ قرآن سے نہیں (۳۲)۔

چنانچہ قراءِ سبعین کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے بھیجا تھا اور انہوں نے بئر معونہ کے مقام پر جامِ شہادت نوش فرمایا اور بھی اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن میں حفاظِ قرآن کا جہاد میں جانا ثابت ہے۔

۲۸۲۸ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ .

تراجمِ رجال

۱- عبداللہ بن مسلمہ

یہ ابوعبدالرحمن عبداللہ بن مسلمہ بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۳۴)۔

---

(۳۱) شرح ابن بطال: ١٥٠/٥

(۳۲) فتح الباري: ١٣٣/٦

(٢٨٢٨) الحديث أخرجه مسلم في كتاب الإمارة، باب النهي لمن يسافر بالمصحف إلى أرض الكفار، إذا خيف وقوعه بأيديهم رقم: ٢٩-٤٠٤١، وأبوداود في كتاب الجهاد، باب في المصحف يسافر به إلى أرض العدو (٢٦١٠)، وابن ماجة في كتاب الجهاد، باب النهي أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو (٧٩-٢٨٨٠)

(٣٤) كشف الباري: ٨٠/٢

۲-مالک

یہ مشہور امام ابوعبداللہ بن انس مدنی رحمہ اللہ ہیں، ان کا مفصل تذکرہ گزر چکا ہے (۳۵)۔

۳-نافع

یہ ابوسہیل نافع بن مالک اصبحی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۳٦)۔

۴-عبداللہ بن عمر

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۳۷)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارک کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے کیونکہ یہاں قرآن سے مراد مصحف ہے، نہ کہ نفسِ قرآن جو حفاظ کے سینوں میں ہوتا ہے (۳۸)۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۱۲۸ – باب : التَّكْبِيرِ عِنْدَ الحَرْبِ

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جنگ کے دوران تکبیر کہنا مشروع اور جائز ہے (۱)، حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

(۳۵) كشف الباري: ۲/۸۰

(۳٦) كشف الباري: ۲/۲۷

(۳۷) كشف الباري: ۱/٦۳۷

(۳۸) عمدة القاري: ۱٤/۲٤۲

(۱) عمدة القاري: ۱٤/۲٤۳

سے منقول ہے کہ جب وہ تلوار مارتے تھے، تو تکبیر کہتے تھے، لیلۃ الہریر میں انہوں نے ساڑھے چار سو تکبیریں کہی ہیں۔ لیلۃ الہریر سے مراد جنگ صفین کی رات ہے۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ "تم لوگ شہر میں جاؤ گے" اس کا ایک حصہ خشکی میں اور ایک حصہ پانی میں ہے، وہاں لا إله إلا الله، الله أكبر کہنا، نتیجتاً اس کا ایک حصہ گر جائے گا (۳)۔ اس سے مراد قسطنطنیہ ہے (۴)۔

اسی طرح ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے: "فيفتتحون القسطنطنية بالتسبيح والتكبير......" (٥).

چنانچہ معلوم ہوا کہ جنگ کے دوران تکبیر کہنا درست اور جائز ہے۔

٢٨٢٩ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قَالَ : صَبَّحَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ ، وَقَدْ خَرَجُوا بِالْمَسَاحِي عَلَى أَعْنَاقِهِمْ ، فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا : هٰذَا محمَّدٌ وَالخَمِيسُ ، محمَّدٌ والخَمِيسُ . فَلَجَؤُوا إِلَى الْحِصْنِ ، فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ : (ٱللهُ أَكْبَرُ ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ) . وَأَصَبْنَا حُمُرًا فَطَبَخْنَاهَا ، فَنَادَى مُنَادِي النَّبِيِّ ﷺ : إِنَّ ٱللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ ، فَأُكْفِئَتِ الْقُدُورُ بِمَا فِيهَا .

تَابَعَهُ عَلِيٌّ ، عَنْ سُفْيَانَ : رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ . [ر : ٣٦٤]

تراجم رجال

۱- عبداللہ بن محمد

یہ عبداللہ بن محمد مسندی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۷)۔

---

(٣) صحيح مسلم: ٢/٢٩٦، كتاب الفتن، باب فتح بلدة جانبها في البر وجانبها في لبحر (رقم ٧٣٣٣)

(٤) شرح النووي على مسلم: ٢/٣٩٦

(٥) سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب الملاحم (٤٠٩٤)

(٢٨٢٩) مرَّ تخريجه في كتاب الصلوة، باب مايذكر في الفخذ، (رقم: ٣٨١)

(٧) كشف الباري، كتاب الإيمان: ١/٦٥٧

۲-سفیان

یہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ہیں، بدء الوحی میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے (۸)۔

۳-ایوب

یہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ ہیں، کتاب الایمان میں ان کے حالات گزر چکے ہیں (۹)۔

۴-محمد

یہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان میں گزر چکا ہے (۱۰)۔

۵-أنس

یہ خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۱۱)۔

یہ حدیث مبارک کئی بار ماقبل میں گزر چکی ہے، متعلقہ مباحث متعلقہ ابواب میں دیکھے جا سکتے ہیں، اور گدھے کے گوشت کا حکم کتاب الصید والذبائح میں آرہا ہے۔

فائدہ

جنگوں میں تکبیر کہنا اس امت کی خصوصیت ہے، اس سے خدا کی کبریائی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے (۱۲)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے:

---

(۸) كشف الباري: ۱/۲۳۸

(۹) كشف الباري: ۲/۲٦

(۱۰،۱۱) كشف الباري: ۲/٤

(۱۲) شرح ابن بطال: ٥/۱٥۱

"الله أكبر، خربت خيبر"(۱۳)۔

تابعه علي، عن سفيان: رفع النبيُّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يديه

یعنی علی بن المدینی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن محمد مسندی کی متابعت کی ہے۔

اس متابعت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المناقب میں موصولاً ذکر کیا ہے(۱۴)۔

متابعت کو ذکر کرنے کا مقصد

"رفع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يديه" کا اضافہ چونکہ اس روایت کے دوسرے طریق میں نہیں ہے(۱۵) اس لئے اس متابعت کے ذریعے وضاحت فرمادی کہ علی بن المدینی نے بھی اس اضافہ کو نقل کیا ہے جس سے روایت باب کی تائید ہورہی ہے۔

واللہ أعلم بالصواب۔

۱۲۹ – باب : ما يُكْرَهُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي التَّكْبِيرِ .

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرمارہے ہیں کہ جنگ کے اندر تکبیر کہنا تو مشروع ہے لیکن بہت زیادہ چیخنا اور ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنا مکروہ ہے(۱)، اس لئے کہ زیادہ چیخنے کی وجہ سے انسان کی قوت میں کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ رفع الصوت بالتکبیر کی کراہت کا محل غیر جہاد ہے، جہاد

---

(۱۳) عمدة القاري: ۲٤۳/۱٤

(۱٤) دیکھئے صحیح البخاري، کتاب المناقب، باب، رقم (۳٦٤۷)

(۱٥) فیض الباري: ٤٤۳/۳

(۱) لامع الدراري: ۲٦۸/۷

کے اندر اگر رفع الصوت بالتکبیر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)۔

شاہ صاحب نے روایت کے ظاہر پر اعتماد فرمایا ہے لیکن امام بخاری کے ترجمے کے اطلاق کو انہوں نے ملحوظ نہیں رکھا، امام بخاری کے ترجمے کا اطلاق یہی تقاضا کرتا ہے کہ جہاد میں بھی ضرورت سے زیادہ آواز کو بلند کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔

۲۸۳۰ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عاصِمٍ ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَكُنَّا إِذَا أَشْرَفْنَا عَلَى وَادٍ ، هَلَّلْنَا وَكَبَّرْنَا ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غائِبًا ، إِنَّهُ مَعَكُمْ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ، تَبَارَكَ اسْمُهُ وَتَعَالَى جَدُّهُ) .

[٣٩٦٨ ، ٦٠٢١ ، ٦٠٤٦ ، ٦٢٣٦ ، ٦٩٥٢]

تراجم رجال

۱- محمد بن یوسف

یہ ابو محمد بن یوسف بیکندی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات گزر چکے ہیں (۴)۔

---

(٢) فيض الباري: ٣/٤٤٣

(٢٨٣٠) الحديث أخرجه البخاري في كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، (رقم: ٤٢٠٢)، وكتاب الدعاء، باب الدعاء إذا علا عقبة (٦٣٨٤) وباب قول لاحول ولا قوة إلا بالله (٦٤٠٩) وكتاب القدر، باب لاحول ولا قوة إلا بالله (٦٦١٠)، وكتاب التوحيد، باب وكان الله سميعا بصيراً (٨٦٧٣)، ومسلم، في كتاب الذكر، باب استحباب خفض الصوت بالذكر إلا في المواضع التي ورد الشرع برفعه فيها كالتلبية وغيرها (٦٨٦٢)، والترمذي في كتاب الدعاء، باب كون الذكر خير أعمالكم وأذكاها عند مليككم (٣٣٧٤)، وباب ماجاء فى فضل التسبيح والتكبير والتهليل والتحميد (٣٤٦١)، وأبوداود في كتاب الوتر، باب في الاستغفار (١٥٢٦-١٥٢٧)، والنسائي في كتاب النعوت، باب السميع القريب (٧٦٧٩)، وفي كتاب السير، باب شدة رفع الصوت بالتهليل والتكبير (٨٨٢٤)، وابن ماجة في كتاب الأدب، باب ماجاء في "لا حول ولا قوة إلا بالله (٣٨٢٤)

(٤) كشف الباري: ٣/٣٣٥

مسئلہ ذکر بالجہر

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء جہری ذکر سے منع کرتے ہیں (۵)۔

دوسری طرف جو حضرات جہری ذکر کی مشروعیت اور جواز کے قائل ہیں وہ اس طرح کی روایتوں کی مختلف توجیہ ذکر کرتے ہیں۔

❶ حدیث میں چیخ وپکار اور شور مچانے سے منع کیا گیا ہے اس بات کی تائید خود حدیث کے ان الفاظ سے ہورہی ہے: "اربعوا علی أنفسکم" یعنی اپنے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اور ظاہر ہے کہ ذکر بالجہر جو مشائخ کے ہاں رائج ہے اس میں چیخ وپکار ہوتی ہے نہ سختی ہوتی ہے (٦)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو ممانعت وارد ہے اس کا تعلق ذکر سے نہیں ہے کیونکہ ذکر کی کوئی قسم ممنوع نہیں ہے بلکہ یہاں آواز بلند کرنے سے اس لئے منع کیا گیا تھا کہ وہ دشمنوں کا علاقہ تھا، شور شرابے سے وہ ہوشیار ہو جاتے۔

چنانچہ جہاں جہر سے تکلیف اور ایذاء کا اندیشہ ہو، وہاں یہ جہر مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ تو یہ ممانعت کسی امر خارج ہی کی وجہ سے ہوسکتی ہے کیونکہ ذکر الٰہی کی کوئی بھی قسم منھی عنہ نہیں ہے (۷)۔ اور اختلافِ احوال واشخاص سے بھی حکم میں تبدیلی ہوسکتی ہے (۸)۔

مذکورالصدر توجیہات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ جہری ذکر جس کی کیفیت "دھمال" کی سی ہو کہ خوب شور وشرابا اور غل غپاڑہ ہو، اور "و-ند" کے نام پر اچھل کود ہو، ایسے امور کا شریعت سے دور کا واسطہ بھی نہیں چہ جائیکہ اسے جائز اور مشروع کہا جائے۔

حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی نے ذکر بالجہر کے مسئلہ میں "سباحة الفكر في الجهر بالذكر" نامی رسالہ مرتب کیا ہے جس میں انہوں نے ذکر بالجہر کے جواز کو اڑتالیس روایتوں سے ثابت کیا ہے (۹)۔

---

(٥) إرشاد الساري: ١٣٥/٥

(٦) لامع الدراري: ٢٦٨/٧

(٧) الكوكب الدري: ٣٤٦/٤

(٨) سباحة الفكر، ص: ١٤، في المجلد الثالث من مجموعة رسائل العلامة اللكنوي.

(٩) مجموعة رسائل اللكنوي: ٣/٤٦٥-٤٩٦، إدارة القرآن كراچی.

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح

أشرفنا: اِشراف کے معنی ہیں: اوپر سے جھانکنا، یعنی "جب ہم کسی وادی میں آجاتے"۔

ارتفعت أصواتنا

یہ جملہ فعلیہ حال واقع ہورہا ہے، یہاں "قد" مقدر ہے کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿أو جاؤكم حصرت صدورهم﴾ أی قد حصرت.

اربعوا علی أنفسكم

ربع (ف) رَبْعا: توقف کرنا، انتظار کرنا، کہا جاتا ہے: "ربع الرجل بالمکان" سفر ختم کرکے کسی جگہ پڑاؤ ڈالا۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب ہے: شورمت کرو اور آواز کو بلند نہ کرو۔ اور ابن قرقول کا کہنا ہے کہ اپنے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اور سختی چھوڑ دو (۱۰)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث سے حاصل شدہ معنی سے مستنبط ہے، اس لئے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں رفع صوت کو ناپسند کیا ہے (۱۱)۔

۱۳۰ – باب : التَّسْبِيحِ إِذَا هَبَطَ وَادِيًا .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلا رہے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی وادی میں اترتے تھے تو تسبیح پڑھا کرتے تھے، تسبیح کے معنی تنزیہ کے ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ نیچے کی طرف اتر رہے ہیں تو وہاں یہ خیال رکھنا

---

(۱۰) عمدة القاري: ۱٤/۲٤٥، وأعلام الحديث للخطابي: ۲/۱٤۲٤

(۱۱) إرشاد الساري: ٥/۱۳٥

چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مقدس اور منزہ ہیں، جیسے نشیب کو فراز اور نیچی جگہ کو اُونچی جگہ کے مقابلے میں کم سمجھا جاتا ہے، جو کہ عیب ہے تو نیچے اترتے ہوئے یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر پستی سے منزہ اور ہر عیب سے پاک ہے(۱)۔

۲۸۳۱ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الجَعْدِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : كُنَّا إِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا ، وَإِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا . [۲۸۳۲]

تراجم رجال

۱-محمد بن یوسف

یہ ابواحمد محمد بن یوسف بیکندی رحمہ اللہ ہیں، کتاب العلم میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۳)۔

۲-سفیان

یہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ہیں، ''بدء الوحی'' میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۴)۔

۳-حصین بن عبدالرحمٰن

حصین بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کا تذکرہ گزر چکا ہے(۵)۔

۴-سالم بن ابی الجعد

سالم بن ابی الجعد رحمہ اللہ کا تذکرہ گزر چکا ہے(٦)۔

---

(١) شرح ابن بطال: ١٥٣/٥

(٢٨٣١) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الآتي: باب التكبير إذا علا مشرفا والنسائي في الكبري في كتاب عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا انحدر من ثنية (١٠٣٧٥)

(٣) كشف الباري: ٣٨٧/٣

(٤) كشف الباري: ٢٣٨/١

(٥) دیکھئے كتاب المواقيت الصلوة باب الأذان بعد ذهاب الوقت

(٦) دیکھئے كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع (رقم: ١٤١)

۵- جابر بن عبداللہ

یہ صحابیِ رسول حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات پیچھے گزر کے ہیں (۷)۔

كُنّا إذا صعدنا كبّرنا، وإذا نزلنا سبّحنا: ''جب ہم بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہا کرتے تھے اور جب اترائی اترتے تھے تو سبحان اللہ کہا کرتے تھے''۔

یہاں آدابِ سفر میں سے ایک ادب کو بیان کیا گیا ہے کہ چڑھائی چڑھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' اور اترتے ہوئے ''سبحان اللہ'' کہنا چاہیے۔

نکتہ

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلند پہاڑوں کی چڑھائی چڑھتے وقت تکبیر، عظمتِ باری تعالیٰ کے اظہار کے لئے ہے کہ سب سے بلند و بالا اور سب سے ارفع و اعلیٰ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اور وادیوں کی پستی و نشیب میں تسبیح پڑھنا حضرت یونس علیہ السلام کے عمل سے مستنبط ہے کہ انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں باری تعالیٰ کی تسبیح بیان کی، جیسا کہ اللہ جل شانہ کا قول ہے: ﴿فلو لا أنه كان من المسبحين ○ للبث في بطنه إلى يوم يبعثون﴾ (۸) چنانچہ تسبیح کی بدولت اللہ جل شانہ نے انہیں مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں سے نجات عطا فرمائی تو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت یونس علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع میں وادیوں کے اندر تسبیح پڑھا کرتے تھے تاکہ اللہ جل شانہ انہیں اس جگہ سے اور دشمنوں کے شر سے بحفاظت نکال لے (۹)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت "وإذا نزلنا سبّحنا" میں ہے، نزول اور ھبوط دونوں کے معنیٰ ''اترنے'' کے ہیں (۱۰)۔

(۷) كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين، من القبل والذكر والدبر

(۸) الصافات: ۱۴۲، ۱۴۳

(۹) شرح ابن بطال: ۱۵۳/۵

(۱۰) عمدة القاري: ۲۴۵/۱۴

۱۳۱ – باب : التَّكْبِيرِ إِذَا عَلَا شَرَفًا .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلا رہے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سفرِ حج اور غزوات میں کسی اونچی جگہ پر چڑھتے تو اللہ اکبر اللہ اکبر کہا کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ بلندیوں پر چڑھتے وقت اس خالقِ ارض وسما کو نہیں فراموش کرنا چاہئے جو تمام بلندیوں سے بالا اور تمام رفعتوں سے اعلیٰ ہے۔

چنانچہ مجاہدین کے لئے ضروری ہے کہ شور وشغب کے بجائے اللہ جل شانہ کے ذکر میں مشغول رہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ چڑھائی چڑھتے وقت اللہ اکبر وردِ زبان ہو اور اترائی اترتے وقت سبحان اللہ (۱۱)۔

۲۸۳۲ : حدّثنا محمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ أَبِي عَدِيٍّ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ حُصَيْنٍ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنْ جابِرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : كُنَّا إِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا ، وَإِذَا تَصَوَّبْنَا سَبَّحْنَا .
[ر : ۲۸۳۱]

تراجم رجال

۱-محمد بن بشار

یہ محمد بن بشار بن عثمان بصری ہیں، ان کا تذکرہ ہو چکا ہے (۱۲)۔

۲-ابن ابی عدی

یہ محمد بن ابراہیم بن ابی عدی السلمی التیمی ابوعمرو بصری رحمہ اللہ ہیں، کتاب الغسل میں ان کا ذکر آچکا ہے (۱۳)۔

---

(۱۱) عمدة القاري: ۱۴/۲۴۵، وشرح ابن بطال: ۵/۱۵۳

(۲۸۳۲) قد مرّ تخريجه في الباب السابق ذكر الآن

(۱۲) كشف الباري: ۳/۲۵۸

(۱۳) باب إذا جامع ثم عاد ومن دار على نسائه في غسل واجب (۲۶۷)

۲-حصین

یہ حصین بن عمران رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے (۱۴)۔

۳-سالم

یہ سالم بن ابی الجعد رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۱۵)۔

۴-جابر

یہ صحابی رسول جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات گزر چکے ہیں (۱۶)۔

شَرَفاً: بلند اور اونچی جگہ "شَرَفُ الجبل" پہاڑ کی چوٹی۔

تصوَّبنا: یعنی "ہم ڈھلوان سے نیچے اترے"۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے میں ہے: "کنا إذا صَعِدْنا کبّرنا" یعنی "جب ہم اوپر چڑھتے تو تکبیر پڑھتے تھے" (۱۷)۔

۲۸۳۳ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ قالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَفَلَ مِنَ الحجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ – وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قالَ الْغَزْوِ – يَقُولُ : كُلَّمَا أَوْفَى عَلَى ثَنِيَّةٍ أَوْ فَدْفَدٍ كَبَّرَ ثَلَاثًا ، ثُمَّ قالَ : (لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى

---

(١٤) كتاب مواقيت الصلوة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت (رقم ٥٩٥)

(١٥) دیکھئے كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع، (رقم: ١٤١)

(١٦) كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، (رقم: ١٧٦٥)

(١٧) عمدة القاري: ١٤/٢٤٥

(٢٨٣٣) الحديث قد مرّ تخريجه في كتاب العمرة، باب مايقول إذا رجع من الحج أو العمرة أو الغزو، (رقم: ١٧٩٧)

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ . آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ . صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ) .

قَالَ صَالِحٌ : فَقُلْتُ لَهُ : أَلَمْ يَقُلْ عَبْدُ اللّٰهِ : إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، قَالَ : لَا . [ر : ۱۷۰۳]

تراجمِ رجال

۱-عبداللہ

یہ ابن یوسف ہیں یا ابن صالح ہیں یا ابن رجاء الغدانی ہیں، اس میں اختلاف ہے، ابوعلی جیانی نے پہلے قول کو معتمد قرار دیا ہے (۱۸)۔ ان کا تذکرہ بدء الوحی میں گزر چکا ہے (۱۹)۔

۲-عبدالعزیز بن ابی سلمہ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن أبی سلمہ رحمہ اللہ ہیں، کتاب العلم میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۲۰)۔

۳-صالح بن کیسان

یہ ابومحمد یا ابوالحارث صالح بن کیسان ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان کے تحت پہلے گزر چکا ہے (۲۱)۔

۴-سالم بن عبداللہ

یہ حضرت ابن عمر کے صاحبزادے ہیں، ان کا تذکرہ بھی کتاب الإیمان کے تحت گزر چکا ہے (۲۲)۔

۵-عبداللہ بن عمر

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان کے تحت گزر چکے ہیں (۲۳)۔

---

(۱۸) إرشاد الساري: ۱۳٦/۵

(۱۹) كشف الباري: ۲۸۹/۱

(۲۰) كشف الباري: ۵۱۸/٤

(۲۱) كشف الباري: ۲۱/۲

(۲۲) كشف الباري: ۱۲۸/۲

(۲۳) كشف الباري: ٦۳۷/۱

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح

قفل: بمعنی رجع یعنی جب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حج سے واپس لوٹتے تھے۔

ولا أعلمه إلا قال الغزو

یعنی جب بھی ابن عمر اس روایت کوذکر کرتے تو حج اور عمرے کے ساتھ غزوہ کا ذکر ضرور کرتے۔

يقول : كلما أوفى

یقول کی ضمیر حضرت ابن عمر کی طرف اور أوفى کی ضمیر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ أوفى کے معنی ہیں: چڑھنا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ جب جب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم گھاٹی پر چڑھتے، تو مذکورہ دعا پڑھا کرتے۔

فَدْفَدْ: کنکریوں والی سخت زمین جو اُونچی ہوتی ہے۔

آيبون: یہاں مبتدأ محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے: "نحن آيبون......"

آب يؤب أوبا کے معنی ہیں: لوٹنا، واپس آنا، یعنی "ہم لوگ اللہ تعالی کی طرف لوٹنے والے ہیں"۔

لربّنا: اس کے متعلق میں پانچ احتمال ہیں:

1. ماقبل ساجدون سے متعلق ہے۔
2. مابعد حامدون سے متعلق ہے
3. ان دونوں سے متعلق ہے۔
4. ماقبل کے صفات اربعہ سے متعلق ہے۔
5. پانچوں صفات سے علی سبیل التنازع متعلق ہے، یعنی ہر ایک سے متعلق ہے۔

جیسے: آيبون لربنا، تائبون لربنا......(٢٤)۔

---

(٢٤) عمدة القاري: ١٤/٢٤٦

قال صالح: فقلت له: ألم يقل عبدالله إن شاء الله؟ قال: لا

صالح بن کیسان راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے صاحبزادے سالم سے کہا: کیا آپ کے والد عبداللہ نے انشاء اللہ نہیں کہا؟ تو سالم نے جواب دیا "نہیں" یعنی انہوں نے وهـزم الأحـزاب وحده إن شاء الله نہیں کہا (۲۵)۔

تنبیہ

ابوداود کی روایت میں یہ اضافہ بھی منقول ہے: "كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وجيوشه إذا علوا الثنا يا كبروا، وإذا هبطوا سبَّحوا، فوضعت الصلوة على ذلك" (۲٦)۔

یہ اضافہ مدرج ہے، مسند نہیں ہے اس لئے کہ امام ابوداود نے یہ روایت عبدالرزاق کے طریق سے نقل کی ہے اور امام عبدالرزاق نے اسے اپنی کتاب میں ابن جریج کا قول قرار دیا ہے (۲۷)، گویا یہ قول ابن جریج کے مراسیل میں سے ہے، لیکن امام ابوداؤد رحمہ اللہ اسے موصولاً نقل کر رہے ہیں۔

اس پر شُرّاح ابوداود میں سے کسی کو تنبُّہ ہوا ہے اور نہ ہی شُرّاح بخاری میں سے کسی نے گرفت کی ہے (۲۸)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے میں ہے: "كـلـمـا أوفىٰ على ثنية أو فَدْ فَدٍ كبَّـر ثـلاثـا" یعنی جب کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی یا چوٹی پر چڑھتے تو تین بار تکبیر کہا کرتے تھے (۲۹)۔

واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

---

(۲٥) عمدة القاري: ١٤/٢٤٦

(٢٦) بذل المجهود: ١٢/١٠٠، وعون المعبود: ٧/٢٥٩، وسنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب مايقول الرجل إذا سافر، (رقم: ٢٥٩٩)

(٢٧) مصنف عبدالرزاق: ٥/١٦٠، (رقم: ٩٢٤٥)

(٢٨) وقد تنبّه له الحافظ ابن حجر في تخريج الأذكار النووية كما في الفتوحات الربانية لابن علّان: ٥/١٤

(٢٩) عمدة القاري: ١٤/٢٤٦

١٣٢ - باب : يُكْتَبُ لِلْمُسَافِرِ مِثْلُ ما كانَ يَعْمَلُ فِي الْإِقامَةِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ بیان کررہے ہیں کہ جو شخص حالتِ اقامت میں جن نفلی اعمال پر مداومت وپابندی کرتا ہے اوراس کی یہی نیت ہوتی ہے کہ میں ہمیشہ اسی طرح سے ان اعمال کو کرتا رہوں گا۔اب اگر وہ سفر میں چلا جاتا ہے اور سفر کی وجہ سے ان اعمال کو وہ ادانہیں کرپاتا، تو اسے ثواب ملتا رہے گا،عمل کے منقطع ہونے سے ثواب منقطع نہیں ہوگا، بشرطیکہ سفر گناہ کی نیت سے نہ ہو، جیسے کوئی خدانخواستہ کسی کو ناحق قتل کرنے کے لئے سفر کررہاہوتو یہ فضیلت اسے حاصل نہ ہوگی (۱)۔

٢٨٣٤ : حدّثنا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ : حَدَّثَنَا الْعَوَّامُ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ أَبُو إِسْمَاعِيلَ السَّكْسَكِيُّ قالَ : سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ ، وَٱصْطَحَبَ هُوَ وَيَزِيدُ بْنُ أَبِي كَبْشَةَ فِي سَفَرٍ ، فَكانَ يَزِيدُ يَصُومُ فِي السَّفَرِ ، فَقَالَ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ : سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى مِرَارًا يَقُولُ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ ، أَوْ سَافَرَ ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ ما كانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا) .

تراجم رجال

۱-مطر بن الفضل

یہ مطر بن فضل مروزی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات گزرچکے ہیں (۳)۔

۲-یزید بن ہارون

یہ یزید بن ہارون زاذان السلمی ابوخالد واسطی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ گزرچکا ہے (۴)۔

---

(١) عمدة القاري: ١٤/٢٤٦

(٢٨٣٤) الحديث أخرجه أبوداود في كتاب الجنائز، باب إذا كان الرجل يعمل عملا صالحا فشغله عنه مرض أو سفر، (رقم: ٣٠٩١)، وأحمد في مسنده: ٤/١٤١

(٣) دیکھئے كتاب الصلوة، باب كراهية التحرّي في الصلوة، (رقم: ٣٦٤)

(٤) دیکھئے كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، (رقم: ١٤٩)

۳-عوام

یہ ابوالحارث عوام بن حوشب شیبانی ربعی ہیں، ان کے حالات گزر چکے ہیں۔

۴-ابراہیم

یہ ابواسماعیل ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن اسماعیل سکسکی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے(۵)۔

۵-ابوبردہ/ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب الإیمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده میں گزر چکا ہے(٦)۔

٦-یزید بن ابی کبشہ

یہ تابعی ہیں، ان کے والد ابو کبشہ کا نام حَیوئیل یا جبریل بن یسار ہے۔

انہوں نے اپنے والد ابو کبشہ، مروان بن الحکم اور ایک صحابی سے روایت حدیث کی ہے، امام حاکم رحمہ اللہ نے صحابی کا نام شرجیل بن اوس نقل کیا ہے(۷)۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابو بشر جعفر بن أبی وحشیۃ، حکم بن عتیبہ، علی بن الأقمر، معاویۃ بن قرۃ مزنی اور ابراہیم بن عبدالرحمٰن سکسکی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

اموی دورِ حکومت میں یہ مختلف اونچے عہدوں پر فائز رہے، عراق کے گورنر بنے اور سندھ سے خراج وصول کرنے کی ذمہ داری بھی انہوں نے نبھائی، عبدالملک بن مروان کے زمانے میں پولیس اور مجاہدین کے سربراہ بنے، اہل شام ان کی بہت عزت وتوقیر کرتے تھے، بہت ہی کم روایت کرتے تھے۔

---

(۵) دونوں راویوں کے تذکرہ کے لئے دیکھئے كتاب البيوع، باب مايكره من الحلف في البيع، (رقم: ۲۰۸۸)

(٦) كشف الباري: ۱/۶۹۰

(۷) تهذيب التهذيب. ۱۱/۳۰٤

صحیح بخاری میں ان کا تذکرہ صرف یہیں آیا ہے، کہ وہ سفر کے دوران روزے رکھا کرتے تھے، تو حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری نے انہیں یہ حدیث سنائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تقریب التہذیب'' (۸) میں ان کو ''مقبول'' اور فتح الباری (۹) میں ''ثقۃ'' قرار دیا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (۱۰)۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وكان كبير الشأن رحمه الله" (۱۱)۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سلیمان بن عبدالملک کے دور میں، سندھ میں ان کا انتقال ہوا (۱۲)۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

ابراہیم سکسکی کا کہنا ہے کہ میں نے ابو بردہ سے سنا ہے کہ وہ اور یزید بن ابی کبشہ سفر میں ساتھ تھے اور یزید سفر میں روزے رکھا کرتے تھے، تو ابو بردہ نے کہا میں نے (اپنے والد) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کئی بار سنا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اگر کوئی بندہ بیمار ہو جائے یا سفر پر نکل جائے تو اس کے اعمال نامے میں اسی طرح نیک اعمال درج ہوتے رہتے ہیں جس طرح کہ اقامت اور صحت کی حالت میں اس کی عادت تھی۔

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت ﴿إلا الذين آمنوا وعملوا الصلحت لهم أجر غير ممنون﴾ (۱۳) میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے، کہ اگر خرابی صحت اور سفر کی وجہ سے کوئی شخص اپنے

---

(۸) تقريب التهذيب، ص: ٦٠٤، رقم الترجمة: ٧٧٦٥

(۹) فتح الباري: ١٣٦/٦

(۱۰) كتاب الثقات: ٥٤٤/٥

(۱۱) سير أعلام النبلاء: ٤٤٣/٤

(۱۲) حوالهٔ بالا، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تهذيب الكمال: ٢٢٨/٣٢

(۱۳) التين: ٦

معمولات کو پورا نہیں کر پاتا تو اسے اجر ملتا رہے گا (۱۴)۔

یہاں اس بات کا خیال رہے کہ اس حدیث کا تعلق نوافل سے ہے کیونکہ فرائض تو ان دونوں صورتوں میں ساقط نہیں ہوتے، مریض قیام پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے گا اور مسافر قصر کرے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص تہجد پڑھتا ہو لیکن تہجد کے وقت اس کی آنکھ لگ جائے تو اسے ثواب ملے گا، اور نینداس کے لئے صدقہ ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں: مامن امرئ تکون له صلوة فی اللیل یغلبه علیها نوم أو وجع إلا کتب له أجر صلاته، وکان نومه صدقة علیه" (۱۵)۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اجر وثواب ایسے شخص کے لئے ہے جو صحت واقامت میں کسی عمل صالح کا عادی ہو، صرف بیمار پڑنے یا سفر کرنے سے کوئی شخص اس فضیلت کا مستحق نہیں بن سکتا، کیونکہ اس مرض یا سفر نے اسے اس کے معمولات سے نہیں روکا، معمولات یا عملِ صالح کی عادت اسے تھی ہی نہیں تو اسکے لئے کیا لکھا جائے؟! (۱۶)۔ ابوداود کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے (۱۷)۔

کتب له مثل ما کان یعمل مقیما صحیحا

یہاں لف ونشر غیر مرتب ہے، کیونکہ ابتداءِ حدیث میں لفظ "مرض" مقدم ہے اور "سافر" مؤخر ہے اور یہاں "مرض" کا مقابل "صحیحا" مؤخر ہے۔ اور "سافر" کا مقابل مقدم ہے (۱۸)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت الفاظِ حدیث سے بالکل واضح ہے اور کتاب الجہاد

(١٤) شرح ابن بطال: ١٥٤/٥

(١٥) دیکھئے عمدة القاري: ٣٥٣/١٤، دار الكتب العلمية بيروت

(١٦) شرح ابن بطال: ١٥٤/٥، ١٥٥

(١٧) أبوداود، كتاب الجنائز، (رقم: ٣٠٩١)

(١٨) فتح الباري: ١٣٦/٦

سے مناسبت یہ ہے کہ اکثر جہاد میں اسفار اور امراض تو پیش آتے ہی رہتے ہیں، تو اس وجہ سے جو نیک اعمال اور معمولات چھوٹ جاتے ہیں اس پر دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ ثواب جاری رہتا ہے۔

۱۳۳ - باب : السَّيْرِ وَحْدَهُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں تنہا سفر کرنے کا حکم بیان کررہے ہیں، کہ یہ عمل جائز ہے یا مکروہ؟

یہاں دو حدیثیں مذکور ہیں ایک میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے تنہا سفر کرنے کا ذکر ہے جب کہ دوسری روایت میں تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کو مبہم چھوڑ دیا ہے، اور کوئی واضح حکم نہیں لگایا(۱)۔

تنہا سفر کرنے کا حکم

مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں رات کو تنہا سفر کرنے سے منع کرنے میں یہ حکمت ہے کہ رات کا وقت شیاطین کے باہر پھیل جانے، ایذائیں پہنچانے اور لوگوں کے دلوں میں وساوس ڈالنے کا وقت ہوتا ہے، اسی لئے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات میں بچوں کو باہر نکالنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ لیکن یہ حرام نہیں ہے، اگر کوئی عذر نہ ہو تو مکروہ ہے، کوئی رفیقِ سفر ہمراہ ہو تو یہ افضل ہے اور بہتر ہے(۲)۔

۲۸۳۵ : حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ : سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : نَدَبَ النَّبِيُّ ﷺ النَّاسَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ ، فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ، ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ، ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا ، وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ) . قَالَ سُفْيَانُ : الْحَوَارِيُّ النَّاصِرُ . [ر : ۲٦۹۱]

---

(۱) عمدة القاري. ۱٤/۲٤۷

(۲) شرح ابن بطال: ۱۵۵/۵

(۲۸۳۵) الحديث قد مرّ تخريجه في كتاب الجهاد، باب فضل الطليعة: (۲۸٤٦)

تراجم رجال

۱-حمیدی

یہ عبداللہ بن زبیر حمیدی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بدء الوحی میں گزر چکے ہیں (۴)۔

۲-سفیان

یہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ ماقبل میں گزر چکا ہے (۵)۔

۳-محمد بن المنکدر

یہ محمد بن المنکدر رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۶)۔

۴-جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

یہ صحابئ رسول حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں، ان کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے (۷)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت پر اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کرنے پر امام اسماعیلی کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ حدیث اس باب سے مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ یہاں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے تنہا سفر کرنے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی اور بھی ان کے پیچھے پیچھے گیا ہو۔ علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ نے بھی ان کی تائید کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں تو اس کا ذکر نہیں ہے لیکن یہی

---

(٤) كشف الباري: ١/٢٣٧

(٥) كشف الباري: ١/٢٣٨

(٦) كتاب الوضوء، باب صبّ النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وضوء ه علی المغمی علیه، (رقم: ١٩٤)

(٧) كتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر (١٧٦)

واقعہ ''مناقب زبیر'' میں آرہا ہے (۸)، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سفر تن تنہا کیا تھا، وہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

میں نے ابا جان کو کئی بار بنو قریظہ کی طرف آتے جاتے دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا: "یا أبی رأیتك تختلف" یعنی ابا! آپ بار بار بنو قریظہ کی طرف آجا رہے ہیں، آخر کیا بات ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ بنو قریظہ کی خبر کون لائے گا؟ تو میں چل پڑا (۹)۔

نیز سنن النسائی کی روایت تو بالکل واضح اور بے غبار ہے جس میں وہب بن کیسان رحمہ اللہ ان الفاظ سے اس واقعہ کو ذکر کرتے ہیں:

أشهد لسمعت جابر بن عبدالله .... فلم يذهب أحد، فذهب الزبير" (۱۰) گویا تاکید در تاکید ہے اور اس طرح تین مرتبہ ہوا اور تینوں بار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی گئے، اتنے صاف الفاظ میں یہ واقعہ ذکر کیا جارہا ہے پھر بھی یہ احتمال نکالنا کہ ہوسکتا ہے کوئی اور بھی ان کے ساتھ ہو، اس کو بے جا تکلف ہی کہا جاسکتا ہے۔

قال سفيان: الحواري الناصر

یہ لفظ مفرد ہے اور منصرف ہے اور حراء کی طرف منصوب ہے، اسے كراسي یا جواري پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ الفاظ جمع ہیں، مفرد نہیں (۱۱)۔

٢٨٣٦ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا عاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

---

(۸) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب مناقب الزبير بن العوام رضى الله عنه، (رقم: ٣٧١٩)

(۹) فتح الباري: ٦/١٣٨، وعمدة القاري: ١٤/٢٤٧

(۱۰) سنن النسائى الكبرى: ٥/٢٦٤، كتاب السير، باب ذهاب الطليعة وحده، (رقم: ٣/٨٨٤٣)

(۱۱) إرشاد الساري: ٥/١٣٧

(٢٨٢٦) أخرجه الترمذي في كتاب الجهاد، باب ماجاء في كراهية أن يسافر الرجل وحده، (رقم: ٦٧٣) والنسائى في الكبري: ٥/، كتاب الجهاد، باب النهي عن سير الراكب وحده، (رقم: ٨٥٠)

حدّثنا أبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا عاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ ما فِي الْوَحْدَةِ ما أَعْلَمُ ، ما سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ) .

تراجم رجال (پہلی سند)

۱-ابوالولید

یہ ہشام بن عبدالملک رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۱۲)۔

۲-عاصم بن محمد

یہ عاصم بن محمد بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۱۳)۔

۳-ابی

یہ حضرت عاصم کے والد محمد بن زید رحمہ اللہ ہیں، کتاب الایمان میں ان کا تذکرہ آچکا ہے (۱۴)۔

۴-ابن عمر

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۱۵)۔

دوسری سند

۱-ابونعیم

یہ فضل بن دُکین رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۱۶)۔

---

(۱۲) كشف الباري: ۲/۳۸

(۱۳) باب عقد الإزار على القفا في الصلوة، (رقم: ۳۵۲)

(۱٤) كشف الباري: ۲/۱۳۵

(۱٥) كشف الباري: ۱/٦۳۷

(۱٦) كشف الباري: ۲/٦٦۹

باقی رجال سند بعینہ اوپر پہلی سند کے مطابق ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگ تنہا سفر کرنے کے نقصانات کو میری طرح جانتے ہوتے تو کوئی مسافر رات میں تنہا سفر نہ کرتا۔

مافي الوحدة ما أعلم ماسار راكب

ما في الوحدة میں ماءیا تو زائدہ ہے اور ظرف "في الوحدة" محل نصب میں ہے یا "ما" مصدریہ ہے ،تقدیری عبارت یوں ہے: "لويعلم الناس أي شي في الوحدة؟ اور یہ بھی محل نصب میں ہے (۱۷)۔ ما أعلم میں ما موصولہ ہے اور جملہ مفعول ہوکر محلِ نصب میں واقع ہے۔ ماسار راكبا میں "ما" نافیہ ہے اور جملہ جزاء ہے۔

دونوں روایتوں میں تعارض اور اس کا ازالہ

پہلی روایت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے تنہا سفر کرنے کا ذکر ہے، جب کہ اس روایت سے اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، نیز "الراكب شيطان والراكبان شيطانان والثلاث ركب" (۱۸). اس روایت میں اکیلے سفر کرنے سے صراحۃً ممانعت وارد ہے۔

چنانچہ دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض پایا جاتا ہے، ان کے درمیان مختلف تطبیقات دی گئی ہیں:

❶ کسی ضرورت یا مصلحت کی خاطر تنہا سفر کرنا جائز ہے، اور ممانعت عام حالات کے اعتبار سے ہے، چنانچہ جاسوس وغیرہ میں ضرورت اور حکمت یہی ہے کہ وہ تنہا ہو۔

❷ اگر امن ہو اور تنہا سفر کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو جائز ہے، حالتِ خوف میں یہ ناجائز ہے (۱۹)۔

(۱۷) إرشاد الساري: ۱۳۸/۵

(۱۸) ارشاد الساري: ۱۳۸/۵.

(۱۹) ارشاد الساري: ۱۳۸/۵

❸ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ممانعت کا تعلق لمبے اسفار سے ہے، جن میں نماز میں قصر کی جاتی ہوں، مختصر اور کم مسافت والے اسفار میں کوئی مضائقہ نہیں (۲۰)۔

❹ یہ ممانعت نہی تادیب ہے، نہی تحریم نہیں، یعنی آداب اور مستحبات میں سے ہے کہ آدمی تنہا سفر نہ کرے، کہ اس سے وحشت ہوتی ہے، جیسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برتن کے درمیان سے کھانا کھانے، مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے اور کھلی چھت پر رات میں سونے سے منع فرمایا ہے اور بھی کئی ساری مثالیں ہیں جن کا تعلق آداب سے ہے، جواز وعدم جواز سے نہیں۔

اس میں لوگوں کے حالات اور طبائع کو بھی دیکھنا پڑتا ہے، ایک شخص بزدل ہے، ہر منظر سے وہ گھبراتا ہے، ہر شخص سے خوف کھاتا ہے اور ہر آہٹ پر وہ چونک جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا تنہا سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ بہادر لوگوں کا حکم اس سے بالکل مختلف ہے (۲۱)۔

اسی تناظر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ اگر آدمی تنہا سفر کرے اور وہ مر جائے یا اسے کچھ ہو جائے تو میں کس سے پوچھتا پھروں گا؟

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

پہلی روایت کی مطابقت کے سلسلے میں ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس مہم پر تنہا تشریف لے گئے تھے۔

دوسری روایت کی مطابقت اس اعتبار سے ہے کہ ترجمۃ مبہم قائم کیا گیا ہے کوئی حتمی حکم تنہا سفر کرنے کے بارے میں نہیں لگایا گیا کہ جائز ہے یا ناجائز؟ چنانچہ اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلاضرورت اکیلے سفر نہیں کرنا چاہیے (۲۲)۔

---

(۲۰) عمدة القاري: ۱٤۲/۱٤

(۲۱) شرح ابن بطال: ٥/٥٥-٥٦

(۲۲) عمدة القاري: ۱٤۲/۱٤

فائدہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر کو پُر خطر مہمات میں کسی کو جبراً نہیں بھیجنا چاہیے گو کہ اس کو اختیار حاصل ہے۔ بلکہ ترغیب وتشویق کے ذریعے لوگوں کے جذبات کو ابھارنا چاہیے، چنانچہ جو شخص اپنی خوشی سے کسی کام کو اپنے ذمہ لیتا ہے تو اپنی صلاحیتوں کے پیش نظر ہی ایسا کرتا ہے اور وہ بہتر کارکردگی کا باعث بنتا ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل بہترین نمونہ ہے، ورنہ انہیں اختیار ہے کہ وہ کسی کو بھی حکم دے دیں، اے فلاں جاؤ اور اطلاع لے کر آؤ اور اس حکم سے انکار کی کسی کو مجال نہ تھی۔ لقولہ تعالیٰ: ﴿استجیبوا للہ وللرسول إذا دعاکم﴾ (۲۳) یعنی جب بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم لوگوں کو طلب کریں، تو فوراً لبیک کہو (۲۴)۔

واللہ أعلم بالصواب۔

١٣٤ – باب : السُّرْعَةِ في السَّيْرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ ویسے تو اطمینان اور وقار سے چلنا چاہیے اصل یہی ہے۔ لیکن کبھی کبھار تیز چلنے کی نوبت بھی آجایا کرتی ہے تو بوقتِ ضرورت اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یہاں شُراح رحمہم اللہ نے "رجوع إلی الوطن" کی قید لگائی ہے، باب میں مذکورہ احادیث سے یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ وطن کی طرف لوٹتے ہوئے جلدی کرنی چاہیے۔

لیکن ترجمۃ الباب چونکہ مطلق ہے اس لئے ضرورت کے وقت تیز چلنا جائز ہے، چاہے رجوع إلی الوطن ہو، دشمن کی جانب تیز رفتار پیش قدمی ہو یا کوئی اور موقع ہو، بہرحال بوقتِ ضرورت تیز رفتاری میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۲۳) الأنفال: ٢٤

(٢٤) شرح ابن بطال: ٥/٥٤

قالَ أَبو حُمَيْدٍ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : «إِنِّي مُتَعَجِّلٌ إِلى المَدِينَةِ ، فَمَنْ أَرادَ أَنْ يَتَعَجَّلَ مَعِي فَلْيَتَعَجَّلْ» . [ر : ١٤١١]

أبــو حــمـيـد: یہ عبدالرحمٰن ساعدی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الصلوۃ میں گزر چکا ہے(۱)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں مدینے کی طرف جلدی جا رہا ہوں، جو جلدی میرے ساتھ جانا چاہے تو جلدی تیاری کرے''۔

اس روایت کو مصنف رحمہ اللہ نے کتاب الزکوۃ، باب خرص التمر میں موصولاً ذکر کیا ہے(۲)۔

٢٨٣٧ : حدّثنا محمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنا يَحْيَى ، عَنْ هِشامٍ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي قالَ : سُئِلَ أُسامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُما - وكانَ يَحْيَى يَقُولُ ، وَأَنا أَسْمَعُ ، فَسَقَطَ عَنِّي - عَنْ مَسِيرِ النَّبِيِّ ﷺ في حَجَّةِ الْوَداعِ قالَ : فَكانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ ، فَإِذا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ . وَالنَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ . [ر : ١٥٨٣]

تراجم رجال

۱۔محمد بن المثنیٰ

یہ امام بخاری کے شیخ محمد بن مثنیٰ رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے(۳)۔

---

(۱) باب فضل استقبال القبلة: (رقم: ٣٩١)

(٢) تنبية: قد تسامح في تخريج هذا التعليق محقق "تغليق التعليق" حيث أشار إلى أن المؤلف رحمه الله ذكره موصولاً في كتاب العمرة في باب من أسر ناقته إذا بلغ المدينة ؛ (رقم ١٨٠٢)، وكتاب فضائل المدينة في باب بلاترجمة بعد باب المدينة تنفي الخبث، (رقم ١٨٨٦)، وقد خلط عليه "حميد" وأبوحميد انظر حاشية تغليق التعليق : ٣/٣٥٤. والله أعلم بالصواب۔

(٢٨٣٧) قد مرّ تخريجه في كتاب الحج، باب السير إذا رجع من عرفة، (رقم: ١٦٦٦)،

(٣) كشف الباري: ٢/٢٥

۲-يحيى

یہ یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ بھی کتاب الایمان میں گزر چکا ہے(۴)۔

۳-هشام

یہ هشام بن عروہ رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بدء الوحی میں گزر چکے ہیں (۵)۔

۴-أبي

یہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بدء الوحی میں بھی گزر چکے ہیں(٦)۔

۵-أسامة بن زيد

یہ صحابیِ رسول حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۷)۔

وكان يحيى يقول وأنا أسمع فسقط عني

یہ یحییٰ بن سعید القطان کا قول ہے، اور جملہ معترضہ ہے، اس میں امام بخاری کے شیخ محمد بن المثنی یہ وضاحت فرمارہے ہیں کہ ہمارے شیخ یحییٰ اس روایت کو عروہ سے تعلیقاً یا منداً نقل کیا کرتے تھے اور حضرت عروہ کا قول "وأنا أسمع" ان سے چھوٹ گیا تھا تو یحییٰ نے اس کی تصریح کردی۔

اسکی تائید صحیح مسلم کی روایت سے بھی ہورہی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "سئل أسامة وأنا شاهد كيف كان مسير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "(۸).

نیز صحیح بخاری ہی کی روایت جو کتاب الحج میں گزر چکی ہے، اس میں ہے: "سئل أسامة وأنا

---

(٤) كشف الباري: ۲/۲

(٥،٦) كشف الباري: ۱/۲۹۱

(۷) دیکھئے كتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء، (رقم: ۱۳۹)

(۸) صحيح مسلم: ۱/٤۱۷، كتاب الحج، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة

جالس......"(۹).

حاصل یہ ہے کہ جس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عرفہ سے واپسی سے متعلق یہ بات حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کی جارہی تھی، اس وقت حضرت عروہ رحمہ اللہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔

تقدیر عبارت یوں ہے:"قال البخاري: قال ابن المثنی: كان يحيى يقول تعليقا عن عروة أو مسنداً إليه. قال: "سئل أسامة وأنا أسمع السؤال......".

عن مسير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

یہ عبارت "سئل" سے متعلق ہے، یعنی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مَسیر نبی علیہ السلام کے بارے میں پوچھا گیا(۱۰)۔

فجوة

خلا یا دو چیزوں کے درمیان کی کشادہ جگہ، سورۂ کہف میں ہے:"وهم في فجوة منه"(۱۱)، یعنی غار کے اندر اصحابِ کہف ایک وسیع وکشادہ جگہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

النص فوق العنق

نص: انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ سواری کو ہنکانا۔

عنق: تیز رفتاری کے ساتھ چلنا۔ دونوں میں رفتار کا فرق ہے اور "نص" "عنق" سے زیادہ تیز چلنے کو کہتے ہیں(۱۲)۔

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرفہ سے واپسی میں تیز چل رہے تھے اور جب کھلی ہوئی

---

(۹) كتاب الحج، باب السير إذا دفع من عرفة، (رقم: ١٦٦٦)

(۱۰) عمدة القاري: ٢٤٩/١٤

(۱۱) الكهف: ١٧

(۱۲) النهاية: ٣/٣١٠، و: ٦٤/٥

کشادہ جگہ مل جاتی تو آپ رفتار اور تیز کر دیا کرتے۔

ترجمۃ الباب سے انطباق

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "نص" سے واضح ہے چنانچہ یہاں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تیز رفتاری اختیار کرنے کا ذکر ہے (۱۳)۔

۲۸۳۸ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي زَيْدٌ ، هُوَ ٱبْنُ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : كُنْتُ مَعَ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا بِطَرِيقِ مَكَّةَ ، فَبَلَغَهُ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ شِدَّةُ وَجَعٍ ، فَأَسْرَعَ السَّيْرَ ، حَتَّى إِذَا كَانَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّفَقِ ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى المَغْرِبَ وَالْعَتَمَةَ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا ، وَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ أَخَّرَ المَغْرِبَ ، وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا . [ر : ١٠٤١]

یہ حدیث بعینہ اسی سند اور متن کے ساتھ کتاب العمرۃ میں گزر چکی ہے (۱۴)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "إذا جد به السير" میں ہے یعنی جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تیز رفتاری کے ساتھ چلنے کی ضرورت پیش آجاتی تو مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کو بھی ملا لیتے (۱۵)۔

۲۸۳۹ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ ، فَإِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ) . [ر : ١٧١٠]

---

(١٣) عمدة القاري: ١٤/٢٤٩

(٢٨٣٨) قد مرّ تخريجه في تقصير الصلوة، باب تصلّى المغرب ثلاثا في السفر، (رقم: ١٠٩١)

(١٤) باب في المسافر إذا جدبه السير وتعجل إلى أهله، (رقم: ١٨٠٥)

(١٥) عمدة القاري: ١٤/٤٩

(٢٨٣٩) باب السفر قطعة من العذاب، (رقم: ١٨٠٤)

یہ حدیث شریف بھی بعینہ اسی سند اور متن کے ساتھ کتاب العمرۃ میں گزر چکی ہے۔

نومه وطاعه وشرابه

یہ منصوب بنزع الخافض ہے، تقدیر عبارت ہے: "یمنع أحدکم من نومه......"

یا مفعول ثانی ہے یمنع کا کیونکہ منع بھی اعطی کی طرح دو مفعولوں کا تقاضا کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ سفر میں آرام کرنے، کھانے پینے کی سہولت حاصل تو ہو جاتی ہے لیکن مکمل طور پر سکون وراحت کے ساتھ نہیں، جیسے گھر میں حالتِ اقامت میں ہوتا ہے۔ اسلئے جلد از جلد ضرورت پوری ہوتے ہی گھر کی طرف لوٹ جانا چاہیے، تاکہ خود بھی راحت حاصل کرے اور بال بچے بھی مطمئن ہو جائیں۔

نَهْمَته

نون کے زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے: اس کے معنی ہیں، شوق ورغبت۔ یعنی جب رغبت پوری ہو جائے اور سفر سے دل بھر جائے تو جلدی سے گھر کی طرف سفر واپسی شروع کردو (۱۶)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "فلیعجل إلی أهله" سے ظاہر ہے (۱۷)۔

احادیث باب سے مستنبط فوائد

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی اور آخری حدیث میں دو فائدے ہیں:

❶ سفر کی مشقتوں سے جلدی نجات مل جائے گی۔

❷ اہل وعیال اور اہل (مدینہ) خصوصاً آپ علیہ السلام کی جلد واپسی پر خوش ہوں گے۔ اسی لئے آپ

---

(۱۶) عمدة القاري: ۱۴/۲۴۹، وفتح الباري: ۶/۱۳۹

(۱۷) عمدة القاري: ۱۴/۲۴۹

علیہ السلام وطن مدینے کی طرف جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کیا کرتے تھے، اوراس کی دوسروں کو بھی ترغیب دیتے تھے۔

دوسری حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر عرفہ سے تیز رفتاری کے ساتھ جلدی نکلیں گے تو مزدلفہ پہونچ کر دعا، اور رب تعالیٰ کے ساتھ راز ونیاز کا وقت زیادہ ملے گا، اس لئے کہ مزدلفہ میں دعا کے اوقات بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور وہ بھی سال میں ایک بار، بشرطیکہ حج کی سعادت بھی نصیب ہو۔

تیسری حدیث میں حضرت ابن عمر کے عمل سے یہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں:

❶ صفیہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ان سے ملاقات ہوجائے تاکہ آپس کی باتیں جو میاں بیوی کے درمیان راز ہوتی ہیں، طے پاجائیں۔

❷ صفیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں اور شوہر سفر پر تھے، جلد پہونچ کر انہیں خوش کرنا بھی مقصود تھا، جس سے بیماری میں افاقہ کا امکان ہوتا ہے۔

❸ اس سے ان کی تواضع اور تکبر سے بیزاری کا بھی اظہار ہو رہا ہے (۱۸)۔

۱۳۵ – باب : إِذَا حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فَرَآهَا تُبَاعُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے نزدیک ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ جہاد میں استعمال کی غرض سے ہبہ کئے گئے گھوڑے کے بارے میں اگر متصدق کو معلوم ہوا کہ اسے فروخت کیا جا رہا ہے تو کیا متصدق خود اسے خرید سکتا ہے؟ (۱) اس کا جواب باب کے تحت دی گئی حدیث میں آگیا ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں جواب کی تصریح نہیں فرمائی۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ قسطلانی نے جس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ مختلف فیہا ہے اور صحیح بخاری کی کتاب الزکوۃ میں "باب هل يشتري صدقته" کے تحت گزر چکا ہے۔ اس لئے

---

(۱۸) شرح ابن بطال: ۱۵٦/۵

(۱) إرشاد الساري: ٤٧٣/٥

اگر ترجمۃ الباب کو "رجوع في الهبه" کے معنی پر محمول کیا جائے (اور زیادہ قرین قیاس بھی یہی ہے) تو مستبعد نہیں۔

اس صورت میں ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہوگا کہ اگر کسی نے جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے گھوڑا صدقہ کردیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس کی منشأ کے خلاف فروخت کیا جارہا ہے، تو اس صورت میں کیا متصدق کو اپنے ہبہ سے رجوع کا اختیار ہے؟ (۲)۔

۲۸٤٠ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ نافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ، فَوَجَدَهُ يُبَاعُ ، فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ ، فَسَأَلَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : (لَا تَبْتَعْهُ ، وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ) . [ر : ١٤١٨]

تراجم رجال

۱-عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بدء الوحی میں گزر چکے ہیں (۴)۔

۲-مالک

یہ امام دار الہجرۃ ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک اصبحی مدنی ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۵)۔

---

(٢) قال المحدث الكاندهلوي –رحمه الله– (الأبواب والتراجم، ص: ٢٠١): "قلت والمسئلة التي أشار إليها القسطلاني خلافية، تقدمت في باب، هل يشترئ صدقته من كتاب الزكوة، ولايبعد عندي أن يحمل الترجمة على معنى الرجوع في الهبة. فالمعنى إذا تصدق رجل فرسا ليجاهد عليه في سبيل الله ثم رأى المتصدق أنها تباع على خلاف ما أراد من التصدق، فهل يرجع في تلك الصدقة أم لا؟" اه

(٢٨٤٠) مرّ تخريجه في كتاب الزكوة، باب هل يشترى صدقته؟ ...... (رقم ١٤٩٠)

(٤) كشف الباري: ٢٨٩/١

(٥) كشف الباري: ٨٠/٢

۳-نافع

یہ ابوسہیل نافع بن مالک اصبحی تیمی ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الایمان کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۶)۔

۴-عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی رسول عبداللہ بن عمر رضي اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان کے تحت گزر چکے ہیں(۷)۔

۵-عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

یہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے حالات بھی کتاب الایمان کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۸)۔

أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه حمل على فرس له في سبيل الله، فوجده يباع، فأراد أن يتباعه

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں ایک گھوڑا سواری کے لئے دیا، پھر آپ نے اس کو (فروخت ہوتے) پایا تو چاہا کہ اسے خود خرید لیں۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ اس گھوڑے کا نام ''ورد'' تھا، جو تمیم داری رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطورِ ہدیہ پیش کیا تھا، بعد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کیا(۹)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ گھوڑا خرید کر دوبارہ کیوں حاصل کرنا چاہتے تھے؟ اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔

---

(٦) كشف الباري: ٢٧٦/٣

(٧) كشف الباري: ٦٣٧/١

(٨) كشف الباري: ٤٧٤/٢

(٩) طبقات ابن سعد: ٤٩٠/١

❶ ایک یہ کہ وہ عمدہ، خوبصورت اور سبک خرام تھا، عمر رضی اللہ عنہ کے زیر استعمال رہا تھا، اور انہیں اس کی خوبیاں معلوم تھیں، اس لئے چاہا کہ اسے خرید کر دوبارہ حاصل کرلیا جائے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گھوڑے کی عمدگی کے معترف تھے، روایت کے الفاظ ہیں: "حملتُ علی فرس عتیق في سبیل الله" (۱۰) امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عتیق عمدہ، نفیس اور سبک رفتار گھوڑے کو کہا جاتا ہے (۱۱)۔

❷ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ گھوڑا انہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہدیہ کیا تھا، جن کی ذات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ ممکن ہے عقیدت کی وجہ سے اسے خرید کر دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی ہو۔ (واللہ اعلم)

فسأل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: لاتبتعه ولا تعد في صدقتك

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اسے نہ خریدو اور اپنے صدقہ میں دوبارہ لوٹو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ گھوڑا خرید کر حاصل کرنا چاہتے تھے، پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس معاملہ کو "عود في الصدقة" فرما کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیع سے کیوں منع کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ گھوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہدیہ کیا تھا۔ اگر آپ اسے خریدتے تو متصدق علیہ آپ کے زیر احسان رہنے کی وجہ سے مروّتاً قیمت میں کمی کرتا، ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو کوئی چیز بغیر قیمت کے ہبہ یا ہدیہ کرتا ہے اور پھر یہ واہب یا متصدق اس چیز کو موہوب لہ یا متصدق علیہ سے خریدتا ہے تو وہ موہوب لہ اور متصدق علیہ ثمن میں کمی کرتا ہے، لہذا یہاں وہ شخص جو ثمن میں کمی کرے، تو اس اعتبار سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ "عود في الصدقة" کرنے والے ہوتے (۱۱☆)۔

---

(۱۰) صحیح مسلم: ۲/۳۶، کتاب الهبات، باب کراهة الانسان ماتصدّق به ممن تصدّق علیه.

(۱۱) قال النووي رحمه الله: "العتيق: الفرس النفيس الجواد السابق". أنظر شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/۳۶

(۱۱☆) إرشاد الساري: ۶/۴۷۳، قال القسطلاني: "سُمّي الشراء عوداً في الصدقة؛ لأن العادة جرت بالمسامحة من البائع في مثل ذلك للمشتري فأطلق على القدر الذي يسامح به رجوعا" اھ

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کی جو توجیہ کی ہے، اس کے پیش نظر ترجمۃ الباب کے ساتھ تطبیقِ روایت کی صورت یہ ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ واہب اور متصدق تھے، ان کے زیرِ احسان رہنے کی وجہ سے موہوب لہ اور متصدق علیہ ثمن میں کمی کرتا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ "عود في الصدقة" کے مرتکب ہوتے، اس بناء پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں گھوڑا خریدنے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا "لا تبتعه ولا تعد في صدقتك"۔ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

فرس پر متصدقِ علیہ کی ملکیت کا مسئلہ

جب متصدق جہاد کی نیت سے گھوڑا ہدیہ کردے، تو متصدق علیہ کو اس پر ذاتی اموال کی طرح تصرف حاصل ہوگا اور وہ اس کی ملکیت ہوگی یا پھر وہ گھوڑا وقف ہوگا اسے جہاد میں استعمال کرنے کے بعد بیت المال کے حوالہ کرنا ضروری ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں متصدق کے الفاظ کا اعتبار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر متصدق نے صدقہ کرتے وقت "وهولك في سبيل الله" کہا، تو متصدق علیہ کی ملکیت اس گھوڑے پر تام ہوگی۔ اور اس پر اسے ذاتی اموال کی طرح تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ اگر متصدق نے صدقہ کرتے وقت "هو في سبيل الله" کہا تو پھر اس گھوڑے کی حیثیت وقف کی ہوگی (۱۲)۔ لہٰذا جہاد میں استعمال کے بعد متصدق علیہ پر اس گھوڑے کو بیت المال کے حوالہ کرنا واجب ہوگا۔

متصدق کے پہلے اور دوسرے قول میں فرق ہے۔ قولِ اوّل میں متصدق علیہ کی ملکیت کی تصریح ہے، جس پر "هولك" کے الفاظ دال ہیں۔ قولِ ثانی میں علی الاطلاق "هو في سبيل الله" سے وقفی حیثیت مستفاد ہورہی ہے۔

لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صدقہ کی حیثیت الگ الگ ہوگی، پہلی صورت میں متصدق علیہ کی ملکیت، دوسری صورت میں وقف یا بیت المال کا حصہ بن کر مجاہدین اسلام کی عمومی ملکیت۔

(۱۲) شرح ابن بطال: ۱۵۷/۵

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ گھوڑا متصدق علیہ کی ذاتی ملکیت بن جائے گا اور اس پر اسے اسی طرح کا تصرف حاصل ہوگا جو ذاتی اموال پر اسے حاصل ہے(۱۳)۔ اس لئے جہاد میں استعمال کے بعد وہ گھوڑا بیت المال میں جمع کرانا واجب نہیں ہوگا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت کے الفاظ بظاہر اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ گھوڑا بطور تملیک صدقہ کیا تھا۔ چونکہ وقف کی بیع جائز نہیں، اس لئے یہ گھوڑا اگر وقف ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ہرگز نہ خریدتے۔ باب کی دوسری روایت میں "العائد في صدقته" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدقۂ تملیک تھا، وقف ہوتا تو آپ "العائد في حبسه" یا "العائد في وقفه" فرماتے (۱۴)۔ (واللہ اعلم)

٢٨٤١ : حدّثنا إسْماعِيلُ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ : حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ في سَبِيلِ ٱللهِ ، فَٱبْتاعَهُ أَوْ فَأَضاعَهُ الَّذِي كانَ عِنْدَهُ ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهُ ، وَظَنَنْتُ أَنَّهُ بائِعُهُ بِرُخْصٍ ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقالَ : (لَا تَشْتَرِهِ وَإِنْ بِدِرْهَمٍ ، فَإِنَّ الْعَائِدَ في هِبَتِهِ كالْكَلْبِ يَعُودُ في قَيْئِهِ) . [ر : ١٤١٩]

تراجم رجال

۱۔ اسماعیل

یہ ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اویس اصبحی مدنی رحمہ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان میں گزر چکا ہے(۱۶)۔

---

(١٣) شرح ابن بطال: ١٥٧/٥

(١٤) فتح الباري: ٤٤٥/٣، قال الحافظ: "ويدل على أنه حمل تمليك قوله "ولا تعد في صدقتك" ولوكان حبسا لعلّله به"، اهـ، كتاب الزكوة، باب هل يشترى صدقتة؟

(٢٨٤١) قد مر تخريجه في كتاب الزكوة، باب هل يشترى صدقته؛ ولا بأس بأن يشترى صدقة غيره؛ لأن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما نهى المتصدق خاصة عن الشراء ولم ينه غيره (رقم ١٤٩٠)

(١٦) كشف الباري: ١١٣/٢

۲-مالک

یہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ بھی کتاب الایمان میں گزر چکا ہے(۱۷)۔

۳-زید بن اسلم

یہ ابواسامہ یا ابوعبداللہ زید بن اسلم قرشی عدوی مدنی رحمہ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں(۱۸)۔

۴-ابیہ

اس سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اسلم العدوی مراد ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الزکوۃ میں گزر چکا ہے(۱۹)۔

۵-عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

یہ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے(۲۰)۔

سمعتُ عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول: حملت على فرس في سبيل الله، فابتاعه أو فأضاعه الذي كان عنده، فأردتُ أن أشتريه

راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے فی سبیل اللہ سواری کے لئے ایک گھوڑا دیا(جس آدمی کو دیا تھا) اس نے بیچنا چاہا(یا فرمایا کہ) اس کو ضائع کردیا، اس لئے میں نے اسے خریدنے کا ارادہ کیا، میں سمجھا وہ اسے سستے داموں فروخت کردے گا۔

(۱۷) كشف الباري: ۲/۸۰

(۱۸) كشف الباري: ۲/۲۰۳

(۱۹) كتاب الزكوة، باب هل يشترى صدقته؟ ولا بأس أن يشترى صدقة غيره؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما نهى المتصدق خاصة عن الشراء ولم ينه غيره (رقم: ۱٤۹۰)

(۲۰) كشف الباري: ۲/٤۷٤

فابتاعه کا مطلب

یہ باعہ کے معنی میں ہے(۲۱)۔ علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں، اگر اسے باعہ کے معنی میں نہ لیا جائے تو "ابتاعہ" ایک بے معنی لفظ ہوگا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ "ابتیاع" یہاں "بیع" کے معنی میں ہے(۲۲)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ راوی کی تصحیف ہے، اصل میں یہ "أباعه" ہے اور "عَرَضه للبيع" کے معنی میں ہے(۲۳)۔

علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے یہاں بڑی منفرد توجیہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "فابتاعه" متکلم کا صیغہ "فأبتاعُه" بھی ہوسکتا ہے۔ جس کے معنی ہیں: "أردتُ ابتياعه"۔ گویا یہاں ماضی کے ایک قریبی واقع کو بصیغۂ استقبال بیان کیا گیا(۲۴)۔

دوسری بات انہوں نے یہ فرمائی کہ اگر "فابتاعه" ماضی غائب کا صیغہ ہو تو پھر یہ "الالتفات من المتكلم إلى الغائب" کے قبیل سے ہوگا(۲۵)۔ جو عرب کے یہاں ایک بلیغ اسلوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معنی پھر بھی متکلم ہی کے ہوں گے۔ (واللہ اعلم)۔

أوفأضاعه

أو مفیدِ شک ہے(۲٦)۔ راوی کو شک ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتاعه فرمایا تھا یا أضاعه۔

ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے؟

شُرّاح حدیث نے اس جملے کی تشریح میں تین اقوال نقل کئے ہیں:

---

(۲۱) عمدة القاري. ١٤/٢٤٧، وارشاد الساري: ١٣٩/٥

(۲۲) عمدة القاري: ١٤/٢٤٧، وارشاد الساري: ١٣٩/٥

(۲۳) عمدة القاري: ١٤/٢٤٧، وارشاد الساري: ١٣٩/٥

(٢٤) لامع الدراري: ٢٧١/٧

(٢٥) لامع الدراري: ٢٧١/٧

(٢٦) فتح الباري: ١٧٢/٦، وعمدة القاري: ١٤/٣٤٧

❶ پہلا قول یہ ہے کہ وہ شخص گھوڑے کی خدمت اور دیکھ بھال میں کوتاہی کرتا تھا، خوراک اور چارہ بھی صحیح فراہم نہیں کرتا تھا (۲۷)۔

❷ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ گھوڑے کی قدر و قیمت سے ناواقف تھا اور اسے سستے داموں فروخت کررہا تھا (۲۸)۔

❸ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس مقصد کے پیش نظر گھوڑا ہدیہ کیا تھا، اسے اس مقصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا (۲۹)۔

پہلا قول راجح ہے اور اس کی تائید صحیح مسلم کی روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے:

"فوجده قد أضاعه وكان قليل المال" (۳۰)۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑا ایسی حالت میں پایا کہ متصدق علیہ نے اسے بے کار کردیا تھا، کیونکہ وہ قلیل المال تھا۔

"وكان قليل المال" کے الفاظ سے ضیاع کی علت معلوم ہوگئی کہ متصدق علیہ کی غربت کی وجہ سے گھوڑے کو عمدہ چارہ نہیں ملتا تھا یا وقت پر فراہم نہیں ہوتا تھا، جس کے نتیجہ میں وہ ناکارہ ہوگیا۔

وظننت أنه بائعه برُخصٍ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سمجھا کہ وہ اسے سستے داموں فروخت کردے گا۔

رُخص: (راء کے ضمہ اور خا کے سکون کے ساتھ) اس کے معنی ہیں: ارزاں، سستا۔ غلاء اس کی ضد ہے (۳۱)۔

---

(۲۷) شرح صحيح مسلم للنووي: ۲/۳٦، كتاب الهبات، باب كراهة شراء الإنسان ما تصدق به ممن تصدق عليه، فتح الباري: ۳/٤٤٥، كتاب الزكوة، باب هل يشترى صدقته؟

(۲۸) تكملة فتح الملهم: ۲/٥۱

(۲۹) تكملة فتح الملهم: ۲/٥۱

(۳۰) صحيح مسلم: ۲/۳٦، كتاب الهبات، باب كراهة شراء الإنسان ما تصدق به ممن تصدق عليه

(۳۱) مجمع البحار: ۲/۳۱۰

فسألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "لاتشتره وإن بدرهم فإن العائد في هبة كالكلب يعود في قيئه"

''میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک درہم میں بھی مت خریدو، اس لئے کہ صدقہ دے کر واپس لینے والا، کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اسے کھا جائے''۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ "لاتشتره" میں نہی تنزیہی ہے اور مبالغہ پر محمول ہے۔ وإن بدرهم کے الفاظ بھی مبالغتاً استعمال ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس قدر ارزاں نرخ پر ملے، تب بھی اسے نہ خریدو (۳۲)۔

روایت میں صدقہ یا ہبہ سے متعلق یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اس میں رجوع کرنا انتہائی ناپسندیدہ اور قبیح عمل ہے۔ اس کی مثال کتے سے دی گئی ہے، جو قے کر کے اسے چاٹے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ یا ہبہ میں رجوع کرنا ایسا ناپسندیدہ عمل ہے جیسا کہ آدمی قے کر کے اسے چاٹ لے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں صدقہ میں رجوع کرنے والے کو کتے کے ساتھ، صدقہ یا ہبہ کو قے کے ساتھ اور رجوع في الصدقه کو رجوع الكلب في قيئه سے تشبیہ دی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس تشبیہ سے رجوع في الصدقه کی قباحت بیان کرنا مقصود ہے (۳۳)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث باب میں ہے "لا تشتره .... فان العائد في هبته كالكلب يعود في قيئه"۔ اس میں عود في الصدقة کی کراہت بیان کی گئی ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کی جو توجیہ کی ہے، اس کے پیش نظر ترجمۃ الباب کے ساتھ روایت کے اس جملہ کی مناسبت واضح ہے۔

۱۳۶ - باب : اَلْجِهَادِ بِإِذْنِ الْأَبَوَيْنِ.

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جہاد کے لئے والدین سے اجازت لینا ضروری ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہاد کے احکام مختلف احوال وظروف میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

---

(۳۲) إرشاد الساري: ۱۳۹/۵

(۳۳) إرشاد الساري: ۱۳۹/۵

اوران میں ائمہ کے اختلاف کی تفصیل بھی ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ کو مطلق رکھا اور تفصیل مذاہب کی طرف اشارہ نہیں فرمایا(۱)۔

۲۸٤۲ : حدّثنا آدمُ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قالَ : سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الشَّاعِرَ ، وَكَانَ لَا يُتَّهَمُ فِي حَدِيثِهِ ، قالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : جاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي ٱلْجِهَادِ ، فَقَالَ : (أَحَيٌّ وَالِدَاكَ) . قالَ : نَعَمْ ، قالَ : (فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ) . [٥٦٢٧]

تراجم رجال

۱-آدم

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن العسقلانی رحمہ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے(۳)۔

۲-شعبۃ

یہ امیر المؤمنین شعبۃ بن الحجاج بصری رحمہ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ بھی کتاب الإیمان میں گزر چکا ہے(۴)۔

۳-حبیب بن أبی ثابت

یہ ابو یحییٰ قیس بن دینار اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الصوم میں گزر چکا ہے(۵)۔

(۱) عمدة القاري: ١٤/ ٢٥١، قال: "كذا أطلق، ولكن فيه خلاف وتفصيل، فلذلك أبهم".

(٢٨٤٢) وعند البخاري ايضا (٢/ ٨٨٣) في الأدب، باب لايجاهد إلا بإذن الأبوين (رقم: ٥٩٧٢)، وعند مسلم في صحيحه (٢/ ٣١٣) في كتاب البر والصلة والأدب، باب بر الوالدين وأيهما أحق به (رقم: ٦٥٠٤)، وعند الترمذي في جامعه (١/ ٢٩٦) في الجهاد، باب ماجاء فيمن خرج إلى الغزو وترك أبويه (رقم: ١٦٧١)، وعند أبي داود في سننه (١/ ٣٤٩) في الجهاد، باب في الرجل يغزو وأبواه كارهان (رقم: ٢٥٢٩)، وعند النسائي في سننه (٢/ ٥٣) في الجهاد. باب الرخصة في التخلف لمن له والدان (رقم: ٣١٠٥)

(٣) كشف الباري، كتاب الإيمان: ١/ ٦٧٨

(٤) كشف الباري، كتاب الإيمان: ١/ ٦٧٨

(٥) كتاب الصوم، باب صوم داود عليه السلام، (رقم: ١٩٧٩)

۴-ابوعباس الشاعر

یہ سائب بن فروخ شاعر مکی رحمہ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب التہجد میں گزر چکا ہے(٦)۔

وكان لايتهم في حديثه

یعنی سند کے راوی ابوالعباس پر روایتِ حدیث میں تہمت نہیں لگائی جاتی تھی۔شعراء عموماً مبالغہ آرائی کرتے ہیں۔ یہاں سند میں حبیب بن ابی ثابت کے شیخ ابوالعباس سائب بن فروخ محدث ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھے،"وكان لايتهم في حديثه" سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ابوالعباس راست گو تھے، شاعر تو تھے،لیکن ان کا شاعرانہ کلام عام شعراء عرب کی طرح مبالغہ آرائی اور افترا پردازی سے پاک تھا(٧)۔ اپنے اس وصف کی بناء پر وہ روایت حدیث میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے اور متہم بالکذب نہیں تھے۔مختصر یہ کہ "وكان لايتهم في حديثه" کی قید لگا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوالعباس کی توثیق کی ہے کہ ان کی روایات مقبول ہیں اور انہیں عام مبالغہ گو شعراء کی صف کا شاعر نہ سمجھا جائے۔

۵-عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

ان کے حالات بھی کتاب الإیمان میں گزر چکے ہیں(٨)۔

جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاستأذنه في الجهاد فقال أحيّ والداك؟ قال: نعم، قال: "ففيهما فجاهد".

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت چاہی۔آپ نے فرمایا، تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا، جی ہاں، آپ نے فرمایا، تو پھر انہی دونوں میں جہاد کر۔

---

(٦) كتاب التهجد، باب بعد مايكره من ترك قيام الليل لمن كان يقومه (رقم: ١١٥٣)

(٧) عمدة القاري: ١٤/٢٤٨، وإرشاد الساري: ٥/١٣٩، وتحفة الباري: ٣/٤٨٦

(٨) كشف الباري، كتاب الإيمان: ١/٦٧٩

رجل سے کون مراد ہے؟

باب کی روایت میں نام کی تصریح نہیں کہ یہ کون تھے، البتہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جاہمہ بن عباس تھے، جو جہاد میں شرکت کی اجازت لینے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

چنانچہ امام احمد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے معاویہ بن جاہمہ کے طریق کی ایک روایت نقل کی ہے۔ اس میں ہے:

"أن جاهمة جاء إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال يارسول الله! أردتُ الغزو وجئتُ لأستشيرك، فقال: "هل لك من أم؟" قال: نعم. قال: "الزمها"(۹).

جاہمہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے جہاد میں جانے کی خواہش ہے، آپ سے مشورہ طلب کرنے حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا، کیا تمہاری ماں (زندہ) ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس کے پاس ہی رہو۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ جہاد میں جانے کی اجازت لینے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے والے جاہمہ ہی تھے۔

اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے عن ابن جریج عن محمد بن طلحہ بن رکانہ عن معاویۃ بن جاہمہ السلمی عن أبیہ کے طریق سے روایت نقل کی ہے جس کے راوی خود جاہمہ ہیں، وہ کہتے ہیں:

"أتيتُ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أستأذنه في الجهاد"(۱۰)۔

"میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا"۔

---

(۹) رواه النسائي في سننه: ۵۳/۲، في كتاب الجهاد، باب الرخصة في التخلف لمن له والدة، وأحمد في مسنده: ۴۲۹/۳، وفتح الباري: ۱۷۳/۶

(۱۰) السنن الكبرى للبيهقي: ۲۶/۹، كتاب السير، باب الرجل يكون له أبوان مسلمان أو أحدهما فلا يغزو إلا بإذنها.

ففيهما فجاهد

مفہوم کی ادائیگی کے لئے تو"فجاهد فيهما" کی تعبیر بھی درست تھی، لیکن "فیهما" جار مجرور کو اختصاص کے لئے امر سے مقدم کیا گیا۔ جس سے والدین کی اہمیت اور ان کی خدمت کو مقدم رکھنے کی تاکید مقصود ہے۔

حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں فجاہد کے ظاہری معنی مراد نہیں، جو إضرار یعنی کسی کو ضرر اور تکلیف پہنچانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ یہ لفظ مشاکلت کے طور پر وارد ہوا ہے، جاہمہ جہاد کی اجازت لینے آئے تھے، تو آپ نے اس مناسبت سے "اخدمهما" کی بجائے مشاکلت کے لئے "فجاهد" فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں قدر مشترک مراد ہے۔ جہاد میں مال خرچ ہوتا ہے اور جسم تھک جاتا ہے، گویا آپ نے جاہمہ کو والدین کی خدمت کرتے ہوئے نفس اور مال سے جہاد کا حکم دیا، "فجاهد" کی تعبیر اس مناسبت سے یوں ہوگی: "أبذل مالك وأتعب بدنك في رضا والديك" (۱۱)۔ "تم والدین کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرو اور جسم کو تھکاؤ"۔

لیکن علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لايخفى أن كون المفهوم من تلك الصيغة إيصال الضرر بالأبوين إنما يصح قبل دخول لفظ في عليها، وأما بعد دخولها، كما هو الواقع في الحديث، فليس ذلك المعنى هو المفهوم منها، فإنه لايقال جاهد في الكفار بمعنى جاهدهم كما يقال جاهد في الله، فالجهاد الذي يراد منه إيصال الضرر لمن وقعت المجاهدة له هو "جاهده" لاجاهد فيه وله (۱۲)۔

یعنی صیغہ "فجاهد" کا استعمال إيصال الضرر بالأبوين کے معنی میں تب درست ہے جب اس پر "في" حرف جر داخل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مطلقاً صیغہ "فجاهد" تو ایصال ضرر والے معنی پر دلالت کرتا ہے، لیکن اگر اس پر "في" حرف جر داخل کر دیا جائے، جیسا کہ حدیث باب میں وارد ہے تو پھر اس کے معنی ایصال ضرر نہیں ہوں گے۔ چنانچہ "جاهد الكفار" (جو ایصال ضرر کے معنی میں مستعمل ہے) کی بجائے جاهد في الكفار کہنا

(۱۱) عمدة القاري: ۳٤۸/۱٤، وفتح الباري: ۱۷۳/٦، وإرشاد الساري: ۱۳۹/۵

(۱۲) نيل الأوطار للشوكاني: ٤۰/۹

درست نہیں۔ مختصر یہ کہ مطلقاً صیغہ "جاهد" سے ایصالِ ضرر کا معنی مراد ہوتا ہے لیکن "جاهد فيه" یا "جاهد له" محنت و مشقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے نزدیک "ففيهما فجاهد" سے ایصالِ ضرر کے معنی مراد نہیں، بلکہ یہ محنت و کوشش کے معنی میں ہے۔

روایات میں اس طرح کے اور واقعات بھی منقول ہیں کہ جہاد کی اجازت لینے کوئی آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے جہاد کی بجائے والدین کی خدمت کا حکم دیا۔

صحیح مسلم میں عن ناعم مولی أم سلمة عن عبداللہ بن عمرو کے طریق سے روایت مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہجرت اور جہاد کی بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے اس سے پوچھا "فهل من والديك أحدٌ حيٌّ؟" کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، دونوں زندہ ہیں؟ آپ نے فرمایا "إرجع إلى والديك فأحسن صحبتها" (۱۳)۔ اپنے والدین کے پاس جاؤ اور ان کے پاس رہ کر ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

ایک اور طریق سے یہی راویت سنن ابوداود میں بھی منقول ہے۔ اس میں ہے کہ ایک آدمی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "جئتُ. أبايعك على الهجرة وتركتُ أبوي يبكيان" یعنی میں آپ سے جہاد پر بیعت کرنے آیا ہوں اور اپنے ماں باپ کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "إرجع فأضحكهما كما أبكيتهما" (۱٤)۔ "اپنے والدین کے پاس جاؤ، تم نے جس طرح انہیں رُلایا، اب انہیں ہنساؤ"۔

مذکورہ روایات میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سائل کو جہاد کے بجائے والدین کی خدمت کا حکم دیا، لیکن صحیح ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے:

"جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فسأله عن أفضل الأعمال، قال: الصلوة. قال ثم مه؟ قال الجهاد. قال فإن لي والدين، قال آمرك بوالديك خيرا. فقال والذي بعثك بالحق نبياً لأجاهدن ولأ

---

(۱۳) صحيح مسلم: ۲/۳۱۳، كتاب البر والصلة، باب بر الوالدين وأيهما أحق به (رقم: ۲۵٤۹)

(۱٤) سنن أبي داود: ۱/۳٤۲، كتاب الجهاد، باب في الرجل يغزو لغيره وأبواه كارهان (رقم: ۲۵۳۰)

تر كنهما. قال: فأنت أعلم"(١٥).

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اس نے آپ سے سوال کیا کہ افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا، نماز۔ اس نے عرض کیا پھر کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا، جہاد۔ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تجھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہوں۔ اس نے عرض کیا، بخدا جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر معبوث کیا، میں ضرور جہاد کروں گا اور والدین کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تم زیادہ جانتے ہو۔

اول الذکر روایات کے ساتھ اس روایت کی تطبیق دیتے ہوئے شراح حدیث فرماتے ہیں کہ یہ روایتِ فرض عین جہاد پر محمول ہے۔ جب جہاد کی نفیر عام ہو اور فرض عین ہو جائے تو والدین کی خدمت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے(۱۶)۔ اس لئے اس روایت میں والدین کی خدمت کا حکم ملنے کے باوجود جب سائل نے جہاد میں جانے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے نکیر نہیں فرمائی۔ جن روایات میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کا حکم دیا تھا، اس وقت جہاد فرض عین نہیں تھا، فرض کفایہ تھا، نفیر عام نہ ہونے کی صورت میں کچھ لوگوں کے جانے سے فرض کفایہ ادا ہوتا ہے، اور خدمت کے محتاج والدین کو چھوڑ کر جہاد میں جانا جائز نہیں ہوتا، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کا حکم دیا۔

جہاد میں اذن والدین کی حیثیت

چنانچہ جمہور فقہاء امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور سفیان ثوری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر نفیر عام نہ ہو اور جہاد فرض کفایہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں۔ والدین کی خدمت فرض عین اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ ادا کرنا گناہ ہے(۱۷)۔ ان کا استدلال حدیث

---

(١٥) صحيح ابن حبان، باب فضل الصلوات الخمس (رقم ١٧١٩)

(١٦) فتح الباري: ٦/١٧٣، وعمدة القاري: ١٤/٢٤٨، وفتح القدير: ٥/١٩١، وتكملة فتح الملهم: ٥/٣٣٠

(١٧) فتح الباري: ٦/١٧٣، وعمدة القاري: ١٤/٢٤٨، وفتح القدير: ٥/١٩١، وتكملة فتح الملهم: ٥/٣٣٠

باب، صحیح مسلم اور سنن ابوداود کی مذکورہ روایات سے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سائل کو جہاد کی بجائے والدین کی خدمت کا حکم دیا۔

البتہ اگر نفیر عام ہو اور جہاد فرض عین ہو، تو اس صورت میں سب مسلمانوں پر خروج واجب ہو جاتا ہے، والدین کا اختیار باقی نہیں رہتا، ان کی اجازت کے بغیر جانا واجب ہے (۱۸)۔

علامہ ابن حزم "مراتب الإجماع" میں فرماتے ہیں کہ اگر جہاد میں شرکت کی وجہ سے والدین کی ہلاکت یا ضیاع کا اندیشہ ہو تو بالاجماع جہاد کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ تاہم اگر جان کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو تب بھی جمہور کے نزدیک خروج والدین کی اجازت پر موقوف ہے (۱۹)۔

علامہ ابن حزم نے یہاں جمہور کی طرف جس مذہب کی نسبت کی ہے اس میں ان سے تسامح ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اگر والدین کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو فرضیت جہاد ساقط نہیں ہوتی، ان کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز ہے۔ چنانچہ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں عمرو الغفاری کی مرفوع روایت ہے: "لا طاعة لمخلوق في معصية خالق" (۲۰)۔ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فيه دلالة على أنه لا حاجة إلى إذن الوالدين، إذا كان الجهاد فرض عين، وإن منعاه عنه فلا طاعة لهما" (۲۱).

یعنی "یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب جہاد فرض عین ہو، تو والدین کی اجازت ضروری نہیں، اگر وہ خروج سے منع کریں تو ان کی اطاعت جائز نہیں"۔

احناف اور شوافع کے نزدیک جد اور جدہ دونوں والدین کے حکم میں ہے (۲۲)، یعنی جہاد کے فرض

---

(۱۸) فتح الباري: ٦/١٧٣، وعمدة القاري: ٣٤٧

(١٩) عمدة القاري: ١٤/٣٤٧

(٢٠) مسند أحمد: ٥/٦٦، ومستدرك حاكم: ٣/٤٤٣، مناقب الحكم بن عمر الغفاري

(٢١) إعلاء السنن: ١٢/١٣

(٢٢) فتح الباري: ٦/١٧٣، وإعلاء السنن: ١٢/١١

کفایہ ہونے کی صورت میں ان کی خدمت واجب ہوگی اور فرض عین ہوتو خروج واجب ہوگا اور ان کی اطاعت جائزنہیں ہوگی۔

اگر والدین مسلمان نہ ہوں؟

جمہور فقہاء کے نزدیک اگر والدین غیر مسلم ہوں تو ان سے فرض کفایہ جہاد کی صورت میں بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں (۲۳)۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غیر مسلم والدین کا وہی حکم ہے جو مسلمان والدین کا ہے، لہٰذا غیر مسلم والدین سے بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جن روایات میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سائل کو جہاد کے بجائے والدین کی خدمت کا حکم دیا، ان میں عموم ہے والدین کافر ہوں یا مسلمان، ان کی خدمت کا مطلقاً حکم ہے، جس میں کافر اور مسلمان والدین دونوں شامل ہیں۔ لہٰذا جس طرح مسلمان والدین سے اجازت لی جائے گی، اسی طرح کافر والدین سے بھی اجازت لینا ضروری ہوگی (۲۴)۔

جمہور کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد نے جہاد میں شرکت کی، جن کے والدین مشرک یا کافر تھے۔ جیسے ابوبکر صدیق، ابوحذیفہ بن عتبہ اور ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہم۔ ابوحذیفہ بن عتبہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ بدر میں شریک تھے، ان کے باپ رئیس المشرکین تھے، اسی طرح ابوعبید رضی اللہ عنہ کے باپ کی موت خود انہی کی تلوار کی ضرب سے واقع ہوئی (۲۵)۔

جمہور نے سفیان ثوریؒ کے استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ جن روایات سے عموم حکم ثابت ہو رہا تھا، مذکورہ واقعات کی وجہ سے وہ عموم باقی نہ رہا، اس لئے فرض کفایہ جہاد کی صورت میں مشرک والدین کی اجازت کوئی حیثیت نہیں رکھتی (۲۶)۔

---

(۲۳) المغني لابن قدامة: ۳۷۸/۱، والمجموع شرح المهذب: ۲۷/۲۱

(۲٤) المغني لابن قدامة: ۳۷۸/۱۰

(۲٥) المغني لابن قدامة: ۳۷۸/۱۰

(۲٦) المغني لابن قدامة: ۳۷۸/۱۰

ترجمۃ الباب سے مطابقت

روایت باب میں والدین سے اجازت لینے کا کوئی ذکر نہیں ہوا ہے، اس لئے ترجمۃ الباب کے ساتھ بظاہر اس کی مناسبت نہیں۔

علامہ عینی اور زکریا انصاری رحمہما اللہ نے فرمایا کہ بطریق استنباط "ففیھما فجاھد" کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روایت میں والدین کی خدمت کا حکم دیا، اس حکم کا اقتضاء یہ ہے کہ والدین کی رضا حاصل کی جائے، اور جب رضا حاصل ہوگئی تو گویا اجازت مل گئی (۲۷)۔

۱۳۷ – باب : ما قِيلَ في الجَرَسِ وَنَحْوِهِ في أَعْنَاقِ الْإِبِلِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اونٹ کی گردن میں گھنٹی وغیرہ لٹکانے کا عرب معاشرے میں عام رواج تھا، اس ترجمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اونٹوں کی گردن میں گھنٹی وغیرہ لٹکانا مکروہ ہے (۱)۔

الجرس: جیم اور راء کے فتحہ کے ساتھ گھنٹی کو کہتے ہیں، جو جانور کی گردن میں باندھی جاتی ہے۔ البتہ راء کے سکون کے ساتھ الجرْس گھنٹی بجنے سے پیدا ہونے والی آواز کو کہتے ہیں (۲)۔

ونحوہ: اس سے تانت کے بنے ہوئے ہار مراد ہیں (۳)، امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ کراہت صرف گھنٹی میں نہیں، بلکہ تانت سے بنائے گئے ان ہاروں میں بھی ہے، جو نظرِ بد سے حفاظت کے لئے اونٹ کے گلے میں لٹکائے جاتے ہیں۔

ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اونٹ کا ذکر کیا ہے، حالانکہ قلادے دوسرے جانوروں کے گلے میں بھی لٹکائے جاتے ہیں۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ابل کا ذکر

(۲۷) عمدة القاري: ١٤/٣٤٧، وتحفة الباري: ٣/٤٨٦

(١) عمدة القاري: ١٤/٣٤٩، فتح الباري: ٦/١٧٤

(٢) عمدة القاري: ١٤/٣٤٩

(٣) عمدة القاري: ١٤/٣٤٩

ہوا ہے(۴)۔امام صاحب کی عادت ہے کہ حدیث کے کسی لفظ یا جملہ سے ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہو تو اسے ترجمہ کا جز بنا لیتے ہیں۔دوسری وجہ ابل کی تخصیص کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عرب کے ہاں غالب استعمال اونٹ کا ہوتا تھا اور اس کے گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے۔

٢٨٤٣ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَميمٍ : أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ كانَ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ في بَعْضِ أَسْفَارِهِ ، قالَ عَبْدُ ٱللهِ : حَسِبْتُ أَنَّهُ قالَ : وَالنَّاسُ في مَبِيتِهِمْ ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ رَسُولاً أَنْ : (لَا يَبْقَيَنَّ في رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ – أَوْ قِلَادَةٌ – إِلَّا قُطِعَتْ) .

تراجم رجال

۱-عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بدء الوحی میں گزر چکے ہیں(٦)۔

۲-مالک

یہ ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک اصحی مدنی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بھی گزر چکے ہیں(۷)۔

۳-عبداللہ بن ابی بکر

یہ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری مدنی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الوضوء میں گزر چکا ہے(۸)۔

---

(٤) عمدة القاري: ١٤/٣٤٩، إرشاد الساري: ٥/١٤٠

(٢٨٤٣) الحديث أخرجه مسلم: ٢/٢٠٢، في اللباس، باب كراهة قلادة الوتر في رقبة البعير (رقم: ٥٥٤٩)، وأبوداود في الجهاد باب تقليد الخيل بالأوتار (رقم: ٢٥٥٢)

(٦) كشف الباري: ١/٢٨٩

(٧) كشف الباري: ٢/٨٠

(٨) كتاب الوضوء، باب الوضوء مرتين مرتين

۴-عباد بن تمیم

یہ عباد بن تمیم بن زید المازنی رحمہ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ بھی کتاب الوضوء میں گزر چکا ہے(۹)۔

۵-ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ

یہ صحابی رسول ابوبشیر الانصاری الساعدی الحارثی المدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

جمہور مؤرخین اور شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ ان کا صحیح نام معلوم نہیں۔ایک قول کے مطابق ان کا نام قیس بن عبید اللہ بن الحُر یر بن عَمر و بن الجعد بتایا گیا ہے(۱۰)۔لیکن یہ قول ضعیف ہے،حقیقت یہ ہے کہ ان کا نام پردۂ خفا میں ہے،اس لئے حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا:

"لایوقف له علی اسم صحیح وقیل اسمه قیس بن عبید ولا یصح"(۱۱).

''ان کا صحیح نام معلوم نہیں ہوسکا،کہا گیا ہے کہ ان کا نام قیس بن عبید ہے،یہ صحیح نہیں''۔

اسی طرح ابواحمد حاکم رحمہ اللہ نے ان کا تذکرہ ان صحابہ کی فہرست میں کیا ہے،جن کے نام معلوم نہیں(۱۲)۔

علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ واقعۂ حرہ کے بعد ان کا انتقال ہوا،اور لمبی عمر پائی(۱۳)۔واقعہ حرہ ۶۳ ہجری میں پیش آیا۔

ایک قول یہ ہے کہ ۴۰ ہجری میں ان کا انتقال ہوا(۱۴)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقدی کے قول کو ترجیح دی ہے کہ ان کی وفات ۶۳ ہجری میں ہوئی(۱۵)۔

---

(۹) كتاب الوضو، باب، لايتوضأ من الشك حتى يتيقن

(۱۰) تهذيب الكمال: ۷۹/۳۳، وتهذيب التهذيب لابن حجر: ۲۲/۱۲

(۱۱) الاستيعاب لابن عبدالبر على هامش الإصابة: ٢٤/٤

(۱۲) الإصابة في تمييز الصحابة: ٢٠/٤، وتهذيب الكمال: ۲۲/۱۲

(۱۳) تهذيب الكمال: ۸۰/۳۳، وتهذيب التهذيب: ۲۲/۱۲

(١٤) الإصابة في تمييز الصحابة: ٢١/٤

(۱۵) تهذيب التهذيب: ۲۲/۱۲

انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تین حدیثیں روایت کی ہیں، ایک صحیح بخاری کی یہی ترجمۃ الباب کی روایت ہے باقی دوروایتیں صحیح مسلم اور سنن ابوداود میں منقول ہیں (۱۶)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس سند کی مختلف خصوصیات بیان کی ہیں، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"فيه التحديث بصيغة الجمع في موضع، وبصيغة الإخبار كذلك في موضع، وبصيغة الإفراد في موضع. وفيه ثلاثة مدنيّون مالك وشيخه وشيخ شيخه، وثلاثة أنصاريون وهم عبدالله وعباد وأبوبشر. وفيه تابعيان وهما عبدالله وعباد. وفيه أنه ليس لأبي بشير في البخاري غير هذا الحديث الواحد".

"روایت کی سند میں ایک جگہ تحدیث جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے، ایک جگہ صیغۂ اخبار کے ساتھ اور ایک جگہ عنعنہ ہے اور اس میں تین راوی مدنی ہیں، امام مالک، ان کے شیخ اور شیخ کے شیخ، اسی طرح اس میں تین انصاری ہیں یعنی عبداللہ، عباد اور ابوبشیر اور دو تابعی ہیں، عبداللہ اور عباد۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ پوری صحیح بخاری میں حضرت ابوبشیر رضی اللہ عنہ سے علاوہ اس روایت کے دوسری روایت منقول نہیں (۱۷)۔

أنه كان مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعض أسفاره

ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔

شُرّاح حدیث میں سے کسی کو معلوم نہیں ہوسکا کہ اس سے کون سا سفر مراد ہے (۱۸)۔

قال عبدالله : حسبتُ أنه قال: والناس في مبيتهم

عبداللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے انہوں نے یہ (بھی) کہا کہ اس وقت لوگ اپنی خوابگاہوں میں تھے۔

---

(١٦) تهذيب الكمال: ٣٣/٨٠

(١٧) عمدة القاري: ١٤/٢٥٢

(١٨) فتح الباري: ٦/١٤١، عمدة القاري: ١٤/٣٥٠

عبداللہ سے مراد خود راوی حدیث عبداللہ بن ابی بکر ہیں۔ انہیں "والنـاس في مبيتهم" کے بارے میں شک ہے کہ یہ جملہ ان کے شیخ عباد بن تمیم نے کہا تھا یا نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت عبداللہ کے طریق سے جہاں بھی مروی ہے، اس میں یہ الفاظِ شک موجود ہیں (۱۹)۔

فـأرسل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رسولا: "لايبقينّ في رَقَبةِ بعيرٍ قِلادةٌ من وترٍ —أو قِلادةٌ— إلا قطعت

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قاصد کے ذریعے پیغام ارسال فرمایا، کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا ہار یا (فرمایا) ہار نہ رہے، اسے کاٹ دیا جائے گا۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قاصد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ تھے (۲۰)۔

لفظ "أو" یہاں شک یا تنویع کے لئے ہے (۲۱)۔

ابوداود کی روایت میں "أو قلادة" کی جگہ "ولا قلادة" مذکور ہے۔ یہ عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے (۲۲)۔ راجح "أو قلادة" ہے، علامہ مہلب نے بھی اس کی تائید کی ہے (۲۳)۔

قِلادة: قاف کے کسرہ کے ساتھ۔ اس کے معنی ہیں: ہار، جانور کے گلے کا پٹا۔ انعامی تمغہ جو گردن میں لٹکایا جاتا ہے، اس پر بھی قلادہ کا اطلاق ہوتا ہے (۲۴)۔

---

(١٩) فتح الباري: ٦/١٤١

(٢٠) التمهيد لابن عبدالبر: ١٧/١٦١

(٢١) فتح الباري: ٦/١٤١، عمدة القاري: ١٤/٣٥٠

(٢٢) فتح الباري: ٦/١٤١، وعمدة القاري: ١٤/٣٥٠

(٢٣) فتح الباري: ٦/١٤١، وعمدة القاري: ١٤/٣٥٠

(٢٤) قال العلامة الفيروز آبادى "القلادة ما جعل في العنق" انظر القاموس المحيط، ص: ٢٨٢، باب الدال، فصل القاف. وفي المعجم المحيط (القلادة): مايجعل في العنق من حَلْي ونحوه و وِسامٌ يجعل في العنق تمنحه الدولة لمن تشاء تقديراً له، ص: ٧٥٤، ماده (قلد)

وتر: واو اور تا کے زبر کے ساتھ کمان کی تانت کو کہتے ہیں (۲۵)، اس کی جمع "اَوتار" اور "وِتار" آتی ہے (۲۶)۔

وتر تمام روایات میں تاء مثناۃ کے ساتھ منقول ہے (۲۷)۔

بعض حضرات نے تا کے بجائے با کے ساتھ "وبــــر" روایت کیا ہے، علامہ ابن التین کہتے ہیں کہ داؤدی نے اس پر جزم کیا ہے کہ یہ لفظ "وبــر" ہی ہے۔ وبر اونٹ سے نکالے گئے بال کو کہتے ہیں، جو اُون کے مشابہ ہوتے ہیں۔

علامہ ابن التین کہتے ہیں کہ یہ داودی کی تصحیف ہے۔ صحیح "وتر" ہی ہے (۲۸)۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنے مزاج کے مطابق یہاں بھی سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "ربما صحف من لاعلم له بالحديث فقال: وبر" (۲۹)۔ یعنی جس کو علم حدیث سے مناسبت نہیں ہوتی، وہ تصحیف کر کے وتر کو وبر پڑھ لیتا ہے۔

قلادہ باندھنے سے ممانعت کی وجہ

حدیث باب اور دیگر روایات میں جانور کے گلے میں قِلادہ باندھنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے، شراح حدیث نے اس ممانعت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

❶ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ تانت کا قلادہ نظرِ بد سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے وہ اونٹ وغیرہ کو نظرِ بد اور بیماریوں سے بچانے کے لئے اس کے گلے میں قلادہ باندھتے تھے۔ اور اس کو موثر بالذات سمجھتے تھے، اس بناء پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی کہ قلادہ قطعاً موثر

(۲۵) فتح الباري: ١٧٥/٦

(۲٦) فتح الباري: ١٧٥/٦

(۲۷) فتح الباري: ١٧٥/٦، وعمدة القاري: ٣٥٠/١٤

(۲۸) فتح الباري: ١٧٥/٦، وعمدة القاري: ٣٥٠/١٤

(۲۹) فتح الباري: ١٧٥/٦، وعمدة القاري: ٣٥٠/١٤

نہیں، وہ کسی حکمِ خداوندی کو نہیں ٹال سکتا (۳۰)، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کر دیا، قلادہ میں ایسا کوئی اثر اور قوت نہیں جو اسے تبدیل کر سکے۔ اس کی تائید عقبہ بن عامر کی اس مرفوح حدیث سے ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"من علّق تميمة فلا أتم الله له"(۳۱)

تعویذ قلادہ میں باندھ کر عموماً نظر بد ہی سے بچنے کے لئے گلے میں باندھا جاتا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قلادہ جانوروں کو نظر بد وغیرہ سے بچانے کے لئے ان کے گلوں میں لٹکائے جاتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إذا اعتقد الذی قلّدها أنها ترد العين فقد ظن أنها ترد القدر وذلك لايجوز اعتقاده"(۳۲)۔

یعنی جس شخص نے قلادہ اس عقیدہ کے ساتھ جانوروں کے گلے میں لٹکایا کہ وہ نظرِ بد سے محفوظ رکھتا ہے تو اس کا یہ اعتقاد بھی ضرور ہوگا کہ قلادہ تقدیر کو ٹالتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ جائز نہیں کہ قلادہ تقدیر کو ٹالتا ہے۔

❷ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قلادہ باندھنے سے اس لئے ممانعت کی گئی کہ جب جانور تیز دوڑتا ہے تو قلادہ کی وجہ سے اس کا گلا گھٹتا ہے (۳۳)۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ کی اس توجیہ کی تائید ابوعبیدہ رحمہ اللہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قلادہ باندھنے سے اس لئے منع کیا گیا کہ اس سے چوپایوں کو اذیت ہوتی ہے، ان کا گلا گھٹتا ہے اور چرنے میں تنگی محسوس ہوتی ہے اور جب انہیں کسی درخت کے ساتھ باندھا

---

(۳۰) موطا إمام مالكؒ: ۹۳۷/۲، والتمهيد لابن عبدالبر: ۶۰/۱۷، وفتح الباري: ۱۷۵/۶

(۳۱) رواه أحمد في مسنده: ۱۵۴/۴، والحاكم في المستدرك: ۲۱۶، والطبراني في معجمه: ۸۲۰/۱۷، من حديث عقبة بن عامر –رضي الله عنه– وما قال الحافظ في الفتح(۱۷۵/۶): "أخرجه أبوداود أيضاً" فقد أخطأ، لم نعثر عليه في سنن أبي داود ولا في الصحاح.

(۳۲) فتح الباري: ۱۷۵/۶

(۳۳) عمدة القاري: ۳۵۰/۱۴، فتح الباري: ۱۷۵/۶

جائے تو اس سے گلا گھٹتا ہے یا چلنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے'' (۳۴)۔

❸ تیسرا قول علامہ خطابی رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قلادہ باندھنے کی ممانعت اس لئے فرمائی کہ اس میں گھنٹی لٹکائی جاتی تھی (۳۵)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمۃ الباب بھی اس قول کی تائید کرتا ہے، اس لئے کہ حدیث باب میں جرس کا لفظ وارد نہیں ہوا ہے، صرف قلادہ کا ذکر ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں جرس کی تصریح فرمائی ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے جو توجیہ کی ہے کہ حدیث میں قلادہ سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں گھنٹی لٹکائی جاتی تھی اس کی تائید سنن نسائی اور سنن ابوداود میں ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کی اس مرفوع روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لاتصحب الملائكة رفقة فيها جرس"(٣٦).

یہی حدیث امام نسائی رحمہ اللہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کی ہے (۳۷)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں لفظ جرس سے امام بخاری نے حدیث باب کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں جرس کی تصریح ہے۔ یہ روایت امام دارقطنی رحمہ اللہ نے عثمان بن عمر کے طریق سے نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "لا تبقين قلادة من وتر ولا جرس في عنق بعير إلا قطع"(٣٨)۔

قلادہ کی ممانعت تحریمی ہے یا تنزیہی؟

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے (۳۹)۔

---

(٣٤) فتح الباري: ١٧٥/٦، وعمدة القاري: ٣٥٠/١٤

(٣٥) فتح الباري: ١٧٥/٦

(٣٦) سنن أبي داود: ٢٤٦/١، كتاب الجهاد، بابٌ في تعليق الأجراس، (رقم: ٥٢٥٤)

(٣٧) سنن نسائي: ٢٩٠/٢، كتاب الزينة، باب الجلالة

(٣٨) فتح الباري: ١٧٥/٦

(٣٩) شرح صحيح مسلم للنووي: ٢٠٢/٢، كتاب اللباس، باب كراهة قلادة الوتر في رقبة البعير

ایک قول یہ ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے (۴۰)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ضرورت ہو تو قلادہ باندھنا جائز ہے۔ ضرورت نہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں (۴۱)۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کراہت صرف تانت سے بنے قلادہ میں ہے، جو قلادہ تانت سے نہیں بنا ہو، اس میں کراہت نہیں۔ لیکن یہ جواز بھی اس شرط پر ہے جب اس میں نظرِ بد سے بچنے کی نیت نہ ہو۔ نظر بد سے بچنے کے لئے تو اس قلادہ کا استعمال بھی ناجائز ہے جو تانت سے بنا نہ ہو (۴۲)۔

حقیقت میں یہ نہی ان قلادوں اور تعویذوں سے متعلق ہے، جن میں قرآن کریم کی آیات وغیرہ نہ لکھی گئی ہوں، تاہم جن قلادوں اور تعویذوں میں قرآنی آیات یا مسنون دعائیں لکھی گئی ہوں، انہیں جانوروں کے گلے میں لٹکانا بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ اس سے مقصود اللہ کی پناہ اور تبرک کا حصول ہوتا ہے (۴۳)۔

اسی طرح قلادوں کو زینت کی غرض سے لٹکانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ اس میں اسراف و تبذیر نہ ہو اور دکھلاوا مقصود نہ ہو (۴۴)۔

جرس لٹکانے کا حکم

اس میں مختلف اقوال منقول ہیں:

❶ ایک قول یہ ہے کہ تعلیق جرس مطلقاً ناجائز ہے (۴۵)۔

❷ بعض حضرات نے کہا کہ بلاضرورت تعلیق جرس ناجائز ہے، البتہ ضرورت کے وقت جائز

(٤٠) فتح الباري: ٦/١٧٥، وعمدة القاري: ١٤/٣٥٠

(٤١) فتح الباري: ٦/١٧٥، وعمدة القاري: ١٤/٣٥٠

(٤٢) فتح الباري: ٦/١٧٥، وعمدة القاري: ١٤/٣٥٠، ٣٥١

(٤٣) عمدة القاري: ١٤/٣٥١، وفتح الباري: ٦/١٧٦

(٤٤) عمدة القاري: ١٤/٣٥١، وفتح الباري: ٦/١٧٦

(٤٥) عمدة القاري: ١٤/٣٥١، وفتح الباري: ٦/١٧٦

(٤٦) عمدة القاري: ١٤/٣٥١، وفتح الباري: ٦/١٧٦

ہے(۴۶)۔

❸ تیسرا قول یہ ہے کہ جرسِ صغیر کو لٹکانا جائز ہے لیکن جرسِ کبیر یعنی بڑا گھنٹا لٹکانا جائز نہیں (۴۸)۔

واللہ اعلم۔

جرس کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ

جرس کو کیوں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے؟ اس کی دو وجہیں ہیں:

❶ صحیح مسلم میں علاء ابن عبدالرحمٰن عن أبي هريرہ کے طریق سے مرفوعاً یہ روایت منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

"الجرس من مزامير الشيطان"(٤٩).

"گھنٹی شیطان کی بانسری ہے"۔

شراح حدیث اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"هذا يدل على أن الكراهة فيه لصوته؛ لأن فيه شبها بصوت النا قوس وشكله"(٥٠)۔

یعنی صحیح مسلم کی مذکورہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ کراہت جرس کی آواز کی وجہ سے ہے کیونکہ جرس کی آواز اور ظاہری صورت، دونوں ناقوس کی آواز اور صورت سے مشابہ ہیں۔

❷ جرس عموماً اونٹ اور گھوڑے کے گلے میں لٹکائی جاتی تھی۔ اُس زمانہ میں جہاد کے دوران گھوڑے اور اونٹ سے سواری کا کام لیا جاتا تھا، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ سواری کے چلنے سے گھنٹی بجنے کی آواز پیدا ہوگی تو اس سے دشمن کو مجاہدین کی آمد کا پتہ چلے گا۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تعلیق جرس سے منع فرمایا(۵۱)۔

---

(٤٧) عمدة القاري: ١٤/٣٥١، وفتح الباري: ٦/١٧٦

(٤٨) عمدة القاري: ١٤/٣٥١، وفتح الباري: ٦/١٧٦

(٤٩) صحيح مسلم: ٢/٢٠٢، كتاب اللباس، باب كراهة الكلب والجرس

(٥٠) فتح الباري: ٦/١٧٥، وعمدة القاري: ١٤/٣٥٠

(٥١) إعلاء السنن: ١٢/٦٨٥

ترجمۃ الباب سے تطبیق

باب میں امام رحمہ اللہ نے لفظ جرس کا ذکر فرمایا، لیکن حدیث باب میں جرس کی تصریح نہیں۔ اس لئے یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ ترجمہ میں جرس کی تصریح ہے اور حدیث باب میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو ترجمہ کے اس جز پر دلالت کرے؟

علامہ خطابی رحمہ اللہ کا قول پیچھے گزرا کہ جرس قلادہ وغیرہ ہی میں لٹکائی جاتی تھی، اس لئے تعلیق قلائد کے بارے جو نہی حدیث میں وارد ہے، یہ نہی حقیقت میں اس جرس ہی کی وجہ سے ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور مذکورہ اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"وما قيل في وجه المطابقة بقول الخطابي أوجه، لأن الجرس لا يعلق في أعناق الإبل إلا بعلاقة، وهي الوتر ونحوه، فذكر البخاري الجرس الذي يعلق بالقلادة، فإذا ورد النهي عن تعليق القلائد في أعناق الإبل يدخل فيه النهي عن الجرس بالضرورة، والأصل هو النهي عن الجرس ألا ترى أنه ورد: "أن الملائكة لا تصحب رفقة فيها جرس"(۵۲)

یعنی جرس اونٹ کے گلے میں کسی واسطے کے بغیر نہیں لٹکائی جاسکتی، وہ واسطہ ظاہر ہے کہ تانت کا قلادہ وغیرہ ہی ہوتا ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں جرس کا ذکر کیا، جو قلادہ کے واسطے سے لٹکائی جاتی ہے۔ لہذا اونٹ کے گلے میں قلادہ باندھنے سے متعلق جو نہی حدیث میں وارد ہے، وہ نہی بہرصورت جرس سے بھی متعلق ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نہی جرس ہی کے بارے میں ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ فرشتے ایسی جماعت کی مصاحبت نہیں کرتے جس میں جرس ہو۔

۱۳۸ - باب مَنِ اكْتُتِبَ فِي جَيْشٍ فَخَرَجَتِ امْرَأَتُهُ حَاجَّةً ، وَكَانَ لَهُ عُذْرٌ ، هَلْ يُؤْذَنُ لَهُ .

اکتتب: باب افتعال سے معروف ومجہول دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔

---

(۵۲) عمدة القاري: ۱۴/۳۴۹

حاجّةً: یہ فخرجت امرأتہ سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے(۱)۔

أو كان: ابوذر کے نسخہ میں اسی طرح ضبط ہوا ہے(۲)، بعض نسخوں میں "أو" کے بجائے "واو" مذکور ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کا نام لشکر جہاد میں لکھا گیا ہے، دوسری طرف اس کی بیوی سفرِ حج پر جارہی ہے، یا اسے کوئی اور عذر لاحق ہوگیا ہے، کیا ایسے آدمی کو جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے گی؟

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت نقل کی ہے، اس میں اس کا جواب آگیا ہے(۴)۔

٢٨٤٤ ـ حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِٱمْرَأَةٍ ، وَلَا تُسَافِرَنَّ ٱمْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ) . فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ٱكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا ، وَخَرَجَتِ ٱمْرَأَتِي حاجَّةً ، قالَ : (ٱذْهَبْ ، فَحُجَّ مَعَ ٱمْرَأَتِكَ) . [ر : ١٧٦٣]

روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے، نہ کوئی عورت محرم کے بغیر سفر کرے، یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا، فلاں جہاد میں میرا نام لکھا گیا ہے لیکن میری بیوی حج کے لئے جارہی ہے۔

قال: إذهب، فحُجَّ مع امرأتك: آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ، اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

---

(١) عمدة القاري: ١٤/٣٥١

(٢) إرشاد الساري: ٦/٤٧٦

(٣) إرشاد الساري: ٦/٤٧٦

(٤) عمدة القاري: ١٤/٣٥١

فحُجّ: اس میں ادغام ہے۔ بعض نسخوں میں "احجج" فكِّ ادغام کے ساتھ مذکور ہے(۵)۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی پر حج فرض ہو اور جہاد فرض عین نہ ہو تو بیوی کے ساتھ سفرِ حج کے لئے شوہر کا جانا ضروری ہوگا اور اسے جہاد میں جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ جہاد میں کوئی دوسرا شخص اس کے قائم مقام بن کر جا سکتا ہے۔

روایت میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوہر کو اس کی بیوی کے ساتھ حج کرنے کا حکم دیا اور جہاد کرنے سے منع فرمایا، اس لئے کہ بیوی پر حج فرض تھا، اور سفرِ حج میں اس کے لئے محرم ضروری تھا، جبکہ جہاد فرض عین نہ تھا، گویا جہاد کے مقابلہ میں حج زیادہ اہم تھا، اس لئے آپ نے فرمایا تم جہاد چھوڑ کر بیوی کے ساتھ حج کرنے چلے جاؤ(۶)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مطابقته للترجمة تؤخذ من قوله: "إذهب فحجّ مع امرأتك؛ لأنه اكتتب في جيش وأرادت امرأته أن تحج الفرض، فأَذِنَ له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أن يحج مع امرأته؛ لأنه اجتمع له مع حج التطوع في حقه تحصيل حج الفرض لامرأته، فكان اجتماع ذلك له أفضل من مجرد الجهاد الذي يحصل المقصود منه بغيره(۷)۔

یعنی ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کا یہ جملہ مطابقت رکھتا ہے "إذهب فحج مع امرأتك" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آدمی نے اپنا نام لشکر جہاد میں لکھوا دیا تھا اور اس کی بیوی حج فرض ادا کرنا چاہتی تھی، تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے بیوی کے ساتھ حج کرنے کا اس لئے حکم فرمایا کہ اسے بیک وقت دو فائدے حاصل ہوتے: بیوی کا حج فرض ادا کرانا، بیوی کے ساتھ خود اپنے لئے نفلی حج ادا کرنا۔ ان دو فائدوں کو جمع

---

(۵) حواله بالا وإرشاد الساري. ۳۷۶/۶

(٦) فتح الباري: ۱۷٦/٦، وإرشاد الساري: ۳۷٦/٦

(۷) عمدة القاري: ۳۵۱/۱٤

کرنا اس کے لئے مجرد جہاد میں جانے سے افضل تھا، کیونکہ جہاد کا مقصد تو اس کے علاوہ کوئی کسی اور کے جہاد میں جانے سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

حدیث سے مستنبط فوائد

حدیث باب سے دو فائدے معلوم ہوئے:

1. ایک یہ کہ لشکر جہاد میں شامل سب افراد کے نام لکھے جائیں (۸)۔
2. دوسرے یہ کہ حاکم وقت یا امیر وغیرہ اپنے رعایا کے مصالح اور ضروریات پر نظر رکھے (۹)۔

۱۳۹ - باب : الجَاسُوسِ .

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ» /الممتحنة: ۱/. التَّجَسُّسُ : التَّبَحُّثُ .

ترجمة الباب کا مقصد

جاسوس کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ وہ کفار کی طرف سے ہو۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے ہو۔ اس ترجمة الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ دونوں کے احکام بتانا چاہتے ہیں۔

الجاسوس: یہ فاعول کے وزن پر ہے اور تجسس سے ہے، تجسس کے معنی ہیں: خفیہ امور کا سراغ لگانا، تفتیش کرنا۔ ایک قول یہ ہے کہ تجسس (جیم کے ساتھ) کے معنی ہیں: کسی اور کے لئے سراغ لگانا اور تحسس (حاکے ساتھ) کے معنی ہیں: اپنے لئے سراغ لگانا (۱۰)۔

ترجمة الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوعبیدہ کا قول نقل کر کے تجسس کی تشریح تبحث سے کی ہے۔ تبحث باب تفعّل سے ہے، اس کے معنی سراغ لگانے اور تفتیش کرنے کے ہیں۔ بحث الفقیہ بھی اسی سے لیا گیا ہے کیونکہ فقیہ بھی مسائل کی تفتیش کرتا ہے، ان کا سراغ لگاتا ہے (۱۱)۔

---

(۸) فتح الباري: ۶/۱۷۶

(۹) فتح الباري: ۶/۱۷۶

(۱۰) النهاية لابن الأثير: ۱/۲۶۶

(۱۱) عمدة القاري: ۱۴/۳۵۲

وقول الله تعالیٰ: ﴿لاتتخذو عدوّي وعدوكم أولياء﴾.

وقول جاسوس پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں آیت کو ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ اس سے جاسوس کا حکم مستنبط ہوا ہے، یہ حکم حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے (۱۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث باب میں جو قصہ ذکر ہوا ہے، وہی اس آیت کا سبب نزول ہے۔اس لئے آیت کو ذکر کرنے کی ایک مناسبت یہ بھی ہوسکتی ہے (۱۳)۔

جاسوس کا حکم

جاسوس کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً کافر حربی، معاہد، ذمی، مسلمان اور مستأمن۔

علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کافر حربی جاسوس کو قتل کرنا بالاجماع جائز ہے (۱۴)۔

معاہد اور ذمی اگر مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرے، تو جمہور فقہاء کے نزدیک جاسوسی کرنے کی وجہ سے اس کا عہد ختم نہیں ہوگا۔شرح السیر الکبیر میں علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جس طرح جاسوسی کرنے کی وجہ سے مسلمان جاسوس کا ایمان نہیں جاتا، اسی طرح ذمی کا عہد بھی جاسوسی کی وجہ سے ختم نہیں ہوگا (۱۵)۔

احناف وشوافع کہتے ہیں کہ یہ اگرچہ نقضِ عہد نہیں، لیکن حاکم وقت کو چاہیے کہ اسے سخت سزا دے اور قید میں رکھے (۱۶)۔شوافع کہتے ہیں کہ اگر ذمی یا معاہد سے جاسوسی نہ کرنے کی شرط پر معاہدہ ہوا ہو، تو پھر یہ نقض عہد ہے اور اس کو قتل کرنا جائز ہے (۱۷)۔

---

(۱۲) عمدة القاري: ۱۴/۲۵۲.

(۱۳) فتح الباري: ۶/۱۷۷

(۱٤) شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/۳۰۲، كتاب الفضائل، باب فضائل أهل بدر، وفتح الباري: ۶/۲۹۰۷، وإعلاء السنن: ۱٤/٥٦

(۱٥) إعلاء السنن: ۱٤/٥۷

(۱٦) إعلاء السنن: ۱٤/٥٦

(۱۷) شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/۳۰۲، كتاب الفضائل، باب فضائل أهل بدر.

امام مالک اور امام اوزاعی کہتے ہیں کہ جاسوسی کی وجہ سے معاہد اور ذمی کا عہد باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا اس کو قتل کرنا جائز ہے (۱۸)۔

اگر اہل اسلام کے خلاف جاسوسی کرنے والا مسلمان ہو تو احناف وشوافع اور جمہور فقہاء کے نزدیک اسے سزا (تعزیر) دی جائے گی، قتل کرنا جائز نہیں (۱۹)۔

پھر تعزیر میں ان حضرات نے تفصیل کی ہے امام شافعی رحمہ اللہ روایت باب سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان جاسوس صاحبِ حیثیت ہو تو اسے معاف کر دیا جائے (۲۰)۔ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی نے فرمایا کہ "یعزر ویطال حبسه" اسے سزا دی جائے اور طویل عرصہ کے لئے قید میں رکھا جائے (۲۱)۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یجتهد فیه الامام" (۲۲) حاکمِ وقت اس کے بارے میں اجتہاد کرے" مطلب یہ ہے کہ اسے تعزیر اور قتل دونوں کا اختیار ہے۔ چاہے تو سزا دے کر چھوڑ دے یا پھر قتل کر دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسلمان جاسوس کا قتل جائز ہے۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستأمن کے ساتھ اگر معاہدہ کے وقت یہ شرط رکھی گئی کہ وہ مسلمانوں کی جاسوسی نہیں کرے گا، اس کے باوجود اگر اس نے جاسوسی کی، تو اسے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے تاکہ دوسروں کے لئے نشانِ عبرت بنے (۲۳)۔

۲۸٤٥ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ ، سَمِعْتُهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ قالَ : أَخْبَرَنِي حَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ قالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ أَبِي رَافِعٍ قالَ : سَمِعْتُ عَلِيًّا

(۱۸) فتح الباري: ٦/٢٠٧، إعلاء السنن: ١٤/٥٦

(١٩) شرح صحيح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢، وعمدة القاري: ٦/٣٥٦

(٢٠) شرح صحيح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢، وعمدة القاري: ٦/٣٥٦

(٢١) شرح صحيح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢، وعمدة القاري: ٦/٣٥٦

(٢٢) شرح صحيح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢، وعمدة القاري: ٦/٣٥٦

(٢٣) إعلاء السنن: ١٢/٥٧

(٢٨٤٥) الحديث أخرجه البخاري في الجهاد، باب إذا اضطر الرجل إلى النظر في شعور أهل الذمة والمؤمنات =

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ : بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ ، قَالَ . (انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خاخٍ ، فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً ، وَمَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوهُ مِنْهَا) . فَانْطَلَقْنَا تَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا ، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى الرَّوْضَةِ ، فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ ، فَقُلْنَا : أَخْرِجِي الْكِتَابَ ، فَقَالَتْ : ما مَعِي مِنْ كِتَابٍ ، فَقُلْنَا لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ ، فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا ، فَأَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَإِذَا فِيهِ : مِنْ حاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ ، يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (يَا حاطِبُ ما هٰذَا) . قالَ : يَا رَسُولَ اللهِ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ ، إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِي قُرَيْشٍ ، وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهَا ، وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ بِمَكَّةَ ، يَحْمُونَ بِهَا أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ ، فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ ، أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا يَحْمُونَ بِهَا قَرَابَتِي ، وَما فَعَلْتُ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا ، وَلَا رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (لَقَدْ صَدَقَكُمْ) . قالَ عُمَرُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ ، قالَ : (إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا ، وَما يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَكُونَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ : اعْمَلُوا ما شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ) . قالَ سُفْيَانُ : وَأَيُّ إِسْنَادٍ هٰذَا .

[۲۹۱۵ ، ۳۷٦۲ ، ٤٠٢٥ ، ٤٦٠٨ ، ٥٩٠٤ ، ٦٥٤٠]

تراجم رجال

۱-علی ابن عبداللہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث ابوالحسن علی ابن عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ علیہ ہیں، جو ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۲۵)۔

= إذا عصين الله وتجريدهن (رقم ۳۰۸۱) وفي المغازي، باب فضل من شهد بدراً (رقم ۳۹۸۳) وباب غزوة الفتح (رقم ٤۲۷٤) وفي التفسير سورة الممتحنة، باب لاتتخذوا عدوي وعدوكم أولياء (رقم ٤۷۹۰) وفي الإستئذان باب من نظر في كتاب يحذر على المسلمين ليستبين أمره (رقم ٦۲٥۹) وفي استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب ماجاء في المتأولين (رقم ٦۹۲۹) ومسلم في فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبي بلتعة وأهل بدر رضي الله عنهم (رقم ٦٤٠١) والترمذي في التفسير، باب ومن سورة الممتحنة (رقم ۳۳۰٥) وأبوداود في الجهاد، باب في حكم الجاسوس إذا كان مسلما (رقم ۲٦٥٠ ، ۲٦٥)

(۲٥) كشف الباري: ۳/۲۹۷

۲-سفیان

یہ ابومحمد سفیان بن عیینہ کوفی رحمہ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم کے تحت گزر چکا ہے (۲۶)۔

۳-عمرو بن دینار

یہ عمرو بن دینار مکی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم کے تحت گزر چکا ہے (۲۶☆)۔

۴-حسن بن محمد

یہ حسن بن محمد رحمہ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی گزر چکے ہیں۔

۵-عبیداللہ بن ابی رافع

یہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع اسلم کے بیٹے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے (۲۷)۔ ان کے خطوط وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ ابن سعد نے ان کا شمار مکثرین فی الحدیث میں کیا ہے (۲۸)۔ تمام ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے (۲۹)۔

انہوں نے اپنی والدہ ام رافع سلمٰی اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام شُقران، حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے احادیث روایت کی ہیں (۳۰)۔ اور ان سے درج ذیل حضرات نے روایت حدیث کی ہے:

ابراہیم بن عبیداللہ بن ابی رافع، بسر بن سعد، جعفر بن محمد بن علی بن الحسین، حسن بن محمد بن الحنیفۃ، حکم بن عتبہ، سالم ابوالنضر، عاصم بن عبیداللہ، عبداللہ بن الفضل الہاشمی، علی بن الحسین زین العابدین، ابوجعفر محمد

---

(۲٦) كشف الباري: ۱۰۲/۳

(۲٦☆) كشف الباري: ۳۰۹/٤

(۲۷) تهذيب الكمال: ۳٤/۱۹

(۲۸) طبقات: ٦۸۱/٥

(۲۹) ثقات ابن حبان: ٦۸/٥، تهذيب الكمال: ۳٥/۱۹، طبقات: ۲۸۲/٥

(۳۰) تهذيب الكمال: ۳٤/۱۹

بن علی بن الحسین، محمد بن المنکدر، معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (۳۱)۔

٦-علی رضی اللہ عنہ

یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم کے تحت تفصیل سے گزر چکے ہیں۔

سمعت عليا رضي الله عنه يقول بعثني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنا والزبير والمقداد بن الأسود، قال: انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ، فإن بها ظعينةً، ومعها كتاب فخذوه منها......الخ.

راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد بن اسود کو بھیجا۔ فرمایا کہ روضہ خاخ جاؤ، وہاں تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی، اس کے پاس خط ہے، وہ اس سے لے لو۔

روضة خاخ

یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اور مدینہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے (۳۲)۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ ہشیم تصحیف کر کے خاخ کو خاج پڑھتے تھے۔ ہشیم کی طرح ابوعوانہ سے بھی یہی تلفظ منقول ہے (۳۳)۔

ظعينة: اس کے معنی ہیں اونٹ کے کجاوے میں بیٹھ کر سفر کرنے والی عورت۔

یہ ظعن سے مشتق ہے جس کے معنی چلنے اور سفر کرنے کے ہیں۔ پھر اس کا اطلاق ہودج یعنی اونٹ کے کجاوے اور اس میں بیٹھی مسافر عورت، دونوں پر ہونے لگا (۳۴)۔

ظعینہ کے بارے میں دو اقوال مروی ہیں:

---

(۳۱) تهذيب الكمال: ۳۵/۱۹

(۳۲) ارشاد الساري: ٤٧٨/٦

(۳۳) عمدة القاري: ٢٥٣/١٤

(٣٤) القاموس المحيط، باب النون، فصل الظاء، وشرح النووي على صحيح مسلم: ٣٠٢/٢

ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام سارہ تھا (۳۵)، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام کنود تھا (۳۶)۔
پہلا قول راجح ہے (۳۷)، علامہ نووی، علامہ کرمانی اور علامہ نسفی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے (۳۷)۔

سارہ مسلمان تھیں یا مشرکہ؟

حافظ ابونعیم، ابن مندہ (۳۸) اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ (۳۹) نے انہیں جملہ صحابیات کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ چنانچہ قاضی اسماعیل رحمہ اللہ نے "کتاب الاحکام" میں حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ کے ضمن میں جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے: قال الذین أرسلهم: "إن بها امرأة من المسلمین معها کتاب إلی المشرکین، وأنهم لما أرادوا ان یخلعوا ثیابها. قالت: أو لستم مسلمین؟(٤٠) یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سارہ کو گرفتار کرنے کے لئے جن صحابہ کو روانہ کیا، ان سے فرمایا کہ روضۂ خاخ کے مقام پر ایک مسلمان عورت ہے، جس کے پاس مشرکین کے نام خط ہے۔ جب صحابہ نے سارہ کا لباس اتروانا چاہا تو اس نے انہیں غیرت دیتے ہوئے کہا کیا تم مسلمان نہیں؟

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے جو تاریخی شہادتیں پیش کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سارہ مسلمان نہیں تھی، تو پھر انہیں صحابیات کی فہرست میں شمار کرنا عجیب ہے۔ مثلاً علامہ عینی کہتے ہیں کہ حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الإکلیل" میں لکھا ہے:

"وکانت، مغنّیة نوّاحة تُغني بهجاء رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه

(٣٥) عمدة القاري: ١٤/٣٥٢، وإرشاد الساري: ٦/٤٧٨

(٣٦) عمدة القاري: ١٤/٣٥٣، وإرشاد الساري: ٦/٤٧٨

(٣٧) إرشاد الساري: ٦/٤٧٨

(٣٨) شرح صحیح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢، في فضائل أهل بدر، وعمدة القاري: ١٤/٣٥٣، وشرح الکرماني: ١٣/١٩

(٣٩) الإصابة في تمییز الصحابة: ٤/٣٢٣

(٤٠) عمدة القاري: ١٤/٣٥٣

وسلم فأمر بها يوم الفتح، فقتلت"(٤١).

یعنی سارہ مغنیہ (گلوکارہ) اورنوحہ گرتھی، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجو وذم میں اشعار گاتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اسے قتل کرنے کا حکم دیا، تو وہ قتل کردی گئی۔

اس طرح ابوعبیدہ البکری کی روایت میں "فإن بها امرأة من المشركين" کے الفاظ وارد ہیں۔ اس روایت میں خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تصریح ہے کہ وہ مشرکہ تھی (۴۲)۔

حاطب ابن ابی بلتعہ کے مذکورہ واقعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء﴾ علامہ واحدی تحریر فرماتے ہیں:

"إن هذه الآية نزلت في حاطب ابن بلتعة، وذلك أن سارة مولاة أبي عمرو بن صيفي بن هاشم بن عبدمناف أتت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلى المدينة من مكة وهو يتجهز لفتح مكة، فقال: ماجاء بك؟ قالت: الحاجة. قال: أفأين أنت عن شباب أهل المكة؟ وكانت مغنية، قالت: ماطلب مني شيْ بعد وقعة بدر، فكساها وحملها، وأتاها حاطب بن أبي بلتعة كتب معها كتابا إلى أهل مكة، وأعطاها عشرة دنانير، وكتب في الكتاب إلى أهل مكة: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يريدكم فخذوا حذركم. فنزل جبريل -عليه السلام- بخبرها، فبعث عليًا وعمارا وعمر والزبير وطلحة والمقداد بن الأسود وأبا مرثد، وكانوا كلهم فرسانا، وقال: انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ، فإن بها ظعينة معها كتاب إلى المشركين فخذوه وخلّو سبيلها فان لم تدفعه إليكم فاضربوا عنقها"(٤٣).

"یہ آیت حاطب بن بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ عمرو بن صیفی بن ہاشم کی آزاد کردہ باندی "سارہ" مکہ سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

---

(٤١) عمدة القاري: ١٤/٣٥٣

(٤٢) عمدة القاري: ١٤/٣٥٣

(٤٣) عمدة القاري: ١٤/٣٥٣

میں حاضر ہونے کے لئے مدینہ آئی، اس وقت آپ فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے، آپ نے سارہ سے فرمایا: کیوں آئی ہو؟ سارہ نے کہا کسی ضرورت کی وجہ سے آنا ہوا۔ آپ نے فرمایا: نوجوانانِ مکہ کہاں اور تم کہاں؟ سارہ مغنیہ تھی اس لئے آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ سارہ نے جواب دیا کہ واقعۂ بدر کے بعد مجھ سے کسی نے (گانے وغیرہ) کا مطالبہ نہیں کیا اس کے بعد آپ نے سارہ کو پہننے کے لئے لباس اور سواری دی پھر اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ آئے، حاطب بن ابی بلتعہ نے اسے اہل مکہ کے نام خط دیا، اس کے علاوہ دس دینار بھی دیئے۔ خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے خلاف جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں، لہٰذا تم بچاؤ کے اسباب کرو۔ اس موقع پر جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور واقعہ کی خبر دی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی، عمار، عمر، زبیر، طلحہ، مقداد بن اسود اور ابو مرثد کو، جو عرب کے اچھے گھڑ سوار تھے، سارہ کا تعاقب کرنے بھیجا۔ اور فرمایا کہ روضۂ خاخ جاؤ، وہاں اونٹ پر سوار ایک عورت ہوگی، اس کے پاس مشرکین کے نام خط ہے، خط لے کر اسے بلا مزاحمت چھوڑ دو۔ اگر وہ خط دینے سے انکار کرے، تو اس کی گردن اڑا دو"۔

اسی طرح تفسیر نسفی میں ایک روایت ہے:

أتت سارہ من مكة إلى المدينة بعد بدر بسنين ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يتجهز لفتح مكه، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أمسلمة جئت"؟ قالت: لا، قال: أمهاجرة جئت؟ قالت: لا.

یعنی جنگ بدر کے چند سال بعد سارہ مکہ سے مدینہ منورہ آکر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت آپ فتح مکہ کی تیاری میں مصروف تھے، آپ نے سارہ سے دریافت فرمایا، کیا تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ سارہ نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا ہجرت کر کے آئی ہو؟ سارہ نے کہا، نہیں۔

علامہ واحدی اور علامہ نسفی رحمہ اللہ کی مذکورہ دونوں روایات اکثر مفسرین نے نقل کی ہیں (۴۴)۔ ان

(٤٤) دیکھئے تفسیر القرطبي: ١٨/٥١، والتفسير الكبير للإمام الرازي: ٢٩/٢٩٦

روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سارہ مسلمان نہیں تھی، علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایات نقل کی ہیں۔ ان کی صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کا رجحان بھی یہی ہے کہ سارہ مسلمان نہیں تھی۔ (واللہ اعلم)۔

فانطلَقْنا تعادىٰ بنا خيلنا، حَتّىٰ انتهينا إلى الروضة، فإذا نحن بالظعينة......

راوی کہتے ہیں کہ گھوڑے دوڑتے ہوئے ہمیں دور تک لے گئے، جب دیکھا تو واقعی ہم اونٹنی پر سوار عورت کے پاس تھے، ہم نے اس سے کہا کہ خط نکال دو، اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا کہ خط نکال کر دو گی یا پھر تمہارے کپڑے اتار دیئے جائیں اس نے (مجبوراً) خط اپنے جوڑے سے نکال کر دیا، اسے لے کر ہم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس میں تحریر تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کے چند مشرکین کے نام۔ جس میں حاطب نے اپنے متعلقین کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض عزائم کی خبر دی تھی، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا حاطب! یہ کیا کہانی ہے؟ حاطب نے کہا ''آپ جلدی نہ فرمایئے، میں ایسا شخص ہوں جو قریش میں آ کر مل گیا، حالانکہ میں اصلاً قریش میں سے نہیں ہوں، آپ کے پاس جو مہاجرین ہیں، ان سب کی اہل مکہ سے رشتہ داریاں ہیں۔ ان کے طفیل وہ اپنے اہل وعیال اور اموال کے ساتھ محفوظ ہیں، میری رشتہ داری تو ان کے ساتھ ہے نہیں، اس لئے میں نے چاہا کہ ان پر کوئی احسان کر دوں جس کے نتیجہ میں وہ میرے رشتہ داروں کو کچھ نہیں کہیں گے۔ میں نے یہ کام کفر کی وجہ سے کیا نہ ہی ارتداد کی وجہ سے، یا اسلام لانے کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے!'' رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حاطب نے تم لوگوں کو سچ بات بتائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے چھوڑ دیجئے، (یعنی اجازت دیجئے) کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بدر کی جنگ میں شریک ہوا ہے، تمہیں معلوم نہیں شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر فرمایا کہ تم چاہو جیسے اعمال کرو، میں تمہاری بخشش کر چکا ہوں۔

إلى أناس من المشركين

راوی نے مکتوب الیہم کے نام ذکر کرنے کی بجائے "إلى أناس مشركين" کہہ دیا۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'هو كلام الراوي، وضع موضع: "إلى فلان وفلان المذكورين في الكتاب"(٤٥).

''یہ راوی کا کلام ہے انہوں نے خط میں مذکور ''فلاں وفلاں'' یعنی ناموں کی تصریح کے بجائے إلى أناس من المشركين کہہ دیا''۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس پر تعریض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"لم يطلع الكرماني على أسماء المكتوب إليهم، فلذلك قال هكذا. والذين كتب إليهم هم: صفوان بن أمية، وسهل بن عمرو، وعكرمة بن أبي جهل"(٤٦).

مطلب یہ ہے کہ خود علامہ کرمانی کو بھی مکتوب الیہم کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ اس لئے انہوں نے فلاں فلاں کہہ دیا، اگر معلوم ہوتے تو تصریح بھی ضرور کرتے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حاطب ابن ابی بلتعہ نے جن کے نام خط لکھا تھا، وہ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل تھے۔

قال سفيان: وأي إسناد هذا

''سفیان نے کہا، کیا خوب (عمدہ) سند ہے یہ!''۔

سفیان بن عیینہ نے روایتِ باب کی صحتِ سند اور ثقاہت پر رشک کا اظہار کیا ہے۔ اس لئے کہ روایت کے تمام راوی اکابر ثقات، عدول اور حفاظ ہیں اور سند میں کہیں بھی انقطاع نہیں (۴۷)۔

حدیث سے مستنبط فوائد

❶ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق ہوئی ہے کہ اس خفیہ واقعہ کی پوری تفصیلات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی معلوم ہوئیں (۴۸)۔

---

(٤٥) شرح الكرماني: ١٣/ ٢

(٤٦) عمدة القاري: ١٤/ ٣٥٣

(٤٧) شرح الكرماني: ١٢/ ٢١، فتح الباري: ٦/ ٧٧؛ وعمدة القاري: ١٤/ ٣٥٦

(٤٨) عمدة القاري: ١٤/ ٣٥٦، شرح مسلم للنووي: ٢/ ٣٠٢

② جاسوس چاہے مرد ہو یا عورت، راز اگلوانے کے لئے اس سے خط وغیرہ لینا ضروری ہے (۴۹)۔

③ حدیث باب سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ جاسوسی کرنے سے مسلمان دائرۂ ایمان سے نہیں نکلتا (۵۰)۔

④ ضرورت کے وقت عورت کو بے لباس کرنا جائز ہے (۵۱)۔

⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کی اجازت کے بغیر کسی کو قتل نہیں کرنا چاہیے (۵۲)۔

⑥ حاکمِ وقت کے سامنے اہل معاصی سے درشت لہجہ میں بات کرنا اور ان کے قتل کی اجازت مانگنا جائز ہے (۵۳)۔

⑦ اللہ تعالی نے اہل بدر کے گناہوں کی بخشش کی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کو اپنی وعیدیں نافذ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے (۵۴)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث باب میں لفظ ''ظعینہ'' کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے۔ باب امام بخاری رحمہ اللہ نے جاسوس کا قائم کیا ہے، حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے جانے والی یہ عورت بھی جاسوس تھی (۵۵)۔

---

(٤٩) شرح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢

(٥٠) شرح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢، وعمدة القاري: ١٤/٤٥٦

(٥١) شرح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢، وعمدة القاري: ١٤/٤٥٦

(٥٢) شرح مسلم للنووي: ٢/٣٠٢، وعمدة القاري: ١٤/٤٥٦

(٥٣) شرح ابن بطال: ٥/١٦٣

(٥٤) شرح ابن بطال: ٥/١٦٣

(٥٥) عمدة القاري: ١٤/٢٥٤

١٤٠ - باب : الْكِسْوَةِ لِلْأُسَارَى .

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ قیدیوں کا حکم بتانا چاہتے ہیں کہ اگر قیدیوں کے جسم پر لباس نہ ہو تو انہیں کپڑے سے ڈھانپ دیا جائے۔ انہیں بے لباس حالت میں لے جانا صحیح نہیں۔ ستر کے حکم میں مسلم وغیر مسلم برابر ہیں، جس طرح مسلمان کے ستر کو دیکھنا جائز نہیں، اسی طرح غیر مسلم کے ستر کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے(۱)۔

٢٨٤٦ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ عَمْرٍو : سَمِعَ جابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قالَ : لَمَّا كانَ يَوْمَ بَدْرٍ ، أُتِيَ بِأُسَارَى ، وَأُتِيَ بِالْعَبَّاسِ ، وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ ثَوْبٌ ، فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ لَهُ قَمِيصًا ، فَوَجَدُوا قَمِيصَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ يَقْدُرُ عَلَيْهِ ، فَكَسَاهُ النَّبِيُّ ﷺ إِيَّاهُ ، فَلِذٰلِكَ نَزَعَ النَّبِيُّ ﷺ قَمِيصَهُ الَّذِي أَلْبَسَهُ ، قالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ : كانَتْ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَدٌ ، فَأَحَبَّ أَنْ يُكَافِئَهُ . [ر : ١٢١١]

۱-عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد جعفی ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۳)۔

۲-ابن عیینہ

یہ سفیان بن عیینہ ابو محمد الکوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں(۴)۔

۳-عمرو

یہ عمرو بن دینار رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

۴-جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

ان کے حالات بھی گزر چکے ہیں(۵)۔

(١) فيض الباري: ٤٤٢/٣

(٢٨٤٦) مر تخريجه في كتاب الجنائز، باب الكفن في القميص يكف أولا يكف

(٣) كشف الباري: ٦٥٧/١

(٤) كشف الباري: ٢٣٨/١

(٥) كتاب الوضوء، باب صَبِّ النبي الوضوء على المغمى عليه

لما كان يومُ بدر، أُتِي بأساری، وأتی بالعباس، ولم يَكُن عليه ثوب، فنظر النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم له قيمصاً، فوجدوا له قميص عبدالله بن أُبی يَقدُر عليه، فكساه النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم إيّاه

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب بدر کا دن تھا اور کفار کے قیدی لائے گئے اور عباس رضی اللہ عنہ بھی لائے گئے، ان کے بدن پر کوئی لباس نہیں تھا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے قمیص تلاش کی، صحابہ نے عبداللہ بن ابی کی قمیص ان کے بدن کے موافق پائی تو آپ نے وہی قمیص ان کو پہنادی۔

يَقدُر عليه......

حضرت عباس رضی اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بلند خیمے کی طرح طویل القامت تھے۔ قد میں وہ اپنے باپ پر گئے تھے۔ چنانچہ ان کے والد عبدالمطلب ان سے زیادہ طویل تھے۔ خود حضرت عباس کے بیٹے عبداللہ بھی قد آور تھے، جب وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ چلتے، تو دیکھنے والا ایسا محسوس کرتا گویا عبداللہ سوار ہیں اور دوسرے لوگ پیدل چل رہے ہیں (۵☆)۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو ان سے بھی زیادہ دراز قد تھے (٦)، یہی وجہ تھی کہ ان کے قد کے برابر قمیص دستیاب نہیں تھی، عبداللہ بن ابی بن سلول دراز قد تھا۔ اس لئے اس کی قمیص موزوں ٹھہری تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ لے کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنادی۔

فلذلك نزع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قميصه الذي ألبسه

”اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر عبداللہ بن ابی کو پہنادی“۔

مطلب یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن سلول مرا تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ اتار کر اسے پہنا دیا، اس لئے کہ جنگِ بدر میں جب حضرت عباس قیدیوں کے ساتھ پکڑے گئے تو ان کی اپنی قمیص

(۵☆) عمدة القاري: ١٤/٤٥٧

(٦) عمدة القاري: ١٤/٣٥٧

ان کے بدن پر نا کافی تھی، اس لئے عبداللہ بن ابی سے قمیص لے کر انہیں پہنائی گئی۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عبداللہ بن ابی کا احسان تھا، اس کا بدلہ آپ نے اس طرح دیا کہ جب عبداللہ ابن ابی مرا تو آپ نے اپنی قمیص اسے پہنادی۔

اس روایت سے متعلق کچھ تفصیل کتاب الجنائز کے تحت بھی گزر چکی ہے۔

حدیث سے مستنبط فوائد

❶ علامہ مہلب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روایت باب سے معلوم ہوا کہ قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ اگر وہ بے لباس ہوں یا جسم ڈھانکنے کے لئے ان کا لباس نا کافی ہو تو انہیں لباس فراہم کیا جائے۔ ننگا نہ چھوڑا جائے، اس لئے کہ مسلمان کی طرح غیر مسلم کے ستر کو دیکھنا بھی گناہ ہے (۷)۔

❷ جس طرح زندگی میں کسی کے احسان کا بدلہ احسان سے دیا جاتا ہے، روایتِ باب میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے ثابت ہوا کہ موت کے بعد بھی احسان کا بدلہ دیا جا سکتا ہے (۸)۔

۱۴۱ – باب : فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ عَلَى يَدَيْهِ رَجُلٌ .

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ اس آدمی کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں، جس کے ہاتھ پر کسی نے اسلام قبول کرلیا ہو (۱)۔

۲۸۴۷ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ٱبْنِ عَبْدٍ الْقَارِيُّ ، عَنْ أَبِي حازِمٍ قالَ : أَخْبَرَنِي سَهْلٌ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، يَعْنِي ٱبْنَ سَعْدٍ ، قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ : (لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُفْتَحُ عَلَى يَدَيْهِ ، يُحِبُّ ٱللهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ ٱللهُ وَرَسُولُهُ) . فَبَاتَ النَّاسُ لَيْلَتَهُمْ : أَيُّهُمْ يُعْطَى ، فَغَدَوْا كُلُّهُمْ يَرْجُونَهُ ، فَقَالَ : (أَيْنَ عَلِيٌّ) .

---

(۷) شرح ابن بطال: ۱٦٦/٥، عمدة القاري: ۳٥۷/۱٤

(۸) شرح ابن بطال: ۱٦٦/٥، عمدة القاري: ۳٥۷/۱٤

(۱) عمدة القاري: ۳٥۷/۱٤

(۲۸٤۷) الحديث أخرجه البخاري في التفسير، باب كنتم خير أمة أخرجت للناس (رقم ۷٥٥۷)، وأبوداود في الجهاد، باب الأسير يوثق (رقم ۲٦۷۷)

فَقِيلَ : يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ ، فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ ، فَبَرَأَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ ، فَأَعْطَاهُ ، فَقَالَ : أُقَاتِلُهُمْ حَتَّى يَكُونُوا مِثْلَنَا ؟ فَقَالَ : (اُنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ ، فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً ، خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ) . [ر : ۲۷۸۳]

تراجم رجال

۱-قتیبہ بن سعید

یہ ابورجاء قتیبہ بن سعید ثقفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۲-یعقوب بن عبدالرحمٰن

یہ یعقوب بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن عبدالقاری القُرَشی الإسکندَرانی ہیں، ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں (۴)۔

۳-ابوحازم

یہ ابوحازم سلمۃ بن دینار رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

۴-سہیل ابن سعد رضی اللہ عنہ

ان کے حالات بھی پہلے گزر چکے ہیں (۵)۔

یہ روایت کتاب الجہاد ہی میں باب دعاء الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلی الإسلام والنبوۃ کے تحت تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث باب میں ہے "لأن یهدي الله بك رجلا خیرٌ لك من أن یَكون لك حُمْرُ النَّعَم"

(۳) کشف الباري: ۱۸۹/۲

(٤) دیکھئے کتاب الجهاد، باب الخطبة علی المنبر (رقم ۹۱۷)

(٥) ابوحازم اور سہیل بن سعید دونوں کے تذکرہ کے لئے دیکھئے کتاب الوضوء، باب غَسل المرأة أباها الدم عن وجهه (رقم ۲٤۳)

بخدا اگر تمہارے سبب کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ ہدایت (ایمان) دے تو یہ تمہارے لئے لال اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے"۔ ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت واضح ہے۔

١٤٢ – باب : الْأُسَارَى فِي السَّلَاسِلِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

شرعاً تعذیب خلق اللہ حرام ہے، اس لئے کسی کو وہم ہوسکتا تھا کہ قیدی کو زنجیروں میں باندھنا اس قاعدہ کی رو سے حرام ہونا چاہیے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وہم کی تردید فرمائی اور یہ ثابت کیا کہ قیدیوں کو زنجیروں سے باندھنا جائز ہے اور اس میں خلق اللہ کی تعذیب نہیں (۱)۔ یہی رائے امام ابوداود رحمہ اللہ کی بھی ہے، انہوں نے کتاب الجہاد، باب الأسیر یوثق کے تحت ثمامہ بن اُثال اور حارث بن برصاء کے واقعات سے استدلال کیا ہے۔ حارث بن برصاء کے واقعہ سے متعلق سنن ابی داود کی روایت جندب بن مَکِیث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، روایت یوں ہے:

"بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عبدالله بن غالب الليثي في سرية، وكنت فيهم، وأمرهم أن يشنوا الغارة على بني المُلَوّح بالكديد فخرجنا، حتى إذا كنا بالكديد، لقينا الحارث بن البرصاء الليثي، فأخذناه، فقال: إنما جئتُ أريد الإسلام، وإنما خرجت، إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلنا: إن تك مسلما لم يضرّك رِباطنا يوما وليلة، وإن تكن غير ذلك نستوثق منك، فشددناه وِثاقا"(۲)۔

جندب بن مکیث کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن غالب کو ایک سریہ کا امیر بنا کر بنو المُلَوّح سے قتال کے لئے "کدید" کے مقام کی جانب بھیجا، جب ہم سفر کے لئے نکلے اور کدید کے مقام پر پہنچے تو وہاں ہماری ملاقات حارث بن برصاء لیثی سے ہوئی، ہم نے اسے پکڑ لیا تو اس نے کہا، میں تو اسلام ہی کے ارادہ سے آیا

(۱) الأبواب والتراجم للمحدث زكريا الكاندهلوي، ص: ۲۰۱

(۲) سنن أبي داود: ۲/۷، امدادیه

ہوں اور حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے نکلا ہوں۔ ہم نے اس سے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو چکے ہو، تو صرف ایک دن اور ایک رات کے لئے ہمارا تمہیں باندھنا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا، اگر تم اسلام نہیں لائے ہو تو پھر ہم تم سے اطمینان چاہتے ہیں، لہٰذا ہم نے اسے باندھ دیا۔

اور ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ سے متعلق سنن ابوداود کی روایت کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اس میں ہے:

"بعث رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم خيلاً قِبَلَ نجدٍ، فجاءت برجل من بني حنيفة يقال له ثمامةُ بن أثال –سيدُ أهلِ اليمامة– فربطوه بسارية من سوارِي المسجد، فخرج إليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، فقال: ماذا عندك يا ثمامة؟ قال: عندي يا محمد خير، إن تقتل تقتل ذادمٍ، وان تنعم تنعم على شاكر، وإن كنت تريد المال فسل تعط منه ماشئتَ، فتركه رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم حتى إذا كان الغد، ثم قال له: ماعندك ياثمامة؟ فأعاد مثل هذاالكلام، فتركه رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، حتى إذا كان بعد الغدِ، فذكر مثل هذا، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: أطلقوا ثمامة، فانطلق إلى نخلٍ قريب من المسجد، فاغتسل فيه ثم دخل المسجد، فقال: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأشهد أنّ محمداً عبدهُ ورسوله" (۳).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک سریہ نجد کی طرف بھیجا، تو وہ سریہ قبیلۂ بنوحنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ کر لایا، جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا جو اہل یمامہ کا سردار تھا، ان لوگوں نے اس کو مدینہ میں لاکر مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا، ثمامہ! تمہارے ذہن میں کیا ہے؟ ثمامہ نے عرض کی، اے محمد! میرے پاس خیر ہے (یعنی اسلام لانے کا ارادہ ہے) اگر آپ مجھے قتل کردیں گے تو آپ ایسے آدمی کو قتل کریں

(۳) سنن أبي داود: ۲/۷،۸، کتاب الجهاد، باب الأسير يوثق

گے جوذودم ہے، اگر آپ مجھ پر انعام فرماتے ہیں تو آپ ایسے شخص پر انعام فرمائیں گے جو آپ کا شکر گزار ہوگا، اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ جتنا چاہیں عطا کیا جائے گا۔ آپ اسے چھوڑ کر چلے گئے، اگلے دن وہی سوال جواب ہوا تو آپ اس کو چھوڑ کر چلے گئے، تیسرے دن بھی وہی سوال جواب ہوا تو آپ نے فرمایا، ثمامہ کو رہا کردو۔ ثمامہ بیڑی سے آزاد ہوتے ہی، مسجد کے قریب ایک باغ میں گئے جہاں پانی تھا، وہاں غسل کیا اور پھر مسجد میں آکر کلمۂ شہادت پڑھا۔

امام ابوداودرحمہ اللہ نے ان دونوں روایات سے ربط الاسیر کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

۲۸٤٨ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (عَجِبَ اللهُ مِنْ قَوْمٍ يَدْخُلُونَ الجَنَّةَ في السَّلَاسِلِ) .

۱-محمد بن بشار

یہ محمد بن بشار عبدی بصری ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل کے تحت پہلے گزر چکا ہے (٥)۔

۲-غندر

یہ ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی ہیں، غندر کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (٦)۔

۳-شعبہ

یہ شعبہ بن الحجاج واسطی بصری ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، باب المسلم عن سلم

(۲۸٤٨) أخرجه البخاري أيضا : ٦٥٧/٢، في كتاب التفسير، باب: كنتم خير أمة أخرجت للناس (رقم ٥٨٨٧) وعند أبي داود في سننه: ٧/٢، في كتاب الجهاد، باب الأسير يوثق (رقم ٢٦٧٧)

(٥) كشف الباري: ٢٥٨/٣

(٦) كشف الباري: ٢/ ٢٥١،٢٥

المسلمون من لسانه ويده کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۷)۔

۴-محمد بن زیاد

یہ ابوالحرث محمد بن زیاد جمحی مدنی ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (☆۷)۔

۵-ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ان کے تفصیلی حالات کتاب الإيمان، باب أمور الإيمان کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۸)۔

عجب الله من قوم يدخلول الجنة في السلاسل

اللہ تعالیٰ نے ایسی قوم پر تعجب فرمایا جو زنجیروں میں بندھے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔

تعجب یہاں رضا وخوشنودی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوں گے، جو زنجیروں میں بندھے ہوئے جنت کے اندر داخل ہوں گے۔

اکثر شُرّاح حدیث نے کہا کہ اس سے وہ کفار مراد ہیں جنہیں اہل اسلام قیدی بنا کر زنجیروں میں باندھے ہوئے دارالاسلام لائے اور اسی حالت میں وہ مسلمان ہوگئے۔

جنت سے یہاں بعض حضرات نے کہا کہ اسلام مراد ہے۔ چونکہ اسلام دخولِ جنت کا سبب ہے، اس لئے علی سبیل المجاز سبب بول کر مسبّب مراد لیا گیا (۹)۔

علامہ ابن جوزی نے وضع سلاسل کو مجاز پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ ”يدخلون الجنة في السلاسل“ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ لوگ زنجیروں میں باندھے ہوئے اسلام میں داخل ہوں گے، بلکہ یہ اِکراہ سے کنایہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قیدی بن کر، حالت اکراہ میں دارالاسلام لائے جائیں گے لیکن جب

---

(۷) كشف الباري: ۱/ ٦٧٨

(☆۷) ان کے حالات کے لئے دیکھئے: كتاب الوضوء، باب غسل الاعقاب

(۸) كشف الباري: ۱/ ٦٥٩

(۹) عمدة القاري: ٦/ ٤٨٢، إرشاد الساري: ٦/ ٤٨٢

اسلام کی حقانیت کے معترف ہوں گے تو اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہوں گے (۱۰)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اوران کے اتباع میں علامہ برماوی نے فرمایا کہ ''قوم'' سے یہاں وہ مسلمان قیدی بھی مراد ہو سکتے ہیں جو کفار کے پاس زنجیروں میں بندھے ہوئے ہوں، اور پھر دورانِ اسارت مر جائیں، یا قتل کردیئے جائیں تو حشر کے دن وہ اسی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔ چونکہ ایسے لوگوں کا جنت میں داخل ہونا یقینی ہے اس لئے حدیث میں یومِ حشر کو اٹھائے جانے کی تعبیر دخولِ جنت سے کی گئی (۱۱)۔ خلاصہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک "يدخلون الجنة في السلاسل" حشر سے کنایہ ہیں۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کرمانی کی یہ توجیہ مجاز کے قبیل سے ہے، جب لفظ جنت کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جاسکتا ہے تو اس کو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں، اور کوئی مانع بھی نہیں کہ ''جنت'' سے یہاں مصداقِ حقیقی ہی مراد ہو اور "يدخلون الجنة في السلاسل" کی تقدیر ہو: "يدخلون الجنة، وكانوا في الدنيا في السلاسل" (۱۲)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں سلاسل سے مراد جذب کی وہ کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں کو ضلالت سے ہدایت کی طرف کھینچے، اور قعرِ مذلّت میں نیچے گرنے سے درجات عالیہ کی طرف اوپر کو کھینچے۔

ظاہر ہے کہ اس توجیہ کی صورت میں بھی حدیث کے الفاظ حقیقت پر محمول نہیں۔ اس لئے حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علامہ طیبی رحمہ اللہ کی یہ توجیہ بھی مجاز کے قبیل سے ہے (۱۳)۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ جنت سے یہاں حقیقی معنی مراد لینا راجح ہے، جیسا کہ علامہ عینیؒ کی رائے ہے اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کفار، مسلمانوں کو میدانِ جہاد میں پکڑلیں اور بیڑیوں میں باندھ کر قتل کردیں تو وہ اسی حال میں جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ ان کے لئے اعزاز کا باعث ہوگا کہ انہوں نے اس طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کر کے راہِ خدا میں اپنی جان قربان کردی۔ واللہ اعلم.

---

(۱۰) فتح الباري: ۱۷۹/٦، إرشاد الساري: ٤٨٢/٦

(۱۱) شرح الكرماني: ۲۲/۱۳، عمدة القاري: ۳٥٨/۱٥، إرشاد الساري: ٤٨٢/٦

(۱۲) عمدة القاري: ۳٥٨/۱٥

(۱۳) فتح الباري: ۱۷۹/٦، عمدة القاري: ۳٥٨/۱٥

اسی طرح وضع سلاسل بھی حقیقت پر محمول ہے۔ یہی رائے حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی کی بھی ہے۔ حافظ ابن جوزیؒ کے نزدیک اس سے ''اکراہ'' اور علامہ طیبیؒ کے نزدیک اس سے جذب کی کیفیت مراد ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عسقلانی نے فرمایا کہ آگے کتاب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ وضع سلاسل حقیقت پر محمول ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ''وكنتم خير امة أخرجت للناس'' کی تفسیر یوں کی ہے:''خير الناس للناس يأتون بهم في السلال في أعناقهم حتى يدخلوا في الإسلام''(١٤)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اور روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کے طریق سے امام بخاری رحمہ اللہ نے مرفوعاً نقل کی ہے، روایت ہے:

''رأيت ناساً من أمتي يُساقون إلى الجنة في السلاسل كُرهاً. قلتُ يارسول الله من هم؟ قال قوم من العجم يسبيهم المهاجرون فيدخلونهم في الإسلام مكرهين''(١٥).

ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ ابن منیر نے فرمایا کہ اگر روایت سے حقیقتاً وضع سلاسل مراد ہو، تب تو ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے۔ لیکن اگر یہ حقیقت پر محمول نہ ہو بلکہ اکراہ سے کنایہ ہو تو پھر دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہوگی: إن كان المراد حقيقة وضع السلاسل في الأعناق فالترجمة مطابقة، وان كان المراد المجاز عن الإكراه فليست مطابقة(١٦)۔

جب کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حقیقت پر ہی محمول ہے اور اس کی تائید سورہ آل عمران کی آیت ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس﴾ کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

(١٤) صحيح بخاري: ٢/٦٥٤، كتاب التفسير، باب: كنتم خير أمة أخرجت للناس (رقم ٥٨٨٧)

(١٥) فتح الباري: ٦/١٧٦

(١٦) فتح الباري: ٦/١٧٩، إرشاد الساري ٦/٤٨٢

"خير الناس للناس يأتون بهم في السلاسل مكرهين"(۱۷)۔ لہٰذا ترجمۃ الباب اور حدیث میں مناسبت موجود ہے۔

۱۴۳ – باب : فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ .

اہلِ کتابین یعنی یہود ونصاریٰ۔ کتابین تثنیہ ہے اور اس سے تورات وانجیل مراد ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہود ونصاریٰ ایمان لائیں تو ان کو دوہرا ثواب ملے گا۔

۲۸٤۹ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ : حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيٍّ أَبُو حَسَنٍ قالَ : سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُولُ : حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ : الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الْأَمَةُ ، فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيمَهَا ، وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ أَدَبَهَا ، ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ، وَمُؤْمِنُ أَهْلِ الْكِتَابِ ، الَّذِي كانَ مُؤْمِنًا ، ثُمَّ آمَنَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَلَهُ أَجْرَانِ ، وَالْعَبْدُ الَّذِي يُؤَدِّي حَقَّ اللّٰهِ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهِ) .

ثُمَّ قالَ الشَّعْبِيُّ : وَأَعْطَيْتُكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ وَقَدْ كانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِي أَهْوَنَ مِنْهَا إِلَى الْمَدِينَةِ .

[ر : ۹۷]

۱–علی بن عبداللہ

یہ علی بن عبداللہ بن جعفر ابن المدینی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب الفهم في العلم کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۲)۔

۲–سفیان

یہ ابو محمد سفیان بن عیینہ الکوفی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب قول المحدث حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱۷) إرشاد الساري: ٦/٤٨٢

(٢٨٤٩) قد مرّ تخريجه الحديث في كتاب العلم، باب تعليم الرجل أمته وأهله

(٢) كشف الباري: ٣/٢٩٧

(٣) كشف الباري: ٣/١٠٢–١٠٦

۳-صالح بن حیّ ابوالحسن

یہ صالح بن صالح بن حیان ثوری ہمدانی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأهله کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۴)۔

۴-شعبی

یہ ابوعمرو عامر بن شراحیل شعبی کوفی ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب امور الإیمان کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۵)۔

۵-ابوبردہ

یہ عامر یا حارث بن موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب أي الإسلام أفضل کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(٦)۔

٦-أنہ سمع اباہ

اس سے ابوبردہ کے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ان کے حالات بدء الوحی کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۷)۔

ثلثة یؤتَون أجرهم مرّتین: الرجل تکون له الأمة، فیعلمها فیحسن تعلیمها، ویؤدّ بها فیُحسن أدبها، ثم یُعتِقُها فیتزوّجُها، فله أجران

ثلاثه: تقدیر عبارت ہے:ثلاثه من الرجال، یہ مبتدا ہے،یؤتَون أجرهم مرّتین "اس کی خبر ہے۔

الرجل: اس کو مرفوع پڑھنے کی حالت میں دو صورتیں ہیں، یا تو ثلاثة سے بدل واقع ہو، یا پھر مبتداء

(٤) کشف الباري: ٣/٥٩٣

(٥) کشف الباري: ١/٦٧٩

(٦) کشف الباري: ١/٦٩٠

(٧) کشف الباري: ١/٢٩٠

محذوف کی خبر ہو، اور تقدیرِ عبارت ہو، أولهم الرجل (۸)۔

روایت میں ہے کہ تین آدمیوں کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک وہ آدمی جس کی باندی ہو، اس نے اسے تعلیم دی اور اچھی طرح تعلیم دی، اس نے اسے ادب سکھایا اور خوب اچھی طرح سکھایا، پھر اسے آزاد کر دیا اور پھر اس کے ساتھ نکاح کیا تو اسے دوہرا اجر ملے گا۔

علامہ کرمانی نے فرمایا کہ تعلیم کا تعلق امورِ شرعیہ سے ہے اور تأدیب کا تعلق امورِ دنیا سے ہے (۹)۔ مطلب یہ ہے کہ احکام آخرت کی تعلیم بھی دی اور دنیا میں رہن سہن اور تہذیب وتمدن کے طور طریقے بھی سکھائے اور پھر آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیا تو اسے دوہرا ثواب ملے گا۔ رِق اور حُرّیت دو متنافی امور ہیں، ہر دو کے الگ الگ تقاضے ہیں، اس لحاظ سے اس آدمی کو دو اجر دیئے جائیں گے (۱۰)۔

علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ اَجران سے اِعتاق اور تزویج مراد ہے، یعنی ایک اجر باندی کو آزاد کرنے کا اور دوسرا اَجر، اس سے نکاح کرنے کا (۱۱)۔

ومومن أهل الكتاب الذي، كان مؤمنا، ثم آمن بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فله أجر ان

"دوسرے، مومن اہلِ کتاب جو پہلے سے (اپنے پیغمبر پر) ایمان رکھتا تھا، پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لایا، تو اسے بھی دوہرا اجر ملے گا"۔

اہل کتاب کا مصداق

اہل کتاب سے عموماً یہود ونصاریٰ مراد ہوتے ہیں، لیکن یہاں ابوعبدالملک اور علامہ توربشتی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اس سے صرف عیسائی مراد ہیں۔ یہی روایت دوسرے طریقے سے آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے

(۸) إرشاد الساري: ٤٨٣/٦

(۹) شرح الكرماني: ٨٩/٢

(۱۰) شرح الكرماني: ٨٩/٢

(۱۱) إرشاد الساري: ٤٨٣/٦

كتاب أحاديث الانبياء کے تحت بھی نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: "وإذا آمن بعيسى ثم آمن بي" (۱۲)۔ ان حضرات کا پہلا مستدل روایت کے یہی الفاظ ہیں، جن میں عیسیٰ علیہ السلام اور پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تصریح ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ یہودیت، عیسائیت کی وجہ سے منسوخ ہوگئی ہے، دینِ منسوخ پر ایمان لانا نافع نہیں۔ لہٰذا روایتِ باب میں اہل کتاب سے عیسائی ہی مراد ہوں گے (۱۳)۔

علامہ طیبی، علامہ کرمانی، حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اہل کتاب سے یہاں یہود ونصاریٰ دونوں مراد ہیں (۱۴)۔ کیونکہ کتاب وسنت میں اہل کتاب کا اطلاق یہود ونصاریٰ دونوں پر ہوتا ہے۔

خود امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے۔ ترجمۃ الباب میں "کتابین" تثنیہ وارد ہے، باب کے تحت جو روایت امام نے نقل کی ہے: ومؤمن أهل الكتاب الذى كان مؤمنا ثم آمن بالنبي فله أجران" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے نزدیک بھی روایتِ باب میں اہل الکتاب کا مصداق یہود ونصاریٰ دونوں ہیں اور اسی بناء پر ترجمۃ الباب میں صیغہ بھی تثنیہ کا لائے، اگر روایت میں "اہل الکتاب" سے ان کے نزدیک صرف عیسائی مراد ہوتے تو بجائے تثنیہ کے مفرد کا صیغہ ذکر کرتے۔ واللہ اعلم۔

فله أجران کا مطلب

مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یا پھر بعثت کے بعد، اہل کتاب کو جب تک پیغامِ رسالت نہیں ملا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور کسی نبی کی تکذیب نہیں کی، جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معبوث ہوئے تو آپ پر بھی ایمان لائے۔ اسی وجہ سے فرمایا کہ انہیں دوہرا ثواب ملے گا۔

ثم قال الشعبي: وأعطيتُكها بغير شيءٍ وقد كان الرجل يَرحَلُ في أَهْوَنَ منها إلى المدينة

"پھر شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں یہ روایت مفت دی ہے، جب کہ پہلے آدمی اس سے بھی کم کے لئے مدینہ کا سفر کیا کرتا تھا"۔

---

(۱۲) صحيح البخاري: ۱/ ٤٩٠، كتاب أحاديث الانبياء، باب واذكر في الكتاب مريم ...... (رقم ٣٤٤٦)

(۱۳) فتح الباري: ۱/ ۱۹۱

(١٤) شرح الطيبي: ١٢٦/١، شرح الكرماني: ٨٨/٢، فتح الباري: ١٩١/١، المرقاة: ٧٨/١

ایک روایت میں "وأعطیتُکھا" کے بجائے صیغہ استقبال کے ساتھ "وأُعطیکھا" وارد ہے(۱۵)۔

یہاں بظاہر عامر شعبی رحمہ اللہ کا روئے سخن (خطاب) صالح کی طرف ہے، علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے بھی صالح کو شعبی کا شاگرد قرار دے کر اسی پر جزم کیا ہے(۱۶)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں خطاب صالح کی طرف نہیں بلکہ ایک خراسانی شخص کی طرف ہے، چنانچہ صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں خود صالح نے تصریح کی ہے:"أن رجلا من أهل خراسان قال للشعبي، فقال الشعبي: أخبرنا أبو بردة عن أبي موسى رضي الله عنه"(۱۷)۔

فائدہ

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کلام سے امام شعبی رحمہ اللہ کی غرض طلبِ علم کی حرص اور جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے، خصوصاً جب معلم حاضر ہو(۱۸)۔ مطلب یہ ہے کہ جب معلم موجود ہو تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر معلم سے استفادہ کرنا چاہیے۔

١٤٤ – باب : أَهْلِ ٱلدَّارِ يُبَيَّتُونَ ، فَيُصَابُ الْوِلْدَانُ وَٱلذَّرَارِيُّ .

«بَيَاتًا» /الأعراف: ٤/ : لَيْلاً . «لَنُبَيِّتَنَّهُ» /النمل: ٤٩/ : لَيْلاً . «بَيَّتَ» /النساء: ٨١/ : لَيْلاً .

أهل الدار : اس سے اہل حرب مراد ہیں۔

یبیّتون: یہ تبییت باب تفعیل سے مجہول کا صیغہ ہے۔ بیّتَ العدوّ کے معنی ہیں، دشمن پر غفلت میں اچانک رات کے وقت حملہ کرنا، شب خون مارنا۔ تبییت کے معنی نیت کرنے، رات کے وقت غور و فکر کرنے کے بھی آتے ہیں(۱)۔ چنانچہ سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے "لا صيام لمن لم يُبَيِّت الصيام"(۲) أي لم ينوبه من الليل.

(١٥) عمدة القاري: ٣٥٩/١٤

(١٦) شرح الكرماني: ٩٠/٢

(١٧) صحيح البخاري: ٤٩٠/١، كتاب أحاديث الأنبياء، باب: واذكر في الكتاب مريم ...... (رقم ٣٤٤٦)

(١٨) عمدة القاري: ٣٥٩/١٤

(١) النهاية لابن الأثير: ١٧٢/١

(٢) سنن النسائي، كتاب الصيام، باب ذكر اختلاف النافلين، (رقم ٢٣٣٠) وأخرجه الدارمي في كتاب =

الـوالدان: فعیل کے وزن پر ولید کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں، نومولود بچہ یا غلام (۳)، مؤنث کے لئے ولیدۃ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع ولائد ہے (۴)، علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے فرمایا "وقد تطلق الولیدۃ علی الجاریة والأمة، وإن کانت کبیرۃ" (۵) ولیدہ کا اطلاق لونڈی اور باندی پر بھی ہوتا ہے اگرچہ وہ بڑی عمر کی ہوں"۔

الـذراريّ: یاء کی تشدید کے ساتھ ذریة کی جمع ہے، بمعنی نسلِ انسانی، مرد وعورت دونوں کو شامل ہے۔ اس کی اصل ذرّیئة ہے، چونکہ عرب اس کو غیر مہموز ہی استعمال کرتے ہیں، اس لئے تخفیف کی وجہ سے ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے (٦)۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کی اصل ذرٌّ ہے، اس کے معنی تفریق اور پھیلنے کے ہے، نسل انسانی کو بھی اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر پھیلایا، اس لئے اسے ذریة کہتے ہیں (۷)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کفار پر رات کے وقت، بے خبری کے عالم میں، اچانک شب خون مارنا جائز ہے، اگر تبعاً عورتیں اور بچے قتل ہو جائیں تو یہ معفوٌ عنہ ہے، تاہم قصداً ان کا قتل جائز نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے "أهل الدار یبیتون فیصاب الولدان والذراريُّ" شارحین نے کہا کہ یہاں عبارت محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے۔ "هل یجوز ذلك أم لا؟" یعنی: "اہل حرب پر اگر شب خون مارا جائے اور اس کے نتیجہ میں بچے اور عورتیں ہلاک ہو جائیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟"

= الصوم، باب من لم یجمع الصیام (الحدیث: ۲/۷)

(۳) النهایة لابن الأثیر: ۲/۸۷۸، والقاموس الوحید، ص: ۱۷۹۷، مادة: ولد

(٤) النهایة لابن الأثیر: ۲/۸۷۹

(٥) النهایة لابن الأثیر: ۲/۸۷۹

(٦) النهایة: ۱/٦۰۲، قال ابن الأثیرؒ: الذریّة اسم یجمع نسل الإنسان من ذکر وأنثی، وأصلها الهَمْزُ، وتجمع علی ذُرّیات وذراريّ مشدّداً

(٧) النهایة: ۱/٦۰۲

اس مسئلہ کا حکم حدیثِ باب میں تصریح کے ساتھ آرہا ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں تصریح نہیں کی (۸)۔

"بیاتا "لیلا

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ اگر حدیث کا کوئی لفظ قرآن مجید کی کسی آیت میں وارد لفظ کے ہم معنی ہو تو اس کی تفسیر اسی آیت میں وارد لفظ سے کردیتے ہیں (۹)، اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی امام بخاری نے ایسا ہی کیا ہے کہ بیاتا کی تفسیر "لیلا" سے کردی، اس لئے کہ قرآن مجید کی جن آیات میں یہ مادہ وارد ہے، وہ لیل ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حدیث باب میں لفظ "یبیتون" وارد ہوا ہے۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی تین آیات نقل کی ہیں جو لفظ "یبیتون" میں حدیث باب کے موافق ہیں۔ بیاتا سے سورہ اعراف کی آیت ﴿وكم من قرية أهلكناها فجاءها بأسنا بياتا أوهم قائلون﴾ (۱۰) مراد ہے (۱۱)۔ آیت کا ترجمہ ہے "کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کردی ہیں، جن پر ہمارا عذاب رات کو آیا، یا ایسی حالت میں کہ دوپہر کو سونے والے تھے"۔

علامہ ابن منیرؒ کا تسامح

علامہ ابن منیر رحمہ اللہ نے "بیاتا" کی بجائے "نیاما" نقل کیا ہے۔ ان کے نزدیک ترجمۃ الباب کی عبارت اس طرح ہے "فيصاب الولدان والذراری نياماً ليلا" ان کا خیال ہے کہ "نیاما لیلا" کے الفاظ بھی ترجمہ کا حصہ ہیں، چنانچہ امام بخاری پر اعتراض کرتے ہوئے ابن منیرؒ کہتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ میں "نیاما" کا اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ حدیث باب میں "نیاما" کی تصریح نہیں، اگرچہ ضمناً اس کا ذکر آگیا ہے، ظاہر ہے کہ تبییت یعنی شب خون مارتے وقت اکثر لوگ سورہے ہوتے ہیں، تو گویا نیاما کا ذکر

---

(۸) فتح الباري: ۱۸۱/٦، وعمدة القاري: ۳۵۹/۱٤، وإرشاد انساري: ٤۸٥/٦

(۹) فتح الباري: ۱۸۱/٦

(۱۰) سورة الاعراف: ٤

(۱۱) إرشاد الساري: ٤۸٥/٦

"یبیتون" کے ضمن میں آگیا۔لیکن نوم کی قید لگانے کی آخر کیا ضرورت تھی؟ مشرکین چاہے "نیام" یعنی سورہے ہوں یا "أیقاظ" یعنی جاگ رہے ہوں، دونوں صورتوں میں ان پر شب خون مارنے کا ایک ہی حکم ہے، لہٰذا تقیید بالنوم کی ضرورت ہی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ علامہ ابن منیر رحمہ اللہ سے یہاں دو فروگذاشتیں ہوئیں۔ایک یہ کہ انہوں نے "بیاتا" کی بجائے "نیاما" نقل کردیا، حالانکہ صحیح "بیاتا" ہی ہے۔یا تو یہ خود ان کی تصحیف ہے یا پھر یہ کہ ان کے پاس صحیح بخاری کا جو نسخہ تھا، وہ مصحَّف تھا۔دوسری فروگزاشت ان سے یہ ہوئی کہ انہوں نے "بیاتا لیلا" کو ترجمۃ الباب کا جز سمجھ لیا۔حالانکہ یہ ترجمۃ الباب کا جزء نہیں بلکہ قرآن کی آیت ہے (☆۱۱)۔

علامہ ابن منیر رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ عالم بیداری کے مقابلہ میں حالت نوم میں شب خون مارنا اور اچانک حملہ کرنا چونکہ دھوکہ، فریب میں آتا ہے، اس لئے "نیاما" سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا کہ حالت نوم میں شب خون مارنا دھوکہ کے ذیل میں تو آتا ہے، لیکن ایسا کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں (۱۲)۔

لنبيتنّه

اس سے سورہ نمل کی آیت ﴿قالوا تقاسموا بالله لنبيتنه وأهله ثم لنقولنّ لوليّه ما شهدنا

(۱۱☆) عمدة القاري: ۱٤/۳٦۰

(۱۲) قال العيني رحمه الله: "وقال بعض الشراح، موضع بياتاً، نياما، بنون وميم، من النوم، وجعل هذه اللفظة من الترجمة، فقال: والعجب لزيادته في الترجمة نياما، وما هو في الحديث إلا ضمنا؛ لأن الغالب أنهم إذا أوقع بهم في الليل لم يخلوا من نائم، وما الحاجة إلى كونهم نياما أو أيقاظ وهما سواء؟ وكأن هذا القائل وقعت له نسخة مصحفة أو تصحّف عليه: بياتا بنياماً". (عمدة القاري: ۱٤/۳٦۰)

وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله: "وأغرب ابن المنير فصحّف "بياتاً" فجعلها نياما بنون وميم من النوم فصارت هكذا: "فيصاب الولدان والذراري نياما ليلا" ثم تعقبه فقال: العجب من زيادته في الترجمة نياما وما هو في الحديث إلا ضمنا، إلا أن الغالب أنهم إذا وقع بهم ليلا كان أكثرهم نياماً، ولكن ما الحاجة إلى التقييد بالنوم، والحكم سواء نياما كانوا أو أيقاظاً؟ إلا أن يقال: إن قتلهم نياماً أدخل في الاغتيال من كونهم أيقاظا، فنبه على جواز مثل ذلك انتهى. وقد صحّف ثم تكلّف. (فتح الباري: ٦/۱۸۱)

مَهلك أهله وإنا لصادقون﴾(۱۳) مراد ہے، آیت کا ترجمہ ہے: "وہ کہنے لگے، آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں پھر اس کے وارث سے کہہ دیں ہم تو اس کے کنبہ کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں"۔

ابوذر کی روایت میں یہ لفظ اسی طرح بغیر اضافے کے ہے، تاہم دوسرے نسخوں میں ہے: "لنبیتنه لیلا"، اس میں لیلا کا اضافہ بھی ہے (۱۴)۔

"بیّت" لیلا

بیت سے سورہ نساء کی آیت ﴿بَیَّتَ طائفةٌ منهم غیر الذي تقول﴾(۱۵) مراد ہے (۱۶)۔
آیت کا ترجمہ ہے: "تو ان میں سے ایک گروہ رات کو جمع ہو کر تمہاری باتوں کے خلاف مشورہ کرتا ہے"۔

٢٨٥٠ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمْ قالَ : مَرَّ بِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ ، وَسُئِلَ عَنْ أَهْلِ ٱلدَّارِ يُبَيَّتُونَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ، فَيُصَابُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ ، قالَ : (هُمْ مِنْهُمْ) . وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ : (لَا حِمى إِلَّا لِلهِ تَعَالَى وَلِرَسُولِهِ - ﷺ -) .

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ ٱللهِ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : حَدَّثَنَا الصَّعْبُ فِي ٱلذَّرَارِيِّ : كانَ عَمْرٌو يُحَدِّثُنَا ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . فَسَمِعْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ قالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنِ الصَّعْبِ ، قالَ : (هُمْ مِنْهُمْ) . وَلَمْ يَقُلْ كما قالَ عَمْرٌو : (هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ) . [ر : ٢٢٤١]

---

(١٣) سورة النمل: ٤٩

(١٤) فتح الباري: ١٨١/٦

(١٥) سورة النساء: ٨١

(١٦) فتح الباري: ١٨١/٦

(٢٨٥٠) مرّ تخريج الحديث في كتاب المساقاة، باب لاحمى إلا لله ولرسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (رقم ٢٣٧٠)

۱-علی بن عبداللہ

یہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی بصری ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، باب الفهم في العلم کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۱۸)۔

۲-سفیان

یہ ابومحمد سفیان بن عیینہ کوفی ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، باب قول المحدث حدثنا أو أنبانا أو أخبرنا کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۱۹)۔

۳-زہری

یہ مشہور محدث عبداللہ بن شہاب زہری ہیں۔ان کے حالات بدء الوحی کے تحت گزر چکے ہیں (۲۰)۔

۴-عبیداللہ

یہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں۔ان کے حالات بھی بدء الوحي کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۲۱)۔

۵-ابن عباس رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ان کے حالات بھی بدء الوحی کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۲۲)۔

---

(۱۸) كشف الباري: ۳۰۲/۳

(۱۹) كشف الباري: ۱۰۲/۳

(۲۰) كشف الباري: ۳۲٦/۱

(۲۱) كشف الباري: ٤٦٦/۱

(۲۲) كشف الباري: ٤۳٥/۱

۶-صعب بن جثامہ

یہ صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں (۲۳)۔

مرّبي النبيُّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالأبواء –أو بوَدّان

لفظِ أو یہاں شک کے لئے ہے۔ راوی کو یاد نہیں رہا اس لئے شک کا اظہار کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "ابواء" یا "ودان" میں میرے پاس سے گزرے۔

أبواء:

ابواء فُرع (فا کے ضمہ اور را کے سکون کے ساتھ) کے زیر انتظام ایک علاقہ تھا (۲۴)، جیسے ضلع کی تحصیل ہوتی ہے اور وہ انتظامی طور پر ضلع کے ماتحت ہوتا ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے مضافات میں ایک وسیع اور باثروت بستی تھی۔ انصار قریش اور مزینہ یہاں آباد تھے (۲۵) فُرع میں رَبَض اور نجف نام کے دو چشمے تھے، یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ ان سے بیس ہزار کھجور کے درخت سیراب ہوتے تھے (۲۶)۔

تبوّأ المكان وبه کے معنی ہیں ٹھہرنا، مقیم ہونا، جگہ بنانا (۲۷) چونکہ اس مقام پر سیلاب کا پانی ٹھہرتا اور جمع ہوتا ہے، اس لئے اس کا نام ابواء پڑ گیا (۲۸)۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ کا انتقال اسی مقام پر ہوا تھا (۲۹)۔

وَدّان: ودان ایک بڑے گاؤں کا نام ہے، جو ابواء سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ بھی فَرع کے زیر انتظام تھا (۳۰)۔

---

(۲۳) كتاب جزاء الصيد، باب إذا أهدى للمحرم حماراً وحشياً لم يقبل.

(۲٤) معجم البلدان للحموي: ٢٥٢/٤

(٢٥) معجم البلدان للحموي: ٢٥٢/٤

(٢٦) معجم البلدان للحموي: ٢٥٢/٤

(٢٧) القاموس الوحيد، ص: ١٨٥

(٢٨) عمدة القاري: ٣٦١/١٤، وإرشاد الساري: ٤٨٥/٦، ٤٨٦

(٢٩) عمدة القاري: ٣٦١/١٤

(٣٠) عمدة القاري: ٣٦١/١٤، وإرشاد الساري: ٤٨٦/٦

فسئل عن أهل الدار يبيتون من المشركين فيصاب من نسائهم وذراريهم،

قال: هم منهم

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرکینِ اہل حرب کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان پر شب خون مارا جائے تو ان کی عورتیں اور بچے بھی ہلاک ہوں گے، مطلب یہ تھا کہ اس کا کیا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتیں اور بچے بھی انہی میں سے ہیں۔

فسئل

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کرنے والا کون تھا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے میں اس کے نام سے واقف نہیں تھا، پھر صحیح ابن حبان میں مجھے محمد بن عمرو بن الزھری کے طریق سے صعب بن جثامہ ہی کی یہ روایت ملی جس میں وہ کہتے ہیں: "سئلت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن أولاد المشركين أنقتلهم معهم؟ قال نعم" (۳۱) "میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرکین کے بچوں کے بارے میں پوچھا کہ مشرکین کے ساتھ، کیا ان کے بچے بھی ہم قتل کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں قتل کر سکتے ہیں"۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ راوی خود سائل ہیں (۳۲)۔

هم منهم کا مطلب

آپ نے فرمایا عورتیں اور بچے بھی انہی میں سے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عورتوں اور بچوں کو بطریقِ القصد قتل کرنا مباح اور جائز ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بچوں کو روندے بغیر ان کے آباء تک پہنچنا ممکن نہ ہو اور اختلاط کی وجہ سے بچے بھی مارے جا رہے ہوں تو تبعاً ان کے بچوں کو قتل کرنا جائز ہے (۳۳)۔ ورنہ اصالۃً

(۳۱) مجمع الزوائد للهيثمي: ۳۱۵/۵

(۳۲) فتح الباري: ۱۸۱/۶، وإرشاد الساري: ٤٨٦/٦

(۳۳) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله: ""هم منهم" أي في حكم تلك الحالة، وليس المراد إباحة قتلهم بطريق القصد إليهم، بل المراد إذا لم يمكن الوصول إلى الآباء إلا بوطء الذرية فإذا أصيبوا لاختلاطهم بهم جاز قتلهم"، فتح الباري: ۱۸۱/٦

قدرت کے باوجود بچوں اور عورتوں کو علی طریق القصد قتل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ دوسری صریح روایات میں بچوں اور عورتوں کے قتل کی ممانعت وارد ہے۔

حدیث باب اور اس سے معارض روایات میں تطبیق

اس بحث کو اشکال وجواب کی صورت میں سمجھیں۔ اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ صعب بن جثامہ کی روایتِ باب سے نساء اور صبیان کے قتل کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے، جب کہ اس سے آگے باب یعنی باب قتل النساء في الحرب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قتل النساء والصبيان" "رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا"۔ اسی طرح صحیح مسلم میں بریدہ سے منقول حدیث میں ہے: "اغزوا فلا تقتلوا وليدا، وسيروا ولا تمثلوا" (٣٤).

جامع ترمذی میں سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اقتلوا شيوخ المشركين واستبقوا شرخهم" (٣٥) یعنی مشرکین کے بڑوں یعنی جوانوں کو قتل کرو اور بچوں کو رہنے دو"۔ لفظِ شیخ کا استعمال شاب اور صبی دونوں کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ جب یہ صبی کے مقابلہ میں استعمال ہو تو اس سے شاب ہی مراد ہوتا ہے، جیسا کہ اس روایت میں لفظ شیخ صبی کے مقابلہ میں وارد ہوا ہے۔ شرخ شارخ کی جمع ہے، شارخ کے معنی صبی اور صغیر کے ہیں (۳۶)۔

رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ایک غزوہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کی طرف کسی شخص کو بھیجا اور فرمایا "قل لخالد: لا تقتلن امرأة ولا عسيفاً" (۳۷)۔ عسیف وہ اجیر اور خادم، جو مجاہد کی خدمت کرتا ہے۔ یعنی خالد سے کہنا کہ کسی عورت یا مجاہد کے خادم کو ہرگز قتل نہ کرنا۔

---

(٣٤) صحيح مسلم (٢/٨٢) كتاب الجهاد، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث (رقم ١٧٣١)

(٣٥) جامع الترمذي: ١/٢٨٥، كتاب السير، باب ماجاء في النزول على الحكم. وقال حديث حسن صحيح غريب (رقم ١٥٨٣) وسنن أبي داود: ٢/٦٦، كتاب الجهاد، باب: في قتل النساء (رقم ٢٦٧٠)

(٣٦) النهاية لابن الاثير: ١/٨٥٣، دار المعرفة

(٣٧) أخرجه أبوداود في سننه: ٢/٦ في الجهاد، باب في قتل النساء (رقم ٢٦٦٩)

حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قتل النساء والصبيان"(۳۸) اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:"لاتقتلوا شيخا فانيا، ولا طفلاً، ولا صغيرا، ولا امرأة"(۳۹)۔

ان سب روایات میں بچوں اور عورتوں کے قتل کی ممانعت وارد ہے۔لیکن روایتِ باب کے الفاظ "هم منهم" سے جواز ثابت ہوتا ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "هم منهم" کا مطلب یہ ہے کہ نساء اور ولدان، دین اور مذہب کے اعتبار سے رجالِ مشرکین کے حکم میں ہیں، اس لئے کہ کافر کا بیٹا دین اور مذہب کے لحاظ سے حکماً اپنے باپ کے تابع ہوتا ہے۔اس قول سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منشأ نساء اور ولدان کو مباح الدم اور علی طریق القصد ان کے قتل کو جائز قرار دینا نہیں تھا، بلکہ منشأ یہ تھا کہ جب رجالِ مشرکین تک رسائی حاصل کرنے میں نساء اور ذراری کے قتل کے سواء کوئی دوسرا چارہ نہ ہو تو تبعاً نساء اور ولدان کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اس لئے اگر اختلاط بالآباء کی وجہ سے بچے مارے جائیں تو مجاہدین کا شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔نہی والی روایات اصالۃً بالقصد ان کے مارے جانے سے متعلق ہیں (۴۰)۔لہٰذا "هم منهم" کا مطلب ہے کہ مشرکین کی عورتیں اور بچے اس صورت میں رجال مشرکین ہی کے حکم میں ہیں اور ممانعت نہی والی روایات کی وجہ سے اب بھی موجود ہے، لیکن یہ ممانعت بالقصد ان کے قتل سے متعلق ہے۔شب خون مارنے سے متعلق نہیں، بلکہ اس صورت میں تبعاً ان کا مارا جانا معفوٌ عنہ ہے۔

شب خون مارنے کا حکم

ایک ہے شب خون مارنا، اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا

---

(۳۸) مجمع الزوائد للحافظ نور الدين الهيثمي: ۳۱۸/۵، باب ما نهي عن قتله من النساء وغير ذلك.

(۳۹) أبوداود، كتاب الجهاد، باب دعاء المشركين (رقم ۲٦١٤)

(٤٠) "قال الخطابي: قوله: ((هم عنهم)) يريد في حكم الدين، فإن ولد الكافر محكوم له بالكفر، ولم يرد بهذا القول إباحة دمائهم تعمدا لها، وقصدا إليها، وإنما هو إذا لم يمكن الوصول إلى الآباء إلا بهم، فإذا أصيبوا لاختلاطهم بالآباء لم يكن عليهم في قتلهم شيء". دیکھئے: عمدة القاري: ۳٦۳/۱٤

"لا بأس بالبيات ولا أعلم أحداً يكرهه"(٤١) یعنی شب خون مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسے مکروہ کہنے والا میرے علم میں نہیں۔ دوسرا ہے شب خون میں عورتوں اور بچوں کا مارا جانا، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ بچوں اور عورتوں کا قتل مطلقاً ناجائز ہے، یہاں تک کہ اگر قتال کرنے والے مردان کو ڈھال بنا کر استعمال کریں یا قلعہ میں پناہ لیں یا کشتی میں سوار ہوں اور ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہوں تب بھی انہیں تیر سے مارنا جائز ہے نہ ہی تحریق جائز ہے (۴۲)۔ ان کا استدلال احادیث نہی سے ہے، جو پیچھے تفصیل سے گزر چکی ہیں۔

ابن حبیب مالکی نے فرمایا "لا يجوز القصد إلى قتلها إذا قاتلت، إلا إن باشرت القتل وقصدت إليه، وكذلك الصبي المراهق" (٤٣)۔ مطلب یہ ہے کہ اگر عورت لڑے تو اس کے قتل کا قصد وارادہ کرنا جائز نہیں، البتہ اگر اقدام قتل کرے تو جائز ہے اور یہی حکم صبی مراہق کا بھی ہے۔

جمہور فقہاء امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، ثوری وغیرہ نے فرمایا کہ اگر عورتوں اور بچوں کو قتل کئے بغیر مردوں تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو ان کا قتل جائز ہے (۴۴)۔

ان کا پہلا استدلال حدیثِ باب سے ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شب خون مارنے کے دوران عورتوں اور بچوں کے قتل کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے "هم منهم" فرما کر ان کے قتل کی اجازت دی۔

---

(٤١) المغني لابن قدامه: ١٠/٤٩٥، (رقم الفصل: ٧٥٧٥).

(٤٢) "قال مالك والأوزاعي: "لايجوز قتل النساء والصبيان بحال حتى لو تترس أهل الحرب بالنساء والصبيان أو تحصنوا بحصن أو سفينه وجعلوا معهم النساء والصبيان لم يجز رميهم وتحريقهم" انظر فتح الباري: ١٨٢/٦، وعمدة القاري: ٣٦٢/١٤، وأوجز المسالك: ٦٢/٩

(٤٣) وقال ابن حبيب من المالكية: "لايجوز القصد إلى قتلها إذا قاتلت إلا إذا باشرت القتل وقصدت إليه" انظر فتح الباري: ١٨٢/٦

(٤٤) عمدة القاري: ٣٦٢/١٤، وفتح الباري: ١٨٢/٦، وبذل المجهود: ١٢/٠٢، وأوجز المسالك: ٦٣/٩

ان کا دوسرا استدلال سنن ابوداوٗد میں رباح بن الربیع رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

"كنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في غزوة فرأى الناس مجتمعين على شيء فبعث رجلا فقال انظر على ما اجتمع هؤلا؟ فجاء فقال على امرأة قتيل فقال: ما كانت هذه لتقاتل"(٤٥).

رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں شریک تھے (اس سے غزوۃ الفتح مراد ہے) تو آپ نے لوگوں کا ایک مجمع دیکھا، اور ایک شخص کو بھیج کر فرمایا کہ دیکھو یہ لوگ کیوں جمع ہیں، اس نے آکر جواب دیا کہ ایک عورت مقتول پڑی ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ تو قتال نہیں کر رہی تھی۔

شراح حدیث نے اس جملہ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ آپ کا منشأ یہ تھا کہ عورت تو قتال نہیں کرتی، لیکن اگر قتال کرے تو پھر اس کا قتل جائز ہے(۴۶)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جمہور فقہاء نے جمع بین الحدیثین پر عمل کیا ہے(۴۷)۔ ترجمۃ الباب اور سنن ابوداود کی ان دو روایات سے استدلال کرتے ہوئے جمہور نے فرمایا کہ شب خون مارنے کے دوران عورتوں کو قتل کیے بغیر مردوں تک رسائی ممکن نہ ہو تو پھر ان کا قتل جائز ہے۔ تاہم جن روایات میں نساء اور صبیان کے قتل کی ممانعت وارد ہے، ان روایات کے پیش نظر جمہور فقہاء کے نزدیک بھی جہاد میں نساء وصبیان کے قتل کا قصد ناجائز ہے۔ لیکن اگر نساء اور صبیان رجالِ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا کر قتال کریں تو پھر ترجمۃ الباب اور سنن ابوداود میں رباح بن الربیع رضی اللہ عنہ کی روایت کے پیش نظر یہ ممانعت باقی نہیں رہے گی اور ان کے قتل کا قصد جائز ہوگا۔ چنانچہ علامہ باجی رحمہ اللہ نے فرمایا

"إن قاتلوا فإنهن يقتلن؛ لأن العلة التى منعت من قتلهن عدم القتال منهن، فإذا وجد منهن وجدت علة إباحة قتلهن"(٤٨).

---

(٤٥) سنن أبي داود: ٦/٢، كتاب الجهاد، باب في قتل النساء

(٤٦) فتح الباري: ١٨٢/٦، وبذل المجهود: ٢٠٠/١٢، وأوجز المسالك: ٦٣/٩

(٤٧) فتح الباري: ١٨٢/٦، والمغني لابن قدامه: ٤٩٥/١٠، (رقم الفصل: ٧٥٧٥)

(٤٨) أوجز المسالك: ٦١/٩

مطلب یہ ہے کہ اگر عورتیں قتال کریں تو ان کا قتل جائز ہوگا، اس لئے کہ عورتوں کے قتل سے جو ممانعت وارد ہوئی ہے، اس ممانعت کی علت عورتوں کی طرف سے قتال کا نہ پایا جانا ہے، البتہ جب عورتوں کی طرف سے قتال کا عمل پایا جائے گا تو پھر ان کے قتل کے مباح ہونے کی علت بھی پائی جائے گی۔

وسمعته يقول: "لا حمى إلا لله ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

یہ مستقل حدیث ہے اور کتاب الشرب میں پہلے تفصیل سے گزر چکی ہے۔

کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ حدیث کا یہ جملہ اس باب کے تحت کس مناسبت سے روایت کیا گیا ہے؟

علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ محدثین کی عادت تھی کہ وہ اپنے شیخ سے روایت جس طرح سنتے تھے، بعینہ اسی طرح دوسروں سے بھی روایت کرتے تھے (۴۹)، یہاں بھی راوی نے اپنے شیخ سے روایت جس طرح سنی، اسی طرح نقل کردی۔

وعن الزهري أنه سمع عبيد الله عن ابن عباس ....

یہ روایت باب کی پہلی روایت کی سند کے ساتھ متصل ہے۔

وكان عمرو يحدثنا عن الزهري......

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے سفیان ابن عیینہ رحمہ اللہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ روایت ہمیں عمرو بن دینار، امام زہری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت کرتے تھے (۵۰)، بعد میں یہ روایت ہم نے عمرو بن دینار کا واسطہ چھوڑ کر براہِ راست امام زہری سے سنی تو انہوں نے عن عبيدالله عن ابن عباس عن الصعب کے طریق سے متصلاً روایت کی، چنانچہ عمرو بن دینار نے انہی سے روایت کرتے ہوئے "هم من آبائهم" کے جو الفاظ نقل کئے تھے، اس کے بجائے زہری نے "هم منهم" کے الفاظ روایت کئے۔ یہاں روایت میں الفاظ کے فرق کو بیان کیا گیا ہے، مطلب دونوں الفاظ کا ایک ہی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے کو وہم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ عمرو بن دینار

---

(٤٩) عمدة القاري: ١٤/٣٦٣، وإرشاد الساري: ٦/٤٨٦

(٥٠) شرح الكرماني: ١٣/٢٤

عن الزهری کے طریق سے سفیان بن عیینہ کی اس روایت کو مرسل کہنا درست نہیں، دیگر شراح نے بھی اسے مرسل کہا، اسے مرسل کہنا غلط ہے(۵۱)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عمرو بن دینار کی اس روایت کے ایک اور طریق سے استدلال کیا ہے، یہ روایت علامہ اسماعیلی رحمہ اللہ نے عباس بن یزید عن سفیان کے طریق سے تخریج کی ہے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

"كان عمرو يحدثنا قبل أن يقدم المدينة الزهري، عن الزهري عن عبيدالله عن ابن عباس عن الصعب ابن جثامة"(۵۲)۔

یعنی ابن شہاب زہری کے مدینہ آنے سے پہلے عمرو بن دینار یہ روایت ہمیں عن الزهري عن ابن عباس عن الصعب ابن جثامة کے طریق سے روایت کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ عمرو دینار کی یہ روایت ایک طریق سے موصولاً بھی مروی ہے، لہٰذا ترجمۃ الباب کے اندر عمرو بن دینار کی یہ روایت بھی موصول ہے اور اسے مرسل کہنا غلط ہے۔

اس پر رد کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے درست ہے کہ یہاں عمرو بن دینار کی روایت مرسل ہے اس لئے کہ اس کی صورت ارسال ہی کی ہے، جب روایت یہاں صورۃً مرسل ہی ہے تو پھر علامہ اسماعیل کی تخریج کردہ طریق سے ارسال کی یہ صورت ختم نہیں ہوسکتی(۵۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حدیث باب میں ہے "وسئل عن أهل الدار يبيتون من المشركين فيصاب من نسائهم

---

(۵۱) قال الحافظ ابن حجر: "قوله في سياق هذا الباب: "عن الزهري عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" يوهم أن رواية عمرو بن دينار عن الزهري هكذا بطريق الإرسال، وبذلك جزم بعض الشُرّاح، وليس كذلك فقد أخرج الإسماعيلي من طريق العَباس بن يزيد حدثنا سفيان قال: "كان عمرو يحدثنا قبل أن يقدم المدينة الزهري عن الزهري عن عبيدالله عن ابن عباس عن الصعب، قال سفيان فقدم علينا الزهري فسمعته يعيده ويبديه" فتح الباري: ۱۸۲/٦

(۵۲) فتح الباري: ۱۸۲/٦

(۵۳) عمدة القاري: ۳٦٤/۱٤، وقد تبعه القسطلاني أيضا، انظر إرشاد الساري: ٤۸٦/٦، ٤۸۷

وذراريهم، قال هم منهم". ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مطابقت ظاہر ہے (۵۴)۔

١٤٥ - باب : قَتْلِ الصِّبْيَانِ فِي الحَرْبِ .

باب سابق سے مناسبت اور ترجمۃ الباب کا مقصد

باب سابق میں شب خون مارنے کے دوران بچوں کے قتل کا حکم بیان کیا گیا تھا۔ یہاں دورانِ جنگ ان کے قتل کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ دورانِ جنگ بچوں کو قتل کرنا ممنوع ہے۔ اس کی مختلف وجوہ ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ طفولیت کی وجہ سے ارتکابِ کفر سے عاجز ہیں، دوسرے یہ کہ بچوں کو زندہ چھوڑنے کی صورت میں ان کو غلام بنانے کا فائدہ ہے۔ تیسرے یہ کہ جو حضرات بچوں کے بدلے فدیہ لینے کے جواز کے قائل ہیں تو ان کے قول کے مطابق بچوں کے عوض فدیہ لینے کا بھی فائدہ ہے (۱)۔

٢٨٥١ · حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ ٱمْرَأَةً وُجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي النَّبِيِّ ﷺ مَقْتُولَةً ، فَأَنْكَرَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ . [٢٨٥٢]

تراجم رجال

۱-احمد بن یونس

یہ احمد بن یونس بن یونس یربوعی کوفی ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، باب من قال ان

---

(٥٤) عمدة القاري: ١٤/٣٦١

(١) عمدة القاري: ١٤/٣٦٤، قال العيني رحمه الله: "هذا بابٌ في بيان النهي عن قتل الصبيان في الحرب لقصورهم عن فعل الكفر؛ ولأن في استبقائهم انتفاعا بالرقبية أو بالفداء عند من يجور أن يفادى بهم". (وتبعه القسطلاني أيضا. انظر إرشاد الساري: ٦/٤٨٧

(٢٨٥١) أخرجه البخاري أيضا (١/٤٢٣)في الجهاد، باب قتل النساء في الحرب (رقم ٣٠١٥)، وعند مسلم في صحيحه(٢/٨٤) في كتاب الجهاد، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب (رقم ٤٥٤٧)، وعند أبي داود في =

الإیمان هو العمل کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۳)۔

۲-لیث

یہ ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحی کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۴)۔

۳-نافع

یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ابوعبداللہ نافع عدوی مدنی ہیں (۵)۔

۴-عبداللہ رضی اللہ عنہ

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، باب قول النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بُني الإسلام علی خمس کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (٦)۔

أن امرء ة وُجِدَت في بعض مغازي النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم مقتولة فأنكر رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قتل النساء والصبیان.

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک غزوہ میں ایک مقتولہ عورت پائی گئی، تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

امرء ة: شراح حدیث کہتے ہیں کہ اس عورت کا نام معلوم نہیں ہوسکا (۷)۔

= سننه (٦/٢)، في كتاب الجهاد، باب في قتل النساء (رقم ٢٣٦٦٨)، وعند ابن ماجة في سننه (، ص: ٢٠٣)، في كتاب الجهاد، باب الغارة والبيات وقتل النساء

(٣) كشف الباري: ١٥٩/٢

(٤) كشف الباري: ٣٢٤/١، ٣٢٥

(٥) ان کے حالات کے لئے دیکھئے: كتاب العلم، باب ذكر العلم والفتيا في المسجد

(٦) كشف الباري: ٦٣٧/١

(٧) إرشاد الساري: ٤٨٧/٦

في بعض مغازي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

امام طبرانی کی "أوسط" میں تصریح ہے کہ اس غزوہ سے فتح مکہ مراد ہے(۸)۔

مراسیلِ ابوداود میں عن عکرمۃ کے طریق سے ایک روایت میں اسی طرح کا ایک واقعہ منقول ہے، روایت ہے:

"إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأى امرأة مقتولة بالطائف، فقال: ألم أنه عن قتل النساء؟ من صاحبها؟ فقال رجل: أنا يا رسول الله أردفتُها، فأرادت أن تصرعني، فتقتلني فقتلتها، فأمر بها أن توارى"(۹).

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف میں ایک مقتولہ عورت دیکھی تو فرمایا، ''میں نے تمہیں عورتوں کے قتل سے منع نہیں کیا تھا؟ اس کا قاتل کون ہے؟'' ایک شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے اسے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، اس نے مجھے سواری سے گرا کر قتل کرنا چاہا تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتولہ عورت کو دفن کرنے کا حکم دیا''۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ قتلِ نساء سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کے موقع پر ممانعت فرمائی تھی، جب کہ حدیثِ باب میں ہے کہ یہ ممانعت فتح مکہ کے موقع پر وارد ہوئی تھی۔

شُراحِ حدیث تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہو سکتے ہیں(۱۰)۔

گذشتہ باب کے تحت صعب بن جثامہ کی روایت گزر چکی ہے، یہی روایت صحیح ابن حبان میں منقول ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے "ثم نهى عنهم يوم حنين"(۱۱)۔ اس میں تصریح ہے کہ یہ ممانعت غزوہ حنین کے موقع پر ہوئی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جملہ مدرج من الراوی ہے(۱۲)۔

---

(۸) إرشاد الساري: ٦/٤٨٧، وأوجز المسالك: ٩/٦٠

(۹) فتح الباري: ٦/١٨٢

(۱۰) فتح الباري: ٦/١٨٢، وأوجز المسالك: ٩/٨٠

(۱۱) فتح الباري: ٦/١٨٢

(۱۲) فتح الباري: ٦/١٨٢

کیا جنگ کے دوران عورتوں اور بچوں کا قتل جائز ہے؟

دورانِ جنگ بچوں اور عورتوں کا قتل ناجائز ہے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے(۱۳)۔

تاہم اس میں کچھ تفصیل ہے، امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک عورتوں اور بچوں کا قتل مطلقاً ناجائز ہے، یہاں تک کہ اگر مردان کو ڈھال کے طور پر استعمال کریں، یا جب لڑنے والے مرد قلعہ میں پناہ لیں، یا کشتی میں سوار ہو جائیں اور ان کے ساتھ عورتیں اور بچے ہوں، تب بھی ان حضرات کے نزدیک بچوں اور عورتوں کو تیر سے مارنا جائز ہے نہ ہی تحریق جائز ہے(۱۴)۔ ان کا استدلال ان روایات سے ہے، جن میں عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت وارد ہے۔ یہ سب روایات گذشتہ باب کے تحت تفصیلاً گذر چکی ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک بھی جنگ میں عورتوں اور بچوں کا قتل ناجائز ہے، تاہم یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر نساء اور صبیان مردوں کے ساتھ مل کر ہتھیار اٹھا کر مسلمانوں کے خلاف قتال کریں تو پھر یہ ممانعت باقی نہیں رہے گی اور ان کا قتل جائز ہوگا(۱۵)۔

ان کا پہلا استدلال سورۂ بقرہ کی ان آیات سے ہے: ﴿وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم﴾، ﴿واقتلوهم حيث ثقفتموهم﴾ ان آیات میں عموم ہے کہ مسلمانوں سے جو بھی قتال کرے، اسے قتل کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس عموم میں عورتیں اور بچے دونوں شامل ہیں(۱۶)۔

جمہور کی دوسری دلیل سنن ابی داود میں رباح بن الربیع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ یہ روایت باب سابق میں گزر چکی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مقتولہ عورت دیکھ کر فرمایا "ما كانت هذه لتقاتل" (۱۷) شراح حدیث نے فرمایا کہ اس جملہ سے آپ کا منشا یہ تھا کہ عورت تو قتال نہیں کرتی، لیکن اگر قتال

---

(۱۳) شرح ابن بطال: ۱۷۰/۵

(۱٤) فتح الباري: ۱۸٦/٦، وعمدة القاري: ۳٦۲/۱٤، وأوجز المسالك: ٦۲/۹

(۱٥) فتح الباري: ۱۸۲/٦، وعمدة القاري: ۳٦۲/۱٤، وبذل المجهود: ۲۰۰/۱۲، وأوجز المسالك: ٦۳/۹

(۱٦) أحكام القرآن لأبي بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن عربي: ۱۰٤/۱

(۱۷) سنن أبي داود: ٦/۲، كتاب الجهاد، باب في قتل النساء

کرے تو پھراس کا قتل جائز ہے(۱۸)۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بنوقریظہ اور غزوۂ خندق میں عورتوں اور بچوں کے قتل کا حکم فرمایا تھا، اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر دو گانے والی عورتوں کو، جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو پر مشتمل اشعار گاتی تھیں، قتل کر دیا گیا تھا(۱۹)۔

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وللمرءة آثارٌ عظيمة في القتال: منها الإمداد بالأموال، ومنها التحريض على القتال، فقد كُنّ يخرجن ناشرات شعورهن، نادبات، مثيرات للثأر، معيّرات بالفرار، وذلك يبيح قتلهن"(۲۰).

مطلب یہ ہے کہ جنگ میں عورت کا کردار بہت مؤثر ہوتا ہے۔ جیسے مالی امداد فراہم کرنا، اپنے مردوں کو دشمن کے خلاف لڑائی پر ابھارنا، چنانچہ کفار کی عورتیں میدانِ جنگ کی طرف بال کھول کر نکلتی تھیں، اپنے مقتولین پر نوحے اور مرثیے پڑھتیں اور ان کے خون کا بدلہ لینے کا مطالبہ کرتیں اور قتال سے بھاگنے پر عار دلاتیں، یہی امور عورتوں کے قتل کے مباح ہونے کا سبب ہیں۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب جنگ کے دوران بچوں کے قتل کی ممانعت بیان کرنے کے لئے قائم کیا ہے، چنانچہ حدیث باب کے لفظ "والصبیان" کی مطابقت ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے(۲۱)۔

١٤٦ - باب: قَتْلِ النِّسَاءِ فِي الحَرْبِ

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جنگ میں عورتوں کا قتل جائز نہیں ہے۔

---

(١٨) فتح الباري: ٦/١٨٢، وبذل المجهود: ١٢/٢٠٠، وأوجز المسالك: ٩/٦٣

(١٩) شرح ابن بطال: ٥/١٧٠

(٢٠) أحكام القرآن لأبي بكر محمد عن عبدالله المعروف بابن عربي: ١/١٠٥

(٢١) عمدة القاري: ١٤/٣٢٤

۲۸۵۲ : حدّثنا إسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قالَ : قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ : حَدَّثَكُمْ عُبَيْدُ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : وُجِدَتِ ٱمْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، فَنَهٰى رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ . [ر : ۲۸۵۱]

تراجم رجال

۱-اسحٰق بن ابراہیم

یہ مشہور امامِ فقہ وحدیث اسحٰق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی ہیں، ابن راہویہ کے نام سے مشہور ہیں۔ کتاب العلم، باب فضل من علِم وعلَّم کے تحت ان کے حالات گزر چکے ہیں (۲)۔

۲-ابواُسامۃ

یہ ابواسامۃ حماد بن اسامہ بن زید قرشی ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم، باب فضل من علِم وعلَّم کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۳-عبیداللہ

یہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (۴)۔

۴-نافع

یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ابوعبد اللہ نافع عدوی ہیں۔ ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (۵)۔

(۲۸۵۲) مرّ تخريجه في الباب السابق

(۲) كشف الباري: ۳/۴۲۸

(۳) كشف الباري: ۳/۴۱۴

(٤) دیکھئے: كتاب الصلوة، باب الحلق والجلوس في المسجد

(٥) دیکھئے: باب العلم والفتيا في المسجد

۵-ابن عمر رضی اللہ عنہما

ان کے حالات کتاب الایمان کے تحت گزر چکے ہیں(٦)۔

قلت لأبي أسامة: حدثكم عبيدالله عن نافع......

یہاں اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے ابوأسامہ حماد بن اسامہ سے پوچھا کہ کیا عبیداللہ ابن عبداللہ نے ''عن نافع'' کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ روایت تمہیں بیان کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک غزوہ میں مقتولہ عورت پائی گئی تو آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا؟

اس روایت میں ابواسامہ نے اسحاق بن ابراہیم کے سوال کا جواب دینے کے بجائے سکوت اختیار کیا ہے۔

کیا سکوتِ شیخ اجازت کے حکم میں ہے؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وفيه أنه إذا قال لشيخه حدثكم أو أخبركم فلان، وقال نعم، أو سكت في جوابه مع قرينة الإجابة جاز الرواية عنه“(٧).

یعنی اس سے معلوم ہوا کہ اگر شاگرد اپنے شیخ سے پوچھے کہ کیا فلاں نے آپ کو یہ حدیث روایت کی ہے؟ اس کے جواب میں شیخ اقرار کرے یا اقرار کا قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے سکوت اختیار کرے تو ایسی صورت میں شاگرد کو اپنے شیخ سے روایت کی اجازت ہوگی۔

علامہ کرمانی پر حافظ ابن حجرؒ کا رد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ کرمانی پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسحٰق بن ابراہیم نے یہ روایت اپنی

(٦) كشف الباري: ١/٦٣٧

(٧) شرح الكرماني: ١٣/٢٥

مسند میں نقل کی ہے، جس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: "فأقر به أبو أسامة وقال: نعم"۔

چونکہ اس روایت میں اقرار کی تصریح ہے، اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روایتِ باب علامہ کرمانی کی اس رائے کے لئے دلیل نہیں بن سکتی کہ قرینۂ اقرار کے ہوتے ہوئے، شیخ کا سکوت اجازت پر محمول ہوتا ہے، اس لئے کہ روایت کے دوسرے طریق میں اسحٰق بن ابراہیم کے سوال کے جواب میں ان کے شیخ ابوسلمہ کے اقرار کی تصریح ہے(۸)۔

ترجمۃ الباب سے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ "عن قتل النساء" کی مطابقت ظاہر ہے۔

١٤٧ – باب : لَا يُعَذَّبُ بِعَذَابِ اللّٰهِ .

٢٨٥٣ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ بُكَيْرٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قالَ : بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي بَعْثٍ فَقَالَ : (إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا فَأَحْرِقُوهُما بِالنَّارِ) . ثُمَّ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ أَرَدْنَا الخُرُوجَ : (إِنِّي أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا ، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللّٰهُ ، فَإِنْ وَجَدْتُمُوهُما فَاقْتُلُوهُما) .

تراجم رجال

۱- قتیبہ بن سعید

یہ ابورجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف ثقفی ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، باب إفشاء السلام من الإسلام کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

---

(۸) فتح الباري: ۱۸۳/٦

(۲۸۵۳) مرّ تخريجه في كتاب الجهاد، باب التوديع

(۲) كشف الباري: ۱۸۹/٦

۲-لیث

یہ ابوالحارث لیث بن سعد فہمی ہیں۔ان کے حالات بدء الوحی کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۳-بکیر

یہ بکیر بن عبداللہ بن الاشج ہیں۔ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں (۴)۔

۴-سلیمان بن یسار

یہ حضرت میمونہ کے آزاد کردہ غلام سلیمان بن یسار ہیں۔ ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں (۵)۔

۵-ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، باب، أمور الإیمان کے تحت تفصیلاً گزر چکے ہیں (٦)۔

بعثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعث، فقال: إن وجدتم فلانا وفلانا فأحرقوهما بالنار......

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا اور فرمایا، اگر تم فلاں فلاں کو پاؤ تو ان دونوں کو آگ میں جلا ڈالنا، پھر جب ہم نکلنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں کو جلا ڈالنا، مگر آگ سے صرف اللہ تعالیٰ عذاب دیتے ہیں، لہٰذا اگر تم ان دونوں کو پاؤ تو ان کو قتل کردو۔

---

(٣) كشف الباري: ١/٣٢٤

(٤) دیکھئے كتاب الوضوء، باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ

(٥) دیکھئے كتاب الوضوء، باب غسل المني وفركه......

(٦) كشف الباري: ١/٦٥٩

اس واقعہ کے ایک راوی حمزہ بن عمرو الاسلمی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس لشکر کا ذکر کیا ہے، حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اس کے امیر تھے، سنن ابوداود میں یہ روایت منقول ہے، اس میں ہے:

"عن محمد بن حمزة الأسلمي، عن أبيه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمّره على سرية، قال: فخرجت فيها، وقال: ان وجدتم فلانا فأحرقوه بالنار. فوليتُ فناداني فرجعت إليه، فقال: إن وجدتم فلانا فاقتلوه، ولا تحرقوه فإنه لايعذب بالنار إلا ربُّ النار(۷).

حمزہ بن عمرو اسلمی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا، چلتے وقت آپ نے فرمایا کہ اگر فلاں شخص کو پاؤ تو اس کو آگ میں جلا دینا، جب میں جانے لگا تو آپ نے آواز دے کر بلایا، میں واپس پلٹا تو آپ نے فرمایا، اگر تم اس شخص کو پاؤ تو قتل کر دینا اور اسے آگ میں نہ جلانا، اس لئے کہ آگ کا عذاب وہی دیتا ہے جو آگ کا خالق ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بخاری نے کتاب الجہاد، باب التودیع میں بھی ذکر کی ہے، اس روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس پر تفصیلی بحث باب التودیع میں گزر چکی ہے۔ یہاں مختصراً سمجھ لیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو آدمیوں کے قتل کا حکم وارد ہے۔ایک کا نام ھبار بن اسود اور دوسرے کا نام نافع عبدقیس ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم اس لئے دیا تھا کہ آپ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا جب اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف محو سفر تھی تو ان دونوں نے حضرت زینب کی سواری کو نیزا مار کر ان کو گرا دیا تھا۔جس سے ان کا حمل بھی ساقط ہو گیا تھا(۸)۔

روایتِ باب پر ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حدیث باب میں "فلانا وفلانا" کے الفاظ وارد ہیں اور اس میں دو

(۷) سنن أبي داود: ۲/۶،۷ كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدوّ بالنار

(۸) نصب الراية للزيلعي: ۳/۴۰۷

آدمیوں کے قتل کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ سنن ابی داود میں حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف ایک شخص کے قتل کا حکم وارد ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سنن ابوداود کی روایت میں "فلانا" سے ھبار بن اسود مراد ہے، اور صرف ھبار کا ذکر اس لئے کیا کہ اصل حملہ آور یہی تھا، نافع عبد قیس تو تابع تھا(۹)۔

وإن النار لايعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما

یہ خبر بمعنی النہی کے قبیل سے ہے(۱۰)۔ دوسری روایات میں "لاینبغي" کے الفاظ کی تصریح ہے۔ چنانچہ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے: "ثم رأيت، أنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا الله"(۱۱)۔ اسی طرح سنن ابوداود میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے: "إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا ربُّ النار"(۱۲).

پہلے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تحریق کا حکم دیا پھر تحریق کی بجائے قتل کا حکم دیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس دوسرے حکم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حکم آپ نے وحی کے ذریعے دیا ہوگا یا اپنے اجتہاد سے دیا ہوگا، بہرحال دونوں صورتوں میں پہلے حکم کے لئے ناسخ ہے(۱۳)۔

فوائد حدیث

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے روایت باب سے مختلف فوائد مستنبط کئے ہیں:

---

(۹) فتح الباري: ١٨٥/٦

(١٠) فتح الباري: ١٨٥/٦

(١١) السيرة النبوية لابن هشام: ٢٩٨/٢، وفتح الباري: ١٨٥/٦

(١٢) سنن أبي داود: ٧٠٦/٢

(١٣) فتح الباري: ١٨٦/٦

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ھبار بن اسود اور نافع عبد قیس کی تحریق کا حکم دیا، بعد میں آپ نے اس فیصلہ کو منسوخ کر کے ان کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اجتہادی فیصلہ سے رجوع کرنا جائز ہے (۱۴)۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعذیب بالنار کے حکم سے رجوع کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ آگ سے عذاب دینا صرف خدا کو زیبا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکم صادر کرتے وقت رفعِ الباس کے لئے دلیل پیش کرنا مستحب ہے (۱۵)۔

ہبار بن اسود اور ان کے ساتھی نافع بن عبد قیس نے حضرت زینب کی سواری پر نیزے سے وار کیا اور وہ زمین پر آگریں، اس واقعہ پر کافی عرصہ گزرنے کے بعد آپ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مستحق سزا شخص کے ارتکابِ جرم پر اگر زیادہ عرصہ گزر جائے تو اس سے وہ سزا کالعدم نہیں ہو جاتی (۱۶)۔

حافظ ابن حجر نے اور فوائد بھی مستنبط کئے ہیں مثلاً:

۴ پسو اور دیگر حشرات الارض کو آگ میں جلانا مکروہ ہے (۱۷)۔ چنانچہ مسند بزار کی روایت میں عثمان بن حبان کہتے ہیں کہ میں ام درداء رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ایک پسو کو پکڑ کر میں نے آگ میں ڈال دیا، اس پر وہ فرمانے لگی کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا یعذب بالنار إلا رب النار" (۱۸)۔ ابن أبی شیبہ نے بھی اپنی 'مصنف' میں یہ روایت ذکر کی ہے (۱۹)۔

---

(۱۴) فتح الباري: ۱۸۶/۶

(۱۵) فتح الباري ۱۸۶/۶

(۱۶) فتح الباري ۱۸۶/۶

(۱۷) فتح الباري ۱۸۶/۶

(۱۸) نصب الراية للزيلعي: ۴۰۸/۳

(۱۹) مصنف ابن أبي شيبه: ۵۸۶/۱۷، ۵۸۷

❺ ایک سنت دوسری سنت کے لئے ناسخ ہوسکتی ہے۔

❻ مسافر کا اپنے اکابرِ بلد کی خدمت میں جاکر رخصت ہونا اور دوست احباب کا سفر پر جانے والے ساتھی کو الوداع کہنا جائز ہے (۲۰)۔

٢٨٥٤ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ عِكْرِمَةَ : أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ حَرَّقَ قَوْمًا ، فَبَلَغَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ : لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحَرِّقْهُمْ ، لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ ٱللهِ). وَلَقَتَلْتُهُمْ ، كما قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ).
[٦٥٢٤]

تراجم رجال

۱۔علی بن عبداللہ

یہ علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی ہیں، ابن المدینی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، باب الفهم في العلم کے تحت گزر چکے ہیں (۲۲)۔

۲۔سفیان

یہ ابو محمد سفیان بن عیینہ الکوفی ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأبنأنا کے تحت گزر چکے ہیں (۲۳)۔

---

(٢٠) فتح الباري: ١٨٦/٦

(٢٨٥٤) أخرجه البخاري أيضا: ١٠٢٣/٢، في استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب حكم المرتد والمرتدة واستتابتهم (رقم ٦٩٢٢) وعند الترمذي في جامعه (٢٧٠/١) في الحدود، باب ما جاء في المرتد (رقم ١٤٥٨) وعند أبي داود في سننه (٢٥٠/٢) في الحدود، باب الحكم فيمن ارتد (رقم ٤٣١٥) وعند النسائي في سننه (١٦٤/٢) في المحاربة، باب الحكم في المرتد (رقم ٤٠٦٥)

(٢٢) كشف الباري: ٢٩٧/٣

(٢٣) كشف الباري: ١٠٢/٣

۳-ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب حلاوۃ الإیمان کے تحت گزر چکے ہیں (۲۴)۔

۴-عکرمہ

یہ مشہور امام حدیث وتفسیر ابوعبداللہ عکرمہ مولی عبداللہ بن عباس ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، باب قول النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: أللهم علمه الكتاب کے تحت گزر چکے ہیں (۲۵)۔

أن عليًّا حرّق قوما

یہی روایت مسند حمیدی میں بھی منقول ہے۔اس میں ہے: "أن عليا رضي الله عنه حرّق المرتدين" (٢٦)۔ اس میں قوم کی بجائے مرتدین کی تصریح ہے، اس سے عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروکار مراد ہیں۔جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے باطل اور نہایت ہی خطرناک عقائد کی وجہ سے نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن سبا اصلاً یہودی تھا (۲۷) مؤرخین نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن سبا اسلامی تاریخ میں وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت فرض ہونے اور ان کے دشمنوں سے براءت کا اعلان کر کے انہیں کافر ٹھہرایا (۲۸)۔عبداللہ بن سبا نے اپنے غلط عقائد کی علانیہ تبلیغ کر کے متبعین کی ایک بڑی جماعت بنالی تھی، جو فرقۂ سبائیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

---

(٢٤) كشف الباري: ٢/ ٢٦

(٢٥) كشف الباري: ٣/ ٣٦٣

(٢٦) فتح الباري: ٦/ ١٨٦، وعمدة القاري: ١٤/ ٣٦٦

(٢٧) البداية والنهاية لابن الكثير: ٧/ ١٦٢، دار الكتب العلمية بيروت

(٢٨) المرتضیٰ، ص: ٢٦٢

عبداللہ ابن سبا اور اس کے پیروکاروں نے حُبِّ علی رضی اللہ عنہ میں غلو سے کام لے کر انہیں نبی مانا اور پھر وفورِ محبت میں اس قدر بڑھے کہ انہیں اپنا معبود اور الٰہ تک بنا دیا (۲۹)۔

اس گمراہ کن عقیدے کی انہوں نے پرزور تبلیغ کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سرگرمیوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو دو گڑھوں میں نذر آتش کئے جانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن سبا کو نذر آتش کرنے کے نتیجہ میں یورش برپا ہونے اور حالات ابتر ہونے کا اندیشہ تھا، اس لئے اسے جلاوطن کر کے ساباط المدائن بھیج دیا (۳۰)۔

بعض حضرات نے کہا کہ حضرت علی نے عبداللہ بن سبا کے پیروکاروں کو نذرِ آتش نہیں کیا تھا۔

چنانچہ اسماعیلی نے ابن أبي عمر عن سفيان اور محمد بن عباد عن سفيان دو طریقوں سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن دینار، ایوب اور عمار الدہنی کو ایک مجلس میں ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے دیکھا جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نذر آتش کیا تھا، ایوب نے باب کی یہ روایت بیان کی تو عمار نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو نذر آتش نہیں کیا تھا، بلکہ گڑھے کُھدوا کر ان پر آگ کا دھواں چھوڑا تھا۔ اس پر عمرو بن دینار نے یہ اشعار کہے:

لترم بي المنايا حيث شاءت ۔۔۔ إذا لم ترم بي في الحفرتين

إذا ما أجّجوا حطبا ونارا ۔۔۔ هناك الموت نقدا غير دين (۳۱)

"یعنی موت مجھے جہاں چاہے پھینک دے، تاہم دو گڑھوں میں نہ پھینکے، کیونکہ

(۲۹) المرتضىٰ، ۲٦۲

(۳۰) المرتضىٰ، ص: ۲٦۳

(۳۱) فتح الباري: ٦/١٨٦، قال الحافظ: "وفي رواية ابن أبي عمرو محمد بن عباد عند الإسماعيلي جميعا عن سفيان قال: "رأيت عمرو بن دينار وأيوب وعمارا الدهني أجتمعوا فتذاكروا الذين حرّقهم عليّ، فقال أيوب" فذكر الحديث "فقال عمار لم يحرقهم، ولكن حفرلهم حفائر وخرق بعضها إلى بعض ثم دخن عليهم، فقال عمر ابن دينار: وقال الشاعر:

لترم بي المنايا حيث شاءت

وكان عمرو بن دينار...... أراد بذلك الرّد على عمار الدهني في إنكاره أصل التحريق".

(وہ گڑھے اس قدر وحشت ناک ہیں) کہ جب لکڑیاں جلا کر آگ روشن کردی جائے تو
وہاں موت اُدھار نہیں بلکہ نقد ہوتی ہے"۔

شاعر نے مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب گھڑوں میں لکڑیاں جلا کر آگ دھکائی گئی تو وہ اسی وقت موت کے منہ میں چلے گئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمه کے طریق کتاب الحدود کے اندر جو روایت نقل کی ہے۔اس میں بھی تحریق کی تصریح ہے،روایت کے الفاظ ہیں:

"أتى عليّ زنادقة فأحرقهم"(۳۲).

اسی طرح مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے:

"أن علياً أتى بقوم من هؤلاء الزنادقة ومعهم كتب، فأمر بنار فأججت ثم أحرقهم وكتبهم"(۳۳).

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بعض زنادقہ (مرتدین) کو پکڑ کر لائے،جن کے پاس کتابیں تھیں،آپ نے آگ روشن کرنے کا حکم دیا اور پھر ان کو ان کی کتابوں سمیت نذر آتش کردیا۔

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں عبدالرحمن بن عبيد عن أبيه کے طریق سے جو روایت منقول ہے،اس میں بھی تحریق کی تصریح ہے،روایت ہے:

"كان أناس يعبدون الأصنام في السرّ ويأخذون العطاء، فأُتي بهم عليٌّ –رضي الله عنه– فوضعهم في السجن، واستشار الناس، فقالوا: اقتلهم، فقال: لا، ولكن أصنع بهم كما صنعوا بأبينا إبراهيم، فحرّقهم بالنار"(۳٤).

---

(۳۲) صحيح البخاري: ۱۰۲۳/۲، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين، باب حكم المرتد والمرتدة واستتابتهم (رقم ٦۹۲۲)

(۳۳) فتح الباري: ۱۸٦/٦

(۳٤) مصنف ابن أبي شيبة: ٤۸۹/۱۷، كتاب السير، باب من رخّص في التحريق في أرض العدوّ وغيرها (رقم ۳۳۸۲۱)

"کچھ لوگ خفیہ طور پر بتوں کی پوجا کرتے اور ہدایا وصول کرتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو پکڑ کر جیل میں قید کردیا، ان کے بارے میں لوگوں سے رائے طلب کی تو انہوں نے یہ رائے دی کہ سب کو قتل کردیں، آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ میں ان کے ساتھ وہ عمل کروں گا جو انہوں نے ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے سب کو کونذر آتش کردیا"۔

ابوطاہر المخلص رحمہ اللہ نے ایک طویل روایت عبدالله بن شريك العامري عن أبيه کے طریق سے نقل کی ہے۔ اس میں مذکورہ واقعہ دیگر روایات کے مقابلہ میں زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

قيل لعليّ إن هنا قوما على باب المسجد يدعون أنك ربهم! فدعاهم، فقال لهم: ويلكم ماتقولون؟ قالوا: أنت ربنا وخالقنا ورازقنا، فقال: ويلكم! إنما أنا عبد مثلكم آكل الطعام كما تأكلون، وأشرب كما تشربون، إن أطعتُ اللّٰه أثابني إن شاء، وإن عصيته خشيت أن يعذبني، فاتقو اللّه وارجعوا، فأبوا، فلما كان الغد غدوا عليه، فجاء قنبر فقال. قد واللّه رجعوا يقولون ذلك الكلام! فقال: أدخِلهم فقالوا: كذلك، فلما كان الثالث قال: لئن قلتم ذلك لأقتلنكم بأخبث قتلة، فأبوا إلا ذلك فقال: ياقنبر! ائتني بِفَعَلَة معهم مرورهم فخُذلهم أخدودا بين باب المسجد والقصر، وقال: احفروا فأبعدوا في الأرض، وجاء بالحطب فطرحه بالنار في الأخدود قال: إني طارحكم فيها أو ترجعون؟ فأبوا أن يرجعوا فقذف بهم فيها حتى إذا احترقوا قال:

إني إذا رأيتُ أمرا منكرا

أوقدتُ ناري، ودعوتُ قنبرا(۳۵)

روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ مسجد کے دروازے پر کچھ لوگ آپ کو اپنا رب اور الٰہ کہہ کر پکار رہے ہیں، علی رضی اللہ عنہ نے سب کو بلا کر فرمایا، "تمہارا ناس ہو تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے رب، ہمارے خالق ورازق ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "تمہارا ناس ہو، میں تمہاری طرح

(۳۵) فتح الباري: ۱۲/۲۷۰، ۲٦۹، كتاب المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب حكم المرتد، ط: دارالفكر، وبذل المجهود: ۱۷/۲۸٤، كتاب الحدود، باب الحكم فيمن ارتد

ایک بندہ ہوں، جس طرح تم لوگ کھاتے پیتے ہو، اسی طرح میں بھی کھاتا پیتا ہوں۔ اگر میں خدا کی اطاعت کروں تو خدا کی مرضی، چاہے تو مجھے بخش دے اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو اندیشہ ہے کہ وہ مجھے عذاب دے۔ لہٰذا تم بھی اللہ سے ڈرو اور یہاں سے لوٹ جاؤ"۔ لیکن انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کیا۔ اگلے دن کی صبح وہ دوبارہ آئے، قنبر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر عرض کیا، "بخدا! وہ لوگ پھر لوٹ آئے ہیں اور وہی باتیں کررہے ہیں"، آپ نے فرمایا "انہیں اندر لے کر آؤ"، جب وہ اندر لائے گئے تو انہوں نے وہی باتیں دہرائیں، تاہم جب تیسری مرتبہ انہوں نے وہی پرانا راگ الاپنا شروع کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اگر تم لوگوں نے وہی بات کی تو میں تمہیں بہت برے طریقے سے قتل کردوں گا"، لیکن یہ لوگ نہ مانے اور اپنے موقف پر اصرار کیا، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "قنبر! ایسے مزدوروں کو لے کر آؤ، جن کے پاس بیلچے ہوں"، چنانچہ مسجد اور مکان کے درمیان گڑھے کھدوائے گئے، پھر فرمایا، "گڑھوں کو خوب گہرا کر کے کھودو"، لکڑیاں لاکر گڑھوں میں جلتی آگ میں ڈال دی گئی، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "واپس لوٹتے ہو یا پھر تمہیں اس آگ میں ڈال دوں؟" انہوں نے جانے سے انکار کیا تو آپ نے ان سب کو گڑھوں میں دھکتی آگ میں ڈال دیا، جب وہ جل کر سوختہ جان ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا:

"جب کوئی ناپسندیدہ معاملہ دیکھوں، تو آگ دہکا کر قنبر کو بلا لیتا ہوں"۔

خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا کے پیروکاروں کو (راجح یہی ہے کہ) آگ میں جلا دیا گیا تھا۔ تاہم عبداللہ بن سبا کو نذر آتش کرنے سے فتنہ اندازوں کو یورش برپا کرنے کا موقع مل جاتا، اس اندیشہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جلاوطن کر کے ساباط المدائن جلاوطن کر دیا (۳۶)۔

فبلغ ابن عباس فقال لو كنت أنا لم أحرّقهم لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لا تعذبوا بعذاب الله.

ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا، اگر علی کی جگہ میں ہوتا تو ان کو کبھی نذر آتش نہ کرتا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے عذاب سے کسی کو عذاب مت دو۔

---

(۳٦) المرتضیٰ، ص: ۲٦۲

لو کنت أنا

یہاں خبر محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے: "لو کنت أنا بدله" لقتلتهم جواب شرط ہے اور اس میں لام تاکید کے لئے ہے (۳۷) یعنی اگر میں ان کی جگہ ہوتا یا ان کی جگہ خلیفہ ہوتا تو ان کو نذر آتش نہ کرتا، البتہ قتل ضرور کرتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی بصرہ تھے۔ اور وہیں انہیں تحریق کے اس واقعہ کی خبر پہنچی تھی (۳۸)۔

سنن ابوداود میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ منقول ہے، تحریق کے واقعہ پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی حدیث پیش کر کے اپنی ناگواری ظاہر کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پر مطلع ہوئے تو فرمایا، "ویح ابن عباس" ایک روایت میں "ویح أم ابن عباس" کے الفاظ وارد ہیں (۳۹)۔

اہلِ لغت کے نزدیک لفظ "ویح" بعض مواقع پر مدح وتعریف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں مستعمل ہے، چنانچہ بعض روایات میں "صدق ابن عباس" کے الفاظ بھی منقول ہیں (۴۰)۔

گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تحریق سے منع فرمایا ہے، انہوں نے اپنی رائے اور اجتہاد کی بنیاد پر سبائیوں کو نذر آتش کیا تھا۔ اس لئے جب انہیں ابن عباس کے ذریعے ممانعت کا علم ہوا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید وتصویب کی (۴۱)۔

مسئلہ تحریق بالنار میں مذاہب کی تفصیل

علامہ موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دشمن پر قابو پانے کے بعد اس کو نذر آتش کرنا

(۳۷) شرح الكرماني: ۲٦/۱۳، وعمدة القاري: ۲٦٦/۱٤، ۲٦۷، وإرشاد الساري: ٤٨٩/٦

(۳۸) بذل المجهود: ۲۸٤/۱۷

(۳۹) بذل المجهود: ۲۸٤/۱۷

(٤٠) بذل المجهود: ۲۸٥/۱۷

(٤١) إرشاد الساري: ٤٨٩/٦، وشرح الكرماني: ۲٦/۳

بالاتفاق ناجائز ہے۔ اسی طرح تحریق کے بغیر دشمن پر قابو پانا ممکن ہو تو تب بھی تحریق جائز نہیں۔ تاہم اگر تحریق کے بغیر قابو پانا ناممکن ہو تو اس صورت میں اکثر علماء کے نزدیک تحریق جائز ہے (۴۲)۔

صحابہ کرام میں سے حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک تحریق مطلقاً ناجائز ہے، اس کا سبب چاہے کفر ہو یا قصاص ہو یا حالت جنگ میں ہونا ہو (۴۳)۔

حضرت علی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے نزدیک تحریق جائز ہے۔ یہی رائے معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی ہے (۴۴)۔

علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں نہی عن التحریق، تحریمی نہیں بلکہ یہ نہی علی سبیل التواضع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تعذیب بالنار چونکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے اس لئے تواضعاً للہ اس کی ممانعت ہوئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں زانی عورتوں کو نذر آتش کیا اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بعض مرتدین کی تحریق کی۔ اکثر فقہاء مدینہ قلعہ بند دشمنوں کی تحریق کو جائز قرار دیتے ہیں اور دشمن کی سواری کو نذر آتش کرنے کے بھی قائل ہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث میں نہی عن التعذیب بالنار تحریمی اور وجوبی نہیں بلکہ ندب واستحباب کے درجہ میں ہے (۴۵)۔

---

(٤٢) الدر المنضود: ٤/٤٠٢، بحواله تراجم بخاري: ١٤/١٦

(٤٣) فتح الباري: ٦/١٨٥، وإرشاد الساري: ٦/٤٨١

(٤٤) فتح الباري: ١٢/٢٧٤، ٢٧٥

(٤٥) شرح ابن بطال: ٥/١٧٢، "قال المهلب: ليس نهيه عليه السلام عن التحريق بالنار على معنى التحريم، وإنما هو على سبيل التواضع لله، وأن لايتشبه غضبه بغضبه في تعذيب الخلق؛ إذا القتل يأتي على ما يأتي عليه الإحراق.

والدليل على أنه ليس بحرام سمل الرسول أعين العرنيين بالنار في مصلى المدينه بحضرة الصحابة، وتحريق علي بن أبي طالب الخوارج بالنار، وأكثر علماء المدينة يجيزون تحريق الحصون على أهلها بالنار، وقول أكثرهم بتحريق المراكب، وهذا كله يدلّ أن معنى الحديث على الحض والندب لاعلى الإيجاب والفرض". والله أعلم۔ نیز دیکھئے: فتح الباري: ٦/١٨٥، وإرشاد الساري: ٦/٤٨٩

١٤٨ - باب : «فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً» /محمد: ٤/ .

فِيهِ حَدِيثُ ثُمَامَةَ . [ر : ٤٥٠]

وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ : «ما كانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ - يَعْنِي : يَغْلِبَ فِي الْأَرْضِ - تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا» . الآيَةَ /الأنفال: ٦٧/ .

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی عادت کے مطابق اکثر قرآن مجید کی آیت یا حدیث کو باب کا عنوان بناتے ہیں، یہاں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں سورہ محمد کی آیت کے ایک حصہ کو باب کا عنوان بنایا ہے، پوری آیت ہے: ﴿فإذا لقيم الذين كفروا فضرب الرقاب حتى إذا أثخنتموهم فشدُ والوثاق فإمامنا بعد وإما فداء حتى تضع الحرب أوزارها﴾ (۱)۔ یعنی جب تم کفار کے مدمقابل آجاؤ تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب ان کی خوب خونریزی کر چکو تو کفار کو قید کر کے خوب مضبوط باندھ لو، پھر اس کے بعد یا تو احسان کر دیا معاوضہ لے کر چھوڑ دو، جب تک کہ لڑنے والے اپنا ہتھیار نہ رکھ دیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کفار کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا اور فدیہ لئے بغیر چھوڑنا دونوں صورتیں جائز ہے (۲)۔

سورہ محمد کی اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب اثخان یعنی خوب خون ریزی کرنے کے بعد کفار کی کمر ہمت ٹوٹ جائے اور ان کی شان وشوکت باقی نہ رہے تو (ظاہر ہے ان میں جنگ کا حوصلہ سرد پڑ جائے گا اس لئے) اب قتال کی راہ اختیار کئے بغیر، ان کو رسیوں سے مضبوط باندھ کر قید کر لیا جائے۔ پھر مسلمانوں کو دو باتوں کا اختیار ہے یا تو احساناً چھوڑ دیں اور کوئی مالی معاوضہ ان سے وصول نہ کریں یا مالی معاوضہ یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔

غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کو غیر معمولی فتح ہوئی، ڈھیر سارا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور کفار کے ستر سردار گرفتار کر لئے گئے، صحابہ نے ان کو فدیہ لے کر آزاد کرنا چاہا تو اس پر عتاب خداوندی نازل ہوا، اس موقع پر سورۂ انفال کی جو آیت نازل ہوئی: ﴿ما كان لنبي أن يكون له أسرى حتى يثخن في

(۱) سوره محمد : ٤

(۲) عمدة القاري: ١٤/٣٦٧، وإرشاد الساري: ٦/٤٨٩

الارض﴾ اس میں فرمایا گیا کہ دشمنانِ اسلام پر قابو پانے کے بعد ان کی شوکت وقوت پر ضرب کاری نہ لگانا اور قیدیوں کو آزاد چھوڑ دینا کسی نبی کے شایانِ شان نہیں۔ بہرحال سورۂ انفال کی اس آیت میں دشمن کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ جب کہ سورہ محمد کی آیت میں اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر دونوں حکم معارض ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ کون سی آیت ناسخ اور کون سی منسوخ ہے۔ چنانچہ عطاء بن ابی رباح، شعبی، حسن بصری، ضحاک اور امام ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک سورۂ محمد کی آیت سے سورہ انفال کی آیت منسوخ ہے(۳)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی قول مروی ہے(۴)۔ ان حضرات کے نزدیک امام مسلمین کو اختیار ہے کہ مالی معاوضہ یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دے یا احساناً بلا کسی فدیئے اور معاوضے کے رہا کر دے یا ان مسلمانوں سے جو دشمن کی قید میں ہوں، ان کا تبادلہ کرلیا جائے۔ البتہ قتل جائز نہیں۔ لیکن عبداللہ بن عباس، قتادہ، مجاہد، سدی، ابن جریج، عوفی اور اکثر اہل کوفہ کے نزدیک سورۂ محمد کی آیت سورۂ انفال کی آیت ﴿اقتلوا المشركين حيث وجدتموهم﴾ اور ﴿فإما تثقفنهم في الحرب فشرّد بهم من خلفهم﴾ سے منسوخ ہے(۵)۔

صاحبین اور ایک روایت میں امام اعظم ابوحنیفہ کا قولِ مشہور بھی یہی ہے(۶)۔ ان حضرات کے نزدیک سورہ محمد کی آیت منسوخ ہونے کی وجہ سے جنگی قیدیوں کو احساناً یا فدیہ لے کر آزاد کرنا جائز نہیں، لیکن مشہور حنفی فقیہ و مفسر ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے فرمایا:

> "فهذه الآية ناسخة لقوله تعالىٰ: ﴿ما كان لنبي أن يكون له أسرى حتى يثخن في الأرض تريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة، والله عزيز حكيم﴾ فإنها نزلت في غزوة بدر سنة اثنين، وقد منّ رسول الله صلى الله

---

(۳) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۲۲۷/۱٦، وفتح الباري: ۱۸۸/٦، وعمدة القاري: ۳٦۷/۱٤

(٤) عمدة القاري: ۳٦۷/۱٤

(٥) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۲۲۷/۲۱٦

(٦) فتح القدير: ۲۱۹/٥، ۲۲۰، كتاب السير

تعالىٰ عليه وسلم على الأسرى بعد ذلك في الحديبية سنة ست، وغير ذلك"(٧).

یعنی سورۃ انفال کی آیت منسوخ ہے اور سورۂ محمد کی آیت ناسخ ہے اس لئے کہ سورۂ انفال کی آیت غزوہ بدر کے موقع پر سن ہجری کے دوسرے سال کے بعد نازل ہوئی جب کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر ٦ھ میں بعض قیدیوں کو بلا معاوضہ احساناً آزاد کر دیا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہتھیار سے مسلح دشمن کے ۸۰/ افراد نے کوہِ تنعیم سے اتر کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر اچانک حملہ کرنا چاہا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کو گرفتار کر کے آزاد کر دیا۔ اس موقع پر سورۂ فتح کی آیت ﴿وهو الذی کف أیدیهم عنکم ببطن مکة من بعد أن أظفرکم علیهم﴾ نازل ہوئی (٨)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اور بعض مفسرین کے نزدیک سورۂ انفال کی آیت پہلے اور سورہ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے چونکہ متاخر، متقدم کے لئے ناسخ ہوتا ہے اس لئے سورۂ محمد کی آیت ناسخ اور سورہ انفال کی آیت منسوخ ہوگی اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مختار مسلک بھی ہے۔ امام اعظم سے دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ قیدیوں کو فدیہ کے عوض رہا کرنا جائز نہیں، دوسرا قول امام محمد نے سیر کبیر میں جواز کا نقل کیا گیا ہے، یہی قول راجح اور اظہر ہے (٩)۔ اور امام طحاویؒ کی رائے بھی یہی ہے اور انہوں نے بہت ہی عمدہ طرز استدلال کے ساتھ اس مذہب کو راجح قرار دیا ہے (١٠)۔

---

(٧) التفسير المظهري: ٣٣٤/٦

(٨) صحيح مسلم: ١١٤/٢ كتاب الجهاد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وهو الذي كف أيديهم عنكم﴾، (رقم ٤٤٤٣)

(٩) السير الكبير مع شرحه لمحمد بن أحمد السرخسيؒ: ٢٩٦/٤، باب: من الفداء. دار الكتب العلمية بيروت الطبعة الأولىٰ ١٤١٧هـ.

(١٠) تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح مشكل الآثار للإمام الطحاوي: ٣٨٦/١٠-٣٨٨، باب بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من قوله: ﴿ولو كان مُطعِمُ ابن عدي حيا وكلّمني في هؤلاء النتنى -يعني أسرى بدر- لأطلقتهم له﴾، و: ٣٩٩/١٠، باب بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الأسارى هل جائز أن يقتلوا أم لا؟

حقیقت یہ ہے کہ مضمون اور مفہوم کے اعتبار سے دونوں آیات میں تعارض نہیں اور دونوں میں سے کسی آیت کو بھی ناسخ اور منسوخ نہیں قرار دیا جا سکتا، چنانچہ ابن زید اور ابوعبید بن سلام نے فرمایا کہ یہ دونوں آیات محکم ہیں اور یہی قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ابوثور اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا بھی ہے (۱۱)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، اس وقت من وفداء کی ممانعت وارد ہوئی، اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور ان کی شوکت وسلطنت میں اضافہ ہوا تو من وفدا کی اجازت دی گئی (۱۲)۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ غزوہ بدر میں مَن وفداء کی ممانعت اور اثخان کے حکم سے کفر کی شوکت پامال کرنا مقصود تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہوا کہ کفار کو فدیہ کے عوض زندہ چھوڑ دیا جائے، لیکن کفر کی شوکت ملیا میٹ ہو کر جب اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور ان کی شوکت وسطوت قائم ہوئی تو اثخان کی ضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے من وفدیہ کی اجازت دی گئی۔ گویا دونوں آیات محکم ہیں، جب اہل اسلام کا مفاد اثخان اور خون ریزی میں مضمر تھا اور حالات کا اقتضا بھی یہی تھا تو من وفداء کی ممانعت ہوئی اور اثخان کا حکم وارد ہوا، تاہم جب اقتضائے حال بدل گیا اور اثخان کی ضرورت نہ رہی تو من وفداء کی اجازت دی گئی۔ اس لئے یہاں کسی بھی آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں، نسخ کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب دو آیات میں جمع اور تطبیق ممکن نہ ہو (۱۳)۔

اسی بناء پر جمہور فقہاء نے فرمایا کہ امامِ وقت کو مصلحت کے پیشِ نظر احسان، فداء اور ترقیق میں سے کسی بھی فیصلہ پر عمل کا اختیار حاصل ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ان سب کی نظیریں موجود ہیں۔ چنانچہ ابوعبید بن سلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والقول في ذلك عندنا أن الآيات جميعا محكمات لا منسوخ فيهن، وذلك أنه – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم – عمل بالآيات كلها من

---

(۱۱) تفسير الإمام البغوي: ۱۷۸/٤، وعمدة القاري: ۳٦۸/١٤

(۱۲) تفسير الإمام البغوي: ۱۷۸/٤، والتفسير المظهري: ۲۱۸/۳، دار الكتب العلمية بيروت

(۱۳) جامع البيان في تفسير القرآن للإمام الطبري: ۲۷/۲٦، وتفسير البغوي: ۱۷۸/٤، والجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۲۲۸/۱٦

القتل والأسر والفداء حتى توفاه الله تعالىٰ على ذلك، فكان أوّل أحكامه فيهم يوم بدر، فعمل بها كلها يومئذ، بدأ بالقتل فقتل عقبة بن أبي معيط والنضر بن الحارث في قفوله، ثم قدم المدينة فحكم في سائرهم بالفداء، ثم حكّم يوم بني قريظة سعد ابن معاذ رضي الله عنه، فقتل المقاتلة وسبى الذرية، فنفذه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأمضاه، ثم كانت غزاة بني المصطلق -رهط جويرية بنت الحارث- فاستحياهم جميعا وأعتقهم، ثم كان فتح مكة فأمر بقتل ابن خطل والقينتين وأطلق الباقين، ثم كانت حنين فسبى هوازن ومن عليهم وقتل أباغره الجمحي يوم أحد وقد كان منّ عليه يوم بدر، وأطلق ثمامة بن أثال. فهذه كانت أحكامه -عليه السلام- بالمن والفداء والقتل، فليس شيء منها منسوخا، والأمر فيهم إلى الإمام وهو مخير بين القتل والمن والفداء، يفعل الأفضل في ذلك للإسلام وأهله"(١٤).

''ہمارے نزدیک درست قول یہ ہے کہ یہ سب آیات محکم ہیں اوران میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک قتل، فدیہ اور قید کے احکام والی سب آیتوں پرعمل کیا۔ اور مشرکین کے بارے میں ان احکام پرعمل کی ابتداء، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر کی، چنانچہ غزوۂ بدر کے (ستر قیدیوں میں سے) آپ نے صرف عقبہ بن اُبی معیط اور نضر بن حارث کوقتل کیا، پھر مدینہ پہنچ کر مشرکین کے تمام قیدیوں کو فدیہ کے عوض رہا کر دیا، پھر آپ نے غزوہ بنی قریظہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کا اختیار دیا، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جنگجو مردوں کو قتل اور بچوں اور عورتوں کو قید کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ نے ان کے فیصلہ کو نافذ کیا، اس کے بعد غزوۂ بنی مصطلق پیش آیا، بنو مصطلق جویریہ بنت الحارث کے ہم قبیلہ تھے، چنانچہ آپ نے ان کو زندہ چھوڑ دیا اور آزاد کر دیا۔ اس کے بعد فتح مکہ پیش آیا تو آپ

(١٤) فتح الباري: ١٨٨/٦

نے ابن خطل اور دو باندیوں کے قتل کا حکم دیا اور باقی سب کو آزاد کر دیا۔ پھر حنین کا معرکہ پیش آیا آپ نے ہوازن کے لوگوں کو قید کرنے کے بعد احساناً آزاد کر دیا، اُحد کے دن ابوعزہ جمحی کو (جسے بدر کے موقع پر آپ نے احساناً آزاد کر دیا تھا) قتل کیا، اور ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا تھا۔ بہر حال من، فداء، ترقیق اور قتل کے سب احکام آپ نے جاری کئے، ان میں سے کوئی حکم منسوخ نہیں، یہ احکام امام کی رائے پر موقوف ہیں، اسے قتل ،من وفداء میں سے کسی بھی ایک پر عمل کا اختیار ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کے مفاد میں وہ جس حکم کو زیادہ بہتر سمجھے، اس پر عمل کر سکتا ہے''۔

یہی رائے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی بھی ہے، چنانچہ سورۂ محمد کی مذکورہ آیت کے ذیل میں وہ فرماتے ہیں:

''حق وباطل کا معرکہ تو رہتا ہی ہے اور جس وقت مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہیے۔ باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے شریر مارے جائیں اور ان کے جتھے توڑ دیئے جائیں۔ اس لئے ہنگامۂ کارزار میں کسل، سستی، بزدلی اور توقف وتردّد کو راہ نہ دو اور دشمنانِ خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو، کافی خونریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے، اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿ما كان لنبي أن يكون له أسرىٰ حتى يثخن في الأرض﴾ یہ قید وبند ممکن ہے، ان کے لئے تازیانۂ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر اپنی اور تمہاری حالت کے جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع بہم پہنچائے۔ شدہ شدہ وہ لوگ حق وصداقت کا راستہ اختیار کر لیں، یا مصلحت سمجھو تو بدون کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے، قید سے رہا کر دو۔ اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے تمہارے احسان اور خوبیٔ اخلاق سے متأثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں اور یہ بھی کر سکتے ہو کہ زرِ فدیہ لے کر مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دو، اس میں کئی طرح کے

فائدے ہیں۔ بہرحال اگران اسیرانِ جنگ کوان کے وطن کی طرف واپس کردوتو دو ہی صورتیں ہیں: معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو بھی صورت امام کے نزدیک اصح ہو، اختیار کرسکتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات موجود ہیں" (۱۵)۔

فيه حديث ثمامة بن أثال

حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کو صحابہ نے گرفتار کرکے، مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور پھر چند دن بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کردیا۔ روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "أطلقوا ثمامه" ثمامہ کو کھول کرآزاد کردو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ ثمامہ قیدی تھے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو احساناً آزاد کردیا۔ ترجمۃ الباب کے ساتھ ان الفاظ کی مطابقت بھی ظاہر ہے۔ ثمامہ بن اثال کا یہ واقعہ آگے کتاب المغازی میں تفصیلاً آرہا ہے۔

"ماكان لنبي أن يكون له أسرى حتى يثخن في الأرض —حتى يغلب في الأرض— تريدون عرض الدنيا"

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوعبیدہ کا قول نقل کیا ہے (۱۶)۔ ابوعبیدہ نے "يثخن" کی تفسیر يغلب سے کی ہے، یعنی اہل اسلام جب تک دشمنوں کی خونریزی اور کثرتِ قتل سے ملک میں غلبہ نہ حاصل کرے، اس وقت قیدی کافروں کو باقی رکھنا مناسب نہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ نے اثخان کے معنی قتل سے کیے ہیں (۱۷)۔ یعنی جب تک زمین میں قتل نہ کرے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اثخان کے معنی قتل میں مبالغہ کے ہیں۔

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی، قریش کا ڈھیر سارا مال مسلمانوں کو غنیمت میں ملا اور ان کے ستر سردار قید کردیئے گئے، انہی قیدیوں کے بارے میں سوال پیدا ہوا کہ ان کے ساتھ

---

(۱۵) تفسير عثماني، ص: ٦٧٢

(١٦) فتح الباري: ٦/١٨٨، وإرشاد الساري: ٦/٤٩٠

(١٧) فتح الباري: ٦/١٨٨، وإرشاد الساري: ٦/٤٩٠

کیا برتاؤ کیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی: هم أئمة الكفر، والله أغناك عن الفداء فاضرب أعناقهم۔ "یہ کفر کے سرغنے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فدیہ سے مستغنی کردیا ہے، لہٰذا آپ ان کی گردنیں اڑا دیجئے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے دی: "هم قومك وأهلك، لعلّ الله أن يتوب عليهم، خذمنهم فدية تقوي بها أصحابك" یعنی یہ آپ کی قوم اور اپنے خاندان کے لوگ ہیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے، آپ ان سے فدیہ وصول کرلیں، جس سے آپ کے اصحاب کو قوت حاصل ہوگی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول کی اور سب سے فدیہ وصول کرکے معاف کردیا۔ اس پر سورہ انفال کی مذکورہ آیت بطور عتاب نازل ہوئی کہ کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے پاس کافر قیدی ہوں اور ان کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ان کی شوکت ختم کرنے کے لئے خونریزی کرنی چاہیے تاکہ اہل اسلام پر حملہ آور ہونے کا ان میں حوصلہ ہی نہ رہے(۱۸)۔

سورۂ انفال کی آیت ذکر کرنے کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سورہ انفال کی آیت ذکر کرکے امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مجاہد رحمہ اللہ کے مذہب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک کافر قیدیوں سے فدیہ لینا جائز نہیں(۱۹)۔ اس کا جواب سورۂ محمد اور سورۂ انفال کی آیات میں تطبیق اور مذاہب کی تفصیل کے ضمن میں ہم تفصیل سے دے چکے ہیں۔

١٤٩ – باب : هَلْ لِلأَسِيرِ أَنْ يَقْتُلَ وَيَخْدَعَ الَّذِينَ أَسَرُوهُ حَتَّى يَنْجُوَ مِنَ الْكَفَرَةِ.
فِيهِ الْمِسْوَرُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [ر: ٢٥٨١]

ترجمۃ الباب کا مقصد

مقصد یہ ہے کہ کیا مسلمان اسیر رہائی پانے اور کفار سے نجات حاصل کرنے کے لئے قتل یا دھوکہ وفریب کرسکتا ہے؟ شراح نے فرمایا، چونکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں حکم کی

(١٨) إرشاد الساري: ٦/٤٩٠

(١٩) فتح الباري: ٦/١٨٨

تصریح نہیں کی (۱)۔

کفار جب کسی مسلمان کو گرفتار کر کے قید کرلیں، تو گویا یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ اب تم ہمارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاؤ گے، تو کیا اس صورت میں مسلمان قیدی کے لئے اس معاہدہ کی خلاف ورزی جائز ہے؟

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے لئے کفار کی قید سے بھاگنا جائز نہیں (۲) یہی قول سحنون اور ابن مواز کا بھی ہے (۳)۔ لیکن مالکیہ میں سے اشہب مالکی فرماتے ہیں کہ اگر کفار نے کسی مسلمان کو اس غرض سے قید کیا ہو کہ اس کے بدلہ وہ کسی کافر قیدی کو رہا کرائیں تو اس صورت میں مسلمان قیدی کو کفار کی قید سے نجات حاصل کرنے کے لئے قتل بھی جائز ہے (۴)۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام طبری رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اگر مسلمان قیدی نے کسی قسم کا عہد و پیمان کیا ہو اور اطمینان دلایا ہو کہ تمہارے کہنے پر چلوں گا، تو یہ معاہدہ ہی باطل ہے، اور اس کے لئے یہ عہد توڑنا جائز ہے (۵)۔

مطلب یہ ہے کہ قتل اور دھوکہ دونوں جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ باب کے تحت انہوں نے مسور بن مخرمہ کی روایت کا حوالہ دے کر حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جو مشرکین کی قید سے فرار اختیار کر کے مدینہ آئے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ قید سے نجات کے لئے دھوکہ وغیرہ دینا جائز ہے۔ (واللہ اعلم)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عہد و پیمان کی صورت میں بھاگنے کی تو اجازت ہے لیکن کفار کے مال و جان سے تعرض جائز نہیں، تاہم اگر عہد نہیں ہوا ہو تو پھر اس کو کفار سے نجات حاصل کرنے کے لئے قتل، تحریق اور اخذِ مال میں سے کوئی بھی راہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ مسور بن مخرمہ کی روایت والے واقعہ میں

---

(۱) فتح الباري: ٦/١٨٨، وعمدة القاري: ١٤/٣٦٩، وإرشاد الساري: ٦/٤٩١

(٢) فتح الباري: ٦/١٨٨، وشرح ابن بطال: ٥/١٧٨

(٣) شرح ابن بطال: ٥/١٧٨

(٤) شرح ابن بطال: ٥/١٨٧، فتح الباري: ٦/١٨٨، وعمدة القاري: ١٤/٣٦٩

(٥) شرح ابن بطال: ٥/١٧٧، وفتح الباري: ٦/١٨٨، وعمدة القاري: ١٤/٣٦٩

ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور مشرکینِ مکہ کے درمیان کسی معاہدہ کی تصریح نہیں۔ اس لئے ابوبصیر نے اقدامِ قتل کیا، مشرکین کے ایک آدمی کو انہوں نے قتل کر ڈالا اور دوسرا بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا(٦)۔

ابن قاسم اور ابن مواز وغیرہ نے فرمایا کہ مسلمان، کفار کی قید میں آنے کے بعد مکرَہ ہو جاتا ہے، حالت اکراہ میں عہد و پیمان باطل ہے، لہٰذا اگر وہ کفار سے عہد و پیمان کر کے انہیں اطمینان دلائے کہ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا یا قسم کھائی ہو تو وہ باطل ہوگی، چاہے کفار نے اس کو حالت امن میں رکھا ہو یا حالتِ خوف میں۔ اور یہ عہد و حلف اس لئے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کفار کے احکام کی اطاعت نہ کرنے کو فرض قرار دے کر ایسے حالات میں ان پر ہجرت واجب کی ہے۔ لہٰذا مسلمان قیدی کو راہ فرار اختیار کرنے کے لئے کوئی بھی حربہ استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ ان حضرات نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ وہ کفارِ مکہ کی قید سے فرار ہو کر مدینہ آئے تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی اور ان کے طرزِ عمل پر رضامندی کا اظہار کیا(٧)۔

ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حدیبیہ کے موقع پر مشرکینِ مکہ کے ساتھ جن شرائط پر صلح ہوئی تھی، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر قریش میں سے کوئی شخص اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے بغیر مدینہ جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔ چنانچہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ اسلام لا کر مکہ سے مدینہ آئے۔ اہلِ مکہ کی طرف سے دو افراد ان کو لینے آئے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق ان کو واپس کر دیا، واپسی میں مقام ذوالحلیفہ پر ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا، دوسرا بھاگ کر بچ نکلا اور مدینہ آ کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ضرور کوئی خطرناک بات پیش آئی ہے۔ اس نے کہا میرا ساتھی تو قتل کیا جا چکا ہے۔ میں بھی قتل ہونے والا ہوں۔ اس کے بعد ابوبصیر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی جو ذمہ داری تھی، وہ تو اللہ نے پوری کر دی، آپ نے مجھے واپس کر دیا۔ پھر اللہ

(٦) فتح الباري: ١٨٨/٦، وعمدة القاري: ٣٦٩/١٤

(٧) شرح ابن بطال: ١٨٨/٥، وعمدة القاري: ٣٦٩/١٤

نے مجھے ان سے نجات دے دی۔ آپ نے فرمایا، یہ لڑائی کو بھڑکانے والا ہے کاش اسے کوئی سمجھانے والا ہوتا! یہ سن کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ سمجھے کہ آپ مجھے واپس کردیں گے۔ اس لئے وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے اور سمندر پر پڑاؤ ڈال دیا، ابوجندل کو معلوم ہوا تو وہ بھی ابوبصیر کے پاس پہنچ گئے۔ چنانچہ قریش مکہ میں سے جو مسلمان ہوتا ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاتا، یہاں تک کہ سمندر کے کنارے ایک جماعت اکھٹی ہوگئی۔ قریش کا جو بھی قافلہ شام کی طرف جاتا، یہ لوگ اسے روک لیتے اور قافلہ کے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے اور ان کے اموال چھین لیتے۔ جب یہ صورت حال پیش آئی تو قریش مکہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس بلالیں اور اب ہم اس شرط کو واپس لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس آئے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا **جو بھی شخص ہم میں سے آپ کے پاس پہنچ گا** اسے واپس کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہوگی، اس پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کو پیغام بھیج دیا کہ واپس آجائیں (۸)۔ لیکن ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس جب آپ کا پیغام پہنچا تو وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کررہے تھے، اس لئے مدینہ نہ آسکے (۹)۔

۱۵۰ - باب : إِذَا حَرَّقَ الْمُشْرِكُ الْمُسْلِمَ هَلْ يُحَرَّقُ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس باب کو "باب لایعذب بعذاب اللّٰہ" کے بعد متصلاً ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا، شاید یہ ناقلین کا تصرف ہے کہ اس باب کو "لایعذب بعذاب اللّٰہ" سے دو ابواب کے بعد ذکر کردیا۔ اس کی تائید نسفی کے نسخے سے بھی ہوتی ہے، جس میں زیر نظر باب، باب لایعذب...... کے متصلاً بعد ہے اور بیچ میں دونوں ابواب ساقط ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ماقبل باب میں تعذیب بالنار کی جو ممانعت وارد ہوئی، وہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب تحریق بالنار علی

---

(۸) صحیح البخاري: ۱/۳۸۰، کتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد مع أهل الحرب

(۹) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبصیر کے نام خط لکھا تھا کہ مدینہ آجائیں، جب مکتوب مبارک پہنچا تو اس وقت وہ اس دنیا سے کوچ کررہے تھے، روح اس حال میں پرواز کرگئی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک ان کے ہاتھ میں تھا۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ نے ان کی تدفین کی اور وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ (فتح الباري: ۵/۳۵۱)

سبیل القصاص نہ ہو، تاہم اگر علی سبیل القصاص تحریق کی نوبت آئے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس باب کو "باب لا یعذب بعذاب اللّٰہ" کے بعد متصلاً ذکر کرنا کوئی امرِ مہم نہیں، لہٰذا موجودہ ترتیب کو ناقلین کے تصرّف کی طرف منسوب کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ حافظ ابن حجر نے علامہ نسفی کے نسخہ کی ترتیب کا بطور تائید حوالہ دیا ہے۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ اس نسخہ کی ترتیب سے حافظ ابن حجر کی رائے کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ ساقط چیز معدوم کے درجہ میں ہوتی ہے اور کسی معدوم شی کو بطور تائید نہیں پیش کیا جا سکتا (۲)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے ہی درست ہے اور علامہ عینی رحمہ اللہ کا رد تکلف اور تعسّف سے خالی نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

٢٨٥٥ : حدّثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مالِكٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَهْطًا مِنْ عُكْلٍ ، ثَمانِيَةً ، قَدِمُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَٱجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ٱبْغِنَا رِسْلاً ، قالَ : (ما أَجِدُ لَكُمْ إِلَّا أَنْ تَلْحَقُوا بِٱلذَّوْدِ) . فَٱنْطَلَقُوا فَشَرِبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا ، حَتَّى صَحُّوا وَسَمِنُوا ، وَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَٱسْتَاقُوا ٱلذَّوْدَ ، وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ ، فَأَتَى الصَّرِيخُ النَّبِيَّ ﷺ ، فَبَعَثَ الطَّلَبَ ، فَما تَرَجَّلَ النَّهارُ حَتَّى أُتِيَ بِهِمْ ، فَقَطَّعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ ، ثُمَّ أَمَرَ بِمَسامِيرَ فَأُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا ، وَطَرَحَهُمْ بِالحَرَّةِ ، يَسْتَسْقُونَ فَمَا يُسْقَوْنَ ، حَتَّى ماتُوا .

قالَ أَبُو قِلَابَةَ : قَتَلُوا وَسَرَقُوا وَحارَبُوا ٱللّٰهَ وَرَسُولَهُ ﷺ وَسَعَوْا فِي الْأَرْضِ فَسَادًا . [ر : ٢٣١]

تراجم رجال

۱۔ معلیٰ

یہ معلیٰ بن اسد رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (۴)۔

---

(١) فتح الباري: ٦/١٨٩

(٢) عمدة القاري: ١٤/٣٧٠

(٢٨٥٥) مرّ تخريجه في كتاب الوضوء، باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها رقم: ٢٣٣

(٤) ان کے حالات کے لئے دیکھئے: كتاب الحيض، باب المرأة تحيض بعد الإفاضة

۲-وہیب

یہ وہیب بن خالد بن عجلان باہلی بصری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب تفاضل أهل الإیمان في الأعمال کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۵)۔

۳-ایوب

یہ ایوب بن أبی تمیمہ کیسان سختیانی بصری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب حلاوة الإیمان کے تحت پہلے گزر چکا ہے(٦)۔

۴-ابوقلابہ

یہ مشہور تابعی عبداللہ بن زید جرمی رحمہ اللہ ہیں، اور اسی کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کا تذکرہ بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۷)۔

۵-انس بن مالک

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب نفسه کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۸)۔

اہلِ عرینہ کا واقعہ

باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت نقل کی ہے، اس میں عرنیین کا مشہور واقعہ مذکور ہے یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف ابواب کے تحت ذکر کی ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ افراد نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا اور وہاں رہنے لگے، مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آنے کی وجہ سے یہ سب بیمار پڑ گئے،

(۵) كشف الباري: ۲/۱۱۸، ۱۱۹

(٦) كشف الباري: ۲/۲٦

(۷) كشف الباري: ۲/۲٦

(۸) كشف الباري: ۲/٤، ٥

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ سے باہر اپنے اونٹوں کے پاس جانے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پی لو، ٹھیک ہو جاؤ گے، چنانچہ دودھ اور پیشاب کے استعمال سے وہ سب صحت یاب ہو گئے تو انہوں نے اونٹوں کے نگہبان اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راعی حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے چند صحابہ کو، ان کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا، جب وہ انہیں گرفتار کر کے لائے تو آپ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری گئی اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر حرہ (پتھریلی زمین) کی ایک جانب ڈال دیا گیا (۹)۔

اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علی سبیل القصاص تحریق بالنار جائز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال پر اشکال

لیکن اس استدلال پر اشکال ہوسکتا ہے کہ حدیث باب میں تو اس بات کی تصریح نہیں کہ عرنیین نے راعیٔ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں میں سلائی پھیری تھی، جس کے نتیجہ میں ان کے ساتھ بھی قصاصاً یہی عمل کیا گیا۔

حافظ ابن حجرؒ کا جواب

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں (۱۰) کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کے دوسرے طُرق کی طرف اشارہ کیا ہے، جن میں اس بات کی تصریح ہے کہ عرنیین نے راعی کی آنکھوں میں سلائی پھیری تھی۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إنما سمل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعين العرنيين لأنهم سملوا أعين الرعاة"(۱۱).

---

(۹) تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباري: ۱/۳۳۷

(۱۰) فتح الباري: ۶/۱۸۹

(۱۱) صحيح مسلم: ۲/۵۸، كتاب القسامة، باب حكم المحاربين والمرتدين

یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں میں سلائی اس لئے پھیری کہ عرنیین نے راعیوں کی آنکھوں میں سلائی پھیری تھی۔

علامہ ابن بطالؒ کا جواب

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر روایت کے دوسرے طریق میں اس بات کی صراحت وارد نہ ہوتی کہ عرنیین نے راعی رسول کی آنکھوں میں سلائی پھیری تھی، تب بھی اس سے تحریق بالنار کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ عرینہ نے راعی رسول کی آنکھوں میں سلائی نہیں پھیری، اس کے باوجود آپ نے اہل عرینہ کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیرنا جائز قرار دیا، اگر واقعتاً اہلِ عرینہ نے اس شقاوت کا مظاہرہ کیا ہوتا تو اس صورت میں بطریق اولیٰ ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیرنا جائز ہوتا (۱۲)۔

قصاصاً تحریق بالنار کا حکم

شوافع اور مالکیہ کے نزدیک قصاص میں مساوات ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قاتل نے جس فعل کے ذریعہ مقتول کو قتل کیا، اگر وہ مشروع ہے اور منہی عنہ نہیں تو قاتل کو بھی قصاصاً اسی فعل کے ذریعہ مارا جائے گا۔ البتہ قاتل کا عمل اگر غیر مشروع ہے تو اس میں مساوات جائز نہیں۔ مثلاً اگر قاتل کے پتھر مارنے سے کسی کی موت واقع ہو تو قاتل کو بھی پتھر مار کر قتل کیا جائے گا۔ اگر قاتل نے کسی کو پانی میں ڈبو دیا تو اسے بھی ڈبو دیا جائے گا، لیکن اگر قاتل کا عمل غیر مشروع ہو یعنی اس نے کسی کو سحر کر کے یا شراب پلا کر یا زنا یا لواطت کے ذریعہ مار ڈالا تو قاتل سے اسی فعل کے ذریعہ قصاص نہیں لیا گا بلکہ اس صورت میں قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا (۱۳)۔

ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے (۱۴)۔

---

(١٢) شرح ابن بطال: ١٧٩/٥، وفتح الباري: ١٨٩/٦

(١٣) المغني لابن قدامة: ٣٩٠/٩، ٣٩١، وفتح القدير: ١٥٦/٩

(١٤) العدة شرح العمدة في مذهب الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، ص: ٥٠١، باب شروط وجوب القصاص واستيفاءه، والمغني لابن قدامة: ٣٩١/٩، رقم الفصل: ٦٦٥٤

ان کا استدلال قرآن مجید کی ان آیات سے ہے: ﴿وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم﴾(۱۵)۔ ﴿من اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم﴾(۱٦)، ﴿جزاء سيئة سيئة مثلها﴾(۱۷) ان آیات میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ظلم اور زیادتی کا بدلہ اسی قدر لینا جائز ہے جس قدر دوسرے فریق نے کی ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص صرف ہتھیار اور اسلحہ سے لینا جائز ہے۔ ان کا استدلال ابن ماجہ کی روایت سے ہے: "لا قود إلا بالسيف"(۱۸)، یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک سیف سے ہر قسم کا اسلحہ مراد ہے، لہٰذا ان کے نزدیک تلوار کے علاوہ بندوق وغیرہ سے بھی قصاص لینا جائز ہے(۱۹)۔

شوافع اور مالکیہ نے جن آیات سے استدلال کیا ہے، یہی آیات احناف کا بھی مستدل ہیں، آیات میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس پر زیادتی اور ظلم ہو تو اس کا بدلہ اسی قدر لیا جائے، اس سے تجاوز حرام ہے۔ چنانچہ اگر قصاص میں مماثلت اور مساوات پر عمل کیا جائے تو اس میں انصاف پر عمل ممکن نہیں رہتا۔ مثلاً بسا اوقات ایک آدمی پتھر کی ایک ضرب سے ہلاک ہو جاتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے ایک آدمی کی موت اس پر کئی پتھر مارنے سے بھی واقع نہیں ہوتی۔ اب اگر قاتل کے پتھر کی ایک ہی ضرب سے کسی کی موت واقع ہو جائے، لیکن قصاص کے دوران خود قاتل کی موت اگر ایک ضرب سے واقع نہ ہو تو اس پر کئی پتھر برسانے پڑیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ ظلم ہے کیونکہ قاتل نے تو صرف ایک ہی پتھر مارا تھا کمیت کے اعتبار سے قصاص قاتل کے فعل سے زیادہ لیا جارہا ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص بالمثل جائز نہیں، بلکہ قصاص صرف اسلحہ اور ہتھیار سے لیا جائے گا(۲۰)۔

---

(۱۵) سورة النحل: ١٢٦

(١٦) سورة البقرة: ١٩٤

(١٧) سورة الشورىٰ: ٤٠

(١٨) سنن ابن ماجه، ص: ١٩١، كتاب الديات، باب لاقود إلا بالسيف (رقم ٢٦٦٧، ٢٦٦٨)

(١٩) المغني لابن قدامة: ٣١٩/١٩، وفتح القدير: ١٥٦/٩، وتكلمة فتح الملهم: ٣٣٩/٢

(٢٠) الشرح الكبير لشمس الدين ابن قدامة: ٤٠٠/١٩، ٤٠١، وتكلمة فتح الملهم: ٣٣٩/٢

یہی مذہب عطاء بن ابی رباح، امام ثوری اور صاحبین کا ہے (۲۱)۔ ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی قول مروی ہے (۲۲)۔

قصاصاً تحریق بالنار امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں، ان کے نزدیک قصاص صرف ہتھیار سے لیا جائے گا۔ تحریق بالنار کو ناجائز قرار دیتے ہوئے امام اعظم نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "لایعذب بالنار إلا رب النار" (۲۳)۔ ان کے نزدیک اس حدیث کے عموم میں قصاصاً تحریق بالنار بھی شامل ہے (۲۴)۔

امام احمد رحمہ اللہ سے دو قول مروی ہیں۔ ایک قول کے مطابق ان کے نزدیک قصاصاً تحریق جائز نہیں، ان کی دلیل بھی امام اعظم رحمہ اللہ کی مستدل روایت ہے (۲۵)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تحریق قصاصاً جائز ہے (۲۶)، یہی مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ہے (۲۷)۔ ان کا استدلال براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "من حرّق حرّقناه ومن غرّق غرّقناه" (۲۸)۔ ان کے نزدیک "لایعذب بالنار إلا رب النار" کے عموم سے تحریق علی سبیل القصاص مستثنیٰ ہے (۲۹)۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے عموم میں تحریق علی سبیل القصاص بھی شامل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ اور حدیث "لا قود إلا بالسيف" کی رو سے قصاص صرف اسلحہ اور ہتھیار سے لیا جائے گا۔

---

(۲۱) الشرح الكبير لشمس الدين ابن قدامة: ۱۹/۴۰۱

(۲۲) الشرح الكبير: ۱۹/۴۰۱، والعدة شرح العمدة في مذهب الإمام أحمد بن حنبل: ۵۰۱، باب شروط وجوب القصاص واستيفاءه

(۲۳) سنن أبي داود: ۲/۸، كتاب الجهاد، باب كراهية حرق العدوّ بالنار

(۲۴) المغني لابن قدامة: ۱۹/۳۹۲، رقم الفصل: ۶۶۵۵

(۲۵) المغني لابن قدامة: ۱۹/۳۹۲، رقم الفصل: ۶۶۵۵، والعدة شرح العمدة في مذهب الإمام أحمد بن حنبل: ۵۰۱

(۲۶) العدة شرح العمدة: ۵۰۱، والمغني لابن قدامة: ۱۹/۳۹۲

(۲۷) المغني لابن قدامة: ۱۹/۳۹۲، والشرح الكبير: ۱۹/۴۰۲

(۲۸) المغني لابن قدامة: ۱۹/۳۹۲، والعدة شرح العمدة، ص: ۵۰۱

(۲۹) المغني لابن قدامة: ۱۹/۳۹۲

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حدیث باب میں یہ صراحت نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں کو اس لئے داغا تھا کہ یہی عمل عرنیین نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راعیوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس لئے بظاہر ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کی مطابقت نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت باب کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کیا، جس میں تصریح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں کو اس لئے داغا تھا کہ عرنیین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راعیوں کی آنکھوں کو داغا تھا (۳۰)۔

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "إنما سمل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعين العرنيين لأنهم سملوا أعين الرعاة" (۳۱)۔

باب

ترجمۃ الباب کا مقصد اور باب سابق سے مناسبت

حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب بلا ترجمہ قائم کیا ہے، اور یہ باب سابق ہی کا تتمہ ہے (۱)۔

باب سابق میں تحریق کا ذکر تھا، اس باب میں یہ بتانا مقصود ہے تحریق میں تجاوز جائز نہیں۔ یعنی جو مستحق تحریق نہ ہو، اس کی تحریق حد سے تجاوز اور گناہ ہے (۲)۔

۲۸۵٦ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ :

---

(۳۰) فتح الباري: ٦/١٨٩

(٣١) صحيح مسلم: ٢/٥٨، كتاب القسامة، باب حكم المحاربين والمرتدين

(١) فتح الباري: ٦/١٩٠، وعمدة القاري: ١٤/٣٧١، وإرشاد الساري: ٦/٤٩٣

(٢) فتح الباري: ٦/١٩٠

(٢٨٥٦) رواه البخاري أيضاً(١/٤٢٧) في بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب أحدكم فليغمسه فإن في أحد=

(قَرَصَتْ نَمْلَةٌ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ، فَأَمَرَ بِقَرْيَةِ النَّمْلِ فَأُحْرِقَتْ ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ : أَنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ أَحْرَقْتَ أُمَّةً مِنَ الْأُمَمِ تُسَبِّحُ) . [۳۱٤۱]

تراجم رجال

۱-یحیٰ بن بکیر

یہ ابوزکریا یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر القرشی ہیں۔ان کا تذکرہ بدء الوحي کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

۲-لیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی ہیں۔ان کے حالات بدء الوحي کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

۳-یونس

یہ یونس بن یزید ہیں۔ان کا تذکرہ بھی بدء الوحي کے تحت گزر چکا ہے(۶)۔

۴-ابن شہاب

مشہور محدث عبداللہ بن شہاب زہری ہیں۔ان کے حالات بھی بدء الوحي کے تحت گزر چکے ہیں(۷)۔

۵-سعید بن المسیب

یہ امام التابعین سعید بن المسیب بن حزن بن اَبی وھب قرشی ہیں۔ان کا تفصیلی تذکرہ کتاب

= جنا حيه داء وفي الآخر شفاء، وخمس من الدواب فواسق يقتلن في الحرم (رقم ۳۳۱۹)، وعند مسلم في صحيحه(۲/۲۳٦) في قتل الحيات وغيرها، باب النهي عن قتل النمل (رقم ۵۸٤۹)، وعند أبي داود في سننه (۲/۳٦۲) في الأدب، باب في قتل الذر (رقم ۵۲٦۵)، وعند النسائي في سننه(۲/۱۹۸) في الصيد، باب قتل النمل (رقم ٤۳٦۳، ٤۳٦٤)، وعند ابن ماجه في سننه(ص: ۲۳۲) في الصيد، باب ماينهى عن قتله (رقم ۳۲۲۵)

(٤) كشف الباري: ۱/۲۳۲

(٥) كشف الباري: ۱/۳۲٤

(٦) كشف الباري: ۱/٤٦۳

(٧) كشف الباري: ۱/۳۲٦

الإيمان، باب من قال ان الإيمان هو العمل کے تحت گزر چکا ہے(۸)۔

٦-ابوسلمہ

یہ ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب صوم رمضان احتساباً من الإيمان کے تحت گزر چکا ہے(۹)۔

۷-ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ان کے تفصیلی حالات کتاب الإيمان، باب امور الایمان کے تحت گزر چکے ہیں(۱۰)۔

قَرَصَتْ نملةٌ نبياً من الأنبياء، فأمر بقرية النمل فأحرقت، فأوحى الله إليه: أن قَرَصَتْك نملةٌ أحرقتَ أُمَّةً من الأمم تسبّح

روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹا، انہوں نے چیونٹیوں کا بل جلا دینے کا حکم دیا جو جلا دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا لیکن تم نے ایک خلقت جلادی، جو اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

نبیّا: شُراح نے اس میں دو اقوال نقل کئے ہیں کہ اس سے کون سے نبی مراد ہیں؟

❶ علامہ کرمانی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں(۱۱)۔نوادر میں حکیم ترمذی نے بھی یہی قول نقل کیا ہے(۱۲)۔

❷ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے عُزیر علیہ السلام مراد ہیں(۱۳)۔

---

(۸) كشف الباري: ۲/۱۵۹، ۱٦۰، ۱٦۱

(۹) كشف الباري: ۲/۳۲۳

(۱۰) كشف الباري: ۱/٦۵۹-٦٦۳

(۱۱) شرح الكرماني: ۱۳/۲۸، وعمدة القاري: ۱٤/۳۷۱، ۳۷۲

(۱۲) إرشاد الساري: ٦/٤۹۳

(۱۳) إرشاد الساري: ٦/٤۹۳

چند اِشکالات اور ان کے جواب

علامہ کرمانی نے اشکال کیا ہے کہ چیونٹی تو غیر مکلّف ہے، لہٰذا قصاصاً اس کا جلانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟
علامہ کرمانی نے اس کا جواب دیا کہ شاید اس نبی کی شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا (١٤)۔
دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ سانپ اور اژدھے پر قیاس کرتے ہوئے طبعاً ہر موذی حیوان کا قتل جائز ہے (١٥)۔

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جب ان کی شریعت میں یہ عمل جائز تھا تو پھر اللہ کی طرف سے عتاب کیوں نازل ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ فعل جائز تو تھا لیکن اولیٰ نہیں تھا اور یہ عتاب ترک اولیٰ پر نازل ہوا (١٦)۔
اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ نے اشکال کیا کہ یہ جواب محلِ نظر ہے کہ یہ فعل اس وقت کی شریعت میں جائز تھا۔ اس لئے کہ یہ جواب محض ظن اور تخمین کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔ درست جواب یہ ہے کہ مذکورہ نبی نے جس وقت تحریق کی، اس وقت اس کے ناجائز ہونے کا ان کو علم نہیں تھا (١٧)۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اس کا نفیس جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"وقد روي لهذه القصة سبباً وهو أن هذا النبي مرّ على قرية أهلكها الله بذنوب أهلها فوقف متعجبا فقال: يارب كان فيهم صبيان، ودواب ومن لم يقترف ذنبا، ثم نزل تحت شجرة فجرت له هذه القصة، فنبهه الله على أن الجنس المؤذي يقتل وإن لم يؤذ، وتقتل أولاده وإن لم تبلغ الأذى. والحاصل أنه لم يعاتبه إنكارا لما فعل بل جوابا له وإيضاحا لحكمة شمولِ الإهلاك لجميع أهل تلك القرية، فضرب له المثل بذلك أي إذا اختلط من يستحق

---

(١٤) شرح الكرماني: ١٣/٢٨

(١٥) شرح الكرماني: ١٣/٢٨

(١٦) شرح الكرماني: ١٣/٢٨

(١٧) عمدة القاري: ١٤/٣٧٢

الإهلاك بغيره وتعين إهلاك الجميع طريقاً إلى إهلاك المستحق جاز إهلاك الجميع"(۱۸).

یعنی اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ مذکورہ نبی ایک ایسی بستی سے گزرے جس میں رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کردیا تھا۔ وہ یہاں تعجب سے کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگے کہ اس بستی میں بچے، چوپائے اور ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ارتکاب گناہ نہیں کیا، پھر وہ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے، حدیث باب میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ یہیں پیش آیا کہ انہوں نے ایک چیونٹی کے کاٹنے پر قصاصاً چیونٹیوں کے بل کو نذر آتش کرکے، سب کو ہلاک کردیا۔ یہ ایک تکوینی واقعہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعے انہیں متنبہ کیا کہ جو جنس بالطبع مؤذی ہو، اگرچہ وہ (بالفعل) ایذا نہ دے اس کا قتل جائز ہے اور اس کے بچوں کا قتل بھی جائز ہے، اگرچہ ان میں ایذا رسانی کی صلاحیت پیدا نہ ہوئی ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نبی کے فعل پر اس وجہ سے عتاب نہیں ہوا کہ تمہیں ایسا نہ کرنا چاہیے تھا بلکہ اس عتاب سے ان کے سوال کا جواب دیا گیا اور جس ہلاکت نے بستی والوں کا احاطہ کیا، اس کی حکمت واضح کرنا مقصود تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بطورِ تمثیل پیش کیا کہ جب مستحقِ ہلاکت اور غیر مستحق ہلاکت باہم ایک ساتھ ہوں اور یہ طے ہوجائے کہ مستحق ہلاکت کو برباد کرنے کے لئے سب کو ہلاک کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تو ایسی صورت میں سب کو ہلاک کرنا جائز ہوجاتا ہے۔

۱۵۱ - باب : حَرْقِ الدُّورِ وَالنَّخِيلِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت گھروں اور کھجوروں کے درخت جلادینا جائز ہے(۱)۔

حرق: حاء کے زبر اور راء کے سکون کے ساتھ، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کے سب نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ضبط کیا گیا ہے، لیکن یہ ضبط محلِ نظر ہے کیونکہ اس مادہ کا مصدر ''حرق'' نہیں آتا چونکہ

---

(۱۸) إرشاد الساري: ٦/٤٩٤

(۱) عمدة القاري: ١٤/٤٧٢

یہ رباعی ہے اس لئے اس کا مصدر تحریق یا اِحراق آئے گا۔ ممکن ہے یہ لفظ اصل میں راء کی تشدید کے ساتھ ماضی کا صیغہ تھا اور اس صورت میں حدیث باب کے مطابق بھی بنتا ہے۔ اس صورت میں "حرّق" کا فاعل محذوف ہوگا، "دور" اور "نخیل" مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے اور تقدیر عبارت ہوگی: حرّق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بفعله أو بإذنه(۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مذکورہ ضبط کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا محلِ نظر کہنا بجائے خود محلِ نظر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ تصریح نہیں کی یہ لفظ اس طرح نُسّاخ نے ضبط کیا ہے یا مشائخ فن نے؟ اگر نساخ نے ضبط کیا ہے تو ان کے ضبط کا کوئی اعتبار نہیں، اگر مشائخ فن نے ضبط کیا ہے تو پھر یہ ضبط درست ہے کہ حرق اس صورت میں "اِحراق" سے اسمِ مصدر ہوگا نہ کہ مصدر (۳)۔ دوسری بات یہ ہے کہ حافظ صاحب نے تحریق کو رباعی کہا ہے حالانکہ فن صرف کی اصطلاح میں رباعی کا اطلاق ایسے لفظ پر ہوتا ہے جس کے چار حروف اصلی ہوں۔ صحیح بات یہ ہے کہ تحریق ثلاثی مزید فیہ ہے (۴)۔

۲۸۵۷ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيىٰ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ قالَ : حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حازِمٍ قالَ : قالَ لِي جَرِيرٌ : قالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ) . وَكانَ بَيْتًا فِي خَثْعَمَ يُسَمَّى كَعْبَةَ الْيَمانِيَةِ ، قالَ : فَانْطَلَقْتُ فِي خَمْسِينَ وَمِائَةِ فارِسٍ مِنْ أَحْمَسَ ، وَكانُوا أَصْحابَ خَيْلٍ ، قالَ : وَكُنْتُ لَا أَثْبُتُ عَلَى الخَيْلِ ، فَضَرَبَ فِي صَدْرِي حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ

---

(۲) فتح الباري: ۶/۱۹۰

(۳) عمدة القاري: ۱۴/۴۷۲

(٤) عمدة القاري: ۱۴/۴۷۲

(۲۸۵۷) أخرجه البخاري أيضا(۱/۲۷٦) في الجهاد باب من لايثبت على الخيل (رقم ۳۰۳٦)، و(۱/٤۳۲) باب البشارة في الفتوح (رقم ۳۰۷٦) و(۱/۵۳۹) في مناقب الأنصار، باب ذكر جرير بن عبدالله البجلي رضي الله عنه (رقم ۳۸۲۳) و(۲/٦٦٤) في المغازي باب غزوة ذي الخلصة (رقم ٤۳۵۵-٤۳۵٦-٤۳۵۷)، و(۲/۸۹۸) في الأدب، باب التبسم والضحك (رقم ٦۰۸۹)، وفي الدعوات، باب قول الله تبارك وتعالىٰ ﴿وصل عليهم﴾ ومن خص بالدعاء دون نفسه (رقم ٦۳۳۳)، وعند مسلم في صحيحه (۲/۲۹۷) في فضائل الصحابة، باب من فضائل جرير بن عبدالله رضي الله عنه (رقم ٦۳٦۳)، وعند أبي داود(۲/۲٦) في الجهاد، باب في بعثة البشراء (رقم ۲۷۷۲)

أَصَابِعِهِ فِي صَدْرِي وَقَالَ : (اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ ، وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا) . فَانْطَلَقَ إِلَيْهَا فَكَسَرَهَا وَحَرَّقَهَا ، ثُمَّ بَعَثَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يُخْبِرُهُ ، فَقَالَ رَسُولُ جَرِيرٍ : وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ ، ما جِئْتُكَ حَتَّى تَرَكْتُهَا كَأَنَّهَا جَمَلٌ أَجْوَفُ ، أَوْ أَجْرَبُ . قالَ : فَبَارَكَ فِي خَيْلِ أَحْمَسَ وَرِجَالِهَا خَمْسَ مَرَّاتٍ . [٢٨٧١ ، ٢٩١١ ، ٣٦١١ ، ٤٠٩٧-٤٠٩٩ ، ٥٧٣٩ ، ٥٩٧٤]

تراجم رجال

۱-مسدد

یہ مسدد بن مسرھد بن مسربل اسدی ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه کے تحت گزر چکے ہیں(٦)۔

۲-یحییٰ

یہ یحییٰ بن سعید فروخ القطان تمیمی ہیں۔ ان کے حالات بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکے ہیں(۷)۔

۳-اسماعیل

یہ اسماعیل بن اَبی خالد احمسی بجلی ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده کے تحت گزر چکے ہیں(۸)۔

۴-قیس بن ابی حازم

یہ مشہور تابعی قیس بن ابی حازم احمسی بجلی ہیں۔ان کے حالات کتاب الایمان، باب قول النبي صلی الله تعالی علیه وسلم الدین النصیحة لله ولرسوله ولأئمة المسلمین وعامتهم کے تحت گزر

(٦) کشف الباري: ٢/٢

(٧) کشف الباري: ٢/٢

(٨) کشف الباري: ٦٧٩/١

چکے ہیں (۹)۔

۵- جریر

یہ حضرت جریر بن عبداللہ احمسی بجلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکے ہیں (۱۰)۔

یہ روایت آگے کتاب الجہاد ہی میں باب البشارۃ فی الفتوح کے تحت اور کتاب المغازی میں تفصیل کے ساتھ آرہی ہے (۱۱)۔اس روایت میں ذوالخلصۃ کا ذکر ہے۔جو قبیلہ دوس اور خثعم کا بت تھا اور اس کو کعبۂ یمانیہ کہتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کرنے کے لئے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، جنہوں نے اس کو مسمار کردیا اور جلا ڈالا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

روایت میں ہے:"فانطلق إليها فكسرها وحرقها" ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

۲۸۵۸ : حدثنا محَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : حَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ . [ر : ۲۲۰۱]

تراجم رجال

۱-محمد بن کثیر

یہ محمد کثیر عبدی بصری ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم إذا رأى مايكره کے تحت گزر چکے ہیں (۱۳)۔

---

(۹) كشف الباري: ۲/۷٦۱

(۱۰) كشف الباري ۲/۷٦٤

(۱۱) كشف الباري، كتاب المغازي، باب غزوة ذي الخلصة، ص: ۵۷٤-۵۷۷

(۲۸۵۸) مر تخريجه في كتاب الحرث والمزارعة، باب قطع الشجرة والنخل (۲۳۲٦)

(۱۳) كشف الباري: ۳/۵۳٦

٢-سفیان

یہ ابو محمد سفیان بن عیینہ الکوفی ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، باب قول المحدث حدثنا...... کے تحت گزر چکے ہیں (١٤)۔

٣-موسیٰ بن عقبہ

یہ موسیٰ بن عقبہ اسدی مدنی ہیں۔ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں (١٥)۔

٤-ابن عمر رضی اللہ عنہما

ان کے حالات كتاب الإيمان، باب قول النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بُني الإسلام علی خمس کے تحت گزر چکے ہیں (١٦)۔

حرّق النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم نخلَ بني النضير

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنونضیر کے کھجور کے درخت جلادیئے۔

دشمن کے مکانات اور درختوں کی تحریق کا مسئلہ

علامہ خرقی نے فرمایا کہ دشمن کے درختوں اور کھیتوں کی تحریق جائز نہیں، تاہم اگر دشمن مسلمانوں کی زمین میں ان کی تحریق کرتے ہوں تو بطور تنبیہ ان کی زمین میں ایسا کرنا جائز ہے، تاکہ آئندہ دشمن تحریق سے باز رہے (١٧)۔

موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کھیتوں اور درختوں کی مختلف قسمیں ذکر کر کے ہر قسم کا حکم بیان کیا

---

(١٤) كشف الباري: ٣/١٠٢

(١٥) ان کے حالات کے لئے دیکھئے: كتاب العلم، باب العلم والفتيا في المسجد

(١٦) كشف الباري: ١/٦٣٧

(١٧) المغني لابن قدامة: ١٠/٥٠١ (٧٥٨٤)، وأوجز المسالك: ٩/٨، كتاب الجهاد، دار القلم

ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ درخت اور کھیت کی تین قسمیں ہیں:

❶ دشمن کے قلعوں کے اردگرد وہ درخت اور کھیت جو اُن کے قتل میں رکاوٹ بنتے ہوں یا دشمن درختوں کی اوٹ میں مسلمانوں سے چھپ جاتے ہوں یا راستوں کو کشادہ کرنے کے لئے درختوں کو کاٹنے کی ضرورت ہو، یا دشمن مسلمانوں کے درختوں اور کھیتوں کو تباہ کردیا کرتے ہوں تو ان تمام صورتوں میں بلا اختلافِ فقہاء، دشمن کے درختوں اور کھیتوں کو تلف کرنا جائز ہے۔

❷ اگر درخت اور کھیت کی بقاء میں مسلمانوں کا فائدہ اور تلف کرنے میں نقصان ہو، فائدہ کا مطلب یہ ہے کہ دشمن پر غلبہ پانے کے بعد مسلمان ان کے درختوں کی چھاؤں سے لطف اندوز ہوں گے اور ان کے مویشیوں کو چارہ فراہم ہوگا تو اس صورت میں درختوں اور کھیتوں کو تلف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اہل اسلام اور دشمنوں کے درمیان دورانِ جنگ ان چیزوں کو نقصان پہنچانے کا رواج نہ ہو تو اس صورت میں بھی درخت اور کھیت کو نقصان پہنچانا جائز نہیں، ظاہر ہے ردعمل کے طور پر دشمن بھی مسلمانوں کے علاقے پر حملہ آور ہونے کے بعد ان کے درخت اور کھیت کو نقصان پہنچائیں گے۔

❸ تیسری اور آخری صورت یہ ہے کہ درخت اور کھیت کو تلف کرنے میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہو، نہ ہی نقصان، مقصد محض دشمن کو دھوکہ دینا اور نقصان سے دوچار کرنا ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے(۱۸)۔

جمہور فقہاء کا مسلک اور ان کا استدلال

جمہور فقہاء امام شافعی، امام مالک، امام احمد، اسحاق، ثوری اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دشمن کے درختوں، کھیتوں اور مکانات کی تحریق جائز ہے(۱۹)۔

ان کا استدلال احادیث باب سے ہے، پہلی روایت میں ہے کہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ذوالخلصۃ کو مسمار کرکے جلاڈالا۔ دوسری روایت میں تصریح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنونضیر کے کھجور کے درخت جلادیئے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے جمہور کہتے

---

(۱۸) المغني لابن قدامة: ۱۰/۵۰۱، ۵۰۲، (۷۵۸٤)، وأوجز المسالك: ۹/۸۰، ۸۱

(۱۹) الأم للامام الشافعي: ۷/۳۵٦، والمغني: ۱۰/۵۰۲، وشرح ابن بطال: ۵/۱۸۱

ہیں کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دشمن کی قوت وشوکت ختم کرنے اور ان پر غلبہ پانے کے لئے مسلمانوں کو ان کے درخت کاٹنا، پانی کا کھارا بنا دینا، چاروں اطراف سے ان کو محصور کرنا اور ہر ایسی تدبیر اختیار کرنے کی اجازت ہے، جس سے ان کی کمر ٹوٹ جائے (۲۰)۔

امام اوزاعی، لیث بن سعد اور ابوثور کا مسلک اور ان کا استدلال

امام اوزاعی، لیث بن سعد اور ابوثور رحمہم اللہ کے نزدیک دشمن کے درختوں اور مکانات کی تحریق وتخریب مکروہ ہے (۲۱)۔ ان کا استدلال مؤطا امام مالک میں یحییٰ بن سعید کی روایت سے ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف جو مختلف لشکر روانہ کئے، ان میں سے یزید بن أبی سفیان کو ایک لشکر کا امیر بنا کر آپؓ نے یہ وصیت کی "ولا تقطعن شجرا مثمرا ولا تخربن عامرا" (۲۲) یعنی ثمر بار درخت کو قطعاً نہ کاٹنا اور آبادی کو کبھی ویران نہ کرنا۔

امام اوزاعی وغیرہ کے استدلال کے جوابات

❶ علامہ طبری رحمہ اللہ نے اس استدلال کا یہ جواب دیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اَصالتاً اور قصداً تحریق سے منع کیا تھا۔ اگر دورانِ جنگ دشمن کو مغلوب اور زیر کرنے کے لئے اتفاقاً تحریق ناگزیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں (۲۳)۔

❷ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ بلادِ شام پر مسلمانوں کو فتح ہوگی اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر،

---

(۲۰) عمده القاري: ۱۴/ ۳۷۵

(۲۱) المغني لابن قدامة: ۱۰/ ۵۰۲، وشرح ابن بطال: ۵/۱۸۱، وفتح الباري: ۶/۱۹۱، وعمدة القاري: ۱۴/۳۷۵

(۲۲) موطأ الإمام مالك رحمه الله، ص: ۴۶۵، ۴۶۶، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو، نیز دیکھئے المغني لابن قدامة ۱۰/ ۵۰۲، وفتح الباري: ۶/۱۹۱، وعمدة القاري: ۱۴/۳۷۴

(۲۳) شرح ابن بطال ۵/ ۱۸۰، وفتح الباري ۶/ ۱۹۱، وعمدة القاري: ۱۴/ ۳۷۴، ۳۷۵

یزید بن ابی سفیان کوتحریق اور قطعِ اشجار سے منع کیا تھا (۲۴)۔ مطلب یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس پیش گوئی پر یقین تھا کہ شام پر لشکر اسلام غلبہ پائے گا اور وہاں کے درخت اور کھیت وغیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں گے۔ لہٰذا اگر درختوں کو جلایا اور کاٹا گیا تو مستقبل میں مسلمانوں ہی کا نقصان ہوگا، اس لئے انہوں نے تخریب اور تحریق سے منع فرمایا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث باب میں بنونضیر کے باغات کی تحریق کا ذکر ہے۔ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مطابقت واضح ہے۔

۱۵۲ - باب : قَتْلِ النَّائِمِ الْمُشْرِكِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ سوئے ہوئے مشرک کا قتل جائز ہے۔

۲۸۵۹/۲۸٦٠ : حدَّثنا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ رَهْطًا مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى أَبِي رَافِعٍ لِيَقْتُلُوهُ ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَدَخَلَ حِصْنَهُمْ ، قَالَ : فَدَخَلْتُ فِي مَرْبِطِ دَوَابَّ لَهُمْ ، قَالَ : وَأَغْلَقُوا بَابَ الْحِصْنِ ، ثُمَّ إِنَّهُمْ فَقَدُوا حِمَارًا لَهُمْ ، فَخَرَجُوا يَطْلُبُونَهُ ، فَخَرَجْتُ فِيمَنْ خَرَجَ ، أُرِيهِمْ أَنَّنِي أَطْلُبُهُ مَعَهُمْ ، فَوَجَدُوا الْحِمَارَ فَدَخَلُوا وَدَخَلْتُ ، وَأَغْلَقُوا بَابَ الْحِصْنِ لَيْلاً ، فَوَضَعُوا الْمَفَاتِيحَ فِي كُوَّةٍ حَيْثُ أَرَاهَا ، فَلَمَّا نَامُوا أَخَذْتُ الْمَفَاتِيحَ ، فَفَتَحْتُ بَابَ الْحِصْنِ ، ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ : يَا أَبَا رَافِعٍ ، فَأَجَابَنِي ، فَتَعَمَّدْتُ الصَّوْتَ فَضَرَبْتُهُ فَصَاحَ ، فَخَرَجْتُ ثُمَّ جِئْتُ ، ثُمَّ رَجَعْتُ كَأَنِّي مُغِيثٌ ، فَقُلْتُ : يَا أَبَا رَافِعٍ ،

---

(۲٤) الأم للإمام الشافعي رحمه الله: ۷/۳۵۷

(۲۸۵۹/۲۸٦٠) أخرجه البخاري أيضا في الجهاد متصلا بعد هذا الحديث (رقم ۳۰۲۳)، وفي المغازي، باب قتل أبي رافع عبدالله بن أبي حقيق، (رقم ۴۰۳۸-۴۰۴۰)، وقد تفرّد به البخاري رحمه الله.

وَغَيَّرْتُ صَوْتِي ، فَقَالَ : ما لَكَ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ ، قُلْتُ : ما شَأْنُكَ ؟ قالَ : لَا أَدْرِي مَنْ دَخَلَ عَلَيَّ فَضَرَبَنِي ، قالَ : فَوَضَعْتُ سَيْفِي فِي بَطْنِهِ ، ثُمَّ تَحَامَلْتُ عَلَيْهِ حَتَّى قَرَعَ الْعَظْمَ ، ثُمَّ خَرَجْتُ وَأَنَا دَهِشٌ ، فَأَتَيْتُ سُلَّمًا لَهُمْ لِأَنْزِلَ مِنْهُ فَوَقَعْتُ ، فَوُثِئَتْ رِجْلِي ، فَخَرَجْتُ إِلَى أَصْحَابِي فَقُلْتُ : ما أَنَا بِبَارِحٍ حَتَّى أَسْمَعَ النَّاعِيَةَ ، فَمَا بَرِحْتُ حَتَّى سَمِعْتُ نَعَايَا أَبِي رَافِعٍ تَاجِرِ أَهْلِ الْحِجَازِ ، قالَ : فَقُمْتُ وَما بِي قَلَبَةٌ ، حَتَّى أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْنَاهُ.

تراجم رجال

۱-علی بن مسلم

یہ یحییٰ بن مسلم بن سعید ابوالحسن الطّوسی رحمہ اللہ ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۲)۔

۲-یحییٰ بن زکریا

یہ ابوزائدہ یحییٰ بن زکریا کوفی ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۳)۔

۳-أبی

اس سے یحییٰ کے والد زکریا بن ابی زائدہ مراد ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۴)۔

۴-ابواسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ بن عبید سَبیعی ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، باب الصلوة من الإيمان کے تحت گزر چکا ہے(۵)۔

---

(۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے: كتاب الحج، باب ذات عرق لأهل العراق

(۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے: كتاب الوصايا، باب قول الله عزوجل: ﴿يا أيها الذين آمنوا شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت﴾.

(٤) كشف الباري: ٦٧٣/٢

(٥) كشف الباري: ٣٧٠/٢

۵-براء بن عازب رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت براء بن عازب بن الحارث حارثی دوسی ہیں۔ان کا تذکرہ بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکا ہے(٦)۔

کتاب المغازی میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ آرہی ہے،اس میں ابورافع عبداللہ بن ابی حقیق کے قتل کا بیان ہے۔عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ابورافع کے گھر میں گھس کر،رات کے اندھیرے میں اسے بستر پر سوتے ہوئے قتل کردیا تھا۔قتل کا یہ منصوبہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے بنایا تھا۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی واقعہ سے حالتِ نوم میں قتلِ مشرک کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

(٢٨٦٠) : حدّثني عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ آدَمَ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عازِبٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : بَعَثَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ رَهْطًا مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى أَبِي رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَتِيكٍ بَيْتَهُ لَيلاً ، فَقَتَلَهُ وَهُوَ نَائِمٌ . [٣٨١٢ - ٣٨١٤]

تراجم رجال

۱-عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان جعفی بخاری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإيمان، باب أمور الإيمان کے تحت پہلے گزر چکا ہے(٨)۔

۲-یحییٰ بن آدم

یہ یحییٰ بن آدم بن سلیمان الاموی ہیں۔ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(٩)۔

---

(٦) كشف الباري: ٢/٣٧٥

(٢٨٦٠) مرّ تخريجه في الحديث السابق

(٨) كشف الباري: ١/٦٥٧

(٩) ان کے تذکرہ کے لئے دیکھئے: كتاب الغسل، باب الغسل بالصائغ ونحوه

بقیہ رجالِ سند کا تذکرہ باب کی پہلی روایت کے تحت آ گیا ہے۔

بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم رهطا من الأنصار إلى أبي رافع فدخل علیه عبداللّٰہ بن عتیك بیته لیلا فقتله وهو نائم

روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند انصاری صحابہ کو ابورافع کے پاس بھیجا، چنانچہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ رات کو اس کے گھر میں گھس گئے اور سوتے ہوئے اس کو قتل کر دیا۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ عبداللہ بن عتیک نے ابورافع کو سوتے میں قتل کیا۔

بیتہ: باء کے فتحہ اور یا کے سکون کے ساتھ، اس کے معنی ہیں گھر، منزل۔ مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ رات کو ابورافع کے گھر میں گھسے۔ حموی اور مستملی کی روایت میں یہ یا کی تشدید کے ساتھ "بیَّتَہٗ" ہے۔ اس صورت میں یہ لفظ "تبییت" سے ہوگا، تبییت کے معنی رات کے وقت دشمن پر حملہ کرنے کے ہیں (۱۰)۔ مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن عتیک نے رات کے وقت ابورافع کو قتل کیا۔

باب کی دونوں روایات میں ابورافع کے قتل کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی روایت طویل اور دوسری مختصر ذکر کی ہے، پہلی روایت علی بن مسلم کے طریق سے ذکر کی اور دوسری عبداللہ بن محمد کے طریق سے۔ دونوں میں فرق ہے کہ پہلی روایت میں امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے شیخ یحییٰ بن زکریا کے درمیان علی بن مسلم کا صرف ایک واسطہ ہے، اور دوسری میں عبداللہ بن محمد اور یحییٰ بن آدم کے دو واسطے ہیں۔

حدیث سے مستنبط فوائد

شراح حدیث نے اس روایت سے مختلف فوائد مستنبط کیے ہیں:

❶ مشرکین کی جاسوسی کرنا اور ان کی غفلت سے فائدہ اٹھانا اور اذیت دینے والوں پر بے خبری میں حملہ کرنا جائز ہے (۱۱)۔

❷ ابورافع رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عداوت رکھتا تھا اور دوسروں کو بھی اس پر اُبھارتا تھا، اسی

(۱۰) إرشاد الساري: ٦/٤٩٨، وعمدة القاري: ١٤/٣٧٩

(۱۱) شرح ابن بطال: ٥/١٨٣، وفتح الباري: ٦/١٩٢، وعمدة القاري: ١٤/٣٧٨

بناء پراس کوقتل کر دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایسے مشرک کو اسلام کی دعوت پہلے سے پہنچ چکی ہو تو اسے دوبارہ دعوت دینے سے قبل قتل کر دینا جائز ہے۔تاہم سوتے میں مشرک کا قتل اس وقت جائز ہے کہ جب وحی یا قرائن وآثار سے یہ معلوم ہو کہ وہ اپنے کفر پر سختی سے جما اور اڑا ہوا ہے اور اس کے مسلمان ہونے کی امید ہی باقی نہیں رہی ہے(۱۲)۔

۳ تیسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ جنگ میں شدّت اختیار کرنا، دشمن کے انبوہِ کثیر سے تعارض کرنا اور فی سبیل اللہ اپنی جان کو ہلاکت کے منہ میں ڈالنا جائز ہے(۱۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهي ظاهرة فيما ترْجَم له؛ لأن الصحابيَّ طلب قتل أبي رافع وهو نائم، وإنما ناداه ليتحقّق أنه هو؛ لئلا يقتل غيره ممن لاغرض له إذ ذاك في قتله وبعد أن أجابه كان في حكم النائم؛ لأنه حينئذ استمرّ على خيال نومه، بدليل أنه بعد أن ضربه لم يفرّ من مكانه، ولا تحوّل من مضجعه حتى عاد إليه فقتله"(١٤).

یعنی ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ظاہر ہے، اس لئے کہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ابورافع کو سوتے میں قتل کرنا چاہتے تھے۔ابورافع کو انہوں نے آواز اس لئے دی تھی تاکہ یقین ہو جائے کہ یہ ابورافع ہی ہے، اس کی جگہ کوئی اور شخص قتل نہ ہو جائے جس کے قتل سے اس وقت ان کو کوئی غرض نہیں تھی۔عبداللہ بن عتیک کی آواز کا جواب دینے کے بعد ابورافع نائم کے حکم میں تھا۔اس وقت وہ دوبارہ پکی نیند میں چلا گیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عتیک کی تلوار کی پہلی ضرب کھانے کے بعد ابورافع نہ تو اپنی جگہ سے بھاگا اور نہ ہی اپنے بستر سے ادھر ادھر ہلا، یہاں تک کہ ابن عتیک نے دوبارہ آکر اس کو قتل کر دیا۔

---

(١٢) فتح الباري: ١٩٢/٦

(١٣) شرح ابن بطال: ١٨٣/٥

(١٤) فتح الباري: ١٩٢/٦

١٥٣ – باب : لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ .

ترجمة الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دشمن سے مقابلہ کی خواہش اور تمنا کرنا جائز نہیں(۱)۔

٢٨٦٢/٢٨٦١ : حدّثنا يُوسُفُ بْنُ مُوسٰى : حَدَّثَنَا عاصِمُ بْنُ يُوسُفَ الْيَرْبُوعِيُّ : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ الْفَزَارِيُّ ، عَنْ مُوسٰى بْنِ عُقْبَةَ قالَ : حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ ، مولى عمر بن عُبَيْدِ ٱللهِ كنتُ كَاتِبًا لَهُ ، قالَ : كَتَبَ إِلیهِ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى ، حِينَ خَرَجَ إِلَى الحَرُورِيَّةِ ، فَقَرَأْتُهُ فَإِذَا فِيهِ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ في بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِي لَقِيَ فِيهَا الْعَدُوَّ ، انْتَظَرَ حَتَّى مالَتِ الشَّمْسُ ، ثُمَّ قامَ في النَّاسِ فَقَالَ : (أَيُّهَا النَّاسُ ، لا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ ، وَسَلُوا ٱللهَ الْعَافِيَةَ ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَٱصْبِرُوا ، وَاعْلَمُوا أَنَّ الجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ . ثُمَّ قالَ : اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ ، وَهازِمَ الْأَحْزَابِ ، اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ) .

تراجم رجال

۱-یوسف بن موسیٰ

یہ ابو یعقوب بن موسیٰ بن عیسیٰ المروزی ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۳)۔

۲-عاصم بن یوسف الیربوعی

یہ ابوعمرو عاصم بن یوسف الیربوعی ہیں(۴)، انہوں نے درج ذیل محدثین سے روایت حدیث کی ہے۔

---

(١) عمدة القاري: ٢٧٩/١٤

(٢٨٦١) قد مر تخريجه في الجهاد، باب الجنة تحت بارقة السيوف (رقم ٢٨١٨)

(٣) دیکھئے: كتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسلٌ من النساء والصبيان وغيرهم.

(٤) الثقات لابن حبان: ٥٠٨/٨

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الفزاری، اسرائیل بن یونس، حسن بن عیاش، حماد بن شعیب الحمانی، ابوالاحوص سلام بن سلیم اور فضیل بن عیاض رحمہم اللہ۔

ان سے روایت کرنے والے تلامذہ میں ابوشیبہ ابراہیم بن أبی بکر بن أبی شیبہ، ابراہیم بن القعقاع، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، ابوعمرو احمد بن حازم، أبوبکر أحمد بن أبی خیثمہ، ابوبکر احمد بن محمد البغدادی، احمد بن منصور اور احمد بن یوسف السلمی جیسے اعلام حدیث شامل ہیں (۵)۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ امام نسائی اور امام ترمذیؒ نے بھی ان سے روایات لی ہیں (۶)۔

تمام ائمۂ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے (۷)۔ ۲۲۰ ہجری میں ان کا انتقال ہوا (۸)۔

۴- ابو اسحاق الفزاری

یہ ابراھیم بن محمد الفزاری ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (۹)۔

۵- موسیٰ بن عقبہ

یہ موسیٰ بن عقبہ الاسدی المدنی ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (۱۰)۔

۶- سالم ابوالنضر

یہ ابوالنضر سالم بن امیہ المدنی القرشی التیمی ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (۱۱)۔

---

(٥) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: تهذيب الكمال: ١٣/٥٤٩

(٦) تهذيب الكمال: ١٣/٥٥٠

(٧) الثقات لابن حبان: ٨/٥٠٨، والجرح والتعديل (رقم الترجمة ١٩٤٠)، وتهذيب التهذيب: ٥/٦٠

(٨) تهذيب التهذيب لابن حجر: ٥/٦٠

(٩) دیکھئے كتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة

(١٠) دیکھئے كتاب الوضوء، باب اسباغ الوضوء

(١١) دیکھئے كتاب الوضوء، باب المسح على الخفين.

۷-عبداللہ بن ابی أوفی رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی ہیں، ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے (۱۲)۔

كنت كاتبا له

لہ کی ضمیر کا مرجع عمر بن عبداللہ ہیں۔ سالم ابوالنضر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں عمر بن عبداللہ کا کاتب تھا۔

یہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے باب الجنة تحت بارقة السيوف کے تحت نقل کی ہے، وہاں علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا کہ "ہ" ضمیر عبداللہ بن ابی اوفی کی طرف راجع ہے۔ علامہ قسطلانی نے یہاں فرمایا کہ ترجمۃ الباب کی اس روایت سے ان دونوں حضرات کے قول کی تغلیط ہورہی ہے۔ کیونکہ یہاں سالم نے خود تصریح کردی کہ وہ عمر بن عبداللہ کے کاتب تھے، لہٰذا یہ کہنا کہ "لہ" کی ضمیر کا مرجع عبداللہ بن ابی اوفی ہیں، درست نہیں (۱۳)۔

أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعض أيامه.........

سالم ابوالنضر کہتے ہیں کہ عمر بن عبداللہ کے پاس جب وہ خارجیوں سے جنگ کرنے نکلے، عبداللہ بن ابی أوفی کی طرف سے جو خط آیا، وہ میں نے پڑھا تھا، اس میں لکھا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشمن سے جنگ کے ایام میں زوالِ آفتاب کا انتظار فرمایا۔

سورج کے زوال کے بعد ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، بدن میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ کا آغاز کرنے کے لئے زوال آفتاب کا انتظار کیا (۱۴)۔ شراح نے اس کی اور بھی حکمتیں بیان کی ہیں، باب كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا لم يقاتل أوّل النهار أخرّ القتال حتى تزول الشمس کے تحت ان کی تفصیل گزر چکی ہے۔

---

(۱۲) كتاب الوضوء، باب من لم يرى الوضوء إلا من المخرجين

(۱۳) إرشاد الساري: ٦/٥٠٠

(١٤) فتح الباري: ٦/١٤٩، بـاب كـان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا لم يقاتل أوّل النهار أخر القتال حتى تزول الشمس.

ثم قام في الناس فقال: لاتمنوا لقاء العدوّ وسلو الله العافية

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا أیھا الناس! دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے امن وعافیت کی دعا کرو۔

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ دشمن سے مقابلہ کی آرزو کرنا جہاد ہے اور ظاہر ہے کہ جہاد طاعت ہے تو پھر آپ نے طاعت کی آرزو کرنے سے منع کیوں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی کو اپنا انجام معلوم نہیں ہوتا، اس امکان کو یقیناً مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ جم کر لڑنے اور سرخرو ہونے کا عزم لے کر دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلے، لیکن عین وقت پر اس کو اپنے عزائم اور ارادوں کو پورا کرنے کا موقع نہ ملے۔ موانع وشدائد کا رفع ہونا اور اسباب کا مہیا ہونا اس کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے اعضاء وجوارح، اپنے ارادوں اور عزائم پر اس کا کوئی تصرف نہیں۔ واقعہ مشہور ہے کہ غزوہ خیبر میں ایک آدمی زخموں سے لہولہان تھا، زخموں کی تاب نہ لاکر اس نے خودکشی کرلی (۱۵)۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اپنے انجام سے بے خبر رہتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ شدائد اور مصیبتوں میں وہ کتنا صبر کرسکتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ قتال میں ثابت قدم رہ سکے گا یا بھاگ جائے گا؟ خدا کی رضا کے لئے لڑے گا یا ریا وسُمعہ کے لئے؟ قتال میں احکام شریعت پر عمل کا التزام کرسکے گا یا نہیں؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ دشمن سے مقابلہ کی تمنا کرنے میں عُجب کا شائبہ ہے، اس سے گویا اپنے نفس وقوت پر اعتماد وتوکل اور دشمن کو کمزور سمجھنے کا تاثر ملتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشمن سے مقابلے کی آرزو کرنے سے منع کیا اور عافیت وسلامتی کی دعا کرنے کی تلقین فرمائی (۱۶)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوب فرمایا: لأن أعافي فأشكر أحب إليّ من أن أبتلي فأصبر (۱۷)، ''عافیت میں رہ کر اس پر شکر ادا کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوکر اس پر صبر کروں''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے کہا: "لا تدع أحدا إلى المبارزة ومن دعاك إليها فاخرج إليه لأنه باغ، والله

(۱۵) إرشاد الساري: ۴۹۹/۶

(۱۶) فتح الباري: ۱۹۳/۶، إرشاد الساري: ۴۹۹/۶، وتكملة فتح الملهم: ۳۴/۳

(۱۷) شرح ابن بطال: ۱۸۵/۵، فتح الباري: ۱۹۳/۶، إرشاد الساري: ۴۹۹/۶، وعمدة القاري ۴۰/۱۴۰-۲۸

قد ضمن نصر من بُغي عليه"(۱۸)۔ یعنی "کسی کو دعوت مبارزت نہ دو، البتہ اگر تمہیں کوئی مبارزت کی دعوت دے تو اس سے لڑو، کیونکہ وہ باغی ہے اور اللہ تعالیٰ نے باغیوں سے لڑنے والے کی نصرت کی ضمانت دی ہے"۔

دشمن کو دعوتِ مبارزت دینے کا حکم

حسن بصری رحمہ اللہ نے حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ دشمن کو دعوتِ مبارزت دینا مکروہ ہے(۱۹)۔

امام ثوری، اوزاعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کی رائے بھی یہی ہے(۲۰)۔

علامہ ابن منذر نے فرمایا کہ دشمن کو امیر کی اجازت سے دعوتِ مبارزت دینا جائز ہے۔ اس پر انہوں نے اجماع نقل کیا ہے(۲۱)۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک دعوتِ مبارزت جائز ہے اور اس میں امیر کی اجازت ضروری نہیں(۲۲)۔

امام مالک رحمہ اللہ سے ایسے مجاہد کے بارے میں رائے پوچھی گئی جو صف کے بیچ سے "من یبارز" کا نعرہ بلند کر کے دشمن کو دعوتِ مبارزت دے کہ کون مجھ سے مقابلہ کرے گا؟ تو امام نے جواب دیا:

"ذلك إلى نيته، إن كان يريد بذلك وجه الله تعالىٰ فأرجو أن لايكون به بأس، قد كان فعل ذلك من مضى"(۲۳).

مطلب یہ ہے کہ مجاہد کی نیت پر موقوف ہے اگر دعوت مبارزت سے اس کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہو تو مجھے امید ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسلاف نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

---

(۱۸) شرح ابن بطال: ۱۷۵/۵، إرشاد الساري: ۴۹۹/۶، وعمدة القاري: ۲۸۰/۱۴

(۱۹) فتح الباري: ۱۹۳/۶

(۲۰) شرح ابن بطال: ۱۸۵/۵، وعمدة القاري: ۲۸۰/۱۴

(۲۱) شرح ابن بطال: ۱۸۵/۵، وعمدة القاري: ۲۸۰/۱۴

(۲۲) شرح ابن بطال: ۱۸۵/۵، وعمدة القاري: ۲۸۰/۱۴

(۲۳) شرح ابن بطال: ۱۸۵/۵، وعمدة القاري: ۲۸۰/۱۴

چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ براء بن مالک نے مرزبان کو دعوت مبارزت دی اور اسے قتل کردیا (۲۴)۔

اسی طرح ابوقتادہ کہتے ہیں کہ حنین کے دن میں نے ایک آدمی کو مقابلہ کی دعوت دے کر قتل کردیا تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا مال ومتاع مجھے عنایت فرمایا (۲۵)۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ کی روایت میں یہ تصریح نہیں کہ انہوں نے دعوتِ مبارزت کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت لی تھی (۲۶)۔

فإذا لقيتموهم فاصبروا

جب دشمن سے تمہاری مڈبھیڑ ہوجائے تو پھر صبر وثبات سے کام لو۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو مقابلہ کی آرزو نہ کرو، لیکن جب مقابلہ کی نوبت آجائے تو پھر خم ٹھونک کر جواں مردی سے لڑو۔ اس جملہ کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

أن الجنة تحت ظلال السيوف

جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ تلواروں کے زیرِ سایہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس پر تفصیلی گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

ثم قال: اللهم منزل الكتاب، ومجري السحاب وهازم الأحزاب اهزمهم وانصرنا عليهم.

پھر آپ نے فرمایا: اے قرآن کے نازل کرنے والے، بادلوں کو ہانکنے والے اور کفار کے لشکروں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دیجئے اور ان کے مقابلہ میں ہماری نصرت ومدد کیجئے۔

---

(۲٤) شرح ابن بطال: ٥/١٨٦، وعمدة القاري: ١٤/٣٨٠، نیز دیکھئے: الإصابة في تمييز الصحابة: ١/١٤٤

(٢٥) شرح ابن بطال: ٥/١٨٦، وعمدة القاري: ١٤/٣٨٠

(٢٦) شرح ابن بطال: ٥/١٨٦

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس دعا میں رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے نصرتِ الٰہی کی مختلف صورتوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ چنانچہ ''کتاب'' سے قرآن مجید کی آیت ﴿قاتلوهم يعذبهم الله بأيديكم﴾ کی طرف اشارہ ہے، "مجري السحاب" سے بادلوں کی تسخیر میں اللہ تعالی کی قدرتِ ظاہرہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہواؤں کو اپنی مشیت سے حرکت دیتا ہے، لیکن ہوا کے تیز وتند جھکڑ چلنے کے باوجود بادل کبھی اپنی جگہ بے حرکت رہتے ہیں، کبھی بارش کا پانی برسایا اور کبھی نہیں، سو بادل کی حرکت سے جہاد کے دوران مجاہدین کی حرکت میں اعانت کی طرف اشارہ ہے۔ اپنی جگہ رُکے ہوئے بادلوں سے اہل اسلام کی طرف کفار کے بڑھتے ہاتھ کو روکنے کی طرف اشارہ ہے، انزال مطر سے مالِ غنیمت کے حصول کی طرف ہے۔ ھازم الاحزاب سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعا میں سابقہ نعمتوں کا بھی حوالہ دینا چاہیے، اللہ تعالی کی ذات پر مکمل توکل کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہر کام کو انجام دینے والی وہی یکتا ذات ہے۔ پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس دعا میں متنبہ کیا گیا ہے کہ تین بڑی نعمتیں مسلمانوں کو ملیں گی:

١ اِنزال کتاب سے اخروی نعمت حاصل ہوئی، اس سے مراد اسلام ہے۔

٢ اجراء سحاب سے دنیوی نعمت حاصل ہوئی، اس سے مراد رزق ہے۔

٣ ہزیمۃ الاحزاب سے مذکورہ دونوں نعمتوں کے تحفظ کی نعمت حاصل ہونے کی طرف اشارہ ہے (٢٧)۔

(٢٨٦٢) : وَقَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ : حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ : كُنْتُ كَاتِبًا لِعُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ ، فَأَتَاهُ كِتَابُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : (لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ) . [ر : ٢٦٦٣]

یہ تعلیق نہیں، بلکہ سند سابق پر معطوف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ روایت ان کے پاس ایک ہی سند کے ساتھ طویل اور مختصر دونوں طرح مروی ہے (٢٨)۔

ابوذر کے نسخہ میں طویل ومختصر دونوں روایات مذکور ہیں، بعض حضرات نے صرف مختصر روایت نقل

(٢٧) فتح الباري: ٦/١٩٣

(٢٨) فتح الباري: ٦/١٩٤، إرشاد الساري: ٦/٥٠٠

کی ہے(۲۹)۔

٢٨٦٣ : وَقَالَ أَبُو عامِرٍ : حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا) .

تراجم رجال

١-ابوعامر

یہ ابوعامر عبدالملک بن عمرو عقدی ہیں(۳۰)، علامہ کرمانی نے فرمایا کہ شاید یہ عبداللہ بن براد اشعری ہیں، یہ ان کا وہم ہے(۳۱)۔

۲-مغیرہ بن عبدالرحمٰن

یہ مغیرہ بن عبدالرحمٰن حزامی ہیں، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۳۲)۔

۳-ابی الزناد

یہ عبداللہ بن ذکوان مدنی ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، باب حب الرسول من الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۳۳)۔

۴-اعرج

یہ ابوداود عبدالرحمٰن بن ھرمز مدنی ہیں، ان کا تذکرہ بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر

(٢٩) فتح الباري: ٦/١٩٤، وإرشاد الساري: ٦/٥٠٠

(٣٠) فتح الباري: ٦/١٩٤، وإرشاد الساري: ٦/٥٠٠، ابوعامر عقدی کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے، دیکھئے: کشف الباري: ١/٦٥١

(٣١) فتح الباري: ٦/١٩٤، وإرشاد الساري: ٦/٥٠٠

(٣٢) دیکھئے کتاب الاستسقاء، باب دعاء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم : "واجعلها سنين كسني يوسف".

(٣٣) كشف الباري: ٢/١٠

چکا ہے(۳۴)۔

۵-ابو ہریرہ

ان کا تفصیلی تذکرہ کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۳۵)۔

روایت کی تشریح باب کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکی ہے۔

١٥٤ - باب : الحَرْبُ خَدْعَةٌ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ **جنگ دھوکہ، فریب اور خفیہ تدبیر کا نام ہے**، دشمن کو شکست دینے اور زیر کرنے کے لئے اس طرح کی خفیہ تدبیریں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(واللہ اعلم)۔

٢٨٦٤/٢٨٦٥ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (هَلَكَ كِسْرَى ، ثُمَّ لَا يَكُونُ كِسْرَى بَعْدَهُ ، وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُونُ قَيْصَرٌ بَعْدَهُ ، وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ ٱللهِ) . وَسَمَّى الحَرْبَ خُدْعَةً .

(٢٨٦٥) : حدّثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَصْرَمَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : سَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الحَرْبَ خُدْعَةً .

[٢٩٥٢ ، ٣٤٢٢ ، ٦٢٥٥]

٢٨٦٦ : حدّثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ : أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ عَمْرٍو : سَمِعَ جابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (الحَرْبُ خُدْعَةٌ) .

---

(٣٤) كشف الباري: ١١/٢

(٣٥) كشف الباري: ٦٥٩/١

(٢٨٦٤) أخرجه أيضاً (٤٣٩/١) في الخمس، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : أحلت لكم الغنائم، و(٥١١/١) في المناقب، باب علامة النبوة في الإسلام، و(٩٨٠/٢) في الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وعندمسلم في صحيحه (٣٩٦/٢) في الفتن، باب هلاك كسرى وقيصر، (رقم ٢٩١٨) وعندالترمذي (٤٥/٢) في الفتن، باب ماجاء إذا ذهب كسرى فلا كسرى بعده (رقم ٢١٢٧)

تراجم رجال

۱-عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ جعفی بخاری مسندی ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۲-عبدالرزاق

یہ ابوبکر عبدالرزاق بن ھمام بن نافع صنعانی یمانی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب حسن إسلام المرء کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۳-معمر

یہ معمر بن راشد ازدی بصری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب کتابة العلم کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

۴-ھمّام

یہ ھمام بن منبہ بن کامل بن سیج بن ذی کبار الیمانی البصری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب السمر في العلم کے تحت گزر چکا ہے(۵)۔

هلك كسرى، ثم لا يكون كسرى بعده، وقيصر ليهلكن ثم لا يكون قيصر بعده، ولتقسمن كنوزهما في سبيل الله.

''کسریٰ ہلاک ہوگیا۔پھر اس کے دوسرا کسریٰ نہیں ہوگا اور قیصر ضرور ہلاک ہوگا، اس کے بعد پھر دوسرا

(۲) كشف الباري: ۱/٦٥٧

(۳) كشف الباري: ۳/٤٢١

(٤) كشف الباري: ٤/٣٢١

(٥) كشف الباري: ٤/٣١٧

قیصر نہیں ہوگا''۔

کسریٰ: کاف پر کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں۔ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ کسرہ فصیح لغت ہے، یہی رائے ابوحاتم کی بھی ہے۔کسریٰ فارسی کے تخت نشینوں کا لقب ہے اور خسرو کا معرّب ہے۔اور قیصر روم کے بادشاہوں کا لقب ہے(۶)۔

اس روایت میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روم اور فارس کی ناقابل تسخیر اور مستحکم سلطنتوں کی ہلاکت اور بربادی کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔روم وفارس اس عہد کی سب سے طاقت ور اور مضبوط سلطنتیں تھیں۔ امریکہ جو سپر پاور اسٹیٹ ہے، اور ایک زمانے میں یہ حیثیت روس کو بھی حاصل تھی، اسی طرح روم و فارس بھی اپنے عہد کی سپر پاور حکومتیں تھیں۔تاریخ نے مشاہدہ کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کے کچھ عرصہ بعد سلطنت روم وفارس کو زوال کا ایسا گھن لگ گیا کہ شکست وریخت سے دوچار ہوجانے کے بعد نہ روم میں کوئی قیصر بن کر ابھرا، نہ فارس کے باشندوں نے کسی کسریٰ کی صورت دیکھی۔

تعارضِ روایات اور اس کا حل

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ روایتِ باب کے جملہ "هلك كسرى" میں بصیغۂ ماضی تصریح ہے کہ کسریٰ ہلاک ہوگیا اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ رہے گا۔اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں بھی "قد مات كسرى فلا كِسرى بعد"(۷) کے الفاظ وارد ہیں۔اس میں قد حرفِ تاکید کے ساتھ زمانۂ ماضی میں کسریٰ کی ہلاکت کی خبر دی گئی۔لیکن جامع ترمذی میں یہی روایت عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة کے طریق سے مروی ہے، اس میں ہے:

"إذا هلك كسرى فلا كسرى بعد، وإذا هلك قيصر فلا قيصر بعد"(۸).

اِذا حرف شرط مستقبل کے لئے آتا ہے۔اس سے معلوم ہوا ہے اس وقت کسریٰ وقیصر دونوں زندہ تھے

---

(٦) فتح الباري: ٦/٧٧٦، كتاب المناقب، باب علامة النبوة في الإسلام

(٧) صحيح مسلم: ٢/٣٩٦، كتاب الفتن

(٨) جامع الترمذي: ٢/٤٥

اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستقبل میں ان کی ہلاکت کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اور تاریخی حقیقت بھی یہی ہے کہ فارس کا آخری کسریٰ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہلاک ہوا تھا۔

علامہ قرطبیؒ دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن روایات میں بصیغۂ ماضی "قد مات کسری" اور "هلك كسرى" کے الفاظ وارد ہیں، ممکن ہے کہ ایسی روایات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کی ہلاکت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہوں اور جن روایات میں مستقبل میں ہلاکتِ کسریٰ کی پیشین گوئی دی گئی ہے وہ ہلاکتِ کسریٰ سے قبل سنی ہو(۹)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی یہ توجیہ ہمارے نزدیک درست نہیں۔ اشکال یہ ہے کہ کسریٰ کی ہلاکت تو آپ کے زمانے میں نہیں ہوئی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی، پھر یہ توجیہ کیسے صحیح ہوگی کہ جن روایات میں کسریٰ کے ہلاک ہونے کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، ممکن ہے وہ روایات راوی نے کسریٰ کے ہلاک ہونے سے پہلے سنی ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی ہے اور یقینی ہونے کی وجہ سے کسریٰ اور اس کی سلطنت کے ہلاک ہونے کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

علامہ قرطبی نے دوسری یہ تطبیق دی ہے کہ لفظ "هلك" اور "مات" میں معناً تغایر ہے۔ چنانچہ روایت باب میں ہلاکت سے مراد کسریٰ کی سلطنت کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں خود کسریٰ کی موت کی طرف اشارہ ہے۔ گویا دونوں روایات میں پیشین گوئی ہے اور یقینی ہونے کی وجہ سے کسریٰ اور اس کی سلطنت کے ہلاک ہونے کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عرب کی عام عادت ہے کہ جس واقعہ کا پیش آنا مستقبل میں یقینی ہوتا ہے، وہ ماضی کے صیغے میں بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں احوالِ قیامت کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ نحل کی آیت ﴿أتى أمر الله فلا تستعجلون﴾ میں پیش آمدہ واقعہ کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دوسری تطبیق اولیٰ ہے اس لئے کہ روایات کا مخرج ایک ہی ہے، اس صورت میں ان کو تعدد پر محمول کرنا خلاف الاصل قرار پائے گا(۱۰)۔

---

(۹) إرشاد الساري: ٦/٥٠٠، وفتح الباري: ٦/٧٧٧

(١٠) فتح الباري: ٦/٧٧٧

وقيصر ليهكن

قیصر مبتداء اور علمیت وعجمۃ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، لیھلکن اس کی خبر ہے۔

بعض نسخوں میں "ولا قیصر" کے الفاظ وارد ہیں۔ اس صورت میں قیصر حرفِ نفی کے بعد واقع ہے اور بوجہ تنکیر علمیت کے زائل ہونے کی وجہ سے منصرف ہے (۱۱)۔

لتقسمن كنوزهما في سبيل الله

یعنی قیصر و کسریٰ دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

کنوز کنز کی جمع ہے، وہ مال جو زمین میں دفن ہو یا کہیں بھی ذخیرہ کیا گیا ہو، کنز کہلاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ پیشین گوئی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کو تسلی دینے کے لئے فرمائی تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں قریش کے تجارتی قافلے عراق وشام جایا کرتے تھے، جب قریش کے اکثر لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن عراق وشام کی طرف جانے والے تجارتی راستوں کو ان کے اسلام لانے کی پاداش میں بند نہ کر دے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تطییبِ قلوب اور تسلی کے لئے فرمایا کہ تمہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا، روم میں قیصر رہے گا نہ فارس میں کسریٰ، بلکہ ان کے قیمتی اموال اور خزانے مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہوں گے (۱۲)۔

وسمّى الحرب خدعة

یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ کو مکر وفریب فرمایا۔

خدعہ کا مطلب

خدعہ کے ضبط میں پانچ صورتیں ذکر کی گئی ہیں، اور ہر صورت میں اس کے معنی مختلف ہیں:

❶ خاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ، اس کے معنی ہیں، لڑائی، دھوکہ، فریب (۱۳)۔

---

(۱۱) فتح الباري: ٧٧٧/٦

(۱۲) عمدة القاري: ٣٨١/١٤، وإرشاد الساري: ٥٠١/٦

(۱۳) إرشاد الساري: ٥٠١/٦

❷ خاء کے ضمہ اور دال کے فتح کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ "هُمزہ" اور "لُمزہ" کی طرح مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی لڑائی آدمیوں کو بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے۔ لمحہ بھر کی غفلت اور بے پرواہی کے نتیجہ میں انہیں کسی بڑے خطرے سے دوچار کرسکتی ہے۔ لہٰذا جنگ کے دوران کسی بھی صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہر لحظہ بیدار اور چوکنا رہنا چاہیے اور دشمن کو حقیر سمجھ کر غافل نہیں رہنا چاہیے (۱۴)۔

❸ خاء اور دال دونوں کے فتحہ کے ساتھ، خادع کی جمع ہے، یعنی دھوکہ دینے والا۔ اس صورت میں الحرب خدعة کا مطلب یہ ہوگا کہ لڑنے والا دھوکہ باز ہوتا ہے (۱۵)۔

❹ خاء کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ۔ اس کے معنی ہیں حقیقت کو پوشیدہ رکھ کر اس کے خلاف ظاہر کرنا (۱۶)۔

❺ پانچویں اور آخری صورت یہ ہے کہ خدعة خا کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہو۔ اور یہی افصح بھی ہے۔ ابوذر ہروی اور قزاز نے اس کے افصح ہونے پر جزم کیا ہے۔ اس صورت میں یہ فَعْلَةٌ کے وزن پر ہے جو مرۃ کے لئے آتا ہے یعنی جنگ میں ایک ہی مرتبہ میں چال چلنے سے کامیابی حاصل ہوجاتی ہے۔ خدعة کے اس ضبط کے بارے میں ثعلب کہتے ہیں: بلغنا أنها لغة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. یعنی ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ یہی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لغت ہے۔ ثعلب کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے ابوبکر بن طلحہ کہتے ہیں:

> "أراد ثعلب أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يستعمل هذه البنية كثيراً لوجازة لفظها ولكونها تُعطي معنى البنيتين الأخيرتين، ويُعطي معناها أيضا الأمر باستعمال الحيلة مهما أمكن ولو مرة وإلا فقاتل، فكانت مع اختصارها كثيرة المعنى" (۱۷).

ثعلب کا مقصد یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اسی صیغہ کو استعمال

---

(١٤) فتح الباري: ٦/٩٥.

(١٥) فتح الباري: ٦/١٩٥

(١٦) فتح الباري: ٦/١٩٥

(١٧) فتح الباري: ٦/١٩٥؛

فرماتے تھے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ صیغہ مختصر مگر جامع اور بلاغت آمیز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ باقی دو صیغوں (خُدْعَة اور خُدَعَة) کے معنی بھی دیتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کے معنی اس حکم کو بھی متضمن ہیں کہ جب بھی موقع ملے، چال سے کام لیا جائے اگر چہ ایک بار ہی کیوں نہ ہو، ورنہ لڑو۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ صیغہ مختصر ہونے کے ساتھ کثیر المعانی ہے۔

خدعة کے آخر میں تائے مدوّرہ وحدت پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لڑائی میں چال چلنے کی ترغیب دی ہے کہ دشمن کو فریب دو، اگر چہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو۔ یا آپ نے مسلمانوں کو حزم واحتیاط اور چوکنا رہنے کی تلقین فرمائی ہے کہ دشمن کو کمزور سمجھ کر غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ اگر چہ ان کی طرف سے دھوکہ فریب کا ایک ہی واقعہ پیش آجائے کہ اس سے مسلمانوں کو غیر معمولی نقصان پہنچ سکتا ہے (۱۸)۔

جنگ میں دھوکہ کا حکم

جنگ میں دھوکہ کی کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس پر جمہور کا اتفاق نقل کیا ہے (۱۹)۔

البتہ ایسی صورت اختیار کرنا جائز نہیں، جس سے عہد وپیمان کی خلاف ورزی لازم آتی ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مختلف بلاد وامصار کی طرف بھیجے گئے اسلامی لشکروں کو لکھا کرتے تھے کہ جو شخص عجمی کافر کو امان دینے کے بعد قتل کرے گا، اس کے بدلے میں اس کو قتل کردوں گا (۲۰)۔

خداع کی دو مثالیں

مشہور محدث عبداللہ بن ابی جمرہ نے جنگ میں خداع کی دو مثالیں ذکر کی ہیں

❶ ایک تو یہ کہ آپ دشمن کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھیں تو فوراً اسے کہہ دیں "تمہارے پیچھے کون آرہا

(۱۸) فتح الباري: ٦/١٩٤، وعمدة القاري: ١٤/٣٨٢

(۱۹) إرشاد الساري: ٦/٥٠٠، ٥٠١

(۲۰) فتح الباري: ٦/١٩٥

ہے''، حالانکہ پیچھے کوئی نہیں ہوتا، جب وہ پیچھے مڑ کر دیکھے، تو تم حملہ کر کے اس کو قتل کر دو (۲۱)۔

❷ یا پھر اس کو یہ کہا جائے کہ تمہارے کجاوے کی رسی کیوں ڈھیلی ہے؟ کیا تم مجھے اپنی شہسواری کی ایک جھلک دکھا سکتے ہوں؟ جب کجاوے کی طرف اس کی توجہ مبذول ہو جائے تو اس کو قتل کر دو (۲۲)۔

١٥٥ – باب : الْكَذِبِ فِي الحَرْبِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

باب سابق میں خداع فی الحرب کے جواز کا بیان تھا، اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ کـذب في الحرب کا حکم بتانا چاہتے ہیں، یعنی کذب في الحرب جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو صراحتاً جائز ہے یا تلویحاً؟ (۱)۔

٢٨٦٧ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ : (مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ ، فَإِنَّهُ قَدْ آذَى ٱللهَ وَرَسُولَهُ) . قالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ : أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ يَا رَسُولَ ٱللهِ ؟ قالَ : (نَعَمْ) . قالَ : فَأَتَاهُ فَقَالَ : إِنَّ هٰذَا – يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ – قَدْ عَنَّانَا وَسَأَلَنَا الصَّدَقَةَ ، قالَ : وَأَيْضًا ، وَٱللهِ لَتَمَلُّنَّهُ ، قالَ : فَإِنَّا قَدِ ٱتَّبَعْنَاهُ فَنَكْرَهُ أَنْ نَدَعَهُ ، حَتَّى نَنْظُرَ إِلَى ما يَصِيرُ أَمْرُهُ ، قالَ : فَلَمْ يَزَلْ يُكَلِّمُهُ حَتَّى ٱسْتَمْكَنَ مِنْهُ فَقَتَلَهُ . [ر : ٢٣٧٥]

تراجم رجال

۱۔ قتیبہ بن سعید

یہ ابورجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف ثقفی ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، باب إفشاء

---

(۲۱) بهجة النفوس، لابن أبي جمرة: ۱۲۱/۲

(۲۲) بهجة النفوس، لابن أبي جمرة: ۱۲۱/۲

(۱) عمدة القاري: ۳۸۳/۱٤، وإرشاد الساري: ٥٠٢/٦

(۲۸٦۷) مرّ تخريجه في كتاب الرهن، باب رهن السلاح (رقم ۲٥۱۰)

السلام من الاسلام کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۲-سفیان

یہ سفیان بن عیینہ بن أبی عمران ہلالی کوفی ہیں۔ان کا تفصیلی تذکرہ کتاب العلم، باب قول المحدث حدثنا او أخبرنا أو أنبأنا کے تحت گزر چکا ہے (۴)۔

۳-عمرو بن دینار

یہ ابو محمد عمرو بن دینار مکی جمحی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب کتابة العلم کے تحت پہلے گزر چکا ہے (۵)۔

۴-جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (٦)۔

أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من لكعب بن الأشرف، فإنه قد آذى الله ورسوله؟ قال محمد بن مسلمة: أتحب أن أقتله يا رسول الله؟ قال نعم

روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے، جو کعب بن اشرف کا کام تمام کردے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے عرض کی: "کیا آپ یہ پسند فرمائیں گے، کہ میں اس کو قتل کردوں؟ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

فأتاه فقال: إن هذا —يعني النبيَّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم— قد عنَّانَا وسألنا الصدقة قال: وأيضا والله لتملُّنَّه.

کعب بن اشرف کے پاس آ کر محمد بن مسلمہ نے کہا "اس آدمی (رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

---

(۳) کشف الباري: ۱۸۹/۲

(٤) کشف الباري: ۱۰۲/۳

(٥) کشف الباري: ۳۰۹/٤

(٦) دیکھئے: کتاب الوضوء، باب صبّ النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وضوء ه علی المغمی علیه.

نے ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے اور وہ ہم سے صدقہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ کعب بن اشرف نے کہا "خدا کی قسم! تم اس سے ابھی مزید اکتاؤ گے"۔

قالَ : فَإِنَّا قَدِ ٱتَّبَعْنَاهُ فَنَكْرَهُ أَنْ نَدَعَهُ ، حَتَّى نَنْظُرَ إِلَى ما يَصِيرُ أَمْرُهُ

محمد بن مسلمہ نے کہا ہم نے ان کی اتباع کی ہے، اس لئے ہم یہ نہیں چاہتے کہ انہیں چھوڑ دیں، یہاں تک کہ ہم ان کے ساتھ ہونے والا انجام دیکھ لیں۔ مغازی کی روایت میں ہے "فائذن لي أن أقول شيئاً قال نعم" یعنی اس موقع پر محمد بن مسلمہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ بھی عرض کی تھی کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں کچھ بات کروں (مطلب یہ تھا کہ ایسی ذومعنی اور مبہم بات کروں جو اس کے خیال کے ہم آہنگ ہو اور مجھے اس کا قتل کرنا آسان ہو جائے) چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔

مغازی میں یہ واقعہ تفصیل سے آرہا ہے (۷)۔

کذب صریح کا حکم

حدیث باب میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کے ساتھ جو مکالمہ کیا اس میں کذب صریح کی تصریح نہیں، علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ یہ تعریض ہے۔ البتہ یہی روایت اگلے باب کے تحت منقول ہے، اس میں کذب صریح کی اجازت کی تصریح ہے، روایت کے الفاظ ہیں: "فأذن لي، فأقول؟ قال قد فعلت" یہ الفاظ کذب صریح کی اجازت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض مواقع میں کذب صریح کی اجازت دی ہے۔

سنن ترمذی کی روایت اس سے زیادہ صریح ہے، اس میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کذب صریح کون سے مواقع میں جائز ہے۔ چنانچہ اسماء بنت یزید کی مرفوع روایت میں ہے:

"لايحل الكذب إلا في ثلاث تحديث الرجل امرأته يرضيها والكذب في الحرب وفي الإصلاح بين الناس" (۸).

(۷) كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ۱۹۱-۱۹۶

(۸) سنن الترمذي: ۱۵/۲، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في إصلاح ذات البين

علامہ طبری نے فرمایا کہ اس روایت میں بعض حضرات کے نزدیک کذبِ مرخّص سے سب انواع کذب مراد ہے اور یہ اپنے اطلاق پر محمول ہے۔ اگر کذب میں مصلحت ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ ان کے نزدیک منہی عنہ اور مذموم کذب وہ ہے، جو نقصان دہ ہو اور فائدہ سے خالی ہو۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ کذب کی کوئی بھی قسم جائز نہیں۔ اس روایت میں جس کذب مرخص کا ذکر آیا ہے، اس سے توریہ اور تعریض مراد ہے (۹)۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں کذب اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے۔ علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ حدیث میں کذب اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے، لیکن علما نے احتیاطاً فرمایا کہ اس سے توریہ اور تعریض مراد ہے، تاکہ عوام جھوٹ کہنے کے معاملے میں جری اور بے باک نہ بن جائیں (۱۰)۔

١٥٦ - باب : الْفَتْكِ بِأَهْلِ الحَرْبِ .

فتك: باب سمع سے فاء کے فتحہ اور تاء کے سکون کے ساتھ اس کے معنی ہیں: دھوکہ یا غفلت سے قتل کرنا، حملہ کرنا، علی الاعلان مار ڈالنا (۱)۔ یہاں اس کے معنی غفلت کی حالت میں قتل کر دینے کے ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ غفلت کی حالت میں دشمن پر اچانک حملہ کرنا اور اس کو قتل کرنا جائز ہے (۲)۔

٢٨٦٨ : حدَّثني عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ . حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ جابِرٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ) . فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ : أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ ؟ قالَ : (نَعَمْ) . قالَ : فَأْذَنْ لِي فَأَقُولَ ، قالَ : (قَدْ فَعَلْتُ) . [ر : ٢٣٧٥]

---

(٩) الكوكب الدري في شرح جامع الترمذي: ٥٣/٣

(١٠) الكوكب الدري في شرح جامع الترمذي: ٥٣/٣

(١) القاموس الوحيد: ١٢٠٢

(٢) عمدة القاري: ٣٨٥/١٤، وإرشاد الساري: ٥٠٣/٦

تراجم رجال

۱-عبداللہ بن محمد

یہ عبداللہ بن محمد جعفی، بخاری، مسندی ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، باب أمور الايمان کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲-سفیان

یہ سفیان بن عیینہ بن أبی عمران ہلالی کوفی ہیں۔ كتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا او أخبرنا کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۴)۔

۳-جابر رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۵)۔

گزشتہ باب کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے مناسبت کے پیش نظر مختصراً یہاں بھی ذکر کردی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ نے جو کعب بن اشرف کو بہلا کر قتل کیا، یہی فتک ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث باب کا کوئی لفظ صراحتاً ترجمہ کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت معناً ترجمۃ الباب کے مناسب ہے(٦)۔

---

(۳) كشف الباري: ٦٥٧/١

(٤) كشف الباري: ١٠٢/٣

(٥) كتاب الوضوء، باب صَبّ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وضوء ه على المغمى عليه

(٦) إرشاد الساري: ٥٠٤/٦

۱۵۷ – باب : ما يَجُوزُ مِنَ الِاحْتِيَالِ وَالحَذَرِ ، مَعَ مَنْ تُخْشَى مَعَرَّتُهُ .

الاحتيال: اس کے معنی دھوکہ دہی، مکر اور چال چلنے کے ہیں۔

الحذر: حَذِرَ یحذر (س) کے معنی ہیں: چوکنا ہونا، چوکس ہونا، حذر الشئ ومنه: ڈرنا، بچنا محتاط ہونا(۱)۔ یہاں احتیاط مراد ہے۔

مَعَرَّةٌ: اس کے معنی ہیں: تکلیف واذیت (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی سے شر وفساد اور نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے بچنے کے لئے احتیاطی تدبیر اختیار کرنا اور خفیہ چال چلنا جائز ہے۔

۲۸۶۹ : قالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قالَ : انْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ ، قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ ، فَحُدِّثَ بِهِ فِي نَخْلٍ ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّخْلَ ، طَفِقَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ ، وَابْنُ صَيَّادٍ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْرَمَةٌ ، فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ رَسُولَ اللهِ ﷺ ، فَقَالَتْ : يَا صَافِ هٰذَا مُحَمَّدٌ ، فَوَثَبَ ابْنُ صَيَّادٍ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ) . [ر : ۱۲۸۹]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابی ابن کعب کے ساتھ ابن صیاد کے پاس تشریف لے گئے، بتایا گیا کہ وہ کھجوروں کے درخت میں ہے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو اپنے آپ کو کھجور کی شاخوں کی آڑ میں چھپاتے ہوئے چلنے لگے (تاکہ ابن صیاد دیکھ نہ سکے) اس وقت ابن صیاد چادر میں (لپٹا) تھا اور چادر کے اندر سے گنگنانے کی آواز آرہی تھی۔ اس کی ماں نے آپ کو دیکھ لیا

---

(۱) القاموس الوحيد، ص: ۳۲۱

(۲) القاموس الوحيد: ۱۰۶٤

(۲۸٦۹) قد مرّ تخريجه في كتاب الجنائز، باب: إذا أسلم فمات، هل يُصَلّى عليه؟ وهل يُعرض على الصبي الإسلام؟ (رقم ۱۳۵۵)

اور پکار اٹھی، اے صاف (یہ ابن صیاد کا نام ہے) یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آ پہنچے، ابن صیاد چونک اٹھا۔ آپ نے فرمایا، اگراس کی ماں اس کو (میری آمد کے بارے میں) نہیں بتاتی تو وہ کھل کر بیان کرتا۔یعنی اس کی باتوں سے اندازہ ہو جاتا کہ وہ حقیقت میں دجال ہے یا کوئی اور ہے۔

یہ روایت تفصیل کے ساتھ کتاب الجنائز کے تحت گزر چکی ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

علامہ اسماعیل نے ''مستخرج'' میں اس تعلیق کو عن أبي عمران بن هانئ عن الرمادي، عن ابن بكير وأبي صالح عن الليث کے طریق سے موصولاً روایت کیا ہے (۴)۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم فرمایا ہے کہ شر اور نقصان سے بچنے کے لئے حذر واحتیال دونوں جائز ہیں، اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ نے حذر واحتیال کے جواز پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طرز عمل بطور استدلال پیش کیا ہے۔یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھجور کی شاخوں کی آڑ میں چھپتے ہوئے چلے، کیونکہ ام ابن صیاد کے دیکھنے سے نقصان کا اندیشہ تھا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعلیقِ باب کا جز "طفق يتقي بجذوع النخل" ترجمۃ الباب سے مطابقت رکھتا ہے۔اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھجور کی شاخوں کی آڑ میں اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے چلنے لگے تاکہ ام ابن صیاد آپ کو نہ دیکھ سکے۔یہی حذر واحتیال ہے اس لئے کہ ام ابن صیاد سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا (۵)۔

---

(٤) تغليق التعليق لابن حجر رحمه الله: ٤٥٦/٣

(٥) دیکھئے: عمدة القاري: ٣٨٦/١٤

١٥٨ – باب : الرَّجَزِ فِي الحَرْبِ وَرَفْعِ الصَّوْتِ فِي حَفْرِ الخَنْدَقِ .

الــرّجز: رجز اشعار کے مختلف بحروں کی ایک معروف قسم ہے۔اس کی هیئت سجع سے مماثلت رکھتی ہے،لیکن یہ وزن میں شعر کی طرح موزوں ہوتا ہے۔اس کے اوزان قریب قریب ہوتے ہیں اور مصرے مختصر اور چھوٹے، جو پڑھنے اور سمجھنے میں عام اشعار کی بنسبت نہایت سہل ہوتے ہیں۔جس طرح اشعار پڑھنے والے کو شاعر کہا جاتا ہے اسی طرح رجز پڑھنے والے کو راجز کہا جاتا ہے(۱)۔

لسان العرب کے مؤلف علامہ ابن منظور نے فرمایا کہ لغت میں رجز کے معنی تتابع الحركات ہیں۔ ومنه قولهم: ناقة رَجْزاء. رجزاء عرب کے ہاں اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے پاؤں اٹھتے وقت کپکپاتے ہوں۔رجز یہ شعر کے لئے بھی رجز کی اصطلاح اس بناء پر مشہور ہوئی کہ اس کے مصرع چھوٹے اور مختصر ہوتے ہیں، پڑھنے والا، ایک مصرع سے دوسرے مصرع کی طرف سرعت کے ساتھ منتقل ہوتا ہے گویا یہاں تتابع الانتقال ہوتا ہے،جیسا کہ اونٹنی کے پاؤں میں کپکپی کے وقت تتابع الحرکات ہوتا ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

عرب عموماً میدانِ جنگ میں نشاط پیدا کرنے اور حوصلوں کو بلند رکھنے کے لئے رجز یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمۃ الباب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میدانِ جنگ اور خندق کی کھدائی کے دوران بلند آواز سے رجز یہ اشعار پڑھنا جائز ہے۔(واللہ اعلم)۔

سنن ابوداود میں قیس بن عباس کے طریق سے مروی روایت میں ہے "كان أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكرهون الصوت عند اللقاء"(۳) یعنی صحابہ کرام دشمن پر حملہ کے وقت شور وپکار کو ناپسند کرتے تھے کہ یہ گھبراہٹ اور خوف زدہ ہونے کی علامت ہے، جب کہ خاموشی ثبات کی دلیل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے دوسرے جز "ورفع الصوت في

---

(١) لسان العرب لابن منظور الأنصاري: ٥/٤١٠، مادة رجز، والنهاية لابن الأثير: ٦٣٦/١، ٦٣٧

(٢) لسان العرب: ١٢/٥؛

(٣) سنن أبي داؤد: ٤/٢، كتاب الجهاد، باب فيما يؤمر به من الصمت عند اللقاء

حفر الخندق" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رفعِ صوت عین حالتِ قتال میں ناپسندیدہ ہے، البتہ جنگ کے دوسرے مواقع میں رجز یہ اشعار پڑھنا جائز ہے(۴)۔

فِيهِ سَهْلٌ وَأَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ۲٦٧٩ ، ۳٥٨٦]

یہ روایت امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں باب غزوۃ الخندق کے تحت موصولاً روایت کی ہے ۔اس میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موسم سرما کی سرد صبح میں صحابہ کو خندق کھودتے ہوئے اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھا تو فرمایا

اللهم لا عيش إلا عيش الآخره　　فاغفر الأنصار و المهاجره

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب میں کہا:

نحن الذين بايعوا محمداً　　على الجهاد ما بقينا أبدا(٥)

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کے اسی جز کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران آپ اور آپ کے اصحاب نے اشعار کہے۔

وأنس: یہ "سہل" پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔اس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے، جو کتاب الجہاد ہی میں باب حفر الخندق کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے موصولاً نقل کی ہے۔اس میں ہے کہ مہاجرین اور انصار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینے کے چاروں طرف خندقوں کی کھدائی کے دوران یہ شعر پڑھتے تھے:

نحن الذين بايعوا محمداً　　على الجهاد ما بقينا أبدا

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے جواب میں کہتے تھے:

اللهم إنه لاخير إلا خير الآخرة　　فبارك في الأنصار والمهاجرة(٦)

---

(٤) فتح الباري: ٦/١٩٨

(٥) تفصیل کے لئے دیکھئے كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٢٨٢، ٢٨٣

(٦) دیکھئے كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٢٨٣

وَفِيهِ يَزِيدُ عَنْ سَلَمَةَ . [ر : ۳۹٦۰]

یزید سے یزید بن ابی عبید اور سلمہ سے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے كتاب المغازي، باب غزوة خيبر (۷) اور كتاب الدعوات، باب قول الله تبارك وتعالىٰ ﴿وصل عليهم﴾ کے تحت موصولاً روایت کی ہے (۸)۔ چنانچہ یزید بن ابی عبید عن سلمہ ابن الاکوع کے طریق سے مروی روایت میں عامر بن اکوع کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے۔ عامر بن اکوع، سلمۃ بن اکوع کے چچازاد بھائی تھے۔ روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف جارہے تھے، رات کا وقت تھا، عامر بن اکوع سے کسی آدمی نے کہا: "ألا تُسمعنا من هُنيهاتك؟" کیا آپ ہمیں کچھ رجزیہ اشعار نہیں سنائیں گے، چنانچہ عامر بن اکوع نے سواری سے اتر کر قوم کے سامنے حدی خوانی شروع کردی:

اللهم لولا أنتَ ما اهتدينا
ولا تصدقنا ولا صلينا
فاغفر فداءً لك ما أبقينا
وثبت الأقدام إن لاقينا
وألقين سكينة علينا
إنا إذا صيح بنا أتينا
وبالصياح عوّلوا علينا

۲۸۷۰ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ الخَنْدَقِ ، وَهُوَ يَنْقُلُ التُّرَابَ حَتَّى وَارَى التُّرَابُ شَعَرَ صَدْرِهِ ، وَكَانَ رَجُلاً كَثِيرَ الشَّعَرِ ، وَهُوَ يَرْتَجِزُ بِرَجَزِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ :

(۷) دیکھئے صحیح بخاری: ۲/۶۰۳، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر (رقم ٤١٠٦)

(۸) دیکھئے صحیح بخاری: ۲/۹۳۷، كتاب الدعوات، باب قول الله تعالىٰ وصل عليهم" (رقم ٦٣٣١)

(۲۸۷۰) مرّ تخريجه في الجهاد، باب حفر الخندق (رقم ٣٨٣٦)

(اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ ما اَهْتَدَيْنَا ٭ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا ٭ وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ اَلْاَعْدَا قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ٭ إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا)
يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ. [ر: ٢٦٨١]

تراجم رجال

۱۔مسدّد

یہ مسدّد بن مسربل بن مرعبل الاسدی البصری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۱۰)۔

۲۔ابوالأحوص

یہ ابوالأحوص سلام بن سلیم الحنفی الکوفی ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۱۱)۔

۳۔ابواسحٰق

یہ ابواسحٰق عمرو بن عبداللہ بن عبید السبیعی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب الصلوة من الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۱۲)۔

۴۔البراء

مشہور صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب الصلوة من الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۱۳)۔

---

(١٠) كشف الباري: ٢/٢

(١١) دیکھئے كتاب الأذان، باب الالتفات في الصلوة (رقم ٧٥١)

(١٢) كشف الباري: ٢/٣٧٠

(١٣) كشف الباري: ٢/٣٧٥

رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الخندق وهو ينقل التراب حتى وارى التراب شعر صدره وهو يرتجز برجز عبدالله.

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ مٹی ڈھورہے تھے، یہاں تک کہ مٹی نے آپ کے سینہ کے بالوں کو چھپادیا۔ ایک روایت میں "بیاض بطنه" کے الفاظ وارد ہیں، یعنی مٹی نے آپ کے پیٹ کی سفیدی کو چھپادیا (۱۴)۔ دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ مٹی سینے اور پیٹ دونوں کے بالوں پر لگی ہوگی، ایک روایت میں صدر اور دوسری میں بطن کا ذکر آگیا۔

اس وقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عبداللہ ابن رواحہ کے رجز یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اللهم لولا أنت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

فأنزلن سكينة علينا وثبت الأقدام إن لاقينا

إن الأعداء قد بغوا علينا إذا أرادوا فتنة أبينا

❶ اے اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

❷ ہم پر سکینہ نازل فرما اور جنگ کے وقت ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔

❸ دشمنوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، جب یہ لوگ ہمیں فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے۔

يرفع بها صوته: یہ جملہ "وهو يرتجز" سے حال واقع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان اشعار کو آپ بلند آواز سے پڑھ رہے تھے (۱۵)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "وهو يرتجز برجز عبدالله" اور "يرفع بها صوته" حدیثِ باب کے یہ دونوں اجزاء ترجمۃ الباب سے مطابقت رکھتے ہیں (۱٦)۔

---

(١٤) صحيح بخاري: ١/٣٩٨، كتاب الجهاد، باب حفر الخندق، رقم ٢٨٣٧

(١٥) عمدة القاري: ١٤/٣٨٧

(١٦) عمدة القاري: ١٤/٣٨٧

۱۵۹ - باب : مَنْ لَا يَثْبُتُ عَلَى الخَيْلِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

❶ علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے حق میں دعائے خیر فرمائی جو گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا تھا(۱)۔

❷ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جو شخص گھوڑے پر سواری نہیں کر سکتا ہو، اہل خیر کو چاہیے کہ اس کے لئے ثبات کی دعا کریں (۲)۔ اس کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے گھوڑے پر سوار ہونے اور جم کر بیٹھنے کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے (۳)۔

۲۸۷۱ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ نُمَيْرٍ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ إِدْرِيسَ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ ، عَنْ قَيْسٍ ، عَنْ جَرِيرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قَالَ : ما حَجَبَنِي النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ ، وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي . وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الخَيْلِ ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي وَقَالَ : (اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ ، وَٱجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا) . [ر : ۲۸۵۷]

تراجم رجال

۱- محمد بن عبداللہ بن نمیر

یہ ابو عبدالرحمٰن محمد بن عبداللہ بن نمیر الہمدانی ہیں۔ ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (۵)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۳۸۷/۱٤

(۲) فتح الباري: ۱۹۹/٦

(۳) فتح الباري: ۱۹۹/٦

(۲۸۷۱) أخرجه البخاري(۵۳۹/۱) أيضا في مناقب الأنصار، باب ذكر جرير بن عبدالله البجلي رضي الله عنه (رقم ۳۸۲۲)، وفي (۸۹۸/۲) كتاب الأدب، باب التبسم والضحك (رقم ٦۰۹۰)، وعندمسلم في صحيحه(۲۹۷/۲) في فضائل الصحابة، باب من فضائل جرير بن عبدالله رضي الله عنه (رقم ۲٤۷۵)، وعند الترمذي في جامعه(۲٦۱/۲) في المناقب، باب مناقب جرير بن عبدالله البجلي رضي الله عنه (رقم ۳۸۲۲)

(۵) دیکھئے کتاب العمل في الصلوة، باب ماينهى من الكلام في الصلوة، رقم ۱۱۹۹

۲-ابن ادریس

یہ أبومحمد عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الأسود الأودی الکوفی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد ادریس بن یزید الأودی اور ربیعہ بن عثمان، سفیان ثوری، سلیمان الأعمش، شعبہ بن الحجاج، سہیل بن أبی صالح، عبدالملک بن عزیز بن جریج، لیث بن ابی سُلیم، مالک بن أنس، محمد بن اسحٰق بن یسار، ھشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید التیمی، یحییٰ بن سعید الانصاری اور یزید بن أبی زیاد جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث سے روایات لیں۔

اوران سے حدیث روایت کرنے والوں میں نمایاں نام یہ ہیں:

عبداللہ بن مبارک، ابراہیم بن مہدی، احمد بن جواس الحنفی، احمد بن حرب الموصلی، احمد بن محمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابومعمر اسماعیل بن ابراہیم، حسن بن ربیع بجلی، زہیر بن حرب، عمر بن حفص، قتیبہ بن سعید، مالک بن أنس، محمد بن سعد، محمد بن سلام البیکندی، یحییٰ بن آدم، یحییٰ بن أکثم، یحییٰ بن معین وغیرہم۔

مالک بن أنس اور عبداللہ بن ادریس دونوں نے ایک دوسرے سے روایات لیں، گویا مالک بن انس ان کے شیخ بھی ہیں اور تلمیذ بھی (٦)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: كان نسيج وحده (٧)۔

امام ابوحاتم نے فرمایا: حجة يحتج بها، إمام من أئمة المسلمين ثقة (٨)۔

امام نسائی نے فرمایا: ثقة، ثبت۔

ابن ادریس بڑے پائے کے جلیل القدر محدث تھے، تمام ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے۔

امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا، ابن ادریس اور ابن نمیر میں سے آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے؟ یحییٰ بن معین نے جواب دیا: ثقتان، إلا أنَّ ابن إدريس أرفع، وهو ثقة في كل شيء، یعنی دونوں ثقہ ہیں، لیکن ابن ادریس زیادہ بلند مرتبہ کے ہیں، وہ تو ہر چیز میں

---

(٦) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال للحافظ المزي: ١٤/٢٩٤-٢٩٦، وتهذيب التهذيب لابن حجر: ٥/١٤٤

(٧) تهذيب الكمال: ١٤/٢٩٦، تهذيب التهذيب: ٥/١٤٤

(٨) الجرح والتعديل، الترجمة ٤٤، تهذيب الكمال: ١٤/٢٩٩، تهذيب التهذيب: ٥/١٤٥

ثقہ تھے(۹)۔

۱۰/ ذوالحجہ۱۹۲ھ میں ہارون الرشید کی خلافت کے آخری دور میں ان کی وفات ہوئی (۱۰)۔

۳-اسماعیل

یہ اسماعیل بن ابی خالد احمسی بجلی کوفی ہیں،ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ویده کے تحت گزر چکا ہے(۱۱)۔

۴-قیس

یہ مشہور تابعی قیس بن ابی حازم احمسی بجلی کوفی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الدين النصيحة لله ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم کے تحت گزر چکا ہے(۱۲)۔

۵-جریر رضی اللہ عنہ

یہ حضرت جریر بن عبداللہ احمسی بجلی کوفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکے ہیں(۱۳)۔

ما حجبني النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم منذ أسلمتُ، ولا رآني إلا تبسّم في وجهي.

یعنی جب سے میں مسلمان ہوا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اپنے گھر کے اندر داخل

---

(۹) تهذيب الكمال للمزي: ١٤/٢٩٧، وتهذيب التهذيب: ٥/١٤٥

(١٠) طبقات ابن سعد: ٣٨٩/٦، وتهذيب الكمال: ١٤/٣٠٠

(١١) كشف الباري: ٦٧٩/١

(١٢) كشف الباري: ٧٦١/٢

(١٣) كشف الباري: ٧٦٤/٢

ہونے سے نہیں روکا اور جب بھی مجھے دیکھا تو مسکرادیئے۔

في وجهي

سرخسی اور کشمیہنی کے نسخے میں یہ لفظ اسی طرح ضبط ہوا ہے۔ جب کہ ابوذر کے نسخے میں "وجهه" نقل ہے، یہ التفات من المتكلم إلى الغائب کے قبیل سے ہے۔ معنی دونوں صورتوں میں ایک ہے (۱۴)۔

ولقد شكوتُ إليه أني لا أثبت على الخيل فضرب بيده في صدري وقال: اللهم ثبته واجعله هاديا مهديا.

میں نے آپ سے شکایت کی کہ میں گھوڑے پر نہیں جمتا، آپ نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور فرمایا اے اللہ! اس کو گھوڑے پر جمادے اور سیدھی راہ بتلانے والا اور راہ پانے والا بنادے۔

في صدري

ابوذر کی روایت میں اس کے بجائے "صدره" وارد ہوا ہے، یہ بھی پہلے لفظ کی طرح التفات من المتكلم إلى الغائب کے قبیل سے ہے (۱۵)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ "أني لا أثبت على الخيل" کی مناسبت ظاہر ہے (۱۶)۔

حدیث سے مستنبط فوائد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حدیث باب سے مختلف فوائد مستنبط کئے ہیں:

❶ روایت سے معلوم ہوا کہ تبسم اور خندہ پیشانی سے ملنا، اخلاق نبوت میں سے ہے، تبسم اور خندہ پیشانی

(۱٤) فتح الباري: ٦/١٩٩، وعمدة القاري: ١٤/٣٨٨، وإرشاد الساري: ٦/٥٠٦

(١٥) إرشاد الساري: ٦/٥٠٦

(١٦) فتح الباري: ٦/١٩٩، وعمدة القاري: ١٤/٣٨٨

سے ملنا تکبر کو دور کرتا ہے اور الفت ومودّت پیدا کرتا ہے (۱۷)۔

❷ روایت میں گھڑسواری کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اُشراف اور رؤساء کو چاہیے کہ گھوڑسواری کی مشق کریں اور اس فن کو سیکھیں (۱۸)۔

❸ اگر کسی عالم دین یا امامِ وقت سے کوئی آدمی اپنے جسم پر ان کا ہاتھ رکھنے یا ضرب دینے کی درخواست کرے تو اس کی درخواست قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کہ یہ عمل تو تواضع ہے اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے کا سبب ہے (۱۹)۔

١٦٠ – باب : دَوَاءِ الجرْحِ بِإِحْرَاقِ الحَصِيرِ ، وَغَسْلِ المَرْأَةِ عَنْ أَبِيهَا ٱلدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ ، وَحَمْلِ المَاءِ فِي التُّرْسِ .

یہ باب تین اجزاء پر مشتمل ہے، ہر جز میں ایک حکم بیان کیا گیا ہے۔

دواء الجرح بإحراق الحصير: یہ پہلا جز ہے، اس میں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چٹائی کو جلا کر اس کی راکھ علاج کے لئے زخم پر لگانا جائز ہے۔

وغسل المرءة عن أبيها الدم عن وجهه: یہ دوسرا جز ہے، اس میں بتانا چاہتے ہیں کہ اگر عورت اپنے والد کا زخم سے خون آلود چہرہ دھوئے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

وحمل الماء في الترس: ترس، ڈھال کو کہتے ہیں، اس میں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ڈھال کو پانی کے برتن کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کو حدیث باب سے معناً اخذ کیا ہے۔ چنانچہ "مرءة" سے مراد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، انہوں نے ہی پہلے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ پر لگے خون کو دھو کر، چٹائی کا ٹکڑا جلا کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخم پر چپکایا تھا۔ جب کہ ڈھال میں پانی لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے (۱)۔

---

(١٧) عمدة القاري: ١٤/٣٨٨

(١٨) عمدة القاري: ١٤/٣٨٨

(١٩) عمدة القاري: ١٤/٣٨٨

(١) عمدة القاري: ١٤/٣٨٨

۲۸۷۲ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا أَبُو حازِمٍ قالَ : سَأَلُوا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : بِأَيِّ شَيْءٍ دُووِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ ﷺ ؟ فَقَالَ : ما بَقِيَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي ، كانَ عَلِيٌّ يَجِيءُ بِالْمَاءِ في تُرْسِهِ ، وَكانَتْ - يَعْنِي فاطِمَةَ - تَغْسِلُ ٱلدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ ، وَأُخِذَ حَصِيرٌ فَأُحْرِقَ ، ثُمَّ حُشِيَ بِهِ جُرْحُ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ . [ر : ۲٤٠]

تراجم رجال

۱-علی بن عبداللہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی بصری ہیں۔ان کا تفصیلی تذکرہ كتاب العلم، باب الفهم في العلم کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲-سفیان

یہ سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب العلم، باب قول المحدث حدثنا أو أخبرنا کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۴)۔

۳-ابوحازم

یہ سلمۃ بن دینار ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۵)۔

۴-سہل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ

مشہور انصاری صحابی ہیں۔ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے(۶)۔

(۲۸۷۲) مرّ تخريجه في كتاب الوضوء، باب غسل المرءة أباها الدم عن وجهه (رقم ۲٤۳)

(۳) كشف الباري: ۲۹۷/۳-۳۰۲

(٤) كشف الباري: ۱۰۲/۳

(٥) دیکھیے كتاب الوضوء، باب غسل المرءة أباها الدم عن وجهه

(٦) دیکھیے كتاب الوضوء، باب غسل المرءة أباها الدم عن وجهه

سألوا سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه بأيّ شئ دُووِي جُرح رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ؟......

لوگوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا؟ یہ زخم جنگِ اُحد میں لگا تھا۔ سہل نے کہا: اب لوگوں میں اس کا جاننے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں رہا۔ کیونکہ مدینہ میں اس وقت سہل کے علاوہ کوئی صحابی زندہ نہیں بچا تھا، سب وفات پا چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لاتے تھے، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے سے خون دھوتی تھیں، ایک چٹائی لے کر اس کو جلا دیا گیا اور اس سے آپ کا زخم بھر دیا گیا۔ یہاں روایت میں "أُخِذَ" اور "أُحْرِقَ" مجہول صیغے وارد ہیں، لیکن مغازی کی روایت میں تصریح ہے کہ چٹائی جلانے والی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں (۷)۔

یہ روایت بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ کتاب الوضوء کے تحت پہلے گزر چکی ہے اور آگے کتاب المغازی میں بھی تفصیل کے ساتھ آ رہی ہے۔

۱۶۱ – باب : ما يُكْرَهُ مِنَ التَّنَازُعِ وَالِاخْتِلَافِ فِي الحَرْبِ ، وَعُقُوبَةِ مَنْ عَصَى إِمامَهُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری دو باتیں بتلانا چاہتے ہیں:

❶ مایکرہ من التنازع میں امام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جنگ کے وقت اختلاف مکروہ ہے۔ مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور انتشار کو دیکھ کر دشمن جری اور بے خوف ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت نکل جاتی ہے، ظاہر ہے کہ اس انتشار کا نتیجہ دشمن کے مقابلہ میں شکست جیسے ناقابل تلافی نقصان کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

❷ وعقوبة من عصى إمامه میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امیر کی نافرمانی کی سزا شکست اور مالِ غنیمت سے محرومی کی صورت میں اسی دنیا میں مل جاتی ہے (۱)۔

---

(۷) تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب المغازي، ص: ۲۴۷

(۱) فتح الباري: ۲۰۰/۶، وعمدة القاري: ۳۸۹/۱۴، وإرشاد الساري: ۵۰۷/۶

غزوۂ احد میں تیر اندازوں نے عبید اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی بات نہیں مانی، تو فتح ہزیمت میں تبدیل ہوگئی، معاملات باہمی اتفاق رائے اور مشاورت سے طے ہوں تو اس میں برکت ہوتی ہے۔ اگر امیر کسی کی رائے کو ترجیح دے اور اس سے کسی کو اختلاف ہو، تو اپنی رائے سے اختلاف کی وجہ سے آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیے، ایسے مواقع پر صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے عظیم فاتح حرب کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا، انہوں نے تصادم اور محاذ آرائی اختیار کرنے کی بجائے یہ فیصلہ خوشی سے قبول کرلیا اور مسلمانوں کا شیرازہ بندھا رہا۔

وَقَالَ ٱللّٰهُ تَعَالَىٰ : «وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ» /الأنفال : ٤٦/ .

امام نے اپنی عادت کے مطابق باب کی مناسبت سے آیت نقل کی ہے، پوری آیت ہے: ﴿وأطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصابرين﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور (آپس میں) جھگڑا مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تو بہر حال واجب ہے، سیاقِ آیت میں اس اطاعت کی تاکید کا مطلب یہ ہے کہ احکام وتدابیرِ حرب میں بھی اللہ ورسول کے حکم اور ان کی مرضی ومنشا کی پیروی واجب ہے، خود رائی وپیروئ نفس اور آپس میں نزاع واختلاف کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہاری پست ہمتی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور دشمن کے دلوں پر تمہارا جو رعب چھایا ہوا ہے، وہ جاتا رہے گا، اس لئے اگر حالتِ جنگ میں ناگوار حالات پیدا ہوں تو صبر وثبات سے کام لو، صابرین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت شاملِ حال ہوتی ہے، اور یہی معیت فتح ونصرت کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

قَالَ قَتَادَةُ : الرِّيحُ الحَرْبُ .

امام بخاری رحمہ اللہ نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے، انہوں نے ریح کی تفسیر ''حرب'' کے ساتھ کی ہے، اس صورت میں آیت کا مطلب ہے: ''اگر تم آپس میں جھگڑو گے تو پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری جنگی قوت باقی نہیں رہے گی'' (۲)۔

(۲) فتح الباري: ٦/٢٠٠

قتادہ کا یہ اثر عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ''عن معمر عن قتادہ'' کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے(۳)۔

مجاہد نے ''ریح'' کی تفسیر ''نصر'' سے کی ہے(۴)۔یعنی نزاع کی صورت میں تم نصرت الٰہی سے محروم کردیئے جاؤگے۔

ایک قول یہ ہے کہ ''ریح'' سے دولت وسلطنت مراد ہے،یعنی باہمی اختلاف ونزاع کی وجہ سے تمہاری حکومت وسلطنت ختم ہوجائے گی(۵)۔

۲۸۷۳ : حدّثنا يَحْيٰى : حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا وَأَبَا مُوسٰى إِلَى الْيَمَنِ ، قالَ : (يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا ، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا ، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا) . [٤٠٨٦ – ٤٠٨٨ ، ٥٧٧٣ ، ٦٧٥١]

تراجم رجال

۱-یحیٰی

یہ ابوزکریا یحیٰی بن جعفر ازدی البخاری البیکندی ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۷)۔

۲-وکیع

یہ مشہور امام حدیث ابوسفیان وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی الکوفی ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، باب کتابة العلم کے تحت گزر چکے ہیں(۸)۔

---

(۳) تغليق التعليق لابن حجرؒ: ۳/۴۵۷

(٤) عمدة القاري: ۲/۳۹۰

(٥) عمدة القاري: ۱٤/۳۹۰

(۲۸۷۳) مرّ تخريجه في كتاب الإجارة، باب استئجار الرجل الصالح (رقم ۲۲٦۱)

(۷) دیکھئے كتاب الخوف، باب: يحرس بعضهم بعضا في صلاة الخوف (رقم ۹٤٥)

(۸) كشف الباري: ٤/۲۱۹–۲۲٦

۳-شعبہ

یہ شعبہ بن الحجاج ابن الورد العتکی الواسطی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ویده کے تحت گزر چکا ہے(۹)۔

۴-سعید بن ابی بردہ

یہ سعید بن ابی بردۃ عامر بن موسیٰ الکوفی ہیں۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۱۰)۔

۵-عن ابیہ

اس سے سعید بن اَبی بردہ کے والد عامر یا حارث بن موسیٰ الاشعری مراد ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب أيّ الإسلام أفضل کے تحت گزر چکا ہے(۱۱)۔

عن جده

اس سے ابو بردہ کے دادا مشہور صحابی ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری مراد ہیں۔ان کا تذکرہ مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکا ہے(۱۲)۔

أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعث معاذا وأبا موسىٰ إلى اليمن قال: يسّرا ولاتعسّرا، وبشّرا ولا تنفرا، وتطاوعا ولا تختلفا.

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا۔یہ حجۃ الوداع سے پہلے کا واقعہ ہے۔یعنی ان دونوں کو یمن کی طرف حاکم بنا کر بھیجا، آپ نے فرمایا لوگوں پر آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، ان کو خوش خبری سنانا اور نفرت نہ دلانا، اتفاق کرنا اختلاف نہ کرنا۔

---

(۹) كشف الباري: ۱/۶۷۸

(۱۰) دیکھئے كتاب الزكاة، باب: على كل مسلم صدقة، (رقم ۱۴۴۵)

(۱۱) كشف الباري: ۱/۲۹۰

(۱۲) كشف الباري: ۱/۲۹۰

آگے کتاب المغازی میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ آرہی ہے(۱۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

روایت میں ہے "ولا تختلفا" ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے(۱۴)۔

٢٨٧٤ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ خالِدٍ : حدَّثَنا زُهَيْرٌ : حَدَّثَنا أَبُو إِسْحٰقَ قالَ : سَمِعْتُ الْبَرَاءَ ابْنَ عازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ قالَ : جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الرَّجَّالَةِ يَوْمَ أُحُدٍ - وَكَانُوا خَمْسِينَ رَجُلاً - عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جُبَيْرٍ فَقَالَ : (إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوا مَكانَكُمْ هٰذَا حَتَّى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ ، وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا هَزَمْنَا الْقَوْمَ وَأَوْطَأْنَاهُمْ ، فَلَا تَبْرَحُوا حَتَّى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ). فَهَزَمُوهُمْ ، قالَ : فَأَنَا وَاللّٰهِ رَأَيْتُ النِّسَاءَ يَشْتَدِدْنَ ، قَدْ بَدَتْ خَلَاخِلُهُنَّ وَأَسْوُقُهُنَّ ، رَافِعَاتٍ ثِيَابَهُنَّ . فَقَالَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُبَيْرٍ : الْغَنِيمَةَ أَيْ قَوْمِ الْغَنِيمَةَ ، ظَهَرَ أَصْحَابُكُمْ فَمَا تَنْتَظِرُونَ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جُبَيْرٍ : أَنَسِيتُمْ ما قالَ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ؟ قالُوا : وَاللّٰهِ لَنَأْتِيَنَّ النَّاسَ فَلَنُصِيبَنَّ مِنَ الْغَنِيمَةِ ، فَلَمَّا أَتَوْهُمْ صُرِفَتْ وُجُوهُهُمْ فَأَقْبَلُوا مُنْهَزِمِينَ ، فَذَاكَ إِذْ يَدْعُوهُمُ الرَّسُولُ فِي أُخْرَاهُمْ ، فَلَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرُ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلاً ، فَأَصَابُوا مِنَّا سَبْعِينَ ، وَكانَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ أَصَابَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ بَدْرٍ أَرْبَعِينَ وَمِائَةً ، سَبْعِينَ أَسِيرًا وَسَبْعِينَ قَتِيلاً . فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ : أَفِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُجِيبُوهُ ، ثُمَّ قَالَ : أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ قالَ : أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ : أَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ قُتِلُوا ، فَمَا مَلَكَ عُمَرُ نَفْسَهُ ، فَقَالَ : كَذَبْتَ وَاللّٰهِ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ ، إِنَّ الَّذِينَ عَدَدْتَ لَأَحْيَاءٌ كُلُّهُمْ ، وَقَدْ بَقِيَ لَكَ ما يَسُوؤُكَ . قالَ : يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ ، وَالْحَرْبُ سِجَالٌ ، إِنَّكُمْ سَتَجِدُونَ فِي الْقَوْمِ مُثْلَةً ، لَمْ آمُرْ بِهَا وَلَمْ تَسُؤْنِي ، ثُمَّ أَخَذَ يَرْتَجِزُ :

(۱۳) دیکھئے كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٥٦٥

(١٤) عمدة القاري: ١٤/ ٣٩٠

(٢٨٧٤) أخرجه البخاري أيضاً في المغازي، باب بلا ترجمه (رقم ٣٩٨٦)، وباب غزوة أحد (رقم ٤٠٤٣)، وباب: "إذ تصعدون ولا تلوون على أحد" (رقم ٤٠٦٧)، وفي كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿والرسول يدعوكم في أخراكم﴾ (رقم ٤٥٦١)

أُعْلُ هُبَلْ ، أُعْلُ هُبَلْ ، قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَلَا تُجِيبُونَهُ) . قالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ما نَقُولُ ؟ قالَ : (قُولُوا : ٱللهُ أَعْلَى وَأَجَلُّ) . قالَ : إِنَّ لَنَا الْعُزَّى وَلَا عُزَّى لَكُمْ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَلَا تُجِيبُونَهُ) . قالَ : قالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ما نَقُولُ ؟ قالَ : (قُولُوا : ٱللهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ) .

[٣٧٦٤ ، ٣٨١٧ ، ٣٨٤٠ ، ٤٢٨٥]

تراجم رجال

۱-عمرو بن خالد

یہ أبوالحسن عمرو بن خالد بن فروخ بن سعید التمیمی الحرانی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب الصلوة من الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۱۶)۔

۲-زہیر

یہ ابوخیثمہ زہیر بن معاویہ بن حُدیج بن الرحیل بن زہیر بن خیثمہ الجعفی الکوفی ہیں۔ان کا تذکرہ بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکا ہے(۱۷)۔

۳-ابواسحٰق

یہ ابواسحٰق عمرو بن عبداللہ بن عبید السبیعی ہیں۔ان کا تذکرہ بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکا ہے(۱۸)۔

۴-براء بن عازب رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی براء بن عازب بن الحارث بن عدی الأنصاری الحارثی الأوسی ہیں۔ان کا تذکرہ بھی

(١٦) كشف الباري: ٢/٣٦٦

(١٧) كشف الباري: ٢/٣٦٧

(١٨) كشف الباري: ٢/٣٧٠

مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکا ہے(۱۹)۔

جعل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الرجالة يومَ أحد —وكانوا خمسين رجُلا— عبدَ اللّٰه بن جبير

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُحد کے دن پچاس پیدل آدمیوں کا امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

الرجالة: یہ خلاف القیاس "راجل" کی جمع ہے(۲۰)۔یعنی پیدل چلنے والے۔

فقال إن رأيتمونا تخطفنا الطير فلا تبرحوا مكانكم هذا حتى أرسل إليكم، فهزموهم.

"آپ نے فرمایا، اگر تم ہمیں دیکھو کہ چڑیاں ہمیں اچک رہی ہیں، تب بھی اپنی جگہ سے نہ سرکنا، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس پیغام بھیج دوں، سو مسلمانوں نے کفار کو شکست دے دی"۔

تخطفنا: خَطَفَ يَخْطُفُ نصر سے اس کے معنی ہیں: اچک لینا، کھینچ لینا، چھین لینا۔شراح نے اس جملہ کی تقدیر بیان کی ہے: إن قُتلنا وأكلت الطيرُ لحومَنا فلا تبرحوا مكانكم(۲۱)۔ "اگر ہم قتل کردیئے جائیں اور پرندے ہمارا گوشت اچک کر کھائیں، تب بھی تم اپنی جگہ سے مت ہلنا"۔

وإن رأيتمونا هزمنا القوم وأوطأناهم فلا تبرحوا حتى أرسل إليكم

"اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہم نے قوم کفار کو شکست دے دی اور ان کو روند ڈالا تب بھی تم اپنی جگہ سے مت سرکنا، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس پیغام بھیج دوں"۔

أوطأناهم: وَطِئَ الشيءَ وطأً کے معنی ہیں: پاؤں سے روند ڈالنا، کچلنا۔وطئ العدوّ، دشمن پر

---

(۱۹) كشف الباري: ۲/۳۷۵

(۲۰) عمدة القاري: ۱۴/۳۹۱، وإرشاد الساري: ۶/۵۰۸، ۵۰۹

(۲۱) إرشاد الساري: ۶/۵۰۹، وعمدة القاري: ۱۴/۳۹۲

چڑھائی کرنا۔علامہ کرمانی نے فرمایا کہ أوطناهم کی ابتداء میں ہمزہ تعریض کے لئے ہے،أي جعلنا هم في معرض الدوس بالقدم(٢٢) یعنی ہم ان کو ایسی جگہ ڈال دیں، جہاں پاؤں سے روندا جاتا ہے۔

أحمد، حاکم اور طبرانی کی روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أقامهم في موضع ثم قال:

"احموا ظهورنا فإن رأيتمونا نقتل فلا تنصرونا وإن رأيتمونا قد غنمنا فلا تشركونا"(٢٣)۔

یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کی اس جماعت کو ایک جگہ پر مقرر کر کے فرمایا تم ہماری پشت پناہی کرنا، اگر تم ہمیں قتل ہوتے ہوئے دیکھو تو ہماری مدد نہ کرنا، اگر تم ہمیں غنیمت لیتے دیکھو، تو اس میں ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنا۔

قال:فأنا واللهِ رأيتَ النّساء يَشْدُدْنَ، قد بَدَتْ خلا خِلُهن وأسْوقُهنّ، رافعاتٍ ثيابهن

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، بخدا میں نے (مشرک) عورتوں کو اس حال میں بھاگتے ہوئے دیکھا کہ ان کی پازیبیں اور پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں اور اپنے کپڑے اٹھائے ہوئے تھیں۔

يشددن

أي يسرعن في المشي(٢٤) یعنی عورتیں بھاگ رہی تھیں، تیز رفتاری سے چل رہی تھیں۔ یا پھر یہ حملہ کرنے کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ کفار پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔أي: يشتددن على الكفار يقال: شد عليه في الحرب أي حمل عليه(٢٥).

بعض نسخوں میں "يسندن" کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ یہ سند سے ہے یعنی دامنِ کوہ کا بلند حصہ۔اس

(٢٢) شرح الكرماني: ٣٧/١٣

(٢٣) مسند أحمد بن حنبل: ٢٨٧/١

(٢٤) إرشاد الساري: ٥٠٩/٦

(٢٥) عمدة القاري: ٣٩٢/١٤، وإرشاد الساري: ٥٠٩/٦

صورت میں مطلب یہ ہے کہ عورتیں دامنِ کوہ کے بلند حصہ میں چل رہی تھیں تا کہ پہاڑ کے اوپر چڑھ جائیں۔

أي يمشين في سَنَدِ الجبل يَرِدْنَ أن يَرْقينَ الجبل(۲٦).

ان مشرک عورتوں کی تعداد پندرہ تھی، ابن اسحاق نے ان میں سے بعض عورتوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں: ۱-ہند بنت عتبہ، یہ ابوسفیان کے ساتھ تھیں۔۲-اُم حکیم بنت الحرث بن ھشام، یہ اپنے شوہر عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ نکلی تھی۔۳-فاطمۃ بنت ولید بن مغیرہ، یہ اپنے شوہر حرب بن ہشام کے ساتھ نکلی تھی۔۴-برزہ بنت مسعود، یہ صفوان بن اُمیہ کے ساتھ گئی تھی۔۵-ریطۃ بن شیبۃ، یہ اپنے شوہر عمرو بن عاصی کے ساتھ گئی تھی۔۶-سلافہ بنت سعد، یہ اپنے شوہر طلحہ بن ابی طلحہ الجحبی کے ساتھ نکلی تھی (۲۷)۔

فقال أصحاب ابن جبير: الغنيمةَ أي قوم الغنيمة، ظهر أصحابكم فما تنتظرون؟ فقال عبدالله بن جبير:......

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا، غنیمت کا مال لُوٹو، تمہارے ساتھی غالب آچکے، اب کس چیز کا انتظار کرتے ہو؟ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان بھول گئے؟ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اپنی جگہ سے مت سرکنا، کیا یہ فرمان تم بھول گئے؟ ابن جبیر کے ساتھیوں نے کہا، ''بخدا! ہم تو لوگوں کے پاس جا کر مال غنیمت ضرور لوٹیں گے''۔ جب یہ سب ان کے پاس مال غنیمت لوٹنے گئے تو کفار نے ان کے منہ پھیر دیئے، اور شکست کھا کر واپس آئے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بارہ آدمیوں کے سوا کوئی نہ رہا اور کافروں نے ہمارے ستر آدمی شہید کر دیئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے بدر کے دن ایک سو چالیس کافروں کا نقصان کیا تھا، ستر کو قید کیا تھا اور ستر کو قتل کر ڈالا تھا۔

اس کے بعد ابوسفیان نے تین بار کہا أفي القوم محمد؟ ''کیا لوگوں میں محمد ہیں؟'' رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع فرمایا۔ سوال بے فائدہ تھا، اس لئے آپ نے اس کا جواب دینا خلافِ مصلحت سمجھا۔ ابوسفیان نے پھر تین بار کہا أفي القوم ابن أبي قحافه ''کیا لوگوں میں ابن ابوقحافہ (ابوبکرؓ)

---

(۲٦) عمدة القاري: ۱٤/۲۹۲، وإرشاد الساري: ٦/٥۰۹، والنهاية لابن الأثير: ۱/۸٥۰

(۲۷) عمدة القاري: ۱٤/٥۰۹، وإرشاد الساري: ٦/٥۰۹

ہیں؟''۔ابو قحافہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے باپ عثمان کی کنیت تھی۔ پھر اس نے تین بار کہا أفي القوم ابن الخطاب ''کیا لوگوں میں عمر بن الخطاب ہیں؟'' یہ کہہ کر ابو سفیان اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ یہ سب تو قتل ہو چکے ہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے نفس پر قابو نہ پا سکے اور بے اختیار پکار اُٹھے ''اے خدا کے دشمن! تم نے جھوٹ کہا، جن کے نام تم نے لئے، وہ سب زندہ ہیں اور ابھی تم پر بُرا وقت آنے والا ہے''۔ ابو سفیان نے کہا، ''آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے، لڑائی تو ڈول کی طرح ہے (کہ کبھی ایک کے ہاتھ میں اور کبھی دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح فتح کبھی ایک فریق کی کبھی دوسرے فریق کی ہوتی ہے)۔ تم اپنی قوم میں مثلہ پاؤ گے، میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن مجھے برا بھی نہیں لگا''۔ ابو سفیان قریشِ مکہ کا سردار تھا اور مسلمانوں کا دشمن، اس جملہ سے اس کا مقصد یہ بتانا تھا کہ مثلہ جیسی قبیح حرکت کا حکم، میں نے نہیں دیا اس لئے کہ اس کا نقصان خود مثلہ کرنے والوں ہی کو اٹھانا پڑتا ہے، البتہ جب مجھے مثلہ کا علم ہوا تو مجھے بُرا نہیں لگا کہ تم میرے دشمن ہو، تمہیں تکلیف پہنچنے سے مجھے خوشی ہی ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد ابو سفیان رجز یہ مصرعہ پڑھنے لگا، اُعْلُ، هُبَلُ، اُعْلُ، هُبَلُ ''اے ہبل! تو بلند رہ، اے ہبل! تو بلند رہ''، ہبل قریش کے بت کا نام تھا جو عمرو بن لحی نے قریش کے لئے لا کر کعبہ میں رکھا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا، ''کیا تم اس کو جواب نہیں دیتے؟'' صحابہ نے عرض کی، ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا، یہ جواب دو، اللّٰه أعلى وأجلّ ''اللہ سب سے بلند اور بڑا ہے''۔

ابو سفیان نے کہا، إن لنا عُزّى ولا عُزّى لكم ''ہمارے لئے عُزیٰ (بت) ہے، تمہارے لئے نہیں'' آپ نے پھر فرمایا، ''کیا اس کو جواب نہیں دیتے'' صحابہ نے عرض کی، کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا تم یوں کہو اللّٰه مولانا ولا مولا لكم ''اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں''۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

یہ طویل حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بتانے کے لئے نقل کی ہے کہ جنگِ اُحد میں اہل اسلام کی شکست کا سبب عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تھا لا تبرحوا مكانكم ''تم اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا''، لیکن انہوں نے مخالفت کی اور اس مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کو

شکست ہوئی۔ علامہ عینی نے فرمایا، ترجمۃ الباب کی مناسبت روایت کے اس جملہ "أصحاب عبدالله بن جبیر" کے ساتھ ہے کیونکہ انہی کی مخالفت کے نتیجہ میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا (۲۸)۔

١٦٢ – باب : إذَا فَزِعُوا بِاللَّيْلِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر رات کو ایسا واقعہ پیش آجائے جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو، تو امیر کو چاہیے کہ یا تو از خود اس کی تحقیق کرنے نکلے یا جس کو مناسب سمجھے، تحقیق کرنے بھیج دے (۱)۔

٢٨٧٥ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قالَ : كانَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ ، وَأَجْوَدَ النَّاسِ ، وَأَشْجَعَ النَّاسِ ، قالَ : وَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَيْلَةً ، سَمِعُوا صَوْتًا ، قالَ : فَتَلَقَّاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ ، وَهُوَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهُ ، فَقَالَ : (لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا) . ثُمَّ قالَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ : (وَجَدْتُهُ بَحْرًا) . يَعْنِي الْفَرَسَ . [ر : ٢٤٨٤]

تراجم رجال

۱-قتیبہ بن سعید

یہ ابو رجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف الثقفی ہیں۔ کتاب الإیمان، باب إفشا السلام من الإسلام کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۳)۔

---

(٢٨) عمدة القاري: ٣٩١/١٤

(١) فتح الباري: ٦/١٠١، عمدة القاري: ٣٩٤/١٤، إرشاد الساري: ٦/١١٠

(٢٨٧٥) مرّ تخريجه في كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب من استعار من الناس الفرس (رقم ٢٦٢٧)

(٣) كشف الباري: ١٨٩/٢

۲-حماد

یہ حماد بن زید بن درھم الأزدی البصری ہیں۔ کتاب الإیمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية ولا یکفر صاحبها بارتکابها إلا بالشرك کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۴)۔

۳-ثابت

یہ ابو محمد ثابت بن اسلم البُنانی البصری ہیں۔ کتاب العلم، باب القراء ة والعرض علی المحدث کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۵)۔

۴-انس

یہ مشہور صحابی انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحبّ لأخیه مایحبّ لنفسه کے تحت گزر چکا ہے(٦)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ شجاع تھے، اہل مدینہ گھبرا اُٹھے، انہوں نے کوئی آواز سنی تھی (اور خبر لینے کے لئے گھروں سے باہر نکل آئے تھے) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جو سب سے پہلے پہنچ گئے تھے) ابوطلحہ کے گھوڑے پر ننگی پیٹھ پر سوار تلوار لٹکائے ہوئے واپسی میں ان سے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لم تراعوا لم تراعوا ”کچھ ڈر نہیں، کچھ ڈر نہیں“۔ پھر فرمایا ”ہم نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح پایا“ یہ گھوڑا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاریتاً لیا تھا۔سبک رفتاری اور وسعتِ سیر میں آپ نے اس کو بحر سے تشبیہ دی اور یہ آپ کی برکت کا اثر تھا۔

یہ روایت کتاب الھبہ کے آواخر اور مختلف ابواب کے تحت کتاب الجہاد ہی میں کئی بار گزر چکی ہے(۷)۔

---

(٤) كشف الباري: ٢/٢١٩

(٥) كشف الباري: ٣/١٨٣

(٦) كشف الباري: ٢/٤٠٠

(٧) حدیث کی تفصیل کے لئے دیکھئے: کشف الباری، کتاب المغازی، ص: ٢٢٠

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ "فتلقاهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "کی مناسبت ظاہر ہے۔

١٦٣ – باب : مَنْ رَأَى الْعَدُوَّ فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ : يَا صَبَاحَاهْ ، حَتَّى يُسْمِعَ النَّاسَ .

یــاصبــاحــاہ: حاء کے بعد الف استغاثہ کے لئے ہے اور آخر میں "ہ" ندبہ کے لئے ہے۔ یہ جملہ استغاثہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور عرب اسے حملہ آور دشمن سے غافل لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ شراح نے اس کی وجہ تسمیہ یہ تحریر کی ہے کہ دشمن رات کے وقت قتال سے رُک جاتے تھے اور پھر صبح کو تازہ دم ہوکر دوبارہ حملہ آور ہوتے۔ گویا یاصباحاہ سے قوم کو یہ کہہ کر خبردار کیا جاتا تھا کہ صبح ہوگئی ہے، لہٰذا حملہ کے لئے تیار ہوجاؤ۔ فكأنه يريد بقوله يا صباحاه: قد جاء وقت الصباح فتأهبوا للقتال(١)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کفار حملہ آور دشمن کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو مدد کے لئے پکارتے وقت زمانۂ جاہلیت میں "یاصباحاہ" کہا کرتے تھے۔ یہ جملہ اگرچہ دورِ جاہلیت میں کفار استعمال کرتے تھے، لیکن مسلمانوں کے لئے بھی اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ منہی عنہا دعویٰ جاہلیت میں سے نہیں(٢)۔

٢٨٧٦ : حدّثنا المَكّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ ، عَنْ سَلَمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ قالَ : خَرَجْتُ مِنَ الْمَدِينَةِ ذَاهِبًا نَحْوَ الْغَابَةِ ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ بِثَنِيَّةِ الْغَابَةِ لَقِيَنِي غُلَامٌ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ ، قُلْتُ : وَيْحَكَ ما بِكَ ؟ قالَ : أُخِذَتْ لِقَاحُ النَّبِيِّ ﷺ ، قُلْتُ : مَنْ أَخَذَهَا ؟ قالَ : غَطَفَانُ وَفَزَارَةُ ، فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ صَرَخَاتٍ أَسْمَعْتُ ما بَيْنَ لَابَتَيْهَا : يَا صَبَاحَاهْ يَا صَبَاحَاهْ ،

(١) النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير: ٨/٢، وعمدة القاري: ٣٩٥/١٤

(٢) فتح الباري: ٢٠٢/٦

(٢٨٧٦) وعند البخاري (٦٠٣/٢)أيضا في المغازي، باب غزوة ذي قرد (رقم ٤١٩٤)، وعند مسلم في صحيحه (١١٣/٢) في الجهاد والسير، باب غزوة ذي قرد وغيرها (رقم ٤٤٤)، وعند أبي داود في سننه (٢٢/٢) في الجهاد، باب في السرية تردّ على أهل العسكر (رقم ٢٧٥٢)

ثُمَّ اندَفَعْتُ حَتَّى أَلْقَاهُمْ وَقَدْ أَخَذُوهَا ، فَجَعَلْتُ أَرْمِيهِمْ وَأَقُولُ :

أَنَا ابْنُ الأَكْوَعِ ، وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

فَاسْتَنْقَذْتُهَا مِنْهُمْ قَبْلَ أَنْ يَشْرَبُوا ، فَأَقْبَلْتُ بِهَا أَسُوقُهَا ، فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ ﷺ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، إِنَّ الْقَوْمَ عِطَاشٌ ، وَإِنِّي أَعْجَلْتُهُمْ أَنْ يَشْرَبُوا سِقْيَهُمْ ، فَابْعَثْ فِي أَثَرِهِمْ ، فَقَالَ : (يَا ابْنَ الأَكْوَعِ : مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ ، إِنَّ الْقَوْمَ يُقْرَوْنَ فِي قَوْمِهِمْ) . [٣٩٥٨]

تراجم رجال

۱-المکی بن ابراھیم

یہ مکی بن ابراہیم بن بشر بن فرقد تمیمی حنظلی بلخی ہیں۔ کتاب العلم، باب من أشار الفتيا بإشارة اليد والرأس کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۴)۔

۲-یزید بن ابی عبید

یہ مشہور تابعی حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابوخالد یزید بن ابی عبید اسلمی حجازی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم کے تحت گزر چکا ہے(۵)۔

۳-سلمہ

یہ سلمہ بن عمر بن الاکوع الاسلمی المدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ بھی مذکورہ کتاب و باب کے تحت گزر چکا ہے(٦)۔

---

(٤) كشف الباري: ٤٨١/٣

(٥) كشف الباري: ١٨٢/٤

(٦) كشف الباري: ١٨٣/٤

خرجت من المدينة ذاهباً نحو الغابة حتى إذا كنت بثنية الوداع لقيني غلام......

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ سے باہر غابہ (صحرا) کی طرف نکلا، جب میں غابہ کی پہاڑی پر پہنچا تو مجھے عبدالرحمٰن بن عوف کا غلام ملا، میں نے کہا تم یہاں کیسے؟ اس نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنیاں پکڑ لی گئی ہیں، میں نے کہا، کس نے؟ غلام نے کہا غطفان اور فزارہ کے لوگوں نے۔ میں نے تین مرتبہ "یا صباحاہ" بلند آواز سے پکارا اور مدینہ کی دو پتھریلی زمینوں کے درمیان کی پوری آبادی کو اپنی آواز سنادی۔ پھر میں آگے کی طرف روانہ ہوا، یہاں تک کہ ان سے جاملا، وہ اونٹنیاں پکڑے ہوئے تھے، چنانچہ میں ان کو تیر مارتا جاتا، اور یہ کہتا جاتا

أنا ابن الاكوع . واليوم يوم الرُّضَّع

''میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کمینوں کی بربادی کا دن ہے''۔

میں نے وہ اونٹنیاں ان سے چھین لیں اس سے پہلے کہ وہ پانی پی لیتے، بس آگے بڑھتے ہو چلا اتنے میں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملے، میں نے عرض کی: یارسول الله! إن القوم عطاش، وإني أعجلتهم أن يشربوا سقيهم، فابعث في أثرهم ''وہ لوگ پیاسے ہیں، میں نے اونٹنیاں چھڑالی ان کے پانی پینے سے پہلے، لہٰذا آپ ان کے پیچھے فوج روانہ کردیجئے''۔ آپ نے فرمایا: يا بن الأكوع! ملكت فأسجع، إن القوم يُقْرَون في قومهم ''اے ابن اکوع! جب تم نے قوم پر غلبہ پالیا تو اب نرمی سے کام لو، ان لوگوں کی تو اپنی قوم میں مہمان نوازی ہورہی ہے''۔

يُقْرَوْن: یہ قراء سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے، قراء کے معنی ہیں: مہمان نوازی، ضیافت۔

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ لوگ اپنے قبیلہ ''غطفان'' کے پاس پہنچ گئے ہیں، وہاں ان کی خاطر تواضع اور ضیافت ہورہی ہے، اس لئے اب ان کے پیچھے فوج بھیجنے کا فائدہ نہیں۔ معناه أنهم وصلوا إلى غطفان وهم يضيفونهم ويساعدونهم فلا فائدة في الحال في البعث لأنهم لحقو بأصحابهم"(۷).

---

(۷) عمدة القاري: ۱۴/۳۹۷، وإرشاد الساري: ۶/۵۱۳

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ لفظ "یَقْرُوْنَ" یا کے زبر اور راء کے پیش کے ساتھ وارد ہوا ہے، اس کے معنی ہیں: وہ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ اس صورت میں مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں، کیونکہ یہ لوگ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے تائب ہونے کی امید تھی، اس لئے آپ نے ان کے ساتھ یہ رعایت کی (۸)۔

فائدہ

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی ثلاثیات میں سے ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث باب میں ہے "یا صباحاہ، یا صباحاہ" ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مطابقت ظاہر ہے۔

١٦٤ - باب : مَنْ قالَ : خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ فُلَانٍ .

خذها وأنا ابن فلان: یہ جملہ اظہارِ فخر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ شُراحِ حدیث نے فرمایا کہ اس طرح کے مختلف جملے عرب کے بہادر جنگجو، دشمن پر اپنی بہادری کا سکہ جمانے اور امورِ حرب میں اپنی مہارت جتلانے کے لئے بطورِ فخر استعمال کرتے تھے۔ خذها وأنا ابن فلان کہنے والے کا یہ مقصد بھی ہوتا تھا کہ اگر مدمقابل فریق میں کوئی شجاعت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ مقابلہ کے لئے باہر نکلے (۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمۃ الباب سے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی میدانِ جنگ میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے "خذها وأنا ابن فلان" کہتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اور اگر بطورِ تفاخر کہتا ہے تو جائز نہیں،

(۸) إرشاد الساري: ٦/٥١٣.

(۱) شرح ابن بطال: ٥/١٩٩، وعمدة القاري: ١٤/٣٩٨

کیونکہ فخر، تکبر کی علامت ہے اور تکبر حرام ہے۔ اگرچہ یہ جملہ بظاہر سننے والے کو فخر یہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نیت محض دشمن کو مرعوب کرنے کی ہو اور دل احساسِ تفاخر سے عاری ہو تو ظاہر ہے کہ ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن منیر نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ جملہ اقتضائے حال کی وجہ سے منہی عنہ افتخار کے ذیل میں نہیں آتا (۲)۔

وَقالَ سَلَمَةُ : خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ . [ر : ٢٨٧٦]

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ تعلیق من حیث المعنی بابِ سابق کی روایت کا جز ہے (۳)۔

٢٨٧٧ : حدّثنا عُبَيْدُ ٱللهِ ، عَنْ إِسْرَائِيلَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قالَ : سَأَلَ رَجُلٌ الْبَرَاءَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ فَقَالَ : يَا أَبَا عُمَارَةَ ، أَوَلَّيْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ ؟ قالَ الْبَرَاءُ ، وَأَنَا أَسْمَعُ : أَمَّا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ لَمْ يُوَلِّ يَوْمَئِذٍ ، كانَ أَبُو سُفْيَانَ بْنُ الحَارِثِ آخِذًا بِعِنَانِ بَغْلَتِهِ ، فَلَمَّا غَشِيَهُ الْمُشْرِكُونَ نَزَلَ ، فَجَعَلَ يَقُولُ : (أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ) . قالَ : فَمَا رُئِيَ مِنَ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ أَشَدُّ مِنْهُ . [ر : ٢٧٠٩]

تراجم رجال

۱- عبید اللہ

یہ عبید اللہ بن موسیٰ بن باذام عبسی کوفی ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بني الإسلام على خمس کے تحت گزر چکا ہے (۴)۔

---

(٢) فتح الباري: ٢٠٢/٦

(٣) فتح الباري: ٢٠٢/٦، وعمدة القاري: ٣٩٨/١٤

(٢٨٧٧) مرّ تخريجه في كتاب الجهاد، باب من قاد دابة غيره في الحرب

(٤) كشف الباري: ٦٣٦/١

۲-اسرائیل

یہ اسرائیل بن یونس بن أبی إسحاق ہمدانی سبیعی کوفی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب من ترك بعض الاختيار مخافة أن يقصر فهم بعض الناس عنه فيقعوا في أشد منه کے تحت گزر چکا ہے(۵)۔

۳-ابواسحاق

یہ أبواسحاق عمرو بن عبداللہ بن عبید السبیعی ہیں۔ کتاب الإيمان، باب الصلوة من الإيمان کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(٦)۔

روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا، اے أبوعمارہ! کیا تم لوگ غزوۂ حنین کے دن بھاگ گئے تھے۔ابواسحاق کہتے ہیں "میں سن رہا تھا کہ براء نے یہ جواب دیا" ،أنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم يُولّ يومئذ "لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اس دن نہیں بھاگے"۔یعنی ہم تو بھاگ گئے تھے لیکن آپ نہیں بھاگے تھے۔ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے جب مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

أنا النبي لا كذب أنا ابن عبدالمطلب

"میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کا جملہ "أنا النبي لا كذب" مناسبت رکھتا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شجاعت اور جنگ میں ثابت قدمی کی تعریف کی گئی ہے(۷)۔

---

(٥) كشف الباري: ٥٤٦/٤

(٦) كشف الباري: ٣٧٠/٢

(٧) عمدة القاري: ٣٩٩/١٤

١٦٥ – باب : إِذَا نَزَلَ الْعَدُوُّ عَلَى حُكْمِ رَجُلٍ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ باب میں إذا حرفِ شرط کا جواب محذوف ہے، اور تقدیرِ عبارت ہے: "ینفذ إذا أجازهُ الإمام"(١)

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر کفار کسی مسلمان کو یہ کہہ کر اپنا ثالث بنالیں کہ ہمارے بارے میں وہ جو بھی فیصلہ کرے گا، ہمیں تسلیم ہوگا، اگر امام وقت نے اس کو فیصلہ کرنے کی اجازت دی، تو اس فیصلہ کا نفاذ جائز ہے(٢)۔

٢٨٧٨ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ، هُوَ ابْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : لَمَّا نَزَلَتْ بَنُو قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ ، هُوَ ابْنُ مُعَاذٍ ، بَعَثَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، وَكانَ قَرِيبًا مِنْهُ ، فَجَاءَ عَلَى حِمَارٍ ، فَلَمَّا دَنَا قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ) . فَجَاءَ فَجَلَسَ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، فَقَالَ لَهُ : (إِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ) . قالَ : فَإِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ ، وَأَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ ، قالَ : (لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ) . [٣٥٩٣ ، ٣٨٩٥ ، ٥٩٠٧]

---

(١) عمدة القاري: ١٤/٣٩٩

(٢) فتح الباري: ٦/٢٠٣، وعمدة القاري: ١٤/٣٩٩، وإرشاد الساري: ٦/٥١٤

(٢٨٧٨) وعند البخاري أيضاً(٢/٥٩١) في المغازي، باب مرجع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الأحزاب (رقم ٤١٢١)، و(١/٥٣٦، ٥٣٧) في فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب مناقب سعد بن معاذ، و(٢/٩٢٦) في الاستئذان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قوموا إلىٰ سيّدكم (رقم ٦٢٦٢)، وعند مسلم في صحيحه(٢/٩٥) في الجهاد والسير، باب جواز قتل من نقض العهد(رقم ٩٦٤٥)، وعند أبي داود في سننه (٢/٣٦١، ٣٦٢) في كتاب الأدب، باب ماجاء في القيام (رقم ٥٢١٥)

تراجم رجال

۱-سلیمان بن حرب

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی بصری ہیں۔ كتاب الإيمان، باب من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يُلقى في النار من الإيمان کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۴)۔

۲-شعبہ

یہ شعبہ بن الورد العتکی الواسطی ہیں۔ کتاب الإيمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ويده کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۵)۔

۳-سعد بن ابراہیم

یہ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف القرشی المدنی ہیں۔ ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(٦)۔

۴-ابواُمامہ

یہ اَبوامامۃ اسعد بن سہل بن حنیف الأنصاری المدنی ہیں۔ ان کا تذکرہ باب من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يُلقى في النار عن الإيمان کے تحت گزر چکا ہے(۷)۔

۵-ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ الانصاری الخزرجی ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب

(٤) كشف الباري: ٢/١٠٥

(٥) كشف الباري: ١/٦٧٨

(٦) دیکھئے: كتاب الوضوء، باب الرجل يوضئ صاحبه

(٧) كشف الباري: ٢/١٢٢

الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن کے تحت گزر چکا ہے(۸)۔

لما نزلت بنو قريظة على حكم سعد هو ابن معاذ بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكان قريباً منه......

روایت میں ہے کہ جب بنو قریظہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم اور فیصلہ پر قلعہ سے اترے تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعد کو بلا بھیجا، جو آپ کے قریب تھے اور زیادہ دور نہیں تھے۔ چنانچہ سعد گدھے پر سوار ہو کر جب قریب آئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قوموا إلى سيدكم ''اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ''۔ سعد آپ کے قریب آکر بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے فیصلہ پر راضی ہو کر نیچے اترے ہیں۔ حضرت سعد نے عرض کی، میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے لڑنے والے مرد قتل کردیئے جائیں اوران کی عورتیں اور بچے قیدی بنالئے جائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حكمت فيهم بحكم الملك ''آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق ان کا فیصلہ کیا''۔

غزوۂ بنو قریظہ کا یہ واقعہ آگے کتاب المغازی میں تفصیل کے ساتھ آرہا ہے(۹)۔

حكمت فيهم بحكم الملك: الملک لام کے کسرہ کے ساتھ ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ملک کی بجائے لفظ ''اللہ'' کی تصریح ہے(۱۰)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحیح بخاری کے نسخوں میں ''ملک'' لام کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔ اگر فتحہ درست مان لیا جائے تو اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہوں گے اور تقدیر عبارت ہوگی:

لقد حكمت فيهم بالحكم الذي جاء به الملك عن الله تعالىٰ یعنی ''آپ نے ان کا فیصلہ ٹھیک اس حکم کے مطابق کیا جس کو جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے''(۱۱)۔

---

(۸) كشف الباري: ۲/۸۲

(۹) دیکھئے: كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ۲۹۶-۳۰۷

(۱۰) عمدة القاري: ۱۴/۴۰۰، إرشاد الساري: ۶/۵۱۵

(۱۱) عمدة القاري: ۱۴/۴۰۰، وإرشاد الساري: ۶/۵۱۵

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض کی اس توجیہ پر رد کیا ہے کہ ملک سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ان کے نزدیک ملک لام کے کسرہ کے ساتھ ہی درست ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ ہی مراد ہیں۔اس کی دو دلیلیں ہیں:

❶ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ کسی روایت میں یہ ذکر نہیں ہوا ہے کہ اس معاملے میں جبرئیل علیہ السلام آسمان سے کوئی حکم لے کر آئے ہوں۔اگر ایسا ہوتا تو سعد کو اجتہاد کی دعوت ہی نہ دی جاتی۔

❷ دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں "قضيت بحكم الله" کی تصریح ہے۔لہٰذا باب کی روایت میں ملک سے جبرئیل علیہ السلام مراد لینا درست نہیں (۱۲)۔

حدیث سے مستنبط فوائد

❶ روایت سے معلوم ہوا کہ اگر دو خصم کسی ثالث کے فیصلہ پر رضامند ہو جائیں تو ثالث کا فیصلہ بہر صورت تسلیم کرنا واجب ہوگا۔علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت سے خوارج کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے، جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحکیم کا انکار کیا تھا (۱۳)۔

❷ اگر حکمران کی مجلس میں کوئی مسلمان سردارِ قبیلہ یا صاحبِ فضل شخص موجود ہو تو حکمران کو چاہیے کہ وہ ان کی تکریم کا حکم دے اور دوسرے حاضرین مجلس سے کہے کہ وہ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں۔علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ طرز عمل حضرت معاویہ کی اس حدیث کے معارض نہیں جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "من سره أن يتمثل له الرجال فليتبوء مقعده من النار" اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ وعید متکبرین اور ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے جو اپنی تعظیم میں کھڑے نہ ہونے والوں پر غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوں (۱۴)۔

---

(١٢) عمدة القاري: ١٤/٤٠٠، وإرشاد الساري: ٦/٥١٥

(١٣) عمدة القاري: ١٤/٤٠٠

(١٤) عمدة القاري: ١٤/٤٠٠، ٤٠١

١٦٦ - باب : قَتْلِ الْأَسِيرِ ، وَقَتْلِ الصَّبْرِ .

الصبر: لغت میں صبر کے معنی ہیں: الحبس(١)، روکنا، صبراً قتل کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قیدی کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جائیں اور اس کے بعد اس کو قتل کر دیا جائے (٢)۔

پیش نظر نسخوں میں ترجمۃ الباب کے دو جزء ہیں، قتل الأسیر اور قتل الصبر۔ پہلے جز سے یہ بتانا مقصد ہے کہ قیدی کو مروّجہ طریقہ کے مطابق قتل کرنا جائز ہے۔ اور دوسرے جزء کا مقصد یہ ہے کہ قیدی کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ کر بھی قتل کرنا جائز ہے۔

تاہم کشمیہنی کی روایت میں باب کی عبارت ہے: باب قتل الأسير صبراً(٣)۔ اس روایت میں دوسرا جز "وقتل الصبر" نہیں ہے۔ اگر کشمیہنی کی اس روایت کا اعتبار کیا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں صرف ایک ہی بات بتانا چاہتے کہ قیدی کو ہاتھ پاؤں سے باندھ کر قتل کرنا جائز ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کے پیش نظر نسخہ کی عبارت اس طرح ہے: باب قتل الأسير ص[illegible] وقتل الصبر. اس روایت میں باب کے دونوں جملوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ قیدی کو ہاتھ پاؤں سے باندھ کر قتل کرنا جائز ہے۔ اس لئے علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ باب کا دوسرا جملہ "وقتل الصبر" لا[illegible] ور[illegible] ہے (٤)۔

جمہور کے نزدیک قیدیوں کے بارے میں امام المسلمین کو اختیار ہے [illegible] قتل کر دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے یا احساناً بلا کسی فدیہ کے رہا کر دے یا ان مسلمانوں سے [illegible] کی قید میں ہوں، ان کا تبادلہ کر لیا جائے۔ ان امور میں سے جو مسلمانوں کے مفاد میں ہو، امام المسلمین کو اس پر عمل کا اختیار ہے۔ اس مسئلہ میں مذاہب کی تفصیل باب المن والفداء کے تحت گزر چکی ہے۔

٢٨٧٩ : حدّثنا إسماعيلُ قالَ : حدّثني مالكٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ

---

(١) النهاية في غريب الحديث والأثر: ٩/٢، وعمدة القاري: ٤٠١/١٤، وإرشاد الساري: ٥١٥/٦

(٢) عمدة القاري: ٤٠١/١٤، وإرشاد الساري: ٥١٥/٦

(٣) عمدة القاري: ٤٠١/١٤، وإرشاد الساري: ٥١٥/٦

(٤) عمدة القاري: ٥١٥/١٤

(٢٨٧٩) مرّ تخريجه في كتاب جزاء الصيد، باب دخول الحرم ومكة بغير احرام

رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ ، فَلَمَّا نَزَعَهُ جاءَ رَجُلٌ فَقَالَ : إِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ ، فَقَالَ : (اَقْتُلُوهُ) . [ر : ١٧٤٩]

تراجم رجال

۱-اسماعیل ابن ابی اویس

یہ ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اویس اصبحی مدنی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب تفاضل أهل الإیمان في الأعمال کے تحت گزر چکا ہے(٦)۔

۲-مالک

یہ امام دارالہجر ، مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الاصبحی المدنی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن کے تحت گزر چکا ہے(٧)۔

۳-ابن شہاب

یہ محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب الزہری ہیں۔ان کا تذکرہ بدء الوحی کے تحت گزر چکا ہے(٨)۔

۴-انس بن مالک رضی اللہ عنہ

مشہور صحابی رسول ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه کے تحت گزر چکا ہے(٩)۔

أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دخل عام الفتح وعلى رأسه

---

(٦) كشف الباري: ١١٣/٢

(٧) كشف الباري: ٨٠/٢، ٨١

(٨) كشف الباري: ٣٢٦/١

(٩) كشف الباري: ٤/٢

المغفر، فلما نزعه جاء رجلٌ فقال: ان ابن خطل متعلق بأ ستار الكعبه فقال: اقتلوه.

المغفر: (بكسر الميم وسكون الغين المعجمة وفتح الفاء وفي آخره راء) ٹوپی کے نیچے کا خود جو زرہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ زرد ينسج من الدروع على قدر الرأس يلبس تحت القلنسوة(۱۰)۔

روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر پر خود تھا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اتارا تو ایک آدمی آیا، یہ ابو برزہ اسلمی تھے(۱۱)۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردے پکڑے لٹکا ہوا ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کو وہیں مار ڈالو''۔

چنانچہ اسی حالت میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے والا کون تھا۔ روایات میں مختلف نام آئے ہیں۔

بیہقی اور حاکم کی روایت میں ہے "فأما هلال بن خطل فقتله الربير"(۱۲) یعنی ہلال ابن خطل کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

مسند بزار، اور بیہقی کی ''السنن الکبری'' میں ہے:

"فأما عبدالله ابن خطل فأدرك وهو متعلق بأستار الكعبة فاستبق اليه سعيد بن حريث وعمار بن ياسر فسبق سعيد عماراً وكان أشب الرجلين فقتله"(۱۳).

یعنی ابن خطل غلافِ کعبہ پکڑے لٹکا ہوا پایا گیا، سعید بن حریث اور عمار بن یاسر اس کی طرف بڑھے، لیکن سعید نوجوان تھے اس لئے وہ سبقت لے گئے اور ابن خطل کو عمار سے پہلے قتل کر ڈالا۔

---

(۱۰) عمدة القاري: ۴۰۱/۱۴

(۱۱) إرشاد الساري: ۵۱۶/۶

(۱۲) السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۲۱۲/۹، كتاب الجزية، باب الحربي إذا لجأ إلى الحرم، والمستدرك على الصحيحين للحاكم النيسابوري: ۵۴/۲

(۱۳) السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۲۰۵/۸، كتاب المرتد، باب من قال في المرتد يستتاب مكانه فإن تاب وإلا قُتل، والمصنف لابن أبي شيبة: ۴۷۴/۲۰، ۴۷۵

اسی طرح ابن ابی شیبہ نے ابوعثمان الہندی کے طریق سے روایت نقل کی ہے:

"أن أبا برزة الأسلمي قتل ابن خطل وهو متعلق بأستار الكعبة"(١٤).

''ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے ابن خطل کو قتل کیا اور اس وقت وہ غلافِ کعبہ سے لٹکا ہوا تھا''۔

اس آخری روایت کی متابعت میں عبداللہ بن مبارک نے "البر والصلة" میں خود ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت نقل کی ہے(۱۵)۔ دوسری بات یہ ہے کہ قاتلِ ابن خطل کے نام کی تعیین میں جو روایات منقول ہیں، ان کے مقابلہ میں یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ علامہ بلاذری نے اور دیگر علماء اخبار نے اس پر جزم کیا ہے(۱۶)۔

ابن هشام نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ ابو برزہ اسلمی اور سعید بن حریث دونوں نے مل کر ابن خطل کا خاتمہ کیا(۱۷)۔

بعض حضرات نے کہا کہ سعید بن ذویب نے ابن خطل کو قتل کیا(۱۸)۔ علامہ طبری کہتے ہیں کہ زبیر بن عوام ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے ابن خطل کو مار ڈالا(۱۹)۔

شارحین ان سب روایات میں تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابن خطل کو سب نے مشترکہ طور پر قتل کیا ہو اور ابو برزہ اسلمی نے وار [illegible] پہل کی ہو(۲۰)۔

---

(١٤) المصنف لابن أبي شيبة: ٢٠/٧٦: [illegible] ٣/٠٧) كتاب المغازي

(١٥) فتح الباري: ٤/٧٩، دار السلام

(١٦) فتح الباري: ٤/٧٩، دار السلام

(١٧) فتح الباري: ٤/٧٩، دار السلام

(١٨) فتح الباري: ٤/٧٩، دار السلام

(١٩) فتح الباري: ٤/٧٩، دار السلام

(٢٠) فتح الباري: ٤/٧٩، دار السلام، إرشاد الساري: ٦/٥١٦

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن خطل کو صبراً قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا۔لہٰذا ترجمۃ الباب کے ساتھ روایت کی مطابقت ظاہر ہے(۲۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت پر اشکال اور اس کا جواب

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن خطل تو خود استارِ کعبہ سے چمٹا ہوا تھا، لہٰذا اس کے قتل پر قتلِ صبر کی صورت کیسے صادق آئے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ استارکعبہ سے چمٹا ہوا تھا اور اس حالت میں قتل کردیا گیا تھا گویا یہ چمٹنا ایسا ہی ہے جیسے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں۔اسی طرح اس پر اسیر کا قتل کیا جانا بھی صادق ہوا، اس لئے کہ اس وقت مسلمان مکہ فتح کر چکے تھے اور انہیں ہر طرح کی قدرت اور طاقت حاصل ہوگئی تھی، گویا ابن خطل اس وقت ایک اسیر کی حیثیت میں تھا(۲۲)۔

زمانۂ جاہلیت میں ابن خطل کا نام عبدالعزیٰ تھا، اسلام لانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھ دیا تھا۔لیکن بعد میں یہ بدبخت مرتد ہوگیا، شارحین نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مباح الدم قرار دے کر اس کے قتل کا حکم اس لئے دیا کہ اس میں مختلف اسباب قتل جمع ہوگئے تھے۔ ایک سبب تو اس کا ارتداد تھا، ارتداد کے بعد یہ اشعار میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو بیان کرتا۔اس طرح اس کی دوگانے والی لونڈیاں بھی اشعار میں آپ کی ہجو کرتی تھی۔

دوسرا سبب جنایتِ قتل تھا۔اس نے اپنے ایک مسلمان غلام کو بے گناہ قتل کردیا تھا اس لئے پناہ مانگنے کے لئے غلاف کعبہ سے چمٹنے کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن خطل کو قصاصاً قتل کرانے کا حکم دیا(۲۳)۔

---

(۲۱) عمدة القاري: ١٤/ ٤٠١

(۲۲) فتح الباري: ٤/ ٨١، كتاب جزاء الصيد، باب دخول الهرم ومكة بغير إحرام

(۲۳) فتح الباري: ٤/ ٨١، وعمدة القاري: ١٤/ ٤٠١

١٦٧ - باب : هَلْ يَسْتَأْسِرُ الرَّجُلُ وَمَنْ لَمْ يَسْتَأْسِرْ ، وَمَنْ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ .

اس ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ تین باتیں کہنا چاہتے ہیں۔ ھل یستأسر الرجل کے تحت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ایسا موقع آجائے کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو کافروں کی قید میں دینا چاہے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ دوسرے جز "ومن لم یستأسر" میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عزیمت پر عمل کرتے ہوئے کفار کا قیدی بننے پر آمادہ نہ ہو تو اس کو اباء وانکار کی اجازت ہے۔ آخری جز ومن رکع رکعتین عند القتل میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب کفار قتل کرنے لگیں تو شہادت کے وقت دو رکعت پڑھنی چاہیے۔

٢٨٨٠ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ ، وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي زُهْرَةَ ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : بَعَثَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ عَشْرَةَ رَهْطٍ سَرِيَّةً عَيْنًا ، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ جَدَّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ ، فَانْطَلَقُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْهَدْأَةِ ، وَهُوَ بَيْنَ عُسْفَانَ وَمَكَّةَ ، ذُكِرُوا لِحَيٍّ مِنْ هُذَيْلٍ ، يُقَالُ لَهُمْ بَنُو لِحْيَانَ ، فَنَفَرُوا لَهُمْ قَرِيبًا مِنْ مِائَتَيْ رَجُلٍ كُلُّهُمْ رَامٍ ، فَاقْتَصُّوا آثَارَهُمْ حَتَّى وَجَدُوا مَأْكَلَهُمْ تَمْرًا تَزَوَّدُوهُ مِنَ الْمَدِينَةِ ، فَقَالُوا : هٰذَا تَمْرُ يَثْرِبَ فَاقْتَصُّوا آثَارَهُمْ ، فَلَمَّا رَآهُمْ عَاصِمٌ وَأَصْحَابُهُ لَجَؤُوا إِلَى فَدْفَدٍ وَأَحَاطَ بِهِمُ الْقَوْمُ ، فَقَالُوا لَهُمْ : انْزِلُوا وَأَعْطُونَا بِأَيْدِيكُمْ ، وَلَكُمُ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ ، وَلَا نَقْتُلُ مِنْكُمْ أَحَدًا . قَالَ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ أَمِيرُ السَّرِيَّةِ : أَمَّا أَنَا فَوَٱللّٰهِ لَا أَنْزِلُ الْيَوْمَ فِي ذِمَّةِ كَافِرٍ ، اللّٰهُمَّ أَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ ، فَرَمَوْهُمْ بِالنَّبْلِ فَقَتَلُوا عَاصِمًا فِي سَبْعَةٍ ، فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ بِالْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ ، مِنْهُمْ خُبَيْبٌ الْأَنْصَارِيُّ وَٱبْنُ دَثِنَةَ وَرَجُلٌ آخَرُ ، فَلَمَّا ٱسْتَمْكَنُوا مِنْهُمْ أَطْلَقُوا أَوْتَارَ قِسِيِّهِمْ فَأَوْثَقُوهُمْ ، فَقَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ هٰذَا أَوَّلُ الْغَدْرِ ، وَٱللّٰهِ لَا أَصْحَبُكُمْ ، إِنَّ فِي هٰؤُلَاءِ لَأُسْوَةً ، يُرِيدُ الْقَتْلَى ،

(٢٨٨٠) وعند البخاري أيضا في صحيحه (٢/٥٨٥، ٥٨٦) في المغازي، باب غزوة الرجيع (رقم ٤٠٨٦) و(٢/١١٠٠) في التوحيد، باب مايذكر في الذات والنعوت وأسامي الله، وعند أبي داود في سننه (٢/٤) في الجهاد، باب الرجل يستأسر (رقم ٢٦٦٠، ٢٦٦١) و(٢/٨٧) في الجنائز، باب المريض يؤخذ من أظفاره وعانته (رقم ٣١١٢)

فَجَرَّرُوهُ وَعالَجُوهُ عَلَى أَنْ يَصْحَبَهُمْ فَأَبَى فَقَتَلُوهُ ، فَانْطَلَقُوا بِخُبَيْبٍ وَابْنِ دَثِنَةَ حَتَّى بَاعُوهُما بِمَكَّةَ بَعْدَ وَقْعَةِ بَدْرٍ ، فَابْتاعَ خُبَيْبًا بَنُو الحارِثِ بْنِ عامِرِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ عَبْدِ مَنافٍ ، وَكانَ خُبَيْبٌ هُوَ قَتَلَ الحارِثَ بْنَ عامِرٍ يَوْمَ بَدْرٍ ، فَلَبِثَ خُبَيْبٌ عِنْدَهُمْ أَسِيرًا ، فَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عِياضٍ : أَنَّ بِنْتَ الحارِثِ أَخْبَرَتْهُ : أَنَّهُمْ حِينَ ٱجْتَمَعُوا ٱسْتَعارَ مِنْها مُوسَى يَسْتَحِدُّ بِها فَأَعارَتْهُ ، فَأَخَذَ ٱبْنًا لِي وَأَنا غافِلَةٌ حِينَ أَتاهُ ، قالَتْ : فَوَجَدْتُهُ مُجْلِسَهُ عَلَى فَخِذِهِ وَالْمُوسَى بِيَدِهِ ، فَفَزِعْتُ فَزْعَةً عَرَفَها خُبَيْبٌ فِي وَجْهِي ، فَقالَ : تَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ ؟ ما كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكَ . وَٱللهِ ما رَأَيْتُ أَسِيرًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ خُبَيْبٍ ، وَٱللهِ لَقَدْ وَجَدْتُهُ يَوْمًا يَأْكُلُ مِنْ قِطْفِ عِنَبٍ فِي يَدِهِ ، وَإِنَّهُ لَمُوثَقٌ فِي الحَدِيدِ ، وَما بِمَكَّةَ مِنْ ثَمَرٍ ، وَكانَتْ تَقُولُ : إِنَّهُ لَرِزْقٌ مِنَ ٱللهِ رَزَقَهُ خُبَيْبًا ، فَلَمَّا خَرَجُوا مِنَ الحَرَمِ لِيَقْتُلُوهُ فِي ٱلْحِلِّ ، قالَ لَهُمْ خُبَيْبٌ : ذَرُونِي أَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ ، فَتَرَكُوهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ قالَ : لَوْلَا أَنْ تَظُنُّوا أَنَّ ما بِي جَزَعٌ لَطَوَّلْتُها ، اللَّهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا :

وَلَسْتُ أُبالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا ... عَلَى أَيِّ شِقٍّ كانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

وَذٰلِكَ فِي ذاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ ... يُبارِكْ عَلَى أَوْصالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

فَقَتَلَهُ ابْنُ الحارِثِ ، فَكانَ خُبَيْبٌ هُوَ سَنَّ الرَّكْعَتَيْنِ لِكُلِّ ٱمْرِىءٍ مُسْلِمٍ قُتِلَ صَبْرًا ، فَٱسْتَجابَ ٱللهُ لِعاصِمِ بْنِ ثابِتٍ يَوْمَ أُصِيبَ ، فَأَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحابَهُ خَبَرَهُمْ وَما أُصِيبُوا . وَبَعَثَ ناسٌ مِنْ كُفَّارِ قُرَيْشٍ إِلَى عاصِمٍ حِينَ حُدِّثُوا أَنَّهُ قُتِلَ لِيُؤْتَوْا بِشَيْءٍ مِنْهُ يُعْرَفُ . وَكانَ قَدْ قَتَلَ رَجُلًا مِنْ عُظَمائِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ ، فَبُعِثَ عَلَى عاصِمٍ مِثْلُ الظُّلَّةِ مِنَ ٱلدَّبْرِ ، فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ ، فَلَمْ يَقْدِرُوا عَلَى أَنْ يَقْطَعُوا مِنْ لَحْمِهِ شَيْئًا . [۳۷۶۷ ، ۳۸۵۸ ، ۶۹۶۷]

تراجم رجال

۱-ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع بہرانی حمصی ہیں۔ان کا تذکرہ بدء الوحی کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

---

(۲) كشف الباري: ۴۷۹/۱

۲-شعیب

یہ ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ القرشی الأموی ہیں۔ان کا تذکرہ بھی بدء الوحی کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۳)۔

۳-زہری

یہ محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری ہیں۔ان کا تذکرہ بدء الوحی کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

۴-عمرو بن أبی سفیان......

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مصاحبین میں سے تھے۔بعض حضرات نے ان کا نام عُمر (بضم العین) لکھا ہے(۴☆)۔صحیح عمرو(بفتح العین) ہی ہے، چنانچہ امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں ان کا نام عَمرو لکھا ہے(۵)۔

انہوں نے عبداللہ بن عمر بن الخطاب، عمر بن خطاب، ابوموسیٰ اشعری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں کے نام یہ ہیں: الحجاج بن فُرافصہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین، ان کے بھتیجے عبدالملک بن عبداللہ بن أبی سفیان بن أسید بن جاریہ الثقفی، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، ھشام بن سعد(۶)۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام نسائی، ان سب حضرات نے عمرو بن ابی سفیان کی روایت نقل کی ہے(۷)۔

---

(٣) كشف الباري: ١/٤٨٠

(٤) كشف الباري: ١/٣٢٦

(٤☆) تهذيب الكمال: ٢٢/٤٥

(٥) التاريخ الكبير: ٦/٣٣٦، (رقم الترجمة ٦٥٦٧)

(٦) تهذيب الكمال: ٢٢/٤٥، تهذيب التهذيب: ٨/٤١

(٧) تهذيب الكمال: ٢٢/٤٥

ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقات میں کیا ہے(۸)۔اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں ان کو ثقہ قرار دیا ہے(۹)۔

۵-ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ

ان کے تفصیلی حالات کتاب الإیمان، باب أمو الایمان کے تحت گزر چکے ہیں(۱۰)۔

اس روایت میں غزوۂ رجیع کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے مغازی میں بھی غزوہ رجیع کے تحت تفصیل سے نقل کی ہے(۱۱)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عشرةَ رَهْطٍ سريةً عيناً وأمّر عليهم عاصم بن ثابت الأنصاري جَدَّ عاصم بن عمر بن الخطاب

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ جاسوسی کی غرض سے روانہ فرمایا اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے، ان پر امیر مقرر فرمایا۔

رهط: دس تک یا دس سے کم افراد پر مشتمل جماعت۔ أرهُط اور أرْهاط اس کی جمع ہے(۱۲)۔

فانطلقوا حتى كانوا بالهدأة......

یہ لوگ روانہ ہوگئے جب ہداۃ کے مقام پر پہنچے جو مکہ اور عسفان کے درمیان ہے تو کسی نے بنولحیان کو اطلاع دی جو قبیلۂ ہزیل کی شاخ ہے۔ انہوں نے دو سو تیر انداز صحابہ کے تعاقب میں بھیجے یہ لوگ صحابہ کے نشاناتِ قدم کا تتبع کرتے ہوئے چلے ایک جگہ صحابہ نے کھجوریں کھائی تھیں جو مدینہ سے ساتھ لی تھیں انہوں نے

(۸) ثقات ابن حبان: ۱۸۰/۵

(۹) تقريب التهذيب: ۷۱/٦

(۱۰) كشف الباري: ٦٥٩/۱

(۱۱) دیکھئے كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ۲۵۳-۲٦۱

(۱۲) النهاية في غريب الحديث: ۷۰۷/۱

کھجور کی گھٹلیاں پا کر پہچان لیا کہ یہ مدینہ کی کھجوریں ہیں، چنانچہ یہ لوگ ان کے نشاناتِ قدم پر چلتے رہے جب عاصم اوران کے ساتھیوں نے ان کو دیکھ لیا تو انہوں نے ایک اونچے ٹیلے پر پناہ لی۔ کافروں نے ان کو گھیر لیا اور کہا ''اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کردو، تمہارے لئے عہد و پیمان ہے، ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے''۔

اس پر جماعت کے امیر عاصم نے کہا ''أما أنا فوالله لا انزل اليوم في ذمة كافر اللهم أخبر عنا نبيك'' ''میں تو خدا کی قسم کافر کی پناہ میں نہیں اُتروں گا، اے اللہ ہماری حالت سے اپنے نبی کو باخبر کیجئے'' پھر کفار نے ان پر تیروں کی بارش شروع کردی اور عاصم کو سات ساتھیوں سمیت شہید کردیا۔ خُبیب انصاری، ابن دثنہ اور ایک دوسرے آدمی عبداللہ بن طارق ان کے عہد و پیمان پر ٹیلے سے اُتر آئے۔ جب کافروں نے ان پر قابو پالیا تو ان کی کمانوں کی تانت کھولی اور اس تانت سے تینوں کو باندھ دیا۔

اس پر تیسرے شخص عبداللہ ابن طارق نے کہا ''یہ پہلی غداری ہے، میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، میرے لئے تو ان شہداء میں نمونہ ہے'' کافروں نے ان کو کھینچا اور ان کو ساتھ لے جانے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن طارق نے انکار کیا تو ان کو قتل کردیا جب کہ خُبیب اور زید بن دثنہ کو لے جا کر غزوۂ بدر کے بعد مکہ میں فروخت کردیا۔ خبیب کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خریدا، اس لئے کہ حارث کو حضرت خبیب نے بدر میں قتل کیا تھا لہٰذا باپ کا قصاص لینے کے لئے حارث کے بیٹوں نے ان کو خریدا۔ حضرت خبیب ان کے ہاں قیدی بن کر ٹھہرے۔

فأخبرني عبيدالله بن عياض......

ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ حارث کی بیٹی (زینب) نے ان کو بتایا کہ جب انہوں نے خبیب کو قتل کرنے کا عزم کیا تو خبیب نے زینب سے استرا مانگا تا کہ وہ زیرِ ناف کی صفائی کرلیں۔

زینب نے استرا عاریتاً دے دیا۔ آگے کہتی ہیں کہ مجھے خبر نہیں تھی کہ میرا ایک بچہ خبیب کے پاس آ گیا میں نے دیکھا کہ انہوں نے بچے کو ران پر بٹھایا ہوا ہے اور استرا ان کے ہاتھ میں ہے، یہ دیکھ کر میں بہت گھبرائی، خبیب میری گھبراہٹ والا چہرہ دیکھ کر جان گئے، کہنے لگے ''کیا تو اس بات سے ڈرتی ہے کہ میں اس کو قتل کردوں گا، میں

اس کو قتل نہیں کروں گا"۔

والله ما رأيت أسير اقط خيراً من خبيب والله لقد وجدته يوماً يأكل من قطفِ عنب في يده، وإنه لموثق في الحديد......

زینب کہتی ہے خدا کی قسم! میں نے خبیب سے اچھا کوئی قیدی نہیں دیکھا، میں نے ان کو انگور کے خوشے سے کھاتے دیکھا اور وہ لوہے کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان دنوں مکہ میں میوہ بالکل نہ تھا، یہ اللہ کی روزی تھی جو اس نے خُبیب کو دی۔ پھر جب یہ لوگ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے لئے حرم کے باہر لے گئے تو حضرت خبیب نے کہا ذروني اركع ركعتين، "مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع دو" چنانچہ انہوں نے چھوڑ دیا، خبیبؓ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر قاتلوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اگر تم یہ گمان نہ کرتے کہ میں موت سے ڈرتا ہوں تو (اپنی نماز) طویل کر کے پڑھتا۔ اے اللہ! ان کافروں کو گن گن کر ہلا کر" پھر آپؓ نے یہ شعر پڑھے:

ما أن أبالي حين أُقتل مسلما

على أي جنب كان لِلّه مصرعي

وذلك في ذات الإلٰه وإن يشأ

يبارك على أوصال شلو ممزّع

❶ جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں، تو مجھے اس بات کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کس پہلو پر میرا (زمین پر) پچھڑنا ہوگا۔

❷ اور میرا قتل ہونا اللہ کی رضا کے لئے ہے، اگر وہ چاہے تو ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے عضو کے جوڑوں پر برکت نازل کرے گا۔

اس کے بعد عقبہ بن حارث نے ان کو شہید کر دیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے اسیر ہو کر شہید کئے جانے والے ہر مسلمان کے لئے دو رکعت نماز کی سنت قائم کی۔

حضرت ابوہریرہ نے اسے سنت اس لئے فرمایا کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ عمل، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں کیا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا تھا (۱۳)۔

---

(۱۳) إرشاد الساري: ٦/٥٢٠

فاستجاب الله لعاصم بن ثابت يوم أصيب

''جس دن عاصم بن ثابت قتل ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرلی''۔

عاصم رضی اللہ عنہ جو امیر سریہ تھے انہوں نے دعا کی تھی "اللهم أخبرنا عنا نبيك" ''اے اللہ! ہماری حالت سے اپنے نبی کو باخبر کیجئے'' مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی حالت کی خبر ہوگئی۔ اسی دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ان کے واقعہ کی خبر اور ان پر جو اذیتیں ہوئیں، بیان فرمائیں۔

وبعث ناس من كفار قريش إلى عاصم حين حدثوا أنه قُتِل ليؤتوا بشيئٍ منه يُعرف وكان قد قتل رجلا من عظمائهم يوم بدر

یعنی بعض کفار قریش کو جب عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو انہوں نے چند آدمی روانہ کئے کہ جا کر عاصم کے جسم کا کوئی ایسا حصہ (کاٹ کر) لے آئیں جس سے وہ پہچانے جاسکتے ہوں۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے بدر کے موقع پر قریش کا ایک سردار (عقبہ بن ابی معیط) کو قتل کیا تھا۔ گویا کفارِ قریش انتقام کی ہوس پوری کرنا چاہتے تھے۔

فبُعِث على عاصم مثل الظُّلَّة من الدَّبْر، فحَمَتْه من رَسُولهم، فلم يَقْدِروا على أن يقطعوا من لحمه شيئاً

''عاصم کے جسم پر سائبان کی طرح بھڑوں کا ایک دستہ بھیج دیا گیا، جس نے قریش کے بھیجے ہوئے لوگوں سے حضرت عاصم کی حفاظت کی، چنانچہ ان لوگوں کو حضرت عاصم کے جسم کا کوئی حصہ کاٹنے پر دسترس حاصل نہ ہوسکی''۔

بعث یہاں مجہول کا صیغہ ہے۔ آگے مغازی کی روایت میں ہے: فبعث الله على عاصم اس روایت میں تصریح ہے کہ اللہ نے بھڑوں کا دستہ بھیجا۔

الظلة: (ظاء کے ضمہ کے ساتھ) سائبان کو کہتے ہیں۔

الدبر: (دال کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ) زنبوروں اور بھڑوں کو کہتے ہیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

❶ هل يستأسر الرجل میں بتایا گیا ہے کہ اپنے آپ کو کفار کی قید میں دینا جائز ہے۔ حدیث میں ہے "فنزل إليهم ثلاثة رهط بالعهد والميثاق" "تین آدمی (خبیب انصاری، زید بن دثنہ، عبداللہ بن طارق) کفار کے عہد و پیمان پر اتر آئے"۔ حدیث باب کے اس جز کی مناسبت ترجمۃ الباب کے اس پہلے جز کے ساتھ ظاہر ہے۔

❷ دوسرے جز ومن لم يستأسر میں بتایا گیا ہے کہ اپنے آپ کو کفار کی قید میں دینے سے انکار کرنا بھی جائز ہے۔ حدیث باب میں ہے "وقال عاصم بن ثابت أمير السرية: أما أنا فوالله لا أنزل اليوم في ذمة كافر" "امیر سریہ عاصم بن ثابت نے کہا کہ میں تو خدا کی قسم! کافر کی پناہ میں نہیں اتروں گا"۔ اس جملہ کی مناسبت ترجمۃ الباب کے اس دوسرے جز کے ساتھ واضح ہے۔

❸ ترجمۃ الباب کے تیسرے جز ومن ركع ركعتين عند القتل میں بتایا گیا ہے کہ شہادت کے وقت دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ حدیث باب کا یہ جملہ اس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے: "قال لهم خُبيب: ذروني أركع ركعتين فتركوه فركع ركعتين" (۱۴)۔

۱٦٨ – باب : فَكاكِ الْأَسِيرِ .

شُرّاح حدیث کے نزدیک یہاں عبارت مقدر ہے "باب وجوب فكاك الأسير من أيدي العدوّ أو بغيره" (١).

فكاك: فا کو مفتوح بھی پڑھنا درست ہے اور مکسور بھی (۲)۔ اس کے معنی ہیں: رہا کرنا، چھڑانا (۳)۔

---

(١٤) عمدة القاري: ٤٠٣/١٤

(١) عمدة القاري: ٤٠٨/١٤، فتح الباري: ١٦٧/٦، إرشاد الساري: ٤٢١/٦

(٢) عمدة القاري: ٤٠٨/١٤

(٣) عمدة القاري: ٤٠٨/١٤

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوئے والے مسلمان قیدی کو رہا کرانا واجب ہے اور رہائی کے عوض مال یا اس کے متبادل کسی اور چیز کا مطالبہ کیا جائے، تو اسے پورا کرنا چاہیے(۴)۔

فِيهِ عَنْ أَبِي مُوسٰى ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب النکاح (۵) اور کتاب الأحکام (۶) کے تحت مسدد کے طریق سے، کتاب الأطعمۃ (۷) میں عن محمد بن کثیر عن سفیان کے طریق سے اور کتاب المرضیٰ (۸) میں قتیبہ بن سعید کے طریق سے موصولاً روایت کیا ہے(۹)۔

نیز سنن ابوداود میں کتاب الجنائز (۱۰) کے تحت اور امام نسائی کی سنن کبریٰ میں کتاب السیر کے تحت بھی مذکورہ تعلیق موصولاً روایت کی گئی ہے(۱۱)۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس باب کے اندر جو حدیث مروی ہے، وہ

---

(٤) عمدة القاري: ١٤/٤٠٨، فتح الباري: ٦/١٦٧، إرشاد الساري: ٦/٤٢١

(٥) أخرجه في صحيحه: ٢/٧٧٧ في باب حق إجابة الوليمة، (رقم: ٥١٧٤)

(٦) أخرجه في: ٢/١٠٦٠، باب إجابة الحاكم الدعوة (رقم: ٧١٧٣)

(٧) أخرجه: ٢/٨٠٩ في باب قول الله تعالىٰ: ﴿كلوا من طيبات مارزقنكم﴾ (رقم: ٥٣٧٣)

(٨) أخرجه في صحيحه في: ٢/٢، باب وجوب عيادة المريض (رقم: ٥٦٤٩)، فتح الباري: ٦/١٦٧

(٩) عمدة القاري: ١٤/٤٠٨

(١٠) أخرجه أبوداود في سننه في باب الدعاء للمريض عند العيادة (رقم: ٣١٠٥)

(١١) أخرجه النسائي في السنن الكبرى: ٥/٢٠٢ في باب الأمر بفكاك الأسير (رقم: ٨٦٦٦)

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے (۱۲)۔ مطلب یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی باب کی حدیث کو روایت کرنے میں زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوذر کی روایت میں مذکورہ تعلیق نہیں (۱۳)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ کا مدعیٰ ثابت کرنے کے لئے یہاں دو حدیثیں نقل کی ہیں:

۲۸۸۱ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (فُكُّوا الْعَانِيَ ، يَعْنِي : الْأَسِيرَ ، وَأَطْعِمُوا الجَائِعَ ، وَعُودُوا المَرِيضَ) . [۴۸۷۹ ، ۵۰۵۸ ، ۵۳۲۵ ، ۶۷۵۲]

تراجم رجال

۱۔قتیبہ بن سعید

یہ شیخ الاسلام ابورجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف ثقفی ہیں۔ان کے حالات کتاب الایمان کے تحت گزر چکے ہیں (۱۴)۔

۲۔جریر

یہ جریر بن عبدالحمید بن قرط ضبی رازی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم کے تحت گزر چکے ہیں (۱۵)۔

۳۔منصور

یہ ابوعتاب منصور بن المعتمر سلمی کوفی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم کے تحت گزر چکے ہیں (۱۶)۔

(۱۲) عمدة القاري: ۱۴/۴۰۸، فتح الباري: ۶/۱۶۷، إرشاد الساري: ۶/۵۲۱

(۱۳) إرشاد الساري للقسطلاني: ۶/۵۲۱

(۱۴) کشف الباري: ۲/۱۸۹

(۱۵) کشف الباري: ۳/۲۶۸

(۱۶) کشف الباري: ۳/۲۷۰

۴-ابووائل

یہ مشہور تابعی ابووائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا زمانہ پایا، لیکن زیارت کی سعادت حاصل نہ ہوسکی، کتاب الإیمان کے تحت ان کا ترجمہ گزر چکا ہے (۱۷)۔

۵-ابوموسیٰ

یہ مشہور اور جلیل القدر صحابی أبوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۱۸)۔

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فكو العاني يعنى الأسير

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیدی کو رہا کراو۔

العاني

بروزن قاضی، قیدی کے معنی میں ہے، عُناۃ اس کی جمع ہے، مؤنث سے اس کی جمع "عَوان" اور مفرد "عانية" ہے۔ عنا يعنو (ن) سے اس کے معنی ذلت اور رسوائی کے آتے ہیں۔ "العاني بالعين المهملة وبالنون مثل القاضي من عنا يعنو فهوعان والجمع عناة، والمرء ة عانية، والجمع عوان، وقال ابن الأثير: والعاني الأسير وكل من ذلّ واستكان وخضع فقد عنا" (۱۹)۔

يعنى الأسير

یہ مُدرَج من الراوی ہے اور "فكوا العاني" کی تفسیر ہے (۲۰)۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابوذر کی

(۱۷) كشف الباري: ۲/۵۵۹

(۱۸) كشف الباري: ۱/۶۹۰

(۱۹) عمدة القاري: ۱۴/۲۹۴، وفتح الباري: ۶/۱۶۷

(۲۰) عمدة القاري: ۱۴/۲۹۴، وفتح الباري: ۶/۱۶۷

روایت میں یہاں "يعني" کی بجائے "أي" ضبط ہوا ہے (۲۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اِدراج قتیبہ یا جریر ہی کا ہوسکتا ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اس روایت کو کتاب الطب میں "ابوعوانہ عن منصور" اور کتاب الأطعمۃ میں "ثوری عن منصور" کے طریق سے بھی نقل کیا ہے، پہلے طریق میں مذکورہ ادراج کی تصریح نہیں۔ البتہ "ثوری عن منصور" والے طریق کے آخر میں یہ اضافہ ہے: "قال سفيان: العاني الأسير" گویا اس طریق میں کوئی ابہام نہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

والتفسير من قبل جرير أو قتيبة، وإلا فقد أخرج المصنف في الطب من طريق أبي عوانة عن منصور فلم يذكره، وأخرجه في الأطعمة من طريق الثوري عن منصور وقال في آخره "قال سفيان: العاني الأسير (٢٢).

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کی روشنی میں یہ ادراج قتیبہ یا جریر ہی کا ہوسکتا ہے، چونکہ روایتِ باب میں قائل کی تصریح نہیں، اس لئے تعیین نہیں ہوسکتی۔

مسلمان قیدی کی رہائی کا مسئلہ

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمان قیدی کو رہا کرنا بالاجماع فرض کفایہ ہے۔ اس پر انہوں نے "وعليه كافة العلماء" کہہ کر جمہور کا اتفاق نقل کیا ہے (۲۳)۔

البتہ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ مسلمان قیدی کی رہائی کے عوض دشمن کو کیا دیا جائے۔

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ مال دے کر رہا کیا جائے گا (۲۴)۔ ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی قول منقول ہے (۲۵)۔

(٢١) إرشاد الساري شرح صحيح البخاري: ٥٢١/٦

(٢٢) فتح الباري: ٢٠٥/٦

(٢٣) شرح ابن بطال: ٢١٠/٥

(٢٤) فتح الباري: ١٦٧/٦، وعمدة القاري: ٢٩٤/١٤

(٢٥) فتح الباري: ١٦٧/٦، وعمدة القاري: ٢٩٤/١٤

امام احمد بن حنبل (۲۶) اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک رأس کے بدلہ رأس ہے (۲۷)، مطلب یہ ہے کہ مسلمان قیدی کی رہائی کے بدلہ میں کافر قیدی کو رہا کیا جائے گا۔

جہاں تک مال کے عوض رہائی کا حکم ہے، اس سلسلہ میں امام احمد رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "وأما بالمال فلا أعرفه" (۲۸)۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو قول منقول ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ کا پہلا قول

ایک قول کے مطابق ان کے نزدیک **رأس کے بدلے میں رأس ناجائز ہے۔** اس سلسلے میں انہوں نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ رہائی کے بعد کافر قیدی دوبارہ اہل اسلام سے جنگ کریں گے، کافر قیدی کی رہائی سے دشمنوں کی عددی حیثیت بڑھے گی، ان کی قوت میں اضافہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے فائدہ مند نہیں، بلکہ نقصان دہ ہے۔ اس لئے مسلمان قیدی کو رہا کرانے کے مقابلہ میں اس نقصان کا سدباب کرنا زیادہ بہتر ہے جو کافر قیدی کی رہائی سے پیدا ہوگا۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"ولا يفادىٰ بالأسارىٰ عند أبي حنيفة -إلى أن قال-: له أن فيه معونة الكفرة؛ لأنه يعود حربا علينا، ودفع شرِّ حربه خيرٌ من استنقاذ الأسير المسلم" (۲۹)۔

دوسرا قول

امام اعظم رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ رأس کے بدلہ رأس جائز ہے۔ یعنی مسلمان قیدی کے تبادلہ

(۲٦) فتح الباري: ٦/١٦٧، وعمدة القاري: ١٤/٢٩٤

(٢٧) المجموع شرح المهذب: ٢١/٨٠، وهداية: ٢/٥٦٧

(٢٨) عمدة القاري: ١٤/٢٩٤، وفتح الباري: ٦/١٦٧

(٢٩) هداية: ٢/٥٦٧، وردّ المحتار على الدر المختار: ١٢/٥٣٥

میں کافر قیدی کو رہا کیا جا سکتا ہے۔ یہی رائے صاحبین کی بھی ہے(۳۰)۔

ان کا استدلال عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مشرک قیدی کے بدلہ دو مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا تھا، "لأنہ فدی رجلین من المسلمین برجل من المشرکین"(۳۱)۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ کافر قیدی کو قتل کرنے یا اسے مسلمانوں کی منفعت میں استعمال کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ مسلمان قیدی کو اس کے بدلہ رہائی میسر ہو۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے دوسرے قول کو امام محمد رحمہ اللہ نے سیر کبیر میں نقل کیا ہے، اسی کو امام زیلعی اور علامہ بن ہمام رحمہما اللہ(۳۲) نے "أظهر الروايتين عن أبي حنيفة" قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ زیلعی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وعن أبي حنيفة رحمه الله أنه لابأس بأن يفادىٰ بهم أسارى المسلمين، وهو قول محمد؛ لأن تخليص المسلم من أيديهم واجب، ولا يتوصل إليه إلا به......، ومنفعة تخليص المسلم أولىٰ من استرقاقهم أو جعلهم ذمة، وقد روى أنه عليهم الصلوة والسلام فادىٰ بهم أسرى المسلمين، وذكر في السير الكبير أن هذا هو أظهر الروايتين عن أبي حنيفة"(۳۳)۔

نومسلم قیدی کی رہائی کا حکم

اگر کافر قیدی اسلام لائیں، تو ان کے بدلے میں مسلمان قیدیوں کو اس شرط پر رہا کرانا جائز ہے جب

---

(۳۰) هداية: ۲/۵٦۷، وردّ المحتار على الدرالمختار: ۱۲/۵۳۵

(۳۱) أخرجه مسلم في صحيحه كتاب الإيمان، باب لا وفاء لنذر في معصية الله ولا فيما لايملك العبد (رقم: ۱٦٤۱)، وأبوداود في سننه كتاب الإيمان، باب النذر فيما لايملك (رقم: ۳۳۱٦)، وأحمد في مسنده: مسند الكوفيين، حديث عمران بن حصين رضى الله عنهما (رقم: ۱۰۱۰۳)

(۳۲) فتح القدير: ٥/٤٧٤

(۳۳) تبيين الحقائق للزيلعي رحمه الله: ٤/٩٩، وردالمحتار: ۱۲/۵۳۵

مسلمانوں کی قید میں اسلام لانے والے یہ نومسلم قیدی، اس تبادلہ پر رضامند ہوں اور اسلام کی پاداش میں کسی قسم کے خطرات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ انہیں لاحق نہ ہو۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"ولو كان أسلم الأسارىٰ في أيدينا لا يفادىٰ بمسلم أسير في أيديهم؛ لأنه لايفيد إلا إذا طابت نفسه به، وهو مأمون على إسلامه"(۳۴)۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا تسامح

صاحبین کے نزدیک مسلمان قیدی کی رہائی کے عوض اہل اسلام کی قید میں رہنے والی غیر مسلم عورت کو رہا کرنا ناجائز ہے۔

جب کہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ مذکورہ صورت کے جواز کے قائل ہیں، ان حضرات کے نزدیک اس صورت پر عمل کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لیکن صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کو اس مسئلہ میں نقل مذاہب میں تسامح ہوا ہے، ان کی صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کی طرح امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ بھی عدم جواز کے قائل ہیں(۳۵)۔ حالانکہ ان حضرات کا نقطۂ نظر وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی اتباع کرتے ہوئے صاحب اعلاء السنن، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو بھی نقل مذاہب میں مغالطہ ہوا ہے۔

چنانچہ اعلاء السنن میں ہے:

"وعن أبي حنيفة أنه يفادى بهم كقول أبي يوسف ومحمد، والشافعي وأحمد إلا بالنساء فإنه لاتجوز المفاداة بهن عندهم(۳٦)۔

حالانکہ "شرح المہذب" میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک اور "المغنی" میں امام احمد کا مسلک بالکل

(۳٤) هداية: ۲/۵۲۷

(۳۵) دیکھئے: فتح القدير: ۵/٤٧٥

(۳٦) دیکھئے: إعلاء السنن: ۱۲/۱۰٤

صریح ہے کہ مسلمان قیدی کی رہائی کے عوض کافرہ عورت کو رہا کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔

ان حضرات کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کے دوران حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو ایک قیدی عورت دی تھی، جو بعد میں سلمہ بن اکوع نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہدیہ کردی تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بدلہ میں فتح مکہ کے موقع پر گرفتار ہونے والے مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا (۳۷)۔

صحیح مسلم کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد مسلک شافعیؒ کی وضاحت کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وفي الحديث: جواز المفاداة، وجواز فداء الرجال بالنساء الكافرات" (۳۸)۔

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ابن قدامہؒ نے امام احمد رحمہ اللہ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ "المغني" میں ہے:

"وجوّز أن يُفادىٰ بهنّ أسارىٰ المسلمين لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فادى بالمرءة التي أخذها من سلمة بن الأكوع" (۳۹).

احناف کا استدلال

صاحبین کے نزدیک کافر عورت کے بدلہ مسلمان قیدی کو رہا کرنا اس لئے جائز نہیں کہ عورت کی

---

(۳۷) أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الجهاد، باب التنفيل وفداء المسلمين بالأسارىٰ (رقم: ۱۷۵۵)، عن سلمة بن الأكوع -رضي الله عنه- : خرجنا مع أبي بكر أمره علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم -إلى أن قال-: فلقيني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في السوق فقال لي: ياسلمة هب لي المرءة لله أبوك: أعني التي كان أبوبكر نفله إياها، فقلتُ هي لك يارسول الله، والله ماكشفتُ لها ثوبا، فبعث بها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ففدى بها ناساً من المسلمين كانوا أسروا بمكة" أنظر ايضاً شرح المهذب: ۲۱/۷۹، حيث نقله مستدلاً به.

(۳۸) دیکھئے: الجمموع شرح المهذب: ۲۱/۸۰

(۳۹) دیکھئے: المغني لابن قدامة: ۱۰/۳۹۸

رہائی کے نتیجہ میں، اہل کفر کے توالد وتناسل میں ترقی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ یہ کفار کی شوکت وقوت میں اضافہ کا باعث ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی کی توجیہ

لیکن علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے، احناف کے نزدیک یہ ممانعت، مال کے عوض کافر قیدیوں کی رہائی سے متعلق ہو، ورنہ تو احناف کے نزدیک کافر قیدیوں کے بدلہ مسلمان قیدیوں کو رہا کرانا جائز ہے، اور اس صورت میں ان کے نزدیک کوئی کراہت نہیں، حالانکہ کفار کے مرد قیدی بھی توالد وتناسل کا ذریعہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ممانعت کی وہ علت جو احناف کے نزدیک مسلمان قیدیوں کی رہائی کے عوض کافر عورتوں کی رہائی میں موجود تھی، وہ کافر مردوں کو مسلمان مردوں کی رہائی کے عوض رہا کرنے میں بھی موجود ہے، اس لئے رأس بالرأس کی صورت بھی ناجائز ہونی چاہیے، جب کافر مردوں کے تبادلہ کی صورت جائز ہے، تو پھر کافر عورتوں کے تبادلہ والی صورت بھی جائز ہی ہوگی۔

چنانچہ ردالمحتار میں علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”قوله: واتفقوا أنه لايفادى بنساء وصبيان لما إذا الصبيان يبلغون فيقاتلون، والنساء يلدن، فيكثر نسلهم، ولعل المنع فيما إذا أخذ البدل مالا، وإلا فقد جوّزوادفع أسراهم فداءً لأسرانا، مع أنهم إذا ذهبوا لدارهم يتناسلون“(٤٠).

أطعموا الجائع وعودوا المريض

”بھوکے کو کھلایا کرو اور مریض کی عیادت کیا کرو“۔

بھوکے کو کھلانا فرض کفایہ ہے، البتہ اگر بھوک کی شدت سے کسی کی موت واقع ہونے کا اندیشہ ہو اور دوسرے شخص کے پاس اسے کھلانے کے لئے اتنا کچھ ہو، جس سے وہ زندہ رہ سکے، اس صورت میں اس شخص پر

(٤٠) ردالمحتار: ٥٣٧/١٢

بھوکے کو کھلانا فرض عین ہے۔ بشرطیکہ اس کے علاوہ کھلانے کے لئے کوئی اور موقع پر موجود نہ ہو۔ البتہ عدم ضرورت اور عام حالات میں کھانا کھلانا مندوب و مستحسن ہے (۴۱)۔

وعودوا المريض

مریض کی عیادت کرنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ جب کہ اصحاب ظواہر کے نزدیک واجب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المرضیٰ میں "باب وجوب عيادة المريض" کا باب قائم کر کے اپنے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کا استدلال "عودوا المريض" سے ہے، جو مفیدِ وجوب ہے، جب کہ جمہور اسے ندب پر محمول کرتے ہیں (۴۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مریض کی عیادت فرض کفایہ ہے (۴۳)۔ بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے (۴۴)۔

حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات

ترجمۃ الباب کی مناسبت "فكوا العاني" کے ساتھ ظاہر ہے۔

٢٨٨٢ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ : حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ : أَنَّ عامِرًا حَدَّثَهُمْ ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ قالَ : قُلْتُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ : هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِنَ الْوَحْيِ إِلَّا ما في كِتَابِ ٱللَّهِ؟ قالَ : وَالَّذِي فَلَقَ الحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ ، ما أَعْلَمُهُ إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ ٱللَّهُ رَجُلًا في الْقُرْآنِ ، وَما في هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ . قُلْتُ : وَما في الصَّحِيفَةِ قالَ : الْعَقْلُ ، وَفَكاكُ الأَسِيرِ ، وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكافِرٍ . [ر : ١١١]

---

(٤١) عمدة القاري: ١٤/٤٠٨

(٤٢) كشف الباري (ص: ٤٧٩) كتاب المرضىٰ، باب وجوب عيادة المريض.

(٤٣) عمدة القاري: ١٤/٤٠٨

(٤٤) عمدة القاري: ١٤/٤٠٨

(٢٨٨٢) والحديث أخرجه البخاري أيضا في صحيحه: (١/٢٥٠، ٢٥٢) كتاب فضائل المدينة ، باب حرم =

تراجم رجال

۱-احمد بن یونس

یہ احمد بن عبداللہ بن یونس بن عبداللہ بن قیس تمیمی یربوعی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الایمان، باب من قال إن الإيمان هو العمل کے تحت گزر چکا ہے(۴۶)۔

۲-زہیر

یہ زُہیر بن معاویہ بن حُدیج بن رُحَیل بن زُہیر بن خیثمہ جعفی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإيمان، باب الصلوة من الايمان کے تحت گزر چکا ہے(۴۷)۔

= المدينة، (رقم ١٨٧٠)، و(١/٤٥٠) الجزية والموادعة، باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة يسعى بها أدناهم، (رقم: ٣١٧٢)، و(١/٤٥١) كتاب الجزية والموادعة باب إثم من عاهد ثم غدر، (رقم: ٣١٧٩)، و (٢/١٠٠٠) كتاب الفرائض، باب إثم من تبرأ من مواليه، (رقم: ٦٧٥٥)، و(٢/١٠٢٠) كتاب الديات، باب العاقلة، (رقم: ٦٩٠٣) و(٢/١٠٢١) كتاب الديات، باب لايقتل المسلم بالكافر، (رقم: ٦٩١٥)، و(٢/١٠٨٤) كتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، باب مايكره من التعمّق والتنازع في العلم والغلو في الدين والبدع، (رقم: ٧٣٠٠)، وعندمسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب فضل المدينة، (رقم: ٣٣٢٧-٣٣٢٩) وفي كتاب العتق، باب تحريم تولي العتيق غير مواليه، (رقم: ٣٧٩٤)، وعندالترمذي في جامعه، في أبواب الديات، باب ماجاء لايقتل مسلم بكافر، (رقم: ١٤١٢)، وفي أبواب الولاء والهبة، باب ماجاء في تولي غير مواليه أو ادعى إلى غير أبيه، (رقم: ٢١٢٧)، والنسائي في سننه، في كتاب القسامة، باب القود بين الأحرار والمماليك، (رقم: ٤٧٣٨، ٤٧٣٩)، وباب سقوط القود من المسلم للكافر، (رقم: ٤٧٤٨-٤٧٥٠)، وعند أبي داود في سننه في كتاب المناسك، باب في تحريم المدينة (رقم: ٢٠٣٤)، وفي كتاب الديات، باب إيقاذ المسلم من الكافر (رقم: ٤٥٣٠)، وعندابن ماجة في سننه، في كتاب الديات، باب لايقتل مسلم بكافر (رقم: ٢٦٥٨)

(٤٦) كشف الباري: ٢/١٥٩

(٤٧) كشف الباري: ٢/٣٦٧

۳-مُطرّف

یہ مطرف بن طریف حارثی کوفی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب کتابة العلم کے تحت گزر چکا ہے۔

۴-عامر

یہ ابوعمرو عامر بن شراحیل شعبی کوفی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده کے تحت گزر چکا ہے(۴۸)۔

۵-ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ

یہ صحابی رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ابوجحیفہ وھب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب کتابة العلم کے تحت گزر چکا ہے۔

اس روایت کی تخریج میں علامہ عبدالغنی نابلسی کا تسامح

ترجمۃ الباب کی اس روایت کے متعلق علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ نے "ذخائر المواریث" میں لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت "دیـات" میں احمد بن یونس کے طریق سے ذکر کی ہے(۴۹)۔ یہ ان کا تسامح ہے، کیونکہ کتاب الدیات میں یہ روایت احمد بن یونس کے طریق سے نہیں، بلکہ صدقہ بن الفضل کے طریق سے نقل کی گئی ہے(۵۰)۔

"قلتُ لعلي رضى الله عنه هل عند كم شيءٌ من الوحي إلا مافي كتاب الله؟ ......

---

(٤٨) كشف الباري: ٦٧٩/١

(٤٩) "ذخائر المواريث": ٤٤/٢، ٣٤٥، (رقم: ٥٤٤٠)، قال النابلسيّ: "أخرجه البخاري في كتاب الجهاد، وفي الديات عن أحمد بن يونس" اهـ

(٥٠) صحيح البخاري: ١٠٢١/٢، كتاب الديات، باب لايقتل المسلم بالكافر، (رقم: ٦٩١٥)

اس حدیث کو "حدیث قرطاس" کہتے ہیں، كتاب العلم ، باب كتابة العلم کے تحت اس پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کی مناسبت "وفكاك الأسير" کے ساتھ ہے، ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی رضہ اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "العقل وفكاك الأسير" ترجمۃ الباب کے ساتھ اس جملہ کی مناسبت بالکل ظاہر ہے(۵۱)۔

١٦٩ - باب : فِدَاءِ الْمُشْرِكِينَ .

باب سابق سے مناسبت

سابقہ باب میں کفار اور مشرکین کی قید میں رہنے والے مسلمان اسیروں کو رہا کرانے کا حکم بیان کیا گیا تھا، اس باب میں کافر اور مشرک قیدی کی رہائی سے متعلق حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ دورانِ جہاد قید ہونے والے مشرکین کو فدیہ لے کر رہا کیا جا سکتا ہے؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہل اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قیدی بننے والے مشرکین کو قتال اور خونریزی کے بعد، فدیہ لے کر رہا کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے اور عقیل رضی اللہ عنہ کی طرف سے فدیہ دے کر رہائی حاصل کر لی تھی، یہ صورت خونریزی (اُثخان) سے پہلے کی تھی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا تھا، اس لئے فدیہ لے کر مشرک قیدیوں کو رہا کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے، جب اہل اسلام اور مشرکین کے درمیان قتال ہو چکا ہو، یا پھر یہ کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرک کمزور

(۵۱) عمدة القاري: ١٤/٤٠٩.

ہوں(۱)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے اثبات کے لئے یہاں تین حدیثیں نقل کی ہیں:

٢٨٨٣ : حدّثنا إسْماعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ : حَدَّثَنَا إِسْماعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ مُوسى ابْنِ عُقْبَةَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قالَ : حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رِجالاً مِنَ الْأَنْصارِ اسْتَأْذَنُوا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، ائْذَنْ فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ أُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَاءَهُ . فَقَالَ : (لَا تَدَعُونَ مِنْهَا دِرْهَمًا) . [ر : ٢٤٠٠]

تراجم رجال

۱-اسماعیل بن ابی اویس

یہ ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲-اسماعیل بن ابراہیم

یہ اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ بن أبی عیاش قُرَشی اسدی ہیں۔ یہ امام المغازی موسیٰ بن عقبہ کے بھتیجے تھے(۴)۔ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۵)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ٢١٢/٥.

(٢٨٨٣) والحديث أخرجه البخاري رحمه الله أيضا في المغازي، باب شهود الملائكة بدراً، وفي كتاب العتق، باب إذا أسر أخو الرجل أو عمه.

(٣) كشف الباري: ١١٣/٢

(٤) تهذيب الكمال للحافظ المزي: ١٧/٣ (رقم الترجمة: ٤١٥)

(٥) دیکھئے: كتاب جزاء الصيد، باب ماينهى من الطيب للمحرم والمحرمة.

۳-موسی بن عقبہ

یہ امام المغازی موسیٰ بن عقبہ اسدی ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزار چکا ہے (۵☆)۔

۴-ابن شہاب

یہ جلیل القدر امام حدیث ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں۔ان کے حالات باب بدء الوحی میں تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (٦)۔

۵-انس بن مالک رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان کے تحت گزر چکے ہیں (۷)۔

أن رجالا من الانصار استأذنوارسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فقالوا: يارسول اللّٰه! ائذن لنا فلنترك لابن أختنا عباس فداءه؟ فقال: "لاتدعوا منه درهما"

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انصار کے بعض افراد نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اجازت چاہی کہ وہ اپنے بھانجے عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ معاف کرنا چاہتے ہیں''۔

اس وقت عباس رضی اللہ عنہ اسلام نہیں لائے تھے، اور بدر کے قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئے تھے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی، اور فرمایا:

''ان کے فدیہ میں ایک درہم بھی معاف نہ کرنا''۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا تھے۔انصاری صحابہ چونکہ آپ پر

(۵☆) دیکھئے كتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء.

(٦) كشف الباري: ۱/۳۲٦

(۷) كشف الباري: ۲/٤

دل و جان سے فدا تھے، اس لئے قرابت داری کے پیش نظر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رعایت کرتے ہوئے عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ معاف کرنے کی درخواست کی تھی۔ لیکن آپ کا خیال تھا کہ فدیہ دینے میں مشرکین کی اہانت ہوگی اور اس سے ان کی قوت کمزور پڑ جائے گی، اس لئے آپ نے قرابت داری کو نظر انداز کرتے ہوئے عباس رضی اللہ عنہ سے فدیہ وصول کرنے کا حکم صادر فرمایا (۸)۔

ترجمۃ الباب کا اثبات

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کی مناسبت "ائذن لنا" کے ساتھ ہے (۹)، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے "ائذن لنا فلنترك لابن أختنا عباس فداءهُ". کہہ کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت عباس کا فدیہ معاف کرنے کی درخواست کی تھی، جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ فدیہ لے کر مشرک قیدیوں کو رہا کرنے کی صورت موجود تھی، اس لئے ترجمۃ الباب کے ساتھ "ائذن لنا" کی مناسبت ظاہر ہے۔

٢٨٨٤ : وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ : أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، فَجَاءَهُ الْعَبَّاسُ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، أَعْطِنِي ، فَإِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلاً . فَقَالَ : (خُذْ) . فَأَعْطَاهُ فِي ثَوْبِهِ . [ر : ٤١١]

تراجم رجال

۱- ابراہیم بن طہمان

یہ ابراہیم بن طہمان ہروی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانا وحده في الخلوة کے تحت گزر چکا ہے۔

---

(۸) شرح ابن بطال: ٥/٢١٢

(۹) عمدة القاري: ١٤/٤٠٩

۲-عبدالعزیز بن صہیب

یہ عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری ہیں، ان کے حالات کتـــاب الإیمـــان کے تحت گزر چکے ہیں(۱۰)۔

۳-انس بن مالک رضی اللہ عنہ

ترجمۃ الباب کی پہلی حدیث میں ان کا حوالہ گزر چکا ہے۔

أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتي بمال من البحرين، فجاء ه العباس فقال: يارسول الله! أعطني، فإني فاديتُ نفسي، وفاديتَ عقيلا. فقال: "خذ"، فأعطاه في ثوبه

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین کا خراج آیا، تو حضرت عباس نے آپ کی خدمت میں عرض کی، ''یارسول اللہ! مجھے بھی عنایت فرمائیں کیونکہ (بدر کے موقع پر) میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا تھا'' آپ نے فرمایا: ''لے لیجئے'' اوران کا حصہ ان کے دامن میں ڈال دیا''۔

بدر کے موقع پر گرفتار کئے جانے والے مشرک قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اس وقت آپ اسلام نہیں لائے تھے، چونکہ معاشی لحاظ سے غنی اور آسودہ حال تھے، اس لئے اپنا اور عقیل کا فدیہ دے کر رہائی حاصل کرلی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق ان کے ساتھ حارث بن نوفل بھی قیدیوں میں شامل تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے بھی فدیہ ادا کیا تھا(۱۱)۔

فائدہ

لیکن علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے ایک قول نقل کیا ہے کہ یہ فدیہ عباس رضی اللہ عنہ نے قرض لے کر ادا کیا تھا۔ اسلام لانے تک یہ رقم ان کے ذمہ واجب الاداء تھی، بحرین کے مالِ خراج سے عباس رضی اللہ عنہ نے

(۱۰) كشف الباري: ۲/۱۲

(۱۱) فتح الباري: ٦/۲۰٦٠

کچھ لینے کا مطالبہ اس بناء پر کیا تھا کہ اپنا قرضہ اتار سکیں (۱۲)۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

یہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اختصار سے اور کتاب الصلوۃ میں تفصیل کے ساتھ روایت کی ہے کتاب الصلوۃ میں بھی یہ معلق ہی ہے (۱۳)۔

جب کہ حافظ ابونعیم نے "مستخرج" میں اور حاکم نے "مستدرك" میں احمد بن حفص کے طریق سے اس تعلیق کو موصولاً روایت کیا ہے (۱۴)۔

تعلیق کا مقصد

اس تعلیق میں خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر کے موقع پر اپنا اور عقیل رضی اللہ عنہ کا فدیہ ادا کرنے کی تصریح کی ہے، جو ترجمۃ الباب کی روایت کے لئے مؤید ہے۔ دوسری بات اس تعلیق سے یہ معلوم ہوئی کہ جو فدیہ انہوں نے قرض لے کر ادا کیا، وہ قرض ان کے ذمہ ابھی تک واجب الاداء تھا، جیسا کہ علامہ ابن بطال نے نقل فرمایا ہے۔ اور یہ قرض انہوں نے بعد میں بحرین کے جزیہ یا مال خراج سے ادا کیا (۱۵)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے انہی وجوہ کی بناء پر مذکورہ تعلیق نقل فرمائی ہے کہ ایک تو یہ تعلیق پہلی روایت کے لئے موید ہے، دو۔ ے افادہ ز ئدہ کے طور پر اس سے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

روایت باب ـــ اس جملہ "فإني فاديتُ نفسي وفاديتُ عقيلاً" کی مناسبت ترجمۃ الباب کے

---

(۱۲) شرح ابن بطال. ٥ ٢١٢ ، قيـر إد ، كان يداين في ذلك عباس، وبقي عليه الدين إلى وقت إسلامه، ولذلك قال للنبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أعطني، فإني فاديتُ نفسي وفاديتُ عقيلا، فغرم النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ماتحمله العباس من ذلك بعد إسلامه مما آفاء الله على رسوله".

(۱۳) دیکھئے صحیح بخاری: ۱/۶۰، كتاب الصلوة، باب القسمة وتعليق القِنو في المسجد، (رقم: ٤٢١)

(١٤) فتح الباري: ١/٥١٦، كتاب الصلوة، باب القسمة وتعليق القنو في المسجد

(۱۵) بحرین کا یہ مال، مالِ خراج یا جزیہ کے قبیل سے تھا؟ اس کی تفصیل آگے کتاب الجزیہ میں آ رہی ہے۔

ساتھ ظاہر ہے(۱۶)۔

۲۸۸۵ : حدّثني مَحْمُودٌ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، وَكانَ جاءَ في أُسَارَى بَدْرٍ ، قالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ في المَغْرِبِ بالطُّور . [ر : ۷۳۱]

تراجم رجال

۱-محمود

محمود بن غیلان العدوی المروزی ہیں، ان کے حالات کتاب مواقیت الصلوۃ، باب النوم قبل العشاء لمن غلب کے تحت گزر چکے ہیں۔

۲-عبدالرزاق

یہ عبدالرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی یمانی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب حسن إسلام المرء کے تحت گزر چکا ہے(۱۸)۔

۳-معمر

یہ معمر بن راشد ازدی ہیں، ان کے حالات بدء الوحی کی پانچویں حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱۹)۔

۴-زہری

یہ مشہور امام حدیث ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری ہیں۔ ان کے حالات

(۱٦) عمدة القاري: ۱٤/٤۰۹

(۲۸۸٥) وقد سبق تخريج الحديث في كتاب الأذان، باب الجهر في المغرب، (رقم: ۷٦٥)

(۱۸) كشف الباري: ۲/٤۲۱

(۱۹) كشف الباري: ۱/٤٦٥

گزر چکے ہیں (۲۰)۔

۵-محمد بن جبیر

یہ مشہور تابعی محمد بن جبیر معطم ابن عدی ہیں، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور ان کا شمار علم الانساب کے مشہور ماہرین میں ہوتا ہے۔ کتاب الأذان، باب الجهر في المغرب کے تحت ان کے حالات گزر چکے ہیں۔

۶-عن ابیہ

اس سے محمد بن جبیر کے والد جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ ان کے حالات کتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثا کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

وكان جاء في أسارىٰ بدر

اس حدیث سے متعلق تفصیلی بحث کتاب الأذان، باب الجهر في المغرب کے تحت گزر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث باب کا یہ جملہ "وكان جاء في أساري بدر" ترجمہ کے مناسب ہے (۲۱)۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فدیہ دے کر بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنے آئے تھے، چونکہ اس میں فدیہ کا ذکر ہے، اس لئے ترجمۃ الباب سے اس کی مطابقت ظاہر ہے۔

---

(۲۰) كشف الباري: ۱/۳۲٦

(۲۱) فتح الباري: ٦/۱٦۸، وعمدة القاري: ۱٤/٤۱۰، وإرشاد الساري: ٥/۱٦۷، وتحفة الباري: ۳/٥۱۰

۱۷۰ – باب : الحَرْبِيُّ إِذَا دَخَلَ دَارَ الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ أَمَانٍ.

باب سابق سے مناسبت

سابقہ باب میں جہاد کے دوران گرفتار ہونے والے قیدیوں کا حکم بیان کیا گیا تھا، اس باب کے تحت امان طلب کئے بغیر دارالاسلام کی حدود میں داخل ہونے والے حربی کا حکم بیان کیا جارہا ہے، کہ اسے قتل کیا جائے یا قیدی بنایا جائے؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ایک سوال اٹھایا ہے کہ اگر حربی دارالاسلام میں داخل ہوجائے تو اسے قتل کیا جاسکتا ہے؟ اس صورت میں عبارت مقدر ہوگی: باب الحربي إذا دخل دارالإسلام بغير أمان، هل يجوز قتله؟(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ چونکہ مختلف فیہا ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں حکم کی تصریح نہیں فرمائی (۲)۔

۲۸۸٦ : حدّثنا أبو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ ، عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : أَتَى النَّبِيَّ ﷺ عَيْنٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ ، فَجَلَسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ يَتَحَدَّثُ ثُمَّ انْفَتَلَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اطْلُبُوهُ وَاقْتُلُوهُ) . فَقَتَلَهُ فَنَفَّلَهُ سَلَبَهُ .

---

(۱) عمدة القاري: ۱٤/٤۱۰، والأبواب والتراجم، للشيخ زكريا الكاندهلويؒ، ص: ۲۰۳

(۲) عمدة القاري: ۱٤/٤۱۰، والأبواب والتراجم، للشيخ زكريا الكاندهلويؒ، ص: ۲۰۳

(۲۸۸٦) الحديث عند مسلم في صحيحه (۲/۸۸)، في كتاب الجهاد، باب استحقاق سلب القتيل (رقم: ۱۷٥٤)، وعند أبي داود في سننه (۲/۳)، في كتاب الجهاد، باب في الجاسوس المستأمن (رقم: ۲٦٥۳)، وعند ابن ماجه في سننه (، ص: ۲۰۳) في الجهاد، باب المبارزة والسلب (رقم: ۲۸۳٦)

تراجم رجال

۱-ابونعیم

یہ مشہور محدث ابونعیم الفضل بن دکین الملائی الکوفي الاحول ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

۲-أبوالعمیس

یہ ابوالعمیس عتبہ بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود الہندلی المسعودی الکوفی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه کے تحت گزر چکا ہے(۵)۔

۳-إیاس بن سلمہ

یہ مشہور صحابی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوسلمۃ إیاس بن سلمہ بن اکوع الأسلمی المدنی ہیں(٦)،انہوں نے اپنے والد سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے(۷)۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ انہوں نے اپنے والد کے علاوہ کسی اور سے روایت حدیث کی ہے(۸)۔

لیکن حافظ مزی رحمہ اللہ نے محمد ابن عمار بن یاسر کی تصریح کی ہے کہ ایاس بن سلمہ نے ان سے بھی حدیث روایت کی ہے(۹)۔

---

(٤) كشف الباري: ٢/٦٦٩

(٥) كشف الباري: ٢/٤٧٠

(٦) تهذيب الكمال: ٣/٤٠٣، (رقم الترجمة: ٥٩٠)

(٧) تهذيب الكمال: ٣/٤٠٣، وسير أعلام النبلاء: ٥/٤٤٤، (رقم الترجمة: ١٠٧)

(٨) قال العلامة الذهبي: "وما علمته روى عن غير أبية" انظر سير أعلام النبلاء: ٥/٢٤٤

(٩) تهذيب الكمال: ٣/٤٠٣

دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ علامہ ذہبی کا نہ جاننا اس بات کی دلیل نہیں کہ واقع میں بھی ایاس بن سلمہ نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے حدیث کی روایت نہ کی ہو۔

حافظ یوسف مزی نے ان سے روایتِ حدیث کرنے والوں کی ۲۰ رجالِ حدیث کی فہرست نقل کی ہے۔جس میں ابوالعمیس، عتبہ بن عبداللہ، محمد بن بشیر، عکرمہ بن عمار اور محمد بن شہاب زہری جیسے جلیل القدر اَعلامِ حدیث شامل ہیں (۱۰)۔

ان کے بارے میں امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقہ" (۱۱)۔

امام احمد بن عبداللہ العجلی اور امام نسائی نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے (۱۲)۔

ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: وكان ثقة، وله أحاديث كثيرة (۱۳)۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کا ذکر "ثقات" میں کیا ہے (۱۴)۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اتفق جميعا على الحجة به من أبيه" (۱۵)۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ان کی وفات مدینہ منورہ میں سن ۱۱۹ ہجری کو ہوئی۔ ۷۷ برس کی عمر پائی (۱۶)۔

ایاس بن سلمہ تابعی تھے یا صحابی؟

ابن عبدالبر رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ صحابی تھے (۱۷)، حقیقت یہ ہے کہ یہ تابعی تھے، ان کے صحابی

(۱۰) تهذيب الكمال: ۳/۴۰۳، ۴۰۴

(۱۱) سير أعلام النبلاء للذهبيؒ: ۵/۲۴۴، وتهذيب الكمال: ۳/۴۰۴

(۱۲) تهذيب الكمال للحافظ المزي: ۳/۴۰۴

(۱۳) طبقات ابن سعد: ۵/۱۸۴

(۱۴) كتاب الثقات لابن حبانؒ: ۱/۴۳

(۱۵) إكمال تهذيب الكمال للعلامة علاء الدين مُغْلطائي: ۲/۳۰۳

(۱۶) طبقات ابن سعد: ۵/۱۸۴، وسير أعلام النبلاء للذهبي: ۵/۲۴۴، وتهذيب الكمال: ۳/۴۰۴، والكاشف للذهبي: ۱/۲۵۸ (رقم الترجمة: ۴۹۸

(۱۷) الإصابة لابن حجر: ۱/۸۹

ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں، قرآئن وآثاران کے صحابی نہ ہونے پر صریح ہیں۔

حافظ ابن حجر کا رد

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، ابن عبدالبر کا تعاقب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہ وہی ایاس بن سلمہ ہیں، جن سے ابوالعمیس نے روایت حدیث کی ہے تو پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی صحبت ثابت نہیں۔ کیونکہ ایاس کی ولادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی، اس سے بداہتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر نے ان کا ذکر صحابہ کرامؓ کی فہرست میں کرنے کے بعد لکھا: ''انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ اشعار بھی کہے''، مرزبانی رحمہ اللہ، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے متقدم ہیں، انہوں نے ''معجم'' میں ایاس رحمہ اللہ کے صحابی ہونے کی تصریح نہیں کی (۱۸)۔

ایاس بن سلمہ کے تابعی ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۱۹ھ میں ہوئی (۱۹)، حالانکہ مؤرخین اور جمہور محدثین کے نزدیک سن ۱۱۰ ہجری کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اٹھانے والے صحابہ کرام کے قافلہ کا کوئی فرد اس دنیا میں باقی نہیں رہا تھا، عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی وفات سب سے آخر میں ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"عامر بن واثلة أبو الفضل الكناني وكان من مُحبّي علي رضى الله

---

(۱۸) "وذكره ابن عبدالبر في الصحابة وقال مدح النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بشعر، وفيه نظر، إن كان هو الذي روى عنه أبو العميس فليست له صحبة؛ لأنه ولد في زمن عثمان (رضي الله ع ...) -وقال بعد أسطر- وقد سبق ابن عبدالبر إلى ذلك المرزباني في معجمهلكن لم يصرح بأن له صحبة بل قال في ترجمته: هو القائل يمدح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". انظر الإصابة للحافظ ابن حجر: ۸۹/۱

(۱۹) طبقات ابن سعد: ۱۸٤/٥

عنه، وبه ختم الصحابة في الدنيا، مات سنه عشر ومأة على الصحيح"(٢٠).

أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عين من المشركين وهو في سفر

''رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس دورانِ سفر ایک مشرک جاسوس آیا''۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے اس جاسوس کا نام معلوم نہ ہوسکا (۲۱)۔

عين

اس کے معنی جاسوس کے ہیں (۲۲)، چنانچہ عربی میں لکھتے ہیں: "إعتان له: أي أتاه بالخير"(٢٣)۔ عین کا اطلاق آنکھ پر بھی ہوتا ہے۔ جاسوس کو ''عین'' اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے تمام اہم امور نظر کی توجہ اور غیر معمولی ارتکاز سے انجام پاتے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں اس کی نظر کے ارتکاز میں اس قدر انہماک اور توجہ ہوتی ہے، گویا وہ خود سراپا آنکھ بن گیا ہو۔

"وسمّي الجاسوس عينا؛ لأن جل عمله بعينه، أو لشدة اهتمامه بالرؤية واستغراقه فيها كأن جميع بدنه صار عينا"(٢٤).

وهو في سفر

صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کی متذکرہ روایت عکرمہ بن عمار کے طریق سے نقل کی ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ یہ غزوۂ ہوازن کا سفر تھا (۲۵)۔

---

(٢٠) الكاشف للذهبي: ٥٢٧/١

(٢١) فتح الباري: ٢٠٧/٦

(٢٢) عمدة القاري: ٢٩٦/١٤

(٢٣) النهاية في غريب الحديث: ٣٣١/٣

(٢٤) فتح الباري: ١٦٨/٦

(٢٥) صحيح مسلم: ٨٨/٢، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القتيل (رقم: ١٧٥٤)،

فجلس عند أصحابه يتحدث ثم انفتل

’’پھر وہ صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھ کر ان سے گفتگو کرنے لگا، پھر واپس لوٹا‘‘۔

انفتل

أي انفتل سريعا، یعنی سرعت سے واپس لوٹا (۲۶)۔

امام نسائی کی ’’سنن کبری‘‘ میں یہ روایت جعفر بن عون عن ابی العمیس کے طریق سے مروی ہے، اس میں ہے: "فلما طعم انسلّ" (۲۷)۔ یعنی ’’کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ خفیہ طریقے سے چلا گیا‘‘۔

جب کہ صحیح مسلم میں عکرمہ کی متذکرہ روایت میں زیادہ وضاحت موجود ہے، چنانچہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

"فقيّد الجمل، ثم تغدّى مع القوم وجعل ينظر، وفينا ضعفة ورقة في الظهر، إذ خرج يشتدّ" (۲۸).

خلاصہ یہ کہ باہر سے آنے والا یہ جاسوس صحابہ کی جماعت میں شامل ہو کر، ان کے ساتھ گھل مل گیا، کھانا تک ان کے ساتھ کھایا، اور ان کو خبر نہ ہوئی کہ یہ دشمن کا مخبر اور جاسوس ہے، پھر یہ کہ وہ خفیہ طریقہ سے اتنی مہارت کے ساتھ سرک کر نکلا کہ صحابہ کو اس کا قطعاً احساس نہیں ہوا۔

اطلبوه واقتلوه، فقتله، فنفله سلبه

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو تلاش کر کے قتل کر دو۔ چنانچہ (حضرت) سلمہ بن اکوع (رضی اللہ عنہ) نے اسے قتل کر دیا اور اس کے ہتھیار و اسلحہ آپ نے انہی کو عنایت فرمائے۔

= وفيه: "قال (سلمة بن الاكوع رضي الله عنه) غزونا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هوازن ......الخ".

(۲٦) عمدة القاري: ١٤/ ٤١٠

(۲۷) السنن الكبرى للنسائي رحمه الله: ٥/٢٦٥، كتاب السير، باب قتل عيون المشركين، (رقم: [illegible] ٨٨)، فتح الباري: ٦/٢٠٧

(۲۸) صحيح مسلم: ٢/٨٨، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القتيل، وفتح الباري: ٦/٢٠٧

مستخرج ابونعیم میں یحیی بن حمانی عن ابی العمیس کے طریق سے جو روایت منقول ہے، اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "أدركوهُ فإنه عين" اسے گرفتار کردو، کیونکہ یہ جاسوس ہے (۲۹)۔

فنفله سلبه

یہ راوی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں، متکلم کا صیغہ استعمال کرنے کی بجائے انہوں نے خلافِ قیاس غائب کا صیغہ استعمال کیا۔ یہ التفات من المتكلم إلى الغائب کے قبیل سے ہے۔ قیاس کے موافق یوں کہنا چاہیے تھا: "فقتلتُه ونفلني سلبه" (۳۰)۔

نفل کی جمع انفال آتی ہے، اس کے معنی زیادت کے ہیں، فاء کو ساکن اور متحرک دونوں طرح پڑھنا درست ہے، لہٰذا "فنفله سلبه" کے معنی اس صورت میں ہوں گے: "رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو ان کے مقررہ حصہ سے زیادہ دیا"۔

نماز نفل پر بھی نوافل کا اطلاق اس لئے ہوتا ہے کہ وہ زائد از فرائض ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن اثیر رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"النفل بالتحريك: الغنيمة، وجمعه أنفال. والنفل بالسكون وقد يُحرّك: الزيادة، وبه سمّيت النوافل في العبادات؛ لأنها زائدة على الفرائض" (۳۱).

سلب

هو فعلٌ بمعنى مفعولٍ: أي مسلوب (۳۲)۔ وہ چیز جو مقتول سے سلب کی گئی ہو، قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۲۹) فتح الباري: ۱۶۸/٦، وعمدة القاري: ٤١١/١٤

(۳۰) عمدة القاري: ٤١١/١٤، وفتح الباري: ١٦٩/٦، وإرشاد الساري: ١٦/٥، وتحفة الباري: ٥١١/٣

(۳۱) النهاية لابن الاثير: ٩٩/٥، وفتح القدير: ٥١٢/٥

(۳۲) النهاية لابن الاثير: ٣٨٧/٢

"هو الشيئُ المسلوب سُمِّيَ به؛ لأنه يسلب عن المقتول"(۳۳).

سلب کا مصداق

سلب کا اطلاق مقتول سے لی گئیں درج ذیل اشیاء پر ہوتا ہے:

سواری، لباس، اسلحہ، زین، نیز مقتول کے سفری بیگ میں موجود مال ومتاع (۳۴)۔

دارالاسلام میں کافر حربی کے داخل ہونے کا مسئلہ

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کافر حربی، اگر امان طلب کئے بغیر دارالاسلام کی حدود میں داخل ہوتو امام کو اختیار ہے، چاہے اسے قتل کردے، قیدی بنالے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دے (۳۵)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قتل کرنے، غلام بنانے اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے ساتھ امن واحسان کا اختیار بھی حاکم وقت کو حاصل ہے (۳۶)۔

اگر کافر حربی دعویٰ کرے کہ وہ اپنے ملک کے حاکم کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آیا ہے، تو احناف (۳۷) اور حنابلہ (۳۸) کے نزدیک اس کی یہ بات اس شرط پر قابل قبول ہوگی، جب اس کے پاس حاکمِ وقت کی تحریر ہو، اور یقین ہو کہ یہ تحریر فی الواقع حاکم وقت ہی کی ہے۔

اگر کافر حربی کہے کہ میں امان لے کر آیا ہوں، تو امام اوزاعی، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی یہ بات رد کردی جائے اور امام کو اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اسے کسی بھی قسم کی سزا

---

(۳۳) إرشاد الساري: ۵/۱۶۸

(۳۴) عمدة القاري: ۱۴/۴۱۱، وإرشاد الساري: ۵/۱۶، وفتح القدير: ۵/۵۱۴، وتحفة الباري: ۳/۵۱۱

(۳۵) فتح الباري: ۶/۱۶۸

(۳۶) المجموع شرح المهذب للنووي: ۲۱/۲۳۸، باب عقد الذمة

(۳۷) ردالمحتار على الدرالمختار: ۴/۱۶۸، سعيد

(۳۸) المغني لابن قدامة: ۱۰/۴۳۳ (فصل: ۷۴۹۱)

دے(۳۹)۔

یہی مسلک امام مالکؒ کا بھی ہے(۴۰)۔

البتہ فقہاء احناف کے نزدیک حربی جاسوس اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے ثبوت پیش کرے، تو اس سے تعارض کرنا جائز نہیں۔ سزا دیئے بغیر اسے چھوڑ دیا جائے گا(۴۱)۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ جس کے ہاتھ لگا، اس کا غلام بن جائے گا(۴۲)۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تجارت کی غرض سے دارالاسلام میں حربیوں کی آمد ورفت معمول ہو اور اس صورت میں مشتبہ جاسوس، ایک تاجر کی حیثیت سے اپنی شناخت کرائے تو اس سے تعارض نہیں کیا جائے گا(۴۳)۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے ''ردالمحتار'' میں لکھا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کافر حربی کو امان دینے کا دعویٰ کیا، تو دو مسلمان گواہوں سے اس دعویٰ کی تصدیق لی جائے، کہ واقعتاً اس نے حربی کو امان دی ہے؟ اگر گواہوں نے تصدیق کردی، تو اُسے چھوڑ دیا جائے گا(۴۴)۔

حربی مسلم کا حکم

مذکورہ تفصیل کفار اہلِ حرب سے متعلق تھی، اگر دارالاسلام میں داخل ہونے والا حربی مسلمان ہو تو امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور بعض فقہائے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ امام وقت اس کو حسبِ منشأ مناسب سزا دے، اسے

(۳۹) المغني لابن قدامة: ۴۳۳/۱۰ (فصل: ۷۴۹۱)

(۴۰) شرح ابن بطال: ۲۱۳/۵

(۴۱) ردالمحتار علی الدرالمختار: ۱۶۸/۴، سعید

(۴۲) شرح ابن بطال: ۲۱۳/۵

(۴۳) المغني لابن قدامة: ۴۳۳/۱

(۴۴) ردالمحتار علی الدرالمختار: ۲۶۶/۶، کتاب الجهاد، فصل في استئمان الکافر، دارالمعرفة بیروت

قتل کرنا جائز نہیں (۴۵)۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يجتهد فيه الإمام". لیکن امام نووی اور علامہ عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس اجتہاد کی وضاحت امام مالکؒ نے نہیں فرمائی، کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ (۴۶)۔

البتہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء مالکیہ کی رائے کے مطابق مسلمان حربی کو قتل کرنا جائز ہے۔ "وقال عياض: قال كبار أصحابه -أي أصحاب مالك- يقتل" (٤٧)۔

ترجمۃ الباب اور حدیث باب کی مناسبت پر اشکال اور اس کا جواب

ابن منیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روایت میں جاسوس کا ذکر ہے، جب کہ ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حربی کا ذکر کیا ہے، بظاہر دونوں میں مناسبت نہیں۔ اس لئے کہ "مطلق حربی" جس کا ترجمۃ الباب میں ذکر ہے اور "مشرک جاسوس" دونوں شرعاً الگ الگ حکم رکھتے ہیں، لہٰذا یہاں دعوی دلیل سے اعم ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابتداءً صحابہ کرام کا خیال تھا کہ یہ جاسوس حربی مستأمن ہے، اس حقیقت کا ادراک انہیں بعد میں ہوا کہ وہ حربی مستأمن نہیں تھا، بلکہ جاسوس تھا اور بغیر امان کے آیا تھا، جب وہ گھل مل جانے اور کھانا کھانے اور صحابہ کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد خفیہ طریقے سے نکل بھاگا تو ظاہر ہوا کہ مستامن نہیں، جاسوس تھا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"قال ابن المنير: ترجم بالحربي إذا دخل بغير أمان، وأورد الحديث المتعلق بعين المشركين وهو جاسوسهم، وحكم الجاسوس مخالف لحكم الحربي المطلق الداخل بغير أمان، فالدعوىٰ أعم من الدليل.

---

(٤٥) عمدة القاري: ٢٩٧/١٤

(٤٦) شرح النووي على صحيح مسلم: ٨٩/٢، وعمدة القاري: ٢٩٧/١٤

(٤٧) عمدة القاري: ٢٩٧/١٤، وبذل المجهود: ١٧٨/١٢، والأبواب والتراجم، ص: ٢٠٣

وأجيب بأن الجاسوس المذكور أوهم أنه ممن له أمان، فلما قضىٰ حاجته من التجسيس انطلق مسرعا ففطن له، فظهر أنه حربي دخل بغير أمان"(٤٩).

١٧١ - باب : يُقَاتَلُ عَنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَلَا يُسْتَرَقُّونَ

بابِ سابق کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب میں امان طلب کئے بغیر دارالاسلام میں داخل ہونے والے حربی یا مشرکین کے جاسوس کا حکم بیان گیا گیا تھا، چونکہ جاسوس یا حربی کو اہل اسلام کی حفاظت کی خاطر سزا دی جاتی ہے، جو حکومت وقت کا فریضہ ہے، اس لئے زیرِ نظر باب میں تبعاً اہل ذمہ کا حکم بیان کیا گیا کہ شرعی لحاظ سے جس طرح مسلمانوں کی حفاظت ضروری ہے، اسی طرح معاہد ذمی کی حفاظت اور ان کے اموال واملاک کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ امصارِ اسلام میں جس طرح مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ اوران کی حمایت میں اعداء سے لڑنا حکومت وقت پر فرض ہے، اسی طرح ذمیوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کے تحفظ کے لئے دشمن سے جنگ کرنا حکومتِ وقت اور مسلمانوں پر فرض ہے۔اس لئے کہ اہلِ ذمہ اس تحفظ کے لئے جزیہ ادا کرتے ہیں(۱)۔

"فــلا يستـــرقــون" کا مطلب یہ ہے کہ اہل ذمہ نقضِ عہد کریں، تب بھی ان کو غلام بنانا جائز نہیں(۲)۔

---

(٤٩) فتح الباري: ٦/١٦٩

(١) عمدة القاري: ١٤/٤١١، ٤١٢، وتحفة الباري: ٣/٥١١

(٢) فتح الباري: ٦/٢٠٨

۲۸۸۷ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ حُصَيْنٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : وَأُوصِيهِ بِذِمَّةِ ٱللهِ وَذِمَّةِ رَسُولِهِ ﷺ ، أَنْ يُوفَى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ ، وَأَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِهِمْ ، وَلَا يُكَلَّفُوا إِلَّا طَاقَتَهُمْ . [ر : ۱۳۲۸]

تراجم رجال

۱-موسیٰ بن اسماعیل

یہ ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی البصری ہیں۔ان کا تذکرہ بدءالوحی کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲-ابوعوانہ

یہ ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری ہیں،ان کا تذکرہ بھی بدءالوحی کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

۳-حصین

یہ ابوالہذیل حصین بن عبدالرحمٰن السُّلَمی الکوفی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب مواقیت الصلوۃ، باب الأذان بعد ذهاب الوقت کے تحت گزر چکا ہے۔

۴-عمر بن میمون

یہ عمر بن میمون الأودی الکوفی ہیں،ان کا تذکرہ کتاب الوضوء ، باب إذا أُلقِيَ على ظهر المصلي قذر أو جيفة لم تفسد عليه صلاتُه کے تحت گزر چکا ہے۔

۵-عمر رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات بدءالوحی کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

---

(۳) كشف الباري: ۱/۴۳۳

(۴) كشف الباري: ۱/۴۳۴

(۵) كشف الباري: ۱/۲۳۹

وأوصيه بذمة الله وذمة رسوله، أن يوفى لهم بعهدهم، وأن يقاتل من وراء هم

یہ روایت کتاب الجنائز میں تفصیل سے آگئی ہے، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کی مناسبت سے حدیث مختصر نقل کی ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (وفات سے کچھ پہلے) فرمایا کہ "میں اپنے بعد میں آنے والے خلیفہ کو اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو عہد ہے، اسے پورا کرے، اور ان کے تحفظ کے لئے قتال کرے"۔

آگے مناقب کی ایک طویل روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کی مفصل روداد اور وفات سے پہلے، اپنے بعد آنے والے خلیفہ وقت کو انہوں نے جو وصیت کی اس کا تفصیلی ذکر ہے (٦)، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کی مناسبت سے ذمیوں سے متعلق وصیت کے ذکر پر اکتفا کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذمیوں سے جو معاہدہ فرمایا تھا، اور اس معاہدہ کی رو سے اسلامی حکومت میں آپ نے ان کو جو رعایت دی تھی، آنے والے خلیفہ کو چاہیے کہ وہ اس معاہدہ کو پورا کرے، اگر ذمیوں پر حملہ کیا جائے تو ان کی حفاظت کے لئے حملہ آوروں سے جنگ بھی کرے۔

ذمیوں کو غلام بنانے کا حکم

ذمیوں کی حفاظت کے لئے لڑنا اور انہیں حملہ آوروں کی گرفت سے آزاد کرانا، اسلامی حکومت پر فرض ہے۔ اگر حربیوں نے حملہ آور ہو کر ذمیوں کو گرفتار کرلیا اور دار الحرب لے جا کر قید کر دیا، تو انہیں رہا کرانے اور واپس دار الاسلام لانے کے لئے حربیوں سے جنگ کرنا واجب ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ جب اہلِ ذمہ دار الحرب سے رہائی کے بعد دار الاسلام لائے جائیں، تو انہیں غلام بنایا

---

(٦) دیکھئے صحيح بخاري: ١/٥٢٣–٥٢٥، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضى الله عنه، وفيه مَقْتَلُ عُمَر الخطاب رضي الله عنه (رقم: ٣٧٠٠)

جائے گا یا پھر پہلے کی طرح آزاد چھوڑ دیئے جائیں گے؟

ائمہ اربعہ، امام شعبی، لیث، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور اشہب مالکی رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ذمیوں کو کسی صورت غلام بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ ان کی طرف سے کوئی ایسا اقدام نہیں ہوا، جو نقض عہد (عہد شکنی) پر دلالت کرے، اس لئے ان کا عقد ذمہ باقی رہے گا اور ان کو غلام بنانا جائز نہیں ہوگا (۷)۔

البتہ مالکیہ میں سے ابن قاسم مالکی کی رائے ہے کہ اگر ذمیوں نے نقض عہد کا ارتکاب نہ کیا ہو تب بھی دارالاسلام لانے کے بعد ان کو غلام بنایا جائے گا (۸)۔

نقل مذاہب میں ابن قدامہ پر ابن حجرؒ کا اعتراض اور علامہ عینی کا جواب

نقل مذاہب میں ابن قدامہ کی طرف ''اِغراب'' کی نسبت کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''وأغرب ابن قدامة فحكى الإجماع، وكأنه لم يطلع على خلاف ابن القاسم'' (۹)۔

یعنی دارالاسلام منتقل کئے جانے کے بعد ذمیوں کو غلام بنانا جائز نہیں، اس پر ابن قدامہ نے اجماع نقل کیا، حالانکہ ابن قاسم مالکی رحمہ اللہ کی رائے اجماع کے خلاف ہے۔

گویا ابن قدامہ کو یہ علم نہیں ہوا کہ ابن قاسم کا قول جمہور کے خلاف ہے، ورنہ وہ اسے اجماعی مسئلہ قرار نہ دیتے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تعاقب کرتے ہوئے، ابن قدامہ کی طرف سے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ لفظ ''اجماع'' سے ابن قدامہ کے نزدیک ائمہ اربعہ کا اجماع مراد ہو۔

---

(۷) المغني لابن قدامة: ۹/۲۲۷، ۲۲۸، (رقم المسئلة: ۷۵۶۶)، وعمدة القاري: ۱۴/۱۹۷، وفتح الباري: ۶/۱۷۰، ولامع الدراري: ۷/۲۸۵

(۸) عمدة القاري: ۱۴/۴۱۲، دار الكتب العلمية بيروت

(۹) فتح الباري: ۶/۱۷۰

چنانچہ عمدہ القاری میں ہے:

"وقيل: أغرب ابن قدامة فحكى الإجماع فكأنه لم يطلع على خلاف ابن القاسم، قلت: يحتمل أنه أراد به إجماع الأئمة الأربعة"(۱۰).

باب سے حدیث کی مناسبت پر ابن التینؒ کا اشکال اور ابن منیرؒ کا رد

علامہ ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں ذمیوں کو غلام بنانے کی ممانعت کی تصریح نہیں، اس لئے ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء "ولا يسترقون" کے ساتھ حدیث باب کی مناسبت نہیں (۱۱)۔

ابن منیر رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ حدیث باب میں "وأوصيه بذمة الله" کی مناسبت سے قائم کیا ہے۔ کیونکہ اس وصیت کا تقاضا یہ ہے کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی، تلطف اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے۔ جب کہ غلام بنانا اس وصیت کے مقتضیٰ کے منافی ہے (۱۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے "ولا يسترقون" سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں زیرِ بحث مسئلہ کے مختلف فیہا ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہو کہ ذمیوں کو دارالحرب سے دارالاسلام منتقل کرنے کے بعد، غلام بنایا جائے یا نہیں؟ ابن قاسم مالکی کی رائے اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف ہے" (۱۳)۔

واللہ اعلم۔

---

(۱۰) عمدة القاري: ۱۹۷/۱٤، ولا مع الدراري. ۲۸۵/۷

(۱۱) عمدة القاري: ۱۹۷/۱٤، وفتح الباري: ۲۰۸/٦

(۱۲) چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: (فتح الباري: ٦/ ۱۷۰)، وقد تعقبه ابن التين بأنه ليس في الحديث مايدل على ماترجم به من عدم الاسترقاق، وأجاب ابن المنير بأنه أخذ من قوله: "وأوصيه بذمة الله" فإن مقتضى الحديث بالإشفاق على أن لايدخلوا في الاسترقاق" اهـ

(۱۳) عمدة القاري: ٤۱۲/۱٤، "قلت يحتمل أنه ذكره لمكان الخلاف فيه، فإن مذهب ابن القاسم: إنهم يسترقون إذا نقضوا العهد" اهـ

ولا يكلّفون إلا طاقتهم

''ان کی طاقت اور وسعت سے زیادہ باران پر نہ ڈالا جائے''۔

مطلب یہ ہے کہ جزیہ کی مقدار، ان کی مالی حیثیت کی رعایت کر کے مقرر کی جائے۔اس طرح کہ مالدار سے زیادہ متوسط سے کم اور غریبوں سے بہت کم لیا جائے۔ جولوگ ذرائع آمدن نہیں رکھتے ، یا جن کی معیشت کا انحصار دوسروں کی بخشش پر ہے، ان پر جزیہ معاف کر دیا جائے۔ جزیہ کی تعیین میں یہ امر مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ ایسی رقم مقرر کی جائے ،جس کی ادائیگی ان کے لئے آسان ہو۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

روایت میں ہے"وأن يقاتل من وراء هم". ترجمۃ الباب سے اس کی مطابقت ظاہر ہے(۱۴)۔

۱۷۲ – باب : جَوَائِزِ الْوَفْدِ.
هَلْ يُسْتَشْفَعُ إِلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ وَمُعَامَلَتِهِمْ.

ابواب کی ترتیب میں نسخوں کا اختلاف

صحیح بخاری کے زیرِ نظر نسخہ کے مطابق"باب جوائز الوفد" کے تحت کوئی حدیث نقل کئے بغیر متصلاً دوسرا باب شروع ہوتا ہے، جس کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی گئی ہے، فربریؒ کے سب نسخوں میں یہی ترتیب ہے۔ البتہ فربری ہی سے ابن علی بن شبویہ نے جو نسخہ روایت کیا ہے، اس میں"باب هل يستشفع إلى أهل الذمة؟ ومعاملتهم" پہلے اور"باب جوائز الوفد" بعد میں ہے، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ یہی ترتیب زیادہ مناسب اور قرین قیاس ہے۔ اس لئے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کی مناسبت اسی ترتیب کے پیش نظر ہوسکتی ہے۔ چنانچہ حدیث باب میں"وأجيز والوفد" کی مناسبت "باب جوائز الوفد" کے ساتھ بالکل ظاہر ہے۔ اس کے برعکس اول الذکر نسخوں کی جو ترتیب ہے کہ "جوائز الوفد" کا باب پہلے اور باب"هل يستشفع......" بعد میں ہے، اس کے مطابق ترجمۃ الباب سے حدیث باب

---

(١٤) عمدة القاري: ١٤/٤١٢، وتحفة الباري للإمام زكريا الأنصاري: ٣/٥١١

کی مناسبت نہیں ہوسکتی (۱)۔

اب یہ سمجھ لیجئے کہ اصل میں امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب هل يستشفع......" کا ترجمہ قائم کرکے بیاض چھوڑ دی تھی، کہ باب میں اس کے مناسب حدیث نقل کردی جائے گی، تاہم امام کو اس کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن نُساخ صحیح بخاری نے امام بخاری کی چھوڑی ہوئی بیاض کو نظر انداز کرتے ہوئے، دونوں ابواب یکجا کردیئے (۲)۔

صحیح بخاری کا جو نسخہ علامہ نسفی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، اس میں "باب جوائز الوفد" موجود ہی نہیں۔ اس نسخہ میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "باب هل يستشفع" کے تحت نقل کی گئی ہے، حالانکہ اس ترجمہ کے ساتھ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مناسبت قائم کرنا تکلف سے خالی نہیں (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہات

البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ نسفی رحمہ اللہ کے نسخہ کی مذکورہ ترتیب کے پیش نظر باب هل يستشفع إلى أهل الذمة؟ ومعاملتهم" کے ساتھ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مناسبت قائم کرنے کے لئے مختلف توجیہات کی ہیں:

پہلی توجیہ

حدیث ابن عباس میں ہے: "أخرجوا المشركين" اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ذمیوں کی سفارش نہ کی

(۱) عمدة القاري: ۴۱۲/۱۴، قال العيني: هكذا وقع هذان البابان وليس بينهما شئ في جميع النسخ من طريق الفربري إلا أن في رواية أبي علي ابن شبويه عن الفربري وقع باب جوائز الوفد بعد باب هل يستشفع. وهذا أصوب؛ لأن حديث الباب مطابق لترجمة جوائز الوفد لقوله: "وأجيز والوفد" بخلاف الترجمة الأخرى"، وفتح الباري: ۲۰۹/۶

(۲) نفس المصدرين السابقين، ونص ماقاله العيني: "وكان البخاري وضع هاتين الترجمتين وأخلى بينهما بياضا ليجد حديثا يناسبهما فلم يتفق لذلك. ثم إن النساخ أبطلوا البياض وقرنوا بينهما".

(۳) عمدة القاري: ۴۱۲/۱۴

جائے۔اس جملہ کی مناسبت،ترجمۃ الباب کے جزءاول"هل يستشفع إلى أهل الذمة" کے ساتھ ممکن ہوسکتی ہے۔

اسی طرح حدیث باب میں ہے:"وأجيزوا الوفد" اس کا مقتضی یہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ نرمی اور حسنِ معاملہ کیا جائے۔اس جملہ کی مناسبت ترجمۃ الباب کے دوسرے جزو،"ومعاملتهم" سے ممکن ہے۔

دوسری توجیہ

"هل يستشفع إلى أهل الذمة" میں"إلى"کولام کے معنی میں لیا جائے گا،عبارت مقدر ہوگی:هل يستشفع لهم عند الإمام وهل يعاملون؟" یعنی کیا امام وقت سے ذمیوں کے لئے سفارش ہوسکتی ہے؟اور ان کے ساتھ حسن سلوک جائز ہے؟

اس صورت میں ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی دونوں وصیتوں:"أخرجوا المشركين" اور "وأجيزوا الوفد" کی مناسبت ممکن ہے(۴)۔

حافظ ابن حجر کی توجیہات پر علامہ عینی رحمہ اللہ کا رَد

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ان توجیہات کی ضرورت نہیں۔انہوں نے حافظ صاحب کی توجیہات کو بے محل اور تکلف قرار دیا ہے(۵)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام سے

---

(٤) قال ابن حجر رحمه الله (فتح الباري: ٦/٢٠٩): "ولعله من جهة أن الإخراج يقتضي رفع الاستشفاع، والحض على إجازة الوفد يقتضي حسن المعاملة، أو لعلّ "إلى" في الترجمة بمعنى اللام، أي: هل يستشفع لهم عند الإمام وهل يعاملون؟ ودلالة "أخرجوهم من جزيرة العرب" و "أجيز والوفد" لذلك ظاهرة. والله أعلم". اهـ

(٥) عمدة القاري: ١٤/٤١٢، قال رحمه الله: "ولقد تكلف بعضهم في توجيه المطابقة فقال .... الخ" اهـ

اہل ذمہ کی سفارش کرنا جائز ہے اور ان سے حسن سلوک کرنا بھی جائز ہے، لیکن اہل ذمہ نے اگر معاہدہ کی عہد شکنی کی تو پھر وہ اس سلوک کے مستحق نہیں ہوں گے (٦)۔

"باب" کو مضاف پڑھنے کی صورت میں "ومعاملتهم" مجرور ہوگا (٧)۔ لیکن اگر باب پر تنوین پڑھی جائے، تو اس صورت میں مرفوع ہوگا (٨)۔ نیز "إلى" لام کے معنی میں ہو تو اس صورت میں عبارت مقدر ہوگی: "هل يستشفع لهم عند الإمام" اور "هل" کا جواب: "لايشفع لهم ولا يعاملون إذا نقضوا العهد" محذوف ہوگا (٩)۔

٢٨٨٨ : حدّثنا قَبِيصَةُ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ سُلَيْمانَ الْأَحْوَلِ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّهُ قالَ : يَوْمُ الخَمِيسِ وَما يَوْمُ الخَمِيسِ ، ثُمَّ بَكَى حَتَّى خَضَبَ دَمْعُهُ الحَصْبَاءَ ، فَقَالَ : ٱشْتَدَّ بِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَجَعُهُ يَوْمَ الْخَمِيسِ ، فَقَالَ : (ٱئْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا) . فَتَنَازَعُوا ، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ ، فَقَالُوا : هَجَرَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ؟ قالَ : (دَعُونِي ، فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ) . وَأَوْصَى عِنْدَ مَوْتِهِ بِثَلَاثٍ : (أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ، وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ ما كُنْتُ أُجِيزُهُمْ) . وَنَسِيتُ الثَّالِثَةَ .

وَقالَ يَعْقُوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ : سَأَلْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ، فَقَالَ : مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ وَالْيَمَامَةُ وَالْيَمَنُ . وَقالَ يَعْقُوبُ : وَالْعَرْجُ أَوَّلُ تِهَامَةَ . [ر : ١١٤]

علامہ نسفی اور فربری رحمہما اللہ کے تقریباً سب نسخوں میں حدیث باب کی سند "قبیصہ" کے طریق سے نقل کی گئی ہے۔ البتہ فربری سے جو نسخہ ابن السکنؒ نے روایت کیا ہے، اس میں سند کا آغاز بجائے قبیصہ کے، قتیبہ سے ہوتا ہے۔ پوری صحیح بخاری میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے قبیصہ کی یہی ایک روایت منقول ہے، ان کی بیشتر

(٦) تحفة الباري بشرح صحيح البخاري للإمام زكريا الأنصاري: ٥١٢/٣

(٧) تحفة الباري بشرح صحيح البخاري للإمام زكريا الأنصاري: ٥١٢/٣

(٨) تحفة الباري: ٥١٢/٣

(٩) تحفة الباري: ٥١٢/٣، قالؒ: "وإلى بمعنى اللام أي هل يشفع لهم عند الإمام، وجواب هل محذوف أي لايشفع لهم ولايعاملون إذا نقضوا العهد" اهـ

روایات سفیان ثوری رحمہ اللہ سے مروی ہیں (۹☆)۔ نیز یہی روایت مغازی میں قتیبہ کے طریق سے منقول ہے۔ علامہ عینی ایک ہی روایت کے مذکورہ دونوں طرق میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ممکن ہے یہ روایت قبیصہ اور قتیبہ دونوں سے سنی ہو (۱۰)۔

تراجم رجال

۱-قبیصہ

یہ ابو عامر قبیصہ بن عقبہ محمد بن سفیان السُّوائی الکوفی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان کے تحت گزر چکا ہے۔(۱۰☆)۔

۲-ابن عیینہ

یہ مشہور امام حدیث سفیان بن عیینہ بن میمون، ابو محمد الکوفی ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم کے تحت گزر چکے ہیں(۱۱)۔

۳-سلیمان الأحول

یہ سلیمان بن أبی مسلم الأحول ہیں، ان کے حالات کتاب التہجد ، باب التہجد باللیل کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۱۲)۔

۴-سعید بن جبیر

یہ مشہور تابعی سعید بن جبیر بن ہشام اسدی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب السمر فی العلم کے تحت تفصیل سے گزر چکے ہیں (۱۳)۔

(۹☆) فتح الباري: ۶/۲۰۹

(۱۰) عمدة القاري: ۱۴/۴۳

(۱۰☆) کشف الباري: ۲/۲۷۵، ۲۷۶، کتاب الإیمان .

(۱۱) کشف الباري

(۱۲) دیکھئے کتاب التہجد، باب التہجد باللیل .

(۱۳) کشف الباري: ۴/۴۱۸

۵-ابن عباس رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ان کے حالات بدء الوحی کی حدیث رابع کے تحت تفصیل سے گزر چکے ہیں (۱۴)۔

تنبیہ

ترجمۃ الباب کی مذکورہ روایت سے متعلق بحثیں کتاب العلم کے تحت تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہیں۔ امام بخاری نے یہ حدیث آگے کتاب المغازی میں بھی روایت کی ہے، وہاں بھی اس سے متعلقہ مباحث تفصیل سے بیان ہوں گے۔ یہاں ہم حدیث باب کے بعض جملوں کی تشریح اور ترجمۃ الباب کی مناسبت سے زیر بحث موضوع سے متعلق تفصیل بیان کریں گے۔

فتنازعوا ولا ينبغي عند نبي تنازع

''صحابہ کرام اختلاف ونزاع کرنے لگے، حالانکہ کسی نبی کے سامنے اختلاف ونزاع کرنا مناسب نہیں''۔

اس جملہ کا قائل کون ہے؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید اس جملہ کے قائل خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں (۱۵)۔

کرمانی پر علامہ عینی کا رد

علامہ عینی رحمہ اللہ کو کرمانی رحمہ اللہ کی رائے پر تعجب ہے۔وہ کہتے ہیں کہ کرمانی نے اپنی رائے کو سیاق

---

(١٤) كشف الباري: ١/٤٣٥، ٤٣٦

(١٥) شرح الكرماني: ١٣/٥٠

کلام سے ثابت کرتے ہوئے کہا کہ اس کے قائل یا تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، حالانکہ اس تردد کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے کہ کتاب العلم والی روایت میں خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے: "ولا ینبغي عندي التنازع". کرمانی کا یہ کہنا اس سے زیادہ تعجب انگیز ہے: "ومرّ شرح الحدیث في باب کتابة العلم" یعنی "اس حدیث کی تشریح باب کتابۃ العلم کے تحت گزر چکی ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ کتاب العلم والی روایت، خود علامہ کرمانی کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر تھی، جس میں "ولاینبغي عندي التنازع" کے واضح الفاظ موجود ہیں، اس کے باوجود یہ کہنا بڑا تعجب انگیز ہے کہ شاید یہ جملہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہو۔ چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قال الکرماني: لفظ: ولا ینبغي……، إما قول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وإما قول ابن عباس، والسیاق یحتملها، والموافق لسائر الروایات الأولیٰ. قلتُ: لاحاجة إلی هذا الترديد؛ لأنه –علیه الصلوة والسلام– صرّح في الحدیث الذي سبق في کتاب العلم بقوله: "ولا ینبغي عندي التنازع"، والعجب منه ذلك مع أنه قال: ومرّ شرح الحدیث في باب کتابة العلم"(١٦).

أخرِجُوا المشركينَ من جزيرة العرب

روایت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت ہے کہ مشرکوں کو جزیرہ العرب سے نکال دو۔

مرقاۃ میں ابن الملک کے حوالہ سے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ "مشرکین" سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں (١٧)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہود و نصاریٰ کا لفظ وارد ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "لأُخرجن الیهود والنصاریٰ من جزیرة العرب، حتی لا أدع إلا

---

(١٦) عمدة القاري: ١٤/٤١٤

(١٧) مرقاة المفاتیح للملا علی القاري رحمه اللّٰه: ٧/٦٥٠ (رقم: ٤٠٥٢)

مسلماً"(۱۸)۔ یعنی "میں ہر حال میں یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے جلاوطن کروں گا، اور سوائے مسلمان کے کسی کو رہنے نہیں دوں گا"۔

جزیرۃ العرب سے یہود ونصاریٰ کی جلاوطنی کا مسئلہ

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے جلاوطن کرنے کی وصیت اس لئے فرمائی تاکہ دین اسلام کا مرکز ہمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اس کی وجہ بیان فرمائی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"آخر ماعاهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن قال: لايترك بجزيرة العرب دينان"(۱۹)۔ یعنی "آپ کی آخری وصیت یہ تھی کہ جزیرۃ العرب میں کبھی دو دین جمع نہ ہوں"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں اس وصیت کی تکمیل کا موقع نہ مل سکا، ان کے دورِ خلافت میں ہنگامی مسائل اور فتنوں نے سر اٹھایا، وہ ان کی سرکوبی اور مقابلہ کرنے میں اس قدر مشغول ہوئے کہ یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے جلاوطن کرنے کا انہیں موقع ہی نہ مل سکا(۲۰)۔

البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس وصیت کی تکمیل کی۔ روایت میں ہے کہ انہوں نے چالیس ہزار افراد کو جلاوطن کر دیا تھا(۲۱)۔ ملک یمن بھی جزیرۃ العرب کی حدود میں واقع ہے، لیکن خلفائے اسلام میں سے کسی نے بھی یہاں سے یہود ونصاریٰ کو جلاوطن کئے جانے کا حکم نہیں دیا۔ انہی وجوہ کی بناء

---

(۱۸) رواه مسلم في صحيحه (۲/۹٤) في كتاب الجهاد، باب إجلاء اليهود من الحجاز (رقم: ۱۷٦۷) وعند أبي داود في سننه (۲/۷۳) في كتاب الخراج والإمارة، باب في إخراج اليهود من جزيرة العرب (رقم: ۳۰۳۰) وعند الترمذي في جامعه (۱/۲۸۸)، في كتاب السير، باب ماجاء في إخراج اليهود من جزيرة العرب (رقم: ۳۰۲۹)

(۱۹) رواه أحمد في مسنده: ٦/۲۷٥

(۲۰) عمدة القاري: ۱٤/٤۱٤

(۲۱) عمدة القاري: ۱٤/٤۱٤

پر جمہور فقہاء ومحدثین کا مسلک ہے کہ یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے جلاوطن کرنا سرزمینِ عرب کے حکمرانوں پر واجب ہے۔ البتہ جزیرۃ العرب میں واقع ہونے کے باوجود جمہور کے نزدیک یہود ونصاریٰ کو یمن سے جلاوطن نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ خلفاء اربعہ وغیرہم کے اثر سے یہ ثابت نہیں (۲۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مصلحت کے تحت خلیفہ وقت کسی گروہ کو عارضی طور پر جزیرہ العرب آنے کی اجازت دے، تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲۳)۔

مسجد حرام اور عام مساجد میں مشرکین اور یہود ونصاریٰ کے داخل ہونے کا مسئلہ

دوسرا مسئلہ یہاں یہ ہے کہ مشرکین، یہود ونصاریٰ یا اہل ذمہ کو مسجد حرام اور عام مساجد میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، جس کا اصل منشأ سورۃ توبہ کی یہ آیت ہے:

﴿إنما المشركون نجس فلايقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (٢٤).

"مشرک لوگ نجس ہیں، سو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں"۔

سن نو ہجری میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فریضہ حج ادا کر رہے تھے، مشرکین سے براءت کا یہ حکم اسی سال کے موسمِ حج میں نازل ہوا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ آیت سنا کر، اس حکم کا اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کسی بھی مشرک کو، مشرکانہ رسوم کے ساتھ اور ننگے ہو کر حج کرنے کی اجازت نہیں (۲۵)۔ اس روایت کے الفاظ آگے مذاہب کی تفصیل میں آرہے ہیں۔ جمہور

---

(٢٢) فتح الباري: ٦/ ٢٠٠، قال الحافظ ابن حجر رحمه الله "لكن الذي يمنع المشركون من سكناهم منها الحجاز خاصة، وهو مكة، والمدينة، واليمامة، وما والاها، لافيما سوى ذلك مما يطلق عليه اسم جزيرة العرب، لاتفاق الجميع على أن اليمن لايمنعون منها مع أنها من جملة جزيرة العرب" اھ

(٢٣) عمدة القاري: ١٤/ ٤١٥

(٢٤)

(٢٥) الجامع لأحكام القرآن للقرطبيؒ: ٨/ ١٠٦، وأحكام القرآن للجصاصؒ: ٣/ ٣٢، وروح المعاني للعلامة الآلوسيؒ: ٦/ ٧٧

مفسرین کے نزدیک سورہ توبہ کی یہ آیت ۹ ہجری میں نازل ہوئی (۲۶)، اس لئے ﴿بعد عامهم هذا﴾ میں "هذا" کا مشار الیہ ۹ ہجری ہے اور مطلب یہ ہے کہ ۹ ہجری کے بعد دس ہجری سے اس حکم کا نفاذ واطلاق ہوگا کہ کسی بھی مشرک کو حج کے ارادہ سے مسجدِ حرام میں داخل ہونے کی اجازت آئندہ نہ ہوگی۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب اوران کا استدلال

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شرعاً مسجد حرام سمیت عام مساجد میں بھی نجس اور ناپاک آدمی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں، چنانچہ سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت سے جب کفار ومشرکین کا نجس ہونا ثابت ہوا تو انہیں مسجد حرام سمیت عام مساجد میں بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی (۲۷)۔

❶ انہوں نے پہلا استدلال امراء وحکام کے نام حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس مکتوب گرامی سے کیا ہے، جس میں اسی آیت کو ذکر کرتے ہوئے، انہوں نے کفار کو مسلمانوں کی عام مساجد میں داخل نہ ہونے کی ہدایت کی تھی (۲۸)۔

❷ ان کا دوسرا استدلال سورۂ نور کی اس آیت سے ہے: ﴿في بيوت أذن الله أن ترفع ويذكر فيها اسمه﴾.

"وہ ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے) ہیں، جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اوران میں اللہ کا نام لیا جائے"۔

مساجد کے اندر کفار ومشرکین کا داخل ہونا ادب واحترام اور رفع ذکر کے منافی ہے، اس لئے اس آیت کے مقتضی کے بموجب، انہیں کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں (۲۹)۔

❸ ان کا تیسرا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا

---

(٢٦) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ١٠٦/٨، وأحكام القرآن للجصاص: ٣٢/٣

(٢٧) تفسير قرطبي: ١٠٤/٨، وهداية: ٢٣٢/٤، كتاب الكراهية، فصل في مسائل متفرقة، وأحكام القرآن للجصاص: ١٣١/٣

(٢٨) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ١٠٤/٨

(٢٩) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ١٠٤/٨

أحل المسجد لحائض ولا جنب" یعنی "میں مسجد میں کسی حائضہ عورت اور جنبی مرد کو اندر آنے کی اجازت جائز نہیں دیتا"، چونکہ مشرک اور کافر بھی غسلِ جنابت اور طہارت کا اہتمام نہیں کرتے، عموماً نجاست میں رہتے ہیں، اس لئے یہ حکم ہر مشرک و کافر کے لئے مسجد حرام سمیت تمام مساجد سے متعلق ہے، کہ کسی بھی مشرک و کافر کو مسجد حرام سمیت کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی (۳۰)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک اور ان کی دلیل

امام شافعی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ کی آیت میں مشرکین کو نجس کہا گیا ہے، لہٰذا آیت کی رو سے تمام مشرکین نجس ہیں۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ممانعت کا حکم صرف مسجد حرام سے متعلق ہے، اس لئے مسجد حرام کے علاوہ عام مساجد میں مشرکوں کا داخل ہونا ناجائز نہیں، چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے:

وقال الشافعي: "الآية عامة في سائر المشركين، خاصة في المسجد الحرام، ولا يمنعون من دخول غيره، فأباح دخول اليهودي والنصراني في سائر المساجد" (۳۱).

مطلب یہ ہے کہ آیت میں جو مشرک کو نجس کہا گیا ہے، اس کا اطلاق تمام مشرکین پر ہے، لیکن اس میں دخول کی ممانعت صرف مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے، عام مساجد اس سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد میں داخل ہونے سے انہیں نہیں روکا جائے گا۔ چانچہ امام شافعی کے نزدیک اس تفصیل کے پیش نظر یہود و نصاریٰ کا مسلمانوں کی عام مساجد میں داخل ہونا مباح اور جائز ہے۔

امام شافعی کے استدلال پر رد

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال تام نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک جب مسجد حرام میں ممانعتِ دخول کی علت "نجاست" ٹھہری، تو پھر یہ حکم مسجد حرام کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں، اس لئے

(۳۰) الجامع لاحكام القرآن للقرطبي: ۱۰۵/۸، والهداية للمرغيناني: ۲۳۲/٤، وردالمحتار لابن عابدين الشامي: ۲۷٤/٥، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، رشيديه

(۳۱) حوالة بالا

کہ نجس آدمی کے لئے، عام مساجد میں بھی داخل ہونا جائز نہیں۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے طریق استدلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے، مشرکین اور یہود ونصاریٰ کے لئے عام مساجد میں داخل ہونا بھی ناجائز ہونا چاہیے تھا۔ لہٰذا یہ استدلال صرف امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق تام ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"أقول: لايذهب عليك أن هذا الدليل لوتم لدلّ على أن لايدخل شيئا من المساجد، ومذهب الشافعي أنه لايجوز دخول الكافر المسجد الحرام دون سائر المساجد، فلم يكن هذا الدليل ملائما لمذهبه، وإنما كان مناسبا لمذهب مالكؒ" (۳۲)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک اور ان کے دلائل

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ﴿إنما المشركون نجسٌ﴾ میں نجاست سے نجاست اعتقادی مراد ہے (۳۳)، اور ﴿فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ۹/ہجری کے بعد مشرکین کو مشرکانہ رسوم کے ساتھ ادائیگی حج کے ارادہ سے مسجد حرام میں داخلہ کی اجازت نہیں۔ احناف کے نزدیک اس میں مشرکین کے لئے مسجد حرام اور عام مساجد میں داخلہ کی ممانعت نہیں کی گئی، بلکہ ممانعت کا حکم اس صورت پر محمول ہے جب اہل شرک یا یہود ونصاریٰ مشرکانہ طرز پر، ننگے ہوکر حج وغیرہ کرنے یا استیطان اور تسلّط واستیلاء کے مقصد سے حرم میں داخل ہوں۔ ورنہ مسافرانہ حیثیت سے عام حالات میں مصلحتاً حاکم وقت کی اجازت کے تحت حدودِ حرم اور عام مساجد میں ان کے داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، لہٰذا سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین آئندہ سال سے حج کے ارادہ سے مسجد حرام میں نہیں آئیں گے (۳۴)۔

---

(۳۲) فتح القدير: ۶۳/۱۰، كتاب الكراهية، وردالمحتار على الدرالمختار: ۲۷۴/۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع

(۳۳) أحكام القرآن للجصاصؒ: ۱۳۲،۱۲۱/۳، وقالؒ: "قوله تعالىٰ: ﴿إنما المشركون نجس......﴾ إطلاق اسم النجس على المشرك من جهة أن الشرك الذي يعتقده يجب اجتنابه كما يجب اجتناب النجاسات والأقذار".

(۳۴) الهداية: ۲۳۲/۴، قال العلامة المرغيناني: "ولابأس بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام"، وقال =

درحقیقت آیت میں مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت صرف حج کی غرض سے آنے والے مشرکین کے لئے ہے، اس پر خود قرآن مجید کی آیات کا سیاق وسباق بھی دلالت کررہا ہے اور صحیح احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

❶ احناف کا پہلا استدلال وفد ثقیف کا واقعہ ہے، چنانچہ روایت میں ہے:

"عن حماد بن سلمة عن سلمة عن الحسن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنهم: أن وفد ثقيف لما قدموا على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضرب لهم قبة في المسجد، فقالوا قوم أنجاس! فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنه ليس على الأرض من أنجاس الناس شيئٌ إنما أنجاس الناس على أنفسهم"(۳۵)۔

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب وفد ثقیف رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مسجد میں خیمہ لگا کر انہیں بٹھایا، صحابہ اس موقع پر موجود تھے، کہنے لگے: "یہ تو نجس لوگ ہیں" ان کا مقصد تھا کہ یہ لوگ کافر اور نجس ہیں اس لئے ان کو مسجد میں بٹھانے سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد کی زمین پر ان کی نجاست کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ نجاست (ان کے ظاہری بدن پر نہیں بلکہ) ان کے دلوں میں ہے۔

= الشافعي: يكره ذلك، وقال مالكؒ: يكره في كل مسجد، للشافعي رحمه الله قوله تعالىٰ: ﴿إنما المشركون نجس......﴾ ولأن الكافر لايخلو عن جنابة؛ لأنه لايغتسل اغتسالا لايخرجه عنها، والجنب يجنب المسجد. وبهذا يحتج مالكؒ، والتعليل بالنجاسة عام، فينتظم المساجد كلها، ولأن ماروي: "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنزل وفد الثقيف في المسجد، وهم كفار. ولأنّ الخبث في اعتقادهم، فلا يؤدّي إلى تلويث المسجد، والآية محمولة على الحضور استيلاءً واستعلاءً، أو طائفين عراةً كما كانت عادتهم في الجاهلية". (كتاب الكراهية، فصل في مسائل متفرقة) وردالمحتار لابن عابدين الشامي. ۲۷۴/۴، وأحكام القرآن للجصاص: ۱۳۱/۳، ۱۳۲، وعمدة القاري: ۴۱۵/۱۴، ۴۱۶

(۳۵) أحكام القرآن للعلامة الجصاصؒ: ۱۳۱/۳، والهداية للعلامة المرغينانيؒ: ۲۲۳/۴، كتاب الكراهية، وردالمحتار للشاميؒ: ۲۷۴/۴

اس روایت کو امام احمدؒ نے ''مسند'' (۳۶)، اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''معجم'' (۳۷) میں روایت کیا ہے، مراسیل ابوداود میں بھی یہ روایت منقول ہے (۳۸)۔ البتہ سنن ابوداود کی روایت کے الفاظ مختلف ہیں، اس میں ہے:

''عن عثمان بن أبي العاص: أن وفد ثقيف لما قدموا على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنزلهم المسجد ليكون أرقَّ لقلوبهم فاشترطوا عليه أن لايحشروا أولا يعشروا ولا يُجَبّوا: فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ولكم أن لاتحشروا أولا تعشروا ولا خَيْرَ في دين ليس فيه ركوعٌ'' (۳۹).

روایت میں ہے جب بنوثقیف کا وفد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا، تاکہ ان کے دل نرم ہوں، انہوں نے اپنے اسلام لانے کی شرط یہ رکھی کہ زکوۃ، جہاد اور نماز سے ہمیں مستثنیٰ رکھا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''جہاد اور زکوۃ کے بارے میں تو چھوٹ دی جاسکتی ہے مگر (نماز کے بارے میں نہیں) کیونکہ جس دین میں رکوع (نماز) نہ ہو، اس دین میں بھلائی نہیں''۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سورۂ توبہ کی آیت میں نجس کے جو معنی مراد لئے ہیں، اس روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اہل شرک کو نجس کہنے سے ان کی اعتقادی (کفر وشرک کی) نجاست مراد ہے (۴۰)۔

---

(۳٦) مسند أحمد بن حنبل رحمه الله: ٤/٢١٨، في مسند الشاميين (رقم: ١٨٠٨٤)

(٣٧) المعجم الكبير للطبراني: ٩/٥٤، (رقم: ٨٣٧٢)

(٣٨) نصب الراية لأحاديث الهداية للعلامة الزيلعيؒ: ٤/٢٧٠، كتاب الكراهية، فصل في مسائل متفرقة.

(٣٩) سنن أبي داود: ٢/٧٢، كتاب الخراج، باب خبر الطائف (رقم: ٣٠٢٤)

(٤٠) أحكام القرآن للجصاصؒ: ٣/١٣٠، والهداية للمرغيناني: ٤/٢٣٢، وردالمحتار لابن عابدين الشامي: ٤/٢٧٤

❷ احناف کا دوسرا استدلال صحیحین اور سنن نسائی اور جامع ترمذی (۴۱)، وغیرہ کی یہ روایت ہے، جس میں سورۂ توبہ کی آیات کے نزول کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعلانِ براءت کے صریح الفاظ یہ تھے: "لا یحجّ بعد العام مشرك، ولا یطوف بالبیت عریانٌ" یعنی "اس سال کے بعد کسی بھی مشرک کو حج کرنے اور برہنہ طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی" چنانچہ آیت میں ﴿فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ کے معنی اس اعلان کے پیش نظر یہی ہیں کہ مشرکین کو درحقیقت صرف حج وغیرہ کی ادائیگی سے منع کیا گیا، ورنہ حاکم وقت یا امیر المؤمنین کی اجازت سے حدودِ حرم میں ان کے داخلہ پر شرعاً کوئی قدغن نہیں۔

❸ علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں "شَریك عن أشعث عن الحسن" کے طریق سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا یقرب المشرکون المسجد الحرام بعد عامهم هَذا إلا أن یکون عبداً أو أمة یدخله لحاجة" (٤٢)۔ یعنی مشرک کو مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ البتہ غلام اور باندی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، انہیں ضرورت کے تحت داخل ہونے کی اجازت ہے۔

یہ روایت بھی حنفیہ کی مؤید ہے، جس میں ممانعت کی علت واضح کردی گئی، اس لئے کہ غلام اور باندی کسی بھی مشرک کی طرح نجاست اعتقادی میں ملوث تھے، اگر حدودِ حرم میں داخلہ کی ممانعت مشرک سے وابستہ ہوتی تو اس ممانعت کے تحت قیاساً غلام اور باندی بھی شامل ہوتی۔ احناف کی اس رائے کی تائید کہ مشرک اور ذمی وغیرہ حدودِ حرم میں داخل ہوسکتے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے۔

❹ چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے:

---

(٤١) أخرجه البخاري: ٥٣/١، في الصلوة، باب مایستر من العورة، وفي الحج. ٢٢٠/١، باب لایطوف بالبیت عریان: ٤٥١/١، في الجهاد، باب کیف ینبذ إلی أهل العهد، و: ٦٢٦/٢، في المغازي، باب حج أبي بکر رضي الله عنه بالناس، و: ٦٧١/٢، في سورة البراءة، باب قوله: فسیحوا في الأرض أربعة أشهر، وأخرجه مسلم في صحیحه: ٤٢٥/١، في کتاب الحج، باب لایحج البیت مشرك، وأبوداود: ٢٦٨/١، في الحج، باب یوم الحج الأکبر، والنسائي: ٣١/٢، في الحج، باب قوله: (خذوا زینتکم عند کل مسجد)، والترمذي: ١٣٩/٢، في کتاب التفسیر، باب ومن سورة البراءة.

(٤٢) أحکام القرآن للجصاصؒ: ٣٢/٣

"أخبرنا عبدالرزاق قال: أخبرنا ابن لجريج قال: أخبرني أبو الزبير أنه سمع بن عبدالله يقول في هذه الآية: ﴿إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام﴾ قال: لا، إلا أن يكون عبداً أو أحداً من أهل الجزية"(٤٣).

روایت میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ نے سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ غلام یا ذمی اس ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، وہ حدود حرام میں داخل ہو سکتے ہیں۔

بہرحال فقہاء احناف نے امام اعظم رحمہ اللہ کی محقق رائے یہی تحریر کی ہے کہ مشرک، یہود ونصاریٰ اور ذمی (۴۴)، امیر المؤمنین کی اجازت سے مصلحتاً حدود حرم میں داخل ہو سکتے ہیں، اگر چہ وہ کفر کی نجاست میں ملوث ہوں اور سورۂ نور کی آیت میں ان کے مطلق داخلہ پر پابندی نہیں عائد کی گئی، بلکہ اس کا مطلب احادیث وآثار سے خود متعین ہوگیا کہ کفار ومشرکین وغیرہ تسلط وغلبہ اور استیلاء واستیطان کے ناپاک عزائم رکھتے ہوں تو پھر ان کے لئے حدود حرم میں داخل ہونے کی قطعاً گنجائش نہیں۔

وقال يعقوب بن محمد......

تراجم رجال

۱-یعقوب بن محمد

یہ یعقوب بن محمد بن عیسیٰ بن عبدالمالک بن حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری المدنی ہیں (۴۵)،

(٤٣) المصنف للحافظ أبي بكر عبدالرزاق بن همامؒ: ٥٣/٦، كتاب أهل الكتاب، باب لايدخل الحرم مشرك، وأخرجه أيضا في كتاب أهل الكتابين، باب هل يدخل المشرك الحرم: ٣٥٦/١٠، (رقم: ١٩٣٥٧)؛ وأحكام القرآن للجصاصؒ: ٣٢/٣

(٤٤) الأشباه والنظائر للعلامة ابن نجيمؒ، ص: ٣٨٦، في أحكام الذمي، قالؒ: "ولايمنع -الذمي- من دخول المسجد جنبا بخلاف المسلم، ولايتوقف جواز دخوله على إذن مسلم عندنا، ولو كان المسجد الحرام". دمشق

(٤٥) تهذيب الكمال للحافظ يوسف المزيؒ: ٣٦٧/٣٢، تقريب التهذيب، ص: ٢٠٨، (رقم الترجمة: ٧٨٣٤)

ابو یوسف ان کی کنیت ہے (۴۶)۔

انہوں نے ابراہیم بن جعفر بن مسلمہ الانصاری، رفاعہ بن ہریر بن عبدالرحمٰن بن رافع بن خدیج، سفیان بن حمزہ الأسلمی، صالح بن قدامہ، عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروہ بن زبیر، عبداللہ بن وہب المصری، محمد بن طلحہ التیمی اور یعقوب بن اسحاق الانصاری سے روایت حدیث کی ہے (۴۷)۔

جب کہ ان سے روایت کرنے والے احمد بن سنان القطان، احمد بن یوسف السُّلَمی، حجاج بن الشاعر، حسین بن منصور النیشاپوری، محمد بن سنان البصری، محمد بن عبداللہ المخرمي، ابو یوسف یعقوب بن اسحاق القُلُوسی اور یوسف بن موسیٰ القطان وغیرہ ہیں (۴۸)۔

ان کے بارے میں یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ماحدثكم عن الثقات فاكتبوه، ومالا يعرف من الشيوخ فدعوه" (٤٩)۔

یعنی یعقوب بن محمد سے وہ روایات لینے میں کوئی حرج نہیں، جو انہوں نے "ثقات" سے روایت کی ہیں، البتہ ان کے مجہول ومستور شیوخِ حدیث کی مرویات کو چھوڑ دینا چاہیے۔

ابو حاتم محمد بن ادریس فرماتے ہیں: "هو على يَدَي عَدْلٍ، أدركتُه فلم أكتب عنه" (٥٠)۔ "وہ عدل کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے، (اس لئے) میں نے انہیں پایا لیکن کوئی حدیث ان سے نہیں لکھی"۔

یہ عربی ضرب المثل ہے اور تضعیف کے سخت الفاظ ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ عدل ملک یمن میں قبیلۂ حمیر کے بادشاہ "تُبَّع" کا پولیس تھا (۵۱)۔ تبع کسی کے قتل کے درپے ہوتا تو اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے عدل کے حوالہ کر دیتا۔ اس کردار سے عدل کی شہرت ہوئی۔ جب کوئی شخص کام کے قابل نہ رہتا اور اس

---

(٤٦) تهذيب الكمال: ٣٢/٣٦٧، وتهذيب التهذيب للحافظ ابن حجرؒ: ١١/٣٩٦، (رقم الترجمة: ٧٦٤)

(٤٧) تهذيب الكمال للحافظ يوسف المزي: ٣٢/٣٦٧

(٤٨) تهذيب الكمال للحافظ يوسف المزي: ٣٢/٣٦٧

(٤٩) الجرح والتعديل للإمام أبي حاتمؒ: ٩/٢٦٤، (رقم الترجمة: ١٦٥٥١)، وتهذيب الكمال: ٣٣/٣٧٠، وتهذيب التهذيب: ١١/٣٩٦

(٥٠) الجرح والتعديل لأبي حاتمؒ: ٩/٢٦٤، وتهذيب الكمال: ٣٢/٣٧٠، وتهذيب التهذيب: ١١/٣٩٧

(٥١) الأعلام للزركلي: ٢/٨٣

سے کامیابی کی امید باقی نہ رہتی تو کہا جاتا "هــو عــلــى يَــدَي عــدلٍ" یعنی "وہ عدل کے ہاتھوں ہلاک ہوا" (۵۲)۔

پس منظر ذہن میں نہ ہو تو بظاہر یہ توثیق کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کو بھی یہی مغالطہ ہوا۔ انہوں نے "یدی" کو دال کے کسرے اور "عدل" کو لام کے دو پیش کے ساتھ "على يَدِي عدلٌ" پڑھ لیا۔ اس لئے "الکاشف" میں انہوں نے فرمایا: "وقوّاه أبو حاتم" (۵۳) "ابو حاتم نے ان (یعقوب بن محمد) کو قوی قرار دیا ہے"، حالانکہ ابو حاتم نے "وهو على يَدَىْ عدلٍ" کہہ کر ان کی تضعیف کی ہے۔

حافظ ابو زرعہ رحمہ اللہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: "واهي الحديث"، "منكر الحديث" (۵٤)۔

حجاج بن الشاعر ان کے بارے میں کہتے ہیں: "ثقه" (۵۵)۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو "ثقات" میں ذکر کیا ہے (۵٦)۔

امام احمد بن حنبلؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں: "يعقوب ليس بشيء، ليس يسوّي شيئاً" (۵۷)۔

حقیقت یہ ہے کہ یعقوب بن محمد کا شمار ضعیف راویوں میں ہوتا ہے، اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے روایت حدیث میں بے جا تساہل کی وجہ سے ان پر کلام کیا ہے۔ چنانچہ علی بن حسین بن حبان کہتے ہیں کہ یعقوب بن محمد نے ہشام بن عروة، عن أبیه، عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں رسول اکرم

---

(۵۲) "وعدلٌ: كان من رجال الشُّرَط عند تُبّع، فكان تبع إذا أراد قتل رجل دفعه إلى عَدلٍ، فكانوا يقولون لمن يُئِس منه: هو على يَدَي عدل". انظر تعليقات محمد عوّامة على هامش الكاشف للذهبيؒ: ۳۹٦/۲، وأيضا عند الشيخ عبدالفتاح أبي غدة في تعليقاته على هامش الرفع والتكميل في الجرح والتعديل للإمام للكنوي (۱۷٦، ۱۷۷)

(۵۳) الكاشف الذهبي: ۳۹٦/۲

(۵٤) تهذيب الكمال: ۳۷۰/۳۲، وتعليق الدكتور بشار عواد معروف على هامش تهذيب الكمال: ۳۷۰/۳۲، والجرح والتعديل لابى حاتمؒ: ۲٦٤/۹، وتهذيب التهذيب لابن حجرؒ: ۳۹۷/۱۱

(۵۵) نفس المصادر السابقة

(۵٦) الثقات لابن حبانؒ: ۲۸٤/۹

(۵۷) الضعفاء للعقيليؒ: ٤٤۵/٤، (رقم الترجمة: ۲۰۷۲)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں:

﴿من لم يكن عنده صدقة فليلعن اليهود﴾(٥٨)۔

''جو صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا، وہ یہود پر لعنت بھیجے''۔

حافظ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ یہ موضوع حدیث ہے کوئی عقل مند شخص اس کو قطعاً روایت نہیں کرسکتا(٥٩)۔

البتہ شواہد ومتابعات میں ان کی روایات نقل کرنے میں کوئی کلام نہیں جیسا کہ ترجمۃ الباب کے تحت خود امام بخاری رحمہ اللہ کی صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے(٦٠)۔

واللہ اعلم بالصواب۔

۲-مغیرہ بن عبدالرحمٰن

یہ مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن عوف بن حبیب الأسدی ہیں، ان کے حالات کتاب الاستسقاء، باب دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اجعلنها سنين كسني يوسف" کے تحت گزر چکے ہیں۔

والعَرْجُ أوّلُ تهامة

عرج عین پر فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ مکہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ تہامہ تاء کے زیر کے ساتھ ہے، اس کا اطلاق نجد اور بلادِ حجاز پر ہوتا ہے(٦١)۔

لفظ تہامہ مختلف روایات واخبار میں وارد ہوا ہے جس سے پورا ''حجاز'' مراد ہوتا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

یعقوب بن محمد کی مذکورہ تعلیق کو قاضی اسماعیل نے عن أحمد بن المعدل، عن يعقوب بن

---

(٥٨) تاريخ بغداد للخطيب: ١٤/٢٧٠، (رقم الترجمة: ٧٥٦٣)

(٥٩) تاريخ بغداد للخطيب: ١٤/٢٧٠، (رقم الترجمة: ٧٥٦٣) قال: "هذا كذب باطل لايحدث بهذا أحد يعقل" اھ

(٦٠) تحرير تقريب التهذيب: ٤/١٢٨

(٦١) شرح الكرماني: ١٣/٥١

محمد بن عيسىٰ الزهري عن المغيرة بن عبدالرحمن کے طریق سے "أحكام القرآن" میں موصولاً نقل کیا ہے(۶۲)۔ یعقوب بن ابی شیبہ نے بھی اپنی "مسند" میں عن أحمد بن المعدل، عن يعقوب بن محمد عن مالك بن أنس" کے طریق سے اس تعلیق کو موصولاً روایت کیا ہے (۶۳)۔

اس تعلیق کا مقصد

حدیث باب میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس وصیت کا ذکر تھا کہ جزیرۃ العرب سے مشرکین کو نکال دیا جائے، لیکن اس میں جزیرۃ العرب کی جغرافیائی حدود کی وضاحت نہیں تھی، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ابہام کو دور کرنے کے لئے یہ تعلیق نقل فرمائی، کہ جزیرۃ العرب کی حدود کیا ہیں، اور اس کا اطلاق کہاں سے کہاں تک ہوتا ہے؟ (واللہ اعلم)

جزیرۃ العرب کا محل وقوع

یعقوب بن محمد کی مذکورہ تعلیق میں ہے کہ جزیرۃ العرب سے مکہ، مدینہ، یمامہ اور یمن مراد ہے، یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ہے (۶۴)، امام اصمعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جزیرۃ العرب طول میں عدن سے عراق کی ترائی تک اور عرض میں جدہ سے شام تک پھیلا ہوا ہے (۶۵)۔

جزیرۃ العرب کی وجہ تسمیہ

عرب کو "جزیرہ" اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے تین طرف سمندر اور ایک طرف دریا کے پانی کا حصار قائم ہے، تین طرف بحر ہند، بحر قلزم، بحر فارس اور بحر حبشہ ہیں، ایک طرف دریائے دجلہ وفرات۔

چنانچہ فتح الباری میں ہے: "قال الخليل سميت جزيرة العرب؛ لأن بحر فارس وبحر حبشة

---

(٦٢) عمدة القاري: ١٤/٤١٦، وفتح الباري: ٦/٢١٠، وتعليق التعلبق: ٣/٤٥٨

(٦٣) تغليق التعليق لابن حجر رحمه الله: ٣/٤٥٨

(٦٤) فتح الباري: ٦/٢١٠، وعمدة القاري: ١٤/٤١٤

(٦٥) فتح الباري: ٦/٢١٠، وعمدة القاري: ١٤/٤١٤

والفرات والدجلة أحاطت بها" اورامام اصمعی کہتے ہیں: "لإحاطة البحار بها، يعني بحر الهند والقلزم وبحر فارس وبحر الحبشة"(٦٦)۔

مفصل جغرافیہ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں ذکر کیا ہے، چنانچہ یاقوت حموی لکھتے ہیں:

"وإنما سميت بلاد العرب جزيرة لإحاطة البحار والأنهار بها من جميع أقطارها وأطرافها فصاروا منها في مثل الجزيرة من جزائر البحر، وذلك أن الفرات أقبل من بلاد الروم فظهر بناحية قنسرين ثم انحط على أطراف الجزيرة وسواد العراق حتى وقع في البحر في ناحية البصرة والأُبُلّة وامتد إلى عبادان، وأخذ البحر في ذلك الموضع مغربا مطيفا ببلاد العرب منعطفا عليها .... الخ(٦٧).

یعنی بلادِ عرب کو جزیرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے، مثلاً اس طرح کہ دریائے فرات بلادِ روم سے شروع ہوا اور قنسرین کے نواح میں عرب کی سرحد پر ظاہر ہوا، پھر عراق میں ہوتا ہوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا، وہاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا اور قطیف وہجر کے کناروں سے ہوتا ہوا عمان اور شجر سے گزر گیا، پھر حضرموت اور عدن سے ہوتا ہوا پچھم کی جانب سے یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا، حتی کہ جدہ نمودار ہوا جو مکہ حجاز کا ساحل ہے، پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جا کر سمندر کی شاخ ختم ہوگئی۔ پھر سرزمین مصر شروع ہوتی ہے، قلزم نمودار ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ بلادِ فلسطین سے سواحل عسقلان سے ہوتا ہوا سرزمین صور و ساحل اردن نیز بیروت تک جا پہنچتا ہے۔ آخر میں پھر قنسرین تک پہنچ کر وہ جگہ آتی ہے، جہاں سے فرات نے بلادِ عرب کا احاطہ شروع کیا ہے۔ اس طرح چاروں اطراف پانی کا سلسلہ قائم ہے، یہی جزیرۃ العرب ہے۔

١٧٣ - باب : التَّجَمُّلِ لِلْوُفُودِ .

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ وفود کی آمد پر حاکم وقت یا دوسرے استقبال کرنے والوں کو زیب وزینت اختیار کرنی چاہیے اور صاف ستھرا لباس پہننا چاہیے، چنانچہ حدیث باب کے تحت علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا سنت ہے اور اس پر عمل کے نتیجہ میں یہ فائدہ ہوگا کہ باہر سے آنے

---

(٦٦) فتح الباري: ٦/ ٢١٠

(٦٧) معجم البلدان: ٢/ ١٣٧؛

والے وفد پر اسلام اور اہل اسلام کا اچھا اور خوشگوار اثر پڑے گا۔ دشمن کے دل میں مسلمانوں کی عظمت پیدا ہوگی (۶۸)۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کا اصل مقصد یہ ہے کہ زیب وزینت اختیار کرنا تو جائز ہے لیکن مردوں کے لئے جس لباس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اسے پہننا حرام ہے، چنانچہ حدیث باب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زینت اختیار کرنے کی اجازت تو دی ہے، لیکن منہی عنہ لباس کی ممانعت بھی فرمائی ہے (۶۹)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کی ہے (۷۰)۔

۲۸۸۹ : حدّثنا يَحْيَىٰ بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ : أَنَّ ٱبْنَ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : وَجَدَ عُمَرُ حُلَّةَ إِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوقِ ، فَأَتَى بِهَا رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ٱبْتَعْ هٰذِهِ الْحُلَّةَ ، فَتَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيدِ وَلِلْوُفُودِ . فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ ، أَوْ : إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ) . فَلَبِثَ ما شَاءَ ٱللهُ ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِجُبَّةِ دِيبَاجٍ ، فَأَقْبَلَ بِهَا عُمَرُ حَتَّى أَتَى بِهَا رَسُولَ ٱللهِ ﷺ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، قُلْتَ إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ ، أَوْ إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ ، ثُمَّ أَرْسَلْتَ إِلَيَّ بِهٰذِهِ ؟ فَقَالَ : (تَبِيعُهَا ، أَوْ تُصِيبُ بِهَا بَعْضَ حاجَتِكَ) .
[ر : ۸٤٦]

تراجم رجال

۱۔ یحیی بن بکیر

یہ ابوزکریا یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر القرشی المخزومی المصری ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحی کی تیسری

---

(٦٨) قال ابن بطال رحمه الله: "فيه من السنة المعروفة التجمّل للوفود بحسن الثياب؛ لأن في ذلك جمالا للإسلام وأهله، وإرهابا على العدو، وتعظيما للمسلمين". شرح ابن بطال: ٥/١٦٢

(٦٩) إرشاد الساري: ٥/١٧، قال القسطلاني رحمه الله: "ولم ينكر عليه طلبه التجمل وإنما أنكر عليه التجمّل بهذا الشئ لمنهي عنه"

(٧٠) الأبواب والتراجم للمحدث الكاندهلوي، ص: ٢٠٣

(٢٨٨٩) مرّ تخرج الحديث في كتاب الجمعة، باب: يلبس أحسن مايجد (رقم ٨٨٦)

حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۷۱)۔

۲-لیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی ہیں، ان کے حالات بھی بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۷۲)۔

۳-عقیل

یہ عُقیل (بالتصغیر) بن خالد بن عَقیل (بالتکبیر) ہیں۔ان کے حالات بھی بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۷۳)۔

۴-ابن شہاب

یہ مشہور امام حدیث ابن شہاب زہری ہیں۔ان کے حالات بھی بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۷۴)۔

۵-سالم بن عبداللہ

یہ ابوعمر یا ابوعبداللہ سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔ان کے حالات کتاب الإيمان، باب الحياء من الإيمان کے تحت گزر چکے ہیں (۷۵)۔

---

(۷۱) كشف الباري: ۳۲۳/۱

(۷۲) كشف الباري: ۳۲٤/۱

(۷۳) كشف الباري: ۳۲٥/۱

(۷٤) كشف الباري: ۳۲٦/۱

(۷٥) كشف الباري: ۱۲۸/۲

٦-ابن عمر رضی اللہ عنہما

جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان میں گزر چکے ہیں (۷٦)۔

وجد عمرُ حُلّة استبرق تباع في السوق

اس روایت سے متعلق بحثیں کتاب الجمعہ کے تحت گزر چکی ہیں (۷۷)۔ اور آگے کتاب اللباس میں بھی آرہی ہیں (۷۸)۔

ترجمۃ الباب سے حدیث باب کی مطابقت

روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: "ابتع هذه الحلة فتجمّل بها للعيد وللوفود" "یہ حُلّہ آپ خرید لیں، اس سے عید اور باہر سے آنے والے وفود کے استقبال کے لئے زیب وزینت اختیار کریں"۔ یہ جملہ ترجمہ کے مناسبت ہے (۷۹)۔

١٧٤ – باب : كَيْفَ يُعْرَضُ الإِسْلَامُ عَلَى الصَّبِيِّ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

کتاب الجنائز میں امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب أهل يعرض الإسلام على الصبي" کا ترجمہ منعقد کیا ہے، وہاں استفہام ہے کہ کیا بچے کو اسلام کی دعوت دی جائے گی؟ لیکن کتاب الجہاد کے اس ترجمہ

---

(٧٦) كشف الباري: ١/٦٣٧

(٧٧) أنظر كتاب الجمعة، بابٌ: يلبس أحسن مايجد .

(٧٨) كشف الباري، كتاب اللباس، باب لبس الحرير وافتراشه للرجال، ص: ١٨٩-١٩٤

(٧٩) عمدة القاري: ١٤/٤١٦

الباب میں جزم ہے۔ چونکہ کتاب الجنائز کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے اسلامِ صبی کی صحت پر دلیل پیش کی، اس لئے یہاں صحت کی صراحت کو انہوں نے ضروری نہیں سمجھا، صرف کیفیت کا ذکر فرمایا۔ گویا ترجمہ میں جزم ہے کہ صبی کو اسلام کی دعوت دینا تو ثابت ہے ہی، مگر یہ دعوت کس طرح دی جائے، اس کی کیفیت کیا ہو؟ ترجمہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی کے ذکر پر اکتفا کیا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"قوله: "وهل يعرض الإسلام على الصبي" ذكره هنا بلفظ الاستفهام، وترجم في كتاب الجهاد بصيغة تدل على الجزم بذلك فقال: "وكيف يُعرض الإسلام على الصبي؟" وكأنه لما أقام الأدلة هنا على صحة إسلامه استغنى بذلك وأفاد هناك ذكر الكيفية"(٨٠).

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں بالغ کو اسلام کی دعوت اسلام دینے کے حوالے سے مستقل باب قائم کیا ہے، اس سے امام یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جوان اور ادھیڑ عمر مردوں، عورتوں کو دعوت اسلام دینا تو ثابت ہے اور ایک معلوم بات ہے، لیکن جہاد کے دوران، ان کے ہمراہ، جو نابالغ بچے قیدیوں میں شامل ہوتے ہیں، ان کو بھی اسلام کی دعوت دینا ثابت ہے۔

٢٨٩١/٢٨٩٠ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عُمَرَ ٱنْطَلَقَ فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ ٱبْنِ صَيَّادٍ ، حَتَّى وَجَدُوهُ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ ، عِنْدَ أُطُمِ بَنِي مَغَالَةَ ، وَقَدْ قَارَبَ يَوْمَئِذٍ ابْنُ صَيَّادٍ يَحْتَلِمُ ، فَلَمْ يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ ظَهْرَهُ بِيَدِهِ ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ ﷺ) . فَنَظَرَ إِلَيْهِ ٱبْنُ صَيَّادٍ ، فَقَالَ : أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ ، فَقَالَ ٱبْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ : أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ ٱللهِ ؟ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : (آمَنْتُ بِاللهِ وَرُسُلِهِ) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَاذَا تَرَى) . قَالَ ٱبْنُ صَيَّادٍ : يَأْتِينِي صَادِقٌ

(٨٠) فتح الباري: ٣/٢٠٩، والأبواب والتراجم للشيخ الكاندهلويؒ، ص: ٢٠٣

(٢٨٩١/٢٨٩٠) قد مرّ تخريجه في كتاب الجنائز، بابٌ: إذا أسلم الصبي فمات، هل يصلّى عليه؟ ... (رقم: ١٣٥٤)

وَكَاذِبٌ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (خُلِطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ) . قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا) . قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ : هُوَ الدُّخُّ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اخْسَأْ ، فَلَنْ تَعْدُو قَدْرَكَ) . قَالَ عُمَرُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، ائْذَنْ لِي فِيهِ أَضْرِبْ عُنُقَهُ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنْ يَكُنْهُ فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْهُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ) .

تراجم رجال

۱-عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان بن اخنس جعفی بخاری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان ، باب أمور الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۸۳)۔

۲-ہشام

یہ قاضی ابوعبدالرحمٰن ہشام بن یوسف الصنعانی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الحیض، باب من سمی النفاس حیضاً کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

۳-معمر

یہ معمر بن راشد ازدی ابوعروہ بصری ہیں، ان کا تذکرہ بدء الوحی کی حدیث خامس کے تحت گزر چکا ہے(۸۴)۔

باقی تین راویوں کا حوالہ گزشتہ باب کے تحت حدیث کی سند میں گزر چکا ہے۔

أتشهد أني رسول الله؟

روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۸۳) كشف الباري: ۱/۶۵۷

(۸٤) كشف الباري: ۱/٤٦٥

کیا تم یہ گواہی دو گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

کیا صبی عاقل غیر بالغ کا اسلام معتبر ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب سے اپنے رجحان کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک صبی عاقل کا اسلام معتبر ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی رائے بھی یہی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے: "وإسلامه إسلامٌ باتفاق الأئمة الثلاثة" (۸۵)۔

البتہ امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک نابالغ کا اسلام معتبر نہیں (۸۶)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی توجیہ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے مسلک کے بارے میں مجھے تعجب تھا کہ جب ان کے نزدیک نابالغ کا اسلام معتبر نہیں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلام کے متعلق ان کی رائے کیا ہوگی؟ کیونکہ قبول اسلام کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نابالغ تھے اور سن بلوغ تک نہیں پہنچے تھے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بعد میں مجھے امام بیہقی کی معرفۃ السنن میں ایک روایت ملی، اس نے میری پریشانی رفع کردی۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کی معرفۃ السنن میں ہے کہ غزوۂ خندق کے بعد شرائع واحکام کا دارومدار بلوغ پر رکھا گیا ہے، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ غزوۂ خندق سے پہلے کا ہے۔

چنانچہ "فیض الباری" میں ہے:

"وأما عند الشافعي فإسلامه غير معتبر، وكنت أتعجب منه، وأقول:

---

(۸۵) فتح القدير للعلامة ابن الهمامؒ: ۳۲۸/۵، في أحكام المرتد، وردالمحتار: ۳۹۳/۶، والفتاوى التتارخانية، للعلامة ابن العلاء الأنصاري الدهلويؒ: ۲۷۶/۵، في كتاب أحكام المرتدين

(۸۶) فتح القدير: ۳۲۸/۵، وردالمحتار ۳۹۳/۶، والفتاوى التتارخانية: ۳۷۶/۵

إنهم مـاذا يصنعون بإسلام علي رضي الله عنه فإنه أسلم في صباه، ثم رأيت فـي "مـعـرفة السـنـن" لـلبيهـقـي أن الأحـكـام نيطت عليه بالبلوغ بعد غزوة الـخـنـدق، وإسلام علي -رضي الله عنه- كان قبلها، فلا بأس بعبرته وحينئذ زال القلق"(۸۷).

جمہور فقہاء کا استدلال

ان حضرات کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ سے ہے کہ انہوں نے بلوغت سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا صرف اعتبار ہی نہیں کیا بلکہ اظہار فخر ومسرت بھی فرمایا(۸[illegible]

[illegible] للہ نے ''موطأ'' میں عن ابن شہاب عن علی بن حسین عن علی بن أبی طالب'' کے طریق [illegible]س کی ہے:"إنما ورث أباطالب عقيلٌ ولم يرثه على"(۸۹)۔ مطلب یہ کہ ابوطالب [illegible] میراث (جیسا کہ اگلے باب میں اس کی تفصیل آرہی ہے) صرف طالب اور عقیل نے پائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنا حصہ نہیں ملا(۹۰)۔ اس سے بھی ان کے اسلام کی صحت واعتبار پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کو اپنے حصہ کا نہ ملنا ان کے اسلام کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری قوی دلیل ان کی حدیث باب ہے، جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو

---

(۸۷) فيض الباري: ۴۵۴/۳

(۸۸) ردالمحتار على الدرالمختار: ۴۹۴/۶، والبحر الرائق للعلامة ابن نجيمؒ: ۲۳۲/۵، في كتاب السير، باب أحكام المرتدين

(۸۹) موطأ الإمام مالك رحمه الله، ص: ۶۶۶، كتاب الفرائض، ميراث أهل الملل، نور محمد

(۹۰) انظر "كشف المغطا عن وجه الموطأ" للعلامة إشفاق الرحمن الكاندهلويؒ على هامش "الموطأ" لمالكؒ، ص: ۶۶۶، وأوجز المسالك إلى موطأ الإمام مالكؒ للمحدث محمد زكريا الكاندهلوي: ۴۴۳/۱۲، كتاب الفرائض، ميراث أهل الملل

دعوت اسلام دی، اور وہ بالغ نہیں تھا۔ یہ دلیل زیادہ قوی اس لئے ہے کہ ابن صیاد کا یہ واقعہ غزوہ خندق کے بعد پیش آیا (۹۱)۔

امام زفر اور امام شافعی کا استدلال اور اس کا رد

❶ ان حضرات کی پہلی دلیل یہ ہے کہ نابالغ، اسلام کے معاملہ میں والدین کے تابع ہے، لہٰذا اس کا اسلام اصلی نہیں ہوگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ تابع بھی ہو اور اصلی بھی (۹۲)۔

❷ دوسری دلیل یہ ہے کہ نابالغ کے اسلام کا اعتبار کیا جائے تو اس کے نتیجہ میں اس سے ایسے احکام وابستہ ہو جائیں گے، جن سے نقصان لازم آئے گا اور وہ احکام اس کے حق میں باعثِ ضرر ہوں گے۔ مثال کے طور پر یہ کہ اپنے کافر والدین کی میراث سے وہ محروم ہوگا، اس بناء پر نابالغ صبی میں اسلام کی اہلیت کا ان حضرات کے نزدیک اعتبار نہیں (۹۳)۔

علامہ مرغینانی نے ہدایہ میں اور علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں ان حضرات کی مذکورہ دونوں دلیلوں کا یہ جواب دیا ہے کہ نابالغ صبی کا اسلام اس لئے معتبر قرار دیا گیا ہے کہ اگر وہ صدق دل سے اسلام قبول کرے تو ظاہر ہے کہ یہ اسلام کے ساتھ اس کے اعتقاد اور شیفتگی کی دلیل ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو یقیناً رد نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے یہ کہ دائمی سعادت اور آخرت میں نجات و فلاح کا ضامن بھی اسلام ہے، اور یہ اتنا عظیم الشان فائدہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیاوی مفادات یعنی میراث وغیرہ کی کوئی وقعت نہیں، بس یہی اسلام کا اصلی حکم ہے کہ آخرت میں نجات و فلاح حاصل ہو، لہٰذا اگر میراث وغیرہ کا نقصان ہو تو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

چنانچہ بحر الرائق اور ہدایہ وغیرہ میں ہے:

---

(۹۱) أنظر فتح القدير للعلامة ابن همام رحمه الله: ۳۲۹/۵، أحكام المرتد

(۹۲) البحر الرائق: ۲۳۲/۵، كتاب السير، باب أحكام المرتدين

(۹۳) فتح القدير: ۳۲۹/۵، والبحر الرائق: ۲۳۲/۵

"وارتداد الصبي العاقل صحيح كإسلامه" بيان للإسلام الصبي وردته. أما الأول، ففيه خلاف زفر، والشافعي –رحمهما الله– نظرا إلى أنه في الإسلام تبع لأبويه فيه، فلا يجعل أصلاً، ولا نلزمه أحكاماً يشوبها المضرة، فلا يؤهل له".

ولنا أن عليا –رضي الله عنه– أسلم في صباه وصحّح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إسلامه، وافتخاره بذلك مشهور، ولأنه أتى بحقيقة الإسلام، وهو التصديق والإقرار معه؛ لأن الإقرار عن طوعٍ دليلٌ على الاعتقاد على ماعرف والحقائق لاترد، ومايتعلق به سعادة أبدية ونجاة عقباوية، وهو من أجَلّ المنافع، وهو الحكم الأصلي، ثم يبتنى عليه غيرها فلا يبالىٰ بما يشوبه"(٩٤)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

روایت میں ہے: "أتشهد أني رسول الله"؟ اس میں نابالغ (ابن صیاد) کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے، ترجمۃ الباب سے اس جملہ کی مناسبت ہے(۹۵)۔

(٢٨٩١) : قَالَ ابْنُ عُمَرَ : ٱنْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ ، يَأْتِيَانِ النَّخْلَ الَّذِي فِيهِ ابْنُ صَيَّادٍ ، حَتَّى إِذَا دَخَلَ النَّخْلَ ، طَفِقَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ ، وَهُوَ يَخْتِلُ ابْنَ صَيَّادٍ أَنْ يَسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ ، وَٱبْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلَى فِرَاشِهِ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْزَةٌ ، فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ ، فَقَالَتْ لِٱبْنِ صَيَّادٍ : أَيْ صَافِ ، وَهُوَ ٱسْمُهُ ، فَثَارَ ٱبْنُ صَيَّادٍ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ) .

[ر : ١٢٨٩]

(٩٤) الهداية للعلامة المرغيناني: ٣٤٩/٤، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، إدارة القرآن كراچی، والبحر الرائق: ٢٣٢/٥؛ كتاب السير، أحكام المرتدين

(٩٥) عمدة القاري: ٤٠٧/١٤

یہ تعلیق پہلی حدیث کی سند کے ساتھ موصول ہے، اس میں قصۂ ابن صیاد کے دوسرے حصہ کا بیان ہے۔

٢٨٩٢ : وَقَالَ سَالِمٌ : قَالَ ابْنُ عُمَرَ : ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي النَّاسِ ، فَأَثْنَى عَلَى ٱللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ، ثُمَّ ذَكَرَ ٱلدَّجَّالَ ، فَقَالَ : (إِنِّي أُنْذِرُكُمُوهُ ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ ، لَقَدْ أَنْذَرَهُ نُوحٌ قَوْمَهُ ، وَلٰكِنْ سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلاً لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ : تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ ، وَأَنَّ ٱللّٰهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ) . [ر : ٣١٥٩]

یہ تعلیق بھی سند اول کے ساتھ موصول ہے، اس میں قصۂ ابن صیاد کے تیسرے حصہ کا تذکرہ ہے۔

مذکورہ تعلیقات کی تخریج

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں تعلیقات مسند احمد بن حنبل میں "عن معمر عن الزهري عن سالم" کے طریق سے موصولاً منقول ہیں (۹۶)۔

١٧٥ - باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِلْيَهُودِ : (أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا) .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہود کو اسلام کی دعوت دینا سنت سے ثابت ہے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودِ عرب کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: "أسلموا تسلموا" اگر تم اسلام لاؤ گے، تو اس کی برکت سے دنیا میں قتل اور جزیہ کی ذلت سے اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہو گے (۱)۔

---

(۹٦) مسند أحمد بن حنبل رحمه الله: ۲/۱٤۹، وتغليق التعليق لابن الحجر رحمه الله: ۳/٤٥۹

(۱) عمدة القاري: ۱٤/٤۲۰، قال العيني رحمه الله: "أي هذا باب في ماذكر من قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لليهود: أسلموا، بفتح الهمزة من الإسلام، قوله: "تسلموا". بفتح التاء من السلامة أي تسلموا في الدنيا من القتل والجزية، وفي الآخرة من العقاب والخلود في النار".

باب سابق سے مناسبت

گزشتہ باب کے تحت بتایا جاچکا ہے کہ دورانِ جہاد بڑوں کے ساتھ نابالغ بچے بھی قیدیوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اس ابہام کو دور کرنے کے لئے کہ کیا نابالغ بچے کو اسلام کی دعوت دینا ثابت ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک مستقل باب قائم کرکے، حدیث سے ثابت کیا کہ نابالغ کو بھی دعوت اسلام دینا منصوص ہے۔ ظاہر ہے قیدیوں میں نابالغ مشرکین کی طرح یہود بھی شامل ہوسکتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب هل يعرض الإسلام على الصبي؟" کی مناسبت سے، یہود سے متعلق بھی ایک مستقل باب قائم کرکے یہ وضاحت فرمائی کہ انہیں بھی اسلام کی دعوت دینا سنّت سے ثابت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

قَالَهُ المَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . [ر : ٢٩٩٦]

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث نقل نہیں فرمائی، آگے "كتاب الجزيه" میں "باب إخراج اليهود من جزيرة العرب" کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تعلیق کو "عن الليث، عن سعيد المقبري عن ابيه، عن أبي هريرة رضى الله عنه" کے طریق سے موصولاً روایت کیا ہے(۲)، اس پر تفصیلی بحث انشاءاللہ وہیں ہوگی۔

اس کے علاوہ "كتاب الإكراه" اور "كتاب الإعتصام"(٤) کے تحت بھی اسی سند کے ساتھ یہ تعلیق موصولاً نقل کی گئی ہے(۵)۔

---

(٢) كتاب الجزية، باب إخراج اليهود من جزيرة العرب، (رقم: ٣١٦٧)، وعمدة القاري: ١٤/ ٢٠٠، وفتح الباري: ٦/ ٢٠٦، والأبواب والتراجم، ص: ٢٠٣.

(٣) صحيح البخاري، كتاب الإكراه، باب: في بيع المكره ونحوه في الحق وغيره (رقم: ٦٩٤٤)

(٤) صحيح البخاري، كتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، باب: "وكان الإنسان أكثر شئ جدلا" (رقم: ٧٣٤٨)

(٥) تغليق التعليق للحافظ ابن حجر رحمه الله: ٣/ ٤٥٩

١٧٦ – باب : إِذَا أَسْلَمَ قَوْمٌ فِي دَارِ الحَرْبِ ، وَلَهُمْ مالٌ وَأَرَضُونَ ، فَهِيَ لَهُمْ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ دارالحرب پر غلبہ واستیلاء کے باوجود اسلام لانے والے حربیوں کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد، انہی کی ملکیت اور قبضہ میں رہے گی، حملہ آور مسلمان ان املاک کو مال غنیمت سمجھ کر قطعاً اپنے تصرف میں نہیں لا سکتے۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں احناف پر رد کیا ہے(٦)، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

٢٨٩٣ : حدّثنا مَحْمُودٌ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عَلِيِّ ٱبْنِ حُسَيْنٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا ؟ فِي حَجَّتِهِ ، قالَ : (وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مَنْزِلاً) . ثُمَّ قالَ : (نَحْنُ نَازِلُونَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ الْمُحَصَّبِ ، حَيْثُ قَاسَمَتْ قُرَيْشٌ عَلَى الْكُفْرِ) . وَذٰلِكَ أَنَّ بَنِي كِنَانَةَ حالَفَتْ قُرَيْشًا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ : أَنْ لَا يُبَايِعُوهُمْ وَلَا يُؤْوُوهُمْ . قالَ الزُّهْرِيُّ : وَالْخَيْفُ : الْوَادِي .

[ر : ١٥١١]

تراجم رجال

١-محمود

یہ محمود بن غیلان العدوی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب مواقیت الصلوۃ، باب النوم قبل العشاء کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

٢-عبدالرزاق

یہ ابوبکر عبدالرزاق بن ھمّام یمانی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان(٨) باب حسن إسلام المرء

---

(٦) فتح الباري: ٦/٢٠٦، والأبواب والتراجم للكاندهلويؒ، ص: ٢٠٣

(٢٨٩٣) قد سبق تخريج الحديث في كتاب الحج، باب توريث دُوَرِ مكة وبيعها وشرائها، (رقم: ١٥٨٨)

(٨) كشف الباري: ٢/٤٢١

کے تحت گزر چکا ہے۔

۳-معمر

یہ ابوعروہ معمر بن راشد ازدی بصری ہیں، ان کا تذکرہ بدء الوحی کی حدیث خامس کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۹)۔

۴-الزھری

یہ مشہور امام حدیث ابوبکر، محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہري المدنی ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحی کی حدیث ثالث کے تحت گزر چکے ہیں(۱۰)۔

۵-علی بن حسین

یہ مشہور عابد وفقیہ زین العابدین علی بن حسین بن علی بن أبي طالب الہاشمی ہیں، ان کے حالات كتاب التهجد، باب تحريض النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على قيام الليل کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۶-عمرو بن عثمان بن عفان

یہ عمرو بن عثمان بن عفان اموی، مدنی قرشی ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الحج، باب توریث دُور مكة وبيعتها وشرائها کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

۷-اُسامہ بن زید

یہ اسامہ بن زید بن حارثہ کلبی مدنی ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء کے تحت گزر چکا ہے۔

---

(۹) کشف الباري: ۱/۴۶۵

(۱۰) کشف الباري: ۱/۳۲۶

قلت يا رسول الله، أين تنزل غدا؟ في حجته

اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کل آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟

قال: وهل ترك لنا عقيل منزلا؟ ثم قال: نحن نازلون غداً بخيف بني كنانة المحصب حيث قاسمت قريش على الكفر

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عقیل نے ہمارے لئے کوئی مکان چھوڑا بھی ہے؟ پھر فرمایا: کل ہمارا قیام خیف بنی کنانہ کے مقام "محصب" میں ہوگا۔ جہاں قریش نے کفر پر عہد کیا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر بنوکنانہ اور قریش نے بنوہاشم کے خلاف اس بات پر عہد کیا تھا کہ ان کے ساتھ خرید وفروخت کے معاملات ہوں گے، نہ ہی ان کو پناہ دی جائے گی۔ تاکہ بنوہاشم پر دین اسلام کی اشاعت اور ترویج کی تمام راہیں بند کردی جائیں۔

المحصب: یہ مصدر تحصیب سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور ماقبل کے جملہ "بخيف بني كنانة" سے عطف بیان یا بدل ہے (۱۱)۔

قاسمت: بمعنی حالفت، قاف کے فتحہ کے ساتھ اس کا مصدر "قسامة" ہے۔ یمین اور قسم کے معنی میں ہے (۱۲)۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کی جائیداد کے وارث ان کے لڑکے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بنے تھے، ابوطالب کے چار بیٹے تھے، طالب، حضرت عقیل، حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ آخری دونوں حضرات تو سابقین اولین میں سے تھے۔ عقیل رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے اور طالب بعد میں کفر کی حالت میں مارا گیا۔

چونکہ کافر کا وارث مسلمان نہیں ہوتا، اور حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں ابوطالب کے انتقال کے وقت مسلمان ہو چکے تھے، اس بناء پر یہ ابوطالب کے وارث نہ بن سکے، طالب اور عقیل رضی اللہ عنہ

---

(۱۱) عمدة القاري: ٤٢١/١٤

(۱۲) عمدة القاري: ٤٢١/١٤

ان کی میراث کے مالک بنے تھے، پھر بعد میں عقیل رضی اللہ عنہ نے وہ تمام مکانات ابوسفیان کے ہاتھ فروخت کردیئے (۱۳)، "وهل ترك لنا عقيل منزلا" سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی سے امام بخاری رحمہ اللہ اپنا مدعیٰ ثابت کررہے ہیں۔

مسلمان حربی کے منقولہ اور غیر منقولہ اموال کا حکم

فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کے غلبہ واستیلاء کے باوجود، اسلام لانے سے قبل جو جائیداد عقیل رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں رہی، اس پر ان کی ملکیت، اسلام لانے کے بعد بھی برقرار رہی۔ اسی بناء پر ان کے تصرف کا اعتبار کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "وهل ترك لنا عقيل شيء؟" آپ کے اس ارشاد کا منشأ یہ تھا کہ اگر عقیل کی جائیداد ہوتی، جسے انہوں نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کردیا تھا، تو آپ خود اس کے وارث ہوتے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے ثابت ہوا کہ دارالحرب پر مسلمانوں کے غلبہ واستیلاء کے بعد مسلمان حربی کی املاک محفوظ ہوں گی اور اسی کے تصرف میں رہیں گی، غانمین کو یہ املاک اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے ممکن ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر جب وہ اسلام نہیں لائے تھے احسان کرکے، ان کے اموال اور گھروں پر ان کا قبضہ باقی رکھا، تو مسلمان ہونے والوں کا قبضہ ان کے املاک وغیرہ پر بطریقِ اولیٰ برقرار رہنا چاہیے۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے:

"يحتمل أن يكون مراد البخاري أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مَنَّ على أهل مكة بأموالهم ودورهم من قبل أن يسلموا فتقرير من أسلم يكون بطريقِ الأولى(١٤)."

---

(۱۳) كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٥١١

(١٤) فتح الباري: ٦/٢١٦

امام شافعیؒ، اشہبؒ اور سحنونؒ کا مسلک

ان حضرات کی رائے بھی یہی ہے کہ دارالحرب پر مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کے باوجود، منقولہ اور غیر منقولہ املاک پر مسلمان حربی کی ملکیت بدستور برقرار رہے گی، اور ان کے نابالغ بچوں کو غلام بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ وہ اسلام میں اپنے باپ کے تابع ہیں۔

چنانچہ شرح ابن بطالؒ میں ہے: قال الشافعي وأشهب وسحنون: "أنه قد أحرز ماله وعقاره حيث كان وولده الصغار؛ لأنهم تبع لأبيهم في الإسلام"(١٥).

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ املاک دار کے تابع ہو کر مالِ غنیمت بن جائیں گی۔ قال مالك: "أهله وماله وولده فيها فيئ على حكم البلاد"(١٦).

طرفین رحمہما اللہ کا مسلک

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اشیاء منقولہ اور نابالغ اولاد پر مسلمان حربی کا تصرف برقرار رہے گا، لیکن غیر منقولہ املاک مالِ غنیمت ہو جائیں گی۔ چنانچہ البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عند أبي حنيفة ومحمد يصير ماله فيئا وإنما يحرز نفسه وماله(١٧).

دارالحرب میں مقیم اسلام لانے والے کا نفس، قبولیتِ اسلام کی وجہ سے محترم ہوتا ہے، اس لئے اس کا مالِ منقول بھی محترم ہے، اس احترام کے سبب مال منقول کو غنیمت بنانا جائز نہیں۔ جب کہ نابالغ اولاد حکماً باپ کے تابع ہے، اس لئے انہیں غلام بنانا جائز نہیں۔ چنانچہ امام سرخسیؒ کی "المبسوط" میں ہے:

---

(١٥) شرح ابن بطال: ٥/٢١٩، وعمدة القاري: ١٤/٤٢٠، وفتح الباري: ٦/٢١٦، وفيض الباری للعلامة الكشميریؒ: ٣/٤٥٦

(١٦) شرح ابن بطال: ٥/٢١٩، وعمدة القاري: ١٤/٤٢٠

(١٧) البحر الرائق، ٥/١٤٧، والمبسوط للسرخسي: ١٠/٥٤، وإعلاء السنن: ١٢/١٤٠

"وإذا أسلم الحربي في دارالحرب ثم ظهر المسلمون على تلك الدار ترك له ما في يده ومن ماله، ورقيقه وولده الصغار؛ لأن أولاده الصغار صار وامسلمين بإسلامه تبعا، فلا يسترقون والمنقولات في يده حقيقة وهي يد محترمة لإسلام صاحبها فلا يتملك ذلك عليه بالاستيلاء"(١٨).

البتہ ان حضرات کے نزدیک کافر بیوی اور بالغ اولاد کو غلام بنادیا جائے گا۔ ''مبسوط سرخسی'' اور علامہ ابن نجیم کی ''بحر الرائق'' میں ہے کہ حاملہ بیوی کا حمل بھی مالِ منقول کے تابع ہوکر شرعاً غلام کے حکم میں ہے(۱۹)۔

تاہم مسلمان حربی کا جو مال منقول مسلمان یا ذمی کے پاس بطورِ امانت موجود ہو، اس پر اس کی ملکیت برقرار رہے گی، اس لئے کہ یہ مال ایسے ہاتھ میں ہے، جس کا قبضہ شرعاً درست اور معتبر ہے اور یہ قبضہ دارالحرب پر مسلمانوں کے حملہ آور اور غالب آنے سے زائل نہیں ہوگا۔

چنانچہ امام سرخسی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: "وإن كان أودع شيئاً من ماله مسلما أو ذميا فذلك المال لايكون فيئا؛ لأن يد المسلم والذمي يد صحيحة على هذا المال فتكون مانعة إحراز المسلمين إياها"(٢٠).

البتہ کافر حربی کے پاس رکھی ہوئی امانت مالِ غنیمت بن جائے گی۔ اس لئے کہ اس امانت پر اس کا قبضہ معتبر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کے نتیجہ میں اس کی ذاتی ملکیت کی اشیاء بھی غنیمت بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر مجاہدینِ اسلام اس کے مال کو غنیمت بنانا چاہیں تو کافر حربی کا قبضہ شرعاً مانع نہیں ہوسکتا۔ اسی بناء پر اس کے پاس رکھے ہوئے مال ودیعت کی بھی یہی حیثیت ہے، جس کو مجاہدین اسلام غنیمت بنانا چاہیں تو اس کا قبضہ ان کے لئے مانع نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جب مجاہدین حملہ آور ہوں گے تو جس طرح اس کا ذاتی مال غنیمت بن جائے گا، اسی طرح اس کے پاس موجود امانت کا مال بھی غنائم میں شامل ہوگا۔

---

(١٨) المبسوط للإمام السرخسي رحمه الله: ١٠/٥٤، الجزء العاشر، كتاب السير، والبحر الرائق لعلامة ابن نجيم: ١٤٧/٥

(١٩) المبسوط للسرخسي: ١٠/٥٤، كتاب السير، والبحر الرائق لابن نجيم: ١٤٧/٥

(٢٠) المبسوط للإمام السرخسي رحمه الله: ١٠/٥٤، ٥٥

چنانچہ امام سرخسی رحمہ اللہ "المبسوط" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وإن كان أودع شيئا من ماله حربيا فذلك المال فيئ في ظاهر الرواية. وجه ظاهر الرواية أن يد المودَع في هذا المال ليست بيد صحيحة، ألا ترى أنها لاتكون دافعة لاغتنام المسلمين عن سائر أمواله. فكذلك عن هذه الوديعة وإذا لم تكن يده معتبرة كان هذا، والمال الذي لم يودعه أحد سواء"(٢١).

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مال منقول اور غیر منقول دونوں کا حکم ایک ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک ان اموال پر مسلمان حربی کی ملکیت برقرار ہوگی (۲۲)۔

امام ابو یوسفؒ کا استدلال اور اس کا جواب

ان کا استدلال محمد بن اسحاق کی اس روایت سے ہے، کہ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا تو ان میں سے بعض افراد نے اسلام قبول کرلیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول اسلام کی وجہ سے محصور (حربی) مسلمانوں کی جان و مال کو محفوظ و مامون قرار دینے کا حکم فرمایا۔

روایت کے الفاظ ہیں:

"عن محمد بن اسحاق رحمه الله أن نفراً من بني قريظة أسلموا حين كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم محاصِرا لبني قريظة فأحرزوا بذلك أموالهم وأنفسهم......"(٢٣).

---

(٢١) المبسوط للإمام السرخسي رحمه الله: ١٠/٥٤، ٥٥، كتاب السير

(٢٢) إعلاء السنن: ١٢/١٣٩، شرح السير للإمام محمد رحمه الله: ١٠/٦٦، ٦٧، والمبسوط للسرخسي: ١٠/٥٤

(٢٣) إعلاء السنن: ١٢/١٣٩، والمبسوط للسرخسي: ١٠/٥٤

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وعامة أموالهم الدور والأراضي" (٢٤). مطلب یہ ہے کہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں لفظ اموال سے مکانات اور زمینیں وغیرہ مراد ہیں، کیونکہ عموماً ان کے اموال یہی چیزیں ہوا کرتی تھیں۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ غیر منقول مال، یعنی مکانات، باغات اور زمینوں پر ملکیت حکماً ثابت ہوتی ہے، جب کہ دار الحرب دار الاسلام نہیں، جہاں احکام جاری ہوں، اس لئے غیر منقول مال پر مسلمان حربی کی ملکیت کا اعتبار مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے بھی نہیں ہوسکتا، لہٰذا مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کے نتیجہ میں دار الحرب کی غیر منقولہ املاک پر حربیوں کی ملکیت باقی نہیں رہے گی، وہ مال غنیمت بن جائے گی (۲۵)۔

طرفین کا استدلال

ان حضرات کی دلیل ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی یہ مرسل روایت ہے:

"حدثنا حفص بن غياث عن ابن أبي ذئب عن الزهري قال: "قضىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيمن أسلم من البحرين أنه قد أحرز دمه وماله إلا أرضه فإنها فيئ للمسلمين؛ لأنهم لم يسلموا وهم ممتنعون" (٢٦).

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحرین کے اسلام لانے والوں کے بارے میں فیصلہ کیا کہ انہوں نے اپنی جان و مال کی حفاظت تو کرلی البتہ زمینیں مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں شمار ہوں گی اس لئے کہ وہ لوگ حالتِ عصمت میں اسلام نہیں لائے۔

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی اس مرسل روایت کی تائید حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس اثر سے ہوتی ہے: جو یحییٰ بن آدم کی "کتاب الخراج" میں ہے:

---

(٢٤) إعلاء السنن: ١٣٩/١٢، والمبسوط للسرخسي: ٥٤/١٠

(١٥) إعلاء السنن: ١٣٩/١٢، والمبسوط للسرخسي: ٥٤/١٠

(٢٦) أخرجه يحيىٰ بن آدم في "كتاب الخراج" انظر إعلاء السنن: ١٤٦/١٢

”حدثنا إسماعيل بن عياش الشامي عن عبدالله البهراني عن عمر بن عبدالعزيز أنه كتب: ”من أسلم من أهل البحرين فله ما أسلم عليه من أهل ومال، وأما داره وأرضه، فإنها كائنة في فيئ الله على المسلمين“(۲۷).

مطلب یہ ہے کہ اہل بحرین میں سے جولوگ مسلمان ہوگئے، تو سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے اہل وعیال اور مال کے ساتھ مسلمان ہوئے اور محفوظ ہوگئے۔ البتہ ان کے مکانات اور زمینیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے مالِ فیٔ ہیں۔

اصول فقہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ اگر مرسل کی تائید میں ایسے صحابی یا تابعی کا اثر منقول ہو، جو شرعی احکام میں گہری بصریت رکھتے ہوں تو ایسے صحابی یا تابعی کا اثر بالاتفاق قابل احتجاج ہوتا ہے(۲۸)۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تقویٰ، تدین اور ان کی فقہی بصیرت پر فقہاء کا اتفاق ہے، چونکہ مرسلِ زہری کی تائید میں ان کا فتویٰ اور اثر موجود ہے، اس لئے امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کا استدلال زیادہ قوی ہے(۲۹)۔

امام شافعی، اشہب اور سحنون کے دلائل اور ان کا رد

ان حضرات کی رائے تھی کہ حدیث باب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عقیل کے تصرف کو برقرار رکھا، اس لئے مسلمان حربی کے تصرف اور ملکیت کو برقرار رکھا جائے گا، دارالحرب پر اہل اسلام کے غالب آنے سے اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی، اس استدلال کے مختلف جوابات ہیں:

❶ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسن اخلاق کی وجہ سے چچازاد بھائی کے تصرف میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھا(۳۰)۔

(۲۷) دیکھئے إعلاء السنن: ۱۳۹/۱۲

(۲۸) دیکھئے:”الوجيز في أصول الفقه“: ۴۷۴/۱، وإعلاء السنن: ۱۴۶/۱۲

(۲۹) خود امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جو مذکورہ مسئلہ میں طرفین کے خلاف ہیں، امام زہری کی مرسل روایات مقبول اور قابل احتجاج ہیں۔ دیکھئے: الوجيز في أصول الفقه: ۴۷۵/۱

(۳۰) فتح الباري: ۱۵/۸، كتاب المغازي، وفتح الملهم للعلامة شبير أحمد العثماني رحمه الله: ۳۸۲/۳،=

❷ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے تالیفِ قلب مقصود تھی (۳۱)۔

❸ اس سے یہ باور کرانا مقصد تھا، کہ جس طرح زمانۂ جاہلیت کا نکاح برقرار رہتا ہے، اسی طرح اس وقت کے تصرفات بھی معتبر اور برقرار ہیں (۳۲)۔

❹ صلح کے نتیجہ میں فتح ہونے والے علاقہ کے باشندوں کی زمینیں، باغات اور مکانات بالاجماع مالِ غنیمت نہیں بن سکتے، بلکہ ان پر اہلِ صلح کی ملکیت حسبِ سابق برقرار رہتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے قولِ مشہور کے مطابق مکہ عنوۃً فتح نہیں ہوا تھا، صلحاً فتح ہوا تھا (۳۳)، فتحِ مکہ سے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیثِ باب خود ان کے لئے دلیل نہیں بن سکتی، اس لئے کہ صلحاً فتح ہونے والے علاقہ کی منقول اور غیر منقول املاک کے بارے میں امام شافعی سمیت ائمہ ثلاثہ کا بھی اختلاف نہیں سب کے نزدیک وہ مسلم حربی کی ملکیت میں رہتی ہیں۔ اختلاف تو عنوۃً فتح ہونے والے علاقہ کے مال غیر منقول کے بارے میں ہے۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

علامہ عینی نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ "هل ترك لنا عقيل منزلا" کی مناسبت ہے، جس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حالتِ کفر میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے تصرف کا اعتبار فرمایا تو اسلام لانے کے بعد اس تصرف کا اعتبار بطریقِ اولیٰ ہونا چاہیے، گویا ترجمۃ الباب کا مدّعیٰ اسی سے ثابت کیا گیا ہے (۳۴)۔

= كتاب الحج، باب نزول الحاج بمكة وتوريث دورها.

(۳۱) فتح الباري: ۱۵/۸، كتاب المغازي، وفتح الملهم للعلامة شبير أحمد العثماني رحمه الله: ۳۸۲/۳

(۳۲) فتح الباري: ۱۵/۸، كتاب المغازي، وفتح الملهم للعلامة شبير أحمد العثماني رحمه الله: ۳۸۲/۳

(۳۳) فتح الباري: ۱۳/۸، كتاب المغازي

(٣٤) عمدة القاري: ٤٢١/١٤

حضرت شیخ الحدیث زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنا مدعیٰ ثابت کرنے کے لئے ترجمۃ الباب سے مناسب صریح حدیث ہی نقل نہیں فرمائی ہے (۳۵)۔

حافظ صاحب کی رائے بھی یہی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسند احمد بن حنبل میں صخر بن علیه کے طریق سے جو روایت نقل کی گئی ہے، وہی ترجمۃ الباب کے مناسب ہے (۳۶)۔ مسند احمد میں ہے:

"عن صخر بن عليّة البجلي قال: "فرّ قوم من بني سليم عن أرضهم فأخذتُها، فأسلموا وخاصموني إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فردّها عليهم وقال: "إذا أسلم الرجل فهو أحق بأرضه وماله" (۳۷).

صخر بن علیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنوسلیم کا ایک قبیلہ اپنی زمین چھوڑ کر بھاگ گیا، وہ زمین میں نے لے لی۔ بعد میں قبیلہ کے لوگ اسلام لائے، تو اس کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہوئے مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ زمین ان کو واپس عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جب آدمی مسلمان بن جائے تو اپنی زمین اور مال پر اسی کا حق ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ روایت میں إذا أسلم الرجل فهو أحق بأرضه وماله کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ہے (۳۸)۔

۲۸۹۴ : حدّثنا إسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ عُمَرَ ٱبْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ ٱسْتَعْمَلَ مَوْلًى لَهُ يُدْعٰى هُنَيًّا عَلَى الْحِمٰى ، فَقَالَ : يَا هُنَيُّ اَضْمُمْ

(۳۵) الأبواب والتراجم للمحدث الكاندهلويّ، ص: ۲۰۳

(۳٦) فتح الباري: ٦/٢١٦

(۳۷) مسند أحمد بن حنبل، ص: ۱۳٦۹، (رقم ۱۸۹۸۵)، بيت الأفكار الدولي، الرياض

(۳۸) فتح الباري: ٦/٢١٦

(۲۸۹٤) تفرد به البخاري. انظر تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف للمزي: ٨/٨ (رقم ١٠٣٩٥)

جَنَاحَكَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ ، فَإِنَّ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ ، وَأَدْخِلْ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ ، وَرَبَّ الْغُنَيْمَةِ ، وَإِيَّايَ وَنَعَمَ ابْنِ عَوْفٍ وَنَعَمَ ابْنِ عَفَّانَ ، فَإِنَّهُمَا إِنْ تَهْلِكْ مَاشِيَتُهُمَا يَرْجِعَا إِلَى نَخْلٍ وَزَرْعٍ ، وَإِنَّ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ ، وَرَبَّ الْغُنَيْمَةِ إِنْ تَهْلِكْ مَاشِيَتُهُمَا ، يَأْتِنِي بِبَنِيهِ فَيَقُولُ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ؟ أَفَتَارِكُهُمْ أَنَا لَا أَبَا لَكَ ، فَالْمَاءُ وَالْكَلَأُ أَيْسَرُ عَلَيَّ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ ، وَايْمُ اللهِ إِنَّهُمْ لَيَرَوْنَ أَنِّي قَدْ ظَلَمْتُهُمْ ، إِنَّهَا لَبِلَادُهُمْ فَقَاتَلُوا عَلَيْهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ ، وَأَسْلَمُوا عَلَيْهَا فِي الْإِسْلَامِ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلَا الْمَالُ الَّذِي أَحْمِلُ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ اللهِ ، مَا حَمَيْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ بِلَادِهِمْ شِبْرًا .

تراجم رجال

۱-اسماعیل

یہ اسماعیل بن ابی اویس ابن مالک المدنی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب المساقاة، باب شرب الناس وسقی الدواب کے تحت گزر چکا ہے۔

۲-مالک

یہ امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمر والأصبحی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۴۰)۔

۳-زید بن اسلم

یہ ابواسامہ یا ابوعبداللہ زید بن اسلم قرشی عدوی مدنی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۴۱)۔

روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "ھُنی" نام کے اپنے آزاد کردہ غلام کو (ربذہ) چراگاہ کا

---

(۴۰) کشف الباري: ۲/۸۰

(۴۱) کشف الباري: ۲/۲۰۳

عامل مقرر کیا، تو انہیں ہدایت کی کہ مسلمانوں کے ساتھ رِفق اور نرمی سے پیش آنا، مظلوم کی بددعا سے ڈرنا، کیونکہ مظلوم کی دعا رد نہیں ہوتی۔

هُنَيّ: (بضم الهاء، فتح النون، وتشديد الياء) یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فضل و کمال میں ان کا پایہ بلند تھا، ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جوہر شناس خلیفۂ اسلام انہیں ''ربذہ'' کی چراگاہ کا عامل کبھی نہ بناتے (۴۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "هُنی" نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا ہے، لیکن مؤرخین میں سے کسی نے بھی انہیں صحابی نہیں کہا (۴۳)

صحیح بخاری میں هـنـی کا ذکر باب کی اسی ایک روایت میں ہوا ہے۔ باقی امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں، ان کی کوئی روایت نقل نہیں فرمائی (۴۴)۔

الحِمٰى: (بكسر الحاء، المهملة وفتح الميم مقصورا) چراگاہ کو کہتے ہیں، زمانۂ قدیم میں مالداروں اور بااثر لوگوں کی مخصوص چراگاہیں ہوتی تھیں، جن میں دوسروں کے مویشیوں کو چرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، حمی اسی کو کہتے ہیں (۴۵)۔

روایت میں جس چراگاہ کا ذکر ہے، اس سے ''ربذة'' کی چراگاہ مراد ہے (۴۶)۔

معجم البلدان میں یاقوت حموی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چراگاہ میں رہائش کی خواہش ظاہر کی تھی، اور ''ربذہ'' کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا، ''اگر یہاں سانپوں کی کثرت نہ ہوتی تو رہنے کے لئے بہت مناسب جگہ تھی'' (۴۷)۔

---

(٤٢) عمدة القاري: ٤٢٢/١٤، وفتح الباري: ٢١٧/٦

(٤٣) عمدة القاري: ٤٢٢/١٤، وفتح الباري: ٢١٧/٦

(٤٤) عمدة القاري: ٤٢٢/١٤، وفتح الباري: ٢١٧/٦

(٤٥) معجم البلدان: ٣٠٧/٢، (المادة: ح، م)

(٤٦) عمدة القاري: ٤٢٢/١٤

(٤٧) معجم البلدان: ٣٠٨/٢، قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لنعم المنزل الحمى، لو لا كثرة حيّاته".

"وأدخل رب الصريمة ورب الغنيمة وإياي ونَعَمَ بن عوف ونعم بن عفان فإنهما إن تهلك ماشيتهما يرجعان إلى نخل وزرع، وإن رب الصريمة ورب الغنيمة، إن تهلك ماشيتهما يأتني ببنيه فيقول ياأمير المؤمنين؛ أفتاركهم أنا؟ لا أباً لكَ فالماء والكلأ أيسَر عليّ من الذهب والورق".

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "ہُنَی" کو ہدایت دیتے ہوئے مزید تحریر فرمایا: "جو لوگ اونٹ اور بکریوں کے مالک ہیں' ان کے ریوڑ میں جائزہ لینے کے لئے" جاتے رہو" تاکہ صدقہ کی وصولی میں کسی کی حق تلفی نہ ہو" عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان بن عفان کے مویشیوں کے بارے میں محتاط رہو، اس لئے کہ معاشی لحاظ سے یہ دونوں حضرات مستحکم اور آسودہ حال ہیں کہیں امارت کی بناء پر چراگاہ کے اندر ان کے مویشیوں کی زیادہ رعایت کرنے سے غریبوں کی حق تلفی نہ ہو، کیونکہ ان کے مویشی اگر ہلاک بھی ہوجائیں تو اپنے کھجور کے باغات اور کھیتوں سے وہ اپنی روزی اور معاش کا انتظام کرلیں گے، لیکن جو (غریب) چند اُونٹوں اور بکریوں کا مالک ہے اگر اس کے مویشی (چارہ نہ ملنے اور نظر انداز ہونے کی وجہ سے) ہلاک ہوجائیں" تو وہ اپنی اولاد کو میرے پاس لاکر کہے گا کہ "اے امیرالمومنین!" (ہم تنگ دست اور محتاج ہیں، آپ بیت المال سے ہمارے لئے وظیفہ جاری کردیں) (۴۸)۔ "تو کیا میں انہیں نظر انداز کردوں گا؟ نہیں!" (بلکہ مجھے ان کے معاش کا انتظام کرنا ہوگا) "لہٰذا ان کے لئے چارہ اور پانی کی سہولت فراہم کرنا سونے اور چاندی کے ذریعہ ان کا انتظام کرنے سے بہتر اور آسان ہے"۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے نام، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور مثال پیش کئے ہیں، کیونکہ صحابہ کرام میں یہ دونوں حضرات ہی معاشی لحاظ سے زیادہ مستحکم اور خوشحال تھے (۴۹)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منشأ یہ نہیں تھا کہ ان کے مویشیوں کو

---

(٤٨) عمدة القاري: ١٤/٤٢٢، ٤٢٣

(۴۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ثروت کا قصہ مشہور ہے۔ وفات کے بعد سونے کے ڈلے جب ان کی بیویوں میں

چراگاہ میں جانے سے روک دیا جائے، یعنی ان کے مویشیوں پر دوسروں کے مقابلہ میں اتنی توجہ نہ دی جائے کہ غریبوں اور حاجت مندوں کی حق تلفی ہو۔ اس لئے کہ غریبوں کے مویشی ہلاک ہو جائیں تو ان کے معاش کا انتظام کرنے کے لئے دوسری راہ نہیں ملے گی، سوائے اس کے کہ ہم بیت المال کے وظائف سے ان کی اشک شوئی کریں۔ جب کہ ابن عوف اور ابن عفان رضی اللہ عنہما کے مویشی اگر ہلاک بھی ہو جائیں تو وہ اپنے کھیت اور کھجور کے باغات سے اپنی معاشی ضروریات پورا کر سکتے ہیں (۵۰)۔

الصُّرَيمة: (صاد پر ضمہ اور راء پر فتحہ کے ساتھ) الصُّرمة کی تصغیر ہے۔ چھوٹے ریوڑ کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق بیس سے تیس یا چالیس تک اونٹ اور بکریوں کے ریوڑ پر ہوتا ہے (۵۱)۔

الغُنَيمة: یہ غنم کی تصغیر ہے۔ اس لفظ سے بھی تقلیلِ عدد مراد ہے، یعنی بکریوں کا چھوٹا ریوڑ (۵۲)۔

إيّاي: یہ لفظِ تحذیر ہے، قیاساً إیّاك کہنا چاہیے تھا، اس لئے کہ نحوی قاعدہ کے مطابق تحذیر مخاطب کی کی جاتی ہے، إیاي کہنا شاذ اور قلیل الاستعمال ہے۔

لیکن علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحذیر کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد مخاطب ہی کو متنبہ کرنا تھا، زیادہ بلیغ پیرایہ بھی یہی ہے۔

چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے:

"وكان القياس أن يقول: "وإياك"؛ لأن هذه اللفظ للتحذير، وتحذير المتكلم نفسه شاذٌ عندالنحاة، ولكنه بالغ فيه من حيث أنه حذر نفسه، ومراده تحذير المخاطب، وهو أبلغ" (٥٣).

= تقسیم ہونے لگے، تو کاٹنے والوں کے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے۔ چار بیویوں میں سے ہر ہر بیوی کو اسی اسی ہزار اشرفیاں ملیں۔ دیکھئے "ہزار سال پہلے"، ص: ۱۷۷، مؤلف، مولانا مناظر احسن گیلانی

(٥٠) فتح الباري: ٦/٢١٧، وعمدة القاري: ١٤/٤٢٢

(٥١) النهاية لابن الأثير: ٣/٢٧، (المادة: ص ر م)، والكرماني: ١٣/٥٥

(٥٢) عمدة القاري: ١٤/٤٢٢

(٥٣) عمدة القاري: ١٤/٤٢٢، وفتح الباري: ٦/٢١٧

وأيم الله إنهم ليرون أني قد ظلمتهم إنها لبلادهم فقاتلوا عليها في الجاهلية

''بخدا وہ باور کرتے ہوں گے کہ میں نے ان کے ساتھ ظلم کیا ہے، کیونکہ یہ زمینیں انہی کے علاقے ہیں، زمانہ جاہلیت میں انہوں نے ان کے لئے جنگیں لڑیں''۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما نہیں، بلکہ عام اہل مدینہ مراد ہیں (۵۴)۔

وأسلموا عليها في الإسلام

''اور اسلام لانے کے بعد ان کی زمینوں پر ان کی ملکیت کو برقرار رکھا گیا''۔

والذي نفسي بيده لولا المال الذي أحمل عليه في سبيل الله ماحييت عليهم من بلادهم شِبراً

''اس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر وہ مال نہ ہوتا جو جہاد میں سواری کے کام آتا ہے تو میں ان کے علاقوں کی ایک بالشت زمین پر بھی چراگاہ نہ بناتا''۔

اس مال سے وہ اونٹ اور گھوڑے مراد ہیں جو جہاد میں سواری کے کام آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں، مختلف سبزہ زاروں اور چراگاہوں میں چالیس ہزار اونٹ اور گھوڑے چرتے تھے (۵۵)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ اثرِ عمرؓ کی مناسبت پر اشکال

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر میں "إنها لبلادهم فقاتلوا عليها في الجاهلية، وأسلموا عليها في الإسلام" سے ترجمۃ الباب ثابت کیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس اثر کی کوئی مناسبت نہیں، نہ ہی یہ اثر احناف کے خلاف مستدل بن سکتا ہے، اس لئے کہ اہل مدینہ اہل صلح تھے، اثر میں ''ربذہ'' کی چراگاہ کا ذکر ہوا ہے، یہ مدینہ کی

(٥٤) عمدة القاري: ١٤/٤٢٣، وفتح الباري: ٦/٢١٨

(٥٥) عمدة القاري: ١٤/٤٢٣

حدود میں شامل تھی۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اہل صلح کی منقولہ اور غیر منقولہ املاک بالاتفاق غنیمت نہیں بن سکتیں۔ اس لئے "إنها لبلادهم فقاتلوا عليها في الجاهلية وأسلموا عليها في الإسلام" سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ مدینہ کے باشندوں نے اہل اسلام کے ساتھ صلح کی تھی، اور اسلام لانے کے بعد ان کی زمینوں پر ان کی ملکیت برقرار رکھی گئی تھی، لہٰذا اب بھی یہ ملکیت برقرار رہے گی۔

دوسرے یہ کہ اہل مدینہ کے جس قطعۂ زمین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چراگاہ بنالیا تھا، وہ بنجر اور از کار رفتہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کارآمد بناتے ہوئے، مویشیوں کے چرنے کے لئے خاص کر دیا تھا، اسی بناء پر وہ مسلمانوں کے عام مفاد کے پیشِ نظر حکومت کے زیرِ تصرف لایا گیا۔ شرعاً حاکم وقت کو اس کا اختیار حاصل ہے۔

بفرض المحال یہ بات اگر یہ تسلیم بھی کر لی جائے کہ مدینہ عنوتاً فتح ہوا تھا، تب بھی اس اثر سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فتح سے پہلے مدینہ کے اسلام لانے والوں کی جائیداد پر ان کی ملکیت اور تصرف کو برقرار رکھا گیا تھا۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولا حجة فيه أصلا –أي في أثر عمرؓ– فإن الربذه من عمل المدينة كما قاله "المجد"، وأهل المدينة قد أسلموا عفوا وطوعاً وكانت أموالهم. وهذا معنى قول عمر: "وأسلموا عليها في الإسلام" ولانزاع في أهل الصلح...... وإن سلّمنا أنها فتحت عنوةً فلا دليل أن بعض أهلها قد أسلموا قبل الفتح وأُقِرُّ واعلى أرضهم وديارهم، ومن ادّعى فليأت على ذلك ببرهان"(٥٦).

حضرت انور شاہ رحمہ اللہ کا اشکال

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے عجیب نکتہ بیان فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ ترجمہ پر اشکال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کی اس ترجمۃ الباب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں، ترجمۃ الباب کے تحت جو مسئلہ زیرِ بحث ہے، وہ دار الکفر کے بعض مسلمان بننے والوں سے متعلق

(٥٦) إعلاء السنن: ١٢/١٤٣

ہے، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر اس دارالکفر سے متعلق ہے جہاں رہنے والے سب باشندے اسلام لا چکے ہوں (۵۷)۔ ظاہر ہے جس دارالکفر کے رہنے والے اجتماعی طور پر سب مسلمان ہو چکے ہوں، تو مجاہدین اسلام کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے ان کی املاک کو غنیمت بنانے کی بالاتفاق اجازت ہی نہیں، اس میں کسی امام کا اختلاف نہیں۔

چنانچہ فیض الباری میں ہے:

"قاتلوا عليها في الجاهلية وأسلموا عليها في الإسلام" فيه دليل على كون تلك الأراضي مملوكة لهم، وذالا يرد علينا؛ لأن المتبادر منه أنهم أسلموا كلهم، ومسألتنا فيما إذا أسلم قوم، وبقي الكفر من حولهم"(۵۸)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے (۵۹)۔

مذکورہ اثر کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ اثر امام مالک نے بھی ''موطأ'' میں روایت کیا ہے (۶۰)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اثر موطأ امام مالک میں مروی نہیں۔ "وهذا الحديث ليس في الموطأ"(٦١)۔

اس پر رد کرتے ہوئے، حافظ زرقانی رحمہ اللہ نے "إن هذا لشيء عجاب" تحریر فرما کر اظہارِ تعجب کیا ہے کہ اس اثر کو امام مالک رحمہ اللہ نے ''موطا'' میں روایت کیا ہے، اس کے باوجود حافظ ابن حجر کیسے انکار کر رہے ہیں (۶۲)۔

---

(٥٧) الأبواب والتراجم، ص: ٢٠٣

(٥٨) فيض الباري: ٤٥٦/٣

(٥٩) الأبواب والتراجم، ص: ٢٠٣

(٦٠) موطأ الإمام مالك رحمه الله: ١٠٠٣/٢، في دعوة المظلوم، باب ماينقى من دعوة المظلوم

(٦١) فتح الباري: ٢١٨/٦

(٦٢) أوجز المسالك للمحدث محمد زكريا الكاندهلويؒ: ٣٧١/١٥

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا دفاع کرتے ہوئے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"ویمکن الاعتذار عن الحافظ أنه یمکن أن لایکون في نُسختہ من "الموطأ"(٦٣)۔

یعنی حافظ صاحب کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ ان کے زیرِ نظر "موطأ" کا جو نسخہ تھا، ممکن ہے، اس میں یہ اثر نہ ہو۔

روایت باب سے مستنبط فوائد

علامہ مہلب رحمہ اللہ نے روایت باب سے درج ذیل فوائد مستنبط کئے ہیں:

❶ حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ از کاررفتہ اور بنجر زمین مفاد عامہ کے لئے کارآمد بنائے (۶۴)۔

❷ اگر غریبوں کی حق تلفی کا اندیشہ ہو، تو ان کے مفاد کی خاطر اصحاب ثروت کو معمولی نقصان پہنچانے میں کوئی مضائقہ نہیں (٦٥)، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ اثر میں ہنیؒ کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ غریبوں کے مویشیوں پر زیادہ توجہ مرکوز رکھنا، عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما جیسے اصحاب ثروت کے مویشیوں کو اگر نقصان پہنچا بھی تو ان کے حق میں یہ بڑا نقصان نہیں، ان کے پاس اور ذرائع معاش بھی موجود ہیں، لیکن غریبوں کا ذریعۂ معاش یہی مویشی ہیں، اس لئے ان کا خیال رکھنا۔

۳- جو جگہ مویشیوں اور جانوروں کو چرانے کے لئے خاص ہو، اس پر وہاں کے باشندوں کا حق ہے، اس زمین پر انہیں اپنے مویشی چرانے کی جو سہولت میسر ہے، حاکم وقت انہیں اس سہولت سے محروم نہ کرے (٦٦)۔

۱۷۷ - باب: كِتَابَةِ الْإِمَامِ النَّاسَ.

الـنـاس منصوب ہے کیونکہ کتـابة مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور یہ اس کا مفعول ہے۔

---

(٦٣) أوجز المسالك للمحدث محمد زكريا الكاندهلويؒ: ۱۵/۳۷۱

(٦٤) شرح ابن بطال: ٥/٢١٩، ٢٢٠

(٦٥) شرح ابن بطال: ٥/٢١٩، ٢٢٠

(٦٦) شرح ابن بطال: ٥/٢١٩، ٢٢٠

بنصب الناس على أنه مفعول للمصدر المضاف إلى فاعله(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن منیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ باب قائم کرکے امام بخاری رحمہ اللہ اس عقیدہ کی تردید فرما رہے ہیں کہ مردم شماری سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی یہ سمجھنا کہ مردم شماری سے برکت اٹھ جاتی ہے، غلط ہے۔ غزوۂ حنین کے موقع پر برکات اٹھائے جانے کا واقعہ "اعجاب نفس" کی وجہ سے ہوا تھا(۲)، ورنہ فی نفسہ مردم شماری میں دین اسلام کے لئے کئی حوالوں سے مختلف فوائد مضمر ہیں۔ مثلاً یہی کہ مستحق اور ضرورت مند افراد کے لئے وظائف کا جاری ہونا، مردم شماری کے بغیر بہت مشکل ہے۔ اگر مردم شماری نہیں کی جائے، تو بیت المال کے اخراجات میں عدم توازن اور وظائف کے اجراء میں بے قاعدگی رہے گی۔

۲۸۹۵ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اكْتُبُوا لِي مَنْ تَلَفَّظَ بِالْإِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ) . فَكَتَبْنَا لَهُ أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةِ رَجُلٍ ، فَقُلْنَا نَخَافُ وَنَحْنُ أَلْفٌ وَخَمْسُمِائَةٍ ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا ابْتُلِينَا ، حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيُصَلِّي وَحْدَهُ وَهُوَ خَائِفٌ .

تراجم رجال

ا۔ محمد بن یوسف

یہ محمد بن یوسف بن واقد ضبی فریابیؒ ہیں، ان کے حالات كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولهم بالموعظة کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱٤/٤۲۳

(۲) المتواری، ص: ۱۷۹، وفتح الباري: ٦/۲۲۰، والأبواب والتراجم، ص: ۲۰٤

(۲۸٥۹) وأيضا الحديث عند مسلم في صحيحه (۱/۸٤)، في كتاب الإيمان، باب جواز الإستسرار بالإيمان للخائف (رقم ۳۷۷)، وعندابن ماجةؒ في سننه، ص: ۲۹۱، في الفتن، باب الصبر على البلاء (رقم ٤۰۲۹)

۲-سفیان

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان کے تحت اجمالاً (۴) اور کتاب العلم کے تحت تفصیلاً گزر چکے ہیں (۵)۔

۳-الأعمش

یہ ابومحمد، سلیمان بن مہران اسدی کوفی ہیں، اعمش کے لقب سے شہرت پائی۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (٦)۔

۴-ابووائل

یہ مشہور مخضرم تابعی ابووائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (٧)۔

۵-حذیفہ (رضی اللہ عنہ)

یہ مشہور صحابی ابوعبداللہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم کے تحت تفصیل سے گزر چکے ہیں (٨)۔

اكتبوا لي مَن تَلفَّظ بالإسلام من الناس

روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے مسلمانوں کی تعداد لکھ کردو۔

صحیح مسلم میں یہ روایت ابومعاویہ کے طریق سے مروی ہے، اس میں "اکتبوا" کے بجائے "أحصوا"

---

(٤) كشف الباري: ١/٢٣٨

(٥) كشف الباري: ٣/٨٦

(٦) كشف الباري: ٢/٢٥١

(٧) كشف الباري: ٢/٥٥٩

(٨) كشف الباري: ٣/٩٢

ہے(۹)، اس لفظ میں معنی کے لحاظ زیادہ عموم ہے۔

صحیح مسلم کی اس روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "إنکم لاتدرون لعلکم أن تبتلوا"(۱۰) یعنی تم نہیں جانتے شاید فتنوں میں مبتلا ہو جاؤ۔ صحیح بخاری کی حدیث باب میں یہ جملہ نہیں۔

فکتبنا له ألفاً وخمسأة رجل

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک ہزار پانچ سو مسلمانوں کے نام لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

فقلنا نخاف، ونحن ألف وخمسأة

فقلنا نخاف ...... یہ استفہام تعجب ہے "نخاف" سے پہلے "هل" مقدر ہے(۱۱)، مطلب یہ ہے کہ "کیا ڈیڑھ ہزار نفوس پر مشتمل ہونے کے باوجود ہم خوف محسوس کریں گے؟"۔ یعنی اتنی غیر معمولی جمعیت کے باوجود مسلمانوں کو خوف اور دہشت کیوں دامن گیر ہوگی؟

مردم شماری کا واقعہ کب پیش آیا؟

شارحین نے اس میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں:

❶ ایک قول یہ ہے کہ مردم شماری کا واقعہ ممکن ہے غزوۂ احد کے لئے جاتے ہوئے پیش آیا ہو(۱۲)۔

❷ علامہ ابن التین رحمہ اللہ نے وثوق کے ساتھ فرمایا کہ یہ واقعہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی کے دوران پیش آیا(۱۳)۔

---

(۹) الصحیح لمسلم رحمہ اللہ: ۱/۸٤، کتاب الإیمان، باب جواز الاستسرار بالإیمان للخائف کما مر آنفاً

(۱۰) الصحیح لمسلم: ۱/۸٤، وعمدة القاري: ۱٤/٤۲٤، وفتح الباري: ٦/۲۱۹

(۱۱) شرح الکرماني: ۱۳/٥٦، وعمدة القاري: ۱٤/٤۲٤، والقسطلاني: ٥/۱۷٥

(۱۲) عمدة القاري: ۱٤/٤۲٤، وفتح ابباري: ٦/۲۱۹، وإرشاد الساري للقسطلاني: ٥/۱۷٥

(۱۳) عمدة القاري: ۱٤/٤۲٤، وفتح الباري: ٦/۲۱۹، وإرشاد الساري للقسطلاني: ٥/۱۷٥

۳ علامہ داودی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ یہ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا۔ اس لئے کہ اعداد وشمار کے بارے میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف اسی مقام پر ہوا تھا۔ بعض صحابہ کی رائے تھی کہ کل افراد ڈیڑھ ہزار ہیں، اور بعض کہتے تھے کہ ہزار ہیں (۱۴)۔

فلقد رأيتنا ابتُلينا حتى إن الرجل ليصلي وحده وهو خائف

رأيتنا: اس میں "تا" پر ضمہ ہے اور متکلم کا صیغہ ہے۔ تقدیری عبارت ہے۔ فلقد رأيت نفسنا۔ بعض روایات میں "رأينا" منقول ہے (۱۵)۔

"ہم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا پایا، یہاں تک کہ آدمی تنہا نماز پڑھتے ہوئے بھی خوف وہراس میں مبتلا ہوتا"۔

علامہ کرمانی اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اس روایت میں خوف کی جس کیفیت کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے زمانے سے متعلق ہے (۱۶)۔

روایت میں "ابتلاء" سے کس فتنہ کی طرف اشارہ ہے؟

روایت میں خوف اور ابتلاء سے کون سے فتنہ کی طرف اشارہ ہے؟ اس سلسلے میں شارحین نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں:

۱ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری ایام میں ولید بن عقبہ اور دیگر امرائے کوفہ کی بے اعتدالیوں کی طرف اشارہ ہے۔ ولید بن عقبہ نماز وقت سے مؤخر کر کے پڑھتا تھا۔ یا پھر یہ کہ نماز کے سنن وآداب کی رعایت نہیں کرتا تھا۔

چنانچہ ولید بن عقبہ (اور اس جیسے دوسرے امراء) کی کج رویوں کی وجہ سے کچھ نیک لوگ ایسے تھے جو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے، ایسے لوگ پہلے خفیہ طور پر تنہائی میں نماز ادا کرتے اور بعد میں عقبہ کے قہرو

(۱٤) عمدة القاري: ١٤/٢٢٤، وفتح الباري: ٦/٢١٩، وإرشاد الساري للقسطلانيؒ: ٥/١٧٥

(١٥) شرح الكرماني رحمه الله: ١٣/٥٦

(١٦) شرح الكرمانيؒ: ١٣/٥٦، وعمدة القاري: ١٤/٢٢٤

غضب اور عتاب کا نشانہ بننے اور فتنے میں مبتلا ہونے کے خوف سے دوبارہ اس کی اقتداء میں بھی نماز پڑھ لیتے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"فیشبه أن یکون أشار بذلك إلی ماوقع في أواخر خلافة عثمان من ولایة بعض أمراء الکوفة کالولید بن عقبة حیث کان یؤخر الصلوة أولا یقیمها علی وجهها، وکان بعض الورعین یصلی وحده سرًّا، ثم یصلي معه خشیة من وقوع الفتنة"(۱۷)۔

❷ ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک سفر کی طرف اشارہ ہے، اس سفر میں انہوں نے قصر نماز کی بجائے اتمام کیا تھا، جب بعض شرکائے سفر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل دیکھا، تو ان کے خوف سے خفیہ طور پر قصر بھی کرتے (۱۸)۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں اتمام کرتے تھے، لیکن بعد میں ان سے چھپ کر قصر بھی پڑھتے۔

❸ امام نووی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد رونما ہونے والے فتنوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ فتنے اس قدر ہولناک تھے کہ لوگ خوف اور سراسیمگی کی وجہ سے اپنے آپ کو چھپائے پھرتے، نماز جیسی اہم عبادت تک خفیہ ادا کرتے، کہ کہیں فتنہ اور قتل وغارت گری کا شکار نہ ہو جائیں (۱۹)۔

حدّثنا عَبْدَانُ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ ، عَنِ الْأَعْمَشِ : فَوَجَدْنَاهُمْ خَمْسَمِائَةٍ ، قالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ : ما بَيْنَ سِتِّمِائَةٍ إِلَى سَبْعِمِائَةٍ . (☆)

تراجم رجال

۱-عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ ہیں، عبدان کے لقب سے شہرت پائی۔ ان کے حالات کتاب الإیمان

(۱۷) فتح الباري: ۲۱۹/۶

(۱۸) فتح الباري: ۲۱۹/۶

(۱۹) شرح النووي علی صحیح مسلم: ۸۴/۱، وشرح الکرماني: ۵۶/۱۳، وعمدة القاري: ۴۲۴/۱۴

(☆) قوله: "حدثنا عبدان......" تفرّد به البخاري رحمه الله، أنظر تحفة الأشراف للحافظ المزي رحمه الله: ۳۸/۳ (رقم ۳۳۳۸)

بدء الوحی کے تحت گزر چکے ہیں (۲۱)۔

۲-ابوحمزه

یہ ابوحمزہ محمد بن میمون الیشکری ہیں، ان کے حالات کتاب الغسل، باب نفض الیدین من الغسل کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۳-اعمش

یہ ابو محمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی ہیں، کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم کے تحت ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے (۲۲)۔

قال ابومعاويه

یہ ابومعاویہ محمد بن خازم التیمی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب الحیاء في العلم کے تحت گزر چکے ہیں (۲۳)۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب الإیمان، باب الاستسرار بالإیمان للخائف کے تحت، امام نسائی رحمہ اللہ نے "سنن کبری" میں کتاب السیر، باب إحصاء الإمام الناس کے تحت اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء کے تحت موصولاً نقل کیا ہے (۲۴)۔

روایت باب اور مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کی پہلی روایت میں جس طریق سے

(۲۱) كشف الباري: ٤٦١/١

(۲۲) كشف الباري: ٢٥١/٢

(۲۳) كشف الباري: ٦٠٥/٤

(۲٤) السنن الكبرىٰ للإمام النسائي: ٢٧٦/٥، (رقم ٨٨٧٥) صحيح مسلم: ٨٤/١، كتاب الإيمان، باب =

سفیان بن عیینہ نے اعمش سے حدیث روایت کی ہے، اسی طریق سے ابوحمزہ اور ابومعاویہ بھی اعمش سے نقل کرتے ہیں، لیکن ان دونوں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے اعداد وشمار مختلف ذکر کیے ہیں (۲۵)۔

سفیان بن عیینہ نے ایک ہزار پانچ سو، ابوحمزہ نے پانچ سو اور ابومعاویہ نے چھ سو سے سات سو تک کا عدد ذکر کیا ہے۔

دراصل سفیان بن عیینہ، ابوحمزہ اور ابومعاویہ، تینوں اعمش کے تلامذہ ہیں۔ انہوں نے حدیث باب اعمش سے ایک ہی سند سے روایت کرنے کے باوجود، اعداد وشمار مختلف ذکر کیے ہیں۔

چونکہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ حفظ واتقان اور ثقاہت میں دیگر محدثین پر فوقیت رکھتے ہیں، نیز یہ کہ ثقہ راوی کی ''زیادت'' بھی معتبر ہے، اس بناء پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عیینہ رحمہ اللہ کی زیادت فی العدد والی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے مقدم رکھا (۲۶)۔

علامہ اسماعیلی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید اُموی اور ابوبکر بن عیاش نے ابوحمزہ کی موافقت میں پانچ سو کا عدد ذکر کیا ہے۔

اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تعارض حفظ واتقان اور ''اکثریت'' کے درمیان ہے۔ یعنی ایک طرف ابوحمزہ، یحییٰ بن سعید اور ابوبکر بن عیاش رحمہم اللہ ہیں، جو پانچ سو کا عدد نقل کرنے میں متفق ہیں (لفظ ''اکثریت'' سے انہی حضرات کے اتفاق کی طرف اشارہ ہے)۔ اور ان کے مقابلہ میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ہیں، جو ایک ہزار پانچ سو کا عدد نقل کرنے میں متفرد ہیں، لیکن مذکورہ تینوں حضرات کے مقابلہ میں احفظ ہیں۔ گویا تعارض یہاں احفظیت اور ''اکثریت'' کے درمیان ہے۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی معلوم ہوجاتا ہے، یعنی تعارض کی صورت میں وہ چونکہ ''حفظ'' کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے یہاں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے احفظ ہونے کی وجہ سے امام ابن عیینہ رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دی اور ''اکثریت'' یعنی ابوحمزہ، یحییٰ بن سعید

= جواز الإستسرار بالإيمان للخائف، وسنن ابن ماجه، ص: ۲۹۱، في أبواب الفتن

(۲۵) عمدة القاري: ۱٤/٤۲٤، وفتح الباري: ٦/۲۱۹

(۲٦) عمدة القاري: ۱٤/۲٤۲٤، وفتح الباري: ٦/۲۲۰، وإرشاد الساري: ٥/۱۷٥

اور ابو بکر بن عیاش رحمہم اللہ کی روایات کو مرجوح قرار دیا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وأما ماذكره الإسماعيلي أن يحيىٰ بن سعيد الأموي وأبا بكر بن عياش وافقا أبا حمزة في قوله: "خمسمأة" فتعارض الأكثرية والأحفظية، فلا يخفى بعد ذلك الترجيح بالزيادة، وبهذا يظهر نظر البخاري على غيره"(٢٧).

ایک اشکال کا جواب

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اگر ثقہ کی زیادت کا اعتبار کرتے ہوئے، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دی، تو پھر امام مسلمؒ نے ابو معاویہ کی روایت کو کیوں ترجیح دی؟

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اعمش کے تلامذہ میں ابو معاویہ حفظ و اتقان کے لحاظ سے زیادہ ممتاز تھے، اس لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی روایت کو ترجیح دی۔ جب کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اعمش کے تلامذہ سمیت، تمام محدثین پر فائق ہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی روایت کو ترجیح دی (۲۸)۔

اعداد میں تعارض اور اس کا حل

اعداد و شمار مختلف بتانے والی ان تینوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے، شارحین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں:

❶ علامہ داودیؒ فرماتے ہیں: "لعلهم كتبوا في مواطن"۔

یعنی ممکن ہے، مردم شماری کا یہ واقعہ مختلف مقامات پر کئی مرتبہ پیش آیا ہو۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے افراد کے گھٹنے اور بڑھنے سے، اعداد و شمار کا مختلف ہونا بالکل ممکن ہے (۲۹)۔

---

(٢٧) فتح الباري: ٦/٢٢٠

(٢٨) عمدة القاري: ١٤/٤٢٤، وفتح الباري: ٦/٢٢٠

(٢٩) فتح الباري: ٦/٢٢٠، وعمدة القاري: ١٤/٤٢٥

❷ بعض نے یہ تطبیق دی ہے کہ جن روایات میں ایک ہزار پانچ سو کا عدد ذکر ہوا ہے، اس سے مسلمان مرد، عورت، بچے اور غلام سب ہی مراد ہیں (۳۰)۔

اور جن روایات میں پانچ سو کا عدد ذکر کیا گیا ہے، اس سے صرف مجاہدین مراد ہیں، اسی طرح جن روایات میں چھ سو سے سات سو تک کا عدد بیان کیا گیا ہے، اس سے صرف مرد مراد ہیں (۳۱)۔

دوسری تطبیق پر امام نووی کا رد

لیکن دوسری تطبیق کو رد کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب روایات میں "ألف وخمسمأة رجل" میں "رجلٌ" کی تصریح موجود ہے، تو اس کا اطلاق عورت، بچہ اور غلام پر درست نہیں۔

❸ امام نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح تطبیق یہ ہے کہ جن راویوں نے سات سو کا عدد روایت کیا ہے، اس سے خصوصاً رجالِ مدینہ مراد ہیں، اور جن راویوں نے ایک ہزار پانچ سو کا عدد روایت کیا ہے، اس سے رجالِ مدینہ سمیت، مدینہ سے ملحق بستیوں اور دیہات کے مسلمان باشندے بھی مراد ہیں۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وقد يقال: وجه الجمع بين هذه الألفاظ أن يكون قولهم ألف وخمسمأة، المراد به النساء والصبيان والرجال، ويكون قولهم ست مأة إلى سبع مأة الرجال خاصة، ويكون خمسمأة المراد به المقاتلون؛ ولكن هذا الجواب باطل برواية البخاري في أواخر كتاب السير في "باب كتابة الإمام الناس" فإن فيها: "فكتب له ألفا وخمس مأة رجلٍ". والجواب الصحيح –إن شاء الله– أن يقال: لعلّهم أراد وابقولهم مابين "الستمأة إلى السبعمأة" رجال المدينة خاصة، وبقولهم: "فكتبنا له ألفا وخمسمأة" هم مع المسلمين حولهم"(۳۲)۔

---

(۳۰) فتح الباري: ٦/٢٢٠، وعمدة القاري: ١٤/٤٢٥، وإرشاد الساري: ٥/١٧٥

(۳۱) فتح الباري: ٦/٢٢٠، وعمدة القاري: ١٤/٤٢٥، وإرشاد الساري: ٥/١٧٥

(۳۲) شرح النووي على صحيح مسلم: ١/٨٤، كتاب الحج، باب جواز الاستسرار بالإيمان للخائف.

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام نووی رحمہ اللہ کی مذکورہ تطبیق راجح ہے(۳۳)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے دوسری تطبیق پر رد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حدیث باب میں چونکہ "رجل" کی تصریح موجود ہے، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ اس سے عورت، غلام اور بچے مراد ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ رد بجائے خود محل نظر ہے، اس لئے کہ "رجل" کا اطلاق عبید اور صبیان پر بھی ہوتا ہے(۳۴)۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب سے حدیث باب کی مناسبت

روایت میں کتابت یعنی مردم شماری کا ذکر ہے، ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

٢٨٩٦ : حدَّثنا أَبُو نُعَيْمٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ ٱبْنِ جرَيْجٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : جاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنِّي كُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا ، وَٱمْرَأَتِي حاجَّةٌ ، قالَ : (ٱرْجِعْ ، فَحُجَّ مَعَ ٱمْرَأَتِكَ) .
[ر : ١٧٦٣]

تراجم رجال

۱-ابونعیم

یہ مشہور محدث ابونعیم الفضل بن دُکین المُلائی الکوفی ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینه کے تحت گزر چکا ہے(۳۶)۔

---

(٣٣) شرح الکرماني: ١٣/٥٧

(٣٤) عمدة القاري: ١٤/٤٢٥، قال العلامة العينيؒ: "الحكم ببطلان الوجه المذكور لايخلو عن نظر؛ لأن العبيد والصبيان يدخلون في لفظ: "الرجل" فتأمّل، والله أعلم".

(٢٨٩٦) قد سبق تخريج الحديث في كتاب جزاء الصيد، باب حجّ النسا (رقم ١٨٦٢)

(٣٦) كشف الباري: ٢/٦٦٩

۲-سفیان

ترجمۃ الباب کی پہلی حدیث کے تحت ان کا حوالہ گزر چکا ہے۔

۳-ابن جریج

یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اُموی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الحیض، باب غسل الحائض رأس زوجها وترجيله کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

۴-عمرو بن دینار

یہ ابومحمد عمرو بن دینار الجرحی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب العلم والعظة بالليل کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۳۷)۔

۵-ابومَعبد

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ابومَعبَد نافذ المکی ہیں، ان کے حالات کتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلوة کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۶-ابن عباس

یہ ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحی (۳۷☆)، نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہ راست ان کی مرویات کی تعداد سے متعلق بحث کتاب الإيمان، باب كفران العشير وكفر دون كفر کے تحت گزر چکی ہے(۳۸)۔

جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال يارسول الله! إني كُتبت في غزوة كذا وكذا وامرأتي حاجّة قال: إرْجِعْ فحُجَّ مع امرء تك".

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

---

(۳۷) كشف الباري: ٤ /٣٠٩

(۳۷☆) كشف الباري: ١/٤٣٥-٤٣٧

(۳۸) كشف الباري: ٢/٢٠٥، ٢٠٦

پاس آیا اور عرض کیا، یارسول اللہ! میرا نام فلاں فلاں جہاد میں لکھا گیا ہے، جب کہ میری بیوی حج کرنے نکلی ہے، آپ نے فرمایا: جا، اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔

اس روایت سے متعلق بحثیں "كتاب الحج، باب حج النساء" کے تحت گزر چکی ہیں۔

ترجمۃ الباب سے حدیث باب کی مناسبت

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی متذکرہ روایت میں "إني كُتبتُ في غزوة كذا و كذا" کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا تعلق ترجمۃ الباب کی پہلی روایت میں لفظ "اكتبوا" کے ساتھ ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی یہ عادت تھی کہ وہ جہاد کے لئے نکلنے والوں کے نام لکھا کرتے تھے (۳۹)۔ حافظ صاحب کے اس استدلال کی تائید مذکورہ روایت سے ہو رہی ہے، جس میں ہے کہ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے۔

۱۷۸ – باب : إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی فاجر حاکم، اسلام کی حفاظت کا سبب بنے، تو محض فسق وفجور کی بناء پر خروج اور بغاوت کرکے، اسے معزول کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فاسق وفاجر سے بھی دین کی نصرت وتائید کا کام لے لیتا ہے۔ لہٰذا ایسے حاکم کے اقتدار پر صبر وتحمل اور شرعی امور میں اس کی اطاعت کرنا واجب ہے (۱)۔

۲۸۹۷ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ (ح) . وَحَدَّثَنِي مَحْمُودُ بْنُ

(۳۹) فتح الباري: ٦/ ٢٢٠

(١) المتواري، ص: ١٨٠، وفتح الباري: ٦/ ٢٢١، والأبواب والتراجم، ص: ٢٠٤

(٢٨٩٧) وأيضا أخرجه البخاري في صحيحه: ٢/ ٦٠٤، في كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، (رقم ٤٢٠٤)، و: ٢/ ٩٧٧، في القدر، باب العمل بالخواتيم، (رقم ٦٦٠٦)، ومسلم في صحيحه: ١/ ٧، في كتاب =

غَيْلَانَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنِ ٱبْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ خَيْبَرَ ، فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ : (هٰذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ) . فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالاً شَدِيدًا فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ ، فَقِيلَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، الَّذِي قُلْتَ إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، فَإِنَّهُ قَدْ قاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالاً شَدِيدًا وَقَدْ مَاتَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِلَى النَّارِ) . قالَ : فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ أَنْ يَرْتَابَ ، فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذٰلِكَ إِذْ قِيلَ : إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ ، وَلٰكِنَّ بِهِ جِرَاحًا شَدِيدًا ، فَلَمَّا كانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ ﷺ بِذٰلِكَ فَقَالَ : (ٱللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَنِّي عَبْدُ ٱللّٰهِ وَرَسُولُهُ) . ثُمَّ أَمَرَ بِلَالاً فَنَادَى بِالنَّاسِ : (إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ ، وَإِنَّ ٱللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ) .

[٦٢٣٢ ، ٣٩٦٧]

تراجم رجال

۱-ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع بہرانی حمصی ہیں، ان کے حالات بدء الوحی کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۲-شعیب

یہ ابوبشر شعیب بن حمزہ القرشی الأموی ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحی کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۴)۔

۳-زهری

یہ ابوبکر محمد بن مسلم شہاب بن زہری ہیں، ان کے حالات بدء الوحی کے تحت گزر چکے ہیں (۵)۔

= الإيمان، باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه

(٣) كشف الباري: ١/٤٧٩-٤٨٠

(٤) كشف الباري: ١/٤٨٠

(٥) كشف الباري: ١/٣٢٦

وحدثني محمود بن غيلان...

تراجم رجال

۱-محمود بن غیلان

یہ محمود بن غیلان العدوی ہیں، ان کے حالات کتاب مواقیت الصلوة، باب النوم قبل العشاء کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۲-عبدالرزاق

یہ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمّام بن نافع صنعانی یمانی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب حسن إسلام المرء کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (٦)۔

۳-زہری

روایت کی پہلی سند میں ان کا حوالہ گزر چکا ہے۔

۴-المسیب

یہ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب بن حَزن بن أبي وهب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن مُرّہ قُرشی مخزومی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب من قال ان الإیمان هو العمل کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (٧)۔

۵-ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان کے تحت ان کے حالات پر ہم تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں (٨)۔

---

(٦) کشف الباري: ٢/٤٢١

(٧) کشف الباري: ٢/١٥٩

(٨) کشف الباري: ١/٦٥٩-٦٦٣

وحدثني محمود......

یہ تحویلِ سند ہے، یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی دوسری سند ذکر کی ہے۔

شهدنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال لرجل مِمَّن يدّعي الإسلامَ: "هذا من أهل النار".

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شرکت کی''، اس سے غزوۂ خیبر مراد ہے، ''ایک شخص جو خود کو مسلمان باور کراتا تھا، آپ نے اس کے بارے میں فرمایا، یہ جہنمی ہے''۔

اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ کے نام کی تصریح نہیں فرمائی، یہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے كتاب المغازي میں بھی نقل کی ہے، وہاں "شهدنا خيبر" کی تصریح ہے(۹)۔

آگے روایت میں ہے:

فلما حضر القتال قاتل الرجل قتالا شديدا فأصابته جراحة، فقيل يارسول الله! الذي قلتَ إنه من أهل النار، فإنه قد قاتل اليوم قتالا شديداً وقد مات، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إلى النار".

جب جنگ شروع ہوئی، تو وہ شخص بڑی بے جگری سے لڑا اور اسے زخم لگا، صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ! جس کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، وہ تو آج بڑی بے جگری سے لڑ کر مر بھی گیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جہنم رسید ہوا''۔

درحقیقت جب اہل اسلام کی طرف سے وہ بے تکان اور بہادرانہ لڑ کر زخمی ہوا اور بظاہر اس کے مرجانے کا یقین بھی ہوا، تو صحابہ کرام رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سے متعلق تذبذب میں مبتلا ہوگئے، کیونکہ ان کے خیال میں مسلمانوں کی طرف سے لڑتے ہوئے دادِ شجاعت دے کر، وہ شہادت کا مرتبہ پاچکا تھا۔

---

(۹) صحيح البخاري: ۲/۶۰۴، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، (رقم ۴۲۰۴)

حضر القتال

قتال کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ رفع کی صورت میں "قتــال" حضر کا فاعل ہے۔ نصب کی حالت میں حضر کا فاعل ضمیر ہوگی جو اس شخص کی طرف راجع ہے اور قتال مفعول ہوگا (۱۰)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت میں مزید فرماتے ہیں:

فكاد الناس أن يرتاب............

"قریب تھا کہ لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہو جاتے کہ اس اثنا میں کسی نے کہا "وہ مرا نہیں، البتہ اس کے زخم کاری ہیں"، جب رات ہوئی تو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے خودکشی کر لی۔ آپ کو اس واقعہ کی اطلاع کی گئی تو فرمایا: "الله أكبر إني عبدالله ورسوله". پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ "مسلمان کے سوا کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا"۔

أن يرتاب

"يـرتـاب" كاد کی خبر ہے، افعالِ مقاربہ کی خبر پر "أن" ناصبہ کا داخل ہونا قلیل الاستعمال ہے، لیکن بہر حال جائز ہے (۱۱)۔

فقتل نفسه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ اس نے خودکشی کی، لیکن یہ وضاحت نہیں کہ کس آلہ سے خودکشی کی ہے، ان کی یہ روایت کتاب المغازی میں بھی مذکور ہے جس میں تصریح ہے کہ اس نے تیر سے اپنا کام تمام کر دیا تھا۔ کتاب المغازی ہی میں حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی خودکشی کا ذکر ہے، لیکن اس میں ہے کہ اس آدمی نے تلوار سے خودکشی کی تھی۔ بظاہر دونوں میں تضاد ہے، کتاب المغازی

---

(۱۰) شرح الكرماني رحمه الله: ۵۸/۱۳، وعمدة القاري: ۴۲۶/۱۴، وفتح الباري: ۶۰۱/۷

(۱۱) فتح الباري: ۶۰۱/۷، وعمدة القاري: ۴۲۶/۱۴

میں اس موضوع پر آگے تفصیلی بحث آرہی ہے (۱۲)۔

ثم أمر بلالا

یہاں روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اعلان کا حکم دیا۔ جب کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: "قم یا ابن خطاب" (۱۳)، اسی طرح بیہقی کی روایت میں ہے کہ اعلان عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کیا تھا (۱۴)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تینوں روایات میں تطبیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ممکن ہے ایک ہی اعلان، مختلف مقامات پر ان سب نے کیا ہو (۱۵)۔

وإن الله ليؤيد الدين بالرجل الفاجر

"اللہ تعالیٰ اس دین کی تقویت اور تائید کا کام فاجر آدمی سے بھی لے لیتا ہے"۔

یہ حدیث بظاہر صحیح مسلم کی اس روایت کے معارض ہے، جس میں ہے: "فلن أستعين بمشرك" (۱٦)، آپ نے فرمایا کہ میں ہرگز کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا۔

لیکن دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "لانستعين بمشرك" جس موقع پر ارشاد فرمایا تھا، اسی موقع کے ساتھ خاص تھا (۱۷)۔

دوسرے یہ کہ صحیح مسلم کی روایت میں "مشرک" کی تصریح ہے، اس سے مسلمان فاجر مراد نہیں، جب کہ صحیح بخاری کی روایتِ باب میں فاجر مسلم کا ذکر ہے، لہٰذا دونوں میں روایات کوئی تعارض نہیں (۱۸)۔

---

(۱۲) كشف الباري، ص: ٤٢٢، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر

(۱۳) صحيح مسلم: ٧٤/١، كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم الغلول وأنه لايدخل الجنة إلا المؤمنون (رقم ١٨٢)

(١٤) فتح الباري: ٦٠٣/٧، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر

(١٥) فتح الباري: ٦٠٣/٧

(١٦) صحيح مسلم: ١١٨/٢، كتاب الجهاد، باب كراهة الاستعانة في الغرو بكافر إلا لحاجة أو كونه حسن الرأي (رقم ٤٧٠٠)

(١٧) شرح ابن بطال: ٢٢٢/٥

(١٨) شرح ابن بطال: ٢٢٢/٥

جہاد میں کفار ومشرکین سے مدد لینے کا حکم

امام مالک، علامہ بن منذر اور علامہ جوزجانی رحمہم اللہ کے نزدیک مشرک سے مدد لینا جائز نہیں (۱۹)۔

ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے (۲۰)۔

ان حضرات کا استدلال صحیح مسلم کی روایت "لن أستعين بمشرك" سے ہے، اس میں مشرک سے مدد لینے کی ممانعت ہے (۲۱)۔

امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک ضرورت وحاجت کے تحت مشرک سے مدد لینا جائز ہے (۲۲)۔

علامہ خرقی رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے (۲۳)۔

امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کے دلائل

❶ ان حضرات کی پہلی دلیل حدیثِ باب ہے۔

---

(۱۹) المغني لابن قدامة: ۱۰/٤٤٧، (رقم الفصل: ۷۵۰۸) علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "إنا لا نستعين بمشرك" سے استدلال کر کے صحیح مسلم کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ سنن ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ ہیں، صحیح مسلم کے الفاظ وہی ہیں، جو متن میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی تقریر میں منقول ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت کے لئے دیکھئے: سنن ابن ماجه، ص: ۲۰۳، كتاب الجهاد، باب الإستعانة بالمشركين

(۲۰) المغني لابن قدامة: ۱۰/٤٤٧

(۲۱) المغني لابن قدامة: ۱۰/٤٤٧

(۲۲) شرح السير الكبير للإمام السرخسي رحمه الله: ٤/۱۹۱، والمجموع شرح المهذب للنوويؒ: ۲۱/۳۸

(۲۳) المغني لابن القدامة: ۱/٤٤٧

❷ ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے خلاف یہودِ بنو قینقاع سے مدد لی تھی (۲۴)۔

❸ ان کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے، جنگِ حنین میں، مسلمانوں کی حمایت میں لڑنے کی درخواست بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منظور کرلی تھی۔ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگِ حنین وطائف میں مسلمانوں کی حمایت میں لڑے تھے، حالانکہ اس وقت وہ اسلام نہیں لائے تھے (۲۵)۔ آپ نے حنین میں صفوان بن امیہ سے اسلحۂ جنگ مستعار مانگے، انہوں نے سوزرہیں اور دیگر لوازمات پیش کئے (۲۶)۔

اسی طرح سنن سعید بن منصور میں امام زہریؒ کی ایک مرسل روایت میں بھی تصریح ہے کہ آپ نے یہود سے مدد لی تھی (۲۷)۔

اہل شرک سے مدد لینے کی شرائط

البتہ ان حضرات کے نزدیک مشرکین سے مدد لینا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

❶ مشرک اہلِ اسلام کے بارے میں مثبت اور دوستانہ رائے رکھتے ہوں، ان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف بغاوت یا دھوکہ وفریب کا اندیشہ نہ ہو (۲۸)۔

❷ مسلمانوں کو حقیقتاً اہل شرک کے تعاون کی ضرورت ہو، استغناء اور ضرورت نہ ہونے کی صورت میں غیر مسلم سے تعاون حاصل کرنا جائز نہیں (۲۹)۔

---

(۲٤) شرح السير الكبير للإمام السرخسيؒ: ٤/١٩١، والمجموع شرح المهذب: ٣٧/٢١، والأم للإمام شافعيؒ: ٢٦١/٤

(٢٥) شرح السير الكبير للإمام السرخسيؒ: ١٩١/١٤، والمجموع شرح المهذب للإمام النووي: ٣٦/٢١

(٢٦) عمدة القاري: ٧٢٦/١٤، والمجموع شرح المذهب للنووي: ٣٧/٢١

(٢٧) المغني لابن القدامة: ٤٤٦/١٠، (رقم المسئلة: ٧٥٠٧)

(٢٨) المجموع شرح المهذب للنووي: ٣٨/١

(٢٩) المجموع شرح المهذب: ٣٨/١٠، كتاب السير، فصل: الاستعانة بالمشركين.

۳ مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جمعیت زیادہ ہو، تاکہ ان کی حمایت میں لڑنے والے مشرک، اگر سازش کے تحت، بغاوت کر کے ہم مذہب جماعت سے جاملیں، تو ایسی صورت حال میں اہل اسلام کے لئے ان کے خلاف خروج کرنا ناممکن نہ رہے (۳۰)۔

امام مالکؒ اور علامہ ابن منذر وغیرہ کے استدلال کا جواب

ان حضرات کا استدلال صحیح مسلم کی روایت "لن أستعين بمشرك" سے تھا۔شارحین نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں:

۱ امام شافعیؒ نے اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ صحیح مسلم کی یہ روایت بعد کی روایات سے منسوخ ہے۔ کیونکہ یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''بدر'' کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی۔ بعد میں غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ نے یہود بنوقینقاع سے اور غزوۂ حنین میں صفوان ابن امیہؓ سے مدد لی تھی، ان واقعات سے غزوۂ بدر والی صحیح مسلم کی مذکورہ روایت منسوخ ہوگئی (۳۱)۔

۲ دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس موقع پر "لن أستعين بمشرك" فرمایا تھا، اسی موقع کے ساتھ خاص تھا (۳۲)۔

۳ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ احادیث سے چونکہ جواز اور عدم جواز دونوں ثابت ہیں، اس لئے امام کو اختیار ہے، مصلحت کا جو مقتضیٰ ہو، اسی پر عمل کرے (۳۳)۔

۴ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ایک مشرک سے متعلق تھا، جو مسلمانوں کی حمایت میں لڑنے کے لئے مسلسل اصرار کررہا تھا، چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فراستِ نبوت کے ذریعہ اس کے دل میں اسلام کی طرف رغبت کا ادراک ہوگیا تھا، اس لئے آپ

(۳۰) المجموع شرح المهذب: ۳۸/۱۰، كتاب السير، فصل: الاستعانة بالمشركين

(۳۱) "الأم" للإمام الشافعي رحمه الله: ۲۶۱/٤، في الاستعانة بأهل الذمة على قتال العدوّ

(۳۲) شرح ابن بطالؒ: ۲۲۲/٥، وعمدة القاري: ٤٢٦/١٤

(۳۳) "الأم" للإمام الشافعيؒ: ٢٦١/٤

نے مصلحتاً "لن أستعين بمشرك" فرما کر اس کی طرف سے تعاون کی پیش کش اس امید پر مسترد کردی کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ اسلام لاکر ہی لڑے، اور ایسا ہی ہوا (۳۴)۔

ترجمۃ الباب سے حدیث باب کی مناسبت

حدیث باب میں ہے "إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر" ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

۱۷۹ – باب : مَنْ تَأَمَّرَ فِي الحَرْبِ مِنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ إِذَا خَافَ الْعَدُوَّ .

ترجمۃ الباب میں "من تأمّر" کا جواب محذوف "جاز ذلك" ہے۔ عبارت مقدر ہے: "من تأمّر من غير إمرة إذا خاف العدوّ، جاز ذلك" (۱)۔

من غير إمرة

یعنی دورانِ جنگ حاکم یا امیر کی طرف سے امارت کی سپردگی کے بغیر ازخود امیر بننا۔ "أي جعل نفسه أميرا على قومٍ في الحرب من غير تأمير الإمام" (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر امیرِ لشکر شہید ہوجائے، موقع پر موجود نہ رہے، یا کسی حادثہ کے نتیجے میں کمان سنبھالنے کے قابل نہ رہے اور دشمن کی طرف سے حملہ کا اندیشہ ہو، تو ایسے حالات میں اگر ایک فرد آگے بڑھ کر، دارالخلافہ کی طرف سے دوسرے سپہ سالار کی تقرری کا حکم نامہ صادر ہونے سے پہلے، ازخود لشکر کی کمان سنبھال کر سپہ سالار بن جائے تو شرعاً اس کی اطاعت واجب ہوگی۔ بشرطیکہ

---

(۳۴) فتح الباري: ۶/۲۲۱

(۱) عمدة القاري: ۱۴/۴۲۷

(۲) عمدة القاري: ۱۴/۴۲۷

اس کی امارت پر سب متفق ہوں(۳)۔

٢٨٩٨ : حدّثنا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عُلَيَّةَ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : خَطَبَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : (أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ ، ثُمَّ أَخَذَهَا خالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ فَفُتِحَ عَلَيْهِ ، وَمَا يَسُرُّنِي ، أَوْ قالَ : ما يَسُرُّهُمْ ، أَنَّهُمْ عِنْدَنَا) . وَقالَ : وَإِنَّ عَيْنَيْهِ لَتَذْرِفَانِ . [ر : ١١٨٩]

تراجم رجال

۱-یعقوب بن ابراہیم

یہ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن کثیر بن زید بن افلح عبدی دورقی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب حب الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من الإیمان کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۵)۔

۲-ابن علیہ

یہ اسماعیل بن ابراہیم بن مِقْسَم اسدی بصری ہیں۔ان کا تذکرہ مذکورہ کتاب و باب کے تحت گزر چکا ہے(٦)۔

۳-ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سَختیانی بصری ہیں،ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب حلاوة الإیمان کے تحت پہلے گزر چکا ہے(۷)۔

---

(٣) فتح الباري: ٦/٢٢٢، والأبواب والتراجم للمحدث الكاندهلوي،ص: ٢٠٤

(٢٨٩٨) مرّ تخريج الحديث في كتاب الجنائز، بابُ الرجلِ يَنْعَى إلى أهل الميت بنفسه (رقم ١٢٤٦)

(٥) كشف الباري: ٢/١١

(٦) كشف الباري: ٢/١٢

(٧) كشف الباري: ٢/٢٦

۴- حمید بن ہلال

یہ ابونصر حمید بن ہلال البصری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الصلوة، باب يَرُدّ المصلي من مَرَّ بين يديه کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

۵- انس بن مالک رضی اللہ عنہ

یہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۸)۔

خطب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: "أخذ الرّاية زيدٌ فأصيب، ثم أخذها جعفر فأصيب، ثم أخذها عبدالله بن رواحة فأصيب، ثم أخذها خالد بن الوليد عن غير إمرة ففُتح عليه

جب موتہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین برسرِ پیکار تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (مدینہ میں منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا: ''زید نے علم لیا اور شہادت پائی، پھر جعفر نے جھنڈا لیا اور شہید ہو گئے، پھر عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا، وہ بھی شہید ہو گئے، پھر خالد بن ولید نے، کسی کے حکم کے بغیر جھنڈا اٹھا لیا اور اسے فتح حاصل ہوئی۔

من غير إمرة: یعنی خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) مرکز سے امارت کی تفویض کے بغیر اپنی صوابدید پر امیر جیش مقرر ہوئے۔ "أي صار أميرا من غير أن يُفوّض إليه الإمام"(۹)۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میدانِ جنگ کی اس صورتحال کی اطلاع کسی نے نہیں کی تھی، اس پر آپ کشفِ نبوت کے ذریعہ مطّلع ہوئے تھے (۱۰)۔

---

(۸) كشف الباري: ۲/ ٤

(۹) عمدة القاري: ١٤/ ٤٢٨

(۱۰) البداية والنهاية: ٤/ ٢٤٦، ٢٤٧، وعمدة القاري: ١٤/ ٤٢٨

امام واقدی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے کہ جب موتہ میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ارضِ شام تک کے سارے علاقے اور آبادیاں آپ کے روبرو کردیں، منبر نبوی سے شام کے درمیان سب حجابات اُٹھا دیئے گئے، میدانِ جنگ آپ کے مشاہدہ میں تھا، اس صورت حال کا مشاہدہ کرتے ہوئے آپ فرماتے رہے کہ زید نے علمِ اسلام ہاتھ میں لیا اور شہید ہوگئے۔ إلـــى آخر ماقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.

چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے:

"قال الواقدي: حدثني عبدالجبار بن عمارة بن غزية عن عبدالله بن أبي بكر بن عمرو بن حزم قال: لمّا التقى الناس بموتة، جلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على المنبر، وكشف الله له مابينه وبين الشام، فهو ينظر إلى معركتهم، فقال: أخذ الراية زيد بن حارثة.......... الخ(١١).

وما يسرّني أو قال ما يسرّ هم أنهم عندنا

''اور میرے لئے یہ امر باعثِ مسرت نہیں یا (راوی کو شک ہے) آپ نے فرمایا، ان شہداء کے لئے یہ بات باعث مسرت نہیں تھی کہ وہ ہمارے پاس موجود ہوتے''۔

مطلب یہ ہے کہ ان کی حقیقی خوشی اسی میں تھی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرکے، اس کی رضا حاصل کرتے۔ اس قدر خوشی اور مسرت انہیں ہمارے پاس موجود رہنے سے نہ ہوتی، کیونکہ رتبۂ شہادت اس سے زیادہ بلند تر اور افضل ہے (۱۲)۔

حدیث باب سے متعلق دیگر بحثیں آگے ''کتاب المغازی'' میں آرہی ہیں (۱۳)۔

وعيناه تذرفان

''اور اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں اشک بار تھیں''۔

---

(١١) البداية والنهاية: ٤/٢٤٦، ٢٤٧، وعمدة القاري: ١٤/٤٢٨

(١٢) عمدة القاري: ١٤/٤٢٨

(١٣) عمدة القاري: ١٤/٤٢٨، وفتح الباري: ٧/٦٥٣

مطلب یہ ہے جب آپ نے منبر پر صحابہ کرام کے سانحۂ شہادت کا اعلان کیا، تو غم واندوہ سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

تذر فان

بکسر الراء، أي تدفعان الدموع، أو تدمعان دمعا، اس کے معنی ہیں: آنکھوں سے آنسو نکلنا، بہنا (۱۳☆)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیثِ باب کی مناسبت

غزوۂ موتہ کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو لشکر روانہ کیا تھا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے اس کا امیر مقرر کیا تھا اور فرمایا، اگر زید بن حارثہ شہید ہوجائیں تو پھر جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے، اگر جعفر بھی شہید ہوجائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے، اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو مسلمانوں کو اختیار ہے، جسے چاہیں اپنا امیر منتخب کرلیں (۱۴)۔

موتہ میں جنگ کا آغاز ہوا تو آپ کے منتخب کئے ہوئے تینوں امراءِ لشکر یکے بعد دیگرے دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے، آخر میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر علمِ جہاد ہاتھ میں لیا اور فوج کی کمان سنبھالی، چونکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آپ نے امیر مقرر نہیں فرمایا تھا، بلکہ انہوں نے خود سے علم جہاد ہاتھ میں لے کر لشکر کی کمان سنبھالی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثم أخذها خالد بن الوليد من غير إمرة". امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی سے ترجمۃ الباب ثابت کیا ہے (۱۵)۔

۱۸۰ - باب : الْعَوْنِ بِالْمَدَدِ .

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب لشکرِ اسلام کو مجاہدین کی قلت اور

(۱۳☆) عمدة القاري: ۱٤/٤٢٨، وفتح الباري: ٦٥٣/٧

(١٤) طبقات ابن سعيد: ٦٦/٢

(١٥) عمدة القاري: ١٤/٤٢٨، وفتح الباري: ٦٥٣/٧

کی محسوس ہوتو خلیفۂ وقت کو چاہیے کہ وہ اس کی مدد کے لئے مزید اعوان وانصار روانہ کرے (۱۶)۔

المدد

عربی زبان میں "مـــدد" کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے، جس سے کثرت اور اضافے کا فائدہ حاصل ہوتا ہو، چنانچہ جب لشکر کے لئے مزید افراد کا دستہ بھیجا جائے تو عربی میں کہتے ہیں، "أمدّ الجیش بمدد"، یعنی لشکر کے لئے مزید اضافہ کا انتظام کیا گیا، اس کی جمع امداد آتی ہے (۱۷)۔

۲۸۹۹ : حدّثنا محمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَسَهْلُ بْنُ يُوسُفَ ، عَنْ سَعِيدٍ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ ٱللهِ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَاهُ رِعْلٌ وَذَكْوَانُ وَعُصَيَّةُ وَبَنُو لَحْيَانَ ، فَزَعَمُوا أَنَّهُمْ قَدْ أَسْلَمُوا ، وَٱسْتَمَدُّوهُ عَلَى قَوْمِهِمْ ، فَأَمَدَّهُمُ النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعِينَ مِنَ الْأَنْصَارِ ، قَالَ أَنَسٌ : كُنَّا نُسَمِّيهِمُ الْقُرَّاءَ ، يَحْطِبُونَ بِالنَّهَارِ وَيُصَلُّونَ بِاللَّيْلِ ، فَٱنْطَلَقُوا بِهِمْ ، حَتَّى بَلَغُوا بِئْرَ مَعُونَةَ غَدَرُوا بِهِمْ وَقَتَلُوهُمْ ، فَقَنَتَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَبَنِي لَحْيَانَ .

قَالَ قَتَادَةُ : وَحَدَّثَنَا أَنَسٌ : أَنَّهُمْ قَرَؤُوا بِهِمْ قُرْآنًا : أَلَا بَلِّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا ، بِأَنَّا قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا ، فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا . ثُمَّ رُفِعَ ذٰلِكَ بَعْدُ . [ر : ۲٦٤٧]

تراجم رجال

۱-محمد بن بشار

یہ مشہور محدث محمد بن بشار بن عثمان عبدی بصریؒ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب ماكان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كي لاينفروا کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۱۹)۔

---

(١٦) الأبواب والتراجم للمحدث محمد زكريا الكاندهلويؒ ، ص: ٢٠٤

(١٧) عمدة القاري: ١٤/٤٢٨

(٢٨٩٩) قد سبق تخريج الحديث في كتاب الوتر، باب القنوت قبل الركوع وبعده (رقم ١٠٠١).

(١٩) كشف الباري: ٣/٢٢١

۲-ابن ابی عدي

یہ ابوعمر محمد بن ابراہیم ابن اَبی عدی السلمی البصریؒ ہیں، ان کے حالات کتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۳-سہل بن یوسف

یہ مشہور محدث سہل بن یوسف الأنماطی البصری ہیں، ان کے حالات کتاب الجهاد، باب من أفاد دابة غيره في الحرب کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۴-سعید

یہ مشہور محدث سعید بن ابی عروبہ مہران الیشکری ہیں، ان کے حالات کتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد کے تحت گزر چکے ہیں۔

۵-قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز سدوسی بصری ہیں، ان کے حالات کتاب الإيمان، من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۲۱)۔

۶-انس رضی اللہ عنہ

یہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک خزرجی انصاری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۲۲)۔

أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتاه رَعْلٌ وذكوان وعُصية وبنو لِحيان، فزعموا أنهم قد أسلموا، واستمدوه على قوم

---

(۲۱) كشف الباري: ۲/۳، ٤

(۲۲) كشف الباري: ۲/٤، ٥

واستمدوه

یہ بابِ استفعال سے ہے۔ مدد طلب کرنا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رِعل، ذکوان عُصَیّہ اور بنولحیان کے قبیلہ والوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کا اظہار کیا، یہ تأثر دیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں، اور انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (دشمن) قوم کے خلاف مدد طلب کی"۔

چونکہ کتاب المغازی کی روایت میں "قوم" کی بجائے "عدوّ" کی تصریح ہے اس لئے ترجمہ میں ہم نے "قوم" کی تعبیر "دشمن" سے کی ہے۔

فأمدهم النبيُ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسبعين من الأنصار

"چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ستر انصار ان کی مدد کے لئے عنایت فرمائے"۔

بنولحيانِ

یہ روایت "بئر معونہ" کے واقعہ سے متعلق ہے اور اس میں بنولحیان کا ذکر آیا ہے، حافظ دمیاطی رحمہ اللہ نے اسے وہم قرار دیا ہے، کیونکہ بنولحیان کا تعلق غزوہ رجیع سے ہے۔ بئر معونہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں (۲۳)۔

مذکورہ روایت کتاب المغازی میں غزوہ بئر معونہ کے تحت آگے آرہی ہے، اس سے متعلق بحثیں وہیں تفصیل سے آئیں گی (۲۴)۔ انشاء اللہ

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

روایت میں ہے، "واستمدوه على قوم فأمدهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" یعنی رعل

---

(۲۳) فتح الباري: ٦/٢٢٢، وعمدة القاري: ١٤/٤٢٩، وتحفة الباري: ٣/٥١٨

(٢٤) كشف الباري، ص: ٢٦١، كتاب المغازي، باب غزوة بئر معونة

اور ذکوان وغیرہ کے قبیلہ کے لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے دشمن کے مقابلہ میں ہماری مدد کیجئے، تو آپ نے ان کی مدد کے لئے ستر صحابہ ان کے ساتھ روانہ کر دیئے، امام بخاریؒ نے اس سے ترجمۃ الباب ثابت کیا ہے۔

١٨١ – باب : مَنْ غَلَبَ الْعَدُوَّ فَأَقَامَ عَلَى عَرْصَتِهِمْ ثَلَاثًا .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غلبہ پانے کے بعد دشمن کے علاقہ یا میدانِ جنگ میں تین دن ٹھہرنا سنت سے ثابت ہے۔

لیکن ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ کی صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے علاقے یا میدان جنگ میں تین دن قیام کرنا ضابطہ نہیں، بلکہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔

٢٩٠٠ : حدّثنا محمّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ : حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ قالَ : ذَكَرَ لَنَا أَنَسُ بْنُ مالِكٍ ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهُ كانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ .

تراجم رجال

۱-محمد بن عبدالرحیم

یہ ابویحیٰ محمد بن عبدالرحیم بن اَبی زہیر بغدادی ہیں، صاعقہ کے لقب سے مشہور ہیں، ان کے حالات کتاب الوضوء، باب غسل الوجه کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

(٢٩٠٠) رواه أيضاً (٥٦٦/٢)، في كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل (رقم ٣٩٧٦)، وعند أبي داود في سننه : ١١/٢، في كتاب الجهاد، باب في الإمام يقيم عند الظهور على العدو بعرصتهم (رقم ٢٦٩٥)، وعند الترمذي في جامعه (٢٨٣/١)، في أبواب السير، بابٌ في البيات والغارات (رقم ١٥٥١)

۲-روح بن عبادة

یہ ابومحمد رَوْح بن عُبادہ بن العلاء بن حسان بن عمرو بن مَرْثد قیسی بصری ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، باب اتباع الجنائز من الإیمان کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۲۶)۔

۳-سعید

ان کا حوالہ باب العون بالمدر کے تحت گزر چکا ہے۔

۴-قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز سدوسی بصری ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۲۷)۔

۵-انس بن مالک رضی اللہ عنہ

ان کا حوالہ بھی اس سے پہلے باب کے تحت گزر چکا ہے۔

۶-ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد حضرت زید بن سہل بن الاسود بن حرام النجاری المدنی ہیں، ابوطلحہ سے مشہور ہیں۔ان کے حالات کتاب الوضوء، باب الماء الذي یغسل به شَعر الإنسان میں گزر چکے ہیں۔

ذكرلنا أنس عن أبي طلحة رضی الله عنهما

امام قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت ہمیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۲٦) كشف الباري: ۲/۵۱۸

(۲۷) كشف الباري: ۲/۳

”ورواه ثابت عن أنس بغير ذكر أبي طلحة“

یعنی یہ روایت ثابت عن انس کے طریق سے بھی مروی ہے۔لیکن اس میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا واسطہ بیچ میں نہیں (۲۸)۔

أنه كان إذا ظهر على قوم أقام بالعرصة ثلاث ليال

”رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی دشمن قوم پر غالب آجاتے، تو میدانِ جنگ میں تین دن اقامت فرماتے“۔

العَرْصَة: عین اور صاد پر فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ، اس کی جمع عَرصَات آتی ہے۔

عرصہ کشادہ اور وسیع جگہ کو کہتے ہیں، جس کے چاروں طرف در و دیوار اور مکان نہ ہوں۔

قال ابن الأثير: هي كل موضع واسع لابناء فيه(۲۹)۔

وقال الثعالبي: كل بقعة لابناء فيها فهي عرصة(۳۰)، وقال العيني وابن حجر رحمهما الله هي البقعة الواسعة بغير بناء من دار وغيرها“. (۳۱)۔

تین دن قیام کی حکمت

شارحین نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں:

❶ علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قیام استراحت اور کمر سیدھی کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ مسافر تین دن ہی میں بھرپور آرام اور راحت حاصل کرتا ہے۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دشمن پر غلبہ پانے کے بعد، معرکہ آرائی سے پیدا ہونے والی جسمانی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں تین دن مقیم رہتے۔ البتہ اس سنت پر عمل کرنا اس وقت درست ہے جب دشمن کی طرف سے

(۲۸) فتح الباري: ۶/۲۲۳

(۲۹) النهاية لابن الأثير: ۳/۲۰۸

(۳۰) فقه اللغة للثعالبي

(۳۱) عمدة القاری: ۱۴/۴۳۰، وفتح الباري: ۶/۲۲۳

حملے اور یلغار کا خطرہ نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

چنانچہ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"كان هذا منه –والله أعلم– ليريح الظهر والأنفس، هذا إذا كان في أمن عدوّ وطارق، وإنما قصد إلى ثلاث –والله أعلم– لأنه أكثر مايريح المسافر"(٣٢)۔

❷ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إنما كان يقيم ليظهر تأثير الغلبة وتنفيذ الأحكام"(٣٣)۔

یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غرض اس قیام سے قوتِ غلبہ کا اظہار اور احکام اسلام کا نفاذ مقصود تھا۔

❸ علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ نے ایک عجیب توجیہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس سے ذکر اللہ اور شعائر اسلام کی ترویج واشاعت کے ذریعے، معصیت آلودہ زمین کی ضیافت مقصد تھا، گویا آپ کا قیام ضیافت کے حکم میں تھا، چونکہ ضیافت تین دن ہوتی ہے، اس مناسبت سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قیام بھی دشمن کے علاقہ میں تین دن رہتا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"قال ابن المنير: يحتمل أن يكون المراد أن تقع ضيافة الأرض التي وقعت فيها المعاصي بإيقاع الطاعة بذكر الله وشعائر المسلمين، وإذا كان ذلك في حكم الضيافة ناسب أن يقيم عليها ثلاثاً؛ لأن الضيافة ثلاثاً"(٣٤).

ترجمة الباب سے مناسبت

حدیث باب میں ہے "أنه كان إذا ظهر على قوم أقام بالعرصة ثلاث ليالٍ". ترجمة الباب

---

(٣٢) شرح ابن بطال: ٥/٢٢٦، وفتح الباري: ٦/٢٢٣، والأبواب والتراجم، ص: ٢٠٤

(٣٣) عمدة القاري: ١٤/٤٣٠، وفتح الباري: ٦/٢٢٣، والأبواب والتراجم، ص: ٢٠٤

(٣٤) فتح الباري: ٦/٢٢٣، والأبواب والتراجم، ص: ٢٠٤

سے اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

تَابَعَهُ مُعَاذٌ ، وَعَبْدُ الْأَعْلَى : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [۳۷۵۷]

امام بخاری رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ قتادۃ سے معاذ اور عبدالاعلیٰ نے بھی روایت باب کی متابعت کی ہے۔

معاذ عنبری کی متابعت اصحابِ سنن ثلاثہ نے موصولاً ذکر کی ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"أحبُّ أن يقيم بالعرصة ثلاثاً" (۳۵)۔

عبدالأعلی السامیؒ کی متابعت، ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے موصولاً نقل کی ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں متابعات کی تخریج یوسف بن حماد کے طریق سے کی ہے، نیز اسماعیلی نے "مستخرج" میں ان دونوں متابعات کو "عن أبي يعلى عن أبي بكر بن أبي شيبه" کے طریق سے موصولاً ذکر کیا ہے (۳۶)۔

۱۸۲ - باب : مَنْ قَسَمَ الْغَنِيمَةَ فِي غَزْوِهِ وَسَفَرِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

مسئلہ یہ ہے کہ کیا دارالحرب کے اندر مالِ غنیمت کی تقسیم جائز ہے یا نہیں؟

جمہور کے نزدیک جائز ہے، احناف کہتے ہیں، جائز نہیں۔

---

(۳۵) سنن الدارمي رحمه الله: ۲/۲۱، كتاب السير، باب ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا ظهر على قوم أقام على عرصتهم ثلاثا (رقم ۲٤٥۹)، وسنن أبي داود: ۲/۱۱، كتاب الجهاد، باب في الإمام يقيم عند الظهور على العدو بعرصتهم؟ (رقم ۲٦۹٥)، وسنن الترمذي: ۱/۲۸۲، كتاب السير، باب في البيات والغارات (رقم: ۱٥٥۱)

(۳٦) تغليق التعليق: ۳/٤٦۰

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور فقہاء کی تائید کرتے ہوئے احناف پر رَد کیا ہے(۱)۔

لیکن علامہ عینی حافظ ابن حجرؒ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احادیث باب تو خود احناف کے لئے حجت ہیں اور ان سے جمہور کا مذہب ثابت ہی نہیں ہوتا، اس لئے یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ یہاں امام بخاریؒ نے جمہور فقہاء کی تائید کرتے ہوئے احناف پر رد کیا ہے(۲)۔

وَقالَ رَافِعٌ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الحُلَيْفَةِ ، فَأَصَبْنَا غَنَمًا وَإِبِلاً ، فَعَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ .[ر : ٢٣٥٦]

تراجم رواۃ

۱-رافع

یہ رافع بن خدیج بن عدی الأوسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے حالات کتاب مواقیت الصلوۃ، باب وقت المغرب کے تحت گزر چکے ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذوالحلیفہ میں ہم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، غنیمت کے مال میں ہمیں بکریاں اور اونٹ ملے، مال غنیمت کی تقسیم کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا۔

تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الشرکۃ، باب قسمۃ الغنیمۃ(۳) اورباب من عدل عشرۃ

(۱) فتح الباري للحافظ: ٦/٢٢٣

(۲) عمدة القاري: ١٤/٤٣٠

(۳) صحيح البخاري: ١/٣٣٨، (رقم ٢٤٨٨)

من الغنم بجزور في القسم(٤) کے تحت یہ تعلیق تفصیل سے موصولاً نقل کی ہے، یہاں باب کی مناسبت سے امام بخاریؒ نے اس کا ایک جزء نقل کیا ہے(٥)۔

اسی طرح کتاب الجہاد میں باب مایکره من ذبح الإبل والغنم في المغانم کے تحت، کتاب الذبائح والصید میں باب التسمية على الذبيحة ومن ترك متعمدا اور بابٌ إذا أصاب قومٌ غنيمة کے تحت بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ تعلیق موصولاً نقل کی ہے(٦)۔

اس تعلیق کا مقصد

اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس رائے کا اعتبار کیا جائے کہ ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کی تائید کرتے ہوئے احناف پر رد کیا ہے، تو پھر اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ذوالحلیفہ، جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا، دارالحرب تھا۔ چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دارالحرب میں رہتے ہوئے مال غنیمت تقسیم فرمایا، اس لئے یہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک دارالحرب کے اندر تقسیم غنائم کے جواز پر صریح دلیل اور جمہور کی مؤید ہوگی، اور امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بھی یہی ثابت کرنا ہوگا۔

اگر علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے کا اعتبار کیا جائے، تو پھر ظاہر ہے کہ اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد احناف کے مذہب کو ثابت کرنا ہوگا، کہ ذوالحلیفہ میں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا، دارالاسلام تھا، دارالحرب نہیں، جیسا کہ فقہاء احناف کی رائے ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

تعلیق میں ہے: "كنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بذي الحليفة فأصبنا غنما وإبلا

(٤) صحيح بخاري: ٣٤١/١، (رقم ٢٥٠٧)

(٥) عمدة القاري: ١٤/٤٣٠، ٤٣١

(٦) صحيح البخاري، كتاب الجهاد: ٣٣٢/١، (رقم ٣٠٧٥)، وفي الذبائح: ٨٢٦/٢، (رقم ٥٤٩٨)، وأيضاً: ٨٣١/٢، (رقم ٥٥٤٣)، وتغليق التعليق للحافظ ابن حجر رحمه الله: ٤٦١/٣

فعدل عشرة من الغنم ببعير" ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ترجمۃ الباب کا جو مقصد بیان کیا ہے، اس کا اعتبار کیا جائے تب بھی ترجمہ سے تعلیق کی مناسبت ظاہر ہے، اگر علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے کا اعتبار کیا جائے تب بھی ترجمہ سے مناسبت بے غبار ہے۔

۲۹۰۱ : حدَّثنا هُدْبَةُ بْنُ خالِدٍ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، عَنْ قَتَادَةَ . أَنَّ أَنَسًا أَخْبَرَهُ قَالَ : اَعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْجِعْرَانَةِ ، حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ . [ر : ١٦٨٧]

تراجم رجال

۱- ھدبہ بن خالد

یہ ابو خالد ھدبہ بن خالد بصری ہیں، ان کے حالات کتاب الصلوۃ، باب فضل صلوة الفجر کے تحت گزر چکے ہیں۔

۲- ہمام

یہ ہمام بن یحییٰ بن دینار العَوْذی [illegible] ہیں۔ ان کے حالات کتاب الوضوء، باب ترکِ النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم والناسِ الأعرابي حتی فرغ من بوله في المسجد کے تحت گزر چکے ہیں۔

۳- قتادہ

گزشتہ باب کے تحت ان کا حوالہ گزر چکا ہے۔

۴- انس رضی اللہ عنہ

ان کا حوالہ بھی گزشتہ باب کے تحت گزر چکا ہے۔

قال اعتمر النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم من الجعرانة حیث قسم غنائم حنین

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احرام جعرانہ میں

(۲۹۰۱) قد سبق تخریج الحدیث في کتاب العمرة، باب النزول بذِي طُوی قبل أن یدخل مکة (رقم ۱۷۷۸)

باندھا، جہاں آپ نے غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا تھا۔

یہ روایت اسی سند کے ساتھ کتاب العمرة، باب النزول بذي طوىٰ قبل أن يدخل مكة کے تحت تفصیلاً گزر چکی ہے(۸) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ترجمۃ الباب کی مناسبت سے اس کا ایک جزء نقل کیا ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ مذکورہ روایت کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ باب کی تعلیق کے تحت حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ کی رائے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترجمۃ الباب کے ساتھ مذکورہ تعلیق کی مناسبت سے متعلق جو تفصیل پیچھے گزری ہے، اسے یہاں بھی پیش نظر رکھیں۔

دارالحرب میں مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ

دارالحرب کے اندر مجاہدین کے لئے مالِ غنیمت کی تقسیم جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں جمہور فقہاء اور احناف میں اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء کا مسلک

امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی، ابن منذر اور ابو ثور رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دارالحرب میں مال غنیمت کی تقسیم جائز ہے(۹)۔

احناف کا مسلک

فقہائے احناف رحمہم اللہ کے نزدیک دارالحرب میں تقسیم غنائم کسی صورت جائز نہیں۔

---

(۸) حوالۂ بالا

(۹) المجموع شرح المهذب للإمام النووي رحمه الله: ۱۴۸/۲۱، والمغني لابن قدامة رحمه الله: ۴۵۸/۱۰

چنانچہ صاحب بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ تقسیم کی دو قسمیں ہیں: تقسیم حمل ونقل اور تقسیم مِلک۔

❶ تقسیم حمل ونقل کا مطلب یہ ہے کہ اگر مال غنیمت دارالاسلام منتقل کرنے کے لئے مجاہدین اسلام کے پاس سواری کا انتظام نہ ہو تو امیر جیش مالک بنائے بغیر، لشکر کے تمام غانمین کو ان کے مقررہ حصے دیدے، دارالاسلام پہنچنے کے بعد یہ حصے ان سے دوبارہ لے کر، بطورِ ملکیت تقسیم کرے۔ یہ صورت فقہاء احناف کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دارالحرب کے اندر جو تقسیم ہوئی، وہ تقسیمِ ملکیت نہیں تھی، بلکہ تقسیم نقل وحمل تھی (۱۰)۔

❷ تقسیم ملکیت کا مفہوم بالکل واضح ہے، کہ دارالحرب کے اندر ہی مال غنیمت کو غانمین کی ملکیت قرار دے کر تقسیم کیا جائے، اسے تقسیم ملکیت کہتے ہیں۔ اور یہ صورت فقہاء احناف کے نزدیک جائز نہیں (۱۱)۔

جمہور فقہاء کے دلائل اور ان کا رد

❶ جمہور کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دارالحرب میں اہل اسلام کے غلبہ واستیلاء سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے ، اس لئے دارالحرب میں مالِ غنیمت کی تقسیم جائز ہے، اور اس تقسیم کی حیثیت بعینہ وہی ہوگی جو حیثیت تقسیم غنائم کی دارالاسلام میں ہوتی ہے (۱۲)۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ دارالحرب کی طرف سے دوبارہ غلبہ اور یلغار کا امکان بہرحال موجود رہتا ہے، اس لئے اہل اسلام وہاں من وجہٍ غالب بھی ہوں گے اور مغلوب بھی، لہٰذا غنائم پر اہل اسلام کی ملکیت دارالحرب کے اندر تام نہیں ہوگی، کیونکہ محض غلبہ واستیلاء سے ملکیت تام نہیں ہو جاتی، اتمامِ ملکیت کے لئے دارالحرب کو دارالاسلام بنا کر غلبہ واستیلاء کا مکمل استحکام

---

(۱۰) بدائع الصنائع: ۹/۴۸۸، ۴۸۹، وردالمحتار مع الدر المختار: ۶/۲۲۴، ۲۲۵

(۱۱) بدائع الصنائع: ۹/۴۸۸، ۴۸۹، وردالمحتار مع الدر المختار: ۶/۲۲۴، ۲۲۵

(۱۲) المغني لابن قدامة: ۱۰/۴۵۸، ۴۵۹، والجموع شرح المهذب: ۲۱/۱۴۸

ضروری ہے (۱۳)۔

❷ جمہور کا دوسرا استدلال ترجمۃ الباب کی پہلی معلق روایت سے ہے، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں مالِ غنیمت تقسیم کیا تھا۔ جمہور کے نزدیک ذوالحلیفہ دارالحرب ہے، لہٰذا اس تعلیق سے استدلال کرتے ہوئے جمہور کہتے ہیں کہ دارالحرب میں مالِ غنیمت کی تقسیم جائز ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت خود جمہور کے خلاف احناف کے لئے مستدل ہے۔ چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس معلق روایت میں تو دارالحرب کے اندر مال غنیمت کی تقسیم کا قطعی طور پر ذکر ہی نہیں۔ اس لئے کہ ذوالحلیفہ اس وقت دارالاسلام میں شامل تھا، اس کی حیثیت دارالحرب کی نہیں تھی (۱۴)۔

❸ جمہور فقہاء کا تیسرا استدلال ترجمۃ الباب کی دوسری اور آخری روایت سے ہے:

"أن أنسا رضي الله عنه قال: اعتمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الجعرانة حيث قسم غنائم حنين".

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام جعرانہ میں باندھا تھا، جہاں آپ نے غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا تھا۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے جمہور کہتے ہیں کہ جعرانہ دارالحرب تھا، جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مالِ غنیمت تقسیم کرنا، دارالحرب میں مال غنیمت کی تقسیم کے جواز پر صریح دلیل ہے۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جعرانہ دارالاسلام تھا، اسے دارالحرب کہنا درست نہیں۔ اس لئے یہ روایت بھی درحقیقت احناف ہی کی دلیل ہے (۱۵)۔

---

(١٣) إعلاء السنن: ١٤/١٢

(١٤) عمدة القاري: ١٤/٤٣١

(١٥) عمدة القاري: ١٤/٤٣١

اس استدال کا ایک جواب امام سرخسی رحمہ اللہ نے ''مبسوط'' میں یہ دیا ہے کہ محمد بن اسحاق اور کلبی کی روایت میں ہے:

''أن رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قَسَم غنائم حنين بعد منصرفه من الطائف بالجعرانة''.

یعنی طائف سے واپس لوٹنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت جعرانہ میں تقسیم فرمایا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حنین کے مال غنیمت کو (جیسا کہ ترجمہ باب کی مذکورہ روایت میں تصریح ہے) مؤخر کر کے جعرانہ آ کر تقسیم کیا۔ جعرانہ اس وقت دارالاسلام یعنی مکہ مکرمہ میں شامل تھا، غزوۂ حنین فتح مکہ کے بعد پیش آیا، اس لئے مکہ مکرمہ کا دارالاسلام ہونا بالکل بدیہی ہے۔ چنانچہ امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت درحقیقت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دارالحرب کے اندر مال غنیمت کی تقسیم جائز نہیں۔ غزوۂ حنین سے ملنے والے مالِ غنیمت کی تقسیم کو مؤخر کر کے جعرانہ آ کر تقسیم کرنا اس کی واضح دلیل ہے (۱۶)۔

❷ جمہور فقہاء کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بنو مصطلق، غزوۂ ہوازن اور غزوۂ خیبر میں، جب ان مقامات کی حیثیت دارالحرب کی تھی، مال غنیمت تقسیم کیا تھا۔

جہاں تک غزوۂ بنو مصطلق اور غزوۂ خیبر کا تعلق ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ بنو مصطلق اور خیبر کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح کر کے دارالاسلام بنایا تھا اور وہاں احکام اسلام کا پورا نفاذ عمل میں آیا تھا، اس لئے بنو مصطلق اور خیبر میں تقسیم غنائم کی حیثیت بعینہ ایسی ہوگی جو ایک اسلامی ریاست میں مالِ غنیمت کی تقسیم کی ہوتی ہے (۱۷)۔

جہاں تک ہوازن کا تعلق ہے، سو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تلخيص الحبير'' میں تصریح کی ہے،

(۱۶) المبسوط للإمام السرخسي رحمه الله: ۱۶/۵

(۱۷) إعلاء السنن للعلامة ظفر أحمد العثماني: ۱۱۳/۱۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہوازن کا مال غنیمت جعرانہ آنے کے بعد تقسیم فرمایا تھا۔ لہٰذا اس سے جمہور کا استدلال کرنا صحیح نہیں، بلکہ یہ خود احناف کا مستدل ہے کہ جعرانہ دارالاسلام کی حدود کے اندر واقع تھا (۱۸)۔ جیسا کہ پہلے بھی اس کی تفصیل ہم بتا چکے ہیں۔

❺ جمہور فقہاء میں سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کا مال غنیمت ''سیر'' نامی مقام پر تقسیم فرمایا تھا، بدر اس وقت دارالحرب تھا اور ''سیر'' یہیں واقع تھا۔

امام سرخسیؒ اور صاحب ''بدائع الصنائع'' علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ ایک تو ''سیر'' کو حدودِ بدر میں شامل کرنا درست نہیں۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غنائم بدر ''سیر'' میں تقسیم نہیں فرمائے تھے، بلکہ صحیح اور مشہور قول کے مطابق مدینہ منورہ میں تقسیم فرمائے تھے، ظاہر ہے کہ مدینہ دارالاسلام تھا (۱۹)۔

حقیقت یہ ہے کہ جن روایات سے جمہور نے استدلال کیا ہے، وہ خود ان کے خلاف، احناف کے لئے حجت ہیں، ان میں سے کوئی بھی روایت دارالحرب کے اندر مال غنیمت کی تقسیم کے جائز ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ چنانچہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے حضرت مکحول رحمہ اللہ کی ایک روایت نقل کی ہے:

"ما قسم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الغنائم إلا في دار الإسلام"(۲۰).

یعنی: ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ دارالاسلام میں غنائم تقسیم فرمائے''۔

ایک روایت انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نقل کی ہے، جس میں ہے:

"أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قسم غنائم بدر بعد ماقَدِم المدينة"(۲۱).

---

(۱۸) إعلاء السنن للعلامة ظفر أحمد العثماني: ۱۲/۱۱۳

(۱۹) المبسوط للإمام السرخسي رحمه الله: ۱۵/۵، وبدائع الصنائع للعلامة الكاساني: ۹/۴۹۱

(۲۰) المبسوط للإمام السرخسي رحمه الله: ۱۵/۵، وبدائع الصنائع للعلامة الكاساني: ۹/۴۹۱

(۲۱) المبسوط للسرخسي رحمه الله: ۱۵/۵

"بدر کے غنائم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تقسیم فرمائے تھے"۔

امام سرخسی رحمہ اللہ "مبسوط" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا منشأ ہی درحقیقت اس روایت سے یہ ثابت کرنا ہے کہ امیر جیش کے لئے جائز نہیں کہ دارالحرب کے اندر مال غنیمت تقسیم کرے (۲۲)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ غنائم بدر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر تقسیم فرمائے تھے، اس سے امام شافعی رحمہ اللہ کے استدلال کی تردید ہو رہی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ غنائم بدر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "سیر" میں تقسیم فرمائے تھے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کی مناسبت

حدیث باب ہے: "اعتمر النبيّ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم من الجعرانة حیث قسم غنائم حنین" ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد کیا ہے، حافظ صاحب اور علامہ عینی رحمہما اللہ دونوں حضرات کی رائے کی تشریح پہلے گزر چکی ہے، اگر ان کی مختلف آراء آپ کے ذہن نشین ہیں، تو دونوں رایوں کے پیش نظر ترجمۃ الباب کے ساتھ مذکورہ حدیث کی مناسبت بالکل واضح ہے۔

۱۸۳ - باب : إِذَا غَنِمَ الْمُشْرِكُونَ مالَ الْمُسْلِمِ ثُمَّ وَجَدَهُ الْمُسْلِمُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر حربیوں نے دارالاسلام پر حملہ کر کے مسلمانوں کا مال، غنیمت سمجھ کر اپنے تصرف میں لے لیا پھر مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے وہ مال دوبارہ حاصل کر لیا، تو ہر شخص حسب سابق اپنے متعین مال کا مالک ہوگا، یا وہ مال، مالِ غنیمت کے

(۲۲) المبسوط للسرخسي رحمه اللّٰه: ۱۱۵/۵

حکم میں ہوگا اور عام اموالِ غنیمت کی طرح تقسیم ہوگا؟

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں "إذا" کا جواب ذکر نہیں کیا، گویا اس سے زیر بحث مسئلہ میں اختلافِ مذاہب کی طرف اشارہ ہے(۱)۔

۲۹۰۲/۲۹۰٤ : قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ ٱللّٰهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ذَهَبَ فَرَسٌ لَهُ فَأَخَذَهُ الْعَدُوُّ ، فَظَهَرَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ فَرُدَّ عَلَيْهِ فِي زَمَنِ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ . وَأَبَقَ عَبْدٌ لَهُ فَلَحِقَ بِالرُّومِ ، فَظَهَرَ عَلَيْهِمِ الْمُسْلِمُونَ ، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ .

تراجم رجال

۱-ابن نُمیر

یہ عبداللہ بن نمیر الہمدانی الکوفی ہیں، ان کے حالات کتاب التيمم، باب إذا لم يجد ماء ولا ترابا کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۲-عبیداللہ

یہ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی ہیں۔ان کے حالات کتاب الوتر، باب ليجعل آخر صلاته وتراً کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۳-نافع

یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابو عبداللہ نافع المدنی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب من أجاب السائل بأكثر مما سأل کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

(۱) عمدة القاري: ۱۵/ ۳

۴-ابن عمر رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب بُني الإسلام علی خمس کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۲)۔

ذهب فرسٌ له فأخذه العدوّ

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک گھوڑا بھاگ گیا، تو اسے دشمن نے پکڑلیا"۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ کشمیہنی کی روایت میں لفظ "ذهب" بجائے مذکر کے "ذهبت" صیغۂ مونث کے ساتھ اور لفظ "فأخذه" میں "ہ" ضمیر مذکر کے بجائے "ها" ضمیر مؤنث ضبط ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ "فرس" اسم جنس ہے، مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے (۳)۔ دونوں نسخوں میں کوئی تعارض نہیں، ایک روایت میں تذکیر کا اعتبار کیا گیا اور دوسری میں تانیث کا۔

فظهر عليه المسلمون فرد عليه في زمن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

مطلب یہ ہے کہ مسلمان دشمن پر غالب آئے تو وہ گھوڑا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس لوٹا دیا گیا۔

وأبق عبدٌ له فلحق بالروم، فظهر عليهم المسلمون، فرده عليه خالد بن وليد بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

یعنی اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک غلام بھاگ کر "روم" میں پناہ گزیں ہوا، جب مسلمانوں نے روم پر حملہ کیا، تو حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے غلام کو ان کے حوالہ کردیا، یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد کا واقعہ ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے کتاب الجهاد، باب في المال يصيبهُ العدوُّ من المسلمين

---

(۲) كشف الباري: ۱/۶۳۷، ۶۳۸

(۳) فتح الباري: ٦/٢٢٤، وعمدة القاري ۳/۱۵

ثم يدركه صاحبه في الغنيمة کے تحت، اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے كتاب الجهاد، باب ماأحرز العدوّ ثم ظهر عليه المسلمون کے تحت موصولاً روایت کیا ہے(۴)۔

حافظ ابو نعیم رحمہ اللہ نے بھی "المستخرج على البخاري" میں اس تعلیق کو عن محمد بن علی بن حُبیش عن القاسم بن زکریا بن زہیر بن سلام النسائی عن ابن نمیر کے طریق سے موصولاً روایت کیا ہے(۵)۔

(۲۹۰۳) : حدثنا محمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللّٰهِ قالَ : أَخْبَرَنِي نَافِعٌ : أَنَّ عَبْدًا لِأَبْنِ عُمَرَ أَبَقَ فَلَحِقَ بِالرُّومِ فَظَهَرَ عَلَيْهِ خالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَرَدَّهُ عَلَى عَبْدِ ٱللّٰهِ ، وَأَنَّ فَرَسًا لِأَبْنِ عُمَرَ عارَ فَلَحِقَ بِالرُّومِ ، فَظَهَرَ عَلَيْهِ فَرَدُّوهُ عَلَى عَبْدِ ٱللّٰهِ .

تراجم رجال

۱-محمد بن بشار

یہ مشہور محدث محمد بن بشار بن عثمان عبدی بصری ہیں، ان کے حالات كتاب العلم، باب ماكان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كئى لاينفرو کے تحت تفصیل سے گزر چکے ہیں(۶)۔

۲-یحییٰ

یہ مشہور امام حدیث یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان تمیمی ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحبّ لأخيه مايحبّ لنفسه کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۷)۔

عبید اللہ اور نافع کا حوالہ روایت کی پہلی سند کے تحت گزر چکا ہے۔

---

(٤) سنن أبي داود: ١٢/٢، (رقم ٢٦٩٩)، وسنن ابن ماجه، ص: ٢٠٤، كتاب الجهاد، باب ماأحرز العدو ثم ظهر عليه المسلمون.

(٥) تغليق التعليق للحافظ ابن حجر: ٤٦٢/٣

(٦) كشف الباري: ٢٥٨/٣-٢٦١

(٧) كشف الباري: ٢/٢، ٣

أن عبداً لابن عمر أبق ....

یہ ترجمۃ الباب کی پہلی روایت کا دوسرا طریق ہے، اس میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک غلام بھاگ کر روم چلا گیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس کر دیا، اور (اسی طرح) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک گھوڑا ابدک گیا اور روم میں داخل ہوا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑا تو اہل اسلام نے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس لوٹا دیا۔

فردّوه على عبدالله

صحیح بخاری کے دوسرے نسخہ میں صیغہ جمع کے بجائے "فردہ" مفرد وارد ہوا ہے (۸)، اگر جمع کا صیغہ ہو جیسا کہ مذکورہ روایت میں ہے تو اس کا ترجمہ ہوگا "مسلمانوں نے وہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس کردیا"۔ اگر مفرد کا صیغہ ہو تو پھر ظاہر ہے "فـــردّہ" میں ضمیر فاعل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹے گی۔

قالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ : عارَ مُشْتَقٌّ مِنَ العَيْرِ ، وَهُوَ حِمارُ وَحْشٍ ، أَيْ هَرَبَ .

ابوعبداللہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کنیت ہے، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ "عار" کی تفسیر کی ہے کہ یہ "عَیر" سے مشتق ہے، عیر حمارِ وحشی کو کہتے ہیں۔ عـارَ کے معنی امام بخاری رحمہ اللہ نے "هَـرَبَ" سے کئے ہیں، یہ لفظ "بھاگنے" اور "فرار" ہونے کے معنی میں ہے۔

صاحب "مختار الصحاح" امام محمد بن ابوبکر رازیؒ نے فرمایا: "عـار الـفـرسُ : انـفـلـت وذهب ههنا وههنا" (۹)۔ "گھوڑا ابدکا اور مستی میں اِدھر اُدھر بھاگا"۔ یہی معنی امام خلیل نے بھی کئے ہیں (۱۰)۔

شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاریؒ فرماتے ہیں کہ "صحیح بخاری" کے ایک نسخہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ

---

(۸) تحفة الباري بشرح صحيح البخاري لشيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصاري: ۳/۵۲۰

(۹) "مختار الصحاح" للإمام محمد بن أبي بكر الرازي، ص: ۵٦۲

(۱۰) فتح الباري: ٦/۲۲۵

تفسیری قول ساقط ہے (۱۱)۔

(۲۹۰۴) : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا : أَنَّهُ كانَ عَلَى فَرَسٍ يَوْمَ لَقِيَ الْمُسْلِمُونَ ، وَأَمِيرُ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ خالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بَعَثَهُ أَبُو بَكْرٍ ، فَأَخَذَهُ الْعَدُوُّ ، فَلَمَّا هُزِمَ الْعَدُوُّ رَدَّ خالِدٌ فَرَسَهُ .

تراجم رجال

۱-احمد بن یونس

یہ ابوعبداللہ احمد بن یونس بن عبداللہ بن قیس تمیمی یربوعی کوفی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب من قال ان الإیمان هو العمل کے تحت گزر چکے ہیں (۱۳)۔

۲-زہیر

یہ زہیر بن معاویہ بن حُدیج بن الرُحَیل بن زہیر بن خیثمہ جعفی کوفی ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب الصلوة من الإیمان کے تحت گزر چکے ہیں (۱۴)۔

۳-موسیٰ بن عقبہ

یہ صاحب المغازی موسی بن عقبہ الاسدی المدنی ہیں، ان کے حالات کتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

۳،۴-عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما

ترجمۃ الباب کی پہلی روایت کے تحت دونوں راویوں کا حوالہ گزر چکا ہے۔

---

(۱۱) تحفة الباري: ۳/۵۲۰

(۲۹۰۴) ترجمۃ الباب کی پہلی روایت کے تحت اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۱۳) كشف الباري: ۲/۱۵۹

(۱٤) كشف الباري: ۲/۳٦۷، ۳۷۰

أنه كان على فرس يوم لقي المسلمون، وأمير المسلمين يومئذٍ خالد بن الوليد بعثه أبوبكر، فأخذهُ العدوُّ، فلما هُزِم العدوّ رَدَّ خالد فرسَه

''جس دن مسلمان (قتال کرنے کے لئے) کفار کے مقابل ہوئے، ابن عمر رضی اللہ عنہما گھوڑے پر سوار تھے، اس دن مسلمانوں کے امیر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، انہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (لشکر اسلام کا) امیر بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ (عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے) گھوڑے کو دشمن نے پکڑ لیا، جب دشمن پسپا ہوا تو خالد (ابن ولید رضی اللہ عنہ) نے انہیں ان کا گھوڑا واپس کر دیا''۔

يوم لقي المسلمون

صحیح بخاری کی اس روایت میں مفعول محذوف ہے۔ حافظ ابونعیم اور اسماعیلی رحمہما اللہ نے اپنی سند سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں مفعول مذکور ہے، چنانچہ روایت اسماعیلی رحمہ اللہ نے "عن محمد بن عثمان بن أبي شيبة عن أحمد بن يونس" کے طریق سے اور ابونعیم نے "أحمد بن يحيٰ الحلواني" کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں ہے:

"يوم لقي المسلمون طيئاً وأسداً"(١٥)۔

یعنی: ''جس دن مسلمان قتال کے لئے قبیلہ ''طے'' اور ''اسد'' سے ملے''۔

اسماعیلی اور ابونعیم رحمہما اللہ کے انہی طرق میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے گھوڑے کا دشمن کی تحویل میں آنے کی وجہ بھی مذکور ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

"فاقتحم الفرس بعبد الله بن عمر جرفاً فصرعه وسقط ابن عمر فعار الفرس"(١٦)۔

مطلب یہ ہے کہ گھوڑا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو لے کر ''جرف'' میں کود پڑا اور انہیں پچھاڑ دیا، جس کے نتیجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما گر گئے اور گھوڑا بدک کر بھاگ نکلا۔

---

(١٥) فتح الباري: ٦/٢٢٥

(١٦) فتح الباري: ٦/٢٢٥

باب کی روایات میں تعارض اور ان کی تطبیق

روایات میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھوڑے کا جو واقعہ منقول ہے، کب پیش آیا؟

اس سلسلے میں ترجمۃ الباب کی پہلی اور تیسری روایت میں تعارض ہے۔ پہلی روایت میں ہے گھوڑے کا واقعہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہوا، اور غلام کا واقعہ اس کے بعد۔ اسی روایت کے دوسرے طریق میں ہے کہ دونوں واقعات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد سے متعلق ہیں۔ چونکہ اس دوسرے طریق میں "فرس" اور "عبد" دونوں سے متعلق "فلحق بالروم" کے الفاظ مروی ہیں، اور جیسا کہ تیسری روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روم پر حملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا، اس لئے دوسری روایت کو تیسری روایت کے تناظر میں دیکھا جائے، تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ "فرس" اور "عبد" کے واقعات رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیش آئے۔ جب کہ تیسری روایت، پہلی روایت سے متعارض ہے۔ یہ روایت پہلے طریق کے برعکس ہے۔ پہلے طریق میں فرس کا واقعہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کا بیان کیا گیا ہے اور اس میں ہے کہ گھوڑے کے بدکنے کا واقعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوا۔

گویا تعارض دراصل ابن عمر رضی اللہ عنہما کے "فرس" والے واقعہ کی تاریخ کے تعین میں ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ باب کی پہلی روایت یعنی ابن نمیر کے طریق کو ترجیح دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس طریق کی متابعت اسماعیل بن زکریا رحمہ اللہ نے بھی کی ہے کہ "فرس" کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں پیش آیا (۱۷)۔

یہی رائے علامہ داوٗدی رحمہ اللہ کی بھی ہے کہ "فرس" کا واقعہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں "غزوۂ موتہ" میں پیش آیا (۱۸)۔

پہلی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے علامہ داوٗدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت کی سند میں عبیداللہ

---

(۱۷) إرشاد الساري للقسطلاني: ۵/۱۷۹

(۱۸) إرشاد الساري: ۵/۱۷۹، وأوجز المسالك للمحدث زكريا الكاندهلوي: ۸/۵۴۴

راوی نافع سے حدیث روایت کرنے میں تیسرے طریق میں واقع ''موسیٰ بن عقبہ'' سے ''أثبت'' ہیں(۱۹)۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصویب کی ہے(۲۰)۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے کتاب الجهاد، باب ماأحرز العدوّ ثم ظهر عليه المسلمون" کے تحت "عن علي بن محمد عن عبدالله بن نمير عن عبيدالله عن نافع عن ابن عمر" کے طریق سے جو روایت ذکر کی ہے، اس میں ہے:

"قال ذهبت فرس له فأخذها العدوّ وظهر عليهم المسلمون فرد عليه في زمن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ......"(۲۱).

انہوں نے باب کے تحت یہی ایک طریق ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے، دوسرے طرق کو ذکر نہیں کیا، اس صنیع سے ان کا رجحان بھی متعین ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی راجح یہی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے "فرس" کا واقعہ عہدِ نبوت میں پیش آیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے اس کا تعلق نہیں۔ واللہ أعلم۔

حكم ما أحرز العدوّ ثم ظهر عليه المسلمون

ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو فقہی مسئلہ ذکر فرمایا ہے، اب اس کی تفصیل دیکھو!

اگر اہل حرب دارالاسلام پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کی املاک و اموال پر قبضہ کر کے دارالحرب لے جائیں، پھر اہل اسلام دارالحرب پر حملہ کر کے وہ اموال دارالاسلام لے آئیں تو مسلمانوں میں سے ہر شخص حسبِ سابق اپنے متعین مال کا مالک ہوگا، یا وہ اموالِ غنیمت کے حکم میں آکر لاعلی التعیین سب میں تقسیم ہوگا؟

---

(۱۹) إرشاد الساري: ۵/۱۷۹، وأوجز المسالك: ۸/۲۸۵

(۲۰) أوجز المسالك: ۸/۲۷۵

(۲۱) سنن ابن ماجه، ص: ۲۰٤، كتاب الجهاد، باب ما أحرز العدوّ ثم ظهر عليه المسلمون

امام شافعی، ابوثور اور ابن منذر کا مسلک

ان حضرات کے نزدیک دارالاسلام پر غلبہ واستیلاء سے اہل اسلام کی املاک پر حربیوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب اہل اسلام دارالحرب پر حملہ کر کے ان املاک واموال کو دارالاسلام منتقل کریں، تو جو مال جس کی ملکیت تھا، وہ حسبِ سابق اس کی ملکیت میں رہے گا، ان اموال کا حکم مال غنیمت کا نہیں ہوگا (۲۲)۔

امام حسن، امام زہری اور عمرو بن دینار کا مسلک

ان حضرات کے نزدیک مسلمانوں کا چھینا گیا مال دارالحرب سے دارالاسلام منتقل ہونے کے بعد غانمین میں تقسیم کردیا جائے گا، یعنی دارالحرب پر حملہ آور ہونے والے مجاہدین ہی اس کے مستحق ہوں گے، پرانے مالک کا حق اس مال پر باقی نہیں رہے گا (۲۳)۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ مسلمانوں کے غلبہ واستیلاء سے جس طرح اہل شرک کا مال مسلمانوں کے لئے غنیمت بن جاتا ہے، اسی طرح متذکرہ مال بھی، جس پر اہلِ حرب کا غلبہ اور استیلاء ہوجائے وہ ان کی ملک ہوجاتا ہے لہٰذا مسلمانوں کے غالب آنے پر وہ بطورِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوگا (۲۴)۔

جمہور فقہاء کا مسلک

امام اعظم ابوحنیفہ، امام ثوری، امام اوزاعی، امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اہل حرب، دارالاسلام پر حملہ آور ہونے کی وجہ سے، مسلمانوں کے اموال کے مالک بن جائیں گے (۲۵)۔ لیکن جب دارالحرب پر حملہ کر کے اہل اسلام اپنے اموال چھین کر دارالاسلام منتقل کردیں، تو ان

(۲۲) الإستذكار لابن البرّ: ٥٤/٤، فتح الباري: ٢٢٤/٦، والمغني لابن قدامةؒ: ٤٨٢/١٠

(۲۳) المحلّى بالآثار لابن حزمؒ: ٣٥٥/٥، وشرح ابن بطالؒ: ٢٢٧/٥، وفتح الباري: ٢٢٤/٦، وأوجز المسالك: ٢٧١/٨

(۲٤) حوالة بالا

(۲٥) المغني لابن قدامة: ٤٧٥/١٠

حضرات کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔

اگر پرانے مالک نے مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اپنا متعین مال پالیا تو وہ اس کی ملکیت ہوگی، جب کہ غنائم کی تقسیم کے بعد، اپنے مال پر پرانے مالک کی ملکیت باقی نہیں رہے گی بلکہ وہ غانمین کی ملکیت ہوگی۔

البتہ ان حضرات کے نزدیک غنائم کی تقسیم کے بعد اگر پرانے مالک نے اپنا مال پالیا اور اس کی خواہش ہے کہ غانم کو قیمت کے عوض اس کا مال مل جائے تو پھر غانم کے مقابلہ میں اس کا زیادہ استحقاق ہے کہ قیمت کی ادائیگی کی صورت میں اسے وہ مال دے دیا جائے (۲۶)۔

اس صورت میں شریعت نے اصل مالک اور غانم دونوں کے مفاد کی رعایت ملحوظ رکھی ہے، چونکہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد پرانے مالک کی ملکیت اس کے مال پر باقی نہیں رہتی اور اس پر غنائم کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے، اس لئے اگر پرانا مالک اپنا مال بلاعوض لیتا تو غانم نقصان میں رہتا، اس بناء پر اپنا مال حاصل کرنے کے لئے پرانے مالک پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم قرار دی گئی، تاکہ اپنا مال لے کر مالکِ قدیم بھی فائدہ میں رہے اور غانم کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے (۲۷)۔

صحابہ کرام میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء بن ابی رباح، قاسم اور عروہ رحمہم اللہ کا مسلک بھی یہی ہے (۲۸)۔

ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد اپنے مال پر پرانے مالک کی ملکیت قطعاً نہیں رہتی، غانم ہی اس کا اصل مالک بن جاتا ہے (۲۹)۔

لیکن ''المغنی'' میں ہے کہ امام احمد کے نزدیک پہلی روایت معمول بہ ہے (۳۰)۔

---

(۲٦) المدوّنة الكبرىٰ: ۵۹۲/۲، والمغني لابن قدامة: ٤٧١/٢١، وعمدة القاري: ۳/۱۵، وردالمحتار على الدرالمختار: ۲۵۷/٦، وأوجز المسالك للشيخ زكريا الكاندهلويؒ: ۲۷۷/۸

(۲۷) ردالمحتار على الدرالمختار لابن عابدين الشاميؒ: ۲۵۷/٦

(۲۸) شرح ابن بطالؒ: ۲۲۷/۵، وعمدة القاري: ۱۵/۲

(۲۹) المغنى لابن قدامة: ٤٧١/٢١

(۳۰) المغني لابن قدامة: . . /: ٤٧

امام شافعیؒ، ابوثورؒ اور ابن منذرؒ وغیرہ کے دلائل اور ان کا رد

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا استدلال احادیث باب سے ہے، جن میں تصریح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کا گھوڑا اور غلام جو دارالحرب بھاگ نکلے تھے، واپس کر دیئے گئے تھے (۳۱)۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی "المحلّی بالآثار" میں ان روایات سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل اسلام کے مال و متاع پر مشرکین کی ملکیت ثابت ہی نہیں ہوتی، اس لئے دارالحرب سے مسلمانوں کا مال و متاع چھین کر دارالاسلام لانے کے بعد بہر صورت پرانے مالک کے حوالہ کر دیا جائے گا (۳۲)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ احادیث باب خود ان حضرات کے خلاف جمہور فقہاء کے لئے حجت ہیں، اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ترجمۃ الباب والی روایات میں اجمال ہے، چنانچہ موطا امام مالک میں اسی روایت کے آخر میں یہ تصریح بھی ہے:

"وذلك قبل أن يقاسم" (۳۳)۔

یعنی مجاہدین اسلام دارالحرب سے جو گھوڑا اور غلام چھین کر دارالاسلام لائے تھے، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے واپس کر دیئے گئے تھے۔

یہی روایات "عن رشدين عن يونس عن الزهري، عن سالم عن أبيه" کے طریق سے سنن دارقطنی میں بھی مروی ہے، اس میں ہے:

"من وجد ماله الفيئ قبل أن يقسم فهوله، ومن وجد بعد ماقسم فليس له شيء" (۳٤)۔

"مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے جس نے اپنا مال پالیا، وہ مال (بلاعوض) اس کی

---

(۳۱) إرشاد الساري للقسطلانيؒ: ٥٤٣/٦

(۳۲) المحلی بالآثار للعلامة لابن حزمؒ: ١٦٠/٥

(۳۳) مؤطا للإمام مالك رحمه الله (ص: ٤٩٩)، باب مايرد قبل أن يقع القسم لما أصاب العدو، وإعلاء السنن: ٣١١/١٢

(٣٤) سنن الدارقطني رحمه الله: ١١٣/٤

ملکیت ہے، لیکن غنیمت کی تقسیم کے بعد پانے کی صورت میں اسے کچھ بھی لینے کا حق نہیں''۔

مال غنیمت کی تقسیم کے بعد ملکیت باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عوض کی ادائیگی کے بغیر تو اپنے مال کا مالک نہیں رہے گا، لیکن عوض اور قیمت ادا کرنے کے بعد، غانم کے مقابلہ میں اپنے مال پر اس کا زیادہ حق ہوگا۔ اس کی تائید رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو آثار سے ہوتی ہے، جو آگے جمہور کے دلائل کے تحت آرہے ہیں۔

جمہور کے دلائل

❶ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ثوری، امام اوزاعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے، یہ روایت ''عن حسن بن عمارة عن الملك بن ميسرة عن طاوس عن ابن عباس رضي الله عنهما'' کے طریق سے منقول ہے، اس میں ہے:

''أن رجلا وجد بعيراً له كان المشركون أصابوه، فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : إن أصبتَه قبل أن يُقسَم فهو لك، وإن أصبتَه بعد ماقُسِم، أخذتَه بالقيمة''(٣٥)۔

یعنی: ''ایک شخص نے اپنا اونٹ پالیا، جسے مشرکین نے چھینا تھا (اور بعد میں مسلمانوں نے دارالحرب پر حملہ کرکے اسے مالِ غنیمت میں دوبارہ دارالاسلام لائے) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کرکے فرمایا: اگر یہ اونٹ تم نے مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے پایا ہو تو یہ تمہارا ہی ہے، اگر مال غنیمت کی تقسیم کے بعد پایا ہو تو پھر تم

---

(٣٥) الاستذكار للحافظ ابن عبدالبر رحمه الله: ٥٦/٤، و''المغني'' مع ذيله المسمىٰ بـ ''الشرح الكبير على المقنع لموفق الدين وشمس الدين ابني قدامة: ٤٦٩/١٠-٤٧١، كتاب الجهاد، حكم مالو أخذه أهل الحرب من أموال المسلمين وعبيدهم فأدركه صاحبه قبل قسمه فهو أحق به.

قیمت دے کر ہی لے سکتے ہو“۔

اس روایت کو امام دارقطنیؒ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے (۳۶)۔

جمہور کی دلیل پر کلام اور اس کا جواب

حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ جمہور کی متذکرہ دلیل پر سند کے حوالہ سے کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”وإسناده ضعيف“(۳۷)۔

دراصل اس روایت کی تضعیف، اس کی سند میں موجود راوی ”حسن بن عمارۃ“ کی وجہ سے کی گئی ہے۔

چنانچہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں ”لیس بشيء“ اور ابراہیم بن یعقوب جوزجانی سے ”ساقط“ کے الفاظ جرح منقول ہیں (۳۸)۔

ابن حزم رحمہ اللہ نے تو حسن بن عمارہ کو ضعیف باور کرانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے (۳۹)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کی تائید بیسیوں متابعات سے ہوتی ہے، اس بناء پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت کو ضعیف قرار دینا قرین انصاف نہیں۔

چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ حوالہ نقل فرمایا ہے کہ حسن بن عمارہ کے علاوہ مذکورہ روایت ”مسعر عن عبدالملک“ کے طریق سے مروی ہے، اس کی تائید یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

”سألت مسعرا عنه فقال: هو من حديث عبدالملك ولكن لا أحفظه“(٤٠).

---

(٣٦) نصب الراية للزيلعيؒ: ٤٣٤/٣، وأوجز المسالك إلى مؤطاء الإمام مالك: ١٧٥/٩، دار القلم دمشق

(٣٧) فتح الباري: ٢٢٤/٦، وارشاد الساري: ١٧٩/٥

(٣٨) عمدة القاري: ٣/١٥

(٣٩) تفصیل کے لئے دیکھئے: المحلى بالآثار لابن حزمؒ: ٣٥٧/٥

(٤٠) عمدة القاري: ٤/١٥

اسی طرح امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

روی عن یحییٰ بن سعید أنه سأل عنه فقال: هو من رواية عبدالملك عن طاؤوس عن ابن عباس رضي الله عنهما"(٤١)۔

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حسن بن عمارہ، جن پر ضعف کا الزام لگایا گیا، مذکورہ روایت کو نقل کرنے میں متفرد نہیں۔ بلکہ بیسیوں متابعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "الجوهر النقي" کے حوالہ سے ابن عدی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

"وقد روى هذا الحديث عن مسعر عن عبدالملك"(٤٢)۔

آگے علامہ عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وهذه متابعة جيدة قوية وتابعه إسماعيل بن عياش فرواه عن عبدالملك بن ميسرة، كما في المحلّى"(٤٣).

نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اس کی متابعت "عن أبي يوسف القاضي عن الحسن بن عمارة عن الحكم بن عتبة عن مقسم" کے طریق سے کی ہے۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ اس متابعت کے متعلق فرماتے ہیں:

"هكذا وجدتُه عن أبي يوسف عن الحسن بن عمارة عن الحكم بن عتبة، ورواه غيره عن الحسن بن عمارة عن عبدالملك"(٤٤).

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فقیہ اور مجتہد تھے، روایت حدیث میں ان کی ثقاہت و درایت بھی مسلم ہے۔ مذکورہ روایت سے ان کا استدلال کرنا اس روایت کی صحت کی دلیل ہے۔ پھر مسعر اور اسماعیل بن عیاش کی متابعت بجائے خود حسن بن عمارہ کی روایت کی صحت پر صریح دلیل ہے۔ چنانچہ اس اصول پر تمام محدثین متفق ہیں

---

(٤١) عمدة القاري: ٤/١٥

(٤٢) إعلاء السنن: ٣١٠/١٢

(٤٣) إعلاء السنن: ٣٠١/١٢، والمحلى بالآثار لابن حزم: ٣٥٧/٥

(٤٤) نصب الراية للزيلعي رحمه الله: ٤٣٦/٣، وإعلاء السنن: ٣١٠/١٢

کہ جب کسی ضعیف روایت کی متابعت دوسری ضعیف یا اس سے اقوی روایت سے ہو تو وہ حدیث ضعیف نہیں رہتی "قوی" کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

احناف یا جمہور فقہاء کے استدلال کی تضعیف حسن بن عمارہ کی وجہ سے کی گئی ہے، اس کی تردید کے لئے متعدد متابعات ذکر کر دی گئیں، انہی حسن بن عمارہ کی بعض حضرات نے توثیق بھی کی ہے، مثلاً محمد بن اسحاق رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "حدثني من لا أتهم" (٤٥).

❷ جمہور فقہاء کا دوسرا استدلال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے، یہ اثر مصنف عبدالرزاق میں "عن محمد رائد عن مكحول عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه" کے طریق سے روایت کیا گیا ہے، اس میں ہے:

"أنه إن أدرك قبل القسمة ردّ إلى صاحبه بغير ثمن، وإن لم يدرك إلا بعد القسمة فصاحبه أحق به بقيمته" (٤٦)۔

اگر اس نے تقسیم (غنیمت) سے پہلے اپنا مال پایا، تو اس کے مالک کو یہ مال بلا قیمت لوٹا دیا جائے، تاہم اگر تقسیم کے بعد پایا، تو پھر اس مال پر اس کا حق، قیمت ادا کرنے کی صورت میں برقرار رہے گا۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے "المحلّی" میں اس اثر کے تین اور طرق بھی ذکر کئے ہیں (۴۷)۔

❸ جمہور کا تیسرا استدلال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے، جسے امام طحاوی اور امام دارقطنی رحمہما اللہ نے "عن رجاء بن حيوة عن قبيصة بن ذويب" کے طریق سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، اس میں ہے:

"أن عمر رضي الله عنه قال: فيما أحرزه المشركون فأصابه

---

(٤٥)

(٤٦) المحلّى بالآثار لابن حزمؒ: ٣٥٤/٥، كتاب الجهاد، اختلاف الناس في مال المسلم يجده في غنيمة

(٤٧) المحلّى بالآثار لابن حزمؒ: ٣٥٤/٥

المسلمون فعرفه صاحبه قال إن أدركه قبل أن يقسم فهوله، وإن جرت فيه السهام فلا شيئ له"(٤٨).

مطلب یہ ہے کہ جو مال مشرکین نے چھینا اور مسلمانوں نے اسے (جہاد میں دوبارہ) حاصل کرلیا، بعد میں اصل مالک نے اپنا مال پہچان لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے تقسیم سے پہلے یہ مال پایا، تب تو یہ اس کا حق ہے ورنہ اگر مجاہدین میں حصے تقسیم ہوئے تو پھر اس کا کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔

یہ محض ایک اتفاق ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اثر میں یہ تصریح نہیں فرمائی کہ اپنے مال کی قیمت ادا کرنے کے بعد غانم کے مقابلہ میں پرانا مالک ہی زیادہ حق دار ہے۔ ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اول الذکر اثر میں اس کی تصریح آچکی ہے۔ ان کے ایک اور اثر میں بھی یہ تصریح موجود ہے، یہ اثر آگے آرہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر اشکال اور اس کا جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس دوسرے اثر کی سند میں راوی "قبیصہ بن ذؤیب" پر کلام کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع اور لقاء (ملاقات) ثابت نہیں (۴۹)۔ چنانچہ ابوسہیل رحمہ اللہ نے اس اثر کو مرسل قرار دیا ہے (۵۰)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اثر موصول ہے چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ "الاستیعاب" میں لکھتے ہیں کہ قبیصہ بن ذؤیب کی پیدائش ایک روایت میں فتح مکہ کے دن اور ایک روایت میں ہے کہ ہجرت کے پہلے سال ہوئی (۵۱)۔ روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی (۵۲)، اس لئے

---

(٤٨) عمدة القاري: ١٥/٤، وإعلاء السنن: ٣١٢/١٢

(٤٩) عمدة القاري: ١٥/٤

(٥٠) إعلاء السنن: ٣١٢/١٢

(٥١) الاستيعاب لابن عبدالبر على هامش الإصابة لابن حجر: ٢٥٥/٣، وتهذيب التهذيب: ٣٤٧/٨

(٥٢) الاستيعاب على هامش "الإصابة": ٢٥٦/٣، وتهذيب التهذيب لابن حجر: ٣٤٧/٨

ابن شاہین نے فرمایا کہ یہ صحابی تھے (۵۳)، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تہذیب التہذیب'' میں ابن قانع کا یہ قول ان کے بارے میں نقل کیا ہے: "لــه رؤية" (٥٤)۔ اس سے بھی قبیصہ بن ذویب کے صحابی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ابوبکر صدیق، ابودرداء، حضرت عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ سے انہوں نے حدیث کا سماع کیا، اوران سے روایات لیں (۵۵)۔

مذکورہ دلائل کی روشنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبیصہ بن ذویب کی ملاقات ممکن ہے، محدثین کے نزدیک سند کے اتصال کے لئے راوی اور مروی عنہ کے زمانہ کا ایک ہونا بھی کافی ہے (۵٦)، امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ''صحیح مسلم'' کے مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ اتصالِ سند کے لئے ''امکانِ لقاء'' کافی ہے (۵۷)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بفرض المحال ان کی ملاقات ثابت نہ بھی ہو تب بھی اصولِ حدیث کی رو سے یہ اثر موصول ہے، اس لئے کہ جب حضرت ابوبکر اور ابودرداء رضی اللہ عنہما سے قبیصہ بن ذؤیب کی ملاقات ثابت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات کا امکان اور دونوں کے زمانہ کا ایک ہونا بالکل بدیہی بات ہے۔

دوسرا جواب علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ قبیصہ بن ذؤیب کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہ ہو، تب بھی مذکورہ روایت ''مرسل'' قرار پا کر معمول بہ بن سکتی ہے۔ اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ایک اور اثر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے:

"عـن رجـاء بـن حيوة أن ابن عبيدة رضي الله عنهما كتب إلى عمر بـن الـخطاب –رضي الله عنه– في هذا فقال: من وجد ماله بعينه فهو أحق به بـالثمن الذي حسب على من أخذه، وكذلك إن بيع ثم قسم منه فهو أحق به بالثمن" (٥٨).

---

(٥٣) إعلاء السنن: ١٢/ ٣١٢

(٥٤) تهذيب التهذيب لابن حجرؒ: ٨/ ٣٤٧

(٥٥) تهذ. ب الكمال في أسماء الرجال للحافظ المزي: ٢٣/ ٤٧٧، وتهذيب التهذيب: ٨/ ٣٤٦

(٥٦) تدريب الراوي في شرح تدريب النووي: ١/ ٢١٥

(٥٧) مقدمة صحيح مسلم: ١/ ٢١، ٢٢

(٥٨) عمدة القاري: ١٥/ ٣

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قوی جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ''تدریب الراوی'' میں علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ جب ''مرسل'' کی تائید ''مسند'' روایت سے یا دوسری ایسی ''مرسل'' روایت سے ہو جس کے راوی پہلی مرسل سے مختلف ہوں تو ایسی دونوں روایات ''صحیح'' کا درجہ پالیتی ہیں، یہاں تک کہ ان دونوں کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث معارض ہو جائے، تو ان دونوں کو ترجیح حاصل ہوگی اور صحیح روایت مرجوح ہوگی۔ چنانچہ قبیصہ کی مذکورہ روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین واسطوں سے نقل کی ہے اور ایک ایک کر کے دو مختلف واسطوں سے عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کی ہے، یوں کل پانچ مراسیل بن جاتے ہیں۔ گویا ایک ہی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پانچ واسطوں سے منقول ہے، اور ہر مرسل دوسرے کے لئے مؤید ہے (۵۹)۔

اس صورت میں اگر قبیصہ کی روایت مرسل تسلیم بھی کر لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کہ اصول حدیث کی رو سے صحیح روایت بھی جو اس کے معارض ہو، مرجوح ہوگی۔

مکاتب، مدبرّ اور ام الولد کا حکم

یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اسی مال میں جسے اہل حرب نے چھینا اور اہل اسلام نے اسے حملہ کر کے دوبارہ حاصل کر لیا، مکاتب، مدبر اور ام الولد بھی شامل ہوں، تو ان کا کیا حکم ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔

امام مالک، امام احمد اور امام ثوری کا مسلک

امام مالک، امام احمد اور امام ثوری رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک مسلمانوں کے عام اموال کی طرح، مکاتب، مدبر اور ام الولد پر بھی غلبہ واستیلاء سے مشرکین اہل حرب کی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ عام اموال کی طرح مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے تو پرانے مالک کو واپس لوٹا دیئے جائیں گے، لیکن تقسیم کے بعد صرف اس صورت میں انہیں مالک قدیم کو واپس لوٹانا جائز ہوگا، جب وہ ان کی قیمت یا عوض ادا کرے (۶۰)۔

---

(۵۹) إعلاء السنن: ۳۱۲/۱۲

(۶۰) المغني والشرح الكبير للإمامين موفق الدين وشمس الدين ابني قدامة: ۴۷۴/۱۰

ان کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

"عن قتادة أن مكاتبا أسره العدوّ فاشتراه رجل، فسأل بن قرواش عنه علـيّ بـن أبي طالب -رضي الله عنه- فقال له علي رضي الله عنه: إن أفتكه سيده فهو على كتابته وإن أبى أن يفتكه فهو للذي اشتراه" (٦١)۔

''دشمن نے ایک مکاتب کو قید کرلیا تھا، جسے ایک آدمی نے خرید لیا۔ بکر بن قرواش نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس معاملے کی نوعیت کا شرعی حکم پوچھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر آقا نے اس مکاتب کو دشمن کی قید سے آزاد کرایا ہے تو وہ حسبِ سابق اس کا مکاتب رہے گا، اگر آقا نے ایسا نہیں کیا اور رہائی سے انکار کیا تو پھر مکاتب کو خریدنے والا ہی اس کا مالک ہوگا''۔

احناف کا مسلک

احناف کے نزدیک مکاتب، مدبر اور اُم الولد عام اموال کے حکم میں نہیں، شرعاً یہ تینوں ''آزاد'' کے حکم میں ہیں، جن پر عام اموال کی طرح مشرکینِ اہل حرب کی ملکیت غلبہ واستیلاء سے قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے عام اموال کے برعکس تینوں میں سے ہر ایک پر پرانے مالک کی ملکیت بہرصورت برقرار رہتی ہے۔ مال غنیمت کی تقسیم سے اس کی ملکیت ختم نہیں ہوجاتی، لہذا مالِ غنیمت چاہے تقسیم ہوا ہو یا نہیں ہوا ہو، مکاتب، مدبر اور ام الولد پرانے مالک کی ملکیت کے تحت رہیں گے (۶۲)۔

احناف کا استدلال

احناف کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے۔ چنانچہ سنن سعید بن منصور کی روایت ہے:

"حـدثـنـا عثمان بن مطر الشيباني حدثنا أبوحريز عن الشعبي، قال:

(٦١) أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه انظر المحلى بالآثار لابن حزم: ٣٥٣/٥

(٦٢) أوجز المسالك: ٢٨٠/٨-٢٨٤، وردالمحتار على الدر المختار: ٢٥٩/٦، كتاب الجهاد

أغـار أهـل "مـاه" وأهـل "جـلـولاء" عـلـى العرب، فأصابوا سبايا من العرب، ورقيـقـا، ومتـاعـاً، ثـم إن السـائـب بـن الأقرع عامل عمر -رضي الله عنه- غـزاهـم فـفـتـح "مـاه" وكتب إلى عمر -رضي الله عنه- في سبايا للمسلمين ورقيـقهـم ومتـاعهـم قد اشتراه التجار من أهل "ماه". فكتب إليه: أن المسلم أخـو الـمسـلـم لايـخـونـه ولايخذله، فأيّما رجل من المسلمين أصاب رقيقه ومتـاعه بعينه فهو أحق به، وإن أصابه في أيدي التجار بعد ما أقتسم فلا سبيل إليه، وأيـما حُرّ اشتراه التجار فإنه يردّ عليهم رؤوس أموالهم فإن الحر لايباع ولايشترى"(٦٣)۔

روایت میں ہے کہ اہل ''ماہ'' اور ''جلولاء'' جزیرۃ العرب پر حملہ آور ہوکر عرب کے قیدی، غلام اور مال ومتاع کولوٹ کر لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سائب بن اقرع کوامیر لشکر بنا کر، ان کے خلاف جنگ کی مہم پر روانہ فرمایا، انہیں فتح ہوئی تو مسلمانوں کے جن قیدیوں، غلاموں اور مال ومتاع کو تاجروں نے اہل ''ماہ'' سے خریدا تھا، حضرت سائب بن اقرع رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استفسار نامہ ارسال کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا: ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس سے خیانت کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، جو مسلمان اپنا غلام یا مال واسباب پائے، وہی ان کا اصل مستحق ہے، اگر وہ یہ اسباب واموال مال غنیمت کی تقسیم کے بعد تاجروں کے پاس پائے، تو پھر اس کے پاس ان کے حصول کی کوئی راہ نہیں۔ ہاں البتہ اگر تاجروں نے ''احرار'' کو خرید لیا ہے تو ان (تاجروں) کو ان کی رقم واپس کردی جائے (اور ''احرار'' ان سے واپس لئے جائیں) اس لئے کہ ''آزاد'' (حر) کی خرید وفروخت جائز نہیں''۔

---

(٦٣) أخرجه سعيد بن منصور في سننه: ٢/ ٢٨٨، ٢٨٩، دارالكتب العلمية بيروت

وإن أصابه في أيدي التجار بعد ما اقتسم فلا سبيل له

یعنی مال غنیمت کی تقسیم کے بعد جب پرانا مالک اپنا مال ومتاع اور غلام وغیرہ تاجروں کے پاس دیکھے، تو پھر اس کے پاس ان کے حصول کا کوئی راستہ نہیں۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مال کی قیمت ادا نہیں کرے گا تو اس صورت میں اسے کچھ نہیں دیا جائے گا، ورنہ تاجروں کو مال کی قیمت ادا کرنے کے بعد تو وہ بہرصورت زیادہ حق دار ہے۔ جیسا کہ پیچھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ایک اثر میں اس کی تصریح موجود ہے۔

یہاں زیر بحث مسئلہ میں احناف کا استدلال دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر میں "فإن الحرّ لا يُباع ولا يُشترى" سے ہے۔ چونکہ حریت اور آزادی کی علت مدبر، مکاتب اور ام الولد میں موجود ہے اس لئے غلبہ واستیلاء سے، ان پر حربیوں کی ملکیت قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے جب اہل اسلام دارالحرب پر حملہ آور ہونے کے نتیجہ میں انہیں حربیوں سے چھین کر دوبارہ دارالاسلام لائیں گے، تو پرانے مالک ہی ان کے لینے کے مستحق ہوں گے (۶۴)۔

امام مالک، امام احمد اور ابوثور کے استدلال کا رد

ان کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے تھا کہ اگر مکاتب کے آقا نے اسے رہا کرایا تو وہ بدستور مکاتب رہے گا، ورنہ بصورت دیگر مکاتب کو خریدنے والا ہی اصل مالک ہوگا۔

اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وهو محمول عندنا على أن مولاه إن لم يفتكه، فللذي اشتراه أن يحبسه عنده حتى يستوفي ثمنه بدليل...... أن "الحر لايباع ولايشترى" والمكاتب والمدبر وأم الولد في حكم الحر، لايباع أحد منهم ولا يشترىٰ"(٦٥).

---

(٦٤) إعلاء السنن: ١٢/ ٣١٩

(٦٥) إعلاء السنن: ١٢/ ٣١٨

یعنی: ''ہمارے نزدیک یہ اثر اس صورت پر محمول ہے کہ جب آقا مکاتب کو رہا کرانے سے انکار کردے، تو پھر اسے خریدنے والا صرف اتنے عرصہ کے لئے اپنی خدمت کے لئے روکے رکھے جس سے وہ قیمت پوری ہو جائے جو اسے خریدتے ہوئے ادا کی تھی، اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے کہ آزاد کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ مکاتب، مدبر اور ام الولد بھی آزاد کے حکم میں ہیں، اس لئے ان میں سے کسی کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی''۔

عبد آبق کا حکم

اسی مسئلہ کے ذیل میں فقہاء نے ''عبد آبق'' کا حکم بھی بیان کیا ہے۔

عبد آبق کے حکم میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عبد آبق مکاتب، مدبر اور ام الولد کے حکم میں ہے۔ اس لئے دار الحرب بھاگنے کے بعد مولا کی ملکیت ختم ہونے کی وجہ سے عبد آبق آزاد غلام کی طرح کسی کا مملوک نہیں بن سکتا۔ یہی قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے (٦٦)۔

صاحبین کا مسلک

قاضی ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عبد آبق کا حکم عام اموال واملاک کی طرح ہے۔ اس لئے ان حضرات کے نزدیک غلبہ واستیلاء کے ذریعہ اہل حرب، عبد آبق کے مالک ہوں گے۔ چنانچہ جب اہلِ اسلام، دار الحرب پر حملہ کرکے، اسے پکڑ کر ساتھ لائیں تو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے پرانا مالک قیمت ادا کئے

---

(٦٦) إعلاء السنن: ١٢/٣٢٠، والمغني لابن القدامة: ١٠/٤٧٧ (رقم الفصل: ٧٥٤٧)

بغیر اسے لینے کا مجاز ہوگا۔ البتہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد اس کا استحقاق قیمت کی ادائیگی سے مشروط ہوگا(٦٧)۔

یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ہے، ''المدونہ'' میں ہے کہ ان کے نزدیک عبد آبق اور غیر آبق، دونوں کا ایک حکم ہے(٦٨)۔

حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے، چنانچہ ''المغنی'' میں ہے:

"ولنا أنه مال لو أخذوه من دار الإسلام ملكوه، فإذا أخذوه من دار الحرب ملكوه كالبهيمة"(٦٩).

امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال جامع ترمذی اور سنن ابوداود میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

"عن ربعي بن حراش عن علي رضى الله عنه قال: خرج عبدان إلى رسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم -يعني يوم الحديبية قبل الصلح- فكتب إليه مواليهم فقالوا: يامحمد! والله ما خرجوا إليك رغبة دينك، وإنما خرجوا هربا من الرّق، فقال ناسٌ: صدقوا يا رسول الله، ردّهم إليهم، فغضب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبىٰ أن يردهم، وقال: هم عتقاء الله عزوجل"(٧٠).

---

(٦٧) أوجز المسالك للكاندهلويؒ: ٨/٢٧٧، وإعلاء السنن: ١٢/٣١٧، ٣١٨

(٦٨) المدونة الكبرىٰ: ٢/٥٩٤، كتاب الجهاد، باب في الرجل يعرف متاعه وعبيده قبل أن يقعوا في المقسم، وأوجز المسالك إلى موطأ الإمام مالك: ٩/١٧٧، دمشق دار القلم

(٦٩) المغني لابن قدامة: ١٠/٤٧٧، (رقم الفصل ٧٥٤٧)

(٧٠) أخرجه أبوداود في سننه، كتاب الجهاد، باب في عبيد المشركين يلحقون بالمسلمين فيسلمون (رقم ٢٧٠٠)، والترمذي في جامعه: ٢/٢١٣، كتاب المناقب، باب مناقب علي رضى الله عنه (رقم ٣٧١٦)

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے، دو غلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے، دونوں کے موالی نے آپ کے نام یہ خط لکھ بھیجا، ''بخدا! یہ آپ کے پاس آپ کے دین کی طرف رغبت کی وجہ سے نہیں آئے، بلکہ غلامی سے فرار ہو کر آئے ہیں''۔ لوگوں نے عرض کی، ''یا رسول اللہ! یہ سچ کہتے ہیں، یہ غلام انہیں واپس کر دیجئے''۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سن کر براوختہ ہوئے اور انہیں واپس بھیجنے سے انکار کیا اور فرمایا، ''انہیں اللہ عزوجل نے آزادی دی ہے''۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تائید میں اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جب دار الحرب سے دار الاسلام آنے والا غلام، مسلمانوں کے زیر ملکیت آ کر غلام نہیں بنایا جا سکتا، تو دار الاسلام سے دار الحرب بھاگنے والا کسی مسلمان کا غلام بطریق اولیٰ مشرکین اہل حرب کی ملکیت کے تحت نہیں آ سکتا (۷۱)۔

صاحبین کا استدلال اور اس کا رد

صاحبین کی رائے تھی کہ عبد آبق عام اموال کے حکم میں ہے، ان کا استدلال مصنف بن أبی شیبہ کی اس روایت سے ہے:

"أن أمة لرجل مسلم أبقت إلى العدوّ، فغنمها المسلمون، فعرفها أهلها، فكتب فيها أبو عبيدة بن الجراح إلى عمر، فكتب إليه عمر: إن كانت لم تخمس ولم تقسم فهي ردّ على أهلها، وإن كانت قد خمست وقسمت فامضها لسبيلها"(۷۲).

روایت میں ہے کہ ایک مسلمان کی باندی دشمن کے پاس بھاگ گئی، جب وہ اہل اسلام کو مال غنیمت میں ملی، تو اسے مالک نے پہچان لیا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ

(۷۱) إعلاء السنن: ۱۲/۳۲۰

(۷۲) المحلّی بالآثار لابن حزم رحمه الله: ۵/۳۵۴

عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط روانہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

''اگر خمس اور مال غنیمت تقسیم نہیں ہوا ہو تو یہ باندی اپنے آقا کے حوالہ کر دی جائے، اگر خمس اور مال غنیمت تقسیم ہوا ہو تو پھر اس کے ساتھ جو ہونا ہے، اسے اس حالت میں رہنے دو''۔ یعنی مال غنیمت کی تقسیم میں وہ جس کے حصہ میں آئے، اسی کے پاس رہنے دی جائے۔

لیکن اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں جس باندی کا واقعہ ذکر ہے، وہ اپنے آقا کے گھر سے بھاگ نکلی تو حربی اسے دارالاسلام کے اندر ہی پکڑ کر دارالحرب لے گئے تھے، چونکہ دارالاسلام میں اس کی حیثیت باندی کی تھی، آزاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے اس پر اہل حرب کی ملکیت کا اعتبار کیا گیا (۷۳)۔

روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ باندی دارالحرب چلی گئی تھی، اس صورت میں یہ اپنے آقا کی ملکیت سے نکل کر آزاد ہو جاتی اور اس پر اہل حرب کی ملکیت، حریت کی علت پائے جانے کی وجہ سے ثابت نہ ہوتی۔

۱۸٤ – باب : مَنْ تكَلَّمَ بِالْفَارِسِيَّةِ وَالرَّطَانَةِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن بطال، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل حرب کو، انہی کی زبان میں امان دی جائے تو اس کا بھی اعتبار ہوگا۔ یعنی امان دینے کے لئے عربی زبان میں بات کرنا شرط نہیں، عجمی زبان بھی بولی جا سکتی ہے (۱)۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کتاب الجہاد کے اندر یہ ترجمہ قائم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اکنافِ عجم سے آنے والے سفیروں اور قاصدوں سے تبادلۂ خیال کرنے کے لئے عرب مسلمانوں کو فارسی میں گفتگو کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ اس لئے انہیں فارسی زبان سیکھنی چاہیے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عجمی زبان سیکھنے کا حکم دیا (۲)۔

---

(۷۳) إعلاء السنن: ۱۲/۲۱۸، و۳۲۰

(۱) شرح ابن بطال: ۵/۲۳۱، وعمدة القاري: ۱۵/۹، وفتح الباري: ٦/۲۲٦

(۲) إرشاد الساري للقسطلاني: ۵/۱۸۱

بالفارسية: یعنی قوم فارس کی زبان، قوم فارس کے جد اعلیٰ کا نام ''فارس بن کومرس'' تھا۔ اس لئے ان کی زبان کو فارسی کہا جاتا ہے (۳)۔

کومرس کون تھا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں:

۱- یہ سام بن نوح کی اولاد سے تھا۔

۲- ایک قول یہ ہے کہ یافث بن نوح کی اولاد سے تھا۔

۳- بعض حضرات نے کہا کہ کومرس، حضرت آدم علیہ السلام کی کوکھ سے پیدا ہوا۔

۴- چوتھا اور آخری قول یہ ہے کہ کومرس درحقیقت خود حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ (واللہ اعلم) (۴)۔

کومرس کے سترہ بیٹے تھے، سب بہادر، شجاع اور بے مثل فارس (شہسوار) تھے۔ اس وجہ سے پوری قوم کا نام ''فارس'' پڑ گیا (۵)۔

لیکن اس توجیہ کو مخدوش قرار دیتے ہوئے حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ اشتقاق عربی زبان کی خصوصیت ہے۔ اور یہ خصوصیت عجمی زبانوں میں نہیں پائی جاتی، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ کومرس کی قوم کا نام ان کی بے مثل فروسیت (شہسواری) کی وجہ سے ''فارس'' پڑ گیا، مشہور یہ ہے کہ گھوڑے کی نسل سب سے پہلے حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے لئے مسخر کی گئی (۶)۔ واللہ اعلم۔

الرطانة: راء پر زبر اور زیر دونوں پڑھنا درست ہے (۷)۔ اس کا اطلاق عربی کے علاوہ تمام عجمی زبانوں پر ہوتا ہے۔

چنانچہ شارح بخاری علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بھی عجمی زبان میں بات کرنے کو ''رطانہ''

---

(۳) فتح الباري: ٦/٢٢٦

(٤) چاروں اقوال کے لئے دیکھئے: فتح الباري: ٦/٢٢٦

(٥) عمدة القاري: ١٥/٥، وفتح الباري: ٦/٢٢٦

(٦) فتح الباري: ٦/٢٢٦

(٧) عمدة القاري: ١٥/٥، وفتح الباري: ٦/٢٢٦

کہتے ہیں(۸)۔

یہی بات صاحب "الأفعال" اور علامہ ابن التینؒ نے بھی کہی ہے(☆)۔

علامہ ابن الاثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"التراطن : كلام لايفهمه الجمهور، والعرب تخص بها غالبا كلام العجم"(۹)۔

رطانہ کا اطلاق ایسی گفتگو پر ہوتا ہے، جسے عام لوگ سمجھ نہ سکیں، عرب اس سے عجمی زبان مراد لیتے ہیں۔

وَقَوْلِهِ تَعَالَى : «وَٱخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ» /الروم: ٢٢/. «وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ» /إبراهيم: ٤/.

یہ سورہ روم کی آیت ہے، پوری آیت ہے:

﴿ومن آياته خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتكم وألوانكم إن في ذلك لآيات للعالمين﴾(۱۰)۔

"اور اس (اللہ تعالیٰ) کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمینوں کا پیدا فرمانا اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ ہر قوم کی زبان، لہجہ اور طرزِ گفتگو دوسری قوم سے مختلف ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہر انسان اپنی تخلیق یعنی ناک نقشہ اور صورت ورنگت کے اعتبار سے دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے، اور ایسا اس وجہ سے ہے تاکہ ہر شخص کی اپنی ایک امتیازی شناخت ہو، ایک دوسرے کو پہچاننے میں آسانی ہو، اگر سب ابنائے آدم شکل وصورت اور رنگ رنگت کے ایک ہی سانچہ میں ڈھلے ہوتے، تو نظامِ تعارف تاراج ہوجاتا اور بے شمار مصلحتیں تعطل کی بھینٹ چڑھ جاتیں(۱۱)۔

---

(۸) شرح الكرماني رحمه الله: ١٣/٦١

(☆) شرح ابن بطال : ٥/٢٣٢، وعمدة القاري: ١٥/٥

(۹) النهاية لابن الأثير رحمه الله: ٢/٢٣٣ (مادة رطن)

(۱۰) سورہ الروم: ٢٢

(۱۱) عمدة القاري: ١٥/٥

﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾

یہ سورہ ابراہیم کی ابتدائی آیات ہیں، پوری آیت ہے: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه ليبين لهم، فيضل الله من يشاء ، ويهدي من يشاء وهو العزيز الحكيم﴾(۱۲)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو رسول اور نبی جس قوم میں معبوث فرمایا، ان پر اسی قوم کی زبان میں وحی نازل کی، تاکہ ان کی قوم اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور تعلیمات کو پوری طرح سمجھ سکے، اور قیامت کے دن اسے یہ کہہ کر عذر خواہی کا موقع نہ ملے، کہ وہ تعلیمات تو ہمارے فہم وادراک سے ماوراء تھیں؟!! جن اقوام وملل میں انبیاء ورسول معبوث فرمائے، اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لئے ان پر انہی کی زبان میں وحی نازل فرمائی۔

چنانچہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ زمخشری تحریر فرماتے ہیں:

"أي ليفقهوا عنه مايدعوهم إليه فلا تكون لهم حجة على الله، ولا يقولوا: لم نفهم ماخوطبنا به"(۱۳).

باب کے تحت آیات ذکر کرنے کا مقصد

علامہ عینی، حافظ ابن حجر اور علامہ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کو ذکر کرکے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختلف زبانیں بولنے والی دنیا کی تمام قوموں کی طرف پیغمبر بنا کر معبوث کئے گئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی زبانوں پر عبور حاصل تھا، تاکہ آپ کو ان کی زبان سمجھنے اور انہیں آپ کی زبان سمجھنے میں آسانی رہے(۱۴)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

تاہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رابطہ اور سفارتی فرائض کی انجام دہی کے لئے ہر قوم کے پاس

---

(۱۲) سوره ابراهيم: ٤

(۱۳) تفسير الكشاف للعلامة الزمخشريؒ: ٣/٤٧٩، وعمدة القاري: ١٥/٦

(١٤) فتح الباري: ٦/٢٢٦، وعمدة القاري: ١٥/٦، وإرشاد الساري: ٥/١٨

ثقہ اور معتمد ترجمان ضرور ہوتے ہیں، یہ یقینی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہر زبان میں گفتگو فرماتے تھے(۱۵)۔

۲۹۰۵ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا أَبُو عاصِمٍ : أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ : أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ مِيناءَ قالَ : سَمِعْتُ جابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، ذَبَحْنَا بُهَيْمَةً لَنَا ، وَطَحَنْتُ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ ، فَتَعَالَ أَنْتَ وَنَفَرٌ ، فَصَاحَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (يَا أَهْلَ الخَنْدَقِ ، إِنَّ جابِرًا قَدْ صَنَعَ سُورًا ، فَحَيَّ هَلاً بِكُمْ) . [۳۸۷۵ ، ۳۸۷۶]

تراجم رجال

۱-عمرو بن علی

یہ مشہور حافظ حدیث ابوحفص عمر بن علی بحر بن کنیز الباہلی الصیر فی البصری ہیں۔ کتاب الوضوء، باب الرجل یوضیء صاحبه کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

۲-ابوعاصم

یہ أبوعاصم ضحّاک بن مخلد بن ضحاک بن مسلم شیبانی بصری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب طرح الإمام المسألة على أصحابه ...... کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

۳-حنظلہ بن ابی سفیان

یہ حنظلہ بن ابی سفیان بن عبدالرحمن بن صفوان بن امیہ بن خلف جُمحی قرشی ہیں۔ کتاب الإیمان باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بني الإسلام على خمس کے تحت ان کا تذکرہ

(۱۵) فتح الباري: ۲۲۶/٦

(۲۹۰۵) وعنده أيضاً في صحيحه: ۵۸۸/۲، ۵۸۹، في كتاب المغازي، باب غزوة الخندق (رقم ٤١٠١)، وعند مسلم في صحيحه (۱۷۸/۲) في كتاب الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك (رقم ۲۰۳۹) وقد تفرد به الشيخان، انظر تحفة الأشراف: ۱۸۳/۲ (رقم ۲۲٦۳)

ہو چکا ہے(۱۷)۔

۴-سعید بن میناء

یہ ابو ولید سعید بن میناء المدنی الکوفی ہیں، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنائز أربعا کے تحت ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۵-جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وضوء ه على المغمى عليه کے تحت گزر چکا ہے۔

قلت يارسول الله، ذبحنا بُهيمة لنا، وطحنتُ صاعا من شعير، فتعال أنت ونفرٌ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم نے بکری کا ایک چھوٹا بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع جو پیسا ہے، آپ اور چند مزید افراد "ہمارے گھر" تشریف لائیں۔

بُهَيـمة: یہ بَهْـمَةٌ کی تصغیر ہے۔ بھیڑ کا چھوٹا سا بچہ(۱۸)، بہمہ مؤنث اور مذکر دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ بَهْمْ اور بِهام اس کی جمع آتی ہے(۱۹)۔

فصاح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا أهل الخندق إن جابراً قد صنع سُوراً، فحي هلابكم

"رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند ارشاد فرمایا، جابر نے دعوت کا اہتمام کیا ہے، لہٰذا جلدی آؤ"

---

(۱۷) كشف الباري: ۱/۶۳۶

(۱۸) شرح الكرماني رحمه الله: ۱۳/۶۲

(۱۹) النهاية لابن الأثير رحمه الله: ۱/۱۶۸، (ماده ب ه م) وعمدة القاري: ۱۵/۶

سؤر: دعوت کے موقع پر تیار کیے جانے والے کھانے کو "سور" کہتے ہیں (۲۰)۔ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا اطلاق ہر قسم کے کھانے پر ہوتا ہے (۲۱)۔ علامہ اسماعیلی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے (۲۲)، بعض حضرات کے نزدیک اس کا اطلاق فارسی زبان میں صرف دعوت ولیمہ پر ہوتا ہے (۲۳)۔

بعض کے نزدیک یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اور عام کھانے کے لئے بولا جاتا ہے، کثرتِ استعمال کی وجہ سے عربوں کی زبان پر چڑھ گیا، اور عربی میں بھی استعمال ہونے لگا (۲۴)۔

فحي هلا بكم

اس کے معنی ہیں: أقبلوا أو أسرعوا بأنفسكم" (۲۵)۔ یعنی آگے بڑھیئے، یا جلد آیئے۔

یہ لفظ "حي" اور "هل" کا مرکب ہے۔ هل کے لام کو تنوین کے ساتھ یا بغیر تنوین کے "علا" کے وزن پر اور سکون کے ساتھ (هل) بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ بـا، إلى اور على سے بھی متعدی ہوتا ہے۔ نیز دونوں حرف علیحدہ بھی مستعمل ہیں۔ چنانچہ "حيّ" أقبل کے معنی میں اور "هلا" أسكن کے معنی میں ہے (۲۶)۔

علامہ داؤدی رحمہ اللہ نے اس کے ایک اور معنی کئے ہیں: "فحيهلا بكم: أي أقبلوا أهلا بكم أتيتم أهلكم"، اس کے قول کے پیش نظر "حي هلا" کلمات ترحیب کے قبیل سے بھی ہو سکتا ہے (۲۷)۔

(۲۰) شرح الكرماني: ۶۲/۱۳، وشرح النووي على صحيح مسلم: ۱۷۸/۲، كتاب الأشربة، باب جواز استتباعه غيره.

(۲۱) شرح النووي على صحيح مسلم: ۱۷۸/۲

(۲۲) فتح الباري: ۲۲۶/۶

(۲۳) عمدة القاري: ۶/۱۵

(۲۴) عمدة القاري: ۶/۱۵، وشرح النووي على صحيح مسلم: ۱۷۸/۲

(۲۵) عمدة القاري: ۶/۱۵

(۲۶) عمدة القاري: ۶/۱۵

(۲۷) عمدة القاري: ۶/۱۵

حدیث باب کا مقصد

بعض ایسی روایات منقول ہیں، جن میں فارسی زبان کو ناپسندیدہ کہا گیا ہے، اور فارسی میں گفتگو کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روایت باب سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایات کے ضعیف اور بے اصل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً ایک روایت ہے:

"كلامُ أهل النار بالفارسية"(۲۸)۔ یعنی "اہل جہنم کی زبان فارسی ہوگی"۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے: "من تكلم بالفارسية زادت في خبثه ونقصت من مروءته"(۲۹)۔ یعنی: "جس نے فارسی زبان میں بات کی، اس کی خباثت بڑھے گی اور مروت کم ہوگی"۔ یہ روایت مستدرک حاکم کی ہے، حافظ صاحب نے اس کے بارے میں فرمایا: "وسنده واهٍ" اس کی سند واہی اور بے اصل ہے(۳۰)۔

اسی مستدرک حاکم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی ایک روایت منسوب ہے:

"من أحسن العربية فلا يتكلمن بالفارسية فإنه يورِثُ النفاق"(۳۱)۔

"عربی زبان اچھی طرح بولنے والا، فارسی میں ہرگز بات نہ کرے، کیونکہ یہ نفاق پیدا کرتی ہے"۔

اس روایت کو بھی بے اصل قرار دیتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "وسنده واه"(۳۱)۔

ردالمحتار على الدر المختار میں علامہ ابن عابدین شامی نے صاحب "الولوجيه" کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ عربی کے علاوہ اللہ تعالی کے یہاں کوئی اور زبان پسندیدہ نہیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

---

(۲۸) فتح الباري: ۲۲۷/۶

(۲۹) فتح الباري: ۲۲۷/۶

(۳۰) فتح الباري: ۲۲۷/۶

(۳۱) فتح الباري: ۲۲۷/۶

(۳۲) فتح الباري: ۲۲۷/۶

طرف ایک قول کی نسبت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "إنه نهى عن رطانة الأعاجم" (۳۳)۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجم کی زبان بولنے سے منع فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مزاج پرسی کرتے ہوئے فارسی میں فرمایا "اشکمت درد؟" (۳٤)۔ یعنی "أتشتكي بطنك؟" (کیا آپ کو پیٹ میں درد کی شکایت ہے؟) تو یہ روایت سند اور متن کے اعتبار سے معلول اور ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ذواد بن علیه اور ان کے شیخ ليث بن أبي سليم بن زنيم دونوں ضعیف ہیں (۳۵)۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کے ان دونوں راویوں کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، جس میں "اشکمت درد" کے الفاظ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیث کا درجہ دیا گیا ہے (۳٦)۔

اسی طرح حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی رحمہ اللہ نے "إنجاح الحاجة في شرح ابن ماجة" میں علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ اشکمت درد اور دیگر فارسی الفاظ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں (۳۷)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اقوال ناقابل احتجاج ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ایسی روایات بھی سند و متن کے لحاظ سے مخدوش اور بے بنیاد ہیں، جن میں فارسی یا عجمی زبان کی مذمت کی گئی ہے۔ خود قرآن مجید کی اس آیت ﴿واختلاف ألسنتكم وألوانكم﴾ میں ہر زبان کا من جانب اللہ ہونا واضح

(۳۳) ردالمحتار على الدر المختار: ۱/۵۲۱

(۳٤) سنن ابن ماجة رحمه الله، كتاب الطب، بابٌ في الصلوة شفاءٌ (رقم ۳٤۵۸)

(۳۵) تحفة الأشراف: ۱۰/۳۱۷، (رقم ۱٤۳۵۱)

(۳٦) العلل المتناهية لابن الجوزيؒ: ۱/۱۲۹، وقال: هذان حديثان لايصحان".

(۳۷) حاشية المسماة بانحاج الماجة للشيخ عبدالغنى المجددى الدهلوي على هامش سنن ابن ماجه: ۲٤۷، كتاب الطب، باب في الصلوة شفاء، والأبواب والتراجم للمحدث الكاندهلوي، ص: ۲۰٤

اور بدیہی ہے۔ بظاہر عجمی زبانوں کو ناپسندیدہ اور اس میں گفتگو کو ممنوع قرار دیئے جانے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کی حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ عجمی زبان میں گفتگو جائز ہے، اسے ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ علامہ نووی اسی حدیث کے ذیل میں شرح صحیح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد تظاهرت أحاديث صحيحة بأن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تكلم بألفاظ غير العربية فيدل على جوازه"(۳۸).

مطلب یہ ہے کہ مختلف احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر عربی الفاظ میں گفتگو فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی بھی عجمی زبان میں گفتگو کے جواز پر دال ہے۔

ترجمۃ الباب سے حدیث باب کی مناسبت

حدیث باب میں ہے: "إن جابرا قد صنع سورا".

ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

۲۹۰۶ : حدّثنا حِبَّانُ بْنُ مُوسٰى : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللّٰهِ ، عَنْ خالِدِ بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أُمِّ خالِدٍ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ قالَتْ : أَتَيْتُ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ مَعَ أَبِي وَعَلَيَّ قَمِيصٌ أَصْفَرُ ، قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (سَنَهْ سَنَهْ) . قالَ عَبْدُ ٱللّٰهِ : وَهْيَ بِالحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ ، قالَتْ : فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ ، فَزَبَرَنِي أَبِي ، قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (دَعْهَا) . ثُمَّ قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (أَبْلِي وَأَخْلِقِي ، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي ، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي) . قالَ عَبْدُ ٱللّٰهِ : فَبَقِيَتْ حَتّٰى ذَكَرَ .

[۳٦٦۱ ، ٥٤٨٥ ، ٥٥٠٧ ، ٥٦٤٧]

---

(۳۸) شرح مسلم للإمام النووي: ۱۷۸/۲، كتاب الأشربة، باب جواز استتابة غيره ......

(۲۹۰٦) وأيضاً رواه البخاري: ٥٤٦/۱ في كتاب المناقب، باب هجرة الحبشة (رقم ۳۸۷٤) و: ۸٦٦/۲، =

تراجم رجال

۱-حبان بن موسیٰ

یہ ابومحمد حبان بن موسیٰ سوّار السُّلَمی المروزی ہیں۔ کتاب الأذان، باب یسلّم حین یسلّم الإمام کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

۲-عبداللہ

یہ مشہور محدث عبداللہ بن مبارک بن واضح الحنظلی رحمہ اللہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحی کے تحت گزر چکا ہے(۳۹)۔

۳-خالد بن سعید

یہ مشہور تبع تابعی خالد بن سعید بن عمرو بن سعید بن عاص بن سعید بن عاص ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ان کی یہی ایک روایت مختلف ابواب میں نقل کی ہے۔ معتمد اور ثقہ راوی تھے۔

انہوں نے اپنے والد سعید بن عمرو بن سعید، بُدَیح مولی عبداللہ بن جعفر اور سہل بن یوسف انصاری سے روایتِ حدیث کی ہے(۴۰)۔

ان سے جلیل القدر ائمہ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے حدیث کا سماع کیا ہے۔ ان میں عبداللہ بن

= في كتاب اللباس، باب الخميصة السوداء (رقم ۵۸۲۳) و: ۲/۸۶۹، باب مايُدعى لمن لبس ثوبا جديداً (رقم ۵۸۴۵) و: ۲/۸۸۶، كتاب الأدب، باب من ترك صَبِيَّةَ غيره حتى تَلْعبَ به، أوقَبَّلها أو مازحها (رقم ۵۹۹۳)، وأبوداود في سننه: ۲/۲۰۳، في كتاب اللباس، باب مايدعى لمن لبس ثوبا جديداً (رقم ۴۰۲۰)؛ وقد تفرّدا به انظر تحفة الأشراف: ۱۱/۲۶۸، (رقم ۱۵۷۷۹)

(۳۹) كشف الباري: ۱/۴۶۲

(۴۰) الأنساب للسمعاني: ۱/۲۰۹، وتهذيب الكمال للحافظ المزيّ: ۸/۸۱، وتهذيب التهذيب لابن حجر: ۳/۹۵

مبارک رحمہ اللہ بھی شامل ہیں (۴۱)۔

محمد بن بشران کے بارے میں فرماتے ہیں "صدوق" (٤٢)۔

ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے (۴۳)۔

کسی روایت کی سند میں جب ان کا نام آنے کے بعد، امام بخاری کے تلامذہ نے دریافت کیا کہ آپ کس کا ذکر کر رہے ہیں؟ "قيل لمحمد: من ذكرت يا أبا عبدالله؟" تو امام بخاری رحمہ اللہ نے جواب دیا: الثقة الصدوق المأمون خالد بن سعيد أخو إسحاق بن سعد" (٤٤)۔

۴-عن أبيه (سعید بن عمرو)

عن أبيه سے ان کے والد أبو عثمان سعید بن عمرو بن سعید بن العاص الاموی مراد ہیں۔ ان کے حالات كتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارة کے تحت گزر چکے ہیں۔

۵-اُم خالد بنت خالد بن سعید

ان کا نام اَمَہ اور اُم خالد کنیت تھی، صحابیہ تھیں، صحابی کی بیٹی تھیں اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کے حالات كتاب الجنائز، باب التعوّذ من عذاب القبر کے تحت پہلے گزر چکے ہیں (۴۵)۔

قالت أتيتُ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مع أبي وعليَّ قميصٌ أصفر قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : سنَة سنَة

(٤١) تهذيب الكمال: ٨٢/٨

(٤٢) تهذيب الكمال: ٨٢/٨، وتهذيب التهذيب: ٩٥/٣

(٤٣) حوالة بالا

(٤٤) حوالة بالا

(۴۵) آگے اختصار کے ساتھ کتاب اللباس میں بھی ان کا ذکر آ گیا ہے، دیکھئے: كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ١٧٥

حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ میں اپنے والد (خالد بن سعید رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور میں نے زرد رنگ کی قمیص پہنی تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "سنه سنه" بہت خوبصورت۔

قال عبداللّٰه: وهي بالحبشيّة حسنة

یہ مدرج من الراوی ہے، یہاں راوی نے "سنه سنه" کے معنی بیان کئے ہیں، کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ''خوبصورت'' ہیں۔

عبداللہ سے کون مراد ہے؟

"قال عبدالله" سے عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ مراد ہیں۔ بعض نسخوں میں ''ابوعبداللہ'' مذکور ہے (۴۶)۔

ابوعبداللہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کنیت ہے، اس صورت میں ظاہر ہے قائل خود امام بخاری رحمہ اللہ ہوں گے۔

تاہم علامہ قسطلانی رحمہ اللہ ''ارشاد الساری'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ راجح ''عبداللہ'' ہے، اور اس سے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہی مراد ہیں (۴۷)۔

لفظِ سنه کا ضبط

یہ سین اور نون کے فتحہ اور ''ہ'' کے سکون کے ساتھ ہے۔ جب کہ کشمیہنی کی روایت میں یہ لفظ نون کے بعد الف کے ساتھ ''سناه سناه'' ضبط ہوا ہے (۴۸)۔ تاہم بسا اوقات کلام عرب میں الف کو حذف کرتے ہوئے ''سنہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ بعض ارباب لغت کی رائے ہے کہ ''سنہ'' میں نون مشدد ہے (۴۹)۔

---

(٤٦) شرح الكرماني: ٦٣/١٣

(٤٧) ارشاد الساري: ١٨٠/٥

(٤٨) عمدة القاري: ٧/١٥

(٤٩) حوالة بالا

بہر حال اس سے امام بخاری کا مقصد الرطانة بالعجميه ثابت کرنا ہے۔ چونکہ ام خالد رضی اللہ عنہا حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ ابی وامّی) نے انہیں دیکھ کر ضیافت طبع کے طور پر حبشی زبان میں فرمایا: بہت خوبصورت۔

قالت فذهبت ألعبُ بخاتَم النبوة، فزبرني أبي، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : دَعْها. ثم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : أبلي وأخلقي، ثم أبلي وأخلقي.

اُم خالد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گئی اور آپ کی خاتَم نبوت کے ساتھ کھیلنے لگی، اس پر میرے باپ نے مجھے ڈانٹا تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "اسے چھوڑ دو" (مطلب یہ تھا کہ کھیلنے سے منع نہیں کرو) پھر فرمایا، "تمہاری عمر اس قدر طویل ہو کہ تم اس قمیص کو پہن پہن کر پرانی کر دو"۔

أبلي وأخلقي

اِبلاء اور اِخلاق دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی پرانا کرنا اور بوسیدہ کرنا۔

قال عبدالله: فبقيت حتى ذكر

اس جملہ کی تشریح میں مختلف اقوال

مذکورہ جملہ کی تشریح میں شراح حدیث سے مختلف اقوال منقول ہیں:

❶ ایک قول یہ ہے کہ "فبقیت" میں ضمیر فاعل ام خالد رضی اللہ عنہا کی طرف راجع ہو۔ یعنی "فبقيت أُمُّ خالد" اور "حتى ذُكر" (صیغہ مجہول) میں ضمیر "ھو" قمیض کی طرف لوٹ رہی ہو (۵۰)۔

اس صورت میں ترجمہ ہوگا، "جب تک ام خالد رضی اللہ عنہا زندہ رہی، ان کی قمیص کا چرچا رہا"

❷ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "ذُکر" کی ضمیر راوی کی طرف لوٹ رہی ہے اور عبارت مقدر ہے:

(۵۰) عمدة القاري: ۸/۱۵

"أي ذكر الراوي، ما نسِيَ طول مُدّته"(٥١).

مطلب یہ ہے کہ ام خالد کے ساتھ پیش آنے والا یہ خارقِ امر واقعہ اس قدر قابل ذکر تھا، کہ راوی اسے عمر بھر بھلا نہ سکا۔ فبقیت کی ضمیر ام خالد ہی کی طرف راجع ہے۔

❸ بعض روایات میں لفظ ''ذکر'' بجائے مذکر کے بصیغۂ مؤنث ''ذکرت'' نقل کیا گیا ہے، اس کو مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھنا ثابت ہے۔ مجہول پڑھنے کی صورت میں عبارت مقدر ہے:"حتى صارت مذكورةً عند الناس لخروجها عن العادة(٥٣)۔ یعنی ام خالد رضی اللہ عنہا (کے ساتھ اپنی نوعیت کا جو واقعہ پیش آیا) خلافِ عادت ہونے کی وجہ سے لوگوں کے یہاں ہمیشہ ان کا تذکرہ رہتا تھا۔ معروف یعنی "ذَكَرَتْ" پڑھنے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ خود اس خارقِ عادت واقعہ کا تذکرہ کرنے لگی۔ (واللہ أعلم)۔

❹ ابوہیثم کی روایت میں ''ذکر'' کی بجائے "دَكَنَ" ضبط ہوا ہے۔ اور ابوذر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ دکن دکنۃ سے مشتق ہے۔ زیادہ استعمال کی وجہ سے لباس پر میل اور گرد وغبار کی تہیں جم جاتی ہیں اور لباس کا رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے، اسی کو "دکنة" کہتے ہیں (۵۴)۔

اس چوتھی روایت کے پیش نظر مذکورہ جملہ کے معنی ہیں کہ ام خالد (رضی اللہ عنہا) بقیدِ حیات رہیں (اور دائمی استعمال کی وجہ سے) قمیص کا رنگ (میل اور غبار کے جمنے سے) سیاہ پڑ گیا (۵۵)۔

❺ علامہ عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وفي بعض النسخ: فذكر دهراً، ولفظ دهرا محذوفٌ في كتاب ابن

---

(٥١) شرح الكرماني: ١٣/٦٣

(٥٢) شرح الكرماني: ١٣/٦٣

(٥٣) عمدة القاري: ١٥/٨

(٥٤) عمدة القاري: ١٥/٨

(٥٥) شرح الكرماني: ١٣/٦٢، وعمدة القاري: ١٥/٨

بطال، وذكره ابن السكن، وهو تفسير لهذه الرواية. كأنه أراد: بقي هذا القميص مدة طويلة من الزمان، فنسيها الراوي، فعبّر عنها بقوله: ذكر دهراً"(٥٦).

یعنی: "بعض نسخوں میں (حتی ذکر کی بجائے) "فذکر دهراً" وارد ہوا ہے۔ تاہم لفظ "دهراً" علامہ ابن بطال کے نسخہ میں محذوف ہے، البتہ ابن السکن نے اس لفظ کو ذکر کیا ہے جو حقیقت میں (ترجمۃ الباب کی مذکورہ) روایت کی تفسیر ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ اس لفظ کی صراحت سے مذکورہ جملہ کا مفہوم واضح ہو رہا ہے) گویا راوی یہ کہنا چاہتا تھا کہ "یہ قمیص ایک طویل عرصہ سے باقی رہی" لیکن اس کو وہ مدت یاد نہ رہی تھی، اس لئے اس کو "ذکر دهرا" کے الفاظ میں ادا کیا۔

❻ علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے اس روایت کے ذیل میں ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عمر کے تناسب سے جیسے جیسے ام خالد رضی اللہ عنہا کا قد بڑھتا جاتا، ان کی قمیص بھی اسی تناسب سے بڑھتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک دعا "أبلي وأخلقي ......" کی برکت سے جس طرح وہ خود لمبے عرصہ تک بقیدِ حیات رہی، وہ قمیص بھی ان کے بدن پر موجود رہتے ہوئے بڑھتی رہی اور مرورِ ایام کے باوجود اس پر بوسیدگی اور شکستگی کے آثار ظاہر نہیں ہوئے (۵۷)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صنعانی کے نسخہ میں ترجمۃ الباب کی مذکورہ روایت کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بھی مذکورہ ہے۔

قال أبوعبدالله -هو المصنف-: لم تعش امرءة مثل ماعاشت هذه يعني أم

---

(٥٦) عمدة القاري: ١٥/٨

(٥٧) فيض الباري: ٣/٤٥٨، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فبقيت حتى ذكرت" أي بقيت تلك القميص لم يختلقها مضي الليالي، ومرور الأيام، ولعلّ تلك القميص أيضا تتوسع عليها بقدر جسدها، فانها إذا تقمصت كانت صبية، فلا بدّ من الزيادة في القميص، ومن يؤمن ببقاء تلك القميص إلى زمن لم تخلق، لم يعجز عن الإيمان بسعتها ايضاً".

خالد"(۵۸).

حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ام خالد رضی اللہ عنہا سے موسیٰ بن عقبہؒ کی ملاقات بھی ان کی طویل العمری پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ ان کے علاوہ کسی اَور صحابی سے موسیٰ بن عقبہ کی ملاقات نہیں ہوئی (۵۹)۔

حدیث سے مستنبط فوائد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کی اس روایت سے مختلف فوائد مستنبط کئے ہیں:

❶ روایت میں ہے کہ ام خالد رضی اللہ عنہا کی زرد قمیص پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کے لئے زرد رنگ کا لباس پہننا جائز ہے۔

❷ روایت میں ہے کہ ام خالد رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتَم نبوت کے ساتھ کھیل رہی تھیں، باپ نے ڈانٹا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے روکا کہ کھیلنے دو، اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کے ہوتے ہوئے بچوں کو کھیل سے منع نہیں کرنا چاہیے۔

❸ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام خالد رضی اللہ عنہا کو نئے لباس میں دیکھ کر دُعا دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ لباس پہننے والے کو دیکھ کر اس کے حق میں دعاءِ خیر کرنا سنت سے ثابت ہے اور آدابِ اسلام میں سے ہے۔

❹ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عجمی الفاظ میں تکلم فرمایا، اس سے عجمی زبان میں گفتگو کا جواز ثابت ہوتا ہے (۶۰)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

روایت میں "سنه سنه" کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے۔

---

(۵۸) فتح الباري: ۶/۲۲۷

(۵۹) حوالۂ بالا

(۶۰) عمدة القاري: ۱۵/۸

۲۹۰۷ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ الحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخَذَ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ ، فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْفَارِسِيَّةِ : (كَخْ كَخْ ، أَمَا تَعْرِفُ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ) . [ر : ۱٤١٤]

تراجم رجال

۱-محمد بن بشار

یہ مشہور امام حدیث محمد بن بشار بن عثمان عبدی بصریؒ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب ما کان النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یتخولهم بالموعظة والعلم کي لاینفروا کے تحت گزر چکا ہے(۶۱)۔

۲-غندر

یہ ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی ہیں، غندر کے لقب سے مشہور ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم کے تحت گزر چکا ہے(۶۲)۔

۳-شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی الواسطی البصری ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده کے تحت گزر چکے ہیں(۶۳)۔

۴-محمد بن زیاد

یہ عبدالرحمٰن بن محمد بن زیاد محاربی کوفی ہیں، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأهله کے تحت

(۲۹۰۷) قد سبق تخریجه في کتاب الزکوة، باب أخذ صدقة التمر عند صِرام النخل (رقم ۱٤٨٠)

(٦١) کشف الباري: ٣/٢٢١-٢٢٤

(٦٢) کشف الباري: ٢/٢٥٠-٢٥٢

(٦٣) کشف الباري: ١/٦٧٨

ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (٦٤)۔

۵-ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ان کے تفصیلی حالات کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان کے تحت گزر چکے ہیں (٦٥)۔

أن الحسن بن علي أخذ تمرة من تمر الصدقة فجعلها في فيه، فقال له النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم بالفارسية: كخ كخ، أما تعرف أنا لا نأكل الصّدقة؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فارسی میں فرمایا: ''کخ، کخ'' (اور کھجور نگلنے سے منع فرمایا) کیا تم نہیں جانتے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔

"کخ کخ"

بفتح الكاف وكسرها وسكون الخاء المعجمة وكسرها وبالتنوين مع الكسر وبغير تنوين(٦٦).

یہ الفاظ فارسی زبان میں زجر وتوبیخ اور کسی فعل کی ممانعت کے لئے بولے جاتے ہیں، اس کے معنی ہیں، اُتر کھا، وارم: چھوڑ دو، پھینک دو (٦٧)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا اعتراض اوراس کارد

باب کی مذکورہ تینوں روایات میں جو عجمی الفاظ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں، علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ان کے عجمی ہونے پر اشکال ہوسکتا ہے، ❶ باب کی پہلی روایت میں لفظ

---

(٦٤) كشف الباري: ٥١٤/٣

(٦٥) كشف الباري: ١٥٩/١، ١٦٣

(٦٦) شرح الكرماني: ٦٣/١٣، وعمدة القاري: ٨/١٥

(٦٧) شرح الكرماني: ٦٣/١٣، وعمدة القاري: ٨/١٥

"ســـور" وارد ہوا ہے۔ اس میں احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ "صابون" کی طرح توافق اللغتین کے قبیل سے ہو اور عربی زبان کا لفظ ہو (٦٨)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اشکال تو اس لئے ناقابلِ التفات ہے کہ محض احتمال کا درجہ رکھتا ہے، حالانکہ لغت کو احتمال سے ثابت نہیں کیا جاتا (٦٩)۔

❷ ترجمۃ الباب کی دوسری روایت میں لفظ "سنـه" وارد ہوا ہے۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ممکن ہے، اس کی اصل "حسنۃ" ہو اور اس کی ابتداء سے "ح" کو حذف کر دیا گیا ہو، جیسے عربی مثل "کـفـی بـالسيف شاهداً" میں "هد" کو حذف کر کے عرب "كفي بالسيف شا" کہتے ہیں (٧٠)۔

لیکن علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی اس توجیہ کو بھی حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی لفظ کی ابتداء میں "ترخیم" جائز نہیں، اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ لفظ "سنہ" کی ابتداء سے "ح" کو گرا دیا گیا ہے (٧١)۔

❸ تیسری روایتِ باب میں لفظ "کخ" وارد ہے، علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ممکن ہے یہ بھی غیر عجمی لفظ ہو اور حروف صوتیہ کے قبیل سے ہو۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اعتراض بھی بے محل ہے، اس لئے کہ لفظِ "کخ" اسمائے افعال کے قبیل سے ہے، نہ کہ اسمائے اصوات کے قبیل سے، لہٰذا یہ لفظ عجمی ہی ہے (٧٢)۔

فوائد حدیث

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے روایت سے دو فوائد مستنبط کئے ہیں:

❶ بچوں کو احکام شریعت کی تعلیم دینا اور انہیں حرام یا مکروہ اشیاء سے اجتناب کی تلقین کرنا۔

(٦٨) شرح الكرماني: ١٣/٦٣، وعمدة القاري: ١٥/٩

(٦٩) عمدة القاري: ١٥/٩

(٧٠) شرح الكرماني: ١٣/٦٣، وفتح الباري: ٦/٢٢٧، ٢٢٨، وعمدة القاري: ١٥/٩

(٧١) فتح الباري: ٦/٢٢٨، وعمدة القاري: ١٥/٩

(٧٢) عمدة القاري: ١٥/٩

❷ بچوں میں سمجھ بوجھ کی صلاحیت ہوتو انہیں ایسی باتیں بھی سکھائی جاسکتی ہیں، جو سمجھدار اور عاقل کو سکھائی جاتی ہیں(۷۳)۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

حدیث باب میں "کخ کخ" عجمی الفاظ ہیں، ترجمۃ الباب سے ان کی مناسبت ظاہر ہے۔

١٨٥ - باب : الْغُلُولِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ مالِ غنیمت میں خیانت کی حرمت وشناعت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مال غنیمت میں خیانت کرنا، ناجائز راہ سے کوئی شئ حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

"غلول" کے معنی

غلول غین اور لام پر ضمہ کے ساتھ(۱)، مال غنیمت میں خیانت کرنے اور تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت سے سرقہ کرنے کو کہتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الغلول هو الخيانة في المغنم والسرقة في الغنيمة قبل القسمة"(۲)۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ غلول کے اصل معنی ہیں: خفیہ طریقہ سے سرقہ کرنا، بعد میں یہ لفظ مالِ غنیمت سے سرقہ کے لئے استعمال ہونے لگا(۳)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

---

(٧٣) شرح ابن بطال: ٢٣٢/٥

(١) إرشاد الساري: ١٨١/٥

(٢) النهاية لابن الأثير: ٣٨٠/٣

(٣)

"أصل الغلول الخيانة مطلقا، ثم غلب اختصاصه في الإستعمال بالخيانة في الغنيمة"(٤).

یعنی: ''غلول درحقیقت مطلقاً خیانت کو کہتے ہیں، بعد میں اس کا غالب استعمال مالِ غنیمت میں خیانت کے ساتھ ہوا''۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ غلول مطلقاً خیانت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن اگر اس کا اطلاق مال غنیمت میں سرقہ پر کیا جائے، تو پھر ان دونوں معنوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی (۵)۔

غلول کی وجہ تسمیہ

غلول کے معنی باندھنے اور محبوس کرنے کے ہیں۔ چنانچہ امام نفطویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنے سے ہاتھ مغلول اور محبوس ہوتے ہیں، اس لئے اس میں خیانت کو ''غلول'' کا نام دیا گیا۔

"قال نفطويه: سمّي بذلك لأن الأيدي مغلولة عنه أي محبوسة"(٦)۔

غلول گناہ کبیرہ کیوں ہے؟

شرح صحیح مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ غلول بالاجماع گناہ کبیرہ ہے۔ مال غنیمت میں جرمِ خیانت کے اس قدر سنگین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مال غنیمت لشکر اسلام کا مشترکہ حق ہوتا ہے اس میں خیانت اور چوری کرنا بے شمار افراد کے حقوق کی حق تلفی کے مترادف ہے (۷)۔

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: «وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ» /آل عمران: ١٦١/ .

---

(٤) شرح النووي على صحيح مسلم: ١٢٢/٢، كتاب الامارة

(٥) إرشاد الساري: ١٨١/٥

(٦) شرح النووي على صحيح مسلم: ١٢٢/٢، كتاب الامارة

(٧) شرح النووي على صحيح مسلم: ١٢٢/٢، كتاب الامارة، وعمدة القاري: ٩/١٥، وفتح الباري: ٢٢٨/٦، وإرشاد الساري: ١٨١/٥

لفظ "قول" غلول پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے (۸)۔

پوری آیت ہے: ﴿وما كان لنبي أن يغلّ، ومن يغلل يأت بما غلّ يوم القيامة ثم توفّى كل نفس ما كسبت وهم لاظالمون﴾

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت کی ایک چادر گم ہوگئی، کچھ لوگوں نے کہا "لعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أخذها". یعنی: "یہ چادر شاید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لی ہو"، یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی، جس میں اس گھناؤنے الزام کی تردید کرتے ہوئے بتایا گیا کہ نبی کی شان کے خلاف ہے کہ وہ ایسی حرکت کرگزرے۔ یہ آیت آپ کو اس الزام سے بری الذمہ قرار دینے کے لئے نازل ہوئی (۹)۔

۲۹۰۸ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيٰ ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو زُرْعَةَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ فَذَكَرَ الْغُلولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ ، قالَ : (لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ ، عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهَا حَمْحَمَةٌ ، يَقُولُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ أَغِثْنِي ، فَأَقُولُ : لَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ ٱللهِ شَيْئًا ، قَدْ أَبْلَغْتُكَ ، وَعَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ ، يَقُولُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ أَغِثْنِي ، فَأَقُولُ : لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ ، وَعَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ فَيَقُولُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ أَغِثْنِي ، فَأَقُولُ : لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ ، أَوْ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ ، فَيَقُولُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ أَغِثْنِي ، فَأَقُولُ : لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ) .

وَقالَ أَيُّوبُ ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ : (فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ) . [ر : ۱۳۳۷]

---

(۸) عمدة القاري: ۹/۱۵

(۹) عمدة القاري: ۹/۱۵، قال العيني: "وقال ابن أبي حاتم: حدثنا المسيب بن واضح حدثنا أبوإسحق الفزاري عن سفيان عن خصيف عن عكرمة عن ابن عباس، قال: فقدوا قطيفة يوم بدر، فقالوا: لعل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أخذها، فأنزل الله ﴿وما كان لنبي أن يغلّ﴾ أى يخون، هذه تنزيه له صلى الله تعالى عليه وسلم من جميع وجوه الخيانة في أداء الأمانة وقسمة الغنيمة وغير ذلك".

(۲۹۰۸) قد سبق تخريجه في كتاب الزكوة، باب البيعة على إيتاء الزكوة (رقم ۱۴۰۲)

تراجم رجال

۱-مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل اسدی ہیں،ان کے حالات کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه کے تحت پہلے گزر چکے ہیں(۱۱)۔

۲-یحییٰ

یہ ابوسعید یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان التیمی ہیں،ان کے حالات بھی مذکورہ بالا کتاب وباب کے تحت گزر چکے ہیں(۱۲)۔

۳-أبوحیّان

یہ یحییٰ بن سعید بن حیّان تیمی کوفی ہیں،ان کے حالات کتاب الإیمان، باب سؤال جبریل النبيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عن الإیمان والإسلام کے تحت گزر چکے ہیں(۱۳)۔

۴-أبوزرعه

یہ ابوزرعہ بن عمرو بن جریر بجلی رحمہ اللہ ہیں،ان کے حالات کتاب الإیمان، باب الجهاد من الإیمان کے تحت گزر چکے ہیں(۱۴)۔

۵-ابوھریرہ رضی اللہ عنہ

ان کے تفصیلی حالات کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان کے تحت گزر چکے ہیں(۱۵)۔

---

(۱۱) کشف الباري: ۲/۲

(۱۲) کشف الباري: ۲/۲

(۱۳) کشف الباري: ۲/۵۸۷، ۵۸۸

(۱٤) کشف الباري: ۲/۳۰٤

(۱۵) کشف الباري: ۲/٦٥٩–٦٦٣

قام فينا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكر الغلول فعظمه وعظم أمره

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور مالِ غنیمت میں چوری کا ذکر فرما کر اسے گناہ کبیرہ قرار دیا اور (اس کے نتیجہ میں ملنے والی) سزا کی شدت بیان فرمائی۔

لا أُلفين أحدكم يوم القيامة على رقبته شاة لها ثُغاء، على رقبته فرس له حمحمةٌ، يقول: يا رسول الله أغثني، فأقول: لا أملك لك من الله شيئاً، قد أبلغتُك

لا أَلفِينَّ

ہمزہ پر ضمہ، فاء کے کسرہ اور آخر میں نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ "لا أجدنَّ" کے معنی میں ہے (۱۶)، اس کا مصدر "الفاء" آتا ہے، پانے کے معنی میں۔ چنانچہ کہتے ہیں "ألفاه" اس نے پایا (۱۷)۔ یہاں "لا" نافیہ ہے۔ البتہ بعض نسخوں میں لام قسم کے ساتھ "لألفينَّ" بھی ضبط ہوا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح لائے نفی ہے (۱۸)۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هو مثل قولهم: "لا أرينك ههنا، والأصل لاتكن ههنا فأراك، وتقديره في الحديث: لا يغل أحدكم فألفيه: أي أجده" (۱۹).

یعنی "لا أُلفِينَّ" لا أرينك ههنا کے معنی میں ہے کہ میں تمہیں یہاں ہرگز نہ دیکھوں اس کی اصل ہے: لا تكن ههنا فأراك: یعنی: "تم یہاں نہیں آنا کہ میری نظروں میں آجاؤ، یہ تو لفظی ترجمہ ہے، بامحاورہ ترجمہ ہے: تم یہاں مت آنا، کہیں میں تمہیں دیکھ نہ لوں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذری کی روایت میں "لا ألفين" کی بجائے "لا ألقينَّ" ضبط ہوا

---

(١٦) عمدة القاري: ١٥/١٠

(١٧) المعجم الوسيط، ص: ٨٣٣

(١٨) فتح الباري: ٦/٢٢٨

(١٩) إرشاد الساري: ٥/١٨١

ہے، تاہم مشہور اول الذکر ہے (۲۰)۔ اب روایت کا ترجمہ دیکھ لو۔

''تم میں سے کوئی شخص مال غنیمت میں خیانت کا مرتکب نہ ہو، کہ میں قیامت کے دن اسے ایسی حالت میں دیکھوں کہ اس کی گردن پر بکری ہو اور چلا رہی ہو یا گھوڑا ہو اور ہنہنا رہا ہو اور وہ شخص فریاد کرتے ہوئے کہے کہ یا رسول اللہ! میری مدد (شفاعت) فرمایئے، تو میں کہوں گا، میں تمہاری مدد (شفاعت) نہیں کرسکتا، خدا کا پیغام تو میں تمہیں پہنچا چکا تھا''۔

حَمْحَمة: (بفتح الحائين المهملتين) چارہ مانگنے کے لئے گھوڑا جو آواز نکالتا ہے اسے حَمْحَمَة کہتے ہیں۔ جب کہ "صهيل" مطلقاً ہنہنانے کو کہا جاتا ہے (۲۱)۔

ثُغاء: (بضم الثاء وتخفيف الغين) بکری کے منمنانے کو کہتے ہیں (۲۲)۔

لا أملك لك شيئاً: أي من المغفرة؛ لأن الشفاعة أمرها إلى الله(۲۳)۔ مطلب یہ کہ میں اللہ تعالیٰ سے تمہاری مغفرت کی درخواست کرنے میں تعاون نہیں کرسکوں گا، کیونکہ شفاعت تو اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، چنانچہ سورۂ انبیاء میں اس مضمون کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ولا يشفعون إلا لمن ارتضى﴾.

وقد أبلغتُك: أي فليس لك عُذرٌ بعد الإبلاغ، اس جملہ سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منشأ یہ تھا کہ میں تمہیں حق کی بات بتا چکا تھا اس لئے اپنی جان بخشی کے لئے تمہارے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا (۲۴)۔

---

(۲۰) شرح النووي على صحيح مسلم: ۱۲۳/۲

(۲۱) النهاية لابن الأثير: ۴۳۶/۱ (مادة: حمحم)، وشرح الكرماني: ۶۴/۱۳، وعمدة القاري: ۱۰/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۹/۶، وإرشاد الساري: ۱۸۱/۵، ومجمع بحار الأنوار: ۵۷۶/۱

(۲۲) شرح الكرماني: ۶۴/۱۳، وعمدة القاري: ۱۰/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۹/۶

(۲۳) شرح الكرماني: ۶۴/۱۳، وعمدة القاري: ۱۰/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۹/۶

(۲۴) عمدة القاري: ۱۰/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۹/۶

علامہ عینی، حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ ارشاد سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد اس جرم کی سنگینی کا احساس اجاگر کرنا تھا، ورنہ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے گنہگاروں کے لئے قیامت کے دن ضرورت شفاعت فرمائیں گے (۲۵)۔

وَعَلی رَقَبته صامتٌ

''اوراس کی گردن میں سونا اور چاندی ہوگی''۔

صامت کا اطلاق عربی لغت میں سونے اور چاندی پر ہوتا ہے (۲۶)۔

وعلی رقبته رِقاعٌ تَخْفِقُ

''اوراس کی گردن میں کپڑے کے ٹکڑے ہوں گے جو حرکت کریں گے''۔

رقاع، رقعة کی جمع ہے، کپڑے کے ٹکڑے کو کہتے ہیں (۲۷)۔

تخفق: أي التحرك باب ضرب سے، اس کے معنی حرکت کرنے کے ہیں۔

''رِقاع'' سے کیا مراد ہے؟

اس لفظ کی تشریح میں شُرّاح حدیث سے مختلف اقوال منقول ہیں:

❶ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مطلقاً کپڑے مراد ہیں (۲۸)۔

❷ علامہ حمیدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے وہ حقوق مراد ہیں، جو ''رقاع'' میں تحریر ہوں گے۔ ''المراد

---

(۲۵) فتح الباري: ٦/٢٢٩، وعمدة القاري: ١٥/١٠، وارشاد الساري: ٥/١٨٢، والتعليق المحمود بسنن أبي داود للعلامة فخر الحسن الكنكوهيؒ: ٢/١٥

(٢٦) شرح ابن بطال: ٥/٢٣٠، والنهاية لابن الأثير: ٣/٥٢، وعمدة القاري: ١٥/١٠، وفتح الباري: ٦/٢٢٩

(٢٧) عمدة القاري: ١٥/١٠، وارشاد الساري: ٥/١٨٢

(٢٨) عمدة القاري: ١٥/١٠، وإرشاد الساري: ٥/١٨٢

بها ماعليه من الحقوق المكتوبة في الرقاع"۔

لیکن اس رائے کورد کرتے ہوئے ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''رقاع'' کو کپڑوں پر محمول کرنا زیادہ مناسب اور بہتر ہے، (جوحسی اور محسوس شئ ہے) اس لئے کہ حدیث میں حسّی خیانت ہی کا ذکر ہے۔"وردّ عليه ابن الجوزي: بأن الحديث سيق لذكر الغلول الحسي، فحمله على الثياب أنسب"(۲۹).

تاہم اس رائے کو بھی رد کرتے ہوئے علامہ کرمانی اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''رقاع'' سے بعینہ کپڑے مراد نہیں، بلکہ اس کے عموم میں جانور، نقدی سامان اور کپڑے کی سب اجناس شامل ہیں۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے:

"وليس المقصود منه الخرقة بعينها بل تعمّ الأجناس عن الحيوان والنقود والثياب وغيرها"(۳۰).

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کی مذکورہ روایت "ومن يغلل يأت بما غلّ يوم القيامة" کی تفسیر کرتے ہوئے نقل فرمائی ہے کہ جو شخص مالِ غنیمت میں خیانت کا ارتکاب کرے، اور کوئی چیز چوری کرے، قیامت کے دن رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے، وہی مسروقہ چیز اس کی گردن پر لادی جائے گی۔ اس سے جرم کی سنگین نوعیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے!!

وقال أيوب عن أبي حيان: فرسٌ له حمحمة

اس تعلیق کو ابو طاہر ذہلی رحمہ اللہ نے ''فوائد'' میں قاضی یوسف بن یعقوب کے طریق سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے عن حماد، نیز عن عبدالوارث عن أبي حيان عن أبي زرعة عن أبي هريرة رضي الله عنه کے طریق سے موصولاً روایت کیا ہے(۳۱)۔

---

(۲۹) حوالۂ بالا، وإرشاد الساري: ۱۸۲/۵

(۳۰) عمدة القاري: ۱۰/۱۵

(۳۱) فتح الباري: ۲۳۰/۶، وتغليق التعليق للحافظ ابن حجرؒ: ۴۶۳/۳

اس تعلیق کا مقصد

ترجمۃ الباب کی مذکورہ روایت میں "وعلى رقبته فرس له حمحمة" میں لفظ "فرس" کی تصریح ہے۔ کشمیہنی، نسفی اور ابوعلی بن شبویہ رحمہم اللہ کے نسخوں میں ہے: "وعلى رقبته له حمحمة"۔ اس میں لفظ "فرس" ساقط ہے (۳۲)۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ تعلیق سے اشارہ فرمایا کہ لفظ "فرس" کی تصریح دو روایات میں موجود ہے (۳۳)۔

مال غنیمت سے مسروقہ مال کا حکم

علامہ ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے سارق پر مسروقہ مال واپس کرنا بالاجماع واجب ہے (۳۴)۔

تاہم یہ مال اگر لشکر اسلام کے منتشر ہوجانے کے بعد واپس کیا جائے اور مستحقین تک اس مال کا پہنچانا ممکن نہ رہے، تو پھر کیا کیا جائے؟ اس سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

امام ثوری، امام اوزاعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ شخص مسروقہ مال کا خمس امیر کو لوٹائے اور باقی حصہ صدقہ کردے (۳۵)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے پاس مال غنیمت ہو تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

❶ مال غنیمت اس کا شرعی حق ہو، یعنی غنائم کی تقسیم کے دوران اس کا مالک بن گیا ہو، اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس پر صدقہ کرنا واجب نہیں۔

---

(۳۲) عمدة القاري: ۱۵/۱۰، وفتح الباري: ٦/۲۳۰، وإرشاد الساري: ٥/۱۸۲

(۳۳) عمدة القاري: ۱۵/۱۰، وفتح الباري: ٦/۲۳۰، وإرشاد الساري: ٥/۱۸۲

(۳٤) نيل الأوطار للشوكاني رحمه الله: ۱۳۸/۸، باب التشديد في الغلول وتحريق رحل الغال

(۳٥) المغني لابن قدامة: ۵۲٦/۱۰، كتاب الجهاد، أحكام في الغلول، (رقم الفصل ۷٦۰۷)، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰، وفتح الباري: ۲۲۹/٦، وبذل المجهود: ۱۲/۲۹۰

❷ حق شرعی نہ ہو، بلکہ سرقہ ہو، اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ مالِ غیر ہے، اور مالِ غیر کا صدقہ کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں، اس لئے یہ مال اموال ضائعہ کے حکم میں ہوگا، یعنی اسے حاکم وقت کے حوالہ کرنا واجب ہوگا (۳۶)۔

مذکورہ دونوں مسلکوں کا استدلال سنن ابوداود کی اس روایت سے ہے:

"عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال كان رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إذا أصاب غنيمة أمر بلالا فنادىٰ في الناس، فيجيئون بغنائمهم، فيخمسه ويقسمه. فجاء رجلٌ بعد ذلك بزمامٍ من شعر فقال: يا رسول الله هذا فيما أصبناه من الغنيمة، فقال: أسمعت ينادي ثلاثا؟ قال نعم قال فما منعك أن تجيئ به؟ فاعتذر إليه، فقال: كن أنت تجيء به يوم القيامة فلن أقبل منك" (۳۷)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غنیمت پاتے تو بلال (رضی اللہ عنہ) کو اعلان کرنے کا حکم دیتے، چنانچہ (اس اعلان کے نتیجہ میں) لوگ اپنی غنیمت لاتے، آپ اس کا خمس نکال کر تقسیم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ تقسیم غنائم کے بعد ایک آدمی نے بالوں کی بنی ہوئی مہار لاکر کہا، یارسول اللہ! یہ اس مالِ غنیمت سے ہے، جو ہمیں ملا تھا۔ آپ نے (تین بار مکرر) فرمایا، کیا تم نے بلال کو منادی کرتے ہوئے سنا تھا؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا، پھر تمہیں کس چیز نے اسے لانے سے روکے رکھا؟ اس نے عذر تراشا، تو آپ نے فرمایا، ٹھہرو، "اگر تم اسے قیامت کے دن لاؤ گے، تب بھی میں اسے قبول نہیں کروں گا"۔

---

(۳۶) نيل الأوطار للشوكاني: ۱۳۸/۸، كتاب الجهاد والسير، باب التشديد في الغلول وتحريق رحل الغال، وعمدة القاري: ۱۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۹/۶، وبذل المجهود: ۲۹۰/۱۲

(۳۷) سنن أبي داود: ۱۵/۲، كتاب الجهاد، باب في الغلول إذا كان يسيراً يتركه الإمام ولا يحرق رحله

امام ثوری، امام اوزاعی، امام لیث اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس آدمی کو چاہیے تھا کہ وہ اس مال کا خمس نکال کر امیر کو لوٹا دیتا اور باقی کا صدقہ کر دیتا۔

جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسے کہ اس کی تفصیل پیچھے گزری ہے، کہ اگر وہ شرعی طریقہ پر مال کا مالک بنا تھا، یعنی وہ مال اس نے بطورِ غنیمت لیا تھا، تو پھر اس پر صدقہ کرنا واجب ہی نہ تھا، اگر سرقہ تھا تو ظاہر ہے کہ مال غیر ہونے کی وجہ سے اس کا صدقہ کرنا جائز نہیں تھا، لہٰذا وہ مال اسے ''اموالِ ضائعہ'' کی طرح امام کے حوالہ کر دینا چاہیے تھا۔

چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ ''نیل الاوطار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

قال الثوري والأوزاعي والليث ومالك: يدفع إلى الإمام خمسه ويتصدق بالباقي، وكان الشافعي لايرىٰ ذلك ويقول: إن كان ملكه فليس عليه أن يتصدق به، وإن كان لم يملكه فليس له التصدق بمال غيره، قال: والواجب أن يدفع إلى الإمام كالأموال الضائعة"(٣٨).

احناف کے نزدیک امام کو اختیار ہے کہ اس شخص کا مال قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہے کہ وہ خود مستحق کو اس کا حق پہنچا آئے، یا پھر اس کا خمس لے کر بیت المال میں جمع کر دے، باقی حصہ وہ شخص ''لقطہ'' کے طور پر اپنے پاس رکھے، یا مساکین کو دے دے، یا بیت المال میں جمع کر دے۔ اپنے پاس اس صورت میں رکھے کہ جب اسے امید ہو کہ مستحق تک یہ مال پہنچا سکوں گا، اگر امید نہ ہو تو پھر اسے مساکین میں تقسیم کر دے، یا بیت المال میں جمع کر دے۔

چنانچہ ''السیر الکبیر'' میں ہے:

"ولو أن رجلاً غلّ شيئاً من الغنائم، ثم ندم، فأتى به الإمام بعد القسمة وتفرق الجيش فللإمام في ذلك رأي: إن شاء كذبه فيما قال، وقال: أنا لا

(٣٨) نيل الأوطار للشوكاني رحمه الله: ١٣٨/٨، كتاب الجهاد والسير، باب التشديد في الغلول وتحريق رحل الغال، وبذل المجهود: ١٢/ ٢٩٠

أعرف صدقك وقد التزمتَ وبالاً بزعمك، وأنت أبصر بما التزمتَه حتى توصل الحق إلى المستحق، وإن شاء أخذ ذلك منه وجعل لمن سمى الله تعالىٰ؛ لأنه وجد المال في يده وصاحب المال مصدق شرعاً فيما يخبر به من حال في يده، وباعتبار صِدْقه خمسه لأرباب الخمس فيصرف إليهم، والباقي يكون بمنزلة اللقطة في يده إن طمع أن يقدر على أهله .... وإن لم يطمع في ذلك قسمه بين المساكين إن أحبّ، وإلا جعله موقوفا في بيت المال"(۳۹).

یعنی: ''اگر کوئی شخص مالِ غنیمت سے چوری کرے، پھر اسے ندامت ہو اور چوری کے مال کو مالِ غنیمت کی تقسیم اور لشکر کے منتشر ہونے کے بعد حاکم وقت کے پاس لائے، تو اس صورت میں حاکم کو اختیار ہے، یا تو اس کی بات کو جھٹلا کر یہ کہے کہ مجھے تمہاری صداقت پر یقین نہیں، تم نے خود اپنے اوپر وبال ڈالا ہے، اسے تمہی جانو مستحق تک اس کا حق پہنچانا تمہارے ذمہ ہے۔ یا اگر امام وقت چاہے تو چوری کا یہ مال لے کر اصحاب خمس کو دیدے۔ چونکہ حاکم نے اس مال کو اس شخص کے پاس دیکھ لیا ہے، نیز جب صاحب مال اپنے قبضہ میں موجود کسی بھی چیز کی خبر دے تو شرعاً اس کی تصدیق معتبر ہے، لہٰذا اس کے قول کا اعتبار کرنے کی صورت میں مالِ مسروقہ کا خمس نکال کر اصحاب خمس کو دے دیا جائے۔ باقی حصہ اس شخص کے پاس لقطہ کی حیثیت میں رہے گا۔ اگر مستحق تک اسے پہنچنے میں کامیابی کی امید ہو تو اس مال کو اس کے اصل مستحق تک پہنچا دے۔ امید نہ ہو تو اس کی مرضی ہے، چاہے تو مساکین میں تقسیم کردے، یا پھر بیت المال میں جمع کردے''۔

(۳۹) بذل المجهود: ۱۲/ ۲۹۰

١٨٦ - باب : القَلِيلِ مِنَ الْغُلُولِ .

ترجمة الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کیا قلیل غلول کا حکم بھی وہی ہے جو غلولِ کثیر کا ہے؟ اس کا جواب روایت ہی سے معلوم ہوا کہ دونوں کا حکم ایک ہے(۱)۔

وَلَمْ يَذْكُرْ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَمْرٍو ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ حَرَّقَ مَتَاعَهُ ، وَهٰذَا أَصَحُّ .

چونکہ بعض فقہاء کرام تحریقِ متاع غال کے جواز کے قائل ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت میں بھی جو سنن ابوداود میں منقول ہے، تحریق متاع غال کی تصریح ہے، اس لئے آگے باب کے تحت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی کی جو روایت آرہی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اس کے متعلق باور کرار ہے ہیں کہ اس روایت میں یہ منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کرکرہ نامی غلام کا مال ومتاع جلانے کا حکم صادر فرمایا تھا، صحیح یہ کہ آپ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ چنانچہ هذا أصح کا مطلب ہے کہ درست یہی ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث باب میں تحریقِ متاع غال کا ذکر نہیں ہے(۲)۔

اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے "ولم يُذكر، صیغۂ تمریض لاکر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی ذکرِ تحریقِ متاع الغال والی روایت کی تضعیف فرمائی اور عدم ذکر "تحريق الغال" والی روایت کی صحت کی طرف اشارہ فرمایا(۳)۔

مذکورہ جملہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے سنن ابوداود کی ان روایات کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جن میں تحریق متاعِ غال کا ذکر ہے۔

❶ چنانچہ سنن اُبوداود میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

"عن صالح بن محمد بن زائدة قال دخلت مع مسلمة أرض الروم

---

(١) عمدة القاري: ١٥/١١، وفتح الباري: ٦/٢٣٠

(٢) عمدة القاري: ١٥/١١

(٣) عمدة القاري: ١٥/١١

فأتي برجل قد غلّ فسأل سالماً عنه فقال: سمعت أبي يحدّث عن عمر بن الخطاب عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وجدتم الرجل قد غلّ فأحرقوا متاعه واضربوه"(٤)۔

صالح بن محمد کہتے ہیں کہ میں مسلمہ کے ساتھ روم گیا، جہاں غلول کرنے والے ایک شخص کو لایا گیا، سالم بن عبداللہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کو عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ''جب تم غلول کرنے والے شخص کو دیکھ لو، تو اس کا مال جلا دو اور اسے مار ڈالو''۔

اسی روایت کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:

"يحتجون بهذا الحديث في إحراق رحل الغال، وهو باطل ليس له أصل، وراويه لا يعتمد عليه"(٥).

یعنی ''بعض تحریق متاع غال کے قائلین اپنے مسلک کے اثبات کے لئے اس حدیث سے استدلال کرتے، حالانکہ یہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، اور اسے روایت کرنے والا بھی معتمد نہیں''۔

اس حدیث کی سند میں ''صالح بن محمد بن زائدہ'' کو ائمہ رجال حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں صالح پر جرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"صالح منكر الحديث ولم يأمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحرق متاع الغال"(٦).

---

(٤) سنن أبي داود (١٥/٢) كتاب الجهاد، باب في عقوبة الغال، وعمدة القاري: ١١/١٥، وفتح الباري: ٢٣٠/٦، وإرشاد الساري: ١٨٢/٥

(٥) فتح الباري: ٢٣٠/٦، وإرشاد الساري: ١٨٢/٥

(٦) جامع الترمذي: ٢٧٠/١، أبواب الحدود، باب ماجاء في الغال مايصنع به، ونيل الأوطار: ١٣٨/٨، وفتح الباري: ٢٣٠/٦، وأوجز المسالك: ٣٣٩/٨

امام منذری رحمہ اللہ کا قول ہے:

"وصالحٌ بن محمد بن زائده تكلم فيه غير واحد من الأئمة، وقد قيل انه تفرّد به"(۷)۔

امام دارقطنی بھی مذکورہ روایت کی تضعیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أنكروا هذا الحديث على صالح بن محمد، وهذا حديث لم يتابع عليه، ولا أصل لهذا الحديث عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(۸)۔

❷ سنن ابوداود کی دوسری روایت ہے:

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبابكر وعمر حرقوا متاع الغال وضربوه"(۹)۔

یہ روایت بھی سنداً ضعیف اور مضطرب ہے، اس کی سند میں زہیر بن محمد الخراسانی نام کا راوی متکلم فیہ ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ ان کے متعلق فرماتے ہیں: "إنه مجهول"(۱۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تحریقِ متاع غال جائز نہیں، مذکورہ جملہ سے انہوں نے سنن ابوداود کی ان روایات کے ضعف اور بے اصل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، جن میں تحریقِ متاع غال کی تصریح ہے۔

مالِ غنیمت میں خیانت کا مسئلہ

امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور بہت سے صحابہ وتابعین کرام کے نزدیک امیر یا حاکم کو غلول کرنے والے کے لئے جسمانی سزا وتعزیر تجویز کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن اس کا مال ومتاع جلانا

(۷) نيل الأوطار للشوكاني: ۱۸۳۹/۸، كتاب الجهاد والسير، باب التشديد في الغلول وتحريق رحل الغال

(۸) نيل الأوطار للشوكاني: ۱۸۳۹/۸، كتاب الجهاد والسير، باب التشديد في الغلول وتحريق رحل الغال

(۹) سنن أبي داود: ۱۵/۲، كتاب الجهاد، باب في عقوبة الغال.

(۱۰) نيل الأوطار للشوكاني رحمه الله: ۱۳۹/۸، كتاب الجهاد والسير، باب التشديد في الغلول وتحريق رحل الغال.

جائز نہیں (۱۱)۔

مخالفین کا مسلک اوران کے دلائل کا رد

حسن بصری، احمد بن حنبل، اسحاق، مکحول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا سارا مال ومتاع جلانا جائز ہے (۱۲)۔

البتہ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحریق کے حکم سے غلول کرنے والے کا اسلحہ اور لباس مستثنی ہیں، اُنہیں جلانا جائز نہیں (۱۳)۔

جب کہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حیوان اور مصحف کے علاوہ اس کا سارا مال ومتاع جلا دیا جائے (۱۴)۔

ان حضرات نے سنن ابوداود کی روایات سے استدلال کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کی تائید کرتے ہوئے ان کی تضعیف فرمائی ہے۔ پیچھے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جمہور کے نزدیک سنن ابوداود کی روایات تغلیظ پر محمول ہیں، اوران کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے متاعِ غال کی تحریق کا حکم کہیں منقول نہیں ہے (۱۵)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایات سنداً صحیح تسلیم بھی کرلی جائیں، تب بھی قابل استدلال نہیں

(۱۱) المغني لابن قدامة: ۱۰/۵۲٤، كتاب الجهاد، أحكام في الغلول، وشرح النووي على صحيح مسلم: ۱۲۳/۲، كتاب الإمارة، باب غلظ تحريم الغلول، وعمدة القاري: ۱۵/۱۱، وشرح ابن بطال: ۲۳۵/۵

(۱۲) المغني لابن قدامة: ۱۰/۵۲٤، كتاب الجهاد، أحكام في الغلول (رقم المسئلة: ۷٦۰۳)، وشرح النووي على صحيح مسلم: ۱۲۳/۲، كتاب الامارة، باب غلظ تحريم الغلول، وشرح ابن بطال: ۲۳۵/۵، وفتح الباري: ٦/۲۳۰، ۱۳۱، وأوجز المسالك للمحدث الكاندهلوي: ۳۳۸/۸

(۱۳) المغني: ۱۰/۵۲٤، وشرح النووي على صحيح مسلم: ۱۲۳/۲

(۱٤) المغني: ۱۰/۵۲٤، وشرح النووي على صحيح مسلم: ۱۲۳/۲

(۱۵) التعليق المحمود على سنن أبي داود للعلامة المحدث فخر الحسن الكنكوهي: ۵/۲، كتاب الجهاد، باب في عقوبة الغال.

بن سکتیں، اس لئے کہ یہ اس وقت پر محمول ہیں، جب مالی سزا کا حکم نافذ العمل تھا، بعد میں یہ حکم چونکہ منسوخ ہوگیا، لہٰذا اب ہر قسم کی مالی سزا منسوخ ہے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لوصحّ الحديث لاحتمل أن يكون حين كانت العقوبة بالمال"(١٦)۔

٢٩٠٩ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الجَعْدِ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَمْرٍو قالَ : كانَ عَلَى ثَقَلِ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ كِرْكِرَةُ فَمَاتَ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (هُوَ في النَّارِ) . فَذَهَبُوا يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ فَوَجَدُوا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا .

تراجم رجال

۱-علی بن عبداللہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث علی بن عبداللہ بن جعفر نجیح بصری ہیں، ابن المدینی سے مشہور ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب الفهم في العلم کے تحت گزر چکا ہے(۱۸)۔

۲-سفیان

یہ مشہور محدث ابومحمد سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب قول المحدث حدثنا أو أخبره .... کے تحت گزر چکا ہے(۱۹)۔

۳-عمرو

یہ أبومحمد الأثرم عمرو بن دینار المکی ہیں، کتاب العلم، باب العلم والعظه بالليل کے تحت ان کا

(١٦) شرح النووي على صحيح مسلم: ١٣٢/٢، وشرح ابن بطال: ٢٣٥/٥، وعمدة القاري: ١١/١٥، وفتح الباري: ٢٣١/٦، ونيل الأوطار للشوكاني: ١٣٩/٨

(٢٩٠٩) وأخرجه ابن ماجه ايضاً في سننه، ص: ٢٠٤، في الجهاد، باب الغلول (رقم ٢٨٤٩)

(١٨) كشف الباري: ٢٥٦/٣

(١٩) كشف الباري: ٨٦/٣-٩٠

تذکرہ گزر چکا ہے۔

۴-سالم بن ابی جعد

یہ رافع الغطفانی الأشجعی کے آزاد کردہ غلام، سالم بن أبی الجعد الکوفی ہیں، کتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

۵-عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سُعید السہمی ہیں، کتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۲۰)۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل وعیال پر ایک آدمی مقرر تھا، جسے "کِرکِرہ" کہا جاتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "هو في النار" لوگ اسے دیکھنے گئے، تو انہوں نے لوٹ کے مال میں ایک کمبلی پائی، جو اس نے چرائی تھی۔

ثَقَل: ثاء اور قاف کے فتحہ کے ساتھ، اہل وعیال کو کہتے ہیں(۲۱)، چنانچہ "وأخرجت الأرض أثقالها" میں مفسرین نے اثقال کو اجساد بنی آدم کے معنی میں لیا ہے(۲۲)۔

ثقل کے دوسرے معنی ہیں: متاع السفر، مسافر کا زادِ سفر(۲۳)۔

کرکرة: علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث باب میں "کرکرة" کافِ اوّل اور ثانی دونوں کے کسرہ کے ساتھ ہے(۲۴)۔ لیکن یہ رائے خود امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے کے خلاف ہے، آگے تعلیقاً ان کے

---

(۲۰) كشف الباري: ۱/۶۷۹

(۲۱) عمدة القاري: ۱۵/۱۲، وفتح الباري: ۶/۲۳۱

(۲۲) مختار الصحاح، ص: ۱۱۷، مادة ثقل

(۲۳) النهاية لابن الأثير: ۱/۲۱۷، وعمدة القاري: ۱۵/۱۲، وفتح الباري: ۶/۲۳۱، ومختار الصحاح، ص: ۱۱۷

(۲۴) إرشاد الساري: ۵/۱۸۲

شیخ کا قول آ رہا ہے، کہ دونوں کاف پر فتحہ ہے۔

یہ کالا حبشی تھا، یمامہ کے ہوذہ بن علی الحنفی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا، دورانِ جہاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کا لگام پکڑے رہتا، بعد میں آپ نے آزاد کر دیا تھا، علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ اس نے غلامی کی حالت میں وفات پائی (۲۵)۔

شراح حدیث نے اس کے بارے میں لکھا ہے، "وكان نوبيا"۔ سوڈان کا ایک نام تاریخ کی کتابوں میں "نوبیہ" بھی لکھا گیا ہے، اس لئے سوڈان سے تعلق رکھنے والے کو نوبی کہا جاتا ہے (۲۶)۔

"هو في النار" کا مطلب

❶ علامہ داودی، حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب ہے "هو في النار إن لم يعف الله عنه" یعنی "اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت نہیں کی، تو جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا" (۲۷)۔

❷ علامہ عینی رحمہ اللہ نے مذکورہ قول کی تین توجیہات فرمائی ہیں کہ ممکن ہے اپنے جرم کی سزا وہ آدمی قبر میں پائے، بعد میں جہنم کے عذاب سے اسے نجات میسر ہو۔ تو گویا عذاب قبر مراد ہے۔

❸ ممکن ہے اس نے دل میں نفاق چھپائے رکھا ہو، اور وہی جہنم کی آگ کا موجب بنا ہو۔

❹ یا مالِ غنیمت میں چوری اور خیانت کے ارتکاب کرنے سے وہ عذاب نار کا مستحق ٹھہرا ہو اور اس عذاب کے بعد اس کی بخشش ہوگئی ہو۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "يخرج من النار من في قلبه مثقال ذرة من إيمان" یعنی "جہنم کی آگ سے ہر وہ شخص نجات پائے گا، جس کے دل میں رتی برابر ایمان ہو"، اگر وہ حالتِ ایمان میں مرا ہو، تو اس حدیث کی روشنی میں مقررہ سزا کے بعد اس کا

---

(۲۵) فتح الباري: ۲۳۱/۶، وإرشاد الساري: ۱۸۲/۵، ومعجم البلدان للحموي: ۵۸/۳، ۵۹

(۲۶) الأنساب للسمعاني رحمه الله: ۵۳۰/۵.

(۲۷) فتح الباري: ۲۳۱/۶، وإرشاد الساري: ۱۸۲/۵

نجات یافتہ ہونا یقینی ہے۔

چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله: "هو في النار"، قال ابن التين عن الداودي: يحتمل أن يكون هذا جزاءه إلا أن يعفو الله، ويحتمل أن يصيبه في القبر، ثم ينجو من جهنم، ويحتمل أن يكون وجبت له النار من نفاق كان يسره أو بذنب مات عليه مع غلوله أو بما غلّ، فان مات مسلماً فقد قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يخرج من النار من في قلبه مثقال ذرة من إيمان"(٢٨).

قالَ أَبُو عَبْدِ ٱللهِ: قالَ ابْنُ سَلَامٍ: كَرْكَرَةُ، يَعْنِي بِفَتْحِ الْكافِ، وَهُوَ مَضْبُوطٌ كَذَا.

ابوعبداللہ سے خود امام بخاری رحمہ اللہ مراد ہیں، اور ابن سلام سے ان کے شیخ محمد بن سلام (بتخفیف الام) مراد ہیں(۲۹)۔ البتہ ابوذر کی روایت میں "قال أبو عبدالله" ساقط ہے(۳۰)۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے کرکرۃ کے ضبط میں اختلاف کی طرف اشارہ کرکے اپنے شیخ محمد بن سلام سے ابن عیینہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے "کرکرہ" کے پہلے اور دوسرے کاف پر فتحہ دے کر تلفظ کیا ہے کہ یہ اسی طرح منقول ہے، علامہ اصیلی نے بھی اس کی تصریح کی ہے(۳۱)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کاف اوّل وثانی دونوں کو فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا درست ہے(۳۲)۔

---

(٢٨) عمدة القاري: ١٢/١٥

(٢٩) عمدة القاري: ١٢/١٥

(٣٠) إرشاد الساري: ١٨٢/٥

(٣١) فتح الباري: ٢٣١/٦، وعمدة القاري: ١٢/١٥، ونيل الأوطار للشوكاني: ١٣٧/٨، كتاب الجهاد، باب في تشديد الغلول وتحريق رحل الغال.

(٣٢) فتح الباري: ٢٣١/٦، وإرشاد الساري: ١٨٢/٥، ونيل الأوطار للشوكاني: ١٣٧/٨

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کافِ اول کے تلفظ میں تو اختلاف ہے، لیکن کافِ ثانی بالاتفاق مکسور ہے (۳۳)۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی رائے پیچھے گزر چکی ہے کہ لفظِ ''کرکرہ'' میں کافِ اوّل وثانی دونوں بالکسر ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ محمد بن سلام سے ابن عیینہ رحمہ اللہ کا جو قول نقل کیا ہے، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک کاف اوّل وثانی کو فتحہ کے ساتھ پڑھنا راجح ہے۔

کرکرہ کے تلفظ میں کسی بھی قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے، اس میں توسع ہے۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت

باب القلیل من الغلول کا ترجمہ قائم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بتایا ہے کہ عقوبت اور سزا کے لحاظ سے غلولِ کثیر وقلیل میں فرق نہیں۔

حدیث باب میں ہے "فوجدوا عباءۃ قد غلّها" ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ مال ومتاع کی دیگر اصناف کے مقابلہ میں غنیمت سے ایک معمولی چادر کی چوری بھی جہنم کے ہولناک عذاب کا موجب بنی (۳۴)۔

چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الاوطار'' میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن عمرو کی یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عقوبت اور سزا کے اعتبار سے غلولِ کثیر وقلیل دونوں برابر ہیں (۳۵)۔

---

(۳۳) فتح الباري: ۲۳۱/۶، وإرشاد الساري: ۱۸۲/۵، ونيل الأوطار للشوكاني: ۱۳۷/۸

(۳٤) عمدة القاري: ۱۲/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۸۲/۵

(۳٥) نيل الأوطار للشوكاني: ۳۹/۸، ۱٤۰، كتاب الجهاد، باب التشديد في الغلول وتحريق رحل الغال.

۱۸۷ - باب : ما يُكْرَهُ مِنْ ذَبْحِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ فِي المَغَانِمِ

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے امام کی اجازت کے بغیر، کسی بھی جانور کو ذبح کر کے کھانا مکروہ ہے۔ انہوں نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے:

۲۹۱۰ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعٍ قَالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الحُلَيْفَةِ ، فَأَصَابَ النَّاسَ جُوعٌ ، وَأَصَبْنَا إِبِلاً وَغَنَمًا ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي أُخْرَيَاتِ النَّاسِ ، فَعَجِلُوا فَنَصَبُوا الْقُدُورَ ، فَأَمَرَ بِالْقُدُورِ فَأُكْفِئَتْ ، ثُمَّ قَسَمَ فَعَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ ، فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ ، وَفِي الْقَوْمِ خَيْلٌ يَسِيرٌ ، فَطَلَبُوهُ فَأَعْيَاهُمْ ، فَأَهْوَى إِلَيْهِ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ ، فَقَالَ : (هٰذِهِ الْبَهَائِمُ لَهَا أَوَابِدُ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ ، فَمَا نَدَّ عَلَيْكُمْ ، فَاصْنَعُوا بِهِ هكَذَا) . فَقَالَ جَدِّي : إِنَّا نَرْجُو ، أَوْ نَخَافُ أَنْ نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا ، وَلَيْسَ مَعَنَا مُدًى ، أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ ؟ فَقَالَ : (ما أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلْ ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ ، وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ : أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الحَبَشَةِ) . [ر : ۲۳۵۶]

تراجم رجال

۱- موسیٰ بن اسماعیل

یہ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی المنقری البصری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب کیف کان بدء الوحي کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۲- ابوعوانہ

یہ أبوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری ہیں، ان کا تذکرہ مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

(۲۹۱۰) مر تخريجه في كتاب الشركة، باب قسمة الغنم (رقم ۲٤۸۸)

(۲) كشف الباري: ۱/٤۳۳، ٤۳٤

(۳) كشف الباري: ٤۳٤

۳-سعید

جلیل القدر محدث سفیان ثوری رحمہ اللہ کے والد، سعید بن مسروق الثوری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الأذان، باب من شکی إمامه إذا طوّل کے تحت گزر چکا ہے۔

۴-عبایہ بن رِفاعہ

یہ عبایہ بن رفاعہ بن رافع الانصاری المدنی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الجمعة، باب المشي إلی الجمعة کے تحت گزر چکا ہے۔

۵-رافع

مشہور صحابی رافع بن خدیج بن رافع بن عدی الحارثی الأوسی الأنصاری ہیں، کتاب مواقیت الصلوة، باب وقت المغرب کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

قال كنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بذي الحليفة فأصاب الناس جوع وأصبنا إبلا وغنما وكان النبي صلى الله في أخريات الناس

"حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ذوالحلیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگوں کو بھوک لگی تو ہم نے غنیمت سے اونٹ اور بکریاں لیں (مطلب یہ ہے کہ کھانے کے لئے جانور ذبح کئے)، اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے پچھلے حصے میں تھے"۔

فَعَجِلوا فنصبوا القُدور

"لوگوں نے (بھوک کی شدت سے) عجلت سے کام لیا، اور (جانور ذبح کرکے) ہانڈیاں چولہے پر چڑھادیں"۔

فأَمَرَ بالقُدور فأُكْفِئَتْ

جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے "تو آپ نے ہانڈیوں کو الٹ دینے کا حکم دیا،

چنانچہ ہانڈیاں الٹ دی گئیں"۔

فأكفئت

كفأ كفاءً (فتح) کے معنی پھرنے کے ہیں، یہاں باب افعال سے استعمال ہوا ہے، چنانچہ "أكفأ الإناء" کے معنی ہیں: برتن کو الٹ دیا۔

غنیمت کی اشیائے خوردونوش کے استعمال کا حکم

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دارالحرب میں مجاہدین اسلام کے لئے غنیمت سے ملنے والی اشیائے خوردونوش کو بقدرِ ضرورت اپنے تصرف میں لانا بالاتفاق جائز ہے اور اس میں امام سے اجازت بھی ضروری نہیں (۴)۔ چنانچہ جمہور فقہاء کے نزدیک جانور کو کھانے کے لئے ذبح کرنا بھی جائز ہے (۵)۔

البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے حاجت اور ضرورت کی قید نقل کی ہے (۶)، تاہم "تحفة المحتاج" میں جمہور فقہاء کے ساتھ شوافع کی موافقت کی تصریح موجود ہے (۷)۔

علامہ خرقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تک اضطراری حالت نہ ہو، غنیمت سے کھانے کی کوئی چیز استعمال کرنا جائز نہیں (۸)۔

اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی جمہور فقہاء کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبلؒ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جانور کو ذبح کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اکل وشرب کے معاملہ میں ان کا خیال ہے کہ جانور کی حیثیت بھی وہی ہے، جو عام اشیائے خوردونوش کی

---

(٤) شرح النووي على صحيح مسلم: ٩٧/١، باب جواز الأكل في طعام الغنيمة في دارالحرب.

(٥) لامع الدراري: ٢٨٩/٧، وأوجز المسالك: ٢٦٧/٨

(٦) فتح الباري: ٣١٤/٦، وأوجز المسالك: ٢٦٦/٨

(٧) لامع الدراري: ٢٨٩/٧، وأوجز المسالك: ٢٦٧/٨

(٨) المغني لابن قدامة: ٤٩٩/١٠، كتاب الجهاد، أحكام في الغلول، وأوجز المسالك: ٢٦٧/٨

ہے(۹)۔

البتہ جمہور فقہاء کے برخلاف امام زہری رحمہ اللہ کے نزدیک جانور کے ذبح کرنے کا جواز امیر جیش کی اجازت پر منحصر ہے، اگر امیر کی اجازت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں (۱۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک مجاہدین اسلام کے لئے غنیمت سے کھانے کی تمام اشیاء استعمال کرنے کی اجازت ہے، اور اس میں امیر کی اجازت ضروری نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الخمس کے آخر میں "باب ما یصیب من طعام في أرض العدو" کا ترجمہ قائم کیا ہے، اس مسئلہ سے متعلق مزید تفصیل وہیں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ غالباً ترجمۃ الباب سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دارالحرب میں کھانے کی جو چیزیں میسر ہوں، مثلاً، سالن، روٹی اور پھل وغیرہ، ان کا استعمال تو بلا اذنِ امیر کسی کراہت کے بغیر جائز ہے، جیسا کہ "کتاب الخمس" کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب مایصیب من طعام في أرض العدو" کا ترجمہ قائم کر کے جمہور کی موافقت کرتے ہوئے جواز کی تصریح کی ہے، لیکن مجاہدین اگر جانور ذبح کرتے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

❶ پہلی صورت یہ ہے کہ جانور کو دارالحرب میں ذبح کیا جائے۔

❷ دوسری یہ کہ دارالحرب سے لوٹتے ہوئے دارالاسلام میں ذبح کیا جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ممکن ہے ترجمۃ الباب میں اس دوسری صورت کو کراہت پر محمول کیا ہو، چنانچہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت باب میں اسی دوسری صورت کا ذکر ہے، جیسا کہ علامہ مہلب رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ یہ واقعہ دارالاسلام یعنی ذوالحلیفہ کے مقام پر پیش آیا (۱۱) کہ صحابہ نے اجازت کے بغیر اور تقسیمِ غنائم

(۹) المغني لابن قدامة: ۱۰/۴۹۹

(۱۰) شرح النووي علی صحیح مسلم: ۱/۹۷، باب جواز الأكل من طعام الغنيمة في دارالحرب، وفتح الباري: ۶/۲۳۱

(۱۱) شرح ابن بطال: ۵/۲۳۶، وفتح الباري: ۶/۲۳۲، وعمدة القاري: ۱۵/۱۳، ولا مع الدراري: ۷/۲۸۹.

سے پہلے جانور کو ذبح کر کے، گوشت پکانے کے لئے ہانڈی چولہے پر چڑھا دی تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو انہیں اُلٹ دینے کا حکم فرمایا۔

تاہم حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان مطلقاً کراہت کی طرف ہے۔ اگر ذبح دار الحرب میں ہو، تب بھی امام بخاری کا میلان کراہت کی طرف ہے (۱۲)۔ واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

ہانڈیاں الٹنے کا حکم کیوں دیا گیا؟

حدیث باب میں گوشت سے بھری ہانڈیاں الٹنے کا جو حکم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ گوشت مال غنیمت اور مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ضائع اور تلف کرنے کا حکم کیوں دیا؟

شُراح حدیث نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں:

❶ علامہ مہلب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ واقعہ دار الاسلام یعنی ذو الحلیفہ میں پیش آیا، ذو الحلیفہ کی تصریح حدیث باب میں موجود ہے، چونکہ تقسیمِ غنائم سے پیشتر، غنیمت کی کوئی چیز استعمال کرنا جائز نہیں، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوشت ضائع کرنے کا حکم دیا اور مقصد صحابہ کو یہ باور کرانا تھا کہ دار الاسلام میں، تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت کی کوئی چیز استعمال کرنا جائز نہیں (۱۳)۔

❷ علامہ ابن منیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک قول کے مطابق جب امام کی اجازت کے بغیر علی وجہ التعدّی جانور ذبح کیا جائے، تو وہ مذبوحہ "میتہ" بن جاتا ہے، یہ ایک مذہب ہے، گویا امام بخاری نے حدیث باب کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے اس مذہب کی تائید فرمائی ہے کہ صحابہ کرام کے مذکورہ طرزِ عمل سے ان کا مذبوح جانور "میتہ" بن گیا، ظاہر ہے حدیث کی رو سے میتہ نجس کے حکم میں ہے، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ضائع کرنے کا حکم دیا۔

---

(۱۲) لامع الدراري: ۲۸۹/۷

(۱۳) شرح ابن بطال: ۲۳۷/۵، وعمدة القاري: ۱۳/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۸۳/۵، قال المهلب: إنما أكفأ القدور ليعلم أن الغنيمة إنما يستحقو نها بعد قسمة لها وذلك أن القصة وقعت في دار الإسلام لقوله فيها "بذي الحليفة"

علامہ ابن منیر رحمہ اللہ نے احتمال کے درجہ میں امام بخاری کا ایک رجحان یہ بھی بتایا کہ ممکن ہے انہوں نے "إکفاء بالقدور" کو عقوبتِ مالی (تعزیر مالی) پر حمل کیا ہو، اگر چہ وہ مال (جانور) ذبح کے واقعہ میں ملوث مجاہدین کی انفرادی ملکیت نہیں تھا، لیکن ان کی طمع اس سے ضرور وابستہ تھی، اس لئے گوشت کے ضیاع سے انہیں مالی سزا دی گئی (۱۴)۔

❸ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حقیقت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف شوربہ الٹنے کا حکم فرمایا تھا، گوشت ضائع کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ ممکن ہے اس گوشت کو بعد میں مالِ غنیمت میں شامل کرلیا گیا ہو، اس لئے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک روایت میں ضیاع مال کی ممانعت منقول ہے۔ پھر جرم کا اقبال بھی یہاں چند افراد نے انفرادی سطح پر کیا تھا، کچھ اصحابِ خمس اور بعض غانمین ایسے تھے جو شریکِ جُرم نہ تھے، اور اس گوشت میں ان کا بھی حق تھا، چونکہ کسی روایت میں صراحت کے ساتھ ثابت نہیں کہ آپ نے گوشت ضائع کرنے کا حکم فرمایا ہو، اس لئے شرعی قواعد کی رو سے اس کا حکم خود معلوم اور متعین ہو جاتا ہے، چنانچہ لحومِ حُمرِ اہلیہ کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "إنها رجس" فرما کر تلف کرنے کا حکم دیا تھا، اگر اس گوشت کا یہی حکم ہوتا تو روایت باب کے واقعہ میں بھی ایسا ہی حکم دیا جاتا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ واقعہ میں جانور کا گوشت لحوم حمر اہلیہ کی طرح نجس قرار دے کر ضائع کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

چنانچہ فتح الباری، عمدۃ القاری وإرشاد الساری میں ہے:

"وقال القرطبي: المأمور بإكفائه إنما هو المرق عقوبة للذين تعجلوا، وأما نفس اللحم فلم يتلف، بل يحتمل على أنه جمع وردّ إلى المغنم لأن النهي عن إضاعة المال تقدم، والجناية بطبخه لم تقع من الجميع إذ جملتهم أصحاب الخمس ومن الغانمين من لم يباشر ذلك، وإذا لم ينقل أنهم

(١٤) فتح الباري: ٦/١٣٢، ولفظهُ: "وأجاب ابن المنير بأنه قد قيل ان الذبح إذا كان على طريق التعدي كان المذبوح ميتة. فكأن البخاري انتصر لهذا المذهب، أو حمل الإكفاء على العقوبة بالمال، وإن ذلك المال لايختص بأولئك الذين ذبحوا، لكن لما تعلق به طمعهم، كانت النكاية حاصلة لهم. قال وإذا جوّزنا هذا النوع من العقوبة فعقوبة صاحب المال أولى في ماله".

حـرقـوه أو أتلفوه تعين تأويله على وفق القواعد الشرعية، ولهذا قال في الحمر الأهـلية لـمـا أمـر بإراقتها: "إنها رجس"، ولم يقل ذلك في هذه القصة، فدلّ على أن لحومها لم تترك بخلاف تلك"(۱۵).

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہانڈیوں کو اُلٹ دینے کا حکم دیا، یہ مضمون "فـأمـر بـالقدور" کے الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، اس حکم کا مقتضیٰ ظاہر ہے کہ کراہت ہے، اس لئے ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت بھی ظاہر ہے(۱۶)۔

۱۸۸ – باب : الْبِشَارَةِ في الْفُتُوحِ .

البشارة: بکسر الباء خوشخبری کے معنی میں ہے۔البِشارة، الإبشار، والتبشير تین مختلف لغات ہیں اوران کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی دل میں مسرت اورخوشی پیدا کرنا(۱)۔

علامہ ابن اثیر نے فرمایا کہ "البُشـارة" باء کے ضمہ کے ساتھ، خوشخبری دینے والے کے انعام کو کہا جاتا ہے، جیسے مزدور کو اس کی مزدوری (اُجرت) دی جاتی ہے(۲)۔

علامہ محمد بن ابوبکر رازی رحمہ اللہ کی "مختار الصحاح" میں ہے کہ اگر لفظ "بشـارة" کسی قید کے بغیر، مطلق استعمال ہو، تو اس سے خیر کے معنی ہی لئے جائیں گے، البتہ جب مقیدا استعمال ہو، تو یہ لفظ شر کے معنی میں ہوگا۔جیسا کہ آیت ﴿فبشـرهـم بـعـذاب أليم﴾ میں لفظ بشارت، مقید ہوکر، شر کے معنی میں استعمال ہوا ہے(۳)۔

---

(۱۵) فتح الباري: ۲۳۲/٦، وعمدة القاري: ۱۳/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۸۳/۵

(۱٦) عمدة القاري: ۱۳/۱۵

(۱) عمدة القاري: ۱۳/۱۵

(۲) النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير رحمه الله: ۱۲۹/۱

(۳) مختار الصحاح لمحمد بن أبي بكر الرازي رحمه الله، ص: ۸۱

الفتوح: فتح کی جمع ہے۔ دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ میں اہل اسلام کی سرخروئی وکامیابی کو فتح و ظفر کہتے ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اہل اسلام فتح وکامرانی سے شادکام ہوں، تو اس فتح کی بشارت وہ دوسروں کو دے سکتے ہیں، اوراس کی مشروعیت حدیث سے ثابت ہے(۴)۔

۲۹۱۱ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا يَحْيٰى : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي قَيْسٌ قالَ : قالَ لِي جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ ٱللّٰهِ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : قالَ لِي رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الخَلَصَةِ) . وَكانَ بَيْتًا فِيهِ خَثْعَمُ ، يُسَمَّى كَعْبَةَ الْيَمَانِيَةِ ، فَانْطَلَقْتُ فِي خَمْسِينَ وَمِائَةٍ مِنْ أَحْمَسَ ، وَكانُوا أَصْحَابَ خَيْلٍ ، فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الخَيْلِ ، فَضَرَبَ فِي صَدْرِي حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ أَصَابِعِهِ فِي صَدْرِي فَقَالَ : (اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ ، وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا) . فَانْطَلَقَ إِلَيْهَا فَكَسَرَهَا وَحَرَّقَهَا ، فَأَرْسَلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يُبَشِّرُهُ ، فَقَالَ رَسُولُ جَرِيرٍ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ، ما جِئْتُكَ حَتَّى تَرَكْتُهَا كَأَنَّهَا جَمَلٌ أَجْرَبُ . فَبَارَكَ عَلَى خَيْلِ أَحْمَسَ وَرِجَالِهَا خَمْسَ مَرَّاتٍ . قالَ مُسَدَّدٌ : بَيْتٌ فِي خَثْعَمَ . [ر : ۲۸۵۷]

تراجم رجال

۱۔محمد بن المثنیٰ

یہ ابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ بن عبید عنزی بصری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب حلاوة الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۶)۔

---

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٣، ١٤، إرشاد الساري: ٥/١٨٣؛

(٢٩١١) مر تخريج الحديث في كتاب الجهاد، باب حرق الدُّور والنخيل (رقم ٣٠٢٠)

(٦) كشف الباري: ٢/٢٥

۲-یحییٰ

یہ یحییٰ بن سعید فروخ القطان تمیمی ہیں، ان کے حالات کتـاب الإیمـان، بـاب من الإیمـان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه کے تحت گزر چکے ہیں (۷)۔

۳-اسماعیل

یہ اسماعیل بن أبي خالد أحمسی بَجَلی کوفی ہیں، ان کا تذکرہ کتـاب الإیمـان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده کے تحت گزر چکا ہے (۸)۔

۴-قیس

یہ مشہور مخضرم تابعی قیس بن ابی حازم احمسی بَجَلی کوفی ہیں، کتـاب الإیمان، باب قول النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم : الدین النصیحةَ......" کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے (۹)۔

۵-جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلی کوفی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ بھی مذکورہ کتاب و باب کے تحت گزر چکا ہے (۱۰)۔

قـال لـي رسـول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ألا تریحني من ذي الخلصة، وکان بیتا فیه خثعم یُسمّی الکعبة الیمانیة

الخلصة: خا، لام اور صاد کے فتحہ کے ساتھ (۱۱)۔

---

(۷) کشف الباري: ۲/۲

(۸) کشف الباري: ۱/۶۷۹

(۹) کشف الباري: ۲/۷٦۱

(۱۰) کشف الباري: ۲/۷٦٤

(۱۱) إرشاد الساري: ٥/۱۸۳

خثعم: خاء، عین کے فتحہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ، یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے (۱۲)۔

كعبة اليمانية

یہ اضافۃ الموصوف إلی الصفۃ کے قبیل سے ہے، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نُحاۃ بصرہ کے نزدیک اس میں لفظ "الجهة" محذوف ہے اور عبارت مقدر ہے: "كعبة الجهة اليمانية" (١٣)۔

روایت میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، کیا تم ذوالخلصہ کو مسمار کر کے مجھے راحت نہیں پہنچا سکتے؟ راوی کہتے ہیں کہ اس گھر کو خثعم قبیلہ نے تعمیر کیا تھا، جسے یمن کا کعبہ کہا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلہ خثعم کے اس کعبہ کو مسمار کرنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اس میں "خلصہ" نام کا ایک بُت تھا، یہ لوگ اس کی عبادت کرتے تھے۔ اس خودساختہ "کعبہ" کو انہوں نے کعبۃ اللہ کے مقابلہ میں تعمیر کیا تھا (۱۴)۔

فانطلقت في خمسين ومأة منْ أحمس، وكانوا أصحاب خيل

حضرت جریر کہتے ہیں کہ میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کے ہمراہ روانہ ہوا اور وہ سب بہترین سوار تھے۔

فأخبرت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أني لا أثبت على الخيل، فضرب في صدري، حتى رأيت أثر أصابعه في صدري

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ نے میرے سینے پر دست مبارک سے ایک ضرب لگائی، یہاں تک کہ اپنے سینہ پر میں نے آپ کی انگلیوں کا اثر محسوس کیا"۔

---

(١٢) شرح الكرماني: ١٣/٦٦، وإرشاد الساري: ٥/١٨٣

(١٣) إرشاد الساري: ٥/١٨٣

(١٤) إرشاد الساري: ٥/١٨٣

فقال: أللهم ثَبِّتْهُ واجعله هاديا مهديا

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اسے گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی توفیق دے، اسے ہادی اور مہدی بنادے''۔

فانطلق إليها فكسرها وحرّقها

''چنانچہ جریر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) گئے اور ذوالخلصہ کو توڑ کر جلاڈالا''۔

فأرسل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يُبَشِّرُهُ

''یعنی جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی بشارت کا پیغام کہلا بھیجا''۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بشارت دینے کے لئے جریر بن عبداللہ نے آپ کے پاس حصین بن ربیعہ الأحمسی کو بھیجا تھا۔

فقال رسول جرير: يارسول الله، والذي بعثك بالحق، ماجئتك حتى تركتُها كأنها جَمَلٌ أجرب

''جریر (رضی اللہ عنہ) کے پیغام رساں نے کہا، یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق پیغمبر بنا کر بھیجا، میں آپ کی خدمت میں آنے کے لئے اس وقت روانہ ہوا، جب ذوالخلصہ کو میں نے خارشی اونٹ کی طرح بنا ہوا چھوڑا''۔

یعنی بال جھڑنے کی وجہ سے خارشی اونٹ دُبلا پتلا ہوجاتا ہے، اور خارش کے علاج کے لئے اس کو سیاہ رنگ کا تیل مَلتے ہیں، تو سیاہ دھبے اس پر ہوتے ہیں اسی طرح ذوالخلصہ کے در و دیوار اور چھت کا کچھ حصہ گر گیا تھا، جلنے کی وجہ سے جگہ جگہ اس پر سیاہ رنگ کے نشانات پڑ گئے تھے۔

أجرب: یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے كتاب الجهاد، باب حرق الدور والنخيل کے

---

(۱۵) إرشاد الساري: ۱۸٤/٥.

تحت عن مسدد عن يحییٰ کے طریق سے نقل کی ہے، اس روایت میں "أجرب" کے بجائے "أجوف" منقول ہے(١٦)۔

فبارك على خيل أحمس ورِجالها خمسَ مَرّاتٍ

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احمس اور وہاں کے سواروں کے لئے پانچ بار دعاء برکت فرمائی''۔

قال مسدد: بیت فیه خثعم

مذکورہ تعلیق کا مقصد اور اس کی تخریج

اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کی مذکورہ روایت مسدد بن مسرہد نے اسی سند کے ساتھ، عن یحییٰ القطان کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں "كان بيتا فيه خثعم" کے بجائے "بيت في خثعم" کے الفاظ منقول ہیں اور یہی أصح ہے(١٧)۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حفاظ محققین نے بھی اس کی تصویب کی ہے(١٨)۔ چنانچہ مسند احمد بن حنبل کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں "بيتا لخثعم" کے الفاظ مروی ہیں(١٩)۔

حدیث سے مستنبط فوائد

علامہ ابن بطال اور ان کے اتباع میں علامہ عینی نے فرمایا کہ روایت باب سے یہ معلوم ہوا کہ دشمن کے خلاف مسلمان فتح یاب ہوں، یا اس کے مثل ایسا مسرت بخش واقعہ پیش آئے جو اسلام کی سربلندی اور سرخروئی کا باعث ہو، تو دوسروں کو اس کی خوشخبری دینی چاہیے، تاکہ انہیں بھی إعلاء كلمة الله پر اظہارِ مسرت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت واحسان پر اظہارِ شکر کا موقع ملے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو قوم اس کی بخشی ہوئی نعمتوں،

---

(١٦) عمدة القاري: ١٤/١٥، وصحيح بخاري، كتاب الجهاد، باب حرق الدور والمنبل (رقم ٣٠٢٠)

(١٧) عمدة القاري: ١٤/١٥، وفتح الباري: ٢٣٣/٦، وإرشاد الساري: ١٨٤/٥

(١٨) إرشاد الساري: ١٨٤/٥

(١٩) مسند أحمد بن حنبل رحمه الله: ٣٦٢/٤، وتغليق التعليق: ٤٦٦/٣

فتحمندیوں اور کامرانیوں پر شکر بجالاتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ کشادگی عطا فرماتے ہیں۔سورہ ابراہیم کی آیت ﴿لئن شکرتم لأزیدنکم﴾ کا یہی مطلب ہے۔

چنانچہ شرح ابن بطال اور عمدۃ القاری میں ہے:

"فيه البشارة في الفتوح وما كان في معناه من كل ما فيه ظهور الإسلام وأهله، ليبشر المسلمون بإعلاء الدين، ويبتهلوا إلى الله في الشكر على ما وهبهم من إحسانه، فقد أمر الله عباده ووعدهم المزيد فقال: "لئن شكرتم لأ زيدنكم"(٢٠)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث باب میں ہے "فأرسل إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يبشره" جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حصین بن ربیعہ کو آپ کی خدمت میں خوشخبری دینے کے لئے کہلا بھیجا کہ وہ کعبہ یمانیہ کو منہدم کرکے فتح یاب ہو چکے ہیں۔ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

١٨٩ - باب : ما يُعْطَى الْبَشِيرُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد اور باب سابق سے مناسبت

گذشتہ باب میں بشارت کی مشروعیت ثابت کی گئی تھی، اب یہ کہ عموماً جیسا کہ معاشرے میں بشارت دینے والے کو وفورِ مسرت سے مغلوب ہوکر، انعام یا تحفہ کے طور پر کچھ صلہ بھی دیا جاتا ہے، کیا یہ طرزِ عمل بھی مشروع ہے اور شریعت میں اس کی اجازت ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ اس مناسبت سے "باب مايعطى البشير" کا ترجمہ قائم کرکے بتانا چاہتے ہیں کہ بشارت دینے والے کو عطیہ اور انعام دینا بھی جائز ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے تحت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا ایک معلق اثر نقل کیا ہے۔اسی اثر سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔

(٢٠) عمدة القاري: ١٥/ ١٤

وَأَعْطَى كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ ثَوْبَيْنِ حِينَ بُشِّرَ بِالتَّوْبَةِ . [ر : ٤١٥٦]

تعلیق کا مقصد

اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس میں انہوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت سے محرومی، اور اس کے نتیجہ میں ان پر اور دوسرے ساتھی صحابہ پر نازل ہونے والے عتاب اور پھر بارگاہِ خداوندی سے نزولِ عفو کی دردانگیز روداد بیان کی ہے۔ "كتاب المغازي، باب حديث كعب بن مالك رضی الله عنه" کے تحت یہ روایت تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے اس طویل روایت کا مخصوص مضمون تعلیقاً نقل کیا ہے:

''جب کعب بن مالک کو قبول توبہ کی بشارت دی گئی تو انہوں نے دو کپڑے ہدیہ کر دیئے''۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلانِ جہاد فرمایا، تو منافقین کی ایک بڑی جماعت نے بہانوں کا سہارا لے کر، عذر تراشی سے کام لیا اور جہاد میں شریک ہونے سے انکار کیا۔

جہاد میں ان کے علاوہ جو تین مخلص صحابہ کرام شریک نہ ہو سکے، ان میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اس کی تفصیل انشاءاللہ کتاب المغازی میں اپنے موقع پر آئے گی، یہاں مختصراً عرض ہے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناراض ہو کر صحابہ کرام کو حکم دیا کہ جب تک خود اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں فرماتے، اس وقت تک ان سے بات چیت اور تعلق بالکل قطع کر دیا جائے، قطع تعلقی کا یہ عرصہ پچاس دن پر مشتمل تھا، اس پورے عرصہ کی روداد حضرت کعب بن مالک نے نہایت دردانگیز لفظوں میں بیان کی ہے۔ اس عرصہ کا ایک ایک لمحہ ان کے لئے نہایت تکلیف دہ اور صبر آزما تھا، اس صورت حال کو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے "فضاقت عليهم الأرض بما رحبت" کا بالکل صحیح مصداق بتایا اور فرمایا ''مجھ پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو چکی تھی، پھر معافی کا اعلان ہوا، تو جو شخص انہیں معافی کی خوشخبری دینے آئے تھے، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بشارت کی خوشی میں اپنے دونوں کپڑے اتار کر ان کو عطیہ کر دیئے۔

چنانچہ "فأعطى كعب بن مالك ثوبين حين بشّر بالتوبة" سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے استدلال کیا ہے کہ بشارت دینے والے کو خوشی میں کوئی چیز عطیہ کرنی چاہیے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک عام طریقہ ہے کہ جب کوئی آدمی بشارت لے کر آتا ہے تو اس کو کچھ دے دیا جاتا ہے، اس وجہ سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بدن کے دو کپڑے خوشخبری سنانے والے کو دے دیئے (۱)۔

کعب بن مالکؓ کو بشارت دینے والا کون تھا؟

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ کی رائے ہے کہ بشارت دینے والے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تھے (۲)۔

لیکن علامہ قسطلانی رحمہ اللہ ان پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، بشارت دینے والے حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ مغازی میں، مقدمہ میں اور اسی طرح مصابیح میں بھی اسی نام کی تصریح موجود ہے (۳)۔

حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے (۴)۔

حدیث سے مستنبط فوائد

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بشارت دینے والے کو کپڑا اور لباس دینا مستحب ہے۔ کپڑا نہ ہو تو کوئی اور چیز بھی ہدیہ کر سکتے ہیں، لیکن کپڑا زیادہ بہتر ہے۔

چنانچہ امام نوویؒ کی شرح مسلم میں ہے:

"فيه استحبابُ إجازة البشير بخِلْعَةٍ وإلا فبغيرها، الخلْعَةُ أحسن وهي المعتادة" (٥).

---

(١) فيض الباري: ١٢٧/٤

(٢) فتح الباري: ٢٣٣/٦، وعمدة القاري: ١٤/١٥

(٣) إرشاد الساري للقسطلاني رحمه الله: ١٨٤/٥

(٤) الأبواب والتراجم للكاندهلويؒ، ص: ٢٠٥

(٥) شرح النوويؒ على صحيح مسلمؒ: ٣٦٢/٢، كتاب التوبة، حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه

١٩٠ - باب : لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

"باب ما یُکرہ من ذبح الإبل والغنم في المغانم" تک جہاد سے متعلق اہم اہم احکام مختلف ابواب کے تحت بیان کئے جاتے رہے، "باب البشارۃ في الفتوح" سے امام بخاری رحمہ اللہ نے جہاد سے متعلق فروعی احکام اور مناسبات کو ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ باب البشارۃ في الفتوح کا ترجمہ قائم کرکے بتایا کہ جب جہاد کے نتیجہ میں فتح ہو، تو فتح کی بشارت دینا بھی جائز اور مشروع ہے، اس کی مناسبت سے دوسرا ترجمہ قائم کرکے بتایا کہ بشارت دینے والے کو صحابی کے اثر سے تحفہ اور ہدیہ دینا بھی ثابت ہے اور مستحب ہے۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جب دارالحرب فتح ہو کر دارالاسلام بن جائے، تو وہاں سے ہجرت کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، اس لئے کہ ہجرت دارالحرب سے کی جاتی ہے، جب دارالحرب، دارالاسلام بن جائے تو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، اس لئے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔

گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے "العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد" کا اعتبار کیا ہے، کہ لفظ عام ہے، جس کا مورد خاص (فتح مکہ) تھا، ایک عام حکم ثابت کیا ہے۔

٢٩١٢ : حدّثنا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، عَنْ طَاوُسٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ : (لَا هِجْرَةَ ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ ، وَإِذَا ٱسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا) . [ر : ١٥١٠]

تراجم رجال

١- آدم بن ابی ایاس

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن القسطلانی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب من سلم

(٢٩١٢) مر تخريجه في كتاب الجنائز، باب الإذخر والحشيش في القبر (رقم ١٣٤٩)

المسلمون من لسانه ویده کے تحت گزر چکا ہے(۷)۔

۲-شیبان

یہ ابو معاویہ شیبان بن عبدالرحمٰن بصری ہیں، کتاب العلم، باب کتابة العلم کے تحت ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے(۷☆)۔

۳-منصور

یہ مشہور محدث ابو عتاب منصور بن المعتمر الاسلمی الکوفی ہیں، کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أيا ما معلومة کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۸)۔

۴-مجاہد

یہ شیخ القراء والمفسرین، أبوالحجاج مجاہد بن جبر مکی قرشی مخزومی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب الفهم في العلم کے تحت گزر چکا ہے(۹)۔

۵-طاؤس

یہ طاؤس بن کیسان الیمانی، الجندی الحمیری ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الوضوء، باب من لم یری الوضوء إلا من المخرجين ...... کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

۶-ابن عباس

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات بدء الوحی کے تحت گزر چکے ہیں(۱۰)۔

---

(۷) کشف الباري: ۱/۶۷۸

(۷☆) کشف الباري: ۴/۲۶۳

(۸) کشف الباري: ۳/۲۷۰-۲۷۲

(۹) کشف الباري: ۳/۳۰۷-۳۱۰

(۱۰) کشف الباري: ۱/۴۳۵، ۴۳۷

قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم فتح مكة لاهجرة

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا، اب ہجرت ختم ہوگئی۔

کتاب الجہاد کی ابتداء میں باب وجوب النفیر کے تحت یہ روایت گزر چکی ہے، وہیں اس پر تفصیلی بحث بھی ہو چکی ہے۔

دارالحرب سے ہجرت کا حکم

مختصراً یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ اگر اہل اسلام دارالحرب یا دارالکفر میں ہوں، تو وہاں سے ان پر ہجرت واجب ہوگی یا نہیں؟ اس کی تین صورتیں ہیں:

❶ اگر دارالحرب کے حالات ناسوافق ہوں، وہاں اہل اسلام کے لئے احکام وشعائر اسلام پر عمل ممکن نہ ہو اور انہیں ہجرت پر قدرت ہو، تو ایسی صورت میں ہجرت واجب ہوگی (۱۱)۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ احکام وشعائر اسلام پر عمل کرنے کے لئے فضا ہموار ہو، کسی نوعیت کی رکاوٹ اور خوف وفتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس صورت میں ہجرت بوجوہ مستحب ہے۔

اس لئے کہ دارالاسلام کی طرف ان کی ہجرت کے نتیجہ میں دارالاسلام میں پہلے سے مقیم مسلمانوں کی جمعیت اور قوت وحشمت میں اضافہ ہوگا، یہ اُن کی مدد واعانت کریں گے، یوں کفار کے خلاف جہاد کے لئے مسلمانوں کی منتشر قوت ایک مرکز پر جمع ہو جائے گی۔ جب کہ دارالحرب میں رہتے ہوئے اس کا امکان نہیں، بلکہ دارالحرب میں کفار کی طرف سے ان کے لئے خطرات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، ہجرت سے یہ اندیشہ ختم ہو کر وہ مامون ہو جائیں گے۔ نیز منکرات وفواحش کے مظاہر دیکھنے سے خلاصی پا کر انہیں راحت نصیب ہوگی (۱۲)۔

❸ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر مسلمان بیمار ہو یا کسی اور عذر کی بناء پر ہجرت پر قادر نہ ہو، تو دارالحرب میں قیام جائز ہے، تاہم اگر مشقت اور تکلیف برداشت کرتے ہوئے دارالاسلام کی طرف ہجرت اختیار کی جائے، تو

(۱۱) فتح الباري: ٦/٢٣٤، والأبواب والتراجم، ص: ٢٠٥

(۱۲) فتح الباري: ٦/٢٣٤

اس پر اجر وثواب ملے گا (۱۳)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں:

❶ ایک ہجرت دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہے، چنانچہ ابتداء میں اہل اسلام کو دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا، تاکہ احکام اسلام پر آزادی سے عمل میسر ہو، اور وہ فتنوں اور مشرکین کی ایذا رسانیوں سے محفوظ ہوں (۱۴)۔

❷ دوسری ہجرت مکہ سے مدینہ کی طرف تھی، مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، مشرکین کے مقابلہ میں وہ کمزور تھے، اس بناء پر اہل اسلام کو حکم دیا گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت، تبلیغ دین اور شرائع واحکام اسلام میں تفقہ حاصل کرنے کے لئے مدینہ ہجرت کریں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے ذریعہ مسلمانوں کی قوت وشوکت میں اضافہ فرمایا، تو وہ عام اسباب جو مدینہ میں قیام اختیار کرنے کے تھے، ختم ہوگئے، ایک بڑا سبب اہل مکہ سے خوف وفتنہ کا تھا، وہ بھی نہ رہا۔ اس وقت ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی (۱۵)۔

ولکن جهاد ونية کا مطلب

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ولکن جهاد ونية کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہونے کی وجہ سے، ہجرت کے ذریعہ حصول خیر کا سلسلہ تو ختم ہوگیا، لیکن اس خیر کو جہاد اور نیت صالحہ کے ذریعہ اب بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

قال النووي: "معناه أن تحصيل الخير بسبب الهجرة قد انقطع بفتح مكة لكن حصلوه بالجهاد والنية الصالحة" (١٦)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد تو ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا، لیکن جہاد کے لئے یا نیت خالصہ کی بناء پر طلب علم کے لئے، یا دار الکفر اور ایسے شہر سے جہاں امر بالمعروف اور نہی عن

(١٣) فتح الباري: ٢٣٤/٦

(١٤) شرح الطيبيؒ على مشكاة المصابيح: ١٩/٦، كتاب الجهاد

(١٥) شرح الطيبيؒ على مشكاة المصابيح: ١٩/٦، كتاب الجهاد

(١٦) إرشاد الساري: ٣٣/٥، باب فضل الجهاد والسير

المنکر پر عمل درآمد ممکن نہ ہو، یا بیت اللہ، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے ترکِ وطن کرتے ہوئے ہجرت کا حکم قیامت تک باقی رہے گا۔اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

”قال الطيبي رحمه الله: "فالمعنى أن مفارقة الأوطان لله ورسوله .... انقطعت، لكن المفارقة من الأوطان بسبب نية خالصة لله تعالىٰ، كطلب العلم، والفرار من دارالكفر، أو مما لا يقام فيها الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، وزيارة بيت الله وحرم رسوله والمسجد الأقصى وغيرها، أو بسببْ الجهاد في سبيل الله باقية مدى الدهر“(١٧)۔

دونوں اقوال میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے،فرق صرف اتنا ہے کہ جو بات علامہ نووی رحمہ اللہ کی عبارت میں اختصار کے ساتھ آگئی، علامہ طیبی رحمہ اللہ کی عبارت میں وہ وضاحت سے بیان کی گئی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

روایت میں ہے”قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم فتح مكة لا هجرة“ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت بے غبار ہے۔

٢٩١٣ : حدّثنا إِبْراهِيمُ بْنُ مُوسٰى : أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ ، عَنْ خالِدٍ ، عَنْ أَبِي عُثْمانَ النَّهْدِيِّ ، عَنْ مُجاشِعِ بْنِ مَسْعُودٍ قالَ : جاءَ مُجَاشِعٌ بِأَخِيهِ مُجَالِد بْنِ مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : هٰذَا مُجَالِدٌ يُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ ، فَقَالَ : (لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ ، وَلٰكِنْ أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ) . [ر : ٢٨٠٢]

تراجم رجال

١-ابراهیم بن موسی

یہ ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ بن یزید تمیمی رازی ہیں،ان کا تذکرہ کتاب الحیض، باب غسل

(١٧) شرح الطيبيؒ على المشكوة: ٧/٢٨٧

(٢٩١٣) مرّ تخريجه في كتاب الجهاد، باب البيعة في الحرب على أن لايفروا (رقم ٢٩٦٢)

الحائض رأس زوجها وترجيله کے تحت گزر چکا ہے۔

۲-یزید بن زریع

یہ ابومعاویہ یزید بن زریع العیشی البصری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الوضوء، باب غسل المني وفركه کے تحت گزر چکا ہے۔

۳-خالد

یہ حافظِ حدیث ابوالمنازل خالد بن مہران الحذاء بصری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل کے تحت گزر چکا ہے۔

۴-ابوعثمان النہدی

یہ عبدالرحمٰن بن مَلّ ابن عمرو النہدی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب مواقيت الصلوة، باب الصلوة كفارة کے تحت گزر چکا ہے۔

۵-مجاشع بن مسعود

یہ صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ السُّلمی رضی اللہ عنہ ہیں، کتاب الجهاد، باب البيعة في الحرب على أن لايفرّوا کے تحت گزر چکے ہیں۔

روایت میں ہے کہ مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے بھائی مجالد بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی، مجالد آپ سے ہجرت پر بیعت کرنا چاہتا ہے۔آپ نے فرمایا، ''فتح مکہ کے بعد تو ہجرت نہیں رہی، البتہ اسلام پر اسے بیعت کر لیتا ہوں''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت پیچھے كتاب الجهاد، باب البيعه في الحرب کے تحت عن عاصم عن أبي عثمان کے طریق سے نقل کی ہے، وہاں روایت کے الفاظ حدیثِ باب سے مختلف ہیں:

"أتيتُ النبيَّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنا وأخي فقلتُ: بايِعْنا على الهجرة، فقال: مضت الهجرة لأهلها فقلتُ: عَلَامَ تبايِعُنا؟ قال: "على

الإسلام والجهاد"(۱۹)۔

اس روایت میں اسلام کے ساتھ بیعت میں جہاد کی تصریح بھی موجود ہے، ترجمۃ الباب کی روایت میں لفظ جہاد کی تصریح نہیں ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ آپ نے ان سے اسلام اور جہاد دونوں پر بیعت لی۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

روایت باب میں ہے "لا هجرة بعد الفتح" امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی سے ترجمۃ الباب کا مدعیٰ ثابت کیا ہے۔

۲۹۱٤ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللّٰهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : قالَ عَمْرٌو وَٱبْنُ جُرَيْجٍ : سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُولُ : ذَهَبْتُ مَعَ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ إِلَى عائِشَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهَا وَهْيَ مُجَاوِرَةٌ بِثَبِيرٍ ، فَقَالَتْ لَنَا : ٱنْقَطَعَتِ الْهِجْرَةُ مِنْذُ فَتَحَ ٱللّٰهُ عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ مَكَّةَ . [۳٦٨٧ ، ٤٠٥٨]

تراجم رجال

۱-علی بن عبداللہ

یہ علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی بصری ہیں، ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب الفهم في العلم کے تحت گزر چکے ہیں(۲۱)۔

۲-سفیان

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات کتاب العلم، باب

---

(۱۹) صحيح البخاري: ۱/۴۱۵، ٤١٦، (رقم ۲۹٦٢، ۲۹٦٣)

(۲۹۱٤) وعند البخاري أيضا في صحيحه (۲/٦١٥)، في المغازي، باب مقام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمكة زمن الفتح، و(۱/٥٥١)، في فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، باب هجرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة (رقم ۲۹۰۰)، وعند مسلم في صحيحه (۲/۱۳۱)، في كتاب الامارة، باب المبايعة بعد فتح مكة على الإسلام والجهاد والخير ، وبيان معنى "لاهجرة بعد الفتح" (رقم ۱۸٦٤)

(۲۱) كشف الباري: ۳/۲٥٦

قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبانا کے تحت گزر چکے ہیں (۲۲)۔

۳-عمروؒ

یہ مشہور محدث عمرو بن دینار الجمحی ہیں، کتاب العلم، باب العلم والعظة باللیل کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

۴-ابن جُریج

یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اموی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الحیض، باب غسل الحائض رأس زوجها وترجيله کے تحت گزر چکا ہے۔

۵-عطاء

یہ أبومحمد عطاء بن ابی رباح قرشی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب عظة الإمام النساء وتعليمهن کے تحت گزر چکا ہے (۲۲☆)۔

سمعت عطاء يقول ذهبتُ مع عبيد بن عمير إلى عائشة رضي الله عنها وهي مجاورة بثَبِير، فقالت لنا انقطعت الهجرة منذ فتح الله على نبيه مكة

یہ روایت عمرو بن دینار اور ابن جریج دونوں نے عطاء بن ابی رباح سے سنی ہے۔دونوں نے عطاء کو یہ کہتے سنا کہ "میں عبید بن عمیر کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، وہ (مزدلفہ میں) ثبیر نامی پہاڑ پر ٹھہری ہوئی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر فرمایا "جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مکہ فتح فرمایا، تب سے ہجرت ختم ہوئی ہے"۔

یہاں روایت میں اختصار ہے، امام بخاری نے یہی روایت کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة کے تحت عن الأوزاعي عن عطاء بن أبي رباح کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں تفصیل ہے:

(۲۲) كشف الباري: ۳/۸٦-۹۰

(۲۲☆) كشف الباري: ٤/۳۷

"قالت: لاهجرة اليوم كان المؤمنون يفرّ أحدهم بدينه إلى الله تعالىٰ وإلى رسوله مخافة أن يفتن عليه، وأما اليوم فقد أظهر الله الإسلام، واليوم يعبد الله حيث يشاء، ولكن جهاد ونية"(۲۳)۔

كان المؤمنون يفرّ أحدهم بدينه

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی مشروعیت کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ ہجرت کا اصل سبب خوف اور فتنہ ہے، گویا ہجرت کا حکم علت کے ساتھ مشروط ہے، اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جہاں علت (خوف وفتنہ) مفقود ہو، وہاں سے ہجرت کرنا ضروری اور واجب نہیں، اگر چہ وہ جگہ دارالکفر کیوں نہ ہو(۲۴)۔

چنانچہ امام ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو، دارالکفر کے اندر احکام اسلام پر عمل درآمد کی آزادی حاصل ہو، تو یہ جگہ اس کے لئے دارالاسلام کے حکم میں ہوگی، جہاں ہجرت کے مقابلہ میں اس کے لئے اقامت زیادہ بہتر ہے، ممکن ہے، دارالکفر میں، اس کے قیام کے نتیجہ میں کوئی اور دائرہ اسلام میں داخل ہو(۲۵)۔

وأما اليوم فقد أظهر الله الإسلام

مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطاء کیا، مکہ دارالاسلام بن گیا، اور سارے قبائل دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے، اس بناء پر واجب ہجرت کا دروازہ بند ہوگیا اور مستحب ہجرت باقی رہی(۲۶)۔

---

(۲۳) صحيح البخاري: ۱/۵۵۱، (رقم ۳۹۰۰)

(۲٤) فتح الباري في كتاب مناقب الأنصار

(۲۵) فتح الباري، ايضاً

(۲٦) عمدة القاري: ۱۷/ ۵۰، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأصحابه إلى المدينة.

١٩١ - باب : إِذَا اضْطَرَّ الرَّجُلُ إِلَى النَّظَرِ فِي شُعُورِ أَهْلِ الذِّمَّةِ ، وَالْمُؤْمِنَاتِ إِذَا عَصَيْنَ اللّٰهَ ، وَتَجْرِيدِهِنَّ .

ترجمۃ الباب کی عبارت میں مقدرات ہیں، پہلے ان مقدرات کی وضاحت کرتے ہیں، بعد میں ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کریں گے۔

إذا اضطر: (بضم الطاء) إذا کا جواب محذوف ہے، عبارت مقدر ہے: يجوز للضرورة(۱)۔

والمؤمنات: ماقبل پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، اور عبارت مقدر ہے: "وإذا اضطر الرجل إلى النظر في المومنات إذا عصين الله"(۲)۔

وتجريد هن: یہ بھی ماقبل پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، عبارت مقدر ہے: "وإذا اضطر الرجل إلى تجريد هنَّ من الثياب"(۳)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ضرورت اور مصلحت کے وقت ذمی یا مسلمان عورت کے بالوں کی تلاشی لینا اور انہیں بے لباس کرنا جائز ہے، استدلال میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خفیہ خط لے جانے والی عورت کا واقعہ نقل کیا ہے۔

ضرورت کے تحت عورت کو بے لباس کرنے کی وجہ

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت کو ضرورت کے تحت بے لباس کرنا اس لئے جائز ہے کہ معصیت،

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۸۵/۵، وعمدة القاري: ۱۵/۱۵

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۸۵/۵

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۸۵/۵

کے ارتکاب سے اس کی حرمت پامال ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط لے جانے والی عورت کو بے لباس کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ زنا مسلمہ وکافرہ دونوں کے ساتھ حرام ہے، یہاں تک کہ ان کو دیکھنا بھی ممنوع ہے۔ لیکن الضرورات تبیح المحظورات کے اصول کے تحت جب ان میں سے کوئی بھی معصیت کا ارتکاب کرے گی، تو ان کی حرمت باقی نہیں رہے گی، ضرورت اور حاجت کے تحت اس کو دیکھنا جائز ہوگا۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ میری معلومات کے مطابق مذکورہ ترجمۃ الباب کی تشریح کسی نے نہیں کی۔

چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے:

"قوله: "تجريد هن" أي: وإذا اضطر أيضا إلى تجريد هنّ من الثياب؛ لأن المعصية تبيح حرمتها، ألا ترى أن علياً والزبير -رضي الله تعالىٰ عنهما- أرادا كشف المرأة في قضية كتاب حاطب، وقد أجمعوا أن المؤمنات والكافرات في تحريم الزنا بهن سواء، وكذلك تحريم النظر إليهن، ولكن الضرورات تبيح المحظورات، ولم أر أحدا تعرّض لشرح هذه الترجمة"(٤)۔

٢٩١٥ : حدّثني مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ حَوْشَبٍ الطَّائِفِيُّ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ : أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، وَكانَ عُثْمَانِيًّا ، فَقَالَ لِٱبْنِ عَطِيَّةَ ، وَكانَ عَلَوِيًّا : إِنِّي لَأَعْلَمُ ما ٱلَّذِي جَرَّأَ صَاحِبَكَ عَلَى ٱلدِّمَاءِ ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ : بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ وَالزُّبَيْرَ ، فَقَالَ : (ٱئْتُوا رَوْضَةَ كَذَا ، وَتَجِدُونَ بِهَا ٱمْرَأَةً ، أَعْطَاهَا حاطِبٌ كِتَابًا) . فَأَتَيْنَا الرَّوْضَةَ فَقُلْنَا : الْكِتَابَ ، قالَتْ : لَمْ يُعْطِنِي ، فَقُلْنَا : لَتُخْرِجِنَّ أَوْ لَأُجَرِّدَنَّكِ ، فَأَخْرَجَتْ مِنْ حُجْزَتِهَا ، فَأَرْسَلَ إِلَى حاطِبٍ ، فَقَالَ : لَا تَعْجَلْ ، وَٱللهِ ما كَفَرْتُ وَلَا ٱزْدَدْتُ لِلْإِسْلَامِ إِلَّا حُبًّا ، وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ

---

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٥، ١٦

(٢٩١٥) مرّ تخريجه في كتاب الجهاد (٤٢٢/١)، باب الجاسوس والتجسّس (رقم ٣٠٠٧)

مِنْ أَصْحَابِكَ إِلَّا وَلَهُ بِمَكَّةَ مَنْ يَدْفَعُ ٱللهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ ، وَلَمْ يَكُنْ لِي أَحَدٌ ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا ، فَصَدَّقَهُ النَّبِيُّ ﷺ ، قالَ عُمَرُ : دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ فَإِنَّهُ قَدْ نَافَقَ ، فَقَالَ : (ما يُدْرِيكَ ، لَعَلَّ ٱللهَ ٱطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ : ٱعْمَلُوا ما شِئْتُمْ) . فَهٰذَا الَّذِي جَرَّأَهُ .

[ر : ٢٨٤٥]

تراجم رجال

١-محمد بن عبداللہ

ان کا تذکرہ کتاب الأذان، باب احتساب الآثار کے تحت گزر چکا ہے۔

٢-هشيم

یہ ابومعاویہ ہشیم بن بشر الواسطی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب التیمم، باب بلا ترجمہ کے تحت گزر چکا ہے۔

٣-حصين

یہ ابوھذیل حصین بن عبدالرحمٰن السُّلَمی الکوفی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب مواقیف الصلوۃ، باب الأذان بعد ذھاب الوقت کے تحت گزر چکا ہے۔

٤-سعد بن عبیدہ

یہ ابوحمزہ سعد بن عبیدہ السُّلَمی الکوفی ہیں، کتاب الوضوء، باب فضل من باتَ علی الوضوء کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

٥-أبوعبدالرحمٰن

یہ عبداللہ بن حبیب بن رُبَیعہ (بالتصغیر) ابوعبدالرحمٰن السلمی الکوفی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء کے تحت گزر چکا ہے۔

وكان عثمانيا

مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، ابوعبدالرحمٰن، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل تھے (۶)۔

یہ ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے، چنانچہ جنگِ صفین میں ان کے حامیوں کی جماعت میں شامل تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں معرکہ صفین میں شرکت بھی کی۔ تاہم بعد میں عثمانی بنے، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہوئے (۷)۔ زہد وتقویٰ میں بے مثل تھے اور ثقہ راوی تھے۔ وفات کے بعد جب ان کا جنازہ ابوجُحیفہ کے قریب سے گزرا تو فرمایا، مستریح ومستراح منه (۸)۔

فقال لابن عطية وكان علوياً

"وكان علويا" قول اور مقولہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابوعبدالرحمٰن نے حبان بن عطیہ السلمی سے کہا (آگے آرہا ہے کہ کیا کہا) "اور وہ علوی تھے"، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل تھے۔ کوفہ کے اہل سنت کا بھی یہی مسلک تھا (۹)۔

حافظ یوسف مزیؒ پر حافظ ابن حجرؒ کا رد

تہذیب الکمال میں حافظ یوسف مزی رحمہ اللہ، حدیث کی سند میں موجود راویوں کے حالات اور ان سے متعلق جرح وتعدیل کے اقوال نقل کرتے ہیں، سند سے قطع نظر، نفس حدیث میں وارد رجال کے حالات سے، اپنے وضع کردہ اصول کے پیش نظر انہوں قطعاً تعرض نہیں کیا ہے، ابتداء سے آخر تک حافظ مزی اسی اصول پر قائم رہے ہیں۔ یہاں روایت باب میں جیسا کہ ظاہر ہے ابن عطیہ کا ذکر نفس روایت میں تو ہے۔ لیکن حدیث کے راوی نہیں یعنی سندِ حدیث میں اس کا نام نہیں، حافظ مزی رحمہ اللہ نے اپنے اصول کے خلاف تہذیب الکمال

(۶) عمدة القاري: ۱۵/۱۶، وإرشاد الساري: ۵/۱۸۵

(۷) تهذيب التهذيب لابن حجر رحمه الله: ۵/۱۸۴

(۸) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۶/۱۷۵

(۹) عمدة القاري: ۱۵/۱۶

میں ان کا نام بھی اسماء رجال کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حافظ مزی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن ذكر هذا الرجل في رجال البخاري عجيب ليست له رواية، فلو كان المزي يذكر كل من له ذكر لا رواية له ويلتزم ذلك لا ستدركنا عليه طائفة كبيرة منهم لم يذكرهم، ولكن موضع الكتاب للرواة فقط. ثم إن حِبان بن عطية هذا لم يعرف من حاله بشيء، ولا عرفتُ فيه إلى الآن جرحا ولا تعديلا، والله أعلم"(۱۰).

حافظ صاحب کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صحیح بخاری کے رجال میں ابن عطیہ کا تذکرہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ان سے کوئی روایت منقول نہیں، چنانچہ حدیث میں ایک شخص کا محض ذکر تو ہو اور کوئی روایت اس سے منقول نہ ہو، اگر حافظ مزیؒ ہر ایسے شخص کے ذکر کا التزام کرتے ہیں تو ہم انہیں ایسے افراد پر مشتمل ایک بڑی جماعت کی فہرست پیش کر سکتے ہیں، جن کا ذکر انہوں نے نہیں کیا، حالانکہ ان کی تہذیب الکمال صرف راویوں کے حالات کے لئے خاص ہے۔ پھر یہ کہ ابن عطیہ ایک مجہول الحال شخص ہیں، اب تک خود مجھے بھی ان کے بارے میں جرح وتعدیل (کا قول) معلوم نہ ہو سکا۔

خلاصہ یہ کہ تہذیب الکمال سند کے راویوں کے لئے خاص ہے، اپنے اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حافظ مزی رحمہ اللہ کو ابن عطیہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا کہ ان کا نام سند کے راویوں میں نہیں، نفس روایت میں وارد ہے، پھر یہ مستور الحال بھی ہیں، ائمہ جرح وتعدیل سے ان کے بارے میں کوئی قول مروی نہیں۔

حافظ مزی پر یہی اعتراض علامہ علاء الدین مغلطائی حنفی نے بھی کیا ہے(۱۱)۔

إني لأعلم ما الذي جرّأ صاحِبَك على الدِماء

یہ قال کا مقولہ ہے، درمیان میں "وكان علويا" جملہ معترضہ تھا۔ ابو عبدالرحمٰن نے ابن عطیہ سے کہا

---

(۱۰) تهذيب التهذيب للحافظ ابن حجر رحمه الله: ۱۷۲/۲-۱۷۳ (رقم الترجمة: ۳۱۳)

(۱۱) إكمال تهذيب الكمال للعلامة علاء الدين المغلطائي: ۳۴۵/۲

کہ مجھے معلوم ہے کہ کس وجہ سے تمہارے صاحب یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خونریزی کرنے کا حوصلہ اور جرأت ہوئی۔

جَرَّأ: راء کی تشدید کے ساتھ، اس کے معنی ہیں: جرأت دی، دلیر بنایا۔(۱۲)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اشکال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جلالت شان کے پیش نظر، ان کی طرف قتل وغارت اور خونریزی کی نسبت کیونکر درست ہوسکتی ہے؟(۱۳)۔

علامہ کرمانی نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس جملہ سے ابوعبدالرحمٰن کا مطلب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنتی ہونے کا یقین تھا (حضرت علی رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) اس لئے انہیں معلوم تھا کہ اگر (جنگ صفین کی خونریزی) کے نتیجہ میں مجھ سے اجتہادی خطاء ہوئی ہو تو قیامت کے دن ضرور بخش دیا جاؤں گا(۱۴)۔

لیکن علامہ ابن بطال اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ابوعبدالرحمٰن کا اپنا خیال ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ تو علم وفضل کے بہت بلند مقام ومرتبہ پر فائز تھے، اور ان سے قطعاً یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بلا وجوب شرعی کسی کو قتل کرتے، اگرچہ جنگ بدر میں شریک ہونے کی وجہ سے انہیں جنت کی بشارت بھی دی گئی(۱۵)۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حق کا دفاع کرتے ہوئے مخالفین سے قتال کیا تھا، اس وجہ سے نہیں کہ انہیں جنت کی بشارت دی گئی تھی، بلکہ وہ اپنے اجتہاد کی بناء پر یہ قتال ضروری سمجھ رہے تھے، لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ انہوں نے محض جنت کی بشارت ملنے کی وجہ سے قتل وقتال کیا۔

چنانچہ اسی بناء پر علامہ داودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱۲) عمدة القاري: ۱۵/۱۷

(۱۳) شرح الكرماني: ۱۳/۶۹، وعمدة القاري: ۱۵/۱۷

(۱٤) شرح الكرماني: ۱۳/۶۹، وعمدة القاري: ۱۵/۱۷

(۱۵) شرح ابن بطال: ٥/٢٤٠، وعمدة القاري: ۱۵/۱۷

"بئس ماقال أبو عبدالرحمن"(١٦)۔

''ابوعبدالرحمٰن نے ناپسندیدہ اور بری بات کہی ہے''۔

اسی طرح علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهذه العبارة فيها سوء أدب"(١٧)۔

یعنی ابوعبدالرحمٰن کا مذکورہ جملہ سوءادب اور گستاخی پر مشتمل ہے۔

وسمعته يقول بعثني النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والزُّبير، فقال: ائتوا روضة كذا، وتجدون بها امرءة أعطاها حاطبٌ كتابا

ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میں نے یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اور زبیر کو حکم دیا کہ تم دونوں ''روضہ خاخ'' روانہ ہوجاؤ، روضۂ خاخ میں تمہیں ایک عورت ملے گی، جسے حاطب (بن ابی بلتعہ) نے خط دیا ہے۔

سمعته میں ''ہ'' ضمیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہے(١٨)۔

روضة كذا

کتاب الجہاد، باب الجاسوس کے تحت بھی یہ روایت منقول ہے، اس میں تصریح ہے: "روضة خاخ"(١٩)۔ روایت باب میں روضہ کے نام کی تصریح نہیں۔

امرأة: اس عورت کا نام سارہ تھا(٢٠)۔

---

(١٦) عمدة القاري: ١٥/١٧

(١٧) إرشاد الساري: ٥/١٨٥

(١٨) عمدة القاري: ١٥/١٧

(١٩) صحيح البخاري: ١/٤٢١ (رقم ٣٠٠٧)، وشرح الكرماني: ١٣/٦٨، وعمدة القاري: ١٥/١٧، وإرشاد الساري: ٥/١٨٥

(٢٠) شرح الكرماني: ١٣/٦٨، وعمدة القاري: ١٥/١٧، وإرشاد الساري: ٥/١٨٥

فقلنا الكتاب

''ہم نے (اس عورت سے کہا) خط دو''۔

"الکتاب" لفظ مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، عبارت مقدر ہے: "فقلنا هاتِ الكتاب(٢١)۔

قالت لم يُعطني

''اس نے کہا حاطب نے مجھے کوئی خط نہیں دیا''۔

فقلنا لتُخرِجنَّ أو لأجرّ دنك

ہم نے کہا تمہیں بہرصورت وہ خط نکال کر دینا ہے، ورنہ ہم تمہیں عریاں کردیں گے''۔

یہاں "لتخرجن" کا مفعول "الكتاب" محذوف ہے، اور "أو" حرفِ عطف ہے جو مانعۃ الخلو کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ خط نکال کر دو اگر خط نکال کر نہیں دوگی تو ہم تمہیں عریاں کردیں گے۔

یہاں علامہ عینی رحمہ اللہ علیہ نے اور ان کی اتباع میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے جو کچھ کہا ہے، اس کا حاصل ہے کہ یہاں "أو" حرف استثناء "إلا" کے معنی میں ہے۔ اور "لأجرّدنك" ان مقدرہ کی بناء پر منصوب ہے اور عبارت مقدر ہے: "لتخرجنك الكتاب إلا أن تجرّدي" جس طرح "لأقتلنك أو تسلم"، "إلا أن تسلم" کے معنی میں ہے (۲۲)۔

اگر "أو" "إلى" کے معنی میں لیا جائے، تو بھی اس کے قریب معنی ہوں گے، جیسے "لألزمنك أو تُعطيني حقي" إلى أن تعطني حقّي کے معنی میں ہے (۲۳)۔

اس پورے کلام میں تأمل ہے، اور تکلف سے خالی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ارشاد الساری کے مصحح نے اس پر اپنے تأمل کا اظہار کیا ہے، بالکل سیدھا مفہوم وہی ہے جو ہم نے شروع میں لکھ دیا ہے۔ واللہ أعلم۔

فأخرجتْ من حجزتها

''اس نے اپنے نیفہ سے وہ خط نکال کر دیا''۔

---

(٢١) شرح الكرماني: ١٣/ ٦٨، وعمدة القاري: ١٥/ ١٧، وإرشاد الساري: ٥/ ١٨٥

(٢٢) عمدة القاري: ١٥/ ١٧، وإرشاد الساري: ٥/ ١٨٥

(٢٣) عمدة القاري: ١٥/ ١٧

روایات میں تعارض اوراس کا حل

کتاب الجہاد، باب الجاسوس کے تحت روایت میں ہے:

"فأخرجته من عقاصها" "وہ خط اس نے بالوں کے جوڑے سے نکال کردیا"۔ جب کہ حدیث باب میں ہے کہ نیفہ سے نکال کردیا۔ دونوں روایات میں تعارض ہے، شراح حدیث نے ان دونوں روایات میں مختلف تطبیقیں دی ہیں:

① ایک تطبیق یہ دی گئی ہے کہ پہلے تو بالوں کی چوٹی میں چھپایا ہو، پھر وہاں سے نکال کر نیفہ میں چھپا دیا ہو۔ یا پھر یہ کہ پہلے نیفہ میں چھپادیا ہو، اور وہاں سے نکال کر بالوں کی چوٹیوں میں رکھ دیا ہو(۲۴)۔

② بعض شراح حدیث نے تطبیق دی ہے کہ ممکن ہے اس کے پاس دو مختلف جماعتوں کے نام خطوط ہوں۔ ایک خط کو عقاص (چوٹیوں) میں چھپادیا ہو، اور دوسرے کو حجزہ (نیفہ) میں (۲۵)۔

③ بعض حضرات نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ ممکن ہے، روایت میں "حجزہ" سے مطلقاً (گرہ) مراد ہو، معقد ازار مراد نہ ہو، خواہ وہ معقد بالوں کا ہو یا ازار کا (۲۶)۔

④ ممکن ہے حجزہ سے "رسی" مراد ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اونٹ کو ایک خاص طریقہ سے، جس رسی سے باندھا جاتا ہے، اسے بھی حجز کہتے ہیں (۲۷)۔

⑤ بعض شُراح حدیث نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ خط تو بالوں کی چوٹی میں تھا، لیکن اس عورت کے بال زیادہ لمبے ہونے کی وجہ سے نیفہ تک پہنچتے تھے، اس لئے اس نے بالوں کا معقد (گرہ) خط سمیت نیفہ کے اندر کردیا۔ اس طرح دونوں جگہوں سے برآمد ہونا ثابت ہوا۔ بالوں کی چوٹی سے بھی اور نیفہ سے بھی۔ سب سے نفیس اور بہتر یہی تطبیق ہے (۲۸)۔

---

(٢٤) شرح الكرماني: ١٣/٦٩، وعمدة القاري: ١٥/١٧، وفتح الباري: ٦/٢٣٥، وإرشاد الساري: ٥/١٨٥

(٢٥) شرح الكرماني: ١٣/٦٩، وفتح الباري: ٦/٢٣٥، وعمدة القاري: ١٥/٧١

(٢٦) شرح الكرماني: ١٣/٦٩، وفتح الباري: ٦/٢٣٥، وعمدة القاري: ١٥/٧١

(٢٧) شرح الكرماني: ١٣/٦٩، وفتح الباري: ٦/٢٣٥، وعمدة القاري: ١٥/٧١

(٢٨) إرشاد الساري: ٥/١٨٥، وفتح الباري: ٦/٢٣٥، وعمدة القاري: ١٥/٧١

فأرسل إلى حاطب فقال لا تعجل واللّٰه ماكفرتُ ولا ازددت للإسلام إلا حُباً ولم يكن أحدٌ بين أصحابك إلا وله بمكة من يدفع اللّٰه به عن أهله وماله......

حدیث باب کے مذکورہ حصہ سے متعلق بحث کتاب الجہاد، باب الجاسوس کے تحت گزر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کے دو اجزاء ہیں اور دونوں اجزاء کے ساتھ حدیث باب کی مناسبت ہے۔

چنانچہ حدیث باب میں ہے "فأخرجت من حجزها" اس کی مناسبت، ترجمۃ الباب کے پہلے جز "إذا اضطُر الرجل إلى النظر في شعور أهل الذمة والمؤمنات" کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے تلاشی کے دوران خط نکالنے کے لئے بالوں کو دیکھنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ صحابہ کے ڈرانے دھمکانے کے نتیجہ میں عورت نے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکال کر دیا، جسے روایت باب میں "فأخرجت من حجزها" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے (۲۹)۔

اسی طرح روایت میں ہے:

"لأجر دنك" اس کی مناسبت ترجمۃ الباب کے آخری جزء "وتجريدهن" کے ساتھ ہے۔ مناسبت بالکل ظاہر ہے (۳۰)۔

مناسبت پر اشکال اور اس کے جوابات

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ ترجمۃ الباب کے پہلے جزء "في شعور أهل الذمة والمؤمنات" میں ذمی اور مسلمان عورت کی تصریح ہے، حالانکہ ترجمۃ الباب کے تحت منقول روایت میں تصریح نہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط پہنچانے والی عورت ذمیہ تھی یا مسلمان؟ اس لئے بظاہر ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کی مناسبت نہیں بن سکتی۔

علامہ ابن منیر رحمہ اللہ نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ روایت باب سے اگر چہ یہ بات معلوم نہیں

(۲۹) إرشاد الساري: ۱۸۵/۵

(۳۰) عمدة القاري: ۱۶/۱۵

ہوئی کہ وہ ذمیہ تھی یا مسلمان۔ لیکن بلاضرورت نامحرم عورت کو دیکھنا چونکہ حرام ہے اور اس حکم میں مسلمان اور ذمیہ دونوں برابر ہیں، اس لئے حدیث باب سے ترجمۃ الباب ثابت ہو جاتا ہے (۳۱)۔

علامہ ابن التینؒ کا اشکال اور اس کا جواب

ابن التین رحمہ اللہ نے اشکال کیا ہے کہ اگر وہ عورت مشرک تھی، تو پھر ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیثِ باب کی مناسبت نہیں ہوگی۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے، کہ معاہد اہل ذمہ کے حکم میں ہوتے ہیں، وہ عورت بھی معاہد تھی اور اہل ذمہ کے حکم میں تھی (۳۲)۔

۱۹۲ - باب : اَسْتِقْبَالِ الْغُزَاةِ .

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب مجاہدین جہاد سے لوٹ کر آئیں تو ان کا استقبال کرنا مستحب ہے، حدیث میں اس کی اصل موجود ہے۔

لیکن ظاہر ہے یہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں، اس لئے استقبال نہ کیا جائے، تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۲۹۱٦ : حدَّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ وَحُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ : قالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ لِابْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ : أَتَذْكُرُ إِذْ تَلَقَّيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنَا وَأَنْتَ وَابْنُ عَبَّاسٍ ؟ قالَ : نَعَمْ ، فَحَمَلَنَا وَتَرَكَكَ .

تراجم رجال

۱-عبداللہ بن ابی الأسود

کشمیہنی کی روایت میں "ابـن أبـي الأسـود" ضبط ہوا ہے اور "عبـد اللہ" کی تصریح

(۳۱) عمدة القاري: ۱٦/۱۵، وفتح الباري: ۲۳۵/٦

(۳۲) عمدة القاري: ۱٦/۱۵، وفتح الباري: ۲۳۵/٦

(۲۹۱٦) والحديث عند مسلم في صحيحه : ۲۸۳/۲، في الفضائل، باب من فضائل عبدالله بن جعفرؓ، وعند أبي داود في سننه: ۳۵٤/۱، في الجهاد، باب في ركوب ثلاثة على دابة.

نہیں (۲)۔

یہ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن حمید بن ابی الأسود ہیں، ان کے حالات، کتاب الأذان، باب بلاترجمه کے تحت گزر چکے ہیں۔ آگے روایت کی سند میں "حمید بن الأسود" کے الفاظ ہیں، یہ ان کے دادا ہیں (۳)۔

۲-یزید بن زریع

یہ ابومعاویہ یزید بن زریع التمیمی العیشی ہیں، کتاب الغسل، باب الجنب یخرج ویمشي في الأسواق وغیرہ کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

۳-حمید بن الأسود

یہ أبوالأسود حمید بن الأشقر البصری الکرابیسی ہیں، ہم ابتدا میں بتا چکے ہیں کہ یہ عبداللہ بن ابی الأسود کے دادا ہیں۔

انہوں نے مختلف شیوخ حدیث سے روایات میں ہیں، ان میں نمایاں اور ممتاز شیوخ کے نام یہ ہیں:

اسماعیل بن أمیہ، حبیب بن الشہید، عبداللہ بن عون، عبدالعزیز بن صہیب، مالک بن انس، محمد بن عمرو بن علقمہ، مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر، ہشام بن عروہ بن زبیر (۴)۔

ان سے روایت لینے والوں میں، اسماعیل بن مَسلَمہ بن قَعْنَب قعنبی، ابوبشر بن خلف، سعید بن عامر ضُبَعی، عبداللہ بن مبارک، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن أبی الأسود، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبیداللہ بن عمر القواریری، علی ابن المدینی، مسدد بن مسرهد شامل ہیں (۵)۔

ثقہ اور معتمد راوی ہیں۔

---

(۲) عمدة القاري: ۱۸/۱۵

(۳) تهذيب الكمال في أسماء الرجال: ۳۵۰/۷

(٤) تهذيب الكمال: ۷/ ۳۵۰، ۳۵۱، وتهذيب التهذيب: ۳۵/۳

(٥) تهذيب الكمال: ۳۵۱/۷، وتهذيب التهذيب: ۳۵/۳

علامہ عقیلی رحمہ اللہ نے "الضعفاء الكبير" میں ان کا تذکرہ ضعیف راویوں میں کیا ہے، اور اس تضعیف کی بنیاد انہوں نے اس جرح پر استوار کی: "كان عفان يحمل عليه؛ لأنه روى حديثا منكراً" (٦)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامہ عقیلی کی یہ جرح معتبر نہیں، دیگر ائمہ جرح وتعدیل نے "حمید بن الاسود" کی توثیق کی ہے۔

مثلاً ابن حبان نے ان کا تذکرہ "ثقات" میں کیا ہے (٧)۔

قواریری نے فرمایا: "كان صدوقا" (٨)۔

ابوحاتم نے ان کے بارے میں کہا: "ثقه" (٩)۔

امام دارقطنی کا قول ان کے بارے میں حاکم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: "ليس به بأس" (١٠)۔

خلاصہ یہ ہے کہ حمید بن اسود ثقہ اور معتبر راوی ہیں، اگر سب ائمہ جرح وتعدیل ایک راوی کی ثقاہت پر متفق ہوں، تو ان کی مخالفت میں منقول، محض ایک قول کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس لئے حمید بن اسود کے بارے میں علامہ عقیلی کی جرح معتبر نہیں۔

نوٹ

روایت کی سند میں پہلے راوی "عبداللہ بن ابی الاسود" امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے فرمایا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں دو جگہ ان کی روایات نقل کی ہیں (١١)۔

---

(٦) الضعفاء الكبير للعقيلي: ١/٢٦٨، وتهذيب التهذيب: ٣/٣٦

(٧) تهذيب التهذيب: ٣/٣٥

(٨) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٣/٢٣٦، (رقم الترجمة: ٩٦٠)، تهذيب الكمال للمزي: ٦/٣٥١، وتهذيب التهذيب: ٣/٣٦

(٩) حوالة بالا

(١٠) تهذيب التهذيب: ٣/٣٧

(١١) فتح الباري: ٦/٢٣٥، وعمدة القاري: ١٥/١٨

عبداللہ بن ابی الاسود نے مذکورہ روایت، یزید بن زریع اور حمید بن ابی اسود دونوں سے سنی ہے، اس لئے روایت کی سند میں انہوں نے حمید بن اسود کے ساتھ، یزید بن زریع کو بھی متصلاً ذکر کیا ہے۔ آگے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بھی روایت کی سند میں دونوں راوی ''مقرون'' ہیں (۱۲)۔

البتہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان سے جو روایت نقل کی ہے، وہ غیر مقرون ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں حمید بن اسود کے ساتھ یزید کا نام ساقط ہے۔

۴-حبیب بن الشہید

یہ ابو محمد حبیب بن الشہید ازدی ہیں، تابعی ہیں اور ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ثابت ہے۔

انہوں نے حسن بن ثابت، ابن ابی مُلیکہ، عمرو بن دینار، ابن المنکدر، میمون بن مہران اور ابواسحاق السبیعی سے روایت حدیث کی۔ البتہ حضرت زبیر بن عوام، سعید بن مسیّب اور عبید بن عمیر سے مرسلا حدیث روایت کی ہے (۱۳)۔

ان سے روایت کرنے والوں میں شعبہ، سفیان ثوری، حماد بن سلمی، یزید بن زریع، ابن علیہ، بشر بن مفضل، ان کے بیٹے ابراہیم بن حبیب، ابواُسامہ، روح بن عبادہ، ابن ابی عدی، قریش بن انس اور محمد بن عبداللہ انصاری شامل ہیں (۱۴)۔

ائمہ جرح وتعدیل، روایتِ حدیث میں ان کی ثقاہت پر متفق ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: "كان ثبتا ثقة" (١٥)۔

یحییٰ بن معین، ابوحاتم اور امام نسائی نے فرمایا: "ثقة" (١٦)۔

---

(١٢) تهذيب الكمال: ٣٥٢/٧

(١٣) تهذيب الكمال: ٣٧٩/٥، وتهذيب التهذيب: ١٥٨/٢

(١٤) تهذيب الكمال: ٣٧٩/٥، وتهذيب التهذيب: ١٥٨/٢

(١٥) تهذيب الكمال: ٣٨٠/٥، وتهذيب التهذيب: ١٨٦/٢

(١٦) تهذيب الكمال: ٣٨٠/٥، وتهذيب التهذيب: ١٨٦/٢

ان کے بارے میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ان کے بیٹے عبداللہ نے یہ قول بھی نقل کیا ہے: "ثقة، مامونٌ، وهو أثبت من حميد الطويل" (١٧)۔

ابواسامہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: "كان من رُفَعاء الناس، وإنما روى مأة حديث" (١٨)۔ یعنی "بڑے بلند پایہ لوگوں میں سے تھے، صرف سو احادیث روایت کیں"۔

۵- ابن ابی مُلیکہ

یہ ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان کے تحت گزر چکے ہیں (۱۹)۔

قال ابن الزبير لابن جعفر رضي الله عنهم: أتذكر إذا تلقينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنا وأنت وابن عباس؟

"ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ابن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا تمہیں یاد ہے؟ میں، تم اور ابن عباس تینوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کرنے گئے"۔

اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاد سے واپس لوٹ رہے تھے۔

ابن زبیر سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابن جعفر سے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

قال: نعم، فَحَمَلنا وتركَكَ

"عبداللہ بن جعفر نے کہا، ہاں یاد ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اور ابن عباس کو سواری پر بٹھایا اور تمہیں چھوڑ دیا"۔

---

(١٧) تهذيب الكمال: ٣٨٠/٥، وتهذيب التهذيب: ١٨٦/٢

(١٨) تهذيب الكمال: ٣٨٠/٥، وتهذيب التهذيب: ١٨٦/٢

(١٩) كشف الباري: ٥٤٨/٢

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات میں تعارض کا حل

مذکورہ روایت میں "فَحَملنا وترکك" کا قائل کون ہے؟ ترجمۃ الباب کی روایت میں تصریح ہے کہ قائل، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ہیں۔

لیکن یہ روایت اسی سند کے ساتھ امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں نقل کی ہے، صحیح بخاری کی روایت کے برعکس اس میں ہے: "قال عبدالله بن جعفر لابن الزبير" (۲۰)۔

ظاہر ہے اس روایت کے پیشِ لفظ "فحملنا وترکك" کے قائل عبداللہ بن زبیر ہوں گے اور اس کا مفہوم صحیح بخاری کی روایت باب کے بالکل برعکس یوں ہوگا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھایا اور عبداللہ بن جعفر کو چھوڑ دیا۔

یہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں تعارض ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح بخاری کی مذکورہ روایتِ باب راجح ہے، دوسری روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کی تائید صحیح بخاری کی کتاب الحج والی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ہے:

"لما قدم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مكة استقبلته أُغَيْلِمَةٌ من بني عبدالمطلب فحمل واحداً من بين يديه وآخر خلفه" (۲۱)۔

ظاہر ہے عبداللہ بن جعفر ہی عبدالمطلب کی اولاد میں سے تھے، اس سے صحیح بخاری کی روایتِ باب کی تائید ہوتی ہے کہ عبداللہ بن جعفر ہی کو سواری پر بٹھایا گیا تھا اور "فحملنا وترکك" انہی کا قول ہے (۲۲)۔

اسی طرح مسند احمد بن حنبل اور سنن نسائی میں، خالد بن سارة عن عبدالله بن جعفر کے طریق

(۲۰) صحيح مسلم: ۲/۲۸۳، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن جعفر رضي الله عنهما

(۲۱) صحيح البخاري: ۱/۲۴۲، كتاب العمرة، باب استقبال الحاج القادمين والثلاثة على الدابة (رقم ۱۷۹۸)

(۲۲) فتح الباري: ۶/۲۳۶

سے جو روایت منقول ہے، اس میں تصریح ہے:

"أن النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حمله خلفه وحمل قثم بن عباس بين يديه"(۲۳)۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے عبداللہ بن جعفر کو اپنے پیچھے بٹھایا اور قثم بن عباس کو سامنے بٹھایا۔

علامہ ابن التین رحمہ اللہ کی رائے اس کے خلاف ہے، وہ فرماتے ہیں:

"إن في الحديث نصاً بأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حمل ابن عباس وابن الزبير، ولم يحمل ابن جعفر"(۲٤)۔

یعنی نصِ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو سواری پر بٹھایا اور ابن جعفر کو چھوڑ دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا، مجھے معلوم نہیں، ابن التین نے کس دلیل کی بنیاد پر یہ رائے اختیار کی ہے؟ علامہ داودی رحمہ اللہ نے "فحملنا وترکك" کو عبداللہ بن جعفر کا کلام قرار دیا ہے۔ یہی رائے قاضی عیاض رحمہ اللہ کی بھی ہے، صحیح بخاری کی روایتِ باب کو انہوں نے راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"والذي وقع في البخاری هو الصّواب"(۲٥)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "ابن ابی شیبہ" اور "ابن ابی خیثمہ" کی روایت بھی صحیح بخاری کی روایت کی تائید کرتی ہے(۲٦)۔

---

(۲۳) سنن النسائی: ۲/۳۲، کتاب المناسك، باب استقبال الحاج، ومسند أحمد بن حنبلؒ، ص: ۲۱٥، (رقم ۲۲٥۹) مسند عبدالله بن عباس رضي الله عنهما، وفتح الباري: ٦/۲۳٦

(۲٤) فتح الباري: ٦/۲۳٦

(۲٥) فتح الباري: ٦/۲۳٦

(۲٦) فتح الباري: ٦/۲۳٦

''الابواب والتراجم'' میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی صحیح بخاری کی روایتِ باب راجح ہے(۲۷)۔

صحیح مسلم کی روایت میں راوی کا وہم

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مذکورہ روایت میں تضاد کا سبب دراصل صحیح مسلم کی روابت میں راوی کا وہم ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت صحیح مسلم ہی کے الفاظ میں ''مسند احمد بن حنبل'' میں منقول ہے، اس میں ''قال نعم'' کے بعد ''فحملنا وتركك'' سے پہلے ایک اور ''قال'' کا اضافہ بھی مذکور ہے، اور عبارت اس طرح ہے:

''قال نعم، قال فحملنا وتركك''(۲۸)۔

اس صورت میں ظاہر ہے کہ ''قال فحملنا وتركك'' کے قائل عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ہوں گے، جس سے صحیحین کی دونوں روایات میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مسند احمد کی مذکورہ روایت کے پیش نظر صحیح مسلم کی روایت میں ''قال نعم'' کے بعد لفظ ''قال'' کے ساقط ہونے کو راوی کا وہم کہا جائے، تو پھر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں کوئی تضاد نہیں۔ لیکن آگے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وحدثنا به مرة أخرىٰ، فقال فيه: ''قال نعم فحملنا''(۲۹)۔

یعنی راوی نے یہی روایت دوسری بار روایت کی تو اس میں لفظ ''قال'' کا ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اگر لفظ ''قال'' کا اعتبار کیا جائے، تو صحیح مسلم کی روایت صحیح بخاری کے موافق ہوگی۔ ورنہ ساقط ہونے کی صورت میں دونوں روایات میں تضاد ہوگا(۳۰)۔

---

(۲۷) الأبواب والتراجم، ص: ۲۰۴

(۲۸) فتح الباري: ٦/۲۳٦

(۲۹) فتح الباري: ٦/۲۳٦

(۳۰) فتح الباري: ٦/۲۳٦

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی رائے

تاہم قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر صحیح مسلم کی روایت میں تاویل کرکے "فحملنا" میں ضمیر مفعول کا مصداق عبداللہ بن جعفر بنائے جائیں، تو عبداللہ بن زبیر متروک ہوں گے۔ اس طرح صحیح مسلم کی روایت صحیح بخاری کی روایت کے موافق ہوجائے گی۔ (واللہ أعلم)۔

چنانچہ "فتح الباری" میں ہے:

"وتأويل رواية مسلم أن يجعل الضمير في "حملنا" لابن جعفر فيكون المتروك ابن الزبير"(٣١).

حدیثِ باب سے مستنبط فوائد حدیث

شراح نے مذکورہ روایت باب سے چند آداب وفوائد مستنبط کیے ہیں:

❶ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حدیث باب سے معلوم ہوا کہ یتیموں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا چاہیے۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد، ان کے بیٹے عبداللہ بن جعفر یتیم رہ گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شفقت فرماکر، انہیں سواری پر اپنے ساتھ بٹھایا۔

❷ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ دوسری بات حدیث باب سے یہ معلوم ہوئی کہ عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم دونوں ہم عمر تھے(٣٢)۔

❸ روایت میں ہے، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم جہاد سے واپسی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کرنے گئے تھے۔ علامہ ابن بطال اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جہاد یا حج سے واپس آنے والے مسافروں کے استقبال کے لئے نکلنا اور اس موقع پر مسرت اور خوشی کا اظہار کرنا بھی نیکی ہے(٣٣)۔

---

(٣١) فتح الباري: ٢٣٦/٦

(٣٢) فتح الباري: ٢٣٦/٦

(٣٣) شرح ابن بطال: ٢٤٠/٥، وعمدة القاري: ١٩٠٨/١٥

مختلف روایات سے ثابت ہے کہ سفر سے واپسی کے موقع پر، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ ہماری تہذیبی قدروں میں سے ایک یہ بھی ہے سفر سے کوئی عزیز لوٹ کر آتا ہے، تو ہم اس کا استقبال کرنے جاتے ہیں، خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر اس موقع پر اتباعِ سنت وثواب کی نیت کی جائے تو شرعاً اس عمل کے پسندیدہ اور جائز ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟

لیکن آج کے دور میں کسی عزیز یا بالخصوص حجاج کرام کے استقبال کے موقع پر، بے جا اصراف و تبذیر اور رسوم و بدعات کے جو مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں، ظاہر ہے یہ سب کچھ شہرت، ریا اور نام ونمود کے لئے ہوتا ہے، اس لئے استقبال کی یہ نوعیت گناہِ کبیرہ کے ضمن میں آتی ہے، اور شرعاً اسے جائز قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

ترجمۃ الباب سے حدیث باب کی مناسبت

حدیث باب میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "إذ تلقينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" "جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کیا"۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

۲۹۱۷ : حدّثنا مالِكُ بْنُ إِسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قالَ : قالَ السَّائِبُ ٱبْنُ يَزِيدَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : ذَهَبْنَا نَتَلَقَّى رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ مَعَ الصِّبْيَانِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ . [٤١٦٤]

تراجم رجال

۱-مالک بن اسماعیل

یہ ابوغسان مالک بن اسماعیل الہندی الکوفی ہیں، ان کے حالات کتاب الوضوء، باب الماء یغسل

(۲۹۱۷) وعند البخاري أيضا في صحيحه في كتاب المغازي، باب كتاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى كسرىٰ وقيصر (رقم ٤٤٢٦، ٤٤٢٧)، وعند أبي داود في سننه في كتاب الجهاد، باب في التلقّي (رقم ۲۷۷۹)، وعند الترمذي في جامعه في الجهاد، باب ماجاء في تلقي الغائب إذا قدم.

به شَعر الإنسان کے تحت گزر چکے ہیں۔

۲-ابن عیینہ

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ ہیں، کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا ...... کے تحت ان کے حالات گزر چکے ہیں (۳۵)۔

۳-الزہري

یہ مشہور محدث ابن شہاب زہری ہیں، ان کے حالات بدء الوحی کی حدیث ثالث کے تحت گزر چکے ہیں (۳۶)۔

۴-السائب بن یزید رضی اللہ عنہ

یہ صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سائب بن یزید بن سعید الکندی ہیں، ان کے حالات کتاب العلم کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔

ذهبنا نتلقّى رسول الله صلى الله عليه وسلم مع الصبيان إلى ثنيّة الوَداع

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "ہم نوعمر لڑکوں کے ساتھ ثنیہ الوداع تک رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کرنے گئے"۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے مراجعت فرما رہے تھے، چنانچہ سنن ترمذی کی ایک روایت میں تصریح ہے "لما قدم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من تبوك......(۳۷).

استقبال میں جو کم سن اور نوعمر بچے آئے تھے، سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے (۳۸)۔

---

(۳۵) كشف الباري: ۳/۸۶-۹۰

(۳٦) كشف الباري: ۱/۳۲٦

(۳۷) سنن الترمذي: ۱/۳۰۲، كتاب الجهاد، باب في تلقي الغائب إذا قدم.

(۳۸) عمدة القاري: ۱۵/۱۹، وإرشاد الساري: ٦/٥٥٦

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث باب میں ہے "ذهبنا نتلقى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

۱۹۳ - باب : ما يَقُولُ إذَا رَجَعَ مِنَ الْغَزْوِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد اور باب سابق سے مناسبت

گزشتہ باب میں بتایا گیا ہے کہ جہاد سے وطن کی طرف مراجعت کے موقع پر مجاہدین کا استقبال کرنا جائز ہے، رہ گئی یہ بات کہ خود مجاہدین کا وظیفۂ عمل کیا ہوگا؟

اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ باب قائم کرکے باور کرا رہے ہیں، جب مجاہدین اسلام سفرِ جہاد سے صحت وعافیت کے ساتھ وطن لوٹ آئیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا چاہیے کہ احادیث میں اس کی اصل موجود ہے۔

٢٩١٨ : حدّثنا مُوسى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ إِذَا قَفَلَ كَبَّرَ ثَلَاثًا ، قالَ : (آيِبُونَ إِنْ شَاءَ ٱللهُ تَائِبُونَ ، عابِدُونَ حامِدُونَ ، لِرَبِّنَا سَاجِدُونَ ، صَدَقَ ٱللهُ وَعْدَهُ ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ) .

[ر : ١٧٠٣]

تراجم رجال

۱-موسیٰ بن اسماعیل

یہ ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی البصری ہیں۔ان کے حالات بدء الوحي کے تحت گزر چکے ہیں(۴۰)۔

(٢٩١٨) مر تخريجه في كتاب العمرة، باب مايقول إذا رجع من الحج أو العمرة أو الغزو (رقم ١٧٩٧)

(٤٠) كشف الباري: ١/٤٣٣

۲-جُوَیریہ

یہ جُوَیریہ بن اسماء بن عبید الضبعی البصری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الوضوء، باب الجنب یتوضأ ثم ینام کے تحت گزر چکا ہے۔

۳-نافع

یہ نافع مولی عبداللہ بن عمر القرشی العدوی ہیں۔ کتاب العلم، باب ذکر العلم والفُتیا في المسجد کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے(۴۱)۔

۴-عبداللہ

یہ مشہور صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۴۲)۔

أن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کان إذا قَفَلَ کبَّر ثلاثا، قال: آیبون إن شاء اللّٰه تائبون، عابدون حامدون، لربنا ساجدون، صَدق اللّٰه وعدَه، ونَصر عبدَه، وهَزم الأحزاب وحده

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب جہاد سے لوٹتے تو تین بار اللہ اکبر کہہ کر فرماتے: ''ہم لوٹنے والے ہیں انشاء اللہ، توبہ کرنے والے ہیں، حمد کرنے والے ہیں اپنے رب کیلئے، سجدہ کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے (فتح ونصرت کا) اپنا وعدہ سچا کردیا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اسی نے (کافروں کے) لشکروں کو شکست دی''۔

یہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے ''عن عبداللّٰه عن عبدالعزیز بن أبي سلمة عن صالح بن

---

(٤١) كشف الباري: ٦٥١/٤

(٤٢) كشف الباري: ٦٧٩/١

كيسان عن سالم بن عبدالله عن عبدالله بن يوسف عن مالك عن نافع عن عبدالله عمر رضي الله عنهما" کے طریق سے، كتاب الجهاد، باب التكبير إذا علا شرفا کے تحت بھی نقل کی ہے۔

قَفَلَ: (نصراورضرب سے) قَفَلَ قُفُولا کے معنی ہیں: سفر سے لوٹنا۔ واپس ہونا، اسی سے "قافلہ" ہے۔ بمعنی کارواں، سفر سے لوٹنے والے لوگوں کی جماعت (۴۳)۔

البتہ روایت کے تحت قفل "رجوع عن الغزوة" کے معنی میں ہے (۴۴)۔

آيبون إن شاء الله تائبون......

حدیث باب میں "آيبون تائبون حامدون اور ساجدون مختلف صفات ہیں، سوال یہ ہے کہ الفاظِ مشیت (انشاءاللہ) کون سی صفت کے ساتھ متعلق ہے؟

ایک معلوم بات ہے کہ انشاءاللہ مستقبل کے امور کے لئے کہا جاتا ہے، اس لئے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفرِ جہاد سے مراجعت فرما چکے تھے، اس بناء پر صفت "إياب" کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ متعلق کرنا درست نہیں، توبہ اور حمد وعبادت مستقبل میں پیش آنے والے امور تھے۔ لہٰذا روایت میں الفاظ مشیت "آيبون" کے بعد والی صفات سے متعلق ہوں گے۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اگر چہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حمد و ثنا میں منہمک رہتے تھے، لیکن ان کے یہاں ادب واحترام اس قدر ملحوظ تھا کہ ہمہ وقتی عبادت اور حمد وثنا کے باوجود اپنے اعمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف کرتے اور اس کے انعامات پر شکر ادا کرتے ہوئے اپنی فقیری اور محتاجی کا اظہار کرتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ علامہ ابن بطال کے نزدیک "ان شاء الله" کا تعلق "آيبون" سے نہیں، بلکہ بعد کی صفات تائبون، حامدون اور ساجدون سے ہے۔

---

(٤٣) النهاية في غريب الحديث لابن الأثير: ٤/٩٢، ٩٣، وعمدة القاري: ١٥/٢٠

(٤٤) عمدة القاري: ١٥/٢٠

علامہ ابن بطالؒ پر علامہ ابن منیرؒ کا رد

لیکن علامہ ابن بطال کی رائے کو علامہ ابن منیر رحمہ اللہ نے رد کیا ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"تعقبه ابن المنير فقال: الظاهر أن المشيئة إنما علق عليها الإياب خاصه، وقوله: "قد وقع فلا تعلق" وهمٌ؛ لأن الإياب المقصود إنما هو الرجوع الموصل إلى نفس الوطن، وهو مستقبل بعد؛ فلا يصح أن يعلق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقية الأفعال على المشيئة؛ لأنه قد حمد الله تعالىٰ ناجزاء، وعبدَه دائما، والعمل الناجز لاينبغي تعليقه على المشيئة، ولو صلى إنسانٌ الظهرَ فقال: صليتُ إن شاء الله لكان غلطاً منه؛ لأن الله قد أمره أن يصلي فصلّى فلا تشكيك في معلوم"(٤٥)۔

مطلب یہ ہے کہ بظاہر "إيـــاب" ہی کو مشیت کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے، ابن بطال کی یہ بات بے اصل ہے، کہ "إيـاب" کا وقوع ہو چکا، تو مشیت سے اس کا تعلق نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ "إيـاب" کا مقصد وطن کی طرف مراجعت ہے اور وہ ابھی پورا نہیں ہوا تو مشیت کو اسی کے ساتھ متعلق کیا جائے گا۔ إيـــاب کے بعد والے بقیہ افعال، مشیت کے ساتھ متعلق نہیں، اس لئے کہ آپ نے ہر وقت اور ہمیشہ اللہ کی حمد وثنا اور عبادت کی، (گویا یہ طے شدہ اعمال ہیں) اور طے شدہ اعمال کو مشیت کے ساتھ متعلق کرنا مناسب نہیں۔ اگر ایک آدمی ظہر کی نماز پڑھ کر کہتا ہے "میں نے انشاء اللہ نماز پڑھ لی" تو یہ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے تو اس نے نماز ادا کی، (یہ ایک معلوم اور طے شدہ حکم ہے) لہٰذا ایک معلوم معاملہ میں شک کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کے نزدیک "إيـاب" مشیت کے ساتھ متعلق نہیں، بلکہ بقیہ افعال سے متعلق ہے، اسلئے کہ ان کے نزدیک "إيـاب" واقع ہو چکا تھا، لہٰذا ایاب کو مشیت کے ساتھ متعلق کرنا ان کے

(٤٥) إرشاد الساري: ٥/١٨٦، ١٨٧

نزدیک درست نہیں۔ جب کہ ابن منیر رحمہ اللہ کی رائے ان کے خلاف ہے، ان کے نزدیک "إیاب" متعلق بالمشیئة ہے، اس لئے کہ اس کا وقوع مستقبل سے وابستہ تھا، جب کہ باقی افعال طے شدہ اور ثابت تھے، لہٰذا وہ متعلق بالمشیۃ نہیں ہو سکتے۔ (واللہ اعلم)۔

روایت سے متعلق مزید تفصیل پیچھے "کتاب الجهاد، باب التکبیر إذا علا وشرفا" کے تحت گزر چکی ہے۔

۲۹۱۹/۲۹۲۰ : حدّثنا أَبُو مَعْمَرٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قالَ : حَدَّثَنِي يَحْيَىٰ بْنُ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَقْفَلَهُ مِنْ عُسْفَانَ ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى رَاحِلَتِهِ ، وَقَدْ أَرْدَفَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ ، فَعَثَرَتْ نَاقَتُهُ فَصُرِعَا جَمِيعًا ، فَاقْتَحَمَ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاءَكَ ، قالَ : (عَلَيْكَ الْمَرْأَةَ) . فَقَلَبَ ثَوْبًا عَلَى وَجْهِهِ وَأَتَاهَا فَأَلْقَاهُ عَلَيْهَا ، وَأَصْلَحَ لَهُمَا مَرْكَبَهُمَا فَرَكِبَا ، وَاكْتَنَفْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ، فَلَمَّا أَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِينَةِ ، قالَ : (آيِبُونَ تَائِبُونَ ، عابِدُونَ ، لِرَبِّنَا حامِدُونَ) . فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُ ذٰلِكَ ، حَتَّى دَخَلَ الْمَدِينَةَ .

تراجم رجال

۱-ابومعمر

یہ ابومعمر عبداللہ بن ابی الحجاج المنقری المعقد ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "اللهم علمه الكتاب" کے تحت گزر چکا ہے(۴۷)۔

۲-عبدالوارث

یہ عبدالوارث بن سعید الذکوان التمیمی ہیں، ان کا تذکرہ بھی مذکورہ کتاب وباب کے تحت گزر چکا ہے(۴۸)۔

(۲۹۱۹/۲۹۲۰) قد مرّ تخريجه في كتاب الصلوة، باب مايُذكر في الفَخِذ (رقم ۳۷۱)

(۴۷) كشف الباري: ۳۰۸/۳

(۴۸) كشف الباري: ۳۰۹/۳

۳-یحییٰ بن ابی اسحاق

یہ یحییٰ بن ابی اسحاق الحضرمی البصری النحوی ہیں، ان کا تذکرہ کتاب تقصير الصلوة، باب ماجاء في التقصير کے تحت گزر چکا ہے۔

۴-انس بن مالک رضی اللہ عنہ

ان کے حالات کتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه کے تحت گزر چکے ہیں (۴۹)۔

كُنَّا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مَقْفَلَهُ من عُسْفانَ، ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على راحلته

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جب آپ عسفان سے لوٹ رہے تھے، اور آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔

وقد أردف صفية بنت حُييّ

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفیہ بنِ حُیی کو بھی اپنے پیچھے اونٹنی پر بٹھایا تھا''۔

روایت میں راوی کا وہم

روایت باب میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عسفان سے لوٹ رہے تھے۔ حافظ دمیاطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ راوی کا وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ غزوۂ خیبر سے لوٹ رہے تھے۔ اس لئے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کو جنگ خیبر میں ملی تھیں، خیبر کا واقعہ سن ۷ ہجری کو پیش آیا تھا، واپس آتے ہوئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھی تھیں، جب کہ غزوۂ بنی عسفان ۶ ہجری میں واقع ہوا تھا، اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کہاں سے آگئیں؟ (۵۰)۔

---

(٤٩) كشف الباري: ٢/٤، ٥

(٥٠) فتح الباري: ٦/٢٣٧، عمدة القاري: ١٥/٢٠، إرشاد الساري: ٥/٥٥٨

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ عسفان اور غزوہ خیبر چونکہ یکے بعد دیگرے پیش آئے، اس لئے راوی کو اشتباہ ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس مراجعت کی نسبت غزوۂ عسفان کی طرف کردی (۵۱)۔

فعَثرت ناقتُه فصُرِعا جميعاً

"لیکن اونٹنی کا پاؤں پھسل گیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اُمُّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں گر پڑے"۔

فاقتحم أبو طلحة فقال: يا رسول الله جَعَلَني اللّٰهُ فداءَ ك

"یہ دیکھ کر ابوطلحہ فوراً اونٹ سے کود پڑے اور کہا، میری جان آپ پر فدا ہو"۔

اقتحم: "قَحَمَ في الأمر إذا رَمىٰ نفسه فيه من غيرِ رؤية"(۵۲)۔ اس کے معنی ہیں، اپنے آپ کو کسی کام میں جھونک دینا، بے سوچے سمجھے ڈال دینا، کہتے ہیں أقحم الفرس راكبه "گھوڑے نے سوار کو منہ کے بل گرادیا"۔

قال: ((عليك المرءة)) فقَلَبَ ثوبا على وَجْهِه وأتاها فألقاهُ عَليها، وأصلح لهما مَركبهما فرَكِبا

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت کی خبر لو، ابوطلحہ نے اپنے چہرے پر کپڑا ڈالا، (تاکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر نظر نہ پڑے) اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، تو وہی کپڑا ان کے اوپر ڈال دیا۔ پھر دونوں کے لئے سواری درست کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں سوار ہوگئے۔

---

(۵۱) فتح الباري: ۲۳۷/۶، فيض الباري: ۳۶۹/۳، الأبواب والتراجم، ص: ۲۰۵

(۵۲) شرح الكرماني: ۷۰/۳، وعمدة القاري: ۲۰/۱۵

فاكتفنا رسولَ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

''ہم سب آپ کے اردگرد جمع ہوگئے''۔

فاكتنفنا: أي أحطنا(۵۳)، ہم نے گھیرلیا، احاطہ کرلیا، کَنَفَ (نصر سے) احاطہ کرنے اور گھیرنے کے معنی میں آتا ہے(۵۴)۔

فلما أشرفنا على المدينة، قال: ((آيبون تائبون، عابدون، لربنا حامدون)). فلم يَزَلْ يقول ذلك، حتى دخل المدينة.

''جب مدینہ کے بالکل قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا''آيبون تائبون عابدون لربنا حامدون'' آپ مسلسل یہی کلمات فرماتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے''۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ باب کی پہلی روایت میں تصریح نہیں کہ مذکورہ دعا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر سے مراجعت کرتے ہوئے فرماتے تھے، یا مدینہ کے اندر داخل ہوتے وقت۔ اس دوسری روایت میں تصریح ہے کہ دعا مدینہ کے اندر داخل ہوتے وقت فرماتے تھے(۵۵)۔

ترجمة الباب سے مناسبت

قال آيبون .... الخ کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے۔

فوائد حدیث

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس روایت سے مختلف آداب وفوائد مستنبط کئے ہیں:

۱ سواری پر عورت مرد کے پیچھے بٹھائی جائے اور حجاب میں رہے۔

۲ نامحرم مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے سے پردہ کرنا اور چہرہ کو کپڑے سے ڈھانپنا چاہیے۔

---

(۵۳) عمدة القاري: ۲۰/۱۵

(۵٤) مختار الصحاح ،ص: ۵۸۰، دار المعارف بمصر

(۵۵) فيض الباري: ۳۵۹/۳

۳ ابوطلحہ رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت کی، اس سے معلوم ہوا کہ امام وقت اور اہل علم کی خدمت مستحب ہے۔

۴ سفر سے مراجعت کے بعد جب امام وقت اپنے ملک یا شہر میں داخل ہو تو اس کا استقبال کیا جائے، لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جائیں۔

۵ جب مسافر اپنے اہل وعیال کے پاس عافیت سے پہنچے تو اللہ تعالی کا شکر اور توبہ استغفار کرے۔

۶ روایت سے ایک فائدہ یہ معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات اگرچہ امہات المؤمنین تھیں، لیکن نامحرم مردوں سے پردہ اور حجاب کا حکم ان کے لئے بھی تھا (۵۶)۔

(۲۹۲۰) : حدّثنا عَلِيٌّ : حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ : حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ أَبِي إِسْحٰق ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مالِكٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّهُ أَقْبَلَ هُوَ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ صَفِيَّةُ مُرْدِفُهَا عَلَى رَاحِلَتِهِ ، فَلَمَّا كانُوا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَثَرَتِ النَّاقَةُ ، فَصُرِعَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْمَرْأَةُ ، وَإِنَّ أَبَا طَلْحَةَ – قالَ : أَحْسِبُ قالَ – اقْتَحَمَ عَنْ بَعِيرِهِ فَأَتَى رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : يَا نَبِيَّ ٱللّٰهِ جَعَلَنِي ٱللّٰهُ فِدَاءَكَ ، هَلْ أَصَابَكَ مِنْ شَيْءٍ ؟ قالَ : (لَا ، وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْمَرْأَةِ) . فَأَلْقَى أَبُو طَلْحَةَ ثَوْبَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَقَصَدَ قَصْدَهَا ، فَأَلْقَى ثَوْبَهُ عَلَيْهَا ، فَقَامَتِ الْمَرْأَةُ ، فَشَدَّ لَهُمَا عَلَى رَاحِلَتِهِمَا فَرَكِبَا ، فَسَارُوا حَتَّى إِذَا كانُوا بِظَهْرِ الْمَدِينَةِ ، أَوْ قالَ : أَشْرَفُوا عَلَى الْمَدِينَةِ ، قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (آيِبُونَ تَائِبُونَ عابِدُونَ ، لِرَبِّنَا حامِدُونَ) . فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُهَا ، حَتَّى دَخَلَ الْمَدِينَةَ .

[۵۶۲۳ ، ۵۸۳۱]

تراجم رجال

۱-علی

یہ جلیل القدر محدث علی بن عبداللہ بن جعفر المدینی ہیں، ان کے تفصیلی حالات كتاب العلم کے تحت

(۵۶) عمدة القاري: ۱۵/۲۰

(۲۹۲۰) مرّ تخريجه في كتاب الصلوة، باب مايذكر في الفخذ (رقم ۳۷۱)

پہلے گزر چکے ہیں (۵۸)۔

۲-بشر بن المفضل

یہ بشر بن المفضل ابن الاحق الرقاشی البصری ہیں، ان کے حالات كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "رب مبلغ أوعىٰ من سامع" کے تحت گزر چکے ہیں (۵۸☆)۔

۳-یحییٰ بن أبی اسحاق

ان کا تذکرہ كتاب تقصير الصلوة، باب ماجاء في التقصير کے تحت گزر چکا ہے۔

۴-انس بن مالک رضی اللہ عنہ

ان کے حالات كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه کے تحت گزر چکے ہیں (۵۹)۔

أنه أقبل هو وأبوطلحة مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

یہ وہی ترجمۃ الباب کی دوسری روایت ہے لیکن سند بدل گئی ہے۔

فلما كانوا: ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں "کان" مفرد کا صیغہ نقل کیا گیا ہے (٦٠)۔

عَثَرت النَاقَّةُ: ابوذر اور اصیلی رحمہما اللہ کی روایت میں "ناقة" کے بجائے "الدابة" منقول ہے (٦١)۔

دابۃ اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس میں تاء وحدت کی ہے، مؤنث اور مذکر دونوں کے لئے مستعمل ہے، اس کے معنی ہیں: زمین پر چلنے والے جانور، مویشی، چوپایا۔ اکثر استعمال اس چوپائے پر ہوتا ہے، جو سواری یا بوجھ لادنے کے کام آتا ہے۔

---

(۵۸) كشف الباري: ۲۹۷/۳

(۵۸☆) كشف الباري: ۲۲۲/۳

(۵۹) كشف الباري: ۵۰٤/۲

(٦٠) إرشاد الساري: ٥٥٩/٦

(٦١) إرشاد الساري: ٥٥٩/٦

حتى إذا كانوا بِظَهْر المدينة، أو قال: أشرفوا على المدينة

یہاں راوی کوشک ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دونوں میں سے کون سا جملہ کہا تھا، کانوا بظهر المدینة کا کہا، یاأشرفوا علی المدینة کہا۔

بظهر المدينة: ظهر ظاہر کے معنی میں ہے، یعنی جب مدینہ سامنے آ گیا (٦٢)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

مناسبت بالکل واضح ہے۔

١٩٤ - باب : الصَّلَاةِ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ .

بابِ سابق سے مناسبت اور ترجمۃ الباب کا مقصد

اس سے پہلے باب میں بتایا گیا کہ جب مجاہد اور مسافر سفر سے لوٹ کر وطن پہنچے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور توبہ واستغفار کرے۔ اب یہ کہ جب منزل مقصود تک پہنچ جائے تو کیا کرے؟ اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ باب الصلوة، إذا قدم من سفر کا ترجمہ قائم کرکے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب مجاہد یا مسافر سفر سے لوٹ کر، اپنی منزل تک پہنچ جائے تو اسے شکرانے کا دوگانہ ادا کرنا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ سفر سے مراجعت کے بعد، مسجد کے اندر تشریف لاکر دوگانہ ادا فرمایا کرتے۔

٢٩٢١ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ قالَ : سَمِعْتُ جابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ في سَفَرٍ ، فَلَمَّا قَدِمْنَا المَدِينَةَ ، قالَ لِي : (ٱدْخُلِ المَسْجِدَ ، فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ) . [ر : ٤٣٢]

---

(٦٢) إرشاد الساري: ٥٥٩/٦

(٢٩٢١) مر تخريجه في كتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر (رقم ٤٤٣)

تراجم رجال

۱-سلیمان بن حرب

یہ ابوایوب، سلیمان بن حرب بن بجیل واشحی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۲-شعبہ

یہ مشہور محدث شعبہ بن الحجاج بن الورد البصری ہیں۔ان کا تذکرہ بھی کتاب الایمان کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۳-محارب بن دثار

یہ قاضی ابومطرف، محارب بن دثار السدوسی الکوفی ہیں۔ان کا تذکرہ بھی کتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر کے تحت گزر چکا ہے۔

۴-جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الوضوء، باب صَبّ النبي صلى الله عليه وسلم وضوء ه على المغمیٰ علیه کے تحت گزر چکا ہے۔

"كنت مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في سفرٍ فلما قدِمنا من المدينة قال لي: ﴿أدخل المسجد فصلّ ركعتين﴾.

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں سفر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ نے مجھ سے فرمایا: "جابر! مسجد میں جاؤ اور دو رکعت پڑھ لو"۔

---

(۲) کشف الباري: ۱/۱۰۵

(۳) کشف الباري: ۱/۶۷۸

اس سے تحیۃ المسجد مراد نہیں، یہ سفر سے مراجعت کی نمازِ نفل تھی (۴)۔

کتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت "عن خلاف بن یحیی عن مسعر عن محارب بن دثار" کے طریق سے روایت کی ہے (۵)۔ وہیں اس سے متعلق تفصیل بھی ہوچکی ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت مختصراً وتفصیلاً بیس مقامات میں نقل کی ہے (۶)۔

ترجمۃ الباب سے حدیثِ باب کی مناسبت

"فلما قدمنا من السفر قال لي: أدخل المسجد فصل رکعتین". کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے۔

۲۹۲۲ : حدّثنا أَبُو عاصِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ جُرَيْجٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ ، عَنْ أَبِيهِ وَعَمِّهِ عُبَيْدِ ٱللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ ، عَنْ كَعْبٍ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ ضُحًى دَخَلَ الْمَسْجِدَ ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ . [ر : ۲۶۰۶]

تراجم رجال

۱-ابوعاصم

یہ أبوعاصم ضحاک بن مخلد بن ضحاک ہیں۔ کتاب العلم، باب القراءة والعرض على المحدث کے تحت ان کے حالات گزر چکے ہیں (۸)۔

---

(٤) إرشاد الساري: ٥٥٩/٦

(٥) عمدة القاري: ٢١/١٥

(٦) إرشاد الساري: ٥٥٩/٦

(٢٩٢٢) مر تخريجه في كتاب الجهاد، باب إذا تصدّق أو وقف بعض ماله أو بعض رقيقه أو دوابّه فهو جائز (رقم ٢٧٥٧)

(٨) كشف الباري: ١٢٩/٣-١٣٢

۲-ابن جریج

یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اموی ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الحیض، باب غسل الحائض رأس زوجها وترجيله کے تحت گزر چکا ہے۔

۳-ابن شہاب

مشہور محدث محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زہری ہیں۔ ان کے حالات پہلے گزر چکے ہیں (۹)۔

۴-عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب

یہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک ہیں، کتاب الوصايا، باب إذا تصدق أو وقف بعض ماله کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

۵-عبیداللہ بن کعب

یہ مشہور صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔ اپنے والد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایات لیں (۱۰)۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بھتیجے، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، اور ان کے بھائی معبد بن مالک شامل ہیں (۱۱)۔

جب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی، تو عبیداللہ بن کعب نے ان کا سہارا بن کر، ان کی خوب خدمت کی (۱۲)۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام نسائی سب نے ان کی روایات نقل کی ہیں۔

---

(۹) كشف الباري: ۱/۳۲٦

(۱۰) تهذيب الكمال للحافظ المزي: ۱۹/۱٤٥

(۱۱) تهذيب الكمال: ۱۹/۱٤٥، وتهذيب التهذيب: ۷/٤٤

(۱۲) تهذيب الكمال: ۱۹/۱٤٥، وتهذيب التهذيب: ۷/٤٤

أن النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا قدم من سفر ضُحىً دخل المسجد، فصلى ركعتين قبل أن يجلس

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب چاشت کے وقت سفر سے لوٹ کر آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ اگر ایک روایت مختلف احکام اور آداب، فوائد پر مشتمل ہو، تو اسے مختلف ابواب کے تحت نقل کرتے ہیں۔ مذکورہ روایت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل اور مفصل روایت کا جز ہے، جس میں انہوں نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی داستان بیان کی ہے، پیچھے کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ إذا قدم من سفر کے تحت مذکورہ روایت پر بحث ہو چکی ہے۔ اور آگے کتاب المغازی کے تحت بھی تفصیل کے ساتھ آرہی ہے (۱۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

مناسبت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث سے حاصل شدہ فوائد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب کی روایت سے ایک فائدہ یہ معلوم ہوا کہ سفر سے مراجعت کے بعد نمازِ نفل پڑھنا سنت ہے، اور اس کی بڑی فضیلت ہے، یہ بہ سلامت وعافیت لوٹنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور اظہارِ تشکر کا مظہر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس طرز عمل میں ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے کہ سفر سے، حضر کی حالت میں آکر ہر کام سے پہلے نفلی نماز سے تبرک حاصل کیا جائے، کہ یہ خیر کی ایک بہترین کنجی ہے (۱۴)۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ سفر سے لوٹ کر آئیں تو اپنے گھر سے پہلے، اللہ تعالیٰ کے گھر (مسجد) میں

(۱۳) كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٦٣٥-٦٥١

(١٤) عمدة القاري: ٢٢/١٥

حاضری دیں، یہیں سے حضر کی ابتداء کریں۔ لوگوں کے ساتھ کچھ دیر نشست رہے تو وہ سلام و دعا کریں گے (۱۵)، ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک بڑا فائدہ ہے۔

۱۹۵ - باب : الطَّعَامِ عِنْدَ الْقُدُومِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد اور باب سابق سے مناسبت

گزشتہ باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ سفر سے لوٹ کر، پہلے مسجد جا کر نفل نماز پڑھی جائے اس کے بعد گھر کا رخ کیا جائے۔ جب مسافر اپنے گھر پہنچا، آرام وراحت کی، اس کے بعد کیا کیا جائے؟ اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ قائم کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ خوشی اور مسرت کے موقع پر اگر دعوتِ طعام کا اہتمام کیا جائے تو بڑی اچھی بات ہے، اس موقع پر اقرباء اور دوست احباب کے لئے دعوتِ طعام کا اہتمام کرنا سنت اور صحابہ کے اثر سے ثابت ہے۔

وَكَانَ ٱبْنُ عُمَرَ يُفْطِرُ لِمَنْ يَغْشَاهُ .

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مہمانوں اور آنے والے ملاقاتیوں کی وجہ سے روزہ نہ رکھتے تھے''۔

یغشاہ: غَشِيَ يَغْشَا غِشْيانا کے معنی ہیں: کسی کا آنا، وارد ہونا، چنانچہ عربی زبان میں ملاقاتیوں یا خدمت کرنے والی جماعت کو "غاشية" کہا جاتا ہے (۱)۔

ممکن ہے، روایت باب میں بھی غاشیہ سے وہ لوگ مراد ہوں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت اور زیارت کرنے آتے تھے۔

یفطر: کشمیہنی کی روایت میں "یفطر" کے بجائے "یصنع" کا لفظ وارد ہے (۲)۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عسقلانی نے فرمایا کہ معنی کے لحاظ سے یہ لفظ بھی صحیح ہے اور دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔

---

(۱۵) عمدة القاري: ۲۲/۱۵

(۱) النهاية لابن الأثير: ۳/۳۷۰، (ماده غين شين)

(۲) إرشاد الساري: ۶/۵۶۰

تاہم ترجمۃ الباب کی روایت میں "یفطر" مروی ہے، یہی اُصح ہے (۳)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سفر وحضر کا معمول

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ سفر میں کبھی روزہ نہ رکھتے تھے، نہ فرض نہ نفل، جب کہ حضر میں اکثر روزہ رکھنے کا اہتمام تھا، ماہِ رمضان میں دورانِ سفر رخصت پر عمل کرتے، اس کی قضا حضر میں فرماتے۔ تاہم سفر سے مراجعت فرماتے تو کچھ دن روزہ نہ رکھتے، کیونکہ لوگ زیارت اور مبارک باد دینے آتے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ان کی دعوت اور خاطر تواضع کا انتظام فرماتے، اور خود ان کے ساتھ اکل وشرب میں شریک ہوکر چند دن، اپنے معمول کے خلاف، روزہ نہ رکھتے تھے۔ جب مہمانوں کی آمد رک جاتی، تب اپنے معمول کا اہتمام کرتے، اور روزہ رکھتے (۴)۔

مذکورہ اثر قاضی اسماعیل بن اسحاق نے "الأحکام" میں "عن حماد عن نافع عن ابن عمر" کے طریق سے موصولاً روایت کیا ہے۔ اس میں ہے:

"إذا کان مقیما لم یفطر، وإذا کان مسافرا لم یصم، وإذا قدم أفطر إیاماً لغاشیته، ثم یصوم" (۵)۔

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مقیم ہوتے، تو روزہ رکھتے، مسافر ہوتے تو روزہ نہ رکھنے کا معمول تھا، جب سفر سے لوٹ آتے تو چند دن اپنے مہمانوں کی خاطر افطار فرماتے، پھر روزہ رکھتے"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کرنے کا مقصد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ معلق اثر نقل کرکے، امام بخاریؒ دراصل ترجمۃ الباب کا مدّعیٰ ثابت کررہے ہیں کہ دیکھو، ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضر میں نفل روزہ رکھنے کا معمول تھا۔ لیکن جب سفر سے لوٹ آتے، تو ملاقاتیوں کی ضیافت کرتے ہوئے، اپنے معمول کے خلاف، خود بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے،

(۳) إرشاد الساري: ٦/٥٦٠، وفتح الباري: ٦/٢٣١

(٤) فتح الباري: ٦/٢٣٨، وإرشاد الساري: ٦/٥٦٠

(٥) تغليق التعليق لابن حجر: ٣/٤٦٧

اور چند دن روزہ نہ رکھتے۔

اثرِ ابن عمرؓ سے مستنبط فوائد

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے اس اثر کے ذیل میں یہ فائدہ بتایا ہے کہ رؤسا اور ائمہ کو چاہیے کہ سفر سے لوٹ آنے کے بعد اپنے دوست احباب کی دعوت ضیافت کریں۔ یہ مستحب ہے اور اکابر و اسلاف کے یہاں اس کا معمول رہا ہے(٦)۔

اس دعوت کو عربی میں "نقیعه" کہا جاتا ہے(٧)۔

علامہ ابن اثر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ "نقیعہ" اس کھانے کو کہتے ہیں، جسے مسافر سفر سے واپس آکر تیار کرتا ہے(٨)۔

ایک قول یہ ہے کہ "نقیعه" نقع سے ہے، نقع غبار کو کہتے ہیں چنانچہ مسافر پر بھی غبارِ سفر ہوتا ہے(٩)۔

٢٩٢٤/٢٩٢٣ : حدّثني مُحَمَّدٌ : أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ ، نَحَرَ جَزُورًا أَوْ بَقَرَةً .

تراجم رجال

١-محمد

یہ ابو عبداللہ محمد بن سلام بن الفرج السُّلمی بیکندی ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : أنا أعلمكم بالله وأن المعرفة فعل القلب کے تحت دیکھئے(١١)۔

---

(٦) شرح ابن بطال: ٢٤٣/٥

(٧) فتح الباري: ٢٣٩/٦

(٨) النهاية في غريب الحديث لابن الأثير: ١٠٩/٥

(٩) إرشاد الساري: ٥٦١/٦

(٢٩٢٤/٢٩٢٣) مر تخريجه في كتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر.

(١١) كشف الباري: ٩٣/٢

حدثنا محمد......

"محمد" کے نام سے امام بخاری رحمہ اللہ کے کئی شیوخِ حدیث کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، مثلاً محمد بن علاء، محمد بن مثنی وغیرہما۔ لیکن اپنی صحیح میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ صنیع اختیار کی ہے، کہ جہاں لقب یا کنیت وغیرہ کی تصریح کے بغیر سند میں مطلقاً "محمد" ذکر کرتے ہیں تو اس سے ان کے نزدیک محمد بن یحییٰ یا محمد ذہلی ہی میں سے کوئی ایک مراد ہوتا ہے (۱۲)۔ پھر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ سندِ حدیث میں مطلق لفظِ "محمد" سے کیسے معلوم ہوگا کہ اس سے محمد بن یحییٰ مراد ہیں یا محمد ذہلی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے شیوخِ حدیث الگ الگ ہیں لہٰذا مروی عنہ کی تعیین سے اس بات کی تعیین بھی ہو جاتی ہے کہ "محمد" سے محمد بن یحییٰ مراد ہیں یا محمد ذہلی (۱۳)۔ چنانچہ یہاں روایت کی سند میں محمد کے شیخ یعنی مروی عنہ وکیع ہیں، چونکہ وکیع بن جراح محمد ذہلی کے شیوخ میں شامل نہیں، اس لئے یہ ابہام باقی نہیں رہ سکتا کہ محمد سے یہاں محمد ذہلی مراد ہوں گے۔

۲-وکیع

یہ ابوسفیان وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی الکوفی ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب کتابة العلم کے تحت گزر چکا ہے (۱۳☆)۔

۳-شعبہ

یہ شعبہ بن الحجاج البصری ہیں۔ کتاب الإیمان کے تحت ان کے حالات گزر چکے ہیں (۱۴)۔

۴-محارب بن دِثار

یہ قاضی ابومطرف محارب بن دثار السدوسی الکوفی ہیں۔ ان کے حالات کتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر کے تحت گزر چکے ہیں۔

---

(۱۲) فتح الباري: ۱۳۹/٦

(۱۳) فتح الباري: ۱۳۹/٦

(۱۳☆) کشف الباري: ۲۱۹/٤

(١٤) کشف الباري: ٦٧٨/١

۵-جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

مشہور صحابی ہیں۔ کتاب الوضوء، باب صَبّ النبي صلى الله عليه وسلم وضوء ه على المغمى عليه کے تحت ان کے حالات گزر چکے ہیں۔

أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما قدم المدينة نحر جَزوراً أو بقرةً

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جب ذات الرقاع سے لوٹ کر)(۱۵) مدینہ پہنچے، تو آپ نے ایک اونٹنی یا گائے ذبح کی۔

جَزورا أو بقرة:

جیم کے فتحہ اور زا کے ضمہ کے ساتھ، قربانی کے اونٹ کو کہتے ہیں۔ مذکر اور مؤنث دونوں پر جَزور کا اطلاق ہوتا ہے(۱۶)۔

اس کی جمع ہے "جُزُر" (جیم اور زا کے ضمہ کے ساتھ)(۱۷)۔

راوی کو یاد نہیں کہ اونٹنی ذبح کی تھی یا گائے، اس بناء پر "أو" یہاں مفید شک ہے۔لیکن راجح یہ ہے کہ آپ نے گائے ذبح کی تھی، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہی روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے دو مختلف طُرق سے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، اور دونوں میں "بقرہ" کے لفظ کی تصریح ہے، جذور کا ذکر ہی نہیں (۱۸)، خلاصہ

---

(۱۵) إرشاد الساري: ٦/٥٦١

(١٦) عمدة القاري: ٥/٢٢، النهاية لابن الاثير: ١/٢٢٦

(١٧) النهاية لابن الاثير: ١/٢٢٦

(١٨) أخرجه مسلم في صحيحه: ٢/٢٩، في كتاب المساقاة والمزارعة، باب بيع البعير واستثناء ركوبه، عن عبيدالله بن معاذ العنبري، عن أبيه عن شعبة عن محارب أنه سمع جابر بن عبدالله يقول: اشترى مني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعيرا بوقتين ودرهم، أو درهمين، قال: فلما قدم صراراً أمر ببقرة فذبحت، فأكلوا منها، فلما قدم المدينة أمرني أن آتي المسجد فأصلي ركعتين، ووزن لي ثمن البعير، فأرجح لي. (رقم ٤٠٧٤) وقد أخرجه أيضاً بطريق آخر (٢/٣٠) عن يحي بن الحبيب الحارثي، عن خالد بن الحارث، عن شعبة عن محارب، عن جابر، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، بهذه القصة، غير أنه قال: فاشتراه مني بثمن قد سماه، ولم يذكر الوقيتين، والدرهم والدرهمين، وقال: أمر ببقرة، فنحرت، ثم قسم لحمهما. (رقم: ٤٠٧٥)

یہ نکلا کہ صحیح بخاری کی روایت باب میں "جزور" راوی کا شک ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ نے گائے ذبح کی تھی۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

ترجمۃ الباب سے روایت باب کی مناسبت بالکل ظاہر ہے، ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے سفر سے لوٹ کر دعوتِ طعام کی سنیت اور استحباب ثابت کیا ہے۔

زَادَ مُعَاذٌ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ مُحَارِبٍ : سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ : ٱشْتَرَى مِنِّي ٱلنَّبِيُّ ﷺ بَعِيرًا بِوَقِيَّتَيْنِ ، وَدِرْهَمٍ أَوْ دِرْهَمَيْنِ ، فَلَمَّا قَدِمَ صِرَارًا ، أَمَرَ بِبَقَرَةٍ فَذُبِحَتْ فَأَكَلُوا مِنْهَا ، فَلَمَّا قَدِمَ ٱلْمَدِينَةَ ، أَمَرَنِي أَنْ آتِيَ ٱلْمَسْجِدَ فَأُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ ، وَوَزَنَ لِي ثَمَنَ ٱلْبَعِيرِ .

تراجم رجال

۱۔۔معاذ

یہ معاذ بن معاذ العنبری البصری ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الأذان، باب إذا أقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ إلا المکتوبۃ کے تحت گزر چکا ہے۔

سند کے بقیہ راویوں کا حوالہ اس سے پہلی روایت کی سند میں گزر چکا ہے۔

اشتری مني النبيُّ صلّی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بعیراً بوقیتین، ودرهم أو درهمین

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک اونٹ دو اوقیہ اور ایک درہم، یا دو اوقیہ اور دو درھم کے عوض خریدا"۔

راوی کو یاد نہیں کہ دو اوقیہ، ایک درہم کے بدلہ خریدا تھا یا دو اوقیہ دو درھم کے بدلہ، اس بناء پر "أو درهمین" سے راوی شک ظاہر کر رہا ہے۔

---

(۱۹) قوله (زاد معاذ، عن شعبة) مر تخریجه في كتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر، (رقم ٤٤٣)

جب کہ ابوذر کی روایت میں أُوقیتین ہمزہ کے فتحہ اور واو کے سکون کے ساتھ، ضبط ہوا ہے۔

ایک روایت میں "وَقیتیـن" واو پر فتحہ کے ساتھ ضبط ہوا ہے اور ہمزہ اس میں ساقط ہے (۲۰)۔ جب کہ پیشِ نظر نسخے میں بھی اسی ضبط کو لیا گیا ہے۔

فلما قدم صِرارا، أمر ببقرة فذُبِحت فأكلوا منها

"جب آپ مقامِ صرار پہنچے، تو آپ نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، چنانچہ گائے ذبح کردی گئی، سب نے اس کا گوشت کھایا"۔

صرار: صاد کے کسرہ کے ساتھ، ایک جگہ کا نام ہے۔ سمتِ مشرق مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے (۲۱)۔

حموی، مستملی اور ابن الحذاء رحمہم اللہ کی روایت میں "ضـــرار" (صاد پر نقطہ کے ساتھ) ضبط ہوا ہے، علامہ ابن قرقول اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا کہ یہ راوی کا وہم ہے۔ درست "صـــرار" (بغیر نقطہ کے) ہے (۲۲)۔

بأوقيتين ودرهم أو درهمين

الفاظِ روایات میں تعارض اور اس کا حل

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جملہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک روایت میں مختلف لفظوں میں منقول ہے، چنانچہ ایک روایت میں "بـــأوقيتيـن" تثنیہ کے بجائے "وقية" مفرد نقل کیا گیا ہے۔ ایک راویت کے الفاظ ہیں: "أحسبه بأربع أواق". اور ایک روایت میں "بعشرين دينار" کے الفاظ منقول

---

(۲۰) إرشاد الساري: ٥٦١/٦.

(۲۱) عمدة القاري: ۲۲/۱٥، ۲۳

(۲۲) عمدة القاري: ۲۲/٥، ۲۳، وفتح الباري: ٢٣٩/٦

ہیں(۲۳)۔

تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ان روایة "وقية" أكثر(٢٤)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے روایت کے اس جملہ میں منقول اختلاف کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ حقیقت میں یہ لفظی اختلاف ہے، معنی کے اعتبار سے ان مختلف لفظوں میں کوئی تعارض نہیں۔

اختلاف کا اصل منشأ روایت بالمعنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی پر عمل کیا اور ایک ہی مفہوم مختلف لفظوں میں تعبیر کی۔ چنانچہ "أوقية" سے روایت میں "أوقية الذهب" مراد ہے اور دوسری روایت کے مطابق "أربع أواق" دراصل چار اوقیہ چاندی أوقية الذهب کی قیمت کے مساوی ہیں۔ لہذا معناً ان مختلف لفظوں میں کوئی تعارض نہیں، اس طرح بیس دینار ان اواق کی قیمت ہوگی۔

چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وجمع القاضي عياض بين هذه الروايات بأن سبب الاختلاف: الرواية بالمعنى، وأن المراد أوقية الذهب والأربع أواق بقدر ثمن أوقية الذهب"(٢٥).

اس تعلیق کی تخریج

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ تعلیق كتاب المساقات، باب بيع البعير واستثناء ركوبه کے تحت موصولاً نقل کی ہے(۲۶)۔ نیز اسماعیل رحمہ اللہ نے بھی اس تعلیق کو "مستخرج" میں موصولاً روایت کیا ہے(۲۷)۔

اس تعلیق کا مقصد

اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ترجمۃ الباب کا دعویٰ ثابت کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

---

(٢٣) إرشاد الساري: ٥٦١/٦

(٢٤) إرشاد الساري: ٥٦١/٦

(٢٥) إرشاد الساري: ٥١٦/٦

(٢٥) صحيح مسلم: ٢٨/٢، (رقم ١١٥)

(٢٧) تغليق التعليق لابن حجرؒ: ٤٦٨/٣

علیہ وسلم جب سفر سے مراجعت کرتے ہوئے مقام "صـــرار" پہنچے، تو آپ نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا جسے سب نے مل کر کھایا۔ چنانچہ "فلما قدم صراراً أمر ببقرة" سے ترجمۃ الباب نکلتا ہے۔

(۲۹۲٤) : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ ، عَنْ جابِرٍ قالَ : قَدِمْتُ مِنْ سَفَرٍ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (صَلِّ رَكْعَتَيْنِ) . صِرَارٌ مَوْضِعٌ نَاحِيَةً بِالْمَدِينَةِ . [ر : ٤٣٢]

تراجم رجال

۱-ابوالولید

یہ أبوالولید، هشام بن عبدالملک طیالسی بصری ہیں، کتاب الإیمان ، باب علامة حب الإیمان کے تحت ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔(۲۸)۔

۲-شعبہ

یہ شعبہ بن حجاج بن الورد بصری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان کے تحت گزر چکا ہے(۲۹)۔

۳-محارب بن دثار

یہ قاضی ابومطرف محارب بن دثار السدوسی ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

۴-جابر بن عبداللہ

مشہور صحابی جابر بن عبداللہ بن حرام انصاری ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الوضوء، باب صب النبي صلی اللہ علیه وسلم وضوء، علی المغمی علیه کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲۹۲٤) مر تخريجه في كتاب الصلوة، باب الصلوة إذا قدم من سفر (٤٤٣)

(۲۸) كشف الباري: ۳۸/۲

(۲۹) كشف الباري: ۶۷۸/۱

قال: قدمت من سفر، فقال النبي صلى الله تعالیٰ علیه وسلم : "صَلِّ رکعتین"

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں سفر سے لوٹ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ دو رکعتیں (نفل) پڑھ لو۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت پر ایک اشکال کا جواب

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ اس روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں، اس کی مناسبت تو ماقبل باب (باب الصلوة إذا قدم من سفر) کے ساتھ ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ابوالولید کے طریق سے مذکورہ روایت نقل کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ روایت پوری حدیث کا ایک جزو ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شعبہ بن حجاج سے تین تلامذہ نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ہر ایک نے شعبہ بن حجاج سے حدیث کا صرف ایک جزو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ چنانچہ وکیعؒ نے شعبہؒ سے حدیث کا وہ جزء روایت کیا ہے، جس میں ذبحِ بقر کا ذکر ہے۔ ابوالولید اور سلیمان بن حرب نے شعبہ سے حدیث کا وہ جزء روایت کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جب کہ معاذ عنبری نے شعبہ سے پوری حدیث نقل کی ہے (۳۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ باب کی تینوں روایات ایک ہی حدیث کے کے مختلف اجزاء ہیں۔ ابوالولید کے طریق سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کر کے اشارہ فرمایا کہ یہ اس سے پہلی روایت ہی کا جزء ہے (۳۱)۔

صِرارٌ: موضعٌ ناحيةً بالمدينةِ

ترجمۃ الباب کی مُعلّق روایت میں "صرار" کا لفظ وارد ہوا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ "صرار" مدینہ کے مضافات میں واقع ہے۔

---

(۳۰) فتح الباري: ٦/٢٣٩، وتبعه القسطلاني أيضا أنظر إرشاد الساري: ٦/٥٦١

(۳۱) فتح الباري: ٦/٢٣٩

صحیح بخاری کے ایک نسخہ میں یہ عبارت نہیں (۳۲)۔

براعتِ اختتام

امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ ہر کتاب کے آخر میں ایسا لفظ ذکر فرماتے ہیں جس میں اختتام کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کتاب کے اختتام کے ساتھ انسان کو اس کے خاتمہ پر بھی متنبہ کرتے ہیں، کہ جس طرح کتاب کی بحث اختتام کو پہنچی، تمہاری زندگی بھی ایسے ہی اپنے انجام تک پہنچ کر ختم ہوگی، لہٰذا موت سے غفلت مت برتو، اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اگلی منزل کی تیاری کرو۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک کتاب الجهاد اسی باب پر ختم ہو جاتی ہے۔ کتاب الخمس اس میں شامل نہیں۔ اس لئے حافظ صاحب کے نزدیک، اختتام پر دلالت کرنے والا جملہ "قدمت من سفر، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صل ركعتين" ہے (۳۳)۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک كتاب الجهاد، بدء الخلق پر ختم ہوتی ہے، كتاب الخمس، كتاب الجهاد ہی میں شامل ہے۔ اس بناء پر یہاں براعت اختتام کی تصریح کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تاہم اگر حافظ صاحب کی رائے کا اعتبار کیا جائے تو بھی براعت اختتام پر دلالت کرنے والے الفاظ وہ نہیں جن کی تصریح حافظ صاحب نے کی ہے، بلکہ حدیث باب کی سند میں وارد "محارب" اور "دثار" وہ الفاظ ہیں جو براعت اختتام پر دلالت کرتے ہیں۔

محارب کے معنی ہیں: لڑنے والا، جنگ کرنے والا۔ جنگ سے موت واقع ہونا ممکن ہے، گویا لفظِ محارب سے موت کے وقوع اور زندگی کے اختتام کی طرف اشارہ ہے۔ "دثار" سے اسم فاعل "الداثر" الهالك

---

(۳۲) تحفة الباري لشيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصاري: ۳/۵۲۴

(۳۳) الأبواب والتراجم للمحدث زكريا الكاندهلوي ص: ۲۰۵، ومقدمة لامع الدراري للكاندهلوي: ۱/۱۷۱

کی طرف اشارہ ہے، ہلاک ہونے والا۔اس سے بھی موت اور زندگی کی ہلاکت یعنی ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے(۳۴)۔

بایں ہمہ "دثـــار" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے ملے ہوئے کپڑے کے اُوپر ہوتا ہے، اس کی ضد "شِعار" ہے۔شعار بدن کے بالوں سے ملے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔یہ دثار کے نیچے ہوتا ہے، اسے آپ "تحتانی لباس" بھی کہہ سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ دثار، شعار کی ضد ہے، اور شعار سے ذہن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف مبذول ہوتا ہے، جس کے الفاظ ہیں:

"أشعِرنها إياه"(۳۵).

آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا انتقال کرگئیں، ان کے کفن دفن کا انتظام کیا جانے لگا، تو آپ نے فرمایا:"أشعرنها إياه" یعنی "اس ازار کو زینب کے لئے شعار بنادو"(۳٦)۔

مختصر یہ کہ "دثار" کو "شِعار" سے مناسبت ہے، جس سے مذکورہ روایت یاد دلا کر انسان کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ تمہاری بھی موت واقع ہوگی اور کفن دفن کا انتظام ہوگا۔لہٰذا غافل نہ بنو اور موت کی تیاری کرو۔(واللہ اعلم)۔

---
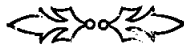
(۳٤) الأبواب والتراجم للمحدث زكريا الكاندهلوي ص: ۲۰۰، ومقدمة لامع الدراري للكاندهلوي: ۱۷۱/۱

(۳۵) والحديث عند البخاري: ۱٦۷/۱، في كتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوءه بالماء والسدر، وباب ما يستحب أن يغسل وترا، وعند مسلم في صحيحه (۳۰۴/۱، ۳۰۵) في كتاب الجنائز، باب غسل الميت ثلاثا أوخمسا، وعند النسائي في سننه(۲٦٦/۱)، في باب كيف يغسل الميت، وعند الترمذي في جامعه (۱۹۳/۱)، في أبواب الجنائز، باب ماجاء في غسل الميت، وعند ابن ماجة في سننه(ص ۱۰٦) في أبواب ماجاء في غسل الميت.

(۳٦) مقدمة لامع الدراري للمحدث زكريا الكاندهلويؒ: ۱۷۱/۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٦١ - أبواب الخمس

سابق سے مناسبت

کتاب الجہاد چونکہ ختم ہوچکی ہے اور جہاد کے ملحقات میں ابواب الخمس بھی آتے ہیں، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اب احکام خمس بیان کریں گے۔

اختلاف نسخ

اسماعیلی کے نسخے میں عنوان "کتاب" کے ساتھ معنون ہے اور اکثر نسخوں میں باب کا لفظ ہے اور بعض نسخ میں عنوان میں صرف "فرض الخمس" کے کلمات ہیں، نہ کتاب ہے اور نہ ہی باب۔

پھر نسخوں میں بسملہ بھی موجود ہے (۱)۔

البتہ راجح یہ ہے کہ عنوان "کتاب" کے ساتھ معنون ہو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آگے مختلف ابواب قائم فرمائے ہیں، جن میں اکثر کا موضوع ومقصد احکامِ خمس کا بیان ہے، لہٰذا ان سب ابواب کا ایک کتاب کے تحت ہونا ہی بہتر ہے۔

ثانیاً۔ مصنف علیہ الرحمۃ عموماً بسملہ کتاب کے لیے ہی ذکر کرتے ہیں، نہ کہ ابواب کے لئے۔

اور مقصد اس سے ان ابواب کی اہمیت کو بتلانا ہے کہ یہ ابواب اتنے اہم ہیں کہ ان کو الگ عنوان کے ساتھ ذکر کیا جانا چاہیے۔

١ - باب : فَرْضِ الخُمُسِ .

خمس کی لغوی واصطلاحی تعریف

خمس۔ بضم الخاء والمیم ۔ کے معنی پانچویں حصے یا جزء کے ہیں، جیسے ربع یا ثلث ہوتا ہے۔

---

(١) فتح الباري: ٦/١٩٨، وعمدة القاري: ١٥/١٧، والقسطلاني: ٥/١٨٩، والأبواب والتراجم: ١/٢٠٥.

اور اصطلاح شرع میں خمس غنیمت کے اس پانچویں حصے کو کہتے ہیں، جس کو تقسیم سے الگ کرلیا جاتا ہے(۱)، جب کہ بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں، خمس کے مصارف کی تفصیل آئندہ ابواب میں آرہی ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ترجمۃ الباب کے تین مقاصد ہوسکتے ہیں:

۱- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خمس کی فرضیت کے وقت اور تاریخ کو بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ خمس کی فرضیت کب ہوئی؟

۲-خمس کی فرضیت کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اول وہلہ میں خمس کی فرضیت کی کیفیت کیا تھی؟

۳-نفس خمس کی فرضیت کو ثابت اور بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ مالِ غنیمت میں سے خمس کا نکالنا فرض وضروری ہے(۲)۔یہی تیسری رائے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے(۳)۔

جاہلیت کا دستور اور خمس کی ابتدا

جاہلیت میں ربع کا دستور ہوا کرتا تھا، یعنی عربوں کو جنگوں میں جو غنیمت حاصل ہوتی، اس کے چار حصے کیے جاتے، تین حصے غانمین کے ہوتے اور ایک حصہ الگ کرلیا جاتا، جو سردار قبیلہ کا ہوتا، وہ حصہ رُباعہ کہلاتا تھا، بنونمیر کا ایک شاعر کہتا ہے(۴):

أنا ابن الرابعين من آل عمرو وفرسان المنابر من جناب

کہ میں آل عمرو کے سرداروں اور قبیلہ جناب کے منبر کے شہسواروں کا فرزند ہوں۔

لیکن حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ایک سریہ میں یہ کیا کہ مالِ غنیمت جو اُن کو حاصل ہوا،

---

(۱) فتح الباري: ۶/۱۹۸- والقاموس الوحيد، مادة "خمس"، ولسان العرب: ۶/۷۰، مادة "خمس". وفيه لغة أخرى، وهي إسكان الميم.

(۲) فتح الباري: ۶/۱۹۸.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۱۷.

(۴) ديوان الحماسة، باب الحماسة: ۱۲۰.

اس کے پانچ حصے کیے، چار حصے تو غانمین میں تقسیم کر دیے اور ایک حصہ الگ کرلیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ہے اس کی ابتدا(۱)۔

خمس کی فرضیت کب ہوئی؟

اب رہا یہ مسئلہ کہ خمس کی فرضیت کب ہوئی، اس میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے جس سریہ کا اوپر ذکر آیا ہے، وہ رجب دو ہجری کا ہے، یعنی غزوہ بدر سے دو ماہ قبل (۲)، اس سریہ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت سے جو خمس نکالا تھا وہ ان کا اپنا ذاتی اجتہاد تھا، اس وقت تک فرضیت خمس کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:-

”وقد ذكر لي بعض آل عبدالله بن جحش أن عبدالله قال لأصحابه: إن لرسول الله صلى الله عليه وسلم مما غنمنا الخمس، وذلك قبل أن يفرض الله تعالىٰ الخمس من المغانم، فعزل له الخمس، وقسم سائر الغنيمة بين أصحابه، قال: فوقع رضا الله بذلك“(۳).

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھی مجاہدین سے کہا کہ ہماری غنیمت میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں حصہ ہوگا، جو انہوں نے الگ بھی کردیا اور بقیہ غنیمت تقسیم کردی۔ فرماتے ہیں کہ بعد میں ان کی موافقت میں حکم خداوندی بھی آگیا کہ خمس نکالا جائے۔

تاہم یہ حکم کب آیا تو اس میں قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض کے بقول خمس کی فرضیت کا حکم غزوہ بنوقریظہ کے دوران نازل ہوا تھا۔ جب کہ دیگر بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا۔ لیکن (بقول قاضی اسماعیل) میرے خیال میں اس کا صریح حکم غنائم حنین کے موقع پر آیا ہے(۴)۔

---

(۱) تفسير ابن كثير: ۱/۲۵۵، سورة البقرة/۲۱۷.

(۲) فتح الباري: ۱۹۹/۶، اس غزوے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے، کشف الباري، کتاب المغازي: ۴۲-۴۶.

(۳) فتح الباري: ۱۹۹/۶، والسيرة النبوية لابن هشام: ۶۰۳/۲، سرية عبدالله بن جحش، وطرح التثريب في شرح التقريب: ۱۹۸۰/۶.

(۴) فتح الباري: ۱۹۹/۶، وشرح ابن بطال: ۲۴۸/۵.

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

باب کی پہلی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں، "وكان النبي صلى الله عليه وسلم أعطاني شارفا من الخمس" حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک اونٹنی نبی علیہ السلام نے مجھے خمس میں سے عطا فرمائی، اس کی شرح میں علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ خمس کی مشروعیت بدر میں ہوئی ہے، لیکن...... اہل سیر کا اس امر میں اتفاق ہے کہ بدر کے موقع پر خمس مشروع نہیں ہوا تھا۔

پھر ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی اسماعیل کے قول کو ترجیح دی کہ غزوۂ حنین کے موقع پر خمس کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ تاویل کی کہ اس حدیث میں جس اونٹنی کا ذکر ہے، وہ سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ میں جو خمس نکالا گیا تھا، اس میں سے تھی (۱)۔

یہی موقف ابن الملقن رحمہ اللہ کا بھی ہے، جوانہوں نے ابن بطال کی اتباع میں اختیار کیا ہے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور ابن بطال کو جواب

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر خمس کی فرضیت کا حکم آچکا تھا، وہ اس لیے کہ سورۃ الانفال بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں فرضیت خمس کی تصریح آئی ہے، چنانچہ امام داودی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جزم کیا ہے کہ آیت خمس بدر کے دن نازل ہوئی، تاج السبکی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، فرماتے ہیں:

---

(۱) قال ابن بطال رحمه الله: "أما قول علي: "أعطاني النبي عليه السلام شارفا من الخمس يومئذ" يعني: يوم بدر، فظاهره أن الخمس قد كان يوم بدر، ولم يختلف أهل السير أن الخمس لم يكن يوم بدر، ذكر إسماعيل...... (القاضي) قال: في غزوة بني قريظة حين حكم سعد بأن تقتل المقاتلة، وتسبى الذرية -قيل: إنه أول يوم جعل فيه الخمس. قال: وأحسب أن بعضهم قال: نزل أمر الخمس بعد ذلك، ولم يأت في ذلك من الحديث ما فه بيان شاف، وإنما جاء أمر الخمس يقينا في غنائم حنين، وهي آخر غنيمة حضرها رسول الله.

...... وإذا لم يختلف أن الخمس لم يكن يوم بدر، فيحتاج قول علي: "أعطاني رسول الله شارفا من الخمس" إلى تأويل لا يعارض قول أهل السير......". شرح ابن بطال: ۵/۲۴۸.

(۲) إرشاد الساري: ۵/۱۸۹.

"نزلت الأنفال في بدر وغنائمها"(۱)۔

امام کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے کہ خمس کی فرضیت بدر کے موقع پر نازل ہوچکی تھی (۲)۔

جہاں تک ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو وہ کچھ عجیب سا ہے کہ اس میں تضاد پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ خود ابن بطال یہ تسلیم کررہے ہیں کہ سریۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اندر خمس نکالا گیا تھا اور یہ سریہ، جیسا کہ ماقبل میں گذرا، غزوہ بدر سے پہلے کا ہے تو پھر بدر میں خمس نہ ہونے کی کیا وجہ ہوگی؟! (۳)

اس لیے راجح قول وہی ہے جو عام مفسرین اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

احادیثِ باب

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں باب کے تحت تین احادیث ذکر کی ہیں، جن میں کی پہلی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۲۵ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللّٰهِ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ : أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رضي الله عنه أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَلِيًّا[۴] قَالَ : كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِنْ نَصِيبِي مِنَ الْمَغْنَمِ يَوْمَ بَدْرٍ ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَعْطَانِي شَارِفًا مِنَ الْخُمُسِ . فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ . وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعٍ أَنْ يَرْتَحِلَ مَعِي ، فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ أَرَدْتُ أَنْ أَبِيعَهُ الصَّوَّاغِينَ ، وَأَسْتَعِينَ بِهِ فِي وَلِيمَةِ عُرْسِي . فَبَيْنَا أَنَا أَجْمَعُ لِشَارِفَيَّ مَتَاعًا مِنَ الْأَقْتَابِ وَالْغَرَائِرِ وَالْحِبَالِ . وَشَارِفَايَ مُنَاخَانِ إِلَى جَنْبِ حُجْرَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ، رَجَعْتُ حِينَ جَمَعْتُ مَا جَمَعْتُ ، فَإِذَا شَارِفَايَ قَدِ اجْتُبَّ أَسْنِمَتُهُمَا . وَبُقِرَتْ خَوَاصِرُهُمَا وَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا ، فَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنَيَّ حِينَ رَأَيْتُ ذٰلِكَ الْمَنْظَرَ مِنْهُمَا ، فَقُلْتُ : مَنْ فَعَلَ هٰذَا ؟ فَقَالُوا : فَعَلَ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، وَهُوَ فِي هٰذَا الْبَيْتِ فِي شَرْبٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَانْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ ، فَعَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِي الَّذِي لَقِيتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَا لَكَ) . فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ . عَدَا حَمْزَةُ عَلَى

(۱) فتح الباري: ٦/١٩٩، وإرشاد الساري: ٥/١٨٩، وتفسير المنار: ١٠/٥، الأنفال: ٤١.

(۲) التفسير الكبير للرازي: ١٥/١٦٦، والكشاف: ٢/٢٢٢.

(۳) فتح الباري: ٦/١٩٩، وإرشاد الساري: ٥/١٨٩.

(۴) قوله: "أن عليا......": الحديث، مر تخريجه في البيوع، باب ماقيل في الصواغ.

نَاقَتَيَّ ، فَأَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا ، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا ، وَهَا هُوَ ذَا فِي بَيْتٍ مَعَهُ شَرْبٌ : فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِرِدَائِهِ فَارْتَدَى ، ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِي ، وَاتَّبَعْتُهُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ حَتَّى جَاءَ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ حَمْزَةُ ، فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنُوا لَهُمْ ، فَإِذَا هُمْ شَرْبٌ ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَلُومُ حَمْزَةَ فِيمَا فَعَلَ ، فَإِذَا حَمْزَةُ قَدْ ثَمِلَ ، مُحْمَرَّةً عَيْنَاهُ ، فَنَظَرَ حَمْزَةُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ ، فَنَظَرَ إِلَى رُكْبَتِهِ ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ ، فَنَظَرَ إِلَى سُرَّتِهِ ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلَى وَجْهِهِ ، ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ : هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي ، فَعَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ ، فَنَكَصَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى عَقِبَيْهِ الْقَهْقَرَى ، وَخَرَجْنَا مَعَهُ . [ر : ۱۹۸۳]

تراجم رجال

١- عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان الملقب بعبدان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- عبدالله

یہ مشہور محدث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٣- يونس

یہ یونس بن یزید الأیلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان تینوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الخامس" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٤- الزهري

یہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں تحت گذر چکا(۲)۔

٥- علی بن الحسين

یہ حضرت علی کے پوتے علی بن حسین بن علی المعروف بہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

---

(۱) کشف الباري: ۱/٤٦١-٤٦٣، یونس ایلی رحمۃ اللہ علیہ کے مزید حالات کے لیے دیکھیے، کشف: ۲۸۲/۳.

(۲) کشف الباري: ۱/۳۲٦، الحديث الثالث.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

٦- حسين بن علي

یہ نواسۂ رسول، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہیں (۱)۔

٧- علي

یہ دامادِ رسول، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، ''باب كتابة العلم'' میں گذر چکے ہیں (۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درج بالا حدیث کی شرح چونکہ مغازی (۳) میں آچکی ہے، اس لیے یہاں صرف اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک اونٹنی وہ تھی جو بدر کے غنیمت میں مجھے ملی تھی، ایک دوسری اونٹنی بھی تھی، جو نبی علیہ السلام نے مجھے خمس میں سے عطا کی تھی۔ جب میں نے فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصتی کا ارادہ کیا تو بنوقینقاع کے ایک سنار کے ساتھ یہ معاملہ طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے کہ ہم اذخر گھاس لائیں، میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس گھاس کو سناروں کے ہاتھ فروخت کردوں گا اور اس کے ذریعے اپنی شادی کے ولیمہ میں کچھ مدد حاصل کروں گا۔

چنانچہ اس دوران کہ میں اپنی دونوں اونٹنیوں کے لیے پالان، بورے اور رسیاں جمع کررہا تھا اور میری اونٹنیاں ایک انصاری کے حجرے کے پہلو میں بیٹھی تھیں، تو جو کچھ جمع کرنا تھا وہ جمع کرکے میں لوٹ آیا تو اچانک میں نے دیکھا کہ...... میری اونٹنیوں کی کوہانیں کاٹ لی گئیں، ان کی کوکھیں چیر دی گئیں اور کلیجیاں نکال لی گئی ہیں۔ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اور وہ انصار کی شراب نوش کرنے والی ایک جماعت کے ساتھ

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب تحريض النبي صلى الله عليه وسلم على صلاة الليل.

(۲) كشف الباري: ٤/١٤٩.

(۳) كشف الباري، كتاب المغازي: ١٥٦-١٦٠.

اس مکان میں موجود ہیں۔

یہ حالت دیکھ کر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے پاس زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، نبی علیہ السلام میرا چہرہ دیکھ کر میرے رنج وغم کو سمجھ گئے اور فرمایا "ما لك؟" "تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا، یا رسول اللہ! میں نے آج جیسا منظر (پہلے کبھی) نہیں دیکھا، حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے آج میری دو اونٹنیوں پر ظلم کیا ہے، چنانچہ ان کی کوہانیں کاٹ ڈالیں اور ان کی کوکھیں چیر ڈالی ہیں۔ حمزہ اور ان کے ساتھی یہاں ایک گھر میں موجود ہیں۔ (میری باتیں سن کر) نبی علیہ السلام نے اپنی چادر طلب کی اور اوڑھ کر روانہ ہوئے، میں اور زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) بھی آپ علیہ السلام کے پیچھے چلے، حتیٰ کہ اس گھر میں آئے جہاں حمزہ موجود تھے، نبی علیہ السلام نے اندر جانے کی اجازت طلب کی، تو ان کو اجازت مل گئی، دیکھا کہ وہ سب شراب نوشی کے لیے وہاں جمع تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے فعل پر ملامت کرنا شروع کی، لیکن وہ نشے میں تھے، ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، پھر نگاہ ذرا اور اونچی کی اور آپ کے گھٹنوں کی طرف دیکھا، پھر نظر کو مزید اٹھایا اور آپ کے ناف کی طرف دیکھا، پھر نظر مزید اونچی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا، پھر حمزہ نے کہا "تم لوگ میرے باپ کے غلام ہی تو ہو!" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ نشے میں مدہوش ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے الٹے پاؤں لوٹے اور ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ باہر نکل آئے۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت "وكان النبي صلى الله عليه وسلم أعطاني شارفا من الخمس" میں ہے(۱) کہ اس سے خمس کی مشروعیت واضح ہو رہی ہے۔

باب کی دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۲۶ : حدَّثنا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ : أَنَّ عائِشَةَ(۲) أُمَّ المُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْه : أَنَّ

(۱) عمدة القاري: ۱۷/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۹۱/۵.

(۲) قوله: "أن عائشة......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه =

فاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ . ابْنَةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : أَنْ يَقْسِمَ لَهَا مِيرَاثَهَا . ما تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِ . فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قالَ : (لَا نُورَثُ . ما تَرَكْنَا صَدَقَةٌ) . فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ . فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتَّى تُوُفِّيَتْ . وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ سِتَّةَ أَشْهُرٍ . قالَتْ : وَكانَتْ فَاطِمَةُ تَسْأَلُ أَبَا بَكْرٍ نَصِيبَهَا مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ خَيْبَرَ وَفَدَكٍ . وَصَدَقَتَهُ بِالْمَدِينَةِ . فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذٰلِكَ وَقالَ : لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمِلْتُ بِهِ . فَإِنِّي أَخْشَى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ أَنْ أَزِيغَ . فَأَمَّا صَدَقَتُهُ بِالْمَدِينَةِ فَدَفَعَهَا عُمَرُ إِلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ . وَأَمَّا خَيْبَرُ وَفَدَكُ فَأَمْسَكَهَا عُمَرُ وَقالَ : هُمَا صَدَقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ . كانَتَا لِحُقُوقِهِ الَّتِي تَعْرُوهُ وَنَوَائِبِهِ . وَأَمْرُهُمَا إِلَى مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ . قالَ : فَهُمَا عَلَى ذٰلِكَ إِلَى الْيَوْمِ .
[٣٥٠٨ ، ٣٨١٠ ، ٣٩٩٨ ، ٦٣٤٦ ، ٦٣٤٩]

تراجم رجال

۱– عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی عامری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب الحرص علی الحدیث" کے تحت گذر چکے(۱)۔

۲– ابراھیم بن سعد

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– صالح

یہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من کرہ

= وسلم، باب مناقب قرابة رسول الله......، رقم (٣٧١١-٣٧١٢)، والمغازي، باب حديث بني النضير ......، رقم (٤٠٣٥-٤٠٣٦)، وباب غزوة خيبر، رقم (٤٢٤٠-٤٢٤١)، والفرائض، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث ......، رقم (٦٧٢٥-٦٧٢٦)، ومسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث ...... (٣٥٤٣-٤٥٤٥)، وأبوداود، كتاب الخراج ......، باب في صفايا رسول الله ......، رقم (٢٩٦٨-٢٩٦٩)، والنسائي، قسم الفيء، رقم (٤١٤٦).

(١) كشف الباري: ٤/٤٨.

أن يعود في الكفر كما يكره......" کے تحت آچکا (۱)۔

٤- ابن شهاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الثالث" کے تحت آچکا (۲)۔

٥- عروة

یہ عروۃ بن الزبیر بن العوام قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٦- عائشه

یہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان دونوں کا ترجمہ بدء الوحي کی "الحديث الثاني" کے تحت گذر چکا ہے (۳)۔

تنبیہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث، جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فدک وخیبر کی زمینوں کی وراثت کے بارے میں قضیہ کا ذکر ہے، کتاب المغازی میں بھی آئی ہے، اس پر وہیں تفصیلی بحث آچکی ہے (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

یہاں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حدیث اور ترجمہ میں مطابقت نہیں ہے، کہ اس میں خمس کا ذکر نہیں ہے۔

تاہم اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو میراث کا مطالبہ کیا، اس میں خیبر بھی شامل تھا، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ خیبر صلحا وعنوۃ دونوں طرح فتح ہوا تھا کہ اس کے بعض علاقوں میں قتال ہوا اور بعض علاقے بغیر قتال کے صلحا حاصل ہوئے، ظاہر ہے کہ جو حصہ عنوۃ فتح ہوا اس میں خمس بھی جاری

---

(۱) كشف الباري: ۲/۱۲۰-۱۲۲.

(۲) كشف الباري: ۱/۳۲٦.

(۳) كشف البارعي: ۱/۲۹۱، عروۃ کے لیے مزید دیکھیے، كشف الباري: ۲/٤۳٦.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي ٤٥٤-٤٦٦.

ہوا ہوگا، اس طرح مطابقت پائی گئی (۱)۔

علاوہ ازیں اس حدیث کا جو طریق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی میں ذکر کیا ہے، اس میں خمس کے الفاظ کی صراحت موجود ہے، "أرسلت (فاطمة) إلى أبي بكر تسأله ميراثها من رسول الله صلى الله عليه وسلم، مما أفاء الله عليه بالمدينة وفدك، وما بقي من خمس خيبر" (۲). چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی طرف اشارہ کردیا کہ معاملہ چونکہ مشہور ومعروف ہے، اس لیے یہاں اختصار پر اکتفا کیا گیا (۳)۔

ایک تفسیری قول کا اضافہ

بخاری شریف کے اکثر نسخوں میں یہاں ایک تفسیری قول کا اضافہ بھی ہے، جو اس طرح ہے:

قال أبو عبدالله: اعتراك: افتعلت، من عروتُه، فأصبته، ومنه يعروه واعتراني.

ابوعبداللہ سے مراد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود ہیں اور اس تفسیری جملہ کی غرض اس حدیث میں وارد شدہ ایک لفظ "تعروہ" کی توضیح، اس کے مشتقات اور معنی کو بیان کرنا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ تعروہ اصل میں عروتُ یعروہ سے ہے، نصر اس کا باب ہے، اس کے معنی حاصل کرنے اور ڈھانپنے کے ہیں، اسی سے تعروہ ہے اور اعترانی ہے۔ نیز قرآن کی آیت شریفہ ﴿إن نقول الا اعتراك بعض آلهتنا بسوء﴾ (٤) میں جو لفظ اعتراك ہے، اس کی اصل بھی یہی لفظ ہے۔ اور یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ حدیث کے غریب الفاظ کی تفسیر قرآن کریم کے غریب الفاظ سے کرتے ہیں (۵)۔

علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لیجیے کہ یہ تفسیر ابوعبیدہ کی "المجاز" سے نقل کردہ ہے۔ تاہم بخاری کے نسخوں

---

(١) عمدة القاري: ١٥/١٩، وشرح ابن بطال: ٥/٢٥٢.

(٢) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٤٠-٤٢٤١).

(٣) عمدة القاري: ١٥/١٩.

(٤) هود/ ٥٤.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٠٤، وإرشاد الساري: ٥/١٩٣، قال العيني في العمدة (١٥/٢١): "وقال الجوهري: عراني هذا الأمر، واعتراني: إذا غشيك. وعروت الرجل أعروه عروا: إذا ألممت به، وأتيته طالبا، فهو معرو. وفلان تعروه الأضيافُ ويعتريه أي: تغشاه". والصحاح للجوهري: ٦٨٤، مادة "عراء، عرى".

میں اعتراك کا وزن افتعلت بتلایا گیا ہے، جب کہ "المجاز" میں وزن افتعلك مذکور ہے اور مذکورہ لفظ کا حقیقی وزن بھی یہی ہے(۱)۔

تیسری حدیث حضرت مالک بن اوس بن حدثان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

اس حدیث سے قبل بعض نسخوں میں "قصة فدك" کے عنوان سے ایک عبارت بھی ہے(۲)، لیکن اس عنوان کی حقیقۃً یہاں کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ گزشتہ حدیث میں فدک ہی کا قضیہ مذکور ہے، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "وزاد أبو ذر في رواية الحموي هنا ترجمة، فقال: "قصة فدك"، وهي زيادة مستغنى عنها بما سبق في الحديث المتقدم"(۳)۔

٢٩٢٧ : حدّثنا إسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ : حَدَّثَنَا مالِكُ بْنُ أَنَسٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ مالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الحَدَثَانِ(٤) وَكانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِنْ حَدِيثِهِ ذٰلِكَ ، فَٱنْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى مالِكِ بْنِ أَوْسٍ ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ الحَدِيثِ . فَقَالَ مالِكٌ : بَيْنَا أَنَا جالِسٌ فِي أَهْلِي حِينَ مَتَعَ النَّهارُ ، إِذَا رَسُولُ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ يَأْتِينِي ، فَقَالَ : أَجِبْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ . فَٱنْطَلَقْتُ مَعَهُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ ، فَإِذَا هُوَ جالِسٌ عَلَى رِمالِ سَرِيرٍ ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ ، مُتَّكِئٌ عَلَى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسْتُ ، فَقَالَ : يا مالِ ، إِنَّهُ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ قَوْمِكَ أَهْلُ أَبْيَاتٍ ، وَقَدْ أَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضْخٍ ، فَٱقْبِضْهُ فَٱقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ ، فَقُلْتُ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ أَمَرْتَ بِهِ غَيْرِي ، قالَ : ٱقْبِضْهُ أَيُّهَا المَرْءُ ، فَبَيْنَا أَنَا جالِسٌ عِنْدَهُ أَتَاهُ حاجِبُهُ يَرْفَأُ ، فَقَالَ : هَلْ لَكَ فِي عُثْمانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ يَسْتَأْذِنُونَ ؟ قالَ : نَعَمْ ، فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا فَسَلَّمُوا وَجَلَسُوا ، ثُمَّ جَلَسَ يَرْفَأُ يَسِيرًا ، ثُمَّ قالَ : هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ ؟ قالَ : نَعَمْ ، فَأَذِنَ لَهُمَا فَدَخَلَا فَسَلَّمَا فَجَلَسَا ، فَقَالَ عَبَّاسٌ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ٱقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا ، وَهُما يَخْتَصِمانِ فِيما أَفاءَ ٱللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ ، فَقَالَ

---

(١) فتح الباري: ٢٠٤/٦، وإرشاد الساري: ١٩٣/٥.

(٢) دیکھیے، عمدة القاري: ٢١/١٥.

(٣) إرشاد الساري: ١٩٣/٥.

(٤) قوله: "عن مالك بن أوس......": الحديث، مر تخريجه في كتاب الجهاد، باب المجن، ومَن ......

الرَّهْطُ ، عُثْمَانُ وَأَصْحَابُهُ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ٱقْضِ بَيْنَهُمَا ، وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الآخَرِ ، قَالَ عُمَرُ : تَيْدَكُمْ ، أَنْشُدُكُمْ بِٱللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ) . يُرِيدُ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ نَفْسَهُ ؟ قَالَ الرَّهْطُ : قَدْ قَالَ ذٰلِكَ ، فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ ، فَقَالَ : أَنْشُدُكُمَا ٱللهَ ، أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَدْ قَالَ ذٰلِكَ ؟ قَالَا : قَدْ قَالَ ذٰلِكَ ، قَالَ عُمَرُ : فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ ، إِنَّ ٱللهَ قَدْ خَصَّ رَسُولَهُ ﷺ فِي هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ ، ثُمَّ قَرَأَ : «وَمَا أَفَاءَ ٱللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ – إِلَى قَوْلِهِ – قَدِيرٌ» . فَكَانَتْ هٰذِهِ خَالِصَةً لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، وَٱللهِ مَا ٱحْتَازَهَا دُونَكُمْ ، وَلَا ٱسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ ، قَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ ، حَتَّى بَقِيَ مِنْهَا هٰذَا الْمَالُ ، فَكَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا الْمَالِ ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ ٱللهِ ، فَعَمِلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ بِذٰلِكَ حَيَاتَهُ ، أَنْشُدُكُمْ بِٱللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ ؟ قَالُوا : نَعَمْ ، ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ : أَنْشُدُكُمَا بِٱللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ ذٰلِكَ ؟ قَالَ عُمَرُ : ثُمَّ تَوَفَّى ٱللهُ نَبِيَّهُ ﷺ ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ ، فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، وَٱللهُ يَعْلَمُ : إِنَّهُ فِيهَا لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ، ثُمَّ تَوَفَّى ٱللهُ أَبَا بَكْرٍ ، فَكُنْتُ أَنَا وَلِيَّ أَبِي بَكْرٍ ، فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ مِنْ إِمَارَتِي ، أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وَمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ ، وَٱللهُ يَعْلَمُ : إِنِّي فِيهَا لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ، ثُمَّ جِئْتُمَانِي تُكَلِّمَانِي ، وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ ، جِئْتَنِي يَا عَبَّاسُ تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ٱبْنِ أَخِيكَ ، وَجَاءَنِي هٰذَا – يُرِيدُ عَلِيًّا – يُرِيدُ نَصِيبَ ٱمْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا ، فَقُلْتُ لَكُمَا : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (لَا نُورَثُ ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ) . فَلَمَّا بَدَا لِي أَنْ أَدْفَعَهُ إِلَيْكُمَا ، قُلْتُ : إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا ، عَلَى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ ٱللهِ وَمِيثَاقَهُ : لَتَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ ، وَبِمَا عَمِلْتُ فِيهَا مُنْذُ وَلِيتُهَا ، فَقُلْتُمَا : ٱدْفَعْهَا إِلَيْنَا ، فَبِذٰلِكَ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا ، فَأَنْشُدُكُمْ بِٱللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذٰلِكَ ؟ قَالَ الرَّهْطُ : نَعَمْ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ ، فَقَالَ : أَنْشُدُكُمَا بِٱللهِ ، هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذٰلِكَ ؟ قَالَا : نَعَمْ ، قَالَ : فَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ ، فَوَٱللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ ، فَإِنِّي أَكْفِيكُمَاهَا .

[ر : ٢٧٤٨]

تراجم رجال

١- اسحاق بن محمد الفروي

یہ اسحاق بن محمد الفروي -بفتح الفاء وسکون الراء وبالواو- رحمۃ اللہ علیہ ہیں (١)۔

تنبیہ (ایک اہم وضاحت)

فربری اور قابسی کے نسخوں میں یہاں قلب واقع ہوا ہے، چنانچہ ان نسخوں میں محمد بن اسحاق الفروی مذکور ہے، جو کہ وہم ہے، درست نام اسحاق بن محمد ہے (٢)۔

علاوہ ازیں اسحاق بن محمد امام بخاری کے ایسے شیخ ہیں، جن سے وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح روایت کرتے ہیں، کتاب الصلح (٣) میں ایک جگہ انہوں نے اسحاق بن محمد سے بواسطہ محمد بن عبداللہ روایت نقل کی ہے (٤)۔

٢- مالك بن انس

یہ امام دارالہجرہ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں گذر چکا (٥)۔

٣- ابن شهاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا ہے (٦)۔

٤- مالك بن اوس بن الحدثان

یہ مشہور تابعی حضرت ابوسعید مالک بن اوس بن حدثان بن عوف نصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٧)۔

---

(١) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابه: اذهبوا بنا نصلح.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٢٣، وفتح الباري: ٦/٢٠٤، وإرشاد الساري: ٥/١٩٣.

(٣) كتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابه: اذهبوا بنا نصلح، رقم (٢٦٩٣).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٠٤.

(٥) كشف الباري: ١/٢٩٠، الحديث الثاني، و: ٢/٨٠.

(٦) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

(٧) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب البيوع، باب مايذكر في بيع الطعام والحكرة.

وكان محمد بن جبير ذكر لي ذكرا من حديثه ذلك، فانطلقتُ معه حتى أدخل على مالك بن أوس، فسألته عن ذلك الحديث

اور محمد بن جبیر نے ان کی حدیث کا کچھ تذکرہ مجھ سے کیا تھا، سو میں انہی کے ہمراہ مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چلا اور ان کے ہاں داخل ہوا، پھر ان سے حدیث کی بابت پوچھا۔

محمد بن جبیر سے مراد مشہور تابعی محمد بن جبیر بن مطعم رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

اوپر ذکر کردہ عبارت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ باب کے تحت ذکر کی گئی حدیث انہوں نے محمد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنی تھی، لیکن خواہش یہ تھی کہ صاحب واقعہ سے بھی سن لی جائے، اس لیے حضرت محمد بن جبیر کو ساتھ لیا اور مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، مقصد واضح ہے کہ امام زہری اپنی سند عالی کرنا چاہتے تھے، حافظ فرماتے ہیں:

”وفي صنيع ابن شهاب ذلك أصل في طلب علو الإسناد؛ لأنه لم يقتنع بالحديث عنه، حتى دخل عليه؛ ليشافهه به، وفيه حرص ابن شهاب على طلب الحديث وتحصيله“(۲).

یہاں ذلك کا مشار الیہ محذوف ہے أي الآتي ذكره (۳) یعنی آئندہ سطور میں جس حدیث کا ذکر آرہا ہے اس کا سماع مجھے محمد بن جبیر سے تھا۔

أدخل کے اعراب میں دو احتمال ہیں:

۱- مرفوع ہو، بنابریں کہ حتی عاطفہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انطلقت فدخلت.

۲- منصوب ہو، کہ حتیٰ ”إلى أن“ کے معنی میں ہو۔ ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ نصب کو راجح قرار دیا ہے (۴)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ ماضی کی بجائے مضارع کا صیغہ استعمال کرنا بطور مبالغہ کے ہے کہ اس وقت کی

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب الجهر في المغرب.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۰۴.

(۳) حوالہ بالا، وإرشاد الساري: ۵/۱۹۳.

(۴) حوالہ جات بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۲۳.

پوری صورت حال مجھے خوب مستحضر ہے(۱)۔

فقال مالك

مالک بن اوس نے فرمایا۔

حضرت مالک بن اوس کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایت کرتے ہیں، ان کی صحبت میں اختلاف ہے، بعض علماء نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے، لیکن راجح قول کے مطابق ان کو صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے والد اوس رضی اللہ عنہ بالاتفاق صحابی ہیں۔

حضرت مالک بن اوس رحمہ اللہ کی بخاری شریف میں دو ہی روایتیں ہیں، ایک تو حدیث باب ہے، دوسری روایت بیوع (۲) میں گذری ہے (۳)۔

بينا أنا جالس في أهلي حين متع النهار

اس دوران کہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیٹھا تھا اور دن چڑھ گیا تھا۔

متع –بالميم والتاء المثناة...... والعين المهملة المفتوحات–(٤) کے معنی ہیں، "ارتفع" یعنی بلند ہوگیا، صاحب العین نے فرمایا ہے کہ متع النهار اس وقت بولا جاتا ہے جب دن چڑھ جائے اور زوال سے قبل کا وقت ہو (۵)۔

مسلم اور ابوداوٗد (٦) کی روایت میں "حين تعالى النهار" کے الفاظ آئے ہیں (۷)۔ معنی واضح ہیں۔

(١) فتح الباري: ٦/٢٠٤.

(٢) صحيح بخاري، كتاب البيوع، باب مايذكر في بيع الطعام والحكرة، رقم (٢١٣٤).

(٣) فتح الباري: ٦/٢٠٤، وعمدة القاري: ١٥/٢٣، والأنساب للسمعاني: ٥/٤٩٤، النصري، باب النون والصاد (المهملة).

(٤) عمدة القاري: ١٥/٢٣.

(٥) حواله بالا، وإرشاد الساري: ٥/١٩٣، وكتاب العين: ٢/٨٣، باب العين والتاء والميم معهما.

(٦) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٧)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم من الأموال، رقم (٢٩٦٣).

(٧) عمدة القاري: ١٥/٢٣، وفتح الباري: ٦/٢٠٤-٢٠٥.

إذا رسول عمر بن الخطاب يأتيني، فقال: أجب أمير المؤمنين

اچانک میرے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا اور کہا کہ امیر المؤمنین کے ہاں حاضری دو۔

حافظ فرماتے ہیں کہ اس فرستادہ کا نام مجھے معلوم نہیں ہوسکا، تاہم یہ احتمال ہے کہ مراد یرفا حاجب ہوں، جن کا ذکر آگے آرہا ہے(۱)۔

فانطلقت معه حتى أدخل على عمر، فإذا هو جالس على رمال سرير، ليس بينه وبينه فراش، متكئ على وسادة من أدم

تو میں اس قاصد کے ساتھ چلا اور عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں داخل ہوا، تو دیکھا کہ وہ کھجور کی شاخوں سے بُنی ہوئی چارپائی پر بیٹھے تھے، ان کے اور چارپائی کے درمیان کوئی بستر نہ تھا، چمڑے سے بنے تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

فانطلقت معه...... میں وہی بات ہے جو بھی ماقبل میں گذری، رفع ونصب کے حوالے سے اور مبالغے کے حوالے سے کہ جس طرح زہری کو اپنی ملاقات کا ہر ہر جزئیہ یاد ہے، اسی طرح مالک بن اوس رحمہما اللہ کو بھی ان کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان اس وقت جو ملاقات ہوئی، اس کا ایک ایک جز مستحضر ہے۔

رُمال راء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، بُنی ہوئی چیز۔ رمال سرير کے معنی ہیں وہ چارپائی جو کھجور کی شاخوں سے بُنی ہوئی ہو(۲)۔

ليس بينه وبينه فراش کی تصریح اس لیے کی کہ عموماً اور عادۃً چارپائی پر بستر ہوتا ہے(۳)۔ لیکن وقت کا خلیفہ اور آدھی دنیا کا حاکم جس چارپائی پر بیٹھا تھا وہ بستر سے بھی محروم تھا۔ اللہ اکبر۔

فسلمت عليه، ثم جلست، فقال: يا مالُ

میں نے انہیں سلام کیا، پھر بیٹھ گیا، حضرت نے فرمایا اے مالک

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٠٥، حافظ نے یہاں تو احتمالاً ہی یرفا کو فرستادہ قرار دیا ہے لیکن ہدی الساری میں اس کی خود نفی بھی کی ہے۔ دیکھیے، هدي الساري: ٤٣٩، فرض الخمس.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٠٥، وعمدة القاري: ١٥/٢٣.

(۳) حواله جات بالا.

مال اصل میں مالک تھا، ترخیم کی وجہ سے مال ہو گیا ہے۔ لام کو کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے کہ اصل اس کی یہی ہے۔ اور لام پر ضمہ بھی جائز ہے کہ ترخیم کے بعد وہ مستقل اسم بن گیا ہے، اس لیے منادی مفرد کا اعراب اس کو دیا گیا(۱)۔

إنه قدم علينا من قومك أهل أبيات

تمہاری قوم کے کچھ گھرانے ہمارے پاس آئے ہیں۔

قوم سے مراد بنونصر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن ہے، حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا(۲)۔

مسلم شریف کی جویریہ عن مالک کے طریق میں "دَفَّ أهـل أبيـات"(۳) کے الفاظ ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تھوڑے تھوڑے ہو کر آئے ہیں، غالبا ان لوگوں کا موطن اصلی قحط سالی کا شکار ہو گیا تھا، اس بنا پر یہ تلاش معاش میں مدینہ منورہ آ گئے تھے(۴)۔

وقد أمرت فيهم برضخ، فاقبضه، فاقسمه بينهم

تحقیق میں نے ان کے لیے کچھ امداد کا حکم جاری کیا ہے، جس کا قبضہ تم لے لو، پھر ان میں تقسیم کر دو۔

رضخ -بفتح الراء، وسكون المعجمة، بعدها خاء معجمة- عطیہ و امداد کو کہتے ہیں، جو بہت زیادہ ہو، نہ مقرر(۵)۔

فقلت: يا أمير المؤمنين، لو أمرت به غيري؟

تو میں نے کہا، امیر المؤمنین! میرے علاوہ کسی اور کو یہ ذمے داری سونپ دیں (تو زیادہ بہتر ہوگا)۔

چونکہ تحمل امانت کا معاملہ تھا اور ذمے داری بڑی تھی، اس لیے مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ نے عذر پیش

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۲٤، وفتح الباري: ٦/۲۰٥، والقسطلاني: ٥/۱۹۳، والكرماني: ۱۳/۷۷.

(۲) فتح الباري: ٦/۲۰٥، وإرشاد الساري: ٥/۱۹۳.

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥۷۷).

(٤) فتح الباري: ٦/۲۰٥، وإرشاد الساري: ٥/۱۹۳، وعمدة القاري: ۱٥/۲٤.

(٥) حواله جات بالا.

کرنے کی کوشش کی (۱)۔

قال: اقبضه أيها المرء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حکما) فرمایا اے آدمی! اس کو اپنے قبضہ میں لے لو۔

دوسری بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکماً حضرت مالک کو فرمایا کہ یہ کام تمہی نے کرنا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مذکورہ امداد قبضہ میں لے کر اپنی قوم کے افراد میں تقسیم کردی، چونکہ قرینہ اس پر موجود تھا، اس لیے انہوں نے یہ تفصیل حذف کردی ہے (۲)۔

فبينا أنا جالس عنده أتاه حاجبه يرفأ

اس اثناء میں کہ میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کا دربان یرفا اندر آیا۔

يرفأ

اس نام کو ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے، تاہم بغیر ہمزہ کے زیادہ مشہور ہے (۳)۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولی اور دربان تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، بلکہ جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا ہے، لیکن صحبت ثابت نہیں ہے (۴)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کی سعادت بھی حاصل کی (۵)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی ذریعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک ہی وقت میں مختلف ومتنوع اقسام کے کھانے تناول کرتے ہیں، جو زہد کے خلاف ہے، اس لیے انہوں نے یرفا سے کہا کہ جب یزید (رضی اللہ عنہ) کے رات کا کھانا آجائے تو مجھے بتلانا۔ حسبِ حکم کھانے پہنچنے کے بعد یرفا

(۱) حواله جات بالا.

(۲) حواله جات بالا.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۲٤.

(٤) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/۲۰۵، والإصابة: ۳/٦۷۲، وشرح القسطلاني: ۵/۱۹٤.

(۵) فتح الباري: ٦/۲۰۵، والإصابة: ۳/٦۷۲.

نے امیر المؤمنین کو اطلاع کردی، چنانچہ وہ آئے اور اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر اندر آئے، اولاً گوشت کا ثرید پیش کیا گیا، جس میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ تناول فرمایا...... پھر بھنا گوشت پیش کیا گیا تو حضرت یزید نے اپنا ہاتھ بڑھایا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے اور فرمایا، اے یزید! یہ کیا ہے؟ کھانے کے بعد پھر کھانا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے! اگر تم نے ان کے طریقہ کی مخالفت کی تو تم بھی ان کے طریقہ سے ہٹا دیے جاؤ گے(۱)۔

یرفا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر مصنف ابن ابی شیبہ کی کتاب الصلاۃ کی ایک حدیث میں بھی آیا ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ نے "يحيى بن سعيد عن عبيدالله بن عبدالله عن أبيه" کے طریق سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں، "جئت إلى عمر، وهو يصلي، فجعلني عن يمينه، فجاء يرفأ، فجعلنا خلفه"(۲).

سعید بن منصور کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یرفا رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی بقید حیات تھے، چنانچہ ابواسحاق (۳) یرفا سے روایت کرتے ہیں، "قال: قال لي عمر: إني أنزلت نفسي من مال الله بمنزلة ولي اليتيم؛ إن احتجتُ أخذتُ منه، وإن أيسرتُ رددته، وإن استغنيت استعففت"(٤). رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

فقال: هل لك في عثمان وعبدالرحمن بن عوف والزبير وسعد بن وقاص يستأذنون؟ قال: نعم. فأذن لهم، فدخلوا، فسلموا وجلسوا

یرفا نے کہا کہ (امیر المؤمنین!) کیا آپ کو عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی

---

(١) كتاب الزهد لابن المبارك، الجزء الرابع، باب ماجاء في الفقر: ٢٠٣-٢٠٤، رقم (٥٧٨).

(٢) المصنف لابن أبي شيبة: ٥٦٨/٣، كتاب الصلاة، باب ماقالوا: إذا كانوا ثلاثة ......، رقم (٤٩٨٢).

(٣) حضرت ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت عہد عثمانی کے آخری سالوں میں ہوئی ہے۔ كشف الباري: ٣٧١/٢.

(٤) السنن الكبرى للبيهقي: ٣٥٤/٦، كتاب قسم الفيء ......، رقم (١٢٧٩٠)، ومعرفة السنن والآثار: ١٦٤/٥، كتاب قسم الفيء......، باب رزق الوالي، رقم (٤٠١٢)، اس اثر کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے، لیکن اس میں یرفا کی بجائے حارثہ بن مضرب عبدی یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے ہیں۔ انظر المصنف: ٤٩١/١٧، كتاب السير، باب ماقالوا في عدل الولي ......، رقم (٣٣٥٨٥).

وقاص رضی اللہ عنہم کی ملاقات میں کوئی رغبت ہے کہ یہ حضرات ملنے کی اجازت چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا، بالکل۔ تو یرفا نے انہیں مطلع کیا، سو یہ حضرات اندر آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

دربار عمری میں آنے والے حضرات کل کتنے تھے، اس بارے میں حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق میں ان چاروں حضرات کے علاوہ اور کسی کا نام میں نے نہیں دیکھا، سوائے نسائی شریف (۱) اور عمر بن شبہ (۲) کی ایک روایت میں، جو عمرو بن دینار عن ابن شہاب کے طریق سے ہے، اس میں طلحہ بن عبید اللہ کے نام کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں امامی عن ابن شہاب کے طریق میں بھی طلحہ بن عبید اللہ کا ذکر پایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالبختری کے طریق سے نقل کی ہے (۳)۔ اس میں بھی طلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے، تاہم اس میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے (۴)۔

ثم جلس يرفأ يسيرا، ثم قال: هل لك في علي وعباس؟ قال: نعم. فأذن لهما، فدخلا، فسلما، فجلسا

پھر یرفا تھوڑی دیر بیٹھے، پھر کہا کیا آپ علی وعباس رضی اللہ عنہما سے ملنا پسند کریں گے؟ امیر المؤمنین نے فرمایا نعم، چنانچہ یرفا نے ان دونوں کو اندر آنے کا کہا، سو یہ دونوں حضرات اندر آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

شعیب بن ابی حمزہ کی مغازی کی روایت میں "هل لك في علي وعباس" کے بعد "يستأذنان" (۵) کا اضافہ بھی ہے کہ "وہ دونوں اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں"۔

فقال عباس: يا أمير المؤمنين، اقض بيني وبين هذا.

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المؤمنین! میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کیجئے۔

یہاں باب کی روایت اس طرح ہے کہ "اقض بيني وبين هذا" لیکن شعیب بن ابی حمزہ کی روایت

---

(۱) سنن النسائي الكبرى، كتاب الفرائض، باب ذكر مواريث الأنبياء، رقم (۶۳۰۹).

(۲) أخبار المدينة: ۱۲۸/۱، رقم (۵۶۵)، خصومة علي والعباس رضي الله عنهما إلى عمر......

(۳) سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم ......، رقم (۲۹۷۵).

(۴) فتح الباري: ۲۰۵/۶، وشرح القسطلاني: ۱۹۴/۵.

(۵) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب حديث بني النضير، ومخرج رسول الله ......، رقم (۴۰۳۳).

کے الفاظ یوں ہیں، "فاستب علي وعباس"(١) اور عقیل عن ابن شہاب کے طریق میں "اقض بيني وبين هذا الظالم، استبا"(٢) کے الفاظ ہیں، جب کہ جویریہ کی روایت میں "وبين هذا الكاذب، الآثم، الغادر، الخائن"(٣) کے الفاظ ہیں۔

ان تمام طرق کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرو دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا اوران کے حق میں کاذب، آثم وغادر جیسے سخت کلمات استعمال کیے۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کچھ کہا ہو، اس کی روایات میں صراحت نہیں ہے، بقول حافظ صرف عقیل کی ایک روایت ہے، جس میں "استبـــــا" کے کلمات ہیں کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا، چنانچہ حافظ کہتے ہیں:

"ولم أر في شيء من الطرق أنه صدر من علي في حق العباس شيء، بخلاف ما يفهم قوله في رواية عقيل: استبا"(٤).

علاوہ ازیں شعیب کی روایت بھی اس امر پر دال ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا ہے، "فاستب علي وعباس".

لیکن راجح یہی ہے کہ اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہی مذکورہ کلمات کہے ہیں، نہ کہ حضرت علی نے، بشرطیکہ اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے کہ حضرت عباس نے واقعی یہ کلمات کہے ہیں اور حضرت علی کو برا بھلا کہا ہے۔

کیا حضرت عباس نے واقعی یہ کلمات کہے ہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا واقعی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلمات کہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا ہے؟ تو اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

---

(١) حواله بالا.

(٢) صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من التعمق......، رقم (٧٣٠٥).

(٣) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٧).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٠٥.

۱-علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیر عبارت یوں ہے :الکاذب إن لم ینصف(۱) کہ یہ جھوٹے ہیں، خائن ہیں ...... اگر میرے ساتھ انصاف نہ کریں۔یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورہ کلمات مقید بالشرط ہیں۔

۲-علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کلمات کو حذف کرنے کی تصویب فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ غالبًا یہاں بعض رواۃ کو وہم ہوگیا ہے۔

جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تو ان کلمات کو حذف کرنا واجب قرار دیتے ہیں، "یجب إزالة هذه اللفظة عن الكتاب"(۲).

۳-مازری رحمۃ اللہ علیہ مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ کلمات محفوظ بھی ہوں تو ان کا محمل یہ ہوگا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات از راہ ناز ادا فرمائے ہیں، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے لیے بمنزلہ ولد (بیٹے) کے ہیں کہ وہ ان کے سگے چچا تھے، باپ بیٹے اور چچا بھتیجے میں اس طرح کے کلمات مستبعد نہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت علی کو غلطی پر سمجھتے تھے، اس لیے ان کی غرض یہ تھی کہ حضرت علی کو روکا جائے۔

۴-نیز ان کی غرض یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کچھ کررہے ہیں، اگر وہ سب عمداً وقصداً ہے تو وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہیں، ورنہ نہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ جو کچھ ہوا وہ صحابہ کی ایک جماعت کی موجودگی میں ہوا، جن میں عمر فاروق جیسی شخصیت بھی تھی اور دوسری جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں، ان سب حضرات کے ہوتے ہوئے اس واقعہ کا رونما ہونا اور ان حضرات کا اس پر تنبیہ نہ کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔مازری لکھتے ہیں:

"ولا بد من هذا التأويل؛ لوقوع ذلك بمحضر الخليفة ومن ذكر معه، ولم يصدر منهم إنكار لذلك، مع ما علم من تشددهم في إنكار المنكر"(۳).

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۲٤.

(۲) حواله بالا.

(۳) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/۲۰۵، وشرح النووي على مسلم: ۲/۹۰، وكذا انظر حاشية السندي على صحيح مسلم، المطبوعة مع مسلم: ۲/٤٦٦.

وهما يختصمان فيما أفاء الله على رسوله ﷺ من بني النضير

اور وہ دونوں حضرات جھگڑ رہے تھے بنونضیر کے اس مال فیء میں، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

روایت میں اختصار

یہاں روایت میں اختصار ہے کہ اس میں صرف بنونضیر کے مال فيء کا ذکر ہے، جب کہ مراد نبی علیہ السلام کی ملکیتی زمینیں ہیں، جن میں بنوقریظہ، بنونضیر کی زمینیں، جو مدینہ میں تھیں، فدک اور خیبر کا خمس وغیرہ شامل ہیں، علامہ عینی امام نسفی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"وقال ابن عباس في قوله ﴿وما أفاء الله على رسوله منهم﴾(۱) هو من أموال الكفار، وأهل القرى –وهم بنو قريظة والنضير– وهما بالمدينة، وفدك، وخيبر، وقرى عرينة، وينبع"(۲).

فقال الرهط عثمان وأصحابه: يا أمير المؤمنين، اقض بينهما، وأرح أحدهما من الآخر

جماعت نے یعنی حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں نے کہا، امیر المؤمنین! ان دونوں حضرات کے درمیان فیصلہ کر دیجیے اور ایک کو دوسرے سے آرام دیجیے۔

یہاں کی روایت میں "الرهط" کا لفظ ہے، جب کہ مسلم شریف کی روایت میں "القوم" آیا ہے، اسی روایت میں ان کلمات کی زیادتی بھی مروی ہے، "فقال مالك بن أوس: يخيل إلي أنهم قد كانوا قدّموهم لذلك"(۳). اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے: "فقال العباس: يا امير المؤمنين، اقض

(۱) الحشر /٦.

(۲) عمدة القاري: ١٥/ ٢٤، و تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، الحشر/٣-٨، ٢/ ٨٦، وأحكام القرآن للرازي: ٣/ ٥٧٤، ومن سورة الحشر.

(۳) مسلم شريف، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٧).

بيني وبين هذا –يعني عليا– فقال بعضهم: أجل يا أمير المؤمنين، فاقض بينهما وأرحهما"(١)
جس سے ان حضرات کی تشریف آوری کا مقصد واضح ہورہا ہے کہ یہ حضرات سفارش کے لیے آئے تھے، کہ حضرت عباس وعلی رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی واضح فیصلہ کردیا جائے کہ منازعت ومخاصمت ختم ہو اور آپس کے تعلقات مزید خراب نہ ہوں(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند ابن ابی عمر کی ایک روایت، جو معمر عن الزہری کے طریق سے مروی ہے، کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے "اقض بينهما" فرمایا تھا۔ اس سے اس امر کی تعیین ہوگئی کہ رہط میں سے بات کس نے شروع کی تھی (۳)۔

فقال الرهط عثمان وأصحابه میں عثمان وأصحابه مبتدائے محذوف کی خبر ہے، أي: هم عثمان وأصحابه المذكورون.

تاہم یہ الرهط سے بدل یا عطف بیان بھی ہوسکتا ہے(۴)۔

وأرح صیغہ امر ہے، إراحة (افعال) سے اور واو عاطفہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں جس جھگڑے میں ہیں، اس سے انہیں آرام دیجیے(۵)۔

قال عمر: تيدكم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ذرا رکو، صبر کرو۔

تیدکم کا ضبط اور معنی

تیدکم تائے مثناۃ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، جب کہ یاء ساکنہ ہے اور دال مفتوحہ یا مضمومہ، یعنی تَيْدَكم، یہ اسم فعل ہے روید کی طرح، اس کے معنی ہیں، صبر کرو۔

---

(١) سنن أبي داود، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في صفايا رسول الله ......، رقم (٢٩٦٣).

(٢) فتح الباري: ٦/٢٠٥، وعمدة القاري: ١٥/٢٤، وتكملة فتح الملهم: ٣/٤٩.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٠٥.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٢٤.

(٥) حواله بالا، وتكملة فتح الملهم: ٣/٤٩.

ابوذر کی روایت میں یہ کلمہ تئید کم --بفتح المثناة و کسر التحتانية مهموز وفتح الدال-- مروی ہے۔ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی اصل تید کم ہے، جوالتؤدة مصدر سے مشتق ہے، جس کے معنی رِفق اورنرمی کے ہیں۔ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے(۱)۔

أنشدكم بالله الذي بإذنه تقوم السماء والأرضُ، هل تعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا نورث، ماتركنا صدقة؟ يريد رسول الله صلى الله عليه وسلم نفسه. قال الرهط: قد قال ذلك

میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں کہ کیا تم جانتے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم جو ترکہ چھوڑ جائیں اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی، وہ تو صدقہ ہے؟ اس سے نبی علیہ السلام نے اپنی ذات شریفہ مراد لی تھی۔حاضرین نے کہا، بالکل، نبی علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا تھا۔

أنشدكم میں روایت شین کے ضمہ کے ساتھ ہے، یہ باء اور بغیر باء دونوں طرح مستعمل ہے، نشدتك الله اور نشدتك بالله۔ اس کے معنی ہیں،اسألكم بالله کہ میں اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں، درخواست کرتا ہوں اور اس کا واسطہ دیتا ہوں۔

علاوہ ازیں یہ لفظ باب افعال سے بھی مستعمل ہے، یعنی ہمزہ کے ضمہ اور شین کے کسرہ کے ساتھ (مضارع متکلم)۔نووی نے اس کی تصریح کی ہے(۲)۔

لا نورث میں روایت نون کے ساتھ ہے، یعنی جمع متکلم کا صیغہ ہے، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے جماعۃ الانبیاء مراد ہے(۳)، چناں چہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں، "إنا معشر الأنبياء لا نورث"(٤)

---

(١) عمدة القاري: ٢٤/١٥، وفتح الباري: ٢٠٦/٦، والنهاية في غريب الحديث......: ١٧٨/١، باب التاء مع الهمزة، مادة تئد، وشرح القسطلاني: ١٩٤/٥.

(٢) عمدة القاري: ٢٤/١٥، وإرشاد الساري: ١٩٤/٥، وشرح النووي على مسلم: ٩٠/٢.

(٣) عمدة القاري: ٢٤/١٥، والمفهم للقرطبي: ٨٥/١١، باب ما يصرف فيه الفيء......

(٤) وتمامه: "ما تركنا فهو صدقة" انظر سنن النسائي الكبرى، كتاب الفرائض، باب ذكر مواريث الأنبياء، =

علاوہ ازیں ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب عن مالک بن اوس عن عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سے ایک حدیث نقل کی ہے، اس کے الفاظ اور زیادہ واضح ہیں، فرماتے ہیں، "إنا معشر الأنبياء، ما تركنا صدقة" (١).

تاہم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، اس میں دوسرے انبیاء ان کے ساتھ شامل نہیں، ان کا استدلال قرآنی آیات ﴿يرثني ويرث من آل يعقوب﴾ (٢) اور ﴿وورث سليمان داود﴾ (٣) سے ہے۔

لیکن جمہور علمائے امت نے ان آیات کو میراث علم، نبوت، حکمت (یحیی علیہ السلام کے لیے) اور پرندوں کی بولی (سلیمان علیہ السلام کے لیے) پر محمول کیا ہے، لہٰذا راجح یہی ہے کہ انبیائے کرام کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، وہ صدقہ ہوتا ہے (۴)۔

انبیاء وارث ہوسکتے ہیں؟

اوپر کی تفصیل اس بابت تھی کہ انبیاء کا کوئی وارث ہوسکتا ہے یا نہیں، ان کے مال میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء وارث بھی نہیں ہوسکتے کہ اپنے مورثین کے مال سے میراث پائیں؟

اس مسئلے میں ہمارے حضرات حنفیہ۔ کثر اللہ سوادہم۔ کے اقوال دو طرح کے ہیں:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں فرمایا ہے کہ نبوت مانع ارث ہے، تاہم یہ وارثیت یا موروثیت دونوں سے مانع ہے یا صرف موروثیت سے؟ تو شافعیہ رحمہم اللہ کا میلان دوسری طرف ہے کہ نبوت صرف موروثیت سے مانع ہے، نہ کہ وارثیت سے...... لیکن ہمارے ائمہ کے اقوال اس مسئلے میں مختلف ہیں:

چنانچہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام وارث اور مورث دونوں نہیں ہوسکتے، فرماتے ہیں، "كل إنسان يرث ويورث، إلا الأنبياء عليهم السلام لا يرثون ولا

= رقم (٦٣٠٩)، وفتح الباري: ١٢/٨، كتاب الفرائض.

(١) التمهيد لابن عبدالبر: ١٧٥/٨، حديث ثامن لابن شهاب عن عروة.

(٢) مريم/٦.

(٣) النمل/١٦.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٢٤-٢٥، وإرشاد الساري: ١٩٤/٥، والتمهيد لابن عبدالبر: ١٧٤/٨-١٧٥.

یــورثـــون" نیز فرماتے ہیں کہ یہ جو منقول ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کے وارث ہوئے تھے تو یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ وہاں تو یہ ہوا تھا کہ انہوں نے اپنا سارا مال صحت کے ایام ہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا(۱)۔

دوسری طرف ابن الکمال اور سکب الأنہر کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام بھی عوام کی طرح وارث ہوتے ہیں (۲)۔

مذہب شافعیہ ومالکیہ

اوپر علامہ شامی کی عبارت میں گذرا کہ شافعیہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے وارثیت کو درست سمجھتے ہیں، صاحب "الإقناع" علامہ شربینی فرماتے ہیں:

"......أن الناس في الإرث أربعة أقسام: منهم من يرث ويورث، وعكسه فيهما، ومنهم من يورث ولا يرث، وعكسه ......، والرابع الأنبياء عليهم السلام، فإنهم يرثون ولا يورثون"(۳).

مالکیہ کا مذہب بھی اس مسئلے میں شوافع کی طرح ہے، ان کے ہاں بھی یہی راجح ہے کہ انبیاء وارث ہوتے ہیں، علامہ دردیر نے الشرح الکبیر میں نبی علیہ السلام کے خصائص میں لکھا ہے: "وبأن لا يورث، وكذا غيره من الأنبياء"(٤) اس کی توضیح کرتے ہوئے علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مقتضا یہی ہے کہ وہ وارث ہوتے ہیں، کیوں کہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں "لا يورث" پر اقتصار کیا ہے، جس کا مقتضا "يرث" ہے۔ یہی راجح بھی ہے، کیوں کہ یہ امر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد محترم کی میراث میں سے ام ایمن برکۃ حبشیہ ملی تھیں، ساتھ میں کچھ بکریاں وغیرہ بھی تھیں (۵)۔

---

(۱) الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ٤٩٦/٢، الفن الثاني، كتاب الفرائض، رقم (١٧٨٢).

(۲) رسائل ابن عابدين: ٢٠٢/٢، الرحيق المختوم شرح قلائد المنظوم، فصل في موانع الإرث، وردالمحتار، كتاب الفرائض، (تتمة): ٥٤٣/٥، جملة الموانع حنيئذٍ ستة ......

(۳) الأوجز: ٥٤٤/١٧، والإقناع: ٢٨٥/٢، كتاب بيان أحكام الفرائض، القول في موانع الإرث الحقيقية.

(٤) الشرح الكبير مع الدسوقي: ٥٤١/٢، باب الخصائص.

(٥) [illegible] وفي السيرة الحلبية: ٥٢/١، باب وفاة والده صلى الله عليه وسلم: =

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں:

"قالوا: وكان رسول اللهﷺ ورثها عن أبيه......، فأعتق رسول اللهﷺ أم أيمن حين تزوج خديجة...... رضي الله عنها"(١).

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

ہمارے مشائخ میں سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلے میں شوافع وموالک کے مثل اس بات کے قائل ہیں کہ انبیاء وارث ہوتے ہیں، مورث نہیں، فرماتے ہیں:

"اختلف العلماء في توريث الأنبياء من غيرهم، فقال بعضهم: لا يَرثون كما لا يُورَثون، ورووا نحن معاشر الأنبياء، لا نرث ولا نورث، والصحيح أن هذه اللفظةَ غير ثابتة......"(٢).

اس عبارت میں ہذہ اللفظۃ سے مراد "لا نرث" ہے، یہ غیر ثابت ہے اور عام روایات اس زیادتی سے خالی ہیں، عام روایات میں صرف لا نورث کے کلمات پائے جاتے ہیں (۳)۔

اسی طرح علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث نبوی "سلوني من مالي" کی شرح میں فرماتے ہیں:

"والإيراد بأنه صلى الله عليه وسلم لم يكن له مال سيما بمكة توهم، أفلم يكن له صلى الله عليه وسلم ما فيه أكله وشربه، والتركة التي أصابه من أبيه؟ وما اشتهر من "إنا لانرث، ولا نورث" فالكلمة الأولى منها لم تثبت"(٤).

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف اس مسئلے میں وہی ہے جو شوافع وموالک کا ہے کہ

= "وترك عبدالله خمسة أجمال، وقطعة من غنم، فورث ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم من أبيه".

(١) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٢٢٣/٨، ذكر أم أيمن، والإصابة: ٤٣٢/٤، فصل فيمن عرف بالكنية من النساء، إلا أن فيه "ورثها عن أمه".

(٢) الكوكب الدري: ١٠٣/٣-١٠٤، كتاب الفرائض، تحت رقم (٢١٠٥).

(٣) تعليقات الكوكب الدري للكاندهلوي: ١٠٤/٣.، وكذا انظر أوجز المسالك: ٥٤٥/١٧.

(٤) الكوكب الدري: ٢٢٩/٤، كتاب التفسير، سورة الشعراء، تحت قولهﷺ: "سلوني من مالي".

انبیاء وارث ہوتے ہیں (۱)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اوپر کے اس موقف پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی تین صاحبزادیوں زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن وأرضاھن کا انتقال نبی علیہ السلام کی حیات ہی میں ہوگیا تھا، لیکن روایات میں کہیں بھی یہ نہیں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی میراث میں سے حصہ لیا ہو۔

اس کا جواب علمائے سیرت نے یہ دیا ہے کہ اولاً تو یہ تسلیم ہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی میراث میں سے حصہ نہیں لیا۔

ثانیاً- اگر اس دعویٰ کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ آپ نے ان کی میراث نہیں لی تھی تو ہوسکتا ہے کہ بطور استغنا آپ نے کچھ نہ لیا ہو۔ اس سے بہرحال وارثیت کی نفی نہیں ہوتی (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

صدقہ کا اعراب

حدیث نبوی "لا نورث ما ترکنا صدقة" میں لفظ صدقہ مرفوع ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ رفع کے ساتھ ہے اور جملہ مستانفہ ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا، "لا نورث" تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا کہ پھر آپ کے ترکہ کا کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا گیا "ما ترکنا صدقة" کہ ہم جو ترکہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی مروی ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی، "ما ترکناہ مبذول صدقة"، چنانچہ خبر (مبذول) کو حذف کردیا گیا اور صدقہ (درصورت نصب) حال ہوکر خبر کی عوض میں ہوکر باقی رہا......

شیعہ شنیعہ کا یہ کہنا کہ اس جملہ میں ما نافیہ ہے اور لفظ صدقة، ترکنا کا مفعول بہ ہوکر منصوب ہے تو یہ

---

(۱) تعليقات الكوكب: ٢٢٩/٤، والأوجز: ٥٤٥/١٧.

(٢) تعليقات الكوكب: ٢٣٠/٤، والبذل: ٧٣/١٠، كتاب الفرائض، باب: في ميراث ذوي الأرحام، رقم (٢٩٠٢)، والأوجز: ٥٤٦/١٧، والسيرة الحلبية: ٥٢/١، باب وفاة والده صلى الله عليه وسلم.

بہتان اور افترا ہے، ان کے رد کے لیے یہی کافی ہے کہ اکثر روایات میں ترکناہ ضمیر منصوب کے ساتھ آیا ہے، جو ضمیر عائد ہے اور اس کا مرجع ما ماصولہ ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات میں "فھو صدقة" آیا ہے(۱)، اس کے تو مرفوع ہونے میں کوئی شک ہی نہیں کہ ھو ضمیر مبتدا ہے اور صدقة اس کی خبر۔

اسی طرح وہ احادیث جن میں اس قسم کی صراحت آئی ہے، "إنا معاشر الانبياء، لا نورث".

اس سب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں لفظ صدقہ اکثر روایات کے مطابق مرفوع ہے اور ما موصولہ ہے، نہ کہ نافیہ(۲)۔

فأقبل عمر على علي وعباس، فقال: أنشدكما الله، أتعلمان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد قال ذلك؟ قالا: قد قال ذلك.

پھر حضرت عمر حضرت علی وحضرت عباس رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، میں تم دونوں سے اللہ کے نام پر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ نبی علیہ السلام نے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی تھی؟ ان دونوں نے کہا، بالکل ارشاد فرمائی تھی۔

اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفارش کنندگان کے سامنے مذکورہ بالا سوال رکھا کہ کیا تم لوگوں نے نبی علیہ السلام کو فرماتے سنا تھا کہ "لا نورث، ما تركنا صدقة؟" جب انہوں نے سننے کا اقرار کیا تو یہی سوال حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما سے بھی کیا، جس کا جواب ان دونوں نے بھی یہی دیا کہ ہم نے یہ بات سن رکھی ہے، ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ اگلی بات کے لیے بطور تمہید کے ہے۔ ذلک کا مشار الیہ حدیث "لا نورث، ما تركنا صدقة"(۳) ہے۔

---

(۱) انظر المؤطأ، كتاب الكلام، باب ماجاء في تركة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۱۸۰۸).

(۲) مرقاة المفاتيح: ۱۱/۱۲۹-۱۳۰، كتاب الفضائل والشمائل، رقم (۵۹۷۶)، وشرح الطيبي: ۱۱/۱۹۵، والأوجز: ۱۷/۵۳۵، والتعليق الممجد: ۳۱۹.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۲۵، وإرشاد الساري: ۵/۱۹۴.

قال عمر: فإني أحدثكم عن هذا الأمر: إن الله قد خص رسوله صلى الله عليه وسلم في هذا الفيء بشيء لم يعطه أحدا غيره، ثم قرأ ﴿وما أفاء الله على رسوله منهم –إلى قوله– قدير﴾ فكانت هذه خالصة لرسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تم لوگوں کو اس معاملے کے بارے میں بتلاتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس مال فیء میں سے ایک مخصوص حصہ مقرر کر دیا تھا، جس میں سے انہوں نے کسی کو کچھ بھی نہیں دیا، چنانچہ یہ صرف اور صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔

عبارت میں ذکر کردہ آیت پوری اس طرح ہے:

﴿وما آفاء الله على رسوله منهم فما أوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء، والله على كل شيء قدير﴾(۱).

''اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے دلوایا ہے، اس پر تم نے گھوڑے دوڑائے، نہ اونٹ، لیکن اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے''۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ جہاں مالِ فیء کی تعریف کو شامل ہے، وہیں اس میں اس بات کی بھی تصریح آگئی کہ یہ مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خالص ہوتا تھا اور کسی کا اس میں استحقاق نہیں تھا، نبی علیہ السلام اس مال کو جس طرح صَرف کریں انہی پر منحصر تھا، حدیث باب کے جملہ ''فكانت هذه خالصةً لرسول الله صلى الله عليه وسلم'' کا مطلب یہی ہے(۲)۔

اب یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اس مال کا آپ علیہ السلام کرتے کیا تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مال ان کے نفقے اور اہل وعیال کے نفقے میں استعمال ہوتا تھا اور جو کچھ بچ رہتا اسے مسلمانوں کے مصالح میں

(۱) الحشر/٦.

(۲) عمدة القاري: ١٥/ ٢٥.

صَرف کرتے، جیسا کہ آگے اسی روایت میں آرہا ہے۔

والله ما احتازها دونكم، ولا استأثر بها عليكم، قد أعطاكموها، وبثَّها فيكم

لیکن اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مال صرف اپنے لیے جمع کیے نہیں رکھا اور نہ اپنی ذات کو تم پر ترجیح دی، بلکہ یہ مال انہوں نے تمہی کو دیا اور تم لوگوں میں تقسیم کیا۔

مختلف الفاظ کا ضبط اور معنی

احتاز میں دو روایتیں ہیں:

۱- حائے مہملہ اور زای معجمہ کے ساتھ اس کا مصدر حیازة ہے، اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اکثر کی روایت یہی ہے۔

۲- کشمیہنی کی روایت میں یہ لفظ خائے معجمہ اور رائے مہملہ کے ساتھ ہے، یعنی اختار، اس کے معنی اختیار کرنے کے ہیں (۱)۔

استأثر کے معنی اپنی ذات کو ترجیح دینے کے ہیں (۲)۔

أعطاكموها میں بھی دو روایتیں ہیں:

۱- أعطاكموها، اس صورت میں ضمیر کا مرجع أموال الفيء ہوگا۔

۲- أعطاكموه، اس صورت میں مرجع فيء ہوگا (۳)۔ دونوں صورتوں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

بثها کے معنی فرقها یعنی تقسیم کیا کے ہیں، جو بث یبث بثا (ثائے مثلثہ مشددہ کے ساتھ) سے ہے (۴)۔

اور مطلب یہ ہے کہ یہ اموال فيء اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ خاص تھے، لیکن اس سے اقارب وغیر اقارب دونوں قسم کے لوگوں کی معاونت ونصرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے

---

(۱) حواله بالا، وفتح الباري: ٢٠٦/٦، وإرشاد الساري: ١٩٥/٥.

(٢) عمدة القاري: ٢٥/١٥، وإرشاد الساري: ١٩٥/٥.

(٣) إرشاد الساري: ١٩٥/٥.

(٤) حواله بالا، وعمدة القاري: ٢٥/١٥.

تھے، نسائی شریف (۱) کی عکرمہ بن خالد عن مالک بن اوس کے طریق سے اس کی تائید ہوتی ہے (۲)۔

حتى بقي منها هذا المال، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفق على أهله نفقة سنتهم من هذا المال، ثم يأخذ ما بقي، فيجعله مجعل مال الله

یہاں تک کہ اس میں سے موجودہ مال (زمینیں) باقی رہ گیا ہے، اس میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کے لیے سال بھر کا نفقہ نکالتے تھے، پھر جو کچھ بچ رہتا اسے اللہ کے مال کے طور پر رکھتے۔

ایک اشکال اوراس کا جواب

اوپر کی عبارت بالکل واضح ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں "توفي رسول اللهﷺ ودرعه مرهونة عند يهودي بثلاثين صاعا من شعير" (۳) وارد ہوا ہے، کہ آپ علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی۔

سوال یہ ہے کہ جب اپنا ذاتی مال اتنا وافر تھا کہ گھر والوں کے نفقہ کو الگ کرنے کے بعد بھی بہت سا مال بچا رہتا تھا، جو بیت المال میں جمع ہوتا تو اس حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا مطلب ہے اور قرض (وہ بھی زرہ گروی رکھ کر!) لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عام معمول تو یہی تھا کہ پورے سال کا خرچ الگ کرلیا جاتا تھا، لیکن سال گذرنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری وجوہ خیر اور خارجی ضروریات میں بھی اس میں سے صَرف کرتے رہتے ہیں، اس طرح سال پورا ہوتے ہوئے مقررہ نفقہ ختم ہوجاتا اور قرض لینے کی ضرورت پیش آجاتی، علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"وهذا لا يعارضه حديث عائشة أنه صلى الله عليه وسلم توفي ودرعه مرهونة على شعير؛ لأنه يجمع بينهما بأنه كان يدخر لأهله قوت

(۱) سنن النسائي، أول كتاب قسم الفيء، رقم (۴۱۵۳).

(۲) فتح الباري: ۲۰۶/۶.

(۳) انظر صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في درع النبيﷺ......، رقم (۲۹۱۶).

سنتهم، ثم في طول السنة يحتاج لمن يطرقه إلى إخراج شيء منه، فيخرجه، فيحتاج إلى تعويض ما أخذ منها، فلذلك استدان"(۱).

"مجعل مال الله" میں مجعل میم کے فتحہ کے ساتھ صیغۂ ظرف ہے، بیت المال مراد ہے کہ اس سے اسلحہ وغیرہ خریدا جاتا اور مسلمانوں کے دیگر مصالح پر اس مال کو خرچ کیا جاتا (۲)۔

فعمل رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك حياته، أنشدكم بالله، هل تعلمون ذلك؟ قالوا: نعم

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی حیاتِ مبارکہ میں یہی معمول رہا، میں تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم لوگوں کو اس کا علم ہے؟ جماعت نے کہا، بالکل، ہمیں اس کا ادراک ہے۔

عمل میں میم مکسور ہے، یہ یہاں باب سمع سے مستعمل ہے (۳)۔

ثم قال لعلي وعباس: أنشدكما بالله، هل تعلمان ذلك؟

پھر حضرت عمر نے علی وعباس رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا...... کیا تم دونوں بھی اس بات کا علم رکھتے ہو؟

یہاں روایت میں سوال تو مذکور ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے جواباً کیا فرمایا، مذکور نہیں، تو کتاب الفرائض کی عقیل کی روایت (۴) میں اس کے بعد یہ زیادتی بھی مروی ہے، "قالا: نعم"(۵).

قال عمر: ثم توفى الله نبيه صلى الله عليه وسلم، فقال أبوبكر: أنا ولي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقبضها أبوبكر، فعمل فيها بما عمل رسول

---

(۱) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵، وأيضاً في الفتح: ۲۰۶/٦، والعمدة: ۲۵/۱۵.

(۲) حواله جات بالا.

(۳) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵.

(۴) صحيح البخاري، كتاب الفرائض، باب قول النبي ......: لا نورث......، رقم (٦٧٢٨)

(۵) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵، وفتح الباري: ۲۰٦/٦.

الله صلى الله عليه وسلم، والله يعلم إنه فيها لصادق، بار، راشد، تابع للحق، ثـم تـوفـى الله أبـابكر، فكنت أنا ولي أبي بكر، فقبضتها سنتين من إمارتي، أعـمـل فيها بما عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم وما عمل فيها أبوبكر، والله يعلم إني فيها لصادق، بار، راشد، تابع، للحق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھالیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوں، سو اس مال کو انہوں نے اپنے تصرف میں لے لیا، وہ اس میں اسی معمول پر کاربند رہے، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ وہ اس مال کے معاملے میں سچے، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے پاس بلالیا، تو میں ابوبکر کا ولی و نائب بنا، میں نے اپنی خلافت کے (ابتدائی) دو سالوں تک اس مال کو اپنے تصرف میں رکھا، میں نے اس میں اپنا وہی معمول رکھا جو نبی علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تھا، اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ میں اس مال کے بارے میں سچا، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کا تابع ہوں۔

"بار" رائے مشددہ کے ساتھ، بر بیر سے ہے، نیک کے معنی میں ہے۔

"إمــارتی" کسرۂ ہمزہ کے ساتھ، خلافت و حکومت کو کہتے ہیں، ایک اور لفظ ہے أمـارة فتحۂ ہمزہ کے ساتھ، وہ بمعنی علامت و نشانی کے ہے(۱)۔

کتاب الاعتصام کی روایت، جو عقیل عن ابن شہاب کے طریق سے ہے، میں "فـقـال أبـوبـكـر: أنا ولـي ...... فـعمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم" کے الفاظ کے بعد یہ کلمات بھی پائے جاتے ہیں، "وأنـتـمـا حـنـيـئـذٍ -وأقبـل على علي وعباس- تزعمان أن أبابكر كذا وكذا"(۲) اور مغازی کی شعیب بن ابی حمزہ کی روایت میں "تـذكران أن أبابكر فيه كما تقولان"(۳) کے الفاظ ہیں، ان

(۱) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايكره من التعمق......، رقم (۷۳۰۵).

(۳) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب حديث بني النضير، ومخرج رسول الله ......، رقم (۴۰۳۳).

دونوں روایات سے صریح روایت وہ ہے جو مسلم شریف میں ہے، اس میں ان دونوں روایتوں میں مذکور کلمات مبہمہ کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ "کذا و کذا" اور "کما تقولان" کی مراد کیا ہے، اس روایت میں مذکور زیادتی درج ذیل ہے:

"......فجئتما، تطلب ميراثك من ابن أخيك، ويطلب هذا ميراث امرأته من أبيها، فقال أبوبكر: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما نورث، ما تركنا صدقة"، فرأيتماه كاذبا آثما غادرا خائنا"(۱).

ان تینوں طرق سے مندرجہ ذیل فوائد مستنبط ہوئے:

۱- اس حدیث کا مدار چونکہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو اس سلسلے میں ان کی صنیع یہ رہی ہے کہ وہ مذکورہ کلمات، جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے گئے، کی روایت کبھی صراحۃ کرتے، کبھی مبہم کلمات استعمال کرتے، یہی حال حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے کہ کبھی صراحت کرتے ہیں تو کبھی کنایہ۔

۲- یہی روایت اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی درج کی ہے، ان کی بشر بن عمر کے طریق میں یہ کلمات سرے سے نہیں ہیں، محذوف ہیں، اس کی نظیر وہی ہے جو روایت کے ابتدا میں ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کو برا بھلا کہا تھا، اس میں تاویل وہی ہے کہ اولی والیق ان کلمات کو حذف کرنا ہی ہے(۲)۔

ثم جئتماني تكلماني، وكلمتكما واحدة، وأمركما واحد، جئتني يا عباس تسألني نصيبك من ابن أخيك، وجاء ني هذا –يريد عليا– يريد نصيب امرأته من أبيها

پھر تم دونوں میرے پاس اس معاملے میں بات کرنے آئے، تم دونوں کا کلمہ ایک تھا اور معاملہ بھی ایک ہی تھا، اے عباس! تم میرے پاس اپنے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ لینے آئے اور یہ (علی) بھی میرے

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (٤٥٧٧).

(۲) فتح الباري: ٦/٢٠٦.

پاس آئے کہ انہیں ان کی اہلیہ کا حصہ دیا جائے۔

حدیثِ باب اور امام عبدالرزاق

علامہ عقیلی (۱) نے نقل کیا ہے کہ امام عبدالرزاق بن ہمام، جو مشہور محدث، صاحب مصنَّف، اصحاب ستہ کے راوی ہیں، انہوں نے اس مقام پر پہنچ کر ایک بہت ہی نازیبا جملہ استعمال کیا، اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے یہ جملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مجبور ہو کر کہا ہے، لیکن بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں چونکہ یہ جملہ استعمال ہوا ہے اور حضرت عمر کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو تعلق و قلبی ربط تھا وہ معلوم اور معروف ہی ہے، اس لیے اس جملے پر امام عبدالرزاق پر اظہارِ افسوس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انظر إلی هذا الأنوك، یقول: من ابن أخیك، من أبیها، لا یقول: رسول الله صلی الله علیه وسلم" (اللفظ للذهبي)(۲).

اوپر جو روایت گذری، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کا ذکر حضرت عباس کے ساتھ کیا تو ابن أخیك فرمایا تھا اور حضرت علی کے ساتھ کیا تو یرید نصیب امرأته من أبیها فرمایا تھا، اس پر امام عبدالرزاق ناراض ہو رہے ہیں کہ اس بے وقوف کو دیکھو! حضور علیہ السلام کو من ابن أخیك اور من أبیها سے تعبیر کر رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں کہتا۔

أنوك بے وقوف اور احمق کو کہا جاتا ہے، اس کلام میں اس سے ان کی مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ لفظ نوك ینوك نوكا ونواكا (س) سے مشتق ہے، أنوك کی جمع نوك اور نَوكَی ہے (۳)۔

علی بن عبداللہ بن مبارک صنعانی کہتے ہیں کہ زید بن المبارک امام عبدالرزاق کی مجالس حدیث میں پابندی سے شریک ہوا کرتے اور ان سے خوب روایتیں کرتے تھے، لیکن بعد میں ان سے مروی تمام کتابیں زید

---

(۱) الضعفاء الكبير: ۳/۱۱۰.

(۲) ميزان الاعتدال: ۲/۶۱۱.

(۳) القاموس الوحيد، باب النون، مادة نوك، والنهاية للجزري: ۵/۱۲۹، باب النون والواو...... وغريب الحديث للخطابي: ۲/۱۴۹، وتاج العروس: ۲۷/۳۷۸، مادة (ن و ك).

بن المبارک نے جلا ڈالیں اور محمد بن ثور کے خلقات میں جانے لگے، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ہم ایک دفعہ ان کے درس میں شریک تھے کہ انہوں نے ابن الحدثان کی حدیث (حدیثِ باب) روایت کی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کلمات فجئتَ أنت تطلب میراثك من إبن أخيك...... تک پہنچے تو اوپر ذکر کردہ کلمات کہے، انظر إلى هذا الأنوك...... زید بن المبارک فرماتے ہیں تو میں اس مجلس سے اٹھ گیا اور دوبارہ ان کی طرف نہیں گیا اور نہ ہی اب ان سے روایت کرتا ہوں (۱)۔

حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں اس حکایت کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا ہے کہ اولاً یہ کلام مرسل ہے، اس کے ثبوت ہی میں اشکال ہے کہ عبدالرزاق نے یہ بات کہی بھی یا نہیں۔

اگر مان لیا جائے کہ یہ بات انہوں نے کہی ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حافظ ذہبی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں اصحاب المیراث کی زبان میں بات کی ہے۔ چنانچہ ان کا مقصد "من ابن أخيك" کہہ کر وہی میراث کے تعلق کو ظاہر کرنا تھا، کیونکہ عباس رضی اللہ عنہ عصبہ میں داخل تھے اور "من أبيها" کہہ کر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نصف حصے کا ذکر مقصود تھا، جب بیٹی اکیلی ہوتی ہے تو وہ باپ کی میراث میں سے آدھے کی وارث ہوا کرتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اصحاب المیراث کی زبان میں "من ابن أخيك" اور "من أبيها" کہا ہے۔ خدانخواستہ تحقیر مقصود تھوڑا ہی ہے۔

"قلت: في هذه الحكاية إرسال، والله أعلم بصحتها، ولا اعتراض على الفاروق رضي الله عنه فيها؛ فإنه تكلم بلسان قسمة التركات"(۲).

میزان الاعتدال میں تو ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق کا کسی حد تک دفاع کیا ہے، جب کہ سیر میں انہوں نے امام عبدالرزاق کو مذکورہ بالا کلمات پر شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث میں ہر جگہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظمت وتوقیر کے ساتھ ذکر کیا ہے اور موقع بموقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید اور اتباع کا تذکرہ کیا ہے، اس لیے اس کو کیونکر بے ادبی و گستاخی پر محمول کیا جا سکتا ہے؟! اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے اس کو بے ادبی پر محمول کیا ہے، وہ یا تو خود مغلوب الحال

---

(۱) كتاب الضعفاء الكبير للعقيلي: ۳/ ۱۱۰، وميزان الاعتدال: ۳/ ٦١١، وسير أعلام النبلاء: ۹/ ۵۷۲.

(۲) ميزان الاعتدال: ۳/ ٦١١.

ہے، یا اس نے خود بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے۔

چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر میں لکھتے ہیں:

"قلت: هذه عظيمة، وما فهم قول أمير المؤمنين عمر، فإنك يا هذا، لو سكت، لكان أولى بك، فإن عمر إنما كان في مقام تبيين الغمومة والبُنُوَّة، وإلا فعمر رضي الله عنه أعلم بحق المصطفى وبتوقيره وتعظيمه من كل متحذلق(۱)، متنطع(۲)، بل الصواب أن نقول عنك: انظروا إلى هذا الأنوك الفاعل -عفا الله عنه- كيف يقول عن عمر هذا، ولا يقول: قال أمير المؤمنين الفاروق؟! وبكل حال فنستغفر الله لنا ولعبد الرزاق، فإنه مأمون على حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، صادق"(۳).

فقلت لكما: إن رسول اللهﷺ قال: لا نورث ما تركنا صدقة

اس وقت میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے ترکے میں میراث جاری نہیں ہوتی، ہم جو ترکہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "لا نورث ما تركنا صدقة" کی کچھ شرح ہم نے اسی حدیث باب کے شروع میں بیان کی تھی کہ اہل سنت کا مسلک اس مسئلے میں یہ ہے کہ یہ حکم صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اس حکم کے عموم میں داخل ہیں، صرف حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، نیز

---

(۱) یہ لفظ تحذلق سے مشتق ہے، جس کے معنی ڈینگ مارنا، شیخی مارنا کے ہیں، المتحذلق کے معنی ہوئے شیخی خورہ کے۔ القاموس الوحيد، باب الحاء، مادة "حذلق".

(۲) اس لفظ کے معنی غالی، حد سے تجاوز کرنے والے وغیرہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "هلك المتنطعون" [مسلم، رقم (٦٧٢٥)، وأبوداود، رقم (٤٦٠٨)] کی شرح میں علامہ ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هم المتعمقون، المغالون في الكلام، المتكلمون بأقصى حلوقهم، مأخوذ من النطع، وهو الغار الأعلى من الفم، ثم استعمل في كل تعمق، قولا وفعلا". انظر النهاية: ٧٤/٥، باب النون مع الطاء.

(۳) سير أعلام النبلاء: ٥٧٢/٩-٥٧٣.

ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ (۱) اس کو نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔

جب کہ شیعہ امامیہ (علیہم لعائن اللہ والملائکۃ والناس أجمعین) کا عقیدہ یہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح انبیاء کی میراث بھی تقسیم ہوتی ہے اور حدیث نبوی میں مختلف قسم کی بعید از کار تاویلیں کرتے ہیں، ہم ذیل میں اہل علم کے لیے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ فائدہ عظیمہ سے بھی خالی نہیں۔

ابن شاذان اور ابن المعلم کا مناظرہ

علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوجعفر سمنانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوعلی بن شاذان، جو بڑے عالم اور امام تھے، لیکن انہیں علوم عربیت پر مہارت نہیں تھی، نے مذکورہ بالا مسئلہ پر امامیہ کے ایک عالم ابوعبداللہ بن المعلم سے مناظرہ کیا، جو اپنے وقت کے امامیہ کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ علوم عربیت پر بھی بڑی مہارت اور دست رس رکھتے تھے۔

ابن شاذان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی:

"إنا معاشر الأنبياء، لا نورث، ما تركنا صدقة"(۲).

اس پر ابن المعلم نے جواباً یہ کہا کہ کلمہ "صدقۃ" بنا بر حالیت منصوب ہے، جس کا مقتضا یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جو اشیاء بطور صدقہ چھوڑیں ان میں میراث جاری نہیں ہوگی، ان کا کوئی وارث نہیں ہوگا، اس سے ہم بھی نہیں روکتے، البتہ جو چیزیں بطور صدقہ نہیں چھوڑی گئیں ان میں میراث جاری ہوگی۔

ابن المعلم نے یہ استدلال اسی لیے کیا تھا کہ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ ابن شاذان علوم عربیت کی معرفت نہیں رکھتے اور نہ ہی حال اور غیر حال کے فرق کو سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابن المعلم کو لاجواب کردیا۔

---

(۱) المنتقى: ۹/۵۰۰-۵۰۱، تلخيص الحبير: ۲/۲۸۵، كتاب النكاح، الواجبات، رقم (۱٤٥۹)، دار الكتب، والأوجز: ۱۷/۵۳۵، والتعليق الممجد: ۳۱۹، كتاب الفرائض، باب النبي صلى الله عليه وسلم هل يورث؟

(۲) سنن النسائي الكبرى، كتاب الفرائض، ذكر مواريث الأنبياء، رقم (٦۳۰۹)، والكامل لابن عدي: ۲/۸٦، رقم (۵/۳۰۷).

چنانچہ انہوں نے ابن المعلم سے کہا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ لفظ ''صدقۃ'' منصوب ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ جو چیز بطور صدقہ ترکۂ نبی میں چھوڑی گئی اس میں ہم بھی آپ کے موافق ہیں کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ لیکن سنو! مجھے نصب اور رفع کا فرق معلوم نہیں ہے، نیز اس مسئلے میں اس فرق کو جاننے یا سمجھنے کی میں ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔ تاہم ایک بات ہے، جس میں مجھے کسی قسم کا شک ہے، نہ تم کو، کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افصح العرب میں سے تھیں، اسی طرح ''صدقۃ'' منصوب ہے یا مرفوع، اس کو بھی سب سے زیادہ جاننے والی تھیں، یہی صورت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بھی ہے، وہ بھی ایک مستحق میراث تھے، اگر نبی علیہ السلام موروث ہوتے۔ یہی حال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ہے کہ ان کا شمار قریش کے فصحاء وعلماء میں ہوتا تھا، بلکہ ان سے بھی مرتبے میں بلند تھے۔

اور سنو! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اپنا حصہ طلب کرنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں تو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو جواب دیا، اس سے انہوں نے یہی سمجھا کہ میراث نبی میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور اپنے دعوے سے وہ ہٹ گئیں، یہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھا، یہی حضرت علی ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سمجھے، ان میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا، جو تم لوگ کر رہے ہو۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں، وہ بھی یہ مفہوم، حدیث کا نہیں لے رہے ہیں، جو تم لے رہے ہو، بلکہ ان کا مقصد بھی مقتضائے منع کو ظاہر کرنا ہے، جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فصحائے عرب اور ان کے علماء میں سے ہونے پر کوئی اختلاف بھی نہیں ہے، اگر حدیث کے کلمات ممانعت پر دلالت نہ کرتے تو اس کو وہ کبھی بطور دلیل پیش نہ فرماتے۔

اب دو ہی صورتیں ہیں، صدقۃ منصوب ہے، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے، لیکن اس سے وہ مطلب ومعنی کسی نے نہیں لیے، جو تم لے رہے ہو، حالانکہ وہ سب حضرات فصحائے عرب میں سے تھے، چنانچہ نصب کا مقتضا بھی وہی ہے جو اُن حضرات نے سمجھا کہ میراث جاری نہیں ہوگی، اس لیے تمہارا دعویٰ باطل ہے۔

یا یہ لفظ مرفوع ہے، ہونا بھی یہی چاہیے اور یہی مروی بھی ہے، اس لیے اس میں دعویٰ نصب باطل ہے......(۱)۔

---

(۱) أوجز المسالك: ۱۷/۵۳۵-۵۳٦، والمنتقى: ۹/۵۰۰، كتاب الجامع من المؤطأ.

فلما بدا لي أن أدفعه إليكما، قلت: إن شئتما دفعتها إليكما، على أن عليكما عهدَ الله وميثاقه لتعملان فيها بما عمل فيها رسول الله ﷺ وبما عمل فيها أبوبكر، وبما عملت فيها منذ وليتها، فقلتما: ادفعها إلينا، فبذلك دفعتُها إليكما، فأنشدكم بالله، هل دفعتها إليهما بذلك؟ قال الرهط: نعم

جب مجھ پر یہ منشرح ہوگیا کہ اس مال کوتم دونوں کے حوالے کردوں تو میں نے کہا تھا کہ اگرتم دونوں چاہوتو یہ مال تمہارے حوالے کیے دیتا ہوں، بشرطیکہ اللہ کے عہد اوراس کے میثاق کی پابندی تم پر لازم ہوگی کہ تم دونوں ان زمینوں کی دیکھ بھال میں وہی معمول اختیار کیے رکھوگے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تھا اور جو معمول وطریقہ میرا رہا ہے جب سے میں نے ان کی ذمے داری قبول کی ہے۔تو (اس وقت) تم دونوں نے کہا تھا کہ (اس شرط پر) ہمارے حوالے یہ زمینیں کردیجیے۔ چنانچہ میں نے اس شرط پر تم دونوں کے حوالے کردی تھی۔ میں تم لوگوں سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے یہ زمینیں ان دونوں (علی وعباس رضی اللہ عنہما) کے حوالے اسی شرط پر کی تھی؟ جماعت صحابہ نے کہا، جی ہاں! یہی بات تھی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ زمینیں ان دنوں حضرات کے حوالے بطور تملیک نہیں کی گئی تھیں، بلکہ تصرف وانتفاع کے لیے حوالے کی گئیں کہ آپ دونوں ان میں تصرف کرسکتے ہیں اور جتنا آپ دونوں کا حق ہے اس کے بقدر ان زمینوں سے نفع بھی حاصل کرسکتے ہیں، کیونکہ ان صدقات کی تملیک کسی طور پر نہیں ہوسکتی، یہ حرام ہے(۱)۔

ثـم أقبل على علي وعباس، فقال: أنشدكما بالله، هل دفعتها إليكما بذلك؟ قالا: نعم، قال: فتلتمسان مني قضاءً غير ذلك؟ فوالله الذي بإذنه تقوم السماء والأرض، لا أقضي فيها قضاءً غير ذلك، فإن عجزتما عنها فادفعاها إلي، فإني أكفيكماها.

پھر حضرت عمر، علی وعباس رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا میں تم دونوں سے اللہ واسطے پوچھتا

(۱) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵.

ہوں کہ کیا وہ زمینیں میں نے تم دونوں کے حوالے اسی شرط پر کی تھیں؟ دونوں حضرات نے کہا، جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اب تم دونوں مجھ سے سابقہ فیصلہ سے ہٹ کر اور کوئی فیصلہ کروانا چاہتے ہو؟ تو سنو! قسم ہے اس ذات کی، جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں! میں ان زمینوں میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر تم لوگ ان زمینوں کی دیکھ بھال سے تنگ ہوتے ہو تو وہ مجھے واپس لوٹا دو۔ میں تم دونوں کی طرف سے ان زمینوں کے لیے اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "لا نورث، ما ترکنا صدقة".
چنانچہ حضرت عباس وعلی رضی اللہ عنہما نے یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے، ان دونوں حضرات نے نبی علیہ السلام کی یہ حدیث سنی تھی، جیسا کہ خود انہوں نے حدیث باب میں سماع کی تصدیق کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس میراث طلب کرنے کیوں گئے تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس میراث کے لیے کیوں گئے کہ یہ تو حدیث کی خلاف ورزی ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے حدیث سن رکھی تھی، اس پر وہ عمل پیرا بھی تھے، لیکن ان حضرات کا نقطۂ نظر اور موقف یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث منقول اشیاء میں جاری نہیں ہوگی، تاہم غیر منقولات میں آپ کی میراث جاری ہوگی۔ چنانچہ پہلے یہ حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے انکار کر دیا، چوں کہ ان کی رائے یہ تھی کہ یہ حکم عام ہے، منقولات اور غیر منقولات دونوں کو اور سارے متروکات کو شامل ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو ان کو یہ خیال ہوا کہ ان سے رجوع کریں، ممکن ہے ان کا مؤقف وہی ہو جو ہمارا موقف ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی "لا نورث، ما ترکنا صدقة" کے عموم پر عمل کیا اور ان حضرات کو میراث میں سے کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا(۱)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٠٧.

ایک سوال اور اس کا جواب

تاہم یہاں دوسرا سوال ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کو ایک بار منع کر دیا تھا کہ بطور میراث میں یہ ترکات تقسیم نہیں کرسکتا تو دوبارہ یہ حضرات دربارِ عمری میں کیوں آئے؟

اس کا جواب امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ دیا ہے کہ یہ دوبارہ آنا میراث کے لیے نہیں تھا، بلکہ اس کی غرض اس جھگڑے وقضیے کا دفعیہ تھا، جو اُن دونوں حضرات (علی وعباس رضی اللہ عنہما) کے درمیان ان زمینوں کے تصرف اور ولایت میں ہو گیا تھا (۱)۔

واقعہ دراصل یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہلی بار آئے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو میراث دینے سے تو منع فرما دیا تھا، لیکن صدقات کی وہ زمینیں بطور تصرف ودیکھ بھال ان کے حوالے کر دی تھیں، کہ ان کا انتظام وانصرام یہ چچا بھتیجا سنبھالیں، چچا حضرت عباس تھے تو بھتیجے حضرت علی رضی اللہ عنہما، مگر مزاج میں اختلاف تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فیاض آدمی تھے اور مال کو ضرورت وحاجت کے لیے جمع کرنے کا ان کے پاس کوئی اہتمام نہ تھا، جب کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مدبر وجہاں دیدہ شخصیت کے مالک تھے، وہ مال کو بے دریغ خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ اس طرح کئی بار ایسا ہوتا کہ ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مزاحمت کر رہے ہیں، ایک جگہ عباس مال کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور علی خرچ پر اصرار کر رہے ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ سے یہ حضرات پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ کے سامنے انہوں نے اپنا مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ آپ آدھی آدھی زمینیں ہمیں دے دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔

انکار کی وجہ کیا تھی؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کا مطالبہ تو بظاہر معقول تھا کہ ان زمینوں کو تصرف کے لیے نصف نصف تقسیم کر دیا جائے، اس کے باوصف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیوں کیا؟

اس کا جواب امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ اصل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہ

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٠٧، وبمثله قال الخطابي أيضاً، انظر أعلام الحديث: ٢/١٤٤٠--١٤٤١، وعمدة القاري: ١٥/٢٥، والتمهيد لابن عبدالبر: ٨/١٦٧.

بات تھی کہ اس زمین پر تقسیم کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے، کہ کوئی یہ نہ کہے کہ آدھی تو دے دی عباس رضی اللہ عنہ کو اور آدھی دے دی علی رضی اللہ عنہ کو اور زمین تقسیم کر دی، چونکہ اس پر تقسیم کا اطلاق ہوگا، لوگ کل کلاں یہ کہیں گے کہ وہ تو میراث میں تقسیم ہوئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقسیم کے لفظ کو سننے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا اور قسم کھائی کہ یہ نہیں ہوسکتا، اگر تم اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے تو واپس کر دو، ان معاملات کو میں دیکھ لوں گا، تم اپنے کام دیکھو(۱)۔

عمر بن شبہ کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں، "فأصلحا أمركما، وإلا لم يرجع –والله– إليكما، فقاما وتركا الخصومة، وأمضيت صدقة"(۲) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اپنے آپس کے معاملات کو درست کرو، ورنہ بخدا یہ تم دونوں کے حوالے نہیں ہوگی"۔ یہ سن کر وہ دونوں حضرات اٹھ گئے، لڑائی ختم کر دی اور اس زمین کی صدقے والی حیثیت برقرار رہی۔

بعد کے ایام(۳) میں یہ زمین حضرت علی کے پاس آگئی تھی، ان کے بعد حسن، پھر حسین، پھر علی بن الحسین (زین العابدین)، پھر حسن بن حسن، پھر زید بن حسن کے تصرف میں رہی، اسی حیثیت کے ساتھ کہ یہ صدقے کی زمین ہے(۴)، معمر فرماتے ہیں کہ زید بن حسن کے بعد یہ زمین عبداللہ بن حسن کے تصرف میں

---

(۱) "قال أبوداود: "إنما سألاه أن يكون يصيّره بينهما نصفين، لا أنهما جهلا أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا نورث، ما تركنا صدقة"؛ فإنهما كانا لا يطلبان إلا الصواب، فقال عمر: "لا أوقع عليه اسم القسم، أدعه على ما هو عليه". انظر سننه، كتاب الخراج......، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۹٦۳)، نیز دیکھئے: عمدة القاري: ۲۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۰۷/٦، إرشاد الساري: ۱۹۵/۵، وتحفة الباري: ۵۳٤/۳.

(۲) فتح الباري: ۲۰۷/٦، وأخبار المدينة لابن شبة: ۱۳۰/۱، خصومة علي والعباس......، رقم (۵۷۱).

(۳) یہ [illegible] فت عثمانی کی بات ہے، قاله إسماعيل القاضي، فتح الباري: ۲۰۷/٦.

(٤) "[illegible] كانت هذه الصدقة بيد علي، منعها علي عباسا، فغلبه عليها، ثم كان بيد حسن بن علي، ثم بيد حسين بن علي، ثم بيد علي بن حسين، وحسن بن حسن، كلاهما كانا يتداولانها، ثم بيد زيد بن حسن......". انظر صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب حديث بني النضير......، رقم (٤۰۳٤).

رہی، یہاں تک کہ یہ لوگ یعنی بنو العباس والی وامیر بن گئے تو انہوں نے اس پر قبضہ کرلیا(۱)۔

عمر بن شبہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ زمین آج کل خلیفہ کے تصرف میں ہے، وہی اس کے لیے نگران مقرر کرتا ہے اور مدینہ منورہ کے حاجت مندوں میں اس کی پیداوار تقسیم کرواتا ہے، اس کام کے لیے الگ سے اس نے وکلاء مقرر کرر کھے ہیں(۲)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ عمر بن شبہ جن دنوں کی بات کررہے ہیں وہ دوسری صدی ہجری کے آخری ایام ہیں، پھر معاملات خراب ہوگئے۔

"كان ذلك على رأس المائتين، ثم تغيرت الأمور، والله المستعان"(۳).

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں وہی تقریر ہے جو گذشتہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہم نے بیان کی کہ جن اراضی وصدقات میں یہ حضرات میراث کا مطالبہ کررہے تھے، اس میں خیبر کا خمس بھی شامل تھا، اس طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت بھی موجود ہے(۴)۔

ایک اہم فائدہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں، ان کے علاوہ اور کسی سے یہ روایت منقول نہیں، علامہ ابوعلی کرابیسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک قوم نے اس روایت کا انکار کیا ہے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ روایت ابن شہاب کی مستنکر روایات میں سے ہے۔ تاہم یہ بات درست نہیں، چنانچہ یہاں دوصورتیں ہیں:

۱- ان معترضین کو اگر یہ بات معلوم ہے کہ زہری یہاں متفرد نہیں ہیں تو یہ ممکن نہیں (بلکہ انہیں خوب

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ٥/٣٢٧، كتاب المغازي، خصومة علي والعباس، رقم (٩٨٣٥)، وأخبار المدينة: ١/١٣٠، رقم (١٧٢).

(۲) فتح الباري: ٦/٢٠٧، وكتاب أخبار المدينة: ١/١٣٥، رقم (٥٨٠).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٠٨.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٢٣، وفتح الباري: ٦/٢٠٨، وشرح ابن بطال: ٥/٢٥٢.

معلوم ہے کہ متفرد نہیں ہیں)۔

۲-اگر انہیں معلوم نہیں ہے تو یہ جہل ہے، جاہل کے اعتراضات معتبر نہیں ہوا کرتے۔

پھر امام کرابیسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے نام گنوائے، جو اس حدیث کو حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں، یعنی عکرمۃ بن خالد، ایوب بن خالد، محمد بن عمرو بن عطاء وغیرہ وغیرہ۔

اس لیے سرے سے روایت ہی کا انکار کر دینا اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو نشانہ بنانا بالکل درست نہیں (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث سے مستنبط فوائد

۱-حدیث سے ایک بات یہ مستفاد ہوئی کہ کسی بھی قبیلے یا جماعت یا گروہ کے معاملات وغیرہ کی ذمے داری اس کے سرداروں یا صاحب حیثیت افراد کے حوالے کرنی چاہیے، کیونکہ وہ تمام ان افراد کو جانتے ہیں جو اُن کے ماتحت ہوتے ہیں، اس طرح ہر شخص کا کس قدر استحقاق ہے وہ ان کے علم میں ہوتا ہے۔

۲- نیز حدیث سے اس امر کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام اگر کسی کو کوئی ذمے داری سونپے تو نرم کلامی کے ساتھ اس ذمے داری سے اپنے کو الگ کرنے کی کوشش کرے، اس میں کوئی قباحت نہیں (بشرطیکہ اس ذمے داری کی اہلیت رکھنے والا اور کوئی شخص موجود ہو، ورنہ نہیں)۔

۳-آدمی اپنی تعریف وتوصیف بیان کرسکتا ہے، بشرطیکہ وہ سچی ہو۔

۴-یہ بھی مستفاد ہوا کہ آدمی اپنے اور اہل وعیال کے لیے غلہ وغیرہ ذخیرہ کرسکتا ہے، اگر چہ وہ سال بھر کے لیے ہو، یہ توکل کے منافی نہیں، ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون متوکل ہوسکتا ہے!

اس میں ان جاہل صوفیاء کا رد آ گیا جو مذکورہ عمل کو توکل کے منافی قرار دیتے ہیں، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

”وفيه جواز ادخار الرجل لنفسه وأهله قُوْت السنة، وأن ذلك كان من فعل الرسول حين فتح الله عليه من النضير وفدك وغيرهما، وهو خلاف

(۱) فتح الباري: ٦/٢٠٤.

قول جهلة الصوفية، المنكرة للادخار، الزاعمين: أن من ادخر فقد أساء الظن بربه، ولم يتوكل عليه حق توكله"(١).

۵- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قضیہ ومعاملے میں حاکم پر اگر اس کی حقیقت واضح ہو جائے کہ حق یہ ہے تو اس کو اسی پر عمل کرنا چاہیے، اسی کے مقتضا کو دیکھنا چاہیے، کسی دوسرے سے اس معاملے میں رائے لینے کی ضرورت نہیں (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

٢ - باب : أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ ٱلدِّينِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں کہ خمس کی ادائیگی دین کا ایک حصہ ہے اور اس کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ ہے (۳)۔

تکرار ترجمہ کا اشکال اور اس کا جواب

مصنف علیہ الرحمۃ نے کتاب الإیمان میں ایک ترجمہ قائم کیا تھا، "باب أداء الخمس من الإيمان"(٤) اور یہاں ترجمہ "أداء الخمس من الدين" کا ہے، نیز یہ بات بھی کتاب الإیمان میں گزر چکی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایمان، اسلام اور دین وغیرہ کے ترادف کے قائل ہیں (۵)۔ اس لیے یہاں تکرار ترجمہ کا اشکال ہوتا ہے کہ ایمان اور دین ایک ہی چیز ہیں؟

اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں حیثیتوں کا فرق ہے، کتاب الایمان میں جو ترجمہ قائم کیا گیا تھا، اس کی غرض امورِ ایمان کا بیان تھا، وہاں ایمانیات کی بحث کے ضمن میں مذکورہ ترجمہ قائم کیا گیا تھا، یہاں کا ترجمہ مال

---

(١) شرح ابن بطال: ٥/٢٥٤، وعمدة القاري: ١٥/٢٦.

(٢) العمدة: ١٥/٢٦، والفتح: ٦/٢٠٨، وابن بطال: ٥/٢٥٤-٢٥٥، والتمهيد لابن عبدالبر: ٨/١٧٦.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٢٦.

(٤) صحيح البخاري: ١/١٣، قديمی کتب خانه کراچی.

(٥) کشف الباري: ١/٦٠٩.

غنیمت کے احکام کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں خمس نکالنا بھی شامل ہے اور یہ اہم معاملہ ہے، چناں چہ شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولا يتوهم التكرار؛ لأن المقصود هناك بيان أمور الإيمان، والغرض ههنا بيان أداء الخمس؛ اهتماما له"(۱).

حیثیت چوں کہ بدلی ہوئی ہے، اس لیے تکرار کا اشکال نہیں رہا۔

۲۹۲۸ : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الضُّبَعِيِّ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ(۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنَّا هٰذَا الحَيَّ مِنْ رَبِيعَةَ ، بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ ، فَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الحَرَامِ ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَأْخُذُ بِهِ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا ، قالَ : (آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ ، الْإِيمَانِ بِٱللهِ : شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ – وَعَقَدَ بِيَدِهِ – وَإِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ ، وَأَنْ تُؤَدُّوا لِلهِ خُمُسَ ما غَنِمْتُمْ ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ ، وَالنَّقِيرِ ، وَالْحَنْتَمِ ، وَالْمُزَفَّتِ) . [ر : ٥٣]

تراجم رجال

۱– ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة......" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲– حماد

یہ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا......﴾" کے تحت بیان کیے جا چکے(۴)۔

---

(۱) الأبواب والتراجم: ۱/۲۰۵.

(۲) قوله: "ابن عباس رضي الله عنهما": الحديث، مرّ تخريجه في الإيمان، كشف الباري: ۲/۶۹۶.

(۳) كشف الباري: ۲/۷۶۸.

(۴) كشف الباري: ۲/۲۱۹.

۳- ابو جمرہ

یہ ابو جمرہ نصر بن عمران ضبعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب الإیمان، "باب أداء الخمس من الإيمان" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٤- ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات "بدء الوحي" کے تحت آچکے ہیں (۲)۔

تنبیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفد عبدالقیس سے متعلقہ حدیثِ باب کی مکمل تشریح کتاب الایمان میں گزر چکی ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "وأن تؤدوا لله خمس ما غنمتم"(٤).

۳ - باب : نَفَقَةِ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ وَفاتِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کے نفقے کا مسئلہ بیان کررہے ہیں(۵)۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

۲۹۲۹ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ،

---

(۱) کشف الباري: ۲/۷۰۱.

(۲) کشف الباري: ۱/٤۳۵، و۲/۲۰۵.

(۳) کشف الباري: ۲/۷۰٤-۷۲۹.

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۲٦.

(۵) عمدة القاري: ۱۵/۲۷

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(١) أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا ، ما تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤُونَةِ عامِلِي فَهْوَ صَدَقَة) . [ر : ٢٦٢٤]

تراجمِ رجال

١- عبدالله بن يوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- مالك

یہ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحی" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا ہے(٢)۔

٣- ابوالزناد

یہ ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- الأعرج

یہ امام عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات كتاب الإيمان، "باب حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان" کے تحت گزر چکے(٣)۔

٥- ابوهريره

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" کے تحت آچکے(٤)۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يقتسم ورثتي دينارا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے ورثہ

---

(١) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الوصايا، باب نفقة القيم للوقف.

(٢) كشف الباري: ١/٢٨٩-٢٩٠، امام مالک کے لیے مزید دیکھیے: ٢/٨٠.

(٣) كشف الباري: ٢/١٠-١١.

(٤) كشف الباري: ١/٦٥٩.

کوئی دینار تقسیم نہیں کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ میرے متروکہ مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی، جس طرح کہ عموماً دوسرے لوگوں کے انتقال پر ان کے متروکہ مال میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

صحیحین کی یہ روایت جو مالک عن ابی الزناد کے طریق سے مروی ہے، اس میں صرف لفظ ''دینارا'' آیا ہے(۱)، جب کہ مسلم شریف کی ایک روایت جو ابن عیینہ عن ابی الزناد کے طریق سے مروی ہے، اس میں "دینارا ولا درهما" ہے(۲)۔

مالک عن ابی الزناد والی روایت کے اعتبار سے حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ میرا مال متروکہ اگر ایک دینار بھی ہوگا تو بھی اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، چہ جائیکہ اس سے زیادہ میں جاری ہو، چنانچہ یہ "تنبيه بالأدنى على الأعلى" کے قبیل سے ہے، اسی کے مثل یہ فرمان ربانی بھی ہے کہ ﴿ومنهم من إن تأمنه بدينار......﴾(۳) کہ ''ان یہود میں ایسے بدبخت بھی ہیں کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو ایک دینار بھی بطور امانت رکھوائیں تو وہ نہ لوٹائیں''۔ یہاں بھی تنبیہ بالادنی علی الاعلی (۴) ہے کہ جو شخص ایک دینار لوٹانے کو تیار نہ ہو، وہ اس سے زائد مال کیونکر واپس کرے گا؟!(۵)

جب کہ مسلم کی ابن عیینہ عن ابی الزناد والی روایت کے بارے میں حافظ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

---

(۱) دیکھیے، صحيح بخاري، كتاب الوصايا، باب تفقة القيم للوقف، رقم (۲۷۷٦)، وكتاب الفرائض، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث، رقم (٦٧٢٩)، ومسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث ......، رقم (٤٥٨٣).

(۲) هذا ما قاله الحافظ رحمه الله، ولكني لم أجد هذا اللفظ عند مسلم. والله أعلم، ثم وجدته في التمهيد لابن عبدالبر: ۱۷۳/۸.

(۳) آل عمران/ ۷۵.

(٤) شرح التلويح على التوضيح ۲٦۳، فصل: مفهوم المخالفة، والتقرير والتحبير: ۱٤۸/۱، انقسام المفهوم إلى مفهوم موافقة ......، ورفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب: ٤۹۲/۳، المطلق والمقيد.

(٥) فتح الباري: ۲۰۹/٦، وعمدة القاري: ۲۷/۱٥، والأوجز للكاندهلوي: ٤٨/۱۷ ٥، والتمهيد لابن عبدالبر: ۱۷۱/۱۸، وشرح الكرماني: ۸۱/۱۳.

کہ یہ زیادتی حسن ہے(۱)۔ یہ أبلغ في النفي ہے کہ مال متروکہ، خواہ درہم ہو یا دینار، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ اور اس زیادتی کی متابعت بھی شمائل ترمذی میں موجود ہے(۲)۔

ما تركت بعد نفقة نسائي، ومؤنة عاملي، فهو صدقة

میری ازواج مطہرات اور میرے خلیفہ کے خرچ کے علاوہ جو مال میں چھوڑ جاؤں گا، وہ صدقہ ہوگا۔

نفقة نسائي کی توضیح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے مال میں سے ازواج مطہرات کا نفقہ واجب تھا، اس کی وجہ کیا تھی، اس میں مختلف اقوال ہیں:

۱- اس لیے کہ ازواج مطہرات فی حق النبی محبوس تھیں، وہ معتدات کے حکم میں تھیں، ظاہر ہے کہ وہ نکاح تو اور نہیں کر سکتی تھیں(۳)، تو جو آدمی جس کے حق میں محبوس ہوتا ہے اس پر اس کا نفقہ واجب ہوا کرتا ہے۔

۲- نیز یہ بات بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ اطہر میں زندہ ہیں، "إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، فنبي الله حي يرزق"(٤) تو اس بنا پر بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا نفقہ آپ کے ذمے واجب تھا(۵)۔

یہاں پھر یہ بات بھی سمجھیے کہ لفظ "نفقة" تمام حوائج ولوازمات زندگی کو شامل ہے، یہی وجہ تھی کہ نبی علیہ السلام کی وفات سے قبل ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جن گھروں میں مقیم تھیں، بعد وفات بھی وہ ان کی

---

(١) فتح الباري: ٢٠٩/٦.

(٢) حوالہ بالا، والشمائل المحمدية، باب ماجاء في ميراث رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٤٠٤).

(٣) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبدا، إن ذلكم كان عندالله عظيما﴾ الأحزاب/ ٥٣.

(٤) سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، من رواية أبي الدرداء رضي الله عنه، رقم (١٦٣٧)، والحديث صحيح، كما نبه عليه ابن حجر الإمام في التهذيب: ٣١٨/٣، ترجمة زيد بن أيمن.

(٥) الكرماني: ١٣/ ٨٢، والعمدة: ٢٧/١٥، والفتح: ٢٠٩/٦، والأوجز: ٥٤٨/١٧، والديباج على مسلم: ٧٢٤/٢، نیز دیکھیے، خصائل نبوی اردو: ٢٥٢.

ملکیت میں رہے(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عامل سے کیا مراد ہے؟

اس میں پانچ اقوال ہیں:

۱- اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ مراد ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، "وهذا هو المعتمد، وهو الذي يوافق ماتقدم في حديث عمر" (۲). کہ "یہی معتمد بات ہے، سابق میں جو حدیث گزری اس کے بھی یہ موافق ہے"۔

۲- اس سے عامل علی النخل مراد ہے، یعنی جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغاتِ کھجور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس پر ابن بطال اور امام طبری رحمہما اللہ تعالیٰ نے جزم کیا ہے(۳)۔

۳- نبی علیہ السلام کی قبرِ اطہر کھودنے والا مراد ہے۔ اس احتمال کو حافظ علیہ الرحمۃ نے بعید قرار دیا ہے۔

۴- نبی علیہ السلام کا خادم مراد ہے، یہ ابن دحیہ کا قول ہے۔

۵- عامل علی الصدقات مراد ہے(۴)۔ واللہ اعلم۔

طاعات پر اجرت لینا درست ہے

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ کوئی بھی شخص جو کسی نیک عمل میں مشغول ہو اور اس کے ذریعے دیگر بہت سے مسلمانوں کی مشقت و تکلیف میں خفت آرہی ہو، ان پر عائد ذمے داری کم ہو رہی ہو، تو اس پر اس کو معاوضہ اور اجر لینا جائز ہے، چنانچہ مؤذن کو اذان کی اجرت لینا اور معلم کو تعلیم کی اجرت لینا جائز ہے۔

---

(۱) قاله السبكي والحافظ، انظر فتح الباري: ۸/۱۰۲، مزید تفصیل باب ماجاء في بيوت أزواج النبي ...... کے تحت آرہی ہے۔

(۲) فتح الباري: ۶/۲۰۹، وعمدة القاري: ۱۵/۲۷، والأوجز: ۱۷/۵۴۹.

(۳) شرح ابن بطال: ۵/۲۵۹، اس قول کی نسبت حافظ طبری کی طرف حافظ علیہ الرحمۃ نے کی ہے، جب کہ شرح ابن بطال میں اس کے برخلاف (ولی الامر) کا قول حافظ طبری کی طرف منسوب ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) الفتح: ۶/۲۰۹، والعمدة: ۱۵/۲۷، والديباج على مسلم للسيوطي: ۲/۷۲۴، والكرماني: ۱۳/۸۲.

اس کے ساتھ ہی جو لوگ ان اعمال پر اجرت لینے کو حرام کہتے ہیں ان کے قول کا بطلان بھی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ باب میں اپنا مالِ متروک اس ولی امر کے حوالہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، جو آپ علیہ السلام کے بعد مسلمانوں کے جملہ امور کا نگران ہوگا، یہی نگرانی اور مصروفیت اس کو اس مال متروک کا حق دار بناتی ہے، چنانچہ اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار ہو، جس کا نفع ان سب کو پہنچ رہا ہو، تو اس کے لیے بھی وہی راستہ اختیار کیا جائے گا، جو نبی علیہ السلام کے عامل (ولی الامر) کے لیے اختیار کیا گیا کہ اس کا وظیفہ وغیرہ بھی بیت المال سے ہوگا، جب تک کہ وہ اس ذمے داری کو ادا کرتا رہے، جیسے علماء، قضاۃ، امراءِ سلطنت اور دوسرے وہ بہت سے حضرات، جو عام مسلمانوں کے امور میں مشغول ہیں (۱)۔

اموال کو جمع کرنا جائز ہے

علاوہ ازیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب میں اس امر کی بھی واضح دلالت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس قدر مال ومتاع کے رکھنے اور جمع کرنے کو حلال فرمایا ہے جو اُن کے اور ان کے اہلِ خانہ کے رزق وخوراک کے لیے کافی ہو، جس کے ذریعے وہ مختلف حوادث وآفات کا مقابلہ کر سکتے ہوں اور ان کی ضروریات سے زائد ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل مبارک بھی یہی تھا کہ اپنے گھر والوں کی خوراک وغیرہ کے لیے وہ ایک سال کا خرچ جمع رکھتے تھے، ساتھ ہی اپنا نفقہ ومصارف بھی...... اور جو کچھ بچا رہتا اس کو مسلمانوں کے منافع میں استعمال کرتے، اسلحہ وغیرہ خریدتے، ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مل کر مال ومتاع کا ایک بڑا مجموعہ ہے اور اس پر بلاشبہ "مال کثیر" کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ اموال کو جمع کرنا جائز ہے، لیکن نیت دوسرے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچنے کی ہو، عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی ہو (۲)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲۵۹/۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۲۵۹/۵-۲۶۰.

مال جمع کرنا فقر وفاقہ اختیار کرنے سے افضل ہے

حدیثِ باب سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مال ومتاع کا جمع کرنا فقر وفاقہ اختیار کرنے سے افضل ہے، بشرطیکہ بندہ مال میں، جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، وہ بھی ادا کرے۔

اگر فقر وفاقہ افضل ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی مال ومتاع جمع نہ فرماتے، بلکہ اپنے پاس جو کچھ ہوتا اس کو اپنے اصحاب خصوصاً ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے، اپنی ملکیت میں کچھ بھی نہ رکھتے، جب کہ ثابت اس کے برخلاف ہے۔

چنانچہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأن ذلك (أي اتخاذ الأموال واقتناؤها) أفضل من الفقر والفاقة إذا أدى حق الله منها، ولو كان الفقر أفضل لما كان الرسول يختار أخس المنزلتين عند الله على أرفعهما؛ بل كان يقسم أمواله وأصوله على أصحابه، ولا سيما بين ذوي الحاجة منهم"(١).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے(۲) کہ ترجمہ ازواج مطہرات کے نفقے کا تھا، حدیث میں بھی یہی مضمون ہے کہ نبی علیہ السلام کے مالِ متروک میں ازواج کا بھی حصہ بطور نفقہ ہوگا۔ واللہ اعلم

۲۹۳۰ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَة : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عائِشَةَ[٣] قَالَتْ : تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَما في بَيْتِي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ ، إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ في رَفٍّ لِي . فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ ، فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ . [٦٠٨٦]

---

(٢) شرح ابن بطال: ٥/٢٦٠.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٢٧.

(٣) قوله: "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، أخرجه البخاري، كتاب الرقاق أيضا، باب فضل الفقر، رقم (٦٤٥١)، ومسلم، أوائل كتاب الزهد، رقم (٧٤٥١)، والترمذي، كتاب صفة القيامة، باب حديث عائشة: "توفي رسول الله ......"، رقم (٢٤٦٧)، وابن ماجه، الأطعمة، باب خبز الشعير، رقم (٣٣٤٥).

تراجمِ رجال

۱- عبدالله بن ابی شیبه

یہ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- ابواسامه

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم" کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۳- هشام بن عروه

یہ مشہور محدث حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- أبيه

اب سے مراد حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- عائشه

یہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

قالت: توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وما في بيتي من شيء يأكله ذو كبد، إلا شطر شعير في رف لي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو میرے گھر میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا، جسے کوئی جاندار کھائے، سوائے تھوڑے سے جَو کے، جو میرے ایک طاقچے میں رکھے تھے۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب العمل في الصلاة، باب لا يرد السلام في الصلاة.

(۲) كشف الباري: ۳/٤١٤.

(۳) كشف الباري: ۱/۲۹۱، ہشام اور عروۃ کے لیے مزید دیکھیے، كشف الباري: ۲/٤٣٢-٤٤٠.

"ذو کبد" سے مراد جاندار وذی روح ہے، خواہ انسان ہو یا اور کوئی جانور(۱)۔

"شطر" سے مراد حافظ ابن حجر کے بقول بعض ہے۔ البتہ اس کا اطلاق نصف یا جہتِ معینہ پر بھی ہوتا ہے، لیکن یہاں آخری دونوں معنی مراد نہیں(۲)۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شطر کی تفسیر "نصف وسق" بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کلمے کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں(۳)۔ ان سب کا حاصل یہی ہے کہ وہ جَو بہت تھوڑی مقدار میں تھے۔

"رف" دیوار کے اندر طاقچے کو کہتے ہیں۔ جب کہ دیوار سے لگے ہوئے تختہ وغیرہ کو بھی کہتے ہیں، جس پر گھر کا سامان رکھا جاتا ہے۔ حافظ فرماتے ہیں:

"قال الجوهري: "الرف: شبه الطاق في الحائط". وقال عياض: "الرف: خشب يرتفع عن الأرض في البيت، يوضع فيه ما يراد حفظه". قلت: والأول أقرب للمراد"(٤).

اس کی جمع رفوف ورفاف آتی ہے(۵)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

کتاب الوصایا کی ایک حدیث جو حضرت عمرو بن الحارث مصطلقی رضی اللہ عنہ کی ہے (جس کا بعض حصہ بھی حدیثِ باب ہے)، اس میں آیا ہے:

"ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته دينارا، ولا درهماً، ولا عبدا، ولا أمة، ولا شيئاً، إلا......"(٦). کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت کوئی دینار ترکہ میں

---

(١) فتح الباري: ١١/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/٢٨.

(٢) فتح الباري: ١١/٢٨٠.

(٣) حواله بالا، وعمدة القاري: ١٥/٢٨، وإكمال المعلم للقاضي: ٨/٢٦٦، كتاب الزهد، رقم (٢٧).

(٣) فتح الباري: ١١/٢٨٠، والصحاح للجوهري: ٤١٩، مادة "رفف".

(٥) عمدة القاري: ١٥/٢٨.

(٦) صحيح البخاري، كتاب الوصايا، وقول النبي صلى الله عليه وسلم ......، رقم (٢٧٣٩).

چھوڑا نہ درہم، کوئی غلام چھوڑا نہ کوئی باندی، نہ ہی کوئی اور چیز، سوائے اپنی سفید خچری کے، اسلحہ کے اور زمین کے، جس کو آپ نے صدقہ میں جمع کروا دیا تھا''۔

جب کہ حدیثِ باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرما رہی ہیں کہ انہوں نے کچھ جَو بھی چھوڑا تھا، چنانچہ اوپر "شيء" کی نفی تھی اور یہاں وجودِ شے کا اثبات ہے۔

اس سوال کا جواب بہت آسان ہے، وہ یہ کہ حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان چیزوں کا ذکر ہے، جو آپ علیہ السلام کے ساتھ مختص تھیں کہ ان میں آپ نے کوئی شے نہیں چھوڑی، جب کہ حدیثِ عائشہ میں اس شے کا ذکر ہے، جو اُن کے نفقہ کا حصہ تھا اور ان کے ساتھ مختص تھا، چونکہ مورد الگ الگ ہیں، اس لیے اشکال کی کوئی وجہ نہیں (۱)۔

فأكلتُ منه حتى طال عليَّ

تو میں اس سے کھاتی رہی، یہاں تک کہ معاملہ مجھ پر طویل ہو گیا۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس جَو کو کھاتی رہیں، یہاں تک کہ اس پر عرصہ دراز گزر گیا، لیکن وہ ختم نہیں ہوئے۔

فكلته ففني

تو میں نے اس کا وزن کیا، چنانچہ وہ ختم ہو گئے۔

"كلتُه" بکسر الکاف (۲)، کال یکیل سے ماضی واحد متکلم کا صیغہ ہے۔

جَو ختم ہونے کی وجہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو شعیر (جَو) تھے، وہ چونکہ غیر مکیل تھے، اس لیے ان میں برکت بھی تھی، کیونکہ انہیں ان کے وزن کا علم نہیں تھا، ان کی قلت کی طرف دیکھتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہر روز یہ گمان گزرتا تھا کہ یہ جَو عنقریب ختم ہو جائیں گے، اسی لیے ان

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/۲۸۰.

(۲) حواله بالا.

کومعاملہ دراز معلوم ہونے لگا، لیکن جب انہوں نے ان کا وزن کرلیا تو مدتِ بقا معلوم ہوگئی، چنانچہ اس مدت کے پورا ہوتے ہوتے جَو بھی ختم ہوگئے(۱)۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے "فأكلت منه حتى طال علي، فكلته ففني" اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے وہ جَو اپنے حصے سے لیے تھے، کیونکہ نفقہ میں ان کا استحقاق نہ ہوتا تو شعیر موجود بیت المال میں جمع کردیا جاتا یا ورثہ کے درمیان تقسیم کردیا جاتا، ورثہ میں سے وہ بھی تھیں اور ایسا ہوا نہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ نفقہ ہی تھا، نہ کہ میراث۔

چنانچہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وجه مطابقة الترجمة لحديث عائشة، قولها: "فأكلت منه حتى طال علي، فكلته ففني" ولم تذكر أنها أخذته في نصيبها؛ إذ لو لم تكن لها النفقة لكان الشعير الموجود لبيت المال، أو مقسوما بين الورثة، وهي إحداهن"(۲).

۲۹۳۱: حدّثنا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ قالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَقَ قالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الحارِثِ(۳) قالَ: ما تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا سِلاحَهُ، وَبَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ، وَأَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً. [ر: ۲۵۸۸]

تراجمِ رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب من الإيمان

(۱) شرح ابن بطال: ۲٦۱/٥.

(۲) المتواري: ۱۸٥، وفتح الباري: ۲۰۹/٦، وعمدة القاري: ۲۷/۱٥، وقال القاضي في إكمال المعلم (۲٦٦/۸): "وفي هذا أن البركة أكثر ما توجد في المجهولات والمبهمات، وأما ما حصر بالعدد أو بالكيل فمعرف قدره".

(۳) قوله: "عمرو بن الحارث رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الوصايا، باب الوصايا......

أن يحب لأخيه......" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲- يحيى

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا تذکرہ بھی "کتاب الإیمان" کے مذکورہ باب کے تحت آچکا ہے(۲)۔

۳- سفيان

یہ امام المحدثین حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکے ہیں(۳)۔

٤- ابو اسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبید اللہ السبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب الصلاۃ من الإیمان" کے ذیل میں گزر چکے(۴)۔

٥- عمرو بن الحارث

یہ نبی علیہ السلام کے برادرِ نسبتی حضرت عمرو بن الحارث خزاعی مصطلقی رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

حدیث کا ترجمہ

یہ حدیث چونکہ ابھی قریب ہی میں کتاب الوصایا میں گزری ہے، اس لیے یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت ترکہ میں مندرجہ ذیل چیزیں چھوڑیں:-

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲.

(۲) حواله بالا.

(۳) كشف الباري: ۲/۲۷۸.

(٤) كشف الباري: ۲/۳۷۰.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الزوج والأيتام......

اسلحہ، سفید خچری اور کچھ زمینیں جو آپ نے صدقات کے طور پر چھوڑی تھیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بایں معنی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے جو زمینیں بطورِ صدقات چھوڑی تھیں، ان سے ازواج مطہرات کا نفقہ دیا جاتا تھا۔ یہ روایت صراحۃً تو مصنف کے مدعی کو ثابت نہیں کرتی ہے، لیکن مصنف علیہ الرحمۃ کی عادت ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں کہ بعض ایسی روایات نقل کر دیتے ہیں جو صراحۃً مدعی کے لیے مفید ہوتی ہیں اور بعض روایات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ خود تو مثبت مدعی نہیں ہوتیں، لیکن دوسری روایات کے ساتھ ملا کر اگر ان کو دیکھا جائے تو پھر اثبات مدعی ان سے ہو جاتا ہے، یہاں یوں ہی ہے، دوسری روایات کے ساتھ ملا کر اس سے اثبات مدعی ہو جائے گا۔

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ووجه مطابقتها للحديث ...... قوله: "وأرضا تركها صدقة"؛ لأنها الأرض التي أنفق على نسائه منها بعد وفاته صلى الله عليه وسلم، على ما هو مشروح في الحديث"(۱).

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مطابقته للترجمة تؤخذ من قوله: "وأرضا تركها صدقة" وذلك؛ لأن نفقة نسائه صلى الله عليه وسلم بعد موته كانت مما خصه الله به من الفيء، ومنه فدك، وسهمه من خيبر"(۲). واللہ اعلم بالصواب

سندِ حدیث سے متعلق ایک تنبیہ

امام قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "حدثنا يحيى عن سفيان......" کے طریق سے نقل کیا ہے، اس طرح ان سے شیخِ بخاری حضرت مسدد کا نام رہ گیا ہے، جب کہ اس نام کے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ یحیٰ بن

(۱) المتواري: ۱۸۵.

(۲) عمدة القاري: ۲۸/۱۵، وبه قال القسطلاني، انظر إرشاد الساري: ۱۹۷/۵.

سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری کے شیخ نہیں ہیں، نہ ہی ان سے مصنف کا سماع ثابت ہے، امام جیانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تنبیہ کی ہے۔

البتہ قابسی علیہ الرحمۃ کے کہے کو اگر درست قرار دیا بھی جائے تو یحییٰ سے مراد ابن موسیٰ یا ابن جعفر ہوں گے اور سفیان سے ابن عیینہ، چونکہ ابن موسیٰ اور ابن جعفر دونوں امام بخاری کے شیخ ہیں (۱)۔ لیکن یہ احتمال کی حد تک ہے، درست بات وہی ہے جو جیانی علیہ الرحمۃ نے کہی۔ واللہ اعلم۔

٤ – باب : ما جاءَ في بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ . وَما نُسِبَ مِنَ الْبُيُوتِ إِلَيْهِنَّ .
وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ» /الأحزاب : ٣٣/ . وَ : «لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ» /الأحزاب : ٥٣/ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے مال میں آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نفقہ واجب تھا، اسی طرح سے آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کے لیے اسکان بھی آپ کے گھروں میں واجب تھا، کیونکہ یہ تمام ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں محبوس تھیں، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مکانات کے اندر اپنی ازواج مطہرات کو رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ انہی مکانات کے اندر قیام پذیر رہیں۔

اس طرح یہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جیسے تاحیات نفقہ کی مستحق رہیں، اسی طرح وہ سکن (مکان) کی بھی مستحق رہیں (۲)۔

ازواجِ مطہرات کا قیام من حیث الاسکان تھا یا من حیث الملک؟

اصل مسئلے کی طرف جانے سے قبل یہ بات سمجھ لیجیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں، ایک ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ (۳) اور دوسری ﴿لا تدخلوا بیوت النبي إلا

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢١٠، وعمدة القاري: ١٥/٢٨.

(۲) المتواري: ١٨٦، وفتح الباري: ٦/٢١١، وعمدة القاري: ١٥/٢٩، وتعليقات اللامع: ٧/٢٩٤.

(۳) الأحزاب: ٣٣.

أن يؤذن لكم﴾(١) ،پہلی آیت میں بیوت کی نسبت ازواجِ مطہرات، دوسری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غالبًا اس کے ذریعے اسی اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس کا عنوان میں ذکر ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا مذکورہ گھروں میں قیام من حیث الملک تھا یا من حیث الاسکان، یا یہ کہہ لیجیے کہ ان گھروں کا مالک ان کو بنایا گیا تھا یا صرف ان کو رہنے کے لیے یہ گھر دیے گئے تھے۔

مشہور مفسر قرآن علامہ جمل رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ ﴿لا تدخلوا بيوت النبي إلا أن يؤذن لكم﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ گھر مرد کا ہوتا ہے اور اسی کے لیے اس کا فیصلہ کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود بیت کی نسبت مرد (نبی) کی طرف کی ہے۔

لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ ایک اور آیت ﴿واذكرن ما يتلى في بيوتكن﴾(٢) میں تو بیوت کی نسبت عورتوں (ازواجِ مطہرات) کی طرف کی گئی ہے، اس لیے یہ کہنا تو درست نہیں رہا کہ گھر مرد کا ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیوت کی اضافت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف باعتبار ملک ہے اور ازواج مطہرات کی طرف باعتبار محل ہے کہ یہ ان کے رہنے اور سکن کی جگہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اذنِ دخول نبی علیہ السلام کا فعل بتلایا گیا ہے اور اذن مالک ہی کا حق ہوتا ہے۔

پھر یہ سمجھیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوت میں علماء کا اختلاف ہے اور ان کے اس مسئلے میں دو قول ہیں:

❶ ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ گھر ازواجِ مطہرات کی ملکیت تھے، ان میں وہ من حیث الملک مقیم تھیں۔ اس کی دلیل ان حضرات کے بقول یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی انہیں گھروں میں مقیم رہیں، یہاں تک کہ وفات پا گئیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی علیہ السلام نے یہ گھر اپنی حیات ہی میں ازواجِ مطہرات کو ہبہ کر دیے تھے۔

❷ جب کہ ایک اور جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ اسکان تھا، ہبہ نہیں تھا اور ازواجِ مطہرات تا حیات وہیں

(١) الأحزاب: ٥٣.

(٢) الاحزاب: ٣٤.

رہیں، کیونکہ یہ اسی ''مؤنۃ'' کا حصہ تھا، جس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ فرمایا، جیسا کہ ان کے نفقہ کو مستثنیٰ فرمایا تھا کہ "ما تركت بعد نفقة أهلي ومؤنة عاملي فهو صدقة" (۱) یہی اہلِ علم کا قول ہے اور اسی کو امام ابن عبد البر (۲) اور ابن العربی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے پسند فرمایا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جن گھروں میں مقیم رہیں، ان کی وفات کے بعد وہ گھر ان کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوئے، چنانچہ یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ گھر ان کی ملکیت میں نہیں تھے، صرف مسکن تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان گھروں کو مسجد نبوی کا حصہ بنا دیا گیا اور ان کے ذریعے اس کی توسیع کردی گئی (۳)۔

امام بخاری اور گنگوہی رحمہما اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام بخاری کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان بیوت کی ملکیت کے قائل تھے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ان گھروں میں مالکانہ حیثیت کے ساتھ مقیم تھیں، چنانچہ مصنف علیہ الرحمۃ نے "وما نسب إليهن من البيوت" کہہ کر غالباً اس امر کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"وقول البخاري في الترجمة: "وما نسب إليهن" لعله إشارة إلى ترجيح ملكهن" (٤).

اور یہی رائے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

---

(١) الحديث، مرّ تخريجه في الباب السابق عن أبي هريرة رضي الله عنه.

(٢) التمهيد لابن عبدالبر: ١٧٢/٨-١٧٤، وأحكام القرآن لابن العربي: ٦١٢/٣-٦١٣، المسألة الثالثة، سورة الأحزاب، الآية. ٥٣.

(٣) انتهى ماقاله سليمان الجمل رحمه الله مختصراء نقلا عن تعليقات اللامع: ٢٩٥/٧، والأبواب والتراجم للشيخ الكاندهلوي: ٢٠٥/١، وحاشية الجمل على الجلالين: ١٩٢/٦-١٩٣، سورة الأحزاب/٥٣، نیز دیکھیے، ابن بطال: ٢٦٣/٥، والديباج للسيوطي: ٧٢٤/٢.

(٤) تعليقات اللامع: ٢٩٥/٧، والأبواب والتراجم: ٢٠٥/١.

"يعني بذلك أن إضافتها إليهن تمليكية، وإليه صلى الله عليه وسلم لأدنى ملابسة، فكان قد ملكهن إياها قبل الموت، فلا يعترض على قوله: "لا نورث، ما تركناه صدقة"(۱).

جب کہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برخلاف رائے اختیار کی اور فرمایا کہ امام بخاری یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ان بیوت میں ازواجِ مطہرات کو رہائش کا اختیار تھا، مالکانہ اختیارات نہیں تھے، فرماتے ہیں:

"وساق البخاري الأحاديث التي تنسب إليهن البيوت فيها تنبيها على أن هذه النسبة تحقق دوام استحقاقهن للبيوت ما بقين"(۲).

ایک اہم تنبیہ

حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے کتاب الوضوء(۳) میں اوپر ذکر کردہ احتمال اول کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو یہ گھر ہبہ کردیے تھے اور ان کو ان کا مالک بنا دیا تھا، کو ذکر کیا ہے اور اسی قول کو وہاں اختیار کیا ہے، جب کہ یہاں کتاب الخمس میں پہنچ کر ان حضرات نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکانات ازواجِ مطہرات کو دیے تھے، وہ ان کی ملک نہیں تھے، بلکہ وہاں ان کا قیام بطور اسکان تھا، جیسے بیوی کو نفقہ دیا جاتا ہے اور مسکن کے طور پر رہنے کو مکان دیا جاتا ہے تو وہ اس کی مالک نہیں ہوتی اور انہیں حضرات نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہی وجہ ہے کہ ان کے ورثہ کی طرف وہ مکانات منتقل نہیں ہوئے(۴)۔

حافظ صاحب، علامہ قسطلانی اور شیخ زکریا انصاری رحمہم اللہ سب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہاں کتاب الوضوء میں تو کچھ کہہ رہے تھے اور یہاں کتاب الخمس میں اور کچھ، لیکن یہ اشکال علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ(۵) پر نہیں

(۱) لامع الدراري: ۷/۲۹۴، والأبواب والتراجم: ۱/۲۰۵.

(۲) المتواري: ۱۸۶-۱۸۷.

(۳) فتح الباري للعسقلاني، كتاب الوضوء، باب من تبرز على لبنتين، رقم (۱۴۵)، وشرح القسطلاني: ۱/۲۰۸، باب التبرز في البيوت، وتحفة الباري: ۱/۱۵۸، باب التبرز في البيوت.

(۴) فتح الباري: ۶/۲۱۱، وتحفة الباري: ۳/۵۳۷، وشرح القسطلاني: ۵/۱۹۷.

(۵) عمدة القاري: ۲/۲۸۶، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت.

ہوتا، کیونکہ انہوں نے یہ احتمال کتاب الوضوء میں ذکر نہیں کیا کہ ازواجِ مطہرات کا قیام وہاں مالکانہ حیثیت میں تھا(۱)۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۳۲ : حدّثنا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى وَمُحَمَّدٌ قالَا : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللّٰهِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَيُونُسُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللّٰهِ بْنُ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ : أَنَّ عائِشَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهَا(۲) زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قالَتْ : لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ . ٱسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي ، فَأَذِنَّ لَهُ . [ر : ۱۹۵]

تراجم رجال

۱- حبان بن موسیٰ

یہ امام بخاری کے شیخ حبان بن موسیٰ السلمی المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

۲- محمد

محمد سے مراد ابن المقاتل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ما يذكر في المناولة، وكتاب أهل العلم......" کے تحت بیان ہو چکا ہے(۴)۔

۳- عبداللّٰه، ٤- معمر، ٥- يونس

عبداللہ سے ابن المبارک، معمر سے ابن راشد اور یونس سے ابن یزید ایلی رحمہم اللہ مراد ہیں۔ ان سب حضرات کا ترجمہ "بدء الوحی" کی "الحديث الخامس" کے تحت نقل کیا جا چکا ہے(۵)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۲۹/۱۵.

(۲) قوله: "عائشة رضي الله عنها......": مرّ تخريجه في الوضوء، باب الغسل والوضوء في المخضب......

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب يسلم حين يسلم الإمام.

(٤) كشف الباري: ۲۰٦/۳.

(٥) كشف الباري: ٤٦٢/١-٤٦٦، یونس بن یزید کے لیے مزید دیکھیے، كشف الباري: ۲۸۲/۳.

٦- الزهري

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" کے تحت ذکر کیے جا چکے ہیں (۱)۔

٧- عبيدالله بن عبدالله بن عتبه بن مسعود

یہ مشہور فقیہ مدینہ منورہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بھی "بدء الوحی" کی "الحديث الخامس" کے ذیل میں گزر چکے ہیں (۲)۔

٨- عائشه

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

أن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: لما ثقل رسول الله......

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ نے دیگر ازواج مطہرات سے اس امر کی اجازت لی کہ وہ اپنے بیماری کے دن میرے گھر میں رہیں، تو ازواجِ مطہرات نے اجازت دے دی۔

دوسری حدیث بھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

٢٩٣٣ : حدَّثنا ابْنُ أَبي مَرْيَمَ : حدَّثنا نافِعٌ : سَمِعْتُ ابْنَ أَبي مُلَيْكَةَ قالَ : قالَتْ عائِشَةُ[4] رَضِيَ اللهُ عَنْهَا : تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ في بَيْتِي ، وَفي نَوْبَتِي ، وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي ، وَجَمَعَ اللهُ بَيْنَ رِيقِي وَرِيقِهِ ، قالَتْ : دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بِسِوَاكٍ ، فَضَعُفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهُ ، فَأَخَذْتُهُ ، فَمَضَغْتُهُ ، ثُمَّ سَنَنْتُهُ بِهِ . [ر : ٨٥٠]

---

(١) كشف الباري: ١/٣٢٦.

(٢) كشف الباري: ١/٤٦٦ و: ٣/٣٧٩.

(٣) كشف الباري: ١/٢٩١.

(٤) قوله: "قالت عائشة رضي الله عنها": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الجمعة، باب من تسنّك....

تراجمِ رجال

۱— ابن ابی مریم

یہ ابومحمد سعید بن الحکم بن ابی مریم الجمحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من سمع شيئاً فراجع حتى يعرفه" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲— نافع

یہ نافع بن یزید مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳— ابن ابی ملیکه

یہ عبیداللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله......" کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

٤— عائشه

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا ہے (۴)۔

قالت عائشة رضی اللّٰه عنها: توفي النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في بيتي......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال میرے گھر، میری باری والے دن، میرے سینے پر (کہ آپ کا سر مبارک میرے سینے پر رکھا تھا) ہوا اور اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو جمع فرمایا، وہ اس طرح کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ایک مسواک لے کر اندر آئے، نبی علیہ السلام میں اتنی قوت نہ تھی کہ اسے چبا پاتے، چنانچہ میں نے مسواک لی، اسے چبا کر نرم کیا، پھر انہیں مسواک کروائی۔

---

(۱) كشف الباري: ٤/١٠٦.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا......

(۳) كشف الباري: ٢/٥٤٨.

(٤) كشف الباري: ١/٢٩١.

اور حدیث کی مفصل شرح پیچھے کتاب الجمعہ میں گزر چکی ہے(۱)۔

باب کی تیسری حدیث ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

٢٩٣٤ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خالِدٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ : أَنَّ صَفِيَّةَ(٢) زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ : أَنَّهَا جاءَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَزُورُهُ ، وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ ، فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ ، فَقَامَ مَعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ، حَتَّى إِذَا بَلَغَ قَرِيبًا مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ ، عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ نَفَذَا ، فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ : (عَلَى رِسْلِكُمَا) . قالَا : سُبْحَانَ اللهِ يَا رَسُولَ اللهِ ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا ذٰلِكَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا) . [ر : ١٩٣٠].

تراجم رجال

۱— سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، "باب من يرد الله به......" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲— اللیث

یہ مشہور محدث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

۳— عبدالرحمن بن خالد

یہ عبدالرحمٰن بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ مفصلاً کتاب العلم، "باب السمر في العلم"

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من تسوك......، رقم (۸۹۰).

(۲) قوله: "أن صفية ......": الحديث، مرّ تخريجه في الإعتكاف، باب هل يخرج المعتكف إلى......؟

(۳) كشف الباري: ۲۷٤/۳.

(٤) كشف الباري: ۳۲٤/۱.

کے ذیل میں بیان ہو چکا(۱)۔

٤- ابن شهاب

ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" کے تحت آچکے(۲)۔

٥- علي بن حسين

یہ امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

٦- صفيه

یہ ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ہیں (۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں، جہاں نبی علیہ السلام رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں معتکف تھے، ملاقات کے بعد رخصت ہونے کے لیے کھڑی ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور ساتھ چلے، یہاں تک کہ جب مسجد کے دروازے، جو باب ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے متصل تھا، کے قریب پہنچے تو ان دونوں کے پاس سے دو انصاری صحابی گزرے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر آگے نکل گئے، تو نبی علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا کہ آرام سے چلو (کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے)۔ ان دونوں حضرات نے کہا، یارسول اللہ! سبحان اللہ! (یہ جملہ انہوں نے بطور تعجب کے کہا) اور ان دونوں پر نبی علیہ السلام کی بات بڑی شاق گزری، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک شیطان جسم انسانی میں اس طرح

---

(١) كشف الباري: ٤/٤٠٥.

(٢) كشف الباري: ١/٣٢٦.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الحيض، باب المرأة تحيض بعد الإفاضة.

سرایت کرتا ہے جیسا کہ خون۔ اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شیطان تم دونوں کے دل میں کسی قسم کی بدگمانی کے بیج نہ بودے۔

مختصر شرح

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ قیل کے ساتھ نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دونوں حضرات اسید بن حضیر وعباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے(۱)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام پر چونکہ بہتان باندھنے کا نتیجہ کفر کے سوا کچھ نہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ دونوں حضرات بھی مبادا کفر کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں، لہٰذا نبی علیہ السلام نے پہل کرتے ہوئے انہیں اصل بات بتلا دی اور شیطان کو یہ موقع نہ دیا کہ ان دونوں کے دل میں کوئی وسوسہ، کوئی غلط تصور ڈالے، جس کی بنا پر یہ ہلاک وبرباد ہوجائیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال إمامنا الشافعي (رحمه الله): خاف عليهما الكفر إن ظنا به تهمة، فبادر إلى إعلامهما نصيحةً لهما قبل أن يقذف الشيطان في قلوبهما شيئاً يهلكان به"(۲).

باب کی چوتھی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۳۵ : حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ يَحْيَىٰ بْنِ حَبَّانَ ، عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا[۳] قَالَ : ٱرْتَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتِ حَفْصَةَ ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْضِي حاجَتَهُ ، مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ ، مُسْتَقْبِلَ الشَّأْمِ .
[ر : ١٤٥]

(۱) شرح القسطلاني: ۱۹۸/۵، وفتح الباري: ۲۸۰/٤، الاعتكاف، وتهذيب تاريخ دمشق الكبير: ٤٢٩/٦، وشرح ابن ماجه، كتاب الصوم، باب المعتكف يزوره أهله في المسجد، رقم (۱۷۷۹).

(۲) شرح القسطلاني: ۱۹۸/۵.

(۳) قوله: "عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما": الحديث، مرّ تخريجه في الوضوء، باب التبرز في البيوت.

تراجم رجال

۱- ابراهيم بن المنذر

یہ ابراہیم بن المنذر القرشی الحزامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من سئل علما وهو......" کے تحت آچکا(۱)۔

۲- انس بن عياض

یہ انس بن عیاض ابوضمرہ لیثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- عبیداللہ

یہ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٤- محمد بن يحيىٰ بن حبان

یہ محمد بن یحییٰ بن حبان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- واسع بن حبان

یہ مذکورہ بالا راوی کے چچا واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

٦- عبدالله بن عمر

مشہور صحابی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإيمان، "باب الإيمان، وقول النبي صلى الله عليه وسلم ......" کے ذیل میں بیان کیے جا چکے (۴)۔

عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال: ارتقيت فوق بيت......

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہم) کے گھر کی چھت پر چڑھا تو

(۱) كشف الباري: ۳/٥٨.

(۲) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت.

(۳) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من تبرز على لبنتين.

(٤) كشف الباري: ۱/٦٣٧.

دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف پیٹھ کیے ہوئے اور ملک شام کی طرف منہ کیے ہوئے اپنی حاجت پوری کررہے ہیں۔

کتاب الوضوء کی روایت میں "فوق ظهر بيت حفصة"(۱) ہے، مقصود دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے، یعنی گھر کی چھت پر چڑھنا مراد ہے اور وہیں اس امر کی تصریح بھی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی کسی ضرورت کے تحت چھت پر گئے تھے(۲)۔

پانچویں حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۳٦ : حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ عائِشَةَ[۳] رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا قالَتْ : كانَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا . [ر : ٥١٩]

تراجمِ رجال

۱– ابراهيم بن المنذر، ۲–انس بن عياض

ان دونوں کے لیے سابقہ سند دیکھیے۔

۳– هشام

یہ مشہور محدث حضرت ہشام بن عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– ابيه

اب سے مراد حضرت عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

٥– عائشة

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحی کی "الحديث الأول"

(۱) كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، رقم (١٤٨).

(۲) حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے (كشف الباري)، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، وباب من تبرز على لبنتين.

(۳) قوله: "أن عائشة رضي الله عنها": الحديث، مرّ تخريجه في مواقيت الصلاة، باب مواقيت الصلاة......

کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

أن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے اور اس وقت تک دھوپ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے نہیں نکل پاتی تھی۔

چھٹی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۳۷ : حدّثنا مُوسى بْنُ إسْماعِيلَ : حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ ، عَنْ نافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ[۲] رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : قامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا ، فَأَشَارَ نَحْوَ مَسْكَنِ عائِشَةَ ، فَقَالَ : (هُنَا الْفِتْنَةُ – ثَلَاثًا – مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ). [۳۱۰۵ ، ۳۳۲۰ ، ٤٩٩٠ ، ٦٦٧٩ ، ٦٦٨٠ ، وانظر : ۹۹۰]

تراجم رجال

۱– موسىٰ بن إسماعيل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ بدء الوحی کی "الحديث الرابع" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲– جويريه

یہ جویریہ بن اسماء الضبعی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

(۱) کشف الباري: ۲۹۱/۱، ہشام اور عروہ کے لیے مزید دیکھیے، کشف الباري: ۴۳۲/۲–٤٤٠.

(۲) قوله: "عن عبد الله رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري في كتاب بدء الخلق أيضاً، باب صفة إبليس وجنوده، رقم (۳۲۷۹)، وكتاب المناقب، باب بلا ترجمة، بعد باب نسبة اليمن إلى إسماعيل، رقم (۳۵۱۱)، وكتاب الطلاق، باب الإشارة في الطلاق والأمور، رقم (٥٢٩٦)، وكتاب الفتن، باب قول النبي ﷺ: (الفتنة من قبل المشرق)، رقم (۷۰۹۲–۷۰۹۳)، ومسلم في صحيحه، كتاب الفتن ......، باب الفتنة من المشرق من حيث......، رقم (۷۲٥۲–۷۲٥۷)، والترمذي في سننه، أبواب الفتن، باب في العمل في الفتن......، رقم (۲۲٦۸).

(۳) کشف الباري: ۴۳۳/۱.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم......

۳- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

٤- عبدالله

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإيمان، "باب الإيمان، وقول النبي صلى الله عليه وسلم ......" کے تحت آچکے(۲)۔

قال: قام النبي صلى الله عليه وسلم خطيبا، فأشار نحو مسكن عائشة، فقال: هنا الفتنة -ثلاثا- من حيث يطلع قرن الشيطان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ (تقریر) دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسکن کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا، یہاں فتنہ ہے، یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی، جہاں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوتا ہے۔

یہ تو ہوا حدیث کا ترجمہ، اس حدیث کے تحت کچھ مباحث بھی ہیں، جنہیں ذیل میں ہم ذکر کریں گے۔

نبی علیہ السلام نے یہ بات کہاں ارشاد فرمائی؟

اوپر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کہاں موجود تھے، اس حوالے سے روایت میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں تین طرح کی روایات ہیں، مسلم کی ایک روایت (۳) میں "قام عند باب حفصة"

---

(۱) كشف الباري: ٦٥١/٤.

(۲) كشف الباري: ٦٣٧/١.

(۳) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق من حيث يطلع ...... رقم (٧٢٥٣).

کے الفاظ ہیں اور دوسری (۱) میں "عند باب عائشة" جب کہ ایک اور روایت، جو جامع ترمذی (۲) کی ہے، میں "قام رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی المنبر......" کے کلمات ہیں۔

امام زرقانی رحمہ اللہ ان ساری روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام مذکورہ دونوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما میں سے کسی کے دروازے سے نکلے ہوں اور ان دونوں کے دروازے قریب قریب تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا، جب آپ ان دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے تھے، جس کی تعبیر گاہے "باب حفصۃ" سے کی گئی، گاہے "باب عائشۃ" سے، پھر منبر کی طرف چلے اور دوسری مرتبہ اشارہ فرمایا، پھر منبر پر کھڑے ہوئے اور تیسری مرتبہ اشارہ فرمایا (۳)۔

یہ ایک اچھی تطبیق ہے، اس کے علاوہ اور کوئی جمع وتطبیق کی صورت بظاہر نظر بھی نہیں آتی اور ان روایات کو تعدد قصہ پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا، کہ مخرج ایک ہی ہے، یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما، چنانچہ زرقانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"فإن ساغ هذا، وإلا فيطلب جمع غيره، ولا يجمع بتعدد القصة؛ لاتحاد المخرج، وهو ابن عمر......" (٤).

البتہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ امام زرقانی رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان روایات کو تعدد قصہ پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے، کہ روایات کے سیاق وسباق میں بہت زیادہ اختلاف ہے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے فتنہ سے متعلق مضمون کی طرف کئی مرتبہ تنبیہ کی تھی اور اس کو حضرت ابن عمر ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے سماع کے مطابق روایت کیا ہے (۵)۔

---

(١) حواله بالا، رقم (٧٢٥٤).

(٢) جامع الترمذي، أبواب الفتن، باب في العمل في الفتن، رقم (٢٢٦٨).

(٣) شرح الزرقاني على المؤطا: ٤/٣٨٤، والأوجز: ١٧/٣٥٢، وفتح الباري: ١٣/٤٦.

(٤) شرح الزرقاني على المؤطا: ٤/٣٨٤-٣٨٥، ماجاء في المشرق، رقم (١٨٩٠)، والأوجز: ١٧/٣٥٢.

(٥) أوجز المسالك: ١٧/٣٥٤.

نبی علیہ السلام نے اشارہ کس طرف کیا تھا؟

حدیثِ باب میں تو یہ آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اور مسکن کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ فتنہ یہاں ہے، جب کہ اس روایت کے دیگر طرق میں لفظ ''مشرق'' آیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے مشرق کی طرف اشارہ کیا، ان تمام طرق کے پیشِ نظر یہی کہا جائے گا کہ مسکن عائشہ سے مشرق کی سمت مراد ہے اور ''ھنا'' کا مشار الیہ مشرق ہے(۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہرگز نہیں، جیسا کہ روافض خبیثہ کا خیال ہے، وہ اس حدیث کو بنیاد بنا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ان کے گھر کو فتنوں کا منبع قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اور آگے بھی بات آئے گی کہ یہاں ھنا سے مراد مشرقی سمت ہے۔

مشرق سے مراد کیا ہے؟

اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مشرق سے نجد مراد ہے، اس کی دلیل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کی گئی ہے کہ:

"ذكر النبي صلى الله عليه وسلم: اللهم بارك لنا في شأمنا، اللهم بارك لنا في يمننا، قالوا: يا رسول الله، وفي نجدنا؟ قال: اللهم بارك لنا في شامنا، اللهم بارك لنا في يمننا، قالوا: يا رسول الله، وفي نجدنا؟ فأظنه قال في الثالثة: هناك الزلازل والفتن، وبها يطلع قرن الشيطان"(۲).

''نبی علیہ السلام نے ایک دن شام اور یمن کا ذکر کرتے ہوئے ان دونوں کے

---

(۱) حواله بالا.

(۲) الحديث، أخرجه البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الفتنة من قبل المشرق، رقم (۷۰۹٤)، وكتاب الاستسقاء، باب ماقيل في الزلازل ...... رقم (۱۰۳۷)، والترمذي، كتاب المناقب، باب في فضل الشام واليمن، رقم (۳۹۵۳).

لیے برکت کی دعا فرمائی، صحابہ نے درخواست کی کہ یہی دعا نجد کے لیے بھی کردیجیے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی پہلی بات دوہرادی، صحابہ نے پھر گزارش کی کہ نجد کے لیے بھی دعائے برکت کردیجیے، غالبا تیسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجد میں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے، وہیں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا"۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات نے مشرق سے نجد مراد ہونے کو راجح قرار دیا ہے(۱)۔

جب کہ بعض دیگر علماء مشرق سے مراد عراق لیتے ہیں، ان کا استدلال حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی اِس روایت سے ہے، ابن فضیل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

"سمعت سالم بن عبدالله بن عمر يقول: يا أهل العراق، ما أسألكم عن الصغيرة، وأركبكم للكبيرة؟! سمعت أبي عبدَالله بنَ عمر يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الفتنة تجيء من ههنا" وأوما بيده نحو المشرق "من حيث يطلع قرنا الشيطان" وأنتم يضرب بعضكم رقاب بعض......"(٢).

کہ "حضرت سالم نے اہلِ عراق کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کتنے عجیب لوگ ہو، صغائر کے بارے میں تو خوب استفسار کرتے ہو اور کبائر کے اجتناب سے باز نہیں آتے؟! میں نے اپنے والد عبداللہ کو اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ "فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا" اور آپ علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے مشرق کی طرف اشارہ کیا "جہاں سے شیطان کے دونوں سینگ ظاہر ہوں گے" اور تم لوگ (اہلِ عراق) ایک دوسرے کی گردنیں مارتے ہو......"

چنانچہ اس حدیث میں مشرق سے عراق اور اہلِ مشرق سے اہلِ عراق مراد ہیں (۳)۔

---

(١) تكملة فتح الملهم: ١٦٢/٦، وفتح الباري: ٤٧/١٣.

(٢) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق، من حيث يطلع ......، رقم (٧٢٥٧).

(٣) تكملة فتح الملهم: ١٦٢/٦، وشرح الأبي على مسلم: ١/

مؤطا مالک اور کنز العمال وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عزم کیا کہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کا دورہ کریں گے تو حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے اس عزم سے روکا اور فرمایا: "لا تأت العراق؛ فإن فيه تسعةَ أعشار الشر"(۱).

ان تمام روایات کے پیشِ نظر بہت سے علماء نے مشرق سے عراق مراد لیا ہے۔

دونوں اقوال کے درمیان تطبیق

اوپر جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ بعض حضرات نے مشرق سے نجد اور بعض نے عراق مراد لیا ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، ابھی نجد کے حوالے سے جو روایت گزری ہے، اس میں نجد سے کوئی مخصوص علاقہ مراد نہیں ہے، شراحِ حدیث نے یہاں نجد کو لغوی معنی پر محمول کرتے ہوئے عموم مراد لیا ہے۔ نجد کے لغوی معنی "ما ارتفع من الأرض" کے ہیں، یعنی وہ علاقہ جو سطح زمین سے بلند ہو، اس طرح اس حدیث کے تحت عراق بھی داخل ہو جائے گا، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجد مشرقی جہت میں ہے اور اہلِ مدینہ کا جو نجد ہے وہ عراق کے دیہات اور اس کے اطراف ہیں، یہی اہلِ مدینہ کا مشرق ہے، کیونکہ نجد کے لغوی معنی "ما ارتفع من الأرض" کے ہیں(۲)۔

"وقال الخطابي رحمه الله: نجد: ناحية المشرق، ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها، وهي مشرق أهلها، وأصل النجد: ما ارتفع من الأرض......"(۳).

(۱) الموطأ: ۲/۹۷۵، كتاب الاستئذان، باب ماجاء في المشرق، رقم (۳۰)، وكنز العمال: ۱۴/۱۷۳، مسند عمر، رقم (۳۸۲۷۹)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۲۱/۱۶۸، كتاب الفتن، من كره الخروج في الفتنة، رقم (۳۸۵۶۱).

(۲) قال الحموي: "نجد: بفتح أوله، وسكون ثانيه، قال النضر: النجد: قفاف الأرض وصلابها، وما غلظ منها وأشرف، والجماعة النجاد، ......". انظر معجم البلدان: ۵/۲۶۱.

(۳) شرح الخطابي، (أعلام الحديث): ۴/۲۳۳۰، وفتح الباري: ۱۳/۴۷، اس تعیین کی وجہ یہ ہے کہ اگر نجد سے مطلقاً کوئی مخصوص علاقہ مراد لیا جائے تو بڑی مشکل ہو جائے گی، چنانچہ نجد کا اطلاق عرب کے بہت سارے علاقوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً: نجد تہامہ، نجد برق، نجد العتاب، نجد مریع اور نجد الیمن وغیرہ وغیرہ۔ دیکھیے، معجم البلدان: ۵/۲۶۲-۲۶۵.

فتنہ سے کیا مراد ہے؟

حدیثِ باب میں مشرق سے فتنہ کے ظہور کی پیشن گوئی ہے، ایک اور حدیث جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس میں یہی پیشن گوئی مدینہ منورہ سے متعلق ہے کہ اس میں فتنہ کا ظہور ہوگا، نبی علیہ السلام فرماتے ہیں: "فإني لأرى الفتن تقع خلال بيوتكم كوقع القطر"(۱) کہ "میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کے آنے کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح کہ بارش آتی ہے"۔

نیز ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں آیا ہے:

"ستكون فتن، القاعد فيها خير من القائم"(۲).

اس حدیث میں بہت سے فتنوں کے ظہور کی پیشن گوئی ہے، ان تمام احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ حدیثِ باب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں فتنہ سے مراد قتل خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہے، جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور دیگر وہ تمام روایات، جن میں "فتن" صیغہ جمع کے ساتھ آیا ہے، میں قتل حضرت عثمان کے بعد رونما ہونے والے دیگر واقعات وحوادث ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہی مام فتن وحوادث کی بنیاد تھا، جو مدینہ منورہ میں ہوا، اس کے بعد فتنہ دوسرے شہروں میں بھی رونما ہوا، صفین اور جمل کی جنگیں ہوئیں، نہروان میں جو جنگ ہوئی اس کا سبب صفین کا واقعہ بنا، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں جو فتنے رونما ہوئے، ان سب کے پیچھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادتِ مظلومانہ ہی تھی۔

حافظ فرماتے ہیں:

---

(۱) الحديث، أخرجه البخاري في كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم، ويل للعرب......، رقم (۷۰٦۰)، وانظر جامع الأصول وتعليقاته: ۱۰/۳۸، ومسند الحميدي: ۱/۲٤۸، أحاديث أسامة بن زيد، رضي الله عنهما، رقم (۲٥۲).

(۲) الحديث، أخرجه البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (۳٦۰۱)، وكتاب الفتن، باب تكون فتنة القاعد فيها خير من القائم، رقم (۷۰۸۱-۷۰۸۲)، ومسلم، كتاب الفتن، باب نزول الفتن كمواقع القطر، رقم (۷۲٤۷-۷۲٤۹).

"وإنما اختصت المدينة بذلك؛ لأن قتل عثمان رضي الله عنه كان بها، ثم انتشرت الفتن في البلاد بعد ذلك، فالقتال بالجمل والصفين كان بسبب قتل عثمان رضي الله عنه، والقتال بالنهروان كان بسبب التحكيم بصفين، وكل قتال وقع في ذلك العصر إنما تولد عن شيء من ذلك أو عن شيء تولد عنه"(١).

یہ تفصیل مدینہ منورہ سے متعلق حدیث کی تھی۔

تاریخ میں اگر تھوڑا پیچھے چلا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب عراق تھا، چنانچہ خلیفۂ ثالث پر جو اعتراضات کیے گئے تھے، ان میں ایک ان کے امرائے بلاد و گورنرز تھے کہ انہوں نے مختلف علاقوں پر جو امراء مقرر کیے، ان میں سب سے پہلے عراق کے امیر پر اعتراض ہوا تھا، یہی بعد میں بڑے فتنہ کا سبب بنا۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا اور عراق مشرقی جہت میں ہے(۲)۔

بعد میں اسلامی دنیا کو بڑے بڑے فتنوں اور حوادث کا سامنا رہا، تا قیامت یہ سلسلہ رہے گا۔ أعاذنا الله من جميع الفتن ظاهرها وباطنها.

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فالمراد عندي في هذه الأحاديث مبدأ الفتن، وهو قتل عثمان رضي الله عنه، ومبدؤه كان من العراق......"(٣). واللہ اعلم بالصواب

---

(١) فتح الباري: ١٣/١٣، رقم (٦٦٥١)، وأيضاً انظر الاستذكار: ٥٢٩/٧، والأوجز: ٣٥٤/١٧.

(٢) فتح الباري: ٤٧/١٣، والأوجز: ٣٥٤/١٧.

(٣) الأوجز: ٣٥٤/١٧، قال الإمام أبوعمر ابن عبدالبر رحمه الله: "روينا عن حذيفة رضي الله عنه أنه قال: "أول الفتن قتل عثمان، وآخرها الدجال".

ومعلوم أن أكثر البدع إنما ظهرت وابتدأت من المشرق، وإن كان الذين اقتتلوا بالجمل وصفين منهم كثير من أهل الحجاز والشام، فإن الفتنة وقعت في ناحية المشرق، وكانت سببا إلى افتراق كلمة المسلمين ومذاهبهم، وفساد نيات كثير منهم إلى اليوم، وإلى أن تقوم الساعة، والله أعلم". الاستذكار: ٥٢٩/٧.

....

قرن کے معنی اور مراد

قرن بفتح القاف وسکون الراء سینگ کو کہتے ہیں۔

علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے حقیقت میں سینگ ہوتے ہیں۔اور یہ احتمال بھی ہے کہ قرن سے مراد شیطان کی قوت ہو اور وہ اشیاء جن کے ذریعے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہو۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے(۱)۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس امت مرحومہ میں جو بھی فتنہ اٹھا، اسی سمت سے اٹھا، سب سے پہلا فتنہ مالک بن اشتر کا خروج تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی حضرت عثمان شہید کے خلاف کوفہ سے نکلے اور کوفہ مدینہ منورہ سے جانب مشرق ہے۔دوسرا فتنہ عبیداللہ بن زیاد کا تھا، جو حضرت حسین کی شہادت کا باعث بنا۔اس کے بعد مدعی نبوت مختار ثقفی کا فتنہ نمودار ہوا، پھر اکثر بدعات اور باطل عقائد انہی اطراف سے رونما ہوتے رہے، اس لیے ''روافض'' کا منبع بھی کوفہ ہے اور معتزلہ کی جائے پیدائش بصرہ ہے۔واصل بن عطاء بصری ہے۔قرامطہ کوفہ کے علاقے کی پیداوار ہیں۔خوارج نہروان سے نکلے تو دجال اصفہان سے نکلے گا''۔

ملخص از: تحفه اثنا عشریه فارسی، مطاعن أم المؤمنین رضي الله عنها، طعن نهم، ص: ۳۳۷.

چوں کفر از کعبہ برخیزد......

مزید فرماتے ہیں:

''جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو اس وقت جب انہیں بصرہ کا سفر پیش آیا، جائے فتنہ گمان کرے تو وہ بلاشک وشبہ کافر ہے، کیوں کہ یہ تو اہل ایمان کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانہ ہے۔جن کا نام سن کر کفر وفتنہ دم دبا کر بھاگتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حجرے سے حج کے ارادے پر مکہ روانہ ہوئی تھیں نہ کہ فتنہ انگیزی کے لیے، اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کو فتنہ انگیز قرار دیا جائے تو پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئی تھیں، پھر تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی بجائے مکہ کو جائے فتنہ کہنا چاہیے!

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی اور جب کعبہ سے کفر نکلے تو اسلام کہاں باقی رہے گا''۔

حوالہ بالا، نیز دیکھیے، أحکام القرآن لابن العربي: ۳/۵۶۹-۵۷۰، سورة الأحزاب: ۳۲-۳۳، الآية الثامنة، المسألة الخامسة.

(۱) وفيه أقوال أخر أيضاً، انظر فتح الباري: ۱۳/۴۶، وعمدة القاري: ۲۴/۹۹.

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرن الشیطان سے مراد اس کی جماعت اور مددگار ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اسی سے شیطان کے مددگار نکلتے ہیں (۱)۔

قرن الشیطان کا ظہور کب ہوگا؟

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قرن الشیطان کے ظہور سے مراد خروج دجال ہے، کیونکہ خروج دجال امت محمدیہ کا فتنہ ہے اور ایسا فتنہ ہے کہ اس سے بڑا اور کوئی نہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ میرے اس قول کی تائید حضرت سالم بن عبداللہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ابھی گزری، وہاں ترتیب یہ تھی کہ پہلے "الفتنة تجيء من ههنا" فرمایا گیا تھا، پھر "من حيث يطلع قرن الشيطان". حدیث کا ظاہر سیاق اس امر پر دلالت کررہا ہے کہ "مجيء الفتنة" الگ چیز ہے اور "طلوع القرن" الگ شے، نیز طلوع سے مراد خروج ہے، جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت (۲) میں بھی "يطلع" کی بجائے "يخرج" وارد ہوا ہے (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک فائدہ

اکثر روایات میں قرن الشیطان آیا ہے، جب کہ بخاری (۴) کی ایک روایت میں شک کے ساتھ قرن الشيطان أو قرن الشمس مذکور ہے، نیز مسلم شریف (۵) کی ایک روایت میں قرن کا تثنیہ "قرنا الشیطان" وارد ہوا ہے، لیکن راجح صیغہ مفرد کے ساتھ بغیر شک کے قرن الشیطان ہے (۶)۔

باب کی ساتویں حدیث حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن رحمہما اللہ تعالیٰ کی ہے۔

٢٩٣٨ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ ، عَنْ

---

(١) مرقاة المفاتيح: ٤٠٤/١١.

(٢) انظر الجامع للترمذي، أبواب المناقب، باب في فضل الشأم واليمن، رقم (٣٩٥٣).

(٣) أوجز المسالك: ٣٥٥/١٧.

(٤) صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الفتنة من……، رقم (٧٠٩٢).

(٥) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق……، رقم (٧٢٩٧).

(٦) انظر فتح الباري: ٢٤٠/٤، والأوجز: ٣٥٣/١٧.

عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ عائِشَةَ[1] زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ كانَ عِنْدَهَا ، وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ إِنْسَانٍ يَسْتَأْذِنُ في بَيْتِ حَفْصَةَ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، هٰذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ في بَيْتِكَ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (أُرَاهُ فُلَانًا - لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ - الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ ما تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ) . [ر : ۲۵۰۳]

تراجم رجال

١- عبدالله بن يوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- مالك

یہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت آچکا ہے(۲)۔

٣- عبدالله بن ابی بکر

یہ عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٤-عمرة

یہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں(۴)۔

٥- عائشة

حضرت عائشہ کا تذکرہ "بدء الوحی" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا ہے(۵)۔

---

(١) قولها: "أن عائشة......": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الشهادات، باب الشهادة على الأنساب......

(٢) كشف الباري: ١/٢٨٩-٢٩٠، نیز دیکھیے، كشف الباري: ٢/٨٠.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب الوضوء مرتين مرتين.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الحيض، باب عرق الاستحاضة.

(٥) [illegible] شف الباري [illegible] ٢٩١.

حدیث کا ترجمہ

حضرت عمرہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تھے، کہ انہوں نے ایک آدمی کی آواز سنی، جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کررہا تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں: تو میں نے کہا، یارسول اللہ! یہ کوئی آدمی ہے، جو آپ کے گھر آنا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے خیال میں وہ فلاں ہیں۔ یہ حضرت حفصہ کے رضاعی چچا کے لیے فرمایا۔ رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح ابواب الرضاع میں آچکی ہے(۱)۔

احادیثِ باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

باب کی تمام احادیث ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح مطابقت رکھتی ہیں، تفصیل حسبِ ذیل ہے:

❶ پہلی حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "في بيتي" کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیت کی نسبت اپنی طرف کی ہے(۲)۔

❷ دوسری حدیث کی مناسبت بھی واضح اور ظاہر ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملے "توفي النبي صلى الله عليه وسلم في بيتي......" میں مطابقت موجود ہے(۳)۔

❸ تیسری حدیث، جو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے، کی مطابقت ترجمہ کے ساتھ ان الفاظ میں ہے، "عند باب أم سلمة......" کیوں کہ دروازے کا ذکر گھر کو شامل ومستلزم ہے(۴)۔

❹ چوتھی حدیث، جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، کی مناسبت بھی ظاہر ہے، اس کے الفاظ "في بيت حفصة" میں مناسبت موجود ہے(۵)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب النكاح، أبواب الرضاع: ۱۸۷-۱۸۸.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۲۹، وإرشاد الساري: ۵/۱۹۷.

(۳) حوالہ جات بالا۔

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۲۹، وفتح الباري: ٦/۲۱۱.

(٥) عمدة القاري: ۱۵/۳۰، وإرشاد الساري: ۵/۱۹۸.

۵ پانچویں حدیث کی مناسبت "من حجرتها" میں ہے، کہ حجرہ اور بیت ایک ہی چیز ہے(۱)۔

٦ چھٹی حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "فأشار نحو مسكن عائشة" کیونکہ حضرت عائشہ کا مسکن ان کا گھر ہی تھا(۲)۔

۷ آخری وساتویں حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت "في بيت حفصة" میں ہے(۳)۔

٥ - باب : ما ذُكِرَ مِنْ دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَصَاهُ وَسَيْفِهِ وَقَدَحِهِ وَخاتَمِهِ ، وَما اسْتَعْمَلَ الخُلَفَاءُ بَعْدَهُ مِنْ ذٰلِكَ مِمَّا لَمْ تُذْكَرْ قِسْمَتُهُ ، وَمِنْ شَعَرِهِ وَنَعْلِهِ وَآنِيَتِهِ مِمَّا يَتَبَرَّكُ بِهِ أَصْحَابُهُ وَغَيْرُهُمْ بَعْدَ وَفاتِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات کا تذکرہ فرمایا ہے، کیوں یہ تذکرہ فرمایا ہے؟ ان کی غرض اس سے کیا ہے؟

اس سلسلے میں دو باتیں کہی گئی ہیں:

۱ ایک تو بات یہ کہی گئی ہے کہ اصل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ ولاۃ الامور (حکمرانوں) کو ان چیزوں کے اتخاذ واستعمال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور اتباع کرنی چاہیے۔ اس کی طرف امام بخاری توجہ دلانا چاہ رہے ہیں۔

یہ قول علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے(۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر نظر واشکال ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ فرماتے ہیں:

---

(١) حواله جات بالا.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٣٠، وفتح الباري: ٦/٢١١.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٣١.

(٤) شرح ابن بطال: ٥/٢٦٥.

"وأما قول المهلب: إنه إنما ترجم بذلك؛ ليتأسى ...... ففيه نظر، وما تقدم أولى، وهو الأليق لدخوله في أبواب الخمس"(١).

حافظ علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کی غرض خود یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات کے اندر جو مال موجود تھا اور جو چیزیں موجود تھیں، ان میں وراثت جاری نہیں ہوئی، نہ ان کی بیع کی گئی، بلکہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزیں و متبرکات قرار دے کر باقی رکھا گیا، تا کہ لوگ ان سے تبرک حاصل کرسکیں، اسی رائے کو انہوں نے اولیٰ والیق قرار دیا ہے(۲)۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری، جو ابن حجر رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں، نے حافظ کی اس غرض کے اندر تقلید کی ہے(۳)۔ اور یہی غرض واقعۃً مناسب ولائق بھی ہے۔ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"يعني أن ما تركه النبي صلى الله عليه وسلم وقت موته كان حقا مشتركا بين المسلمين أجمعين؛ لكونه صدقة، إلا أن يكون ملكه أحداً من أصحابه قبل موته، وإذا ثبت فيه اشتراك الكل، فيد الصحابي الذي هو عنده يد تولية وحفظ، لا يد استبداد بالتصرف وتملك"(٤).

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت جو اشیاء چھوڑیں ان میں سارے مسلمانوں کا مشترک حق تھا، کیونکہ وہ صدقات میں سے تھیں، (لہٰذا انہیں بیت المال میں داخل کردیا گیا)، سوائے ان چیزوں کے جن کا وفات سے قبل ہی آپ نے کسی کو مالک بنا دیا تھا، جب کہ یہ ثابت ہوگیا کہ ان میں سب کا مشترک حق تھا تو کسی بھی صحابی کے پاس جو کچھ متروکہ اشیاء میں سے تھا، اس کے وہ مالک نہیں تھے، نہ

(١) فتح الباري: ٢١٣/٦.

(٢) حواله بالا، وتعليقات لامع الدراري: ٢٩٦/٧.

(٣) قال الأنصاري رحمه الله: "قال شيخنا: الغرض من هذه الترجمة تثبيت أنه صلى الله عليه وسلم لم يورث، ولا بيع موجوده، ......". انظر تحفة الباري: ٥٣٩/٣، حافظ سے قبل یہی مقصد ابن المنیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے۔ انظر المتواري: ١٨٩. اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی، انظر شرح ابن بطال: ٢٦٥/٥.

(٤) لامع الدراري: ٢٩٦/٧.

اسے اس میں تصرف کا اختیار تھا، بلکہ یہ ید حفظ وتولیت تھا کہ ان کے گھر وتصرف میں وہ اشیاء محفوظ تھیں۔

غالباً مذکورہ بالا عبارت میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ اشیاء جب صدقات میں داخل تھیں تو ان میں سے بعض اشیاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ملکیت میں کیوں تھیں؟ اس کا جواب بھی حضرت نے ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت ہی دیا کہ یہ تصرف مالکانہ نہیں تھا، بلکہ یہ ان کی تحویل وحفاظت میں تھا، آگے احادیث کی تشریح کے تحت اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت چھ حدیثیں اور ایک تعلیق ذکر فرمائی ہے، ان سب کو ترتیب وار ہم ذیل میں بیان کریں گے۔

پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۳۹ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ الْأَنْصَارِيُّ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ ثُمَامَةَ ، عَنْ أَنَسٍ(۱): أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ لَمَّا ٱسْتُخْلِفَ بَعَثَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ ، وَكَتَبَ لَهُ هٰذَا الْكِتَابَ وَخَتَمَهُ بِخَاتَمِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَكانَ نَقْشُ الخاتَمِ ثَلاثَةَ أَسْطُرٍ : مُحَمَّدٌ سَطْرٌ ، وَرَسُولُ سَطْرٌ ، وَٱللهِ سَطْرٌ . [۵۵٤۰]

تراجم رجال

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ کتاب الزکاۃ (۲) میں گزر چکی ہے، وہیں دیکھ لیا جائے۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ چنے گئے تو انہوں نے ان کو (یعنی حضرت انس کو) بحرین کی طرف بھیجا اور ان کو یہ کتاب لکھ کر دی اور اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی سے مہر ثبت کی، اس انگوٹھی کا جو مضمون تھا، وہ تین سطروں پر مشتمل تھا، لفظ محمد ایک سطر میں، لفظ رسول ایک سطر میں اور لفظ اللہ ایک سطر میں تھا۔

---

(۱) قوله: "أنس رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (۱٤٤۸).

"هذا الكتاب" سے مراد وہ کتاب ہے، جس میں صدقات کی تفصیل تھی، اس کا مضمون کتاب الزکاۃ(۱) میں گزر چکا ہے، چونکہ یہ کتاب ان کے ہاں بہت مشہور تھی، اس لیے اسے مطلق بیان کیا اور اس کی طرف "هذا الكتاب" کہہ کر اشارہ کر دیا(۲)۔

حدیثِ باب سے متعلق دیگر تفصیلات کتاب اللباس میں آچکی ہیں(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ترجمے کے ایک جزء "وخاتمه" کے ساتھ ہے(۴)۔

اور حافظ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی علیہ السلام کی انگوٹھی کا ذکر ہے، جو حضرت ابوبکر وغیرہ کے زیرِ استعمال بھی رہی تو ترجمہ کے ساتھ مطابقت "وما استعمل الخلفاء بعده من ذلك" کے ساتھ ہے(۵)۔

باب کی دوسری حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹٤۰ : حدّثني عَبْدُ ٱللهِ بْنُ محمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ الْأَسَدِيُّ : حَدَّثَنَا عِيسى ابْنُ طَهْمَانَ قالَ : أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسٌ(٦) نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ . فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ : أَنَّهُمَا نَعْلَا النَّبِيِّ ﷺ . [٥٥١٩ ، ٥٥٢٠]

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، رقم (١٤٥٤).

(٢) عمدة القاري: ٣١/١٥، وشرح القسطلاني: ١٩٩/٥.

(٣) كشف الباري، كتاب اللباس: ٢٣٥-٢٣٨.

(٤) عمدة القاري: ٣١/١٥.

(٥) فتح الباري: ٢١٣/٦.

(٦) قوله: "أنس": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب اللباس، باب قبالان في نعل......، رقم (٥٨٥٧-٥٨٥٨)، وأبوداود في سننه، أبواب اللباس، باب في الانتعال، رقم (٤١٣٤)، والترمذي في جامعه، أبواب اللباس، باب ماجاء في نعل النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (١٧٧٢-١٧٧٣)، وفي الشمائل المحمدية، باب ما جاء في نعل رسول الله......، رقم (٧٨)، والنسائي في سننه، كتاب الزينة، باب صفة نعل رسول الله......، رقم (٥٣٦٩).

تراجم رجال

١– عبدالله بن محمد

یہ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (١)۔

٢–محمد بن عبدالله الاسدی

یہ ابواحمد محمد بن عبداللہ الاسدی الزبیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٢)۔

٣– عیسیٰ بن طهمان

یہ ابوبکر یا ابولیث عیسیٰ بن طہمان بن رامہ جُشَمی کوفی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٣)۔

صغار تابعین میں سے تھے، اصلا بصرہ کے ہیں، بعد میں کوفہ کی سکونت اختیار کی اور تادمِ آخر وہیں رہے (٤)۔

یہ حضرت انس بن مالک، ثابت البنانی، مساور مولی ابی برزہ اور ابوصادق الازدی (رضي الله عن الجمیع) وغیرہ سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں عبداللہ بن مبارک، وکیع، ابواحمد زبیری، یحییٰ بن آدم، ابوقتیبہ، ابوالنضر، خالد بن عبدالرحمٰن خراسانی، قبیصہ بن عقبہ، خلاد بن یحییٰ اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (٥)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "شيخ، ثقة" (٦).

---

(١) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب العمل في الصلاة، باب لا يرد السلام في الصلاة.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب المكث بين السجدتين.

(٣) تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٧–٦١٨، وكتاب المجروحين لابن حبان: ٢/٩٨، وتاريخ بغداد: ١١/١٤٣، رقم (٥٨٤١)، وتاريخ الإسلام للذهبي: ٤/٢٦٣، رقم (٣٣٩٨).

(٤) هدي الساري، حرف العين: ٦٠٦، وتهذيب الكمال: ٢٢/٦١٨.

(٥) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٨.

(٦) الجرح والتعديل: ٦/٣٦٠، رقم (١٥٥٢/١٠٨٠٢)، وتهذيب الكمال: ٢٢/٦١٨.

نیز فرماتے ہیں: "ليس به بأس"(١).

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بصري، صار إلى الكوفة، ثقة......"(٢).

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا بأس به، يشبه حديثه حديث أهل الصدق، مابحديثه بأس"(٣).

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا بأس به، أحاديثه مستقيمة"(٤).

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"(٥).

ان حضرات کے علاوہ دیگر بہت سے علمائے جرح وتعدیل نے بھی ان کی توثیق کی ہے(٦)۔

لیکن علامہ عقیلی اور ابن حبان نے ان پر کلام کیا ہے، بلکہ ابن حبان نے تو بہت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، چنانچہ عقیلی فرماتے ہیں: "ولا يتابع على حديثه"(٧). لیکن ساتھ ہی انہوں نے عیسیٰ بن طہمان کو اس الزام سے بری بھی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی احادیث میں جو عدم متابعت کا الزام ہے، اس کی وجہ خالد بن عبدالرحمٰن ہیں، جو عیسیٰ سے روایت کرتے ہیں، یہی بات درست بھی ہے کہ یہاں عدم متابعت کا الزام عیسیٰ کے سر نہیں، بلکہ خالد بن عبدالرحمٰن کے ذمے ہے، حافظ (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں:

"وقال العقيلي: "لا يتابع، ولعله أتي من خالد بن عبدالرحمن" يعني: الراوي عنه، وهو كما ظن العقيلي"(٨).

---

(١) تهذيب الكمال: ٦١٨/٢٢، وتاريخ بغداد: ١٤٤/١١.

(٢) تهذيب الكمال: ٦١٩/٢٢، وتاريخ بغداد: ١٤٤/١١، وتهذيب التهذيب: ٢١٦/٨.

(٣) الجرح والتعديل: ٣٦٠/٦، رقم (١٠٨٠٢/١٥٥٢)، وتهذيب الكمال: ٦١٩/٢٢.

(٤) تهذيب الكمال: ٦١٩/٢٢، وتهذيب التهذيب: ٢١٦/٨.

(٥) المغني في الضعفاء: ١٦٧/٢، رقم (٤٨٠٥).

(٦) مثلاً یعقوب بن سفیان، ابن حجر اور دارقطنی وغیرہ، دیکھیے، هدي الساري: ٦٠٦، وتهذيب الكمال وتعليقاته: ٦١٩/٢٢-٦٢٠، والمعرفة والتاريخ، الكنى والأسامي......: ٢٧٠/٣.

(٧) الضعفاء الكبير للعقيلي: ٣٨٥/٣، رقم (١٤٢٥)، وتعليقات تهذيب الكمال: ٦١٩/٢٢، وهدي الساري: ٦٠٦.

(٨) هدي الساري، حرف العين: ٦٠٦.

عیسیٰ بن طہمان کے بارے میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا کلام یہ ہے:

"ينفرد بالمناكير عن أنس، ويأتي عنه بما لا يشبه حديثه، كأنه كان يدلس على أبان بن أبي عياش ويزيد الرقاشي عنه، لايجوز الاحتجاج بخبره، وإن اعتبر بما وافق الثقات من حديثه فلا ضير......"(١).

اس عبارت میں ان پر یہ جرحیں کی گئی ہیں کہ حضرت انس سے منکر روایات نقل کرتے ہیں اور ان سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جو اُن کی احادیث سے مشابہت نہیں رکھتیں، گویا کہ مدلس بھی ہیں، اس لیے ان کی مرویات سے استدلال درست نہیں، ہاں! اگر ثقات کی روایات کے موافق ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

اور بطورِ دلیل ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث پیش کی ہے:

"......عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: ارحموا من الناس ثلاثة: عزيزَ قومٍ ذلَّ، وغنيَّ قومٍ افتقر، وعالما بين الجهال"(٢).

لیکن واضح رہے کہ عیسیٰ بن طہمان کے بارے میں ابن حبان کا مذکورہ کلام چنداں مضر نہیں۔

اولاً- اس لیے کہ ابن حبان کا کلام رواۃ کی جرح میں معتبر نہیں ہے، کیونکہ یہ متشددین میں سے ہیں (٣)۔

ثانیاً- حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنے دعویٰ "لا يجوز الاحتجاج به" کے لیے بطورِ دلیل ایک ہی روایت پیش کی ہے، اس میں بھی قصور عیسیٰ کا نہیں، بلکہ ان کے بعد کے اور کسی راوی کا ہے، لکھتے ہیں:

"ثم لم يسق له إلا حديثا واحدا، والآفة فيه ممن دونه"(٤).

---

(١) حواله بالا، وكتاب المجروحين: ٢/٩٨، وتعليقات تهذيب الكمال: ٢٢/٦١٩، وتهذيب التهذيب: ٨/٢١٦.

(٢) كتاب المجروحين: ٢/٩٨.

حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''آدمیوں میں تین قسم کے لوگوں پر رحم کھاؤ، ایک قوم کا معزز وسردار، جو ذلیل ہوگیا ہو، دوسرا قوم کا مال دار، جو محتاج ہوگیا ہو اور تیسرا عالم، جو جاہلوں کے درمیان ہو''۔

(٣) قواعد في علوم الحديث للعثماني، لايؤخذ بقول كل جارح......: ١٧٨-١٧٩.

(٤) هدي الساري، حرف العين: ٦٠٦، وتهذيب التهذيب: ٨/٢١٦.

ثالثا- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی صرف دو حدیثیں اپنی صحیح میں نقل کی ہیں، ایک تو حدیث باب، جس کا دوسرا طریق کتاب اللباس (۱) میں ہے، دوسری کتاب التوحید (۲) میں۔ اور دونوں جگہ انہوں نے سماع اور تحدیث کی صراحت کی ہے، اس لیے بخاری کی حد تک تدلیس کا الزام بھی درست نہیں (۳)۔

واللہ اعلم بالصواب

عیسیٰ بن طہمان رحمہ اللہ صحیح بخاری کے علاوہ ترمذی (في الشمائل) اور نسائی کے بھی راوی ہیں (۴)۔

حافظ ذہبی کے بقول ۱۶۰ ہجری میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔

یہ امام بخاری کی ایک ثلاثی روایت کے بھی راوی ہیں (۶)۔

٤- انس رضي الله عنه

حضرت انس کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه......" کے تحت گزر چکے (۷)۔

٥- ثابت البناني

حضرت ثابت بن اسلم البنانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب العلم، "باب القراءة والعرض على المحدث" کے ذیل میں آچکے (۸)۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب قبالان في نعل، رقم (٥٨٥٨).

(۲) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب ﴿وكان عرشه على الماء﴾، رقم (٧٤٢١).

(۳) هدي الساري: ٦٠٦.

(٤) تهذيب الكمال: ٢٢/٦٢٠.

(٥) تهذيب التهذيب: ٨/٢١٦.

(٦) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب ﴿وكان عرشه على الماء﴾، رقم (٧٤٢١)، وتاريخ الإسلام للذهبي: ٤/٢٦٣، الطبقة السادسة عشرة، رقم (٣٣٩٨).

(٧) كشف الباري: ٢/٤.

(٨) كشف الباري: ٣/١٨٣.

حدیث کا ترجمہ

عیسیٰ بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتیاں نکال کر دکھلائیں، جن کے اوپر کے بال پرانے ہونے کی وجہ سے جھڑ گئے تھے، ان کے دو دو تسمے تھے۔

عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں، بعد میں ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بتلایا کہ وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں ہیں۔

جرداوین کی تحقیق

جرداوین تثنیہ جرداء کا ہے، جو اجرد کا مؤنث ہے، اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ۱- جس پر بال نہ ہو، ۲- پرانی ہو۔ ہم نے اوپر جو ترجمہ کیا ہے وہ علامہ عینی کے کلام کے مطابق ہے۔ جب کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ نے پہلے معنی کو اختیار فرمایا ہے، دوسرے معنی کو قیل کے ساتھ بیان کیا ہے(۱) اور دونوں معنی صحیح ہیں۔

قبالان کے معنی

قبالان تثنیہ ہے قبال کا، جوتے کے اس تسمے کو کہتے ہیں جو اوپر سے جا کر پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا ہے(۲)۔

فحدثني ثابت البناني بعد ...... کا مقصد

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو جوتیاں نکال کر دکھائی تو تھیں، لیکن یہ جوتیاں تھیں کس کی؟ یہ معلوم نہ تھا، بعد میں حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ یہ جوتیاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت ثابت نے بھی یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہوگی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی سنی ہوگی، قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وكأنه رأى النعلين مع أنس، ولم يعلم أنهما نعلا النبي عليه الصلاة

---

(۱) عمدہ القاري: ۱۵/۳۲، وخصائل نبوي شرح شمائل ترمذي مع عربي حواشي للكاندهلوي: ٤٧، وقال الخطابي رحمه الله: ”جرداوين: يريد، خلقين، وثوب جرد، أي: خلق“. أعلام الحديث: ۲/۱٤٤۲.

(۲) كشف الباري، كتاب اللباس: ۲۱٥، وعمدة القاري: ۱٥/۳۲.

والسلام، فحدثه بذلك ثابت عن أنس"(۱).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس کے جزء "ونعله" کے ساتھ ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کا ذکر ہے(۲)۔

باب کی تیسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹٤۱ : حدَّثني مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قالَ : أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عائِشَةُ(۳) رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهَا كِساءً مُلَبَّدًا ، وَقالَتْ : في هٰذَا نُزِعَ رُوحُ النَّبِيِّ ﷺ . وَزَادَ سُلَيْمانُ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قالَ : أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عائِشَةُ إِزَارًا غَلِيظًا مِمَّا يُصْنَعُ بِالْيَمَنِ ، وَكِساءً مِنْ هٰذِهِ الَّتِي يَدْعُونَهَا الْمُلَبَّدَةَ . [٥٤٨٠]

تراجمِ رجال

۱– محمد بن بشار

یہ محمد بن بشار عبدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، "باب ماكان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم......" کے تحت آچکا ہے(۴)۔

۲– عبدالوھاب

یہ عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، "باب حلاوة

(۱) شرح القسطلاني: ٥/٢٠٠، وأيضا انظر فتح الباري: ٦/٢١٤.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٣٢.

(۳) قوله: "أخرجت إلينا عائشة ......": الحديث، أخرجه البخاري أيضا، كتاب اللباس، باب الأكسية والخمائص، رقم (٥٨١٨)، ومسلم، كتاب اللباس والزينة، باب التواضع في اللباس، رقم (٥٤٤٢– ٥٤٤٤)، وأبوداود، أبواب اللباس، باب لباس الغليظ، رقم (٤٠٣٦)، والترمذي، أبواب اللباس، باب ماجاء في لبس الصوف، رقم (١٧٣٣)، وابن ماجه، أبواب اللباس، باب لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٣٥٥١).

(٤) كشف الباري: ٣/٢٥٨.

الإيمان" کے تحت گزر چکا (۱)۔

۳- ایوب

ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی کتاب الایمان کے مذکورہ بالا باب میں آچکا (۲)۔

٤- حميد بن هلال

یہ حمید بن ہلال عدوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

٥- ابوبرده

یہ ابوبردہ حارث بن ابی موسی اشعری ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب أي الإسلام أفضل؟" کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

٦- عائشه

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات "بدء الوحي" میں بیان کیے جا چکے ہیں (۵)۔

قال: أخرجت إلينا عائشة رضي الله عنها كساء ملبدا

حضرت ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک موٹی (غلیظ) چادر نکال کر دکھائی۔

کساءً ملبداً کے معنی

آج کل تو کساء مطلقاً چادر وغیرہ کو کہتے ہیں، لیکن پہلے اس کا اطلاق صرف اونی چادر پر ہوتا تھا، قال

---

(١) كشف الباري: ٢/٢٦.

(٢) حواله بالا.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب يردُّ المصلي من مر بين يديه.

(٤) كشف الباري: ١/٦٩٠.

(٥) كشف الباري: ١/٢٩١.

العيني: "الكساء معروف، لكن الظاهر أنه لا يطلق إلا على ما كان من الصوف"(۱).

اور ملبد اسم مفعول کا صیغہ ہے تلبید سے، اس کی اصل لبد یا لبدۃ ہے، لبدہ نمدہ کو کہتے ہیں، یعنی وہ کپڑا جو اون یا بالوں کو جما کر، پانی سے بھگو کر، بنایا جاتا ہے اور گھوڑے کی زین کے نیچے رکھا جاتا ہے، تاکہ پسینہ زین کو متاثر نہ کرے، اب کساءِ ملبد کے معنی یہ ہوئے کہ وہ چادر جس کا وسط سخت ہو، مختلف کپڑوں کو جما کر، ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر، اسے تیار کیا گیا ہو(۲)۔

نبی علیہ السلام یہ چادر کیوں استعمال فرماتے تھے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کساءِ ملبد کیوں استعمال فرماتے تھے، اس سلسلے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں:

۱- اس کا استعمال تواضع کے طور پر کرتے تھے۔

۲- اس سے اعلیٰ چادر چوں کہ آپ کے پاس موجود نہیں تھی، اس لیے اسی کو زیب تن کرتے تھے۔

۳- اتفاقاً بغیر کسی قصد وارادے کے استعمال فرماتے تھے، کہ جو ملا وہ پہن لیا۔

لیکن ان میں پہلا احتمال ہی راجح ہے۔ علامہ نووی، عینی وغیرہ کا مختار یہی ہے(۳)۔

وقالت: في هذا نزع روح النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت عائشہ نے مزید فرمایا کہ اسی چادر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نکلی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی چادر اوڑھ رکھی تھی۔

وزاد سليمان عن حميد عن أبي بردة قال: أخرجت إلينا عائشة......

اور سلیمان بن مغیرہ نے حمید عن ابی بردہ کے طریق سے یہ زیادتی بھی بتلائی ہے کہ ابو بردہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یمن کی بنی ہوئی ایک موٹی ازار (لنگی) اور ایک چادر، جسے تم لوگ ملبدہ کہتے ہو، ہمیں نکال کر دکھلائی۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۳۲، والقاموس الوحيد، مادة "لبد".

(۲) حواله جات بالا، وشرح النووي على مسلم: ۲/۱۹۴، والنهاية لابن الأثير: ۴/۲۲۴.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۳۲، وشرح النووي: ۲/۱۹۳.

سلیمان سے ابوسعید سلیمان بن مغیرہ قیسی بصری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں (۱)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

غالبًا اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ ایوب عن حمید کی روایت میں اختصار ہے، جب کہ حمید سے حدیثِ باب کو روایت کرنے والے ایک اور راوی سلیمان بن مغیرہ کی روایت میں ازار کا ذکر بھی ہے، اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ وفات کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر دو کپڑے تھے، ایک ازار، جو یمن کی بنی ہوئی تھی، دوسرا کسائے ملبد۔ واللہ اعلم

تعلیقِ مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں "شيبان بن فروخ، عن سليمان بن المغيرة، عن حميد، عن أبي بردة" کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے، وہاں پوری روایت اس طرح ہے، حضرت ابو بردہ فرماتے ہیں:

"دخلتُ على عائشة، فأخرجتْ إلينا إزارا غليظا، مما يصنع باليمن، وكساء من التي تسمونها الملبدة، قال: فأقسمتُ بالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض في هذين الثوبين"(۲).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث وتعلیق کی مناسبت بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے جزء "وما استعمل الخلفاء......" کے ساتھ ہے (۳)۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ۱۸۱/۳، كتاب العلم، باب القراءة والعرض......

(۲) صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب التواضع في اللباس، والاقتصار ......، رقم (۵۴۴۲)، وتغليق التعليق: ۴۶۸/۳، وفتح الباري: ۲۱۴/۶، وعمدة القاري: ۳۲/۱۵.

(۳) عمدة القاري: ۳۲/۱۵.

باب کی چوتھی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹٤۲ : حدّثنا عَبْدَانُ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ ، عَنْ عاصِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ سِيرِينَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ(۱) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ : أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ ﷺ ٱنْكَسَرَ ، فَٱتَّخَذَ مَكانَ الشَّعْبِ سِلْسِلَةً مِنْ فِضَّةٍ . قالَ عاصِمٌ : رَأَيْتُ الْقَدَحَ وَشَرِبْتُ فِيهِ . [۵۳۱۵]

تراجمِ رجال

۱— عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلۃ الملقب بہ "عبدان" رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا ہے(۲)۔

۲— ابو حمزہ

یہ ابوحمزہ محمد بن میمون سکری مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۳— عاصم

یہ عاصم بن سلیمان الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

٤— ابن سیرین

یہ مشہور محدث ومعبر محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب اتباع الجنائز من الإیمان" کے تحت آچکے(۵)۔

---

(۱) قوله: "أنس بن مالك": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الأشربة، باب الشرب من قدح النبي صلى الله عليه وسلم وآنيته، رقم (۵٦۳۸)، ولم يخرجه غيره، انظر تحفة الأشراف: ۱/۲٤۸ و: ۱/۳۷۳.

(۲) كشف الباري: ۱/٤٦۱.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان.

(۵) كشف الباري: ۲/۵۲٤.

٦– انس بن مالك

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإیمان....." کے تحت گزر چکا(۱)۔

سند حدیث سے متعلق ایک اہم تنبیہ

اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔ ابوحمزہ نے اسے عاصم عن ابن سیرین عن أنس کے طریق سے نقل کیا ہے۔ جب کہ شریک نے عاصم عن أنس کے طریق سے۔ یعنی انہوں نے ابن سیرین کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔ یہی حدیث امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے واسطہ سے اپنی مسند میں ذکر کی اور فرمایا کہ "لا نعلم من رواه عن عاصم هكذا إلا أبا حمزة" (۲). اور امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "والصحيح الأول" (۳) کہ ابوحمزہ والی سند ہی صحیح و درست ہے۔ تاہم علامہ جیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک سند کو درست، دوسری کو غلط قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اس سلسلے میں محقق بات میرے نزدیک یہ ہے کہ اس حدیث کا بعض حصہ عاصم نے انس کے واسطے سے اور بعض حصہ ابن سیرین عن انس کے طریق سے نقل کیا ہے۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوعوانہ کے طریق سے جو روایت کتاب الاشربہ میں ذکر کی ہے، وہ تفصیلی بھی ہے اور اس مسئلے میں واضح بھی۔ اس کے آخر میں عاصم فرماتے ہیں: "قال ابن سيرين: إنه كانت فيه حلقة من حديد...... فقال له أبو طلحة: لا تغيرن فيه شيئاً......" (٤) اس لیے ابوحمزہ اور شریک دونوں کی روایات صحیح و درست ہیں، ہر ایک نے حدیث کا بعض حصہ نقل کیا ہے اور ابوعوانہ کی روایت دونوں کو جامع ہے اور واضح بھی (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

أن قَدح النبي ﷺ انكسر، فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا،

---

(۱) کشف الباري: ۲/٤.

(۲) مسند الإمام البزار: ۱۳/۲۳۷، مسند أنس بن مالك، رقم (٦٧٣٩).

(۳) العلل للدارقطني، رقم السوال (۲٦۲۸).

(٤) صحيح البخاري، كتاب الأشربة، رقم (٥٦۳۸).

(٥) عمدة القاري: ١٥/٣٣، وفتح الباري: ٦/٢١٤، و: ١٠/١٠٠، كتاب الأشربة.

چنانچہ (بغرض اصلاح) متاثرہ جگہ چاندی کی ایک زنجیر انہوں نے لگادی۔

''شعب''، شین کے فتحہ اور عین کے سکون کے ساتھ، پھٹن کو کہتے ہیں، اسی طرح پھٹی ہوئی اور ٹوٹی ہوئی جگہ کی اصلاح کو بھی شعب کہا جاتا ہے (۱)۔

حدیثِ باب میں جس پیالے کا ذکر ہے، اس کے متعلق کتاب الأشربة (۲) کی روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی لکڑی نُضار کا بنا ہوا تھا، نضار کی مختلف تفسیریں شراح نے بیان کی ہیں، مثلاً خالص عود، نبع وغیرہ، ابوحنیفہ دِینَوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ برتنوں کے لیے سب سے بہتر واعلیٰ لکڑی یہی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں وہیں اس کے وصف میں ''عریض'' کا لفظ آیا ہے، یعنی چوڑا، اس کی چوڑائی کس قدر تھی، تحقیقاً تو معلوم نہیں، البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حجاج بن حسان تابعی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں تھے، انہوں نے ایک برتن منگوایا، اس کے تینوں دستے لوہے کے تھے، حلقہ بھی لوہے کا تھا، اس کو انہوں نے ایک سیاہ غلاف سے نکالا، تو اس کا وزن ایک ربع سے کم اور نصف ربع (۳) سے زیادہ تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس میں پانی ڈالا گیا، پھر اس کو ہمارے سامنے پیش کیا گیا، چنانچہ ہم نے وہ پانی پیا، اپنے سروں اور چہروں پر ڈالا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا (۴)۔

صلی اللہ علیہ وسلم

ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں اناء سے مراد وہی پیالہ ہو، جس کا ذکر حدیثِ باب میں ہے۔

پیالہ کس نے درست کروایا تھا؟

حدیثِ باب میں فاتخذ کا جو فعل ہے، اس کا فاعل کون ہے؟ اس میں دو آراء ہیں، ایک تو یہ ہے کہ فاتخذ کا فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ہی پیالہ درست کیا تھا۔ جب کہ دوسری رائے

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۳۳، وفتح الباري: ۱۰/۱۰۰.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأشربة، باب الشرب من قدح ......، رقم (۵۶۳۸).

(۳) ربع ایک پیمانہ ہے، جو جدید پیائش کے حساب سے ۳ء۶۳ گیلن بنتے ہیں، یعنی ربع کی گنجائش اس قدر ہوتی تھی، اس کی جمع اَرباع ہے۔ دیکھیے القاموس الوحيد، مادة "ربع".

(٤) مسند أحمد: ۳/۱۸۷، مسند أنس بن مالك، رقم (۱۲۹۷۹)، وعمدة القاري: ۱۵/۳۳.

یہ ہے کہ فاعل حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، حدیثِ باب کے ظاہر سے پہلی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے اور کتاب الاشربہ (۱) کی روایت کے ظاہر سے دوسری رائے درست لگتی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "رأیت قدح النبي صلى الله عليه وسلم عند أنس بن مالك، وكان قد انصدع فسلسله بفضة......" لیکن حدیث باب کے اسی طریق کے جو الفاظ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (۲) نے نقل کیے ہیں، اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ فاعل حضرت انس ہی ہیں، اس میں ہے: "أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انصدع، فجعلت مكان الشعب سلسلة، يعني أن أنسا جعل مكان الشعب سلسلة". اس کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حدیث اسی طرح مروی ہے، اب یہ معلوم نہیں کہ اس کا قائل کون راوی ہے، آیا وہ موسیٰ بن ہارون ہے یا کوئی اور؟ (۳)

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ بیہقی کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس روایت سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس کا قائل کون ہے؟ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ جعلتُ میں تاء کو متکلم کی قرار دیا جائے اور وہ مضموم ہو، اس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ فاعل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ "جُعِلتْ" جیم مضمومہ کے ساتھ فعل مجہول ہو، یوں یہ حدیث، باب کی حدیث کے موافق ومساوی ہو جائے گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاعل ہونا متعین ہو جائے گا۔

وہ لکھتے ہیں:

"وجزم بعض الشراح بالثاني (أي الضمير لأنس)، واحتج برواية بلفظ "فجعلتُ مكان الشعب سلسلة" ولا حجة فيه؛ لاحتمال أن يكون فجعلتْ بضم الجيم على البناء للمجهول، فرجع إلى الاحتمال لإبهام الجاعل"(٤).

---

(١) البخاري، كتاب الأشربة، باب الشرب من قدح النبي صلى الله عليه وسلم ......، رقم (٥٦٣٨).

(٢) السنن الكبرى للبيهقي: ١/٣٠، كتاب الطهارة، باب النهي عن الإناء المفضض، رقم (١١٥).

(٣) حواله بالا.

(٤) فتح الباري: ٦/٢١٤، و: ١٠/١٠٠، وتحفة الباري: ٣/٥٣٩.

قال عاصم: رأيت القدح، وشربت فيه

حضرت عاصم الاحول فرماتے ہیں کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا ہے اور اس سے پانی بھی پیا ہے۔

یہاں بطور تحدیث نعمت اور فخر، حضرت عاصم یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اس پیالے سے پانی پینے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

ان کے علاوہ بعد میں یہی شرف دیگر اور بہت سے حضرات کو بھی حاصل ہوا ہے، چنانچہ حافظ ابونعیم نے علی بن حسن بن شقیق عن ابی حمزہ کے طریق سے یہی حدیث نقل کی ہے، اس میں ہے، "قال علي بن الحسن: وأنا رأيت القدح، وشربت منه"(۱).

خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس پیالہ سے پانی پینا منقول ہے، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے "مختصر البخاری" میں لکھا ہے کہ انہوں نے صحیح بخاری کے بعض قدیم نسخوں یہ عبارت لکھی دیکھی کہ:

"قال أبوعبدالله البخاري: رأيت هذا القدح بالبصرة، وشربت منه، وكان أُشتري من ميراث النضر بن أنس بثمان مائة ألف"(۲).

یعنی: "امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس پیالے کو میں نے بصرہ میں دیکھا اور اس سے پیا ہے، اسے نضر بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی میراث سے آٹھ لاکھ میں خریدا گیا تھا"۔

سونے چاندی کا جوڑ اور کڑا لگانے کا حکم

حدیثِ باب سے چاندی کا بنا ہوا دستہ، زنجیر (کڑا) اور حلقہ وغیرہ کے استعمال اور اس سے کھانے پینے کا جواز ثابت ہو رہا ہے، لیکن یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے۔

امام ابوحنیفہ اس کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں، البتہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمہما اللہ نے اس حکم مطلق کو ایک شرط کے ساتھ مقید کیا ہے، وہ یہ کہ سونا چاندی کی جگہ منہ نہ لگائے، اس سے احتراز کرے (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۰/۱۰۰.

(۲) حواله بالا

(۳) بدائع الصنائع: ٦/٥٢٤–٥٢٥، كتاب الاستحسان، وأما الإناء المضبب .....، والهداية مع البناية: ۱۲/۷۰–۷۲، كتاب الكراهية، ومؤطأ محمد: ۳۷۵، أبواب السير، باب الشرب في آنية الفضة.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں طرح کے اقوال مروی ہیں، یعنی حلت وحرمت۔ بعد کے ائمہ مالکیہ مثلاً دردیر، دسوقی اور ابن الحاجب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے حرمت کو راجح قرار دیا ہے (۱)۔

شوافع کا مذہب بقول امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ہے کہ دستہ وغیرہ اگر بڑا ہو اور زینت کے لیے ہو تو حرام ہے اور اگر چھوٹا ہو اور ضرورت کے لیے ہو تو جائز ہے۔

ان کا دوسرا قول مطلق حرمت کا ہے کہ جائز نہیں (۲)۔

جب کہ حنابلہ ان اشیاء کے استعمال کو تین شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں، یعنی تھوڑا ہو، چاندی ہی ہو اور ضرورت کے لیے ہو کہ اس میں کوئی فائدہ ہو۔ گویا ان کے نزدیک اس غرض سے سونا کا استعمال بالکل جائز نہیں اور چاندی کا استعمال مقید ہے (۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر" کہ اس میں نبی علیہ السلام کے پیالہ کا ذکر ہے، جو ترجمہ کے جزء "قدحه" کے ساتھ منطبق ہے (۴)۔

باب کی پانچویں حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۴۳ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الجَرْمِيُّ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا أَبِي : أَنَّ الْوَلِيدَ بْنَ كَثِيرٍ حَدَّثَهُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدُّؤَلِيِّ حَدَّثَهُ : أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ حَدَّثَهُ : أَنَّ عَلِيَّ بْنَ حُسَيْنٍ حَدَّثَهُ : أَنَّهُمْ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ مِنْ عِنْدِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ ، مَقْتَلَ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ، لَقِيَهُ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ (۵) ، فَقَالَ لَهُ : هَلْ لَكَ إِلَيَّ مِنْ حَاجَةٍ تَأْمُرُنِي بِهَا ؟ فَقُلْتُ لَهُ : لَا . فَقَالَ لَهُ : فَهَلْ أَنْتَ مُعْطِيَّ سَيْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، فَإِنِّي أَخَافُ

---

(۱) حاشية الدسوقي مع الشرح الكبير: ۱/۱۰۹، باب أحكام الطهارة، فصل الطاهر.

(۲) المجموع شرح المهذب: ۱/۲۵۴-۲۵۸، كتاب الطهارة، حكم الأواني المضببة......، وشرح النووي على مسلم: ۲/۱۹۳.

(۳) المغني: ۹/۱۴۷، كتاب الأشربة، رقم (۷۳۷۰)، والموسوعة الفقهية: ۳۲/۱۶۵-۱۶۶، مادة فضة.

(۴) عمدة القاري: ۱۵/۳۳

(۵) قوله: "المسور بن مخرمة": الحديث، مرّ تخريجه في الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد ......

أَنْ يَغْلِبَكَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ . وَايْمُ اللهِ لَئِنْ أَعْطَيْتَنِيهِ لَا يُخْلَص إِلَيْهِ أَبَدًا حَتَّى تُبْلَغَ نَفْسِي . إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ خَطَبَ ابْنَةَ أَبِي جَهْلٍ عَلَى فَاطِمَةَ رضي الله عنها. فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ فِي ذٰلِكَ عَلَى مِنْبَرِهِ هٰذَا ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ مُحْتَلِمٌ ، فَقَالَ : (إِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّي . وَأَنَا أَتَخَوَّفُ أَنْ تُفْتَنَ فِي دِينِهَا) . ثُمَّ ذَكَرَ صِهْرًا لَهُ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ . فَأَثْنَى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ إِيَّاهُ . قَالَ : (حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي ، وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي ، وَإِنِّي لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلَالًا ، وَلَا أُحِلُّ حَرَامًا . وَلٰكِنْ وَاللهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللهِ أَبَدًا) . [ر : ٨٨٤]

تراجم رجال

١- سعيد بن محمد الجرمی

یہ سعید بن محمد بن سعید الجرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الجهاد، "باب قتال الترك" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

٢- يعقوب بن ابراهيم

یہ یعقوب بن ابراہیم قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ كتاب العلم، "باب ما ذكر في ذهاب موسى......" کے تحت گزر چکا(۲)۔

٣- أبي

اب سے مراد ابراہیم بن سعد قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب من كره أن يعود في الكفر......" کے تحت آ چکے(۳)۔

٤- الوليد بن كثير

یہ الولید بن کثیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

---

(١) كشف الباري، كتاب الجهاد: ٧٠٣/١.

(٢) كشف الباري: ٣٣١/٣.

(٣) كشف الباري: ١٢٠/٢.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب الحلق والجلوس في المسجد.

۵- محمد بن عمرو بن حلحله الدؤلی

یہ محمد بن بن عمرو بن حلحلة الدؤلی- بضم الدال وفتح الهمزة-(۱) رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

٦- ابن شهاب

محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا(۳)۔

۷- علی بن حسین

یہ امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

أن علي بن حسين حدثه أنهم حين قدموا المدينة من عند يزيد بن معاوية مقتل حسين بن علي رضي الله عنه لقيه مسور بن مخرمة

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں امام زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ یہ حضرات جب خلیفہ یزید بن معاویہ کے ہاں سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ آئے تو ان سے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ملے۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور امام زین العابدین کی ملاقات کا یہ واقعہ ٦١ھ کا ہے، کیوں کہ اسی سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا تھا(۵)۔

اوپر کی اس عبارت میں یزید بن معاویہ سے مراد مشہور اموی خلیفہ(٦)، حسین بن علی سے نواسۂ رسول(۷) اور

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٣٣، وتحفة الباري: ٣/٥٣٩.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين.

(٣) كشف الباري: ١/٣٢٦.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

(٥) عمدة القاري: ١٥/٣٣.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب صلاة النوافل جماعة.

(٧) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب تحريض النبي صلى الله عليه وسلم على صلاة......

مسور بن مخرمہ سے مشہور صحابی ہیں (۱)۔

فقال له: هل لك إلي من حاجة تأمرني بها؟ فقلت له: لا

حضرت مسور نے امام زین العابدین سے استفسار کیا کہ آپ کی کوئی ضرورت مجھ سے متعلق ہو تو آپ حکم دیں اور میں بجالاؤں؟ میں نے ان سے کہا نہیں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ آگے جا کر جو بات اور گزارش امام زین العابدین کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے، اس کے لیے یہ تمہید تھی، جو اوپر گزری۔

فقال له: فهل أنت معطيَّ سيفَ رسول الله صلى الله عليه وسلم؟

تو مسور رضی اللہ عنہ نے زین العابدین علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ تو کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار عنایت کریں گے؟

معطي یاء کی تشدید کے ساتھ ہے، دوسری یاء متکلم کی ہے (۲)۔

اور "سيف رسول الله" سے مراد بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور تلوار "ذوالفقار" ہے، یہ تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر بطور نفل کے لی تھی اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں آپ علیہ السلام نے غزوۂ احد کے موقع پر خواب دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار پر دندانے پڑے ہیں (۳)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کل دس تلواریں تھیں، جن میں کی ایک یہ "ذوالفقار" ہے (۴)۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۳۳، وإرشاد الساري: ۵/۲۰۰.

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ خواب درج ذیل ہیں، ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فلما سمع بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمون قد نزلوا حيث نزلوا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للمسلمين: "إني قد رأيت والله خيرا، رأيت بقرا، ورأيت في ذباب سيفي ثلما، ورأيت أني أدخلت يدي في درع حصينة، فأولتها المدينة".

انظر سيرة ابن هشام: ۳/۶۲، غزوة أحد، رؤيا رسول الله......، وأيضا الروض الأنف: ۲/۱۲۷.

(٤) قال العيني: "والظاهر أن هذا السيف هو ذوالفقار؛ لأن سبط ابن الجوزي ذكر في تاريخه: ولم يزل =

اب سوال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی یہ تلوار حضرت علی کے خاندان میں کیسے آئی؟

اس کے جواب میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احتمال ذکر کیے ہیں:

۱- غالبًا یہ تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی تھی، جو بعد میں ہوتے ہوتے حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ گئی۔

۲- یا حضرت ابوبکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کو دی تھی، جو بعد میں ان کے خاندان کو منتقل ہوگئی (۱)۔

فإني أخاف أن يغلبك القوم عليه

کیونکہ مجھے خوف ہے کہ یہ قوم آپ سے بزورِ طاقت یہ تلوار چھین لے گی۔

یہاں قوم سے مراد بنوامیہ ہیں، چونکہ حضرات سادات کا اختلاف انہی سے تھا۔

وأيم الله؛ لأن أعطيتنيه لايخلص إليهم أبدا حتى تبلغ نفسي

بخدا! اگر آپ یہ تلوار مجھے عطا کریں تو بنوامیہ اس کو کبھی حاصل نہیں کرسکیں گے یا یہ کہ میری جان چلی جائے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اس تلوار کی خاطر جان کی بازی لگا دوں گا (۲)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

حافظ علیہ الرحمۃ نے حدیثِ باب کی اساس پر بطور تعجب کے ایک سوال نقل کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ میں اس تلوار کی حفاظت میں اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں، یہاں وہ صرف اور صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پوتے (زین العابدین) کا دل رکھنے کی خاطر اپنی خواہش ان کے سامنے رکھ رہے ہیں، لیکن دوسری طرف حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما جو حضرت فاطمہ کے صاحبزادے

= ذوالفقار عنده صلى الله عليه وسلم، حتى وهبه لعلي رضى الله عنه قبل موته، ثم انتقل إلى آله، وكانت له عشرة أسياف؛ منها: ذوالفقار، تنفّله يوم بدر". انظر عمدة القاري: ١٥/٣٣.

(١) عمدة القاري: ١٥/٣٣، وفتح الباري: ٦/٢١٤، وإرشاد الساري: ٥/٢٠٠.

(٢) فتح الباري: ٦/٢١٤، وعمدة القاري: ١٥/٣٤، وشرح القسطلاني: ٥/٢٠١.

ہیں، ان کے لیے اپنی جان قربان نہیں کی، نہ اپنی ایسی کسی خواہش کا اظہار کیا، یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور یہ عظیم سانحہ رونما ہوا۔

اس کے جواب میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطورِ عذر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب عراق کے لیے روانہ ہوئے تو اہلِ حجاز بشمول حضرت مسور رضی اللہ عنہ، کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ رخ اختیار کرے گا اور وہاں وہ اپنے ساتھیوں سمیت مظلومانہ شہادت سے سرفراز ہوں گے (۱)۔ واللہ اعلم

إن علي بن ابي طالب خطب ابنة أبي جهل على فاطمة رضي الله عنها

تحقیق حضرت علی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سوکن لانے کے لیے ابوجہل ہشام بن مغیرہ کی بیٹی کو پیغامِ نکاح دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ -مفصلاً- کتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

ابنۃ ابی جہل سے کون مراد ہے؟

یہ مشہور دین دشمن شخص ابوجہل کی صاحبزادی حضرت جویریہ بنت ہشام بن مغیرہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جمیلہ بھی ان کا نام بتلایا گیا ہے، لیکن بقول حافظ علیہ الرحمۃ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن خاتون سے نکاح کرنا چاہا تھا، وہ جویریہ تھیں (۳)۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے نکاح نہ کر سکے تو عتاب بن اسید، جو نبی علیہ السلام کے عہد میں امیرِ مکہ تھے، نے ان سے نکاح کیا، ان کی ان سے اولاد

---

(۱) فتح الباري: ۳۲۷/۹.

(۲) کشف الباري، کتاب العلم: ۱٤۹/٤، نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم......

(۳) الإصابة: ۲٦٥/٤، وعمدة القاري: ۳٤/۱٥، ان کے نام میں اور بھی اقوال ہیں، دیکھیے، فتح الباري: ۸٦/۷، والطبراني في الكبير: ۲۱۰/۲٤.

بھی ہوئی، تاریخ نے ایک بیٹے کا نام محفوظ کیا ہے، جن کا نام عبدالرحمٰن تھا، یہ جنگ جمل میں شہید ہوئے (۱)۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتِ حدیث بھی کرتی ہیں (۲)۔

فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کے پاس سے گزرے اور پانی طلب فرمایا تو میں پیالہ لے کر آپ کے پاس آئی اور آپ کو پانی پیش کیا، اسی دوران ایک شخص نے جس پر دو زرد رنگ کی چادریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا، "تعبد الله، لاتشرك به شيئاً، وتقيم الصلاة، وتؤدي الزكاة، وتصل الرحم" پھر فرمایا، "خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم" (۳).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُطبہ کا سبب کیا تھا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خطبہ وتقریر حدیثِ باب میں نقل کی گئی ہے، اس کا سبب کیا تھا؟ اس میں دو اقوال ہیں:

۱- کتاب النکاح کی روایت، جو ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے (۴)، سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہشام بن مغیرہ کا استیذان خطبہ کا سبب تھا، جب بنی ہشام بن مغیرہ نے اپنی خاتون کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا اور اس کی اجازت نبی علیہ السلام سے چاہی تو آپ علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا (۵)۔

۲- جب کہ امام زہری کا جو طریق ہے، اس میں ایک اور سبب بیان کیا گیا ہے، صحیح ابن حبان میں ہے:

"أن علياً خطب بنت أبي جهل، فبلغ ذلك فاطمة، فأتتْ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن الناس يزعمون أنك لاتغضب لبناتك، وهذا عليّ ناكح بنتَ أبي جهل!......" (٦).

---

(١) الإصابة: ٤/٢٦٥، وفتح الباري: ٧/٨٦، وعمدة القاري: ١٦/٢٣٠.

(٢) الإصابة: ٤/٢٦٢، ومعرفة الصحابة: ٥/٢٠٤، باب الجيم.

(٣) حواله جات بالا، والطبراني في الكبير: ٢٤/٢٥٨، رقم (٦٥٨)، باب الدال، درة بنت أبي لهب......

(٤) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، رقم (٥٢٣٠).

(٥) فتح الباري: ٩/٣٢٨.

(٦) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، مناقب علي بن أبي طالب، ذكر البيان بأن علي بن أبي طالب......، =

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کے لیے پیغامِ نکاح دیا، یہ خبر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو آپ نبی علیہ السلام کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ اپنی صاحب زادیوں کی حمایت کے لیے برانگیختہ نہیں ہوتے، یہ علی کو دیکھیے کہ وہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں!......''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر مسجدِ نبوی تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس روایت سے خطبۂ نبوی کا سبب یہی معلوم ہورہا ہے کہ اس کی وجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں(۱)۔

دونوں اقوال کے درمیان تطبیق

اب دونوں اقوال کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے دونوں سبب ہوسکتے ہیں کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے بھی اپنی خاتون کے سلسلے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ کیا کہ نکاح ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور جب اس معاملے کی سن گن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انہوں نے بھی اپنے والد مکرم سے شکایت کی کہ علی میری سوکن لانا چاہتے ہیں۔ بہرحال دونوں اسباب میں کوئی تنافی نہیں ہے۔

نکاح کی پیشکش کس طرف سے تھی؟

روایات کے تتبع سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا فیصلہ تھا، خود لڑکی والوں کی طرف سے اس میں کوئی تحریک نہیں تھی، اسی لیے اکثر روایات میں خِطبہ کی نسبت حضرت علی کی طرف ہے، خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اوپر جو حدیث ابھی گزری، اس میں بھی ''ناکح'' کا لفظ حضرت فاطمہ نے استعمال کیا ہے، جب کہ اب تک نکاح نہیں ہوا تھا، اس کی وجہ ظاہر ہے، چوں کہ ارادہ حضرت علی کا تھا اور ارادہ پکا بھی تھا کہ اگر روک ٹوک نہ کی گئی تو نکاح آج نہیں تو کل ہو ہی جائے، اس

رقم (٦٩١٨)، وروى بعضَه البخاريُّ في صحيحه، كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر أصهار النبي صلى الله عليه وسلم ، رقم (٣٧٢٩).

(١) فتح الباري: ٣٢٨/٩.

لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ''ناکح'' کے لفظ سے تعبیر کیا(۱)۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تھا اور نکاح کی اجازت مانگی تھی، مستدرک حاکم میں حضرت سوید بن غفلہ خضرمی کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

"خطب علي ابنة أبي جهل إلى عمها الحارث بن هشام، فاستشار النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فقال: أعن حسبها تسألني؟ قال علي: قد أعلم ما حسبها، ولكن أتأمرني بها؟ فقال: لا، فاطمة مضغة مني، ولا أحسب إلا وأنها تحزن وتجزع، فقال عليٌ: لا آتي شيئا تكرهه"(۲).

یعنی: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کے لیے اس کے چچا حارث بن ہشام کو پیغام بھیجا اور اس معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم مجھ سے اس خاتون کا حسب نسب دریافت کرنا چاہتے ہو؟ تو حضرت علی نے کہا کہ اس کا حسب نسب مجھے بہ خوبی معلوم ہے، لیکن کیا آپ مجھے اس سے نکاح کا مشورہ دیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، نہیں! فاطمہ میرا ہی حصہ ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ تمہارے نکاح سے وہ غم زدہ اور پریشان ہوگی۔ تو حضرت علی نے کہا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو''۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے بعد اجازت طلب کی تھی اور خود دورانِ خطبہ موجود نہیں تھے، اس لیے مشورہ بھی کیا، لیکن جب آپ علیہ السلام نے منع فرمادیا، تو حضرت علی اس معاملے سے پیچھے ہٹ گئے، چنانچہ ایک حدیث، جو ''شعیب عن الزہری'' کے طریق سے مروی ہے، میں یہ الفاظ آتے ہیں: "فترك علي الخطبة"(۳) اور ابوداؤد

---

(۱) حواله بالا.

(۲) المستدرك للحاكم: ۱۷۳/۳، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۴۷۴۹).

(۳) صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر أصهار النبي صلى الله عليه وسلم......، رقم (۳۷۲۹).

شریف(۱) کی روایت، جو"معمر عن الزهری عن عروة" سے ہے، میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:
"فسكت علي عن ذلك النكاح"(۲). واللہ اعلم بالصواب۔

فسمعت رسول اللهﷺ يخطب الناس في ذلك على منبره هذا

تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ وہ لوگوں سے اس معاملے میں خطاب کر رہے تھے اپنے اس منبر پر۔

مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ حضرت علی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی سوکن لانا چاہتے اور ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے اپنے منبر سے آگے آنے والا خطبہ ارشاد فرمایا، تاکہ لوگ بھی اصل واقعہ کو جان لیں اور انہیں بھی علم ہو جائے کہ نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کا اجتماع نہیں ہو سکتا(۳)۔

وأنا يومئذ محتلم

اور میں ان دنوں بالغ تھا۔

اس جملے سے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ آگے میں جو نبی علیہ السلام کے الفاظ نقل کروں گا، وہ خلافِ واقعہ نہیں ہیں، بلکہ مجھے خوب یاد ہے کہ میں اس وقت بالغ تھا اور واقعات کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا(۴)۔

حضرت مسور کی عمر اس وقت کیا تھی؟

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ابن سید الناس نے حدیث باب کے ان الفاظ "وأنا يومئذ محتلم" کو خلافِ حقیقت اور غلط کہا ہے اور فرمایا ہے کہ درست لفظ "كالمحتلم" ہے کہ بالغوں کی طرح تھا۔ یہ اسماعیلی کی روایت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں بالغ نہیں ہوئے تھے، کیوں

(۱) سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب مايكره أن يجمع بينهن من النساء، رقم(۲۰۷۰).

(۲) فتح الباري: ۳۲۸/۹، نیز دیکھیے، شرح مشكل الآثار للإمام الطحاوي: ۵۱۱/۱۲-۵۱۹، باب بيان مشكل ما روي عن رسول اللهﷺ من قوله: "إن بني هشام بن المغيرة......"، الباب: (۷۸۸).

(۳) فتح الباري: ۸۶/۷.

(٤) فتح الباري: ۳۲۷/۹.

کہ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد پیدا ہوئے تھے، اس لیے حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی عمر نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت آٹھ سال ہی ہوگی (۱)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابن سید الناس کی طرف سے حدیثِ باب کے الفاظ کی تغلیط درست نہیں، کیونکہ صحیح قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی تھی، اس لیے ان کی عمر وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت نو سال ہوگی، لہٰذا یہ بات بالکل ممکن ہے کہ وہ بلوغت کی جو اقل مدت ہے، یعنی نو سال، اس میں بالغ ہو گئے ہوں، یا حضرت مسور رضی اللہ عنہ کے قول "محتلم" کو مبالغہ پر محمول کیا جائے گا، مراد اس سے تشبیہ ہوگی، اس طرح دونوں روایتیں یعنی "محتلم" اور "کالمحتلم" معنیً موافق ہو جائیں گی، ایک کو درست اور ایک کو غلط قرار دینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اس ساری تفصیل کی حاجت اس لیے محسوس ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آٹھ سالہ بچے کو کہیں بھی محتلم کہا جاتا ہے نہ کالمحتلم، الا یہ کہ تشبیہ مراد لی جائے اور یہ کہا جائے کہ فہم وحفظ اور اخذ کے معاملے میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ بالغ کی طرح تھے (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فقال: إن فاطمة مني، وأنا أتخوف أن تفتن في دينها

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس معاملے کی وجہ سے فاطمہ کا دین متاثر ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا طبعی غیرت کی وجہ سے صبر نہ کرسکیں گی اور اس سے ان کی ذاتی اور خانگی زندگی متاثر ہوگی (۳)۔

ثم ذكر صهرا له من بني عبدشمس، فأثنى عليه في مصاهرته إياه، قال:

---

(۱) حواله بالا.

(۲) حواله بالا.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۳٤.

حدثني فصدقني ووعدني فوفى لي

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک داماد (ابوالعاص بن الربیع) کا تذکرہ کیا، چنانچہ ان کی اپنے ساتھ دامادی کے تعلق ورشتے کی تعریف کی، فرمایا انہوں نے مجھ سے بات کی اور اسے سچ کر دکھلایا، مجھ سے وعدہ کیا اور اس کو پورا کیا۔

حضرت ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابوالعاص بن الربیع بن عبدالعزی بن عبد مناف بن قصی بن کلاب قرشی عبشمی رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت خویلد ہے، جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، اس طرح ابوالعاص حضرت خدیجہ کے حقیقی بھانجے ہوئے (۲)۔

ان کا نام کیا تھا، اس میں علمائے سیر کا اختلاف ہے، بعض نے لقیط، بعض نے زبیر، بعض نے ہشیم، بعض نے مہشم اور بعض نے یاسر بتلایا ہے۔

بقول ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لقیط کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے (۳)۔

ان کا لقب جرو البطحاء تھا، نیز امین سے بھی پکارے جاتے تھے (۴)۔

غزوہ حدیبیہ سے پانچ مہینے قبل انہوں نے اسلام قبول کیا (۵)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے عقد میں تھیں، بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کے جو افراد قید ہوئے تھے، ان میں حضرت ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ بھی

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۰، والإصابة: ٤/١٢١، والاستيعاب: ۲/٤٣٠، باب العين من الكنى.

(۲) سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۱، والإصابة: ٤/١٢١، والاستيعاب: ۲/٤٣٠، والمستدرك للحاكم: ۳/٦٣٨، كتاب معرفة الصحابة، ذكر أبي العاص......، رقم (٦٦٩٣).

(۳) الاستيعاب: ۲/٤٣٠.

(٤) حواله بالا، والإصابة: ٤/١٢١، وسير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۱.

(٥) سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۱.

تھے، مسلمانوں نے جب ان افراد کے بدلے میں فدیہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا تو قیدیوں کے متعلقین اور ورثاء نے مکہ سے فدیہ کی رقم بھجوائی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، جو اس وقت مکہ میں تھیں، نے بھی اپنے شریک حیات کی آزادی کے لیے فدیہ بھجوایا، جو چیز انہوں نے بھیجی اسے دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نرم ہوگیا، وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار تھا(۱)، جو اُن دونوں کی شادی کے وقت حضرت خدیجہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہنایا تھا، ہار دیکھ کر نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو کہ وہ ان کے پاس لوٹ جائیں۔ صحابہ نے سرِ تسلیم خم کیا اور انہیں آزاد کر دیا۔

مکہ مکرمہ روانگی سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے وعدہ لیا کہ وہ واپس جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نبی علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دیں گے اور نبی علیہ السلام نے ان سے یہ بات پوشیدہ و خفیہ رکھنے کا بھی کہا۔

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ، جو آپ کے منہ بولے بیٹے تھے، ایک اور انصاری کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم دونوں بطن یأجج (۲) کو روانہ ہو جاؤ اور وہاں جا کر ٹھہرو، یہاں تک کہ زینب (رضی اللہ عنہم) تمہارے پاس آ جائیں اور تم دونوں ان کے شریکِ سفر ہو گے اور انہیں اپنے ساتھ لیتے آؤ۔ یہ بدر کے کچھ مہینوں بعد کا واقعہ ہے۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ رہا ہو کر جب مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے حضرت زینب سے کہا کہ اپنے والد مکرم کے پاس جانے کی تیاری کرو۔ چنانچہ انہوں نے تیاری مکمل کی اور ان کے دیور کنانہ، جو اُن کے خالہ زاد بھی تھے، ایک اونٹ لے کر آئے، جس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا سوار ہوئیں اور کنانہ بھی تیر کمان ساتھ لیے ان کو لے کر دن ہی میں روانہ ہو گئے، اس پر اہلِ مکہ بڑے برافروختہ ہوئے اور وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۳۳۲، والمستدرك: ۳/۲۳۶، کتاب معرفة الصحابة، ذکر مناقب أبي العاص......، رقم (۵۰۳۸)، والسيرة النبوية لابن هشام: ۲/۶۵۳، ومسند أحمد، مسند عائشة، رقم (۲۶۸۹۴)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، رقم (۲۶۹۲)، من رواية عائشة رضي الله عنها، والإصابة: ۴/۱۲۱.

(۲) قوله: "يأجج": هو بفتح الياء، وبعدها همزة، وجيم مكسورة: موضع على ثمانية أميال من مكة. انظر تعليقات سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۳، ومعجم البلدان: ۵/۴۲۴، باب الياء والألف وما يليهما.

تلاش میں نکلے، چنانچہ کنانہ نے ایک مقام ''ذوطوی'' میں اونٹ ٹھہرایا اور اپنے ترکش پھیلا دیے، ادھر ایک مشرک ہبار بن الاسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ دکھا کر ڈرایا، یہ معاملہ دیکھ کر کنانہ نے کہا کہ جو بھی قریب آیا میں اس کے جسم میں تیر اتار دوں گا۔

پیچھا کرنے والوں میں ابوسفیان بھی تھے، وہ کنانہ سے کہنے لگے، اے آدمی! یہ تیر ہم سے دور رکھو، ہم تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں تو کنانہ رک گئے اور ابوسفیان کی بات سننے لگے، جو کہہ رہے تھے کہ تم نے یہ اچھا نہیں کیا کہ علی رؤس الاشہاد تم اس خاتون کو لے کر نکل پڑے، جب کہ حال ہی میں بدر میں جس ذلت ورسوائی کا سامنا ہم نے کیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو تکلیف ہمیں پہنچی اس کا تمہیں بخوبی علم ہے، یہ جو تم دن دھاڑے اس خاتون کو لیے جا رہے ہو، لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ بھی بدر والی ذلت کا ایک حصہ ہے۔ بخدا! انہیں یہاں روکے رکھنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، اس لیے زینب کو لے کر اب تو واپس چلے جاؤ، حالات جب پرسکون ہو جائیں گے اور لوگوں میں یہ بات عام ہو جائے گی کہ ہم انہیں واپس لے آئے ہیں تو چپکے سے انہیں لے کر نکل جانا اور ان کے والد کے حوالے کر آنا۔

سو کنانہ نے ابوسفیان کی بات پر عمل کیا اور حضرت زینب کو لے کر وہ کچھ راتوں کے بعد دوبارہ نکلے اور انہیں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی کے حوالے کر دیا، یہ دونوں حضرت زینب (رضی اللہ عنہم) کو ساتھ لیے مدینہ منورہ آئے۔

فتح مکہ سے کچھ عرصے قبل کی بات ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے تجارت کی غرض سے شام کا قصد کیا، ان کے ساتھ قریش کا بھی بہت سا مال تھا، واپسی میں مسلمانوں کے ایک لشکر سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی، مسلمانوں نے ان کا سارا مال لے لیا، لیکن ان کو نہ پکڑ سکے، وہ وہاں سے بھاگے، رات کو مدینہ منورہ آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر پناہ کے طالب ہوئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دے دی اور رات انہوں نے وہیں گزاری۔

صبح کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نماز سے فارغ ہوئے تو عورتوں کے مجمع میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بآواز بلند فرمایا: "أيها الناس! قد أجرت أبا العاص بن الربيع" کہ ''لوگو! ابوالعاص بن الربیع میری پناہ میں ہیں''۔

دوسری جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو، جس نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا مال لیا تھا، پیغام بھجوایا کہ:

"إن هذا الرجل منا حيث قد علمتم، وقد أصبتم له مالا، فإن تحسنوا وتردوه، فإنا نحب ذلك، وإن أبيتم، فهو فيء الله، فأنتم أحق به".

یعنی: "جیسا کہ تم جانتے بھی ہو کہ یہ ہمارے خاندان کا فرد ہے اور تم لوگوں نے ان کا مال لے لیا ہے، سو اگر تم ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور ان کا مال واپس کر دو تو یہ ہمیں پسند ہے اور اگر تم انکار کرو تو یہ غنیمت ہے، جس کے تم زیادہ حق دار ہو"۔

اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا، وہ مال ہم انہیں واپس کر دیں گے، چنانچہ حسبِ وعدہ انہوں نے ان سے لیا گیا سارا مال لوٹا دیا۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ اپنا سارا مالِ تجارت لیے مکہ مکرمہ کو روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر جس کا جتنا مال تھا، وہ اس کے حوالے کیا، پھر فرمایا، اے اہل مکہ! کیا تم میں سے کسی کا کوئی حق میرے ذمے ہے؟ انہوں نے جواباً کہا، نہیں! اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اس پر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله" بخدا! میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی اسلام قبول کرنے سے اس لیے رُکا رہا کہ مبادا تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہوں۔ اب جب کہ میں تمہارا سارا مال لوٹا چکا ہوں، مجھ پر کسی کا کوئی حق نہیں رہا، اس لیے میں قبولِ اسلام کا اعلان کرتا ہوں۔

بعد ازیں یہ مدینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ علیہ السلام نے حضرت ابوالعاص وزینب رضی اللہ عنہما کے نکاح کو برقرار رکھا، اس طرح تقریباً چھے سال کی فرقت وجدائی ان دونوں کے درمیان رہی (۱)۔

---

(۱) للاستزادة انظر: سير الذهبي: ۱/۳۳۲-۳۳٤، والإصابة: ٤/۱۲۲، والمعجم الكبير: ۲۲/٤۲٦-٤۳۱، ما أسندت أم سلمة رضي الله عنها، رقم (۱۰۵۰)، والسيرة النبوية لابن هشام: ۲/٦۵۱-٦۵۹، أسر أبي العاص بن الربيع رضي الله عنه......

حدیثِ باب کے الفاظ "حدثني فصدقني، ووعدني، فوفى لي" میں اسی مذکورہ بالا واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے باوصف اپنی اس شدید محبت کے، جواُن کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھی، انہیں واپس اپنے والد کی طرف روانہ کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا اپنا وعدہ نبھایا، اس میں نبی علیہ السلام نے ان کے اس فعل کی تعریف وتوصیف کی ہے(۱)۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ضمن میں تاریخ صرف ایک صاحب زادی کا ذکر کرتی ہے(۲)، امامۃ بنت ابوالعاص، جن کی والدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

یہ وہی امامہ ہیں جنہیں اٹھائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، جس سے ان کی آپس کی محبت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، صحیح بخاری وغیرہ کی روایت ہے، جو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي وهو حامل بنت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولأبي العاص بن الربيع، فإذا قام حملها، وإذا سجد وضعها؟......"(۳). (اللفظ للبخاري).

کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما کو اٹھائے نماز پڑھا

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۱.

(۲) یہ مشہور قول کے مطابق ہے۔ تاہم حاکم نے مستدرک (۳/۲۳۶) میں اور حافظ نے فتح الباری (۷/۸۵) اور عینی نے عمدۃ القاری (۱۶/۲۳۰) میں ایک صاحب زادے کا بھی ذکر کیا ہے، جن کا نام علی تھا، یہ صغرسنی میں ہی انتقال کر گئے تھے، غالباً اسی لیے ان کا ذکر عموماً نہیں کیا جاتا، جب کہ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کافی عرصہ زندہ رہیں، یہ اولاً حضرت علی بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد حضرت مغیرہ بن نوفل کے نکاح میں آئیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (دیکھیے سير أعلام النبلاء: ۱/۳۳۵، والإصابة: ٤/۱۲۳).

(۳) الحديث أخرجه البخاري، أبواب سترة المصلي، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، رقم (۵۱٦)، وكتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله، رقم (۵۹۹٦)، ومسلم، كتاب المساجد، باب جواز حمل الصبيان......، رقم (۱۲۱۲-۱۲۱۵)، وأبوداود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، رقم (۹۱۷-۹۲۰)، والنسائي، كتاب المساجد، باب إدخال الصبيان المساجد، رقم (۷۱۲)، وكتاب السهو، باب حمل الصبيان في الصلاة، ووضعهن في الصلاة، رقم (۱۲۰۵-۱۲۰٦).

کرتے، قیام کی حالت میں اٹھالیتے اور سجدے کے وقت زمین پر رکھ دیتے''(۱)۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کتب ستہ میں کوئی حدیث منقول نہیں ہے(۲)۔

ان کا انتقال عہدِ صدیقی میں، ۱۲ہجری، ماہِ ذوالحجہ میں ہوا(۳) رضي الله عنه وأرضاه.

وإني لست أحرم حلالا، ولا أحل حراما، ولكن والله، لاتجتمع بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وبنت عدو الله أبدا

اور میں کسی حلال چیز کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہیں دیتا، لیکن بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔

حدیثِ باب کے الفاظ تو آپ نے ملاحظہ کیے، جب کہ کتاب النکاح میں یہ الفاظ آتے ہیں:

"فلا آذن، ثم لا آذن، ثم لا آذن، إلا أن يريد ابن أبي طالب أن يطلق ابنتي، وينكح ابنتهم"(٤).

کہ ''میں اجازت نہیں دیتا، پھر نہیں دیتا، پھر نہیں دیتا، البتہ ایک صورت ہے، وہ یہ کہ علی ہماری صاحب زادی کو طلاق دے دیں اور ان کی لڑکی سے نکاح کرلیں''۔

اس روایت میں نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ جو "لا آذن" فرمایا، وہ بطورِ تاکید تھا، نیز اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ممانعت ہمیشہ کے لیے تھی، مبادا کوئی یہ سمجھ لے کہ یہ ممانعت عارضی ہے، کچھ دنوں کے لیے ہے، اس احتمال کو سرے سے ختم فرمانے کے لیے آپ ﷺ نے اپنی بات میں زور پیدا کیا اور تین مرتبہ مذکورہ بالا کلام ارشاد فرمایا(۵)۔

---

(١) سير أعلام النبلاء: ٣٣١/١.

(۲) علامہ نابلسی نے ان کی ایک روایت ذکر کی ہے، تاہم اس میں ان سے تسامح ہوا ہے، سنن نسائی کی جس روایت کا نابلسی رحمہ اللہ نے حوالہ دیا ہے وہ حضرت عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے، نہ کہ ابوالعاص بن الربیع سے، دیکھیے ذخائر المواريث: ٩٧/٣، حرف العين، رقم (٧٣٤٧)، وسنن النسائي، كتاب الاستعاذة من الهرم، رقم (٥٤٨٩)، وتحفة الأشراف: ٢٣٩/٧ (٩٧٦٨)، عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه.

(٣) الإصابة: ١٢٣/٤، وسير أعلام النبلاء: ٣٣٥/١، والطبقات الكبرى لابن سعد: ١٨/٢، ومنهم من أغرب في تاريخ وفاته (هو العلامة العيني)، وقال: إنه قتل يوم اليمامة.

(٤) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، رقم (٥٢٣٠).

(٥) فتح الباري: ٣٢٨/٩.

اور جہاں تک نبی علیہ السلام کے ان الفاظ "إلا أن يريد ابنُ أبي طالب أن يطلق" کا تعلق ہے تو یہ غالباً اس امر پر محمول ہیں کہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چغلی لگائی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا عزمِ مصمم کر رکھا ہے، اس لیے فرمایا کہ فاطمہ کو طلاق دے کر ہی وہ یہ نکاح کر سکتے ہیں۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے شخص سے یہ توقع کیونکر کی جا سکتی ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی ممانعت کے باوصف اس نکاح کا ارادہ رکھیں گے؟!(۱)

ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

اوپر حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے عقد میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کا صحیح ترین محمل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی اور ابوجہل کی بیٹی کے اجتماع کو حرام قرار دیا ہے، کیوں کہ آپ علیہ السلام نے خود اس کی علت بھی بیان فرما دی کہ اس سے مجھے اذیت اور تکلیف ہوگی، جب کہ یہ بات واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے درپے ہونا بالاتفاق حرام ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک "لا أحرم حلالا" کے معنی یہ ہیں کہ ابوجہل کی بیٹی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حلال ہے، وہ اس سے نکاح کر سکتے ہیں، لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں نہیں، کیونکہ ان دونوں خواتین کے درمیان جمع حضرت فاطمہ کی تکلیف کے سبب نبی علیہ السلام کی تکلیف کا سبب بنے گا۔ "ويؤذيني ما أذاها"(۲).

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے کہ کسی کے پاس آپ کی صاحب زادی کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں کر سکتا۔

نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہو، حافظ فرماتے ہیں:

"والذي يظهر لي أنه لا يبعد أن يعد في خصائص النبي صلى الله عليه وسلم أن لا يتزوج على بناته، ويحتمل أن يكون ذلك خاصا

---

(۱) حواله بالا.

(۲) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۳٤، وشرح الكرماني: ۱۳/۸۸.

بفاطمة......"(۱).

ایک سوال اوراس کا جواب

البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور داماد حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن اپنی تقریر میں آپ علیہ السلام نے حضرت ابوالعاص بن الربیع کا ذکر کیا، ان کی تعریف وتوصیف فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے انہیں کا حوالہ دیا اور حضرت عثمان کا تذکرہ نہیں کیا، اس کی کیا وجہ تھی؟

شراح نے اس کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں:

۱- غالباً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص بن الربیع اور حضرت علی دونوں کے ساتھ یہ شرط ٹھہرائی تھی کہ وہ حضرت زینب وفاطمہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کریں گے، اول الذکر نے تو شرط کے موافق ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی تو تعریف وتوصیف فرمائی اور حضرت علی کو تنبیہ (۲)۔

۲- یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مذکورہ شرط بھول گئے ہوں، اس لیے یہ قدم اٹھایا ہو۔

۳- یا ایسی کوئی شرط تو نہیں تھی کہ اس کی تصریح کہیں نہیں ہے، لیکن اس کے باوصف مناسب یہی تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس امر کی رعایت رکھتے اور ایسا کوئی قدم نہ اٹھاتے جس سے حضرت فاطمہ اور نبی علیہ السلام کو تکلیف ہو، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عتاب بھی ہوا، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم ہی کسی پر عتاب فرمایا کرتے تھے (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص ہی کیوں؟

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس معاملے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص ہی کیوں کی گئی کہ ان کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح سے منع کر دیا گیا؟

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳۲۹، وتحفة الباري: ۳/۵٤٠، وإرشاد الساري: ۵/۲٠۱.

(۲) فتح الباري: ۷/۸٦، وعمدة القاري: ۱٦/۲۳۱.

(۳) فتح الباري: ۷/۸٦.

اس کا جواب بھی حدیثِ باب میں موجود ہے، یعنی "وأنا اتخوف أن تفتن في دينها"، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ اور دیگر تینوں اخوات شقیقات زینب ورقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہن کے انتقال کر جانے کے بعد تنہا ہوگئی تھیں، ایسی کوئی ہستی ان کے لیے موجود نہیں تھی، جو انہیں تسلی دیتی، جس کے پاس جا کر یہ اپنا غم ہلکا کرتیں، کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ سوکن کا وجود کوئی بھی خاتون برداشت نہیں کرسکتی، اس لیے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو جاتی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے غیرت کی بنا پر کوئی ایسا فعل سرزد ہو جاتا جو حضرت علی کی ناراضگی کا سبب بنتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذاتی و گھریلو زندگی اور دینی امور بھی متاثر ہوتے، جب کہ کسی بھی خاتون کے لیے سب سے بڑی چیز اس کے خاوند کی رضامندی ہی ہوتی ہے، اس معاملے کی طرف چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس نکاح سے روکا اور وہ بھی اطاعتِ نبوی میں رک گئے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک اشکال اور اس کے جوابات

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسری شادی سے منع کیا کہ وہ غیرت میں آکر کچھ بھی کرسکتی ہیں، لیکن اس اصول کو اپنے حوالے سے پیش نظر نہیں رکھا اور بہت سے نکاح کیے، وہ بھی بیک وقت، کہ ایک ہی وقت میں کئی امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن آپ علیہ السلام کے حرم میں موجود تھیں اور ان کے درمیان نوک جھونک کے واقعات بھی ہوتے رہتے تھے (۲)، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امہات المؤمنین کے حق میں اس امر کی رعایت نہیں رکھی، جس کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں رکھی؟!

اس اشکال کے دو جوابات ہیں:

۱- جیسا کہ ابھی اوپر گزرا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حالت اس وقت یہ تھی کہ وہ ایسی کسی بھی ہستی سے محروم تھیں، جن کے سامنے وہ اپنا غم رکھتیں، ماں اور دیگر بہنیں انتقال کر چکی تھیں، اپنی ذات سے وحشت دور کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا، برخلاف امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے، چنانچہ ان میں سے تقریباً ہر ایک کی

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳۲۹، و: ۷/۸٦.

(۲) مثلاً سورہ تحریم میں بیان کردہ واقعہ عسل، تفصیل کے لیے دیکھیے، کشف الباري، کتاب التفسیر: ٦٨٤.

والدہ یا بہنیں موجود تھیں، جن کے سامنے کوئی واقعہ پیش آنے پر وہ اپنا غم ہلکا کر سکتی تھیں۔

۲- اس کے علاوہ ان کے شوہر و خاوند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ ان کے ساتھ جس نرمی، تطییب قلوب وغیرہ کا معاملہ رکھتے تھے وہ اور کسی کے بس کی بات نہیں، اسی لیے تمام ازواجِ مطہرات ان سے ہر حال میں راضی رہتی تھیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس حسنِ خلق اور ظاہری و باطنی خوب صورتی کا شاہ کار تھے، اس کی وجہ سے اگر کوئی واقعہ پیش آ بھی جاتا وہ آپ کی قربت کی وجہ سے زائل ہو جاتا تھا(۱)۔

اس پر سب سے واضح دلیل سورۃ احزاب میں بیان کردہ واقعہ ہے، جب آیات تخییر (۲) نازل ہوئیں اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کریں یا دنیا کی لذتوں کو تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا (۳)۔

دیکھیے! یہاں اختیار دیے جانے کے باوصف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی و فراق کو منتخب نہیں کر رہی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہر حال میں راضی تھیں، جب کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت نبی علیہ السلام سے کر رہی ہیں۔ اسی لیے آپ نے منع فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح کرنے کے لیے تین مناسبتیں ذکر فرمائی ہیں:

۱- غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب کے تحت اس حکایت و مکالمے کو اس لیے ذکر کر رہے ہیں

---

(۱) فتح الباري: ۹/۳۲۹.

(۲) آیات تخییر سے مراد یہ آیات ہیں:

﴿يا أيها النبي قل لأزواجك إن كنتن تردن الحيوة الدنيا وزينتها فتعالين أمتعكن وأسرحكن سراحا جميلا، وإن كنتن تردن الله ورسوله والدار الآخرة فإن الله أعد للمحسنات منكن أجرا عظيما﴾.

[الأحزاب: ۲۸-۲۹]

(۳) تفصیلی واقعہ کے لیے دیکھیے، کشف الباري، كتاب النكاح، باب موعظة الرجل ابنته......: ۳۲۸-۳۳۸، كتاب التفسير: ۵۱۸-۵۱۹.

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس امر سے اجتناب واحتراز فرمایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے رشتہ داروں کے درمیان کوئی رنجش وکدورت پیدا ہو۔ یہاں بھی حضرت مسور رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن حسین سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس سے احتراز واجتناب کریں اور یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیں، تاکہ اس تلوار کی وجہ سے آپ کے اور آپ کے دیگر رشتہ داروں کے درمیان کوئی رنجش پیدا نہ ہو(۱)۔

۲-یا یہ مناسبت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنے عبشمی بھائیوں کی رعایت رکھتے تھے، اسی طرح آپ بھی اپنے نوفلی بھائیوں کی رعایت رکھیں اور یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیں، کیوں کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نوفلی ہیں(۲)۔

لیکن علامہ کرمانی کی یہ آخری بات درست نہیں کہ وہ نوفلی ہیں، بلکہ وہ زہری ہیں(۳)۔

۳-یا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کا خیال رکھتے تھے، اس کا اہتمام فرماتے تھے، اسی طرح میں بھی آپ کی دلجوئی کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، اس لیے آپ یہ تلوار مجھے دیجیے، کہ میں اس کی حفاظت کروں(۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علامہ کرمانی کے حوالے سے ان تینوں مناسبات کو ذکر کیا ہے اور آخری مناسبت کو معتمد قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"وهذا الأخير هو المعتمد، وما قبله ظاهر التكلف"(٥).

اور حافظ علیہ الرحمۃ نے خود بھی ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت واضح کرنے کے لیے اسی تیسری مناسبت سے ملتا جلتا کلام ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

"والغرض منه ما دار بين المسور بن مخرمة وعلي بن الحسين في

---

(١) شرح الكرماني: ١٣/٨٨.

(٢) حواله بالا.

(٣) فتح الباري: ٦/٢١٤.

(٤) شرح الكرماني: ١٣/٨٨-٨٩.

(٥) فتح الباري: ٦/٢١٤.

أمر سيف النبي صلى الله عليه وسلم، وأراد المسور بذلك صيانة سيف النبي صلى الله عليه وسلم؛ لئلا يأخذه من لايعرف قدره"(۱).

لیکن یہاں دل کولگتی بات وہی ہے، جوعلامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مختصر سے جملے میں کہی ہے:

"مطابقته لجزء الترجمة الذي هو قوله: وسيفه"(۲) کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت ترجمہ کے جزء "وسیفه" کے ساتھ ہے، اس حدیث میں بھی سیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے، جس میں وراثت جاری نہیں ہوئی تھی اور یہی قدر ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

حدیث سے مستنبط فوائد

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مختلف ومتنوع فوائد ونکات ہیں، جن کی طرف شراحِ حدیث نے نشان دہی کی ہے، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اس حدیث سے ایک بات یہ مستفاد ہوئی کہ جس طرح نبی علیہ السلام کو تکلیف واذیت دینا حرام ہے، خواہ وہ اذیت قلیل ہو یا کثیر، اسی طرح ان لوگوں کی اذیت کے درپے ہونا بھی حرام ہے کہ جن کی تکلیف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تکلیف ہو، اس حدیث میں آپ نے جزماً فرمایا کہ جس چیز سے فاطمہ کو اذیت وتکلیف ہوگی اس سے مجھے بھی تکلیف واذیت ہوگی، "يؤذيني ما آذاها".

اب دیکھیے! اس حدیثِ صحیح کی رو سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر وہ شخص جس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں کوئی چیز صادر ہو اور اس سے ان کو تکلیف ہو تو اس سے نبی علیہ السلام کو بھی تکلیف ہوگی، پھر یہ سمجھیے کہ اس سے بڑی اور کیا اذیت وتکلیف دہی ہوگی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے کو قتل کر دیا جائے، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس فعل سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی؟ اس کا نتیجہ بھی قاتلین حسین کو خوب ملا، دنیا میں تو وہ ذلیل ہوئے ہی، ولعذاب الآخرة أشد (وأبقى)(۳).

---

(۱) حواله بالا.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۳۳.

(۳) فتح الباري: ۳۲۹/۹.

۲- فقہ کی ایک اصطلاح ہے، ''سد ذریعہ''، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی فعل کے جائز ومباح ہوتے ہوئے بھی اس سے اس لیے روک دیا جائے کہ اس سے مستقبل میں کسی بڑے ضرر کا اندیشہ ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں کی حجت ہے جو سد ذریعہ کے قائل ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سے چار تک نکاح کرنا مرد کے لیے حلال وجائز ہے، اس سے زائد نہیں، اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح سے منع کیا، کیونکہ اس کی وجہ سے مستقبل میں ضرر مرتب ہو رہا تھا، حافظ لکھتے ہیں:

"وفيه حجة لمن يقول بسد الذريعة؛ لأن تزويج ما زاد على الواحدة حلال للرجال مالم يجاوز الأربع، ومع ذلك فقد منع من ذلك في الحال؛ لما يترتب عليه من الضرر في المآل"(۱).

۳- اس حدیث سے یہ فائدہ بھی مستنبط ہوا کہ آباء واجداد کی عار وذلت ان کی پشتوں میں بھی منتقل ہوتی ہے، یا یہ کہیے کہ خون کا اثر بہرحال ہوتا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی بیٹی کو "بنت عدو اللّٰہ" فرمایا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو ممانعت فرمائی تھی، اس میں اس وصف کی بھی کوئی نہ کوئی تاثیر ضرور تھی، اگرچہ فی نفسہ وہ خاتون بہت اچھی مسلمان تھیں، لیکن "بنت عدو اللّٰہ" ہونا ان کے لیے عار بن گیا(۲)۔

شریف مرتضیٰ اور حدیثِ مسور بن مخرمہ

مشہور شیعہ عالم شریف مرتضیٰ موسوی(۳) نے اپنی کتاب ''غُرر'' میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ

---

(۱) حواله بالا، وفي الموسوعة: "ومعنى سد الذريعة: حسم مادة وسائل الفساد دفعا لها، إذا كان الفعل السالم من المفسدة وسيلة إلى مفسدة" (۲۷٦/۲٤) سد الذرائع.

(۲) حواله بالا.

(۳) یہ مشہور شیعی عالم ابوالقاسم علی بن حسین بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم ہیں، ۳۵۵ھ میں ولادت ہوئی، نسلاً حسینی ہیں، شیعیت اور اعتزال دونوں کے قائل تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب ''نہج البلاغہ'' کے جامع یہی ہیں، جو حقیقۃً ان کی اپنی تالیف ہے، لیکن اسے منسوب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کر دیا گیا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

وهو المتهم بوضع كتاب نهج البلاغة......، ومن طالعه جزم بأنه مكذوب على أمير المؤمنين رضي الله عنه؛ ففيه: السب الصراح، والحط على السيدين: أبي بكر وعمر، رضي الله عنهما، وفيه من التناقض =

عنہ کی اس حدیث کو موضوع کہا ہے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک قسم کی تنقیص ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت مسور رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے، اسی لیے اپنے بغض کو ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے یہ حدیث اور واقعہ اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ نیز یہ روایت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے(۱)۔ جو بغضِ علی میں مسور رضی اللہ عنہ سے بھی شدید تھے(۲)۔

لیکن ان کا یہ کلام باطل و مردود ہے، کیونکہ اصحاب صحاح اس حدیث کی تخریج پر بالاجماع متفق ہیں، اگر موضوع ہوتی تو یہ حضرات ہرگز اس کو اپنی ان کتابوں میں نقل نہ کرتے جن کی صحت پر امت کا اتفاق ہے(۳)۔

۲۹۴٤ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ ، عَنْ مُنْذِرٍ ، عَنِ ٱبْنِ الحَنَفِيَّةِ(٤) قالَ : لَوْ كانَ عَلِيٌّ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ ذَاكِرًا عُثْمَانَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ ذَكَرَهُ يَوْمَ جاءَهُ نَاسٌ ، فَشَكَوْا سُعَاةَ عُثْمَانَ ، فَقَالَ لِي عَلِيٌّ : ٱذْهَبْ إِلَى عُثْمَانَ فَأَخْبِرْهُ : أَنَّهَا صَدَقَةُ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ : فَمُرْ سُعَاتَكَ يَعْمَلُونَ فِيهَا . فَأَتَيْتُهُ بِهَا : فَقَالَ : أَغْنِهَا عَنَّا ، فَأَتَيْتُ بِهَا عَلِيًّا فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : ضَعْهَا حَيْثُ أَخَذْتَهَا .

تراجمِ رجال

۱- قتیبہ بن سعید

یہ مشہور محدث قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب إفشاء

= والأشياء الركيكة والعبارات التي من له معرفة بنفس القرشيين الصحابة وبنفس غيرهم ممن بعدهم من المتأخرين جزم بأن الكتاب أكثره باطل". ميزان الاعتدال: ۱۲٤/۲.

یہ بہت سی دیگر اور کتابوں کے مصنف بھی ہیں، ان کا انتقال ۴۳۶ھ میں ہوا۔

تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، الأعلام للزركلي: ۲۷۸/٤، وميزان الاعتدال: ۱۲٤/۲، رقم (۵۸۲۷)، ولسان الميزان: ۵۲۹/۵، رقم (۵۳۷۵)، وتاريخ بغداد: ٤۰۲/۱۱.

(۱) انظر الجامع للترمذي، كتاب المناقب، باب ماجاء في فضل فاطمة رضي الله عنها، رقم (۳۸٦۹).

(۲) غرر القلائد ودرر الفوائد نامی یہ کتاب تلاش بسیار کے باوجود ہمیں مل نہیں سکی۔

(۳) فتح الباري: ۸٦/۷، وعمدة القاري: ۲۳۱/۱٦.

(٤) قوله: "عن ابن الحنفية": الحديث، تفرد بتخريجه البخاري رحمه الله، وهو في هذا الباب فقط.

السلام......" کے تحت آچکا(۱)۔

۲– سفیان

یہ مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "بـدء الـوحـي" کی پہلی حدیث کے تحت آچکا ہے(۲)۔

۳– محمد بن سوقه

یہ ابوبکر محمد بن سوقہ غنوی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

٤– منذر

یہ ابویعلی منذر بن یعلی ثوری کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥– ابن الحنفيه

یہ محمد بن علی بن ابی طالب ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتـاب الـعـلم، "باب من استحيا فأمر غيره......" کے تحت گزر چکا ہے (۴)۔

٦– علی

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب العلم، "باب كتابة العلم" میں آچکا(۵)۔

۷– عثمان

یہ حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں(۶)۔

---

(١) كشف الباري: ١٨٩/٢.

(٢) كشف الباري: ٢٣٨/١، مفصل حالات کے لیے دیکھیے:١٠٢/٣.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب العيدين، باب مايكره من حمل السلاح في العيد والحرم.

(٤) كشف الباري: ٦٣٧/٤–٦٤٠.

(٥) كشف الباري: ١٤٩/٤.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً.

قال: لو كان علي رضي الله عنه ذاكرا عثمان رضي الله عنه ذكره يوم جاءه ناس فشكوا سعاة عثمان

محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نامناسب الفاظ میں کبھی کرتے تو اس دن ضرور کرتے جب کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور ان کے سامنے حضرت عثمان کی طرف سے مقرر کردہ عاملین زکاۃ کی شکایت رکھی۔

حدیث کا پس منظر

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں اس روایت کو محمد بن سوقہ سے ایک اور طریق سے بھی نقل کیا ہے، اس میں آیا ہے، منذر بن یعلی فرماتے ہیں:

"كنا عند ابن الحنفية، فنال بعض القوم من عثمان، فقال: مه، فقلنا له: أكان أبوك يسبُّ عثمان؟ فقال: ما سبه، ولو سبه يوما لسبه يوم جئتُه......"(١).

کہ "ہم لوگ محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ مجلس میں سے کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی نامناسب بات کہی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ، تو ہم نے کہا کہ کیا آپ کے والد حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتے تھے؟ محمد ابن الحنفیہ نے کہا میرے والد نے ان کو کبھی برا بھلا نہیں کہا، اگر وہ کبھی کہتے بھی تو اس دن کہتے جب میں ان کے پاس آیا......

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیثِ باب میں ذکر سے مراد ذکر بالسوء ہے، چنانچہ حدیث کے بعض طرق میں اس کا ذکر موجود ہے، یعنی "ذاكرا عثمان بسوء......"(١).

پھر یہ سمجھو کہ حدیث میں ناس اور سعاۃ مطلق ہیں، جس سے یہ تعیین نہیں ہو سکتی کہ شکایت کرنے والے

---

(١) المصنف لابن أبي شيبة: ٣٢٦/٢١، كتاب الفتن، باب ماذكر في عثمان ......، رقم (٣٨٨٦٢).

(٢) فتح الباري: ٢١٤/٦، نیز دیکھیے، عمدة القاري: ٣٤/١٥، وابن بطال: ٢٦٧/٥، والقسطلاني: ٢٠١/٥، وكشف المشكل من حديث الصحيحين: ١٤٠/١، مسند أبي الحسن، ومسند الإمام أحمد: ٣٩٥/١، رقم (١١٩٦) مسند علي......

کون لوگ تھے، نہ اس امر کو متعین کیا جا سکتا ہے کہ کس عامل کی شکایت کی گئی تھی، اسی لیے حافظ لکھتے ہیں:

"لم أقف على تعيين الشاكي، ولا المشكو"(۱).

اور سُعاة جمع ہے ساعٍ کی، عامل زکاۃ کو کہتے ہیں، جو مال داروں سے زکاۃ وصول کر کے امام وقت تک پہنچاتا ہے(۲)۔

فقال لي علي: اذهب إلى عثمان، فأخبره أنها صدقة رسول الله ﷺ، فمر سعاتك يعملون فيها

تو مجھ سے علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، انہیں یہ بتلاؤ کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات (کی کتاب) ہے، چنانچہ آپ اپنے عاملین کو یہ کہلا بھیجیے کہ اس پر عمل کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو چیز بھجوائی تھی، وہ غالباً کوئی کتاب یا صحیفہ تھا، چنانچہ باب کی اگلی روایت میں "خذ هذا الكتاب" کے الفاظ بھی ہیں، نیز یہ بھی ہے "فإن فيه أمر النبي صلى الله عليه وسلم في الصدقة" اور ابن ابی شیبہ(۳) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "خذ كتاب السعاة، فاذهب به إلى عثمان"(٤).

فأتيته بها، فقال: أغنها عنا

تو وہ صحیفہ لے کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو مجھ سے دور رکھو۔

أغنها کی لغوی وصرفی تحقیق

یہ باب افعال سے امر حاضر معروف کا صیغہ ہے، ضمیر مفعول کی ہے، أغنى عن كذا کے معنی پھیرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے أغن وجهك عني، أي: اصرفه. اسی کے مثل قول باری تعالیٰ ہے: ﴿لكل امرئ

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢١٥.

(۲) حواله بالا، وعمدة القاري: ١٥/٣٤.

(۳) المصنف لابن أبي شيبة: ٢١/٣٢٦، كتاب الفتن، باب ما ذكر في عثمان ......، رقم (٣٨٨٦٢).

(٤) فتح الباري: ٦/٢١٥، وعمدة القاري: ١٥/٣٤، وأعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٤٣.

منهم يومئذ شان يغنيه﴾(١) أي: يصده ويصرفه عن غيره(٢).

اس کلمے کے ضبط میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مجرد کے باب سمع سے امرِ حاضر کا صیغہ ہے، اس کے معنی ترک واعراض اور بے نیاز ہونے کے ہیں۔ ابن الانباری نحوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی سے مشتق اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿وتولوا واستغنى الله﴾ المعنى تركهم. کیونکہ جب کوئی شخص کسی چیز سے استغنا ظاہر کرتا ہے تو اسے ترک کر دیتا ہے۔

قال الخطابي رحمه الله: "وقوله: "أغنها عنا": كلمة معناها: الترك والإعراض.

قال ابن الأنباري: "ومن هذا قوله سبحانه: ﴿فكفروا وتولوا واستغنى الله﴾(٣) المعنى تركهم؛ لأن كل من استغنى عن شيء تركه"(٤).

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ سے اعراض کیوں فرمایا؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد ابن الحنفیۃ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کیوں فرمایا: "أغنها عنا" اور اس صحیفے یا کتاب صدقات سے اعراض کیوں کیا، جب کہ اوپر یہ تصریح آچکی ہے کہ وہ صحیفہ نبی علیہ السلام کا مرتب کردہ تھا؟

علامہ داوٗدی اور ابن بطال رحمہما اللہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ ان کے پاس اس کی نظیر موجود تھی۔ آپ اس سے ناواقف و بے خبر بھی نہ تھے، بلکہ اس کے مندرجات سے بخوبی واقف تھے، نیز اپنے عاملین سے اس پر عمل بھی کروایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد ارسال کردہ صحیفے کو رد کرنا نہیں تھا، البتہ آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کوئی بعید از عقل بات بھی نہیں، دوسرا پہلو جو مراد لیا جارہا ہے، اس کی ان سے توقع کی ہی نہیں کی جاسکتی کہ آپ نے استخفافاً رد کر دیا ہو۔

---

(١) عبس/٣٧.

(٢) فتح الباري: ٦/٢١٥، وعمدة القاري: ١٥/٣٤.

(٣) التغابن/٦.

(٤) أعلام الحديث: ٢/١٤٤٣-١٤٤٤، وعمدة القاري: ١٥/٣٤، وفتح الباري: ٦/٢١٥.

"وأما رد الصحيفة وقوله: "أغنها عنا" فذلك؛ لأنه كان عنده نظير منها، ولم يجهلها، لا أنه ردها، وليس عنده علم منها، ولأنه قد كان أمر بها سعاته، فلا يجوز على عثمان غير هذا"(۱).

یہی بات ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ان کے بعض شاگردوں نے نقل کی ہے(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مزید احتمالات بھی ذکر کیے ہیں:

۱- ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صحیفہ اس لیے رد فرمایا ہو کہ ان کے عاملین پر جو الزام لگایا گیا تھا وہ ان کے نزدیک ثابت ہی نہ ہوا ہو۔

۲- الزام تو ثابت ہوگیا تھا، لیکن تدبیر اس امر کی متقاضی ہوئی کہ کچھ تاخیر سے کارروائی کی جائے۔

۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اعتراض کیا تھا، ممکن ہے اس کا تعلق مستحبات سے ہو، نہ کہ واجبات سے، غالبًا یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عذر قبول فرمالیا اور ان کی شان میں کوئی نامناسب بات نہیں کی (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت شیخ الحدیث صاحب کی رائے

یہ تو ان حضرات کی رائے ہوئی، یعنی ابن عیینہ، ابن بطال، داؤدی، عینی، ابن حجر، قسطلانی اور گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔ لیکن شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب سے ہٹ کر ایک اور بات ارشاد فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صدقات کے سلسلے میں کتاب ابی بکر پر عمل کرتے تھے، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کے صحیفے سے متعلق یہ فرمایا کہ اس کی ہمیں ضرورت نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صدقات کے

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲٦٧/٥، وعمدة القاري: ٣٤/١٥، وشرح القسطلاني: ٢٠١/٥

(٢) الجمع بين الصحيحين للحميدي: ١٦٦/١، رقم (١٣٩)، أفراد البخاري ...... عن علي رضي الله عنه، وتاريخ مدينة دمشق: ٢٦٦/٣٩، ذكر من اسمه عثمان، وفتح الباري: ٢١٥/٦.

وقال الكنكوهي رحمه الله: "قوله: "أغنها عنا" لأنا إنما نعمل بها، لاغير". وقال الكاندهلوي رحمه الله: "يعني عملنا موافق لهذه الصحيفة، فلا حاجة لنا إليها". لامع الدراري وتعليقاته: ٢٩١/٧.

(٣) فتح الباري: ٢١٥/٦.

سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے صحیفے منقول ہیں: ۱-صحیفہ ابی بکر، ۲-صحیفہ عمر اور ۳-صحیفہ آل عمرو بن حزم رضی اللہ عنہم (۱)۔

علامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح المواہب میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف شرائع واحکام سے متعلق کچھ صحیفے تیار کروائے تھے۔ ان میں سے ایک کتاب الصدقات تھی، جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، آپ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کا والی بنا کر بھیجا تو اس کا ایک نسخہ ان کو بھی دیا...... (۲)۔ ان میں سے دوسرا صحیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا (۳)۔ واضح ہو کہ یہ وہ صحیفہ نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کو دیا، ان دونوں کتابوں کے درمیان جو الفاظ کی مغایرت ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں صحیفے ایک نہیں، بلکہ الگ الگ ہیں۔

جہاں تک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ تیار کی، لیکن عمال حکومت کو وہ صحیفہ نہیں دکھایا اور اس کو اپنی تلوار سے باندھے رکھا، یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا، آپ

---

(۱) قال ابن العربي في كتابه "المسالك شرح مؤطا مالك": "ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم في الماشية ثلاث كتب: كتاب أبي بكر، وكتاب آل عمرو بن حزم، وكتاب عمر بن الخطاب، وعليه عول مالك......".
انظر الأوجز: ٥/٦٥٢، وتعليقات لامع الدراري: ٧/٢٩٨.

(٢) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (١٤٤٨)، وباب لا يجمع بين متفرق......، رقم (١٤٥٠)، وباب ماكان من خليطين......، رقم (١٤٥١)، وباب من بلغت عنده صدقة......، رقم (١٤٥٣)، وباب زكاة الغنم، رقم (١٤٥٤)، وباب لاتؤخذ في الصدقة هرمة......، رقم (١٤٥٥)، وكتاب الشركة، باب ماكان من خليطين......، رقم (٢٤٨٧)، وكتاب فرض الخمس، باب ماذكر من درع النبي صلى الله عليه وسلم......، رقم (٣١٠٦)، وكتاب اللباس، باب هل يجعل نقش الخاتم......؟ رقم (٥٨٧٨)، وكتاب الحيل، باب في الزكاة......، رقم (٦٩٥٥)، وأبوداود في سننه، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، رقم (١٥٦٧)، والنسائي، كتاب الزكاة، باب زكاة الإبل، رقم (٢٤٤٩)، وابن ماجه، كتاب الزكاة، باب إذا أخذ المصدق سنا دون سن، رقم (١٨٠٠).

(٣) والحديث عند مالك في المؤطا، كتاب الزكاة، باب صدقة الماشية، رقم (٢٣/٦٥٩)، وأبي داود في سننه، كتاب الزكاة، باب زكاة السائمة، رقم (١٥٧٠)، والترمذي في جامعه، كتاب الزكاة، باب ماجاء في زكاة الإبل والغنم، رقم (٦٢١).

کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تا مدت خلافت اس پر عمل جاری رکھا، ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ تا حیات اس پر عمل پیرا رہے" (۱)۔ تو اس روایت سے ان دونوں صحیفوں (صدیقی وعمری) کا ایک ہونا لازم نہیں آتا (۲)۔

لیکن شیخ الحدیث کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ زرقانی کے کلام کے آخری حصے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحیفہ ابی بکر وعمر دونوں کے بعض مقامات میں موجود اختلاف اس امر سے مانع نہیں کہ ان پر عمل ممکن نہ ہو۔ شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے مطابق عمل اس لیے کرتے تھے کہ شیخین کا عمل بھی اس پر تھا اور ان کی یہ عادت معروف ہی ہے کہ وہ عمل شیخین کو ترجیح دیا کرتے اور ان کی رائے پر چلنا بہتر جانتے تھے (۳)۔

فأتيت بها عليا، فأخبرته، فقال: ضعها حيث أخذتها

تو میں اس کو لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آیا اور انہیں تفصیل بتلائی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیفہ جہاں سے لیا تھا، وہیں رکھ دو۔

حدیث سے مستنبط ایک فائدہ

امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مستفاد ہوا کہ امراء وولاۃ امور کو نصیحت کرتے رہنا چاہیے، ان کے ماتحت افراد میں اگر کسی قسم کا کوئی فساد ہو تو اس کو ان کے سامنے واضح کر دینا چاہیے اور امام وقت کو بھی ان سے متعلقہ شکایات کی تحقیق وتفتیش کروانی چاہیے (۴)۔

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ قَالَ : سَمِعْتُ مُنْذِرًا الثَّوْرِيَّ ، عَنِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ[5] قَالَ : أَرْسَلَنِي أَبِي : خُذْ هٰذَا الْكِتَابَ فَاذْهَبْ بِهِ إِلَى عُثْمَانَ ، فَإِنَّ فِيهِ أَمْرَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الصَّدَقَةِ .

---

(۱) أخرجه الترمذي، كتاب الزكاة، باب في زكاة الإبل والغنم، رقم (٦٢١)، وأبوداود، كتاب الزكاة، باب زكاة السائمة، رقم (١٥٦٨-١٥٦٩)، وابن ماجه، كتاب الزكاة، باب صدقة الإبل، رقم (١٧٩٨).

(۲) شرح المواهب تعليقات لامع الدراري: ٢٩٨/٧.

(۳) تعليقات لامع الدراري: ٢٩٨/٧.

(٤) فتح الباري: ٢١٥/٦.

(۵) امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کشف الباري، بدء الوحي: (۱/۲۳۷)، میں گزر چکے ہیں۔ جب کہ دیگر حضرات رواۃ کے تراجم کی نشاندہی گذشتہ سند میں کر دی گئی ہے۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام حمیدی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں، آپ نے فقہ وحدیث دونوں میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے، قتیبہ بن سعید کی روایت ذکر کرنے کے بعد انہوں نے تعلیقاً امام حمیدی کی روایت بھی نقل کی، اس کی وجہ ومقصد یہ ہے کہ حمیدی علیہ الرحمۃ کی روایت میں بہ نسبت قتیبہ کی روایت کے سفیان بن عیینہ تحدیث کی صراحت کررہے ہیں۔

اسی طرح اس میں محمد بن سوقہ بھی منذر بن یعلی سے سماع کی صراحت کررہے ہیں (۱)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

امام حمیدی کی یہ تعلیق ان کی تالیف ''کتاب النوادر'' میں موصولاً اسی سند کے ساتھ موجود ہے (۲)۔

مذکورہ صحیفہ کا مضمون کیا تھا؟

حدیث باب کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرق سے موصولاً وتعلیقاً نقل کیا ہے، لیکن اس میں مذکور صحیفے کا مضمون ذکر نہیں کیا کہ اس میں کیا لکھا تھا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کے کسی طریق میں صحیفے کا کیا مضمون تھا، اس کی اطلاع نہیں ہوسکی، البتہ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے ''غریب الحدیث'' میں عطیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

"بعث علي إلى عثمان بصحيفة، فيها: لا تأخذوا الصدقة من الزخة، ولا من النخة"(۳).

یعنی: ''حضرت علی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو ایک صحیفہ بھیجا، جس کا مضمون

---

(۱) فتح الباري: ۲۱۵/٦، وإرشاد الساري: ۲۰۱/۵.

(۲) فتح الباري: ۲۱۵/٦، وتغليق التعليق: ۴٦۹/۳.

(۳) غريب الحديث: ۱۷٦/۲-۱۷۷، حديث ابن عمر رضي الله عنه، وتلخيص الحبير: ۱۵٦/۲، رقم (۸۲۰)، كتاب الزكاة، باب زكاة النعم، الشرط الثالث: الحول، ولسان العرب: ۲۱/۳، مادة "زخخ"، وفيه عثمان بن حنيف غير عثمان بن عفان.

یہ تھا کہ زکاۃ میں بکری کے بچے اور اونٹ کے بچے نہ لینا‘‘۔

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس مضمون کا احتمال ہوسکتا ہے(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کے دونوں طرق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: ”فأخبره أنها صدقة رسول الله صلي الله عليه وسلم“ وہ اس طرح کہ یہاں صدقہ رسول اللہ سے مراد وہ صحیفہ ہے، جس میں احکام صدقات تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ایک جملہ ”وما استعمل الخلفاء بعده“ بھی ذکر کیا ہے، اس جملے کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت ہوگی کہ اس صحیفے کو بعد کے خلفاء نے اپنے استعمال میں رکھا اور اس کے مندرجات پر عمل پیرا ہوئے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

”مطابقته للترجمة يمكن أن تؤخذ من قوله: ”فأخبره أنها صدقة رسول اللهﷺ“، وأراد به الصحيفة التي كانت فيها أحكام الصدقات، ويكون هذا مطابقا لقوله في الترجمة: وما استعمل الخلفاء بعده“(۲).

ترجمۃ الباب کے ساتھ متعلق ایک بحث

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمہ ذکر کیا، وہ نو اجزاء پر مشتمل ہے، یعنی درع، عصا، سیف، قدح، خاتم، وما استعمال الخلفاء بعدہ من ذلک، شعر، نعل اور آنیۃ۔ جب کہ ترجمہ کے تحت ذکر کردہ احادیث کی تعداد چھ ہے، پہلی میں خاتم کا، دوسری میں نعل کا، تیسری میں کسائے ملبد کا، چوتھی میں پیالے کا، پانچویں میں سیف کا اور چھٹی میں صحیفہ کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا چھ احادیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت کیونکر ہے وہ پیچھے ہم بیان کرآئے ہیں۔

لیکن چار چیزوں یعنی درع، عصا، شعر اور آنیۃ کی مطابقت ترجمہ سے کیسے ہوگی، یہ مذکور نہیں، نہ ان سے متعلق کوئی حدیث مصنف نے ذکر کی۔ اس کے دو جواب ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ۲۱۵/٦. یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی نے جو صحیفہ بھیجا تھا، اس کا مضمون صحیفہ صدیقی وعمری والا ہو، جو اُن کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ کما مر عن شیخ الحدیث رحمه الله آنفاً.

(۲) عمدة القاري: ۳٤/۱۵.

۱- ان اشیاء سے متعلق حدیثیں تو ان کے پیش نظر تھیں، لیکن اتفاق سے باب کے تحت وہ ذکر نہیں کر پائے۔

۲- مصنف کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ بعض اوقات ترجمہ میں کوئی چیز ذکر کر کے اس کے تحت متعلقہ حدیث نہیں لاتے، بلکہ اور کسی مقام کی طرف اشارہ فرما دیتے ہیں، جو اہلِ علم سے مخفی نہیں ہوتا تو یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

اب تفصیل سنیے!

❶ درع (زرہ) سے متعلق حدیث انہوں نے بیوع وغیرہ میں ذکر کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم ودرعه مرهونة عند يهودي"(۱).

کہ "نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی زرہ ایک یہودی کے پاس بطور رہن رکھی تھی۔"

❷ عصا سے متعلق حدیث مصنف علیہ الرحمۃ نے کتاب الحج میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کی ہے، "طاف النبي صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع على بعير، يستلم الركن بمحجن"(۲).

اسی طرح آگے کتاب التفسیر میں بھی ایک حدیث بروایت علی رضی اللہ عنہ ذکر فرمائی ہے(۳)، جس میں ایک مخصرہ (چھڑی) کا تذکرہ آیا ہے(۴)۔

❸ شعر سے متعلق حدیث وہ ہے جو کتاب الطہارہ میں گذری، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عندنا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم، أصبناه من قبل أنس"(۵).

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، ماقيل في درع النبي ......، رقم (۲۹۱٦).

(۲) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب استلام الركن بالمحجن، رقم (۱٦۰۷).

(۳) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿وكذب بالحسنى﴾، رقم (٤۹٤۸).

(٤) قال العيني في العمدة: (۱٥/۳۱): "وأما عصاه فقد ذكروا أنه كانت له مخصرة، تسمى العرجون، وهي كالقضيب، يستعملها الأشراف للتشاغل بها في أيديهم، ويحكون بها ما بعد من البدن عن اليد، وكان له قضيب من شوحط يسمى الممشوق، وكان له عسيب من جريد النخل".

(٥) صحيح البخاري، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، رقم (۱۷۰).

④ جہاں تک آنیہ (برتن) کا تعلق ہے تو حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ قدح کے بعد اس کا ذکر عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے اور باب کے تحت برتنوں میں سے انہوں نے صرف قدح کا ذکر کیا ہے اور یہی کافی ہے، کیوں کہ اس سے دوسرے برتنوں کی طرف بھی دلالت ہوتی ہے(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

٦ - باب : اَلدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الخُمُسَ لِنَوَائِبِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَالْمَسَاكِينِ : وَإِيثَارِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَ الصُّفَّةِ وَالْأَرَامِلَ : حِينَ سَأَلَتْهُ فاطِمَةُ وَشَكَتْ إِلَيْهِ الطَّحْنَ وَالرَّحَى : أَنْ يُخْدِمَهَا مِنَ السَّبْيِ : فَوَكَلَهَا إِلَى ٱللهِ .

ترجمۃ الباب کی نحوی تحلیل ومفہوم

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ کہا ہے کہ "هـذا بـاب فـي بيـان الدليل......" جس کا مقصد یہ ہے کہ یہاں مبتدا محذوف ہے، جو ہذا اسم اشارہ ہے، پھر المساکین اور ایثار النبی کا عطف نوائب پر ہے اور اہل الصفۃ والأرامل ایثار مصدر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے، علاوہ ازیں حین...... ظرف ہے ایثار مصدر کے لیے اور جملہ "أن یخدمها" بتاویل مصدر مفعول ثانی ہے سألته فعل کے لیے(۲)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہذا محذوف مبتدا ہے اور باقی عبارت خبر۔

جب کہ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ الدلیل...... مبتدا ہے اور حیـن سألته جملہ خبر ہے، جس کے لیے تقدیری عبارت نکالی جائے گی، یعنی مافعله (۳) باقی تفصیل حسب سابق ہے، ان کے مطابق عبارت یوں ہوگی، "الـدلیل علی ...... مافعله حین سألته فاطمة......" اور ترجمۃ الباب کی عبارت کا مفہوم

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢١٣. وقال العيني في العمدة (١٥/٣١):

"وأمـا آنيتـه فـكثيرة، ذكرها أصحاب السير، منها: قدر من حجارة، يدعى المخضب، يتوضأ فيه، ومخضب آخر من شبه، يكون فيه الحناء والكتم، يضع على رأسه إذا وجد فيه حرا، وكان له مغسل من صفر، وكـانـت لـه ركـوة، تسمى الصادرة، وكان له طست من نحاس، وقدح من زجاج، وكانت له جفنة عظيمة يطعم فيها الناس، يحملها أربعة رجال، تسمى الغداء......".

وكذا انظر مجمع الزوائد: ٥/٢٧٢، كتاب الجهاد، باب آلات الحرب......

(۲) عمدة القاري: ١٥/٣٥.

(۳) حاشية السندي على البخاري: ١/٤٣٩، وتعليقات اللامع: ٧/٢٩٨-٢٩٩.

یہ ہوگا:

خمس کا مصرف نوائب رسول اللہ، مساکین وغیرہ ہیں، اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر کے کام کاج کے لیے خادم کا مطالبہ کیا تو آپ علیہ السلام نے ان پر اہلِ صفہ وغیرہ کو ترجیح دی اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

ترجمۃ الباب کی لغوی تحقیق

ترجمۃ الباب میں مذکور بعض الفاظ کی توضیح درج ذیل ہے:-

❶ نوائب: یہ نائبة کی جمع ہے، "وهي ما كانت تنوبه"، یعنی مختلف امور وحوادث جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتے تھے۔

❷ الأرامل: یہ أرمل کی جمع ہے، اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو اور أرملة اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو، یہاں أرامل سے مراد دونوں ہیں، جب کہ فقراء ہوں (۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خمس کا مصرف بتلایا ہے اور اس سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار کیا ہے، جو اس امر کے قائل ہیں کہ خمس میں حاکم وقت کو اختیار ہے کہ خمس کو اپنی مرضی سے جہاں اور جتنا چاہے خرچ کرے۔ مسئلہ کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

خمس کن لوگوں کو دیا جائے گا؟

علمائے اسلام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے، جن میں چار حصے غانمین کے ہوں گے، یعنی جو لوگ غزوہ میں شریک تھے۔ ایک حصہ جو خمس کہلاتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اس کا مستحق کون لوگ ہوں گے اور اس کو کہاں خرچ کیا جائے گا۔ تفصیلِ مذاہب حسبِ ذیل ہے:

❶ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے تین حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ یتامیٰ کا ہوگا، ایک حصہ مساکین کا اور ایک ابن السبیل کا۔ البتہ ابن السبیل کے تحت فقرائے ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں اور اس معاملے میں ان کو ترجیح

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۳۵، وشرح القسطلاني: ۵/۲۰۲.

دی جائے گی اور ذوی القربی میں جو اغنیاء ہوں گے ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ امام وقت اس تقسیم میں خود مختار ہوگا کہ کسی کو دے یا نہ دے۔

ذوی القربی میں قرابت سے مراد قرابتِ رسول ہے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار وغیرہ۔

یہ خلفائے راشدین کا مذہب بھی ہے(۱)۔

❷ شوافع وحنابلہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے پانچ حصے ہوں گے، جو اِن لوگوں پر تقسیم ہوں گے: یتامیٰ، مساکین، ابن السبیل، ذوی القربی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تو ان کا حصہ مصالح مسلمین اور اسلحہ وغیرہ کی خریداری پر صَرف ہوگا۔

پھر ان حضرات کے ہاں ذوی القربی میں فقراء کی کوئی تخصیص نہیں، اغنیائے ذوی القربی بھی اسی سہم کے مستحق ہوں گے(۲)۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ یہی مذہب عطاء، مجاہد، شعبی، نخعی، قتادہ اور ابن جریج رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی ہے(۳)۔

❸ مالکیہ کے نزدیک خمس، جزیہ، فیء، عشور اور خراج وغیرہ سب کا محل بیت المال ہے، امام وقت اپنی صواب دید کے مطابق اس کو مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرے گا، لیکن اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان یعنی بنو ہاشم کو ترجیح دی جائے گی اور ان کو بہت وافر مقدار اس میں سے عطا کیا جائے گا، کہ وہ زکوۃ کا مال نہیں لے سکتے،

---

(۱) أحكام القرآن للرازي: ۸۲/۳، وإعلاء السنن: ۲۱۰/۱۲، والأوجز: ۲۸۲/۹، والدر المختار: ۲۵۸/۳، والهداية: ۲٤۰/٤، وفتح القدير لابن الهمام: ۲٤۳/٥، وروح المعاني: ۲۸۰/۱۰-۲۸۳، سورة الأنفال.

اس مسئلے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ بھی احناف کے ہم نوا ہیں، انہوں نے اپنی سنن میں مختلف روایات نقل کرنے کے بعد یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں:

"وسهم لذي القربى، وهم بنو هاشم، وبنو المطلب، بينهم الغني منهم والفقير، وقد قيل: إنه للفقير منهم دون الغني، كاليتامى وابن السبيل، وهو أشبه القولين بالصواب عندي، والله أعلم".

راجع السنن الصغرى: أول كتاب قسم الفيء، تحت رقم (٤١٥٢)، والسنن الكبرى: ٤٨/٣، كتاب الخمس، تفريق الخمس......، قبل رقم (٤٤٥٠).

(۲) المغني لابن قدامة: ۳۱٤/٦، وكتاب الأم: ١٤٧/٤/٢، قسم الفيء، سن تفريق القسم، رقم (١٢٧٩٣).

(۳) المغني: ۳۱٤/٦، كتاب الزكاة، باب قسمة الفيء والغنيمة والصدقة، رقم (٥٠٧٩)، الفصل الرابع.

پھر عام مسلمانوں کے مختلف مصالح میں اس کو صَرف کیا جائے گا، جیسے مساجد، پلوں اور غزوات وغیرہ(۱)۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فعند مالك الأمر مفوض إلى رأي الإمام، إن شاء قسم بينهم، وإن شاء أعطى بعضهم دون بعض، وإن شاء أعطى غيرهم، إن كان أمر غيرهم أهمَّ من أمرهم"(۲).

یہ تو ائمہ اربعہ کے مذاہب کا بیان تھا، اس مسئلے میں دیگر مذاہب بھی ہیں، جن کی تعداد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سات (۳) اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق گیارہ ہے (۴)۔ جن میں بعض کی طرف آگے اشارہ بھی ہوگا۔

ماخذ مذاہب

اس مسئلے میں ائمہ کرام آیت کریمہ ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول ولذي القربى واليتمىٰ والمساكين وابن السبيل﴾(۵) کو بطور ماخذ کے لیتے ہیں، یہی آیت کریمہ اختلاف مذاہب کی اصل بھی ہے، اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین وفقہائے ملت کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

آیت کریمہ میں لفظ "اللہ" کے معنی

پہلا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں لفظ "اللہ" کا کیا موقع ہے، اللہ تعالیٰ کو سہم دینے کی کیا صورت ہوگی؟

اس سلسلے میں پہلا قول ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ خمس کے چھ حصے کیے جائیں

(۱) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي: ۲/۵۰۱-۵۰۲، والأوجز: ۹/۲۸۵، والمغني: ۶/۳۱۵.

(۲) فتح القدير: ۵/۲۴۳.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۳۸.

(۴) الأوجز: ۹/۲۷۷-۲۸۲.

(۵) الأنفال: ۴۱.

گے، کہ آیت کریمہ میں مصارف خمس چھے بیان کیے گئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ذووالقربی، یتامی، مساکین اور ابن السبیل۔ اور اللہ تعالیٰ کو سہم خمس دینے کی یہ صورت ہوگی کہ اس کا چھٹا حصہ بیت اللہ (کعبہ مشرفہ) کے لیے استعمال ہوگا (۱)۔

بقولِ بیضاوی: انہوں نے ظاہر آیت سے استدلال کیا ہے (۲)۔ نیز ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غنیمت کا مال پیش کیا جاتا تو آپ اس پر ہاتھ مارتے، جو کچھ ہاتھ میں آتا اسے کعبہ مشرفہ کے لیے مختص قرار دیتے، پھر بقیہ مال آیت میں ذکر کردہ مصارف خمسہ میں تقسیم فرماتے (۳)۔

جب کہ اکثر کی رائے یہ ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ اللہ افتتاح کلام اور تبرک وتعظیم کے لیے ہے (۴)۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، ابوالعالیہ کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ یہ بات اگر ثابت ہوتی تو خلفائے اربعہ دوسروں کے مقابلے میں اس پر عمل پیرا ہونے کے زیادہ لائق وسزاوار ہوتے، جب کہ یہ بات ثابت نہیں تو ابوالعالیہ کا قول بھی ثابت نہیں۔

نیز اس کے کوئی معنی نہیں کہ سہم کعبہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کہا جائے، کیونکہ دیگر سہام مذکورہ بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے صَرف کیے جاتے ہیں، معلوم یہ ہوا کہ آیت میں ﴿فأن لله خمسه﴾ سہم کعبہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اب جب کہ ابوالعالیہ کے قول کا بطلان ثابت ہوگیا تو اس کے دو معنی اور وجوہ ہوسکتے ہیں۔

اولاً- یہ کہ لفظِ اللہ افتتاح کلام کے لیے ہو، جیسا کہ ہم نے سلف کی ایک جماعت (عطاء، شعبی اور قتادہ) کے حوالے سے بتلایا ہے اور مقصد ہماری تعلیم ہو کہ اللہ کے نام سے تبرک حاصل کیا جائے اور جملہ امور کو

---

(۱) الأوجز: ۲۷۷/۹، وتفسير البيضاوي مع حاشية الشهاب الخفاجي: ٤٧٦/٤، والتفسير الكبير: ۱٦٥/۱٥-۱٦٦، وأحكام القرآن: ۷۹/۳.

(۲) تفسير البيضاوي مع الشهاب: ٤٧٦/٤، والأوجز: ۲۷۷/۹.

(۳) أحكام القرآن: ۷۹/۳، والأوجز: ۲۷۸/۹.

(٤) أحكام القرآن: ۷۹/۳-۸۰، والأوجز: ۲۸۱/۹، والتفسير الكبير: ۱٦٦/۱٥، والمغني: ۳۱٤/٦-۳۱٥، وتفسير البيضاوي: ٤٧٥/٤، وبذلك جزم صاحب الهداية: ٢٤٢/٤، طبع مكتبة البشرىٰ، كراتشي، وشرح ابن بطال: ۲۷٤/٥.

اسی کے نام باعظمت سے شروع کیا جائے۔

ثانیاً- اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خمس پورا کا پورا ان راستوں میں صَرف کیا جائے جو رضائے خداوندی اور اس کے تقرب کا سبب ہوں، اس لیے ابتداءً لفظ اللہ لائے، پھر ان وجوہ وراستوں کو بتلایا کہ وہ راستے یہ ہیں۔﴿وللرسول ولذي القربى......﴾ خلاصہ یہ ہوا کہ ابتداءً حکم خمس کو مجمل رکھا، پھر ان وجوہ مجملہ کی تفسیر وتوضیح ذکر فرمائی (۱)۔

لیکن اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں اس واو کے کیا معنی ہیں، جو﴿لله وللرسوله﴾ کے درمیان واقع ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لغت کی رُو سے اس واو کا ادخال جائز ہے، لیکن مراد اس کا الغاء ہے کہ اس کا اعتبار نہیں ہے، جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:﴿ولقد آتينا موسى وهارون الفرقان وضياء﴾(۲) اس میں واو ملغی وغیر معتبر ہے کہ فرقان ہی ضیاء ہے۔اسی طرح قرآن کریم میں ہے:﴿فلما أسلما وتله للجبين﴾(۳) اس کے معنی ہیں:"لما أسلما تله للجبين"، کیونکہ﴿فلما أسلما﴾ جواب کا مقتضی ہے اور اس کا جواب﴿تله للجبين﴾ ہے.....(۴)۔

سہم الرسول کے معنی اور اس میں اختلاف

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آیت کریمہ میں لفظ "الجلالة" کے ذکر کا کیا مقصد ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک حیات رہے خمس کا ایک حصہ لیتے رہے، اس کے علاوہ صفی (۵) پر بھی آپ کا حق تھا، نیز غنیمت میں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی عام لشکری کے مثل

(۱) أحكام القرآن للرازي: ۳/۸۰.

(۲) الأنبياء: ٤٨.

(۳) الصافات: ۱۰۲.

(٤) أحكام القرآن: ۳/۸۰-۸۱.

(٥) قال الموفق: "...... الصفي، وهو شيء يختاره من المغنم قبل القسمة، كالجارية، والعبد، والثوب والسيف ونحوه". المغني: ٦/٣١٦، وأيضاً انظر بذل المجهود: ١٣/٣١١.

سہم لیا کرتے تھے۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس سہم میں سلف کا اختلاف ہوگیا کہ اس کا حکم کیا ہے؟

اس سلسلے میں حنابلہ وشافعیہ کا مؤقف تو یہ ہے کہ یہ حصہ اب بھی باقی ہے اور خمس کی جب تقسیم ہوگی تو اس حصے کو بھی الگ سے شمار کیا جائے گا، البتہ اب اس کا مصرف یہ ہوگا کہ اس کو مصالح مسلمین میں صَرف کیا جائے گا کہ اس سے اسلحہ کی خریداری ہوگی اور سرحدوں کی پاسداری ہوگی وغیرہ، امام شافعی فرماتے ہیں:

"أختار أن يضعه الإمام في كل أمر حصن به الإسلام وأهله؛ من سد ثغر، وإعداد كراع أو سلاح، أو إعطائه أهل البلاء في الإسلام نفلاً......"(١).

جب کہ مالکیہ کا مسلک خمس کے حوالے سے ابھی سابق میں گزرا کہ وہ کسی تقسیم کے قائل نہیں ہیں اور یہ کہ پورا کا پورا خمس امام کے حوالے ہے کہ وہ اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صَرف کرے (۲)۔

اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم ان کی وفات کے بعد ساقط ہوگیا ہے، کیونکہ یہ سہم آپ کو ایک خاص وصف یا صفت کی بنیاد پر ملتا تھا، یعنی رسالت، جس کا تصور آپ علیہ السلام کے بعد ممکن ہی نہیں (۳)۔

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سهم النبي صلى الله عليه وسلم إنما كان له ما دام حيا، فلما توفي سقط سهمه كما سقط الصفي بموته، فرجع سهمه إلى جملة الغنيمة كما رجع إليها، ولم يعد للنوائب"(٤).

سہم ذی القربی اور اس میں اختلاف

آیت کریمہ میں تیسرا جو مصرف ذکر کیا گیا، وہ ذوی القربی ہیں، ان کے سہم میں بھی اختلاف ہے، امام

---

(١) المغني: ٦/٣١٥، والأم: ٢/٤/١٤٧، رقم (١٢٨٠٢)، والأوجز: ٩/٢٨٤.

(٢) الشرح الكبير للدردير: ٢/١٩٠، والأوجز: ٩/٢٨٥.

(٣) الدر المختار: ٣/٢٥٩، والهداية: ٤/٢٤٢، ومعالم السنن للخطابي: ٢/٢٩١، رقم (٧٧٦)، باب المن عن الأسير بغير فداء.

(٤) [illegible]كام القرآن: [illegible]٨١.

ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم خمس میں سے خمس کا پانچواں حصہ ہے، یہ پانچواں حصہ اور جو کچھ بچے وہ ان طبقات میں تقسیم ہوگا جن کا ذکر آیت میں ہے، یعنی ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل۔

جب کہ امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کا مسلک پہلے گذرا کہ وہ ذوی القربیٰ کے مستقل سہم کے قائل ہیں، خواہ یہ لوگ مال دار ہوں یا حاجت مند۔ اوران دوالقرابۃ میں تقسیم للذکر مثل حظ الانثیین کے اصل کے مطابق ہوگی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ذوالقربیٰ کا مستقل کوئی حصہ خمس میں نہیں ہے، تقسیم تین طبقات میں ہوگی، یتامیٰ، ابن السبیل اور مساکین، کما مر قبل۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت اپنی رائے واجتہاد کے موافق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء کو خمس میں سے دے گا، کما مر قبل. البتہ فقرائے ذوی القربیٰ پر بھی اس سے صَرف کیا جائے گا، لیکن اس کی علت فقر ہوگی، قرابت رسول نہیں، اس طرح یہ ان تینوں طبقات میں داخل ہو جائیں گے (۱)۔

استحقاق خمس کی بنیاد کیا ہے؟

احناف وشوافع وغیرہ کے درمیان وجہِ اختلاف یہ امر ہے کہ وہ حضرات قرابت رسول کو وجہ استحقاق قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ قرابتِ رسول ہی اس استحقاق کے لیے کافی ہے، جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ وجہ استحقاق دو چیزیں ہیں، قرابتِ رسول اور نصرت۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ ﴿ذوي القربى﴾ مجمل ہے، جو محتاجِ بیان ہے، ظاہر ہے کہ یہ لفظ قرابتِ رسول کے ساتھ خاص نہیں، دوسرے لوگوں کی بھی رشتے داریاں ہوتی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں سارے لوگوں کی رشتے داریاں مراد نہیں، اس لیے اس لفظ کی وضاحت ضروری ہے۔

سلف کا اس امر میں اتفاق ہے کہ اس آیت میں قرابت سے قرابتِ رسول مراد ہے، اب ان میں بعض حضرات وہ ہیں، جو یہ کہتے ہیں، کہ ان اقرباء میں استحقاق خمس رکھنے والے وہ افراد ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت بھی کرتے تھے، اس لیے اس سہم کے استحقاق کی بنیاد دو چیزیں ہوئیں، قرابتِ رسول ونصرت اور وہ

---

(۱) أحكام القرآن: ۸۱/۳، و۸۲، وحاشية الدسوقي: ۵۰۲/۲، باب في الجهاد، والأوجز: ۲۸۵/۹، والأم: ۱۴۷/۴/۲، رقم (۱۲۷۹۳)، المغني: ۳۱۴/۶، والهداية: ۲۴۰/۴-۲۴۲.

اقرباء جو اس وصف نصرت سے متصف نہیں تھے کہ وہ بعد میں پیدا ہوئے یا اسلام بعد میں قبول کیا، وہ بھی اس کے مستحق رہے، لیکن اس کی بنیاد فقر تھی کہ ان میں کا اگر کوئی فقیر محتاج ہوتا تو اس کو اس سہم سے کچھ دیا جاتا، جس طرح دوسرے عام فقراء کو دیا جاتا، جو قرابتِ رسول سے متصف نہیں تھے۔

اس کی واضح دلیل حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں:

"لما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم سهم ذوي القربى بين بني هاشم وبني المطلب أتيتُه أنا وعثمانُ، فقلنا: يا رسول الله، هؤلاء بنوهاشم، لا ننكر فضلهم بمكانك الذي وضعك الله فيهم، أرأيت بني المطلب أعطيتَهم ومنعتَنا، وإنما هم ونحن منك بمنزلة؟ فقال صلى الله عليه وسلم: إنهم لم يفارقوني في جاهلية ولا إسلام؟ وإنما بنوهاشم وبنو المطلب شيء واحد، وشبَّك بين أصابعه"(۱).

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعب ابی طالب کے واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس میں قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے حمایتی قبائل بنو ہاشم و بنو المطلب کا مقاطعہ و بائیکاٹ کیا تھا، اس وقت پورا قریش آپ علیہ السلام کی مخالفت میں ایک طرف تھا، تو بنو ہاشم و بنو المطلب آپ علیہ السلام کی حمایت میں دوسری طرف۔

یہ حدیث دو وجوہ سے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ استحقاقِ خمس کے لیے صرف قرابت کافی نہیں۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بنو عبد شمس اور بنو مطلب دونوں قرابت نبی میں برابر ہیں، لیکن نبی علیہ السلام نے بنو المطلب کو تو خمس میں سے دیا اور بنو عبد شمس کو نہیں دیا، اگر استحقاق بالقرابت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں برابری کرتے۔

---

(۱) الحديث، أخرجه البيهقي: ٦/٥٥٤-٥٥٥، كتاب قسم الفيء ......، باب سهم ذي القربى، رقم (١٢٩٥١-١٢٩٥٥)، و(١٢٩٥٨)، وابن أبي شيبة: ١٨/١٣٠، كتاب السير، باب سهم ذوي القربى ......، رقم (٣٤١٣٣)، وكتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٣٨٠٣٠)، نیز دیکھیے آگے باب (١٧)، ومن الدليل على أن الخمس للإمام، وأنه يعطي ...... میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج......۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں ذکر کردہ لفظ ذوی القربیٰ میں جو اجمال تھا، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے مجمل نہیں رہا، اس کی وضاحت ہوگئی اور آپ کا فعل کہیں بیان اجمال کے لیے آئے وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، کما تقرر في الأصول(۱).

جب نبی علیہ السلام نے یہ بیان کردیا کہ قرابت مع النصرۃ ہے تو یہ معلوم ہوا کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد بھی ہے۔ان میں سے جو نصرت نبی سے متصف نہیں ہیں اگر وہ اس خمس میں سے لے رہے ہیں تو وہ فقر واحتیاج کی بنیاد پر، نہ کہ قرابت کی وجہ سے(۲)۔

خلفائے راشدین کا اجماع

علاوہ ازیں اس پر خلفاءِ اربعہ کا بھی اتفاق ہے کہ استحقاق خمس کا سبب فقر ہے، دلائل حسبِ ذیل ہیں:

❶ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تھے، تو انہوں نے سہم ذوی القربیٰ کا کیا کیا تھا؟ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا تھا اور انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان پر ان دونوں (شیخین) کی رائے کے خلاف چلنے کا الزام دھرا جائے(۳)۔

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے بھی اگر وہی نہ ہوتی جو شیخین کی تھی تو وہ اس کے مطابق فیصلہ نہ کرتے، کیوں کہ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیگر کچھ مسائل میں شیخین کے ساتھ اختلاف کیا ہے، مثلاً میراث جد، کہ ان کی رائے اس مسئلے میں شیخین کی رائے سے مختلف ہے، ......، چنانچہ اب، یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچی کہ حضرت علی اور شیخین رضی اللہ عنہم کی اس مسئلے میں رائے ایک ہی ہے کہ سہم ذوی القربیٰ میں ان کے فقراء ہی مستحق ہوں گے اور جب خلفائے اربعہ (حضرت عثمان کا عمل بھی اس مسئلے میں شیخین کے موافق تھا، جیسا کہ آگے حدیث آرہی ہے) کا اس مسئلے میں اجماع ہوگیا تو اس مسئلے کی حجیت ان کے

---

(۱) أحكام القرآن: ۸۲/۳.

(۲) حواله بالا وشرح معاني الآثار: ۱۵۳/۲، والهداية: ۲٤۰/٤-۲٤۲.

(۳) أحكام القرآن: ۸۲/۳، وشرح معاني الآثار: ۱۵۲/۲، والسنن الكبرى للبيهقي: ۵۵۷/٦-۵۵۸، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب سهم ذي القربى من الخمس، رقم (۱۲۹٦۰).

اجماع سے ثابت ہوگئی، کیوں کہ ارشادِ نبوی ہے، "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي"(۱).

❷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نجدۃ الحروری کے سہم ذی القربی سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

"كنا نرى أنه لنا، فدعانا عمر إلى أن نزوج منه أيمنا، ونقضي منه عن مغرمنا، فأبينا أن لايسلمه لنا، وأبي ذلك علينا قومنا"(۲).

یعنی "ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ حصہ ہمارا ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس امر کی طرف بلایا کہ ہم اس کے ذریعے اپنے رنڈوؤں اور بیواؤں کی شادی کریں اور ہم میں کا جو قرض دار ہو، اس کا قرض ادا کریں، تاہم اس پر ہم نے اصرار کیا وہ ہمیں ہی دیا جائے (کسی قسم کی کوئی قید نہ لگائی جائے)، لیکن اس پر ہماری قوم (یعنی خلفائے راشدین ودیگر صحابہ) راضی نہیں ہوئے"۔

اس روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ خود اعتراف فرمارہے ہیں کہ ان کی قوم یعنی صحابہ کا خیال یہی تھا کہ اس میں ان کے فقراء کا تو حصہ ہے، لیکن اغنیاء کا نہیں۔

نیز ان کا یہ فرمانا کہ "كنا نرى أنه لنا" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محض ان کی رائے تھی، جس کی سنت اور اتفاق صحابہ کی موجودگی میں کوئی حیثیت نہیں۔ ایک رائے ہے(۳)۔

❸ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وكان أبوبكر يقسم الخمس نحو قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم، غير أنه لم يكن يعطي قربى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كان

---

(۱) الحديث، أخرجه أبو داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، رقم (٤٦٠٧)، وأحمد في مسنده، مسند العرباض بن سارية، رقم (١٧٢٧٥)، وجامع المسانيد والسنن، مسند العرباض......، رقم (٦٤٧٣).

(۲) مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن عباس، رضي الله عنهما، رقم (٢٨١٢) و(٢٩٤٣)، وسنن النسائي، أول كتاب قسم الفيء، رقم (٤١٣٨-٤١٣٩)، والمعجم الكبير للطبراني: ٣٣٦/١٠، يزيد بن هرمز عن ابن عباس، رقم (١٠٨٣٢).

(۳) أحكام القرآن للرازي: ٨٣/٣.

النبي صلى الله عليه وسلم يعطيهم، قال: فكان عمر بن الخطاب يعطيهم منه، وعثمانُ بعده"(١).

یعنی "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تقسیم خمس کا طریقہ وہی تھا جو نبی علیہ السلام کا تھا، البتہ وہ نبی علیہ السلام کے اقرباء کو اس قدر نہیں دیا کرتے تھے، جس قدر آپ خود عطا فرماتے تھے، بعد میں حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہ ان کو اس میں سے حصہ دیتے تھے"۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ خلیفہ اول ذوی القربی کو سہم نہیں دیا کرتے تھے، لیکن حضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ عنہما دینے لگے، اس کی وجہ بھی گذشتہ احادیث میں گزر چکی کہ وہ احتیاج پر مبنی تھا، نہ کہ استحقاق پر(٢)۔

پھر اوپر کی حدیث جبیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق جو یہ فرمایا گیا کہ وہ سہم دیا کرتے تھے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پورا پورا حصہ ذوی القربی نکال کر ان کے حوالے کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر سہام سے ان کی حاجت کے مطابق دیتے تھے، اس کی دلیل وہی نجدۃ الحروری کو لکھا گیا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مکتوب ہے، جس کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں:

"وقد كان عمر عرض علينا من ذلك عرضا، رأيناه دون حقنا، فرددناه عليه، وأبينا أن نقبله"(٣).

اس حدیث کے تحت حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولعل هذا مبني على أن عمر رآهم مصارف، وظن ابن عباس أنهم أهل استحقاق فيه، أفترى عمر ينقص حقهم أولاً، ثم إذا نقص فردوه؟ أفيظن به أنه يحرمهم منه أصلاً؟ فلم يكن إلا أنه رآهم مصارف، ورأى استغنائهم عنه، فلم يرد عليهم ثانيا"(٤).

---

(١) سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب في بيان مواضع قسم الخمس، رقم (٢٩٧٨-٢٩٧٩).

(٢) تكملة فتح الملهم: ٣/٢٥٥-٢٥٦.

(٣) سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب في بيان مواضع ......، رقم (٢٩٨٢).

(٤) بذل المجهود: ١٠/١٧١، كتاب الخراج...... ......

یعنی: ''شاید اس کی بنا یہ تھی کہ حضرت عمر کی رائے میں ذوی القربیٰ مصرف تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے خیال میں یہ حضرات اس کے مستحق تھے کہ ان ہی کو دینا ضروری تھا، ورنہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً تو ان کے حق میں کمی کردی تھی اور جب کمی کے بعد انہوں نے لوٹا دیا تو کیا یہ گمان ان کے بارے درست ہوسکتا ہے کہ وہ ان کو اس سے بالکل ہی محروم رکھیں گے؟! اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کو مصرف سمجھتے تھے، جب انہوں نے ان کا استغناء دیکھا تو دوبارہ پیشکش نہیں کی''۔

مصرف اور استحقاق میں فرق

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے مصرف اور استحقاق کے درمیان فرق بھی واضح ہوگیا، مصرف کا مطلب یہ ہے کہ اگر آیت کریمہ میں مذکورہ افراد میں خمس کو خرچ کیا جائے تو یہ خرچ برمحل ہوگا، کسی کو دیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں اور استحقاق کا مطلب یہ ہے کہ ان مذکور افراد میں اس کو متعین طور پر خرچ کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ائمہ اربعہ کے درمیان ایک بنیادی اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں جن لوگوں کا ذکر ہے، وہ مصرف ہیں یا مستحق، امام شافعی واحمد مؤخر الذکر کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سب کو پہنچانا ضروری ہے، امام مالک وابوحنیفہ اول الذکر کے قائل ہیں، وہ استحقاق کو مانتے نہیں۔

خلاصۂ بحث

اس پوری تفصیلی بحث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

۱ خمس کے اب تین حصے ہی ہوں گے، جو یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کے ہوں گے۔

۲ علت استحقاق فقر واحتیاج ہے، اسی لیے اس پر تقریباً سبھی متفق ہیں کہ آیت کریمہ میں یتیم سے مراد وہ ہے جس کا مورث اس کے لیے کچھ نہ چھوڑ کر گیا ہو محتاج ہو، غنی ہونے کی صورت میں اس کو بھی نہیں ملے گا (۱)۔

= مزید دلائل احناف کے لیے دیکھیے، تکملة فتح الملهم: ۳/۲۵٤-۲۵۸، وأحكام القرآن للجصاص: ۳/۸۲-۸۳، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۰۹-۲۵۱، باب أربعة أخماس الغنيمة ......

(۱) أحكام القرآن: ۳/۸۳ و۸۵، وفتح القدير: ٥/۲٤۳.

❸ اس پر خلفائے راشدین کا اجماع بھی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

احناف کے مسلک پر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فقرائے ذوی القربی خمس کے مستحق ہیں، ان کے اغنیاء نہیں، تو ان کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی، جب کہ وہ اس علت فقر کی وجہ سے جملہ مساکین میں داخل ہیں؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جس طرح یتامیٰ اور ابن السبیل کو مخصص بالذکر کیا گیا، اسی طرح ذوی القربی کی بھی تخصیص کی گئی ہے، ورنہ یتامیٰ اور ابن السبیل بھی اس سہم کے مستحق تبھی ہوں گے، جب کہ وہ فقراء ہوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين......﴾(۱) کہ صدقات کے مستحق تو فقراء اور مساکین......وغیرہ ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "إن الصدقة لا تحل لنا ......"(۲) جس سے یہ معلوم ہوا کہ صدقات آل محمد کے لیے حلال نہیں۔ اگر خمس کے مستحقین میں ان کا نام نہ ہوتا تو کوئی بھی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ خمس میں سے بھی ذوی القربیٰ کو دینا جائز نہیں، جس طرح کہ صدقات میں سے ان کو دینا جائز نہیں، چنانچہ اسی توہم کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتلانے کے لیے ان کا ذکر بھی کیا کہ خمس کے معاملے میں ان کا مسئلہ صدقات کے مسئلے سے مختلف ہے، ان کے لیے خمس میں سے لینا جائز ہے(۳)۔ واللہ اعلم۔

ایک اور اشکال اور اس کے جوابات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی خمس کے مال میں

---

(۱) التوبة: ٦٠.

(۲) وتمامه: "وإن موالي القوم من أنفسهم". اللفظ للترمذي، من رواية أبي رافع مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم، كتاب الزكاة، باب ماجاء في كراهية الصدقة ...... (٦٥٧)، وكذا انظر سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم، رقم (١٦٥٠)، والنسائي، كتاب الزكاة، باب مولى القوم منهم، رقم (٢٦١٣)، والمصنف لابن أبي شيبة: ٥٠/٧، كتاب الزكاة، من قال: لا تحل الصدقة على بني هاشم، رقم (١٠٨١٠).

(۳) أحكام القرآن: ٨٣/٣، و٨٦.

سے عطا کیا تھا، جب کہ وہ غنی و مال دار تھے(۱)۔ اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ اس میں ذوی القربیٰ کے اغنیاء وفقراء دونوں کا حصہ ہے۔

اس اعتراض کے دو جوابات ہیں:

❶ ان کو آپ علیہ السلام نے جو کچھ دیا اس کی وجہ قرابت ونصرت دونوں تھی، یہ علت خود آپ نے بھی بیان فرمائی کہ "إنهم لم يفارقوني في جاهلية ولا إسلام" تو اس میں غنی وفقیر دونوں مساوی ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف تو نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ہے کہ اب نصرت باقی نہیں رہی۔

❷ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس لیے دیا ہو کہ وہ اسے فقرائے بنی ہاشم میں تقسیم فرما دیں، یعنی ان کی اپنی ذات کے لیے نہیں دیا تھا(۲)۔ واللہ اعلم۔

ذوی القربیٰ سے مراد کون لوگ ہیں؟

علمائے امت کا ذوی القربیٰ میں بھی اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون ہیں، اس میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تین اقوال ذکر فرمائے ہیں:

❶ پورا قبیلہ قریش ہے، یہ بعض سلف کا قول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے بعثت کے وقت جب کوہِ صفا پر چڑھے تو آپ نے یہ ندا دی "يا بني فلان، يا بني عبد مناف، يا بني

---

(۱) أحكام القرآن: ۳/۸٤، وفتح القدير: ٥/۲٤٥، روایات میں آیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیس غلام تھے، جو اُن کو کما کر دیا کرتے تھے۔ نیز ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دو سال کی پیشگی زکاۃ وصول کی تھی، یہ بھی یسار وغنی کی دلیل ہے۔ دیکھیے شرح معاني الآثار: ۲/۱۸٤، كتاب وجوه الفيء وخمس الغنائم، نیز دیکھیے المستدرك للحاكم: ۳/۳٦٦، ذكر إسلام العباس، رقم (٥٤٠٩)، وسنن البيهقي الكبرى: ٦/٥٢٤، كتاب قسم الفيء ......، باب مفادلة الرجل منهم بالمال، رقم (۱۲۸٤۹)، والمعجم الكبير للطبراني: ۱۱/۱۷۱، عطاء عن عباس، رقم (۱۱۳۹۸)، ومجمع الزوائد: ۷/۲۸، سورة الأنفال، والطبقات الكبرى لابن سعد: ٤/۱٥، الطبقة الثانية من المهاجرين ......، ودلائل النبوة: ۳/۱٤۲، غزوة بدر العظمى، باب ما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بالغنائم......، وفتح الباري: ۸/۳۱۲، كتاب التفسير، رقم (٤۳۸٦)، وعمدة القاري: ۱۳/۹۷، كتاب العتق، باب إذا أسر أخو الرجل أو عمه هل يفادى......؟

(۲) أحكام القرآن: ۳/۸٤.

عبدالمطلب، يا بني كعب بن مرة، يا بني عبدشمس، أنقذوا أنفسكم من النار......"(۱).

❷ بنو ہاشم و بنو عبد مناف ہیں، اس کے قائل امام شافعی، احمد، ابوثور، مجاہد، قتادہ، ابن جریج اور مسلم بن خالد رحمہم اللہ ہیں۔ دلیل پیچھے گزر چکی ہے کہ "إنهم لم يفارقوني في جاهلية......"(۲).

❸ صرف بنو ہاشم ہیں، یہ قول مجاہد (في رواية) حضرت عمر بن عبدالعزیز، زید بن ارقم اور علی بن الحسین (امام زین العابدین) کا ہے، نیز امام مالک، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں (۳)۔

یہی تیسرا قول احناف کا بھی ہے اور بنو ہاشم سے مراد آل علی، آل عباس، آل جعفر، آلِ عقیل اور اولاد حارث بن عبدالمطلب ہیں (۴)۔

اوپر ذکر کردہ تینوں طبقات قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہیں، کیوں کہ جب آیت کریمہ ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾(٥) نازل ہوئی، تو آپ علیہ السلام نے ان سب کو کوہِ صفا پر جمع فرمایا تھا اور ان کو دین کی دعوت پہنچائی تھی، جس سے یہ ثابت ہوا کہ وصف قرابت ان تمام کو شامل ہے۔

ذوی القربی سے متعلق احکام

اب ذوی القربی سے متعلق احکام تین ہیں:

❶ حصہ خمس کا استحقاق، بقوله تعالى: ﴿وللرسول ولذي القربى﴾(٦) اور ذی القربی سے مراد ان کے فقراء ہیں، كما مرَّ قبل.

❷ ان پر صدقات حرام ہیں اور جن پر صدقات حرام ہیں وہ آلِ علی، وآلِ عباس، وآلِ جعفر، وآلِ عقیل اور اولادِ حارث بن عبدالمطلب ہیں، یہی لوگ اہلِ بیت ہیں، اس حکم میں بنوالمطلب داخل نہیں، کیوں کہ وہ اہل بیت میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ اہلِ بیت میں داخل ہوتے تو بنوامیہ بھی اہلِ بیت میں سے ہوتے، چوں کہ ان کا نسبی

(١) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الإيمان، من رواية أبي هريرة باختصار، رقم (٥٠١).

(٢) سبق تخريجه آنفا.

(٣) الجامع لأحكام القرآن: ٨/١٢، وفتح الباري: ٦/٢٤٥-٢٤٦.

(٤) أحكام القرآن للرازي: ٣/٨٤-٨٥.

(٥) الشعراء: ٢١٤.

(٦) الأنفال: ٤١.

تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی ہے جو بنوالمطلب کا ہے اور علمائے امت کا اس بابت کوئی اختلاف نہیں کہ بنوامیہ اہلِ بیت میں داخل نہیں، اس لیے بنوالمطلب بھی اس میں داخل نہیں ہوں گے۔

❸ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی طور پر یہ حکم دینا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں، یہ انداز قریش کی تمام شاخوں وقبائل کو شامل ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت کریمہ ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ نازل ہوئی تھی تو آپ علیہ السلام نے سب کو خطاب کرکے فریضۂ انذار انجام دیا تھا، کما ورد به الأثر(۱).

اور قریبی رشتہ داروں کو انذار کے ساتھ مختص کرنے کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ دعوت الی الدین کے سلسلے میں یہ فعل زیادہ بلیغ وحسن ہے۔ دوسری یہ کہ دعوت الی اللہ کے معاملے میں اپنی ذات سے مداہنت ومحابات (بے جا طرف داری) کی نفی کی قریب ترین صورت اور بہترین راستہ یہی تھا۔

وہ اس لیے کہ جب لوگوں کو یہ علم ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتے داروں اور خاندان کے بارے میں بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کریں اور انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا، غیر اللہ کی عبادت سے روکا تو نبی علیہ السلام اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ دوسروں کو بھی اس سے ڈرائیں اور روکیں، کیوں کہ اس معاملے میں مداہنت وطرف داری جائز ہوتی کسی کے بھی حق میں تو ان کے رشتے دار اس کے زیادہ مستحق وسزاوار تھے، کہ ان کو نہ چھیڑا جائے، لیکن اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دعوت دی، ان پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد حدیثِ باب دیکھیے۔

---

(۱) روى مسلم بسنده عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: لما نزلت هذه الآية: ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشاً، فاجتمعوا، فعم وخص. فقال: يا بني كعب بن لؤي، أنقذوا أنفسكم من النار، يا بني مرة بن كعب، أنقذوا ......، يا بني عبد شمس، أنقذوا ...... يا بني عبد مناف أنقذوا ......، يا بني هاشم، أنقذوا ...... يا بني عبدالمطلب: أنقذوا ...... يا فاطمة، أنقذي نفسك من النار، فإني لا أملك لكم من الله شيئاً، غير أن لكم رحماً، سأبلها ببلالها". انظر صحيحه، كتاب الإيمان، باب في قوله تعالى: ﴿وأنذر عشيرتك ......﴾ رقم (۵۰۱).

(۲) أحكام القرآن للرازي: ۸۵/۳.

٢٩٤٥ : حدّثنا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قالَ : أَخْبَرَنِي الحَكَمُ قالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي لَيْلَى : حَدَّثَنَا عَلِيٌّ[1] : أَنَّ فاطِمَةَ رضي الله عنها ٱشْتَكَتْ ما تَلْقَى مِنَ الرَّحَى مِمَّا تَطْحَنُ ، فَبَلَغَهَا أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ أُتِيَ بِسَبْيٍ ، فَأَتَتْهُ تَسْأَلُهُ خادِمًا فَلَمْ تُوافِقْهُ ، فَذَكَرَتْ لِعَائِشَةَ ، فَجاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ عائِشَةُ لَهُ ، فَأَتَانَا وَقَدْ دَخَلْنَا مَضَاجِعَنَا ، فَذَهَبْنَا لِنَقُومَ ، فَقَالَ : (عَلَى مَكانِكُمَا) . حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي . فَقَالَ : (أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ ، إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَكَبِّرَا ٱللهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ ، وَٱحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمَا مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ) . [٣٥٠٢ ، ٥٠٤٦ ، ٥٠٤٧ ، ٥٩٥٩]

تراجمِ رجال

١– بدل بن المحبر

یہ بدل بن المحبر –بتشدید الباء– رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٢)۔

٢– شعبه

یہ مشہور امام حدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت آچکے (٣)۔

٣– الحكم

یہ الحکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب السمر في العلم" کے تحت

---

(١) قوله: "علي": الحديث أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب علي......، رقم (٣٧٠٥)، وكتاب النفقات، باب عمل المرأة في بيت زوجها، رقم (٥٣٦١)، وباب خادم المرأة، رقم (٥٣٦٢)، وكتاب الدعوات، باب التكبير والتسبيح......، رقم (٦٣١٨)، ومسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار......، رقم (٦٩١٥–٦٩١٧)، والترمذي، كتاب الدعوات، باب ما جاء في التسبيح والتكبير......، رقم (٣٤٠٥)، وأبوداود، كتاب الخراج......، باب بيان مواضع قسم الخمس، رقم (٢٩٨٨–٢٩٨٩)، وكتاب الأدب، باب التسبيح عند النوم، رقم (٥٠٦٢–٥٠٦٣).

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب استواء الظهر في الركوع.

(٣) كشف الباري: ٦٧٨/١.

گزرچکاہے(۱)۔

٤– ابن ابی لیلی

یہ مشہور محدث عبدالرحمٰن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

٥– علی

خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب العلم، باب کتابة العلم" کے تحت گزرچکے(۳)۔

٦– فاطمہ

یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں(۴)۔

حدیثِ باب کا ترجمہ

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتلایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں(۵) پر چکی پینے کی وجہ سے نشان (چھالے) پڑ گئے تھے، سوانہیں خبر ملی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی لائے گئے ہیں تو وہ نبی علیہ السلام کے پاس آئیں کہ ان سے ایک خادم لیں، لیکن ان کی آپ علیہ السلام سے ملاقات نہیں ہوسکی، تو انہوں نے اپنی ضرورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی، نبی کریم

---

(۱) كشف الباري: ٤/٤١٤.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب استواء الظّهر في الركوع.

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ محدثین کے ہاں ابن ابی لیلیٰ سے مراد عبدالرحمٰن ہوتے ہیں اور فقہاء کے نزدیک اس سے مراد عبدالرحمٰن کے صاحبزادے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہوتے ہیں۔ عمدة القاري: ١٥/٣٦.

(۳) كشف الباري: ٤/١٤٩.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم......

(۵) مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں یہ یعنی ہاتھ کی تصریح ہے، کہ چکی پینے کی وجہ سے ہاتھ متاثر ہوئے تھے۔ صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار......، رقم (٦٩١٥-٦٩١٧)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب في بيان مواضع قسم الخمس، رقم (٢٩٨٨).

صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، حضرت عائشہ نے ان سے ذکر کیا کہ فاطمہ آئی تھیں اور اپنی ضرورت بیان کرگئی ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، درانحالیکہ ہم اپنے اپنے بستروں میں جاچکے تھے، آپ کو دیکھ کر ہم نے اٹھنا چاہا تو آپ نے منع فرمادیا اور کہا دونوں اپنی جگہ رہو۔ یہاں تک کہ آپ کے قدموں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے پر محسوس کی، سو فرمایا، میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتلاؤں جس کا تم دونوں نے مجھ سے تقاضا کیا ہے؟ جب تم دونوں اپنے اپنے بستر میں جاؤ تو چونتیس بار اللہ اکبر، تینتیس بار الحمدللہ اور تینتیس بار سبحان اللہ کہو، یہ عمل تم دونوں کے لیے اس سے بہتر ہے، جس کا تم نے تقاضا کیا ہے۔

حدیث کے بعض اجزاء کی شرح

سبی کے معنی چھیننے اور لوگوں کو پکڑنے کے ہیں اور اس کا اطلاق غلام و باندی دونوں پر ہوتا ہے، اس کی جمع سبایا ہے (۱)۔ اسی طرح خادم کا اطلاق بھی مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے (۲)۔

باب کی روایت میں فأتته تسأله آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ آیا ان کے ساتھ اور کوئی بھی تھا، اس کی یہاں تصریح نہیں۔ امام ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے، اس میں ام الحکم بنت الزبیر یا ضباعۃ بنت الزبیر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان ہے:

> "أصاب رسول الله صلى الله عليه وسلم سبيا، فذهبتُ أنا وأختي وفاطمةُ بنتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم، فشكونا إليه ما نحن فيه، وسألناه أن يأمر لنا بشيء من السبي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سبقكنّ يتامى بدر"(۳).

> کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کچھ قیدی لگے، تو میں اور میری بہن اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کے پاس گئے، ان سے جس تکلیف و مشقت کا ہم شکار تھے، اس کا ذکر کیا اور یہ درخواست کی کہ قیدیوں میں سے کچھ ہمیں بھی دیے جائیں (بطورِ خادم)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ یتامیٰ بدر تم سے سبقت لے گئے ہیں"۔

---

(۱) عمدہ القاري: ۱۵/۳٦.

(۲) جامع الأصول للجزري: ٤/۲٥٦.

(۳) انظر سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب في بيان مواضع قسم......، رقم (۲۹۸۷).

ابوداؤد شریف کی روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں، وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔

پھر حدیثِ باب میں یہ آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر میں غیر موجودگی کی وجہ سے اپنی حاجت کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا، اکثر روایات میں اسی طرح ہے، البتہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "علل" میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔

حافظ نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں ازواج مطہرات کے گھروں میں فاطمہ رضی اللہ عنہن آئی ہوں کہ پہلے تو حضرت عائشہ کے ہاں آئیں۔ آپ علیہ السلام وہاں نہیں ملے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئیں (۱)۔

فأتانا وقد دخلنا مضاجعنا، فذهبنا لنقوم، فقال: على مكانكما، حتى وجدت برد قدميه على صدري

اس عبارت میں مختلف فوائد ہیں:

❶ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان دونوں کے پاس تشریف لائے وہ رات کا وقت تھا، چنانچہ ایک روایت میں "أتانا النبي ﷺ ذات ليلة" (۲) کہ ایک رات نبی علیہ السلام ہمارے پاس آئے، کی صراحت ہے۔

❷ نیز جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت یہ دونوں لحاف اوڑھ چکے تھے کہ سردی کے دن تھے، ان دونوں نے جب آپ علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہونے اور کپڑے زیب تن کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے روک دیا کہ اپنی حالت اور جگہ پر رہو، اٹھنے کی ضرورت نہیں، ایک روایت میں ہے، "وكانت ليلة باردة، وقد دخلت هي وعلي في اللحاف، فأرادا أن يلبسا الثياب......" (۳).

اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ باپ اپنی بیٹی کے ہاں اس وقت بھی جا سکتا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ لیٹی ہوئی ہو (۴)۔

---

(١) العلل للدارقطني: ٣/٢٨٢-٢٨٤، رقم السوال: (٤٠٦)، وفتح الباري: ١١/١٢٤.

(٢) مسند أحمد: ١/٤٤، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنهما، عن ابن أبي ليلى، رقم (١٢٢٩).

(٣) عمدة القاري: ١٥/٣٦.

(٤) شرح ابن بطال: ٥/٢٧٣.

۳ ابوداود شریف کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی علیہ السلام ان دونوں کے سرہانے کی طرف سے تشریف لائے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شرم وحیا سے اپنا چہرہ لحاف میں چھپالیا(۱)۔

۴ بخاری شریف ہی کی ایک روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ نبی علیہ السلام ان دونوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے، "فجاء، فقعد بيني وبينها" (۲).

اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ باپ اپنی بیٹی اور اس کے شوہر کے درمیان بیٹھ بھی سکتا ہے، جب کہ وہ لیٹے ہوئے ہوں، اگرچہ باپ کے جسم کا کوئی حصہ بیٹی کے جسم سے مس بھی ہو رہا ہو، جیسے روایتِ باب میں قدمین کی برودت کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں (۳)۔

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کو جائز نہیں کہتے (۴)۔ احوط بھی یہی ہے کہ جائز نہ ہو، خصوصاً ہمارے اس زمانے میں، جب محارم کی پہچان ختم ہوتی جارہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم تھے، ان کے بارے میں اس طرح سوچنا بھی درست نہیں۔

الأمر فوق الأدب

پھر حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو دیکھ کر حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما نے ادباً قیام کا ارادہ کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکماً فرمایا، "على مكانكما" کہ اپنی جگہ رہو، اس کے بعد یہ دونوں کھڑے نہیں ہوئے، اپنی سابقہ حالت میں رہے، چنانچہ یہ "الأمر فوق الأدب" کے قبیل سے ہے کہ جب آپ کا حکم آگیا تو ادباً جو کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تھا، اسے ترک کردیا (۵)۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے "حتى وجدت برد قدميه" کے مجازی معنی

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب التسبيح عند النوم، رقم (٥٠٦٣).

(۲) صحيح البخاري، كتاب النفقات، باب عمل المرأة في بيت زوجها، رقم (٥٣٦١).

(۳) شرح ابن بطال: ٥/٢٧٣.

(٤) حواله بالا.

(٥) لامع الدراري: ٧/٣٠٢.

مراد لیتے ہوئے اس کی تفسیر طمانینت اور سکینہ سے کی ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے ایک قسم کا اطمینان اور سکون محسوس کیا اور فرمایا ہے کہ اس سے بردحسی مرادنہیں ہے(۱)۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے لائق تو یہی ہے کہ "بـــرد قـدمیـه" سے طمانینت اور سکینہ مراد ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی شان ہر اعتبار سے راحت وسکون اور طمانینت تھی، تاہم روایات سے ظاہر یہی ہے کہ یہاں برودت حسی مراد ہے، چنانچہ طبری کی ایک روایت میں صراحۃ یہ الفاظ منقول ہیں: "قال علي: حتى وجدت برد قدميه على صدري فسخنتهما"(۲) کہ میں نے ان کے قدمین مبارکین کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی تو میں نے انہیں گرما دیا۔ اور ایک روایت جو پیچھے بھی گزری اس میں "وكانت ليلة باردة"(۳) ہے(۴)، ان سب میں برودت حسی کا ذکر ہے، علاوہ ازیں پیچھے ذکر کردہ روایت میں لفظ لحاف (۵) بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ دن سردیوں کے تھے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تھے، اس لیے پاؤں ٹھنڈے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

فقال: ألا أدلكما على خير مما سألتماني؟

سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتلاؤں جس کا تقاضا تم دونوں نے مجھ سے کیا ہے؟

اصل میں سائلہ حضرت فاطمہ تھیں، لیکن یہ طلب وتقاضا چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی رضامندی سے تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب کی نسبت دونوں کی طرف فرمائی اور کہا، "سألتماني"(٦).

بلکہ جامع ترمذی کی ایک روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اپنی اہلیہ مکرمہ

---

(۱) حواله بالا.

(۲) فتح الباري: ۱۱/۱۲۰، رقم (٦٣١٨)، وعمدة القاري: ١٥/٣٦، طبری.

(۳) لم أجده في متون الحديث، وإنما ذكره العيني في العمدة: ١٥/٣٦.

(٤) تعليقات اللامع: ٧/٣٠٢.

(٥) انظر سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب التسبيح عند النوم، رقم (٥٠٦٣).

(٦) عمدة القاري: ١٥/٣٦.

کو نبی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہاں سے کوئی خادم دیکھ لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"شكتْ إلي فاطمةُ مجل يديها من الطحن، فقلت لها: لو أتيتِ أباكِ، فسألتِيه خادما؟......"(١).

تلقین کردہ کلمات کی حکمت وخاصیت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خادم کا تقاضا کیا تھا، جواباً آپ علیہ السلام نے ان کلمات کی تلقین فرمائی، جن کا حدیث میں ذکر ہے، ان کلمات کو "تسبیحِ فاطمی" بھی کہا جاتا ہے، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص سوتے وقت ان کلمات کی پابندی کرے گا اور ضرور بالضرور ان کا وِرد کرے گا تو اسے کبھی تھکاوٹ نہیں ہوگی، کیوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت بھی اسی کی، کی تھی کہ کام کی زیادتی اور چکی وغیرہ پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں، اس لیے ایک خادم عنایت کردیجئے، لیکن آپ علیہ السلام نے بجائے خادم عطا کرنے کے ان کلمات کی تلقین فرمائی (۲)۔

تاہم حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں تامل ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ تھکاوٹ کا بالکل نہ ہونا متعین نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان کلمات کی پابندی کرے گا اسے کام کی زیادتی سے نقصان نہیں ہوگا، نہ ہی کام کاج اس کے لیے بھاری ثابت ہوگا، اگرچہ تھکاوٹ لاحق بھی ہو (۳)۔

ان کلمات کی تلقین کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاریہ کے بدلے آپ علیہ السلام نے ان کو یہ کلمات تلقین فرمائے اور اسے خیر قرار دیا کہ ذکر کا فائدہ ثوابِ آخرت ہے اور جاریہ کا فائدہ خدمت وغیرہ ہے، جو دنیوی امر ہے، چنانچہ یہ امر مسلم ہے کہ "الثواب أكثر وأبقى، فهو خير"(٤).

---

(١) الجامع للترمذي، كتاب الدعوات، باب ماجاء في التسبيح والتكبير......، رقم (٣٤٠٥)، وأخرجه أبو داود أيضاً في سننه، كتاب الخراج ......، باب في بيان مواضع قسم الخمس، رقم (٢٩٨٨).

(٢) فتح الباري: ١١/١٢٤-١٢٥، كتاب الدعوات، رقم (٦٣١٩)، والوابل الصيب: ٢٠٦، ذكر الله وفوائده، الحادية والستون.

(٣) فتح الباري: ١١/١٢٥.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٣٦، ومثله عند ابن بطال بزيادة: ٥/٢٧٣. حدیث باب کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب الدعوات: ٢٠٤.

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

ترجمہ کی حدیث کے ساتھ مطابقت واضح ہے، ترجمہ میں امام بخاری کا دعویٰ یہ تھا کہ امام وقت کو اموالِ خمس میں تصرف کا اختیار کلی ہے، جہاں چاہے صَرف کرے، اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔ چنانچہ حدیثِ باب میں دیکھیے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب ترین اور جگر گوشہ ہونے کے باوصف خادم عطا کرنے سے منع فرمادیا اور دیگر مستحقین کو ان پر ترجیح دی۔ قاله إسماعيل القاضي(١).

یہی بات امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

"ولو كان قسما مفروضا لذوي القربى لأخدم ابنته، ولم يكن عليه السلام ليدع شيئا اختاره الله لهم وامتن به عليهم؛ لأن ذلك حيف على المسلمين، واعتراض لما أفاء الله عليهم، فأخدم منه ناسا، وتركه ابنته، ثم لم تدع فيه رضي الله عنها حقا لقرابة حين وكلها إلى التسبيح، ولو كان فرضا لبينه تعالىٰ كما بين فرائض المواريث"(٢).

اسی کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا اور مزید فرمایا:

"وأن أبابكر وعمر أخذا بذلك، وقسما جميع الخمس، ولم يجعلا لذوي القربى منه حقا مخصوصا به، بل بحسب مايرى الإمام، وكذلك فعل علي......"(٣).

ایک اہم تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں اہلِ صفہ اور ارامل کا ذکر بھی کیا تھا، لیکن ترجمہ کے تحت نقل کردہ حدیث میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

اس کی توجیہ کرتے ہوئے حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہما اللہ نے اپنی معروف عادت کے موافق

(١) فتح الباري: ٢١٦/٦، وشرح ابن بطال: ٢٧٠/٥.

(٢) شرح ابن بطال: ٢٧١/٥، وفتح الباري: ٢١٦/٦.

(٣) شرح معاني الآثار للطحاوي: ٢٠١/٢، وشرح ابن بطال: ٢٧١/٥، وفتح الباري: ٢١٦/٦.

یہاں ان روایات اور حدیث کے ان طرق کی طرف اشارہ پر اکتفا کیا ہے، جن میں ان کا ذکر ہے۔

چنانچہ مسند احمد(۱) کے ایک طریق میں حدیثِ باب کو مطولاً ذکر کیا گیا ہے، اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات بھی ہیں:

"والله لا أعطيكما وأدع أهل الصفة تطوي بطونهم من الجوع، لا أجد ما أنفق عليهم، ولكن أبيعهم وأنفق عليهم أثمانهم"(۲).

''بخدا! میں تمہیں نہیں دے سکتا، جب کہ اہلِ صفہ کے پیٹ بھوک کی وجہ سے لگے ہوئے ہیں، میرے پاس ایسی کوئی چیز بھی نہیں، جو ان پر خرچ کروں، اس لیے میں ان خادمین کو بیچ کر ان کی قیمت اہلِ صفہ پر خرچ کروں گا''۔

مسند احمد کی اس روایت سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ طلبائے علوم دینیہ کو خمس غنائم وغیرہ میں مقدم کیا جائے گا، ان لوگوں کے مقابلے میں جن کا ذکر آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے(۳)۔

٧ – باب : قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : «فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ» /الأنفال: ٤١/ .
يَعْنِي : لِلرَّسُولِ قَسْمَ ذٰلِكَ ، قالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (إِنَّمَا أَنَا قاسِمٌ وَخازِنٌ ، وَٱللّٰهُ يُعْطِي) .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس امر کو راجح قرار دے رہے ہیں کہ خمس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حصہ نہیں تھا، آپ صرف تقسیم کے ذمے دار تھے، یہی کام آپ کو منجانب اللہ خمس کے معاملے میں مفوض کیا گیا تھا کہ اس کو اس کے مستحقین تک پہنچا دیا جائے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أن إضافة الخمس إليه تبارك وتعالىٰ تبرك، وإلى النبي صلى الله

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ١/٣١٤، مسند علي بن أبي طالب، رضي الله عنه، رقم (٨٣٨).

(۲) فتح الباري: ٦/٢١٦، وعمدة القاري: ١٥/٣٦.

(۳) شرح ابن بطال: ٥/٢٧٢.

عليه وسلم باعتبار أنه يقسمه، وإنما هو لنوائب المسلمين"(۱).

آیتِ کریمہ کی تفسیر میں اختلاف

ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کردہ آیت کی تفسیر میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے، اس کی کچھ تفاصیل پچھلے باب میں ذکر کی گئیں، یہاں باب سے متعلق جو مسئلہ ہے، وہ یہ کہ ﴿وللرسول﴾ میں جو لام ہے، یہ لام تملیک ہے یا اور کچھ؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری رائے کو راجح قرار دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سہم خمس کے مالک نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ آپ کو صرف تقسیمِ خمس کا فریضہ مفوض کیا گیا تھا کہ اس کے مصارف میں اس کو خرچ کریں۔اس مسئلے میں شافعیہ کے دو قول ہیں اور مشہور قول تملیک کا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جنگ میں حاضر ہوں یا نہ ہوں، ان کو ایک حصہ ضرور ملتا تھا اور آپ اس کے مالک ہوا کرتے تھے(۲)۔

مالکیہ کا مذہب اس سلسلے میں وہی ہے، جو امام بخاری کا ہے(۳)۔

امام اسماعیل قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لا حجة لمن ادعى أن الخمس يملكه النبي صلى الله عليه وسلم بقوله تعالىٰ: ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول﴾(٤)؛ لأنه تعالىٰ قال: ﴿يسألونك عن الأنفال، قل الأنفال لله والرسول﴾(٥)، واتفقوا على أنه قبل فرض الخمس كان يعطي الغنيمة للغانمين بحسب ما يؤدي إليه اجتهادُه، فلما فرض الخمس تبين للغانمين أربعة أخماس الغنيمة، لا يشاركهم فيها أحد، وإنما خص النبي صلى الله عليه وسلم بنسبة الخمس

---

(١) لامع الدراري وتعليقاته: ٣٠٢/٧.

(٢) فتح الباري: ٢١٧/٦-٢١٨، وعمدة القاري: ٣٦/١٥.

(٣) بداية المجتهد: ٤٤٦/٣، كتاب الجهاد، الفصل الأول في حكم خمس الغنيمة.

(٤) الأنفال: ٤١.

(٥) الأنفال: ١.

إليه إشارة إلى أنه ليس للغانمين فيه حق؛ بل هو مفوض إلى رأيه، وكذلك إلى الإمام بعده......"(۱).

اس عبارت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جہاں رد ہے، وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت خمس کی حکمت بھی ہے۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ یہاں لام تملیک کا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خمس کے مالک ہوا کرتے تھے۔ لیکن یہ دلیل اس لیے درست نہیں کہ سورہ انفال کی پہلی آیت میں بھی ﴿الأنفال لله والرسول﴾ فرمایا گیا ہے، یہ آیت خمس کی فرضیت سے قبل کی ہے اور اس پر تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ خمس کی فرضیت سے قبل بھی غنیمت کی تقسیم ہوئی ہے اور یہ تقسیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید اور اجتہاد کے مطابق ہوئی تھی، چنانچہ جب فرضیت خمس کی ہوئی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ غنیمت کے پانچ حصوں میں چار پر خود لشکر کا حصہ ہے، جن میں اور کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا (اور ایک حصہ جو خمس کہلاتا ہے، اس سے متعلق تفصیل گزشتہ باب میں گزر چکی)۔

﴿وللرسول﴾ کے تخصیص بالذکر کی وجہ

اب یہ سوال رہتا ہے کہ پھر آیت کریمہ میں ﴿وللرسول﴾ کے تخصیص بالذکر کی کیا وجہ ہے؟ اور خمس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں کی گئی؟

---

(۱) فتح الباري: ۲۱۸/٦، وقال ابن بطال رحمه الله في شرحه (٥/٢٧٤): "وغرض البخاري في هذا الباب أيضا الرد على من جعل للنبي خمس الخمس ملكاً؛ استدلالا بقوله تعالىٰ: ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول﴾، وهو قول الشافعي".

قال المهلب: "وإنما خص بنسبة الخمس إليه عليه السلام، لأن ليس للغانمين فيه دعوى، وإنما هو إلى إجتهاد الإمام، فإن رأى رفعه في بيت المال لما يخشى أن ينزل بالمسلمين رفعه، أو يجعله فيما يراه، وقد يقسم منه للغانمين، كما أنه يعطي من المغانم لغير الغانمين، كما قسم لجعفر وغيره ممن لم يشهد الوقعة، فالخمس وغيره إلى قسمته عليه السلام واجتهاده، وليس له في الخمس ملك، ولا يمتلك من الدنيا إلا قدر حاجته، وغير ذلك كله عائد على المسلمين، وهذا معنى تسميته بقاسم، وليست هذه التسمية بموجبه ألا تكون أثرة في اجتهاده لقوم دون قوم". (ابن بطال: ٥/٢٧٤-٢٧٥).

اس کا جواب بھی خود قاضی اسماعیل صاحب نے دیا ہے کہ آیتِ کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر یہ بتلانے کے لیے کیا گیا کہ اس خمس میں غانمین کا کوئی حق نہیں، ان کا حق صرف اربعہ اُخماس الغنیمہ سے متعلق ہے اور اس کا مصرف کیا ہوگا، اس کو کہاں خرچ کیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی رائے پر ہے، انہیں اختیار ہے کہ اسے جہاں مرضی خرچ کریں، یہی حکم بعد میں آنے والے ہر امام وقت کے لیے بھی ہے۔

قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنَّمَا أَنَا قاسِمٌ وَخازِنٌ ، وَٱللهُ يُعْطِي) .

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: میں تو تقسیم کنندہ اور خازن ہوں اور دینے والی ذات اللہ کی ہے۔

تعلیق کا مقصد

یہ تعلیق ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ذریعے اپنے بیان کردہ مؤقف پر استدلال کیا ہے کہ نبی علیہ السلام خمس کے اپنے حصے کے مالک نہیں تھے، بلکہ تقسیم کنندہ اور اس کی محافظت کے ذمے دار تھے اور ان حضرات پر رد کیا ہے، جو اس کی ملکیت کے قائل ہیں (۱)۔

مذکورہ تعلیق کی موصولاً تخریج

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی مذکورہ بالا تعلیق انہی الفاظ کے ساتھ اس سیاق واحد میں کہیں بھی نہیں آئی۔ درحقیقت یہ تعلیق دو مختلف حدیثوں سے لی گئی ہے۔ چنانچہ إنما أنا قاسم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، جو آگے اسی باب (۲) میں موصولاً آرہی ہے۔ اسی طرح پیچھے کتاب العلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری ہے، اس میں یہ الفاظ آئے ہیں: "إنما أنا قاسم، والله يعطي" (۳).

جہاں تک حدیث "إنما أنا خازن، والله يعطي" کا تعلق ہے تو یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آگے کتاب الاعتصام...... (٤) میں موصولاً آرہی ہے (۵)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۳۷/۱۵.

(۲) البخاري، رقم (۳۱۱۷).

(۳) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من يرد الله به خيراً يفقه في الدين، رقم (۷۱).

(٤) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ: "لا تزال طائفة ......"، رقم (۷۳۱۲).

(٥) تغليق التعليق: ۳/٤۷۱، وفتح الباري: ۲۱۸/٦ .

اس سے ملتے جلتے الفاظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد نے بھی نقل کیے ہیں(۱)۔ان کی حدیث کے الفاظ امام بخاری کے مدعی پر زیادہ صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"إن أنا إلا خازن، أضع حيث أمرت"(٢).

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مدعی یہ بیان کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خمس الخمس کے مالک نہیں تھے، بلکہ منتظم ومتولی تھے، اس کے اثبات کے لیے انہوں نے مذکورہ بالا تعلیق نقل کی، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قاسم کہا ہے اور خازن کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو دینے والا بتلایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آپ کسی چیز کے مالک نہیں ہوا کرتے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واستدل على مدعاه من حيث إنه صلى الله عليه وسلم سمى نفسه قاسما، والله المعطي؛ فعلم أنه لم يكن يملك شيئاً، والله أعلم"(٣).

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری نے اپنے مدعی کے لیے چار موصول حدیثیں بھی ذکر کی ہیں، ان میں کی پہلی حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جو مؤلف نے مختلف طرق سے نقل کی ہے(۴)۔

٢٩٤٦/٢٩٤٧ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سُلَيْمانَ وَمَنْصُورٍ وَقَتَادَةَ : سَمِعُوا سَالِمَ بْنَ أَبِي الْجَعْدِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(٥) قالَ : وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا مِنَ الْأَنْصَارِ غُلَامٌ ، فَأَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ محمَّدًا . قالَ شُعْبَةُ : في حدِيثِ مَنْصُورٍ : إِنَّ الْأَنْصَارِيَّ قالَ : حَمَلْتُهُ عَلَى عُنُقِي فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ . وَفي حَدِيثِ سُلَيْمانَ : وُلِدَ لَهُ غُلَامٌ ، فَأَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ مُحَمَّدًا ، قالَ : (سَمُّوا بِٱسْمِي وَلَا تَكْنَوْا بِكُنْيَتِي ، فَإِنِّي إِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ) . وَقالَ حُصَيْنٌ :

---

(١) سنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية ...... رقم (٢٩٤٩).

(٢) عمدة القاري: ٣٧/١٥، وفتح الباري: ٢١٨/٦.

(٣) لامع الدراري: ٣٠٣/٧.

(٤) فتح الباري: ٢١٨/٦.

(٥) قوله: "جابر بن عبدالله رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، رقم (٣١١٥)، وكتاب الأنبياء، باب كنية النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (٣٥٣٨)، وكتاب الأدب، باب أحب=

(بُعِثْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ) . قالَ عَمْرٌو : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ قالَ : سَمِعْتُ سَالِمًا ، عَنْ جابِرٍ : أَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ الْقَاسِمَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (سَمُّوا بِاسْمِي ، وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي) .

تراجم رجال

۱- ابوالولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب علامة الإيمان حب الأنصار" کے تحت آچکا(۱)۔

۲- شعبه

یہ امیر المؤمنین في الحدیث شعبۃ بن الحجاج بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من......" کے تحت گزر چکے(۲)۔

۳- سليمان

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت بیان کیے جاچکے ہیں(۳)۔

٤- منصور

یہ منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما

= الأسماء إلى الله عزوجل، رقم (٦١٨٦)، وباب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "سموا باسمي......"، رقم (٦١٨٧)، و (٦١٨٩)، وباب من سمى بأسماء الأنبياء، رقم (٦١٩٦)، ومسلم، كتاب الأدب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم، رقم (٥٥٨٨-٥٥٩٧)، والترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في كراهة الجمع بين اسم......، رقم (٢٨٤٢)، وأبوداود، كتاب الأدب، باب من رأى أن لايجمع بينهما، رقم (٤٩٦٦)، وابن ماجه، كتاب الأدب، باب الجمع بين اسم النبي......، رقم (٣٧٣٦).

(١) كشف الباري: ٣٨/٢

(٢) كشف الباري: ٦٧٨/١

(٣) كشف الباري: ٢٥١/٢.

معلومة" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۵- قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے ذیل میں آچکے(۲)۔

٦- سالم بن ابی الجعد

یہ مشہور تابعی حضرت سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

۷- جابر بن عبداللّٰہ رضي اللّٰہ عنهما

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما ہیں(۴)۔

۸- حصین

یہ ابوالہذیل حصین بن عبدالرحمٰن کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

۹- عمرو

یہ عمرو بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ ہیں(٦)۔

(٢٩٤٧) : حدَّثنا مُحمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الجَعْدِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ الْأَنْصَارِيِّ (٧) قالَ : وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ : لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، وُلِدَ

---

(١) كشف الباري: ٣/٢٧٠.

(٢) كشف الباري: ٢/٣.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقيت الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب إذا التقى الختانان.

(٧) قوله: "عن جابر بن عبدالله الأنصاري": الحديث، مر تخريجه في الحديث السابق.

لِي غُلَامٌ ، فَسَمَّيْتُهُ الْقَاسِمَ ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ : لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَحْسَنَتِ الْأَنْصَارُ ، سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي ، فَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ) .

[٣٣٤٥ ، ٥٨٣٢ ، ٥٨٣٣ ، ٥٨٣٥ ، ٥٨٤٣]

تراجم رجال

۱ - محمد بن يوسف

یہ محمد بن یوسف بیکندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب متی یصح سماع الصغیر؟" کے تحت بیان کیے جاچکے(۱)۔

۲ - سفيان

یہ مشہور محدث سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

روایت کو تین طرق سے لانے کا سبب

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو تین شیوخ سے نقل کیا ہے، ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی، عمرو بن مرزوق اور محمد بن یوسف بیکندی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ابوالولید اور عمرو بن مرزوق کے شیخ شعبہ ہیں اور محمد بن یوسف بیکندی کے سفیان ثوری۔

اب سوال یہ ہے کہ مؤلف ہمام نے اس روایت کو تین طرق سے کیوں نقل فرمایا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو مختلف شیوخ سے روایت کیا ہے اور ان شیوخ کے الفاظ میں اختلاف ہے۔اس اختلاف کو رفع کرنے اور امام ثوری کی روایت کو راجح قرار دینے کے لیے مؤلف نے یہ طریقہ اختیار کیا۔

چنانچہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت، جس میں امام بخاری کے شیخ ابوالولید ہیں، اس میں سلیمان ومنصور وقتادہ (هؤلاء شيوخ شعبة) تینوں اس پر متفق ہیں کہ انصاری جن کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا، وہ اپنے بیٹے کا نام محمد رکھنا چاہتے تھے۔

---

(۱) كشف الباري: ۳۸۷/۳

(۲) كشف الباري: ۲۷۸/۲

جب کہ عمرو بن مرزوق کی روایت، جو تعلیقاً امام بخاری نے نقل کی ہے، اس میں شعبہ قتادہ سے روایت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ انصاری صحابی اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھنا چاہتے تھے۔

اس طرح شعبہ کی روایت میں اختلاف آ گیا کہ مذکورہ انصاری اپنے بیٹے کا نام محمد رکھنا چاہتے تھے یا قاسم؟

اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام سفیان ثوری کی روایت بھی نقل کردی اور اس بات کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمادیا کہ مذکورہ انصاری اپنے صاحبزادے کا نام قاسم رکھنا چاہتے تھے، نہ کہ محمد۔

معنوی اور عقلی اعتبار سے بھی امام ثوری کی روایت اس لیے راجح ہے کہ انصار نے مذکورہ انصاری صحابی پر جو نکیر کی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھتے تو ان کی کنیت ابوالقاسم ہو جاتی، جو دیگر انصار کو گوارہ نہیں تھا، ممانعت بھی اسی کی آئی ہے، برخلاف محمد کے، کہ اس صورت میں وہ ابومحمد کہلاتے، اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کی ممانعت بھی نہیں (۱)۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "إنما جعلت قاسما أقسم بینکم" یہ جملہ امام بخاری کے مدعی پر واضح دلالت کر رہا ہے (۲)۔

دوسری حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹٤۸ : حدّثنا حِبَّانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱللهِ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ(۳) قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (مَنْ يُرِدِ ٱللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي ٱلدِّينِ ، وَٱللهُ المُعْطِي وَأَنَا القَاسِمُ ، وَلَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ خالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ ٱللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ) . [ر : ۷۱]

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢١٨، وعمدة القاري: ١٥/٣٨، وشرح القسطلاني: ٥/٢٠٣.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٣٨.

(۳) قوله: "معاوية رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، كشف الباري: ٣/٢٧٤.

تراجم رجال

۱- حبان

یہ ابومحمد حبان بن موسیٰ مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

۲- عبداللہ

یہ مشہور محدث وامام عبداللہ بن مبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحديث الخامس" کے تحت اجمالاً گزر چکا ہے(۲)۔

۳- یونس

یہ یونس بن یزید الأیلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" میں اجمالاً اور کتاب العلم، "باب من يرد الله به خيرا يفقهه......"، کے تحت تفصیلاً گزر چکے ہیں(۳)۔

٤- الزهری

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں آچکا(۴)۔

٥- حميد بن عبدالرحمن

یہ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإيمان، "باب تطوع قيام رمضان......" کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

٦- معاويه

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من يرد الله به خيراً

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب يسلم حين يسلم الإمام.

(۲) كشف الباري: ۱/٤٦٢.

(۳) كشف الباري: ۱/٤٦٣، و۳/۲۸۲.

(٤) كشف الباري: ۱/۳۲٦، الحديث الأول.

(٥) كشف الباري: ۲/۳۱٦.

يفقهه......" کے تحت بیان کیا جا چکا (۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ سے نوازتے ہیں اور دینے والی ذات اللہ کی ہے اور میں تقسیم کنندہ ہوں۔ اور یہ امت ہمیشہ اپنے مخالفین پر غالب رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (یعنی قیامت) آجائے اور یہ غالب ہی رہیں گے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہ حدیث تین اجزا پر مشتمل ہے، اس کا پہلا جز "من یرد اللّٰه...... الدین" ہے، اس کی مفصل شرح کتاب العلم میں گزر چکی (۲)۔

دوسرا جز "واللّٰه المعطي وأنا القاسم" ہے، یہی حصہ ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ یہی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اموالِ غنیمت کے تقسیم کنندہ ہیں، اسی کا اظہار اس جملے میں موجود ہے (۳)۔

تیسرا جز "ولا تزال هذه الأمة...... وهم ظاهرون" ہے، اس کی شرح بھی کتاب العلم میں گزر چکی ہے (۴)۔

تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹٤۹ : حدّثنا محمدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ : حَدَّثَنَا هِلَالٌ : عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ[٥] : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ قالَ : (ما أُعْطِيكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ ، إِنَّمَا أَنَا قاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ) .

---

(۱) كشف الباري: ۲۸٥/۳.

(۲) كشف الباري: ۲۸۹/۳ و ۲۹۰.

(۳) فتح الباري: ۲۱۸/٦، وعمدة القاري: ٤٠/١٥.

(٤) كشف الباري: ۲۹۱/۳-۲۹٥.

(٥) قوله: "عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه": الحديث، تفرد به البخاري رحمه اللّٰه، انظر تحفة الأشراف: ١٤٩/١٠، رقم (١٣٦٠٦).

تراجمِ رجال

۱- محمد بن سنان، ۲-فليح، ۳-هلال

فلیح سے عبدالملک بن سلیمان بن مغیرہ اور ہلال سے ابن علی الفہری مراد ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ تفصیلاً کتاب العلم، "باب من سئل علما وهو مشتغل......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٤- عبدالرحمن بن ابي عمرة

یہ عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ الأنصاری النجاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٥- ابوهريره رضی الله عنه

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" میں گزر چکے (۳)۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما أعطيكم، ولا أمنعكم، أنا قاسم أضع حيث أمرت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیتا ہوں نہ روکتا ہوں، میں تو صرف تقسیم کنندہ ہوں، جہاں حکم ہوتا ہے، وہیں صَرف کرتا ہوں۔

مسند احمد میں یہی روایت فلیح سے سریج بن نعمان نے روایت ہے، اس میں "ما أعطيكم......" سے پہلے اس جملے کا اضافہ بھی ہے، "والله المعطي" کہ دینے والی ذات اللہ کی ہے (۴)۔

اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ عطا کرنے والا اللہ ہے، میں محض اپنی رائے سے کسی کو کچھ دیتا ہوں نہ روکتا ہوں، اس لیے اگر کسی کو کچھ دیا تو وہ اللہ کے حکم سے، اگر کسی کو نہیں دیا اور منع کر دیا تو وہ بھی اللہ کے حکم سے، اس میں میری ذات کو کچھ دخل نہیں، میری حیثیت صرف ایک تقسیم کرنے والے کی ہے، جو موقع محل کے اعتبار سے دیتا یا روکتا ہے (۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۳/۵۳-۵۸، و: ۳/٦٢-٦٣.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب المساقاة، باب حلب الإبل على الماء.

(۳) كشف الباري: ۱/٦٥٩.

(٤) هذا ما ذكره الحافظ، ولكنني لم أجد هذه الرواية في مسند الإمام أحمد.

(٥) فتح الباري: ٦/٢١٨، وعمدة القاري: ١٥/٤٠، وبذل المجهود: ١٠/١٢٨.

اور ہمام عن ابی ہریرہ کے طریق سے جو روایت امام ابوداوٗد نے نقل کی، اس میں "إن أنا إلا خازن"(۱) ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، جو اس جملے میں ہے: "أنا قاسم......"(۲) اس سے امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مدعیٰ واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے۔

چوتھی حدیث حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۵۰ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يَزِيدَ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي عَيَّاشٍ ، وَٱسْمُهُ نُعْمَانُ ، عَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصارِيَّةِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْها(۳) قالَتْ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (إِنَّ رِجالاً يَتَخَوَّضُونَ فِي مالِ ٱللهِ بِغَيْرِ حَقٍّ ، فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيامَةِ) .

تراجمِ رجال

۱- عبداللّٰہ بن یزید

یہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المقری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

۲- سعید بن ابی ایوب

یہ سعید بن مقلاص ابوایوب خزاعی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

۳- ابو الاسود

یہ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل نوفلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۶)۔

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية، رقم (۲۹٤۸).

(۲) عمدة القاري: ۱۵/٤۰

(۳) قوله: "عن خولة الأنصارية......" الحديث، أخرجه الترمذي في كتاب الزهد، باب ماجاء في أخذ المال بحصة، رقم (۲۳۷۵).

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب بين كل أذانين صلاة لمن شاء.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب المداومة على ركعتي الفجر.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام.

٤- ابن ابی عیاش النعمان

یہ نعمان بن ابی عیاش زید زرقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الجهاد والسير، "باب فضل الصوم في سبيل الله" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

٥- خوله الأنصاريه

یہ حضرت خولہ بنت قیس بن قہد بن قیس بن ثعلبہ النجاریہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا ہیں (۲)۔

بعض حضرات نے ان کے والد کا نام ثامر بتلایا ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ ثامر ان کے والد کا لقب ہے، نام نہیں۔ اس لیے کہیں ان کو بنت ثامر اور کہیں بنت قیس کہا گیا ہے، حقیقت میں یہ ایک ہی خاتون ہیں، ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "خولة بنت قيس هي خولة بنت ثامر"(۳).

بعض نے ان کا نام خویلہ -بالتصغیر- بھی نقل کیا ہے (۴)۔

ان کی کنیت ام محمد تھی۔ یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (عم الرسول) رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری صحابی حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔ بعض نے ان کا نام نعمان بن عجلان بتلایا ہے، جن کا تعلق بنوزریق سے تھا (۵)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابوالولید عبید سنوطا، معاذ بن رفاعۃ زرقی اور نعمان بن ابی عیاش زرقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں (۶)۔

---

(١) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٣٠٧.

(٢) تهذيب الكمال: ٣٥/١٦٤، وعمدة القاري: ١٥/٤٠، والاستيعاب: ٢/٥١٣، و٥١٥، وتهذيب التهذيب: ١٢/٤١٥.

(٣) تهذيب المزي: ٣٥/١٦٥، والإصابة: ٤/٢٨٩، والعمدة: ١٥/٤٠ وتهذيب التهذيب: ١٢/٤١٥.

(٤) تهذيب الكمال: ٣٥/١٦٥أ، وعمدة القاري: ١٥/٤٠، وتهذيب التهذيب: ١٢/٤١٥.

(٥) تهذيب الكمال: ٣٥/١٦٥، وعمدة القاري: ١٥/٤٠، والاستيعاب: ٢/٥١٥.

(٦) تهذيب الكمال: ٣٥/١٦٥، وتهذيب التهذيب: ١٢/٤١٥.

ان سے بخاری اور ترمذی روایت کرتے ہیں (۱)۔

ان سے صرف ایک ہی حدیث (حدیثِ باب) مروی ہے (۲)۔رضی اللہ عنہا وأرضاها

قالت: سمعت النبي ﷺ يقول: إن رجالا يتخوضون في مال الله بغير حق، فلهم النار يوم القيامة

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کچھ لوگ بغیر کسی حق کے اللہ کے مال میں تصرف کریں گے، سو ایسے لوگوں کے لیے قیامت والے دن جہنم کی آگ ہے۔

"يتخوضون" خوض سے مشتق ہے، جو اصل میں پانی میں چلنے اور اسے ہلانے، حرکت دینے کے معنی میں ہے، لیکن بعد میں کسی چیز میں گھسنے اور اس میں تصرف کرنے میں مستعمل ہونے لگا (۳)۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ یہی حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے، اس میں حدیث کے الفاظ میں کچھ اضافہ بھی ہے، ابو الولید عبید سنوطا فرماتے ہیں:

"سمعت خولة بنت قيس -وكانت تحت حمزة بن عبدالمطلب- تقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن هذا المال خضرة حلوة، من أصابه بحقه بورك له فيه، ورب متخوض فيما شاء ت نفسه من مال الله ورسوله ليس له يوم القيامة إلا النار"(٤).

اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی جو روایت ہے، اس میں حدیث کا پس منظر بھی ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ مبارک کلمات کب ارشاد فرمائے تھے، اس میں ہے:

"أن النبي صلى الله عليه وسلم تذاكر هو وحمزة بن عبدالمطلب

---

(١) حواله جات بالا.

(٢) معرفة الصحابة للأصبهاني: ٥/ ٢٢٠، وقال الخزرجي: "لها أحاديث، روي عنها في (خ) حديثا واحدا، وكذلك الترمذي ......". خلاصته لتذهيب تهذيب الكمال: ٤٩٠، حرف الخاء، من كتاب النساء.

(٣) عمدة القاري: ١٥/ ٤٠، وإرشاد الساري: ٥/ ٢٠٥.

(٤) جامع الترمذي، كتاب الزهد، باب (٤١) ماجاء في أخذ المال بحقه، رقم (٢٣٧٤).

الدنيا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم ......"(١).

دونوں روایات کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپس میں دنیا کے بارے مذاکرہ کر رہے تھے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تحقیق! یہ دنیا راغب کرنے والی اور میٹھی ہے، نفوس اس کی طرف مائل ہوتے ہیں، خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں، لیکن اس میں برکت اسی کو ہوگی، جو اپنے حصے وحق کے بقدر اس میں سے لے گا، کسی کا مال ناحق نہ کھائے گا۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مال میں اپنے نفس کی چاہت کے مطابق ناحق تصرف کرتے ہیں، چناں چہ ایسے لوگوں کے لیے قیامت والے دن صرف اور صرف جہنم کی آگ ہوگی، یہ اسی کے مستحق ہوں گے۔

او پر حدیث میں مال کے لیے مؤنث خبر استعمال کی گئی ہے، کیونکہ یہاں مال، غنیمت کے معنی میں ہے، اس کی دلیل "من مال الله" کے الفاظ ہیں اور خضرة کے معنی مشتهاة کے ہیں کہ نفوس اس کی طرف مائل ہوتے ہیں(۲)۔

علاوہ ازیں حدیث میں "من مال الله" میں لفظ اللہ مظہر اُقیم مقام المضمر کے قبیل سے ہے، یعنی "من ماله" کہہ دینا کافی تھا، لیکن لفظ اللہ کو تاکیداً ظاہر کیا گیا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اللہ ورسول کے مال میں نفس کی چاہت پر تصرف کرنا انتہائی غیر مناسب فعل ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حافظ علیہ الرحمۃ تو یہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت "في مال الله بغير حق" میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال میں باطل کے ساتھ تصرف کرتے ہیں اور وہ عام ہے کہ تقسیم کے ساتھ ہو یا بغیر تقسیم کے(۴)۔

---

(١) الاستيعاب في أسماء الأصحاب: ٢/٥١٥.

(٢) فتح الباري: ٦/٢١٩.

(٣) حواله بالا.

(٤) حواله بالا.

اور علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت خفی ہے، واضح اور صریح نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت کو اس جملے سے اخذ کیا جائے، "يتخوضون في مال الله بغير حق" أي: بغير قسمة حق.

اگرچہ الفاظ میں یہاں عموم ہے، لیکن ہم نے تخصیص کر دی قسمۃ کے ساتھ، تاکہ ترجمہ صراحۃ مفہوم ہو جائے (۱)۔

اسی دوسرے قول کو علامہ عینی، قسطلانی اور حافظ ابن حجر کے شاگرد رشید شیخ الاسلام زکریا انصاری نے بھی اختیار کیا ہے (۲)۔

اور علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ترجمہ کے تحت ذکر کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جو بھی شخص غنیمت وغیرہ سے رسول یا ان کے بعد کے حاکم کی تقسیم کے بغیر کچھ لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرنے والا ہوگا اور قیامت والے دن جو خیانت اس نے کی تھی، اسے لے کر وہ بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوگا (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث سے مستنبط فائدے

اس حدیث سے ایک فائدہ تو یہ مستنبط ہوا کہ امام وقت کی تقسیم کے بغیر اگر کوئی غنیمت میں سے کچھ لے گا تو وہ گناہ گار ہوگا (۴)۔

دوسرا فائدہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میں امرائے واعیان سلطنت کو اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ مالِ غنیمت یا بیت المال میں سے بغیر استحقاق کے کچھ نہ لیں، نیز اگر کوئی حق دار آتا ہے تو اسے منع نہ کریں، بلکہ اس کا حق اس کو پورا پورا دیں (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) حواله بالا، وشرح الكرماني: ۹۳/۱۳.

(۲) عمدة القاري: ۴۰/۱۵، وتحفة الباري للأنصاري: ۵۴۳/۳، وإرشاد الساري: ۲۰۵/۵.

(۳) شرح ابن بطال: ۲۷۵/۵.

(٤) فتح الباري: ۲۱۹/٦، قال ابن بطال رحمه الله: "...... من أخذ من المقاسم شيئاً بغير قسم الرسول أو الإمام بعده، فقد تخوض في مال الله بغير حق، ويأتي بما غل يوم القيمة". انظر شرحه: ۲۷۵/۵.

(۵) حواله جات بالا.

۸ – باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (أُحِلَّتْ لَكُمُ الْغَنَائِمُ) .

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى : «وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهِ» /الفتح : ۲۰/ .

وَهِيَ لِلْعَامَّةِ حَتَّى يُبَيِّنَهُ الرَّسُولُ ﷺ .

اختلاف نسخ

اکثر نسخوں میں "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: احلت لكم الغنائم" ہے، البتہ ابن التین کے نسخے میں "أحلت لي......" آیا ہے۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ابن التین کے الفاظ ہی زیادہ بہتر ہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس باب میں حدیث ذکر کی ہے......(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مغانم مسلمانوں کے لیے ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿وعدكم الله......﴾ میں یہی وعدہ کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اسی پر دال ہے کہ غنیمت مسلمانوں کی ہوتی ہے اور وہ ان کے لیے حلال ہے۔

یہ تو عام مسلمانوں سے متعلق بات تھی، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیتِ مبارکہ کیا تھی، تو اس کو امام بخاری نے "وهي للعامة حتى يبينه الرسول" میں بتلایا کہ غنیمت تو دراصل مسلمانوں کی ہوگی، لیکن اس کے استحقاق کا فیصلہ نبی علیہ السلام کریں گے، کہ کس کو دینا ہے اور کس کو نہیں، کون غانم ومجاہد تھا اور کون نہیں، غنیمت میں سے کس کو حصہ ملے گا اور خمس میں سے کس کو؟ یہ سارے کام نبی علیہ السلام کے ہیں اور پھر ان کے بعد ان کے نائب وخلیفہ کے کہ وہ اس میں تقسیم کا اختیار رکھے گا۔ سو قرآن مجمل تھا، سنت سے اس کی تفسیر ہوگئی (۲)۔

اوپر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے تحت جو آیت ذکر کی اس کے دو حصے ہیں، ایک تو ﴿وعدكم الله مغانم كثيرة تأخذونها﴾ ہے، اس میں قیامت تک حاصل ہونے والی غنیمت کا ذکر ہے، خواہ نبی علیہ السلام کی معیت میں حاصل ہوئی یا بعد کے خلفاء وامرائے جیوش کے ساتھ۔ دوسرا ﴿فعجل لكم هذه﴾ ہے،

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٢٠.

(۲) حواله بالا، وإرشاد الساري: ٥/٢٠٥، وشرح ابن بطال: ٥/٢٧٧.

اس سے مراد غنائم خیبر ہیں(۱)۔

پھر اس باب میں امام بخاری نے چھ احادیث ذکر کی ہیں۔ پہلی حدیث حضرت عروہ البارقی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۱ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا خالِدٌ : حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ ، عَنْ عامِرٍ ، عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۲) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (الخَيْلُ مَعْقُودٌ في نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ ، الْأَجْرُ وَالمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) . [ر : ٢٦٩٥]

تراجمِ رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه......" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲- خالد

یہ خالد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطحان رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

۳- حصین

یہ حصین بن عبدالرحمٰن سُلمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

٤- عامر

یہ مشہور محدث عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً "کتاب الإیمان" اور تفصیلاً کتاب

(۱) حواله جات بالا، وعمدة القاري: ١٥/٤١، وتحفة الباري: ٣/٥٤٤.

(۲) قوله: "عروة البارقي": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الجهاد، كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٣٥٩.

(۳) كشف الباري: ٢/٢.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من مضمض......

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقیت الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت.

العلم، "باب كتابة العلم" کے تحت آچکے(۱)۔

۵- عروه البارقی

یہ حضرت عروہ بن ابی الجعد البارقی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الجهاد، "باب الخيل معقود في نواصيها الخير......" کے تحت بیان کیا جاچکا ہے(۲)۔

حضرت عروہ البارقی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر بندھی ہوئی ہے، یعنی اجر وغنیمت قیامت تک کے لیے۔

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الجہاد میں ہم بیان کر چکے(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔ جو اس کلمے میں ہے، "والمغنم"(٤).

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۲ : حدّثنا أَبُو اليَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(٥): أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ ٱللهِ) . [ر : ٢٨٦٤]

تراجم رجال

۱- ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(١) كشف الباري: ١/٦٧٩، و: ٤/٢٢٩.

(٢) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٣٦٠.

(٣) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٣٥٤-٣٦٥، باب الخيل معقود في نواصيها الخير......

(٤) عمدة القاري: ١٥/٤١، وفتح الباري: ٦/٢٢٠.

(٥) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الجهاد والسير، باب الحرب خدعة.

۲- شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحدیث السادس" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۳- ابو الزناد

یہ ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- الأعرج

یہ عبد الرحمن بن ہرمز المعروف بالأعرج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں کے حالات کتاب الإیمان، "باب حب الرسول صلی اللہ علیه وسلم من الإیمان" کے تحت آچکے(۲)۔

۵- ابوهریره رضی اللہ عنه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے ذیل میں بیان کیے جاچکے(۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسری ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ نیز قیصر ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد بھی کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم لوگ ان دونوں کے خزانوں میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کروگے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "لتنفقن کنوزهما في سبیل

(۱) كشف الباري: ۱/۴۷۹-۴۸۰.

(۲) كشف الباري: ۲/۱۰-۱۱.

(۳) كشف الباري: ۱/۶۵۹.

اللہ"(۱)۔ چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق کسریٰ وقیصر کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ مالِ غنیمت کی صورت میں آئے اورانہوں نے اس کوخرچ کیا۔معلوم ہوا کہ غنیمت مسلمانوں کے لیے ہے اور یہ ان کی ضرورتوں میں صَرف ہوگا، البتہ تقسیم کرنے والا اللہ کا رسول اوران کے بعدان کا نائب اور خلیفہ ہوگا۔

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الجہاد میں گذر چکی ہے(۲)۔

تیسری حدیث حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۳ : حدّثنا إِسْحٰقُ : سَمِعَ جَرِيرًا ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ سَمُرَةَ[۳] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا في سَبِيلِ ٱللهِ) . [۳٤۲۳ ، ٦۲٥٤]

تراجمِ رجال

۱- اسحاق

یہ اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ابوعلی جیانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے کسی بھی راوی کو ان کی نسبت ونسب ذکر کرتے نہیں دیکھا، (یعنی یہ معلوم نہیں ہورہا تھا کہ اسحاق سے مراد کون ہیں؟) لیکن بعد میں یہ حدیث اسی سیاق ومضمون کے ساتھ ہمیں مسند اسحاق میں ملی تو ظنِ غالب یہی ہے کہ ابن راہویہ مراد ہیں(۴)۔

اسحاق بن راہویہ کا تذکرہ کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم" کے تحت گزر چکا(۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٢١، وعمدة القاري: ١٥/٤١.

(۲) کشف الباري، کتاب الجهاد: ٢/٣٧٩-٣٨٥، باب الحرب خدعة.

(۳) قوله: "عن جابر بن سمرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري في كتاب الأنبياء أيضاً، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (٣٦١٩)، وكتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي صلى الله عليه وسلم؟ رقم (٦٦٢٩)، ومسلم، كتاب الفتن......، باب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل......، رقم (٧٣٢٧-٧٣٢٩).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢١، وشرح الكرماني: ١٣/٩٤، ومسند إسحاق.

(٥) کشف الباري: ٣/٤٢٨.

۲– جریر

یہ جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت بیان کیے جا چکے(۱)۔

۳– عبدالملك

یہ عبدالملک بن عمیر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

٤– جابر بن سمره

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہیں(۳)۔

اس حدیث کا مضمون بعینہ وہی ہے جو گذشتہ حدیث کا تھا۔

چوتھی حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ہے۔

٢٩٥٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ : أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ الْفَقِيرُ : حَدَّثَنَا جابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا(٤) قالَ : قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ) .

[ر : ٣٢٨]

تراجمِ رجال

۱– محمد بن سنان

یہ محمد بن سنان باہلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من سئل علما وهو......" کے تحت گزر چکا ہے(۵)۔

---

(۱) کشف الباري: ۲٦٨/٣.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام......

(٤) قوله: "جابر بن عبدالله......": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب التيمم.

(٥) کشف الباري: ٥٣/٣.

۲– هشیم

یہ ہشیم بن بشیر واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– سیار

یہ سیار بن ابی سیار وردان واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– یزید الفقیر

یہ یزید بن صہیب المعروف بالفقیر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

٥– جابر بن عبداللہ

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں (۲)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہاں امام بخاری نے صرف ایک جملہ ذکر کیا ہے، یہ حدیث مکمل طور پر کتاب التیمم میں آئی ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ "أعطیت خمسا......" کہ مجھے بطور خاص پانچ چیزوں سے منجانب اللہ نوازا گیا ہے، جو مجھ سے قبل کسی اور کو نہیں دی گئیں، چنانچہ ایک مہینے کی مسافت سے میری رعب کے ذریعے نصرت کی گئی ہے اور پوری زمین میرے لیے جائے نماز اور ذریعہ طہارت قرار دی گئی ہے، سو میری امت کا کوئی بھی آدمی کہیں بھی نماز کا وقت پالے تو نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنائم کو حلال قرار دیا گیا ہے، جب کہ مجھ سے قبل کسی کے لیے وہ حلال نہ تھیں اور مجھے شفاعت سے نوازا گیا اور مجھ سے قبل کے انبیاء کسی ایک قوم کے لیے خاص طور پر مبعوث کیے جاتے تھے، جب کہ میری بعثت تمام انسانیت کے لیے عمومی طور پر ہوئی ہے (۳)۔

غنیمت اور سابقہ امم

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امم سابقہ میں لوگوں کی دو قسمیں ہوا کرتی تھیں، ایک تو وہ لوگ

---

(۱) ہشیم، سیار اور یزید الفقیر کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التیمم، باب التیمم.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین......

(۳) دیکھیے، صحیح البخاري، کتاب التیمم، باب التیمم، رقم (۳۳۵).

جن کو جہاد وقتال میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی تھی تو ان کی غنیمت بھی نہیں ہوتی تھی۔ دوسرے وہ لوگ جو قتال میں تو شریک ہوتے تھے، لیکن اگر وہ کہیں مالِ غنیمت حاصل کرتے تو اس کا کھانا ان کے لیے حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ ایک آسمانی آگ آتی جو اس سارے مال غنیمت کو جلا ڈالتی (۱)۔

غنیمت میں تصرف، اس کا کھانا صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کا خاصہ ہے (۲)۔ بلکہ قرآن کریم میں تو اسے حلالاً طیباً فرمایا گیا ہے (۳)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں آیا ہے، "أطيب كسب المسلم سهمه في سبيل الله" (٤) اس کی شرح میں علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أي ما يكسبه من غنيمة وفي وسلب قتيل ونحوها؛ لأن ما حصل بسبب الحرص على نصرة دين الله ونيل درجة الشهادة لا شيء أطيب منه، فهو أفضل من البيع وغيره مماصر؛ لأنه كسب المصطفى ﷺ وحرفته، ألا ترى إلى قوله: "وجعل رزقي تحت ظل رمحي" فأفضل الكسب مطلقا سهم الغازي لما ذكر ......"(٥).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت واضح ہے، جو اس جملے میں ہے، "أحلت لي الغنائم".

---

(١) فتح الباري: ٤٣٨/١، وأعلام الحديث للخطابي: ٣٣٤/١، كتاب التيمم، رقم (٣٣٥).

(٢) قال ابن رجب الحنبلي: "وأما إحلال الغنائم له ولأمته خاصة، فقد روي أن من كان قبلنا من الأنبياء كانوا يحرقون الغنائم، وفي حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم: ((وأحلت لي الغنائم أكلها، وكان من قبلي يعظمون أكلها، وكانوا يحرقونها))". فتح الباري لابن رجب: ٣١٥/١، تحت رقم (٣٣٥)، وحديث عمرو بن شعيب أخرجه أحمد في مسنده: ٢٢٢/٢، مسند عبدالله بن عمرو بن العاص، رضي الله عنهما، رقم (٧٠٦٨).

(٣) قال الله تعالیٰ: ﴿فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا﴾ [الأنفال: ٦٩].

(٤) دیکھیے، التمهيد لابن عبد البر: ١٣٤/٣، حديث خامس لربيعة بن عبد الرحمن ...... وكنز العمال: ٢٨٥/٤، عن ابن عباس رضي الله عنهما، رقم (١٠٥١٦)، كتاب الجهاد، والجامع الصغير مع الفيض: ٦٩٩/١، رقم (١١٢٣).

(٥) فيض القدير شرح الجامع الصغير: ٦٩٩/١، حرف الهمزة.

پانچویں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٥٥ : حدّثنا إسْماعِيلُ قالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(١): أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ : (تَكَفَّلَ ٱللهُ لِمَنْ جاهَدَ فِي سَبِيلِهِ ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِماتِهِ ، بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ) . [ر : ٣٦]

تراجم رجال

١- اسماعیل

یہ مشہور محدث اسماعیل بن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من کره أن یعود في الکفر کما یکره......" کے تحت گزر چکا(۲)۔

٢- مالك

یہ امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات "بدء الوحي" کی "الحدیث الثاني" کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

٣-ابو الزناد

یہ ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- الأعرج

یہ عبد الرحمٰن بن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا ترجمۃ کتاب الإیمان، "باب حب الرسول......" کے تحت آچکا(۴)۔

---

(١) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الإيمان، باب الجهاد من الإيمان، كشف الباري: ٢/ ٣٠١.

(٢) كشف الباري: ٢/ ١١٣.

(٣) كشف الباري: ١/ ٢٩٠، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ٢/ ٨٠.

(٤) كشف الباري: ٢/ ١٠-١١.

۵- ابوھریرہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور......" میں گزر چکے(۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی ضمانت لی ہے، جو اس کے راستے میں جہاد کرے، اس کو اپنے گھر بار سے صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق نے نکالا ہو، کہ اسے شہادت کی صورت میں جنت میں داخل کرے گا یا غازی ہونے کی صورت میں اپنے اس مسکن کی طرف لوٹا دے گا، جہاں سے وہ نکلا تھا، اس اجر یا غنیمت کے ساتھ، جو اُس نے حاصل کی (یعنی بہر دو صورت وہ کامیاب ہے)۔

تنبیہ

اس حدیث کی مکمل شرح کتاب الإیمان اور کتاب الجھاد میں گذر چکی ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس کلمے میں ہے، "أو غنیمة"(۳).

چھٹی حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٥٦ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ(٤) قَالَ : قالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ : لَا يَتْبَعْنِي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا ، وَلَا أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا ، وَلَا أَحَدٌ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خَلِفَاتٍ ، وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلَادَهَا ، فَغَزَا ، فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلَاةَ الْعَصْرِ ، أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ : إِنَّكِ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ ، اللَّهُمَّ احْبِسْهَا

---

(١) كشف الباري: ١/٦٥٩.

(٢) كشف الباري، كتاب الإيمان: ٢/٣٠٥-٣١٤، وكتاب الجهاد: ١/٦٨، و: ١١٢-١١٥.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٤٢.

(٤) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث أخرجه البخاري، كتاب النكاح، باب من أحب البناء =

عَلَيْنَا ، فَحُبِسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ، فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ – يَعْنِي النَّارَ – لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا ، فَقَالَ : إِنَّ فِيكُمْ غُلُولاً ، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ ، فَقَالَ : فِيكُمُ الْغُلُولُ ، فَلْتُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ بِيَدِهِ ، فَقَالَ : فِيكُمُ الْغُلُولُ ، فَجَاؤُوا بِرَأْسٍ مِثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ ، فَوَضَعُوهَا ، فَجَاءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا ، ثُمَّ أَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ ، رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا ، فَأَحَلَّهَا لَنَا) . [٤٨٦٢]

تراجمِ رجال

١– محمد بن العلاء

یہ محمد بن العلاء ہمدانی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب العلم، "باب فضل من علم وعلّم" کے تحت آچکا(١)۔

٢– ابن المبارك

یہ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ اجمالی "بدء الوحي" کی "الحديث الخامس" کے تحت آچکا ہے(٢)۔

٣–معمر

یہ ابوعروہ معمر بن راشد ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ بھی "بدء الوحي" کی "الحديث الخامس" کے تحت گزر چکا(٣)۔

٤– همام بن منبه

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور تلمیذ رشید حضرت ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے

= قبل الغزو، رقم (٥١٥٧)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (٤٥٥٥).

(١) كشف الباري: ٣/٤١٣.

(٢) كشف الباري: ١/٤٦٢.

(٣) كشف الباري: ١/٤٦٥.

حالات كتاب الإيمان، "باب من حسن إسلام المرء......" کے ذیل میں گزر چکے (☆)۔

۵- ابوهريره رضی الله عنه

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" میں گزر چکا (۱)۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: غزا نبي من الأنبياء

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیائے کرام میں سے ایک نے قتال کیا۔

غزا فعل ماضی ہے، لیکن مضارع کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ غزوے اور قتال کا ارادہ کیا (۲)۔

یہ نبی کون تھے؟

قاضی عیاض، ابن اسحاق (۳)، امام حاکم (۴) وجمہور محدثین وعلماء کی رائے یہی ہے کہ یہ نبی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے، جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے (۵)۔

اس کی تصدیق وتائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں ہشام عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "إن الشمس لم تحبس لبشر إلا ليوشع بن نون ليالي سار إلى بيت المقدس......" (٦).

(☆) كشف الباري: ٢/٤٢٨.

(١) كشف الباري: ١/٦٥٩.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٢١، وتحفة الباري: ٣/٥٤٤.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٤٢، وطرح التثريب في شرح التقريب للعراقي: ٦/١٩٧٦، باب الغنيمة ......

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢١، والمستدرك للحاكم: ٢/١٣٩-١٤٠، كتاب قسم الفيء، رقم (٢٦١٨).

(٥) فتح الباري: ٦/٢٢١، وعمدة القاري: ١٥/٤٢، وإرشاد الساري: ٥/٢٠٦، وشرح الأبي على مسلم: ٢/٥٨، وتحفة الباري: ٣/٥٤٤.

(٦) مسند أحمد: ٢/٣٢٥، مسند أبي هريرة، رقم (٨٢٩٨).

یہ حدیث مرفوع بھی ہے اور صحیح بھی (۱)۔

لیکن ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور حدیثِ باب کے الفاظ کی نسبت ان کی طرف کی ہے (۲)، حافظ کہتے ہیں کہ مجھے کسی مسند حدیث میں یہ بات نہیں ملی۔ البتہ خطیب بغدادی نے اپنی تالیف "ذم النجوم" میں ابوحذیفہ کے طریق سے اور امام بخاری نے "المبتدا" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کی قوم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں مخلوقات کی ابتدا اور ہماری آجال (ہماری موت کے مقررہ وقت) کے بارے میں بتلائیں، انہوں نے قوم کا یہ مطالبہ پورا کر دیا، اب ہر شخص کو اپنی موت کا وقت معلوم ہو چکا تھا، حالات اسی نہج پر چلتے رہے، یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہوں نے ان کے ساتھ، درانحالیکہ یہ کافر ہو چکے تھے، قتال کا ارادہ کیا اور لشکر لے کر آئے، انہوں نے بھی حضرت داؤد علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آدمی روانہ کیے، لیکن...... ان لوگوں کو روانہ کیا جن کی موت ابھی نہیں آنی تھی، اب جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لشکری تو شہید ہوئے، لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ مرا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا اور اس سے مدد مانگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو روک دیا، کہ غروب نہ ہو، اس طرح دن لمبا ہو گیا اور کفار پر دن و رات خلط ملط ہو گئے اور وہ اپنا حساب بھول گئے، اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر قابو پایا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وإسناده ضعيف جدا، وحديث أبي هريرة المشار إليه عند أحمد أولى؛

فإن رجال إسناده محتج بهم في الصحيح، فالمعتمد أنها لم تحبس إلا ليوشع"(۳).

کیا حبسِ شمس صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے؟

اوپر کی تفصیل سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ حبسِ شمس کا واقعہ صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے

---

(۱) فتح الباري: ۲۲۱/۶.

(۲) شرح ابن بطال: ۱۳۵/۵، باب استئذان الرجل الإمام......

(۳) فتح الباري: ۲۲۱/۶.

لیے ہوا تھا، مسند احمد کی اوپر ذکر کردہ حدیث سے حصر معلوم ہوتا ہے، "إن الشمس لم تحبس لبشر إلا ليوشع بن نون......" لیکن کچھ اور واقعات جو صحیح اسانید سے مروی ہیں، سے یہ حصر باطل معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن اسحٰق نے "المبتدا" میں یحییٰ بن عروۃ بن الزبیر عن ابیہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے کوچ کرنے کا حکم دیا تو یہ حکم بھی دیا کہ اپنے ساتھ یوسف علیہ السلام کے تابوت کو بھی لیں۔ بتقاضائے حکم خداوندی آپ تابوت تلاش کرتے رہے، لیکن اس تک آپ علیہ السلام کی رسائی نہ ہوسکی، یہاں تک کہ صبح کا اجالا پھیلنے لگا، اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ طلوعِ فجر پر روانہ ہوں گے، اس لیے انہوں نے باری تعالیٰ سے دعا کی کہ طلوع فجر کو اس وقت تک مؤخر کردیا جائے کہ وہ تابوت یوسف علیہ السلام سے متعلقہ ذمے داری سے فارغ ہوں، سو اللہ نے ان کی یہ دعا قبول کرلی (۱)۔

علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف علمائے سیر نے لکھا ہے کہ معراج والی صبح آپ علیہ السلام نے قریش مکہ کو بتلایا کہ آپ نے ان کے اس قافلے کو دیکھا ہے، جو اموال تجارت لے کر آرہا ہے اور وہ قافلہ دن چڑھنے کے بعد ظاہر ہوگا۔ لیکن قافلے کے پہنچنے سے قبل ہی سورج غروب ہونے لگا تو آپ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں اپنی گزارش پیش کی کہ سورج کو روک دیا جائے، سو سورج رک گیا، یہاں تک کہ قافلہ پہنچ گیا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کلمات یہ ہیں: "أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر الشمس، فتأخرت ساعة من نهار" (۲).

ان تمام واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حبسِ شمس حضرت یوشع علیہ السلام کی خصوصیت نہیں ہے اور انہیں میں منحصر بھی نہیں، بلکہ اس طرح کے اور واقعات بھی ہیں۔

---

(۱) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱۵/ ۴۳.

(۲) حواله جات بالا، وحديث جابر أخرجه الطبراني في "الأوسط": ۴/ ۲۲۴، باب من اسمه إبراهيم، رقم (۴۰۳۹)، بسند حسن -كما قال الحافظ في الفتح: ۶/ ۲۲۱-، وطرح التثريب: ۶/ ۱۹۷۸.

وأخرجه البيهقي في دلائل النبوة: ۲/ ۴۰۴، بسنده عن إسماعيل بن عبدالرحمن القرشي، تحت باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم من المسجد......

حدیث حصر اور مذکورہ واقعات کے درمیان تطبیق

موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو بنیاد بنا کر مسند احمد کی حصر والی حدیث پر اشکال درست نہیں، وہ اس لیے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے واقعے کا تعلق غروب شمس سے ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا تعلق طلوع فجر سے، یعنی وہ شام کا واقعہ ہے اور یہ صبح کا، چناں چہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے حبس غروب شمس اس بات کے منافی نہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور کے لیے حبسِ طلوع فجر نہ ہو(۱)۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی صبح کے قصے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث حصر میں حصر کا تعلق انبیائے سابقین سے ہے، مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل حبس شمس صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے ہوا ہے، چناں چہ اس میں اس بات کی کوئی نفی نہیں ہے کہ حبس شمس ان کے بعد ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہو سکتا(۲)۔

امام سدی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"إن الشمس كادت أن تغرب قبل أن يقدم ذلك العير، فدعا الله عزوجل، فحبسها حتى قدموا كما وصف لهم...... فلم تحبس الشمس على أحد إلا عليه ذلك اليوم، وعلى يوشع بن نون......"(۳).

ردالشمس کے واقعات

اوپر ذکر کردہ واقعات حبس شمس سے متعلق تھے، خواہ صبح ہو یا شام، ان کے علاوہ سیر و تاریخ کی کتابوں میں ردالشمس کے واقعات بھی ملتے ہیں، یعنی وہ قصے جن میں کسی شخصیت کے لیے سورج کو غروب کے بعد لوٹا دینے کا ذکر ملتا ہے، ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

❶ اس ضمن میں سب سے پہلا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے، قرآن کریم کی ان آیات میں اس کا ذکر ـ بقول بعض مفسرین کے ـ آیا ہے: ﴿إذ عرض عليه بالعشي الصافنات الجياد،

(۱) فتح الباري: ۶/۲۲۱.

(۲) حوالہ بالا.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۴۳، وشرح الأبي على مسلم: ۲/۵۸.

فقال إني أحببت حب الخير عن ذكر ربي حتى توارت بالحجاب، ردوها علي فطفق مسحا بالسوق والأعناق﴾(۱).

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شام حضرت سلیمان علیہ السلام کے معائنے کے لیے گھوڑے لائے گئے، آپ اس کام میں اس قدر مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز رہ گئی اور سورج غروب ہوگیا، بعد میں تنبہ ہوا تو گھوڑوں کو دوبارہ لانے کا حکم دیا اور تلوار لے کران کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کیں (۲)۔

یہ خلاصہ مشہور تفسیر کے مطابق ہے اوراوراس میں ﴿ردوها﴾ کی ضمیر کا مرجع گھوڑے ہیں، لیکن بعض مفسرین (ثعلبی اور بغوی وغیرہ)(۳) نے اس ضمیر کا مرجع شمس کو قرار دے کر یہ کہا ہے کہ سورج کو لوٹانے کا سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا، ان کی درخواست قبول کی گئی، سورج کو واپس لوٹا دیا گیا، اس طرح انہوں نے عصر کی نماز پڑھی (۴)۔

لیکن علمائے محققین کے نزدیک یہ واقعہ ثابت نہیں ہے اور جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ ﴿ردوها﴾ کی ضمیر مؤنث خیل کی طرف لوٹ رہی ہے، حافظ فرماتے ہیں:

"أورد هذا الأثر جماعة ساكتين عليه جازمين بقولهم: "قال ابن عباس: قلت لعلي؟" وهذا لا يثبت عن ابن عباس ولا عن غيره، والثابت عن جمهور أهل العلم بالتفسير من الصحابة ومن بعدهم أن الضمير المؤنث في قوله ﴿ردوها﴾ للخيل، والله أعلم"(٥).

البتہ بعض مفسرین نے مذکورہ واقعے کو درست قرار دیتے ہوئے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ قرار دیا ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

---

(١) سورة ص: ٣١-٣٣.

(٢) ان آیات کی تفسیر کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب التفسير، ص: ٥٥٥.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٢٢، وتفسير البغوي: ٤/٦١، وتفسير النسفي: ٤/٣٩.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢٢، وعمدة القاري: ١٥/٤٣.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٢٢.

"قلت: ومن قال: إن الهاء في ﴿ردوها﴾ ترجع للشمس، فذلك من معجزاته"(١).

❷ دوسرا واقعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں قتال میں مشغولیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی عصر کی نماز رہ گئی تھی، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ قدس میں اپنی درخواست پیش کی، جو قبول کی گئی اور سورج کو لوٹا دیا گیا۔ پھر سب نے عصر کی نماز پڑھی۔

اس واقعے کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے اور رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے(٢)۔

❸ تیسرا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے، جس کی تخریج امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرق سے کی ہے اور دونوں طرق کو انہوں نے صحیح وثابت کہا ہے، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوحى إليه، ورأسه في حجر علي، فلم يصل العصر حتى غربت الشمس، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صليت يا علي؟" قال: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اللهم، إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك، فاردد عليه الشمس". قالت أسماء: فرأيتها غربت، ثم رأيتها طلعت، بعدما غربت"(٣).

مطلب یہ ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی اور ان کا سر

---

(١) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ١٥/١٩٧.

(٢) اس حدیث کی تخریج بقول قاضی عیاض امام طحاوی نے کی ہے، لیکن ہمیں یہ حدیث شرح مشکل الآثار میں تو نہیں ملی، حافظ ابن حجر کو بھی اس نسبت میں تامل ہے، لیکن نفس واقعہ پر انہوں نے کوئی نقد نہیں کیا، غالبًا وہ قصے کو درست مانتے ہیں، یہی حال علامہ عینی کا بھی ہے، انہوں نے اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے۔ انظر الفتح: ٦/٢٢٢، والعمدة: ١٥/٤٣، جب کہ علامہ ذہبی (رحمہما اللہ...... نے اس کی تغلیط کی ہے، دیکھیے، تنزيه الشريعة المرفوعة: ١/٣٧٩.

(٣) شرح مشكل الآثار: ٣/٩٢، باب: ١٦٥، بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسألته الله عزوجل أن يرد الشمس......، رقم (١٠٦٧)، والمعجم الكبير للطبراني: ٢٤/١٥٠-١٥٢، رقم (٣٩٠-٣٩١)، وروى أوّله ابنُ أبي عاصم في كتاب السنة: ٢٢٦، رقم (١٣٢٣).

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر ادا نہیں کی تھی اور سورج غروب ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ اے علی! تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ اے اللہ! یہ علی آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت و خدمت میں مشغول تھے، سو ان کے لیے سورج کو دوبارہ لوٹا دیجئے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے سورج کو دیکھا تو وہ غروب ہو چکا تھا، پھر اسے دیکھا تو یہ مشاہدہ کیا کہ وہ غروب ہونے کے بعد طلوع ہو چکا ہے"۔

اس حدیث کے دوسرے طریق میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں:

"ثم قام علي، فتوضأ وصلى العصر، ثم غابت، وذلك في الصهباء في غزوة خيبر"(۱).

کہ "پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے، وضو کیا اور نمازِ عصر ادا کی، پھر سورج غروب ہو گیا، یہ موضع صہباء کا واقعہ ہے، دن غزوہ خیبر کے تھے"۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے کچھ صفحات بعد لکھتے ہیں:

"وكل هذه الأحاديث من علامات النبوة.

وقد حكى لي علي بن عبدالرحمن بن المغيرة، عن أحمد بن صالح، أنه كان يقول: لاينبغي لمن كان سبيلُهُ العلم التخلفَ عن حفظ حديث أسماء الذي رواه لنا عنه؛ لأنه من أجل علامات النبوة"(۲).

کہ "یہ ساری حدیثیں علاماتِ نبوت میں سے ہیں اور مجھے علی بن عبدالرحمٰن نے احمد بن صالح کا قول نقل کرتے ہوئے بتلایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی عالم کے لیے

(۱) شرح مشكل الآثار: ۳/۹۲، باب: ۱٦٥، بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسألته الله عزوجل أن يرد الشمس ......، رقم (۱۰٦۸).

(۲) حواله بالا، ص: ۹۷-۹۸.

یہ مناسب نہیں کہ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے تخلف واجتناب کرے،
کیونکہ یہ نبوت کی عظیم علامات میں سے ہے''۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، علامہ عینی ،امام قرطبی، امام ابوالفضل عراقی اور ان کے جلیل القدر صاحبزادے ابوزرعۃ عراقی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح اور قصے کو درست کہا ہے(۱)۔

لیکن دوسری طرف بعض محدثین نے اس حدیث کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے، جن میں ابن الجوزی(۲)،ابن تیمیہ(۳)، ذہبی(۴)،ابن کثیر(۵)،ابن عساکر اور جوزقانی(۶) رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ شامل ہیں(۷)۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس حدیث کو بنیاد بنا کر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور کہا ہے کہ ان کو احادیث کے پرکھنے اور اسناد کی صحت وسقم کی شناخت میں زیادہ ادراک حاصل نہیں تھا(۸)۔

امام طحاوی اور حدیث رد الشمس لعلی

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے جہاں تک مناقب وصفات کا تعلق ہے تو ان کے بیان کا تو یہ موقع نہیں،

---

(۱) الفتح: ۲۲۲/۶، والعمدة: ۴۳/۱۵، وطرح التثريب في شرح التقريب: ۱۹۷۸/۶-۱۹۷۹، وتفسير القرطبي: ۱۹۷/۱۵، وأيضاً صحّحه القاضي عياض في الشفاء: ۱۷۷/۱، والخفاجي في شرحه نسيم الرياض للشفاء: ۳۸۳/۳-۳۸۶، القسم الأول، فصل انشقاق القمر وحبس الشمس.

(۲) كتاب الموضوعات: ۲۶۶/۱، باب في فضائل علي رضي الله عنه، الحديث الحادي عشر، في ردالشمس له.

(۳) منهاج السنة النبوية: ۱۸۹/۴، فصل، قال الرافضي ...... التاسع، رجوع الشمس له......

(۴) تنزيه الشريعة المرفوعة: ۳۷۹/۱، الفصل الثاني، رقم (۱۰۴).

(۵) البداية والنهاية لابن كثير: ۸۱/۶.

(۶) الأباطيل والمناكير: ۱۵۸/۱، بحواله تعليقات شرح مشكل الآثار: ۹۳/۳.

(۷) فتح الباري: ۲۲۲/۶، وتعليقات شرح مشكل الآثار: ۹۳/۳.

(۸) منهاج السنة لابن تيمية: ۱۸۹/۴.

رہی حدیث رد الشمس لعلي اوراس بنیاد پر امام طحاوی، کوتنقید کا نشانہ بنانا، تو یہ بالکل درست نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے ناقل صرف امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں، بلکہ طبرانی (۱)، بیہقی (۲) اور امام حاکم (۳) ایسے محدثین بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں (۴)۔ اس لیے سرے سے اس حدیث کو رد کرنا ممکن نہیں، یہی سبب تھا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر ناقدِ حدیث بھی اس کو معجزۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرتے ہوئے یہ فرما رہے ہیں:

"وقد أخطأ ابن الجوزي بإيراده له في "الموضوعات"، وكذا ابن تيمية في "كتاب الرد على الروافض" في زعم وضعه، والله أعلم"(٥).

جہاں تک ابن تیمیہ کا امام طحاوی پر تنقید کا مسئلہ ہے تو اس کا جواب علامہ کوثری مصری نے دیا ہے کہ اس الزام کی بنیاد امام طحاوی کا حدیث "ردالشمس لعلي" کو صحیح قرار دینا ہے، جو کہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نظریہ کے خلاف ہے، وہ اسے روافض کی شرارت سمجھتے ہیں۔ یہ سوائے عناد کے اور کچھ نہیں، اس لیے کہ اس حدیث کی بہت سارے محدثین نے تصحیح بھی کی ہے، چاہے ابن تیمیہ اس پر راضی ہوں یا ناراض (٦)۔

واللہ اعلم بالصواب۔

فقال لقومه: لا يتبعني رجل ملك بضع امرأة وهو يريد أن يبني بها، ولمّا يبن بها

تو حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا میرے ساتھ ایسا کوئی آدمی سفر نہ کرے جس نے حال

---

(١) المعجم الكبير للطبراني: ٢٤/١٥٠-١٥٢، حديث أسماء بنت عميس، رقم (٣٩٠-٣٩١)، وأيضاً أخرجه السيوطي في الخصائص الكبرى: ٢/٨٢، باب رد الشمس بعد غروبها.

(٢) لم أجده في مطبوعاته، والله أعلم بالصواب.

(٣) لم أجده في مطبوعاته، والله أعلم بالصواب.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢١

(٥) فتح الباري: ٦/٢٢٢

(٦) الحاوي في سيرة الإمام الطحاوي، ص: ١٣، اس بحث سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، نسيم الرياض في شرح الشفاء للقاضي عياض: ٣/٣٨٣-٣٨٦، وتعليقات حمدي عبدالمجيد على المعجم الكبير: ٢٤/١٤٨-١٥١، رقم (٣٩٠-٣٩١).

ہی میں نکاح کیا ہو اور اپنی منکوحہ کے پاس جانا چاہتا ہو کہ وہ ابھی تک اس کے پاس نہیں گیا ہے۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے سفرِ جہاد میں روانگی سے قبل ایک اعلان کروایا کہ اس اس قسم کے لوگ میرے ہم سفر نہ ہوں، جن میں کا پہلا وہ ہے کہ اس نے ابھی ابھی نکاح کیا ہے اور بیوی سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے اور چاہتا ہے کہ ملاقات ضرور ہو۔

''بضع'' باء کے ضمہ کے ساتھ نکاح کے معنی میں ہے، اسی طرح اس کے معنی شرم گاہ (فرج) اور جماع کے بھی ہیں اور تینوں معنی یہاں درست ہیں، نیز اس کا اطلاق مہر اور طلاق پر بھی ہوتا ہے، جوہری نے ابن السکیت سے بضع کے معنی نکاح کے نقل کیے ہیں، یقال: "ملك فلان بضع فلانة"(۱).

"ولما یبن بھا" میں "لما" جازمہ ''لم'' کے معنی میں ہے، لیکن لما کے ذریعے تعبیر کی گئی کہ وہ اس بات کی توقع بھی رکھتا ہے کہ اسے بناء اور زفاف کا موقع مل جائے گا، چنانچہ سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے جو روایت امام نسائی وابوعوانہ اور ابن حبان (۲) نے نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"لا يتبعني رجل بنى دارا لم يسكنها أو تزوج امرأة ولم يدخل بها"(۳).

پھر عدم دخول کی جو قید لگائی گئی ہے اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے دخول کے بعد معاملہ برعکس ہوگا اور ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ مخفی نہیں، اگرچہ دخول کے بعد بھی دل بعض اوقات گھر والوں میں اٹکا رہتا ہے، لیکن بہر حال وہ نوعیت نہیں ہوگی جو دخول سے قبل ہوگی کہ اس صورت میں ذہن پر خاتون ہی سوار ہوگی (۴)۔

واللہ اعلم

ولا أحد بنى بيوتا ولم يرفع سقوفها

نہ ہی ایسا شخص جس نے گھر بنایا ہو لیکن اس کی چھت نہ ڈالی ہو۔

---

(۱) الصحاح للجوهري: ۹۵، مادة "بضع"، فتح الباري: ۲۲۲/٦، وعمدة القاري: ۴۳/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۰٦/۵، وطرح التثريب: ۱۹۷٦/٦.

(۲) صحيح ابن حبان: ۱۴۹/۸، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها، ذكر تحليل الله......، رقم (۴۷۸۷).

(۳) فتح الباري: ۲۲۲/٦.

(۴) حواله بالا، وإرشاد الساري: ۲۰٦/۵

مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص بھی میرے ساتھ نہ چلے جو گھر کی تعمیر میں مشغول رہا ہو اور اس سے مکمل فارغ نہ ہوا ہو، تعمیراتی کام کچھ باقی ہو۔

مسلم شریف(۱) اور مسند احمد(۲) کی روایت میں سقوفها کی بجائے سُقُفها ہے، صیغے دونوں جمع کے ہیں، اس طرح شیخین اور مسند احمد کی روایتیں باہم معنیٰ موافق ہو جائیں گی، حافظ علیہ الرحمۃ نے سین کے فتحہ اور قاف کے سکون کے ساتھ ضبط کو وہم قرار دیا ہے(۳)۔ اس صورت میں لفظ مفرد ہوگا۔

ولا أحد اشترى غنما أو خلفات وهو ينتظر ولادها

نہ ہی ایسا شخص جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ جننے کا منتظر ہو۔

خلفات کی معنوی تحقیق

خلفات - بفتح الخاء المعجمة وکسر اللام وفتح الفاء- خلفة کی جمع ہے، حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں، البتہ بعض اوقات اونٹنی کے علاوہ دوسرے جانوروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے(۴)۔

اور کلمہ "أو" جو غنماً أو خلفات کے درمیان ہے، یہ تنویع کے لیے ہے، پھر یہاں غنما کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور اس کی صفت حمل غالبًا حذف کردی گئی ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ دوسرا کلمہ یعنی خلفات اس پر دلالت کر رہا ہے، اس صورت میں "غنما" کا ترجمہ بھی "حاملہ بکریاں" ہوگا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ غنم یہاں مطلق ہے، بغیر کسی وصف زائد، یعنی صرف بکریاں، اس صورت میں اس کو مطلق بیان کرنے کی توجیہ یہ ہوگی کہ بکری میں برداشت کا مادہ کم ہوتا ہے، وہ بہت جلد گھبرا جاتی ہے، اس طرح اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، برخلاف اونٹنی کے، یہاں تو اندیشہ حمل کی صورت میں ہوتا ہے کہ کہیں حمل ضائع نہ ہو جائے، کیوں کہ عرب میں جنس اونٹ کی اہمیت تھی(۵)۔

بعض شراح نے "أو" کو شک کے لیے قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (٤٥٥٥).

(۲) مسند الإمام أحمد: ٢/٣١٨، مسند أبي هريرة، رضي الله عنه، رقم (٨٢٢١).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٢٢، وطرح التثريب: ٦/١٩٧٧.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢٢، وعمدة القاري: ١٥/٤٣.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٢٢، وطرح التثريب: ٦/١٩٧٧.

صرف ایک احتمال کے درجے میں ہے، معتمد تنویع کے لیے ہونا ہے، کیونکہ ابویعلی (۱) کی محمد بن العلاء سے روایت کے الفاظ یہ ہیں، "ولا رجل له غنم أو بقر أو خلفات" یہاں تو تنویع پر صراحۃً دلالت ہے (۲)۔

اور وِلاد ولد یلد ولادۃ کا مصدر ہے، واو کے کسرہ کے ساتھ (۳)۔

ان افراد کو ممانعت کی حکمت

حضرت یوشع علیہ السلام نے، جیسا کہ آپ نے دیکھا، تین قسم کے افراد کو اپنے ساتھ نکلنے سے روکا اور فرمایا، "لا يتبعني ......" تو اس کی حکمت یہ تھی کہ جہاد میں ان کی توجہ بٹی ہوئی ہوتی، ذہن ان امور میں الجھا ہوتا۔

چناں چہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ دنیا کے فتنے انسان کو حواس باختہ اور بے صبرا بنا دیتے ہیں، مثلاً وہ آدمی جو حال ہی میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا ہو، اپنی بیوی کی قربت کا بھی متمنی ہو، اس کی دید کا مشتاق ہو تو ایسا آدمی اگر جہاد میں نکل بھی گیا تو اس کا دل واپسی کی فکر میں ہی ہوگا (۴)، شیطان اس کو اس عبادت وطاعت سے ہٹا دے گا جس میں وہ مشغول ہے اور اس کے دل میں خوف ڈال دے گا۔ یہی حال دنیا کے دیگر ساز وسامان کا ہے (۵)۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہم امور کو ایسے افراد کے ذمے لگانا چاہیے جو متیقظ اور فارغ البال ہوں، ان کے لیے وقت دے سکیں، ایسے افراد کے ذمے نہیں لگانا چاہیے جن کا قلب ان کے علاوہ اور کسی معاملے میں مشغول ہو، کیوں کہ یہ اس کے عزم کو کمزور اور جس کوشش کو وہ صَرف کرے گا، اس میں نقص کا باعث ہوگا (۶)۔

---

(۱) لم أجده في مسند أبي يعلى، وإنما عزاه إليه الحافظ، رحمه الله، في الفتح: ۶/۲۲۲.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۲۲.

(۳) حواله بالا، وطرح التثريب: ۶/۱۹۷۷.

(۴) وضاح بن اسماعیل نے اپنی محبوبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہی مضمون ان ابیات میں بیان کیا ہے۔

ذريني ما أمن بنات نعش	من الطيف الذي ينتاب ليلا
ولكن إن أردت فهيجينا	إذا رمقت بأعينها سهيلا

(ديوان الحماسة: ۱۰۹)

(۵) شرح ابن بطال: ۵/۲۷۷، وفتح الباري: ۶/۲۲۳، وطرح التثريب: ۶/۱۹۷۶.

(۶) شرح النووي على مسلم: ۲/۸۵، ومثله في فتح الباري: ۶/۲۲۳-۲۲۴، وشرح الكرماني: ۱۳/۹۶.

اور علامہ ابی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ حدیث "لا يقضي القاضي وهو غضبان" کے قبیل سے ہے، چنانچہ یہ تنقیح مناط (۱) کے باب سے ہے......اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ میرے ساتھ ایسا کوئی بھی آدمی نہ آئے جس کا قلب اور کسی معاملے میں مشغول ہو (۲)۔

واضح ہو کہ مذکورہ حکم اس صورت میں ہے جب جہاد فرض کفایہ ہو۔ ورنہ فرض عین ہونے کی صورت میں، نفیر عام ہو جائے تو ہر شخص کا نکلنا ضروری ہے، تاہم امام وقت کسی مصلحت کی بناء پر کسی کو روک لے تو اور بات ہے۔

فغزا

سو وہ غزوہ کے لیے روانہ ہوئے۔

یعنی ان افراد کو ساتھ لے کر جہاد کے لیے روانہ ہوئے جو اُن امور کے ساتھ متصف نہ تھے، جن کا ذکر حضرت یوشع علیہ السلام نے کیا تھا (۳) کہ "لا يتبعني رجل......"۔

فدنا من القرية صلاة العصر أو قريبا من ذلك

چنانچہ وہ گاؤں کے قریب پہنچے عصر کے وقت یا اس کے قریب وقت۔

قریہ سے مراد اریحا (۴) شہر ہے، شہر کو یہاں قریہ سے تعبیر کیا گیا ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (۵) نے

---

(۱) وتنقيح المناط عند الأصوليين: "هو النظر والاجتهاد في تعيين مادل النص على كونه علة من غير تعيين، بحذف ما لا مدخل له في الاعتبار مما اقترن به من الأوصاف، وذلك مثل قول النبي صلى الله عليه وسلم للأعرابي الذي قال: هلكت يا رسول الله – ما صنعت؟...... انظر الموسوعة الفقهية: ۱٤/۷۷، مادة تنقيح المناط.

(۲) شرح الأبي على مسلم: ٥/٥٨، أحاديث إباحة الغنائم لهذه الأمة ......

(۳) فتح الباري: ٦/٢٢٢.

(٤) أريحا – بالفتح، ثم الكسر، وياء ساكنة، والحاء المهملة، والقصر – عبرانی زبان کا لفظ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے ایک شخص اریحا بن مالک بن ارفخشذ بن سام بن نوح کی طرف یہ شہر منسوب ہو کر اریحا کہلاتا ہے، یہ شام کے شہر اُردن (آج کل مستقل مملکت!؟) کے نشیب میں واقع تھا، اس کے اور بیت المقدس کے درمیان ایک دن کی مشکل پہاڑی مسافت ہے، (یہ حموی کے زمانے کی بات ہے) یہاں قوم جبارین آباد تھی، جن کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے، ﴿قالوا يموسى إن فيها قوما جبارين......﴾ (المائدة: ۲۲) دیکھیے، معجم البلدان: ۱/١٦٥، مادة "أريحا".

(٥) المستدرك للحاكم: ٢/١٤٠، كتاب قسم الفيء، رقم (٢٦١٨)، والمعجم الأوسط للطبراني:

جو روایت کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس میں اس قریہ کا نام اریحا آیا ہے(۱)۔

مسلم شریف کی روایت میں "فأدنی للقریة"(۲) آیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے لشکر کو اریحا شہر کے قریب پہنچایا(۳)۔

حضرت یوشع علیہ السلام کا جبابرہ کے ساتھ جہاد

حدیث باب میں جس جہاد وقتال کا ذکر ہے، وہ جبابرہ یا قوم جبارین کے خلاف تھا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام انتقال کر گئے اور اس واقعے کو چالیس سال کا عرصہ گزر گیا تو حضرت یوشع بنی اسرائیل کے لیے بطور نبی مبعوث ہوئے اور انہوں نے بنی اسرائیل کو بتلایا کہ اب وہ اللہ کے نبی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے جبارین کے خلاف قتال کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے اور ان کے ہاتھ بیعت ہوئے۔ تو حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیے اریحا شہر کی طرف چلے، ان کے ساتھ تابوت میثاق (۴) بھی تھا، وہاں پہنچ کر انہوں نے اریحا شہر کا محاصرہ کرلیا، جو چھ مہینے تک جاری رہا۔

ساتویں مہینے کی ابتدا میں حضرت یوشع کے ساتھیوں نے مل کر یکبارگی حملہ کر دیا، جس کی وجہ سے پوری قوم جبارین گھبرا گئی، ان میں افراتفری پھیل گئی اور شہر پناہ کی فصیل گر گئی، اس طرح یہ اندر داخل ہو گئے اور جبابرہ کو خوب قتل کیا، یہ جمعے کا دن تھا اور جبابرہ کے کچھ لوگ زندہ تھے اور لڑ رہے تھے، جب کہ سورج غروب ہو رہا تھا اور سبت (ہفتہ) کی رات داخل ہونے والی تھی، جس میں ان کے لیے قتال وشکار وغیرہ کی ممانعت تھی، صورت حال دیکھ کر حضرت یوشع علیہ السلام کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ کمزور نہ پڑ جائیں اور لڑائی ہفتے کے دن سے

= ٣٥٣/٦، من اسمه محمد، رقم (٦٦٠٠).

(١) فتح الباري: ٢٢٢/٦.

(٢) صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (٤٥٥٥).

(٣) فتح الباري: ٢٢٢/٦، وطرح التثريب: ١٩٧٨/٦.

(۴) تابوت میثاق سے مراد وہ تابوت ہے، جس میں سکینہ، عصائے موسیٰ وہارون اور ان تختیوں کے ٹکڑے تھے، جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھ کر غضب ناک ہو کر توڑ ڈالا تھا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔
هناك أقوال أخرى أيضا، انظر تفسير القرطبي: ٢٤٩/٣.

آگے نہ نکل جائے، اس لیے انہوں نے بارگاہِ قدس میں دعا کی "اللهم اردد الشمس علي......"(۱).

فقال للشمس: إنكِ مأمورة، وأنا مأمور، اللهم احبسها علينا، فحسبت حتى فتح الله عليهم

سو حضرت یوشع علیہ السلام نے سورج کو خطاب کرکے کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں۔ اے اللہ! اس کو ہمارے لیے روک دے۔ تو اس کو روک دیا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو (جبابرہ پر) فتح نصیب فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ جب یوشع النبی نے دیکھا کہ سورج غروب ہو رہا ہے اور دشمن اب تک سارے کے سارے تہ تیغ نہیں ہوئے تو انہوں نے سورج کو خطاب کیا اور کہا کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، تجھے عام عادت کے موافق غروب ہونے کا حکم خداوندی ہے اور مجھے یہ حکم ہے کہ "سبت" کے دن قتال نہ کروں، چنانچہ حاکم کی روایت میں اس کا سبب بھی موجود ہے، حضرت کعب فرماتے ہیں:

"إنه وصل إلى القرية وقت عصر يوم الجمعة، فكادت الشمس أن تغرب ويدخل الليل"(۲).

وأنا مأمور کے یہی معنی ہیں اور دونوں مامورین کے درمیان یہی فرق ہے کہ جمادات کو امر، امرِ تسخیر ہے اور عقلاء کو امر، امرِ تکلیف ہے (۳)۔

سورج کو خطاب کی حقیقت

یہاں حضرت یوشع علیہ السلام نے سورج کو جو خطاب کیا وہ یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ صلاحیت پیدا کردی تھی کہ اس میں تمیز وادراک آگیا تھا اور وہ ان کی بات سمجھ رہا تھا۔

یا مجاز پر محمول ہے، چوں کہ ان کو یہ بات معلوم تھی کہ سورج کو اپنی عام عادت سے ہٹانا صرف خرق

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۴۳، وكتاب الأسماء المبهمة: ۵/۳۳۲.

(۲) لم أجدها في المستدرك، وإنما قاله الحافظ: ۶/۲۲۲.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۲۳.

عادت کے طور پر ممکن ہے، اس لیے انہوں نے دل ہی دل میں یہ بات سوچی کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، اس کے بعد انہوں نے زبان سے یہ فرمایا کہ "اللهم احبسها علینا".

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں(۱) کہ دوسرے احتمال کی تایید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، اس میں ہے:

"اللهم، إنها مأمورة، وإني مأمور؛ فاحبسها علي، حتى يقضي بيني وبينهم، فحبس الله عليه"(۲).

''اے اللہ! یہ بھی مامور ہے، میں بھی مامور ہوں تو اس کو تو غروب ہونے سے روک دے، یہاں تک میرے اور ان جبابرہ کے درمیان کوئی فیصلہ ہو جائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا''۔

اس روایت سے "وأنا مأمور" ارشاد کی وضاحت ہو جاتی ہے(۳)۔

بہر حال دونوں احتمال ممکن ہیں اور راجح دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم

باب کی روایت میں "اللهم احبسها علينا" آیا ہے جو کہ مطلق ہے، جب کہ امام احمد کی روایت میں تقیید ہے کہ "اللهم احبسها علي شيئاً" کہ اسے اس وقت تک غروب سے روکے رکھ کہ ہماری جو ضرورت ہے وہ پوری ہو جائے اور شہر فتح ہو جائے (۴)۔

کیفیت حبس میں اختلاف

جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ سورج کو غروب ہونے سے روک دیا گیا تھا، لیکن اس کی کیفیت کیا تھی، اس میں علمائے حدیث کا اختلاف ہے، اس سلسلے میں راجح قول وہ ہے جو ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا اختیار کردہ ہے کہ سورج کی حرکت آہستہ ہوگئی تھی، ہارون بن یوسف امادی کے ترجمہ میں آیا ہے کہ یہ واقعہ ماہِ حزیران (غالباً جون) کی چودہ تاریخ کو رونما ہوا تھا، یہ دن بہت طویل ہوتا ہے(۵)۔ (انگریزی مہینوں میں جون کی ۲۲

---

(۱) حواله بالا، وانظر كذلك طرح التثريب: ٦/١٩٧٨.

(۲) صحيح ابن حبان: ٨/١٤٩، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها......، رقم (٤٧٨٧).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٢٣.

(٤) حواله بالا، والمسند للإمام أحمد: ٢/١٨، مسند أبي هريرة (٨٢٢١).

(٥) فتح الباري: ٦/٢٢٣، وابن بطال: ٥/٢٧٨، والكرماني: ١٣/٩٦، وطرح التثريب: ٦/١٩٧٨.

ویں تاریخ کا دن سال کے تمام دنوں سے طویل ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ یہی دن ہو)۔ واللہ اعلم

فجمع الغنائم، فجاء ت –يعني النار– لتأكلها، فلم تطعمها

چنانچہ آپ علیہ السلام نے غنائم کو جمع کیا تو وہ یعنی آگ آئی کہ اسے کھالے، لیکن اس نے غنائم کو چکھا تک نہیں۔

"يعني النار" جملہ تفسیر یہ ہے، جو کسی راوی کی طرف سے ہے، اس میں جاء ت کے فاعل کی وضاحت کی گئی ہے۔

پھر یہاں "فلم تطعمها" کہا گیا ہے اور لم تأكلها نہیں کہا گیا کہ لتأكلها کے ساتھ موافقت ہوجاتی، سو یہ مبالغہ ہے کیوں کہ طعم کے معنی چکھنے اور اکل کے معنی کھانے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آنے والی آگ نے غنائم کو چکھا تک نہیں، چہ جائیکہ کھایا ہو، چنانچہ اس جملے "فلم تطعمها" کے معنی یہاں لم تذق طعمها کے ہیں، اس کی نظیر قرآن کریم میں بھی موجود ہے(۱)، ارشاد ہے: ﴿ومن لم يطعمه فإنه مني﴾(۲) کہ حضرت طالوت علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جو اس نہر کے پینے کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا وہ میرا ساتھی ہے، جو اس کے برعکس کرے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

فقال: إن فيكم غلولا

تو حضرت یوشع نبی نے فرمایا کہ بے شک تم لوگوں میں غلول ہے۔

غلول مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں (۳)۔

فليبايعني من كل قبيلة رجل فلزقت يد رجل بيده فقال: فيكم الغلول، فليبايعني قبيلتك، فلزقت يد رجلين أو ثلاثة بيده، فقال: فيكم الغلول

چناں چہ ہر قبیلہ سے ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے، تو ایک آدمی کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر چپک

---

(۱) البقرة ۲۳۹.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۴۳، وفتح الباري: ۶/۲۲۳، وشرح الكرماني: ۱۳/۹۶.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۲۳، وعمدة القاري: ۱۵/۴۳.

گیا، فرمایا، خیانت تمہی لوگوں نے کی ہے، اس لیے اب تمہارا قبیلہ میرے ہاتھ بیعت کرے۔ تو دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے، یوشع نے فرمایا خیانت تمہی لوگوں نے کی ہے۔

فلزقت سے قبل دونوں جگہ حذف ہے، چوں کہ سیاق کلام اس پر دلالت کر رہا ہے، اس لیے اس جملے کو حذف کر دیا گیا، یعنی فبایعوه کہ انہوں نے بیعت کی...... تو یہ واقعہ پیش آیا (۱)۔

یہاں روایت میں "رجلين أو ثلاثة" ہے، ابو یعلی (۲) کی روایت میں "رجل أو رجلين" ہے۔ کتنے آدمیوں کا ہاتھ بیعت کے دوران چپکا اس میں شک ہے، تاہم سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جزماً "رجلين" (۳) آیا ہے کہ دو آدمیوں کا ہاتھ پھسلا تھا (۴)۔

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں خیانت معلوم کرنے کا طریقہ یہی تھا (☆)، چنانچہ

(۱) فتح الباري: ٦/٢٢٣.

(۲) لم أجده في مسند أبي يعلى، وإنما قاله الحافظ في الفتح.

(۳) صحيح ابن حبان: ٨/١٤٩، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها......، رقم (٤٧٨٧).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢٣.

(☆) ایک عجیب واقعہ

یہاں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے، جو مستند اور ثقات سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک حمام تھا، جس میں عورتوں کو غسل دیا جاتا تھا، اس میں ایک دفعہ ایک خاتون لائی گئی، اس کو غسل دیا جا رہا تھا کہ ایک دوسری عورت تخت کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور مردہ خاتون کو یا زانیہ کہہ کر پکارا اور اس خاتون کی سرین پر ہاتھ بھی مارا، جو...... اس جگہ پر چپک گیا، اس عورت نے و دیگر خواتین نے بڑا زور لگایا کہ کسی طرح ہاتھ الگ ہو جائے، لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ معاملہ والی مدینہ کے گوش گذار کیا گیا تو انہوں نے فقہائے مدینہ سے مشورہ کیا، چنانچہ ایک نے یہ رائے دی کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ دوسرے نے کہا کہ مردہ خاتون کے اس جگہ کے گوشت کو کاٹ دیا جائے کہ بہر حال مردے کی مقابلے میں زندہ کی حرمت زیادہ ہے۔

والی نے کہا کہ میں جب تک ابو عبید (امام مالک) سے مشورہ نہ کر لوں کوئی حکم جاری نہیں کر سکتا، چنانچہ امام مالک کی طرف قاصد بھیجا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے نہ اس کا گوشت، میرا تو خیال یہ ہے کہ وہ مردہ خاتون حد میں سے اپنا حق مانگ رہی ہے۔ اس الزام لگانے والی عورت (قاذفہ) کو حد لگاؤ۔ چنانچہ اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے والی مدینہ نے قاذفہ پر حد جاری کروائی، جب اناسی ۷۹ کوڑے لگائے جا چکے تو ہاتھ اسی طرح چپکا ہوا تھا، تاہم جونہی ۸۰ واں کوڑا لگایا گیا اور

جو خائن وغال ہوتا اس کا ہاتھ بیعت کے وقت چپک جاتا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہوتا کہ اس ہاتھ پر کوئی حق ہے کسی دوسرے کا، جو اس سے لے لینا چاہیے، یا یہ کہ یہ ایسا ہاتھ ہے، جس کی وجہ سے اسے مارا جائے اور اس کے مالک (خائن) کو قید کر دیا جائے، یہاں تک کہ وہ مذکورہ حق کو امام وقت کے حوالے کر دے، یہ اسی جنس سے ہے جس کا ذکر روایات میں بھی آیا ہے کہ قیامت میں ہاتھ اپنے مالک کے خلاف گواہی دے گا (۱)۔

"فیکم الغلول" کے بعد سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ان دونوں کا اعترافِ جرم بھی مذکور ہے کہ ان دونوں نے کہا "فقالا: أجل، غللنا" (۲)۔

فجاؤا برأس مثل رأس بقرة من الذهب، فوضعوها، فجاء ت النار فأكلتها

تو وہ سونے کا ایک سر لے کر آئے، جو گائے کے سر کے برابر تھا، اسے رکھ دیا، آگ آئی اور اس نے غنیمت کو کھا لیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب ان پر جرم ثابت ہو گیا تو وہ گائے کے سر برابر ایک سر لے کر آئے، جو سونے کا بنا ہوا تھا، اسے لا کر انہوں نے دوسری غنیمتوں کے ساتھ رکھ دیا، اب چونکہ غنیمت مکمل آ چکی تھی تو آنے والی آگ نے اس کو کھا لیا، جو قبولیت کی علامت تھی۔

جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ سابقہ امم اور انبیائے متقدمین کی خصوصیت میں سے یہ تھا کہ وہ مالِ غنیمت کو

= حد قذف کا نصاب پورا ہو گیا تو اس عورت کا بھی مردہ خاتون کے جسم سے الگ ہو گیا!!!

علامہ قسطلانی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فإما أن يكون مالك رحمه الله اطلع على هذا الحديث، فاستعمله بنور التوفيق في مكانه، وإما أن يكون وفق، فوافق.

وقد كان إلزاق يد الغال بيد يوشع تنبيها على أنها يد عليها حق يطلب أن يتخلص منه، أو دليلا على أنها يد ينبغي أن يضرب عليها، ويحبس صاحبها، حتى يؤدي الحق إلى الإمام، وهو من جنس شهادة اليد على صاحبها يوم القيامة". دیکھیے، إرشاد الساري: ۵/۲۰۷.

(۱) فتح الباري: ۶/۲۲۳، وبمثله قال ابن بطال، انظر شرحه: ۵/۲۷۸.

(۲) حواله جات بالا، وصحيح ابن حبان: ۸/۱۴۹، كتاب السير، باب الغنائم……، رقم (۴۷۸۷).

کسی کھلی جگہ مثلاً کھلیان وغیرہ میں جمع کردیتے تھے، آسمان سے یہ آگ آتی جو اسے جلا ڈالتی اور اگر اس میں کسی قسم کی کوئی خیانت ہوتی یا ایسی چیز، جو حلال نہ ہو، موجود ہوتی تو آگ اسے نہ جلاتی، جو عدم قبولیت کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔

یہی حال ان کی قربانیوں کا بھی تھا، جانور کی قربانی کے بعد جو عنداللہ مقبولیت حاصل کرلیتی اسے آگ کھالیتی اور جو قبول نہ ہوتی وہ اپنے حال پر باقی رہتی اور آگ اسے چھوتی بھی نہیں تھی (۱)۔

ثم أحل اللّٰه لنا الغنائم، رأى ضَعفنا وعجزنا، فأحلها لنا

پھر اللہ تعالیٰ نے غنائم کو ہمارے لیے حلال کردیا، اس نے ہماری کمزوری وناتوانی کو دیکھا تو اسے ہمارے لیے حلال قرار دے دیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ سے شفقت کا معاملہ کرتے ہوئے اور حکم میں تخفیف کرتے ہوئے غنائم کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے لیے حلال کردیا، اب یہ امت اسے کھاسکتی ہے اور یہ اس امت کی خصوصیت ہے، نسائی (۲) کی روایت میں آیا ہے:

"فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عند ذلك: إن اللّٰه أطعمنا الغنائم رحمة رحمنا بها، وتخفيفا وخفَّف عنا"(۳).

جملہ "رأى ضعفنا وعجزنا" جملۂ تعلیلیہ وسببیہ ہے، اس میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ کے لیے غنائم کو حلال کیوں قرار دیا گیا، اس کی علت بیان کی گئی ہے، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس میں اور واضح ہے، اس میں ہے، "لما رأى من ضعفنا" (٤) اس جملہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) عمدة القاري: ۱٥/٤۳-٤٤، وشرح ابن بطال: ٥/۲۷۸، وطرح التثريب: ٦/۱۹۷۹.

(۲) سنن النسائي الكبرى: ٦/۳٥۲، كتاب التفسير، الأنفال، قوله تعالىٰ: ﴿حلالا طيبا﴾، رقم (۱۱۲۰۹).

(۳) فتح الباري: ٦/۲۲۳، وعمدة القاري: ۱٥/٤٤، وشرح الكرماني: ۱۳/۹٦.

(٤) سنن النسائي: ٦/۳٥۲، كتاب التفسير، ......، قوله تعالىٰ: ﴿حلالا طيبا﴾، رقم (۱۱۲۰۹)، ومسند أحمد: ۳/۲۳۲، مسند أبي هريرة من رواية همام بن منبه، رقم (۸۱۸٥) و: ۳/۲۳۸، رقم (۸۲۲۱).

کے سامنے عاجزی کا اظہار فضل وانعام کا سبب بنتا ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "ثم أحل الله لنا الغنائم"(۲).

۹ - باب : الغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب ومقصد یہاں ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو راجح قرار دینا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ جہاد میں شریک ہوں گے انہی کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا اور وہ لوگ جو شریک نہیں ہوں گے، ان کو حصہ نہیں ملے گا۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ جن الفاظ سے قائم کیا ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اثر کے الفاظ ہیں، جو انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ان کے استفسار پر بھیجا تھا۔ اسی سے ائمہ ثلاثہ اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں(۳)۔

اس اثر کو موصولاً امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا ہے(۴)۔ علاوہ ازیں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو مختلف طرق سے ذکر کیا ہے اور اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ بھی لکھا ہے، چنانچہ طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إن أهل البصرة غزوا أهل نهاوند(۵)؛ فأمدوهم بأهل الكوفة، وعليهم عمار بن ياسر، فقدموا عليهم بعدما ظهروا على العدو، فطلب أهل الكوفة الغنيمةَ، وأراد أهل البصرة أن لايقسموا لأهل الكوفة من الغنيمة، فقال

(۱) فتح الباري: ۲۲۳/٦.

(۲) عمدة القاري: ۱٥/٤٤.

(۳) فتح الباري: ۲۲٤/٦.

(٤) مصنف عبدالرزاق: ٥/۳۰۲-۳۰۳، كتاب الجهاد، باب لمن الغنيمة؟ رقم (۹٦۸۹).

(٥) غزوہ نہاوند سے متعلق تفصیل كتاب الجزية، باب الجزية میں آئے گی۔

رجل من بني تميم لعمار بن ياسر: أيها الأجدع، تريد أن تشاركنا في غنائمنا؟ قال: وكانت أذن عمار جدعت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكتبوا إلى عمر بن الخطاب، رضي الله عنه، فكتب إليهم عمر: "إن الغنيمة لمن شهد الوقعة"(۱).

کہ "اہل بصرہ نے اہل نہاوند کے ساتھ جنگ لڑی، ان کی مدد کے لیے بطور کمک اہل کوفہ روانہ ہوئے اور ان کے امیر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے، اہلِ کوفہ میدانِ جنگ میں اس وقت پہنچے جب اہلِ بصرہ دشمن پر غالب آچکے تھے، سو اہل کوفہ نے غنیمت میں اپنا حصہ مانگا، جب کہ اہلِ بصرہ کی چاہت یہ تھی کہ اہل کوفہ ان کے ساتھ غنیمت کی تقسیم میں شریک نہ ہوں، چنانچہ بنی تمیم میں سے ایک آدمی نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو خطاب کر کے کہا...... کیا آپ ہماری غنائم میں دوسروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں......؟ تو ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صورت حال لکھ بھیجی اور حل دریافت کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ غنیمت کا حق دار وہی ہے جو جنگ میں شریک رہا ہو"۔

اصل مسئلے کی طرف جانے سے قبل یہ سمجھ لیجیے کہ غنیمت کے استحقاق کی چند شرائط ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱. مستحق صحیح وسالم ہو، بیمار نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ قتال کی صلاحیت رکھتا ہو، لنگڑا، لولا اور نابینا وغیرہ نہ ہو۔

۲. دار الحرب میں اس کا داخلہ قتال کی نیت سے ہی ہوا ہو، خواہ بعد میں لڑائی میں حصہ لے یا نہ لے، کہ مقصد قتال یعنی ارہاب العدو حاصل ہو رہا ہے۔

۳. مرد ہو، عورتوں کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں، اگر چہ جنگ میں شریک ہوں۔

۴. مسلمان ہو، کافر کے لیے غنیمت نہیں، خواہ شریکِ جنگ ہو(۲)۔

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: ۸۶/۹، كتاب السير، باب الغنيمة لمن شهد الوقعة، رقم (۱۷۹۵۳-۱۷۹۵٤)، وأيضاً عند ابن أبي شيبة: ٤۹/۱۸، كتاب السير، باب من قال: ليس له شيء إذا ......، رقم (۳۳۹۰۰).

(۲) الموسوعة الفقهية: ۳۱۱/۳۱-۳۱۲، وبدائع الصنائع: ۵۰۲/۹، كتاب السير، فصل في أحكام الغنائم وما يتصل بها، وحاشية الدسوقي: ۵۰٤/۲، باب في الجهاد، والمغني: ۲۰۸/۹-۲۰۹.

مسئلہ حدیثِ باب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس مسئلے کی شرح کے لیے یہ باب قائم کیا ہے، اس کا تعلق اوپر ذکر کردہ دوسری شرط سے ہے اور صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا لشکر جنگ ختم ہونے کے بعد میدانِ جنگ پہنچے تو آیا اس کا غنیمت میں حصہ ہوگا کہ نہیں؟

تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک اتفاقی ہے، دوسری اختلافی۔

اتفاقی صورت یہ ہے کہ مذکورہ شخص یا لشکر اس تک پہنچا جب جنگ ختم ہو چکی اور غنیمت کی تقسیم کا عمل بھی مکمل ہو گیا، تو ان کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔

اختلافی صورت یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے اور غنیمت تقسیم ہونے سے قبل یہ لشکر یا شخص وہاں پہنچا تو حنفیہ کے نزدیک یہ غنیمت میں شریک ہوں گے، ان کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا، جب کہ جمہور کے نزدیک ان کو غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا (۱)۔

جمہور کی دلیل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جو ابھی گزرا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں "الغنيمة لمن شهد الوقعة" فرمایا تھا۔

اور ان کی دوسری دلیل بخاری و ابوداوٗد کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، "أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث أبان بن سعيد بن العاصي في سرية قبل نجد، فقدم أبان بعد فتح خيبر، فلم يسهم له" (۲).

دلائل احناف

اس مسئلے میں احناف کے دلائل بہت زیادہ ہیں، جن میں سے چند کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

❶ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۳۱۱/۳۱، غنيمة، شروط استحقاق الغنيمة.

(۲) الحديث، أخرجه البخاري في الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم ......، رقم (۲۸۲۷)، والمغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤۲۳۷، و٤۲۳۹)، وأبوداود في سننه، كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة لا سهم له، رقم (۲۷۲۳-۲۷۲٤).

ہے کہ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "قد أمددتك بقوم، فمن أتاك منهم قبل أن تفنى القتلى، فأشركه في الغنيمة"(١) یعنی: ''میں ایک لشکر تمہاری طرف بطور کمک کے بھیج رہا ہوں، سو ان میں سے جو بھی تمہارے پاس مقتولین کے ختم ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو اس کو غنیمت میں شریک کرو''۔

❷ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پانچ سو افراد پر مشتمل ایک جماعت بطور کمک ابو امیہ اور زیاد بن لبید بیاضی کی مدد کے لیے روانہ کی، یہ جماعت ان تک اس وقت پہنچی جب وہ ''نجیر''(٢) فتح کر چکے تھے، تو انہوں نے آنے والی جماعت کو بھی اپنے ساتھ غنیمت میں شریک کیا(٣)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

ان کی پہلی دلیل الغنيمة لمن شهد الوقعة والا اثر تھا، اس سے استدلال چند وجوہ کی بنا پر درست نہیں، جو درج ذیل ہیں:

❶ اس اثر کے وقف اور رفع میں اختلاف ہے اور موقوف ہونا راجح ہے(٤)۔

❷ حنفیہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، چوں کہ اب ان سے مروی روایات میں تعارض آ گیا ہے، اس لیے یہ حدیث احناف کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

❸ حنفیہ اس اثر کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جنگ میں جو قتال کی نیت سے شریک ہوا ہو، اس کو غنیمت میں حصہ ملے گا، اب اس کی نیت قتال کی تھی یا نہیں اس کا پتہ کیسے چلے گا تو اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں کہ وہ جہاد یا

---

(١) التلخيص الحبير: ١٠٨/٣، والمغني: ٢١٠/٩، وإعلاء السنن: ١١٨/١٢.

(٢) قال الحموي: "النُّجَيْرُ: ......، حصن باليمن -قرب حضر موت- منيع، لجأ إليه أهل الردة مع الأشعث بن قيس في أيام أبي بكر، رضي الله عنه، فحاصره زياد بن لبيد البياضي، حتى افتتحه عنوة، وقتل من فيه، وأسر الأشعث بن قيس، وذلك في سنة ١٢ للهجرة ......". انظر معجم البلدان: ٢٧٢/٥، باب النون والجيم.

(٣) التلخيص الحبير: ١٠٨/٣، والسير الكبير: ١١٢/٣، مع شرحه للسرخسي، باب كيفية قسمة الغنيمة...... رقم الباب (١٠٥)، وللاستزادة انظر إعلاء السنن: ١١٨/١٢-١٢٨.

(٤) إعلاء السنن: ١٢٠/١٢، كتاب السير، باب إذا لحق عسكرَ الإسلام مدد......، والهداية مع البناية: ١٤٣/٧، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها.

قتال کے لیے نکلنے کا اظہار کرے، اس کی تیاری کرے اور اس کا عملی مظاہرہ بھی کرے کہ جہاد میں شریک ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا نکلنا تو کسی اور غرض سے تھا، لیکن وہاں جا کر وہ قتال میں بھی شریک ہوا، جیسے گھوڑوں کی دیکھ بھال وغیرہ پر مامور شخص، سو اس کو غنیمت میں اسی صورت میں شریک کیا جائے گا کہ قتال میں بھی شریک ہو، اس کا صرف میدانِ جنگ میں موجود ہونا حصولِ غنیمت کے لیے کافی نہیں ہوگا (۱)۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل حضرت ابان بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، اس واقعے سے ان حضرات کا استدلال اس لیے درست نہیں کہ یہ خیبر کا واقعہ ہے، جو فتح کے ساتھ ہی دارالاسلام میں تبدیل ہو چکا تھا، جب کہ مسئلۂ باب کا تعلق دارالحرب سے ہے، دارالاسلام میں اس طرح کے کسی کمک کے پہنچنے پر غنیمت میں آنے والوں کو بالاتفاق شریک نہیں کیا جاتا (۲)۔

دوسری طرف اسی خیبر سے متعلق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جو آگے آ رہا ہے (۳)، اس میں یہ آیا ہے کہ جب وہ اپنی قوم کے لوگوں، جن کی تعداد پچاس سے اوپر تھی اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں، جو نجاشی کے ہاں مقیم تھے، کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو یہ عین وہی وقت تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تھے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے ان کو بھی شریکِ غنیمت کیا اور ان حضرات کے علاوہ اور کسی کو، جو موقع سے غائب تھا، اس غنیمت میں شریک نہیں کیا۔

ایک طرف یہ حدیث ہے، دوسری طرف حضرت ابان رضی اللہ عنہ کا واقعہ، ان دونوں میں چوں کہ ظاہری تعارض ہے، اس لیے جمع بین الروایات کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے احناف یہی کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا واقعہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کا ہے اور حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہما کے واقعے کا تعلق تقسیم غنیمت کے بعد کا ہے، جس پر اس حدیث کے یہ الفاظ واضح دلالت کرتے ہیں کہ "فقدم أبان بعد فتح خيبر......" (٤)

---

(١) إعلاء السنن: ١٢/١٢١، وفتح القدير: ٥/٢٢٦-٢٢٧، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها.

(٢) إعلاء السنن: ١٢/١٢١.

(٣) الحديث، أخرجه البخاري في فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين ما سأل هوازن ......، رقم (٣١٣٦).

(٤) الحديث أخرجه البخاري، وأبوداود، مر تخريجه آنفاً.

جب کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے الفاظ تو یہ ہیں، "فوافيناه حين افتتح خيبر ......"(۱) اسی لیے احناف تفریق کے قائل ہیں اور ان کے مذہب پر دونوں واقعات پر عمل بھی ہوجاتا ہے(۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد حدیث باب دیکھیے۔

۲۹۵۷ : حدّثنا صَدَقَةُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : قالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ(۳): لَوْلَا آخِرُ الْمُسْلِمِينَ ، ما فَتَحْتُ قَرْيَةً إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ أَهْلِهَا ، كما قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ . [ر : ۲۲۰۹]

تراجمِ رجال

۱- صدقه

یہ ابوالفضیل صدقہ بن الفضل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب العلم والعظة بالليل" کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

۲- عبدالرحمن

یہ عبدالرحمٰن بن مہدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

۳- مالك

یہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" میں آچکے ہیں(٦)۔

---

(۱) صحيح بخاري، كتاب فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس......، رقم (۳۱۳٦).

(۲) إعلاء السنن: ۱۲/۱۲۲، نیز دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ٤٤٧-٤٤٨.

(۳) قوله: "قال عمر رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب الحرث والمزارعة، باب أوقاف أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وأرض الخراج......

(٤) كشف الباري: ٤/۳۸۸.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة.

(٦) كشف الباري: ۱/۲۹۰، الحديث الثاني، تفصیلی کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ۲/۸۰.

٤- زيد بن أسلم

یہ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ كتاب الإيمان، "باب كفر ان العشير ......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٥- اسلم

یہ ابوخالد اسلم مولی عمر بن الخطاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٦- عمر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات بدء الوحي کی "الحديث الأول" کے ذیل میں گزر چکے (۳)۔

قال عمر رضي الله عنه: لو لا آخر المسلمين ما فتحت قرية إلا قسمتها بين أهلها، كما قسم النبي صلى الله عليه وسلم خيبر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آئندہ آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بھی گاؤں (یا شہر) فتح کرنے کے بعد میں اسے اس کے باشندوں میں تقسیم کردیتا، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے ساتھ کیا تھا۔

بخاری شریف کی روایت میں یہ اثر بہت اختصار کے ساتھ وارد ہوا ہے، ابن ابی شیبہ کی روایت میں مزید تفصیل ہے۔اسلم فرماتے ہیں:

> "سمعت عمر يقول: "والذي نفس عمر بيده، لو لا أن يترك آخر الناس لا شيء لهم، ما افتتح على المسلمين قرية من قرى الكفار إلا قسمتها سهمانا كما قسم رسول الله ﷺ خيبر سهمانا، ولكني أردت أن تكون جزية

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲۰۳.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب هل يشتري صدقته؟

(۳) كشف الباري: ۱/۲۳۹.

تجري عليهم، وكرهت أن يترك آخر الناس لا شيء لهم"(۱).

اس حدیث سے متعلق تفصیلات کا ذکر کتاب الحرث والمزارعۃ میں آئے گا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ اور حدیثِ باب میں مناسبت نہیں ہے، وہ اس طرح کہ ترجمہ الغنیمة لمن شهد الوقعة کا ہے اور باب کے تحت جو حدیث ذکر کی گئی اس کا مضمون ترجمہ کے خلاف ہے، اس میں تو غنیمت کو عام مسلمانوں کے لیے وقف بنا دینے کا ذکر ہے کہ یہ غانمین میں تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ آئندہ آنے والے مسلمانوں کے مصالح کے لیے وقف کردی جائے گی اور آپ تو کہہ رہے تھے کہ غنیمت صرف غانمین کے لیے ہوتی ہے، اس میں باہر والوں کا حصہ نہیں، یہاں تو الٹ ہوگیا؟!

اس اشکال کا جواب بھی ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ترجمہ کے ساتھ حدیث کے اس جملے کی مطابقت ہے، "كما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر".

اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غنیمت کی فوری تقسیم کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غنیمت فوراً تقسیم کردی جائے، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ موقع پر غیر موجود شخص کو غنیمتِ حاضرہ میں کوئی استحقاق نہیں ہوگا، اسی لیے تو فوری تقسیم کا عمل اختیار کیا جارہا ہے۔ اب جو شخص سرے سے شریکِ جنگ ہی نہیں، اس کو تو بطریقِ اولیٰ غنیمت میں حصہ نہیں ملنا چاہیے(۲)۔ واللہ اعلم

یہ امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے، پیچھے تفصیل گزر چکی ہے، دلائل دونوں طرف ہیں، البتہ مذہب احناف میں اس سلسلے میں کچھ توسع ہے، جو ماقبل کی تفصیلات سے واضح ہے۔

۱۰ – باب: مَنْ قَاتَلَ لِلْمَغْنَمِ، هَلْ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ اگر ایک شخص غنیمت کی نیت سے قتال کرتا ہے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس کو قتال پر اجر ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کتنا؟ کامل یا ناقص؟

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: ۱۷/۵۱۰، كتاب السير، في قسمة ما يفتح ......، رقم (۳۳٦٤۸).

(۲) فتح الباري: ٦/۲۲۵.

اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک رائے جمہور کی ہے اور ایک موقف بعض حضرات کا ہے۔

ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا اجر کم ہو جائے گا، لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دیکھیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ پوچھا گیا کہ ایک آدمی قتال کرتا ہے غنیمت کے لیے، دوسرا شجاعت کے لیے، تیسرا دکھلاوے کے لیے تو ان میں فی سبیل اللہ کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر اس کی نیت غنیمت کی ہوگی تو وہ فی سبیل اللہ میں داخل نہیں ہے۔

اب ایک آدمی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال کرتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ مالِ غنیمت کا بھی خیال دل میں لیے ہوئے ہے تو وہ کامل اجر کا مستحق ہوگا اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علمائے امت سے یہی نقل کیا ہے (۱)، نیز علامہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احکام القرآن میں اسی کی تصریح کی ہے (۲)۔

ان حضرات کی دلیل وہ روایت ہے جو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں نقل کی ہے، حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم لنغنم على أقدامنا، فرجعنا، فلم نغنم شيئا، وعرف الجهد في وجوهنا، فقام فينا، فقال: اللهم، لا تكلهم إلي فأضعف عنهم، ولا تكلهم إلى أنفسهم فيعجزوا عنها، ولا تكلهم إلى الناس فيستأثروا عليهم" (۳).

کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پیدل لشکر میں غنیمت کے وصول کے لیے بھیجا، لیکن ہم لوٹ آئے اور ہمیں کوئی غنیمت نہیں ملی (یعنی مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے چہروں سے ہماری مشقت اور تکلیف بھانپ

---

(۱) فتح الباري: ٢٨/٦، وهو قول ابن المنير كذلك، انظر فتح الباري: ٢٢٦/٦.

(٢) أحكام القرآن لابن العربي: ٣٨٣/٢، سورة الأنفال، الآية: ٧، المسألة الثالثة.

(٣) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الرجل يغزو: يلتمس الأجر والغنيمة، رقم (٢٥٣٥).

لی، سو آپ خطبہ دینے کھڑے ہوئے (تسلی کے طور پر)، اس میں فرمایا، اے اللہ! ان کو میرے سپرد نہ کر، کہ میں ان کی مدد واعانت سے قاصر رہوں، نہ ان کو ان کی ذات کے حوالے کر، کہ وہ ان کی اعانت ونصرت سے عاجز رہیں اور نہ ہی ان کولوگوں کے سپرد کر، کہ وہ لوگ اپنے کو ان پر ترجیح دینے لگیں"۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو مالِ غنیمت کے حصول کے لیے بھیجا تھا، اس لیے معلوم ہوا کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ اگر مالِ غنیمت کی نیت بھی ہو تو اس سے اجر میں کمی واقع نہیں ہوگی (۱)۔

۲۹۵۸ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَمْرٍو قالَ : سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ (۲) قالَ : قالَ أَعْرَابِيٌّ لِلنَّبِيِّ ﷺ : الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُذْكَرَ ، وَيُقَاتِلُ لِيُرَى مَكانُهُ ، مَنْ في سَبِيلِ ٱللهِ ؟ فَقَالَ : (مَنْ قاتَلَ ، لِتَكُونَ كَلِمَةُ ٱللهِ هِيَ الْعُلْيَا ، فَهْوَ في سَبِيلِ ٱللهِ) . [ر : ۱۲۳]

تراجمِ رجال

۱- محمد بن بشار

یہ محمد بن بشار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم......" کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۲- غندر

یہ محمد بن جعفر المعروف بہ "غندر" رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب ظلم

(۱) فتح الباري: ۶/۲۹.

(۲) قوله: أبو موسى الأشعري رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، باب من سأل وهو قائم عالما جالسا، كشف الباري: ۴/۵۱۰.

(۳) كشف الباري: ۳/۲۵۸.

دون ظلم" کے ذیل میں آچکے (☆)۔

٣- شعبه

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۃ بن الحجاج بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون......" کے تحت آچکا ہے (١)۔

٤- عمرو

یہ عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٢)۔

٥- ابو وائل

یہ تابعی شہیر ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله......" کے تحت بیان کیے جا چکے ہیں (٣)۔

٦- ابوموسیٰ اشعری

حضرت ابوموسیٰ اشعری (عبداللہ بن قیس) رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أي الإسلام أفضل؟" کے ذیل میں آچکے (٤)۔

تنبیہ

حدیثِ باب کی شرح پیچھے کتاب العلم (٥) اور کتاب الجہاد (٦) میں گزر چکی ہے۔

(☆) کشف الباري: ٢/ ٢٥٠.

(١) کشف الباري: ١/ ٦٧٨.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها.

(٣) کشف الباري: ٢/ ٥٥٩.

(٤) کشف الباري: ١/ ٦٩٠.

(٥) کشف الباري: ٤/ ٥١١-٥١٥.

(٦) کشف الباري، کتاب الجهاد: ١/ ١٧٣-١٧٥، باب من قاتل لتكون كلمة الله......

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

یہاں ترجمہ کی باب کے ساتھ مناسبت بقول علامہ عینی "الرجل يقاتل للمغنم" میں ہے (☆)۔

١١ – باب : قِسْمَةِ الْإِمَامِ ما يَقْدَمُ عَلَيْهِ ، وَيَخْبَأُ لِمَنْ لَمْ يَحْضُرْهُ أَوْ غابَ عَنْهُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ "الهدية لمن حضر" کہ ہدیہ صرف ان لوگوں کو ملے گا جو شرکائے مجلس ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی تردید کر رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ جو لوگ موجود نہیں، امام ان کے لیے ہدیہ چھپا کر رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں (۱)۔

لیکن ابن المنیر کی یہ رائے بے محل ہے، وہ اس لیے کہ یہاں ہدیہ کا مسئلہ تھوڑا ہی بیان کیا جا رہا ہے، یہاں تو غنائم کے ابواب چل رہے ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام المسلمین کے پاس جو مال کفار سے حاصل ہوتا ہے، جیسے غنیمت ہے، فیء ہے اور جزیہ ہے، امام اس میں مختار کل ہے، جہاں مناسب سمجھے وہاں ان کو خرچ کر سکتا ہے، حاضرین کو تقسیم کرنا چاہے تو حاضرین کو دے اور حاضرین کے علاوہ غائبین کو تقسیم کرنا چاہے تو ان کو دے، جس کو چاہے وہ دے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حاصل المعنى يقسم مايقدم عليه بين الحاضرين والغائبين، بأن يعطي شيئاً للحاضرين، ويخبأ شيئاً للغائبين"(۲).

٢٩٥٩ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ(۳): أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُهْدِيَتْ لَهُ أَقْبِيَةٌ مِنْ دِيبَاجٍ ، مُزَرَّرَةٌ بِالذَّهَبِ ، فَقَسَمَهَا فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ ، وَعَزَلَ مِنْهَا وَاحِدًا لِمَخْرَمَةَ بْنِ نَوْفَلٍ ، فَجَاءَ وَمَعَهُ ابْنُهُ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ ، فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ : ادْعُهُ لِي ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ صَوْتَهُ ، فَأَخَذَ قَبَاءً فَتَلَقَّاهُ بِهِ ، وَاسْتَقْبَلَهُ

(☆) عمدة القاري: ١٥/٤٥.

(١) فتح الباري: ٦/٢٢٦، والمتواري على تراجم أبواب البخاري: ١٩١.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٤٥، نیز دیکھیے، فتح الباري: ٦/٢٢٦، وإرشاد الساري: ٥/٢٠٩.

(٣) قوله: "عن عبدالله......": الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب كيف يقبض العبد والمتاع؟

بِأَزْرَارِهِ ، فَقَالَ : (يَا أَبَا الْمِسْوَرِ خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ ، يَا أَبَا الْمِسْوَرِ خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ) . وَكَانَ فِي خُلُقِهِ شِدَّةٌ .

تراجم رجال

۱- عبدالله بن عبدالوهاب

یہ ابومحمد عبداللہ بن عبدالوہاب حجبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب لیبلغ الشاهد الغائب" کے ذیل میں گزر چکا(۱)۔

۲- حماد

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية" کے تحت گزر چکے(۲)۔

۳- ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب حلاوة الإیمان" کے تحت آچکا(۳)۔

٤- عبدالله بن ابی ملیکه

یہ قاضی عبداللہ بن ابی ملیکہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط......" کے تحت بیان کیے جاچکے(۴)۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ قبائیں ہدیۃً آئیں، جو دیباج کی تھیں اوران پرسونے کا کام ہوا تھا،تو وہ سب آپ علیہ السلام نے بعض صحابہ میں

(۱) كشف الباري: ٤/١٣٨.

(٢) كشف الباري: ٢/٢١٩.

(٣) كشف الباري: ٢/٢٦.

(٤) كشف الباري: ٢/٥٤٨.

تقسیم کردیں اوران میں سے ایک قباء الگ کر کے مخرمہ بن نوفل (۱) کے لیے رکھ دی، حضرت مخرمہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، ساتھ ان کے بیٹے مسور (۲) بھی تھے، وہ آ کر دروازے پر کھڑے ہو گئے اور بیٹے سے کہا انہیں بلاؤ (یعنی نبی علیہ السلام کو)، نبی علیہ السلام نے ان کی آواز سن لی تو وہ قباء لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے اور اس کے بٹن ان کے سامنے کیے اور فرمایا اے ابوالمسور! میں نے یہ قباء تمہارے لیے چھپا رکھی تھی...... اوران کی طبیعت میں کچھ شدت تھی۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم أهديت له أقبية من ديباج مذردة بالذهب

اکثر نسخوں میں اسی طرح "مزرَّدة بالذهب" آیا ہے، جس کے معنی اوپر ہم نے سونے کا کام کے بیان کیے ہیں، اصل میں تزرید کہتے ہیں زرہ کے حلقوں کا باہم ملا ہوا ہونا، متداخل ہونا (۳)، البتہ ابوذر کی مستملی سے جو روایت ہے، اس میں مزررة ہے، یعنی تزریر سے ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس قباء پر سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے، کہ تزریر کے معنی بٹن لگانے کے ہیں (۴)۔

ادعه لي

یہ حضرت مخرمہ کا کلام ہے، جس کے مخاطب ان کے بیٹے مسور رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ کہا کہ نبی علیہ السلام کو جا کر بتلاؤ کہ میں آ گیا ہوں۔ ایک روایت میں ہے، مسور کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات نامناسب لگی اور میں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بلانا اچھی بات نہیں۔ تو ان کے والد مخرمہ نے کہا اے بیٹے! اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں، آپ علیہ السلام اس سے ناراض نہیں ہوں گے کہ آپ جبار نہیں ہیں (۵)۔

---

(۱) مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الهبة، باب كيف يقبض العبد والمتاع؟

(۲) مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

(۳) مجمع بحار الأنوار: ۴۲۲/۲، باب الزاي مع الراء، مادة "زرر"، والقاموس الوحيد، مادة "زرد".

(۴) مجمع بحار الأنوار: ۴۲۲/۲، باب الزاي مع الراء، مادة "زرر"، والقاموس الوحيد، مادة "زرر"، وإرشاد الساري: ۲۰۹/۵، وعمدة القاري: ۴۵/۱۵.

(۵) إرشاد الساري: ۲۰۹/۵، وعمدة القاري: ۴۵/۱۵.

اس حدیث کے متن سے متعلقہ دیگر ابحاث کتاب اللباس وکتاب الادب میں آچکے ہیں(۱)۔

وَرَوَاهُ ابْنُ عُلَيَّةَ ، عَنْ أَيُّوبَ . قالَ حاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، عَنِ الْمِسْوَرِ : قَدِمَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَقْبِيَةٌ .

اور اسی طرح اسماعیل ابن علیہ (۲) نے بھی ایوب سے روایت کیا ہے۔ جب کہ حاتم بن وردان (۳) نے سند بیان کرتے ہوئے عن المسور ...... کا اضافہ کیا ہے۔

مذکورہ تعلیقات کا مقصد

اس عبارت کو سمجھنے سے قبل یہ جان لیجیے کہ حدیثِ باب کو ایوب سختیانی سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں، حماد بن زید، اسماعیل ابن علیہ اور حاتم بن وردان اور ان تینوں کی روایت میں ارسال اور وصل کا اختلاف ہے، چنانچہ حدیثِ باب میں "أيوب عن ابن أبي مليكة أن النبي صلى الله عليه وسلم ......" آیا ہے اور یہ حدیث مرسل ہے کہ ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں، علاوہ ازیں اسماعیل ابن علیہ کی جو روایت ہے وہ بھی مرسل ہے، اس طرح یہ دونوں حضرات روایت کے مرسل ہونے پر متفق ہوئے، ان دونوں کی روایات ایک جیسی ہیں، جب کہ حاتم بن وردان رحمۃ اللہ علیہ کی جو روایت ہے، اس میں "ابن أبي مليكة عن المسور بن مخرمة ......" ہے، اس طرح یہ روایت موصول ہوئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی ارسال ووصل کے اختلاف کو واضح کرنے کے لیے یہ تعلیقات ذکر کی ہیں۔

مذکورہ تعلیقات کی تخریج

اوپر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو تعلیقات ذکر کیں، پہلی ابن علیہ کی اور دوسری حاتم بن وردان کی۔

اسماعیل ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق کو مصنف نے موصولاً کتاب الأدب میں ذکر کیا ہے(۴)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب اللباس: ١٦٤، وكتاب الأدب: ٥٢٦-٥٢٨.

(۲) اسماعیل بن ابراہیم بن مسلم ابن علیہ کے حالات كشف الباري: ١٢/٢، كتاب الإيمان میں گزر چکے ہیں۔

(۳) حاتم بن وردان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الشهادات، باب شهادة الأعمى وأمره......

(٤) صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب المداراة مع الناس، رقم (٦١٣٢).

اور حاتم بن وردان رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق موصولاً کتاب الشہادات میں گزر چکی ہے (☆)۔

تَابَعَهُ اللَّيْثُ ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ . [ر : ٢٤٥٩]

حضرت لیث بن سعد (۱) نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہوئے ایوب رحمہم اللہ کی متابعت کی ہے۔

مذکورہ متابعت کا مقصد

اوپر تعلیقات کے ضمن میں جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کو آپ نے ملاحظہ کیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، جیسے ابن علیہ اور حماد بن زید کی روایت ہے، یا موصول، جیسے حاتم بن وردان کی روایت اور راجح کیا ہے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ متابعت اسی ترجیح ورجحان کو بتلانے کے لیے ذکر کی ہے کہ لیث بن سعد احفظ ہیں اور روایت کا موصول ہونا ہی راجح ہے، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واعتمد البخاري الموصول لحفظ من وصله"(۲).

مذکورہ متابعت کی تخریج

امام بخاری نے حضرت لیث رحمہما اللہ کی مذکورہ بالا متابعت کو موصولاً کتاب الہبۃ میں نقل کیا ہے (۳)۔

اصیلی کا ایک وہم

اس پوری تفصیل سے ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ اصیلی کے نسخے میں جو عن ابن أبي مليكة عن المسور مذکور ہے وہ وہم ہے، درست اور معتمد بات یہی ہے کہ "حماد بن زيد عن أيوب عن ابن أبي مليكة" والا طریق مرسل ہے (۴)۔

(☆) صحيح بخاري، كتاب الشهادات، باب شهادة الأعمى......، رقم (٢٦٥٧).

(۱) حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے لیے دیکھیے، کشف الباري: ١/٣٢٤، بدء الوحي.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٢٦.

(٣) صحيح بخاري، كتاب الهبة، باب كيف يقبض العبد والمتاع؟ رقم (٢٥٩٩).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٢٦.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "خبأت هذا لك" (۱) اس سے امام بخاری کا مدعیٰ ثابت ہو رہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور امام ان امور میں مختار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۲ - باب: كَيْفَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرَ، وَمَا أَعْطَى مِنْ ذٰلِكَ فِي نَوَائِبِهِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ استفساراً یہ فرما رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ اور بنونضیر سے حاصل شدہ اموال غنیمت کو کس طرح تقسیم کیا تھا؟ اب انہوں نے کیفیت تقسیم تو بیان نہیں کی، جو کہ ترجمہ ہے اور باب کے تحت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کردی، جس سے معلوم ہوا کہ وہ اموال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوائب اور حاجات کے اندر خرچ کیے، اس کے ذریعے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تصرفات میں کلی اختیار حاصل تھا، آپ جہاں مناسبت سمجھتے، وہاں خرچ کرتے تھے (۲)۔

۲۹۶۰: حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ يَقُولُ (۳): كانَ الرَّجُلُ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ النَّخَلَاتِ، حَتَّى ٱفْتَتَحَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرَ، فَكانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ. [۳۸۰٦، ۳۸۹٤]

تراجم رجال

۱- عبداللہ بن ابی الاسود

یہ عبداللہ بن حمید ابوالاسود بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٢٧.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٤٦، وشرح الكرماني: ١٣/٩٩.

(٣) قوله: "سمعت أنس......" الحديث، مر تخريجه في الهبة، باب فضل المنيحة.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب بلا ترجمة، رقم (٧٩٨).

۲– معتمر

یہ معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– ابیه

اب سے مراد حضرت سلیمان بن طرخان تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دو حضرات کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من خص بالعلم قوما دون قوم......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٤– انس بن مالك

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه......" کے تحت گزر چکے(۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھجور کے درخت مختص کر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان درختوں کو واپس کر دیا۔

حدیث کی مختصر شرح

اس حدیث میں "الرجل" سے انصار مراد ہیں اور "افتتح" کا تعلق بنو قریظہ سے ہے، کیونکہ بنی نضیر کو تو جلاوطن کیا گیا تھا، لیکن مآلاً ومجازاً اسے بھی فتح سے تعبیر کیا گیا ہے(۳)۔

مدینہ منورہ میں جب مہاجرین کا ورود ہوا، وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر آگئے تو انصار نے ان کو حوصلہ دیا، ان کی ہر طرح سے مدد کی، کھیت وغیرہ حوالے کر دیے، جن کی دو بیویاں تھیں ان میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجری بھائی کے نکاح میں دے دی اور قربانی و ایثار کی عظیم مثالیں پیش کیں۔

---

(۱) كشف الباري: ٤/٥٩٠-٥٩٥.

(۲) كشف الباري: ٢/٤.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٤٦.

یہ انفرادی امور کا معاملہ تھا، اجتماعی امور کے لیے ان انصار کے جو باغات تھے، ان میں سے کچھ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص کردیے، ان کی آمدنی مصارف ومصالح مسلمین اور اہل بیت پر خرچ ہوتی، یہ اختصاص بطور ہدیہ کے تھا، کیوں کہ صدقہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے لیے حرام ہے۔

یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کو یہود مدینہ پر فتح ہوئی تو نبی علیہ السلام نے وہ درخت انصار کو واپس کردیے (۱)۔

ان امور کی تفصیلات کتاب المغازی میں بیان ہوچکی ہیں (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ ترجمہ میں تقسیم کی کیفیت کے متعلق استفسار تھا، اس کا جواب حدیث میں موجود ہے کہ تقسیم اموال بنی قریظہ کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا، کہ نبی علیہ السلام نے ان میں اپنی صوابدید کے مطابق تصرف کیا اور انہیں مصالح مسلمین پر خرچ کیا گیا (۳)۔

١٣ – باب : بَرَكَةِ الْغَازِي فِي مالِهِ حَيًّا وَمَيِّتًا ، مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَوُلَاةِ الْأَمْرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ غازی کا مال جو غنیمت وغیرہ سے حاصل ہوا ہو، اس میں اس کی زندگی میں بھی برکت ہوتی ہے اور اس کے مرنے کے بعد بھی، چاہے اس نے جہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا ہو یا آپ کے بعد آپ کے نائبین اور خلفاء کے ہمراہ (۴)۔ شہادت ودلیل کے طور پر اس

---

(١) حواله بالا، وإرشاد الساري: ٥/٢١٠، وشرح ابن بطال: ٥/٢٨٦.

(٢) كشف الباري، كتاب المغازي: ١٨٣، و:٣٠٢.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٤٦، وفتح الباري: ٦/٢٢٧، وإرشاد الساري: ٥/٢١٠.

(٤) هذا ما قاله الشيخ الكاندهلوي رحمه الله، واختاره شيخنا المبجَّل حفظه الله، انظر الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ١/٢٠٦. وقال القسطلاني رحمه الله: "والظاهر أن الغرض ذكر الكثرة التي نشأت عن البركة في تركة الزبير؛ إذ خلف ديناً كثيراً، ولم يخلف إلا العقار المذكور، ومع ذلك فبورك فيه، حتى تحصَّل منه هذا المال العظيم". شرح القسطلاني: ٥/٢١٣.

کے لیے امام علیہ الرحمۃ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قصہ پیش کیا ہے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

ایک تنبیہ

ترجمۃ الباب میں لفظ برکہ بائے موحدہ کے ساتھ ہے، بعض حضرات نے اس میں تصحیف کرتے ہوئے تائے مثناۃ کے ساتھ ترکہ پڑھا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ ترکہ اگرچہ محتمل ہے کہ اس قصے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا ذکر ہے، لیکن آگے جو عبارت آرہی ہے، "حيا وميتا مع النبي صلى الله عليه وسلم وولاة الأمر" یہ اس امر پر دلالت کررہی ہے کہ درست جمہور ہی کی روایت ہے، یعنی بائے موحدہ کے ساتھ (۱)۔

٢٩٦١ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : قالَ : قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ : أَحَدَّثَكُمْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ(٢) قالَ : لَمَّا وَقَفَ الزُّبَيْرُ يَوْمَ الجَمَلِ ، دَعَانِي فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ ، فَقَالَ : يَا بُنَيِّ إِنَّهُ لَا يُقْتَلُ الْيَوْمَ إِلَّا ظَالِمٌ أَوْ مَظْلُومٌ ، وَإِنِّي لَا أُرَانِي إِلَّا سَأُقْتَلُ الْيَوْمَ مَظْلُومًا ، وَإِنَّ مِنْ أَكْبَرِ هَمِّي لَدَيْنِي ، أَفَتُرَى يُبْقِي دَيْنُنَا مِنْ مالِنَا شَيْئًا ؟ فَقَالَ : يَا بُنَيِّ بِعْ مالَنَا فَاقْضِ دَيْنِي ، وَأَوْصَى بِالثُّلُثِ ، وَثُلُثِهِ لِبَنِيهِ - يَعْنِي بَنِي عَبْدِ ٱللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ - يَقُولُ : ثُلُثُ الثُّلُثِ ، فَإِنْ فَضَلَ مِنْ مالِنَا فَضْلٌ بَعْدَ قَضَاءِ ٱلدَّيْنِ فَثُلُثُهُ لِوَلَدِكَ . قالَ هِشَامٌ : وَكانَ بَعْضُ وَلَدِ عَبْدِ ٱللهِ قَدْ وَازَى بَعْضَ بَنِي الزُّبَيْرِ ، خُبَيْبٌ وَعَبَّادٌ ، وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعَةُ بَنِينَ وَتِسْعُ بَنَاتٍ . قالَ عَبْدُ ٱللهِ : فَجَعَلَ يُوصِينِي بِدَيْنِهِ وَيَقُولُ : يَا بُنَيِّ إِنْ عَجَزْتَ عَنْهُ فِي شَيْءٍ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ مَوْلَايَ . قالَ : فَوَٱللهِ ما دَرَيْتُ ما أَرَادَ حَتَّى قُلْتُ : يَا أَبَتِ مَنْ مَوْلَاكَ ؟ قالَ : ٱللهُ ، قالَ : فَوَٱللهِ ما وَقَعْتُ فِي كُرْبَةٍ مِنْ دَيْنِهِ إِلَّا قُلْتُ : يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ ٱقْضِ عَنْهُ دَيْنَهُ فَيَقْضِيهِ ، فَقُتِلَ الزُّبَيْرُ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ وَلَمْ يَدَعْ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِلَّا أَرَضِينَ ، مِنْهَا الْغَابَةُ وَإِحْدَى عَشْرَةَ دَارًا بِالْمَدِينَةِ ، وَدَارَيْنِ بِالْبَصْرَةِ ، وَدَارًا بِالْكُوفَةِ ، وَدَارًا بِمِصْرَ ، قالَ : إِنَّمَا كانَ دَيْنُهُ الَّذِي عَلَيْهِ أَنَّ الرَّجُلَ كانَ يَأْتِيهِ بِالْمَالِ فَيَسْتَوْدِعُهُ إِيَّاهُ ، فَيَقُولُ الزُّبَيْرُ : لَا ، وَلٰكِنَّهُ سَلَفٌ ، فَإِنِّي أَخْشَى عَلَيْهِ الضَّيْعَةَ ، وَما وَلِيَ إِمَارَةً قَطُّ ، وَلَا جِبَايَةَ خَرَاجٍ ، وَلَا شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي غَزْوَةٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، أَوْ مَعَ أَبِي بَكْرٍ

(١) فتح الباري: ٦/٢٢٨، وعمدة القاري: ١٥/٤٧، وشرح القسطلاني: ٥/٢١٠.

(٢) قوله: "عن عبدالله": الحديث، تفرد به البخاري، ولم يخرجه غيره، انظر تحفة الأشراف: ٣/١٧٩، رقم (٣٦٢٦)، ومن مسند الزبير......

وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ : فَحَسَبْتُ مَا عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ فَوَجَدْتُهُ أَلْفَيْ أَلْفٍ وَمِائَتَيْ أَلْفٍ ، قَالَ : فَلَقِيَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ : يَا ابْنَ أَخِي ، كَمْ عَلَى أَخِي مِنَ الدَّيْنِ ؟ فَكَتَمَهُ ، فَقَالَ : مِائَةُ أَلْفٍ ، فَقَالَ حَكِيمٌ : وَاللّٰهِ مَا أُرَى أَمْوَالَكُمْ تَسَعُ لِهٰذِهِ ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ : أَفَرَأَيْتَكَ إِنْ كَانَتْ أَلْفَيْ أَلْفٍ وَمِائَتَيْ أَلْفٍ ؟ قَالَ : مَا أُرَاكُمْ تُطِيقُونَ هٰذَا ، فَإِنْ عَجَزْتُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَاسْتَعِينُوا بِي ، قَالَ : وَكَانَ الزُّبَيْرُ اشْتَرَى الْغَابَةَ بِسَبْعِينَ وَمِائَةِ أَلْفٍ ، فَبَاعَهَا عَبْدُ اللّٰهِ بِأَلْفِ أَلْفٍ وَسِتِّمِائَةِ أَلْفٍ ، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ : مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ حَقٌّ فَلْيُوَافِنَا بِالْغَابَةِ ، فَأَتَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ ، وَكَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ أَرْبَعُمِائَةِ أَلْفٍ ، فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ : إِنْ شِئْتُمْ تَرَكْتُهَا لَكُمْ ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَا ، قَالَ : فَإِنْ شِئْتُمْ جَعَلْتُمُوهَا فِيمَا تُؤَخِّرُونَ إِنْ أَخَّرْتُمْ ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَا ، قَالَ : قَالَ : فَاقْطَعُوا لِي قِطْعَةً ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَكَ مِنْ هَا هُنَا إِلَى هَا هُنَا ، قَالَ : فَبَاعَ مِنْهَا فَقَضَى دَيْنَهُ فَأَوْفَاهُ ، وَبَقِيَ مِنْهَا أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ وَنِصْفٌ ، فَقَدِمَ عَلَى مُعَاوِيَةَ وَعِنْدَهُ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ وَالْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ زَمْعَةَ ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ : كَمْ قُوِّمَتِ الْغَابَةُ ؟ قَالَ : كُلُّ سَهْمٍ مِائَةَ أَلْفٍ ، قَالَ : كَمْ بَقِيَ ، قَالَ : أَرْبَعَةُ أَسْهُمٍ وَنِصْفٌ ، قَالَ الْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ ، قَالَ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ ، وَقَالَ ابْنُ زَمْعَةَ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : كَمْ بَقِيَ ؟ فَقَالَ : سَهْمٌ وَنِصْفٌ ، قَالَ : أَخَذْتُهُ بِخَمْسِينَ وَمِائَةِ أَلْفٍ ، قَالَ : وَبَاعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ نَصِيبَهُ مِنْ مُعَاوِيَةَ بِسِتِّمِائَةِ أَلْفٍ ، فَلَمَّا فَرَغَ ابْنُ الزُّبَيْرِ مِنْ قَضَاءِ دَيْنِهِ ، قَالَ بَنُو الزُّبَيْرِ : اقْسِمْ بَيْنَنَا مِيرَاثَنَا ، قَالَ : لَا وَاللّٰهِ لَا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ حَتَّى أُنَادِيَ بِالْمَوْسِمِ أَرْبَعَ سِنِينَ : أَلَا مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا فَلْنَقْضِهِ ، قَالَ : فَجَعَلَ كُلَّ سَنَةٍ يُنَادِي بِالْمَوْسِمِ ، فَلَمَّا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ قَسَمَ بَيْنَهُمْ ، قَالَ : فَكَانَ لِلزُّبَيْرِ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ ، وَرَفَعَ الثُّلُثَ ، فَأَصَابَ كُلَّ امْرَأَةٍ أَلْفُ أَلْفٍ وَمِائَتَا أَلْفٍ ، فَجَمِيعُ مَالِهِ خَمْسُونَ أَلْفَ أَلْفٍ ، وَمِائَتَا أَلْفٍ .

تراجم رجال

۱ـ اسحاق بن ابراهیم

یہ اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ حنظلی مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲–أبو اسامه

یہ ابو اسامہ حماد بن اسامہ لیثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ تفصیلاً کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۳– هشام بن عروة

یہ ہشام بن عروۃ بن زبیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں

٤– عروه بن زبير

یہ عروہ بن زبیر بن العوام قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "بدء الوحي" کی "الحدیث الثانی" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

٥– عبدالله بن زبير ٦– زبير بن العوام رضي الله عنهما

ان دونوں حضرات کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم" کے تحت آ چکے ہیں(۳)۔

قال: لما وقف الزبير يوم الجمل دعاني فقمت إلى جنبه

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمل والے دن جب میرے والد زبیر رضی اللہ عنہ قتال کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا، تو میں ان کے پہلو میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

یوم الجمل (جنگ جمل)

واقعہ جمل تاریخ اسلام کے ان دردناک واقعات میں سے ہے، جس میں دونوں طرف جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور دونوں طرف کے لوگ حق پر بھی تھے، یہی اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس واقعے سے متعلق تفصیلات تو ان شاء اللہ کتاب الفتن میں آئیں گی، ہم ذیل میں اس کا خلاصہ ذکر کیے دیتے ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۳/٤١٤–٤١٧، و٤٢٨–٤٣١.

(۲) كشف الباري: ۱/۲۹۱، نیز دیکھیے، كشف الباري: ۲/٤٣٢–٤٤٠.

(۳) كشف الباري: ٤/١٦٤–١٧٤.

یہ ۳۶ھ مطابق ۶۵۶ء، جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ کا اور خلافتِ علی کا واقعہ ہے، یہ جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامیوں کے مابین تھی، مسئلہ حضرت عثمان کے قصاص کا تھا اور موضع حرب بصرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حامیوں کے ہمراہ مکہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے بصرہ کے قریبی شہر کوفہ میں موجود تھے، جب انہوں نے اس لشکر کے بصرہ پہنچنے کا سنا تو وہ بھی کوفہ سے لشکر لے کر نکلے، یہاں تک کہ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے اور فریقین کے درمیان کئی بار مذاکرات بھی ہوئے، قریب تھا کہ یہ مذاکرات کامیابی سے ہم کنار ہوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دلائل کی رو سے فریق ثانی کو قائل کر لیتے، لیکن ناس ہو ابن سبا یہودی اور اس کے چیلوں کا، یہ چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذمے دار تھے، اس لیے ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر یہ دونوں فریق باہم مل گئے تو ہماری گردنیں ضرور قصاصاً ماری جائیں گی، چناں چہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا دم بھرا اور موقع پاتے ہی اہل جمل یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر پر حملہ کر دیا، جب کہ اس کی خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں تھی، انہیں پتہ چلا تو پوچھا کہ یہ کس قسم کا شور ہے؟ تو سبائیوں میں کچھ افراد نے غلط بیانی کرتے ہوئے انہیں یہ بتلایا کہ فریق ثانی نے اچانک بے خبری میں ہم پر حملہ کر دیا ہے، یہی حال دوسری طرف بھی ہوا اور یہ حضرات نہ چاہتے ہوئے بھی جنگ کی آگ میں کود پڑے اور سبائی اپنی سازش میں کامیاب ہو گے، لعنهم الله وخذلهم.

فریقین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت میدانِ جنگ میں موجود نہیں تھیں اور انہیں لڑائی شروع ہونے کا بھی علم نہیں تھا، اتنے میں کعب بن مسور تابعی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احوال واقعی سے انہیں باخبر کیا اور کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں اور میدانِ قتال کی طرف چلیں، شاید صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، یہ سن کر اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر نکلیں، مگر توقع کے خلاف آپ رضی اللہ عنہا کی سواری دیکھ کر لوگ اور مشتعل ہو گئے، کیوں کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ آپ بحیثیت سپہ سالار میدان میں تشریف لائی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ لوگ کسی طرح لڑائی روکنے پر آمادہ نہیں اور مسلسل مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں تو انہوں نے کعب بن مسور کو حکم دیا کہ تم اونٹ کی مہار چھوڑ کر، قرآن مجید بلند کر کے

آگے بڑھو اور لوگوں کو قرآن مجید کے محاکمہ کی طرف بلاؤ اور کہو کہ ہمیں قرآن کا فیصلہ منظور ہے، تم بھی اس کے فیصلے کو مان لو۔

کعب نے آگے بڑھ کر اعلان کیا، عبداللہ بن سبا کے لوگوں نے یکبارگی ان پر تیروں کی بارش کر کے ان کو شہید کر دیا، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامی اور مشتعل ہو گئے، وہ برابر قتل ہوتے رہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ تک کسی حریف کو رسائی نہیں دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کیفیت کو دیکھ کر بھانپ لیا کہ جب تک یہ اونٹ میدانِ جنگ میں نظر آتا رہے گا، لڑائی کے شعلے کبھی فرو نہیں ہوں گے، چناں چہ آپ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کسی طرح اونٹ کو ختم کرو، کہ اس کے گرتے ہی لڑائی ختم ہو جائے گی۔ یہ سن کر وہ اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح اس کو گرایا جائے، لیکن دوسری طرف اہل جمل بھی غافل نہیں تھے، انہوں نے فریقِ ثانی کے ہر وار کو روکا، اونٹ کی مہار پکڑ کر لڑتے رہے، اس طرح سینکڑوں آدمی اونٹ کی مہار پر شہید ہو گئے، آخر کار کافی دیر بعد ایک آدمی نے موقع پا کر اونٹ کے پاؤں میں تلوار ماری اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اس طرح اونٹ سینے کے بل بیٹھ گیا۔

اونٹ کے گرتے ہی اہل جمل منتشر ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اس کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے محمد بن ابی بکر کو، جو اُن کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ جا کر اپنی بہن کی حفاظت کرو، ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، اس طرح یہ جنگ اپنے انجام کو پہنچی۔

یہ پہلی جنگ تھی جس میں فریقین مسلمان تھے، اس کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

جنگ ختم ہونے کے کئی دنوں بعد، امور خلافت کو از سر نو مرتب کر کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ سفر کی تیاری کریں۔ چناں چہ یکم رجب ۳۶ھ کو سفر کی مکمل تیاری کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو روسائے بصرہ کی چالیس عورتوں اور محمد بن ابی بکر کے ہمراہ بصرہ سے روانہ کیا، کئی کوس تک خود بھی قافلے کے ساتھ چلے، بعد میں حضرات حسنین کو حفاظت کی غرض سے قافلے کے ساتھ کر دیا، آپ رضی اللہ عنہا پہلے مکہ مکرمہ گئیں، وہاں سے حج ادا کر کے محرم ۳۷ھ کو مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔

اس جنگ میں فریقین کے ہزاروں افراد قتل ہوئے، جن کی تعداد میں اختلاف ہے، مقتولین میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں، "وددت أني مت قبل هذا اليوم بعشرين سنة" کہ ''اے کاش! آج کے دن سے بیس سال قبل ہی میں وفات پاچکی ہوتی کہ یہ دن نہ دیکھنا پڑتا''۔

اس جنگ کو جمل سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس جنگ میں ایک بڑی جسامت کے اونٹ پر سوار تھیں، جس کا نام عسکر تھا، اسے حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ عرینہ کے ایک آدمی سے دوسو دینار میں خرید اتھا اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری کے لیے مخصوص تھا(۱)۔

أعاذنا الله من الفتن، ماظهر منها ومابطن.

فقال: يا بني، لا يقتل اليوم إلا ظالم أو مظلوم

تو میرے والد زبیر نے مجھ سے کہا، اے بیٹے! آج کے دن قتل ہونے والا ظالم ہوگا یا مظلوم۔

اس جملے کے مختلف مطالب

اس جملے کے کئی مطالب ومعانی بیان کیے گئے ہیں:

❶ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر وہ قتل ہوگئے تو اپنے خیال میں مظلوم ہوں گے، لیکن فریقِ ثانی (خصم) انہیں ظالم تصور کرتا ہوگا، کیوں کہ ہر فریق اپنے کو حق پر، دوسرے کو ناحق پر سمجھتا تھا اور اس میں وہ تاویل کرتا تھا۔

اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ صحابہ، جو امت کے بہترین اور عمدہ لوگ ہیں، کا آپس میں قتال ومحاربہ ان لوگوں کا سا نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر قتل کرتے ہیں یا اہل بغی ہیں، جن کے قاتل ومقتول دونوں ظالم ہوں گے، ان کے بارے میں تو صریح ارشاد نبوی ہے، "إذا التقى المسلمان بسيفيهما، فالقاتل والمقتول في النار"(۲) کیوں کہ یہاں تو تاویل کی گنجائش ہی نہیں کہ اس کی وجہ سے عنداللہ یہ معذور

---

(۱) جنگ جمل کی تفصیلات، اسباب اور نتائج کے لیے دیکھیے، عمدة القاري: ۱۵/۴۹-۵۰، وفتح الباري: ۶/۲۲۹، والبداية والنهاية: ۴/۷/۲۲۲-۲۴۱، سنة ۳۶ھ، والكامل لابن الأثير: ۳/۹۹-۱۴۹، وقعة الجمل، وشرح القسطلاني: ۵/۲۱۰، تاریخ اسلام (اردو) از اکبر شاہ نجیب آبادی: ۱/۴۳۰-۴۴۶، طبع مكتبة العلم كراچی، وتاريخ الإسلام للذهبي: ۲/۱۷۱، سنة ست وثلاثين، وقعة الجمل، الطبقة الرابعة.

(۲) الحديث أخرجه البخاري، كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين......﴾ رقم (۳۱)، والديات،=

سمجھے جائیں......۔

جہاں تک حضرت زبیر وطلحہ اور جماعت صحابہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکلے تھے، ان کا مطالبہ تو یہ تھا قاتلین عثمان کا پیچھا کیا جائے اور ان کو گرفتار کر کے ان پر حد جاری کی جائے، ظاہر ہے کہ یہ ایک شرعی مطالبہ ہے اور یہ لوگ ہرگز ہرگز حضرت علی سے قتال کے لیے نہیں نکلے تھے، کیوں کہ اس میں تو دو رائے نہیں تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنے زمانے کے لوگوں میں احق بالخلافہ تھے، وہی امامت کبریٰ کے مستحق تھے۔

البتہ ہوا یہ تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں پناہ لے رکھی تھی، وہ ان کی حمایت کا دم بھرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا خیال یہ تھا کہ جب تک امت کے حالات پرسکون نہیں ہو جاتے ان قاتلین کو جلاد کے حوالے کرنا مناسب نہیں، ہاں! جب حالات پرسکون ہو جائیں گے تو یہ کام بھی کر لیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ درست ہیں اس لیے دونوں کے مقتول مظلوم ہی ہوں گے، نہ کہ ظالم، یہی مذہب اہل سنت ہے، والقاتل منهم والمقتول في الجنة إن شاء الله(۱).

❷ علامہ ابن التین السفاقسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ لڑنے والے دو طرح کے لوگ ہوں گے: صحابی وغیر صحابی، چناں چہ صحابی تو متاول ہے، اس لیے وہ مظلوم ہے اور غیر صحابی جو دنیا کے لیے لڑنے والا ہوگا، وہ ظالم ہوگا۔

"معناه: أنهم إما صحابي متأول فهو مظلوم، وإما غير صحابي قاتل لأجل الدنيا فهو ظالم"(۲).

= باب قول الله تعالى: ﴿ومن أحياها﴾، رقم (٦٨٧٥)، والفتن، باب إذا التقى المسلمان ......، رقم (٧٠٨٣)، ومسلم في الفتن، باب إذا تواجه المسلمان......، رقم (٧٢٥٢-٧٢٥٥)، وأبوداود، الفتن، باب النهي عن القتال في الفتنة، رقم (٤٢٦٨)، والنسائي، تحريم الدم، باب تحريم القتل، رقم (٤١٢١-٤١٢٢)، و(٤١٢٥-٤١٢٨).

(۱) شرح ابن بطال: ٥/٢٩٠، وعمدة القاري: ١٥/٥١.

(۲) شرح القسطلاني: ٥/٢١٠، وعمدة القاري: ١٥/٥١، وفتح الباري: ٦/٢٢٩.

وإني لا أراني إلا سأقتل اليوم مظلوما

اور میرا اپنے بارے میں یہی خیال ہے کہ میں آج ظلماً شہید کیا جاؤں گا۔

أرانـــي ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بمعنی اظن کے ہے، یعنی میرا خیال وگمان یہ ہے اور بفتح الہمزہ بھی پڑھا جاسکتا ہے جو أعتقد کے معنی میں ہوگا، یعنی میرا یقین واعتقاد یہ ہے کہ آج میں مارا جاؤں گا (۱)۔

ان کا یہ گمان یا یقین پورا ہوا اور عمرو بن جرموز نامی ایک شخص نے ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا، جب کہ وہ میدانِ جنگ سے نکل چکے تھے (۲)، جس کی تفصیل کتاب العلم میں گزر چکی ہے (۳)۔

وإن من أكبر همي لديني، أفترى يبقي ديننا من مالنا شيئاً؟

اور میری سب سے بڑی پریشانی اور فکر میرا قرض ہے، تمہارا کیا خیال ہے، ہمارا یہ قرض ہمارے مال میں سے کچھ چھوڑے گا؟

مطلب یہ ہے کہ اتنے قرض، جو میں نے لوگوں سے لیے، ان کی ادائیگی میں ہی سارا مملوکہ مال خرچ ہوجائے گا، شاید ہی اس میں سے کچھ بچے۔

لديني میں لام تاکید کا ہے اور مفتوح ہے اور أفترى میں ہمزہ استفہامیہ ہے اور فعل مجہول ہے، أفتظن کے معنی میں ہے اور يبقي إبقاء سے ہے (افعال سے)، نہ کہ بقاء سے (۴)۔

فقال: يا بني، بع مالنا، فاقض ديني، وأوصى بالثلث، وثلثه لبنيه -يعني بني عبدالله بن الزبير، يقول: ثلث الثلث- فإن فضل من مالنا فضلٌ بعد قضاء الدين فثلثه لولدك

پھر کہا اے بیٹے! ہمارے مال کو بیچنا، میرا دین ادا کرنا۔ اور ثلث کی وصیت کی اور ثلث میں سے ثلث

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۵۱، وفتح الباري: ٦/٢٢٩.

(۲) حواله جات بالا.

(۳) کشف الباري: ٤/١٧٣.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٥٢، وشرح القسطلاني: ٥/٢١١.

ان کے یعنی عبداللہ بن زبیر (مخاطب) کے بیٹوں کے لیے ہوگا، کہنے لگے کہ ثلث کو تین حصوں میں تقسیم کرنا اور اس کا ایک ثلث اپنے بیٹوں کو دینا۔ اگر ہمارے مال سے دین ادا کرنے کے بعد کچھ بچ جائے تو اس کا ثلث تمہارے بیٹوں کا ہوگا۔

اوپر ذکر کردہ عبارت مختلف حضرات کے کلام پر مشتمل ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کلام یہ ہے، "يا بني، بع مالنا، فاقض ديني، فإن فضل من مالنا فضل بعد قضاء الدين فثلثه لولدك" جس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے! میرے مال کو فروخت کر کے میرا دین ادا کرنا اور دین کی ادائیگی کے بعد بھی اگر مال بچا رہا تو اس کا ایک ثلث فقراء و مساکین کے لیے ہو، لیکن اس ثلث کا ثلث تمہاری اولاد کے لیے ہوگا۔ اور "وأوصى بالثلث وثلثه لبنيه" یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔ اور "يعني بني عبدالله بن الزبير يقول: ثلث الثلث" یہ کسی راوی کا تفسیری و توضیحی جملہ ہے، جس میں اس نے "ثلثه لبنيه" کی وضاحت کی ہے۔ اگر اس تفصیل کو مدنظر نہ رکھا جائے تو اس عبارت کو سمجھنا مشکل ہے۔

چنانچہ اس عبارت میں فثلثه کی جو ضمیر مجرور ہے، وہ مطلقاً ثلث کی طرف راجع ہے، یعنی ثلث کا ثلث کہ وصیت تو مطلقاً ثلث مال میں جاری ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف امام مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمیر مجرور کو فضل کی طرف راجع مانا ہے، لیکن وہ اشکال سے خالی نہیں (۱)۔

بعض حضرات نے فثلثه کولام کی تشدید کے ساتھ ثلّثه پڑھا ہے، یعنی اسم کی جگہ فعل امر قرار دیا ہے کہ اس ثلث مطلق کے تین حصے کرنا، اس کو حافظ نے اقرب کہا ہے (۲)۔

قال هشام: وكان بعض ولد عبدالله قد وازى بعض بني الزبير —خبيب وعباد—

ہشام کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کے بعض بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بعض بیٹوں کے ہم عمر تھے۔ یعنی خبیب اور عباد۔

ہشام بن عروہ کا یہ قول سند سابق کے ساتھ موصول ہے (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٠، عمدة القاري: ١٥/٥٢، وإرشاد الساري: ٥/٢١١، والكوثر الجاري: ٦/١١١.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٣٠، وعمدة القاري: ١٥/٥٢، وإرشاد الساري: ٥/٢١١.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٣٠، وإرشاد الساري: ٥/٢١١.

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے وازی کو واو کے ساتھ لکھنا خلافِ قیاس اور غلط قرار دیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اسے ہمزہ کے ساتھ آزی لکھنا چاہیے، حدیثِ باب کے یہ الفاظ ان پر رد ہیں، کہ یہاں وازی واء کے ساتھ ہے۔اس کے معنی ساوی کے ہیں، یعنی برابر ہونا(۱)۔

اس جملے کا مطلب

❶ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں یعنی اپنے اعمام کے عمر میں مساوی اور برابر ہو گئے تھے۔

❷ اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے صاحبزادگان نصیب میراث میں اپنے اعمام یعنی حضرت زبیر کے صاحبزادگان کے برابر ومساوی ہو گئے تھے کہ ان کو بھی اتنا ہی ملا، جتنا کہ ان کے اعمام کو ملا۔

اس احتمالِ ثانی کو مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے اولیٰ قرار دیا ہے اور فرمایا کہ دوسری صورت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اولاد کی کثرت کو بیان کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

لیکن دوسرے شراح نے پہلے احتمال کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دیا ہے(۲)۔

چنانچہ حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال نظر واشکال سے خالی نہیں، کیوں کہ اس وقت تک تو میراث تقسیم ہی نہیں ہوئی تھی، مال موروث کا کوئی معلوم ومعین اندازہ تھا، نہ موصی بہ یعنی ثلث کا۔

علاوہ ازیں یہ کہنا "وإلا لم يكن لذكر كثرة أولاد الزبير معنى في الموازاة في السن"(۳) بھی درست نہیں، کیوں کہ مراد یہ ہے کہ حضرت زبیر نے حضرت عبداللہ کی اولاد کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا اور دوسرے پوتوں کے مقابلے میں انہیں زیادہ اہمیت دی، اس کی وجہ واضح ہے، کہ حضرت عبداللہ کے صاحبزادگان بڑی عمر کے اور گھر بار والے ہو گئے تھے، یہاں تک کہ اس معاملے میں اپنے اعمام کے برابر ہو گئے، چناں چہ

---

(۱) حوالہ جات بالا: والصحاح للجوهري: ٤٠، مادة "أزا" حرف الألف، والعمدة: ٥٢/١٥، والكوثر الجاري: ١١٢/٦.

(۲) فتح الباري: ٢٣٠/٦، وإرشاد الساري: ٢١١/٥، وشرح ابن بطال: ٢٩١/٥، والكوثر الجاري: ١١٢/٦، وشرح الكرماني: ١٠٠/١٣.

(۳) قاله ابن بطال: ٢٩١/٥.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت کے ذریعے مال کی کچھ مقدار اپنے پوتوں کے لیے بھی مقرر کردی، تاکہ ان کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ کا حصہ وافر وزیادہ ہوجائے، اس طرح وہ مالی معاملات میں اپنے والد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے معاون بن سکیں (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

''خبیب وعباد'' بربنائے بدلیت یا بیان از بعض مرفوع ہے اور یہ بعض کی تفسیر ہے، بطور مثال صرف ان دو کے نام پر اکتفا کیا گیا، ورنہ حضرت عبداللہ کی اولاد میں دوسرے اور بھی تھے، جو عمر میں اپنے اعمام کے مساوی تھے (۲)۔

حافظ نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ ''خبیب وعباد'' کو مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں کہ وہ لفظ ''بعض'' کا بیان ہو۔

لیکن یہاں حافظ سے سہو ہوا ہے، علامہ عینی کہتے ہیں کہ لفظ ''بعض'' حدیث میں دو جگہ آیا ہے، ان میں ایک مرفوع ہے، دوسرا منصوب۔ یہ تیسری صورت کہاں سے آگئی؟ یہی بات قسطلانی نے بھی کہی۔ درست بات یہ ہے کہ مجرور بھی ان دونوں ناموں کو پڑھا جاسکتا ہے، لیکن باعتبار ولد کے، جو "بعض ولدِ عبداللہ......" میں آیا ہے، نہ کہ باعتبار بعض کے (۳)۔

خبیب

یہ خبیب بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام القرشی الأسدی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی والدہ تماضر بنت منظور بن زبان الفزاریہ ہیں (۴)۔

یہ اپنے والد عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ وکعب الاحبار رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے زبیر بن خبیب، یحییٰ بن عبداللہ بن مالک، زہری اور سلیمان بن عطاء وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٠، وإرشاد الساري: ٥/٢١١، وكذا انظر الكوثر الجاري: ٦/١١٢.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٥٢، وفتح الباري: ٦/٢٣٠، وإرشاد الساري: ٥/٢١١.

(٣) حواله جات بالا.

(٤) تهذيب الكمال: ٨/٢٢٣، تاہم ابن حبان (٤/٢١١) نے ان کی والدہ کا نام حنتمہ بنت عبدالرحمٰن لکھا ہے، جو مشہور قول کے خلاف ہے۔

(٥) تهذيب الكمال: ٨/٢٢٣، وتهذيب التهذيب: ٣/١٣٥.

یہ اہل علم وورع میں سے تھے، ان کے بھائی مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں:

"كان خبيب قد لقي كعب الأحبار، ولقي العلماء، وقرأ الكتب، وكان من النساك"(١).

ابن حبان نے ان کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۲)۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ناسك، صدوق، معني بالعلم"(٣).

علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "وكان ...... عالما بقريش، وكان طويل الصلاة، قليل الكلام"(٤).

بنی امیہ کے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف ایک مکتوب روانہ کیا، جب عمر والی مدینہ تھے کہ انہیں سو کوڑے لگاؤ اور قید میں ڈال دو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حکم کی تعمیل کی، انہیں سو کوڑے لگوائے اور ایک مٹکے میں پانی ٹھنڈا کر کے موسم سرما کی ایک صبح وہ پانی ان پر انڈیل دیا گیا، جس کی وجہ سے ان کا جسم سکڑ گیا اور کپکپی طاری ہوگئی، یہی فعل بعد میں ان کی موت کا سبب بنا۔

جیل میں جب ان کی تکلیف بڑھی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان کو جیل سے نکالا اور اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوئے، جب کہ خبیب کے خاندان نے ان کو عمر بن مصعب بن زبیر کے گھر منتقل کر دیا، اسی اثناء میں جب کہ خبیب کا خاندان ان کے آس پاس بیٹھا ہوا تھا، ماجشون ملاقات کی غرض سے آئے، یہ صاحب حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھیوں میں سے تھے، جب وہ والی مدینہ تھے، جب یہ اندر داخل ہوئے تو عروہ بن عبداللہ بن زبیر نے کہا، شاید تمہارے ساتھی (عمر بن عبدالعزیز) کو اب تک ان کی موت میں شک ہے۔ اور قریب بیٹھے لوگوں سے عروہ نے کہا، چادر ہٹاؤ اور انہیں خبیب کی حالت دکھلاؤ۔ جب ماجشون نے ان کی حالت دیکھی، اس وقت تک خبیب انتقال کر چکے تھے، تو وہ سیدھے حضرت عمر کے مسکن "دار مروان" گئے۔

---

(١) تهذيب الكمال: ٨/٢٢٤، وتهذيب التهذيب: ٣/١٣٥، وخلاصة الخزرجي: ١٠٤، من اسمه خبيب.

(٢) الثقات لابن حبان: ٤/٢١١.

(٣) الكاشف: ١/٣٧١، رقم (١٣٧٦).

(٤) تهذيب الكمال: ٨/٢٢٥.

ماجشون کہتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر میں نے دروازہ پر دستک دی، پھر اندر داخل ہوا، داخل ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اس حال میں پایا کہ وہ دردزہ میں مبتلا عورت کی طرح کبھی کھڑے ہوتے اور کبھی بیٹھتے، مجھے دیکھ کر انہوں نے فرمایا، کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا بندہ (خبیب) تو مر گیا۔ تو وہ زمین پر گر گئے، پھر سر اٹھا کر إنا لله وإنا إليه راجعون کہا۔ اس حادثے کا اثر حضرت عمر بن عبدالعزیز پر تا حیات رہا، اس کے بعد انہوں نے ولایت مدینہ سے استعفیٰ دے دیا اور گورنری وغیرہ قبول کرنے سے مانع ہو گئے۔ اس کے بعد اگر کبھی انہیں کسی نیک حکم پر جو انہوں نے جاری کیا ہوتا، مبارک دی جاتی تو فرماتے "فكيف بخبيب؟!" کہ "تمہاری یہ بات تو ٹھیک ہے، تاہم میں خبیب کا کیا کروں؟!"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے آلِ زبیر بن عوام کو خصوصی طور پر عطایا و ہدایا سے نوازا تو لوگ یہی کہتے تھے کہ یہ خبیب کی دیت ہے (۱)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت خبیب کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا (۲)، یہی رائے ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے اور زبیر بن بکار کی بھی (۳)۔

اصحاب ستہ میں سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبریٰ میں ان کے واسطے سے ایک روایت لی ہے (۴)۔ رحمه الله تعالى رحمة واسعة.

اور حضرت عباد بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۵)۔

وله يومئذ تسعة بنين وتسع بنات

ان دنوں ان کے نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۸/۲۲۵-۲۲۶، وتهذيب التهذيب: ۳/۱۳۵-۱۳۶.

(۲) الثقات: ٤/۲۱۱.

(۳) الكاشف: ۱/۳۷۱، والكامل في التاريخ: ٤/۲۷۸، سنة ثلاث وتسعين، ذكر عدة حوادث.

(٤) السنن الكبرى، أبواب الزينة (۹/۷۸)، كذا في تحفة الأشراف: ۱۱/۳۹۳، رقم (۱٦۰٦٦)، وتهذيب الكمال: ۸/۲۲٦-۲۲۷.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب الصدقة فيما استطاع.

لـــه کی جو ضمیر مجرور ہے، وہ زبیر کی طرف راجع ہے، امام کرمانی سے یہاں ایک عجیب تسامح ہوا کہ انہوں نے اس ضمیر کو عبداللہ کی طرف راجع کہا ہے(۱)، جو بداہۃً غلط ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس وقت جو موجود اولاد تھی، وہ خبیب، عباد، ہاشم، ثابت اور حمزہ ہیں (۲)۔ ان کی بقیہ اولاد کی ولادت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوئی (۳)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد جو کل نو ہیں، ان کے نام درج ذیل ہیں:

عبداللہ، عروہ اور منذر، ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم ہیں۔ عمرو اور خالد، ان کی والدہ ام خالد بنت خالد بن حسین ہیں۔ مصعب اور حمزہ، ان کی والدہ رباب بنت انیف ہیں۔ عبیدہ اور جعفر، ان دونوں کی والدہ کا نام زینب بنت بشر ہے۔

ان نو کے علاوہ جو نرینہ اولاد تھی، وہ حضرت زبیر کی شہادت سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔

اور نو صاحبزادیوں کے نام یہ تھے:

خدیجہ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ، یہ تینوں حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بطن سے تھیں۔ حبیبہ، سودہ اور ہند، ان کی والدہ ام خالد ہیں۔ رملہ کی والدہ رباب، حفصہ کی زینب اور زینب کی ام کلثوم بنت عقبہ تھیں (۴)۔
رضی اللہ عنہم وعنہن اجمعین

قال عبدالله: فجعل يوصيني بدينه، ويقول: إن عجزت عن شيء منه فاستعن عليه مولاي، قال: فوالله، ما دريتُ ما أراد، حتى قلت: يا أبة، من مولاك؟ قال: الله. قال: فوالله، ما وقعت في كربة من دَينه إلا قلت: يا مولى الزبير، اقض عنه دَينه، فيقضيه.

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد مجھے اپنے دَین کے بارے میں وصیت کرتے رہے اور کہتے رہے، اے بیٹے! اگر تم دَین کے کسی بھی حصے کی ادائیگی سے عاجز آجاؤ تو میرے مولا سے مدد لے لینا۔ عبداللہ

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۳/ ۱۰۰، وفتح الباري: ٦/ ۲۳۰.

(۲) حمزہ کا نام تهذيب الكمال: ۸/ ۲۲٤ میں آیا ہے، حافظ وعینی وقسطلانی نے اول الذکر چار نام ہی ذکر کیے ہیں۔

(۳) فتح الباري: ٦/ ۲۳۰، وعمدة القاري: ۱٥/ ٥۲، وإرشاد الساري: ٥/ ۲۱۱.

(٤) حواله جات بالا.

کہتے ہیں کہ بخدا! میں سمجھا نہیں کہ (یہ کیا کہہ رہے ہیں اور مولیٰ سے) ان کی مراد کیا ہے؟ یہاں تک کہ میں نے کہا، ابا جان! آپ کا مولا کون ہے؟ فرمایا: اللہ...... حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ان کے دَین کی ادائیگی میں مجھے کوئی بھی پریشانی لاحق ہوتی تو میں عرض کرتا، اے زبیر کے مولا! زبیر کی طرف سے ان کا قرضہ ادا کرا دیجیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی سبیل نکال دیتے۔

حضرت عبداللہ کی تشویش کی وجہ

مولیٰ عرب میں اس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی غلام کو آزاد کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تو حرالاصل تھے، ان کا مولیٰ کون ہوتا، یعنی ان کا معتِق کون ہوتا؟ اسی لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو تشویش لاحق ہوئی کہ یہ مولیٰ سے کیا مراد لے رہے ہیں؟ اسی لیے استفساراً فرمایا، "یا أبة، من مولاك؟" تو جواباً فرمایا، "اللّٰہ" چناں چہ جب حضرت عبداللہ کو دَین کے سلسلے میں کوئی مشکل پیش آتی تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی درخواست منظور کرتے، نتیجہ یہ کہ سارا دَین ادا ہو گیا۔

ان حضرات کا یہ یقین کامل ہی تھا اور وہ توکل کے اس درجے پر فائز تھے کہ اپنا ہر مسئلہ، ہر مشکل، ہر پریشانی اسی رب تعالیٰ کے دربار میں پیش کرتے تھے، جو سب کو دیتا ہے، کافر و مسلم، امیر و غریب کی تفریق اس کے ہاں نہیں۔ ایک ہم ہیں کہ ہر چیز میں اسباب کو مدنظر رکھتے ہیں، رب الاسباب کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، سو جو امت کا حشر ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

فقتل الزبير رضي الله عنه، ولم يدع ديناراً ولا درهماً، إلا أرضِين منها: الغابة، وإحدى عشرة دارا بالمدينة، ودارين بالبصرة، ودارا بالكوفة، ودارا بمصر

بعدازیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، ترکہ میں انہوں نے دینار چھوڑا نہ درہم، مگر کچھ زمینیں تھیں، جن میں سے ایک غابہ ہے اور گیارہ گھر مدینے میں، دو گھر بصرے میں، ایک گھر کوفے میں اور ایک گھر مصر میں چھوڑا۔

"أرضین" صیغہ جمع ہے اور حالت نصبی میں ہے، أرض اس کا مفرد ہے، جس کا ترجمہ اوپر "کچھ زمینیں" سے کیا گیا ہے، تاہم حافظ علیہ الرحمۃ سے یہاں غالباً تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے اس کو تثنیہ سمجھا اور فرمایا

کہ "منها" کی بجائے "منهما" تثنیہ کے ساتھ ہونا چاہیے(۱)۔

الغابة

یہ لفظ غین معجمہ اور بائے موحدہ خفیفہ کے ساتھ ہے۔ بعض حضرات نے اسے الغایہ یاء کے ساتھ پڑھا ہے، جو کہ تصحیف اور فحش غلطی ہے(۲)۔

یہ مدینہ منورہ کے اطراف ومضافات، جنہیں "عوالی المدینۃ" کہا جاتا ہے، کے ایک مشہور علاقے کا نام ہے، اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان چار میل کا فاصلہ تھا اور یہ شام کے راستے پر آتا تھا(۳)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ زمین، کما في حديث الباب، ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی، جو بعد میں سولہ لاکھ میں فروخت کی گئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حدیث باب میں مذکور گھروں کے علاوہ ایک گھر مکہ مکرمہ میں بھی تھا، اس کا ذکر ابونعیم نے مستخرج میں کیا ہے، اس کے راوی بھی ہشام بن عروہ ہیں(۴)۔

قال: وإنما كان دينه الذي عليه أن الرجل كان يأتيه بالمال فيستودعه إياه، فيقول الزبير: لا، ولكنه سلف؛ فإني أخشى عليه الضيعة

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جو قرضہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے اوپر واجب تھا، اس کی شکل یہ ہوئی تھی کہ آدمی ان کے پاس مال لے کر حاضر ہوتا، کہ وہ اسے ان کے پاس امانت رکھوائے، تاہم زبیر رضی اللہ عنہ اس سے کہتے کہ امانتاً تو نہیں، لیکن بطور قرض چھوڑ جاؤ، کیوں کہ مجھے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس عبارت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد مکرم پر جو خطیر رقم بطور قرض واجب تھی، اس کی وجہ بیان کی ہے کہ اتنے بڑے قرض کا سبب کیا بنا تھا۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٠.

(۲) حواله بالا، وعمدة القاري: ١٥/٥٢، وإرشاد الساري: ٥/٢١١.

(۳) حواله جات بالا، والكوثر الجاري: ٦/١١٢، ومعجم البلدان: ٤/١٨٢، باب الغين مع الألف......

(٤) فتح الباري: ٦/٢٣١-٢٣٢.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کمال احتیاط وتقویٰ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی آدمی امانتاً اگر کچھ رکھوانے آتا تو آپ اس چیز کو امانتاً قبول نہ کرتے، بلکہ فرماتے کہ بطور قرض چھوڑ جاؤ۔ اس طرح صاحب مال کا مال بھی محفوظ رہتا، اس کا اعتماد بھی بحال رہتا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس الزام سے بچے رہتے کہ مال انہوں نے جان بوجھ کر، عمداً ضائع کیا ہے، چوں کہ امانت کی تلف وضیاع کی صورت میں ضمان نہیں ہوتا، جب کہ قرض تو بہرحال لوٹانا ہے، اس لیے وہ ذمے داری اپنے کندھے پر لے لیتے، اسی کی طرف حدیث میں بھی اشارہ ہے، "فإني أخشى الضيعة" اور اگر اس مال میں تجارت بھی کرتے تو اس کا منافع ان کے لیے طیب اور حلال ہوجاتا۔

اس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ احتیاط وتقویٰ کے کس درجے پر فائز تھے، اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ انہیں وجوہات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما قول الزبير للذين كانوا يستودعونه "لا، ولكنه سلف" إنما يفعل ذلك خشية أن يضيع المال، فيظن به ظن سوء فيه، أو تقصيرا في حفظه، فيرى أن هذا أبقى لمروء ته، وأوثق لصاحب الأموال؛ لأنه كان صاحب ذمة وافرة، وعقارات كثيرة، فرأى أن يجعل أموال الناس مضمونة عليه، ولا يبقيها تحت شيء من جواز التلف، ولتطيب نفس صاحب الوديعة على ذمته، وتطيب نفسه هو على ربح هذا المال"(١).

کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے مالی معاملات کی دیکھ بھال سپرد کر رکھی تھی، آپ ان کے مالی امور کی نگرانی فرماتے، چناں چہ زبیر بن بکار نے ہشام بن عروہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، مطیع بن الاسود، ابوالعاص بن الربیع، عبداللہ بن مسعود اور مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ ایسے صحابہ نے اپنے مالی معاملات کا انتظام وانصرام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر رکھا تھا(۲)۔

---

(١) شرح ابن بطال: ٥/٢٩١، وعمدة القاري: ١٥/٥٢، وفتح الباري: ٦/٢٣٠.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٣٠.

وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج، ولا شيئاً إلا أن يكون في غزوة مع النبي صلى الله عليه وسلم، أو مع أبي بكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم

کبھی وہ کہیں کے حاکم نہیں بنے، کبھی انہوں نے خراج وصول کرنے کی ذمے داری نہیں اٹھائی اور نہ کوئی اور چیز تھی کہ جس کے اندر کوئی عہدہ سنبھالا ہو، بس غزوہ کیا کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا حضرت ابوبکر وعمر یا عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ (۱)۔

اس جملے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک وہم کا دفعیہ کیا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس اتنے وافر مقدار میں مال کہاں سے آیا، جب کہ وہ کبھی والی رہے نہ جابی (ٹیکس وصول کنندہ)؟ تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ سارا مال مختلف غزوات کی برکت ہے، حضرت زبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء ابوبکر، عمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوات میں شرکت فرماتے، جو غنیمت ملتی اس کو کاروبار وغیرہ میں لگاتے، اس لیے کوئی برا گمان نہیں رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان اموال میں بڑی برکت دی تھی، انہیں ان میں بڑے فوائد حاصل ہوئے کہ وہ لاکھوں کروڑوں سے تجاوز کر گئے۔ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقوله: "وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج" فيكثر ماله من هذا الوجه، فيكون عليه فيه ظن سوء ومغمز لظن عمر والمسلمين بالعمال، حتى قاسمهم، بل كان كسبه من الجهاد وسهمانه من الغنائم مع رسول الله وخليفتيه بعده، فبارك الله في ماله؛ لطيب أصله، وربح أرباحا بلغت ألوف الألوف"(۲).

علاوہ ازیں زبیر بن بکار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں سو غلام تھے، جو انہیں خراج ادا کیا کرتے تھے۔ چناں چہ ان وجوہات پر یہ خیال کرنا کہ انہوں نے یہ اموال غلط طریقوں سے حاصل کیے، بالکل غلط ہے (۳)۔

---

(۱) حضرت ابوبکر کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق.

(۲) شرح ابن بطال: ۲۹۱/۵، وعمدة القاري: ۵۲/۱۵، وفتح الباري: ۲۳۰/٦.

(۳) فتح الباري: ۲۳۰/٦.

قال عبدالله بن الزبير: فَحَسَبْتُ ما عليه من الدين، فوجدته ألفي ألف، ومائتي ألف

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان پر جو قرضہ تھا، اس کا میں نے حساب لگایا، وہ بائیس لاکھ نکلا (دوملین، دولاکھ)۔

یہ قول بھی سند سابق کے ساتھ موصول ہے (۱)۔

اور حسبت باب نصر سے ماضی متکلم ہے، اس کے معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں، حساباً وحسبانا -بالضم- وغیرہ اس کے مصادر ہیں۔ دوسرا ایک لفظ ہے جو باب حَسِبَ بالکسر سے ہے، مصدر اس کا حِسباناً -بالکسر- وغیرہ ہے، اس کے معنی ظن وتخمین کے ہیں (۲)۔

قال: فلقي حكيمُ بنُ حزام عبدَالله بنَ الزبير، فقال: يا ابن أخي، كم على أخي من الدين؟

فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم بن حزام (۳) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے ملے اور فرمایا: بھتیجے! میرے بھائی کا قرضہ کتنا ہے؟

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، اسی بنا پر انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو "یا ابن اخی" (بھتیجے) کہہ کر پکارا (۴)۔

فكتمه، فقال: مائة ألف

حضرت عبداللہ نے اصل مقدارِ دین مخفی رکھی اور فرمایا ایک لاکھ۔

کیا یہ جھوٹ اور غلط بیانی نہیں؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر واجب دین کی مقدار بائیس لاکھ تھی، لیکن حضرت حکیم بن حزام کے استفسار

---

(۱) فتح الباري: ۶/۲۳۰، وعمدة القاري: ۱۵/۵۲.

(۲) حواله جات بالا.

(۳) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى.

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۵۳، وشرح الكرماني: ۱۳/۱۰۱، وفتح الباري: ۶/۲۳۱.

پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اصل مقدارِ دین ان سے چھپائی اور صرف ایک لاکھ دین کا انہیں بتلایا اور باقی اکیس لاکھ حذف کر گئے، کیا یہ غلط بیانی کے زمرے میں نہیں آتا؟

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ یہ کذب اور غلط بیانی نہیں، کیونکہ انہوں نے کچھ بتلایا اور کچھ مخفی رکھا، کیوں کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ جب اس سے کسی چیز کے بارے پوچھا جائے تو سائل کو جتنا چاہے بتلائے، اسی طرح اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ کچھ بھی نہ بتلائے، یہاں انہوں نے حضرت حکیم کے استفسار پر یہی حق اختیار کیا(۱)۔

اصل دَین کی مقدار چھپانے کی وجہ

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حکیم حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کوئی غلط گمانی اور قلت احتیاط کی رائے نہ اختیار کرلیں کہ اتنا بڑا قرضہ کیسے ان پر چڑھ گیا، جس کی ادائیگی میں ورثاء پریشان ہوں؟

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ حضرت حکیم ان کی بابت یہ خیال نہ کرلیں کہ یہ کسی مدد کے محتاج ہیں، جس کے نتیجے میں وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو اپنا محتاج سمجھنے لگیں (۲)۔

کتمانِ حقیقت کا خلاصہ دو باتیں ہوئیں:

1. حضرت زبیر کے متعلق حضرت حکیم بن حزام کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔
2. حضرت عبداللہ کی خودداری کو ٹھیس نہ پہنچے کہ حکیم بن حزام انہیں اپنی مدد کا محتاج جانیں۔

فقال حكيم: والله، ما أرى أموالكم تَسَعُ لهذه، فقال له عبدالله: أرأيتك إن كانت ألفي ألف ومائتي ألف؟ قال: ما أراكم تطيقون هذا، فإن عجزتم عن شيء منه فاستعينوا بي

حضرت حکیم نے فرمایا، بخدا! میرا نہیں خیال کہ تمہارے اموال اس قدر قرض کے لیے کافی ہوں گے تو حضرت عبداللہ نے ان سے کہا، اگر قرضہ بائیس لاکھ کا ہوا تو آپ کا کیا خیال ہوگا؟ تو حکیم (رضی اللہ عنہما) نے

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲۹۲/۵، وفتح الباري: ۲۳۱/۶، وعمدة القاري: ۵۳/۱۵.

(۲) حواله جات بالا.

فرمایا میرے خیال میں تم اس کی ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتے، سواگر تم کہیں اس کی ادائیگی سے عاجز آجاؤ تو مجھ سے تعاون لے لینا۔

ابتداءً حضرت عبداللہ نے قرض کی مقدار کم بتلائی، جس کی وجہ ابھی گزر چکی، جب دیکھا کہ حضرت حکیم ایک لاکھ کو بھی بہت بڑی رقم سمجھ رہے ہیں تو حضرت عبداللہ نے یہ ضروری سمجھا کہ دَین کی پوری مقدار ان کے علم میں لائی جائے اور انہیں یہ بھی باور کرادیا جائے کہ وہ اتنی بڑی رقم (بائیس لاکھ) کی ادائیگی پر بھی قادر ہیں، ایک لاکھ تو بہت معمولی رقم ہے(۱)۔

وكان الزبير اشترى الغابة بسبعين ومائة ألف، فباعها عبدالله بألف ألف وستمائة ألف

اور حضرت زبیر نے غابہ ایک لاکھ ستر ہزار کا خریدا تھا، اسے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نے سولہ لاکھ (1600000) میں فروخت کیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمین کے سولہ حصے کیے اور ہر حصہ کی قیمت ایک لاکھ مقرر کی کہ جو لینا چاہے تو فی حصہ ایک لاکھ کا ہوگا، اس طرح پوری زمین سولہ لاکھ کی ہوئی (۲)۔

ثم قام، فقال: من كان له على الزبير حق فليوافنا بالغابة

پھر حضرت عبداللہ (اعلان کرنے کے لیے) کھڑے ہوئے، فرمایا کہ زبیر پر کسی کا حق ہو تو وہ آکر ہم سے غابہ میں ملے۔

فليوافنا موافاة (مفاعلة) سے ہے، اس کے معنی آنے کے ہیں، أي فليأتنا(۳).

فأتاه عبدالله بن جعفر –وكان له على الزبير أربعمائة ألف– فقال لعبد الله: إن شئتم تركتُها لكم. قال عبدالله: لا، قال: فإن شئتم جعلتموها فيما

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣١، وعمدة القاري: ١٥/٥٣.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٣١.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٥٣، والقاموس الوحيد للكيرانوي، مادة: "وفي".

تـؤخـرون إن أخـرتـم. فـقـال عبدالله: لا، قال: قال: فاقطعوا لي قطعة. قال عبدالله: لك من هاهنا إلى هاهنا

چنانچہ عبداللہ بن جعفر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم (کا اعلان سن کر ان) کے پاس آئے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اوپر ان کے چار لاکھ تھے۔ اور ابن الزبیر سے کہا کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو میں اپنی رقم آپ لوگوں کے لیے چھوڑ دوں (دست بردار ہو جاؤں)۔ ابن الزبیر نے فرمایا نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ تو ابن جعفر نے کہا، اگر آپ چاہیں تو اس معاملے کو مؤخر کر دیں دیگر مؤخر شدہ معاملات کی طرح۔ ابن الزبیر نے کہا کہ نہیں، یہ بھی نہیں ہوگا۔ ابن الزبیر کہتے ہیں کہ ابن جعفر نے کہا تو میرے لیے ایک حصہ زمین کا الگ کر دو۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ کے لیے یہاں سے یہاں تک زمین ہے۔

حضرت زبیر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے چار لاکھ کے مقروض تھے، جب عبداللہ بن زبیر نے اعلان کیا تو مذکورہ اعلان سن کر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم ان کے پاس آئے اور دو پیشکشیں کیں، ایک تو یہ کہ میں اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ معاملہ کو دیگر معاملات کی طرح فی الحال مؤخر کر دو، میں اپنے حق کا ابھی مطالبہ نہیں کرتا، جب چاہے دے دینا۔ حدیث باب کا مضمون یہی ہے۔

تاریخِ یعقوب بن سفیان میں مزید تفصیل یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت حکیم بن حزام اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی حاضر تھے اور یہ بات چیت حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے گھر میں ہوئی تھی، چناں چہ یہ سب حضرات جب ان کے گھر میں داخل ہوئے تو ابن جعفر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا تم ان حضرات کو میرے پاس سفارش کے لیے لائے ہو، چلو میں اپنا حق تمہارے لیے چھوڑتا ہوں۔ تو ابن الزبیر نے کہا، میں یہ نہیں چاہتا، تو انہوں نے کہا، چلو اس دَین کے بدلے تم مجھے اپنی دونوں جوتیاں دے دو۔ ابن الزبیر نے کہا، میں یہ بھی نہیں چاہتا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر حیران ہو کر کہنے لگے کیا تم معاملہ قیامت کے دن کے لیے چھوڑنا چاہتے ہو، کہ وہیں فیصلہ ہو؟ ابن الزبیر نے کہا، ایسا بھی نہیں چاہتا۔ ابن جعفر نے کہا معاملہ میں تم پر چھوڑتا ہوں، تم جو فیصلہ کرو، مجھے قبول ہوگا۔ تو ابن الزبیر نے کہا کہ میں دَین کے بدلے آپ کو جائیداد دوں گا، تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے (۱)۔

---

(۱) المعرفة والتاريخ للفسوي: ۲/۲۳۹، مكحول، رقم (۲٤۰)، وفتح الباري: ٦/۲۳۱.

قال: فباع منها، فقضى دينه، فأوفاه، وبقي منها أربعة أسهم ونصف.

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ترکہ میں سے کچھ حصہ فروخت کر دیا اور دَین کی ادائیگی مکمل طور پر کر دی۔ اور زمین کے ساڑھے چار حصے (دَین کی ادائیگی کے بعد) بچ گئے۔

"منها" سے مراد "من الغابة والدور" ہے، فقط "من الغابة" نہیں، وہ اس لیے کہ دَین بائیس لاکھ تھا، اوپر گزر چکا ہے کہ زمین کی قیمت سولہ لاکھ تھی (۱)، ظاہر ہے کہ سولہ لاکھ کے ساتھ بائیس لاکھ کی ادائیگی کیسے ہوسکتی ہے؟ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے زمین بھی فروخت کی اور کچھ گھر بھی فروخت کیے، اس طرح دَین کی ادائیگی کی اور زمین کے ساڑھے چار حصے بچ گئے۔

فقدم على معاوية —وعنده عمرو بن عثمان، والمنذر بن الزبير، وابن زمعة

بعد ازیں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت معاویہ کے پاس آئے، اس وقت ان کے ہاں عمرو بن عثمان (۲)، منذر بن زبیر اور عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔

المنذر بن الزبير

یہ بطل جلیل ابو عثمان منذر بن زبیر بن عوام بن خویلد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ان کی والدہ ہیں (۳) اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی ہیں۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پیدا ہوئے (۴)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے محاذ کے لیے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں جو لشکر ترتیب دیا تھا، اس میں یہ بھی تھے اور اس غزوے میں شریک رہے (۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣١.

(۲) حضرت عمرو بن عثمان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الجنائز، باب قول النبي ﷺ: يعذب الميت......

(۳) سير أعلام النبلاء: ٣/٣٨١، والطبقات الكبرى لابن سعد: ٥/١٨٢.

(٤) سير أعلام النبلاء: ٣/٣٨١، والبداية والنهاية: ٨/٢٤٦.

(٥) حواله جات بالا.

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ ان کی ان کے بھائی حضرت عبداللہ سے کچھ ناراضگی ہوگئی تو یہ ان کو چھوڑ کر کوفہ حضرت امیر معاویہ کی خدمت میں آگئے، جنہوں نے ان کا بہت اکرام کیا اور دس لاکھ درہم (☆) عطا کئے، لیکن ان کی وصولی سے قبل ہی حضرت معاویہ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت معاویہ نے اپنی وصیت میں کہا تھا کہ میری قبر میں منذر اتریں گے (۱)، جس سے ان دونوں کے تعلق کی مضبوطی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر اور یزید بن معاویہ کے درمیان جب بیعت کے معاملے پر اختلاف ہوا، بات بہت بڑھ گئی اور ان کو اطلاع ملی تو یہ کوفہ سے چلے اور آٹھ راتوں میں مکہ کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے، اہل شام نے جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا تو اس محاصرہ میں یہ بھی آگئے تھے، اسی دوران ۶۴ھ میں ان کا انتقال ہوا، کل عمر چالیس سال تھی (۲)۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ اور عثمان بن عبداللہ بن حکیم دن میں اہل شام کے خلاف لڑتے اور رات کو انہی کو کھانا کھلاتے (۳)۔

ان کی صاحبزادی فاطمہ بنت المنذر مشہور محدثہ تھیں اور ہشام بن عروۃ بن زبیر کے نکاح میں تھیں (۴)۔ رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة.

ابن زمعة

یہ صحابی رسول عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد قرشی اسدی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قریبۃ الکبری ان کی والدہ ہیں، جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن ہیں، اس طرح ابن زمعہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہوئے (۵)۔

(☆) ابن کثیر کے مطابق یہ رقم ایک لاکھ تھی اور ساتھ کچھ جائیداد بھی تھی۔ البداية والنهاية: ۸/۲۴۶

(۱) البداية والنهاية: ۸/۲۴۶، وسير أعلام النبلاء: ۳/۳۸۱.

(۲) حواله جات بالا، وتاريخ الذهبي: ۲/۳۷۶.

(۳) البداية والنهاية: ۸/۲۴۶.

(٤) سير أعلام النبلاء: ۳/۳۸۱.

(٥) تهذيب الكمال: ۱٤/٥٢٥، وتهذيب التهذيب: ٥/٢١٨، والاستيعاب: ١/٥٤٤، والجرح والتعديل: ٥/٦٩، =

حضرت ام سلمہ کی صاحبزادی زینب بنت ابوسلمۃ ابن زمعہ رضی اللہ عنہم کے نکاح میں تھیں (۱)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی خالہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے ابوعبیدہ، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبۃ، عروہ بن الزبیر اور ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث رحمہم اللہ تعالی وغیرہ شامل ہیں (۲)۔

یہ اشراف قریش میں سے ہیں، تاہم محدثین کے ہاں ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے (۳)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اپنی خالہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے، آپ علیہ السلام کے مرض الوفات میں یہی پیغام لے کر آئے تھے کہ ابوبکر کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موقع پر موجود نہیں تھے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا کہا (۴)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی (۵)۔

یہ بقول زیادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۳۵ ہجری میں شہید ہوئے، جب کہ ابن الکلبی کا کہنا یہ ہے کہ مسلم بن عقبہ نے ''یوم الحرۃ'' کو انہیں ظلماً شہید کیا تھا، لیکن ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یوم الحرہ تو ان کے صاحبزادے یزید شہید ہوئے تھے، نہ کہ ابن زمعۃ (۶)۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کو ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی قرار دیا ہے (۷)۔ غالباً انہی کی تقلید میں علامہ عینی نے بھی یہی لکھا ہے، تاہم یہ درست نہیں، ان سے

= باب العين، رقم (٢٧٢).

(١) تهذيب التهذيب: ٢١٨/٥، وتهذيب الكمال: ٥٢٦/١٤.

(٢) تهذيب التهذيب: ٢١٩/٥، وتهذيب الكمال: ٥٢٦/١٤.

(٣) الاستيعاب: ٥٤٤/١، وإكمال مغلطاي: ٣٥٩/٧، وتهذيب الكمال: ٥٢٦/١٤.

(٤) تهذيب الكمال: ٥٢٦/١٤، والاستيعاب: ٥٤٤/١، وتهذيب التهذيب: ٥/٢١٨-٢١٩، وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في استخلاف أبي بكر، رضي الله عنه، رقم (٤٦٦٠).

(٥) تهذيب الكمال: ٥٢٥/١٤.

(٦) تهذيب التهذيب: ٢١٩/٥، والاستيعاب: ٥٤٥/١، والإكمال للمغلطاي: ٣٥٩/٧.

(٧) الكاشف للذهبي: ٥٥٣/١، رقم (٢٧٢٦)، وعمدة القاري: ٥٣/١٥.

یہاں تسامح ہوا ہے، دونوں کے نسب میں غور کرنے سے اس کا غلط ہونا واضح ہوجاتا ہے(۱)۔

اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایات نقل کی ہیں (۲)۔

ان سے کل چار احادیث مروی ہیں، جن میں ایک حدیث ایسی ہے جو تین احکام پر مشتمل ہے، چنانچہ بعض رواۃ نے تو ان تینوں کو ملا کر ایک حدیث کا مجموعہ قرار دیا اور بعض نے ہر حکم پر مشتمل حدیث کو مستقل بالذات حدیث، جیسا کہ علامہ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "وله حديث متفق عليه"(۳) اس اعتبار سے مجموعی روایات دو ہوں گی، اسی کو علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کرتے ہوئے ان کی صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں (۴)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

حدیث میں عبداللہ بن زبیر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے پاس آنے کا جو ذکر ہے، وہ دمشق کا ہے کہ آپ وہیں تھے کہ حضرت عبداللہ ملاقات کے لیے آئے، وہاں اس وقت دیگر حضرات بھی تشریف فرما تھے(۵)۔ کمامر.

فقال له معاوية: كم قومت الغابة؟ قال: كل سهم مائة ألف. قال: كم بقي؟ قال: أربعة أسهم ونصف. فقال المنذر بن الزبير: قد أخذت سهما بمائة ألف. وقال عمرو بن عثمان: قد أخذت سهما بمائة ألف. وقال ابن زمعة:

---

(۱) تهذيب التهذيب: ٥/٢١٩، ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نسب یوں ہے: سودۃ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر...... قرشیہ عامریہ، رضي الله عنها. (تہذیب الکمال: ۳۵/۲۰۰، النساء) جب کہ حضرت عبداللہ بن زمعہ کا نسب اس طرح ہے: عبداللہ بن زمعہ بن الأسود بن المطلب بن أسد بن عبد العزی...... قرشی اسدی، رضی اللہ عنہ. (تهذيب الكمال: ١٤/٥٢٥).

چنانچہ دونوں کے نسب میں واضح فرق ہے کہ حضرت سودہ کے دادا قیس بن عبد شمس ہیں، جب کہ عبداللہ بن زمعہ کے الاسود بن المطلب۔ نیز حضرت سودہ عامریہ ہیں کہ بنو عامر سے ان کا تعلق ہے اور عبداللہ بن زمعہ کا تعلق بنو اسد سے ہے۔ رضي الله عنهما.

(٢) تهذيب الكمال: ١٤/٥٢٦، والكاشف: ١/٥٥٣، وتهذيب التهذيب: ٥/٢١٨.

(٣) خلاصة الخزرجي: ١٩٨، نیز دیکھیے، الإصابة: ٢/٣١١، والاستيعاب: ١/٥٤٤.

(٤) ذخائر المواريث في الدلالة على مواضع: ٢/٢٦، رقم (٢٦٩٠-٢٦٩١).

(٥) عمدة القاري: ١٥/٥٣.

قد أخذت سهما بمائة ألف. فقال معاوية: كم بقي؟ فقال: سهم ونصف. قال: أخذته بخمسين ومائة ألف.

چنانچہ حضرت معاویہ نے کہا غابہ کی کیا قیمت لگی؟ عبداللہ نے کہا ہر حصہ ایک لاکھ کا۔ فرمایا کتنے حصے رہ گئے ہیں؟ فرمایا ساڑھے چار حصے، تو منذر بن زبیر نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ میں، میں لیتا ہوں۔ اور عمرو بن عثمان نے کہا ایک حصہ ایک لاکھ کا میں نے لیا اور عبداللہ بن زمعہ نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ کا میں نے لیا۔ پھر معاویہ نے کہا کتنا رہ گیا؟ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ ڈیڑھ حصے، تو معاویہ (رضی اللہ عنہم) نے کہا کہ اسے میں نے ایک لاکھ پچاس ہزار میں لیا۔

حضرت عبداللہ کے قول "كل سهم مائة ألف" میں لفظ مائۃ منصوب بنزع الخافض ہے، اصل عبارت یوں ہوگی، "كل سهم بمائة ألف" (۱)۔

قال: وباع عبدالله بن جعفر نصيبه من معاوية بستمائة ألف

فرماتے ہیں: اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چھے لاکھ میں فروخت کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو اپنے قرض کے بدلے جو حصہ غابہ میں سے ملا تھا، وہ انہوں نے حضرت معاویہ کو فروخت کر ڈالا، چار لاکھ کا حصہ تھا اسے انہوں نے چھے لاکھ میں فروخت کیا، اس طرح انہیں دو لاکھ کا نفع ہوا (۲)۔

فلما فرغ ابن الزبير من قضاء دينه قال بنو الزبير: اقسم بيننا ميراثنا. قال: لا والله، لا أقسم بينكم حتى أنادي بالموسِم أربع سنين: ألا من كان له على الزبير دين، فليأتنا، فلنقضه

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب دَین کی ادائیگی سے فارغ ہو گئے تو بنو الزبیر نے مطالبہ کیا کہ

(۱) حواله بالا، وإرشاد الساري: ٥/٢١٢.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٣٢، وإرشاد الساري: ٥/٢١٣.

ہماری میراث ہمارے درمیان تقسیم کرو۔ انہوں نے فرمایا میں بخدا تقسیم نہیں کروں گا۔ اس وقت تک تقسیم نہیں کروں گا کہ حج کے موقع پر چار سال منادی نہ کرادوں کہ زبیر پر جس کسی کا حق ہو وہ ہمارے پاس آئے کہ ہم اس کا حق ادا کریں۔

حضرت عبداللہ کا قول "لا واللہ" بحذف فعل ہے، تقدیر یوں ہے، "لا أقسم واللہ" اس کے بعد کا جملہ ماقبل کی تفسیر ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چوں کہ وصی تھے اور ابناء الزبیر میں سب سے بڑے بھی تھے، اس لیے انہوں نے تقسیم میراث سے انکار کیا، اس گمان کی بنیاد پر کہ شاید کسی کا حق رہ گیا ہو اور اس تک اطلاع نہ پہنچی ہو، ظاہر ہے کہ جب تک دَین وغیرہ کی مکمل ادائیگی نہ ہو جائے میراث تقسیم تو نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے فرمایا کہ کچھ صبر کرو، میں چار سال تک حج کے موقع اعلان کرتا ہوں، اس کے بعد تقسیم کر دوں گا۔ بہر حال ان کا مقصد ہرگز حق دار کو حق کی وصول یابی سے روکنا نہیں تھا، کہ اس کو اس کا حصہ نہ دیا جائے (۱)۔

الموسم -بکسر السین- سے مراد ایام حج ہے، یہ وسمہ بمعنی علامت سے مشتق ہے، چوں کہ یہ دن لوگوں کے مکہ مکرمہ میں اجتماع کے لیے علامت ہوتے ہیں، اس لیے انہیں موسم سے موسوم کیا گیا (۲)۔

اور چار سال کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اور بعد کے زمانے میں بھی مکہ مکرمہ اور اقطار عالم کے درمیان دو سال کی مسافت تھی، ان کا مقصد یہ تھا کہ اقطار عالم تک ان کا پیغام پہنچ جائے، یہ دو سال ہوئے، پھر اس کا جواب آجائے، یہ دو سال ہوئے، اس طرح کل چار سال ہوئے (۳)۔

قال: فجعل كل سنة ينادي بالموسم. فلما مضى أربع سنين قسم بينهم

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر سال ایام حج میں منادی کرنے لگے، جب چار سال گزر گئے تو ورثاء میں میراث تقسیم فرمادی۔

قال: وكان للزبير أربع نسوة

فرماتے ہیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں۔

---

(۱) عمدة القاري: ۵۳/۱۵، وشرح الكرماني: ۱۰۲/۱۳.

(۲) عمدة القاري: ۵۳/۱۵، وشرح الكرماني: ۱۰۳/۱۳، والقاموس الوحيد، مادة "وسم".

(۳) العمدة: ۵۳/۱۵، والكرماني: ۱۰۲/۱۳، وإرشاد الساري: ۲۱۳/۵، والكوثر الجاري: ۱۱۳/۶.

یہ وقت شہادت کا ذکر ہے کہ شہادت کے وقت ان کے عقد میں چار بیویاں تھیں، ان کے نام یہ ہیں، ام خالد، رباب، زینب اور عاتکہ بنت زید (یہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، کی ہمشیرہ ہیں)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے چھے نکاح کیے تھے، جن میں سے وہ حضرت اسماء بنت ابی بکر اور ام کلثوم کو طلاق دے چکے تھے، طلاق انہوں نے حضرت عاتکہ کو بھی دی تھی، لیکن ان کی شہادت کے وقت یہ عدت میں تھیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مال کی ایک مخصوص مقدار پر اُن کے ساتھ صلح کر لی تھی (۱)۔ كما رواه الحاكم(۲).

ورفع الثلث

اور ثلث کو الگ کر دیا۔

یعنی جس ثلث مال کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وصیت کر گئے تھے، اس کو الگ کر دیا (۳)۔

فأصاب كل امرأة ألف ألف ومائتا ألف

چنانچہ ہر بیوی کے حصے میں بارہ لاکھ آئے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ثمنِ میراث 48 لاکھ تھا، بارہ کو چار سے ضرب دینے سے یہی عدد بنتا ہے (۴)۔

فجميع ماله خمسون ألف ألف ومائتا ألف

ان کے سارے مال کی مقدار ۵ کروڑ دو لاکھ تھی۔

یہاں شراح حدیث نے تفصیلی مباحث بیان کیے ہیں، جن کو سمجھنا آسان نہیں، تاہم ذیل میں ہم مشہور اقوال نقل کریں گے اور ان پر نقد و تبصرہ بھی ہوگا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ دَین ادا کرنے کے بعد اگر کچھ مال بچ جائے تو اس کے ثلث میں وصیت جاری کی جائے اور بقیہ مال ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٢، وعمدة القاري: ١٥/٥٣.

(۲) المستدرك: ٣/٤١٥، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مقتل الزبير بن العوام، رقم (٥٥٨٢).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٣٢، وعمدة القاري: ١٥/٥٣، وإرشاد الساري: ٥/٢١٣.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٣٢.

اب حساب سمجھیے!

دَین 22لاکھ ہے اور ہر بیوی کو بارہ لاکھ دیا گیا، بیویاں چار ہیں، تو ان کا کل حصہ 48لاکھ بنتا ہے، یہ 48لاکھ مابقی بعد الدین والوصیۃ کا ثمن ہے تو 48لاکھ کو 8 سے ضرب دیا جائے تو مابقی بعد الدین والوصیۃ کی کل مقدار معلوم ہو جائے گی (38400000=8×4800000) اس طرح یہ رقم 3 کروڑ 84لاکھ ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ثلث وصیت کو ملایا جائے، جو ایک کروڑ 92لاکھ ہے، حاصل جمع (57600000) پانچ کروڑ چھتر لاکھ ہوا۔

ثلث وصیت نکالنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ 5 کروڑ 76لاکھ کو 3 پر تقسیم کیا جائے تو ثلث نکل آئے گا، یعنی 19200000=3/57600000۔

پھر اس حاصل جمع یعنی 5 کروڑ 76 لاکھ میں 22 لاکھ دَین کو شامل کیا جائے، یعنی 59800000=2200000+57600000، تو کل مال 5 کروڑ 98لاکھ ہوگا۔ یہ سادہ سا حساب ہے اور اس میں مابقی بعد الدین والوصیۃ، ثلث وصیت اور دَین سب آگئے (۱)۔

اشکال اور اس کے جوابات

تفصیل آپ نے ملاحظہ کی، اب اشکال یہ ہے کہ روایت کے آخر میں ہے، "فجميع ماله خمسون ألف ألف ومائتا ألف" یعنی کل مال 5 کروڑ دو لاکھ تھا اور تفصیلی حساب سے کل مال 5 کروڑ 98لاکھ بنتا ہے۔

---

(۱) کل مال 5 کروڑ 98لاکھ ہے، جس کی تفصیل باعتبار اجزاء حسب ذیل ہے:

ثمن	4800000	(4ازواج کا حصہ) (اڑتالیس لاکھ)
	x8	
ثمن کو آٹھ سے ضرب دیا	38400000	(جو مابقی بعد الدین والوصیۃ کا مجموعہ ہے۔) (تین کروڑ چوراسی لاکھ)
ثلث وصیۃ	+19200000	(ایک کروڑ بانوے لاکھ)
حاصل جمع	57600000	(پانچ کروڑ چھتر لاکھ)
دَین (قرض)	2200000	(بائیس لاکھ)
کل مال	59800000	(پانچ کروڑ، اٹھانوے لاکھ)

تفصیل کے لیے دیکھیے، فتح الباري: ٦/٢٣٢.

چنانچہ اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہیں ہے؟ اسی نے شراح بخاری کو حیران و پریشان کر رکھا ہے۔

جواب نمبرا

حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ بیویوں کے سہام میں بعض رواۃ کو وہم ہوا ہے، اصل میں ہر بیوی کا حصہ الف الف یعنی دس لاکھ تھا، دَین میں جو الفی اُلف و مائتی الف تھا، اس میں سے مائتی الف (2 لاکھ) کو بیویوں کے الف الف میں شامل کر کے الف الف و مائتا الف بنا دیا گیا، اگر بیویوں کا نصف الف الف (10 لاکھ) ہو تو چار بیویوں کا حصہ 40 لاکھ ہوگا، پھر چالیس لاکھ کو، جو ثمن ہے، 8 سے ضرب دیں گے، 32000000=8×4000000، حاصل ضرب تین کروڑ بیس لاکھ ہوا، جو ماقبی بعدالدین والوصیۃ ہے، اس میں ثلث وصیت، جو ایک کروڑ 60 لاکھ ہوگا، ملایا جائے، یعنی 48000000=16000000+32000000 تو حاصل جمع 4 کروڑ 80 لاکھ ہو جائے گا، پھر اسکے ساتھ 22 لاکھ دَین ملایا جائے، یعنی:

50200000=2200000+48000000 تو حاصل جمع 5 کروڑ دو لاکھ ہو جائے گا۔ اور اجمال اور تفصیل میں مطابقت ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جواب کو حسن کہا ہے(۱)۔

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٣، اسی قول کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس قول کی نسبت ذکر نہیں کی۔ دیکھیے عمدۃ القاري: ١٥/٤٩.

اس قول کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ثمن	4000000	(چار ازواج کا حصہ، چالیس لاکھ)
ثمن کو ضرب دیا	8× سے	
حاصل ضرب	32000000	(تین کروڑ بیس لاکھ، جو ماقبی بعدالدین والوصیۃ ہے)
ثلث وصیۃ	16000000	(ایک کروڑ ساٹھ لاکھ)
حاصل جمع	48000000	(چار کروڑ اسی لاکھ)
دَین	2200000	(بائیس لاکھ)
کل مال	50200000	(پانچ کروڑ دو لاکھ)

جواب نمبر۲

حافظ شرف الدین نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جو چار سال میراث کو مؤخر کیا تھا، اس زمانے میں یہ مال بڑھ کر 5 کروڑ 98 لاکھ ہوگیا، ورنہ ابتداءً 5 کروڑ 2 لاکھ ہی تھا(۱)۔ گویا چھیانوے لاکھ کی بڑھوتری ہوئی۔

حافظ صاحب نے اس جواب کو جوابِ اول سے بھی اچھا قرار دیا ہے اور ترجمہ میں برکۃ الغازی کے ساتھ حیا و میتا کی جو قید ہے اس کے ساتھ بھی اس کی مطابقت ہے اور یہ جواب بے تکلف بھی ہے(۲)۔ اسی جواب کو علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے(۳)۔

جواب نمبر۳

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جميع ماله خمسون" یہ مبتدا اور خبر ہیں، اس کے معنی ہیں، "جميع ماله خمسون سهما" یعنی کل مال کے پچاس حصے تھے اور اس کے بعد "ألف ألف ومائتا ألف" ہے، یہ ہر سہم کی قیمت ہے کہ ہر حصہ 12 لاکھ کا تھا، اب 12 لاکھ کو 50 سے ضرب دیا جائے، یعنی 60000000=1200000×50، تو چھے کروڑ بن جائے گا، مجموعۂ مال کا۔ اور 5 کروڑ 98 لاکھ میں صرف 2 لاکھ کا فرق رہے گا، چنانچہ تفصیل میں تو 5 کروڑ 98 لاکھ بنتا ہے اور اجمال میں تقریبی طور پر اس کو 6 کروڑ کہہ دیا گیا اور محاورات میں اس طرح کے اطلاقات ہوتے رہتے ہیں(۴)۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ جواب تقریبی ہوگا، تحقیقی نہیں ہوگا۔

جواب نمبر۴

بعض علماء نے ایک اور جواب دیا ہے کہ دَین ایک زوجہ کے حصے یعنی 12 لاکھ کا دوگنا یعنی 24 لاکھ۔ اس صورت میں مجموعہ چھے کروڑ ہوگا، 5 کروڑ 98 لاکھ نہیں ہوگا، اس صورت میں اجمال اور تفصیل میں پوری مطابقت ہوگی، اس جواب میں ایک بیوی کے حصے کو دوگنا کرکے دَین کی مقدار متعین کی گئی ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٣.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٣٤.

(۳) حواله بالا، وشرح الكرماني: ١٣/١٠٣، وعمدة القاري: ١٥/٥٣.

(٤) فيض الباري: قصة شهادة الزبير

یہاں دَین کو من قبیل تثنیة المرکب معتبر مانا گیا ہے، ایک بیوی کا حصہ، جو 12 لاکھ ہے، وہ مرکب ہے، اس کے دو گنے کو دین قرار دیا گیا ہے۔ پھر جمیع ماله مبتدا اور خمسون خبر ہے، اس سے مراد خمسون سهما ہے اور الف الف ومائتا الف ہر سہم کی قیمت ہے، تو پچاس سہام کی قیمت 12 لاکھ کے حساب سے 6 کروڑ بنتی ہے، اس طرح اجمال وتفصیل میں فرق نہیں رہے گا(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

اوپر جو صورتیں بیان کی گئیں وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے مطابق ہیں، ورنہ ابن سعد نے طبقات میں، علاوہ ازیں دیگر حضرات محدثین نے جو روایات نقل کی ہیں، ان کے اعتبار سے دوسری شکلیں بنتی ہیں (۲)۔

متن حدیث سے متعلق ایک وضاحت

حدیثِ باب کا شمار ان احادیث میں ہے، جن میں امام بخاری متفرد ہیں کہ اصحاب ستہ میں سے کسی

---

(۱) البدر الساري إلى فيض الباري: ۳/۴۶۵-۴۶۶. اس قول کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

حصہ ازواج	4800000	(اڑتالیس لاکھ)
۸ سے ضرب دیا گیا	×8	
حاصل ضرب	38400000	(تین کروڑ چوراسی لاکھ، یہ مابقی بعد الدین والوصیة ہے)
ثلث وصیة	19200000	(ایک کروڑ بانوے لاکھ)
حاصل جمع	57600000	(پانچ کروڑ چھہتر لاکھ)
دَین کی مقدار	2400000	(چوبیس لاکھ، یہ من قبیل تثنیة المرکب ہے)
کل مال	60000000	(چھ کروڑ)

(۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے کی تقریباً تمام روایات وطرق بیان کیے ہیں (فتح الباري: ۶/۲۳۲-۲۳۴)، ان سب میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مال کے بارے میں شدید اختلاف ہے، کوئی کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ۔ تاہم حافظ علیہ الرحمۃ نے ان تمام روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں مقصود مال کی کمیت میں اختلاف بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ بتلانا ہے کہ ان کے ترکہ میں کس قدر کثرت وزیادتی ہوئی کہ شہادت کے وقت انہوں نے پسماندگان کے لیے کچھ جائیدادیں چھوڑیں اور ساتھ ہی بہت بڑا قرض۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت دی اور مال کا اتنا بڑا مجموعہ حاصل ہوا، لکھتے ہیں:

"وكأن القوم أتوا من عدم إلقاء البال على تحرير الحساب؛ إذ الغرض فيه ذكر الكثرة التي نشأت عن البركة في تركة الزبير؛ إذ خلف دينا كثيرا، ولم يخلف إلا العقار المذكور، ومع ذلك فبورك فيه حتى تحصّل منه هذا المال العظيم". فتح الباري: ۶/۲۳۳.

نے ان کے علاوہ یہ حدیث ذکر نہیں کی۔

اصحاب الاطراف نے یہ حدیث مسند زبیر میں ذکر کی ہے، جب کہ اس کا شمار مسند عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما میں ہونا چاہیے اور یہ حدیث پوری کی پوری موقوف ہے، سوائے اس جملے کے، جس میں عبداللہ فرمارہے ہیں کہ:

"وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج، ولا شيئاً؛ إلا أن يكون في غزوة مع النبي صلى الله عليه وسلم".

چنانچہ صرف یہ حصہ مرفوع ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کا اکثر حصہ موقوف علی عبداللہ ہے، اس لیے اس کو مسند عبداللہ میں ذکر کرنا چاہیے تھا (۱)۔

جواب استفہام کا ذکر

یہاں سند حدیث میں آیا ہے، "قلت لأبي أسامة: أحدثكم هشام بن عُروة......؟" کہ استفہام وسوال تو مذکور ہے، لیکن اس میں جواب وتصدیق مذکور نہیں کہ ابواسامہ نے اسحاق بن ابراہیم کے استفسار پر "نعم" وغیرہ نہیں کہا، لیکن یہی حدیث اسی سند کے ساتھ مسند اسحق بن راہویہ میں موجود ہے، اس میں کلمہ ایجاب پایا جاتا ہے کہ انہوں نے تحدیث کے سوال پر فرمایا کہ ہاں! ہشام بن عروہ نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے (۲)۔

واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیثِ باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکے میں کچھ گھر چھوڑے تھے، ساتھ ہی بھاری قرض بھی، لیکن جو مال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے ثلاثہ ابوبکر، عمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوات میں شرکت سے حاصل ہوا، اس مال

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۴۸، وفتح الباري: ۶/۲۲۸-۲۲۹.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۲۹، وشرح القسطلاني: ۵/۲۱۳. یہ حافظ اور ان کی اتباع میں قسطلانی کا ارشاد ہے، تاہم یہ روایت ہمیں تلاش بسیار کے باوجود مسند اسحاق میں نہیں مل سکی، بلکہ یہاں حافظ سے تسامح ہوا ہے کہ امام ابن راہویہ نے اسی سند کے ساتھ حدیث اِفک بھی نقل کی ہے، جس کے آخر میں واقعی کلمہ ایجاب موجود ہے، فأقر به أبو أسامة، وقال: نعم". مسند اسحاق بن راهويه، حديث رقم (۱۱۷۷).

میں اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات میں بھی برکت دی اور شہادت کے بعد بھی (۱)۔ جیسا کہ آپ نے حدیث میں ملاحظہ کیا۔ یہی مقصود ترجمہ بھی تھا کہ غازی کے مال میں اس کی زندگی اور بعد الموت برکت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

١٤ – باب : إِذَا بَعَثَ الْإِمامُ رَسُولاً فِي حاجَةٍ ، أَوْ أَمَرَهُ بِالْمُقَامِ ، هَلْ يُسْهَمُ لَهُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ امام وقت نے اگر کسی آدمی کو دار الاسلام ہی میں کسی ضرورت کی بنا پر چھوڑ دیا ہو، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کسی کو قاصد و پیامبر بنا کر کہیں بھیجا ہو تو اس کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ (۲)

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ائمہ ثلاثہ، نیز اوزاعی، ابوثور، نخعی اور لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں وہ آدمی جو رسول ہو یا مامور بالاقامہ اس کو غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا، اسی سے ملتا جلتا مسئلہ باب [۹] الغنیمة لمن شهد الوقعة کے تحت گزرا ہے۔

جب کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ ان لوگوں کو غنیمت میں حصہ ملے گا۔ یہ شریک غنیمت ہوں گے (۳)۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

اس سلسلے میں جمہور کی دلیل مشہور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ ”الغنيمة لمن شهد الوقعة“ کہ غنیمت میں اسی کا حصہ ہوگا جو شریک جنگ بھی رہا ہو (۴)۔

باب الغنيمة لمن شهد الوقعة والے مسئلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ائمہ ثلاثہ وغیرہ کے ہم مسلک تھے، جب کہ زیر نظر مسئلے میں وہ حضرات حنفیہ کے ہم مشرب معلوم ہوتے ہیں۔

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٣٣، وشرح القسطلاني: ٥/٢١٣، وعمدة القاري: ١٥/٤٨.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٥٤.

(٣) شرح ابن بطال: ٥/٢٩٣، والكوثر الجاري: ٦/١١٤.

(٤) إرشاد الساري: ٥/٢١٤.

احناف کی دلیل

حضرات حنفیہ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں باوجود عدم شرکت کے غنیمت میں سے حصہ دیا تھا، کیوں کہ ان کی عدم شرکت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت تھی کہ آپ یہاں اپنی زوجہ کی نگہداشت کریں (۱)۔

اسی طرح اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید وطلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کو شام جانے والے راستے کی طرف بھیجا تھا، مقصد جاسوسی تھا، یہ دونوں حضرات غزوہ بدر ختم ہونے کے بعد پہنچے تو آپ علیہ السلام نے ان دونوں حضرات کو غنیمت میں حصہ دیا، دونوں نے کہا، حضرت! اجر سے تو محرومی رہی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجر بھی ملے گا (۲)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲۹۳/۵، والكوثر الجاري: ۱۱٤/٦، وعمدة القاري: ٥٤/١٥.

(۲) حواله جات بالا. علامہ عینی نے ابن اسحاق کے حوالے سے اور ابن عبد البر رحمہم اللہ نے ان صحابہ کرام کے نام گنوائے ہیں، جو غزوہ بدر میں مختلف وجوہات کی بنا پر شریک غزوہ نہیں رہے، لیکن ان کو سہم دیا گیا، ان کی تعداد تقریباً دس ہے، جو حسب ذیل ہیں:

❶ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ عدم شرکت کی وجہ حدیث باب میں مذکور ہے۔

❷❸ طلحہ بن عبید اللہ وسعید بن زید بن نفیل۔ جاسوسی کے لیے شام کی طرف بھیجے گئے تھے۔

❹ ابولبابہ بشیر بن عبد المنذر۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی مکہ سے روانگی کا علم ہوا تو انہیں مقامِ روحاء سے واپس کر دیا اور بحیثیت عاملِ مدینہ مقرر فرمایا۔

❺ حارث بن حاطب بن عبید، انہیں بھی راستے سے واپس کر دیا گیا تھا۔

❻ حارث بن صمہ۔ انہیں مقامِ روحاء میں چوٹ وغیرہ آئی تھی، اس لیے واپس ہو گئے۔

❼ خوات بن جبیر۔ غزوہ میں شریک نہیں تھے۔

❽ ابو الضیاح بن ثابت بن نعمان۔ راستے میں ان کی ایک پنڈلی پتھر لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئی تھی، اس لیے لوٹ گئے۔

❾ عاصم بن عدی بن الجد بن العجلان۔ یہ بھی غزوہ میں شرکت کے لیے نکلے تھے، تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا۔

❿ سعد بن مالک بن خالد الساعدی۔ انہوں نے غزوہ کے لیے پوری تیاری کر لی تھی کہ انتقال ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مقام روحاء میں ان کی وفات ہوئی۔ یہ مشہور صحابی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کے والد ہیں۔ .... =

جمہور کی طرف سے جواب

جمہور نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب یہ دیا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس میں سے دیا تھا (۱)۔

احناف کی طرف سے جمہور کو جواب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے کو خصوص پر محمول کرنا اس لیے درست نہیں کہ خصوص کے لیے دلیل کا پایا جانا ضروری ہے، جو یہاں موجود نہیں۔

اور یہ کہنا کہ نبی علیہ السلام نے ان کو خمس غنیمت میں سے دیا تھا، تو یہ غزوہ حنین کا واقعہ ہے، بدر کا نہیں (۲)، غزوہ بدر میں سہم ہی دیا گیا تھا، جس پر حدیث باب کے یہ الفاظ واضح دلالت کر رہے ہیں، "فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: "إن لك أجرَ رجل ممن شهد بدرا وسهمه".

بہر حال دلائل کی رو سے یہاں احناف کا مذہب ہی راجح معلوم ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

٢٩٦٢ : حدّثنا مُوسَى : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَوْهَبٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ [۳] رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : إِنَّمَا تَغَيَّبَ عُثْمَانُ عَنْ بَدْرٍ ، فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ ٱللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ مَرِيضَةً ، فَقَالَ لَهُ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ) .
[٣٨٣٩ ، ٣٤٩٥]

= چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو مال غنیمت سے حصہ دیا اور اجر کی خوش خبری بھی۔

دیکھیے عمدة القاري: ١٥/٥٤، والسيرة النبوية لابن هشام: ٢/٦٧٨-٧٠٦، باب: من حضر بدرا من المسلمين، والاستيعاب: ١/٣٦١، باب سعد، رقم (٩٥٢) والله أعلم.

(١) عمدة القاري: ١٥/٥٥، والكوثر الجاري: ٦/١١٤.

(٢) العمدة: ١٥/٥٥، اس مسئلے سے متعلق کچھ تفصیلات پیچھے باب الغنيمة لمن شهد الوقعة میں گزر چکی ہیں۔

(٣) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب ...... ، باب مناقب عثمان بن عفان، رضي الله عنه ......، رقم (٣٦٩٨)، وباب مناقب علي بن أبي طالب...... ، رقم (٣٧٠٤)، وكتاب المغازي، باب قول الله تعالىٰ: ﴿إن الذين تولّوا منكم يوم التقى الجمعان......﴾، رقم =

تراجم رجال

۱- موسیٰ

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- ابوعوانہ

یہ ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ اجمالاً "بدء الوحي" کی "الحديث الرابع" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

۳- عثمان بن موہب

یہ عثمان بن عبداللہ بن موہب الاعرج تیمی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

تنبیہ

ابوعلی جیانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اصیلی کے نسخے میں عثمان بن موہب کی بجائے عمرو بن عبداللہ مذکور ہے، جو غلط ہے، درست عثمان بن موہب ہے (۳)۔

٤- ابن عمر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإيمان، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس" کے تحت آچکے ہیں (۴)۔

= (٤٠٦٦)، وكتاب التفسير، باب ﴿وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون......﴾، رقم (٤٥١٣-٤٥١٤)، وباب ﴿وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة﴾، رقم (٤٦٥٠-٤٦٥١)، وكتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الفتنة من قبل المشرق، رقم (٧٠٩٥)، والترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضي الله عنه، رقم (٣٧٠٩).

(١) كشف الباري: ١/٤٣٣-٤٣٤.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٥٤.

(٤) كشف الباري: ١/٦٣٧.

قال: إنما تغيب عثمان عن بدر؛ فإنه كانت تحته بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت مريضة، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: إن لك أجرَ رجل ممن شهد بدرا وسهمه

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر سے غائب رہے تھے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی محترمہ ان کے عقد میں تھیں اور وہ بیمار تھیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آپ کے لیے بدری صحابی کا سا اجر اور غنیمت میں حصہ ہے۔

حدیثِ باب کا پس منظر

اس حدیث کا تعلق دراصل فضائل سے ہے، تاہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مدعیٰ ثابت کرنے کے لیے اسے یہاں نقل کیا ہے، وہ بھی اختصار کے ساتھ، تفصیلی روایت مولف علیہ الرحمۃ نے فضائل اصحاب النبی اور مغازی وغیرہ (۱) میں نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک مصری شخص، جو حج کے لیے آیا ہوا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا، اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تین اعتراضات کیے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹٹولنے کے لیے اولاً تو اس کی تائید فرمائی اور پھر اس کے تینوں اعتراضات کے جوابات دیے تھے۔

اس کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان غزوہ احد کے دن بھاگ گئے تھے، اس کی ابن عمر رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی، پھر وضاحت فرمائی کہ اس مسئلے کی منجانب اللہ معافی تلافی ہو چکی، اس لیے ہما شما کو اس پر بات کرنے کا حق نہیں، ارشاد خداوندی ہے: ﴿ولقد عفا الله عنهم﴾ (۲) سو یہ معاملہ اب ختم۔

دوسرا اعتراض اس کا یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنگ بدر سے بھی غائب رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور بدر کے موقع پر وہ بیمار تھیں، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی

---

(۱) دیکھیے، صحيح بخاري، كتاب فضائل أصحاب، رقم (٣٦٩٨)، وكتاب المغازي، رقم (٤٠٦٦).

(۲) آل عمران: ١٥٥.

تیمارداری کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ آپ کو وہی اجر اور غنیمت میں وہی حصہ ملے گا، جو شریکِ قتال کو ملتا ہے۔ سو وہ حکماً بدری ہی ہیں۔

اس شخص کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ بیعت رضوان سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مکہ کی وادی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ معزز اور کوئی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو بھیجتے (چوں کہ آپ سب سے زیادہ معزز تھے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا انتخاب فرمایا)۔ جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچے تو بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چوں کہ موقع پر خود موجود نہیں تھے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا کہ ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے''۔ پھر اس کو دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ ''یہ عثمان کی بیعت ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے تینوں اعتراضات کا جواب دینے کے بعد کہا کہ ''اب اپنے ساتھ اس تفصیل کو لے کر جاؤ''۔

حدیث باب کے بعض اجزاء کی شرح

تغیب باب تفعل سے ہے، یہ تکلف کے معنی کو متضمن ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کی تیمارداری کی غرض سے غزوہ بدر سے غائب رہے، عمداً غائب نہیں ہوئے (۱)۔

بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

یہ جگر گوشۂ رسول حضرت ام عبداللہ رقیہ بنت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ الہاشمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں (۲)۔

مشہور قول کے مطابق یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی ہیں، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، تاہم رقیہ، فاطمہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے بارے میں اختلاف ہے، اکثر کا قول یہی

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۵٤.

(۲) الإصابة: ٤/۳۰٤، وسير أعلام النبلاء: ۲/۲۵۰.

ہے کہ رقیہ منجھلی، فاطمہ ان سے چھوٹی اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن سب سے چھوٹی ہیں (۱)۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اولا ابولہب کے بیٹے عتبہ کے نکاح میں تھیں، یہ ہجرت سے قبل کی بات ہے، تاہم جب سورۂ اللہب نازل ہوئی تو ابولہب سخت ناراض ہوا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ اگر تم نے ان کی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ تو عتبہ نے ان کو دخول سے قبل طلاق دے دی، پھر یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں، ان سے ان کے ایک بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے، انہی کی طرف کنیت کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوعبداللہ کہلاتے تھے (۲)۔

ان کو اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف کی جانے والی دونوں ہجرتوں میں معیت کا شرف حاصل ہے (۳)۔

حبشہ ہی میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا، اس وقت صاحبزادے کی عمر چھے سال تھی (۴)۔

پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کی، وہاں بدر سے کچھ پہلے ان کو خسرہ کی بیماری لگ گئی، چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ علیہ السلام نے ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ میں رکنے کا حکم دیا، اسی مرض میں ان کا انتقال ہوا، جب کہ مسلمان اس وقت بدر میں تھے (۵)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس وقت ان کی تدفین میں مشغول تھے، اتفاق سے اسی اثناء میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی تدفین کے عمل میں شریک تھے، ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

(۱) الاستيعاب بهامش الإصابة: ٤/٢٩٩، والإصابة: ٤/٣٠٤.

(۲) حواله جات بالا، وسير أعلام النبلاء: ٢/٢٥١.

(۳) حواله جات بالا.

(٤) الاستيعاب بهامش الإصابة: ٤/٣٠٠، والإصابة: ٤/٣٠٤، وسير أعلام النبلاء: ٢/٢٥١.

(٥) الإصابة: ٤/٣٠٤-٣٠٥، وسير أعلام النبلاء: ٢/٢٥١، وطبقات ابن سعد: ٨/٣٦، والاستيعاب بهامش الإصابة: ٤/٣٠١.

"تخلف عثمان وأسامة بن زيد عن بدر، فبيناهم يدفنون رقية سمع عثمان تكبيرا، فقال: يا أسامة، ماهذا؟ فنظروا، فإذا زيد بن حارثة على ناقة رسول اللهﷺ الجدعاء، بشيرا بقتل المشركين يوم بدر"(۱).

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۰۲ ہجری میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول ۰۳ ہجری کو اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا اور فرمایا کہ "اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں سب کو عثمان کے نکاح میں دے دیتا" (۲)۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کہلائے۔ رضی اللہ عنہم وأرضاہم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے جزءِ ثانی کے ساتھ مناسبت تو واضح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر اپنی اہلیہ کی تیمارداری کی وجہ سے غزوہ سے رہ گئے، اس کے باوصف آپ کو غنیمت اور اجر دونوں ملا۔ اس کا تعلق ترجمہ کے الفاظ "أو أمره بالمقام" کے ساتھ ہے (۳)۔

لیکن ترجمہ کے جزءِ اول یعنی "بعث الإمام رسولاً في حاجة" کے اثبات کے لیے مؤلف علیہ الرحمۃ نے کوئی حدیث وغیرہ ذکر نہیں کی؟

اس کے دو جواب ہیں:

ایک تو یہ کہ انہوں نے اس مسئلے کو اقامت والے مسئلے پر قیاس کیا ہے (۴) کہ وہاں جس طرح حکم حاکم موجود ہے، اسی طرح ارسالِ رسل بھی حاکم وقت کے ذریعے ہو رہا ہے، اس لیے قاعدہ یہ ہوگا کہ امام وقت اگر کسی

---

(۱) الإصابة: ٤/٣٠٥، والاستيعاب بهامش الإصابة: ٤/٣٠٢، وكذا انظر المعجم الكبير: ٢٢/٤٣٥، رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (١٠٥٨).

(٢) الطبقات الكبرى: ٨/٣٨، وسير أعلام النبلاء: ٢/٢٥٢–٢٥٣، ومجمع الزوائد: ٩/٢١٧، والمعجم الكبير: ٢٢/٤٣٦، رقم (١٠٦١).

(٣) عمدة القاري: ١٥/٥٤، والكوثر الجاري: ٦/١١٤.

(٤) الكوثر الجاري: ٦/١١٤.

بھی شخص کو کسی بھی غرض سے غزوہ میں شرکت سے روک دے اور دوسرا کوئی کام تفویض کردے تو اس کا بھی غنیمت میں حصہ ہوگا۔

دوسرا یہ کہ حدیث تو موجود تھی، لیکن امام بخاری کی شرط پر پوری نہیں اترتی تھی، اس لیے آپ علیہ الرحمۃ نے ارسال رسل کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔

اور وہ حدیث وہی ہے جو ابھی ماقبل میں گزری کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شام جانے والے راستے کی طرف جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا تھا، یوں یہ دونوں حضرات غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوسکے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو غنیمت دی اور اجر کی خوش خبری بھی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۵ – باب : وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الْخُمُسَ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ :

ما سَأَلَ هَوَازِنُ النَّبِيَّ ﷺ بِرَضَاعِهِ فِيهِمْ فَتَحَلَّلَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، وَما كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعِدُ النَّاسَ أَنْ يُعْطِيَهُمْ مِنَ الْفَيْءِ وَالْأَنْفَالِ مِنَ الْخُمُسِ ، وَما أَعْطَى الْأَنْصَارَ ، وَما أَعْطَى جابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ تَمْرَ خَيْبَرَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ خمس کو عام مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا، اس کی دلیل قبیلہ ہوازن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کرنا ہے کہ ان سے لی گئی غنیمت لوٹا دی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا (ہوازن کا) رضاعی تعلق ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ وہ اپنے اپنے حق غنیمت سے دست بردار ہوجائیں (اور غنیمت واپس کردیں)۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف صحابہ کرام سے یہ وعدہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ انہیں فيء اور انفال، جو خمس سے حاصل ہوگی، میں سے دیں گے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جو دیا اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو جو خیبر کی کھجوریں دیں یہ بھی اس امر کی دلیل ہیں کہ خمس کا مصرف عام مسلمانوں کی ضروریات بھی ہیں۔

---

(۱) حواله بالا، والاستيعاب لابن عبدالبر بهامش الإصابة: ۱/۴۵۹ – ۴۶۰، باب طلحة، رقم (۱۲۷۹)

ترجمۃ الباب کی نحوی تحلیل

باب مرفوع ہے اور منون ہے، بنابر خبریت، اس کی مبتدا محذوف یعنی ہذا ہے(۱)۔

ومن الدليل– المسلمين تک خبر مقدم ہے، ما موصولہ اور معطوف علیہا ہے اور "وما كان ...... وما أعطى الأنصار، وما أعطى جابر بن......" یہ سب معطوف ہیں، پھر مبتدا(۲)۔

ما سأل هوازنُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم میں ہوازن فاعلیت کی بنا پر مرفوع اور النبي مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے(۳)۔

ہوازن سے مراد قبیلہ ہے، لیکن یہاں اس کے بعض افراد پر اس کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے اور برضاعه میں باء سببیہ ہے، یعنی بسبب رضاعه(٤).

واوِ عاطفہ یا استئنافیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پیچھے آٹھ ابواب قبل ایک باب "ومن الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله صلى الله عليه وسلم ......" قائم کیا تھا، اس کے بعد دوسرا باب یہ قائم کیا ہے، "ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين......"، تیسرا ایک باب آگے آرہا ہے "ومن الدليل على أن الخمس للإمام، وأنه يعطي......" یہ تین ابواب ہیں۔

اب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے تو یہ ہے کہ "ومن الدليل" میں واو عاطفہ ہے، اس کا معطوف علیہ وہی گزشتہ باب ہے جو آٹھ ابواب پیشتر مذکور ہے، اور یہ باب معطوف ہے اور ایک معطوف آگے آرہا ہے(۵)۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بلا دلیل کے ایک دعویٰ ہے، یہ بھی کوئی بات ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان اس قدر فصل ہو، اتنے سارے ابواب احادیث سمیت فاصل بن جائیں؟

---

(۱) عمدة القاري: ١٥/٥٥، وفتح الباري: ٦/٢٣٨، وإرشاد الساري: ٥/٢١٤.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٥٥، وإرشاد الساري: ٥/٢١٤.

(۳) حواله جات بالا، وفتح الباري: ٦/٢٣٨.

(٤) حواله جات بالا.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٣٨.

اگر ان کی بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ یہاں واؤ آیا ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واو عاطفہ نہیں ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واو کا استعمال کرلیا جاتا ہے اور وہ کسی چیز پر عطف نہیں ہوتا، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ یہ واو استفتاح ہے، یہی بات کبار اساتذہ سے سنی گئی ہے(۱)۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کرتے ہیں(۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اصل بات یہاں یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی بات بیان کررہے ہیں کہ خمس نوائبِ مسلمین میں صرف ہوگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسمت کے ذمے دار ہوں گے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات میں بھی بقدر کفایت خرچ کرسکتے ہیں اور آپ کے بعد جو امام ہوگا وہ آپ کا نائب ہوگا، وہ بھی اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے سکتا ہے، اس کے علاوہ وہ خمس کو مسلمانوں کی ضروریات وحاجات میں صرف کرے گا(۳)۔

تعلیقات کا مقصد

پھر یہ سمجھیے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے باب کے تحت احادیث کے علاوہ ترجمۃ الباب کا جز بنا کر چار تعلیقات بھی ذکر کی ہیں، ان سب سے ان کا مدعیٰ ثابت ہورہا ہے کہ خمس عامۃ المسلمین کی ضروریات وغیرہ میں خرچ ہوگا۔

تعلیقات کی موصولاً تخریج

پہلی تعلیق کا تعلق قصہ ہوازن سے ہے، جس کو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں مسنداً ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ کتاب الہبۃ ......وغیرہ میں(۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ١٥/٥٥.

(۲) شرح القسطلاني: ٥/٢١٤.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٣٨.

(٤) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث باب ہذا کے علاوہ مختلف مقامات پر موصولاً نقل کی ہے، دیکھیے، كتاب الوكالة، رقم (٢٣٠٧، ٢٣٠٨)، وكتاب العتق، رقم (٢٥٣٩، ٢٥٠٤)، وكتاب الهبة، رقم (٢٥٨٣، ٢٥٨٤)، ورقم =

دوسری تعلیق مواعید سے متعلق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف اوقات میں یہ وعدہ کیا تھا کہ آپ انہیں مال فیء وانفال وغیرہ سے نوازیں گے، اس بارے میں بھی احادیث بابِ ہذا میں موجود ہیں (۱)۔

تیسری تعلیق کا تعلق حضراتِ انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف مواقع پر مال وغیرہ سے نوازا تھا، ان میں سے ایک واقعہ کی تخریج حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الہبہ وغیرہ (۲) میں کی ہے (۳)۔

اور چوتھی تعلیق حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خیبر کی کھجوریں عطا کرنے سے متعلق ہے۔ اس واقعے کو موصولاً امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے، جس میں واقعے کی پوری تفصیل ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ نظر باب میں جو چھٹی حدیث ذکر کی ہے، وہ اُس حدیث کا ایک حصہ ہے (۴)۔

تعلیقات مذکورہ کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت

مذکورہ بالا چاروں تعلیقات کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، کہ دعویٰ اس امر کا تھا کہ خمس کا مصرف نوائب المسلمین وغیرہ ہے اور ان تعلیقات میں اس دعوے کی دلیل ہے کہ خمس کو مسلمانوں کی ضروریات وغیرہ میں صَرف کیا جائے گا، موقع محل کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔

= (۲٦۰۷، ۲٦۰۸)، وكتاب المغازي، رقم (٤۳۱۸، ٤۳۱۹).

ان کے علاوہ امام ابوداوٗد نے بھی یہ حدیث موصولاً اپنی سنن میں روایت کی ہے، دیکھیے، كتاب الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، رقم (۲٦۹۳).

(۱) فيء کے لیے دیکھیے، بابِ ہذا کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث، رقم (۳۱۳۷)، وكتاب الجزية، رقم (۳۱٦٤). اور انفال سے متعلق حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے، جو باب میں مذکور ہے۔

(۲) هو من حديث أنس بن مالك، انظر كتاب الهبة، باب فضل المنيحة، رقم (۲٦۳۰)، نیز دیکھیے، كتاب الخمس، باب كيف قسم النبي ﷺ قريظة والنضير ......، رقم (۳۱۲۸)، وكتاب المغازي، باب حديث بني النضير، رقم (٤۰۳۰)، وباب مرجع النبي ﷺ من الأحزاب......، رقم (٤۱۲۰).

(۳) تغليق التعليق وتعليقاته: ۳/٤۷٦.

(٤) حواله بالا: ۳/٤۷٦-٤۷۷، وسنن أبي داود، كتاب الأقضية، باب في الوكالة، رقم (۳٦۳۲).

باب کی پہلی حدیث

پھر یہ جانیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں کل سات حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں کی پہلی حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم سے مروی ہے۔

٢٩٦٣ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قالَ : وَزَعَمَ عُرْوَةُ : أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ وَمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ[1] : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ ، حِينَ جاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِينَ ، فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (أَحَبُّ الحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ ، فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ : إِمَّا السَّبْيَ ، وَإِمَّا المَالَ ، وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِهِمْ) . وَقَدْ كانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ انْتَظَرَ آخِرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ ، قالُوا : فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي المُسْلِمِينَ ، فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ، ثُمَّ قالَ : (أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جاؤُونَا تَائِبِينَ ، وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ ، مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُطَيِّبَ فَلْيَفْعَلْ ، وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ ، حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ ما يُفِيءُ اللهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ) . فَقَالَ النَّاسُ : قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ لَهُمْ . فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِي ذٰلِكَ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ ، فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ) . فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوا فَأَذِنُوا . فَهٰذَا الَّذِي بَلَغَنَا عَنْ سَبْيِ هَوَازِنَ . [ر : ٢١٨٤]

تراجم رجال

۱ - سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من یرد اللہ به خیراً......" کے تحت گزر چکا(۲)۔

---

(١) قوله: "أن مروان ...... ومسور ......": الحديث، مر تخريجه في الوكالة، باب إذا وهب شيئاً لوكيل أو......

(٢) كشف الباري: ٢٧٤/٣.

٢- الليث

یہ مشہور محدث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٣- عقيل

یہ عقیل بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- ابن شهاب

یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان تینوں کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحديث الثالث" کے تحت بیان کیا جاچکا ہے (☆)۔

٥- عروة

یہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات مختصراً "بدء الوحي" کی "الحديث الثاني" کے تحت گزر چکے (١)۔

٦- مروان بن الحكم

یہ مروان بن حکم اموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٢)۔

٧- المسور بن مخرمه

یہ مشہور صحابی ابن صحابی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں (٣)۔

تنبیہ

اس حدیث کی شرح مغازی میں غزوہ حنین کے تحت بیان کی جاچکی ہے (٤)۔

(☆) كشف الباري: ١/٣٢٤-٣٢٦.

(١) كشف الباري: ١/٢٩١، نیز دیکھیے: ٢/٤٣٦.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب البزاق والمخاط ونحوه في الثوب.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ٥٣٦-٥٣٨.

ترجمۃ الباب اور حدیث باب

یہ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے، تاہم ترجمۃ الباب میں مذکور ایک اہم جزئیہ کا اس میں ذکر نہیں، وہ یہ کہ ترجمہ میں مؤلف علیہ الرحمۃ نے یہ فرمایا تھا کہ قبیلہ بنو ہوازن نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کو سبب بنا کر اپنی درخواست پیش کی تھی، جب کہ حدیث میں اس رضاعت کا کوئی ذکر نہیں۔

اس کا جواب ملاحظہ کرنے سے قبل یہ سمجھ لیجیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنوسعد سے تھا، جو ہوازن کی ایک شاخ ہے(۱)۔

سو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رضاعت کا ذکر یہاں تو نہیں کیا، لیکن اپنی تاریخ میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر ائمہ سیر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے(۲)۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت سے متعلق یہ حدیث ابن اسحاق نے مغازی میں عمرو بن شعیب عن ابیہ (شعیب) عن جدہ (عبداللہ بن عمرو بن العاص) رضی اللہ عنہما کے طریق سے نقل کی ہے اور اس کا دوسرا طریق زہیر بن صرد الجشمی رضی اللہ عنہ کا ہے، جو طبرانی میں مذکور ہے۔

ان دو طرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوازن کا وفد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقام جعرانہ میں آیا، درآنحالیکہ یہ قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا، کہنے لگے کہ ہم ایک قوم اور قبیلہ ہیں، ہم پر وہ مصیبت آپڑی ہے جو آپ سے مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان کیجیے، اللہ آپ کو اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ پھر ان میں کا ایک آدمی، جس کا نام زہیر (۳) تھا، کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! ہماری عورتیں آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور پرورش کنندہ ہیں، جنہوں نے صغرسنی میں آپ کی دیکھ بھال کی۔

اگر حارث بن ابی شمر (بادشاہِ شام) اور نعمان بن المنذر (بادشاہِ عراق) کو ہم نے دودھ پلایا ہوتا اور ہم پر یہ مصیبت ان کی طرف سے آئی ہوتی جو آپ کی طرف سے آئی، تو اس معاملے میں ان دونوں کی مہربانی اور

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٣٨، وعمدة القاري: ١٥/٥٦، والكوثر الجاري: ٦/١١٤.

(۲) تاريخ البخاري الصغير: ١/٥.

(۳) علامہ واقدی رحمہ اللہ کی روایت میں اس آدمی کا نام ابو برقان السعدی مذکور ہے، جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کوئی اور تھا، شاعر کوئی اور۔ تاہم ان میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ ابو برقان کنیت تھی اور زہیر نام۔ شرح القسطلاني: ٥/٢١٤.

بھلائی کے بھی ہم امیدوار ہوتے، جب کہ آپ تو ان سب سے بہترین ہیں (تو آپ کی خیر خواہی اور بھلائی کے امیدوار کیسے نہ ہوں؟) پھر زہیر نامی اس آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ اشعار پیش کیے(۱)۔ جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا ذکر تھا(۲)۔

اس شخص کی اس گفتگو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت متاثر ہوئے، اس کے بعد کی تفصیل حدیثِ باب میں موجود ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ابتدائی حصے "ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين ما سأل هوازن النبي صلى الله عليه وسلم ...... فتحلل من المسلمين" کے ساتھ مطابقت ہے(۳)۔

باب کی دوسری حدیث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٦٤ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ : وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ عاصِمٍ الْكُلَيْبِيُّ ، وَأَنَا لِحَدِيثِ الْقَاسِمِ أَحْفَظُ ، عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ : كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَىٰ(٤) ، فَأُتِيَ - و ذَكَرَ دَجاجَةً - وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ ٱللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي ، فَدَعاهُ لِلطَّعَامِ ، فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ ، فَحَلَفْتُ لَا آكُلُ ، فَقَالَ : هَلُمَّ فَلأُحَدِّثُكُمْ

---

(۱) ان میں سے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

إنـا لـنشكـر للنعمـاء إذ كفرت	وعـندنـا بعـد هـذا اليوم مدخـر
فـألبس العفو من قد كنت تُرضعه	مـن أمهـاتك إن العفـو مشتهـر
يا خير من مرحتْ كمتُ الجياد به	عـند الهيـاج إذا ما استوقد الشرر
إنـا نـؤمل عـفواً منك تلبسه	هـدي البرية إذ تعفو وتنتصر
فـاعف عفا الله عما أنت راهبه	يـوم القيـامة إذ يهدى لك ظفر

تغليق التعليق: ٤٧٥/٣.

(٢) القسطلاني: ٢١٤/٥، والفتح: ٢٣٨/٦، ومجمع الزوائد: ١٨٧/٦، وتغليق التعليق: ٤٧٣/٣-٤٧٥.

(٣) عمدة القاري: ٥٧/١٥.

(٤) قوله: "كنا عند أبي موسى......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، المغازي، باب قدوم الأشعريين......، =

عَنْ ذَاكَ ، إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ ، فَقَالَ : (وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ ، وَما عِنْدِي ما أَحْمِلُكُمْ) . وَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ ، فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ : (أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ) . فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى ، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا : ما صَنَعْنَا ؟ لَا يُبَارَكُ لَنَا ، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ ، فَقُلْنَا : إِنَّا سَأَلْنَاكَ أَنْ تَحْمِلَنَا ، فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا ، أَفَنَسِيتَ ؟ قَالَ : (لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ ، وَلٰكِنَّ اللهَ حَمَلَكُمْ ، وَإِنِّي وَاللهِ - إِنْ شَاءَ اللهُ - لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ ، فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا ، إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ ، وَتَحَلَّلْتُهَا) .

[٤١٢٤ ، ٤١٥٣ ، ٥١٩٨ ، ٥١٩٩ ، ٦٢٤٩ ، ٦٢٧٣ ، ٦٣٠٠ ، ٦٣٠٢ ، ٦٣٤٠ ، ٦٣٤٢ ، ٧١١٦]

تراجم رجال

١- عبداللّٰه بن عبدالوهاب

یہ ابومحمد عبداللہ بن عبدالوہاب حجی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

٢- حماد

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب المعاصي من أمر

= رقم (٤٣٨٥)، وباب غزوة تبوك ......، رقم (٤٤١٥)، والأطعمة، باب الدجاج، رقم (٥٥١٧ -٥٥١٨)، والأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله......﴾، رقم (٦٦٢٣)، وباب: لاتحلفوا بآبائكم، رقم (٦٦٤٩)، وباب اليمين فيما لا يملك، ......، رقم (٦٦٧٨ و ٦٦٨٠)، وباب الاستثناء في الأيمان، رقم (٦٧١٨-٦٧١٩)، وباب الكفارة قبل الحنث وبعده، رقم (٦٧٢١)، والتوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿والله خلقكم وما تعملون﴾......، رقم (٧٥٥٥)، ومسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا، فرأى غيرها خيرا منها، ......، رقم (٤٢٦٣-٤٢٨٠)، والنسائي، الأيمان، باب الكفارة قبل الحنث، رقم (٣٨١١)، والصيد والذبائح، باب أكل لحوم الدجاج، رقم (٤٣٥١-٤٣٥٢)، وأبوداود، الأيمان، باب الرجل يكفر قبل أن يحنث، رقم (٣٢٧٦)، وابن ماجه، الكفارات، باب من حلف على يمين ......، رقم (٢١٠٧).

(١) كشف الباري: ٣/ ٣٨.

الجاهلية......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

۳- ایوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- ابوقلابه

یہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات کتاب الإیمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت گزر چکے(۲)۔

٥- قاسم بن عاصم الكليبي

یہ مشہور محدث وتابعی حضرت قاسم بن عاصم کلیبی تمیمی لیثی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

بعض نے ان کی نسبت کلینی (۳) بھی لکھی ہے(۴)۔

یہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور زہدم بن مضرب جرمی، سعید بن المسیب اور عطاء الخراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایتِ حدیث کرنے والوں میں ایوب سختیانی، حمید الطّویل اور خالد الحذاء رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں(۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲۱۹/۲.

(۲) كشف الباري: ۲٦/۲.

(۳) حافظ مزی اور ابن حجر وغیرہ رحمہم اللہ نے ان کی نسبت کلینی (نون کے ساتھ) ذکر کی ہے، لیکن یہ بظاہر درست نہیں، درست کلیبی بائے موحدہ کے ساتھ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اصل تعلق بنوتمیم سے ہے، جس کی ایک شاخ کلیب بن یربوع بھی ہے، اسی کی طرف منسوب ہوکر یہ کلیبی بھی کہلاتے ہیں، دیکھیے، الأنساب: ۱۰/٤٦٥، وتعليقات تحرير تقريب التهذيب: ۱۷۰/۳.

اور كلين - بضم الكاف وفتح اللام- مصغراً أو كسرها بالإمالة. عراق کا ایک گاؤں ہے، دیکھیے، الأنساب: ۱۰/٤٦۳، والإكمال للمغلطاي: ۱۸٦/۷، وتوضيح المشتبه للذهبي: ٥٦/٥، والله أعلم.

(٤) تهذيب الكمال: ۲۳/۳۷۱، وتهذيب التهذيب: ۳۱۹/۸.

(٥) حواله جات بالا.

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مقبول"(۲).

امام ابوداود نے ان سے ''مراسیل'' میں، امام ترمذی نے ''شمائل'' میں اور دیگر محدثین بخاری و مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی روایات لی ہیں۔ البتہ ابن ماجہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ہے(۳)۔

رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة.

٦- زهدم

یہ زہدم بن مضرب جرمی ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٧- ابوموسی

حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإيمان، "باب أي الإسلام أفضل؟" کے تحت آچکے(۵)۔

اس سند کے تمام رواۃ بصری ہیں، اس طرح یہ سند بصری ہوئی۔

قال: وحدثني القاسم بن عاصم الكليبي، وأنا لحديث القاسم أحفظ عن زهدم

یہاں قائل ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۶) اور اس عبارت کی توضیح یہ ہے کہ ایوب اس روایت کو دو حضرات یعنی ابوقلابہ اور قاسم بن عاصم سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں حضرات زہدم بن مضرب جرمی سے۔ چنانچہ امام بخاری نے کتاب الأيمان والنذور میں جو روایت نقل کی، اس کی سند یوں ہے:"حدثنا قتيبة، حدثنا عبدالوهاب عن أيوب، عن أبي قلابة والقاسم التميمي، عن زهدم......"(۷) اس میں

(۱) الثقات لابن حبان: ٣٠٣/٥.

(۲) تقريب التهذيب: ١٩/٢، رقم (٥٤٦٥)

(۳) حواله بالا، وتهذيب الكمال: ٣٧٢/٢٣، وتهذيب ابن حجر: ٣١٩/٨، وخلاصة الخزرجي ٣١٢.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الشهادات، باب لايشهد على شهادة زور......

(٥) كشف الباري: ٦٩٠/١.

(٦) فتح الباري: ٢٣٩/٦، وعمدة القاري: ٥٧/١٥، وإرشاد الساري: ٢١٥/٥.

(٧) صحيح بخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب: لا تحلفوا بآبائكم، رقم (٦٦٤٩).

دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہے۔ اب ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ قاسم کی روایت بنسبت ابوقلابہ کی روایت کے مجھے زیادہ یاد ہے۔

تنبیہ

اس حدیث کی تشریح مغازی واطعمہ وغیرہ مختلف مقامات پر آچکی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے،"وأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بنهب إبل ...... فأمر لنا بخمس ذود غر الذرى" کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونچی کوہان والے پانچ سفید اونٹ عنایت فرمائے۔ یہ اونٹ خمس کے تھے، اس طرح اس حدیث کی ترجمے کے جزء"وما كان النبي ﷺ يعد الناس أن...... من الخمس" کے ساتھ مناسبت واضح ہے(۲)۔

باب کی تیسری حدیث [illegible] عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹٦٥ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(۳) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً فِيهَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عُمَرَ قِبَلَ نَجْدٍ ، فَغَنِمُوا إِبِلاً كَثِيرَةً ، فَكَانَتْ سِهَامُهُمُ ٱثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا ، أَوْ أَحَدَ عَشَرَ بَعِيرًا ، وَنُفِّلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا . [۴۰۸۳]

تراجم رجال

۱ — عبداللّٰہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب المَغازي: ٦٠٨، و:٦٣٣، وكتاب الأطعمة: ٢٨٧–٢٩٠.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٥٧.

(۳) قوله: "[illegible] ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري في المغازي، باب السرية التي قبل نجد، رقم (٤٣٣٨)، ومسلم، في الجهاد والسير، باب الأنفال، رقم (٤٥٢١–٤٥٢٥)، وأبوداود، في الجهاد، باب في النفل في السرية......، رقم (٢٧٤١–٢٧٤٦).

۲– مالك

یہ امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الثاني" کے تحت آچکا(۱)۔

۳– نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات كتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

٤– ابن عمر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات كتاب الإيمان، "باب الإيمان......" میں آچکے(۳)۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث سرية، فيها عبدالله بن عمر، قبل نجد، فغنموا إبلا كثيرة

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ فرمایا، جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی موجود تھے، یہ سریہ نجد کی طرف بھیجا گیا تھا، اس میں بہت سارے اونٹ انہوں نے غنیمت میں حاصل کیے۔

اوپر حدیث میں جس سریہ کا ذکر ہے، وہ "سرية أبي قتادة بن ربعي الأنصاري" سے موسوم ہے، اس کے امیر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے، یہ سریہ فتح مکہ سے قبل روانہ کیا گیا تھا، ابن سعد کی تحقیق کے مطابق یہ واقعہ ۸ھ کا ہے(۴)۔

یہاں نجد کو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے، جو بہت بڑا علاقہ ہے، اس کی تحقیق پیچھے کسی مقام پر گزر چکی ہے(۵)،

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۸۹–۱۹۰.

(۲) كشف الباري: ٤/٦٥١.

(۳) كشف الباري: ۱/٦٣٧.

(٤) طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۲.

(٥) دیکھیے، باب ماجاء في بيوت أزواج النبي ... کی چھٹی حدیث، حديث ابن عمر.

تاہم حدیث باب میں نجد سے مراد ایک خاص علاقہ ''ارض محارب'' ہے، جہاں قبیلہ غطفان کی رہائش تھی، یہ سریہ اسی قبیلہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا تھا(۱)۔

اس سریہ میں مشہور قول کے مطابق پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، مال غنیمت میں دوسو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ یہ سریہ صرف پندرہ دن پر مشتمل تھا(۲)۔

اس حدیث میں نفل کا ذکر آیا ہے، ذیل میں ہم اس سے متعلق ابحاث اختصاراً پیش کریں گے، کیوں کہ یہ حدیث نفل کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

نفل کی لغوی واصطلاحی تعریف

نفل نون اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، کبھی فاء کو ساکن بھی پڑھتے ہیں، اس کی جمع انفال ہے۔ اس کے معنی زیادتی کے ہیں(۳)۔

اصطلاح شرع میں نفل اس انعام اور زیادتی کو کہتے ہیں جو مجاہد ومقاتل کو غنیمت کے علاوہ ملتی ہے، تاہم اس کا اطلاق اکثر روایات میں غنیمت مطلقہ پر بھی کیا گیا ہے، علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف تعبیر کا ہے، چنانچہ بایں اعتبار کہ غازی کو یہ انعام ملا ہے تو اس کو غنیمت کہہ دیتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ ایک انعام ملا، جو ضروری نہیں تھا تو اسے نفل کہہ دیا جاتا ہے، ان دونوں میں اور بھی فرق بیان کیے گئے ہیں، جن کی یہاں ضرورت نہیں(۴)۔

نفل کی مشروعیت

نفل کی مشروعیت پر جمہور علماء وفقہاء کا اتفاق ہے، جب کہ صرف ایک فقیہ عمرو بن شعیب اس کی عدم

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۲-۱۳۳.

(۲) حوالہ بالا، والأوجز: ۹/۱۱۸.

(۳) شرح الزرقاني: ۳/۱۵، كتاب الجهاد، جامع النفل في الغزو، باب رقم (۳۰۲)، والأوجز: ۹/۱۱٦.

(٤) المفردات في غريب القرآن: ٥٠٤، كتاب النون، مادة "نفل"، والأوجز: ۹/۱۱٦، والبدائع: ٦/٤٥۹، وفي الموسوعة الفقهية (۱٤/٧٤): "وهو ...... زيادة مال على سهم الغنيمة، يشترطه الإمام أو أمير الجيش لمن يقوم بما فيه نكاية زائدة على العدو".

مشروعیت کے قائل ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے(۱)۔

پھر ائمہ ثلاثہ میں امام شافعی و مالک رحمہما اللہ اس کو ضرورت کے ساتھ مشروط و مقید کرتے ہیں کہ جب تک شدید ضرورت نہ ہو، مثلاً مسلمان تعداد میں کم اور کفار زیادہ ہوں تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

جب کہ حنفیہ اس کے مطلق جواز کے قائل ہیں، کیوں کہ یہ بھی تحریض و ترغیب کی ایک قسم ہے، اسی کا حکم خداوندی بھی ہے کہ ﴿یا أیها النبي حرض المؤمنین علی القتال﴾(۲) کہ ''اے نبی! مسلمانوں کو قتال پر ابھارو''۔ یہ حکم مطلق ہے(۳)۔

تاہم احناف - کثر اللہ سوادہم - یہ بھی فرماتے ہیں - کما في البدائع - کہ امام وقت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ سارا مالِ غنیمت ہی کسی کو نفلاً دے دے، کیوں کہ اس میں دوسرے مقاتلین کا حق مارا جائے گا، لیکن اگر ایسا کرے تو جائز ہے(۴)۔

نفل کی صورتیں

تنفیل کی پھر تین صورتیں ہیں:

❶ امام وقت بڑے لشکر سے پہلے کوئی چھوٹا لشکر (سریہ) بھیجے، جو دشمن پر حملہ آور ہو، اس لشکر کو جو غنیمت ملے اس کا ایک مقرر حصہ، مثلاً ربع یا ثلث ان کے لیے مختص کر دے۔

❷ امام وقت یا امیر لشکر کچھ متعین افراد کے لیے کوئی انعام مقرر کر دے اور وہ اس لیے کہ انہوں نے قتال کے دوران شجاعت کا مظاہرہ یا اقدام کیا ہو یا اور کوئی ایسا مفید کام سرانجام دیا ہو جو دوسرے نہ دے سکے اور یہ معاملہ مشروط نہ ہو، یعنی پہلے سے طے نہ کیا گیا ہو، بلکہ غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ انعام دیا جائے کہ فلاں شخص کے

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۱٤/۷۵، (مادة تنفيل)، وفتح الباري: ٦/۲٤۰، والأوجز: ۹/۱۲۱.

(۲) الأنفال: ٦۵.

(۳) الموسوعة الفقهية: ۱٤/۷۵، وشرح الزرقاني: ۳/۱٦.

(٤) بدائع الصنائع: ۹/٤۵۹-٤٦۰، وانظر أیضاً فتح القدیر: ۵/۲٤۹، والفتاویٰ الشامية لابن عابدین: ۳/۲٦۰، وکتاب السیر الکبیر للشیباني: ۱/۲/۱۲۱، أبواب الأنفال.

اس کارنامے کی وجہ سے اس کے مقرر حصے سے زائد یہ مال بطور انعام اسے دیا جارہا ہے۔

۳- امام وقت یہ کہے جو شخص فلانی دیوار توڑے گا یا اس میں نقب لگائے گا (ونحو ذلك) تو اس کو یہ چیز یا اس قدر مال بطور انعام دیا جائے گا (۱)۔

یہ تین صورتیں ہوئیں، یہ صور ثلاثہ جمہور فقہاء کے نزدیک درست ہیں، تاہم امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تیسری صورت کو مکروہ گردانتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مقاتل کا اخلاص متاثر ہوگا اور اس کا قتال دنیا کے لیے ہوگا، نہ کہ آخرت کے لیے، نیز اس میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا بھی پایا جاتا ہے، جو جائز نہیں (۲)۔

جمہور کی دلیل اس سلسلے میں حضرت حبیب بن مسلمہ فہری کی وہ روایت ہے، جو ابوداؤد شریف (۳) میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں ربع اور لوٹتے وقت ثلث بطور نفل کے دیا، جس سے ثابت ہوا کہ ابتداءً بھی یہ فعل درست ہے (۴)۔

محل تنفیل

نفل کی ادائیگی بیت المال سے بھی جائز ہے، لیکن اس صورت میں نفل کی نوع اور مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح دشمن سے عنقریب جو غنیمت حاصل ہوگی، اس میں بھی تنفیل جائز ہے، اس میں اگرچہ جہالت پائی جاتی ہے کہ کیا معلوم غنیمت حاصل ہوگی بھی یا نہیں؟ لیکن یہ جہالت مضر نہیں کہ اس کی ضرورت ہے (۵)۔

پھر فقہائے امت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ نفل اگر غنیمت سے ہو تو کس چیز سے ہوگی؟

حنابلہ اور شوافع کے نزدیک نفل خمس غنیمت کے ربع سے دیا جائے گا، یہی قول حضرت انس رضی اللہ عنہ

---

(۱) الموسوعة: ۱۴/۷۵، والمغني: ۹/۱۸۵، وحاشية ابن عابدين: ۳/۲۶۲، وفتح القدير: ۵/۲۴۹.

(۲) حاشية الزرقاني: ۳/۱۶، والأوجز: ۹/۱۲۵.

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب فيمن قال: الخمس قبل النفل، رقم (۲۷۴۸--۲۷۵۰).

(۴) المغني: ۹/۱۸۴، والأوجز: ۹/۱۲۵.

(۵) المغني: ۹/۱۸۶، والموسوعة: ۱۴/۷۵.

کا بھی ہے، دلیل یہ حدیث ہے، "لا نفل إلا بعد الخمس" (☆).

حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے:

اگر جنگ کے دوران امام تنفیل کرے تو غنیمت کے خمس کا ربع ہوگا۔

اگر مال غنیمت کے احراز کے بعد کرے، یعنی جنگ ختم ہونے کے بعد تقسیم غنیمت کا عمل شروع ہو جائے اور اس وقت نفل دینے کا اعلان کرے تو وہ خمس سے ہوگا (۱)۔

جب کہ مالکیہ کے نزدیک تنفیل خمس غنیمت سے ہوگی (۲)۔

نفل کی مقدار

فقہاء کے نزدیک نفل کی دو مقداریں ہیں، ادنیٰ اور اعلیٰ۔

ادنیٰ تو یہ ہے کہ ثلث یا ربع یا اس سے بھی کم ہو یا بالکل نہ ہو، امام وقت کو ان سب چیزوں میں اختیار ہے کہ نفل میں ثلث دے یا ربع یا اس سے بھی کم یا بالکل نہ دے۔ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے (۳)۔

تاہم حد اعلیٰ میں ان کا اختلاف ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثلث سے زائد مقدار نفلاً نہیں دی جاسکتی (۴)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نفل کی کوئی حد اعلیٰ نہیں ہے، بلکہ یہ امام وقت کی رائے پر منحصر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ثلث دیا ہے تو کبھی ربع، جو اس بات کی دلیل ہے کہ "ليس للنفل حدّ" (۵).

(☆) المغني: ۹/۱۸۷، یہ موفق کی تصریح کے مطابق ہے، ورنہ شوافع کی کتابوں میں ان کا مذہب یہ لکھا ہے کہ نفل خمس الخمس سے ہوگا، یعنی غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں بطور نفل ہوگا، یہی اصح ہے۔ دیکھیے، نووي: ۲/۸۶، وفتح الباري: ۶/۲۴۰. وحديث أنس أخرجه أبوداود من حديث معن بن يزيد، كتاب الجهاد، باب في النفل من الذهب والفضة......، رقم (۲۷۵۳).

(۱) حاشية ابن عابدين: ۳/۲۶۴، وفتح القدير: ۵/۲۵۰، والأوجز: ۹/۱۲۷.

(۲) شرح الزرقاني: ۳/۱۶، وبداية المجتهد: ۱/۳۹۶، الفصل الثالث في حكم الأنفال.

(۳) الموسوعة: ۱۴/۷۶، (مادة تنفيل).

(۴) حواله بالا، والمغني: ۹/۱۸۴، والأوجز: ۹/۱۲۵.

(۵) الأوجز: ۹/۱۲۵، والموسوعة: ۱۴/۷۶.

جب کہ حنفیہ کے نزدیک بھی نفل کی کوئی اعلیٰ مقدار متعین نہیں ہے، امام وقت چاہے تو ساری غنیمت بھی سریہ کو دے سکتا ہے، لیکن وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ فعل مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں دوسرے غانمین کا حق مارا جائے گا (۱)۔

یہ تو نفل سے متعلق فقہی ابحاث تھیں، جو ہم نے مختصراً یہاں پیش کیں۔

اب ایک نظر حدیثِ باب پر ڈالتے ہیں۔

فكانت سهمانهم اثني عشر بعيرا أو أحد عشر بعيرا

سو شرکائے سریہ میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ ملے۔

"سُهمان" سین کے ضمہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ، سہم کی جمع ہے، یعنی حصے (۲)۔

مطلب یہ ہے کہ ہر شریک کو مذکورہ بالا تعداد میں اونٹ بطور غنیمت ملے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کے معنی یہ بیان کیے کہ تمام شرکاء کا حصہ بارہ اونٹ تھے، لیکن یہ بداہۃً غلط ہے، کیونکہ ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ (۳) کی روایت میں تصریح آئی ہے کہ ہر شریک کا حصہ بارہ بارہ اونٹ تھے (۴)۔

شرکاء کے حصے میں کتنے کتنے اونٹ آئے؟

حدیثِ باب میں شک کے ساتھ "اثني عشر بعيرا أو أحد عشر بعيراً" آیا ہے، یہ شک امام

---

(۱) حاشية ابن عابدين: ۲٦۳/۳، والبدائع: ٤٦٠/۹، فصل في أحكام الغنائم......، والأوجز: ۱۲٦/۹-۱۲۷.

نفل سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، الأوجز: ۱۱٦/۹-۱۲۸، والموسوعة الفقهية: ۷٤/۱٤-۷۷، والاستذكار لابن عبدالبر: ٤۱/٤-٤٦، وفتح الباري: ۲۳۹/٦-۲٤۱، وعمدة القاري: ۵۵/۱۵-٦۰.

(۲) أوجز: ۱۱۹/۹، وشرح الزرقاني: ۱۵/۳.

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية ......، رقم (۲۷٤۱).

(٤) الأوجز: ۱۱۹/۹، والنووي على مسلم: ۸٦/۲، وفتح الباري: ۲۳۹/٦.

مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آیا ہے، جب کہ حضرت نافع کے دوسرے تمام تلامذہ اس کو بغیر شک کے "اثني عشر بعيراً" نقل کرتے ہیں۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے(۱)۔

اثني عشر بعيراً کی مراد

پیچھے یہ بات گزر چکی کہ اس سریہ میں، جس کا ذکر حدیثِ باب میں ہے، جو غنیمت حاصل ہوئی وہ دوسو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور کچھ قیدی تھے اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ اہل سیر کا مشہور قول یہ ہے کہ اس میں پندرہ افراد شریک تھے، اب دوسو اونٹوں کو پندرہ پر بارہ کے حساب سے تقسیم کیا جائے تو جواب 180 آتا ہے اور دوسو کا خمس چالیس ہے، ایک سواسی اور چالیس تو 220 ہوئے، چنانچہ یہاں حساب درست نہیں آرہا کہ یا تو دوسو کا عدد غلط ہے یا دوسو بیس کا؟

اس تضاد کا جواب شراح حدیث نے یہ دیا ہے کہ اونٹ اور بکریاں ساتھ دی گئی تھیں اور دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر تھیں، چنانچہ دو ہزار بکریاں اس حساب سے دوسو اونٹوں کے برابر ہوئیں، دوسو اونٹ پہلے ہی تھے، اس طرح مجموعہ چار سو ہوا۔ اسی عدل کو پیش نظر رکھ کر اثني عشر بعيرا کہا گیا ہے اور نفل میں بھی اسی کا لحاظ ہے۔ یہی توجیہ سب سے بہتر ہے(۲)۔

ایک اعتراض اور اس کے جوابات

تاہم اس پوری تفصیل پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اونٹ عدل کے بعد چار سو ہوئے، اس کا خمس اسی ہے، جس سے نفل دیا گیا، پندرہ افراد کو 12,12 کے حساب سے ایک سو اسی اونٹ دیے گئے، حاصل جمع 260 (دوسو ساٹھ) ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ بقیہ ایک سو چالیس اونٹ کہاں گئے؟

اس اعتراض سے خلاصی کے لیے حافظ علیہ الرحمۃ نے تو یہ کہہ دیا کہ شرکائے سریہ پندرہ نہیں، بلکہ پچیس تھے(۳)، پچیس کو بارہ پر ضرب دیں گے تو حاصل 300 (تین سو) ہوگا، اسی خمس ہے، ان دونوں اعداد کو جمع کیا

---

(۱) الاستذكار: ٤/٤١، والتمهيد: ١٤/٣٦، حديث رابع عشر لنافع عن ابن عمر، وفتح الباري: ٦/٢٣٩، والأوجز: ٩/١١٩.

(۲) طبقات ابن سعد: ٢/١٣٢-١٣٣، سرية أبي قتادة ربعي......، والأوجز: ٩/١١٩.

(۱) فتح الباري: ٨/٥٦، والأوجز: ٩/١١٩.

جائے تو حاصل 380 (تین سواسی) آتا ہے۔ جو چار سو کے عدد کے کچھ قریب ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب بعض وجوہ کی بنا پر معتمد نہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ اکثر اہل سیر نے شرکاء کی تعداد پندرہ ہی بتلائی ہے، مثلاً ابن سعد، قسطلانی، وصاحب السیرۃ الحلبیۃ وغیرہ وغیرہ (۱)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض حضرات نے شرکاء کی تعداد دس (۲) اور بعض نے سولہ (۳) اور بعض نے چار ہزار بھی بتلائی ہے (۴)، اس صورت میں آپ کیا کریں گے؟

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی تمام روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، رخ اس کا نجد کی طرف تھا، وہاں پہنچنے کے بعد لشکر کا ایک حصہ الگ ہوکر بنوغطفان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا، جہاں یہ فتح یاب ہوئے اور غنیمت سے سرفراز بھی، امیر سریہ نے اپنے ہر ایک ساتھی کو ایک ایک اونٹ نفلاً دیا، باقی غنیمت لے کر لشکر میں واپس آگئے۔ جب یہ لشکر میں واپس آئے تو بقیہ غنیمت بھی تقسیم ہوئی اور لشکر کے ہر ہر فرد کو بارہ بارہ اونٹ ملے کہ لشکر کی اپنی بھی غنیمت تھی، ان سب کو جمع کیا گیا تو ہر ایک کے حصے میں بارہ بارہ اونٹ آئے اور اہل سریہ کے ہاتھ تیرہ تیرہ اونٹ کہ ایک اونٹ نفل کا تھا۔

اس کی دلیل دو الگ الگ روایات ہیں، پہلی ابن اسحاق سے مروی ہے اور دوسری شعیب بن ابی حمزہ سے، ان دونوں روایات کا حاصل وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا، ہم یہاں صرف شعیب بن ابی حمزہ کی روایت کے الفاظ نقل کرتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في جيش، قبل نجد، وانبعث سرية من الجيش، فكان سهمان الجيش اثني عشر بعيرا، اثني عشر بعيرا،

(۱) دیکھیے، طبقات ابن سعد: ۱۳۲/۲، والسيرة الحلبية: ۲۰٤/۳، والأوجز: ۱۱۹/۹.

(۲) یہ ابن التین رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ دیکھیے، عمدة القاري: ۳۱۲/۱۷.

(۳) حكاه ابن الأثير في الكامل: ۱۵۷/۲.

(٤) یہ ابن عبدالبر کا قول ہے۔ اس قول کو حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ نے بذل میں خلاف حقیقت اور بے اصل قرار دیا ہے۔ دیکھیے، بذل: ۳۵۳/۱۲

ونفل أهل السرية بعيرا بعيرا، فكانت سهمانهم ثلاثة عشر"(١).

اس روایت پر اگر چہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے شدید رد کیا ہے کہ یہ روایت نافع رحمہ اللہ کے دیگر تلامذہ کی بیان کردہ روایات کے خلاف ہے، جو شعیب کے مقابلے میں ثقات بھی ہیں اور اَثبات بھی (۲)۔

تاہم ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے اس رد سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ اس لیے کہ ابن عبدالبر خود بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شعیب کے بیان کردہ معنی بھی صحیح ہیں، کیوں کہ علمائے امت وفقہائے ملت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی لشکر کا کوئی حصہ سریہ کے لیے روانہ ہو تو جو غنیمت ملے گی، اس میں لشکر بھی شریک ہوگا، اہل سریہ کا امتیاز اس طرح ہوگا کہ انہیں نفل دیا جائے گا (۳)۔ چناں چہ اس واقعے میں بھی یہی ہوا ہے، جیسا کہ شعیب بن ابی حمزہ اور ابن اسحاق کی تصریح موجود ہے۔ اس لیے ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ اعتراض اپنے محل پر نہیں۔ واللہ اعلم

فائدہ

حدیثِ باب میں جس نفل کا تذکرہ ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ کس چیز سے دیا گیا تھا، مشہور قول تین ہیں:

(۱) امام اوزاعی، احمد اور ابوثور اور احناف رحمہم اللہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نفل اصل غنیمت سے تھا۔ دلیل ابواسحاق کی روایت ہے، جس کا ذکر ابھی ابوداوٗد کے حوالے سے گزرا۔

(۲) امام مالک، قاسم بن سلام، سعید بن المسیب اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہم کی رائے یہ ہے کہ یہ غنیمت کے خمس سے تھا، ان کی دلیل بقول ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث باب ہے کہ حضرت نافع کے اکثر تلامذہ کی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں، سوائے روایت ابن اسحاق کے۔

(۳) امام شافعی وغیرہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں نفل خمس الخمس سے تھا، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ مالکی المذہب ہیں، اسی رائے کو ترجیح دیتے ہیں (۴)۔ واللہ اعلم

---

(١) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية ......، رقم (٢٧٤١)، ورواية ابن إسحاق انظرها في نفس هذا الباب، برقم (٢٧٤٣).

(٢) الاستذكار: ٤/٤٢.

(٣) حواله بالا، والفتح: ٦/٢٤٠، والنووي على مسلم: ٢/٨٦، والمغني: ٩/١٨٣–١٨٤، والأوجز: ٩/١٣٠.

(٤) وللاستزادة انظر: الاستذكار: ٤/٤٣–٤٦، والفتح: ٦/٢٤٠، والأوجز: ٩/١٢٨، وإعلاء السنن: ١٢/٢٦٠–٢٧٤.

ونفلوا بعيرا بعيرا

اور اہل سریہ میں سے سب کو ایک ایک اونٹ نفلاً دیا گیا۔

اس روایت میں مُنَفِّل کی تعیین نہیں ہے کہ نفل کس نے دیا تھا، یہاں منفل مجہول ہیں، جب کہ مسلم کی روایت (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ منفل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوداؤد کی روایت (۲) اس کے بالکل مخالف ہے، جس میں ابواسحاق یہ فرماتے ہیں کہ منفل امیر سریہ حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے؟

پھر قسم غنیمت میں بھی اختلاف ہے کہ غنیمت کس نے تقسیم کی تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تنفیل امیر سریہ کی طرف سے تھی اور تقسیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنفیل کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا، چنانچہ یہ "تقریر" کی نوع سے ہوا، جو سنت کی ایک قسم ہے۔

اس پر لیث عن نافع وغیرہ کی روایت دلالت کرتی ہے، جس میں آیا ہے کہ "ولم يغيره رسول الله صلى الله عليه وسلم" (۳).

یا دونوں کام امیر سریہ کے ذریعے انجام پائے تھے، یہ بھی تقریر پر محمول ہے کہ نبی علیہ السلام نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور امیر لشکر کا فیصلہ برقرار رکھا (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے جزء "الأنفال من الخمس" کے ساتھ ہے، حدیث میں "ونفلوا بعيرا بعيرا" جو آیا ہے وہ خمس ہی سے تھا، یہی امام بخاری کی رائے ہے (۵)، كما مر آنفاً مفصلاً.

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الأنفال، رقم (٤٥٢٣).

(۲) ابوداود شریف، کتاب الجهاد، باب في النفل في السرية ......، رقم (۲۷۴۳).

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الأنفال، رقم (٤٥٢٢).

(٤) شرح النووي على مسلم: ٨٦/٢، وفتح الباري: ٢٤٠/٦، والأوجز: ١٢١/٩.

(٥) الكوثر الجاري: ١١٧/٦.

ایک فائدہ

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر روایات میں اثنا عشر آیا ہے اور بعض میں اثني عشر -کما في حديث الباب- یہ لفظ تو واضح ہے کہ حالت نصبی میں ہے اور مشہور قاعدے کے مطابقت ہے۔

پہلا اعراب بھی ان حضرات کے نزدیک صحیح ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ مثنی کا اعراب تینوں حالات (رفع، نصب وجر) میں الف کے ساتھ ہی ہوگا، یہ عرب کے چار قبائل کی لغت ہے اور اس کی مثالیں بھی کلام عرب میں بکثرت پائی جاتی ہیں......(۱)۔

باب کی چوتھی حدیث بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

٢٩٦٦ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا[۲]: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خاصَّةً ، سِوَى قَسْمِ عامَّةِ الجَيْشِ .

تراجم رجال

۱- يحيىٰ بن بكير

یہ یحیٰی بن عبداللہ بن بکیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- الليث

یہ لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(۱) شرح النووي على صحيح مسلم: ٨٦/٢، وتعليقات جامع الأصول: ٦٨١/٢.

(۲) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الجهاد ......، باب الأنفال، رقم (٤٥٢٦-٤٥٢٨)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية ......، رقم (٢٧٤٦).

یہ تخریج عام اصحاب تخریج کے مطابق ہے، کہ انہوں نے اس کو مستقل حدیث شمار کیا ہے۔ ورنہ علامہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ باب کی سابقہ روایت اور یہ روایت دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔ لہٰذا دونوں کو الگ شمار کرنا درست نہیں۔ دیکھیے، جامع الأصول: ٦٨١/٢-٦٨٢.

٣- عقیل

یہ عقیل بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- ابن شهاب

یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ المعروف بابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان چاروں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی "الحديث الأول" کے تحت گزر چکا (١)۔

٥- سالم

یہ مشہور تابعی سالم بن عبد اللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتـاب الإيـمـان، "باب الحياء من الإيمان" کے تحت گزر چکے ہیں (٢)۔

٦- ابن عمر

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب الإيمان...... " میں آچکا (٣)۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينفل بعض من يبعث من السرايا لأنفسهم خاصة، سوى قسم عامة الجيش

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرایا میں جن لوگوں کو بھیجتے تھے، ان میں سے بعض کو نفل دیتے تھے، جو اُن کے ساتھ خاص ہوتا، عام لشکریوں کی غنیمت کے علاوہ۔

حافظ کا حدیثِ باب سے استدلال

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نفل میں ایک ہی سریہ کے بعض افراد کو محروم رکھنا اور بعض کو دینا جائز ہے (٤)۔

---

(١) كشف الباري: ١/٣٢٣-٣٢٦.

(٢) كشف الباري: ٢/١٢٨.

(٣) كشف الباري: ١/٦٣٧.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤١.

جب کہ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں، سریہ کے تمام شرکاء کو نفل دینا ضروری ہے(۱)۔

ہمارے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف سرایا روانہ فرماتے تھے، جن میں بعض سرایا کو نفل دیتے اور بعض کو نہ دیتے۔ اوپر ہم نے ترجمہ شافعیہ کے مسلک کے مطابق کیا ہے(۲)۔

حافظ کے مذکورہ استدلال کی وجہ

شوافع چونکہ اس بات کے قائل ہیں کہ نفل خمس الخمس سے دیا جائے گا، اس لیے وہ ایک ہی سریہ میں "تخصيص البعض دون البعض في النفل" کو جائز کہتے ہیں، اگر وہ اس کو جائز نہ کہیں تو ان کا خمس الخمس والا قول درست نہیں رہے۔

حافظ کے پیشرو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تشریح پچھلی حدیث کے جملے "ونفلوا بعيرا بعيرا" کی کی تھی اور فرمایا تھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سریہ میں جو مستحق نفل تھے، ان میں سے ہر ایک کو، ایک ایک اونٹ بطور نفل ملا، یہ مطلب نہیں کہ اہل سریہ میں سے ہر ایک کو نفل ملا (۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نووی (اور حافظ) کو اس تاویل کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اپنے مذہب راجح کے لیے کوئی موید تلاش کریں، کیوں کہ یہ حضرات نفل کے خمس الخمس سے ہونے کے قائل ہیں، چناں چہ اس حدیث میں خمس الخمس کی جو مقدار بن رہی ہے، وہ پورے کے پورے سریہ پر تقسیم نہیں ہوسکتی، اسی لیے انہوں نے مذکورہ تاویل کی۔

تاہم یہ تاویل چل نہیں سکتی، کیوں کہ اسی حدیث کے ایک طریق میں صراحۃً یہ الفاظ آئے ہیں، "نفلنا أميرنا بعيراً بعيرا لكل إنسان" (٤) جس سے بداہۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام شرکائے سریہ نفل کے مستحق ٹھہرے تھے (۵)۔ واللہ اعلم

---

(۱) یہ بحث گذشتہ باب میں گذر چکی ہے۔

(۲) التلخيص الحبير: ۲/۲۷۳، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۷٦، نقلاً عن الترمذي ببلاغ مالك بن أنس.

(۳) شرح النووي على مسلم: ۲/۸٦.

(٤) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية ......، رقم (۲۷٤۳).

(٥) الأوجز: ۹/۱۲۰.

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، کہ ترجمہ میں ایک جزء الأنفال من الخمس تھا، اس حدیث میں بھی نفل کا ذکر ہے، جو خمس ہی سے نکالا جاتا ہے۔ کما هو مذهب البخاري۔ اس لیے مطابقت پائی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

باب کی پانچویں حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٦٧ : حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ ٱللَّهِ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ[1] قَالَ : بَلَغَنَا مَخْرَجُ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ بِالْيَمَنِ ، فَخَرَجْنَا مُهَاجِرِينَ إِلَيْهِ ، أَنَا وَأَخَوَانِ لِي أَنَا أَصْغَرُهُمْ ، أَحَدُهُما أَبُو بُرْدَةَ وَالآخَرُ أَبُو رُهْمٍ ، إِمَّا قَالَ : فِي بِضْعٍ ، وَإِمَّا قَالَ : فِي ثَلَاثَةٍ وَخَمْسِينَ ، أَوِ ٱثْنَيْنِ وَخَمْسِينَ رَجُلًا مِنْ قَوْمِي ، فَرَكِبْنَا سَفِينَةً ، فَأَلْقَتْنَا سَفِينَتُنَا إِلَى النَّجَاشِيِّ بِالْحَبَشَةِ ، وَوَافَقْنَا جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأَصْحَابَهُ عِنْدَهُ ، فَقَالَ جَعْفَرٌ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ بَعَثَنَا هَا هُنَا ، وَأَمَرَنَا بِالْإِقَامَةِ ، فَأَقِيمُوا مَعَنَا ، فَأَقَمْنَا مَعَهُ حَتَّى قَدِمْنَا جَمِيعًا ، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ ﷺ حِينَ ٱفْتَتَحَ خَيْبَرَ ، فَأَسْهَمَ لَنَا ، أَوْ قَالَ : فَأَعْطَانَا مِنْهَا ، وَمَا قَسَمَ لِأَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا ، إِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهُ ، إِلَّا أَصْحَابَ سَفِينَتِنَا مَعَ جَعْفَرٍ وَأَصْحَابِهِ ، قَسَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ . [٣٦٦٣ ، ٣٩٩٠ - ٣٩٩٢]

تراجم رجال

١- محمد بن العلاء

یہ ابوالعلاء محمد بن العلاء ہمدانی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- ابواسامہ

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب العلم، "باب فضل

---

(١) قوله: "عن أبي موسى رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة الحبشة، رقم (٣٨٧٦)، وكتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٣٠و٤٢٣٣)، ومسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر ...... وأهل سفينتهم، رضي الله عنهم، رقم (٦٤١٠)، وأبوداود، في كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة ......، رقم (٢٧٢٥).

من علم وعلم" کے تحت آچکا(۱)۔

۳– برید بن عبداللّٰہ

یہ ابو بردہ برید بن عبداللہ بن عامر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– ابو برده

یہ ابو بردہ عامر بن ابی موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥– ابوموسی

یہ حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب أي الإسلام أفضل؟" کے ضمن میں بیان ہو چکا(۲)۔

عن أبي موسیٰ رضي الله عنه قال: بلغنا مخرجُ النبي صلی الله علیه وسلم ونحن بالیمن

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے خروج کی خبر ملی، درآنحالیکہ ہم یمن میں تھے۔

"مخرج" مصدر میمی ہے، خروج کے معنی میں ہے اور فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے(۳)۔

مخرج سے کیا مراد ہے؟

مخرج سے دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں:

❶ بعثت: اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بظاہر ان حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت وخروج کا علم ہجرت کے بعد طویل مدت گزرنے پر ہوا، چناں چہ جب انہیں علم ہوا تو یہ زیارت کی غرض سے یمن سے نکلے۔

---

(۱) کشف الباري: ۳/٤۱۳–٤۱۷.

(۲) کشف الباري: ۱/٦۹۰.

(۳) عمدة القاري: ۱٥/٦۰

❷ ہجرت: اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہیں علم تو پہلے ہی ہو گیا تھا، اسلام بھی یہ حضرات قبول کر چکے تھے، لیکن اپنے وطن ہی میں مقیم رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ حضرات اس طویل عرصے کہاں رہے اور ہجرت کیوں نہیں کی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ غالباً انہیں صحیح حالات کا علم نہیں ہو پا رہا تھا، جب حالات کی مکمل اطلاع ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کر ڈالی اور اپنا وطن چھوڑ دیا(۱)۔

فخرجنا مهاجرين إليه، أنا وأخوان لي، أنا أصغرهم، أحدهما: أبو بردة، والآخر أبورهم

سو ہم ان کی طرف ہجرت کی نیت سے نکلے، میں اور میرے دو بھائی، میں ان میں کا سب سے چھوٹا تھا، ایک ابو بردہ تھے، دوسرے ابورہم۔

لفظ مهاجرین حالیت کی بنا پر منصوب ہے(۲)۔

ابو بردہ

یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بھائی ابو بردہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب رضی اللہ عنہ ہیں(۳)۔

ان کا نام عامر ہے، لیکن اپنے بھائی کی طرح یہ بھی اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں(۴)۔

اخیر میں کوفہ کو اپنا مسکن بنایا، تادم آخری وہیں رہے(۵)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ٧/٤٨٥.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٦٠.

(٣) الإصابة مع الاستيعاب: ٤/١٨، وفتح الباري: ٧/٤٨٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٠.

(٤) حوالہ جات بالا.

(٥) الإصابة: ٤/١٨.

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللهم اجعل فناء أمتي قتلا في سبيلك بالطعن والطاعون"(۱). رضي الله عنه وأرضاه.

تنبیہ

ابو بردہ ان کے ایک بھتیجے کی بھی کنیت ہے، جو حدیث باب کے راوی بھی ہیں، ان کا نام بھی عامر ہے، تاہم یہ صحابی ہیں اوران سے صرف یہی ایک روایتِ مذکورہ بالا ہے، جب ان بھتیجے ابو بردہ مشہور تابعی فقیہ ہیں اور اپنے والد ابوموسیٰ اشعری ودیگر صحابہ کرام سے کثرت سے روایت کرتے ہیں۔

أبو رُهم

یہ بھی ابوموسیٰ اشعری کے بھائی ہیں، رضی اللہ عنہما، ان کا نام کیا تھا، اس میں اقوال مختلف ہیں، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ ان کا نام مَجدِیّ تھا، جب کہ ابن حبان جزماً ان کا نام محمد بتلاتے ہیں، لیکن حافظ نے اس پر رد کیا ہے۔ ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ان کا نام مجید تھا(۲)۔

ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ یہ طبیعت کے ذرا تیز تھے، جس پر اُن کے بھائی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انہیں ٹوکا کرتے (۳)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ

إما قال في بضع، وإما قال في ثلاثة وخمسين أو اثنين وخمسين رجلاً من قومي

یا یہ فرمایا کچھ، یا فرمایا کہ ترپن یا باون آدمیوں کے ساتھ، جو میری قوم کے تھے۔

یہ حضرات کل کتنے تھے؟

یہاں روایتِ باب میں، نیز کتاب المغازی کی روایت میں عبارت اسی طرح شک کے ساتھ ہے،

---

(۱) الحديث رواه أحمد في مسنده: ۴۳۷/۳، مسند أبي بردة......، رقم (۱۵٦۹۳)، و: ۲۳۸/٤، حديث أبي بردة ......، رقم (۱۸۲٤۸)، والحاكم في مستدركه: ۹۳/۲، كتاب الجهاد، رقم (۲٤٦۲)، وقال: هذا حديث صحيح الإسناد، وقال الذهبي في تلخيصه: صحيح.

(۲) الإصابة: ۷۱/٤، والاستيعاب بهامش الإصابة: ٦۹/٤، وفتح الباري: ٤۸۵/۷، وعمدة القاري: ٦۰/۱۵، وابن قانع في معجم الصحابة: ۳۹/۳، باب الميم، رقم (۱۱۰٦).

(۳) الاصابة: ۷۱/٤.

بضع کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے، اس لیے یہ ترپن سے انسٹھ تک کسی بھی عدد کو محتمل ہے، جب کہ ترپن بھی مروی ہے اور باون بھی۔

تاہم ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور طریق سے نقل کیا ہے کہ اشعریین کی تعداد پچاس تھی (۱)، پچاس سے زائد جو لوگ ہیں شاید وہ حضرت ابوموسیٰ اور ان کے دیگر بھائی تھے، تو جس روایت میں باون ہے وہ ان کے دونوں بھائیوں ابو بردہ اور ابورہم کو ملا کر ہے، جن کا ذکر حدیث باب میں ہے، جو ترپن یا اس سے زائد کہتے ہیں تو ان کی مراد اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو اُن کے بھائیوں کی تعداد میں ہے، ابن عبدالبر نے ان سب بھائیوں کی تعداد چار بتلائی ہے اور ابن مندہ کی روایت میں پانچ کا ذکر ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ چھے آدمی قبیلہ عک کے بھی تھے، لیکن وہ یہاں مراد نہیں، کیوں کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے من قومي کی تصریح بھی تو کی ہے۔ ان کی تعداد میں اور بھی اقوال ہیں (۲)۔

فركبنا سفينة، فألقتنا سفينتنا إلى النجاشي بالحبشة، ووافقنا جعفر بن أبي طالب وأصحابه عنده، فقال جعفر: إن رسول الله ﷺ بعثنا ههنا، وأمرنا بالإقامة، فأقيموا معنا

تو ہم ایک کشتی پر سوار ہوئے، اس کشتی نے ہمیں بادشاہ حبشہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے ہاں پھینک دیا، ان کے ہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) سے ہوئی، چناں چہ حضرت جعفر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور یہیں ٹھہرنے کا حکم بھی دیا ہے، سو تم بھی یہیں اقامت اختیار کرو۔

فأقمنا معه، حتى قدمنا جميعا

سو ہم ان کے ساتھ وہیں مقیم رہے، یہاں تک کہ سب ایک ساتھ (خدمت اقدس میں) آئے۔

ابن اسحاق نے مغازی میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو نجاشی کی

---

(۱) فتح الباري: ۷/۴۸۵، وابن منده.

(۲) فتح الباري: ۷/۴۸۵-۴۸۶، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۴/۶۹.

طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ حضرت جعفراوران کے ساتھیوں کو تیار کر کے روانہ کردیں تو انہوں نے ان کو اوران کے ساتھیوں کو تجہیز واکرام کے ساتھ روانہ کیا، چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ان حضرات کو لے کر خیبر پہنچے(۱)۔

ابن اسحاق نے ان حضرات کی تعداد سولہ بتلائی ہے(۲)۔ یہ اشعریین کے علاوہ ہیں۔

فوافقنا النبي ﷺ حين افتتح خيبر، فأسهم لنا أو قال: فأعطانا منها، وما قسم لأحد غاب عن فتح خيبر منها شيئا، إلا لمن شهد معه، إلا أصحاب سفينتنا مع جعفر وأصحابه، قسم لهم معهم.

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ علیہ السلام خیبر فتح کر چکے تھے، چناں چہ آپ علیہ السلام نے ہمیں بھی غنیمت دی، ہمارے علاوہ جو بھی فتح خیبر سے غائب رہے ان کو آپ علیہ السلام نے اس کی غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں دیا، وہ صرف انہی کو ملی جو آپ کے ساتھ شریک غزوہ تھے اور ہم کشتی والے ساتھیوں کو جعفر رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں کے ساتھ، ان سب کو بھی شرکائے غزوہ کے ساتھ تقسیم غنیمت میں شریک کیا۔

یہ شرکت کس مد سے تھی؟

اس حدیث میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے غنائم میں ہمیں شرکائے غزوہ کے ساتھ شریک فرمایا۔ تاہم سوال یہ ہے کہ یہ شرکت کس بنیاد پر تھی، کیوں کہ غنیمت تو اُن لوگوں کو ملتی ہے، جو شریک وسہیم فی الغزوہ ہوں، جب کہ یہاں انہوں نے خود ہی تصریح کردی کہ وہ شریک نہیں تھے، بلکہ فتح کے بعد حاضر ہوئے تھے؟

اس اشکال کے جوابات پیچھے ہم ذکر کر آئے ہیں اور مغازی میں اس پر بحث آچکی ہے، البتہ اختصاراً ان جوابات کو دوبارہ ہم یہاں ذکر کیے دیتے ہیں:

❶ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ اصل غانمین کی اجازت سے آپ علیہ السلام نے ان حضرات کو غنیمت

---

(۱) سيرة ابن هشام: ۲/۴/۳٦۲، ذكر قدوم جعفر ...... (عدة من حملهم مع عمرو بن أمية).

(۲) حواله بالا، وفتح الباري: ۷/۴۸٦.

میں شریک کیا تھا، چوں کہ مستحقین راضی تھے، اس لیے کوئی بات نہیں۔

❷ مال فیء میں سے دیا تھا، جو بغیر قتال کے حاصل ہوا تھا۔

❸ خمس میں سے ان کو عطا فرمایا تھا، خمس میں امام کو اختیار ہوتا ہے، جہاں مرضی صَرف کرے، اسی طرف بقول علامہ کرمانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ہے (۱)۔

❹ تحقیقی جواب یہ ہے کہ غنیمت میں اصل یہ ہے کہ تقسیم سے قبل کچھ اور افراد جو قتال میں شریک نہیں ہوئے تھے، پہنچ جائیں تو وہ بھی شریک فی القسمۃ ہوتے ہیں، تقسیم کے بعد پہنچیں تو غنیمت کے مستحق نہیں ہوتے، یہاں بھی یہی ہوا ہے کہ یہ حضرات فتح کے بعد تقسیم غنیمت سے قبل پہنچ گئے تھے، اس لیے شریک فی القسمہ ہوئے (۲)۔ حافظ نے بھی مختلف احتمالات ذکر کرنے کے بعد اسی آخری احتمال کو راجح قرار دیا ہے (۳)۔

اس مسئلے میں تفصیل پیچھے باب الغنیمة لمن شهد الوقعة وغیرہ میں آچکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ اس دعوے کی بنیاد پر ہے کہ اشعریین وغیرہ کو جو کچھ عطا کیا گیا تھا، وہ خمس میں سے تھا، اسی پر ابوعبید نے بھی کتاب الاموال میں جزم کیا ہے۔ چناں چہ ترجمہ کے لفظ "من الخمس" کے ساتھ اس کی مناسبت ہوگی (۴)۔

باب کی چھٹی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٦٨ : حدّثنا عَلِيٌّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ : سَمِعَ جابِرًا[٥] رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قالَ : قالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (لَوْ قَدْ جاءَنِي مالُ الْبَحْرَيْنِ لَقَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا) . فَلَمْ يَجِئْ حَتَّى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَلَمَّا جاءَ مالُ الْبَحْرَيْنِ ، أَمَرَ أَبُو بَكْرٍ مُنادِيًا فَنادَى :

---

(١) عمدة القاري: ٦٠/١٥، وشرح الكرماني: ١٠٨/١٣.

(٢) إعلاء السنن: ١٢٢/١٢.

(٣) فتح الباري: ٢٤١/٦-٢٤٢.

(٤) فتح الباري: ٢٤١/٦.

(٥) قوله: "سمع جابرا رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا......

مَنْ كانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ دَيْنٌ أَوْ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا ، فَأَتَيْتُه فَقُلْتُ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قالَ لِي كَذَا وَكَذَا ، فَحَثَا لِي ثَلَاثًا . وَجَعَلَ سُفْيَانُ يَحْثُو بِكَفَّيْهِ جَمِيعًا ، ثُمَّ قالَ لَنَا : هٰكَذَا قالَ ٱبْنُ الْمُنْكَدِرِ .

وَقالَ مَرَّةً : فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ فَسأَلْتُ فَلَمْ يُعْطِنِي ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَلَمْ يُعْطِنِي ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ الثَّالِثَةَ ، فَقُلْتُ : سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، ثُمَّ سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، ثُمَّ سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، فَإِمَّا أَنْ تُعْطِيَنِي ، وَإِمَّا أَنْ تَبْخَلَ عَنِّي ، قالَ : قُلْتَ تَبْخَلُ عَنِّي ؟ ما مَنَعْتُكَ مِنْ مَرَّةٍ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُعْطِيَكَ .

تراجمِ رجال

١- علی

یہ مشہور محدث حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت گزر چکا ہے (١)۔

٢- سفیان

یہ ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً بدء الوحي کی "الحديث الأول" اور تفصیلاً کتاب العلم، "باب قول المحدث......" کے تحت گزر چکے ہیں (٢)۔

٣- محمد بن المنكدر

یہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٣)۔

٤- جابر

یہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما ہیں (٤)۔

---

(١) كشف الباري: ٢٥٦/٣.

(٢) كشف الباري: ٢٣٨/١، و: ١٠٢/٣.

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوءه.......

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين.......

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو قد جاء نا مال البحرين لقد أعطيتُك هكذا وهكذا وهكذا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر ہمارے پاس بحرین کا مال آیا تو ہم تمہیں تین لپ بھر کر دیں گے۔

حدیث میں جس مال کا ذکر ہے وہ جزیہ کا تھا، آگے کتاب الجزیہ کی حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تصریح آرہی ہے(۱) اور یہ مال حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا(۲)۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ غالباً یہ مال خمس یا مال فيء تھا(۳)، لیکن مذکورہ صراحت کی موجودگی میں اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں(۴)۔

فلم يجيء حتى قبض النبي صلى الله عليه وسلم

تاہم وہ مال نہیں آیا، یہاں تک کہ نبی علیہ السلام دنیا سے پردہ فرما گئے

یعنی اس مال موعود کی آمد سے قبل ہی آپ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

فلما جاء مال البحرين أمر أبوبكر مناديا، فنادى: من كان له عند رسول الله صلى الله عليه وسلم دين أو عِدة فليأتنا

جب بحرین سے مال آیا تو خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کریں تو انہوں نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کسی کا قرض یا وعدہ ہو تو وہ ہمارے پاس آئے (کہ ہم اس کو ادا کریں گے یا وعدہ ایفاء کریں گے)۔

اس منادی کا نام بقول حافظ مجھے معلوم نہیں ہو سکا، تاہم غالباً یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے(۵)۔

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة......، رقم (۳۱۵۸).

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۶۱.

(۳) شرح ابن بطال: ۵/۳۰۱.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤٢.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٤٢، وأيضاً عمدة القاري: ١٥/٦١.

فأتيتُه، فقلت: إن رسول الله ﷺ قال لی كذا وكذا، فحثا لي ثلاثا

سو میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین لپ بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ تو انہوں نے مجھے تین حثیہ مال دیا۔

ثلاثا سے مراد ثلاث حثیات ہے، جو حثیہ کی جمع ہے، یہ ضرب ونصر دونوں سے مستعمل ہے، ایک مٹھی کی مقدار کو کہتے ہیں اور ایک لفظ الحفنۃ ہے، اس کے معنی دو مٹھیوں کے مقدار کے ہیں، تاہم ابوعبید نے دونوں کو ہم معنی قرار دیا ہے(۱)، حدیثِ باب میں دو مٹھیوں کی مقدار، یعنی دونوں ہتھیلیاں برابر مال مراد ہے، جیسا کہ حضرت سفیان نے آگے تصریح کردی ہے(۲)۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے تین مرتبہ دونوں ہاتھ بھر کر مال دیا، یہی وعدہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا، أعطيتك هكذا وهكذا وهكذا.

وجعل سفيان يحثو بكفيه جميعا، ثم قال لنا: هكذا قال لنا ابن المنكدر

اور حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ ہمیں دونوں ہتھیلیاں بھر بھر کے دکھانے لگے، پھر فرمایا کہ ابن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں اسی طرح کہا تھا۔

یہ جملہ حضرت ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اس سے محدثین کے کمال ضبط کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح ایک ایک جزیے کو محفوظ وضبط فرمالیا کرتے تھے۔

وقال مرة: فأتيت أبابكر، فسألت، فلم يعطني، ثم أتيته، فلم يعطني، ثم أتيته الثالثة، فقلت: سألتك، فلم تعطني، ثم سألتك، فلم تعطني، ثم سألتك، فلم تعطني! فإما أن تعطيني، وإما أن تبخل عني

اور ایک مرتبہ فرمایا، میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے مال طلب کیا، تاہم انہوں نے نہیں

---

(۱) حوالہ جات بالا.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٤٢.

دیا، پھر آیا، پھر نہیں دیا، تیسری مرتبہ آیا اور کہا کہ میں نے آپ سے طلب کیا، لیکن آپ نے نہیں دیا، پھر طلب کیا، مگر آپ نے نہیں دیا، پھر تیسری بار درخواست کی، تب بھی آپ نے نہیں دیا۔ اب یا تو آپ مجھے عطا کریں یا میرے معاملے میں بخل سے کام لیں۔

یہاں قائل حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

قال : قلتَ تبخل عليَّ، ما منعتك من مرة إلا وأنا اريد أن أعطيك

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (استعجابا) فرمایا تم یہ کہتے ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ بخل کا معاملہ کیا ہے (تو ایسی کوئی بات نہیں)؟ میں نے تو تمہیں جب بھی دینے سے انکار کیا، تو مقصد یہی تھا کہ میں تمہیں ضرور دوں گا۔

یہاں قال کے قائل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور مخاطب حضرت جابر اور قلت جملہ استفہامیہ استعجابیہ ہے، یہاں ہمزہ استفہام حذف ہوگیا ہے، مغازی میں یہی لفظ ہمزہ کے ساتھ أقلت آیا ہے (۲)۔

ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب جابر رضی اللہ عنہ کا تقاضا پورا کرنا ہی تھا تو بار بار خالی ہاتھ واپس کیوں لوٹا رہے تھے؟

اس کے مختلف جوابات ہوسکتے ہیں:

1. حالاً منع کررہے تھے، مآلاً نہیں، یعنی ابھی نہیں دے سکتا، بعد میں آنا۔
2. اس معاملے سے اہم معاملات درپیش تھے۔
3. ان کو دیتا دیکھ کر دوسرے لوگ بھی نہ آجائیں، اس لیے منع فرمایا۔

بہرحال ممانعت کلی نہیں تھی (۳)۔ کما ذکر أبوبکر بنفسه.

---

(۱) حواله بالا.

(۲) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قصة عمان والبحرين، رقم (٤٣٨٣).

(۳) عمدة القاري: ١٥/٦١، وفتح الباري: ٦/٢٤٢.

قال سُفْيانُ : وَحَدَّثَنا عَمْرٌو ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ جابِرٍ : فَحَثا لِي حَثْيَةً وَقالَ : عُدَّها ، فَوَجَدْتُها خَمْسَمِائَةٍ ، قالَ : فَخُذْ مِثْلَها مَرَّتَيْنِ . وَقالَ : يَعْنِي ٱبْنَ الْمُنْكَدِرِ : وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ . [ر : ٢١٧٤]

یہ سند مذکور کے ساتھ متصل ہے اور عمرو سے مراد ابن دینار (۱) اور محمد بن علی (۲) سے مراد حضرت حسین کے پوتے اور حضرت علی کے پڑپوتے ہیں (۳)۔

حضرت جابر فرمارہے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہما نے دونوں ہاتھ بھر کے ایک بار دیا اور فرمایا کہ جو دیا ہے اس کو گنو، تو دیکھا کہ وہ پانچ سو درہم تھے، فرمایا اس کے مثل دو بار اور لے لو۔

اس روایت کو ذکر کرنے کا مقصد اس زیادتی کی طرف اشارہ ہے، جو عمرو عن محمد بن علی کے طریق میں تو پائی جاتی ہے، لیکن محمد بن المنکدر کے طریق نہیں۔

ابن المنکدر کی روایت تعداد کے اعتبار سے مبہم تھی، تاہم اوپر کے طریق سے وہ ابہام دور ہوگیا اور یہ معلوم ہوگیا کہ جابر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہونے والے دراہم پندرہ سو تھے اور ثلاثا کے معنی بھی متعین ہوگئے (۴)۔

وقال –يعني ابن المنكدر–: وأي داء أدوى من البخل؟!

اور فرمایا یعنی ابن المنکدر نے کہ اور کون سا مرض بخل سے زیادہ سنگین ہوسکتا ہے!

لفظ "وقال" کے قائل حضرت سفیان ہیں اور یعنی کے قائل ابن المدینی ہیں (۵)، مطلب یہ ہے کہ حضرت سفیان نے وقال فرمایا، اس کی توضیح ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی کہ سفیان کی مراد وقال سے ابن المنکدر ہیں کہ ابن المنکدر فرماتے تھے کہ بخل سے بڑھ کر اور کون سا مرض سنگین اور خطرناک ہوسکتا ہے؟!

---

(۱) ان کے حالات کشف الباری، کتاب العلم میں آچکے ہیں، دیکھیے: ٣٠٩/٤.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

(۳) فتح الباري: ٢٤٢/٦، وعمدة القاري: ٦١/١٥.

(٤) فتح الباري: ٢٤٢/٦، تاہم ابن عساکر کی ایک روایت میں "أعطاني ألفا وألفا وألفا" آیا ہے، یعنی دراہم کی مقدار تین ہزار تھی۔ تاريخ مدينة دمشق: ٣٢٣/٣٠، حرف العين.

(٥) فتح الباري: ٢٤٢/٦

یہ جملہ کس کا ہے؟

حدیثِ باب کے ظاہر سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ "وأي داء أدوى من البخل" والا جملہ ابن المنکد ر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ چناں چہ علامہ ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الخیر الجاری میں اسی کو اختیار کیا ہے(۱)۔

تاہم یہ صحیح نہیں، بلکہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے، مغازی میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا(۲)۔

اسی طرح مسند حمیدی میں بھی اس کی صراحت آئی ہے، انہوں نے سفیان سے روایت کرتے ہوئے اس حدیث میں فرمایا ہے، "وقال ابن المنكدر في حديثه"(۳). جس سے اس جملے کی نسبت حضرت ابوبکر کی طرف ہونا واضح ہو رہا ہے(۴)۔

لفظ اُدوی کی تحقیق

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین اس لفظ کو غیر مہموز نقل کرتے ہیں، یعنی دوی یدوی دوی سے، جس کے معنی پیٹ کے مرض میں مبتلا ہونے کے ہیں، لیکن درست أدوأ ہمزہ کے ساتھ ہے، کیوں کہ یہ داء سے ہے، نہ کہ دوی سے(۵)۔

تاہم حافظ علیہ الرحمۃ محدثین کے نقل کردہ لفظ میں تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شاید انہوں نے ہمزہ میں تسہیل کا قاعدہ جاری کر دیا ہو(۶)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں علامہ عینی رحمہ اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ترجمہ کے

---

(۱) الخير الجاري ...... لم أطلع على هذا الكتاب!

(۲) صحيح بخاري، كتاب المغازی، باب قصة عمان والبحرين، رقم (٤٣٨٣).

(۳) مسند الحميدي: ٥١٨/٢، أحاديث جابر بن عبدالله......، رقم (١٢٣٣)، وفتح الباري: ٢٤٢/٦.

(٤) فتح الباري: ٢٤٢/٦، وأيضاً انظر لامع الدراري وتعليقاته: ٣١٠/٧.

(٥) حواله جات بالا، وعمدة القاري: ٦١/١٥.

(٦) فتح الباري: ٢٤٢/٦.

جزء"وما كان النبي ﷺ يعد الناس أن يعطيهم من الفيء والأنفال من الخمس" اور حدیث کے جملے "من كان له عند رسول الله ﷺ دين أو عدة" کی آپس میں مناسبت ہے(۱)۔

علامہ احمد الکورانی الحنفی نے ترجمۃ الباب کے جزء "من الفيء" کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ مال جو بحرین سے آیا تھا وہ فیء کا تھا، لہذا مناسبت پائی گئی (۲)۔

اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مال خمس قرار دیا تھا، كما مر قبل. اس اعتبار سے مناسبت لفظ الخمس سے ہوگی (۳)۔

جب کہ حافظ علیہ الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ ظاہراً حدیث کی مناسبت ترجمہ کے ساتھ واضح نہیں ہے، تاہم یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک خمس اور جزیہ کے مصارف چوں کہ ایک ہی ہیں، اس مناسبت سے انہوں نے جزیہ سے متعلق حدیث، خمس کے ترجمہ کے تحت نقل کردی (۴)۔

باب کی ساتویں حدیث بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹٦۹ : حدّثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا قُرَّةُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(۵) قالَ : بَيْنَمَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَقْسِمُ غَنِيمَةً بِٱلْجِعْرَانَةِ ، إِذْ قالَ لَهُ رَجُلٌ : ٱعْدِلْ ، فَقَالَ لَهُ : (لَقَدْ شَقِيتُ إِنْ لَمْ أَعْدِلْ) .

تراجم رجال

۱- مسلم بن ابراهيم

یہ مسلم بن ابراہیم فراہیدی، ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب أحب

---

(۱) عمدة القاري: ۶۱/۱۵.

(۲) الكوثر الجاري: ۱۱۹/٦.

(۳) شرح ابن بطال: ۳۰۱/۵.

(٤) فتح الباري: ۲٤۲/٦.

(۵) قوله: "عن جابر......": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، رقم (۲٤٤۹-۲٤۵۰)، وابن ماجه، كتاب السنة، باب في ذكر الخوارج، رقم (۱۷۲).

الدين إلى الله أدومه" کے تحت گزر چکا(١)۔

٢- قرة بن خالد

یہ ابومحمد قرة بن خالد سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٢)۔

٣- عمرو بن دينار

یہ مشہور تابعی حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب كتابة العلم" کے تحت بیان کیا جاچکا(٣)۔

٤- جابر بن عبدالله رضي الله عنهما

یہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما ہیں (٤)۔

قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم غنيمة بالجعرانة

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دوران کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں غنیمت تقسیم فرمارہے تھے۔

یہ واقعہ کب کا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کے غزوہ سے فارغ ہوئے تو مقام جعرانہ تشریف لائے، یہاں آکر آپ نے غنائم حنین کو تقسیم فرمایا، یہ۵ ذوالقعدہ ۸ ہجری کا واقعہ ہے(٥)۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی چادر سے چاندی نکال نکال کر لوگوں کو تقسیم کررہے تھے اور مٹھی بھر بھر کے دے رہے تھے(٦)۔

---

(١) كشف الباري: ٢/٤٥٥.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر في الفقه......

(٣) كشف الباري: ٤/٣٠٩.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

(٥) فتح الباري: ٨/٢٨، و: ١٢/٢٩١، وكشف الباري، كتاب المغازي: ٥٥٣.

(٦) صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، رقم (٢٤٤٩).

إذ قال له رجل: اعدل

تو ایک آدمی نے آپ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا کہ عدل کرو۔

یہ آدمی کون تھا؟

یہاں رجل مبہم ہے، اسی طرح مسلم شریف کی روایت میں بھی "رجل" مبہم ہے(۱)۔

تاہم شراح نے دیگر روایات کو سامنے رکھ کر اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں دو واقعات ہیں، ایک تو حدیثِ باب کا واقعہ، جس میں چاندی کی تقسیم کا ذکر ہے، دوسرا واقعہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرنے کے بعد کا ہے، جو ۹ ہجری کو پیش آیا، اس میں سونا تقسیم کیا گیا تھا، وہ بھی صرف چار افراد کے درمیان۔

اب یہ دو قصے ہوئے، دونوں میں ایک شخص نے نبی علیہ السلام کی تقسیم پر اعتراض کیا، تاہم ابوسعید خدری کی روایت میں معترض کے نام کی صراحت کی گئی ہے کہ وہ ذوالخویصرہ تمیمی تھا(۲) اور حضرت جابر کی روایت میں معترض کے نام کی تصریح نہیں کی گئی۔

اس ابہام کو رفع کرنے کے لیے بعض حضرات نے تو یہ کہہ دیا کہ حدیثِ باب میں بھی رجل مبہم سے مراد ذوالخویصرہ تمیمی ہے، لیکن بنیاد یہ قائم کی کہ دونوں روایات میں ایک ہی قصہ ہے، لیکن اس کو حافظ نے وہم قرار دیا ہے۔

پھر حافظ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جابر کی حدیث کا ایک شاہد بھی مل گیا، اس میں بھی رجل مبہم ہے،

---

(۱) حواله بالا، وسنن سعيد بن منصور: ۲/۳۲۲، كتاب الجهاد، باب جامع الشهادة، رقم (۲۹۰۲).

(۲) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (۳۶۱۰)، وكتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل: ويلك، رقم (۶۱۶۳)، وكتاب استتابة المرتدين، باب من ترك قتال الخوارج للتألف......، رقم (۶۹۳۳). حضرت ابوسعید کی یہ روایت بخاری میں کئی مقامات پر آئی ہے، لیکن ہم نے صرف ان مقامات کی تخریج کی ہے، جن میں ذوالخویصرہ کے نام کی تصریح آئی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي، باب بعث النبي ......: ۵۷۱-۵۷۴، وكتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل: ويلك: ۵۸۱-۵۸۲.

چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس غزوہ حنین کے موقع پر ایک آدمی آیا، جب کہ آپ علیہ السلام کچھ تقسیم فرمار ہے تھے، تو اس آدمی نے کہا، "یا محمد، اعدل".

تاہم حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس حدیث کے ابہام کو محمد بن اسحاق نے سند حسن کے ساتھ رفع کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ذوالخویصرہ تھا(۱)، اس روایت کی تخریج امام احمد وطبری نے بھی کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"أتى ذوالخويصرة التميميُّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، وهو يقسم الغنائم بحنين، فقال: يا محمد......"(۲).

چناں چہ ان روایات کے ذریعے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے رجل مبہم کی تعیین ہوگئی ہے، کہ وہ ذوالخویصرہ تھا، دونوں واقعات میں تطبیق کے لیے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ معترض ہر دو جگہ یہی شخص تھا، حنین کی جب غنیمتیں تقسیم ہو رہی تھیں اس وقت بھی ذوالخویصرہ نے اعتراض کیا اور حضرت علی کے بھیجے ہوئے سونے (ذہب) کی تقسیم کے وقت بھی اسی نے اعتراض کیا(۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیثِ باب میں رجل مبہم کو ذوالخویصرہ کہا ہے اور اسی کو ترجیح بھی دی ہے(۴)۔

علامہ ذہبی وغیرہ نے ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر نقل کیا ہے(۵)۔

قال: لقد شقيتُ إن لم أعدل

نبی علیہ السلام نے فرمایا میں شقی ہو جاؤں گا اگر عدل نہ کروں۔

---

(۱) سيرة ابن هشام: ٤٩٦/٤، أمر أموال هوازن ......، اعتراض ذي الخويصرة التميمي.

(۲) مسند أحمد: ٢١٩/٢، مسند عبدالله بن عمرو......، رقم (٧٠٣٨)، وتاريخ الأمم والملوك للطبري: ١٧٦/٢، سنة ٨هـ.

(۳) فتح الباري: ٢٩١/١٢، وفتح الملهم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج ......: ١٤٨/٥، رقم (٢٤٢٤).

(٤) عمدة القاري: ٦٢/١٥، ورجّحه ابن الجوزي أيضاً في كشف المشكل: ٧١١/١، وقال: "هذا الرجل يقال له: ذوالخويصرة، كذلك ذكره أبوسعيد الخدري في مسنده".

(٥) عمدة القاري: ٦٢/١٥، ومثله عند الحافظ في الفتح: ٢٩٢/١٢، كتاب استتابة المرتدين، رقم (٦٩٣٣).

شقیت کے معنی

لفظ شقیت میں دو احتمال ہیں، متکلم کا صیغہ ہو یا مخاطب کا۔ تاہم اکثر حضرات نے تائے مضمومہ کے ساتھ، متکلم کا صیغہ نقل کیا ہے، اس کے معنی واضح ہیں کہ اگر عدل سے کام نہ لوں تو میں شقی ہو جاؤں گا۔

یہاں یہ واضح رہے کہ شرط کے ساتھ یہ لازم نہیں کہ وہ واقع بھی ہو، کیونکہ نبی علیہ السلام ان میں سے ہرگز ہرگز نہیں، جو عدل نہ کریں کہ ان کو شقاوت لازم ہو، بلکہ آپ تو عادل ہیں، اس لیے شقی نہیں ہو سکتے (۱)۔

دوسری طرف قاضی عیاض تاء کو مفتوح یعنی خطاب کا صیغہ کہتے ہیں، اسی کو علامہ نووی اور ابن الجوزی ترجیح دیتے ہیں، نیز اسماعیلی نے اپنی ایک روایت، جو وہ اپنے شیخ المنیعی سے نقل کرتے ہیں، میں عثمان بن عمر عن قرۃ (رحمہم اللہ) کے طریق سے مفتوح ہی نقل کیا ہے (۲)۔

اس صورت ثانیہ میں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ تم تو گمراہ ہو گئے کہ ایسے شخص کی اقتدا (اپنے زعم میں) کر رہے ہو جو عادل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ ظالم کا مقتدی ومتبع بھی ظالم ہی ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ تم تو گمراہ و بدبخت ہو گئے کہ اپنے نبی کے بارے میں تم اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہو، جو کوئی مسلمان نہیں رکھ سکتا۔ تم تو اسلام سے نکل گئے، ظاہر ہے کہ جو اس سے نکل گیا وہ شقی و بدبخت ہی ہوا (۳)۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ بظاہر کوئی مطابقت نہیں ہے، تاہم یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فيء، انفال، غنائم، اوراخماس میں نبی علیہ السلام کو تصرف کا حق حاصل تھا اور حدیث میں تقسیم غنائم کا ذکر ہے، جب کہ ترجمۃ الباب میں اس پر دلالت موجود ہے، اس طرح مطابقت کچھ کچھ تو ہو جائے گی، لیکن یہ تکلف

---

(۱) فتح الباري: ۲۴۳/۶، وعمدة القاري: ۶۲/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۱۸/۵، وكشف المشكل من حديث الصحيحين: ۷۱۱/۱.

(۲) حواله جات بالا، وانظر أخبار مكة للفاكهي: ۶۳/۵، رقم (۲۸۴۳)، ذكر مسجد الجعرانة وما جاء فيه.

(۳) حواله جات بالا، غير أخبار مكة......، والكوثر الجاري: ۱۱۹/۶.

وتعسف سے خالی نہیں۔ هذا ماقاله العيني (١).

علامہ کورانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ کے ساتھ حدیث کی مطابقت اس آدمی کے قول "اعدل" میں ہے، کیوں کہ جب ذوالخویصرہ نے دیکھا کہ آپ مولفۃ القلوب کو بہت زیادہ مال دے رہے ہیں تو اس کو اعتراض ہوا اور مؤلفۃ القلوب کو دیا جانے والا مال خمس سے تھا (٢)۔ ترجمہ میں تو خمس کا ذکر صراحۃً موجود ہے، تو مطابقت پائی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

١٦ - باب: ما مَنَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْأُسَارَى مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمِّسَ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی وہی بات دہرا رہے ہیں کہ امام وقت کو غنیمت میں کلی اختیار حاصل ہے، وہ غنیمت میں ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے، اگر تخمیس سے پہلے دے تو بھی ٹھیک ہے اور تخمیس کے بعد دے تو بھی درست ہے (٣)۔ کیفما رأت مصلحته.

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام قیدیوں پر کبھی تو اصل غنیمت کے ذریعے احسان کرتے تھے اور کبھی خمس کے ساتھ، جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ علیہ السلام کو اصل غنیمت میں بھی اختیار کلی حاصل تھا، ترجمۃ الباب میں "من غير أن يخمس" سے مراد اصل غنیمت ہے اور تخمیس کا بغیر احسان کرنے کے معنی ہیں بلا فدیہ لیے چھوڑ دینا (٤)، کیوں کہ اس وقت تک خمس کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، خمس کا حکم بدر کے بعد آیا ہے، حسب القول المشهور.

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٦١.

(٢) الكوثر الجاري: ٦/١١٩، ومثله قال السهارنفوري رحمه الله في "الأبواب والتراجم": فيقول: "والأوجه عند هذا العبد الضعيف أن النبي صلى الله عليه وسلم لما أعطى بعضهم أزيد من بعض، حمله المعترض على خلاف العدل، كما عند مسلم (رقم ٢٤٤٩)؛ فإنه أخرج الحديث أتم مما في البخاري، وكان تصرفه صلى الله عليه وسلم ذلك من الخمس، فطابق الحديث الترجمة". الأبواب والتراجم: ١/٢٠٧.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٦٢، وفتح الباري: ٦/٢٤٣.

(٤) حواله جات بالا.

جب کہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی السلام کے لیے یہ بات بالکل درست نہیں کہ کسی ایسے امر یا ایسی چیز کی بابت کچھ بتلائیں جو اگر حقیقۃً واقع ہو جائے تو جائز نہ ہو، یعنی جائز فعل کے بارے میں ہی آپ بتلائیں گے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ نبی علیہ السلام کی بیان کردہ کوئی چیز وقوع سے پہلے تو جائز ہو اور وقوع کے بعد ناجائز، اس سے ثابت ہوا کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ قیدیوں کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دے(۱)۔ یہ فعل اگر جائز نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام ہرگز مطعم بن عدی کی حیات کی تمنا نہ کرتے، جائز تھا اسی لیے تو تمنا کی کہ اگر وہ سفارش کرتا تو میں ان کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیتا۔

غانمین غنیمت کے مالک کب ہوتے ہیں؟

اسی حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ غانمین غنیمت کے مالک اس وقت ہوتے ہیں جب مال تقسیم کے بعد ان کے ہاتھ میں آجائے۔ یہی مالکیہ اور حنفیہ کا مذہب ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ نفس غنیمت کے حصول سے ہی وہ مالک بن جاتے ہیں (۲)۔

۲۹۷۰ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ(۳): أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قالَ فِي أُسَارَى بَدْرٍ : (لَوْ كانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ، ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى ، لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ) . [۳۷۹۹]

تراجم رجال

۱- إسحاق بن منصور

یہ ابو یعقوب اسحاق بن منصور کوسج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- عبدالرزاق

یہ صاحب مصنَّف، امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں کے حالات کتاب

---

(۱) شرح ابن بطال: ۵/۳۰۴، وفتح الباري: ۶/۲۴۳.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۴۳، وعمدة القاري: ۱۵/۶۲-۶۳.

(۳) قوله: "عن أبيه رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب (بلا ترجمة) بعد باب شهود ......، رقم (۴۰۲۴)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب في المن على الأسير بغير فداء، رقم (۲۶۸۹).

الإيمان، "باب حسن إسلام المرء......" کے تحت گزر چکے(۱)۔

۳- معمر

یہ معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحدیث الخامس" کے تحت آچکا ہے(۲)۔

٤- الزهري

یہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات اجمالاً "بدء الوحي" کے تحت بیان کیے جاچکے(۳)۔

٥- محمد بن جبير

یہ محمد بن جبیر بن مطعم بن عدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٦- أبيه

یہ مشہور صحابی حضرت جبیر بن مطعم قرشی رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

أن النبي ﷺ قال في أسارى بدر: لو كان المطعم بن عدي حيا، ثم كلمني في هؤلاء النتنى لتركتهم له

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق یہ فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر میرے سامنے ان بدبودار لوگوں کی سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/٤۲۰-٤۲۱.

(۲) كشف الباري: ۱/٤٦٥.

(۳) كشف الباري: ۱/۳۲٦، الحديث الثالث.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب الجهر في المغرب.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً.

مطعم بن عدی کی تخصیص کی وجہ

یہ صاحب مکہ کے روساء میں سے تھے اور حالتِ شرک میں ہی ان کا انتقال ہوا تھا، لیکن ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو احسانات تھے، ایک تو یہ کہ نبی علیہ السلام جب طائف دعوت کے لیے گئے اور واپس آئے تو اس وقت مطعم ہی نے آپ کو پناہ دی تھی۔

دوسرا احسان یہ تھا کہ مشرکینِ مکہ نے جب بنو ہاشم و بنو مطلب کا مقاطعہ کیا تھا تو اس مقاطعے کو ختم کروانے میں ان کا بڑا کردار تھا(۱)۔

انہی احسانات کو سامنے رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔

النتنی یہ جمع ہے، اس کا مفرد نَتِنٌ ونَتِیْنٌ ہے، جیسا کہ زَمِنٌ کی جمع زَمْنیٰ اور جَرِیْحٌ کی جمع جَرْحیٰ ہے، یہ بدبودار کے معنی میں ہے اور اسارائے بدر مراد ہیں(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ نبی علیہ السلام اس خواہش کا اظہار کر رہے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو میں ایسا کرتا، ظاہر ہے کہ وہ مذکورہ خواہش اگر جائز نہ ہوتی تو اس کا اظہار کیوں کیا جاتا؟ معلوم ہوا کہ امام غنائم میں تصرف کلی رکھتا ہے، خمس نکالے بغیر بھی غنیمت میں تصرف کر سکتا ہے(۳)۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆......☆☆

---
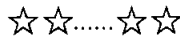
(۱) عمدة القاري: ۱۵/۶۲، وكشف الباري، كتاب المغازي: ۱۷۲.

(۲) العمدة: ۱۵/۶۲، والفتح الباري: ۶/۲۴۴، وأعلام الحديث للخطابي: ۲/۱۴۵۵، والكوثر الجاري: ۶/۱۲۰.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۶۲، وشرح ابن بطال: ۵/۳۰۴.

قال الكوراني رحمه الله (الكوثر الجاري: ۶/۱۲۰): "فإن قلت: ليس في الباب دلالة على أنه منَّ على أحد من غير أن يخمس؟

قلت: قوله: "لو كان مطعم حيا، وكلمني فيهم لتركتهم له" كاف في الدلالة".

١٧ – باب : وَمِنَ ٱلدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الخُمُسَ لِلإِمامِ ، وَأَنَّهُ يُعْطِي بَعْضَ قَرَابَتِهِ دُونَ بَعْضٍ : ما قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ لِبَنِي المُطَّلِبِ وَبَنِي هَاشِمٍ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہ ایک اور باب ہے، سابق میں اس طرح کے کئی ابواب گزر چکے ہیں، یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں کہ امام وحاکم خمس کے معاملے میں تصرف کلی رکھتے ہیں، جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، اپنے بعض رشتے داروں کو دیں اور بعض کو محروم رکھیں (۱)۔

پیچھے باب "ومن الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله، صلى الله عليه وسلم......" میں مذاہب کی تفصیل گزر چکی ہے، اس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ احناف کے نزدیک ذوی القربی کا حق اب ساقط ہوگیا ہے۔ جب کہ امام مالک ان کو مصرف خمس تو مانتے ہیں، تاہم مستحق خمس نہیں۔ وہیں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ امام بخاری ان مسائل میں امام مالک کے ہم نوا ہیں، زیر نظر باب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، چناں چہ مصنف کی رائے کے مطابق ذوی القربیٰ مستحق نہیں ہیں، صرف مصرف ہیں، دیگر مصارف خمس کی طرح، امام کو اختیار ہے جہاں چاہے خرچ کرے، ذوی القربی کو دے یا نہ دے، گویا یہ باب ذوی القربی سے متعلق ہے۔ مزید تفصیل کے لیے محولہ باب دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

یہ تو امام بخاری کا دعویٰ ہے اور دلیل میں انہوں نے ایک تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول نقل کیا ہے، دوسری حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

ترجمۃ الباب کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے، چنانچہ "ومن الدليل ...... دون بعض" تک خبر مقدم ہے اور "ما قسم النبي إلى آخره" مبتدائے موخر ہے (۲)۔

بنی المطلب سے مراد المطلب بن عبد مناف ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے چچا ہیں، یہ چار بھائی تھے، مطلب، ہاشم، نوفل اور عبد شمس، ان سب کے والد عبد مناف ہیں (۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۶۳، والكوثر الجاري: ٦/١٢١، والأبواب والتراجم: ١/٢٠٧.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٦٣.

(۳) حواله بالا، وسيرة ابن هشام: ١/١٠٦، أولاد عبد مناف وأمهاتهم، مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ : لَمْ يَعُمَّهُمْ بِذٰلِكَ ، وَلَمْ يَخُصَّ قَرِيبًا دُونَ مَنْ هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي أَعْطَى لِمَا يَشْكُو إِلَيْهِ مِنَ الحَاجَةِ ، وَلِمَا مَسَّهُمْ فِي جَنْبِهِ ، مِنْ قَوْمِهِمْ وَحُلَفَائِهِمْ .

تعلیق مذکور کی لغوی ونحوی تحلیل

اس تعلیق کو سمجھنے سے قبل اس کی لغوی ونحوی تحلیل دیکھ لیجیے۔

لم یعم میں ضمیر فاعل نبی علیہ السلام اور ضمیر مفعول "ھم" قریش کی طرف لوٹ رہی ہے، جو آپ علیہ السلام کے اقارب ہیں۔

بذلك سے مراد بما قسمه یعنی تقسیم غنیمت ہے، یا إعطاء الخمس ہے، ثانی الذکر راجح ہے، کیوں کہ بحث خمس کی چل رہی ہے۔

دون من أحوج إليه میں موصول کا عائد یعنی "ھو" محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہونی چاہیے تھی: "دون من هو أحوج إليه" ابن مالک کہتے ہیں کہ ایسا بہت قلیل ہوتا ہے کہ موصول کا عائد محذوف ہو، چنانچہ آیت قرآنی ﴿تماما على الذي أحسن﴾(۱) میں ایک قرات یحیٰ بن یعمر کی ہے، وہ اَحْسَنُ کو بضم النون روایت کرتے ہیں، اس کو ضعیف اسی بنیاد پر قرار دیا گیا ہے کہ اس میں حذف العائد پایا جاتا ہے، یعنی اصل عبارت یہ ہے: "تماما على الذي هو أحسن".

مزید فرماتے ہیں کہ اگر کلام طویل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی دلیل آیت قرآنی: ﴿وهو الذى في السماء إله وفي الأرض إله﴾(۲) ہے، اس میں بھی حذف عائد پایا جاتا ہے کہ اصل عبارت یہ ہونی چاہیے: "وفي الأرض هو إله" تاہم یہ مضر نہیں کہ کلام طویل ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں "دون من هو أحوج إليه" مذکور ہے، اس صورت میں اس سارے تکلف کی ضرورت نہیں۔

اور "أحوج" أحوجه إليه غيره سے ہے، احتاج یعنی محتاج ہونے کے معنی میں ہے۔

أعطى کو اکثر حضرات نے معروف قرار دیا ہے، اس صورت میں ضمیر نبی علیہ السلام کی طرف راجع

---

(۱) الأنعام: ١٥٤.

(۲) الزخرف: ٨٤.

ہوگی۔ جب کہ علامہ عینی اسے مجہول قرار دیتے ہیں اور اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں: "وإن كان الذي أُعْطِيَ أبعد قرابة ممن لم يعطَ" یہاں خبر کان محذوف ہے، یعنی ممن لم یعط.

"لِمَا يشكو......" جملہ تعلیل ہے، کہ دور کے رشتے دار کو دینے کی علت بیان ہو رہی ہے۔

"ولِمَا مستهم" یہ پہلے والے لما پر عطف ہے اور دونوں جگہ لما لام مکسورہ کے ساتھ ہے، یہ لما، میم مشددہ کے ساتھ نہیں ہے۔

"جنبہ" یہ جانب کے معنی میں ہے، یعنی طرف اور جہت۔

"حُلفاء هم" حاءِ مہملہ کے ساتھ حلیف کی جمع ہے۔ اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش مکہ اور ان کے حلیفوں کی طرف سے جو اذیتیں وغیرہ دی گئی تھیں ان کی طرف اشارہ ہے (۱)۔

تعلیق مذکور کا مطلب

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اس تعلیق کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربی (قریش) میں سے سب کو نہیں دیا، نہ ہی یہ کیا کہ جو زیادہ محتاج ہے اس کی احتیاج کو نظر انداز کر کے قریب کو دیا، بلکہ اس کے برعکس کیا کہ ایک قریب ہے، زیادہ محتاج نہیں، دوسرا بعید ہے، لیکن زیادہ محتاج ہے تو جو زیادہ محتاج ہے اور قریب وہ نہیں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اور قریب غیر محتاج کو نہیں دیا۔

اور اس دینے میں دو چیزوں کی رعایت رکھی، جن کا بیان "لما يشكو...... إلى آخره" میں ہے، ایک احتیاج وضرورت، دوسری چیز حمایت ونصرت کہ ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں پر غموں کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، اس وقت یہ لوگ ظلم وستم کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت واعانت کرتے رہے (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد اوپر کی تقریر سے واضح ہو چکا ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ مال خمس کو جہاں مرضی صَرف کرے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے، یہی امام مالک کا مذہب ہے، جس کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۶۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۴/۶، وإرشاد الساري: ۲۱۹/۵، وشرح ابن بطال: ۳۰۶/۵.

(۲) عمدة القاري: ۶۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۴/۶، وشرح القسطلاني: ۲۱۹/۵.

تعلیق کی ترجمہ سے مناسبت

اس تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اب بالکل واضح ہوگئی ہے، امام بخاری نے تصرف کلی کا جو دعویٰ کیا تھا، اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ارشاد واضح طور پر دلالت کر رہا ہے۔

اس تعلیق سے ضمناً احناف کا مذہب بھی ثابت ہو رہا ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ ذوی القربیٰ سہم کے مستحق احتیاج و نصرت کی بنا پر ہوں گے، انہی دونوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے "لما يشكو...... إلى آخره" میں بیان کیا ہے۔ تفصیل سابق میں گزر چکی ہے(۱)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو ابوزید عمر بن شبہ نے اپنی کتاب اخبار المدینہ میں موصولاً و مطولاً نقل کیا ہے، اس میں یہ ایک خط کی شکل میں ہے، جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قریشی کو لکھا تھا، اس کے ابتدائی جملے یہ تھے:

"أما بعد! فإن الله تبارك وتعالىٰ أنزل القرآن على محمد، هدى وبصائر لقوم يؤمنون......"(۲).

۲۹۷۱ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنِ ٱبْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ(۳) قالَ : مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ وَتَرَكْتَنَا ، وَنَحْنُ وَهُمْ مِنْكَ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ ؟ فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُو هَاشِمٍ شَيْءٌ وَاحِدٌ) .

---

(۱) دیکھیے، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله صلى الله عليه وسلم ......، باب رقم (٦).

(۲) تغليق التعليق: ٤٧٨/٣، وكتاب أخبار المدينة: ١٣٢/١، خصومة علي والعباس إلى عمر –رضي الله عنهم–، رقم (٥٧٧).

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ٦٢٣/١.

(۳) قوله: "عن جبير......" الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المناقب، باب مناقب قريش، رقم (٣٥٠٢)، وكتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٢٩)، وأبوداود، كتاب الخراج والإمارة......، باب بيان مواضع قسم الخمس، ...... رقم (٢٩٧٨-٢٩٨٠)، والنسائي، كتاب قسم الفيء، رقم (٤١٤١-٤١٤٢)، وابن ماجه، كتاب الجهاد، باب قسمة الخمس، رقم (٢٨٨١).

تراجم رجال

۱– عبداللّٰہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات اجمالاً بدء الوحي کی "الحدیث الثاني" کے تحت گزر چکے(۱)۔

۲– اللیث، ۳–عقیل، ٤–ابن شهاب

ان تینوں حضرات کے حالات "بدء الوحي" کی "الحدیث الثالث" کے تحت آچکے(۲)۔

۵– ابن المسیب

یہ مشہور تابعی محدث حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من قال: إن الإیمان هو العمل" کے ضمن میں گزر چکا ہے(۳)۔

٦– جبیر بن مطعم

یہ حضرت جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہ ہیں(۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے بنوالمطلب کو تو نوازا، لیکن ہمیں محروم رکھا، جب کہ ہم اور وہ ایک منزلت کے حامل ہیں؟ جواباً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو المطلب اور بنو ہاشم تو ایک ہی چیز ہیں۔

---

(۱) کشف الباري: ۱/۲۸۹.

(۲) کشف الباري: ۱/۳۲٤-۳۲٦.

(۳) کشف الباري: ۲/۱۵۹.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب من أفاض علی رأسه ثلاثاً.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت پیچھے جو تفصیل گزری، اس کی روشنی میں بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

تنبیہ

اس حدیث کی شرح پیچھے کتاب الخمس ہی میں "باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله......" اور کتاب المغازی (۱) میں گزر چکی ہے، تاہم یہاں ہم بعض فوائد کو ذکر کریں گے۔

شيء واحد میں نسخوں اور روایات کا اختلاف

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ہم سے حسن بن صالح نے روایت کی ہے اور انہوں نے ابن المنذر سے، اس میں "سِيء واحد" آیا ہے، یعنی سین مہملہ کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ، جس کے معنی مثل کے ہیں (۲)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ میرے پاس بخاری کا جو اصل نسخہ ہے، اس میں کشمیہنی کی روایت میں حدیثِ باب، مغازی میں مستملی کی روایت اور مناقب قریش میں مستملی اور حموی کی روایت میں سي -بكسر السين المهملة وتشديد التحيانية- ہی ہے، ابن معین رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرح سین مہملہ کے ساتھ روایت کرتے تھے اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کو اجود کہا ہے (۳)۔

تاہم اکثر حضرات نے اس لفظ کو شین معجمہ کے ساتھ نقل کیا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں تو ہم تک یہی روایت بغیر کسی اختلاف کے پہنچی ہے، لیکن بخاری کے علاوہ میں سی والی روایت ہے اور اکثر کی نقل کردہ روایت ہی درست اور صواب ہے، اس کی واضح دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں،

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي: ٤٤٤.

(۲) تلخيص الحبير، كتاب قسم الفيء والغنيمة: ۳/۱۰۱، رقم (۱۳۸۷)، وكشف المشكل: ٤/٤٧، من مسند جبير بن مطعم، رقم (٢٨٥٦).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٤٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٤.

"وشبك بين أصابعه"(۱) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیک بین الأصابع کی ہے، کہ جس طرح یہ انگلیاں آپس میں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح بنو ہاشم اور بنوالمطلب بھی آپس میں ایک ہیں۔ چوں کہ یہاں مقصود مساوات کا بیان کرنا ہے، مماثلت کا نہیں اور نبی علیہ السلام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اور بنوالمطلب ایک ہی ہیں اور مساوی ہیں (۲)۔

واحد یا أحد

پھر یہ سمجھئے کہ اکثر روایات میں واحد ہے، مگر ابوزید مروزی کی روایت میں شيء أحد آیا ہے، تو بعض نے کہا کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں (۳)۔

قَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يُونُسُ ، وَزَادَ : قَالَ جُبَيْرٌ : وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ ﷺ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ وَلَا لِبَنِي نَوْفَلٍ . وَقَالَ ٱبْنُ إِسْحٰقَ : عَبْدُ شَمْسٍ وَهَاشِمٌ وَالْمُطَّلِبُ إِخْوَةٌ لِأُمٍّ . وَأُمُّهُمْ عاتِكَةُ بِنْتُ مُرَّةَ . وَكانَ نَوْفَلٌ أَخاهُمْ لِأَبِيهِمْ . [۳۳۱۱ ، ۳۹۸۹]

لیث بن سعد کہتے ہیں کہ یہی حدیث مجھے یونس بن یزید ایلی نے بھی روایت کی ہے، انہوں نے اپنی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے بنو عبدشمس اور بنونوفل کو خمس میں سے نہیں دیا تھا......۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً و مسنداً کتاب المغازی (۴) میں ذکر کیا ہے، یحیٰی بن بکیر کے طریق سے (۵)۔

تاہم حافظ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن یوسف عن اللیث کے طریق سے بھی یہ روایت میرے پاس ہے،

---

(۱) یہ الفاظ ابوداوٗد کی روایت کے ہیں، دیکھیے، كتاب الخراج ......، باب بيان مواضع قسم الخمس، رقم (۲۹۸۰)

(۲) فتح الباري: ٦/٢٤٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٤.

(۳) حواله جات بالا.

(٤) كتاب المغازي، باب غروة خيبر، رقم (٤٢٢٩).

(٥) فتح الباري: ٦/٢٤٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٤، وإرشاد الساري: ٥/٣١٩.

اس طرح یہ روایت موصول ہوگی، معلق نہیں (۱)، لیکن معلق ہونا زیادہ راجح ہے، کیوں کہ حافظ نے خود بھی اس روایت کو اپنی کتاب تغلیق التعلیق میں تعلیقات میں شمار کیا ہے (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس کا مقصد واضح ہے، جو لفظ ''وزاد'' میں موجود ہے، کہ لیث نے یونس بن یزید (۳) سے بھی یہ روایت لی ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم (ان کا تعلق بنونوفل سے تھا) وحضرت عثمان بن عفان (ان کا تعلق بنوعبد شمس سے تھا) رضی اللہ عنہما دونوں کی گزارش کے باوجود انہیں کچھ بھی نہیں دیا، جیسا کہ مغازی کی روایت میں ''شیئاً'' کے الفاظ بھی ہیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت

یہاں مناسبت واضح ہے کہ ان دونوں حضرات کی گزارش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خمس میں سے کچھ بھی نہیں دیا، جو یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان امور میں اصل تصرف امام ہے، وہ جس طرح اور جہاں چاہے صَرف کرے، اس پر کوئی قدغن نہیں۔ واللہ اعلم

وقال ابن اسحاق: عبد شمس وهاشم والمطلب إخوة لأم، وأمهم عاتكة بنت مرة، وكان نوفل أخاهم لأبيهم

اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبد شمس، ہاشم اور مطلب ماں شریک بھائی تھے، ان کی والدہ عاتکہ بنت مرہ ہیں۔ اور نوفل ان سب کے باپ شریک بھائی تھے، یعنی ان کی ماں دوسری تھی۔

عبد مناف کی دو بیویوں سے چار نرینہ اولاد تھیں، جن میں سے تین کی ماں تو عاتکہ بنت مرۃ بن ہلال تھیں، ان کا تعلق بنوسلیم سے تھا۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٤٥.

(۲) تغليق التعليق: ٣/٤٧٩.

(۳) یونس بن یزید ایلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اجمالاً بدء الوحي: (١/٤٦٣) اور مفصلاً کتاب العلم، "باب من يرد الله به خيرا......" (٣/٢٨٢) کے تحت گزر چکے ہیں۔

جب کہ نوفل کی والدہ واقدہ بنت عمرو ہیں (۱)۔ ان کا تعلق بنو مازن سے تھا (۲)۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ہاشم اور عبد شمس دونوں جڑواں تھے، ولادت کے وقت ہاشم پہلے پیدا ہوئے، لیکن ان کی ایک ٹانگ عبد شمس کے سر کے ساتھ جڑی رہی، الگ کرنے کی کوشش میں دونوں اعضاء (پاؤں اور سر) سے خون بہہ پڑا، اسی وقت لوگوں نے یہ بدشگونی لی کہ ان دونوں کی اولاد میں جنگیں ہوں گی، آگے جا کر ہوا بھی یہی، چنانچہ ایک سو تینتیس/۱۳۳ ہجری میں بنو العباس اور بنو امیہ بن عبد شمس کے درمیان کئی معرکے ہوئے (۳)۔

علاوہ ازیں زبیر بن بکار نے ''نسب'' میں لکھا ہے کہ لوگ ہاشم و مطلب کو ان کی خوب صورتی و جمال کی وجہ سے بدران اور عبد شمس و نوفل کو ابہران کہتے تھے۔ اس میں اس بات کی دلالت ہے کہ ان دونوں میں ایک خاص قسم کا تعلق و محبت تھی، جو بعد میں ان کی اولاد میں بھی جاری وساری رہی، اسی لیے جب قبائل قریش نے متفق ہو کر بنو ہاشم کا مقاطعہ کیا اور شعب ابی طالب میں انہیں پناہ لینی پڑی تو اس وقت بنو المطلب بھی بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں داخل ہوئے، جب کہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل قریش کے ساتھ ان کا مقاطعہ کرنے والوں میں شامل رہے اور گھاٹی میں داخل نہیں ہوئے (۴)۔

اس گھاٹی میں دونوں قبائل کے جو لوگ داخل ہوئے، ان میں دونوں قسم کے لوگ تھے، مسلمان اور مشرک۔ مسلمان تو اس لیے داخل ہوئے کہ ان کا جینا مرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو اللہ و رسول کی اطاعت میں یہ حضرات وہاں محصور رہے۔ اور کفار قبائلی حمیت و غیرت اور ابو طالب کی اطاعت میں وہاں محصور رہے۔

اسی پر ابو طالب نے ایک مشہور قصیدہ کہا ہے، جو ''لامیہ'' سے معروف ہے، اس میں انہوں نے بنو نوفل و بنو عبد شمس کی مذمت بیان کی ہے، یہ قصیدہ ایک سو دس ابیات پر مشتمل ہے، جن میں سے صرف چار ابیات ذیل

---

(۱) سيرة ابن هشام: ۱/۱۰٦، أولاد عبد مناف وأمهاتهم.

(۲) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٤٥، وعمدة القاري: ١٥/٦٤.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٦٤، وتاريخ ابن جرير: ١/٥٠٤، ذكر نسب رسول الله ﷺ، ابن هاشم.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤٥، والكامل في التاريخ: ١/٥٥٤، نسب رسول الله ﷺ وذكر أخبار آبائه......

میں ہم درج کرتے ہیں:

جزى الله عنا عبد شمس ونوفلا عقوبة شر عاجل غير آجل

بميزان قسط لا يفيض شعيرة له شاهد من نفسه حق عادل

لقد سفهت أخلاق قوم تبدلوا بني خلف قيضاً بنا والغياطل

ونحن الصميم من ذؤابة هاشم وآل قصي في الخطوب الأوائل(۱)

تعلیق کا مقصد

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا یہ سب نسب میں بالکل برابر ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کو عطا فرمایا اور کچھ کو عطا نہیں فرمایا، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ علت إعطاء قرابت نہیں ہے، اسی پر تنبیہ کے لیے امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے(☆)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

امام محمد بن اسحاق، صاحب المغازی کی اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ کبیر وصغیر دونوں میں اسماعیل بن ابی اویس کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے(۲)۔

علاوہ ازیں ابن جریر اور زبیر بن بکار نے بھی اس تعلیق کو ذکر کیا ہے(۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۶۵، وذكر أوله في زاد المعاد: ۳/۳۰، فصل (إسلام حمزة......)، وكامله في سيرة ابن هشام: ۱/۲۷۲-۲۸۰، شعر أبي طالب في استعطاف قريش، والروض الأنف: ۱/۱۷٤-۱۷۹، فصل في ذكر قصيدة لامية أبي طالب......

ترجمہ ابیات

1. اللہ ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کو برا بدلہ دے، جو جلد ہو اور غیر موخر ہو۔
2. ایسی میزان عدل کے ساتھ، جو ایک جو برابر مقدار بھی نہ چھوڑے، اس پر اسی میں سے کوئی حق گو شاہد عدل ہو۔
3. اس قوم کے اخلاق خراب ہو گئے، جنھوں نے ہمیں چھوڑ کر بنو خلف بن جمح اور غیاطل (بنو سہم) کو اپنایا۔
4. ہم ہاشم وآل قصی کی نسل کے خالص النسب لوگ ہیں، پچھلے زمانوں کے حوادث میں۔

(☆) لامع الدراري: ۷/۳۱۱.

(۲) فتح الباري: ۶/۲٤۵، وتغليق التعليق: ۳/٤۷۹، والتاريخ الكبير: ۱/٤، والتاريخ الصغير: ۱/۶.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۶٤، وتاريخ ابن جرير: ۱/۵۰٤.

١٨ - باب : مَنْ لَمْ يُخَمِّسِ الْأَسْلَابَ ، وَمَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمِّسَ . وَحُكْمِ الْإِمَامِ فِيهِ .

اسلاب لغوی واصطلاحی

اسلاب جمع ہے سلب کی، سلب سین اور لام مفتوحہ کے ساتھ مصدر بمعنی مسلوب ہے، اس میں ایک لغت بسکون اللام بھی ہے، اس کے معنی ہیں، زبردستی چھینا ہوا کہ سلبہ کے معنی چھیننے کے ہیں (۱)۔

اصطلاحاً: مایوجد مع المحارب من ملبوس وغیرہ، عند الجمهور (۲) کہ مقاتل کے ساتھ جو لباس ہتھیار وغیرہ ہوتا ہے، اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

احکام سلب میں بہت سی تفصیلات ہیں، جن کو ترتیب وار ہم ذکر کریں گے۔

حکم تکلیفی (مشروعیتِ سلب)

جمہور فقہائے امت کا مؤقف یہ ہے کہ کوئی مسلم جنگجو دورانِ معرکہ کسی مشرک کو آگے بڑھ کر قتل کرے تو جو کچھ مال واسباب اس مشرک کے پاس ہوتا ہے، اس کا یہ مقاتل مسلم مستحق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تاہم اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا اس کے لیے امام کی اجازت بھی ضروری ہے یا نہیں؟

تو حنفیہ کے علاوہ دوسرے تمام حضرات، سوائے امام مالک کے، یہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے امام کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں، امام سلب کی تصریح کرے یا نہ کرے، مقاتل بہرحال اس کا مستحق ہوگا۔

جب کہ حضرات حنفیہ – كثّر الله سوادهم – اس کے لیے امام کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں، مثلاً یہ کہے کہ غنیمت جمع ہونے سے قبل جو کسی کو قتل کرے گا فله سلبه، بصورت دیگر سلب بھی غنیمت کا حصہ ہوگا، جو غانمین کے درمیان تقسیم ہوگا (۳)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أمر السلب موكول للإمام فيرى فيه رأيه......" (٤).

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٤٧، وعمدة القاري: ١٥/٦٥، والأوجز: ٩/١٨٥، والموسوعة: ٢٥/١٧٦.

(٢) حواله جات بالا، ولسان العرب: ٦/٣١٧، باب السين، مادة: "سلب".

(٣) عمدة القاري: ١٥/٦٥، وحاشية ابن عابدين: ٣/٢٦٠، مطلب في التنفيل، وفتح الباري: ٦/٢٤٨.

(٤) شرح معاني الآثار: ٢/١٤٦–١٥٠، باب الرجل يقتل قتيلا في دار الحرب ......

مالکیہ کا مذہب بھی احناف کے قریب قریب ہے، لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ امام کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ابتداءً اس طرح کی کوئی بات یا شرط لگائے، ہاں! جنگ ختم ہونے کے بعد ایسی بات کہی جا سکتی ہے، تاکہ نیت مقاتل میں فساد نہ آئے۔

دراصل مالکیہ سلب کو نفل ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں، چناں چہ جو مذہب نفل کے سلسلے میں ان کا گذرا، وہی مذہب ان کا سلب میں بھی ہے(۱)۔

دلائل ائمہ

جمہور کی دلیل اس سلسلے میں ایک تو حدیث معروف ہے کہ "من قتل قتيلا، لـه عليه بينة، فله سلبه"(۲) اور دوسری دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے، "اللهم ارزقني رجلا شديدا...... حتى أقتله وآخذ سلبه"(۳).

وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ احادیث مطلق اور عام ہیں، ان میں کسی قسم کی تقیید نہیں (۴)۔

دلائل احناف

احناف کی ایک دلیل حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں:

---

(١) المنتقى: ١٩١/٣، والأوجز: ١٩٤/٩، والشرح الكبير للدردير: ١٩٠/٢.

(٢) رواه البخاري في الباب، وأخرجه الجماعة -غير النسائي- من حديث أبي قتادة رضي الله عنه، انظر جامع الأصول وتعليقاته: ٦٨٧/٢-٦٨٨، وابن ماجه، كتاب الجهاد، باب المبارزة والسلب، رقم (٢٨٣٧).

(٣) هو بعض حديث سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، أخرجه الحاكم، وكامله:

"...... أن عبدالله بن جحش قال يوم أحد: ألا تأتي ندعو الله؟ فخلوا في ناحية، فدعا سعد، فقال: يا رب، إذا لقينا القوم غدا فلقيني رجلا شديداً بأسه، شديدا حرده، فأقاتله فيك، ويقاتلني، ثم ارزقني عليه الظفر، حتى أقتله وآخذ سلبه. فقام عبدالله بن جحش، ثم قال: اللهم ارزقني غدا رجلا شديدا حرده، شديدا بأسه، أقاتله فيك ويقاتلني، ثم يأخذني؛ فيجدع أنفي وأذني، فإذا لقيتك غدا قلتَ: يا عبدالله، فيم جدع أنفُك وأذنُك؟ فأقول: فيك، وفي رسولك، فيقول: صدقت. قال سعد بن أبي وقاص: يا بني، كانت دعوة عبدالله بن جحش خيرا من دعوتي، لقد رأيته آخر النهار وأن أذنه وأنفه لمعلقان في خيط". انظر: المستدرك: ٨٦/٢، كتاب الجهاد، رقم (٢٤٠٩)، وأخرجه البيهقي أيضاً في الكبرى: ٥٠٢/٦، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب السلب للقاتل، رقم (١٢٧٦٩).

(٤) المغني: ١٨٩/٩.

"أن مـدديـا(١) اتبـعهم فقتل علجا، فأخذ خالد بعض سلبه، وأعطاه بعضه، فذكر ذلك لرسول اللهﷺ، فقال: لا ترده عليه يا خالد"(٢).

''ایک مددی بھی ان کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور اس نے ایک بہادر کافر کو قتل کیا، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سلب کا بعض حصہ خود رکھ لیا اور اور بقیہ حصہ اس آدمی کو دیا۔ اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا، اے خالد! جو کچھ تم نے لیا ہے وہ اس آدمی کو واپس نہ کرو''۔

دوسری دلیل حدیثِ باب ہے، جس میں ابوجہل لعین کے قتل کا قصہ مذکور ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب معاذ بن جموح رضی اللہ عنہ کو دیا تھا (۳)۔

تیسری دلیل شبر بن علقمہ کا واقعہ ہے، فرماتے ہیں:

"بـارزتُ رجـلا يوم القادسية فقتلتُه، وأخذتُ سلبه، فأتيتُ به سعدا، فـخـطـب سـعـد أصحابه، ثم قال: إن هذا سلب شبر، لهو خير من اثني عشر ألفا، وإنا قد نفلناه إياه"(٤).

وجہ استدلال

یہاں وجہ استدلال واضح ہے، چناں چہ پہلی حدیث میں نبی علیہ السلام نے ان دونوں حضرات کے درمیان فیصلہ فرمایا اور سلب کو دونوں میں تقسیم کیا، اگر اذن امام شرط ہوتا یا قاتل ہی مستحق ہوتا تو اس فیصلے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی؟

---

(١) جنگ موتہ میں جو لشکر بطور کمک کے آیا تھا، اس کا ایک فرد مراد ہے، مددی بمعنی معین۔ مسلم شریف وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی کا تعلق بنوحمیر سے تھا۔ دیکھیے، مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب استحقاق القاتل سلبَ القتيل، رقم (٤٥٧٠)، وسنن سعيد بن منصور: ٢/٢٦٠، رقم (٢٦٩٧).

(٢) هـذا مـلخص من حديث طويل، رواه أبوداود في كتاب الجهاد، باب في الإمام يمنع القاتل السلب، رقم (٢٧١٩)، وسعيد بن منصور في سننه: ٢/٢٦٠، كتاب الجهاد، باب النفل والسلب ......، رقم (٢٦٩٧).

(٣) دیکھیے، حديث باب، رقم (٣١٤١)، اس دلیل سے متعلق تنبیہ آگے حدیث کی شرح میں آئے گی۔

(٤) رواه سعيد في سننه: ٢/٢٥٨، في كتاب الجهاد، باب النفل والسلب في الغزو......، رقم (٢٦٩٢).

دوسری دلیل میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب معاذ بن الجموح کو دیا، جب کہ یہ بھی فرمایا کہ "کلا کما قتله" اس طرح تو سلب سب کو ملنا چاہیے تھا، لیکن اس کے برخلاف سلب صرف معاذ بن الجموح کو دیا گیا، ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنا اختیار استعمال کیا ہے۔

تیسری دلیل میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ فرمارہے ہیں کہ "وإنا قد نفلناه إياه" جب کہ وہ سلب شبر کا حق ہے تو اس قول کی ضرورت کیوں پڑی کہ ہم نے اس سلب کو اسے بطور نفل کے دے دیا ہے؟(۱)

سلب کا مستحق کون ہوتا ہے؟

اس جزء میں بھی فقہاء کا ختلاف ہے، چنانچہ جمہور (امام اعظم ابوحنیفہ، شافعی واحمد رحمہم اللہ) کے نزدیک سلب کا مستحق ہر وہ شخص ہوسکتا ہے جو سہم کا مستحق ہو یا رضخ کا مستحق ہو، جیسے غلام، عورت، بچہ، تاجر اور ذمی۔ کیوں کہ حدیث میں عموم ہے "من قتل قتيلاً، له عليه بينة، فله سلبه"(۲).

تاہم شوافع کے نزدیک اس حکم سے ذمی مستثنیٰ ہے، ان کے نزدیک ذمی اگرچہ امام کے اذن سے شریک قتال ہوا ہو، سلب کا مستحق نہیں ہوتا، اجازت کے بغیر تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ سلب کا استحقاق نہیں رکھتا(۳)۔

جب کہ مالکیہ کا مذہب استحقاق سلب میں یہ ہے کہ اس کا مستحق وہی ہوتا ہے، جو صرف سہم کا مستحق ہو، چناں چہ ان کے نزدیک صبی، امرأة اور ذمی اس استحقاق سلب میں شامل نہیں، تاہم اگر امام ان کو اجازت دے دے یا ان پر جہاد فرض عین ہوجائے تو یہ بھی مستحق ہوں گے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو سہم کا مستحق نہ ہو اور رضخ کا بھی تو وہ بالاتفاق اس حکم میں داخل نہیں(۴)۔

اپنی جان خطرے میں ڈالے

استحقاق سلب کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ قاتل اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر مقتول کو قتل کرے اور

---

(۱) المغني: ۱۹۲/۹، وأيضاً انظر البناية شرح الهداية: ۱۸۱/۷-۱۸٤، وإعلاء السنن: ۲۸۲/۱۲.

(۲) دیکھیے، حديث باب، رقم (۳۱٤۲)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل......، رقم (٤٥٦۸).

(۳) حاشية ابن عابدين: ۲٦۱/۳، والمغني: ۱۸۹/۹، وفتح القدير: ۲۵۰/۵، فصل في التنفيل، وسبل السلام شرح بلوغ المرام: ٤/۵۲-۵۳.

(٤) المغني: ۱۹۱/۹، والأوجز: ۱۸۵/۹، والموسوعة: ۱۷۸/۲۵، وعمدة القاري: ٦۹/۱۵.

موت کا سامنا کرے، بصورت دیگر مستحق نہیں ہوگا، مثلاً صف سے تیر پھینکے اور وہ کسی کافر کو جا لگے یا کافر قلعہ بند ہو اور کسی کا تیر اس کو قلعے کے اندر جا کر قتل کردے(۱)۔

مقتول کے قتل کی شرعی اجازت ہو

ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کافر کو قتل کیا جا رہا ہے، اس کا قتل شرعاً جائز ہو، اس لیے عورت، بچہ، شیخ فانی، پاگل اور راہب وغیرہ کے قتل سے سلب کا مستحق نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کے قتل کی شرعاً ممانعت ہے۔ ہاں! اگر ان میں سے کوئی شخص شریک فی القتال ہو تو ایسے شخص کے قتل سے مستحق سلب ہوگا کہ ان کا قتل اب جائز ہو گیا(۲)۔

قتل کردے یا......

ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقتول کو قتل کردے یا مقتول کے حکم میں کردے کہ اس کا اس قدر خون بہادے کہ مسلمان اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں اور اس کو بالکل بے دست و پا کردے، مثلاً اس کی آنکھیں پھوڑ دے، یا اس کی بینائی ختم کردے یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے(۳)۔

دورانِ قتال قتل کرے

علاوہ ازیں ایک شرط یہ بھی ہے کہ قتل اس وقت کرے جب جنگ جاری ہو اور مقتول مصروف قتال ہو۔ اگر جنگ ختم ہو جائے اور مشرکین کو ہزیمت ہو جائے، پھر کوئی مسلم کفار کا تعاقب کرے ان میں سے کسی کو قتل کرے تو سلب کا مستحق نہیں ہوگا، کیوں کہ مشرکین کی ہزیمت کے ساتھ ہی ان کا شر بھی مرتفع ہو گیا ہے۔

اسی میں اسیر کافر، نائم وغیرہ بھی داخل ہیں، کیوں کہ اس صورت میں قاتل اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈال رہا(۴)۔

یہ جمہور کا مسلک ہے، تاہم شافعیہ میں سے ابوثور اور ابن المنذر وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ کافر کو قتل

---

(۱) المغني: ۱۹۰/۹، والأوجز: ۱۸۷/۹، وللاستزادة انظر الموسوعة: ۱۷۸/۲۵-۱۷۹، وكتاب السير الكبير للشيباني: ۱۲۱/۲، أبواب الأنفال، مع شرحه للسرخسي.

(۲) الموسوعة: ۱۷۹/۲۵، والمغني: ۱۹۰/۹، والأوجز: ۱۸۶/۹، والدر المختار: ۲۶۱/۳.

(۳) الموسوعة: ۱۷۹/۲۵، والمغني: ۱۹۰/۹، والأوجز: ۱۸۷/۹.

(٤) الموسوعة: ۱۸۱/۲۵، والمغني: ۱۹۱/۹، والأوجز: ۲۰۳/۹.

کرنے والا ہر صورت میں مستحق سلب ہوتا ہے، کیوں کہ "من قتل قتيلا فله سلبه" حدیث عام ہے(۱)۔

کیا استحقاق سلب کے لیے بینہ ضروری ہے؟

اس باب میں مشہور اختلافی مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ ہے، جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ استحقاق سلب کے لیے بینہ پیش کرنا ضروری ہے، جب تک قاتل بینہ پیش نہیں کرے گا کہ قتل اسی نے کیا ہے، اس کا دعویٰ استحقاق سلب میں مقبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض روایات صحیحہ میں "له عليه بينة" کے الفاظ کی تصریح ہے(۲)۔

دوسری طرف امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لیے بینہ کی کوئی ضرورت نہیں، قاتل کا اتنا کہنا کافی ہے: أنا قتلته.

ان کی دلیل حضرت ابوقتادہ اور معاذ بن الجموح رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ہیں (ذكرهما الإمام في هذا الباب) کہ ان میں نبی علیہ السلام نے ان دونوں سے کوئی بینہ اور قسم وغیرہ نہیں مانگی۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے گواہی نہ مانگنے کا دعویٰ اس لیے درست نہیں کہ واقدی کی مغازی (۳) میں آیا ہے کہ اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر گواہی دی تھی۔

اور اگر بالفرض یہ صحیح نہ بھی ہو تو ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام کو کسی اور ذریعے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ قاتل ابوقتادہ ہی ہیں (۴)۔

---

(۱) حواله جات بالا، وفتح الباري: ٦/٢٤٩.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٤٩، والموسوعة: ٢٥/١٨٢، وشرح الأبي على مسلم: ٥/٦٣، باب استحقاق القاتل سلب القتيل، والمغني: ٥/١٩٤-١٩٥، كتاب الجهاد، فصل: لا تقبل دعوى القتل إلا ببينة، رقم (٧٤٧٦).

(۳) علامہ واقدی کی مغازی میں حضرت ابوقتادہ کے حق میں شہادت دینے والوں میں دو حضرات کا نام آیا ہے، عبداللہ بن اُنیس اور الاسود بن الخزاعی رضي اللہ عنہما، اس میں حضرت اوس رضی اللہ عنہ کا نام ہمیں نہیں ملا، دیکھیے، كتاب المغازي للواقدي: ٣/٩٠٨، غزوة حنين.

غالباً یہاں حافظ سے تسامح ہوا ہے، کیوں کہ اصابة میں انہوں نے خود واقدی کے حوالے سے حضرت الاسود بن الخزاعی کے بارے میں یہ لکھا ہے "شهد لأبي قتادة بسلب قتيله يوم حنين" والله أعلم. الإصابة: ١/٤٣، القسم الأول، رقم (١٥٣).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٤٩، نیز دیکھیے، الموسوعة: ٢٥/١٨٢.

بینہ سے کیا مراد ہے؟

پھران حضرات کا، جو بینہ تو ضروری قرار دیتے ہیں، اس امر میں اختلاف ہے کہ بینہ سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو شہادۃ رجلین کو شرط قرار دیتے ہیں، یہ امام احمد کا مذہب بھی ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ شهادة رجل وامرأتين أو رجل ويمين بھی کافی ہے، کیوں کہ دعویٰ مال میں ہے۔

جب کہ بعض حضرات اس معاملے میں شهادة رجل واحد کو بھی کافی قرار دیتے ہیں، کیونکہ نبی علیہ السلام نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ایک شاہد کی شہادت بھی قبول کر لی تھی اور ان سے قسم بھی نہیں لی گئی۔ ابن العطیہ کہتے ہیں کہ اس باب میں اکثر فقہاء کا یہی قول ہے(۱)۔

سلب میں تخمیس جاری ہوگی یا نہیں؟

یہ ایک اور مشہور اختلافی مسئلہ ہے، شافعیہ (في المشهور عندهم)، حنابلہ، ابن المنذر اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ سلب میں تخمیس جاری نہیں ہوگی، مطلب یہ ہے کہ سلب قاتل کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اس میں سے خمس نہیں لیا جائے گا۔

ان کی ایک دلیل حضرت عوف بن مالک اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ، "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بالسلب للقاتل، ولم يخمس السلب"(۲) کہ "آپ علیہ السلام نے سلب قاتل کو دینے کا حکم جاری کیا اور اس میں خمس نہیں لیا"۔

اور دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، "إنا كنا لانخمس السلب"(۳) کہ "ہم سلب میں تخمیس نہیں کرتے تھے"۔

---

(۱) حواله جات بالا، والمغني: ۹/۱۹۵، وإكمال الأبي: ۵/۶۳، ومكمل إكمال المعلم المطبوع مع إكمال الأبي: ۵/۶۳، وسبل السلام: ۴/۵۳، كتاب الجهاد، رقم (۲۲)، والأوجز: ۹/۲۰۵.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القاتل، رقم (۴۵۷۱)، وسنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في السلب لايخمس، رقم (۲۷۲۱).

(۳) التمهيد: ۲۳/۲۴۷، حديث ثامن وعشرون ليحيى بن سعيد، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱۷/۵۵۸، كتاب السير، من جعل السلب للقاتل، رقم (۳۳۷۶۱).

اس مسئلے میں دوسرا مذہب امام اوزاعی اور مکحول رحمہما اللہ کا ہے کہ سلب کا بھی خمس نکالا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل آیت قرآنی ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول﴾(۱) ہے، کہ یہ آیت عام ہے، چنانچہ غنائم میں مطلقاً تخمیس کا عمل جاری ہوگا۔ یہی مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ہے(۲)۔

تیسرا مذہب اس مسئلے میں اسحاق بن راہویہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں: "إن استكثر الإمام السلب خمَّسه، وذلك إليه" کہ "امام اگر یہ دیکھے کہ سلب کی مقدار بہت زیادہ ہے تو اس کی تخمیس کرے گا اور اس کا اختیار امام کو ہوگا"(۳)۔

ان کی دلیل ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک مرزبان (اہل فارس کا فقیہ ومذہبی پیشوا) کے ساتھ بحرین میں مبارزت کی، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کو نیزہ مارا، جس نے اس مرزبان کی کمر توڑ دی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے دونوں کنگن لے لیے اور دوسرا سامان بھی، نماز ظہر کے بعد یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پورا واقعہ سنایا، تو حضرت ابوطلحہ نے فرمایا کہ ہم پہلے سلب میں سے خمس نہیں لیا کرتے تھے، تاہم براء کا جو سلب ہے وہ معتد بہ مال ہے، اس لیے میں اس کا خمس لوں گا۔ چناں چہ یہ پہلا سلب تھا جس میں تخمیس ہوئی، اس سلب کی مقدار تیس ہزار تھی(۴)۔

اس مسئلے میں چوتھا مذہب حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک سلب مقول دوسرے غنائم کی طرح ہے، یہ قاتل کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ قاتل وغیر قاتل سب اس میں برابر ہیں، سلب کو امام نفل کے طور پر دے گا۔

اب احناف کے ہاں محل التنفیل غنائم کو دارالاسلام منتقل کرنے سے قبل تو اربعة الاخماس ہے اور

---

(۱) الأنفال: ٤١.

(۲) الموسوعة: ٢٥/١٨٣، وعمدة القاري: ١٥/٦٥، وفتح الباري: ٦/٢٤٧.

(۳) حواله جات بالا، والمغني: ٩/١٩٢، والأوجز: ٩/١٨٨.

(٤) رواه سعيد في السنن: ٢/٢٦٣-٢٦٤، كتاب الجهاد، باب مايخمس في النفل، رقم (٢٧٠٨)، وابن عبد البر في التمهيد: ٢٣/٢٤٧، حديث ثامن وعشرون ليحيى بن سعيد، وعبدالرزاق في مصنفه. ١٥٨/٠، كتاب الجهاد، باب السلب والمبارزة، رقم(٩٥٣١).

دارالاسلام منتقل کرنے کے بعد خمس ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک ہر حال میں خمس ہے اور امام کی رائے پر موقوف ہے، وہ اگر مناسب سمجھے گا تو قاتل کو دے گا، ورنہ نہیں (۱)، كما مر تفصيله فيما قبل.

سلب میں کون سی چیزیں ملیں گی؟

فقہاء کا اس امر میں اتفاق ہے کہ قاتل کو مقتول کا جو سلب ملے گا، اس میں وہ مندرجہ ذیل اشیاء کا مستحق ہوگا:

کپڑے، ٹوپی، پگڑی، موزے اور چادر وغیرہ، یعنی استعمال کی چیزیں۔

اسی طرح اسلحہ اور آلات حرب، مثلاً ڈھال، خود، نیزہ، چھری، تلوار، کمان اور تیر۔

نیز مقتول کی سواری کی زین، لگام وغیرہ (۲)۔

ان اشیاء کے علاوہ مقتول کی دیگر چیزوں میں ائمہ کا اختلاف ہے، چناں چہ مقتول کی سواری ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلب میں داخل ہے، امام اوزاعی اور امام مکحول کا مذہب بھی یہی ہے، ان کی دلیل وہی حدیث مددی ہے، جو پیچھے گزری، اس میں آیا ہے، "أنه قتل علجا، فحاز فرسه وسلاحه".

جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سواری کو خارج از سلب کہتے ہیں، یہی قول ابوبکر کا بھی ہے (۳)۔

یہ بحث اس سواری کے بارے میں ہے جو مقتول کے زیر استعمال تھی، چناں چہ وہ سواری جو اس کے خیمے میں ہو یا بھاگ گئی ہو تو وہ سلب میں بالاتفاق داخل نہیں (۴)۔

علاوہ ازیں مقتول کا تاج، کنگن، انگوٹھی، طوق، پٹکا، اگر چہ سونے کا ہو یا کسی اور چیز کا، اسی طرح ہمیان

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۶۵، والموسوعة: ۲۵/۱۸۳؛ لیکن احناف کا تحقیقی مذہب وہ ہے، جو فتاویٰ ہندیہ میں المحیط کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر امام یوں کہے من قتل قتيلا فله السلب بعد الخمس تو اس صورت میں سلب میں تخمیس ہوگی اور اگر مطلقاً من قتل قتيلا کہے تو تخمیس نہیں ہوگی۔ الفتاوى الهندية: ۲/۲۱۸، الفصل الثالث في التنفيل، من كتاب السير.

(۲) البناية مع الهداية: ۷/۱۸٤، وفتح القدير: ۵/۲۵۳، وحاشية ابن عابدين: ۳/۲٦٤، والمغني: ۹/۱۹۳، والأوجز: ۹/۱۹۰.

(۳) المغني: ۹/۱۹۳، والأوجز: ۹/۱۹۰، والدر المختار: ۳/۲٦٤، والموسوعة: ۲۵/۱۸٤.

(٤) حواله جات بالا.

(رقم کی وہ تھیلی جو کمر سے باندھی جاتی ہے) اور اس میں موجود رقم، یہ ساری چیزیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلب میں داخل ہیں، کیوں کہ یہ ساری چیزیں عموم حدیث میں داخل ہیں، یعنی "من قتل قتیلا فلہ سلبہ". نیز حدیث براء بن مالک، جو ابھی گزری، میں بھی کنگن اور پٹکے کا ذکر آیا ہے۔

جب کہ مالکیہ کا مذہب ان اشیاء میں یہ ہے کہ یہ چیزیں سلب میں داخل نہیں، کیوں کہ ان اشیاء کے ذریعے کوئی اعانت ومدد جنگ میں حاصل نہیں ہوتی (۱)۔

پھر امام احمد کے نزدیک مقتول کو بالکل بے لباس کر دینا بھی جائز ہے، یہی قول امام اوزاعی کا بھی ہے، جب کہ ابن منذر اور سفیان ثوری رحمہم اللہ اس کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس میں کشف العورۃ پایا جاتا ہے۔

اور امام احمد وغیرہ کی دلیل حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی علیہ السلام کا یہ جملہ ہے، "لہ سلبہ أجمع" (۲) نیز حدیث "من قتل قتیلا فلہ سلبہ" بھی جمہور کے مذہب کے لیے دلیل ہے، کیوں کہ اس میں سب کچھ داخل ہو جاتا ہے، "وهذا يتناول جميعه" (۳). واللہ أعلم بالصواب.

سلب سے متعلق ان ساری تفصیلات کے بعد اب باب سے متعلقہ ابحاث کو دیکھیے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کو قائم کر کے اس مشہور اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، جو سلب کی تخمیس میں ہے کہ اس کا خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں جمہور کے ہم نوا ہیں، انہیں کے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے یہ باب قائم کیا (۴)۔

---

(۱) المغني: ۹/۱۹۳، والمنتقى: ۳/۱۹۱، والأوجز: ۹/۱۹۵، والموسوعة: ۲۵/۱۸٤.

(۲) حديث سلمة أخرجه البخاري في كتاب الجهاد، رقم(۳۰۵۱)، وانظر لتخريجه الكامل كشف الباري، كتاب الجهاد: ۲/٤۵۸.

(۳) المغني: ۹/۱۹۵، وعمدة القاري: ۱۵/٦۹، والأوجز: ۹/۲۰٦.

تنبیہ: سلب سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، أوجز المسالك: ۹/۱۸۳-۲۰٦، كتاب الجهاد، باب ماجاء في السلب في النفل، والموسوعة الفقهية: ۲۵/۱۷٦-۱۸٤، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۷۵-۳۰۰، وأحكام القرآن للرازي: ۳/٦۹-۷۲، مطلب في سلب القتيل، وفتح الباري: ٦/۲٤۷-۲٤۹.

(٤) عمدة القاري: ۱۵/٦۵، وفتح الباري: ٦/۲٤۷.

ومن قتل قتيلا فله سلبه

اور جو کسی کو قتل کرے گا تو اس مقتول کا سلب قاتل کا ہوگا۔

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم حنين: من قتل قتيلاً فله سلبه. فقتل أبوطلحة يومئذ عشرين رجلا، فأخذ أسلابهم"(۱).

کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سلب قاتل کو ملے گا۔ چناں چہ اس دن حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان سب کا سلب لیا"۔

من غير أن يخمس

سلب کی تخمیس کیے بغیر۔

یہ جملہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ میں سے ہے(۲)۔

غالباً انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ذکر کرکے اس کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ اس میں سلب کی تخمیس وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے، یہ حدیث چوں کہ مطلق ہے، اس لیے سلب میں تخمیس کا عمل نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

وحكم الإمام فيه

اور اس میں امام کا حکم۔

یہ ترجمہ کا آخری جز ہے، حکم کو مرفوع اور مجرور دونوں طرح پڑھا گیا ہے، مرفوع ہونے کی صورت میں

---

(۱) رواه أبوداود، كتاب الجهاد، باب في السلب يعطى القاتل، رقم(۲۷۱۸)، والحاكم في المستدرك: ۳۹۷/۳، كتاب معرفة الصحابة، مناقب أبي طلحة ……، رقم (۵۵۰۵)، وابن أبي شيبة في مصنفه: ۵۳۲/۲۰، كتاب المغازي، غزوة حنين وماجاء فيها، رقم (۳۸۱۵٤)، و: ۵۲۳/۲۰، رقم (۳۸۱٤۳).

(۲) فتح الباري: ۲٤۷/٦، وقال العيني (۶۵/۱۵): "من غير أن يخمس" ليس من لفظ الحديث، وأراد به أن السلب لايخمس".

مطلب یہ ہوگا کہ سلب میں امام کی رائے چلے گی، وہ جیسا چاہے گا، ویسا حکم لگائے گا، اس پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔

اس صورت میں یہ مذہب احناف وموالک کی تایید ہوجائے گی کہ امام کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر سلب کا مستحق نہیں ہوگا۔ گویا امام بخاری ان حضرات کے ساتھ اس مسئلے میں ہم نوا ہیں۔

اور مجرور پڑھنے کی صورت میں اس کے معنی ومطلب یہ ہوگا کہ امام کے فیصلے کے بغیر بھی قاتل سلب کا مستحق ہوگا، اس صورت میں مؤلف علیہ الرحمہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے ہم خیال ہوجائیں گے۔

مسئلے سے متعلق تفصیل باب کے شروع میں آچکی ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں:

۲۹۷۲ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ المَاجِشُونِ ، عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ(۱) قالَ : بَيْنَا أَنَا وَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ ، فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَشِمَالِي ، فَإِذَا أَنَا بِغُلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ ، حَدِيثَةٍ أَسْنَانُهُمَا ، تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُونَ بَيْنَ أَضْلَعَ مِنْهُمَا ، فَغَمَزَنِي أَحَدُهُمَا فَقَالَ : يَا عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ ، ما حَاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا ابْنَ أَخِي ؟ قالَ : أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا ، فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ ، فَغَمَزَنِي الْآخَرُ ، فَقَالَ لِي مِثْلَهَا ، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَجُولُ فِي النَّاسِ ، قُلْتُ : أَلَا ، إِنَّ هٰذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِي سَأَلْتُمَانِي ، فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا ، فَضَرَبَاهُ حَتَّى قَتَلَاهُ ، ثُمَّ انْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرَاهُ ، فَقَالَ : (أَيُّكُمَا قَتَلَهُ) . قالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا : أَنَا قَتَلْتُهُ ، فَقَالَ : (هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا) . قالَا : لَا ، فَنَظَرَ فِي السَّيْفَيْنِ ، فَقَالَ : (كِلَاكُمَا قَتَلَهُ ، سَلَبُهُ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الجَمُوحِ) . وَكَانَا مُعَاذَ بْنَ عَفْرَاءَ وَمُعَاذَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الجَمُوحِ .

تراجم رجال

۱ — مسدد

یہ مسدد بن مسرہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب

---

(۱) قوله: "عن جده": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل، رقم (۳۹٦٤)، وباب (بلا ترجمة)، بعد باب فضل من شهد بدراً، رقم (۳۹۸۸)، ومسلم، كتاب الجهاد والسير،=

لأخيه......" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۲– يوسف بن الماجشون

یہ یوسف بن یعقوب الماجشون بن عبداللہ بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳– صالح بن ابراهيم بن عبدالرحمن بن عوف

یہ مشہور صحابی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پوتے صالح بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٤– أبيه

اس سے مراد ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥– جده

جدہ سے مراد مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

قال بينا أنا واقف في الصف يوم بدر......

اس حدیث میں ابوجہل لعین کے قتل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جو بدر میں پیش آیا، اس کی تفصیل چوں کہ مغازی میں آچکی ہے، اس لیے اس کو یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے (۴)، تاہم یہاں ہم حدیث کے کچھ الفاظ وجملوں کی وضاحت ضرور کریں گے۔

فإذا أنا بغلامين من الأنصار حديثة أسنانهما

تو میں نے دیکھا کہ میں دو انصاری لڑکوں کے درمیان میں ہوں، جو نوعمر تھے۔

"حديثة أسنانهما" یہ شبہ جملہ صفت ہے، "غلامين" کی، اسی لیے مجرور بھی ہے، جب کہ

= باب استحقاق القاتل سلب القتيل، رقم (٤٥٦٩).

(١) كشف الباري: ٢/٢.

(٢) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوكالة، باب إذا وكل المسلم حربيا في دار الحرب......

(٣) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الجنائز، باب الكفن من جميع المال.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ١٠٣–١٠٨.

أسنانهما مرفوع ہے، کیوں کہ وہ حدیثة کا فاعل ہے(۱) اور اس کے معنی نوعمر کے ہیں۔

تمنيت أن أكون بين أضلع منهما

میں نے تمنا کی کہ کاش! میں ان دونوں کے علاوہ کسی طاقت ور آدمی کے پہلو میں ہوتا (جس سے مجھے کچھ سہارا ہوتا)۔

أضلع کی لغوی وصرفی تحقیق

أضلع –بفتح الهمزة، وسكون الضاد، وفتح اللام– صیغہ اسم تفضیل ہے، اس کے معنی اقوی کے ہیں، مصدر اس کا الضلاعة ہے، جس کے معنی قوت کے ہیں۔ یہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے(۲)۔

جب کہ حافظ علیہ الرحمۃ نے اس کو –بضم اللام– ضلع کا جمع قرار دیا ہے، جس کے معنی پسلی کے ہیں۔ علاوہ ازیں حافظ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ اکثر کی روایت ہے اور علامہ عینی کی ذکر کردہ تحقیق کو وُرُویَ کہہ کر ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے(۳)۔

لیکن راجح یہاں علامہ عینی کی تحقیق ہی ہے، اسی کو امام نووی نے بھی ذکر کیا ہے(۴) اور علامہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے(۵)۔ علاوہ ازیں یہ اقرب الی الفہم بھی ہے۔

أضلع میں نسخوں کا اختلاف

پھر یہ سمجھیے کہ اکثر رواۃ صحیح بخاری نے اس لفظ کو ضاد معجمہ کے ساتھ أضلع نقل کیا ہے، تاہم حموی کے نسخے میں أصلح –بالصاد المهملة والحاء المهملة– آیا ہے(۶)۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف مسدد شیخِ بخاری کی طرف سے ہے، ورنہ یہی

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/٦٦، وفتح الباري: ٦/٢٤٨.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/٦٦.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٤٨، تاہم مقدمہ میں انہوں نے عینی کی تحقیق ہی کو اختیار کیا ہے۔ هدي الساري: ۲۲۷، فصل ض، ل، حرف الضاد المعجمة، الفصل الخامس.

(٤) شرح النووي على مسلم: ۲/۸۷، كتاب الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القتيل.

(٥) جامع الأصول: ۸/۱۹٥، والنهاية في غريب الحديث والأثر: ۳/۹۷، باب الضاد مع اللام.

(٦) عمدة القاري: ۱۵/٦٦، وفتح الباري: ٦/٢٤٨.

روایت یوسف بن الماجشون سے ابراہیم بن حمزہ نے طحاوی میں (۱)، موسیٰ بن اسماعیل نے ابن سنجر میں اور عفان نے ابن ابی شیبہ (۲) میں بھی روایت کی ہے، ان سب میں أضلع ہے (۳)۔

اور راجح روایت بھی یہی اضلع والی ہے، کیونکہ تین حفاظ راویوں کے مقابلے میں ایک حافظ راوی کی روایت ظاہر ہے، مرجوح ہوگی (۴)۔

علامہ قرطبی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے بھی اَضلع والی روایت کو راجح قرار دیا ہے (۵)۔

لا يفارق سوادي سواده

میری ذات اس کی ذات کو نہیں چھوڑے گی۔

یہ کلام ان نوعمر لڑکوں میں سے ایک کا ہے، سواد- بفتح السین- شخص کو کہتے ہیں، چوں کہ آدمی کی شبیہ دور سے دیکھنے پر کالی (سیاہ) نظر آتی ہے، اس لیے شخص کو سواد بھی کہتے ہیں (۶)۔

حتى يموت الأعجل منا

یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت زیادہ قریب ہوگی، وہ مر جائے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ الأعجل تحریف ہے، اصل میں یہ الأعجز تھا، لیکن حافظ فرماتے ہیں کہ روایت میں مذکور لفظ ہی صواب ہے (۷)۔

علاوہ ازیں یہ جملہ ملازمت سے کنایہ ہے اور اس معنی میں کثیر الاستعمال بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب تک میں اس کی جان نہ لے لوں، اس کو چھوڑوں گا نہیں۔

---

(۱) شرح معاني الآثار: ۲/۱٤۷، كتاب السير، باب الرجل يقتل قتيلا......

(۲) المصنف، لم أجده فيه رغم تتبعي، وإنما أشار إليه الحافظان ابن حجر وابن بطال.

(۳) ابن بطال: ٥/۳۱٥، والعمدة: ۱٥/٦٦، والفتح: ٦/۲٤۸، والنووي على مسلم: ۲/۸۷-۸۸.

(٤) حواله جات بالا.

(٥) عمدة القاري: ۱٥/٦٦، المفهم للقرطبي: ۱۱/۷٥، باب استحقاق القاتل سلب ......، ومشارق الأنوار: ۲/٥۹، (ض ل ع).

(٦) عمدة القاري: ۱٥/٦٦، وفتح الباري: ٦/۲٤۹.

(۷) فتح الباري: ٦/۲٤۹.

اب اس نوعمر صحابی کی عقل کا کمال دیکھیے کہ جنگ کی حالت میں، جہاں بڑوں بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، وہاں بھی عقل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور یہ محتاط جملہ ارشاد فرمایا، جب کہ شدت غضب کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ فرماتے "حتى أقتله" لیکن عاقبت چوں کہ مجہول تھی، اس لیے حتى يموت الأعجل منا فرمایا(۱)۔

فلم أنشَب أن نظرت إلى أبي جهل يجول في الناس

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ابوجہل کو دیکھا، وہ لوگوں میں چکر لگا رہا تھا۔

نشب نشوبا ونشبا باب سمع سے چمٹ جانے اور اٹک جانے کے معنی میں ہے اور لم أنشب کے معنی ہیں: لم ألبث ولم أتعلق بشيء غيره(۲)۔

روایتِ باب میں "يجول" آیا ہے، جب کہ مسلم شریف میں "يزول" آیا ہے(۳)، دونوں لفظ ہم معنی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ابوجہل انتہائی مضطرب تھا اور ادھر ادھر گھوم پھر رہا تھا اور ایک جگہ ٹھہر تا نہ تھا(۴)۔

فابتدراه بسيفيهما

تو ان دونوں نے ابوجہل کی طرف اپنی اپنی تلوار لے کر جلدی کی۔

ابتدر وبادر ایک معنی میں ہیں، مطلب سبقت اور جلدی کرنا ہے(۵)۔ مغازی کی روایت میں "فشدا عليه مثل الصقرين" کے الفاظ ہیں(۶)، کہ "یہ دونوں لڑکے ابوجہل پر شکرے کی طرح حملہ آور ہوئے"۔

فنظر في السيفين، فقال: كلاكما قتله

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو بغور دیکھا، پھر فرمایا: تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۶۶.

(۲) حواله بالا، وشرح النووي على مسلم: ۲/۸۸.

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب استحقاق القاتل سلب ..... ، رقم (۴۵۶۹).

(۴) عمدة القاري: ۱۵/۶۶.

(۵) حواله بالا.

(۶) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب (بلا ترجمة)، رقم (۳۹۸۸).

یہاں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو بغور دیکھا اور اس سے قبل یہ بھی پوچھ لیا کہ کہیں تم نے تلواریں صاف تو نہیں کر ڈالیں، پھر فرمایا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے۔ اس ساری کارروائی کا مقصد کیا تھا؟

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ سلب کے استحقاق کے لیے اثخان شرط ہے اور اثخان کو ایک قسم کا اس باب میں امتیاز حاصل ہے، وہ اس طرح کہ آپ علیہ السلام نے ان دونوں کی تلواروں کا معائنہ کیا کہ تلواروں کی دونوں طرف خون کس قدر لگا ہوا ہے اور ابوجہل کے جسم میں کون سی تلوار کس قدر گھسی ہے، اسی لیے یہ سوال بھی کیا کہ تلواریں کہیں صاف تو نہیں کیں؟ کیوں کہ صاف کرنے کی صورت میں دخول کی مقدار تبدیل ہو جاتی (۱)۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ "کلا کما قتلہ" کیوں کہ آپ علیہ السلام نے دیکھ لیا تھا کہ اثخان ایک کا فعل ہے، جب کہ دوسرے صحابی نے صرف مشارکت فی القتل کی ہے، لیکن آپ علیہ السلام نے ان کا دل رکھنے کے لیے اور بطور تسلی یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ "کلا کما قتلہ" (۲).

سلبه لمعاذ بن عمرو بن الجموح

لیکن اس کا سلب معاذ بن عمرو بن الجموح کا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دونوں لڑکے اگرچہ مشارك في القتل ہیں، مگر اثخان چوں کہ معاذ بن عمرو کی جانب سے ہے، اس لیے سلب بھی انہی کا حق ہے، یہاں تک تو بات واضح ہے، اس کے بعد ان جملوں سے احناف و مالکیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ قتلِ قتیل سے قاتل سلب کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ اعطائے امام سے اس کا مستحق ہوتا ہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلب ان دونوں کے درمیان تقسیم فرماتے، ایک کو محروم رکھ کر دوسرے کو نہ دیتے، اس سے واضح ہوا کہ ان معاملات کا اختیار امام کو ہے۔ قاله الطحاوي رحمه الله (۳).

لیکن یہ استدلال ضعیف ہے، کیوں کہ یہ بات تو سب کو تسلیم ہے کہ سلب کا مستحق مُثخِن ہوتا ہے اور نبی

---

(۱) حواله بالا، شرح ابن بطال: ۳۱۲/۵، وفتح الباري: ۲۴۸/۶، وعمدة القاري: ۶۶/۱۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۱۲/۵، وعمدة القاري: ۱۵/۶۶-۶۷.

(۳) شرح ابن بطال: ۳۱۲/۵، وشرح معاني الآثار: ۱۴۷/۲-۱۴۸، كتاب السير، باب [illegible] يقتل .....

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلواروں کا معائنہ کیا تھا، اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ اثخان کس کی تلوار سے ہوا ہے، اسی بنیاد پر سلب معاذ بن عمرو کو دیا گیا۔

اس جز سے متعلق دلائل احناف باب کی ابتدا میں آچکے ہیں۔

تاہم اس حدیث کے ایک اور طریق، جس کو امام ابوداود (۱) وامام احمد (۲) وغیرہ نے نقل کیا ہے، اس سے مذکورہ جز پر استدلال ہوسکتا ہے، اس طریق میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔ جب کہ وہ مثخن بھی نہیں تھے، اصل استحقاق معاذ بن عمرو کا تھا کہ مثخن وہی تھے، چناں چہ ابوجہل کی تلوار حضرت عبداللہ کو عطا فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ سلب حق شرعی (۳) نہیں ہے، بلکہ قاتل اس کا مستحق نفل (انعام) کے طور پر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

وكانا معاذَ بن عفراء، ومعاذَ بن عمرو بن الجموح

اور وہ دونوں نوعمر لڑکے معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہم تھے۔

کلمہ معاذ دونوں جگہ منصوب ہے، کیوں کہ یہ کانا کی خبر ہے۔

معاذ بن عفراء

یہ حضرت معاذ بن الحارث بن رفاعہ بن سواد الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

یہ اپنی والدہ عفراء - بفتح العین وسکون الفاء - بنت عبید بن ثعلبہ کے حوالے سے معروف ہیں (۵)۔

بدر واحد اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے (۶)۔

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب من أجاز على جريح مثخن……، رقم (۲۷۲۲).

(۲) في مسنده: ۱/۴۴۴، مسند عبدالله بن مسعود، رقم (۴۲۴۶)، وابن أبي شيبة في مصنفه: ۱۷/۵۶۰، كتاب السير، باب من جعل السلب للقاتل، رقم (۳۳۷۶۵)، و: ۲۰/۳۲۴، رقم (۳۷۸۵۲)، كتاب المغازي، غزوة بدر الكبرى……

(۳) سلب حق شرع ہے یا حق امام؟ اس پر بحث باب کے آخر میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

(۴) ان کے نسب میں اور بھی اقوال ہیں، دیکھیے، تهذيب الكمال: ۲۸/۱۱۵.

(۵) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۶۷، والإصابة: ۳/۴۲۸.

(٦) حوالہ جات بالا.

حضرت معاذ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ ان انصار میں سے ہیں، جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ کے دوران مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا، راجح قول کے مطابق یہ چھ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم تھے(۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن عفراء اور حضرت معمر بن الحارث رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی تھی(۲)۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ایک روایت "لا صلاة بعد العصر حتی تغرب الشمس......" ذکر کی ہے(۳)۔ باقی ائمہ خمسہ کے ہاں ان کی کوئی روایت نہیں ہے۔

ان کی وفات میں اختلاف ہے کہ کہاں اور کب ہوئی۔ راجح قول کے مطابق ان کا انتقال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا(۴)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

معاذ بن عمرو بن الجموح

یہ معاذ بن عمرو بن الجموح بن زید بن حرام انصاری خزرجی سلمی رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

یہ بھی بیعت عقبہ میں شریک رہے ہیں۔ بدری صحابی ہیں(۶)، كما في حديثِ الباب.

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، جب کہ ان سے روایت کرنے والے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں(۷)۔

(۱) تهذيب الكمال: ۲۸/۱۱٦، والإصابة: ۳/٤۲۸.

(۲) تهذيب الكمال: ۲۸/۱۱٦، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳/۳٦٤.

(۳) سنن النسائي الكبرى: ۱/۱٥٥، كتاب الصلاة الأولىٰ، باب النهي عن الصلاة بعد العصر، رقم (۳۷۱)، والحديث أخرجه أيضاً ابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني: ۳۹۱، رقم (٥٥٥)، وابن أبي شيبة، رقم (۷۳۹۹)، وأبوداود الطيالسي، رقم (۱۲۲٦)، وغيرهم من الأئمة، انظر للاستزادة تعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف لابن أبي شيبة: ٥/۱۰۸، رقم (۷۳۹۹).

(٤) تهذيب الكمال: ۲۸/۱۱٥-۱۱٦، والعمدة: ۱٥/٦۷، والإصابة: ۳/٤۲۸، وتهذيب التهذيب: ۱۰/۱۸۸.

(٥) عمدة القاري: ۱٥/٦۷، والإصابة: ۳/٤۲۹، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳/۳٦۱.

(٦) حواله جات بالا، وسير أعلام النبلاء: ۱/۲٤۹.

(۷) سير أعلام النبلاء: ۱/۲٥۰.

علامہ ذہبی کے مطابق ان کا انتقال خلافت فاروقی میں ہوا۔ جب کہ ابن اسحاق کے مطابق خلافت عثمانی میں ان کا انتقال ہوا(۱)۔ واللہ اعلم۔ رضي الله عنه وأرضاه.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مطابقت ترجمۃ الباب کے ساتھ بایں معنی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے سلب کی تخمیس نہیں کی تھی (۲)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ : سَمِعَ يُوسُفُ صَالِحًا ، وَإِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ . [٣٧٤٦ ، ٣٧٦٦]

محمد کہتے ہیں: یوسف کا سماع صالح سے ثابت ہے اور ان کے والد ابراہیم کا سماع بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

مذکورہ جملے کا مطلب

محمد سے مراد امام بخاری خود ہیں اور یوسف سے مراد ابن ماجشون، صالح سے مراد ابن ابراہیم اور ابراہیم سے مراد ابن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہم اللہ اور اب سے مراد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں اور ان سب کا سماع بالترتیب ثابت ہے۔ علاوہ ازیں یہ جملہ صرف ابوذر اور ابوالوقت کے نسخے میں پایا جاتا ہے (۳)۔

مذکورہ جملے کا مقصد

بعض حضرات نے حدیث باب کو منقطع کہا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ یوسف بن ماجشون اور صالح بن ابراہیم کے درمیان ایک راوی عبدالواحد بن ابی عون ساقط ہے، جب کہ ان کا ذکر ضروری ہے، اس لیے روایت منقطع ہے، متصل نہیں۔

دراصل یہی روایت امام بزار نے بھی اپنی مسند میں ذکر کی ہے اور سند یہی بخاری والی ہے، لیکن اُس میں عبدالواحد بن ابی عون بھی ہیں، جو ثقہ راوی ہیں، پوری سند ملاحظہ کیجیے، بات آسان ہوجائے گی۔ امام بزار

(۱) سير أعلام النبلاء: ١/٢٥٠-٢٥١، والاستيعاب بهامش الإصابة: ٣/٣٦٣.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٦٦.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٦٨.

اپنی روایت میں فرماتے ہیں:

"حدثنا محمد بن عبدالملك القرشي وعلي بن مسلم قالا: حدثنا يوسف بن أبي سلمة......، حدثنا عبدالوحد بن أبي عون، حدثني صالح بن إبراهيم......، قال: بينا......".

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بزار نے یہ بھی فرمادیا:

"وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن عبدالرحمن بن عوف، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا من هذا الوجه بهذا الإسناد......".

ظاہر ہے کہ اب بات پیچیدہ ہوگئی کہ بزار تو کچھ کہہ رہے ہیں اور امام بخاری کچھ۔

اس اشکال اور پیچیدگی کو دور فرمانے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا کہ عبدالواحد بن ابی عون اگرچہ میری سند میں نہیں ہیں، لیکن اس سے حدیث کے اتصال پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ یوسف کا سماع صالح سے ثابت ہے اور ابراہیم کا سماع بھی اپنے والد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں اور حدیث متصل ہی ہے۔ منقطع نہیں (۱)۔ واللہ اعلم

دوسری حدیث حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٧٣ : حدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنِ ٱبْنِ أَفْلَحَ ، عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ (٢) قالَ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ عامَ حُنَيْنٍ ، فَلَمَّا ٱلْتَقَيْنَا ، كانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ ، فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ عَلَا رَجُلاً مِنَ المُسْلِمِينَ ، فَٱسْتَدَرْتُ حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ حَتَّى ضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ عَلَى حَبْلِ عاتِقِهِ ، فَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِي ضَمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ المَوْتِ ، ثُمَّ أَدْرَكَهُ المَوْتُ فَأَرْسَلَنِي ، فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ فَقُلْتُ : ما بَالُ النَّاسِ ؟ قالَ : أَمْرُ ٱللهِ ، ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا ، وَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ) . فَقُمْتُ فَقُلْتُ : مَنْ يَشْهَدُ لِي ، ثُمَّ جَلَسْتُ ، ثمَّ قالَ :

(١) مسند الإمام البزار: ٢٢٥/٣، باب ماروى سعد بن إبراهيم...... رقم (١٠١٣)، وعمدة القاري: ٦٨/١٥، وإرشاد الساري: ٢٢١/٥، نیز دیکھیے، فتح الباري: ٢٤٩/٦.

(٢) قوله: "عن أبي قتادة ......": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب البيوع، باب بيع السلاح في الفتنة ......

(مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ) . فَقُمْتُ ، فَقُلْتُ : مَنْ يَشْهَدُ لِي ، ثُمَّ جَلَسْتُ ، ثُمَّ قَالَ الثَّالِثَةَ مِثْلَهُ ، فَقُمْتُ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ) . فَاقْتَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ ، فَقَالَ رَجُلٌ : صَدَقَ يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، وَسَلَبُهُ عِنْدِي فَأَرْضِهِ عَنِّي ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : لَا هَا ٱللّٰهِ ، إِذًا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أُسْدِ ٱللّٰهِ ، يُقَاتِلُ عَنِ ٱللّٰهِ وَرَسُولِهِ ﷺ ، يُعْطِيكَ سَلَبَهُ . فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (صَدَقَ) . فَأَعْطَاهُ ، فَبِعْتُ ٱلدِّرْعَ ، فَٱبْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلِمَةَ ، فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي ٱلْإِسْلَامِ . [ر : ١٩٩٤]

تراجم رجال

١- عبدالله بن مسلمه

یہ عبداللہ بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، ”باب من الدين الفرار من الفتن“ کے تحت گزر چکے(۱)۔

٢- مالك

یہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الثاني“ کے تحت آچکا(۲)۔

٣- يحيى بن سعيد

یہ یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بدء الوحي کی ”الحديث الأول“ کے تحت بیان ہو چکے ہیں(۳)۔

٤- ابن افلح

یہ عمر بن کثیر بن افلح -منسوب إلى جده- رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/ ۸۰.

(۲) كشف الباري: ۱/ ۲۹۰، و: ۲/ ۸۰.

(۳) كشف الباري: ۱/ ۲۳۸، و: ۲/ ۳۲۱، باب صوم رمضان احتسابا......

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب البيوع، باب بيع السلاح في الفتنة وغيرها.

۵- أبي محمد

یہ ابومحمد نافع مولی ابی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

٦- أبوقتادة

یہ مشہور صحابی حضرت ابوقتادہ الحارث بن ربعی الأنصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حنین والے سال (۸ ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، جب ہمارا دشمن سے آمنا سامنا ہوا تو مسلمانوں کو (شروع میں) ناکامی ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آگیا ہے تو میں گھوما اور اس کی گردن کی رگ پر تلوار ماری تو وہ میری طرف متوجہ ہوگیا اور مجھے اس زور سے دبایا کہ مجھے موت کی بو محسوس ہونے لگی، پھر وہ مرگیا اور مجھے بھی چھوڑ دیا!

اس کے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا (اور ان سے پوچھا کہ) لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہی فیصلہ خداوندی تھا (جو پورا ہوا)۔ اس کے بعد مسلمان دوبارہ پلٹے (اور فتح حاصل کی)، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور اعلان کیا کہ "من قتل قتیلا، له علیه بینة، فله سلبه"۔

(یہ اعلان سن کر) میں کھڑا ہوا اور کہا کہ میرے لیے کون گواہی دے گا؟ پھر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اعلان کیا تو میں پھر کھڑا ہوا...... تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تو ایک آدمی بول اٹھا، یا رسول اللہ! یہ سچ کہہ رہے ہیں اور ان کا سلب میرے پاس ہے، لیکن آپ ان کو میرے حق میں راضی کروائیں (کہ اسے میرے پاس ہی رہنے دیں)۔

(اس آدمی کی یہ بات سن کر) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، نہیں، خدا کی قسم! اللہ کے شیروں میں ایک شیر جو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے قتال کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ نہیں

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب جزاء الصید، باب لایعین المحرمُ الحلالَ......

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب النهي عن الاستنجاء بالیمین.

چاہیں گے کہ اس کا سلب آپ کو دے دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی اور سلب ابوقتادہ کو دے دیا۔

ابوقتادہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سلب سے (جو زرہ تھی) قبیلہ بنی سلمہ میں ایک باغ خریدا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ سب سے پہلا مال تھا، جو میں نے ذخیرہ کیا۔

اس حدیث کی شرح کتاب المغازی میں غزوہ حنین کے تحت آچکی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو جو سلب دیا گیا اس کی تخمیس نہیں ہوئی تھی (۲)۔

سلب حق شرعی ہے یا حق امامت؟

باب کے شروع میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ قاتل سلب قتیل کا مستحق ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے لیے اذن امام شرط ہے یا نہیں؟

اس مسئلے کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا، ”من قتل قتیلا، له علیه بینة، فله سلبه“ اب فقہاء کا اختلاف ہوگیا کہ استحقاق سلب کی بنیاد شرع ہے یا شرط (یعنی امام شرط لگائے اور اجازت دے)؟ شافعی واحمد تو حق شرع کے قائل ہوئے، جب مالک وابوحنیفہ شرط کے۔

اب ماخذ نزاع کیا ہے اور اختلاف فقہاء کی بنیاد کس پر ہے؟

ماخذ وبنیاد یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی مختلف حیثیتیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام بھی ہیں اور حاکم بھی، مفتی بھی اور رسول بھی۔

اب آپ علیہ السلام کوئی بات منصب رسالت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں تو وہ عام شریعت بن جاتی ہے اور اس کا اطلاق سب پر ہوتا ہے۔ کوئی بات منصب افتاء کے تحت ارشاد فرماتے ہیں، اس کی واضح مثال

---

(۱) کشف الباري، کتاب المغازي: ۵۴۰-۵۴۱.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۶۸.

حضرت ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا مسئلہ ہے، یہ خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور اپنے شوہر کے بخل کی اور نان ونفقہ میں تنگی کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا، "خذي ما يكفيكِ، وولدكِ بالمعروف" یہ فتویٰ ہے، حکم اور فیصلہ نہیں، ورنہ آپ مدعیٰ علیہ کو بھی طلب کرتے، جواب دعویٰ دائر کرنے کا حکم دیتے اور آپ ہند رضی اللہ عنہا سے بینہ بھی طلب کرتے۔

کبھی کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصب امامت کے تحت فرمایا کرتے تھے، جس میں امت کی اس وقت، اس جگہ اور اس کیفیت اور حالت کے تقاضے اور مصلحت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا، پھر بعد کے ائمہ بھی اس کی رعایت کیا کرتے تھے، اس مصلحت کے پیش نظر، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زماناً، مکاناً یا حالاً چلے تھے، یہیں سے فقہاء کا اختلاف ہوجاتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں ایک مثال "من قتل قتيلا......" ہے۔

اب یہ ارشاد کس قسم کے تحت داخل ہے، اس میں فقہائے امت کا اختلاف رائے ہوگیا، چنانچہ وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ارشاد منصب امامت کے تحت تھا تو ان کے نزدیک یہ حکم ائمہ سے متعلق ہے اور ان کی اذن سے مشروط۔ اور جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ارشاد منصب رسالت ونبوت کے تحت تھا تو ان کے نزدیک یہ حکم شرع عام ہے کہ جو بھی قاتل ہوگا وہ سلب قتیل کا مستحق ہوگا، اذن امام ہو یا نہ ہو۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي هذه الغزوة أنه قال: "مَن قتل قتيلا، له عليه بينة، فله سلبه"(١). وقاله في غزوة أخرى قبلها، فاختلف الفقهاء، هل هذا السلب مستحق بالشرع أو بالشرط؟ على قولين، هما روايتان عن أحمد.

أحدهما: أنه له بالشرع، شرطه الإمام أو لم يشرطه، وهو قول الشافعي.

والثاني: أنه لا يستحق إلا بشرط الإمام، وهو قول أبي حنيفة.

وقال مالك رحمه الله: لا يستحق إلا بشرط الإمام بعد القتال. فلو نصَّ قبله، لم يجز، قال مالك: ولم يبلغني أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ذلك إلا يوم حُنين، وإنما نفل النبي صلى الله عليه وسلم بعد أن برد القتال.

---

(١) متفق عليه، مر تخريجه سابقاً.

ومأخذ النزاع أن النبي صلى الله عليه وسلم كان هو الإمام، والحاكم، والمفتي، وهو الرسول، فقد يقول الحكم بمنصب الرسالة، فيكون شرعاً عاماً إلى يوم القيامة، كقوله: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد"(١) وقوله: "من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيء وله نفقته"(٢)، وكحكمه "بالشاهد، واليمين"(٣) "وبالشفعة فيما لم يقسم"(٤).

وقد يقول بمنصب الفتوى، كقوله لهند بنت عتبة امرأة أبي سفيان –وقد شكتْ إليه شحَّ زوجها، وأنه لا يعطيها ما يكفيها–: "خذي ما يكفيكِ وولدكِ بالمعروف"(٥)، فهذه فتيا لا حكم؛ إذ لم يدع بأبي سفيان، ولم يسأله عن جواب الدعوى، ولا سألها البينةَ.

وقد يقوله بمنصب الإمامة، فيكون مصلحة للأمة في ذلك الوقت، وذلك المكان، وعلى تلك الحال، فيلزم من بعده من الأئمة مراعاة ذلك على حسب المصلحة التي راعاها النبي صلى الله عليه وسلم زماناً ومكاناً وحالاً،

---

(١) أخرجه البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور......، رقم (٢٦٩٧)، ومسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة......، رقم (٤٤٩٢) (١٨)، من حديث عائشة رضي الله عنها.

(٢) أخرجه أحمد: ٣/٤٦٥، ٤/١٤١، رقم (١٥٩١٥)، وأبوداود (٣٤٠٣)، وابن ماجه (٣٤٦٦)، من حديث رافع بن خديج.

(٣) أخرجه مسلم (٤٤٧٢)، في الأقضية: باب القضاء باليمين والشاهد، من حديث ابن عباس.

(٤) أخرجه البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الشريك ......، رقم (٢٢١٣)، وكتاب الشفعة، باب الشفعة فيما لم يقسم ...... رقم (٢٢٥٧)، وفي مواضع أخرى، ومسلم، كتاب المساقاة، باب الشفعة، رقم (٤١٢٨)، وأبوداود (٣٥١٤)، من حديث جابر بن عبدالله.

(٥) أخرجه البخاري، كتاب البيوع، باب من أجرى أمر أمصار ......،رقم (٢٢١١)، والنفقات: باب إذا لم ينفق الرجل، فللمرأة أن تأخذ بغير علمه، رقم (٥٣٦٤)، ومسلم (٤٤٧٧)، في الأقضية: باب قضية هند.

ومن هاهنا تختلف الأئمة في كثير من المواضع التي فيها أثر عنه صلى الله عليه وسلم، كقوله صلى الله عليه وسلم: "من قتل قتيلا فله سلبه" هل قاله بمنصب الإمامة، فيكون حكمه متعلقاً بالأئمة، أو بمنصب الرسالة والنبوة، فيكون شرعاً عاماً؟ وكذلك قوله: "من أحيا أرضاً ميتة فهي له"(۱) هل هو شرع عام لكل أحد، أذن فيه الإمام، أو لم يأذن أو هو راجع إلى الأئمة، فلا يملك بالإحياء إلا بإذن الإمام؟ على القولين، فالأول: للشافعي وأحمد في ظاهر مذهبهما.

والثاني: لأبي حنيفة، وفرّق مالك بين الفلوات الواسعة، وما لا يتشاح فيه الناس، وبين مايقع فيه التشاح، فاعتبر إذن الإمام في الثاني، دون الأول"(۲).

۱۹ – باب: ما كانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِي الْمُؤَلَّفَةَ قُلُوبُهُمْ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الْخُمُسِ وَنَحْوِهِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ بیان کررہے ہیں، نیز یہ کہ نبی علیہ السلام خمس میں سے مؤلفۃ القلوب وغیرہ کو دیا کرتے تھے، تو بات وہی آگئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غنائم کے معاملے میں مکمل اختیار حاصل تھا، جہاں آپ مناسب سمجھتے تھے، خرچ کرتے، جس میں مؤلفۃ القلوب بھی داخل ہیں۔ قاضی اسماعیل فرماتے ہیں:

"في إعطاء النبي صلى الله عليه وسلم للمؤلفة من الخمس دلالة على أن الخمس إلى الإمام؛ يفعل فيه ما يرى من المصلحة"(۳).

---

(۱) رواه البخاري، في المزارعة: باب من أحيا أرضاً مواتاً، تعليقا، ومالك في المؤطأ موصولا: ۲/۷۴۴، في الأقضية، باب القضاء في عمارة الموات، رقم (۱۴۲۵)، عن ابن عمر رضي الله عنهما، ورواه غير واحد من الصحابة، انظر جامع الأصول: ۱/۳۴۷-۳۵۱، الكتاب السادس......

(۲) زاد المعاد: ۳/۴۸۹-۴۹۱، فصل في أن من قتل قتيلا فله سلبه.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۵۲.

مؤلفۃ القلوب کن کو کہا جاتا ہے؟

مؤلفۃ القلوب کی مختلف قسمیں ہیں:

❶ وہ لوگ جو مسلمان تو ہو چکے تھے، لیکن اسلام ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا، راسخ نہیں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو دیا کرتے تھے، تاکہ اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے، قاعدہ ہے: "الإنسان عبد الإحسان" (۱).

❷ وہ لوگ جو تھے تو کافر، تاہم ان کے بارے میں یہ توقع کی جاتی تھی کہ ان کو قریب لایا گیا تو یہ مسلمان ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تالیف قلب کے طور پر دیا کرتے تھے۔

❸ وہ کفار جن کے بارے میں یہ خطرہ رہتا تھا کہ وہ اپنے پڑوسی مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں گے، مصلحتاً ان جیسوں کی تالیف بھی کی جاتی تھی۔

ترجمۃ الباب میں "المؤلفة قلوبهم" سے پہلی دو قسمیں اور "وغيرهم" سے آخری قسم مراد ہے (۲)۔

یہ رائے کہ وغیرہم سے مؤلفۃ القلوب کی تیسری قسم مراد ہے، عام شراح بخاری کی ہے، تاہم مولف علیہ الرحمۃ نے ترجمۃ الباب کے تحت جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں حضرت عمر اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کا ذکر بھی آیا ہے، ان کو تیسری قسم میں شامل کرنا ممکن ہی نہیں ہے، ان کی ایمانی کیفیت ظاہر و باہر ہے، چہ جائیکہ ان کو کفار میں داخل مانا جائے، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ لفظ وغیرہم عام ہے، اس میں مؤلفہ القلوب کے علاوہ سبھی داخل ہیں، تیسری قسم کے کفار اور سارے مسلمان اور یہ کہا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کلی کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ واللہ اعلم

"ونحوه" میں ضمیر مجرور الخمس کی طرف راجع ہے، "أي ونحو الخمس" اس سے مراد مال خراج، جزیہ اور فيء ہے (۲)۔

---

(۱) دیکھیے، الإعجاز والإيجاز للثعالبي: ۹۲/۱، والتمثيل والمحاضرة له: ☆، ما يتمثل به من ذكر الإنسان ......، وفوات الوفيات: ۱۵۳/۳، ترجمة السراج الوراق، رقم (۳۷۹).

(۲) عمدة القاري: ۶۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۲/۶، وأحكام القرآن للرازي: ۱۵۹/۳، البتہ ابن قدامہ نے مؤلفۃ القلوب کی چھ قسمیں بیان کی ہیں، دو کفار کی اور چار مسلمانوں کی۔ دیکھیے، المغني: ۳۲۸/۶-۳۲۹، باب قسمة الفيء......، =

مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب باقی ہے یا نہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ باقی ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک معتمد قول کے مطابق مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب بھی کسی نہ کسی صورت میں باقی ہے، وہ ساقط نہیں ہوا۔

ان حضرات کا ایک قول مقید بالاحتیاج والضرورۃ بھی ہے، یعنی ان کا سہم ساقط ہوگیا ہے کہ اسلام کو اب شوکت ومنعۃ حاصل ہوگیا ہے، لیکن اگر کسی وقت ان کے استئلاف کی ضرورت پائی گئی توان کو سہم دیا جائے گا(۱)۔

حنفیہ کا قول یہ ہے کہ مولفۃ القلوب کو حصہ نہیں ملے گا کہ ان کے سہم کے ساقط ہونے پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے(۲)۔ حنفیہ کی دلیل اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کا واقعہ ہے۔

چنانچہ امام بیہقی وغیرہ نے روایت نقل کی ہے کہ یہ دونوں حضرات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے انہوں نے تقاضا کیا، زمین مانگی اور ایک تحریر لکھوالی، پھر یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ وہ بھی اس تحریر پر اپنی گواہی ثبت کردیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کو لیا، اس پر تھوک دیا اور تھوک کر اس کو مٹا دیا، مٹا کر پھر پھاڑ دیا۔ یہ لوگ غصے میں حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے اور کہنے لگے: "ما ندري، الخليفة أنت أم عمر؟!" صدیق نے فرمایا: "هو إن شاء الله"، کتنا عجیب جواب دیا!!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا کہ اسلام اس زمانے میں ذلیل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری تالیف کیا کرتے تھے، اب اللہ نے اسلام کو عزت دے دی ہے، جاؤ! جو مرضی آئے کرو، اسلام اب تم سے مستغنی ہے، اس لیے اسلام پر قائم رہو، ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی(۳)۔ یہ شان تھی عمر کی!!!

= المؤلفة قلوبهم ......، فصل، رقم(۵۱۰۷).

(۲) عمدة القاري: ۶۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۲/۶.

(۱) المؤطا مع الأوجز: ۹۰/۶، كتاب الزكاة، باب أخذ الصدقة ومن يجوز له أخذها، رقم (۲۹/۶۶۵).

(۲) فتح القدير: ۲۰۱/۲، وأحكام القرآن للرازي: ۱۶۱/۳، وفتح الملهم: ۱۳۳/۵.

(۳) سنن البيهقي الكبرى: ۳۲/۷، كتاب قسم التصرفات، باب سقوط سهم المؤلفة قلوبهم ......، رقم (۱۳۱۸۹)، وأحكام القرآن للرازي: ۱۶۰/۳-۱۶۱.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلے میں عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور صحابہ میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، گویا کہ ایک قسم کا اجماع صحابہ منعقد ہو گیا (۱)۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ یہ حکم معلول بالعلۃ تھا، علت ختم ہو گئی تو حکم بھی مرتفع ہو گیا، مگر اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ اگر علت عود کر آئے گی تو حکم پھر کیا ہوگا؟ تو اس میں مختلف اقوال ہیں:

بعض احناف فرماتے ہیں کہ یہ انتہاء الحکم بانتہاء علتہ کے قبیل سے ہے، جیسا کہ رمضان کے ختم ہونے سے اس کا حکم یعنی صوم بھی ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح ذل الاسلام بھی ہے، یعنی علتِ اعطاء ختم ہو جانے کی وجہ سے اعطاء المؤلفہ بھی ختم ہو گیا ہے، ورنہ اسلام کا دوبارہ ذلیل ہونا لازم آئے گا، وذا لا یجوز.

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اجماع صحابہ ہو چکا ہے، شیخین کی موافقت ہو چکی ہے اور یہ اجماع ناسخ ہے۔ جب کہ مذکورہ حکم منسوخ (۲)۔

تنبیہ

ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو حصہ دیا جا سکتا ہے، اگر امام کی اس پر رائے ہو (۳)۔

لیکن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نقل کو غریب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

"لم أجد هذا النقل عن أبي حنيفة، رحمه الله، في كتبنا إلى الآن، وليته ثبت!" (٤).

بہر حال اس مسئلے میں احناف کا جو مسلک ہے وہ غیر مؤید بالدلیل نہیں ہے (۵)۔

---

(١) أحكام القرآن: ٣/١٦١، وفتح الملهم: ٥/١٣٤، وشرح النقاية: ١/٣٨٥، الزكاة، مصارف الزكاة.

(٢) شرح النقاية: ١/٣٨٥، وفتح الملهم: ٥/١٣٤.

(٣) بداية المجتهد: ١/٢٧٥، كتاب الزكاة، الفصل الأول في عدد الأصناف ......، المسألة الثانية.

(٤) فتح الملهم: ٥/١٣٤.

(٥) اس مسئلے کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، أحكام القرآن: ٣/١٦٠-١٦١، مطلب: في المؤلفة القلوب. وفتح الملهم: ٥/١٣٣-١٣٥، والموسوعة الفقهية: ٢٣/٣١٩، و: ٣٦/١٣.

مؤلفۃ القلوب کو کہاں سے دیا جاتا تھا؟

اس کے بعد اس میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب کو کہاں سے دیا کرتے تھے؟ چناں چہ امام مالک اور ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ ان کو خمس میں سے دیا کرتے تھے۔ امام شافعی اور ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ان لوگوں کو خمس الخمس میں سے دیتے تھے (۱)۔

امام بخاری کی اپنی رائے بھی امام مالک کی رائے کے موافق ہے۔ کما مر.

رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ٤٠٧٥]

اس بات کو عبداللہ بن زید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری، مازنی، مدنی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد مؤلف علیہ الرحمۃ نے ترجمۃ الباب میں اپنا جو دعویٰ ذکر کیا ہے، اس کی تقویت ہے کہ یہی چیز عبداللہ بن زید سے بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب وغیرہ کو خمس وغیرہ میں سے دیا کرتے تھے۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اس طویل حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جو مؤلف نے مغازی (۳) میں قصہ حنین کے تحت موصولاً ذکر کی ہے (۴)۔ امام بخاری کے علاوہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الزکاۃ میں اس حدیث کو موصولاً ذکر کیا ہے (۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٥٢، نیز دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ٥٥٣–٥٥٤.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك......

(٣) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم (٤٣٣٠).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٥٢، وعمدة القاري: ١٥/٧٠.

(٥) صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام، رقم (٢٤٤٦).

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ابتدائی جملے یہ ہیں:

"لما أفاء الله على رسوله صلى الله عليه وسلم يوم حنين، قسم في الناس في المؤلفة قلوبهم".

انہی الفاظ میں ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مطابقت ہے کہ ان میں مؤلفۃ القلوب کو عطایا دیے جانے کا ذکر ہے(۱)۔

اس تعلیق کے علاوہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت دس احادیث ذکر کی ہیں، ان میں کی پہلی حدیث حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٧٤ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ : أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ(۲) قَالَ : سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ قَالَ لِي : (يَا حَكِيمُ ، إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى) . قَالَ حَكِيمٌ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ، لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتَّى أُفَارِقَ الدُّنْيَا . فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَدْعُو حَكِيمًا لِيُعْطِيَهُ الْعَطَاءَ فَيَأْبَى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ ، فَقَالَ : يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ ، إِنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ الَّذِي قَسَمَ اللَّهُ لَهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَأْبَى أَنْ يَأْخُذَهُ . فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيمٌ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى تُوُفِّيَ . [ر : ١٣٦١]

تراجم رجال

۱- محمد بن یوسف

یہ محمد بن یوسف فریابی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ما كان النبي صلى الله

---

(١) فتح الباري: ٢٥٢/٦.

(٢) قولهما: "أن حكيم بن ......" الحديث، مر تخريجه في كتاب الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة.

عليه وسلم يتخولهم......" کے تحت آچکا ہے(۱)۔

٢– الأوزاعي

یہ مشہور محدث عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مفصل حالات كتاب العلم، "باب الخروج في طلب العلم" میں گزر چکے(۲)۔

٣– الزهري

محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا ہے(۳)۔

٤– سعيد بن المسيب

یہ مشہور محدث حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب من قال: إن الإيمان......" کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں(۴)۔

٥– عروه بن الزبير

مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اجمالاً "بدء الوحي" میں گزر چکا(۵)۔

٦– حكيم بن حزام

یہ صحابی رسول، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ہیں(٦)۔

ترجمہ حدیث

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا، آپ صلی

---

(١) كشف الباري: ٣/٢١٦.

(٢) كشف الباري: ٣/٣٥٣.

(٣) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

(٤) كشف الباري: ٢/١٥٩.

(٥) كشف الباري: ١/٢٩١، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ٢/٤٣٦.

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غِنىً.

اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر مانگا، آپ علیہ السلام نے پھر عطا کیا، پھر فرمایا، اے حکیم! یہ مال سرسبز وخوش گوار ہے، سو جو شخص اسے نیک نیتی سے لیتا ہے تو اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور جو لالچ وحرص (اشراف نفس) کے ساتھ لیتا ہے تو اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس جیسا ہو جاتا ہے جو کھاتا جاتا ہے، لیکن...... اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

حضرت حکیم فرماتے ہیں، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں آپ کے بعد کسی سے کچھ بھی نہیں لوں گا، یہاں تک کہ دنیا چھوڑ دوں۔

چناں چہ حضرت ابوبکر، حضرت حکیم کو بلایا کرتے کہ انہیں عطا فرمائیں، لیکن وہ ان سے کچھ بھی لینے سے انکاری رہے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہم نے انہیں طلب کیا کہ انہیں عطا کریں، ان سے بھی انہوں نے کچھ لینے سے انکار کیا۔

(یہ صورت حال دیکھ کر) عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے مسلمانوں کی جماعت! میں حکیم پر ان کا وہ حق پیش کر رہا ہوں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس مال فيء میں رکھا ہے، لیکن وہ اس کے قبول سے انکار کر رہے ہیں۔

اس طرح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تاحیات لوگوں میں سے کسی سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اللہ اکبر!

تنبیہ

اس حدیث کا تعلق چونکہ کتاب الزکاۃ سے ہے، اس لیے اس کی شرح وہاں ذکر ہوگی (۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے (۲)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بنیاد پر مختلف مواقع پر انہیں مال وغیرہ عطا فرمایا کرتے تھے، جس کا ذکر "سألت فأعطاني" میں ہے، سو مطابقت پائی گئی (۳)۔

---

(۱) اس حدیث کی بعض تشریحات، کشف الباري، کتاب الرقاق: ۲۹۷-۲۹۸ میں آچکیں۔

(۲) مؤلفۃ القلوب کے ناموں کے لیے دیکھیے، کشف الباري، کتاب المغازي: ۵۵٤، مع حواله جات.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۷۰، والكوثر الجاري: ۱۲۵/٦.

باب کی دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۵ : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عُمَرَ ٱبْنَ الخَطَّابِ(۱) رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، إِنَّهُ كانَ عَلَيَّ ٱعْتِكَافُ يَوْمٍ فِي الجَاهِلِيَّةِ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَفِيَ بِهِ ، قالَ : وَأَصابَ عُمَرُ جارِيَتَيْنِ مِنْ سَبْيِ حُنَيْنٍ ، فَوَضَعَهُمَا فِي بَعْضِ بُيُوتِ مَكَّةَ ، قالَ : فَمَنَّ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ عَلَى سَبْيِ حُنَيْنٍ ، فَجَعَلُوا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ ، فَقَالَ عُمَرُ : يَا عَبْدَ ٱللّٰهِ ، ٱنْظُرْ ما هٰذَا؟ فَقَالَ : مَنَّ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّبْيِ ، قالَ : ٱذْهَبْ فَأَرْسِلِ الجَارِيَتَيْنِ .

قالَ نَافِعٌ : وَلَمْ يَعْتَمِرْ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ مِنَ الجِعْرَانَةِ ، وَلَوِ ٱعْتَمَرَ لَمْ يَخْفَ عَلَى عَبْدِ ٱللّٰهِ .

تراجم رجال

۱— ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن الفضل سدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة......" کے تحت بیان ہو چکا (۲)۔

۲— حماد بن زيد

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية......" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۳— ايوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت آچکا (۴)۔

---

(۱) قوله: "أن عمر......" الحديث، مر تخريجه في الاعتكاف، باب الاعتكاف ليلا.

(۲) كشف الباري: ۷٦٨/۲.

(۳) كشف الباري: ۲۱۹/۲.

(٤) كشف الباري: ۲٦/۲.

٤- نافع

یہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

٥- عمر بن الخطاب

ثانی الخلفاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجمالی تذکرہ "بدء الوحي" میں بیان ہو چکا ہے(۲)۔

أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: يا رسول الله

ایک حدیث اور تین احکام

یہ حدیث دراصل تین مختلف حکموں پر مشتمل ہے، یا یوں کہیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث کو ایک حدیث میں جمع کر دیا ہے، کیوں کہ راوی بہرحال سب کے نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

پہلا حکم اعتکاف سے متعلق ہے(۳)، جس کی شرح اسی کے ذیل میں آئے گی۔

دوسرا حکم غزوہ حنین کے قیدیوں سے متعلق ہے، جس کی شرح یہاں مطلوب ہے، یہ دوسرا حکم وأصاب عمر جاريتين سے قال: اذهب فأرسل الجاريتين تک ہے۔

تیسرا حکم عمرے سے متعلق ہے، جو "قال نافع: ولم يعتمر......" سے آخر حدیث تک ہے۔ اس کی شرح کتاب العمرہ میں آئے گی(۴)۔

وأصاب عمر جاريتين من سبي حنين، فوضعهما في بعض بيوت مكة......

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حنین کے قیدیوں میں سے دو باندیاں حاصل ہوئیں، جنہیں آپ رضی اللہ عنہ

---

(۱) كشف الباري: ٦٥١/٣.

(۲) كشف الباري: ١٣٩/١.

حدیث باب کے ارسال اور اتصال میں رواۃ کا اختلاف ہے، بحث کے لیے دیکھیے كشف الباري، كتاب المغازي: ٥٣٨-٥٣٩.

(۳) صحيح بخاري، كتاب الاعتكاف (الصوم)، باب الاعتكاف ليلا، رقم (٢٠٣٢).

(٤) كتاب الحج (العمرة)، باب كم اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم؟

نے مکہ کے کسی گھر میں ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں پر احسان کیا، چنانچہ یہ قیدی مکہ مکرمہ کی گلیوں میں بھاگنے دوڑنے لگے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے عبداللہ! دیکھو! کیا بات ہے؟ انہوں نے جواباً فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو آزاد کر دیا ہے، عمر نے فرمایا، جاؤ! دونوں باندیوں کو آزاد کر دو۔

اس حدیث میں بنو ہوازن کے قیدیوں کے قصے کا ذکر ہے، قصے کی تفصیل گزشتہ ابواب میں اور کتاب المغازی میں گزر چکی ہے(۱)۔

یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہوازن کے قیدیوں کو غانمین میں تقسیم کیا گیا تو دو باندیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصے میں بھی آئیں، جب ہوازن کے قیدیوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے حصے کی دونوں باندیاں آزاد کر دیں۔

باندیاں دو تھیں یا ایک؟

پھر یہ سمجھیے کہ حدیث میں جاریتین کا ذکر ہے کہ باندیاں دو تھیں، جب کہ مسلم شریف (۲) کی روایت میں ایک ہی باندی کا ذکر ہے۔

ان دونوں روایات میں تطبیق یوں ہے کہ باندیاں اصل میں دو ہی تھیں، لیکن ان میں سے ایک باندی انہوں نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو ہبہ کر دی تھی، اس موہوبہ باندی کا نام قلابہ تھا۔ اور دوسری باندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس رکھ لی۔ چنانچہ ابن اسحاق نے نافع عن ابن عمر کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"قال: بعثتُ جاريتي إلى أخوالي في بني جمح؛ ليصلحوا لي منها، حتى أطوف بالبيت، ثم أتيتهم، فخرجت من المسجد، فإذا الناس يشتدون، قلت: ما شأنكم؟ قالوا: رد علينا رسول الله ﷺ نساء نا وأبناء نا. فقلت: دونكم صاحبتكم، فهي في بني جمح، فانطلقوا، فأخذوها" (اللفظ للحافظ)(۳).

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي: ۵۳۲، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ويوم حنين......﴾.

(۲) صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب نذر الكافر، وما يفعل فيه إذا أسلم، رقم (۴۲۹۴).

(۳) سيرة ابن هشام: ۱۳۳/۴، أمر أموال هوازن ......، وفتح الباري: ۳۶/۸.

''ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی باندی قبیلہ جمح میں اپنے ماموؤں کی طرف بھیج دی، تاکہ اس کو وہ لوگ میرے لیے تیار کریں، یہاں تک کہ میں طواف بیت اللہ سے فارغ ہو جاؤں، پھر ان کے پاس آیا اور مسجد سے نکلا تو دیکھا کہ لوگ دوڑ رہے ہیں! میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ (یہ افراتفری کیوں؟) تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری عورتیں اور بچے ہمیں واپس کر دیے ہیں۔ میں نے کہا کہ اپنی خاتون کے پاس جاؤ، وہ بنی جمح میں ہے۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں گئے اور اسے اپنے ساتھ لے آئے''۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک باندی ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئی تھی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

وَزَادَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ قَالَ: مِنَ الْخُمُسِ.

اور جریر نے اپنے طریق میں "من الخمس" کا اضافہ نقل کیا ہے۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کے دو مقصد ہیں:

ایک تو حماد بن زید کی اوپر ذکر کردہ روایت مرسل تھی، کیونکہ نافع کا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، بلکہ رویت بھی ثابت نہیں ہے۔ جب کہ جریر بن حازم (۲) کی روایت مسند ہے کہ اس میں وہ ابن عمر سے نقل کر رہے ہیں۔

تاہم امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جریر کی روایت اگرچہ موصول و مسند ہے اور حماد بن زید کی مرسل، لیکن راجح حماد بن زید کی روایت ہے، کیونکہ وہ ایوب سختیانی کی روایات میں جریر سے اثبت وقوی ہیں (۱)۔

دوسرا مقصد یہ بتلانا ہے کہ حضرت عمر کے حصے میں دو باندیاں جو آئی تھیں، وہ خمس کی تھیں (۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۸/۳٦.

(۲) جریر کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد.

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۷۱، وفتح الباري: ٦/۲۵۳، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲٤، وشرح علل الترمذي لابن رجب، ترجمة حماد بن زيد بن درهم: ۱/٤٦۳.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۷۱، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲٤، والكوثر الجاري: ٦/۱۲۵-۱۲٦.

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کی موصولاً و مسنداً تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الأیمان (۱) میں کی ہے (۲)۔

وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ فِي النَّذْرِ ، وَلَمْ يَقُلْ : يَوْمٍ . [ر : ۱۹۲۷]

اور اعتکاف والی حدیث کو معمر نے ایوب عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سے حدیثِ نذر میں نقل کیا ہے اور اس میں یوم کا اضافہ نہیں ہے۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ اعتکاف والی حدیث معمر کے طریق سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں یوم کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مطلق نذر کا ذکر ہے۔

تخریجِ تعلیق

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب المغازی (۳) میں ذکر کیا ہے (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث کے ابتدائی حصے "وأصاب عمر جاریتین من سبي حنین" میں ہے، کیونکہ یہ باندیاں خمس میں سے تھیں، جو غیر المؤلفہ یعنی عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئیں۔ یہی بات جریر کی تعلیق میں بھی آئی ہے (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

تیسری حدیث حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۶ : حدّثنا مُوسَى بن إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ : حَدَّثَنَا الحَسَنُ قَالَ :

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الأیمان، باب نذر الکافر، ......، رقم (٤٢٩٤).

(۲) تغلیق التعلیق: ٣/٤٨٠.

(۳) صحیح بخاري، کتاب المغازي، باب قول الله تعالیٰ: ﴿ویوم حنین ......﴾، رقم (٤٣٢٠).

(٤) تغلیق التعلیق: ٣/٤٨٠، وفتح الباري: ٦/٢٥٣.

(٥) عمدة القاري: ١٥/٧٠، وفتح الباري: ٦/٢٥٢، والکوثر الجاري: ٦/١٢٥-١٢٦، واللامع: ٧/٣١٢.

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ (☆) قَالَ: أَعْطَى رَسُولُ ٱللهِ ﷺ قَوْمًا وَمَنَعَ آخَرِينَ، فَكَأَنَّهُمْ عَتَبُوا عَلَيْهِ، فَقَالَ: (إِنِّي أُعْطِي قَوْمًا أَخافُ ظَلَعَهُمْ وَجَزَعَهُمْ، وَأَكِلُ أَقْوامًا إِلَى ما جَعَلَ ٱللهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْخَيْرِ وَالْغَناءِ، مِنْهُمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ). فَقالَ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ: مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ.

تراجم رجال

١- موسیٰ بن اسماعیل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ اجمالاً بدء الوحي کی "الحديث الرابع" کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

٢- جرير بن حازم

یہ جریر بن حازم –بالحاء المهملة والزاي– رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٣- حسن

یہ مشہور تابعی بزرگ حضرت الإمام حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإيمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية......" کے تحت آچکے (۳)۔

٤- عمرو بن تغلب

یہ صحابی رسول، حضرت عمرو بن تغلب نمری رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

قال: أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم قوما، ومنع آخرين، فكأنهم عتبوا عليه

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ

(☆) قوله: "حدثني عمرو......": الحديث، مر تخريجه في كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة......

(١) كشف الباري: ١/٤٣٣.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد.

(٣) كشف الباري: ٢/٢٢٠.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أما بعد.

لوگوں کونہیں دیا، گویا کہ محروم رہ جانے والے آپ پر ناراض ہوئے۔

خلیل فرماتے ہیں کہ عتاب اس شکوہ اور اظہارِ ناراضگی کو کہتے ہیں، جو بطور ناز کے ہو(۱)۔

فقال: إني أعطي قوما أخاف ظلعهم وجزعهم

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو دیتا ہوں، جن کے متعلق مرض قلب وضعف یقین اور جزع وفزع کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ظلعهم ظاء اور لام کے ساتھ اعوجاج اور ٹیڑھے پن کے معنی میں ہے، یہاں اس سے مراد ضعف ایمان اور مرض قلب ہے(۲)۔

اس جملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو مال دینے کی علت بیان فرمائی ہے کہ ان کا ضعف ایمان دیکھ کر میں انہیں نوازتا ہوں، کہ کہیں یہ بدک نہ جائیں۔

وأكل أقواما إلى ما جعل الله في قلوبهم من الخير والغنى

اور کچھ اقوام کو جو خیر اور استغنا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اس کے حوالے کر دیتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ پہلی صنف کے مقابلے میں ایک دوسری صنف بھی ہے، جو مال وغیرہ سے مستغنی ہے، ان کے دل خیر وبھلائی سے پُر ہیں، یہ لوگ مال کے بغیر بھی اپنے ایمان وایقان پر مضبوط ہیں اور رہیں گے، تو ایسوں کا معاملہ کچھ دشوار نہیں، نہ ہی ان سے کوئی خطرہ واندیشہ ہے۔

علاوہ ازیں صنف اول کے لوگ کم ہی ہوتے ہیں، جب کہ قرن اول سے آج تک ایسے لوگوں کی کثرت رہی ہے، جو بکتے ہیں، نہ دین بدلتے ہیں، غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں بھی اسی نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ پہلی صنف کے لیے ''قوم'' کا اور دوسری صنف کے لیے اقوام کا لفظ ارشاد فرمایا ہے، جو جمع کا صیغہ ہے اور کثرت پر دال ہے۔

غنیٰ مکسور اور مقصور ہے، جو فقر کی ضد ہے(۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، والقسطلاني: ۲۲٤/۵، وكتاب العين: ۷۵/۲، باب العين والتاء والياء......

(۲) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۵/۵، وفتح الباري: ۲۵۳/٦.

(۳) حواله جات بالا.

منهم عمرو بن تغلب

جن میں سے عمرو بن تغلب بھی ہیں۔

یعنی اللہ تعالی نے ان کو بھی دوسری صنف والوں میں رکھا ہے، یہ مال وغیرہ سے مستغنی اور خیر و بھلائی سے پُر ہیں، ان کو اگر مال نہ بھی دیا جائے تو کوئی اندیشہ نہیں۔

فقال عمرو بن تغلب: ما أحب أن لي بكلمة رسول الله صلى الله عليه وسلم حمرَ النعم

تو عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کے عوض میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں۔

بكلمة میں باء بدلیت وعوض کے لیے ہے اور نعم نون کے فتحہ کے ساتھ بقول جوہری کے الانعام کا واحد ہے، اس کا عمومی اطلاق اونٹ پر ہوتا ہے۔ اور حمر حاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ ہے(۱)۔

پھر یہ واضح ہو کہ حمر منصوب ہے، کیونکہ یہ أن کا اسم مؤخر ہے۔

اس جملے کے دو مطلب

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا جملے کے دو مطلب ہیں:

❶ بكلمة رسول الله...... سے مراد وہ کلام ہے، جو آپ علیہ السلام نے حضرت عمرو کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ بھی اہل خیر و غنی میں سے ہیں اور ان میں داخل ہیں۔

تو اس جملے سے ان کو اس قدر خوشی و مسرت ہوئی کہ بقول ان کے اس کے بدلے اگر سرخ اونٹ بھی حاصل ہوتے تو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔

❷ کلمہ سے مراد وہ جملہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صنف اول (ضعفاء الإيمان ومرضى القلوب) کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ مجھے ان کے ساتھ شامل نہ کرنے پر بے

(۱) الصحاح للجوهري: ۱۰۵٤، مادة "نعم"، وعمدة القاري: ۷۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۵/۵.

حدو بے حساب خوشی ومسرت ہے کہ سرخ اونٹوں کے حصول پر بھی اس قدر خوشی نہ ہوتی (۱)۔

حمر النعم کی تخصیص کی وجہ واضح ہے کہ سرخ اونٹ عربوں کے ہاں سب سے قیمتی مال ہوا کرتا تھا۔

واللہ اعلم بالصواب

وَزَادَ أَبُو عاصِمٍ ، عَنْ جَرِيرٍ قالَ : سَمِعْتُ الحَسَنَ يَقُولُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِمالٍ أَوْ بِسَبْيٍ فَقَسَمَهُ ، بِهٰذَا . [ر : ۸۸۱]

ابوعاصم سے مراد ضحاک ہیں، جو النبیل سے معروف تھے (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد واضح ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث باب میں اختصار ہے، نیز اس میں جس چیز کے دینے اور نہ دینے کا ذکر ہے، اس سے مراد مال یا قیدی ہیں، جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرما رہے تھے۔ چنانچہ ابوعاصم کی روایت حدیث باب کی بنسبت اوضح ہے۔

کشمیہنی کی روایت میں سبی کی بجائے شيء یعنی شین کے ساتھ ہے اور یہی روایت زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ یہ تمام اشیاء کو شامل وعام ہے (۳)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب الجمعہ (۴) میں نقل کیا ہے (۵)۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے ابتدائی حصے میں ہے، یعنی "أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم قوما ومنع آخرين" کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو تو عطا فرمایا اور

---

(۱) فتح الباري: ۲۵۳/٦، وعمدة القاري: ۷۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۵/٥.

(۲) ان کے حالات کشف الباري، باب القراءة والعرض ......: ۱۲۹/۳ میں آچکے۔

(۳) فتح الباري: ۲۵۳/٦، وعمدة القاري: ۷۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۵/٥.

(٤) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء...... ، رقم (۹۲۳).

(٥) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، وفتح الباري: ۲٥٤/٦، وتغليق التعليق: ٤٨١/۳، وشرح القسطلاني: ۲۲۵/٥.

دوسروں کو منع کردیا''۔اس سے جہاں یہ ثابت ہورہا ہے کہ امام کو ان امور میں مطلق اختیار ہے، اسی طرح یہ بھی ثابت ہورہا ہے کہ آپ مؤلفۃ القلوب کو عطا فرماتے تھے۔

چوتھی حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۸/۲۹۷۷ : حدّثنا أَبو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ[۱] رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنِّي أُعْطِي قُرَيْشًا أَتَأَلَّفُهُمْ ، لِأَنَّهُمْ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ) .

تراجم رجال

۱ – ابو الولید

یہ ابو الولید ہشام بن عبد الملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، ''باب علامة الإيمان حب الأنصار'' کے تحت گزر چکے(۲)۔

۲ – شعبہ

یہ امیر المؤمنین في الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ''باب المسلم عن سلم المسلمون من......'' کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

---

(۱) قوله: "عن أنس......": الحديث أخرجه البخاري أيضاً، نفس هذا الباب، رقم (۳۱٤۷)، وكتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ابن أخت القوم منهم......، رقم (۳٥۲۸)، وكتاب مناقب الأنصار، باب مناقب الأنصار، رقم (۳۷۷۸)، وباب قول النبي صلى الله عليه وسلم للأنصار: ......، رقم (۳۷۹۳)، وكتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم (٤۳۳۱-٤۳۳٤، و٤۳۳۷)، وكتاب اللباس، باب القبة الحمراء من أدم، رقم (٥۸٦۰)، وكتاب الفرائض، باب مولى القوم من أنفسهم، ...... رقم (٦۷٦۲)، وكتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وجوه يومئذ ناضرة......﴾، رقم (۷٤٤۱)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة ......، رقم (۲٤۳٦-۲٤٤۲)، والترمذي، كتاب المناقب، باب فضل الأنصار وقريش، رقم (۳۹۰۱).

(۲) كشف الباري: ۳۸/۲.

(۳) كشف الباري: ٦۷۸/۱.

۳– قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– انس

یہ صحابی رسول، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه......" کے تحت بیان کیا جاچکا ہے(۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قریش کو دیتا ہوں، ان کو اپنے سے مانوس کرنے کے لیے، کیوں کہ یہ زمانہ جاہلیت سے قریب ہیں۔

پانچویں حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

(٢٩٧٨) : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قالَ : أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مالِكٍ(٢) : أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصارِ قالُوا لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، حِينَ أَفاءَ ٱللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِنْ أَمْوَالِ هَوَازِنَ ما أَفاءَ ، فَطَفِقَ يُعْطِي رِجالاً مِنْ قُرَيْشٍ الْمِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ ، فَقالُوا : يَغْفِرُ ٱللهُ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، يُعْطِي قُرَيْشًا وَيَدَعُنَا ، وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ . قَالَ أَنَسٌ : فَحُدِّثَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ بِمَقالَتِهِمْ ، فَأَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصارِ فَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ ، وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ أَحَدًا غَيْرَهُمْ ، فَلَمَّا ٱجْتَمَعُوا جاءَهُمْ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ فَقالَ : (ما كَانَ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ) . قالَ لَهُ فُقَهَاؤُهُمْ : أَمَّا ذَوُو آرائِنَا يَا رَسُولَ ٱللهِ فَلَمْ يَقُولُوا شَيْئًا ، وَأَمَّا أُنَاسٌ مِنَّا حَدِيثَةٌ أَسْنَانُهُمْ ، فَقالُوا : يَغْفِرُ ٱللهُ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، يُعْطِي قُرَيْشًا ، وَيَتْرُكُ الْأَنْصارَ ، وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمائِهِمْ . فَقالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (إِنِّي أُعْطِي رِجالاً حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ ، أَما تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالْأَمْوالِ ، وَتَرْجِعُوا إِلَى رِحالِكُمْ بِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ؛ فَوَٱللهِ ما تَنْقَلِبُونَ بِهِ خَيْرٌ مِمَّا يَنْقَلِبُونَ بِهِ) . قالُوا : بَلَى يَا رَسُولَ ٱللهِ قَدْ رَضِينَا ، فَقالَ لَهُمْ : (إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً شَدِيدَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوُا ٱللهَ تَعَالَى وَرَسُولَهُ ﷺ عَلَى الْحَوْضِ) . قالَ أَنَسٌ : فَلَمْ نَصْبِرْ .

[٣٣٢٧ ، ٣٥٦٧ ، ٣٥٨٢ ، ٤٠٧٦ – ٤٠٧٩ ، ٤٠٨٢ ، ٥٥٢٢ ، ٦٣٨١ ، ٧٠٠٣]

---

(١) كشف الباري: ٢/٣–٤.

(٢) قوله: "أخبرني أنس......" الحديث، مرّ تخريجه في الحديث السابق آنفاً.

تراجم رجال

١ – ابو الیمان

یہ ابو الیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢ – شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات اجمالاً بدء الوحي کی "الحدیث السادس" کے تحت گزر چکے ہیں(١)۔

٣ – زهری

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی بدء الوحي کی "الحدیث الثالث" کے ضمن میں بیان ہو چکے(٢)۔

٤ – أنس

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإیمان......" میں گزر چکا(٣)۔

تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مشہور کو اجمالاً وتفصیلاً دونوں طرح نقل کیا ہے، اس کی شرح مغازی میں آچکی ہے(۴)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

انس رضی اللہ عنہ کی باب کی گزشتہ اور موجودہ دونوں احادیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے، پہلی کی مطابقت تو اس جملے میں ہے، "اني أعطي قريشا أتألفهم" جب کہ دوسری کی مطابقت "فطفق يعطي رجالا من قريش......" میں ہے۔چناں چہ یہاں بھی مؤلفۃ القلوب کو دینے کا ذکر ہے۔

(١) كشف الباري: ١/٤٧٩-٤٨٠.

(٢) كشف الباري: ١/٣٢٦.

(٣) كشف الباري: ٢/٤.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ٥٥٢-٥٥٩.

باب کی چھٹی حدیث حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٧٩ : حدّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قالَ : أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُطْعِمٍ : أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرٍ قالَ : أَخْبَرَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ[1] : أَنَّهُ بَيْنَا هُوَ مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَمَعَهُ النَّاسُ ، مُقْبِلاً مِنْ حُنَيْنٍ ، عَلِقَتْ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ الْأَعْرَابُ يَسْأَلُونَهُ ، حَتَّى ٱضْطَرُّوهُ إِلَى سَمُرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَاءَهُ ، فَوَقَفَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : (أَعْطُونِي رِدَائِي ، فَلَوْ كانَ عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمًا لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ، ثُمَّ لَا تَجِدُونِي بَخِيلاً ، وَلَا كَذُوبًا ، وَلَا جَبَانًا) . [ر : ٢٦٦٦]

تراجم رجال

١- عبدالعزيز بن عبدالله الأويسي

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب العلم، "باب الحرص على الحديث" کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

٢- ابراهيم بن سعد

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٣- صالح

یہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا ترجمہ كتاب الإيمان، "باب من كره أن يعود في الكفر......" کے تحت بیان کیا جا چکا(۳)۔

٤- ابن شهاب

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں گزر چکا(۴)۔

---

(١) قوله: "أخبرني جبير......": مر تخريجه في الجهاد، انظر كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٢٢٢.

(٢) كشف الباري: ٣/٣٤.

(٣) كشف الباري: ٢/١٢٠-١٢١.

(٤) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

۵- عمر بن محمد بن جبير بن مطعم

یہ حضرت جبیر بن مطعم کے پوتے عمر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الجهاد، "باب الشجاعة في الحرب والجبن" میں گزر چکے(۱)۔

٦- محمد بن جبير

یہ محمد بن جبیر بن مطعم نوفلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۷- جبير بن مطعم

یہ ابو محمد جبیر بن مطعم نوفلی رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حنین سے لوٹتے ہوئے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے، بدوی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے، وہ آپ سے مانگ رہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے آپ علیہ السلام کو کیکر کے ایک درخت کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو کیکر نے آپ علیہ السلام کی چادر مبارک اچک لی، چناں چہ آپ نے توقف کیا اور کہا، میری چادر مجھے دو۔اگر میرے پاس ان کانٹے دار درختوں کے برابر بھی چوپائے ہوتے تو سب کو میں تم لوگوں میں تقسیم کر دیتا، پھر تم مجھے بخیل پاؤ گے، نہ جھوٹا اور نہ ہی بزدل۔

اس حدیث کی مفصل شرح چوں کہ کتاب الجہاد (۴) میں آچکی ہے، اس لیے یہاں ہم نے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الجهاد: ۱/۲۲۳.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب الجهر في المغرب.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً.

(٤) كشف الباري، كتاب الجهاد: ۱/۲۲٤-۲۲۸.

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے، "لقسمته بينكم" (۱) کہ "مال تمہارے درمیان تقسیم کردیتا" کیوں کہ یہ اعراب بھی مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ چناں چہ یہ جملہ آپ علیہ السلام نے ان کی تالیف وتسلی کے لیے فرمایا ہے۔

ساتویں حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٨٠ : حدّثنا يَحْيىٰ بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا مالِكٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مالِكٍ (۲) رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الحَاشِيَةِ ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَذَبَهُ جَذْبَةً شَدِيدَةً ، حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عاتِقِ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ أَثَّرَتْ بِهِ حاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهِ ، ثُمَّ قالَ : مُرْ لِي مِنْ مالِ ٱللّٰهِ الَّذِي عِنْدَكَ ، فَٱلْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ ، ثمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ . [٥٤٧٢ ، ٥٧٣٨]

تراجم رجال

۱ – يحيىٰ بن بكير

یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحي میں "الحديث الثالث" کے تحت آچکے (۳)۔

۲ – مالك

یہ امام دار الہجرۃ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحيِ میں "الحديث

---

(۱) عمدة القاري: ۷۳/۱۵، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لقسمته بينكم" فيه الترجمة: حيث لم يكن هؤلاء كملا في إيمانهم، وإلا لما فعلوا ما فعلوا". لامع الدراري: ۳۱۳/۷.

(۲) قوله: "عن أنس......" الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب اللباس، باب البرود والحبرة والشملة، رقم (۵۸۰۹)، وكتاب الأدب، باب التبسم والضحك، رقم (٦٠٨٨)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، رقم (٢٤٢٩–٢٤٣٠)، وابن ماجه، كتاب اللباس، باب لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٣٥٥٣).

(۳) كشف الباري: ۳۲۳/۱.

الثاني" کے تحت آچکے(۱)۔

۳- اسحاق بن عبداللّٰه

یہ مشہور تابعی ابویحییٰ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من قعد حيث ينتهي به المجلس" کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

٤- انس بن مالك

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب من الإيمان أن يحب......" میں گزر چکا(۳)۔

قال: كنت أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم، وعليه برد نجراني غليظ الحاشية

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپ کے بدن مبارک پر ایک نجران کی بنی ہوئی چادر تھی، جس کے کنارے موٹے تھے۔

نجران یمن کے ایک شہر کا نام ہے، جس کی چادریں مشہور ہوا کرتی تھیں اور برد اس چادر کا نام ہے، جس کی جمع برود اور ابراد ہے(۴)۔

فأدركه أعرابي، فجذبه جذبة شديدة، حتى نظرتُ إلى صفحة عاتق النبي صلى الله عليه وسلم، قد أثرت به حاشية الرداء، من شدة جذبته

تو ایک اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا اور بہت شدت سے آپ کی چادر کو کھینچا، تو میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کے کنارے پر اس کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں۔

یہاں کی روایت میں جذبہ آیا ہے، جب کہ مسلم شریف کی روایت میں جبذہ ہے(۵)، تاہم معنی

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۹۰، والإيمان: ۲/۸۰.

(۲) كشف الباري: ۳/۱۸۲.

(۳) كشف الباري: ۲/٤.

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۷۳، وفتح الباري: ۱۰/۵۰٦، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲٦.

(۵) مسلم شريف، كتاب الزكاة، باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، رقم (۲٤۲۹-۲٤۳۰).

دونوں کے ایک ہی، یعنی کھینچنے کے ہیں۔

عاتق تو گردن کو کہتے ہیں اور صفحہ کے معنی کنارے اور ناحیۃ کے ہیں، یعنی گردن کا کنارہ (۱)۔

ثم قال: مر لي من مال الله الذي عندك

پھر اس نے کہا کہ تمہارے پاس جو مال اللہ کا دیا ہوا ہے، اس میں سے مجھے دینے کا حکم دو۔

مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے بیت المال کے ذمے داروں کو کہیے کہ اللہ کے مال میں سے مجھے بھی کچھ دیں، آپ کے اپنے مال میں سے نہیں، نہ ہی آپ کے والد کی کمائی سے، بلکہ اس مال سے جو آپ کی اپنی محنت سے حاصل نہیں ہوا۔ چناں چہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "لا من مالك، ولا من مال أبيك" (۲) اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال زکوۃ ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی میں سے مؤلفۃ القلوب پر خرچ کیا کرتے تھے (۳)۔

فالتفت إليه، فضحك، ثم أمر له بعطاء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مڑے، پھر ہنس پڑے، پھر اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو تعجباً اس کی طرف مڑے، پھر تلطفاً ہنس پڑے (۴)۔ اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حلم و برداشت کا خوب اظہار ہو رہا ہے کہ آپ لوگوں کی تکالیف اور نادانیوں پر کس قدر صبر سے کام لیا کرتے تھے (۵)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمۃ کے ساتھ مطابقت آخری جملہ میں ہے، "ثم أمر له بعطاء" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) عمدة القاري: ۷۳/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۲٦/۵، وفتح الملهم: ۱۳۵/۵.

(۲) فتح الباري: ۵۰٦/۱۰، وفتح الملهم: ۱۳٦/۵.

(۳) حواله جات بالا.

(٤) فتح الملهم: ۱۳٦/۵، والكوثر الجاري: ۱۲۸/٦.

(۵) حواله جات بالا، وفتح الباري: ۵۰٦/۱۰، وعمدة القاري: ۷۳/۱۵.

نے اس بدوی کے عجیب وغریب انداز سوال کے باوجود اس کو مال دینے کا حکم دیا، یہی تو تالیف قلب ہے(۱)۔

ایک اہم فائدہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف امام مالک کے طریق سے نقل کی ہے، جو اسحاق بن عبداللہ سے روایت کر رہے ہیں، یہی حدیث امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے، انہوں نے اس کو امام مالک کے علاوہ امام اوزاعی، ہمام بن منبہ اور عکرمۃ بن عمار کے طریق سے بھی نقل کیا ہے، لیکن وہاں بھی اصل روایت مالک کی ہے، جب کہ دیگر حضرات کے طرق کو بعض اضافی فوائد کے بیان کے لیے نقل کیا گیا ہے(۲)۔

پھر یہ سمجھیے کہ یہ حدیث موطا کے مشہور نسخوں میں نہیں ہے، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لم أر هذا الحديث عند أحد من رواة المؤطأ، إلا عند يحيى بن بكير ومعن بن عيسىٰ، ورواه جماعة من رواة المؤطأ عن مالك، لكن خارج المؤطأ"(۳).

کہ "مؤطا کے جو رواۃ ہیں ان میں سے کسی کے نسخے میں، میں نے یہ روایت نہیں دیکھی، سوائے یحیٰی بن بکیر اور معن بن عیسیٰ کے نسخے کے اور مؤطا کے راویوں کی ایک جماعت نے اس حدیث کو امام مالک سے نقل کیا ہے، لیکن مؤطا کے علاوہ"۔

جب کہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موطا کے دو اور راویوں مصعب بن عبداللہ زبیری اور سلیمان بن صرد نے بھی اپنے اپنے نسخوں میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے(۴)۔

تاہم ہمارے برصغیر کے نسخوں میں یہ حدیث نہیں پائی جاتی۔ واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۷۳، وفتح الباري: ٦/٢٥٤، ولامع الدراري: ٧/٣١٣.

(۲) فتح الباري: ١٠/٥٠٦. اور صحیحین میں مواضع حدیث کی نشاندہی پیچھے تخریج حدیث میں کر دی گئی ہے۔

(۳) فتح الباري: ١٠/٥٠٦.

(٤) حواله بالا. اس حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، کشف الباري، كتاب الأدب، باب التبسم والضحك. ٤٨٧-٤٩١.

باب کی آٹھویں حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٨١ : حدّثنا عُثْمانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ[1] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : لَمَّا كانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ ، آثَرَ النَّبِيُّ ﷺ أُنَاسًا فِي الْقِسْمَةِ ، فَأَعْطَى الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ ، وَأَعْطَى عُيَيْنَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ ، وَأَعْطَى أُنَاسًا مِنْ أَشْرَافِ الْعَرَبِ ، فَآثَرَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْقِسْمَةِ ، قالَ رَجُلٌ : وَٱللهِ إِنَّ هٰذِهِ الْقِسْمَةَ ما عُدِلَ فِيهَا ، وَما أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ ٱللهِ . فَقُلْتُ : وَٱللهِ لَأُخْبِرَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ، فَأَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : (فَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ ٱللهُ وَرَسُولُهُ ، رَحِمَ ٱللهُ مُوسَى ، قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ) .

[٣٢٢٤ ، ٤٠٨٠ ، ٤٠٨١ ، ٥٧١٢ ، ٥٧٤٩ ، ٥٩٣٣ ، ٥٩٧٧]

تراجم رجال

۱- عثمان بن ابی شیبہ

یہ عثمان بن محمد بن ابی شیبہ کوفی عبسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- جریر

یہ جریر بن عبدالحمید ضبی رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- منصور

یہ منصور بن معتمر سُلَمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان تینوں حضرات محدثین کا تذکرہ کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم......" کے تحت تفصیلاً گزر چکا ہے (۲)۔

---

(١) قوله: "عن عبدالله (رضي الله عنه)": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب أحاديث الأنبياء، باب (بلا ترجمة) بعد باب حديث الخضر ......، رقم (٣٤٠٥)، وكتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم (٤٣٣٥-٤٣٣٦)، وكتاب الأدب، باب من أخبر صاحبه بما يقال فيه، رقم (٦٠٥٩)، وباب الصبر على الأذى، رقم (٦١٠٠)، وكتاب الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة ...... رقم (٦٢٩١)، وكتاب الدعوات، باب قول الله تعالى: ﴿وصل عليهم﴾ ......، رقم (٦٣٣٦)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، رقم (٢٤٤٧-٢٤٤٨).

(٢) كشف الباري: ٣/٢٦٦-٢٧٢.

٤– ابووائل

یہ ابووائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط......" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

٥– عبداللہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" میں آچکے(۲)۔

قال: لما کان یوم حنین، آثر النبي صلی اللہ علیه وسلم أناسا في القسمة، فأعطی الأقرع بن حابس مئة من الإبل، وأعطی عیینة مثل ذلك

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین کے موقع پر تقسیم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو ترجیح دی، چنانچہ اقرع بن حابس کو سو اونٹ عطا کیے، اسی قدر عیینہ بن حصن کو بھی دیے۔

اس عبارت میں في القسمة سے مراد قسمة الخمس ہے، نہ کہ قسمة الغنیمة، کیوں کہ غنیمت میں تو حصہ متعین ہوتا ہے، جو غانمین کا ہوتا ہے(۳)۔

اقرع بن حابس

یہ اقرع بن حابس بن عقال بن محمد بن سفیان تمیمی دارمی رضی اللہ عنہ ہیں(۴)۔ یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ، غزوہ حنین اور طائف میں شریک رہے(۵)۔

ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام فراش تھا، جب کہ اقرع لقب ہے، جو نام پر غالب آگیا، یہ

---

(۱) کشف الباري: ۲/۵۵۹.

(۲) کشف الباري: ۲/۲۵۷.

(۳) الکوثر الجاري: ٦/۱۲۹.

(٤) عمدة القاري: ۱۵/۷٤، والاستیعاب: ۱/۷۰، باب أقرع، رقم (٦۹).

(٥) عمدة القاري: ۱۵/۷٤.

اشرافِ عرب میں سے تھے، حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر خراسان کی طرف بھیجا تھا، جہاں یہ زخمی ہوگئے، بالآخر زخموں کی تاب نہ لاکر وہیں انتقال کرگئے (۱)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

عیینہ

یہ عیینۃ ۔بضم العین، مصغر العین۔ بن حصن بن حذیفۃ بن بدر الفزاری ہیں۔ یہ بھی مؤلفۃ القلوب میں سے تھے (۲)۔

امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ بھی اپنی قوم میں سید اور مطاع تھے، لیکن طبیعت میں گنوارپن اور تیزی تھی (۳)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب المغازی وکتاب الادب وغیرہ میں آگئی ہے (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت بالباب بالکل واضح ہے، اس میں تقسیم خمس کا ذکر بھی ہے اور اقرع وعیینہ، رضی اللہ عنہما کا بھی، جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔

باب کی نویں حدیث حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

٢٩٨٢ : حدّثنا مَحمودُ بْنُ غَيْلَانَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ(٥) رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قالَتْ : كُنْتُ أَنْقُلُ النَّوَى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى رَأْسِي ، وَهْيَ مِنِّي عَلَى ثُلُثَيْ فَرْسَخٍ . وَقالَ أَبُو ضَمْرَةَ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ أَرْضًا مِنْ أَمْوَالِ بَنِي النَّضِيرِ . [٤٩٢٦]

---

(١) حواله بالا.

(٢) حواله بالا، والكوثر الجاري: ١٢٩/٦، والاستيعاب: ١٣٥/٢، رقم (٢٠٦٦).

(٣) عمدة القاري: ٧٤/١٥، وأيضاً انظر الاستيعاب: ١٣٥/٢.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ٥٥٧، نيز ديكهيے، كتاب الأدب: ٤٤٦.

(٥) قوله: "عن أسماء......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب النكاح، باب الغيرة، رقم (٥٢٢٤)، ومسلم، كتاب السلام، باب جواز إرداف المرأة الأجنبية ......، رقم (٥٦٩٢-٥٦٩٣).

تراجم رجال

۱- محمود بن غیلان

یہ محمود بن غیلان –بفتح المعجمة وسكون المثناة تحت– رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

۲- ابو اسامه

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم" کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۳- هشام

یہ ہشام بن عروۃ بن زبیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤- أبی

اس سے مراد حضرت عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الثاني" کے تحت آ چکا ہے(۳)۔

٥- اسماء بنت ابی بکر

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے حالات تفصیلاً کتاب العلم، "باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد......" کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ میں اس زمین سے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بطور جائیداد دی تھی، اپنے سر پر گٹھلیاں منتقل کیا کرتی تھی اور میرے گھر اور اس

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقيت الصلاة، باب النوم قبل العشاء لمن غلب.

(۲) كشف الباري: ۳/٤١٤.

(۳) كشف الباري: ۱/۲۹۱، نیز دیکھیے، ۲/٤٣٢–٤٤٠.

(٤) كشف الباري: ۳/٤٨٧.

زمین کی درمیانی مسافت دو ثلث فرسخ تھا۔

النوی نواۃ کی جمع ہے، گٹھلی کو کہتے ہیں۔اور أقطعه: إقطاع الأرض سے ہے، جس کے معنی جائیداد عطا کرنے کے ہیں۔اور علی رأسي جار مجرور أنقل کے ساتھ متعلق ہے، جب کہ بعض حضرات نے اس کو حال قرار دیا ہے...... حال کونها علی رأسي......(۱).

"فرسخ" تین میل کی مسافت کو کہتے ہیں (۲)، تو ثلثي فرسخ کے معنی دو میل کے ہوئے۔

وقال أبو ضمرة عن هشام عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم أقطع الزبير أرضا من أموال بني النضير

اور ابوضمرہ ہشام عن ابیہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کی اراضی میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو زمین دی تھی۔

ابوضمرہ –بفتح الضاد وسکون المیم– سے مراد انس بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو فائدے بیان کرنے کے لیے نقل کیا ہے۔

❶ ابواسامہ نے اس حدیث کو موصولاً نقل کیا ہے، جب کہ ابوضمرہ نے ان کی اس معاملے میں مخالفت کردی اور اس کو مرسل نقل کیا ہے۔

❷ اس تعلیق میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دی گئی زمین کی تعیین کردی گئی ہے کہ وہ یہود کی تھی اور مال فيء میں سے تھی۔

اس وضاحت کے ساتھ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا اشکال بھی مرتفع ہوگیا، جو یہ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ نبی علیہ السلام نے مدینہ منورہ، جس کے باشندے برضا و رغبت اسلام میں داخل ہوئے تھے، کی زمین کیسے جائیداد کے طور پر دے دی؟ یہ زمین تو انصار کی تھی، اس میں نبی علیہ السلام نے تصرف کیسے کیا؟

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۷۵، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲۷.

(۲) القاموس الوحيد، مادة "فرسخ".

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت.

یہ اشکال نقل کرنے کے بعد علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک احتمالی جواب بھی دیا کہ شاید یہ زمین ان اراضی میں سے تھی، جو انصار نے نبی علیہ السلام کے حوالے کردی تھیں کہ ہم میں ان کے احیاء وسیرابی کی سکت نہیں، پانی وغیرہ کا وہاں کوئی انتظام نہیں، لہٰذا ان زمینوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے کے مطابق تصرف کریں۔ چناں چہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دی گئی زمین انہی زمینوں میں تھی۔هذا رأي الخطابي(۱).

لیکن اس اشکال کا جواب وہی ہے جو تعلیق میں مذکور ہوا کہ یہ زمین انصار کی نہیں، بلکہ یہود مدینہ کی تھی اور مال فيء میں سے تھی (۲)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں روایت باب میں اقطاع ارض کا ذکر ہے، جب کہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقطع الزبير نخلا"(۳) کہ جاگیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا باغ عطا فرمایا تھا۔

اس میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ جاگیر دینے کا دستور یہ ہے کہ امام ارض بیضاء (خالی زمین) جاگیر میں دیا کرتا ہے، تاکہ جاگیردار اس کا احیاء کرے اور اس کو آباد کرے، باغ تو پہلے ہی آباد ہوتا ہے، اسے کیوں آپ علیہ السلام نے جاگیر میں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوعبید قاسم بن سلام نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زمین ایک آدمی کو عطا فرمائی تھی، اس نے اس کا احیاء کیا اور وہ ہرے بھرے نخلستان میں تبدیل ہوگیا، اس کے بعد اس آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس زمین کی مشغولی کی وجہ سے میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو پاتا، اس لیے یہ زمین آپ مجھ سے واپس لے لیجیے (۴)۔

---

(۱) أعلام الحديث: ۲/۱۴۵۸-۱۴۵۹، وفتح الباري: ۶/۲۵۴، وعمدة القاري: ۱۵/۷۵.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۵۴، وعمدة القاري: ۱۵/۷۵، نیز دیکھیے، بذل: ۱۰/۳۱۳، وشرح السنة: ۴/۴۱۳، كتاب البيوع، رقم (۲۱۸۶).

(۳) أبوداود مع البذل: ۱۰/۳۱۳، كتاب الخراج ......، باب في إقطاع الأرضين، رقم (۳۰۶۹).

(۴) كتاب الأموال، رقم (۶۷۶)، بحواله تعليقات مصنف ابن أبي شيبة، محمد عوامة: ۱۷/۵۲۷، رقم (۳۳۶۹۵).

چناں چہ ہوسکتا ہے کہ وہی زمین آپ علیہ السلام نے حضرت زبیر کودی ہو۔ واللہ اعلم

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ہدی الساری میں یہ فرمایا ہے کہ "ورواية أبي ضمرة بإرسالها لم أجدها"(۱).

...یث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب میں دولفظ ہیں، "وغیرهم" اور "نحوه" اس حدیث کی مناسبت ترجمہ کے لفظ وغیرہم کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے اور نحوہم کے ساتھ بھی۔ وغیرہم کے ساتھ اس طرح کہ ابتدائے باب میں ہم یہ بتلا آئے ہیں کہ وغیرہم کو عام رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے، چوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اموال میں اختیار کلی حاصل تھا، اس لیے مسلم وغیر مسلم دونوں کو آپ مال وغیرہ دیا کرتے تھے۔ اسی بنیاد پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مذکورہ جائیداد دی گئی تھی۔

اور نحوہ کے ساتھ بھی مطابقت ہوسکتی ہے کہ نحوہ میں چوں کہ خراج، في اور جزیہ وغیرہ سب داخل ہیں، اس لیے جو حضرات مثلاً علامہ خطابی (في قول)(۱) یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ زمین خمس میں سے دی گئی تھی تو مطابقت من الخمس کے ساتھ ہوگی اور جو حضرات اس زمین کو مال في ء میں سے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک مناسبت نحوہ کے ساتھ ہوگی، کیوں کہ في ء بھی اس میں داخل ہے اور انہی حضرات کا قول راجح ہے۔ کیوں کہ مشہور قول اموال بنی نضیر میں فيء کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

باب کی دسویں حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۸۳ : حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ : حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ

---

(۱) هدي الساري: ۵۷، كتاب الجهاد، الفصل الرابع مِن المقدمة، هذا ما قاله الحافظ!

ولكن ...... الرواية بإرسالها رواها ابن سعد في الطبقات: ۱۰۴/۳، ومن بني أسد بن عبدالعزى بن قصي: الزبير بن العوام، والبلاذُري في فتوح البلدان: ۳۴/۱، أموال بني النضير، وانظر أيضاً تعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف: ۵۲۸/۱۷، رقم (۳۳۶۹۵).

(۲) أعلام الحديث للخطابي: ۱۴۵۴/۲، رقم (۳۱۳۶)، و شرح السنة: ۴۱۳/۴، رقم (۲۱۸۶).

قالَ : أَخْبَرَنِي نَافِعٌ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا[1] : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ أَجْلَى الْيَهُودَ وَالنَّصارَى مِنْ أَرْضِ ٱلْحِجَازِ ، وَكانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ لَمَّا ظَهَرَ عَلَى أَهْلِ خَيْبَرَ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ الْيَهُودَ مِنْهَا ، وَكانَتِ الْأَرْضُ لَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلْيَهُودِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلْمُسْلِمِينَ ، فَسَأَلَ الْيَهُودُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ أَنْ يَتْرُكَهُمْ عَلَى أَنْ يَكْفُوا الْعَمَلَ وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (نُقِرُّكُمْ عَلَى ذٰلِكَ ما شِئْنَا) . فَأُقِرُّوا حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ في إِمارَتِهِ إِلَى تَيْماءَ وَأَرِيحَا . [ر : ۲۲۱۳]

تراجم رجال

۱– احمد بن المقدام

یہ احمد بن المقدام بن سلیمان عجلی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۲– فضیل بن سلیمان

یہ فضیل بن سلیمان نمیری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۳– موسیٰ بن عقبه

یہ مشہور امام مغازی موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

٤– نافع

یہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گزر چکے (۵)۔

٥– ابن عمر رضي الله عنهما

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإيمان، "باب الإيمان......" کے تحت آ چکے (٦)۔

---

(١) قوله: "عن ابن عمر......": الحديث، مر تخريجه في كتاب الإجارة، باب إذا استأجر أرضا......

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب البيوع، باب من لم ير الوساوس......

(٣) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة......

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء.

(٥) كشف الباري: ٤/٦٥١.

(٦) كشف الباري: ١/٦٣٧.

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہود ونصاریٰ کو حجاز سے باہر نکال دیا تھا (اس سے قبل) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہود خیبر پر فتح یاب ہوئے تھے تو آپ علیہ السلام نے انہیں خیبر سے نکال باہر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور خیبر کی یہ زمین جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فتح کیا تھا تو یہود کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور مسلمانوں کی تھی، چناں چہ (جب یہود کو یہ خبر ملی کہ ان کو یہاں سے نکالنے کا ارادہ ہے تو) انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں وہاں سے نکالا نہ جائے، اس شرط پر کہ زمین پر کام یہود کریں گے اور پیداوار میں ان کا نصف حصہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ٹھیک ہے) ہم اس پر تمہیں چھوڑتے ہیں، لیکن جب تک ہم چاہیں، اس طرح انہیں (ان کی زمین پر) برقرار رکھا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دنوں میں انہیں تیماء و أریحا کی طرف جلاوطن کردیا۔

حدیث کے بعض اجزاء کی تشریح

روایتِ باب میں آیا ہے، "وکانت الأرض —لما ظهر عليها— لليهود وللرسول وللمسلمين" اکثر نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے، تاہم ابن السکن کے نسخے میں لله وللرسول...... ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعارض ہے کہ اکثر کے نسخوں میں لفظِ یہود ہے اور ابن السکن کے نسخے میں لفظ الجلالۃ یعنی للہ.

اس تعارض کو مختلف طریقوں سے رفع کیا گیا ہے۔

1. طریقۂ ترجیح کہ ابن السکن کی روایت راجح ودرست ہے۔
2. تاہم ابن ابی صفرہ کہتے ہیں کہ اکثر کا نسخہ بھی صحیح ہے، یعنی للیہود کے الفاظ۔

اس صورت میں اشکال یہ ہوگا کہ پھر لما ظهر عليها کے کیا معنی ہوں گے؟! کیوں کہ مسلمانوں کے غلبہ کے بعد زمین یہود کی ہونے کے کیا معنی ہوئے؟

اشکال کے جوابات

اس اشکال کے مختلف جوابات ہیں:

❶ لما ظهر عليها سے مراد یہ ہے کہ جب اکثر علاقۂ خیبر فتح ہوگیا اور اس وقت تک یہود نے مصالحت کی درخواست نہیں کی تھی۔ ظاہری بات ہے کہ اس وقت زمین تو یہود کی تھی اور مسلمانوں کی بھی۔ لیکن جب یہود کی طرف سے صلح کی درخواست آئی اور شرائط پر صلح ہوگئی تو زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہوگئی۔

❷ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہو، یعنی ثمرة الأرض کہ زمین کی پیداوار یہود اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

❸ لفظ "ارض" مفتوحہ وغیرہ مفتوحہ دونوں کو شامل ہے اور ظہور سے مراد غلبہ ہے کہ مسلمان یہود پر غالب تھے، اس صورت میں زمین یہود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہوگی، یعنی مفتوحہ مسلمانوں کی اور غیر مفتوحہ یہود کی (۱)۔

تيماء وأريحا

تیماء -بالفتح والمد- شام کی طرف ایک چھوٹا سا شہر ہے، یہ شام اور وادی القری کے درمیان حاجیوں کا جو راستہ ہے، وہاں واقع ہے (۲)۔

اُریحا سے متعلق وضاحت کتاب الخمس کے اوائل میں گزر چکی ہے (۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

ترجمۃ الباب سے اس حدیث کا تعلق بظاہر نظر نہیں آتا، اس لیے کہ اس میں مؤلفۃ القلوب کا ذکر ہے، نہ اعطاء کا؟

تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ مطابقت موجود ہے، حدیث میں آیا ہے، "وكانت الأرض لما ظهر عليها لليهود وللرسول وللمسلمين" ان الفاظ سے مصنف نے ترجمہ ثابت کیا ہے، وہ اس لیے کہ جب وہ زمین اللہ کے رسول کی تھی تو اس میں آپ کو تصرف کرنے کا حق بھی تھا، جس کو چاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیں، اس میں مؤلفۃ القلوب بھی داخل ہیں اور غیر مؤلفۃ القلوب بھی۔ كما ذكرنا قبل.

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٥٥، وعمدة القاري: ١٥/٧٥.

(۲) معجم البلدان: ٢/٦٧، باب التاء والياء وما يليهما.

(۳) دیکھیے، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: أحلت لكم الغنائم......

تاہم یہاں سب سے بہترین توجیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جوانہوں نے لامع میں ذکر کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کی زمین یہود کو مزارعت پر دی گئی تھی، اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خارص کو خرص کے لیے بھیجتے تو اس کو حکم فرماتے کہ خرص کے بعد ربع یا ثلث ان یہود کے لیے چھوڑ دینا۔ یہی تو اعطاء ہے! اور اس اعطاء کا مقصد ظاہر ہے کہ تالیف قلب تھا۔

پھر یہ دینے کا جو عمل ہے، خمس ونحو الخمس دونوں سے ہوتا تھا، کیوں کہ جو بھی پیداوار وہاں سے حاصل ہوتی تھی اولاً اس کا خمس نکالا جاتا تھا، پھر غانمین میں تقسیم کیا جاتا، اب یہ سمجھیے کہ مزارعت نصف پر تھی، پھر خارص کو حکم تھا کہ ثلث یا ربع وغیرہ نصف کے علاوہ بھی ان کے لیے چھوڑ دیا جائے، گویا اکثر حصہ یہود کو گیا اور مسلمانوں کے حصے میں، نیز خمس میں کمی آ گئی، چناں چہ خمس میں سے بھی یہود کو ملا اور مسلمانوں (غانمین) کے حصے میں سے بھی ان کو ملا کہ غانمین اور خمس دونوں کے حصے بداہۃ ثلث یا ربع کے دینے کی وجہ سے کم ہو گئے تھے۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

"ولعل إيراد هذه الرواية ههنا لأجل أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأمر أصحابه أن يتركوا لهم بعد الخرص ربعا أو ثلثا، كما تشهد به الروايات، وليس ذلك إلا إعطاء؛ فكان هذا الحديث مما يناسب الباب باعتبار إعطاء الغير المؤلفة إن أريد به المؤمنون، وإن كان أعم ممن آمن، ولم يكمل إيمانه بعد، وممن لم يكن مؤمنا بعد، فهو من قبيل إعطاء المؤلفة، وكان ذلك إعطاء من الخمس ونحوه معا؛ لأن ما كان يجيء إلى المسلمين كان يخمس منه أوّلا، ثم يقسم بين الغانمين على حسب حصصهم، فما انتقص من نصيبهم وجباياتهم بترك الربع والخمس والثلث ونحوه انتقص بحسبه من الخمس أيضاً، فكان هذا الحط لهم من المسلمين إعطاء أيضاً".

مولانا یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فافهم؛ فإنه غريب، وكم للأستاذ مثل ذلك من عجيب!"(١).

(١) لامع الدراري: ٣١٣/٧-٣١٤، وانظر أيضاً تعليقاته: ٣١٣/٧.

٢٠ - باب : ما يُصِيبُ مِنَ الطَّعَامِ في أَرْضِ الحَرْبِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

کسی مجاہد کو اگر دار الحرب میں کھانے کو طعام مل جائے، یا اپنی سواری کے لیے گھاس مل جائے تو اس کا کھانا اور استعمال کرنا اس مجاہد کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے، کھانے میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا طعام کے طور پر استعمال معتاد ہو، خواہ تقسیم غنیمت سے قبل ہو یا بعد، امام کی اجازت موجود ہو یا نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب میں کھانے پینے کی اشیاء کا حصول عموماً دشوار ہوتا ہے، اس لیے ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز کہا گیا ہے، پھر جمہور کے نزدیک ضرورت نہ ہو، تب بھی جائز ہے۔

تاہم بعض حضرات مثلاً امام زہری واوزاعی وغیرہ نے اس کو اذن امام کے ساتھ مقید کیا ہے، جب کہ سلیمان بن موسیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ابتداءً تو جائز ودرست ہے، لیکن امام منع کردے تو جائز نہیں ہے۔ یہی امام محمد (رحمہم اللہ) سے بھی مروی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور علماء کی تائید کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان اشیاء میں تخمیس وغیرہ نہیں ہوگی، بلکہ مقاتلین کے لیے اس کا کھانا اور جانور کو کھلانا جائز ومباح ہوگا (۱)۔

حنفیہ کے نزدیک اس میں مزید توسع ہے، وہ طعام اور گھاس کے علاوہ لکڑی، اسلحہ، گھوڑا اور وہ تیل، جس میں تقسیم نہ ہوئی ہو، کو بھی اس حکم میں داخل کہتے ہیں (۲)۔

پھر جمہور کے نزدیک مذکورہ بالا حکم دار الحرب کے ساتھ خاص ہے، ان اشیاء کو ساتھ لیے دار الاسلام آنا جائز نہیں، اگر ایسا کیا تو ان اشیاء کو غنیمت میں داخل کرانا ضروری ہوگا (۳)۔

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٥٥، وشرح النووي على مسلم: ٢/٩٧، وإعلاء السنن: ١٢/١٢٩، وعمدة القاري: ١٥/٧٦، والأوجز: ٩/١٥٧، والدر المختار: ٣/٢٥٤، والمغني: ٨/٤٤٥، وشرح السير الكبير: ٢/٣/١٢٠، باب مايستعمل في دار الحرب، ويؤكل ويشرب.

(٢) الدر المختار: ٣/٢٥٤.

(٣) اس مسئلے کی مزید تفصیلات وشروط کے لیے دیکھیے السير الكبير مع شرحه: ٢/٣/١٢٠-١٢٣، والمغني: ٩/٢٢٣-٢٢٤، =

اب باب کی احادیث دیکھیے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے موقف کو ثابت کرنے کے لیے یہاں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں پہلی حدیث باب حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٨٤ : حدثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ[1] رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كُنَّا مُحَاصِرِينَ قَصْرَ خَيْبَرَ ، فَرَمٰى إِنْسَانٌ بِجِرَابٍ فِيهِ شَحْمٌ ، فَنَزَوْتُ لِآخُذَهُ ، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ . [٣٩٧٧ ، ٥١٨٩]

تراجم رجال

١– ابو الولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب علامة الإيمان حب الأنصار" کے تحت گزر چکا(۲)۔

٢– شعبه

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم......" کے تحت گزر چکے(۳)۔

٣– حمید بن هلال

یہ حمید بن ہلال عدوی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

= رقم (٧٥٥٤)، والأوجز: ٩/١٥١–١٦٣، وإعلاء السنن: ١٢/١٢٩–١٣٧، والموسوعة الفقهية: ١/٣٠٧–٣٠٩، (غنيمة: الأخذ من الغنيمة......)، رقم (١٨).

(١) قوله: "عن عبدالله......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢١٤)، وكتاب الذبائح والصيد، باب ذبائح أهل الكتاب وشحومها......، رقم (٥٥٠٨)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب جواز الأكل من طعام الغنيمة......، رقم (٤٦٠٥–٤٦٠٦)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب إباحة الطعام في أرض العدو، رقم (٢٧٠٢)، والنسائي، كتاب الضحايا، باب ذبائح اليهود، رقم (٤٤٤٠).

(٢) كشف الباري: ٢/٣٨.

(٣) كشف الباري: ١/٦٧٨.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب يرد المصلي [illegible] بديه.

٤- عبدالله بن مغفل

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مغفل (بزنۂ محمد) رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

قال: كنا محاصرين قصر خيبر، فرمى إنسان بجراب فيه شحم

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے خیبر کے محل کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ (اوپر سے) ایک آدمی نے چمڑے کی ایک تھیلی پھینکی، جس میں چربی تھی۔

جراب مزود کو کہتے ہیں، یعنی زادراہ کی تھیلی، جو چمڑے سے بنی ہوئی ہو، اس کو جیم کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، صحیح کسرہ ہے، اس کی جمع أجربه و جِرَب ہے (۲)۔

فنزوت لآخذه

میں نے اس کو پکڑنے کے لیے تیزی سے چھلانگ ماری۔

نزوت-نون اور زای کے ساتھ-اس کے معنی کودنے اور چھلانگ مارنے کے ہیں، یہ باب نصر سے ہے (۳)۔

ابوداؤد (۴) کی سلیمان بن المغیرہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: "فالتزمته، فقلت: لا أعطي اليوم أحداً من هذا شيئاً" کہ "میں اس تھیلی کے ساتھ چمٹ گیا اور کہا کہ آج کے دن میں کسی کو اس میں سے کچھ بھی نہیں دوں گا"۔

اور ابن وہب کی ایک روایت، جو سند معضل (۵) کے ساتھ مروی ہے، میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقيت الصلاة، باب من كره أن يقال للمغرب......

(۲) عمدة القاري: ١٥/٧٦، وفتح الباري: ٦/٢٥٦.

(۳) حواله جات بالا، والقاموس الوحيد، مادة "نزو".

(٤) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب إباحة الطعام في أرض العدو، رقم (٢٧٠٢).

(٥) "والمعضل -بفتح الضاد-: ما سقط من سنده اثنان فصاعدا مع التوالي كقول مالك (ابن أنس): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (فقد ترك فيه: نافعا، ثم ابن عمر)، وقول الشافعي: قال ابن عمر كذا (فقد ترك فيه: مالكا، ثم نافعا)". قواعد في علوم الحديث للعثماني: ٤١، من الديباج المذهب: ٣٧، وتعليقات عبد الفتاح أبي غدة على قواعد......

کعب بن عمرو بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلی ان سے لے لی، جس پر نبی علیہ السلام نے حضرت کعب سے فرمایا کہ اس کو اس کی تھیلی دے دو (☆)۔

فالتفت، فإذا النبي صلى الله عليه وسلم، فاستحييت منه

میں نے مڑکر دیکھا تو اچانک وہاں نبی اکرم ﷺ موجود تھے تو میں آپ علیہ السلام سے شرما گیا۔

"إذا" مفاجاتیه ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب میں مڑا تو اچانک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شرما گیا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا فعل دیکھ لیا تھا اور جو الفاظ میں نے کہے تھے وہ سن لیے تھے (۱)۔

اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نبی علیہ السلام کی جو عزت و توقیر تھی، وہ بھی واضح ہوگئی۔

نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ حضرات خلاف مروت امور سے کس قدر اپنے کو بچایا کرتے اور ان سے دور رہا کرتے تھے (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم انکار میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں دیکھا کہ وہ ارض عدو سے کھانا لے رہے ہیں، اس کے باوجود انہیں کچھ بھی نہیں کہا، بلکہ مسلم شریف کی روایت میں تو یہ بھی آیا ہے، "فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم متبسّما" (۳) کہ نبی علیہ السلام مسکرا رہے تھے۔ جو آپ علیہ السلام کی رضامندی پر دال ہے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد طیالسی (۴) کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، "فقال: هو لك" کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تھیلی تمہاری ہے (۵)، اس پوری

(☆) فتح الباري: ٦/٢٥٦.

(١) حواله بالا، عمدة القاري: ١٥/٧٦، والكوثر الجاري: ٦/١٣٠.

(٢) حواله جات بالا.

(٣) مسلم شريف، كتاب الجهاد، باب جواز الأكل من ......، رقم (٤٦٠٥).

(٤) مسند أبي داود الطيالسي: ١/٤٩١، وما أسند عن عبدالله بن مغفل رضي الله عنه، رقم (٩٥٩).

(٥) فتح الباري: ٦/٢٥٦، وعمدة القاري: ١٥/٧٦.

اس حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ٤٣٢-٤٣٣، و كتاب الذبائح والصيد، باب ذبائح أهل الكتاب: ٢٧٤-٢٧٦.

تفصیل سے اس فعل کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

٢٩٨٥ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ[1] رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا قالَ : كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِينَا ٱلْعَسَلَ وَٱلْعِنَبَ ، فَنَأْكُلُهُ وَلَا نَرْفَعُهُ .

تراجم رجال

١- مسدد

یہ مسدد بن مسرہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه ......" کے تحت گزر چکے(۲)۔

٢- حماد بن زید

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلیة......" کے تحت آچکا ہے(۳)۔

٣- ایوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مفصل تذکرہ کتاب الإیمان، "باب حلاوة الإیمان" میں آچکا(۴)۔

٤- نافع

یہ نافع مولی ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب ذکر العلم

---

(١) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنه": الحديث، تفرد به البخاري، ولم يخرجه إلا في هذا الموضع.

تحفة الأشراف: ٧٦/٦، رقم (٧٥٥٨).

(٢) كشف الباري: ٢/٢.

(٣) كشف الباري: ٢١٩/٢.

(٤) كشف الباري: ٢٦/٢.

والفتيا في المسجد" میں گزر چکے ہیں(۱)۔

۵- ابن عمر رضی اللہ عنه

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب الإيمان......" میں آچکے(۲)۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كنا نصيب في مغازينا ......

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم اپنی جنگوں میں شہد اور انگور حاصل کرتے تھے، سو اس کو کھایا کرتے۔

یہ روایت اسماعیلی اور ابونعیم نے بھی نقل کی ہے، ان کی روایت میں "الفواکه" کی زیادتی بھی ہے۔ اسی طرح اسماعیلی نے ایک اور روایت ابن المبارک رحمہم اللہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں سمن (گھی) کا تذکرہ بھی ہے(۳)۔

علاوہ ازیں ایک روایت جریر بن حازم عن ایوب رحمہم اللہ کے طریق سے بھی مروی ہے، اس میں ہے، "أصبنا طعاماً وأغناما يوم اليرموك، فلم يقسم"(٤) کہ غزوہ یرموک کے موقع پر ہمیں کھانا اور بکریاں حاصل ہوئیں، جو تقسیم نہیں ہوئیں، یعنی ان کو غنیمت میں شامل کر کے تقسیم نہیں کیا گیا، بلکہ یہ اشیاء ہمارے پاس ہی رہیں۔

یرموک والی یہ روایت موقوف ہے، کیوں کہ یرموک کا غزوہ عہد فاروقی میں لڑا گیا تھا، جب کہ پہلی روایت مرفوع کے حکم میں ہے، کہ اس میں تصریح ہے کہ یہ عہدِ نبوی کا واقعہ ہے، لیکن اس موقوف روایت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مرفوع کے موافق ہے(۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ٤/٦٥١.

(۲) كشف الباري: ١/٦٣٧.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٥٦، وعمدة القاري: ١٥/٧٦، وكذا في رواية سعيد بن منصور في سننه: ٢/٢٧١، لفظ "الثمار"، وهو متناول للفواكه، رقم (٢٧٣٥)، وشرح الزرقاني: ٣/٢٣، وسنن البيهقي الكبرى: ٩/١٠١، كتاب السير، باب السرية تأخذ العلف ......، رقم (١٧٩٩٤).

(٤) تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر: ٣١/٨٣، حرف العين.

(٥) عمدة القاري: ١٥/٧٦، وفتح الباري: ٦/٢٥٦.

ولا نرفعه

اور اس کو ہم جمع نہیں کرتے تھے۔

اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم اس کو ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسے ہم غنیمت کے ذمے دار یا نبی علیہ السلام کے حوالے نہیں کرتے تھے، نہ ہی کھانے کی اجازت طلب کرتے، کیوں کہ پہلے سے اس قسم کی چیزوں کے استعمال کی اجازت موجود ہوتی تھی (۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل ظاہر ہے (۲)، ابن عمر رضی اللہ عنہ عہدِ نبوی کی جنگوں کے بارے میں بتلا رہے ہیں کہ ہم عام کھانے پینے کی اشیاء استعمال کرلیا کرتے تھے، جو جواز کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

باب کی تیسری حدیث عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٢٩٨٦ : حدثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ : حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ أَبِي أَوْفَى[٣] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : أَصَابَتْنَا مَجَاعَةٌ لَيَالِيَ خَيْبَرَ ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ وَقَعْنَا فِي الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَٱنْتَحَرْنَاهَا ، فَلَمَّا غَلَتِ الْقُدُورُ نَادَى مُنَادِي رَسُولِ ٱللهِ ﷺ : أَكْفِئُوا الْقُدُورَ ، فَلَا تَطْعَمُوا مِنْ لُحُومِ الْحُمُرِ شَيْئًا . قَالَ عَبْدُ ٱللهِ : فَقُلْنَا : إِنَّمَا نَهَى النَّبِيُّ ﷺ لِأَنَّهَا لَمْ تُخَمَّسْ ، قَالَ : وَقَالَ آخَرُونَ : حَرَّمَهَا أَلْبَتَّةَ ، وَسَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ فَقَالَ : حَرَّمَهَا أَلْبَتَّةَ .

[٣٩٨٣ - ٣٩٨٦ ، ٥٢٠٥]

---

(١) حواله جات بالا، وشرح القسطلاني: ٥/٢٢٨.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٧٦، والكوثر الجاري: ٦/١٣١.

(٣) قوله: "سمعت ابن أبي أوفى......": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (٤٢٢٠، و٤٢٢٢، و٤٢٢٤)، وكتاب الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الإنسية، رقم (٥٥٢٦)، ومسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب تحريم أكل لحم الحمر الإنسية (٥٠١٠-٥٠١١)، والنسائي، كتاب الصيد، باب تحريم أكل لحوم الحمر الأهلية، رقم (٤٣٤٤)، وابن ماجه، كتاب الذبائح، باب لحوم الحمر الأهلية، رقم (٣١٩٢).

تراجم رجال

۱- موسیٰ بن اسماعیل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بدء الوحي کی "الحدیث الرابع" کے تحت گزر چکے(۱)۔

۲- عبدالواحد

یہ عبدالواحد بن زیاد عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب الجهاد من الإیمان" کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۳- الشیبانی

یہ سلیمان بن ابی سلیمان کوفی شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٤- ابن ابی اوفی

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ہیں(۴)۔

تنبیہ

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی شرح کتاب الذبائح والصید میں آچکی ہے(۵)۔

قال عبداللہ: فقلنا إنما نهى النبي صلى اللہ عليه وسلم؛ لأنها لم تخمس.

قال: وقال آخرون: حرمها البتة

عبداللہ کہتے ہیں تو ہم نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے (ان گدھوں کا گوشت کھانے سے اس لیے) منع

---

(۱) کشف الباري: ۱/٤۳۳.

(۲) کشف الباري: ۲/۳۰۱.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الحیض، باب مباشرة الحائض.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین......

(٥) کشف الباري، کتاب الذبائح والصید: ۲۹۳-۲۹۵.

کیا کہ ان کا خمس نہیں نکالا گیا تھا، فرماتے ہیں: جب کہ بعض دیگر صحابہ نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے حمر اہلیہ کو مطلقاً حرام قرار دے دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حمر اہلیہ کے گوشت سے بھری، ابلتی ہوئی ہانڈیوں کو گرانے کا حکم دیا اور ان کے کھانے سے منع کیا تو علت نہی وممانعت میں صحابہ کی دو آراء ہوگئیں۔

کچھ صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ چونکہ یہ غنیمت میں شامل ہونے چاہیے تھے اور ان میں تقسیم جاری نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ غنیمت کا حصہ ہے، جس میں تصرف جائز نہیں۔

جب کہ بعض دیگر صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ آپ علیہ السلام نے ان کے کھانے سے مطلق ممانعت کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ کھانے کی چیز نہیں (۱)۔

اس عبارت میں عبداللہ سے مراد ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ہیں، چناں چہ مغازی کی روایت میں دوسرے طریق سے اس کی صراحت آئی ہے (۲)۔

وسألت سعيد بن جبير فقال: حرمها البتة

اور میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے حمر اہلیہ کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

اس جملے کے قائل شیبانی ہیں (۳) اور یہ فرمارہے ہیں کہ جب میں نے مذکورہ بالا مسئلے میں صحابہ کرام کی دو آراء دیکھیں تو تحقیق حال کے لیے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کہ ممانعت کی وجہ کیا تھی؟ تو انہوں نے فرمایا، حرمها البتة.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی مطابقت بھی ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے، کیوں کہ صحابہ کرام کی عادت اس سلسلے

(۱) فتح الباري: ٦/٢٥٧، وعمدة القاري: ١٥/٧٧.

(٢) حواله جات بالا، وكتاب المغازي، باب غزوه خيبر، رقم (٤٢٢٠).

(٣) عمدة القاري: ١٥/٧٧، وفتح الباري: ٦/٢٥٧، وشرح القسطلاني: ٥/٢٢٨.

میں ماکولات وغیرہ کی طرف جلدی کی تھی، اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ حضرات نبی علیہ السلام کی موجودگی کے باوصف ایسے کسی بھی اقدام سے گریز کرتے، یہاں ایسا نہیں ہوا، جس سے ثابت ہوا کہ کھانے پینے کی عام اشیاء کا استعمال دورانِ جنگ جائز ہے(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

وبه تم كتاب الخمس، ويليه كتاب (أبواب) الجزية والموادعة إن شاء الله.

(۱) حواله جات بالا، والكوثر الجاري: ٦/١٣١.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٦٢ - أبواب الجزية والموادعة

اختلافِ نسخ

ناسخینِ بخاری کی اکثر روایتوں میں عنوان ''باب الجزیۃ......'' آیا ہے، جب کہ لفظ ''کتاب'' کے ساتھ عنوان صرف ابونعیم اور ابن بطال کے نسخوں میں مذکور ہے۔ اور یہی زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ حافظ علیہ الرحمہ کی رائے ہے(۱)۔

اور بسملہ بھی سوائے ابوذر کے تمام نسخوں میں موجود ہے(۲)۔

١ - باب : اَلْجِزْيَةِ وَالمَوَادَعَةِ مَعَ أَهْلِ اَلذِّمَّةِ والحَرْبِ .

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں احکام جزیہ اور کفار کے ساتھ احکام صلح کو بیان کرنا ہے، کما قاله العيني(٣).

چناں چہ اہل حرب کے ساتھ وقت اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مصالحت کی جا سکتی ہے اور جو اہل ذمہ ہیں، ان سے جزیہ لیا جائے گا۔ تفصیل آ رہی ہے۔

جزیہ کے لغوی معنی

علمائے لغت اور شراحِ حدیث نے جزیہ کے تین معنی بیان کیے ہیں:

❶ لفظ "جزية" جزأ يجزئ تجزئةً سے مشتق ہے، جس کے معنی تقسیم کرنے اور کسی چیز کے حصے کرنے کے ہیں، جزیہ بھی ذمیوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٧٧، وفتح الباري: ٦/٢٥٨، ٢٥٩، وشرح ابن بطال: ٥/٣٢٧.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٧٧، وفتح الباري: ٦/٢٥٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٢٩.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٧٧.

❷ یہ کلمہ جزاء سے مشتق ہے، جس کے معنی بدلے کے ہیں، کہ جزیہ کی ادائیگی کے بدلے اہل ذمہ کو دارالاسلام میں رہنے اور ٹھہرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

❸ یہ اجزاء (افعال) سے ہے، جس کے معنی کفایت کرنے کے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جزیہ کی ادائیگی بھی اس شخص کی عزت وآبرو، جان ومال کی حفاظت وعصمت کے لیے کفایت کرنے والا ہوتا ہے، جس پر جزیہ مقرر کیا جاتا ہے(۱)۔

جزیہ کے اصطلاحی معنی

جزیہ وہ مقرر مال ہے جو کافر سے دارالاسلام میں سکونت واقامت کی وجہ سے اور اس کے عوض وصول کیا جاتا ہے(۲)۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ جزیہ وہ مال ہے جو اہلِ کتاب پر بوجہ ذمہ مقرر کیا جاتا ہے(۳)۔

موادعہ کے معنی اور مراد

موادعہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی متارکت یعنی چھوڑنے کے ہیں اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اہلِ حرب کے ساتھ جنگ وقتال کو ایک معینہ مدت تک کے لیے کسی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دینا(۴)۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ "الجزیة والموادعة مع أهل الذمة والحرب" میں لف ونشر مرتب ہے، کیوں کہ جزیہ کا تعلق اہل ذمہ سے اور موادعت کا اہل حرب سے ہے(۵)۔

جزیہ کی مشروعیت

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ جزیہ کا ثبوت اور اس کی مشروعیت قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع سے ہے،

(۱) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٥٩، ومعجم مقاييس اللغة: ١/٤٥٥، والجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ٨/١١٤، والبناية: ٧/٢٣٨، باب الجزية.

(۲) إعلاء السنن: ١٢/٤٢٩.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٧٧، والنهاية في غريب الحديث والأثر: ١/٢٧١.

(٤) عمدة القاري: ١٥/٧٧، وفتح الباري: ٦/٢٥٩، وتحفه الباري: ٣/٥٦٥.

(٥) حواله جات بالا.

نیز قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

چناں چہ قرآن کریم کی یہ آیت ﴿قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾ جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں ذکر کیا ہے، جزیہ کی مشروعیت کے لیے اصل اصیل ہے(۱)۔

اور سنت میں بھی اس کی مشروعیت پر بہت سی احادیث ہیں، مثلاً حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ''جنگِ نہاوند'' کے موقع پر کسریٰ کی فوج کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

"أمرنا نبينا رسول ربنا أن نقاتلكم حتى تعبدوا الله وحده أو تؤدوا الجزية......"(۲).

اسی طرح امت مسلمہ کا بھی اس پر اجماع ہے کہ اہل ذمہ سے جزیہ وصول کیا جائے گا(۳)۔

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ان سے جزیہ وصول کیا جائے، اس لیے کہ جب وہ ہمارے مسلک و دین کے تابع نہیں ہیں تو ہمارے ملک (دارالاسلام) سے انتفاع کرنے میں بہر حال ان کو کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا۔ یہ تو جزیہ کی وصولی کی ظاہری وجہ ہوئی(۴)۔

اس کے علاوہ جزیہ کی وصولی کے اندر ایک باطنی حکمت بھی ہے اور وہ یہ کہ جزیہ جب وہ ادا کریں گے اور دو نمبر کے شہری شمار ہوں گے تو ان کے نفس کو ٹھیس پہنچے گی اور ان کی طبیعتوں میں اسلام کی طرف میلان پیدا ہوگا، تاکہ وہ ایک نمبر کے شہری ہو جائیں، نیز جب وہ مسلمانوں کے ساتھ اختلاط و میل جول رکھیں گے اور معاملات میں آپس میں شرکت کریں گے تو ان کو اسلام کے محاسن پر مطلع ہونے کا موقع ملے گا، جو ممکن ہے ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنے(۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ٢٥٩/٦، وعمدة القاري: ٧٨/١٥، وإعلاء السنن: ٤٢٩/١٢.

(۲) إعلاء السنن: ٤٣٠/١٢.

(۳) المغني لابن قدامة: ٢٦٣/٩، وحواله بالا.

(٤) أحكام القرآن: ١٣٣/٣، سورة التوبة، فصل، وإعلاء السنن: ٤٣٠/١٢، الجواب عن شبهة الملحدين في الجزية.

(٥) فتح الباري: ٢٥٩/٦.

جزیہ کی مشروعیت ۸ ھ میں ہوئی یا ۹ ھ میں، دونوں قول ہیں (۱)۔

ایک شبہہ اوراس کا جواب

ممکن ہے ملاحدہ میں سے کوئی روشن خیال یہ شبہہ پیش کرے کہ اہل ذمہ سے جزیہ کی وصولی ان کے کفر پر رضامندی ہے اوراس طرح اپنے شرکیہ مذہب پر قائم رہنے کوان کے لیے مباح قرار دیا گیا ہے، جزیہ کی ادائیگی کی بناپر اسلام کے بدلے ان کے کفر پر برقرار رہنے کو کیسے درست کہا جاسکتا ہے؟

اس شبہہ کا جواب بہت واضح ہے، وہ یہ کہ جزیہ اسلام کا بدل ہے نہ اس کی قیمت، بلکہ یہ ایک قسم کا ٹیکس ہے، جو دارالاسلام میں رہنے اور سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے ان سے وصول کیا جاتا ہے، ان کو جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کی ضمانت اسی کی ادائیگی پر دی جاتی ہے اور معاملات میں احکام اسلام کے التزام کی ضمانت ان سے لی جاتی ہے کہ وہ ان کا احترام کریں گے۔

نیز ان سے جزیہ کی وصولی کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ ان کے کفر پر رضامندی اختیار کی جارہی ہے، بلکہ یہ تو ان کے کفر اختیار کرنے کی دنیاوی سزا ہے کہ اس میں ان کی ذلت ہے، چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿......حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾ (۲).

اوران سے جزیہ لے کران کو زندہ رکھنا تو اسی طرح ہے کہ بغیر جزیہ لیے ہم ان کو چھوڑ دیں اوران سے تعرض نہ کریں، کیوں کہ عقلاً بھی یہ بات صحیح نہیں کہ ان سب کو قتل کردیا جائے، اگر یہ درست ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کافر کو ایک لمحہ کے لیے بھی زندہ نہ چھوڑتے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ رکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کو یہ سزا دی جائے، تاکہ ان کو کفر سے توبہ کی توفیق ہو اور ایمان کی طرف رغبت، چناں چہ جب مقصودِ خداوندی یہی ہے تو اس میں کوئی امتناع واستبعاد نہیں کہ خدا کی طرف سے ان کو مہلت دی جائے، یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ہی کہ بعض انہیں میں سے ایمان لائیں گے اور بعض کی آئندہ نسلوں میں کوئی مومن ہوگا، چناں چہ اس جزیہ کی وصولی اور کفار کو زندہ رکھنے میں خدا کی بہت بڑی مصلحت ہے۔

پھر اس میں مسلمانوں کے بھی فوائد ومنافع کثیرہ ہیں، اس لیے کہ اہل اسلام اگر کفار کو بالکل زندہ نہ

---

(۱) حواله بالا

(۲) التوبة: ۲۹.

چھوڑیں گے تو مسلمانوں کا ہی حرج ہوگا، مثلاً زمینوں میں کھیتی باڑی اور مجاہدین کی خدمت کون انجام دے گا؟ نیز لشکر اسلام کے کھانے پینے کا بندوبست کون کرے گا؟ پلوں کی تعمیر اور قلعوں کی پختگی کا فریضہ کس کے ذمہ ہوگا؟ اس لیے ان تمام امور کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے (۱)۔

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ» /التوبة: ۲۹/ : أَذِلَّاءُ . وَ : «الْمَسْكَنَةُ» /البقرة: ۶۱/ و /آل عمران: ۱۱۲/ : مَصْدَرُ الْمِسْكِينِ ، يُقَالُ : فُلَانٌ أَسْكَنُ مِنْ فُلَانٍ : أَحْوَجُ مِنْهُ ، وَلَمْ يَذْهَبْ إِلَى السُّكُونِ .

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور نہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جن کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں، ان سے لڑو، یہاں تک کہ وہ ماتحت ہوکر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں۔

آیتِ کریمہ کا شانِ نزول اور مختصر تشریح

جب مشرکین پر اہلِ اسلام کو غلبہ حاصل ہوگیا، لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے، جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کی جڑیں مضبوط ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین، دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم خوب پھلنے پھولنے، برگ و بار لانے لگا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتابین یہود و نصاریٰ سے قتال کا حکم دیا، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو رومیوں کے ساتھ جہاد و قتال کے لیے تیار فرمایا اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں غزوۂ تبوک پیش آیا، جس کا واقعہ معروف ہے (۲)۔

''ید'' کے ائمہ لغت نے بیس سے زائد معانی بیان کیے ہیں، لیکن ''ید'' سے مراد یہاں قہر وغلبہ ہے (۳)۔ یا طیب نفس ہے اور ہر وہ شخص جو کسی قاہر و جابر کی اطاعت اختیار کرے اور اس کو دلی رضامندی کے

---

(۱) هذا ملخص ما قاله الرازي في أحكام القرآن: ۱۳۳/۳، فصل، سورة التوبة، والعثماني في إعلاء السنن: ۴۳۰/۱۲، وكذا انظر البناية شرح الهداية: ۲۳۸/۷ و ۲۴۱.

(۲) عمدة القاري: ۷۸/۱۵.

(۳) حواله بالا، وتحفة الباري: ۵۶۵/۳، والقاموس الوحيد، مادة "يدي".

ساتھ بذریعہ ہاتھ کچھ دے تو کہا جاتا ہے:"أعطاه عن يد" اب ﴿حتى يعطوا الجزية عن يد﴾ کے معنی ہوں گے: ''یہاں تک کہ وہ طیب نفس کے ساتھ جزیہ ادا کریں''۔ اور قہر وغلبہ کے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جزیہ ادا کرنے والے مقہور ومغلوب ہونے کی وجہ سے جزیہ دیں گے۔ اس کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جزیہ وہ اپنے ہاتھ سے خود ادا کریں، کسی کے ذریعہ نہ بھجوائیں (۱)۔ واللہ اعلم

أذلاء

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ﴿وهم صاغرون﴾ کی تفسیر ہے، یعنی "صاغرون" کے معنی ذلیل وحقیر کے ہیں، چناں چہ ابوعبید نے اپنی کتاب ''المجاز'' میں لکھا ہے:"الصاغر: الذليل، الحقير"(۲).

والمسكنة مصدر المسكين، يقال: أسكن من فلان أحوج منه.

اور مسکنۃ مسکین کا مصدر ہے، چناں چہ کہا جاتا ہے أسکن من فلان یعنی وہ فلاں سے زیادہ محتاج ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی معروف عادت ہے کہ وہ کسی ادنی مناسبت کی وجہ سے قرآن کریم کی دوسری آیات کو بھی باب کے تحت ذکر کردیتے ہیں اور اس کی تفسیر وشرح کرتے ہیں، یہاں بھی مصنف علیہ الرحمۃ کا ذہن دوسری طرف منتقل ہوگیا اور انہوں نے اہل کتاب ہی کے بارے میں وارد ایک دوسری آیت ﴿وضربت عليهم الذلة والمسكنة﴾(۳) کی تفسیر شروع کردی کہ لفظ ''مسکنۃ'' مسکین کا مصدر ہے، چناں چہ أسكن من فلان کے معنی أحوج من فلان بیان کیے جاتے ہیں (۴)۔

ولم يذهب إلى السكون

اور امام بخاری سکون کی طرف نہیں گئے۔

مطلب یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے مسکین کا اشتقاق سکون سے قرار نہیں دیا، بلکہ انہوں نے اس کو مسکنۃ سے ماخوذ قرار دیا ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ۲۵۹/٦، وأحكام القرآن: ۱۲۹/۳.

(۲) فتح الباري: ۲۵۹/٦، وتحفة الباري: ٥٦٥/۳، والقسطلاني: ۲۲۹/٥، وعمدة القاري: ۷۸/۱٥.

(۳) البقرة: ٦١.

(٤) عمدة القاري: ۷۸/۱٥، وتحفة الباري: ٥٦٥/۳، والقسطلاني: ۲۲۹/٥، وفتح الباري: ۲۵۹/٦.

اس جملہ کا قائل کون ہے؟ اس کے بارے میں حافظ صاحب کا خیال یہی ہے کہ اس جملہ کے قائل صحیح بخاری کے راوی فربری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

آیت کریمہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت کریمہ کی مناسبت آیت کے اس حصے میں ہے: ﴿حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾(۲).

وَمَا جاءَ فِي أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصارَىٰ وَالْمَجُوسِ وَالْعَجَمِ.

اور یہود ونصاریٰ، مجوس اور عجم سے جزیہ کی وصولی کے بیان میں یہ کتاب ہے۔

یہ ترجمۃ الباب کا بقیہ حصہ ہے۔

جزیہ کس سے لیا جائے گا؟

یہاں سے اختلافی مسئلہ شروع ہو رہا ہے کہ جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے گا، آیا صرف اہل کتاب سے یا دوسرے مذاہب کے متبعین سے بھی؟

تفصیل حسبِ ذیل ہے:

❶ امام شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب اور مجوس سے لیا جائے گا (۳)۔

رہے بت پرست، اہل ہوی اور باقی تمام کفار، تو ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، ان سب کی طرف سے صرف اسلام قابل قبول ہوگا (۴)۔

ان حضرات کا مستدل اس مسئلہ میں ترجمہ میں مذکور آیت کریمہ ہے، جس کا مفہوم یہی ہے کہ غیر اہل کتاب سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

جہاں تک مجوس کا تعلق ہے تو چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ انہوں نے مجوس سے

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٥٩.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٧٨.

(۳) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٥٩، والأوجز: ٦/١٩١، والمغني: ٩/٢٦٣، وكتاب الأم: ٢/٤/١٧٤.

(٤) المغني: ٩/٢٦٦، رقم: (٧٦٤٢).

جزیہ لیا تھا، تو سنت کے ذریعے کتاب اللہ میں تخصیص ہوگی اور جزیہ کے حکم میں مجوس بھی شامل ہوں گے(۱)۔

❷ امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ کا حکم ہر کافر کو شامل ہے، اس لیے ہر کافر سے جزیہ وصول کیا جائے گا، خواہ کتابی ہو یا مجوسی، کوئی ہندو ہو یا سکھ، عرب کا ہو یا عجم کا(۲)۔

لیکن ان کے ہاں مرتد اس حکم عام میں داخل نہیں، یعنی اس کے حق میں جزیہ قابل قبول نہیں، اس کے لیے تو دو ہی صورتیں ہیں، توبہ یا قتل۔

یہی مذہب امام اوزاعی اور فقہائے شام کا بھی ہے(۳)۔

ان حضرات کا مستدل اس سلسلے میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل فرمایا ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أمَّر أميراً على جيش أو سرية أوصاه في خاصته بتقوى الله ومن معه من المسلمين خيراً، ثم قال: ...... وإذا لقيت عدوكم من المشركين فادعهم إلى ثلاث خصال -أو خلال- ...... فإن هم أبوا فسلهم الجزية، فإن هم أجابوك فاقبل منهم، وكف عنهم ......"(٤).

یعنی: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ، جب کسی کو جیش کا یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو، یہ تھی کہ مذکورہ امیر کو اپنی ذات اور عام مسلمانوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے، پھر ارشاد فرماتے ...... اور جب دشمن سے تمہاری

---

(١) الفتح: ٦/٢٥٩-٢٦٠، وكتاب الأم: ٢/٤/١٧٢-١٧٣، وعمدة القاري: ١٥/٧٨، وأحكام القرآن: ٣/١٢٠.

(٢) المدونة الكبرى: ٢/٤٦، وفتح الباري: ٦/٢٥٩، وعمدة القاري: ١٥/٧٨.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٥٩، وعمدة القاري: ١٥/٧٨.

(٤) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراءَ على البعوث ووصيته......، رقم (٤٥٢١-٤٥٢٤)، وأبوداود، أول كتاب الجهاد، باب في دعاء المشركين، رقم (٢٦١٢-٢٦١٣)، والترمذي، أبواب السير، باب ماجاء في وصيته صلى الله عليه وسلم في القتال، رقم (١٦١٧)، وابن ماجه، أبواب الجهاد، باب وصية الإمام، رقم (٢٨٥٨).

مڈبھیڑ ہوتو تم ان کو تین چیزوں کی دعوت دو...... اگر وہ انکار کردیں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر اس پر رضامندی کا اظہار کریں تو ان سے جزیہ قبول کرلو اور ان سے تعرض نہ کرو......''۔

اس حدیث کے عموم سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ یہ حدیث تمام مشرکین وکفار کو عام ہے، چناں چہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کا لفظ استعمال فرمایا ہے، لہٰذا شرک کہیں کا بھی ہو، کسی بھی قسم کا ہو، وہ اس حدیث کے عموم کے تحت داخل ہے(۱)۔ اہل کتاب بھی ظاہر ہے کہ ان کا اکثریتی طبقہ مشرک ہی ہے، کوئی عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا ہے اور کوئی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتا ہے۔

نیز یہ حضرات اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسِ ہجر سے جزیہ وصول کیا ہے، جو اس امر کا مقتضی ہے کہ آیت کریمہ کے مفہوم مخالف کا یہاں اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ اسے ترک کردیا گیا ہے، چنانچہ جب اہل کتاب کی تخصیص کو اس حدیث کے ذریعے کردیا گیا تو معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں مذکورہ کلمات ﴿من أهل الكتاب﴾ کا کوئی مفہوم مخالف نہیں(۲)۔

❸ حضرات حنفیہ - کثّر اللہ سوادہم - کا مذہب اخذ جزیہ میں یہ ہے کہ اہل کتاب، مجوس اور عجم کے بت پرستوں سے لیا جائے گا، جہاں تک عرب بت پرستوں کا تعلق ہے، ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، ان کے لیے اسلام ہے یا تلوار، تیسری کوئی صورت نہیں، نیز مرتدین سے بھی جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا(۳)۔

غالبًا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مسلک کے قائل ہیں کہ انہوں نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت جو الفاظ ذکر کیے ہیں، ان سے یہی متبادر ہوتا ہے(۴)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٠، وأحكام القرآن للرازي: ٣/١١٨-١٢١.

(٢) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٠، وفتح الباري: ٦/٢٦٠.

(٣) الهداية مع فتح القدير: ٥/٢٩١، وعمدة القاري: ١٥/٧٨، وأحكام القرآن: ٣/١٢١.

قال الإمام محمد بن الحسن الشيباني رحمه الله: "ثم كل من يجوز استرقاقه من الرجال يجوز أخذ الجزية منه بعقد الذمة؛ كأهل الكتاب وعبدة الأوثان من العجم، ومن لا يجوز استرقاقه لايجوز أخذ الجزية منه؛ كالمرتدين وعبدة الأوثان من العرب، والأصل فيه حديثان......" السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ٢/٣/١٣٢، باب قتل الأسارى والمن عليهم، رقم الباب (١٠٧).

(٤) عمدة القاري: ١٥/٧٨، وأوجز المسالك: ٦/١٩٢، وفيض الباري: ٣/٤٧٢.

حضرات حنفیہ کا مذہب مالکیہ ہی کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ مشرکین عرب سے بھی جزیہ قبول کیے جانے کے قائل ہیں، جب کہ احناف اس کے قائل نہیں۔

ان حضرات کا مستدل ایک تو یہی آیتِ کریمہ ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

دوسرا مستدل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مجوس ہجر سے جزیہ وصول کیے جانے والی حدیث ہے۔ جو باب کے تحت آگے آرہی ہے(۱)۔

پھر قیاس بھی احناف کا مؤید ہے، وہ یہ کہ اہل کتاب، مجوس اور عجمی بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے تو ان سے جزیہ قبول کرنا بھی جائز ہوگا۔ اس کا عکس مرتد ہے کہ اس کو غلام بنانا جائز نہیں، لہٰذا اس سے جزیہ لینا بھی درست نہیں (۲)۔

مشرکینِ عرب کی تخصیص کی وجوہات

جہاں تک مشرکین عرب اور مرتدین سے جزیہ قبول نہ کیے جانے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کی نوعیت ذرا مختلف ہے کہ ان کا کفر کچھ زیادہ ہی شدید ہے، دیکھیے! نبی کریم ﷺ مشرکین عرب کے درمیان ہی پلے بڑھے تھے، قرآن کریم بھی انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا، اس لیے معجزات ان کے حق میں زیادہ ظاہر و باہر تھے، ان سب کے باوجود اسلام قبول نہ کرنے کا مطلب ہٹ دھرمی اور سینہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟ (۳)

اسی طرح مرتد کا معاملہ ہے، اس نے ہدایت کے بعد ظلمت، اسلام وانقیاد کے بعد اپنے رب حقیقی کا جو دو انکار کیا ہے، جب کہ اسے اسلام کے محاسن حسنہ کا بھی علم تھا، اس لیے جزیہ اس سے نہیں لیا جائے گا، سزا میں بطور زیادتی کے صرف اسلام یا تلوار اس کی جانب سے قابل قبول ہوگا۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں دیگر وجوہات بھی اس تخصیص کے لیے ذکر کی ہیں:

---

(۱) الفقه الحنفي وأدلته: ۳۹۹/۲، والهداية مع فتح القدير: ۲۹۲/۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۳۰/۵، والهداية مع فتح القدير: ۲۹۲/۵.

(۳) مرقاة المفاتيح: ۵۵۵/۷، الفصل الثالث من باب الجزية، والهداية مع فتح القدير: ۲۹۲/۵، وأوجز المسالك: ۱۹۷/۶، والمبسوط للسرخسي: ۱۲۶/۱۰، باب المرتدين.

❶ امام معمر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستوں کے ساتھ جزیہ پر صلح کی تھی، البتہ اس سے وہ بت پرست مستثنیٰ تھے، جو عرب تھے۔

❷ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم﴾(۱)۔ یہ آیت عرب کے بت پرستوں کے بارے میں نازل ہوئی، اس لیے ان کو یا تو قتل کیا جائے گا یا ان کو اسلام قبول کرنا ہوگا(۲)۔

اسی طرح ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکینِ عرب کے بارے میں ہماری دلیل یہ آیت ہے: ﴿تقاتلونهم أو يسلمون﴾(۳)۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: "لا يقبل من مشركي العرب إلا الإسلام أو السيف"(٤).

کن لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا؟

پیچھے ذکر کردہ بحث کا تعلق اس سے تھا کہ جزیہ کن لوگوں پر واجب ہے۔ اب بحث یہ ہے کہ جزیہ کن لوگوں پر واجب نہیں، چناں چہ احناف رحمہم اللہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ عرب کے بت پرستوں، مرتدین، عورت، بچے، معذور، اندھے، شیخ فانی اور کام پر قدرت نہ رکھنے والے فقیر پر جزیہ واجب نہیں(۵)۔

عرب کے بت پرستوں اور مرتدین سے جزیہ نہ لیے جانے کی وجہ ماقبل میں ہم ذکر کر چکے، جہاں تک عورت، بچے، معذور اور شیخ فانی وغیرہ سے جزیہ نہ لیے جانے اور ان پر اس کے واجب نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس

(۱) التوبة: ٥.

(۲) أحكام القرآن: ۳/۱۲۱، مطلب في الصابئين، والأوجز: ٦/۱۹۳، و۱۹۵، والمصنف لعبد الرزاق: ۱۰/۳۲٦، رقم (۱۹۲۵۹)، وانظر كذلك كتاب السير الكبير مع شرح السرخسي: ۲/۳/۱۳۲، باب (۱۰۷)، قتل الأسارى والمن عليهم.

(۳) الفتح: ١٦.

(٤) كتاب الخراج لأبي يوسف القاضي، ومرقاة المفاتيح: ۷/٥٥٥، و"عن الحسن قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقاتل العرب على الإسلام، ولايقبل منهم غيره ......". إعلاء السنن: ۱۲/٤٥٠، والفقه الحنفي وأدلته: ۲/٤٠٠.

(٥) الفقه الحنفي وأدلته: ۲/٤٠٠، والهداية مع فتح القدير: ٥/۲۹۳-۲۹٤.

کی وجہ یہ ہے کہ جنگوں میں ان کو قتل نہیں کیا جاتا اور قانون یہ ہے کہ جس شخص کو بطور سزا کے قتل نہیں کیا جاتا، اس سے جزیہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا، چوں کہ جزیہ تو اس لیے لازم ہوا تھا کہ قتل کو ساقط کر دیا جائے، اس لیے جس کا قتل واجب نہیں اس پر جزیہ بھی لازم نہیں اور یہ وہ اشخاص ہیں جن کا قتل جائز نہیں، اس لیے ان پر جزیہ کی ادائیگی بھی لازم نہیں۔

حضرت اسلم مولی عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كتب عمر رضي الله عنه إلى أمراء الجزية: أن لا يضعوا الجزية إلا على من جرت عليه المواسي، ولا يضعوا الجزية على النساء والصبيان......"(۱).

کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ وصول کرنے کے ذمہ داروں کو لکھا کہ وہ جزیہ کو لازم نہ کریں سوائے اس شخص کے جس پر استرا چل گیا ہو، یعنی بالغ ہو اور عورتوں اور بچوں پر جزیہ کو لازم نہ کریں"۔

فقیر غیر معتمل، یعنی وہ فقیر، جو کسی حرفت وصنعت کو جاننے کے باوجود عمل پر قدرت نہ رکھتا ہو، سے جزیہ نہ لیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شرط لگائی تھی کہ اس فقیر سے جزیہ لیا جائے گا جو کام پر قدرت رکھے گا، چناں چہ صلہ بن زفر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ذمہ کے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے، حضرت نے پوچھا کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟ تو بوڑھے نے کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے، اس رقم کو پورا کرنے کے لیے سوال کر رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ تمہاری جوانی ہم کھا گئے، اب تم سے جزیہ بھی لے رہے ہیں۔ پھر خلیفہ نے اپنے تمام عمال کو لکھا، شیخ فانی سے جزیہ نہ لیں (۲)۔

---

(۱) سنن البيهقي: ۳۳۳/۹، كتاب الجزية، باب من يرفع عنه الجزيه، رقم (۱۸۷۰۰)، والهداية مع فتح القدير: ۲۹٤/٥، والفقه الحنفي وأدلته: ٤٠١/٢.

(۲) نصب الراية: ٤٥٣/٣، باب الجزية، الحديث الرابع، وكتاب الأموال لابن زنجويه: ١٦٢/١، باب من تجب عليه الجزية ومن تسقط عنه، رقم (١٦٥) وكنز العمال: ٢١٣/٤، كتاب الجهاد، رقم (١١٤٧٣) إعلاء السنن: ٤٦٢/١٢، والهداية مع فتح القدير: ٢٩٤/٥، والفقه الحنفي وأدلته: ٤٠١/٢.

اسی طرح مملوک، مکاتب، مدبر، ام ولد اور راہب، جو لوگوں کے ساتھ اختلاط نہ رکھتے ہوں، سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا(۱)۔

وَقالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ : قُلْتُ لِمُجَاهِدٍ : ما شَأْنُ أَهْلِ الشَّأْمِ عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةُ دَنَانِيرَ ، وَأَهْلُ الْيَمَنِ عَلَيْهِمْ دِينَارٌ ؟ قالَ : جُعِلَ ذٰلِكَ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ .

اور ابن عیینہ ابن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اہل شام ان پر تو چار دینار لازم ہیں اور اہل یمن پر صرف ایک دینار؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مالداری وتونگری کے حساب سے مقرر کیا گیا ہے۔

یعنی شامی چوں کہ امیر ہیں، اس لیے ان سے چار دینار لیے جاتے ہیں اور یمنی غریب ہیں تو ان سے ایک دینار لیا جاتا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں موصولاً "أخبرنا ابن عيينة عن ابن أبي نجيح" کی سند سے نقل کیا ہے(۲)۔

اسی طرح ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الاموال میں اسے بلاغاً روایت کیا ہے(۳)۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو یہاں ذکر فرما کر جزیہ کی وصولی میں تفاوت وفرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

---

(۱) الهداية مع فتح القدير: ۵/۲۹۴، و۲۹۵، باب الجزية، وقال ابن رشد في بداية المجتهد: ۱/۴۰۴، الفصل السابع في الجزية: "فإنهم اتفقوا على أنها إنما تجب بثلاثة أوصاف: الذكورية، والبلوغ، والحرية، وأنها لاتجب على النساء والصبيان؛ إذ كانت إنما هي عوض من القتل، والقتل إنما هو متوجه بالأمر نحو الرجال البالغين؛ إذ قد نهي عن قتل النساء والصبيان، وكذلك أجمعوا أنها لا تجب على العبيد".

(۲) المصنف لعبدالرزاق: ۱۰/۳۳۰، كتاب أهل الكتابين، باب كم يؤخذ منهم في الجزية، رقم: (۱۹۲۷۱)، وتغليق التعليق: ۳/۴۸۲، وعمدة القاري: ۱۵/۷۹.

(۳) كتاب الأموال، باب فرض الجزية، ومبلغها...... : ۱/۵۱، وتغليق التعليق: ۳/۴۸۲.

اہل ذمہ سے وصول کیے جانے والے جزیہ کی مقدار کیا ہوگی، اس میں بھی ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

چناں چہ امام ابوحنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد (۱) کا مذہب یہ ہے کہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں: غنی، متوسط اور فقیر، اغنیاء سے سالانہ اڑتالیس درہم وصول کیے جائیں گے (یا چار دینار)، ہر مہینے کے حساب سے یہ تین درہم بنتے ہیں، متوسطین سے چوبیس درہم (یا دو دینار)، یعنی فی مہینہ دو درہم۔ اور فقراء سے بارہ درہم (یا ایک دینار)، فی مہینہ ایک درہم (۲)۔

امام ثوری، ابوعبید، ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں، امام کی رائے پر منحصر ہے کہ کم وصول کرے یا زیادہ (۳)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ غنی اور فقیر دونوں سے ایک ہی دینار وصول کیا جائے گا (۴)۔ البتہ امام کو یہ اختیار ہے کہ مماکست کرے، یعنی جزیہ کی رقم بڑھانے کی کوشش کرے، یہاں تک کہ چار دینار ان سے لے لیے جائیں (۵)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول مختار یہ ہے کہ سونے والوں سے چار دینار اور چاندی والوں سے چالیس درہم لیے جائیں گے (۶)۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بقدر ضرورت کم کر دیا جائے گا (۷)۔

حنابلہ میں سے امام ابوبکر کا مسلک مختار یہ ہے کہ جزیہ کی کم سے کم مقدار ایک دینار ہے، اکثر کی حد مقرر نہیں، امام احمد سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے (۸)۔

---

(۱) المغني لابن قدامة: ۹/۲٦٧، وإعلاء السنن: ۱۲/٤٣۱.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٦٠، وإعلاء السنن: ۱۲/٤٣۱، والهداية مع فتح القدير: ٥/٢٨٩.

(۳) المغني لابن قدامة: ۹/٢٦٧، رقم (٧٦٤٥)، وإعلاء السنن: ۱۲/٤٣۱.

(٤) أحكام القرآن للجصاص: ٣/١٢٥، وإعلاء السنن: ۱۲/٤٣۱، وكتاب الأم: ٤/٢٧٩.

(٥) فتح الباري: ٦/٢٦٠، وشرح النووي على مسلم: ٢/٨٢.

(٦) شرح الزرقاني على المؤطا: ٢/١٤٠، جزية أهل الكتاب والمجوس، وبداية المجتهد: ١/٤٠٤، الفصل السابع في الجزية، وأوجز المسالك: ٦/٢٠٤.

(٧) حواله جات بالا، وفتح الباري: ٦/٢٦٠.

(٨) المغني لابن قدامة: ۹/٢٦٧، وإعلاء السنن: ۱۲/٤٣۱.

دلائل مذاہب

احناف کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ہے، جو انہوں نے مختلف عمال و گورنروں کو لکھ بھیجا تھا، چناں چہ ابوعون محمد بن عبید اللہ الثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وضع عمر بن الخطاب رضي الله عنه في الجزية على رؤوس الرجال؛ على الغني ثمانية وأربعين درهماً، وعلى المتوسط أربعة وعشرين درهماً، وعلى الفقير اثني عشر درهماً".

امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس روایت کو اپنی "مصنف" میں مرسلاً روایت کیا ہے(۱) اور ابن زنجویہ نے "کتاب الاموال" میں اسے مسنداً روایت کیا ہے اور اس مسند روایت میں ایک راوی مندل پر کلام ہے، لیکن مرسل اگر مسنداً روایت کی جائے، خواہ ضعیف طریق سے، تمام کے نزدیک حجت ہوتی ہے(۲)۔

اسی طرح حارثہ بن مضرب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"أنه بعث عثمان بن حنيف، فوضع عليهم ثمانية وأربعين درهماً، وأربعة وعشرين، واثني عشر......"(۳).

کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف کو روانہ فرمایا، چناں چہ انہوں نے اہل ذمہ پر اڑتالیس دراہم، چوبیس دراہم اور بارہ دراہم مقرر فرمائے"۔

یہ حدیث مرسلاً و موصولاً متعدد طرق سے مروی ہے اور یہ صحیح اور مشہور حدیث ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ المغنی میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت و شہرت میں کوئی شبہ نہیں، خواہ صحابہ ہوں یا غیر صحابہ، سب کے نزدیک اس کی صحت مسلمہ ہے، کسی منکر نے اس کا انکار نہیں کیا اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں، اس حدیث پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کے خلفاء نے بھی عمل کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر اجماع

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: ۴۰۶/۱۷، كتاب السير، ما قالوا في وضع الجزية، رقم (۳۳۳۱۱)، وحواله جات بالا.

(۲) كتاب الأموال لابن زنجويه: ۲۱۰/۱، باب أرض العنوة تقر بأيدى ......، رقم (۲۵۸)، إعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲.

(۳) حواله بالا، ص: ۴۳۳، ۴۳۴، وفتح الباري: ۲۶۰/۶.

منعقد ہو چکا اور اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس حدیث پر عمل مستحب ہے(۱)۔

امام ثوری وابو عبید وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ جزیہ کی مقدار کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف قسم کے احکام مروی ہیں، چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کریں (۲)۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ سے دو ہزار جوڑوں پر صلح کی تھی، آدھے کی ادائیگی صفر میں ہونی تھی، باقی نصف کی رجب میں (۳)۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ کے تین طبقے مقرر فرمائے تھے کہ غنی پر اڑتالیس دراہم، متوسط پر چوبیس اور فقیر پر بارہ (۴)۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بنو تغلب کے نصاریٰ سے صلح کی تھی تو اس میں یہی طے پایا تھا کہ مسلمان زکوۃ میں جو ادا کرتے ہیں، اس کا دوگنا یہ ادا کریں گے (۵)۔

ان تمام واقعات سے یہی ثابت ہوا ہے کہ جزیہ کا معاملہ امام کے حوالے ہے کہ وہ جس طرح چاہے، فیصلہ کرے۔ اگر جزیہ کی کوئی مقررہ حد متعین ہوتی تو یہ اختلاف رونما نہ ہوتا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ مقدار متعینہ میں اختلاف ہو کہ کوئی کچھ وصول کرے، کوئی کچھ (۶)۔

---

(۱) المغني لابن قدامة: ۲۶۸/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۲/۱۲-۴۳۳.

(۲) حديث معاذ أخرجه الترمذي، أبواب الزكاة، باب ماجاء في زكاة البقر، رقم (۶۲۳)، وأبوداود، أبواب الزكاة، باب زكاة السائمة، رقم (۱۵۷۶)، والنسائي، كتاب الزكاة، باب زكاة البقر، رقم (۲۴۵۲-۲۴۵۵)، وابن ماجه، كتاب السنة، باب اجتناب الرأي والقياس، رقم (۵۵)، وأبواب الزكاة، باب صدقة البقر، رقم (۱۸۰۳).

(۳) الحديث أخرجه أبوداود في سننه، كتاب الخراج ......، باب في أخذ الجزية، رقم (۳۰۴۱).

(۴) المصنف لابن أبي شيبة: ۴۰۶/۱۷، رقم (۳۳۳۱۱)، والمغني: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲.

(۵) المغني: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲، والمرقاة: ۶۶/۸، وأوجز المسالك: ۲۰۷/۶.

(۶) المغني: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲.

جمہور کی طرف سے جواب

جمہور کا اگر چہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ جزیہ کی مقدار کیا ہوگی؟ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جزیہ کی مقررہ حد ہے، اس سلسلے میں صرف امام ثوری، ابوعبید وغیرہ رحمہم اللہ ہی اس کے قائل ہیں کہ امام کی رائے پر منحصر ہے کہ اہل ذمہ سے کتنا جزیہ وصول کیا جائے۔

چناں چہ جمہور کی طرف سے ان حضرات کو یہ جواب دیا گیا ہے کہ دراصل جزیہ کی دو قسمیں ہیں:

❶ **الجزیہ بالتراضی:** یہ وہ قسم ہے جو فریقین کے درمیان صلح کی صورت میں باہمی رضامندی سے طے پائے، اس میں وہی شے ان سے لی جائے گی جس پر صلح ہوئی ہے، اس میں تعدی جائز نہیں، اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل نجران کے ساتھ صلح ہے، جو نصاریٰ تھے، دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فعل ہے، جو ابھی گزرا کہ انہوں نے بنوتغلب سے مسلمانوں سے وصول کی جانے والی زکوۃ کا دوگنا وصول کیا تھا۔

❷ **الجزیۃ بالغلبۃ علی الکفار:** یہ وہ قسم ہے کہ جس میں امام وقت کفار پر جنگ میں غلبہ وتسلط حاصل کرنے کے بعد، ان پر باعتبار غنی وفقیر وغیرہ کے جزیہ مقرر کرتا ہے(۱)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن الہمام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”الجزية على ضربين: جزية توضع بالتراضي والصلح عليها، فتقدر بحسب ما عليه الاتفاق، فلا يزاد عليه تحرزا عن الغدر، وأصله صلح رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل نجران –وهم قوم من النصارى بقرب اليمن– على ما في أبي داود عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: صالح رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل نجران على ألفي حلة، الحديث(۲). وصالح عمر رضى الله عنه نصارى بني تغلب على ضعف ما يؤخذ من المسلم من المال(۳)، والضرب الثاني: جزية يبتدئ الإمام بتوظيفها إذا غلب على

(۱) الفقه الحنفي وأدلته: ۳۹۸/۲، والمرقاة: ۶۶/۸، والأوجز: ۲۰۷/۶، والبناية: ۲۳۸/۷، باب الجزية.

(۲) رواه أبوداود، كتاب الخراج......، باب في أخذ الجزية، رقم (۳۰۴۱).

(۳) انظر المصنف لابن أبي شيبة: ۵۶۲/۶، كتاب الزكاة، في نصارى بني تغلب: ما ......، رقم (۱۰۶۸۴)، =

الکفار......"(۱).

چوں کہ دونوں قسموں کی نوعیت الگ الگ ہے، اس لیے جزیہ کے احکام بھی الگ ہوئے، صلح کی صورت میں اہلِ ذمہ کو بھی کچھ اختیار حاصل ہے، لیکن شکست کی صورت میں انہیں کوئی اختیار نہیں، امام وقت ہی اس سلسلے میں فیصلہ کرے گا، وہ فیصلہ احناف کے نزدیک حضرت عمر کے فیصلے کی روشنی میں ہوگا، شوافع کے ہاں حضرت معاذ کی حدیث کو مدنظر رکھ کر اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان کی دلیل کی بنیاد پر۔

شوافع کی دلیل

حضرات شافعیہ رحمہم اللہ کی مشہور دلیل اس سلسلے میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے، جو ابھی گزری کہ:

"أن النبي ﷺ لما وجهه إلى اليمن أمره أن يأخذ...... ومن كل حالم –يعني محتلماً– دينارا أو عِدله من المعافر، ثياب تكون باليمن"(اللفظ لأبي داود)(۲).

یعنی "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو انہیں حکم فرمایا کہ......اور ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کے مساوی معافری کپڑے، جو یمنی کپڑوں کی ایک قسم ہے، لیں"۔

شوافع کی دلیل کا جواب

یہ ہے شافعیہ کی دلیل، لیکن یہ ہمارے خلاف حجت اس لیے نہیں ہے کہ ہم بھی اس پر عمل کے قائل ہیں

= والسنن الكبرى للبيهقي: ۹/۳٦۳-۳٦٤، كتاب الجزية، باب نصارى العرب تضعف ......، رقم (۱۸۷۹٤-۱۸۷۹٦)، وكتاب الخراج ليحيى بن آدم، رقم (۲۰٦-۲۰۸)، والخراج لأبي يوسف القاضي ۱۲۹-۱۳۱، فصل في شأن نصارى بني تغلب...... ، ونصب الراية في تخريج أحاديث الهداية: ۳/٤٥٥، باب الجزية، من كتاب السير.

(۱) مرقاة المفاتيح: ۸/٦٦، وأوجز المسالك: ٦/۲۰۷، وفتح القدير: ٥/۲۸۸-۲۸۹.

(۲) الحديث صححه الترمذي والحاكم في كتاب الزكاة، زكاة البقر: ۱/۳۹۸، ومر تخريجه آنفاً. وفتح الباري: ٦/۲٦۰.

اوراس کوفقیر پرمحمول کرتے ہیں (۱)۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اہل یمن سے جوایک دینار لیے تھے، اس کی وجہ ان کا فقر تھا کہ یمنی غریب لوگ تھے، اس پر دلیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تعلیق ہے جو ابتدائے باب میں گزری......

"قال ابن عيينة عن ابن أبي نجيح: قلت لمجاهد: ماشأن أهل الشام عليهم أربعة دنانير وأهل اليمن عليهم دينار؟ قال: جعل ذلك من قبل اليسار"(۲).

اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ معاذ صلح پر محمول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی حدیث کے بعض طرق میں "حالمة"(۳) کا اضافہ بھی مروی ہے اور اس بابت تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ عورت سے جزیہ صرف صلح کی صورت میں لیا جائے گا (۴)۔

یہی بات صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے، چناں چہ لکھتے ہیں:

"وما رواه محمول على أنه كان ذلك صلحا، ولهذا أمره بالأخذ من الحالمة، وإن كانت لا يؤخذ منها الجزية ......"(۵).

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یمن کی فتح صلحا ہوئی تھی، نہ کہ عنوۃً (٦)۔

مالکیہ کی دلیل

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب کے لیے بطورِ استدلال یہ روایت پیش فرمائی ہے، جو "نافع عن أسلم مولى عمر بن الخطاب" کے طریق سے مروی ہے:

(۱) إعلاء السنن: ۱۲/٤۳۳، والمسوى: ۲/۱٦۷، وأوجز المسالك: ٦/۲۰۹.

(۲) إعلاء السنن: ۱۲/٤۳۲، والمغني: ۹/۲٦۸، وأوجز المسالك: ٦/۲۰۸.

(۳) المصنف لعبد الرزاق: ۱۰/۳۳۰، رقم (۱۹۲٦۸)، "وكان معمر يقول: هذا غلط، قوله: "حالمة"، ليس على النساء شيء" كذا في نصب الراية: ۳/٤٤٦، رقم (٦۰٤۲).

(٤) أحكام القرآن: ۳/۱۲٦، وإعلاء السنن: ۱۲/٤۳۲، وأوجز المسالك: ٦/۲۰۸.

(٥) الهداية مع فتح القدير: ٥/۲۹۱.

(٦) إعلاء السنن: ۱۲/٤۳۲، كتاب الأموال لابن زنجويه: ۱/۱۲۹، رقم (۱۱۰)، والأوجز: ٦/۲۱۰.

"أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ضرب الجزية على أهل الذهب أربعة دنانير، وعلى أهل الوَرِق أربعين درهماً، مع ذلك أرزاق المسلمين، وضيافة ثلاثة أيام"(١).

کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سونے والوں پر چار دینار، چاندی والوں پر چالیس درہم، اس کے ساتھ لشکر اسلام کو غذا کی فراہمی اور تین دن کی ضیافت بطورِ جزیہ مقرر فرمائی تھی''۔

اس اثر کو دیکھا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ سونے والوں سے چار دینار لیے جائیں گے، چاندی والوں سے چالیس درہم اور اس میں غنی یا فقیر کی کوئی تقسیم نہیں۔

اس کے علاوہ اس اثر میں اور بھی دو چیزیں ہیں، ایک ہے لشکرِ اسلام کو غذا کی فراہمی کہ اہل ذمہ پر یہ بھی واجب ہوگا کہ لشکر اسلام جب ان کے علاقوں سے گزرے تو ان کو غذائی اجناس وغیرہ بھی مہیا کریں (۲)۔

دوسری چیز ہے تین دن کی مہمان نوازی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے علاقوں سے گزرنے والے مسلمانوں کو یہ لوگ روٹی، جَو اور سالن وغیرہ فراہم کریں گے اور ان کے لیے ایسی رہائش کا بندوبست کریں گے، جو سردی وگرمی سے بچائے (۳)۔

لیکن ان دونوں چیزوں پر عمل اب مالکیہ کے ہاں بھی نہیں ہے، چناں چہ علامہ دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وسقطت إضافة المجتاز عليهم من المسلمين ثلاثاً من الأيام؛ وإنما سقطت عنهم للظلم الحادث عليهم من وُلاة الأمور ......"(٤).

یعنی: ''اہل ذمہ کے ہاں سے گزرنے والے مسلمانوں کی تین دن کی ضیافت کا

---

(١) المؤطأ: ١/٢٧٩، كتاب الزكاة، باب جزية أهل الكتاب......، رقم (٤٣)، والأوجز: ٦/٢٠٤-٤١١.

(٢) المنتقى: ٢/١٧٤، والأوجز: ٦/٢١٠.

(٣) التمهيد لابن عبدالبر: ٢/١٣١.

(٤) أوجز المسالك: ٦/٤١١، والشرح الكبير للدردير مع الدسوقي: ٢/٥٢١، فصل في عقد الجزية.

اضافہ اب ساقط ہو چکا اور اس کی وجہ حکم رانوں کی طرف سے ان پر ظلم کے نت نئے طریقوں کا اختیار کرنا ہے"۔

مالکیہ کی دلیل کا جواب

یہ تو ہوئی مالکیہ کی دلیل، لیکن اس کا جواب بہت واضح ہے، وہ یہ کہ اگر اس اثر پر مکمل عمل کیا جائے تو اس کا مطلب بھی وہی نکلتا ہے جس کے احناف قائل ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں کو غذا کی فراہمی اور تین دن کی مہمان نوازی کو اگر چالیس کے ساتھ ملایا جائے تو یہ اڑتالیس درہم کے مساوی بنتا ہے(۱)۔

ترجیح راجح

مذہب احناف کی دلیل کے طور پر ماقبل میں ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نقل کیا تھا، جو حارثہ بن مضرب اور محمد بن عبید اللہ الثقفی رحمہما اللہ وغیرہ سے مروی ہے، ان آثار مرویہ میں انسانوں کے تینوں طبقات (غنی، متوسط اور فقیر) کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس لیے عمل کے اعتبار سے یہی آثار راجح ہوں گے، کیوں کہ ان میں زیادتی مروی ہے، نیز ہر طبقہ کا حکم بھی۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ جو حضرات طبقات کے حساب سے جزیہ مقرر کیے جانے کے قائل ہیں، وہ اس روایت پر بھی عمل پیرا ہیں، جس میں صرف اڑتالیس درہم کا ذکر ہے، یعنی حضرت عمرو بن میمون اودی رحمۃ اللہ علیہ کا اثر، اس کے برخلاف حضرات شافعیہ نے چوں کہ اڑتالیس دراہم پر انحصار واقتصار کیا ہے، اس لیے وہ ان آثار وروایات کے تارک ہوئے، جن میں طبقات کی تمیز اور ان میں سے ہر طبقے پر مقدار مقررہ کی تخصیص کا ذکر ہے۔اسی کو بیان کرتے ہوئے امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فكان الخبر الذي فيه تفصيل الطبقات الثلاث أولىٰ بالاستعمال؛ لما فيه من الزيادة، وبيان حكم كل طبقة، ولأن من وضعها على الطبقات فهو قائل بخبر الثمانية والأربعين، ومن اقتصر على الثمانية والأربعين، فهو تارك للخبر الذي فيه ذكر تمييز الطبقات، وتخصيص كل واحد بمقدار

(۱) أحكام القرآن للرازي: ۱۲۶/۳، والأوجز: ۲۰۸/٦، و۲۱۰، وإعلاء السنن: ۴۳۲/۱۲.

منها......"(☆). والله أعلم بالصواب

۲۹۸۷ : حَدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ : سَمِعْتُ عَمْرًا(۱) قَالَ : كُنْتُ جالِسًا مَعَ جابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَعَمْرِو بْنِ أَوْسٍ ، فَحَدَّثَهُمَا بَجَالَةُ سَنَةَ سَبْعِينَ ، عامَ حَجَّ مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ بِأَهْلِ الْبَصْرَةِ عِنْدَ دَرَجِ زَمْزَمَ ، قالَ : كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ ، عَمِّ الْأَحْنَفِ ، فَأَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ : فَرِّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي مَحْرَمٍ مِنَ الْمَجُوسِ ، وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ أَخَذَ ٱلْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوسِ ، حَتَّى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ .

تراجم رجال

۱- على بن عبدالله

یہ مشہور امام حدیث علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۲- سفیان

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصراً "بدء الوحي" کی پہلی حدیث اور مفصلاً کتاب العلم، "باب قول المحدث: حدثنا......" کے تحت آچکے (۳)۔

۳- عمرو

تابعی شہیر حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کتاب العلم میں آچکا (۴)۔

(☆) أحكام القرآن: ۱۲٦/۳، والأوجز: ۲۰۸/٦، وإعلاء السنن: ۴۳۳/۱۲.

(۱) قوله: "سمعت عمراً" الحديث، أخرجه الترمذي، كتاب السير، باب ماجاء في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۵۸٦)، وأبوداود، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۳۰۴۳)، والنسائي في الكبرى، كتاب السير، رقم (۸۷٦۸).

(۲) كشف الباري: ۲۹۷/۳.

(۳) كشف الباري: ۲٦۰/۱، و۱۰۲/۳.

(۴) كشف الباري: ۳۰۹/۴، باب كتابة العلم.

قال: كنت جالساً مع جابر بن زيد وعمرو بن أوس

حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جابر بن زید اور عمرو بن اوس رحمہما اللہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

جابر بن زید سے مراد ابوالشعثاء جابر بن زید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔ اور عمرو بن اوس سے مشہور تابعی عمرو بن اوس بن ابی اوس رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں (۲)۔

فحدثهما بجالة سنة سبعين عام حج مصعب بن الزبير بأهل البصرة عند درج زمزم

سنہ ۷۰ھ، جس میں مصعب بن زبیر نے اہل بصرہ کے ساتھ حج کیا تھا، اسی سال بئر زمزم کی سیڑھیوں کے پاس بجالہ نے جابر بن زید اور عمرو بن اوس سے بیان کیا۔

بجالة

یہ مشہور تابعی بجالۃ -بفتح الباء الموحدة، بعدها جیم- بن عبدۃ بن سالم (۳) تمیمی عنبری بصری رحمہ اللہ ہیں (۴)۔

یہ جزء بن معاویہ کے کاتب تھے اور احنف بن قیس کے چچا (۵)۔

یہ حضرت عمر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمران بن حصین اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن دینار، عوف الاعرابی، قتادہ بن دعامہ اور قشیر بن عمرو رحمہم اللہ

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب من أفاض علی رأسه......

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التهجد، باب من نام عند السحر.

(۳) تعليقات تهذيب الكمال: ٤/٨، وتعليقات تهذيب التهذيب: ١/٤١٧، وتوضيح المشتبه: ٤/٧٣.

(٤) تهذيب الكمال: ٤/٨، وتهذيب التهذيب: ١/٤١٧، وفتح الباري: ٦/٢٦٠.

(٥) حواله جات بالا، وطبقات ابن سعد: ٧/١٣٠.

تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۱)۔

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مكي ثقة" (۲).

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هو شيخ" (۳).

علامہ جاحظ نے ان کا تذکرہ اہل بصرہ کے عبادت گزاروں میں کیا ہے (۴)۔

اسی طرح مجاہد بن موسیٰ اور ابن حبان رحمہما اللہ نے بھی ان کی توثیق فرمائی ہے (۵)۔

البتہ امام ربیع بن سلیمان نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: "بجالة رجل مجهول" (٦).

چناں چہ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الحدود" میں لکھا کہ یہ مجہول ہیں اور مشہور نہیں، نیز یہ بھی معروف نہیں کہ جزء بن معاویہ نامی کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عامل تھا۔ پھر امام شافعی نے ان کو "کتاب الجزیہ" میں ذکر کیا اور فرمایا: "حديث بجالة متصل ثابت؛ لأنه أدرك عمر، وكان رجلاً في زمانه، كاتباً لعماله".

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سابقہ بات سے رجوع کرلیا تھا کہ بجالہ مجہول ہیں، کتاب الجزیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ مجہول نہیں، علامہ بیہقی اسی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وكأن الشافعي رحمه الله لم يقف على حال بجالة حين صنف كتاب الحدود، ثم وقف عليه حين صنف كتاب الجزية، إن كان صنفه بعده" (۷).

---

(۱) تهذيب الكمال: ٤/٨-٩، والجرح والتعديل: ٢/٣٦٢، رقم (١٧٣٧).

(٢) تهذيب الكمال: ٤/٩، والجرح والتعديل: ٢/٣٦٢، رقم (١٧٣٧).

(٣) حواله جات بالا.

(٤) تهذيب الكمال: ٤/٩، وتهذيب التهذيب: ١/٤١٧.

(٥) تعليقات تهذيب الكمال: ٤/٩، وتهذيب التهذيب: ١/٤١٧-٤١٨.

(٦) حواله جات بالا، وكتاب الأم: ٧/١٢/٥٢٢، كتاب الحدود، باب حد الذميين إذا زنوا، رقم (٢٣٢٨٦).

(٧) السنن الكبرىٰ للبيهقي: ٨/٢٤٨، كتاب الحدود، باب حد الذميين، رقم (١٧١٢٣) وكتاب الجزية، باب المجوس أهل كتاب ......: ٩/١٨٩، رقم (١٨٦٥٣)، وكتاب الأم: ٢/٤/١٧٤، كتاب الجزية، =

امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روایات لی ہیں (۱)۔

صحیح بخاری میں ان کا ذکر صرف اسی جگہ آیا ہے (۲)، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

مصعب بن الزبیر

یہ مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے مصعب بن الزبیر بن العوام قرشی اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

ابوعیسیٰ اور ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے (۴)، ان کی والدہ رباب بنت انیف کلبیہ ہیں (۵)۔ انتہائی بہادر تھے اور بہت حسین وجمیل، اپنی سخاوت کی وجہ سے ''آنیۃ النحل'' (شہید کا چھتہ یا برتن) کہلاتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی سفاک بھی تھے، مختار بن عبید الثقفی سے جنگ کی اور اس کو قتل بھی کیا (۶)۔

یہ اپنے باپ شریک بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عراقین (عراق وشام) کے امیر مقرر ہوئے تھے، یہ تقرر ایک اعتبار سے مصعب کی ایک تمنا ہی نتیجہ تھا، جو خدا کے ہاں قبول ہوئی۔

چناں چہ ابن ابی الزناد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مقام حجر میں چار حضرات جمع ہوئے: عبداللہ، مصعب، عروہ (حضرت زبیر بن العوام کے صاحبزادگان) اور ابن عمر رضی اللہ عنہم۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمنا کرو، اپنی اپنی خواہش کا اظہار کرو کہ پتہ چلے کون کیا چاہتا ہے؟ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری خواہش خلافت کا حصول ہے اور حضرت عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری تمنا وخواہش تو یہ ہے کہ میرے ذریعے علم پھیلے اور مجھ سے استفادہ کیا جائے۔ اور مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میری خواہش عراق کی امارت کا حصول ہے اور عائشہ بنت طلحہ وسکینہ بنت الحسین کو اپنے عقد

= من يلحق بأهل الكتاب، رقم (١٣١٩٣)، وتعليقات تهذيب الكمال: ٩/٤.

(١) تهذيب الكمال: ٩/٤.

(٢) فتح الباري: ٢٦٠/٦، وعمدة القاري: ٨٠/١٥.

(٣) سير أعلام النبلاء: ١٤٠/٤.

(٤) حواله بالا، وطبقات ابن سعد: ١٨٢/٥.

(٥) سير أعلام النبلاء: ١٤١/٤، وطبقات ابن سعد: ١٨٢/٥.

(٦) سير أعلام النبلاء: ١٤١/٤، وطبقات ابن سعد: ١٨٣/٥.

نکاح میں لانا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری تمنا تو صرف یہ ہے کہ میری مغفرت کردی جائے۔

راوی کہتے ہیں کہ ہر ایک نے جو تمنا کی تھی، اسے وہ حاصل ہوئی، رہے ابن عمر رضی اللہ عنہ، ان کی بھی مغفرت کردی گئی ہوگی (۱)۔

اسماعیل بن ابی خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ما رأيت أميراً قط أحسن من المصعب"(۲).

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ما رأيت أميراً قط على منبر أحسن من مصعب"(۳).

ابھی گزرا کہ یہ انتہائی حسین تھے، مدائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كان يحسد على الجمال"(٤) کہ خوبصورتی کی وجہ سے ان سے حسد کیا جاتا تھا۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان اور مصعب بن زبیر کی افواج کے درمیان ایک شدید اور فیصلہ کن جنگ ہوئی، مصعب تو اس لیے نکلے تھے کہ شام کو دوبارہ واپس لیں گے اور عبدالملک کا مقصود دفاع تھا، ان دونوں کا ٹکراؤ عراق کے ایک چھوٹے سے شہر "اوانا" (۵) کے قریب دیر الجاثلیق (٦) کے مقام پر ہوا، جس میں آخر کار فتح عبدالملک کو ملی اور مصعب مقتول ہوئے۔ یہ ۷۲ھ، نصف جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے اور دن جمعرات کا تھا، اس وقت مصعب کی عمر چالیس سال تھی (۷)۔

قتل کے بعد ان کے سر کو کاٹ کر عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا، عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں:

"رأيت بقصر الكوفة رأس الحسين الشهيد، ثم رأس ابن زياد، ثم

---

(١) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤١، وحلية الأولياء: ٢/١٧٦، رقم الترجمة (١٧١).

(٢) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤١.

(٣) حواله بالا، وفوات الوفيات: ٤/١٤٣، رقم (٥٢٥).

(٤) حواله جات بالا

(٥) قال ابن خلكان: "أوانا بليدة كثيرة البساتين والشجر، نزهة من نواحي دجيل بغداد، بينها وبين بغداد عشرة فراسخ من جهة تكريت ......". معجم البلدان: ١/٢٧٤، باب الهمزة والواو......

(٦) دير الجاثليق: دير قديم البناء، رحب الفناء، من طسوج مسكن قرب بغداد في غربي دجلة، وهو رأس الحد بين السواد وأرض تكريت. معجم البلدان: ٢/٥٠٢، باب الدال والياء......

(٧) سير أعلام النبلاء: ٤/١٤٣، وطبقات ابن سعد: ٥/١٨٣.

رأس المختار، ثم رأس مصعب بين يدي عبدالملك"(۱).

حدیث سے متعلقہ ایک اصولی بحث

یہاں حدیث سے متعلقہ ایک اور بات بھی سمجھئے کہ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ تھے: "فحدثهما بجالة ......" کہ بجالہ نے ان دونوں اصحاب سے بیان کیا......اس سے معلوم ہوا کہ بجالہ نے یہ روایت عمرو سے بیان نہیں کی تھی اور وہ مقصود بالتحدیث بھی نہیں تھے، اس کے باوجود عمرو بجالہ سے روایت کررہے ہیں، اس طرح سنی ہوئی حدیث کی روایت جائز ہے اور یہ بالاتفاق وجوہ تحمل میں سے ہے (۲)۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں "حدثنا" کہنا جائز ہے یا نہیں؟ جمہور جواز کے قائل ہیں، امام نسائی اور بعض حضرات اس سے منع کرتے ہیں، جب کہ علامہ برقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حدثنا" کی بجائے "سمعت فلانا" کہنا چاہیے (۳)۔

"درج" کے معنی

"درج" دال اور راء کے فتحہ کے ساتھ، درجۃ کی جمع ہے، سیڑھی کو کہتے ہیں (۴)۔ المغرب میں ہے: "درج السلَّم: رتبه، الواحدة: درجة"(۵).

قال: كنت كاتباً لجزء بن معاوية عم الأحنف

بجالہ فرماتے ہیں کہ میں احنف کے چچا جزء بن معاویہ کا کاتب تھا۔

جزء بن معاويه

یہ جزء- بفتح الجيم، وسكون الزاي، وفي آخره همزة- (٦) ابن معاوية بن حصین بن عبادہ بن النزّال بن

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ١٤٣/٤.

(۲) عمدة القاري: ١٥/ ٧٩-٨٠، وفتح الباري: ٦/ ٢٦٠.

(۳) عمدة القاري: ١٥/ ٨٠، وفتح الباري: ٦/ ٢٦٠.

(٤) عمدة القاري: ١٥/ ٨٠، والصحاح للجوهري: ٣٣٧، مادة "درج".

(٥) المغرب: ٢٨٤، الدال مع الراء.

(٦) اس لفظ کے ضبط میں محدثین اور اہل نسب کا اختلاف ہے، ہم نے مشہور قول، جو محدثین کا ہے، کو ذکر کیا ہے، دیگر اقوال =

مرۃ تمیمی سعدی رضی اللہ عنہ ہیں(۱)۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہواز کے عامل تھے، جب کہ ترمذی شریف کی روایت میں یہ آیا ہے کہ جزء "تنادر" کے عامل تھے(۲)۔

لیکن حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تنادر اہواز ہی کا ایک گاؤں ہے(۳)۔

ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے، ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے، البتہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ان کی صحبت کا انکار کیا ہے(۴)۔

لیکن حافظ صاحب ان کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں خلفاء عامل انہی کو مقرر فرماتے تھے جو صحابی ہوں(۵)۔ غیر صحابی عموماً عامل نہیں ہوتے تھے، اس لیے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی تھے۔

بلاذری کی تصریح کے مطابق حضرت جزء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے اور زیاد کی طرف سے کچھ ذمہ داریاں بھی انہوں نے ادا کیں(۶)۔

الأحنف

یہ مشہور مخضرم تابعی حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب

= کے لیے دیکھیے: عمدة القاري: ۱۵/۷۹، وفتح الباري: ٦/٢٦٠، والإكمال لابن ماكولا: ٢/٧٩-٨١، باب جري وجزي......

(١) الإصابة: ١/٢٣٤، والاستيعاب بهامش الإصابة: ١/٢٥٩.

(٢) انظر الجامع للترمذي، كتاب السير، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (١٥٨٦)، ولكن المثبت في رواية الترمذي "مناذر" بدل "تنادر" ولعل المثبت هو الصحيح، انظر معجم البلدان: ٥/١٩٩، باب الميم والنون......

(٣) فتح الباري: ٦/٢٦٠.

(٤) الإصابة: ١/٢٣٤، والاستيعاب بهامش الإصابة: ١/٢٥٩، وأسد الغابة: ١/١٧٨، باب الجيم والزاي.

(٥) الإصابة: ١/٢٣٤.

(٦) حواله بالاو.

المعاصي من أمر الجاهلية ......" کے تحت گزر چکے(۱)۔

فأتانا كتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة

تو ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ان کی وفات سے ایک سال قبل آیا۔

عمر بن الخطاب

خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا تذکرۂ اجمالی ''بدء الوحی'' کی پہلی حدیث کے تحت آچکا ہے(۲)۔

اوپر ذکر کردہ واقعہ ۲۲ھ کا ہے، کیوں کہ حضرت عمر کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی ہے(۳)۔

فرقوا بين كل ذي محرم من المجوس

مجوس میں سے جس کسی نے اپنے ذی محرم سے شادی کر رکھی ہو، اسے اس سے جدا کر دو۔

مجوس

مجوس، مجوسی کی جمع ہے، جو منسوب ہے مجوسیت کی طرف اور مجوسیت قدیم فرق باطلہ میں سے ایک فرقہ ہے اور یہ کلمہ منج گوش کا معرب ہے، جو ایک آدمی کا نام ہے، اس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے، اسی کی طرف منسوب ہو کر یہ فرقہ ''مجوس'' کہلاتا ہے، یہی وہ شخص تھا جس نے مجوسیت کو ایجاد کیا اور لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔

مجوس اپنے مزعومہ پیغمبر زرتشت کی طرف منسوب ہو کر زرتشتی بھی کہلاتے ہیں۔

مشہور قول کے مطابق یہ آگ کی پوجا کرتے ہیں، جب کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سورج، چاند اور آگ کی عبادت کرتے ہیں۔

اپنے عروج کے زمانے میں انہوں نے دنیا کے مختلف مقامات پر آتش کدے تعمیر کیے، جہاں وہ آگ کی پوجا کرتے تھے، آج بھی ان میں سے کچھ پائے جاتے ہیں۔ اور اس مذہب کے پیروکار اس کے بھی قائل

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲۲۳.

(۲) كشف الباري: ۱/۲۳۹.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۶۱.

تھے کہ خدا دو ہیں، ایک خالقِ خیر ہے، دوسرا خالقِ شر ہے، پہلے کا نام یزدان، دوسرے کا نام اہرمن ہے(۱)۔

کیا مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں؟

فقہائے امت کا اس میں اختلاف ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں؟

یہی اختلاف اس مسئلہ کا مدار ہے، جو ماقبل میں گزرا کہ مجوس سے جزیہ لیا جائے گا یا نہیں؟ اور کس بنیاد پر لیا جائے گا؟

حضرات شوافع مجوس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اہل کتاب ہیں، اس کی دلیل میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پیش کرتے ہیں:

"كان المجوس أهل كتاب يعرفونه، وعلم يدرسونه، فشرب أميرهم الخمر، فوقع على أخته، فرآه نفر من المسلمين، فلما أصبح قالت أخته: إنك قد صنعت بها كذا وكذا، وقد رآك نفر لا يستُرون عليك، فدعا أهل الطمع، فأعطاهم، ثم قال لهم: قد علمتم أن آدم أنكح بنيه بناته، فجاء أولئك الذين رأوه، فقالوا: ويلاً للأبعد، إن في ظهرك حداً، فقتلهم، وهم الذين كانوا عنده، ثم جاءت امرأة، فقالت له: بلى، قد رأيتك، فقال لها: ويحا لبغي بني فلان، قالت: أجل، والله لقد كنت بغية، ثم تُبتُ، فقتلها، ثم أسري على ما في قلوبهم وعلى كتبهم، فلم يصح عندهم شيء"(۲). (اللفظ لعبد الرزاق).

---

(۱) مذکورہ تفصیلات کے لیے دیکھیے، أوجز المسالك: ۱۹۱/٦، ولسان العرب: ۲۲۳/٦، مادة: "مجس"، وروح المعاني: ۱۲۹/۱۷، سورة الحج: ۱۷، تفسير قوله تعالیٰ: ﴿والنصاری والمجوس﴾ ودائرہ معارف اسلامیہ (اردو): ۵۸۸/۱۸.

(۲) انظر المصنف لعبد الرزاق، كتاب أهل الكتابين، باب هل يقاتل أهل الشرك حتى يؤمنوا......؟ رقم (۱۹۲٦۲)، وكتاب أهل الكتاب، أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۰۰۲۹)، وفتح الباري: ۲٦۱/٦، وعمدة القاري: ۸۰/۱۵، وكتاب الأم: ۱۷۳/٤/۲، وسنن البيهقي الكبرى، كتاب الجزية، باب المجوس أهل الكتاب، ...... : ۱۸۹/۹، رقم (۱۸٦۵۰).

یعنی: ''مجوس ایک کتاب کے حامل تھے، جس کو وہ جانتے تھے اور علم والے تھے جس کو وہ پڑھتے تھے، ایک دن ان کے امیر نے شراب پی، چناں چہ اپنی بہن پر جا پڑا، تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس کو دیکھ لیا، جب صبح ہوئی تو اس کی بہن نے کہا کہ تو نے اس کے ساتھ (یعنی میرے ساتھ) ایسا ایسا کیا ہے اور تحقیق تمہیں کچھ ایسے افراد نے دیکھا ہے جو تمہاری ستر پوشی نہیں کریں گے۔ تو اس نے اہل طمع (علمائے سو) کو بلایا، پھر ان سے کہا کہ تمہیں بخوبی علم ہے کہ آدم علیہ السلام اپنے بیٹوں کا نکاح اپنی بیٹیوں سے کرواتے تھے (لہٰذا میں نے بھی ایسا کیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟) چناں چہ وہ لوگ آئے جنہوں نے اس کو (اپنی بہن کے ساتھ مبتلا) دیکھا تھا، کہنے لگے کہ ہلاکت ہو منحوس کے لیے، تم پر حد واجب ہو چکی۔ تو اس نے ان کو قتل کروادیا، یہی وہ لوگ تھے، جو اس کے پاس تھے، پھر ایک عورت آئی، اس نے کہا: ہاں! میں نے تمہیں دیکھا ہے، تو امیر نے اس عورت سے کہا: بنی فلاں کی زانیہ کے لیے ہلاکت ہو، اس عورت نے کہا: درست ہے (بالکل) بخدا! میں زانیہ تھی، پھر میں نے توبہ کرلی، اس نے اس عورت کو بھی قتل کروادیا، پھر ان کے دلوں اور کتابوں میں جو کچھ تھا، اسے اٹھالیا گیا، اس طرح ان کے پاس کوئی درست چیز نہ رہی''۔

یہ تو ہوئی شوافع کی دلیل، لیکن اس اثر کی صحت میں کلام ہے، بعض حضرات نے اس کو متصل قرار دیا ہے تو بعض نے منقطع (۱)۔ جب کہ بعض علماء تو اس اثر کی صحت کے سرے سے قائل ہی نہیں، چناں چہ علامہ ابن قیم اور حافظ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہما نے اس اثر کو غیر صحیح وغیر ثابت کہا ہے (۲)۔

پھر اگر اس کی صحت تسلیم کر بھی لی جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کے اسلاف اہل کتاب تھے، کیوں کہ مذکورہ اثر کا مضمون یہی ہے کہ وہ پہلے اہل کتاب تھے، لیکن بعد میں کتاب کو ان کے سینوں سے نکال دیا گیا، اب وہ اہل کتاب کیسے ہوئے؟!

---

(۱) إعلاء السنن: ۱۲/۴۳۹.

(۲) زاد المعاد في هدي خير العباد: ۳/۱۵۴، وشرح ابن بطال: ۵/۳۳۱، نیز دیکھیے، نصب الراية: ۲/۲۵٦، والجوهر النقي: ۹/۱۹۰.

ان کے اہل کتاب نہ ہونے پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے، جو حسن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ:"لا تؤكل لهم ذبيحة، ولا تنكح لهم امرأة"(۱). کہ:"ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا نہ ہی ان کی عورت سے نکاح جائز ہوگا"۔

چناں چہ اگر وہ اہل کتاب ہوتے تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورت سے نکاح بہر حال جائز ہوتا، جس طرح کہ اللہ تعالی نے دیگر اہل کتاب کے ساتھ ان امور کو مباح قرار دیا ہے(۲)۔

حضرات احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل مجوس کے اہل کتاب میں داخل نہ ہونے کے سلسلے میں قرآن کریم سے تو یہ ہے کہ اس میں آیا ہے:﴿أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا﴾(۳) اس آیت میں اہل کتاب کو دو طائفوں میں منحصر کہا گیا ہے، اگر مجوس بھی اہل کتاب میں سے ہوتے تو یہ تین طائفے ہو جائیں گے، جو آیت کے منافی ہے، اس لیے اس آیت کی رو سے اہل کتاب میں مجوس داخل نہیں (۴)۔

احناف کی دوسری دلیل وہ روایت ہے جو مؤطا وغیرہ میں جعفر بن محمد بن علی عن ابیہ کے طریق سے مروی ہے:

"أن عمر بن الخطاب ذكر المجوس، فقال: ما أدرى كيف أصنع في أمرهم؟ فقال عبدالرحمن بن عوف: أشهد لَسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سنوا بهم سنة أهل الكتاب"(٥).

یعنی:"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس کا تذکرہ کیا، پھر فرمایا کہ مجھے علم نہیں ان

---

(١) أحكام القرآن: ١٢١/٣، وطبقات ابن سعد: ٢٦٣/١، والمصنف لابن أبي شيبة: ٤٠٧/١٧، كتاب السير، ماقالوا في المجوس ......، رقم (٣٣٣١٣).

(٢) أحكام القرآن للجصاص: ١٢١/٣، وأوجز المسالك: ١٩٤/٦.

(٣) الأنعام/ ١٥٦.

(٤) أحكام القرآن للجصاص: ١٢١/٣، وأوجز المسالك: ١٩٤/٦.

(٥) المؤطأ، كتاب الزكاة، باب جزية أهل الكتاب ......، رقم(٤٢)، ومصنف ابن أبي شيبة: ٧١/٧-٧٢، في الزكاة، في المجوس يؤخذ منهم ......، رقم(١٠٨٧٠)، و٤٠٩/١٧، كتاب السير (٣٣٣١٩)، وسنن البيهقي الكبرى: ١٨٩/٩، كتاب السير، رقم (١٨٦٥٤).

مجوسیوں کے سلسلے میں، میں کیا کروں؟ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب والا برتاؤ کرو"۔

یہ روایت اگرچہ منقطع ہے، کیوں کہ محمد کا لقاء عمر فاروق سے ثابت ہے نہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے، لیکن اس کے معنی مختلف دیگر طرق حسان کی وجہ سے متصل ہیں(۱)۔

اسی طرح ابوعلی الحنفی نے بھی اس روایت کو امام مالک کے طریق سے نقل کیا ہے، جس کی تخریج بزار اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے کی ہے اور یہ روایت مرسل ہے، جو ہمارے نزدیک حجت ہے(۲)۔ اور اس روایت میں تو صراحتاً "في الجزية" کا لفظ بھی موجود ہے(۳)۔

پھر طبرانی میں مسلم بن العلاء الحضرمی کے طریق سے اس کا شاہد بھی موجود ہے کہ "سنوا بالمجوس سنة أهل كتاب"(٤).

نیز اس کے علاوہ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ شوافع اس بات کے تو قائل ہیں کہ مجوس کا ذبیحہ اور ان کے ساتھ مناکحت جائز نہیں، لیکن پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں، اگر وہ اہل کتاب ہوتے تو یہ امور بھی جائز ہوتے؟(۵)

اسی طرح حدیث باب خود بھی اس پر دلالت کررہی ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل نہیں اور وہ "اہل الکتاب" کے عموم میں شامل نہیں ہیں، ورنہ حضرت عمر کے ان سے جزیہ کی وصولی میں توقف کے معنی کیا ہوں گے(٦)۔

---

(١) أوجز: ٦/٢٠٠، والتعليق الممجد على مؤطأ محمد: ١٧٦، كتاب الزكاة، باب الجزية.

(٢) أوجز: ٦/٢٠٠، والتمهيد لابن عبد البر: ٢/١١٥، ومسند البزار: ٣/٢٦٤، مسند عبد الرحمن بن عوف، رقم (١٠٥٦).

(٣) فتح الباري: ٦/٢٦١، والأوجز: ٦/٢٠١.

(٤) مجمع الزوائد: ٦/١٣، كتاب الجهاد، ماجاء في الجزية، والطبراني في الكبير: ١٩/٤٣٧، رقم (١٠٥٩)، مسلم بن العلاء الحضرمي.

(٥) المنتقى: ٣/٢٧٦، كتاب الزكاة، جزية أهل الكتاب، رقم (٦٨١)، والأوجز: ٦/٢٠٢، وشرح ابن بطال: ٥/٣٣٠.

(٦) عمدة القاري: ١٥/٨٠، وأعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٦٢.

اس لیے درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل نہیں، صرف جزیہ کی وصولی میں وہ اہل کتاب کے ساتھ شریک ہیں، وہ بھی اس بنا پر کہ نبی علیہ السلام نے ان سے جزیہ لیا ہے، نہ کہ اس لیے کہ وہ اہل کتاب میں داخل ہیں (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

شراح حدیث نے یہاں ایک اشکال ذکر کیا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ اہل ذمہ کے دینی عقائد وشعائر سے تعرض نہیں کیا جاسکتا، مثلاً مجوس کے ہاں محرمات سے نکاح چوں کہ جائز ہے، اس لیے خلیفہ اور اس کے نائبین ان کے اس فعل میں مداخلت نہیں کر سکتے (۲)۔ اور یہاں حدیث باب میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس کے ان جوڑوں کو جدا کرنے کا حکم دیا تھا، جو آپس میں محرم تھے، یہ تو ان کے مذہبی عقائد میں مداخلت ہوئی، جو شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں، ایک تو یہ کہ اہل ذمہ اپنے مذہبی معاملات کو انجام دیں۔ دوسرے یہ کہ ان معاملات کا عام مسلمانوں کے سامنے اظہار بھی کریں۔ چناں چہ پہلی چیز تو جائز ہے، لیکن دوسرے امر کی قطعاً اجازت نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا مطلب بھی یہی تھا کہ وہ اپنے محارم سے نکاح تو کر سکتے ہیں، لیکن عامۃ المسلمین کے سامنے اس کا اظہار نہیں کر سکتے، نہ ہی اس کے لیے اجتماعات منعقد کر سکتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کی شادیوں کا جس طرح اعلان کیا جاتا ہے، اس طرح اعلان بھی نہیں کر سکتے۔

اس کی مثال وہ شرائط ہیں، جو امین الامہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے دمشق کی فتح کے بعد نصاریٰ پر لاگو کی گئی تھیں، ان میں بعض شرائط یہ تھیں کہ وہ صلیب کھلے بندوں لٹکا نہیں سکتے، اپنے مخصوص تہواروں کا اعلان نہیں کر سکتے۔ گرجا گھروں کے دروازوں کو مسلمانوں پر بند نہیں کر سکتے، وغیرہ وغیرہ (۳)۔ تاکہ عامۃ المسلمین فتنہ میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی شان وشوکت سے متاثر نہ ہوں (۴)۔ واللہ اعلم

---

(۱) أحكام القرآن: ۱۱۹/۳-۱۲۱.

(۲) وفي الشامية: ۲۹۷/۳: "نتركهم وما يدينون" فصل في الجزية، مطلب ليس المراد منه......

(۳) انظر نص تلك الشروط في تهذيب تاريخ دمشق الكبير: ۱۵۰/۱، باب كيف كان أمر دمشق......؟

(٤) أعلام الحديث: ۱٤٦۳/۲، وفتح الباري: ۲٦۱/٦، وعمدة القاري: ۸۰/۱۵، وإعلاء السنن: ٤٤۱/۱۲-٤٤۲، =

ولم يكن عمر أخذ الجزية من المجوس حتى شهد عبدالرحمن بن عوف

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس سے جزیہ نہیں لیا تھا، یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۱) رضی اللہ عنہ نے گواہی دی......

مذکورہ جملے پر سندی بحث

مذکورہ بالا جملہ یا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی خط کا حصہ ہے، جس کا تذکرہ اوپر حدیث میں گزرا، اس صورت میں روایت کی حیثیت "رواية عمر عن عبدالرحمن بن عوف" کی ہوگی، یعنی حضرت عمر، حضرت عبدالرحمٰن سے روایت کررہے ہیں، چناں چہ ترمذی شریف (۲) کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے کہ "فجاءنا كتاب عمر: انظر مجوس من قبلك، فخذ منهم الجزية؛ فإن عبدالرحمن بن عوف أخبرني......".

لیکن اصحاب "اطراف الحدیث" نے اس حدیث کو بجالۃ عن عبدالرحمٰن میں ذکر کیا ہے (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ فعل درست نہیں، کیوں کہ حدیث کے جمیع طرق میں سے کسی بھی طریق میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ بجالہ نے اس روایت کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے لیا ہے، بلکہ ترمذی شریف کی اوپر ذکر کردہ روایت تو اس باب میں صریح ہے، اس لیے اس روایت کو "عمر بن الخطاب عن عبدالرحمٰن" میں ذکر کیا جانا مناسب تھا، نہ کہ "بجالة عن عبدالرحمن" میں (۴)۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذها من مجوس هجر

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔

= وتحفة الباري: ۳/۵٦۵، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۰.

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حالات کے لیے دیکھیے: كتاب الجنائز، باب الكفن من جميع المال.

(۲) الحديث أخرجه الترمذي في أبواب السير، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۵۸۷)، وأبوداود، كتاب الخراج ......، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۳۰۴۳)، والنسائي في الكبرى، رقم (۸۷٦۸).

(۳) انظر مثلاً: تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ۷/۲۰۷.

(۴) فتح الباري: ٦/۲٦۱، والنكت الظراف على الأطراف: ۷/۲۰۸.

هَجَر

یہ کلمہ ہاء اور جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے، نبی علیہ السلام کے عہد میں اس نام کے کئی علاقے تھے، جن میں ہجر بحرین، ہجر نجران، ہجر جازان اور ہجر مازن وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن یہاں ہجر بحرین مراد ہے، اس وقت یہاں بہت بڑی تعداد میں مجوس آباد تھے، سن ۸ یا ۱۰ ہجری کو نبی علیہ السلام کی حیات میں یہ علاقہ حضرت علاء بن الحضرمی کے ہاتھوں فتح ہوا تھا(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب مجوس سے جزیہ لینے میں تردد ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسی علاقے کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذها من المجوس"(۲) اس میں مجوس سے جزیہ لینے کا ذکر ہے، جو مقصود مصنف علیہ الرحمۃ ہے۔

۲۹۸۸ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ الْأَنْصَارِيَّ(۳) ، وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا ، أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ ، فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَتْ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمَّا صَلَّى بِهِمُ الْفَجْرَ انْصَرَفَ ، فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ

---

(۱) معجم البلدان: ۳۹۳/۵، باب الهاء والجيم ......، وعمدة القاري: ۸۰/۱۵، "وذكر ابن سعد في طبقاته (۲۶۳/۱): أن النبي صلى الله عليه وسلم بعد قسمة الغنائم بالجعرانة أرسل العلاء إلى المنذر بن ساوي عامل البحرين، يدعوهم إلى الإسلام، فأسلم، وصالح مجوس تلك البلاد على الجزية". فتح الباري: ۲۶۲/۶، وهذه العبارة تدل على أنها كانت في سنة تسع؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نزل بالجعرانة سنة تسع من الهجرة.

(۲) عمدة القاري: ۷۹/۱۵.

(۳) قوله: "عمرو بن عوف الأنصاري رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه، في كتاب المغازي، باب بلاترجمة، بعد باب شهود الملائكة بدرا، رقم (۴۰۱۵)، وفي كتاب الرقاق، باب ما=

رَآهُمْ ، وَقَالَ : (أَظُنُّكُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدْ جاءَ بِشَيْءٍ) . قالُوا : أَجَلْ يَا رَسُولَ ٱللهِ ، قالَ : (فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا ما يَسُرُّكُمْ ، فَوَٱللهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ ، وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ ٱلدُّنْيَا ، كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كانَ قَبْلَكُمْ ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا ، وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ) . [٣٧٩١ ، ٦٠٦١]

تراجم رجال

۱- ابوالیمان، ۲- شعیب

حضرت ابوالیمان حکم بن نافع اور شعیب بن ابی حمزہ الحمصی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حالات ''بدء الوحی'' کی چھٹی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۳- زهری

یہ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ ''بدء الوحی'' میں آچکا (۲)۔

٤- عروة بن الزبير

یہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ''بدء الوحی'' کی دوسری حدیث کے ذیل میں ذکر ہو چکے ہیں (۳)۔

٥- مسور بن مخرمة

یہ معروف صحابی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

= يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، رقم (٦٤٢٥)، ومسلم في صحيحه، كتاب الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر، رقم (٧٤٢٥-٧٤٢٦)، والترمذي، في أبواب صفة القيامة (باب حديث: والله ما الفقر أخشى عليكم)، رقم (٢٤٦٢)، وابن ماجه في سننه، كتاب الفتن، باب فتنة المال، رقم (٣٩٩٧).

(١) كشف الباري: ١/٤٧٩-٤٨٠.

(٢) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

(٣) كشف الباري: ١/٢٩١، و: ٢/٤٣٦.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

٦- عمرو بن عوف الانصاری

یہ حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، یہ قدیم الاسلام صحابی اور بنوعامر بن لوی کے حلیف تھےاور شرکائے بدر میں سے تھے(۱)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والے صرف حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں(۲)۔

اوران سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے، جو باب کے تحت مندرج ہے(۳)۔

ائمہ ستہ میں سے امام ابوداود کے علاوہ باقی تمام حضرات نے ان سے روایت لی ہے(۴)۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا(۵)۔رضي الله عنه وأرضاه.

یہ انصاری کیونکر ہیں؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ انصاری کیونکر ہیں، جب کہ اہلِ مغازی کے ہاں معروف یہی ہے کہ یہ مہاجر تھے، اس کی تائید اس جملے سے بھی ہوتی ہے:"وهو حليف لبني عامر بن لؤي" اس جملے سے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ مکی ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے دو جوابات دیے ہیں:

❶ ہوسکتا ہے کہ یہ انصاری مشہور معنی کے اعتبار سے ہوں، اس امر سے تو کوئی چیز مانع نہیں کہ ان کا اصل تعلق اوس یا خزرج سے ہو، پھر مکہ میں رہائش اختیار کرلی اور وہاں کے بعض قبائل سے اتحاد کرلیا ہو، چناں چہ اس اعتبار سے وہ انصاری ومہاجر دونوں ہوئے۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۲/۱۷٤، والطبقات: ٤/۳٦۳، وتهذيب التهذيب: ۸/۸۵، والاستيعاب: ۲/۱۰٤، رقم (۱۹۵۲).

(۲) الطبقات: ٤/۳٦۳، وتهذيب الكمال: ۲۲/۱۷۵، والجرح والتعديل: ٦/۳۱۳، باب العين، رقم (۱۳٤۰).

(۳) تهذيب الكمال: ۲۲/۱۷۵.

(٤) حوالہ بالا۔

(۵) فتح الباري: ٦/۲٦۲.

❷ لفظ "الأنصاري" وہم ہے اور یہ شعیب بن ابی حمزہ کا تفرد ہے، کیوں کہ صحیحین میں اس حدیث کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے پانچ شاگرد نقل کرتے ہیں، شعیب بن ابی حمزہ، معمر بن راشد، یونس بن یزید، موسیٰ بن عقبہ اور صالح بن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ (۱)۔ ان میں سے شعیب کے علاوہ کوئی بھی "الأنصاري" کا لفظ روایت نہیں کرتا، اس لیے حافظ صاحب کا جزم اسی پر ہے کہ مذکورہ لفظ وہم ہے (۲)۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ انصاری بھی ہیں اور مہاجر بھی۔ علامہ قسطلانی کی رائے بھی یہی ہے (۳)۔

ایک اہم تنبیہ

امام موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عمرو بن عوف کے نام کے سلسلے میں دو قول مروی ہیں، چناں چہ انہوں نے اپنی کتاب "المغازی" میں ان کا نام عمیر بن عوف تصغیر کے ساتھ نقل کیا ہے، جب کہ بخاری شریف کی کتاب الرقاق کی روایت، جو موسیٰ ہی سے مروی ہے، اس میں بغیر تصغیر کے عمرو ہے (۴)۔

چناں چہ ممکن ہے کہ ان کے یہ دونوں نام ہوں، کبھی عمیر کہلاتے ہوں اور کبھی عمرو (۵)۔ (ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کو عمیر بھی کہا جاتا ہے) (۶)۔

البتہ عسکری علیہ الرحمہ نے عمیر اور عمرو بن عوف کے درمیان تفریق کی، ان کو دو الگ الگ شخصیت قرار دیا ہے، لیکن درست یہی ہے کہ ایک ہی صحابی کے یہ دو نام ہیں (۷)۔

أن رسول الله ﷺ بعث أبا عبيدة بن الجراح(۸) إلى البحرين يأتي بجزيتها.

---

(۱) تحفة الأشراف: ۱۶۸/۸، مسند عمرو بن عوف الأنصاري ......

(۲) فتح الباري: ۲۶۲/۶.

(۳) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۰/۵.

(٤) انظر صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب ما يحذر من زهرة الدنيا ......، رقم (٦٤٢٥).

(٥) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۲/٦.

(٦) الاستيعاب: ۱۰٤/۲، رقم (۱۹۵۲).

(۷) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۲/٦، وتهذيب التهذيب: ۸٦/۸.

(۸) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام......

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف وہاں سے جزیہ کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا۔

''بحرین'' آج کل ایک مستقل ریاست ہے، لیکن اس زمانے میں یہ علاقہ عراق میں شامل تھا، یہ بصرہ اور ہجر کے درمیان واقع ہے، اس کے باشندے اس وقت اکثر مجوس تھے(۱)۔ كما مر قبل أيضاً.

وكان رسول الله ﷺ هو صالح أهل البحرين، وأمّر عليهم العلاء(٢) بن الحضرمي

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے باشندوں سے صلح کی تھی اور ان پر حضرت علاء بن الحضرمی کو امیر مقرر فرمایا تھا۔

حدیث میں مذکور صلح کا واقعہ ''سنۃ الوفود'' یعنی سنہ ۹ ہجری کا ہے(۳)۔

مذکورہ واقعے کی تفصیل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے واپسی کے دوران حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی العبدی کی طرف روانہ فرمایا، مقصد اس تک اسلام کی دعوت کا پہنچانا تھا اور ایک خط بھی اس کے نام لکھ دیا۔ منذر نے جوابی خط نبی علیہ السلام کو لکھا، جس میں اس کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع تھی، یہ بھی لکھا تھا کہ:

"وإني قد قرأت كتابك على أهل هجر؛ فمنهم من أحب الإسلام، وأعجبه، ودخل فيه، ومنهم من كرهه، وبأرضي مجوس ويهود، فأحدث إلي في ذلك أمرا".

یعنی: ''میں نے آپ کا والا نامہ اہل ہجر کو پڑھ کر سنایا، کچھ نے تو اسلام کو پسند کیا، وہ ان کو اچھا لگا اور اس میں داخل ہو گئے اور کچھ نے ناپسند کیا اور میری حکومت میں مجوس اور

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٦٢.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: كتاب الشهادات، باب من أمر بإنجاز الوعد.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٦٢، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٠، وعمدة القاري: ١٥/٨١.

یہود بھی ہیں، ان کے بارے میں آپ مجھے لکھ بھیجیے کہ ان سے متعلق آپ کا حکم کیا ہے''۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواباً لکھا کہ جب تک تم اچھی طرح امور حکومت انجام دو گے ہم تمہیں معزول نہیں کریں گے اور جو بھی شخص یہودیت اور مجوسیت پر برقرار رہے گا، اس کو جزیہ ادا کرنا ہوگا......(۱)۔

فقدم أبوعبيدة بمال من البحرين

چناں چہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے کچھ مال لے کر لوٹے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو مال لے کر بحرین سے لوٹے تھے، اس کی مقدار کیا تھی؟ تو اس سلسلے میں ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حمید بن ہلال کے طریق سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ اس مال کی مقدار آٹھ لاکھ تھی، اس کو حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اور یہ سب سے پہلا اخراج تھا، جو نبی علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا (۲)۔

فسمعت الأنصار بقدوم أبي عبيدة، فوافقت صلاة الصبح مع النبي صلى الله عليه وسلم، فلما صلى بهم الفجر انصرف، فتعرضوا له، فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رآهم، وقال: أظنكم قد سمعتم أن أبا عبيدة قد جاء بشيء

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انصار نے سنا تو انہوں نے فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، جب نبی علیہ السلام ان کو نمازِ فجر پڑھا چکے تو واپسی کے لیے مڑے تو انصار ان کے سامنے آ گئے، نبی علیہ السلام نے جب ان کو دیکھا تو مسکرائے اور ارشاد فرمایا، میرا خیال یہ ہے کہ تم لوگ ابوعبیدہ کی (بحرین سے) واپسی کا سن چکے ہو کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں۔

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۳۶۳/٤.

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۵۳۳/۱۹، كتاب الأوائل، باب أول ما فعل ......، رقم (۳۶۹۵۵)، وفتح الباري: ۵۱۷/۱، رقم (٤۲۱)، كتاب الصلاة ......، وهدي الساري: ۳۹۶، كتاب الصلاة.

تنبیہ: ابن ابی شیبہ کے نسخوں میں مذکورہ مال کی مقدار آٹھ لاکھ آئی ہے، جب کہ حافظ نے ابن ابی شیبہ سے ایک لاکھ نقل کیا ہے اور ابن سعد، یعقوب بن سفیان اور حاکم کی روایات میں مذکورہ مال کی مقدار اسی ہزار مذکور ہے۔ واللہ اعلم بالحقيقة. دیکھیے، تعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف: ۵۳۲/۱۹.

حدیث سے مستنبط ایک فائدہ

مذکورہ بالا عبارت سے یہ امر مستنبط ہوا کہ صحابۂ کرام (مہاجرین وانصار) رضی اللہ عنہم اجمعین تمام نمازوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے، ہاں! یہ کہ کوئی حادثہ پیش آجائے اور یہ کہ صحابہ اپنی اپنی مساجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، کیونکہ ہر قبیلہ کی اپنی اپنی مساجد تھیں، جہاں وہ جمع ہوا کرتے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انصار رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ نمازِ فجر میں سب کے سب جمع ہیں، تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب کسی کام سے آئے ہیں اور اس کام کی تعیین پر قرینہ بھی دلالت کر رہا ہے کہ مال ودولت کی ان کو ضرورت تھی کہ اس میں کچھ گنجائش ان کے لیے بھی ہو، تاہم ان کی خواہش تھی کہ مہاجرین کو بھی اس میں حصہ ملنا چاہیے، اس لیے جب نبی علیہ السلام نے ان کو بحرین میں جاگیروں کی پیش کش کی تو انصار نے یہی فرمایا کہ "حتى تقطع لإخواننا من المهاجرين مثل الذي تقطع لنا"(۱). جب مال آیا تو انصار نے سوچا کہ اس مال میں ان کا بھی حق ہے۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ان سے وعدہ فرمایا ہو کہ جب مال آئے گا تو میں آپ لوگوں کو دوں گا، چناں چہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ بحرین سے مال آئے گا تو میں تمہیں دوں گا، پھر اس وعدہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد پورا فرمایا تھا(۲)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انصار یا تو خود ہی مال کے آنے کا سن کر حاضر ہو گئے کہ اس مال میں ہمارا حق بھی ہے۔

یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ان سے وعدہ فرمایا تھا اس لیے وہ حاضر ہوئے (۳)۔

قالوا: أجل يا رسول الله

انصار نے جواباً کہا، جی ہاں! یا رسول اللہ!

امام اخفش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ أجل معنی میں نعم کے مثل ہے، البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ

---

(۱) دیکھیے صحيح البخاري، كتاب المساقاة، باب القطائع، رقم (٢٣٧٦).

(۲) انظر صحيح البخاري، كتاب الكفالة، باب من تكفل عن ميت ......، رقم (٢٢٩٦).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٦٢-٢٦٣.

نعم کا استعمال جواب استفہام کے لیے ہوتا ہے کہ اس کا استعمال وہیں بہتر ہے اور جب تصدیق مقصود ہو تو وہاں اجل کا استعمال نعم کی بنسبت زیادہ بہتر ہے(۱)۔

قال: فأبشروا، وأملوا مايسركم

نبی علیہ السلام نے فرمایا، خوش ہو جاؤ اور اس چیز کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے گی۔

"أبشروا" صورۃ تو امر ہے، لیکن معنیٰ خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ جس مقصود کے لیے تم میرے پاس آئے ہو، وہ حاصل ہو گیا اور مال تمہیں مل جائے گا(۲)۔

فوالله، لا الفقر أخشى عليكم، ولكن أخشى عليكم أن تبسط عليكم الدنيا، كما بسطت على من كان قبلكم، فتنافسوها كما تنافسوها، وتهلككم كما أهلكتهم

بخدا! مجھے تمہارے فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ یہ خوف لاحق ہے کہ دنیا تم پر کشادہ و وسیع کر دی جائے گی، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر کر دی گئی تھی، تم بھی اس میں اسی طرح رغبت کرنے لگو گے، جس طرح انہوں نے رغبت کی تھی، پھر تمہیں انہی کی طرح یہ دنیا ہلاک کر دے گی۔

"تنافس" کے معنی کسی چیز میں رغبت رکھنے اور اس کو اپنے ساتھ خاص کرنے کے ہیں اور حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ دنیا میں رغبت بعض اوقات ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی وجہ سے آخرت برباد ہو جاتی ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کے مندرجہ ذیل جملوں کی باب کے ساتھ مطابقت پائی جاتی ہے:

❶ "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث أبا عبيدة ...... يأتي بجزيتها" کہ اس میں جزیہ

---

(۱) فتح الباري: ۲٦۳/٦.

(۲) حوالہ بالا.

(۳) حوالہ بالا، عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۱/۵، نیز دیکھیے، کشف الباري، كتاب المغازي: ۱٦٦.

کا ذکر ہے اور ترجمہ کا پہلا جز جزیہ ہے۔

❷ "فقدم أبو عبيدة بمال من البحرين" اس لیے کہ بحرین سے جو مال آیا تھا، وہ جزیہ کا تھا، نیز بحرین کے باشندے اس وقت مجوس وغیرہ ہی تھے۔

چناں چہ ترجمۃ الباب کے جز "الجزية" اور "المجوس" دونوں کے ساتھ مناسبت موجود ہے (۱)۔

واللہ اعلم بالصواب

۲۹۸۹ : حدّثنا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ : حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدِ ٱللهِ الثَّقَفِيُّ : حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ الْمُزَنِيُّ وَزِيَادُ بْنُ جُبَيْرٍ ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ (۲) قَالَ : بَعَثَ عُمَرُ النَّاسَ فِي أَفْنَاءِ الْأَمْصَارِ يُقَاتِلُونَ الْمُشْرِكِينَ ، فَأَسْلَمَ الْهُرْمُزَانُ ، فَقَالَ : إِنِّي مُسْتَشِيرُكَ فِي مَغَازِيَّ هٰذِهِ ، قَالَ : نَعَمْ ، مَثَلُهَا وَمَثَلُ مَنْ فِيهَا مِنَ النَّاسِ مِنْ عَدُوِّ الْمُسْلِمِينَ مَثَلُ طَائِرٍ : لَهُ رَأْسٌ وَلَهُ جَنَاحَانِ وَلَهُ رِجْلَانِ ، فَإِنْ كُسِرَ أَحَدُ الْجَنَاحَيْنِ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ بِجَنَاحٍ وَالرَّأْسُ ، فَإِنْ كُسِرَ الْجَنَاحُ الْآخَرُ نَهَضَتِ الرِّجْلَانِ وَالرَّأْسُ ، وَإِنْ شُدِخَ الرَّأْسُ ذَهَبَتِ الرِّجْلَانِ وَالْجَنَاحَانِ وَالرَّأْسُ ، فَالرَّأْسُ كِسْرَى ، وَالْجَنَاحُ قَيْصَرُ ، وَالْجَنَاحُ الْآخَرُ فَارِسُ ، فَمُرِ الْمُسْلِمِينَ فَلْيَنْفِرُوا إِلَى كِسْرَى .

تراجم رجال

۱- الفضل بن يعقوب

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شیخ، الفضل بن یعقوب رخامی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۲- عبداللّٰه بن جعفر الرقي

یہ امام عبداللہ بن جعفر بن غیلان القرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ابوجعفر اور ابوعبدالرحمٰن ان کی کنیت ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۸۱/۱۵.

(۲) قوله: "بعث عمر": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه، في كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الرسول بلغ ما أنزل إليك......﴾ رقم (۷۵۳۰)، وتحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ۱۹/۸.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: كتاب البيوع، باب التجارة في البر.

آل عقبہ بن ابی معیط کے آزاد کردہ غلام تھے(۱)۔

یہ رقّہ کی طرف منسوب ہوکر الـرقـي – بفتح الراء المشددة، وكسر القاف المشددة– کہلاتے ہیں۔ جو عراق میں فرات کے مشرقی کنارے کے ساتھ ایک مشہور شہر تھا، اب اجڑ گیا ہے(۲)۔

یہ عبید اللہ بن عمرو، ابوالمليح حسن بن عمر الرقي، عبدالعزيز الدراوردی، معتمر بن سلیمان اور موسیٰ بن اعین رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں احمد بن ابراہیم الدورقي، ابوالازہر نیسابوری، اسماعیل بن عبداللہ الرقی، علی بن الحسین الرقی، ایوب بن محمد الوزان، سلمۃ بن شبیب، دارمی، عمرو الناقد، فضل بن یعقوب رُخامی، محمد بن حاتم بن میمون، محمد بن جبلۃ، ابوزرعۃ الدمشقی اور ابوحاتم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں(۳)۔

امام حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة، وهو أحب إلي من علي بن معبد الذي كان بمصر"(٤).

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"(٥).

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو "ثقہ" کہا ہے(٦)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة، حافظ"(٧).

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے(۸)۔

---

(١) تهذيب الكمال: ١٤/٣٧٦، وتهذيب التهذيب: ٥/١٧٣، وتاريخ البخاري الكبير: ٥/٦٢، رقم (١٥٠)، وإكمال مغلطاي: ٧/٢٨٥، رقم (٢٨٥٣)، والطبقات: ٧/٤٨٦.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٨٢.

(٣) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے: تهذيب الكمال: ١٤/٣٧٧-٣٧٨.

(٤) الجرح والتعديل: ٥/٢٩، رقم (١٠٤)، وتهذيب الكمال: ١٤/٣٧٨.

(٥) الجرح والتعديل: ٥/٢٨، رقم (١٠٤)، وتهذيب الكمال: ١٤/٣٧٨.

(٦) إكمال مغلطاي: ٧/٢٨٦، وتهذيب التهذيب: ٥/١٧٤.

(٧) الكاشف للإمام الذهبي: ١/٥٤٣، رقم (٢٦٦٧).

(٨) تعليقات تهذيب الكمال: ١٤/٣٧٨، وإكمال مغلطاي: ٧/٢٨٥.

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس قبل أن يتغير" (۱).

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة؛ لكنه تغير بأخرة، فلم يفحش اختلاطه" (۲).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ آخر عمر میں ان کو اختلاط واقع ہوگیا تھا (۳)۔

لیکن یہ اختلاط اور ذہنی کمزوری مضر نہیں، وہ اس لیے کہ ان حضرات یعنی حافظ صاحب اور ابن حبان رحمہما اللہ نے خود اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ اختلاط فحش نہیں، بلکہ کم تھا اور کبھی کبھار ہی ہوتا تھا، جو روایات کے لیے مضر نہیں۔

ائمہ ستہ میں تمام حضرات نے ان کی روایات لی ہیں (۴)۔ جو خود ثقاہت کی ایک دلیل ہے۔

۲۱ یا ۲۳ شعبان ۲۲۰ ہجری کو رقہ ہی میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔ رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة

۴- المعتمر بن سليمان

یہ معتمر - عین کے سکون، تاء کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ - ابن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، تمام نسخوں میں یہی نام آیا ہے، مستخرج اسماعیلی وغیرہ میں اس حدیث کی سند میں بھی بخاری کی طرح ہے، یعنی معتمر، جب کہ دمیاطی رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ درست نام معمر - بفتح المهملة، وتشديد المفتوحة بغير مثناة - ہے، اس کی دلیل انہوں نے یہ دی کہ عبداللہ بن جعفر رقی، معتمر بن سلیمان سے روایت نہیں کرتے۔ ان کی ملاقات ثابت نہیں۔

حافظ وعینی فرماتے ہیں کہ صرف یہ وجہ کہ عبداللہ رقی ہیں اور معتمر بصری، ان کا لقاء ممکن نہیں۔ تو اتنی سی بات روایات صحیحہ کے رد کے لیے کافی نہیں، اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے شہروں میں داخل

(۱) تهذيب الكمال: ۱۴/۳۷۸، وتهذيب التهذيب: ۵/۱۷۳، وميزان الاعتدال: ۲/۴۰۳، رقم: (۴۲۴۹).

(۲) تقريب التهذيب: ۱/۴۸۳، رقم (۳۲۶۴)، وهدي الساري: ۵۸۰، الفصل التاسع، حرف العين.

(۳) كتاب الثقات. ۸/۳۵۱.

(۴) تقريب: ۱/۴۸۳، وتهذيب الكمال: ۱۴/۳۷۶.

(۵) الثقات لابن حبان: ۸/۳۵۲، والطبقات الكبرى: ۷/۴۸۶، الكاشف: ۱/۵۴۳، وتهذيب الكمال: ۱۴/۳۷۸، وميزان الاعتدال: ۲/۴۰۳، رقم (۴۲۴۹).

نہیں ہوئے تو کیا کسی حج یا غزوے میں بھی ان کی ملاقات نہیں ہوئی ہوگی؟!...... پھر دمیاطی کا اعتراض خود ان کے قول کے معارض ہے، کیوں کہ اگر معمر ہونا درست قرار دیا جائے، جو رقی نہیں اور روایت کررہے ہیں سعید بن عبیداللہ سے، جو بصری ہیں تو بعینہ وہی اعتراض یہاں بھی ہوتا ہے کہ اگر رقی کا بصری سے لقاء ممکن نہیں تو بصری کا لقاء بھی رقی سے مستبعد ہونا چاہیے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔

علاوہ ازیں جن حضرات نے رجال بخاری پر کام کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی معتمر بن سلیمان رقی کا ذکر رجال بخاری میں نہیں کیا، بلکہ سب نے متفقہ طور پر معتمر بن سلیمان تیمی بصری ہی کو رجال بخاری میں شامل کیا ہے۔

اصیلی، ابن قرقول وغیرہ نے بھی معتمر ہونا راجح کہا ہے(۱)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ سے یہاں یہ تسامح ہوگیا کہ انہوں نے بعض حضرات سے نقل کرتے ہوئے معتمر کو اولاً معمر کہا، پھر ابن راشد، یعنی معمر بن راشد (عبدالرزاق صنعانی کے شیخ)، یہ عجائب وغرائب میں سے ہے، کیوں کہ عبداللہ بن جعفر رقی کی تو معمر بن راشد سے سرے سے روایت ہی نہیں ہے(۲)۔

٤- سعيد بن عبيدالله الثقفي

سعید بن عبیداللہ بن جبیر بن حیۃ الثقفی الجبیری البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

یہ اپنے چچا زیاد، بکر بن عبداللہ المزنی، حسن بصری، حکم بن اعرج اور عبداللہ بن بریدہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے ان کے صاحبزادے اسماعیل، معتمر بن سلیمان، ابوعبیدہ الحداد، بشر بن السری، خالد بن الحارث، روح بن عبادہ اور مکی بن ابراہیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں(۴)۔

امام احمد، یحییٰ بن معین اور ابوزرعۃ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ثقة"(۵).

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٦٣، وعمدة القاري: ١٥/٨٢.

(٢) حوالہ جات بالا، وشرح الكرماني: ١٣/١٢٦.

(٣) تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٥، وتهذيب التهذيب: ٤/٦١، والتاريخ الكبير: ٣/٤٩٥، رقم (١٦٥٤).

(٤) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٥-٥٤٦.

(٥) الجرح والتعديل: ٤/٣٨، رقم (١٦٧)، وخلاصة الخزرجي: ١٤١.

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس به بأس"(١).

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے(۲)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"(٣).

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے(۴)۔

البتہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر جرح کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مضبوط راوی نہیں ہیں، وہ روایات جن کو دوسرے حضرات موقوفاً روایت کرتے ہیں، ان کو یہ مسنداً روایت کرتے تھے(٥)۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے بارے میں لکھا ہے: "صدوق، ربما وهم"(٦).

اس سلسلے میں امام بخاری پر کوئی اعتراض اس لیے نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے سعید بن عبید اللہ کی دو ہی روایات اپنی صحیح میں لی ہیں۔ ایک اشربہ(٧) میں، جس کے شواہد موجود ہیں، دوسری حدیث باب، جو کتاب التوحید(٨) میں بھی مختصراً آئی ہے، تاہم اس کا شاہد ومتابع بھی موجود ہے، چناں چہ حدیث باب کا یہی مضمون حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ابن ابی شیبہ(٩) نے سند قوی کے ساتھ روایت کی ہے(١٠)۔

---

(١) تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٦، وتهذيب التهذيب: ٦١/٤.

(٢) تهذيب الكمال: ١٠/٥٤٦، والثقات لابن حبان: ٢٥٩/٨.

(٣) الكاشف: ٤٤١/١.

(٤) إكمال مغلطاي: ٣٢٦/٥، رقم (٢٠١١).

(٥) حوالہ بالا، وتهذيب التهذيب: ٦١/٤، والمغني في الضعفاء: ٤٠٩/١، وميزان الاعتدال: ١٥٠/٢.

(٦) تقريب التهذيب: ٣٥٩/١، رقم (٢٣٦٦)، وتعليقات تهذيب الكمال: ٥٤٦/١٠.

(٧) صحيح بخاري، كتاب الأشربة، رقم (٥٥٨٤).

(٨) صحيح بخاري، كتاب التوحيد، رقم (٧٥٣٠).

(٩) المُصَنف: ١٨/٢٨٧-٢٩١، كتاب البعوث والسرايا، توجيه النعمان بن مقرن إلى نهاوند، رقم (٣٤٤٨٥)، اس قصے کی مزید تخریج کے لیے دیکھیے، تعليقات محمد عوامة على المصنف: ٢٨٨/١٨.

(١٠) هدي الساري، ٥٧٠، الفصل التاسع في سياق أسماء من طعن ......، باب السين.

بخاری کے علاوہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت لی ہے(۱)۔

۵- بكر بن عبدالله المزني

یہ بکر بن عبداللہ المزنی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٦- زياد بن جبير

یہ زیاد بن جبیر بن حیہ الثقفی الجبیری البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۷- جبير بن حيه

یہ جبیر بن حیہ بن مسعود بن معتب بن مالک بن عمرو بن سعد بن عوف ثقفی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں (۴)۔

ان کی کنیت ابوفرس یا ابوفرش اور ابوزیاد ہے(۵)۔

یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے بکر بن عبداللہ المزنی اور ان کے صاحبزادے زیاد روایت کرتے ہیں (٦)۔

ابوالشیخ فرماتے ہیں:

''جبیر طائف کے رہائشی تھے اور وہاں ایک مکتب کے معلم، پھر وہاں سے عراق منتقل ہوئے، عراق میں دیوان خانے میں کاتب بنے، جب زیاد بن ابی سفیان عراق کے والی بنے تو انہوں نے جبیر کا اکرام واعزاز کیا، اپنی قربت سے نوازا، اس طرح ان کی شان

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱۰/٥٤٦.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب عرق الجنب......

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الحج، باب نحر الإبل المقيدة......

(٤) تهذيب الكمال: ٤/٥٠٢، وتهذيب التهذيب: ٢/٦٢.

(٥) طبقات ابن سعد: ٧/١٨٨، وإكمال مغلطاي: ٣/١٦٧.

(٦) الجرح والتعديل: ٢/٤٤٥، وتهذيب الكمال: ٤/٥٠٢، وإكمال مغلطاي: ٣/١٦٧.

بڑھ گئی اور زیاد نے ان کو اصفہان کا والی بنادیا......''(۱)۔

سبط ابن العجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة جليل"(٢).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں جلیل القدر تابعین میں شمار کیا ہے(۳)۔

اسی طرح ابن خلفون نے الثقات میں ان کا ذکر کیا اور فرمایا: "كان ثقة"(٤).

اکثر ائمہ رجال نے ان کو تابعی ہی قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ جبیر بن حیہ صحابی ہیں، اسی لیے حافظ صاحب نے ان کا تذکرہ "الإصابة" کی قسم اول میں لکھا ہے۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی فتوحات میں جبیر شریک ہوئے تھے اور امام بخاری نے مذکورہ روایت "زائدة بن أبي زياد بن جبير عنه" کے طریق سے نقل کی ہے(۵)۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہو، جب کہ یہ ان کی شرط پر پورا اترتے ہیں۔

وہ اس لیے کہ بنو ثقیف کا کوئی بھی آدمی نبی علیہ السلام کی حیات میں زندہ نہیں تھا، مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر چکا تھا اور حجۃ الوداع میں انہوں نے شرکت کی تھی (یہ بھی ثقفی ہیں)۔

البتہ ابوموسیٰ المدینی نے ان کا شمار صحابہ میں کیا، ایک حدیث بھی ان کی ذکر کی، پھر لکھا کہ حدیث مرسل ہے اور اسی بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ تابعی ہیں، نہ کہ صحابی(٦)۔

لیکن میرے نزدیک ان کی صحابیت ناممکن نہیں، چناں چہ جس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحات میں شرکت کی ہوگی، وہ لامحالہ اس وقت مکمل جوان ہوگا اور جس واقعے میں یہ حاضر رہے ہیں وہ نبی علیہ السلام کی وفات کے دس سال گزرنے سے بھی پہلے وقوع پذیر ہوا ہے، اس لیے کم از کم ان کی رؤیت بہرحال

---

(١) تهذيب الكمال: ٤/٢٠٥، وتهذيب التهذيب: ٦٢/٢.

(٢) حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف: ٢٨٩/١.

(٣) تهذيب التهذيب: ٦٣/٢.

(٤) إكمال مغلطاي: ١٦٧/٣.

(٥) لعل الحافظ رحمه الله أراد حديث الباب، ولكن طريقه يخالف لما قاله الحافظ، والله أعلم.

(٦) إكمال مغلطاي: ١٦٧/٣، والإصابة: ٢٢٥/١.

ثابت ہوگی، جوشرف صحابیت کے لیے کافی ہے(۱)۔

حضرت جبیر کا انتقال اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوا(۲)۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دوسرے جمعے کو حجاج بن یوسف نے خطبہ دیا، چناں چہ کہا کہ میرا خیال وگمان یہ ہے کہ تم لوگ حق وباطل کے درمیان تمیز کے قابل نہیں رہے، میں تم سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہوں، اگر ان سوالات کا صحیح صحیح جواب تم لوگوں نے دیا تو اچھی بات ہے، ورنہ میں تم پر جزیہ لازم کردوں گا اور تم اس کے اہل بھی ہوگے۔

سوالات یہ ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جس سے کوئی چیز مستغنی نہیں ہوسکتی؟ وہ کون سی چیز ہے جو کنیت ہی سے پہچانی جاتی ہے اور وہ کون سا بچہ ہے جس کا والد نہیں؟

چناں چہ حضرت جبیر بن حیہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے امیر! اگر تمہارا مذکورہ عزم نہ ہوتا تو میں تمہیں جواب نہ دیتا، رہی وہ چیز جس سے کوئی چیز مستغنی نہیں ہوسکتی نام (الاسم) ہے، وہ چیز جو کنیت ہی سے معروف ہے ام الجنین ہے اور وہ بچہ جس کے والد نہیں تھے، عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

حجاج نے کہا: اے متکلم! آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبیر بن حیہ ثقفی۔ حجاج نے کہا کہ آپ کے صحیح جوابات بھی غلط ہوگئے، اس قرابت قریبہ کے باوجود آپ مجھ سے دور کیوں رہے (حجاج خود بھی ثقفی تھا)؟ فرمایا: اے امیر! تم ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کے لیے باقی رہوگے نہ یہ تمہاری عزت دائمی ہے، کیوں کہ زمانہ الٹ پھیر کا شکار رہتا ہے اور آج ہم تم سے فوائد ومنافع حاصل کرکے یہ نہیں چاہتے کہ کل ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ راوی کہتے ہیں کہ حجاج نے ان کو انعام واکرام سے نوازا(۳)۔

قال: بعث عمر الناس في أفناء الأمصار يقاتلون المشركين

حضرت جبیر بن حیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بڑے بڑے شہروں میں روانہ کیا کہ وہ مشرکین سے قتال کریں گے۔

---

(۱) الإصابة: ۱/۲۲۵، وتعليقات تهذيب الكمال: ٤/۵۰۳، وفتح الباري: ٦/۲٦۳.

(۲) تهذيب الكمال: ٤/۵۰۳، وتهذيب التهذيب: ۲/٦۳، والتقريب: ۱/۱۵٦، رقم (۹۰۱).

(۳) إكمال مغلطاي: ۳/۱٦۸.

"أفناء" فنو –بكسر الفاء وسكون النون– کی جمع ہے، اس کے معنی جماعت، نچلے ومعمولی درجے کے لوگ کے ہیں، اسی طرح وہ شخص، جس کا کوئی قبیلہ نہ ہو، "فنو" کہلاتا ہے(۱)۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الأمصار" کی بجائے "الأنصار" نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ بعض نسخوں میں "الأمصار" آیا ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ "الأمصار" ہی درست ہے، ان کے ذکر کردہ کلمہ کے یہاں کوئی معنی نہیں بنتے، کہ انصار تو پہلے سے مسلمان تھے، ان سے جنگ کرنے کا کیا مطلب؟ جب کہ اس کے بعد متصلاً حدیث میں "يقاتلون المشركين" بھی آیا ہے!(۲)۔

فأسلم الهرمزان

چناں چہ ہرمزان نے اسلام قبول کرلیا۔

یہاں سیاقِ حدیث میں بہت زیادہ اختصار ہے، کیوں کہ ہرمزان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ فوراً پیش نہیں آیا تھا، بلکہ اس سے پہلے کئی جنگیں لڑی گئیں، واقعات کی تفصیل چوں کہ بہت زیادہ ہے، اس لیے ہم خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہُرمُزان کے قبولِ اسلام کا واقعہ

ہُرمُزان –بضم الهاء وسكون الراء وضم الميم وتخفيف الزاي وفي آخره نون–(۳). عجم کے بڑے بادشاہوں میں سے تھے، ان کی حکومت میں بہت سے علاقے شامل تھے، مثلاً: اہواز، جندی سابور، سوس، سرق، نہر بین، نہر تیری اور مناذر وغیرہ۔

قادسیہ کے مقام پر مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جو مشہور زمانہ جنگ "غزوہ قادسیہ" لڑی گئی، اس جنگ میں ایرانیوں کے لشکر میں یہ بھی شامل تھے، اس لشکر کو یزدجرد نے روانہ کیا تھا، مسلمانوں کے سپہ سالار

---

(۱) فتح الباري: ٢٦٤/٦، وعمدة القاري: ٨٣/١٥، والنهاية: ٤٨٨/٣، باب الفاء مع النون.

(۲) شرح الكرماني: ١٢٧/١٣، وإرشاد الساري: ٢٣١/٥، وفتح الباري: ٢٦٤/٦، وعمدة القاري: ٨٣/١٥، ومثله قال ابن بطال أيضاً، انظر شرحه: ٣٣٤/٥.

(۳) عمدة القاري: ٨٣/١٥.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ایرانی لشکر کا سپہ سالار رستم تھا، ایرانی لشکر دو لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھا، ان کے ساتھ تینتیس ۳۳/ ہاتھی بھی تھے اور ہرمزان میمنہ کے سالار تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ مسلم لشکر صرف سات یا آٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھا، فریقین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا، ایسا معرکہ بپا ہوا کہ تاریخ نے اس کی مثال اس سے قبل نہ دیکھی تھی، مسلم لشکر کی ایک جماعت نے اس دن خوب بہادری کے جوہر دکھائے اور بے مثال شجاعت کے نمونے پیش کیے، ان میں حضرت طلیحہ الاسدی، حضرت عمرو بن معدیکرب، حضرت قعقاع بن عمرو، حضرت جریر بن عبداللہ البجلی، حضرت ضرار بن خطاب، حضرت خالد بن عرفطۃ - رضی اللہ عنہم - اور دوسرے بہت سے حضرات شامل تھے۔

فریقین کے درمیان یہ جنگ بروز پیر یکم محرم ۱۴ھ کو لڑی گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد مسلم لشکر کے شامل حال یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی، جس نے فارسیوں کے خیموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور رستم کے تخت کو فوج کے سامنے ہی الٹ دیا، چناں چہ وہ ایک خچر پر سوار ہوا اور بھاگ نکلا، لیکن مسلمانوں نے اسے جا لیا اور جہنم رسید کر دیا، اس طرح ایرانی لشکر شکست فاش سے دوچار ہوا، مسلمانوں نے ان کی ایک بڑی جمعیت کو قتل کیا۔ ایرانی لشکر کا ایک حصہ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، اس کی تعداد تیس ہزار تھی، یہ سب بھی تہہ تیغ ہوئے، یہ فرار کے بعد کا قصہ ہے، جب کہ صرف دورانِ معرکہ بھی تقریباً دس ہزار ایرانی مارے گئے، مسلمانوں نے ان کا مسلسل پیچھا کیا، یہاں تک کہ ان کے پیچھے پیچھے شہنشاہ کے پایہ تخت ''مدائن'' میں جا گھسے، جہاں کسریٰ کا محل تھا۔

ہرمزان بھی فرار ہونے والوں میں شامل تھے، مسلمانوں اور ہرمزان کے درمیان بھی ایک معرکہ ہوا، پھر فریقین میں صلح ہوگئی، جس کو کچھ دنوں بعد ہرمزان نے توڑ دیا اور کردوں کی ایک جماعت سے معاونت حاصل کی، چناں چہ مسلمان پھر ان کے مدمقابل آئے اور مسلمانوں کو واضح فتح حاصل ہوئی، ہرمزان کے قلمرو میں شامل اہواز، مناذر اور نہر تیری پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا، یہ ۱۶ یا ۱۷ ہجری کا واقعہ ہے۔

مذکورہ علاقوں سے فرار ہو کر ہرمزان نے تُستر کی راہ لی اور وہاں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے، مشورہ کے لیے مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ چناں چہ امیر المومنین کے حکم پر ہرمزان کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت جزء بن معاویہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور مسلسل ہرمزان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ زمین ان پر تنگ کر دی، ہرمزان نے عاجز آکر پھر صلح کی درخواست کی، جس کی منظوری کے لیے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام روانہ کیا گیا، جہاں سے رامہرمز، تُستُر، جندی سابور اور دوسرے شہروں کے بارے میں منظوری آگئی کہ صلح کرلی جائے۔

ادھر شہنشاہِ ایران یزدجرد ایرانیوں کو ہر وقت برانگیختہ کرتا رہتا تھا کہ یہ عرب تمہارے شہروں پر غالب آگئے ہیں، ان کے مقابلے کے لیے اٹھو، چناں چہ اس نے اہلِ اہواز واہل فارس کو لکھا کہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے متحرک ومستعد ہو جاؤ۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچ گئی، آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ، اس وقت یہ کوفہ میں تھے، کو لکھا کہ حضرت نعمان بن مقرن کے ساتھ ایک لشکر اہواز کی طرف بھیجو، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اس وقت یہ بصرہ میں تھے، کو بھی لکھا کہ اہواز کی طرف ایک لشکر روانہ کرو اور اس کا امیر سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ کو مقرر کرو، نیز فرمایا کہ ان دونوں جمعیتوں کے اصل امیر حضرت ابوسبرۃ بن ابی رہم ہوں گے۔

چناں چہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کوفی لشکر کو لے کر روانہ ہوئے اور بصرہ کے لشکر پر سبقت کر گئے، حتیٰ کہ رامہرمز پہنچ گئے اور وہیں ہرمزان بھی تھے، یہ اپنی فوج لے کر مسلم لشکر کی طرف نکلے، سابقہ معاہدہ توڑ ڈالا، دونوں فوجیں مدمقابل ہوئیں اور سخت جنگ ہوئی، جس میں ہرمزان کو شکست ہوئی اور وہ تستر کی طرف فرار ہو گئے، جب بصری لشکر کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی کہ حضرت نعمان کی قیادت میں ہرمزان کو شکست ہوئی ہے اور وہ تستر کی طرف فرار ہو گئے تو یہ تستر کی طرف روانہ ہوئے، جہاں کوفی لشکر بھی ان سے آملا، حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بصری وکوفی دونوں لشکروں نے تستر کا محاصرہ کرلیا، جو کئی مہینے جاری رہا، اس دوران فریقین کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی، آخر ایک دن ایک ایرانی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ شہریوں کو امان دیں تو میں شہر پر آپ کا قبضہ کرادوں گا، حضرت نے اس کو منظور فرمایا، چناں چہ اس نے مسلمانوں کو وہ جگہ دکھائی جہاں سے شہر کے اندر دجلہ کی ایک شاخ کا پانی داخل ہو رہا تھا، اسی راستے سے مسلمانوں کی ایک جماعت بطخوں کی طرح تیر کر اندر داخل ہوئی، اس نے پہرے داروں کو قتل کیا، شہر پناہ کے دروازے کھول دیے، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور سب کے سب فجر کے وقت اندر داخل ہو گئے، جب ہرمزان نے یہ صورت حال دیکھی تو قلعہ میں پناہ لی، جس پر کچھ صحابہ نے ان کا تعاقب کیا، اسی دوران حضرت براء بن مالک اور مجزأہ بن ثور رضی اللہ عنہما ہرمزان کے ہاتھوں شہید ہوئے، جب ہرمزان قلعہ کے اندر ایک مکان میں محصور ہو گئے اور کچھ لوگوں کے علاوہ کوئی بھی ساتھ نہ رہا تو انہوں نے کہا کہ میرے ترکش میں اب

بھی سو۱۰۰ تیر ہیں، تم میں سے جو بھی آگے آئے گا، اسے میں قتل کردوں گا، چوں کہ اپنے سو بندے مروا کر مجھے قتل کرنے کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لیے مجھے امان دے دو اور مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دو، ان کی مرضی کہ وہ میرے بارے میں جو فیصلہ چاہیں کریں۔

ہرمزان کے اس مطالبے کو حضرت ابوسبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ نے منظور فرمالیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ واحنف بن قیس کو اس پر مامور فرمایا کہ ان کو مدینہ منورہ پہنچا دیں، یہ حضرات ان کو لے کر چلے، مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو یہ شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوئے، شاہان عجم کے موافق تاج اور زیورات وغیرہ پہنے، اس کے بعد مدینہ میں داخل ہوئے، یہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، جہاں سے انہیں بتلایا گیا کہ وہ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور کوفہ کے ایک وفد کا انتظار کررہے ہیں، وہاں سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو دیکھا کہ وہ شخص، جس کے دبدبے و رعب سے پوری دنیا لرزاں تھی، فرش خاک پر سو رہا ہے، ٹوپی کو تکیہ بنایا ہوا ہے اور مسجد میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں، درہ ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، ہرمزان نے پوچھا کہ عمر کہاں ہیں؟ جواب ملا: یہی تو ہیں!! لوگ آہستہ آہستہ باتیں کررہے تھے کہ آرام میں خلل نہ ہو، ہرمزان کہنے لگے ان کا دربان اور محافظ کہاں ہیں؟ جواب ملا: "ليس له حجاب، ولا حرس، ولا كاتب، ولا ديوان" بڑے حیران ہوئے اور کہا ان کو تو نبی ہونا چاہیے تھا! عوام کی کثرت اور ان کی آہٹ سے آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی، چناں چہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر ہرمزان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "الهرمزان؟" لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں! وہی ہیں۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور فرمایا: "اعوذ بالله من النار، وأستعين بالله" مزید فرمایا: "الحمدلله الذي أذل بالإسلام هذا وأشياعه".

وفد نے عرض کی کہ یہ اہواز کے بادشاہ ہیں، ان سے گفتگو کیجیے۔ فرمایا، پہلے ان کے یہ زیورات وغیرہ اتروا ؤ، چناں چہ لوگوں نے ہرمزان کا لباس تبدیل کروایا، اس کے بعد امیر المؤمنین ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تم نے غداری و بدعہدی کا کیا نتیجہ پایا؟ ہرمزان نے کہا اے عمر! زمانۂ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کو تنہا چھوڑ دیا تھا، اس لیے اس وقت ہم تم پر غالب آگئے تھے، کہ خدا اس وقت تمہارے ساتھ تھا، نہ ہمارے ساتھ، اب چوں کہ اللہ کی معیت تمہیں حاصل ہے، اس لیے تم ہم پر غالب آگئے۔ جواباً امیر المؤمنین نے فرمایا کہ درحقیقت جاہلیت میں تم ہم پر غالب اس لیے تھے کہ تم متحد تھے، ہم متفرق، پھر فرمایا کہ تم نے یہ جو کئی مرتبہ

بدعہدی کی، اس سلسلے میں تمہارا عذر کیا ہے؟ جواب دیا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ پوری بات بتلانے سے قبل آپ مجھے قتل نہ کروادیں، فرمایا قتل کا خوف نہ کرو، چناں چہ اس کے بعد ہرمزان نے پانی طلب کیا، پانی لایا گیا، جب انہوں نے پانی پینا چاہا تو ان کے ہاتھ کانپنے لگے اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے میں قتل نہ کردیا جاؤں، امیر المؤمنین نے فرمایا، مت گھبراؤ، پانی پینے تک تمہیں کچھ نہ کہا جائے گا۔ اس پر ہرمزان نے سارا پانی گرادیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو دوبارہ پانی دو، قتل اور پیاس دونوں کو ان پر جمع نہ کرو۔ تو ہرمزان نے کہا مجھے پانی کی اب ضرورت ہی نہیں، میں تو ذرا تسلی حاصل کرنا چاہتا تھا، امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ ہرمزان نے کہا آپ مجھے امان دے چکے ہیں، قتل کیسے کریں گے؟ فرمایا، جھوٹ بولتے ہو، میں نے تمہیں کب امان دی ہے؟ ادھر سے حضرت انس رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ امیر المؤمنین! یہ سچ کہہ رہے ہیں، امیر المؤمنین کہنے لگے اے انس! تمہارا ناس ہو، کیا میں اس شخص کو امان دوں جس نے براء اور مجزأہ کو قتل کیا ہے؟ چھٹکارے کی کوئی صورت پیش کرو، ورنہ سزا کے لیے تیار ہو جاؤ، حضرت انس نے کہا، امیر المؤمنین! آپ ان کو دوبار امان دے چکے ہیں کہ آپ نے پہلے تو یہ فرمایا "لا بأس عليك حتى تخبرني" پھر یہ فرمایا: "لا بأس عليك حتى تشربه" یہ امان ہی تو ہے، دیگر حاضرین نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تائید کی، اس پر امیر المؤمنین ہرمزان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، تم نے مجھے دھوکا دیا ہے، بخدا! میں تمہارے دھوکے میں نہ آؤں گا، مگر یہ کہ تم اسلام قبول کرلو، چناں چہ ہرمزان نے اسلام قبول کرلیا، امیر المؤمنین نے ان کے لیے دو ہزار سالانہ رقم مقرر فرمائی اور مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دی۔

ہرمزان کو چوں کہ عربی نہیں آتی تھی، اس لیے ان دونوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دیے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد میں ان کے اسلام میں نکھار آ گیا تھا، یہ ہر وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے، کبھی ان سے دوری اختیار نہ کرتے، امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد کچھ لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ ابولؤلؤ فیروز کو بہلانے پھسلانے میں ان کا اور جفینہ کا ہاتھ تھا، اسی بنیاد پر حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کو قتل کروادیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبید اللہ بن عمر نے ان کو قتل کرنے کے لیے

تلوار اٹھائی توانہوں نے "لا إله إلا الله" کہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بہت عزیز تھے اور جنگی مہمات میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ کما في حديث الباب أيضاً(۱).

فقال: إني مستشيرك في مغازيَّ هذه

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے کہا کہ میں اپنی ان جنگی مہمات کے سلسلے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔

"مغازي" کی یاء مشدد ہے، دوسری یاء ضمیر متکلم کی ہے(۲)۔

"مغازي" سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد کیا تھی؟ اس کی وضاحت طبرانی اور مصنف ابن ابی شیبہ(۳) کی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فارس، اصفہان اور اذربیجان کے بارے میں ہرمزان کی رائے دریافت کی، ان سے مشورہ کیا کہ کس علاقے سے جنگ کی ابتدا کی جائے، وجہ ظاہر تھی، چوں کہ ہرمزان انہی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے ان کو معلومات بھی اس سلسلے میں زیادہ تھیں(۴)۔

قال: نعم، مثَلها ومثَل من فيها من الناس من عدو المسلمين مثل طائر له رأس، وله جناحان، وله رِجلان.

ہرمزان نے کہا جی ہاں! ان مغازی کی اور ان لوگوں کی، جو اُن مغازی میں مسلمانوں کے دشمن کی صورت میں شرکت کرتے ہیں، اُن کی مثال بعینہ اس پرندے کی سی ہے، جس کا ایک سر ہو، دو پر اور دو پاؤں ہوں۔

---

(۱) تفصیلی واقعات کے لیے دیکھیے: العمدة: ۸۳/۱۵، والفتح: ۲٦٤/٦، والبداية والنهاية: ۸۲/۷-۸۸، والكامل لابن الأثير: ۳۸۹/۲- ۳۹۲، سنة سبع عشرة، ذكر فتح را مهرمز......، والفاروق لشبلي: ۱٤۳-۱٤٥.

(۲) فتح الباري: ۲٦٤/٦، وعمدة القاري: ۸۳/۱٥.

(۳) المصنف لابن أبي شيبة: ۲۸۸/۱۸، كتاب البعوث والسرايا، باب في توجيه النعمان بن مقرن إلى نهاوند، رقم (۳٤٤۸٥)، ومجمع الزوائد: ۲۱٥/٦.

(٤) فتح الباري: ۲٦٤/٦، وعمدة القاري: ۸۳/۱٥، وإرشاد الساري: ۲۳۱/٥.

نعم حرف ایجاب ہے، علامہ کرمانی وعینی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ روایت درست ہو، جس میں "نعم" فعل مدح کی صورت میں آیا ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کی سب سے بہتر مثال اس پرندے کی سی ہے......

فعل مدح ہونے کی صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: "نعم المثل مثلها" اور مثلها میں جو ضمیر مجرور ہے، وہ ارض کی طرف راجع ہے، جو سیاق کلام سے مفہوم ہورہا ہے اور مثلها مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اگلا جملہ "مثل طائر......" خبر ہے(۱)۔

فإن كسر أحد الجناحين نهضت الرجلان بجناح والرأس، فإن كسر الجناح الآخر نهضت الرجلان والرأس، وإن شدخ الرأس، ذهبت الرجلان والجناحان والرأس.

اگر اس پرندے کا ایک بازو توڑ دیا جائے تو دونوں پاؤں بازو اور پَر کو اٹھائیں گے اور وہ پرندہ متحرک رہے گا، اگر دوسرا بازو بھی توڑ دیا جائے تو پاؤں اور سر اس کو اٹھائیں گے، پھر بھی وہ متحرک رہے گا۔ اور اگر سر کچل دیا جائے تو دونوں پاؤں، دونوں پَر (بازو) اور سر سب ختم ہوجائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اس پرندے کے دو پروں میں سے ایک کو توڑ دیا جائے تب بھی کوئی فرق آنے کا نہیں، دوسرے بازو، سر اور دونوں پاؤں اٹھانے کے قابل ہوگا، اسی طرح دوسرا بازو اگر توڑ دیا جائے تب بھی وہ دونوں پاؤں اور سر اٹھا سکے گا، لیکن اگر سر ہی کچل دیا جائے اور اسے توڑ دیا جائے تو قصہ ختم، اس صورت میں پَروں اور پاؤں کی حیثیت سرے سے ختم ہوجائے گی، کیوں کہ سر ہی اصل ہے۔

"شدخ" کے معنی توڑنے اور کچلنے کے ہیں، علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اندر سے خالی چیز توڑنے کو شدخ کہتے ہیں، "تقول: شدخت رأسه فانشدخ"(۲).

فالرأس كسرى، والجناح قيصر، والجناح الآخر فارس

(۱) شرح الكرماني: ۱۳/۱۲۷، وعمدة القاري: ۱۵/۸٤.

(۲) حواله جات بالا، والنهاية في غريب الحديث والأثر: ۲/٤٥۱، باب الشين مع الدال.

سر تو کسریٰ ہے اور پہلا پَر قیصر، دوسرا فارسی قوم ہے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

تاریخی طور پر یہ بات مصدقہ ہے کہ قیصر کی سلطنت الگ تھی اور کسریٰ کی الگ، پہلا روم کا بادشاہ تھا، دوسرا ایران کا، اس لیے یہ کہنا کیونکر درست ہوگا کہ سر تو کسریٰ ہے اور قیصر اس کا بازو، یعنی تابع ہے، جب کہ حقیقت میں قیصر اس کا بازو یا تابع نہیں تھا۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کسریٰ کی مثال سر کی تھی، کیوں کہ اس زمانے میں اس سے بڑا بادشاہ کوئی دوسرا نہیں تھا، بادشاہانِ عالم سب کے سب اس سے خوف کھاتے اور گھبراتے تھے، اس طرح یہ ان کے لیے سر کی طرح ہوا۔ یہ جواب علامہ کرمانی، عینی وقسطلانی رحمہم اللہ نے دیا ہے(۱)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ بخاری شریف کی یہ روایت درست نہیں، صحیح روایت وہ ہے جو امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس میں ہے: "فإن فارس اليوم رأس وجناحان" اور یہ روایت ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کے بھی موافق ہے، جو ماقبل میں گزری کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے مشورہ جو کیا تھا، وہ فارس، اصفہان اور اذربیجان کے بارے میں تھا اور یہی راجح بھی ہے(۲)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قیصر شام میں ہوتا تھا یا شمالی علاقوں کی طرف۔ عراق، فارس اور مشرق وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے قیصر کو ذکر کرنے کا یہاں کوئی معنی نہیں۔

پھر حافظ صاحب علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسریٰ کو درآنحالیکہ وہ مشرق کا بادشاہ تھا، تمام بادشاہوں کا سردار قرار دیا جائے اور قیصر شاہِ روم کو اس سے کمتر، اسی بنا پر قیصر کو کسریٰ کا بازو کہا جائے تب بھی مناسب یہی تھا کہ دوسرا بازو ان بادشاہوں کو قرار دیا جاتا جو قیصر کے مقابلے میں داہنی جانب تھے، مثلاً ہندوستان اور چین کے بادشاہ، لیکن حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث اسی

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۳/۱۲۷، وعمدة القاري: ۱۵/۸٤، وشرح القسطلاني: ٥/۲۳۱.

(۲) تاريخ ابن جرير الطبري: ۲/٥۲۰، سنة إحدى وعشرين، ومجمع الزوائد: ٦/۲۱٤، ومصنف ابن أبي شيبة: ۱۸/۲۸۸، كتاب البعوث والسرايا، ......، رقم (۳٤٤۸٥).

بات پر دلالت کررہی ہے کہ ہرمزان کی مراد وہی علاقے تھے، جن کی بابت اسے معلومات حاصل تھیں، گویا کہ ایرانی فوج اس وقت تین شہروں میں ہی تھی، اس فوج کا بڑا اور زیادہ حصہ اس شہر میں تھا، جہاں کسریٰ موجود تھا، اس لیے کسریٰ سر ہوگا اور باقی دو شہروں کو بازو کہا جائے گا، کیونکہ یہی ان سب کا رئیس تھا(۱)۔

یہاں تحقیقی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حافظ صاحب کی رائے میں زیادہ وزن ہے۔

فمر المسلمين فلينفروا إلى كسرىٰ

تو آپ مسلمانوں کو حکم دیجیے کہ وہ کسریٰ کی طرف چلیں۔

تاریخ طبری کی مبارک بن فضالۃ کی روایت میں یہ ہے کہ ہرمزان نے کہا کہ آپ بازوؤں کو کاٹ دیجیے، سرنرم ہوجائے گا، اس رائے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا اور فرمایا کہ میں تو پہلے سر کاٹوں گا۔ اس روایت کی بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہرمزان نے اول پروں کو کاٹنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ اس مشورے کو رد فرمادیا تو ہرمزان نے دوبارہ صحیح مشورہ دیا کہ پہل کسریٰ سے کرنی چاہیے، جیسا کہ حدیث باب میں ہے(۲)۔

وَقَالَ بَكْرٌ وَزِيَادٌ جَمِيعًا : عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ قَالَ : فَنَدَبَنَا عُمَرُ ، وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْنَا النُّعْمَانَ ابْنَ مُقَرِّنٍ ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِأَرْضِ الْعَدُوِّ ، وَخَرَجَ عَلَيْنَا عامِلُ كِسْرَى فِي أَرْبَعِينَ أَلْفًا ، فَقَامَ تَرْجُمَانٌ فَقَالَ : لِيُكَلِّمْنِي رَجُلٌ مِنْكُمْ ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ : سَلْ عَمَّا شِئْتَ ، قَالَ : ما أَنْتُمْ ؟ قالَ : نَحْنُ أُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ ، كُنَّا فِي شَقَاءٍ شَدِيدٍ ، وَبَلَاءٍ شَدِيدٍ ، نَمَصُّ الْجِلْدَ وَالنَّوَى مِنَ الْجُوعِ ، وَنَلْبَسُ الْوَبَرَ وَالشَّعَرَ ، وَنَعْبُدُ الشَّجَرَ وَالْحَجَرَ ، فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرَضِينَ - تَعَالَى ذِكْرُهُ ، وَجَلَّتْ عَظَمَتُهُ - إِلَيْنَا نَبِيًّا مِنْ أَنْفُسِنَا نَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ ، فَأَمَرَنَا نَبِيُّنَا ، رَسُولُ رَبِّنَا ﷺ : أَنْ نُقَاتِلَكُمْ حَتَّى تَعْبُدُوا اللهَ وَحْدَهُ أَوْ تُؤَدُّوا الْجِزْيَةَ ، وَأَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا : أَنَّهُ مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ فِي نَعِيمٍ لَمْ يَرَ مِثْلَهَا قَطُّ ، وَمَنْ بَقِيَ مِنَّا مَلَكَ رِقَابَكُمْ . فَقَالَ النُّعْمَانُ : رُبَّمَا أَشْهَدَكَ اللهُ مِثْلَهَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُنَدِّمْكَ وَلَمْ يُخْزِكَ ، وَلٰكِنِّي شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ، كَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ ، انْتَظَرَ حَتَّى تَهُبَّ الْأَرْوَاحُ ،

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٤.

(۲) حواله بالا، وتاريخ طبری: ٢/٥٢٠.

وَتَحْضُرَ الصَّلَوَاتُ . [۷۰۹۲]

وقال بكر وزياد جميعا: عن جبير بن حية، قال: فندبنا عمر

اور بکر وزیاد دونوں حضرت جبیر بن حیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر نے ہمیں طلب کیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب ہرمزان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ ہو چکا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ کی حکمت عملی طے کر لی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے مجاہدین کو بلایا اور انہیں جہاد کے لیے جمع ہونے کو کہا (۱)۔

واستعمل علينا النعمان بن مقرن

اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر فرمایا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت نعمان بن مقرن بن عائذ بن میجا بن ہجیر بن نصر المزنی رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

البتہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ مقرن ان کے دادا ہیں، ان کے والد کا نام انہوں نے عمرو ذکر کیا ہے، یعنی نعمان بن عمرو بن مقرن (۳)۔

ان کی کنیت ابو عمرو یا ابو حکیم ہے (۴)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے معاویہ بن النعمان، جبیر بن حیہ الثقفی، مسلم بن ہیثم عبدی، معقل بن یسار مزنی اور ابو خالد والبی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

ان کا سب سے پہلا غزوہ ''غزوۂ خندق'' ہے، فتح مکہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۸٤، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۲.

(۲) تهذيب الكمال: ۲۹/٤۵۸، وسير أعلام النبلاء: ۲/۳۵٦، وطبقات ابن سعد: ٦/۱۸.

(۳) طبقات ابن سعد: ٦/۱۸، وإكمال مغلطاي: ۱۲/٦۳.

(٤) تهذيب الكمال: ۲۹/٤۵۹، وسير أعلام النبلاء: ۲/۳۵٦.

(۵) تهذيب الكمال: ۲۹/٤۵۹

شریک رہے، اس موقع پر قبیلہ مزینہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا(۱)۔

حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ ان کے بھائی ہیں، مصعب بن عبداللہ زبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کی (۲)۔

یہ ساتوں بھائی "البکاؤون" سے معروف تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے کچھ گھر ہیں اور نفاق کے بھی، آل مقرن کا گھرانہ ایمان کے گھرانوں میں سے ہے (۳)۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے خود مروی ہے، فرماتے ہیں کہ قبیلۂ مزینہ کے چار سو افراد کے ساتھ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (۴)۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے پھر بصرہ میں رہائش اختیار کی اور وہاں سے کوفہ منتقل ہوئے، یہاں سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو "کسکر" کی طرف روانہ کیا، جہاں انہوں نے "زندورد" کے باشندگان سے صلح کی اور مدینہ منورہ قادسیہ کی فتح کی خوش خبری لے کر آئے، اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس اطلاع نے پریشان کیا کہ اصفہان، ہمذان، رے، اذربیجان اور نہاوند کے ایرانی جمع ہوگئے ہیں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ اہلِ کوفہ کو پیغام دیجیے کہ ان کا دو تہائی حصہ تو لشکر اسلام کے ساتھ چلے اور ایک تہائی عورتوں وغیرہ کے ساتھ ہی رہے اور اہل بصرہ کو بھی پیغام دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے استفسار کیا کہ ان لوگوں کا امیر کون ہو؟ حضرت علی نے فرمایا کہ آپ ہم سے رائے میں افضل واعلم ہیں۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان پر ایسے شخص کو امیر مقرر کروں گا جو اس کا اہل بھی ہوگا۔ امیر المؤمنین اس کے بعد مسجد کی طرف گئے تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو وہاں نماز میں مشغول پایا۔

اس کے بعد ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے، جب یہ نماز

---

(۱) حوالہ بالا، وطبقات ابن سعد: ٦/١٨، وإكمال مغلطاي: ١٢/٦٣.

(٢) تهذيب الكمال: ٢٩/٤٥٩، وعمدة القاري: ١٥/٨٤.

(٣) تهذيب الكمال: ٢٩/٤٥٩، وطبقات ابن سعد: ٦/٢٠، وإكمال مغلطاي: ١٢/٦٣.

(٤) تهذيب الكمال: ٢٩/٤٥٩، والاستيعاب: ٢/٢٩٩-٣٠٠، باب النعمان.

سے فارغ ہوئے تو امیر المؤمنین نے ان سے کہا کہ میں تمہیں امیر مقرر کرنا چاہتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ اگر یہ ولایت وامارت ٹیکس وصولی کے لیے ہے، تو نہیں، لیکن بطور غازی کے قبول ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: "فإنك غاز" اوران کے ساتھ حضرت زبیر، حذیفہ، ابن عمر، الاشعث اور عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہم بھی نکلے۔

کوفہ اور بصرہ کے لشکر کو لے کر یہ ایرانیوں کی طرف گئے، جہاں اصفہان انہی کے ہاتھوں فتح ہوا، اس کے بعد غزوہ نہاوند، جو ۲۱ ہجری کو لڑا گیا، اس میں یہ شہید ہو گئے، ان کے بعد لشکر کی قیادت حضرت حذیفہ نے سنبھالی، آخر کار کامرانی وکامیابی حاصل ہوئی (۱)۔

ان کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی، جس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو منبر سے دی اور پھر حضرت نعمان کو یاد کر کے بہت روئے (۲)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

حتى إذا كنا بأرض العدو

یہاں تک کہ جب ہم دشمن کی سرزمین میں تھے۔

"ارض العدوّ" سے مراد نُہاوند ہے، جیسا کہ طبری وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے (۳)۔

نُہاوند کا تعارف

نُہاوند—بضم النون وتخفيف الهاء وفتح الواو وسكون النون وفي آخره دال

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۹/۴۵۹، والاستيعاب: ۲/۳۰۰، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/۲۸۹، كتاب البعوث والسرايا ......، رقم (۳۴۴۸۵)، وفتح الباري: ۶/۲۶۴.

(۲) سير أعلام النبلاء: ۲/۳۵۷، وذكر الذهبي في ذلك حكاية أيضاً، وتهذيب التهذيب: ۱۰/۴۵۶.

وفي الطبري: (۲/۵۲۱): "وكتب إلى عمر بالفتح مع رجل من المسلمين، فلماه أتاه قال له: أبشر يا أمير المؤمنين بفتح، أعز الله به الإسلام وأهله، وأذل به الكفر وأهله، فحمد الله عز وجل، ثم قال: النعمان بعثك؟ قال: احتسب النعمان يا أمير المؤمنين. قال: فبكى عمر، واسترجع، قال: ومن ويحك؟ قال: فلان وفلان حتى عدّ له ناسا كثيرا، ثم قال: وآخرين يا أمير المؤمنين لا تعرفهم. فقال عمر —وهو يبكي—: لا يضرهم أن لا يعرفهم عمر، ولكن الله يعرفهم".

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۸۴، وفتح الباري: ۶/۲۶۴، وتاريخ الطبري: ۲/۵۲۰.

مهملة(۱)- ہمدان کے جنوب میں ایک شہر ہے، اس کی تعمیر چوں کہ نوح علیہ السلام نے کی تھی، اس لیے اس کو ''نوح اوند'' کہا جانے لگا، یعنی "عمَّرها نوح علیه الصلوة والسلام" بعد میں حاء کو ہاء سے بدل کر بولا جانے لگا، یہ شہر اپنی نہروں اور باغات کی وجہ سے مشہور تھا(۲)۔

وخرج علينا عامل كسرى في أربعين ألفا

اور کسریٰ کا گورنر چالیس ہزار کا لشکر لیے ہمارے سامنے نکلا۔

طبری کی روایت میں اس عامل کا نام بندار، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ذوالحاجبین مذکور ہے، شاید ان دونوں ناموں میں سے کوئی ایک لقب ہو(۳)۔

پھر یہ سمجھیے کہ حدیثِ باب میں ہے:"وخرج علينا عامل كسرى في أربعين ألفاً" یہ تعداد اس لشکر کی ہے جو اہل فارس و کرمان پر مشتمل تھا۔ اصل لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی، جس میں اہل نہاوند کا حصہ ۲۰ ہزار، اہل اصفہان کا ۲۰ ہزار، اہل قم و قاشان کا ۲۰ ہزار، اہل اذربیجان کا ۳۰ ہزار اور دیگر علاقوں کا ۲۰ ہزار تھا۔ ان سب کا مجموعہ ایک لاکھ پچاس ہزار بنتا ہے(۴)۔

فقام ترجمان، فقال: ليكلمني رجل منكم، فقال المغيرة: سل عما شئت

چناں چہ ترجمان کھڑا ہوا، پس کہا تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بات کرے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو پوچھنا ہو پوچھو۔

---

(۱) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلمے کو اسی طرح ضبط کیا ہے(۸۴/۱۵)، جب کہ علامہ یاقوت حموی نے نون کو مفتوح یا مکسور کہا ہے(معجم البلدان: ۵/ ۳۱۵) اور علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس کا انکار کیا ہے کہ نون مفتوح یا مکسور ہو۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) تاريخ طبري: ۲/ ۵۲۰، ومصنف ابن أبي شيبة: ۱۸/ ۲۸۹، كتاب البعوث والسرايا ......، رقم (۳٤٤٨٥)، والفتح. ٦/ ٢٦٤، البتہ علامہ عینی و یاقوت الحموی رحمہما اللہ نے ایک تیسرا نام بھی ذکر کیا ہے:"الفيروزان"، جو مصحف ہو کر عمدۃ القاری میں "الغيرزان" بن گیا ہے، شاید طباعت کی غلطی ہو، دیکھیے، عمدة: ۱۵/ ۸٤، ومعجم البلدان: ٥/ ٣١٦، نیز دیکھیے: البداية والنهاية: ۷/ ۱۱۰.

(٤) عمدة القاري: ١٥/ ٨٤.

یہاں روایت میں اختصار ہے، درمیان کے واقعات مذکور نہیں ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب فریقین جمع ہوگئے تو بندار نے اپنا قاصد مسلمانوں کی طرف روانہ کیا کہ اپنا کوئی بندہ بھیجو، جس سے ہم بات کریں، چناں چہ مسلمانوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، فریقین کے درمیان حد فاصل ایک نہر تھی، حضرت مغیرہ روانہ ہوئے اور نہر عبور کی، ادھر بندار نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے قاصد کے لیے کیسے بیٹھا جائے؟ انہوں نے کہا کہ بادشاہ کی ہیئت اختیار کرو، چناں چہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا، سر پر تاج رکھا، شہزادے اس کے سامنے دو قطاروں میں کھڑے ہوگئے، جنہوں نے سونے کا کنگن اور دیباج وحریر کے لباس زیب تن کر رکھے تھے، پھر اس نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اندر داخل ہونے کی اجازت دی، چناں چہ دو آدمی ان کے دونوں بغلوں سے پکڑ کر لے چلے، ان کے ساتھ ان کا نیزہ اور تلوار بھی تھی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نیزے کو قالین پر چبھوتے گئے، تاکہ وہ اس فعل سے یہ اثر لیں کہ ان کی تلوار اُن کو زخمی کرے گی (۱)۔

قال: ما أنتم؟

بندار نے کہا: تم کیا ہو؟

بندار نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح خطاب کیا کہ کلمہ "ما" استعمال کیا، جو غیر ذوی العقول کے لیے موضوع ہے، بطور حقارت کے کہ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے، جو ہم سے لڑنے چلے آئے؟ (۲)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ بندار نے کہا، اے عربو! تمہیں بھوک اور مشقت نے ستایا تو یہاں آگئے، اگر تم چاہو تو ہم تمہیں زادراہ فراہم کرسکتے ہیں، تم اپنے شہروں کو واپس لوٹ جاؤ۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی بات سن کر میں نے اللہ کی تعریف وثناء بیان کی، پھر کہا کہ تم نے ہمارے متعلق جو کچھ کہا اس میں غلطی نہیں کی، ہم اسی طرح تھے...... (۳)۔

قال: نحن أناس من العرب، كنا في شقاء شديد، نمص الجلد والنوى من

(۱) فتح الباري: ۶/۲۶۵، وتاريخ الطبري: ۲/۵۲۰، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/۲۸۹، كتاب البعوث......، رقم (۳۴۴۸۵)، ومجمع الزوائد: ۶/۲۱۴.

(۲) العمدة: ۱۵/۸۵، والفتح: ۶/۲۶۵، وتحفة الباري: ۳/۵۶۵، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۶.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۸۵، وفتح الباري: ۶/۲۶۵.

الجوع، ونلبس الوبر والشعر، ونعبد الشجر والحجر

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم عرب قوم کے کچھ افراد ہیں، ہم سخت بدبختی کا شکار تھے، ہم بھوک کی وجہ سے درختوں کی کھال اور گٹھلی چوستے، پشم اور بال کا لباس پہنتے اور درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے۔

"الوبر" اس کا مفرد وبرۃ ہے، اونٹ، خرگوش وغیرہ کے نرم بال، اون وغیرہ کے لیے مستعمل ہے(۱)۔

فبينا نحن كذلك، إذ بعث رب السموات ورب الأرضين –تعالىٰ ذكرُه، وجلّت عظمتُه– إلينا نبيا من أنفسنا، نعرف أباه وأمه

ہم اسی حال میں تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کے رب...... جس کا ذکر بلند اور عظمت بڑی ہو...... نے ہماری طرف ہمی میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا، جن کے ماں باپ کو ہم جانتے ہیں۔

یعنی ہم اسی بدبختی وغربت وغیرہ کا شکار تھے، حقیقی رب کو بھول چکے تھے کہ رب ذوالجلال کو ہم پر رحم آیا اور اس نے ہمی لوگوں میں سے ایک شخص کو منتخب فرما کر ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا، جن کو ہم بخوبی جانتے وپہچانتے ہیں، ان کے نسب وحسب کی شرافت کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے، جو ہم میں سب سے اشرف، نسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور گفتگو میں سب سے زیادہ سچے ہیں (۲)۔

فأمر نبينا ورسول ربنا صلى الله عليه وسلم أن نقاتلكم حتى تعبدوا الله وحده، أوتؤدوا الجزية

چناں چہ ہمارے نبی اور ہمارے رب کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تم سے قتال کریں، یہاں تک کہ تم خدائے واحد کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا ہے کہ مجوس سے جزیہ لینا درست ہے، جس کی تصریح حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، کیوں کہ ان کے مخاطبین مجوس ہی تھے (۳)۔

---

(۱) القاموس الوحيد، مادة: "وبر".

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۲۸۹/۱۸، والعمدة: ۸۵/۱۵، وفتح الباري: ۲٦٥/٦، وابن بطال: ۳۳٥/٥.

(۳) فتح الباري: ۲٦٥/٦، وإرشاد الساري: ۲۳۲/٥، وشرح الكرماني: ۱۲۸/۱۳.

وأخبرنا نبينا عن رسالة ربنا أنه من قتل منا صار إلى الجنة في نعيم لم ير مثلها قط، ومن بقي منا ملك رقابكم

نیز ہمارے نبی نے ہمارے رب کی طرف سے ہمیں یہ پیغام بھی دیا کہ ہم میں سے جو مقتول وشہید ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، ایسی نعمتوں میں جن کا مثل دیکھا بالکل نہیں گیا۔ اور جو زندہ رہے گا، وہ تمہاری گردنوں کا مالک ہوگا۔

یعنی ہم ہر صورت میں کامیاب ہیں، شہادت پائی تو جنت، جس کی کوئی مثال نہیں، زندہ رہے تو تمہاری گردنوں کے مالک، نبی علیہ السلام کے قول پر ہمیں چوں کہ سو فیصد یقین ہے، اس لیے ہم یہاں سے ٹلنے والے نہیں، نہ تم سے دبنے والے ہیں، طبری میں حضرت مغیرہ سے یہی مفہوم ومعنی مروی ہیں: "وإنا والله، لا نرجع إلى ذلك الشقاء، حتى نغلبكم على ما في أيديكم"(۱)۔

فقال النعمان(۲): ربما أشهدك الله مثلها مع النبي ﷺ فلم يندمك ولم يخزك، ولكني شهدت القتال مع رسول الله ﷺ، كان إذا لم يقاتل في أول النهار، انتظر حتى تهب الأرواح، وتحضر الصلوات

اس پر حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے مغیرہ!) آپ بسا اوقات جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جنگ رہے ہیں، جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ندامت ورسوائی سے بچا کر رکھا اور میں بھی کئی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی جنگوں میں شریک رہا ہوں، آپ کی عادت یہ تھی کہ دن کے

---

(۱) فتح الباري: ۲٦٥/٦، وعمدة القاري: ۸۵/۱۵، وقال العلامة الكرماني شارحاً لكلام المغيرة:

"وفيه فصاحة المغيرة، من حيث إن كلامه مبين لأحوالهم فيما يتعلق بدنياهم: من المطعوم والملبوس، وبدينهم من العبادة، وبمعاملتهم من الأعداء: من طلب التوحيد أو الجزية، ولمعادهم في الآخرة إلى كونهم في الجنة، وفي الدنيا إلى كونهم ملوكاً ملاكا للرقاب ......". انظر الكواكب الدراري: ۱۲۸/۱۳.

(۲) قوله: "النعمان" الحديث، أخرجه الترمذي أيضاً، كتاب السير، باب ماجاء في الساعة التي يستحب فيها القتال، رقم (۱٦۱۳).

شروع میں اگر قتال کی ابتدا نہ فرماتے تو نماز پڑھنے کے بعد مناسب ہواؤں کے چلنے کا انتظار کرتے تھے۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد میں شراح کا اختلاف

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد دو حصوں یعنی "ربما أشهدك الله ...... ولم يخزك" اور "ولكني شهدت ...... الخ" پر مشتمل ہے، اب شراح حدیث کا ان دونوں جملوں کے باہمی ارتباط اور شرح میں اختلاف ہو گیا کہ ان جملوں کا مطلب و مقصد کیا ہے؟

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس جانب ہے کہ پہلے جملہ کا مستقل مفہوم اور دوسرے جملے کا مستقل مفہوم ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی ارتباط نہیں، چناں چہ وہ پہلے جملے "ربما أشهدك الله مثلها ......" کی شرح یوں کرتے ہیں کہ حضرت نعمان نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ مغیرہ! آپ گذشتہ ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس طرح کے مشکل حالات میں بسا اوقات شریک رہے ہیں، ان کے ساتھ آپ غزوات میں بھی ساتھ رہے، چناں چہ ان مصائب و شدائد نے آپ کو نادم نہیں کیا، جو نبی علیہ السلام کے ساتھ آپ کو لاحق ہوئیں، نہ ہی غزوات سے زندہ سلامت لوٹ آنے نے آپ کو پریشان کیا، کیوں کہ ان شدائد کے مقابلے میں جو نعمتیں اور شہادت کا ثواب ملنا تھا، ان کا آپ کو بخوبی علم تھا۔

اور حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد "ولكني شهدت القتال مع رسول الله صلى الله عليه وسلم" ایک نئے کلام کی ابتدا اور نئے قصے کا افتتاح ہے، جس میں حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی فوج کو یہ بتلایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی ابتدا اگر دن کے پہلے حصہ میں نہ فرماتے تو جنگ سے رک جاتے، یہاں تک کہ (نصرتِ خداوندی کی) ہوائیں چلنے لگیں اور نماز کا وقت ہو جائے۔ اس معنی کی تائید کے لیے علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے وہ حدیث پیش کی ہے، جو حماد بن سلمہ عن النعمان بن مقرن کے طریق سے مروی ہے کہ "كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا لم يقاتل أول النهار أخّر القتال، حتى تزول الشمس وتهب رياح النصر" (۱).

علامہ ابن بطال مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ افضل ترین اوقات نماز کے اوقات ہیں، جن میں اذان بھی

---

(۱) حواله بالا، وأخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه: ۱۸/ ۲۹۰، كتاب البعوث ......، رقم (۳۴۴۸۵)، من طريق عفان عن حماد عن أبي عمران الجوني عن علقمة عن معقل بن يسار......

ہے، جب، کہ حدیث (۱) میں آیا ہے: "الدعاء بين الأذان والإقامة لا يرد". کہ "اذان اور اقامت کے درمیان جو دعا مانگی جائے، وہ رد نہیں ہوتی"۔ مطلب یہی ہوا کہ اذان و اقامت، اسی طرح نماز کے بعد دعا کا موقع ملے گا، جو نصرتِ خداوندی کا موجب ہوگی (۲)۔

لیکن حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور حافظ کرمانی رحمہم اللہ وغیرہ کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ جملے تو ہیں، لیکن ان میں باہم ارتباط بھی ہے اور دوسرا جملہ قصۂ مستانفہ نہیں، جیسا کہ علامہ ابن بطال کا خیال ہے (۳)۔

چناں چہ طبری کی مبارک بن فضالہ کی جو روایت ہے، اس میں مبارک نے زیاد بن جبیر کے واسطے سے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے دونوں جملوں کے درمیان ربط وتعلق کو بیان کیا ہے اور اس کے سیاق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسرا جملہ بطور قصہ مستانفہ کے نہیں ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ حضرت مغیرہ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہما امیر لشکر پر قتال تاخیر سے شروع کرنے پر اعتراض کیا، جس کا جواب حضرت نعمان نے مذکورہ جملوں سے دیا (۴)۔

مبارک بن فضالہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایرانیوں نے مسلمانوں کو یہ پیغام بھیجا کہ نہر، جو دونوں کے درمیان فاصل تھی، کو تم عبور کرو یا ہم عبور کریں؟ تو حضرت نعمان نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم نہر پار کر کے ان پر حملہ آور ہو، اس طرح دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے اور وہ ایک دوسرے کے قریب آگئے، ایرانیوں نے اپنے لشکر کے پچھلے حصے میں لوہے کے گھوکروں ڈال دیے، تاکہ فوج فرار نہ ہو سکے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جب

---

(۱) الحديث، أخرجه أبوداود في الصلاة، باب في الدعاء بين الأذان والإقامة، رقم (۵۲۱)، والترمذي في الصلاة، باب ماجاء أن الدعاء لايرد بين الأذان والإقامة، رقم (۲۱۲)، وفي الدعوات، باب في العفو والعافية، رقم (۳۵۹۴–۳۵۹۵)، عن أنس رضي الله عنه.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۳۵/۵، وفتح الباري: ۲۶۵/۶، وعمدة القاري: ۸۵/۱۵

(۳) قال العلامة الكرماني رحمه الله: "فإن قلت: ما معنى الاستدراك، وأين توسطه بين كلامين متغايرين؟ قلت: كأن المغيرة قصد الاشتغال بالقتل أول النهار بعد الفراغ من المكالمة مع الترجمان، فقال النعمان: إنك وإن شهدت القتال مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، لكنك ما ضبطت انتظاره للهبوب". شرح الكرماني: ۱۲۹/۱۳.

(٤) فتح الباري: ۲۶۵/٦.

دشمن کی کثرت دیکھی تو فرمانے لگے، آج کی سی ناکامی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی کہ ہمارے دشمن تیاری کرنے اور دم لینے کے لیے آزاد چھوڑ دیے گئے ہیں، بخدا! معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ان پر حملہ میں جلدی کرتا (۱)۔ اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے سامنے صف بندی کی، تو ہم پر انہوں نے خوب تیر برسائے، حتیٰ کہ ہم تک پہنچنے میں جلدی کی، چناں چہ حضرت مغیرہ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ان ایرانیوں کی طرف سے حملہ میں جلدی کی گئی ہے، اس لیے اگر آپ بھی حملہ کردیں تو مناسب ہو۔ اس پر حضرت نعمان نے فرمایا کہ آپ فضائل ومناقب کے مالک ہیں اور تحقیق اس طرح کی جنگوں میں آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں (۲)۔

اس کے بعد طبری کی روایت میں ہے کہ بخدا! میں نے ان پر حملہ کرنے میں عجلت اس چیز کی وجہ سے نہیں کی، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی (۳)۔

حاصل یہ ہوا کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے قتال میں جو تاخیر کی اس کی وجہ نبی علیہ السلام کا فعل تھا کہ آپ علیہ السلام چوں کہ ایسا کرتے تھے، اس لیے انہوں نے بھی ویسا ہی کیا اور زوال کا انتظار کیا۔

پھر علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے بعض جملوں کی جو تشریح کی، وہ بھی اشکال سے خالی نہیں، چناں چہ "فلم يندمك" کی شرح انہوں نے یہ کی تھی کہ جو شدائد آپ کو نبی علیہ السلام کے ہمراہ لاحق ہوئیں، انہوں نے آپ کو ندامت کا شکار نہیں بنایا (۴)۔

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مجھے جو بات صحیح لگی ہے وہ یہ ہے کہ "فلم يندمك" سے مراد زوال شمس تک تاخیر وصبر ہے، جو آپ (مغیرہ) نے کیا، اس پر خدا نے آپ کو شرمندہ نہیں کیا۔ اس کے علاوہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے "ولم يخزك" کی شرح میں ایک دوسرے نسخے کو اختیار کیا اور "ولم يحزنك" روایت کرکے اس کی وضاحت کرنے لگے، لیکن درست روایت یہاں خائے معجمہ کے ساتھ اور نون کے بغیر "ولم يخزك" ہے، یہی مستملی کی روایت ہے اور ماقبل کے بھی زیادہ مناسب ہے، نیز وفد عبدالقیس کی روایت میں "غير خزايا ولا

---

(۱) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۸۵، وتاريخ الطبري: ۲/۵۲۰.

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/۲۹۰، كتاب البعوث ......، رقم (۳٤٤۸۵)، ومجمع الزوائد: ٦/۲۱۵.

(۳) تاريخ الأمم والملوك للطبري: ۲/۵۲۱، سنة إحدى وعشرين.

(٤) شرح ابن بطال: ۵/۳۳۵.

ـامی" جو جملہ ہے، اس کا نظیر و مشابہ بھی ہے(۱)۔

اس کے علاوہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ وہ "مثلها" کی جو ضمیر ہے، اس کو "شدة" یعنی عصائب کی طرف راجع کرتے ہیں، جو محذوف ہے، جب کہ دیگر حضرات نے "مثلها" کی ضمیر مجرور کو "وقعة" یا "غزوة" کی طرف راجع قرار دیا ہے(۲)، یعنی اس طرح کے غزوات میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے شرکت کا موقع فراہم کیا، البتہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید میں ضمیر کو شدة کی طرف راجع قرار دیا، پھر شرح جو کی وہ دیگر شراح کے موافق کی اور اسی کو راجح کہا کہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی شرح سیاق کلام کے موافق نہیں ہے(۳)۔ واللہ اعلم

"حتى تهب الأرواح" کے معنی ومطلب

"تهب" کا مصدر "هبوبا" ہے اور یہ واحدہ مونثہ غائبہ کا صیغہ ہے، الأرواح اس کا فاعل ہے اور ہبوب کے معنی ہوا وغیرہ کے چلنے کے ہیں۔

"الأرواح" ریح کی جمع ہے، جو دراصل روح تھا، واؤ ساکنہ کا ماقبل چوں کہ مکسور ہے، اس لیے واؤ یاء سے بدل کر ریح بن گیا، کہ جمعیت اشیاء کو ان کے اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے، البتہ ابن جنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ریح کی جمع أریاح بھی آتی ہے(۴)۔

اور یہاں ارواح سے مراد ارواح النصر ہے، یعنی یہاں تک نصرتِ خداوندی کی ہوائیں چلنے لگیں، کما مر قبل عن ابن بطال رحمه الله(۵).

"وتحضر الصلوات" کی مراد

یہاں روایت میں "وتحضر الصلوات" وارد ہوا ہے، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں "وتزول

---

(۱) حواله بالا، والفتح: ٦/٢٦٥، والعمدة: ١٥/٨٥، والكواكب الدراري: ١٣/١٢٩، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٢.

(۲) شرح الكرماني: ١٣/١٢٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٢.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٨٥.

(٤) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٦٥، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٢.

(٥) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٥.

الشمس“ ہے(۱)، جو روایت بالمعنی ہے، کیوں کہ زوال شمس کے بعد ہی نماز ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے(۲)۔

غزوۂ نہاوند کا تتمہ

پیچھے گزر چکا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض افراد نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا کہ یہ قتال شروع نہیں کرتے؟ پھر اس پر اصرار بھی کیا، لیکن حضرت نعمان اپنی بات پر ڈٹے رہے اور جب زوال ہوگیا تو انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی، پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ہر جھنڈے والوں (قبیلے) کے پاس گئے، انہیں صبر و ثابت قدمی پر ابھارا، پھر انہوں نے لشکر سے فرمایا کہ وہ پہلی تکبیر بلند فرمائیں گے تو لوگوں کو حملے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے، دوسری تکبیر بلند کریں گے تو تیاری مکمل ہونی چاہیے کہ اس کے بعد کسی کو تیاری کا موقع نہیں دیا جائے گا، پھر تیسری تکبیر کے ساتھ ہی دشمن پر ہلہ بول دیا جائے، اس کے بعد حضرت نعمان رضی اللہ عنہ اپنی جگہ واپس تشریف لائے۔

دوسری طرف دشمن نے بھی زبردست تیاری کر رکھی تھی، چناں چہ انہوں نے ایک بہت بڑے لشکر اور کثیر اسلحے کے ساتھ صف بندی کی، ایرانی لشکر کے پچھلے حصے میں لوہے کی میخیں ڈال دی گئی تھیں کہ ان کے اپنے سپاہی فرار ہوسکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں۔

اس کے بعد حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے پہلی تکبیر بلند کی، لوگ حملے کے لیے تیار ہونے لگے، انہوں نے دوسری تکبیر کہی اور اپنا جھنڈا لہرایا، لوگ تیار ہو چکے تھے، پھر تیسری تکبیر کہی تو سب نے مل کر یکبارگی دشمن پر حملہ کر دیا، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے ماتحت جو افراد تھے وہ دشمن پر اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح کہ شکار پر بھوکا عقاب ٹوٹ پڑتا ہے، ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ بعد کی جنگوں میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے، زوال سے لے کر اندھیرا چھانے تک دشمن کے اتنے سپاہی کھیت ہوئے کہ ان کے خون نے زمین کو تر کر دیا کہ جانور اور سواریاں بھی اس میں پھسلنے لگیں۔

بعض لوگوں کے خیال کے مطابق حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا گھوڑا اسی خون میں پھسلا، جس کی وجہ سے وہ گر گیا اور کہیں سے ایک تیر آ کر لگا، جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے، ان کے بھائی حضرت سوید بن مقرن

---

(۱) المصنف: ۱۸/ ۲۹۰، کتاب البعوث والسرایا......، رقم (۳٤٤٨٥)، وکذا في مجمع الزوائد: ٦/ ۲۱٦.

(۲) فتح الباري: ٦/ ۲٦٥، وعمدة القاري: ۱۵/ ۸۵.

رضی اللہ عنہ (۱) کے علاوہ کسی کو ان کی شہادت کا علم نہیں ہوا، پھر انہوں نے ان کو چادر سے ڈھانپ دیا اور شہادت کی خبر چھپائی۔

اس کے بعد حضرت سوید نے جھنڈا قائم مقام امیر حضرت حذیفہ بن یمان کے حوالے کیا، حضرت حذیفہ نے حضرت سوید کو نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہم کی جگہ پر مقرر فرمایا اور انہیں نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر صورت حال کے واضح ہونے تک مخفی رکھنے کو کہا، تاکہ مسلم لشکر میں بددلی نہ پھیلے۔

جب رات کا اندھیرا چھانے لگا تو مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، جن کا مسلمانوں نے تعاقب کیا، یہ مشرکین اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھوں میں گرے، دورانِ جنگ قتل ہونے کے علاوہ جو مشرکین ان گڑھوں وغیرہ میں گر کر ہلاک ہوئے، ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ایرانی لشکر کا قائد بندار دورانِ جنگ گر گیا تھا، موقع پر وہاں سے بھاگنے لگا تو حضرت نعیم یا سوید نے اس کا تعاقب کیا اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہم سامنے سے آگئے تو وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر اس سے چمٹ گیا، آخر کار حضرت قعقاع بن عمرو کے ہاتھوں مارا گیا۔

اور مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی، غنیمت میں بہت زیادہ مال ہاتھ لگا، امیرِ لشکر حضرت حذیفہ نے قیدیوں اور مالِ غنیمت کا خمس حضرت سائب بن الأقرع کے ساتھ امیر المؤمنین کی طرف روانہ فرمایا، اس سے پہلے فتح کی خوش خبری لے کر حضرت طریف بن سہم رضی اللہ عنہم (۲) مدینہ منورہ روانہ ہو چکے تھے۔

یوں یہ شہر بھی اسلامی لشکر کے ہاتھوں فتح ہوا، مسلمان اس فتح کو "فتح الفتوح" سے موسوم کیا کرتے تھے (۳)۔

---

(۱) حضرت نعمان کے مذکورہ بھائی کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھے؟ بعض نے سوید، بعض نے نعیم اور بعض نے معقل نام لیا ہے۔ دیکھیے البداية والنهاية: ۱۱۰/۷، وفتح الباري: ۲٦٦/٦.

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف جو صاحب بشارت لے کر گئے تھے ان کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ وہ کون تھے؟ حافظ ابن کثیر اور سیف نے طریف بن سہم کو بشیر قرار دیا ہے، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ابوعثمان نہدی کا نام آیا ہے، حافظ ابن حجر (رحمہم اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ دونوں حضرات مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہوں۔ انظر فتح الباري: ۲٦٦/٦، والبداية والنهاية: ۱۱۰/۷.

(۳) غزوہ نہاوند کی تفصیل کے لیے دیکھیے، البداية والنهاية: ۱۰۵/۷-۱۱۲، تاريخ الإسلام (اردو) نجيب أكبر آبادي: ۳۰۸/۱......

حدیث سے مستنبط فوائد

❶ حدیث سے مشورہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور بڑے مرتبہ والا شخص اپنے سے کمتر سے مشورہ کرے تو اس میں کوئی حرج ہے، نہ اس میں بڑے کی توہین و تنقیص۔ نیز یہ کہ مفضول بھی کبھی کبھار افضل کا امیر ہوتا ہے، چناں چہ دیکھیے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس لشکر میں تھے، جس کے امیر حضرت نعمان بن مقرن تھے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت زبیر حضرت نعمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں (۱)۔

❷ حدیث سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ جنگ میں سب سے پہلے بڑے دشمن کا قصد کرنا چاہیے، جیسا کہ ہرمزان نے مشورہ دیا تھا کہ کسریٰ سے ابتدا کی جائے، کیونکہ طاقت ور کی جب جڑ کاٹ دی جائے گی تو کمزور خود بخود شکست تسلیم کرلے گا (۲)۔

❸ حدیث سے حضرت نعمان کی منقبت اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کی امورِ حرب میں معرفت اور ان کی قوتِ نفس، بہادری، فصاحت اور بلاغت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مغیرہ نے بندار کے سامنے اس کے دربار میں جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ تھا تو مختصر، مگر بلیغ و پراثر۔ چنانچہ یہ خطبہ جس طرح ان کے دنیاوی احوال مثلاً کھانے پینے وغیرہ کے بیان پر مشتمل ہے، اسی طرح اس میں ان کی دینی کیفیت کا جو اسلام سے پہلے تھی اور جو قبولِ اسلام کے بعد ہوئی، اس کا بھی بیان ہے، نیز اس میں ان کے معتقدات مثلاً توحید، رسالت اور ایمان بالمعاد کا بیان بھی ہے، اسی طرح مذکورہ خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، پیشین گوئیوں، پھر ان پیشین گوئیوں کے بارے نبی علیہ السلام نے جو فرمایا تھا، اسی طرح واقع ہونے کے بیان پر بھی مشتمل ہے (۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

کتاب کے شروع میں مؤلف علیہ الرحمۃ نے جو عنوان قائم کیا تھا وہ "الجزية والموادعة" کا تھا، چنانچہ باب کی یہ آخری حدیث موادعہ یعنی مصالحت سے متعلق ہے، چناں چہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے لڑائی میں جو تاخیر کی، نصرت کی ہواؤں اور زوالِ شمس کا جو انتظار فرمایا یہ موادعۃ تھا کہ مصالحت کے امکان کو

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٦، وشرح ابن بطال: ٥/٣٣٤، وعمدة القاري: ١٥/٨٥.

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) الفتح: ٦/٢٦٦، والكرماني: ١٣/١٢٨، وعُمدة القاري: ١٥/٨٥، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٢.

مدنظر رکھ کرانہوں نے زوالِ شمس تک لڑائی کو نہ چھیڑا، موادعۃ کے معنی ہی یہ ہیں کہ دشمن پر فتح یاب ہونے سے قبل قتال کو شروع نہ کرنا اور اسے چھوڑے رکھنا، اس امکان کو سامنے رکھتے ہوئے کہ جنگ ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی (۱)۔

اسی طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث اس جملے سے بھی ہوسکتی ہے "حتى تعبدوا الله أو تؤدوا الجزية" کہ اس میں جزیہ کا ذکر ہے۔ جو ترجمہ کا پہلا حصہ ہے، لیکن اس صورت میں اشکال یہ ہوگا کہ پھر تو "الموادعۃ" کا ذکر بیکار اور فضول ہوا، کیوں کہ باب کی دیگر جو حدیثیں گزریں، ان سب میں ترجمہ اور حدیث کا تعلق لفظ "جزیہ" سے تھا، یہاں بھی اگر لفظ "جزیہ" سے تعلق ہوا تو الموادعہ سے کس حدیث کا تعلق ہے؟ اگر کسی حدیث کا تعلق و ربط نہیں، تو اس کے ذکر کا کیا فائدہ؟

غالبًا اسی چیز کو مدنظر رکھ کر شراح نے پہلی توجیہ ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

٢ – باب : إِذَا وَادَعَ الْإِمَامُ مَلِكَ الْقَرْيَةِ ، هَلْ يَكُونُ ذٰلِكَ لِبَقِيَّتِهِمْ ؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مسئلے کو ذکر کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ خلیفۂ وقت اگر کسی گاؤں یا شہر کے والی یا بادشاہ سے صلح کرے تو کیا یہ صلح اس گاؤں اور شہر والوں کو بھی شامل ہوگی یا نہیں؟ اور اس کی رعایا وغیرہ لوگ اس صلح کے تحت داخل ہوں گے یا نہیں؟

جواب استفہام یہاں محذوف ہے، یعنی "یکون" کہ یہ صلح اس کی رعایا کے افراد کو بھی شامل ہوگی (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مسئلے پر حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بطورِ دلیل پیش کی ہے، جس میں صراحۃً تو یہ امر مذکور نہیں، البتہ اس حدیث کے بعض طرق میں اس کی تصریح موجود ہے اور غالبًا اسی کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف عادت کے موافق اشارہ کیا ہے، چناں چہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ "السیرۃ" میں فرماتے ہیں:

---

(۱) المتواري على تراجم أبواب البخاري: ۱۹۷، وعمدة القاري: ۱۵/۸۲.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۸۵، وتحفة الباري: ۳/۵٦٦.

"لما انتهى رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى تبوك، أتاه يُحَنَّة(١) بن رؤبة، صاحب أيلة، فصالح رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، وأعطاه الجزية، ...... فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم لهم كتابا، فهو عندهم، فكتب ليُحنة بن رؤبة:

بسم الله الرحمن الرحيم، هذه أَمَنَة من الله ومحمد النبي صلى الله عليه وسلم رسول الله ليحنة بن رؤبة وأهل أيلة، سفنهم وسيارتهم في البر والبحر: لهم ذمة الله، وذمة محمد النبي، ومن كان معهم من أهل الشام، وأهل اليمن، وأهل البحر، فمن أحدث منهم حدثا؛ فإنه لايحول ماله دون نفسه، وإنه طيب لمن أخذه من الناس، وإنه لايحل أن يُمنَعوا ماءً يرِدُونه، ولا طريقا يريدونه، من بر أو بحر"(٢).

یعنی: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو یحنہ (یوحنا) بن روبہ، ایلہ کا والی، آپ کے پاس آیا، سو اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مصالحت کی اور جزیہ خدمت اقدس میں پیش کیا......، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک تحریر لکھ کر دی، جو اُن کے پاس موجود ہے، آپ ﷺ نے یحنۃ بن روبۃ کو جو تحریر لکھ کر دی اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ایلہ کے والی اور اس کے باشندوں کے لیے اللہ تعالیٰ اور محمد النبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ امان نامہ ہے، ان کی کشتیوں اور گاڑیوں کے لیے، خشکی اور سمندر دونوں میں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور محمد النبی کا ذمہ ہے اور ان کے لیے بھی جو ان کے ساتھ شامیوں، یمنیوں اور سمندر والوں میں سے ہیں ان میں سے جو کوئی نیا کام کرے گا (یعنی معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا) تو اس کا مال اس کی ذات کے لیے

---

(١) بياء مثناة تحتانية مضمومة، بعدها حاء مهملة مفتوحة، ثم نون مشددة مفتوحة، وآخره هاء.

(٢) السيرة النبوية لابن هشام: ٢/٤/٥٢٥-٥٢٦، غزوة تبوك، في رجب سنة تسع، وشرح ابن بطال: ٥/٣٣٦، وفتح الباري: ٦/٢٦٧، وعمدة القاري: ١٥/٨٦، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٣.

مانع وحائل نہیں بنے گا، حتیٰ کہ جو کوئی شخص اسے لے لے وہ اس کے لیے حلال ہوگا۔ اور یہ بھی حلال نہیں ہے کہ پانی کے کسی بھی گھاٹ یا چشمہ پر آنے سے ان کو روکا جائے، نہ یہ روا ہے کہ وہ کسی راستے کو اختیار کریں تو ان کو منع کیا جائے، خواہ خشکی کا راستہ ہو یا سمندر کا''۔

اس سے استدلال کر کے جمہور علماء نے کہا ہے کہ کسی بادشاہ یا والی کے ساتھ صلح اس کی تمام رعایا اور علاقوں کو شامل ہوگی، کیوں کہ جب اس نے صلح کی درخواست پیش کی تو گویا اس نے اپنے نفس، اپنی رعایا اور اپنے زیرنگیں علاقوں کے لیے صلح کی درخواست کی، کہ یہ سب محفوظ و مامون ہوں۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"والعلماء مجمعون على أن الإمام إذا صالح ملك القرية أنه يدخل في ذلك الصلح بقيتهم؛ لأنه إنما صالح على نفسه، ورعيته، ومن يلي أمره، وتشتمل عليه بلده وعمله، ألا ترى أن في كتاب النبي تأمين ملك أيلة وأهل بلده"(١).

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر بادشاہ کسی مخصوص ومتعین جماعت کے لیے صلح کی درخواست کرے کہ اس مخصوص جماعت کو امان دی جائے تو اس میں بادشاہ بھی داخل ہوگا یا نہیں؟

چناں چہ جمہور کا مسلک تو یہی ہے کہ اس صورت میں وہ بادشاہ اس صلح وامان میں داخل نہیں ہوگا، جب تک کہ اپنی تعیین نہ کرے، اس کی دلیل یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اشعث بن قیس کچھ لوگوں کے ہمراہ مرتد ہو کر ایک محل میں قلعہ بند ہوگئے، پھر انہوں نے ستر آدمیوں کے لیے امان طلب کی، جو خلیفۂ اول نے دے دی، چناں چہ وہ محل سے نکلے اور ستر آدمی گنوائے اور اپنے آپ کو ان میں شامل نہیں کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہارے لیے امان نہیں ہے، ہم تو تمہیں قتل کریں گے، اس پر اشعث نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سے نکاح کیا(٢)۔

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب تستر یا سوس کا محاصرہ کیا تو ان کے امیر نے کہا

---

(١) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٦، وفتح الباري: ٦/٢٦٧.

(٢) شرح ابن بطال: ٥/٣٣٧، والمتواري: ١٩٨.

کہ آپ میرے سو ساتھیوں کو پناہ دے دیں تو میں قلعہ کا دروازہ آپ کے لیے کھول دوں؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کی بات منظور کرلی، چناں چہ وہ اپنے سو ساتھیوں کو الگ کرنے اور انہیں شمار کرنے لگا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ (دل ہی دل میں) کہنے لگے، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے اس پر قابو دیں گے اور سو افراد کو شمار کرنے کے بعد یہ اپنے آپ کو بھول جائے گا، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے سو بندے گنے، انہیں الگ کیا اور اپنے کو بھول گیا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کو گرفتار کرلیا تو وہ کہنے لگا کہ آپ نے تو مجھے امان دی تھی؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تمہیں کوئی امان نہیں دی، سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تم پر کسی دھوکے کے بغیر قابو دیا ہے، پھر اس کی گردن اڑادی (۱)۔

ائمہ کی اکثریت ان واقعات سے استدلال کرتے ہوئے یہی کہتی ہے کہ بادشاہ یا امیر کا اپنے کو نامزد کرنا ضروری ہے، ورنہ اس مخصوص جماعت میں وہ داخل نہیں ہوگا۔

لیکن مالکیہ میں سے امام اصبغ وامام سحنون کا قول یہ ہے کہ اپنے کو نامزد کرنا ضروری ہے نہ اس کی حاجت، بلکہ اس پر قرینہ کافی ہوگا، کیوں کہ بادشاہ جب دوسروں کے لیے امان طلب کررہا ہے تو لامحالہ وہ اپنے کو بھی اس میں شامل کررہا ہے اور اس کا مقصود یہی ہے کہ امان اس کو بھی حاصل ہو (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۹۹۰ : حدّثنا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى ، عَنْ عَبَّاسٍ السَّاعِدِيِّ ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ[۳] قَالَ : غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ تَبُوكَ ، وَأَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ ، وَكَسَاهُ بُرْدًا ، وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ . [ر : ۱٤۱۱]

تراجم رجال

۱- سهل بن بكار

یہ ابوبشر سہل بن بکار دارمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۳۳٦/۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۳۷/۵.

(۳) قوله: "عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الزكاة، باب خرص التمر.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاة، باب خرص التمر.

٢- وهيب

یہ وہیب بن خالد بن عجلان بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٣- عمرو بن يحيى

یہ عمرو بن یحیٰ بن عمارۃ مازنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کے مختصر حالات كتاب الإيمان، "باب من كره أن يعود في الكفر......" کے تحت گزر چکے(۱)۔

٤- عباس الساعدي

یہ عباس بن سہل ساعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٥- ابو حميد الساعدي

یہ ابوحمید عبدالرحمٰن الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی اور ایلہ (۴) کے بادشاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچری ہدیہ میں پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دھاری دار چادر مرحمت فرمائی اور اس کو ان کے سمندری علاقوں کے بارے میں امان لکھ کر دی۔

یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، جو کتاب الزکوۃ میں گزر چکی (۵)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کی

---

(۱) دیکھیے، كشف الباري: ۲/۱۱۵-۱۱۸.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الزكاة، باب خرص التمر.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة.

(٤) قال ابن قرقول: "هي مدينة بالشام على النصف ما بين طريق مصر ومكة، على شاطئ البحر، من بلاد الشام". انظر عمدة القاري: ۱۵/۸٦.

(٥) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب خرص التمر، رقم (١٤٨١).

مناسبت سے اس کا ایک حصہ یہاں ذکر فرمایا ہے۔

وكساه بردا

تمام نسخوں میں واو کے ساتھ "وكساه" ہے، جب کہ ابوذر کے نسخے میں فاء کے ساتھ "فكساه" ہے اور یہی اولیٰ ہے، کیوں کہ فعل "كساه" کا فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر واو کے ساتھ "وكساه" کہا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ملک ایلہ نے خچری بھی دی اور چادر بھی، جب کہ یہ غلط ہے، وہ اس لیے کہ اس نے صرف خچری ہدیہ میں دی تھی، جواب میں نبی علیہ السلام نے اس کو چادر بطور ہدیہ مرحمت فرمائی اور اس کے علاقوں اور رعایا کے لیے امان بھی لکھ کر دی۔

اور اگر فاء کے ساتھ "فكساه" کہا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے کہ بادشاہ کا فعل خچری ہدیہ کرنا تھا اور نبی علیہ السلام کا چادر ہدیہ کرنا اور امان لکھ کر دینا اور یہی صحیح بھی ہے (۱)۔

بحر سے کیا مراد ہے؟

یہاں "ببحرهم" میں بحر سے مراد قریہ یا بلد ہے، چوں کہ یہ ساحل سمندر پر رہتے تھے، اس لیے ان کے شہر یا گاؤں کو بحر سے تعبیر کر دیا ہے اور مقصود اس کی رعایا اور اس کے علاقے ہیں (۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس "ببحرهم" کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے: "وہ بستی جو دریا کے کنارے پر ہو" (۳)۔

مدینہ منورہ بھی چوں کہ بحر کے قریب ہے، اس لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس پر بحیرہ کا اطلاق کیا اور فرمایا تھا کہ

"لقد اصطلح أهل هذه البحيرة على أن يتوّجوه، فيعصبونه بالعصابة، فلما أبى الله ذلك بالحق الذي أعطاك الله شرق بذلك......" (٤).

(١) فتح الباري: ٦/٢٦٦، وعمدة القاري: ١٥/٨٦، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٣.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٦٧، وعمدة القاري: ١٥/٨٦، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٣.

(٣) فيض الباري: ٣/٤٧٤.

(٤) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب: ﴿ولتسمعن من الذين أوتوا الكتب﴾......، رقم (٤٥٦٦)، =

کہ اہل مدینہ نے یہ طے کیا ہوا تھا کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کی تاج پوشی ودستار بندی کی جائے گی، اس کو اپنے علاقے کا چودھری مقرر کیا جائے گا، آپ کے آنے کے بعد وہ سارا قصہ ختم ہوگیا، اس کی سیادت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، اس کا اچھو اس کے گلے میں لگا ہوا ہے اور وہ پھندا اس کے حلق میں پھنسا ہوا ہے، اس کی وجہ سے یہ اس قسم کی شرارتیں کرتا ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بخاری شریف کی روایت میں صیغۂ امان ہے، نہ صیغۂ طلب کہ بادشاہ نے امان طلب کی ہو، لیکن اس کے باوجود امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی عادت کی بنا پر حدیث باب سے مذکورہ استدلال کیا کہ بادشاہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو ہدیہ پیش کیا، اس کا مقصد اس کے ذریعے اپنی حکومت کی بقا کی درخواست پیش کرنا تھا اور اس کی حکومت کی بقا تب ہی ممکن تھی، جب کہ اس کی رعایا بھی باقی ہو، نتیجہ یہی نکلا کہ اس کی مصالحت رعایا کے لیے تھی (۱)۔ یہی مقصد ترجمہ بھی ہے۔

علامہ ابن المنیر کی اس توضیح کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما نے اختیار کیا ہے (۲)۔ جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت کے لیے اتنی بات کافی نہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف عادت کے مطابق حدیث ذکر کیے بغیر بھی اپنا یہ مدعی حاصل کر سکتے تھے۔

درحقیقت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک اور عادت کے مطابق یہاں طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ کبھی حدیث کو ذکر فرما کر اس کے دیگر طرق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، یہاں بھی انہوں نے سیرۃ ابن اسحاق کی ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو ابھی ماقبل میں گزری، جس میں اس امر کی صراحت ہے کہ ملک ایلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی اور جزیہ دیا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر دی، جس میں ان کو امان دینے کی صراحت کی گئی تھی (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

= والقصة رواها ابن هشام أيضاً، ولكن لا يوجد فيها هذه اللفظة -أعني البحيرة-، انظر سيرته: ۲/۳/۵۸۸، خروج قوم ابن أبي عليه ...... وغضب الرسول......

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٧.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٨٦.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٦٧، وأيضاً إرشاد الساري: ٥/٢٣٣.

٣ - باب : الْوَصَايَا بِأَهْلِ ذِمَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ .
وَالذِّمَّةُ : الْعَهْدُ ، وَالْإِلُّ : الْقَرَابَةُ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیر مسلموں سے عہد کر رکھا تھا، خواہ کسی بھی قسم کا عہد ہو، ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ رکھنا چاہیے، بلاوجہ انہیں تنگ نہ کرنا چاہیے اور نبی علیہ السلام کے عہد کی پاسداری کرنی چاہیے۔

الوصاۃ کے معنی

الوصاة -بفتح الواو، والمهملة مخففا- وصیت کے معنی میں ہے اور وصیت کے مختلف معانی ہیں، جن میں سے ایک معنی کسی کی خیر خواہی و بھلائی چاہنے کے ہیں (۱)۔

الذمة اور الإل کے معنی

پھر اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت دو کلمات کے معنی بیان کیے ہیں، جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ حدیث میں وارد کوئی لفظ قرآن کریم میں بھی آیا ہو تو اس کی وضاحت و تفسیر کرتے ہیں، پہلا کلمہ "الذمة" ہے، دوسرا "الإل"۔

پہلے کلمہ کے معنی انہوں نے عہد، دوسرے کے قرابت کے کیے ہیں، جو امام ضحاک کی اختیار کردہ تفسیر ہے، چناں چہ انہوں نے قرآن کریم کی آیت ﴿لا یرقبون فی مؤمن إلا ولا ذمة﴾(۲) کی تفسیر انہی کلمات سے کی ہے (۳)۔

"الذمة" کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ معنی کے علاوہ اور معنی بھی آتے ہیں، مثلاً: امان، ضمان، حرمت اور حق وغیرہ۔ اہلِ ذمہ کو بھی ذمی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد و امان میں داخل

(١) فتح الباري: ٢٦٧/٦.

(٢) التوبة/١٠.

(٣) فتح الباري: ٢٦٧/٦، وروح المعاني: ٣٤٩/١٠، سورة التوبة، الآية: ٩.

ہوجاتے ہیں(۱)۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "الإل" کا اطلاق بعض اوقات عہد اور جوار پر بھی ہوتا ہے(۲)۔

٢٩٩١ : حدّثنا آدمُ ابْنُ أَبِي إِيَاسٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ قَالَ : سَمِعْتُ جُوَيْرِيَةَ ابْنَ قُدَامَةَ التَّمِيمِيَّ قَالَ : سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۳) : قُلْنَا : أَوْصِنَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ، قَالَ : أُوصِيكُمْ بِذِمَّةِ ٱللهِ ، فَإِنَّهُ ذِمَّةُ نَبِيِّكُمْ ، وَرِزْقُ عِيَالِكُمْ . [ر : ١٣٢٨]

تراجم رجال

١- آدم بن ابی ایاس

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- شعبه

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دو حضرات کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون......" کے تحت گزر چکے(۴)۔

٣- ابو جمرة

یہ ابوجمرۃ نصر بن عمران بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب أداء الخمس من الإیمان" کے تحت آچکا(۵)۔

٤- جويريه بن قدامه التميمی

یہ جویریہ بن قدامہ بن مالک بن زہیر تمیمی سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۶)۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٨٦، وروح المعاني: ١٠/٣٥٠.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٦٧.

(٣) قوله "سمعت عمر ...... رضي الله عنه": الحديث، تفرد به البخاري، انظر تحفة الأشراف: ٨/١٩.

(٤) كشف الباري: ١/٦٧٨.

(٥) كشف الباري: ٢/٧٠١.

(٦) إكمال مغلطاي: ٣/٢٦١، رقم (١٠٣٦).

اکثر ائمہ رجال نے ان کو تابعی قرار دیا ہے اور کبار تابعین میں ان کا شمار کیا ہے (۱)۔

ان کے علاوہ ایک اور شخصیت ہے، جن کا نام جاریہ بن قدامہ ہے، یہ حضرت علی کے ساتھیوں میں سے تھے اور یہ صحابی ہیں (۲)۔

اکثر ائمہ رجال ان دونوں شخصیات میں تفریق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جاریہ الگ شخصیت ہے اور جویریہ الگ شخصیت، راجح قول کے مطابق پہلے صحابی ہیں، جب کہ دوسرے تابعی۔

لیکن حافظ ابن حجر وحافظ مغلطائی رحمہما اللہ وغیرہ کا رجحان اس جانب ہے کہ ایک ہی شخصیت کے یہ دو نام ہیں، یا جاریہ نام ہے جویریہ لقب، بہرحال الگ الگ شخصیات نہیں اور یہ صحابی ہیں (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر یہ استدلالات پیش کیے ہیں:

❶ جویریہ تمیمی ہیں اور جاریہ بھی تمیمی ہیں، اس لیے اس امر میں کوئی استبعاد نہیں کہ یہ دونوں شخصیات ایک ہی ہوں۔

❷ مصنف ابن ابی شیبہ (۴) کی روایت میں جویریہ کی بجائے جاریہ کی صراحت ہے اور حدیث دونوں کی ایک ہی ہے اور دونوں سے یہ حدیث ابوجمرہ روایت کرتے ہیں، اس سے بھی متبادر یہی ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک شخصیت کے ہیں (۵)۔ واللہ اعلم۔

جویریہ بن قدامہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والے بھی صرف ابوجمرہ نصر بن عمران رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۶)۔

بخاری شریف میں ان کا ذکر صرف حدیثِ باب کے تحت آیا ہے، باقی ائمہ خمسہ نے ان سے روایت

---

(١) الجرح والتعديل: ٢/٤٦٣، والثقات: ٤/١٦٦، وتهذيب الكمال: ٥/١٧٤، وفتح الباري: ٦/٢٦٧.

(٢) تهذيب الكمال: ٤/٨٠، رقم (٨٨٦).

(٣) الإصابة: ١/٢١٨، وفتح الباري: ٦/٢٦٧، وتهذيب التهذيب: ٢/١٢٥.

(٤) المصنف لابن أبي شيبة: ٢٠/٥٩٣، كتاب المغازي، رقم (٣٨٢١٨)، وتعليقات تهذيب الكمال: ٥/١٧٦.

(٥) تهذيب التهذيب: ٢/١٢٥، رقم (٢٠٣).

(٦) تهذيب الكمال: ٥/١٧٥.

نہیں کی (۱)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔

٥- عمر بن الخطاب

یہ خلیفہ ثانی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

حدیثِ باب کا ترجمہ

ہم نے کہا، امیر المؤمنین! ہمیں بھلی بات کہیے (اور وصیت کیجیے) فرمایا، میں تم لوگوں کو اللہ کے عہد کے ساتھ بھلائی وخیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد اور تمہارے اہل وعیال کے رزق کا سبب ہے۔

حدیث کی مزید تفصیل

یہاں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جو روایت ذکر کی، وہ انتہائی مختصر ہے اور باب سے مناسبت کی بنا پر اسی کے ذکر پر انہوں نے اکتفا فرمایا ہے، مکمل حدیث امام جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب الکمال" میں نقل فرمائی ہے، جویریہ بن قدامہ فرماتے ہیں:

"حججتُ، فمررتُ بالمدينة، فخطب عمر، فقال: إني رأيت الليلة ديكا نقر فيَّ نقرة أو نقرتين، فما كان إلا جمعة أو نحوها حتى أصيب، قال: وأذن لأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ثم لأهل المدينة، ثم أذن لأهل الشام، ثم أذن لأهل العراق، قال: وكنا آخرَ من دخل، قال: فكلما دخل قوم بكوا وأثنوا. قال: وكنت فيمن دخل فإذا عمامة أو برد أسود قد عصب على طعنته، وإذا الدماء تسيل، قال: فقلنا: أوصِنا، ولم يسأله الوصيةَ أحد غيرنا. قال: أوصيكم بكتاب الله؛ فإنكم لن تضلوا ما اتبعتموه، قال: قلنا: أوصنا،

---

(۱) تهذيب الكمال: ٥/١٧٦، وإكمال مغلطاي: ٣/٢٦١، رقم (١٠٣٦).

(۲) كشف الباري: ١/٢٣٩.

قال: أوصيكم بالمهاجرين؛ فإن الناس سيكثرون ويقلون، وأوصيكم بالأنصار؛ فإنهم شعب الإسلام الذي لجأ إليه، وأوصيكم بالأعراب؛ فإنهم أصلكم ومادتكم، ثم سألته بعد ذلك، قال: إنهم إخوانكم وعدو عدوكم، وأوصيكم بذمتكم؛ فإنها ذمة نبيكم، ورزق عيالكم، قوموا عني، فما زاد على هؤلاء الكلمات"(۱).

یعنی: ''میں مناسکِ حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ میں نے رات کو خواب میں ایک مرغے کو دیکھا کہ اس نے مجھے ایک یا دو ٹھونگیں ماریں، اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ گذرا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے، راوی کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین نے اولاً صحابہ کرام، پھر اہل مدینہ کو ملاقات کی اجازت دی، پھر اہلِ شام کو، پھر اہل عراق کو اور سب سے آخر میں ان سے ملاقات کرنے والے ہم تھے، جب بھی کوئی قوم ملاقات کی غرض سے داخل ہوتی تو وہ رونے لگتی اور ان کی تعریفیں کرتی۔ راوی کہتے ہیں کہ ملاقاتیوں میں، میں بھی شامل تھا، داخل ہوا تو دیکھا کہ ان کے زخم پر عمامے یا سیاہ چادر سے پٹی باندھی گئی تھی اور زخم سے خون بہہ رہا تھا، ہم نے ان سے گزارش کی کہ وصیت کیجیے، یہ درخواست ہمارے علاوہ اور کسی نے نہیں کی تھی، امیر المؤمنین نے فرمایا، میں تمہیں کتاب اللہ کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ جب تک تم لوگ اس کی اتباع کروگے، گمراہ نہ ہوگے، ہم نے کہا اور فرمائیے، فرمایا، میں تمہیں مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ لوگ تو بڑھتے جائیں گے، لیکن یہ مہاجرین کم ہوجائیں گے اور انصار کے ساتھ بھلائی کا حکم کرتا ہوں کہ یہ حضرات اسلام کی وہ گھاٹی ہیں جس کی طرف اسلام نے پناہ لی ہے اور بدویوں کے ساتھ

(۱) تهذيب الكمال: ۵/۱۷۵-۱۷۶، وأخرج أوله الإمامُ البخاري في تاريخه: ۲/۲۴۱، رقم (۲۳۲۵)، ومثله عند ابن أبي شيبة في مصنفه: ۲۰/۵۹۳، كتاب المغازي، ماجاء في خلافة عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم (۳۸۲۱۸).

بھلائی کا کہتا ہوں، کیوں کہ یہی تمہاری اصل وبنیاد ہیں، تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے دشمنوں کے دشمن ہیں، نیز میں تمہیں اہلِ ذمہ کے ساتھ خیر خواہی کا حکم کرتا ہوں، کیوں کہ یہ تمہارے نبی (علیہ السلام) کا عہد ہیں اور تمہارے اہل وعیال کے لیے رزق فراہم کرنے کا سبب بنتے ہیں، آخر میں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ۔ اس کے بعد مزید کوئی بات نہیں کی''۔

فائدہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ واقعہ حضرت عمرو بن میمون اودی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے(۱) جس میں حدیث باب کے الفاظ "أوصيكم بذمة الله؛ فإنه ذمة نبيكم ورزق عيالكم" کے بجائے یہ الفاظ منقول ہیں:

"وأوصيه بذمة الله تعالىٰ، وذمة رسوله صلى الله عليه وسلم أن يوفي لهم بعهدهم، وأن يقاتل من ورائهم، ولا يكلفوا إلا طاقتهم".

''اور (میرے بعد آنے والے) خلیفہ کو یہ وصیت بھی کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا خیال رکھیں کہ ان کے عہد کی پاسداری کریں، ان کے لیے لڑا جائے اور ان کی قوت واستطاعت سے زائد ان کو مکلّف نہ بنایا جائے''۔

چناں چہ اس حدیث کے مذکورہ بالا حصے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اہلِ جزیہ سے اسی قدر جزیہ وصول کیا جائے، جس کی وہ قوت وطاقت رکھتے ہوں اور اس معاملے میں ان کے ساتھ زیادتی اور ظلم روا نہ رکھا جائے(۲)۔

"ورزق عيالكم" کا مطلب

حدیثِ باب کے الفاظ "ورزق عيالكم" کا مطلب یہ ہے کہ ان اہلِ ذمہ واہل خراج سے جو رقم وصول کی جاتی ہے، وہ تمہارے اہل وعیال کے لیے رزق بنتا ہے اور اس کے ذریعے تم ان کی ضروریات کا

(۱) صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، قصة البيعة ......، رقم (۳۷۰۰).

(۲) فتح الباري: ۶/۲۶۷.

بندوبست کرتے ہو(۱)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ اہلِ ذمہ کے ساتھ خیر خواہی وبھلائی اختیار کرنے کا تھا اور حدیث میں بھی یہی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ ذمہ کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت کی تھی۔

٤ – باب : ما أَقْطَعَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، وَمَا وَعَدَ مِنْ مالِ الْبَحْرَيْنِ وَالْجِزْيَةِ ، وَلِمَنْ يُقْسَمُ الْفَيْءُ وَالْجِزْيَةُ .

ترجمۃ الباب کی توضیح ومقاصد

یہ ترجمۃ الباب تین اجزا پر مشتمل ہے، ان تینوں اجزا میں مولف علیہ الرحمۃ نے تین مختلف احکام بیان کیے ہیں اور انہی احکام کی ترتیب سے تین حدیثیں بھی انہوں نے ذکر کی ہیں (۲)۔

چناں چہ پہلی حدیث کا تعلق پہلے حکم سے، دوسری کا دوسرے سے اور تیسری کا تیسرے سے ہے۔

ترجمۃ الباب کا پہلا جز "ما أقطع النبي صلى الله عليه وسلم من البحرين" ہے۔

"إقطاع" کے لغوی واصطلاحی معنی

"أقطع" باب افعال سے ماضی مذکر کا صیغہ ہے، کہا جاتا ہے "أقطع فلانا أرضاً" یعنی کسی کو زمین دینا، اس کے نام الاٹ کرنا (۳)۔

اصطلاح شرع میں خلیفہ وقت کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے کسی کو کچھ دینا "إقطاع" کہلاتا ہے، لیکن اس کا اکثر استعمال کسی کو بطور جاگیر، زمین دینے پر ہوتا ہے۔

اب خلیفہ کی مرضی ہے کہ جس کو جاگیر عطا کر رہا ہے، اس کو اس جاگیر کا مالک بنادے کہ وہ اس کو آباد

(۱) حواله بالا، والكرماني: ۱۳/ ۱۳۰.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٦٨، وعمدة القاري: ١٥/ ٨٦.

(۳) القاموس الوحيد، مادة: "قطع".

کرے یا ایک مخصوص مدت کے لیے اس شخص کے حوالے کردے، چناں چہ یہ جاگیر عطا کرنا کبھی تو بطورِ تملیک کے ہوتا ہے اور کبھی بغیر تملیک۔

اسی سے فوجی بھی "مُقْطَعِیْن" کہلاتے ہیں، یعنی جاگیردار(۱)۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں اس فعل کے جواز کو بتلانا ہے کہ خلیفہ کسی بھی اہل شخص کو زمین بطور جاگیر عطا کرسکتا ہے۔

چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بحرین کی زمینوں کو جاگیر بنانا، باب کی پہلی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس کا ارادہ کیا تھا اور انصار سے کئی مرتبہ اس حوالے سے بات بھی کی کہ آپ لوگ یہ زمینیں لے لیں، لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادے کو ترک کردیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ استدلال

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے سے استدلال کیا ہے کہ جو بات مستقبل میں ہونی تھی، اس کو ماضی کے معنی میں لیا، گویا کہ نبی علیہ السلام نے ان کو جاگیر عطا کی، نبی علیہ السلام کے حق میں یہ معاملہ بالکل واضح ہے، کیوں کہ آپ کسی ایسے فعل کا حکم دے ہی نہیں سکتے جو ناجائز ہو۔

لہٰذا معلوم یہی ہوا کہ یہ فعل یعنی کسی کو جاگیر عطا کرنا، خلیفۂ وقت کی طرف سے درست ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فأما إقطاعه صلى الله عليه وسلم من البحرين فالحديث الأول دال على أنه صلى الله عليه وسلم همَّ بذلك، وأشار به على الأنصار مراراً، فلما لم يقبلوا تركه، فنزل المصنف ما بالقوة منزلة ما بالفعل، وهو في حقه صلى الله عليه وسلم واضح؛ لأنه لايأمر إلا بما يجوز فعله"(۲).

حدیث باب میں بحرین سے مراد عراق کا مشہور شہر ہے (جواب مستقل ریاست ہے) ماقبل میں یہ بات گذرچکی ہے کہ اہلِ بحرین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی تھی اور ان پر جزیہ لازم کیا تھا۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۸٦، والنهاية لابن الأثير الجزري: ٤/٨٢، باب القاف مع التاء.

(۲) فتح الباري: ٦/٢٦٨، ومثله في شرح القسطلاني: ٥/٢٣٤، وعمدة القاري: ١٥/٨٧.

پھر اسی حدیث میں بحرین کی زمینیں انصار کو بطور جاگیر دینے کا جو ذکر آیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ان زمینوں سے جو جزیہ وخراج وصول ہوگا، وہ انصار کے لیے خاص ہوگا، ان زمینوں کی آمدنی انہی کے پاس جائے گی، یہ مطلب ومراد نہیں کہ وہ ان زمینوں کے مالک بھی بن جائیں گے، کیوں کہ ارض صلح کو تقسیم کیا جاسکتا ہے نہ ہی بطورِ جاگیر کسی کو عطا کیا جاسکتا ہے(۱)۔ واللہ اعلم

۲۹۹۲ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ : عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا(۲) رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : دَعا النَّبِيُّ ﷺ الْأَنْصارَ لِيَكْتُبَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ ، فَقَالُوا : لَا وَٱللّٰهِ حَتَّى تَكْتُبَ لِإِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ بِمِثْلِهَا ، فَقَالَ : (ذَاكَ لَهُمْ ما شَاءَ ٱللّٰهُ عَلَى ذٰلِكَ) .يَقُولُونَ لَهُ ، قالَ : (فَإِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً ، فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي) . [ر : ۲۲٤۷]

تراجم رجال

۱- احمد بن یونس

یہ احمد بن عبد اللہ بن یونس تمیمی یربوعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من قال: إن الإیمان هو العمل" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۲- زھیر

یہ زہیر بن معاویہ بن حُدیج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب الإیمان، "باب الصلاة من الإیمان" کے تحت آچکے ہیں(۴)۔

۳- یحیی بن سعید

یہ مشہور تابعی، فقیہ مدینہ، حضرت یحییٰ بن سعید الانصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ "بـــدء

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٣، وعمدة القاري: ١٥/٨٧.

(۲) قوله: "أنسا رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب المساقاة، باب القطائع.

(۳) كشف الباري: ٢/١٥٩.

(٤) كشف الباري: ٢/٣٦٧.

الوحي" میں اور مفصل تذکرہ کتاب الإیمان، "باب صوم رمضان...... " کے تحت گزر چکا(۱)۔

٤- انس رضی الله عنه

مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه......" کے تحت آچکے(۲)۔

أثرة کا ضبط ومعنی

حدیثِ باب میں وارد لفظ "أثرة" کو مختلف وجوہ سے ضبط کیا گیا ہے۔

❶ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو ہمزہ اور ثاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ ضبط کیا ہے(۳)۔

❷ صاحبِ مطالع اور علامہ جیانی رحمہما اللہ نے اس لفظ کو ہمزہ کے ضمہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ "أُثْـرة" ضبط کیا ہے۔

❸ بعض حضرات نے اسے ہمزہ کے کسرہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ "إِثْرة" پڑھا ہے(۴)۔

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "أثـرة" کے معنی استیثار کے ہیں۔اور استیثار خود غرضی اور ذاتی منفعت پیش نظر رکھنے کو کہتے ہیں، اس کی ضد ایثار (یعنی اپنے پر دوسرے کو ترجیح دینا) ہے(۵)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے پہلے جز کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جاگیر دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے اس فعل کا جواز واضح ہے۔ کما مر قبلُ(۶).

ترجمۃ الباب کا دوسرا جز "وما وعد من مال البحرین" ہے۔

---

(۱) کشف الباري: ۲۳۸/۱، و: ۳۲۱/۲.

(۲) کشف الباري: ٤/۲.

(۳) النهایة في غریب الحدیث والأثر: ۲۲/۱، باب الهمزة مع التاء.

(٤) عمدة القاري: ۸۷/۱۵.

(٥) حواله بالا، والقاموس الوحید، مادة: "أثر".

(٦) عمدة القاري: ۸۷/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳٤/٥.

اس جز کا مقصد یہ ہے کہ امام وقت اگر کسی شخص کو جزیہ وغیرہ میں سے خصوصی طور پر کچھ دینا چاہے تو اس کی شرع میں گنجائش ہے اور اس کی اجازت ہے۔

چناں چہ باب کی دوسری حدیث میں یہی مضمون وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ بحرین کا مال آیا تو ہم اس میں سے تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے وعدہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پورا کیا اور موعودہ مال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا۔

٢٩٩٣ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قالَ : أَخْبَرَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ ، عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا(١) قالَ : كانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ قالَ لِي : (لَوْ قَدْ جاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا) . فَلَمَّا قُبِضَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وَجاءَ مالُ الْبَحْرَيْنِ ، قالَ أَبُو بَكْرٍ : مَنْ كانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنِي ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَدْ كانَ قالَ لِي : (لَوْ قَدْ جاءَنَا مالُ الْبَحْرَيْنِ لَأَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا) . فَقالَ لِي : ٱحْثُهْ : فَحَثَوْتُ حَثْيَةً ، فَقالَ لِي : عُدَّهَا ، فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِيَ خَمْسُمِائَةٍ ، فَأَعْطَانِي أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ . [ر : ٢١٧٤]

تراجم رجال

١- علی بن عبداللہ

یہ مشہور امام حدیث حضرت علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت گزر چکے ہیں (٢)۔

٢- اسماعیل بن ابراہیم

یہ اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم المعروف "بابن علیۃ" رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ کتاب

---

(١) قوله: "عن جابر رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا......

(٢) كشف الباري: ٣/٢٥٦.

الایمان، "باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان" کے ذیل میں آچکا(۱)۔

تنبیہ

علامہ عینی وعلامہ قسطلانی رحمہما اللہ سے اس حدیث کی سند میں یہ تسامح ہوگیا کہ ان دونوں حضرات نے اسماعیل بن ابراہیم کو "ابن علیہ" کی بجائے ابو معمر اسماعیل بن ابراہیم سمجھ لیا ہے(۲)۔

جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں اسماعیل سے "ابن علیہ" مراد ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیثِ باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور اسماعیل بن ابراہیم کے شیخ روح بن القاسم اور یہ امر طے شدہ ہے کہ ابن المدینی کے شیوخ میں اسماعیل بن ابراہیم نام کے جو شیخ ہیں وہ ابن علیہ ہیں، ابن المدینی ابو معمر سے روایت نہیں کرتے، اسی طرح روح بن القاسم کے تلامذہ میں ابو معمر داخل نہیں، بلکہ ان کے شاگرد تو ابن علیہ ہیں(۳)۔

۳- روح بن القاسم

یہ ابو غیاث روح بن القاسم تمیمی عنبری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٤- محمد بن المنكدر

یہ مشہور تابعی محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

٥- جابر بن عبدالله رضي الله عنهما

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں(٦)۔

---

(١) كشف الباري: ١٢/٢.

(٢) عمدة القاري: ٨٧/١٥، وشرح القسطلاني: ٢٣٤/٥.

(٣) انظر تهذيب الكمال: ١٩/٣، و: ٢٥٢/٩، و: ٦/٢١، وتحفة الأشراف: ٣٥٩/٢، رقم (٢٠١٥).

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب ماجاء في غسل البول.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوءَه ......

(٦) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء کے ساتھ بالکل واضح ہے محتاجِ شرح نہیں (۱)۔

ترجمۃ الباب کا تیسرا جزء "ولمن يقسم الفيء والجزية؟" ہے۔

اس جزء کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مال فیء اور مال جزیہ کے مصارف کیا ہیں، انہیں کہاں کہاں خرچ کیا جاسکتا ہے اور کون لوگ اس کے مستحق ہوں گے (۲)۔

اس مسئلے کی تفصیل کہ جزیہ وغیرہ کے مستحق کون لوگ ہوں گے، کتاب الخمس میں مختلف مقامات پر گذر چکی ہے۔ اسی طرح جزیہ کی تعریف بھی کتاب الجزیہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

مال فیء کی تعریف

فیء وہ مال کہلاتا ہے، جو کفار سے بغیر ایجاف خیل ورکاب یعنی لڑائی کے بغیر حاصل ہو (۳)۔

پھر یہاں جزیہ کا عطف جو فیء پر کیا گیا ہے، یہ من قبیل عطف الخاص علی العام ہے، اس لیے کہ جزیہ بھی فیء ہی کی ایک قسم ہے (۴)۔

مال فیء کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

یہاں یہ مسئلہ بھی ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان بھی مختلف فیہ رہا کہ مال فیء کی تقسیم کے اندر امام وحاکم کون سا طریقہ اختیار کرے؟ اس میں تین مذاہب ہیں:

❶ امام تقسیم میں مساوات اختیار کرے، سب کو برابر حصہ دے، یہ حضرت ابوبکر وعلی رضی اللہ عنہما اور امام

---

(۱) عمدة القاري: ۸۷/۱۵.

تنبيه: مر شرح هذا الحديث في الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين......

(۲) فتح الباري: ۲۶۹/۶.

(۳) عمدة القاري: ۸۶/۱۵، وبدائع الصنائع: ۱۱۶/۷، كتاب السير، فصل في أحكام الغنائم......

(٤) عمدة القاري: ۸۶/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۹/٦.

شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ایک روایت ہے۔

❷ امام تقسیم میں تفضیل اختیار کرے، یعنی امام کو چاہیے کہ فرق مراتب و درجات کا لحاظ رکھے، کسی کو زیادہ دے اور کسی کو کم، یہ حضرت عمر وعثان رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے، یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے(۱)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قدامت اسلام اور نسب کی برتری وغیرہ کا لحاظ ضروری نہیں سمجھتے تھے اور اس امر کے قائل تھے کہ ان امور کا تعلق آخرت سے ہے، کوئی شخص قدیماً مسلمان ہوا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ کے لیے ہے، اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ ہی پر موقوف ہے، اس لیے مال کے استحقاق میں ان امور کو بنیاد نہیں بنانا چاہیے۔

جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرقِ مراتب کا لحاظ رکھتے، اسی بنیاد پر مال کی تقسیم کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ عطا فرماتے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کم، حالانکہ دونوں ازواج مطہرات میں سے تھیں! اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے کہ بیٹی! تمہاری نسبت عائشہ کو اس لیے زیادہ دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ تم سے زیادہ چہیتی تھیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے باپ (عمر) کی بہ نسبت عائشہ کے باپ (ابوبکر) سے زیادہ تعلق خاطر تھا!!!

اسی طرح حضرت عمر اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کی بہ نسبت حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا حصہ زیادہ لگایا کرتے تھے اور ابن عمر سے فرمایا کرتے کہ اسامہ کو تم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ نبی علیہ السلام کو تمہاری نسبت اسامہ سے زیادہ تعلق تھا اور تمہارے والد سے زیادہ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں پسندیدہ تھے(۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٦٩، ومرقاة المفاتيح: ٨/١٠٤، وبداية المجتهد: ١/٤٠٣.

(۲) مرقاة المفاتيح: ٨/١٠٤، وانظر للاستزادة: المصنف لابن أبي شيبة: ١٧/٤٧٢-٤٧٦، كتاب السير، ماقالوا في الفروض وتدوين الدواوين، رقم (٣٣٥٣٩)، والسنن الكبرى للبيهقي: ٦/٣٤٩-٣٥١، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب التفضيل على السابقة والنسب، رقم (١٢٩٩٢-١٢٩٩٨)، وكشف الأستار: ٢/٢٩٢-٢٩٥، كتاب الجهاد، باب قسمة الأموال وتدوين العطاء، رقم (١٧٣٦)، وقصة أسامة بن زيد أخرجه الترمذي أيضاً، كتاب المناقب، باب مناقب زيد بن حارثة، رضي الله عنه، رقم (٢٨١٣).

❸ مذہب حنفیہ اس مسئلے میں یہ ہے کہ یہ معاملہ امام کے سپرد ہے کہ جس طرح چاہے اور جسے چاہے، دے یا نہ دے، مساوات اختیار کرے یا تفضیل، اس میں امام مختار ہے(۱)۔

یہی ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے(۲)۔

فيء میں سے خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟

قرآن کریم کی آیت ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه......﴾ کی رو سے غنیمت سے خمس نکالا جاتا ہے، لیکن فيء میں بھی خمس ہے یا نہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور فقہاء کی رائے سے ہٹ کر یہ قول اختیار کیا ہے کہ فيء میں بھی خمس ہے، یہ مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا ہے نہ بعد کے ادوار میں کسی تابعی وغیرہ کا، اس لیے اس قول کو ان کا تفرد کہا جائے گا، امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انفرد الشافعي بقوله: إن في الفيء الخمسَ كخمس الغنيمة، ولا يحفظ ذلك عن أحد من الصحابة ولا من بعدهم......"(۳).

۲۹۹۴ : وَقالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسٍ(٤) : أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، فَقَالَ : (انْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ) . فَكانَ أَكْثَرَ مالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ ، إِذْ جاءَهُ الْعَبَّاسُ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، أَعْطِنِي إِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلاً . قالَ : (خُذْ) . فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّه ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ ، فَقَالَ : مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ . قالَ : (لَا) . قالَ : فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ ، قالَ : (لَا) . فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَرْفَعْهُ ، فَقَالَ : فَمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ ، قالَ : (لَا) . قالَ : فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ ، قالَ : (لَا) . فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ احْتَمَلَهُ عَلَى كاهِلِهِ ، ثُمَّ انْطَلَقَ ، فَمَا زَالَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا ، عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ ، فَما قامَ

(۱) شرح ابن بطال: ٥/٣٤٠، وفتح الباري: ٦/٢٦٩، ومرقاة المفاتيح: ٨/٩٨.

(۲) المغني لابن قدامة: ٦/٣٢٠-٣٢١، كتاب الوديعة، باب قسمة الفيء ......، فصل، رقم (٥٠٩٢).

(۳) فتح الباري: ٦/٢٦٩، ومرقاة المفاتيح: ٨/٩٨، وبداية المجتهد: ١/٤٠٣، والجوهر النقي: ٦/٢٩٤، باب الخمس في الفيء......، والمغني: ٦/٣١٣، وشرح ابن بطال: ٥/٢٥١، وإعلاء السنن: ١٢/٨٧.

(٤) مر هذا التعليق بهذا الإسناد في الصلاة، باب القسمة وتعليق ......، وذكر هناك من وصله.

رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ . [ر : ٤١١]

تراجم رجال

۱- ابراهيم بن طهمان

یہ امام ابراہیم بن طہمان خراسانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

۲- عبدالعزيز بن صهيب

یہ عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب حب الرسول......" کے تحت گزر چکے(۲)۔

۳- انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" کے تحت گزر چکا(۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، کی مناسبت ترجمۃ الباب کے تیسرے جزء کے ساتھ واضح ہے کہ ترجمہ میں یہ سوال مذکور تھا کہ فیء وجزیہ کا مستحق کون ہوگا؟ جس کا جواب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے ذریعے دیا کہ ان میں تمام مسلمانوں کا حق ہے، اس معاملے میں فقیر وغنی کی کوئی تخصیص نہیں، اگر ہوتی تو حضرت عباس کو مال فیء سے کچھ بھی نہ ملتا کہ وہ غنی تھے(۴)۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من اغتسل عريانا وحده.

(۲) كشف الباري: ۲/۱۲.

(۳) كشف الباري: ۲/٤.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٦٩.

٥ - باب : إِثْمِ مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا بِغَيْرِ جُرْمٍ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی آدمی اگر ذمی یا معاہد کو قتل کرے گا اور بلا کسی جرم وحق کے اس قتل کا ارتکاب کرے گا تو وہ بڑا سخت گنہگار ہوگا اور اس کا یہ فعل کہ ذمی کو قتل کرے، کسی طور پر قابلِ قبول نہ ہوگا۔

ایک اہم فائدہ

ترجمۃ الباب کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ ترجمہ مقید لاتے ہیں اور روایت مطلق، مقصد یہ ہوتا ہے کہ روایت میں ترجمہ کی قید ملحوظ ہے، روایت کا اطلاق مراد نہیں (١)۔

اسی عادت کے موافق مصنف علیہ الرحمۃ نے اس ترجمے کو بھی مقید ذکر کیا، جب کہ روایت مطلق ہے کہ اس میں "بغیر جرم" کی قید موجود نہیں، لیکن چوں کہ قواعد شرع سے یہ امر ثابت ہے کہ جرم کی بنیاد پر تو مسلمان کو قتل کرنا بھی جائز ہے، چناں چہ ذمی کا قتل بھی جائز ہوگا، اسی لیے حدیثِ باب کے الفاظ "من قتل معاهدا لم یرح......" میں بغیر جرم یا بغیر حق کی قید بہر حال ملحوظ ہوگی کہ گنہگار اسی صورت میں ہوگا کہ قتل ناحق ہو (٢)۔

اس کے علاوہ یہی روایت ابو معاویہ عن الحسن بن عمرو عن مجاہد کے طریق سے بھی مروی ہے، اس میں "بغیرِ حق" کی تصریح ہے (٣)۔

نیز حدیث باب کی مزید توضیح اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے: "من قتل معاهداً في غير كنهه، حرم الله عليه الجنة ......" (٤). کہ "جس نے کسی ذمی کو بغیر حق کے قتل کیا، اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیں گے......"۔

---

(١) كشف الباري: ١/١٧٥.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٧٠.

(٣) السنن الكبرى للإمام البيهقي: ٨/١٣٣، كتاب القسامة، باب إثم من قتل ذميا بغير جرم......، رقم (١٦٤٨٢)، والمصنف لابن أبي شيبة: ١٤/٣١٤، كتاب الديات، في قتل المعاهد، رقم (٢٨٥٢٦).

(٤) الحديث أخرجه أبوداود، كتاب الجهاد، باب في الوفاء للمعاهد وحرمة ذمته، رقم (٢٧٦٠)، والنسائي، =

٢٩٩٥ : حدّثنا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ : حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ ، عَنْ عَبْدِ ٱللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمَا(١) : عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الجَنةِ ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عامًا) . [٦٥١٦]

تراجمِ رجال

١- قيس بن حفص

یہ قیس بن حفص ابومحمد دارمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، "باب ﴿وما أوتيم من العلم......﴾" کے تحت گزر چکے (٢)۔

٢- عبدالواحد

یہ ابوبشر عبدالواحد بن زیاد بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب الجهاد من الإیمان" کے تحت گزر چکا (٣)۔

٣- الحسن بن عمرو

یہ مشہور محدث حضرت حسن بن عمرو فُقیمی تمیمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (٤)۔

یہ حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، حکم بن عتیبہ، ابوالزبیر، منذر الثوری، محارب بن دثار، ابراہیم نخعی اور اپنے بھائی فضیل بن عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں امام سفیان ثوری، عبداللہ بن المبارک، حسن بن صالح،

=كتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، رقم (٤٧٥١، ٤٧٥٢).

(١) قوله: "عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الديات، باب إثم من قتل ذميا بغير جرم، رقم (٦٩١٤)، والنسائي، كتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، رقم (٤٧٥٤)، وابن ماجه، كتاب الديات، باب من قتل معاهدا، رقم (٢٦٨٦).

(٢) كشف الباري: ٥٢٦/٤.

(٣) كشف الباري: ٣٠١/٢.

(٤) تهذيب الكمال: ٢٨٣/٦، وتهذيب التهذيب: ٣١٠/٢، والتاريخ الكبير: ٢٩٨/٢، رقم (٢٥٣٥).

حفص بن غیاث، عبدالواحد بن زیاد، ابومعاویہ، ابوبکر بن عیاش، محمد بن فضیل اور ان کے بھتیجے عمرو بن عبدالغفار بن عمرو رحمہم اللہ وغیرہ جیسے اساطین علم شامل ہیں(۱)۔

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید الانصاری سے دریافت کیا کہ حسن بن عبیداللہ اور حسن بن عمرو میں سے آپ کے نزدیک کون محبوب وپسندیدہ ہیں؟ فرمایا دونوں میں حسن بن عمرو زیادہ ثبت ہیں "الحسن بن عمرو أثبتهما"(۲).

امام ابوبکر بن اثرم امام احمد رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حسن بن عمرو کے بارے میں فرمایا، "ثقة"(۳).

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة، حجة"(٤).

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا بأس به، صالح"(٥).

نیز علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر، امام ابن حبان، امام نسائی اور علامہ عجلی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی ان کی توثیق کی ہے(٦)۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے انہی حسن بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ ان کے والد عمرو ان کو لے کر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت یہ بہت چھوٹے تھے اور قرآنِ کریم پڑھ چکے تھے، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان کی قرآن دانی کو دیکھا تو ان کے والد سے فرمایا: "تعلم من مثل هذا القرآن"(۷) کہ "ان جیسے سے تم بھی قرآن کریم سیکھ لو!"۔

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ٦/٢٨٣-٢٨٤.

(۲) حوالہ بالا: ٦/٢٨٤، والجرح التعديل: ٣/٢٩، رقم (١٠٧).

(۳) حوالہ جات بالا۔

(٤) تهذيب الكمال: ٦/٢٨٥، والجرح والتعديل: ٣/٢٩، رقم (١٠٧).

(٥) حوالہ جات بالا۔

(٦) الكاشف للذهبي: ١/٣٢٨، والتقريب لابن حجر: ١/٢٠٧، رقم (١٢٧١)، وتهذيب التهذيب: ٢/٣١٠، وتعليقات تهذيب الكمال: ٦/٢٨٥.

(٧) الطبقات لابن سعد: ٦/٣٤١، وتهذيب الكمال: ٦/٢٨٥.

حسن بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وفات کے وقت یہ وصیت کر گئے تھے کہ ان کے کپڑے مجھے دیے جائیں (۱)۔

یہ عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے اوائل خلافت میں ۱۴۲ھ کو بمقام کوفہ انتقال کر گئے (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایات لی ہیں (۳)۔

نیز صحیح بخاری میں ان کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے، ایک تو حدیثِ باب میں، جو اس طریق سے کتاب الدیات (۴) میں بھی آئی ہے، دوسرے کتاب الادب (۵) میں (۶)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

٤– مجاهد

یہ شیخ القراء حضرت مجاہد بن جبر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت آچکا ہے (۷)۔

٥– عبدالله بن عمرو

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون......" کے تحت گزر چکے (۸)۔

سند حدیث سے متعلق ایک اہم بحث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اس حدیث کی سند کے حوالے سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث منقطع

---

(۱) الطبقات الكبرى: ٦/٣٤١.

(۲) حوالہ بالا، وتهذيب الكمال: ٦/٢٨٥.

(۳) تهذيب الكمال: ٦/٢٨٥.

(٤) صحيح بخاري، كتاب الديات، باب إثم من قتل ذميا......، رقم (٦٩١٤).

(٥) انظر صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ليس الواصل بالمكافي، رقم (٥٩٩١).

(٦) فتح الباري: ٦/٢٧٠، وعمدة القاري: ١٥/٨٨.

(٧) كشف الباري: ٣/٣٠٧.

(٨) كشف الباري: ١/٦٧٩.

ہے، کیوں کہ حضرت مجاہد کا سماع حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں، چناں چہ علامہ بردیجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "المتصل والمرسل" میں لکھتے ہیں:

"مجاهد عن ابن عمرو، ولم يسمع منه"(۱).

اس کے علاوہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طریق کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مروان بن معاوية عن الحسن بن عمرو عن مجاهد عن جنادة بن أبي أمية عن عبدالله بن عمرو"(۲) کا طریق ہی زیادہ صحیح ہے کہ اس میں حضرت مجاہد اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک واسطے یعنی جنادہ کا اضافہ ہے، جس سے انقطاع ختم ہو جائے گا(۳)۔

لیکن ان حضرات کی یہ بات بوجوہ صحیح نہیں:

❶ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، نیز وہ مدلس بھی نہیں کہ ان پر تدلیس کا الزام دھرا جائے۔

❷ دونوں طرق میں تطبیق بھی ممکن ہے کہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اولاً جنادہ سے سنی ہو، پھر جب ان کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہوئی، تو ان سے بھی سن لی ہو یا دونوں نے ایک ساتھ حضرت عبداللہ سے سماع کیا ہو، بعد ازیں حضرت مجاہد جب اس روایت کو بیان کرنے لگے تو کبھی حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کی، کبھی جنادہ سے(۴)۔

❸ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان اگرچہ عبدالواحد کے مقابلے میں اثبت ہیں اور انہوں نے سند میں ایک راوی کا اضافہ بھی نقل کیا ہے، لیکن عبدالواحد کے متابع موجود ہیں، چناں چہ ان کی متابعت

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۸۸.

(۲) أخرجه النسائي في الصغرى، كتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، رقم (٤٧٥٤)، والكبرى: ٤/٢٢١، كتاب القسامة، تعظيم قتل المعاهد، رقم (٦٩٥٢)، وكتاب السير: ٥/٢٢٥ ......، رقم (٨٧٤٢)، وأحمد في مسنده: ٢/٦٤٦، مسند عبدالله بن عمرو ......، رقم (٦٧٤٥)، والبيهقي في الكبرى: ٨/١٣٣، رقم (١٢٤٨٣)، و: ٩/٢٠٥، رقم (١٨٧٣٣).

(۳) هدي الساري: ٥٢٦، وعمدة القاري: ١٥/٨٨، وأيضاً انظر تحفة الأشراف: ٦/٢٨٥، و٣٧٧.

(٤) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٧٠، وتعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف: ١٤/٣١٤.

ابومعاویہ نے کی ہے، ابن ماجہ نے اس کو اپنے طریق سے روایت کیا ہے(۱)۔ اسی طرح عمرو بن عبد الغفار فقیمی بھی ان کی متابعت کرتے ہیں، جس کو امام اسماعیلی نے نقل کیا ہے تو بظاہر عبد الواحد کی روایت ارجح ہے(۲)۔

اصیلی کا ایک تسامح

صحیح بخاری کے تمام نسخوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حدیثِ باب ''مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما'' میں سے ہے، لیکن اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے "الجرجاني عن الفربري" کے طریق سے "عبدالله بن عُمر" (بضم العین، بغیر واو) نقل کیا ہے، جو کہ تصحیف ہے اور اس کی نشاندہی جیانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے(۳)۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة".

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس کسی نے کسی ذمی کو قتل کیا، تو وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

''یرح'' کے معنی اور ضبط

یہاں فعل "یرح" لم جازمہ کی وجہ سے مجزوم ہے، اس کے ضبط میں تین اقوال ہیں:

❶ ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راحه یَراحه روحا سے ہے۔

❷ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ أراحه یُریحه إراحة سے ہے، مزید فرماتے ہیں کہ پہلا ضبط بہتر ہے اور یہی اکثر کا قول ہے۔

❸ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راحه یَرِیحه سے ہے۔

اور تینوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں، علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی بُو پانے کے ہیں، "راح الشيء يراحه ويريحه: إذا وجد ريحه"(٤).

---

(١) رواه ابن ماجه في كتاب الديات، باب من قتل معاهدا، رقم (٢٦٨٦).

(٢) هدي الساري: ٥٢٦، وفتح الباري: ٦/٢٧٠.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٧٠، وعمدة القاري: ١٥/٨٨.

(٤) حوالہ جات بالا، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٥، وشرح ابن بطال: ٨/٥٦٤، وشرح الكرماني: ١٣/١٣٢، والصحاح للجوهري: ٤٣٦، مادة: "روح".

وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين عاما

اور جنت کی خوش بوتو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔

حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ جنت جس کی خوش بو اتنی تیز ہے کہ اگر کوئی شخص جنت سے چالیس سال کی مسافت وفاصلے پر ہوتو وہ بھی اس کی خوشبو محسوس کر سکتا ہے، لیکن ذمی کے قتل کی یہ سزا ہے کہ قاتل اتنی مسافت سے محسوس کی جانے والی خوشبو سے بھی محروم رہے گا، دخولِ جنت تو دور کی بات ہے۔ مقصود وعید ہے کہ اول وہلہ میں جنت میں داخل ہونے والوں کے ساتھ یہ داخل نہ ہو سکے گا، اپنی سزا بھگتنے کے بعد ہی داخل ہوگا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص کے تحت معاف فرمادیں۔ بہر حال ذمی کے قتل سے پرہیز ضروری ہے اور یہ بغیر کسی حق کے کسی طور پر جائز نہیں (۱)۔

یا حدیثِ باب میں بیان کردہ سزا مستحل کی ہے، یعنی جو کسی ذمی کو بغیر کسی حق کے قتل کرنا حلال سمجھے، اس کی یہ سزا ہوگی۔

حدیث میں مذکور عدد میں رواۃ کا اختلاف اور ان اعداد کی توجیہ

جنت کی خوش بو کتنی مسافت وفاصلے سے محسوس ہوگی، اس میں روایات مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں اکثر رواۃ نے "أربعين عاما" نقل کیا ہے، جب کہ عمرو بن عبدالغفار کی روایت، جس کی تخریج اسماعیلی نے کی ہے، میں "سبعين" کا لفظ وارد ہے، حضرت ابوہریرہ (۲) اور حضرت ابوبکرہ (۳)

---

(۱) شرح ابن بطال: ۳٤۱/۵، وعمدة القاري: ۸۹/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۵/۵.

(۲) انظر الجامع للترمذي، كتاب الديات، باب فيمن يقاتل نفسا......، رقم (۱٤۰۳)، ومسند أبي يعلى: ٤٦۷/۵، مسند أبي هريرة، رقم (٦٤۲۱)، والمستدرك: ۱۳۸/۲، كتاب الجهاد، رقم (۲۵۸۱)، وشرح السنه: ۳۷٦/۵، كتاب القصاص، باب إثم من قتل معاهدا، وجامع الأصول: ٦۵۱/۲، كتاب الجهاد، رقم (۱۱۳۸)، وجمع الجوامع: ۳۱۰/۳، حرف الهمزة، رقم (۹۰٤۱).

(۳) شرح السنة: ۳۷٦/۵، كتاب القصاص، رقم (۲۵۱٦)، ومسند الإمام البزار: ۱۰۲/۹، حديث أبي بكرة، رقم (۳٦٤۰)، ومسند أحمد، رقم (۲۰۷٤۳)، و(۲۰۷۸۹)، مسند أبي بكرة نفيع، وموارد الظمآن ۳٦۸، رقم (۱۵۳۰-۱۵۳۱)، والمستدرك: ۱۳۷/۲، رقم (۲۵۷۹)، وسنن البيهقي الكبرى: ۲۲۹/۸-۲۳۰، رقم (۱٦٤۸٤).

رضی اللہ عنہما کی احادیث میں بھی "سبعین" کا لفظ آیا ہے اور موطا و مسلم شریف (۱) کی روایت، جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، میں خمسمائة سنة یعنی پانچ سو سال کا عدد مذکور ہے۔

اس اختلافِ عدد کی مشہور توجیہ وہی ہے جو محدثین وشراح اس طرح کے مقامات میں ذکر کیا کرتے ہیں کہ حدیث کی مراد بعد مسافت ہے کہ جنت کی خوشبو بہت دور سے ...... محسوس کی جائے گی، چناں چہ اس بُعد مسافت کو مختلف اعداد سے تعبیر کیا گیا، کبھی چالیس، کبھی ستر اور کبھی پانچ سو سال کا ذکر کیا گیا (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، ترجمہ کسی ذمی کو بغیر کسی حق کے قتل کی شناعت کے بیان میں تھا، حدیث میں بھی اس جرم کی سزا بیان کی گئی ہے کہ اس جرم کے مرتکب کو سخت سزا ہوگی (۳)۔

اسی سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ذمی کے بھی کس قدر حقوق ہیں کہ ایک مسلمان کو اس امر سے ڈرایا جارہا ہے کہ اس کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔

٦ - باب : إِخْرَاجِ الْيَهُودِ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تو یہاں ظاہر ہے، یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کو جزیرہ عرب میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے، ان کو وہاں سے نکالا جائے گا (۴)۔

---

(۱) الحديث أخرجه مسلم في كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات، رقم (٥٥٨٢)، و(٧١٩٤)، إلا أن العدد المعين غير مذكور فيه، ومالك في المؤطأ: ٩١٣/٢، كتاب اللباس، باب مايكره للنساء لبسه من الثياب، رقم (٧).

(٢) الأوجز: ١٧١/١٦.

(٣) عمدة القاري: ٨٨/١٥.

(٤) عمدة القاري: ٨٩/١٥.

جزیرۂ عرب کی تعریف اور وہاں اقامت کفار کا حکم

جزیرہ عرب کے اندر کسی بھی کافر کو وطن بنانے اور اقامت اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، البتہ ان کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حکم کا اطلاق کن کن علاقوں یا شہروں پر ہوتا ہے؟

چناں چہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حکم، کہ کفار جزیرۂ عرب میں اقامت اختیار نہیں کر سکتے، حجاز (۱) کے ساتھ خاص ہے، جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، خیبر، ینبع، فدک، یمامہ اور ان کے آس پاس کے، جو علاقے ہیں، وہ سب داخل ہیں (۲)۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ حکم پورے جزیرۂ عرب کو شامل ہے، یعنی اقصائے عدن ابین سے لے کر عراق کے دیہاتوں تک طولاً اور جدہ ومضافات سے لے کر شام کے اطراف تک عرضاً، قاله الأصمعي رحمه الله (۳)۔

ایک اہم تنبیہ

یہاں یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ کفار کو جو اقامت کی ممانعت ہے، وہ تین دن سے اکثر مدت کے لیے ہے، اگر تین دن سے کم مدت کے لیے اقامت اختیار کریں، مثلاً تجارت وغیرہ کی غرض سے رہیں تو اجازت ہوگی، لیکن حاکم وقت کی اجازت ضروری ہوگی۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس رعایت سے مکہ مکرمہ اور اس کا حرم مستثنی ہے، مکہ مکرمہ میں کسی کافر کو داخل ہونے کی اجازت ہے، نہ ہی داخل کرنے کی، اگر کوئی وہاں خفیہ طور پر داخل ہو بھی گیا تو اسے نکالا جائے گا، اسی دوران اگر مر گیا، تدفین بھی ہوگئی، لیکن بعد میں معلوم ہوا تو اس کی قبر کو کھول کر اس کی لاش (بشرطیکہ خراب نہ ہوئی ہو) حرم سے باہر پھینک دی جائے گی، چناں چہ یہ حرم کی خصوصیت ہے کہ وہاں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکتا (۴)۔

---

(۱) "وإنما سمي حجازا؛ لأنه حجز بين تهامة ونجد". انظر المغني: ۹/۲۸۶، وإعلاء السنن: ۱۲/۵۲۳.

(۲) المغني: ۹/۲۸۵، والأوجز: ۱۵/۶۴۹، وشرح النووي على مسلم: ۲/۱۵، أول كتاب المساقاة.....

(۳) فتح القدير: ۵/۳۰۱، والأوجز: ۱۵/۶۵۵، والمغني: ۹/۲۸۵، رقم (۷۶۶۹).

(۴) فتح الباري: ۶/۱۷۱، رقم (۳۰۵۳)، والدر المختار: ۳/۳۰۱، كتاب الجهاد، فصل في "الجزية"، =

فریقین کے دلائل

مذکورہ بالا مسئلے میں فریقین ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں مشرکین، یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا حکم ہے، مثلاً: "أخرجوا المشركين من جزيرة العرب"(١) یا "لا يجتمع دينان في جزيرة العرب"(٢) وغيرهما من الروايات.

البتہ جزیرۂ عرب کے اطلاق میں چونکہ ان حضرات کا اختلاف ہے، امام شافعی واحمد رحمہما اللہ اس کو حجاز کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اس لیے یہ حضراتِ ائمہ مذکورہ بالا احادیث کے کلمات "جزيرة العرب" پر "العام أريد به الخاص" کا اطلاق کرتے ہوئے اس سے ''حجاز'' مراد لیتے ہیں (٣)۔

نیز ایک روایت میں ''جزیرۃ العرب'' کی بجائے ''الحجاز'' وارد ہوا ہے، چناں چہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل جو سب سے آخری کلام فرمایا تھا، وہ یہ تھا، "أخرجوا اليهود من الحجاز"(٤).

= والأوجز: ١٥/٦٥٠، والمغني: ٩/٢٨٦، وحاشية الدسوقي مع الشرح الكبير للدردير: ٢/٥١٩-٥٢٠، فصل عقد الجزية.

(١) الحديث أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، وفي مواضع من صحيحه، ومسلم في صحيحه، كتاب الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء ......، رقم (٤٢٠١)، ولم يخرجه غير الشيخين، من رواية ابن عباس رضي الله عنهما.

(٢) انظر المؤطأ للإمام مالك بن أنس: ٢/٨٩٢-٨٩٣، كتاب الجامع، باب في إجلاء اليهود من المدينة، رقم (١٧-١٩)، وابن أبي شيبة: ١٧/٥١٥، رقم (٣٣٦٦٣)، وأيضاً برقم (٢٩٦١٧).

(٣) شرح الكرماني: ١٣/١٣٢، وعمدة القاري: ١٥/٨٩.

(٤) الحديث أخرجه ابن أبي شيبة: ١٧/٥١٥، كتاب السير، لا يجتمع اليهود والنصارى ......، رقم (٣٣٦٦٢)، وابن أبي عاصم، الآحاد والمثاني: ٤٠، رقم الترجمة (١٠)، وأحمد في مسنده: ١/٥٢٠، و٥٢٣، مسند أبي عبيدة بن الجراح ......، رقم (١٦٩١)، وأيضاً (١٦٩٩)، والطيالسي في مسنده: ١/١٢٣، رقم (٢٢٦)، والحميدي في مسنده: ١/٤٦، رقم (٨٥)، والبخاري في التاريخ الكبير: ٤/٥٧، رقم (١٩٥٠)، باب السين، والدارمي في سننه: ٢/٣٠٥-٣٠٦، كتاب الجهاد، باب إخراج المشركين ......، =

جب کہ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ ان تمام روایات کو اپنے عموم پر محمول کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم پورے جزیرۂ عرب کو شامل ہے، جس میں عراق، شام، جدہ اور عدن وغیرہ سب داخل ہیں (۱)۔

ائمہ حنفیہ ومالکیہ کا استدلال بھی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی روایتِ مذکورہ بالا سے ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: "وأخرجوا أهل نجران من جزيرة العرب" (۲) چناں چہ اسی فرمان نبوی پر عمل کرتے ہوئے بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اہلِ نجران کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ احناف کی مذکورہ بالا دلیل کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ نجران کو اس لیے نہیں نکالا تھا کہ وہ جزیرۂ عرب کے اندر رہتے تھے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کے ساتھ نبی علیہ السلام نے صلح اس شرط پر کی تھی کہ وہ سودی لین دین نہیں کریں گے، لیکن جب انہوں نے مذکورہ بالا وعدہ نہیں نبھایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے نقضِ عہد کو دیکھتے ہوئے نجران سے ان کو نکال دیا (۳)۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ بظاہر درست نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ فعل نبی علیہ السلام کی وصیت کی تنفیذ کے لیے تھا، چناں چہ امام مالک رحمہ اللہ کا

= رقم (۲٤۹۸)، وأبو يعلى في مسنده: ۱/۳۵۹، رقم (۸٦۹)، والبيهقي في الكبرى: ۹/۳۵۰، كتاب الجزية، باب لايسكن الحجاز......، رقم (۱۸۷٤۹).

(۱) وفي الدر المختار: "ويمنعون من استيطان مكة والمدينة؛ لأنهما من أرض العرب، وقال عليه السلام: "لايجتمع في أرض العرب دينان" قال ابن عابدين رحمه الله: "قوله: "لأنهما من أرض العرب" أفاد أن الحكم غير مقصور على مكة والمدينة؛ بل جزيرة العرب كلها كذلك" الفتاوى الشامية: ۳/۳۰۱، مع الدر، فصل في الجزية، من كتاب الجهاد، وأيضاً انظر فتح القدير: ۵/۳۰۱، والهداية: ٤/۲۹٦-۲۹۷.

(۲) ابن أبي شيبه في مصنفه: ۱۷/۵۱۵، كتاب السير، رقم (۳۳٦٦۲)، والدارمي في سننه: ۲/۳۰٦، رقم (۲٤۹۸)، وابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني: ٤۰، وأحمد في المسند: ۱/۵۲۰، رقم (۱٦۹۱)، والبيهقي في الكبرى: ۹/۳۵۰، رقم (۱۸۷٤۹)، وأبو يعلى في مسنده: ۱/۳۵۹، رقم (۸٦۹).

(۳) المغني: ۹/۲۸٦.

موطا میں کلام، علامہ سرخسی کی تصریح اور علامہ ابوعبید کا قول اسی پر دلالت کرتا ہے(۱) اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، علامہ بلاذری حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في مرضه: "لايبقين دينان في أرض العرب" فلما استخلف عمر بن الخطاب رضي الله عنه أجلى أهل نجران إلى النجرانية، واشترى عقاراتهم وأموالهم"(۲).

اس لیے راجح یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ نجران کو جلاوطن جو کیا تھا، اس کی وجہ یہی وصیت تھی، اس کے ساتھ ساتھ ان کی سودخوری کا معاملہ بھی تھا، نیز انہوں نے سامانِ جنگ یعنی گھوڑے اور اسلحے بھی تیار کرر کھے تھے، جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے مختلف خدشات واندیشے لاحق ہوئے کہ یہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں، انہی خدشات کے پیش نظر انہوں نے اہلِ نجران کو یمن سے نکال کر نجران عراق کی طرف منتقل کردیا(۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے خاص

امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس مسئلے کے بارے میں یہ ہے کہ مذکورہ حکم جزیرہ عرب ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جو علاقہ بھی مسلمانوں کا ہوگا، وہاں ان کا غلبہ ہوگا، ایسے علاقے میں کسی مشرک کو

---

(۱) انظر الموطأ: ۸۹۳/۲، كتاب الجامع، باب في إجلاء اليهود من المدينة، رقم (۱۹).

(۲) فتوح البلدان ۷۷-۷۸، صلح نجران.

خود حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اپنا عمل بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ خلیفہ بنے تو انہوں نے اہل ذمہ کو مدینہ منورہ سے نکال باہر کیا اور ان کے غلام وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کروادیے۔ دیکھیے، المصنف: ۵۱٦/۱۷، رقم (۳۳٦٦۵).

(۳) إعلاء السنن: ۵۲٤/۱۲. قال صاحب البدائع: انظر البدائع: ۱۱٤/۷، كتاب السير، قبيل فصل في أحكام الغنائم......

"وأما أرض العرب فلا يترك فيها كنيسة ولا بيعة، ولا يباع فيها الخمر والخنزير، مصرا كان أو قرية أو ماءً من مياه العرب، ويمنع المشركون أن يتخذوا أرض العرب مسكنا ووطنا، كذا ذكره محمد؛ تفضيلا لأرض العرب على غيرها، وتطهيرا لها عن الدين الباطل. قال عليه السلام: "لا يجتمع دينان في جزيرة العرب".

ٹھہرنے، سکونت اختیار کرنے اور وطن بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، خواہ وہ مسلمانوں کا مفتوحہ علاقہ ہو، یا وہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں، بشرطیکہ مسلمانوں کو ان مشرکین کی ضرورت واحتیاج نہ ہو یا امام مسلمین نے ان سے شرائط صلح طے کرتے ہوئے یہ وعدہ نہ کیا ہو کہ ان کو اپنے علاقے سے نہیں نکالا جائے گا، چناں چہ اگر ایسی کوئی شرط فریقین میں طے نہ پائی ہو تو مشرکین کو بہر حال نکالنا امام وقت پر واجب ہوگا......۔

علامہ ابن بطالؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال الطبري: فيه من الفقه أن النبي صلى الله عليه وسلم بيَّن لأئمة المؤمنين إخراج كل من دان بغير دين الإسلام من كل بلدة للمسلمين؛ سواء كانت تلك البلدة من البلاد التي أسلم عليها أهلها، أومن بلاد العنوة، إذا لم يكن بالمسلمين ضرورة إليهم، ولم يكن الإسلام يومئذٍ ظهر في غير جزيرة العرب ظهورَ قهر، فبان بذلك أن سبيل كل بلدة قهر فيها المسلمون أهل الكفر، ولم يكن تقدم قبل ذلك من إمام المسلمين لهم عقد صلح على إقرارهم فيها أن على الإمام إخراجَهم منها، ومنعَهم القرارَ بها......"(۱).

البتہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قول میں متفرد معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس پر عمل کیا گیا ہوتا تو آج بہت سے علاقے ایسے ہوتے کہ وہاں سے کفر کا بالکلیہ خاتمہ ہو چکا ہوتا اور یہ جو سابقہ وموجودہ مسلم ریاستوں میں غیروں کا تسلط ہے، یہ نہ ہوتا۔

حرم مکی ودیگر مساجد میں کفار کا داخلہ

اوپر کی سطروں میں جو مسئلہ بیان کیا گیا وہ کفار ومشرکین کا جزیرۂ عرب میں اقامت اختیار کرنے سے متعلق تھا، اب یہاں ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ کفار حرم مکی، مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے، جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ کفار حرم مکی، مسجد حرام وغیرہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ البتہ یہ حضرات حرم ومسجد حرام اور دیگر مساجد کے درمیان یہ فرق بھی کرتے ہیں کہ اول الذکر

(۱) شرح ابن بطال: ۳۴۲/۵، وفتح الباري: ۲۷۲/٦، وعمدة القاري: ۹۰/۱۵.

مقامات میں تو وہ کسی طور پر داخل نہیں ہو سکتے، امام وقت پر ان کا روکنا واجب ہے، جب کہ دیگر مساجد میں وہ مسلمانوں کی اجازت و مرضی سے داخل ہو سکتے ہیں، اس کے بغیر نہیں (۱)۔

جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول جواز کا ہے کہ ان تمام مقامات میں کفار داخل ہو سکتے ہیں (۲)۔

دلائل جمہور

❶ ارشاد خداوندی ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (۳).

آیت کریمہ میں "المسجد الحرام" سے پورا حرم مراد ہے (۴)۔ اور اس سے یہی مترشح ہو رہا ہے کہ کفار کو حرم مکی اور مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک اسی پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔

❷ حضرت ابوموسیٰ اشعری ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے ہاتھ میں ایک تحریر تھی، حضرت عمر نے فرمایا کہ اپنے کاتب کو بلاؤ، تا کہ وہ اس تحریر کو پڑھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ وہ تو مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، فرمایا کیوں؟ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ وہ نصرانی ہے۔

اس واقعے سے بھی معلوم یہی ہوا کہ غیر مسلم مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، نیز یہ بھی کہ یہ بات ان کے نزدیک مشہور و معروف تھی (۵)۔

❸ مشرکین کو نجس فرمایا گیا ہے، لہٰذا ان کا داخلہ بھی مساجد میں اسی طرح ممنوع ہونا چاہیے، جس طرح کہ جنب، حائضہ و نفساء کے لیے ممنوع ہے، بلکہ نجاست مشرک تو ان نجاستوں سے بڑھ کر ہے (۶)۔

---

(۱) انظر المغني: ۲۸۷/۹، والأم: ۵٤/۱، باب ممر الجنب والمشرك ......، من كتاب الطهارة، و: ١٧٧/٤، كتاب السير، مسألة إعطاء الجزية على سكنى بلد......، والأوجز: ٦٥٠/١٥-٦٥٢.

(۲) المغني: ۲۸۷/۹، وإعلاء السنن: ٥٢٩/١٢، وأحكام القرآن: ١١٤/٣.

(۳) التوبة/٢٨.

(٤) المغني: ٢٨٦/٩، وأحكام القرآن: ٨٩/٣، والأوجز: ٦٥٠/١٥، وإعلاء السنن: ٥٢٩/١٢.

(٥) المغني: ٢٨٧/٩، والأوجز: ٦٥٢/١٥.

(٦) حواله جات بالا.

۴-تمام مساجد سے متعلق دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، انہوں نے ایک مجوسی کو دیکھا کہ وہ مسجد کے منبر پر بیٹھا ہوا تھا، اسے وہاں سے اتارا گیا اور حضرت نے اسے مارا پیٹا اور ابواب کندہ کی طرف سے اسے باہر نکال دیا(۱)۔

اس واقعے سے دخول مسجد کا مشروط ہونا معلوم ہوا کہ اجازت بہر حال ضروری ہے۔

دلائل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

❶ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد ثقیف کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا، حالانکہ وہ کفار تھے اور مساجد ساری برابر ہوتی ہیں، اس لیے مسجد حرام میں کوئی کافر داخل ہو تو ہو سکتا ہے(۲)۔

❷ نیز نبی علیہ السلام نے حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں بحالت شرک ٹھہرایا تھا(۳)۔

❸ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی قبولِ اسلام سے قبل مسجد نبوی میں صلح وغیرہ کے لیے آیا جایا کرتے تھے(۴)۔

تحقیق مذہب احناف

یہاں علماء کو بقول علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ومذہب سمجھنے میں

---

(۱) المغني: ۲۸۷/۹، والأوجز: ۶۵۱/۱۵.

(۲) عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه: "أن وفد ثقيف لما قدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم ضرب لهم قبة في المسجد، فقالوا: يا رسول الله، قوم أنجاس! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنه ليس على الأرض من أنجاس الناس شيء، إنما أنجاس الناس على أنفسهم". اللفظ للجصاص: ۱۱۵/۳، التوبة: ۲۸، وكذا انظر سنن أبي داود، كتاب الخراج......، باب ماجاء في خبر الطائف، رقم (۳۰۲۶)، ومسند أحمد: ۱٤۸/۵، حديث عثمان بن أبي العاص، رقم (۱۸۰۷٤)، ومسند أبي داود الطيالسي: ۵۰۱/۱، رقم (۹۸۱)، وما أسند عن عثمان......

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: "بعث النبي صلى الله عليه وسلم خيلا قبل نجد، فجاءت برجل من بني حنيفة، يقال له: ثمامة بن أثال، فربطوه بسارية من سواري المسجد......". انظر الصحيح للبخاري، كتاب المغازي، باب وفد بني حنيفة، وحديث ثمامة ......، رقم (٤۳۷۲).

(٤) السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ۹۶/۱/۱، وإعلاء السنن: ۵۳۰/۱۲، والأوجز: ۶۵۲/۱۵.

مغالطہ ہوا ہے، اسی بنیاد پر اکثر ناقلین مذہب نے یہ نقل کر دیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ کافر کو مسجد حرام، حرم مکی اور دیگر مساجد میں داخلے کی مطلقاً اجازت ہے(۱)۔

لیکن امام اعظم، دیگر علمائے احناف میں سے کسی کا بھی مذہب یہ نہیں ہے، بلکہ وہ اسے امام وقت اور حاکم شہر کی اجازت کے ساتھ مشروط ٹھہراتے ہیں کہ ان کی اجازت ہو تو داخل ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

دیگر علمائے مذاہب کے ساتھ احناف کا جو اختلاف ہے، اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ جمہور وجوب منع کے قائل ہیں کہ امام پر یہ لازم ہے کہ کفار کو دخول حرم وغیرہ سے روکے، جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عدم وجوب کے قائل ہیں کہ منع کرنا اور کفار کو دخول حرم سے روکنا واجب نہیں، امام وقت جس میں مصلحت سمجھے اسی کو اختیار کرے، علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اختلاف مذاہب نقل کرنے کے بعد امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل کے طور پر یہ آیت کریمہ بھی نقل کی ہے: ﴿أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين﴾(۲)۔ اس آیت سے معلوم یہی ہو رہا ہے کہ اگر کفار ہماری مساجد اور حرم وغیرہ میں داخل ہوں بھی تو ڈرے اور سہمے ہوئے داخل ہوں(۳)۔ اور خوف وفزع کی یہ کیفیت تبھی حاصل ہوگی جب وہ مسلمانوں کی اجازت سے داخل ہوں گے۔

اس تحقیق کو نقل کرنے کے بعد علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وهذا هو مذهب الحنفية في هذا الباب، ولكنهم لا يرون المنع واجباً، فلو منعهم الإمام والمسلمون عن ذلك كان حسنا، وإن أذنوا لهم فيه لحاجة فلا بأس به، هذا هو الحق الذي ظهر لي من كلام القوم“(۴).

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ”هذا هو الحق“. ان کو اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں ظاہری تعارض ہے، اس مسئلے میں ان کے دو قول ہیں، چناں چہ ان کی تصنیف ”الجامع الصغیر“ کی عبارت سے اجازت معلوم ہوتی ہے، فرماتے ہیں: ”ولا بأس

---

(۱) قال الموفق في المغني (۹/۲۸٦): "...... وقال أبوحنيفة: لهم دخوله كالحجاز كله".

(۲) البقرة: ۱۱٤.

(۳) روح المعاني: ۱/٤۹٦، سورة البقرة/۱۱٤.

(٤) إعلاء السنن: ۱۲/۵۳۱.

بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام"(١).

اس عبارت میں جواز مع الکراہیۃ کی طرف اشارہ ہے۔

جب کہ سیر کبیر (٢) کی عبارت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، اس تعارض کوختم کرنے کے لیے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی، کیونکہ ممکن حد تک رفع تعارض کے لیے جمع اور تطبیق کی صورت اختیار کرنی چاہیے (٣)۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی آیت کریمہ ﴿أولئك ما كان لهم ان يدخلوها إلا خائفين......﴾ (٤) کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کا حاصل یہ ہے کہ اگر کفار مساجد میں بغیر اجازت داخل ہو جائیں تو مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ ان کو وہاں سے نکال دیں، اگر اس طرح کا معاملہ ان کے ساتھ نہ کیا گیا تو یہ کفار مساجد میں داخل ہوتے وقت بے خوف ہوں گے اور مطلوبِ شرعی ان کو خوف زدہ کرنا ہے (٥)۔

جمہور کے دلائل کا جواب

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جمہور کی دلیل آیت کریمہ ﴿يا أيها الذين آمنوا انما المشركون نجس......﴾ کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

❶ بنوثقیف کے وفد کی آمد خدمت نبوی میں غزوہ تبوک کے بعد ہوئی، سورۂ توبہ بھی اس وقت نازل ہو چکی تھی، اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ چناں چہ ان کی نجاست باطنی جب

---

(١) إعلاء السنن: ٥٣٠/١٢، والدر المختار: ٣٠١/٣، كتاب السير، فصل في الجزية، وكتاب الحظر والإباحة: ٢٧٤/٥، فصل في البيع.

(٢) عن الزهري: "أن أبا سفيان بن حرب كان يدخل المسجد في الهدنة، وهو كافر، غير أن ذلك لايحل في المسجد الحرام، قال الله تعالىٰ: ﴿إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام﴾، انظر السير الكبير: ٩٦/١/١، باب دخول المشركين المسجد، رقم الباب (٢٧).

(٣) إعلاء السنن: ٥٣١/١٢.

(٤) البقرة: ١١٤.

(٥) أحكام القرآن للجصاص الرازي: ٦١/١، سورة البقرة، ذكر وجوه النسخ.

اس میں مانع نہ ہوئی کہ ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا جائے تو بطریقِ اولیٰ حرم اور حجاز میں ٹھہرانا ممنوع نہ ہوگا، کیوں کہ طہارت کی جو شرط ہے وہ تو دخولِ مسجد کے لیے ہے، نہ کہ دوسری جگہوں کے لیے، اس لیے جب وہ بغیر طہارت کے مسجد نبوی میں داخل ہو چکے تو دوسری جگہوں سے ان کی نجاست باطنی کو بنیاد بنا کر روکنا کیونکر ممکن ہوگا (١)۔

❷ آیت کریمہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس میں جو نہی وممانعت وارد ہوئی، ﴿فلا يقربوا المسجد الحرام﴾ اس کا تعلق مشرکین کے ایک خاص گروہ سے ہے، جن کو مکہ مکرمہ ودیگر مساجد میں داخلے کی ممانعت تھی، نہ ہی وہ ذمی بن سکتے تھے، یعنی مشرکین عرب، ان کے لیے تو صرف دو ہی صورتیں تھیں، اسلام کہ اسے قبول کریں یا تلوار کہ اس سے ان کی گردنیں ماری جائیں (٢)۔

❸ آیت کریمہ میں دخولِ مکہ سے جو ممانعت ہے، اس کا تعلق ایک خاص عمل سے ہے، یعنی حج۔ اور مطلب یہ ہے کہ اب وہ حج کے لیے نہیں آسکتے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا، جب وہ حج کے لیے گئے، کہ منیٰ میں یوم النحر کو یہ اعلان کریں، "أن لا يحج بعد العام مشرك" (٣) کہ "اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے"۔

❹ آیتِ کریمہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مشرکین اب غالب ہو کر یا مسلمانوں پر تعلی کا اظہار کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکتے (٤)۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے، ﴿أولئك ما كان لهم أن يدخلوها......﴾ (٥) چناں چہ معلوم یہ ہوا کہ اگر کفار ذمی ہوں تو وہاں داخل ہو سکتے ہیں کہ اس صورت میں وہ

---

(١) إعلاء السنن: ١٢/٥٢٨.

(٢) حوالہ بالا، وأحكام القرآن: ٣/١١٤، سورة التوبة، هل يجوز دخول المشرك المسجدَ؟

(٣) إعلاء السنن: ١٢/٥٢٨، وأحكام القرآن: ١/٨٨، سورة البقرة، الحث على نظافة البدن والثياب، وقال السرخسي في تأويل هذه الآية: "الدخول على الوجه الذي كانوا اعتادوا في الجاهلية على ماروي أنهم كانوا يطوفون بالبيت عراة، والمراد القرب من حيث التدبيرُ والقيامُ بعمارة المسجد الحرام......". شرح كتاب السير الكبير: ١/١/٩٧، رقم الباب (٢٧).

(٤) الهداية: ٧/٢٣٩، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، وعمدة القاري: ١٤/٣٠٠، رقم (٣٥٠٣)، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة......

(٥) البقرة: ١١٤.

مغلوب ومقہور ہوں گے، نہ کہ حربی کفار، الا یہ کہ امام کی اجازت سے امان لے کر داخل ہوں (۱)۔

جہاں تک جمہور کی دوسری اور چوتھی دلیل کا تعلق ہے تو حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عام مساجد میں کفار کا دخول اذن امام یا عام مسلمانوں کی اجازت سے مشروط ہے، اس لیے یہ حنفیہ کے خلاف دلیل نہیں بن سکتیں، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

رہی یہ بات کہ نجاست شرک دخول مسجد سے مانع ہے، اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے، کیوں کہ اس کا تعلق ان کے باطن اور اعتقاد سے ہے، جو مسجد کے تقدس کے لیے مضر ہے، نہ اس کی ناپاکی کا سبب ہے (۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں جانے کا حکم

فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہود کے معابد، نصاریٰ کے کلیساؤں اور ہندوؤں کے مندروں وغیرہ میں جانا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ یہ جگہیں شیاطین کا گڑھ ہیں، اس لیے ان مقامات میں جانے سے احتراز کرنا چاہیے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان مقامات میں مسلمانوں کو داخلے کا حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم (۳)

وَقالَ عُمَرُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (أُقِرُّكُمْ ما أَقَرَّكُمُ ٱللَّهُ بِهِ) . [ر : ٢٢١٣]

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے یہود سے کہا تھا کہ میں تمہیں اس وقت تک یہاں برقرار رکھوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں برقرار رکھتے ہیں۔

مذکورہ تعلیق کی تفصیل ومقصد

مذکورہ بالا کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے لیے ارشاد فرمائے تھے، خیبر کی فتح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ یہ ظاہر فرمایا تھا کہ یہود کو وہاں سے نکال دیا جائے، کیوں کہ اب علاقہ مسلمانوں کی ملکیت میں آچکا تھا، جب یہود کو آپ علیہ السلام کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کی

(۱) إعلاء السنن: ١٢/ ٥٣٠.

(٢) الهداية: ٧/٢٣٩، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، والأوجز: ١٥/ ٦٥٣.

(٣) حاشية ابن عابدين: ٥/٢٧٤، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، والفتاوى الهندية: ٥/٣٤٦، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة......

بارگاہ میں یہ گزارش ودرخواست کی کہ ان کو وہاں سے نکالا نہ جائے، اس کے بدلے میں عمل ان کی طرف سے ہوگا اور مسلمانوں کو نصف پیداوار ادا کی جائے گی، نبی علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کی اور یہ بھی واضح فرمایا کہ ہم جب تک تمہیں یہاں برقرار رکھنا چاہیں، رکھیں گے، جب چاہیں گے نکال دیں گے، یہ بات یہود نے تسلیم کرلی، معاملہ اسی پر جاری رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو وہاں سے نکال کر تیماء اور اریحاء کی طرف بھیج دیا(۱)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں مذکورہ مقصد کو ثابت ومدلل کرنے کے لیے یہ تعلیق پیش کی کہ یہود ودیگر کفار کو جزیرۂ عرب سے نکالا جائے گا، ان کو وہاں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے موصولاً اپنی "صحیح" میں کتاب الحرث...... میں ذکر کیا ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کا انطباق

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ اخراج یہود کا تھا اور تعلیق کا تعلق بھی اسی سے ہے، اوپر ذکر کردہ تفصیل اس کو بخوبی واضح کررہی ہے۔

٢٩٩٦ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(٣) قالَ : بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ ، خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (ٱنْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ) . فَخَرَجْنَا حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ ، فَقَالَ : (أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا ، وَٱعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلهِ وَرَسُولِهِ ، وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْأَرْضِ ، فَمَنْ يَجِدْ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ ، وَإِلَّا فَٱعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلهِ وَرَسُولِهِ) . [٦٥٤٥ ، ٦٩١٦]

---

(١) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الحرث، باب إذا قال رب الأرض: أقرك ما أقرك الله، ...... رقم (٢٣٣٨).

(٢) حوالہ بالا، وكذا وصله مسلم في صحيحه، كتاب المساقاة، باب المساقاة ......، رقم (٣٩٦٧).

(٣) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الاعتصام......، باب قوله تعالى: ﴿وكان الإنسان أكثر شيء جدلا﴾ رقم (٧٣٤٨)، وكتاب الإكراه، باب في بيع المكره ونحوه ......، رقم (٦٩٤٤)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب إجلاء اليهود من الحجاز، رقم (٤٥٩١)، وأبوداود، كتاب =

تراجم رجال

۱ – عبدالله بن يوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲ – الليث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں آچکا ہے(۲)۔

۳ – سعيد المقبرى

یہ ابوسعد سعید بن کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب الدين يسر......" کے تحت بیان کیے جاچکے ہیں(۳)۔

٤ – أبيه

یہاں "اب" سے مراد سعید المقبری کے والد ابوسعید کیسان بن سعید المقبری رحمہ اللہ ہیں(۴)۔

٥ – ابوهريره رضي الله عنه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" میں گزر چکے(۵)۔

قال: بينما نحن في المسجد خرج النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: انطلقوا

= الخراج......، باب كيف كان إخراج اليهود، ......؟ رقم (٣٠٠٣).

(١) كشف الباري: ٢٨٩/١.

(٢) كشف الباري: ٣٢٤/١.

(٣) كشف الباري: ٣٣٦/٢.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم ......

(٥) كشف الباري: ٦٥٩/١.

إلى يهود

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے نکلے اور فرمایا، یہود کی طرف چلو۔

حدیث میں یہود سے کون لوگ مراد ہیں؟

اوپر حدیث میں یہ آیا ہے کہ "انطلقوا إلى يهود" اب سوال یہ ہے کہ اس سے یہود کا کون سا قبیلہ مراد ہے؟

اس سوال کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، اس وقت وہاں کفار کی تین قسمیں تھیں:

1. کفار محاربین، جو باقاعدہ دشمنی کا اعلان کرتے تھے، جنگ کے لیے آمادہ تھے اور آپ علیہ السلام ومہاجرین کا وجود برداشت کرنے کو قطعی تیار نہ تھے۔
2. کفار متر ددین، جو اس بات کے منتظر تھے کہ دیکھتے ہیں کہ ان مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اگر غالب آگئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ہو جائیں گے، ورنہ اپنے آبائی دین پر قائم رہیں گے۔

پھر ان کی بھی تین قسمیں تھیں: ایک تو وہ تھے جو نبی علیہ السلام کا باطناً غلبہ چاہتے تھے، جیسے بنوخزاعہ، دوسرے وہ لوگ تھے جو باطناً آپ علیہ السلام کی شکست کے متمنی تھے، جیسے بنوبکر، تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو ظاہراً تو آپ علیہ السلام کے ساتھ تھے اور باطناً ان کے دشمنوں کے حامی، جیسے منافقین۔

3. یہود مدینہ، یعنی بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع وغیرہ، ان کے ساتھ نبی علیہ السلام کا یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں گے نہ ایک دوسرے کے خلاف کسی قبیلے کی مدد کریں گے (۱)۔

لیکن یہود کی چوں کہ فطرت وسرشت ہی میں مکر ودغابازی داخل ہے، یہاں بھی اس سے باز نہ آئے اور اس معاہدے کی پاسداری نہیں کی، چناں چہ سب سے پہلے بنوقینقاع نے یہ معاہدہ توڑا اور یہود میں سے یہی سب سے پہلے مدینہ منورہ سے جلاوطن کیے گئے، ان کی جلاوطنی کا یہ واقعہ پندرہ شوال ۲ھ کا ہے (۲)۔

بنوقینقاع کے بعد یہود میں سے بنونضیر نے عہد شکنی کی، ان کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

---

(۱) انظر فتح الباري: ۷/ ۳۳۰، وكشف الباري، كتاب المغازي: ۱۷۸–۱۷۹.

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي: ۱۸۲.

منورہ سے جلاوطن کیا اور یہ ۴ھ کے اوائل کا واقعہ ہے۔

بنوقریظہ نے چوں کہ غزوۂ خندق میں قریش کا ساتھ دیا اور نبی علیہ السلام کے ساتھ اپنے معاہدے کو توڑا تھا، اس لیے وہ بھی ۵ھ کو قتل کیے گئے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا گیا (۱)۔

قبائل یہود کی جلاوطنی کے مذکورہ بالا تمام واقعات کا تعلق غزوۂ خیبر سے قبل کا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے بعد آئے اور اسلام قبول کیا، اس لیے حدیث کے یہ الفاظ "بينما نحن في المسجد...... إلى يهود" مشکل ثابت ہو رہے ہیں کہ یہاں یہود سے کون مراد ہیں؟

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاق کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں یہود سے بنونضیر مراد ہیں۔

لیکن یہ جواب اس صورت میں قابلِ قبول ہوسکتا ہے کہ "بينما نحن" سے مراد "بينما المسلمون" ہو، اب مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی امر سابق کی حکایت بیان کر رہے ہیں، جس میں وہ خود شریک نہیں تھے، لیکن قدیم الاسلام مسلمانوں سے اس بارے سن رکھا تھا اور اس کی تعبیر انہوں نے "نحن" صیغہ متکلم سے کردی (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ باب میں مذکور یہود کے نسب کی تصریح مجھے کسی کے ہاں نہیں ملی کہ یہ کون تھے، ظاہر یہ ہے کہ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کے بعد کچھ یہودی جو مدینہ میں رہ گئے تھے، وہی یہاں مراد ہیں (۳)۔ چناں چہ حدیثِ باب میں مذکور مکالمہ انہی یہود سے ہوا تھا، اس دوران حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، اسی مکالمے کے دوران نبی علیہ السلام نے ان کے بھی اخراج کا ارادہ ظاہر فرمایا، تاکہ جزیرہ عرب یہود و دیگر کفار سے بالکل پاک وصاف ہوجائے (۴)۔ واللہ اعلم بالصواب

فخرجنا حتى جئنا بيت المِدْراس

چناں چہ ہم نکلے، یہاں تک کہ بیت المدراس میں آئے۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ۲۹۶.

(۲) فتح الباري: ۲۷۱/۶.

(۳) حواله بالا، وذكر الحافظ رحمه الله فيه وجوها أخرى أيضاً، انظرها إن شئت.

(٤) إرشاد الساري: ۲۳۵/٥.

بیت المدراس کے معنی

اس لفظ کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

1. بیت المدراس وہ جگہ کہلاتی ہے، جہاں یہود کا عالم (ربی) انہیں مذہبی کتابوں کی تعلیم دیا کرتا تھا۔
2. مدراس سے ان کا وہ عالم مراد ہے، جو ان کی کتاب پڑھا اور پڑھایا کرتا تھا(۱)۔

پہلی صورت میں ظرفیت اور دوسری صورت میں فاعلیت کے معنی ہیں۔ اوپر ترجمے میں پہلی صورت کو اختیار کیا گیا ہے۔

فقال: أسلموا تسلموا، واعلموا أن الأرض لله ورسوله، وإني أريد أن أجليكم من هذه الأرض

نبی علیہ السلام نے فرمایا، اسلام قبول کرلو، محفوظ و مامون ہو جاؤ گے اور یہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، نیز یہ کہ میں تمہیں اس سرزمین (حجاز مقدس) سے جلاوطن کرنا چاہتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "أسلموا تسلموا" جوامع الکلم میں سے ہے، جو اپنے اختصار کے باوجود دنیا وآخرت کی تمام تر کامیابیوں کو سموئے ہوئے ہے، نیز یہ ارشاد بلاغت لفظی ومعنوی کی جامع مثال ہے(۲)۔

اس حدیث کے دیگر طرق میں "أسلموا تسلموا" کا جملہ مکرر آیا ہے، کہ آپ علیہ السلام نے یہ بات کئی بار ارشاد فرمائی، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں غالباً اختصار کے پیشِ نظر صرف ایک جملے کا ذکر فرمایا ہے(۳)۔

"واعلموا......" کا جملہ ابتدائیہ مستانفہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "أسلموا تسلموا"، تو گویا انہوں نے استفسار اً یہ کہا "لم قلتَ هذا وكررتَه؟" کہ آپ نے ہمیں یہ

---

(۱) حوالہ بالا، قال الحافظ في فتح الباري (۲۷۱/۶): والأول أرجح؛ لأن في الرواية الأخرى: "حتى أتى المدراس ......". ولكن رده العيني رحمه الله (۸۹/۱۵) حيث قال: "ما ثَم ترجيح؛ لأن معنى أتى المدراس أي جاء مكان دراستهم للتوراة ونحوها".

(۲) إرشاد الساري: ۲۳۵/۵.

(۳) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الإكراه، باب في بيع المكره، رقم (۶۹۴۴)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج ......، باب كيف كان إخراج اليهود؟ رقم (۳۰۰۳).

الفاظ کیوں کہے اوران کا تکرار کیوں کیا؟اس کے جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ اور جان لو کہ میں تمہیں نکالنا چاہتا ہوں، اگر تم لوگ اسلام لے آئے تو جلاوطنی سے بچ جاؤ گے اور دیگر مشکلات سے بھی، جو جلاوطنی سے بھی زیادہ شاق ہوسکتی ہیں (۱)۔

فمن يجد منكم بماله شيئا فليبعه

اس لیے جس شخص کی ملکیت میں کوئی ایسی چیز ہو جو غیر منقول ہو تو وہ اس کو یہیں فروخت کر دے۔

یجد کا مشتق منہ اور معنی

حدیث میں وارد لفظ ''یجد'' وجدان سے مشتق ہے، یا وجد سے، وجدان کے معنی پانے کے اور وجد کے معنی محبت کے ہیں۔

وجدان سے مشتق ماننے کی صورت میں مذکورہ بالا جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اشیاء جن کو منتقل کرنا دشوار ہو، جیسے درخت وغیرہ، یا ناممکن ہو، جیسے جائیداد وغیرہ تو ان کا اگر کوئی خریدار مل جائے، ان کی اگر فروخت ممکن ہو تو فروخت کردو، گویا آپ علیہ السلام نے اس ارشاد کے ذریعے ان یہود کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ ان اشیاء کو فروخت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

وجد سے مشتق ماننے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ اشیاء جو تمہیں محبوب ہیں، پسند ہیں، انہیں تم فروخت کر سکتے ہو (۲)۔

وإلا فاعلموا أن الأرض لله ورسوله

اور اگر بیع نہیں ہوگی تو جان لو کہ زمین تو اللہ اور اس کے رسول ہی کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی مملوکہ چیزیں فروخت کر سکتے ہو تو کردو، ورنہ یہاں سے نکلنا تو تمہارا مقدر ہے، اس لیے بہرحال نکلنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے کہ وہ تمہاری ان زمینوں کا وارث مسلمانوں کو بنائے، اس لیے یہاں سے نکل جاؤ (۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/ ۹۰، وفتح الباري: ۶/ ۲۷۱، وإرشاد الساري: ۵/ ۲۳۵.

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) عمدة القاري: ۱۵/ ۹۰، وإرشاد الساري: ۵/ ۲۳۵، وشرح الكرماني: ۱۳/ ۱۳۳.

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کا انطباق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ترجمۃ الباب کے ساتھ انطباق بایں معنی ہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارادہ نقل کیا گیا کہ آپ نے یہود کے اخراج کا ارادہ فرمایا تھا، وجہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام سرزمین عرب میں غیر مسلموں کی موجودگی کو ناپسند کرتے تھے، لیکن قضا نے مہلت نہ دی کہ اپنے ارادے کو پورا کرتے، مگر وصیت کر گئے کہ غیر مسلموں کو جزیرہ عرب سے نکالنا ہے، چناں چہ اس وصیت پر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عمل کیا اور باقی ماندہ کفار و یہود سب کو وہاں سے نکال باہر کیا، یہی مقصود ترجمہ تھا(۱)۔

۲۹۹۷ : حدّثنا مُحَمَّدٌ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ سُلَيْمانَ الْأَحْوَلِ : سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ : سَمِعَ ٱبْنَ عَبَّاسٍ(۲) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : يَوْمُ الخَمِيسِ وَمَا يَوْمُ الخَمِيسِ ، ثُمَّ بَكَى حَتَّى بَلَّ دَمْعُهُ الحَصَى ، قُلْتُ يَا أَبَا عَبَّاسٍ : ما يَوْمُ الخَمِيسِ ؟ قالَ : ٱشْتَدَّ بِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَجَعُهُ ، فَقَالَ : (ٱئْتُونِي بِكَتِفٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا) . فَتَنَازَعُوا ، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ ، فَقَالُوا : ما لَهُ أَهَجَرَ ٱسْتَفْهِمُوهُ ؟ فَقَالَ : (ذَرُونِي ، فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ) . فَأَمَرَهُمْ بِثَلَاثٍ ، قالَ : (أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ، وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ ما كُنْتُ أُجِيزُهُمْ) . وَالثَّالِثَةُ خَيْرٌ ، إِمَّا أَنْ سَكَتَ عَنْهَا ، وَإِمَّا أَنْ قالَهَا فَنَسِيتُهَا . قالَ سُفْيَانُ : هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمانَ . [ر : ١١٤]

تراجم رجال

۱ — محمد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ محمد کے بارے میں کسی راوی نے یہ وضاحت نہیں کی کہ محمد سے مراد کون ہیں؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ مراد ابن سلام ہیں، کیوں کہ کتاب الوضوء کی ایک

(۱) هذا خلاصة ما ذكره العيني في العمدة: ۸۹/۱۵، وأيضاً انظر إرشاد الساري: ۲۳۵/۵، وشرح ابن بطال: ۳۴۱/۵-۳۴۲.

(۲) قوله: "ابن عباس رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب العلم، باب كتابة العلم.

روایت میں "حدثنا محمد حدثنا ابن عيينة" آیا ہے(۱)۔اسی پر حافظ علیہ الرحمۃ نے جزم کیا ہے کہ جس طرح وہاں ابن سلام مراد ہیں، یہاں بھی وہی مراد ہیں (۲)۔

اور محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: أنا اعلمكم بالله......" کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۲- ابن عيينة

یہ مشہور امام حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے ضمن میں اجمالاً اور كتاب العلم، "باب قول المحدث: حدثنا......" کے تحت تفصیلاً گزر چکا (۴)۔

۳- سليمان

یہ سلیمان بن ابی مسلم الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم ......، رقم (۲٤۳).

(۲) فتح الباري: ٦/۲۷۱، ورد عليه العيني –كعادته في مواضع شتى– حيث قال: "لايلزم من قوله في الوضوء: حدثنا ابن سلام عن ابن عيينة، أن يكون هنا أيضاً ابن سلام عن ابن عيينة؛ لأنه قال في عدة مواضع: عن محمد بن يوسف البيكندي عن ابن عيينة، وروى الإسماعيلي هذا الحديث عن الحسن بن سفيان عن محمد بن خلاد الباهلي عن ابن عيينة، ......". (انظر العمدة: ۱۵/۹۰) هذا الكلام منه –كما ترى– ولكنه أيضاً لا يخلو عن النظر؛ لأنه كما لايلزم من أن يكون ابن سلام، كذلك لايلزم أن يكون ابن يوسف البيكندي، ولا سيما إذا صرح الإمام البخاري رحمه الله في جميع المواضع من كتاب الوضوء، بنسب محمد بن يوسف، إلا محمداً الذي نحن بصدده، فإنه قال هناك فقط: "محمد عن ابن عيينة" غير منسوب، كما ذكر هنا أيضاً غير منسوب، ومن ثَمه لم يقل هناك في الوضوء: "ابن سلام" كما أشرنا إليه الآن، ثم إن أراد العيني رحمه الله بقوله: "وروى الإسماعيلي ......" أنه يمكن أن يكون ابن خلاد فهو مما لايمكن؛ لأن ابن خلاد الباهلي لايروي عنه الإمامُ البخاري، ولا هو من شيوخه، نعم ابن خلاد من تلامذة ابن عيينة الإمام، (انظر تهذيب الكمال: ۲/۱٦۹–۱۷۰)، فلعل هذا الأمر أوقعه في الحيرة، والله أعلم بالصواب. والعلامة القسطلاني أيضاً جزم بقول الحافظ، انظر شرحه: ۵/۲۳۵.

(۳) كشف الباري: ۲/۹۳.

(٤) كشف الباري: ۱/۲۳۸، و: ۳/۱۰۲.

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب التهجد، باب التهجد بالليل.

٤- سعيد بن جبير

یہ مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- عبدالله بن عباس رضى الله عنهما

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما ہیں۔ان دوحضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الرابع" کے تحت ذکر کیا جاچکا ہے(۱)۔

تنبیہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی تشریح کتاب العلم اور کتاب المغازی میں آچکی ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے سے ہورہی ہے، "أخرجوا المشركين من جزيرة العرب"۔ لیکن اشکال یہ ہورہا ہے کہ ترجمہ تو اخراج یہود کا ہے، جب کہ حدیث میں اخراج مشرکین کا ذکر ہے، لہٰذا مطابقت کیسے ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ لفظ مشرک عام ہے، جو یہود کو بھی شامل ہے، یہاں قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اکثر یہود اللہ کی وحدانیت کے قائل ہوتے ہیں، مسلمانوں کے بعد دنیا کی یہی ایک قوم ہے، جو توحید کی قائل ہے، اس کے باوجود ان کو نکالنے کا حکم ہے، تو مشرکین و دیگر کفار کو نکالنا تو بطریق اولیٰ واجب ہوگا(۳)۔واللہ أعلم

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ روایت باب میں نسخوں کا اختلاف ہے، ایک نسخے میں "أخرجوا المشركين......" جب کہ دوسرے میں، جو جیانی کا نسخہ ہے، "أخرجوا اليهود......" آیا ہے، روایتی حیثیت سے یہ پہلا نسخہ اثبت اور ارجح ہے(۴)۔

---

(١) كشف الباري: ١/٤٣٥.

(٢) كشف الباري، كتاب العلم: ٤/٣٣٠-٣٨٥، وكتاب المغازي: ٦٧٢-٦٧٧.

(٣) عمدة القاري: ١٥/٩٠، وفتح الباري: ٦/٢٧١.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٧١.

٧ - باب : إِذَا غَدَرَ الْمُشْرِكُونَ بِالْمُسْلِمِينَ ، هَلْ يُعْفَى عَنْهُمْ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر مشرکین مسلمانوں کے ساتھ دھوکا دہی کے مرتکب ہوں، یا مسلمانوں کے ساتھ کسی عہد کے بعد بدعہدی کا ارتکاب کریں تو کیا ان کو معاف کیا جا سکتا ہے؟

مصنف علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کی، وجہ یہ ہے کہ جو واقعہ روایت الباب میں نقل ہوا ہے، اس میں ائمہ وفقہاء کا اختلاف ہوا ہے، کہ آیا جس عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا، اس کو سزا دی گئی تھی، یا آپ علیہ السلام نے اس کو معاف کر دیا تھا؟(۱)

مسئلہ مذکورہ کی تفصیل

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں، کہ آپ علیہ السلام نے اس یہودیہ کو قتل کروایا تھا یا نہیں؟ چناں چہ صحیح مسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (۲)، اسی طرح ابن ہشام (۳) کی ذکر کردہ تفصیل سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل نہیں کروایا تھا، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف کی روایت تو صراحۃً قتل کی نفی کرتی ہے، فرماتے ہیں:

"أن امرأة يهودية أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاة مسمومة، فأكل منها، فجيء بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسألها عن ذلك، فقالت: أردت لأقتلك، قال: ما كان الله يسلطكِ على ذاك، -قال: أو قال: علي- قال: قالوا: ألا نقتلها؟ قال: لا"(٤).

یعنی: "ایک یہودیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زہر آلود بکری لے

(١) فتح الباري: ٢٧٢/٦، وعمدة القاري: ٩١/١٥.

(٢) سنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما......، رقم (٤٥١٠).

(٣) سيرة ابن هشام: ٣٣٨/٣، بقية أمر خيبر، أمر الشاة المسمومة.

(٤) انظر صحيح مسلم، كتاب السلام، باب السم، رقم (٥٧٠٥).

کرآئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تھوڑا تناول فرمایا، بعد میں اس عورت کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، چناں چہ آپ نے اس سے بکری کو زہرآلود کرنے کا سبب دریافت کیا تو اس عورت نے کہا میرا ارادہ تو آپ کو قتل کرنے کا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا موقع نہیں دیں گے، یا یہ فرمایا کہ مجھ پر تمہیں تسلط نہیں دیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، کہ ہم اسے قتل نہ کردیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں''۔

جب کہ حضرت ابوسلمہ کی ایک روایت، جو ابوداؤد میں ہے(۱)، میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل کرایا تھا، یہی مضمون امام عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں معمر بن راشد سے (۲) اور علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبقات'' میں "ابن لهيعة عن عمر مولى عفرة" کے طریق سے نقل کیا ہے (۳)۔

اس تعارض کو رفع کرنے کے لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً اس سے درگزر کیا ہو، لیکن اس واقعے کے دوسرے متاثرہ شخص حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہ جب اسی زہرخوری کی وجہ سے ایک سال بعد انتقال کرگئے تو نبی علیہ السلام نے قصاصاً اس عورت کو بھی قتل کروادیا (۴)۔

یہی جواب علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عورت کے فعل سے درگزر کرنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ آپ کی عادت مبارکہ کسی سے اپنی ذات کا انتقام لینے کی نہیں تھی، اسی لیے

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما......، رقم (٤٥١١).

(۲) المصنف لعبد الرزاق: ٥٣/٦، كتاب أهل الكتاب، هل يقتل ساحرهم؟ رقم (١٠٠٥٣)، و: ١٨٨/١٠، كتاب الجامع، باب الحجامة......، رقم (١٩٩٨٣).

(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد: ١٧٢/١، ذكر علامات النبوة بعد نزول الوحي.

(٤) دلائل النبوة للبيهقي: ٢٦٢/٤، وإختاره النووي في شرحه على مسلم: ٢٢٢/٢، وقال: "قال القاضي: وجه الجمع بين هذه الروايات والأقاويل أنه لم يقتلها أولاً حين اطلع على سمها، وقيل له: اقتلها، فقال: لا. فلما مات بشر بن البراء من ذلك سلمها لأوليائه، فقتلوها قصاصاً، فيصح قولهم: لم يقتلها أي: في الحال، ويصح قولهم: قتلها، أي بعد ذلك". وكذا السيوطي، انظر الديباج: ٨٤٨/٢.

معاف فرمادیا تھا، پھر حضرت بشر کے بدلے اس عورت کو قصاصاً قتل کیا(۱)۔

البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نبی علیہ السلام کے اس عورت سے درگزر کرنے کی ایک علت یہ بھی لکھی ہے کہ ممکن ہے نبی علیہ السلام کے درگزر کرنے کی وجہ اس عورت کا قبولِ اسلام ہو اور اس کے قتل کو حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی موت تک اس لیے مؤخر کیا گیا کہ ان کی موت ہی سے وجوبِ قصاص کا تحقق ہوگا، چناں چہ جب وہ متحقق ہوگیا تو اسے قتل کروادیا گیا(۲)۔

علامہ سحنون مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس بات پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل کروایا تھا(۳)۔

لیکن جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا، یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے، اس لیے دعویٰ اجماع صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت جو سوال ذکر کیا ہے، اسے دیکھیے کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں فقہاء کا موقف کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امام وحاکم پر موقوف ہے کہ غدار وخائن کو کیا سزا دے؟ اگر وہ سمجھتا ہے کہ قتل کی ضرورت نہیں تو اور کوئی سزا بطور تنبیہ کے دے سکتا ہے اور معاف بھی کرسکتا ہے، مثلاً جرم کی نوعیت معمولی ہو اور اگر قتل کروانا ضروری سمجھتا ہے تو قتل کروادے، مثلاً ان کا جرم غیر معمولی نوعیت کا ہو کہ کسی مسلمان کو قتل کردیں، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کو قتل کروایا تھا کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ بدعہدی کی تھی اور ان کے راعی حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ويعفى عن المشركين إذا غدروا بشيء يستدرك إصلاحه وجبره، ويعصم الله تعالىٰ منه، إذا رأى الإمام ذلك، وإن رأى عقوبتهم عاقبهم بما يؤدي إليه اجتهاده، وأما إذا غدروا بالقتل أو بما لايستدرك جبره، وما لا

(۱) الروض الأنف للسهيلي: ۲۴۳/۲، فصل: وذكر الشاة المسمومة......

(۲) فتح الباري: ۴۹۷/۷، وإرشاد الساري: ۲۳۷/۵.

(۳) عمدة القاري: ۹۱/۱۵، وشرح النووي على مسلم: ۲۲۲/۲.

يعتصم من شره؛ فلاسبيل إلى العفو كما فعل النبي صلى الله عليه وسلم في العرنيين(١) عاقبهم بالقتل"(٢).

زہر کھلا کر قتل کرنے کا حکم

یہاں ایک اور مسئلہ بھی ہے، وہ یہ کہ زہر کھلانے کی وجہ سے اگر کوئی آدمی قتل ہوجاتا ہے تو زہر دینے والے کو قصاصاً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

اس مسئلے میں بھی علماء کا اختلاف ہے، جمہور علماء کا مؤقف یہی ہے کہ اس میں قصاص واجب ہوگا اور صورت مذکورہ بالا میں زہر دینے والے کو قتل کیا جائے گا، جب کہ متقدمین حضرات حنفیہ کے یہاں زہر کھلانے سے قصاص نہیں آتا، اگرچہ زہر کھانے والا ہلاک ہوجائے (۳)۔

لیکن متأخرین حنفیہ کا فتویٰ جمہور کے قول پر ہے، کیونکہ اس زمانے میں فساد زیادہ بڑھ گیا ہے، چنانچہ مفسدین ومتمردین کے شر سے عامۃ الناس کو محفوظ رکھنا اسی طرح ممکن ہوگا، امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والعمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأنه ساع في الأرض بالفساد، فيقتل؛ دفعا لشره"(٤).

٢٩٩٨ : حدّثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [٥]

(١) انظر لحديث العرنيين، صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قصة عكل وعرينة، رقم (٤١٩٢).

(٢) شرح ابن بطال: ٣٤٧/٥.

(٣) البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ١٨/٩، كتاب الجنايات، باب ما يوجب القصاص......، ورد المحتار: ٣٨٥/٥، والأم للشافعي: ٤٢/٦، كتاب جراح العمد، الرجل يسقي الرجل السم......، والمغني: ٢١٢/٨.

(٤) انظر تقريرات الرافعي على ردالمحتار: ٣٢٣/٢.

قال الشيخ محمد تقي العثماني حفظه الله: "ولا شك أن زماننا أكثر فساداً، فالعمل بقول الجمهور أولى، إن شاء الله تعالىٰ". تكملة فتح الملهم: ٣٣٨/٢.

(٥) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب الشاة التي سمت للنبي صلى الله عليه وسلم بخيبر، رقم (٤٢٤٩)، وكتاب الطب، باب مايذكر في سم النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (٥٧٧٧).

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قالَ : لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ أُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ شاةٌ فِيهَا سُمٌّ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اجْمَعُوا إِلَيَّ مَنْ كانَ هَا هُنَا مِنْ يَهُودَ) . فَجُمِعُوا لَهُ ، فَقَالَ : (إِنِّي سائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْهُ) . فَقَالُوا : نَعَمْ ، قالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنْ أَبُوكُمْ) . قالوا : فُلَانٌ ، فَقَالَ : (كَذَبْتُمْ ، بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ) . قالُوا : صَدَقْتَ ، قالَ : (فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُ عَنْهُ) . فَقَالُوا : نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ، وَإِنْ كَذَبْنَا عَرَفْتَ كَذِبَنَا كَمَا عَرَفْتَهُ فِي أَبِينَا ، فَقَالَ لَهُمْ : (مَنْ أَهْلُ النَّارِ ؟) . قالُوا : نَكُونُ فِيهَا يَسِيرًا ، ثُمَّ تَخْلُفُونَا فِيهَا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اخْسَؤُوا فِيهَا ، وَاللّٰهِ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا) . ثُمَّ قالَ : (هَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ) . فَقَالُوا : نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ، قالَ : (هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سُمًّا) . قالُوا : نَعَمْ ، قالَ : (ما حَمَلَكُمْ عَلَى ذٰلِكَ) . قالُوا : أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كاذِبًا نَسْتَرِيحُ ، وَإِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَمْ يَضُرَّكَ .

[۴۰۰۳ ، ۵۴۴۱]

تنبیہ

یہ سند معمولی اختلاف کے ساتھ ابھی ایک باب قبل "باب إخراج اليهود" میں گزر چکی ہے۔

حدیث میں مذکور واقعے کی تفصیلات

حدیثِ باب کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس کے پس منظر و دیگر جزئیات وتفصیلات کو بھی پیش نظر رکھیں۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور جنگ کی آگ سرد پڑ گئی تو ایک یہودی عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا پروگرام بنایا، اس وقت نبی علیہ السلام، ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے، چناں چہ اس عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ کی خدمت میں بھجوائی، اس بات کی تحقیق وہ پہلے ہی کروا چکی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا بازو دیگر اعضا کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے، تو پوری بکری اس عورت نے زہر آلود کی اور اس کے بازو میں زہر کی کچھ زیادہ مقدار شامل کر دی، جب وہ بکری نبی علیہ السلام ودیگر صحابہ کرام کے سامنے کھانے کے لیے پیش کی گئی تو آپ نے اس کا بازو اٹھایا، اس سے ایک بوٹی نوچ کر چبائی، لیکن نگلنے کی نوبت نہیں آئی، ساتھ ہی حضرت بشر بن البراء بن معرور بھی بیٹھے تھے، انہوں نے بھی اس میں سے کچھ لیا، لیکن وہ چبا کر نگل گئے اور نبی علیہ السلام نے بوٹی اگل دی، پھر فرمایا کہ یہ ہڈی مجھے بتلا رہی ہے کہ یہ زہر آلود ہے، پھر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلوایا، پوچھ گچھ کی تو اس نے زہر ملانے کا اعتراف کرلیا(۱)۔

اس کے بعد حدیثِ باب ملاحظہ کیجیے۔

قال: لما فتحت خيبر أهديت للنبي صلى الله عليه وسلم شاة، فيها سُمٌّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بکری ہدیۃً پیش کی گئی، جو زہرآلود تھی۔

صحیح مسلم کے حوالے سے ابھی گزرا ہے کہ بکری پیش کرنے والی ایک یہودی عورت تھی، اس عورت کا نام اہل سیر نے زینب بنت الحارث نقل کیا ہے، یہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی اور مرحب کی بہن یا بھتیجی (۲)۔

کلمہ سم کی تحقیق

کلمہ سم میں تین لغتیں ہیں، اس کو سین کے فتحہ، ضمہ اور کسرہ تینوں حرکات کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور فتحہ افصح ہے، اس کی جمع سمام وسموم ہے اس کے معنی زہر کے ہیں (۳)۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اجمعوا إلي من كان ههنا من يهود، فجمعوا له، فقال لهم: إني سائلكم عن شيء، فهل أنتم صادقيَّ عنه؟ فقالوا: نعم، قال لهم النبي صلى الله عليه وسلم: من أبوكم؟ قالوا: فلان، فقال: كذبتم، بل أبوكم فلان، قالوا: صدقت.

چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہاں جتنے یہودی ہیں، ان سب کو جمع کرو کہ میں ان سے ملوں، پس وہ سب ایک جگہ جمع کردیے گئے، تو آپ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم لوگ میرے ساتھ اس معاملے میں سچ بولو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) انظر سيرة ابن هشام: ۲/۳/۳۵۲، أمر الشاة المسمومة، ودلائل النبوة للبيهقي: ۴/۲۶۳.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۹۱، وفتح الباري: ۷/۴۹۷، وسنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما......، رقم (۴۵۰۹)، ودلائل النبوة: ۴/۲۶۳، والروض الأنف: ۲/۲۴۳.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۱، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۶.

فرمایا، تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ فلاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو، بلکہ تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ انہوں نے کہ آپ نے سچ کہا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہاں ''فلان'' سے کون مراد لیا گیا ہے، مجھے معلوم نہیں ہوسکا(۱)۔

قال: فهل أنتم صادقي عن شيء إن سألت عنه؟ فقالوا: نعم، يا أبا القاسم، وإن كذبنا عرفت كذبنا، كما عرفته في أبينا، فقال لهم: من أهل النار؟ قالوا: نكون فيها يسيرا، ثم تخلفونا فيها.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں تم سے کسی چیز کے بابت دریافت کروں تو کیا تم لوگ سچ بولو گے؟ انہوں نے کہا کہ ابوالقاسم! ہاں! ہم سچ کہیں گے، کیوں کہ اگر ہم نے آپ سے جھوٹ بولا بھی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا، جس طرح کہ ہمارے باپ کے متعلق آپ کو معلوم ہو گیا (کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، جہنمی کون ہوں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ دن تو ہم جہنم میں ہوں گے، پھر آپ لوگ ہماری جگہ پُر کریں گے۔

سبحان اللہ! بدبختی وہٹ دھرمی کی انتہا دیکھیے، یہود نے مذکورہ بالا جواب میں اپنے ایک مزعومہ عقیدہ کا اظہار کیا ہے، ان کا خیال یہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان یہود کو اتنے دن کے لیے عذاب دے گا، جتنے دن انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی اور وہ چالیس دن ہیں، اس سے زائد مدت کے لیے ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا(۲)۔ یہود کے اس مزعومہ عقیدے کو قرآن کریم نے بھی ذکر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وقالوا لن تمسنا النار إلا أياما معدودة قل أتخذتم عند الله عهدا فلن يخلف الله عهده أم تقولون على الله ما لا تعلمون﴾(۳).

اسی عقیدہ کا اظہار انہوں نے یہاں کیا ہے کہ کچھ مدت کے لیے، تھوڑے دن تو سزا ہمیں ہوگی، لیکن

---

(۱) إرشاد الساري: ۵/۲۳۶، وهدي الساري: ۴۴۱، الجزية والموادعة.

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۲/۱۰.

(۳) البقرة/ ۸۰.

اس کے بعد تمہاری باری ہے۔

"تخلفونا" کی لغوی وصرفی کی تحقیق

"تخلفونا" اصل میں تخلفوننا تھا، چناں چہ ابوذر کے نسخے میں تخلفوننا آیا ہے، یہاں اس کا ایک نون ساقط ہوا ہے، بغیر کسی جازم وناصب کے نون حذف کرنا بھی ایک لغت ہے اور یہ خلف یخلف سے ہے، جس کے معنی کسی کا نائب اور قائم مقام ہونے کے ہیں، اسی سے خلف بھی ہے، خلف ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کے بعد آئے اور اس کا نائب وخلیفہ ہو، لیکن اس میں ایک فرق بھی ہے، اگر یہ لفظ لام کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کے معنی نائب فی الشر اور لام کی حرکت کے ساتھ ہو تو معنی نائب فی الخیر کے ہیں (۱)۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اخسؤا فيها

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہی اس میں ذلیل وخوار ہو کر رہو۔

کتے کو دھتکارنے کے لیے اخسأ کہا جاتا ہے، یعنی دفع ہو جاؤ، یہاں اس جملے میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ پہلا تو یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو بد دعا دی ہے، یعنی اللہ کرے کہ تم اس میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہو۔ دوسرا یہ کہ زجر وتوبیخ ہے، یعنی تم اس میں دفع ہو جاؤ (۲)۔

والله، لا نخلفكم فيها أبدا

بخدا! ہم کبھی بھی جہنم میں تمہاری جگہ پر کرنے والے نہیں ہوں گے۔

یعنی تمہارا یہ زعم وگمان بالکل باطل ہے کہ جہنم کی سزا کے مستحق تم تو کچھ دنوں کے لیے ہو گے، پھر ہم اس کا ایندھن بنیں گے، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم جہنم کے مستحق ہوں، ہماری تو تخلیق ہی دخول جنت کے لیے ہوئی ہے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں اشکال پیدا ہو کہ گناہ گار مسلمان بھی جہنم میں داخل کیے جائیں گے، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بات کیسے درست ہوئی کہ ہم تو اس میں داخل نہیں ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ گار مسلمان تو جہنم میں اپنی سزا بھگت کر بالآخر نکل ہی آئیں گے، اس لیے

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۹۱، وإرشاد الساري: ۵/۲۳٦.

(۲) حوالہ جات بالا، وشرح الكرماني: ۱۳/۱۳٤.

ان کا یہ دخول عارضی ہوگا، برخلاف یہود کے، وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے، اس سے ان کا خروج ممکن ہی نہیں، اس لیے خلافت ونیابت کے معنی یہاں متصور نہیں ہو سکتے (۱)۔

ثم قال: هل أنتم صادقي عن شيء إن سألتكم عنه؟ فقالوا: نعم، يا أبا القاسم، قال: هل جعلتم في هذه الشاة سما؟ قالوا: نعم، قال: ما حملكم على ذلك؟ قالوا: أردنا إن كنت كاذباً نستريح، وإن كنت نبيا لم يضرك.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا، اگر میں تم لوگوں سے ایک چیز کی بابت سوال کروں تو کیا تم سچ کہو گے؟ ان سب نے کہا، اے ابوالقاسم! ہاں۔ آپ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ انہوں نے کہا ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوئے تو ہم آپ سے راحت حاصل کریں گے (کہ ہماری جان چھوٹ جائے گی) اور اگر آپ واقعی نبی ہیں تو یہ زہر آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

حدیثِ باب میں تین سوالات اور ان کے جوابات مذکور ہیں، سوالات نبی علیہ السلام کی طرف سے اور جوابات یہود کی طرف سے تھے، ان کی بدبختی وکذب بیانی کو دیکھیے کہ تینوں جوابات میں انہوں نے جھوٹ ہی بولا ہے، پہلے دو سوالات میں تو ان کا جھوٹ وخباثت ظاہر ہے، جب کہ تیسرے سوال کے جواب میں ان کا یہ کہنا کہ "أردنا إن كنت كاذبا نستريح، وإن كنت نبيا لم يضرك" بھی جھوٹ سے خالی نہیں، کیوں کہ نبی علیہ السلام کا نبی ہونا، مبعوث من اللہ ہونا ان پر اظہر من الشمس تھا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الذين أتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون أبناء هم﴾ (۲)، لیکن بنو اسرائیل چوں کہ اپنے کو دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق اور اپنے نسب کو ارفع خیال کرتے ہیں، اس لیے ان سے یہ برداشت نہیں ہوا کہ اشرف الانبیاء والرسل، خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عربوں وبنو اسماعیل سے کیوں کر ہوئی؟ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ نبی علیہ السلام اور ان کے متبعین کے درپے آزار رہے اور قیامت تک رہیں گے، یہ وہ جماعت ہے جو ہمیشہ سے

---

(۱) فتح الباري: ۱۰/۲٤٦، وشرح الكرماني: ۱۳/۱۳٤، وإرشاد الساري: ٥/۲۳٦.

(۲) البقرة/ ۱٤٦.

اسلام اور مسلمانوں کی دشمن رہی ہے، ان سے خیر کی توقع رکھنا ہی عبث ہے، ارشادِ ربانی ہے: ﴿لتجدن أشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود......﴾(۱)، قرآن کریم کے اس صریح اعلان کے بعد بھی اگر کوئی ان کو اپنا دوست سمجھتا ہے تو اس کی حماقت کے علاوہ اور کیا تعبیر ہوسکتی ہے؟!

ایک سوال اور اس کا جواب

حدیثِ باب اور مسلم شریف کی روایت، جو ماقبل میں گذری، میں بظاہر تعارض ہے کہ وہاں جو مکالمہ نقل کیا گیا وہ نبی علیہ السلام اور ایک یہودیہ زینب بنت الحارث کے درمیان تھا اور یہاں کا جو مکالمہ ہے، وہ نبی علیہ السلام کا یہود کے ساتھ ہے۔

اس کا جواب واضح ہے کہ اس میں کوئی تعارض ہے ہی نہیں، ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام نے دونوں کے ساتھ بات چیت کی ہو اور زہر دینے کا سبب دریافت کیا ہو، چناں چہ حدیث باب میں یہود نے زہر ملانے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ "إن كنت كاذبا نستريح، وإن كنت نبيا لم يضرك" جس کا مفہوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ معاذ اللہ۔ قتل کرنا ہی ہے، اس عورت نے بھی اپنا مقصد یہی بتلایا تھا کہ "أردت لأقتلك"(۲) جب مقصود ایک ہی ہوا تو بظاہر یہ معلوم ہوا کہ اس عورت کا مذکورہ فعل سارے یہودیوں کے مشترکہ مشورہ کا نتیجہ تھا، اس لیے آپ علیہ السلام نے سب سے باز پرس کی اور یہ جتلا دیا کہ ہمیں تم لوگوں کی مکاریوں کا بخوبی علم ہے(۳)۔

---

(۱) المائدة/ ۸۲.

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الطب، باب السم، رقم (۵۷۰۵).

(۳) اوپر متن میں درج کردہ موقف کی تائید تاریخ سے بھی ہوتی ہے، نبی علیہ السلام کو زہر دینے والی اس عورت کے باپ حارث، چچا یسار، شوہر سلام بن مشکم اور بھائی مرحب یا زبیر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، اس لیے یہ عورت انتقام کی آگ میں جل رہی تھی اور نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کی شدید آرزو رکھتی تھی، چناں چہ دیگر یہود نے اسی کو استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا، اس طرح نبی علیہ السلام کے کھانے میں زہر ملایا گیا۔

فتح الباري: ۴۹۷/۷، والروض الأنف: ۲۴۳/۲، وعمدة القاري: ۹۱/۱۵، وسنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما......، رقم (۵۹۰۹).

عالم عرب کے مشہور ادیب، ڈاکٹر منیر عجلانی نے ایک دستاویز کا انکشاف کیا ہے، جو آرمینی زبان میں تھی، اس سے بھی ثابت یہی ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کو زہر دینے کا عمل کسی فردِ واحد کا نہیں تھا، بلکہ اس میں پوری قومِ یہود شامل تھی، اس دستاویز کا =

کیا اس عورت نے اسلام قبول کرلیا تھا؟

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے اسلام قبول کرلیا تھا، چناں چہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا قبولِ اسلام مروی ہے، اسی پر امام سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جزم کیا ہے، ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں، جو اس عورت کے قبولِ اسلام پر دلالت کرتے ہیں:

وقد استبان لي الآن أنك صادق، وأنا أشهدك ومن حضر أني على دينك، وأن لا إله إلا الله، وأن محمداً عبده ورسوله".

''اب مجھ پر یہ واضح ہوگیا ہے کہ آپ سچے ہیں اور میں آپ کو و دیگر حاضرین کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے و رسول ہیں''۔

یہ جملے اس عورت نے اس وقت کہے جب اس نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام پر اس کے زہر کا اثر نہیں ہوا ہے، چنانچہ اس کے بعد نبی علیہ السلام نے اس کو معاف فرمادیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ابھی باب

= متن درج ذیل ہے:

"يقال: إن الأمة اليهودية تحسد أمة النصارى، ولما جاء محمد(صلى الله عليه وسلم)، وعظم أمره، اجتمع رؤساء اليهود، وقالوا في أنفسهم:

"لِنضمّه إلينا؛ بأن نزوّده بأحكام ديننا، فينشرها بين الناس، وبذلك نتغلّب على النصارى وأناجيلهم".

ولكن المسلمين الذين انتصروا على أعدائهم، وفتحوا الفتوحاتِ العظيمةَ لم يكترثوا لليهود، ولم يقيموا لهم وزنا؛ بل اضطروا أحيانا إلى قتالهم،

فعاد رؤساء اليهود إلى الاجتماع والتفكير في أسلوب يتخلصون به من محمد ......، فاختاروا من نسائهم فتاة جميلة، وقالوا لها: "يجب عليكِ أن تدعي محمدا إلى وليمة، وتقتليه".

ففعلت المرأة ما أمرها الرؤساء به".

انظر تعليقات على دلائل النبوة للبيهقي: ٤/٢٥٨.

ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت میں بھی ان لوگوں کی سازشوں کا عمل دخل رہا ہو اور وہ فرد واحد ''فیروز'' کا کام نہ ہو۔

کی پہلی حدیث کی شرح میں گزرا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعۂ اس عورت کو صحابیات میں شمار کرتے ہیں، اسی لیے انہوں نے اس عورت کا ذکر"الاصابۃ" میں القسم الأول کے تحت نقل کیا ہے(۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

نبی بشر ہوتا ہے

حدیثِ باب میں یہود نے نبی علیہ السلام کو زہر دینے کی علت یہ بتلائی کہ "وإن كنت نبيا لم يضرك" کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو یہ زہر آپ پر اثر نہیں کرے گا۔لیکن ان کی یہ بات غلط ہے، نبی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ زہر کا اس پر اثر نہ ہو، نبی چوں کہ بشر ہوتا ہے اس لیے اس پر زہر کا بھی اثر ہوسکتا ہے، اس کے اوپر سحر کا بھی اثر ہوسکتا ہے(كما يأتي بعد أبواب)، جیسے دوسرے عوارض بشریہ اس کو عارض اور لاحق ہوتے ہیں، اسی طرح یہ چیزیں بھی اس پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

معجزۂ نبی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زہر کا فوری اثر جو ظاہر نہیں ہوا تھا، وہ معجزہ نبوی تھا، اس کو عام حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس زہر کے اثرات وفات نبوی کے وقت ظاہر ہوئے، صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے تالو میں اس زہر کے اثرات مجھے نمایاں طور پر معلوم ہوتے تھے، نبی علیہ السلام کی وفات میں ایک ظاہری سبب یہ زہر بھی تھا(۳)۔اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کی موت عطا فرمائی تھی(۴)۔

---

(١) فتح الباري: ٤٩٧/٧، والمصنف لعبد الرزاق: ٥٣/٦، كتاب أهل الكتاب، هل يقتل ساحرهم؟ رقم (١٠٠٥٣)، والسيرة الحلبية: ٧٧٠/٢، غزوة خيبر والمرقاة: ٧٤/١١، كتاب الفضائل ...... الفصل الثاني، رقم (٥٩٣١).

(٢) الإصابة في تمييز الصحابة: ٣١٤/٤.

(٣) انظر الصحيح لمسلم، كتاب الطب، باب السم، رقم (٥٧٠٥)، وعمدة القاري: ٩٢/١٥، وكشف الباري، كتاب المغازي: ٦٧٠، وتكملة فتح الملهم: ٣١٢/٤.

(٤) أخرجه الحاكم في المستدرك: ٦٠/٣، كتاب المغازي......، رقم (٤٣٩٤)، قال عبدالله بن مسعود =

مؤثرِ حقیقی اللہ کی ذات ہے

حدیثِ باب سے ایک فائدہ یہ مستنبط ہوا کہ مؤثرِ حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے، اس کی اجازت وحکم کے بغیر کوئی چیز نقصان پہنچاسکتی ہے نہ فائدہ، دیکھیے! اس زہر آلود بکری کے گوشت سے حضرت بشر رضی اللہ عنہ فوری طور پر متاثر ہوئے، جب کہ نبی علیہ السلام اس کے فوری اثرات سے بچ گئے اور ان پر زہر اثر انداز نہیں ہوسکا(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیثِ باب کا انطباق

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بایں معنی ہے کہ نبی علیہ السلام کو یہودِ خیبر نے زہر آلود گوشت کھلانے کی کوشش کی، اس طرح دھوکہ دہی اور خیانت کے مرتکب ہوئے، لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سازش کے تمام کرداروں کو معاف کردیا تھا، اسی سے ترجمہ ثابت ہورہا ہے کہ اس صورت میں معاف بھی کیا جاسکتا ہے اور دوسری سزائیں بھی حسبِ ضرورت دی جاسکتی ہیں (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

٨ - باب : دُعاءِ الإمامِ عَلَى مَنْ نكَثَ عَهْدًا .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلوب ومقصود یہاں یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی بدعہدی کرتا ہے تو امام کو اس کے حق میں بددعا کرنی جائز ہے (۳)۔

٢٩٩٩ : حدّثنا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا ثابِتُ بْنُ يَزِيدَ : حَدَّثَنَا عاصِمٌ قالَ : سَأَلْتُ أَنَسًا(٤)

= رضي الله عنه: "لأن أحلف تسعا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قتل قتلاً أحب إلي من أن أحلف واحدة أنه لم يقتل؛ وذلك أن الله عزوجل اتخذه نبيا، واتخذه شهيدا". وأيضاً الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣١٤/٨، من كلام أم بشر بن البراء رضي الله عنهما.

(١) عمدة القاري: ٩٢/١٥، وفتح الباري: ٢٤٧/١٠.

(٢) عمدة القاري: ٩١/١٥.

(٣) عمدة القاري: ٩٢/١٥.

(٤) قوله: "سألت أنسا رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في الوتر، باب القنوت قبل......

رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوتِ ، قالَ : قَبْلَ الرُّكُوعِ ، فَقُلْتُ : إِنَّ فُلَانًا يَزْعُمُ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ ؟ فَقَالَ : كَذَبَ ، ثمَّ حَدَّثَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ ، يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ ، قالَ : بَعَثَ أَرْبَعِينَ – أَوْ سَبْعِينَ ، يَشُكُّ فِيهِ – مِنَ الْقُرَّاءِ ، إِلَى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ، فَعَرَضَ لَهُمْ هٰؤُلَاءِ فَقَتَلُوهُمْ ، وَكانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ عَهْدٌ ، فَمَا رَأَيْتُه وَجَدَ عَلَى أَحَدٍ ما وَجَدَ عَلَيْهِمْ . [ر : ۹۵۷]

تراجم رجال

۱– ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن فضل السدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة لله......" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲– ثابت بن یزید

یہ ثابت بن یزید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

۳– عاصم

یہ عاصم بن سلیمان بن ابی مسلم الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٤– انس

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت آ چکے(۴)۔

اور یہ پوری سند بصریین پر مشتمل ہے(۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۷٦۸.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الأذان، باب بدء الأذان.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان.

(٤) كشف الباري: ۲/٤.

(٥) فتح الباري: ٦/۲۷۳، وعمدة القاري: ۱٥/۹۲.

تنبیہ

اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب الوتر میں دیکھیے۔

ایک اہم فائدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ کسی کافر وغیرہ کے حق میں بددعا کی نہ تھی، جب تک نبی علیہ السلام کو یہ امید رہتی کہ یہ کافر اپنے دین باطل کو چھوڑ کر ہدایت یاب ہوسکتا ہے، اس کو بددعا نہیں دیتے تھے، دیکھیے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا گیا تھا کہ قبیلہ دوس پر بددعا کریں، لیکن آپ نے ان کے حق میں ہدایت کی دعا فرمائی، لیکن اس کے برخلاف بنی سلیم نے جب عہد توڑا، غداری وخیانت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے لیے بددعا فرمائی، کیوں کہ ان کی ہدایت سے نبی علیہ السلام مایوس ہو گئے تھے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بددعا قبول فرمائی اور آپ علیہ السلام کی سچائی کو لوگوں پر آشکار کر دیا کہ ہم اپنے نبی کی کسی بات کو رد نہیں کرتے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک اور فائدہ

نمازوں کے بعد، اسی طرح خطبوں میں جو مسلمانوں کے دشمنوں ومخالفین کے لیے بددعا کی جاتی ہے، اس کی اصل یہی قصہ ہے، جس میں نبی علیہ السلام نے بنو سلیم کے لیے بطورِ بددعا کے ایک مہینے تک قنوت نازلہ پڑھی، اس سے اس فعل کی مشروعیت وجواز بخوبی معلوم ہو رہا ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے، ترجمہ بدعہدی کرنے والے کے لیے بددعا کے جواز کا تھا، یہی جواز حدیثِ باب سے ثابت ہو رہا ہے۔

☆☆......☆☆

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۹۲.

(۲) حواله بالا.

۹ - باب : أَمانِ النِّساءِ وَجِوارِهِنَّ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عورت کے کسی کو امان دینے کا مسئلہ بیان کررہے ہیں اور یہ بتارہے ہیں کہ عورت اگر امان دے گی تو اس کا وہ امان دینا معتبر ہوگا (۱)۔

مسئلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جوار کے معنی

جُوار -بکسر الجیم وضمها- بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے، اجارہ کے معنی میں ہے اور اِجارہ کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا، مدد کرنا اور حفاظت کرنا (۲)۔ اب مطلب یہی ہوا کہ عورت کسی کو امان بھی دے سکتی ہے اور پناہ وغیرہ بھی دے سکتی ہے۔

۳۰۰۰ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ ٱللهِ : أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ[۳] تَقُولُ : ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ عامَ الْفَتْحِ ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ ، وَفاطِمَةُ ٱبْنَتُهُ تَسْتُرُهُ ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، فَقَالَ : (مَنْ هٰذِهِ) . فَقُلْتُ : أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ ، فَقَالَ : (مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ) . فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ، مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، زَعَمَ ٱبْنُ أُمِّي ، عَلِيٌّ ، أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلاً قَدْ أَجَرْتُهُ ، فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ . فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ) . قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ : وَذٰلِكَ ضُحًى . [ر : ۲۷٦]

تراجم رجال

۱- عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

---

(۱) عمدة القاري: ۹۲/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۷/۵.

(۲) عمدة القاري: ۹۲/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۳/٦، وشرح الكرماني: ۱۳۵/۱۳.

(۳) قوله: "أم هاني ابنة أبي طالب": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الغسل، باب التستر في الغسل ......

۲- مالك

یہ امام دارالہجرہ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کا تذکرہ "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۳- ابو النضر

یہ ابوالنضر سالم بن ابی امیہ مولی عمر بن عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٤- ابو مره

یہ ابومرہ یزید بن مرہ مولی ام ہانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب من قعد حيث ينتهي به المجلس......" کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

۵- ام هانی

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عم زاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ہیں (۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں فتح مکہ والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، دیکھا کہ آپ غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہ ستر پوشی کے لیے کھڑی تھیں، تو میں نے آپ کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے جواباً کہا میں ام ہانی ہوں۔تو آپ نے مجھے خوش آمدید کہا، جب آپ غسل سے فارغ ہو گئے تو نیت باندھ کر کھڑے ہوئے اور ایک ہی کپڑے کو اپنے جسم سے لپیٹ کر آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ میں نے کہا، یارسول اللہ! میرے بھائی علی کا خیال ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کریں گے، جس کو میں نے پناہ دے دی ہے، یعنی فلان ابن ہبیرہ کو، نبی علیہ السلام نے فرمایا اے ام

(۱) كشف الباري: ۱/۲۸۹-۲۹۰، امام مالک کے لیے مزید دیکھیے، كشف الباري: ۲/۸۰.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب المسح على الخفين.

(۳) كشف الباري: ۳/۲۱٤.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب التستر في الغسل عند الناس.

ہانی! تم نے جس کو پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی اور یہ چاشت کے وقت کی بات ہے۔

عورت امان دے سکتی ہے

حدیثِ باب اس مسئلہ میں صریح ہے کہ عورت امان دے سکتی ہے، نیز یہ کہ اس کے امان دیے ہوئے شخص کو قتل کرنا حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کو امان دیا تھا(۱)۔ اس سے بھی جواز واضح ہے، یہی جمہور علمائے حجاز وعراق یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد، ابوثور، اسحاق بن راہویہ، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مذہب ہے(۲)۔

البتہ مالکیہ میں سے دو حضرات عبدالملک بن الماجشون اور سحنون رحمہما اللہ نے جمہور سے ہٹ کر یہ کہا ہے کہ عورت کا امان دینا امام وقت کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ اس کو نافذ کرے تو صحیح ہے، ورنہ مردود، لیکن یہ قول شاذ ہے(۳)۔ والقول ما قاله الجمهور. والله اعلم بالصواب

---

(۱) روى الطبراني عن أنس رضي الله عنه: "أن زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم أجارت أبا العاص، فأجاز النبي صلى الله عليه وسلم جوارها ......". المعجم الكبير: ۲۲/۴۲۵-۴۲۶، ذكر سن زينب ووفاتها، ومن أخبارها، رقم (۱۰۴۸-۱۰۴۹).

وقد أخرجه الطبراني عن أم سلمة رضي الله عنها أيضاً. انظر معجمه الكبير: ۲۲/۲۷۵، وما أسندت أم سلمة رضي الله عنها، أبوبكر بن عبدالرحمن ...... عن أم سلمة......، رقم (۵۹۰)، وكذا انظر: ۲۲/۲۲۵، رقم (۱۰۴۷).

وأيضا انظر نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية: ۳/۳۹۶، رقم (۵۸۱۲-۵۸۱۳).

(۲) شرح ابن بطال: ۵/۳۴۹، وعمده القاري: ۱۵/۹۳، مذاہب اربعہ کے لیے دیکھیے: المغني: ۹/۱۹۵، والأم: ۲/۴/۲۸۴، والمدونة الكبرى: ۲/۴۱، والهداية: ۲/۵۶۴، وفتح القدير: ۵/۲۱۰، فصل الأمان.

(۳) قال الحافظ في الفتح (۶/۲۷۳): "قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على جواز أمان المرأة، إلا شيئا ذكره عبدالملك -يعني ابن الماجشون صاحب مالك- لا أحفظ ذلك عن غيره، قال: إن أمر الأمان إلى الإمام، وتأول مما ورد مما يخالف ذلك على قضايا خاصة، قال ابن المنذر: وفي قول النبي صلى الله عليه وسلم "يسعى بذمتهم أدناهم" دلالة على إغفال هذا القائل".

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیثِ باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ" (☆) اس سے عورت کے امان کی صحت کا جواز صراحت کے ساتھ معلوم ہو رہا ہے۔

۱۰ – باب : ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَجِوَارُهُمْ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ .

یعنی مسلمانوں کا ذمہ اور امان ایک ہے، ادنیٰ آدمی بھی اس کی کوشش کر سکتا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

مقصدِ ترجمہ یہاں یہ ہے کہ اگر کسی حربی کو مسلمانوں کی کوئی جماعت یا طبقہ امان دیتا ہے تو اس کا حکم ایک ہی ہوگا، کسی کے اختلاف سے حکم نہیں بدلے گا، یہ امان سب کی طرف سے معتبر ہوگا۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی حربی کو مسلمانوں کی طرف سے امان دیا جاتا ہے تو یہ امان سب کی طرف سے ہوگا، خواہ امان دینے والا کم مرتبے کا شخص ہو یا طبقہ اشرافیہ کا، غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، اس کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس امان کو توڑے اور جس کو امان دیا گیا ہے اس کو کسی قسم کا ضرر پہنچائے (۱)۔

ترجمۃ الباب میں مذکور لفظ "أدناهم" سے مراد "أقلهم عددا" ہے، یعنی ایک شخص بھی امان دے سکتا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت...... (۲)۔

کیا غلام کا امان دینا معتبر ہے؟

اوپر جو مذہب نقل کیا گیا وہ جمہور کا ہے، امام مالک، شافعی، احمد، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث اور ابوثور رحمہم اللہ (۳) کا مسلک یہی ہے کہ اگر غلام کسی کو امان دے تو وہ معتبر ہوگا، احناف میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (۴) کا مسلک بھی یہی ہے۔

(☆) عمدة القاري: ۹۳/۱۵.

(۱) عمدة القاري: ۹۳/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۸/۵، وفتح الباري: ۲۷٤/٦.

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) المدونة الكبرى: ٤۲/۲، والمغني: ۱۹۵/۹، وكتاب الأم: ۲۸٤/٤، باب في الأمان، وأعلام الحديث: ۱٤۷۰/۲.

(٤) الهداية: ۵٦۵/۲.

جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں کہ غلام کا امان اس وقت معتبر ہوگا جب اس کا مالک اس کو قتال کی اجازت بھی دے، مطلب یہ ہے کہ عبد ماذون کا امان معتبر ہے، غیر ماذون یعنی مجور کا غیر معتبر۔

اب ان حضرات کے درمیان گویا کہ عبد مجور میں اختلاف ہے، عبد ماذون للقتال میں کوئی اختلاف نہیں ہے(۱)۔

بچے کا امان

ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بچے کے امان کے غیر معتبر ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اس کلام سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حکم مطلق نہیں ہے، بلکہ مقید ہے، چناں چہ صبی مراہق اور ممیّز وفہیم کا امان معتبر ہے(۲)۔

لیکن خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صبی ممیّز کے امان کو غیر معتبر سمجھتے ہیں، كالصبي الغير المميز(۳).

احناف کے نزدیک اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صبی ممیّز اگر مجور عن القتال ہو تو اس کا امان غیر معتبر ہے، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس امان کی صحت کے قائل ہیں۔

اور اگر صبی ممیّز ماذون للقتال ہو تو سب کے نزدیک اس کا امان معتبر ومقبول ہے(۴)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد سحنون مطلقاً صبی ممیّز کے امان کے معتبر ہونے کے قائل ہیں، جب کہ ان کے دیگر تلامذہ اس کو امام کی اجازت سے مشروط کہتے ہیں(۵)۔

---

(۱) حواله بالا، والفتاویٰ الهندية: ۱۹۸/۲.

(۲) فتح الباري: ۲۷٤/٦.

(۳) كتاب الأم: ۲۸٤/٤/۲، باب في الأمان، "وإذا أمن من دون البالغين والمعتوه قاتلوا أو لم يقاتلوا لم نجز أمانهم".

(٤) الهداية مع البناية للعيني: ۱۲۹/۷، كتاب السير، فصل، وكتاب السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ۱۷۸/۱/۱، رقم (٤۲).

(٥) المدونة الكبرى: ٤۱/۲، كتاب الجهاد، في أمان المرأة والعبد والصبي، والمنتقى: ۳٤٦/٤.

جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں منقول ہیں، ایک میں صحت کے قائل ہیں، دوسری میں عدم صحت کے (۱)۔

مجنون کا امان دینا

جمہور علمائے امت کے نزدیک مجنون ودیوانے کا امان غیر معتبر ہے، کافر کے مثل اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں (۲)۔

۳۰۰۱ : حدّثني محمّدٌ : أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ قالَ : خَطَبَنَا عَلِيٌّ (۳) فَقَالَ : ما عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابُ ٱللهِ وَما في هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ ، فَقَالَ : فِيهَا الْجِرَاحَاتُ وَأَسْنَانُ الْإِبِلِ : (وَالْمَدِينَةُ حَرَمٌ ما بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى كَذَا ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى فِيهَا مُحْدِثًا ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ ٱللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ، وَمَنْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذٰلِكَ ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذٰلِكَ) .

[ر : ۱۷۷۱]

تراجم رجال

۱- محمد

محمد سے مراد محمد بن سلام بیکندی ہیں۔ جس کی تصریح ابن السکن رحمہما اللہ نے کی ہے۔ ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب قول النبي ﷺ: أنا أعلمكم بالله......" کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

۲- وکیع

یہ مشہور امام حدیث حضرت وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، "باب

---

(۱) المغني لابن قدامة: ۹/۱۹۶.

(۲) حوالہ بالا، وفتح الباري: ۶/۲۷۴، والسير الكبير مع السرخسي: ۱/۱/۲۰۰، كتاب الأمان، رقم (۴۶).

(۳) قوله: "خطبنا علي": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب العلم، باب كتابة العلم.

(۴) فتح الباري: ۶/۲۷۴، وكشف الباري: ۲/۹۳.

كتابة العلم" کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۳- الأعمش

یہ امام سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکا ہے (۲)۔

٤- ابراهيم التيمي

یہ مشہور محدث، امامِ وقت ابراہیم بن یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب خوف المؤمن من أن......" کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

٥- أبيه

ابیہ سے مراد حضرت ابراہیم کے والد یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

٦- علی

یہ دامادِ رسول، خلیفہ رابع، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ كتاب العلم، "باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم" کے تحت بیان ہو چکا (۵)۔

تنبیہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب کی تشریح ہم "كتاب العلم، باب كتابة العلم" (٦) اور "فضائل المدينة، باب حرم المدينة" کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

---

(١) كشف الباري: ٤/٢١٩.

(٢) كشف الباري: ٢/٢٥١.

(٣) كشف الباري: ٢/٥٤٤.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة.

(٥) كشف الباري: ٤/١٤٩.

(٦) كشف الباري، كتاب العلم: ٤/٢٢٣-٢٦١.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: "وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ" کہ مسلمانوں کا ذمہ اور عہد ایک ہی ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی عاقل بالغ مسلمان کسی کو پناہ دے تو وہ معتبر ہوگا (۱)۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ذکر کردہ کلمات "يسعى بذمتهم أدناهم" کے ذریعے اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو آگے سفیان عن الاعمش کے طریق سے "باب إثم من عاهد ثم غدر" کے تحت آرہی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "وذمة المسلمين واحدة، يسعى بها أدناهم".

یہی معنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوعاً مروی ہیں، ان کی روایت کی تخریج امام احمد (۲) وابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ (۳) نے کی ہے، فرماتے ہیں: "المسلمون تتكافؤ دماؤهم، وهم يد على من سواهم، يسعى بذمتهم أدناهم" (٤).

١١ – باب: إِذَا قَالُوا صَبَأْنَا وَلَمْ يُحْسِنُوا أَسْلَمْنَا.

یعنی یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ جب مشرکین "صبأنا" کہیں اور "أسلمنا" اچھی طرح نہ کہہ پائیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر مشرکین دورانِ قتال یہ کہنے لگیں کہ صبأنا یعنی ہم اپنے سابقہ دین سے پھر گئے اور ان کا مقصد اس جملے سے یہ ہو کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں، تمہارے دین میں

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٧٤، وعمدة القاري: ١٥/٩٤، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٨.

(٢) مسند الإمام أحمد: ٢/٦٥٧-٦٥٨، مسند عبدالله بن عمرو......، رقم (٦٧٩٧)، وأيضا برقم (٦٦٩٢و٧٠٩٢).

(٣) سنن ابن ماجه، كتاب الديات، باب المسلمون تتكافؤ دمائهم، رقم (٢٦٨٥)، وعن ابن عباس أيضاً، رقم (٢٦٨٣).

(٤) فتح الباري: ٦/٢٧٤، وعمدة القاري: ١٥/٩٤، وإرشاد الساري: ٥/٢٣٨، نیز دیکھیے، المصنف لابن أبي شيبة: ١٨/١٠١-١٠٧، كتاب السير، باب في أمان المرأة والمملوك.

داخل ہوتے ہیں، لیکن "أسلمنا" نہ کہہ پائیں تو کیا ان کا "صبأنا" کہنا اس امر کے لیے کافی ہوگا کہ ان سے لڑائی روک دی جائے اور ان کے مزید درپے نہ ہوا جائے (۱)، تو امام بخاری کا جواب اثبات میں ہے کہ ان سے اب تعرض نہیں کیا جائے گا۔

جب کہ علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصود ترجمہ یہ ہے کہ مقاصد کا اعتبار ادلہ وقرائن سے ہوتا ہے، یہ ادلہ خواہ لفظی ہوں یا غیر لفظی، چاہے کسی بھی زبان میں ہوں (۲)۔

یہاں مناسب رائے علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ ہی کی معلوم ہوتی ہے کہ ترجمۃ الباب کو عام رکھا جائے اور یوں کہا جائے کہ لفظ "صبأنا" کے ساتھ ترجمہ خاص نہیں ہے، بلکہ کوئی سا بھی کلمہ یا جملہ یہ مفہوم دے رہا ہو، اس کا اعتبار ہوگا، نیز یہ کہ امان کسی بھی زبان میں دیا جائے وہ معتبر ہوگا، مطلوب فقط یہی ہے کہ وہ کلمہ یا جملہ امان کے معنی دے رہا ہو اور مضمون امان وذمہ کو شامل ہو۔

کلمہ "صبأنا" کی تحقیق صرفی ولغوی

"صبأنا" باب نصر سے جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "صُبُوءً ا" ہے، اس کے معنی مذہب تبدیل کرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے: "صبأ فلان: إذا خرج من دينه إلى دين غيره" اسی بنیاد پر مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "صابی" کہتے تھے، کیوں کہ آپ علیہ السلام نے مشرکین مکہ کے خیال وزعم کے مطابق اپنے باپ دادا کے مذہب بت پرستی وشرک کو چھوڑ کر دوسرا دین یعنی اسلام اختیار کرلیا تھا (۳)۔

وَقالَ ٱبْنُ عُمَرَ : فَجعَلَ خالِدٌ يَقْتُلُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خالِدٌ) . [ر : ٤٠٨٤]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (ان کو) قتل کرنے لگے، سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا، میں اس سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔

---

(۱) فتح الباري: ٢٧٤/٦، وعمدة القاري: ٩٤/١٥، وشرح ابن بطال: ٣٥٢/٥.

(۲) فتح الباري: ٢٧٤/٦، وعمدة القاري: ٩٤/١٥، والمتواري على تراجم أبواب البخاري: ١٩٩.

(۳) عمدة القاري: ٩٤/١٥، وفتح الباري: ٥٧/٨-٥٨، والقاموس الوحيد، مادة: "صبأ".

مذکورہ تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تعلیق کو مسنداً کتاب المغازی میں (۱)، نیز کتاب الاحکام (۲) میں نقل کیا ہے۔

ان کے علاوہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو موصولاً روایت کیا ہے (۳)۔

تعلیق میں مذکور واقعے کی تفصیل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا تعلیق میں انتہائی اختصار واجمال ہے، اس میں مذکور واقعے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کا امیر بنا کر تبلیغ کی غرض سے بنوجذیمہ کی طرف روانہ کیا، یہ غزوۂ حنین سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ لوگ ٹھیک طرح سے اسلام کا اقرار نہ کرسکے، "أسلمنا" کی بجائے "صبأنا" کہنے لگے، مقصد یہی تھا کہ ہم آپ کے دین کو قبول کرتے ہیں، لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے اس اقرار کو قبول نہ کیا اور ظاہر لفظ کو بنیاد بنا کر ان کو قتل کرنے لگے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت ناراض ہوئے، فرمایا، "اللهم! إني أبرأ إليك مما صنع خالد".

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل سے انکار اور اس پر ناراض ہونے سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ہر قوم میں اس مفہوم یعنی قبولِ اسلام کو ادا کرنے کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، انہیں کا اعتبار ہوگا، اسی کو ان کی طرف سے کافی ووافی سمجھا جائے گا۔

مذکورہ واقعے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چوں کہ اجتہاد کیا تھا، جس میں ان سے خطا کا صدور ہوگیا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معذور جانا، اسی وجہ سے ان سے قصاص نہیں لیا گیا، بلکہ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال دے کر بنوجذیمہ کی طرف روانہ کیا اور ان کے مقتولین کی

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الوليد......، رقم (٤٣٣٩).

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب إذا قضى الحاكم بجور أو ......، رقم (٧١٨٩).

(۳) سنن النسائي، كتاب آداب القضاة، باب الرد على الحاكم إذا قضى بغير الحق، رقم (٥٤٠٧).

دیت بیت المال سے ادا کی گئی (۱)۔

حدیث سے مستنبط ایک مسئلہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قاضی وحاکم کوئی ظالمانہ فیصلہ کرے یا اہل علم کے اقوال وآرا سے ہٹ کر کوئی فیصلہ دے تو بالاتفاق یہ فیصلہ مردود ہوگا۔

ہاں! اگر یہ فیصلہ اجتہاد کی رو سے ہو یا کوئی مناسب تاویل اپنے فعل کی حاکم پیش کردے، جس طرح کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس صورت میں حاکم گناہ گار تو نہیں ہوگا، لیکن ضمان لازم آئے گا، عند عامة أهل العلم.

پھر فقہائے امت کا اس امر میں اختلاف ہوا کہ یہ ضمان کون ادا کرے گا؟ آیا بیت المال سے ادا کیا جائے گا یا حاکم کا خاندان (عاقلہ) اس کو ادا کرے گا؟

چناں چہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام ثوری، احمد واسحاق رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ مذکورہ فیصلہ کسی قتل یا زخمی کرنے کا ہو تو دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

جب کہ امام شافعی، اوزاعی اور صاحبین رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ دیت امام کے عاقلہ وخاندان پر لازم ہوگی، وہی اس کو ادا کرے گا۔

اور ابن الماجشون رحمۃ اللہ علیہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں سرے سے کوئی ضمان نہیں ہے (۲)۔

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بظاہر واضح نہیں ہے کہ ترجمہ تو "إذا قالوا: صبأنا......" کا تھا، لیکن اس کے تحت ذکر کردہ حدیث میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔

تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک معروف عادت یہ بھی ہے کہ وہ بعض

---

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم خالد بن الوليد إلى......، رقم (۴۳۳۹)، وفتح الباري: ۶/۲۷۴، وعمدة القاري: ۱۵/۹۴.

(۲) شرح ابن بطال: ۸/۲۶۰-۲۶۱، كتاب الأحكام، باب إذا قضى الحاكم بجور ......، وعمدة القاري: ۱۵/۹۴، وفتح الباري: ۶/۲۷۴، والمغني: ۸/۲۸۸، آخر فصل من كتاب الجراح، رقم (۶۷۷۳).

اوقات حدیث کے کسی جملے یا جز کو ترجمہ بناتے ہیں، پھر اس جملے یا جز کو ترجمہ کے تحت ذکر نہیں کرتے، چناں چہ یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ ترجمہ تو "صبأنا" کا قائم کیا، لیکن اس کو حدیث میں ذکر نہیں کیا، بلکہ اس حدیث کے ایک حصے کو نقل فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا اور اسی پر اکتفا فرمایا(۱)۔

وَقَالَ عُمَرُ : إِذَا قَالَ مَتَرْسْ فَقَدْ آمَنَهُ ، إِنَّ ٱللهَ يَعْلَمُ الْأَلْسِنَةَ كُلَّهَا .
[ر : ۲۹۸۹]

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی سے یوں کہے کہ مت ڈرو تو تحقیق اس نے اس کو امان و پناہ دی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو تمام زبانوں اور بولیوں کو جانتا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مصنف" میں ابووائل کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے(۲)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکمل فرمان

اوپر ذکر کردہ کلمات یعنی "إذا قال: مترس، فقد آمنه؛ إن الله يعلم الألسنة كلها" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمان کا جز ہیں، جو آپ رضی اللہ عنہ نے ملک فارس میں مصروفِ جہاد ایک لشکر کو بطور ہدایت نامے کے بھیجا تھا، مکمل متن درج ذیل ہے:

"عن أبي وائل قال: جاء نا كتاب عمر ونحن نحاصر قصر فارس، فقال: إذا حاصرتم قصرا فلا تقولوا: انزلوا على حكم الله؛ فإنهم لايدرون ما حكم الله؟ ولكن أنزلوهم على حكمكم، ثم اقضوا فيهم، وإذا لقي الرجل الرجلَ، فقال: لاتخف، فقد أمنه، وإذا قال: مترس، فقد أمنه؛ إن الله يعلم الألسنة كلها"(۳).

---

(۱) فتح الباري: ۶/۲۷۴، وعمدة القاري: ۱۵/۹۴.

(۲) المصنف لعبدالرزاق: ۵/۱۵۰-۱۵۱، كتاب الجهاد، باب دعاء العدو، رقم (۹۴۹۲) و(۹۴۹۴).

(۳) حواله بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۹۴، وتغليق التعليق: ۳/۴۸۳، وفتح الباري: ۶/۲۷۴-۲۷۵.

یعنی: ''حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس، درآنحالیکہ ہم نے فارس کے محل کا محاصرہ کیا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا والا نامہ آیا، جس میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جب تم کسی محل (یا قلعہ) کا محاصرہ کرو تو یوں نہ کہو کہ اللہ کے فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے نیچے اتر آؤ، کیوں کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ اللہ کا فیصلہ کیا ہے؟ بلکہ ان کو اپنے فیصلے پر نیچے اتارو، جب اتر آئیں تو فیصلہ کرو، جب کسی بندہ کی دوسرے بندے سے ملاقات ہو اور وہ یہ کہہ دے کہ مت ڈرو۔ تو تحقیق اس کہنے والے نے اس کو امان دیا اور اگر ''مترس'' کہے تب بھی امان دیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو تمام زبانوں کو جانتا ہے''۔

''مترس'' کی لغوی تحقیق اور ضبط

''مترس'' فارسی زبان کا جملہ ہے، اس کے معنی ''مت ڈرو'' کے ہیں اور یہ جملہ دو چیزوں سے مرکب ہے، میم اور ترس، میم تو اہلِ فارس کے ہاں نفی کے معنی دیتا ہے، جب کہ ترس صیغۂ امر ہے ترسیدن سے، جس کے معنی ڈرنے کے ہیں، اب اس جملے کے معنی یہ ہوئے "لا تخف" یعنی مت ڈر(۱)۔

علاوہ ازیں علمائے حدیث کا اس جملے کے ضبط میں بھی اختلاف ہے، امام اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کو میم اور تاء کے فتحہ اور سکون راء کے ساتھ ضبط کیا ہے اور ابوذر نے میم کو مکسور اور تاء کو ساکن قرار دیا ہے(۲)۔

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلمہ کو میم مفتوحہ، تائے مشددہ اور رائے ساکنہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ پھر فرمایا: "وقد تخفف التاء، وبه جزم بعض من لقيناه من العجم"(۳).

اور بعض حضرات نے اس کو تاء کے سکون اور راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن راجح بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے امام اصیلی کا ضبط ہے، جس کی طرف حافظ علیہ الرحمہ نے بھی اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے، "وبه جزم بعض من لقيناه من العجم"(٤).

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٩٤، وفتح الباري: ٦/٢٧٥.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٤-٩٥.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٧٥.

(٤) حواله بالا، وعمدة القاري: ١٥/٩٥.

وَقَالَ : تَكَلَّمْ لَا بَأْسَ .

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے فرمایا، کوئی بات نہیں، گفتگو کرو۔

اس جملے کا تعلق ایک اور واقعے سے ہے، جس کی تفصیل کتاب الجزیہ کے شروع میں آچکی ہے (۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فارس کے شہر تُستُر کے محاصرے کے دوران ہرمزان گرفتار ہوگئے، جن کو حضرت انس کی معیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں روانہ کیا گیا، جب خلیفہ ثانی نے ان سے گفتگو کرنا چاہی تو وہ خاموش رہے، اس پر حضرت عمر نے ان سے کہا، "تكلم، لا باس عليك" اس کے بعد ان دونوں کے درمیان بات چیت شروع ہوئی، جس کی تفصیل طویل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کے قتل کے احکامات جاری کرنا چاہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو آپ کر نہیں سکتے، کیوں کہ آپ نے تو ان کو "تكلم لا بـاس عليك" کہا ہے، خلیفہ ثانی نے کہا کیا تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے، جو اس چیز کی شہادت دے کہ میں نے یہ جملے کہے ہیں؟ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی موافقت کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کو قتل نہیں کروایا، بعد میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا (۲)۔

مذکورہ اثر کی تخریج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر کو مختصراً امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں (۳) اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، نیز سعید بن منصور نے اپنی سنن (۴) میں اس کی تخریج کی ہے (۵)۔

---

(۱) انظر باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة، ہرمزان کے قبول اسلام کا واقعہ.

(۲) عمدة القاري: ١٥/٩٥، وفتح الباري: ٦/٢٧٥، والمصنف لابن أبي شيبة: ١٨/١٠٩—١١٠، كتاب السير، باب في الأمان، ما هو؟ وكيف هو؟ رقم (٣٤٠٨٤)، وكتاب البعوث والسرايا: ١٨/٣٠٤، ما ذكر في تستر، رقم (٣٤٥٠٦).

(۳) المصنف لابن أبي شيبة: ١٨/١٠٩—١١٠، رقم (٣٤٠٨٤)، وكتاب البعوث والسرايا: ١٨/٣٠٤، رقم (٣٤٥٠٦).

(٤) سنن سعيد بن منصور: ٢/٢٥٢، كتاب الجهاد، باب قتل الأساری، ......، رقم (٢٦٧٠)، وأخرجه البيهقي من طريق الثقفي عن حميد الطويل: ٩/١٦٤، كتاب السير، باب كيف الأمان؟ رقم (١٨١٨٣).

(٥) عمدة القاري: ١٥/٩٥، وفتح الباري: ٦/٢٧٥، وتغليق التعليق: ٣/٤٨٣.

مذکورہ اثر سے مستفاد ایک مسئلہ

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ اثر سے یہ مسئلہ مستفاد ہوا کہ اگر حاکم اپنے کسی فیصلے کو بھول جائے اور دو آدمی اس کے ہاں گواہی دیں کہ حاکم نے یہ فیصلہ دیا تھا تو حاکم پر یہ لازم ہوگا کہ اس فیصلے پر عمل کروائے اور اس کو نافذ کرے۔

نیز یہ کہ حاکم اگر ایک فرد کی شہادت کو قبول کرنے سے ہچکچائے، اس میں توقف کرے، پھر دوسرا فرد پہلے کی موافقت میں گواہی دے دے تو اب شک وشبہہ ختم ہو جائے گا اور اس سے پہلے فرد کی گواہی بھی متاثر نہیں ہوگی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

تعلیق مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ تعلیق میں یہ آیا ہے کہ امان دینے والا لاتخف کہے یا مترس یا تکلم، لا بأس، اس سے امان کا تحقق ہو جائے گا، کیوں کہ یہ سارے جملے امان دینے پر دلالت کرتے ہیں، زبان خواہ کوئی سی بھی استعمال کرے یا تعبیر کوئی سی بھی ہو، چناں چہ پہلے دونوں جملے تو ظاہراً بھی اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ جس آدمی کے سامنے یہ ادا کیے جائیں، مراد امان ہی ہے اور تیسرے جملے کی دلالت بایں معنی ہے کہ مخاطب کو یہ کہا جا رہا ہے کہ تم بے تکلف ہو کر گفتگو کرو، تم سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور یہی امان ہے، جیسا کہ مذکورہ واقعہ بھی اس پر شاہد ناطق ہے۔

١٢ – باب : الْمُوَادَعَةِ وَالْمُصَالَحَةِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ بِالْمَالِ وَغَيْرِهِ ، وَإِثْمِ مَنْ لَمْ يَفِ بِالْعَهْدِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس فعل کی مشروعیت وجواز بتلانا چاہتے ہیں کہ مشرکین کے ساتھ مصالحت کے وقت مال وغیرہ ادا کرنے کی ضرورت پڑے تو یہ جائز ہے (۲)۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمۃ الباب میں مذکور لفظ ''وغیرہ'' کا عطف ''بالمال'' پر ہے کہ مشرکین کو مال کی ادائیگی بھی کی جاسکتی

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٧٥.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٥.

ہے،اس کے علاوہ قیدی وغیرہ بھی، یعنی ان کے افراد اگر مسلمانوں کے پاس قید ہوں تو ان کی رہائی کے بدلے بھی مصالحت ہوسکتی ہے، أو بالعکس (۱)۔

وَقَوْلِهِ : «وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا» الآيَةَ /الأنفال : ٦١/ .

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول: اور اگر مشرکین صلح کا مطالبہ کریں تو آپ بھی صلح کرلیں۔

آیت کریمہ کی تفسیر

اوپر آیت کریمہ کا ترجمہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے، انہوں نے ﴿جَنَحُوا﴾ کی تفسیر "طلبوا" سے کی ہے، جب کہ دیگر حضرات مفسرین نے اس کی تفسیر "مالوا" سے کی ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا اور اگر مشرکین صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوجایئے (اور صلح کرلیجیے) کیونکہ جناح کے لغوی معنی میلان کے ہیں (۲)۔

اور کلمہ "السلم" سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ صلح کے معنی میں ہے، یہ ابو عبیدۃ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جب کہ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلم اگر بفتح السین ہو تو اس کے معنی صلح کے ہیں اور بکسر السین ہو تو اسلام کے معنی میں (۳)۔

آیتِ کریمہ سے امام بخاری کا استدلال اور ترجمہ سے انطباق

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ مشرکین کے ساتھ صلح جائز اور مشروع ہے (۴)۔

اسی سے ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت کا انطباق بھی واضح ہو رہا ہے کہ جب مشرکین کے ساتھ صلح جائز ہے تو یہ صلح بالمال بھی ہوسکتی ہے اور بغیر مال کے بھی، صلح بغیر المال کا حکم تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے

---

(۱) حواله بالا، وفتح الباري: ٦/٢٧٥، وشرح القسطلاني: ٥/٢٣٩.

(۲) حواله جات بالا، والقاموس الوحيد، مادة "جنح"، وتفسير القرطبي: ٨/٣٩.

(۳) فتح الباري: ٦/٢٧٥-٢٧٦، وعمدة القاري: ١٥/٩٥.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٧٦، وكتاب السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ٥/٣-١٦، باب الموادعة.

کتاب میں ذکر کر دیا تھا اور یہاں صلح بالمال کا تذکرہ کر دیا، جس سے جہاں مصنف علیہ الرحمۃ کا مدعی ثابت ہوا، وہیں صلح کی دو تقسیمیں بھی سامنے آگئیں کہ صلح کی ایک قسم تو بالمال ہے، دوسری بغیر المال۔

فائدہ

آیتِ کریمہ کو جو مقید بالشرط کیا گیا کہ "اگر وہ صلح چاہیں تو آپ بھی صلح کر لیجیے" سے مفہوم و معلوم یہ ہوتا ہے کہ صلح کا معاملہ مقید ہے، مطلق نہیں کہ اس سے مسلمانوں کا بھلے نقصان ہو رہا ہو، تب بھی صلح کی جائے، بلکہ یہاں تو یہ دیکھا جائے گا کہ مسلمان کس حال میں ہیں، اگر صلح ان کے مناسب حال ہے، اس میں ان کا فائدہ ہے تو صلح کرنا درست ہے، اس کے برعکس اگر مسلمان غالب ہوں اور صلح میں کوئی مصلحت و فائدہ بھی معلوم نہ ہو رہا ہو، تو صلح کرنا درست نہیں (۱)۔

ترجمۃ الباب کے تحت مذکور مسئلے کی تفصیل

مشرکین کے ساتھ بغیر مال کے مصالحت تو جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، بغیر مال کے مصالحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ (۲) میں مشرکین قریش کے ساتھ کی تھی، لیکن اگر مشرکین کو مال دینا پڑے، مال کے بدلے ان سے مصالحت ہو اور خدانخواستہ ایسے نامساعد حالات پیدا ہو جائیں کہ وہ مال لیے بغیر مصالحت پر راضی نہ ہوں تو اس میں کیا ہوگا؟

چناں چہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ تو اس صورت میں یہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کو صلح کے بدلے مال ادا کرنا جائز نہیں، ہاں! ضرورت کے وقت جائز ہے، مثلاً یہ کہ مسلمانوں کو جنگی نقصانات سے محفوظ رکھا جائے (۳)۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صلح تو بغیر عوض کے ہونی چاہیے، لیکن اگر اضطرار کی حالت ہو اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ، مال دیے بغیر اہلِ اسلام کی حفاظت ناممکن ہو جائے اور یہ خطرہ ہو کہ وہ مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچائیں گے تو ایسی صورت میں مال دے کر صلح کی جا سکتی ہے؛ لأن ذلك من معاني الضرورات.

---

(۱) فتح الباري: ۶/۲۷۶، والجامع لأحكام القرآن: ۸/۴۰.

(۲) صلح حدیبیہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي: ۳۵۹-۳۷۲.

(۳) شرح ابن بطال: ۵/۳۵۵، وفتح الباري: ۶/۲۷۶، وعمدة القاري: ۱۵/۹۷.

اس کے برعکس اگر صرف یہ صورت ہو کہ مسلمان کمزور تو ہیں، لیکن مقابلے کی سکت ان میں ہے تو مال کی ادائیگی پر صلح جائز نہیں، کہ مسلمان قتل بھی ہوا تو شہید ہی ہوگا، جس کے اپنے فضائل ہیں، اس کے علاوہ مسلمانوں کی شان اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ مشرکین سے رحم کی درخواست کریں اور انہیں جنگ روکنے کا کہیں (۱)۔

اس مسئلے میں مذہب حنفیہ و مالکیہ کے بارے میں علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں امام مالک و امام ابوحنیفہ کی کوئی روایت اور ان کا کوئی قول ہمیں معلوم نہیں ہے (۲)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے حنفیہ کا مسلک امام شافعی و احمد کی طرح نقل کیا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

"مذهب أصحابنا أن للإمام أن يصالحهم بمالٍ يأخذه منهم، أو يدفعه إليهم، إذا كان الصلح خيرا في حق المسلمين؛ لقوله تعالىٰ: ﴿وإن جنحوا للسلم فاجنح لها﴾، والمال الذي يؤخذ منهم يصرف مصارف الجزية"(۳).

اور مالکیہ کا مذہب بھی اس باب میں ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے، بشرطے کہ کوئی فاسد شرط نہ لگائی جائے، علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

"ويجوز للإمام ...... المهادنة أي صلح الحربي مدة ليس لهُو فيها، تحت حكم الإسلام، لمصلحة كالعجز عن قتالهم مطلقا، أو في الوقت الحاضر ...... إن خلا عقد المهادنة ...... عن شرط فاسد، فإن لم تخل عنه لم تجز، كشرط بقاء مسلم أسير تحت أيديهم ...... وإن بمال ...... إلا لخوف مما هو أشد ضررا من دفع المال منهم أو لهم......(٤).

مشرکین کو صلح کے بدلے مال کی ادائیگی کی مثالیں

تاریخ میں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ مسلمانوں نے مشرکین کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے بوقت

---

(۱) شرح ابن بطال: ٥/٣٥٦، وفتح الباري: ٦/٢٧٦ وعمدة القاري: ١٥/٩٧.

(۲) شرح ابن بطال: ٥/٣٥٦، وعمدة القاري: ١٥/٩٧.

(۳) عمدة القاري: ١٥/٩٧، نیز دیکھیے، کتاب السير الكبير مع السرخسي: ٥/٣-١٦، باب الموادعة.

(٤) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي: ٢/٥٢٧، باب في الجهاد، فصل عقد الجزية.

ضرورت ان کو مال کی ادائیگی بھی کی ہے۔علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مری کے ساتھ غزوہ احزاب کے موقع پر صلح کی پیشکش کی تھی کہ نبی علیہ السلام ان کو مدینہ منورہ کی کھجور کی پیداوار کا ثلث دیں گے، لیکن اس کے لیے ان کو یہ کرنا ہوگا کہ وہ بنو غطفان کو لے کر لوٹ جائیں اور قریش کا ساتھ چھوڑ دیں......(۱)۔

سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے موقع پر مشرکین کے ساتھ مال کے بدلے صلح کی تھی۔یہی عبدالملک بن مروان کے بارے میں بھی مروی ہے کہ وہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مصروف جنگ تھے، تو انہوں نے رومی بادشاہ کے ساتھ ایک ہزار دینار یومیہ ادائیگی کے بدلے صلح کی تھی (۲)۔

۳۰۰۲ : حدّثنا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا بِشْرٌ هُوَ ٱبْنُ الْمُفَضَّلِ : حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ[۳] قَالَ : ٱنْطَلَقَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ إِلَى خَيْبَرَ ، وَهْيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ ، فَتَفَرَّقَا ، فَأَتَى مُحَيِّصَةُ إِلَى عَبْدِ ٱللهِ بْنِ سَهْلٍ وَهُوَ يَتَشَحَّطُ فِي دَمِهِ قَتِيلاً ، فَدَفَنَهُ ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِينَةَ ، فَٱنْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ وَحُوَيِّصَةُ ٱبْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَتَكَلَّمُ ، فَقَالَ : (كَبِّرْ كَبِّرْ) . وَهُوَ أَحْدَثُ الْقَوْمِ ، فَسَكَتَ فَتَكَلَّمَا ، فَقَالَ : (تَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ ، أَوْ صَاحِبَكُمْ) . قَالُوا : وَكَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ وَلَمْ نَرَ ؟ قَالَ : (فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ) . فَقَالُوا : كَيْفَ نَأْخُذُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ ، فَعَقَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ . [ر : ٢٥٥٥]

تراجم رجال

۱ – مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإیمان

(۱) الجامع لأحكام القرآن: ۸/۴۱.

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۹۷، وشرح ابن بطال: ۵/۳۵۵، نیز حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: ۲/۵۲۷.

(۳) قوله: "عن سهل بن أبي حثمة": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الصلح، باب الصلح مع المشركين.

أن يجب لأخيه ما يحب لنفسه" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۲- بشر

یہ ابواسماعیل بشر بن المفضل بن لاحق بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعى......" کے تحت گزر چکا ہے(۲).

۳- يحيى

یہ مشہور محدث یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ "بدء الوحي" میں اجمالاً اور کتاب الإيمان، "باب صوم رمضان احتساباً......" کے تحت آچکا(۳)۔

٤- بشير بن يسار

یہ بشیر بن یسار مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۴)۔

٥- سهل بن ابى حثمه

یہ ابومحمد سہل بن ابی حثمہ انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۵)۔

قَالَ: انْطَلَقَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ إِلَى خَيْبَرَ وَهْيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبداللہ اور محیصہ بن مسعود(۲۰) خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور وہ ان دنوں صلح والی زمین تھی۔

فَتَفَرَّقَا فَأَتَى مُحَيِّصَةُ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَهْلٍ، وَهْوَ يَتَشَحَّطُ فِي دَمٍ قَتِيلاً، فَدَفَنَهُ،

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲.

(۲) كشف الباري: ۲۲۲/۳.

(۳) كشف الباري: ۲۳۸/۱، و:۳۲۱/۲.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الوضوء من غير حدث.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب البيوع، باب بيع الثمر على رؤوس النخل.

(٦) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلح، باب الصلح مع المشركين.

ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِينَةَ

وہاں یہ دونوں حضرات جدا ہوگئے، پھر حضرت محیصہ عبداللہ بن سہل کی طرف آئے، جب کہ وہ خون میں لت پت مقتول پڑے تھے، چناں چہ انہوں نے حضرت عبداللہ کو وہیں دفنایا، پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

یہاں واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دیگر کچھ ساتھیوں کے ساتھ خیبر کی طرف تشریف لے گئے، مقصد اپنے اہل وعیال کے لیے کھجور کی فراہمی تھی کہ ان کے لیے خیبر کی کھجوریں لائی جائیں، خیبر پہنچنے کے بعد یہ دونوں حضرات جدا ہوگئے اور اپنی مصروفیات میں مشغول ہوگئے، مقررہ دن جب حضرت محیصہ، حضرت عبداللہ بن سہل کی طرف آئے تو دیکھا کہ وہ ایک چشمہ یا کنوئیں کے اندر خون میں لت پت پڑے ہیں، ان کی گردن ٹوٹی ہوئی ہے اور ان کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرچکی ہے، وہاں ان کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا کہ قاتل کی تعیین ہوسکے، اس لیے حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ ان کو وہیں دفنا کر مدینہ منورہ لوٹ آئے (۱)۔

"يَتَشَحَّطُ" کے معنی

یہ باب تفعل سے مضارع کا صیغہ ہے، اس کا مادہ "شحط" ہے علمائے حدیث نے اس لفظ کے کئی معنی بیان کیے ہیں، لیکن مآل سب کا ایک ہی ہے، یعنی خون میں لت پت ہونا، كما ذكرنا فوق أيضاً (۲).

اور "قتيلا" حالیت کی بناپر منصوب ہے (۳)۔

فَانْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ وَحُوَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ

پس حضرت عبدالرحمٰن بن سہل، محیصہ اور حویصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۹٦/۱٥، والقسطلاني: ۲۳۹/٥، وسيرة ابن هشام: ۲/۳/۳٥٥، تسمية النفر الدارِيين الذين أوصى لهم رسول الله......

(۲) قال الخطابي في أعلام الحديث: ۱٤٦۷/۲: "يتشحط، أي: يضطرب في الدم". وقال ابن الأثير (النهاية: ٤٤۹/۲، باب الشين مع الحاء، وجامع الأصول: ۲۸٦/۱۰): "معناه: يتخبط في دمه، ويضطرب، ويتمرغ". وقال الداودي، كما حكاه العيني في العمدة (۹٦/۱٥): "المتشحط: المختضب ......".

(۳) عمدة القاري: ۹٦/۱٥، وشرح القسطلاني: ۲۳۹/٥.

یعنی مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ دیگر دونوں حضرات صحابہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تاکہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ماجرا گذرا، اس کی آپ علیہ السلام کو خبر دیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ

یہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے بھائی، حویصہ اور محیصہ رضی اللہ عنہما کے بھتیجے (۱)، حضرت عبدالرحمٰن بن سہل بن زید بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ حارثی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

ان کی والدہ لیلی بنت رافع بن عامر بن عدی ہیں (۳)۔

ابن سعد، ابن عبدالبر اور ان کی اتباع میں ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہم کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ غزوۂ احد وخندق ودیگر تمام غزوات میں شریک رہے (۴)۔

بلکہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بدری ہیں (۵)۔

ابن سعد مزید فرماتے ہیں کہ یہ وہی صحابی ہیں، جو غزوۂ بدر کے بعد عمرے کی نیت سے نکلے تھے، لیکن مکہ مکرمہ میں انہیں قریش نے اپنا قیدی بنا لیا، بعد میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمرو، جو بدر میں گرفتار ہوئے تھے، کے بدلے ان کو رہائی ملی (۶)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ روایت کرتے ہیں (۷)۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ کو سانپ نے ڈسا، نبی علیہ السلام کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ

---

(۱) یہ ابن أخي...... کا ترجمہ ہے، جب کہ الاصابہ میں ابن عم ہے، جو کہ غلط ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

(۲) انظر الإصابة: ۲/۴۰۲، ومعرفة الصحابة: ۳/۲۷۳، وعمدة القاري: ۱۵/۹۵.

(۳) الإصابة: ۲/۴۰۲، ومعرفة الصحابة للأصبهاني: ۳/۲۷۳.

(٤) حواله جات بالا، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۲/۴۲۰.

(٥) الاستيعاب بهامش الإصابة: ۲/۴۲۰، وهو قول العسكري أيضاً: انظر الإصابة: ۲/۴۰۲.

(٦) الإصابة: ۲/۴۰۲.

(۷) الإصابة: ۲/۴۰۱.

ان کو عمارۃ بن حزم کے پاس لے جاؤ کہ وہ ان پر دم کریں۔ صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس وقت تک یہ انتقال کر جائیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چوں کہ علم تھا کہ ان کو شفا ہوگی، اس لیے فرمایا کہ اگر چہ یہ انتقال کر جائیں تب بھی لے جاؤ۔ چنانچہ صحابہ ان کو حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا دی (۱)۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرہ کا عامل (گورنر) مقرر کیا تھا (۲)۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ کسی غزوے میں تھے، زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما شام کے امیر تھے، اسی اثنا میں ان کے سامنے سے کچھ شراب کے مٹکے گزرے تو یہ اپنا نیزہ لے کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر مٹکے میں سوراخ کر ڈالا، مٹکے لے کر جانے والے جو غلام تھے وہ حضرت عبدالرحمٰن سے الجھ پڑے اور بات بڑھ گئی، جب یہ خبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو، یہ بوڑھے ہوگئے ہیں اور ان کی عقل رخصت ہوگئی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں! میری عقل ابھی ختم نہیں ہوئی، لیکن بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کی ممانعت فرمائی تھی کہ ہم اپنے پیٹ یا برتنوں میں شراب ڈالیں......(۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

اکثر ائمہ سیر ومغازی کی رائے یہی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل بن زید الحارثی الانصاری اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل انصاری دو فرد نہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت ہے، اس لیے اُن حضرات نے تراجم میں جب ان کا ذکر آیا تو ایک ہی شمار کیا اور کوئی تفریق نہیں کی کہ یہ فلانے ہیں اور وہ فلانے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں تفریق کی اور فرمایا کہ یہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں،

---

(۱) الإصابة: ۲/۴۰۲، ومعرفة الصحابة للأصبهاني: ۳/۲۷۴.

(۲) معرفة الصحابة: ۳/۲۷۴.

(۳) حوالہ بالا، والإصابة: ۲/۴۰۲، والاستيعاب: ۲/۴۲۰، ومعجم الصحابة: ۲/۱۵۰، باب العين، رقم (۶۲۵).

اسی بنیاد پر انہوں نے دونوں کا ترجمہ علیحدہ علیحدہ لکھا ہے اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ دو شخصیتیں ہیں، فرماتے ہیں: "والظاهر أنهما اثنان"(۱).

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سہل انصاری کے متعلق تین واقعات نقل کیے تھے، جن کو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں، یعنی سانپ کے ڈسنے کا واقعہ، عمرے کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ جانے اور گرفتاری ورہائی کا واقعہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آمدہ واقعہ۔

ان تینوں واقعات کے بارے میں حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کو تحفظات ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سانپ کے ڈسنے کا جو واقعہ ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل الحارثی الانصاری کے ساتھ بھی پیش آیا ہو، اسی طرح یہ دونوں ایک شخصیت شمار ہو سکتے ہیں۔

لیکن قید ورہائی کا جو واقعہ ہے، وہ بہت مشکل ہے، کیوں کہ جن کے بارے میں یہ اختلاف ہو کہ وہ بدری ہیں یا نہیں؟ اور جو اسی سال عمرے کی ادائیگی کے بعد گرفتار ہوئے ہوں وہ خیبر کے موقع پر صغیر وکم سن نہیں ہو سکتے، جب کہ حدیثِ باب میں ان کو "وهو أحدث القوم"(۲) فرمایا گیا ہے۔

نیز یہ کہ جو خیبر کے موقع پر صغیر ہوں، ان کے بارے میں بیس، پچیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ "إنه شيخ ذهب عقله" کیوں کہ اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ چالیس ہوگی اور یہ عمر ایسی نہیں ہوتی کہ اس پر شیخوخت اور بڑھاپے کا اطلاق ہو اور اس عمر میں کسی کو ذاہب العقل کہا جائے۔ اس لیے ظاہر ہے یہی ہے کہ یہ دو الگ الگ فرد ہیں (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حويصه بن مسعود

یہ حضرت حویصہ بن مسعود بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔ ابوسعد

---

(۱) الإصابة: ۴۰۲/۲.

(۲) حواله بالا، نیز دیکھیے، حدیثِ باب.

(۳) الإصابة: ۴۰۲/۲.

(۴) الإصابة: ۳۶۳/۱، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳۹۳/۱.

ان کی کنیت ہے(۱)۔

غزوہ بدر کے علاوہ دیگر تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے(۲)۔

ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ

حضرت حویصہ اپنے بھائی محیصہ (۳) سے بڑے تھے، لیکن اسلام قبول کرنے کا شرف پہلے چھوٹے بھائی کو حاصل ہوا، پھر بڑے کو۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ مشہور یہودی کعب بن اشرف کے قتل کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم لوگوں کو کسی بھی یہودی پر قابو حاصل ہو جائے تو اسے قتل کر دینا۔

ابن سبینہ یا ابن شبینہ نام کا ایک یہودی تاجر تھا، جو کپڑوں کی تجارت کرتا تھا، اس اعلان کے بعد ایک دن موقع پا کر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا، اس پر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ، جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، بہت ناراض ہوئے، یہ اپنے چھوٹے بھائی محیصہ کو مارتے جاتے اور یہ کہتے جاتے کہ اللہ کے دشمن! تم نے اس کو قتل کر دیا، حالانکہ تمہارے پیٹ میں جو چربی ہے وہ بھی اس کے خریدے ہوئے مال سے بنی ہے؟ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا، بخدا! مجھے اس کے قتل کا حکم اس ذات نے دیا ہے، جو اگر تمہیں قتل کرنے کا مجھے حکم دے تو میں تمہیں بھی قتل کر دوں...... یہ سن کر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے اور اپنے بھائی سے سوالیہ انداز میں کہنے لگے کہ بخدا! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں میری گردن مارنے کا حکم دیں گے تو تم مجھے قتل کر دو گے؟ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بالکل! اگر وہ مجھے یہ حکم دیں گے تو میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔ یہ سن کر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، بخدا! یہ دین جس نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے، بہت عجیب ہے، اس کے بعد حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا(۴)۔

---

(۱) الاستيعاب بهامش الإصابة: ۱/۳۹۳، ومعجم الصحابة: ۳/۱۱٦، رقم (۱۰۸۳)، باب الـ.

(۲) الاستيعاب بهامش الإصابة: ۱/۳۹٤، والإصابة: ۱/۳٦۳.

(۳) قوله: "محيصة" بضم الميم وفتح الحاء المهملة، وهو أخو حويصة ...... ويقال فيهما جميعا بتشديد الياء وتخفيفها، انظر عمدة القاري: ۱۵/۹۵، وقال النووي: "والأشهر هو التشديد". تهذيب الأسماء واللغات: ۱/۱۷۱.

(٤) هذه القصة لإسلامه أخرجها أبوداود في كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب كيف كان إخراج اليهود من المدينة؟ رقم (۳۰۰۲)، وابن إسحاق في سيرة ابن هشام: ۲/٤٤۱، والطبراني في الكبير: ۲۰/۳۱۱، =

حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں محمد بن سہل بن ابی حثمہ اوران کے پوتے حرام بن سعد بن محیصہ شامل ہیں(۱)۔رضی اللہ عنہ وأرضاہ

تنبیہ

حدیثِ باب میں حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کانسب یوں بیان کیا گیا ہے،"محیصة بن مسعود بن زید" اور یہ نسب درست نہیں، صحیح یہ ہے کہ "محیصة بن مسعود بن کعب" کہا جائے۔

مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کرمانی وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو محیصہ بن مسعود بن زید نقل کیا ہے، یہ ان کا وہم ہے(۲)۔

وہم کس کولاحق ہوا ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو وہم کی نسبت کی، وہ درست نہیں، چنانچہ یہ وہم مصنف کا نہیں، بلکہ کسی اوپر کے راوی کا ہے۔

امام بخاری کے علاوہ ائمہ خمسہ نے بھی اس حدیث کوروایت کیا ہے، جن میں امام ترمذی (۳) اور بعض طرق میں امام نسائی وامام مسلم (۴) نے امام بخاری کی ان الفاظ ونسب میں موافقت کی ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے اوراس سلسلے میں امام بخاری (رحمہم اللہ) کومطعون کرنا درست نہیں۔

اب اس مسئلے میں کوئی حتمی بات کہنا کہ اوپر کے کس راوی کو وہم ہوا ہے، مشکل ہے(۵)۔

= رقم (٧٤١)، والأصبهاني في معرفة الصحابة: ٢/١٦٤، رقم (٢٣٣٣)، والحافظ في الإصابة: ١/٣٦٣.

(١) الاستيعاب بهامش الإصابة: ١/٣٩٤.

(٢) حاشية صحيح البخاري للسهارنفوري: ١/٤٥٠، والكرماني: ١٣/١٣٨، وفتح الباري: ٦/٢٧٦.

(٣) سنن الترمذي، أبواب الديات، باب ماجاء في القسامة، رقم (١٤٢٢).

(٤) سنن النسائي، كتاب القسامة...... ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر سهل ......، رقم (٤٧١٨و ٤٧١٩)، وصحيح مسلم، كتاب القسامة ......، باب القسامة، رقم (٤٣٤٢، و٤٣٤٦-٤٣٤٧).

(٥) یہ حدیث مسند سہل بن ابی حثمہ میں شمار کی گئی ہے، اگر چہ ایک جگہ حضرت محیصہ کا نام بھی آیا ہے[انظر تحفة الأشراف: ٨/٣٦٦، رقم (١١٢٤١)]اوراس حدیث کے طرق کا تتبع کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ سہل بن ابی حثمہ نے اس حدیث =

حدیثِ باب میں مذکور صحابہ کی رشتے داری کی نوعیت

اس کے بعد یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ حدیث باب میں مذکور چار صحابہ حضرت عبداللہ بن سہل، حضرت عبدالرحمٰن بن سہل، حضرت محیصۃ بن مسعود اور حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی رشتے داری وقرابت کی کیا نوعیت ہے اور یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کے کیا لگتے ہیں؟

اس سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ حضرت محیصہ وحویصہ دونوں چچا ہیں اور حضرت عبداللہ وعبدالرحمٰن دونوں بھتیجے(۱)۔

بہت سے علماء ومحدثین کو مغالطہ اسی سے لاحق ہوا کہ نسب بیان کرتے ہوئے محیصہ بن مسعود بن زید کہہ دیا گیا، کما في حديث الباب أيضاً اس رو سے یہ حضرات آپس میں عم زاد ہو جاتے ہیں، جو کہ صریح غلط ہے، یہاں تک کہ بعض روایات تک میں "ابن عم لهما"(۲) کے الفاظ رواۃ نے نقل کردیے، حافظ ابن حجر جیسے رجل محقق سے یہاں تسامح ہوگیا کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے

=کو دو حضرات روایت کرتے ہیں، بشیر بن یسار اور ابولیلیٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن سہل۔ ثانی الذکر جو راوی ہیں ان کے طریق سے مروی روایات میں یا تو صرف محیصہ بن مسعود ہے یا محیصہ، ان میں سرے سے زید کا ذکر ہی نہیں ہے، جب کہ اول الذکر راوی بشیر بن یسار کی روایت کے جو طرق ہیں ان میں محیصہ بن مسعود بن زید ہے یا محیصہ بن مسعود یا دوسرے الفاظ۔ پھر بشیر بن یسار کے جو تلامذہ ہیں ان میں یحییٰ بن سعید انصاری وسعید بن عبید شامل ہیں اور سعید بن عبید کی روایات میں بھی "زید" کا ذکر نہیں ہے، اس لیے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ وہم یحییٰ بن سعید یا ان کے کسی تلمیذ کو پیش آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس حدیث کے طرق کے لیے دیکھیے، تحفة الأشراف: ٤/٨٩، رقم (٤٦٤٤). اس حدیث کی مکمل تخریج کے لیے دیکھیے، جامع الأصول وتعليقاته: ١٠/٢٨٠-٢٨٥، وابن ماجه، أبواب الديات، باب القسامة، رقم (٢٦٧٧-٢٦٧٨).

(۱) امام نسائی کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس میں ہے: "فجاء أخوه وعماه حويصة ومحيصة، وهما عما عبدالله بن سهل" سنن نسائی، كتاب القسامة، رقم (٤٧٢١)، نیز دیکھیے، السنن الكبرى للبيهقي: ٨/٢٠٧-٢٠٨، كتاب القسامة، باب أصل القسامة، رقم (١٦٤٣٦).

(۲) سنن النسائي، كتاب القسامة ......، ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر سهل ...... رقم (٤٧١٧)، وفي رواية أبي داود، أيضاً: "ابناعمه: حويصة ومحيصة" سننه، كتاب الديات، باب القسامة، رقم (٤٥٢٠).

ان کو "ابن عم حويصة ومحيصة" (۱) کہہ دیا، البتہ انہوں نے حویصہ ومحیصہ کا نسب ضرور صحیح نقل کیا ہے اور علامہ عینی کے الفاظ صحیح صورت حال کو واضح کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، "ابن أخي حويصة ومحيصة" (۲).

اس کو یوں سمجھیے کہ حضرت محیصہ کے دادا کعب کے دو صاحبزادے مسعود وزید ہیں (اور بھی ہو سکتے ہیں)، مسعود کی اولاد میں سے محیصہ وحویصہ ہیں اور زید کی اولاد میں سہل وغیرہ، پھر سہل کی اولاد میں حضرت عبداللہ بن سہل وعبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہم ہیں، اس طرح یہ حضرات آپس میں چچا وبھتیجے ہوئے (۳)۔

اس تفصیل کو خوب ذہن نشین رکھنا چاہیے، اکثر یہاں مغالطہ ہوجاتا ہے (۴)۔ واللہ اعلم بالصواب

فقال: أتحلفون وتستحقّون قاتلكم أو صاحبكمْ؟ قَالُوا: وكيف نحْلفُ ولمْ نشهد، ولم نر؟

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم قسم اٹھانے کو تیار ہو، اس طرح قاتل تمہیں مل جائے گا؟ ان حضرات نے عرض کی کہ ہم کس بنیاد پر قسم اٹھائیں، جب کہ موقع پر ہم موجود تھے، نہ ہم نے کسی کو دیکھا؟!

یعنی جب ان حضرات صحابہ نے پورا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ قسم اٹھالو کہ فلاں قاتل ہے، اس طرح تمہارا مقصد حاصل ہوجائے گا اور تمہیں قاتل مل جائے گا۔ اس پر ان حضرات نے قسم سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ قسم تو وہ اٹھائے گا جسے قاتل معلوم ہو اور وہ جائے واردات پر موجود بھی ہو، جب کہ ہمارا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

---

(۱) الإصابة: ۴۰۲/۲، و: ۳۶۳/۱.

(۲) عمدة القاري: ۹۵/۱۵.

(۳) اس مسئلے کی صحیح شکل ونقشہ یوں ہے:
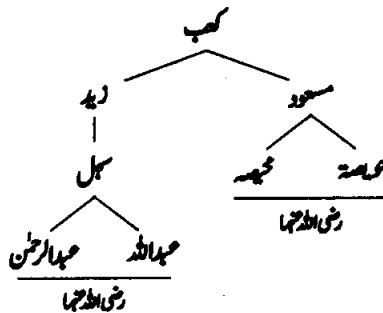
(۴) نیز دیکھیے، أوجز المسالك: ۱۶۴/۱۵-۱۶۵.

قـال: فتبـريـكـم يهـود بِخمسين. فَقَالُوا: كيف نأخذ أَيمانَ قوْم كفَّار؟ فعقله النَّبِيُّ ﷺ منْ عِنْدِهِ

نبی علیہ السلام نے فرمایا تو یہود پچاس قسمیں کھا کر تمہارے سامنے براءت کا اظہار کریں گے۔ ان حضرات نے فرمایا، ہم ایک کافر قوم کی قسموں پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں؟! چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت خود ادا کی۔

"من عنده" میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص مال سے دیت ادا کی۔ دوسرے یہ کہ وہ ادائیگی بیت المال سے کی گئی (۱)۔

ان حضرات صحابہ کا استحقاق ثابت نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود نبی علیہ السلام نے دیت اس لیے ادا کی کہ جھگڑا ختم ہو جائے اور ان حضرات کو بھی تسلی ہو جائے، کیوں کہ عرف ان کے ہاں یہی تھا کہ دیت ملنے کی صورت میں بھی یہ سمجھا جاتا تھا کہ اولیائے مقتول کے ساتھ انصاف ہوا ہے (۲)۔ واللہ اعلم

اس کے علاوہ یہاں قسامہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس کی تفصیل جلد ثانی میں آئے گی۔ انشاء اللہ (۳)

فذهب عبدالرحمن يتكلم، فقال: كبِّر، كبِّر —وهو أحدث القوم— فسكت، فتكلما

چناں چہ حضرت عبدالرحمٰن بات کرنے لگے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بڑوں کو موقع دو اور یہ آنے والوں میں سب سے چھوٹے تھے، سو وہ خاموش ہو گئے اور حضرت محیصة وحویصہ رضی اللہ عنہم نے اپنا مدعیٰ پیش کیا۔

حدیث سے مستفاد ایک حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "کبـر کبـر" سے یہ مستفاد ہوا کہ بڑوں کی موجودگی میں چھوٹوں کو نہیں بولنا چاہیے، یہ ادب کے خلاف ہے، حضرت محیصہ وحویصہ رضی اللہ عنہما چوں کہ دونوں بڑے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن چھوٹے تو نبی علیہ السلام نے بڑوں کی رعایت رکھتے ہوئے ان کے برادرزادے عبدالرحمٰن

---

(۱) عمدة القاري: ۹٦/۱٥.

(۲) عمدة القاري: ۹٦/۱٥-۹۷، وشرح ابن بطال: ۳٥٥/٥.

(۳) انظر، كتاب الديات، باب القسامة.

رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا کہ ان کے سامنے آپ کو بات نہیں کرنی چاہیے (۱)۔

ایک اعتراض اور اس کے جوابات

یہاں ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل، جو ولی مقتول تھے، کو خاموش کرا کر حضرت حویصہ ومحیصہ رضی اللہ عنہم کو کیوں بات کرنے کو کہا گیا، جب کہ حق تو ولی مقتول کا تھا؟

❶ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ واقعہ کی کیفیت وصورت کو سمجھا جائے، جہاں تک حقیقت دعویٰ کا تعلق ہے، اس سے یہاں بحث نہیں، کیوں کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو حضرت عبدالرحمٰن ہی گفتگو فرماتے، جن کا حق بھی تھا۔

❷ اس بات کا احتمال بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے خود ان دونوں حضرات کو اپنی طرف سے بات کرنے کے لیے وکیل بنایا کہ بات آپ لوگ ہی کریں (۲)۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب پر ایک اشکال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں یہ الفاظ ذکر کیے تھے، "وإثم من لم یف بالعهد" ان الفاظ پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیثِ باب میں تو کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس جز پر دلالت کر رہی ہو یا اس پر منطبق ہو رہی ہو (۳)۔

مذکورہ اشکال کے جوابات

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کے تین جوابات ذکر کیے ہیں:

❶ مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت کوئی مناسب حدیث ذکر کرنا تو چاہتے تھے، لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا۔ كما هو المعروف عند الشراح في مثل هذه المواضع (٤).

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٩٦، وقد بوب الإمام البخاري رحمه الله عليه بابا أيضاً في كتاب الأدب، أي: باب إكرام الكبير ... وذكر تحته حديث الباب، رقم (٦١٤٣).

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٦، وشرح الزرقاني: ٤/٢٠٨، رقم (١٦٩٦)، والأوجز: ١٥/١٦٨.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٧٦، والأبواب والتراجم: ١/٢٠٨، وتعليقات لامع الدراري: ٧/٣٢٥.

(٤) الأبواب والتراجم: ١/٢٠٨، وتعليقات اللامع: ٧/٣٢٥.

❷ اس طرح کی جگہوں و مقامات میں میرے نزدیک بہترین توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں عمداً تشحیذ اذہان کے لیے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ اس کے مناسب حدیث کو اور کسی جگہ انہوں نے ذکر کیا ہے، یہاں ذکر نہیں کیا۔...... چناں چہ وعدہ خلاف کو اس کے فعل پر جو گناہ ہوگا، اس کا ذکر کئی روایات میں آیا ہے، اب اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کسی ایک روایت پر انحصار کرتے تو کسی کو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ مذکورہ گناہ اسی نوع کے ساتھ خاص ہے، جب کہ مقصود مصنف تو یہ ہے کہ وعدہ خلافی کے گناہ پر جہات کثیرہ سے تنبیہ کی جائے، اسی لیے انہوں نے کوئی خاص حدیث ذکر نہیں کی۔

اس سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو مختلف احادیث ذکر کی ہیں انہیں اس ترجمہ کا مشار الیہ سمجھ لیا جائے کہ امام نے اس ترجمے کے ذریعے ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جن میں وعدہ خلافی کی مذمت و گناہ مذکور ہے(۱)۔

❸ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایات، جو بدعہدی کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، کے ذریعے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ ایفائے عہد کو اپنا شعار بنانا چاہیے(۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس جملے سے ہو رہی ہے، "انطلق عبدالله بنُ سهل ومحيصة ...... إلى خيبر، وهي يومئذ صلح"(۳) اور بایں معنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ صلح کی تھی، جس کی شرط یہ تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کے باغات کی نصف پیداوار ادا کریں گے(۴)۔

اس سے یہی ثابت ہوا کہ مشرکین کے ساتھ صلح ہر دو صورتوں میں کی جاسکتی ہے، ان سے مال لے کر بھی اور ضرورت کے وقت دے کر بھی، یہی مقصود ترجمہ تھا۔

جب کہ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حدیث کے آخری جز سے ترجمہ ثابت ہو رہا ہے، "فعقله

(۱) الأبواب والتراجم: ۱/ ۲۰۸-۲۰۹، وتعليقات اللامع: ۷/ ۳۲۵.

(۲) حواله جات بالا.

(۲) فتح الباري: ٦/ ٢٧٦.

(٤) كشف الباري، كتاب المغازي: ٤، ٤، باب غزوة خيبر.

النبي صلى الله عليه وسلم من عنده" کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیت دی، وہ اس لیے دی تھی کہ مقتول کے دم کا اہدار وضیاع لازم نہ آئے، نیز یہودیوں کی تالیف بھی مقصود تھی کہ شاید اس طرح ان کے قبولِ اسلام کی راہ ہموار ہوجائے، اسی طرح یہود کے شر وخبث باطن سے اپنی ذات اور مسلمانوں کی حفاظت بھی مدنظر تھی، اس طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ثابت ہوجاتی ہے(۱)۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت "وهي يومئذ صلح" سے بھی حاصل ہورہی ہے اور "فعقله النبي صلى الله عليه وسلم من عنده" سے بھی حاصل ہورہی ہے، کیوں کہ یہ مشرکین کے ساتھ مصالحت بالمال ہی تھی (۲)۔

گویا علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر کے دونوں اقوال کو جمع کردیا ہے۔

۱۳ - باب : فَضْلِ الْوَفاءِ بِالعَهْدِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد و ماقبل سے مناسبت

سابق باب میں چوں کہ مصالحت وموادعت کا ذکر تھا، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بتا دیا کہ مصالحت جب ہوجاتی ہے تو پھر اس کی پاس داری اور ایفا ضروری ہوتا ہے اور اس پاس داری وایفائے عہد کے بڑے فضائل ہیں اور خود بھی یہ ایک اچھی صفت ہے (۳)۔

۳۰۰۳ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ(۴): أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ ، كانُوا تِجَارًا بِالشَّأْمِ ، فِي الْمُدَّةِ الَّتِي مادَّ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبَا سُفْيَانَ فِي كُفَّارِ قُرَيْشٍ . [ر : ۷]

---

(۱) شرح ابن بطال: ۳۵۵/۵، وفتح الباري: ۲۷۶/۶.

(۲) عمدة القاري: ۹۵/۱۵

(۳) عمدة القاري: ۹۷/۱۵.

(۴) قوله: "عبدالله بن عباس رضي الله عنهما أخبره": الحديث، مرّ تخريجه في بدء الوحي.

تراجمِ رجال

۱– يحيى بن بكير

یہ امام یحییٰ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲– الليث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الثالث" کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۳– يونس

یہ یونس بن یزید ایلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں،ان کا مختصر تذکرہ "بدء الوحي" اور مفصل تذکرہ کتاب العلم، "باب من يرد الله به خيرا......" میں آچکا ہے(۲)۔

٤– ابن شهاب

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا مختصر ترجمہ "بدء الوحي" میں گزر چکا(۳)۔

٥– عبيدالله بن عبدالله بن عتبه

یہ فقیہ مدینہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ اجمالاً "بدء الوحي" کے تحت اور تفصیلاً کتاب العلم، "باب متى يصح سماع الصغير؟" کے تحت آچکا(۴)۔

٦– عبدالله بن عباس

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات اجمالاً "بدء الوحي" کے تحت اور تفصیلاً کتاب الإيمان، "باب كفران العشير، وكفر دون كفر" کے تحت گزر چکے(۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۳۲۳-۳۲۵.

(۲) كشف الباري: ۱/٤٦٣، و:۳/۲۸۲.

(۳) كشف الباري: ۱/۳۲٦، الحديث الثالث.

(٤) كشف الباري: ۱/٤٦٦، و:۳/۳۷۹.

(٥) كشف الباري: ۱/٤۳٥، و:۲/۲۰٥.

۷- ابوسفیان

یہ مشہور صحابی حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث السادس" کے تحت گزر چکا (۱)۔

حدیثِ باب کا ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے انہیں بتلایا کہ شاہِ روم ہرقل نے قریش کے اور سواروں کے ساتھ انہیں اپنے ہاں بلایا، جب کہ وہ شام میں تجارت کی غرض سے گئے تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے معاملے میں حضرت ابوسفیان سے مصالحت کی تھی۔

حدیثِ باب بدء الوحی کی چھٹی حدیث کا ایک حصہ ہے، اس کی مکمل تشریح وہیں گزر چکی ہے (۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایفائے عہد کی فضیلت اور نقض عہد کی مذمت قرآن وسنت میں جابجا موجود ہے۔ درحقیقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے اس سوال کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا کہ "هل يغدر؟" کیا وہ غداری، وعدہ خلافی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں؟ سوال کی وجہ یہی تھی کہ غدر ونقض عہد ہر امت ومعاشرے کے نزدیک مذموم عمل ہے اور صفات رسل (جو انسانوں میں مقدس ترین ہستیاں ہیں) میں سے نہیں ہے کہ رسل وانبیا اس سے متصف ہوں، کیوں کہ وعدہ خلاف وغدار، نبی ہرگز نہیں ہوسکتا (۳)۔

اسی سے ایفائے عہد کی فضیلت واہمیت معلوم ہوتی ہے کہ جس صفت سے انبیا ورسل متصف ہوں گے وہ معمولی صفت نہیں ہوگی، بلکہ اس کی اہمیت غیر معمولی ہوگی، یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود بھی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) كشف الباري: ۱/۴۸۰.

(۲) كشف الباري، الحديث السادس، من بدء الوحي: ۱/۴۸۵-۴۸۷.

(۳) ابن بطال: ۵/۳۵۶، وفتح الباري: ۶/۲۷۶، وعمدة القاري: ۱۵/۹۷، والقسطلاني: ۵/۲۴۰.

١٤ - باب : هَلْ يُعْفَى عَنِ الذِّمِّيِّ إِذَا سَحَرَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان پر جادو کر دیا تو کیا اس ذمی کو معاف کیا جاسکتا ہے یا اس کو قتل کیا جائے گا یا اور کوئی سزا دی جائے گی؟

یہ مسئلہ چوں کہ مختلف فیہا ہے، فقہائے امت کا اس میں اختلاف ہے اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے موافق اس کو ''ہل'' استفہامیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، جزماً کوئی حکم بیان نہیں کیا، لیکن حدیث، جو اُنہوں نے ترجمہ کے تحت نقل کی، اس سے ان کا مذہب معلوم ہو رہا ہے کہ اس ذمی کو معاف کر دیا جائے گا(۱)۔

اختلاف فقہاء کی تفصیل

علامہ باجی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہا کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ ذمی ساحر کو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن دو صورتیں ایسی ہیں جن میں اس کو قتل کیا جائے گا:

۱ اپنے سحر و جادو کے ذریعے کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے۔ اس صورت میں چوں کہ اس نے نقضِ عہد کیا ہے، اس لیے اس کی سزا قتل ہوگی، البتہ اسلام قبول کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔

۲ مسلمانوں کے علاوہ اپنے کسی ہم مذہب پر جادو کرے، اس کے نتیجے میں مسحور مر جائے تو قصاصاً اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر مسحور نہ مرے تو صرف سزا پر اکتفا کیا جائے گا(۲)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اگر ساحر اپنے سحر سے کسی کو قتل کر دے تو اسے قصاصاً قتل کیا جائے گا، نفسِ سحر پر قتل کی سزا نہیں ہوگی(۳)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ساحر کے سحر سے اگر کوئی مر جائے تو اسے قتل کیا جائے گا، ورنہ نہیں، بشرطیکہ وہ اس بات کا اعتراف کرے کہ یہ مقتول میرے عملِ سحر سے مرا ہے(۴)۔

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٩٧، وفتح الباري: ٦/٢٧٧.

(٢) المنتقى: ٩/١٠٢، كتاب العقول، الباب الثاني في قتل الغيلة، والأوجز: ١٥/٩٠.

(٣) المغني لابن قدامة: ٩/٣٧، كتاب المرتد، أحكام السحر......

(٤) "قال الشافعي رحمه الله تعالیٰ: "وإذا سحر رجلا فمات، سئل عن سحره، فإن قال: أنا أعمل هذا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ساحر اپنے سحر کا اقرار کرلے یا کسی دلیل سے اس کا سحر ثابت ہوجائے تو سزا قتل ہوگی اور اس سے توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی، اس معاملے میں مسلم، ذمی، آزاد اور غلام سب برابر ہیں۔ البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ ساحر مسلم کو تو قتل کیا جائے گا، کتابی کو نہیں (۱)۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل

❶ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دلیل حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، چناں چہ نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے مروی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی نے ان پر جادو کردیا، تفتیش کرنے پر اس کا جرم ثابت ہوگیا اور اس نے اس کا اعتراف بھی کرلیا، سو حضرت حفصہ نے حضرت عبدالرحمن بن زید سے کہا کہ اس کو قتل کردیا جائے۔ انہوں نے اسے قتل کردیا، البتہ یہ بات جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو وہ ناراض ہوئے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حاضر ہوکر انہیں حقیقت حال بتلائی۔

حضرت عثمان کے ناراض ہونے کی وجہ یہی ہوئی تھی کہ یہ کام ان کی اجازت کے بغیر ہوا تھا (۲)، اس سے یہ مطلب لینا کہ وہ قتل ساحر کے قائل نہیں تھے، غلط ہے (۳)۔

❷ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، حضرت بجالہ فرماتے ہیں کہ میں جزء بن معاویہ کا کاتب تھا، کہ ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط آیا کہ "اقتلوا كل

= لأقتل، فأخطئ القتل وأصيب، وقد مات من عملي ففيه الدية، وإن قال: مرض منه، ولم يمت، أقسم أولياؤه: لمات من ذلك العمل، وكانت الدية، وإن قال: عملي يقتل المعمول به، وقد عمدت قتله به، قتل به قودا". انظر الأم: ٢٥٥/٨، كتاب القسامة، باب الحكم في الساحر......

(١) أحكام القرآن للجصاص: ٥٠/١، وروح المعاني: ٣٣٩/١، والأوجز: ٩٠/١٥.

(٢) أحكام القرآن: ٥٠/١، وروح المعاني: ٣٣٩/١، والمؤطأ للإمام مالك: ٨٧١/٢، كتاب الديات، باب ماجاء في الغيلة والسحر، رقم (١٤/١٥١٨).

(٣) انظر كلام الباجي فيه في المنتقى: ١٠١/٩، والأوجز: ٩٧/١٥، وانظر أيضاً السنن الكبرى للبيهقي: ١٣٦/٨، رقم (١٦٤٩٩)، والمصنف لابن أبي شيبة: ٥٩٢/١٤، كتاب الحدود، باب ما قالوا في الساحر......، رقم (٢٩٥٨٣).

ساحر وساحرة، فقتلنا ثلاث سواحر"(١).

❸ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک ساحر کو گرفتار کیا اور سینے تک اسے زمین میں دبا دیا، اسی حال میں اسے چھوڑے رکھا، یہاں تک کہ وہ مر گیا (۲)۔

❹ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، "یقتل الساحر ولا یستتاب"(٣).

❺ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ساحر کی سزا قتل ہی مروی ہے، جامع ترمذی میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، "حد الساحر ضربة بالسيف"(٤).

یہ تمام روایات اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا، پھر ان روایات وآثار میں چونکہ اس بات کی تفریق نہیں ہے کہ ساحر مسلم ہو یا غیر مسلم، اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ساحر کو مطلقاً قتل کیا جائے گا، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم (۵)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ چوں کہ مطلقاً قتل ساحر کے قائل نہیں، اس میں وہ مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کرتے ہیں کہ

---

(١) أخرجه أبوداود، في كتاب الخراج ......، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (٣٠٤٣)، وأحمد في مسنده، حديث عبدالرحمن بن عوف الزهري: ١/١٩٠، و١٩١، رقم (١٦٥٧)، وأحكام القرآن: ١/٥٠، ومسند أبي يعلى الموصلي، مسند عبدالرحمن بن عوف، رقم (٨٥٨).

(٢) أحكام القرآن: ١/٥٠، والمصنف لعبد الرزاق: ٩/٤٨٠، كتاب العقول، باب قتل الساحر، رقم (١٩٠٢٦).

(٣) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحدود، باب ماقالوا في الساحر ......، رقم (٢٩٥٧٩).

(٤) رواه الترمذي في كتاب الحدود، باب ماجاء في حد الساحر، رقم (١٤٦٠)، والحاكم في المستدرك: ٤/٤٠١، كتاب الحدود، رقم (٨٠٧٣)، والبيهقي في الكبرى: ٨/٢٣٤، كتاب القسامة، باب تكفير الساحر ......، رقم (١٦٥٠٠)، والجامع الصغير مع فيض القدير للمناوي: ٣/٤٩٨، حرف الحاء، رقم (٣٦٨٨)، وسنن الدارقطني، كتاب الحدود، رقم (١١٢).

(٥) المغني لابن قدامة: ٩/٣٧، وفيه أيضاً: "والقياس أيضا يقتضي ذلك؛ لأنه جناية أوجبت قتل المسلم، فأوجبت قتل الذمي كالقتل".

ساحر اہل کتاب کو قتل نہیں کیا جائے گا تو اس سلسلے میں ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا مشہور واقعہ ہے کہ لبید بن الاعصم یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا، لیکن نبی علیہ السلام نے اس کو قتل نہیں کروایا۔ كما في رواية الباب.

ابن قدامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ساحر اہل کتاب کو قتل نہ کیا جائے، کیوں کہ اس کا شرک اس کے فعل سحر سے بھی بڑا گناہ ہے، اس پر اسے قتل نہیں کیا جاتا کہ وہ مشرک ہے تو ساحر ہونے کی وجہ سے اس کا قتل کیونکر جائز ہوگا؟ (۱)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک کی جو دلیل پیش کی، وہ یہ تھی کہ لبید بن الاعصم کا سحر معلوم وثابت ہونے کے باوجود نبی علیہ السلام نے اس کو قتل نہیں کروایا تھا، جس سے یہ واضح ہوا کہ ساحر اہل کتاب کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن بوجوہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں:

❶ معاملہ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات کا تھا اور پیچھے یہ بات گذر چکی ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا کرتے تھے، اس لیے آپ نے لبید بن الاعصم کو قتل نہیں کروایا تھا، ورنہ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا لازم آتا۔

❷ علامہ مہلب فرماتے ہیں، اس سحر کی وجہ سے نبی علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا، چناں چہ اس کی وجہ سے وحی کا سلسلہ رکا، نہ شرعی احکام میں کوئی مشکل یا خلل واقع ہوا، بلکہ اپنی ذات کی حد تک ایک قسم کا وہم لاحق ہوگیا تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث باب میں ہے، "حتی كان يخيَّل إليه أنه صنع شيئاً ولم يصنعه" پھر اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے اسی حال پر بے یار ومددگار نہیں چھوڑے رکھا، بلکہ ان کی مکمل دست گیری فرمائی اور علاج بھی بتلایا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی ساحر کو معاف فرما دیا تھا۔

چناں چہ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ ان وجوہات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وعلى هذا القول لاحجة لابن شهاب في أن النبي عليه السلام لم

---

(۱) المغني: ۹/۳۷، والأوجز: ۱۵/۹۰.

يقتل اليهودي الذي سحره؛ لوجوه، منها: أنه قد ثبت عن الرسول أنه كان لا ينتقم لنفسه، ولو عاقبه لكان حاكما لنفسه.

قال المهلب: وأيضاً فإن ذلك سحر لم يضره عليه السلام؛ لأنه لم يُفقِده شيئاً من الوحي، ولا دخلت عليه داخلة في الشريعة؛ وإنما اعتراه شيء من التخيل والتوهم، ثم لم يتركه الله على ذلك، بل تداركه، ثم عصمه وأعلمه بموضع السحر، ......"(۱).

جہاں تک ان کی اس بات کا تعلق ہے کہ شرک بڑا گناہ ہے، اس کے باوجود اس کی سزا قتل نہیں تو سحر کی سزا قتل کیسے ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا شرک اختیار کرنا اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے، اس کا ضرر آگے متعدی نہیں ہوتا، جب کہ سحر کا معاملہ یہ نہیں، اس کا ضرر متعدی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے وہ لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے، تو ساحر احناف کے نزدیک قطاع الطریق کے حکم میں ہے کہ جس طرح قاطع طریق (ڈاکو) کی سزا قتل ہے، اسی طرح ساحر کی سزا بھی قتل ہے، کیونکہ یہ دونوں افساد فی الارض میں مشترک ہیں (۲)۔

ساحر مسلم کا حکم

اوپر ساحر کتابی یا ذمی کا حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن اگر ساحر مسلم ہو تو اس کی سزا کیا ہوگی؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ مسلم وغیر مسلم کے درمیان تفریق کے قائل نہیں اس لیے ان کے ہاں اس کی سزا قتل ہی ہے۔

یہی قول امام مالک واحمد رحمہما اللہ کا بھی ہے، صحابہ وتابعین میں سے حضرت عمر وابن عمر، عثمان، علی بن ابی طالب، قیس بن سعد، جندب اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیوں کہ نبی کریم

(۱) شرح ابن بطال: ۵/۳۵۸-۳۵۹، وأيضا فتح الباري: ۶/۲۷۷، وعمدة القاري: ۱۵/۹۸.

(۲) الدر المختار: ۳/۳۲۴. "قال ابن شجاع: فحكم في الساحر والساحرة حكم المرتد والمرتدة، وقال -نقلاً عن أبي حنيفة-: إن الساحر قد جمع مع كفره السعيَ في الأرض بالفساد، والساعي بالفساد إذا قتَل قُتِل". انظر روائع البيان للصابوني: ۱/۸۵، والأحكام للرازي: ۱/۵۱.

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "حد الساحر ضربة بالسيف" (١).

جب کہ امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ صرف سحر کی وجہ سے ساحر کو قتل نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ اس کے ذریعے وہ کسی کو قتل نہ کر دے، یہی قول ابن المنذر اور ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ کا ہے (۲)۔

ان کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک مدبرہ باندی نے ان پر سحر کیا تو انہوں نے اس کو فروخت کر دیا (۳)، اس سے معلوم ہوا کہ ساحر کی سزا قتل نہیں ہے، ورنہ اس باندی کا فروخت کرنا جائز نہ ہوتا، بلکہ اس کو بہر حال قتل کیا جاتا اور یہی واجب ہوتا (۴)۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث......" (٥).

اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کا خون حلال قرار دیا گیا ہے، یعنی قاتل عمدا، زانی محصن اور مرتد۔ اور یہ جو ساحر ہے اس سے ان تینوں کبائر کا صدور نہیں ہوا، اس لیے اس کا خون حلال نہیں ہونا چاہیے کہ اسے واجب القتل قرار دیا جائے (٦)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل تو وہی ہے جو ابھی اوپر گذری۔

---

(١) الحديث مر تخريجه آنفاً.

(٢) المغني لابن قدامة: ٣٥/٩، كتاب قتال أهل البغي، فصل السحر، والأم: ٢٣٦/٢، رقم (٢٨٢٣)، وهو قول ابن حزم كذلك، انظر المحلى: ٤١٠/١٢.

(٣) المغني: ٣٥/٩، والسنن الكبرى للبيهقي: ٢٣٧/٨، كتاب القسامة، باب من لايكون سحره كفرا......، رقم (١٦٥٠٦)، والمصنف لعبد الرزاق، كتاب العقول، باب قتل الساحر، رقم (١٩٠٢٠-١٩٠٢١).

(٤) المغني: ٣٥/٩، والأم: ٢٣٧/٢، كتاب الاستسقاء، الحكم في الساحر والساحرة، رقم (٢٨٢٦).

(٥) وتمامه: "أن يزني بعد ما أحصن، أو يقتل إنساناً فيقتل، أو يكفر بعد إسلامه فيُقتل". رواه الترمذي في الفتن، باب ماجاء لايحل دم امرئ إلا بإحدى ثلاث، رقم (٢١٥٩)، وأبوداود في الديات، باب الإمام يأمر بالعفو في الدم، رقم (٤٥٠٢)، والنسائي في تحريم الدم، باب ذكر مايحل به دم المسلم، رقم (٤٠١٩)، عن عثمان رضي الله عنه.

(٦) المغني: ٣٥/٩، والأم للشافعي: ٢٣٧/٢، الحكم في الساحر والساحرة، رقم (٢٨٢٦).

ان کی دوسری دلیل حضرت عمر کا وہ خط ہے جو انہوں نے جزء بن معاویہ رضی اللہ عنہما کو لکھا تھا، "اقتلوا کل ساحر......"(۱) جس کے نتیجے میں انہوں نے تین جادوگروں کو قتل کیا، یہ بات مشہور بھی ہوئی، اس کے باوجود کسی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، گویا اس پر تمام صحابہ کا اجماع تھا کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا۔

ان کی تیسری دلیل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، جو ماقبل میں گذرا کہ انہوں نے اپنی ایک ساحرہ باندی کو قتل کروایا تھا(۲)۔

مدار خلاف

حنفیہ وغیرہ کے نزدیک جو ساحر کے قتل کے قائل ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص ساعی بالفساد ہے اور کافر بھی ہے اور مالکیہ کے نزدیک یہ زندیق ہے اور اس کی سزا قتل ہی ہے۔

جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ساحر کے کفر کے قائل نہیں، بلکہ اس کو وہ صرف ایک معصیت خیال کرتے ہیں، معصیت کی سزا تعزیر وتادیب تو ہوسکتی ہے، قتل نہیں، ہاں! یہ کہ اس سحر کے ذریعے وہ کسی کو قتل کردے، اس صورت میں اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا، نہ کہ ارتداد وکفر اور زندیقیت کی وجہ سے(۳)۔

ایک اہم تنبیہ

اوپر کی تفصیلات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ہر قسم کا سحر کفر ہے، لیکن یہ خیال درست نہیں، چنانچہ امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إن القول بأن السحر كفر على الإطلاق خطأ؛ بل يجب البحث عن حقيقته، فإن كان في ذلك رد ما لزم من شرط الإيمان فهو كفر، وإلا فلا"(٤).

ایک اور تنبیہ

پھر حنفیہ کے نزدیک یہ حکم کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا، اس میں ذمی ومسلم، آزاد وغلام، مرد وعورت سب

---

(١) مر تخريجه آنفاً.

(٢) المغني لابن قدامة: ٣٦/٩.

(٣) أحكام القرآن للعثماني: ٤١/١، والمنتقى للباجي: ١٠١/٩، كتاب العقول.

(٤) أحكام القرآن للعثماني: ٤١/١، أقوال الفقهاء في السحر والساحر، وروح المعاني: ٣٣٩/١، وتفسير المدارك: ٦١/١.

برابر ہیں، تب ہے کہ ساحر اپنے سحر کے ذریعے فساد پھیلا رہا ہو، اس کے برعکس اگر وہ فسادی نہ ہو تو مرد کو تو قتل کیا جائے گا، عورت کو نہیں، كما في المرتد يقتل، والمرتدة لا تقتل، بل تحبس(١). والله أعلم بالصواب

ساحر کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

ساحر اگر یہ کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں، اس میں اختلاف ہے:

مالکیہ کے ہاں اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہوگی، اس کو بہر حال قتل کیا جائے گا(۲)۔

جب کہ شوافع کے ہاں مطلقاً قبول ہے(۳)۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں، چناں چہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتح القدیر(۴) میں ہے کہ ساحر کی توبہ قبول نہیں ہوگی، ظاہر مذہب یہی ہے(۵)۔

یہی بات علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"فيه روايتان؛ إحداهما: أنه لا يستتاب، وهو ظاهر مانقل عن الصحابة؛ فإنه لم ينقل عن أحد منهم أنه استتاب ساحرا، وعن عائشة رضي الله عنها(٦)، أن الساحرة سألت أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وهم متوافرون هل لها من توبة؟ فما أفتاها أحد"(٧).

لیکن محقق قول ان حضرات کے ہاں بھی یہی ہے کہ ساحر کی توبہ مقبول ہے، چناں چہ صاحب مدارک

(١) أحكام القرآن للرازي: ١/٦١، وردالمحتار: ٣/٣٢٣.

(٢) ذكره الباجي في المنتقى: ٩/١٠٢، والأوجز: ١٥/٨٩.

(٣) السنن الكبرى للبيهقي: ٨/٢٣٦، كتاب القسامة، باب قبول توبة الساحر......، وفتح الباري: ١٠/٢٠٢، والنووي مع مسلم: ٢/٢٢١، كتاب السلام، باب السحر.

(٤) فتح القدير: ٥/٣٣٣، كتاب السير، باب أحكام المرتدين.

(٥) حاشية ابن عابدين: ٣/٣٢٣، مطلب في الساحر......، باب المرتد.

(٦) انظر للقصة بتمامها السنن الكبرى للبيهقي: ٨/٢٣٥-٢٣٦، كتاب القسامة، باب قبول توبة الساحر......، رقم (١٦٥٠٥)، وتفسير ابن جرير الطبري: ١/٣٦٦-٣٦٧، سورة البقرة، الآية (١٠٢).

(٧) المغني: ٩/٣٦، والأوجز: ١٥/٨٨.

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر ذکر کردہ قول کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ سحرۂ فرعون کی توبہ قبول کی گئی، اس لیے یہ کہنا کہ ساحر کی توبہ مقبول نہیں، غلط ہے(۱)۔

اور ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والرواية الثانية: يستتاب، فإن تاب قبلت توبته؛ لأنه ليس بأعظم من الشرك، والمشرك يستتاب، ومعرفته السحر لاتمنع قبول توبته؛ فإن الله تعالىٰ قبل توبة سحرة فرعون، وجعلهم من أوليائه......"(۲).

واللہ اعلم بالصواب

وَقَالَ ٱبْنُ وَهْبٍ : أَخْبَرَنِي يُونُسُ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ : سُئِلَ : أَعَلَى مَنْ سَحَرَ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ قَتْلٌ ؟ قَالَ : بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَدْ صُنِعَ لَهُ ذٰلِكَ فَلَمْ يَقْتُلْ مَنْ صَنَعَهُ ، وَكَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ .

تراجم رجال

۱— ابن وهب

یہ مشہور محدث وفقیہ ابو محمد عبداللہ بن وہب قرشی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، "باب من يرد الله به خيرا يفقهه......" کے تحت گذر چکا(۳)۔

۲— يونس

یہ یونس بن یزید ایلی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصرا تذکرہ بدء الوحي میں اور مفصل تذکرہ کتاب العلم کے مذکورہ بالا باب کے تحت آچکا ہے(۴)۔

---

(۱) تفسير المدارك: ۶۱/۱، البقرة، الآية: ۱۰۲، وروح المعاني: ۳۳۹/۱.

(۲) المغني: ۳۶/۹، والأوجز: ۸۸/۱۵، سحر سے متعلقہ مزید مباحث کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب الطب، ص: ۹۶-۱۲۶.

(۳) كشف الباري: ۲۷۷/۳.

(۴) كشف الباري: ۴۶۳/۱، و: ۲۸۲/۳.

۳- ابن شهاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے(۱)۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت ہم یہ بتلا آئے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ساحر اہل کتاب کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو معاف کردیا جائے گا، اسی مدعی کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ابن شہاب زہری کی یہ تعلیق نقل فرمائی ہے، جس سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ ساحر ذمی کو معاف کردیا جائے گا، جس طرح کہ نبی علیہ السلام نے معاف فرمادیا تھا۔

لیکن اس استدلال کا جواب ہم حنفیہ وغیرہ کی طرف سے سابق میں ذکر کرچکے ہیں۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''جامع'' میں موصولاً نقل کیا ہے(۲)۔

سئل: أعلَى منْ سَحر مِنْ أَهْل العهد قتلٌ

ابن شہاب رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اہل عہد میں سے کوئی سحر وجادو کرے تو کیا اس کی سزا قتل ہے؟

"سئل" فعل ماضی مجہول ہے اور أعلی میں ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور علی حرف جار ہے، جو وجوب کے معنی کو متضمن ہے(۳)، یعنی اہل عہد وکتاب میں سے کوئی سحر کا عمل کرے تو کیا اس کو قتل کرنا واجب ہوگا؟

قال: بلغنا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قدْ صنع له ذلك فلم يقتل منْ صنعهُ، وكَانَ مِنْ أهل الكتاب.

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً کہا، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سحر کیا گیا تھا، لیکن آپ نے سحر کرنے والے کو قتل نہیں کیا اور وہ اہل کتاب میں سے تھا۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۳۲۶.

(۲) تغليق التعليق: ۳/۴۸۵، والفتح: ۶/۲۷۷، والعمدة: ۱۵/۹۷، اس تعلیق کی سند کے لیے دیکھیے، تغلیق: ۵/۴۵۸.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۷.

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ تو ذمی کا قائم کیا ہے، جب کہ سوال میں "أهل العهد" اور ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں "أهل الكتاب" کا ذکر ہے، اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں، کیونکہ اہل کتاب سے مراد اہل عہد ہی ہیں، ورنہ تو وہ حربی ہیں، جن کا قتل واجب ہے(۱)۔

نیز عہد اور ذمہ کے ایک ہی معنی ہیں اور ان سے ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی وضاحت بھی ہو رہی ہے کہ اہل کتاب سے اہل ذمہ و اہل عہد مراد ہیں (۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ومطابقت بھی واضح ہے، جو اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے۔

٣٠٠٤ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا يَحْيَى : حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ عَائِشَةَ[۳] : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُحِرَ ، حَتَّى كَانَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ صَنَعَ شَيْئًا وَلَمْ يَصْنَعْهُ .
[٣٠٩٥ ، ٥٤٣٠ ، ٥٤٣٢ ، ٥٤٣٣ ، ٥٧١٦ ، ٦٠٢٨]

تراجم رجال

۱- محمد بن المثنى

یہ ابو موسیٰ محمد بن المثنی بن عبید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإيمان، "باب حلاوة الإيمان" میں آچکا ہے (۴)۔

---

(١) شرح الكرماني: ١٣/١٣٩.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٧، وفتح الباري: ٦/٢٧٧.

(٣) قوله "عن عائشة رضي الله عنها": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، رقم (٣٢٦٨)، وكتاب الطب، باب السحر، رقم (٥٧٦٣) و (٥٧٦٥-٥٧٦٦)، وكتاب الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿إن الله يأمر بالعدل......﴾، رقم (٦٠٦٣)، وكتاب الدعوات، باب تكرير الدعاء، رقم (٦٣٩١)، ومسلم، كتاب السلام، باب السحر، رقم (٥٧٠٣-٥٧٠٤).

(٤) كشف الباري: ٢/٢٥.

٢— يحيى

یہ امام یحیٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه......" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

٣— هشام

یہ ہشام بن عروۃ بن الزبیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤— ابي

اب سے مراد حضرت عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کے حالات "بدء الوحي" میں مجملاً اور "کتاب الإیمان" میں مفصلاً گذر چکے ہیں (۲)۔

٥— عائشة

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات "بدء الوحي" میں گذر چکے (۳)۔

أن النبيﷺ سحر، حتَّى كَانَ يخيّل إليه أنه صنع شيئًا ولم يصنعه.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا، جس کے نتیجے میں آپ علیہ السلام کو یہ وہم وخیال لاحق ہونے لگا کہ آپ نے فلاں کام کیا ہے، جب کہ حقیقت میں وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مشہور واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے اثرات کا ذکر ہے، یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کا کچھ حصہ نقل فرمایا ہے، جب کہ مکمل واقعہ کتاب الطب (۴) میں نقل فرمایا ہے اور اس کی مکمل تشریح بھی وہیں ذکر کی جا چکی ہے (۵)۔

---

(١) كشف الباري: ٢/٢.

(٢) كشف الباري: ٢٩١/١، و: ٤٣٢/٢-٤٤٠.

(٣) كشف الباري: ٢٩١/١.

(٤) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب السحر، رقم (٥٧٦٣).

(٥) كشف الباري، كتاب الطب، ص: ١٠٤-١١٩.

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی لبید بن الاعصم کو، باوجودیکہ اس کا جرم بہت بڑا اور قبیح تھا، معاف فرمادیا تھا، جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا، یہ بات اگر چہ حدیثِ باب میں مذکور نہیں ہے، لیکن تفصیلی واقعے اور حدیث میں موجود ہے(۱)، چناں چہ کتاب الطب کی روایت میں آیا ہے:

"یا رسول اللّٰه، أفلا؟ -أي تنشرت- فقال صلی اللّٰه علیه وسلم: أما واللّٰه، فقد شفاني وأكره أن أثير على أحد من الناس شرا"(۲).

۱۵ - باب: ما يُحْذَرُ مِنَ الْغَدْرِ.

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ اگر کفار کے ساتھ مصالحت ہوجائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان بے فکر ہوکر سوجائیں، دشمن کی طرف سے بے پرواو غافل ہوجائیں، بلکہ چوکنا رہنا چاہیے، کافر لوگ ہیں، معلوم نہیں کس وقت بدعہدی کریں اور صلح کو توڑ کر، عالمی حربی قوانین کو روند کر، حملہ آور ہوجائیں، اس لیے غافل ہونا درست نہیں، ہوشیار و چوکنا رہنا چاہیے۔

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: «وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ». الآيَةَ /الأنفال: ٦٢/.

اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر وہ کفار و مشرکین آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔

وقولہ تعالیٰ...... کا عطف ماقبل میں لفظ غدر پر ہے، کلمہ حسب سین مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے، جس کے معنی کافی ہونے کے ہیں(۳)۔

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٧٧، وعمدة القاري: ١٥/٩٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٤٠.

وقال الحافظ رحمه اللّٰه: "وأشار بالترجمة إلى ما وقع في بقية القصة أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لما عوفي أمر بالبئر فردمت، وقال: كرهت أن أثير على الناس شراً".

(٢) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب هل يستخرج السحر؟ رقم (٥٧٦٥).

(٣) فتح الباري: ٦/٢٧٧، وقال العيني أنه معطوف على "ما يحذر......" انظر عمدة القاري: ١٥/٩٩.

مطلب یہ ہے کہ اگر کفار و مشرکین آپ کے ساتھ صلح کریں اور ان کی نیت اس صلح سے دھوکا دینا ہو، تیاری کرنی ہو، مزید قوت حاصل کرنی ہو کہ پھر سے آپ کے مقابلہ میں آئیں تو اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قہار تن تنہا ہی آپ کے لیے کافی ہے(۱)۔

ہمارے سامنے موجود نسخے میں تو آیت کریمہ کا صرف یہی حصہ نقل کیا گیا ہے، جو ابو ذر کا نسخہ ہے، جب کہ ابن عساکر کے ہاں ﴿عزیز حکیم﴾ تک آیات نقل کی گئی ہیں (۲)، اس نسخے کے اعتبار سے مکمل آیات بمع ترجمہ درج ذیل ہیں:

﴿وإن يريدوا أن يخدعوك فإن حسبك الله هو الذى أيدك بنصره وبالمؤمنين، وألّف بين قلوبهم لو أنفقت ما في الأرض جميعا ما ألّفت بين قلوبهم ولكن الله ألّف بينهم إنه عزيز حكيم﴾(۳).

''اور اگر مشرکین و کفار آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہیں، یہ وہی ذات ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعے آپ کو قوت عطا کی اور مومنین کے دلوں کو جوڑا، آپ اگر زمین کی سطح پر جو کچھ ہے، اس سب کو بھی خرچ کر ڈالتے تو ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے، لیکن اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان کے درمیان جوڑ و موافقت پیدا کی، بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو یہ علم ہو جائے اور ان پر واضح ہو جائے کہ دشمن جو صلح صفائی کی بات کر رہا ہے، وہ سراسر دھوکا و فریب ہے، تیاری وغیرہ کے مہلت چاہتا ہے، تب

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کلمہ ''حسب'' کے متعلق لکھتے ہیں: "فحسب صفة مشبهة بمعنى اسم الفاعل، والكاف في محل الجر، كما نص عليه غير واحد، ......، وقال الزجاج: إنه اسم فعل بمعنى كفاك، والكاف في محل نصب". روح المعاني: ۲۸/۶.

(۱) إرشاد الساري: ۲٤۱/۵.

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۹۹/۱۵، وروح المعاني: ۲۸/۶، والقرطبي: ٤۲/۸.

(۳) الأنفال/ ۶۲-۶۳.

بھی ان کی اس صلح کی بات کو قبول کر لینا چاہیے، اس میں جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیے، چناں چہ مصالحت کر لی جائے اور آگے کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے، اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے (لیکن ان کی طرف سے غافل و بے پروانہ رہا جائے)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وفي هذه الآية إشارة إلى أن احتمال طلب العدو للصلح خديعة لا يمنع من الإجابة إذا ظهر للمسلمين؛ بل يعزم ويتوكل على الله"(۱).

علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ علاوہ ازیں اس آیت میں اس امر کی بھی دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی مکر وفریب سے محفوظ رہے، اسی کی اس آیت میں ضمانت دی گئی ہے، یہ خصوصیت نبی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں رہی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھیں گے(۲)، اسی لیے امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم فی الرسالہ ہیں اور آپ لوگوں کے مکر وفریب ودغابازی سے بھی محفوظ رہے(۳)۔

آیتِ کریمہ اور ترجمۃ الباب کے درمیان مناسبت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں یہ بتلایا تھا کہ کفار کے ساتھ صلح کے باوجود ہوشیار رہنا چاہیے اور آیت کریمہ کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کفار کا ارادہ بدعہدی کا ہو تو پریشانی کی اس میں کوئی بات نہیں، تو اب آیت اور ترجمہ کے درمیان یہ مناسبت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے، اسی پر بھروسہ رکھتے ہوئے مصالحت کر لی جائے، کیوں کہ وہی ذات سب کچھ کر سکتی ہے اور کفار کے مکر وفریب سے بھی ہوشیار رہا جائے، ساتھ ساتھ اسباب کا بھی انتظام کیا جائے۔ یہی سب سے بہترین طریقہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۰۰۵ : حدّثنا الحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ زَبْرٍ قالَ : سَمِعْتُ بُسْرَ بْنَ عُبَيْدِ ٱللهِ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا إِدْرِيسَ قالَ : سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مالِكٍ(٤) قالَ :

(١) فتح الباري: ٦/٢٧٧.

(٢) قال الله عزوجل: ﴿والله يعصمك من الناس﴾ [المائدة/٦٧].

(٣) شرح ابن بطال: ٥/٣٥٧.

(٤) قوله: "عوف بن مالك رضي الله عنه": الحديث، أخرجه أبوداود، كتاب الأدب، باب ماجاء في المزاح، =

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ ، وَهُوَ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ ، فَقَالَ : (اُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ : مَوْتِي ، ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، ثُمَّ مُوْتَانٌ يَأْخُذُ فِيكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ ، ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتَّى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِينَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا ، ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقَى بَيْتٌ مِنَ الْعَرَبِ إِلَّا دَخَلَتْهُ . ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُونُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ ، فَيَغْدِرُونَ فَيَأْتُونَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِينَ غَايَةً ، تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا) .

تراجم رجال

١- الحميدی

یہ ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے ضمن میں اجمالاً آچکا ہے (۱)۔

٢- الوليد بن مسلم

یہ ابوالعباس الولید بن مسلم قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

٣- عبدالله بن العلاء بن زبر

یہ ابوعبدالرحمٰن یا ابوزبر (۳) عبداللہ بن العلاء بن زبر بن عطارد بن عمرو ربعی، شامی، دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ مشہور محدث ابراہیم بن عبداللہ بن العلاء کے والد اور بشر بن العلاء کے بھائی ہیں (۴)۔

ان کے صاحبزادے ابراہیم کے بقول یہ ۷۵ ہجری کو پیدا ہوئے (۵)۔

--- رقم (٥٠٠٠)، وابن ماجه، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، رقم (٤٠٤٢)، وباب الملاحم، رقم (٤٠٩٥).

(١) كشف الباري: ٢٣٧/١.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت المغرب.

(٣) قوله: "زبر": بفتح الزاي المعجمة وسكون الموحدة، انظر التقريب: ٥٢١/١، رقم (٣٥٣٢)، وإكمال ابن ماكولا: ١٦٢/٤، وشرح القسطلاني: ٢٤١/٥.

(٤) تهذيب الكمال: ٤٠٥/١٥-٤٠٦، والإكمال لمغلطاي: ١٠٩/٨، رقم (٣١١٠).

(٥) تهذيب الكمال: ٤١٠/١٥، وسير أعلام النبلاء: ٣٥١/٧، والإكمال لمغلطاي: ١٠٩/٨، وكتاب الثقات لابن حبان: ٢٧/٧.

یہ بُسر بن عبید اللہ، یزید بن ثور، ربیعہ بن مرثد، سالم بن عبداللہ بن عمر، ضحاک بن عبدالرحمٰن، عطیہ بن قیس، عمر بن عبدالعزیز، قاسم بن محمد بن ابی بکر، قاسم بن عبدالرحمٰن، مکحول اور نافع مولی ابن عمر رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر بہت سے حضرات سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اوران سے ان کے صاحبزادے ابراہیم، زید بن حباب، عمر بن ابی سلمہ، الولید بن مسلم، محمد بن شعیب، مروان بن محمد، شابہ بن سوار، ابومسہراورابوالمغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت حدیث کرتے ہیں(۱)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "مقارب الحديث"(٢).

عباس دوری، ابوبکر بن ابی خیثمہ، عثمان بن سعید دارمی اور معاویہ بن صالح رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، "ثقة"(٣).

اسی طرح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة"(٤).

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ليس به بأس"(٥).

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا شمار شامیین کے "الطبقة الخامسة" میں کیا ہے، نیز فرماتے ہیں، "كان ثقة إن شاء الله"(٦).

عبدالرحمٰن بن ابراہیم دُحیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "كان ثقة، وكان من أشراف البلد"(٧).

ہشام بن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بخ، ثقة، سمع من القاسم أبي عبدالرحمن وعمر

---

(١) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٦-٤٠٧.

(٢) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٧، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥٠، وسير أعلام النبلاء: ٧/٣٥٠.

(٣) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٧-٤٠٨، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥٠، وتاريخ بغداد: ١٠/١٧، وتاريخ عثمان بن سعيد الدارمي: ١٥٣، رقم (٥٣٤).

(٤) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٨، وتاريخ بغداد: ١٠/١٧، وسير أعلام النبلاء: ٧/٣٥١.

(٥) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٨، والإكمال للمغلطاي: ٨/١٠٩.

(٦) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٧/٤٦٨.

(٧) تهذيب الكمال: ١٥/٤٠٨، وتهذيب التهذيب: ٥/٣٥٠، وسير أعلام النبلاء: ٧/٣٥٠، والمعرفة والتاريخ للفسوي: ١/٣٠، وفي سنة خمس وستين ومائة.

بن عبدالعزيز، هو قديم"(١).

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "يكتب حديثه"(٢).

مزید فرماتے ہیں، "هو أحب إلي من أبي معيد حفص بن غيلان"(٣).

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة يجمع حديثه"(٤).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے(٥)۔

امام عجلی اور حافظ ابن عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے(٦)۔

اور ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو "الثقات" میں ذکر کیا ہے(٧)۔

حضرت عبداللہ بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ایک سو چونسٹھ یا پینسٹھ ہجری کو ہوا، سعید بن عبدالعزیز نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، انتقال کے وقت عمر مبارک پچاسی سال تھی (٨)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تنبیہ

حضرت عبداللہ بن العلاء بن زبر رحمۃ اللہ علیہ متفق علیہ ثقہ ہیں، لیکن معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی کہ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عام عادت کے موافق ان کو ضعیف کہا ہے اور اس کی نسبت امام یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے کہ انہوں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے(٩)۔

---

(١) المعرفة والتاريخ للفسوي: ٢٢٨/٢، رقم (٢٣١)، وتهذيب الكمال: ٤٠٩/١٥

(٢) تهذيب الكمال: ٤٠٩/١٥، وتهذيب التهذيب: ٣٥٠/٥.

(٣) الجرح والتعديل: ١٥٨/٥، رقم (٥٩٢)، وحواله جات بالا.

(٤) تهذيب الكمال: ٤٠٩/١٥، وسير أعلام النبلاء: ٣٥١/٧، وتهذيب التهذيب: ٣٥١/٥.

(٥) كتاب الثقات: ٢٧/٧.

(٦) الإكمال للمغلطاي: ١٠٩/٨، وتهذيب التهذيب: ٣٥١/٥.

(٧) حوالہ جات بالا۔

(٨) حوالہ جات بالا، وتهذيب الكمال: ٤١٠/١٥، وكتاب الثقات: ٢٧/٧.

(٩) المحلى لابن حزم: ١٠٥/٦، كتاب الأطعمة، حكم استعمال أواني أهل الكتاب، رقم (١٠٢٤)، وميزان الاعتدال للذهبي: ٤٦٤/٢، رقم (٤٤٦٦)، وتهذيب التهذيب: ٣٥١/٥.

لیکن اس جرح کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

اولاً- یہ جرح مبہم ہے، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ نہیں بتلائی کہ یہ کیوں ضعیف ہیں اور جرح مبہم معتبر نہیں (۱)۔

ثانیاً- امام یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو نسبت کی گئی ہے، وہ بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیوں کہ پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے (۲)۔

ثالثاً- امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر ائمہ خمسہ نے ان کی روایات قبول کی ہیں، یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ضعیف نہیں (۳)۔

٤- بسر بن عبيدالله

یہ جلیل القدر فقیہ بسر بن عبید اللہ حضرمی شامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

یہ واثلہ بن الاسقع، عمرو بن عبسہ، رویفع بن ثابت، سنان بن عرفہ، عبد اللہ بن محیریز اور ابو ادریس خولانی رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں عبد اللہ بن العلاء بن زبر، عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر، زید بن واقد، داؤد بن عمرو الاودی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

---

(١) قواعد في علوم الحديث للعثماني: ١٧٤-١٧٥، و: ٢٦٨، وشرح نخبة الفكر: ١٣٦، والجرح مقدم على التعديل...... قال الحافظ: "له في البخاري حديثان، أحدهما: في تفسير الأعراف بمتابعة زيد بن واقد، كلاهما عن بسر بن عبيدالله، والآخر: في الجزية، وروى له أصحاب السنن". هدي الساري: ٥٨٣، حرف العين، الفصل التاسع في سياق أسماء من طعن......

(٢) قال ابن حجر رحمه الله في التهذيب (٣٥١/٥): "قال شيخنا في شرح الترمذي: "لم أجد ذلك عن ابن معين بعد البحث، ووقع في المحلى لابن حزم في الكلام على حديث أبي ثعلبة في آنية أهل الكتاب: عبدالله بن العلاء ليس بالمشهور" (انظر المحلى: ١٠٥/٦)، وهو متعقب بما تقدم".

(٣) ميزان الاعتدال: ٤٦٤/٢، وتهذيب الكمال: ٤١٠/١٥.

(٤) تهذيب الكمال: ٧٥/٤، وسير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤، والإكمال لمغلطاي: ٢٨٤/٢.

(٥) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ٧٦/٤.

امام عجلی اور امام نسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں، "ثقة"(١).

ابومسہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "أحفظ أصحاب أبي إدريس عنه: بسر بن عبيدالله"(٢).

مروان بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "هو من كبار أهل المسجد، ثقة من أهل العلم"(٣).

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة ......، وكان من علماء دمشق"(٤).

حدیث کے حصول کا ان کو کس قدر شوق تھا اور اس کے لیے کس قدر محنت کرتے تھے، اس کا اندازہ ان کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

"إنه كان ليبلغني الحديث في المصر، فأرحل فيه مسيرة أيام"(٥).

کہ "جب مجھے یہ معلوم ہوتا کہ فلاں شہر میں حدیث موجود ہے تو میں اس کے حصول کے لیے کئی دنوں کی مسافت طے کرتا تھا"۔

اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایات لی ہیں(٦)۔

تقریباً ۱۱۰ ایک سو دس ہجری کو، اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا(٧)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تنبیہ

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ترجمہ کتاب الثقات میں درج کیا ہے، لیکن انہیں تبع تابعی قرار دیا ہے(٨)، جو بظاہر درست نہیں، کیوں کہ یہ واثلہ بن اسقع اور عمرو بن عبسہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے روایت کرتے

(١) حوالہ بالا، وتهذيب التهذيب: ٤٣٨/١.

(٢) حوالہ جات بالا، وسير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤، والثقات لابن حبان: ١٠٩/٦.

(٣) تهذيب الكمال: ٧٦/٤، وتهذيب التهذيب: ٤٣٨/١.

(٤) سير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤.

(٥) تهذيب الكمال: ٧٧/٤.

(٦) تهذيب الكمال: ٧٧/٤، وتهذيب التهذيب: ٤٣٨/١، وسير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤.

(٧) سير أعلام النبلاء: ٥٩٢/٤.

(٨) كتاب الثقات للتميمي: ١٠٩/٦.

ہیں، اس لیے دیکھا بھی ہوگا، ملاقات بھی کی ہوگی، لہٰذا یہ تبع تابعی نہیں، بلکہ تابعی ہیں۔

٥- ابوادریس

یہ مشہور بزرگ تابعی ابوادریس عائذ اللہ بن عبداللہ خولانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب بلا ترجمة" کے تحت آچکے(۱)۔

٦- عوف بن مالك

یہ مشہور صحابی حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

حدیث کی سند سے متعلق ایک فائدہ

ہمارے پیش نظر حدیث کی سند میں عبداللہ بن العلاء نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث براہِ راست بسر بن عبیداللہ سے سنی ہے، "قال: سمعت بسر بن عبيدالله......" جب کہ یہی روایت امام طبرانی نے بھی روایت کی ہے، اس میں ان دونوں حضرات کے درمیان ایک اور راوی زید بن واقد بھی ہیں (۳)، حافظ کی تصریح کے مطابق طبرانی کی یہ روایت اصول حدیث کی اصطلاح میں "المزيد في متصل الأسانيد" (٤) کے قبیل سے ہے، جب کہ اس سے صحیح بخاری کی روایت کی صحت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اولاً اس روایت میں سماع کی تصریح ہے اور ثانیاً امام ابوداود (٥)، ابن ماجہ (٦) اور اسماعیلی (٧) رحمہم

---

(١) كشف الباري: ٢/٤٨.

(٢) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصلح، باب الصلح مع المشركين.

(٣) رواه الطبراني في المعجم الكبير: ١٨/٤٠-٤١، أبو إدريس الخولاني عن عوف، رقم (٧٠).

(٤) قال العلامة العثماني رحمه الله في قواعد علوم الحديث (٤٥):

"والمزيد في متصل الأسناد: ما زيد في أثناء إسناده راوٍ، ومن لم يزده أتقن ممن زاده، وشرطه أن يقع التصريح بالسماع في موضع الزيادة في رواية من لم يزدها، وإلا ترجحت الزيادة، وكان الخبر المزيد فيه مدلّسا أو منقطعا أو مرسلاً خفيا". وانظر أيضاً شرح النخبة: ٩٢، ثم المخالفة......

(٥) انظر سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب ماجاء في المزاح، رقم (٥٠٠٠).

(٦) انظر سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، رقم (٤٠٤٢).

(٧) السنن الكبرى للبيهقي: ٩/٣٧٤، رقم (١٨٨١٧)، كتاب الجزية، باب مهادنة الأئمة بعد رسول......

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے اور کسی بھی طریق میں زید بن واقد نہیں ہیں (١)۔

قال: أتيتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جب آپ غزوہ کے سلسلے میں تبوک میں تھے۔

تبوک کا غزوہ چوں کہ نو ہجری کو لڑا گیا تھا تو صحابی نے اپنا جو قصہ نقل کیا ہے، وہ نو ہجری کا ہے (٢)۔

مستدرک حاکم کی روایت میں اس کا بیان بھی ہے کہ یہ واقعہ صبح کے وقت کا ہے (٣)۔

وهو في قبة من أدم

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے سے بنے ہوئے قبہ میں آرام فرما تھے۔

قبہ قاف کے ضمہ اور باء مشددہ مفتوحہ کے ساتھ ہے، ہر گول بنی ہوئی چیز پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے گنبد، خیمہ وغیرہ، لیکن یہاں پر وہ خیمہ مراد ہے جو اوپر سے گول ہوتا ہے۔ اس کی جمع قباب وقبية ہے (٤)۔

سنن ابی داؤد کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ہے:

"فسلمت، فرد، وقال: ادخل. فقلت: أكلي يا رسول الله! قال: كلك. فدخلت" (٥).

"تو میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور فرمایا کہ اندر آجاؤ! میں نے کہا، پورا کا پورا اندر آجاؤں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، بالکل۔ چناں چہ میں اندر داخل ہو گیا"۔

---

(١) عمدة القاري: ٩٩/١٥، وفتح الباري: ٢٧٧/٦.

(٢) عمدة القاري: ٩٩/١٥، وكشف الباري، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك: ٦٣٢.

(٣) "قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك في آخر السحر ......" انظر المستدرك للحاكم: ٦٣٠/٣، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب عوف بن مالك......، رقم (٦٣٢٤)، وأيضاً انظر معرفة الصحابة، للأصبهاني: ٤٤/٤، باب من اسمه: عوف.

(٤) عمدة القاري: ٩٩/١٥.

(٥) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب ماجاء في المزاح، رقم (٥٠٠٠).

مطلب یہ ہے کہ خیمہ چوں کہ چھوٹا تھا، گنجائش کم تھی، اس لیے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ازراہِ مزاح دریافت کیا کہ کیا مکمل داخل ہو جاؤں؟ آپ علیہ السلام ان کے مزاح کو سمجھ گئے، اس لیے جواب بھی انہی کے انداز میں دیا کہ ہاں! مکمل داخل ہو جاؤ، خیمہ کے چھوٹا ہونے کی پروانہ کرو۔

چناں چہ عثمان بن ابوالعاتکہ (راوی حدیث) فرماتے ہیں:

"إنما قال: أدخل كلي؛ من صغر القبة"(۱).

اس طریق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرتے تھے(۲)۔

فقال: اعدد ستًّا بين يدي السَّاعَةِ موتي ثمَّ فتْح بيت المقدس

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے لیے چھ چیزوں کو شمار کرو (ایک) میری وفات، (دوسری) بیت المقدس کی فتح۔

مطلب یہ ہے کہ ان چھ امور کے وقوع سے پہلے قیامت قائم نہیں ہوگی، چناں چہ حدیث میں "ستا" سے مراد "ست علامات لقيام القيامة" ہے(۳)۔

ان میں سے پہلی نشانی کا تحقق ربیع الاول ۱۱ھ کو ہوا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا تھا۔

جب کہ دوسری نشانی کا تحقق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پندرہ ہجری کو ہوا، کہ اس سال بیت المقدس فتح ہوا(۴)۔

ثم موتان يأْخُذُ فيكم كقعاصِ الْغَنَمِ

پھر کثرت سے اموات، جو تم میں اس طرح پھیلیں گی، جس طرح بکریوں میں ایک مخصوص بیماری پھیلتی

---

(۱) حوالہ بالا، رقم (۵۰۰۱)، وفتح الباري: ۶/۲۷۷-۲۷۸.

(۲) بذل المجهود: ۱۳/۴۰۱، رقم (۵۰۰۰).

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۹، وفتح الباري: ۶/۲۷۸.

(٤) البداية والنهاية: ۷/۵۵، فتح بيت المقدس على يدي عمر بن الخطاب، والكامل لابن الأثير: ۲/۳٤۷.

ہے اور سب کو اچانک ہلاک کر ڈالتی ہے۔

موتان کا ضبط

موتان میم کے ضمے اور واو کے سکون کے ساتھ ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ضمہ کے ساتھ بنو تمیم کی لغت ہے، ان کے علاوہ دوسرے قبائل عرب اس کو فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، چناں چہ بلید (احمق و بے وقوف) کو "مَوْتان القلب" بھی کہا جاتا ہے، لیکن میم کا مضموم ہونا ہی راجح ومشہور ہے (۱)۔

پھر ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات محدثین اس لفظ کی ادائیگی میں غلطی کرتے ہیں کہ اسے میم اور واو کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، جو صریح غلط ہے، مُوتان تو اس زمین کو کہا جاتا ہے، جس پر کھیتی باڑی نہیں کی جاتی ہو اور اس کی دیکھ بھال نہ کی جاتی ہو (۲)۔

جب کہ ابن السکن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تثنیہ کے ساتھ "موتتان" ہے، جس کا یہاں کوئی موقع ومحل نہیں (۳)۔

موتان کے معنی

قزاز وخطابی رحمہما اللہ نے اس کلمہ کے معنی ''موت'' بیان کیا ہے، جب کہ ابن الاثیر جزری رحمہُ اللہ وغیرہ نے اس کے معنی "الموت الكثير الوقوع" کے بتلائے ہیں (۴)، یعنی کثرت سے اموات کا واقع ہونا، جس کی تعبیر وباء سے ہوسکتی ہے کہ وبائی امراض مثلاً طاعون وہیضے وغیرہ سے بھی کثرت سے اموات ہوتی ہیں۔

قُعاص کا ضبط

قعاص قاف کے ضمہ اور عین مہملہ کے فتحہ کے ساتھ ہے، یہی جمہور ائمہ لغت وحدیث مثلاً ابن قرقول،

---

(١) عمدة القاري: ١٥/٩٩، وإرشاد الساري: ٥/٢٤١، وفتح الباري: ٦/٢٧٨.

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٩، وفتح الباري: ٦/٢٧٨، وكشف المشكل: ١/١١٠٨، مسند عوف بن مالك، رقم (٢٣٤٢)، ومشارق الأنوار: ١/٣٩٠، الميم مع الواو.

(٣) عمدة القاري: ١٥/١٠٠، وإرشاد الساري: ٥/٢٤١.

(٤) النهاية في غريب الحديث والأثر: ٤/٣٧٠، باب الميم مع الواو، وعمدة القاري: ١٥/٩٩، وفتح الباري: ٦/٢٧٨، وإرشاد الساري: ٥/٢٤١، وأعلام الحديث للخطابي: ٢/١٤٦٨.

ابن الأثیر رحمہما اللہ وغیرہ کی رائے ہے(۱)، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عقاص لکھا ہے، یعنی عین کو قاف پر مقدم بتلایا ہے(۲)۔ جو درست نہیں اور یہ حافظ صاحب کے اوہام میں سے ہے(۳)۔

قعاص کے معنی

قعاص ایک قسم کی بیماری ہے، جو جانوروں کو لگتی ہے، جس کے نتیجے میں ان کی ناک سے ایک سیّال مادہ نکلتا ہے اور فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔

یہ القعص سے مشتق ہے، جس کے معنی فوری موت کے ہیں، "يقال: قعصتُه وأقعصتُه: إذا قتلتَه سريعا"(٤).

جب کہ ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ سینے کی بیماری ہے، اس کی وجہ سے اس قدر تکلیف ہوتی ہے، گویا کہ گردن ٹوٹ جائے گی(۵)۔

"ثم موتان......" کا مطلب

اس جملے میں قربِ قیامت کی چھے نشانیوں میں سے تیسری نشانی کو بیان کیا گیا ہے، کہ اس کثرت سے اموات ہوں گی، وبا پھیلے گی، جس طرح جانوروں وبکریوں وغیرہ میں پھیلتی ہے اور آناً فاناً سینکڑوں کو ہلاک کر دیتی ہے، اسی طرح مذکورہ بالا وباء بھی ہزاروں لاکھوں لوگوں کو فنا کر ڈالے گی۔

شراح کا کہنا ہے کہ یہ نشانی بھی طاعون عمواس کی شکل میں واقع ہو چکی ہے، جس میں تین دن میں تقریباً ستر ہزار افراد، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے، جاں بحق ہوئے تھے، یہ طاعون بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ہی میں ۱۷ھ کو پھیلا تھا(۶)۔

---

(١) النهاية لابن الأثير: ٨٨/٤، وعمدة القاري: ١٠٠/١٥، والقاموس الوحيد، مادة "قعص".

(٢) فتح الباري: ٢٧٨/٦.

(٣) "في هامش طبعة بولاق: "كذا في نسخ الشارح التي بأيدينا، والذي في نسخ البخاري بتقديم القاف على العين، وبه ضبط القسطلاني، وهو المنصوص في كتب اللغة، والمتعين من قول أبي عبيد، ومنه أخذ: الإقعاص". (انظر تعليقات محب الدين الخطيب على فتح الباري: ٢٧٨/٦).

(٤) النهاية: ٨٨/٤، وفتح الباري: ٢٧٨/٦، وعمدة القاري: ١٠٠/١٥، وإرشاد الساري: ٢٤١/٥.

(٥) عمدة القاري: ١٠٠/١٥، وفتح الباري: ٢٧٨/٦.

(٦) حواله جات بالا، وإرشاد الساري: ٢٤١/٥، والبداية والنهاية: ٧٨/٧، شيء من أخبار طاعون عمواس.

چناں چہ خود راوی حدیث حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے امام حاکم (۱) نے نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا طاعون کا مصداق طاعون عمواس ہے، نیز حافظ ابن کثیر (۲) اور علامہ تورپشتی رحمہم اللہ کی رائے بھی یہی ہے (۳)۔

ثم استفاضة المال(٤) حتى يعطى الرجل مئة دينار فيظل ساخطا

پھر مال کی کثرت (ہوگی)، یہاں تک کہ اگر کسی کو سو دینار بھی عطا کیے جائیں تب بھی وہ ناراض رہے گا۔

اس جملے میں قرب قیامت کی چوتھی علامت ونشانی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مال کی خوب کثرت وفراوانی ہوگی، تقریباً ہر شخص مال دار وتونگر ہوگا، اس لیے اگر کسی کو سو دینار بھی دیے جائیں (جو ایک بڑی رقم شمار ہوتی ہے) اور کہا جائے کہ یہ دینار رکھ لو تو وہ ناراض ہوگا کہ اتنی معمولی نقدی کیوں دے رہے ہو؟ اور اس کو حقیر سمجھے گا (۵)۔

یہ چوتھی نشانی خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پائی گئی کہ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور مسلمانوں نے کفر کے بڑے بڑے مراکز فتح کر لیے تو مال ودولت کی خوب فراوانی ہوگئی اور تقریباً ہر شخص مال دار ودولت مند ہوگیا (۶)۔

ثم فتنة لا يبقى بيت من العرب إلا دخلته

پھر فتنہ برپا ہوگا، عرب کا کوئی گھر ایسا نہ ہوگا کہ جس میں یہ فتنہ داخل نہ ہو۔

اس جملے میں پانچویں نشانی کا بیان ہے کہ پھر ایسا دور آئے گا کہ ہر طرف فتنہ ہوگا، لوٹ مار ہوگی، لوگوں

(١) المستدرك للحاكم: ٤/٤٦٩، كتاب الفتن والملاحم، رقم (٨٣٠٣).

(٢) البداية والنهاية: ٦/٢٢٦، فصل في ترتيب الأخبار بالغيوب......

(٣) كتاب الميسر: ٤/١١٥١، رقم (٤٠٥٢)، باب الملاحم من كتاب الفتن، وشرح الطيبي: ١٠/٧٧، وفيضان القدير للمناوي، رقم (٤٦٥٧).

(٤) قال العلامة الخطابي رحمه الله: "استفاضة المال: كثرته، وأصله التفرق والانتشار، يقال: فاض الماء، وفاض الحديث: إذا انتشر". أعلام الحديث: ٢/١٤٦٩.

(٥) عمدة القاري: ١٥/١٠٠، وشرح القسطلاني: ٥/٢٤١.

(٦) حوالہ جات بالا، وفتح الباري: ٦/٢٧٨.

کی جان ومال کی ضمانت نہیں رہے گی، عرب کا کوئی بھی گھر، کوئی بھی جگہ اس فتنے سے محفوظ نہیں ہوگی اور ہر شخص اس سے متاثر ہوگا۔

اس علامت ونشانی کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہوئی کہ ان کی شہادت کے بعد فتنے پھوٹ پڑے اور آج تک جاری ہیں (۱)، خدا ہی کو علم ہے کہ یہ صورت حال کب تک جاری رہے گی۔

ثم هدنة تكون بينكم وبين بني الأَصْفَرِ فيغدرُونَ فيأتْونكُم تحْتَ ثمانينَ غاية تحْتَ كلِّ غاية اثْنَا عَشَرَ الفا.

پھر صلح ہے، جو تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی، سو وہ غداری وعہد شکنی کریں گے، اسی ۸۰ جھنڈوں تلے تم سے لڑنے کو آئیں گے، ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار افراد ہوں گے (پورا لشکر کفار تقریباً دس لاکھ افراد پر مشتمل ہوگا)۔

ہدنہ کے معنی اور ضبط

هدنة ہاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی سکون کے ہیں، البتہ یہاں صلح کے معنی میں مستعمل ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ صلح عام ہے اور ہدنہ خاص۔ جنگ شروع ہونے کے بعد اگر صلح ہوگئی تو یہ صلح ہدنہ کہلائے گی، ورنہ نہیں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ صلح کی وجہ سے فریقین کے درمیان سکون واقع ہوجاتا ہے اور اضطراب کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے (۲)۔

اور بنو الأصفر سے مراد رومی ہیں (۳)۔

غایہ کے معنی اور اختلاف روایات

غایہ کے معنی یہاں رایہ یعنی جھنڈے کے ہیں، چوں کہ لشکر میں پیچھے آنے والوں کے لیے یہ حد اور منتہی کی حیثیت رکھتا ہے کہ جھنڈا بردار جہاں رکتا ہے وہیں دوسرے لشکری بھی رک جاتے ہیں اور اگر چل پڑے تو

---

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) فتح الباري: ۲۷۸/٦، وعمدة القاري: ١٥/١٠٠.

(۳) حوالہ جات بالا، وكشف الباري: ٥٣٨/١، وأعلام الحديث للخطابي: ١٤٦٩/٢.

لشکری بھی چلنے لگتے ہیں، اسی لیے جھنڈے کو غایہ کہتے ہیں۔

قال الجواليقي: "غاية وراية واحد؛ لأنها غاية المتبع، إذا وقفت وقف، وإذا مشت تبعها" (١).

چنانچہ سنن ابی داود (۲) کی ایک روایت، جو ذومخبر سے مروی ہے، اس میں "رایہ" کا لفظ ہے (۳)۔

اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو بعض حضرات نے "غابہ" بائے موحدہ کے ساتھ روایت کیا ہے، جس کے معنی جنگل کے ہیں، گویا کہ غیر مسلم لشکر کے پاس نیزوں کی جو کثرت ہوگی اس کے پیش نظر اسے جنگل (غابہ) کہا گیا ہے (۴)۔

اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھنے درختوں کو "غابہ" کہا جاتا ہے اور اس لفظ کو یہاں بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے، چناں چہ غابہ سے مراد وہ جھنڈے ہیں جو لشکر کے امراء کے لیے بلند کیے جائیں گے اور ان کے ساتھ ساتھ نیزوں کو بھی حرکت دی جائے گی، گویا جھنڈوں کو بلند کرنے اور نیزوں کو حرکت دینے کا جو عمل ہے، اسے غابہ سے تعبیر کیا گیا ہے (۵)۔

چھٹی نشانی

اوپر کے جملے میں علامات قیامت میں سے چھٹی نشانی کو بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے

---

(١) فتح الباري: ٢٧٨/٦، وعمدة القاري: ١٠٠/١٥، وشرح ابن بطال: ٣٥٨/٥، ولسان العرب: ١٦٣/١٠، باب الغين، مادة "غيا".

(٢) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب الصلح مع العدو، رقم (٢٧٦٧)، وكتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة، رقم (٤٢٩٢).

(٣) هذا ما قاله ابن حجر في الفتح (٢٧٨/٦)، ولكني لم أجد فيها ما قاله الحافظ، ولعله من اختلاف النسخ، نعم، قد ورد الحديث بلفظ "راية" بدل "غاية" في المستدرك للحاكم، ففيه: "... فيقبلون في ثمانين راية، تحت كل راية اثنا عشر ألفا". انظر المستدرك: ٦٣٠/٣، رقم (٦٣٢٤)، أخرجه من طريق أبي بكر أحمد بن سلمان بن الحسن الفقيه.

(٤) عمدة القاري: ١٠٠/١٥، وفتح الباري: ٢٧٨/٦، وكشف المشكل: ١٣٣/٤، مسند عوف ......، رقم (٢٣٤٢)

(٥) حوالہ جات بالا، وأعلام الحديث للخطابي: ١٤٦٩/٢، ولسان العرب: ١٦٣/١٠، مادة "غيا".

درمیان ایک خون ریز جنگ واقع ہوگی، پھر صلح ہو جائے گی، لیکن کفار بدعہدی کریں گے اور ملحمہ کبری کے لیے جمع ہوں گے، کفار کے لشکر کی تعداد تقریباً دس لاکھ (۱) ہوگی۔

یہ نشانی ابھی واقع نہیں ہوئی ہے، امام مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد یہ نشانی بھی واقع ہو جائے گی۔

علامات قیامت کی ترتیب زمانی

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے پہلے جو بڑے بڑے واقعات وحوادث رونما ہوں گے، احادیث کی روشنی میں ان کی بھی کچھ تفصیل بیان کردی جائے۔

علامات قیامت کی دو قسمیں ہیں، علامات صغری اور علامات کبریٰ۔

علامات صغری کی تعداد بہت زیادہ ہے (۲) اور یہی علامات، علامات کبریٰ کے لیے بطور مقدمے کے ہوں گی۔

علماء نے لکھا ہے کہ علامات صغریٰ جب سب کی سب ظاہر ہو جائیں گی تو ہوگا یہ کہ عیسائی بہت سے ملکوں پر غلبہ حاصل کر کے قبضہ کرلیں گے۔ ادھر عرب اور شام کے ملک میں ابوسفیان کی اولاد سے ایک شخص ظاہر ہوگا، جو سادات کو قتل کرے گا، اس کی حکومت شام ومصر وغیرہ میں ہوگی (۳)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۳/۱۴۱، حسابی اعتبار سے یہ تعداد ۹ لاکھ ۶۰ ہزار بنتی ہے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں (۶/۲۷۸): "وجملة العدد المشار إليه تسعمائة ألف وستون ألفا"۔

(۲) حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی روشنی میں قیامت کی تقریباً ۷۲ علامات صغری ذکر کی ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

جب حکام زمین وملک کے لگان کو اپنی ذاتی دولت بنائیں (یعنی اس کو مصرف شرعی میں خرچ نہ کریں)۔ زکوۃ بطور تاوان کے ادا کریں۔ لوگ امانت کو مال غنیمت کی طرح حلال وطیب سمجھیں۔ شوہر اپنی بیوی کی اطاعت کرے۔ علم دین حصول دنیا کی غرض سے سیکھا جائے۔ شراب خوری اور زنا کاری کی کثرت ہو۔ باطل مذاہب، جھوٹی احادیث اور بدعتوں کا فروغ ہو۔ (دیکھیے، قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟ ص: ۲۳-۲۴، بتغیر وتصرف)۔ نیز دیکھیے، جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب في علامة حلول المسخ والخسف، رقم (۲۲۱۰)، عن علي و(۲۲۱۱)، عن أبي هريرة رضي الله عنهما.

(۳) كنز العمال، كتاب الفتن والأهواء......، قسم الأقوال، رقم (۳۱۰۳۳، ۳۱۰۳۵-۳۱۰۳۳)، وفيض القدير للمناوي: =

اسی دوران شاہِ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقے کے ساتھ جنگ اور دوسرے فرقے سے صلح ہوگی، متحارب فرقہ روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر قبضہ کرلے گا، شاہ دارالخلافہ چھوڑ کر شام آجائے گا اور عیسائیوں کے صلح پسند فرقے کی مدد سے اسلامی فوج ایک خون ریز جنگ کے بعد قابض فوج پر فتح یاب ہوگی، دشمن کی شکست کے بعد فرقہ موافق میں سے ایک شخص بول اٹھے گا کہ "غلب الصليب......" یہ سن کر اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اس سے الجھ پڑے گا اور کہے گا "بل الله غلب" کہ نہیں! اللہ کا دین اسلام غالب ہوا اور اسی کی برکت سے فتح نصیب ہوئی۔ یہ دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لیے پکاریں گے، جس کی وجہ سے خانہ جنگی شروع ہوجائے گی۔ بادشاہِ اسلام شہید ہوجائے گا، عیسائی شام پر قبضہ کرلیں گے اور آپس میں ان دونوں عیسائی فرقوں کی صلح ہوجائے گی (۱)۔

بقیۃ السیف مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے، عیسائیوں کی حکومت خیبر تک پھیل جائے گی۔

امام مہدی کی تلاش

اس وقت مسلمان اس تجسس میں ہوں گے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کو تلاش کرنا چاہیے، تاکہ ان مصائب کے دفعیہ کا ذریعہ ہوں اور دشمن کے پنجے سے نجات دلائیں۔ حضرت امام مہدی اس وقت مدینہ منورہ میں ہوں گے، مگر اس ڈر سے کہ لوگ کہیں مجھ جیسے کمزور شخص کو اس عظیم الشان کام کے انجام دہی کا مکلف نہ بنادیں، مکہ معظمہ چلے جائیں گے، اس زمانے کے اولیائے کرام وابدال عظام آپ کو تلاش کریں گے (۲)۔

امام مہدی پہچانے جائیں گے

اسی دوران کہ امام مہدی علیہ السلام رکن ومقام ابراہیم کے درمیان طواف کرتے ہوں گے، آدمیوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلے گی، بیعت کے وقت آسمان سے یہ ندا آئے گی، "هذا خليفة الله المهدي، فاستمعوا له وأطيعوا" اس آواز کو سارے عام وخاص سن لیں گے۔ اس

= ١٦٨/٤، حرف السين، رقم (٤٧٦٨)، والمستدرك: ٥٤٧/٤، كتاب الفتن والملاحم، رقم (٨٤٠١)

(١) حدیث باب کے الفاظ "ثم هدنة تكون بينكم وبين بني الأصفر، فيغدرون" میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ نیز دیکھیے، سنن أبي داود، كتاب الملاحم، مايذكر من ملاحم الروم، رقم (٤٢٩٢)، والمستدرك للحاكم: ٤٦٧/٤، كتاب الفتن والملاحم، رقم (٨٢٩٨)، وصحيح ابن حبان، رقم (٦٧٠٨).

(٢) سنن أبي داود، كتاب المهدى، رقم (٤٢٨٦).

وقت امام مہدی کی عمر مبارک چالیس سال ہوگی (☆)۔

امام مہدی کی فوج

خلافت کے مشہور ہونے پر مدینے کی فوجیں مہدی علیہ السلام کے پاس مکہ معظمہ آجائیں گی، شام، عراق اور یمن کے اولیائے کرام وابدال عظام آپ کی مصاحبت میں اور ملک عرب کے بے انتہا آدمی آپ کی افواج میں داخل ہوجائیں گے، آپ علیہ السلام کعبے میں مدفون خزانے کو نکال کر، جسے رتاج الکعبہ کہا جاتا ہے، مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں گے(۱)۔

اہل خراسان کا لشکر

جب یہ خبر اسلامی دنیا میں پھیلے گی تو خراسان سے حارث بن حراث نامی ایک شخص، جس کے مقدمہ الجیش کی کمان منصور نامی شخص کے ہاتھ میں ہوگی، ایک بہت بڑی فوج لے کر آپ کی مدد کے لیے روانہ ہوگا(۲)۔

عیسائی افواج کا اجتماع

افواج عرب کے اجتماع کا سن کر عیسائی بھی چاروں طرف سے فوج جمع کرنے کی کوشش کریں گے، اپنے اور روم کے ممالک سے کثیر افواج لے کر مہدی علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے شام میں جمع ہوجائیں گے، ان کی فوج کے اس وقت ستر جھنڈے(۳) ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوجی ہوں گے(۴)۔

(☆) حواله بالا، ومشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، من الحسان، رقم (٥٤٥٦).

(١) الحديث أخرجه أبوداود، كتاب المهدي، رقم (٤٢٨٦)، وموارد الظمان: ٤٦٤، رقم (١٨٨١)، والمصنف لعبد الرزاق، رقم (٢٠٩٣٤)، باب المهدي، والمعجم الكبير: ٢٣/٣٩٠، مجاهد عن أم سلمة، رقم (٩٣١)، ومسند أحمد: ٨/٦٣٥، رقم (٢٧٢٢٤)، مسند أم سلمة رضي الله عنها.

(٢) وفي آخر هذا الحديث: "وجب على كل مؤمن نصره" سنن أبي داود، كتاب المهدي، رقم (٤٢٩٠).

(۳) ستر کا لفظ بظاہر سبقت قلم ہے، درست ۸۰ ہے، جیسا کہ حدیث باب میں آیا ہے، اس کی شرح بھی ماقبل میں گذر چکی ہے۔

(۴) حدیث باب کے الفاظ "فيأتونكم تحت ثمانين غاية، تحت كل غاية اثنا عشر ألفا" میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

امام مہدی کی عیسائیوں سے جنگ

حضرت امام مہدی مکہ سے کوچ فرما کر مدینہ منورہ آئیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوکر شام کی جانب روانہ ہوجائیں گے، دمشق کے قرب وجوار میں عیسائی افواج سے آمنا سامنا ہوگا، اس وقت امام مہدی کی فوج کے تین گروہ ہوجائیں گے، ایک گروہ نصاریٰ کے خوف سے بھاگ جائے گا، خداوند کریم ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کریں گے، باقی ماندہ فوج میں سے کچھ تو شہید ہوکر بدر واحد کے شہداء کے مراتب کو پہنچیں گے اور کچھ کامیاب ہوکر ہمیشہ کے لیے گمراہی اور سوئے خاتمہ سے بچ جائیں گے۔

حضرت مہدی علیہ السلام پھر دوسرے روز نصاریٰ کے مقابلے کے لیے نکلیں گے، اس روز مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عہد کرے گی کہ فتح یا شہادت کے بغیر میدان نہ چھوڑیں گے، یہ کل کے کل شہید ہوجائیں گے، امام مہدی بقیہ قلیل افراد کو لے کر لشکر گاہ واپس لوٹ آئیں گے۔

اگلے دن پھر یہی ہوگا کہ ایک جماعت یہ عہد کرلے گی کہ فتح یا شہادت کے بغیر میدان نہیں چھوڑیں گے اور یہ سب بھی شہید ہوجائیں گے، اس کے اگلے دن بھی یہی ہوگا اور جو تھوڑی سی جمعیت باقی رہ جائے گی وہ امام مہدی کی معیت میں لشکر گاہ واپس لوٹ آئے گی (۱)۔

امام مہدی کی فتح

چوتھے روز امام مہدی علیہ السلام رسدگاہ کی محافظ جماعت کو لے کر، جو تعداد میں بہت کم ہوگی، دشمن سے نبرد آزما ہوں گے، اس دن اللہ تعالیٰ ان کو فتح مبین عطا فرمائے گا۔ عیسائی اس قدر مارے جائیں گے کہ باقیوں کے دماغ سے حکومت کی بُو جاتی رہے گی اور انتہائی ذلیل وخوار ہوکر بھاگیں گے۔

اس کے بعد امام مہدی بے انتہا انعام واکرام مجاہدین میں تقسیم فرمائیں گے، مگر اس مال سے کسی کو خوشی حاصل نہ ہوگی، وجہ یہ ہوگی کہ جنگ کی بدولت بہت سے خاندان وقبائل ایسے ہوں گے جن میں سو (۱۰۰) میں سے ایک آدمی بچا ہوگا۔ بعد ازیں امام مہدی خلافت اسلامیہ کے نظم ونسق میں مصروف ہوجائیں گے اور چاروں

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الفتن، باب في فتح قسطنطينية......، رقم (۷۲۳۵)، وباب إقبال الروم في كثرة القتل ......، رقم (۷۲۳۸).

طرف اپنی فوج پھیلا دیں گے(☆)۔

قسطنطنیہ کی آزادی اور ظہور دجال

امام مہدی علیہ السلام ان مہمات سے فارغ ہو کر فتح قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہوں گے، بحیرہ روم کے ساحل پر پہنچ کر قبیلہ بنو اسحاق کے ستر ہزار بہادروں کو کشتیوں پر سوار کر کے استنبول کی فتح کے لیے معین فرمائیں گے، جب یہ لوگ فصیل شہر کے نزدیک پہنچیں گے تو نعرہ تکبیر بلند کریں گے، جس کی برکت سے فصیل منہدم ہو جائے گی، مسلمان ہلا بول کر شہر میں داخل ہو جائیں گے۔

امام مہدی ملک کے انتظام وغیرہ ہی میں مصروف ہوں گے کہ افواہ اڑے گی کہ دجال نے مسلمانوں پر تباہی ڈالی ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرت امام مہدی شام کی طرف لوٹیں گے اور خبر کی تحقیق کے لیے پانچ یا نو سوار بطور طلیعہ روانہ فرمائیں گے، تحقیق پر افواہ کے غلط ہونے کا علم ہوگا، لیکن کچھ عرصے بعد ہی دجال ظاہر ہو جائے گا(۱)۔

دجال کی بد خَلقی اور بد خُلقی اور شاطرانہ حرکتیں

دجال قوم یہود سے ہوگا، اس کا لقب مسیح (۲) اور دائیں آنکھ پھولی ہوئی ہوگی (۳)، بال گھنگریالے (۴) ہوں گے، ایک بڑے گدھے پر سوار ہوگا، اولاً اس کا ظہور عراق وشام کے درمیان ہوگا، جہاں

(☆) مسلم، كتاب الفتن، باب إقبال الروم في كثرة القتل……، رقم (۷۲۳۸)، وأحمد في مسنده: ۲/۳۱، مسند ابن مسعود، رقم (۳۶۴۳)، و: ۲/۱۴۵(۴۱۴۶)، ، وأبوداود الطيالسي: ۱/۲۰۱، رقم (۳۸۴) وآخرون.

(۱) مسلم، كتاب الفتن ……، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر ……، رقم (۷۲۹۳)، عن أبي هريرة.

(۲) بخاری، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (۷۱۲۵-۷۱۲۶)، عن أبي بكرة، ومسلم، كتاب الفتن……، باب ذكر الدجال ……، رقم (۷۳۲۲)، عن ابن عمر، رضي الله عنهم.

(۳) صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (۷۱۲۳)، ومسلم، كتاب الفتن ……، باب ذكر الدجال ……، رقم (۷۳۲۲)، والترمذي، كتاب الفتن، باب في صفة الدجال، رقم (۲۲۴۱).

(۴) في رواية مسلم: "إنه شاب قطط"، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال ……، رقم (۷۳۳۳)، من رواية النواس بن سمعان الكلابي، رضي الله عنه.

یہ نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ وہاں سے اصفہان (۱) جائے گا، یہاں اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے، یہاں آ کر وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور خوب فساد مچائے گا۔

لوگوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ اس سے بڑے خرق عادات امور ظاہر کرائے گا (۲)، چناں چہ اس کے ساتھ ایک آگ ہوگی جس کو وہ دوزخ سے تعبیر کرے گا اور ایک باغ جو جنت سے موسوم ہوگا، مخالفین کو آگ میں، موافقین کو جنت میں ڈالے گا، مگر وہ آگ حقیقتاً باغ کی مانند اور باغ آگ کی خاصیت رکھتا ہوگا (۳)۔ زمین کے مدفون خزانے اس کے حکم سے اس کے ہمراہ ہو جائیں گے (۴)۔ بعض آدمیوں سے کہے گا کہ میں تمہارے مردہ ماں باپ کو زندہ کرتا ہوں، تاکہ تم اس قدرتِ احیاء کو دیکھ کر میری خدائی کا یقین کرلو، سو وہ شیاطین کو حکم دے گا کہ زمین سے ان کے والدین کے ہم شکل ہو کر نکلو، چنانچہ وہ ایسا ہی کریں گے۔

دجال حرمین میں داخل نہ ہو سکے گا

اس طرح وہ بہت سے ممالک سے گذرے گا، شدہ شدہ مکہ معظمہ کی طرف آئے گا، مگر مکہ معظمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا، اس لیے وہاں داخل نہیں ہو سکے گا (۵)، وہاں سے مدینہ منورہ کا قصد کرے گا، اس وقت

---

(١) مسلم، كتاب الفتن، ......، باب في بقية من أحاديث الدجال، رقم (٧٣٥٣)، عن أم شريك.

(٢) مسلم شريف، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال......، رقم (٧٣٣٣)، عن النواس بن سمعان الكلابي.

(٣) مسلم شريف، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال......، رقم (٧٣٣١)، والبخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ماذكر عن بني إسرائيل، رقم (٣٤٥٠)، عن حذيفة رضي الله عنه.

(٤) مسلم شريف، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال......، رقم (٧٣٣٣)، عن النواس بن سمعان الكلابي.

(٥) البخاري، كتاب الفتن، باب لايدخل الدجال المدينة، رقم (٧١٣٢)، ومسلم، كتاب الفتن ......، باب في صفة الدجال، وتحريم المدينة عليه ......، رقم (٧٣٣٥)، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه.

وفي قصة تميم الداري رضي الله عنه: "وإني مخبركم عني، إني أنا المسيح، وإني أوشك أو يؤذن لي في الخروج، فأخرج فأسير في الأرض، فلا أدع قرية إلا هبطتها في أربعين ليلة، غير مكة وطيبة، فهما محرمتان علي، كلتاهما، كلما أردت أن أدخل واحدة، أو واحدا منهما، استقبلني ملك بيده السلف صلتا؛ يصدني عنها، وإن على كل نقب منها ملائكة يحرسونها، ......، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هذه طيبة، هذه طيبة، هذه طيبة". يعني المدينة ......". صحيح مسلم، الفتن، باب قصة الجساسة، رقم (٢٩٤٢/٧٣٨٦).

مدینے کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے کی حفاظت پر دو، دو فرشتے مقرر ہوں گے، جن کے ڈر سے دجال بمع فوج وہاں داخل نہیں ہو سکے گا (۱)۔

نیز مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا، جس کی وجہ سے منافقین وغیرہ ڈر کر باہر نکل آئیں گے اور دجال کے پھندے میں گرفتار ہو جائیں گے (۲)۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی سے ان کی ملاقات

امام مہدی علیہ السلام دجال سے پہلے دمشق پہنچ چکے ہوں گے اور جنگ کی مکمل تیاری فرما چکے ہوں گے، اس دوران موذن عصر کی اذان دے گا، لوگ نماز کی تیاری ہی میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ کیے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارے پر جلوہ افروز ہوں گے اور آواز دیں گے کہ سیڑھی لے آؤ، چنانچہ سیڑھی حاضر کر دی جائے گی۔

نیچے اترنے کے بعد ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوگی، امام مہدی نہایت تواضع وخوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئیں گے اور کہیں گے یا نبی اللہ! امامت کیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ امامت آپ ہی کریں۔ چناں چہ امام مہدی نماز پڑھائیں گے، حضرت عیسیٰ اقتدا کریں گے (۳)۔

اسلامی لشکر اور دجالی فوج کا ٹکراؤ

نماز سے فراغت کے بعد امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو لشکر کی قیادت سپرد کرنا چاہیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ نہیں! قیادت تو آپ ہی کریں، میں تو صرف قتل دجال کے لیے آیا ہوں۔

رات خیر وعافیت کے ساتھ گزارنے کے بعد امام مہدی ایک بہت بڑا لشکر لے کر میدان میں آئیں

---

(۱) صحيح بخاري، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (٧١٢٥-٧١٢٦).

(۲) حوالہ بالا، رقم (٧١٢٤)، ومسلم، كتاب الفتن......، باب قصة الجساسة، رقم (٧٣٨٦)، والترمذي، كتاب الفتن، باب ...... الدجال لايدخل المدينة، رقم (٢٢٤٢)، عن أنس بن مالك رضي الله عنه.

(۳) مسلم، كتاب الفتن......، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٣٣)، عن النواس بن سيعان، والمصنف لابن أبي شيبة: ٢١/٢٩٣، كتاب الفتن، رقم (٣٨٨٠٤)، عن ابن سيرين، والمعجم الكبير للطبراني: ٩/٦٠، رقم (٨٣٩٢)، عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه، ومجمع الزوائد: ٧/٣٤٢.

گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھوڑا اور نیزہ طلب کریں گے کہ روئے زمین کو دجال کے شر سے پاک کریں، چناں چہ عیسیٰ علیہ السلام دجال پر اور اسلامی لشکر اس کے لشکر پر حملہ کرے گا، نہایت خوف ناک لڑائی شروع ہوجائے گی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ کے سانس کی یہ خاصیت ہوگی کہ جہاں تک ان کی نظر کی رسائی ہوگی، وہیں تک ان کا سانس بھی اثر کرے گا اور جس کافر تک ان کا سانس پہنچے گا وہ وہیں ختم ہوجائے گا(۱)۔

دجال کا فرار

عیسیٰ علیہ السلام کا سامنا کرنے سے دجال کترائے گا اور فرار ہوکر مقام لد پہنچے گا، آپ علیہ السلام اس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے جالیں گے اور نیزے سے اس کا کام تمام کرکے لوگوں پر اس کی ہلاکت ظاہر فرمائیں گے کہ دجال مرگیا۔

دجال کے قتل بعد اس کے لشکر کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور وہ سب تہہ تیغ ہوں گے، یہودی، جو اس لشکر کا اکثری حصہ ہوں گے، ان کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی، ہر شجر وحجر ان کی نشان دہی کرے گا کہ اللہ کے بندے! دیکھ اس یہودی کو اور اسے قتل کر، مگر غرقد نامی درخت انہیں پناہ دے کر اخفائے حال کرے گا(۲)۔

متاثرہ شہروں کی تعمیر جدید اور انصاف کا قیام

دجال کے فتنے کے خاتمے پر حضرت مہدی وعیسیٰ علیہما السلام ان شہروں کا دورہ فرمائیں گے، جن کو دجال نے تباہ وبرباد کیا ہوگا، متاثرہ لوگوں کو تسلی دیں گے، اجر عظیم کی خوش خبری دیں گے اور ان کے دنیاوی نقصانات کی تلافی کریں گے(۳)۔

دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل خنزیر، کسر صلیب اور کفار سے جزیہ قبول نہ کرنے کے احکام جاری فرماکر تمام کفار کو اسلام کی طرف بلائیں گے(۴)۔

---

(۱) مسلم شریف، كتاب الفتن، ......، باب ذكر الدجال ......، رقم (۷۳۳۳)، عن النواس بن سمعان.

(۲) حواله بالا، وباب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل ......، رقم (۷۲۹۹)، عن أبي هريرة......، وسنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، رقم (٤٣٢١)، والبخاري، كتاب الجهاد، باب قتال اليهود، رقم (۲۹۲٦).

(۳) التصريح بما تواتر في نزول المسيح: ۱۱۸، الحديث الخامس، عن النواس.

(٤) أبوداود، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، رقم (٤٣٢٤)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۲۱/۲۳۵، كتاب الفتن، رقم (۳۸٦۸۱).

خدا کے فضل وکرم سے کوئی کافر بلاد اسلام میں نہ رہے گا، ظلم وناانصافی کا خاتمہ اور عدل وانصاف کا بول بالا ہوگا، تمام لوگ عبادت وطاعت الٰہی میں سرگرم ہوں گے۔ امام مہدی کی خلافت کی میعاد سات (۱)، آٹھ (۲) یا نو (۳) سال ہوگی، چنانچہ ابتدائی سات سال عیسائیوں کے فتنے اور ملک کے انتظام میں، آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گذرے گا۔ اس حساب سے ان کی عمر ۴۹ سال ہوگی۔ بعدازاں حضرت مہدی علیہ السلام انتقال کر جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی

امام مہدی علیہ السلام کی تجہیز وتکفین کے بعد جملہ امور کے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے، تمام مخلوق انتہائی امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہوگی، آپ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے طاقت ور بندوں کو ظاہر کرنے والا ہوں کہ کسی شخص کو ان کے مقابلے کی تاب نہ ہوگی، اس لیے آپ مخلصین کو لے کر "کوہِ طور" منتقل ہوجایئے (۴)۔

یاجوج ماجوج کا خروج

مذکورہ وحی خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہِ طور کے قلعے میں، جو آج کل موجود ہے، نزول فرما کر اسبابِ حرب وسامانِ رسد مہیا کرنے میں سرگرم ہوں گے کہ اسی دوران قومِ یاجوج ماجوج سد سکندری کو توڑ کر روئے زمین میں چاروں طرف پھیل جائے گی، مضبوط قلعے میں پناہ گزینی کے علاوہ ان سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی (۵)، یہ لوگوں کے قتل وغارت میں بالکل دریغ نہ کریں گے۔

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري ...... "يملك سبع سنين" أبوداود، كتاب المهدي (٤٢٨٥)، وأيضاً، رقم (٤٢٨٦).

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ٢١/٢٨٧، كتاب الفتن، ما ذكر في فتنة الدجال، رقم (٣٨٧٩٣).

(۳) أبوداود، رقم (٤٢٨٦-٤٢٨٧).

(٤) مسلم شريف، كتاب الفتن ......، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٣٣)، عن النواس بن سمعان رضي الله عنه، والترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال (٢٢٤٠).

(٥) تفسير البيضاوي مع الشهاب: ٦/٢٣٦، سورة الكهف/٩٩.

یاجوج ماجوج کی تباہ کاریاں

ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہوگی کہ جب ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ(۱) میں پہنچے گی تو اس کا سارا پانی پی کر خشک کردے گی، جب پچھلی جماعت وہاں پہنچے گی تو کہے گی کہ شاید اس جگہ کبھی پانی رہا ہوگا! یہ سب ظلم وقتل، پردہ دری وایذارسانی اور قید کرنے میں مشغول ہوجائیں گے، اسی کیفیت پر جب وہ شام پہنچیں گے تو کہیں گے کہ اب ہم نے زمین والوں کو تو نیست ونابود کردیا، چلو آسمان والوں کا بھی خاتمہ کردیں، چناں چہ وہ آسمان پر تیر پھینکیں گے، جو قدرت خداوندی سے خون آلود ہوکر لوٹ آئیں گے، یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوں گے کہ اب تو ہمارے سوا کوئی نہیں رہا(۲)۔

دعائے عیسیٰ اور یاجوج ماجوج کی ہلاکت

یاجوج ماجوج کے اس فتنے کے دوران مسلمانوں پر غلے وخوراک کی سخت تنگی ہوجائے گی، آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کے لیے کھڑے ہوں گے، آپ کے ساتھی پیچھے کھڑے آمین کہیں گے، چناں چہ خداوند کریم ایک قسم کی بیماری "نغف"(۳) کو نازل کرے گا، اس مرض سے یاجوج ماجوج کی قوم ایک ہی رات میں ختم ہوجائے گی(۴)۔

چوں کہ اس قدر کثیر اموات کے نتیجے میں سخت تعفن پھیلے گا، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر اپنے ہمرائیوں کے ساتھ دست بدعا ہوں گے، چناں چہ اللہ تعالیٰ لمبی لمبی گردنوں اور جسم والے ''عنقا'' نامی جانوروں کو بھیجے گا تو وہ جانور بعضوں کو تو کھالیں گے اور دوسروں کو مختلف جزائر اور سمندر میں پھینک دیں گے اور ان کے خون وغیرہ سے روئے زمین کو پاک صاف کرنے کے لیے چالیس روز تک بارش برسائے گا، وہ اس قدر زیادہ ہوگی کہ کوئی پختہ وکچا مکان بغیر ٹپکے نہ رہے گا۔

---

(۱) "الطبرية -بفتح الطاء والباء- بحيرة من أعمال الأردن في طرف الغور وفي طرف جبل، وجبل الطور مطل عليها......". معجم البلدان للحموي بتصرف: ١٧/٤، باب الطاء والباء......

(٢) مسلم، رقم (٧٣٣٣-٧٣٣٤)، حديث النواس بن سمعان، وترمذي، كتاب الفتن، رقم (٢٢٤٠).

(۳) نغف نون اور غین کے فتحہ کے ساتھ اس کیڑے کو کہتے ہیں، جو اونٹ اور بکری کی ناک میں ہوتا ہے، نیز دیکھیے، كتاب السير للتوربشتي: ١١٦٧/٤، رقم (٤١٠٤).

(٤) مسلم، رقم (٧٣٣٣)، ترمذی، رقم (٢٢٤٠).

امن وبرکت کے سات سال اور وفات عیسی

اس بارش کی وجہ سے پیداوار نہایت ہی بابرکت اور کثرت سے ہوگی، کہ ایک سیر غلہ اور ایک گائے یا بکری کا دودھ ایک کنبے کے لیے کافی ہوگا(۱)، تمام لوگ انتہائی عیش وآرام میں ہوں گے، روئے زمین پر اہل ایمان کے اور کوئی نہ رہے گا، کینہ وحسد وغیرہ لوگوں سے اٹھ جائے گا، سانپ اور درندے لوگوں کو ایذا نہیں پہنچائیں گے۔

قوم یاجوج ماجوج کی تلواروں کی نیام وکمان وغیرہ ایک عرصے تک بطور ایندھن کام آئیں گی(۲)، یہ حالات سات سال تک جاری رہیں گے۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ خواہشات نفسانیہ کا ظہور ہونے لگے گا۔ یہ سب واقعات عہد عیسی علیہ السلام سے متعلق ہیں، ان کا زمین پر قیام چالیس سال رہے گا، آپ حج کریں گے، نکاح کریں گے، اولاد بھی ہوگی، پھر آپ علیہ السلام انتقال فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ میں مدفون ہوگے(۳)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قبیلہ قحطان(۴) میں سے جہجاہ نامی شخص آپ کے خلیفہ ہوں

---

(۱) جامع ترمذي، رقم (۲۲٤۰)، ومسلم، رقم (۷۳۳۳).

(۲) "ويستوقد المسلمون من قسيهم ونشابهم وجعابهم". انظر الجامع للترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال، رقم (۲۲٤۰)، من رواية النواس رضي الله عنه.

(۳) حوالہ جات بالا، وأبوداود، كتاب الفتن، رقم (٤۳۲۳)، وابن أبي شيبة: ۲۱/۲۰۰، كتاب الفتن، رقم (۳۸٦۲۹)، ومسند أحمد: ۲/۲۹۰، رقم (۷۸۹۰)، مسند أبي هريرة، و: ۲/٤۳۷، رقم (۹٦۳۰)، والتصريح بما تواتر في نزول المسيح: ۲٤۰، أحاديث أخرى مما أخرجه المحدثون ...... رقم (۵۸)، و: ۳۹۳، رقم (۱۰۱)، وإحياء علوم الدين: ٤۷۳، كتاب آداب النكاح، ربع العادات، الباب الأول ......، والفردوس بمأثور الخطاب: ٤/۳٦۵، فصل، والعلل المتناهية: ۲/٤۳۳، رقم (۱۵۲۹)، ذكر عيسى، وعمدة القاري: ۱٦/٤۰، ومشكاة المصابيح، باب نزول عيسىٰ ......، كتاب الفتن، رقم (۵۵۰۸).

(٤) جامع ترمذي، كتاب الفتن، باب بلا ترجمة، رقم (۲۲۲۸)، ومسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر ......، رقم (۷۲٦۸-۷۲٦۹)، وبخاري، كتاب المناقب، باب ذكر قحطان، رقم (۳۵۱۷)، وكتاب الفتن، باب تغيير الزمان حتى ......، رقم (۷۱۱۷).

گے، جو عدل وانصاف کے ساتھ امور خلافت انجام دیں گے، ان کے بعد چند اور بادشاہ ہوں گے، جن کے عہد میں کفریہ وجاہلانہ رسوم عام ہوجائیں گی اور علم بہت کم ہوجائے گا(۱)۔

رات کا لمبا ہونا اور توبہ کا دروازہ بند ہونا

کچھ عرصے بعد ماہِ ذی الحجہ میں، یوم النحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہوجائے گی کہ مسافر تنگ دل، بچے خواب سے بیدار اور مویشی چراگاہ کے لیے بے قرار ہوجائیں گے، آخر کار لوگ خوف و پریشانی کی وجہ سے رورو کر توبہ توبہ پکاریں گے، تین چار رات کی مقدار کے برابر دراز ہونے کے بعد حالت اضطرابی میں آفتاب مانند چاند گرہن معمولی روشنی کے ساتھ مغرب سے طلوع ہوگا، اس وقت تمام لوگ خداوند قدوس کی وحدانیت کا اعتراف کریں گے، لیکن بے سود......! کیوں کہ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، اس کے بعد سورج اپنی معمول کی روشنی کے ساتھ مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا(۲)۔

دابۃ الأرض کا ظہور

لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ کوہِ صفا زلزلے سے پھٹ جائے گا، جس سے ایک نادر شکل کا جانور برآمد ہوگا(۳)، چناں چہ بلحاظ شکل یہ حسبِ ذیل سات جانوروں سے مشابہت رکھتا ہوگا، چہرے میں آدمی سے، پاؤں میں اونٹ سے، گردن میں گھوڑے سے، دم میں بیل سے، سرین میں ہرن سے، سینگوں میں بارہ سینگے سے اور ہاتھوں میں بندر سے(۴)، نیز انتہائی فصیح اللسان ہوگا(۵)۔

---

(۱) صحيح بخاري، كتاب الفتن، باب ظهور الفتن، رقم (٧٠٦١-٧٠٦٦)، عن غير واحد من الصحابة.

(۲) بخاري، كتاب الفتن، باب (بلاترجمة)، رقم (٧١٢١)، ومسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الزمن الذي لايقبل ......، رقم (٣٩٦)، وفيه بحث نفيس في روح المعاني: ٨/٤٢٤-٤٢٧، سورة الأنعام، الآية: ١٥٨.

(۳) قال الله جل ذكره: ﴿وإذا وقع القول عليهم أخرجنا لهم دابة من الأرض تكلمهم......﴾ [النمل: ٨٢]، وتفسير الكشف والبيان: ٤/٥١٠-٥١٢.

(٤) قد اختلفت الروايات في صفات هذه الدابة، انظر المصدر السابق، ومفاتيح الغيب للرازي: ٢٤/٥٧٣، سورة النمل، وتفسير السمعاني: ٤/١١٣و١١٥.

(٥) روح المعاني: ٢٠/٣١٢، سورة النمل، تفسير الآية/٨٢، وأخبار مكة للفاكهي: ٤/٣٩، ذكر الدابة وخروجها ......، رقم (٢٣٤٦-٢٣٤٧).

اس جانور کے ایک ہاتھ میں عصائے موسیٰ علیہ السلام، دوسرے میں سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، اس کی رفتار انتہائی تیز ہوگی کہ کوئی اس کا تعاقب کرے گا نہ اس سے بچ پائے گا، یہ ہر شخص پر ایک نشان لگاتا جائے گا، اگر صاحب ایمان ہے تو عصائے موسوی سے اس کے چہرے پر ایک خط کھینچ دے گا، جس کی وجہ سے اس کا چہرہ روشن ومنور ہوجائے گا، اگر کافر یا منافق ہوگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے اس کی ناک یا گردن پر سیاہ مہر لگائے گا، جس کی وجہ سے اس کا چہرہ بے رونق ہوجائے گا، کہ اگر ایک دسترخوان پر چند لوگ بیٹھے ہوں تو ہر ایک کے کفر وایمان میں بخوبی امتیاز ہو سکے گا، یہ جانور اس کام سے فارغ ہوکر غائب ہوجائے گا۔

آفتاب کے مغرب سے طلوع اور دابۃ الارض کے ظہور سے نفخ صور تک ایک سو بیس سال کا عرصہ ہوگا(۱)۔

اہل ایمان کی موت کی ہوا

دابۃ الارض کے غائب ہونے کے بعد جنوب کی طرف سے ایک نہایت فرحت بخش ہوا چلے گی، جس کی وجہ سے ہر مومن کی بغل میں ایک درد پیدا ہوگا، جس کے باعث افضل، فاضل، ناقص بالترتیب مرنے شروع ہوجائیں گے، شرط یہ ہوگی کہ بس فاسق نہ ہو(۲)۔

نیز قرب قیامت کے وقت یہ علامت بھی ظہور پذیر ہوگی کہ حیوانات، جمادات اور چابک وغیرہ کثرت سے گویا ہوں گے، جو گھروں کے اندر کی باتوں ودیگر امور کی خبر دیں گے(۳)۔

---

(۱) تفسير الكشف والبيان: ٤/٥١٠-٥١٢، وروح المعاني: ٢٠/٣١١-٣١٥، تفسير السمرقندي: ٢/٥٠٥، وفتح القدير: ٤/١٨٩، وفتح الباري، كتاب الرقاق: ١١/٣٥٤، باب بلا ترجمة، رقم (٦٥٠٦)، وأخبار مكة للفاكهي: ٤/٣٩، باب الدابة وخروجها، ومن أين تخرج من مكة.

(۲) مسلم، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال ......، رقم (٧٣٣٣)، ورقم (٧٣٤١)، والترمذي، رقم (٢٢٤٠).

(۳) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والذي نفسي بيده لا تقوم الساعة حتى تكلم السباع الإنس، وحتى تكلم الرجلَ عذبةُ صوته، وشراكُ نعله، وتخبره فخذُه بما أحدث أهلُه من بعده". رواه الترمذي، وقال: "هذا حديث حسن غريب"......، كتاب الفتن، باب ماجاء في كلام السباع، رقم (٢١٨١).

حبشیوں کا غلبہ اور لوگوں کا شام میں اجتماع

جب تمام اہل ایمان اس جہاں سے کوچ کر جائیں گے تو حبشی غالب ہوں گے، پوری دنیا میں ان کی سلطنت پھیل جائے گی، یہ کعبہ کو ڈھادیں گے(۱)، چناں چہ حج موقوف ہوجائے گا(۲)، قرآن کریم دلوں، زبانوں اور کاغذوں سے اٹھالیا جائے گا، خداشناسی اور خوف آخرت دلوں سے معدوم ہوجائے گا، شرم وحیا جاتی رہے گی کہ برسر عام گدھوں اور کتوں کی طرح صحبت کریں گے(۳)، حکام کا ظلم وجہل بڑھ جائے گا، جہالت اس قدر بڑھے گی کہ کوئی لفظ ''اللہ'' تک کہنے والا نہ ہوگا(۴)۔

اسی دوران کہ پوری دنیا کی یہ کیفیت ہوگی تو ملک شام میں نسبتاً امن وارزانی زیادہ ہوگی، پس سارے لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر ملک شام کا رخ کریں گے(۵)۔

آگ جو لوگوں کو شام میں جمع کردے گی

قیامت کا وقوع جب بالکل قریب ہوجائے گا تو ایک بہت بڑی آگ جنوب کی طرف سے رونما ہوکر لوگوں کی طرف بڑھے گی، جس سے بچنے کے لیے لوگ سرپٹ بھاگیں گے اور آگ مسلسل ان کے تعاقب میں ہوگی، آخر یہ آگ ان سب کو شام (محشر) پہنچادے گی، اس کے بعد وہ آگ غائب ہوجائے گی، اس وقت مجموعی طور آبادی کی اکثریت شام میں ہوگی(۶)۔

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الحج، رقم (١٥٩١) و(١٥٩٦)، ومسلم، كتاب الفتن، رقم (٧٢٦٥-٧٢٦٧)، والنسائي، كتاب الحج، باب بناء الكعبة، رقم (٢٩٠٤)، عن أبي هريرة رضي الله عنه.

(٢) صحيح البخاري، رقم ١٥١٦، مسند أحمد: ٣١٢/٢، رقم (٨٠٩٩)، ومستدرك الحاكم: ٤٩٩/٤، رقم (٨٣٩٥)، ومسند الطيالسي: ٦٩٦/٢، رقم (٢٤٩٤)، مسند أبي هريرة، وابن حبان، كتاب التاريخ، باب بدء الخلق، ذكر الموضع الذي يبايع فيه المهدي، رقم (٦٨٢٧).

(٣) مسلم، كتاب الفتن، رقم (٧٣٣٣)، والترمذي، كتاب الفتن، رقم (٢٢٤٠)، عن النواس بن سمعان.

(٤) مسلم، كتاب الإيمان، باب ذَهاب الإيمان آخر الزمان، رقم (١٤٨/٢٣٤)، والترمذي، كتاب الفتن، باب منه، رقم (٢٢٠٧).

(٥) المستدرك للحاكم: ٥٤٩/٤، كتاب الفتن والملاحم، رقم (٨٥٣٨)، عن عبدالله بن مسعود.

(٦) أبوداود، كتاب الملاحم، باب أمارات الساعة، رقم (٤٣١١)، ومسلم، كتاب الفتن، رقم (٧٢٤٢-٧٢٤٣)، =

اس کے بعد قیام قیامت کی ابتدائی علامت یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال غفلت میں پڑے رہیں گے اور دنیاوی نعمتیں، اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہو جائیں گی۔

صور کی آواز، اموات اور نظام کائنات کی فنائیت

جمعے کے دن، جو یوم عاشورا بھی ہوگا(۱)، صبح ہوتے ہی لوگ اپنے امور میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ایک باریک لمبی آواز سنائی دے گی، یہی نفخ صور ہوگا، تمام اطراف یہ آواز یکساں طور پر سنی جائے گی اور لوگ حیران ہوں گے یہ آواز کیسی اور کہاں سے آرہی ہے؟ رفتہ رفتہ یہ آواز بجلی کے کڑک کی مانند سخت اور بلند ہوتی جائے گی، لوگوں میں اس کی وجہ سے بڑی بے چینی و بے قراری پھیلے گی، جب وہ پوری سختی پر آجائے گی تو لوگ خوف وہیبت سے مرنا شروع ہو جائیں گے، زمین میں زلزلہ آئے گا(۲)، جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں کا رخ کریں گے، وحشی جانور خائف ہو کر انسانوں سے مل جائیں گے(۳)، زمین جگہ جگہ سے پھٹ جائے گی(۴)، سمندر ابل پڑیں گے(۵)، بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی مانند اڑیں گے(٦)، گرد وغبار کی وجہ سے پوری کائنات پر ظلمت چھا جائے گی، وہ آواز دم بدم سخت ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے(۷)۔ اس کے کچھ عرصے بعد از سر نو پیدائش وتخلیق کا عمل شروع ہوگا، پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ قبروں سے نکل

= والترمذي، كتاب الفتن، رقم (۲۱۸۳)، وصحيح البخاري مع فتح الباري: ۱۱/۳۷۸، رقم (٦٥٢٢)، كتاب الرقاق، باب الحشر.

(۱) مسلم، كتاب الفتن، رقم (۷۳٤۱)، حديث عروة بن مسعود.

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إذا زلزلت الأرض زلزالها﴾ [الزلزال/۱].

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا الوحوش حشرت﴾ [التكوير/٥].

(٤) قال الله تعالىٰ: ﴿يوم تشقق الأرض عنهم سراعا﴾ [ق/٤٤].

(٥) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا البحار فجرت﴾ [الانفطار/۳].

(٦) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا الجبال نسفت﴾ [المرسلات/۱۰]، وقال أيضا: ﴿وتكون الجبال كالعهن المنفوش﴾ [القارعة/٥].

(۷) قال جل ذكره: ﴿إذا السماء انفطرت، وإذا الكواكب انتثرت﴾ [الانفطار/۱-۲].

نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اور حساب و کتاب کا عمل شروع ہوگا (۱)۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن کی ہولناکیوں اور سختیوں سے محفوظ رکھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق بنائے۔ آمین۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، "فیغدرون" کہ وہ رومی غدر اور بدعہدی کریں گے، اس لیے بے پرواو غافل نہ رہنا چاہیے، بلکہ ہوشیاری کے ساتھ تیاری بھی کرتے رہنا چاہیے (۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

١٦ - باب : كَيْفَ يُنْبَذُ إِلَى أَهْلِ الْعَهْدِ .

یعنی مصالحت و معاہدہ ختم ہونے کی اطلاع دشمن کو کس طرح دی جائے؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ اگر اہل عہد سے مصالحت ہوئی تھی اور بعد میں مصالحت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ وہ عہد قائم اور برقرار نہ رکھا جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

اس سوال کا جواب باب کے تحت ذکر کردہ آیت کریمہ اور حدیث مبارک میں موجود ہے کہ ان کو اعلان کے ذریعے یا کسی اور ذریعے سے مطلع کر دیا جائے کہ اب ہم اس عہد و پیمان کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے، لہٰذا فلاں تاریخ سے، یا آج سے معاہدہ ختم تصور کیا جائے (۳)۔

---

(١) مسلم شريف، كتاب الفتن ......، باب في خروج الدجال ......، رقم (٧٣٤١)، عن عروة بن مسعود الثقفي، وباب ما بين النفختين، رقم (٧٣٧٤)، والبخاري في التفسير، سورة الزمر، رقم (٤٩٣٥).

یہ تمام تفصیلات حضرت شاہ رفیع الدین شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے "علامات قیامت" سے حذف و تغییر کے ساتھ لی گئی ہیں۔ دیکھیے، مذکورہ رسالہ مطبوعہ مع "قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟" (ص: ۲۳-۴۴)۔

(٢) عمدة القاري: ١٥/٩٩.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٧٩، وعمدة القاري: ١٥/١٠٠، وقال ابن بطال رحمه الله: "أجمع العلماء أن للإمام أن يبدأ من يخاف خيانته وغدره بالحرب بعد أن يُعلمه بذلك". انظر شرحه: ٥/٣٦٠.

وَقَوْلِهِ : «وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ» . الآيَةَ /الأنفال: ٥٨/ .

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی قوم کی طرف سے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ وہ خیانت وبدعہدی کرے گی تو ان کا عہد اُن کو واپس کر دیجیے، تاکہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔

''نبذ'' کے معنی

اوپر ترجمۃ الباب میں، نیز آیت کریمہ اور آنے والی حدیث میں ''نبذ'' کے مختلف مشتقات کا ذکر ہے، یہ باب ضرب سے ہے، اس کے اصل معنی پھینکنے کے ہیں، لیکن یہاں پر اس سے نقض عہد مراد ہے (۱)۔

﴿سواء﴾ کے معنی اور آیت کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو سواء کے معنی مثل کے بیان کیے ہیں، جب کہ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر عدل سے کرتے ہیں (۲)۔

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کسی قوم کے ساتھ مصالحت کریں، معلوم یہ ہو کہ وہ بدعہدی کرنا چاہتے ہیں تب بھی آپ معاہدہ توڑنے کی جلدی مت کیجیے، بلکہ ان کو خبر بھیج دیجیے کہ آپ عہد توڑ رہے ہیں، اس طرح آپ اور دشمن اس علم میں برابر ہو جائیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ چکا ہے، پھر ان پر حملہ کر دیجیے (۳)۔

٣٠٠٦ : حدّثنا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ : أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ[٤] قَالَ : بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيمَنْ يُؤَذِّنُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى : لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ ، وَيَوْمُ الحَجِّ الْأَكْبَرِ يَوْمُ النَّحْرِ . وَإِنَّمَا قِيلَ الْأَكْبَرُ مِنْ أَجْلِ قَوْلِ النَّاسِ : الحَجُّ الْأَصْغَرُ ، فَنَبَذَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى النَّاسِ فِي ذٰلِكَ الْعَامِ ، فَلَمْ يَحُجَّ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الَّذِي حَجَّ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ مُشْرِكٌ . [ر : ٣٦٢]

---

(١) عمدة القاري: ١٥/١٠٠.

(٢) فتح الباري: ٦/٢٧٩، وعمدة القاري: ١٥/١٠١.

(۳) حوالہ جات بالا۔

(٤) قوله: "أن أبا هريرة رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الحج، باب لا يطوف بالبيت عريان......

تراجم رجال

١- ابوالیمان

یہ مشہور محدث ابوالیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢- شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحدیث السادس" کے تحت گذر چکا ہے(١)۔

٣- زهری

مشہور محدث ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات "بدء الوحي" میں آچکے(٢)۔

٤- حميد بن عبدالرحمن

یہ مشہور تابعی محدث، حضرت حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب تطوع قیام رمضان من الإیمان" کے تحت گذر چکا(٣)۔

٥- ابوهريره رضي الله عنه

مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان کے اوائل میں آچکا ہے(٤)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں اعلان کرانے کے لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھے بھی بھیجا، اعلان یہ تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہیں آئے گا، نہ کعبۃ اللہ کا کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے گا۔اور یوم حج اکبر یوم النحر ہے اور اس کو "حج اکبر" کا دن کہنے

---

(١) كشف الباري: ١/٤٧٩-٤٨٠.

(٢) كشف الباري: ١/٣٢٦، الحديث الثالث.

(٣) كشف الباري: ٢/٣١٦.

(٤) كشف الباري: ١/٦٥٩.

کی وجہ یہ ہوئی کہ لوگ اسے ''حج اصغر'' کہتے تھے۔ چناں چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سال لوگوں (دشمن) کو معاہدہ توڑے جانے کی اطلاع دی، اسی بنا پر حجۃ الوداع والے سال، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا، کوئی مشرک حج کو نہیں آیا۔

مشرکین کو ممانعت کی وجہ

مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین کو حج بیت اللہ سے منع کر دیا گیا تھا، اس کی وجہ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ مشرکین خدانخواستہ کوئی شرارت نہ کریں، مکر وفریب کا کوئی داؤ نہ کھیلیں، اس لیے ان کو ممانعت کردی گئی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج بیت اللہ کے لیے نہ آئے، نیز اس سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ بحکم خداوندی کعبۃ اللہ کو مشرکین کی نجاست سے پاک کر دیا گیا، ارشاد خداوندی ہے: ﴿إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (۱) علاوہ ازیں بہ ارادۂ باری تعالیٰ برہنہ ہو کر طواف سے بھی روک دیا گیا، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے تقدس وتعظیم کے خلاف ہے (۲)۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت وحدیث کی مناسبت

آیت کریمہ وحدیث مبارک کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ ترجمہ میں ایک امر کے متعلق سوال تھا کہ اس کا کیا طریقہ ہو، چناں چہ اس کا جواب آیت کریمہ میں موجود ہے، اسی طرح حدیث میں بھی اس کا جواب موجود ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

"وإن صالحهم مدة، ثم رأى نقض الصلح أنفع نبذ إليهم الإمام، وقاتلهم؛ لأنه عليه السلام نبذ الموادعة التي كانت بينه وبين أهل مكة، ولأن المصلحة لما تبدلت كان النبذ جهاداً، وإيفاء العهد ترك الجهاد صورةً ومعنى،

---

(۱) التوبة / ۲۸.

(۲) شرح ابن بطال: ۵/ ۳۶۰-۳۶۱، وفتح الباري: ۶/ ۲۷۹.

فلابد من النبذ؛ تحرزا عن الغدر، وقد قال عليه السلام: "وفاء لا غدر"(١)، ولابد من اعتبار مدة يبلغ فيها خبر النبذ إلى جميعهم، ويكتفى في ذلك بمضي مدة يتمكن ملكهم بعد علمه بالنبذ من إنفاذ الخبر إلى أطراف مملكته؛ لأن بذلك ينتفي الغدر.

قال: وإن بدؤا بخيانة قاتلهم، ولم ينبذ إليهم إذا كان ذلك باتفاقهم؛ لأنهم صاروا ناقضين للعهد، فلا حاجة إلى نقضه، بخلاف ما إذا دخل جماعة منهم، فقطعوا الطريق، ولا مَنَعَة لهم، حيث لايكون هذا نقضا للعهد، ولو كانت لهم منعة، وقاتلوا المسلمين علانية يكون نقضا للعهد في حقهم، دون غيرهم؛ لأنه بغير إذن ملكهم، ففعلهم لا يلزم غيرهم، حتى لو كان بإذن ملكهم صاروا ناقضين للعهد؛ لأنه باتفاقهم معنى"(٢).

١٧ - باب : إِثْمِ مَنْ عاهَدَ ثُمَّ غَدَرَ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے غدر و بدعہدی کا گناہ بیان کیا ہے کہ معاہدہ ہونے کے بعد اپنی طرف سے بدعہدی کرنا اور غدر کرنا بڑا سخت گناہ اور حرام ہے، خواہ مسلمان کے ساتھ ہو یا کسی غیر مسلم کے ساتھ(۱)۔

(١) قال العلامة الزيلعي رحمه الله عن هذا الحديث (ما ملخصه): "لم أجده مرفوعا، ولأحمد وأصحاب السنن وابن حبان من حديث عمرو بن عبسة أنه غزا مع معاوية، فكان يقول: الله أكبر، وفاء لا غدر". انظر الدراية في تخريج أحاديث الهداية للزيلعي: ٣/٣٩٠-٣٩١، رقم (٥٧٩٥)، وكذا انظر سنن أبي داود، رقم (٢٧٥٩)، والترمذي، رقم (١٥٨٠)، ومسند أحمد، حديث عمرو بن عبسة ٥/٨٠٣، رقم (١٧١٤٠)، ومسند الطيالسي ٢/٩-١٠، رقم (١٢٥١)، وسنن النسائي الكبرى: ٥/٢٢٣، كتاب السير، رقم (٨٧٣٢)، وآخرون.

(٢) الهداية: ٢/٥٦٣، كتاب السير، باب الموادعة ومن يجوز أمانه.

(٣) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/١٠١.

وَقَوْلِهِ : «الَّذِينَ عاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ» /الأنفال : ٥٦/.

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ جن سے آپ نے معاہدے کیے ہیں، پھر ہر مرتبہ وہ اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور وہ بدعہدی کے انجام سے نہیں ڈرتے۔

آیتِ کریمہ کا شانِ نزول اور تفسیر

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عہد توڑنے والوں سے مراد یہاں بنوقریظہ کے یہود ہیں، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ معاہدہ کیا تھا کہ آپ علیہ السلام کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے، لیکن بدعہدی کرتے ہوئے انہوں نے مشرکین کی ہتھیاروں کے ذریعے مدد کی، جب پوچھ گچھ ہوئی تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مصالحت کی، مگر انہوں نے بدعہدی کی اور غزوۂ خندق کے موقع پر نبی علیہ السلام کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور مشہور یہودی کعب بن اشرف نے مدینہ سے مکہ مکرمہ کا سفر صرف اس لیے کیا کہ مکہ کے مشرکین کو اپنا ہم نوا و حلیف بنائے (۱)۔

آیت کریمہ سے یہ امر مستفاد ہو رہا ہے کہ غدر و بدعہدی حرام ہے (۲)، ورنہ اس کی یوں مذمت نہ کی جاتی، کیوں کہ اس آیت میں یہود کے اس فعل کی شناعت و قبح بیان کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ اور ترجمۃ الباب کے درمیان مناسبت

آیت کریمہ کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ ترجمۃ الباب میں بدعہدی کو گناہ بتلایا گیا تھا، اس کی دلیل آیت میں موجود ہے کہ یہ بہت قبیح اور شنیع فعل ہے، کسی مسلمان کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس کا مرتکب ہو، اس لیے اس سے بچتے رہنا چاہیے۔

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے تحت تین احادیث ذکر کی ہیں، پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٣٠٠٧ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ ،

---

(١) القسطلاني: ٥/٢٤٢، وتفسير البيضاوي مع حاشيته للشهاب الخفاجي: ٤/٤٩٤، سورة الأنفال/٥٦.

(٢) عمدة القاري: ١٥/١٠١.

عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَمْرٍو(۱) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أَرْبَعُ خِلَالٍ مَنْ كُنَّ فِيهِ كانَ مُنَافِقًا خالِصًا : مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا عاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خاصَمَ فَجَرَ . وَمَنْ كانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا) .

[ر : ٣٤]

تراجم رجال

۱- قتيبه بن سعید

یہ مشہور محدث قتیبہ بن سعید ثقفی بغلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب إفشاء السلام......" کے تحت گذر چکا ہے(۲)۔

۲- جریر

یہ جریر بن عبدالحمید بن قرط الضبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۳- الأعمش

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکا(۴)۔

٤- عبدالله بن مرة

یہ مشہور تابعی عبداللہ بن مرہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٥- مسروق

یہ مشہور تابعی مسروق بن اجدع ابو عائشہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب

(۱) قوله: "عن عبدالله......": الحديث، مر تخريجه في الإيمان، باب علامة المنافق، انظر كشف الباري: ٢/٢٨٣.

(۲) كشف الباري: ٢/١٨٩.

(۳) كشف الباري: ٣/٢٦٨.

(٤) كشف الباري: ٢/٢٥١.

الإیمان، "باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

٦- عبداللّٰہ بن عمرو

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون......" کے تحت آچکے ہیں(۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار عادات وخصائل ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہوں گی، وہ خالص منافق ہوگا، یعنی جو بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، کسی کے ساتھ عہد کرے تو بدعہدی کرے اور لڑے جھگڑے تو فحش بکے، حد سے تجاوز کرے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک اسے بھی ترک کردے۔

یہ حدیث چوں کہ کتاب الإیمان(۳) میں مکمل تشریحات کے ساتھ گذر چکی ہے، اس لیے یہاں صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی مطابقت ترجمے کے ساتھ واضح ہے کہ اس میں ایک جملہ "وإذا عاهد غدر" کا ہے(۴)، جو منافق کی خصلت ہے، اس لیے ایک حقیقی مومن میں یہ چیز نہیں ہونی چاہیے، جیسا کہ دیگر خصائل ذمیمہ نہیں ہونے چاہییں۔

دوسری حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے۔

---

(۱) کشف الباري: ۲/۲۸۰-۲۸۱.

(۱) کشف الباري: ۱/٦٧٩.

(۳) کشف الباري: ۲/۲۷۳-۲۷۵، و: ۲۸۳-۲۹۰.

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٠١، وشرح القسطلاني: ٥/٢٤٢.

٣٠٠٨ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : أَخبَرَنا سُفْيَانُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيٍّ(١) رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : ما كَتَبْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا الْقُرْآنَ وَما في هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ ، قالَ النَّبِيُّ ﷺ : (المَدِينَةُ حَرَامٌ ما بَيْنَ عائِرٍ إِلَى كَذَا ، فَمَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ ٱللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ ٱللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ . وَمَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ ٱللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ) . [ر : ١٧٧١]

تراجم رجال

١- محمد بن كثير

یہ محمد بن کثیر عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب الغضب في الموعظة......" کے تحت گذر چکا(٢)۔

٢- سفيان

یہ مشہور محدث سفیان بن سعید الثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکے(٣)۔

٣- الأعمش

یہ سلیمان بن مہران کوفی اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب ظلم

(١) قوله: "عن علي رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، باب كتابة العلم.

(٢) كشف الباري: ٥٣٦/٣.

(٣) كشف الباري: ٢٨٧/٢.

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سفیان کو ابن عیینہ قرار دیا ہے(عمدة القاري: ١٠٢/١٥)، جو درست نہیں، کیونکہ محمد بن کثیر کے شیوخ میں ابن عیینہ کا اسم گرامی نہیں ملتا۔دیکھیے،تهذيب الكمال: ٣٣٥/٢٦، انہیں غالبًا اس بات سے مغالطہ ہوا ہوگا کہ محمد بن کثیر نام کے ایک اور راوی بھی ہیں، جو ابن عیینہ کے واقعۃً تلمیذ ہیں اور یہ ان کے شیخ تو اس کو سبقت نظر پر محمول کیا جا سکتا ہے، دیکھیے،تهذيب الكمال: ٣٢٩/٢٦، و: ١٨٧/١١.

دون ظلم" کے تحت آچکے ہیں(۱)۔

٤ــ ابراهيم التيمي

یہ ابراہیم بن یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن يحبط......" کے ذیل میں گذر چکا ہے(۲)۔

٥ــ أبيه

ابیہ سے مراد یزید بن شریک تیمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۳)۔

٦ــ علی

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے حالات کتاب العلم، "باب إثم من كذب على......" کے تحت آچکے ہیں(۴)۔

یہ حدیث چوں کہ سابق میں مختلف مقامات پر گذر چکی ہے، وہیں اس کی مفصل تشریحات بھی آچکی ہیں، اس لیے ہم یہاں ان کا اعادہ نہیں کریں گے(۵)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حدیث کی ترجمے کے ساتھ مطابقت اس جملے سے ثابت ہو رہی ہے، "فمن أحدث حدثا أو آوى محدثا......" کیوں کہ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنا، پیدا کرنے والے کو پناہ دینا، حفاظت کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں، جن میں غدر اور بدعہدی کے معنی پائے جاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں

---

(۱) كشف الباري: ۲۵۱/۲.

(۲) كشف الباري: ٥٤٤/۲.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة.

(٤) كشف الباري: ١٤٩/٤.

(٥) دیکھیے، كشف الباري، كتاب العلم: ۲۳۳/٤، وكتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة، وكتاب الجزية، باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة.

مذکور تمام افراد لعنت کے مستحق بھی ٹھہرے(١)، کہ "فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين".

جب کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ اس جملے: "من أخفر مسلما......" سے ثابت ہورہا ہے، کیوں کہ اخفار -بالخاء المعجمة- کے معنی نقض عہد ہی کے ہیں (٢)۔ چناں چہ اس جملے میں اس امر کو بتلایا گیا ہے کہ اخفار مسلم قابل لعنت و مستحق ملامت امر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

٣٠٠٩ : قالَ أَبُو مُوسٰى : حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ : حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قالَ : كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَمْ تَجْتَبُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا ؟ فَقِيلَ لَهُ : وَكَيْفَ تَرَى ذٰلِكَ كائِنًا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟ قالَ : إِيْ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ ، عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ المَصْدُوقِ ، قالُوا : عَمَّ ذَاكَ ؟ قالَ : تُنْتَهَكُ ذِمَّةُ ٱللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ ﷺ ، فَيَشُدُّ ٱللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قُلُوبَ أَهْلِ ٱلذِّمَّةِ ، فَيَمْنَعُونَ ما فِي أَيْدِيهِمْ .

تراجم رجال

١- ابوموسیٰ

یہ ابوموسیٰ محمد بن المثنی بن عبید عنزی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت گذر چکا ہے(٣)۔

٢- هاشم بن القاسم

یہ ابوالنضر ہاشم بن قاسم تمیمی، کنانی، لیثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(٤)۔

٣- اسحاق بن سعيد

یہ اسحاق بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص رحمۃ اللہ علیہ ہیں(٥)۔

---

(١) عمدة القاري: ١٠٢/١٥.

(٢) فتح الباري: ٢٨٠/٦، وإرشاد الساري: ٢٤٣/٥.

(٣) كشف الباري: ٢٥/٢.

(٤) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب العيدين، باب ما يكره من حمل السلاح......

٤ — ابيه

ابیہ سے مراد سعید بن عمرو بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

٥ — ابوهريره

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان کے اوائل میں آچکے ہیں (۲)۔

یہ حدیث موصول ہے یا معلق؟

صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں تعلیقاً "قال أبو موسى ......" ہی آیا ہے، یہی بات اصحاب اطراف (۳)، علامہ اسماعیلی، امام حمیدی (۴) وابونعیم نے بھی فرمائی ہے، لیکن بعض نسخوں میں "حدثنا أبو موسى" آیا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث موصول ہے، مگر یہ درست نہیں، پہلا قول ہی صحیح ہے کہ یہ حدیث معلق ہے (۵)۔

مذکورہ بالا صیغہ سماع پر محمول ہوگا یا نہیں؟

پھر علمائے اصول حدیث کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہ صیغہ یعنی قال وغیرہ عنعنہ کے قائم مقام ہو کر سَماع پر محمول ہوگا یا نہیں؟ چناں چہ بعض تو اس کو سماع پر محمول کرتے ہیں، بعض سماع پر محمول نہیں کرتے، لیکن محقق قول اس مسئلے میں یہی ہے کہ اگر راوی یا محدث کی عادت یہ ہو کہ وہ اس سے سماع مراد لیتے ہیں اور اس میں استعمال کرتے ہیں تو سماع پر محمول ہوگا، ورنہ نہیں۔ علامہ ابن الصلاح، خطیب، علامہ عراقی، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی کو راجح کہا ہے (٦)۔

---

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارة.

(٢) كشف الباري: ٦٥٩/١.

(٣) تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ٥٠٤/٩، رقم (١٣٠٨٧).

(٤) الجمع بين الصحيحين: ٢٦١/٣، أفراد البخاري، رقم (٢٥٧٩).

(٥) عمدة القاري: ١٠٢/١٥، وفتح الباري: ٢٨٠/٦، وإرشاد الساري: ٢٤٣/٥.

(٦) انظر تدريب الراوي: ٢١٩/١، النوع الحادي عشر، الفرع الثالث: التعليق الذي يذكره الحميدي......، وفتح الباري: ٢٨٠/٦، وعمدة القاري: ١٠٢/١٥، وأيضاً انظر قواعد في علوم الحديث: ١٦٣-١٦٤.

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستخرج" میں، امام احمد نے مسند میں اور ابویعلی نے اپنی مسند میں موصولاً نقل کیا ہے(۱)۔

قال: كيف أنتم إذا لم تجتبوا دينارا، ولا درهما؟ فقيل له: وكيف ترى ذلك كائنًا يا أبا هريرة؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں خراج میں کوئی دینار، نہ درہم ملے گا؟ تو ان سے کہا گیا کہ اے ابوہریرہ! آپ کے خیال میں یہ کس طرح اور کیونکر ہوگا؟

تجتبوا کی صرفی ولغوی تحقیق

کلمہ "تجتبوا" باب افتعال سے جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے، حالت جزم میں ہے، مجرد میں یہ الجباية —بالجيم والباء الموحدة، وبعد الألف ياء— سے مشتق ہے، جس کے معنی مطلقاً ٹیکس کے ہیں، لیکن یہاں پر اس سے مراد خراج و جزیہ ہے، کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کے ٹیکس ہی ہے، جو کفار پر لاگو کیا جاتا ہے(۲)۔

اس جملے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی مستقبل سے متعلق ایک پیشین گوئی کا ذکر کیا ہے کہ آئندہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جزیہ وخراج کی مد میں تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا، اہل ذمہ تمہیں ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی روک دیں گے۔اس پر سامعین نے تعجب کا اظہار کیا کہ اے ابوہریرہ! کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اہل ذمہ ہمیں جزیہ وغیرہ ادا نہ کریں؟

قال: إِيْ والذي نفس أبي هريرة بيده عنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوقِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابوہریرہ کی جان ہے، صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہہ رہا ہوں۔

---

(۱) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وتغليق التعليق: ٣/٤٨٥، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢، ومسند الإمام أحمد: ٢/٣٣٢، رقم (٨٣٦٨)، مسند أبي هريرة ......، ومسند أبي يعلى: ٥/٥٠٦، رقم (٦٦٠٠).

(۲) عمدة القاري: ١٥/١٠٢، وفتح الباري: ٦/٢٨٠، وإرشاد الساري: ٥/٢٤٣.

کلمہ "إي" ہمزہ کے کسرہ اور یائے ساکنہ کے ساتھ ہے، جو حرف ایجاب ہے(۱)۔

پھر صادق کے معنی تو ظاہر ہیں، لیکن مصدوق کے کیا معنی ہیں، اس میں دو اقوال ہیں:

❶ مصدوق یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بات بتلائی گئی، سچ ہی بتلائی گئی، مثلاً جبرئیل علیہ السلام نے اگر انہیں کوئی بھی بات بتلائی ہے تو وہ سچی ہے۔

❷ مصدوق بمعنی المصدَّق (اسم مفعول) ہے، یعنی جن کی تصدیق کی گئی، اس معنی کے درست ہونے میں بھی کوئی شک نہیں(۲)۔

قَالُوا: عَمَّ ذَاكَ؟

لوگوں نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہوگا (کہ اہل ذمہ ہمیں جزیہ وغیرہ کی ادائیگی سے انکار کردیں)؟

قال: تنتهك ذمَّةُ اللّٰهِ وذمَّة رسوله صلى الله عليه وسلم فيشد الله عز وجلَّ قلوب أهل الذمةِ فيمنعونَ ما في أيديهمْ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے وعہد کو توڑا جائے گا، نتیجۃً اللہ تعالیٰ اہل ذمہ کے دلوں کو سخت کردیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تمہیں جزیہ کی ادائیگی روک دیں گے۔

مذکورہ بالا عبارتِ حدیث میں اس امر کی علت بتلائی گئی ہے کہ اہل ذمہ جزیہ وخراج کی ادائیگی سے کیوں کر منکر ہوجائیں گے، اس کی وجہ یہی ہوگی کہ اہل ذمہ کو جو حقوق اسلام نے دیے ہیں، ان کو پامال کیا جائے گا، ان کے ساتھ ظلم وسختی کو روا رکھا جائے گا، چوں کہ عہد کی پاسداری ضروری ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے تو جب اس حکم کی خلاف ورزی ہوگی، ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جائے گا تو اللہ کی طرف سے پکڑ بھی ہوگی، اس کے اثرات بھی ہوں گے، اسی کو حدیث میں ان کلمات سے تعبیر کیا گیا ہے، "فيمنعون ما في أيديهم" کہ وہ تمہیں جزیہ وخراج کی ادائیگی نہیں کریں گے۔

---

(۱) إرشاد الساري: ٥/٢٤٣.

(٢) حواله بالا، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢، وشرح الكرماني: ١٣/١٤٣.

• "تستنهك" فعل مجہول، مضارع مؤنث کا صیغہ ہے، باب افتعال سے ہے، اس کے معنی پردہ دری، آبروریزی، ظلم وستم وغیرہ کے ہیں اور "ما في أيديهم" سے مراد جزیہ وغیرہ ہے (☆)۔

اس معنی کی دیگر احادیث

امام حمیدی فرماتے ہیں کہ امام مسلم (رحمہما اللہ) نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث باب کے مفہوم کی حامل ایک اور مرفوع روایت دوسرے طریق سے نقل کی ہے (۱)، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"منعت العراق درهمها وقفيزها، ومنعت الشام مديها ودينارها، ومنعت مصر إردَبها ودينارها، وعدتم من حيث بدأتم، وعدتم من حيث بدأتم، وعدتم من حيث بدأتم......" (٢).

کہ "عراق اپنے درہم اور قفیز روک دے گا، شام اپنے مد اور دینار روک دے گا، مصر اپنے اردب (۳) اور دینار روک دے گا اور تم وہیں لوٹ جاؤ گے جہاں سے تم نے شروع کیا تھا......"۔

اس حدیث میں افعال تو ماضی کے بیان کیے گئے ہیں، لیکن مراد اس سے مستقبل ہی ہے، کہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بیان کردہ چیز ضرور واقع ہوگی، چناں چہ مبالغے کے لیے ماضی کو مستقبل کے معنی میں لیا گیا ہے (۴)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث مروی ہے، فرماتے ہیں:

"يوشك أهل العراق أن لايجبى إليهم قفيز ولا درهم، قال أبونضرة:

(☆) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢، وشرح القسطلاني: ٥/٢٤٤.

(١) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢، والجمع بين الصحيحين: ٣/٢٦١، أفراد البخاري، رقم (٢٥٧٩)، و: ٣/٢٩٥، أفراد مسلم، رقم (٢٦٧٦).

(٢) أخرجه مسلم في الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب، رقم (٧٢٧٧)، وأيضاً أخرجه أبوداود، كتاب الخراج......، باب في إيقاف أرض السواد وأرض العنوة، رقم (٣٠٣٥).

(٣) اردبّ تقریباً پچیس پاؤنڈ کے وزن کا پیمانہ (ایک پاؤنڈ تقریباً آدھے سیر کا ہوتا ہے)، القاموس الوحيد، مادة: "إردب".

(٤) فتح الباري: ٦/٢٨٠، وعمدة القاري: ١٥/١٠٢.

قلنا: من أين ذاك؟ قال: من قبل العجم يمنعون ذاك، ثم قال: يوشك أهل الشام أن لايجبى إليهم دينار ولا مُدي، قلنا: من أين ذاك؟ قال: من قبل الروم......"(١).

یعنی "قریب ہے کہ اہل عراق کو درہم وقفیر کی ادائیگی نہیں ہوگی، راوی حدیث ابونضرۃ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ یہ کن کی طرف سے ہوگا؟ انہوں نے فرمایا، عجمیوں کی جانب سے کہ وہ اس کی ادائیگی روک دیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ قریب ہے کہ اہل شام کو دینار اور مد کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ ہم (ابونضرہ) نے پوچھا، یہ کن کی طرف سے ہوگا؟ فرمایا، رومیوں کی جانب سے"۔

فائدہ

ان احادیث کے ایک معنی ومطلب تو وہی ہے، جس کا ذکر اوپر ہوا کہ جزیہ وخراج کی، اہل ذمہ کی طرف سے ادائیگی جو روک دی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے ساتھ ناروا سلوک ہوگا، لیکن ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس امر کی پیشین گوئی کی ہے کہ یہ لوگ عنقریب اسلام قبول کرلیں گے اور جو ٹیکس یا وظیفہ ان پر لازم کیا گیا ہے، وہ قبولِ اسلام کی وجہ سے ساقط ہوجائے گا، اس طرح یہ لوگ اپنے اسلام کی وجہ سے ان وظائف وٹیکسز کو روکنے والے ہوجائیں گے، جو اُن پر لازم تھے (۲)۔

اس کے بعد ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلب کو بیان کیا، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے (۳)۔ اس سے امام بخاری کی رائے کو تقویت ملتی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ تعلیق بایں طور ہے کہ ترجمہ میں ایفائے عہد کرنے اور نہ کرنے کی صورت

---

(١) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل ......، رقم (٧٣١٥).

(٢) جامع الأصول في أحاديث الرسول: ٥٣/١٠.

(٣) جامع الأصول في أحاديث الرسول: ٥٤/١٠.

میں گناہ گار ہونے کو بیان کیا گیا ہے، اس حدیث سے بھی ایفائے عہد کا ثمرہ اور بدعہدی کا انجام معلوم ہو رہا ہے۔

چناں چہ اہل ذمہ کے ساتھ اگر ان کے عہد و ذمہ کا لحاظ کیا جائے، اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو حقوق عطا کیے ہیں، ان کی پاسداری کی جائے تو اس کا ثمرہ جزیہ وخراج کی صورت میں ملے گا، دوسری صورت میں ملنے والے مال سے بھی محروم ہونا پڑے گا، جو دنیاوی نقصان ہے، اخروی خسارہ اس کے علاوہ ہے۔

بَابٌ بلا ترجمه

ترجمہ کا مقصد

یہاں یہ باب بلا ترجمہ ہے(۱) اور کالفصل للباب السابق ہے، اس کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایات نقل کی ہیں، ان کا تعلق اسی باب سابق کے مضمون ایفائے عہد وغیرہ سے ہے(۲)۔

۳۰۱۱/۳۰۱۰ : حدّثنا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ قالَ : سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ قالَ : سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ : شَهِدْتَ صِفِّينَ ؟ قالَ : نَعَمْ ، فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ[۳] يَقُولُ : اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ ، رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ ، وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ النَّبِيِّ ﷺ لَرَدَدْتُهُ ، وَما وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ غَيْرِ أَمْرِنَا هٰذَا .

تراجم رجال

۱ — عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ عبدان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث

(۱) قال الحافظ في الفتح (۲۸۱/۶): "كذا هو بلا ترجمة عند الجميع".

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۱۰۲/۱۵.

(۳) قوله: "سهل ......": الحديث، أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، رقم (۳۱۸۲)، وكتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، رقم (۴۱۸۹)، وكتاب التفسير، باب قوله: ﴿إذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم......﴾، رقم (۴۸۴۴)، وكتاب الاعتصام......، باب ما يذكر من ذم الرأي......، رقم(۷۳۰۸)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب صلح الحديبية......، رقم (۴۶۳۴)، والنسائي في الكبرى، كتاب التفسير، قوله تعالى: ﴿وهو الذي أنزل السكينة......﴾، رقم (۱۱۵۰۴/۲).

الخامس" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۲- ابوحمزه

یہ ابوحمزہ محمد بن میمون السکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

۳- الأعمش

یہ مشہور محدث سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکے ہیں(۳)۔

٤- ابو وائل

یہ مشہور تابعی بزرگ حضرت ابووائل شقیق بن سلمۃ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن یحبط......" کے تحت گذر چکا ہے(۴)۔

٥- سهل بن حنيف

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت سہل بن حنیف بن واہب رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

قال: سألت أَبا وائلٍ شهدتَ صفّينَ؟ قال: نعمْ

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے دریافت کیا کہ آپ جنگ صفین میں شریک رہے ہیں؟انہوں نے فرمایا، ہاں۔

صفین

صفین-بکسرتین وتشدید الفاء- عراق کے مشہور دریا، فرات کے کنارے رَقہ اور بالس کے

---

(۱) كشف الباري: ٤٦١/١.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب نفض اليدين من ......

(۳) كشف الباري: ٢٥١/٢.

(٤) كشف الباري: ٥٥٩/٢.

(٥) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الجنائز، باب من قام لجنازة يهودي.

درمیان ایک جگہ کا نام ہے، اس مقام کو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی افواج کے مابین ہونے والی جنگ سے شہرت ملی۔

یہ جنگ یکم صفر ۳۷ ہجری کو لڑی گئی، فریقین کی تعداد میں اختلاف ہے، اصح قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکری ایک لاکھ بیس ہزار اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فوجی نوے ہزار تھے، اس جنگ میں دونوں اطراف کے ستر ہزار افراد تہہ تیغ ہوئے، جن میں پچیس ہزار اصحاب علی اور پینتالیس ہزار اصحاب معاویہ (رضی اللہ عنہما) شامل تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے پچیس بدری صحابہ بھی شہید ہوئے۔

یہ جنگ ۱۱۰ (ایک سو دس) دن تک جاری رہی اور فریقین کے درمیان نوے مرتبہ جھڑپیں اور آمنا سامنا ہوا(۱)۔

فسمعتُ سهلَ بنَ حُنيفٍ يقولُ: اتَّهموا رأيكمْ ......

تو میں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! تم اپنی رائے کو متہم سمجھو......

یہ حدیث مغازی میں آچکی ہے، وہیں اس کی مکمل شرح بھی کر دی گئی ہے، جس کا خلاصہ مع ترجمہ حدیث ذیل میں ہم نقل کرتے ہیں:

جنگ صفین میں حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جب جنگ شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ حضرت علی کے ساتھی غالب آنے لگے، قریب تھا کہ حضرت معاویہ کو مکمل شکست ہو جائے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی رائے سے قرآن کریم کو حکم اختیار کرنے پر فریقین کا اتفاق ہوا، جس پر حضرت علی کے کچھ ساتھیوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس وقت غالب ہیں، اس پر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اتهموا رأيكم......" کہ اے لوگو! تم اپنے کو اور اپنی رائے کو بھی متہم سمجھو، ضروری نہیں کہ وہ درست ہو، ہو سکتا ہے کہ فریقِ مخالف کی رائے ہی صحیح ہو، کیوں کہ صلح حدیبیہ میں، میں موجود تھا، اس وقت میری یہی رائے تھی کہ جنگ ہونی چاہیے، صلح نہیں ہونی چاہیے، اس کے باوجود ہم نے اپنی رائے چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر عمل کیا، جس کا نتیجہ اچھا اور انجام بخیر ہوا، جب کہ وہاں معاملہ کفر و اسلام تھا اور یہاں مسلمانوں کے آپس

(۱) معجم البلدان للحموي: ٣/٤١٤، باب الصاد والفاء......

کا ہے، اس لیے اس میں اپنی ہی رائے کو حتمی سمجھ کر قتل مسلم کو جاری رکھنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔

اور ہم نے اپنے کاندھوں پر کسی ایسے امر کے لیے جو ہمیں گھبراہٹ میں ڈالتا ہو، تلواریں نہیں اٹھائیں، مگر یہ کہ وہ تلواریں ہمارے لیے اس معاملے کو آسان کر دیتی تھیں، لیکن جنگ صفین کا یہ معاملہ بہت پیچیدہ بن گیا ہے۔ اس سے خلاصی کی صورت سمجھ میں نہیں آ رہی (۱)۔

(٣٠١١) : حدثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَبِيهِ : حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو وَائِلٍ قَالَ : كُنَّا بِصِفِّينَ . فَقَامَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ(٢) فَقَالَ : أَيُّهَا النَّاسُ ٱتَّهِمُوا أَنْفُسَكُمْ ، فَإِنَّا كُنَّا مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ يَوْمَ الحُدَيْبِيَةِ ، وَلَوْ نَرَى قِتَالاً لَقَاتَلْنَا . فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ ؟ فَقَالَ : (بَلَى) . فَقَالَ : أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ ؟ قَالَ : (بَلَى) . قَالَ : فَعَلَامَ نُعْطِي ٱلدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا ، أَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمِ ٱللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ ؟ فَقَالَ : (يَا ابْنَ الخَطَّابِ ، إِنِّي رَسُولُ ٱللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي ٱللهُ أَبَدًا) . فَانْطَلَقَ عُمَرُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَ : إِنَّهُ رَسُولُ ٱللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ ٱللهُ أَبَدًا ، فَنَزَلَتْ سُورَةُ الْفَتْحِ ، فَقَرَأَهَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَلَى عُمَرَ إِلَى آخِرِهَا ، فَقَالَ عُمَرُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَوَ فَتْحٌ هُوَ ؟ قَالَ : (نَعَمْ) .

[٣٩٥٣ ، ٤٥٦٣ ، ٦٨٧٨]

تراجم رجال

١ — عبدالله بن محمد

یہ امام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب أمور الإيمان"، کے تحت گذر چکا ہے (۳)۔

---

(١) دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية......: ٤٠٠-٤٠٣، نیز دیکھیے، عمدة القاري: ١٠٣/١٥.

(٢) قوله: "سهل بن حنيف": الحديث، مر تخريجه آنفاً.

(٣) كشف الباري: ٦٥٧/١.

۲- يحيىٰ بن آدم

یہ یحییٰ بن آدم کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

۳- يزيد بن عبدالعزيز

یہ ابوعبداللہ یزید بن عبدالعزیز بن سیاہ(۲)، اسدی، حمّانی، کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور قطبہ بن عبدالعزیز کے بھائی ہیں(۳)۔

یہ اپنے والد عبدالعزیز، اعمش، رقبہ بن مصقلہ، عبیداللہ بن عمر، اسماعیل بن ابی خالد، ہشام بن عروۃ، مسعر، حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن عمرو بن علقمہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں اسحاق بن منصور سلولی، ابواحمد زبیری، ابومعاویہ الضریر، عمرو بن عبدالغفار تمیمی، علی بن میسرہ رازی، ہاشم بن عبدالواحد الجشاس اور ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں(۴)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة"(٥).

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقه"(٦).

امام ابوداوٗد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ثقة"(٧).

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ثقة"(٨).

---

(١) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

(٢) قوله: "سياه": بكسر السين المهملة، وتخفيف الياء آخر الحروف، وبالهاء وصلا ووقفا، منصرف وغير منصرف، والأصح الانصراف". عمدة القاري: ١٥/١٠٤.

(٣) تهذيب الكمال: ٣٢/١٩٣، وتهذيب التهذيب: ١١/٣٤٦.

(٤) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ٣٢/١٩٤.

(٥) حوالہ بالا، وتهذيب التهذيب: ١١/٣٤٧، والجرح والتعديل: ٩/٣٤٣، رقم (١١٦٩).

(٦) تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي، رقم (٥٧)، وحوالہ جات بالا۔

(٧) تهذيب الكمال: ٣٢/١٩٥، وتهذيب التهذيب: ١١/٣٤٧.

(٨) الكاشف: ٢/٣٨٧، رقم (٦٣٣٧).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۱)۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، حافظ یعقوب بن سفیان، امام دارقطنی، امام ابوحاتم، امام ترمذی رحمہم اللہ ودیگر نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے(۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام مسلم، ابوداوٗد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت لی ہے(۳)۔رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة

٤– عبدالعزیز

یہ عبدالعزیز بن سِیاہ اسدی، حمانی (۴)، کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

یہ اپنے والد سیاہ اور حبیب بن ابی ثابت، ابن ابی عمرہ، اعمش، شعبی، مسلم الملائی الاعور اور حکم بن عتیبہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے یزید اور عبداللہ بن نمیر، ابومعاویہ، یعلی بن عبید، یونس بن بکیر، عبیداللہ بن موسیٰ، وکیع اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۶)۔

امام یحییٰ بن معین اور امام ابوداوٗد رحمہما اللہ فرماتے ہیں، ''ثقة'' (۷)۔

---

(١) الثقات: ٦٢٣/٧، وتهذيب الكمال: ١٩٥/٣٢.

(٢) تقريب التهذيب، رقم (٧٧٧٧)، وتعليقات تهذيب الكمال: ١٩٥/٣٢، وتهذيب التهذيب: ٣٤٧/١١، والجرح والتعديل، رقم (١١٦٩)، وسنن الترمذي، مناقب عمار بن ياسر، رقم (٣٧٩٩)، وحاشية سبط ابن العجمي على الكاشف: ٣٨٧/٢، والمعرفة والتاريخ للفسوي: ١٧٧/٣، الكنى ......، ومن يعرف بالكنى.

(٣) تهذيب الكمال: ١٩٥/٣٢، والكاشف: ٣٨٧/٢.

(٤) قوله: "الحِمَّاني": بكسر المهملة ...... وشدة ميم وبنون. انظر تعليقات تهذيب التهذيب: ٣٤٠/٦، وتوضيح المشتبه، باب الجيم: ٤١٧/٢.

(٥) تهذيب الكمال: ١٤٤/١٨، وتهذيب ابن حجر: ٣٤٠/٦، والجرح والتعديل: ٤٥٠/٥، رقم (١٧٨٩).

(٦) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے: تهذيب الكمال: ١٤٥/١٨.

(٧) تهذيب الكمال: ١٤٥/١٨–١٤٦، وتهذيب التهذيب: ٣٤١/٦.

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "محله الصدق" (☆).

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (✿)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "كان من خيار الناس، وله أحاديث" (۱).

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "شيعي صدوق" (۲).

امام ابوزرعۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "لا بأس به، هو من كبار الشيعة" (۳).

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، امام عجلی، امام ابن نمیر اور حافظ یعقوب بن سفیان رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توثیق کی ہے (۴)۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی ائمہ خمسہ نے ان سے روایت لی ہے (۵)۔

ابوجعفر منصور کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا (۶)۔ رحمه الله تعالیٰ ورحمة واسعة

۵- حبیب بن ابی ثابت

یہ حبیب بن ابی ثابت دینار کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۷)۔

٦- ابو وائل

حضرت ابووائل کے حالات كتاب الإيمان، "باب خوف المؤمن......" کے تحت آچکے (۸)۔

(☆) تهذيب الكمال: ١٨/١٤٦، والجرح والتعديل، رقم (١٧٨٩)، وتهذيب ابن حجر: ٦/٣٤١.

(✿) الثقات لابن حبان: ٧/١١٤.

(١) الطبقات الكبرى: ٦/٣٦٣، وتعليقات تهذيب الكمال: ١٨/١٤٦.

(٢) الكاشف: ١/٦٥٥، رقم (٣٣٩١).

(٣) تهذيب الكمال: ١٨/١٤٦، وتهذيب التهذيب: ٦/٣٤١، والجرح والتعديل: ٥/٤٥١.

(٤) تقريب التهذيب، رقم (٤١١٤)، وتهذيب التهذيب: ٦/٣٤١، وتعليقات تهذيب الكمال: ١٨/١٤٦.

(٥) الكاشف: ١/٦٥٥، وتهذيب الكمال: ١٨/١٤٦.

(٦) الطبقات الكبرى: ٦/٣٦٣.

(۷) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الصوم، باب صوم داود عليه السلام.

(٨) كشف الباري: ٢/٥٥٩.

یہ حدیث سابق کا دوسرا طریق ہے، اس طریق میں بہ نسبت حدیث سابق کے قدرے تفصیل ہے کہ اس میں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا، اس کا ذکر بھی ہے، جس کی تفصیل مغازی میں آچکی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا تھا کہ غدر و بدعہدی کا انجام بہرحال برا ہے، یہی نتیجہ حضرت ابووائل کی اس حدیث سے بھی نکلتا ہے کہ قریش نے صلح حدیبیہ کے بعد جو بدعہدی کی، اس کا نتیجہ ان کے لیے یہ نکلا کہ فتح مکہ کے ذریعے مسلمان ان پر غالب ہو گئے اور قریش مقہور و مغلوب ہوئے، اس سے واضح ہوا کہ بدعہدی کا انجام برا اور ایفائے عہد کا انجام اچھا ہوتا ہے، چناں چہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں:

"تعلق هذا الحديث بالباب المترجم من حيث ما آل أمر قريش، في نقضهم العهد؛ من الغلبة عليهم والقهر بفتح مكة؛ فإنه يوضح أن مآل الغدر مذموم، ومقابل ذلك ممدوح"(۲).

۳۰۱۲ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا حاتِمٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ[۳] رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا قالَتْ : قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهْيَ مُشْرِكَةٌ ، في عَهْدِ قُرَيْشٍ إِذْ عاهَدُوا رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ وَمُدَّتِهِمْ مَعَ أَبِيهَا ، فَٱسْتَفْتَتْ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ فَقالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهْيَ رَاغِبَةٌ ، أَفَأَصِلُهَا ؟ قالَ : (نَعَمْ صِلِيهَا) . [ر : ۲٤۷۷]

تراجم رجال

۱- قتیبہ بن سعید

یہ شیخ الاسلام قتیبہ بن سعید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ كتاب الإيمان، "باب إفشاء

---

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية...... : ۳٦۷-۳٦۹.

(۲) عمدة القاري: ۱۰۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۸۱/٦.

(۳) قوله: "عن أسماء بنت......": الحديث، مر تخريجه في الهبة، باب الهدية للمشركين.

السلام من الإيمان" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۲- حاتم بن اسمعيل

یہ ابو اسماعیل حاتم بن اسماعیل کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- هشام بن عروة عن أبيه

حضرت ہشام بن عروۃ بن زبیر بن عوام اور ان کے والد عروہ کا تذکرہ "بدء الوحي" اور کتاب الإيمان، "باب أحب الدين إلى الله أدومه" کے تحت آچکا ہے(۳)۔

٥- أسماء بنت أبي بكر

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے مفصل حالات کتاب العلم، "باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد" کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

قالت: قدمت عليَّ أُمِّي

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں۔

حضرت اسماء کی والدہ کا مختصر تعارف

یہاں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت اسماء کی والدہ کا نام کیا تھا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

ابن سعد، ابوداؤد طیالسی اور حاکم کی روایت سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کا نام قتیلہ (مصغر ا) تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

"قدمت قتيلة بنت عبد العزى بن سعد من بني مالك بن حِسْل على ابنتها: أسماء بنت أبي بكر في الهُدنة، وكان أبوبكر طلقها في الجاهلية،

---

(۱) كشف الباري: ۲/۱۸۹.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب، بعد باب استعمال فضل وضوء الناس.

(۳) كشف الباري: ۱/۲۹۱، و: ۲/۴۳۲-٤٤٠.

(٤) كشف الباري: ۳/٤٨٧.

بهدايا: زبيب وسمن وقرظ(۱)، فأبت أسماء أن تقبل هديتها أو تدخلها في بيتها، وأرسلت إلى عائشة: سلي رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لتدخلها"(۲). (اللفظ لابن سعد).

یعنی: ''قتیلہ بنت عبدالعزی بن سعد...... اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پاس صلح کے دنوں میں آئیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں جاہلیت میں طلاق دے چکے تھے، کچھ سامان بھی ساتھ لے کر آئیں، مثلاً کشمش، گھی اور زیور وغیرہ۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ہدایا قبول کرنے سے انکار کیا اور انہیں گھر میں آنے کی اجازت بھی نہیں دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھجوایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت پوچھ لیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان کے گھر داخل ہوسکتی ہیں''۔

مذکورہ بالا روایت سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرت اسماء کی حقیقی والدہ تھیں، اس لیے رضاعی ماں تصور کرنا وہم ہے(۳)۔

اور زبیر بن بکار نے ان کا نام قیلہ اور ابن ماکولا نے قتلہ نقل کیا ہے، شاید کسی نے ان کو مصغر اقتیلہ بنادیا ہو(۴)۔

جب کہ علامہ داوٗدی نے ان کا نام ام بکر نقل کیا ہے، جس کے بارے میں ابن التین رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) ابوداوٗد طیالسی کی روایت میں یہ لفظ طائے مہملہ کے ساتھ قرط آیا ہے، جس کے معنی کان کی بالی کے ہیں۔ غالباً یہی لفظ درست ہے، قَرَظ (ظائے معجمہ کے ساتھ) کے معنی گوند کے ہیں، جس کا یہاں کوئی مطلب نہیں، اس لیے ہم نے ترجمہ میں زیور کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ترجيحا لرواية الطيالسي، انظره: ۲/۲۸۹، رقم (۱۷٤٤)، جب کہ حاکم (۲/۵۲۷) کی روایت میں "إقطا" آیا ہے، جس کے معنی پنیر کے ہیں، یہ معنی بھی محتمل ہوسکتے ہیں۔

(۲) الطبقات الكبرى: ۸/۲۵۲، ترجمة أسماء بنت أبي بكر، ومسند أبي داود الطيالسي: ۲/۲۸۸-۲۸۹، رقم (۱۷٤٤)، والحاكم: ۲/۵۲۷، رقم (۳۸۰٤)، كتاب التفسير، تفسير سورة الممتحنة، والمطالب العالية: ۳/۳۸۷، رقم (۳۷۷۸)، سورة الممتحنة من كتاب التفسير، وجمهرة أنساب العرب: ۱/۱۳۷.

(۳) فتح الباري: ۵/۲۳۳.

(٤) حواله بالا، والإكمال لابن ماكولا، ۷/۱۳۰، باب قيلة وقتلة.

فرماتے ہیں کہ شاید یہ کنیت ہے(☆)۔

حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ بھی ان کے بطن سے تھے(۱)۔

وهي مشركة

درانحالیکہ وہ مشرکہ تھیں۔

راجح یہی ہے کہ حضرت اسماء کی والدہ کا انتقال حالت شرک ہی میں ہوا، بعض حضرات نے ان کے اسلام قبول کرنے کا جو کہا، وہ غلط ہے(۲)۔

في عهد قريش إذ عاهدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ومدتهم

ان دنوں میں جب قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر رکھی تھی۔

یہاں عہد سے مراد "صلح حدیبیہ" ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ حضرت اسماء کے ہاں ان کی والدہ کا جو آنا ہوا، وہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی دنوں میں تھا(۳)۔

مع أبيها

اپنے والد کے ساتھ۔

اس میں ضمیر مجرور حضرت اسماء کی والدہ کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی ان کی والدہ کے ساتھ ان کے نانا بھی تھے۔اور یہ غلط اور تصحیف ہے۔صحیح لفظ "ابنها" ہے، یعنی اپنے بیٹے کے ساتھ، جن کا نام حارث بن مدرک بن عبید بن عمرو بن مخزوم ہے، كما قاله الزبير بن بكار. حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولم أر له ذكرا في الصحابة، فكأنه مات مشركاً"(٤).

(☆) فتح الباري: ٢٣٣/٥.

(١) حواله بالا

(٢) فتح الباري: ٢٣٤/٥، وعمدة القاري: ١٧٤/١٣، كتاب الهبة، باب الهدية للمشركين، رقم (٢٦٢٠).

(٣) فتح الباري: ٢٣٤/٥، وعمدة القاري: ١٠٤/١٥، وشرح القسطلاني: ٢٤٥/٥.

(٤) فتح الباري: ٢٣٤/٥، وأيضاً عمدة القاري: ١٧٣/١٣، وإرشاد الساري: ٣٦٢/٤.

پھران کے باپ یعنی حضرت اسماء کے نانا کے نام میں بھی اختلاف ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ عبدالعزی نام ہے اور یہی مشہور ہے(۱)۔

جب کہ علامہ قسطلانی کا کلام اس میں مختلط ہے، چناں چہ کبھی وہ ان کا نام عبدالعزی لکھتے ہیں(۲) اور کہیں حارث بن مدرک ان کا نام لکھا ہے(۳)، لیکن یہ غلط ہے، اصل میں حارث بن مدرک تو ان کے بیٹے کا نام ہے، اس طرح مدرک بن عبید شوہر ہوئے۔

فاستفتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله، إن أمي قدمت علي وهي راغبة أفأصلها؟ قال: نعم، صليها.

چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! میری والدہ میرے پاس آئی ہیں، درانحالیکہ وہ رغبت رکھتی ہیں، میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا، بالکل کرو۔

فاستفتت اور قالت کی ضمیر غائب حضرت اسماء کی طرف راجع ہے، جب کہ ابوذر اور حموی کے نسخے میں فاستفتيتُ وقلتُ ضمیر متکلم کے ساتھ ہے(۴)۔ اور "وهي راغبة" کے دو معنی ومطلب ہیں:

❶ وهي راغبة في أن تأخذ مني بعض المال کہ وہ مجھ سے کچھ مال لینے میں رغبت رکھتی ہیں، مطلب یہ ہوا کہ ان کے میرے پاس آنے کا مقصد یہ ہے کہ میں انہیں کچھ دوں، میں ان پر خرچ کروں۔

اور یہ جائز ہے کہ عورت اپنی والدہ یا والد کو کچھ مال وغیرہ دے دے، اگرچہ مال شوہر کا ہو اور والدہ یا والد مشرک ہوں، اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الأدب میں دو ترجمے بھی قائم کیے ہیں(۵)۔

❷ وهي راغبة في الإسلام کہ وہ اسلام قبول کرنے میں رغبت رکھتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام

---

(۱) فتح الباري: ۲۳۴/۵، وعمدة القاري: ۱۷۴/۱۳، والإصابة: ۲۲۹/۴، رقم (٤٦).

(۲) لم أجده في شرح القسطلاني.

(۳) شرح القسطلاني: ۲٤٥/٥.

(٤) حواله بالا.

(٥) صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب صلة الوالد المشرك، وباب صلة المرأة أمّها ولها زوج. نیز دیکھیے، كشف الباري، كتاب الأدب: ۳٤۲-۳٤٤.

قبول کرنے کی نیت سے آئی ہیں(۱)۔

اسی مطلب کو لے کر بعض حضرات نے ان کے مسلمان ہونے کا قول نقل کر دیا، جس کو ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں رد کیا ہے کہ کسی بھی روایت میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، درست مطلب وہی ہے جو اوپر گذرا کہ وہ مال لینے کو آئی تھیں، اسی لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے استفسار بھی کیا تھا، اگر اسلام قبول کرنے آئی ہوتیں تو اجازت کی ضرورت ہی نہیں تھی (۲)۔

علاوہ ازیں اس جملے کے اور معنی بھی بیان کیے گئے ہیں (۳)، ان سب میں راجح قول پہلا ہی ہے۔ كما يدل عليه صنيع البخاري أيضاً.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبتِ حدیث

ترجمہ سابقہ کے ساتھ اس حدیث کا تعلق و مناسبت بایں معنی ہے کہ عدم غدر کا مقتضا یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی وحسن سلوک جائز ہو، اگر چہ وہ غیر مذہب پر ہوں، بلاشبہ یہ حدیث اس مقتضا پر پوری اترتی ہے(۴)۔

حضرت شیخ الحدیث کی رائے

جیسا کہ یہ بات آپ کی نظروں سے گذری کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب میں صرف "باب" کہا ہے اور سابق میں ہم شراح بخاری کے حوالے سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ یہ كالفصل من السابق ہے، یعنی جو مقصد سابقہ باب کا تھا وہی اس باب کا بھی ہے اور یہ اس کا تتمہ ہے۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کے لیے یہ ترجمہ قائم کیا جا سکتا ہے، "باب مضار الغدر ومنافع عدمه ...... أي الوفاء"(۵).

---

(۱) فتح الباري: ٥/٢٣٤، وعمدة القاري: ١٣/١٧٤، وإرشاد الساري: ٥/٢٤٥.

(۲) فتح الباري: ٥/٢٣٤، وعمدة القاري: ١٣/١٧٤.

(۳) فتح الباري: ٥/٢٣٤.

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٠٤، وفتح الباري: ٦/٢٨٢.

(٥) الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ١/٢٠٩.

یعنی اس باب کو قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بدعہدی وغدر کی مضرتیں ونقصانات اور وفائے عہد کے منافع ومصالح کو بیان کیا جائے۔

بلاشبہ احادیث باب اس ترجمہ پر پورا اترتی ہیں، پہلی حدیث جس کا تعلق حدیبیہ سے تھا، تو اس طرح اس ترجمہ سے منطبق ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صلح حدیبیہ کے شرائط کی پاسداری کی، اگرچہ بعض کا دل مطمئن نہیں تھا، لیکن اس کا ثمرہ ''فتح مکہ'' کی صورت میں ظاہر ہوا، اسی لیے اللہ عزوجل نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا تھا۔

جب کہ دوسری حدیث، یعنی حدیث اسماء رضی اللہ عنہا کا تعلق بھی صلح حدیبیہ سے ہے، کہ حضرت اسماء کی مذکورہ والدہ ان کے پاس صلح کے دنوں میں آئی تھیں، چنانچہ مسلمانوں اور خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مذکورہ معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے ان کی والدہ کو کچھ بھی نہیں کہا، کوئی نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ انہیں فائدہ ہی پہنچایا، حالانکہ وہ مشرکہ تھیں اور کچھ بھی ممکن تھا، اس سے وفائے عہد کی اہمیت ومنفعت بخوبی واضح ہورہی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

١٨ – باب : الْمُصَالَحَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ وَقْتٍ مَعْلُومٍ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ کفار کے ساتھ جو مصالحت کی جائے گی وہ تین دن کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور اس کے لیے کوئی اور وقت بھی مقرر کیا جاسکتا ہے(١)۔

صلح کی انتہائی مدت کیا ہے؟

وقت مقررہ میں مصالحت کے اندر اتفاق ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مصالحت کی زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہوسکتی ہے؟

ائمہ اربعہ میں امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کی رائے یہ ہے کہ مصالحت کی مدت زیادہ سے زیادہ دس سال مقرر کی جاسکتی ہے، اگر اس سے زائد کوئی مدت مقرر ہو تو وہ باطل ہے، اس زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا(٢)۔

(١) عمدة القاري: ١٥/١٠٤، وفتح الباري: ٦/٢٨٢.

(٢) المغني: ٩/٢٣٨، رقم (٧٥٩١)، والأم: ٢/٤/١٨٩، المهادنة على النظر للمسلمين، رقم (١٣٣٥٦).

یہ حضرات صلح حدیبیہ سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں دس سال کی مدت مقرر فرمائی تھی، چنانچہ ابوداؤد اور سیرت ابن اسحاق (۱) میں دس سال کی مدت کی صراحت موجود ہے۔

جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مدت دس سال سے زائد ہو تو بھی جائز ہے، امام وقت کی رائے پر اس کا مدار ہے، وہ جتنی مدت مناسب سمجھے مقرر کرسکتا ہے (۲)۔

اور صلح حدیبیہ کی مدت سے استدلال کرنا بے محل ہے، اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دس سال کی مدت مقرر کی تھی تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس سے اضافہ ممکن نہیں اور آپ نے اس مدت کو انتہائی مدت قرار دیا ہے؟ اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی مدت مقرر فرمائی تھی۔

نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عقد ہے، جو دس سال کے لیے جائز ہے تو اس سے زائد مدت کے لیے بھی جائز ہوگا، جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے (۳)۔

۳۰۱۳ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ : حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ ٱبْنُ يُوسُفَ بْنِ أَبِي إِسْحٰقَ قالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قالَ : حَدَّثَنِي ٱلْبَرَاءُ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ(۴): أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَعْتَمِرَ ، أَرْسَلَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ ، يَسْتَأْذِنُهُمْ لِيَدْخُلَ مَكَّةَ ، فَٱشْتَرَطُوا عَلَيْهِ أَنْ لَا يُقِيمَ بِهَا إِلَّا ثَلَاثَ لَيَالٍ ، وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ ، وَلَا يَدْعُوَ مِنْهُمْ أَحَدًا ،

---

(۱) "قال ابن المنذر: اختلف العلماء في المدة التي كانت بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين أهل مكة عام الحديبية؟ فقال عروة: كانت أربع سنين، وقال ابن جريج: كانت ثلاث سنين، وقال ابن إسحاق: كانت عشر سنين". انظر تفسير القرطبي: ۸/۴۰.

(۲) امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقال ابن حبيب عن مالك رضي الله عنه: تجوز مهادنة المشركين السنة والسنتين والثلاث، وإلى غير مدة". الجامع لأحكام القرآن: ۸/۴۱، وانظر أيضاً بداية المجتهد: ۳/۴۳۹، الفصل السادس في جواز المهادنة......، والهداية: ۴/۲۰۴، باب الموادعة، من كتاب السير.

(۳) المغني: ۹/۲۳۸.

(۴) قوله : "البراء": الحديث، مر تخريجه في كتاب العمرة، باب كم اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم؟

قالَ : فَأَخَذَ يَكْتُبُ الشَّرْطَ بَيْنَهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، فَكَتَبَ : هٰذَا ما قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ ٱللهِ ، فَقَالُوا : لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُولُ ٱللهِ لَمْ نَمْنَعْكَ وَلَبَايَعْنَاكَ ، وَلٰكِنِ ٱكْتُبْ : هٰذَا ما قاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ ، فَقَالَ : (أَنَا وَٱللهِ محمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ ، وَأَنَا وَٱللهِ رَسُولُ ٱللهِ) . قالَ : وَكانَ لَا يَكْتُبُ ، قالَ : فَقَالَ لِعَلِيٍّ : (اَمْحِ رَسُولَ ٱللهِ) . فَقَالَ عَلِيٌّ : وَٱللهِ لَا أَمْحَاهُ أَبَدًا ، قالَ : (فَأَرِنِيهِ) . قالَ : فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ . فَلَمَّا دَخَلَ وَمَضَى الْأَيَّامُ ، أَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوا : مُرْ صَاحِبَكَ فَلْيَرْتَحِلْ ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : (نَعَمْ) . ثُمَّ ٱرْتَحَلَ .

[ر : ١٦٨٩]

تراجم رجال

١– احمد بن عثمان بن حكيم

یہ ابوعبداللہ احمد بن عثمان بن حکیم بن دینار ازدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٢– شريح بن مسلمه

یہ شریح بن مسلمہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٣– ابراهيم بن يوسف

یہ ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

٤– أبي

أب سے مراد یوسف بن ابی اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۱)۔

٥– ابو اسحاق

یہ مشہور محدث ابواسحاق عمرو بن عبداللہ کوفی سبیعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب الصلاۃ من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

---

(۱) ان چاروں حضرات کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر......

(۲) كشف الباري: ۲/۳۷۰.

٦- البراء

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حالات بھی کتاب الإیمان کے مذکورہ بالا باب میں گذر چکے(۱)۔

حدیث باب کا ترجمہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرے کی ادائیگی کا ارادہ کیا تو اہل مکہ کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت کے لیے پیغام بھیجا۔ چناں چہ اہل مکہ نے یہ شرط لگائی کہ آپ علیہ السلام وہاں صرف تین دن قیام کریں گے، ہتھیار بند ہو کر آئیں گے اور اہل مکہ میں سے کسی کو اپنے پاس آنے نہیں دیں گے۔

حضرات براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فریقین کے درمیان طے شدہ شرائط کو حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے لگے تو انہوں نے لکھا، "هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله" اس پر قریش مکہ نے کہا کہ اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ روکتے اور آپ کی بیعت ضرور کرتے، لیکن یہ لکھیں، "هذا ما قاضى عليه محمد بن عبدالله......" جناب نبی علیہ السلام نے فرمایا، بخدا! میں محمد بن عبداللہ ہوں، بخدا! میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت براء فرماتے ہیں کہ حضرت علی لکھنے پر آمادہ نہیں تھے تو نبی علیہ السلام نے ان سے کہا، "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو۔ انہوں نے فرمایا، بخدا! میں ان کلمات کو نہیں مٹاؤں گا۔ فرمایا مجھے دکھلاؤ۔ انہوں نے وہ جگہ دکھلائی، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کو مٹ دیا۔ جب نبی علیہ السلام مکہ میں داخل ہو گئے اور مذکورہ ایام بھی گذر گئے تو کفار مکہ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے مقتدا سے کہو کہ یہاں سے تشریف لے جائیں، یہ بات انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ پھر روانہ ہو گئے۔

جلبان کا ضبط ومعنی

ولا يدخلها إلا بجلبان السلاح میں جلبان جیم اور لام کے ضمہ اور بائے مشددہ کے ساتھ ہے، نیز اس کو جیم کے ضمہ، لام کے سکون اور بائے مخففہ کے ساتھ بھی ضبط کیا گیا ہے۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۳۷۵.

جلبان چمڑے کی اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں میان سمیت تلوار رکھی جائے۔ علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں، "شبه الجراب من الأدم، ويوضع فيه السيف مغمودا"(١).

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیثِ باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے سے بخوبی ظاہر ہورہی ہے کہ "أن لا يقيم بها إلا ثلاث ليال"(٢) جس سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ مقررہ وقت کے لیے صلح کی جاسکتی ہے۔

١٩ - باب : الْمُوَادَعَةِ مِنْ غَيْرِ وَقْتٍ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس امر کا جواز بتلا رہے ہیں کہ وقت اور مدت کی تعیین کے بغیر اگر مصالحت کی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اگر امام اس میں مصلحت سمجھتا ہے اور اس کی رائے ہے (۳)۔

مذکورہ مسئلہ میں اختلاف

اوپر ذکر کردہ مسئلے میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے، احناف وشوافع ومالکیہ کی رائے میں بغیر تعیین وقت بھی مصالحت درست ہے (۴)۔

ان حضرات کی دلیل وہی حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ غیر معینہ مدت کے لیے صلح کی تھی، اس لیے اگر امام وقت اور اہل رائے یہ سمجھتے ہوں اور اس کی ضرورت بھی ہو کہ صلح کرلی جائے تو جائز ہے، علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(١) القاموس الوحيد، باب الجيم، مادة "جلب"، وعمدة القاري: ١٥/١٠٥، والنهاية في غريب الحديث: ١/٢٨٢، باب الجيم مع اللام، وكشف المشكل: ٢/٢٥٠، من مسند البراء، رقم (٨٥٨).

(٢) عمدة القاري: ١٥/١٠٥، حدیث کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي، باب صلح الحديبية: ٣٦٥-٣٦٧.

(٣) عمدة القاري: ١٥/١٠٥، وفتح الباري: ٦/٢٨٢.

(٤) حواله جات بالا، وابن بطال: ٥/٣٦٧، وإرشاد الساري: ٥/٢٤٦، والأم: ٢/٤/١٨٩، رقم (١٣٣٥٧).

"ليس في أمر المهادنة حد عند أهل العلم لايجوز غيره، وإنما ذلك على حسب الحاجة، والاجتهاد في ذلك إلى الإمام وأهل الرأي"(۱).

اس کے برخلاف حنابلہ اس امر کے قائل ہیں کہ اس طرح کی مصالحت جائز نہیں (۲)۔

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (أُقِرُّكُمْ ما أَقَرَّكُمُ اللَّهُ بِهِ) . [ر : ۲۲۱۳]

اور نبی علیہ السلام کا قول مبارک جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں اس جگہ برقرار رکھے، میں بھی برقرار رکھوں گا۔

تعلیقِ مذکور کا مقصد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس لیے ذکر کیا کہ ان کے موقف، جو ترجمۃ الباب میں انہوں نے اختیار کیا، پر مستدل ہو کہ مصالحت بغیر تعیین مدت درست ہے، جیسا کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے۔

تعلیق مذکور کی تخریج

مذکورہ تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب المزارعۃ (۳) میں نقل کیا ہے۔ اس موصول روایت کے ایک ٹکڑے کو مصنف علیہ الرحمۃ نے یہاں درج کیا ہے (۴)۔

ان کے علاوہ اس حدیث کو موصولاً امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے (۵)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ غیر معینہ مدت کی مصالحت کے جواز کا تھا اور اس دعویٰ کی دلیل حدیث میں موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) شرح ابن بطال: ٥/٣٦٧.

(۲) المغني لابن قدامة: ٩/٢٣٨، رقم (٧٥٩٠).

(۳) الصحيح للبخاري، كتاب المزارعة، باب إذا قال رب الأرض: أقرك ......، رقم (٢٣٣٨).

(٤) عمدة القاري: ١٥/١٠٥، وفتح الباري: ٦/٢٨٢.

(٥) الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة، باب المساقاة والمعاملة بجزء من التمر ......، رقم (٣٩٦٧).

٢٠ - باب : طَرْحِ جِيَفِ الْمُشْرِكِينَ فِي الْبِئْرِ ، وَلَا يُؤْخَذُ لَهُمْ ثَمَنٌ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمے کے دو جز ہیں:

❶ طرح جيف المشركين في البئر، ❷ولا يؤخذ لهم ثمن.

پہلے جز کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین کو قتل کرنے کے بعد کنوئیں میں پھینکنا جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے، تاکہ گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو، بشرطیکہ کنوئیں میں پانی نہ ہو اور وہ ویسے ہی ویران پڑا ہوا ہو، ورنہ جائز نہیں ہوگا(۱)۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشرکین کی اس میں اہانت ہے، جب کہ تدفین وتکفین اعزاز ہے اور مشرکین اس اعزاز کے مستحق نہیں۔

جیف کا ضبط اور معنی

جِيَف -بكسر الجيم وفتح الياء- جيفة کی جمع ہے اور اس کے معنی لاش کے ہیں، جب وہ بو چھوڑنے لگے(۲)۔

دوسرے جزء کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین کے اجسام ولاشوں کی بیع جائز نہیں ہے، اس لیے اگر ان کے ورثہ لاش کے بدلے قیمت دینا چاہیں تو اس کا لینا جائز نہیں ہوگا(۳)۔

یہ جمہور کا مذہب ہے، اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں، كما صرح به النووي رحمه الله(٤).

دلائل جمہور

❶ اس کی ایک دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے

---

(١) عمدة القاري: ١٠٥/١٥، وشرح ابن بطال: ٣٦٨/٥، وإرشاد الساري: ٢٤٦/٥.

(٢) عمدة القاري: ١٠٥/١٥، والنهاية للجزري: ٣٢٥/١، باب الجيم مع الياء.

(٣) عمدة القاري: ١٠٥/١٥، وشرح ابن بطال: ٣٦٨/٥، وإرشاد الساري: ٢٤٦/٥.

(٤) قال رحمه الله: "وأما الميتة والخمر والخنزير، فأجمع المسلمون على تحريم بيع كل واحد منها". انظر شرح النووي على مسلم: ٢٣/٢.

روایت کیا ہے کہ مشرکین نے چاہا کہ کسی مشرک آدمی کے جسد کو خرید یں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا(۱)۔

❷ دوسری دلیل ابن اسحاق کا ذکر کردہ واقعہ ہے کہ مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ نوفل بن عبداللہ کا جسد ہمیں دے دیں، یہ خندق میں کود کر مرا تھا، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا، "لا حاجة لنا في جسده، ولا بثمنه" کہ ہمیں اس کی قیمت کی ضرورت ہے، نہ جسم کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ مشرکین نے نوفل بن عبداللہ کے جسم کی دس ہزار درہم قیمت لگائی تھی (۲)۔

❸ اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ یہ میتہ ہے، جس کا تملک جائز ہے نہ عوض لینا، چناں چہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں میتہ اور بتوں کی قیمت لینے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے(۳)، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

"إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام......"(٤).

کہ "اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے"۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(١) الجامع للترمذي، أبواب الجهاد، باب ماجاء لا تفادى جيفة المشركين، رقم (١٧١٥).

(٢) قال إبن اسحاق: "......: نوفل بن عبدالله بن المغيرة، سألوا رسولَ الله صلى الله عليه وسلم أن يبيعهم جسده، وكان اقتحم الخندق، فتورَّط فيه، فقُتِل، فغلب المسلمون على جسده، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا حاجة لنا في جسده ولا بثمنه، فخلى بينه وبينهم".

قال ابن هشام: "أعطوا رسولَ الله صلى الله عليه وسلم بجسده عشرة آلاف درهم، فيما بلغني عن الزهري". انظر السيرة النبوية: ٣/٢٦٥، قتلى المشركين (في غزوة الخندق).

(٣) ابن بطال: ٥/٣٦٨، وفتح الباري: ٦/٢٨٣، وعمدة القاري: ١٥/١٠٥، والقسطلاني: ٥/٢٤٦.

(٤) الحديث أخرجه البخاري في البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، رقم (٢٢٣٦)، ومسلم في صحيحه في المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة، رقم (٤٠٤٨-٤٠٤٩)، والترمذي في البيوع، باب في بيع جلود الميتة، رقم (١٢٩٧)، وأبوداود في الإجارة، باب في ثمن الخمر والميتة، رقم (٣٤٨٦)، والنسائي في البيوع، باب بيع الخنزير، رقم (٤٦٦٩)، وابن ماجه في التجارات، باب ما لا يحل بيعه، رقم (٢١٦٧).

"ولا يؤخذ لهم ثمن"؛ فإن البيع وإن كان فيه توهين للمبيع، ولكنه لايخلو عن إعزاز له أيضاً؛ لما فيه من جعله ذا خطر؛ إذ البيع لايجري فيما لا رغبة فيه، ولا هو ذوخطر، فنُهينا عن بيع أجساد المشركين؛ لئلا يلزم فيه إعزازها"(۱).

جس کا مطلب یہ ہے کہ ''اجساد مشرکین کا عوض نہیں لیا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کی وجہ سے اگرچہ مبیع کی توہین ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں اس کا اعزاز واکرام بھی ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حیثیت تھی تبھی تو قابل فروخت ہوئی، کیوں کہ بیع تو ان اشیاء کی ہوتی ہی نہیں، جن میں لوگوں کی رغبت نہ ہو، جن کی حیثیت نہ ہو، اسی لیے ہمیں اجساد مشرکین کی فروخت سے منع کیا گیا، تاکہ اس بیع کی وجہ سے ان کا اعزاز لازم نہ آئے، چناں چہ مطلقاً ممانعت کردی گئی، اس طرح ان میں لوگوں کی رغبت ہوگی نہ ان کے نزدیک ان اجساد کی کوئی حیثیت''۔

٣٠١٤ : حدّثنا عَبْدَانُ بْنُ عُثْمَانَ قالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ[۲] رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُ قالَ : بَيْنَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ساجِدٌ ، وَحَوْلَهُ ناسٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ؛ إِذْ جاءَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ بِسَلَى جَزُورٍ ، فَقَذَفَهُ عَلَى ظَهْرِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ حَتَّى جاءَتْ فاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ ، فَأَخَذَتْ مِنْ ظَهْرِهِ ، وَدَعَتْ عَلَى مَنْ صَنَعَ ذٰلِكَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللَّهُمَّ عَلَيْكَ الْمَلَأَ مِنْ قُرَيْشٍ ، اللَّهُمَّ عَلَيْكَ أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ ، وَشَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ ، وَعُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ ، وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ ، أَوْ : أُبَيَّ بْنَ خَلَفٍ) . فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ قُتِلُوا يَوْمَ بَدْرٍ ، فَأُلْقُوا فِي بِئْرٍ ، غَيْرَ أُمَيَّةَ أَوْ أُبَيٍّ ، فَإِنَّهُ كانَ رَجُلاً ضَخْمًا ، فَلَمَّا جَرُّوهُ تَقَطَّعَتْ أَوْصَالُهُ قَبْلَ أَنْ يُلْقَى فِي الْبِئْرِ . [ر : ٢٣٧]

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ کتاب الوضوء(۳) میں گذر چکی ہے۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے اور آپ کے

(۱) لامع الدراري: ۳۲۸/۷.

(۲) قوله: "عن عبدالله رضي الله عنه": الحديث، مر تخريجه في الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر ......

(۳) كتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر......

گرد اگرد قریش کے کچھ مشرکین بیٹھے تھے، اچانک عقبہ بن ابی معیط آپ علیہ السلام کے پاس اونٹ کی بچہ دانی لے کر آیا، جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر ڈال دی، چناں چہ نبی علیہ السلام نے اپنا سر سجدے سے نہیں اٹھایا، یہاں تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور وہ بچہ دانی آپ کی پیٹھ سے ہٹادی، جن لوگوں نے یہ غلیظ حرکت کی تھی ان کے لیے بددعا فرمائی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے بددعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! قریش کے اس گروہ کی گرفت فرما، اے اللہ! ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف یا ابی بن خلف (راوی کو شک ہے) کی گرفت فرما۔ (راوی حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ) بخدا! میں نے ان سب کو دیکھا کہ وہ غزوہ بدر میں مارے گئے، چناں چہ ان سب کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا، سوائے امیہ یا ابی کے، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ بڑے ڈیل ڈول کا آدمی تھا، جب اس کو صحابہ نے کھینچا تو اس کے اعضاء یا جوڑ کھل گئے، قبل اس کے کہ اس کو کنوئیں میں ڈالا جائے۔

حدیث کے آخری جز "فإنه كان رجلا......" کی تشریح

اس حدیث کے آخری جز میں ایک لفظ اوصال آیا ہے، جو وصل کی جمع ہے، اس کے معنی عضو کے بھی ہیں اور جوڑ کے بھی (۱) اور مذکورہ جملے کا مطلب یہ ہے کہ جب صحابہ نے امیہ بن خلف کو کنوئیں میں ڈالنے کے لیے کھینچنا چاہا تو ممکن نہ ہوا، کیوں کہ اس کے اعضاء ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی تھی کہ وہ رمضان کے ایام تھے اور بہت گرمی تھی (۲)، چناں چہ مرنے کے بعد کافی دیر اسی حالت میں پڑے رہنے کی وجہ سے ان کے جسم پھول گئے اور سیاہ پڑ گئے تھے، لہٰذا جب ان کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو امیہ بن خلف چوں کہ بھاری جسم کا تھا، اس لیے ممکن نہ ہوا کہ اس کو کنوئیں میں ڈالا جائے، اس لیے اس کو اسی حال پر چھوڑ دیا گیا (۳)۔

اس حدیث کی دیگر تشریحات کتاب الجہاد اور کتاب المغازی میں آچکی ہیں (۴)۔

---

(۱) مجمع بحار الأنوار: ٥/٦٣، مادة وصل، باب: و، ص.

(۲) كما في المغازي: "وكان يوما حارا"، باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم على ......، رقم (٣٩٦٠).

(۳) لامع الدراري وتعليقاته: ٧/٣٢٨.

(٤) كشف الباري، كتاب الجهاد: ١/٧٣٠-٧٣٣، وكتاب المغازي: ١٠٠.

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

ترجمۃ الباب کے جزءِ اول کے ساتھ تو حدیث کی مطابقت اس جملے میں ہے، ”......فألقوا في بئر“ جس سے اس فعل کا جواز صراحۃً معلوم ہورہا ہے کہ مشرکین کی لاشوں کو غیر آباد کنوئیں میں ڈالنا جائز ہے۔

ترجمہ کے دوسرے جز کے ساتھ حدیث کی مناسبت بایں معنی ہے کہ عرفاً یہ امر معلوم ہے کہ ان مقتولین کے ورثہ کی سمجھ میں اگر یہ بات آجاتی کہ اگر ہم مال خرچ کریں گے تو ان لاشوں کا حصول ممکن ہوگا اس کے باوجود انہوں نے یہ کوشش نہ کی، کیوں کہ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ یہ کوشش ضائع جائے گی، اس پر ترمذی کی مذکورہ بالا حدیث بھی دلالت کررہی ہے(۱)، جس کو سابق میں ہم نے بیان کیا، اسی طرح ابن اسحاق کی روایت کی دلالت بھی اس معاملے میں واضح ہے، بقول حافظ ابن حجر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما کا حدیث باب سے مذکورہ مسئلے پر استدلال اسی نکتے وعرف کی بنیاد پر ہے(۲)۔

حدیث باب سے مستنبط ایک فائدہ

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ہر بنی آدم، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، کی میت کو چھپانا اور اس کو دفن کرنا فرض ہے، لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے بھلے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، اس کا اختیار کرنا ضروری ہے، اس کی وجہ اور دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم ہے، جس میں مشرکین کو بدر کے کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور کھلی جگہ پر انہیں چھوڑے نہیں رکھا گیا، اس لیے اس معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا و پیروی زیادہ بہتر و مستحب ہے، لیکن موقع محل کی نزاکت کو بہرحال مدنظر رکھا جائے، یہ نہ ہو کہ...... مسلمان کفن دفن میں مصروف ہوں اور دشمن دوبارہ حملہ کردے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل حرب مشرکین کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہو تو وہ مشرکین جو اہل عہد وذمہ ہیں، اگر ان کا کوئی بندہ مرجائے، اس کا کوئی ولی نہ ہو، نہ کوئی ہم مذہب اور مسلمان وہاں موجود ہوں تو سنت

(۱) اس حدیث پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے، لیکن یہ شاہد بن سکتی ہے، دیکھیے، جامع ترمذي، أبواب الجهاد، باب لا تفادى جيفة ......، رقم (۱۷۱۵)، وفتح الباري: ۲۸۳/٦، وشرح ابن بطال: ۳٦۸/۵.

(۲) شرح ابن بطال: ۳٦۸/۵، والمتواري: ۱۹۹، وفتح الباري: ۲۸۳/٦، وتعليقات اللامع: ۳۲۸/۷.

کی رو سے اس کی میت کو چھپانا اور دفن کرنا اولی واحسن ہے۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب کی وفات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا "اذهب فواره ......"(۱). کہ "جاؤ! اور ان کو چھپادو"۔

ہاں! اگر کسی مصروفیت یا مانع کی وجہ سے مسلمان یہ نہ کریں تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر مغازی جن میں قتل بھی ہوا، ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں جس کا ذکر بدر کے حوالے سے ہوا کہ مشرکین کی لاشوں کو چھپادیا گیا تھا"(۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۱ – باب : إِثْمِ الْغَادِرِ لِلْبَرِّ وَالفَاجِرِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ بدعہدی کرنا گناہ ہے، چاہے یہ بدعہدی کسی نیک آدمی کے ساتھ کی جائے یا کسی برے آدمی کے ساتھ، بدعہدی کرنے والا خواہ نیک ہو یا بد، چناں چہ حافظ صاحب اور علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہ لکھتے ہیں:

"أي: سواء كان من بر لفاجر أو برّ، ومن فاجر لبر أو فاجر"(۳).

اس لیے چھٹکارہ کسی صورت میں نہیں، ہر حال میں گناہ گار ہوگا اور یہ نفاق کی علامت ہے۔

حافظ علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں کہ اس باب اور تین ابواب قبل، جو ترجمہ (باب إثم من عاهد ثم

(۱) الحديث أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه: ۳۷۹/۷، و۳۸۱، كتاب الجنائز، باب في الرجل يموت له القرابة المشرك: يحضره أم لا؟ رقم (۱۱۹٦۲) و(۱۱۹۷۰)، وأبوداود في الجنائز، رقم (۳۲۱٤)، والنسائي في الطهارة، رقم (۱۹۰)، وانظر كذلك تعليقات محمد عوامه على المصنف، كتاب الجنائز، باب في المسلم يغسّل المشرك......، رقم (۱۱۲٦۷)، اس معنی میں دیگر احادیث بھی موجود ہیں، سنن بیہقی میں عمر بن يعلى بن مرة عن أبيه کے طریق سے مروی ہے، حضرت یعلی فرماتے ہیں، سافرت مع النبي صلى الله عليه وسلم غير مرة، فما رأيته مر بجيفة انسان إلا أمر بدفنه، لا يسأل أمسلم هو أم كافر". سنن كبرى: ۲۸٦/۳، كتاب الجنائز، باب وجوب العمل في الجنائز من الغسل ......، رقم (٦٦۱۷).

علاوہ ازیں دیکھیے، مصنف ابن ابی شیبہ کا مذکورہ بالا باب: ۷/۳۷۸-۳۸۱۔

(۲) شرح ابن بطال: ۳٦۹/۵-۳۷۰.

(۳) فتح الباري: ۲۸٤/٦، وعمدة القاري: ۱۰٦/۱۵.

غــدر) گذرا، کے درمیانی عموم وخصوص کی نسبت ہے (۱)، مطلب یہ ہے کہ گذشتہ جو باب گذرا وہ عام تھا اور باب ہذا خاص ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ دونوں ابواب میں فرق یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں گناہ کی نوعیت کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ غدر کی مختلف نوعیتیں ہیں، اسی حساب سے ان کے گناہ بھی ہیں، اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلب کو بیان کرنے کے لیے مختلف تراجم قائم فرمائے ہیں (۲)۔

اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ براور فاجر دونوں کے ذکر کی توجیہ کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لـمـا كان من الأمور المنكرة مالا كراهة فيه إذا ارتكبها مؤمن كامل في إيـمـانـه، ولا يمكن من ارتكابه الفاسق الغير الآمن على إيمانه توهم أن الغدر لعله من هذا القبيل، فرفعه بإطلاق الرواية، ولفظِ "كل" الدالِ على العموم"(۳).

جس کا مطلب یہ ہے کہ امور منکرہ میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کا ارتکاب کوئی مومن کامل کرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہوتی، اس کو برا نہیں سمجھا جاتا، لیکن اگر وہی عمل کوئی فاسق اور ناقص مسلمان کرے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جاتی اور روکا جاتا ہے، جیسا کہ یوم الشک کا روزہ ہے، چوں کہ غدر اور بدعہدی کے متعلق بھی یہ وہم کسی کو لاحق ہوسکتا تھا کہ یہ بھی اس قبیل سے ہے کہ مومن کامل کرے تو کوئی حرج نہیں اور غیر کامل کرے تو گناہ گار، اسی وہم کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے اطلاق اور لفظ ''کل'' جو عموم پر دلالت کرتا ہے، کے ذریعے دور کیا ہے کہ بدعہدی خواہ نیک کرے یا بد، دونوں گناہ گار ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۰۱۵ : حدّثنا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سُلَيْمانَ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ . وَعَنْ ثابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ[٤]، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ : (لِكُلِّ غادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيامَةِ ، قالَ أَحَدُهُما : يُنْصَبُ ، وَقالَ الآخَرُ : يُرَى يَوْمَ الْقِيامَةِ ، يُعْرَفُ بِهِ) .

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٨٤.

(٢) الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ١/٢٠٩.

(٣) حواله بالا، ولامع الدراري: ٧/٣٢٩.

(٤) قـولـهـمـا: "عـن عبدالله، وعـن أنـس رضي الله عنهما": أما حديث عبدالله فأخرجه البخاري في هذا الموضع فقط، وأخرجه مسلم في الجهاد، باب في تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٣-٤٥٣٥)، وابن ماجه، كتاب =

تراجم رجال

۱– ابو الولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب علامة الإیمان حب الأنصار" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۲– شعبه

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من ......" کے تحت آچکے ہیں (۲)۔

۳– سليمان الأعمش

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت آچکا ہے(۳)۔

٤– ابو وائل

یہ ابووائل شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله......" کے تحت گذر چکا ہے(۴)۔

٥– عبدالله

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون

= الجهاد، باب الوفاء بالبيعة، رقم (۲۸۷۲)، أما حديث أنس فأخرجه البخاري في هذا الموضع، وأخرجه مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٦).

(۱) كشف الباري: ۲/ ۳۸.

(۲) كشف الباري: ۱/ ٦٧٨.

(۳) كشف الباري: ۲/ ۲٥۱.

(٤) كشف الباري: ۲/ ٥٥٩.

ظلم" کے تحت گذر چکے(۱)۔

٦- ثابت

یہ ابومحمد ثابت بن اسلم بُنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا تذکرہ كتاب العلم، "باب القراءة والعرض على المحدث" کے تحت گذر چکا(۲)۔

۷- انس

انس رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب من الإيمان......" میں آچکے(۳)۔

سندِ حدیث سے متعلق ایک اہم وضاحت

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث کو دو صحابی ایک ساتھ روایت کر رہے ہیں، مذکورہ بالا سند میں "وعن ثابت......" کے جو الفاظ ہیں، ان کے قائل حضرت شعبہ بن الحجاج ہیں، مسلم شریف کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، جس کا طریق یہ ہے، "عبدالرحمن بن مهدي عن شعبة عن ثابت عن أنس"(٤). اورامام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو "أبوخليفة عن أبي الوليد شيخ البخاري" کے طریق سے دونوں سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے اور دونوں جگہ یہ فرمایا کہ اس سے اس شخص (٥) پر رد ہو رہا ہے، جس نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ ابوالولید پر عطف ہے، اس طرح یہ روایت "الأعمش عن ثابت......" کے طریق سے ہوگی، جب کہ درحقیقت ایسا نہیں، بلکہ یہ "شعبة عن ثابت......" کے طریق سے ہے۔اس کے علاوہ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تہذیب (٦) میں روایتِ اعمش عن ثابت کو بخاری میں شامل نہیں کیا ہے اور اس پر بخاری کی علامت نہیں لگائی ہے (۷)۔

---

(١) كشف الباري: ٢/٢٥٧.

(٢) كشف الباري: ٣/١٨٣.

(٣) كشف الباري: ٢/٤.

(٤) انظر صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٦).

(٥) قال به الكرماني أيضاً، انظر شرحه الكواكب الدراري: ١٣/١٤٧، وعمدة القاري: ١٥/١٠٦.

(٦) تهذيب الكمال: ١٢/٧٧. (ترجمة سليمان بن مهران الأعمش رحمه الله).

(٧) فتح الباري: ٦/٢٨٤.

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لكل غادر لواء يوم القيامة

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا۔

قال أحدهما ينصب وقال الآخر: يرى يوم القيامة يعرف به.

دونوں میں سے ایک نے فرمایا کہ نصب کیا جائے گا اور دوسرے نے فرمایا جو دکھایا جائے گا، اس سے وہ پہچانا جائے گا۔

اس حدیث کی مسلم شریف کی جو روایت ہے، اس میں نہ تو کلمہ "ینصب" ہے نہ "یری" (۱) یہاں رواۃ کو شک ہوا ہے کہ ایک نے تو "ینصب" نقل کیا ہے، دوسرے نے "یری"۔ لیکن اس سے روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ دونوں روایتیں بخاری کی شرط پر ہیں، یہاں شک کو ذکر کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ التباس نہ ہو جائے (۲)۔

٣٠١٦ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا[٣] قالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (لِكُلِّ غادِرٍ لِوَاءٌ يُنْصَبُ بِغَدْرَتِهِ) .
[٥٨٢٣ ، ٥٨٢٤ ، ٦٥٦٥ ، ٦٦٩٤]

(١) حواله بالا، وصحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٦).

(۲) یہ علامہ عینی (۱۵/۱۰۶) کی رائے ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرنے والے رواۃ کو شک ہوا ہے، لیکن یہ کون ہیں، معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ ہماری رائے یہ ہے کہ أحدہما سے مراد حضرت ابن مسعود اور الآخر سے حضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں، اس پر قرینہ غالباً یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو دونوں صحابہ سے ایک ساتھ نقل کیا ہے، اس لیے ان کلمات کا قریب ترین محمل یہی دونوں صحابہ ہو سکتے ہیں، خصوصاً جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا صرف ایک ہی طریق بیان کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

(٣) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري، كتاب الأدب، باب ما يدعى الناس بآبائهم، رقم (٦١٧٧-٦١٧٨)، وكتاب الحيل، باب إذا غصب جاريته فزعم ......، رقم (٦٩٦٦)، وكتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً......، رقم (٧١١١)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٢٩-٤٥٣٢)، وأبوداود، أبواب الجهاد، باب في الوفاء بالعهد، رقم (٢٧٥٦)، والترمذي، أبواب السير، =

تراجم رجال

۱– سليمان بن حرب

یہ سلیمان بن حرب الواشحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، "باب من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن......" کے تحت گزر چکا(۱)۔

۲– حماد

یہ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المعاصي من أمر الجاهلية......" کے تحت گذر چکے(۲)۔

۳– ايوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب الإیمان، "باب حلاوة الإيمان" کے تحت آچکا ہے(۳)۔

٤– نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، "باب ذكر العلم والفتيا في المسجد" کے تحت گذر چکا(۴)۔

٥– ابن عمر

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإيمان......" میں آچکے(۵)۔

= باب ماجاء أن لكل غادر لواءً......، رقم (١٥٨١).

(١) كشف الباري: ٢/١٠٥.

(٢) كشف الباري: ٢/٢١٩.

(٣) كشف الباري: ٢/٢٦.

(٤) كشف الباري: ٤/٦٥١.

(٥) كشف الباري: ١/٦٣٧.

قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لكل غادر لواء ينصب لغدرته.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر عہد شکن کے لیے (قیامت کے دن) ایک جھنڈا ہوگا، جو اس کی بدعہدی کی وجہ سے گاڑا جائے گا۔

بغدرته کی باء میں احتمالات

بغدرته کی باء یا توسببیہ ہے یا صرف جارہ ہے، دونوں صورتوں میں غدرته مجرور بحذف المضاف ہے، جو کلمۂ سبب ہے یا کلمۂ قدر، أي بسبب غدرته في الدنيا أو بقدر غدرته"(١). مطلب یہ ہے کہ عہد شکن کے لیے جو جھنڈا گاڑا جائے گا اس کی وجہ اور سبب اس کی دنیا میں مختلف عہد شکنیاں ہوں گی۔

دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں عہد شکنی کی جو مقدار ہوگی، اس کے بقدر جھنڈا بھی بلند ہوگا (٢)۔ اس دوسرے معنی کی تایید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں "بقدر غدره"(٣) کی تصریح ہے (٤)۔

جھنڈا کہاں لگایا جائے گا؟

اکثر روایات میں اس امر کی وضاحت موجود نہیں ہے کہ عہد شکن کو جھنڈا گاڑنے کی جو سزا دی جائے گی، اس کا محل کیا ہوگا؟ ہاں! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف کی روایت میں اس کی تصریح ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، "لكل غادر لواء عند إسته يوم القيامة"(٥) کہ اس کا محل ومقام پشت (دبر) کے اوپر ہوگا۔

"لكل غادر لواء" کے مختلف معانی ومطالب

قیامت والے دن عہد شکن کو جو جھنڈا لگایا جائے گا اس کی وجہ کیا ہوگی؟

---

(١) عمدة القاري: ١٥/١٠٦.

(٢) كما في حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه: "لكل غادر لواء يوم القيامة، يرفع له بقدر غدره......". انظر الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٨).

(٣) حواله بالا.

(٤) فتح الباري: ٦/٢٨٤.

(٥) انظر، صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (٤٥٣٧).

اس کے مختلف جوابات شراح حدیث نے بیان کیے ہیں:

❶ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن عہد شکن کو برسر محشر رسوا کریں گے، دنیا میں اس نے جو بدعہدی کی تھی اس کے بیان کے لیے جھنڈا نصب کیا جائے گا کہ یہ بدعہد ہے اور اس سے یہ پہچانا جائے گا، جس طرح کہ قائد لشکر اپنے جھنڈے سے پہچانا جاتا ہے(۱)۔

❷ علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گویا اس عہد شکن کے ساتھ اس کے قصد وارادے کے برخلاف عمل کیا جائے گا، اس لیے کہ جھنڈا عموماً سر پر ہوتا ہے، لیکن اس کا جھنڈا نیچے ہوگا، کہ اس کی خوب فضیحت ورسوائی ہو، کیوں کہ آنکھیں غالباً جھنڈوں کی طرف اٹھتی ہیں، تو اس بدعہد کا فعل بھی قیامت کے دن اس امر کا باعث وسبب ہوگا کہ لوگوں کی نگاہیں ان جھنڈوں پر مرکوز ہوں گی جو اس بدعہد کے لیے نصب کیے گئے۔ اس طرح اس کی خوب فضیحت ورسوائی ہوگی (۲)۔

❸ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لكل غادر لواء" کے اس جملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو اسی فعل کے ساتھ مخاطب کیا ہے جو وہ خود بھی کرتے تھے۔ چناں چہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ وفا کے لیے سفید جھنڈا اور بدعہدی کے لیے سیاہ جھنڈا بلند کرتے تھے (یعنی یہ دونوں رنگ ان دونوں افعال پر دلالت کرتے تھے)، تاکہ لوگ بدعہدی کے مرتکب کو لعنت ملامت کریں، اس کی مذمت کریں، اس لیے حدیث کا مقتضا بھی یہی ہے کہ بدعہد کے ساتھ قیامت والے دن اسی طرح ہو کہ اس کا یہ فعل مشہور ہو جائے اور اہل محشر اس کی مذمت کریں۔ جہاں تک وفاداری کا تعلق ہے اس کی بابت کوئی حدیث تو وارد نہیں ہوئی، لیکن یہ بعید نہیں کہ اس کی مدح وتعریف کے لیے بھی اسی طرح ہو کہ جھنڈا بلند کیا جائے اور لوگ اس کی مدح کریں، خصوصاً جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "لواء الحمد" کا ہونا ثابت ہو (اس لیے لواء الوفاء کا ہونا بھی بعید نہیں) (۳)۔

احادیث ثلاثہ کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت

اوپر تین احادیث کا ذکر آیا ہے، ایک حضرت ابن مسعود کی، دوسری حضرت انس کی اور تیسری حضرت

(۱) كتاب الميسر: ۳/۸۵۹، رقم (۲۷۰۷)، وعمدة القاري: ۱۰٦/۱۵.

(۲) فتح الباري: ٦/۲۸٤.

(۳) حواله بالا، والمفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، باب النهي عن الغدر، من كتاب الجهاد: ۱۱/٥٤.

ابن عمر رضی اللہ عنہم کی، ان تینوں احادیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ان کلمات میں موجود ہے، "لکل غادر لواء......" کیوں کہ لفظ "کل" عموم پر دلالت کرتا ہے، جس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ غدر، خواہ نیک سے صادر ہو یا بد سے، بہر حال مذموم اور گناہ کا کام ہے(۱)۔

حدیث سے مستنبط بعض فوائد

غدر وعہد شکنی حرام ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ غدر حرام ہے، خصوصاً جب اس کا مرتکب حاکم یا والی ہو، کیوں کہ اس کی عہد شکنی کا ضرر ونقصان متعدی ہوتا ہے اور مخلوقِ خدا اس سے متاثر ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ حاکم چوں کہ ایفائے عہد پر قادر ہوتا ہے، اس کے لیے کوئی مانع نہیں ہوتا، اس لیے اس سے بدعہدی کا صدور سمجھ میں نہیں آتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مشہور تو یہ ہے کہ یہ حدیث اس حاکم ووالی کی مذمت میں وارد ہوئی ہے، جو اُن وعدوں کو پورا نہ کرے جو اس نے رعیت سے کیے، یا اپنی فوج سے۔ یا اس ولایت وحکومت کے تقاضوں کو پورا نہ کرے، جن کا ذمہ اس نے لیا ہے۔

چناں چہ جب اس نے خیانت کی اور رعیت کے ساتھ نرمی ومہربانی کا سلوک روا نہ رکھا تو اس نے اپنے عہد ووعدے کے ساتھ غداری کی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حدیث کی مراد رعیت کو امام کی نافرمانی سے روکنا ہے، چناں چہ رعیت کو روا نہیں کہ وہ امام کے خلاف خروج وبغاوت کرے اور اس کی نافرمانی کے درپے ہو، کیوں کہ اس پر بہت سے فتنے ابھر سکتے ہیں۔

---

(۱) قال المهلب: "أخبر عليه السلام أن عقوبة الغادر يوم القيامة أن يرفع له لواء؛ ليعرف الناس بغدرته، فينظرون منه بعين المعصية، وهذه عقوبة من نوع ما قال الله في عاقبة الكاذبين على الله: ﴿ويقول الأشهاد هؤلاء الذين كذبوا على ربهم﴾ [هود: ١٨]، وإنما قال البخاري: باب "إثم الغادر للبر والفاجر" لعموم قوله عليه السلام: "لكل غادر لواء......" فدخل فيه من غدر من بر أو فاجر، دل أن الغدر حرام لجميع الناس، برهم وفاجرهم؛ لأن الغدر ظلم، وظلم الفاجر حرام كظلم البر التقي". انظر شرح ابن بطال: ٥/٣٧٠-٣٧١.

پھر قاضی صاحب پہلے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں، "والصحيح الأول"(۱).

لیکن حدیث کو کسی ایک معنی کے ساتھ خاص کرنا مناسب نہیں، جب کہ وہ دوسرے معانی کو بھی محتمل ہو، اسی لیے حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ اس حدیث کو عموم پر حمل کرنے میں کیا مانع ہے؟ پھر راوی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس سے وہی معنی مراد لیتے ہیں، جس کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مرجوح قرار دیا ہے، چناں چہ کتاب الفتن کی روایت میں یہ زیادتی بھی مروی ہے:

"وإنا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله، وإني لا أعلم غدرا أعظم من أن يبايع رجل على بيع الله ورسوله، ثم ينصب له القتال، وإني لا أعلم أحدا منكم خلعه، ولا بايع في هذا الأمر إلا كانت الفيصل بيني وبينه"(۲).

مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس آدمی (یزید بن معاویہ) کے ہاتھ پر اللہ ورسول کی شرط پر بیعت کی ہے اور میرے نزدیک اس سے بڑی کوئی عہد شکنی نہیں کہ ایک آدمی کے ہاتھ پر اللہ ورسول کی شرط پر بیعت کی جائے، پھر اس سے لڑا بھی جائے، اگر مجھے تم (اہل خانہ وخدام) میں سے کسی کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ اس نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی ہے یا اس معاملے میں ان کی بیعت اختیار نہیں کی ہے تو میرے اور اس کے درمیان فیصلہ ہوگا (یعنی میرا اور اس کا تعلق ختم ہو جائے گا)۔

اس لیے حدیث کو عموم پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم (۳)

قیامت کے دن کس نسبت سے پکارا جائے گا؟

حدیث باب کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: "هذه غدرة فلان بن فلان"(٤) کہ جھنڈا

---

(١) فتح الباري: ٦/٢٨٤، وإكمال المعلم شرح مسلم للقاضي عياض: ٦/١٩-٢٠، باب تحريم الغدر.

(٢) الصحيح للبخاري، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً، ثم ......، رقم (٧١١١).

(٣) فتح الباري: ٦/٢٨٤، وبه قال العيني في العمدة: ١٥/١٠٦.

(٤) مثلاً دیکھیے، صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب ما يدعى الناس بآبائهم، رقم (٦١٧٧-٦١٧٨)، وكتاب الفتن، باب من قال عند قوم شيئاً......، رقم (٧١١١).

لگانے کے بعد مزید رسوائی کے لیے یہ اعلان بھی ہوگا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی (کا نتیجہ) ہے، اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اولاد کو ان کے آباء کی نسبت سے پکارا جائے گا۔

جب کہ طبرانی کی ایک روایت، جو ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اولاد کو ماؤں کی نسبت سے پکارا جائے گا......(۱)۔

اس تعارض کے دو جوابات ہیں:

❶ طبرانی کی مذکورہ بالا روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے، اس لیے اس سے استدلال درست نہیں اور مقابلہ میں صحیحین وغیرہ کی روایت ہے، پھر ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے، جس میں نسبۃ إلی الآباء کی صراحت ہے: "إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم، وأسماء آبائكم، فأحسنوا أسمائكم" (۲).

❷ اگر نسبت إلى الأمهات والی روایت درست تسلیم کر بھی لی جائے تو حدیث باب میں ذکر کردہ امر اس عام سے خاص ہوگا، چنانچہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وإن ثبت أنهم يدعون بأمهاتم فقد يخص هذا من العموم" (۳).

---

(۱) المعجم الكبير: ۸/۲۵۰، رقم (۷۹۷۹)، سعيد بن عبدالله الأودي عن أبي أمامة، ومجمع الزوائد: ۴۵/۳، الجنائز، باب تلقين الميت بعد دفنه، وقال الهيثمي: "وفي إسناده جماعة لم أعرفهم"، والجامع الكبير للسيوطي: ۳۴۹/۱، حرف الهمزة، رقم (۲۵۷۱)، وتهذيب سنن أبي داود لابن قيم: ۴۵۴/۲، باب مايدعى الناس......، وأخرج ابن عدي من حديث أنس مثله، وقال: "منكر" انظر الكامل له: ۳۴۳/۱، ولسان الميزان: ۵۲۳/۱، ترجمة إسحاق بن إبراهيم الطبري، رقم (۱۰۸۳).

(۲) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء، رقم (۴۹۴۸)، والسنن الكبرى للبيهقي: ۵۱۵/۹، كتاب الضحايا، باب ما يستحب أن يسمى به، رقم (۱۹۳۰۸)، وسنن الدارمي: ۳۸۰/۲، كتاب الإستئذان، باب في حسن الأسماء، رقم (۲۶۹۴)، وشرح السنة للبغوي: ۳۸۲/۶، كتاب الاستئذان......، باب تحسين الأسماء، رقم (۳۲۵۳)، وموارد الظمآن، كتاب الأدب، باب ماجاء في الأسماء، رقم (۱۹۴۴)، ومسند أحمد: ۱۹۴/۵، رقم (۲۲۰۳۵)، وشعب الإيمان: ۳۹۳/۶، باب في حقوق الأولاد...... الستون من شعب......، رقم (۸۶۳۳).

(۳) فتح الباري: ۲۸۴/۶، نیز دیکھیے، فتح الباري: ۵۶۳/۱۰، وشرح ابن بطال: ۳۳۵/۹.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر کتاب الادب میں مستقل ترجمہ بھی قائم کیا ہے(۱)۔

واللہ اعلم بالصواب

۳۰۱۷ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، عَنْ طَاوُسٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا[۲] قالَ : قالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ : (لَا هِجْرَةَ ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ ، وَإِذَا ٱسْتُنْفِرْتُمْ فَٱنْفِرُوا) . وَقالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ : (إِنَّ هٰذَا ٱلْبَلَدَ حَرَّمَهُ ٱللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ، فَهْوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ ٱللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ، فَهْوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ ٱللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا ، وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهُ) . فَقَالَ الْعَبَّاسُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِلَّا الْإِذْخِرَ ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ ، قالَ : (إِلَّا الْإِذْخِرَ) . [ر : ۱۵۱۰]

تراجم رجال

۱ – علی بن عبداللہ

یہ مشہور محدث علی بن عبداللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کا ترجمہ كتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت آچکا(۳)۔

۲ – جریر

یہ جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳ – منصور

یہ منصور بن معتمر سلمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دونوں حضرات کا تذکرہ كتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم......" کے تحت گذر چکا(۴)۔

(۱) صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب مايدعى الناس بآبائهم، حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب الأدب: ۵۹٦-۵۹۷، والأبواب والتراجم للكاندهلوي: ۲/۱۱۸.

(۲) قوله: "عن ابن عباس رضي الله عنهما": الحديث، مر تخريجه في الحج، باب لايحل القتال بمكة.

(۳) كشف الباري: ۳/۲۹۷.

(٤) كشف الباري: ۳/۲٦۸-۲۷۲.

٤- مجاهد

یہ مفسر کبیر حضرت مجاہد بن جبر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت بیان ہو چکے(۱)۔

٥- طاؤس

یہ طاوس بن کیسان یمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں(۲)۔

٦- ابن عباس رضي الله عنهما

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے تحت آ چکے(۳)۔

باب کی چوتھی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، اس حدیث کی شرح ماقبل میں مختلف مقامات پر گذر چکی ہے(۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں کچھ غموض ہے، جس کو دور کرنے کے لیے مختلف حضرات نے درج ذیل اقوال ارشاد فرمائے ہیں:

❶ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس قول سے ہو سکتی ہے، "وإذا استنفرتم فانفروا" کیوں کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ حکام وولاۃ کے ساتھ بدعہدی نہ کرو اور ان کی مخالفت نہ کرو، وہ اس لیے کہ امام جب نفیر کا حکم دے تو نکلنا واجب ہے، چناں چہ یہی چیز اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ عہد شکنی حرام ہو، "لأن إيجاب الوفاء بالخروج مستلزم لتحريم الغدر"(٥).

---

(۱) كشف الباري: ۳/۳۰۷.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين......

(۳) كشف الباري: ۱/٤۳٥، نیز دیکھیے، كشف الباري: ۲/۲۰٥.

(٤) كشف الباري، كتاب الجهاد: ۱/٥٥-٥٦، و: ۲٤۷، و: ۲/٦٤۸-٦٥۰.

(٥) شرح الكرماني: ۱۳/۱٤۸، وفتح الباري: ٦/۲۸٤، وعمدة القاري: ۱٥/۱۰۷.

❷ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہاں نقل کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں لڑائی و جنگ کو حلال کر کے کوئی عہد شکنی نہیں کی، کیوں کہ یہ تو حکم خداوندی سے تھا، اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دن کے کچھ حصے میں لڑنے کو جائز قرار دیا تھا، اس لیے کوئی یہ نہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں لڑ کر عہد شکنی کی ہے، اس کی وجہ سے ظاہر ہے، کیوں کہ اگر اجازت خداوندی نہ ہوتی تو نبی علیہ السلام کے لیے مکرمہ میں لڑنا ہرگز جائز نہ ہوتا، چناں چہ علامہ کرمانی لکھتے ہیں:

"أو أشار إلى أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يغدر باستحلال القتال بمكة؛ بل كان بإحلال الله له ساعة، ولولا ذلك لما جاز له"(١).

اور یہی رائے علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے(٢)۔

❸ ترجمہ اور حدیث ابن عباس کی مناسبت بیان کرتے ہوئے ابن بطال فرماتے ہیں:

اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں کی حیثیت بندوں کے لیے بمنزلہ عہود و میثاق کے ہے، گویا اللہ تعالی نے ان سے اس بات کا عہد لیا ہے کہ وہ ان محارم و منہیات کا ارتکاب نہیں کریں گے، چناں چہ جو شخص ان کے خلاف ورزی کرے گا گویا اس نے ان عہود کو پورا نہیں کیا اور اللہ تعالی کے ساتھ کردہ وعدے کی خلاف ورزی کی اور عہود کو پورا نہ کرنے والا، ان کی خلاف ورزی کرنے والا غادرین و عہد شکنوں میں سے ہے(٣)۔

❹ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا تو اس کے باشندوں پر احسان و فضل کیا، خواہ مسلمان ہوں، یا منافقین اور یہ بات واضح ہے کہ ان میں منافقین بھی تھے، پھر آپ علیہ السلام نے یہ بات بتلائی کہ مکہ مکرمہ قیامت تک اللہ تعالی کی حرمت کے ساتھ حرام ہے اور یہ کہ وہاں کسی کے ساتھ قتال حلال و جائز نہیں،

---

(١) شرح الكرماني: ١٣/١٤٩، وفتح الباري: ٦/٢٨٤، وعمدة القاري: ١٥/١٠٧.

(٢) صحيح البخاري بحاشية السندي: ٢/٢٠٦، دار المعرفة، بيروت.

(٣) شرح ابن بطال: ٥/٣٧١، ومثله عن العلامة الكنكوهي رحمه الله في اللامع (٧/٣٢٩)، حيث قال:

"ومطابقته بالترجمة من حيث إنه قال في خطبته يومئذ: "فإن دمائكم وأموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، في شهركم هذا" فكان التعرض بشيء منها غدرا وهتكا لحرمة الله تعالى".

جب معاملہ یہ ہے تو ان میں سے کسی کے ساتھ عہد شکنی جائز و درست نہیں، خواہ وہ نیک ہو یا بد، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امان و معافی ان سب کو عام اور شامل ہے(۱)۔

❺ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقتِ حدیث اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مکہ مکرمہ میں جنگ وجدال حرام ہے، سوائے اس گھڑی کے، جس کی اجازت خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کے لیے دی، اس کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ وہاں مؤمن صالح کو قتل کرنا ہی حرام ہے، کیوں کہ اس سے ہر جگہ اور بقعہ متصف ہے کہ وہاں کسی مؤمن کامل کے قتل کی اجازت نہیں ہے، بلکہ مکہ مکرمہ کی تخصیص حرمت اس فاجر کے لیے ہے، جو قتل کا مستحق بھی ہو کہ اس کو مکہ میں بھی قتل کرنا جائز نہیں، اس کی وجہ وہ عہد ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو خاص کیا ہے کہ وہاں قتل فاجر درست نہیں۔

اب اگر کوئی شخص کسی فاجر کو مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں کوئی وعدہ دے، اس سے کوئی عہد کرے تو اس وعدے کو نافذ اور پورا کرنا لازم ہے، اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔

اس طرح پہلی حدیث میں برا اور فاجر کے ساتھ عہد شکنی کرنے کا جو عموم ہے، اس میں قوت آجائے گی اور دونوں کے ساتھ عہد شکنی کرنا حرام ٹھہرے گا(۲)۔

❻ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو یہاں ذکر فرما کر اس سبب کی طرف اشارہ کیا ہو جو فتح مکہ کا سبب بنا تھا۔

چناں چہ فتح مکہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف قبیلے بنوخزاعہ کے ساتھ عہد شکنی کی تھی، جب بنوخزاعہ اور بنوبکر (جو قریش کے حلیف تھے) کے درمیان لڑائی ہوئی اور قریش نے بنوبکر کی مدد کی اور بنوخزاعہ پر دونوں (قریش و بنوبکر) نے مل کر شب خون مارا اور ان کے بہت سے افراد قتل کر ڈالے، اس طرح قریش اور نبی علیہ السلام کے درمیان دس سال کے لیے جو معاہدۂ صلح ہوا تھا، اس کو قریش نے توڑ ڈالا۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۵/۳۷۱.

(۲) المتواري على تراجم أبواب البخاري: ۲۰۰.

اس نقض عہد کا انجام قریش کے لیے اس طرح ظاہر ہوا کہ مسلمانوں نے ان پر لشکر کشی کی اور مکہ مکرمہ فتح کرڈالا اور قریش انتہائی ذلیل وخوار ہوکر امان کے طلب گار ہوئے، انہیں قوت وعزت، شان وشوکت کے بعد ذلت ومسکنت کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوگئے، حالانکہ دل سے مسلمان ہونا چاہتے نہ تھے(۱)۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ''البر'' کے ذریعے مسلمانوں کی طرف اور ''الفاجر'' کے ذریعے بنوخزاعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، کیوں کہ ان میں سے اکثر لوگ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے(۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

براعت اختتام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ ہر کتاب کے آخر میں کوئی لفظ اختتام پر دلالت کرنے کے لیے لاتے ہیں، اس سے کتاب کے اختتام کے ساتھ ساتھ انسان کے خاتمے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ جس طرح یہ کتاب ختم ہوگئی اسی طرح تمہاری کتابِ زندگی بھی ایک دن ختم ہوکر بند ہوجائے گی، اس لیے غافل مت رہنا(۳)۔

یہاں براعت اختتام یا خاتمۂ کتاب پر دلالت بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس جملے میں ہے، "فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة" چناں چہ یوم القیامۃ میں انسان کے خاتمہ کی طرف بھی اشارہ ہے(۴)۔

جب کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر کلمات وجمل سے براعت ثابت کی ہے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

❶ "فإذا استنفرتم فانفروا" میں براعت اختتام کی طرف اشارہ ہے۔

---

(۱) تفصیلی واقعے کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب المغازي، باب غزوة الفتح، ۴۹۰-۴۹۲، وسيرة ابن هشام، بدء فتح مكة: ۲/۲۶۳.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۸۵، والأبواب والتراجم للكاندهلوي: ۱/۲۰۹.

(۳) دیکھیے، كشف الباري، بدء الوحي: ۱/۵۵۳.

(۴) فتح الباري: ۱۳/۵۴۳، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ونضع الموازين......﴾، رقم (۷۵۶۱).

❷ "يوم القيامة" میں اس کی طرف دلالت ہے۔

❸ لفظ "الإذخر" براعت پر دال ہے، جو ایک قسم کی گھاس کے لیے مستعمل ہے، اس سے استدلال بایں طور ہے کہ بعض طرق میں اس کے بعد ان الفاظ کی زیادتی بھی مروی ہے، "فإنه لقبورهم" (۱) کہ "وہ ان کی قبروں کے لیے ہے۔" اس میں انسان کے خاتمہ یعنی قبر کا تذکرہ موجود ہے۔

❹ یا یہ کہا جائے گا کہ جہاد سراسر مذکِّر موت ہے کہ یہ موت کو یاد دلاتا ہے (۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

خلاصہ کتاب فرض الخمس والجزیۃ والموادعۃ

کتاب فرض الخمس والجزیہ میں کل 116 حدیثیں ہیں، جن میں سے 17 معلق اور 99 موصول ہیں، ان میں سے 67 سڑسٹھ حدیثیں پہلے گذر چکی ہیں اور 49 حدیثیں ایسی ہیں جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ یہاں ذکر کیا ہے۔ پہلی مرتبہ ذکر کردہ احادیث میں 16 حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی ہے، گویا متفق علیہ حدیثیں 33 ہیں اور اس میں صحابہ وتابعین وغیرہ کے 20 آثار بھی ہیں۔

واللہ اعلم (۳)

وهذا آخر ما أردنا إيراده هنا من شرح أحاديث كتاب الخمس والجزية من صحيح البخاري، رحمه الله تعالىٰ، للشيخ الإمام المحدث الجليل **سليم الله خان**، حفظه الله ورعاه، ومتعنا الله بطول حياته بصحةٍ وعافيةٍ.

---

(۱) رواه ابن عبدالبر من رواية عبدالوارث ...... انظر الاستذكار: ۲۳٦/۷، كتاب الجامع، باب ماجاء في تحريم المدينة، رقم (٦٧٣/٣/٤٥)، نیز دیکھیے، الصحیح للبخاري، كتاب الجنائز، باب الإذخر والحشيش في القبر، رقم (۱۳٤۹).

(۲) الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ۲۰۹/۱.

(۳) فتح الباري: ۲۸٥/٦.

وقد وقع الفراغ من تسويده، وإعادة النظر فيه، ثم تصحيح ملازم الطبع بيوم الثلثاء ٢٧ رمضان المبارك ١٤٣١ھ الموافق ٧ سبتمبر ٢٠١٠م.

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، وصلى الله على النبي الأمي وآله وصحبه وتابعيهم، وسلم عليه ما دامت الأرض والسموات.

رتبه وراجع نصوصه وعلق عليه **حبيب الله محمد زكريا** عضو قسم التحقيق والتصنيف والأستاذ بالجامعة الفاروقية، ووفقه الله تعالىٰ لإتمام باقي الكتب كما يحبه ويرضاه وهو على كل شيء قدير، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، ويليه إن شاء الله **"كتاب بدء الخلق"**.

مصادر ومراجع

١- القرآن الكريم

٢- الآحاد والمثاني، الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٣- الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا الكاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٤٠٢هـ/١٩٨٢م، ايچ ايم سعيد كمپنی، كراچی.

٤- الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، إمام أبو حاتم محمد بن حبان بستي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٥٤هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت.

٥- أحكام القرآن، إمام أبو بكر أحمد بن علي رازي جصاص، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٧٠هـ، دارالكتاب العربي بيروت، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.

٦- أحكام القرآن، الإمام أبو بكر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.

٧- أحكام القرآن، تأليف جماعة من العلماء الربانيين، على ضوء ما أفاده حكيم الأمة أشرف علي التهانوي، رحمه الله، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ.

٨- إحياء علوم الدين، إمام محمد بن محمد الغزالی، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٠٥هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٩- أخبار المدينة، الإمام أبو زيد عمر بن شبة النميری البصري، رحمه الله، المتوفى ٢٦٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٧هـ.

١٠- أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه، الإمام أبو عبد الله محمد بن إسحاق المكي

الفاكهي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٢ﻫ، دار خضر، بيروت ١٤١٤، الطبعة الثانية.

١١- إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، أبو العباس شهاب الدين أحمد القسطلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٩٢٣ﻫ، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر، طبع سادس ١٣٠٤ﻫ.

١٢- الأسامي والكنى، الإمام أبو عبد الله أحمد بن حنبل الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٤١ﻫ، مكتبة دار الأقصى، الكويت، الطبعة الاولى ١٤٠٦ﻫ.

١٣- الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار ......، أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٣ﻫ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١ﻫ.

١٤- الإستيعاب في أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)، أبو عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٣ﻫ، دارالفكر، بيروت، ومطبوع في مجلدين، الطبعة الأولى، ١٤٢٣ﻫ.

١٥- أسد الغابة في معرفة الصحابة، عز الدين أبو الحسين علي بن محمد الجزري المعروف بابن الأثير، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٣٠ﻫ، دارالكتب العلمية، بيروت.

١٦- الأسماء المبهمة، الخطيب البغدادي، رحمه الله، المتوفى ٤٦٣ﻫ.

١٧- الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، العلامة زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٩٧٠ﻫ، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي.

١٨- أعلام الحديث، إمام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٨٨ﻫ، مركز إحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى، مكة مكرمة.

١٩- إعلاء السنن، علامه ظفر أحمد عثماني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٣٩٤ﻫ، إدارة القرآن، كراچی.

٢٠- الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، للإمام محمد بن أحمد الشربيني الخطيب، رحمه الله، المتوفى ٩٧٧ﻫ، دار الفكر، بيروت ١٤١٥ﻫ.

٢١- إكمال تهذيب الكمال، العلامة الهمام علاء الدين مغلطاي بن قليج الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٧٦٤هـ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ.

٢٢- الإكمال في رفع الارتياب عن المؤتلف والمختلف في الأسماء والكنى والأنساب، الأمير الحافظ ابن ماكولا، رحمه الله، المتوفى ٤٧٥هـ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.

٢٣- إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، العلامة القاضي أبو الفضل عياض اليحصبي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ.

٢٤- إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، أبو عبد الله محمد بن خلفة الوشناني الأبي المالكي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٢٧هـ، أو ٨٢٨هـ، دارالكتب العلمية، بيروت.

☆- الأم (انظر كتاب الأم).

٢٥- الأنساب، أبو سعد عبد الكريم بن محمد بن منصور السمعاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٦٢هـ، دارالجنان، بيروت، طبع اول ١٤٠٨هـ/١٩٨٨م.

٢٦- أوجز المسالك إلى مؤطا مالك، شيخ الحديث حضرت مولانا زكريا كاندهلوي، رحمه الله، متوفى ١٤٠٢هـ، مطابق ١٩٨٢م، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ.

٢٧- البحر الرائق شرح كنز الدقائق، العلامة ابن نجيم المصري الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٩٧٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٨- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ملك العلماء علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٩- بداية المجتهد، علامه قاضي أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي، متوفى ٥٩٥هـ، مصر طبع خاص، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.

٣٠- البداية والنهاية، حافظ عماد الدين أبو الفداء اسماعيل بن عمر المعروف بابن كثير، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٧٤هـ، مكتبة المعارف بيروت، طبع ثانی ١٩٧٧م.

٣١- البدر الساري حاشية فيض الباري، حضرت مولانا بدر عالم ميرٹهى صاحب،

رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٣٨٥ﻫ، رباني بك ڈپو، دهلى، ١٩٨٠م.

٣٢- بذل المجهود في حل أبي داود، علامه خليل احمد سهارنپوري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٣٤٦ﻫ، مطبعة ندوة العلماء لكهنؤ ١٣٩٣ﻫ/١٩٧٣م، ومركز الشيخ أبي الحسن الندوي، يو بي، الهند، الطبعة الأولى ١٤٢٧ﻫ.

٣٣- البناية شرح الهداية، العلامة بدر الدين عيني محمود بن أحمد، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٥ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠ﻫ.

٣٤- تاج العروس من جواهر القاموس، أبو الفيض سيد محمد بن محمد المعروف بالمرتضىٰ الزبيدي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٢٠٥ﻫ، دار مكتبة الحياة، بيروت، ودار الهداية.

٣٥- *تاريخ الاسلام اردو، مولانا اكبرشاه نجيب آبادى، نفيس اكيڈمى، اردو بازار كراچى.*

٣٦- تاريخ الأمم والملوك (تاريخ الطبري)، الإمام أبو جعفر محمد بن جرير الطبري، رحمه الله، المتوفى ٣٢ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٢٦ﻫ.

٣٧- تاريخ بغداد أو مدينة السلام، حافظ أحمد بن علي المعروف بالخطيب البغدادي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٦٣ﻫ، دارالكتاب العربي، بيروت.

☆- تاريخ الطبري (انظر تاريخ الأمم والملوك).

٣٨- تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي، المتوفى ٢٨٠ﻫ، عن أبي زكريا يحيى بن معين، المتوفى ٢٢٣ﻫ، دارالمامون للتراث، ١٤٠٠ﻫ.

٣٩- التاريخ الصغير، أمير المؤمنين في الحديث محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٥٦ﻫ، دار المعرفة، بيروت.

٤٠- التاريخ الكبير، أمير المؤمنين في الحديث محمد بن اسماعيل البخاري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٥٦ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٤١- تاريخ مدينة دمشق وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل، أبو القاسم علي بن الحسن ابن هبة الله الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٥٧١ﻫ، دار الفكر، بيروت ١٩٩٥م.

۴۲-تحفہ اثنا عشریہ (فارسی)، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، رحمہ اللہ، متوفی ۱۲۳۹ھ، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان۔

٤٣- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، أبو الحجاج جمال الدين يوسف بن عبد الرحمن المزي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٢هـ، المكتب الإسلامي بيروت، طبع دوم ١٤٠٣هـ.

٤٤- تحفة الباري، شيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصاري، رحمه الله، المتوفى ٩٢٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

٤٥- تدريب الراوي بشرح تقريب النواوي، حافظ جلال الدين عبد الرحمن سيوطي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٩١١هـ، المكتبة العلمية، مدينة منورة.

٤٦- تذكرة الحفاظ، حافظ أبو عبد الله شمس الدين محمد بن عثمان الذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨هـ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.

٤٧- التصريح بما تواتر في نزول المسيح، إمام العصر، المحدث الكبير محمد أنور شاه الكشميري، رحمه الله، المتوفى ١٣٥٢هـ، مكتبة دار العلوم كراتشي.

٤٨- التعليق الممجد المطبوع مع المؤطأ لمحمد، أبو الحسنات محمد عبد الحي اللكنوي، رحمه الله، المتوفى ١٣٠٤هـ، قديمى كتب خانه، كراتشي.

٤٩- تعليقات الخطيب على الفتح المطبوع مع فتح الباري، محب الدين الخطيب، رحمه الله.

٥٠- تعليقات على بذل المجهود، شيخ الحديث محمد زكريا كاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٤٠٢هـ، المكتبة التجارية، ندوة العلماء لكهنؤ، الطبعة الثالثة ١٣٩٣هـ/١٩٧٣م، ومركز الشيخ أبي الحسن الندوي، الهند.

٥١- تعليقات على تحرير تقريب التهذيب الدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب ارنؤوط، حفظهما الله، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

٥٢- تعليقات على تهذيب التهذيب، المطبوع بذيل تهذيب التهذيب.

٥٣- تعليقات على تهذيب الكمال، دكتور بشار عواد معروف، حفظه الله تعالىٰ، مؤسسة الرسالة، طبع أول ١٤١٣ھ.

٥٤- تعليقات على الكاشف للذهبي، شيخ محمد عوامة / شيخ أحمد محمد نمر الخطيب حفظهما الله، مؤسسة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣ھ.

٥٥- تعليقات على الكوكب الدري، مولانا شيخ الحديث محمد زكريا الكاندهلوي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٤٠٢ھ.

٥٦- تعليقات على لامع الدراري، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا صاحب، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٤٠٢ھ/١٩٨٢م، مكتبه امداديه، مكه مكرمه.

٥٧- تعليقات على المصنف، الشيخ محمد عوامه، حفظه الله ورعاه، إدارة القران والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الثانية، ١٤٢٨ھ.

٥٨- تعليقات على المعجم الكبير، حمدي عبد المجيد السلفي، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الثانية.

٥٩- تغليق التعليق، حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٢ھ، المكتب الإسلامي، ودار عمار، والمكتبة الأثرية، لاهور، باكستان.

٦٠- تفسير آيات الأحكام من القرآن، الشيخ محمد على الصابوني، حفظه الله ورعاه، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٥ھ.

٦١- تفسير البغوي المسمى بمعالم التنزيل، الإمام ابو محمد الحسين بن مسعود البغوى، رحمه الله، المتوفى ٥١٦ھ، دار المعرفة، بيروت.

٦٢- تفسير البيضاوي مع حاشية الشهاب، الإمام أبو سعيد عبد الله بن عمر البيضاوي، رحمه الله، المتوفى ٦٨١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤١٧ھ.

☆- تفسير الثعلبي (انظر الكشف والبيان).

٦٣- تفسير السمرقندي المسمى بحر العلوم، الإمام الفقيه نصر بن محمد أبو الليث

السمرقندي، رحمه الله، المتوفى ٣٧٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

☆٦٣- تفسير السمعاني، أبو المظفر منصور بن محمد السمعاني، رحمه الله، المتوفى ٤٨٩هـ، دار الوطن، الرياض، ١٤١٨هـ.

٦٤- تفسير الطبري (جامع البيان)، إمام محمد بن جرير الطبري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣١٠هـ، دار المعرفة، بيروت.

٦٥- تفسير القرآن العظيم، حافظ أبو الفداء عماد الدين إسماعيل بن عمر ابن كثير دمشقي، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٧٤هـ، دار إحياء الكتب العربية.

٦٦- تفسير القرطبي (الجامع لأحكام القرآن)، إمام أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٧١هـ، دار الفكر، بيروت.

٦٧- التفسير الكبير (تفسير الرازي أو مفاتيح الغيب)، الإمام أبو عبد الله فخر الدين محمد بن عمر الرازي، رحمه الله، المتوفى ٦٠٦هـ، مكتب الإعلام الإسلامي، إيران.

٦٨- تفسير المنار، السيد الإمام محمد رشيد رضا المصري، رحمه الله، المتوفى ١٩٣٥م، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٦هـ.

٦٩- تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل)، أبو البركات عبد الله بن أحمد النسفي، رحمه الله، المتوفى ٧١٠هـ، المكتبة العلمية، لاهور، باكستان.

٧٠- تقريب التهذيب، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٥٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٣هـ.

٧١- تقريرات الرافعي المسماة: التحرير المختار لرد المحتار، الإمام العلامة عبد القادر بن مصطفى البيساري الرافعي الحنفي، رحمه الله، المتوفى ١٣٢٣هـ، مكتبه رشيديه، كرائله.

٧٢- التقرير والتحبير في علم الأصول، الجامع بين اصطلاحي الحنفية والشافعية، ابن أمير الحاج رحمه الله، المتوفى ٨٧٩هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

٧٣- تكملة فتح الملهم، مولانا مفتي محمد تقي عثماني صاحب مدظلهم، مكتبه

دار العلوم كراچی، ودار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦هـ.

٧٤- التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله، متوفى ٨٥٢هـ، دار نشر الكتب الإسلامية، لاهور، ودار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٩هـ.

٧٥- تلخيص المستدرك (مع المستدرك)، حافظ شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨هـ، دار الفكر، بيروت.

٧٦- التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد، حافظ أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر مالكي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٦٣هـ، المكتبة التجارية، مكة المكرمة.

٧٧- تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة، الإمام أبو الحسن علي بن محمد بن عراق الكناني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٩٦٣هـ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠١هـ.

٧٨- تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، المنسوب إلى عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، المتوفى ٦٨هـ، جمعه محمد بن يعقوب الفيروز آبادي، رحمه الله، المتوفى ٨١٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٧٩- توضيح المشتبه، حافظ شمس الدين ذهبي، رحمه الله، متوفى ٧٤٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٤هـ.

٨٠- تهذيب الأسماء واللغات، إمام محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٧٦هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

٨١- تهذيب تاريخ دمشق الكبير، الإمام الحافظ أبو القاسم علي المعروف بابن عساكر الشافعي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٧١هـ، دار المسيرة، بيروت، الطبعة الثانية ١٣٩٩هـ.

٨٢- تهذيب التهذيب، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٢هـ، دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد دكن، ١٣٢٥هـ.

٨٣- تهذيب سنن أبي داود، الإمام ابن قيم الجوزية، رحمه الله، المتوفى ٧٥١هـ،

مطبعة أنصار السنة المحمدية، ١٣٦٧هـ.

٨٤- تهذيب الكمال، حافظ جمال الدين أبو الحجاج يوسف بن عبد الرحمن مزى، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٢هـ، مؤسسة الرسالة، طبع أول، ١٤١٣هـ.

٨٥- الثقات (كتاب الثقات)، حافظ أبو حاتم محمد بن حبان بستي، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٥٤هـ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، ١٣٩٣هـ.

٨٦- جامع الأصول من حديث الرسول، علامه مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد بن الأثير الجزري، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٠٦هـ، دار الفكر، بيروت.

☆- جامع البيان (ديكهئے، تفسير الطبري).

٨٧- جامع الترمذي (سنن ترمذي)، إمام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٧٩هـ، ايج ايم سعيد كمپنى، كراچى/ دار إحياء التراث العربي.

٨٨- الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير، الإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

☆- الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي).

٨٩- جامع المسانيد والسنن، الإمام المحدث إسماعيل بن عمر ابن كثير الدمشقي، رحمه الله، المتوفى ٧٧٤هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٣هـ.

٩٠- الجرح والتعديل، الإمام الحافظ عبد الرحمن بن أبي حاتم الرازي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٣٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ/٢٠٠٢م.

٩١- الجمع بين الصحيحين: البخاري ومسلم، الإمام محمد بن الفتوح الحميدي، رحمه الله، المتوفى ٢١٩هـ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٣هـ.

٩٢- جمع الجوامع (الجامع الكبير والجامع الصغير وزوائده) الإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ.

٩٣- جمهرة أنساب العرب، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي،

رحمه الله، المتوفى٤٥٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٤هـ، الطبعة الثالثة.

٩٤- الجوهر النقي في الرد على البيهقي، المطبوع في ذيل السنن الكبرى، العلامة علاء الدين الشهير بابن التركماني، رحمه الله، المتوفى ٧٤٥هـ، نشر السنة، ملتان، باكستان.

☆- حاشية ابن عابدين (انظر رد المحتار).

٩٥- حاشية الجمل على الجلالين (الفتوحات الإلهية)، الإمام العلام سليمان الجمل، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٠٤هـ، قديمي.

٩٦- حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، الإمام العلامة محمد بن أحمد الدسوقي المالكي، رحمه الله، المتوفى ١٢٣٠هـ، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية، ١٤٢٤.

٩٧- حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف، إمام برهان الدين إبراهيم بن محمد سبط ابن العجمي الحلبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٤١هـ، شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن.

٩٨- حاشية السندي على البخاري، إمام أبو الحسن نور الدين محمد بن عبد الهادي السندي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١١٣٨هـ، دار المعرفة، بيروت.

٩٩- حاشية السندي على مسلم، المطبوع مع صحيح مسلم، الإمام أبو الحسن السندي، رحمه الله، متوفى ١١٣٨هـ، قديمي كتب خانه، كراتشي.

١٠٠- حاشية السهارنفوري، المطبوع مع صحيح البخاري، مولانا أحمد علي السهارنفوري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٩٧هـ، طبع قديمي.

١٠١- حاشية الشهاب المسماة: عناية القاضي وكفاية الراضي، على البيضاوي، القاضي شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي رحمه الله، المتوفى ١٠٦٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٠٢- الحاوي في سيرة الإمام الطحاوي، المطبوع مع شرح معاني الآثار، إمام أهل السنة العلامة محمد زاهد الكوثري، رحمه الله.

١٠٣- الخصائص الكبرى، الإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله تعالى، ٩١١هـ،

دار الكتب العلمية، بيروت.

۱۰٤- خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی (اردو) شیخ الحدیث محمد زکریا کاندهلوی رحمه الله، متوفی ۱٤۰۲ھ.

۱۰۵- خلاصة الخزرجي (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال)، علامه صفي الدين خزرجي، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ۹۲۳ھ کے بعد، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب.

۱۰۶-دائرہ معارف اسلامیہ(اردو)،اساتذہ جامعہ پنجاب،دانش گاہ پنجاب،لاہور،نقش ثانی ۱۹۸۰م۔

۱۰۷- الدر المختار، علامة علاء الدين محمد بن علي بن محمد الحصكفي، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ۱۰۸۸ھ، مكتبة عارفين، پاکستان چوک، کراچی.

۱۰۸- دلائل النبوة، الحافظ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ٤۵۸ھ، مکتبه أثرية، لاهور.

۱۰۹- الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، أبو الفضل عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطي، رحمه الله، المتوفى ۹۱۱ھ، إدارة القرآن كراتشي، الطبعة الأولى، ۱٤۱۲ھ.

۱۱۰- ديوان الحماسة (المحشى)، أبو تمام حبيب بن أوس الطائي، رحمه الله، المتوفى ۲۰۲ھ، دار الحديث ملتان، باكستان.

۱۱۱- ذخائر المواريث في الدلالة على مواضع الحديث، العلامة عبد الغني بن إسماعيل بن عبد الغني النابلسي، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ۱۲٤۳ھ، دار المعرفة، بيروت.

۱۱۲- رد المحتار، علامه محمد أمين بن عمر بن عبدالعزيز عابدين شامي، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ۱۲۵۲ھ، مكتبة رشيديه، کوئٹه.

۱۱۳- رسالة شرح تراجم أبواب البخاري، (مطبوعه مع صحيح البخاري)، حضرت مولانا شاه ولي الله، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ۱۱۷٦ھ، قديمي.

۱۱٤- رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب، تاج الدين أبو النصر عبد الوهاب بن علي السبكي، رحمه الله، المتوفى ۷۷۱ھ، عالم الكتب، بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۱۹ھ.

☆– روائع البيان (انظر تفسير آيات الأحكام).

١١٥– روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، أبو الفضل شهاب الدين سيد محمود آلوسي بغدادي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٢٧٠هـ، مكتبه إمداديه، ملتان.

١١٦– الروض الأنف في تفسير أحاديث السيرة النبوية لابن هشام، الإمام المحدث أبو القاسم عبد الرحمن السهيلي، رحمه الله، المتوفى ٥٠٨هـ، عبد التواب اكيڈمی، ملتان.

١١٧– زاد المعاد من هدي خير العباد، حافظ شمس الدين أبو عبدالله بن أبي بكر المعروف بابن القيم، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٥١هـ، مؤسسة الرسالة.

١١٨– سبل السلام شرح بلوغ المرام، السيد الإمام محمد بن إسماعيل الصنعاني المعروف بالأمير، رحمه الله، المتوفى ١١٨٢هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الخامسة.

١١٩– سنن ابن ماجه، إمام أبو عبد الله محمد بن ماجه، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٧٣هـ، قديمی/ دارالكتاب المصري، قاهره.

١٢٠– سنن أبي داود، إمام أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٧٥هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى / دار إحياء السنة النبوية.

١٢١– سنن الدارقطني، حافظ أبو الحسن علي بن عمر الدار قطني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٨٥هـ، دار نشر الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ/٢٠٠٢م.

١٢٢– سنن الدارمي، إمام أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٥٥هـ، قديمي.

١٢٣– سنن سعيد بن منصور، الإمام الحافظ سعيد بن منصور بن شعبة الخراساني المكي، رحمه الله، المتوفى ٢٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٢٤– السنن الصغرى للنسائي، إمام أبو عبد الرحمن بن شعيب النسائي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٠٣هـ، قديمی/ دارالسلام رياض.

١٢٥– السنن الكبرى للنسائي، إمام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي، رحمه

الله تعالىٰ، متوفى ٣٠٣ھ، نشر السنة، ملتان.

١٢٦- السنن الكبرى للبيهقي، إمام حافظ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٢٧- سير أعلام النبلاء، حافظ أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨ھ، مؤسسة الرسالة.

☆- السير الكبير (انظر كتاب السير الكبير).

١٢٨- السيرة الحلبية (أنسان العيون)، علامه علي بن برهان الدين الحلبي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٠٤٤ھ، المكتبة الإسلامية، بيروت.

١٢٩- السيرة النبوية، الإمام أبو محمد عبد الملك بن هشام المعافري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢١٣ھ، مطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي بمصر، ١٣٥٥ھ، والمكتبة العلمية، بيروت.

١٣٠- شرح علل الترمذي، الإمام الحافظ ابن رجب الحنبلي، رحمه الله، المتوفى ٧٩٥ھ.

١٣١- الشرح الكبير، للإمام الدردير المالكي، رحمه الله، المتوفى ١٢٠١ھ، المطبوع من حيث المتن مع حاشية الدسوقي، رحمه الله، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٣٢- شرح التوضيح (التلويح)، العلامة سعد الدين التفتازاني الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٧٩٣ھ، مير محمد كتب خانه، كراچی.

١٣٣- شرح ابن بطال، امام أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك المعروف بابن بطال، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٤٩ھ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢٠ھ.

١٣٤- شرح الزرقاني على المؤطأ، شيخ محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني المصري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١١٣٢ھ، دار الفكر، بيروت.

١٣٥- شرح السنة، الإمام المحدث أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي، رحمه الله ٥١٦ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ھ.

☆- شرح الطيبي (ديكهئے، الكاشف عن حقائق السنن).

١٣٦- شرح سنن ابن ماجه المسمى بـ إنجاح الحاجة، الشيخ عبد الغني المجددي الدهلوي، رحمه الله، المتوفى ١٢٩٥هـ، والمسمى بـ مصباح الزجاجة، الحافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، وتعليقات لفخر الحسن المحدث الگنگوهي، رحمه الله، قديمى كتب خانه، كراتشي.

١٣٧- شرح السير الكبير، الإمام محمد بن أحمد السرخسي، رحمه الله، المتوفى ٤٩٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

☆- شرح الشفاء (انظر: نسيم الرياض).

☆- شرح القسطلاني (ديكهيے، إرشاد الساري).

١٣٨- شرح الكرماني (الكواكب الدراري) علامه شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرماني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٨٦هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

١٣٩- شرح مشكل الآثار، الإمام المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، رحمه الله، المتوفى ٣٢١هـ، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية، ١٤٢٧هـ.

١٤٠- شرح معاني الآثار، الإمام المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، رحمه الله، المتوفى ٣٢١هـ، مير محمد، آرام باغ، كراچى.

☆- شرح المهذب (ديكهيے، المجموع).

١٤١- شرح النقاية، الإمام علي بن محمد سلطان القاري الحنفي، رحمه الله، المتوفى ١٠١٤هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى، كراچى.

١٤٢- شرح النووي على صحيح مسلم، إمام أبو زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٧٦هـ، قديمي.

١٤٣- الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ، للإمام القاضي عياض المالكي اليحصبي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٢هـ.

١٤٤- الشمائل المحمدية، الإمام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٧هـ.

١٤٥- الصحاح (قاموس عربي - عربي)، الإمام إسماعيل بن حماد الجوهري، رحمه الله، المتوفى ٣٩٣هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٨هـ.

١٤٦- الصحيح للبخاري، إمام أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه الله تعالى، المتوفى ٢٥٢هـ، قديمي كتب خانه، كراچی / دار السلام، رياض، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

١٤٧- الصحيح لمسلم، إمام مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٦١هـ، قديمي كتب خانه، كراچی / دار السلام، رياض.

☆- الضعفاء الكبير (انظر كتاب الضعفاء الكبير).

١٤٨- الطبقات الكبرى، الإمام أبو محمد بن سعد، رحمه الله، المتوفى ٢٣٠هـ، دار صادر بيروت.

١٤٩- طرح التثريب في شرح التقريب، إمام زين الدين، أبو الفضل عبد الرحيم بن الحسين العراقي، المتوفى ٨٠٦هـ، وولده الحافظ أبو زرعة العراقي، المتوفى ٨٢٦هـ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة مكرمة.

١٥٠- العلل الواردة في الأحاديث النبوية، الشيخ الإمام أبو الحسن علي بن عمر الدار قطني، رحمه الله، المتوفى ٣٨٥هـ، دار طيبة، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ.

١٥١- العلل المتناهية في الأحاديث الواهية، الإمام عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله، المتوفى، ٥٩٧هـ.

١٥٢- عمدة القاري، الإمام بدر الدين أبو محمد بن محمود أحمد العيني، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٥هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

١٥٣- غريب الحديث، الإمام أحمد بن محمد الخطابي البستي، رحمه الله، المتوفى ٣٨٨هـ، جامعة أم القرى، مكة المكرمة، ١٤٠٢هـ.

۱۵۴-الفاروق،مولانا شبلی نعمانی،دارالاشاعت،کراچی۔

١٥٥- فتاوىٰ قاضي خان بهامش الفتاوىٰ الهندية (العالمكيرية)، الإمام فخر الدين حسن بن منصور الفرغاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٩٢هـ، نوراني كتب خانه پشاور.

١٥٦- الفتاوىٰ الهندية (العالمكيرية)، العلامة الإمام الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند، نوراني كتب خانه، پشاور.

١٥٧- فتح الباري شرح صحيح البخاري، الإمام زين الدين عبد الرحمن بن أحمد ابن رجب الحنبلي، رحمه الله، المتوفى ٧٩٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٧هـ.

١٥٨- فتح الباري، حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٢هـ، دار الفكر، بيروت.

١٥٩- فتح الملهم، شيخ الإسلام علامه شبير أحمد عثماني، رحمه الله، متوفى ١٣٦٩هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

١٦٠- فتح القدير (تفسير) الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير، الإمام محمد بن علي الشوكاني، رحمه الله، المتوفى ١٢٥٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٦١- فتح القدير، إمام كمال الدين محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الهمام، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٦١هـ، مكتبه رشيديه، كوئٹه.

١٦٢- فتوح البلدان، الإمام الجغرافي أحمد بن يحيى بن جابر بن داود البلاذُري، رحمه الله، المتوفى٢٧٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٠٣هـ.

١٦٣- الفردوس بمأثور الخطاب، أبو شجاع شيرويه بن شهردار بن شيرويه الديلمي الهمذاني، المقلب بـ إلكيا، رحمه الله، المتوفى ٥٠٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٦٤- الفقه الحنفي وأدلته، الشيخ أسعد محمد سعيد الصاغرجي، حفظه الله، دار الكلم الطيب، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٢٤هـ.

١٦٥- فيض الباري، إمام العصر علامه أنور شاه كشميري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى

١٣٥٢هـ، مطبعة دار المامون، الطبعة الأولى.

١٦٦- فيض القدير شرح الجامع الصغير، العلامة محمد عبد الرؤوف المناوي، رحمه الله، المتوفى ١٠٣١هـ، دار الكتب العلمية، الطبعة الثالثة، ١٤٢٧هـ.

١٦٧- القاموس الوحيد، مولانا وحيد الزمان بن مسيح الزمان قاسمي كيرانوي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٤١٥هـ/١٩٩٥م، إداره اسلاميات، لاهور ـ كراچى.

١٦٨- قواعد في علوم الحديث، العلامة المحقق ظفر أحمد العثماني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٣٩٤هـ، إدارة القرآن، كراچى.

١٦٩- الكاشف، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨هـ، شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، طبع أول ١٤١٣هـ.

١٧٠- الكاشف عن حقائق السنن، (شرح الطيبي) إمام شرف الدين حسين بن محمد بن عبد الله الطيبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٣هـ، إدارة القرآن، كراچى.

١٧١- الكامل في التاريخ، علامه أبو الحسن عز الدين علي بن محمد ابن الأثير الجوزي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٣٠هـ، دار الكتب العربي، بيروت.

١٧٢- الكامل في ضعفاء الرجال، إمام حافظ أبو أحمد عبد الله بن عدي جرجاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٢٥هـ، دار الفكر، بيروت.

☆- كتاب أخبار المدينة (أنظر: أخبار المدينة).

☆- كتاب أخبار مكة (انظر: أخبار مكة).

☆- كتاب الأسماء المبهمة (انظر: الأسماء المبهمة).

١٧٣- كتاب الأم (الأم)، إمام محمد بن ادريس الشافعي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٠٤هـ، دار المعرفة، بيروت، طبع ١٣٩٣هـ/١٩٧٣م.

١٧٤- كتاب الأموال، الإمام حميد بن مخلد بن قتيبة ابن زنجويه، رحمه الله، المتوفى ٢٥١هـ، مركز فيصل للبحوث.

١٧٥ – كتاب الأموال، الإمام أبو عبيد القاسم بن سلام الهروي الأزدي، رحمه الله، المتوفى ٢٢٤هـ، دار الفكر، بيروت، ١٤٠٨هـ.

١٧٦ – كتاب الخراج، الإمام أبو يوسف يعقوب القاضي، رحمه الله، المتوفى ١٨٢هـ.

١٧٧ – كتاب الخراج، الإمام يحيى بن آدم القرشي، رحمه الله، المتوفى ٢٠٣هـ، المكتبة العلمية، لاهور، باكستان، الطبعة الاولى، ١٩٧٤م.

١٧٨ – كتاب السير الكبير، الإمام محمد بن الحسن الشيباني، رحمه الله، المتوفى ١٨٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٧٩ – كتاب السنة، الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الضحاك بن مخلد الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٨٠ – كتاب الضعفاء الكبير، أبو جعفر محمد بن عمر بن موسىٰ بن حماد العقيلي المكي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٢٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٨١ – كتاب العين، الإمام أبو عبد الرحمن خليل بن أحمد الفراهيدي، رحمه الله، المتوفى ١٧٠هـ، دار ومكتبة الهلال.

١٨٢ – كتاب المبسوط، الإمام شمس الأئمة أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٨٣هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٣٩٨هـ.

١٨٣ – كتاب المجروحين من المحدثين، الإمام محمد بن حبان البستي، رحمه الله، المتوفى ٣٥٤، دار الصميعي، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ.

١٨٤ – كتاب المغازي، الإمام محمد بن عمر الواقدي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٢٠٧هـ، مؤسسة الأعلمي، بيروت.

١٨٥ – كتاب الميسر في شرح مصابيح السنة، الإمام أبو عبد الله الحسن التوربشتي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦٦١هـ، مكتبة مصطفىٰ نزار الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٢هـ.

١٨٦ – الكتب الستة (موسوعة الحديث الشريف) بإشراف ومراجعة فضيلة الشيخ

صالح بن عبد العزيز آل الشيخ، دار السلام، الرياض.

۱۸۷- الكاشف عن حقائق غوامض التنزيل ......، الإمام جار الله محمود بن عمر الزمخشري، المتوفى ٥٢٨هـ، دارالكتاب العربي، بيروت، لبنان.

۱۸۸- كشف الأستار عن زوائد البزار على الكتب الستة، الحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي ۸۰۷هـ، بتحقيق الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية، ١٤٠٤هـ.

۱۸۹- كشف الباري، شيخ الحديث حضرت مولانا سليم الله خان صاحب مدظلهم، مكتبه فاروقيه، كراچی.

۱۹۰- كشف الخفاء ومزيل الإلباس، شيخ إسماعيل بن محمد عجلوني، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ١١٦٢هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

۱۹۱- كشف المشكل من حديث الصحيحين، الإمام عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله، المتوفى ٥٩٧هـ، دار الوطن، الرياض، ١٤١٨هـ.

۱۹۲- الكشف والبيان، المعروف بـ (تفسير الثعلبي)، الإمام العلامة أبو إسحاق أحمد بن محمد بن إبراهيم، رحمه الله، المتوفى ٤٢٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

۱۹۳- كنز العمال، علامه علاء الدين على المتقي بن حسام الدين الهندي، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ٩٧٥هـ، مكتبة التراث الإسلامي، حلب.

١٩٤- الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري، الإمام أحمد بن إسماعيل الكوراني الحنفي، رحمه الله، المتوفى ۸۹۳هـ، دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٩هـ.

١٩٥- الكوكب الدري، حضرت مولانا رشيد احمد گنگوهی، رحمه الله تعالیٰ، متوفی ۱۳۲۳هـ، إدارة القرآن، كراچی.

☆- الكواكب الدراري (ديكهيے، شرح الكرماني).

١٩٦- لامع الدراري، حضرت مولانا رشيد احمد گنگوهی، رحمه الله تعالیٰ،

متوفى ١٣٢٣ھ، مكتبه إمداديه، مكة مكرمة.

١٩٧- لسان العرب، أبو الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور افريقي مصري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧١١ھ، نشر ادب الحوزة، قم، ايران، ١٤٠٥ھ، ودار صادر، بيروت.

١٩٨- لسان الميزان، الحافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني، رحمه الله، متوفى ٨٥٢ھ، بتحقيق الشيخ عبد الفتاح، رحمه الله، دار البشائر الإسلامية، الطبع الأول، ١٤٢٣ھ.

١٩٩- المؤطأ، الإمام مالك بن أنس، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٧٩ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٢٠٠- المؤطأ، الإمام محمد الحسن الشيباني، رحمه الله، المتوفى ١٨٩ھ، قديمى كتب خانه، كراچى.

٢٠١- المتواري على تراجم أبواب البخاري، علامه ناصر الدين أحمد بن محمد المعروف بابن المنير الاسكندراني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٨٢ھ، مظهري كتب خانه، كراچى.

٢٠٢- مجمع بحار الأنوار، علامه محمد بن طاهر پتني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٩٨٢ھ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، ١٣٩٥ھ.

٢٠٣- مجمع الزوائد، إمام نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٠٧ھ، دار الفكر، بيروت.

٢٠٤- المجموع (شرح المهذب)، إمام محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٧٦ھ، شركة من علماء الأزهر.

٢٠٥- مجموعه رسائل ابن عابدين، العلامة المحقق السيد محمد امين آفندي الشهير بابن عابدين، رحمه الله، المتوفى ١٢٥٢ھ، مكتبه عثمانيه، كوئٹه.

٢٠٦- المحلى، علامه أبو محمد علي أحمد بن سعيد بن حزم، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٥٦ھ، الكتب التجاري، بيروت / دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٠٧- المدونة الكبرىٰ، الإمام مالك بن أنس، رحمه الله، المتوفى ١٧٩ھ، دار

صادر، بيروت.

۲۰۸- مرقاة المفاتيح (شرح مشكاة المصابيح)، علامه نور الدين علي بن سلطان القاري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ١٠١٤هـ، مكتبه إمداديه، ملتان، ودار الكتب العلمية، بيروت.

۲۰۹- المستدرك على الصحيحين، حافظ أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوري، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٤٠٥هـ، دار الفكر، بيروت.

۲۱۰- مسند أبي داود الطيالسي، الإمام المحدث سليمان بن داود بن الجارود، رحمه الله، المتوفى ٢٠٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

۲۱۱- مسند أبي يعلى الموصلي، الإمام شيخ الإسلام أبو يعلى أحمد بن علي الموصلي، رحمه الله، المتوفى ٣٠٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ.

۲۱۲- مسند أحمد، إمام أحمد بن حنبل، رحمه الله تعالىٰ ،متوفي ٢٤١هـ، المكتب الإسلامي، دار صادر، بيروت.

۲۱۳- مسند إسحاق بن راهويه، الإمام إسحاق بن إبراهيم بن مخلد بن راهويه الحنظلي، رحمه الله، المتوفى ٢٣٨هـ، مكتبة الإيمان، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ.

۲۱٤- مسند البزار (البحر الزخار)، الإمام أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار، رحمه الله، المتوفى٢٩٢هـ، مؤسسة علوم القرآن، مكتبة العلوم والحكم، بيروت، والمدينة المنورة، ١٤٠٩هـ، الطبعة الأولى.

۲۱۵- مسند الحميدي، إمام أبو بكر عبد الله بن الزبير الحميدي، رحمه الله تعالى، متوفى ٢١٩هـ، المكتبة السلفية، مدينة منوره.

۲۱٦- المسوى مع المصفى، الإمام ولي الله الدهلوي، رحمه الله، المتوفى١١٧٦هـ، كتب خانه رحيميه، دهلي.

۲۱۷- مشارق الأنوار على صحاح الآثار، القاضي أبو الفضل عياض بن موسى بن عياض اليحصبي البستي المالكي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ، دار التراث.

٢١٨- مشكاة المصابيح، شيخ أبو عبد الله ولي الدين خطيب محمد بن عبد الله، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٣٧ھ کے بعد، قديمي.

٢١٩- المصنف لابن أبي شيبة، حافظ عبد الله بن محمد بن أبي شيبة المعروف بأبي بكر بن أبي شيبة، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢٣٥ھ، بتحقيق الشيخ محمد عوامة، حفظه الله، دار قرطبة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٧ھ.

٢٢٠- المصنف لعبد الرزاق، الإمام عبد الرزاق بن همام صنعاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٢١١ھ، مجلس علمي، كراچى، ودار الكتب العلمية، بيروت.

٢٢١- المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، الحافظ ابن حجر العسقلاني، رحمه الله، المتوفى ٨٥٢ھ، دار الباز، مكة المكرمة.

٢٢٢- معالم السنن، الإمام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٨٨ھ، مطبعة أنصار السنة المحمدية، ١٩٤٨م/١٣٦٧ھ.

٢٢٣- المعجم الأوسط، الإمام أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني، رحمه الله، المتوفى ٣٦٠ھ، دار الحرمين، القاهرة، ١٤١٥ھ.

٢٢٤- معجم البلدان، علامه أبو عبد الله ياقوت حموي رومي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٢٦ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٢٢٥- معجم الصحابة، الإمام الحافظ أبو الحسين عبد الباقي بن قانع البغدادي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٣٥١ھ، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، مكة المكرمة، الرياض، الطبعة الأولىٰ، ١٤١٨ھ.

٢٢٦- المعجم الكبير، إمام سليمان بن أحمد بن ايوب الطبراني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٦٠ھ، دار الفكر، بيروت.

٢٢٧- المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي، أ-وي- منسنك، و ي-پ- منسنج، مطبعة بريلي في مدينة ليدن ١٩٦٥م.

٢٢٨ – معجم مقاييس اللغة، إمام أحمد بن فارس بن زكريا قزويني رازي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٣٩٥هـ، دار الفكر، بيروت.

٢٢٩ – المعجم الوسيط، دكتور إبراهيم أنس، دكتور عبدالحليم منتصر، عطية الصوالحي، محمد خلف الله أحمد، مجمع اللغة العربية، دمشق.

٢٣٠ – المعرفة والتاريخ، أبو يوسف يعقوب بن سفيان الفسوي الفارسي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٩هـ.

٢٣١ – معرفة السنن والآثار، الإمام أبو أحمد بن الحسين البيهقي، رحمه الله، المتوفى ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٢هـ.

٢٣٢ – معرفة الصحابة، الإمام الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٤٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٢هـ.

☆– مغازي الواقدي (انظر كتاب المغازي).

٢٣٣ – المغرب، أبو الفتح ناصر الدين مطرزي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٦١٠هـ، إدارة دعوة الإسلام، كراتشي.

٢٣٤ – المغني، إمام موفق الدين أبو محمد عبد الله بن أحمد بن قدامة، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٢٠هـ، دار الفكر، بيروت.

☆– مفاتيح الغيب (انظر التفسير الكبير).

٢٣٥ – المفردات في غريب القرآن، العلامة حسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني، رحمه الله، المتوفى ٥٠٢هـ، قديمي كتب خانه، كراتشي.

٢٣٦ – المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، الإمام أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي، رحمه الله، المتوفى ٦٥٦هـ.

☆– مقدمة فتح الباري، (ديكهئے، هدي الساري).

٢٣٧ – مكمل إكمال الإكمال، الإمام أبو عبد الله محمد بن محمد بن يوسف

السنوسي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٨٩٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٣٨- المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، الإمام أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد ابن الجوزي، رحمه الله، المتوفى ٥٩٧، دار صادر، بيروت، ١٣٥٨هـ، الطبعة الأولى.

٢٣٩- المنتقى شرح المؤطأ، القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف الباجي، رحمه الله، المتوفى ٤٩٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولى، ١٤٢٠هـ.

٢٤٠- منهاج السنة النبوية، الإمام الهمام أبو العباس أحمد ابن تيمية الحراني، رحمه الله، المتوفى ٧٢٨هـ، مؤسسة قرطبة، ١٤٠٦، الطبعة الأولى.

٢٤١- موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، الإمام أبو الحسن علي بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله، المتوفى ٨٠٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٤٢- المواهب اللدنية المطبوع مع الشمائل المحمدية، الإمام الشيخ إبراهيم بن محمد بن أحمد الشافعي البيجوري، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ١٢٧٧هـ، فاروقى كتب خانه، ملتان.

٢٤٣- الموضوعات، الإمام أبو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله تعالىٰ، المتوفى ٥٩٧هـ، قرآن محل، اردو بازار كراچى، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ.

٢٤٤- موسوعة الإمام الشافعي (كتاب الأم)، الإمام المحدث الفقيه محمد بن إدريس الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٢٠٤هـ، دار قتيبة، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ.

٢٤٥- ميزان الاعتدال في نقد الرجال، حافظ شمس الدين محمد أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٧٤٨هـ، دار إحياء الكتب العربية، مصر، ١٣٨٢هـ.

٢٤٦- نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض، الإمام شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي، رحمه الله، المتوفى ١٠٦٩هـ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢١هـ.

٢٤٧- نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، الحافظ جمال الدين عبد الله بن يوسف الزيلعي رحمه الله، المتوفى ٧٦٢هـ، مؤسسة الريان، بيروت / دار القبلة للثقافة

الإسلامية، جدة، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ.

٢٤٨- النكت الظراف على الأطراف، الإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٨٥٢هـ، المكتب الإسلامي، بيروت.

٢٤٩- النهاية في غريب الحديث والأثر، علامه مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٠٦هـ، دار إحياء التراث العربي بيروت.

٢٥٠- الوابل الصيب في الكلم الطيب، أبو عبد الله محمد بن أبي بكر الزرعي الدمشقي، المعروف بابن القيم، رحمه الله، المتوفى ٧٥١هـ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٥هـ.

٢٥١- وفيات الأعيان، قاضي شمس الدين أحمد بن محمد المعروف بإبن خلكان، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٦٨١هـ، دار صادر، بيروت.

٢٥٢- الهداية، برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٩٣هـ، مكتبه شركت علميه، ملتان، ومكتبة البشرىٰ، كراتشي، الطبعة الأولى، ١٤٢٨هـ.

٢٥٣- هدى الساري (مقدمة فتح الباري)، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالىٰ، متوفى ٥٩٣هـ، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ.